

تراغی تزیو
ام

WWW.PAKSOCIETY.COM

تم آخری جزیرہ ہو

۱۱

نور

مسکراہٹ کا ہر اکب راز ملاقات سے تھا
 میری آنکھوں میں چھپا تم بھی تیری ذات سے تھا
 تو نے جا نہیں اس دل کی تمنا کیا ہے
 کچھ تعلق تیرا مجھ سے میرے جذبات سے تھا
 یاد کرو تیری ہر بات و مانا میں نے
 خواہش دل کا تعلق بھی عنایات سے تھا
 صبح کی تازہ ہوا میں بھی زہر شامل تھا
 شب کے اس ظلم کا انداز تیری ذات سے تھا
 دل جو نہ تو بدن بھی ہوا بڑھ بڑھ
 سلسلہ جسم و دل کا میرے جذبات سے تھا
 بھولنے والے تیری یاد کے لہجوں کی قسم!
 کس قدر حسن تیری یاد کے لمحات سے تھا
 کوئی بھی اس نہیں زیست بھی ہے بے ستمی!
 میرے سانسوں کا تعلق بھی میرے حالات سے تھا
 بات کرتا ہوں تو وہ سامنے آ جاتا ہے
 اس طرح ربط سحاب اس کے خیالات سے تھا

ماہوں کی کہ یہ "میرے ساتھ سے کہو" کے بعد
 ایک نئی تخلیق تھی، مجھے پہلے ناول کی پسند تھی اور
 مہیولیت کا اندازہ تو تھا مگر جو پذیرائی اور مدح
 سرائی ہوئی اس کا گمان تک نہ تھا، اس دوران
 میری بہت سی ریٹورز بہنوں نے مجھ سے کاسٹیک
 کیا اور اس ناول کی تعریف میں زمین و آسمان
 کے قلابے بھرتی رہیں، تب میں بھی انکساری سے
 مسکرائی تو بھی حیرانی سے اور بھی شکر سے، اور
 اکثر نوزیہ نے آئی سمیت دیگر لوگوں کو یہ بتا کر جب
 حیران کر لی کہ یہ میرا سب سے پہلا طویل ناول
 تھا اور میرے خیال میں سب سے ایویں سا تھا تو
 وہ دنگ رہ جاتیں، ایسے میں تجھے بہت لطف آیا

میرے ساتھ سے کہو" کے بعد "تم آخری
 جزیرہ ہو" میرے کیریئر کی دوسری بڑی کہانی جو
 میں اللہ کے فضل و کرم سے اور نوزیہ نے اپنی ادارہ جانا
 کی محبت میں آپ کے سامنے پیش کرنے جا رہی
 ہوں دعا گو ہوں خدا اس میں بھی مجھے سکون خوشی
 راحت اور کامیابی سے ہمکنار کرے، میرے
 والدین، بھائی، بہنیں جو کامیابی کے اس سفر میں
 میری خوشی میں میرے سب مسکراتے رہے یونہی
 شاد آباد اور ملین رہیں خدا انہیں اور میرے
 پیارے وطن عزیز کو تاقیامت سلامت اور آباد
 رکھے آمین تم آمین۔
 اس ناول کے بارے میں میں یہ کہتا



نہ تارا ان کی حیرانی محسوس کر کے، ڈیزقار میں اور یہ محض ایک بات نہیں تھی، اس میں شک نہیں کہ میرے جتنے بھی طویل ناول ہیں ان میں سب سے کم دلچسپ سنواری "میرے ساحر سے کہو" کی تھی، اس کے بعد میں نے مزید طویل ناول لکھے اور ان کے سبھی ایک سے بڑھ کر ایک شاہکار تخلیق ہوئے اور یہ بلاشبہ میرے رب کا بہت بڑا احسان ہے، کہ اس نے مجھے قلم تھمایا اور مجھے لکھنا سکھایا اور اس کے سنے میں رب غنیم کا جتنا بھی شکر ادا کروں کم ہوگا۔

اس ناول کا تھیم اس کے کردار پچھلے ناول سے کہیں زیادہ دلچسپ فکر انگیز اور شاندار ہے آپ غور کریں تو اس معاشرے میں ہر قسم کے انسان آپ کو ملیں گے، میں نے انہی میں سے چند کرداروں کو چنا اور انہیں آپ کے سامنے پیش کر دیا ہے، آپ معاذ، زینب، پرینیاں جہان اور ژالے کو اپنے آس پاس پائیں گے، خاموش شخصیتیں، شوریدہ اور جنونی شخصیتیں اور انہی رنگوں کے درمیان نفرت کے رنگ بھی اس ناول سے تھلکتے ہوئے آپ کو ملیں گے اپنے فطری بنے ساختی کے ساتھ آپ اگر ان سے نفرت نہ کریں تو یہ سب اپنی جگہ یہ بہت خاص ہیں، میں نے شعوری کوشش کی ہے کہ اپنی تحریر میں اصلاح کے نکھار کے ساتھ مذہب کو بھی شامل کر کے اپنا وہ فریضہ ادا کر سکوں جس کا ہمیں دین اسلام حکم دیتا ہے، دین کے معاملے میں وہ جھولی جھولی غلطیاں جو ہم کرتے رہتے ہیں شرک کہ کلمات ادا کرتے ہیں وہ لاپرواہیاں جن سے غور کرنے کی بھی فرصت نہیں اپنے انداز میں نگاہ کرنے کی کوشش کی ہے، اس ناول میں بھی میری کہانی کا موضوع بہت ہے میری ہر کہانی کا سلسل موضوع محبت ہی ہے، میں محبت سے دنیا میں سبھی نہیں لے سکتی، میرے قلم کا ہر ناول محبت سے ہی جڑا ہوا ہے اس ناول کے کردار کسی نہ کسی

انداز میں آپ کو ایک ہی زنجیر سے بندھے ہوئے نظر آئیں گے اور وہ زنجیر محبت کی زنجیر ہے، اس میں اگر الجھنیں ہیں تو جھنیں بھی ملیں گی، اس میں محبت سے تو نفرت بھی ہوگی، یہی زندگی ہے تو یہی زندگی کے رنگ، یہاں محبت کے بہت سے رنگ ہیں بہت مختلف انداز ہیں، معاذ کی محبت کا انداز سب سے جداگانہ ہے اور مجھے اس کی محبت کا انداز اس لئے بھی بھایا ہے کہ وہ میرا بہت لاڈلا قسم کا کریلیٹر ہے اس ایک کریلیٹر پر جو مرکزی بھی نہیں ہے میں نے بہت محنت کی اس کے بہت ناز اٹھائے ہیں میں نے، مجھے پوری امید ہے میری طرح آپ کا بھی یہ اتنا ہی لاڈلا بن جائے گا۔

میرے لکھنے کا انداز یہ ہے کہ میں اپنے سوچے ہوئے پلاٹ کے مطابق لکھتی ہوں اسے قارئین کی آراء سے ترمیم دینا یا موزنا توڑنا مجھے ہرگز پسند نہیں میں اپنی سوچ اپنے خیالات آپ سے شیئر کرنا چاہتی ہوں اس لئے کہ میں جتنی ہوں، محبت پیچیدہ مسئلہ نہیں ہے محبت تو حل ہے ہر مسئلے کا ہر نفرت کا یہ ہماری کہانی ہے یہ آپ کی بھی کہانی ہے یہی وجہ ہے کہ آپ کو اس میں اپنا آپ بھی نظر آئے گا، محبت ازل سے پرانا مسئلہ ہے ہر عہد میں اس میں ہر ایک انوکھا بین ضرور محسوس ہوتا ہے مجھے یقین ہے آپ اسے برہمیں گے تو آپ کی دلچسپی آخر تک برقرار رہے گی اور بھی آپ جان سکیں گے کہ کون کس لئے آخری جزیرہ ثابت ہوا ہے، خوش رہنے خوشیاں پانے اور ہمیشہ ام مریم کو اپنی دعاؤں میں شامل رکھیے گا۔

کسی نازک سے لمحے میں
کسی دن شام سے پہلے
اگر چپکے سے تیرے کان میں آ کر میں یہ کہہ دوں
مجھے تم سے محبت ہے تو تم ناراض مت ہونا
فقط اتنا سن کر دینا مجھے ہانسوں میں لے کر تم
میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر
میرے بالوں کو بھا کر
فقط اتنا ہی کہہ دینا
کہ تم پیار کے قابل نہیں ہو
یقین جانو میں تم مجھ سے
گراتا بھی کہہ دوں گے
یہی مجھ کو غیبت ہے
تمہاری یہ جو نفرت ہے
مجھے اس سے بھی محبت ہے

زینب نے آنکھیں پھیلا کر دو بار دوسہ بارہ جھانگیر کی ڈائری پہ لکھی مگر اس نظم کو پڑھا تھا پھر مسکراہٹ دبا کر ڈائری بند کر دی۔

"امیرنگ! اس کا مطلب موصوف مجھے رستم نکلے ہیں، ویسے وہ محترمہ ہیں کون جن سے ایسا درویشانہ عشق فرمایا جا رہا ہے، سوچو سوچو؟" زینب کو ماما جان نے اناٹ ڈیٹ کر کے چھماں کے ساتھ جہان کے بندرہم کی صفائی ستھرائی کو بھیجا تھا وہ یہ ہاٹ بندرہم لے کر بھاگی تو یہی کہنے لگی، حیرت تو نوریہ کو بھی ہوئی بلکہ وہ تو یقین کرنے کو ہی تیار نہ ہوئی تھی۔

"جہان بھائی اور عشقیہ شاعری تو دے۔" اس کے لہجے کے یقین و اعتماد نے زینب کو ساگ کے رکھ دیا تھا۔

"نور دے، آؤ میں تمہیں دکھاتی ہوں اپنی آنکھوں سے دیکھو جا کر پھر یقین آئے گا تمہیں، جانے کیسے آج لا کر میں بند کرنا بھول گئے۔" وہ اپنے کارنامے کو خوب بڑھا چڑھا کر پیش کر رہی تھی، نور یہ اس کا جوش و خروش اور یقین دیکھ کر کاندھے اچکا گئی۔

"اؤ کے اؤ کے جھن مان لیتے ہیں ہوگی کوئی، اس میں ایسا کچھ معیوب بھی نہیں ہے۔"

"کیوں معیوب نہیں ہے؟ ذرا تم اس نظم کے الفاظ پڑھو شرم آ جائے گی، ویسے تو بڑے شرمینے اور مہذب بنتے ہیں۔" زینب چمک کر بولی تو نور یہ نے آنکھیں سکیڑ کر اسے دیکھا۔

"تمہیں اعتراض کس بات پہ ہے شرمیلے و مہذب ہونے پہ، یا ڈائری میں نظم لکھنے پہ؟"

نور یہ کے ابرو اچکا کر بخور جائزہ لینے لگی۔ اس نے نکتہ زدہ انداز میں کاندھے جھٹک دیئے۔

"دہلوز پہ ایسا بات عجیب تو لگتی ہے تاکہ آپ کے اندر کچھ ہو باہر کچھ۔"

"یہ تو کوئی اعتراض والی بات نہیں ہے مادام ابالغرض اندران کے محبت ہے اور ظاہر ادہ نیک اطوار ہیں تو مطلب ان کی شرافت ہے۔" نور یہ کی توجیہ پہ زینب نے کوئی جواب دینے کو منہ کھولا ہی تھا کہ میرس کا درہ ازہ کھلا اور ابن زیاد نے وہاں قدم رکھے ہی تھا جانے والی نظروں سے زینب

کو دیکھا تھا۔
 "تم یہاں چاہیں کر رہی ہو اور ماما جان کا حلق سوکھ گیا تمہیں آواز نہیں دیتے، غائب تم یہاں سے ڈسٹنٹ کر داریں گیں جہاں بھائی کے بیڈروم کی؟" اس کا لہجہ طنزیہ تھا نہ سب نے ہونٹ کھینچ لیں اور کچھ کہے بغیر ایک جھٹکے سے اٹھی اور تھائی ہوئی چلی گئی نور یہ کچھ نہ کلف سی ہو کر اس کے پیچھے بس گئی مگر ابن زیاد کی مداخلت پہ رہنا پڑا۔
 "افوہ میڈم! آپ کہاں جا رہی ہیں؟ میں نے زینہ کو ماما جان کا پیغام دیا ہے بس نہیں تو یہ بھی نہیں پتہ کیا آپ یہاں تشریف لاجی ہیں۔"
 "جی بھئی وہ انچوکھی میں نے سوچا نہ سب کی کچھ ہیلب کرادوں، دونوں ممانوں کو بھی ابھی سلام کرتا ہے۔" وہ پوری طرح ازل ان پھر نے کو تیار ہی ابن زیاد کی بات کا جواب بھی جیسے مارے بندھے، باہر لڑنا زیاد نے بغور اسے دیکھے، گداز دلکشی کا پیر متا سب سراپا اور معصومیت جھلکتے دلربا نقوش وہ سچ معنوں میں حواسوں پہ چھ جایا کرتی تھی یا پھر وہی بے بس ہو گیا تھا۔
 "یہ ہیلب تم زینہ کی اس دن کرانا جب وہ میرے بیڈروم کی ڈسٹنگ کرے مجر بہ کام آئے گا۔"
 "ہی.....؟" اس نے ریشی پلکوں کو اٹھا کر اچنبھے میں گھر کر اسے دیکھا جس کی آنکھیں انجانے نساے کھ رہی تھیں۔
 "آسان یہ کالی گھٹائیں ہیں تو ہی امکان سے رات تک بارش ہوگی تم پکوزے بنانا۔" وہ کمال خواہمورتی سے بات بدل چکا تھا آخری فقرہ مخصوص حکمانہ انداز میں ادا کیا تو نور یہ مسکرا دی۔
 "پوری تو ابھی پیچھے بڑی تھی میرے بچوانوں کے لئے، میں جان چھڑا کر ادھر آگئی۔"
 "جان تو چھیننے والی نہیں ہے، مجھے پکوزوں کے ساتھ اسٹراٹجک قسم کی چائے لازماً چاہیے ویسے کتنا نام گھٹانا ہے جس قسم اس کام میں؟" وہ مسکراہٹ دبائے کھڑی پہ بندھی رست و اچ کو دیکھ رہا تھا۔
 نور یہ شہنشاہ سانس بھر کے رہ گئی۔
 "آدھے گھنٹے میں تیار ہو جا نہیں گئے۔"
 "گلد اینڈ سٹیکس ٹاکس کزن۔" وہ مسکرایا اور پلٹ کر چلا گیا، نور یہ بکن کی طرف چل دی۔
 ☆☆☆
 "زینہ! الیاں دن پکن پراٹھے تے، چھڑیاں دی آگ نہ بنے ہوئے ہونے (بیویاں دالوں کے ہاں پراٹھے یک رہے ہیں اور کواڑوں کی آگ بھی نہیں جلتی)۔" اس نے ترہن آکھوں سے جنید بھائی سے آئے ٹیبل پہ ناشتہ چھتی ہوئی اسما بھائی کو دیکھا اور ٹیبل بجا بجا کر گفتگو نے لگا، بھابھی کی ہنسی بکس گئی تھی اس مسخرے پن پہ۔
 "یار! کیا کرتا ہے اتنی سرد آہوں سے میری چائے ٹھنڈی کرے گا؟" جنید بھائی نے گویا اسے اہر سٹگایا اس نے کھا جانے والی نظروں سے انہیں بے دریغ کھنڈا۔
 "اور جو ہمارے جذبے انہیں ادرا رہا ان ٹھنڈے ہو رہے ہیں ان کا بھی کچھ پتہ ہے؟ خود تو شادی کرا کے بیٹھ گئے ہماری مرتبہ سب کی آنکھیں بند ہیں۔" لڑا کا انداز میں عورتوں کی طرح ہاتھ چا کر وہ چٹک کر بولا تو اسما بھابھی نے تبسم نظروں سے اسے دیکھا۔
 "میں ابھی تمہارا بھی ناشتہ لالی ہوں میرے بھائی بس دو منٹ مبر....."

"بات صرف ناشتے کی تھوڑا ہو رہی ہے، دو منٹ میں میرا پہلو آباد کر دیں تو دعا نہیں دوں۔" وہ بسور کر بولا تو جنید بھائی پیر دھننے لگے تھے گویا داد کی، البتہ انہر میں کھوئے جہا نکیر نے فرصت نکال کر اس پہ ایک نگاہ ڈالی تھی۔
 "دہائی نہیں ہے یہ؟ میں ایک گھنٹے سے آوازیں دے رہا ہوں کہ۔"
 "کہ میری شادی کر، اذہ میری شادی کرواؤ۔" جنید بھائی نے اس کی بات اچکی اور باقاعدہ جن اڑائی محاذ نے اتنی ہی لمبی سرد آہ چھنی۔
 "ابھی اس کی نوبت کہاں آئی بھالی صاحب، ابھی تو ہم اپنی وارڈ روپ سے کوئی ٹرٹ زعمند رہے تھے، جس کے میں غائب تھے، ذرا سوچو اگر میں بھی یہی دانا ہوتا تو اتنے پارٹ بیلتا ایک ٹرٹ تک رسائی کے لئے؟" اس کے لہجے میں ایسا بے چارگی تھی جس پہ کسی کو یہ رحم نہیں آ سکتا تھا۔
 "مجھے ایک بات بتاؤ معاذ حسن تمہاری ٹرٹوں کے میں ہی آخر کیوں غائب ہوتے ہیں؟" جنید بھائی اور کی کوڑی لائے تھے، معاذ نے کسی قدر غصے سے انہیں دیکھا۔
 "مجھے کیا پتہ بنوں کو آخر مجھ سے ہی کیوں دشمنی ہے، یا پھر میری ٹرٹس کی سلائیاں ہی کیوں اہڑتی ہیں۔" زراٹھے پن سے جواب دے کر وہ باسکٹ سے پیب اٹھا کر کھانے لگا۔
 "اس لئے بھائی کہ آپ کی اپنے کپڑوں سے ہر دم کتنی جو چاری رہتی ہے، مسٹر کراچی کا ٹائل بیت کر آپ کا جی نہیں گھرا تھا بڑ مسز پاکستان کا ٹائل جینے کو جت گئے۔" اتنی پل ابن زیاد دہاں آیا تھا اور اس کی بات اچھ کر ایک طرح سے اسے چھیڑا۔
 "ابنہ تم سب جتے ہو میری ہڈی سے۔" معاذ نے ہنکارا بھر کے نخوت سے جواب دیا اور ادو کھایا سب اس کی جانب اچھا ل دیا۔
 "بالکل ریسلر گلنے گئے ہیں آپ تو ایسے اسٹریٹس کی اپنی الگ نور ہے۔" ابن زیاد نے اپنے لہجے سے جوڑ پہ نگاہیں دوڑا کر تقاریر سے کال کر کھڑے کیے تو معاذ زور سے ہنس کر اسے کھسکا کے رکھا گیا۔
 "انور کھٹے ہیں۔" معاذ کے شرارتی لہجے میں شوخی کا رنگ بھی تھا زیاد کی نجات کچھ اور بڑھ گئی تو دانستہ بات کا رخ بدل دیا اور اس کا اچھا لہوا سب اس کی آنکھوں کے سامنے چھا کر بولا تھا۔
 "بات اڑوں؟"
 "یہ سب ہے ابھی تک یہ بھی نہیں جان سکتے؟" معاذ کے ہتھے وہ چڑھ گیا تھا تو اب بہت دیر تک اسے زنج کر رہا تھا گویا۔
 "وہ مجھے بھی نظر آ رہا ہے مگر آپ نے بھوکہ کیوں دیا مجھے؟"
 "کھا لو کھا لو، سینے کپتے ہیں تھوڑے کھانے سے بندہ بالکل ویسے بھی ہو سکتا ہے جیسے۔"
 "بھائی....." زیاد زور سے چایا معاذ پہ جیسے مطلق اثر نہیں ہوا تھا کاندھے جھٹک کر مسکرائے گیا، زیاد دن پھر بچتا ہوا وہاں سے واک آؤٹ کر گیا تھا، ماما جان اس کا ناشتہ بھابھی کے ساتھ لے کر آئیں تو وہ ایک بار پھر ان کے پیچھے پڑ گیا تھا۔
 "ماما..... ماما جان میں آپ سے خفا ہوں۔"
 "اب میں ذرا غ ہوں بیٹے تمہاری ٹرٹ پہ میں لگا دیتی ہوں، بلکہ تب سے ہاتھ پہ ہاتھ

دھرے بیٹھے بو، زینب نے ہی کہہ دیتے۔ "معاذ نے خشکی سے انہیں دیکھا تھا پھر منہ بسور کر بولا۔

"آپ کو پتہ بھی ہے وہ خود اس وقت ہوا کے گھوڑے پر سوار ہوئی ہے۔"

"چلو میں لگا دیتی ہوں ادا اپنی شرٹ۔" بھابھی جنید کو تیار کر چکی تھیں اپنا خد، ت پیش کیوں۔

"اٹا مارے بھئی اسامیری ہائی کہاں رکھ گئی ہوں کے ہی نہیں دے رہی۔" تبھی جنید بھائی جو ناشتے سے فراغت کے بعد تیار ہونے اپنے بیڈ روم میں جا چکے تھے زور سے بولے، معاذ نے جتلانے والی قدرے مسخرانہ نظروں سے اسامی بھائی کو دیکھ لیا۔

"یہ کیسے ہو گیا انہیں الہام کہ آپ ان کے علاوہ بھی کسی اور پر نگاہ کرم ڈال رہی ہیں، جائیے جا کر ان کی ہائی باندھے کیونکہ ہائی تو مل لی ہوگی ہائی باندھنے کے بہانے وہ ڈرائیگ....."

"معاذ بہت بے شرم ہو تم۔" بھابھی شفقت سے اور حیا سے کتنی سرخ ہو گئیں، ممانے نا دہی نظروں سے اسے دیکھا مگر وہ معاذ حسن قہار طرح کے اظہار کے معاملے میں بے باک اور کھرا۔

"بھابھی بہت معصوم ہیں۔" ان کے جانے کے بعد جھینپے ہوئے انداز کو یاد کر کے حنا لیتے ہوئے ہنسا۔

"اب ہر کوئی تمہاری طرح تو نہیں ہوتا۔" جہان نے اخبار لپیٹ کے رکھا اور آہستگی سے ٹوکا۔

"ممتاز میں کس طرح کا ہوں؟" اس نے جباگیر کی ہنکھوں میں اپنی مسکراتی ہوئی شوخ نظریں گاڑ دیں۔

"جسبیں نہیں پتہ.....؟" جہان مسکرایا اور وہ ہنسنے لگا تھا۔

"میرے بھائی کا ظاہر باطن آنسنے کی مانند شفاف ہے وہ مجھے اور میں نے تو نہیں ہیں کم از کم۔"

اسی بل زینب نے آکر جہان کے برابر کرسی سجھائی تھی لہذا نامہ عم تھا کہ جہان بھی با مشکل سن پایا، اس نے چونک کر بلکہ ٹھٹھک کر زینب کی شکل دیکھی جس پر طنز یہ سکر ایٹ کا بسیرا تھا، وہ ایک دم ہونٹ بچھینچ گیا تھا۔

"چلو آؤ جن لگا دوں تمہیں، زینبی بیٹے آپ اپنے بڑے پیا اور پایا کو ناشتہ دے دینا اور جہان کو بھی۔" ماما جان نے پہلے اسے پھر زینب کو مخاطب کیا تھا جس کے چہرے پہ کام کا سنتے ہی بے زاری چھا گئی تھی۔

"میں بہت تنگ کرنے لگا ہوں نا آپ کو ماما؟" ان نے ان کے گلے میں ہاتھیں جمائیں کر کے لاڈ کرنے شروع کیے تو ماما کے ہونٹوں پر سکر ایٹ بھر گئی۔

"اس او کے مائی سن بیٹے ماؤں کو تنگ کر سکتے ہیں۔" انہوں نے گویا اس کی تخت منائی چاہی تھی اسے تیس مگر وہ ہوتی تو مٹی نا۔

"تو ماما بیویوں کو بھی تنگ کر سکتے ہیں مگر مردہ ہوں تو....." اس نے آخر میں منہ لگا لیا تھا، ماما اس کی شرارت پر مسکرائے لگیں اور من لگا کر جب وہ دوبارہ ڈائینگ ہال میں آئیں تو وہ زینب داور جہا تبیر سے نوک قصبوک میں مصروف مزے سے ناشتہ کر رہا تھا۔

"اب تمہیں دیر نہیں ہو رہی؟" انہوں نے اس کے اطمینان کو نشانہ بنا کر بے دریغ گھورا اور وہ جواب میں ڈھٹائی سے ہنسنے لگا تھا۔

"میں کون سا بال بچے دار ہوں ماما کہ تیاری میں دیر لگے، اگر بیوی ہوتی تو شاید؟ مگر....."

نہی باری قسمت۔

"سن رہے ہیں احسان آپ کا بیٹا بڑا ہو گیا ہے میرا خیال ہے اب اس کے متعلق کچھ سوچ لیں۔" ممانے اس کے آہ بھر کے تان اڑانے کے انداز میں کئی فریاد پر شوہر کو جیسے کچھ جہنیا۔

"مذاق کی عادت ہے بیگم صاحبہ۔" پایا ناشتے میں مصروف رہ کر بولے۔

"لو پایا آئی ایم دیری سیر لیں۔" معاذ نے منہنا کر کہا تو چائے کا گھونٹ بھرتے ابن زیاد کو اچھو لگ گیا تھا، جہان البتہ ٹھنڈا سا سس بھر کے رہ گیا۔

"کلینف کتنے بچے جاتے ہو برخوردار؟" پایا نے اخبار لپیٹ کر رکھ دیا اس لئے کہ اب بڑے پایا جان تین اسحاق شاہ ڈائینگ ہال میں آگئے تھے اور انہیں ناشتے کے دوران اس قسم کی مصروفیات بہت تھانی تھیں اور شاہ ہاؤس میں چونکہ ہر رشتے کو بہت مقام خاصیت دی جانی تھی جنہیں احترام اور لحاظ بہت تھا۔

"نو بچے نکلتا ہوں پایا۔" معاذ نے جوں کا گاس اٹھاتے ہوئے جواب دیا۔

"بھائی صاحب آپ کے لئے چائے بناؤں یا جوں نکال دوں؟" ماما جان فوراً مستعد ہوئی تھیں۔

"چائے ساتھ میں سائیں میں تمہیں لگا دیر۔" پایا جان نے اپنی چیئر سنبھالتے خالی کر دیں پہ لگاؤ کی۔

"باتی بچے چلے گئے؟"

"ابھی کہاں شاید تیاری کے آخری مراحل میں ہوں۔" جواب ممانے دیا تھا لیکن میں بچوں کے لئے مخصوص شفقت و محبت تھی۔

"ناشتہ تو تیار ہے نا ان کا؟ آج آپ کی بھابھی بیگم کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں۔"

"خیریت ہے بھائی صاحب! میں ابھی آپ سے پوچھنے والی تھی کہ بھابھی بیگم صبح سے کمرے سے نہیں نکلتیں تو خیریت ہو۔"

"بی بی کا ہی مسئلہ ہے پرانا۔" انہوں نے آہستگی سے کہہ کر ناشتے کی جانب توجہ لگائی۔

"میں دیکھ کر آتی ہوں۔" ماما اسی وقت اٹھ گئیں۔

"معاذ آپ بی بی پیک کرو بھابھی بیگم کا۔" پایا بھی اٹھ گئے تھے، معاذ نے کسلندی سے سر اثبات میں ہلایا۔

"مما پلیز پھماں سے کہیں میرا بیک فاسٹ جلدی سے لے آئے، آج کاموں میں لگ کر دیر کرادی تجھے۔" پایا دروازے سے نکل رہے تھے جب زینب شور مچائی ہوئی آئی تھی۔

"مما تو ماما جان کے پاس چلی گئی ہیں، پھماں سے ناشتہ تم خود لے کر آؤ اور یہ روپہ اوڑھ کر ہی تم کالج جاؤ گی کیا؟ کئی مرتبہ کہا ہے تم سے جا رہے جا یا کرو، خبردار جواب میں نے کہیں

"بے میں لہر سے باہر نکلتے ہوئے دیکھا۔" وہ ایک دم ہنسنے سے اکٹھ گیا تھا، زینب اس عزت افزائی پہ ساکن نہیں رہ گئی تھی، وہ کرسی دھکیل کر بنا گیا تب اس کی شاکی نگاہیں بڑے پایا۔ جا

نمبر میں جو بے نیازی سے ناشتے میں مگن تھے جیسے ابھی ابھی چھو ہوا ہی نہ ہو ان کی لاشعلی کوڑھتے ہوئے اسے خود ہی احتجاج کو زبان کھولنا پڑی۔

”آپ دیکھ رہے ہیں پایا جان، بھائی کو کتنی انسلٹ کی ہے میری۔“ اس نے ہنسنے سے کہہ کر تھمسا۔
پایا جان دلار کے موذ میں نہیں تھے۔

”یہ انسلٹ نہیں تنبیہ تھی بیٹا جان! آپ کو خیال رکھنا چاہیے عزت دار گھرانوں کی بہو بیٹیوں کی پیمان ان کا لباس ہی ہوا کرتا ہے۔“ انہوں نے رسائیت سے کہا تو زینب دانستہ سچ کر سر جھکا گئی تھی، احتیاجاً اس نے ناشتہ نہیں کیا تھا۔

”جے آپ مجھے کانچ ڈراپ کر دیں گے؟“ اس نے کس قدر نفی سے جہا تکیر کو مخاطب کیا ہو دانستہ اسے انور کیے دوسرے لفظوں میں اس کی موجودگی میں نظروں پہ پھرے ہٹائے ہوئے تھا۔

ڈراسا پونیکا
”اچھ کلی آج نور یہ نہیں جارتی ہے نا۔“ اس کی استغماہی نظروں کو محسوس کر کے زینب نے وضاحت دی۔

اس سے پہلے کہ جہا تکیر جواب میں کچھ کہتا، حسان اور ماریہ کاغذوں پہ بیگ لڑکائے شور مچاتے آگئے۔
”ممانا شہ!“

”بڑا ہے ناشتہ آرام سے کرو، ہر وقت چینا ضروری نہیں۔“ زینب نے دونوں کو ڈانٹ کے رکھ دیا، گویا ایک طرح سے معاذ کا نصہ میں پھنسا تھا پایا جان آہستہ سے مسکرا دیے۔

”اؤکے میچور دوں گا، ناشتہ کرنے کے بعد پور نیو میں آ جانا میں تب تک مانا جان کی طبیعت پوچھاؤں۔“ جہا تکیر نے اٹھتے ہوئے بولا تو زینب نے زور سے سر جھکا تھا۔

”اب کانچ کینٹین سے کچھ کھا لیتا، دن بھر بھوکا رہنے کی ضرورت نہیں۔“ جہا تکیر نے گاڑی اشارت کرتے ہوئے ڈائٹ ایمریڈ چادر میں دو دھیا اگلے مگر خفا خفا سے چہرے والی زینب کو محض ایک نگاہ دیکھ کر تکیہ کی تھی۔

”آپ کو کیسے پتہ کہ میں نے ناشتہ نہیں کیا؟“ وہ اتنی حیران ہوئی تھی کہ بے ساختہ سوال داغ دبا جس کے جواب میں جہا تکیر کے چہرے پر موجود کبیرتا میں یکلفت اضافہ ہو گیا تھا۔

(جو زندگی میں اہم اور خاص مقام حاصل کر لیں ان کی طرف نگاہ نہ بھی کریں تو دل و روح پھر بھی متوجہ رہتی ہے آگاہی کے یہ سارے سلسلے الوہی ہوتے ہیں شاید)۔

”معاذ کی باتوں کا برا مت مانا کرو، زینب وہ دل کا برا نہیں ہے۔“ وہ جواب میں کچھ اور بولا تھا زینب کو جی بھر کے الجھن اور کوفت ہوئی۔

”ابنہد دنوں میں کون جھانکتا ہے جو بظاہر نظر آئے اسی کو دیکھا جاتا ہے، بظاہر تو آپ کو دیکھ کر بھی نہیں لگتا آپ محترم بھی کسی سے عشق فرماتے ہوں گے۔“ اس کا اوج بیک بیک گہرائی اور کانت سمیت لایا جہا تکیر نے سنانے میں گھر کر اسے دیکھا تھا اسٹیرنگ وکیل پہ ایک لمحے کو اس نے ہاتھ بہک گئے تھے زینب نے گہری نگاہ سے اس کی ہر جنبش کا جائزہ لیا۔

”حیرت ہوئی نا آپ کو ویسے وہ ذات شریف ہے کون؟“ اس کے روکھے سچے مس باہکا اشتیاق سمٹ آیا تھا، جہا تکیر نے جھینپے ہوئے ہونٹوں کے ساتھ گاڑی کی اسپینڈ بڑھائی، خاصوشی کا وقت طویل ہونے لگا تو زینب بھنجھٹی لگی۔

”جا دیں نا ہو سکتا ہے میں کوئی مدد کر سکوں۔“ اس نے گویا اکسایہ تھال لچ دے کر مگر حقیقت

”تھی کہ اندر کا اشتیاق بے چین کیے ہوئے تھا۔“
”واپس کیسے آؤ گی، از بار کو لون کر دینا تمہیں واپس یہ سب کر کے لے گا۔“

”آپ کو میری فکر میں کھلنے کی ضرورت نہیں ہے مجھے آپ!“ اس کے بات سمجھا جانے کو زینب نے سراسر اپنی انسلٹ سے تعبیر کی تھا جیسی کلس کر رہ گئی، جہا تکیر نے چپ سا دھکی تھی، کانچ گیسٹ پہ گاڑی رکھی تو زینب نے ایک جھٹکے سے دروازہ کھولا تھا۔

”ویسے میری آخر اپنی جگہ موجود ہے اور نا تم ان لمیٹڈ سے۔“ اترنے سے پہلے وہ اسے دیکھ کر مسکرائی، تو جہاں نے محض ایک نظر اسے دیکھا اور ہاتھ بڑھا کر کھلا دروازہ بند کر دیا۔

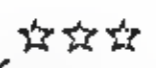
(بھٹے اپنے اصول جذبوں کی پذیرائی کا یقین نہیں ہے زینب میں انہیں پامال ہوتے نہیں دیکھ سکتا، بے بھی میں ابھی ان کی سپالی فلوں اور تاثر کو دیکھنا چاہتا ہوں کب تک تمہارے دل پہ اثر انداز ہوتے ہیں کہ.....)

ابھی کچھ دن نئے میری محبت آزمانے دو
نئے خاموش رہنے دو
سنا ہے عشق تیا ہوتو خاموشی لبوہن کر

، کون میں نائی اٹھتی ہے
ڈرا اس کی رنگوں میں خاموشی کو جھوم جانے دو
ابھی کچھ دن نئے میری محبت آزمانے دو

اسے میں کیوں بتاؤں اس کو میں نے کتنا چاہا ہے
بنایا جھوٹ جاتا ہے کہ سچی بات کی خوشبو تو خود محسوس ہوتی ہے
میر کی باتیں میری سوچیں اسے خود جان جانے دو

ابھی کچھ دن نئے میری محبت آزمانے دو



شہ باؤس میں فجر کی پہلی اذان کے ساتھ ہی سوئی ہوئی زندگی بیدار ہونے لگتی ہے تو رات کے لمحے تک یہاں زندگی اپنی تمام تر خوبیوں اور رقصینی کے ہمراہ جلوہ افروز نظر آیا کرتی ہے یہاں کا ہر شے چاہے وہ کسی بھی مزاج سے تعلق رکھتا ہو ایک دوسرے سے ایسے جڑا ہوا ہے جیسے بیج کے دانے ایک دھانگے میں پرو دیئے جاتے ہیں، یہاں رشتوں کا مان تقدس اور دلکشی پائی جاتی ہے،

احسان شاہ، اسحاق شاہ اور ارشد شاہ شاہ مین بھائیوں کی اکلوتی بہن سعدیہ شاہ ہیں جو شادی کے پسند سالوں بعد ہی بیوی کی چادر اوڑھ کر تین بچوں کے ہمراہ لوہیں تو ہمیشہ کے لئے شاہ باؤس کی محبت بھری بنا ہوں میں سانسوں، نور یہ ان کی سب سے بڑی بیٹی کا نام ہے جو عمر میں زینب کے برابر ہے اور کانچ میں نورجوا میر کی طالبہ ہے، نور یہ اور..... اور نعمان جڑواں ہیں اس سال کانچ میں آئے ہیں، جنید بھائی، اسحاق شاہ کی اکلوتی اولاد ہیں جن کی دو سال قبل شادی ہوئی اور اب ان کا ایک چھوٹا سا بیٹا سمیع ہے جو پورے شاد باؤس کے مینوں کی آنکھوں کا تارہ بنا ہوا ہے۔

ارمیا خان شاہ اور ان کی بیگم کا جواہی میں ایک حادثے میں انتقال ہو چکا ہے تب ان کا ایک ہی بیٹا تھا جہا تکیر جسے مانا اور ممانے اولاد سے بڑھ کر محبت اور اہمیت دی ہے تو دونوں بھائیوں نے بھی اپنے تئیں باپ کی کمی محسوس نہیں ہونے دی مگر اس کے باوجود جہا تکیر کی کم گوئی سنجیدگی اور متانت

انداز میں اس کے گھنٹیرے بال بکھیر دیے۔

"کب سنجیدہ اور بڑے ہو گئے معاذ!"

"شادی کر دیں رینگی سنجیدہ بھی ہو جاؤں گا اور بڑا بھی۔" وہ اگلے ہی لمحے رانٹ نکال کر بولا تو ممانے چلی بار سنجیدہ کیل سے اسے بغور دیکھا۔

"کوئی لڑکی پسند آگئی ہے؟"

"نہیں تو ہر روز ہی آجاتی ہے کوئی نہ کوئی اپنی بات کریں۔"

"خاندان میں اتنی لڑکیاں ہیں کسی ایک کا نام لے کر ہمیں اشارہ۔"

"نارنگو ڈسک ماما! ایسا سوچئے گا بھی مت۔ ساری عمر جو شکلیں دیکھی ہیں انہیں باقی کی عمر برداشت کرنے کا کم از کم میرا حوصلہ نہیں ہے۔" وہ گھبرا کر ٹوک گیا تو ممانے باقاعدہ ہنسی سے اسے دیکھا تھا۔

"آئندہ یہ فضول بات میں آپ کے منہ سے نہ سنوں معاذ حسن!"

"جی بہتر مگر میرے مسے کا بھی تو کوئی عمل نکالیں ماما آپ نے آج کا کہا تھا۔" وہ انہیں صبح مذاق میں گمنیات کا حوالہ دے رہا تھا، انداز دہائی دینے والا تھا۔

"تم ہانسی ہی سنجیدہ ہو معاذ میں تو مذاق سمجھ رہی ہوں۔" اب کے انہوں نے کس قدر تھیر میں گھر کر اسے دیکھا جو اب اس نے ٹھنڈی سانس بھری۔

خاک ہو جائیں نہ ہم

تم کو خبر ہونے تک

اس نے آہ بھری پھر چہرے پر کچھ اور بے چارگی طاری کر کے مگر چپک کر بولا تھا۔

"سنجید بھئی کی شادی کا بہت شوق تھا آپ کو ہماری مرتبہ یہ جاؤ کہاں کواچ گیا آخر؟"

"اے کے فائن میں آج ہی تمہارے پاس سے بات کر لی ہوں۔" اس مرتبہ وہ رمانیت سے گویا ہوئی تھیں۔ "نہیں ماما" کہتا چپک کر کھلکھاتا ان سے اپٹ گیا۔

☆☆☆

تو خدا ہے نہ میرا عشق فرشتوں جیسا

دونوں انہاں ہیں تو پھر کیوں اتنے تجابوں میں ملیں

معاذ نے گنگنائے ہوئے ٹی وی لاؤنج میں قدم رکھا جہاں اس وقت نوجوان پارٹی جمع تھی، ٹی وی چل ضرور رہا تھا مگر دیکھ شاید کوئی رہا ہو مقصد ٹی وی دیکھنا تھا بھی نہیں مل پھینٹا تھا، یہ برسوں پرانی اس گھر کی روایت تھی جو قائم دائم تھی، اس وقت بھی ہر کسی کو اپنی مصروفیات تھیں، جہا تھیر آفس سے ساتھ لائی فائن میں کم تھا اتنا زیادہ کے ہاتھ میں اپنے فیورٹ رائیٹر کا نیا ٹول تھا البت اس کی گنگنائت یہ نوری رد عمل ظاہر کرتے ہوئے کتاب بند کر دی۔

"آئی نو۔۔۔ آئی نو آپ ایسا کر بھی نہیں سکتے۔"

"کیا...؟" معاذ چونکا اور گرنے کے انداز میں جہا تھیر کے مقابل نشست سنبھال لی۔

"یہی تجابوں کا قبول، ویسے ایک بات آپ کو ماننا پڑے گی بھائی کہ ان تجابوں آئی مین پردہوں کا بہر حال اپنا الگ چارم ہے۔" معاذ نے کھسی اڑاتے والے انداز میں ہاتھ بلا کر عدم دلچسپی ظاہر کی اور کچھ خاصے پیئسن میگزین پہ جھکی کپڑوں کے ڈیزائمنوں پر تھمرے گرنے میں مصروف نوری یہ

سے ساتھ بیٹھی نرسب کی جانب متوجہ ہو گیا۔

"زینی اٹھو جائے بنا کر لاؤ میرے لئے۔"

"میرے لئے بھی۔" چائے کے نام یہ ابن زیاد اچھلا۔

"جہاں آپ نہیں گئے؟" نرسب نے میزین ہاتھ سے سر کا یا اور اٹھتے ہوئے جہا تھیر کو دیکھا۔

"ہاں تو بڑا نو بونے کی کیا ضرورت ہے۔" معاذ کے ٹوکنے پہ نرسب کے ساتھ جہا تھیر اور زنی و بھی اٹھ کر اسے دیکھنے لگے۔

"آپ منع کریں گے مگر کیوں؟" سوال زیاد نے کیا تھا۔

"بھئی اس قسم کی پابندی ڈاکٹر ہی لگاتے ہیں نا۔" وہ ریموٹ سے ٹی وی کی آواز بڑھاتے ہوئے مزے سے بولا تو میزوں کسپا کر ہنس پڑے۔

"یہ معاذ بھی نہ۔۔۔۔۔۔ یہ نہیں کب سدھریں گے۔" نوری یہ اس کے ساتھ تن اٹھ کر بچن تک آئی تھی مسکراتے ہوئے بولی تو نرسب نے چائے کا پانی چڑھاتے اچانک سڑ کر اس کا چہرہ بغور دیکھا تھا۔

"نوری ڈھیر یہ معاذ بھائی بڑے بھیا سے صرف معاذ کب سے ہو گئے تمہارے لئے؟"

نوری یہ بوڑھے میں کپ سیٹ کر رہی تھی شپٹا کر نظریں چرائی۔

"ک۔۔۔۔۔۔ کیا مطلب؟" اس کی بوکھلاہٹ ہر انداز سے ظاہر تھی، نرسب نے دلچسپی سے اسے دیکھا۔

"آئیں بائیں شائیں نہیں کرہ سیدھی طرح پھونو جو بھی معاملہ ہے میں اتنی بے وقوف نہیں ہوں کہ کچھ سمجھ نہ سکوں، ابھی جب وہ اندر آئے تھے تو تمہارا یہ گورڈ چٹا ہوا تھا یکدم سے قندھاری انار جیسا کیوں ہو گیا تھا اور کل سچ میں نے اپنی گھبراہٹ آنکھوں سے نہیں بالکل ٹی میں لٹک کر ان کی گاڑی کو ٹٹنٹی باندھ کر کھورتے دیکھا تھا اور آج شام کو بھی تم نے کتنے چکر اپنے میز کے لگا کر باہر سڑک کا دہر تک جائزہ لیا تھا کس کے انتظام میں اور وہ جو ہرنی! شپٹا کر تم جتنھ نے دوڑی آئی ہو وہ صرف ہماری محبت۔۔۔۔۔"

"زینی۔۔۔۔۔۔ اللہ کا واسطہ سے چپ کر جاؤ۔" نوری یہ جو آنکھیں پھاڑ کھینے منہ کے ساتھ اس کی فرمائے بھرتی زبان کے جو ہر مل خطہ کر رہی تھی گھبرا کر اس کے منہ پہ ہاتھ رکھ دیا، تو نرسب جیسے اپنی قیصر کی درستی پہ گردن اگڑا کر بولی تھی۔

"معاملہ گڑبوت نا؟" نرسب نوری پر جوش ہوئی۔

"نہیں پلیز ابھی نہیں۔" نوری کی گھبراہٹ بوکھلاہٹ نقطہ عروج پہ چاہ پہنچی۔

"اور معاذ بھائی سے؟" نرسب کو اس کی مجروح کیفیت مزادے رہی تھی، نوری نے اسے بے دریغ گھورا۔

"پھر تو کبھی بات نہیں کر دوں گی تم سے، ابھی تجھے خود پہ سب محسوس کرنا اچھا لگ رہا ہے زینی، پھر ہماری پڑھائی بھی تو ابھی ادھوری ہے۔"

"مگر میرے بھائی کو تو شادی کی بہت جلدی ہے نور بیگم! نرسب نے کھولتے ہوئے ہائی میں پتا ڈالی اس کے لئے یہ خیال خوش کن تھا کہ نوری یہ بھی بیست لڑینڈ اس کی بھابھی بن جائے گی۔

"ان پہ سب سے پہلے حق میرا ہی ہے، اپنے فکر پر جو محترم کہیں نہیں جانے واسن۔" نوری نے

مسکرا کر یقین سے کہا تو زینب نے آنکھیں تھمائی تھیں۔

"اوہو بے اتنا غرور ہے خود یہ؟" نور یہ نے کانٹے سے اجکادے تھے۔

"بے کوئی کمی مجھ میں وہ رنجش کیوں کریں گے۔" اس کا اعتماد اس دید تھا، زینب متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکی۔

"میرا راز تو لے لیا اپنے دل کی بھی خبر دے دو کچھ۔" نور یہ نے کینٹ کھول کر چاکلیٹ کو کیز کا ڈبہ نکال کر کوکیز پلیٹ میں نکالتے ہوئے کہا اسے معاذ کی پسند سے بھی سے مکمل آگاہی تھی وہ چائے کے ساتھ ہمیشہ کچھ نہ کچھ کھانا پسند کیا کرتا تھا۔

"کیا خبر دوں جب ایسا کوئی حادثہ رونما ہی نہیں ہوا، کسی نے دل یہ دستک بھی تو نہیں دی۔" اس کے ہونٹوں کی تراش یہ لہک آنے والی مسکان اس کی کہا بات کے مزنی تھی، تیمور خان کا شاندار وہ جیبر سرایا اس کے تصور میں لہرا کر گیا سو جوں کو بھی مہکا گیا تھا۔

"خیر یہ تو نہ ہو ہمارے بے حد پیارہنگ کڈ لنگ اور ڈینگ سے کزن یہ جسارت کر تو چکے ہیں بھئی تم جتنی بھی بے نیازی بر تو مگر....."

"کون جہان.....؟" زینب کے تاثرات میں غیر یقینی اور تھیر انداز آیا۔

"تو اور کس کی بات کر رہی ہوں۔" نور یہ کے کچھ کا اعتماد اور یقین ہمز تھا زینب نے زور سے سر جھکا۔

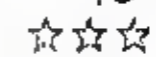
"اگر ایسا ہے بھی تو سو رہی میں نے بھی ان کے لئے اس انداز میں نہیں سوچا۔"

"نہیں سوچا تو سوچ لو نا، اتنے اچھے تو ہیں جہان بھائی۔" نور یہ جیسے سفارتی ہو گئی زینب نے اسے چھوڑا تھا۔

"شرم کر، مجھے نیک مشورہ دے رہی ہوں جیسے۔"

"انہیں پار میں مذاق نہیں کر رہی۔"

"ہیکسیس گے۔" زینب نے بے نیازی سے کانٹے سے ہٹکے اور چائے جہان کر لی پانت میں نکالنے لگی، اس کا نور یہ سے تیمور خان کے متعلق بات کرنے کا بھی کوئی ارادہ نہیں تھا۔



ہندو راز نے کو کھول کر آہستگی سے چستی وہ میرس یہ آنکلی، بوگن ویلیا کی تیل پہ لگے پھول جہز کر لیرس پہ جا بجا بکھرے بڑے تھے، درختوں کے خشک پتے جو ہر دم سبز ہوں پہ ایک بیز تہ کی صورت بن گئے رہتے تھے اس پہ گرد دھول مٹی کی ایک اور تہہ جم گئی تھی، ہیران پہ کرمی اس انہیں ہلاکم کر چکی تھی وہ دھول جوان پہ اپنا تسلط جما کر ان کا اصل رنگ چھپا چکی تھی کہیں کہیں سے جھٹک رہا تھا، ہر سو گہرا کبر تھا اور سناٹا، برقی سرد ہوا میں اس کی مثال کو پلو آزانے لگیں ساتھ ساتھ اس کے شانوں پہ بکھرے کھنے بالوں کو بھی اس نے نیچے جھانکا ہر سو کھوسوں دہرائی کا سہرا تھا اور دھول مٹی سے اٹا ہوا سفید ماربل کا فرش جس پہ خشک پتے ازے بکھرے تھے، بھی یہ گھر بھی زندگی کے احساں سے بھر پور ہوتا ہوگا۔

اس نے سوچا اور اندر تک اتری، بیت کے: حساس کو گہرا ہوتا محسوس کرنے لگی، اندر سے اذیتا کے کھانسنے کی آواز پہ وہ چونکی اور بیٹ کر دروازہ کھلتی کمرے میں آگئی، انرجی سیور اور نوب لیکس کی رہ بٹنیوں میں بھی ددا کا چہرہ کتنا زرد محسوس ہو رہا تھا۔

"پانچ دنوں پرانا" اس نے ان کا ہاتھ سہلا کر آنکھوں میں اترتے آنسوؤں کو پیچھے دھکیلا مگر آواز کی یہ کسی طرح بھی قابو نہیں رکھ پائی تھی، ددا نے ہاتھ کے اشارے سے منع کیا تو پر نیاں ان کا مکمل درست کر بی آس دان میں پھنسا اور ایندھن ڈالنے لگی۔

"کچھ بات کریں نا ددا۔" وہ پلیٹ کر ان کے سامنے کر رہی یہ آ کر بیٹھی تو انہیں بے دم سے انداز میں لیٹے دیکھ کر وحشت میں گھر گھر پکار لیا، انہوں نے آنکھیں کھولیں اور کچھ دیر است دیکھتے رہے۔

"پری بیٹا آپ کے بابا کے بہت خواہش تھی ڈاکٹر بننے کی مگر اس کی یہ خواہش جب پوری نہیں ہوئی تو اس نے تمہارے حوالے سے یہ خواب آنکھوں میں سجایا مگر پھر....."

"مجھے سب پتہ ہے ددا۔" ان کی آنکھوں میں جوان سال بننے کی موت کا غم جو ہر دم گھات لگاتے بیٹھا رہا کرتا تھا انگریزی لے کر بیدار ہوتے محسوس کر کے پر نیاں نے موضوع بدلنا چاہا اور ان کا کزہ رنجش ہاتھ اپنے ہاتھوں میں دبا لیا۔

"وہ وہ بھئیوں جب باری باری تمہاری ذمہ داری مجھ پہ ڈال کر اللہ کے پاس چلے گئے تو مجھے ہی ہمت کرنا پڑی مگر اب یہ ہمت جو اب دینے لگی ہے، میں ڈر رہا ہوں مرنے سے پہلے تمہیں کسی اچھے نھکانے....."

"ددا پلیز اچھی باتیں کریں نا۔" پر نیاں لرز کر بولی تھی، ایک لے دے کے یہی رشتہ تھا اس کے پاس اسے گنوانے کا تصور بھی بڑا تکلیف دہ تھا، ددا دکھا اور افسردگی سے مسکرائے۔

"احسان کا بھر پھر ملاؤ بیٹا، سو سکتا ہے اب مل ہی جائے۔"

"احسان انکل، آپ کے رشتہ دار ہیں ددا؟" موبائل اٹھا کر نمبر ڈائل کرتے ہوئے وہ ان کا دھیان بنانے کو سوال کر رہی تھی۔

"رشتہ دار نہیں دوست کا بیٹا ہے، بڑی محبت تھی میری دتار حسن شاہ سے تقسیم ہند سے قبل ہم پڑوسی ہوا کرتے تھے کبھی میں، وہ تاجر تھا تو میں کاشت کار، بہت زمینیں تھیں ہماری کبھی کے آس پاس کے گاؤں میں جو ادھر پاکستان آ کے ایک حصہ بھی نہیں رہیں، لیکن ہمارا یارا نہ قائم رہا، البتہ وہ بڑھ لکھا مصروف آدمی تھا بھی چھٹیوں میں با پھر تہوار پہ آتا ہوا کرتا اور جب سے وہ کزرا میل ملاپ بھی نہ رہا، مگر پچھلے سال احسان ملا تھا مجھے شہر میں، وہ بہو اپنے باپ کی کاپی ہے، ویسا ہی اونچا لمبا خوب صبرہ جوان، میں نے اسی شبہت ک وجہ سے اسے پہچانا تو بہت عزت سے ملا دوا داری رشتوں کا احترام اس کھرانے کی پہچان سے بے نیچے بہت اچھے لوگ ہیں، جب اسے معلوم ہوا کہ میرا خاندان نہیں رہا اور میں اپنی پوتی کے ساتھ اکیلا رہتا ہوں تو مجھے اپنے ساتھ لے جانے پہ مصر ہو گیا بڑی مشکلوں سے ٹالا اسے چند مہینے قبل بھی آیا تھا ملنے۔"

"آپ اب کیوں ملنا چاہتے ہیں ان سے ددا، اگر علاج کے لئے شہر جانے کی بات ہے تو میں ہوں نا، ددا ہمارے جو بچہ ہیں نا وہ بہت ماہر سرجن ہیں دل کی بیماریوں کے میں انکا کے پاس لے کر چوں گی آپ کو آپ ما نہیں تب ہے نا۔"

"مجھے دن کی کوئی بیماری نہیں ہے پھر تو خواہ مخواہ پریشان نہ ہوا کر، احسان سے تو میں اپنے کسی اور کام کے سلسلے میں ملنا چاہتا ہوں۔"

"اور کون سا کام زمینیں فروخت کرنا چاہتے ہیں؟ کر دیں ہم وہاں شہر میں ہی رہ لیں گے۔"

”نمبر نہیں ملا؟“ ددا نے بات پلٹ دی گویا اپنا ارادہ مقرر تھا اس پر عیاں کرنے والے اس نے
تھے پر نیاں نے گہرا سانس کھینچا اور پھر سے نمبر لڑائی کرنے لگی، حیرت انگیز طور پر اس مرتبہ راپٹ
بجائے ہو گیا تھا دوسری جانب تلخ جارہی تھی، اس نے جلدی سے سو مال ددا کی جانب بڑھا دیا، ہاتھ
دیر نہیں اپنے تعارف کراتے اور رکھی گھٹکو کرتے سنی رہی پھر کچھ بول کر وہاں سے باہر نکل گئی تھی۔

☆☆☆

غم زندگی نے لا کے ہمیں اس جگہ پہ مارا
جہاں اس طرف کنارہ نہ ہی اس طرف کنارہ
معاذ نے آہ بھرنے کے انداز میں شعر پڑھا اور ماما کو دیکھا مگر وہ اس کی بجائے ماما جان سے
کوئی اہم معاملہ ڈسکس کرنے میں مصروف تھی، معاذ کی دہائی بے کار جاتے دیکھ کر جہان اور زیاد
نے مسکراہٹ چھپائی مگر معاذ کی زبردست نگاہ سے بچنا محال تھا، یہی اسے تپ چڑھ گئی تھی۔
بعد مرنے کے پیرے تم جو کہانی لکھنا
کسے برباد ہوئی میری جوانی لکھنا
بھی لکھنا کہ میری ہونٹ ہنسی کو تر سے
گئے دن رات بہا آنکھ سے پانی لکھنا
وہ اپنی جگہ چھوڑ کر ماما کے پاس آ کر چیخ چلا کر بولا تو ماما نے جس قدر دکھ سے اسے دیکھا تھا۔
”اس یور پر اہم معاذ حسن!“

”شادی کا سوال ہے ہم آج بعد جانندی بھولے آئیں۔“
”وہ تو کب کے لاپکے بھاگتی نظر نہیں آئی آپ کو؟“ زیادہ کدھر سے کم تھا گڑا لگایا تو معاذ نے
رنگ میں ڈالے اس بھنگ پہ خوشخوار نظروں سے گھورا۔
”مسا پلیر شادی کرادیں ان کی کہ اب تو واقعی ان کا وہ حال ہو گیا ہے بقول جدید جشید۔“
کب تک ہوں یارو سے باتیں ہیں مکی راتیں
کوئی تو ہو جو آنکھوں سے اتر کر دل میں بس جائے
اب جیانیہ جائے کچھ کیا نہ جائے اب رہا نہ جائے
زیادہ نے ہاتھ پر تان اڑائی تھی معاذ اتنا خوش ہوا کہ ہاتھ کا وہ اس کا کاندھا تھپتھپایا تھا، جبکہ
ماسر تمام کر بیٹھ نہیں تھیں البتہ ماما جان مسکرا رہی تھیں۔
”گد جا ب ابن زیاد گد اسپرٹ۔“ معاذ نے اسے بے ساختہ داد دی تھی۔
”آپ نے فکر دیر آپ کے لئے کچھ نہیں کیا، ایک طرح سے اپنے لئے ہی کوشش کی
ہے۔“ ابراہیم نے جواب سے معاذ کی آنکھیں پھیلا دی تھیں۔

”سب؟“ اس نے ہر وہ پکائے تھے۔
”مطلب ہم بھی تو پڑے ہیں راہوں میں، شادی کا ارمان تو ہم بھی رکھتے ہیں۔“ اس نے
شرہ کر کچھ لہا کر کہا تو جہان ٹھنڈا سانس بھر کے رو گیا جبکہ وہ دونوں دانت نکال رہے تھے۔
”کیا کروں میں ان لڑکوں کو سچ ہر وقت ایک ہی فرمائش کرتے نظر آتے ہیں والد محترم ہیں
کہ ان کی نگاہ میں یہ ابھی بچے ہیں سنتے ہی نہیں۔“ ماما بے حد عاجز ہو کر کہہ رہی تھیں۔
”صرف ددڑ کے بچہ کو اس فضول مطالبے میں شامت کریں، جہاں نور اپور یہ درہ لیش آدمی

بے بھلے ساری عمر اس کی شادی نہ کرایے گا۔“ معاذ نے صبح کی تو جہان محض اسے دیکھ کر رہ گیا،
جانے کب کا بد یہ چکا رہا تھا۔ وہ۔
”اور سن لو تم دونوں جتنے بھی اتاؤ لے کیوں نہ ہو جہان بڑا ہے پہلے اس کی شادی ہوگی۔“ ماما
کے کہنے پہ دونوں کے منہ تنگ گئے۔

”یہ کیسا انصاف ہے ماما ایک بندے کو ہونے نہ ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا اس کی وجہ سے
ہمیں بھی انتظار کی سولی پہ لٹکانا ضروری نہیں۔“
”کیوں فرق نہیں پڑتا، ہوس تمہاری طرح سے بے مہار اور کھلا ڈال نہیں ہے، شرمیلا ہے میرا
بچہ۔“ ماما جان کو جہان پہ پیار آنے لگا یہ بھی معاذ سے کہاں برداشت ہوتا تھا۔
”ہاں ہاں گوں کا یو بے محترم جس دن باہر کہیں گل حلا کر آئے گا تب بت چلے گا شرمیلا نہیں
لکھنا میسا ہے۔“ وہ دانت چیخ کر مصنوعی غصے سے بولا تو ماما نے ڈانٹ کر رکھ دیا تھا۔
”فضول مت بولا کرو معاذ! یہ کسی زبان میں بات کرنے لگے آگے؟“
”ماما میرا مسئلہ وہیں انکا ہے آپ بات کو اور کسی جانب مت لے کر چاہیے، لوگوں کے نر کے
جوان ہوتے ہیں تو ماؤں کو ان کے سروں پر سہرے سجانے کی خواہش جانتی ہے ایک ہماری ماں
ہیں۔“

”بیٹا اتنی بے سروس نہیں جمانی جاتی ان معاملوں میں دیکھ بھال کرنی ڈھونڈنی ہے مگر پہلے
جہان۔“ ماما نے ایک بار پھر باور کرایا تو معاذ نے سر ہیٹ لینے والے انداز میں جہان کو دیکھا تھا۔
”خاندان میں بہتری لڑکیاں ہیں کسی بھی ایک کے ساتھ اس کے بچے کے دو بول پڑھوا
دیں۔“ وہ منہ زبانی ماما نے ٹھنڈا سانس بھر لیا تھا۔
”اگر آپ منع کر سکتے ہو تو ہوسکتا ہے جہان کو بھی خاندان سے باہر ہی شادی کرنی ہو۔“ ماما
کی بات پہ جہان نے بہت چونک کر انہیں ناگہم نظروں سے دیکھا تھا۔
”کیا مطلب ہے چچی جان!“

”بچے معاذ منع کر رکھے ہیں خاندان کی لڑکی سے شادی سے۔“ ماما کے جواب پہ جہان گہرے
ساتھ زیادہ نے بھی بہت چونک کر اسے دیکھا تھا اس نے کاندھے اچکا دیئے۔
”ابھی سے سن لیں ماما میں تو خاندان سے نکلنے والا نہیں ہوں۔“ ابن زیاد نے کچھ ایسی جملت
میں کہا کہ سب کے ہونٹوں پہ مسکراہٹ بھیس گئی۔
”تم ابھی چپ رہو گا گئے تمہارا نمبر ابھی دور ہے۔“ معاذ نے اسے چڑایا۔
”یہ تو پوچھ میں وہ پردہ نشین سے کون؟“ وہ چلبلا کر بولا۔
”جب وقت آئے گا پوچھ میں گے ڈونٹ دری۔“ معاذ نے پھر لقمہ دبا تو زیادہ چیخا تھا۔
”اور اگر اس دوران اس کے لئے کوئی اور.....“

”پھر یہ تیرا نصیب میرے شہزادے۔“
”اپویں میرا نصیب میں.....“ ماما اس بل نور یہ زہن کو پکارتی دروازے کے پاس سے
گزری تھی جس کا دھانی آچل محض ایک بل کو لہرایا مگر زیادہ جس طرح ساکن ہوا جس طرح آنکھیں
چمکیں معاذ نے سب کچھ بہت اطمینان سے نوٹ کیا۔
”وہ کہیں نہیں جائے گی تمہاری ہی رہے گی ڈونٹ دری مائی برادر۔“ معاذ نے معنی خیز لہجے

میں جس یقین سے کہہ کر اس کا کندھا تھکے تھمازیہ جب ہی اس نراس سے باہر آیا۔
 "ک... کون؟" وہ کوئی کھوئی نظروں سے اسے دیکھ کر بولا تھا۔

"نور یہ اور کون۔" معاذ مسکرا رہا تھا جبکہ ابن زیاد کی بوکھلاہٹ یکنگت نقطہ عروج پر جا پہنچی تھی۔

"آپ کو کسے پتہ چا؟"

"یہ ساری گفتگو چونکہ ایک دوسرے کے کانوں میں گھس کر کی جا رہی تھی جیسی باقی کے حاضرین محروم تھے، آنکھیں ہم بھی رکھتے ہیں تم ہماری ناک کے نیچے کوئی ٹھیل کھیلو اور ہم بے خبر رہیں ایسے حالات تو ابھی نہیں۔" اس نے یکدم تور بدل کر غصے سے کہا تو ابن زیاد شیشا گیا تھا۔
 "بخدا وہ تو ابھی لاعلم ہے بھائی! میں نے کچھ نہیں کہا اس سے۔" وہ خفت سے نظریں چرا کر بولا تو معاذ نے ترست جواب دیا تھا۔

"کچھ نہیں کہا تو کب کہو گے جب اس سوہنی لڑکی کے لئے کوئی اور پیغام لے کر آ جائے گا گمہ ہے۔" اور ابن زیاد کی جان میں جان آئی تھی۔
 "آپ بھی نا بھائی۔" وہ کھیسائے ہوئے انداز میں ہنسنے لگا۔
 "ہمارے بچوں کی ذیانتد کچھ ناجائز بھی نہیں ہے میرا خیال ہے ہمیں اس مسئلے پہ سنجیدہ دو جانا چاہیے۔"

"بالکل بالکل! اما جان کی بات ہے دونوں کورس میں بولے تو ممانے ان کی سنخری پہ دھیان دینے بغیر جہا غیر کو مخالفت کیا۔"
 "بے آپ بھی اپنی پسندیدہ دو تو ہمیں ذرا سہولت ہو جائے گی۔"
 "ک... کیسی... پسند؟" جہا غیر نے اضطراب میں ہٹلا ہو کر ان کی شکل دیکھی، اس کے لئے یہ سوچ یہ خیال ہی روح فرس تھا کہ اس کے دل کا راز کسی اور پہ آشکار ہو۔
 "الزام نہیں لگا رہی ہیں ممانہ پہ جو اتنا بدحواس ہو گئے ہو جے۔" معاذ اس کا مذاق اڑانے لگا، ممانہ پھر تادیبی انداز میں بھورا۔

"بے آپ کو اگر فیملی کی لڑکی سے شادی پر اعتراض ہے تو..."
 "نو تو تانی میں جیسے کوئی اعتراض نہیں آپ کہیں بھی میرے لئے جو چاہیں فیصلہ کر لیں۔" وہ بوکھلا کر بولا تو معاذ کی آنکھی چھوٹ گئی۔
 "یعنی شادی تہجاری بھی کرانی میں کیا بات ہے ویسے فیملی میں ہی کہیں لگے ہوئے ملتے ہو تم بھی۔" معاذ کی شرارت سے چھاتی آنکھیں اس پہ آ کر جم گئیں، جہا غیر نے جواب نہیں دیا تو معاذ کو تپ چڑھنے لگی تھی۔

"پھیارے ہو وہ بھی ہم سے، بچو چیلج تو ہم بہت خوش اسلوبی سے قبول کرتے ہیں نہ پتہ لگایا تو نام معاذ حسن نہیں، تم نے ڈاکٹر صاحب کو سمجھا کیا ہے؟" وہ گلے کر بو بڑا رہا تھا، جہان نے اس کی آخری بات کو گروہ سے باندھا تھا تھا تا تو وہ پہلے بھی بہت تھا مگر اس اعتبار کے دائرے کو اب اور بھی مضبوط کرنا تھا بہر حال وہ ہرگز بھی اس بات سے کسی کی آگاہی پسند نہیں کرتا تھا۔

☆☆☆

رات پھیلی ہے تیرے سر کی آنچل کی طرح

جانے نکلا سے تجھے زھونڈ نے پاگل کی طرح
 خشک چوں کی طرح لوگ اڑے جاتے ہیں
 شہر بھی اب تو نظر آتے ہیں جنگل کی طرح
 اس کے کمرے میں آنے کے لئے معاذ نے بھی دستک کا تکلف نہیں برتا تھا اس وقت بھی یونہی بند ہوا دروازہ رکھ لیا کر اندر آیا تو دھیسے سروں میں بکتے میوزک اور سفنیہ کی برسوز آواز نے ایک لمحے کو اسے جکڑ لیا، کمرانیم تار یک تھا اور جہان کا رہن پہ ڈھیر بہت سارے گھنوں میں سر دیئے ساکن لپٹا ہوا تھا اس نے گہرا سانس بھرا اور آگے بڑھا آیا۔

پھر خیالوں میں تیرے قرب کی خوشبو جاگ
 پھر برستے لپٹیں آنکھیں میری بادل کی طرح
 بے دفاؤں سے وفا کرتے گزری ہے حیات
 میں بہتا رہا ویرانوں میں بادل کی طرح
 معاذ نے میسے ڈیک کا سوچ آف کیا تھا پھر اس کے سر کو ڈھانپنے ہوئے کشن کو کھینچا اور دھپ سے اس کے مقابلے کرا۔

"ادا اس ہو؟" معاذ نے اس کی سرخ ہو کر دکھتی آنکھوں میں جہان کا بلیو جینز آف وائٹ ہاف سیلو کی شرٹ میں وہ بکھرے ہوئے بالوں اور ٹنگی بڑھی شیو کے ساتھ گھریلو سے علیے میں بھی غضب ڈھا رہا تھا۔
 "نہیں تو....." وہ صاف مکر گیا۔

"یہ الیہ شاعری نیم اندھیرا کرہ ہر حرکت تو عاشقوں والی ہے۔"
 "یار کچھ تھک گیا تمہارے ٹیکس کرنے کو لپٹا تھا۔" اس نے پھر ہال دیا، معاذ نے دھیان سے اسے دیکھا! بہت مزید کرید نہیں کی۔
 "پاپا کا سیل بھی ناٹ رسپانڈنگ ہے آفس میں نہیں تھے۔"
 "ہال چاچو کسی گاؤں گئے ہیں۔"
 "گاؤں میں؟" معاذ نے تھیر آمیز نظروں سے اسے دیکھا تو جہان اٹھ کھڑا ہوا اور ڈائینگ ٹیبل کے نیچے کے سامنے جا رکا۔

"وہاں ان کے کوئی عزیز ہیں عیارت کو گئے ہیں۔"
 "تو نیل آف کرنے کی تاکید کیا بیمار صاحب نے کی تھی۔" وہ نخوت سے بولا تھا جہا غیر کے ہونوں پہ لچھ لچھ کر رہا ہٹ سورن کی پکی کران بن کر چکی۔
 "تھیسس کچھ کام تھا ان سے؟"

"تو اور کیا یار جیرلی کے کچھ لوگ آ کر میرا سر کھا رہے تھے میں نے پاپا کے آفس بھیج دیا مگر وہ ملے نہیں۔"

"تو تم بابا جان کے پاس بھیج دیتے۔"
 "یہ تو انہیں خود عقل برنی چاہیے تھی مگر پھر میرے سر پہ سوار ہو گئے۔"
 "اب تمہاری سیلری تو اس بار بھی میسے کے وسط میں ہی اڑ گئی ہوگی۔" جہا غیر نے اسے چھیڑا تو اس نے خندا ساس بھر لیا۔

”تم تو سمجھ دار ہو۔“

”لائے آپ کا فون کب سے بج رہا ہے۔“ زینب نے دستک دے کر اندر جھانکا پھر اسے یہاں موجود پائے کے اسی سیل تھمایا۔

”افوہ انکی صاحب کا فون ہے میں نہیں سن رہا۔“ معاذ کھول کر رہ گیا تھا، جہا تکیر نے آنکھیں نکال کر دیکھتے تھا۔

”میری بات معاذ کسی کے ساتھ ایسا نہیں کرتے، تم انہیں پاپا جان کا یا میرا نمبر دو۔“ معاذ نے برا سامت بنایا اور کال پک کرنے سے قبل زینب کو مخاطب کیا تھا۔

”زنی تجھے جانے بنا کے ادد۔“ اور خود سیل فون سمیت باہر چلا گیا، زینب نے گردن موڑ کر جہا تکیر کو دیکھا جو رخ پھیرے جھک کر تمام کشن اٹھا کر صوفے پہ جانے میں مصروف تھا جتنی اس سے مکمل طور پہ اجتناب برت رہا تھا۔

”جے آپ چائے لیں گے؟“ زینب نے باہر نکلنے سے قبل اسے مخاطب کیا تھا، وہ خفیف سا چونکا۔

”اگر زینب نہ ہوتی۔“ زینب کلس سی گئی۔

”آپ اپنوں کے بیچ رہ کر اتنے قابل کیوں ہیں جے؟ ایک بات یاد رکھیے گا فاصلے سمیٹنے سے ہی ہٹا کرتے ہیں۔“ اپنی بات کہہ کر وہ رکی نہیں مگی پینٹ کر چلی گئی جبکہ جہا تکیر اس کی بات کو ہزار منہبوم پنہا کر سوچتا اور پھر مسکراتا رہا تھا۔

☆☆☆

جان کے بیچوں سے قطرہ قطرہ آویں نیکی مگی اور باربل کے دھلے دھلائے سفید جکنے فرش پہ گر کر کرسل کے سوتیوں کی طرح بکھر جانی فضا میں دھند مگی اور سرد ہوا کے جھوٹے وقفے وقفے سے نہیں چھو کر گزر رہے تھے کراچی کی نسبت یہاں نواب شاہ کا موسم بہت سرد تھا، وہ کل شام یہاں پہنچے تو اس ویران نظر آنے والی جوہلی کے ایک کمرے میں نسیب الرحمن کی طبیعت کچھ اور بھی بڑھ گئی تھی، انہیں رو رہے ہا کے کئی دیر تو انہیں جیسے اپنی بصارتوں پہ یقین نہیں آیا تھا، پھر انہیں گلے لگ کر وہ کئی دیر گھٹ گھٹ کر روتے رہے تھے۔

”آپ میری آخری امید ہوئے تھے جی ان آخری لمحات میں آپ کے آگے ہاتھ بچھا رہا ہوں۔“ خاصی تاخیر سے ان کی حالت سنبھلی تو انہوں نے اصل مقصد بیان کیا تھا۔

”آپ گلے کر بات کریں انکل آپ کا ہر حکم سر آنکھوں پہ ہے۔“ وہ بہت الجھے تھے جی ان کے ہاتھ تمام کمرز می سے کہا تھا۔

”پر نیاں سے ملے ہونا میری پوتی سے؟“

”جی جی ماشا اللہ بہت پیاری بچی ہے۔“

”آپ جانتے ہوئے اسے اس دنیا میں اس کا خدا کے بعد میں واحد سہارا ہوں، مگر اب مرنے سے پہلے اس کی بے آسرگی تجھے خوف اور پریشانی میں مبتلا کر رہی ہے۔“

”آپ کو کچھ نہیں ہوگا انکل پریشان مت ہوں۔“

”وقت فشک رہیت کی طرح ہند مگی سے بھی سرک رہا ہے پتر میں چاہتا ہوں پر نیاں.....“ ان کی زبان جھک کر انکل مگی اور احسان شاہ ان کی ان مگی جنت کا مفہوم لکھوں میں سمجھ گئے تھے۔

”آپ کسی قسم کی فکر مت کریں انکل، پر نیاں بیٹی ہے ہماری ہمارے ساتھ رہے گی انشا اللہ۔“

”آپ اسے اپنے ساتھ لے جانا بیٹا اور کوئی مناسب رشتہ دیکھ کر اس کا عقد کر دینا میں تمہارا یہ احسان.....“

”انکل کیسی بیچانوں والی بات کرتے ہیں، اس میں احسان کی کیا بات ہے، پر نیاں بیٹی ہے ہماری، منہ سب رشتے تو موجود ہیں میں آپ کی نسلی کے خاطر کل ہی اس کے بچے کا انتظام کرنا ہوں۔“ وہ ایسے ہی لکھوں میں بڑے بڑے نعلیے کر لینے والے تھے۔

”آپ کچھ کہہ رہے ہو بیٹے؟ اگر ایسا ہو جائے تو میں اپنے بیٹے کی نظیر میں سرخسار ہوں گا۔“

نسیب الرحمن شدت جذبات سے روڑے تو احسان شاہ نے ان کے ہاتھ آہستہ سے تھام لئے۔

”پر نیاں جیسی نیکی اگر ہمارے گھر میں اپنے وجود کی روٹی پھیلائے گی تو اس سے بڑھ بڑا اور کیا خوشی کی بات ہو سکتی ہے۔“

”خدا تمہارا بھلا کرے میرے بچے اس نیکی کا اجر عظیم عطا فرمائے آمین۔“ وہ اتنے مشکور ہوئے تھے کہ حد نہیں۔

اور اب احسان شاہ نیرس۔ سگریٹ کے کس لیتے ہوئے ٹیبل پر سے تھے، جہا تکیر کے لئے انہوں نے ہمیشہ زینب شاہ کو سوچا تھا زبدا بھی زیر تعلیم تھا لے دے کر معاذ احسن رہ جاتا تھا اور وہی مناسب تھا ان کے خیال میں۔

”برخوردار کو شادی کا شوق بھی بہت ہے چلو اسی بہانے سنی مگی ورنہ ہم تو کس طرح بھی جہان سے پہلے نہ کرتے۔“ انہوں نے تصور میں پر نیاں کو معاذ کے پہلو میں کھڑے کر کے دیکھا اور مسکرا دیئے۔

”پر فیکٹ سپل!“ انہوں نے خود کو داد دی تھی اور سیل فون نکال کر معاذ احسن کا نمبر ڈائل کرنے لگے۔

☆☆☆

”لو بھلا سے کوئی بات کرنے کی، خود تو وہاں جا کے بیٹھ اسی گئے، مجھے بھی بلوالیا بندہ پوچھے دنیا میں ایک میں ہی تو ڈاکٹر زندہ نہیں رہ گیا۔“

اس ایمر جس کال سے یہ جی بھر کے بے زار ہوا تھا اور اب پورے گھر میں کھلتا پھرتا تھا، زینب اور ماریا کی جو شامت آتی تھی وہ الگ اسے کوئی کپڑا ہی پہننے کو پسند نہیں آ رہا تھا۔

”سید حاسد حاکوئی کھد کا شلوار سوٹ پہن کے چلے جاؤ وہاں گاؤں کی دھول مٹی تمہارے سوٹ کا تاس مار دے گی۔“ ممانے اس کا ہر کپڑے کو دیکھ کر ٹاک بھوں چڑھانے پہ کچھ عاجز ہو کر کہا۔

”اہ نہہ شلوار سوٹ ان کے محترم عزیز کو بھی تو پتہ چلنا چاہیے، مستقبل کے باہر سرجن ان کے علاج کو تشریف لائے ہیں۔“ اس نے اپنا بہترین سوٹ نکالا تھا اور کچھ گردن کو اکڑا کر جواب دیا۔

”تیاری دیکھ کر تو کہیں سے نہیں لگتا کہ آپ علاج کے لئے جا رہے ہیں اتنا تو کوئی بے دکھاؤے کو بھی تیار نہیں ہوتا۔“ زیاد نے رہے ہوئے انداز میں کہا تو زینب منہ چھپا کر بیٹنے لگی۔

”تو جانے پر سنائی سے میں تو جانتا نہیں ہوں نا۔“ معاذ کی رائے مستند تھی۔

”تو وہ کیا کیا ضروری تو نہیں وہاں یہاں بزرگ ہی ہوں ان کی کوئی جوان نہیں اور اہل سی پنی بھی تو وہاں حیرت داری کو موجود ہو سکتی ہے۔“ اس نے زیادہ ہری ہری سوچ رہی تھی۔

”ہاں تھی جوان جیسی ہماری مہا ہیں، پھر تو مہا کو پیا کی فکر کرنی چاہیے، ظہور کی نہیں میں ایسی پروفیشنل میں کچھ نوجوان مجبوری میں بھی ہوا کرتے ہیں۔“ معاذ نے اب لہجہ تیرا کو ہر معمولات چاہا تھا وہ اسے ایک گھوری کے ساتھ دھب لگا کر نہیں پڑیں۔

”ضروری تو نہیں ہمارا دار بچی ہی ہو تو اسی یا پولی وغیرہ بھی ہو سکتی ہے۔“ نوب نے آنکھیں نیچا کر کہا تو معاذ نے ٹھنڈی آہیں بھری تھیں۔

”خیر اب ایسی بھی قسمت دیا لو نہیں ہے، یہ سچ حقیقت ہے۔“ غرض انکی ہی باتوں میں اس کی تیاری ہوئی تھی اور میں اس میں جب وہ اپنے مختصر سے بیگ کے ساتھ نکل رہا تھا زیادہ اسے ڈائیو اسٹاپ تک چھوڑنے کے ساتھ جا رہا تھا پورے ٹیکو میں جہان کی گاڑی آ کر رک گئی۔

”کہاں جا رہے ہو؟“ جہان نے ہلکے ٹو نہیں میں تک بیگ سے تیار اپنے بے حد وجہ کزن کو بغور دیکھا، جواب میں اسے سرری داستان از سرے نو سنائی گئی۔

”اد کے فی امان اللہ۔“ اس نے معاذ کا کاندھا تھپکا تو ڈائیو میں سوار ہو کر اس نے گرم خوشوار ماحول کو محسوس کیا اور اپنے سیکل فون پر ہنڈ فری سیٹ کی اور میوزک انجوائے کرنے لگا، کچھ سفر سو کر تو کچھ بور ہو کر بہر حال گزر گیا ڈائیو اسٹاپ سے آگے لوکل بس میں گاؤں پہنچے تو ٹھکن اس کا پورا وجود غیظ حال کر چلی گئی، تارکول کی سڑک دور یہ درختوں کی قطاروں میں گھرنی تھی اور خشک پتے زار ہی تھی، گاؤں کو جانے والی سڑک ویران اور سنسان تھی وہ بیگ اٹھائے ہونٹوں کی طرح منڈا اٹھائے سو پنے لگا اب کیا کرے، بوہڑ کے درخت تلے بندھا گندھا زود سے جہا گیا تو اس کا استقبال کیا تھا، اس نے گردن موڑ کر دیکھا وہی جانب کچھ قاصدے یہ بڑھی کن ایک دوکان میں ٹھیک اور بڑھا آدمی اپنے کام میں مصروف تھا فضا میں کڑی کی پھلتی کی مہک چھٹی ہوئی تھی، اس نے پند لے سوچا پھر ان سمت بڑھا آیا۔

”السلام و علیکم!“ بڑھی کو متوجہ کرنے کو اس نے زور دار طریقے سے سلام کیا کہ اس کے رینڈے کی آواز خاص گونج رہی تھی۔

”جیکم السلام باؤ بی بیٹ تلے خریدنے ہیں؟“ بڑھی اپنی تہمند سنہالتا آرا بند کر کے اس کی جانب آیا، اس کی دوکان چیل کی اٹلی پائے کی لکڑی کے ہاتھ کے کڑے ہیں سے بھری ہوئی تھی۔

”نہیں جی مجھے گاؤں جانا ہے مگر۔۔۔۔۔“

”اوہ پیدل چلنے سے گھبراتے ہو گے، بیٹھ جاؤ صاحب رکشہ سواریاں لے کر پنڈ گیا ہوا ہے آئے گا تو آپ چلے جانا۔“

”کب تک واپس آئے گا؟“ معاذ نے رست وایچ پہ نگاہ ڈال کر کچھ اکتاہٹ سے سوال کیا۔

(پہا بھی تالیس عجیب کام کرتے ہیں، اسنے اہم تھے نہیں اپنے عزیز تو انہیں شہر لے آتے جیسے بلوالیا۔)

”ایک تھینے کے لگ بھگ ہو گیا ہے، بس آتا ہوگا اسے خود بھی بس کے آنے کے ویلے کا پتہ ہے، آپ چاہنی جیو گے صاحب! بڑھی نے معلومات پہنچا کر بڑے غلوں سے استفادہ کیا۔

”جی نہیں بہت شکر ہے۔“ اس نے متانت سے انکار کیا اور بڑھی کا بڑھایا موڈ سنہال کر بیٹھ گیا وہیں منت کے جان لیوا انتظار کے بعد بالآخر پراٹھا سا بیٹھنا ہوا رکشہ (چنگ جی) گاؤں کی سڑک پہ ہول اڑاتا ہوا اڑے پہ آ کر رک گیا معاذ بڑھی کا شکر یہ ادا کرتا بیگ سنہالے رکشہ کی جانب بڑھا آیا۔

”گاؤں جانا ہے؟ بیٹھ جاؤ بابو۔“ رکشے والے نے سینٹ کی جانب اشارہ کیا تو معاذ بیگ سائیز پر رکھ کے بیٹھ گیا، رکشہ ڈرائیور مزے سے سگریٹ سلا کر کڑھ لے رہا تھا، انداز میں کمال درجے کا اطمینان چھلکتا تھا۔

”اب چلوں رکشے ہوئے کیوں ہونا؟“ معاذ کی بے زاری کچھ اور بڑھی۔

”سواریاں تو اڈا سینی پڑنی ہیں بابو جی یا پھر سالم کرہ الو۔“ ڈرائیور دھواں اڑاتے ہوئے بے رخی سے بورا تو معاذ تو اچھ کرنا ہم نظر اس پہ جمائیں۔

”سالم مطلب؟“

”اک سواری اگر لے کر جائیں تو پیسے زیادہ گنتے ہیں بابو پڑھے لکھے گنتے ہو ٹھکن سے اتنا بھی نہیں سمجھتے؟“ ڈرائیور نے نخوت سے جواب دیا تو معاذ سلگ اٹھا تھا۔

”خبیث کا بچہ۔“ وہ منہ ہی منہ میں بد بولیا۔

”جتنے پیسے کپو گے دوں گا اب چلو گے۔“ اس نے کاٹ دار انداز میں کہا تو ڈرائیور نے کاندھے اچکائے اور رکشہ اشارت کرنے لگا، رکشے کی برق رفتاری اور جھٹکوں نے معاذ کا برہم مزاج کچھ اور بھی سلکایا تھا، جیسی پیا کا سمجھایا ایڈریس ذہن سے نکل گیا، اس نے جیسے کڑھے انداز میں ہمیں ایک ٹیکسٹ بھیجا تھا جس میں انہیں ایڈریس سمجھانے کا کہا گیا تھا، جواب میں انہوں نے کال کر لی، معاذ نے کال ڈس کنکٹ کر کے پھر ٹیکسٹ بھیجا۔

”جس شاہی سواری میں میں بیٹھا ہوا ہوں وہاں آپ کی آواز سننا میرے بس سے باہر کی بات ہے زندہ سلامت پہنچ جوں تو اظن ادا کر لیجئے گا ورنہ کفن دن کا انتظام تو آپ کی ذمہ داری اور سر دہ ہے۔“ وہ جتنہ جھمایا ہوا تھا اسی لحاظ سے لہا چوڑا تیج نکلتا تھا جواب میں اگلے لمحے ان کا تیج موصول ہوا جس میں ایڈریس موجود تھا جو رکشہ رکوا کر اس نے ڈرائیور کو سمجھایا، پندرہ منٹ کے مزید روت فرسائلگورہوں کے بعد بالآخر اسے منزل مقصود پہ پہنچا دیا گیا تھا، اس دوران تیسری مرتبہ اس کا سر بیگ سینٹ کے اوپر لگے لوہے کے راڈ سے ٹکرا چکا تھا۔

”دوسو کرایہ نکلیں بابو جی!“ ڈرائیور کے مطالبے نے اس کا دماغ الٹا کے رکھ دیا۔

”وانت دوسو دماغ سینٹ ہے تمہارا؟ ایک ہڈی شاید میری اپنی جگہ پہ رہنے دی ہو اس پہ یہ ستم۔“

”آپ نے خود ہی تو کہا تھا بتنا مانگو گے دوں گا اب مکر رہے ہیں، اب بند پٹے کپڑے جہاں خالی دیکھ سے جتنے لین لاریڈ لگتے ہیں دل اتنا ہی غریب ہے۔“ ڈرائیور بے حد مزاج تھا معاذ کی آنکھیں نم و غصے کی زیادہلی سے دھب آئیں۔

”الو کے پیٹھے بدبینی کرتے ہو؟“

”ڈیپریج دھیرج معاذ جیڑا کیا ہو گیا ہے۔“ وہ ڈرائیور سے الجھ رہا تھا جب چپانے آ کر مدانت کی۔

"بڑے صاحب یہ باجوہ ہمارے رکشے میں بیٹھ کر آیا اور آپ کراہ دینے کی بجائے لڑتا ہے۔"
"کتننا کراہیے تمہارا؟" پپانے پوچھا اور اس کی مطلوبہ رقم نکال کر ہاتھ پر رکھ دی، معاذ تمہارا
کر رہ گیا تھا۔

"آؤ بیٹے بہت ابر کر دی۔" انہوں نے مسکراتے بازو کے حصار میں لیا۔
"آپ نے بلوایا بھی تو کوہ قاف میں تھا۔" وہ سر جھٹک کر برہمی سے بولا تو پپا مسکرا دیے۔
"جس مقصد کے لئے بلایا ہے وہ تمہاری ساری کونٹ دور کر دے گا۔"
"اسا کون سا مقصد ہے؟" وہ اطراف میں گھومنے لگا اور اسی بزرے میں گھری اس
پرانی طرز کی حویلی کو دیکھ رہا تھا کچھ نخوت سے بولا مگر پاپا جواب دیئے بنا اس کا ہاتھ تھامے حویلی
کے داخلی دروازے سے اندر جا رہے تھے۔

☆☆☆

گرم پانی سے ہاتھ لینے کے بعد اس کی طبیعت پہ چھائی کسلندی اور بے زاری بہت حد تک
دور ہو گئی تھی، آٹنے کے سامنے کھڑے ہو کر وہ بال بنار ہاتھ، جب دروازہ بند ہوا تو اس سے بجا اور
پپانے اندر قدم رکھا، بلیک جینز پہ ایٹ شرت اور برائن لیڈر کی سلیولیس بہت ساری باتیں والی
جینٹ پہنے وہ اپنی ہاتھوں اور دلش سا ترانہ نقوش کے امراہ ہے حد جاذب نظر دکھائی دے رہا
تھا۔

"پپے بیسے منگوانوں یا غیب انگل کے ساتھ بیٹو گے؟"

"آپ ان کے ساتھ نی نہیں میں نہیں ٹھیک ہوں، ایسے پاپا مجھے سمجھ نہیں آئی آپ نے مجھے
یہاں کیوں بلوایا ہے۔" برٹش رکھ کر وہ ان کی جانب پلٹا تو آنکھوں میں الجھن کا رنگ گہرا تھا۔
"ہاں بتانے آیا ہوں، یہ غیب انگل جو ہیں تا بہت بیمار ہیں، انہیں اپنی زندگی کا کچھ خاص
شہر دے نہیں رہا۔"

"اوہ۔" اس کی آنکھوں میں شرارتی مسکراہٹ چلی، اسے زیادتی باتیں یاد آنے لگیں تھیں۔
"ان کی پوٹی ہے بہت پیاری بیٹی ہے، ان کی خواہش ہے انگل کی زندگی میں وہ اپنے گھر کی
ہو جائے میرے ذہن میں تمہارا خیال آیا تمہیں ویسے بھی شادی کی جلدی ہے نا۔" انہوں نے اپنی
بات کی اور اسے دیکھنے لگے جو اس آخری بات پہ بری طرح سے اچھلا تھا۔

"کیا مطلب ہے پاپا؟ آپ نے میرے بارے میں کیوں سوچا، اسٹڈنٹ مجھے شادی کی
جلدی ضرور ہے مگر میں کسی بھی انجان اور پینڈولڑکی سے شادی کر لوں گا وہ بھی ترس کھا کر آپ نے
یہ ایسے سوچ لیا؟" اس کا تو جیسے نم و غصے کی زیادتی سے دماغ الٹ گیا تھا وہ اتنی ناگواری اتنی برہمی
سے بولا تھا کہ پپا کچھ ہل کو غیر یقینی انداز سے ساکن رہ گئے۔

"وہ انجان ہے نہ پینڈولڑکی یا شعور اور کبھی ہوئی لڑکی ہے، خوبصورت بھی ہے،
تمہارے ساتھ بہت نیچے کی بیٹی۔" انہوں نے جس اور نرمی سے سمجھانا چاہا مگر وہ جہاں تھے سے
دکھنے لگا تھا۔

"آئی ایم ساری پپا آپ نے مجھے بہت غلط سمجھا میرے ذہن میں شریک سفر کے لئے ایک
بہت اچھا تصور ہے، ایسے بھی آپ نے اس قربانی کے لئے مجھے ہی کیوں سوچا زیادہ ہے کبھی تو
جس ناہنسی بھی کہہ سکتے تھے آپ۔" اس نے ایک ایک لفظ چبا کر ادا کیا تھا، یہ سوچ ان کا دماغ

لگا نے کو کافی تھی اس میں ایسی کیا خاصی تھی کہ پاپانے کسی بھی راہ چلتی لڑکی سے اسے منسوب کرنا
چاہا تھا۔

"زیادہ تو ابھی پڑھ رہا ہے، جہاں کے لئے ہم نے کچھ اور سوچا ہے پھر تم ہی رہ جاتے تھے۔"
"ہاں میں ہی رہ گیا تھا، رہا ہی دینے کو، جہاں کے لئے تو آپ نے بہت ہائی فائی سوچا ہو گا نا
بہت چہیتا جو ہے وہ آپ کا، مگر ایک بات سن میں پاپا آپ کے یہ جو مرتے ہوئے عزیز ہیں، میں
ان کی لمبائی خوشی اور سکون کی خاطر خود کو عمر بھر کے لئے داؤد نہیں لگا سکتا، آپ کو یہ سن کر جتنا بھی
افسوس ہو مگر میں معذرت خواہ ہوں میں آپ کی اس خواہش کو پورا نہیں کر پاؤں گا۔" بدلے لگی بد
اخلاقی کا عظیم مظاہرہ کرتے ہوئے اس نے بے اعتنائی کی حد کر دی تھی، اس کے تاثرات میں اتنی
درشتی اور لہجے میں ایسی قطعیت تھی جس نے پپا کو غیر یقینی اور دکھ سے سہکت کر ڈالا تھا، معاذ نے
ایک نظر ان کے سرخ چہرے کو دیکھا مگر سر جھٹک دیا اس بل ان سے ہمدردی گویا اپنی عمر بھر کا آزار
تھے ڈال لینے والی بات تھی، جیسی وہ بے رحمی سے آگے بڑھ کر اپنا بیگ ایک جھٹکے سے اٹھا کر پلٹا
تھا۔

"میں جا رہا ہوں پاپا مجھے اس بات کا افسوس ہے میں آپ کی توقع پہ پورا نہیں اتیر سکا، لیکن
غفلی آپ کی ہے آپ کو مجھ سے ایسی بات کی توقع کرنی ہی نہیں چاہیے تھی۔" اس نے کئی سے کہا
اور رخ پھیر لیا۔

"ارکو معاذ!" وہ چوکھٹ پہ ہنسنے لگا، جن کے چہرے پہ یکا یک ٹھہر
شجیدگی چھائی تھی۔

"تم نے اپنا فیصلہ دیا ہے میرا بھی سن کر جاؤ، مذہب انگل سے تمہیں کال کرنے سے قبل
میں یہ وعدہ کر چکا تھا صبر نہ کی نہیں جب تم یہاں آئے تب میں تمہیں ان سے اسی حیثیت سے ملوا
تھی چکا ہوں، تمہارے لئے کسی بات سے مجھے ہٹ جانا عام سی بات ضرور ہوگی مگر میرے لئے یہ
شرمندگی ہرگز قابل قبول نہیں ہے، تم یہ شادی نہیں کرنا چاہتے آف کو بس میں تمہیں نورس بھی نہیں کر
سکتا بی کو تمہاری بات چیت کے انداز اور لہجے نے میری اس خوش فہمی کو بھابہ بنا کر اڑا لیا
ہے جو اعتماد مجھے اپنی اولاد پہ تھا، اپنی دین تم میری بات نہیں مانو گے اور یہ طے ہے کہ میں اس سخت
کے ساتھ غیب انگل کا سامنا نہیں کروں گا، ہمیں درمیانی راہ اختیار کرنی چاہیے۔" انہوں نے اپنے
کوٹ کی جیب میں ہاتھ ڈالا اور ریوالبور کال کر اپنی بیٹی پر رکھ لیا۔

"میری موت کے بعد آپ اپنی والدہ اور دیگر اہل خانہ کو میری موت کی وجہ نہ بھی بتانا
بہر حال اطلاع ضرور پہنچا دینا۔" ان کے سچے میں نخوت اور بیگانگی کی بجائے بے بسی اور لاچارگی
تھی، معاذ سنا لے کر زمین گھرا مگر انہیں دیکھتا رہ گیا تھا۔

(باقی اگلے ماہ)

تم آخری جزیرہ ہو

امریک

پہلی قسط کا خلاصہ

یہ کہانی شاہ ہاؤس کے یکینوں کے گرد گھومتی ہے، معاذ نے حد صاف گوشو اور ہر قسم کے اظہار کے معاملے میں بے باک سمجھا جاتا ہے، دوسری جانب جہانگیر یعنی جہان ہے جس سے معاذ کی سب سے زیادہ بے تکلفی محبت اور دوستی کا رشتہ ہے مگر جہان ہر لحاظ سے اس سے برعکس ہے، شجیدگی متانت اور گریز کے علاوہ لحاظ اور فرمانبرداری اس کی شخصیت کے رنگ ہیں، وہ زینب شاہ کو دل کی تمام گہرائیوں سے چاہنے کے باوجود اظہار کرنے سے گریز اس کے انا ہی نہیں ٹھکرائے جانے کا انجانا سا خوف بھی ہے، زینب، تیمور خان کو پسند کرتی ہے مگر جہان کے دل کا راز جاننے کو بھی بے تاب نظر آیا کرتی ہے اس کا مقصد صرف جہان کی کمزوری کو پانا ہے۔

نور یہ، معاذ کی چھٹی زاد ہے اور معاذ سے محبت کر لی ہے اس کی اس راز سے زینب کو آگاہی ہوتی ہے تو وہ اسے معاذ سے اظہار پہ آسانی ہے مگر نور یہ اس فن میں نہیں وہ مناسب وقت کی منتظر ہے جب معاذ خود اسے اس کی محبت سمیٹ قبول کرے۔

فیض الرحمن، احسان شاہ کے والد کے دوست ہیں جن کا تعلق پاکستان کے قیام سے پہلے سے بندھا ہوا ہے اٹھتے بیٹے اور بہو کی وفات کے بعد فیض الرحمن، نواب شاہ کے ایک دریا فادہ گاؤں میں اپنی پوتی کے ساتھ رہائش پذیر ہیں شدید بیماری کی حالت میں فیض الرحمن، احسان شاہ سے رابطہ کرتے ہیں اور پریشانی کے لئے تشویش کا اظہار کرتے ہیں، احسان شاہ ان کی ان کی بات کا بھرم رکھتے ہوئے پریشانی کا نکاح معاذ سے کرنا چاہتے ہیں مگر معاذ یہ سنتے ہی انکار کر دیتا۔

دوسری قسط

اب آپ آگے پڑھیے



اس کا دماغ صحیح معنوں میں بھک سے اڑ گیا تھا، اسے لگا تھا وہ اس کس بلیک میلنگ اور دھاندلی پہ اپنی جگہ سے حرکت تک کرنے کے قابل نہیں رہا ہے، مگر نہیں یہ غلط تھا اس کے احساسات جتنے بھی شاکد تھے مگر پیا کی حرکت نے اسے لمحے کے ہزاروں حصے میں حرکت کرنے اور پھر انہیں اس جذباتی ایکشن سے باز رکھنے پہ بھی اکسلیا تھا، وہ بھی اس بلیک میلنگ میں قابو کر لیا گیا تھا، اس جیسا سرکس اور اتھرا ہوا کھوڑا جو اس سے پہلے بھی کسی کے قابو میں نہیں آیا تھا۔

"ٹھک ہے پیا میں آپ کی بات ماننے کو تیار ہوں لیکن آپ اس طرح نہیں کریں گے۔" ان کی ریوالبورگی بلین پہ دھری انگلی کی سخت گرفت سے احتیاط سے ریوالبورنگا لٹے ہوئے اس کے سچے میں نینا بے بسی کس درجہ شکست کا رنگ اترتا تھا اس پہ دھیان دینے کی فرصت فی الحال پیا کے پاس نہیں تھی وہ تو گویا صرف اور صرف عہد کی پاسداری کے پابند تھے بس، اس کی بات سن کر انہوں نے قدرے چونک کر مگر بغور اسے دیکھا۔

"تم سچ کہہ رہے ہو؟" ان کے سچے میں جو ترمک جو خوش یکبارگی اتری اس نے معاذ کے ہونٹوں کو باہم تختی سے بچھڑا ڈالا۔

"آپ کو یاد ہو تو میں بھی جھوٹ اور غلط بیانی سے کام نہیں لیا کرتا۔" وہ تلخ اکھڑے ہوئے تیز لہجے میں جتلا کر بولا تھا، مگر پیا اس کے انداز دلچہ پہ توجہ دینے بنا اسے سچ کر اپنے گلے سے لگا کر بے تماشا چوم کر بولے تھے۔

"آئی ایم شیور تم بہت خوش رہو گے۔" اور ان کی بات کے جواب میں معاذ کے اندر دروازہ زہر کچھ اور بھی بڑھنے لگا تھا۔

☆☆☆

ذرا پانے کی چاہت میں بہت کچھ جھوٹ جاتا ہے نہ جانے صبر کا دھاگہ

کہاں پر نوٹ جاتا ہے کسے ہمراہ ہی کہتے ہوئے یہاں تو اپنا سایہ بھی لکھن پر ساتھ رہتا ہے بسکے پر روٹھ جاتا ہے جب کے ہے یہ رشتہ بھی بہت مضبوط لگتا ہے

ذرا سی بھول سے لیکن بھر دس نوٹ جاتا ہے نکاح رات کے دوسرے حصے میں خاموشی اور سادگی سے کیا گیا تھا اور اگلی صبح وہ منہ اندھیرے ہی روانہ ہو گیا تھا، پانے حالانکہ اسے روکنے کی کوشش کی تھی، مگر وہ ان سنی کیے نکل آیا

دل و دماغ میں جیسے کوئی الاؤ دیک اٹھے تھے، اس کا بس چلتا تو رات کو ہی اس منحوس حویلی سے بھاگ جاتا جس نے اسے بے بسی اور بے وقتی کے ایسے احساس سے دو چار کیا تھا کہ وہ جیسے سر تاپا جل اٹھا تھا، دوران سفر بھی وہ ٹھکنا اور سلگنا آتا تھا، اگرچہ پانے نکاح سے پہلے بھی اور بعد میں بھی اسے فریق ظنی سے طوائف کی کوشش کی تھی مگر وہ ہرگز بھی آمادہ نہیں ہوا تھا، گاؤں کی جاہل کنوار لڑکیاں اسے بھی بھی اچھی نہیں لگا کرتی تھیں اور ستم ظریفی یہ کہ اس کا نصیب انہی میں سے کسی

ایڈ لڑکی سے پھوڑ دیا تھا، دل اتنا بھرا ہوا تھا کہ خود کشی کو چل رہا تھا، کوئی تک تھی بھلا؟ شہر کی ایک سے ایک مالدار طرہ مدار اور رئیسین پہلے حسین لڑکیاں اس کی پرکشش وجہیں پر سنا لئی کی جگہ سے اس کی جانب متوجہ ہوئی رہی تھی مگر اس نے بھی کسی کو لپک حد سے زیادہ لفٹ نہیں دی تھی اور اس کے ساتھ جسے منسوب کیا تھا وہ... اس کا سر کوفت اور تکی سے پھینٹے لگا، جی چاہا ہر شے کو ہنس ہنس کر ڈالے۔

"بھائی! کیا کہاں ہیں؟ آپ اکیلے آئے ہیں؟" کھلے کینٹ سے اندر داخل ہو کر وہ ٹاک کی سیرہ میں اپنے کمرے کی جانب آمدگی طوفان کی طرح سے بڑھ رہا تھا جب ماریہ جانے کہاں سے نکل کر اس کا راستہ روک کر کھڑی ہو گئی اور گویا اپنی شامت کو آواز دی، معاذ نے اس پہ گوارا داخلت یہ قہر پار نظروں سے اسے محض ایک نظر گھورا تھا اور پھر پختا ہوا آگے بڑھ گیا، ماریہ کی نو گویا روح فنا ہو گئی تھی، وہ اپنے کمرے میں گھسا تو بیچھے دروازہ اتنی زوردار آواز سے بند کیا کہ آواز گم و بیش پورے کمرے میں گونجی گئی۔

"یا الہی خیر! کیا زلزلہ آ گیا ہے؟" نضب مکن سے نکل کر بھاگ آئی، سوال سبھی ہوئی ماریہ سے ہوا تھا۔

"زلزلہ نہیں معاذ بھائی آئے ہیں، یہ نہیں کیوں ہوڈ بے حد خراب لگ رہا تھا میں تو صرف پیا کا پوچھا جو دنیا ایسی نظروں سے گورا کہ نچھ لگا مر باؤں کی ابھی۔" وہ منمننا کر کہہ رہی تھی، نضب کی ہنسی چھوٹ گئی۔

"تم بھی ہمیشہ گدھی رہنا، موڈ دیکھ کر بات کیا کرو، موصوف تو گاؤں گئے تھے، پانے بولا تھا، کوئی بات مزاج برہم کر گئی جو کی شہنشاہ جذبات کو خیر تم فکر مت کرو، شام تک ٹھیک ہو جائیں گے۔" نضب نے اسے تسلی دے کر رخصت کیا اور خود مکن میں آگئی، مگر شام تو کھارات تک بھی معاذ کا موڈ بحال نہیں ہوا نہ اس کے کمرے کا دروازہ کھلا تھا تب۔ کونکر لاتی ہوئی تھی، پہلے نضب پھر مہا بھی جا کے بوجہ پوچھتی رہیں مگر بند کمرے کے اندر سے نینا کی چیخ کی آواز تو آتی رہی مگر اس نے کسی بات کا جواب دینا گوارا نہیں کیا تھا ایسا اس سے پہلے بھی نہیں ہوا غامما کے ساتھ ماما جان کی تشویش بھی یقینت بڑھ گئی۔

"معاذ بیٹے کیا ہوا ہے، موڈ کیوں آف ہے کچھ بتائیں تو؟" ماما جان نے زوردار دروازہ بجایا ماسا تہہ منت ساجت بھی شروع کی۔

"مجھ سے نہیں اپنے دیور صاحب سے پوچھیں کیا چاند چھانے ہیں، انہوں نے وہاں گاؤں میں۔" اس کے جلے کئے جواب پہ جہاں ماما جان کا منہ ٹھلا ماما کا اتھ بے سارہ ہول اٹھنے والے انداز میں دل تمام کے رہ گیا۔

"بچے کیا وہی جا رہا ہے، ہوا؟" اس کی سمجھ آئی، کی دروازہ صولو ڈھنگ سے بات کرو۔" ماما جان نے کس قدر غلی اور حکیم سے کہا تو کچھ توقف سے بعد چننی گرا دی گئی تھی البتہ دروازہ اوپن نہیں کیا گیا تو بوجہ ماما جان کے حکم کی سبب، اس کے ساتھ اپنی نظروں کا اظہار بھی ضروری سمجھا گیا تھا، ماما نے تیزی سے دروازہ دھکیلا تو پہلے نہ م پہ ہی چکر اڑ کر رہ گئیں، رے کمرے میں سگریٹ کے دھوئیں کا غبار اور اٹھیلی ہوائی تھی، وہ بے ساختہ کھانسنے لگیں اور سرعت سے پہلے پورا دروازہ صولا پھر آگے بڑھ کر پردے بنا کر کھڑکیاں کھولنے لگیں، اس کام سے فراغت کے بعد پائیس تو

ایک بلی کو ششدر رہ گئیں۔
 ہمیشہ کی طرح اس نے اپنا ٹھہرے کی اشیاء پر نکالا تھا، کرسٹل داز کار پینت یہ کرسیوں کی صورت ڈارینگ کے آئینے کے ساتھ ٹھہرے پڑے تھے، وارڈروپ کے دونوں پٹ کھلے تھے اور کپڑے بے ترتیب ہو کر کچھ لنگ رہے تھے کچھ فرش پر بے ترتیب پڑے تھے دیکر ساماں اشیاء کا بھی حال اس سے مختلف نہیں تھا۔
 ”معاذ بیٹے! آپ نے مجھے نہیں رہے ہیں، کب چھوڑیں گے اپنی یہ حرکتیں؟“ ماما کے لہجے میں ملال نہیں بے بسی تھی، وہ ہونٹ کھینچ کر مڑا ہوا، روٹھا ہوا اکڑا اکڑا سا ماما جان کو وہ اس پہ بے ساختہ پیار آنے لگا۔
 ”یہ سوال آپ مجھ سے کرنے کی بجائے اپنے شوہر نامدار سے کریں، وہ کسی فلم کے ہیرو نہیں ہیں مگر حرکتیں.....“
 ”معاذ!..... واٹ نان سنس۔“ ماما نے زور سے ڈانٹا مگر وہ خائف نہیں ہوا۔
 ”جو انہوں نے کیا وہ کس سنس میں ٹھیک کیا؟“ وہ بھڑک اٹھا تھا۔
 ”کیا ہوا ہے کچھ بتائیں؟“ ان کے سوال نے معاذ کا چہرہ پھر غصے کی زیادتی سے سرخ کر دیا۔
 ”یہ آپ انہی سے پوچھیں ان کے کارنامے میں کیوں بتانے لگا۔“ وہ کس قدر بدتمیزی اور نزدٹھے پن سے بولا تو اب کی بار ماما جان نے اسے جھڑک دیا تھا۔
 ”یہ آپ احسان کے لئے کون سا لہجہ اور انداز استعمال کر رہے ہیں بات کرنے کے لئے معاذ! باپ ہیں وہ آپ کے۔“ ان کے لہجے کی سخت تنبیہ نے معاذ کا خراب موڈ کچھ اور خراب کر دیا تھا۔
 ”جو انہوں نے میرے ساتھ کیا ہے اس میں انہیں کبھی معاف نہیں کر سکتا یہ آپ انہیں انہی طرح سے سمجھا دیجئے گا اور وہ جو ان کی بہت جتنی محترمہ ہیں ماما سے تو ساری عمر کے لئے بہت سکھاؤں گا ایسا کہ یاد کرے گی، ساری زندگی شکل نہیں دیکھوں گا اس کی، آئے بڑے، میری زندگی کا فیصلہ کرنے والے۔“ وہ ٹنک کر بولتا چلا گیا تھا اور جو الفاظ منہ سے نکالے تھے انہوں نے ماما جان کی الجھن تو بڑھائی ساتھ میں زینب و ماما سے صورت حال جان کر اسی سمت آتے جہاں کے قدموں کو بھی جکڑ لیا، تینوں نے ایک دوسرے کو سوالیہ اور استفہامیہ نگاہوں سے دیکھا تھا پھر ماما جان اٹھ کر اس کی جانب آئی تھیں۔
 ”معاذ بیٹے کس کی بات کر رہے ہیں، کس کی شکل نہیں دیکھیں گے؟ وہاں گاؤں میں کیا ہوا ہے آپ کے ساتھ؟“ اب کی مرتبہ ان کا لہجہ متعادل نرم اور پیار بھرا تھا، معاذ نے یونہی تھے ہونے نقوش سمیت چہرے کا رخ ان کی جانب پھیرا اور پریشانی لہجے میں بولا تھا۔
 ”آپ کو میرا لہجہ میرا انداز گستاخانہ لگ رہا ہے، ماما، مگر آپ کو پتہ چلے گا کہ پیانے پیرے ساتھ کیا کیا ہے تو.....؟“ اس نے ایک بار پھر بات ادھوری چھوڑی اور تہی چینی سا لٹس کھینچ کر جیسے سر جھٹکا اس انداز نے ان تینوں کو کچھ فکر مند کچھ حراساں کر ڈالا۔
 ”تم بولتے کیوں نہیں یار کیا ہوا ہے؟ کیوں پریشان کر رہے ہو؟“ جہاں نے کس قدر غلطی سے کہا تو وہ جیسے آگے سے پھٹ پڑا۔

”میں پریشان کر رہا ہوں اور جو مجھے پریشان کیا گیا، بلکہ بلیک میل کیا گیا وہ.....؟“
 ”جب بھی بتاؤ گے یار کے نہیں ہمیں الہام تو ہونے سے رہا ہے۔“ جہاں نے چڑ کر جواب دیا تھا۔
 ”انہوں نے دھوکے سے مجھے وہاں بلوایا اور باقاعدہ گن پوائنٹ پر اپنی کسی عزیزہ سے میرا نکاح بڑھوا دیا ہے، جاہل گنوارسی کسی خاتون سے، سن لیا تم نے؟ آگیا یقیناً کہ وہ ایسا کر سکتے ہیں باقاعدہ گن پوائنٹ ہے۔“ وہ باقاعدہ ہنکارا تھا ایک ایک لفظ پہ زور دے کر جبکہ جہاں جیسا سیلف کنٹرول آدمی بھی اس انکشاف پہ متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا تھا، ماما اور ماما جان کی تو باقاعدہ سنانے میں آگئی تھیں۔

☆☆☆

دل پہ ایسے بھی عذابوں کو اترتے دیکھا ہم نے چپ چاپ اسے خود سے پھڑتے دیکھا اس کو سوچا تو ہر سوچ میں خوشبو اتری اس کو لکھا تو ہر لفظ مہکتے دیکھا یاد آ جائے تو قابو نہیں رہتا دل پر ورنہ دنیا نے بھی ہم کو ترپتے دیکھا اس کی صورت کو فقط آنکھ نہیں ترسی ہے راستوں کو بھی اس کی یاد میں روتے دیکھا ہم محبت کے لئے آج بھی دیوانے ہیں یہ الگ بات کہ اس نے نہیں مڑ کے دیکھا

اس کے کمرے میں قبر جیسا گہرا اندھیرا تھا اور ویسا ہی سناٹا اور سنانے میں اس کی گھٹی گھٹی سسکیاں گونجتی تھیں اور کمرے کے دروازہ پر سے لپٹ جاتی تھیں معاً دروازہ آہستگی سے کھلا اور روشنی کی بڑھتی ہوئی درز نے کمرے کی تاریکی کو کھل لیا۔
 ”نوری..... نوری.....“ زینب نے آہستگی سے بکارا پھر پہلے سوچ بورڈ پر ہاتھ مار کر لائین آن کی پھر اپنے پیچھے دروازہ بند کر کے اس کے پاس چلی آئی، نوری کی پوزیشن میں فرق نہیں آیا تھا البتہ سسکیاں گونجتی تھیں، زینب نے اپنا سبک گداز ہاتھ اس کے کانڈھے پہ ہر ردی کے انداز میں رکھا البتہ اسے قطعی سمجھ نہیں آ سکی تھی سے نوری سے کیا کہا جائے وہ اسی شش و پنج کا شکار تھی جب نوری ایک جھٹکے سے سیدھی ہوئی اور اس کے کانڈھے سے لگ کر بے ساختہ دبے اختیار روٹی چلی گئی، زینب پہلے بوکھلائی پھر آہستگی سے اسے پھینکنے لگی تھی۔
 ”یہ کیا ہو گیا زینب؟ یہ میری محبت ہے کیسا ساخو آ کر گزر گیا ہے، ابھی تو میں اس کے رنگوں سے آشنا کی بھی حاصل نہیں کر پائی تھی ابھی تو کسی ایک خوشی سے بھی اپنے دل کی کلی کو مہکتے نہیں دیکھا تھا زینب میرے ساتھ ایسا کیوں ہوا آخر؟“
 ”کیسی کرہنا کی کیسی ہوک تھی اس کی آہ و بکا میں زینب اچھی خاصی مضبوط دل کی مالک ہونے کے باوجود خود کو اس کے دکھ کے آگے ہارتا ہوا محسوس کرنے لگی۔
 ”پتہ نہیں پتا کو کیا سوچتی ہے یار، بھلا اس طرح بھی شادیاں ہوا کرتی ہیں آج کل، فریقین

کی پسند اور رشتہ کی کتنی ضروری ہے یہ بات انہیں کون سمجھائے، خیر تم فکر نہ کرو۔ میں تمہیں یہی بتانے آئی ہوں کہ بھائی پاپا کے اس فیصلے سے بالکل بھی خوش نہیں ہیں اور انہوں نے باقاعدہ اخلاقی کیا ہے کہ وہ اس لڑکی کو بیوی کی حیثیت سے بھی قبول نہیں کریں گے۔ اس کی سلی ددا سے نے نوریہ کے چہرے پر اطمینان کے ساتھ بے بسی بھی نکمیر دی جسے نرنب نے واضح محسوس کیا اور پھر نسل کے انداز میں بولی گئی۔

”تمہارے لئے ابھی سارے رستے بند نہیں ہوئے ہیں نوری! جب بھائی کی دلچسپی نہیں تو سمجھ لو اس رشتہ کی اہمیت صفر ہے، وہ کیا کہتے ہیں کہ جو پاپا من بھائے وہی سہا کن، رات پاپا آئے تو ایک باز پھر ہنگامہ اٹھا تھا بھائی تو گھر سے بھاگ رہے تھے ماما اور ماما جان نے بیچ میں پڑ کے معاملہ سنایا، پاپا کی اتنے بڑے ایکشن کے بعد کی خاموشی حیران کن ہے، اپنی ویز میں پھر تمہیں کہوں گی ہرٹ مت ہو ابھی کچھ بھی ملے نہیں ہوا، بھائی ہرگز خوش نہیں ہیں اور ان کی ناپسندیدگی تمہاری خوشی کا باعث ہونا چاہیے، اب بس ہمت سے کام لیتا اور معاذ بھائی سے اپنی پسندیدگی کا اظہار ضرور کر دینا۔“ نرنب نے اپنی بات مکمل کر کے اس کے تاثرات جھانچے تو سخت مایوسی کا سامنا کرنا پڑا اس کے چہرے پر۔ ہنوز حزن و ملال کے رنگ تھے۔

”یار کیا ٹینشن ہے، موڈ تو ٹھیک کر دینا۔“
 ”میں بے حس ہوں نہ خود غرض زہنی کہ کسی کی بر بادی کو اپنی آادی کا ذریعہ جان کر خوش ہو لوں گی۔“ اس کا جواب کم از کم نرنب کو اونٹ پنا ٹنگ ہی لگا تھا اس نے گھور کر نوریہ کو دیکھا تھا۔
 ”دماغ درست ہے تمہارا؟ کیا جتنی رہی ہو؟“

”زہنی وہ بھی ایک عورت ہے، میرے اور تمہارے جیسی جس کی زندگی کے فیصلے بنائے اور بگاڑے جارہے ہیں، کیا وہ احساسات اور جذبات نہیں رکھتی ہوگی؟“ اس نے عجب سی نظروں سے جواباً نوریہ کو دیکھا یوں جیسے اس کا دماغ پھر گیا ہو۔

”تم معاذ بھائی کی منکوحہ کی بات کر رہی ہو؟ تمہیں خود اپنے آپ سے زیادہ اس سے ہمدردی ہے؟“ نرنب کا لہجہ دانڈا پھنکار ڈالنے والا تھا، نوریہ نے سر جھکا لیا۔
 ”تمہیں معاذ بھائی سے محبت کی گئی نوری؟“ نرنب کا لہجہ اب کی مرتبہ بے حد کڑا اور تسخیر اڑانے والا تھا، نوریہ کا دل بھرانے لگا۔

”محبت کا یہ مطلب تو نہیں ہے زہنی کہ میں اخلاقیات و اقدار کا خون کر دوں اپنی نسوانیت کا وقار کھودوں، کیا چاہتی ہو تم؟“

”اس میں اخلاقیات اقدار اور نسوانیت کدھر سے آگھسی ہیں؟“
 ”انہیں ہمیشہ ہر معاملے میں ہمیں ساتھ رکھنا ہوتا ہے انہیں کھو کر ہم اپنے آپ کو پستیوں میں گرا دیتے ہیں زہنی پھر دوسری اہم بات یہ میں نے کہا نہ میں بے حس نہیں ہوں اور نہ میں اتنی بولڈ ہوں کہ یوں محبتوں کے اظہار کرنی پھروں، میں ایک شہرتی لڑکی ہوں جو اپنی محبت کا خون تو اپنے ہاتھ سے کر سکتی ہے مگر اپنے وقار اور نسوانی بندار کی قربانی کسی صورت بھی دینے پر آمادہ نہیں ہوگی۔“
 اس کا لہجہ اتنا مضبوط تھا کہ اس میں کسی قسم کی گنجائش نہ پاپا کے نرنب سے جھگڑنے سے اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔

”بھائی میں جاؤ تم اپنی ان کتابی باتوں کے ساتھ، اونہ۔“ وہ ہر پختی ہوئی وہاں سے چلی گئی تو

نوریہ نے مجال سے لڑھک آنے والے آنسوؤں کو آہستگی سے رگڑ کر صاف کر دیا تھا اور بڑھ حال سے انداز میں پھر تیلے میں منہ گھسایا، ابھی اسے اور بہت سارا روٹا تھا ابھی اسے بہت محنت کرنا بھی خود کو پھر سے جوڑنے میں۔

☆☆☆

معاذ کے تمام تر واویلے اور احتجاج و غصے کے باوجود شاہ ہاؤس میں اس کے نکاح کی اس سنہنی خیر خبر نے یکا یک ایک پھل سی مچا کے رکھ دی تھی، پر نیوں کے بارے میں باقاعدہ قیاس آرائیاں ہوتی تھیں اور دے ہوئے انداز میں اسے دیکھنے کی خواہش کا اظہار بھی کیا گیا تھا جس پر پاپا سمیت کسی بزرگ نے دھیان دینا ضروری نہیں سمجھا تھا۔

”نام تو بہت یونیک ہے، ہو سکتا ہے وہ خود بھی پیاری ہوں۔“ یہ بات ماریہ نے کہی تھی جو بے حد ایکساٹینڈ ہو رہی تھی یہ سب جان کر۔

”دیسے حیرانی کی بات ہے پاپا بھائی کی ضد مٹ دھری سے ابھی طرح آگاہ تھے اس کے باوجود انہوں نے ان کے لئے ایسا سوچا جبکہ اس گھر میں ان کے علاوہ بھی دو اور لڑکے شادی کے قائل تھے۔“ زیادتی کی بات یہ جہان نے منکر اہٹ دہائی گئی۔
 ”کس تمہیں اپنا چانس کس ہو جانے کا افسوس نہیں؟“

”ایسا تب ہوتا اگر جو ہمارا دل کسی اور مرد رخ کا اسیر نہ ہو چکا ہوتا۔“ زیادہ چہنے لگا۔
 ”ہر وقت تو شادی کے لئے مرے جاتے تھے بس اسی لئے پاپا نے ان کا نام سوچا ہوگا۔“
 نرنب کی رائے مضبوط تھی۔

”پاپا جتنے پرسکون ہیں حیرت ہوتی ہے، انہیں بھائی کی ناراضگی کی پرواہ تک نہیں۔“ نرنب کو پتہ نہیں کیوں قصہ چڑھا رہا تھا۔

”چند دنوں میں ہمارے بزرگ پھر معاذ کے سسرال جا رہے ہیں۔“ اسما بھائی کی اس قدر اہم اطلاع پر حاضرین اپنی اپنی جگہ اچھل پڑے۔

”واٹ؟ کس سلسلے میں؟“ جہان نے ٹھٹھک کر یہ سوال بھائی سے کیا تھا، اس کے لہجے میں واضح تشویش تھی۔

”یہ تو مجھے نہیں پتہ مگر جب میں جائے لے کر گئی پاپا جان ماما سے کہہ رہے تھے، ماما جان اور چاچو بھی وہیں تھے، بالی بات رات کو تمہارے بھائی سے پتہ چلے گی، اس میٹنگ کا وہ بھی حصہ تھے۔“ بھائی کے اگلی بات نے ایک جزییشن میں لپٹی مچا دی۔
 ”لیکن اسے لگام کون ڈالے گا، وہ تو احرار ہوا گھوڑا بنا ہوا ہے۔“ جہان نے کس قدر فکر مندی سے خود کھائی کی تھی۔

”مجھے تو خود یہ جلد بازی لگ رہی ہے، معاذ کا موٹا پیلے ہی ابھی تک بگڑا ہوا ہے۔“
 ”اجھا تھا وہ گھر سے دوڑ جاتے۔“ نرنب نے پھر کس کر کہا تھا جہان نے بہت چونک کر اسے دیکھا اس کے چہرے پر یہ دہلی دہلی تھی غصہ تھا سخت تھا۔

”تم چپ رہو، تمہیں، ابھی تم اپنے بڑوں سے زیادہ عقل مند نہیں ہوئیں اور معاذ بھائی کتنے جذباتی ہیں یہ سب جانتے ہیں، پاپا بتا رہے تھے انہوں نے انہیں بھائی سے ملنے انہیں دیکھنے کی آفر کی تھی، نکاح سے پہلے بھی بعد میں بھی، مگر یہ ماننے نہیں۔“ زیادہ نے جھڑک کر کہا۔

”صرف دیکھنے کی آفر تھی، نہ دیکھنے کے بعد رجسٹرنگ کرنے کی تو نہیں، جب فیصلہ ہی مانا جاتا تھا تو اس بات کی اہمیت صفر ہو جاتی ہے کہ ملا اور دیکھا جائے یا نہیں۔“ نذیب نے جواباً خائف ہوتے بنا ترخ کر کہا تھا، اس کا انداز کچھ ایسا غیر معمولی تھا کہ سب ہی اس کی جانب متوجہ ہو گئے تھے۔

”آخر پانے کچھ سوچ سمجھ کر ہی یہ فیصلہ کیا ہے۔ انہیں بھی اس بات کا اچھی طرح اندازہ ہے کہ بھائی صاحب اس ٹیبل کے سب سے وجیبہ اور شاندار آدمی ہیں آف کورس انہوں نے ان کے لیے شریک حیات کا انتخاب بھی اسی معیار کے لحاظ سے کیا ہوگا۔ ملنے یاد رکھ لینے میں حرج بھی نہیں تھا کم از کم معاملہ کلیئر تو ہوا ہوتا۔“ امین زیاد اپنی بات پر اڑا ہوا تھا مگر نذیب کے تاثرات میں تھدیلی نہیں آئی۔

”آپ ان کی اتنی فور کیوں کر رہے ہیں آخر؟“ وہ بری طرح جھلاٹھی تھی اب کے۔ اس بات سے بے نیاز کہ جہان بہت خاموش مگر گہری نظروں سے مسلسل اس کا جائزہ لے رہا تھا۔

”اور تم مجھے بتاؤ تم آخر پانے کے اس فیصلے کی اتنی مخالفت کیوں کر رہی ہو؟“ امین زیادہ کے سوال پر وہ ذرا سا گرجا ہوا۔

”اس لیے کہ کل اسی طرح پانے اور پانے بھی اپنا فیصلہ مسلط کر سکتے ہیں۔“

”ڈونٹ ڈری سسٹرز مجھے یا جہان پر یہ سہم اگر وہ توڑیں گے بھی نا تو ہم معاذ بھائی کی طرح کاری ایکشن نہیں دیں گے پر اس! اب تم زبردست قسم کی چائے تو بنا لاؤ۔“ زیاد نے نرمی اور سجاد سے اس کا دھیان بٹانا چاہا تھا وہ ہونٹ بچ کر اٹھی تو جہان نے نگاہ کا کاڑا دیہ بدل لیا۔ جانے کیوں جہان کے اندر نذیب کی اس تکرار نے ایک نظر ایک بے چینی بھر دی تھی جسے وہ معاذ کے لئے انہیں خود اپنے لیے کوئی جگ لڑ رہی ہو۔

☆☆☆

اندھیری رات کے لمحے شمار ہونے تک تجھے ہی سوچتا ہوں سچ سے شام ہونے تک میں ایسا جسم ہوں جس کی روح بھی تو ہے

اندھیری رات ہوں میں تیرے نام ہونے تک تیری آواز نہ سن لوں تو دل نہیں لگتا

تڑپتا رہتا ہوں ہم سے ہمکلام ہونے تک تیری نظر کی قیمت یہ بک رہا ہے کوئی

اسے خرید لے تو مجھے دام ہونے تک عشق کی آگ جو سینے میں لگا بیٹھے ہیں

سکتی رہتی ہے یہ فیندیں حرام ہونے تک

وہ اندر آئی تو اس کے سیل فون کی اسکرین پر تارک کمرے میں بلیک کر رہی تھی۔ صبح ٹون تھی اس نے لیک کر بیڈ سے سیل فون اٹھایا۔ تیمور خان کا بیج تھا بہت خوبصورت شامری کو انکھار کا ذریعہ بنا گیا تھا جسے پڑھتے وہ ہل جانے والی مسکان سے بے خبر نہیں تھی، ابھی نظم پوری ہا مشکل پڑھ پائی تھی بھی تیمور کی کال پھر سے آگے لگی۔ نذیب نے گردن موڑ کر بند دروازے کو دیکھا پھر

مطمئن ہو کر بیڈ پر نیم دراز ہوتے کال پک کر لی تھی۔

”کہاں تھیں آپ؟ بہت انتظار کرانے لگی ہیں۔“ تیمور خان کا بے تاب چمکتا ہوا لہجہ نذیب کو یاد کر رہا تھا وہ اسکے لیے کتنی اہم کتنی خاص ہے۔ وہ آہستہ سے اس کی جلتی جگ بجائی ہوئی دلکش ہنسی نے فون کے ذریعے تیمور خان کی سماعتوں میں رس گھولا اور وہ کچھ اور بھی بے چین ہونے لگا۔

”نوعی آئی مس یو یار۔“

”تو کرتے رہیں مس میں کیا کروں؟“ وہ ٹھنک کر بے نیازی سے بولی اور تیمور خان خفا ہونے لگا تھا۔

”میں مذاق نہیں کر رہا نذیب شاہ یہ سچ ہے میں اب تمہارے بغیر نہیں رہ سکتا۔ بتاؤ کب اپنی ذیلی کو تمہارے ہاں سمجھوں؟“

”اتنی جلدی کیا ہے آخر؟“ وہ اسے جان کر ستائی اور حذق کیا کرتی اس سے اسے اندازہ ہوتا وہ تیمور کے لیے کتنی اہم ہے اور یہ احساس بہت دلنشین لگا کرتا تھا اسے وہ ایسی ہی تھی تھوڑی بے حس اور بہت زیادہ خود پسند۔

”میں نے کہا ناں میں اب تمہارے بغیر نہیں رہ سکتا۔ تمہارے سینوں اور تصور سے خود کو بہلاتے تھک گیا ہوں۔“ تیمور خان کی آواز میں نکت سی جھنجھلاہٹ اتر آئی تھی۔ وہ پہاڑوں کا بیٹا تھا۔ ویسا ہی سنگناخ بلند و بالا اور مضبوط۔ جانے نذیب کے آگے کیونکر پھسل گیا تھا کچھ اس طرح کہ موم بن کر قدموں میں ڈھیر ہوا جاتا تھا۔ نذیب اس کی وجاہت خود بدلی سے زیادہ اس کے پیک گراؤڈ اس کے شاہانہ طرز زندگی سے متاثر ہوئی تھی۔ زرا لالے اس کی یونیورسٹی فیلو اور دوست تھی۔ تیمور خان اس کا بھائی تھا۔ وہ اکثر زرا لالے کو کالج ملنے آیا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ نذیب کی بھی اس سے ملاقات ہوئی تھی۔ زرا لالے کے ساتھ تیمور خان تو جیسے دیوانہ ہوا تھا۔ وہ اپنی شخصیت کی طرح تھازور آور اور دھانسو مزاج رکھنے والا، سرکش اور بے نیاز مگر نذیب کے خڑے اور بے نیازی نے اسے چاروں شانے چت گرا دیا تھا۔

”ایسا کیا جادو کر دیا ہے لالہ۔ وہ پاگل ہو رہے ہیں تمہارے لیے۔“ زرا لالے نے جب پہلی بار یہ بات کہی تو نذیب نے اس کو تال دیا تھا مگر تیمور خان کی جب آمد و رفت زرا لالے سے ملنے کے بہانے کالج بڑھی تب نذیب کو اس کی بات کا یقین کرنا پڑا کہ تیمور خان کی بولتی بہت کچھ کہتی آنکھوں میں جتنے بھی بے لگام اور بے باک جذبے تھے سب یہ نذیب کو اپنا نام لکھا ہوا نظر آتا تھا۔

نذیب نے آسانی سے اس کی محبت کو قبول نہیں کیا تھا دل ہی دل میں پوری طرح اس سے متاثر ہونے کے باوجود اس نے اسے اپنی فطرت اور مزاج کے مطابق خوب ترسایا تھا خوب تر پایا تھا تب جا کے اسے قبولیت کی سند بخش تھی۔ تیمور خان اس سے شادی کو اتنا دلا ہوا جا رہا تھا جبکہ نذیب کو یہاں بھی کوئی جلدی نہیں تھی۔

دوسری طرف جہان تھا تیمور خان سے کسی طرح بھی کم نہیں تھا بلکہ وجاہت، قابلیت اور تعلیم میں وہ تیمور سے ہر لحاظ سے بہتر تھا۔ البتہ تیمور ان کی وسیع جائیداد اور اراضی کے سامنے وہ اپنی مالی حیثیت میں خود مات کھا جاتا تھا۔ نذیب کو بار بار مرتبہ لگا تھا جہاں اس میں انوالو ہے اور اس نے اس راز کو اگلوانے اور اس کی کریدی کو شش بھی کی تھی مگر جہان کی ثابت قدمی کے باعث وہ ابھی تک

"اور یہ اطلاع میرے لئے نئی نہیں ہے، جنہوں نے یہ کیا ہے وہ بھی معاذ حسن کے والد محترم ہیں۔" اس کا لہجہ جانے کیوں بے حد سرد ہو گیا تھا، زینب نے اپنے قدموں کو دھیمبا کیا پھر روک لیا مگر جہان آگے بڑھتا چلا گیا تھا، ایک بار بھی رک کر یا مز کے دیکھے بغیر، زینب ہونٹ جھینپے کھڑی رہی۔

(اور نوری کتنی احمق ہے کہتی ہے یہ مجھ سے محبت کرتا ہے۔)

اس کے اندر شہر بڑھنے لگا، اسے اپنے قدموں پہ جھکانے کا خیال دن بدن فاسق ہوتا محسوس ہو رہا تھا۔

☆☆☆

معاذ اپنے دھیان میں مگن ڈائننگ ہال میں آیا تھا، وہاں سب کو خاموشی سے کھانے میں مصروف دیکھ کر چوٹکا۔

"واہ بڑا سکون ہے، یہ شاہ ہاؤس کا ہی ڈائننگ ہال ہے نا؟" بہت دلوں بعد وہ اپنی پرانی فارم میں نظر آیا تھا، ویسا ہی تک سک سے درست بے حد خور و جہان نے بہت دھیان سے اسے دیکھا۔

(کیا ابھی جوائنکشاف اس پہ ہونے والا ہے اس کے بعد بھی یہ اتنا پرسکون نظر آئے گا؟)

وہ اس کا متوقع ری ایکشن سوچ کر مضطرب ہونے لگا کہ ابھی کچھ دیر پہلے جب اس نے پاپا جان سے فون پر بات کی تو انہوں نے بھی پریناں گواہی ساتھ لانے کا عندیہ ظاہر کیا تھا اس کے سوا اور کوئی راستہ تھا بھی نہیں اور ممانے اسے یہ فریضہ سونپنا تھا کہ معاذ کو وہی اس صورتحال کے لئے تیار کرے گا۔

"کیا سانب سوگتو گیا ہے سب کو؟" جواب میں خاموشی کو یا کر وہ جھلایا، بھابھی نے سبھی کو سختی سے معاذ سے کوئی بھی بات کرنے سے منع کیا تھا کہ وہ ہتھ سے اکٹڑ سکتا تھا، ابھی یہ کام جہان کے سپرد ہوا تھا اسے بتانے اور قائل کرنے کا۔

"ہر وقت کا اودھم ضروری تو نہیں ہے، تم کھانا کھاؤ آرام سے۔" جہان نے جواب دیا تھا، وہ کاندھے اچکا کر کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا اور کھانے کی سمت متوجہ ہو گیا۔

"زینبی مجھے ایک بڑا لگ کانی کا یاد سے دے جا۔" وہ کھانے سے فارغ ہو کر اٹھا تو زینب سے بولا تھا، زینب نے سر ہلایا تو کسی کو مزید کچھ کہے بنا پلٹ کر باہر چلا گیا، جہان اس کے کمرے میں آیا تو وہ بیڈ پہ بہت ریٹیکس انداز میں بیٹھا ہوا تھا اور لیپ ٹاپ پہ بڑی تھا۔

"تم مصروف ہو تو میں کچھ دیر بعد آ جاتا ہوں۔" جہان کی بات پہ معاذ نے نظریں اٹھا کر حیرانی سے اسے دیکھا۔

"بھئیو یار تم اتنے فارل کیوں ہو رہے ہو، میں بڑی نہیں ہوں، بس کچھ ای میل چیک کر رہا تھا، اپلائی کیا تھا یا یونیورسٹی میں تو....."

"کیا رہا؟" جہان نے بے تابی سے پوچھا تو وہ مسکرا دیا۔

"تم جانتے ہو زندگی کے کسی بھی مقام پہ ریٹیکشن میرے حصے میں نہیں آیا میں سائیکٹ کر لیا کیا ہوں۔" جہان بے ساختہ مسکرا دیا۔

"گڈ ویری ٹاکس کا ٹریٹ یار۔" معاذ نے جواباً آہستگی سے سر ہلایا، اس کی مبارک باد کو

قبول کیا۔

"یار اگر تم سمجھو تو بھابھی تمہارے لئے مبارک بہت ہوئی ہیں، اتنی بڑی کامیابی کتنی آسانی سے مل گئی ہے۔" جہان نے گویا تمہید باندھی، معاذ جو لیپ ٹاپ بند کر چکا تھا الجھ کر اسے دیکھنے لگا۔

"کون سی بھابھی؟"

"پریناں بھابھی اور کون!" جہان کے لہجے میں آنکھوں میں خلاف مزاج شرارت در آئی تھی۔ "پریناں بھابھی کون ہیں؟" معاذ نے مسکرا کر ہنسی کو سبب بنی تو جہان نے بے حد تکلی سے اسے گھورا تھا۔

"تم کیوں بھابھی کہہ رہے ہو احمق!" وہ جزبہ ہوا تھا۔

"کیوں اگر تم کہہ سکتے ہو تو میں نہیں کہہ سکتا، ویسے یہ کون سی نئی نئی اور انجان بھابھی ہیں جن سے میں سرے سے واقف نہیں۔" اس کے لہجے میں اگر مصنوعی پن ہوتا تو اور بات ہوتی تھی وہ سنجیدہ تھا جہان کو اب کی مرتبہ شاک لگا تھا۔

"معاذ تم وہی کچھ نہیں جانتے؟" وہ کس قدر تجھ سے بولا تھا۔

"کیا؟ بتاؤ گے تو ہے نا۔" معاذ بھی اب جھلا اٹھا تھا۔

"پریناں اس لڑکی کا نام ہے معاذ حسن سے تمہارا نکاح ہوا ہے میں انہی کی بات کر رہا تھا۔" جہان نے سرد آواز میں بہت کچھ جتلا یا تو معاذ نے ساکن ہو کر اسے دیکھا پھر پہلے یکا یک اس کی آنکھیں سرخ ہوئیں پھر چہرے کی رنگت، جب وہ بولا تو اس کا لہجہ خونخاک حد تک سرد اور سنگین تھا۔

"پہلی بات تو یہ کہ میں اس زبردستی کے رشتے کو نہیں ماننا دوسری اہم بات ہمیشہ کے لئے نوٹ کر لو بچے کہ تمہارا رشتہ مجھ سے ہے اور میں تم سے کہہ رہا ہوں تم میرے حوالے سے اس کو بھابھی نہیں کہو گے، کبھے تم؟" جہان کچھ لٹخوں کو شاکد رو گیا تھا اس نے دیکھا شخص اتنی سی بات یہ وہ اتنا مستعمل ہوا تھا کہ غصہ میں لال بھجھو کا چہرے لائے انہ کر کمرے میں چکرانے لگا تھا، انداز اتنا بگڑا ہوا تھا کہ اس کے اتنے نزدیک ہونے کے باوجود جہان کو مزید کچھ کہنے سے جھجک محسوس ہوئی تھی۔

"اگر ایسی بات تھی معاذ تو پھر تمہیں یہ بندھن نہیں باندھنا چاہیے تھا۔" اس نے کس قدر غصے سے کہا تو معاذ اس کے پاس آ کر ایک جھٹکے سے ٹھم گیا اور اپنی سنگینی ہوئی آنکھیں اس کے چہرے پہ گاڑ دیں۔

"تمہا کرتا میں، کوئی راستہ نہیں چھوڑا تھا انہوں نے میرے فرار کا، مگر اب میں مزید ان کی نہیں مان سکتا، زندگی میری ہے اسے میں اپنے انداز میں گزارنے کا پورا حق رکھتا ہوں۔" وہ دبے ہوئے انداز میں جھجکا تھا۔

"مگر فیصلہ اگر تمہیں کی وفات ہو چکی ہے اور اب وہ اکیلی ہیں، کیسے رہ سکتی ہے ایک اکیلی جوان بے سہارا لڑکی۔"

"یہ کوئی جیم خانہ نہیں ہے کہ وہ یہاں بسرا کرے، ویسے بھی یہ پیا کے سوچنے کا کام ہے۔"

وہ کس قدر بے حسی اور سفاکی سے بولا تو جہان کو اس کی سوچ کے اس رخ نے گہرے تاسف میں جلا کر دیا تھا۔

"جس انداز میں بھی سہی، بہر حال اب وہ تمہارے نام سے منسوب ہیں۔ معذرت بہت غلط بات ہے کہ وہ اس گھر میں ہوں اور تم انہیں اپنے رویے سے ہرٹ کر دو، میں یہی کہیں سمجھانا چاہ رہا ہوں کہ....."

"واٹ کیا کہا تم نے.....؟"

"وہ اس گھر میں آئے گی؟" معاذ نے حقارت سے ہونٹ سکوز کر جس طرح سے سوال کیا تھا اس کے چہرے پر ہنسنا گوارا ہی در آئی تھی اس نے جہاں کو لنگ کر دیا تھا۔

"تو اور کہاں جائیں گی، میں نے بتایا کہ اب ان کا دنیا میں....."

"مجھے اس سے کوئی غرض نہیں ہے کہ وہ کہاں رہے گی، میں اتنا جانتا ہوں میں اسے یہاں اس گھر میں برداشت نہیں سکتا یہاں آنے کا مطلب ہے لوگوں سے اس کا میرے حوالے سے تعارف جو مجھے ہرگز بھی گوارا نہیں ہے۔" وہ چیخا پڑا تھا جہاں نے خائف ہو کر دیکھا تھا۔

"معاذ بہت فضول بات برے ہو تم، چاچا انہیں ساتھ لے کر آئیں گے میرا خیال ہے کہ تم انہی سے بات کرنا۔" وہ دائمی ہنس چڑھ گیا تھا، اس کا خیال تھا وہ اس کے سنبھالے میں نہیں آنے والا تھا۔

"تو پیمانے پھر یک طرفہ فیصلہ کیا ہے... پھر من مانی کر رہے ہیں، مگر ان کی بھول ہے کہ میں اب ان کے ہاتھ میں کھ پکی ہوں گا، اوکے فائن! ارہمیں وہ اپنی بہو کو یہاں مگر میں نہیں رہوں گا، جا رہا ہوں میں ابھی اور اسی وقت۔" وہ ایک دم اتنا بھرا تھا کہ جہاں کی گھبراہٹ بوکھلاہٹ پکاروں کو خاطر میں لائے بغیر لٹے سیدھے جوتے پہن کر اس کے روکتے پکڑتے بھی اپنا آپ چھڑا کر آندھی طوفان کی طرح سے کمرے سے نکل گیا تھا، جہاں سر پکڑ کر وہیں بے بس سا بیٹھ گیا۔

☆☆☆

بجے بجے سے عجیب دن ہیں
خواب ہیں نہ خیال کوئی
نہ منظروں میں کوئی تشش سے
نہ موسموں میں جمال کوئی
ہم ایک دو بجے کو اپنی اپنی
ادھوری آنکھوں سے دیکھتے ہیں
ہماری برسوں کی چاہتوں سے
اتر رہا ہے زوال کوئی
جو ہنستا چاہیں تو اشک ٹپکیں
جو رونا چاہیں تو جنتے جائیں
ہمارے جذبات گردی رکھ کر
بنا رہا ہے مثال کوئی.....

وہ ٹیرس پہ کھڑی تھی نفاذ ہیز دھند سے بو جھل تھی اس پاس برقیٹا ہواؤں کی سرسراہٹ تھی جو وجود میں دوڑتے خون کو بھی گویا جمانے کے درپے تھی مگر وہ جیسے ہر احساس سے عاری تھی، ہوا کا

ایک تیز جھونکا اسے چھو کر گزرا اور اس کی شال کا پلو اڑنے لگا، وہ تب بھی بے خبر رہی مگر جب ایک مہربان ہاتھ کا لمس اس کے کاندھے پر اترتا ہے وہ اسی غفلت بھری کیفیت سے باہر آئی تھی، گردن موڑنے پر اسے اپنی داہنی جانب ماما کا مشتق چہرہ نظر آیا جس پر اس کے لئے بے پناہ محبت کا رنگ تھا۔

"بہت سردی ہے بیٹے آپ باہر کیوں آگئیں اندر چلیں ورنہ ٹھنڈ لگ جائے گی۔" ان کے چہرے کی طرح ان کا لہجہ بھی مشتق تھا نرم اور محبت سے بھرا ہوا، برنیاں نے ذرا سا تھمبل برتا پھر اسی خاموشی سے ان کے ساتھ کمرے میں آگئی، کمرے کی فضا میں طبعی خوشگوار صدمت تھی آتش دان میں لکڑیاں جل رہی تھیں اور چاروں بزرگ افراد وہیں جمع تھے، آج انہیں یہاں آئے دوسرا دن تھا اور تب سے گویا دونوں خواتین نے اسے اپنی بے پناہ پر شفقت بنا ہوں میں لیا ہوا تھا، ماما اور ماما جان تو گویا اسے دیکھ کر پہلی نگاہ میں ہی عاشق ہو گئی تھیں، ایسا معصوم نوجوز اور دلرہا حسن شاید ہی ان کی نگاہ سے پہلے گزرا ہو وہ تو اس کے واری صدمتے ہوتے اس کی بلا میں لیتے نہ تھک رہی تھیں، شوہر سے جو ایک ان کہا سا شکوہ تھا بیٹے سے زیادتی کا وہ کب کا بھولی چکا تھا بلکہ انہیں تو صحیح طور اسی انتخاب پر فخر محسوس ہونے لگا تھا اور جب انہوں نے جانا وہ میز بیل کے دوسرے سال میں ہے تو معاذ کا خصوصی چناؤ بھی ان کی سمجھ میں بخوبی آ گیا تھا۔

(بہت بے وقوف ہے معاذ بھی، اگر ایک نگاہ دیکھ لیتا تو اتنا شور کبھی نہ مچاتا۔) انہیں بیٹے کا داویا یاد آیا تو مسکرا دیں۔

"خیر اب میں خود بتاؤں گی اسے، پھر سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

"پر نیاں بیٹے آج شام سے پہلے ہمیں لکھنا ہے گھر جانے کو، آپ نے اپنی تیاری تو کر لی ہے نا۔" پاپا جو بیل فون پر معروف تھے فراغت کے بعد سب سے پہلے اسی کی سمت متوجہ ہوئے، جو ملازمہ کو کالی سر دکھتے بے خیالی میں دیکھ رہی تھی اس بات پر چونکی بلکہ مضطرب ہو گئی۔

"آپ اپنی ضروری چیزیں ہی لیتا بیٹا، کپڑے وغیرہ اٹھانے کی ضرورت نہیں اور بن جائیں گے۔" ماما جان کے کہنے پر وہ جو ہونٹ کاٹ رہی تھی بونگھی سر جھکائے اٹکیاں مسکتی رہی۔

"آپ کچھ کہا چاہتی ہو بیٹا!" اسے تذبذب میں مبتلا پا کر پاپا نے گویا اسے مشکل سے نکالا۔
"وہ الٹیجی ٹکی میں آپ کے ساتھ نہیں جاسکتی، میں ہاسٹل میں ہوتی ہوں نا، تو..... اب بھی وہاں....."

"بیٹے پہلے کی بات اور تھی، تب آپ کا گھر دور تھا مگر اب....."

"اب تو میرا گھر بھی کوئی نہیں رہا، ددا کے بعد میں....." وہ ایک دم سے چہرہ ہاتھوں میں ڈھانپ کر بٹک آئی، اس پر گویا شدید جسم کی شکستہ حالی کا دورہ پڑا تھا، دل گرتی اور بے چینی اس کی رگ رگ کو کاٹ رہی تھی، وہ بھولی نہیں تھی بھول سکتی ہی نہیں تھی، وہ سب کچھ جس کی حواس باطنی نے اسے ساکن کر دیا تھا احساسات بھی گویا جامد ہو گئے تھے یہ جان کر کہ ددا اس کا نکاح ایمر جنسی میں کیا ہے کر رہے ہیں، کون کس سے، یہ تو اس نے سوچا ہی نہیں تھا البتہ ددا کی آنکھوں میں جتنی بے بسی تھی جو انجمنی اسے رد کرنے کا حوصلہ وہ کہاں سے لائی جسمی ان کی خواہش پر چپ چاپ سر تسلیم خم کر دیا تھا ورنہ جو اس کی اپنی زندگی اور مستقبل کے لئے پلاننگ تھی ان میں شادی کو تو اگلے

کئی سالوں تک تصور بھی نہیں تھا، مگر کچھ کام انسانی ارادوں اور منصوبوں سے یکسر اوپر کے ہوتے ہیں جنہیں قدرت نے طے کیا ہوتا ہے اور وہ ہو کر ہی رہا کرتے ہیں یہ بھی ایک ایسا ہی کام تھا جو جتنا بھی غیر متوقع تھا اس نے اسے قبول کر لیا تھا، وہ اس بات سے بھی مطمئن تھی کہ دوا کا انتخاب اس کے لئے بہترین ہی ہوگا، نکلان نامے پر سامن کرتے اور قبولیت کے مراحل سے گزرتے وقت معاذ حسن کا نام اس کی سماعت اور بصارت کا حصہ بنا تو اس ہنگامی صورتحال کے باوجود دل اس ایک نام سے جانے لیسے اور کیوں شناسائی کا مرحلہ بہت سرعت سے طے کر گیا تھا اور اس نام سے شناسائی اتنی سرعت سے بڑھی تھی کہ اس کے بعد محض چند گھنٹوں میں ہی جتنی بار بھی اس نے دوا یا پھر احسان انکل کے منہ سے اس نام کو سنا اسے اپنی ہارت بیت کس ہوتی محسوس ہوئی تھی، مگر یہ کیفیت اتنی لمبائی ہوگی یہ اس کے گمان تک بھی نہیں تھا۔

انگل صبح وہ حسب معمول نماز فجر کے بعد چہل قدمی کو لان کی سمت جانے کو اپنے کمرے سے نکلی تو احسان انکل اور معاذ کے کمرے کے آگے سے گزرتے اسے ٹھٹھک کر رک جانا پڑا تھا، احسان انکل حیران پریشان کمرے کے وسط میں کھڑے تھے اور ان کے مد مقابل یقیناً وہ معاذ حسن تھا، بلیک سوٹ میں اونچا لمبا بے حد وجہہ سالز کا جس کے چہرے کے تمام عضلات تازہ کار تھے اور لہجہ بے حد تلخ تھا۔

”آپ مجھے اب کسی قیمت پر نہیں رہک سکتے ہیں پاپا یہ بات طے ہے، جو کچھ آپ نے کرنا تھا وہ کر چکے، اب آپ مجھے کن پوائنٹ پہ پہلے کی طرح مزید کوئی بات نہیں منوانا سکتے یا دیکھیں گا اس مرتبہ آپ نہیں میں خود اپنے آپ کو شوٹ کر دوں گا اور یہ شخص دھمکی نہیں ہوگی۔“ کتنے رخ الفاظ تھے اور کتنے عجیب، گوکہ اسے عادت نہیں تھی اس قسم کی غیر اخلاقی حرکتوں کی کہ کسی کی باتیں سنتی مگر معاملہ صرف کسی کا تو نہیں رہا تھا، اس کی اپنی ذات بھی انوالو ہو چکی تھی اور جس کے ساتھ انوالو ہوئی تھی وہی ہتھے سے اکیرا ہوا تھا اس کا لہجہ ہی نہیں آنکھیں بھی دکھ رہی تھیں۔

”تم خواہو خدا جذبائی ہو رہے ہو معاذ مجھ پہ بھروسہ نہیں ہے اپنے پاپ پہ! بیٹا ایک نظر پر نیاں کو دیکھو تو کسی ملو تو کسی اس سے، تمہاری ساری شکایات دور ہو جائیں گی۔“ اس نے سامنے سائیں کرتی سماعتوں سے احسان انکل کی بچی آواز سنی تھی اور جیسے خود اپنے آپ سے بھی شرمندہ ہو گئی، وہ اتنی حقیر تھی اتنی بے مایا کہ کوئی اسے اتنی شدتوں سے ٹھکر رہا تھا۔

”مجھے کوئی شوق نہیں ہے مزید کسی حماقت کا وہ جیسی بھی حور پری ہو مجھے ہرگز بھی قابل قبول نہیں یہ بات آپ آج اچھی طرح سے سمجھ لیں اور اپنی محترمہ بہو صاحبہ کو بھی سمجھا دیجئے گا۔“ وہ کچھ اور بدک کر فرمایا تھا اور ایک جھٹکے سے مزا تو پر نیاں کو اس کی آنکھوں میں شعلے لپکتے ہوئے نظر آئے تھے، وہ جواہرات کے احساس سے پارہ پارہ ہو رہی تھی اسے مڑتے دیکھ کر سرعت سے ستون کی آڑ میں ہو گئی تھی اور وہ بیگ اٹھائے تھناتا ہوا اس کے پاس سے نکلتا چلا گیا تھا، پر نیاں نگار روح اور دل کے ساتھ وہیں سے پلٹ کر اپنے کمرے میں چلی گئی تھی تب اس بل اس نے فیصلہ کر لیا تھا وہ ہرگز ہرگز بھی اپنی انا کا خون نہیں ہونے دی گی، جیسی دوا کی وفات پہ بھی اس نے خود سے شاہ ہاؤس اطلاع نہیں پہنچائی تھی وہ تو ملازمہ نے خود دھیان رکھا تھا کہ پاپانے اسے کسی بھی ایمر جنسی کی صورت میں انہیں فون کرنے کی خاص تاکید کی ہوئی تھی، ورنہ وہ شاید انہیں اطلاع بھی نہ کرتی، ماما

جان اور ماما کے ساتھ پہلا بھی اس کے یوں بلک اٹھنے پہ پریشان ہو گئے تھے ماما کا بس نہیں چل رہا تھا اسے گود میں اٹھالیں، کبھی گنگے لگا تیں کبھی پانی پلاتیں، بار بار اس کا ماما چوم رہی تھیں۔

”کیا ہوا بچی کیوں رونی اس طرح؟“ اور پر نیاں وہ اتنی محبتوں کے آگے خود کو بے بس پارہی تھی، بڑی مشکلوں سے خود کو سنبھال پائی۔

”کچھ نہیں آئی بس دوا یاد آ رہے ہیں۔“ اس نے ہنسی بھرتے ہوئے آنسو پونچھ لئے اور دیکھری سے جواب دیا، انا پرست ایسی تھی کہ اس بات کو عیاں کر کے اپنا بھرم کھونا بھی گوارا نہیں تھا۔

”خدا انہیں اچھی جگہ نصیب فرمائے ان کی مغفرت فرمائے آمین! بیٹا خود کو سنبھالو، ہم سب ہیں نا آپ کے اپنے اور مجھے آئی نہیں کہو ماما، ہوں تمہاری۔“ ماما جان نے پھر اسے پیار کیا تو وہ کچھ کچھ بغیر سر جھکا کر آنسو ضبط کرنے لگی، اس سے پہلے کہ کوئی کچھ مزید بولتا پاپا کا نیل فون دھتے سے گنگٹانے لگا تھا، انہوں نے کوٹ کی جیب سے نیل فون نکالنے سے بل کافی کاگ۔ ذرا آگے جبکہ کرنیبل پہ رکھا تھا، موبائل کی اسکرین پہ جہان کالنگ کے الفاظ ٹپکتے دیکھ کر انہوں نے جلدی سے کال ریسیو کی تھی۔

”السلام وعلیہم چاچو!“

”علیکم السلام بیٹے خیریت سے ہو؟“

”جی چاچو مگر ایک پرابلم ہے آپ لوگ واپس کب آرہے ہیں؟“ وہ کچھ بتاتے بتاتے جیسے رک کر استفسار کرنے لگا۔

”سوئم ہو گیا ہے، ہم انشا اللہ آج ہی روانہ ہو جائیں گے، خیریت؟“

”چاچو آپ نے بھابھی کے لئے کیا سوچا؟“

”بیٹے، ہم ساتھ لائیں گے بچی کو۔“ جواب دیتے ان کی پیشانی پہ ایک حکم نمودار ہوئی جوان کی آکا ہی کی جانب اشارہ کرتی تھی جہان کا فون بے معنی نہیں تھا اور یہ سوال اور بھی اہم تھا، انہیں سمجھنے میں لگے بھرنے لگا کہ معاملہ کس نوعیت کا ہو سکتا ہے۔

”اپنی بھابھی چاچو معاذ کچھ پرابلم کری ایٹ کر رہا ہے، مجھے سمجھ نہیں آرہی کیا کرنا چاہیے۔“ وہ جیسے بہت جھک کر بہت الجھ کر کہہ رہا تھا۔

”اسے یہ جو وہ کرنا چاہتا ہے کر لے ڈیم اٹ۔“ وہ غصے سے بولے اور ہینڈ نکاد حاضرین پہ ڈال کر احتیاطاً کمرے سے باہر نکل گئے۔

”وہ بہت خفا ہو رہا تھا پاپو بلکہ گھر سے چلا گیا ہے اسی غصے میں میرا خیال تھا آج واپس آ جانے کا مگر.....“

”اسے کرنے دو جو وہ کر رہا ہے، آئی ڈونٹ کیئر۔“ انہوں نے جہان کی بات کاٹ کر غصے سے کہا۔

”چاچو اس کا کہیں پہ نہیں ہے، وہ اس بات پہ خفا ہے کہ آپ نے بیٹا پر جہاں لائیں گے۔“

”میں نے کہا نا برواہ نہیں ہے، چلا گیا ہے تو بہتر ہے، ورنہ شاید اسے آکر گھر سے نکال دیتا، ایسی ناخلف اولاد کی مجھے بھی ضرورت نہیں۔“ وہ اب نے منی شائیل بول چکے تھے۔

”چاچو پلیز معاملے دسنبھالیں پلیز!“ جہان کے سہانیت سے کہنے پہ وہ ڈونٹ سمجھ گئے۔

"وہ پاگل ہو گیا ہے جہاں بیٹے اور اس کے پاگل پن کا میرے پاس کوئی علاج نہیں ہے، اس کی فضول ضد کی وجہ سے میں ہنگامی سے کیسے غفلت برت لوں، اس کی ذمہ داری قبول کی ہے میں نے مذاق نہیں ہے یہ بات۔"

"آپ بیس مت ہوں جاچو آپ لوگ گھر آجائے پھر بات کرتے ہیں۔"

"اوتھے فائن مگر میں اس کی کوئی فضول بات ہرگز نہیں مانوں گی اور پریناں اسی گھر میں رہے گی ہمارے ساتھ۔" انہوں نے تنفر سے کہا اور سیل آف کر کے اپنے دھیان میں پلٹے تو خود سے محض چند قدموں کے فاصلے پر پریناں کی موجودگی نے انہیں گریزاں کر کے رکھ دیا۔

"آپ کب آئیں بیٹا! وہ خواہ خواہ مسکرائے۔"

"جب آپ بہت پریشان ہو رہے تھے میری وجہ سے۔"

"جی!!! جو ابادہ جیسے کسی کرب سے گزر کر مسکرائی اور رواداری سے گویا ہوئی تھی۔"

"آپ میری وجہ سے ٹینشن مت لیں انکل پلیز! میں نے کہا تھا میں ہاسٹل میں ہی ہوتی ہوں یہ کوئی اتنا بڑا مسئلہ نہیں ہے، میری وجہ سے آپ انہیں گھر سے نکالیں مجھے اچھا نہیں لگے گا۔" بیا کو شاید اس سے اس حد تک صاف گوئی کی توقع نہیں تھی یہ پچھلے سچ معنوں میں انہیں شہنا کے رکھ گئی تھی۔

"میں نے آپ کو غلط نہیں ہوئی ہے ایسی کوئی بھی بات....."

"انکل پلیز! پلیز! انکل آپ نے میری پوزیشن کو سمجھیں مجھے مزید ڈی گریڈ مت کریں، اس روز آپ اور ان کے سچ جو بات چیت ہوئی وہ بھی میں سن چکی ہوں یہ محض اتفاق تھا مگر میں سمجھتی ہوں اچھا اتفاق تھا خدا نے مجھے یقیناً کسی بہت بڑی ذلت سے بچا کر قدرے معمولی ذلت سے ہسکتا کر دیا۔" بات کے اختتام سے پہلے اس کی آواز بھرا گئی تھی، پتا تو جیسے شاکڈ کھڑے رہ گئے تھے، خیالت نخت دکھ بے بسی غصہ لا چاری کتنی کیفیات تھیں جن سے وہ یکبارگی دو چار ہوئے تھے اور کسی طرح سچی خود سے نگاہ ملانے کے قابل نہیں رہے تھے، پریناں سے نگاہ چار کرنا تو بہت حوصلے کی بات تھی۔

"آئی ایم ساری بیٹا..... مم..... میں.....؟" وہ اپنی بات مکمل نہیں کر سکے نفقت کے شدید غلبے نے ان کی آواز کو بے حد بوجھل کر ڈالا تھا۔

"انکل پلیز! مجھے شرمندہ مت کریں مجھے آپ کے خلوص محبت اور ایمانداری پہ کوئی شبہ نہیں ہے۔" پریناں سے ان کی حالت دیکھی نہیں گئی تو نرمی سے کہا تھا۔

"مگر یہ میری غلطی ہے کہ میرا انتخاب....."

"فاریگٹ اٹ انکل! پریناں کے رکھائی سے ٹوک دینے پہ ان کے چہرے پہ ایک ساریہ آ کر گز گیا، کچھ کہے بغیر انہوں نے اپنا ہاتھ اس کے سر پہ رکھ دیا تھا۔

"میں آج ہی ہاسٹل جانا چاہوں گی، آپ مجھے ڈراپ کر دیں گے؟" پریناں نے گویا اپنی کچھ دیکھنے کی بیگانگی کا ازالہ کرنا چاہا تھا۔

"چشمیور بیٹے کیوں نہیں آپ تیری کرد۔"

"تھینکس!" وہ آہستگی سے ہنسی آنکھوں سے مسکرائی اور اپنے کمرے کی جانب پلٹ گئی، پیا

یہیں کھڑے کسی مشکورانہ قسم کی سوچ میں ڈوب رہے تھے۔

☆☆☆

مما اور ماما جان کو پیا کے اس اچانک فیصلے نے شدید اختلاف سے دو چار کیا تھا، جس کا برعکس اظہار بھی ہوا، پریناں کے سامنے بھی اور اس کے ہاسٹل چلے جانے کے بعد بھی البتہ پیا جان کیسے بھائی کا بے حد سنجیدہ چہرہ دیکھ کر معاملے کی غیر معمولی سنجیدگی کو پائے تھے بھی کسی بھی قسم کے سوال سے اجتناب برتا کہ بھائی بھیلے چھوٹا تھا مگر ہمیشہ بہت لیبیم مسئلوں کا حل بہت آسانی سے نکالتا رہا تھا اور وقت نے ثابت کیا تھا ان کے فیصلے کتنے سچ اور مناسب بخش ثابت ہوتے رہے تھے انہیں اپنے بھائی کی قابلیت پہ ہرگز بھی شبہ نہیں تھا مگر ماما جان کے ساتھ ماما کا احتجاج اور ناگواری بھی جس کا کوئی انت نہیں تھا۔

"ارے میں کہتی ہوں ضرورت کیا ہے آخر اپنا گھر چھوڑ کر بچی کو ہاسٹل چھوڑنے کی، کتنی غیر مناسب بات ہے، پھر صدیوں میں رہتی تھی تو جلد سمجھ لیں جانی۔" ماما جان کو ایک بار پھر ہول اٹھا تو شروع ہوئی تھیں، پیا نے اپنی جگہ پہ پہلو بدلا اور غیر شعوری انداز میں گاڑی کی اسپینڈ بڑھائی۔

"ہاں تو اور کیا؟ مگر انہیں ہمیشہ اپنے فیصلے ٹھونسنے کی پزی رہتی ہے، شاید انہیں معاذ ہے اعتماد نہیں ہے، وہ بولڈ ضرور ہے مگر میرا بچہ بے ہاک نہیں ہے۔" ماما بھی جو جانے کیا سوچ کر کھس رہی تھیں جل کر بولیں تو پیا کا ضبط اسی لمحے جواب دے گیا تھا، انہوں نے ایک جھٹکے سے گاڑی روکی تھی سمیت بیوی کی طرف مڑے۔

"ہاں اس فیصلے کے پیچھے آپ کا بیٹا وجہ بنا ہے، مگر وجہ اس کی بولڈ نہیں نہیں اس کی ہٹ دھرمی اور ناگواری ہے وہ محض اس وجہ سے پہلے ہی یہ گھر چھوڑ کر چلا گیا کہ پریناں اس گھر میں آ کر رہے گی اور یہ میرا نہیں پریناں کا فیصلہ ہے، ہنگامی جتنی بھی بے بس سہی مگر بہر حال اپنی انا اور عزت نفس اسے بھی عزیز ہے، شکر کیجئے بیگم صاحبہ آپ کا واسطہ خاندانی رواداری گھرانے کی لڑکی سے پڑا ہے ورنہ اس بات پہ آج کل کی لڑکیاں طوفان اٹھا دیا کرتی ہیں مگر وہ صرف شکایت بھی زبان پہ نہیں لاتی۔" ان کا لہجہ ہی نہیں آنکھیں بھی دکھ انہی تھیں جبکہ اس انکشاف کی زد پہ آئے بانی کے تینوں نفوس گویا ساکن ہو گئے تھے۔

"بہت اچھا ہوا کہ وہ میرے گھر جانے سے پہلے چلا گیا، ورنہ جو اس کے کروت ہیں نامیں فوراً سے گھر سے دھکے دے کر نکال دیتا۔" وہ ضبط کھو کر پھٹ پڑے تھے جب پاپا جان نے نرمی و ملاوت بھرے انداز میں اپنا ہاتھ ان کے بازو پہ رکھ دیا۔

"کام ڈاؤن احسان! منجھالو خود کو یارا! اللہ بہتر کرے گا۔" ان کا بلڈ پریشر بوہتا محسوس کر کے انہوں نے رسائی آمیز لہجے میں کہا تو پیا ہونٹ سمجھ کر پھر سے گاڑی اسٹارٹ کرنا شروع کی، ممانڈہ حال ہی بیٹھی تھیں۔

☆☆☆

جب مزید ایک ہفتہ تک بھی نہ اس کا پتہ چل سکا نہ واپسی ہوئی تو شاہ ہاؤس کا ہر کین ہوائے پیا کے اس کی خیریت کی فکر سے دوچار ہوا تھا، جہاں تک جہاں کی بات تھی تو وہ پہلے دن

سے ہی اس کی تلاش میں مارا مارا پھر رہا تھا، ماما کا ضبط ہالہ آخر جواب دے گیا آخر ماں تھیں بدحواس ہو کر جو رونا شروع ہوئی تو کسی کے چب کرانے نہیں ہو میں ماما جان بھی دیورانی سے ازلی وفاداری نبھاتے پوری طرح ساتھ دے رہی تھیں کہ معاذ انہیں جنید سے بھی کہیں بڑھ کر عزیز رہا تھا۔

”اللہ جانے کس حال میں مارا مارا پھرنا ہوگا میرا بچہ! کھانا بھی کھانا ہوگا کہ نہیں، کپڑا بھی ساتھ کوئی نہیں لے کے گیا، کیا کرتا ہوگا اسے تو میرے ہاتھ کے سوا کسی کا کھانا بھی پسند نہیں آتا تھا۔“ پاپا گھر آئے تو وہ رو رو کر بے حال ہو چکی تھیں ان کا موڈ خواہ مخواہ آف ہونے لگا۔

”آپ کا بیٹا بچہ نہیں ہے، وہ دھبہ چتا ہوا کہ کہیں رل رہا ہوگا، محترم ضد منوانے کو گھر سے نکلے ہیں ذرا باہر کی خاک چھان لینے دیں عقل آجائے گی۔“

”احسان بس کرو تم ہی وہ تو بچہ سے تم ہی بار آ جاؤ، بہر حال تم بچے نہیں ہو۔“ ماما نے جن شاک کی نظروں سے ماما جان کو دیکھا تھا شوہر کی ان سخت سست پہ انہی کا اثر تھا کہ وہ دوپور کی کلاس لینے نکلیں، پپا نے بریف کیس صوفی پہ اچھالا اور ٹھنڈا سانس بھر کے ٹائی کی ٹاٹ ڈھیلی کرتے ہوئے تھکے ہارے انداز میں بولے تھے۔

”پھر کیا چاہتیں ہیں آپ؟ موصوف کی منت سماجت کر کے گھر واپس لاؤں اور اس کے مطالبات مانوں؟“ ان کی آنکھوں میں سرد مہری اور بے زاری تھی۔

”اس میں کوئی حرج بھی نہیں ہے۔“ ماما کے چنگ کر کہنے پہ انہوں نے کس قدر خشکی سے انہیں دیکھا تھا۔

”آپ اس کے مطالبات جانتی ہیں بیگم صاحبہ! سب سے پہلے وہ پر نیاں سے قطع تعلقی کا اعلان کرے گا، اگر آپ کو اعتراض نہیں تو میں ڈھونڈ لاتا ہوں اسے واپس۔“ ان کے لہجے کی سختی اور سفاکی نے ماما کے ساتھ گھرے میں موجود بانی کے افراد کو بھی گنگ کر ڈالا۔

”خدا نہ کرے۔“ انہوں نے بے ساختہ دل پہ ہاتھ رکھ لیا تھا۔

”آپ میرے بیٹے کے متعلق ہمیشہ بدگمان رہتے ہیں، آپ اسے لائیں تو سہی میں اسے پر نیاں سے ملواؤں گی، اسے دیکھنے کے بعد سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ وہ انکار کر دے۔“ ان کے گہجے کے یقین نے پپا کے چہرے پر زہر خند بکھیر دیا۔

”بھول ہے آپ کی، آپ کے بیٹے کا دماغ بہت نیرھا ہے آپ کی خوش فہمی دھری رہ جائے گی۔“

”آپ پھر بدگمانی کی بات کر رہے ہیں، میں نے کہا نا مجھے ٹریٹ کرنے دیں اسے۔“ ماما نے اپنی بات پہ زور دیا تو انہوں نے کاغذ سے اچکا دئے تھے۔

”او کے فائن کریں جو آپ کرنا چاہتی ہیں۔“ انہوں نے کہا اور پلٹ کر اپنے کمرے میں چلے گئے۔

”جہان بیٹے کہو معاذ سے گھر آ جائے، اس کے پاپا کہہ رہے ہیں۔“ ان کا چہرا ایکدم سے چپکنے لگا تھا، جہان نے ماما سے سانس بھری۔

”اس کا نمبر پچھلے ایک ہفتے سے مسلسل آف جا رہا تھی جان! میں بار بار ٹرائی کر چکا ہوں۔“ اس کے جواب پہ ماما کا چہرا ابھ سا گیا۔

”ایک بار پھر ٹرائی تو کر دینے کیا پتہ رابطہ ہو جائے۔“

ماما جان کے کہنے پہ اس نے گھٹس ان کا دل رکھنے کو اپنا سیل فون اٹھایا تھا، معاذ کا نمبر ڈائل کرتے آتے ایک فیصد بھی امید نہیں تھی رابطہ ہونے کی مگر دوسری جانب جالی نکل کی آواز نے اس کی دھڑکنوں کے شور کو بھڑکا دیا تیسری سے چوتھی نکل پہ کال پک کر لی گئی تھی۔

”ہاں بے بولو۔“ جہان کو لگا تھا جانے کتنے عرصے بعد وہ اس سن رہا ہے۔

”معاذ کہاں ہو تم؟ سیل بھی آف جا رہا تھا۔“

”مقصود کی بات کرو فون کیوں کیا ہے؟“ معاذ کا لہجہ ایکدم سے روکھا ہو گیا، جہان نے ٹھنڈا سانس بھرا تھا۔

”بچکا جان کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے، اس طرح کیوں کر رہے ہو معاذ وہ بہت فکر مند ہیں تمہاری وجہ سے بیمار پڑ گئی ہیں۔“ اس نے دانستہ غلط بیانی کی تھی، اسے قابو کرنا آسان نہیں تھا۔

”انہیں میری طرف سے سلی دے دو، ابھی مرا نہیں ہوں بہر حال۔“ وہ کلس کر بولا تو جہان کو ہونٹ بچھینے پڑے تھے جبکہ ماما مسلسل اسے ہاتھ سے اشارہ کر رہی تھیں۔

”میری بات کراؤ۔“

”فضول مت بولا کرو، بتاؤ کہاں ہو؟“

”کیوں انخواہ کرنا چاہتے ہو؟“ وہ تھملا کر بولا تو جہان کی ہنسی نکل گئی۔

”ہاں ہونا تم کوئی الیز ٹیار کہ انخواہ کرنے کا سوچوں یا رماں سے ملو آ کر بہت اپ سیٹ ہیں۔“

”پاپا کہاں ہیں؟ اگر گھر پہ نہیں ہیں تو ابھی آ جاتا ہوں، ایلکچو نکی مجھے اپنے ڈاکومنٹس بھی چاہیے تا مگر شرط یہ ہے کہ تم انہیں نہیں بتاؤ گے۔“

”ڈونٹ وری آ جاؤ۔“

”مگر پاپا۔۔۔۔۔۔“

”نہیں ہیں وہ آ جاؤ۔“

جہان نے دانستہ پھر غلط بیانی کی اور فون بند کر دیا، وہ ایک بار آ جاتا پھر ہاتی کام آسان تھا۔

☆☆☆

”دیکھو میں ایک بار پھر کہہ رہا ہوں صرف ماما کی وجہ سے آیا ہوں ویسے انہیں ہوا کیا ہے؟“ جہان اسے گھر سے باہر ہی اتے اپنے انتظار میں ٹھہرا ل گیا تھا جہان اسے دیکھتا رہ گیا، بلیو جینز پہ لیدر کی براؤن جیکٹ فریش شیو کی نہلا نہیں لئے خوب رو چہرا بے حد فریش نظر آتا تھا وہ کہیں سے بھی نڈھال اور پڑ مردہ نظر نہیں آتا تھا جیسا نقشہ دن رات ماما اس کا کھینچا کرتی تھیں یہ حال ہو گیا ہوگا وہ حال ہو گا ہی ہو گا میرے بچے کا۔

”تم مل لو ان سے اور ڈاکومنٹس کی کیا ضرورت پیش آگئی؟“

”تم کیا سمجھتے ہو میں اب ہاتھ پہ ہاتھ دھر کے بیٹھا ہوں گا، میں نے جس یونیورسٹی میں اپائی کیا تھا وہاں مجھے ایڈمیشن مل گیا ہے۔“

”اوہ اچھا ٹھیک ہے۔“ جہان نے سر ہلایا اور اس کے ہمراہ گیٹ سے اندر داخل ہو گیا۔

”پتا تو آگئے ہیں تم نے جمبوٹ بولا تھا مجھ سے؟“ وہ بدکا جہان گڑبڑا سا گیا۔

”کھا نہیں جائیں گے تمہیں یار کیا کرتے ہو؟ وہ سوغات تو ساتھ اٹھا کر نہیں لے آئے؟“ وہ کس قدر بے رحمی بے اعتنائی سے بولا تھا۔

”کون سی سوغات؟“ جہان واقعی نہیں سمجھا تھا۔

”وہی نسا کی جڑان کی پنڈو ہو۔“ وہ جی بھر کے چڑا جہان کو نفی آنے لگی۔

”یعنی رشتہ مانتے بھی ہو۔“

”شٹ اپ جے میں مذاق میں بھی ایسی بات پسند نہیں کرتا۔“ وہ ہنسنے سے اکڑا تو جہان کو ڈھیلا ہونا پڑا۔

”اوکے اوکے ویسے اطمینان رکھو ایسا کچھ نہیں ہے، بھابھی ساتھ نہیں آئیں۔“

”خبردار جو تم سے بھابھی کہا کبھی؟“ وہ آنکھیں نکال کر غرایا تو جہان نے بے بسی سے اسے دیکھا۔

”پھر اور کیا کہوں؟“

”اس کا جو بھی نام ہے وہ لیا کر میرے حوالے کا دم چھٹا ساتھ لگانے کی ضرورت نہیں۔“ جواباً وہ پھنکارا تو جہان ٹھنڈا سا ناس بھر کے رہ گیا تھا۔

”اوکے سر کچھ اور آرڈر؟“

”اونہ اتنے ہی فرما خبردار ہو؟ جیسے تم؟“ وہ تلخ ہوا اور زور سے سر کو جھٹکا۔

اس سے پہلے کہ جہان جواباً کچھ کہتا اپنے دھیان سے ڈرائیوگ روم سے باہر آتی زینب معاذ کو اسی سمت آتے دکھ کر صدمہ گئی، شاید اسے اپنی بصارت پہ یقین نہیں آیا تھا اور جب وہ اس یقین کو باگنی تو کچھ خوشی سے اور جذباتی پن سے بھاگ کر آئی اور بے ساختہ اس کے گلے لگ گئی۔

”کہاں چلے گئے تھے بھائی!“

”اب تو آگیا ہوں نا؟“ وہ دھیسے سے مسکرایا تو زینب نے سر اٹھا کر اسے نم آنکھوں سے دیکھا تھا۔

”اب جائیں گے تو نہیں۔“

”تم پریشان مت ہو ریٹیکس!“ معاذ نے دانستہ جواب گول کر دیا تو زینب اس کے ساتھ گئی اندر کمرے میں آئی جہاں ماسیٹ سب گویا اسی کے منتظر تھے اسے دیکھتے ہی ایک شور مچ گیا باری باری سب یوں گلے لگے جیسے وہ حج کر کے واپس آیا ہو، وہ کچھ جینپ سا گیا۔

”بے کہاں چلے گئے تھے؟“ ماما کے آنسو اسے دیکھتے ہی پھر رواں ہو گئے تھے۔

”آپ رو میں نہیں پلیز!“

”اب پھر تو نہیں جاؤ گے؟“ ان کا خدشہ زبان پہ آ گیا۔

”یہ حالات پہ ڈنڈ کرنا ہے۔“ اس کا لہجہ رد کھا ہونے لگا۔

”آپ سنو تو بیٹے پر نیاں بہت پیاری ہے رنگی میں تو اسے دیکو کہ.....“

”میں اس بارے میں کوئی بات نہیں سننا چاہتا۔“

”اگر سنو گے نہیں تو جانو گے کیسے بیٹے تم.....؟“

”اگر آپ نے یہ ٹاپک کلوز نہ کیا تو میں ابھی اسی دقت دوبارہ چلا جاؤں گا، مجھے سمجھ نہیں آتی آپ لوگ مجھے کیوں ٹیز کرنا چاہتے ہیں۔“ وہ جی اٹھا تھا، کمرے میں جیسے سب کو ساںپ سوگمہ گیا۔

”آپ اب کہیں مت جانا میرے بیٹے میں آپ کے بغیر نہیں رہ سکتی۔“ ماما نے اسے چنا کر پھر سے رونا شروع کر دیا وہ کچھ اکتایا ہوا نظر آنے لگا۔

”یہ بات آپ میری بجائے پاپا کو سمجھائیں کہ وہ مجھے اپنے مطالبات نہ منوائیں۔“ وہ پھر سے بد لحاظ ہونے لگا۔

”کیا مطالبات ہیں تمہارے؟“ پاپا کی آمد اچانک ہوئی تھی ان کا لہجہ خونخاک حد تک سنجیدہ تھا، ایک بل کو تو خود معاذ بھی گڑبڑا گیا مگر اگلے لمحے اس کا ازلی اعتماد اس کے ساتھ تھا۔

”مجھے آپ کا فیصلہ قابل قبول نہیں، یہ محض آپ کی ضد ہی جو پوری ہوئی، میں اپنی پسند سے شادی کرنے کا حق رکھتا ہوں۔“ اس نے جواباً ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دو ٹوک انداز میں کہا تھا۔

”پر نیاں کے بارے میں کیا سوچا؟“ پاپا کا چہرہ لال بھسوکا ہو رہا تھا جانے وہ کتنا ضبط کر رہے تھے خود۔

”اس کے بارے میں آپ ہیں نا سوچنے کو۔“ وہ بے حد تنگی سے بولا تو پاپا کچھ دیر شعلہ بار نظروں سے اسے دیکھتے رہے تھے، پھر دو قدم اس کے نزدیک آئے اور سرد آواز میں بولے تھے۔

”میں نے سوچ لیا ہے یا تم اسے پوری عزت و احترام سے رخصت کرا کے لاؤ گے اور اس کے سارے حقوق پورے کر دو گے ورنہ.....“

”ورنہ کیا.....؟“ وہ طنز سے ان کی بات اچک کر بولا۔

”ورنہ تم ابھی اور اسی وقت اسے طلاق دے دو گے، اس کی زندگی برباد کرنے کی اجازت میں تمہیں ہرگز نہیں دے سکتا۔“ ان کے مطالبے نے ماما کے طلق سے بچنے کا کال دیں تھیں ماما جان الگ دل تمام کر رہے تھیں۔

”احسان یہ کیا کر رہے ہو؟“ وہ بے ساختہ چبھیں، مگر ان پہ جیسے کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔

”بولو کیا کرنا چاہو گے تم؟“ وہ معاذ کو گھور رہے تھے۔

”میں آپ کا پہلا مطالبہ ماننے سے قاصر ہوں، ہاں دوسرا مطالبہ پورا کرنا قطعی مشکل کام نہیں کہیں تو ابھی طلاق دے دوں؟“ وہ خائف ہوئے ماما اسی سکون سے بولا تو ماحول پہ کبیر سنا مار آیا تھا۔

(جاری ہے)

☆☆☆

ابن زیاد نوریہ کو پسند کرتا ہے، مگر نوریہ کے دھیان کے تمام ارکان کا معاذ حسن کی ذات پر مرکوز ہیں۔
 تیمور خان جو زینب کی کالج فرینڈ شلالے کا بھائی ہے اور جاگیردار گھرانے کا سپوت ہے۔ زینب کی محبت بلکہ عشق کا دعویدار ہے، وہ ہر قیمت پر زینب کو اپنانا چاہتا ہے اور نوری، مگر زینب اتنی جلدی شادی پہ آمادہ نہیں، تیمور کی بہن کی شادی پے تیمور سے اس تقریب میں مدعو کرنے کا خواہاں ہے۔

ذینب الرحمن کا انتقال ہوتا ہے تو پریناں جو معاذ کے اپنے لئے خیالات سے آگاہ ہو چکی ہے۔ دانستہ یہ خبر شاہ ہاؤس نہیں دیتی ملازمہ کی اطلاع پہ احسان شاہ بیوی بھائی اور بھوج سمیت وہاں پہنچتے ہیں تو دونوں خواتین پریناں کے حسن کو دیکھ کر معاذ کی قسمت پر رشک کرنے لگتی ہیں۔ معاذ اسپتال رزیشن کے لئے انگلینڈ جانے کو تیار ہے ایسے میں جہان اسے ذینب الرحمن کی وفات کا بتا کر پریناں کا شاہ ہاؤس میں متوقع آمد کا ذکر کرتا ہے جس پہ معاذ ہتھے سے اکھڑ جاتا اور شدید غصے کے عالم میں احتجاجاً گھر چھوڑ کر چلا جاتا ہے، پریناں پاپا سے گزارش کرتی ہے ہاؤس میں مقیم رہنے کی، ادھر جہان معاذ کی منت سماجت کر کے گھر لاتا ہے تو پاپا کے سامنے یہ ایک ہار ہے وہ پریناں کے لئے بے زاری کا اظہار کرتا ہے پاپا غصے میں اسے پریناں کو چھوڑنے کا کہتے ہیں۔

اب آپ آگے پڑھیے

تیسری قسط



پہا کے چہرے کی رنگت ایکدم سے متغیر ہو کر رہ گئی، آنکھیں شدت غم سے لہورنگ ہو کر دیکھنے لگیں وہ لمحوں میں جیسے عمر بھر کا سودا ہار گئے، معاذ سے اس حد تک بے اعتنائی اور بد لحاظی کی بہر حال انہیں توقع نہیں تھی، مگر یہ اذیت بار بار سہنا اور پر نیاں کو اس کے نام کے ساتھ لٹکا کے رکھنا بھی بہر طور انہیں گوارا نہیں تھا جیسی پہلو میں اٹھتے درد سے بے نیاز ہو کر انہوں نے اسی پل اس پل صراط کو عبور کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

”ٹھیک ہے دو تم سے طلاق، ابھی اور اسی وقت کاغذی کارروائی بعد میں ہوتی رہے گی۔“

بولے تو ان کے لہجے میں اندر کی ٹوٹ پھوٹ کا کوئی شائبہ تک نہیں تھا ویسا ہی ہمیشہ والا مضبوط اور ٹوک اور قطعی انداز مگر ماما جان ان کے اس مطالبے پہ بے اختیار ہو کر زور زور سے رونے لگے تھیں۔

”خدا کا واسطہ ہے بھابھی بیگم انہیں روکے، منع کریں انہیں، اپنی اپنی انا کے حصار میں ان دونوں مردوں کو اندازہ نہیں ہے یہ ایک بے قصور بے گناہ لڑکی کو کیسی شرمناک ذلت سے دوچار کرنے جا رہے ہیں۔“ ان کی آواز میں اتنا کرب اتنی دلگیری تھی کہ ماما جان جو خود اس ایک پلٹ جانے والی صورتحال سے گنگ ہو گئی تھیں وہ ایک دوسرے کے مقابل مرنے مارنے والی تاثرات لئے کھڑے پاپا اور معاذ حسن کی جانب لپک کر آئی تھیں۔

”اللہ کا واسطہ ہے احسان باز آ جاؤ، معاذ آپ جاؤ بیٹے اپنے کمرے میں جاؤ، ہمیں اپنی کا اعتراف ہے، ہمیں واقعی ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا، ہمیں معاف کر دو۔“ باری باری دونوں ساتھ ساتھ جوڑ کر منت کرتے ہوئے وہ بھی خود پہ ضبط کھو بیٹھی تھیں، معاذ جو کچھ ڈھیلا پڑ گیا ہونٹ بیچ کر سر جھکا گیا، کچھ فاصلے پہ پاپا بھی ہارے ہوئے انداز میں نڈھال سے ہو کر صوفے بیٹھ گئے تھے، ماحول میں ایک بار پھر جیسے سناٹا چھا گیا تھا، بس ماما کی سسکیاں اور ماما جان کی کی آواز وقفے وقفے سے گونجتی تھی، معاذ کچھ دیر یونہی سر جھکائے کھڑا رہا پھر ایک جھٹکے سے ابھی چوکھٹ سے قدم باہر رکھے تھے جب ماما کچھ گھبراہٹ میں اس کے پیچھے دوڑی آئی تھیں

”کہاں جا رہے ہو معاذ!“

”میں یہاں نہیں رہ سکتا ماما! مسئلہ آپ کی چہتی کی رہائش کا ہے نا اسے آپ یہاں وہ انہیں کسی روٹھے ناراض بچے کی طرح سے لگا تھا، وہ اس کے پیچھے کمرے میں چلی آئیں۔“ وہ جتنی بھی چہتی ہو تجھے اپنے بیٹے سے بڑھ کر نہیں ہے۔“ انہوں نے اس کا لڑاؤ کرتا جس کا اثر اس پہ نظر نہیں آیا، مصروف سے انداز میں دراز کھول کر اپنے ڈاکومنٹس کی فائل لے کر نکلا۔

”ایسے کیوں ہو رہے ہو معاذ!“ وہ روہانسی ہونے لگیں۔

”آپ سب لوگ سمجھتے ہیں میں نے آپ کے ساتھ زیادتی کی ہے، ایسا نہیں ہے ماما میرے ساتھ کی گئی ہے، میرے سارے حقوق سلب کر لئے گئے زبردستی بلیک میلنگ کے ذریعہ مقصد حاصل کیا گیا، ماما اگر آپ سمجھیں تو شادی محض جذبات کو تسکین کا نام نہیں ہے، میں لیول کے مطابق شریک حیات کا متمنی تھا، اگر محض یہی بات میرے نزدیک اہم ہوتی تو میں کی کسی بھی لڑکی سے شادی رچا کے بیٹھ جاتا، مجھے افسوس ہے آپ لوگوں نے مجھے سمجھنا نہیں دیا۔“

تو بالکل بھی نہیں۔“ وہ گہرے دکھ سے دوچار ہو کر بولتا چلا گیا، اس کی آنکھیں دھیرے دھیرے سلنے لگیں، توہین کا احساس روح میں کچوکے لگانے لگا۔

”بیٹے آپ محض غلطی کا شکار ہو، پر نیاں ہر لحاظ سے تمہارے قابل ہے، اجلی میدے جیسی بے داغ رنگت، بے حد گلابی ہونٹ، بادامی آنکھیں جن کی رنگت سنہرے پتھر جیسی ہے، میری جان یقین کرو میرا تو دل صحیح معنوں میں اسے دیکھ کر خوش ہو گیا۔“ وہ جتنے جوش سے بتا رہی تھیں اسی ندر بے دلی سے جب ہو میں وہ واش روم میں گھسا ہوا تھا اور اپنا شیونگ کا سامان سمیٹ رہا تھا، وہ دنوں سے نہیں کہہ سکتی تھیں اس نے ان کی بات سنی بھی تھی یا نہیں اس کے چہرے پہ کسی قسم کا کوئی تاثر نہیں تھا وہ دل مسوس کر رہ گئیں۔

”تو آپ نہیں روکے؟“ انہوں نے اس کی تیاری کے مرحلے کو دیکھ کر بے چینی و اضطراب میں مبتلا ہو کر سوال کیا تھا، معاذ جو دراز رو بہ کھولے کھڑا تھا ہاتھ روک کر کچھ بے بس سا ہو کر انہیں دیکھنے لگا ان کے چہرے پہ جو بے بسی تھی وہ اس کا دل جکڑنے لگی۔

”مجھے کچھ دنوں بعد ویسے بھی اس گھر کو چھوڑنا تو تھا ماما! ابھی سہی۔“

”چند دنوں بعد کیوں؟“ وہ ہول سی گئیں۔

”اسپیشلائزیشن کے لئے میں انگلینڈ جانے والا تھا وہاں کی یونیورسٹی میں مجھے ایڈمیشن مل گیا ہے، ایک ماہ بعد مجھے جوائن کرنا ہے۔“

یہ اتنی بڑی کامیابی کی خبر ایسے حالات میں ملی تھی کہ وہ کوئی تاثر دیئے بغیر بس ٹکر ٹکر اس کی صورت دیکھتی رہ گئیں۔

”آپ کو خوشی نہیں ہوئی؟“ وہ افسردگی سے ہنسا۔

”خدا مبارک کرے مزید کامیابیوں سے نوازے، مگر بیٹے خفا ہو کر مت جاؤ۔“

”میں آپ سے خفا نہیں ہوں ماما!“

”اپنے پاپا سے بھی مت ہو، بلیومی بیٹا آپ کو کبھی احساس ہوگا انہوں نے آپ کے ساتھ کوئی برا نہیں کیا۔“

”یہ آپ کا خیال ہے نا۔“ وہ منہ پھلا کر بولا تو ماما نے ٹھنڈا سانس بھر لیا تھا۔

”ایک ماہ بعد جب جانا ہی ہے تو پھر تب ہی جانا، یہ وقت ہمارے ساتھ گزار لو بیٹے، پلیز فار ماما ایک۔“ وہ باقاعدہ منت پہ اتر آئیں وہ بے بس سا ہو گیا۔

”پاپا کو اعتراض ہو سکتا ہے ماما! پھر آپ کی بہواتنا عرصہ کہاں رہے گی، یہ طے ہے اس کی وہ بودگی میں، میں یہاں رہوں گا۔“ انہوں نے دیکھا اس کے اکھڑے اکھڑے سے چہرے پہ بھی ایک غیر محسوس قسم کی سرخی تھی، وہ غیرت مند باپ کا بیٹا تھا نا پسندیدگی بے زاری اور اکتاہٹ اپنی ہاتھ بولنے کی اب اس کے نام سے منسوب تھی خاندان کی عزت تھی وہ در بدر ہو یہ اسے گوارا نہیں تھا، اس کی کیفیت سمجھیں اور جیسے ایکدم سے مسکرا دیں۔

”جب اتنا خیال ہے اس کا تو پھر تھوڑا سا کمپروماز بھی کر لو نا میری جان رہ لو اس گھر میں اس کے ساتھ۔“ مسکراہٹ دباتے وہ کس قدر شرارت سے بولیں تو معاذ نے جھنجھلا کر بے حد ناراض ہو کر انہیں دیکھا۔

”آپ پھر مجھے غصہ دلانے والی بات کر رہی ہیں۔“ اس کا موڈ واقعی ہی بدلنے لگا تھا ماما کو ہی سنبھلنا پڑا۔

”او کے بیٹا! مگر اس کی تم فکر نہ کرو، وہ ہاسٹل چلی گئی ہے، یہاں نہیں رہے گی۔“

”واٹ ہاسٹل کیوں؟ جب گھر ہے تو.....؟“
 ”ہم نے کہا تھا مگر مانی نہیں اچھوٹی وہ پہلے بھی ہاسٹل میں رہتی تھی تاہم تعلیم کے سلسلے میں۔“
 ”بڑی اکڑ سے محترمہ میں۔“ وہ نخوت سے ناک چڑھا کر بولا البتہ تعلیم کی تفصیلات میں پڑنے کی زحمت گوارا نہیں کی تھی، ماما کو پھر مایوسی ہوئی۔

”اس اکڑ میں نسوانیت کا دقار ہے جیسی بری نہیں لگ رہی، وہ ان چاہی بن کر یہاں نہیں آنا چاہتی ستم یہ ہوا کہ اس یہ ساری بات عیاں ہو گئی ہے۔“ وہ کس قدر دکھی نظر آنے لگیں، معاذ نے کچھ حیران ہو کر انہیں دیکھا پھر نخوت سے بولا تھا۔

”بہت اچھا ہوا پتہ چل گیا سمجھ دار ہوں گی تو خود فیصلہ کر لیں گی، مجھ پر بھی پاپا کا عتاب نازل نہیں ہوگا۔“ بیٹے کی اس درجہ بے حسی کے مظاہرے نے ماما کا دل دکھ سے لبریز کر دیا۔
 ”ہم بھی بیٹیوں والے ہیں بیٹا ایسی بری باتیں منہ سے نکالنے سے خدا ناراض بھی ہو سکتا ہے، ہم اپنی بیٹیوں کو یوں زبردستی کسی کے لیے نہیں باندھتے پھرتے جیسے ان لوگوں نے باندھا، ذرا تصور کریں ان بزرگ صاحب نے پاپا کو کتنا فورس کیا ہوگا کہ پاپا میرے ساتھ اس حد تک مس بی ہو کر گئے۔“ اس کا غیض پھر آسمان کو چھونے لگا۔

”وقت اور حالات روادار مہذب اور باوقار لوگوں کو بھی مجبور اور بے بس کر دیا کرتے ہیں بیٹے ایہ کوئی ایسی معیوب بات نہیں تھی۔“

”حالات کے سامنے گھٹنے ٹیک دینا کوئی بہادری اور دانشمندی نہیں ہے، ان حالات کو سدھارنا اور مقابلہ کرنا ہی مردانگی کی شان ہے۔“

اس کی اپنی سوچ اپنے نظریات تھے جن سے وہ انج بھر بھی سرکنے کو تیار نہیں تھا، ماما کو اس نخوت سے خوف آیا۔

”خدا کا خوف کھاؤ معاذ حسن! خدا فرماتا ہے یہ گردش کے دن ہیں اور آزمائشیں ہر انسان پر آیا کرتی ہیں آج ان پہ بھی کل ہم بھی اس سے دوچار ہو سکتے ہیں۔“ اب کی مرتبہ وہ مصلحتاً خدا کا نام لے رہا یہ جانے بنا کہ آنے والے وقتوں میں تقدیر اس کے لئے کیسی پسپائی منتخب کر چکی ہے، خدا کا نام لے کر چلنے والوں کو پسند نہیں کرتا اور معاذ ہی غلطی کر رہا تھا۔

☆☆☆

چلتے ہونٹوں پہ تبسم جو مچلتا ہے کبھی زخم دھل جاتے ہیں ساون جو برستا ہے کبھی میں نے سوچوں میں تراشے ہیں خدو خال تیرے میرے بارے میں بتا تو نے بھی سوچا ہے کبھی چڑھتے سورج سے کبھی تو نے ملائی ہے نظر تو نے کرنوں کو کبھی غور سے دیکھا ہے کبھی

لوگ پتھر میں کھلاتے ہیں امیدوں کے گلاب یہ بھی ممکن ہے بتا ایسا بھی ہوتا ہے کبھی میں سمجھتا تھا کہ وہ لوٹ کے آ جائے گا بھلا آنکھ سے پتھر ا ہوا اشک بھی لوٹا ہے کبھی

بہت دنوں بعد طبیعت کچھ ذرا سنبھلی تو باتھ لے کر ٹیرس پہ آگئی، نگاہ کی بے اختیاری یہ بس نہیں رہا اور شاہ ہاؤس کے وسیع لابن پہ نگاہ بھٹک گئی، سنہری دھوپ میں سبز مخملیں گھاس کا فرش چمک رہا تھا، لیکن کی کرسیاں ترتیب سے پچھی تھیں اور صرف ایک پہ ماریہ موجود تھی اور شاید رخ پھیرے بیٹھی نوٹس بنا رہی تھی، اس کی نگاہ وہاں سے پھیل کر پورج کی جانب آئی، وہاں جو گاڑی کھڑی تھی وہ معاذ کی نہیں تھی، اس کے دل سے ہوک سی آئی، کچھ جذبے کیسی ناقدری اور بے حسی کی بھینٹ چڑھ جایا کرتے ہیں، ایسے جذبے کسی پھوڑے کی مانند محسوس ہوتے ہیں، ساری عمر سکتے ہیں نہ ان سے نجات ملتی ہے نہ درد سے چھٹکارا یہ ساری عمر اپنا احساس بخشش کر پتہ نہیں کیا جتانے کی کوشش کرتے رہتے ہیں، شاہ ہاؤس میں بھی اس کی بیماری کی خبر پہنچی تھی، سب سے پہلے ابن زیاد بھاگا آیا تھا۔

”کیا ہو گیا تمہیں لڑکی! کل تک تو اچھی بھلی تھیں۔“ وہ اس کی نبض چیک کر رہا تھا۔

”اب بھی اچھی بھلی ہوں۔“ اس کا دل جانے کیوں رواٹھا تھا۔

”خاک چہرا دیکھا ہے ایک دن میں برسوں کی مریضہ نظر آنے لگی ہو، ہم ناشتہ کر رہے تھے جب زینہ نے تمہاری بیماری کا بتایا، ماما نے معاذ بھائی سے کہا ابھی نوری کو دیکھ کر آؤ میں نے کہا میں بھی تو ڈاکٹر ہی ہوں میں دیکھ کر آتا ہوں۔“ وہ اپنا کارنامہ بتا رہا تھا اور نوریہ کا دل پھر سے سکھنے لگا تھا، معاذ حسن کا وجود درد سے بھرنے لگا۔

”کیا ہو گیا ایکدم سے تمہیں؟“ زیاد کی حیرانی بجا تھی، وہ کیا بتاتی وہ کیسی عجلت میں اجڑی ہے کہ خود کو بچانے سنبھالنے کا موقع بھی نہ مل سکا۔

”آپ تو ڈاکٹر ہیں زیاد بھائی آپ کو بھی اگر بتانا پڑے گا تو پھر اتنی ساری ڈگریاں جمع کرنے کا فائدہ کیا ہوا؟“ حوریہ نے الناس پہ گرفت کر لی، مگر ابن زیاد کی سنجیدگی میں فرق نہیں آیا تھا۔

”کوئی گہرا ذہنی صدمہ، شدید ٹینشن سے وجہ تو نوریہ ہی بتا سکتی ہے، میری ڈگری بیچاری کی پہنچ یہیں تک جاتی ہے۔“ وہ نوریہ کی پیلی ہوئی رنگت کو دیکھ رہا تھا۔

”ذہنی صدمہ؟“ پھپھو اور حوریہ بھی ٹھٹھک گئیں۔

”کیا بات ہے بیٹے؟“ ان کی تشویش فطری تھی۔

”کن کی باتوں میں آگئی ہیں ماما جان! ان کی ڈگری کی معلومات فضول ہیں، موسیٰ بخار ہے بس۔“ نوریہ کو بات سنبھالنا مشکل ہوا مگر کوشش تو کرنا تھی، اب تو بات کھلنے کا بھی فائدہ نہ ہوتا۔

”ہاں ٹھیک سے زیاد بھائی کی تو ابھی تعلیم بھی ادھوری ہے، رات کو معاذ بھائی کو چیک کرائیں گے پھر بیماری پتہ چلے گی۔“ حوریہ نے بھی اس کی ہاں میں ہاں ملائی مگر دوسری بات نے نوریہ کے پھر اوسان خطا کر دیئے تھے۔

”وہ کدھر کے نبوی ہو گئے کہ سب کچھ معلوم کر لیں، میں ٹھیک ہوں تو ضرورت نہیں چیک اپ کی۔“ زیاد مسکرا دیا تھا۔

”گڈان سے متاثر ہونے کی ضرورت نہیں وہ بھی میری موجودگی میں۔“
 (تمہاری موجودگی میں ہی یہ حادثہ ہو گیا، جس کا ازالہ شاید ممکن بھی نہیں) نو۔ یہ سر جھکائے ملول تھی۔

”او کے چلتا ہوں رات کو پھر چکر لگاؤں گا، ویسے یہ زینی کیا تم سے خفا ہے؟“ وہ اٹھتے ہوئے جیسے کسی خیال کے زیرِ تحت بولا تو نوریہ نے چونک کر اسے دیکھا پھر نفی میں سر ہلانے لگی۔
 ”نہیں تو کیا ہوا؟“

”کچھ نہیں پہلے تم وہاں اور وہ یہاں پائی جاتی تھی ایک دو دنوں سے ایسی کوئی سرگرمی نہیں ہے نا۔“

”میری طبیعت ٹھیک نہیں تھی، زینی بھی شاید کچھ بڑی ہو۔“ نوریہ نے بات بنا دی شاید وہ مطمئن بھی ہو گیا تھا، پھر شاہ ہاؤس سے بھی اس کی خبر گیری کو آتے رہے تھے سوائے معاذ حسن اور زینب کے، معاذ تو اپنے چکروں میں الجھا ہوا تھا، البتہ زینی یقیناً خفا تھی وہ اس کی ناراضگی کا سوچتی واپس کمرے میں آئی اور سیل فون اٹھا کر اس کا نمبر ڈائل کیا جو آف جا رہا تھا اس نے لینڈ لائن ٹرائی کیا کئی دیر تک بجتی رہی پھر کال پک کر لی گئی، دوسری جانب معاذ حسن تھا بھاری بیس والی دلکش مردانہ آواز اس کی سماعت میں اتری تو وہ جو اس سے خائف تھی کچھ اس طور بوکھلائی کہ اگلے لمحے لائن ڈراپ کر دی، اس درجہ گھبراہٹ اور غیر اخلاقی حرکت نے اسے خفت سے دوچار کر دیا، جسے باقاعدہ سر جھٹک کر ذہن سے ہٹانی رہی اس کے بعد بھی وہ شام تک زینب کا نمبر ملاتی رہی مگر وہ اس کی کال نہیں لے رہی تھی، مجبور ہو کر نوریہ کو خود آنا پڑا تھا، مگر پہلے ہی مرحلے پہ اس کا سامنا معاذ حسن سے ہو گیا۔

”ارے تم آج کیسے راستہ بھول پڑیں؟“ وہ تک سب سے درست کہیں جانے کو نکلا تھا یہ سامنا گیٹ سے اندر داخل ہوتے ہی ہوا تھا، بلیک جینز شرٹ میں ملبوس اپنی غضب کی مردانہ وجاہتوں کے ہمراہ وہ بایک یہ سواریک پیر زمین پہ نکلے آنکھوں پہ سن گلا سز چڑھا رہا تھا۔
 ”وہ..... زینی سے ملنی آئی تھی نا (یہ میرے آنے جانے کا کب سے حساب رکھنے لگے بھلا)۔“ وہ بے حد حیران تھی۔

”طبیعت کیسی ہے، سوری میں تمہیں دیکھنے نہیں آسکا کچھ بڑی تھا۔“ وہ جیسے رواداری بھارا تھا نوریہ کا دل بہت زور سے پھر بھی دھڑکا۔

”اس اوکے، ویسے مجھے تو شکوہ کرنے کا حق بھی نہیں، آپ تو اپنی زندگی میں اہم مقام پانے والوں کو بھی انکور ہی کرتے ہیں۔“ جانے کیسے اس کی زبان پھسل گئی تھی ورنہ وہ اتنی جرات مند ہر گز نہیں تھی، معاذ نے بہت چونک کر اور کس قدر حیرانی سے اسے دیکھا جو اب خائف سی کھڑی تھی۔

”آئی ایم ساری م..... میں.....“ اس کی نگاہوں کی تپش سے وہ بوکھلا گئی مگر اس کا موڈ بحال نہیں کر سکی۔

”جس کی ہمدردی کے سب کو بخار چڑھ رہے ہیں نا وہ ایک تھرڈ پرسن ہے، آپ لوگوں کا تعلق واسطہ مجھ سے ہے تو لازمی نہیں آپ لوگ میرے احساسات کو سمجھیں بھی اور مجھے اس کی قطعی ضرورت بھی نہیں ہے۔“ وہ زور سے پھنکارا تھا اور نوریہ کی سراسمگی کا گراف بڑھا دیا اس سے قبل کہ وہ مزید کوئی وضاحت پیش کرتی وہ بایک کوکک لگائے زن سے نکلتا چلا گیا، نوریہ ملول سی وہیں کھڑی اڑتی دھول کو نم آنکھوں سے دیکھتی رہی، یہ حقیقت ہے کہ انسان جب خود نا آسودہ ہوتا ہے تو شعوری یا لاشعوری طور پہ وہ اپنے سے واسطہ لوگوں کو بھی زک پہنچانے کی سعی کرتا ہے، وہ بھی غلطی کر بیٹھی تھی، وہ اتنی بے دل ہوئی تھی کہ وہیں سے پلٹ جاتی اگر جو زینب آ کر اسے نہ تھام لیتی۔
 ”واؤ امیزنگ! تم پہلے سے سمجھ دار اور عقل مند نہیں ہو گئیں؟ میں نے اپنے کمرے کی کھڑکی سے تمہیں بھائی کے پاس کھڑے ان سے بات کرتے دیکھا۔“ نوریہ نے نم ناک نظروں سے اگلیری کے انداز میں اسے دیکھا مگر وہ اسی جوش بھرے انداز میں پوچھ رہی تھی۔

”کیا کہہ رہے تھے وہ تم سے؟“
 ”تم اتنی خفا تھیں مجھ سے ملنے تک نہ آسکیں؟“

”او..... وف یہ کہا، یار عین ممکن ہے اب ان کے دل میں تمہارے لئے نرم گوشہ پیدا ہو گیا ہو۔“ وہ بے ساختہ خوش محسوس کر کے ہنسی تو نوریہ نے تاسف سے اسے گھورا تھا۔

”احسن ہو تم بھی، میں تم سے پوچھ رہی ہوں یہ؟“ وہ سخت جھلائی تو زینب نے منہ لٹکا لیا۔
 ”مجھ سے کیوں پوچھ رہی ہو، میری بات کا جواب دو نا۔“

”کچھ نہیں بلکہ مجھے لگ رہا ہے میں نے انہیں خفا کر دیا۔“ نوریہ کو پھر سے اضطراب نے آن لیا۔

”کیا کہا تم نے ان سے؟“ زینب کے سوال پہ نوریہ نے ساری بات بتائی تو زینب نے کھا جانے والی نظموں سے گھورا تھا۔

”بالکل صحیح کہتے ہیں وہ، تمہیں ضرورت کیا ہے ایسی فضول باتوں کی۔“ وہ ناگواری سے بولی تو نوریہ نے ٹھنڈا سا لٹس بھر لیا۔

”بہر حال وہ صحیح تو نہیں کر رہے جو کر رہے ہیں۔“
 ”تمہیں ہمدردی کا شوق کیوں چار رہا ہے آخر؟ تم جیسی عاقبت نا اندیش لڑکیاں ہی ہوتی ہیں جو خود اپنی راہوں میں کانٹے بچھا لیا کرتی ہیں اور پھر ساری عمر سر پکڑ کے رویا کرتی ہیں۔“

”مجھے تقدیر پہ یقین ہے زینی! مجھے شکوہ نہیں ہے، وہ اگر میرا نصیب ہوتے تو مجھ سے انہیں کوئی چھین نہیں سکتا تھا۔“ وہ صبر کی جانے کس منزل پہ کھڑی تھی زینب نے تھیر سے اسے دیکھا۔

”اگر ایسی بات ہے تو مجھے بیمار کیوں پڑی رہی ہو، کیوں نہ تقدیر کے فیصلے کو قبول کر لیا، کیوں روتی ہو؟“ وہ پھٹ پڑی نوریہ نمل سی مسکرائی۔

”انسان ہوں نا کم بہتی میری فطرت میں شامل ہے جذبات رکھتی ہوں تو حادثات کا اثر تو لوں گی، مگر وقت کے ساتھ سنبھل بھی جاؤں گی۔“

”تمہاری منطقیں میری سمجھ سے باہر ہیں، کیو دما تزا اور ایڈجسٹمنٹ ان لوگوں کی زندگی کا حصہ بنا کرتے ہیں جو کم ہمت اور بے حوصلہ ہوتے ہیں اور کسی حد تک بزدل بھی اور تم نے ثابت کیا کہ تم

کم ہمت بے حوصلہ ہی نہیں بزدل بھی ہو، معاذ بھائی کی مثال تمہارے سامنے ہے، سر اٹھا کے بیٹے والے لوگ کبھی حالات کے آگے ہتھیار نہیں ڈالا کرتے۔“ زینب کی جذباتی تقریر شروع ہو چکی تھی، وہ سرد آہ بھر کے رہ گئی۔

جواب اس کے پاس ابھی بھی بہت تھے مگر بحث کی ہمت ناپید تھی جیسی خاموشی اختیار کر لی جسے زینب نے اس کی ہار سمجھا اور نخوت سے اسے دیکھا اور پھر مسکرا دی، اسے ہمیشہ دوسروں کو اپنے آگے جھکا کر ہرا کر بہت تسکین ملا کرتی تھی۔

☆☆☆

فراق یار کی بارش ملال کا موسم
ہمارے شہر میں اترا کمال کا موسم
وہ اک دعا جو میری نامراد لوٹ آئی
زباں سے روٹھ گیا پھر سوال کا موسم!
بہت دنوں سے میرے ذہن کے دریچوں میں
ٹھہر گیا ہے تیرے خیال کا موسم
جو بے یقین ہوں بہاریں اجڑ بھی سکتی ہیں
تو آ کے دیکھ لے میرے زوال کا موسم
محببتیں بھی تیری دھوپ چھاؤں جیسی ہیں
کبھی یہ ہجر کبھی یہ وصال کا موسم

رات بارہ کے بعد کاٹل تھا، اس وقت سردی کی شدت بھی گویا عروج پہ تھی فضا میں تیز نا دھندلا غبار موسم کی شدت کا پتہ دیتا تھا، وہ ٹیرس یہ تھا اور ہونٹوں کے درمیان سلگتا ہوا سگریٹ تھا، عجب بے صبری کا عالم تھا کہ سگریٹ سلگ سلگ کر ختم ہونے کو ہو گیا تپش اس کے ہونٹوں کو سیلگانی لگی مگر وہ تم صم کھڑا تھا، ایک منظر تھا جو نگاہ کے تمام پردوں پہ آ کر گویا ٹھہر گیا تھا، کتنی تپش تھی کتنی حدت اس ایک منظر میں کہ اس کی روح تک جل اٹھی تھی وہ خاک ہو رہا تھا یا رکھ ہو رہا تھا، فارن کمپنی سے آئے ڈیلیکیشن کے ساتھ اس کی میننگ فائو اسٹار ہوٹل میں طے بھی بیچ اسے انہی کے ساتھ کرنا تھا، اپنے دھیان میں وہ ہوٹل کی اینٹری سے داخل ہوا تھا اور سیل فون یہ کوئی بیج وصول کرتے اس کی نگاہ سرسری انداز میں سامنے اٹھی اور اسے لگا تھا زمین آسمان اس کی نگاہ میں گھوم گئے ہوں، وہ یونیفارم پر بڑی سی شال میں اچھی طرح لپٹی ہوئی اپنے سامنے بیٹھے دراز قامت بے حد وجہ آدی کی کسی بات یہ دھیمے سے مسکراتی ہوئی۔

یہ مسکراہٹ بیٹھنے کا پرسکون انداز اور گفتگو کی روانی صاف چٹائی کھاتی تھی یہ شناسائی کتنی پرانی ہو سکتی ہے، زینب کے انداز و اطوار اسے اس سے پہلے بھی متعدد بار کھٹکا چکے تھے، مگر معاملہ اس حد تک آگے تک ہو گا یہ جہان کے گمان سے باہر کی بات تھی، وہ دونوں اتنے ملن تھے کہ جہان کا وہاں آنا ان کا دیکھ لیا جانا کچھ بھی محسوس نہیں کر پائی اور جہان کھولتے ہوئے اعصاب کے ساتھ وہاں سے آگے بڑھ گیا تھا، حالانکہ کتنا غیض اترا تھا اس کے اندر چند قدموں کا وہ فاصلہ مٹا کر اسے ہسیتے ہوئے ساتھ لے جانے کی خواہش اس کا منہ پھڑوں سے سرخ کر دینے کی مچلتی ہوئی

تسا، مگر اس نے اپنے اعصاب کو کنٹرول میں رکھا تھا وہ کسی فلمی ہیرو کی طرح سے ایکٹ کرنا نہیں چاہتا تھا مگر اس کا مطلب یہ بھی ہرگز نہیں تھا کہ وہ زینب کو عزت دار گھرانے سے یوں سرعام کھیننے کی اجازت بھی دے دیتا، شام کو وہ خلاف معمول بہت لیٹ آیا تھا اور آنے کے بعد اپنے کمرے میں گھس گیا تھا، چائے نہ کھانا وہ باہر ہی نہیں نکلا تو سب کو تشویش ہونے لگی، جہان کو خود کو سنبھالنا پڑا مگر خود کو نارمل کرنا بھی آسان نہیں تھا، خاص طور یہ معاذ کھٹکا تھا۔

”کیا ہوا ہے تمہیں ہے؟“ وہ اس کی سرخ آنکھوں میں جھانک رہا تھا۔

”کچھ نہیں سر میں درد ہے۔“ جہان کو بہانہ بنانا پڑا۔

”ڈاکٹر سے جھوٹ بول رہے ہو۔“ معاذ کی گھوریوں نے اسے نروس کر دیا تھا۔

”میں کیوں جھوٹ بولوں گا۔“ وہ نظریں چرا گیا، معاذ نے چپ سادھ لی مگر اس کا پیچھا نہیں

پھوڑا تھا جب وہ اپنے کمرے میں آیا وہ بھی چلا آیا تھا۔

”کیوں اب سیٹ ہو؟“

”تم جان کو کیوں آگے ہو یا ر میں اب سیٹ نہیں ہوں۔“ وہ جھنجھلا سا گیا۔

”جے مجھ سے بھی چھپاؤ گے۔“ معاذ خفا ہونے لگا۔

”ایسی کوئی بات سے ہی نہیں جو بتاؤں۔“

”میں مان ہی نہیں سکتا۔“ معاذ کا اعتماد قابل دید تھا، جہان نے چپ سادھے رکھی۔

”محببت کرتے تھے تم کسی سے یہ پکی بات ہے، شاید یہ دن سائٹ لو تھا آج اسی وجہ سے کوئی

اور بات ہوئی ہے نا.....؟“

ایسا اعتماد ایسا یقین اور ایسی قیاس آرائی، جہان تو نگ رہ گیا جبکہ معاذ اس کے تاثرات سے اپنی کامیابی پا کر کھل اٹھا تھا۔

”دیکھا میں جانتا تھا، اب بتاؤ کون ہے وہ.....؟“ وہ فنانٹ اگلا مرحلہ طے کر لینا چاہتا تھا، یہاں اسی قدر خائف ہو گیا۔

”معاذ پلیز لیوی الون۔“ وہ اتنا ماتمی ہو کر بولا کہ معاذ اسے دیکھتا رہ گیا۔

”کہہ دینے سے دل کا بوجھ ہلکا ہو جاتا ہے جے!“

”جب کہنے سے کوئی فائدہ حاصل نہ ہوتا ہو پھر لا حاصل ہے، بٹا ہوا غم نہ بٹے ہوئے غم سے زیادہ بوجھل کر دیا کرتا ہے میں خود کو سنبھال لوں گا۔“ اس کی آنکھوں کی حد میں بڑھ رہی تھیں۔

”ایسا کیوں سوچتے ہو پگلے ہم ایک دوسرے کی ذات کا حصہ ہیں، روشن خیال بنو مجھے دیکھو

وہاں تو یہ چاہیے تھا کہ یہ بات جان کر میں تم سے الجھ جاتا غیرت کا مسئلہ بنا لیتا کہ ابھی کل ہی تو ماما نے مجھے پتہ چلا ہے کہ پاپا مستقبل میں زینب اور تمہارا شوگ کرنا چاہتے ہیں یہ بات مجھے بھی بہت

پتہ آئی تھی جے، زینب کے لئے تم سے بہتر کوئی چوائس نہیں ہو سکتی مگر ہمیں من پسند شریک زندگی چننے کا حق سب کو ملنا چاہیے۔“ معاذ اپنے دھیان میں کہہ رہا تھا، زینب کے نام کے ساتھ جو اذیت جو

کرب جہان کے چہرے پہ اترا معاذ اسے محسوس کرنے سے قاصر رہا تھا، جہان نے کسی کرب سے گزارتے ہوئے سختی سے آنکھیں بند کر لیں۔

”تم ٹھیک کہتے ہو معاذ مرضی سے زندگی گزارنے کا حق ہر کسی کو ملنا چاہیے، میں بھی اس امر

پہ سوچوں گا اور خود کو اتنا وسیع القلب کرنے کی کوشش کروں گا۔“ اس کی آواز جتنی مدہم تھی اس سے نہیں بڑھ کر بوجھل معاذ نے متحیر ہو کے اسے دیکھا۔

”واٹ یومین یہ تم کے اجازت دینے کی بات کر رہے ہو؟“
 ”ہے کوئی؟“ وہ خود اذیتی میں مبتلا ہو کر بولا تھا، معاذ نے اسے گھورا تھا۔
 ”میں تمہاری بات کر رہا تھا۔“

”مگر میں اپنی بات نہیں کر رہا تھا۔“ وہ تلخی سے جواب دے رہا تھا معاذ جھلاہٹ کا شکار ہو گیا۔

”کیا پہیلیاں بھجوار ہے ہو، سیدھی طرح سے بات کیوں نہیں کرتے۔“
 ”معاذ ابھی مجھ سے کچھ مت پوچھو پلیز آئی پراس و دیو سمہیں بھی نہ بھی لازمی بتاؤں گا۔“ وہ اتنی عاجزی سے بولا تھا کہ معاذ کو ہار ماننا پڑی تھی۔
 ”اوکے فائن! میں ماریہ کے ہاتھ تمہیں کچھ ٹیمپلٹس بھجواتا ہوں کھا کر آرام کرنا صبح تازہ دم اٹھو گے۔“ وہ اس کا کندھا تھپکتا چلا گیا، معاذ کی ہدایت پہ عمل کرنے کے باوجود وہ نیند کو ترستا رہا تھا اور اب آدھے گھنٹے سے مسلسل پیرس پہ کھڑا موسم کی سختی سہہ رہا تھا، معاذ وہ چونک گیا، زینب کے کمرے کی لائٹ ابھی تک جل رہی تھی۔

”وہ جاگ رہی ہے کیوں؟“ وہ اضطراب کا شکار ہوا تھا کہ وہ تو انگیزیم کے دنوں میں بھی راتوں کو جاگ کر پڑھنے کی عادی نہیں تھی، اسے اپنی صحت خاص طور پہ اپنی آنکھوں کا بہت خیال رہتا تھا، شاید جیسی وہ اتنی حسین تھی ایک تو قدرتی طور پہ بے بہا ملنے والی خوبصورتی اس پہ اس کی بے انہا کیس اور ناز برداری شاہ ہاؤس میں اس کے مقابلہ کی کوئی اور لڑکی نہیں تھی، وہ کچھ دیر وہیں کھڑا لب بھینچے کچھ سوچتا رہا پھر جانے کیا دل میں سمائی کہ سلپنگ سوٹ پہ گاؤن پہنتا ہوا رابداری عبور کر کے اس کے کمرے تک آ گیا، دستک دینے سے قبل وہ اندر سے ابھرتی اس کی بدھنسی کی آواز سن کر اپنے اعصاب چنٹتے ہوئے محسوس کرنے لگا تھا، دوسری احتیاط سے دی گئی دستک پہ دروازہ کھل گیا وہ ڈھیلے ڈھالے نائٹ ڈریس میں کھلے ریشمی سلکی بالوں کے ساتھ بنا دوپٹے کے چوکھٹے میں حیران پریشان اس کے سامنے کھڑی تھی، جہان نے شاید پہلی مرتبہ اسے پوں اپنے مقابلہ پایا تھا، اس کے وجود اور حسین کی چکا چوند کے آگے اسے اپنی نگاہیں خیرہ ہوتی ہوئی محسوس ہوئی تھی۔
 یوں جیسے جھلمل جھلمل کرنی ڈھیر ساری روشنیوں پہ نگاہ ٹھہر گئی ہو۔

”مجھے تم سے ایک اہم بات کرنی ہے۔“ پہلے اس نے نگاہوں کو جھکایا تھا پھر نخوت سے بولا اس کا لہجہ بگڑا ہوا تھا، اس کے خوبصورت چہرے پہ ناگواری تھی۔

”اس وقت؟ خیر آئیے۔“ وہ دروازے سے ہٹ گئی جہان چند لمحوں کی الجھن تذبذب اور کشمکش کے بعد اندر داخل ہو گیا تھا، زینب کچھ حیران ضرور تھی مگر ظاہر نہیں کیا، وہ اس کی نگاہ کا ٹھکانا تھا، وہ خود آگاہ تھی اور آج پہلی مرتبہ اس نے بے کوائف اپنے آگے بے بس پایا تھا، وہ جیسے اندر سے شانت تھی۔

”ایسی کون سی بات تھی جسے کرنے کو آپ کو اس وقت کا انتظار کرنا پڑا؟“ وہ اس کے ساتھ بیڈ کے کنارے آئی، جہان نے جیکھی نظروں سے اسے دیکھا مگر اسے ہنوز دوپٹے سے بے لیا با

کر اگلے لمحے پھر نگاہ کا زاویہ بدل لیا۔

”جو باتیں پردے کی ہوں انہیں ایسے ہی دقتوں میں کرنا مناسب ہوا کرتا ہے شاید تا کہ ان کے اثر سے دیگر لوگ محفوظ رہ سکیں۔“ طنز اس کی عادت تھی نہ فطرت مگر آج معاملہ دوسرا تھا، وہ سر تا پا سلگ بھڑک رہا تھا، زینب اس کی بات کی گہرائی کو سمجھے بنا ناز سے مسکرائی۔

”اچھا ایسی کیا بات ہے؟“

”تم پہلے اپنا دوپٹہ لو پھر بات کرتے ہیں۔“ جہان سے رہا نہیں کیا نا چاہتے ہوئے بھی اس کا لہجہ بے جد کڑا ہو گیا تھا، زینب پہ جیسے گھڑوں کے حساب سے پانی پڑ گیا، اس کی گلابی رنگت خفت سے انگارہ ہونے لگی۔

”سوری مجھے خیال نہیں رہا۔“ وہ سرعت سے اٹھ کر وارڈروب کے آگے جا کھڑی ہوئی۔
 ”کچھ باتوں کا ہمیشہ خیال رکھنا پڑتا ہے ورنہ کسی بھی بگاڑ کا باعث بن سکتی ہیں۔“ وہ طنز نہیں کر رہا تھا انداز ناصحانہ اور ہارا ہوا سا تھا، مگر زینب کو آگ لگ گئی تھی، جہان کی بات کو اس نے سراسر مانڈ کیا تھا، اس کے خیال میں وہ اس کی انسلٹ کر چکا تھا۔

”کیا یہ فرمان یا حد صرف خواتین پہ لاگو ہوتی ہے، مرد حضرات اس سے مستثنیٰ ہیں؟“ وہ کاٹ دار انداز میں بولی تو جہان نے چونک کر اسے دیکھا اس کے ہاتھ جو دوپٹہ لگا تھا وہ گلابی رنگ کا تھا گہرے گلابی رنگ کا جسے اس نے غلٹ میں اوڑھا تھا اس کے ریشمی بال کا ندھوں پہ ڈھلک آئے تھے کچھ ریشمی لٹیں گردن اور چہرے پہ بھی جھول رہی تھیں جہان نے جانا دوپٹہ اوڑھ کر بھی اس کی سحر انگیزی طلسمانی کشش میں کچھ خاص فرق نہیں آیا، وہ ہنوز حواسوں پہ چھا رہی تھی۔
 ”میں نے ایسا کچھ نہیں کہا۔“ وہ سنبھل کر اور نظر جرا کر بولا۔

”اگر ایسا ہے تو پھر آپ کو رات کے اس پہر میرے کمرے میں آنے سے بھی اجتناب برتنا چاہیے تھا۔“ اس نے جیسے اپنا بدلا چکایا اور برسکون ہو گئی، مقصد جہان کو شرمندہ کرنا تھا اور وہ کامیاب رہی تھی، وہ کتنی دیر اس خجالت سے باہر نہیں آسکا۔

”آپ کچھ کہنا چاہتے تھے۔“ زینب کو ہی اسے احساس دلانا پڑا جہان نے دیکھا وہ تکیے چوتنوں سے اس کی سمت ہی متوجہ تھی۔

”تم اس وقت کیوں جاگ رہی تھیں؟“

”کیا اس پہ بھی کوئی پابندی ہے؟“ وہ جی بھر کے تلخ ہوئی اور جہان اسی قدر ہرٹ۔
 ”آج میں نے تمہیں ہونٹ میں دیکھا تھا، کس کے ساتھ تھیں تم؟“ سوال اس قدر غیر متوقع تھا کہ زینب کو سیانپ سوگھ گیا، یہ تو اس نے سوچا ہی نہیں تھا اگر وہ پکڑی گئی کبھی تو کیا کرے گی، وہ بہت محتاط رہتی تھی مگر آج تیمور خان کی ضد کے سامنے اسے ہتھیار ڈالنے پڑے تھے، وہ وادی سے اسپتالی اس سے ملنے کی خاطر یہاں آیا تھا اسے اپنا اصول توڑنا پڑا تھا۔

”کچھ پوچھا ہے تم سے میں نے؟“ جہان نے کسی قدر سختی سے استفسار کیا تو زینب نے خائف ہوتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔

”مم..... میں..... نہیں تو بے آپ کو غلط فہمی.....“ اس کی بات ادھوری رہ گئی جہان نے بہت سختی سے اس کا بازو دبوچ کر اپنے مقابلہ کیا اور اپنی سرد نگاہیں اس کی خوفزدہ آنکھوں میں گاڑھ

چھوٹ جانے پہ شکر گزار تھی اپنے بستر پہ ڈھیر ہو گئی تھی۔

☆☆☆

غم زندگی نے لا کے ہمیں اس جگہ پہ مارا
جہاں اس طرف کنارہ نہ اس طرف کنارہ
یہاں کس کو اتنی فرصت کہ ہمارا حال پوچھے
یہ مزاج ہے سبھی کا نہیں ذکر بس تمہارا

وہ گھٹنوں میں سر دیئے بیٹھی تھی، ہلکی نمی لئے بال کھلے تھے اور اس کے نازک وجود کو ڈھلک کر
تقریباً پورا اچھا لیا تھا، ٹیپ ریکارڈ رنچ رہا تھا اور وہ جیسے خود سے کتنی جا رہی تھی، دل کی کیفیت بھی
کچھ ایسی تھی آنکھیں خواجواہ بھیگے لگیں، کتنا چاہتی تھی اس نے پناہ مغرور نقوش والے چہرے کو بھلا
اسے جس سے وابستہ کتنی اذیتیں تھیں ان سے بھی چھکارا مل جائے مگر وہ اس کوشش میں ہمیشہ
نا کام ہو جاتی، کیا دیا تھا اس بندھن نے اسے سوائے بے باکی کے شدید احساس کے۔

کئی کام رہ گئے ہیں تیرے عشق کی وجہ سے
تیرے ساتھ بھی خسارہ تیرے بعد بھی خسارہ
یہ عجیب سا جہاں ہے یہاں سب ڈسے ہوئے ہیں
تیرے ساتھ بھی خسارہ تیرے بعد بھی خسارہ
تیرے ساتھ بیٹے لمحے میری زندگی کا حاصل
تیرے بعد پھر کسی نے نہیں پیار سے پکارا

ثناء چائے بنا کر لانی تو اسے اس پوزیشن میں پایا جیسے چھوڑ گئی تھی، ٹیپ ریکارڈر بھی یونہی چل
رہا تھا وہ گہرا سانس بھر کے آگے بڑھی اور چائے کا بھاپ اڑاتا تک اس کے پاس رکھ دیا۔
”بری کہاں کھوئی ہو یا؟“ وہ زور سے چیخنی ساتھ ہی ٹیپ بند کر دیا، پر نیاں نے چونکے بنا سر
الٹایا ثناء کو اس کی آنکھیں بھیگی بھیگی لگیں۔
”تم پھر روتی رہی ہو؟“ وہ اسے گھور کر بولی۔

”ددا یاد آرہے تھے۔“ اس کے پاس بہت معقول جواز موجود تھا آنسوؤں کا۔

”تم لاکھ بہ بات کہو پری کہ تمہیں صرف یہی ایک دکھ ہے میرا وجدان مجھے کیوں وارن کر رہا
معاملہ کچھ اور بھی ہے۔“ ثناء ایک بار پھر پیچھے پڑی، وہ اس کی روم میٹ ہی نہیں ایسی زبردستی
کی تھی بھی تھی جس نے اس کی سمت آنے اور دوستی کے سارے تقاضے تنہا نبھائے تھے، وہ
یہاں کی بے بہا اور بے تحاشا خوبصورتی پہ بری طرح فدا ہو گئی تھی اور اس کی تمام تر خشک مزاجی
کے باوجود اس سے دوستی کر کے دم لیا تھا۔

”اور کیا بات ہو گئی، میری زندگی میں اور کچھ رہا ہی نہیں ددا کے بعد۔“ وہ ہنوز اس تھی۔

”اچھا اور وہ جو بہت سویرا اور ڈشنگ سے انکل تمہیں ہر چوتھے دن نلنے آئے ہوتے ہیں وہ
ان ہیں؟“ ثناء نے فوراً اس پہ گرفت کی تھی۔

”وہ انکل ہیں بس۔“ پر نیاں کے انداز میں فرق نہیں آیا۔

”ان کا کوئی ویسا ہی بانکا بھیللا جوان گھبرو بیٹا بھی تو ہو گا نامائی ڈیر۔“ ثناء کی آنکھوں میں

ہیں۔“ مجھے غلط فہمی نہیں ہوئی، تمہارے معاملے میں مجھے غلط فہمی کبھی نہیں ہو سکتی سمجھیں، میں صرف
سچ سننا چاہوں گا، یاد رکھنا زینب اس گھرانے کی عزت یوں نیلام کرنے کی اجازت تمہیں ہرگز نہیں
دی جا سکتی ہے۔“ اس کی نگاہوں میں چنگاریاں اڑ رہی تھیں، کچھ میں اتنی سختی تھی کہ زینب کو اپنی
جان ہوا ہوتی محسوس ہوتی مگر اس نے فی الفور بہت سرعت سے خود کو سنبھالا دیا تھا۔

جہان نے غم و غصے کی زیادتی میں سہی مگر اسے جس طرح سے پکڑا تھا، درمیانی فاصلے ایک
طرح سے سارے مٹ گئے تھے، اس نے جو دوپٹہ اوڑھ رکھا تھا وہ شیفون کا دوپٹہ تھا جسے سنبھالنے
کو اس نے چہرے کے گرد ہالہ بنا کر ایک ہاتھ سے گردن سے باقاعدہ دو بوج رکھا تھا مگر جہان نے
جب اس کا بازو پکڑا اس کے ہاتھ سے دوپٹے کی یہ گرفت چھوٹ گئی تھی اب صورت حال یہ تھی کہ
سوائے بازو کا وہ حصہ جہاں جہان کی گرفت تھی اس کے سوا سارا دوپٹہ کاندھوں اور سر سے پھسل کر
کار پیٹ پہ ڈھیر ہو چکا تھا رسی کی بال کچھ پشت پہ لہرا رہے تھے کچھ کاندھے سے ڈھلک کر سینے پہ
سیاہ مٹل کی مانند بھرے ہوئے تھے اور اس حالت میں وہ کتنی سحر انگیز کس درجہ ہوش ربا لگ رہی تھی
یہ وہ اچھی طرح اندازہ کر سکتی تھی، جیسی خوف کی جگہ ایک اطمینان اور بے نیازی نے لے لی تھی۔

”کیوں خاص طور پہ میری طرف سے کسی قسم کی غلط فہمی کیوں نہیں ہو سکتی آپ کو؟ اس کی کوئی
خاص وجہ ہے بتائیں؟“ وہ جس انداز میں بولی تھی جہان نے چونک کر اسے دیکھا اور جیسے اس
آکورد پوزیشن کا خیال آتے ہی بدک کر فاصلے پہ ہوا اور باقاعدہ نظرس چراغ لگا، زینب جھک کر
دوپٹہ اٹھانے کے بہانے اپنی مسکراہٹ چھپانے لگی۔

”تم نہیں بتاؤ گی اصل بات مجھے۔“ جہان نے زنج ہو کر اسے دیکھا، وہ معصومیت کا تاثر
دینے کو مسکرائی۔

”میں نے کہا نا ہے آپ غلط فہمی کا شکار ہو رہے ہیں؟“
”اچھا وہ سب پھر میری نگاہوں کا دھوکہ ہو گا۔“ وہ جیسے خود اپنا تمسخر اڑانے لگا۔
”ایسی بات نہیں ہے، اچھو کی وہ میرا کلاس فیلو ہے بہت عرصے سے پیچھے پڑا ہوا ہے محبت کا
دعویدار ہے میں اس کو سمجھانے آئی تھی کہ وہ اس حماقت سے باز آ جائے، اتنی سی بات ہے میری
ذاتی کوئی انوالومنٹ نہیں اس سے۔“

اس نے جو داستان سنا وہ اتنی بودی تھی کہ جہان کی آنکھیں جل اٹھیں اس کا صاف مطلب
تھا وہ اس سے اگلوانے میں ناکام رہا تھا، اسے ایک دم جیسے بہت سی ٹھکن نے آن لیا۔
”آپ کو میری بات کا یقین نہیں آیا ہے؟“ وہ بغور اسے دیکھ رہی تھی جہان نے سرو آہ
بھری۔

”میں صرف ایک بات کہوں گا زینب لڑکیوں کی عزت آگینے سے بھی نازک ہوتی ہے، ہلکی
سی ٹھیس بھی اسے بکھیر دے تو پھر اسے سینے اور جوڑنے کی ہر کوشش رائیگاں جایا کرتی ہے، سوچی
کیئر فل نیکسٹ ٹائم اوکے؟“

”اوکے اوکے اینڈ ٹھینکس۔“ وہ دل آویزی سے اسے دیکھ کر مسکرائی تو جہان گہرا سانس
بھرتے آہستگی سے پلٹ گیا، اس کی چال کا اضمحلال بہت واضح تھا، زینب اتنی آسانی سے جان

شرارت ناچ رہی تھی، پر نیاں کی رنگت یکخت پھینکی پڑ گئی، اس کے اندر ایک بے نام سی وحشت اتر آئی جو چھین بن کر اسے چھینے لگی۔

”ایسی کوئی بات نہیں ہے تم فضول کے اندازے مت لگایا کرو۔“ اسے اتنا ناگوار گزرا تھا یہ تذکرہ کہ اسے جھڑکتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔

”افوہ چائے تو پی لو۔“ ثناء نے ٹوکا مگر وہ ان سنی کیے دروازہ کھول کر باہر آگئی میٹھیوں سے بھر کر نیچے سرسبز لان میں بنے سگی بیچ پہ بیٹھ گئی، شام ڈھل رہی تھی، دھوپ بہت آہستگی سے مٹی جا رہی تھی، اس کا اضطراب ہر گزرتے دن کے ساتھ بڑھ رہا تھا، مستقبل کا خوف ابھی سے آکٹوئس بن کر چمٹنے لگا تھا۔

”پر نیاں حبیب وارڈن کا پیغام ہے آپ کے گھر سے کوئی آپ سے ملنے آیا ہے۔“ وہ اپنی سوچوں میں گم بیٹھی تھی جب اس آواز نے اسے چونکایا، سامنے وارڈن کی ہلپر کھڑی تھی وہ کھڑکی سے سانس بھرنی اٹھ کھڑی ہوئی، ان دو ہفتوں میں غالباً پاپا کا یہ اس کے پاس چوتھا یا پانچواں چکر تھا، شاید وہ بیٹے کی زیادتی کا ازالہ کرنے کی کوششوں میں تھے جب بھی آتے اس کے لئے ڈھیروں چیزیں ساتھ ہوتیں، وہ بھی شرمندہ ہوتی، پچھلی مرتبہ جب انہوں نے اس کی مٹی میں ہزار ہزار کے کئی نوٹ تھمانے چاہے وہ کیسے بدک گئی تھی۔

”پلیز انکل مجھے ان کی بالکل ضرورت نہیں ہے۔“

”کیوں پیسہ تو ہر انسان کی بنیادی ضرورت ہے بیٹے!“ ان کا لہجہ و انداز کتنا خاص کتنا مشفقانہ ہوا کرتا تھا اس کے ساتھ اس نے بھی باپ کی محبت کو محسوس نہیں کیا تھا مگر جو رو بہ جو سلوک انہوں نے اس کے ساتھ روا رکھا تھا اسے لگا تھا اگر اس کے بابا زندہ ہوتے تو لازمی ان کی محبت کا انداز اور رنگ اس محبت سے جدا ہرگز نہ ہوتا۔

”ہماری زمینیں ہیں نا، وہاں سے ہی پہلے بھی میری ضرورتیں پوری ہوتی تھیں۔“ اس نے جیسے جتایا تھا، پاپا کچھ دیر کو خاموش ہو گئے تھے۔

”بیٹے اب آپ کی ہر ذمہ داری ہماری ہے آپ ہماری فیملی کا حصہ ہو، یونونکاح کے بعد والدین کی نہیں شوہر کی ذمہ داری ہوا کرتی ہے اور وہ معاذ وہ بھلے برس روزگار ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ اس کی سیرلی مہینے کے چند دن ہی اس کا ساتھ دے پاتی ہے پھر وہ بھی مجھ سے ہی پیسے لیتا ہے بہت فضول خرچ ہے نا، کہنے کا مقصد یہ نہیں کہ میں آپ سے کوئی احسان کر رہا ہوں، باپ بیٹوں اپنی کمائی خرچ کر کے بہت سکون اور خوشی محسوس کرتے ہیں بیٹا! میں اس نالائق کے حوالے سے آپ کو دیکھتا ہی نہیں آپ میرے لئے زینب اور ماریہ کی طرح ہی ہو، اگر آپ نے یہ نہ لئے تو آپ کو ایک باپ کو ہرٹ کریں گی اور میری بیٹی اتنی بے حس نہیں ہو سکتی۔“ انہیں بات کرنے کا سلیقہ تھا وہ قائل کرنے کے ہر انداز سے آگاہ تھے پر نیاں نے یہ بات اچھی طرح سے جان لی تھی وہ ان سے صرف ایک بات منوا سکی تھی، باقی ساری مانتی آئی تھی بھلے بعد میں دل پہ کتنا ہی بڑھتا ہو۔

”السلام علیکم انکل!“ وہ اندر آئی تو انہیں اخبار میں مصروف پایا اس کی آواز یہ متوجہ ہونے پر اخبار ٹیبل پر رکھ کر مشفقانہ مسکراہٹ سمیت اٹھ کر اس کے سر پہ ہاتھ رکھا اور باقاعدہ ٹوکا۔

”انکل نہیں پاپا!“ یہ ہر مرتبہ کی ٹوک تھی وہ جھینپ سی گئی۔

”آج میں یہ نہیں کہوں گا کہ یہاں سے گزر رہا تھا سو چا آپ سے مل لوں، یہ آپ کی ماما اور بڑی ممانے کچھ چیزیں آپ کو بھیجی ہیں۔“ انہوں نے ہمراہ لائے بڑے شاپرز کی سمت اشارہ کیا وہ حیران رہ گئی۔

”ان میں کیا ہے؟“

”کھول کر دیکھ لیں چونکہ مجھے تو ان خواتین پہ کسی قسم کا شبہ نہیں تھا جی تو چیکنگ نہیں کی۔“ ان کا انداز متبسم تھا وہ جھینپ کر ہنس دی۔

”اس تکلف کی کیا ضرورت تھی پاپا! اپنی ویز آپ انہیں میری طرف سے تھینکس کہہ دیجئے گا۔“

”نہ بھی یہ اتنا بھاری بوجھ مجھ سے نہیں اٹھایا جاتا آپ کی ماما تو آپ سے ملنے کو بے قرار تھیں میں خود ہی نہیں لے کر آیا ویسے اگر یہ سب ضروری ہے تو ایک فون کال کر لیجئے گا، وہ بہت خوش ہوں گی۔“ وہ اٹھتے ہوئے بولے تو پر نیاں بوکھلا کر کھڑی ہو گئی۔

”بیٹھے ناپا میں آپ کے لئے چائے بنا کر لاتی ہوں۔“

”نہیں بیٹے اس وقت لیٹ ہو رہا ہوں، ایک ضروری کام سے بھی جانا ہے، اپنا خیال رکھیے گا، ٹیک کیئر۔“ وہ اس کا سر تھپک کر چلے گئے، پر نیاں نے گہرا سانس کھینچا اور کچھ دیر یونہی بیٹھی رہی پھر اٹھی تو نگاہ شاپرز پہ جا پڑی، اس نے جس میں بیٹا! ہو کر شاپرز کے فریب آ کر جہان کا ایک میں موسم کی مناسبت سے خوشنما اور بے حد اسٹائلش اور نفیس قسم کے چار جوڑے تھے دوسرے میں چھوٹے بڑے ڈبوں میں مختلف چیزیں تھیں، دیسی مٹی، بخیر مٹی، خشک میوہ جات اور اسی قسم کی دوسری چیزیں، وہ عجیب سے احساسات میں گھری کھڑی رہ گئی، کسی ایک کی وجہ سے وہ اتنی ساری بے لوث تھیں آخر کہاں تک نظر انداز کرتی، ایک شیشی میں خالص دیسی سرسوں کا تیل بھی تھا اسے یاد آیا ممانے حویلی میں دو دن کے قیام کے دوران اس کے سر کے بالوں کی مالش کی تھی۔

”اتنی لف بڑھائی ہے سب سے زیادہ بالوں کا حشر ہوتا ہے، جب تک معاد پڑھتا رہا ہر روز رات کو مجھ سے تیل کی مالش کروایا کرتا تھا وہ تو ماشا اللہ اس کے بال ونسے بھی گھنے ہیں کچھ اس کی کیئر جی بھی سلامت رہ گئے، زیادہ نے پرواہ نہیں کی جی بھی ایک حصہ بال جھڑ گئے ہیں ابھی سے اس کے میرے چمنے کی بھی پرواہ نہیں اسے، مگر بیٹا آپ ضرور رات کو مساج کیا کرو، بال آپ کے جتنے پیارے ہیں کیئر لیں ہونے سے نقصان ہو سکتا ہے، خیر اب تو آپ ہمارے ساتھ چلیں گی تو میں خود یہ کام کر لیا کروں گی، زینب تو بہت بیچتی ہے مساج سے مگر میں پرواہ نہیں کرتی۔“ ان کی باتوں میں صرف معاذ کا ہی نہیں ان کے سب بچوں کا بار بار تذکرہ آیا کرتا تھا مگر ہر بار معاذ کے نام سے اس کا دل گہرائیوں میں ڈوب کر بہت دیر سے ابھرتا، دونوں شاپراٹھائے وہ اوپر اپنے کمرے میں آگئی تھی اور ہاتھ میں تیل کی شیشی اٹھائے کم صم کھڑی تھی جب ثناء کی ہنسی پہ چونکی۔

”یار اس میں ایسی کیا اٹریکشن ہے خالی خولی آئل ہی تو ہے، تمہارے کپڑے تو اتنے شاندار ہیں کہ لگ رہا ہے سسرال سے بری آئی ہو، انہیں دیکھو یار۔“ ثناء اس کی ساری چیزیں پھیلانے لگی تھی بلکہ کھانے والی ساری چیزیں تو وہ چکھ بھی چکی تھی، اس کی بات پہ پر نیاں کا رنگ پہلے بے

تھا شا سرخ ہوا پھرتا ہی پھیکا پڑ گیا۔

”بہت دیا لو ہیں بھی تمہارے انکل آئی وغیرہ، سگے انکل ہیں چچا یا ماموں؟“ ثناء بے حد متاثر تھی اس کے ایک سوٹ پہ جو بروٹے کا تھا ڈل گولڈن لائٹ اے لائن شرٹ ٹراؤز اور آف وائٹ کمر کا خوب لمبا چوڑا دوپٹہ جس کی شیفتون اتنی سبک اور نفیس تھی کہ اکٹھی کر کے منھی میں بند کی جاسکتی تھی، دوپٹے کے چہار اطراف چار انگلی چوڑی گولڈن پٹی تھی جس پہ گولڈن ہی بہت نفیس موتیوں کا کام بنا ہوا تھا، ثناء کو بے حد پسند آیا تھا۔

”یوں تو سارے ہی سوٹ بہت اسٹائلش ہیں مگر اس کی ٹور انگ ہے یا ایک ہفتہ قبل میں نے طارق روڈ پہ ایک بوتیک میں اسے دیکھا تھا، پندرہ ہزار کا ٹیگ دیکھ کر خواہش کو اندر ہی دبا لیا۔“

”تم لے لو۔“ برنیاں نے سوٹ نہایت فراخ دلی سے اس کی جانب بڑھا دیا۔

”پاگل ہوئی ہو، تمہیں ملا ہے یا میرا کہنے کا مقصد یہ تھوڑی تھا۔“ ثناء خفت زدہ ہو گئی۔

”دوستوں میں سب چلتا ہے ثناء رکھ لو پار۔“

”ہاں رکھ لوں تاکہ کل تمہارے انکل آئیں اور مجھے سوٹ پہنا دیکھ کر مجھ پہ کیس کر دیں۔“ وہ ہنسنے لگی۔

”سوٹ تو نہیں البتہ کھانے پینے کی چیزوں میں کوئی تکلف نہیں برتوں گی ابھی سن لو۔“ ثناء نے صاف کہہ دیا، برنیاں محض مسکرائی تھی۔

”یار اپنی اتنی دیا لو آئی کو ایک سوٹ کا فون ہی کر دو۔“ ثناء اسے بستر پہ دراز ہوتے اور کتابیں کھولتے دیکھ کر چیخنی تو وہ تھم سی گئی، یہ بات تو پہانے بھی کہی تھی، کچھ سوچ کر اس نے کچھ تذبذب سے شاہ ہاؤس کا نمبر ملا لیا، فون کی بیل ہونے تک اس کا دل جانے کیوں تیز تیز دھڑکتا رہا، رابطہ بحال ہونے پہ دوسری جانب سے آلی مردانہ بھاری مگر فریش آواز پہ وہ ایک دم ساکن ہو گئی۔

”ہیلو۔“ اس نے خشک ہونٹوں پہ زبان پھیری۔

”جی کس سے بات کرنی ہے آپ کو؟“

”آپ..... آپ کون؟“ اس نے گھبراہٹ میں ایک بے تکا سوال کر دیا۔

”محترمہ تعارف کرانے کی ضرورت آپ کو ہے فون آپ نے کیا ہے، بہر حال میں معاذ حسن ہوں، اب فرمائیے؟“ ہلکی سی جھنجھلاہٹ لئے بھاری بھر کم آواز اس کے اوسان خطا کر گئی، سیل فون اس کے ہاتھ سے پھسل گیا تھا، وہ لمحوں میں پسینوں میں نہا گئی تھی گویا صد شکر کہ ثناء واش روم میں تھی ورنہ اس کی حالت یہ اس کی جان کو آجاتی، اس نے بے ترتیب دھڑکنوں کے شور میں جھک کر بے چارگی سے سیل فون کو دیکھا جو اس کی گود میں گرا تھا کال ابھی چل رہی تھی اور اسپیکر سے معاذ حسن کی جھنجھلائی ہوئی ہیلو ہیلو کی مدہم آواز وہ سن سکتی تھی، اس نے کانپتے ہاتھوں سے فون ڈسکلینک کر دیا۔

”مائی گاڈ کیا ہو گیا تھا مجھے۔“ سر زور سے جھکتے ہوئے وہ گویا خود اپنے اوپر خفا ہو رہی تھی جب ثناء واش روم سے برآمد ہوئی۔

”ہو گئی تمہاری بات؟“

”آں ہاں ہاں ہو گئی۔“ اس نے یونہی برسبیل تذکرہ پوچھا تھا مگر جواب میں اس کی بوکھلاہٹ پہ چونک اٹھی۔

”خیر میت اتنی سراسیمہ کیوں ہو؟ آئی کی بجائے ان کے بیٹے سے بات ہوئی ہے کیا؟ اور وہ شکل و صورت میں ڈریگولا سے ملتا جلتا ہے۔“ ثناء کو شرارت سوجھ رہی تھی، پر نیاں محض اسے گھور کر رہ گئی۔

☆☆☆

”السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔“ وہ ڈانٹنگ ہال میں آیا تو پیپا کو سامنے ہی موجود دیکھ کر زور دار طریقے سے سلام کیا لہجے میں تبسم کی شوخی اور کھٹک بھی مقصد ان پہ اپنی آمد کو جتلانا ہی نہیں اپنے اعتماد کو واضح کرنا بھی تھا، انہوں نے ایک نگاہ اسے دیکھا اور کوئی تاثر دینے بنا اپنی پلیٹ کی سمت متوجہ ہو گئے۔

”علیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔“ اس شوخی کا جواب بھی شوخی میں موصول ہوا تھا، ابن زیاد کی مسکراہٹ بہت خیر مقدمی اور فریش تھی۔

”کیا بنا ہے آج کھانے میں؟“ وہ کرسی گھسیٹ کر بیٹھتے ہوئے جانے کے مخاطب کر کے بولا تھا۔

”آپ کی فیورٹ سندھی بریانی اور رائیو کوفتے بیٹھے میں ٹرائفل ہے۔“ جواب ممانے دیا تھا اور بہت دلار سے۔

”یہ چاولوں کی ڈش دیجئے پلیز!“ وہ جس کرسی پہ بیٹھا تھا وہ پیپا کے مد مقابل تھی اب اس نے جسے مخاطب کیا تھا وہ بھی پیپا ہی تھے، ٹیبل کے گرد بیٹھے دیگر نفوس نے اپنی مسکراہٹ چھپائی تھی سب جانتے تھے وہ جتنا جذباتی ہے اس سے کہیں بڑھ کر حساس غصے اور خفگی میں جتنی بھی بری طرح سے سامنے والے کو ہرٹ کر کے غصہ اترنے پہ جب تک ازالہ نہ کر لے اسے چین نہیں بڑا کرتا تھا، پیپا نے اسی سپاٹ چہرے کے ساتھ بنا اسے دیکھے اس کی مطلوبہ ڈش اپنے سامنے سے اٹھا کر اس کے آگے رکھ دی۔

”جزاک اللہ!“ وہ بے پناہ مشکور ہوتا اپنی پلیٹ میں چاول نکالنے لگا۔

”بھائی آپ کی ٹکٹ کنفرم ہو گئے؟“ مار پیہ نے اچانک سر اٹھا کے پوچھا، وہ چونک گیا۔

”ہاں پندرہ دن بعد کی فلائیٹ ہے، اس لئے جو بھی لوگ مجھ سے خفا ہیں انہی پندرہ دنوں میں مجھے مینا لیں۔“ اس کے لہجے میں شرارت تھی، ڈانٹنگ ہال میں دبی دبی ہنسی پھیل گئی، کیا شان بے نیازی تھی اور تو اور پیپا جان بھی مسکرا دیئے تھے۔

”آپ سے ٹریٹ نہ لے لیں، ان پندرہ دنوں میں گفٹس نہ ہو لیں۔“ ابن زیاد نے جواب دیا اور زینب نے فوراً ہاں میں ہاں ملائی تھی۔

”بالکل بھائی یہ تو ہمارا حق بنتا ہے اتنی بڑی کامیابی ملی ہے آپ کو۔“

”تو میری محنت کی بدولت ملی ہے نا تمہارا کیا کمال اونہہ تحفے ٹریٹ۔“ وہ نخوت سے بولا تو ابن زیاد چیخا تھا۔

”صرف آپ کی محنت کا کمال نہیں ہے، ہماری دعائیں بھی رنگ لائی ہیں، ہم لازمی ٹریٹ لیں گے اور شاپنگ بھی کریں گے آپ کے پلے سے۔“ ماریہ بھی ساتھ مل گئی تو اس نے ہتھیار ڈال دیئے تھے۔

”او کے او کے لے لینا بھئی۔“ تینوں نے جواباً نعرہ لگایا تھا، ڈائینگ ہال ان کی چہکاروں سے گونج اٹھا معاذ نے مسکراتے ہوئے نگاہ کا زاویہ بدل کر دیکھا پتا اسی سنجیدگی متانت سمیت کھانے سے فراغت کے بعد ٹیکس سے ہاتھ پونجھ رہے تھے۔

”پتا آپ نے سنا پندرہ دن بعد میں ایک لمبے عرصے کے لئے بہت دور جا رہا ہوں۔“ اس نے جیسے انہیں چھیڑا مگر کامیابی نہیں ہوئی، مہابے چین ہو رہی تھیں۔

”نی امان اللہ! خدا کا میاں عطا فرمائے آمین!“ وہ کرسی دھکیل کر اٹھتے ہوئے بولے اور پلٹ کر باوقار انداز میں چلتے ڈائینگ ہال سے نکل گئے۔

”بس اور کچھ نہیں؟“ وہ ان کے پیچھے بھاگ کر آیا اور برآمدے اور راہداری کے درمیان انہیں چالیا۔

”جب بچے بڑے ہو جاتے ہیں تو انہیں والدین سے اور کسی چیز کی ضرورت نہیں رہتی ما سوائے۔“ وہ گہرا سانس بھر کے بولے تھے، معاذ نے سرگوشی میں جنبش دی۔

”مجھے آپ کی شفقت محبت اور سب سے بڑھ کر آپ کی مسکراہٹ بھی چاہیے، وہ آپ کی معافی کے مجھے معاف کر دیں پتا اس دن سے میں نے بہت گستاخیاں کی آپ کے ساتھ۔“ وہ ایک دم سے ان سے لپٹ گیا، پتا کچھ دیر ساکن کھڑے رہے پھر اسے بازوؤں کے حلقے میں بھینچ لیا تھا مخصوص انداز میں پیشانی چومی اور پھر اس کے گھنے بال بکھیر دیئے۔

”میں خفا نہیں ہوں۔“

”ہینلس پتا!“ وہ بچوں کی طرح سے کھلکھلایا۔

”آپ کہیں گے تو آپ کی اجڈ پینڈو بہو کو رخصت بھی کرالوں گا، واپس آ کر مگر میری شرط اپنی جگہ یہ قائم ہے، میں اپنی پسند کی شادی ضرور کروں گا، زندگی ایک بار ملتی ہے پتا!“ پتا کے چہرے کا نرم تاثر پل بھر میں زائل ہو گیا، انہوں نے سختی سے ہونٹ بھیجے تھے۔

”اس احسان کی ضرورت نہیں ہے، آج میں خود اس موضوع کو ختم کرتا ہوں۔“ انہوں نے سرد مہری سے کہا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتے اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئے، وہ کاندھے اچکا کر رہ گیا تھا۔

☆☆☆

”گاڑی تیار ہے بیگم صاحبہ!“ ڈرائنگ ٹیبل کے آئینے کے سامنے بیٹھیں وہ اپنے گلے میں نازک سائیکلس پہن رہی تھیں جب دروازہ ٹاک کرنے کے بعد موڈب سی ملازمہ نے اطلاع دی۔

”او کے میں آرہی ہوں ہنسی جاگ گئی؟“ انہوں نے اٹھتے ہوئے اپنا براؤن لیڈر کا پینڈ بگ اٹھاتے ہوئے اگلا سوال کیا تو ملازمہ کچھ گڑبگائی کہ وہ ان کی ہدایت پہ ہر دس منٹ بعد ڈالنے کے کمرے میں جھانکنا بھول گئی تھی۔

”جج..... جی بیگم صاحبہ میں ابھی دیکھتی ہوں۔“

”واٹ نان سنس، سیکری کس کام کی ملتی ہے ہر ماہ تمہیں کھی کام چور عورت، کام وام تم سے ہوتا نہیں ہے۔“ ان کے تاثرات ایک دم سے حقارت آمیز ہو گئے ملازمہ ان کے عتاب کو محسوس کرتی تھر تھر کانپنے لگی کہ ان کے وحشیانہ غصے سے وہ کیا سارے ملازمین خائف رہا کرتے تھے۔

”مم..... معاف کر دیں بیگم صاحبہ!“ وہ باقاعدہ ہاتھ جوڑ کر بولی۔

”ناؤ گیٹ لاسٹ۔“ انہوں نے دھاڑ کر کسی قدر تضحیک آمیز انداز میں کہا اور نازک ہیل کے جوتے پہن کر ایڑی کی ٹنگ ٹنگ کا سرتال بجاتی ہوئیں خود ڈالے کے بیڈروم کی سمت آگئیں، نازک گھما کر دروازہ اوپن کیا تو کمرادن کے دس بجے بھی تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا، انہوں نے آگے بڑھ کر لائٹ آن کی تھی تمام کھڑکیاں مضبوطی سے بند تھیں اور الیکٹریک ہیٹرسٹ روی سے حدت چھوڑ رہا تھا، انہوں نے جہازی سائز بیڈ پہ اوندھے منہ لیٹی ڈالے کو پیار بھری نظروں سے دیکھا اور آگے بڑھ کر اس کا یہ پھیلا کھیل درست کرتے ہوئے سلکی بال سمٹنے لگیں۔

”ڈالے! تھی اٹھ جاؤ میری جان!“ وہ ذرا سا کسمپاتی تھی مگر بولی نہیں۔

”آج پھر آپ نے کالج ٹائم مس کر دیا، بیٹا کم از کم گریجویٹیشن تو کر لو۔“

”یعنی مزید دو سال کالج جاؤں مجھے نہیں منظور ماما!“ وہ خمار آلود آواز میں بسوری تھی۔

”ایسے تو نہیں چلے گا ماما کی جان!“ انہوں نے جھک کر نرمی سے اس کی پیشانی چومی تب ڈالے نے پہلی بار آنکھیں کھول کر انہیں دیکھا تھا، وہ انہیں کچھ ست کچھ ٹڈھال لگی۔

”ابھی ٹیک بستر میں کیوں پڑی ہو؟ طبیعت ٹھیک ہے نا؟“ ان کے لہجے میں خدشات کی بانٹ اور لرزش تھی، ڈالے کے چہرے پہ زہر خند پھیلنے لگا۔

موت کا ایک دن معین ہے
نیند کیوں رات بھر نہیں آتی

”ماما آپ تو اسی خوف سے مجھے سونے بھی نہیں دیتیں کہیں مرنہ جاؤں۔“ اس کے لہجے میں صرف جھنجھلاہٹ نہیں تھی بے زاری اکتاہٹ اور سختی بھی نمایاں تھی، مسز آفریدی کا کلیجہ جیسے کسی نے بے دردی سے بھنبھوڑ ڈالا، انہوں نے متغیر ہوتی رنگت کے ساتھ ڈوٹی نظروں سے ڈالے کو دیکھا تو نام تر نزاکت معصومیت اور دلربائی کے باوجود اکثر دل نوج لیا کرتی تھی ان کا، پتہ نہیں وہ اتنی ہلاک کیوں تھی۔

”اگر تم ایسی باتوں سے باز نہ آئیں تو میرا ہارٹ لازمی کسی روز فیل ہو جائے گا کسی دن پھر روتی رہنا۔“ وہ جی بھر کے خفا ہوئی تھیں، ڈالے ایک دم سے ہنس پڑی۔

”کم آن ماما! رخصت تو آپ نے کرنا ہے مجھے رونا تو آپ نے ہے۔“ وہ بے حد بے رحمی سے کہہ کر اپنے لمبے گھنیرے بالوں کو سمیٹنے میں مصروف ہو گئی، مسز آفریدی کا دھواں دھواں ہونے لگا یہ نگاہ ڈالے بنا جو ضبط کھو کر ایک دم سے ہلک آگئی تھیں۔

”میں اسی خود فریبی میں مبتلا رہنا چاہتی ہوں مگر تمہیں یہ بھی گوارا نہیں، اتنی ظالم کیوں ہو جاتی ہو گی کبھی تم ڈالے۔“ وہ ہچکیاں بھر بھر کے روتے ہوئے کہہ رہی تھیں، ڈالے ہونٹ بھیجے انہیں کہہ رہی تھی کچھ کہے بغیر ان کے گلے میں بازو جمائل کر دئے، بہت دیر بعد جب وہ بولی تو اس کی

”میں آپ کو حقیقت پسند بنانا چاہتی ہوں ماما! تاکہ آپ کو میرے بغیر جینے کا ڈھنگ آ جائے۔“ وہ چھوٹی سی بہت دلکش سی لڑکی بہت بہادری سے مسکراتی تھی۔

”کیونکہ اب لا علاج مرض نہیں رہا ہے ڈالے! میں علاج کے لئے تمہیں باہر لے کر جاؤں گی سب ٹھیک ہو جائے گا، ایک بہت پیارا سا لڑکا ڈھونڈ کر میں تمہاری شادی کروں گی پھر اتنے ڈھیر سارے میرے نواسے نواسیاں ہوں گی۔“ وہ کھلی آنکھوں سے خواب دیکھ رہی تھیں اور بھگی آنکھوں سے مسکراتی تھیں اور ڈالے ہونٹ بھیجے جیسے کسی اذیت سے گزرتی رہی تھی۔

”کیوں کرتی ہیں ایسی باتیں جنہیں کبھی پورا نہیں ہوتا؟ اس لئے بھی کہ میں کبھی بھی شادی نہیں کروں گی۔“ وہ آج جانے کیوں انہیں زچ کرنے اذیت دینے پہ آمادہ تھی، معمول سے کہیں زیادہ مایوس نہیں بڑھ کے دل گرفتہ، اس کی باتوں پہ مسز آفریدی کا رنگ پھیکا پڑتا چلا گیا تھا، حتیٰ کہ وہ اتنا پھیکا پڑ گیا کہ بڑے سے درختے کی کھلی کھڑکی سے اندر آئی دھوپ ان کے چہرے کی رنگت کے مقابلے میں رنگین لگنے لگی، ضبط کی کوشش میں ہار کر ان کے ہونٹ سچ زدہ مریض کی طرح سکیانے اور لرزنے لگے، کچھ دران کی یہی کیفیت رہی پھر وہ دھیرے دھیرے نارل ہونے لگیں خود کو سنبھال کر وہ اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔

”ناشتہ تمہارا تیار ہے، نائٹم پہ کر لینا، میں اب چلتی ہوں، ٹیک کیئر۔“ پھر سے مغرور بے نیاز اور بے حس سی مسز آفریدی تھیں مشہور بزنس وو مین، جن کا لاکھوں کا نہیں کروڑوں کا کاروبار تھا۔

”آپ جا رہی ہیں؟ آپ کو معلوم ہے ماما میں آپ کے بغیر ناشتہ نہیں کرتی۔“ ڈالے کے آواز پہ ان کے بڑھتے قدم رک گئے تھے۔

”میں خود ہمیشہ آپ کے ساتھ ناشتہ کرنا چاہتی ہوں جانو! مگر آپ..... مگر ابھی تو آپ میری شادی اور بچوں کے خواب سجا رہی تھیں ساری عمر اپنے ساتھ رکھیں گی تو مل گئیں ایسی تعبیریں۔“ وہ ان کا دل پہلا رہی تھی، وہ بہر حال انہیں ہر شے نہیں دیکھ سکتی تھی، اس کی کوشش ناکام نہیں گئی وہ وہاں ہی بہل گئی تھیں۔

”میں ایسا لڑکا ڈھونڈوں گی جو گھر داماد بن سکے۔“ وہ مسکراتے ہوئے جوش سے بولیں۔

”اور اگر وہ اس پہ آمادہ نہ ہوا تو.....؟“

”کیوں نہیں ہوگا، یہ اتنی وسیع جائیداد دیکھ کر تو لوگ غلامی کو بھی تیار ہو جائیں گے۔“

”ایسے لاپچی انسان سے شادی کرنے سے بہتر ہے یونہی کنوارا رہنا۔“ وہ جواباً منہ پھلا کر بولی تو مسز آفریدی نے اسے مصنوعی حنک سے گھورا۔

”تم جتنا مرضی بہانے گھڑ لینا مگر شادی میں ضرور کروں گی تمہاری، اتنی جائیداد بینک بیلنس کوئی وارث بھی تو ہونا چاہیے، ایک ہی بیٹی ہے ہماری!“ دلار سے بولیں تو ڈالے ایک ہلکا سا خاموش ہو گئی تھی، یہ موضوع طویل پکڑ رہا تھا اور وہ اسے طویل دینا نہیں چاہتی تھی، دو سال قبل وہ سولہ سال کی ہوئی تو تیب اس پہ یہ جان لیوا انکشاف ہوا تھا کہ وہ بلڈ کیمنسری مریضہ ہے مگر بیماری آخری اسٹیج پہ نہیں تھی مگر جان لیوا ضرور تھی، وہ زندگی کی امنگوں سے بھرپور لڑکی صرف ایک انکشاف سے ہی تو زندگی سے دور نہیں ہوئی تھی، اسے اذیت پسند بے حس اور کٹھن بنا دیا۔

ایک اور شرمناک حقیقت بھی تو تھی جس کے منکشف ہونے کے بعد اس نے یکدم لڑکپن سے بڑھائے میں قدم رکھ دیا تھا، وہ ایکدم سے اپنی عمر کے پچاس سال پھلانگ گئی تھی، اس کے بعد وہ کبھی دل سے نہیں ہنس سکی تھی، اس کے بعد وہ راتوں کو بھی سکون کی نیند نہیں سو سکی تھی تو اس کی وجہ کوئی اور نہیں مسز آفریدی تھیں، اس پہ یہ جسم سے روح کھینچ لینے والا خود سے نگاہیں پلانے کے قابل نہ چھوڑنے والا انکشاف کرنے والی ہستی کوئی اور نہیں اس کی ماں مسز آفریدی ہی تھیں، یہی وجہ تھی کہ وہ ڈپریشن میں اپنے ساتھ انہیں بھی اذیت سے دوچار کر دیا کرتی تھی۔

☆☆☆

فلک تک چل ساتھ میرے
فلک تک چل ساتھ چل
یہ بادل کی چادر یہ تاروں کے آنچل
میں چھپ جائیں ہم پل دو پل
فلک تک چل ساتھ میرے
فلک تک چل ساتھ میرے

معاذ حسن کے ٹکٹ کنفرم ہو کر آئے تھے وہ سب باقاعدہ لٹھ لے کر اس کے پیچھے پڑ گئے، معاذ حسن کو ان کا قافلہ لے کر نکلتا پڑا تھا، ابن زیاد، پاپا کی پراؤڈ کی چابی مانگ لایا تھا اور اب ڈرامیونگ سیٹ پہ اکر کر بیٹھا اپنی من پسند کیسٹ منتخب کر کے لگا چکا تھا۔

”پہلے ڈنر پھر شاپنگ اس کے بعد آسکر کیم کھاتے ہوئے گھر واپسی۔“ پروگرام کو فائنل شیڈ بھی زیاد نے ہی دیا تھا۔

”آسکر کیم کھاتے ہوئے نہیں جوتے کھاتے ہوئے، اتنے پیسوں میں، میں اٹلینڈ پہنچ سکتا ہوں جتنے اماؤنٹ کا تم بل بنائے بیٹھے ہو۔“ معاذ نے اسے لتاڑ کے رکھ دیا تھا۔

”وہاں میموں کی زلفوں سے چھی تو آپ ہی کھیلیں گے یہاں ذرا سادل کو بڑا کر لیں۔“

”تم مجھے ایسا بہکا ہوا سمجھتے ہو؟ اور بڑا دل بیماری ہے احق!“ معاذ نے پہلے آنکھیں نکال کر اسے گھورا پھر بدکا تھا۔

”وہ والا بڑا دل نہیں سخاوت والا اور آپ اتنے پرہیزگار کب سے ہو گئے جناب؟“ ابن زیاد پہ حیرانی کا دورہ پڑ گیا تھا۔

”جب سے باندھ ہوئے ہیں۔“ اسی وقت جہان آیا تھا اس نے آخری بات سن کر لقمہ دیا، معاذ اس کی بات کی معنی خیزی کو پا کر یکا یک سنجیدہ ہوا تھا۔

”سب سن لیں میرا موڈ خوشگوار ہی رہنے دیا جائے۔“ اس نے جیسے در پردہ تنبیہ کی بلکہ دھمکی دی مگر اس کا الٹا مطلب نکالا گیا۔

”پھر تو چچ روڈ سے بیک ٹرن لے کر گرلز ہاسٹل سے بھا بھی کو پیک کرنا پڑے گا، وہیں ہوتی ہیں نا وہ پاپا تو کئی بار ان سے ملنے بھی گئے ہیں نا۔“ معاذ کی خوفناک نظروں کو اپنے چہرے کا مرکز بننے دیکھ کر وہ آخر میں زبان کو لڑکھڑانے سے نہیں روک سکا۔

”جسٹ شٹ اپ۔“ وہ اتنی زور سے دھاڑا کہ ابن زیاد دبک سا گیا جہان نے الگ اسے

”مجھے تمہیں کنگال کرنے کا کوئی ارمان نہیں ہے۔“ وہ ہنسنے لگا، معاذ جھینپ کر رہ گیا۔
 ”اب ایسی بات بھی نہیں تم لے لو۔“
 ”چھوڑو دیا میں کوئی بچہ ہوں۔“

”مگر مجھے اچھا لگے گا۔“ معاذ کے جواب پہ جہان نے کاندھے اچکا دیئے، تب وہ مطمئن ہوا تھا، وہ ماما اور ماما جان کے لئے کوئی ڈریس دیکھنا چاہ رہا تھا مگر کچھ سمجھ نہیں آئی تو زینب کی تلاش میں نکلیں دوڑائیں وہ کچھ فاصلے پہ نور یہ کے ساتھ بھاؤ تاؤ میں مصروف نظر آئی تو اشارے سے بلایا تھا۔

”جی بھائی!“ زینب سب کچھ چھوڑ کر اس کی جانب آگئی۔
 ”ماما کے لئے کوئی سوٹ دیکھو نا مجھے تو سارے عام سے لگ رہے ہیں۔“ وہ الجھ کر کہہ رہا تھا، یہی وہ لمحہ تھا جب وہ کوٹ کی جیب سے والٹ نکالتے ہوئے زینب سے بات کر رہا تھا اور ثناء کے ہمراہ اپنے دھیان میں کپڑے دیکھتی پر نیاں کے قدم اسے روبرو یا کے ٹھٹھک گئے، وہ یگانہ سا کن ہو گئی تھی، وہ اس کی سمت متوجہ نہیں تھا اور یہ قیمت تھا وہ اس کی نظروں میں آنے سے قبل وہاں سے بھاگ جانا چاہتی تھی، جیسی ثناء کا ہاتھ دبوچا اور اسے اپنے ساتھ تقریباً کھینچتی ہوئی شاپ سے باہر جانے والے راستے پہ دوڑ پڑی، اسی انفرانفری کا نتیجہ تھا کہ اپنے دھیان میں اسی سمت آتے حسان سے اس کی ٹکر بہت زوردار طریقے سے ہوئی تھی، حسان لڑکھڑایا مگر کھینچ کر معذرت کرنا چاہتا تھا مگر وہ اسے موقع دینے بغیر آندھی طوفان کی طرح باہر نکلتی چلی گئی تھی، ثناء کی احتجاجی چیخوں پہ کان دھرے بغیر۔

(باقی اگلے ماہ)

ابن انشاء کی کتابیں
 طنز و مزاح سفر نامے

- اردو کی آخری کتاب،
- آوارہ گرد کی ڈائری،
- دنیا گول ہے،
- ابن بطوطہ کے تعاقب میں،
- چلتے ہو تو چین کو چلے،
- نگری نگری پھر مسافر،

لاہور اکیڈمی ۲۰۰۵ سرکلر روڈ لاہور۔

نظروں ہی نظروں میں خاموش رہنے کا اشارہ کیا تھا۔
 ”یہ تم لوگ ویسے پہ نہیں جا رہے جو ایسی سچ دج کی ضرورت تھی، چلو بیٹھو پہلے ہی دیر ہو گئی ہے۔“ ابن زیاد کا سارا زلمہ زینب اور ماریہ پہ نکلا تھا جو اسی وقت چادریں اوڑھے پورٹیکو میں آئی تھیں۔

”اتنی بھی دیر نہیں ہوئی ہے بھائی!“ زینب منمنائی۔
 ”نور یہ، حور یہ کو بھی لے لینا تھا۔“ معاذ کو کچھ خیال آیا تو اس نے زینب کو مخاطب کیا، زینب کے ساتھ ابن زیاد بھی کھل اٹھا۔

”آپ نے پہلے بتایا ہوتا اب وہ لوگ تیاری نہ ہونے کا بھلے بہانہ بنا دیں۔“ زینب جو گاڑی میں بیٹھ رہی تھی دوبارہ باہر آتے ہوئے بولی۔
 ”تو تم لوگوں کو نہیں پتہ تھا؟“ معاذ نے زینب کے اعتراض پہ اسے گھورا تو وہ کچھ کہے بغیر نور یہ کے گھر کی جانب بڑھ گئی، گیٹ سے اندر آئی تو نور یہ لان میں ہی ایزی چیئر پہ بیٹھی چائے سے مشغول کرتی مل گئی۔

”چلو فنانٹ حوری کو بلاؤ باہر گاڑی تیار ہے۔“
 ”یا دجست کہاں لے جا رہی ہو اتنی انفرانفری میں۔“ نور یہ اس کے ہاتھ پکڑ کر کھینچ لینے پہ بوکھلائی۔

”ہم معاذ بھائی کے ساتھ فریٹ پہ چل رہے ہیں شاپنگ بھی انہی کے ذمے۔“
 ”تو جاؤ میں کس خوشی میں جاؤں؟“
 ”اس خوشی میں کہ معاذ بھائی نے بالخصوص تمہیں بلوایا ہے۔“ زینب کا جو انداز تھا اس نے نور یہ کے دل کی دھڑکنوں کو غیر معمولی حد تک بڑھا دیا۔
 ”واٹ؟“ وہ ششدر رہ گئی تھی۔

”یقین نہیں آرہا نا، ریکل یہ سچ ہے۔“ وہ مسکرائی تو نور یہ گم صم سی ہو گئی تھی، پھر اسے معاذ کا سامنا دشوار محسوس ہوتا رہا تھا، مگر معاذ جو ہر بات سے لاعلم تھا نارمل بی ہو کر تارہا، کھانا بہت خوشگوار ماحول میں کھایا گیا تھا، معاذ نے ماما کے ساتھ پاپا جان اور ماما جان کی پسند کا کھانا بھی پیک کروا لیا تھا، بھابھی اور جنید بھائی آج کسی تقریب میں انویٹڈ تھے۔

”بھائی آپ مجھے ڈریس کی بجائے گولڈ کی رنگ لے دیں نا۔“ زینب کی فرمائش نے معاذ کو چکرا کے رکھ دیا تھا۔

”لڑکی بالکل کنگال کر کے بھیجوں گی، وہاں سے واپسی پہ لا دوں گا، ابھی بس ڈریس لو۔“ وہ انہیں صدر لے آیا تھا، یہاں طارق روڈ کی نسبت قیمتیں مناسب تھیں، زینب کا موڈ آف ہو کر رہ گیا۔

”اپنی دائف کو بھی یہیں سے شاپنگ کروایا کیجئے گا، ساری کفایت شعاری بس ہمارے لئے رہے۔“ وہ بڑبڑا رہی تھی، وہ ساری بڑے سارے میں پھیل گئیں اور اپنی پسند کے کپڑے منتخب کرنے میں مصروف ہو گئیں۔
 ”جے تم بھی دیکھ لو اپنے لئے کوئی ڈریس۔“

سہ ماہی تجزیہ (۴۱)

تیسری قسط کا خلاصہ

معاذ کی سرستی اور بد لحاظی کے سامنے پاپا کو گوارا تسلیم کرنا پڑتی ہے، وہ اپنے اس موقف سے ہٹنے کو تیار نہیں کہہ پانے اس سے زیادتی کی ہے۔

نور یہ اس صدمے کی کیفیت میں مبتلا بیماری سے دوچار ہے، زیاد سب سے زیادہ اس کا خیال رکھتا ہے مگر نور یہ کو معاذ کے سامنے وہ گویا نظر ہی نہیں آتا اس پہ زینب کی باتیں وہ نور یہ کو بتاتی ہے معاذ کسی طور بھی پر نیاں کو بسانے والا نہیں، نور یہ کو پر نیاں سے ہمدردی ضرور ہے مگر وہ اپنی محبت کے آگے بھی بے بس ہے۔

جہان زینب کو ہوٹل میں تیمور خان کے ساتھ دیکھتا ہے تو اس کے وجود میں بھونچال اٹھ کھڑے ہوتے ہیں، زینب سے استفسار یہ زینب صاف مکر جاتی ہے جہان کو ایک فرضی مگر نہایت بے ڈھنگی کہانی سے مطمئن کرنے کی کوشش کرتی ہے تو وجہ ابھی وہ گھر کے کسی بھی فرد پہ اس تعلق کو عیاں کرنے پہ آمادہ نہیں ہے۔

پر نیاں کو ہاسٹل میں پاپا کا قاعدگی سے ملنے جاتے ہیں، پر نیاں شعوری یا لاشعوری طور پہ معاذ کی پیش رفت کی منتظر ہے مگر ہر بار کی مایوسی اس کی آزر دگی کا باعث بنتی ہے، پاپا کے پاس ماما پر نیاں کے لئے تحائف بھیجتی ہیں تو اس کی دوست اسے فون پہ ٹھینکس کہنے کا خیال دلاتی ہے پر نیاں کا فون معاذ اٹینڈ کرتا ہے، پر نیاں گھبراہٹ میں فون بند کر دیتی ہے۔

چوتھی قسط

اب آپ آگے پڑھیے



”خدا نہ کرے، اچھی بات منہ سے نکالیں زیاد بھائی! کوئی قبولیت کا وقت بھی ہوتا ہے۔“ اس کے منہ سے نکلنے والے الفاظ اتنے ہی بے ساختہ تھے، جتنا اندر سے اٹھنے والا احساس، ابن زیاد نے چونک کر اسے دیکھا پھر آہستگی سے مسکرایا۔

”اس کا مطلب تمہیں بھی پریناں سے ہمدردی ہے؟ وہ بھی انہیں دیکھے بنا۔“

”رشتے احساس کے ہوتے ہیں شکل صورت تو پہچان کا باعث بنا کرتا ہے۔“ وہ پتہ نہیں کیوں ادا ہو گئی تھی۔

”تمہارا ان سے ملنے کو دل کرتا ہے؟ میں نے بھی پپا سے کہا تھا ان سے ملنا چاہتا ہوں مگر مانے نہیں ہر بار اکیلے ہی جاتے ہیں وہاں، ماما کو بھی ساتھ نہیں لے جاتے، شاید بھابھی خود ہم سے ملنا نہیں چاہتیں۔“ وہ ابجھن اور جھجھے کا شکار قیاس آرائیاں کر رہا تھا، نور یہ نے جواباً کچھ نہیں کہا اور گہرا سانس بھر کے زینب کے کمرے کی جانب بڑھ گئی، پھر ابن زیاد اور حسان نے ہی جہان اور معاذ کو ان کے کمروں سے نکالا تھا۔

”آج ہم رجگا چاہتے ہیں۔“ یہ ان کی ڈیمانڈ تھی، جہان نے تو اعتراض نہیں کیا مگر معاذ چڑھا تھا۔

”پہلے کم تھکایا ہے مجھے اب کوئی کسر باقی ہے؟ ابھی میں ہوں نا کچھ دن یہ پروگرام کسی اور دن کے لئے اٹھا رکھو۔“

”ہرگز نہیں آج ابھی اسی وقت۔“ ابن زیاد نے جس شدت جس مان اور محبت سے کہا معاذ کو اسی مان کو توڑنا مناسب نہیں لگا تھا، جیسی وہ گہرا سانس کھینچتا اس کے ساتھ ہال کمرے میں چلا آیا، جہاں ہیٹر آن تھا اور زینب ہلکے پھلکے لوازمات کے ساتھ چائے بنا لائی تھی۔

”تمہارے پیٹ ہیں یا عمر و عیار کی زینیل جس میں کچھ بھی ڈالتے جاؤ گے فرق نہیں پڑے گا۔“ معاذ جو خود اپنی اسمارٹس کے چکر میں ہمیشہ کھانے پینے کے معاملے میں کانشش رہا کرتا تھا انہیں پھر سے پلیٹس بھرے دیکھ کر مذاق اڑانے لگا۔

”فکر آپ کریں اپنی باڈی آپ کی ایسی ہے کہ ذرا بے احتیاطی کی تو ریسر صاحب کی تو ند نکل آئے گی ہم تو جتنا مرضی کھالیں فرق نہیں پڑے گا۔“ جواب پھر زیاد کی طرف سے آیا تھا اور جس جلاپے میں آیا تھا اسے وہ اچھی طرح جانتا تھا جیسی کچھ کہے بغیر زور سے ہنس پڑا اور یہ ہنسی ہی زیاد کو خجالت سے دوچار کر گئی تھی۔

”میں نے سوچا ہے آج کی اس محفل کو ہم گیتوں سے سجادیں، یادگار رات کے طور پہ، سب لوگ گانا سنائیں گے۔“ ابن زیاد نے فی الفور موضوع بدلا۔

”اور یہ کیا بات ہوئی ہمیں نہیں آتے گانے دانے۔“ سب سے زیادہ احتجاج لڑکیوں کی طرف سے ہوا تھا، جس کا زیاد نے فوراً ہی ٹکڑا توڑ جواب دیا، مختلف شادی بیاہ کی رسموں کے مواقع پہ ان کے گائے ہوئے گیتوں کا حوالہ دے کر۔

”یہ ضروری تو نہیں ہے کہ گانا ہی سنائیں۔“ زینب بسوری تھی، پھر بہت دیر یہ بحث چلتی رہی آخر اس بات پہ اتفاق ہوا جسے جو آتا ہے وہی سنا دیا جائے، آغاز حسان سے ہوا جس نے ”پری وہ

”لڑکی تو واقعی بہت حسین تھی، یار ذرا اس کے روکتے تو سہی ذرا بائیوڈیٹا ہی معلوم ہو جاتا وہ حور پری کسی جنت کے گوشے سے بھٹک گئی تھی یا پرستان کی راہ بھولی تھی۔“ احسان کی کھی کھی کے جواب میں وہ اس مدہوشی کی کیفیت جس میں شوخی کا رنگ بھی چھلک رہا تھا وضاحتی انداز میں بولا۔

”یار جتنی بدحواس وہ تھیں اس کی وجہ کیا یہی نہیں ہو سکتی کہ وہ انسانوں کی دنیا سے نا آشنا تھی۔“ پھر ان کے سچ شعوری یا لاشعوری طور پہ یہی موضوع چھڑا رہا تھا، ابن زیاد نے باقاعدہ ایک ایک کو پکڑ کر اس بات کی تفصیلات سے آگاہ کیا اور بیک وقت حسان کی قسمت پہ رشک و حسد کا اظہار کرتا رہا۔

”کاش اس وقت میں سامنے ہوتا اور وہ مجھ سے نکراتی۔“ وہ مصنوعی آہیں بھر رہا تھا۔

”یار بس بھی کرو، کسی فضول بات کے پیچھے پڑ گئے ہو؟“ معاذ نے عاجز ہو کر اسے ٹوکا تو اس کی آنکھیں خیرت کی زیادتی سے پھیل گئی تھیں۔

”آپ کی سماعت اگر صحیح کام کر رہی ہو تو ہم ایک حسین ترین لڑکی کی بات کر رہے ہیں۔“

”تو؟ چیونگم کی طرح کھینچو گے تو کوئی تو ہوگی۔“ معاذ ہنوز بے زار تھا۔

”آپ بدل گئے ہیں بھائی مان لیں اور اس کی وجہ.....؟“ ابن زیاد نے جوش بھرے انداز میں باقاعدہ میز پہ زور سے ہاتھ مارا معاذ کی پیشانی ناگواری کی شکنوں سے پر ہونے لگی۔

”بس اس سے آگے کچھ نہیں، میں کوئی فضول بات نہیں سنوں گا۔“

”سچائی اور حقیقت سے فرار انسان کو جلد بڑھا پے کا شکار کر دیتا ہے۔“ جہان کا انداز شرارتی تھا، معاذ نے بے حد ناراضی سے اسے دیکھا۔

”میرے معمولی مذاق کی پپانے کتنی کڑی سزا دی تمہارے سامنے ہے اور کچھ بھی نہیں ہے بس ذرا محتاط ہو گیا ہوں یار!“ وہ عاجز ہو کر وضاحت پیش کرنے پہ مجبور ہوا۔

”او محتاط، میں سمجھا رہی ہوں گار ہو گئے ہیں۔“

ابن زیاد کو سخت مایوسی ہوئی تھی گویا، ایسی ہی جمعلوں اور شوخیوں کے بیچ وہ شہر کی حسین اور خوبصورت سڑکوں پہ بے مقصد گاڑی دوڑاتے آوارہ گردی کرتے رہے اور جب رات کا ایک حصہ گزار کر واپس آئے تو پپا کی پراؤڈ کا سارا پٹرول ختم ہو چکا تھا، گاڑی گھر سے چند قدم کے فاصلے پہ آ کر آگے بڑھنے سے انکاری ہو گئی تو دھکا لگا کر پورٹیکو تک پہنچانے والے بھی ابن زیاد اور حسان وغیرہ ہی تھے، معاذ نے صاف ہری جھنڈی دکھا دی تھی یہ کہہ کر لاٹک ڈرائیو کا آئیڈیا اس کا نہیں انہی کا تھا۔

”اے اے محترمہ کدھر بھاگ رہی ہیں آپ؟“ نور یہ کو وہیں سے اتر کر نیچے گھر کا رخ کرتے دیکھ کر زیاد بلبلایا تھا۔

”جی!“ وہ حیران سی پٹی۔

”واپس آؤ اور ہمارے لئے چائے بناؤ ابھی مزید معاذ بھائی کا سر کھائیں گے، موصوف دو سال کے لئے تو جا ہی رہے ہیں کیا پتہ یہ پروگرام لمبا ہو جائے کسی میم کے ہرے نیلے ڈیلوں یا سنہری گیسوؤں کا شکار ہو گئے تو بس ہم ترستے رہ جائیں گے ان کی شکل کو۔“

ایک پری“ گا کراہی جان مصیبت میں ڈال لی، ہر طرف سے اس پہ شوخ فقروں کی بوچھاڑ ہو گئی تھی۔

”کہیں تم اسی شاپ میں نکرانے والی لڑکی کے لئے تو نہیں گار ہے؟“ زیاد نے اسے گھورا تھا اور وہ کانوں کو ہاتھ لگانے لگا۔

”لا حول ولا قوۃ الا باللہ! کچھ خوف خدا کریں بھائی، ابھی میں بچہ ہوں۔“ وہ بدکا تھا، مگر اس کی جان نہیں چھوڑی گئی، وہ تو معاذ نے زیاد کو ڈانٹتا تب معاملہ ٹھنڈا پڑا، حسان کے بعد حوریہ اور ماریہ نے اپنی پسند کے جنید اور ہارون کے گانے سنائے تو زیاد جو نوریہ کی باری کا منتظر تھا سیدھا ہو کر بیٹھ گیا، اس کا اشتیاق اور شوق کا عالم قابل دید تھا مگر نوریہ جان چھڑا رہی تھی۔

”مجھے تو اس وقت کچھ بھی یاد نہیں ہے ریکی۔“ وہ معاذ کی موجودگی کے باعث بے حد نروس تھی۔

”یہ وعدہ خلائی اور دھاندلی ہے جو ہرگز نہیں چلے گی۔“ سب سے زیادہ احتجاج زیاد کی جانب سے ہوا اور پر زور اصرار بھی اور اسے خبر بھی نہ ہوئی یہ اس کا نوریہ کے لئے کتنا اہم خاص انداز ہے جس نے اس کے دل کا راز بہت غیر محسوس انداز میں معاذ کے ساتھ ساتھ جہان اور زینب تک منتقل کر دیا ہے زینب عجیب متضاد کیفیت کا شکار ہو گئی تھی، ادھر نوریہ کو ہتھیار ڈالنے پڑے تھے، اس نے لمحہ بھر کو نگاہ اٹھائی اور معاذ کو دیکھا، بلیو جینز پہ واپس کھدک کھدک کر نکلتی والی لڑکی تھی، اس کے اوپر دو بٹن کھلے ہوئے تھے، ایک آستین کہنی تک فولڈ تھی، گھنیرے بال ہلکی نمی لئے اس کی کشادہ صبح پیشانی یہ بے ترتیب بکھرے ہوئے تھے، بحر طراز بڑی بڑی خوبانک آنکھوں میں نیند کا خمار تھا، صوفیہ ڈھیر سارے کشتز اپنے اطراف میں بکھیرے وہ ایک طرح سے نیم دراز تھا اس گھریلو حلیے میں بھی وہ اپنی ٹھٹھکا دینے والی شخصیت کے ساتھ اتنا خاص اتنا اٹریکٹو اور اچھا ہوا لگ رہا تھا کہ وہ بس اسے دیکھتی رہ گئی، ستم کوئی ایک نہیں تھا وہ کسی اور کا بنا دیا گیا تھا اور اب ایک طویل عرصہ بیچ میں جدائی کا در آنے والا تھا، یعنی نقصان در نقصان، اس کی آنکھیں بھینکنے لگیں تو ذلی کیفیات نے الفاظ کے پیراہن پہن لیا۔

ہمیشہ دیر کر دیتا ہوں میں ہر کام کرنے میں ضروری بات کہنی ہو کوئی وعدہ نبھانا ہو

اسے آواز دینی ہو اسے واپس بلانا ہو ہمیشہ دیر کر دیتا ہوں میں ہر کام میں

مدد کرنی ہو اس کی یار کی ڈھارس بندھانا ہو بہت دیرینہ رستوں پہ کسی سے ملنے جانا ہو

ہمیشہ دیر کر دیتا ہوں.....! بدلتے موسموں کی سیر میں دل کو لگانا ہو

کسی کو یاد رکھنا ہو کسی کو بھول جانا ہو ہمیشہ دیر کر دیتا ہوں.....!

کسی کو موت سے پہلے کسی دکھ سے بچانا ہو حقیقت اور سچی اس کو جا کے بتانا ہو

ہمیشہ دیر کر دیتا ہوں میں ہر کام کرنے میں وہ خاموش ہوئی تو فضا پہ چھایا اس کے لہجے کا سوز و حزن کا تاثر بھی جیسے چھنا کے سے بکھر گیا۔

”آئندہ کے لئے سبق لو اور کسی بھی اچھے کام میں دیر مت کرنا ہرگز بھی۔“ ابن زیاد نے سرگوشی کی تھی مگر وہ جس بے خودی اور بے خبری کے ساتھ زیاں کے احساس سے دو چار تھی الفاظ اسکے بلے نہیں پڑ سکے تھے۔

”اب زینبی کی باری ہے، ٹائف کرو، مجھے بھی اپنا دل ہلکا کرنا ہے۔“ ابن زیاد نے ایک انفراتفری سی مچانا چاہی تو زینب نے منہ بنا لیا۔

”پہلے آپ ہی سنا دیں۔“

ابن زیاد کو یہ آئیڈیا بہت بھایا جیسی اجازت طلب نظروں سے حاضرین کو دیکھا اور کسی کو اعتراض اٹھاتے نہ دیکھ کر گلا کھنکار کر شوخی سے گنگنایا۔

دل گیا تم نے لیا ہم کیا کریں
جانے والی چیز کا غم کیا کریں
ہم نے مر کے ہجر میں پائی شفا
ایسے اچھے کا وہ ماتم کیا کریں
کر چکے سب اپنی اپنی حکمتیں
دم نکلتا ہے وہ ہدم کیا کریں
دل نے سیکھا شکوہ بیگانگی
ایسے نامحرم کو مجرم کیا کریں
تند خو ہے کب سے وہ دل کی بات
اور بھی برہم کو برہم کیا کریں
آئینہ ہے اور وہ ہیں دیکھیے
فیصلہ دونوں پہ باہم کیا کریں
کہتے ہیں اہل سفارش مجھ سے داغ
تیری قسمت سے بری ہم کیا کریں

وہ باقاعدہ ٹھنڈی آہیں بھر رہا تھا، معاذ کی ہنسی نکل گئی۔

”ایک دوسرے سے سبق سیکھو تم وقت برباد مت کرو اور تم ذرا دھیرے چلو، بہت اناقد ہوگا۔“

اس نے مخصوص ڈاکٹر انہ انداز میں مشورہ دیا تھا۔

”بھینکس فار ایڈوانسز اب محترمہ زینبی صاحبہ آپ شروع ہو جائیں۔“ زیاد نے پہلے معاذ پھر زینب کو مخاطب کیا، زینب جو کسی سوچ میں ڈوبی ہوئی تھی چونک کر اسے دیکھنے لگی پھر گہرا سانس

”اب غنتیں نہیں کروں گا میں، بڑے بڑے انکشاف ہوئے ہیں آپ کے بارے میں، میں
فانش نہیں کرنا چاہتا بس مطالبہ پورا کر دیں۔“ وہ باقاعدہ دھمکی پہ اتر آیا جہاں اسے گھورتا ہوا ہنس
پڑا تھا۔

”بکومت۔“

”نہیں بکتا بس آپ سنا میں۔“ وہ ہاتھ دھو کے پیچھے پڑا تو جہاں خاموش ہو کر جیسے خود کو تیار
کرنے لگا۔

نہ میں پاس اس کو بلا سکا نہ میں دل کی بات سنا سکا
وہ ہنسی ہنسی میں ہی چل دیا نہ میں ہاتھ اس کو ہلا سکا
نہ ہے دشمنی کسی دن سے نہ ہے دوستی کسی رات سے
ہے بچا ہی کیا جو وہ لے گیا مجھے پھین کر میری ذات سے
یہ مقام ہی تھا عجیب سا کہ میں خود کو بھی نہ بچا سکا
نہ میں اس کو پاس بلا سکا نہ میں دل کی بات سنا سکا

اس کی آواز نے حقیقتاً سماں باندھ دیا تھا، زینب پوری آنکھیں داکے اس کے ایک خاص
انداز میں ملتے ہوئوں کی جنبش کو دیکھتی رہی، وہ اب بھی محتاط تھا یا بے خبر تھا، وہ اب بھی اسے نہیں
دیکھ رہا تھا مگر وہ خود کو اس کی ذات اور آواز کے سحر میں جکڑا ہوا محسوس کرنے لگی، چاہے یہ احساس
اتنی سہی مگر یہ سچ تھا وہ اس بل مکمل طور پہ اسے ہی سوچ رہی تھی۔

یہ بھی ٹھیک ہے وہ چلا گیا مجھے بندر سے یہ چھوڑ کر
یہ بھی ٹھیک ہے وہ نہ آئے گا کبھی بت انا کا توڑ کر
وہ جدا بھی ایسے ہوا کہ میں کوئی رسم تک نہ بھاسکا
نہ پاس اس کو میں بلا سکا نہ وہ دل کی بات سنا سکا

اس کے خاموش ہونے سے بھی پہلے ابن زیاد اور معاذ نے زور دار تالیوں سے اسے بھر پور
اردی تھی معاذ حسن کی نیند اڑ گئی تھی اور وہ بہت خوشگوار حیرت میں مبتلا مسکرا کر جہاں کو دیکھ رہا تھا۔
”تم اتنا اچھا گاتے ہو جے۔ یہ میرے لئے انکشاف ہی ہے، ویلڈن یارا!“ اور جہاں اتنی
پور تعریف پہ جھینپ گیا تھا۔

”میں پھر تم سے پوچھوں گا وہ کون ہیں محترمہ؟“

”یار یہ محض ایک غزل تھی۔“ جہاں گڑبڑانے لگا۔

”اگر اس میں تمہارے جذبوں کا رنگ نہ چھلکا ہوتا تو لازمی مان جاتے، آخری یہ پردہ داری
کیس؟“ معاذ کو کرید لگ گئی تھی۔

”ایسی بات نہیں ہے تم بات کا بنگلہ بنا رہے ہو۔“ جہاں نے ہاتھوں کے پیالے میں چہرا
لگائے اپنی جانب متوجہ زینب پہ ایک نگاہ ڈال کر بھر پور تردید کی، تب ہی نور یہ چائے بنا لائی تھی،
لئے کے دوران وہ لوگ اسی بحث کا شکار رہے جس سے جہاں عاجز اور زینب لطف اندوز ہو رہی
کی، وہ دل سے خواہاں تھی جہاں کے دل کا راز طشت از بام ہو مگر وہ چکنا گھڑا ثابت ہو رہا تھا پھر

بھرا۔
”دیکھیں بھی مجھے بہت زیادہ شاعری وغیرہ یاد نہیں رہتی بہت ذہن کو کنگلا تو یہ ایک غزل
کے چند اشعار یاد آگئے اب یہ لازماً نہیں کہ تم لوگوں کی طرح حسب حال سناؤں۔“ وہ جانے کے
جتلا رہی تھی، زیادنے اسے ہاتھ سے ہی سنانے کا اشارہ کیا وہ جانے کیوں مسکرائی تھی اور یونہی بے
سبب جہاں کی جانب دیکھا جو کچھ سنجیدہ تھا اور سر جھکائے کسی سوچ میں ڈوبا لگتا تھا۔

کہتے ہیں اسے شہر کے سب لوگ مسیا
وہ شخص میرے درد سے انجان سا کیوں ہے
بے عدل ہی ہوتی رہی یہاں پیار کی تقسیم
اس ملک میں پیار کا فقدان سا کیوں ہے
اظہار کے بعد بھی وہ مجھ کو میسر نہیں تو پھر
سننے میں اس سے پیار کا طوفان سا کیوں ہے

ایک نگاہ ڈال لینے کے بعد وہ دانستہ جہاں کو انور کر رہی تھی، پہلے وضاحت دینے کا مقصد ہی
اس کو چونکا نا اس کی توجہ حاصل کرنا تھا، جس میں اسے کامیابی بہر حال حاصل ہوئی تھی جہاں کی نگاہ
کا گاہے بگا ہے اس کی جانب اٹھنا ایک اضطراب اور الجھن لئے اسے مسکراہٹ بخش رہا تھا۔
”مجھے نیند آرہی ہے میں سونے جا رہا ہوں۔“

وہ جیسے ہی چپ ہوئی، معاذ جمائیاں لیتا ہوا اٹھا تھا ابن زیاد نے ہڑبڑا کر اس کا ہاتھ دبوچ
لیا، جبکہ اس اچانک اٹھ کھڑے ہونے والے ہنگامے پہ جہاں جیسے کسی ٹراس سے باہر آیا تب بھی
انداز کھویا کھویا سا تھا۔

”پر گز نہیں آپ کی باری آئی تو بہانے شروع ہو گئے، آپ کو یاد ہو تو آپ کے اعزاز میں ہی
یہ محفل بھی تھی۔“ ابن زیاد کا انداز صرف احتجاجی نہیں ہٹیل اور غصیل بھی تھا۔
”بلیومی یار میں اس وقت اتنا تھا ہوا ہوں کہ تمہیں ٹھینکس کہنے کی بھی ہمت نہیں، کل کہہ دوں
گا۔“ وہ ایک اور جمائی لیتا ہوا لے زاری سے بولا، باقی سب خاموش تھے۔
”یہ ٹھینکس آپ ساری زندگی بھی نہ کہیں گے تو مجھے شکوہ نہیں ہوگا، آپ بس ہمیں کچھ بہت
اچھا سنا دیں۔“ ابن زیاد کا ایک ہی تقاضا جو ضد بننے جا رہا تھا۔

”یار میں اس وقت اس پوزیشن میں نہیں ہوں ریلی۔“ وہ اب کے جھنجھلایا تھا، مگر ابن زیاد پہ
اثر ہونے والا نہیں تھا۔

”آپ بیٹھیں میں آپ کو اسٹرانگ چائے پلو اتا ہوں، بہر حال ایسے آپ کی جان نہیں چھٹے
گی، جاؤ نور یہ تم چائے بنا لاؤ۔“ اس نے معاذ کو اپنے پہلو میں کھینچتے ہوئے نور یہ کو حکم دیا تو وہ بے
دلی سے اٹھی تھی۔

”ان کی بیٹری چارج ہونے تک آپ کچھ سنا میں بھائی۔“ ابن زیاد جہاں کے سر ہوا تو وہ
بوکھلا گیا تھا۔

”مم..... میں کیا سناؤں، مجھے کہاں کچھ آتا ہے۔“

اس بحث سے انہی لوگوں کو پیچھے ہٹنا پڑا تھا۔

”آپ تیار رہیں بھائی؟“ ابن زیاد ہار مان کر معاذ کی سمت متوجہ ہوا تو اسے جواباً شرارت سوچھتی تھی۔

”ہاں سونے کو۔“

”آپ کی نیند کی ایسی کی تھی۔“ زیاد نے آنکھیں نکالیں تو وہ ہنستا چلا گیا۔
 ”بھائی آپ مگر نہیں سکتے ہیں۔“ ابن زیاد کے ساتھ زینب ماریہ حور یہ بھی مل گئیں۔
 ”ارے نہیں یار میں سنا تا ہوں، راحت کا گانا بہت پسند آ رہا ہے مجھے اتنی بار سنا کہ یاد ہو کر رہ گیا۔“

”راحت، واؤ اس کے تو سبھی گانے مزے کے ہوتے ہیں۔“ حور یہ چنکی۔
 ”خیر سبھی تو نہیں مگر یہ واقعی اچھا ہے۔“ معاذ نے نفی کی تھی پھر گلا کھار کر قدرے شوخی سے بولا۔

”آئی تھینک میرا گانا اور میری آواز اس محفل کی تمام رعنائی لوٹ لے گی۔“ اپنی تعریف پر وہ خود ہی گردن اکڑا کر گویا خود کو داد دینے کے بعد باقاعدہ شروع ہوا تھا۔

سریلی اکھیوں والے سنا ہے
 تیری اکھیوں سے بہتی ہیں
 نیندیں اور نیندوں میں سنے

”ممانے بتائی ہوگی یہ راز کی باتیں۔“ ابن زیاد، زینب کے کان میں گھسا اور ہنسنے لگا۔
 وہ اکثر و بیشتر اسے سنتے رہتے تھے اور اس کی آواز کے جادو کے معترف بھی تھے مگر اب اس سے رات کے ان فسون خیز لمحوں میں اس کی آواز کا سحر گویا کچھ اور بھی بڑھتا ہوا محسوس ہو رہا تھا، وہ سب باقاعدہ جھومنے لگے، نور یہ ساکن بیٹھی تھی، مدہوش اور بے خبری۔

جانے تو کہاں ہے
 ”گرلز ہاسٹل! مجھ سے پوچھ لیں۔“ ابن زیاد پھر کھڑا لگایا اور منہ چھپا کر کھی کھی کرنے لگا، جبکہ وہ مگن انداز میں گارہا تھا۔

جانے تو کہاں ہے
 ڈھونڈا ہے زمین پر جانا ہے فلک پہ سارے آسمان دیکھے

”اتنے جتن کی کیا ضرورت ہے کہانا گرلز ہاسٹل کا رخ کریں۔“ ابن زیاد کو مسلسل شرارتوں سوچھ رہی تھی اب کے زینب نے اسے گھورا تھا۔
 ”چپ کریں بھائی!“

ابن زیاد نے دیکھا جہاں بھی زرب مسلل گنگنارہا تھا اور خلاف توقع آج اپنی اس مخصوص قسم کی سنجیدگی کے حصار سے باہر تھا، وہ مسکرا دیا۔
 وہ خاموش ہو گیا اور خشک ہو جانے والے گلے کو تر کرنے کی غرض سے گلاس میں پانی اتار ڈال کر منہ سے لگاتے نگاہ ان کی جانب اٹھی تو ایک دم سے کھلکھلا کر ہنس پڑا، وہ سبھی ابھی تک جیسے کسی

ٹرانس میں تھے، اس کی ہنسی پہ چونکے اور خفیف ہو کر خود بھی دانت نکالنے لگے۔

”دیکھا یہ تھا میری آواز کا چھایا ہوا سحر جس میں تم لوگ گرفتار ہو گئے تھے۔“ اسے گویا اپنی تعریفوں کا پھر موقع ہاتھ آ گیا تھا۔

”ریٹلی امیزنگ بھائی! آپ تو راحت سے بھی کہیں زیادہ اچھا لگاتے ہیں اگر اس کے مقابلے پہ گائیں تو راحت کو قسم سے کوئی بھی نہ پوچھے گا آپ اس کی ویلیو ڈاؤن کرنے کی پوری صلاحیت رکھتے ہیں۔“ ابن زیاد نے کھل کر اپنے جذبات کا اظہار کیا تو زینب نے بھی تائید بھی سر ہلایا تھا۔

”اب اتنی بھی تعریفیں نہ کرو کہیں داغ گھومے اور موصوف اسپیشلائیشن کو خیر آباد کہہ کر سنگ میں نام کمانے کی طبع آزمائی شروع کر دیں۔“ جہان کے ٹوکے یہ معاذ نے اسے گھورا۔
 ”خیر اب ایسی بھی بات نہیں پاگل ہوں میں کہ گویا بن بیٹھوں تجھے یہ فیئلڈ بالکل پسند نہیں۔“ ناک چڑھا کر کہتا وہ جانے کو اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

”اب اجازت ہے جا سکتا ہوں سونے؟“ اس نے ابن زیاد کو اجازت طلب نظروں سے دیکھا تو ابن زیاد نے شان استغنا سے سر ہلا دیا وہ اسے گھورتا ہوا پلٹا تھا۔

”رات بہت ہو گئی ہے میرا خیال ہے تو دونوں اب یہاں ہی سو جاؤ۔“ زینب نے حور یہ اور نور یہ کو مخاطب کیا جو جانے کی تیاری میں تھیں۔
 ”نہیں ماما کیلی ہوں گی۔“

”اچھا جے آپ انہیں چھوڑ آئیں پھر۔“

”بھائی کیوں؟ میں مر گیا ہوں کیا؟ اس کام کو کر سکتا ہوں۔“ ابن زیاد نے کلس کر کہا اور اپنی خدمات کچھ ایسے اندازہ میں پیش کی کہ جہان کی ہنسی نکل گئی، ان تینوں کے جانے کے بعد جہان اپنا سیل فون اٹھائے سیدھا ہوا تو زینب کو سینے پہ ہاتھ لپیٹے اپنی سمت متوجہ پایا تھا جہان اس کی نگاہوں کے ان گنت سوالوں کو پا کر بے اختیار نظر چرا گیا۔

”آپ بہت خوش ہیں آج وجہ پوچھ سکتی ہوں۔“ اس کا خدشہ صحیح ثابت ہوا تھا وہ اسے گھیر چکی تھی۔

”خوشی کے لئے کسی وجہ کا ہونا ضروری تو نہیں۔“

”ضروری ہے، یہ الگ بات کہ آپ کسی کو بتانا نہ چاہیں۔“ وہ ناک چڑھا کر نخوت سے بولی۔

”اگر میں کہوں ایسا ہے تو.....؟“ وہ اس کی آنکھوں میں جھانک کر بولا اور اس ایک لمحے کی اس کی اس نگاہ نے زینب کے اندر کی دنیا زبرد کر ڈالی تھی، مگر اس سے گہرا احساس تو ہیں کا تھا جو اس کا چہرہ سلگا گیا۔

”وہ ضرور کوئی ہے جسے آپ پسند کرتے ہیں، مجھے بتائیں کون ہے وہ؟“ اس کے لہجے میں انداز میں ہٹ دھرمی تھی زور زبردستی تھی، اس استحقاق بھرے انداز نے جہان کے دل میں ہلچل سی مچا ڈالی۔

”کس برتے ہے؟“ وہ پھر اس انا کے خول میں سمٹ کر سرد نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا۔
 ”میں نے کہا میں آپ کی ہیلپ کروں گی۔“ اس نے جیسے لالچ دیا، وہ سر جھٹک کر رہ گیا۔
 ”مجھے اس کی ضرورت نہیں۔“

”کیا وہ آپ کو پسند نہیں کرتی، یا پھر چھوڑ کر چلی گئی ہے؟“
 ”تم اپنے قیاس اپنے پاس رکھو مجھیں۔“ وہ ڈانٹ کر بولا اور دروازے کی جانب قدم بڑھا
 دیئے، یہ تو ہیں بھی سراسر تو ہیں وہ اپنا جلتا چہرے لائے مٹھیاں بھینچے کھڑی ہونٹ کاٹی رہی یہاں تک کہ
 حور یہ نور یہ کوچھوڑ کر آتا ابن زیاد لائٹ آن دیکھ کر پھر وہاں آیا تھا اسے وہاں بت کی طرح ساکن
 دیکھ کر چونکا۔

”تم یہاں کیا کر رہی ہو؟ جاؤ اپنے کمرے میں رات بہت ہو گئی ہے۔“ وہ ڈانٹ کر بولا تو
 زینب نے لائٹ آف کی بھی اور اپنے کمرے کی جانب جاتے اسے جتنی بھی ٹھالیاں یاد تھیں اس نے
 کوئی دس بار انہیں جہان کے نام کیا تھا مگر دل میں لگی آگ پھر بھی نہیں بجھی تھی۔

☆☆☆

جب شام کے سائے ڈھلتے ہوں
 کچھ پیچھی قطار میں اڑتے ہیں
 کچھ رستہ ٹھن ہو ویسے بھی
 کچھ دورانق یہ منزل ہو
 اک پیچھی گھائل ہو جائے اور بے دم ہو کر گر جائے
 تو رشتے ناطے پیارے بھی
 کب اس کی خاطر رکتے ہیں
 اس دنیا کی بے ریت یہی
 جب ساتھ چلو تو ساتھ بہت
 جو رک جاؤ تو تنہا ہو

وہ معمول سے کچھ زیادہ اداس تھی، اداسی کی وجہ جو بھی ہو اس کا دل پڑھائی میں بھی نہیں لگ
 رہا تھا، جیسی کتابیں بند کیں اور آ کے بالکنی میں کھڑ ہو کر سڑک پہ رواں ٹریفک دیکھنے لگی، یہ شام کا
 وقت تھا اور آسمان پہ بادل چھاتے جا رہے تھے، اس کے دائیں بائیں بھی کمرے تھے بلکہ بائیں
 جانب ڈائینگ ہال اور اس سے برے کچن تھا کچن میں خانسماں کے یہ کھانا بنانے کا ٹائم تھا فضا
 میں ٹریفک کے شور لڑکیوں کی ملی جلی آوازوں کے ساتھ برتنوں کی کھنک بھی شامل تھی، چند دن تھے
 پھر سرما کی تعطیل شروع ہو جائیں اس سوچ نے اسے کئی دنوں سے اپ سیٹ کیا ہوا تھا، اب ددا
 نہیں تھے، ملازمہ کو بھی حویلی سے فارغ کر کے شاید ہمیشہ کولاک کر دیا گیا تھا، اب وہ کہاں جاتی؟
 اتنا بڑا سوالیہ نشان تھا جس نے لمحہ لمحہ اس کا اضطراب بڑھایا تھا، اسے لاشعوری طور پہ پیہا کے اگلے
 فیصلے کا انتظار تھا مگر پتا تو شاید اسے بھول ہی بیٹھے تھے، ایک ہفتہ کیا دوسرا ہفتہ بھی ہونے کو آ رہا تھا
 مگر وہ پھر لوٹ کر نہیں آئے تھے، اس کے پاس ان کا ہی نہیں گھر کا ان کے آفس کا بھی نمبر تھا مگر وہ

خود سے کالیکٹ کرنا نہیں چاہتی تھی، ددا کے ایک جذباتی فیصلے نے اس کی زندگی میں کتنے دوسرے
 کتنے سوالیہ نشان چھوڑ دیئے تھے، اس روز وہ ثنا کی ضد پہ اس کے لئے کپڑے خریدنے ساتھ گئی تھی
 مگر پہلے ہی مقام پہ اس کا سامنا غیر متوقع طور پہ معاذ حسن سے ہو گیا تھا، پینٹ کوٹ میں اپنی بے
 حد نمایاں ہونی ہائیت اور غضب کی اسمارٹنس کے ساتھ پہلی مرتبہ اسے پوری طرح دیکھ کر اسے
 اندازہ ہوا تھا وہ کتنا شاندار اور امپر یو نظر آتا ہے، اس سامنے سے جیسے اس کے وہ تمام زخم تازہ کر
 دیئے تھے، وہ ہرگز بھی اس اذیت انگیز تاثر کو دیر پا نہیں کرنا چاہتی تھی، جیسی اگلے قدموں وہاں سے
 بھاگی تھی، ثنا اس کی اس حرکت پہ کتنا الجھی تھی اس سے۔

”یا گل تو نہیں ہو گئی ہو تم بری! ایکدم سے آخر تمہیں ہوا کیا؟ وہ بندہ جسے تم دیکھ کر بدکیں اگر
 اتنا گڈ لکنگ اور اسمارٹ نہ ہوتا تو میں سمجھتی تم ڈر گئی ہو، وجہ کیا ہے صاف کہو؟“ اور وہ اسے ٹال ٹال
 کر ہارنے لگی تھی۔

”ریٹلی یار میں تو حیران رہ گئی، اف اتنا ہنڈسم اور ڈشنگ بندہ کم از کم میں نے اپنی زندگی میں
 پہلی مرتبہ دیکھا، میں تو کبھی بھی تم ہی حسین ہو مگر اب مجھے اندازہ ہوا دنیا حسن سے بھری پڑی ہے۔“
 وہ باقاعدہ اس کی تعریفوں میں رطلب اللسان تھی، پر نیاں کا دل جل کر خاک ہوتا رہا تھا۔
 ”کتنی پر بیٹی تھی نا وہ لڑکی جو اس کے ساتھ کھڑی تھی، پتہ نہیں بیوی تھی یا کزن وغیرہ، تمہارا کیا
 خیال ہے؟“ وہ اس کی رائے لینے کھڑی ہو گئی، اس کا جھلاہٹ سے برا حال ہو گیا۔

”مجھے کیا پتہ، مجھ سے تو ایسے سوال کر رہی ہو جیسے میں ان کے بڑوس میں آباد ہوں نا۔“
 ”جس طرح تم اسے دیکھ کر بدکیں امکان تو اس سے بھی کچھ آگے کا ہی ہے۔“ ثنا کے جواب
 نے اسے خائف کر دیا تھا، جیسی اس نے ہونٹ سی لیے تھے، ثنا اس سے اگلے کئی دن بھی اسی
 موضوع کو بار بار چھیڑتی رہی اور وہ خاص طور پہ کان لپیٹ لیتی۔

”واڈ، کتنا اچھا موسم ہو گیا ہے نا ایکدم۔“ وہ سوچوں میں کچھ ایسی گم ہوئی تھی کب بارش
 شروع ہوئی، وہ جان ہی نہ پائی، اس نے گردن موڑ کر دیکھا کئی لڑکیاں اپنے کمروں سے نکل کر
 بالکونی میں آ کھڑی ہوئی تھیں اور بارش انجوائے کر رہی تھیں۔

”اگر میری گاڑی ہوتی تو ایسے موسم میں لانگ ڈرائیو میں چلی جاتی۔“
 ”یار صرف لانگ ڈرائیو کا خالی خولی مزا نہیں آتا ساتھ میں حسین سا ساتھ بھی تو ہونا چاہیے،
 وہ بھی صنف مخالف میں سے۔“

لڑکیوں کی مخصوص چہلیں شروع ہو چکی تھیں پر نیاں پلٹ کر کمرے میں آ گئی تو ثنا کو بستر میں
 گھسے چھینکتے پایا۔
 ”انورہ زکام۔“

”ہاں یار موسم کا اثر، اگر تمہارے پاس جو شانہ ہے تو مجھے ایک کپ چائے بنا دو۔“
 ”تھا تو میں دیکھتی ہوں، پین کٹر بھی لے لینا کہیں طبیعت زیادہ نہ بگڑ جائے۔“ وہ اپنا بیگ
 کھنگال کر نصیحت کر رہی تھی، ثنا نے محض سر ہلا دیا، اس نے ثنا کو چائے کے ساتھ پین کٹر دیں تو وہ
 بے حد ممنون ہو گئی تھی۔

”تھینکس پاپا مگر میں وہاں.....“

”ڈونٹ وری بیٹے مگر ان چند دنوں میں معاذ چلا جائے گا، اسٹڈی کے لئے انگلینڈ.....“ اور وہ اسی ایک بات میں اٹک گئی تھی، مزید ڈھنگ سے نہ کچھ کہہ سکی نہ سن سکی، پپا نے شاید اس کی غائب دماغی کو محسوس کر لیا تھا جیسی بات مختصر کر کے سلسلہ منقطع کر دیا۔

(جار ہے ہیں باہر..... اور میں.....؟ میرے لئے کیا فیصلہ کیا، کیا میں ساری عمر یونہی خالی ہاتھ رہوں گی؟) کتنی دیر تک وہ گم صم کھڑی رہ گئی تھی۔

☆☆☆

بہت تکلیف دیتا ہے کسی کو الوداع کہنا دکھائی کچھ نہیں دیتا سائی کچھ نہیں دیتا فقط کچھ کپکپاتے لفظ جو ہونٹوں پر ٹھہر جائیں ابھرتی ڈونٹی ڈھڑکن اسے آواز دیتی ہے کوئی اپنا کہ جس کا نام اپنے دل پہ لکھا ہو کہ جس کے واسطے دل سے دعائیں ہی نکلتی ہوں بہت تکلیف دیتا ہے اس کو الوداع کہنا جسے دل میں بسایا ہو بڑے ہی مان سے جس کو کبھی اپنا بنایا ہو

بہت تکلیف دیتا ہے اس کو الوداع کہنا

وہ زینب کو اسی لظم کی عملی تفسیر نظر آ رہی تھی، تمام تر بہادری اور لائقیت کا مظاہرہ کرنے کے باوجود وہ جانے کتنی مرتبہ چپکے چپکے روئی تھی کہ آنکھیں اس گریہ و زاری کی چغلی کھا رہی تھیں، آج معاذ کی فلائٹ تھی اور وہ صبح سے بہانے بہانے جانے کتنے چکر لگا چکی تھی شاہ ہاؤس کے۔

”تمہاری طبیعت ٹھیک ہے؟“ معاذ حسن کے سوال نے اسے بوکھلا دیا۔

”جج..... جج..... جج مجھے کیا ہونا ہے۔“ وہ خواہ مخواہ ہنسی اس طرح کہ اسے ہنسی تو کہا ہی نہ جا سکتا تھا۔

”گلتا ہے کوئی اہم شے کھو گئی ہے، بے قراری سی نظر آتی ہے تمہاری آنکھوں میں۔“ ابن زیاد بھی اسے غور سے دیکھ رہا تھا، وہ لریز اٹھی اب تو ہرگز بھی عیاں ہونا نہیں چاہتی تھی جیسی الٹا سیدھا جواب دے کر وہاں سے بھاگ لی تھی۔

”مما سب کچھ دھیان سے رکھئے گا، میری کوئی چیز یہاں نہ رہ جائے۔“ معاذ نے ماما کو مخاطب کیا تھا، مگر شرارت ابن زیاد کو سو جھگڑ گئی تھی۔

”سب سے اہم چیز تو یہیں چھوڑے جا رہے ہیں بھائی۔“

”کیا..... کیا؟ جلدی بولو ماما بھی بیگ میں رکھ دیں گی۔“ وہ شیو بنا رہا تھا یونہی مصروف رہ کر بولا تو زیاد کھلکھلا کر ہنس پڑا۔

”وہ بیگ میں رکھنے والی چیز نہیں ہے میں بھابھی کی بات کر رہا ہوں۔“ معاذ کی پیشانی پہ

”خدا تمہیں بہت ہینڈ سم سادو لہا دے آمین۔“ اس کی آنکھوں میں شوخی تھی، مگر پر نیاں کا چہرہ دھواں دھواں ہو گیا تھا، کچھ کہے بنا وہ رخ پھیرے تیزی سے باہر نکل گئی، لڑکیوں نے بالکونی میں ایک طوفان اٹھایا ہوا تھا مگر وہ کمرے میں جانا نہیں چاہتی تھی جیسی ایک کونے میں سمٹ کر کھڑی ہو گئی۔

شائبا نے میں اس کے زخموں کے ٹانگے ادھیڑ گئی تھی وہ اسی کرب سے جانے کتنی دیر گزرتی رہی تھی جب شائبا جھنجھلائی ہوئی اس کا مسلسل بجاتا سل اٹھاتے ہوئے اس کے پاس آئی تھی۔

”ایک تو تمہیں ایک جگہ پہ چین نہیں ہے یہ پکڑو تمہارا فون ہے۔“ پر نیاں نے سیل فون تھا تا تو اسی پل میوزک بند ہو گیا، اسکرین پہ تاریک ندی کا منظر تھا جس پہ بڑا سا ریسور ڈول رہا تھا اور پر مسڈ کال کے الفاظ چمک رہے تھے، اس نے بے دلی سے سیل سویٹر کی جیب میں ڈالا مگر اسی پل پھر تیل زور و شور سے بجنے لگی، وہ سخت کوفت کا شکار ہو گئی، کچھ دیر کی بے اعتنائی اور بے حسی کے مظاہرے کے بعد اس نے اکتائے ہوئے انداز میں سویٹر کی جیب میں ہاتھ ڈال کر سیل فون نکالا، کال پپا کی تھی وہ چونکہ ان کی طرف سے کچھ شاک تھی جیسی تعجب نظروں سے اسکرین پہ بلنک کرتے ان کے نام کو گھورتی رہی، پھر گہرا سانس بھر کے کال پک کر لی تھی۔

”السلام علیکم!“

”وعلیکم السلام بیٹے خیریت کہاں تھی آپ؟ میں تو پریشان ہو گیا تھا، مسلسل فون کر رہا ہوں۔“

”سوری میں باہر تھی۔“ اس نے مختصر جواب میں کام نپٹایا۔

”اوکے، کیسی ہو آپ بیٹا!“

”فائن!“ ایک بار پھر مختصر جواب تھا دوسری جانب کچھ دیر کو خاموشی چھا گئی۔

”طبیعت ٹھیک ہے بیٹا جانی!“

”جی!“ وہ ہنوز اکتاہٹ میں مبتلا تھی۔

”اور موڈ.....؟“ دوسری جانب وہ یقیناً کچھ کھٹک گئے تھے، وہ ذرا سنبھلی۔

”جی پپا! ٹھیک ہے سب۔“

”مگر مجھے کیوں لگ رہا ہے میری بیٹی مجھ سے کچھ خفا ہے۔“ اسے لگا وہ مسکرائے ہوں، وہ

ایک دم خفت زدہ ہو گئی۔

”سوری بیٹے میں اب سے غافل نہیں ہوا تھا بس دانستہ تجا بل برت رہا تھا خواہش تھی میری بیٹی خود مجھے یاد کرے مجھے پکارے مگر.....“ ان کی وضاحت ان کے شکوے نے اسے عرق ندامت میں ڈبو دیا، وہ کیا کچھ نہ سوچ چکی تھی۔

”سوری پپا! پچھو کلی میں اسٹڈی میں بڑی تھی۔“ وہ یہی کہہ سکی۔

”میں ایک دو دنوں میں آپ کو لینے آؤں گا، یہ بتائیں آپ کو چھٹیاں کب ہو رہی ہیں ونٹر سیزن کی یہاں تو ایک سے بڑھ کر ایک مشتاق ہے آپ سے ملنے کو مگر میں نے منع کر دیا یہ کہہ کر کہ ہم اپنی بیٹی کو یہاں لے آئیں گے، آئی نو بیٹے آپ نے اس نئے تعلق اور رشتے کے متعلق وہاں کچھ شونہیں کیا، جی میں نے کسی کو وہاں آنے کی اجازت نہیں دی۔“

میں ہجر کے موسم کی لمبی راتوں میں یاد بن کے عذاب بنتا
 کوئی تو ہوتا جو میری خواہش میں اٹھ کے
 راتوں کو خوب روتا
 دکھوں کی چادر لپیٹ کر ہجوم میں دنیا سے دور ہوتا
 میں روٹھ جاتا تو مناتا مجھ کو کہ چاہے میرا قصور ہوتا
 کوئی تو ہوتا میں جس کے اتنا قریب ہوتا
 نہ پاس کوئی رقیب ہوتا میں تنہا اس کا حبیب ہوتا
 یہ سلسلہ بھی عجیب ہوتا
 کوئی تو ہوتا

اس نے لاشعوری طور پر یہ اس نظم کو لکھا تھا اور اس کیفیت سے نکل کر جب الفاظ یہ غور کیا تو ٹپ
 ٹپ کتنے آنسو بہتے چلے گئے، اس کا دل اتنا بھرایا تھا کہ حد نہیں خوش فہمی کا انت تھا کوئی وہ چاہتی
 تھی جانے سے قبل وہ ایک بار اس کے پاس آتا، اس سے ملتا ہاں یہ وہ خواہش تھی جس سے اس
 نے خود ہمیشہ نگاہ چرائی تھی، وہ ایسی ہی اتنا پرست تھی مگر کہاں تھی اتنا پرست اس بندے کی اتنی کڑی
 سخت ست سن کر بھی وہ ہر رات اس کی وجہ سے اپنا تکیہ بھگوا کرتی تھی اس کی بے حس لاشعوری بے
 نیازی پہ، مگر کیا ہوا تھا کیا ملا تھا، وہ چلا گیا تھا، اس پہ اس کی اوقات بہت اچھی طرح سے واضح
 کر کے اس کے روم روم میں جیسے ناقد ری بے مائیگی اور توہین کے احساس نے بول اگا دیئے تھے،
 آج وہ خود سے ہار گئی تھی بلکہ اپنی اس لاشعوری خواہش سے بھی شرمندہ ہو گئی تھی، اس امید سے
 خفت زدہ تھی جو اس نے ماندھی لی تھی، آج چھٹیاں ہو گئی تھیں لڑکیاں جوش و خروش سے اپنے گھروں
 کو جارہی تھیں ثنا بھی جا چکی تھی، وہ کہاں جانی اس کا تو کوئی بھی ٹھکانہ نہیں رہا تھا، بے دلی مایوسی
 اور دکھ کے احساس نے اسے اتنا نڈھال کیا کہ وہ آ کے بستر پہ لیٹ گئی۔

”پرنیاں حبیب میم پو چھ رہی ہیں آپ کے گھر سے ابھی تک کوئی آپ کو لینے کیوں نہیں
 آیا؟“ وارڈن کی ملازمہ اس کے سامنے کھڑی تھی، وہ نکر نکر اس کی صورت دیکھنے لگی۔
 ”مجھے نہیں پتہ۔“

”آپ کال کر کے پوچھیں نا۔“ وہ ذرا جھنجھلائی تھی۔

”نمبر بند ہے۔“ اس نے جان چھڑالی اور کرڈٹ بدل کر لیٹ گئی، ابھی لیٹے ہوئے پانچ
 منٹ ہی ہوئے تھے جب وہ پھر سر پہ آسوار ہوئی۔

”اب اگر کوئی مجھے لینے نہیں آ رہا تو کیا وارڈن مجھے میرے سامان سمیت سڑک پہ بٹھا دیں
 گی؟“ وہ اتنا جھلائی کہ چیخ پڑی، ملازمہ مسکرا دی۔

”نہیں جی آپ غلط سمجھیں، آپ کے انکل آگئے ہیں آپ کو لینے۔“ اس اطلاع نے بجائے
 پرسکون کرنے کے اس کے طیش کو بڑھا دیا، وہ ایک جھٹکے سے اٹھی اور پیروں میں سیلیپر اسٹی راہداری
 عبور کر کے سیڑھیاں پھلاکتی نیچے آئی اور وز ٹینگ روم میں آگئی۔

”السلام علیکم! سوری بیٹے میں کچھ لیٹ ہو گیا آپ کو پریشانی تو ہوئی ہوگی۔“ پاپا کا انداز بے

برہمی اور ناگواری کا تاثر ابھرا البتہ کچھ کہنے کی بجائے اس نے ہونٹ بھیج لئے تھے۔
 ”اتنے لمبے عرصے کے لئے جا رہے ہیں، کوئی مسیج نہیں دیں گے ان کے لئے؟“ وہ شرارت
 کو طول دے رہا تھا معاذ نے سلگتی نظروں سے اسے دیکھا۔

”سمجھ دار کو اشارہ کافی ہوتا ہے، اگر میں نے ان ایک ڈیڑھ ماہ میں اسے ملنا گوارا نہیں کیا تو
 اس کا مطلب اس کی میرے نزدیک ذرا برابر بھی اہمیت نہیں ہے، اگر کبھی تمہاری اس سے ملاقات
 ہو جائے تو اسے کہہ دینا میرا انتظار لا حاصل ہوگا، بہتر ہوگا وہ اپنے لئے کوئی مناسب فیصلہ کر
 لے۔“ اس نے خود پرسکون رکھتے ہوئے بھی اپنے آس پاس جتنے بھی لوگ تھے انہیں گہرے
 صدے اور اضطراب میں مبتلا کر دیا تھا، سب سے زیادہ تکلیف ماما کو ہوئی تھی۔

”آپ اتنے بے حس تو کبھی نہیں تھے معاذ بیٹے! جب اپنے پاپا کو معاف کر دیا ہے تو وہ تو
 سرے سے بے قصور ہے۔“

”مجھے آپ کی بات سے ہرگز اختلاف نہیں ہے ماما، مگر میں اس سے کسی قسم کی ہمدردی دکھا کر
 عمر بھر کی مصیبت کا روگ گلے میں ڈالنے کا ہرگز قائل نہیں ہوں۔“ اس نے دو ٹوک اور قطعی انداز
 میں بتلایا تو ماما کی آنکھیں چھلک گئی تھیں۔

”آپ مجھے بہت دکھ دے رہے ہو بیٹے بہت زیادہ۔“ ان کے آنسو دیکھ کر وہ پکھلا تھا اور ان
 کے گلے میں بازو جھانک کر دیئے۔

”مجھے معاف کر دیں ماما آخری غلطی سمجھ کر معاف کر دیں، پاپا کی اس دھونس زبردستی نے
 میرے اندر بہت سارا غصہ بغض اور نفرت کو بھر دیا ہے میں بے بس ہوں ماما!“ وہ بہت لاچاری
 سے کہہ رہا تھا، ماما کو خاموش ہونا پڑا اور جب وہ سب سے مل کر ڈیپارچ لاؤنج کی سمت بڑھ رہا تھا
 جانے کس خیال کے تحت جہان کا ہاتھ پکڑ لیا۔

”جے میں نے تم سے کہا تھا میں تمہارے دل کی بات کو پا لوں گا۔“

”کیا مطلب؟“ جہان کے اوسان خطا ہونے لگے۔

”تم مجھے ہمیشہ بہت عزیز رہے ہو جے مگر جب تم زینی کو اپنے ساتھ بہت ساری خوشیاں دو
 گے تو یہ محبت اور بھی گہری ہو جائے گی، بیسٹ آف لک مجھے خوشی ہے کہ پاپا کا فیصلہ صرف ان کا
 نہیں تمہارے اپنے دل کا بھی فیصلہ ہے۔“ اس کے لبوں پہ بہت دل آویز مسکراہٹ تھی، مگر جہان
 سن کھڑا تھا۔

”شادی کی جلدی مچانے کی ضرورت نہیں میری واپسی تک اس کام کو رکنا چاہیے اس لئے بھی
 کہ صرف زینی کے لئے ہی نہیں میرے دل میں اپنے سب سے پیارے دوست کے حوالے سے
 بھی بہت ارمان ہیں۔“ وہ اس کے بال بکھیر کر ہنسا اور پھر پلٹ کر قدم بڑھاتا دور ہوتا چلا گیا،
 جہان ہنوز شاکڈ تھا۔

☆☆☆

کوئی تو ہوتا میں جس کے دل کی کتاب بنتا
 میں جس کی چاہت کا خواب بنتا

حد معذرت خواہانہ تھا، وہ ہونٹ بھیجنے کھڑی رہی۔

”آپ نے اپنی تیاری کر لی؟“

”کہاں کی؟“ وہ غمی سے استفہای لہجے میں بولی تو انہوں نے چونک کر اسے دیکھا۔

”میں نے آپ کو بتایا تھا کہ آپ شاہ ہاؤس.....“

”مگر مجھے وہاں نہیں جانا، جس شخص کی موجودگی میں، میں وہاں نہیں جا سکتی جبکہ اسی کے ساتھ میرا اصل تعلق بھی ہے تو اس کے بعد وہاں جانے کا جواز بالکل ختم ہو جاتا ہے، مجھے اپنی تحقیر کسی صورت بھی گوارا نہیں۔“

جانے کب کب کالا ڈاٹا تھا جو بہ نکلنا تھا اسے خود بھی اندازہ نہیں تھا وہ کیا کہہ چکی ہے، اس بل وہ شدید قسم کی شکست سے دوچار تھی دل گرنگی بیزاری اور بے مائیگی کا احساس اس کا دماغ ماؤف کر چکا تھا، ہر شے کو تہس نہس کرنے کی وہ جنونی خواہش جو پچھلے دو دنوں سے اس کا دماغ خراب کیے تھی اس وقت اسے پوری طرح سلگا چکی تھی، پاپا تو اپنی جگہ پہل کر رہ گئے تھے، جب لاڈا نکلا تو خفت اور شرمندگی کے احساس نے گویا اسے زمین میں گاڑ دیا، بس ایک دھندھی جو دماغ سے ہٹ گئی تھی، منظر صاف ہوا تو وہ مر جانے والی حالت سے دوچار ہوتی اٹنے قدموں پلٹ کر بھاگی، پاپا بھی ہوش میں آگئے تھے۔

”پرینیاں..... پرینیاں بیٹے!“ وہ اس کے پیچھے لپکے اور اسے دروازے پہ ہی جالیا، انہوں نے بہت نرمی اور رسانییت سے اس کا بازو پکڑا تھا، اس کا وجود طوفان میں آئے پتے کی مانند لرزیدہ تھا، ان سے بازو چھڑا کر وہ وہیں دیوار کے سہارے زمین پہ بیٹھی اور گھٹنوں میں چہرا چھپائے گھٹ گھٹ کر روتی چلی گئی، پاپا کچھ کہے بغیر اس کا سر تھکتے رہے تھے، پھر کوٹ کی جیب سے رومال نکال کر اس کے سامنے کیا۔

”اپنا چہرا صاف کریں بیٹا!“ اس نے حکم کی تعمیل کی مگر نگاہ اٹھا کر انہیں دیکھنے کی تاب اس میں نہیں تھی، شرمندگی اور خفت سے اس کا چہرہ ہی نہیں آنکھیں بھی جل رہی تھیں۔

”انہیں چلتے ہیں۔“ انہوں نے سہارا دے کر اٹھایا وہ متذبذب تھی۔

”جائیں شاباش اپنا بیگ لے کر آئیں۔“ اس نے ہونٹ بھیجنے اور سر جھکائے چلی گئی۔

”شیر گل تم آج بلکہ اسی وقت اپنی بیوی کے ساتھ فارم ہاؤس چلے جاؤ، اشرف کو میں فون کر کے پہلے ہی گیٹ ہاؤس کی صفائی کا کہہ چکا ہوں، شام تک تم بھی پہنچ جانا نہیں تم مکمل تیاری کے ساتھ آنا اب تم وہیں رہو گے۔“ پرینیاں اپنے بیگ سمیت آئی تو پاپا فون پہ مصروف تھے۔

”ہاں بہت خاص مہمان ہے، میرے دوست کی بیٹی ہے، وہیں رہے گی، ان کی ہر ضرورت کا خیال رکھنا تمہارا اور تمہاری بیوی کی ذمہ داری ہے اوکے اللہ حافظ۔“ پرینیاں جو چونک کر انہیں دیکھنے لگی تھی ان سے نگاہیں چارہونے پہنی الفور سر جھکا لیا۔

”اپنی بیٹی کی انا مجھے خود بھی بہت عزیز ہے، اب آپ اسی وقت شاہ ہاؤس آئیں گی جب وہ نالائق آپ کو تمام عزت و احترام کے ساتھ خود لے کر آئے گا۔“ انہوں نے نزدیک آ کر نہایت مشفقانہ انداز میں اس کے سر پہ ہاتھ رکھ کر کہا تو اس کی آنکھیں پھر سے بھیکتی چلی گئیں۔

(اور ایسا شاید کبھی نہیں ہوگا۔)

”آئی ایم سوری پاپا! میں ایسی نہیں ہوں کچھ دیر پہلے جو میں نے بکواس کی وہ، وہ پتہ نہیں کیسے منہ سے نکل گئی۔“ اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا تو وہ مسکرا دیئے۔

”میں اپنی بیٹی کو جانتا ہوں سوڈنٹ وری۔“

”میں شاہ ہاؤس جانے پہ بھی تیار ہوں پاپا، مجھے صرف ایک رشتہ یاد ہے اور وہ یہ کہ میں آپ کی بیٹی ہوں۔“

”یہ تو آپ نے مجھے ہمیشہ خوش رہنے والی بات کہہ دی۔“ وہ ہنسنے لگے تو پرینیاں بھی بھاری دل سے مسکرا دی تھی اور جب وہ سبزے میں گھرے فارم ہاؤس پہ اسے چھوڑ کے جا رہے تھے تو انہوں نے اس سے ایک بات کہی تھی۔

”شاہ ہاؤس کا ہر فرد آپ سے بہت محبت کرتا ہے بیٹے اور آپ کی وہاں آمد کا بہت خواہش مند بھی ہے وہ سب لوگ آپ کو نہ صرف اسی حوالے سے دیکھیں گے بلکہ مخاطب بھی کریں گے اور میں نہیں چاہتا میری بیٹی بار بار ہرٹ اور ڈپریشن ہو، یہ شیر گل بہت نیک طبیعت اور شریف انسان ہے، اس کی بیوی اور بیٹی سے بھی آپ کو کوئی شکایت نہیں ہوگی، پھر میں خود بھی اپنی بیٹی کے پاس چکر لگا رہوں گا۔“

اور وہ ان کی محبت اور شفقت سے اتنی ممنون اور مشکور ہوئی تھی کہ کچھ کہے بغیر بس نم آنکھوں سے آگے بڑھ کر ان کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیا اور جھک کر ایک عقیدت بھرا بوسہ ان کے ہاتھ پہ ثبت کر دیا تھا۔

☆☆☆

دلوں میں پھر سے نئی چائیں سجا بیٹھے
گلے ملے تو سبھی زخموں بھلا بیٹھے
وہ جس کو پیار کا مفہوم تک نہیں معلوم
اس کے در پہ ہی کیوں جان و دل لٹا بیٹھے
خبر بھی تھی کہ ہوائیں وفا نہیں کرتیں
انہی کے دوش پہ پھر کیوں دیئے جلا بیٹھے
یہ نین قرب میں بے اختیار روتے ہیں
جو بات دل نے چھپائی وہی بتا بیٹھے
جو پتھروں کے حوالے سے معتبر ہے بہت
ہم اس شہر میں شیشے کا گھر بنا بیٹھے

وہ پاپا کے کمرے سے نکلا تو بہت مضطرب تھا، پریشانی کی بات یہ نہیں تھی کہ لاہور والی فیکٹری نقصان میں جا رہی تھی یا اس کے منیجر نے اب ہیر پھیر کرنا شروع کر دیا تھا، پاپا نے اس سے پچھلے آدھے گھنٹے سے اسی موضوع کو ڈسکس کیا تھا اور مسلسل اس سے اس کا حل پوچھتے رہے تھے اور وہ انہیں کوئی ڈھنگ کا جواب نہیں دے پایا تھا تو وجہ پھر نہ بن ہی تھی، معاذ حسن نے جاتے سے جو

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم حاصل کیوں کریں؟

- ✧ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✧ ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور ریڈیو ایبل لنک
- ✧ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✧ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پریویو
- ✧ ہر پوسٹ کے ساتھ
- ✧ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ✧ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف
- ✧ سائزوں میں ایپلوڈنگ
- ✧ سیریم کوالٹی، نارل کوالٹی، کیریڈ کوالٹی
- ✧ عمران سیریز از مظہر کلیم اور
- ✧ ابن صفی کی مکمل ریچ
- ✧ ایڈ فری لنکس، لنکس کو ایسے کمانے کے لئے شریک نہیں کیا جاتا
- ✧ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریچ
- ✧ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ✧ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ✧ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

✧ ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

✧ ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library for Pakistan

Like us on Facebook

fb.com/paksociety



twitter.com/paksociety

بات اس سے کہی تھی وہ ایسی نہیں تھی کہ وہ ملول رہتا بلکہ اس کے دل کی کلی صحیح معنوں میں ایئر پورٹ سے واپسی تک کھل گئی تھی، راز کا کیا تھا یہ تو کبھی نہ کبھی کھلنا تھا معاذ یہ کھل گیا تو مطلب راز ہی رہنا تھا، البتہ یہ ڈھارس ضرور مل گئی تھی کہ اب زینب کہیں اور جانے والی نہیں تھی، معاذ اسکی خاطر بڑے سے بڑا ایشیئن لینے کو بھی تیار ہو جاتا، دو دن پہلے جب معاذ کی شادی یعنی رخصتی کے موضوع پہ بات ہوتے ہوتے ایک دم جہاں کی طرف پلٹ گئی تھی تب پایا جانے لگے اور صاف لفظوں میں کہا تھا، معاذ کی واپسی پہ زینب اور جہاں کی بھی شادی معاذ کے ساتھ ہی کر دیں گے، جہاں کا اطمینان کچھ اور بڑھا تھا مگر آج شام جب وہ آفس سے لوٹا تب زینب کو اس نے ٹیرس پہ ٹہلنے اور فون پہ بات کرتے پایا تھا، وہ وہی تھا جو اس روز ہوٹل میں بھی اس کے ساتھ تھا اور جسے اپنے طور پر زینب نے اپنی زندگی کا ساتھی منتخب کر لیا تھا، وہ اس سے منسوب تھی وہ جانتا تھا مگر زینب آگاہ نہیں تھی، زینب کی سوچ اور فیصلے نے اس کے اندر جو اکھاڑ بچھاڑ کی تھی اس سے قطع نظر اس نے سوچا تھا کیا وہ اس صورت میں زینب کو قبول کر سکتا ہے جبکہ وہ اسے نہیں کسی اور کو سب کو سمجھتی ہے اور اس کی چاہت مند ہے۔

دل کا جواب جو تھا وہ حیران کن نہیں تھا، دل نادان تھا اس کے اندر جو دکھ اترتا تھا وہ اتنا گہرا تھا کہ اسے کچھ بھائی نہیں دے رہا تھا، یہ اضطراب اس کے سر میں شدید ٹیسوں کی صورت ابھرا تھا، پانے سے نی الحال آرام کا مشورہ دیا تھا مگر شاید وہ بھی اس کے نصیب میں نہیں تھا جو زینب کے گمرے کے آگے سے گزرتے ہوئے زینب نے اسے پکار لیا تھا۔

”جے!“ وہ رکا ضرور تھا البتہ پلٹ کر دیکھنے کی اس کی ہمت نہیں تھی۔

”مجھے آپ سے بہت ضروری بات کرنی ہے، پلیز مجھے اپنا تھوڑا سا وقت دے دیں۔“ وہ ہاتھی سی اس کے سامنے آ کر کھڑی ہو گئی۔

”میری طبیعت کچھ بہتر نہیں ہے زینب کیا ہم صبح بات نہیں کر سکتے؟“ وہ اس سے نگاہیں چار کیے بنا بہت عاجزی سے بولا تھا۔

”مجھے پتہ ہے آپ مجھ سے کترار ہے ہیں، مگر میرے پاس وقت بالکل نہیں ہے جے بہت اہم بات ہے، ڈونٹ وری ہم نی وی لاؤنچ میں بیٹھ کر بات کریں گے۔“ اس نے اس کے گریز کو پتہ نہیں کن معنوں میں لیا تھا جو اپنے انداز میں سلی دی، جہاں کے پاس جیسے مزید کچھ کہنے کو باقی نہیں رہا تھا، زینب اس کی تھلید میں لاؤنچ تک آئی تھی۔

”ہیئر آن کر دوں؟“ جہاں نے لائینس جلا میں اور صوفے پہ بیٹھ رہا تھا جب زینب کے استفسار پہ لہجہ بھر کو متوجہ ہوا، پنک سوٹ میں ہمرنگ دوپٹہ شانوں پہ پھیلائے سلکی بالوں کو ڈھیلے جوڑے کی شکل میں لپیٹے وہ گلاب کی تروتازہ اور شگفتہ کلی کی طرح ان چھوٹی اور دل آویز لگ رہی تھی، مگر شاید وہ اس کا نصیب نہیں تھی، اس کی سوچ نے اس کا دل بے حد بو جھل کر دیا تھا۔

”نہیں اس کی ضرورت نہیں ہے، تم بولو کیا کہنا چاہتی ہو؟“ وہ کسی حد تک آگاہ تھا مگر شاید اس کے منہ سے سن کر خود اپنے حوصلے کو آزما نا چاہ رہا تھا۔

”میری ایک فرینڈ ہے شلالے اس کی سسٹر کی شادی ہے، مجھے وہاں جانا ہے آپ پلیز مجھے

پہا سے اجازت لے دیں۔“ جہان نے اس کے مطالبے پہ بے ساختہ چونک کر اسے دیکھا پھر ابھجھن آمیز انداز میں بولا تھا۔

”اس میں میری سفارش کی کیا ضرورت ہے؟ چاچو منع تھوڑی کریں گے۔“

”آپ سمجھے نہیں وہ آؤٹ آف سٹی ہوتی ہے، ویلی میں۔“ اس کی وضاحت پہ جہان نے گہرا سانس بھر لیا۔

”کتنے دنوں کے لئے جانا چاہتی ہو؟ اور کیا بہت ضروری ہے، چاچوان باتوں کو پسند نہیں کرتے۔“

”اسی لئے تو آپ سے کہا ہے، آپ قائل کریں گے تو مان جائیں گے، کم از کم ایک ہفتہ تو رہوں گی۔“

”ایک ہفتہ؟“ وہ کچھ پریشان نظر آنے لگا۔

”شادی تو دو دنوں میں ختم ہو جاتی ہے۔“

”مگر مجھے وہ علاقہ دیکھنا ہے، بہت خوبصورت جگہ ہے وہ بے پلیز!“ وہ بے حد ملتجیانہ انداز میں کہہ کر اسے دیکھنے لگی۔

”او کے کوشش کروں گا۔“

”کوشش نہیں ہے مجھے ہر حال میں اجازت چاہیے، یہ میری شدید خواہش ہے پلیز!“ جہان نے نگاہ بھر کے اسے دیکھا وہ آس بھری نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی، جہان بھلا ان نگاہوں کی

آس توڑ سکتا تھا، اب اسے کسی بھی طریقے سے سہمی یہ کام کرنا تھا۔

☆☆☆

سنو ایسا نہیں کرتے

کہ جس دل میں بھی رہتے ہوں

اسے توڑا نہیں کرتے

بنا جس کے نہ جی پائیں

اسے چھوڑا نہیں کرتے

سنو کچھ دیر رک جاؤ

کوئی اعتبار کر لیں گے

جو خواب دکھے ہیں

انہیں تعبیر کر لیں گے

بناتیرے یہ جیون ہم

کہو کیسے بتائیں گے

قسم سے ٹوٹ جائیں گے

سنو جب یاد آؤ گے

بہت خود کو رلا میں گے

تمہیں کیسے بھلائیں گے

سنو جب درد ہوگا تو

تڑپ کر مر ہی جائیں گے

تمہیں نہ بھول پائیں گے

وہ ناشتے کے لئے ٹیبل پہ آئی تو مسز آفریدی آفس جا چکی تھیں، اس کی پہلی نگاہ ٹیبل پہ پڑے ریڈروزز کے فریش بکے پہ پڑی تھی جس کے اندر وٹنگ کارڈ رکھا پہلی نظر میں دیکھا جاسکتا تھا، اس نے احتیاط سے کارڈ کھینچا اور مسکراہٹ ضبط کرتے بکے اٹھا کر ناک کے قریب لے جا کر سونگھا اور

نظرس کارڈ پہ لکھی نظم پہ نکا دیں، اس کی مسکراہٹ گہری ہو گئی تھی، رات مسز آفریدی نے پھر اس سے اپنی وہی خواہش ظاہر کی تھیں جو اب میں اس نے بھی ان سے ویسی ہی مایوسی کی باتیں کی تھیں اس کا مطلب ممانے ایک بار پھر اسے منالیا تھا۔

”بے بی آپ ناشتے میں کیا لیں گی؟ کالج جانا ہے تو ڈراپور سے گاڑی کا کہہ دوں؟“

ملازمہ نے اندر کر کے مخاطب کیا۔

”ہاں کالج جاؤں گی اور یہ پھول ممانے کب منگوائے؟“ اس کا اب بھی پورا دھیان کارڈ پہ لکھی نظم میں تھا۔

سنو جب درد ہوگا تو

تڑپ کر مر ہی جائیں گے

تمہیں نہ بھول پائیں گے

”مما آئی وٹ خدا آپ کو بہت لمبی عمر عطا فرمائے۔“ اس کے دل سے دعا نکلی تھی۔

”یہ بیگم صاحبہ نے نہیں منگوایا بے بی! یہ ابھی کچھ دیر پہلے کورئیر والا دے کر گیا ہے۔“ ملازمہ

کے جواب نے اسے سشدر کر دیا تھا۔

”کس نے بھیجا ہے؟“

”پتہ نہیں بے بی کارڈ پہ نام نہیں لکھا؟“ ملازمہ نے اچھبے سے اسے دیکھا تو ڈالے از سرے

نو کارڈ اٹھا کر اٹنے پلٹنے لگی۔

”نہیں کہیں نہیں ہے۔“

”بے بی آپ کا فون ہے۔“ اس سے پہلے کہ ملازمہ جواب دیتی حسہ کارڈ لیس اٹھائے چلی

آئی، حسہ ڈالے کی خاص ملازمہ تھی۔

”کون ہے؟“ ڈالے نے کچھ الجھ کر حسہ کو دیکھا تھا۔

”پتہ نہیں جی کہہ رہی تھیں آپ سے بات کرنی ہے۔“ حسہ کے جواب پہ اس نے کچھ کہے

بغیر کارڈ لیس لے لیا۔

”ہیلو! ہیلو کون؟“

”معذرت کے ساتھ ہیلو کے منگیتر ہیں“ میں آپ کی کسی بات کا یقین کروں؟ بانی داوے

آپ ہیں کون؟“ اس نے کس قدر خفگی سے جواب دیا تھا، دوسری جانب کچھ دیر کو سناٹا چھا گیا پھر

قرآن شریف کی آیات کا احترام کیجیے

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور ماہرین نبوی صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی ربی معلومات میں اضافے اور تبلیغ کے لیے شائع کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے لہذا یہی صفحہ پر یہ آیات درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حسرتی سے منظر لگیں۔

وہ عادت کے مطابق فوراً بدگمان اور بے لحاظ ہونے لگی۔

”کیا نہیں چاہتا؟“ جہان نے ابرو چڑھا کر اسے دیکھا۔

”یہی کہ میں وہاں جاؤں۔“ وہ نروٹھے پن سے بولی، بدگمانی کی حد تھی یعنی۔

”میں ایسا کیوں چاہوں گا زینب!“ وہ عاجز سا ہوا۔

”تو پھر آپ ابھی ان سے اجازت لے کر دیں مجھے۔“ وہ بسوری تو جہان کو اٹھنا بڑا تھا، پاپا

سے بات کرنے پہ اسے اندازہ ہوا کہ وہ اسے بھیجنے پہ آمادہ نہیں مگر چونکہ وہ سفارش لے کر گیا تھا

جبھی انہیں ناچار ماننا پڑا مگر انہوں نے دو شرطیں ساتھ کر دی تھیں، جنہیں سن کر زینب کا موڈ بگڑ گیا تھا۔

”کسی کو ساتھ لے کر جانے کا کیا مقصد ہے، پاپا کو مجھ پہ ٹرسٹ نہیں ہے؟ اور ایک ہفتہ کوئی

زیادہ مدت تو نہیں تھی جو انہوں نے چار دن کا کہہ دیا۔“ وہ کھس رہی تھی۔

”یہ کیا بات ہوئی زینب! اگر مقصد انجوائے منٹ ہے تو آپ چار دن کیا چار گھنٹوں میں بھی

کر سکتے ہیں اور رہی بات ٹرسٹ کی تو ایسی بات نہیں ہوتی، چاچو کی اس بات کا مقصد احتیاط ہے،

انجانے لوگوں پہ آنکھیں بند کر کے کیسے اعتبار کیا جاسکتا ہے۔“ وہ حتی الوسع نرمی سے بات کر رہا تھا

کجا وہ ہتھے سے اکھڑ جائے، اب بھی اس کے نقوش تنے تنے سے تھے۔

”او کے فائن، میں مان لیتی ہوں یہ بات اور چار دن میں واپس آ جاؤں گی مگر کسی کا دم چھلا

میں ساتھ لگا کر نہیں لے جانے والی، ویسے آپ کی اطلاع کے لئے عرض ہے دنیا میں صرف ہم ہی

شریف اور قابل بھروسہ لوگ نہیں رہ گئے ہیں۔“ وہ محل سے بات کرتے کرتے آخر میں پھر بھڑک

گئی تھی۔

”یہ سب مجھے نہیں پتہ جو چاچو نے مجھے کہا میں نے تمہیں بتا دیا ہے۔“ جہان کو اس کی بات

سن کر غصہ آیا تھا مگر ضبط کر گیا مگر زینب نے ایسا کچھ نہیں سیکھا تھا کبھی بھی کچھ اور بھڑک گئی۔

”اتنا تو میں بھی جانتی ہوں کہ آپ ان سے جو بھی کہتے ہیں وہ اسے ہر صورت مانتے ہیں،

آپ ان سے کہیں کہ میں وہاں اکیلی جانا چاہتی ہوں۔“ اس مطالبے نے جہان کے چہرے پہ

ناگواری بکھیر دی۔

”سوری میں ایسی فضول باتیں نہیں منوایا کرتا۔“ اب کے وہ بھی برہمی سے بولا تھا، تب وہ

ایک دم ڈھیلی پڑ گئی۔

”جے پلینز پلینز! مائی سیک!“ وہ اس کا ہاتھ اچانک اپنے دونوں ہاتھوں میں لے کر اتنی

لحاجت سے بولی تھی کہ جہان چکرا کر رہ گیا۔ (جاری ہے)

بھر پور نسوانی قبضہ بہت دیر تک گونجتا رہا، وہ ذرا کوفت کا شکار ہوئی۔

”مجھے یقین تھا تم صرف خوبصورت ہی نہیں ذہین اور بہت قابل بھی ہوگی۔“ ادھر سے بہت

وٹوق سے کہا گیا ڈالے کی پیشانی پہ بل پڑے تھے۔

”اتنا جانتی ہیں مجھے تو میں آپ سے انجان کیوں ہوں؟“

”یہ بھی حالات کی ستم ظریفی ہے میری جان! ورنہ تمہارا مجھ سے جو قریبی تعلق اور رشتہ ہے

کسی اور سے نہیں ہے، پھول پسند آئے؟“

”وہ آپ نے بھیجے ہیں؟ مگر آپ ہیں کون؟“ وہ اب کے بری طرح سے جھلا گئی تھی۔

”ڈالے میں نیلما بات کر رہی ہوں تمہاری.....“

”کیوں فون کیا ہے؟ اور تمہاری یہ جرأت کیسے ہوئی کہ مجھ سے اس قسم کے رابطے کرو۔“ وہ

پہلے سناٹوں میں گھری تھی پھر جیسے آتش فشاں لاؤے کی طرح سے پھٹ پڑی۔

”میں تم سے ملنا چاہتی ہوں ڈالے۔“

”مگر میں تمہاری صورت بھی دیکھنا نہیں چاہتی سنا تم نے؟ آئندہ کبھی مجھ سے کالیکٹ نہ

کرنا۔“

”تم مجھ سے نفرت نہیں کر سکتیں ڈالے میرا تم سے جو رشتہ ہے وہ نفرت کا متقاضی ہو ہی نہیں

سکتا۔“

”مجھے اس احساس اس تعلق سے بھی گھن آتی ہے جو میرا تمہارا ساتھ ہے، سن لیا تم نے۔“ وہ

حلق کے بل چیخنی اور رابطہ منقطع کر دیا، اس کا پورا وجود جیسے مفلوج ہو گیا تھا، آنکھوں میں سرخی کے

ساتھ بے تحاشا کی پھیل گئی تھی، کچھ دیر وہ دانت بھیجنے بیٹھی رہی پھر پھول اٹھا کر طیش کے عالم میں

دور پھینک دیئے تھے اور خود ہاتھوں میں چہرا ڈھانپ کر زار و قطار روٹی چلی گئی تھی۔

☆☆☆

”جے!“ وہ آفس سے تھکا ماندالوٹا تھا گھر آنے کے بعد ابھی فریش ہو کے واش روم سے نکلا

ہی تھا جب زینب اس کے کمرے میں چلی آئی تھی وہ ٹھنڈا سانس کھینچ کر رہ گیا۔

”میرے کام کا کیا بنا؟“ اس نے بغیر کسی تمہید کے مقصد کی بات کی تھی۔

”سوری زینب میں اتنا بزی رہا کہ بات کرنا یاد نہیں رہا۔“ وہ واقعی شرمندہ تھا۔

”ایسی کون سی مصروفیات ہیں۔“ وہ خفا نظر آنے لگی۔

”کچھ آئیٹل پرابلم ہیں۔“ تو لیے سے گیلے بال خشک کرتا ہوا وہ لئے دیئے انداز میں بولا۔

”کب بات کریں گے؟ اور میں آپ کو بتا رہی ہوں، مجھے لازمی جانا ہے، شادی میں صرف

دو دن ہیں۔“

”میں کل بات کروں گا انشا اللہ۔“

”ابھی کر لیں نا، پاپا آگئے ہیں آفس سے۔“

”مناسب نہیں لگتا زینب! وہ تھکے ہوں گے۔“

”آپ نے کوئی کام تو نہیں کرانا ان سے، بات ہی کرنی ہے نا، آپ شاید خود نہیں چاہتے۔“

قلم لکھری جہان نورو

◇◇◇ ام مریم ◇◇◇

چوتھی قسط کا خلاصہ

معاذ جانے سے قبل پاپا کی جانب پیش رفت کرتا ہے اور ان سے اپنی بدتمیزیوں اور گستاخی کی معافی طلب کرتا ہے، پاپا سے کچھ بھی جتلائے بنا فریاد لی سے معاف کر دیتے ہیں۔
نوریا، معاذ کی جدائی کے خیال سے اپ سیٹ ہے، معاذ جاتے وقت ایئر پورٹ پہ جہان کے دل کا پوشیدہ راز اس پہ آشکار کر کے اسے حیران کر دیتا ہے، معاذ زینب سے اس کی انوائسٹ کو دل سے پسند کرتا ہے اس کی خواہش ہے جہان زینب کا زندگی کا ساتھی بنے۔
جہان کی حیرت ختم ہوتی ہے تو پہلی بار ایک اطمینان اس کا گھبراؤ کر لیتا ہے، وہ زینب کو ہمیشہ کے لئے پالینے کے خیال سے سرشار ہے۔

زینب جہان سے شلالے کی بہن کی شادی میں جانے کی بات کرتی ہے اور پاپا سے اجازت دلوانے کا اصرار بھی جہان کو اعتراض تو ہوتا ہے مگر وہ زینب کی خواہش کا احترام کرتا ہے، زینب خوشی میں اپنی تیاری شروع کر دیتی ہے۔

پرنیوں کو اس کی خواہش پہ پاپا شاہ ہاؤس کی بجائے فارم ہاؤس چھوڑ دیتے ہیں جہاں قابل بھروسہ ملازمین اس کی خدمت پہ مامور ہیں۔

اب آپ آگے پڑھیے

پانچویں قسط



”فضول ضد ہے زینی! بہر حال میں چاچو سے بات کروں گا۔“ اس نے فی الفور اپنا ہاتھ چھڑا لیا تھا اور ذرا فاصلے پہ ہو کر کھڑا ہو گیا۔

”ہینکس میں اپنی پیکنگ کر لوں پھر؟“ وہ بے طرح خوش ہو گئی تھی اور ایسے وقت جب وہ مسکراتی اس کی خوبصورتی مزید بڑھ جاتی تھی، جہان نے دانستہ اسے دیکھنے سے گریز برتا، اس کے جانے کے بعد وہ بے دم سے انداز میں صوفے پہ گریا، معاً اس نے اپنا داہنا ہاتھ نگاہوں کے سامنے کیا جہاں ہتھیلی کی پشت پہ زینب کے گداز ہاتھ کا مہکتا ہوا لمس اترتا تھا، وہ ابھی تک گویا اسی ایک لمحے کے حصار میں مقید تھا، ایک سنسنی کا احساس اس کے وجود میں سرسراہا تھا جسے اس کے ہونٹوں پہ جانے کس خیال نے مسکراہٹ بکھیر دی۔

(میں تمہیں کبھی ضرور بتاؤں گا کہ میں نے کس لمحے تمہیں کتنا چاہا اور کتنا محسوس کیا، میں کبھی تمہیں جذبوں کی ایسی شدت سے ضرور پوچھوں گا کہ تم عشق کی معراج کو چھو آؤ، اپنی ساری بے تابیاں تم پہ عیاں کرنے کے لئے مجھے اسی پل کا انتظار ہے صدیوں سے جب تم مکمل طور پہ میرے اختیار میں ہوگی۔)

اس کے سیل پہ ہونے والی مسلسل بیل نے اسے خیالات کی اس حسین نگری سے واپس کھینچا تھا، وہ چونک کر کسی حد تک ناگواری سے سیل فون کو دیکھنے لگا مگر اسکرین پہ بلنک کرتے نمبر کے ساتھ موجود نام نے اس کی ناگواری کو دور کر کے مسکراہٹ کو پھر سے ہونٹوں کی زینت بنا دیا تھا۔

”السلام علیکم!“

”وعلیکم السلام جیتے رہو۔“ جواباً معاذ شرارتاً ہنسا تو جہان نے بھی اپنی ہلسی کو شامل کر دیا تھا۔

”بہت خوش لگ رہے ہو؟“

”اللہ کا کرم ہے تم سناؤ؟“

”گڈ، یہاں سردی بہت ہے یار۔“

”ہاں وہ تو تمہیں پہلے بھی معلوم تھا۔“ جہان بننے لگا۔

”گھر میں سب خیریت ہے؟“ چند ادھر ادھر کی باتوں کے بعد معاذ کے سوال پہ جہان نے

اسے باری باری سب کی خیریت بتلا دی۔

”تم کچھ مسینگ کر رہے ہو جے!“ معاذ کے سوال پہ وہ ٹھٹھکا تھا۔

”کیسی مسینگ؟“

”پاپا کی پینڈو بہو صاحبہ! یقیناً میرے جاتے ہی شاہ ہاؤس میں دندناتی پھرتی ہوں گی۔“ وہ

اتنی دور بیٹھ کر بھی اپنی جان جلا رہا تھا، جہان نے متاسفانہ سانس بھری تھی۔

”نہیں معاذ! وہ یہاں نہیں آئیں۔“

”داٹ؟“ معاذ کو جھٹکا لگا تھا۔

”آئی کانٹ بیلواٹ۔“

”اس میں یقین نہ کرنے والی کون سی بات ہے؟“ جہان نے کچھ تلخ انداز میں ٹوکا۔

”پاپا تو جیسے میرے جانے کے منتظر تھے۔“

”آئی تھینک بھابھی نے خود آنے سے انکار کیا ہے، وہ ہاسٹل میں ہوتی ہیں۔“

”اجت لڑ کے آج کل ونٹریزین چل رہا ہے کالج، ہاسٹل کبھی بند ہیں، وہ وہاں کیسے رہ رہی ہو گی؟“

”آئی ڈونٹ نو لیکن وہ یہاں نہیں آئیں۔“ جہان نے جواباً کہا تو وہ جھلانے لگا تھا۔

”دماغ درست ہے اس کا؟ اتنی اکڑ کسی بات کی ہے؟“

”تم بتاؤ تمہیں ان کی اتنی فکر کیوں ہے؟ وہ جہاں بھی رہیں۔“ جہان کو بھی غصہ آنا شروع ہو گیا حد تھی مطلق الفسانی کی بھی۔

”وہ نکاح میں ہے میرے کیوں فکر نہیں ہوگی، اگر ایسی ہی من مانی کرنی ہے تو اس بندھن سے آزادی حاصل کر لے پہلے۔“

”ہاں تم تو خود یہی چاہتے ہو۔“ جہان نے کچھ اور سلگ کر کہا۔

معاذ نے جھلا کر سلسلہ کاٹ دیا تھا، جہان نے تاسف سے سیل فون کو دیکھا پھر سر جھٹکنے لگا۔

☆☆☆

ہم نشیں کیسے بتاؤں جذبہ دل کیا ہے

خود بتائے گی محبت کہ محبت کیا ہے

عشق کو لوگ مسیحا کیوں سمجھ بیٹھے ہیں

مگر نہیں عشق حقیقت تو حقیقت کیا ہے

آیا پروانہ گرا شمع پہ جل جل کے مرا

تو اب بھی سوچ رہا ہے کہ محبت کیا ہے

عشق کو بھول کے دنیا کو ہے جنت کی تلاش

عشق کی آگ اگر دوزخ ہے تو جنت کیا ہے

شام کا وقت تھا، وہ آفس سے لوٹا تو تھکن اس کے چہرے سے عیاں تھی، ماما جان کو سلام کرتا

ہوا وہ چائے کا کہہ کر اپنے کمرے کی جانب بڑھا ہی تھا کہ زینب جو اسی کی منتظر تھی سرعت سے اس

کا راستہ روک کر کھڑی ہو گئی۔

”جے بات کی آپ نے پاپا سے؟“ اس کے عجلت بھرے انداز میں بے صبری تھی، اسے یہ بھی

احساس نہیں تھا اسے یہ بات کرنے سے پہلے کم از کم جہان کو تھوڑا ریلیکس ہونے کا ٹائم دینا چاہیے،

اسے ہمیشہ اپنی پرواہ رہی تھی، دوسروں کے حوالے سے وہ ایسی باتیں سوچنے کی زحمت کبھی گوارا

نہیں کیا کرتی تھی، جہان کچھ خفیہ سا ہو گیا، اسے ابھی زینب کے یاد دلانے پہ ذہن میں آیا تھا کہ

کوئی کام زینب اس کے ذمے لگا چکی تھی۔

”میں آج بات کرتا ہوں چاچو سے۔“ اپنے کمرے کا بند دروازہ کھول کر بریف کیس صوفے

پہ رکھتے ہوئے اس نے لائنس آن کی تھیں، زینب جو اس کے ساتھ ہی کمرے میں داخل ہوئی تھی

کس قدر خفگی سے اسے دیکھنے لگی۔

”اس کا مطلب آپ کو یاد نہیں رہا، جے آپ کے نزدیک میری بات کی یہی اہمیت ہے؟“

کیا کچھ نہیں تھا اس شاکی لہجے میں، خنکی، جھنجھلاہٹ، استحقاق، مان، جہان جو دل و جان سے اس کا اسیر تھا جیسے اس پل اس اپنائیت کے مظاہرے پہ گھائل ہو کر رہ گیا۔

”یہ بات نہیں ہے زینب! مصروفیت میں ذہن سے نکل گیا، میں بات کروں گا، چاچو آگئے کیا؟“ مستقبل قریب میں اسے یہ سارے حقوق حاصل ہونے والے تھے جہان تو کب کا اسے یہ سارے مان سونپ چکا تھا، ایک ہی تو تھی جو دل و جان پر حکمران تھی، معاذ نے جو کچھ انیورسٹی پر اس سے کہا تھا اس کے بعد جہان کے اندر جو غیر یقینی اور خدشات و واہے سرسراتے رہتے تھے ایک دم سے چھٹ گئے تھے، اس دن کے بعد سے وہ خود کو بہت آسودہ اور سرشار محسوس کرتا تھا۔

”پتا تو کب کے آئے ہوئے ہیں، آپ کو نہیں پتہ؟“ زینب نے منہ بسور کر کہا تو جہان آہستگی سے مسکرایا۔

”نہیں میں میننگ میں تھا اور چاچو آفس میں، خیر میں جاتا ہوں ان کے پاس۔“ وہ ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کرتا ہوا اٹھ قدموں پلٹ گیا، زینب نے اسے فریش ہونے اور چینیج کر لینے کا بھی موقع نہیں دیا تھا، اس کے جانے کے بعد زینب نے کاندھے اچکائے تھے اور اس کے بیڈ پہ نیم دراز ہو کر سر ہانے پڑی کتاب اٹھالی، صفحہ موڑ کر ایک لظم کو خصوصی توجہ دی گئی تھی، وہ بے خیالی میں پڑھنے لگی۔

تجھ کو معلوم نہیں تجھ کو بھلا کیا معلوم تیرے چہرے کے یہ سادہ سے اچھوتے سے نقوش میرے خیال کو کیا رنگ عطا کرتے ہیں تیری آنکھیں، تیری زلفیں، تیرے عارض، تیرے ہونٹ کیسی انجانی سی معصوم خطا کرتے ہیں خلوت بزم ہو یا جلوت تنہائی ہو تیرا پیکر میری آنکھوں میں ابھر آتا ہے اس کے اندر اپیل مچی، اتنے خوبصورت جذبے اتنے دلکش احساسات بھلا کس کے نام تھے؟ وہ جزبہ اور بے چین ہونی اٹھ کر بیٹھ گئی، بارہا لگا تھا کہ وہ اسے خاص نگاہ سے دیکھتا ہے، مگر اس کے انداز اتنے نارمل اتنے عام سے ہوتے تھے کہ اگلے پل زینب کو اپنی یہ خوش نہیں لگنے لگتی۔

”ارے جہان کدھر چلا گیا؟“ وہ اسی شش و پنج میں ڈوبی ہوئی تھی کہ ماما خود چائے کے بڑے مگ سمیت اندر چلی آئیں، جہان کو موجود نہ پا کر انہوں نے حیرانی سے استفسار کیا تھا۔

”پپا کے پاس گئے ہیں۔“

”کیوں؟ آتے ہی کون سا کام پڑ گیا تھا، چائے تو پی لیتا فریش ہو کے چلا جاتا، تم یہاں کیا کر رہی ہو؟ مجھے تو لگتا ہے تمہی نے اسے کسی کام کا کہا ہو گا۔“ ماما نے اسے کڑی نظروں سے گھور کر دیکھا تو وہ بجائے خائف ہونے کے تنٹاٹھی تھی۔

”آپ ہمیشہ میری طرف سے ہی مشکوک رہیے گا، میں نے کوئی پہاڑ کھودنے کا کام نہیں سر ڈال دیا موصوف کے، اسی گھر کے ایک کمرے تک گئے ہیں بس۔“ وہ چیخ کر کہتی پیر پختی وہاں سے

چلی گئی، ماما نے گہرا سانس بھر کے چائے کنگ کو دیکھا پھر خود بھی جہان کی تلاش میں کمرے سے نکل گئی تھیں۔

☆☆☆

”السلام علیکم چاچو!“ جہان کو وہ اپنے روم کی بجائے اسٹڈی روم میں ملے تھے، دروازہ تھپتھا کر اندر قدم رکھتے اس نے انہیں مخاطب کیا تو انہوں نے چونک کر اسے دیکھا تھا۔

”وعلیکم السلام! جیتے رہو بیٹے، آؤ۔“

گو کہ پورا دن آفس میں دنوں کا متعدد بار آنا سامنا ہوتا رہا تھا مگر جہان کے ساتھ ان کی وابستگی لگاؤ اور محبت کا یہ عالم تھا کہ ہر مرتبہ اسے دیکھ کر وہ یوں کھل جاتے جیسے برسوں بعد ملے ہوں، خود جہان بھی ان کا بہت احترام کرتا تھا، یہ اس کے مزاج کی فرمانبرداری، تابعداری اور عزت افزائی ہی تھی کہ وہ گھر کے تمام بزرگوں کا بیک وقت بے حد لاڈلا اور چہیتا تھا۔

”آپ بڑی تو نہیں ہیں چاچو!“ وہ ذرا سا ہچکچایا، تو پپا مسکرا دیئے تھے۔

”نہیں جگر آؤ آپ، کوئی ضروری بات ہے جو آپ اتنی عجلت میں آئے ہیں؟“ اسے پینٹ کوٹ میں بلبوس دیکھ کر ان کی نگاہوں میں واضح حیرت تھی، وہ کچھ خفیف سا ہو گیا۔

”ایچو کلی چاچو! مجھے زینب نے بہت دنوں سے کہہ رکھا تھا آپ سے بات کرنے کا مگر.....“

”کون سی بات؟“ پپا کی حیرت کچھ اور بھی بڑھ گئی۔

”زینب کی کسی فرینڈ کی سسٹر کی شادی ہے، وہ شریک ہونا چاہتی ہے۔“

”تو بیٹے اس میں کیا ہے، چلی جائے، آپ اسے پک اینڈ ڈراپ کر دینا۔“ پپا نے کچھ حیرت بھرے انداز میں جواب دیا یوں جیسے کہہ رہے ہوں اس میں مجھ سے بات کرنے کی کیا ضرورت ہے۔

”چاچو، زینب کی فرینڈ آؤٹ آف سٹی ہوتی ہیں، ویلی میں شاید۔“ اب کی مرتبہ جہان کا لہجہ و انداز کچھ ہچکچایا ہوا تھا، وہ خود بھی آگاہ تھا، شاہ ہاؤس میں بہر حال لڑکیوں کو اس قسم کی آزادی نہیں دی جاتی۔

”آئی نو چاچو! میں نے زینب کو یہ بات سمجھائی تھی مگر.....“

”مگر وہ آپ کو فورس کر رہی ہوگی اور آپ انکار نہیں کر سکتے۔“ پاپا نے گہرا سانس بھر کے کہا تو جہان کچھ جھینپ سا گیا اور ان سے نگاہیں چار کھسے بنا آہستگی سے بولا تھا۔
”جانے دیں نا چاچو! میں نہیں چاہتا اس کی کوئی خواہش تشنہ رہ جائے۔“ وہ جیسے ملتتی ہوا تھا پاپا نے کاندھے اچکا دیئے تھے۔

”او کے فائن! چلی جائے مگر اکیلی نہیں، اس کی ماما یا پھر بھابھی بیگم اس کے ساتھ جائیں گی، یہ بھی کمپروماز میں اس لئے کر رہا ہوں کہ آپ اس کی سفارش کرنے آئے ہو، اب جاؤ اور چیخ کر دو جا کے مجھے لگتا ہے اس نے تمہیں بیٹھنے بھی نہیں دیا، ہر بات اس کی مانو گے تو پھر تمہاری اپنی ذات بالکل پس پشت چلی جائے گی، زندگی کے سفر میں شریک سفر کے ساتھ تو ازن کا قائم ہونا ضروری ہے بیٹے! میں ہرگز نہیں چاہوں گا کہ تمہارے حقوق سلب کر لئے جائیں۔“ جہان کے چہرے پہ یکنخت روشنی چھا گئی، یہ پہلا موقع تھا کہ پاپا نے براہ راست اس کے اور زینب کے مستقبل کے تعلق کے حوالے سے کوئی بات کی تھی، وہ خوشگوار کی احساس میں گھرتا بے اختیار مسکرا کر اور کچھ جھینپ کر نہیں دیکھنے لگا۔

”یہ بات اس کے باوجود آپ کہہ رہے ہیں کہ زینب بیٹی ہیں آپ کی؟“ جانے کیسے اس کے منہ سے پھسل گیا، انداز میں خفیف سی شوخی و شرارت کا رنگ تھا، پاپا دھیسے سے مسکرائے اور اسے دیکھ کر بولے تھے۔

”ہاں اس کے باوجود کہہ رہا ہوں، کیونکہ صرف وہی نہیں آپ بھی میرے بیٹے ہو اور زینب کے مزاج کے سب رنگوں سے مجھے بہت اچھی طرح سے آگاہی ہے۔“ جیسی پہلے سے متنبہ کر رہا ہوں، پھر شکایت نہ کرنا۔“ اب کے انہوں نے دانستہ اسے چھیڑا تو جہان جھینپ کر ہنس پڑا تھا، وہ پاپا کے پاس سے اٹھ کر باہر آیا تو ماما کچن سے نکل کر اس کی جانب آ رہی تھیں۔

”میں زینب سے بہت عاجز ہوں آتے ہی تمہیں اپنے کاموں میں الجھالیا۔“
”ارے نہیں چچی جان! کام کیا تھا بھلا۔“
”مگر چائے تو ٹھنڈی ہوگئی نا۔“ وہ ہنوز خفا تھیں، جہان نے محبت سے ان کے گلے میں بازو جمائل کر دیئے۔

”چائے پھر گرم ہو جائے گی چچی جان! ڈونٹ وری۔“
”تم نے اسے زیادہ ہی کچھ سر پہ جڑھا رکھا ہے۔“ ماما کو اس سے شکایت ہوئی تو وہ مسکرا دیا تھا۔

(کبھی ہم بھی سر جڑھیں گے محترمہ کے) ایک حسین سوچ اس کے چہرے کو مزید روشن کر گئی۔

”جاؤ چیخ کر دو میں چائے لاتی ہوں، پھر مجھے معاذ کا نمبر ملا کے دینا، اتنے دن ہو گئے بات نہیں کی۔“

”جی بہت بہتر۔“ وہ سعادت مندی سے ہلاتا اپنے کمرے میں آ گیا، زینب وہاں نہیں

تھی، اس نے فریش ہو کر لباس بدلاتا تک ماما چائے لے آئی تھیں۔

”ابھی بات کریں گی؟ نمبر ملاؤں معاذ کا؟“ اس نے بال بنا کر برش ڈرینگ ٹیبل پہ رکھ دیا۔

”ہاں بیٹے ملا دو، آج کل کی اولاد کو کہاں فکر کہ والدین کو ان کا خیال رہتا ہے۔“ وہ جانے کیوں آج ہر کسی سے ہی شاک کی نظر آ رہی تھیں، جہان نے سیل فون اٹھاتے بغور نہیں دیکھا۔
”خیریت ہے نا؟ آپ کا موڈ آف لگ رہا ہے۔“

”پر نیوں کا خیال مجھے تو روہا نسا کر رہا ہے بیٹے! اتنی شرمندگی محسوس کرتی ہوں بچی سے کہ اس کے سامنے کی تاب نہیں ہے مجھ میں، کیا سوچتی ہوگی کیسے دھوکے باز لوگ ہیں ہم۔“ وہ ایک دم روہا نسی ہو گئیں، جہان نے نمبر ملانے کا کام موقوف کیا اور انہیں کاندھوں سے تھام کر اپنے ساتھ لگا لیا۔

”آپ فکر کیوں کرتی ہیں، انشا اللہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔“
”جہاں وہ گیا ہے نا وہاں بہت رنگینی ہے اور گمراہی اس سے بڑھ کر، پھر وہ تو یہاں بھی پر نیوں کا نام سننا پسند نہیں کرتا تھا، وہاں جا کے تو بالکل بدل جائے گا، اتنا خوف آتا ہے کہ راتوں کو مانو نیند نہیں آتی۔“ ان کے آنسو بہنے لگے تھے، جہان خود بھی مضطرب ہونے لگا، ان کی گھبراہٹ اور تشویش کچھ ایسی غلط بھی نہیں تھی۔

”اللہ یہ بھروسہ رکھیں چچی جان! اللہ بہتر کرے گا۔“ اس نے ان کے آنسو پونچھے تھے پھر سیل فون اٹھا کر معاذ کا نمبر ڈائل کرنے لگا۔

”السلام علیکم!“ رابطہ ہونے پہ اسے معاذ حسن کی خوش باتیں فریش چپکتی آواز سنائی دی تھی۔
”وعلیکم السلام! کیسے ہو معاذ؟“

”ٹپ ٹاپ تم سناؤ کیا حال ہیں جناب کے؟“ وہ اسی فریش لہجے میں بولا تھا، جہان نے ٹھنڈا سانس بھر لیا۔

”چچی جان بات کرنا چاہ رہی ہیں تم سے۔“
”ماما سے بھی بات کرتا ہوں یا تم سے پہلے ایک بات شیئر کرنی تھی یہاں ایک لڑکی ہے لیزا بری طرح سے مجھ پہ مر مٹی ہے، بے بھی بڑی خوبصورت، کل مجھ سے کہہ رہی تھی، میں تمہارا اپارٹمنٹ شیئر کر سکتی ہوں۔“ وہ کھلکھلا کر بتا رہا تھا اور جہان کے اعصاب یکدم کشیدگی سمیٹ لائے تھے، اس نے ایک نظر بھیگی آنکھیں پونجتی ہوئی ماما کو دیکھا تھا اور چپ کا چب رہ گیا۔

”کہاں کم ہو گئے ہو بولتے کیوں نہیں؟“ معاذ اس کی خاموشی پہ جھنجھلایا تھا، وہ جیسے کسی یاسیت کی کھائی سے ابھرا۔

”معاذ تم چچی جان سے بات کر دو پہلے پھر میں تم سے بات کرتا ہوں۔“

”افوہ چلو ٹھیک ہے کراؤ بات۔“ وہ جیسے بد مزہ سا ہو گیا تھا، جہان نے سیل فون ماما کی سمت بڑھا دیا اور ساکن نظروں سے چائے کگ کو دیکھنے لگا جس پہ بالائی کی تہہ جمننا شروع ہوگئی تھی۔
”تم کب واپس آؤ گے معاذ؟“ رکی علیک سلیک کے بعد ماما نے جو سوال کیا تھا وہ معاذ کو متخیر

کر کے رکھ گیا۔

”ابھی تو آیا ہوں ماما بڑھائی کے دو سال ہیں پورے، تب ہی آؤں گا، کیوں آپ اداس ہو رہی ہیں میرے بغیر.....؟“ بات کے اختتام پہ وہ کچھ شریر ہو کر بولا تو ممانے یا سیت نجر سانس کھینچا تھا۔

”پتہ نہیں کب ختم ہوں گے یہ دو سال۔“

”آپ اتنی اداس ہو رہی ہیں تو میں ابھی آ جاتا ہوں۔“ وہ جیسے ان کو بہلانے کی خاطر بولا تھا۔

”بات صرف میری ہی تو نہیں ہے نا بیٹے! تم یہاں کسی اور کو بھی اپنی ذات سے منسوب کر کے محو انتظار چھوڑ گئے ہو۔“

بات ایسی تھی کہ معاذ کا موڈ آف ہونا یقینی تھا، اس نے ناگواریت کے احساس سمیت ہونٹ بھیج لئے۔

”میں یہ انتظار ختم کر دینا چاہتا تھا ہمیشہ کے لئے، آپ ہی آڑے آئی تھیں اگر یاد ہو تو۔“ وہ برہمی سے بولا ممانے سرد آہ بھری تھی۔

”آپ کو لگتا ہے آپ یہ کوئی اچھا کر رہے ہو؟ معاذ یہ بالکل غلط ہے۔“ انہوں نے اس کی برہمی کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے گویا اسے احساس دلانا چاہا تھا۔

”میرے ساتھ بھی بالکل غلط کیا گیا تھا ماما! پلیز بہتر ہو گا آپ میرے ساتھ اس ٹاپک پہ بات مت کیا کریں، آپ سے بد تمیزی نا چاہتے ہوئے بھی کر جاتا ہوں میں، جو مجھے اچھا نہیں لگتا۔“

”نو ٹھیک ہے پھر تم مجھ سے بات ہی نہ کیا کرو، کیونکہ میرے پاس اس کے علاوہ اور کوئی ٹاپک نہیں ہے تم سے بات کرنے کو۔“ انہوں نے کسی قدر تکی و غصے سے کہا تھا اور فون بند کر دیا، انہیں معاذ کی بات بے حد بری لگی تھی، جہان نے مضطرب ہو کر انہیں دیکھا، شدت غمیض اور ضبط سے ان کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔

”چچی جان پلیز! پلیز خاموش ہو جائیں۔“ جہان نے ان کے شانے پہ ہاتھ رکھ کر بوجھل آواز میں انہیں تسلی دینا چاہی مگر وہ کچھ اور بھی بری طرح سے بکھر گئی تھیں۔

”اسے بتا دینا جہان اگر اس نے پر نیاں کے ساتھ کوئی زیادتی کی یا اس کا حق مارا تو میری مری ہوئی صورت دیکھے گا، کبھی معاف نہیں کروں گی اسے۔“ وہ زار و قطار روٹی چلی گئی تھیں، جہان کے لئے انہیں سنبھالنا مشکل ہونے لگا، جیسی وہ میل فون کی سمت توجہ نہ دے سکا تھا جو مسلسل وا بھر بٹ کر رہا تھا اور اسکرین پہ معاذ کا لنگ کے الفاظ بلنک کر رہے تھے۔

☆☆☆

کون ہو گا بھلا ہم ساتھی و اماں لوگو!
لب میں حرف دعا ہے نہ تھیل پہ حنا
نہ تبسم، نہ رفاقت، نہ کوئی لمحہ یاد

آنکھ ویران ہے اور دل خالی

ہونٹ نادم ہیں اور باہم پیوست

ان کہے حرف ہیں رنجور اور سماعتیں بے فیض

انگلیاں خشک چٹانوں کی طرح تڑخی ہیں

کسی آنسو کی کمی ان کی زباں پر کبھی اتری ہی نہیں

آس جکڑی نہ تمنا کسی دو بے کو تھمائی ہم نے

عمر بھر تنہا رہے تہا جیسے

کہنے کو کچھ لوگ تو تھے بہت اپنے

خودی کے زعم میں داؤ پہ لگایا جن کو

لیکن یہ نگماں، ہاں صرف نگماں!

اس نے سخت اکتا کر کتاب بند کر دی، ان چند دنوں کی جان لیوا تنہائی نے اسے یکا یک روہانسا کر ڈالا، جو حالات تھے وہ دل برداشتہ کر دینے کو کافی تھے، ساری زندگی کیسے گزرے گی؟ اس نے سوچا تھا اور اپنا دل ملول ہوتا محسوس کرتی سخت اضطراب کے عالم میں اٹھ کر کمرے سے باہر آ گئی، ملازمین سے وہ ایک حد سے بڑھ کر کیا بے تکلف ہوتی، حالانکہ گل خان کی بیوی اور بیٹی اس کا خصوصی خیال رکھتی تھیں، پاپا اور پاپا جان کے علاوہ ماما جان نے بھی اس سے فون یہ بات کی تھی مگر وہ کسی طرح بھی خود کو بہلا نہ پارہی تھی، ایک عجیب بے نام سا خوف ایک خدشہ مستقل دل میں گھر کر گیا تھا جب سے معاذ کے لندن جانے کا سنا تھا، حالانکہ وہ اس تعلق کو لے کر خوش فہم نہیں ہو سکتی تھی کہ معاذ کے جذبات اس تک بغیر لگی لپٹی کے پہنچ چکے تھے، پھر بھی وہ آس مند تو تھی یہ دوری یہ فاصلے اس آس کی کچی ڈوری کو تازہ کا شکار کر رہے تھے، وہ اس تناؤ کے بڑھاؤ سے خائف تھی، اسے یاد آیا معاذ کی ممانے یا پھر اس کے کسی بہن بھائی نے بھی اس سے رابطہ کرنے کی کوشش نہیں کی تھی، کہیں وہ ان سب کے لئے بھی ان چاہی تو نہیں ہے۔

خوف کا عفریت واہمات کاروب دھارے اسے پوری طرح سے اپنے بیچوں میں جکڑتا جا رہا تھا کتنا غیر محفوظ سا ہو گیا تھا اس کا مستقبل، ددا کے اس ایک فیصلے کی بدولت، اس کی آنکھیں کچھ اور نم ہوتی چلی گئیں، انہی سوچوں میں وہ کمرے سے باہر نکل آئی تھی، وہ انیکسی میں رہائش پذیر تھی، یہ کل دو کمرے تھے، اس کے علاوہ ایک نی وی لائن تھا اور ایک کچن، اس انیکسی اور اصل رہائشی عمارت کے درمیان سفید پتھر کی ایک دیوار تھی، اس دیوار میں جگہ جگہ پتھر کی جالیاں تھیں اور ان جالیوں میں سے رہائشی عمارت کے لان کی جھلک نظر آتی تھی، رہائشی عمارت سے انیکسی میں آنے جانے کے لئے ایک دروازہ تھا، دروازے کے ایک تہائی حصے کو خوبصورت پھولوں کی نیل نے ڈھانپ رکھا تھا، وہ برآمدے میں کھڑی خاموشی سے جائزہ لیتی رہی، ٹھٹھرا ہوا سورج افق کی سرخ پھیل میں غوطہ زن ہونے جا رہا تھا، پرندے گھونسلوں کو لوٹ رہے تھے، سردی بہت تیزی سے بڑھتی جا رہی تھی، وہ کچھ دیر وہیں کھڑی رہی پھر آگے بڑھ کر زینے طے کیے اور چھت پہ آ گئی۔

اوپر آتے ہی بخ بستہ خشک ہواؤں نے اس کا استقبال کیا تھا، اس کے کھلے ریشمی بال جو ایک

تھی، وہ ماما سے شاید کچھ کہہ رہے تھے، پھر فون بند ہو گیا، پر نیاں بوجھل دل سمیت کھڑی رہ گئی، اس بل جتنی بددلی تھی اس کا بیج معنوں میں جی چاہا تھا اس اونچی چھت سے کود کر خودکشی کر لے، معاذ حسن سے پہلی مرتبہ اسے نفرت محسوس ہوئی تھی جس کی وجہ سے اس کی ذات تماشا بن کر رہ گئی تھی، وہ وہاں سے نیچے جانے کو پٹی تو اس کی آنکھوں میں آنسو پھیل رہے تھے۔

☆☆☆

کسی خود فریبی کی آڑ میں

بھلا کب تک

شب غم سے بھاگو گے دور موسیٰ کے طور تک

وہ جو چھپ کے بیٹھا ہوا ہے دل کے کواڑ میں

وہی دکھ کہیں نہ کہیں سے بجلی گرائے گا

وہ سیاہ رنگ پہاڑ ہے

وہ تو بولتا ہے، چل بھی سکتا ہے، بھاگ بھی

دل غمزہ ذرا جاگ بھی

اسے جاگ جاگ کے جھومتے ہوئے دیکھ بھی

بڑی احتیاط سے غور کر

اسے چھاؤں بننے سے روک دے

ابھی ٹوک دے

وہ پہاڑ ہے

کوئی بے قرار سا شجر نہیں

دل غمزہ یہ بھی یاد رکھ

تیرے پر نہیں

اس نے کچھ نفرت کچھ بے بسی کے عالم میں مسلسل بتے آنسوؤں کو ہاتھ کی پشت سے صاف کیا تھا مگر اگلے لمحے پھر چہرہ آنسوؤں سے تر ہوا تھا، اس کی ہچکی بندھ گئی تھی، شدید غیض کے عالم میں اس نے سائیڈ ٹیبل پر رکھا کرشل واڑ اٹھایا اور دیوار سے دے مارا، ایک چھنا کا ہوا تھا اور کرچیاں اطراف میں بکھر گئیں، ضبط جواب دے گیا تھا وہ بلک پڑی تھی، تڑپ تڑپ کر سسک سسک کر روتے ہوئے اس نے بڈروم کے بند دروازے سے ایک انفراتفری کی دستک اور ساتھ میں سزا فریدی کی آواز سنی تھی جو شدید گھبراہٹ کے عالم میں مسلسل اسے پکار رہی تھیں۔

”ژالے ہنی! ماما کی جان دروازہ کھولو۔“

”آپ چلی جائیے یہاں سے مجھے آپ سے بات نہیں کرنی۔“ وہ حلق کے بل چیخی تو آواز پھٹ گئی تھی۔

”ہنی جان ایسا نہیں کرتے، آپ کی طبیعت خراب ہو جائے گی۔“ وہ گڑگڑائی تھیں گویا۔

”ہونے دیں، ڈیم اٹ!“ وہ پھر چیخی۔

ترتیب کے ساتھ شانوں چہرے کے اطراف اور پشت پہ پڑے ہوئے تھے ہوا کی چھیڑ چھاڑ سے پیچھے کی سمت اڑنے لگے، وہ چلتی ہوئی چھت کی منڈیر سے آگئی، سرسبز ماحول صاف ستھری فضا اطراف میں بے پناہ خوبصورتی سمٹی ہوئی تھی، باغات اور کھیتوں کا سلسلہ تا حد نگاہ تک پھیلا ہوا تھا، جو ہلکی دھند اور شام کے سرمئی دھند لکوں میں دھیرے دھیرے ڈوبتا جا رہا تھا، اس نے گہرا سانس بھرا اور تقریباً ایک فرلانگ کی دوری پہ ٹیکسٹائل مل کی وسیع عمارت کو خالی نظروں سے دیکھنے لگی، پپا نے بتایا تھا یہ مل بھی دو تین سال پہلے انہوں نے یہاں لگائی تھی، اس علاقے کے بہت سے بے روز گار افراد کو یہاں روزگار میسر آ گیا تھا، رہائشی حصے اور مل کو ایک پرائیویٹ کشادہ سڑک ملائی تھی، دائیں جانب کچھ فاصلے پر جی ٹی روڈ کے آثار نظر آتے تھے، ٹیکر اور دھریک کے گھنے درختوں کے اندر گھری سڑک یہ گاہے بگاہے کسی تیز رفتار گاڑی کا شیشہ چمک دکھلا کر اوجھل ہو جاتا تھا، دور افتادہ ہارن بھی سنائی دیتے تھے، وقت گزاری کو وہ پچھلے دو دنوں سے یہاں آ کر گھنٹوں کھڑی رہتی تھی، اس وقت بھی دیوار سے ٹیک لگا کر وہیں کھڑی ہو گئی، ہوا کی شدت میں تیزی آگئی تھی اور سردی کی کاٹ میں بھی، مگر وہ بے حس بنی رہی، تیز چلتی ہوا سے اس کے ریشمی بالوں کی لیٹیں بل کھا کھا کر اس کے رخساروں کو چومنے لگیں تب ہی زینے پہ قدموں کی آہٹ ابھری اس نے چونک کر گردن موڑی گل خان کی بیٹی فاطمہ کشمالے سرخ اور ڈھنسی میں سرخ دہکتے چہرے کے ساتھ اس کا سیل فون ہاتھ میں لئے اس کی جانب چلی آ رہی تھی۔

”بی بی صاحبہ آپ ادھر ہو، آپ کا سیل فون کب سے بجے جا رہا تھا، ام آپ کو چائے دینے آیا تو دیکھا۔“ پر نیاں نے کچھ کہے بغیر سیل فون لے لیا، کسی انجان نمبر سے تین کالز آئی ہوئی تھیں، جنہیں سرسری انداز میں چیک کر کے وہ سیل فون اپنے سویٹر کی جیب میں رکھ رہی تھی کہ اس پل پھر رنگ ٹون بج اٹھی، پر نیاں نے حیرانی سے اسی نمبر کو دیکھا اور کال ریسیو کر لی۔

”پر نیاں بیٹے میں ہوں معاذ کی ماما!“ اس کے ہیلو کے جواب میں ماما نے چھوٹے ہی کہا تھا وہ گہرا سانس بھر کے رہ گئی۔

”کیسی ہو بیٹے! یہ جہان کا نمبر ہے، میں سمجھی تم کسی نئے نمبر کی وجہ سے کال پک نہیں کر رہیں۔“

”جی میں ٹھیک ہوں۔“

”آپ مجھ سے یقیناً خفا ہوں گی بیٹی کہ میں آپ سے ملنے نہیں آئی، میں..... آئی ایم ساری بیٹا میں بہت شرمندہ ہوں آپ سے، سمجھ لیں ہارگٹی ہوں میں.....“ اس کے اختصار سے انہوں نے جانے کیا سمجھا تھا کہ وضاحت پیش کرتے کرتے ایک دم سے گھٹ گھٹ کر رونے لگیں، پر نیاں تو جیسے بوکھلا کر رہ گئی تھی۔

”آئی..... آئی پلیز! مجھے آپ سے کوئی شکایت نہیں ہے رینی، پلیز کنٹرول یور سیلف۔“

اس جیسی سیاسی اور نرم خور کی کے لئے یہ سپونیشن مضطرب و بے چین کر دینے والی تھی، اسے قطعاً سمجھ نہیں آئی تھی وہ کیا رد عمل پیش کرے، بس جو منہ میں آیا کہہ ڈالا، درحقیقت اسے یوں موضوع گفتگو دوسرے لفظوں میں تماشا بن جانا نکت زدہ کر گیا تھا، دوسری جانب ایک بھاری مردانہ آواز گونجی

وہ اس وقت کسی کا بھی سامنا کرنے کی خواہش مند نہیں تھی، وہ دل برداشتہ تھی، اسے خود اپنے وجود سے بھی نفرت ہو رہی تھی، بس نہیں چلتا تھا خود کو شوٹ کر لیتی، کچھ انکشافات کتنے شرمناک ہوتے ہیں جو اگر منکشف ہو جائیں تو پھر انسان خود اپنے آپ سے بھی نگاہیں ملانے کے قابل نہیں رہتا، وہ بھی خود سے نظریں ملانے کے قابل نہیں رہی تھی، کاش مسز آفریدی نے جذبات میں آکر اس پر یہ حقیقت منکشف نہ کی ہوتی وہ ساری زندگی دھوکے میں گزار دیتی وہ زندگی جو بہت طویل تو نہیں رہ گئی تھی، شاید مسز آفریدی پلٹ کر چلی گئی تھیں، جبھی اسے پکارنے اور دستک دینے کا سلسلہ موقوف ہو گیا تھا، وہ نڈھال ہی ہو کر تکیے پر ڈھے گئی۔

”یہ میری ماں ہیں؟ نہیں مائیں ایسی نہیں ہوتیں، نشتر چھو کر درد میں تڑپنے کو چھوڑ دینے والی۔“ اس کا دل کتنی دیر تک سسکتا رہا، شام کو وہ جب کسی حد تک خود کو سنبھال چکی تھی تب بے دلی سے اٹھ کر باہر آئی تھی، مسز آفریدی آفس سے آچکی تھیں، ٹی وی لاؤنج کے گلاس وال سے انہوں نے سستے ہوئے چہرے اور منکھمل نظر آئی، ڈالے کو دیکھا تھا اور نمبر پیش کرنے کا کام موقوف کر کے سیل فون سائیڈ پر رکھا اور خود صوفے سے اٹھ کھڑی ہوئیں، ارادہ اس کے پاس جانے اور بات کرنے کا تھا مگر کچھ سوچ کر ختم کئیں، ڈالے وہیں کھڑی ہو کر ملازمہ سے شاید چائے بنانے کا کہہ رہی تھی، پھر پلٹ کر کمرے میں چلی گئی، انہوں نے گہرا سانس بھرا اور کچھ بے چینی کے عالم میں شہلے لگیں۔

نیلما آج پھر ان کی ناگواری اور اتنے توہین آمیز سلوک کے باوجود ان سے ملنے آفس چلی آئی تھی، اس کی اپنی ضد اور مطالبات تھے جنہیں مسز آفریدی نے ہمیشہ جوتے کی نوک پر رکھا تھا، مگر آج غضب یہ ہوا تھا کہ ڈالے بنا اطلاع کے ان کے آفس چلی آئی تھی، سوئے اتفاق نیلما اسی وقت ان سے عزت افزائی کرا کے وہاں سے انہیں دھمکیاں دیتی واپس پلٹ رہی تھی، دونوں کا آمناسامنا اتنا اچانک تھا کہ تینوں اپنی اپنی جگہ پر ساکن ششدر اور مضطرب رہ گئی تھیں۔

”ڈالے..... ڈالے..... تم۔“ سب سے پہلے نیلما کا یہ سکتہ ٹوٹا تھا اور وہ اک واک واری، ایک بے تابی سے ڈالے کی سمت لپکی تھی، تب ڈالے بھی جیسے حواسوں میں لوٹ آئی تھی بدک کر فاصلے پر ہوئی۔

”ڈونٹ ٹچ می، مجھے ہاتھ مت لگانا۔“ وہ اتنی نفرت اتنی بیگانگی سے بولی تھی کہ نیلما صدے و رنج سے جیسے شق ہو کر رہ گئی، اس کے برعکس مسز آفریدی کو لگا تھا ان کے اندر ایک دم سے توانائی آ گئی ہو، وہ نیلما کی ساکن آنکھوں میں جھانک کر جتلاتے ہوئے متکبرانہ و تمسخرانہ انداز میں مسکرائی تھیں، نیلما کی سبز آنکھیں اس پل پانیوں سے بھر گئی تھیں، اس نے بے کسی، بے بسی کے عالم میں ڈالے کو دیکھا تھا جو پلٹ وہاں سے جا رہی تھی۔

”ڈالے!“ وہ تڑپ کر اس کے پیچھے بھاگی تھی، مسز آفریدی حقارت آمیز انداز میں چیخی تھیں۔

”رک جاؤ۔“ مگر نیلما رکی نہیں تھی، بد دستور دیوانہ وار ڈالے کے پیچھے بھاگی تھی۔

”ڈالے میری جان! میری بات سنو، اس عورت نے تمہیں مجھ سے بدگمان کیا ہے، یہ جھوٹی

ہے یہ.....“

”وہ تمہاری کوئی بات نہیں سن رہی اور اگر کبھی سن بھی لے نا، تو یقین نہیں کرے گی، اب دفع ہو جاؤ یہاں سے، آئندہ یہاں آنے کی غلطی مت کرنا، ورنہ میں شوٹ کر دوں گی تمہیں اور اسے محض دھمکی نہ سمجھنا، میری ابروچ کا تمہیں کچھ نہ کچھ اندازہ تو ہے ہی۔“ وہ ایک ایک لفظ پھنکار پھنکار کہتی ہوئیں نیلما کو ساکن کر گئی تھیں، نیلما تیز ہوتے تنفس اور شعلے برساتی نظروں سے کچھ دیر انہیں گھورتی رہی تھی پھر جب بولی تو اس کے لہجے میں آگ کی پلٹیں نکل رہی تھیں۔

”بڈھی خرانٹ جہنمی عورت تم نے کبھی بھی میرے ساتھ اچھا نہیں کیا، مگر تمہارا یہ ظلم ایسی زیادتی ہے جسے میں نہ برداشت کر سکتی ہوں نہ ہی معاف، یاد رکھنا میں تمہیں اس کا مزہ چکھاؤں گی، انتقام عورت کو بہت خطرناک بنا دیا کرتا ہے۔“ مسز آفریدی نے نفرت زدہ انداز میں سر جھٹکا تھا اور پلٹ کر اپنے آفس میں گھس گئی تھیں۔

”بیگم صاحبہ کھانا لگا دوں؟“ ملازمہ کی آواز پہ وہ اپنے خیالات سے چونکی تھیں۔

”ڈالے کیا کہہ رہی تھی تم سے؟“

”جی انہوں نے کافی ہنوائی ہے۔“

”کھانے کا نہیں پوچھا تم نے؟“

”پوچھا تھا جی! منع کر دیا۔“ ملازمہ نے کچھ خائف ہو کر جواب دیا کہ ان کی الٹی کھوپڑی کا پتہ نہیں چلتا تھا بے وجہ بھی برس پڑا کرتی تھیں۔

”تم کھانا لگاؤ میں ڈالے کے ساتھ آئی ہوں۔“ ان کے جواب پہ ملازمہ کان لپیٹ کر کھسک گئی تھی، مسز آفریدی ڈالے کے کمرے میں آئیں تو اسے درتچے کی سلائیڈ سے سر ٹیکے ہنوز ملول پایا تھا۔

”ہنی بیٹے کھانا کھا لو پہلے۔“ انہوں نے اندر گتے ہی اس کا لاڈ اٹھایا، مگر ڈالے کا موڈ ہنوز تھا۔

”مجھے بھوک نہیں ہے آپ جائیں۔“ وہ بدمزگی سے بدلچاٹھی سے بولی۔

”بھوک کیوں نہیں ہے؟“ انہوں نے جرح کا آغاز کیا۔

”مما پلیز لیوی الون!“ وہ چڑنے لگی تھی۔

”پوری بات تو سنتے ہیں نا جان!“

”نو آرگومنٹ۔“ ڈالے کا گلا بھرا سا گیا۔

”جان ماں یہ تو اعتبار کرتے ہیں نا۔“ انہوں نے اسے زبردستی اپنے ساتھ لگا لیا، پھر دگبیری و یاسیت لہجے میں دانستہ سمو کر بولی تھیں۔

”وہ اپنے کرتوتوں کو مجھے بتلانے آئی تھی، کل کی ساری رات اس نے ایک بدنام اور شرابی سیاستدان کی کوٹھی پہ مجرا کیا ہے، جام بھر بھر کے یلانی اور پیتی رہی ہے اور بھی جو حرام کاری کی اس کی تفصیلات بھی سنارہی تھی اب میں تمہیں کیا کچھ بتاؤں۔“ وہ بہت سرعت سے جھوٹ کے پلندے باندھ رہی تھیں، ڈالے کا چہرہ ایک نکت زرد پڑ گیا تھا، ہونٹ نیلے ہو کر کانپنے لگے، وہ کھڑے

سے ایک دم بیٹھ گئی، یوں جیسے بالکل بے جان ہو گئی ہو مگر اس بل اس کی تکلیف یہ تڑپ اٹھنے والی مسز آفریدی کو جیسے اس کی ٹیکس پر واہ نہیں تھی، کچھ کہنے کی کوشش میں اس کے ہونٹ محض پھڑ پھڑا کر رہ گئے، آنکھوں میں اتنی ویرانی در آئی تھی کہ کسی قبرستان کا خیال آتا تھا، مسز آفریدی نے ان کی تباہ کن حالت کو دیکھا اور سرد آہ بھری۔

”کتنا روکا تھا کتنا باز رکھنا چاہا مگر اس کے نزدیک اپنی خواہشات سے بڑھ کر اور کچھ اہم نہیں، تم نہ میں اور نہ تمہارے والد مرحوم کی عزت اور نیک نامی۔“ وہ جیسے کف انسوس مل رہی تھیں، ڈالے نے آہستگی سے گھنٹوں پہ سر رکھ لیا، اس کی آنکھیں بے آواز آنسو بہانے لگیں۔

”آؤ بیٹے کھانا کھا لو، چاہے تھوڑا سا سہی، رات کو بھوکے پیٹ نہیں سوتے۔“ انہوں نے پھر اس سے ہمدردی جتلائی تھی، ان کے سارے تیر ہمیشہ کی طرح نشانے پہ جا کر لگے تھے۔

”مجھے بھوک نہیں ہے، آپ چلی جائیں یہاں سے، جائیں۔“ آپ کی مرتبہ اس کی آواز پہ آنسوؤں کی نمی کا غلبہ تھا، مسز آفریدی نے کچھ دیر اسے دیکھا تھا، پھر آہستگی سے پلٹ گئیں، ان کے خیال میں اگر ڈالے ایک وقت بھوک بھی رہ لے گی تو کوئی قیامت نہیں آجائے گی، ایک وقت کی بھوک سے بہر حال کوئی نہیں مرتا، وہ مطمئن تھیں۔

☆☆☆

ریزہ ریزہ سپنوں والے ٹونے چہرے آدھے لوگ جانے والے کب آتے ہیں کیوں کرتے ہیں وعدہ لوگ اس میں بیٹھی شہزادی کی مانگ میں چاندی جھانک چکی اتنی دیر سے کیوں آتے ہیں آخر یہ شہزادے لوگ پیار کی راہ پہ انگلی تھامے اندھا دھند چل پڑتے ہیں نا بھی میں مر جاتے ہیں ہم سے سیدھے سادھے لوگ ہم دونوں میں کون ہے مجرم یہ طے ہونا مشکل ہے آدھا شہر تھا حامی اس کا ساتھ تھے میرے آدھے لوگ

زینب نے بلا آواز بلند اس کی ڈائری میں لکھی تازہ لکھ کو پڑھا پھر زور دار آواز کے ساتھ ڈائری بند کر کے خستگیوں نگاہوں سے اسے گھورا۔

”تو یہ کرتوت ہیں تمہارے؟“

”کیا مطلب؟“ نوریہ بے طرح سے بوکھلائی تھی۔

”یعنی تم اب ساری زندگی بھائی کے نام پہ جوگ لینے کا ارادہ رکھتی ہو۔“ اس کے تیور کڑے تھے، نوریہ نے بے ساختہ نظریں چرائیں۔

”میں نے ایسا تو کچھ نہیں کہا۔“

”تو وہ کہہ دو نا جو کہنا چاہیے۔“ زینب کی اگلی بات پہ نوریہ نے الجھن آمیز نگاہیں اٹھائیں۔

”کیا کہہ دوں؟“

”معاذ بھائی سے اپنی محبت کا راز۔“ نوریہ نے متاسفانہ نظروں سے اسے دیکھنے پہ اکتفا کیا

اور ڈائری اس سے چھین کر الماری کے سب سے اوپری خانے میں رکھ کر دروازہ مقفل کر دیا تھا۔

”کچھ بولو نا۔“

”فضول باتوں کا کیا جواب دوں بھلا؟“ وہ زچ ہوئی تھی۔

”یہ فضول باتیں ہیں؟ میرے بھائی کی محبت فضول ہے تمہاری نظر میں؟“ وہ اس پہ چڑھ

دوڑی، نوریہ نے ٹھنڈا سا سانس بھر لیا تھا۔

”وہ شادی شدہ ہیں زینب!“ وہ جیسے اس کی عقل پہ ماتم کرتے ہوئے بولی تھی۔

”مگر وہ اس شادی سے خوش نہیں، تم جانتی ہو۔“ زینب کی بات پہ نوریہ نے سرد آہ بھری تھی۔

”ابھی دیکھا نہیں ہے نا پر نیاں کو اس لئے۔“

”کیوں ایسے کون سے سرخاب کے پر لگے ہیں محترمہ میں کہہ دیکھتے ہی فدا ہو جائیں۔“

زینب کو اس ایک بات سے جیسے پتنگے لگ گئے تھے۔

”سب کہتے ہیں وہ بہت حسین ہے۔“

”سب کون؟ ماما، ماما جان، پاپا، پاپا جان، یار یہ سب بوڑھے لوگ ہیں اور اس عمر میں انسان کو

کسی بھی شکل میں خاصی نکالتے خدا کا خوف محسوس ہوتا ہے اس لئے۔“ اس نے اپنی رائے سامنے رکھی تھی نوریہ اسے دیکھ کر رہ گئی۔

”تم اس موضوع کو چھوڑ دو پلیز!“ وہ جزبہ ہو گئی تھی۔

”کیسے چھوڑ دوں تمہیں پتہ ہے مجھے تمہاری کتنی فکر ہے۔“ وہ مسکرا کر اسے دیکھنے لگی۔

”میری فکر چھوڑ دو، اپنی فکر کرو، معاذ کے بعد اب ہمارے بزرگ یقیناً تمہارا اور جہان بھائی

کا بیاہ کریں گے۔“ نوریہ نے اپنے دل کی حالت کے برعکس اسے مسکرا کر چھیڑا تو زینب نے خوفناک نظروں سے تاد یہی انداز میں اسے گھورا تھا۔

”شٹ اپ! مجھے بچے کے ساتھ انوالو کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے سمجھیں۔“

”میں کہاں کر رہی ہوں، ہمارے بزرگ کر رہے ہیں۔“ نوریہ نے جتلا یا تھا، زینب نے سر

جھٹکا۔

جہان کے ذکر سے اسے یاد آیا تھا اس نے ابھی تک پپا سے جو بھی بات چیت ہوئی تھی اس

تک نہیں پہنچائی تھی، اسے غصہ آنے لگا۔

(پتہ نہیں کیوں یہ شخص اتنا بنتا ہے، خود کو یوں مصروف ظاہر کرتا ہے جیسے سارا پاکستان اسی کے

سہارے چل رہا ہوں۔)

”اب کہاں چلی دیں؟ بیٹھو نا میں کھانا پکا رہی ہوں کھا کے جانا، بریانی بنا رہی ہوں۔“ نوریہ

اسے اٹھتے دیکھ کر بولی تھی۔

”نہیں میرے لئے وہیں دے جانا ایک کام یاد آ گیا ہے۔“ وہ عجلت بھرے انداز میں نکلتی

چلی گئی، نوریہ نے گہرا سانس بھر لیا تھا۔

☆☆☆

الجھا رہی ہے مجھ کو یہی کشمکش مسلسل

وہ آسا ہے مجھ میں کہ میں اس میں کھو گیا ہوں
 جہان آج جلدی گھر واپس آیا تھا، پچھلے کئی دنوں سے وہ بے حد مصروف تھا اور چاہنے کے
 باوجود زینب سے بات نہیں کر سکتا تھا جس کی اسے شرمندگی بھی تھی، جیسی آج بہت سے کام پس
 پشت ڈال دیئے تھے تو وجہ زینب ہی تھی، وہ اسے اہمیت دینے پر مجبور ہوا کرتا تھا، یہ دل کا تقاضا تھا
 جیسی وہ ہمیشہ اسے اس کی ہر بات کو اولیت و اہمیت دیتا آیا تھا، گھر آنے پر ماریہ سے اس کے متعلق
 استفسار پر اسے معلوم ہوا تھا کہ زینب نوربہ کے ہاں گئی ہوئی ہے، جہان پہلے فریض ہوا تھا پھر سیل
 فون اٹھائے ٹیرس پر آ گیا، اسے معاذ سے بھی بات کرنی تھی، یہی بے تحاشا مصروفیت اسے معاذ
 سے بھی ڈھنگ سے بات کرنے کا موقع نہیں دے رہی تھی، حالانکہ اس دن کی اس کی ادھوری
 بات نے کتنی وحشت بھرا اضطراب اس کے اندر بھر دیا تھا۔

”جہان بھائی یہ آپ کی کافی!“ معاذ یقیناً اس سے خفا تھا جیسی اس کی کال مسلسل کاٹ رہا تھا،
 اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھر گئی، معاذ کی ابھی تک کچھ عادتیں بالکل بچوں والی ہی تھیں۔
 ”بھینکس گڑیا!“ جہان نے ماریہ کے ہاتھ سے گتھا لیا، وہ مسکرا کر پلٹ گئی تھی۔
 ”کیا تکلیف ہے آخر تمہیں؟“

”تم وہی ہونا جو میری کال اول تو پک نہیں کرتے تھے یا پھر مختصر بات۔“ معاذ نے کال رسیو
 کر لی تھی اور چھوٹے ہی لٹے لینے شروع کر دیئے تھے، جہان بس ہنس گیا تھا، معاذ نے دل کی
 بھڑاس اچھی طرح نکالی تب موڈ کچھ بحال ہوا۔

”بڑے دانت نکل رہے ہیں خیریت ہے؟“
 ”داد دو میرے حوصلے کو، تمہاری گالیاں سن کر بھی موڈ اچھا ہے۔“ وہ الٹا اس پر احسان
 جتلانے لگا تو معاذ نے ہنکارا بھرا تھا۔
 ”کیوں فون کیا ہے؟“

”فون کیا کیا جاتا ہے، بات کرنے کو۔“ اس نے جیسے بتایا تھا۔
 ”میں بھی بات کرنے کو ہی کرتا رہا تھا۔“

”بار چھوڑنا، دفع کرو، مصروف تھا اس لئے، ابھی تو تمہاری بہن صاحبہ نے بھی میری خبر لی
 ہے اور بالکل رعایت نہیں کرتی، پتہ تو ہے تمہیں اس کے مزاج کا، سو تم ہی کچھ رحم کرو۔“ اس کا موڈ
 آج کل واقعی خوشگوار رہتا تھا جیسی یہ زندگی کا پہلا موقع تھا کہ وہ اس قسم کی گفتگو کر رہا تھا تو وجہ پیا
 اور خود معاذ کی اس سلسلے میں اس کی حوصلہ افزائی ہی تھی۔

معاذ کو اس کے منہ سے یہ بات سن کر چیرت بھری خوشگوار بہت نے گھیر لیا، وہ ایک دم ہنس پڑا۔
 ”یہاں تو میں بھی اس کے ساتھ ہوں، تمہیں جرات کیسے ہوئی ہمیں انور کرنے کی۔“

”اس بات کو چھوڑو، یہ بتاؤ اس دن کیا بک رہے تھے تم؟“ جہان نے ایک دم سے ٹون بدل
 لی، دوسری جانب خاموشی چھا گئی۔

”کس دن؟“ وہ الجھا تھا۔
 ”یہ لیزا کا کیا چکر ہے؟“

”چکر و کر کچھ نہیں، تمہیں پتہ ہے یہ گوریاں ہم ایشین مردوں پہ کیسے لپکتی ہیں۔“ وہ اترا یا تو
 جہان نے برا سامنہ بنا لیا۔

”صرف گوریاں، اب تو یہاں کی لڑکیوں کا عالم بھی کچھ ایسا ہی ہے، یار بہت برے حالات
 ہیں۔“ وہ جیسے متاسف تھا۔

”کیوں کسی نے تمہیں پھر پر پوز کر دیا ہے؟“ معاذ ہنسنے لگا، جہان کی بے تحاشا ڈپٹنگ
 برسنائی کی وجہ سے اس قسم کے واقعات ہو چکے تھے، ایک امیر زادی تو کچھ اس طور پیچھے پڑی تھی کہ
 گھر تک پہنچ گئی تھی، تب سے جہان نہ صرف محتاط تھا بلکہ لڑکیوں سے بدلنے بھی لگا تھا۔

”تم مجھے لیزا کا بتاؤ؟“ جہان کی سوئی اسی جگہ پہانگی ہوئی تھی، معاذ اسے تفصیل سے لیزا کی
 بے تاہیاں، وارنٹی، بے باکی کے قصے سناتا رہا۔

”ایک دن پتہ کیا ہوا؟ میرے اپارٹمنٹ آگئی، کہنے لگی میرے ساتھ ڈز کرو، کھانا اپنے گھر
 سے بنا کے لائی گئی صوفے پہ بالکل میرے ساتھ جڑ کے بیٹھ گئی، مائی گاڈ! ایک تو اس کی ڈریننگ
 قابل اعتراض اس پہ یہ قربت، رینٹی یار میرے تو پسینے چھوٹنے لگے تھے، بڑی مشکلوں سے جان
 چھڑائی اس خوبصورت بلا سے، اگر اس وقت مجھے پتا دیکھ لیتے تو وہ چھترول کرتے کہ سر گنجا ہو
 جاتا۔“ وہ ہنس رہا تھا، جہان تاسف سے سر جھٹکتا رہا۔

”اسے زیادہ منہ لگانے کی ضرورت نہیں۔“ اس نے ناصحانہ انداز میں کہا تو معاذ نے کانوں کو
 ہاتھ لگائے تھے۔

”میں کہاں لگاتا ہوں، بتایا تو ہے خود ہی جان نہیں چھوڑتی، ہمارا تو وہ حساب ہے یار کہ ہم
 لوگ بڑھے بھی ہو جائیں یا سازی زندگی کیوں نہ باہر کے ملکوں میں گزار لیں مگر رہیں گے اندر
 سے پاکستانی کے پاکستانی ہی، کسی عورت یا لڑکی کے ساتھ مجبوراً بھی بیٹھ گئے تو بس یہ ہی سوچتے
 رہیں گے، گھٹنے سے گھٹنا ٹکرا گیا ہے، کندھے سے کندھا مل رہا ہے، یہ کیا ہو گیا؟ انگلی سے انگلی چھو
 گئی، یار لوگ بڑے بڑے انقلاب لارہے ہیں، ہم بس شربت دیدار و نگاہ ناز اور حلس و بادور
 کے بارے میں ہی سوچتے رہے۔“ وہ سخت جھلا کر بد مزگی سے کہہ رہا تھا، جہان کی ہنسی چھوٹ گئی۔

”یہ خدا کا فضل اور تربیت کا اثر ہے جناب! یہ تو تم مانو گے جو لطافت دوری و حجاب میں ہے
 وہ قربت اور بے باکی میں نہیں وہ لطافت اس قربت میں نہیں وہ سارے یورپ میں نہیں۔“ جہان
 کی باتوں پہ معاذ سر دھنسنے لگا۔

”ہاں یہ تو ہے، یہاں آ کر اس بات کا قائل ہوا ہوں، ورنہ میری سوچ سے تو تم واقف ہی
 تھے، کل مجھے لیزا کہہ رہی تھی کچھ دنوں کو میرے ساتھ اپارٹمنٹ شیئر کرنا چاہتی ہے میں نے صاف
 انکار کر دیا، یاران کیا پتہ کل بیڈروم پرسوں بستر بھی شیئر کر لے۔“ وہ منہ بسور کر کہہ رہا تھا۔

”تمہیں پتہ ہے چچی جان کس قدر اپ سیٹ ہیں؟“ جہان نے مطلب کی بات کی تھی۔
 ”کیوں کیا ہوا؟ کیوں اپ سیٹ ہیں۔“ معاذ کے لہجے میں بناوٹ نہیں تھی پھر بھی جہان

جھلایا۔
 ”یار تمہاری وجہ ہے تم کتنا پریشان کر ڈگے انہیں۔“

”اوہ غالباً تم پھر وہی ٹاپک چھیڑنا چاہ رہے ہو، اوکے میں فون رکھتا ہوں میرا یہ اسٹڈی کا ٹائم ہوتا ہے۔“ وہ ایک دم سے روڈ ہو گیا، جہان نے عاجز ہو کر ٹھنڈا سانس بھرا تھا۔

”معاذ پلیر تم انہیں تسلی تو دے سکتے ہونا، دس ازناٹ فیئر۔“

”جھوٹی بات کہہ دوں۔“ وہ بھڑک اٹھا۔

”جھوٹی کیوں؟“ جہان کو غصہ آنے لگا۔

”میں اس محترمہ کے معاملے میں کوئی کپیر و مائر نہیں کروں گا۔“ جہان نے ہونٹ بھیج لئے دونوں کے بیچ کچھ لمحوں کو مکمل خاموشی چھائی رہی۔

”میرا خیال ہے کہ تمہیں میرے ساتھ اس ٹاپک کو مزید ڈسکس کرنا ہی نہیں چاہئے، جے ہم کیوں ایک تھرڈ پرسن کے لئے اپنے تعلقات کو خراب کریں۔“ وہ کس قدر تاخیر سے کسی قدر نخوت زدہ آواز میں بولا تو جہان اس کی بے حسی پہ متاسفانہ انداز میں سر جھٹکنے لگا تھا، شاید وہ ٹھیک کہتا تھا اگرچہ اسے اتفاق نہیں تھا مگر اس کا خیال تھا کہ وہ کیا کوئی بھی معاذ کو اس امر پہ قائل کر سکتا تھا تا فورس، شاید واقعی پاپا کے اس جذباتی اقدام نے معاملہ سلجھانے کے بجائے بگاڑ لیا تھا، معاذ ضد پہ اترا ہوا تھا، نفع و نقصان سے بے نیاز ہو کر وہ بس اپنی اکڑ اور ضد کو قائم رکھنا چاہ رہا تھا، جہان نے فون بند کیا تو اس کا انداز کسی قدر گم صم اور متفکر سا تھا، اس کی تلاش میں اس سمت آتی زینب نے اس کی کیفیت کو بہت دھیان سے دیکھا تھا اور اس کی توجہ حاصل کرنے کو دانستہ کھنکاری، جہان نے چونک کر اسے دیکھا البتہ خود کو فوری سنبھال نہیں سکا تھا۔

”صدر پاکستان مستعفی ہو رہے ہیں؟“

”کیا مطلب؟“ جہان نے متحیر ہو کر اسے دیکھا۔

”آپ جوان کی سیٹ سنبھالنے والے ہیں، ہم جیسے آپ کی نظر عنایت میں کہاں آتے ہیں بھلا۔“ اس کا لہجہ کاٹ دار طنز سموتے ہوئے تھا، جہان کچھ خفیف سا ہو گیا، اسے زینب کا یہ لہجہ و انداز کبھی برا نہیں لگا تھا، وہ اسے ہر رنگ ہر انداز میں بھائی تھی، یہ محبت شاید ایسا ہی اندھا اور مجنونانہ جذبہ ہے، بالکل مت مار کے رکھ دیتا ہے، انسان کی۔

”سوری میں کچھ زیادہ ہی مصروف رہا۔“

”میرے کام کا کچھ بنایا اسی مصروفیت کی نذر ہو گیا، ویسے اس دن غالباً آپ پاپا کے پاس میرے ہی کام کو گئے تھے۔“ وہ اس تلخ اور خفا انداز میں کہہ رہی تھی۔

”ہو گیا ہے آپ کا کام، البتہ چاچو آپ کو اکیلے نہیں بھیجنا چاہتے۔“

”کیا مطلب؟“ وہ زور سے چونکی۔

”کہہ رہے تھے ماما جان یا پھر چچی جان کو آپ کے ساتھ جانا چاہیے۔“ جہان نے اس کے چہرے پہ اندلی ناگواری کو دیکھا تھا، وہ یقیناً بھڑک اٹھنے کو تھی۔

”یعنی انہیں مجھ پہ اعتماد نہیں ہے؟“ اس کی توقع کے عین مطابق اس نے بات کو سمجھنے کی بجائے الٹا مطلب نکالا تھا۔

”یہ بھلا کیا بات ہوئی زینب! بات اعتماد کی نہیں تحفظات کی ہے، آؤٹ آف شی یکر انجان

ماہنامہ حنا 198 فروری 2012

لوگوں میں ہم کیسے آپ کو اتنے دنوں کے لئے بھیج سکتے ہیں۔“ وہ نرمی سے جھنجھایا تھا، زینب نے سر و نظروں سے اسے دیکھا تھا البتہ کچھ کہے بغیر ہونٹ بھیجے رکھے۔

”تمہیں اعتراض کیا ہے آخر؟ تمہارا مقصد شادی اٹینڈ کرنا ہے نا، ماما جان تمہیں کیا کہیں گی۔“ جہان نے گویا اس کا موڈ بحال کرنا چاہا تھا۔

”میں وہاں انجوائے کرنا چاہتی تھی روک روک کر وائے نہیں۔“ وہ جی بھر کے تلخ ہوئی۔

”کیا وہ تمہیں روک روک کرتی ہیں؟“ جہان ششدر رہ گیا تھا۔

”آپ کو نہیں پتہ؟ ہر وقت تو ڈانٹ پڑتی ہے مجھے، وہ تو آپ بچا لیتے ہیں، ورنہ ماما زیاد بھائی اور معاذ بھائی کا تو بس نہیں چلتا مجھے پنجرے میں بند کر کے رکھ دیں۔“ وہ منہ پھلا کر کس قدر غصے سے بولی مگر جہان کو مسکراہٹ چھپانا پڑ گئی تھی۔

(ایسا بچاؤ میں ساری زندگی بہت شوق سے کرنے کو تیار ہوں، ایک بار میری پناہوں میں آ جاؤ، تمہیں بتاؤں گا زینب کہ کب کس پل کس لمحے میں نے کس درجہ شدت سے تمہارے لئے کیا محسوس کیا ہے۔)

”اڑالیں میرا مذاق، میں نے بہت مزے کا جوک سنایا ہے نا آپ کو۔“ زینب نے اس کے ہونٹوں کی تراش میں چلتی مسکان دیکھ لی تھی اس کی وجہ سمجھے بغیر اس پہ الٹ پڑی جہان گڑ بڑا سا گیا۔

”افوہ میں مذاق کیوں اڑاؤں گا۔“

”اچھا چھوڑیں مجھے یہ بتائیں آپ شاپنگ کے لئے لے جائیں گے مجھے؟“ اس نے ایک دم سے موضوع تبدیل کر دیا، جہان نے سکھ کا سانس لیا تھا، ورنہ وہ جس بات کے پیچھے پڑتی تھی اگلا کر دم لیا کرتی۔

”کب جانا ہے؟“ جہان نے اپنی چائے کا ٹھنڈا ہو جانے والا لگ اٹھایا۔

”کل چلے جائیں گے، مجھے شادی کے لئے ہی خریداری کرنی ہے، گفٹ بھی لینا ہے، سمجھ نہیں آرہی کیا دوں؟ جے آپ بتائیں دلہن کے لئے کیا لینا چاہیے؟“ وہ ہمیشہ کی طرح بہت سہولت سے اپنی الجھن اس سے بیان کر گئی تھی۔

”گولڈ کا جیولری سیٹ لے لیں، اتنی دور سے آپ اسپیشلی شرکت کے لئے جا رہی ہیں ظاہر ہے وہ آپ کی بیسٹ فرینڈ ہی ہوگی۔“

”بیسٹ فرینڈ نہیں فرینڈ کی بہن ہے اور مجھے تو جیولری سیٹ پہ قطعی اعتراض نہیں سوچ لیں سارا بوجھ آپ کی جیب ہی پر پڑنا ہے، ممانے تو اتنے مہنگے گفٹ کا سن کر ہی مجھے ڈانٹنا شروع کر دینا ہے۔“ وہ ہنس رہی تھی اور جہان اس کی ہنسی کی جھنکار میں خود کو گم ہوتا محسوس کرنے لگا تھا۔

”ٹھیک ہے کل لے جاؤں گا میں تمہیں۔“ جہان نے چائے کا بھرا ہوا لگ اسے پکڑا اور خود پلٹ کر کمرے کی جانب چلا گیا۔

”جے آپ کی چائے ٹھنڈی ہو گئی ہے اور بنا کے لا دوں؟“

وہ آج جانے کس موڈ میں تھی کہ آنر کی تھی ورنہ وہ کہے ہوئے کام کو بھی خاص طور پہ اسے اگر

ماہنامہ حنا 199 فروری 2012

کوئی آس پاس نہ ہوتا تو صاف انکار کر دیا کرتی تھی۔
 ”اگر زحمت نہ ہوتی۔“ جہان نے اختصار سے کام لیا تھا۔
 ”جی بہتر ابھی لاتی ہوں۔“ وہ گگ اٹھاتے چلی گئی تھی، جہان کے چہرے پہ ایک مستقل
 مسکراہٹ تھی جو بے حد بھلی لگ رہی تھی۔

☆☆☆

یہ تمہیں بتا دوں میں
 چاہتوں کے رشتوں میں پھر گرہ نہیں لگتی
 اور لگ بھی جائے تو وہ کشش نہیں رہتی
 ایک پھیکا پھیکا سارا رابطہ تو ہوتا ہے
 تازگی نہیں رہتی بات وہ نہیں رہتی
 دوستی نہیں رہتی
 لاکھ بار مل کے بھی دل دل سے نہیں ملتے
 ذہن کے جھروکوں میں
 تیلیوں کے رنگوں کے
 پھول پھر نہیں کھلتے
 اس لئے میں کہتی ہوں
 اس طرح کی باتوں میں احتیاط کرتے ہیں
 اس طرح کی باتوں سے
 اجتناب کرتے ہیں

وہ جو کوئی بھی تھی فون پہ یقیناً اپنے لورز کو یہ نصیحت آموز کلام سنا چکی تو کھلکھلائی تھی، ڈالے
 جو خود سے بھی اکتائی ہوئی تھی اور سکون کی تلاش میں اس گوشے میں آئی تھی، بزرے کی باڑھ کے
 پیچھے سے آتی اس آواز پہ قدموں کو زنجیر ہوتا محسوس کرتی وہیں تھم گئی تھی، لہجے و انداز کے برعکس
 الفاظ میں کوئی جیسے مٹنا طیس کشش تھی، اس کے دل پہ اثر ہوا تھا آنکھیں جانے کس کس احساس کے
 تحت بھینکتی چلی گئیں، بیگ وہیں رکھ کر وہ گھاس پر بیٹھ گئی اور گھٹنوں میں چہرا چھپا لیا، کیا کچھ باتوں
 کو فراموش کر کے جینا ممکن ہے؟ اے کاش میری یادداشت سے ہر ناپسندیدہ یاد ختم ہو جائے۔
 اس نے بے حد اضطراب کے عالم میں بے بسی سے سوچا تھا، مسز آفریدی کی کہی ہر بات کی
 تصدیق اس دن کے اخبار سے ہو گئی تھی، نیلما نے اس بدنام فطرت سیاست دان کے رہائش گاہ پہ
 اپنی دیگر ساٹھی اداکاراؤں کے ساتھ مجرا کیا تھا، صرف مجرا نہیں اس کے علاوہ بھی ہر برائے عمل کیا اس
 کے تعلقات صرف کسی ایک مرد کے ساتھ ہوں گے؟ آپ خود سمجھ دار ہیں۔
 صحافی کے انڈر لائن فقرے ڈالے کے وجود میں زہر میں بجھے کتنے خنجر اتار دیئے تھے یہ کوئی
 نہیں جانتا تھا، وہ اس ایک تعلق پہ جی بھر کے شرمندہ ہو گئی تھی، دنیا سے کیا خود سے بھی چھپتی پھرتی
 تھی اور جو کسی کو خبر ہو جانی کہ وہ اسکی نڈل کی زد میں ہر دم رہنے والی اداکارہ نیلما کی کچھ لگتی تھی

ماہنامہ حنا 200 فروری 2012

اس سے آگے وہ تصور بھی کوئی نہیں رکھتی تھی، وہ اس سے جتنی نفرت کرتی تھی اس سے بڑھ کر
 پتہ نہیں اس کے لئے جذباتی کیوں ہو جاتی تھی، کالج میں پچھلے دنوں جو ہنگامہ ہوا تھا، وہ اس کی
 جذباتیت اور حماقت کا بہترین ثبوت تھا، جب اس نے نیلما کے حوالے سے طیش میں آ کر جھگڑا، یہ
 مسز آفریدی کا خیال تھا، لوگوں کو الہام نہیں ہوتا کچھ بھی ہنی مگر تم انہیں چونکاتی ہو، تمہارا رویہ انہیں
 بہت کچھ قیاس کرنے پہ مجبور کرتا ہے اور اسے لگا تھا وہ کچھ اتنا غلط بھی نہیں کہہ رہی تھیں۔

”جبکہ نیلما اس سے محبت کی دعویٰ کرتی تھی، کیسے یقین کر لیتی وہ۔“

”اگر وہ مجھ سے محبت کرتی تھی تو پھر اسے میری عزت کا بھی خیال ہونا چاہیے تھا، اگر اس نے
 یہ خیال نہیں کیا تو پھر واضح ہے یہ بات کہ اسے مجھ سے محبت نہیں ہو سکتی، ہاں ٹوٹے ہوئے رشتے
 پھر سے نہیں جڑ سکتے، یہ مسخ ہو جائیں تو پھر ان کی بد صورتی کو ختم نہیں کیا جاسکتا، مجھے تمہاری
 ضرورت نہیں ہے۔“ اس نے تصور میں نیلما کے تصور کو مخاطب کر کے قطعی انداز میں خود کو اور اسے
 گویا باور کرایا تھا۔

☆☆☆

میرے پھڑے ہوئے ساتھی
 میں جذبہ ہوں ازل کی سرحدوں سے بھی کہیں آگے
 اور ہمارا رابطہ تھا اب کے گھور گہراؤں میں اترنے تک
 میں تیری ذات کا حصہ رہوں گا
 تیری نیندوں میں مہکوں گا
 تیری تنہائی کا حصہ رہوں گا
 مگر پھر بھی بیاض دل پہ میں
 جب بھی تمہارا نام لکھتا ہوں
 تمہیں گناہ لکھتا ہوں

اس دن کے بعد پر نیاں خاص طور پہ بالکل گم صم ہو کر رہ گئی تھی، جانے کیوں ماما کیوں رو دینا
 اسے گہرے تفکرات کا شکار کر گیا تھا، وہ مل چکی تھی ان سے، اس نے انہیں اتنا کمزور اور چھوٹے دل
 کا تو نہیں پایا تھا کہ معمولی بات پہ یوں پریشان ہو جائیں، مختلف۔۔۔ جیسے اور تفکرات وہ چند دنوں
 میں ہی ادھ موٹی ہو گئی تھی گویا جانے کیوں ہر خیال معاذ سے شروع ہو کر معاذ پہ ہی کیوں ختم ہوتا
 تھا، سب سے جان لیوا جو سوچ تھی وہ اس کے انتہائی اقدام کی تھی۔

”اگر انہوں نے مجھے چھوڑ دیا؟“ وہ سوچتی اور دل کو سوکھے پتے کی طرح سے لرزتا محسوس
 کرنے لگتی، کئی بار دل میں آئی خود انہیں فون کر کے صورتحال معلوم کرے اور کچھ نہیں کم از کم اس
 جاں کنی کی کیفیت سے تو نجات حاصل ہو مگر وہ تمام جو صلے مجتمع کرنے کے باوجود ایسا نہیں کر پائی
 تھی، کشمالہ اس سے کھانے کا پوچھ آئی تو اس نے صاف منع کر دیا۔

”بی بی صاحبہ آپ نے کل رات سے بالکل کچھ نہیں کھایا، بڑا صاحب ام سے فون پہ پوچھتا تو

ماہنامہ حنا 201 فروری 2012

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ تمامہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ہیں :-

- ✧ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✧ ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ✧ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں ایپلوڈنگ
- ✧ سیریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریڈ کوالٹی
- ✧ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریچ
- ✧ ایڈ فری لنکس، لنکس کو ایسے کمانے کے لئے شریک نہیں کیا جاتا
- ✧ ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور ریڈیو امیل لنک
- ✧ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پر پو پو ہر پوسٹ کے ساتھ
- ✧ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ✧ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریچ
- ✧ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ✧ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ✧ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

← ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

← ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب

ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library For Pakistan

Like us on Facebook

fb.com/paksociety



twitter.com/paksociety1

ام کو جھوٹ بولنا پڑتا۔“

”ایک بار اور جھوٹ بول دینا۔“ وہ بے اعتنائی سے جواب بولی تھی کہ ماما کے ہمراہ اسی پل اندر داخل ہوتے پپانے بے ساختہ ٹوکا۔

”ادنبہ بہت بری بات بیٹے! جھوٹ کبھی نہیں بولتے۔“ ان کے لہجے میں فہمائشی تھی مگر مسکراہٹ لئے ہوئے، پرنیاں نے ایک جھٹکے سے مڑ کر انہیں دیکھا کچھ بل کو وہ حیرت اور غیر یقینی کی کیفیت میں ساکن رہ گئی تھی پھر جانے کیا ہوا وہ ایک دم سے اپنی جگہ چھوڑ کر انھی اور ماما کے سینے سے لگتے ہی بے ساختہ وہ اختیار پھوٹ پھوٹ کر روتی چلی گئی تھی، ماما تو ماما پاپا بھی شپٹا گئے تھے، ماما کو جہاں اس کی اس اپنائیت بھری محبت کے مظاہرے نے شانت کیا تھا وہاں اس کے یوں بے تابلی سے رونے نے مضطرب و بے چین بھی کر دیا۔

”پرنیاں میری بچی میری جان کیا ہوا؟“ اسے نرمی سے خود سے الگ کر کے وہ اس کا چہرہ بار بار پار چومتے ہوئے آنسو پونچھنے لگیں، انداز میں اتنی اپنائیت ایسی توجہ و محبت تھی جو جھکڑ لینے کا فن رکھتی تھی، پرنیاں جو اتنے دنوں کی شدید ٹینشن اور تنہائی کا شکار ضبط کھو بیٹھی تھی احساس ہونے پہ خود کو سنبھالنے کی سعی کرنے لگی۔

”آپ روئیں کیوں بنا! مجھے بتاؤ میرا دل ہول رہا ہے۔“ ماما مضطرب سی ہو کر بولی تھیں، ان کی نگاہ اس کے کپکپاتے شکر فی لبوں و بھیگ کر غضب ڈھائی دراز ریشمی پلکوں پہ اٹک رہی تھی، پرنیاں کچھ خفیف سی ہو گئی جو بات بھی وہ بتانے والی کہاں تھی۔

”کچھ نہیں ایسے ہی بس ذرا اداس ہو رہی تھی۔“ اسے کچھ تو وضاحت دینا تھی بہر حال، البتہ اپنی کمزوری پہ وہ اب جیسے خود سے بھی خفا تھی۔

”مجھے اپنی بیٹی کے دل کی خبر ہو گئی تھی جی آگئی ہوں نا تمہارے پاس۔“ انہوں نے پھر سے اسے لپٹا کر کہا تو پرنیاں نے گہرا سانس بھر کے پپا کو دیکھا جو ساتھ لایا سامان سائیڈ پہ رکھ کے صوفے پہ بیٹھ چکے تھے، اس کے سلام کا متانت و شفقت سے جواب دے کر خیریت دریافت کرنے لگے۔

”میں چائے بنا کر لاتی ہوں آپ کے لئے۔“ وہ فوراً اٹھی، تو پپانے ہاتھ کے اشارے سے منع کر دیا تھا۔

”رہنے دو بیٹے! گل خان آگاہ ہے ہماری آمد سے، چائے ابھی آجائے گی، آپ بتاؤ کھانا کیوں نہیں کھا رہی تھیں آپ؟“ ان کا سوال اسے کچھ خائف کر گیا۔

”ایسے ہی پپا! بھوک نہیں محسوس ہو رہی تھی۔“

”بچی تو کہہ رہی تھی آپ کل رات سے کھانا نہیں کھا رہیں؟“ ان کی نگاہوں میں تشویش تھی، پرنیاں نے ہونٹ کاٹ لئے، پپانے اس کے مکمل انداز اور جھٹکے سر کو دیکھا تھا پھر رسائیت سے ماما کو مخاطب کر لیا۔

”بیگم صاحبہ آپ ہماری بیٹی کو خود کھانا کھلائیں گی۔“ پرنیاں ان کی بات پر شپٹا کر رہ گئی۔

”نہیں پپا! میں خفا تھوڑی ہوں پلیز خود کھا لوں گی۔“

”تو پھر کھائیں، کم آن۔“ وہ اس کی بوکھلاہٹ سے محفوظ ہو کر مسکرائے تھے، مہمانیہ لگیں،
جیکہ پر نیاں کا شرمندگی سے برا حال ہو گیا تھا، پھر پاپا اور ماما کی سنگت میں وہ واقعی بہت بہل گئی
تھی، رات کے کھانے کے بعد ماما اپنا تکیہ اٹھائے اس کے کمرے میں ہی آگئی تھیں، اس وقت وہ
کشمالہ سے آتش دان میں ایندھن ڈلوا رہی تھی۔

”میں نے تمہارے پیاسے صاف کہہ دیا، آج میں اپنی بیٹی کے ساتھ سوؤں گی۔“ وہ اس کے
بستر پہ بیٹھتے ہوئے اسے دیکھ کر مسکرائی تھیں، پر نیاں ان کی محبت پہ آنکھوں کو نم ہوتا محسوس کرنے
لگی۔

”مجھے اپنی بیٹی سے بہت ساری باتیں کرتی ہیں، ویسے اگر تمہاری جگہ پہ یہ بات میں معاذ
سے کہتی نا تو اس بد مزیز نے کہنا تھا یہ ہمارے پیاسے سراسر حق تلفی ہے خاتون۔“ وہ اپنی بات کہہ کر
خود ہی ہنسنے لگیں، جیکہ پر نیاں کے چہرے پہ ایک رنگ سا آکر گزر گیا تھا، جسے ممانے بغور دیکھا تھا
پھر اس کا چہرہ اپنے ہاتھوں کے پیالے میں لے لیا۔

”اتنی سنجیدہ اور خاموش کیوں رہتی ہو بیٹی! ہنسا بولا کرو، تمہاری عمر کی لڑکیاں تو ہنستی بولتی ہی
اچھی لگتی ہیں۔“ پر نیاں نے ایک نظر انہیں دیکھا اور محض سر اثبات میں ہلا دیا تھا، پھر کس قدر جھجک
کر بولی تھی۔

”آ..... آپ سے ایک بات پوچھوں؟“

”ہاں بیٹے ضرور۔“ وہ جسے فدا ہی ہو گئیں۔

”آپ اس دن فون پہ روئی کیوں تھیں؟“ اور ممانے صاف نظریں جمالی تھیں، پر نیاں نے
ہونٹ بھیج لئے، اسے اندازہ ہوا تھا اس کی بات کا جواب نہیں ملے گا۔

”اتنا بھرا پڑا گھر ہونے کے باوجود آپ یہاں اکیلی ہو بیٹے! بس یہ خیال مجھے اکثر افسردہ کر
دیا کرتا ہے۔“

”میں ہمیشہ کے لئے یہاں تھوڑا ہی آتی ہوں۔“ اس نے اپنے تئیں اپنی تسلی دی جسے انہوں
نے اپنے انداز میں لیا۔

”ہاں بیٹے اللہ نے چاہا تو بہت جلد آپ ہمارے ساتھ ہوں گی، بس معاذ کی تعلیم مکمل ہو
جائے تو ہم پھر باقاعدہ رخصت کرا لائیں گے اپنی بیٹی کو۔“ ان کی بات پہ پر نیاں کے چہرے پہ نا
چاہتے ہوئے بھی زہر خند پھیل گیا تھا، اس کا جی چاہا اپنے اندر کی ساری نہیں تو کچھ نہ کچھ ہی ضرور
ظاہر کر دے مگر وہ اس بے قصور مہربان عورت کو ہرگز بھی مزید ٹینشن دینا نہیں چاہتی تھی، پھر سب
سے اہم بات یہ اس کی انا کو یہ ہرگز گوارا نہیں تھا۔

”زینب اور ماما نے آپ کے لئے کفٹنس بھیجے ہیں بیٹے کھول کر دیکھو نا۔“ انہیں اچانک
خیال آیا تو اٹھ کر ایک بیگ اٹھالا میں اور زپ کھول کر کچھ چھوئے بڑے پکٹ نکالے، پر نیاں کچھ

کہنے کے قابل نہیں رہی، کیا اس میں ہمت تھی کہ وہ اتنے سارے لوگوں کی محبتوں سے منہ پھیر سکتی،
اس نے آنسوؤں سے دھندلی ہوئی نظروں سے کفٹنس کے انبار کو دیکھا تھا جو گھر کے ایک ایک فرد کا
نام لے کر ماما اس کے سامنے ڈھیر کرتی جا رہی تھیں۔

”میں تو اسی دن آپ کے پیاسے کے ساتھ یہاں آنا چاہ رہی تھی مگر جب بچوں کو پتہ چلا تو روک
دیا مجھے کہ وہ سب تمہیں گفٹ بھیجنا چاہتے تھے، ماما اور حور یہ تو آپ کو دیکھنے کو سخت بے چین تھیں
بڑی مشکلوں سے انہیں سمجھا بچھا کر روکا ہے، کچھ پتہ نہیں کب وہ ہماری سٹیں ہی نہ تمہارے سر پہ آ
جمع ہوں۔“ وہ ہنس کر بتا رہی تھیں، پر نیاں کے ساتھ اور کتنی ہی باتیں کرتے رہنے کے بعد ماما جب
سو گئیں تو پر نیاں نے سارے گفٹ پیک سمیٹ کر سائیڈ پر رکھ دیئے اور خود بھی ماما کے برابر لیٹ کر
لائٹ آف کر دی تھی۔

”تو آج یہ طے ہوا معاذ حسن کہ تمہاری وجہ سے میں تمہارے رشتوں کے ساتھ مس بی ہو نہیں
کر سکتی، اگر تم میرے مجرم ہو تو پھر سزا بھی تمہیں ملنی چاہیے، اگر تقدیر نے مجھے اس کا موقع دیا تو
میں اپنی اس توہین اور ناقدری کا احساس دلانے بغیر نہیں رہوں گی۔“ نیند کی آغوش میں جانے
سے قبل اس نے معاذ حسن کے تصور سے مخاطب ہو کر گویا خود سے عہد باندھا تھا۔

☆☆☆

”صد شکر کہ آپ کی واپسی ہوئی، ورنہ میں تو سمجھی تھی چہتی بہو کو گھٹنے سے لگا کر بیٹھی رہیں
گی۔“ زینب کالج سے لوٹی تو ماما آچکی تھیں اور اب ماما جان اور اسما بھابھی کے ساتھ بیٹھیں پر نیاں
کی ایک ایک بات پوری جزئیات سے بیان کر رہی تھیں، ان کے چہرے کی تمتماہٹ لہجے کا جوش
ان کی محبت کا گواہ تھا، جب وہ پر نیاں کے حسن جہاں سوز کی قصیدہ خوانی میں لمبی تقریر کرتیں زینب
کو از حد کوفت ہوا کرتی تھی، یہ سچ تھا کہ وہ بن دیکھے ہی پر نیاں سے چڑھوس کرنے لگی تھی، آج
تک اس نے ہمیشہ اپنے حسن و جمال کی تعریفوں میں ہر کسی کو طلب النسان پایا تھا، مگر جب سے
پر نیاں کا نکاح معاذ سے ہوا تھا ہر طرف اس کے حسن کے چرچے پھیل گئے تھے اس چڑکی اصل وجہ
یہی تھی، اس جیسی خود پسند لڑکی کو یہ سب برداشت کرنا از حد مشکل تھا، اس پہ ستم یہ کہ ماما کو پر نیاں
کے لئے جہاں سب نے اپنی محبت اور شوق میں گفٹ بھیجے تھے تو ممانے زینب سے خود کہہ کر
پر نیاں کو گفٹ دلویا تھا، ساتھ ڈانٹ بھی پڑی تھی کہ جب وہ اپنی شاپنگ کرنے گئی پر نیاں کے لئے
کیوں نہ کچھ خریدا۔

”زینب یہ جیولری سیٹ تم بھابھی کو بھیج دو، آپ کی دوست کے لئے میں کل دوسرا لا دوں گا۔“
جہاں کا یہ کہنا ستم ہو گیا تھا، اس نے انتہائی خراب موڈ کے ساتھ اس وقت تو خاموشی سے وہ جیولری
کیس ماما کے حوالے کر دیا تھا مگر بعد میں جہاں کی شامت ضرور آگئی تھی، وہ اس پہ خوب ہی برسی
تھی۔

”آپ کو کیا ضرورت تھی یہ سفارش کرنے کی آخر؟“

”اس میں حرج بھی کیا ہے آخر زینب۔“ جہاں کو حیرانی ہوئی تھی۔

”وہ میری چیز تھی نا؟ میری مرضی ہوتی تو میں کسی کو دیتی نہ ہوتی نہ سہی، آپ نے کیوں کہا؟“

اور جہاں اس کے دھڑلے اور دیدہ دلیری پہ خفت زدہ رہ گیا تھا۔

(باقی اگلے ماہ)

نعم (سمری) جزیرہ بو

ام مریم

پانچویں قسط کا خلاصہ

زینب کی ضد پہ جہان پپا سے اسے شادی پہ جانے کی اجازت دلاتا ہے مگر زینب، ماما جان کو ساتھ لے جانے کے خیال سے بالکل خوش نہیں، وہ جہان سے اس بات پہ بھی الجھتی ہے مگر جہان اسے قائل کر لیتا ہے۔

ماما فون پہ معاذ کو سمجھاتی ہیں مگر معاذ کا موڈ اس بات کو سننے ہی خراب ہو جاتا ہے جس پہ ماما غصے میں فون بند کر دیتی ہیں۔

جہان، زینب کو ہمیشہ کے لئے پالنے کے خیال سے خوش ہے جبکہ زینب ہنوز اس بندھن سے لاعلم ہے جو اس کے اور جہان کے بیچ اس کے بزرگ باندھ چکے ہیں۔

ژالے، نیلما کے تعلق سے آگاہی کے بعد بے حد اپ سیٹ ہے یہی اضطراب اور شرمندگی اسے اکثر و بیشتر جنون میں مبتلا کر دیتی ہے۔

سزا آفریدی کی شخصیت کی ساری پر تیں چھپی ہوئی ہیں، نیلما کو سزا آفریدی سے شدید نفرت ہے، وہ ژالے سے محبت کرتی ہے اور ژالے سے مل کر اسے کچھ حقیقتیں بتانا چاہتی ہے مگر ژالے اس کی شکل دیکھنے کی بھی روادار نہیں ہے۔

ماما، پپا فارم ہاؤس پر نیاں سے ملنے کے لئے جاتے ہیں تو پر نیاں خود پہ ضبط کھودتی ہے۔

اب آپ آگے پڑھیے

چھٹی قسط



Am

”تمہیں تو ہفتہ پہلے آنا تھا۔“ تیمور کے پاس شکوؤں کا انبار جمع تھا، زینب نے ٹھنڈا سانس

کھینچا۔

”ایک دن پہلے آ جاؤں نا وہ بھی غنیمت سمجھیے گا، مجھے تو اجازت مل گئی ہے یہ بھی معجزہ ہی ہے، میری جگہ اگر شاہ ہاؤس کی کوئی اور لڑکی ہوتی تو یہ اجازت بھی کبھی نہ ملتی۔“ وہ اسے حقیقت سے آشنا کر رہی تھی۔

”آپ کی ٹور ہی الگ ہے جناب ایویں ہی تو ہم آپ کے اسیر نہیں ہو گئے۔“ تیمور خان ہنسنے لگا تھا زینب کا منہ بن گیا۔

”خیر ایسی بات بھی نہیں ہے اب، ٹور میری نہیں ہے کی الگ ہے، یہ میرا نہیں ان کا کارنامہ ہے۔“ تیمور اس کی بات سن کر قدرے چونکا۔

”کون ہے؟“

”جہان! میرے کزن ہیں۔“ زینب کے انداز میں بے نیازی تھی مگر تیمور عجیب احساسات کا شکار ہوا تھا۔

”یہ کیسا نام ہے“ جہان۔“ اس کے لہجے و انداز میں محسوس کی جانے والی ناگواری کا تاثر تھا، زینب پر وہ کیسے بغیر ہنس دی۔

”اصل نام تو جہانگیر شاہ ہے، یہ تو سب پیار کے نام ہیں۔“

”پیار کے نام؟ آپ بھی اسے پیار سے پکارتی ہیں دائے؟“ تیمور کا لہجہ پیش بھری رقابت سمیٹ لایا جسے زینب نے انجوائے کیا تھا، بظاہر مصومیت کا تاثر دیا۔

”ہاں نا، بچپن سے عادت ہے۔“

”اپنی اس عادت کو اب بدل لیں زینب مجھے بالکل اچھا نہیں لگا۔“ تیمور یک بیک بے حد سنجیدہ ہو چکا تھا، زینب نے کاغذ سے اچکا دیئے۔

”عادتیں اتنی آسانی سے کہاں بدلتی ہیں تیمور! پھر آپ ابھی مجھ پر اپنی حکمرانی قائم مت کریں پلیز۔“ وہ کسی قدر نخوت سے بولی تو دوسری سمت تیمور خان کا چہرہ لال سمجھو کا ہونے لگا تھا، کچھ

کہے بغیر اس نے رابطہ منقطع کر دیا، زینب کے اعصاب کو اس کی حرکت پہ دھکا لگا تھا، اس کے نازک مزاج احساسات بری طرح سے ادھر گئے کچھ لمحوں کو وہ اس زوایے پہ ساکن رہ گئی تھی، تیمور

کی اس حرکت نے اسے توہین کے احساس میں مبتلا کیا تھا، اس نے نہ صرف سیل فون سچا تھا بلکہ ٹھوکر مار کر بیگ بھی الٹ دیا جس میں ابھی کچھ دیر قبل وہ بہت خوشگوار موڈ کے ساتھ اپنے کپڑے

رکھ رہی تھی۔

☆☆☆

چلو تم کو ملاتا ہوں میں اس مہمان سے پہلے
جو میرا جسم میری روح تھا میری جان سے پہلے
کوئی خاموش ہو جائے تو اس کی خاموشی سے ڈر
سمندر چپ ہی رہتا ہے کسی طوفان سے پہلے

کب لوٹ کے آؤ گے بتا کیوں نہیں دیتے
دیوار بہانوں کی گرا کیوں نہیں دیتے
تم پاس ہو میرے تو پتہ کیوں نہیں چلتا
تم دور ہو مجھ سے تو صدا کیوں نہیں دیتے
اک تیرے سوا اور کسی کو بھی نہ چاہا!
یہ بات تم دنیا کو بتا کیوں نہیں دیتے
باہر کی ہواؤں کا اگر خوف ہے اتنا
جو روشنی اندر ہے بجھا کیوں نہیں دیتے
راتوں کو جاگنے کی سزا دیتے ہو اکثر
تم ہم کو دفاؤں کا صلہ کیوں نہیں دیتے

اس نے تیمور خان کی بھیجی گئی غزل کو پڑھا اور مسکراتے ہوئے سیل فون سائیڈ پہ رکھ کر پھر سے پیکنگ کا کام نپٹانے لگی، بلیک خوبصورت سا سوٹ تہہ کر کے رکھتے ہوئے اس کی توجہ پھر بھٹکی، سیل فون کی اسکرین پر بلیک کر رہی تھی، اس نے نگاہ کا زاویہ بدل کر دیکھا، تیمور کی کال تھی، اس نے پلٹ کر پہلے دروازہ اندر سے لاکڈ کیا تھا پھر اس کی کال رسیو کی، وہ اس معاملہ میں ہمیشہ بہت محتاط رہتی تھی۔

”جی فرمائیے کیا بات ہے؟ بار بار کیوں تنگ کر رہے ہیں؟“ وہ ناز سے جھلائی تھی اور دوسری سمت تیمور خان سرد آہیں بھرنے لگا۔

”ابھی کہاں تنگ کیا ہے جناب! ایک بار ہاتھ تو لگیں اس لفظ کے معنی و مطالب خوب سمجھائیں گے آپ کو۔“ وہ ایسا ہی بے باک تھا اکثر پٹری سے اتر جایا کرتا، زینب بے تحاشا سرخ پڑ گئی۔

”بہت بدتمیز نہیں ہوتے جا رہے آپ! حالانکہ میں نے آپ کو کوئی چھوٹ بھی نہیں دی۔“ وہ کسی قدر خشکی سے بولی تو جواباً تیمور خان کا تہقہہ گونج اٹھا تھا۔

”بدتمیزی نہیں محترمہ! اسے رومال سے کپتے ہیں اور چھوٹ کی بات آپ نہ کریں، آپ کے تمام جملہ حقوق ہمارے ہی نام محفوظ ہیں۔“

”ہیں..... ہیں، اتنا دھڑلا؟ مسٹر تیمور خان اگر آپ بھول رہے ہیں تو کیا یاد دلاؤں کہ ابھی آپ کا مجھ سے نکاح نہیں ہوا۔“ وہ تیکھے چتونوں سے بولی لہجے میں مصنوعی خشکی تھی خود اس کی بات اس کے مخالف تھی، بلاشبہ یہ اس کی ڈھیل اور چھوٹ تھی کہ تیمور خان کو اتنی جراتیں نصیب ہوئی تھیں۔

”ہو جائے گا..... ہو جائے گا، ہمارا بس چلے تو ابھی پڑھا لیں یہ دو بول، وہ تو آپ ہیں کہ.....“ وہ شاک کی ہونے لگا تو روشانی نے موضوع بدلنا مناسب سمجھا۔

”میں پیکنگ کر رہی تھی۔“

مجھے جی بھر کے اپنی موت کو تو دیکھ لینے دو
نکل جائے نہ میری جاں میرے ارمان سے پہلے
میری آنکھوں سے بہتے آنسوؤں کا سلسلہ دیکھو
یہ مالا ٹوٹ جاتی ہے تیری مسکان سے پہلے
ہدم ہوں میں تیرا، یہ میرا فرض بنتا ہے
تجھے میں ہوشیار کر دوں تیرے نقصان سے پہلے

سر راہ چلتے اسے زوردار ٹھوکر لگی تھی، وہ گرتے گرتے پچی تھی، مگر کیا واقعی وہ بچ گئی تھی، اس کی ساکن نگاہوں نے ایک خوف اور وحشت کے عالم میں دوبارہ اس میگزین کو دیکھا جس کے چکنے چپکنے ہوئے رنگین ٹائٹل پہ وہ کسی اور کی نہیں نیلما کی تصویریں تھیں اور کس حد تک قابل اعتراض لباس میں بے باکی کے ریکارڈ قائم کرتے ہوئے تمام فضول پوز محفوظ کرائے گئے تھے، وہ ایک بھجانی کیفیت کے زیر اثر آگے بڑھی اور سنہری ڈوری سے دوکان کے کاؤنٹر سے لٹکتے اس میگزین کو جھپٹنے کے انداز میں اتارنے اپنے ہاتھ میں اس انداز میں دبوچا کہ ٹائٹل پہ آویزاں تصویریں تو چھپ گئی مگر نئے نئے میگزین کی ہیبت بگڑ کر رہ گئی تھی۔

”انورہ میم اگر آپ کو یہ میگزین چاہیے تھا تو آپ ہمیں بتائیں، شاپ کے اندر میگزین تھے، یہ تو پہلے ہی کے لئے باہر لگایا گیا ہے۔“

یقیناً اس کی یہ کارروائی گلاس ڈور کے ذریعے دوکان کے اندر موجود شاپ کیپر کی نگاہ میں آ چکی تھی جی جی تو لپک کر اس کے پاس آتے ہی کچھ ناگواری کچھ تنگی سے ٹوک کر بولا، اس کی ناپسندیدہ نگاہوں اس کے ہاتھ میں مڑے مڑے میگزین پہ تھیں جن میں اب تاسف میں در آیا تھا، ڈالے نے چونک کر مگر وحشت بھری نظروں سے شاپ کیپر کو دیکھا تھا۔

”کیا کہا؟ اور بھی میگزین ہیں؟“

”جی میم! نیلما جی نے یہ جو نوٹوشوٹ کر دیا ہے اس کی ہر طرف دھوم مچی ہوئی ہے، پوری مارکیٹ میں یہ میگزین صرف ہماری شاپ پہ ہی آپ کو ملے گا۔“ شاپ کیپر کے لہجے میں واضح طور پہ تفاخر تھا اسے جواب دینے کے بعد وہ آواز دے کر اپنے سیلز مین کو دوسرا میگزین باہر اسی انداز میں آویزاں کرنے کی تاکید کرنے لگا تھا ڈالے کے اندر سرسراتی مجنونیت اور تنگی میں بے بسی بھی شامل ہونے لگی۔

”میری بات سنئے پلیز۔“ شاپ کیپر کو مخاطب کرتے ہوئے وہ دبے ہوئے لہجے میں چلائی تھی۔

”مجھے یہ سارے میگزین خریدنے ہیں، آپ ان کی پیکنگ کر دیجئے پلیز۔“ وہ یقیناً اپنے حواسوں میں نہیں رہی تھی، شاپ کیپر پہلے ہلک کر پھر تخریر سے اسے دیکھا، یوں جیسے اس کی دماغی حالت پہ شبہ کا گماں ہوا ہو۔

”سوری میم! ہم سارے میگزین ایک ساتھ سیل نہیں کر سکتے۔“ شاپ کیپر کے انداز میں یکا یک رکھائی اور بے اعتنائی در آئی، جبکہ اس کے برعکس ڈالے روہانسی ہونے لگی تھی۔

”سر پلیز! دیکھیے میں آپ کو اس کی ڈبل بے منٹ کرنے کو بھی تیار ہوں مگر.....“
”آئی تھینک آپ انہیں اپنی شاپ پہ رکھ کر سیل کرنا چاہتی ہیں، میں آپ کی آفر قبول نہیں کر سکتا میں نے بتایا نا کہ یہ میگزین صرف ہماری شاپ پہ ہے اور اس کی بہت کمانگ ہے اس وقت مارکیٹ میں۔“ شاپ کیپر جھلا کر بات کرنے لگا، ڈالے جو شکل و صورت اور حلیے سے ہی کسی امیر کبیر گھرانے کی دکھائی دے رہی تھی یہی وجہ تھی کہ شاپ کیپر اس کے اس قسم کے مطالبے پہ اسے ابھی تک ڈانٹنے سے گریز کر رہا تھا اور نہ اس قسم کے چالاک گاہکوں کو وہ دھتکار کر رکھ دیا کرتا تھا۔

”آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے جناب! ایسی بات نہیں ہے، میں انہیں بیچنے کا ہرگز ارادہ نہیں رکھتی، چلیں میں آپ کو اس کے چار گنا منافع کے ساتھ بے منٹ کر دیتی ہوں مگر آپ.....“ بات کے اختتام تک آنسوؤں نے اس کی آواز پہ واضح رقت طاری کر دی تھی اور یہی وہ پہل تھا جب اسے گھبراہٹ اور پریشانی میں ڈھونڈتی ہوئیں مسز آفریدی کی نگاہ اس پہ پڑی تھی۔

”ڈالے آپ کیا کر رہی ہو بیٹے یہاں پہ؟“ وہ لپک کر اس کے نزدیک آئیں اور حیرت بھرا استفسار کیا تھا، ڈالے نے ایک سرسری نگاہ ان پہ ڈالی اور پھر سے شاپ کیپر کو تنگی نظروں سے دیکھا تھا۔

”دیکھئے میڈیم یہ شاید آپ کی بیٹی ہیں، انہیں سمجھائیے ہمیں خواہ مخواہ فورس کر رہی ہیں کہ ایک ساتھ انہیں سارے میگزین سیل کر دیں۔“ جھلایا ہوا شاپ کیپر مسز آفریدی سے گویا اس کی شکایت پیش کرنے لگا، مسز آفریدی بے طرح چونکیں۔

”کون سا میگزین؟“ ان کی نگاہوں میں اسفہام اتر آیا، جبکہ ڈالے کا رنگ واضح طور پہ کچھ اور پھیکا پڑا تھا، اس نے غیر شعوری طور پہ ہاتھ میں پکڑے میگزین کو پشت کے پیچھے چھپایا جیسے اسے مسز آفریدی کی نگاہ سے بچانا چاہتی ہو، مگر اس کی یہ کوشش شاپ کیپر نے ناکام بنا دی، وہ اپنے سیل مین کے ہاتھوں سے پکڑ کر اسی میگزین کی دوسری کاپی مسز آفریدی کی نگاہوں کے سامنے لہرا کر بے نیازی سے بولا تھا۔

”یہ میڈیم نیلما کے نوٹوشوٹ کی تصویروں والا میگزین، نی الحال یہ صرف ہماری شاپ پہ اولے لیبل ہے۔“ اس کے لہجے میں وہی تفاخر تھا، ڈالے کا زرد چہرہ بالکل سرسوں کے پھول کی طرح پھیلا پڑتا چلا گیا، مسز آفریدی نے میگزین کے ٹائٹل سے نگاہ ہٹا کر ڈالے کو دیکھا تھا جس کے ہونٹ سختی سے کھینچے ہوئے تھے اور آنکھوں میں ضبط کے باوجود مونے مونے آنسو لڑ رہے تھے۔

”بیوقوفی کی بھی کوئی حد ہوتی ہے ہنی! کوئی اسی طرح بھی کرتا ہے؟“ اسے زبردستی کھینچ کر گاڑی میں لا کر بٹھایا اور شاپنگ جس کی خاطر وہ آج بڑی مشکلوں سے ٹائم نکال سکی تھیں ادھوری چھوڑ کر واپس گھر کو آتے ہوئے انہوں نے از حد متاسف ہو کر کہا تھا، ڈالے کے آنسو پلکوں کی دہلیز پھلانگ کر سرعت سے گال بھگوتے چلے گئے، وہ جیسے مزید خود پہ ضبط نہیں کر سکی تھی، گاڑی کی خاموش بو جھل فضا میں اس کی گھٹی گھٹی سسکیاں گونجنے لگیں۔

”پلیز ہنی! ٹیک اسٹ ایزی۔“

”مجھے نی الحال کوئی سہمت مت کریں، میرے اندر آگ لگی ہوئی ہے۔“ ڈالے پھٹ پڑی

تھی، اس کے یوں حلق کے بل چیخ کر دیتے جواب نے مسز آفریدی کا موڈ بری طرح آف کر دیا۔
”یہ ہرگز بھی کوئی اتنی بری بات نہیں ہے ڈالے! لیکن تم ضرور اپنی حماقتوں سے لوگوں کو کچھ
باور کرانے کی کوشش کرتی ہو۔“ مسز آفریدی بھی بے حد تلخ ہو کر رہ گئی تھیں۔

”ہاں ہوں میں احمق اور جذباتی، آپ کو اندازہ تو تھا میری حماقتوں کا پھر کیوں مجھ سے اس
بات کو عیاں کیا تھا؟“ وہ جس قدر ہرٹ ہوئی تھی جتنی مضطرب تھی اسی لحاظ سے زور سے چیخی تو مسز
آفریدی نے اسے بے حد خفگی سے گھورا تھا۔

”ہاں یہ میری بہت بڑی غلطی ہے۔“ انہوں نے بھنکار کر جواب دیا تھا، البتہ یہ اعتراف اس
کے سامنے بھی نہیں کیا کہ وہ بنا سوچے سمجھے کبھی کوئی کام نہیں کرتیں، نیلما اسے انہیں خطرہ لاحق ہو
گیا تھا وہ جان گئی تھیں، وہ اب جلد یا بدیر ڈالے سے رابطہ ضرور کرے گی اور اس پہ حقیقت کو آشکار
بھی کرنے کی کوشش کرے گی، وہ حقیقت جو مسز آفریدی ہرگز نہیں چاہتی تھیں ڈالے تک پہنچے جہی
انہوں نے خود اسے ہر بات بتائی تھی مگر اپنے انداز میں کچھ اس طرح کہ ڈالے کے دل میں نیلما
کے لئے محبت و ہمدردی نہیں نفرت بھردی تھی، نیلما ایک بار پھر مسز آفریدی سے جیت نہیں سکتی تھی
اور یہ ہار بہت بری ہار تھی۔

☆☆☆

”ہو گئی تمہاری تیاری مکمل؟“ نوریہ نے دستک دے کر اندر جھانکا زینب ڈریسنگ ٹیبل کے
آگے کھڑی چوٹی کو آخری بل دے کر ربر بند میں جکڑ رہی تھی، اسے دیکھ کر کاندھے اچکائے۔
”ہو گئی، جے نے میرا سامان گاڑی میں تو رکھوا دیا ہے نا؟“ دوپٹہ اوڑھتے ہوئے اس نے
عجلت میں پیروں میں سینڈل پہنے تھے۔

”ان بیچاروں کو تمہارے کاموں سے فرصت کہاں ملتی ہے، عارضی طور پہ جارہی ہو اس کے
باوجود مجھے ان کی آنکھوں میں اداسی صاف نظر آرہی ہے۔“ نوریہ شرارت سے مسکراتی ہوئی اندر
چلی آئی تو زینب نے اسے باقاعدہ گھور کر دیکھا تھا۔
”ایک تو تمہیں فضول قیاس آرائیوں کا بہت شوق ہے۔“ اس کے ناک چڑھانے پہ نوریہ
ہنسنے لگی تھی۔

”قیاس آرائی نہیں حقیقت، میں نے خود ان کی آنکھوں میں اداسی دیکھی ہے۔“ نوریہ اپنی
بات پہ اٹکی ہوئی تھی اور پر یقین تھی۔
”اداسی یا تشویش، مجھے اکیلے بھیجے پہ اپ سیٹ ہوں گے۔“ وہ پہلے طنز سے بولی پھر جیسے مزا
لے کر کھلکھلائی تھی۔

”تشویش کس بات کی؟ تمہیں یاد ہو تو یہ جہان بھائی ہی تھے جن کی کوششوں سے یہ ممکن ہو
پایا ہے۔“ نوریہ کے جتلانے پہ اس نے ٹھنڈا سا لہس بھرا تھا۔
”مجھے معلوم ہے جناب! تم ان کے متعلق اتنی جذباتی مت ہوا کرو۔“ زینب کے چڑانے پہ
نوریہ مسکراتی تھی۔

”بیچارے اگر تم سے وابستہ ہوں گے تو ہمدردی ان کا حق بنتا ہے۔“ زینب نے چونک کر بلکہ

ٹھنک کر اسے بغور دیکھا تھا۔

”کیا مطلب ہے؟“ نوریہ نے الجھال سنہلی ماما سے اسے یہ بات سننے کو ضرور ملی تھی مگر ساتھ ہی
یہ تاکید بھی ہوئی تھی ابھی کسی سے بات کرنے کی ضرورت نہیں، احسان بھائی نے منع کیا ہے۔
”کچھ نہیں یار میں نے کہا تھا نا وہ تم میں انوالو لگتے ہیں۔“ نوریہ نے دانستہ لہجے کو سرسری بنا
کر کہا تو زینب نے سر جھٹک دیا تھا۔

”تم غلط سلسلہ اندازے مت لگایا کرو، ایسا کچھ نہیں ہے۔“ اس کا انداز دو ٹوک تھا، نوریہ
اسے دیکھ کر رہ گئی، وہ دونوں باہر آئیں تو گھر کے دیگر افراد لاؤنج میں جمع تھے یہاں تک کہ پھپھو
اور جو رہے وغیرہ بھی اس کے جانے کا سن کر ادھر ہی چلی آئی تھیں، ماما جان چونکہ زینب کے ساتھ جا
رہی تھیں جہی مکمل تیاری کے ساتھ گرم شال اوڑھے سامنے صوفے پہ بیٹھی تھیں اور وقتے وقتے سے
چھینکتیں تھیں۔

”مجھے تو لگتا ہے ماما جان کی طبیعت ٹھیک نہیں، آپ نے خواخواہ انہیں مشقت میں ڈال دیا
ہے۔“ زینب نے کسی قدر جھلا کر کہا تو جہان نے ایک خاموش نظر اس پہ ڈالی تھی، ٹی پنک جدید
تراش خراش کے اسٹائلش سے لباس میں ہمرنگ بڑا سا دوپٹہ شانوں پہ پھیلائے وہ کچھ خفا سی لگی
تھی۔

”تم ایسے ہی جاؤ گی؟ چادر اوڑھ لو کوئی اتنی سردی ہے۔“ جہان نے اس کے بار بار سرکتے
ریشمی دوپٹے سے نگاہیں ہٹا کر ایک طرح سے ٹوکا تھا، زینب نے کسی قدر خفگی سے اسے دیکھا۔
”گاڑی کا ہیٹر آن ہو گا ڈونٹ وری۔“ وہ نروٹھے پن سے بولی تو ماما نے اسے ڈانٹنا شروع
کر دیا تھا۔

”جو کہا ہے تمہیں وہ کیا کرو زینبی! تم سے وضاحت نہیں مانگی جاؤ اپنی شال لے کر آؤ۔“
زینب جیسے ایک دم روہا سی ہو گئی تھی، اس نے کہا جانے والی نظروں سے جہان کو گھورا تھا۔
”معاذ بھائی کی روح آپ میں بھی گھس آئی ہے، بس کمی محسوس نہ ہونے دیتے گھان کی۔“
وہ پیر پختی ہوئی وہاں سے گئی تھی، کچھ دیر بعد واپس آئی تو لاؤنج میں جہان کے سوا اور کوئی نہیں تھا وہ
کچھ حیران سی ہو کر رہ گئی۔

”یہ سب لوگ کدھر غائب ہو گئے؟“ جہان چونکا پھر طویل سانس کھینچ کر بولا تھا۔
”پور ٹیکو میں چلے گئے ہیں تم بھی جاؤ۔“ زینب نے نگاہ بھر کے اسے دھیان سے دیکھا، نوریہ
کے بقول وہ واقعی معمول سے کچھ زیادہ خاموش اور سنجیدہ نظر آ رہا تھا اس کے اندر فطری تجسس
جاگ اٹھا۔

”آپ نہیں چلیں گے جے ہمیں چھوڑنے؟“
”یہ چند قدم کا تو فاصلہ ہے، خیر چلو میں چلتا ہوں ساتھ۔“ جہان آہستگی سے بولا اور اٹھ کھڑا
ہوا۔

”آپ چاہتے تو یہ سفر طویل بھی ہو سکتا تھا جے!“ وہ ایک دم بے حد گہری بات سرسری سے
انداز میں کہہ گئی، جہان کو جھکا لگا تھا۔

”کیا مطلب؟“ وہ چلتے ہوئے رک کر اسے حیرانی سے دیکھنے لگا، زینب نے دانستہ اپنے چہرے پر لائق و بے نیازی سجالی۔

”مطلب آپ ہمیں وہاں چھوڑنے بھی تو جانتے تھے۔“

”ہاں مگر مجھے بہت ضروری کام ہے اور جہاں یہاں لے۔“ وہ رساں سے بولا تو زینب اندر سے اس کے ایک بار پھر خود کو عیاں نہ ہونے دینے پہ جتنا بھی جھنجھلائی ہو بظاہر بے نیازی سے کاندھے جھٹک دیئے تھے۔

(تم پتھر ہو جے! اور میں احمق نہیں ہوں کہ ساری زندگی تم سے اپنا سر پھوڑوں)۔

”اپنا بہت خیال رکھنا، کانیکٹ میں رہنا اوکے؟ میں خود بھی فون کر لیا کروں گا۔“ اس کے خیالات اور سوچوں کے برعکس وہ اسے تاکید کر رہا تھا۔

”آپ کے پاس اتنا نام ہوگا کہ مجھے کال کر سکیں یا پھر میرا فون سن سکیں؟ میں تو حیران ہوں آپ اس وقت گھر یہ کیسے نظر آ رہے ہیں؟“ اس کے لہجے میں ہلکی سی کاٹ تھی، جہان نے اس کے شکوے کو سمجھا تھا اور آہستگی سے مسکرایا تھا۔

(ایک وقت وہ بھی آئے گا جب میری توجہ کے تمام ارتکاز تمہاری جانب ہوں گے میری اتنی توجہ تمہیں بوکھلا دے گی مگر اس دن میں تمہیں ہر لحاظ سے حیران کروں گا۔)

”اب مسکرانا کیوں شروع کر دیا میری بات کو مذاق سمجھ رہے ہیں؟“ وہ جل بھن اٹھی تھی، جہان نے سنبھل کر اسے دیکھا۔

”تمہارے درست قیاس پہ ہنسی آرہی ہے، ہو سکتا ہے تم فون کرو اور میں اتنا بڑی ہوں کہ کال نہ کر سکوں۔“ وہ اسے چھیڑ رہا تھا اور زینب کی جان جل کر خاک ہو گئی تھی۔

”جی نہیں میں اتنی فضول نہیں ہوں کہ آپ کو فون کرنی پھروں سمجھے آپ؟“ اس نے تنک کر کہا اور تیز قدموں سے آگے بڑھ کر گاڑی میں جا بیٹھی، جہان وہیں برآمدے میں رک کے ستون سے ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا اور زینب کی گاڑی کو اشارت ہونے کے بعد گیٹ سے باہر نکلتے دیکھتا رہا تھا، جانے کیوں جیسے جیسے گاڑی نگاہوں سے اوجھل ہوتی گئی جہان کا دل جیسے یاسیت کی گہری دھند میں ڈوبتا چلا گیا تھا۔

☆☆☆

سفر چونکہ بے حد طویل تھا جیسی زینب نے ماما جان کو سیٹ پہ لیٹنے کی تاکید کی تھی، ان کی طبیعت بھی ٹھیک نہ تھی انہوں نے پس و پیش کیے بغیر یہ تجویز مان لی تھی، یہ پاپا کی پراڈ تھی جسے ان کا قابل بھروسہ ڈرائیور چلا رہا تھا، زینب جو لاسٹ نام فون پہ ہی تیمور خان سے سخت خفا ہو گئی تھی اس کی خوب منت سماجت کے بعد جا کے مانی تھی اور شادی میں شریک ہونے پہ آمادہ ہوئی تھی، تیمور خان تو اس بات پہ مصر تھا کہ وہ خود انہیں لینے کے لئے کراچی آئے گا مگر زینب جو اس سارے معاملے میں بے حد محتاط تھی اس کام کی تیمور کو ہرگز اجازت نہیں دے سکتی تھی، تیمور خان ایسا شخص تھا جو اس کی محبت سے بڑھ کر اس کا انتخاب تھا جسے وہ کسی بھی قیمت پہ کھونا نہیں چاہتی تھی اور وہ جانتی تھی اس کی ذرا سی بے احتیاطی معاملہ بگاڑ سکتی ہے تیمور خان میں وہ سب تھا جو زینب کے لئے

کشش کا باعث تھا، اس کا سیل اس کے کوٹ کی جیب میں ڈال کر بائیں ہاتھ سے لگا تھا اس نے ایک نگاہ ماما جان کو دیکھا جو کروٹ بدلے لیٹی تھیں پھر کوٹ کی پاکٹ میں ہاتھ ڈال کر سیل فون باہر نکال لیا، تیمور کی کال تھی جسے اس نے ڈسکلنٹ کر دیا تھا اور اس کے نمبر پہ ایک ٹیکسٹ بھیجا۔

”میں گاڑی میں ہوں، ماما جان میرے ساتھ ہیں، فون پہ بات نہیں کر سکتی۔“ اگلے لمحے تیمور کا جوابی ٹیکسٹ موصول ہو گیا تھا۔

”اوہ یہ پابندیاں، خیر میں تمہارا شدت سے منتظر ہوں، یہاں تمہارے استقبال کی سب تیاریاں مکمل ہیں۔“ زینب نے میج پڑھا اور کھل کر مسکرا دی۔

”زرالے کیسی ہے؟“ اس نے پھر میج کیا تھا، فراغت میں آخر کچھ تو کرنا تھا۔

”یہ تم زرالے سے پوچھنا، مجھ سے پوچھو میں کیسا ہوں؟“ تیمور خان نے جوری پائی دیا اسے بڑھ کر زینب کی مسکراہٹ گہری ہونے لگی۔

”چلیں بتائیں آپ کیسے ہیں؟“ اس کے الفاظ سے شوخی کا رنگ چھلکا تھا۔

تم بن بے گل، ادھورا، اداس اور مضطرب

لڑکی اپنی ضد چھوڑ دو اور میری یہ تنہائیاں دور کر دو

تیمور خان نے پھر اپنا تقاضا دہرایا اور زینب نے پھر وہی بے نیازی اوڑھ لی، اس نے سیل فون واپس کوٹ کی جیب میں ڈال دیا، پتہ نہیں کیوں اسے اس پل جہان کا خیال آ گیا تھا، تیمور خان کے برعکس وہ جذبات کو آشکار کرنے میں کس درجے بے نیاز تھا۔

”اللہ جانے اس کے دل میں کیا ہے؟“ اس نے ہزاروں بار کی سوچی بات کو سوچا۔

”کیا یہ کسی سے محبت بھی کرتا ہوگا؟ اور جب اس سے اظہار کرے گا تو..... تو.....“ وہ کہیں دور گم ہونے لگی، گاڑی کو جھٹکا لگا تھا تب وہ چونکی اور گہرا سانس بھر کے سر جھٹک دیا۔

”زینی بیٹے! آپ بھی ذرا لیٹ جاؤ آرام کر لو گی تو سفر بھی آسانی سے کٹ جائے گا اور منزل پہ پہنچنے تک فریش بھی ہو جاؤ گی۔“ ماما جان نے کروٹ بدلی تھی اور اسے بیٹھے دیکھ کر تاکید کی، وہ کچھ چونک سی گئی۔

ہاں یہ فریش نس تو بے حد اہم تھی اس کے لئے آخر تیمور خان ہی نہیں اس کی پوری فیملی سے وہ ایک خاص حوالے سے ملنے والی تھی، تیمور خان اسے اپنی والدہ سے اپنی پسند کے طور پہ ملوانے کا مقصود ارادہ کیے ہوئے تھا۔

”کرامت چچا آپ کو چائے چاہیے تو بتادیں میں نکال دیتی ہوں گے میں۔“ اس نے کچھ سوچ کر ڈرائیور کو مخاطب کیا تھا، انہوں نے نشی میں جواب دیا تھا تب زینب اپنی چادر اوپر پھیلا کر نیم دراز ہو گئی تھی، اس کا سیل کوٹ کی جیب میں بار بار واپس کرنا تھا مگر اس نے دانستہ توافل برتے رکھا اور کچھ دیر بعد وہ نیند کی آغوش میں جا پڑی تھی، دوبارہ اس کی آنکھ کھلی تو ماما جان جاگ چکی تھیں اور تھرموس سے خود چائے نکال کر پینے میں مصروف تھیں اسے اٹھتے دیکھ کر مسکرائیں تھیں۔

”تم تو بہت سو میں سفر تقریباً ختم ہونے والا ہے، چائے کے ساتھ کچھ کھا لو بھوک لگی ہوگی۔“

ان کی بات پہ زینب نے جمائی لیتے ہوئے کھڑکی سے باہر دیکھا، پیچھے کی طرف بھاگتے درختوں کی قطاریں سرسبز بلند و بالا پہاڑ اور نیلا آسمان، باہر کی منظر ہی نرالا تھا، ٹھنڈی ہوا کے جھونکے گاڑی کے بند شیشوں سے ٹکرا کر انہیں دھندلا کر رہے تھے، گاڑی اونچے اونچے نیچے راستوں سے گزرتی وادی کے قریب تر ہوتی جا رہی تھی، اس کا دل جانے کس کس سوچ اور خیال کے زیر اثر بے تحاشا دھڑک اٹھا، زینب نے کھڑکی کا شیشہ ذرا سا کھولا تو ٹھنڈی بخ بستہ مگر شگفتا لو اور خوبانیوں کی مہک سے لبریز ہوا کے جھونکے سرعت سے اندر گھس آئے، اس نے گہرا سانس بھر کے اس خوشبو کو جی بھر کے اندر اتارا اور مسکرا دی، اطراف میں ہر منظر پہلے سے بڑھ کر حسین اور گم کر دینے والا تھا، اونچے پہاڑ سے شور مچاتا ہوا چشمہ بہ رہا تھا جو مختلف پتھروں سے ٹکرا کر منقسم ہو جاتا، تھوڑا سا فاصلہ طے ہوا تو پر شور ندی نے اس کی توجہ کھینچ لی، جس کے اوپر فضا میں جھولتا ہوا پل تھا جسے لکڑی کے تختوں کو رسی کی مدد سے مضبوطی سے باندھ کر بنایا گیا تھا، اس پہ چلنے کا تجربہ یقیناً بہت سستی خیز ثابت ہوتا، اس نے اسی وقت اس پل کو عبور کرنے کا بھی فیصلہ کیا تھا، وہ اسی طرح کھڑکی کے شیشے سے چہرے کا وادی کی خوبصورتی میں محو تھی جب ایک جھٹکے سے گاڑی رک گئی، اس نے چونک کر سامنے دیکھا، بلند و بالا پر شکوہ حویلی کی سرخ عمارت پوری شان سے اس خوبصورت ماحول میں سر اٹھائے ایستادہ تھی، مدہم ہوتا سورج اپنی تابناکی کھوتا حویلی کے عقب میں دھیرے دھیرے غروب ہو رہا تھا، اس کا تاریخی رنگ حویلی کو ہی نہیں پورے ماحول کو اپنے رنگ میں رنگ رہا تھا، عین اسی پل گیٹ کھل گیا تھا اور ایک مستعد ملازم لمبے ٹرنگے وجہہ و شاندار تیمور خان کی معیت میں براڈوی کی سمت آتا نظر آیا، زینب نے دیکھا تھا اور ایک تقاضا آئینہ مسکان اس کے ہونٹوں پہ بکھرتی چلی گئی تھی، تیمور خان نے ان کے ڈرائیور سے کچھ کہا تھا اور گاڑی ایک بار پھر حرکت میں آگئی اور کھلے گیٹ سے سبک رفتاری سے ڈرائیور سے پھیلتی حویلی کے پورج میں جا کر تھم گئی، گاڑی کے رکتے ہی تیمور خان جو تب تک خود بھی پورج میں پہنچ چکا تھا گاڑی کے نزدیک آیا اور ہاتھ بڑھا کر گاڑی کا پچھلا دروازہ کھول دیا، وہ مہاجان کو سلام کرنے کے بعد بہت تعظیم سے ان کے آگے جھکا تھا، ان سے احوال دریافت کرتے سے اس کی شوخ متبسم اور شرارتی نظریں زینب کی سمت اٹھی تھیں، ان نگاہوں میں اس درجہ معنی خیزی تھی کہ زینب کے چہرے پہ گویا اس کے جسم کا سارا خون سمٹ کر اکٹھا ہو گیا۔

”شہزادہ عالم اپنی مستقبل کی ملکہ کو اپنی راج دہانی میں خوش آمدید کہتے ہیں۔“ مہاجان سے علیک سلیک کے بعد وہ اس کی سمت متوجہ ہوا تو تمام تر شوخی سے اسے مخاطب کیا تھا گو کہ آواز سرگوشی سے مشابہ تھی پھر بھی زینب نے شپٹا کر پہلے مہاجان کو دیکھا پھر اسے خفیف سا گھورا تھا اور سر گھما کر اس کی حویلی کے وسیع و عریض اور شاندار لان کو ستائشی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے بولی تھی۔

”زر لالے کدھر ہے؟“

”کیا ہمارا استقبال آپ کو اپنے شایان شان نہیں لگا تو پھولوں کے ہار پہناؤں؟ ویسے یہ کام ہم نے شادی کے وقت کے لئے اٹھا رکھا تھا۔“ اس کی نگاہیں بھی اس کے لہجے کی طرح جھکتے لگیں، زینب کچھ اور بھی جھینپ کر رہ گئی، مہاجان کا ہاتھ تھامے وہ تیمور خان کی معیت میں اندرونی حصے کی جانب آئی تو اس کی نگاہوں میں واضح طور پہ پسندیدگی کی گہری جھلک تھی، تیمور خان کی حویلی اس

کی سوچ سے کہیں بڑھ کر شاندار تھی اور اس کے ٹھاٹ کے تو کیا ہی کہنے تھے، ایک وقت میں اس کے پورج میں چار چار گاڑیاں کھڑی تھیں ایک سے بڑھ کر ایک تھیں، پراڈو، ایم بی ڈبیلو، مرسدیز اور اوپن جیب، زینب کو اپنے انتخاب پہ ایک اطمینان ایک فخر کا احساس دامن گیر ہونے لگا، خوبصورت منقش چوبی دروازے سے اندر قدم رکھتے ہی زینب کو بے اختیار تھم جانا پڑا تھا، زر لالے خوشی سے چلائی ایک دم سے اس کے گلے آگئی تھی۔

”مجھے ابھی بھی یقین نہیں آ رہا ہے زینب کہ تم آگئی ہو؟“ زینب مسکرا دی۔

”یہ مہاجان ہیں، میری تائی ماں!“ اس نے مہاجان کو تعارف کروایا۔

”یوں کہو نا میرے لالہ کی ساسو ماں ہیں۔“ مہاجان کو سلام کرنے کے بعد وہ اس کے کان میں گھس کر کھلکھلائی تو زینب نے جھینپ کر اسے دھپ لگا دی تھی۔

☆☆☆

کوئی تم سے پوچھے کون ہوں میں
تم کہہ دینا کوئی خاص نہیں
اک دوست ہے کچا پکا سا
اک جھوٹ ہے آدھا سچا سا
اک خواب ادھورا پورا سا
اک پھول ہے روکھا سوکھا سا
ک سپنا ہے بن سوچا سا
اک اپنا ہے ان دیکھا سا
اک رشتہ ہے انجانا سا
حقیقت میں افسانہ سا
کچھ پاگل سا، دیوانہ سا
سب ایک بہانہ اچھا سا
حیوان کا ایسا ساتھی ہے
جو دور ہو تو کچھ پاس نہیں
کوئی تم سے پوچھے کون ہوں میں
تم کہہ دینا کچھ خاص نہیں

اس نے ایک طویل سانس کھینچا اور فضا میں موجود خنکی کو محسوس کرتے ہوئے پلٹ کر اینکسی کے بند دروازے کو دیکھنے لگی، آج اینکسی کے کچن یہ کشمالہ اور اس کی ماں کی اجارہ داری تھی، کل جانے کس رو میں وہ ان کے سامنے اپنی سالگرہ کا تذکرہ کر بیٹھیں تھی اور ان دونوں سادہ دل اور پر خلوص خواتین نے آج اس کی سالگرہ پہ اہتمام کرنے کا سوچ لیا تھا، وہ ان کی میکسرا جنسی اور بیگانے لوگوں کی محبتوں کی بھی مقروض ہوتی جا رہی تھی، صبح کشمالہ نے اسے ڈھیر سارے پھول دے کر دیکھا تھا اور بہت فرمائش کر کے اس کی وارڈروب سے اپنی پسند کا سوٹ اس کے لئے

منتخب کیا تھا، پر نیاں اس کا دل توڑنے کا حوصلہ نہیں کر پائی تھی، حالانکہ وہ سفید رنگ بہت کم پہنتی تھی، کشمالہ نے جو سوٹ اس کے لئے نکالا تھا وہ سفید رنگ کا ہی تھا جس کی شرٹ پہ سفید ہی موی موتیوں کا بہت نفیس کام بنا ہوا تھا، ہاتھ لینے کے بعد اس نے لباس بدلا تھا اور خود دھوپ میں بیٹھنے کی غرض سے لان میں چلی آئی تھی، آج سے پہلے اس کی زندگی میں یہ دن ہمیشہ بہت اہمیت کا حامل رہا تھا، اس کی سالگرہ چونکہ چھٹیوں میں آتی تھی جیسی اس نے ددا کے ساتھ بہت اہتمام سے سیلبر ایٹ کی تھی، ددا ہر مرتبہ اسے بہت خاص گفٹ سے نوازا کرتے، پچھلے سال انہوں نے اپنی تمام زمینی جائیداد اور حویلی اس کے نام کر دی تھی اور جب ان تمام ڈاکومنٹس کی فائل ددا نے اپنی بے عرض دعاؤں کے ساتھ اسے پیش کی تھی تو وہ ان سے جھگڑنے لگی تھی۔

”یہ کیا کیا ہے آپ نے؟ میں کہیں بھاگی جا رہی ہوں؟“

”تم نہیں مگر مجھے اپنی زندگی کا بھر دسہ نہیں ہے بیٹے! تم اٹھارہ سال کی ہو گئی ہو اور مجھے اس وقت کا انتظار تھا کب سے، کاش اب اپنی زندگی میں ہی تمہیں بیاہ بھی دوں تو سکون سے مردں گا۔“ ان کی بات پہ پر نیاں کی خفگی دیکھ کر اور اضطراب میں بدل گئی تھی۔

”آج کے دن اگر آپ ایسی باتیں کریں گے ددا تو میں رونے لگوں گی۔“

”یہ تو خوش آئندہ باتیں ہیں ددا کی جان! دیکھنا تمہارا دولہا کتنا خوبصورت ہو گا تم سے بھی زیادہ۔“ انہوں نے اسے بہلانا چاہا تھا اور اس نے منہ بسور لیا تھا۔

”میرے نزدیک خوبصورتی سے زیادہ خوب سیرتی اہم ہے ددا، یہ کیا کہ بندہ خوبصورت ہی ہو خالی خولی اور خوبی نام کونہ ہو، ایسے لوگ اپنے حسن کے گھمنڈ میں مبتلا ہوتے ہیں اکثر۔“ اس کی بات سے ددا متفق نہیں ہوئے تھے۔

”میری پوتی اتنی حسین ہے کہ کوئی اسے دیکھ کر محبت کیے بنا رہ ہی نہیں سکتا۔“ کیسا یقین تھا ان کے لہجے میں تب جو بری طرح سے ٹوٹ گیا تھا، پر نیاں نے غم آنکھوں کو صاف کیا اور اس بات سے یکسر انجان رہی کہ اپنے دھیان میں گاڑی پور ٹیکو میں روک کر اس سمت آتے جہان نے اسے دیکھا ہے اور ٹھنک کر تھم گیا ہے، سفید لباس نے اس کے شعاعیں بکھیرتے خیرہ کن حسن کی تابناکی کو کچھ اور بھی اجاگر کر دیا تھا، کرسی کی پشت سے نیچے تک جاتا اس کے سیاہ ریشمی بالوں کا مہکتا آیشار ڈوبتے سورج کی نارنجی روشنیوں میں کچھ اور بھی حسین نظر آ رہا تھا، وہ ترچھے زاویے سے بیٹھی تھی اور سنگ مرمر کے ایک حسین مجسمے کی مانند ساکن تھی، جہان نگاہوں میں الجھنے لئے بے اختیار آگے بڑھ آیا تھا، وہ جانے کس سوچ میں تھی کہ جہان کو اسے متوجہ کرنے کو باقاعدہ ہٹکھارنا پڑا تھا، وہ چونکی تھی اور پھر گھبرا کر ایک دم سر و قد کھڑی ہو گئی اور جیسے اس کے سر اے کی تمام خوبصورتی آشکار ہو گئی، اسی پل ہوا کا ایک جھونکا آیا اور اس کے کھلے بال پیچھے کی سمت اڑنے لگے، جہان تو اسے دیکھتا رہ گیا تھا۔

جہان کے ذہن میں جھماکا ہوا تھا، اسے محض ایک لمحہ لگا تھا سمجھنے میں کہ وہ پر نیاں ہے، وہ ان سب تعریفوں سے کہیں بڑھ کر دلکش اور متاثر کن حسن کی مالک تھی جو وہ اس کے متعلق سن چکا تھا، اس کی نگاہوں میں واضح ستائش تھی۔

”السلام علیکم!“ جہان نے مسکرا کر خوشدلی اور اپنائیت آمیز انداز میں اس پہ سلامتی بھیجی تھی، پر نیاں نے الجھ کر اسے دیکھا۔

”وعلیکم السلام! آئی ایم ساری میں آپ کو.....؟“ اس نے دانستہ فقرہ ادھورا چھوڑ دیا تھا، اتنا تو بہر حال وہ سمجھ گئی تھی آنے والے کا تعلق شاہ ہاؤس سے ہے۔

”جہان! آئی مین جہانگیر شاہ، آپ پر نیاں بھابھی ہیں میں جانتا ہوں۔“ وہ مسکرا کر گویا ہوا جبکہ پر نیاں اپنے نام کے ساتھ بھابھی کا اضافہ ہوتا دیکھ کر کچھ خاموش سی رہ گئی۔

”کیسی ہیں آپ؟ بہت خوشی ہوئی آپ سے مل کر اور اسے پلیز ایک رسمی جملہ نہیں سمجھیے گا۔“ اس کے لہجے و انداز کی اپنائیت و خوشدلی کا وہی عالم تھا، پر نیاں نے بھینچے ہوئے ہونٹوں کے ساتھ ایک نظر اسے دیکھا۔

”پلیز تشریف رکھیے، میں چائے لاتی ہوں آپ کے لئے۔“ پر نیاں کو خود کو سنبھالنا پڑا تھا، جہان بہت دھیان سے اس کے چہرے کے اتار چڑھاؤ کو دیکھ رہا تھا۔

”یہاں سردی بہت زیادہ ہے، میں آپ کے ساتھ اندر چلتا ہوں۔“ جہان نے اسی بے تکلفی سے کہا تھا جو کم از کم وہ پہلی ملاقات میں کسی سے بھی برتنے کا عادی نہیں تھا مگر پر نیاں کی بات الگ تھی، وہ معاذ کے حوالے سے اس کے لئے بے حد اہمیت اختیار کر گئی تھی، پھر بعد کے جو حالات تھے وہ پر نیاں کے لئے اپنے دل میں بہت نرم گوشہ اور دلی ہمدردی محسوس کرتا رہا تھا۔

”شیور! پلیز آئیے۔“ پر نیاں نے اس کا خیر مقدم کیا تھا اور وہاں سے پلٹ کر انیکسی کی جانب آ گئی، جہاں بچن سے کشمالہ شاید فارغ ہو چکی تھی، جہان کو دیکھا تو بہت تپاگ سے سلام کیا تھا، جہان نے مسکرا کر نرمی و خوشدلی سے جس طرح سلام کا جواب دیا اور اس کی خیریت پوچھی اس سے پر نیاں نے اندازہ کیا تھا وہ اکثر وہاں آتا جاتا رہا تھا۔

”بہت اچھا کیا صاحب آپ آگئے آج تو ہم بی بی صاحبہ کی سالگرہ منا رہے ہیں۔“ کشمالہ کی بات پہ جہاں پر نیاں گہرا سانس بھر کے رہ گئی تھی وہاں جہان نے خوشگوار میت کے احساس میں مبتلا ہو کر بے ساختہ پر نیاں کو دیکھا جس کے سپاٹ چہرے پہ کچھ خاص تاثر نہیں تھا، جبکہ جہان بے ساختہ مسکرا دیا تھا اس حسین اتفاق پہ کیونکہ آج ہی معاذ حسن کی بھی برتھ ڈے تھی اور وہ اس دن کو ہمیشہ کی طرح پھر بھول گیا تھا، وہ تو معاذ نے اس کا ہمیشہ کی طرح دماغ کھا کر زبردستی خود کو دوش کروایا تھا اور پھر اس سے گفٹ کا تقاضا کرتا رہا تھا۔

”میں بھلا اتنی دور سے اب تمہیں کیا گفٹ دوں؟“ وہ اس کے مطالبے پہ حیران ہونے لگا تھا۔

”اتنا مشکل بھی نہیں ہے اگر دینا چاہو تو، مگر تم ازل سے ہی کنجوس ہو۔“ اور جہان اس کی اس الزام تراشی پہ ہنستا رہا تھا۔

”یہ تو میرے لئے سر براؤز ہے، امیزنگ اگر مجھے پہلے سے معلوم ہوتا تو آپ کے لئے گفٹ لے کر آتا، بہر حال بہت مبارک ہو آپ کو، آپ کا گفٹ مجھ پہ ڈیور ہا۔“ جہان نے بہت خلوص اور محبت سے کہا تھا، پر نیاں جیسے مردنا مسکرائی۔

”ارے آپ کن تکلفات میں پڑ رہے ہیں بھائی صاحب! میں سیلبرٹ تھوڑی کر رہی ہوں۔“ اس کا لہجہ و انداز پر تکلف تھا، جہان کی اتنی اپنائیت اور غلیوض کے باوجود وہ جیسے ایک خول میں بند تھی، جہان کو اس کے گریز کی وجہ بہت اچھی طرح سے پتہ تھی، وہ جس کیفیت سے گزر رہی تھی وہ بہت کرب آمیز تھی، اپنے مستقبل کے حوالے سے وہ پر یقین نہیں تھی، جہان کو اس نازکی لڑکی کے حوصلوں، بردباری اور وقار بھرے انداز نے از حد متاثر کیا تھا۔

”تکلف کیسا؟ آپ کا گنٹ تو بنتا ہی تھا، سا لگرہ کا نہ سہی منہ دکھائی کا سہی، معاذ سے بڑا ہوں تو جیٹھ ہوا آپ کا۔“ اس نے دانستہ گفتگو کی نوعیت بدلی تھی مگر پر نیاں کے چہرے پہ لرزتے تارک سا یوں کو دیکھتے اسے اپنی غلطی کا احساس بھی ہو گیا تھا، وہ اتنا متاسف ہوا کہ ہونٹ سختی سے بچھینچ لئے، پر نیاں نے اسی خاموشی کے ساتھ چائے کے ساتھ دیگر لوازمات جو اس نے تیار کیے تھے اس کے سامنے چن دیئے، تب وہ چونکا تھا اور ایک بے حد محتاط نگاہ اس کے بے حد دلکش و دلربا چہرے پہ ڈالی تھی۔

”آپ چائے نہیں لیں گی؟“ جہان نے حیرت سے ایک گم میں چائے دیکھی، تو پر نیاں چونکی۔

”میں دن میں ایک بار چائے پیتی ہوں اور وہ آج ناشتے میں پی لی ہے۔“ اس کے جواب پہ جہان کے چہرے پہ مایوسی چھا گئی۔

”اچھا!“ وہ بے دلی سے بولا۔
”مجھے تو اکیلے چائے پینا اچھا بھی نہیں لگتا۔“

”اچھا یہ بات تھی تو پھر آپ مجھے پہلے بتا دیتے بھائی! اگین سوری مجھے خیال نہیں رہا۔“ پر نیاں واقعی ہی شرمندہ ہو کر رہ گئی تو جہان مسکرایا تھا۔

”چلیں خیر آپ محسوس نہ کریں میں یہ چائے پی لوں تو پھر بیکری سے ایک لے کر آتا ہوں۔“ اس کی اگلی بات پہ پر نیاں نے چونک کر اسے دیکھا تھا۔

”شام بہت گہری ہو رہی ہے جہان بھائی! آپ کہاں معمولی بات کے لئے خوار ہوتے پھریں گے۔“ جہان نے چائے کا گم ہونٹوں سے لگاتے ہوئے کچھ دھیان سے مگر شاکی نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

”اس کا مطلب تو یہ ہوا آپ مجھے اپنی برتھ ڈے کا کھانا کھلائے بغیر ہی ٹرانا چاہتی ہیں؟“ وہ منہ بنا کر بولا تو پر نیاں بوکھلائی تھی۔

”ایسی بات کب کی میں نے بھائی؟“ اس کی شینا ہٹ پہ جہان نے مزا لیا تھا اور بے ساختہ ہنسنے لگا۔

”دیکھا ڈرگئی نا آپ! سسرالی رشتوں کو غالباً آپ بھی خونخوار سمجھتی ہیں۔“ جہان کی اس لفظی چھیڑ چھاڑ نے پر نیاں کو جھینپ کر سرخ کر ڈالا، خفت اور حیا کی لالی نے اس کے چہرے کا حصار کیا تو شرم کا حسن اس کی خوبصورتی کو دو آتشہ کر گیا، جہان نے اس مہوت کر دینے والے منظر سے سرعت سے نگاہ چھڑائی۔

(تیری خیر نہیں ہے معاذ پتر! مجھے لگتا ہے تو اپنی ضد اور اپنی باتوں پہ پچھتانے والا ہے عنقریب) اسے پکا یقین ہوا تھا۔

”میں چلتا ہوں بھابھی ایک آدھ گھنٹے تک واپس آ جاؤں گا، مجھے رات یہیں گزارنی ہے پھر آپ سے باتیں ہوں گی، انکو کئی یہاں آفیشلی کام کی غرض سے آیا تھا میں۔“

”جی ٹھیک ہے، کھانا یہیں کھائے گا بھائی میں ویٹ کروں گی آپ کا۔“ پر نیاں نے بھرپور خلوص کا مظاہرہ کیا اور اس آدھے گھنٹے کی اس ملاقات میں یہ احساس پہلی مرتبہ جہان نے محسوس کیا تھا جیسی اسے خوشگوار قسم کے احساس نے چھوا تھا۔

”مائی پلشیرر!“ وہ دل آویز انداز میں مسکرایا اور ذرا سا جھکا اور اسے تعظیم دی تھی پر نیاں کچھ خفیف سی ہو گئی، جہاں فارم ہاؤس سے باہر آ کر اپنی گاڑی میں بیٹھا تو جانے کس خیال کے تحت اس نے معاذ حسن کا نمبر ڈائل کرنا چاہا تھا کہ اس پل معاذ کا فون آ گیا۔

”کیسے ہو جان من!“ وہ چپکا تو معاذ حیران رہ گیا تھا۔
”خیر میت بڑا خوشگوار موڈ ہے۔“

”الحمد للہ تم سناؤ کیسے یاد کیا، یونو میں تمہیں ہی کال کرنے لگا تھا۔“ اس اطلاع نے معاذ کو جیسے کچھ اور بھی حیرانی میں مبتلا کر دیا۔

”اب تمہاری خوشی میں کوئی شک نہیں رہا مجھے، وجہ بتاؤ بے!“ معاذ کی بات پہ جہان دل سے ہنسا تھا اور کتنی دیر ہنستا رہا، پھر کسی قدر شوخی سے بولا تھا۔

”ضروری تو نہیں میری خوشی تمہاری خوشی کی بھی وجہ ہو۔“
”یہ کیا بات ہوئی بھلا؟“ معاذ نے اسے ڈانٹا تھا۔

”ہے نا، تم کوئی اور بات کرو اس موضوع پہ میں تم سے بات نہ کرنے کا عہد کر چکا ہوں۔“ جہان نے اب کے دانستہ نخوت سے کہا تو معاذ اسی پل کھٹک گیا تھا۔

”کون سی بات؟ بتاؤ مجھے؟“
”کچھ نہیں یار! میں فارم ہاؤس آیا ہوا ہوں۔“
”خیر میت سے؟“

”ہاں مل کے لیبرز کو سیلری بھی دینا تھی نا آج کچھ حساب کتاب بھی کرنا تھے۔“
”وہ ابھی تک وہیں ہوگی؟“ معاذ نے سرد لہجے میں استفسار کیا تو جہان نے گہرا سانس کھینچا تھا۔

”کون بھابھی؟ ہاں ان کی چھٹیاں ہیں نا ابھی، بہت ہٹ دھری اور اڑ ہے پپا کی منتخب کردہ محترمہ میں، اگر میں یہاں ہوتا تو ایک بار ذرا دماغ درست کر دیتا لازمی۔“ وہ پھنکارتے ہوئے بولا تھا۔

”خیر مجھے ہمیشہ یہاں تو نہیں رہنا، آ کے پوچھوں گا، سارا کرو فرناک کے رستے باہر نہ نکال دیا تو کہنا اور تمہیں منع بھی کیا تھا اسے بھابھی کہنے کی ضرورت نہیں۔“ آخر میں اس کا لہجہ غراہٹ زدہ ہو گیا تھا۔

تیور کی سمت اٹھی تھی وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا نگاہ چار ہوتے ہی بھر پور انداز میں مسکرایا، زینب کچھ جھینپ گئی تھی، تیور نے اپنا پہلا وعدہ پورا کر دیا تھا کہ تیور کی والدہ نے اپنی رسم کے مطابق اپنے ہاتھ سے اپنا خاندانی زیور کا ایک کنگن اتار کر اس کی کلائی میں پہنا دیا تھا، گویا انہوں نے اسے بطور تسلیم کر لیا تھا، زینب کی پلکوں پہ حیا آمیز لرزش اتر آئی تھی، پھر وہ زیادہ دیر وہاں ٹھہر نہیں پائی تھی، اسے تیور خان کے سامنے اس کی شوخ نگاہوں پہ اپنا وجود موم بن کر پگھلتا محسوس ہوا تھا، وہ مہاجان کے پاس اس کمرے میں آئی جہاں انہیں ٹھہرایا گیا تھا تو اس نے وہ کنگن اتار کر اپنے بیگ کی اندرونی جیب میں رکھ دیا تھا، پھر وہ جلد ہی سونے کو لیٹ گئی تھی، گوکہ اجنبی جگہ تھی مگر اس نے بہت پرسکون نیند لی تھی، شاید وہ ہر لحاظ سے مطمئن تھی جیسی اجنبیت کا احساس زائل ہو گیا تھا، صبح اس کی آنکھ جہان کی کال سے کھلی تھی، اس کے سر ہانے پڑا سیل فون تسلسل سے بج رہا تھا۔

”ہیلو جے ہاؤ آریو؟“ اس کی آواز پہ اس وقت تک بھی نیند کا غلبہ تھا۔
 ”تم ابھی تک سو رہی تھیں؟“ جہان حیرانی سے بولا تھا۔

”کیوں اس وقت تک سونے پہ پابندی ہے کیا؟“ اس کے انداز میں زروٹھا پن در آیا۔

”اس کا مطلب تم نے نماز نہیں پڑھی، شاہ ہاؤس سے دور ہوتے ہی تم نے سب سے پہلے نماز ترک کی ہے پپا جان کو پتہ چلے تو کتنی ڈانٹ پڑے تمہیں؟“

”افوہ جے میرا موڈ خوشگوار ہی رہنے دیں۔“ اس نے ٹوکا تو جہان کچھ لمحوں کو خاموش سا رہ گیا تھا۔

”خیریت ہے نا؟ کیسے فون کیا؟“ اس نے بڑی سی جمائی لے کر پوچھا تھا۔

”تمہاری خیریت دریافت کرنا ہی مقصد تھا، لیکن آئی تھنک میں تمہیں ڈسٹرب کر چکا ہوں۔“
 وہ ریکا ایک سنجیدہ ہوا تھا۔

”خیر اب تو کر دیا۔“ وہ شان بے نیازی سے بولی مگر وہ بھی جہان تھا، اتنا پرست اور بے حد محتاط رہنے والا۔

”نہیں تم آرام کرو، پھر بات کر لیں گے۔“ مہاجان کو میرا سلام کہہ دینا، خدا حافظ، اس کی مزید سے بغیر وہ سلسلہ کاٹ چکا تھا، زینب سلگ کر رہ گئی۔

(تمہاری یہی حرکتیں ہیں کہ میں کچھ اور فیصلے کرنے پہ مجبور ہو گئی ہوں، ورنہ کمی تو تم میں بھی کوئی نہیں تھی) اس نے مٹی سے سوچا اور ایک جھٹکے سے بستر چھوڑ کر واش روم میں گھس گئی، تو لیے سے منہ پوچھتی باہر آئی تو مہاجان نے نماز پٹیٹ کر رکھ رکھی تھیں، اسے اشارے سے پاس بلا کر حسب سابق اس کے چہرے پہ پھونک ماری پھر نرمی سے بولی تھیں۔

”جہان کا فون تھا؟“

”جی!“ اس نے اسی بگڑے موڈ کے ساتھ جواب دیا تھا اور ڈریننگ ٹیبل کے آگے کھڑی ہو کر بال سنوارنے لگی۔

”کیا کہہ رہا تھا؟“ انہوں نے اس کے بے اعتنائی انداز کو دیکھتے ہوئے مخصوص نرمی سے سوال کیا۔

”یہ تو وقت بتائے گا بچو کہ کون کس کا کروفر نکالتا ہے، مجھے تو ابھی سے تم پہ رحم آرہا ہے۔“
 جہان نے جیسے مزالیا مگر معاذ کو تپ جڑھ گئی تھی۔

”آج بھابھی کی بھی برتھ ڈے ہے، میں انہیں وش کر چکا ہوں، سیلبریشن کرنے کا بھی ارادہ ہے۔“ جہان کی بات سن کر معاذ جیسے سناٹے میں گھر گیا۔

”دماغ درست سے تمہارا؟ کوئی ضرورت نہیں ہے اسے اتنی اہمیت دینے کی سمجھے؟ اور تم اس سے ملے کیوں؟“ وہ ضبط کھو کر چیخ پڑا تھا، جہان نے گل سے اس کی بات سنی تھی۔

”تم کیا نہیں شرعی پردہ کرانے کا ارادہ رکھتے ہو تو ٹھیک ہے میں اب ان سے نہیں ملتا۔“
 ”جے..... جے! میں بری طرح پیش آؤں گا کوئی ضرورت نہیں اسے سر جڑھانے کی۔“ وہ

کلس کلس کر کہنے لگا، جہان نے ٹھنڈا سا سانس بھر لیا تھا۔
 ”معاذ وہ میرے لئے بے حد قابل احترام ہیں، تم سننا نہیں چاہتے ورنہ میں تمہیں بتاتا کہ

وہ کس درجہ ڈینٹ اور.....“

”انف جے! پلیز دس از ٹو جے۔“ وہ بھیچنے ہوئے لہجے میں بولا تھا اور اگلے ہی لمحے سلسلہ منقطع کر دیا، جہان ٹھنڈا سا سانس بھر کے رہ گیا تھا۔

☆☆☆

اس نے دروازہ کھول کر باہر جھانکا، بے حد خوبصورت، چمک دار اور روشن صبح اسے خوش آمدید کہہ رہی تھی، گل انہیں پہنچتے شام ہو گئی تھی پھر اس کے بعد سب سے ملنا ملانا اور ان کی بہترین فیافٹ زینب نے یہ بات واضح محسوس کی تھی کہ اسے اور مہاجان کو تمام مہمانوں سے بڑھ کر خصوصی پروٹوکول سے نوازا جا رہا تھا تو وجہ محض زر لالے نہیں تھی تیور کا اپنا حوالہ تھا، گوکہ ان کے ہاں مردانہ اور زنانہ خانہ الگ الگ تھا مگر اس کے باوجود تیور خان گل سے بہانے بہانے کتنے چکر زنانہ خانے کے لگا چکا تھا اور ہر بار اس کی نگاہیں زینب کے چہرے کا ہی طواف کرتی رہی تھیں، کھانے کے بعد زینب کا ارادہ سونے کا تھا مگر زر لالے اسے اپنے ساتھ گھسیٹ لے گئی تھی، مایوں کی رسم کی ادائیگی کے دوران وہ اسے اپنے سب رشتہ داروں سے بھی متعارف کراتی رہی تھی، پھر وہ اسے ہاتھ پکڑ کر جب اپنی اماں کے کمرے میں لائی تو زینب اس کی والدہ کو دیکھ کر حیران ہو گئی تھی، جب وہ لوگ حویلی پہنچے تھے تب تیور کے ساتھ اس کے بابا نے بھی انہیں خوش آمدید کہا تھا اور وہ تیور کی طرح دراز قد اور بے حد وجیہہ پر سنالٹی کے مالک تھے ان کے برعکس زر لالے کی والدہ نہ صرف اس کے بابا سے گئی عمر کی تھی بلکہ بے حد خاموش اور لمبول سی نظر آئی تھیں۔

”اماں جان یہ زینب ہے۔“ جس پل زر لالے اس کا تعارف ان سے کروا رہی تھی تیور خان بھی وہاں چلا آیا تھا۔

”یہ وہی زینب ہے اماں جانی جس کے متعلق میں نے آپ کو بتایا تھا۔“ تیور خان کے تعارف مکمل کرنے پہ زینب کی گردن میں کچھ اور اٹھ بید ہو گئی تھی، وہ اپنی خوبصورتی سے بہت اچھی طرح سے آگاہ تھی پھر یہاں تو اسے خصوصی طور پہ منتخب کیا گیا تھا۔

”جیتی رہو، خوش رہو۔“ انہوں نے اپنا لرزتا ہوا ہاتھ اس کے سر پہ رکھ دیا تھا تو زینب کی نگاہ

”آپ کو سلام کہہ رہے تھے اور خیریت دریافت کر رہے تھے۔“ زینب کا انداز جواب دینے کا لٹھ مار قسم کا تھا۔
 ”بچے میں تجھے نماز کے لئے بھی جگاتی رہی اور یہ ناشتہ بھی اتنی صبح لوگ کر لیتے ہیں؟ ملازمہ دوبار پوچھنے آ چکی ہے۔“

”آپ کو کرنا تھا تو کہہ دیتیں مجھے تو نی الحال بھوک نہیں۔“ وہ بد مزگی سے کہتی کمرے سے نکل گئی تھی، باہر کا ماحول اتنا دلکش اور رعنائی لئے ہوئے تھا کہ وہ کچھ دیر قبل کی تلخی فراموش کرنے لگی، درختوں کی شاخوں میں چھپے پرندوں کی چہچہاہٹ سے فضا مترنم تھی، وہ دروازے سے کچھ قدم آگے بڑھ آئی، گول ستونوں والا طویل برآمدہ تھا جس کا سفید پینٹ چمک رہا تھا، گہرے آتش پھولوں کی نیل بہت خوبصورتی سے پرستون سے لپٹی ہوئی تھی، اس سے آگے انیکسی کا دروازہ تھا، انیکسی پینٹ ہاؤسز کی طرز پر بنائی گئی تھی، اس کی چھت متوازی تھی اور تین اطراف میں اخروٹ کی لکڑی کی دیدہ زیب گرل لگی ہوئی تھی، جس سے سامنے کا حصہ برآمدے کی شکل اختیار کر گیا تھا۔
 ایک طرف دو کرسیاں اور چھوٹی سی میز بڑی ہوئی تھی، دوسری طرف کین کا جھولا لنگ رہا تھا، برآمدے کی سیڑھیوں کے دونوں جانب آرائشی لیپ لگے ہوئے تھے، انیکسی کے لئے ایک چھوٹا اور خوبصورت سا گیٹ اور پورچ بھی بنائے گئے تھے، دائیں طرف گھاس کا چھوٹا سا قطعہ تھا، جسے سنٹرل لان سے الگ کرنے کے لئے درمیان میں بازو لگا دی گئی تھی، اس قطعے کے کونے میں چھوٹے قد کا ایک درخت تھا جس پر سفید اور زرد پھولوں کے کچھ کچھ لنگ رہے تھے اور اس کے نیچے اخروٹ کی لکڑی کی ایک اسٹالس سی بیچ نصب تھی، یہ حویلی چہار اطراف سے بلند و بالا پہاڑوں کے درمیان گھری ہوئی تھی، حویلی کے سامنے پختہ سڑک تھی، جو پرسکون ندی کی طرح بہتی تھی اور اس پہ شاہ بلوط کے پتے اڑتے پھرتے تھے، یہاں سب کچھ تیمور شاہ سمیت بے حد کشش اور ستائش کا باعث تھا، بلاشبہ اس کا انتخاب ہر لحاظ سے قابل دید تھا، وہ خود کو ایک بار پھر داد دینے لگی اور وہ اس کام میں اتنی محو تھی کہ تیمور خان کی آمد کب ہوئی اسے ہرگز بھی خبر نہیں ہو سکی تھی، وہ اس کے سامنے آ کے سینے پہ بازو لپیٹ کر جب مسکرایا تب وہ نہ صرف چونکی بلکہ قدرے جھینپ بھی گئی تھی۔

”صبح بخیر زندگی!“ اس کا لہجہ اس صبح کی طرح فریش اور خوبصورت تھا۔
 ”صبح بخیر! کیسے ہیں آپ؟“ زینب نے لمحہ بھر کو نگاہ بھر کے اسے دیکھا، اس کے اونچے لمبے شاندار سراپے کے سامنے وہ بالکل کسی نازک سی گڑیا کی طرح ہی دکھائی دیتی تھی۔
 ”میرا جواب اب بھی وہی ہے، تمہارے بنا ادھورا اور نامکمل، زینب پلینز اب اس انتظار کو ختم کر دو۔“ وہ خفیف سا اس کی جانب جھکا اور شوخی سے بولا تھا، زینب کانوں کی لوڈوں تک سرخ پڑ گئی۔

”تیمور پلینز مجھے تنگ مت کریں۔“ وہ جیسے ہی کترا کر جانے لگی تیمور نے اس کا راستہ روک لیا تھا، تیمور کی گہری پریش نگاہ اس کی دہنی کلائی پہ تھی جس میں وہ کنگن نہیں تھا جو کل رات والدہ نے اسے پہنایا تھا، تیمور نے ہاتھ بڑھایا اور کمال جرات کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس کی مرمریں

کلائی تھام لی گویا ریشمی تھان ہاتھ آ گیا تھا، جہاں زینب پوری جان سے کانپ اٹھی وہاں تیمور خان نے بھی استفہامی اور کسی حد تک آنچ دیتی نظروں سے اس کی لرزنی پلکوں کو دیکھا تھا۔
 ”وہ کنگن کہاں ہے؟“

”م..... میں نے اتار دیا ہے۔“
 ”دائے؟“ اس کا لہجہ سخت احتجاجی ہو گیا۔
 ”زینب میں کیا سمجھوں تمہاری اس حرکت سے؟“ اس سے پہلے کہ وہ کوئی وضاحت دیتی تیمور نے ایک اور سوال داغ دیا تھا۔
 ”کچھ بھی غلط مت سمجھیں تیمور! ماما جان میرے ساتھ ہیں، میں ابھی سب کی نظروں میں نہیں آنا چاہتی، آپ جانتے ہیں نایہاں آپ کے اس خاندانی زیور کو میرے پاس دیکھ کر سب کیا سمجھیں گے؟“

”میں یہی تو سب لوگوں کو سمجھانا چاہتا ہوں زینب!“ وہ کس قدر غصے سے بولا تھا، زینب نے عاجز ہو کر اسے دیکھا۔
 ”پلینز تیمور ابھی اس کا وقت نہیں آیا ہے۔“

”کب آئے گا وہ وقت؟“ تیمور نے بھرپور ناراضی سے اسے دیکھا تھا، وہ ہنس پڑی۔
 ”صبر کریں نا، مجھے ماسٹرز تو مکمل کرنے دیں۔“
 ”میرا دل چاہتا ہے ابھی تمہیں واپس نہ جانے دوں، تم اتنی لمبی جدائی کی بات کرتی ہو۔“ اس کی آنکھیں گستاخ ہونے لگیں، بے باک اور بہکی ہوئی، زینب کے چھکے چھوٹنے لگے۔
 ”انوفہ پلینز اب مجھے جانے دیں۔“ وہ ہنسی ہوئی تو تیمور خان نے ٹھنڈا سانس بھر لیا تھا۔
 ”وہ کنگن مجھے پہن کے دکھاؤ، رات تو میں نے تمہیں دیکھا ہی نہیں تھا پہنا ہوا۔“ عجیب فرمائش ہوئی تھی، زینب گھبرا سی گئی۔
 ”ابھی نہیں تیمور کہا نا پھر مجھی۔“

”کچھ میری بھی مانو گی لڑکی یا ساری منواؤ گی، ویلی کا سردار بننے والا ہوں مگر تم مجھے اپنے آگے کچھ گردان ہی نہیں رہی ہو۔“ وہ مصنوعی خنکی سے بولا تو زینب بے ساختہ کھلکھلائی تھی۔
 ”عشق کے دربار میں ہے شاہ بھی گدا، یہ تو سنا ہو گا نا آپ نے۔“
 ”میں پھر وہی کہوں گا، ایک بار تمھے لگ جاؤ سارے بدلے ایک ساتھ چکا لوں گا۔“ اس کی آنکھیں اس کا لہجہ پھر بہکنے لگا اور زینب کی جان پہ بن کر آنے لگی۔
 ”تیمور جا میں کوئی دیکھ لے گا نا، کب سے گھرے ہیں آپ یہاں۔“
 ”تو دیکھ لے، میں کسی سے نہیں ڈرتا۔“ وہ نخوت سے بولا تو زینب نے اسے بے دریغ گھورا تھا۔

”اپنا نہیں میرا خیال کر لیں، میں ہرگز بھی کوئی اسیکٹل نہیں چاہتی۔“
 ”آج یا پھر کل میں تمہیں ویلی کی سیر کے لئے لے جاؤں گا، تیار رہنا اوکے؟“
 ”اوکے..... اوکے.....“ اس کی تو آپ جائیے۔“ زینب نے رنج ہو کر کہا تو تیمور پلٹ کر چلا گیا

تھا، زینب مسکراتے ہوئے پلٹی تو اس کا موڈ بے حد خوشگوار سمیٹ لایا تھا۔

☆☆☆

اثر دل پہ کرے شکوہ شکایت ہو تو ایسی ہو
گلے لگ کر کوئی رو کے ندامت ہو تو ایسی ہو
یہی محسوس ہو جیسے کئی صدیاں گزاری ہیں
لفظ اک بل کی فرقت میں اذیت ہو تو ایسی ہو
مجھے کانٹا خیمے اور اس کی آنکھوں سے لہو ٹپکے
تعلق ہو تو ایسا ہو محبت ہو تو ایسی ہو

اس کے لبوں کے درمیان سلگتا ہوا سگریٹ تھا اور وہ پچھلے ایک گھنٹے سے مسلسل موسم کی سختی
سہتا سگریٹ یہ سگریٹ پھونک رہا تھا، کیا تھا ایسا زینب کے انداز میں لہجے میں کہا اس کے اندر اتنی
اذیت بھر گئی تھی، وہ تو ازل سے ایسی تھی، خود پسند و لا پرواہ، بے نیاز اور تھوڑی سی بے حس، ہاں
یقیناً وہ اپنی حد سے شاید نکل رہا تھا، اس نے سوچا اور گہرا طویل سانس بھرا پچھلے کچھ دنوں سے اس
سے اچھی خاصی بے احتیاطیاں سرزد ہو گئی تھیں، اس نے نئے سرے سے خود کو سرزش کی تھی اور
سگریٹ کا آخری گہرا کش لے کر سگریٹ گھاس پہ پھینکا اور جوتے سے مسل دیا، سر اٹھایا تو سامنے
پر نیاں کو موجود پایا تھا، میرون شال کا اڑنا ہوا پلو اور حیران آنکھیں، جہان کچھ خفیف سا مسکرایا۔

”آپ اسموکنگ کرتے ہیں بھائی؟“ وہ پتہ نہیں اتنی معمولی سی بات پہ اتنی حیران کیوں تھی۔
”کبھی کبھار کر لیتا ہوں۔“ وہ نظریں چرا کر بولا۔

”میں بچن میں جا رہی تھی، سوچا آپ سے پوچھ لوں ناشتے میں کیا لیں گے، مگر آپ کمرے
میں نہیں تھے۔“ وہ گہرا سانس بھر کے وضاحت دے رہی تھی۔

”ہاں میں چہل قدمی کے لئے یہاں نکل آیا تھا، ناشتے کے لئے کانشش نہ ہوں بھابھی،
میں کھانے پینے کے معاملے میں نخرے نہیں کرتا، آپ جو اپنے لئے بنا تیں وہی میں کھا لوں گا
ڈونٹ وری۔“

”ایک بات کہوں آپ سے بھائی اگر آپ مائنڈ نہ کریں تو.....؟“ پر نیاں کی ہچکچاہٹ کو
محسوس کر کے جہان نے چونک کر اسے دیکھا تھا۔

”جی بھابھی ضرور بلا تو قف کہے پلیز۔“

”پانے مجھے اپنی بیٹی بنایا ہے پلیز مجھے بھابھی مت کہیں، مجھے اچھا نہیں لگتا۔“ جہان ایک دم
ساکن ہو گیا تھا، اس نے دیکھا تھا ہزار ہا ضبط کے باوجود اس نازک اور بے حد پیاری سی لڑکی کی
آنکھیں آنسوؤں سے نم ہو رہی تھیں، وہ پلٹی تھی اور تیز قدموں سے وہاں سے چلی گئی۔

جہان بہت مشکل سے خود کو سنبھال سکا تھا، اسے پر نیاں کی کیفیت اور اس کیفیت کی اذیت کا
احساس بو جھل کرنے لگا، وہ سمجھ سکتا تھا کہ اس جیسی ایک دم اکیلی رہ جانے والی لڑکی جو حقیقت کی
سفاکی کو بہت ہمت سے سہہ رہی تھی، فیصلے کی صلیب پہ پر لگتے ہوئے کس تکلیف سے دوچار ہو سکتی
تھی اور اس صورت تو اور بھی مشکل ہو رہی تھی کہ کسی فیصلے کا اختیار بھی اس کے پاس نہیں تھا، یقیناً وہ

اپنے وجود میں خدشات واہمات کا ایک ہجوم دبائے پھر رہی تھی، ایک ایسا رشتہ جس کے حوالے سے
اس کے پاس کوئی خوشگوار یاد حسین تصور نہیں تھا جس کے قائم رہنے کے بارے میں وہ خود شبہات
اور شکوک کا شکار تھی، بلاشبہ اس کا احساس دلایا جانا اس کے لئے خوشگواریت کا باعث نہیں ہو سکتا
تھا، جہان کو صحیح معنوں میں صورتحال کی گمبھیرتا کا احساس ہوا تو اس کا پہلے سے بو جھل دل کچھ اور بھی
افسردگیاں سمیٹ لایا، اس میں ہرگز بھی شک نہیں تھی پر نیاں کے ساتھ زیادتی ہوئی تھی، معاذ کا
رویہ قابل اعتراض تھا مگر اس سے بھی زیادہ افسوسناک امر یہ تھا کہ پر نیاں معاذ کے سارے شدید
ری ایکشن سے آگاہ ہو گئی تھی، اس کی نسوانی وقار کی دھجیاں تو بکھری تھیں، وہ بے حد نازک سی لڑکی
جو اپنے نازک سراپے کے برعکس بے پناہ مضبوط اعصاب کی مالک تھی یہ اس کی شرافت ہی نہیں
اس کے پندار کا وقار تھا کہ وہ حرف شکایت زبان پہ لائے بغیر بہت ہمت سے سب کچھ برداشت کر
رہی تھی، کل جب معاذ کا نون بند ہوا تو اس بل اس کے بل پہ پاپا کی کال آگئی تھی، انہوں نے اس
سے بزنس کے ٹاپک پہ ہی ساری بات چیت کی تھی پھر جیسے کچھ خیال آنے پہ اچانک بولے تھے۔

”جہان بیٹے آپ پر نیاں سے ملے؟“ اور جہان چونکہ پر نیاں سے مل کر بے حد پر جوش تھا
جی جی اس قدر خوشی کا اظہار اس نے بے لاگ انداز میں ان کے سامنے کیا تھا۔
”جی چاچو! اور یقین کریں مجھے صحیح معنوں میں بیک وقت معاذ کی قسمت پہ رشک بھی آیا اور
تاسف بھی محسوس ہوا۔“

”وہ گدھا ہے، تم دیکھ لینا ایک دن وہ پچھتائے گا۔“ ان کی بات سن کر جہان بے ساختہ نفی
میں سر ہلانے لگا تھا۔

”نہیں چاچو خدا نہ کرے، میرے دل سے ان دونوں کے لئے دعائیں نکلتی ہیں، خدا کرے
پر نیاں بھابھی کے ساتھ سب کچھ بہت اچھا ہو، آج میں ان سے ملا ہوں تو وہ مجھے بالکل اپنی چھوٹی
بہن کی طرح ہی لگی ہیں۔“ وہ ہنس کر بتا رہا تھا، پاپا کا جیسے میروں کے حساب سے خون بڑھ گیا تھا۔
”مجھے تم سے یہی توقع تھی بیٹے! تم اس سے قریب ہونے کی کوشش کرو، وہ رشتوں اور محبتوں
کو ترسی ہوئی بچی ہے، میں چاہتا ہوں تم صحیح معنوں میں ہر قدم پہ اس کے لئے بڑے بھائی کا کردار
ادا کرو، کرو گے نا؟“

”آپ فکر کیوں کرتے ہیں چاچو! وہ مجھے ہمیشہ بہت عزیز رہیں گی انشا اللہ۔“

”گڈ، جیتے رہو بیٹے! وہ خوش ہو کر بولے تو جہان کو جیسے یاد آیا تھا۔

”چاچو آج پر نیاں بھابھی کی برتھ ڈے ہے، یونو آج ہی معاذ کا بھی برتھ ڈے ہے، یہ کتنا
حسین اتفاق ہے نا چاچو! وہ اس بل بچوں کی سی معصومیت سے خوش ہو کر بتانے لگا تھا، پاپا ہنس
دئے تھے۔

”امیزنگ! یہ تو واقعی بہت مزے کا انکشاف ہوا ہے اگر ہمیں معلوم ہوتا تو ہم بھی وہاں پہنچ
جاتے، اپنی ویز آپ میری بیٹی کو بہت اچھے سے وش کرنا اور ذرا سیلبریشن بھی کر لینا۔“

”جی پاپا ڈونٹ وری میں خود بھی یہی سوچ رہا ہوں اور اس وقت ان کے لئے گفٹ لینے جا رہا
ہوں۔“

”او کے بیٹا!“ انہوں نے اسے دعاؤں سے نواز کر رابطہ منقطع کر دیا تھا اور جب وہ شام کا نکلا رات گئے واپس فارم ہاؤس لوٹا تو پرینیاں کچھ پریشانی کے عالم میں اس کے انتظار میں ٹہل رہی تھیں۔

”کہاں رہ گئے تھے آپ بھائی! میں پریشان ہو گئی تھی۔“ اسے دیکھتے ہی وہ سرعت سے لپک کر اس تک آئی تھی جہاں کے ہونٹوں کی تراش میں دل آویز مسکراہٹ بکھرتی چلی گئی تھی، اسے پرینیاں کی یہ تشویش بہت بھائی تھی۔

”کچھ کام تھا ضروری بس دیر ہو گئی۔“ وہ اس کی ہمراہ اندرونی حصے کی جانب بڑھتے ہوئے نرمی سے جواب دے رہا تھا۔

”پانے مجھے بتایا تھا یہاں زیادہ رات کے وقت نکلنا مناسب نہیں ہے نا اس لئے۔“ لیکن ابھی زیادہ رات تو نہیں ہوئی، یہ بتائیں آپ نے کانا کھا لیا؟“ وہ اس کے ساتھ ٹی وی لاؤنج میں آچکا تھا، ہاتھوں میں موجود دونوں شاپرز اس نے ٹیبل پہ رکھ دیئے تو پرینیاں نے پہلی بار ان پر نگاہ کی تھی۔

”ہیں آپ کے انتظار میں تھے، آپ بیٹھیں میں کھانا لگاتی ہوں۔“ ”بھابھی!“ جہاں نے پلٹ کر دروازے سے نکلتی پرینیاں کو بے ساختہ پکارا تھا، وہ جیسے چونکی اور مڑ کے اسے دیکھا۔

”پہلے آپ ایک کاٹ لیں، کسمالہ وغیرہ کو بلا لیں، پھر کھانا کھالیں گے۔“ ”اوہ!“ پرینیاں نے ایک نگاہ شاپر میں موجود کیک کے ڈبے کو دیکھا تھا پھر اسے دیکھتے ہوئے گہرا سانس بھر کے بولی تھی۔

”میں نے آپ کو اس تکلف میں پڑنے سے منع بھی کیا تھا۔“ ”اور میں آپ کے اس غیریت کے مظاہرے پہ خفا بھی ہو سکتا ہوں۔“ جہاں کی اپنائیت آمیز برکتگی پر پرینیاں کے چہرے پہ ایک رنگ سا آ کر گزر گیا۔

”ایز یوش!“ وہ آہستگی سے بولی تھی، جہاں نے اس کے اس انداز کو بہت شدت سے محسوس کیا تھا، اسے پپا کی بات یاد آئی، اسے لگا وہ رشتوں کی محبتوں کو ترسی ہی نہیں رشتوں کے اعتماد سے بھی نا آشنا ہے، لے دے کے ایک ددا کا ہی تو رشتہ تھا، اسے پرینیاں سے اپنائیت کے ساتھ ہمدردی بھی محسوس ہوئی تھی، پھر کیک کانا گیا تھا اور کھانا گل خان کی ٹیبل کے ساتھ کھایا گیا، جہاں نے جب پرینیاں کو بے حد خلوص سے از سرے نوش کرتے ہوئے گفٹ پیش کیا تو پرینیاں کچھ خفت زدہ نظر آنے لگی تھی۔

”اس کی کیا ضرورت تھی بھائی! اس روز ماما اور پپا اتنے سارے تحائف لائے تھے نا۔“ ”آپ کھول کر دیکھیں اسے، آئی تھنک آپ کو بہت پسند آئے گا۔“ اس کے اصرار پر پرینیاں نے خوبصورت چکنا پیپر ہٹا کر پیکٹ کھولا تو ایک خوبصورت سے پن سیٹ کے ساتھ حسن نقوی، فرحت عباس شاہ اور پروین شاگر کی کتابیں اس کے سامنے تھیں، اس نے بے اختیار خوشگوار تاثرات کے ساتھ جہاں کو دیکھا تھا وہ اسی کی سمت متوجہ تھا نگاہ چار ہونے پہ پھنوسوں کو دوستانہ انداز

میں جنبش دے کر مسکرایا تھا پرینیاں کے لبوں پہ بھی مسکراہٹ بکھر گئی تھی۔

”گھٹنکس اے لاٹ بھائی! آپ کا گفٹ مجھے بہت پسند آیا ہے، ریلی!“ اس کے لہجے میں معصومیت بھرا جوش تھا، جہاں کو وہ بے حد پیاری لگی تھی، وہ اس سے کتنی دیر تک ادھر ادھر کی باتیں کرتا رہا تھا، تب ہی پپا کانون پرینیاں کے سیل پہ آ گیا تھا، انہوں نے جب اسے برتھ ڈے وٹس کیا تو وہ پہلے حیران ہوئی تھی پھر جہاں کو دیکھ کر گہرا سانس بھر کے رہ گئی۔

”کہاں تک خبریں پہنچا دیں ہیں آپ نے؟“ پپا سے فون پہ بات کر لینے کے بعد وہ اس سے مخاطب ہوئی تو مسکراہٹ دبا کر بولی تھی۔

”انگلینڈ تک۔“ وہ جواباً شرارت سے بولا تھا اور پرینیاں اس پل ہی پھر سے جیسے سنجیدہ ہو گئی تھی، وہ اسے شاہ ہاؤس کے ایک ایک مکیں کی متعلق بتاتا رہا تھا جب پرینیاں کی بات پہ ایک دم حیران ہو گئی۔

”شاہ ہاؤس میں اب آپ کے بعد اگر میں کسی سے سب سے زیادہ ملنے کی شائق ہوں تو وہ زینب ہیں۔“

”صرف زینب کیوں؟ جبکہ ماریہ اور حور یہ تو آپ سے ملنے اور دیکھنے کو سخت بے چین ہیں۔“ جہاں کے سوال پر پرینیاں کے ہونٹوں پہ متنی خیز مسکراہٹ بکھر گئی تھی۔

”آپ کو جو دیکھ لیا ہے۔“ ”تو.....؟“ ”مجھے دیکھ کر زینب سے ملنا ضروری کیوں ہو گیا؟“ اس کی آدھی ادھوری بات نے جہاں کی حیرت دو چند کر دی۔

”اس لئے کہ آپ دونوں ایک دوسرے کے لئے لازم و ملزوم جو ہیں، ممانے مجھے بتایا تھا زینب آپ سے منسوب ہیں۔“ وہ شرارت بھرے انداز میں بولی تھی اور جہاں گہرا سانس بھر کے رہ گیا تھا، البتہ اس کے چہرے کی تمتاہٹ ضرور بڑھ گئی تھی۔

”آپ اگلی بار آئیں تو زینب کی تصویر لائیے گا۔“ اس کے اصرار پہ جہاں بوکھلا اٹھا تھا۔ ”آپ خود شاہ ہاؤس آ کر ان سے مل لیتا۔“ وہ جیسے صیاف کترایا تھا۔

”نہیں آپ انہیں یہاں لے آئیے گا۔“ وہ مصررہی تھی جہاں نے کاندھے اچکا دیئے تھے، رات وہ کتنی مطمئن تھی مگر بظاہر، رات تک تو وہ خود بھی نہیں جانتا تھا کل وہ پھر سے مضطرب ہو جائے گا، ایسا کیا تھا زینب کے لہجے میں؟ مجھے یہ سب اتنا برا کیوں لگا؟

وہ ایک بار پھر سوچوں سے خود کو ہلکان کر رہا تھا جب پرینیاں کی پکار پہ وہ چونک کر متوجہ ہوا، وہ انیکسی کے دروازے پہ کھڑی اس کی سمت متوجہ تھی۔

”ناشتہ کر لیں بھائی ورنہ ٹھنڈا ہو جائے گا۔“ جہاں نے سر جھٹکا تھا اور اس کے ہمراہ کچن میں آ گیا، قیمہ بھرے پراٹھے، مٹر کارائتہ چائے اور ابلے ہوئے انڈوں کے ساتھ چیز سینڈویچ، اس نے اچھا خاصا اہتمام کیا ہوا تھا، جہاں کو شرمندگی نے آن لیا۔

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ شاندار پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ہیں :-

- ✦ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✦ ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ✦ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ✦ میریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- ✦ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریچ
- ✦ ایڈ فری لنکس، لنکس کو میسج کمانے کے لئے شریک نہیں کیا جاتا
- ✦ ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور ریڈیو امیل لنک
- ✦ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پریویو ہر پوسٹ کے ساتھ
- ✦ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ✦ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریچ
- ✦ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ✦ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ✦ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب فورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

← ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

← ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب

ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library For Pakistan

Like us on Facebook

fb.com/paksociety



twitter.com/paksociety

قرآن شریف کی آیات کا احترام کیجیے

قرآن مجید کی مقدس آیات اور احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور تبلیغ کے لیے شائع کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے لہذا یہی صفحات پر یہ آیات درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حسرتی سے غور کریں۔

”افوہ بھا.....“ وہ ایک دم زبان دبا گیا اور خائف سی نگاہ پر نیاں پہ ڈالی تھی وہ نارمل تھی۔

”اس او کے!“ جہان نے بے ساختہ ٹھنڈا سانس بھر لیا۔

”آپ کو اتنا اہتمام نہیں کرنا چاہیے تھا، خواجواہ تکلیف کی۔“

”اب آپ غیریت کا مظاہرہ کر رہے ہیں بھائی!“ وہ شاکی ہوئی تھی، جہان کے لبوں پر مسکراہٹ بکھر گئی تھی اس کے ہی الفاظ لوٹانے پہ، جہان نے بہت خوشگوار موڈ میں اس کے ساتھ ناشتہ کیا تھا پھر جب وہ اس سے رخصت ہو کر آ رہا تھا تو پر نیاں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں اسے مخاطب کیا تھا۔

”میری اگر کوئی بات بری لگی ہو تو مجھے.....“

”کیسی باتیں کرتی ہیں؟ آپ میری بہن ہیں چھوٹی، اول تو کوئی غلط بات آپ نے کی نہیں بالفرض کبھی ایسا ہوا تو بھی مجھے براہرگز نہیں لگے گا۔“

جہان کی محبت کے اس مظاہرے نے پر نیاں کی آنکھیں بھگو ڈالی تھیں، جہان اس کے پاس سے لوٹا تو اس کا دل صرف اپنے لئے نہیں پر نیاں کے لئے بھی بوجھل ہو رہا تھا، واپسی کا راستہ طویل تھا جو خاموشی سے کتنا اگر معاذ کی کال نہ آ جاتی۔

”کیسے ہو؟“ وہ ہمیشہ پچھلی نئی بھلا کر بات کیا کرتا تھا، جہان کو اس کی یہ بات بہت پسند تھی۔

”فائن تم کیسے ہو؟“ وہ خود کو کوشش کے باوجود نہیں سنبھال سکا۔

”کہاں ہو تم زینب سے بات کراؤ میری؟“

”میں گھر پر نہیں ہوں۔“

”پھر کہاں ہو وہیں فارم ہاؤس؟“ وہ چونکا۔

”نہیں واپس آ رہا ہوں خیریت؟“ اس سے پہلے کہ جواب دیتا گاڑی کے نار زور سے چرچرائے اس نے ایک دم بریک لگائے مگر کوئی نسوانی وجود اس کی گاڑی سے ٹکرا کر کئی فٹ دور اچھل کر جا گرا تھا۔

(باقی اگلے ماہ)

سہ آخری جزیرہ

چھٹی قسط کا خلاصہ

اور تیمور خان کی زینب سے جہان کے حوالے سے فون پر تکرار ہوئی ہے جس لی وجہ سے زینب تیمور سے حقگی کے اظہار کرتی ہے شادی میں شریک ہونے سے انکاری ہو جاتی ہے، تیمور کی معذرت کر کے اسے منانا پڑتا ہے، تیمور خان کی حویلی میں زینب کو جو پذیرائی ملتی ہے وہ تیمور کی وجہ سے ہے، جسے پا کر زینب خود یہ نازاں ہے۔

ژالے مارکیٹ میں نیلما کی قابل اعتراض تصاویر والا میگزین دیکھ کر ایک بار پھر خود پہ ضیاء کھودیتی ہے، مسز آفریدی اس کی اس عادت سے بہت تالاں ہیں۔

جہان کا پر نیاں سے فارم ہاؤس پہ سامنا ہوتا ہے، وہ پہلی ہی ملاقات میں پر نیاں کے لئے دل میں نرم گوشہ محسوس کرتا ہے، خود پر نیاں جہان کے لئے بہت اپنائیت محسوس کرتی ہے، وہ جہان کو زینب کے حوالے سے بات کر کے حیران کر دیتی ہے۔

فارم ہاؤس سے واپسی پہ جہان کی گاڑی کو حادثہ پیش آتا ہے۔

اب آپ آگے پڑھیے

ساتویں قسط



Am6

جہان کے اعصاب ایک دم سے کشیدہ ہو کر رہ گئے، سیل فون اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر اس کی گود میں گرا تھا، اس نے تنے ہوئے چہرے کے ساتھ گردن موڑ کر کھڑکی کے شیشے کے پار دیکھا، پختہ سڑک سے ایک فٹ کے فاصلے پہنچی زمین پہ گرا ہوا وہ نسوانی وجود تھا، جہان نے سیل فون اٹھا کر سائیڈ پر رکھا اور خود دروازہ کھول کر عجلت میں گاڑی سے باہر نکلا، دھول مٹی میں اتنا نسوانی وجود اب اٹھ کر بیٹھ گئی تھی مگر شاید کھڑے ہونے کی ہمت نہیں تھی۔

”آریو آل رائیٹ؟“

وہ نزدیک آ کر قدرے جھک کر خفت زدہ آواز میں بولا، نیلما جو سر جھکائے ٹخنہ دو بچے کراہ رہی تھی اس گلبیہ تر لہجے کی سحر انگیزی پہ بے ساختہ سر اٹھا کر متوجہ ہوئی جہان کی پر تشویش نگاہیں اس پہ مرکوز تھیں آف وائٹ قیمتی سوٹ میں میرون ٹائی لگائے آنکھوں پہ سن گلاسز تھے بے حد شاندار اور وجیہ پر سنالشی کا مالک اس کی شخصیت میں کچھ ایسی مقناطیسی کشش ایسی دلکشی وقار اور رعب و دبدبہ تھا کہ نیلما تو بس اسے دیکھتے رہ گئی؟ اندر کی کڑواہٹ نکالنا کسے یاد رہنا تھا، جہان کو اس کی نگاہوں کے اس انداز نے کوفتی مبتلا کیا تھا، وہ لوگوں کے اس قسم کے رویوں کا عادی نہیں ہو پاتا تھا جو اس کی غیر معمولی وجاہت میں کھو کر رہ جایا کرتے تھے، ناگواری دبا کر وہ قدرے زور سے کھنکار اور کسی قدر بے اعتنائی سے بولا تھا۔

”دغلطی آپ کی تھی سراسر آپ اچانک میرے راستے میں آ گئی تھیں۔“

”میں چل نہیں سکوں گی، کیا تم مجھے سہارا دے سکتے ہو؟“ اس فرمائش نے جہان کو شپٹا دیا، وہ قدرے جزبہ ہوا تھا اور یوں ادھر ادھر دیکھا جیسے یہ ذمہ داری کسی اور کے سر ڈالنے کا خواہش مند ہو مگر سڑک ہی نہیں پورا علاقہ سنسان بڑا ہوا تھا۔

”کہاں سے آئی ہیں آپ اور کیسے؟“ جہان کو اسے تنہا دیکھ کر فطری حیرت نے آن لیا تھا۔

”یہ مت پوچھو مجھ سے، کہاں جانا ہے وہاں پہنچا دو مہربانی۔“ اب کے وہ بے اعتنائی سے بولی اور یوں اسے دیکھنے لگی جیسے ہاں یا ناں میں جواب کی منتظر ہو، جہان کچھ اور متذبذب ہو گیا تھا۔

”مجھے لگتا ہے تم نے مجھے پہچانا نہیں، بہر حال اچھی بات ہے اور فکر نہ کرو میرا چڑیلوں کے قبیل سے کوئی تعلق نہیں۔“ اس کے گریز کو وہ اپنے انداز میں لے کر تسلی کر رہی تھی، جہان نے چونک کر اسے دیکھا پھر کسی قدر خفیف سا ہو کر رہ گیا تھا۔

”کہاں جانا ہے آپ کو؟“ وہ اسے اٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے رسائیت سے بولا تھا لہجے میں مخصوص شہر اور آیا تھا۔

”ویسے تو لاہور میں ہوتی ہوں، کوئی ایک مستقل ٹھکانہ تھوڑی ہے۔“ وہ اٹھی تھی اور اپنا ہاتھ سہارے کو اس کی جانب بڑھایا جسے جہان نے بے حد تامل اور ہچکچاہٹ کے بعد پکڑا تھا مگر اس بل اس کے وجود میں پھر پھری سی دوڑ گئی تھی جب اگلے لمحے نیلما نے درمیانی فاصلہ از خود مٹا کر اپنے وجود کا سارا بوجھ ایک طرح سے اس کے اوپر ڈال دیا تھا، جہان اسے چھوڑ کر بدک کر فاصلے پہ ہوا سے یکلخت جیسے کسی نے جلتے شعلوں میں دھکیل دیا تھا۔

”یہ کیا بد تمیزی ہے؟“ اس نے اسے ایسی نظروں سے گھور کر دیکھتے ہوئے ڈانٹا جیسے قتل کر دینا چاہتا ہو، ایک بل لگا تھا محض جہان کو اس کی غلیظ سوچ کی اتھاہ میں پہنچنے تک۔

”اوہ میں شاید گرد میں لتھڑ گئی ہوں اور تمہارا ڈریس خراب ہو گیا ہے نا؟“ وہ لڑکھڑا کر سنبھل چکی تھی اور اب کھسپائے بغیر وضاحت پیش کر رہی تھی، جہان کا دماغ گھوم کر رہ گیا تھا اس نے تاسف بھری نظروں سے اسے دیکھا تھا اور زور سے سر جھٹکا۔

”ارے سنو مسٹر ڈینگ.....!“ جہان بھنا کر کچھ کہے بغیر پلٹ کر تیز قدموں سے اپنی گاڑی کی جانب بڑھ گیا تھا، وہ اسے پہچانا تو نہیں تھا البتہ اس سے متنفر ضرور ہو گیا تھا۔

”دیکھو ایسا غضب مت کرنا، میں اس ویران علاقے میں زخمی حالت میں بے یار و مددگار سردی سے مر بھی سکتی ہوں، پلیز ہلپ می!“ جہان نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال کر گاڑی اشارت کرنا چاہی تو نیلما کی آہ دیکھی اس نے خار کھائی نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

”کیا تکلیف ہے آخر تمہیں؟“ وہ پھنکارا تھا۔

”پلیز مجھے روڈ تک ڈراپ کر دو پلیز۔“ وہ پلٹی ہوئی تھی۔

”بیٹھو گاڑی میں، مجھ سے یہ توقع مت رکھنا کہ تمہیں سہارا دوں گا۔“ وہ جیسے مجبوراً بولا تھا مگر لہجہ و انداز بے حد کڑا رہا تھا۔

نیلما نے کچھ حیرانی سے اس خشک مزاج انسان کو دیکھا تھا، ورنہ وہ ایسا جادو اثر حسن و جمال رکھتی تھی کہ مرد اس کی محض ایک جھلک پہ پاگل ہوا ٹھٹھتے تھے، لاکھوں دیوانے تھے اس کے، خاندانی نام و نصب والے امیر کبیر جو اس کے پیروں کے تلوے چاٹا کرتے تھے، یہ کیسا عجیب انسان تھا جو تنہائی میں بھی اس کے حسن جہاں سوز کے آگے بہکتا تو درکنار اس کی ذرا سی بے تکلفی پہ پھراٹھا تھا، وہ لنگڑاتی ہوئی آ کر گاڑی میں بیٹھ گئی، پچھلی سیٹ پہ وہ گرنے کے انداز میں بیٹھی تھی کہ فرنٹ ڈور اوپن کرنے کو اس کا بڑھتا ہاتھ دیکھ کر ہی جہان نے بہت سخت لہجے میں اسے پیچھے بیٹھنے کا آرڈر کیا تھا، اس نے نگاہ بھر کے ایک بار پھر اس یوسف ثانی کو دیکھا اور جیسے اس کی وجاہت کی رعنائیوں میں گم ہونے لگی، قدرت نے ایسے بہت فیاضی سے حسن کی دولت سے نوازا تھا صرف وجاہت نہیں وہ باوقار اور مغرور بھی تھا شاید اسی وجہ سے کچھ انوکھا محسوس ہوتا تھا اور انسانی فطرت ہے ناقابل رسائی شے کی مانند لپکنا اس کی خاطر تر پنا، وہ خود بے حد حسین تھی مگر جہان میں کچھ تو ایسا تھا کہ وہ پہلی نگاہ میں ہی اپنا دل پہلو سے سرکنا محسوس کرنے لگی تھی، اس نے خود کو یہ سوچ کر تسلی دے لی تھی کہ وہ نفاست پسند ہو سکتا ہے اور میرا حلیہ اس وقت خراب ہو رہا ہے، گاڑی ایک جھٹکے سے رکی تب اپنے خیالات سے چونکی تھی۔

”میں روڈ آ گیا ہے محترمہ، پلیز تشریف لے جائیے۔“ جہان نے جیسے مارے بندھے ہی اسے مخاطب کیا تھا، نیلما ٹھنڈا سانس کھینچ کر رہ گئی، یہ سفر کتنی جلدی اختتام پذیر ہو گیا تھا جبکہ وہ ابھی ڈھنگ سے اس سے کوئی بات بھی نہیں کر سکی تھی۔

”بہت شکر یہ جناب! آپ مجھے اپنا نام بتا سکتے ہیں؟“ وہ کس قدر شائستگی سے بولی تھی مگر جہان کی صبح پیشانی پہ بل پڑنے لگے۔

”میں اجنبی لوگوں سے راہ و رسم بڑھانا پسند نہیں کرتا، آپ گاڑی سے اتریں گی۔“ بے حد روکھا لہجہ پر نخوت انداز نیلما کے حوصلے پست کرنے کو کافی ثابت ہوا۔

”میں نیلما ہوں، لاہور ڈیفنس میں ہوتی ہوں، کبھی فرصت ملے تو تشریف لائیے گا، آپ کی خدمت کرنے سے مجھے روحانی تسکین حاصل ہوگی۔“

اس کے الفاظ نے جہان کو بھک سے اڑا دیا تھا، ”نیلما“ فلم ایکسٹریس، مشہور ماڈل، بدنام شہرت اور اسکینڈلز کی زد میں رہنے والی اس کے قدم نیچے رکھتے ہی جہان نے ایک جھٹکے سے گاڑی آگے بڑھائی تھی، نیلما نے سردی آہ بھری اور لنگڑائی ہوئی فٹ پاتھ پہ چلنے لگی۔

☆☆☆

میرا ہاتھ، تیرا ہاتھ، لمبی سڑک اور یہ دبیر
گم صم مثالیں، سنہری راتیں اور یہ دبیر
بھیکے دن مدھم سورج بلکے بادل اور یہ دبیر
بہتی ندیا گاتے پیچھی اڑتی دھند اور یہ دبیر
کانی بستر تیری محبت اور یہ دبیر
تنہا میں تنہا چاند میرا کمر اور یہ دبیر
میری آنکھیں میری نیند تیرا خواب اور یہ دبیر

پجارو دھیرے دھیرے ڈھلوانی سڑک یہ آگے بڑھ رہی تھی، خوبصورت مناظر متحرک تھے ایسے میں من پسند سیاہی کی قربت اور اس کا سحر انگیز لہجہ سماعتوں میں رس گول رہا تھا، زینب تو جیسے ہواؤں میں اڑ رہی تھی، تیمور خان اسے اپنی حویلی دکھانا چاہتا تھا اور زینب کے منع کرنے پر بھی مصر تھا مگر زینب اس موقع پر جبکہ حویلی مہمانوں سے بھری ہوئی تھی لوگوں کو خود پہ انگلی اٹھانے کا موقع نہیں دینا چاہتی تھی سہولت سے انکار کر دیا تھا۔

”مجھے ساری عمر آپ کے ساتھ اسی حویلی میں رہنا ہے، تیمور پھر کبھی دیکھ لوں گی نا، ابھی نہیں ضد نہیں کرتے۔“

”مگر کیوں؟“ تیمور خان خفا ہونے لگا تھا۔

”بتایا تو تھا آپ کو پھر بھول گئے؟“ زینب نے آنکھیں نکالیں تو وہ جھنجھا گیا تھا۔

”فضول کی باتیں ہیں، کسی میں جرات نہیں کہ تم پہ انگلی اٹھائے۔“

”تیمور، ماما جان ساتھ ہیں میرے، انہیں یہاں ہمارے تعلق کی بھنگ بھی نہیں پڑنی چاہیے، میں نہیں چاہتی آپ کا پروپوزل آئے تو کوئی ایشواٹھے، آپ جانتے ہیں میں کسی حیثیت سے یہاں آئی ہوں۔“

”اوکے فائن، مگر میں تمہیں حویلی کی سیر ضرور اپنے ساتھ کراؤں گا اور آج ہی، مہندی کی تقریب تو رات کی ہے نا تم میرے ساتھ آج دوپہر کو چلنا۔“

”یہاں کے لوگ رعایا ہیں ہماری، کسی میں جرات نہیں کہ تیمور خان کو ٹیڑھی آنکھ سے دیکھ لے، آئی سمجھ؟“ وہ اس کا سر تھپک کر بولا تھا اور پھر اسے دوپہر کے کھانے کے بعد اپنے ساتھ لے

کر نکل آیا تھا، زر لالے نے اسے ماما جان کی طرف سے اطمینان دلادیا تھا کہ وہ انہیں سنبھال لے گی کوئی بھی فرضی کہانی سنا کر اور اب وہ بھی اور تیمور خان کی سنگت، زندگی کا تمام حسن جیسے انہی لمحوں میں سمٹ آیا تھا۔

ابھی کچھ دیر قبل بارش ہوتی رہی تھی، مگر اس وقت بارش تھمی ہوئی تھی، دھند یکنخت چھٹ گئی تھی البتہ ہوا میں خستگی کا احساس شدید تھا، ہر چیز دھل کر صاف شفاف اور نکھری ہوئی نظر آ رہی تھی، بڑے بڑے ناریل اور صنوبر کے درخت ہوا سے جھوم رہے تھے، سڑک شفاف آئینے کی طرح چمکتی اور بل کھاتی ہوئی دور تک جا رہی تھی، راستے میں پھسلن کی وجہ سے تیمور بہت احتیاط سے ڈرائیور کر رہا تھا۔

”زینبی تم بھی کچھ سناؤ نا مجھے؟“ تیمور خان کی فرمائش پر زینب کچھ کنفیوژسی ہو گئی۔

”میں.....! مجھے تو کچھ بھی اس وقت یاد نہیں آ رہا۔“

”اتنی حسین جگہ یہ اس قدر خوب و ہمسفر کے ہمراہ بھی تمہیں کچھ یاد نہیں آ رہا؟“ تیمور کو حیرانی نے آن لیا، زینب ہنسنے لگی، تیمور نے پجارو روک دی تھی، زینب نے مہربوت ہو کر اس جگہ کو دیکھا، سامنے پہاڑوں کے درمیان سے گرتا ہوا آبشار فضا کو جلتے رنگ بنا رہا تھا، ٹھنڈی ہواؤں کے سرسراتے جھونکے زینب کے شال کے پلو اور ریشمی بالوں کو پیچھے کی جانب اڑانے لگی، وہ بے اختیار ہو کر آبشار کی جانب بڑھی تو تیمور نے اسے ٹوکا تھا۔

”سنبھل کے زینب، یہاں پتھروں پہ پھسلن بہت ہوتی ہے۔“ زینب مسکرا دی، آبشار کا پانی چھوٹے بڑے پتھروں پہ گرنے کے بعد اڑ کر اس کے چہرے کو بھگور رہا تھا، وہ قدم جما کر چلتی ایک سفید پتھر پہ آ کر بیٹھ گئی، ساری فضا دھلی دھلی اور نکھری نکھری تھی، زینب نے اپنے بیگ سے ہنڈی کیمن نکالا اور اس حسین منظر کو محفوظ کرنے لگی۔

”اگر اتنی شدید سردی نہ ہوتی تو میں لازمی اس آبشار کے نیچے کھڑی ہو کر بھیکتی۔“ وہ مچل کر بولی تھی، تیمور خان جو اسے ہی دیکھ رہا تھا بے اختیار ہنس پڑا۔

”تم تو پاگل ہو رہی ہو زینبی! صرف خود نہیں مجھے بھی پاگل بنا رہی ہو۔“ وہ اس کے نزدیک آیا اور سرگوشی سے مشابہہ آواز میں بولا زینب نے اس کی گرم سانسوں کو اپنی گردن پہ محسوس کیا تو سرعت سے فاصلے پر ہوئی تھی، تیمور خان کی بڑی بڑی سحر طرز آنکھوں میں سرخی اور اس کی قربت کی پیاس ہمک رہی تھی، اس کے چہرے پہ تہمتا ہٹ تھی، وہ اس تنہائی اور قربت میں یقیناً گستاخ ہو رہا تھا، زینب کو اسی پل اس سے خوف محسوس ہوا، اس کی نگاہوں میں ایسا ہی مجنونانہ سا تاثر چھلک رہا تھا۔

”مجھ سے ڈر رہی ہو زینبی! میری بیوی بننا ہے نا تمہیں۔“ وہ ہاتھ بڑھا کر اس کا نازک وجود اپنی ایک مضبوط آہنی بازو کے حصار میں مقید کر چکا تھا، اس کی پر شور سانسوں کا پر تپش نفس زینب کے وجود میں انگارے بھر گیا وہ محض پھڑ پھڑا کر رہ گئی تھی۔

”چھوڑیں مجھے تیمور! یہ کیا کر رہے ہیں آپ؟“ وہ ایک دم سے روہانسی ہو گئی تھی، اس مضبوط مرد کے سامنے اس کی حیثیت کسی پرکٹی چڑیا سے زیادہ نہیں تھی، خوف کا شدید احساس اس کا دل بند

کرنے لگا۔

”پیار..... پیار کر رہا ہوں نا..... کتنا تڑپاتی ہو مجھے زینی! یونو میں کسی کی خاطر اتنا انتظار نہیں کرتا۔“ وہ کچھ اور بھی بہکا تھا، زینب کی جان ہوا ہونے لگی، کیا یہ تھا اس کی اڑان کا نتیجہ؟ اس کے اندر غضب کا طیش اور غیض ابھرا تھا، اسی غیض اور طیش میں اس نے بھرپور مزاحمت کی تھی اور تیمور کی گرفت سے ایک جھٹکے سے نکل گئی۔

”دماغ ٹھیک ہے آپ کا تیمور؟ کیا سمجھا آپ نے مجھے، مفت کی چیز یا پھر اپنے مزارع کی کوئی بے بس لڑکی۔“ وہ پھٹ پڑی تھی اور جیسے مرنے مارنے پہ تل گئی تھی، تیمور جیسے حواسوں میں لوٹ آیا۔

”میں اپنے مزارع کی لڑکیوں سے ایسی حرکتیں کرتا پھرتا ہوں؟“ وہ ناگواری سے بولا تھا زینب نے پھنکارتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھا اور چیخ کر بولی تھی۔

”مجھے کیا پتہ میں آپ کے ساتھ ساتھ نہیں پھرتی۔“

”آئی ایم ساری یار، میں شاید کچھ بے قابو ہو گیا تھا، بہت محبت کرتا ہوں تم سے ریلی، بس ذرا اظہار میں احتیاط کا دامن چھوڑ بیٹھا۔“

زینب کے تنے تنے سرخ چہرے پہ لپٹائی ہوئی نظریں جمائے وہ اس کا موڈ بحال کرنے کی کوشش میں مصروف ہوا تھا، زینب اپنے اندر سے اٹھتی کسی تند لہر لہب بھینچے دبا رہی تھی ایک کٹھنی کٹھنی سانس بھرتے ہوئے جھک کر اپنا ہینڈی کیم اٹھاتے ہوئے بیگ کاندھے پہ ڈال کر واپس چلنے کو تیار ہو گئی تھی۔

”زینی کچھ بولو نا..... خفا ہوا بھی تک، پار کر رہا ہوں نا اسکسکوز، سارا قصور میرا کہاں ہے تم لگ بھی تو اتنی حسین رہی ہو، میں فرشتہ تو ہوں نہیں محبت میں بے بس عام سا انسان ہوں۔“ وہ اس کا موڈ بحال کرنے کو بے حد لجاجت سے کہہ رہا تھا۔

”شادی کے بعد تو یہ پابندی نہیں ہوگی نا میم! ورنہ ہم تو بے موت مر جائیں گے۔“ وہ جس طرح بولا تھا زینب اسے خفیف سا گھور کر رہ گئی۔

”اب واپس چلیں۔“

سامنے پہاڑ کے پیچھے آسمان اب دھیرے دھیرے غروب ہونے لگا تھا، آسمان کا رنگ شفق رنگ ہو رہا تھا کچھ شفق رنگ کرنوں نے زینب کے چہرے کو چھوا تو اس کا کینڈی روپ گویا جگمگا اٹھا، تیمور اس میں کھونے لگا اس کا دل آج بغاوت پہ آمادہ تھا، مگر یہ بھی حقیقت تھی کہ وہ زینب کو خفا نہیں کرنا چاہتا تھا جیسا کاندھے اچکا کر اس کے ہمراہ ہولیا تھا۔

☆☆☆

ہوا بن کے بکھرنے سے اسے کیا فرق پڑتا ہے
میرے جینے یا مرنے سے اسے کیا فرق پڑتا ہے
اسے تو اپنی خوشیوں سے ذرا فرصت نہیں ملتی
میرے غم کے ابھرنے سے اسے کیا فرق پڑتا ہے

ماہنامہ حنا 148 اپریل 2012

وہی اس شخص کی یادوں میں تم روتے رہو لیکن
تمہارے ایسا کرنے سے اسے کیا فرق پڑتا ہے

جہاں آفس سے لوٹا تو معمول سے زیادہ سنجیدہ دکھائی دے رہا تھا، ماما جان کو جولان میں موجود تھیں سلام کرتا ہوا وہ اپنے کمرے میں آ گیا تھا، ٹائی اتار کر رکھتے ہوئے اس نے کوٹ اتارا تھا پھر ریست وایج کھولنے کے بعد بے حد تھکے ماندھے انداز میں وہیں بستر پہ بیٹھ گیا، زینب کو گئے ہوئے آج تیسرا دن تھا، اس دوران اس نے ایک بار بھی جہاں کو کال نہیں کی تھی، حالانکہ وہ ٹیل پل منتظر رہا تھا، دھیان کے تمام ارتکاز ہر پل اس کی جانب لگتے رہتے، پتہ نہیں کیا بات تھی کیسا احساس تھا جو اسے مضطرب کے رکھتا، کسی ہونے والے نقصان کا خوف رگوں کو بھینچے جاتا تھا، وہ بھی تو ہم پرستی میں مبتلا نہیں ہوا تھا مگر اب طرح طرح کے وہم اسے جکڑے رکھتے، وہ اپنے جذبوں کو آشکار کرنے کے معاملے میں ہمیشہ بہت سخت اصولوں پہ کار بند رہا تھا مگر اب جیسے ان تمام احتیاطوں سے منکر ہونے کو دل چاہ رہا تھا، وہ زینب پہ اپنی بے چینی منکشف کر کے اسے اپنے لئے اپنا آپ سنبھالنے کی تلقین کرنے کا خواہش مند تھا اور یہ خواہش اتنی شدید تھی کہ وہ اس کے آگے خود کو بے بس محسوس کرنے لگا تھا اور خائف بھی، وہ اس بات پہ یقین رکھتا تھا جو نصیب میں درج ہے وہ ملے بغیر نہیں رہ سکتا مگر محبت کے اپنے تقاضے اپنے مطالبات اور بے بسی ہوتی ہے، وہ محبتوں کی انہی زور آوریوں اور ہٹ دھرمیوں سے خائف تھا۔

”جہاں یہ تمہاری چائے، آتے ہی کمرے میں گھس گئے ہو طبیعت ٹھیک ہے نا؟“ مدھر سروں میں دروازہ ناک کر کے اسما بھائی اندر آئی تھیں اور بھاب اڑاتا چائے کا گمگ اس کے پاس رکھتے ہوئے فکر مندی سے بولیں تو جہاں خود کو سنبھال کر دانستہ مسکرایا تھا۔

”جی الحمد للہ بالکل ٹھیک ہوں بس کچھ تھک گیا تھا۔“ وہ اٹھ کر بیٹھ گیا، بھابھی نے بخورا سے دیکھا تھا۔

”مجھے تو تھکن کے ساتھ ساتھ اداسی بھی محسوس ہو رہی ہے، زینب نہیں سے نا گھر پیہ۔“ ان کے لہجے میں شرارت تھی، جہاں خفیف سا ہو گیا، وہ جانتا تھا اب یہ بات بزرگوں سے نکل کر پورے شاہ ہاؤس میں گردش کرنے لگی ہے۔

”خیر اب ایسی بات بھی نہیں ہے، باقی سب تو ہیں نا یہاں صرف اس کے نہ ہونے سے کیا فرق پڑتا ہے۔“ چائے کا گمگ اٹھانے کے بہانے خفیف سا جھک کر اس نے گویا اپنے چہرے کے تاثرات چھپائے۔

”فرق تو پڑتا ہے دیور جی، یہی تو دن ہوتے ہیں جب ایک دوسرے کے بغیر محفل سونی لگتی ہے، شادی کے بعد تو بیویاں بیچاری بوجھ لگنے لگتی ہیں۔“ بھابھی شرارت کے موڈ میں تھیں شاید جیسی بات کو طول دینے لگیں۔

”یہ آپ اپنا تجربہ بیان کر رہی ہیں، ضروری نہیں ہر کوئی آپ کے شوہر نامدار جیسا ہو۔“ جہاں نے مسکراہٹ دباتے ہوئے گفتگو کا رخ ان کی جانب موڑ دیا مگر بھابھی بھی ایک کانیاں تھیں۔

”اس کا مطلب تم زینب کو ہمیشہ یونہی اہمیت دیتے رہو گے؟“ جہاں نے نچلے ہونٹ کا کونہ

ماہنامہ حنا 149 اپریل 2012

پہا سے کیوں دلوائی؟“ وہ جتنی سنجیدگی سے سوال کر رہا تھا جہان نے اس قدر ٹھنڈا سانس بھر لیا تھا، وہ معاذ کی ناگواریت اور خفگی کے گراف کو پا سکتا تھا اور یقیناً اب اسے معاذ کی سخت ناراضگی کا سامنا کرنا تھا۔

”تمہیں کس نے بتایا؟“

”اس فضول بات کو چھوڑو مجھے صرف یہ بتاؤ تم نے یہ حماقت کیوں کی ہے؟“

”یار چھوڑ جانے دے نا۔“

”چلی تو گئی ہے تیری مہربانی سے، مجھے پہلے پتہ چل جاتا تو..... تو میں..... تم زینب کو جانتے

نہیں ہو جے وہ.....“ معاذ کی جھنجھلاہٹ اور خفگی اس کے بے ربط لہجے سے اچھی طرح سے عیاں تھی۔

”میں نہیں چاہتا تھا کہ اس کی بات مانوں جبکہ یہ اس کی شدید خواہش بھی تھی۔“

”ہر بات ماننے والی نہیں ہوتی ہے جے! زینب سے بھی بہت بے وقوف!“

”اس اوکے معاذ کم آن یار!“ معاذ با مشکل خود کو کنٹرول کیا تھا، پھر چند ادھر ادھر کی باتوں

کے بعد جب اس نے فون بند کیا تو جہان قدرے کم صم سا ہو کر رہ گیا تھا۔

(اس کا مطلب ہے کچھ واقعی ایسا ہے، جو صرف مجھے محسوس نہیں ہو رہا ہے) وہ کپڑے

اٹھائے واش روم میں گھسا تو ذہن پہلے سے کہیں بڑھ کر پراگندہ ہو رہا تھا۔

☆☆☆

میرے باہر جنگل تھا

اور میرے اندر آگ

آگ نکالوں

سب جل جائے

آگ چھپالوں

خود جل جاؤں

اسے اپنی آنکھوں میں اپنے چہرے پہ شدید جلن محسوس ہو رہی تھی، پورا وجود یوں جل اٹھا تھا

جیسے کسی نے برزخ میں دھکیل دیا ہو، اتنی توہین، اتنی ذلت، اتنی مشکلوں سے اس نے خود کو کنٹرول

کیا تھا ورنہ جس انداز میں شہ لالے نے اسے ڈی گریڈ کیا تھا وہ اس کا منہ نوج لیتی وہ بار بار ات کا دن

تھا اور زینب زر لالے کی تلاش میں شہ لالے کے کمرے میں آئی تھی، وہ ناشتے کے لوازمات اپنے

سامنے رکھے بیٹھی تھی بالکل اکیلی۔

”میں زر لالے کو دیکھنے آئی تھی وہ.....“

”کیوں کیا کام ہے تمہیں زر لالے سے؟ کبھی اسے تنہا بھی چھوڑ بھی دیا کرو۔“ وہ بھڑک کر

بولی تھی بلکہ اس کے گلے بڑگئی تھی، پہلے تو زینب کو یقین نہیں آسکا تھا، یہ سب اس نے اس کو کہا ہے،

وہ تھیری ہو کر اسے دیکھنے لگی تو شہ لالے کی آنکھوں میں نفرت کی چنگاریاں نکلنے لگی تھیں۔

”آنکھیں پھاڑ کر منہ کھول کے حیرت اور معصومیت کا تاثر دینے کی کوشش کر رہی ہو تو میں

دبا کر لمحہ بھر کو سنجیدگی کی نگاہ سے انہیں دیکھا۔

”آنے والے وقت کے بارے میں میں قبل از وقت کوئی بات کہنے سے گریز کیا کرتا

ہوں۔“ وہ سنجیدہ ہو چکا تھا، بھابھی نے ٹھنڈا سانس بھر کے اسے عاجز ہو کر دیکھا۔

”تم بہت گہرے ہو جہان! زینب سے تمہاری نسبت طے ہے، تم نے کبھی خود کو عیاں نہیں کیا،

خوش بھی ہونا اس رشتے سے؟“ اس سوال پہ جہان نے گہرا طویل سانس بھر کے خالی لگ انہیں تھمایا

اور خود اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

”مجھے اپنے بزرگوں کے کسی فیصلے پہ سر جھکا کر ہمیشہ خوشی ملتی ہے۔“

”اس کا مطلب ہے تم خوش ہو؟“ بھابھی ہنسی۔

”ابھی اس فیصلے پہ عمل در آمد نہیں ہوا، ابھی کچھ کیسے کہہ دوں۔“ وہ ہوا ہنسا تو بھابھی نے کھسیا

کر اس کے شانے پہ مکا مارا تھا۔

”چکنے گھڑے ہو جہان تم بھی بس۔“ وہ ہنستے ہوئے اٹھ کر وارڈ روب کے آگے جا کر اپنے

کپڑے نکالنے لگا تھا جب اس کے سیل فون کی بیل زور سے بج اٹھی، جہان کا دل ایک دم بہت زور

سے دھڑکا اس نے گردن موڑ کر ٹیبل کے گلاس پہ واٹر بیٹ کرتے سیل فون کو دیکھا تھا، بھابھی جا

چکی تھیں اس نے وارڈ روب کا دروازہ کھلا چھوڑا اور جا کے سیل فون اٹھایا، اسکرین پہ معاذ کا نمبر

دیکھ کر اس کا سارا جوش و خروش ایک دم سے مدھم پڑ گیا جیسی بولا تو اس کا لہجہ بجا ہوا محسوس کر کے

معاذ نے تشویش ظاہر کی تھی۔

”تمہاری طبیعت ٹھیک ہے؟“

”کیوں مجھے کیا ہونا ہے؟“ وہ جھلانے لگا۔

”یار اتنی مری ہوئی سی آواز ہے تمہاری اب میں اور کیا سمجھوں۔“ معاذ کی جوابی جھنجھلاہٹ پہ

وہ کھسیا کر ہنسنے لگا تھا۔

”کیسے یاد کر لیا مجھے؟ بلکہ یہ کہنا چاہیے تمہیں اور کوئی کام ہی نہیں ہے، بڑھتے کس وقت ہو؟“

وہ اسے خواجواہ لتاڑنے لگا، معاذ نے بہت سکون سے اس کی ساری بات سنی تھی پھر اسے گلے سے بولا تھا۔

”تمہیں فون کرنے، لٹرا کی سنہری زلفوں سے کھیلنے، کھانے سونے ڈرنک کرنے اور کلب میں

انجوائے کرنے سے جتنا بھی نا تم بچتا ہے ریلی سارا پڑھائی میں صرف کرتا ہوں۔“ جہان نے ٹھنڈا

سانس بھرا تھا اور تاسف سے بولا۔

”تم نہیں سدھر سکتے۔“

”اور تم بگڑ نہیں سکتے، بک ہا۔“

”سنوکل کیا ہوا تھا، تم نے مجھے ڈرا دیا تھا، کوئی ایکسیڈنٹ ہوا تھا تمہارا؟ غائب ہی ہو گئے

جہان کے چہرے پہ ان لمحات کی یاد نے تاؤ بھر دیا۔

”تھنگ چھوڑو اس بات کو۔“

”چل چھوڑ دیا مجھے یہ بتا جے کہ تم نے زینب کو اس کی فرینڈ کے ہاں ویلی جانے کی اجازت

زر لالے، زینب کے پیچھے حویلی سے باہر نہیں جاسکتی تھی، ان پہ پابندیاں اتنی سخت تھیں کہ وہ بہ جرات کرنا بھی چاہتی تو نہیں کر پاتی، وہ کچھ دیر پریشان کن نظروں سے لمحہ بہ لمحہ دور ہوتی زینب کو دیکھتی رہی پھر پلٹ کر شہ لالے کے کمرے میں آئی تھی، اسے اطمینان سے ناشتہ کرتے پا کر زر لالے کو گویا آگ لگ گئی۔

”آپ کو احساس ہے آپ نے کیا کیا ہے ادی؟“ وہ پھنکاری تھی، شہ لالے نے ایک نگاہ اس پہ ڈالی اور سخت زدہ انداز میں کاندھے جھٹک دیئے۔

”اب بات لالہ تک پہنچے گی اور ایک طوفان اٹھ کھڑا ہوگا، آپ کو لالہ کے غصے کا پتہ ہے نا؟“ زر لالے بے حد خائف نظر آرہی تھی۔

”مجھے بالکل پرواہ نہیں، ایسی عورتوں کے ساتھ ایسا ہی ہونا چاہیے جو کسی کا حق مارنا چاہتی ہوں۔“ شہ لالے نے ٹرے کو غصے میں دور سر کایا اور چیخی۔

”آپ کو کیسے سمجھاؤں، زینبی نے کسی کا حق نہیں مارا، لالہ خود اسے اس راستے پہ لائے ہیں، لالہ کا قصور آپ زینب کے سر کیوں تھوپ رہی ہیں؟“ زر لالے سلکی تو شہ لالے نے تیز نظروں سے اسے گھورا تھا۔

”مردوں پہ کون انگلی اٹھا سکتا ہے، وہ بھی یہاں کے مردوں پہ، مگر میری زندگی اس تمہاری دوست کی وجہ سے تنگ ہونے جا رہی ہے، مجھے اس سے نفرت ہے۔“ اس کا لہجہ ویسا ہی شدید تھا زر لالے نے متاسفانہ نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

”وہ غصے میں حویلی سے باہر چلی گئی، پچھواڑے کے گیٹ سے اور آپ جانتی ہیں اس طرف کا علاقہ کتنا خطرناک ہے، اف میری عقل سلب ہو کر رہ گئی، مجھے لالہ کو یہ بات بتانا چاہیے گی۔“ زر لالے اپنی عقل کو کوستی اٹھ کر بھاگی تھی، پھر اسی کے ذریعے یہ خبر تیمور خان تک پہنچی اور اس نے لمحوں میں طوفان اٹھا دیا تھا۔

”شہ لالے سے تو میں واپس آ کے پوچھتا ہوں اور تم اب بتا رہی ہو مجھے؟“ تیمور خان کی کشادہ روشن پیشانی پہ اضطراب اور ناگواری بے حد نمایاں تھی اس نے پلا درلخ زر لالے کو بھی ڈانٹ کے رکھ دیا تھا، جو اس کے غصے سے خائف ہونٹ بھینچے خاموش کھڑی تھی۔

”زینبی کی ماما جان کو اس معاملے کی بھنگ بھی نہیں پڑنی چاہیے اوکے۔“ وہ اسے تاکید کرتا ہوا خود بڑے بڑے ڈگ بھرتا پور ٹیکو کی جانب چلا گیا تھا، آندھی طوفان کی رفتار سے جیب گیٹ سے نکال کر وہ انہی راستوں پہ ہولیا تھا جن کے بارے میں زر لالے نے اسے بتایا تھا، اونچے نیچے ناہموار راستوں پہ جیب جھٹکے کھاتی اچھلتی تیزی سے آگے بڑھ رہی تھی، ایک جگہ اس نے جیب کو روکا تھا، یہاں دائیں بائیں دو سڑکیں تھیں اس نے ایک جانب کو جیب موڑ دی مگر وہ جیب پہ سفر مزید نہیں کر سکتا تھا، وہ راستے ناہموار اور ٹوٹے پھوٹے تھے، اس نے جیب کو سڑک کنارے روکا اور خود نیچے اتر آیا، اسی سڑک پہ متلاشی نگاہوں کو دوڑاتا وہ خاصا آگے نکل آیا تھا جب اس کی نظر سڑک کے کنارے چھوئی مگر کم گہری کھائی میں انکی تھی جس میں اگی خوردرو جھاڑیوں میں سفید کپڑے کی جھلک نظر آتی تھی تیمور خان کی اسے یاد آیا زینب نے کل رات سفید سوٹ ہی پہنا

تمہیں بتا دوں کہ مجھ پہ یہ تمہاری منحوس ادائیں اثر انداز ہونے والی نہیں ہیں، یہ لالہ ہی ہیں احمق اعظم جنہیں تم نے آسانی سے الو بنا لیا یا پھر زر لالے، میرا شمار ان میں مت کرنا۔“

کتنی تضحیک تھی اس کے انداز میں اور اس سے بڑھ کر کبھی، زینب کب ایسے رویے کو سہا تھا وہ جھلس کر رہ گئی تھی، غصے اور توہین کی لہر اس کے اندر سے اٹھی تھی مگر وہ اتنی منجمد اور شاکد تھی کہ فوری طور پہ کوئی رد عمل نہیں دے سکی تھی، شہ لالے کی اتنی سنگ دل اور اس درجہ ذلت پہ وہ جیسے دودھاری تلوار سے خود کو کتنا محسوس کرنے لگی، غم و غصے کی زیادتی سے دماغ ماؤف ہونا ہوا محسوس ہوا تھا، وہ اس کی پوری بات سننے بغیر سرعت سے پلٹی تو دروازے میں پتھر بنی زر لالے پہ نگاہ پڑی تھی، وہ اسے نظر انداز کیے آندھی طوفان کی طرف دروازے سے نکلی اور طویل راہداری عبور کر کے انکیسی کی سمت آگئی، ایک کرب تھا جو رگ رگ کو کاٹتا ہوا گزر رہا تھا، اگر جواب میں وہ بھی شہ لالے کا منہ توڑ جواب دیتی تو شاید یہ اعصابی تناؤ اتنا نہ بڑھتا، زر لالے اس کے پیچھے لپکی تھی مگر وہ اس کی سننے بغیر بھاگتی ہوئی حویلی کا پچھلا دروازہ پار کر گئی تھی، اسے خود احساس نہیں تھا وہ کیا کر رہی ہے، اس کا منہ جس سمت اٹھا تھا وہ چل پڑی تھی، آنسو ایک تو اتر کے ساتھ اس کے گال بھگورے تھے، اتنی سبکی اور توہین کا اس کے آس پاس تصور بھی نہیں تھا، اگر اسے ذرا سا بھی اس قسم کی صورت حال کا اندازہ ہوتا تو وہ کب کی تیمور کی جائیداد دولت سمیت اس پہ لعنت بھیج چکی ہوتی، باہر شدید ٹھنڈ تھی، وادی میں زندگی بے دار ہو چکی تھی، لوگ موٹے کپڑوں میں خود کو لپیٹے کام میں لگ گئے تھے، مگر ان راستوں پہ چلنا ابھی خطرے سے خالی نہیں تھا، اونچے نیچے پھسلن زدہ راستوں پہ اس کا دو مرتبہ پیر پھسلا تھا اور متعدد بار اسے ٹھوکر لگی مگر وہ رکی نہیں تھی، بوندا باندی پھر سے ہونے لگی جس نے ہواؤں کو کچھ اور بھی سرد کر کے فضا میں دھندلا غبار بڑھا دیا تھا، ایک بار پھر اس کا پیر پھسلا اور وہ کچھ دور تک پھسلنے کے بعد سنبھلی تو تھک کر وہیں بیٹھ گئی، پیر سہلاتے ہوئے اس نے سر اٹھا کر دائیں بائیں دونوں اطراف نگاہیں دوڑائیں اور راستے کا تعین کرنے لگی، اسے ماما جان کا خیال آیا، غصے میں وہ انہیں کچھ بتائے بغیر نکل آئی تھی، یہ مسئلے کا حل بہر حال نہیں تھا، اسے واپسی جانا چاہیے تھا، میں بے کوفون کرتی ہوں، اب میں ایک پل بھی یہاں نہیں ٹھہروں گی، آج ہی واپس جاؤں گی۔

اس نے دل میں عہد باندھا اور اٹھ کر واپسی کے رستے پہ ہوئی تو چند لمحوں کے اندر ہی یہ انکشاف اس کی ریڑھ کی ہڈی میں سنساہٹ بھر گیا تھا کہ وہ راستہ بھنگ چکی ہے، وہ اس علاقے سے انجان تھی اس وقت وہ جہاں تھی وہاں ہر سو ہو کا عالم تھا، برسات کی وجہ سے چھوٹے بڑے نالے پانی سے بھرے ہوئے تھے، وہ کچھ لمحے متفکر سی کھڑی رہی پھر کچھ سوچ کر اندازے سے دائیں جانب مڑ گئی اور تیزی سے چلنے لگی مگر راستہ انجان تھا اور سنسان تھی جو کسی ذی روح کے استعمال میں لگتی ہی نہ تھیں، سڑک کے اطراف ٹوٹی پھوٹی چھوٹی کھائیاں تھیں، جن میں نگاہ غلطی سے بھی پڑی تو کلیجہ منہ کو آنے لگتا، وہ گھبرا کر پیچھے ہوتی تو جانے کیسے قدم پھسل گئے، اس نے لاکھ سنبھلنا چاہا مگر وہ گرتی چلی گئی تھی، اس کے حلق سے نکلنے والی دل خراش چیخوں کی آواز کچھ دیر تک فضا میں گونجتی رہی پھر فضا بھی سناکن ہو گئی تھی۔

”بچہ ہی ہے، چاکلیٹ دلا کر بہلا لیں۔“ جہان کی نصیحت پہ وہ سر ہلاتے پلٹ گئے تھے، جہان نے عجلت میں منہ پہ چند پانی کے چھپا کے مارے اور شرٹ کے بٹن بند کرتے ہوئے بالوں کو ہاتھوں سے ہی سنوار کر باہر آ گیا تھا۔

”جہان کیا زینب نے آپ کو فون کیا؟“ ماما شاید اس کی جانب آرہی تھیں، اسے دیکھ کر بولیں۔

”جی نہیں، ویسے خیریت؟“ وہ بے طرح چونکا تھا۔

”بہت لا پرواہ سے یہ لڑکی! دیکھو بھلا تیسرا دن ہے گئے ہوئے، پچھلوں کی خیر خبر لینے کی ضرورت ہی نہیں ہم فون کریں تو کریں، بھیا بھی بیگم کی طبیعت بھی ٹھیک نہیں تھی مجھے ان کی الگ فکر ہو رہی ہے۔“ ان کو بھی زینب سے شکایتیں تھیں جہان کیا کہتا بس سر جھکا کر رہ گیا تھا۔

”مجھے نمبر ملا کے دو بیٹے اس کا پوچھوں کب آئے گی، شادی تو غالباً آج ہو چکی۔“

”جی بہتر میں اپنے کمرے سے سیل فون لے آؤں۔“

وہ وہیں سے پلٹا تھا سیل فون سمیت واپس آیا تو ماما وہیں صوفے پہ بیٹھی تھیں نزدیک ہی بھابھی بیٹھیں کسی بات پہ ہنس رہی تھیں، جہان نے زینب کا نمبر ڈائل کیا، بیل جانی رہی مگر اس نے کال ریسیون نہیں کی تھی، جہان نے بار بار مرتبہ ٹرائی کیا تھا اور عجیب سے احساسات کا شکار ہو کر وہ گیا کہ اس کے بعد ناٹ رسیاننگ کا ریکارڈ میج آنے لگا، بھینچے ہوئے ہونٹوں کے ساتھ سیل فون پہ اس کے ہاتھ کی گرفت سخت ہو کر رہ گئی۔

(وہ مجھ سے بات نہیں کرنا چاہتی، وائے؟)

اس کے اندر سوالوں کا ادھم مچنے لگا تھا جب ماما نے اسے حیرانی سے مخاطب کیا تھا۔

”کیا نہیں فون جہان بیٹے؟“ وہ ان کی آواز پہ یوں چونکا جیسے گہری نیند سے جاگا ہو۔

”اس کا نمبر بند ہے چچی جان! غالباً چارجنگ ختم ہو گئی ہوگی، سیل کی۔“

وہ بہر حال اپنے خدشات میں انہیں نہیں شامل کرنا چاہتا تھا، ماما سخت کوفت زدہ ہو کر بڑبڑانے لگیں، انہیں زینب کی اس درجہ لا پرواہی پر اور غصہ چڑھنے لگا تھا۔

”میں کچھ دیر بعد ٹرائی کروں گا چچی جان! آپ پریشان نہ ہوں۔“ وہ انہیں تسلی سے نواز کر خود پاپا کے کمرے کی جانب آ گیا، حالانکہ حقیقت یہ تھی کہ وہ خود بہت زیادہ مضطرب ہو کر رہ گیا تھا۔

”آڈ بیٹے بیٹھو، مجھے تم سے بہت ضروری بات کرنی ہے۔“

”جی چاچو!“ وہ ان کے پاس ہی صوفے پر بیٹھ کر سوالیہ نگاہوں سے انہیں دیکھنے لگا تو انہوں نے پہلے گلا کھنکھارنا تھا پھر آہستگی سے بولے تھے۔

”بیٹے میں چاہتا ہوں آپ کے اور زینب کے تعلق کو باقاعدہ کوئی نام دے دیا جائے، کوئی چھوٹی موٹی رسم ادا کر دی جائے شادی معاذ کی واپسی پہ کر دیں گے، بلکہ میں تو کہتا ہوں شادی بھی کر دیتے ہیں معاذ کچھ دنوں کی چھٹیاں لے سکتا ہے۔“

اپنی اہم بات اتنے اچانک انہوں نے کہی تھی کہ جہان تو شپٹا کر رہ گیا تھا۔

ماہنامہ حنا 155 اپریل 2012

ہوا تھا، اس کا دل زور سے دھڑکا، پھسلن زدہ راستوں پہ مضبوطی سے قدم رکھتا وہ تیزی سے اسی جانب لپکا تھا، اس کا ٹیک یقین میں بدل گیا، وہ زینب ہی تھی اور کھائی میں کاٹنے دار جھاڑیوں میں ابھی نے سدھ پڑی تھی، تیمور نے بے تابی سے اسے آوازیں دی مگر اس کے وجود میں کوئی جنبش نہیں ہوئی تو تیمور خان نے ہاتھ بڑھا کر گہری تشویش میں مبتلا ہوتے اس کی نبض ٹٹولی تھی، اسے زندگی کی حرارت سے معمور پا کر وہ قدرے ریلیکس ہوا تھا اس کے کپڑے کچھڑے سے داغدار تھے اور جسم پہ مختلف جگہوں پہ گہری خراشیں نظر آرہی تھیں، تیمور نے پہلے خاردار جھاڑیوں کو ہٹایا تھا پھر نرمی و احتیاط سے اپنے ہاتھوں پہ اٹھا کر بازوؤں میں بھر لیا، مضبوط قدم اٹھاتا ہوا وہ واپس جیب تک آیا تو ضبط اور غصے کی شدت سے اس کے ہونٹ بھینچے ہوئے تھے، زینب کی کی قربتوں سے بے خبر ہنوز بے سدھ تھی، تیمور نے اسے جیب کی پچھلی سیٹ پہ لٹایا تھا، پھر اپنے شانوں سے گرم مردانہ شال اتار کر اس کا سر دو جوڈ لپیٹ دیا، حویلی کی جانب جیب کا رخ پھیرتے ہوئے اس کی آنکھوں سے حدت اور سرخی کچھ اور بھی گہری ہوئی جا رہی تھی۔

☆☆☆

کچھ اس ادا سے آج وہ پہلو نشیں رہے جب تک ہمارے پاس ہم نہیں رہے یا رب کسی کے راز محبت کی خیر ہو دست جنوں رہے نہ رہے آستیں رہے درد غم فراق کے یہ سخت مرحلے حیراں ہوں میں پھر بھی تم اتنے حسین رہے جا اور کوئی ضبط کی دنیا تلاش کر اے عشق ہم تو اب تیرے قابل نہیں رہے اللہ رے چشم یار کی معجز بیابیاں ہر ایک کو رہے گماں کہ مخاطب ہم رہے

جہان نے گہرا سانس بھرا تھا اور کھڑکی کا پٹ بند کر دیا، لان میں زیادہ حسان، حور یہ اور ماریہ نے کرکٹ کھیلتے ہوئے ایک طوفان مچا رکھا تھا، وہ آفس سے آنے کے بعد کچھ دیر ستانے کو لیٹا تھا کہ آنکھ لگ گئی، ان کے شور سے ہی آنکھ کھلی تھی، وہ فریض ہونے کو واش روم کا رخ کر چکا تھا، جب دروازہ ناک ہوا تا، اس نے پلٹ کر دیکھا جنید بھائی تھے۔

”آئیے بھائی!“ وہ ایک دم موڈ ب ہوا۔

”یار تمہارے لئے چاچو کا پیغام لایا ہوں، بلار ہے ہیں تمہیں، میں اسے آنسکریم کھلانے لے جا رہا ہوں۔“ انہوں نے گود میں اٹھائے اپنے بیٹے اسامہ کی سمت اشارہ کیا۔

”اتنی سردی میں آنسکریم کھلانے کے تو گلا خراب ہو جائے گا۔“ جہان کی تنبیہ پہ انہوں نے سرد آہ بھری۔

”کوئی مانے بھی نامیرے یار۔“

ماہنامہ حنا 154 اپریل 2012

”چاچو اتنی جلدی کیا ہے، ابھی تو زینب کی تعلیم بھی مکمل نہیں ہوئی۔“

”بیٹے اس نے رخصت ہو کر کہیں اور ٹھوڑی جانا ہے، گھر والی بات ہی رہے گی، پڑھتی رہے بعد میں بھی یا تمہیں اس کی بعد میں تعلیم پہ کوئی اعتراض ہوگا؟“ بات کے اختتام پہ انہوں نے کچھ شریہ سے انداز میں سوال اٹھایا تو جہان جھینپ کر رہ گیا تھا۔

”میں بھلا کیوں اعتراض کروں گا چاچو!“ وہ سرخ پڑ گیا تھا، پپانے بہت دلچسپی سے اس کا یہ اندازہ دیکھا تھا پھر مسکرا دئے۔

”کیا خیال ہے پھر کر لیں ایسا کوئی فنکشن ارنج؟“ جہان نے گہرا سانس بھرا پھر آہستگی سے بولا تھا۔

”آپ زینب کی رائے تو لیں نا پہلے چاچو!“

”تم میں کیا کمی ہے بیٹے جو وہ انکار کرے گی، ماشا اللہ تم ایسے ہو کہ کوئی بھی لڑکی تمہاری سنگت میں فخر سے سراٹھا کر زندگی گزار سکتی ہے۔“ ان کی بے ساختہ تعریف پہ جہان خفیف سا ہو گیا۔

”چاچو آپ زینب کو واپس آ لینے دیں، ان سے رائے لے لیں پھر جو آپ کی مرضی ہو کر لیجئے۔“ وہ آہستگی مگر قطعی انداز میں بولا تو پپانے سر کو اثبات میں ہلا دیا تھا اور موضوع بدل دیا۔

”ہماری لاہور کی جو گارمنٹ فیکٹری ہے وہاں کچھ مسائل پیدا ہو رہے ہیں بیٹے! مجھے ابھی کچھ دیر قبل مینجر کا فون آیا تھا، بتا رہا تھا کہ کوئی بزنس دو مین ہیں وہ ہماری فیکٹری خریدنے کے معاملے میں دلچسپی رکھتی ہیں اور ہر قیمت پر اسے خریدنا چاہتی ہے۔“

”آپ کا ارادہ ہے اسے بیچنے کا؟“ جہان متحیر ہو کر بولا تھا، پیار و اداری سے مسکرائے۔

”ایسی بات نہیں ہے بیٹے! اسی فیکٹری کا مال تو ہم بیرون ملکوں میں بھیجتے ہیں، میں یہ چاہ رہا ہوں کہ تم کچھ دنوں کو وہاں چلے جاؤ، وہاں وہ جو بھی خاتون ہیں بات کرو ان سے اور سمجھاؤ انہیں، ہمارا ایسا کوئی ارادہ نہیں ہے، مینجر نے مجھے بتایا تھا کہ وہ دو گنی قیمت دے کر بھی فیکٹری خریدنے پہ تیار ہیں۔“

”چاچو جب ہمارا ارادہ نہیں ہے تو وہ زبردستی تو نہیں کر سکتیں نا۔“ وہ کس قدر غصے سے بولا تھا پپا آہستگی سے مسکرا دئے تھے۔

”بالکل زبردستی نہیں کر سکتیں اور یہ بات ان محترمہ کو میرا جیننس بیٹا سمجھائے گا۔“

”اب جاؤ کچھ دیر آرام بھی کر لیا کرو۔“ انہوں نے پیار سے اس کا کاندھا تھکا تو جہان ان کی شفقت بھری توجہ پہ مسکراتا ہوا اٹھ کھڑا ہو گیا تھا، اپنے کمرے تک آتے اس نے پھر سے زینب کا نمبر ٹرائی کیا تھا مگر اس کا نمبر ہنوز آف جا رہا تھا، جہان کے اعصاب کی کشدگی پھر سے بڑھنے لگی تھی۔

☆☆☆

جب نیند سے آنکھیں بوجھل ہوں
اور اپنے آنکھ سے اوجھل ہوں

پھر نیند بھلا کب آتی ہے
جب دل میں بسنے والے بھی
اور ساتھ میں ہنسنے والے بھی
دور کہیں وہ بستے ہوں
کسی اور کے ساتھ وہ ہنستے ہوں

پھر نیند بھلا کب آتی ہے

جب بات ادھوری ہو

اور اس میں یاد بھی تیری ہو

نہ دل میں کوئی اجالا ہو

پھر نیند بھلا کب آتی ہے

اس نے گراہ کر آنکھیں کھولیں تو ساتھ ہی گرم سیال بھی بہہ کر کنپٹیاں بھگونے لگا، آج شہ لالے کی بارات تھی اس نے ایک لمحے کے لئے بھی بستر نہیں چھوڑا تھا زر لالے کی منت سماجت کے باوجود وہ کسی تقریب میں شریک نہیں ہوئی نہ کسی کی بات سنی تھی، وہ تو چوتیس ہی کچھ اس طرح آئی تھیں کہ وہ فوری واپسی پہ ضد نہیں کر سکی اس پہ یہ احتیاط بھی کہ ماما جان کو کسی بات کی بھنگ نہ بڑے، وہ کیسے اس کی حالت دیکھ کر تڑپ اٹھی تھیں، تیمور خان نے انہیں صرف یہی بتایا تھا کہ وہ پھسل کر گر گئی ہے باقی کوئی بات ان تک نہیں پہنچی تھی، زینب نے ہوش میں آنے کے بعد سب سے پہلے جہان کا نمبر ملانا چاہا تھا مگر اس کا میل آف تھا شاید چارج ختم ہو گئی تھی، اس نے زر لالے سے اسے چارج کرنے کا کہا تھا مگر پھر اسے میل فون ملا ہی نہیں تھا، پتہ نہیں دل کا یہ کیسا تعلق تھا جہان سے کہ وہ ہر خوشی ہر غم ہر الجھن اور غرض کے وقت اسی کی جانب متوجہ ہوا کرتی تھی اور اسے خود اس بات کا احساس تک نہیں تھا، تیمور خان نے اس سے خصوصی معذرت کی تھی مگر زینب کے اندر سرسراتا توہین و خفت اور تذلیل کا احساس ختم نہیں ہوا تھا۔

”زینب کیسی طبیعت ہے اب آپ کی؟“ تیمور خان کی بھاری بھر کم آواز پہ زینب جو آنکھیں موندے پڑی تھی چونک اٹھی، اسے رو برد پاتے ہی اس کی روشن پیشانی پہ ناگواری کی شکنیں نمودار ہوئی تھیں۔

”میرا میل فون کہاں ہے؟“ وہ مختصر ابولی اور اٹھ کر بیٹھنے کی کوشش کرنے لگی مگر درد میں ڈوبا جسم ساتھ نہ دے سکا تو گراہ کر رہ گئی تھی، تکلیف سے زیادہ سکی کے احساس نے آنکھوں کو بھگویا تھا، تیمور خان نے بے اختیار آگے بڑھ کر اسے شانوں سے تھام لیا۔

”بیٹی رہو زینبی!“ زینب نے ایک جھٹکے سے اس کے ہاتھ جھٹک دیئے تھے اور خشکی نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے بولی تھی۔

”پلیز مجھے ہاتھ مت لگائیں۔“

”زینبی پلیز مجھ سے کیوں خفا ہو؟“ اس کا لہجہ سخت احتجاجی ہوا تھا۔

”اس لئے کہ وہ آپ کی بہن ہے، جس نے مجھے دو کوڑی کا کرنے رکھ دیا تھا۔“ وہ پھنکاری تو

تیور خان نے ہونٹ بھیج کر ضبط سے سرخ ہوتی نگاہوں سے اسے دیکھا تھا۔
 ”وہ اس گستاخی کی سزا بھگت چکی ہے، میں ساری زندگی کے لئے اس سے اپنا تعلق توڑ چکا ہوں۔“ زینب نے چونک کر تیور خان کو دیکھا اس کے سرخ و سفید چہرے پہ اہنی سختی تھی۔
 ”آپ نے ایسا کیوں کیا بھلا؟“ وہ طنز سے بولتی تو تیور خان کی نگاہوں میں شاک کی پن اتر آیا۔

”یہ بات تم مجھ سے پوچھ رہی ہو زینبی! میں محبت کرتا ہوں تم سے اور جو تمہیں ہرٹ کرے گا میں اس سے یہی سلوک کروں گا، میرے پاس تمہیں کھونے کا کوئی تصور نہیں ہے زینبی پکیز اس خفگی کو ختم کرو اب۔“ وہ اتنی لجاجت اتنی بے بسی سے کہہ رہا تھا کہ زینب کچھ ثانیوں کو اسے دیکھتی رہ گئی تھی، یہ بات تو زر لالے بھی اسے بتا چکی تھی کہ لالہ نے ادی کی بہت توہین کی ہے، اپنی شادی کے دن بھی لالہ کی ڈانٹ پڑی ہے انہیں اور ایسا صرف تمہاری وجہ سے ہوا ہے زینبی ورنہ لالہ کی ادی سے محبت مثالی تھی، زینب کو تب زر لالے کی بات کا اعتبار نہیں آسکا تھا مگر تیور خان کے سنگلاخی لب و لہجے اور چہرے کی سختی نے اس پہ اس کے ارادے اور بات کی سختی کو واضح کیا تھا گویا، زینب کو ایک دم اپنا آپ بہت اہم بہت خاص لگا تھا۔

”خاموش کیوں ہو زینبی! میری بات کا جواب دونا؟“ تیور خان کی بے چینی دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی، زینب کو یک گونہ سکون محسوس ہوا۔

”آپ بی الحال تو مجھے میرا سیل فون دس نا، میں بس ابھی گھر جانا چاہوں گی۔“ وہ اتنی آسانی سے اسے معافی کا اشارہ نہیں دینا چاہتی تھی، کچھ توہین کا احساس باقی تھا کچھ اس کی فطرت میں بھی شامل تھا سامنے والے کی آتش شوق کو بڑھانا۔

”تمہاری سیل کا زر لالے کو پتہ ہوگا، تم اس پر بات کر لو، جسے بھی فون کرنا ہے۔“ تیور خان نے اپنا بے حد قیمتی سیل فون جیب سے نکال کر اس کے آگے کیا جسے زینب نے کس قدر تذبذب اور تامل سے تھاما تھا۔

”جے کو کال کرنی تھی، اللہ جانے اس کا نمبر بھی صحیح سے ذہن میں ہے کہ نہیں۔“ وہ بڑبڑائی تو تیور خان نے کچھ دھیان سے اس کا چہرہ دیکھا تھا۔

”جے یعنی جہانگیر؟ تم اپنے بھائی کو کال کر لو اس کا نمبر تو یاد ہوگا۔“
 ”نہیں میں جے کو ہی کال کروں گی، زیاد بھائی کا نمبر تو مجھے سرے سے یاد نہیں۔“ وہ بے نیازی سے کہہ کر نمبر پیش کرنے لگی، تیور خان کے اندر سے تناؤ کی ایک لہر اٹھی البتہ اس نے کچھ کہنے سے گریز ہی کیا تھا۔

”ہیلو جے میں زینب بات کر رہی ہوں۔“
 ”میں ٹھیک ہوں، میرے سیل کی بیٹری ڈاؤن تھی اس لئے دوسرے نمبر سے آپ سے بات کر رہی ہوں۔“

”اوکے ماما جان کیسی ہیں؟“
 ”ماما جان تو ٹھیک ہیں، میں ٹھیک نہیں ہوں۔“ وہ اسے بتانے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتی تھی مگر

جانے کیسے منہ سے پھسل گیا، تیور خان جزب ہو گیا تھا جبکہ اس کے برعکس جہان اسی لحاظ سے مضطرب ہوا تھا تھا۔

”خیر بیت ہے نا زینب! کیا ہوا ہے؟“
 ”گرگئی تھی کچھ چونٹیں آگئی ہیں، میں واپس آنا چاہتی ہوں جے آئی مس یو۔“ اس کا گلہ بھرا سا گیا تھا، جہان نے جیسے اس کا آخری فقرہ سنا ہی نہیں۔

”کیسے گری ہو تم؟ چونٹیں زیادہ تو نہیں لگیں؟“ اس کی بے چینی اس کے لہجے سے عیاں تھی، وہ جو ہمیشہ معتدل رہتا تھا، خاص طور پہ زینب کے معاملے میں اس پل کسی طرح بھی خود پہ کنٹرول نہیں کر سکا۔

”آپ پریشان نہیں ہوں جے! میں ٹھیک ہوں، بس آپ مجھے لینے آ جائیں۔“
 ”اوکے زینب میں کچھ کرتا ہوں۔“ جہان نے خود کو سنبھال کر اسے تسلی دی۔
 ”آپ پیایا ماما کو کچھ مت بتائیے گا ورنہ وہ پریشان ہو جائیں گے۔“

”ڈونٹ یووری، ریلیکس۔“ جہان نے اسے پھر تسلی سے نوازا تھا۔
 ”زینب آپ کو انہیں پریشان نہیں کرنا چاہیے تھا اور کیا میں آپ کو واپس نہیں چھوڑ کے آتا؟ یہ بات کچھ عجیب نہیں لگتی کہ آپ کا ڈرائیور بھی یہیں سے پھر بھی آپ نے یہ بات جہانگیر صاحب سے کہہ دی۔“ تیور خان کے لہجے سے اس کی ناپسندیدگی و ناگواری کا واضح تاثر ملتا تھا مگر زینب نے قطعی پرواہ نہیں کی اور بے اعتنائی سے بولی تھی۔

”میں جے سے ہر بات نہ بھی کہنا چاہوں تو کہہ جاتی ہوں پتہ نہیں کیوں؟“ تیور خان نے بغور اس کی شکل دیکھی تھی اور کچھ کہے بغیر ہونٹ بھیج لئے تھے۔

☆☆☆

”یہ کیا بات ہوئی بھلا کوئی ضرورت نہیں ہے جہان کو یہاں بلانے کی، منع کر دیئے اسے خواخواہ پریشان ہوگا۔“ ماما جان نے سنا تو زینب کو سرزش کی تھی، زینب نے منہ لٹکا لیا۔
 ”میں نہیں کر رہی منع آپ خود کر دیں۔“

”ٹھیک ہے کرنی ہوں، نمبر ملا کے دو اس کا۔“ ان کا لہجہ و انداز بے حد قطعیت لئے ہوئے تھا، زینب نے آف موڈ کے ساتھ جہان کا نمبر ملا کے فون ان کے ہاتھ میں دے دیا، ماما جان جہان سے بات کرتی رہی تھیں، وہ یقیناً پریشان تھا اور وہاں آنے پہ اصرار کر رہا تھا، ماما جان نے خاصی مشکلوں سے اسے قائل کیا۔

”ہم آج ہی واپس آ رہے ہیں بیٹے! تم پریشان کیوں ہوتے ہو، زینب بھی بالکل ٹھیک ہے، بات کر لو اس سے۔“ ماما جان نے سیل فون اس کی طرف بڑھایا تو وہ کچھ دیر خفگی سے دیکھتی رہی پھر فون لے لیا تھا۔

”ہیلو۔“
 ”زینب ماما جان منع کر رہی ہیں۔“
 ”تو آپ ہو جائیں منع۔“

”تم خفا ہو؟“
 ”آپ کو پروا نہیں ہونی چاہیے اس کی۔“ وہ نروٹھے پن سے بولی تو جہان نے ٹھنڈا سانس بھر لیا۔
 ”زینب تم مجھے پریشان کر رہی ہو۔“
 ”آپ پریشان کیوں ہوتے ہیں بے! ماما جان نے بتایا میں ٹھیک ہوں، باقی کی بات آپ سے واپس آ کے کر لوں گی۔“

”کون سی بات ہے۔“ جہان زور سے چونکا۔
 ”بتاؤں گی نا۔“ وہ مسکرا دی تھی۔
 ”او کے فائن! میں انتظار کروں گا، اپنا خیال رکھنا اور ماما جان کا بھی۔“
 ”ماما جان بتا رہی تھیں کہ آپ لاہور جا رہے ہیں؟“
 ”ہاں جاتا تو رہا ہوں مگر ہمیشہ کے لئے تھوڑی جاؤں گا۔“
 ”او کے آپ بھی اپنا خیال رکھیے گا۔“ زینب نے خدا حافظ کہہ کر سلسلہ منقطع کیا تو ماما جان جو اسے ہی دیکھ رہی تھیں گہرا سانس بھر کے بولی تھیں۔
 ”چلو بس اب نکلنے کی کروڈ رانیور کو فون کر دو۔“

”جی بہتر!“ زینب نے آہستگی سے کہا، جس وقت زینب اپنے کپڑے بیگ میں رکھ رہی تھی زرلا لے اپنی والدہ کے ساتھ اس کے کمرے میں داخل ہوئی تھی، ساتھ میں دو ملازما تھیں بھی تھیں، جن کے ہاتھوں میں موجود بڑے بڑے تھال تھے جو ریشمی رومالوں سے ڈھکے ہوتے تھے۔
 ”بہن آپ نے کیوں تکلیف کی ہم خود آپ سے ملنے آتے۔“ ماما جان نے اٹھ کر انہیں سہارا دے کر بیٹھنے میں مدد دی اور رواداری سے بولیں تھیں۔

”بہن یہ آپ کے اور بچی کے لئے کچھ تحائف ہیں، قبول فرمائیے ہماری روایت ہے یہ۔“
 زرلا لے کی والدہ کے لہجے میں محبت اور مخصوص انکساری تھی، وہ بہت مشفق اور نرم خو خاتون معلوم ہوتی تھیں، ماما جان تحائف میں زیورات اور منگے کپڑے دیکھ کر حیران رہ گئیں۔
 ”یہ اتنے قیمتی تحائف! پلیز میں انہیں قبول نہیں کر سکتی۔“ انہوں نے رواداری سے منع کیا تھا، زینب البتہ خاموش تھی، اس نے استفہامی نگاہوں سے زرلا لے کو دیکھا تو وہ اس کے کان کے قریب جھک کر سرگوشی میں بولی تھی۔

”بھئی یہ خاص لوگوں کے لئے خاص تحائف ہیں، اماں اپنی ہونے والی بہو کو پہلی بار یہاں آنے پر شاندار طریقے سے رخصت کرنا چاہتی ہیں۔“ زرلا لے کی بات پہ زینب جزبہ ہو کر رہ گئی۔
 ”یار منع کرو انہیں پلیز! ابھی ماما جان کو نہیں معلوم ہونا چاہیے۔“

”یہ کیا بات ہوئی زینبی! میرے لالہ جتنے بے چین ہیں تم اس قدر تغافل برت رہی ہو۔“
 زرلا لے کے اعتراض پہ زینب نے ناگواری سے اسے دیکھا۔
 ”میں نے تمہیں اور تمہارے لالہ دونوں کو یہ بات سمجھائی تھی کہ میری تعلیم جب تک مکمل نہیں ہوتی ایسا کوئی سلسلہ شروع نہیں کیا جائے گا۔“

”چاہے اس دوران تمہیں کوئی اور لے اڑے؟ لالہ کو یہی فکر ہے۔“
 ”ایویں ہی لے اڑے، میری مرضی کے بغیر کچھ نہیں ہو سکتا۔“ زینب نے تیوری چڑھا کر کہا تو زرلا لے نے ہونٹ بھیج کر اسے دیکھا تھا۔
 ”یہ بات تم لالے کو سمجھانا، یہ سب انہی کی ایما پہ ہو رہا ہے۔“ زرلا لے نے بات ہی ختم کر دی تو زینب گہرا سانس بھر کے رہ گئی تھی۔

☆☆☆

”عاصم صاحب میں اس الجھن اور بحث میں مزید نہیں پڑنا چاہتا، اگر وہ خاتون آپ کو پھر فورس کرنے کی کوشش کریں تو آپ ان کی مجھ سے بات کر دیجئے گا۔“ جہان نے جھنجھلا کر کہا تھا اور گویا موضوع ختم کر دیا، پھر وہ حساب کتاب کی فائلز اور نئے آرڈر چیک کرنے کے کام میں لگ گیا یہ کام بھی بہت ٹائم مانگتا تھا اگلے ٹین گھنٹے تک وہ سر نہیں اٹھا سکا تھا اس کے بعد اس نے تمام اسٹاف کے ساتھ میٹنگ رکھی تھی، اسے وہ تمام نمونے دیکھنے تھے جو مختلف شہروں سے انہیں مال کے آرڈر کے ساتھ ملے تھے۔

”سر آپ لنچ باہر کریں گے یا یہیں منگوا لوں؟“ سکریٹری انٹرکام یہ اس سے مخاطب تھی، جہان نے چونک کر وال کلاک کی سمت دیکھا، آج صبح ہی وہ لاہور آیا تھا اور صبح سے آفس آنے کے بعد سے بے حد مصروف تھا، صبح وہ بہت عجلت میں نکلا تھا ناشتہ بھی ڈھنگ سے نہیں کر سکا، اس وقت بھوک تو واقعی اسے بہت لگی ہوئی تھی۔

”نوٹیفکس! میں باہر جا رہا ہوں، آدھے گھنٹے تک آ جاؤں گا، تمام اسٹاف کو میٹنگ کے لئے الٹ کر دیجئے۔“ وہ اپنی بات مکمل کر کے انٹرکام کا رسیور رکھتا ہوا اٹھ کر کھڑا ہو گیا، قریبی ریسٹورنٹ میں آ کر اس نے لنچ آرڈر کیا تھا اور پندرہ منٹ بعد وہ کھانے سے فارغ بھی ہو چکا تھا، اس نے ٹائم دیکھا ابھی دس منٹ باقی تھے، پانچ منٹ کی ڈرائیو تھی، وہ کافی پی سکتا تھا، یہی سوچ کر اس نے کافی آرڈر کر دی تھی، ابھی کافی کا اس نے پہلا گھونٹ لیا تھا جب اس کے کوٹ کی جیب میں موجود سیل پہ واٹریشن ہونے لگی تھی، اس نے کافی کا گگ ٹیبل پہ رکھا اور کوٹ کی جیب میں ہاتھ ڈال کر سیل فون نکالا، آفس کا نمبر تھا اس نے کال فوری پک کی تھی۔

”سر مسز آفریدی آفس میں آئی ہوئی ہیں اور آپ سے ملنا چاہتی ہیں۔“ سکریٹری کی بات سن کر اس کے چہرے پہ الجھن سمٹ آئی۔

”کون مسز آفریدی؟ جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے، ان سے کوئی اپائنٹمنٹ نہیں ہے میرا۔“
 ”سر یہ وہی خاتون ہیں جو فیکٹری کو خریدنے کے معاملے میں انٹرسٹڈ ہیں۔“ جہان کے ماتھے پہ بل پڑ گئے، اس کا موڈ آف ہوا تھا۔

”آپ نے انہیں بتایا نہیں میٹنگ کا؟“
 ”بتایا تھا سر! وہ پھر بھی آپ سے ملنے پہ مصر ہیں۔“ جہان کو کچھ اور بھی غصہ آیا تھا، یہ اچھی زبردستی تھی، اس نے اسی وقت محترمہ کی طبیعت صاف کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔
 ”او کے فائن! انہیں روکیں میں آ رہا ہوں پانچ منٹ میں۔“ جہان نے بھرا ہوا کافی کا گگ

یونہی چھوڑ اور اٹھ کھڑا ہو گیا تھا۔

☆☆☆

سکرٹری نے ریسورکریڈل پہ رکھا تو مسز آفریدی جو اسی کی سمت متوجہ تھیں سوالیہ انداز میں اسے دیکھنے لگیں۔

”میم سر آرہے ہیں، آپ ویٹ کر لیں پلیز، میں کافی منگواؤں آپ کے لئے یا چائے۔“
 ”کافی مگر جب میں آپ کے سر سے ملوں گی تب، ویسے کیا نام ہے ان کا؟“

”جہانگیر حسن شاہ۔“ سکرٹری نے رسائیت سے نام بتایا تھا اور پھر فائلوں میں محو ہو گئی، مسز آفریدی نے ٹائم گزاری کو اخبار اٹھالیا تھا اور شو بز کا پیج کھول کر کسی خاص خبر کی تلاش میں نگاہیں دوڑانے لگیں ان کے نزدیک ہر خاص خبر نیلما سے متعلق ہی ہوا کرتی تھی، مگر فی الوقت ان کی نگاہوں کو مایوسی ہوئی نیلما کے حوالے سے کوئی خبر نہیں تھی، ان کا دماغ تپنے لگا، انہوں نے اسی وقت نظامی کی طبیعت صاف کرنی چاہی تھی مگر یہ موقع بالکل مناسب نہیں تھا، انہوں نے سر جھٹکا اور اس فیکٹری کے مالک جہانگیر حسن شاہ کے متعلق سوچنے لگیں، ان کا ذہن سرعت سے کچھ ایسا سوچنے میں محو تھا جس سے وہ اپنا کام نکلوا سکیں، وہ ہر قیمت پر یہ فیکٹری خریدنا چاہتی تھیں تو وجہ اس فیکٹری کے بنے کپڑے کی مارکیٹ میں مانگ نہیں تھی، انہیں یہ جگہ پسند آگئی تھی، وہ فیکٹری کی عمارت کو گرا کر اس جگہ یہ فائبر اسٹار ہوٹل بنانے کا سوچ چکی تھیں اور وہ جو سوچ لیا کرتی تھیں پھر اسے ویسا کر دیا بھی کرتی تھیں، انہیں خود پہ اپنی صلاحیتوں پہ بہت زعم رہا تھا ہمیشہ، انٹرکام کی بیل پہ انہوں نے سراٹھایا۔

”او کے سر میں بھیجتی ہوں۔“ سکرٹری نے موڈب انداز میں کہا تھا پھر انہیں دیکھ کر بولی تھی۔

”میم سر آگئے ہیں، آپ مل سکتی ہیں ان سے۔“

مسز آفریدی نے اخبار رکھ دیا اور اپنا بیگ اٹھا کر بائی ہیل کا سر تال بجاتیں بہت اکڑی ہوئی گردن کے ساتھ جہان کے آفس میں داخل ہوئی تھیں، جہان نے فائل کا فیتہ کھولتے ہوئے سراٹھا کر انہیں دیکھا۔

”ہیلو بیگ مین!“ ان کے لہجے میں خوشدلی اور دوستانہ گرمجوشی تھی۔

”ہیلو، پلیز سیٹ ڈاؤن!“ جہان نے اسی سنجیدگی و متانت سمیت انہیں بیٹھنے کا اشارہ کیا جو اس کی شخصیت کا خاصا اور اس کے پرسنالٹی کو چار چاند لگاتی تھی، مسز آفریدی نے قدرے دھیان سے اس بے حد خوبرو، بے نیاز اور باوقار لڑکے کو دیکھا تھا جو ان کی شخصیت سے ذرا سا بھی متاثر نظر نہیں آتا تھا، بلکہ یہ پہلا موقع تھا کہ وہ خود پہلی نگاہ میں کسی سے اتنا امپریس ہوئی تھیں۔

”کیا لیں گی آپ، چائے یا کافی؟“ جہان نے انٹرکام کا ریسور اٹھاتے ہوئے انہماک سے اپنا جائزہ لینے میں مصروف مسز آفریدی کو چونکایا۔

”کافی۔“ وہ ہڑبڑاسی گئیں تھیں البتہ ان کا لہجہ پر اعتماد تھا، جہان نے کافی آرڈر کی پھر فرصت سے ان کی سمت متوجہ ہوا تھا۔

”جی میم فرمائیے کس سلسلے میں ملنا چاہ رہی تھیں آپ مجھ سے؟“

”آپ کے میجر اور سکرٹری نے بتایا تو ہوگا آپ کو؟“ مسز آفریدی کو اس کا اعتماد اس کی بے نیازی سب بری طرح سے چھ رہے تھے اپنے تئیں انہوں نے اسے کنفیوژ کرنا چاہا تھا، جہان نے ٹیکھی نظروں سے انہیں دیکھا تھا۔

”جی وہ مجھے بتا چکے ہیں میں آپ کے منہ سے سننا چاہتا ہوں، مجھے حیرت اس بات کی ہے، آپ کسی کو ایسے کام کے لئے فورس کیوں کر رہی ہیں جسے وہ کرنا نہیں چاہتا۔“ اس نے اپنی ناگواری و حنفی کو دبانے کی بالکل ضرورت نہیں سمجھی تھی، مسز آفریدی کو اس کا دبنگ لہجہ خار بن کر چبھا مگر ہونٹ بھیجے بیٹھی رہی تھیں۔

”آپ کو یہ بھی بتایا گیا ہوگا کہ میں دو گنی کیا جا رہا ہوں.....“

”آپ کو کیا لگتا ہے میم ہمارے پاس دولت کی کمی ہے جو آپ کی یہ آفر قبول کر لیں گے، اس معاملے پہ کوئی سمجھوتہ نہیں ہو سکتا، آپ کو اس کے علاوہ کوئی اور بات کرنی ہے تو بتائیں۔“ جہان نے جیسے بات ہی ختم کر دی، مسز آفریدی تو ہین اور خفت کے احساس سے ساکن رہ گئیں، آج تلک کسی کو اتنی جرأت نہیں ہوئی تھی کہ ان سے کوئی اس لہجے میں بات کر سکے بزنس کے حلقے میں تو بالکل بھی نہیں، کاروباری حلقے میں ان کا ایک نام ایک شناخت اور دبدبہ تھا، وہ ہمیشہ جیتتی آئی تھیں مگر جہان نے پہلے ہی مقام پہ ان کی ذات کی ان کی بات کی بری طرح سے نفی کر دی تھی، شاید اس وقت اگر جہان کی جگہ اگر کوئی اور ہوتا تو وہ اس سلوک پہ اب تک پچھتاؤے کا شکار ہو چکا ہوتا کہ وہ سامنے والے کی گوشالی بھی بہت اچھی انداز میں کرنا جانتی تھیں، مگر جہان کی شخصیت میں کچھ ایسا رعب و دبدبہ تھا کہ وہ اپنی ہی اپنی کڑواہٹ نہیں نکال سکیں اور اندر ہی اندر غصے سے تلملا کر بل کھا کر رہ گئیں تھیں، جب تک کافی آئی وہ جانے کو اٹھ کھڑی ہوئی تھیں، جہان نے رسمی انداز میں انہیں کافی کے لئے روکنا چاہا تھا مگر وہ تلملائی ہوئی وہاں سے چلی آئی تھیں۔

☆☆☆

حاکم شہر بتا!

وقت کے شکنجوں نے

خواہشوں کے پھولوں کو

نوح نوح توڑا ہے

کیا یہ ظلم تھوڑا ہے

درد کے جزیروں نے آرزو کے جیون کو

مقبروں میں ڈالا ہے

ظلمتوں کے دریا میں

لوگ سب لیٹے ہیں

موت روٹی بیٹھی ہے

ذات ریزہ ریزہ ہے

تار تار آجیل ہے
 درد درد جیون ہے
 شبنمی سی پلکیں ہیں
 قرب ہے نہ دوری ہے
 زندگی ادھوری ہے
 اب یقین آیا ہے
 کہ موت بھی ضروری ہے

اس کی کراہ کر کر وٹ بدلی اور تکیے میں منہ دے کر سکنے لگی، اس کی طبیعت صبح سے خراب تھی مگر وہ خود اذیتی کا شکار ہوتی اپنے کمرے میں بند رہی تھی، وہ مسز آفریدی کو نہیں بتانا چاہتی تھی، اسے ان کی ہمدردی بھری محبت سے چڑھنے لگی تھی، پتہ نہیں یہ اس کی بے زاری کا کوئی رنگ تھا یا پھر حقیقت جو بھی تھا وہ اکتا گئی تھی ان سے یہاں تک کہ اس زندگی سے بھی، مگر موت بھی تو اتنی جلدی مہربان نہیں ہوتی، درد اس کا ضبط آزمانے لگا وہ برداشت کی آخری حد سے گزر رہی تھی جب اس کے روم کا دروازہ ناک ہونے لگا۔

”کون ہے؟“ کتنی دیر نظر انداز کرنے کے بعد وہ چیخی تو حلق میں بھینچی ہوئی آواز ہی نکلی تھی۔

”چھوٹی بی بی جی، بیگم صاحبہ آپ کو کھانے کے لئے بلاتی ہیں۔“ ملازمہ کی آواز تھی جو اسے اکتاہٹ کا شکار کر گئی۔

”انہیں کہہ دو مجھے بھوک نہیں ہے اور پلینز مجھے بار بار ڈسٹرب مت کرنا۔“ اس نے بامشکل کہا تھا اور پھر سے منہ تکیے میں چھپا لیا تھا، کچھ دیر سکون رہا پھر دستک ہونے لگی، ڈالے کو یہ آواز اعصاب پہ ہتھوڑوں کی مانند محسوس ہوئی تھی، اس نے ہونٹ بھیجنے اور کبل ہٹا کر بیڈ سے اتر آئی، تاب گھما کر دروازہ کھولا تو ملازمہ شکل پہ بیچارگی سجائے کھڑی نظر آئی۔

”بی بی صاحبہ، بیگم صاحبہ کہہ رہی ہیں، بھوک نہیں بھی ہے تب بھی تھوڑا سا کھالیں۔“ ملازمہ کچھ خائف سی ہو کر بولی تو ڈالے نے جلتی ہوئی آنکھوں کو زور سے میچ کر پھر سے کھولا۔

”تم جاؤ آرہی ہوں میں۔“ وہ پلٹ کر کمرے میں آئی، لمبے سلکی بالوں کو سمیٹ کر کچر میں جکڑا اور دوپٹہ اٹھا کر شانے پہ ڈالتے ہوئے سلپر پہن کر کمرے سے نکل آئی۔

”بکو اس مت کرو نظائی! تمہیں بس پیسے کھانے کی عادت پڑ گئی ہے کام و ام تو تم بس جیسا کر رہے ہو سب جانتی ہوں میں۔“ وہ سیڑھیاں اتر کر لاؤنج میں آئی تو انہیں رخ پھیرے بیٹھے فون پہ مصروف پایا تھا۔

”آج کے اخبار کو دیکھا تم نے؟ خاک بھی نہیں ہے اس میں، مجھے کام چاہیے نظائی ورنہ تم جیسے بہت ملتے ہیں۔“ دوسری جانب سے شاید کوئی صفائی یا پھر وضاحت پیش کی گئی تھی جس کے جواب میں وہ پھنکاریں۔

”ٹھیک ہے، یہ میرا نہیں تمہارا ہیڈک ہے، سمجھے۔“ وہ پھر پھنکاریں اور رابطہ منقطع کر دیا، ڈالے تب تک سیڑھیاں اتر کر ان کے سامنے آگئی تھی، وہ اس کے چہرے پہ نگاہ پڑتے ہی ایک دم

سرو قد کھڑی ہو گئیں۔

”ڈالے آریو اوکے؟“ اس کا سستا ہوا چہرہ اور شدت ضبط سے سرخ ہوتی آنکھیں ان کے ضبط اور حوصلوں کا امتحان تھیں گویا۔

”کیوں مجھے کیا ہونا ہے؟ ابھی زندہ ہوں، پھر بھی آپ پریشان رہتی ہیں جب مر جاؤں گی تب تو ونا ہی سے آپ کو.....“ وہ تلخی سے کہہ کر ڈائینگ ہال کی سمت بڑھ گئی تو مسز آفریدی جو سشدرسی کھڑی تھیں اس کے پیچھے لپکیں۔

”ہنی تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں تھی اور تم نے مجھے بتانا بھی گوارا نہیں کیا۔“ وہ اس کا راستہ روک کر کھڑی ہو گئی تھیں، ان کا انداز بری طرح سے ہار ہوا تھا۔

”میں نے کہا نا مجھے کچھ نہیں ہوا ہے۔“ وہ پہلے سے بھی کہیں بڑھ کر تلخی سے بولی تو مسز آفریدی نے ہونٹ بھیجنے لگے تھے۔

”تم جانتی ہو تمہارا یہ رویہ مجھے کتنا ٹینس کرتا ہے، ہنی پلینز رحم کھاؤ مجھ پہ۔“ وہ سخت عاجز ہوئی تھیں، ڈالے نے ایک نظر انہیں دیکھا مگر اس کی آنکھیں آنسوؤں سے دھندلاتی چلی گئی تھیں، مسز آفریدی نے ایک دم سے کھینچ کر اسے سینے سے بھیج لیا۔

”مما آپ سے بہت محبت کرتی ہیں جانو، ٹرسٹ می۔“

”نہیں کر سکتی ٹرسٹ، آپ نے مجھ سے سب کچھ چھین لیا ہے، میں اب کبھی خوش نہیں رہ سکتی۔“ وہ ان سے لپٹی ہوئی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی مسز آفریدی نے والہانہ انداز میں اس کے سر پہ بو سے مثبت کیے تھے۔

”آئی برامس ودیونہی میں آپ کو آپ کی سب سے بڑی خوشی دوں گی۔“

”مجھے کچھ نہیں چاہیے اب۔“ وہ چیخی اور کچھ اور شدتوں سے رو دی۔

”ایسا نہیں کہتے ہنی، انسان کی ترجیحات اور ضروریات وقت کے ساتھ بدلتی رہتی ہیں۔“

”اتنا وقت نہیں ہے میرے پاس نہ میری سوچ بدلنے والی ہے۔“ وہ ان سے الگ ہو کر قطعیت سے بولی اور ہاتھ کی پشت سے آنسو پونچھ ڈالے، مسز آفریدی نے اس کی بات کا جواب نہیں دیا تو اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ وہ اس کی بات سے متفق بھی تھیں۔

☆☆☆

جہان ہاتھ لے کر واش روم سے باہر آیا تو نیم تاریک کمرے میں اس کے واہجریٹ کرتے سیل فون کی اسکرین بے حد واضح تھی، جہان نے ایک ہاتھ سے تولیہ گلے سے نکالا دوسرے سے فون اٹھایا تھا، اس کے چہرے پہ مسکراہٹ بکھر گئی، نہ نینب کی کال تھی۔

”السلام علیکم!“ وہ خوشدلی مگر رसान سے بولا تھا۔

”وعلیکم السلام کہاں ہیں آپ؟“ وہ چھوٹے ہی بولی تو جہان کے لبوں کی تراش میں موجود مسکراہٹ کچھ اور بھی گہری ہو کر دکاشی سمیٹ لائی۔

”لاہور..... ویسے خیریت؟“

وہ اس سے ملے بغیر چلا آیا تھا، رات کو وہ لیٹ ناٹ گھر پہنچا تو طویل سفر سے آ کر تھکی ہوئی

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ہیں؟

- ✧ ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور ریزیوم ایبل لنک
- ✧ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پر یو یو
- ✧ ہر پوسٹ کے ساتھ
- ✧ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ✧ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل رینج
- ✧ ہر کتاب کا الگ سیشن
- ✧ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ✧ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں
- ✧ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✧ ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ✧ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ✧ سپریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- ✧ عمران سیریز از منظر کلیم اور ابن صفی کی مکمل رینج
- ✧ ایڈفری لنکس، لنکس کو میسج کمانے کے لئے شریک نہیں کیا جاتا

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

✧ ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

✧ ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library For Pakistan

Like us on Facebook

fb.com/paksociety



twitter.com/paksociety

قرآن شریف کی آیات کا احترام کیجیے

قرآن مجید کی مقدس آیات اور مادربٹ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور تبلیغ کے لیے شائع کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے لہذا ہم صفحات پر یہ آیات درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حسرتی سے غنودگیں۔

زینب سورہی تھی تج وہ پہلے نام نکل آیا تھا جہی ملاقات نہیں ہوئی تھی۔

”آپ کو پتا تھا جے مجھے چوئیں لگی ہیں، پھر بھی آپ میری خبر گیری کیے بغیر یہاں چلے آئے۔“ وہ سخت خفا ہو کر کہہ رہی تھی، جہاں کو اس کی یہ اپنائیت پہ شکوہ بہت اچھا لگا تھا۔

”آئی ایم سوری زینب بس یہ کام بہت ضروری تھا۔“

”کام اگر انسانوں اور رشتوں سے بڑھ کر اہمیت اختیار کر جائیں نا ہے تو پھر محبت کمزور پڑنے لگی ہے، بی کیئر فل نیکسٹ نام۔“ زینب حد سے زیادہ سنجیدہ ہو کر ناصحانہ انداز میں بولی تو جہاں کچھ لچکوں کو خاموش سا رہ گیا تھا۔

(تم کیا جانو زینی تم میرے لئے کتنی اہم ہو، کبھی تم یہ تمہاری اہمیت واضح کروں گا، لیکن ابھی اس کا وقت نہیں آیا ہے۔)

”آپ کب تک واپس آرہے ہیں؟“ زینب کو اس جذباتی گفتگو کے بعد بھی اس کی خاموش کھلی تھی، پتہ نہیں وہ کچھ پھوٹ کے کیوں نہیں دیتا تھا، اسے سخت جھنجھلاہٹ ہونے لگی۔

”ایک دو دن تک، کیوں خیریت؟“

”مجھے آپ سے ایک ضروری بات کرنی تھی۔“

”ہاں تو کرو۔“ جہاں قدرے چونکا تھا اس کے لہجے کے غیر معمولی پن سے۔

”نہیں آپ واپس آجائیں گے تب، اوکے گڈ بائے۔“ اس کی مزید کچھ بھی سنے بغیر زینب نے سلسلہ کاٹ دیا تھا، جہاں ٹھنڈا سانس بھر کے رہ گیا، کبھی وہ مہربان سا یہ دار بادل کی طرح ہوتی تھی کبھی کڑی دھوپ بن جاتی، جہاں اسے آج تک سمجھنے سے قاصر ہی رہا تھا گویا۔

”اب پتہ نہیں کیا بات ہوگی؟“

اسے ایک نئی پریشانی نئی فکر نے گھیر لیا، سیل فون رکھ کر وہ ڈائینگ ٹیبل کی سمت آ گیا برش اٹھا کر بال بنانے شروع کیے ہی تھے کہ اس کے سیل پہ پھر سے کال آنے لگی، اس مرتبہ نمبر انجان تھا، جہاں نے جہی کال رسیو کرنے میں کسی قسم کی عجلت کا مظاہرہ نہیں کیا تھا، پہلے اطمینان سے بال بنائے تھے پھر فون کی سمت متوجہ ہوا۔

”السلام علیکم!“ اس نے اپنے مخصوص انداز میں گفتگو کا آغاز کیا تھا۔

”وعلیکم السلام! جہاں صاحب نیلما بات کر رہی ہوں، کیسے ہیں آپ؟“

نیلما اتفاقی و حادثاتی طور پہ جہان سے ٹکراتی ہے، مگر جہان اس کی حرکات و سکنات کی ہم سے پہلی ملاقات میں ہی اس سے بدظن ہو جاتا ہے۔

زینب وادی میں تیمور خان کی حویلی میں مختلف رویوں کا سامنا کرتی ہے، پہلے تیمور کی ادبائش فطرت کا ایک رنگ اس پہ آشکار ہوتا ہے پھر اس کی بہن شہ لالے ایک معمولی بات کو بنیاد بنا کر زینب کی بے حد تذلیل کرتی ہے جس کے نتیجے میں زینب حویلی سے باہر نکل کر حادثے کا شکار ہو جاتی ہے، تیمور ایسے لمحات میں اسے اپنی محبت اور ساتھ کا یقین دلا کر اس کی بدگمانی دور کرنے کی کوشش کرتا ہے جس میں وہ بہت حد تک کامیاب بھی رہتا ہے۔

پہا، جہان سے زینب کی منگنی اس سے کرنے کی بات کی مگر جہان یہ کہہ کر انہیں منع کر دیتا ہے کہ ایسا کوئی قدم اٹھانے سے پہلے وہ زینب کی رائے کو اہمیت دیں۔

مسز آفریدی، جہان انڈسٹری کو ہر صورت میں خریدنا چاہتی ہیں وہ اس جگہ پہ فائینو اشار ہوئی بنانے کا ارادہ کر چکی ہیں مگر جہان ان کے سارے خواب کھوں میں مٹی میں ملا دیتا ہے، مسز آفریدی جہان سے دو برو مقابلے کی بجائے اپنی مکاری سے شکست دینے کا ارادہ باندھ چکی ہے۔

زینب فون پہ جہان سے جلدی واپس آنے کا کہتی ہے تو جہان پریشان ہو جاتا ہے۔

نیلما، جہان سے رابطہ کر کے جہان کو ششدر کر دیتی ہے۔

آٹھویں قسط

اب آپ آگے پڑھیے



”کون نیلما؟“

جہان نے کچھ اچھبے میں گھر کر استفسار کیا تھا، دوسری جانب چند لمحوں کو سناٹا چھا گیا، پھر وہ ایک دم سے کھلکھلائی تھی۔

”کم آن جہانگیر حسن شاہ اب یہ بے نیازی کو چولہ اتار بھی پھینکیں حد ہوتی ہے کسی بات کی۔“ بے تکلفی کی حد میں پھلانگتا ہوا لب و لہجہ اور انداز جہان کے ماتھے پہ ناگواری کی شکنیں ڈال گیا، اسے ایک یکسر انجان خاتون کا یوں خواخواہ کھل ہو جانا ایک آنکھ نہیں بھایا تھا۔

”واٹ نان سینس! کون ہیں آپ؟ تمیز سے بات کریں۔“ وہ از حد نخوت سے ٹوک کر بولا، تو دوسری سمت نیلما نے ٹھنڈا سانس بھر کے جیسے اس کے سامنے ٹکست تسلیم کر لی تھی۔

”آپ واقعی مجھے بھول گئے ہیں؟“ اس کے لہجے میں محسوس کی جانے والی غیر یقینی کو پا کر جہان کچھ اور بھی کوفت کا شکار ہو گیا۔

”محترمہ اگر آپ اپنا تعارف کروادیں تو مہربانی ہوگی، اپنے ساتھ آپ میرا نام بھی ویسٹ کر رہی ہیں۔“ اس کی آواز سے بیک وقت سرد مہری اور مخی چھلک پڑی تھی۔

”کیا تعارف کروادیں، میں تو بس نیلما ہی ہوں، اس دن آپ کو دیکھا تھا نا۔۔۔ کیا چیز ہیں آپ جہانگیر صاحب قسم لے لیں جو ایک بل کو بھی آپ ذہن سے محو ہوتے ہوں، میں تو بری طرح سے عاشق ہو گئی ہو آپ پر۔“ الفاظ تھے یا سنگریزے، جہان کو اپنی سماعتیں بے کار ہوتی محسوس ہوئیں، محض ایک بل لگا تھا اسے وہ ناگواری کا احساس بخشتی ہوئی ملاقات یاد آنے میں، وہ اتنا بھنایا کہ مزید کچھ سے بغیر فون بند کر دیا۔

”رہش! اسے میرا نمبر کس نے دے دیا اور نام بھی جان گئی۔“ وہ کوفت زدہ سا سر جھٹک رہا تھا، اسی بل پھر اس نمبر سے کال آنے لگی، جہان نے نظر انداز کیا تھا اور خود پلٹ کر کمرے سے نکل گیا، اس کا موڈ چائے پینے کا ہو رہا تھا۔

☆☆☆

اشک گرتے ہیں میری سانس سنبھل جاتی ہے
دے کے اک درد نیا شام نکل جاتی ہے
تجھ کو دیکھوں تو میرے درد کو ملتا ہے سکوں
تجھ سے پھڑوں تو میری جان نکل جاتی ہے
عشق کچھ ایسے مٹاتا ہے نشان ہستی
جیسے ہر رات اجالے کو نکل جاتی ہے
زخم بھرتا ہی نہیں تیری جدائی کا مگر
پھر تیری یاد نیا درد اگل جاتی ہے
تو اگر دل پہ میرے ہاتھ ہی رکھ دے فراز
ٹوٹی سانس بھی کچھ دیر سنبھل جاتی ہے

اس نے تیمور خان کی بیٹی کی غزل کو متبسم نظروں سے پڑھا تھا اور بے نیازی سے شانے

بٹک دیئے وہ آج کل دانستہ اس سے تغافل برت رہی تھی تو وجہ تیمور خان کا بڑھتا ہوا اصرار تھا۔
اس وقت وہ کالج میں تھی اور کلاس بک کر کے کینٹین آئی تھی، سینڈوچ اور کوک آرڈر کر رہی
تھی جب اس کے سیل پہ پیپ ہونے لگی، اس نے بوکھلا کر جلدی سے کال منقطع کی اور تیمور کو ایک
لیکسٹ لکھا تھا۔

”کال بولیں تیمور! میں کالج میں ہوں۔“

”نہیں تم کسی بھی طرح مجھ سے بات کرو، بہت ضروری ہے۔“

اگلے ہی لمحے اسے تیمور کا میسج موصول ہو گیا تھا، اس نے ٹھنڈا سانس بھرا اور اپنا آرڈر لے کر
کال پیک کی۔

”خیریت ہے نا تیمور؟ اس ایمر جنسی کی وجہ۔“

”اس سے بڑھ کر بھی کوئی ایمر جنسی ہو سکتی ہے کہ میں تمہیں مس کر رہا ہوں۔“ وہ مزے سے
بولا جبکہ زینب کا موڈ خراب ہونے لگا تھا۔

”میں چاہے یہاں سب کی نظروں میں مشکوک ہو جاؤں، آپ کو میری ریپوٹیشن کی پروا نہیں
ہے؟“

”زینی! میں اسی وجہ سے چاہتا ہوں نا ہماری شادی ہو جانی چاہیے، ہر طرح کے خوف ختم ہو
جائیں گے۔“ تیمور کا لہجہ ایک دم بے حد سنجیدگی سمیٹ لایا، زینب نے ٹھنڈا سانس بھرا تھا۔

”اب بولتی کیوں نہیں ہو؟“ تیمور اس کی طویل خاموشی پہ جھنجھلا پایا۔

”کیا بولوں؟“ آپ سمجھتے کہاں ہیں میری مجبوری۔“ وہ عاجز ہوئی اور تیمور خان ہنسنے لگا۔

”تم سمجھتی ہو بھلا؟ کیسے بے قرار ہوں تمہاری خاطر، محترمہ کو پروا تک نہیں۔“ اس کے بے
پاک اظہار پہ زینب کا چہرہ سرخ پڑنے لگا۔

”یارتہم بات کو سمجھتی نہیں ہو، بات تو چلنے دو، پتہ نہیں تمہارے گھر والوں کو منانے کو مجھے کتنے
پاپڑ بنیلے پڑیں گے، اس کام میں بھی ہو سکتا ہے نام صرف ہو۔“

”پاپڑ کیوں بنیلے پڑیں گے؟ میں ساتھ دوں گی نا آپ کا۔“ زینب چونک کر حیرانی سے
بولی۔

”زینب میں نے سنا ہے اکثر سید نیلمی کے لوگ اپنی کاسٹ سے باہر رشتہ داری نہیں کرتے۔“
تیمور کی وضاحت پہ زینب ایک دم ریلیکس ہوئی تھی۔

”کم آن تیمور ہمارے ہاں ایسی کوئی بات نہیں ہے، معاذ بھائی کی شادی ہوئی ہے نا، وہ لوگ
بھی ہماری کاسٹ کے نہیں ہیں۔“

”گڈ یہ تو پھر بہت اچھی بات ہے۔“ تیمور واقعی مطمئن ہوا تھا۔

”تیمور پلیز فون بند کریں، کچھ لڑکیاں اسی سمت آرہی ہیں، ہم پھر بات کریں گے، اللہ
حافظ۔“ اس نے خود غجالت میں سلسلہ منقطع کر دیا تھا، تیمور سے تو اس پہ بات کہہ دی تھی مگر یہ حقیقت

تھی کہ تیمور کے رشتے پہ گھر میں ایک طوفان اٹھنے کے امکان تھے، خاص طور پہ اسے معاذ سے
اختلاف کا خدشہ لاحق تھا، اس نے اسی روز نوریہ کے ذریعے یہ بات ماما تک پہنچانے کا سوچا اور

کسی حد تک ہلکی پھلکی ہو گئی، مگر اسے بات کرنے کی نوبت نہیں آسکی تھی اس سے پہلے ہی ممانے خود اس سے بات چھیڑ دی تھی جہان کے حوالے سے۔
اس وقت وہ سو کر ابھی تھی اور چائے بنانے کے ارادے سے کچن میں آئی تھی جب ممانے ڈھونڈتی ہوئی وہیں آگئی تھیں۔

”تمہارے ایگزیم کب ہو رہے ہیں زینب!“

”ابھی ایک دو ماہ ہیں، مگر پڑھائی بہت لف ہے ممانے سے یہی کہنا تھا کہ اب ذرا کچن کے کاموں سے مجھے چھٹکارا دس تاکہ میں توجہ سے پڑھائی کر سکوں، ایک تو بے بھی وہاں جا کے بیٹھ گئے ہیں مجھے اسٹڈی میں مشکل پیش آرہی ہے ان کے بغیر۔“

”تو تم زیاد سے ہیلپ لے لیا کرد، جہان کی جان کو اور تھوڑے کام ہیں، جو تم بھی اس کے سر پہ سوار ہو جاتی ہو۔“ ممانے کے ٹوکنے پہ زینب نے کسی قدر ناراض سے انہیں دیکھا تھا۔

”آپ بتائیں کہ آپ کو میرا بے سے ہیلپ لینا اچھا نہیں لگتا تو میں نہیں کیا کروں گی، ویسے اطلاعاً عرض کر دوں مجھے بے کے علاوہ کسی کا پڑھانے کا اسٹائل پسند نہیں، معاذ بھائی اور زیاد بھائی پڑھاتے کم اور ڈانٹتے زیادہ ہیں، مجھے نالائق ثابت کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے، جیسے خود بہت عالم فاضل ہوں نا۔“ وہ سخت جھلا کر کہہ رہی تھی ممانے اپنی مسکراہٹ چھپاتی۔

”مجھے کیوں برا لگے گا بیٹے! میں تو صرف جہان کے پاس ٹائم کی کمی کی وجہ سے کہہ رہی تھی تمہارا بھی حرج ہوتا ہے، مجھے تو بلکہ اچھا لگ رہا ہے کہ جہان کے ساتھ تمہاری اتنی انڈر اسٹینڈنگ ہے، اچھی انڈر اسٹینڈنگ ہو تو زندگی بہت سہولت سے گزرتی ہے، ویسے وہ کیسا لگتا ہے آپ کو؟“ ممانے کی طویل وضاحت کو جہاں زینب نے سرسری انداز میں سنا تھا، وہاں آخری کسی قدر مسکرا کر پوچھے گئے سوال نے ٹھنکار رکھ دیا، اس نے قدرے چونک کر بغور انہیں دیکھا تھا۔

”کیا مطلب کیسا لگتا ہے؟ جیسے وہ ہیں ویسے ہی مجھے بھی لگیں گے نا۔“

”ہے تو وہ بہت گڈ لکنگ اور کیئرنگ۔“ ممانے کی مسکراہٹ کچھ اور گہری ہو گئی۔

”ہاں تو مجھے انکار تھوڑی ہے۔“ اس نے دانستہ لہجے و انداز میں بے نیازی کو سمویا۔

”بیٹے میں دوسرے حوالے سے بات کر رہی ہوں، آپ کو پتہ ہے، آپ کے پاپا بہت پہلے سے آپ کو جہان سے منسوب کر چکے ہیں، اب وہ باقاعدہ جب اس رشتے کو کسی بندھن میں باندھنے کا ارادہ کر رہے ہیں تو ظاہر ہے آپ کی رضامندی ضروری تھی۔“

ممانے کی بات سن کر زینب ایک سکتے کی کیفیت میں گھر گئی تھی، ممانے ایک نظر ساس پین کے کناروں سے ابل کر باہر آتی چائے کو دیکھا تھا دوسری زینب کے پھرائے ہوئے چہرے کو۔
”زینب آریو آل راہیٹ بیٹے!“ انہوں نے پہلے چولہا بند کیا تھا پھر کسی قدر تشویش میں گھر کر اسے پکارا تھا، زینب نے متغیر ہوتے چہرے کے ساتھ لمحہ بھر کو انہیں دیکھا اور با مشکل خود کو ذرا سا سنبھالا تھا۔

”آپ یہ بات اب بتا رہی ہیں مجھے؟“ اس کے لہجے میں تپش اور تلخی در آئی تھی، ممانے حیران ہو کر اسے دیکھا تھا۔

”کیوں؟ اب کیا ہو گیا؟“

”(آپ کو کیا پتہ اب کیا ہو گیا ہے؟)۔“ وہ بری طرح سے جھنجھلائی مگر جب بولی تو اس کا لہجہ اس جھنجھلاہٹ سے پاک البتہ سرد مہری لئے ہوئے تھا۔

”جے کو پتہ ہے اس بات کا؟“

”ہاں مگر ابھی چند دن پہلے ہی تمہارے پاپا نے اسے بھی یہ بات بتائی ہے، جہان کے کہنے پہ انہوں نے تمہاری رائے لی گئی ہے۔“ ممانے سادگی سے اصل بات بتا دی تھی مگر زینب کو پختے لگ گئے تھے۔

”بہت شکریہ اس نوازش کا، ورنہ اگر وہ نہ کہتے تو آپ نے مجھ سے پوچھنے کی ضرورت بھی کون نہیں کرتی تھی ہے نا؟“ اس کا لہجہ صرف شاکی ہوتا تو ممانے کو برا نہ لگتا مگر وہ تو باقاعدہ طنز کر رہی تھی انداز طعنے دینے والا تھا۔

”کیا ہو گیا ہے زینب بیٹا! خواجواہ معمولی بات کو ایٹو نہیں بناتے۔“

”ایٹو میں بنا رہی ہوں؟ ہرگز نہیں، اصل ایٹو کوئی اور ہے، یونو بے نے ایسے ہی مجھ سے ہماری رائے لینے کا نہیں کہہ دیا ہے۔“ وہ زور سے پھنکاری تھی، ممانے ششدر ہو کر اسے دیکھنے لگیں۔
”کیا مطلب ہے آپ کا اس بات سے؟“ انہوں نے ناگواریت میں مبتلا ہو کر پوچھا تھا، زینب نے سکتی آنکھوں سے انہیں گھور کر دیکھا۔

”وہ میرے کاندھے پہ بندوق رکھ کر چلانا چاہتے ہیں ممانے!“ اس سراسر کے الزام نے ممانے کے لیے میں بھردیا تھا، وہ جہان کے لئے اس قسم کی بات سن کر ایک دم بھڑک اٹھیں۔

”بد تمیزی مت کرو زینب! میں جہان کے لئے کوئی فضول بات نہیں سنوں گی۔“

”کیوں نہیں سنیں گی؟ اس لئے کہ انہوں نے آپ پہ اپنی اچھائی اور فرمانبرداری کا بہت اچھا اثر قائم کیا ہوا ہے؟“ وہ آنکھیں نکال کر چیخی تو ممانے اسے ڈانٹ کر رکھ دیا تھا۔

”چیخو مت زینب! اور نی الحال یہاں سے جاؤ، ابھی میں تم سے کوئی بات نہیں کرنا چاہتی، میں جہان پہ جو بھی اعتراض ہے وہ اس وقت کہنا جب تمہارے پاپا شام کو گھر آ جائیں گے۔“

”مجھے کوئی عار نہیں ہے، بہتر ہوگا کہ آپ جے کو بھی شام کو گھر بلا لیجئے تاکہ ان کے سامنے نہ ہو۔“ زینب نے کسی قدر بد تمیزی سے کہا اور پیر پختی ہوئی کچن سے نکل گئی، ممانے ہونٹ پیچھے لکڑی تھیں۔

☆☆☆

ان کے موسم کی سردشائیں
اب یادوں کے ہاتھ تھامنے
کسی جو تم سے حساب مانگیں
ہیں سبوں کا حساب مانگیں
نور آنکھوں سے خواب مانگیں
جان لینا کہ خواب سارے

ماریوں کے نصاب سارے
میری حدوں سے نکل چکے ہیں
تمہاری چوکھٹ پہ آر کے ہیں
مسافتوں سے تھکے ہوئے ہیں
غبار راہ سے اٹے ہوئے ہیں
تمہاری نگری میں اجنبی ہیں
اسی لئے کچھ ڈالے ہوئے ہیں
سوالی نظروں سے تک رہے ہیں
تمہاری چوکھٹ نہ جانے کب سے

اس نے قلم رکھ دیا اور گھٹنوں میں سر چھپا کر دھیرے دھیرے سسکنے لگی، زندگی جبر مسلسل کا نام
ہو گئی تھی، سب کچھ وہ ہو رہا تھا جس سے اسے نفرت تھی، نیلما کی کانز بار بار آتی تھیں، وہ اسے پہچان
نہیں کیا بتانے پہ کمر بستہ تھی، یہ جانے اور سمجھے بغیر کہ اسے سننے میں دلچسپی ہے بھی کہ نہیں، اس نے
کتنی بار اسے بری طرح سے دھتکارا تھا مگر اس کے استقلال میں مجال ہے فرق آیا ہو، جبکہ ڈالے کا
وہ حال تھا کہ جب بھی اسے دھتکارا بد تیزی سے بات کی دل پہ ایک انجانے بوجھ کا سنگ
گراں محسوس ہونے لگتا، نفرت بے زاری اپنی جگہ، مگر بلاشبہ اس سے بے حد قریبی تعلق تھا، خون کا
تعلق جو نفرت سے ختم ہوتا ہے، نہ بے اعتنائی و بے زاری کو پا کر آلودہ۔

”کیا میرے دل میں اس کے لئے کوئی نرم گوشہ موجود ہے؟“ اس نے خود سے سوال کیا تھا
اور خود اپنے آپ سے خوفزدہ ہو گئی، اتنی خائف کہ دل کی گواہی لینے کی تاب بھی نہیں رہی جیسی اس
نے خود کو دانستہ مصروف کر لیا تھا، اس کے امتحانات قریب آرہے تھے مگر وہ پڑھائی کی جانب توجہ
اور دھیان نہیں لگا پاتی تھی، نیلما کے تسلسل سے فون آنے کی وجہ سے اس نے اپنا فون آف کر دیا
تھا، مسز آفریدی کو عادت تھی دن میں کئی کئی بار کال کر کے اس کی خیریت دریافت کرنے کی، جب
سیل فون پر رسپانس نہیں ملتا تو ان کی پریشانی فطری تھی۔

”کوئی فالٹ نہیں ہے، میں نے خود بند کیا ہوا ہے۔“ ان کے استفسار پہ اس نے سرسری سے
انداز میں جواب دیا تھا مگر ان کی سلی اتنی آسانی سے کہاں ہو پاتی تھی۔

”خود کیوں بند کیا ہے بیٹے آپ جانتی ہو مجھے کال کرنی ہوتی ہے۔“
”تو آپ لینڈ لائن پہ کر لیا کریں نا۔“ اس کے پاس ہر بات کا جواب تیار تھا، یوں جیسے پہلے
سے سوچ کر رکھا ہوا ہو۔

”اب اس جھیلے میں کون پڑے، اتنا ٹائم کہاں ہوتا ہے میرے پاس۔“
”تو نہ کیا کریں، ضرورت بھی کیا ہے جھیلیوں میں پڑنے کی۔“

وہ جتنی آج کل بد لحاظ اور زردورنچ ہو رہی تھی اسی حساب سے اسی طرح کا جواب دے سکتی
تھی، مسز آفریدی کو چپ لگی تھی انہوں نے تنگ پڑتے ہوئے اسے دیکھا۔

”موڈ کیوں خراب ہے؟“ اب کی مرتبہ ڈالے نے جواب نہیں دیا، ہونٹ بھیچنے ریموٹ سے

جینل سرچنگ کرتی رہی، مسز آفریدی نے ٹھنڈا سانس بھرا تھا پھر کچھ غصے سے بولی تھیں۔
”کر لو جتنا تنگ مجھے کرنا ہے، میں بھی تمہاری شادی کرنے کا سوچ رہی ہوں، اپنے بیٹے
ہوں گے پھر پتہ چلے گا ماؤں کی بے بسی کا۔“
ڈالے نے سخت غصے کے عالم میں انہیں دیکھا اور کچھ کہے بغیر ریموٹ بیخ کر وہاں سے اٹھ
کر اپنے کمرے میں بند ہو گئی تھی، مسز آفریدی بعد میں بھی بہت دیر تک بڑبڑاتی رہی تھیں۔

☆☆☆

جہان بہت عجلت میں آفس کے لئے تیار ہو رہا تھا، صبح اس کی آنکھ دیر سے کھلی تھی، خاناماں
اس سے ناشتے کا پوچھنے آیا تو جہان نے اسے منع کر دیا تھا۔
”نہیں بابا! میں آفس میں کر لوں گا۔“ وہ سر ہلا کر پلٹ گیا مگر کچھ دیر بعد پھر دروازے پہ
آہٹ ہوئی تھی، جہان نے ٹائی کی ٹائٹ لگاتے ہوئے ذرا کی ذرا گردن موڑی۔
”صاحب کوئی خاتون ہیں، آپ سے ملنا چاہتی ہیں۔“ خاناماں کی بات پہ وہ حیرانی میں جھٹلا
ہو کر رہ گیا۔

”مجھ سے؟ کون ہیں، آپ نے نام پوچھا؟“ اس کے ذہن میں فوری طور پہ مسز آفریدی کا
خیال آیا تھا، مگر وہ بھلا کیوں یہاں ملنے آئیں گی۔
”مجھے خیال نہیں رہا صاحب! میں پوچھ کر آتا ہوں۔“ خاناماں نے کھسیا کر کہا اور تیزی سے
پلٹا تو جہان نے ٹوک دیا تھا۔

”رہنے دیں بابا! میں خود دیکھ لیتا ہوں۔“ خاناماں نے سر ہلایا اور کچن کی سمت چلا گیا، جبکہ
جہان کی تیاری مکمل ہو چکی تھی، سیل فون، گاڑی کی جابی اور والٹ اٹھاتا ہوا وہ اندرونی حصے سے
نکل کر باہر آیا تھا، پورج کی طرف بڑھتے ہوئے اس کی نگاہ اٹھی اور کچھ غیر مستجاب کے عالم میں
دیکھیں ساکن رہ گئی تھی، وہ جو کوئی بھی قیامت خیز حسن کی مالک تھی، سرخ شینوں کی ساڑھی میں
اپنے سراپے اور حسن کو نمایاں کرنے کو ایڑھی چونی کا زور لگایا گیا تھا، فل ہائی ہیل میں اس کا کچکتی
ڈال کی مانند بل کھاتا سراپا نگاہ کو ٹھکانے کا باعث بن رہا تھا۔

”مجھے پتہ تھا تم مجھے دیکھ کر یونہی مبہوت رہ جاؤ گے؟“ وہ ناز سے اٹھلائی اور جہان کے ماتھے
پہ تیوری چڑھنے لگی تھی۔

”کیا مطلب؟ کون ہو تم؟ اور یہاں آمد کا مقصد؟“ اس کے الفاظ نے جیسے جہان کو سرتا پا
لگا کر رکھ دیا تھا، جیسی اندر کی ناگواری چھپانے کی قطعی ضرورت محسوس نہیں کی تھی، جبکہ اس کے
بات پہ نیلما جیسے صدمے اور رنج سے شق ہو کر رہ گئی تھی۔

”تم نے واقعی مجھے نہیں پہچانا۔“ اس نے غیر یقینی سے آنکھوں کو نبھاڑا تو جہان کے ذہن میں
جیسے ایک دم سے جھماکا ہوا تھا اور ساتھ ہی اس کے ماتھے کی شکنوں اور آنکھوں میں موجود ناگواری
میں اضافہ ہونے لگا۔

”تم؟“ وہ پھنکارا تھا۔

”کیا کرنے آئی ہیں یہاں؟“ اس کے لہجے میں بے حد نخوت اور تلخی تھی، مگر وہ بد دل ہونے

والوں میں سے کہاں تھی۔
 ”تم سے ملنے، یہ ممکن تھا کہ تم یہاں لاہور میں ہو اور میں تمہارے دیدار کا چانس مس کر دوں۔“ وہ کھلکھلائی جبکہ جہان کا چہرہ سرخ پڑ گیا تھا، اسے اس خطرناک عورت سے پہلی مرتبہ خوف محسوس ہوا۔

”دیکھئے محترمہ آپ کو میرے بارے میں شدید قسم کی غلط فہمی ہوئی ہے، میں آپ کی کسی توقع پہ پورا اترنے سے قاصر ہوں، آپ کو کہیں اور کوشش کرنی چاہیے۔“
 ”ایکسی کوزمی میں آفس سے آل ریڈی لیٹ ہو چکا ہوں۔“ وہ کترا کر نکلتا چاہ رہا تھا کہ نیلما نے سرعت سے بڑھ کر پھر اس کا راستہ روک لیا اور اس کی برہمی و ناگواری کو خاطر میں لائے بغیر سکون سے بولی تھی۔

”میں نے آپ کے بارے میں ہر اندازہ بالکل صحیح لگایا ہے شاہ صاحب! آپ صوم و صلوة کے پابند نیک شریف اور دیانیدار انسان ہیں اور ایسے انسان پہ تو کوئی بھی لڑکی فریفتہ ہو سکتی ہے نا۔“ وہ بات کے اختتام پہ کھلکھلائی تھی، جہان نے غصے سے دہک اٹھنے والی آنکھوں سے اسے دیکھا اور سرد مگر دکھ بھری آواز میں جتلانے ہوئے بولا تھا۔

”مجھے آپ سے اپنی شرافت کا پر مٹ حاصل کرنے کی خواہش نہیں ہے، آپ کی نسوانیت کی وجہ سے میں اب تک آپ کا بہت لحاظ کر چکا ہوں، آپ کی بہتری اسی میں ہے کہ یہاں سے تشریف لے جائیے ورنہ مجھے ذلیل کر کے نکالنے کے طریقے بھی آتے ہیں۔“

”مائی پلشیر جناب! آپ کے ہاتھوں تو ہم ذلیل ہو کر بھی اپنے لئے عزت افزائی سمجھیں گے۔“ اس کی بات نے جہان کا دیاغ بالکل گھما کے رکھ دیا تھا، اس نے رخ پھیر کر زور دار آواز میں چوکیدار کو یکارا تو نیلما بوکھلا اٹھی تھی۔

”ناراض کیوں ہوتے ہیں جہان صاحب! میں جا رہی ہوں، پھر ملاقات ہوتی ہے آپ سے۔“ وہ اسے ہاتھ ہلاتی مسکراتی اپنی گاڑی میں بیٹھ کر ہوا ہو گئی، جہان کلستا ہوا اپنی گاڑی تک آیا تھا اور دروازہ کھول کر ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی تھی۔

”آئندہ یہ محترمہ یہاں آئیں تو اندر بھی گھسنے مت دیجئے گا۔“
 اس نے گاڑی اشارت کرنے سے قبل گیٹ کھولے منتظر کھڑے چوکیدار کو گویا تاکید کی تھی اور اگلے لمحے گاڑی گیٹ سے نکال لی تھی، اس کا موڈ بے حد خراب تھا ایسے میں زینب کی کال بیک کرنے کا اس کا قطعی ارادہ نہیں تھا جیسی اس نے کال ڈسکنک کر دی تھی، یقیناً زینب بہت مائنڈ کرتی مگر اس نے دھیان نہیں دیا تھا، آفس میں بھی اس کا موڈ ایسا ہی جھنجھلاہٹ زدہ رہا تھا، جیسی اس نے بھوک ہونے کے باوجود لچ نہیں کیا، دو بجے تک جب وہ آج کے دن کا کام کسی حد تک مکمل کر چکا تھا اس کے سیل پہ پاپا کی کال آنے لگی تھی، زینب کی طرح وہ ان کی کال ڈراپ نہیں کر سکتا تھا۔

”السلام علیکم چاچو!“ اس نے شعوری کوشش سے لہجے میں بشاشت پیدا کرنی چاہی جس میں خاطر خواہ کامیابی نصیب نہ ہو سکی۔

”السلام علیکم چیتے رہو بیٹے! کیسی طبیعت ہے؟“
 ”الحمد للہ چاچو! آپ کیسے ہیں؟“ وہ ان کی احوال دریافت کرنے لگا۔
 ”میں بھی ٹھیک ہوں بیٹے، آپ کا ادھر کا کام کب تک مکمل ہو جائے گا۔“
 ”خیریت ہے چاچو؟“ وہ ان کے لہجے و انداز میں کچھ غیر معمولی پن محسوس کر کے چونک اٹھا۔

”ہاں بہت ضروری بات ہے، فون پہ نہیں ہو سکتی، آپ گھر آ جائیں۔“ جہان کا ماتھا ٹھنکا تھا، ان کے لہجے سے ہی وہ کھٹک کر رہ گیا تھا۔
 ”جی بہتر میں حاضر ہو جاؤں گا۔“

”آج آ جاؤ تو زیادہ مناسب ہوگا۔“ پاپا نے کہا تو جہان کی تشویش یکنخت کچھ اور بڑھ گئی۔
 ”اد کے چاچو! انشا اللہ میں آج شام تک آپ سے ملتا ہوں۔“ اس نے رسائیت سے کہا اور رابطہ منقطع کر دیا تھا، گو کہ آج اس کی بے حد اہم میٹنگ تھی مگر اس نے سب کچھ پس پشت ڈال دیا تھا، وہ جانتا تھا پاپا کبھی یوں کسی کو پریشان یا ڈسٹرب نہیں کیا کرتے، یقیناً کوئی خاص وجہ تھی، اس نے پہلے فون کر کے سکریریڈی کو آج کی کسی بھی فلامیٹ سے سیٹ کنفرم کرانے کی تاکید کی تھی پھر کچھ سوچ کر زینب کا نمبر ملایا تھا، نیل جانی رہی مگر وہ کال ریسیو نہیں کر رہی تھی، جہان بھی ڈھیٹ بن گیا مگر اس وقت اس نے ہونٹ بھیج لئے تھے جب زینب کا سیل آف ہوا تھا، شام کے سائے گہرے ہو رہے تھے جب جہان شاہ ہاؤس میں پہنچا تھا، لان میں مدھم ہوتی دھوپ میں زینب کرسی پہ بیٹھی مل گئی تھی، جہان سیدھا اسی کی طرف آیا تھا۔

”خیریت ہے نا تم میری کال کیوں پک نہیں کر رہی تھیں؟“ سلام کے بعد اس نے پہلا سوال ہی اس سے یہ کیا تھا، زینب نے سلام کا جواب بھی لٹھ مار انداز میں دیا تھا اور منہ پہ خفگی اور لاتعلقی کے زوائے سجائے ایک جھٹکے سے اٹھ کر وہاں سے جا رہی تھی جب جہان کے سوال پہ جیسے آگ بگولہ ہو کر اسے گھورنے لگی۔

”آپ جو کچھ کریں اس پر کوئی دفعہ نہیں لگتی ہے نا؟“ وہ غرائی تھی مگر جہان کے چہرے پہ مسکراہٹ بکھر گئی۔

”سوری فار دیٹ، اب بتاؤ کیوں فون کر رہی تھیں؟ چاچو نے بھی ایمر جنسی میں بلوایا ہے، اچھا خاصا پریشان ہو کر رہ گیا ہوں۔“

”یہ پریشانی آپ کی اپنی خریدی ہوئی ہے، انسان کے اعمال ہی اس کے لئے مشکلات پیدا کرتے ہیں۔“ وہ جیسے پھٹ پڑی تھی جبکہ جہان کچھ حیران کچھ پریشان سا ہو کر اسے دیکھنے لگا تھا۔
 ”کیا مطلب میں سمجھا نہیں؟“

”پاپا آ جاتے ہیں تو آپ سے وہی بات کریں گے، مجھ سے کچھ مت پوچھیں۔“ وہ پھنکاری اور تن فن کرتی وہاں سے چلی گئی، وہ برآمدے کی سیڑھیاں چڑھ کر اندرونی حصے کی جانب جا رہے تھے جب ماما اپنے دھیان میں اس سمت آئی تھیں اسے لالہ بھبھو کا چہرے کے ساتھ دیکھا تو چونکیں مگر لان میں جہان کو موجود پا کر وہ گہرا سانس بھر کے رہ گئی تھیں۔

”پاپا آ جاتے ہیں تو آپ سے وہی بات کریں گے، مجھ سے کچھ مت پوچھیں۔“ وہ پھنکاری اور تن فن کرتی وہاں سے چلی گئی، وہ برآمدے کی سیڑھیاں چڑھ کر اندرونی حصے کی جانب جا رہے تھے جب ماما اپنے دھیان میں اس سمت آئی تھیں اسے لالہ بھبھو کا چہرے کے ساتھ دیکھا تو چونکیں مگر لان میں جہان کو موجود پا کر وہ گہرا سانس بھر کے رہ گئی تھیں۔

”پاپا آ جاتے ہیں تو آپ سے وہی بات کریں گے، مجھ سے کچھ مت پوچھیں۔“ وہ پھنکاری اور تن فن کرتی وہاں سے چلی گئی، وہ برآمدے کی سیڑھیاں چڑھ کر اندرونی حصے کی جانب جا رہے تھے جب ماما اپنے دھیان میں اس سمت آئی تھیں اسے لالہ بھبھو کا چہرے کے ساتھ دیکھا تو چونکیں مگر لان میں جہان کو موجود پا کر وہ گہرا سانس بھر کے رہ گئی تھیں۔

”کیسے ہو بیٹے! یہاں کیوں کھڑے ہو اندر چلو نا۔“ وہ اس کے پاس آگئی تھیں تب جہان انہیں دیکھ کر جیسے چونک کر سلام کر گیا تھا، جس کا شفقت و محبت سے جواب دے کر انہوں نے اسے ساتھ لگا کر پیشانی چومی تھی۔

”جی چلیں۔“ وہ ان کے ساتھ ہولیا، ممانے بغور اس کے کسی حد تک گم صم سے انداز کو دیکھا تھا۔

”اس نے آتے ہی آپ کو بھی پریشان کر دیا بیٹے! بہت بے وقوف ہے، آپ اس کی باتوں پر دھیان مت دو۔“ انہوں نے اپنے سینے سے تسلی دی تھی مگر وہ یہ جان کر کچھ اور بھی اپ سیٹ ہوا تھا کہ جو بھی معاملہ ہے اس کی وجہ کچھ اور نہیں خود زینب ہے۔

”کیا بات ہے چچی جان! پلیز ٹیل می!“ وہ جیسے اس سے زیادہ خود پہ ضبط نہیں کر سکا تھا، دماغ کی طعنا میں شدید تناؤ کا شکار ہو چکی تھیں۔

”پریشانی والی کوئی بات نہیں ہے میری جان! آپ فریش ہو جاؤ میں چائے بنا کر لاتی ہوں، بھابھی بیگم کو آپ کے آنے کا بتانی ہوں، وہ تو اتنے دنوں میں بہت ادا اس ہو گئی ہیں ریلی۔“ انہوں نے دانستہ لہجے کا ہلکا ہلکا بنا کر اسے بتایا مقصد اسے ریلیکس کرنا تھا مگر وہ خود کو کسی طرح بھی اضطراب سے نہیں نکال سکا، اپنے کمرے میں آنے کے بعد اس نے ہر کام انتہائی بے دلی سے کیا تھا، فریش ہونے سے لے کر لباس تبدیل کرنے تک، کوئی انجانا خدشہ مسلسل اس کے اندر کنڈلی مارے بیٹھا رہا تھا، وہ ماما جان کے پاس آیا تو پاپا جان بھی آچکے تھے اور جنید بھائی بھی، سب لاؤنج میں جمع تھے، اس کا سب نے یونہی استقبال کیا گویا جگ کر کے لوٹا ہو، سب ہی خوشگوار موڈ میں اس سے بات کرتے رہے تھے مگر اس کے باوجود وہ ماحول میں تناؤ محسوس کر رہا تھا، جیسے زیادتی چہلیں اور حسان کے جوک بھی اس کا خیال نہیں بٹا سکے، اس نے صاف محسوس کیا تھا کہ جو بات بھی تھی وہ بڑوں کے درمیان تھی لہذا جو ان پارتی اس معاملے سے بے خبر رکھی گئی تھی، یقیناً کچھ بہت اہم معاملہ تھا مگر کیا؟ اس کا اضطراب بڑھنے لگا۔

اسا بھابھی اور نوریہ، حوریہ کے ساتھ ماریہ نے بھی آج شام کی چائے پہ اس کی وجہ سے خصوصی اہتمام کیا تھا مگر وہ ان سب کے اصرار کے باوجود سوائے چائے کے کچھ اور نہیں لے سکا، چائے بھی اس کے حلق میں جیسے پھنسنے لگی تھی، نوریہ اور ماریہ کے بار بار زینب کو بلانے پہ بھی وہ نہ تو سب کے ساتھ چائے میں شریک ہوئی نہ وہاں آ کر بیٹھی تھی، جہان کے خدشات بڑھانے کو اس کا رویہ کافی تھا، پاپا آئے تھے اور اس سے سابقہ محبت و گرجوشی سے ملنے کے بعد اپنے کمرے میں چلے گئے، اسے ڈھونڈنے سے بھی ان کے کسی انداز سے کوئی غیر معمولی بات نہیں ملی تھی مگر وہ پھر بھی ریلیکس نہیں ہو پارہا تھا، جب یہ بے چینی کچھ اور بھی بڑھ گئی تب جہان اٹھ کر ان کے کمرے میں آ گیا تھا، ماما تو بھابھی اور نوریہ، ماریہ کے ساتھ کچن میں بڑی تھیں اور یہ پاپا سے بات کرنے کا بہترین موقع تھا۔

”چاچو آپ بڑی تو نہیں ہیں؟“ اس نے دروازہ تھپتھا کر پوچھا تھا، جواب میں ان کی آواز کی بجائے دروازہ کھلا تھا اور وہ اس کے سامنے کھڑے تھے۔

”آؤ بیٹے!“ انہوں نے سامنے سے ہٹ کر اسے راستہ دیا۔

”مجھے لگتا ہے آپ بہت پریشان ہو گئے ہو۔“ وہ اندر آ کر صوفے پہ بیٹھا تو پاپا نے بغور اسے دیکھ کر کہا تھا، جہان گہرا سانس بھر کے رہ گیا، اب وہ اپنی کیفیت انہیں بھلا کیسے بتاتا۔

”سب خیر مت ہے نا چاچو؟“

”ایسی کوئی پریشان کن بات نہیں ہے بیٹے! وہ زینب کا آپ کو پتہ ہے بیوقوف ہے۔“ ان کا انداز سرسری تھا مگر جہان کی نگاہوں میں ہزاروں سوال اتر آئے تھے۔

”مسئلہ کیا ہے چاچو مجھے بتائیے؟“

”بیٹے تمہاری چچی جان نے زینب سے اس انگیج منٹ کی بات کی تھی، آئی میں تمہاری اور اس کی انگیج منٹ کی، زینب نے پہلے تو اس کا برامانا ہے کہ اب تک اس سے یہ بات کیوں چھپائی گئی پھر اسے تم پہ اعتراض ہوا ہے۔“ پاپا نے بات کے اختتام پہ مسکرا کر اسے دیکھا تو وہ بھونچکا رہ گیا تھا اس مسکراہٹ کی وجہ سمجھنے سے قاصر ہونا۔

”مجھ پہ؟“ اس نے حیرانی سے اپنے سینے کی سمت انگلی اٹھائی۔

”ہاں بقول اس کے تم کسی اور میں انٹرسٹڈ ہو۔“ اب کے ان کے مسکراہٹ کچھ اور گہری ہوئی تھی جبکہ جہان کی حیرت کچھ مزید بڑھ گئی۔

”یہ بات زینب نے کہی ہے؟“

”ہاں نا، یہ بتاؤ آپ مجھے، آپ کے پاس کسی لڑکی کی تصویر بھی ہے؟ زینب کا دعوا ہے اس نے آپ کے پاس کسی لڑکی کی تصویر دیکھی ہے اور ڈائری میں کسی کے لئے کچھ لکھا ہوا بھی پڑھا ہے۔“ جہان بے ساختہ کھسا کر نظریں چرا گیا، اس کی پیشانی سے پسینہ پھوٹ نکلا تھا۔

(اُف، وہ سب دیکھ چکی ہے زینب، مگر تصویر تو کوئی نہیں تھی اور چاچو کو بتانے کی کیا تک تھی احمق۔)

”بیٹے اس قسم کی کارروائیاں گھر کی خواتین کی نظروں سے بچاتے ہیں، اوکے بی کیئر فل نیکسٹ ٹائم۔“ پاپا نے اس کے چہرے کے اتار چڑھاؤ کو بغور دیکھ کر ہنسنے لہجے میں کہہ کر چھیڑا تو جہان پہ جیسے گھڑوں کے حساب سے پانی پڑ گیا تھا، وہ نظریں نہیں اٹھا سکا۔

”وہ غلط نہیں کا شکار ہے، آپ اس کی غلطی کو دور کر دینا، دیٹ سیک اور ہاں اب میں اس کام میں مزید دیر نہیں کرنا چاہتا، چاہے آپ منع کیوں نہ کریں، زینب کسی حد تک احمق ہے اور میں اسے اپنے بے حد جینکس بیٹے کی سنگت میں دے کر اسے تھوڑی سے عقل مند ہوتے دیکھنا چاہتا ہوں۔“ انہوں نے بات کے اختتام پہ اسے دیکھا تھا گویا اس کی تائید چاہی مگر وہ اتنا جھینپا ہوا تھا کہ جواب میں کچھ بھی نہیں کہہ پایا تھا۔

☆☆☆

دل و نظر سے کچھ دیر بھی جدا رکھوں
یہ میرے بس میں نہیں کہ تجھے خفا رکھوں
نہیں ہے کچھ بھی میرے ذہن میں سوا اس کے

میں تیری یاد بھلا دوں تو یاد کیا رکھوں
کبھی جو مجھ سے کوئی پوچھ لے میری مرضی
تو اپنا نام محبت تیرا وفا رکھوں

جہان نے اس غزل کو ناپ کیا تھا اور زینب کے نمبر پر سینڈ کر دیا، گو کہ اس کا ارادہ تو صبح اسے
منانے کا تھا مگر دل کچھ اسی طور چملا تھا کہ وہ اپنے کچھ نہ کچھ احساسات اس تک پہنچانے سے خود کو
باز نہ رکھ سکا، کتنا خوشگوار احساس تھا یہ کہ وہ ہمیشہ کے لئے اس کی بنائی جا رہی ہے، پھر وہ اس کے
سارے گلے شکوے دور کر دے گا، جب وہ اسے بتائے گا ان تمام بے تاب جذبوں کا مرکز و محور
اس کے سوا اور کوئی نہیں ہے تو کیسا رد عمل ہوگا اس کا؟

وہ اسی تصور میں گم ہو رہا تھا جب اس کے بیڈروم کے دروازے پر مدھری دستک ہوئی تھی جو
پہلے تو جہان کو اپنا وہم ہی لگی تھی، دوسری مرتبہ جب پھر اسی احتیاط کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے ناک کیا
گیا تب وہ کچھ حیران ہوتا اٹھ کر دروازے تک آیا تھا۔
”زینب تم؟“ وہ اسے رو برو پا کے حیران ہوئے بنا نہیں رہ سکا۔

”مجھے اندر آنے کی اجازت مل سکتی ہے؟“ وہ نخوت سے سوال کر رہی تھی جہان نے ایک نظر
وال کلاک کی سمت دیکھا، یہ وقت بالکل بھی اس کی یہ بات ماننے کو مناسب نہیں تھا کہ جہان کو
صرف اپنی نہیں اس کی پورزیشن کا بھی احساس تھا مگر شام ہی اس کے ساتھ اچھی خاصی تلخ کلامی ہو
چکی تھی، وہ اس کا موڈ خراب نہیں کرنا چاہتا تھا، جیسی کاندھے اچکا کر سائیڈ یہ ہو گیا، زینب نے اس
کا کھلا چھوڑا ہوا دروازہ بند کیا تھا، پھر اسی بند دروازے سے کمر ناکا کر کھڑی ہو گئی تھی۔
”آپ کو یاد ہے جے ایک رات آپ بھی میرے کمرے میں آئے تھے اسی طرح؟“
”بیٹھ جاؤ زینبی! بیٹھ کر اطمینان سے بات کر لو۔“ جہان کے رسائیت سے کہنے پہ اسی نے سر کو
نفسی میں جنبش دی۔

”اس اوکے میں ٹھیک ہوں، جے آپ کو یاد ہے آپ آئے تھے؟“
”ہاں یاد ہے، مسئلہ کیا ہے اب؟“ جہان نے بغور اس کے بے حد سنجیدہ چہرے کو دیکھا تھا۔
”تب آپ نے مجھ سے کچھ پوچھا تھا، یہ بھی یاد ہے؟“ جہان ٹھنکا، اس نے اب کے منہ سے
کچھ نہیں کہا تھا البتہ سرکواشات میں جنبش دی تھی، وہ یکا یک بے حد سنجیدہ نظر آنے لگا تھا، کوئی گہر
تھی جو کھلنے کو تھی، کوئی بھونچال تھا جو آنا چاہتا تھا، اس کی چھٹی جس مسلسل اسپارک کرنے لگی۔
”گھر میں آپ کو پتہ تو چل گیا ہوگا کیا سلسلہ شروع ہو چکا ہے، میں ایسا کچھ بھی پسند نہیں
کرتی ہوں جے؟ پلیز ہیلپ می جے!“ وہ بے حسی و خود غرضی اور مفاد پرستی کے سب سے اونچے
مینار پر چڑھ گئی تھی، جہان ساکن کھڑا رہا، طوفان آیا تھا اور گزر گیا تھا، جہان کو اپنی ہستی کے تاراج
ہونے کی خبر تک نہ ہو سکی۔

”اس وقت میں نے آپ سے جھوٹ بولا تھا جے، صرف تیمور خان نہیں میں بھی اسے بہت
پسند کرتی ہوں جے میں صرف تیمور خان سے شادی کرنا چاہتی ہوں، مجھے خبر نہیں تھی کہ پاپا مجھے
آپ سے منسوب کر چکے ہیں، اپنی ویز آپ کو اب اس کام کو کرنا ہے، یہ بھی یاد رکھیے گا جے اگر

میری تیمور سے شادی نہ بھی ہو سکتی تب بھی میں آپ سے شادی نہیں کروں گی، مجھے اس کے علاوہ
کچھ اور نہیں کہنا۔“

وہ اس پہ ایک گہری مگر تینہی نگاہ ڈال کر جیسے خاموشی سے آئی تھی خاموشی سے پلٹ گئی، جہاں
کسی طوفان کی زد پہ آئے ہوئے پتے کی طرح اپنے وجود کو بے سہارا بے آسرا ڈولتا لڑتا محسوس
کرتا، بے جان قدموں سے وہیں بیٹھ گیا، اس میں اتنی ہمت بھی ناپید تھی کہ اٹھ کر دروازہ بند کر
دے، جسے زینب جاتے ہوئے کھلا چھوڑ گئی تھی۔

☆☆☆

لوٹے خوابوں کی کرچیاں
دل کے نازک خانوں میں چبھتی رہیں
سورج اندھے کنویں میں پڑا روتا رہا
بھول خاک میں اٹے رہے
رنگوں کا حسین قافلہ
دن دہاڑے لٹتا رہا
شہر آرزو پر خون
دھبوں کی صورت بکھرتا رہا

وہ اگلی صبح منہ اندھیرے کسی کو بھی کچھ بتائے بغیر واپس لاہور کے لئے نکل آیا تھا، فلائٹ کے
لئے اس نے کوشش نہیں کی تھی، بذریعہ ٹرین اتنا طویل سفر کر کے وہ اگلے دن رات گھر پہنچ سکا تو
وجود صرف سفر کی تھکان سے تو نہیں ٹوٹ رہا تھا، اضطراب اور وحشت ایسی کہ پورے وجود میں حشر
پڑا تھا، اگر وہ یاد نہ بھی کرنا چاہتا تب بھی اسے فراموش نہیں کر سکتا تھا کہ جانے کتنی بار اس دوران
گم سے ٹڈھال ہو کر اس کی آنکھیں نم ہوئی تھیں اور وہ خود پہ ضبط کھوتا رہا تھا، کیسا کڑا امتحان تھا،
بھلا وہ کیوڑ رکھ پاتا اپنے آپ کو انہوں کے بیچ، اس نے اسی وجہ سے وہاں سے چلے آنے کو ترجیح
دی تھی اور ہر قسم کی وضاحت سے سخن کی غرض سے سیل فون بھی آف کر دیا تھا، اس میں فی الحال
کسی کا بھی سامنا کرنے کی تاب نہیں تھی، ابھی اسے خود کو سنبھالنے کی خاطر بہت وقت درکار تھا۔
”صاحب میں نے آپ کے لئے سوپ تیار کیا ہے، تھوڑا سا پی لیں اور ڈاکٹر کو فون کر
دوں؟“ وہ پورا دن اور رات بھر بخار میں پھنکتا رہا تھا، اسے اپنی اتنی ہمتوں کی اس درجہ کمزوری پہ
حیرت ہوئی تھی، کتنا کمزور اعصاب کا مالک نکلا تھا وہ محض اسے گنوانے کے خیال سے تمام حوصلے کھو
بیٹھا تھا، اس نے خود پہ ہنسنا چاہا مگر جلتی آنکھیں پھر سے بھگنے لگی تھیں۔

(اس کی اس درجہ پاکیزہ اور خاص محبت اس قابل تھی کہ اس کے ساتھ یہ سلوک کیا جاتا)۔
اس کے دل سے گویا ہوک سی اٹھنے لگی مگر وہ دانستہ ہر احساس سے آنکھیں موندے پڑا رہا تھا
جب خانساں نے آکر مداخلت کی تھی۔

”سوپ لے آئیں بابا! اور ڈاکٹر کو فون کرنے کی ضرورت نہیں، میں ٹھیک ہوں۔“ اس نے
خود کو سنبھال کر رسائیت سے کہا تھا، سوپ پینے کے بعد اس نے سردرد کی گولیاں لی تھیں اور پھر سے

لیٹ گیا تھا مگر زینب کی روح میں شکاف ڈالتی ہوئی آواز بازگشت بن کر اس کے آس پاس سرسرا نے لگی تو اس نے کسی کرب میں مبتلا ہوتے اپنے بال مٹھی میں جکڑ کر تکیے پہ سر پٹا تھا۔

رہے گا عشق تیرا خاک میں ملا کے مجھے
کہ ابتدا میں ہوئے رنج انتہا کے مجھے
بغیر موت کے کسی طرح کوئی مرتا ہے
یقین نہ آئے تو وہ دیکھ جائے آ کے مجھے
ہر ایک شخص کو حاصل جدا ہے کیفیات
جفا کے لطف تجھے ہیں مزے وفا کے مجھے

☆☆☆

اسے بارش پسند ہے
مجھے بارش میں وہ
اسے ہنسنا اچھا لگتا ہے
مجھے ہنستے ہوئے وہ
اسے بولنا پسند ہے
مجھے بولتے ہوئے وہ
اسے سب کچھ پسند ہے
اور مجھے بس وہ

زینب نے تیمور خان کے گمبیر لہجے میں بڑھی نظم کو سنا تھا اور کھلکھلا دی تھی، اسے ہمیشہ تیمور خان کا خود کو بے حد اہمیت دینا بہت اچھا لگتا تھا، مگر اس پل تیمور خان کا موڈ کچھ خفا خفا سا تھا۔

”تم نے میری بات کا کوئی اثر بھی لیا ہے؟“

”کیوں نہیں میں نے جے کو سب کچھ بتا دیا ہے۔“ وہ مذہم سروں میں پھر ہنسی۔

”جے کو کیوں؟“ تیمور خان کو جہان سے اتنی ہی چڑ محسوس ہوئی تھی جتنا زینب کی گفتگو میں

اس کا تذکرہ زیادہ ہوتا تھا۔

”وہیں منائیں گے ناپا کو، یولو پاپا جے کی ہی ہر بات مانتے ہیں۔“ وہ بڑے گر کی بات اسے بتا رہی تھی۔

”گڈ! اگر یہ بات ان کی وجہ سے بن جائے تو موصوف کا اسپیشل تھنکس ادا کریں گے۔“ تیمور خان کا موڈ بلا آخر خوشگوار ہو گیا تھا۔

”آپ بالکل بے فکر رہیں، انشا اللہ سب ٹھیک ہو جائے گا، جیسے ہی ادھر حالات بحال ہوئے میں آپ کو بتا دوں گی، آپ اپنے گھر والوں کو بھیج دیجئے گا۔“

اب معاملہ صرف محبت اور خوابوں کی تعبیر کا نہیں رہا تھا، زینب جیسی لڑکی کے لئے اپنی عزت نفس اور پھر اس انسٹ کا بدلہ لینے کا خیال بہت اہم تھا، وہ شد لالے کو نیچا دکھانا چاہتی تھی ہر صورت۔

تیمور خان کا فون بند کر کے وہ تین دن بعد خوشگوار موڈ کے ساتھ اپنے کمرے سے باہر آئی تھی، بھابھی کچن میں مصروف تھیں، اسے دیکھ کر مسکرائیں۔

”اب کیسی طبیعت ہے تمہاری؟“

ممانے اس کے احتجاج کو کسی پہ ظاہر نہیں کیا تھا اور اس کے کمرے میں بند ہونے کی وجہ طبیعت کی خرابی بتائی تھی، مقصد خواہنا وہ بات نہ پھیلانا تھا، ان کے خیال میں زینب محض بے وقوفی کر رہی تھی اور خود ہی ٹھیک بھی ہو جائے گی۔

”ہوا کیا تھا تمہیں؟ مجھے تو لگتا ہے سب جہان سے بچنے کا بہانہ تھا، مگر بے فائدہ کمرائشیں رہیں، وہ تو اس سے اگلے دن صبح ہی لاہور واپس چلا گیا تھا، اکتھے تو پل بڑھ کر جوان ہوئے ہو مگر شرم تو پھر بھی آتی ہے نا۔“ بھابھی ہنس کر چھیڑ رہی تھیں، زینب نے اس انکشاف پہ چونک کر انہیں دیکھا۔

”کیا واقعی جے واپس چلے گئے ہیں؟“

”تمہیں شک سے کوئی؟“ بھابھی نے الجھ کر اسے دیکھا تو زینب نے ہونٹ بھینچ لئے تھے، گھر میں گردش کرتی اس کی مٹکنی کی خبر اور جہان کا منظر سے غائب ہونا اسے مضطرب ہی نہیں کر گیا تھا طیش سے بھی بھر گیا، کچھ بھی کہے بغیر اس نے ہونٹوں کو سختی سے بھینچا تھا اور بلیٹ کر کچن سے نکل گئی، اپنے کمرے میں آ کر اس نے جہان کا نمبر ڈائل کیا تھا، مگر اس کا نمبر مسلسل آف جا رہا تھا، زینب کے اعصاب شدید تناؤ کا شکار ہو کر رہ گئے۔

”اگر آپ میرے ساتھ کوئی ڈبل گیم کھیلنا چاہتے ہیں تو مجھ سے آپ کو کچھ نہیں ملنے والا، سوائے نفرت کے۔“ اس کی تمام سوچیں جیسے زہر آلود ہوئی جا رہی تھیں، اس نے بے حد طیش کے عالم میں سیل فون پٹخ دیا تھا۔

☆☆☆

میرے لئے یہ سائیس بھی
اتنی مشکل کیوں ہیں
میری آنکھوں کے آگے
اتنی دیواریں کیوں ہیں
میرے پیروں میں اتنی
زنجیریں کیوں ہیں
میرے ہاتھ پر ایسی
تقدیریں کیوں ہیں

وہ ایک نئی مصیبت میں بڑ گیا تھا، صبح وہ خانساہاں کے منع کرنے کے باوجود آفس جانے کو تیار ہو گیا تھا، حالانکہ اس کی طبیعت کھینچتی نہیں تھی، مگر وہ اس سوگ میں مبتلا ہو کر کام تو نہیں چھوڑ سکتا تھا، اسی وجہ سے وہ ان کی بات پہ کان دھرے بغیر نکل آیا تھا، دماغ کہیں اور تھا جیسی وہ اتنا شدید ایکسٹنٹ اسی سے ہو گیا تھا جس میں سراسر تصور اس کی بے دھیانی اور بے خیالی کا ہی تھا اس کی

پجارو اس کی گاڑی کے آگے سبک رفتاری سے چلتی مرسدیز پہ بے قابو تیل کی طرح جس وقت چڑھتی چلی گئی تھی اس بل بھی اس کے ذہن میں زینب کے الفاظ اپنی تمام تر سفاکی سمیت سنسا رہے تھے، دھماکہ بہت زوردار تھا، جہان کی گاڑی کی ونڈ اسکرین بھی ٹوٹ کر کرچیوں کی صورت بکھر گئی تھی، چوٹیں تو اسے بھی آئی تھیں مگر معمولی، صبح کا وقت تھا اور سڑکوں پہ بلا کا رش گویا ایک دم اس کے اعصاب مفلوج ہو کر رہ گئے تھے، وہ سرعت سے نیچے اترا تھا، آس پاس گاڑیوں، موٹر سائیکلوں پہ سوار لوگ اس حادثے کی وجہ سے اسی سمت متوجہ ہو گئے تھے کچھ تو اپنی سواری چھوڑ کر صورتحال کی گیسٹریٹ کا جائزہ لینے مسخ ہو جانے والی گاڑی کے اطراف بھی اکٹھے ہو گئے تھے، جہان جیسے ہی باہر نکل کر آیا، اس پہ ہر سمت سے لعنت ملامت اور بے حسی کے مظاہرے پہ نشتر زنی ہونے لگی، جسے انور کے وہ گاڑی کا پچھلا دروازہ کھول کر جھکے ڈرائیور کو متوجہ کرنے لگا جو بلند آواز سے روتا ہوا احتجاج بلند کر رہا تھا۔

”اوہ خانہ خراب کا بچہ اماری مالکن نے تو ام کو جان سے مار دینا ہے، ایک ہی لاڈلا بیٹی ہے اس کا، اگر اسے کچھ ہو گیا جو کہ ام کو لگتا ہے سو فیصد لگتا ہے ہو ہی گیا ہے ام کو ساری عمر جیل میں ساڑھے گا، ام گریب آدمی اے، اماری بات کا کون یقین کرے گا کہ امارا کوئی قصور نہیں ہے۔“ وہ اپنا سر پیٹ رہا تھا۔

”خان صاحب آپ بیٹھے مجھے دیکھنے دیجئے پلیز۔“ جہان نے متانت سے کہا تھا، جولا پرواہی ہو چکی تھی ہو چکی تھی اب اس کے اعصاب انیکدم الرٹ تھے جیسی اس نے ڈرائیور کو اپنا تعارف ضروری نہیں سمجھا تھا ورنہ عیب نہیں تھا وہ وہیں اس کا گریبان پکڑ لیتا، ڈرائیور اسے دعائیں دیتا آنسو پونچھتا ہوا سائیڈ پہ ہوا تو جہان نے جھک کر گاڑی کے دروازے سے اندر کا جائزہ لیا اور جیسے اس کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا تھا، بالوں کی سادہ سی موٹی چوٹی بنائے سفید یونیفارم میں ملبوس وہ نو عمر سی نازک لڑکی بری طرح سے زخمی گویا اپنے ہی خون میں نہائی جا رہی تھی، جہان نے کچھ شپٹا کر اس کی سیٹ سے لٹکتی ہوئی بازو کو پکڑ کر نبض ٹٹولی جو بے حد مدہم محسوس ہو رہی تھی۔

”مائی گڈ نیس۔“ وہ بڑبڑایا۔

اسے ہاسپٹل لے جانا ضروری تھا، فوری طبی امداد سے شاید بگڑتی صورتحال کنٹرول میں آ سکتی، وہ عجلت بھرے انداز میں اسے اپنی گاڑی کی پچھلی سیٹ پہ منتقل کرنے کے بعد ڈرائیونگ سینٹ سنبھالتے ہی گاڑی کا رخ ہاسپٹل کی جانب کر چکا تھا۔

☆☆☆

مسز آفریدی مکمل تیاری کے بعد ناشتے کی ٹیبل پہ آئی تھیں، مستعد ملازمہ نے نہایت سلیقے سے ان کے سامنے ناشتے کے لوازمات چننے شروع کیے۔

”ٹالے اٹھ گئی ہے تو اسے بلا کر لاؤ، بریک فاسٹ کر لے۔“ اخبار پہ سرسری نگاہ ڈالتے ہوئے انہوں نے ملازمہ کو ایک اور کام سونپا تھا۔

”مگر بیگم صاحبہ چھوٹی بی بی تو کالج بھی چلی گئی ہیں۔“

”کالج چلی گئی؟“ مسز ششدر ہو کر ملازمہ کو دیکھنے لگیں۔

”عجیب لڑکی ہے، رات میں نے پوچھا تو صاف منع کر دیا تھا، خیر ناشتہ کیا تھا اس نے؟“ وہ تھکنے سے نکلیں تو کسی قدر اطمینان نصیب ہوا تھا، انہیں ٹالے کے کسی بھی نارمل رویے سے ہمیشہ دل محسوس ہوا کرتی تھی، اخبار تہہ کر کے سائیڈ پہ رکھ کر وہ ناشتے کی سمت متوجہ ہو گئیں، سلاکس پہ سمن لگاتے ہوئے انہیں محسوس ہوا ان کے ہینڈ بیگ میں موجود ان کا سیل فون وائبر میٹ کر رہا تھا، انہوں نے انور کیا تھا اور اطمینان سے ناشتہ کرتی رہیں مگر فون کرنے والا مستقل مزاج واقع تھا، ان کے آفس سے کسی بہت امیر جنسی کی صورت ہی انہیں کال کرنے کی اجازت تھی ورنہ کسی اور کو ہمت نہیں ہوا کرتی تھی، انہوں نے جوس کا جار رکھا اور بیگ کی زب کھول کر سیل فون نکالا، مین پہ کوئی نیا نمبر ہلنک کر رہا تھا، انہوں نے سخت کوفت کے عالم میں کال ریسیو کی تھی، مگر دوسری بات ان کے لئے ہرگز اچھی خبر نہیں تھی، ہاسپٹل سے فون تھا ٹالے کے ایکسیڈنٹ کے پابت کے لئے، وہ جیسے جیسے سنتی گئی تھیں ان کے چہرے کا رنگ بدلتا گیا تھا، پھر جب وہ بولی تھیں ان کے لہجے میں غم و غصے کے ساتھ سردغراہیں بھی در آئی تھیں۔

”کیسے ہوا یہ ایکسیڈنٹ، تم پہچان سکتے ہو اسے جاہر خان؟“

”وہ تمہارے ساتھ ہے، وہی ہاسپٹل لے کر گیا ہے؟ گڈ اے جانے مت دینا، میں آرہی ہوں اؤکے۔“ انہوں نے

فون بند کر کے مٹھی میں دبوچا اور تیز قدموں سے چلتی باہر نکل گئی تھیں۔

☆☆☆

اجہانچ لیتے ہیں

کے ترازو پر

ی کا نم کہاں تک ہے

تک کہاں تک ہیں

مگر بیز لوگوں سے

بھلا تو پڑتا ہے

مکمل محبت کی

تک کہاں تک ہیں

جہان ہاسپٹل کی شفاف راہداری میں اضطراری کیفیت کے زیر اثر مسلسل ٹہل رہا تھا، جب انور نے اس کا سیل فون لا کر اس کے سامنے کیا۔

”یہ اپنی فون لے لو صاحب! آپ کی کوئی فون بار بار آتی ہے صاحب!“

”بتا دیا تم نے اپنی مالکن کو؟“ جہان چونک کر متوجہ ہوا تھا اور اس سے بے حد اہم سوال کیا۔

”جی بتا دیا صاحب! مالکن بہت غصے میں لگتا، ام کو محسوس ہوتا وہ آپ کو بخشے گا نہیں، ام نے

تو وہ اپنا بیٹی سے بہت پیار کرتا ہے۔“

”کیا وہ آرہی ہیں یہاں پہ؟“ جہان کی بات منہ میں رہ گئی اس کا سیل فون زور و شور سے

لگا، جہان نے چونک کر اسکرین پہ نگاہ کی زینب کا فون تھا، تیز میوزک والی بیل تھی، ہاسپٹل

WWW.PAKSOCIETY.COM

کے پرسکون ماحول میں زبردست رختہ پڑا تھا، جہان نے گھبرا کر کال منقطع کر دی اور موبائل کو ساکنٹ یہ لگانے لگا، اسی وقت پھر زینب کا فون آنے لگا تھا، جہان نے پھر کال کاٹی تھی اور گہرا سانس بھر کے میل فون کو کوٹ کی جیب میں رکھا، وہ جس قسم کی سچویشن کا شکار تھا، زینب سے بات کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھا، چاہے وہ کچھ بھی سوچتی اس کے متعلق۔

”صاحب مالکن آ گیا ہے۔“ اسے سوچوں سے ڈرائیور کی کھسکیھیائی ہوئی آواز نے نکالا تھا، وہ چونک کر متوجہ وا اور اگلے لمحے وہ مسز آفریدی کو سرخ چہرے اور کڑے تیوروں سمیت اسی سمت آتے دیکھ کر وہ کچھ ٹھنک سا گیا، اگر وہ نوخیز لڑکی ان کی بیٹی تھی تو بڑی حیرت کی بات تھی، ساٹھ کے لگ بھگ تھیں وہ کم از کم یقیناً وہ لڑکی ان کے بڑھاپے کی اولاد تھی۔

”جبر خان کہاں سے ڈالے؟ اور تم اندھے تھے جو تمہیں نظر نہیں آیا تھا، اگر میری بچی کو کچھ ہوا تو میں زندہ نہیں چھوڑوں گی تمہیں۔“ وہ آتے ہی پھنکاری تھیں، جبر خان کا رنگ پیلا پڑتے دیکھ کر جہان تیزی سے آگے بڑھا تھا۔

”ایلیکسیوزی میم! آپ کے ڈرائیور کا کوئی قصور نہیں ہے اور جہاں تک آپ کی بیٹی کی طبیعت کی بات ہے ڈونٹ یوری، وہ اب خطر سے باہر ہیں۔“ مسز آفریدی جو اسے دیکھتے ہی پہچان چکی تھیں اور پہچان کر بری طرح سے نظر انداز کر چکی تھیں اس مداخلت پہ خونخوار نظروں سے اسے گھورتے ہوئے پھنکار کر بولی تھیں۔

”تم اس بات کے چشم دید گواہ تھے؟ مائنڈ اٹ میں تم سے نہیں اپنے ملازم سے بات کر رہی ہوں۔“ ان کے اس درجہ بدگمانی اور مخنی پہ جہان چند لمحوں کو کچھ کنفیوژ ہوا تھا، مگر اگلے لمحے وہ خود کو سنبھال چکا تھا جیسی جب بولا تو اس کا ازلی اعتماد اس کے ساتھ تھا۔

”جی میں چشم دید گواہ ہوں نی کوز یہ ایکسیڈنٹ مجھی سے ہوا ہے۔“ اس نے سرد مہری سے جتلا کر کہا تو مسز آفریدی کے اعصاب کو جیسے دھوکا لگا تھا۔

”تم؟“ وہ دانت بھینچ کر اسے گھورنے لگیں چہرا ایکدم سے سرخ پڑ گیا تھا یوں جیسے وہ اسے بس نہ چلتا ہو مارا ڈالیں۔

”میری بیٹی کو ہلکی سی گزند بھی پہنچے میں ایسا کرنے والے کو کڑی سے کڑی سزا دیا کرتی ہوں، بخشوں گی تو میں تمہیں بھی نہیں یاد رکھنا۔“ وہ پھنکاریں تھیں اور ہائی ہیل کی ٹنگ بجا تیں ڈالے کے کمرے میں جا گھسیں، جہان جو حیران سا ان کا شدید اور کسی حد تک جاہلانہ انداز ملاحظہ کر رہا تھا گہرا سانس بھر کے رہ گیا۔

☆☆☆

آؤ!

ہم اپنے دلوں کو
اپنی اپنی مٹھیوں میں
اسی زور سے جکڑ لیں

کہ شریانوں میں پھوٹنے والا کرب

یہیں کہیں گم ہو جائے

اس کی آنکھیں بند تھیں اور گلا غم سے رندھا ہوا، وہ بے حد عجیب احساسات کا شکار تھی، اتنا درد زخم زخم وجود میں نہیں تھا جتنا اس کے دکھے ہوئے دل میں، پتہ نہیں یہ حادثہ ہونا بھی چاہیے تھا نہیں۔

برہاد ہونے کے تو اور بھی راستے تھے

نہ جانے مجھے محبت کا خیال ہی کیوں آیا

اس کے لبوں پہ شکستہ مسکان بکھر گئی، عجیب سنگم تھا اس کے چہرے پہ آنسوؤں اور مسکراہٹ کے ساتھ جب مسز آفریدی نے دروازے سے اندر قدم رکھا تھا۔

”ہنی میری جان کیسی ہو؟“ وہ لپک کر اس تک آئی تھیں اور بے قراری بے تابی سے اس کے صبح پیشانی کو چومنے لگیں، ڈالے بس آنکھیں کھولے انہیں دیکھے گی۔

”پورے پانچ بکرے صدقہ کیے ہیں، چار دیہیں بہترین کھانے کی غریبوں میں بٹوائی ہیں، اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے میری بیٹی کی جان بچ گئی، مگر جنہوں نے اس حال کو پہنچایا ان کی ناک سے لکیریں نکلواؤں گی دیکھنا، جبر خان کی دو ماہ کی تنخواہ ہی کافی ہے مگر اس پھنے خان کو حوالات کی ہوا لگوا کر دم لوں گی۔“ ان کے پھنکارتے لہجے میں نفرت کی کاٹ تھی، ڈالے نے کچھ چونک کر انہیں دیکھا۔

”کس کی بات کر رہی ہیں؟“

”وہی جہانگیر حسن شاہ! جہان انڈسٹری کا اوپر، اونہ اپنے آپ کو کچھ سمجھتا ہے، بات یوں کر کر کرتا ہے جیسے ساری دنیا اس کی ملکیت ہو، مجھے سے پنگا لیا تھا اس نے مجھ سے۔“ ان کے لہجے سے جیسے آگ کی لپٹیں نکل رہی تھیں، ڈالے کی رنگت کچھ متغیر ہونے لگی۔

”یہ جہانگیر کون ہے ماما، وہی جن کی گاڑی سے یہ حادثہ ہوا؟“ اس نے تصدیق ضروری سمجھی تھی، مسز آفریدی نے تنفر سے سر جھٹکا۔

”ہاں وہی۔“ ان کے اثبات میں دیئے گئے جواب پہ ڈالے نے بے ساختہ ہونٹوں کو بھینچا تھا کچھ دیر خاموش رہی پھر کترائے ہوئے انداز میں مگر مدہم آواز میں بولی تھی۔

”آپ انہیں کچھ نہیں کہیں گی ماما۔“ مسز آفریدی کو شاک لگا تھا انہوں نے یوں اسے دیکھا جیسے اس کی دماغی حالت پہ شبہ ہوا ہو۔

”کیوں؟ مرتے ہوئے بچی ہوتی، میں تو کبھی اسے معاف نہ کروں، کیس کروں گی اس پر۔“

”ماما! وہ سخت عاجز ہوئی۔“

”پلیز لیو دیس، مجھے یہ بالکل اچھا نہیں لگے گا، دیکھیں نا انہوں نے مجھے ہاسپٹل پہنچایا تھا ان کا یہ احسان نہیں ہے ہم پہ؟“

”میں ایسے احسانوں پہ سر جھکانے والی نہیں، ایکسیڈنٹ بھی اسی نے کیا تھا تمہارا، اللہ جالے اس وقت پی رکھی تھی کہنے نے۔“ وہ بری طرح بھڑکیں تو ڈالے کی نگاہوں میں خفگی اتر آئی۔

”ایک بات یاد رکھیے گاما، اگر آپ نے ان کے ساتھ کوئی بد سلوکی کی تو میں آپ سے کبھی

بات نہیں کروں گی۔“ اس نے قطعیت سے کہا اور کروٹ بدل کر چہرا دوسری جانب کر لیا، مسز آفریدی کے اعصاب کو شدید دھچکا لگا تھا، وہ کتنی دیر تک غیر نشیبتی سے ڈالے کی پشت کو گھورتی رہی تھیں، پھر خود کو سنبھالا اور گہرا سانس بھر کے اس کے بیڈ کے گرد گھوم کر اس کے صحن سامنے آگئی تھیں۔

”ایک تو میں تمہاری اس نرم دلی سے سخت عاجز ہوں، خیر بے فکر ہو جاؤ، میں کچھ نہیں کہوں گی اسے، ویسے مجھے دکھ ہوا تم نے اپنی ماں پہ ایک پیکر غیر اچھی انسان کو فوقیت دی ہے۔“ ان کے خفگی بھرے انداز پہ ڈالے جانے کیوں اس پل ان سے نظریں چرا گئی تھی۔

”بات یہ نہیں ہے ماما، اصول کی ہے ظاہر ہے انہوں نے جان بوجھ کر یہ ایکسیڈنٹ تو نہیں کیا ہوگا، پھر جس طرح وہ موقع سے فرار ہوئے بغیر مجھے ہاسپٹل لے کر گئے اور آپ کے سامنے اپنے جرم کا اعتراف کیا اس سے ان کی شخصیت کے کبھی مثبت پہلو ہی نمایاں ہوئے ہیں۔“

مسز آفریدی نے اب کی مرتبہ ایسے کچھ نہیں کہا تھا، بس خاموشی سے اسے دیکھتی رہی تھیں، ڈالے ان کی نظروں سے خائف ہوئی تھی اور جزیب بھی، کتنی گہری اندرتک کا بعید پالینے والی نظریں تھیں۔

”ایسے کیا دیکھ رہی ہیں؟“ اس کا اعتماد بری طرح زائل ہوا تھا جہی کچھ خفگی سے بولی۔

”تم نے دیکھا ہے اسے؟“ ان کی نظروں کی طرح سے ان کا لہجہ بھی کھوجتا ہوا سا تھا۔

”کسے؟“ ڈالے سمجھ تو گئی تھی پھر بھی دانستہ تجاہل عارفانہ سے کام لیا اور نظریں چرا لیں۔

”جہانگیر حسن شاہ کو؟“

اس براہ راست سوال پہ ڈالے اچھی خاصی گڑبڑا گئی، حالانکہ بات کچھ ایسی بھی غیر معمولی نہیں تھی مگر اب بن چکی تھی، وہ اپنے دل کی اس بغاوت پہ ہی ابھی تک ششدر تھی، بے بس حیران، اچانک کہیں واردات ہوئی تھی، ابھی تو وہ اپنے نقصان پہ ہی حیران تھی، ابھی تو وہ خود اپنے آپ سے اس اعتراف سے گریزاں تھی ہرگز نہیں چاہتی تھی، انہیں اس بات کی بھنگ بھی پڑے، جہی صاف مسک رہی تھی۔

”نہیں میں نے کہاں دیکھا، کیوں پوچھ رہی ہیں آپ؟“ اس نے پوری کوشش کی تھی اپنے لہجے کو بے نیاز لالچ اور سرسری بنانے میں جس میں وہ پتہ نہیں کس حد تک کامیاب ہوئی تھی۔

”ایسے ہی، وہی ہاسپٹل لایا تھا نا تمہیں اس لئے۔“ وہ بھی اسی کی ماں تھیں، بات بدل گئیں، ڈالے نے گہرا سانس بھرا۔

”میں بے ہوش تھی تب، البتہ جبر خان سے معلوم ہوا تھا یہ مجھے۔“

”اوکے فائن، تم آرام کرو، تمہیں آرام کی ضرورت ہے، پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، میں اپنی بیٹی کے صدقے معاف کر چکی ہوں اسے۔“ انہوں نے احسان جتلانے والے مگر متکبر انداز میں کہا تھا اور اس کا سر تھکتی ہوئی باہر چلی گئیں، ڈالے نے ٹھنڈا سانس بھر کے آنکھیں موندیں تھیں کہ اسی پل جہان کا اونچا لہبا وجہہ و شاندار سراپا تمام تر دلکشی سمیت اس کی نگاہوں میں اتر آیا تھا، ڈالے نے ایک دم گہرا کر آنکھیں کھول دیں اور یوں سر جھٹکا جیسے اس کے خیال سے

نجات حاصل کرنا چاہتی ہو، مگر ایسا ممکن کب تھا، اس کی یادداشت کے پردے یہ وہ منظر لہرانے لگا، جب اسے ہوش آیا تھا، ڈاکٹر زاس کی مرہم پٹی کر چکے تھے ہوش میں آنے کے بعد بھی وہ بہت تکلیف محسوس کر رہی تھی۔

”مسٹر جہانگیر آپ فکر مت کریں پیشدہ کی حالت خطرے سے باہر ہے۔“ یہ یقیناً ڈاکٹر کی آواز تھی جو اس نے ہوش میں آنے کے بعد سنی تھی اور بے اختیار ہی اس کی نظریں اسی سمت اٹھ گئی تھیں، ڈاکٹر کے ساتھ بلیک ٹوپ میں پیشانی پہ بکھرے بالوں اور آنکھوں میں گہری تشویش کا عکس لئے ہوئے کھڑا وہ بے حد امپریسو شخصیت کا مالک تھا، اپنی نمایاں ہوتی ہامیٹ بے حد دلکش ساحرانہ نقوش سمیت وہ پتہ نہیں تھا ہی اتنا خاص یا اسے لگا تھا کہ وہ ایک ٹک اسے دیکھتی چلی گئی تھی۔

”آپ چاہیں تو چلے جائیں، ان کی والدہ کو ہم فون پہ اطلاع دے چکے ہیں، اگر وہ چاہیں گی تو ہم آپ سے ملوادیں گے۔“ ڈاکٹر جہانگیر کو مخاطب کر کے بہت رसान سے کہہ رہا تھا، جہان نے سر کوٹھی میں جنبش دی تھی۔

”نہیں ڈاکٹر صاحب ہی بالکل مناسب نہیں ہے، جب تک پیشدہ کو ہوش نہیں آتا، میں یہیں رکوں گا۔“ وہ بولا تو ڈالے کو احساس ہوا تھا اس کی شخصیت کی طرح سے اس کا لہجہ بھی از حد متاثر کن ہے۔

”یہ کیسے آپ کی پیشدہ کو ہوش آگیا۔“ ڈاکٹر کی نگاہ ڈالے پہ پڑی تو وہ اس کی سمت لیکتے ہوئے جہان کو بھی خوشخبری سنانے لگا تھا، ڈالے نے فی الفور نگاہ کا زاویہ بدلا کہ اب وہ لازماً اس کی سمت متوجہ ہوتا۔

”آریو او کے مس!“ ڈاکٹر اس کا چیک اپ کرنے میں مصروف تھا، جب جہان نے بہت شائستگی و ملائمت کے ساتھ اسے مخاطب کیا تھا، ڈالے نے اپنے پورے وجود میں اس پل اس کی توجہ با کر روشنی بکھرتی محسوس کی تھی، اس نے جواب میں کچھ کہنا چاہا مگر آواز اس کے حلق میں گھٹ کر رہ گئی تھی، ڈالے کو بے تحاشا شرمندگی نے آن لیا، ڈاکٹر نے اس کا سر تھپکا تھا۔

”ریلیکس بے بی، آپ انشا اللہ بہت جلد ٹھیک ہو جائیں گی۔“ وہ کچھ کہے بغیر بھیگی آنکھوں کو جھپکتی ہونٹ کچلتی رہی تھی، جہان نے بھی اسے تسلی سے نوازا تھا، وہ اسے بار بار دیکھتا رہا تھا، اس کی نگاہوں میں سوائے ہمدردی اور تاسف کے ڈالے کو کوئی اور جذبہ ڈھونڈے سے بھی نہ ملا تھا اور اس کے اندر لمحوں میں صدیوں کی ٹھکن اتر آئی تھی، اس نے کتنی یاسیت سے سوچا تھا، کیا ضروری تھا کہ اسے زندگی کے اس مقام پہ اتنی اچانک اور شدید محبت ہوتی جب زندگی میں درد کے سوا کچھ نہیں تھا، پھر اتنی حسرتوں میں اس ایک اور حسرت کا شامل ہونا اتنا ضروری تو نہیں تھا، وہ بہت دیر تک آنسو بہاتی ہوئی سوچتی اور سکتی رہی تھی۔

☆☆☆

میری نیند مجھ سے بکھر گئی میرے خطبے مجھ سے جدا ہوئے
یہ بڑا ہی غم کا مقام ہے ذرا لوٹ آئیں اداس ہوں
کئی پھٹ پھٹ کے ہلکے ہلکے کر میری ذات میں

میرے دل میں اک کبرام ہے ذرا لوٹ آئیں اداس ہوں
تیرے دم سے زندہ ہیں آج بھی تو ہی زندگی کی امید ہے
تیرے بعد جینا حرام ہے ذرا لوٹ آئیں اداس ہوں
میری زندگی میری بندگی میری خواہش میری چاہتیں
میری ہر خوشی تیرے ساتھ ہے ذرا لوٹ آئیں اداس ہوں

وہ درپے میں کھڑا لان میں اترے اندھیرے کو دیکھ رہا تھا، خاموش ویران اور گم صم وہ خود اپنے آپ سے بھاگتے بھی تھک گیا تھا، آج پاپا کا فون بھی آیا تھا، وہ اسے واپس بلا رہے تھے، ان کا ارادہ وہ جانتا تھا وہ اب منگنی کی رسم کرنا چاہتے تھے اور جہان سخت مشکل میں گھرا ہوا تھا، انکار کرتا وہ بھلا، زینب کی تیمور کے متعلق پسندیدگی سے گھر والوں کو آگاہ کرنے کا مقصد تھا زینب کو زیر عتاب لانا، جو وہ اس کی تمام بے بسی بے اعتنائی کے باوجود بھی اس کے ساتھ کچھ غلط نہیں کرتا تھا، محبت کرنے والے ایسا کر ہی نہیں سکتے خاص طور پہ اس کے ساتھ جس سے محبت کی ہو، انتقام اور بدلہ تو بہت عجیب لفظ تھے، اس کے نزدیک اس نے پاپا کو بڑی مشکلوں سے ٹالا تھا، وہ اس کی پس و پیش پہ کچھ حیران ہوئے تھے البتہ انہوں نے زیادہ اصرار نہیں کیا تھا اور خاموشی اختیار کی تھی، وہ بھلے اسے اپنا بیٹا کہتے تھے مگر یہ بھی حقیقت تھی کہ بہر حال وہ بیٹی کے باپ تھے اور جہان کے لئے یہ زندگی کا بہت کھن مرحلہ تھا، باپ سے بڑھ کر مشفق اور پیار کرنے والے چچا کو اس طرح سے مایوس کر دینے کا خیال ہی بہت تکلیف دہ تھا، وہ مجرم نہ ہوتے ہوئے بھی گویا خود کو مجرم تصور کرنے لگا تھا، ابھی وہ اس کرب بھرے احساس سے نہیں نکل سکا تھا کہ بہت دنوں بعد معاذ کا فون آگیا تھا۔

”جے یہ کیا سن رہا ہوں میں؟“ اس نے چھوٹے ہی کہا تھا۔

”کیا سن رہے ہو؟“ جہان نے دانستہ تغافل برتا تھا تو معاذ خفا ہونے لگا تھا۔

”تم منگنی سے منع کر رہے ہو، میں تو اتنا ایکسٹریٹڈ ہو رہا تھا، آج ماما سے بات کی تو انہوں نے بتایا واٹس پور پر اہلیم یار۔“

”کوئی پراہلیم نہیں ہے۔“ اس نے دانستہ لہجے کو روکھا اور خشک کر لیا تھا، کسی کی خامی چھپانے کو اب اسے خود برا بننا تھا، یہ ضروری ہو گیا تھا اب، معاذ کو اس کی توقع کے عین مطابق حیرانی نے آن لیا تھا۔

”اگر پراہلیم نہیں ہے تو بات تو صحیح طرح سے کرو جے!“ معاذ نے اسے فوراً ٹوک دیا تھا، جہان نے ہونٹ بچھینچ رکھے، معاذ نے کچھ ادھر ادھر کی باتیں بھی کی تھیں مگر جہان نے اسے دانستہ اوندھے سیدھے جواب دیئے، لہجے سے بے اعتنائی بدل جاتی پھلکتی رہی تھی، معاذ نے اس دن اس سے بہت طویل بات چیت نہیں کی۔

”آئی تھینک تمہارا موڈ ٹھیک نہیں ہے، جے ہم پھر بات کر لیں گے۔“ معاذ نے سہولت سے کہا تو جہان نے اسے خدا حافظ کہے بغیر سلسلہ منقطع کر دیا تھا، اس کا فون بند ہوا ہی تھا کہ اس وقت ہی زینب کی کال آنے لگی، جہان کے چہرے پہ ایک تاریک سا سایہ لہرا گیا، اس نے کچھ لمحوں تک

اسکرین پہ بلنک کرتے اس کے نام کو دیکھا، اس کے چہرے دآنکھوں میں جیسے اذیت رقم ہونے لگی تھی، اس نے دل کڑا کرتے ہوئے اس کی کال ریسوی، وہ اسے انکور کرنے کا حوصلہ کہاں سے لاتا۔

”ہیلو بے کہاں ہو تم؟“ وہ چھوٹے ہی بولی تھی، جہان نے بھیجے ہوئے لیوں کو کھولا اور خود کو جبراً سنبھال کر آہستگی سے بولا تھا۔

”لا ہو تم جانتی تو ہو۔“ اس نے لاشعوری کوشش کی تھی اپنا لہجہ دائرہ انداز نازل رکھنے کی۔

”کیوں بھاگ رہے ہو حقیقت سے بے! تم کیا سمجھتے ہو اس طرح تم حاصل کر لو گے مجھے؟ بہت غلط خیال ہے تمہارا، یاد رکھنا ہے اگر میرے ساتھ زبردستی کی گئی تو میں خودکشی کر لوں گی۔“ وہ بول نہیں رہی تھی گویا لفظ چبار ہی تھی، اس کے ایک ایک لفظ سے کئی پھلک رہی تھی، جانے کب کا غبار تھا جواب نکلا جا رہا تھا وہ پھٹ پڑی تھی، جہان دانت بھیجتے متغیر چہرے کے ساتھ خاموش کھڑا رہا۔

”بولتے کیوں نہیں ہیں بے۔“ وہ زور سے چیخی۔

”تم کسی بہت بڑی غلطی کا شکار ہو زینب! میں تم سے بھاگ نہیں رہا ہوں، بزنس کے سلسلے میں یہاں ہوں اور بہت بڑی ہوں، فضول قسم کی باتوں اور سوچوں کے لئے بھی میرے پاس وقت نہیں ہے، یہ ہمارے بزرگوں کا فیصلہ تھا جس پہ میں نے اعتراض ضروری نہیں سمجھا تھا، میرے خیال میں شادی ایک بنیادی ضرورت ہے جو کسی سے بھی ہو جائے زندگی ہی گزارنی ہوتی ہے نا، وہ تم ہو تیس یا کوئی اور، مجھے اس سے فطری کوئی فرق نہیں پڑتا۔“ وہ بولا تھا اور جیسے اندر کا سارا غبار نکال دیا، اپنے پندار اور وقار کی حفاظت کرتے اسے اپنے الفاظ کی سختی کا بہر حال خیال نہیں رہا تھا، وہ بہت اتنا رست تھا، اس نے اس وقت اس راز کو افشا نہیں ہونے دیا تھا، جب امید کے سارے جنگو اس کی مٹھی میں روشن تھے، پھر اب وہ اپنے انمول جذبوں کی پامالی کیسے برداشت کر لیتا جبکہ ایسا کوئی چانس باقی نہیں بچا تھا، دوسری جانب زینب یقیناً بری طرح سے پزل ہوئی تھی جب ہی کچھ ٹائیوں کو بالکل خاموش رہ گئی، پھر معاً اس نے خود کو سنبھال لیا تھا۔

”گڈ! مجھے آپ سے ایسی ہی سمجھ داری کی توقع تھی، ویسے بھی محبت آپ جیسے بزدل انسان کو کرنے کا کوئی حق بھی نہیں ہے، جو محبت کے جذبے کو دل میں دبا کر اسے شرمندہ ہونے پہ مجبور کر دے۔“ زینب نے اپنی کھسیا ہٹ اپنے تیکھے طنز یہ لہجے کے ذریعے نکال دی تھی، جہان کے چہرے پہ زخمی مسکان بکھر گئی، وہ یوں گہرے سانس بھرنے لگا جیسے گہری تھکن اور پشیمانی کا شکار ہوا ہو۔

”پھر آپ منع کر دیں پاپا کو۔“

”کردوں گا ڈونٹ وری۔“ جہان کا لہجہ خشک تھا۔

”کب؟ کیا کہیں گے؟“ وہ بے صبرے پن سے بولی تو جہان کے ماتھے پہ تیوری چڑھ گئی تھی۔

”یہ میرا ہیڈک ہے۔“ وہ بیگانگی بے مروتی سے بولا، زینب کچھ نخل ہو گئی۔

”میرا مطلب ہے تیمور کا ذکر نہیں آنا چاہیے، آپ سمجھ رہے ہیں نا؟“

”ڈونٹ وری۔“ جہان اس سے زیادہ اس بے رخی سے بات نہیں کر سکا۔
”بھینکس ہے! ویسے وہ ہے نا کوئی جس کی یادیں آپ نے ڈائری میں مملووا کی ہیں؟“
مطلب نکل گیا تھا، اب وہ پھر اس سے اسی انداز میں بات کر رہی تھی، جہان کو اس کی بے بسی کے مظاہرے نے کوفت زدہ کر دیا تھا۔

”ہاں ہے۔“ وہ زخمی انداز میں مسکرایا، کیسا عجیب دورا ہا تھا، وہ اعتراف کر رہا تھا مگر اس طرح کہ نہیں کرنا چاہیے تھا، زینب کچھ لمحوں کو بالکل خاموش ہو گئی۔

”تو میرا اندازہ غلط نہیں تھا، گڈ، کون ہے وہ اب تو بتادیں؟“ وہ بولی تو لہجے سے پہلے کی سی بشارت مفقود تھی مگر جہان خود اذیت کے پل صراط سے گزر رہا تھا اس تبدیلی پہ دھیان نہیں دے سکا، البتہ اس کے الفاظ نے اسے جیسے برزخ میں دھکیل دیا تھا، اتنا طیش آیا کہ وہ آپے سے باہر ہو کر رہ گیا۔

”تمہیں نہیں لگتا زینب کہ تم کچھ زیادہ ہی پرسنل ہو رہی ہو؟“ اس کے اندر آگ تھی مگر اس کا لہجہ اس قدر سرد تھا، زینب پہ گویا گھڑوں کے حساب سے پانی پڑ گیا۔

”اوہ سوری، اس اوکے۔“ وہ خفت زدہ سی بولی تھی، جہان نے جواب میں کچھ کہے بغیر ہونٹ بھیجے رکھے تھے، زینب کے فون کرنے پہ وہ سیر ہاتھوں میں تھام کر بیٹھ گیا تھا۔

☆☆☆

جہاں اس نے پلٹ کر شاہ ہاؤس میں قدم رکھنا خود پر حرام کر لیا، پاپا کے فون ماما، ماما جان کے بلاؤں اور پاپا جان کے اصرار کے باوجود بھی نہیں گیا تو پاپا جان خود اس کے پاس چلے آئے تھے، کچھ پریشان اس سے بڑھ کر متفکر وہ ان سے نظریں چرانے لگا۔

”آپ نے کیوں زحمت کی پاپا جان میں اک دو دنوں میں آنے کا سوچ رہا تھا۔“

”میں نے سوچا میں بھی لاہور جا کر تو دیکھوں ایسا کیا ہے یہاں کہ جس نے میرے بیٹے کو مجھ

سے چھیننے کی سازش شروع کر دی ہے۔“ وہ نخل سا ہو کر رہ گیا پھر آہستگی سے بولا تھا۔

”ایسا کچھ نہیں ہے پاپا جان!“

”میرا تو خیال ہے منگی کی بجائے شادی کر دیں تمہاری، یہاں اکیلے ہو تم بیوی کے ساتھ

سہولت ہو جائے گی۔“

”نہیں پاپا جان پلیز میں ابھی شادی نہیں کرنا چاہتا ہوں۔“ وہ جتنی بے چینی سے گڑبڑا کر بولا

پاپا جان نے بغور اسے دیکھا تھا اور بہت دیر تک دیکھا۔

”شادی ہی نہیں کرنی جہان یا پھر زینب سے نہیں کرنی؟ تم کہیں اور تو انوالو نہیں ہو گئے ہو؟

اگر ایسی بات ہے پھر بھی ہمیں بتا دو؟“ پاپا کے الفاظ نے اسے گنگ کر دیا تھا، اس کے لئے رہا

ہموار ہو گئی تھی، وہ انکار کر سکتا تھا مگر الفاظ اس کی زبان سے ادا نہیں ہو پارہے تھے، وہ ساکن بیٹھا

رہا تھا۔

(باقی آئندہ ماہ)

نئی لکھری جہان زہرا

◇◇◇ ام مریم ◇◇◇

آٹھویں قسط کا خلاصہ

گھر میں زینب کی منگنی جہان سے ہونے کا پلان بنتا ہے تو زینب بوکھلا اٹھتی ہے، وہ جہان کے سامنے تیمور خان سے تعلق کا اعتراف کرتے ہوئے اسے پیچھے ہٹنے کا کہتی ہے۔ جہان اس انکشاف پہ خود کو لے حد اپ سیٹ محسوس کرتا ہے، زینب سے بچھڑنے کا خیال اسے باگل کرنے لگتا ہے، اس اضطراب کی کیفیت میں اس سے حادثہ ہوتا ہے جس میں ڈالے بری طرح سے زخمی ہو جاتی ہے، مسز آفریدی جہان کے لئے خطرناک عزام سوچے ہوئے ہیں جو ڈالے یہ آشکار ہوتے ہیں تو ڈالے انہیں مجبور کرتی ہے مسز آفریدی اسے ذرا برابر ہی نقصان نہیں پہنچائیں گی، مسز آفریدی کو ڈالے کی بات ماننا پڑتی ہے۔ ڈالے پہلی ملاقات میں ہی جہان کی شخصیت کے سحر میں گرفتار ہو جاتی ہے مگر وہ اس احساس کو پا کر بالکل خوش نہیں ہے۔

زینب، جہان کو اس بات پہ آمادہ کر لیتی ہے کہ وہ اس سے دستبردار ہو جائے گا اور الزام بھی زینب کے سر نہیں آنے دے گا، جہان کے پاس اس کی بات ماننے کے سوا اور کوئی چارہ نہیں۔ جہان کی منگنی سے پس و پیش کو پا کر پاپا جان جہان سے دو ٹوک بات کرتے ہیں جس کے نتیجے میں جہان خود کو مشکل میں گرفتار محسوس کرتا ہے۔

نویں قسط

اب آپ آگے پڑھیے



Amir

پاپا جان نے اس خاموشی پہ کس قدر خفگی میں مبتلا ہو کر جہان کو گھورا تھا۔

”مجھے اپنی بات کا جواب چاہیے جہان!“

پاپا جان آپ لوگوں نے اگر یہ بات اپنے دل میں سوچی تھی تو کم از کم مجھے ضرور بتاتے اب میں کیا کروں جبکہ.....“ اس نے دانستہ بات ادھوری چھوڑ دی، جو پاپا جان کے لئے بہت تکلیف دہ ثابت ہوئی تھی، انہوں نے چونک کر مگر کچھ غیر یقین اور خوف کے عالم میں اسے دیکھا تھا۔

”کیا کہنا چاہتے ہو جہان؟ بات مکمل کرو اپنی۔“

پاپا جان میں کسی لڑکی کو پسند کرتا ہوں، زینب کا خیال غلط نہیں ہے، اس سے میری کمنٹس ہے، میں اگر زینب سے شادی کر بھی لوں تو اسے خوش نہیں رکھ پاؤں گا، پاپا جان آئی تھنک آپ ایسا نہیں چاہیں گے وہ بھی اس صورت کہ.....“ پاپا جان جو ساکن متحیر اور شاکڈ بیٹھے تھے ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑے ہو گئے، ضبط کی کوشش میں ان کا چہرہ بے تحاشا سرخ ہو رہا تھا، اس قدر گہرے اضطراب میں مبتلا کہ انہیں جہان کے چہرے پر لم ازیمت نظر نہیں اس کی۔

”دس از ٹوئج جہانگیر حسن شاہ!“ وہ بولے تو ان کا لہجہ ٹوٹا ہوا تھا، انہوں نے سر جھکائے بیٹھے جہان کو دیکھا اور سر زور سے جھٹکا۔

”تم ٹھیک کہتے ہو، ہمیں اس صورت یہ کام نہیں کرنا چاہیے، آج سے تم اس بندھن سے آزاد ہو، اپنے لئے ہر فیصلہ کرنے میں مکمل طور پہ آزاد.....“ اپنی بات مکمل کر کے وہ رکتے نہیں تھے، جہان نے سر اٹھا کر نہیں دیکھا، اس وقت وہ ضبط کی آخری حد کو چھو رہا تھا، ذرا سی ٹھیس بھی اسے بکھیر سکتی تھی مگر، وہ بکھرنا نہیں چاہتا تھا۔

☆☆☆

یہ اکیلے پن کی اداسیاں یہ فراق لمحے اداس سے سبھی دشت دل میں بھی آریں تیری جاہتوں کے قافلے میں ہوں تجھ کو جاں سے عزیز تر یہ میں کیسے مان لوں اجنبی تیری بات لگتی ہے وہم سی تیرے لفظ لگتے ہیں خواب سے یہ جو میرا رنگ ہے روپ ہے یونہی بے سبب نہیں دوستو میری خوشبوؤں سے ہیں سلسلے میری نسبتیں ہیں گلاب سی

ٹیپ ریکارڈ دھیسے سروں میں بج رہا تھا، وہ آنکھیں موندے بالکل ساکن پڑی تھی، مگر تخیل کے پردے پہ رنگ تھے روشنی تھی، ہر رنگ میں اس کا عکس تھا، ہر روشنی میں اس کا حسن تھا، وہ جتنا حسین تھا اس قدر بے نیاز تھا، وہ جس قدر دلکش تھا، اس سے بڑھ کے اجنبی تھا، ڈالے کی آنکھیں بھیگنے لگیں، پاپا جان کا احساس اس کا دل رگیدنے لگا، ایک ان چاہا شکوہ وہ نا چاہتے ہوئے بھی خدا سے کر جانی۔

”کیا یہ ضروری تھا؟“

ہر بار وہ اس بے اختیاری پہ جتنا خوفزدہ ہوتی اس سے بڑھ کر اضطراب اس کے اندر کروٹیں

لینے لگتا کتنا جھٹکنا چاہتا تھا اس نے اس کے خیال اور تصور کو، مگر لگتا تھا وہ ذہن کی ہر رگ پہ نقش ہو گیا تھا، جس روز وہ ہاسپٹل سے ڈسچارج ہو رہی تھی کتنی عجلت میں آیا تھا وہاں۔

”آئی ایم ساری مس! میں پھر آپ کی خبر گیری کو نہیں آسکا، یہ نہیں تھا کہ میں آپ کے لئے ٹائم نہیں نکال سکا، بس میری ذہن سے ہر بار نکل جاتا تھا، ایک تو میں اپنی یادداشت سے بڑا عاجز ہوں۔“ اس کا لہجہ شرمسار تھا، ڈالے اسے دیکھتی رہی تھی، اس پل اس کے ذہن میں کبھی کے پڑے اشعار تازہ ہو گئے تھے۔

وہ مجھ کو بھول بیٹھا ہے نہیں حیرت ہوئی سن کر

وہ اپنی عام سی چیزوں کو اکثر بھول جاتا ہے

اس نے سرد آہ بھری تھی اور نگاہوں کا زاویہ بدل لیا، ورنہ دل کی خواہش اسے جی بھر کے دیکھنے کی تھی، وہ دل کے کہے چلنے پہ آمادہ نہیں تھی، دوسری اہم بات اسے ہرگز بھی گوارا نہیں تھا کہ وہ اس کی نگاہ کے کسی تقاضے سے آگاہ ہو، یہ احتیاط ضروری تھی، اسے اپنے اس بے بس کر دینے والے احساس کی ہرگز کسی کو خبر نہیں ہونے دینی تھی، یہی بہتر تھا اس کے خیال میں۔

”اب کیسی طبیعت ہے آپ کی؟“ جہان نے فریش روزز کا کے اس کے سرہانے رکھتے ہوئے جب اسے مخاطب کیا تو ڈالے کے چہرے پہ یہ مضمحل سی مسکراہٹ بکھر گئی تھی۔

”آج ڈسچارج ہو رہی ہوں، آپ کو ٹھیکس کہنا تھا آپ نے اپنے قیمتی وقت سے میرے لئے ٹائم نکالا۔“

”ارے.....“ وہ بے حد خجالت آمیز تاثرات سمیت اسے دیکھ کر نفرت سے مسکرایا۔

”آپ تو شرمندہ کر رہی ہیں، میں تو آپ کا مشکور ہوں کہ آپ کی وجہ سے مسز آفریدی نے مجھے اتنی آسانی سے معاف کر دیا ورنہ اب تک شاید میں سلاخوں کے پیچھے ہوتا۔“ وہ مسکرا کر کہہ رہا تھا مگر ڈالے کے اعصاب شدید تناؤ کا شکار ہو گئے تھے، اس نے ٹھنک کر جہان کو دیکھا تھا۔

”کیا مطلب؟ میں سمجھی نہیں؟“ اس کا رنگ صحیح معنوں میں پھیکا پڑ گیا تھا۔

”آپ تو پریشان ہو گئیں، جسٹ ریلیکس! میں مذاق کر رہا تھا، اچھو کلی پہلے روز انہوں نے بہت شدید رد عمل دیا تھا، پھر وہ ایک دم سے نارمل ہو گئیں۔“

”میں سمجھا آپ نے سفارش کی ہوگی۔“

”آپ بالکل غلط سمجھے ہیں، میری ممانعتی خونخوار تو نہیں ہیں، ہاں البتہ غصہ کچھ زیادہ آتا ہے نہیں، پھر مجھ سے محبت بھی بہت کرنی ہیں جیسی آپ کو یہ فیمل ہوا ہوگا۔“ وہ کسی قدر نخوت سے بولی تھی، وجہ ہرگز بھی اپنی کمزوری اس پہ آشکار نہ کرنا تھا اور جہان جس نے اس روز ان کی ساری گفتگو پوری جزئیات سے سنی تھی کہ درجہ حیرانی سے اسے دیکھتا رہا تھا، وہ نازک سی لڑکی جو اس کے نزدیک ابھی بچی ہی تھی کس درجہ صفائی سے اپنا اور اپنی ماں کا بھرم قائم کر رہی تھی، جہان کو اس کا یہ وقار یہ اتنا بہت خاص محسوس ہوئی تھی، وہ گھڑی پہ نگاہ پڑتے ہی اٹھ کر کھڑا ہو گیا تھا۔

”چلتا ہوں، آئی وش کہ آپ بہت جلدی بالکل صحت مند تندرست ہو جائیں آمین۔“ وہ اسے وش کرنے کے بعد پلٹ کر چلا گیا، جس پل وہ دروازے سے نکل رہا تھا ڈالے نے تھک کر

آنکھیں موند لی تھی، گلابوں کا گلہستہ اٹھا کر اس نے اپنی گود میں رکھ لیا تھا، جس کے پھولوں کی پتھریوں میں اس کا لمس محسوس کرتی وہ جیسے خود سے بھی بیگانہ ہو چکی تھی جب مسز آفریدی اس کے پاس چلی آئی تھیں، اس کی اس بے خودی کی کیفیت کو انہوں نے اچنبھے میں گھر کر دیکھا تھا، پھر اسے متوجہ کرنے کو دانستہ کھنکھاری تھیں، ڈالے نے چونک کر نہیں گھبرا کر آنکھیں کھولی تھیں، یوں جیسے چوری کرتے رنگے ہاتھوں پکڑی گئی ہو۔

”ریلیکس بیٹا کیا ہو گیا ہے؟“ مسز آفریدی نے اسے ٹوکا وہ کھسا کر مسکرا دی، پھر پھول احتیاط سے سائیڈ ٹیبل پر رکھ دیے۔

”کوئی آیا تھا؟“ اس سوال کو پوچھتے مسز آفریدی کی نگاہیں اس کے چہرے پہ نوکس تھیں۔

”جی جہانگیر صاحب آئے تھے۔“

”اس کے علاوہ؟“ مسز آفریدی کا لہجہ ہنوز تھا۔

”اور تو کوئی نہیں، خیریت؟“

”یہ پھول جہانگیر لایا تھا؟“ ڈالے کے چہرے پہ ایک رنگ آ کر گزر گیا، اس نے بے ساختہ نظریں جرائی تھیں۔

”پتہ نہیں شاید کوئی پہلے سے لایا ہو، میری تو ابھی نظر پڑی تھی، کتنے پیارے ہیں نامما!“

”ہاں ہے تو وہ بہت پیارا میں نے تو تم سے پہلے ہی کہا تھا، شاید اپنے حسن کا گھمنڈ ہے اسے۔“ ان کا لہجہ خشک اور انداز تملایا ہوا تھا، ڈالے کا رنگ بالکل پھیکا پڑ گیا تھا۔

”میں پھولوں کی بات کر رہی تھی، مجھے کسی سے کیا لینا دینا۔“ اس نے سخت لہجے میں کہہ کر جتلا یا تو مسز آفریدی نے کتنی ہی دیر تک بغور اسے دیکھا تھا، یہاں تک کہ وہ جزبہ ہونے لگی۔

”ایسے کیوں دیکھ رہی ہیں؟“ وہ جھنجھلائی تھی۔

”تم نے اس کی سفارش کی تھی نا مجھ سے، ورنہ وہ اب تک جیل میں بیٹھا ہوتا۔“

”یہ آپ کسی بھلے انسان کے ساتھ سراسر غلط کرتیں جو مجھے ہرگز پسند نہیں تھا ماما! میں نے انسانیت کے ناطے یہ کہا تھا۔“ اس نے جیسے ہی اپنی صفائی پیش کی تھی، مسز آفریدی جانے کیوں مسکرائیں۔

”یہ انسانیت کا تعلق کیا، صرف جہانگیر سے ہی محسوس ہوا تھا تمہیں ڈالے؟“

”کیا مطلب؟“ ڈالے بدگ گئی تھی۔

”میرا مطلب سویت ہارٹ! جبر خان کو میں نے بنا غلطی و قصور کے سزا دی تھی، دو ماہ کی تنخواہ ضبط کر کے اور یہ بات میں نے تمہیں بتائی بھی تھی آپ نے شاید دھیان بھی نہیں رہا ہے نا؟“

اور ڈالے کو لگا تھا کسی نے اسے بے حد طاقتور پاروڈ سے اڑا دیا ہو، وہ فق چہرے کے ساتھ انہیں پتھرائی ہوئی آنکھوں سے دیکھتی رہ گئی تھی، اس کی غلطی یہ تھی کہ وہ اپنی ماں کی شاطرانہ فطرت کو فراموش کر گئی تھی۔

”کیا ہوا؟“ میرا مقصد تمہیں پریشان کرنا تو نہیں تھا۔“ مسز آفریدی مسکرا کر بولیں اور ڈالے کو خود کو سنبھالنا پڑا تھا۔

”آئی ڈونٹ نو کہ آپ کا کیا مقصد تھا اس بات کو جتلا نے کا، جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے تو میں نے جہانگیر صاحب کے ساتھ جابر خان کی بھی آپ سے سفارش کی تھی۔“ وہ بے حد غصے میں آ گئی تھی، مسز آفریدی رساں سے ہنسی تھیں پھر ایک دم اسے گلے لگا لیا۔

”سویت ہارٹ غصہ تھوک دو، میں تو ایسے ہی ایک بات کر رہی تھی۔“ انہوں نے اسے منایا اور وہ ہمیشہ کی طرح اکڑی نہیں کہ اس وقت وہ خائف لگی اگر وہ زیادہ جزبہ ہوتی ان کا شک گہرا ہوتا جو اسے ہرگز گوارا نہیں تھا، مسز آفریدی نے گھر آ جانے پہ بھی اس کی بہترین کیئر کی تھی اتنا خیال رکھتیں کہ وہ خود سے شرمندہ ہونے لگتی، سیل فون کی پیپ یہ اس کی سوچوں کا تسلسل ٹوٹ گیا تھا، اس نے گردن موڑ کر بلنک کرتے سیل فون کی اسکرین کو دیکھا تھا، کسی انجان نمبر سے کال تھی اور وہ خود بھی کسی دھیان میں تھی جہی بغیر کسی پس و پیش کے کال اینڈ کر لی تھی۔

”ڈالے میری جان کیسی ہو؟“ مجھے ابھی پتہ چلا ہے کہ تمہارا بہت شدید ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا۔“

دوسری جانب نیلما تھی، اپنے ازلی فکر مند پر خلوص محبت چھلکاتے ہوئے لہجے میں بات کرتی ہوئی جس کی تمام صداقتیں ڈالے کے لئے اپنی وقعت و اہمیت کھو گئی تھیں۔

”کیوں فون کیا ہے؟“ اس نے تشر زدہ لہجے میں پھنکار کر پوچھا تھا دوسری جانب نیلما کو اسکی اس درجہ بے حسی نے مضطرب کر دیا۔

”کیا اب بھی نہ کرتی؟“ وہ جیسے رودی ہو۔

”ہاں کبھی نہیں میں تو اگر مر بھی جاؤں تو تمہیں اجازت نہیں ہوگی کہ میرا منہ بھی دیکھ لو۔“

ڈالے کا چہرہ ضبط اور غصے کی زیادتی سے سرخ پڑنے لگا تھا۔

”خدا نے کرے ڈالے! مر میں تمہارے دشمن، خدا تمہاری عمر دراز فرمائے آمین۔“ وہ جیسے تڑپ اٹھی تھی، ڈالے حواسوں میں ہوتی تو اس کی آواز میں اتری کمی اور وحشت کو ضرور محسوس کرتی۔

”میری دشمن تو تم ہو۔“ ڈالے نے جتایا تھا اور نیلما سناٹے میں آ گئی تھی۔

”اگر ایسا ہے ڈالے تو پھر مجھے موت آ جائے، مگر تم ہزاروں سال جیو، ہمیشہ خوش رہو۔“ وہ سسک کر گویا ہوئی تھی اور ڈالے اتنا بھنائی کہ پوری بات سنے بغیر فون کاٹ دیا، اس کی مٹھی میں موجود سیل فون پہ پھر کال آنے لگی، اس نے سوچ آف کا بٹن دبایا اور موبائل بستر پہ پھینک دیا، ضبط کی کوشش میں بلکان ہونٹ بھینچے کھڑی تھی جب مسز آفریدی اپنے دھیان میں اندر آئی تھیں اسے دیکھ کر حیران ہوئیں۔

”خیریت؟“ ڈالے کو خود کو سنبھالنا دشوار ہوا تھا، اس نے محض سر ہلانے پہ اکتفا کیا، مسز آفریدی نے بغور اسے دیکھا تھا پھر اس کے بستر پہ پڑے سیل فون کو اور جیسے معاملے کی تہہ تک جا پہنچیں تھیں۔

”تمہیں کہا بھی تھا انجان نمبرز سے کال اینڈ نہ کیا کرو۔“ ڈالے نے جو ابا خاموشی اختیار کیے رکھی تو انہوں نے گہرا سانس کھینچا تھا۔

”خیر لعنت بھیجو، میں تمہارے پاس ایک زبردست نیوز کے ساتھ آئی ہوں، آئی ایم شیور“

تمہیں سننا اچھا لگے گا۔“ ان کا لہجہ بے حد خوشگوار تھا پر جوش انداز لئے ہوئے، ڈالے کی سرسری سی نگاہ لمحہ بھر کو اٹھی تھی، انداز کی بے دلی بے حد واضح تھی، جسے مسز آفریدی نے محسوس کرنے کے باوجود نظر انداز کر دیا۔

”میں تمہاری صحت مندی کی خوشی میں ایک گریڈ پارٹی کا اہتمام کر رہی ہوں، سب کو بلاؤں گی، تمہارے لئے ایک زبردست سرپرائز بھی ہوگا، جو میری بیٹی کو خوش کر ڈالے گا۔“ انہوں نے لگاؤٹ بھرے انداز میں کہہ کر اس کا گال چٹا چٹ چوما، ڈالے کی اکتاہٹ میں کچھ اور اضافہ ہو گیا اس نے عاجز ہو کر انہیں دیکھا تھا۔

”پلیز ماما! مجھے یہ پسند نہیں، آپ ایسا کچھ نہیں کریں گی۔“

”یہ کیا بات ہوئی، میں نے تو کارڈ بھی چھپنے کو دے دیئے اور پھر وہ سرپرائز.....“

”مجھے کچھ اچھا نہیں لگتا ہے اب.....“ وہ بے حد ناگواری سے بولی تو مسز آفریدی معنی خیزی سے مسکرائی تھیں۔

”تمہاری یہی بے زاری تو ختم کرنا چاہتی ہوں میری جان! میں چاہتی ہوں میری بیٹی نارمل زندگی جیئے، خوش مطمئن اور بھرپور..... میں تمہیں مکمل دیکھنا چاہتی ہوں۔“

”ایسے خواب دیکھنا چھوڑ دیں، جن کی تعبیر نہ ملتی ہو۔“ وہ بے زار ہوئی تھی اور کس حد تک کٹھور بھی۔

”کیوں تعبیر نہیں ہوگی؟ خبردار جو کچھ غلط سوچا بھی، میں حالات کو اپنے بس اور قابو میں رکھنا چاہتی ہوں بے بس اور لاچار اور لوگ ہوتے ہیں۔“ ان کا متکبرانہ لہجہ گستاخانہ حد تک قابل اعتراض تھا، ڈالے لرز کر رہ گئی۔

”یہ کیا کہہ رہی ہیں ماما! خدا کا خوف کریں، معافی طلب کریں اپنے گناہ کی، آپ کس کو جتلانا چاہتی ہیں یہ آف مانی گاڈ! آپ کی بے اختیاری اور بے بسی میری بیماری کی شدت سے عیاں ہے، تڑپ سکتی ہے آپ مگر میرے لئے کچھ نہیں سکتیں۔“ ڈالے کو جتنا خوف اور غصہ آیا تھا وہ اتنے ہی شدید لہجے میں انہیں ٹوکتے ہوئے بولی تھی، مسز آفریدی نے کاندھے جھٹکے اور خفیف سا مسکرائیں۔

”تم نے غلط سمجھا، میں کچھ اور کہہ رہی تھی۔“ ڈالے محض متاسفانہ نظروں سے انہیں دیکھ کر رہ گئی۔

”اپنی ہاؤبی کیئر فل نیکسٹ ٹائم۔“

”اوکے میری ملائی بیٹی! تم پارٹی کی زبردست تیاری رکھنا اور میرے سرپرائز کا ویٹ کرنا اوکے؟“ وہ ایک بار پھر اس کا گال چوم کر مسکرائی ہوئیں باہر نکل گئیں، ڈالے لٹھنڈا سانس بھر کے رہ گئی تھی۔

☆☆☆

حکم تیرا ہے تو تکمیل کے دیتے ہیں
زندگی ہجر میں تحلیل کے دیتے ہیں

تو وصل کی خواہش یہ بگڑتا کیوں ہے
راستہ ہی ہے چلو تبدیل کیے دیتے ہیں
آج سب اشکوں کو آنکھوں کے کنارے پر بلا
آج اس ہجر کو تکمیل کیے دیتے ہیں
ہم جو ہنتے ہوئے اچھے نہیں لگتے تم کو
حکم تیرا ہے سو آنکھ جھیل کیے دیتے ہیں

اس نے طویل کش بھر کے دھواں بکھیرا اور اپنی جلتی آنکھوں کو آہستگی سے بند کر لیا، سرد ہواؤں کی شویدرہ سری عروج پہ تھی، گویا ہڈیوں میں موجود گودے کو بھی جمادینے کے درپے مگر وہ تو جیسے ہر احساس سے عاری تھا، کیسا لگتا ہے بھلا اپنے پیاروں کو خود اپنے ہاتھوں ناچاہتے ہوئے بھی دکھی کر دینا، محض کسی ایک کی خوشی کی خاطر مغلوب ہونا اتنا سہل نہیں تھا، یقیناً حوصلے کا کام تھا یہ، کل پایا جان واپس کراچی چلے گئے تھے، انہوں نے مزید اسے کچھ نہیں کہا تھا مگر ان کے ہر انداز سے بے دلی ناراض اور دکھ چھلکتا تھا، جہاں نے جب انہیں روکنے کی کوشش کی تو انہوں نے شاکی نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

”کیا کروں گا یہاں رک کر، یہاں تمہارے پاس ٹائم بھی تو نہیں ہوتا۔“

اور جہاں جو واقعی ان سے کترانے کی وجہ سے انہیں کمپنی نہیں دے رہا تھا خاموش کھڑا رہ گیا تھا۔

(پتہ نہیں یہ آزمائش کب ختم ہوگی، میں ان بے حد خاص رشتوں کو پھر سے ویسا پاسکوں گا یا نہیں؟ زینب شاید تمہیں احساس نہیں ہوگا تم نے مجھ سے بہت بڑا خرچ وصول کیا ہے۔)

اس کے اندر صدیوں کی تھکن اتر آئی تھی، سگریٹ کی پیش سے اس کی انگلیاں جھلسی تھیں تب وہ ذرا سا چونکا تو جیب میں موجود سیل فون کی واہریشن بھی محسوس ہوئی تھی، اس نے بے دلی سے سیل فون نکال کر کال ریسیو کی۔

”ہاڈ آر یو یٹک مین!“ مسز آفریدی کی کھٹکتی آواز سن کر اس کے اعصاب کچھ اور کشیدگی سمیٹ لائے۔

”فائن!“ وہ مختصر بولا تھا، مسز آفریدی کی کال نے اسے کھٹکا سا دیا تھا۔

”جہانگیر حسن شاہ صاحب میں اپنی بیٹی کی صحت یابی کی خوشی میں سیلبریشن کر رہی ہوں، آپ بھی انوائٹڈ ہیں، آج انوائٹیشن کارڈ بھی آپ کو مل جائے گا مگر میں نے فون اسے لئے کیا ہے کہ آپ کو یاد دہانی کرادوں۔“ جہان ششدر سا رہ گیا، یہ خیر سگالی کا قدم اسے کچھ کنفیوژ کر گیا تھا، جہاں تک اس نے مسز آفریدی کو سمجھا تھا وہ اسے کچھ خاص پسند نہیں آئی تھیں وہ بہت گہرا مشاہدہ رکھتا تھا، اس کے لوگوں کے متعلق قائم کیے گئے اندازے بہت حد تک درست ثابت ہوا کرتے تھے، مگر مسز آفریدی کا رویہ اسے ہر مرتبہ حیرانی میں مبتلا کر جایا کرتا تھا۔

”آپ کو آنا ہے جہانگیر! میں ویٹ کروں گی۔“ مسز آفریدی کے آواز پہ وہ چونک کر متوجہ ہوا اور گہرا سانس کھینچا تھا۔

”جی بہتر میں کوشش کروں گا۔“ وہ اختصار سے بولا تو ان کے لہجے میں بے چینی درآئی۔
 ”نو کوشش نہیں کرنی آپ نے ہر حال میں آنا ہے، اوکے؟“ وہ دھونس میں بولیں تو جہان کے چہرے پہ سخت و برہمی ایک ساتھ چھلکی تھی۔

”جی بہتر!“ اس نے مختصراً کہا اور فون بند کر دیا تھا، اسی بل زینب کا فون آ گیا تھا، اس نے ہونٹ بھینچ کر میل فون کو دیکھا تھا، پھر کال ریسیو کر لی، وہ اسے نظر انداز کر کے اس کے غلط اندازوں کو صحیح سمجھنے کا موقع فراہم نہیں کرنا چاہتا تھا۔
 ”جے کیسے ہیں؟“ اس کا فریش کھٹکتا ہوا لہجہ آ رہے کی مانند جہان کے دل کو دو لخت کر کے رکھ گیا۔

اس نے پھر میرا حال پوچھا ہے
 کتنا مشکل سوال پوچھا ہے
 ہچکیوں کا عجیب عالم تھا
 بات کو ٹال ٹال پوچھا ہے

جہان ہونٹ بھینچنے خود پہ ضبط کرنے کی کوشش میں سرخ پڑنے لگا۔

”خیریت کیوں فون کیا ہے؟“ نا چاہتے ہوئے بھی اس کا لہجہ روڈ ہونے لگا۔

”کیا اب آپ مجھ پہ یہ پابندی بھی لگائیں گے؟ میں آپ کو فون نہیں کر سکتی جے؟“

معصومیت خٹکی اور خنی کا عجیب امتزاج تھا، جہان نے گہرا سانس بھرا۔
 ”میں نے ایسا کچھ نہیں کہا۔“ وہ جیسے خفا ہوا تھا۔

”آپ تو یوں ری ایکٹ کر رہے ہیں جیسے میں نے آپ کے ساتھ زیادتی کی ہو، آپ کا تو راستہ صاف ہوا ہے، آپ اپنی پسند کی لڑکی سے شادی کر سکتے ہیں۔“ وہ نخوت سے کہہ رہی تھی اور جہان کو خود پہ ضبط محال ہونے لگا۔

”آپ کس سوچ میں پڑے ہوئے ہیں، سب گھر والوں کے سامنے اس پردہ نشین کی نقاب کشائی کر ڈالیں۔“ وہ چیخ کر بولی تو جہان نے ناگواری سے ٹوکا تھا۔

”کیا مطلب ہے؟ اور سنو تمہیں اس سے کوئی غرض نہیں ہونی چاہیے۔“ وہ پھنکارا تھا اور زینب مشکوک ہونے لگی۔

”آپ بہت ٹیپیکل ری ایکشن دے رہے ہیں جے! حالانکہ آپ کو برا نہیں لگنا چاہیے، آف کورس جو ریزن آپ نے سب کے سامنے رکھا ہے اب اس کے مطابق آپ کو اپنا پروپوزل وہاں بھیجنا چاہیے۔“

”ابھی میں ایسا نہیں کر سکتا۔“ وہ رکھائی سے بولا زینب جھنجھلا گئی تھی۔
 ”بٹ وائے؟“

”وہ لڑکی جس سے میں شادی کرنا چاہتا ہوں اس کی فیملی کی کچھ پرابلمز ہیں، ابھی میں پروپوزل نہیں بھجوا سکتا۔“ اس نے بڑی مشکل سے خود کو کمپوز کر لیا، وہ اپنا بھرم کسی بھی حال میں کھونا نہیں چاہتا تھا۔

”کیا پرابلمز ہیں مجھے بتائیں؟“ زینب کی بات پہ جہان کے ماتھے پہ شکنیں نمودار ہونے لگیں۔
 ”نہیں۔“

”زینب آپ اس قدر انٹرفیرمت ہوں میرے پرسنلو میں پلیز۔“
 ”آپ پھر خوا خواہ ایموٹنل ہو رہے ہیں جے! میرا مقصد صرف پرابلمز حل کرنا ہے، آف کورس جب تک آپ کا معاملہ کھل کر سامنے نہیں آتا میرا کام کیسے ہو سکتا ہے۔“ وہ تنک کر بولی اور جہان کے اندر جیسے بھالا اتار دیا گیا تھا، اس نے کسی کرب سے گزرتے ہوئے اتنی سختی سے دانتوں سے ہونٹ کو کاٹا کہ منہ میں خون کا ذائقہ کھل کر رہ گیا۔

”جے پلیز نیور مائنڈ! آپ خود سوچیں اگر آپ نے کسی کام کا بیڑا اٹھایا ہے تو اسے تکمیل تک تو پہنچائیں گے نا۔“ اس کے اس کا لہجہ و انداز قدرے دھیمّا تھا مگر جہان کی اذیت و کرب میں کمی واضح نہیں ہوئی۔

”میری وجہ سے آپ اپنے کام کو مت اٹکا نہیں، تیمور سے کہیں وہ اپنا پروپوزل بھیج دے، ہاں بھیج دے، تاکہ پانٹ سے انکار تو کر دیں۔“ وہ چنچی تو جہان نے سرد آہ بھری تھی۔

”ڈونٹ یووری! میں سنبھال لوں گا سب، البتہ جس روز انہیں آنا ہو مجھے پہلے سے آگاہ کر دیجئے گا۔“ وہ رسائیت سے بولا تو زینب نے سر کوٹھی میں جنبش دی تھی۔

”نہیں اتنی جلدی بہ سب کچھ اگر ہو تو اس کا مطلب یہی ہوگا یہ سب میں نے کرایا ہے، شاہ باؤس کے مکین اتنے اتحق نہیں ہیں بہر حال۔“

اور جہان اس کی جہان دیدہ سوچ پہ قائل ہوئے بغیر نہیں رہ سکا تھا، اضطراب دکھ اور صدے نے اس کی اپنی عقل تو سلب کر کے رکھ دی تھی۔

”یہاں آپ کا انکار پہنچ چکا ہے، مہما اور پاپا کو تو کوئی خاص رد عمل نہیں ہے، البتہ زیاد بھائی کا موڈ ضرور آف ہے۔“ وہ اسے بے نیازی سے بتا رہی تھی، جہان کے چہرے پہ ایک سایہ آ کر گزر گیا اس نے کچھ کہے بغیر سلسلہ منقطع کر دیا تھا، بہر حال وہ اس سے بڑھ کر اپنے ضبط کا امتحان نہیں لے سکتا تھا۔

☆☆☆

”مجھے اتنی حیرت ہو رہی ہے کہ یقین کرنا بھی چاہوں تو نہیں کر سکتی۔“ نور یہ اس کے سامنے بیٹھی تھی، اس تک ابھی ابھی جہان کی کسی اور میں انو الومنٹ اور زینب سے شادی کے انکار کی خبر پہنچی تھی، زینب نے اپنے احساسات چھپانے ضروری سمجھے تھے۔

”اور تم بگو اس کیا کرتی تھیں وہ مجھ میں انو الو ہے۔“ اس نے دانت کچکپائے۔
 ”ہاں مجھے تو یہ بھی نہیں پتہ تھا کہ معاذ مجھ میں انٹرنلڈ نہیں ہیں۔“ وہ ایک دم موضوع بدل کر خود ترسی کا شکار ہوئی تو زینب نے زور سے سر جھٹکا تھا۔

”خیر اب ایسی بھی بات نہیں ہے، بھائی کے معاملے میں تمہارا اندازہ غلط ہے۔“
 زینب یہ اگرچہ معاذ کا نور یہ کے لئے صاف انکار والی بات کھل چکی تھی اس کے باوجود وہ نور یہ کو اس چکر سے نکالنا نہیں چاہتی تھی، اس کی بات پہ نور یہ کے چہرے پہ تمسخر پھیل گیا، اس نے

گہرا سانس بھرا اور سر جھکا لیا۔

”مجھے تو جہان بھائی یہ حیرت ہے، تم دونوں کی جوڑی بے حد لا جواب تھی، پتہ نہیں انہیں کیا سوچھی۔“ اس کے تاسف کی کوئی حد نہیں تھی، زینب ڈرائی فروٹ کی پلیٹ سے کا جو چننا اور منہ میں رکھا تھا پھر کاندھے جھٹک کر بے نیازی سے گویا ہوئی تھی۔

شیر کی اپنی خدائی

رہنے کے اپنے ضوابط

بھڑیے کا اپنا ہی قانون

ان پر حرف گیری کا کسی کو حق نہیں

مچھروں کو حکم ہے

وہ اپنی بھین بھین سے غرض رکھا کریں

”اس نظم کا عنوان جنگل ہے، سمجھ تو گئی ہوگی تم؟“ اس کے بے نیاز لہجے میں بھی ہلکی سی کاٹ تھی، نور یہ جو جھکا سر اٹھا کر حیرت بھری نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی کس قدر غیر مطمئن کیفیت میں سر کونٹھی میں جنبش دینے لگی۔

”تم اپنے آپ کو مچھروں سے تشبیہ دے رہی ہو؟“ زینب نے اس گستاخی پہ گھور کر اسے دیکھا اور ڈرائی فروٹ کی پلیٹ اپنے سامنے سے سر کا دی۔

”نان سنس! میں نے تمہیں کہا ہے مچھرا! وہ کہہ کر خود ہی ہنسنے لگی، نور یہ نے کچھ اور بھی حیرت میں مبتلا ہو کر اس کے ہونے چہرے کو دیکھا تھا۔

”تمہاری اس نظم سے مجھے بھی ایک نظم یاد آگئی ہے جو میں تم سے شیئر کرنا چاہوں گی۔“ زینب نے یوں کاندھے اچکائے جیسے کہہ رہی ہو ”مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے“ نور یہ نے گہرا سانس بھرا تھا۔

ہر جانب پر کترے طوطے

چوری کے چکر میں گم ہیں

اپنے اپنے پنجروں میں گردن اکڑائے

چھن چھن کرتے گھوم رہے ہیں

دنیا کو الجھا رکھا ہے

اپنی لا حاصل ٹیس ٹیس میں

زینب نے گھور کر اور کسی قدر ناپسندیدہ نظروں سے اسے دیکھا تو جو ابا وہ ہنس پڑی تھی۔

”اس کا عنوان ہے ”گفتار کے غازی“ اور محترمہ زینب حسن شاہ ایک بات غور سے سن لیں، آپ جس قدر بھی گفتار کی غازی ہوں مگر یہ بھی حقیقت ذہن میں رکھا کریں کہ آپ کے سامنے والا بھی بے وقوف اور بالکل عقل سے پیدل نہیں ہے۔“

”کیا مطلب ہے اس بات سے؟“ زینب نے بے حد ناگواری میں مبتلا ہو کر اسے دیکھا تھا۔

”زینب مجھے دکھ اس بات کا نہیں ہے کہ تم نے اتنے اچھے پیارے جہان بھائی کو ٹھکرا کر ایک

مگر غیر آدمی یہ بھروسہ کیوں کر لیا، بہر حال تم دونوں کا جوگ خدا کو منظور ہی نہیں ہوگا، دکھ کی بات ہے زینبی کہ تم نے اپنا سارا جرم سارا گناہ جہان بھائی کے کھاتے میں منتقل کر دیا، ایک بے حد صاف گوانسان کے ساتھ کیا یہ سراسر زیادتی نہیں؟“

الفاظ تھے یا پگھلا ہوا سیسہ زینب کو لگا تھا وہ بیٹھے بیٹھے سن پڑ گئی ہو، حیران ششدر اور مضطرب، نور یہ نے اسے تاسف کی نگاہ سے دیکھا تھا اور یونہی بھینچے ہوئے ہونٹوں کے ساتھ اٹھ کر ایک جھٹکے سے پلٹ رہی تھی جب زینب نے اس سے اس کی کیفیت سے نکل کر اسے دیکھا تھا۔

”تت..... تم..... کیسے جانتی ہو یہ سب؟“ آواز اس کے حلق سے پھنس کر نکلی تھی، نور یہ کو لگا وہ کسی بل بھی رو پڑے گی، چیتتی ہوئی بازی ہار جانے کا خیال اسے ہراساں کرنے لگا تھا۔

”کل جب تم فون پہ تیمور سے بات کر رہی تھیں یہ اتفاق تھا یہ سب باتیں میں نے سن لیں، کاندھ اس سے بات کرتے اتنی مگن مت ہو جانا کہ اطراف کی خبر نہ رہے۔“ وہ کس قدر سخی و غصے سے بولی تھی، زینب کی گرفت اس کے ہاتھ پہ کچھ اور بھی سخت ہو گئی۔

”تم یہ بات کسی کو نہیں بتاؤ گی نور یہ پلیز پلیز!“ وہ اتنی لجاجت اتنی بے بسی سے کہہ رہی تھی کہ نور یہ کو لگا وہ کسی بل بھی رو پڑے گی مگر اسے اس پہ رحم آیا نہ ہمدردی محسوس ہوئی۔

”ڈونٹ یووری زینی! میں ایسا کر کے تمہارے ساتھ نہیں جہان بھائی کے ساتھ زیادتی کروں گی، دوسرے لفظوں میں، میں ان کی قربانی ضائع نہیں کر سکتی مگر ایک بات یاد رکھنا زینب مجھے اس بات کا خدشہ لاحق ہو گیا ہے تمہیں تمہارے اس عمل کی سزا مل جائے، کسی کی محبت کا خراج وصول کرنا میری نگاہ میں تو سراسر زیادتی ہے۔“ اس کا لہجہ بھینچا اور سرد تھا، زینب کا چہرہ کچھ اور بھی خیر ہو گیا۔

”کیا مطلب ہے؟ کس کی محبت کا خراج وصولا ہے میں نے؟“ وہ پھٹ پڑی۔

”جہان بھائی کی، زینب میرا اندازہ ہرگز غلط نہیں تھا، ورنہ وہ کبھی تمہارے خاطر یہ سب کچھ نہ کرتے۔“ وہ زینب کو ششدر چھوڑ کر اپنا ہاتھ جھٹکے سے چھڑاتی وہاں سے چلی گئی تھی۔

☆☆☆

فریب ذات سے نکلو جہاں کے سانچے دیکھو
حقیقت منکشف ہوگی کبھی تو آئینے دیکھو
وہی اک اجنبی جس سے تعلق سرسری سا تھا
ہمارے دل میں ہوتے ہیں اس کے تذکرے دیکھو
لکھا ہے وقت نے یہ بھی عجب اپنے مقدر میں
پلٹنا ہے نہیں جس نے اسی کے راستے دیکھو
ہمیں سمجھو نہ خوش اتنا لبوں کی مسکراہٹ سے
ہماری آنکھ میں پہلے ہزاروں حادثے دیکھو!
تھکے ہارے سے بیٹھے تھے مگر تیری صدا سن کر
شکستہ پا چلے آئے ہمارے حوصلے دیکھو

آج اس کی صحت یابی کا جشن تھا اور محفل عروج پہ تھی، وہ جو ہمیشہ ایسی محفلوں سے کترائی تھی آج شریک تھی تو وجہ یہ نہیں تھی کہ یہ بالخصوص اس کے لئے سجائی گئی تھی، وجہ وہ ستمگر تھا جس کے متعلق سزا فریدی نے اس سے سرسری انداز میں تذکرہ کیا تھا کہ وہ بھی شریک ہونے والا ہے، پھر بے اختیاری اور لاشعوری احساس تھے کہ اس کی عام سی تیاری خاص الخاص ہوتی چلی گئی تھی اتنی خاص کہ اس پہ اٹھنے والی ہر نگاہ ٹھنک کر تھم جاتی رہی تھی، وہ جو ہمیشہ سادہ رہتی تھی، جس کا سب سے سنورنے کا بھی جی چاہا تھا نہ کسی خیال آیا تھا، مگر آج وہ کسی کی اٹھنے والی نگاہ میں ستائش کی طلبگار تھی، کیسی انوکھی خواہش تھی نا جس کا اسے خود بھی بھرپور طریقے سے احساس نہیں ہو سکا تھا، پھر وہ ہر آہٹ پہ چونکتی رہی تھی، اس کی نگاہ ہر آنے والے کی سمت امید لے کر اٹھتی اور مایوسی سمیٹ لاتی، وہ ایک بار پھر اس کو اہمیت دینا بھول گیا تھا، تقریب کے اختتام تک جہاں مایوسی انتہا کو پہنچی وہاں اس کی آنکھیں اسی انتظار لا حاصل کے کرب سے بھیگ چلی تھیں، وہ اپنے کمرے میں آئی تھی اور ڈرینگ ٹیبل کے قد آدم آئینے میں اپنا ہوش ربا عکس دیکھتی ایک ایک آراشی چیز کو یوں جھرا تارتے جیسے ایک دم سے چونک اٹھی تھی، اس نے اپنے اضطراب اپنی افسردگی کی وجہ کھوجی تھی اور جیسے لمحوں میں سرد پڑنے لگی، اسے جب لگی تھی اور حواس سلب ہونے لگے تھے، کیا وہ صرف اس کی خاطر..... اس سے آگے اس کی سوچ تجھد ہو کر رہ گئی۔

”نہیں مجھے اس راستے پہ اور آگے نہیں بڑھنا، یہ کانٹوں بھرا راستہ ہے اور میرے پیر پہلے ہی فگار ہیں۔“

اس نے جیسے خود کو سمجھایا تھا اور تھکے ماندے انداز میں وہیں بیٹھ گئی تھی، کچھ لمحوں کے اس جان لیوا سکوت کے بعد دروازہ ناک ہوا تھا، اس نے سراونچا نہیں کیا، دروازہ وا ہوا اور پھولوں کا بے حد بڑا اور کسی حد تک آرنٹک گلڈستہ اٹھائے ملازمہ اندر داخل ہوئی تھی، اس نے ڈالے کے اس لئے پٹے سے انداز کو کسی قدر حیرانی سے دیکھا تھا۔

”لی بی جی یہ آپ کو لئے پھول آئے ہیں۔“ ملازمہ کی آواز پہ ڈالے نے چونک کر سراونچا کیا، اگلے لمحے اس کا دل بہت زور سے دھڑک اٹھا تھا، اس کے تصور میں ہاسپٹل کے روم کا منظر گھوم گیا، جب جہان نے اسے پھول پیش کئے تھے، اس کا مطلب وہ اسے بھولا نہیں تھا، وہ جو ابھی کچھ لمحے قبل خود کو اس راستے پہ چلنے سے ٹوک رہی تھی اپنی جگہ چھوڑ کر سرعت سے اٹھی، لمحوں میں اس کے چہرے کی کیفیت بدل گئی تھی، بے دلی و مایوسی اور لا چاری کی جگہ جوش تمنا ہٹ اور اشتاق نے لے لی، اس نے پھول ملازمہ کے ہاتھوں سے بے مبری سے لئے تھے اور اس کی ریپنگ ہٹا کر ننھا سا دشنک کارڈ نکالا تھا۔

”سوئیٹ ہارٹ! ہاڈ آریو؟ تم یہ نہ سمجھنا کہ میں تمہاری خوشیوں میں شریک نہیں ہوں، تم مجھے بھلے ایکسپٹ نہ کرو مگر جان من میں ہمیشہ تمہیں اپنی محبتیں اپنی دعائیں سونپتی رہوں گی، مے یو یو لائک!“ اس کے تمام ارمانوں پہ اس گر گئی تھی، گو کہ سینڈر نے اپنا نام نہیں لکھا تھا مگر وہ اچھی طرح سے جانتی تھی، اس نے آہستگی سے پھول سائیڈ پہ رکھ دیئے اور ہونٹ بھینچ کر آنسو ضبط کرنے لگی۔

☆☆☆

حیران ہوں یہ کون سا دستور وفا ہے
تو مثل رگ جان ہے تو کیوں مجھ سے جدا ہے
تو اہل نظر ہے تو نہیں تجھ کو خبر کیوں
پہلو میں تیرے کوئی کب سے کھڑا ہے
لکھا ہے میرا نام سمندر پہ ہوا نے
اور دونوں کی فطرت میں سکون ہے نہ وفا ہے
اٹھتے ہیں جو پہلو میں میرے درد کی لہریں
بے تاب سمندر کوئی سننے میں دبا ہے
اے زیست کے دوزخ سے گزرتے ہوئے لحو
سوچا ہے کبھی تو نے کہ جینا بھی سزا ہے

تیور خان کی آواز میں ایک سحر تھا مگر وہ ہمیشہ کی طرح ہمہ تن گوش نہیں تھی، اتنے میلوں کی دوری کے باوجود تیور نے اس کی بے توجہی کو پوری شدت سے محسوس کیا تھا۔
”زینی!“ وہ پکارا اور وہ چونک اٹھی تھی۔

”ہاں!“
”کہاں ہو تم یار! میں کیا کہہ رہا ہوں؟“ وہ بے طرح جھلایا اور زینب سنبھل سی گئی۔
”جانتی ہوں کیا کہہ رہے ہو۔“

”کیا؟“ تیور نے پکارا اور وہ کھسیا اٹھی تھی۔
”افوہ تیور پیچھے مت بڑا کریں۔“ تیور کی انا پہ چوٹ پڑی تھی اس نے ایک دم سلسلہ منقطع کر دیا تب صحیح معنوں میں زینب کی جان پہ بن آئی تھی، اس نے بوکھلا کر تیور کا نمبر ڈائل کیا جو اس نے تیسری مرتبہ ٹرائی کرنے پہ اسے اچھی طرح بدحواس کرنے کے بعد رسیو کیا تب بھی اس کا موڈ بگڑا ہوا تھا۔

”آپ نے مانڈ کیا تیور؟ ایم سوری ریٹی وی سوری۔“ وہ گڑبڑا کر اگر معذرت پہ معذرت کر رہی تھی تو اس کی وجہ یہی تھی کہ راز افشا ہو جانے کے بعد وہ اب تیور کو خفا کرنے کا تصور بھی نہیں رکھتی تھی۔

”میں اپنی تنہائیوں کے قصے اور بے بسی کے باب سنارہا ہوں تمہیں اور تم..... یہ نہیں کس کی یادوں میں اب بھی ہوتی ہو۔“ تیور کے جتلانے پہ زینب کے چہرے پہ ایک رنگ آ کر گزر گیا، اس میں شک نہیں تھا کہ وہ جہان کی وجہ سے کچھ مضطرب تھی، ہمیشہ اس ایک بات کی کھوج میں رہی تھی وہ اور اب جبکہ معلوم ہوا تھا تو موقع ایسا تھا کہ صورتحال کچھ کی کچھ ہو کر رہ گئی تھی۔

”ایسا کچھ نہیں ہے تیور، میں اس وجہ سے پریشان ہوں کہ گھر میں آپ کے حوالے سے بات کیسے شروع کروں؟“

”کیوں؟ وہ ہے نا تمہارا کزن جہانگیر! اس سے کہو، بقول تمہارے تمہارا ہر مسئلہ چٹکیوں میں حل کرتا ہے۔“ زینب نے تو جان چھڑانے کو کہا تھا مگر الٹا پھنس کر رہ گئی، جہان کے نام پہ اس کا

رنگ پھیکا پڑا تھا۔

”تم پھر خاموش ہو گئی ہو وائے؟“ زینب ہڑبڑاسی گئی۔

”ہاں کہوں گی، ڈونٹ وری۔“ تیمور کافون بند کر کے وہ خود کھڑکی میں آ کر کھڑی ہو گئی، موسم کے تیور اچھے خاصے خراب تھے، بارش کے آثار نظر آتے تھے، مست و شوخ ہوائیں جانے کس دیس سے بادلوں کو گھیر لاتی تھیں، ٹکڑیوں کی صورت نیلے گنگن پر تیرتے سرمئی بادل بہت تیزی سے اکٹھے ہو رہے تھے اور شام سے پہلے ہی سرمئی ملگجا پھیلتا جا رہا تھا، فقط پہلی بوند گرنے کی دیر تھی کہ پھر بادلوں نے چھماچھم برستے دیر نہ کی اور تند ہواؤں نے بارش کے ساتھ مل کر طوفان کھڑا کر دیا، پودے تو کیا درخت تک لگتا تھا جڑ سے اکھڑ جائیں گے، وہ ساکن کھڑی تیز بارش میں نہاتی سڑک کو دیکھتے گئی تھی، اسے چند سال قبل کا وہ دن یاد آ گیا تھا، جب ایسے ہی موسم میں وہ اور نوریہ کالج سے واپسی پہ گھر آتے ہوئے بھگ گئی تھیں، نوریہ تو مزے سے فائل کی آڑ کیے بھیکتی ہوئی چلتی رہی تھی مگر اس نے شور مچا دیا تھا۔

”اس قدر خراب موسم اوپر سے پوائنٹ میں مجھے تو لگتا ہے میں اس بارش میں کھل جاؤں گی۔“ اس نے جب دسویں بار اس جملے کی تکرار کی تو نوریہ چڑ گئی تھی۔

”کیا ہے زینبی! بچوں کی طرح سے ریں ریں لگا رہی ہے، کوئی سیلاب نہیں آ گیا کہ تم دریا کنارے ڈوب رہی ہو، اتنا تو رو میٹنگ موسم ہو رہا ہے انجوائے کرو، اس طرح کے مواقع زندگی میں کبھی کبھار ہی آتے ہیں۔“

”تم کرو انجوائے میں تو وہاں کھڑی ہو رہی ہوں، بارش تھے گی تو گھر جاؤں گی، ایک تو فون بھی نہیں ہے، بندہ وقت ضرورت استعمال کرے، نہیں ہمارے گھر والوں کو ہم یہ اعتبار ہی نہیں ہے۔“ کلنا، کڑھنا، بدگمانی پالنا اس کی فطرت تھی، نوریہ ٹھنڈا سانس بھر کے رہ گئی کہ اس کی وضاحت کسی کام نہیں آتی تھی، زینب اس کا ہاتھ دبوچے سڑک کر اس کے سامنے دوکان کے شیلٹر کے نیچے کھڑی ہونے کے ارادے سے آگے بڑھنا چاہتی تھی کہ ڈرامائی طور پہ جہان کی گاڑی نے ان کا راستہ روک لیا تھا، سڑک پہ تیزی سے جمع ہوتے پانی میں اس کی گاڑی کے ٹائروں کی تیز جڑ جڑا ہٹ گونجی اور ان کے پہلے سے بھیکے کپڑے کچھ اور بھی داغدار ہو گئے، زینب کو گالیوں کو سنوں کو کھلنے والا منہ وا میٹ کر دلا کے ڈرائیونگ سیٹ پر براجمان جہان کو دیکھ کر مارے خوشی کے کچھ اور بھی کھل گیا۔

”اوہ جے آپ! ٹنائٹ دروازہ کھولیں مجھے بیٹھنا ہے۔“ وہ خوشی میں بالکل بچوں کی طرح سے اچھلی تھی، جہان نے دروازہ اوپن کیا تو وہ عجلت کی ماری فرنٹ سیٹ پہ براجمان ہو گئی، جہان نے خود اتر کر نوریہ کے لئے گاڑی کا پچھلا دروازہ ان لاکڈ کیا تھا، گاڑی کا ہیٹر پہلے سے آن تھا جسے زینب کو کپکپاتے دیکھ کر جہان نے کچھ اور تیز کیا تھا۔

”میری سردی ختم نہیں ہو رہی ہے جے! اپنی جیکٹ اتار کر دیں مجھے!“ اس فرمائش پہ جہان جہان گہرا سانس بھر کے رہ گیا تھا نوریہ نے پیچھے سے اسے شہو کا دنیا ضروری سمجھا مگر اسے پروا کبھی نہ تھی۔

”بہت سردی لگ رہی ہے مجھے لگتا ہے مر جاؤں گی یہیں۔“ اس نے جہان کو ہاتھ کے اشارے سے جیکٹ اتارنے کا کہا تھا جہان نے دیکھا اس کے ہونٹ نیلے پڑ رہے تھے، کچھ ایسی ہی حالت نوریہ کی بھی تھی مگر اس نے زینب کی طرح واویلا نہیں مچا رکھا تھا، جہان نے جیسے ہی اسے جیکٹ اتار کر دی، زینب تب تک اپنا گیلیا دوپٹہ اتار کر سائیڈ پہ رکھ چکی تھی، جہان کی بے دھیانی میں اٹھنے والی نگاہ سٹپا کر فی الفور پلٹی جبکہ وہ اس بے نیازی اور اطمینان بھرے انداز میں جیکٹ پہننے میں مصروف رہی تھی پھر اس نے صرف یہیں تک اکتفا نہیں کیا تھا۔

”جے یہ دیکھیں مجھ سے اس کا زپ بند نہیں ہو رہا۔“ وہ سخت جھنجھلاہٹ کا شکار تھی، کانٹے ہاتھوں کی انگلیوں کی لرزش زدہ گرفت سے زپ کی ہک بار بار پھیلتی تھی، جہاں نوریہ خفت زدہ ہوئی وہاں جہان جیسے آزمائش میں پڑ گیا تھا۔

”ہاں تو رہنے دو، کیا ضرورت ہے زپ بند کرنے کی۔“ نوریہ نے ڈانٹا تھا مگر وہ اس پہ غصے میں الٹ پڑی تھی۔

”کیوں بند نہ کروں، سردی ختم کیسے ہوگی؟ اس لئے تو جیکٹ نہیں پہنی تھی۔“
”افوہ جھگڑا ختم کرو، لاؤ بند کر دیتا ہوں میں۔“

جہان نے انہیں آپس میں الجھتے دیکھ کر صلح کا چھنڈا لہرایا اور جس بل وہ گاڑی روک کر جیکٹ کی زپ بند کر رہا تھا، زینب کو اچانک شوخی سوجھ گئی تھی، اس نے اپنے توجہ بستہ ہاتھوں میں جہان کا چہرہ اتھام لیا تھا، جہان نے چونک کر اسے دیکھا تھا وہ آنکھوں میں ڈھیروں ڈھیروں شرارت بھرے ٹھٹھکلا کر ہنس پڑی تھی۔

”پتہ چلا کتنی ٹھنڈی ہو رہی ہوں میں۔“

اور جہان جو اس کے طلسمی سحر میں گم ہونے لگا تھا خود کو بمشکل سنبھال کر سیدھا ہوا تھا اور گاڑی کا اسٹیرنگ دوبارہ سے سنبھالتے اس کے ہاتھوں میں کپکپاہٹ اترنے لگی تھی۔

”جے مجھے کافی لے کر دیں شاید میری سردی کو فرق پڑ جائے۔“ وہ زپ کا کالرتیک کھینچ کر کرتے ہوئے ایک نئی فرمائش داغ چکی تھی، گاڑی اس وقت ایک کانی پارکر کے آگے سے گزر رہی تھی جہان نے گہرا سانس بھر کے گاڑی کو بریک لگا دیئے تھے، جہان نے وہیں سے کافی آرڈر کی تھی۔

”تھینکس جے، یو آر سو سو میٹ!“ نگ کو ہونٹوں سے لگا کر گرما گرم کافی کا سیپ کہتے ہوئے وہ اس کی ممنون ہو گئی تھی۔

”یوقوف اپنوں میں تھینکس نہیں چلتا۔“

تب اس نے کتنی اپنائیت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ زینب کا سر تھپک کر کہا تھا اور زینب نے کانڈھے اچکا دیئے تھے، ہوا کی شوریدہ سردی کے باعث درتے کپے کا پٹ زوردار آواز سے بند ہو کر کھلا اور ساتھ ہی بو چھاڑا اسے بھگونے لگی تب وہ چونک کر ماضی سے حال میں لوٹی تو اس کی آنکھیں جانے کس جذبے کے تحت بھگ رہی تھیں۔

”آپ تو میرے لئے ہمیشہ ہی اتنے کیئر فل تھے جے مگر وہ نوری کہتی ہے آپ مجھ سے محبت

رکھی سلام دعا کے بعد انہوں نے جس طرح چھوٹے ہی اس محبت اپنائیت اور شفقت بھرے انداز میں کہا تھا وہ ایک دم سے خفت زدہ ہو گیا تھا۔

”ایسی بات نہیں ہے چاچو میں انشاء اللہ جلد چکر لگاؤں گا۔“

”ہماری ہونے والی بہو یہیں لاہور میں رہتی ہے کیا؟“

کچھ توقف کے بعد ہونے والے سوال نے اسے گنگ کر دیا تھا، ان کے لہجے و انداز سے بالکل بھی ایسا کوئی احساس نہیں ملتا تھا کہ وہ زینب کو ٹھکرا چکا ہے، یہ انداز جو ان کی گفتگو کا تھا تھوڑا سا شریعت تھوڑا سا شوخ ایک باپ کا تھا جو اپنے بیٹے کو ایسے کسی بھی موقع پر چھیڑنے کے لئے اختیار کر سکتا ہے، جانے کس کس احساس کے ساتھ جہان کی آنکھیں بھیکتی چلی گئی تھیں، وہ کچھ بھی بولنے کے قابل نہیں رہا تھا۔

”چاچو آئی ایم ساری، میں سمجھتا ہوں میں آپ کی محبتوں کے قابل نہیں رہا، مجھ میں آپ کا سامنا کرنے چچی جان سے ملنے کا حوصلہ نہیں ہے۔“

”یہ آپ کی سعادت مندی اور فرمانبرداری ہے بیٹے! ورنہ ایسا کچھ نہیں ہے، آپ نے جو فیصلہ کیا یقیناً وہی بہترین تھا اور وقت کی ضرورت بھی، میری جان مجھے آپ سے ہرگز بھی کوئی شکوہ نہیں، شکوہ اس وقت ہوگا جب آپ اس معمولی بات کی وجہ سے یہاں آنے سے گریزاں رہو گے اور ہاں بیٹے ہماری ہونے والی بہو جہاں بھی رہتی ہے آپ بس اس اتنا بتادیں کہ ہم اسے آپ کی ذہن بنا کر جلدی سے شاہ ہاؤس لانا چاہتے ہیں، تاکہ ہمارا بیٹا جو شاہ ہاؤس کا راستہ بھول گیا ہے پھر سے بھاگ بھاگ کر وہاں آنا شروع کر دے۔“ انہوں نے اسی ملائمت سے کہا تھا پھر چند مزید باتوں کے بعد جب ان کا فون بند ہوا تو جہان کے دل کا بوجھ بجائے کم ہونے کے مزید بڑھ گیا تھا اور یہ عمر بھر کی بات تھی۔

”کاش زینب تم نے ایسا نہ کیا ہوتا۔“

وہ ناچاہتے ہوتے بھی شاکی ہو گیا تھا جانے کتنی دیر وہ یونہی ساکن پڑا رہا تھا، خود سے بھی خفا صاحب اس کا دروازہ بجا کرواچ مین نے اندر جھانکا۔

”صاحب آپ سے کوئی خاتون ملنے آئی ہیں۔“

”مجھ سے؟“ وہ حیران ہوا تھا پھر اس کی پیشانی پر ناگواری کی شکنیں پھیلیں نیلما کا خیال اس کا بڑی بری طرح سے غارت کر گیا تھا، ابھی وہ وراچ مین کو کچھ کہنے کو منہ کھول ہی رہا تھا کہ ادھ کھلے دروازے میں کھڑے وراچ مین کے پیچھے جہان کو مسز آفریدی کی جھلک نظر آئی تھی اور وہ حیران نشان سا اٹھ کر بیٹھ گیا تھا۔

”خیریت یگ مین! مجھے لگتا ہے آپ کی طبیعت زیادہ خراب ہے؟“ مسز آفریدی چلتی چلتی اس کے روبرو آکھڑی ہوئیں، جہان نے بمشکل خود کو سنبھالا تھا انہیں اپنے سامنے کھڑے کر بھی حیرت تمام نہیں ہو رہی تھی۔

”وہ بھلا اس کے پاس کیوں آئی تھیں؟“

”جی بس..... آپ تشریف رکھیے نا؟“ اس نے بوکھلا کر کہا پھر وراچ مین کو جانے کا اشارہ

کرتے ہیں، آپ نے ہمیشہ مجھے باقی سب پہ فوقیت دی مجھے ہمیشہ سنیت سنیت کر رکھا، اسی جذبے کے تحت؟“

”کیا آپ مجھے اپنے لئے سنبھالتے تھے؟“ وہ خود سے سوال جواب کر رہی تھی تبھی دروازہ ٹاک ہوا وہ چونک کر پلٹی، ماریہ ہاتھ میں چائے کا گگ لئے کھڑی تھی۔

”بچو آپ کی چائے!“

”ٹھینکس!“ اس نے ممنونیت سے کہا اور گگ تھام لیا، ماریہ وہیں سے پلٹ گئی تھی، اس نے اپنا سیل فون اٹھا لیا اور جہان کو ”پلیز کم بیک“ کا ایک ٹیکسٹ بھیجا تھا، جسے لاہور میں اپنے کمرے میں بخار میں پھینکتے جہان نے پڑھا تھا اور اگلے لمحے اس کی انگلی کی ایک جنبش سے وہ ٹیکسٹ ضائع ہو چکا تھا، مسلمان ہونے کے ناطے وہ ایک ہی بل سے دوسری مرتبہ ڈسنا گوارا نہیں کر سکتا تھا۔

☆☆☆

یونہی اداس ہے دل بے قرار تھوڑی ہے
مجھے کسی کا کوئی انتظار تھوڑی ہے
نظر ملا کے بھی تم سے گلہ کروں کیسے
تمہارے دل پہ میرا اختیار تھوڑی ہے
مجھے بھی نیند نہ آئے اسے بھی چین نہ ہو
ہمارے بچ بھلا اتنا پیار تھوڑی ہے
خزاں ہی ڈھونڈتی رہتی ہے در بدر مجھ کو
میری تلاش میں پاگل بہار تھوڑی ہے
نہ جانے کون یہاں اپنا بنا کے چھوڑ دے پھر
یہاں کسی کا کوئی اختیار تھوڑی ہے

کتنا اچھا ہوا تھا اس نے اپنے سارے جذبات کسی مناسب وقت کے لئے سنبھال رکھے تھے، جو سنبھالے ہی رہ گئے تھے، اس کے چہرے پہ زہر خند پھیلا، ہجر کی داستان فراق کا سوز اور دوری کا پردہ احساس سب کچھ اس کی سانسوں پہ محیط محبت کے اندر شام غریباں کا سوز در آیا تھا، اس غضب کی سردی میں بھی وہ پسینوں میں نہانے لگا، بے سکونی نے مسلسل جسم دجاں میں نیچے گاڑھ لئے تھے، یہ محبت بھی اس کے لئے کسی آسپ سے کم ثابت نہیں ہوئی تھی، بربادی کا سلسلہ تھا کہ لامتناہی ہوتا چلا جا رہا تھا، اس اعصابی جنگ نے اسے اتنا کمزور کر دیا تھا کہ وہ خود کو سنبھال نہیں پارہا تھا، اس وقت بھی وہ شدید نمپرچر محسوس کر رہا تھا، جیسی آفس بھی نہیں جاسکا، آرام کرنے کی عرض سے لیٹا ہوا تھا کہ اس کے سیل پہ پاپا کی کال آگئی تھی، اس نے خود کو مشکل میں گرفتار محسوس کیا، اب وہ دانستہ خود کو تمام رشتوں سے دور کر رہا تھا، مگر جنتیں اتنی آسانی سے کہاں چھوڑی جاسکتی ہیں۔

”جہان بیٹے اگر مجھے پتہ ہوتا لاہور ہم سے ہمارا بیٹا چھین لے گا تو میں کبھی آپ کو لاہور نہیں

جانے دیتا، بزنس جاتا بھاڑ میں۔“

کرتے ہوئے ایک دم کچھ یاد آنے پہ مسز آفریدی کو دیکھا۔

”کیا لیں گی میم آپ چائے یا کافی؟“
”اس تکلف میں مت پڑھو مائی سن! میں تو آپ کے آفس فون کرتی رہی تھی، پتہ چلا آپ خرابی طبیعت کے باعث نہیں آئے میں نے سوچا کھڑے کھڑے احوال دریافت کر لوں، ڈالے میرے ساتھ ہے میں اسے گاڑی میں چھوڑ کر آتی ہوں۔“ ان کے جواب پہ جہان نے اپنا بستر چھوڑ دیا تھا۔

”آپ بیٹھیں میں انہیں لے کر آتا ہوں، یہ بات تو بالکل مناسب نہیں ہے کہ آپ پہلی بار تشریف لاتی ہیں اور مجھے میزبانی کا شرف بخشے بغیر چلی جائیں۔“ وہ رسائیت اور آہستگی سے کہتا خود کمرے سے باہر نکل گیا، مسز آفریدی جو ارے ارے کر رہی تھیں اس کے باہر نکلتے ہی بے ساختہ پھر پور طریقے سے مسکرائی تھیں، ان کا مقصد پورا ہو چکا تھا، وہ بڑی ترنگ میں صوفے پہ بیٹھی تھیں، جہان اندرونی حصے سے نکل کر پورج میں آیا تو واج مین اس کے ساتھ ساتھ تھا۔

”صاحب! خاناماں سے چائے کا کہہ دوں؟“
”ہاں بالکل بلکہ ان سے کہیے گا چائے پہ اہتمام کر لیں۔“

وہ انہیں تاکید کرتا ہوا پورٹیکو میں آیا تو اسی بل ڈالے جو اپنے سیل فون پہ مصروف تھی متوجہ ہوئی تھی اسے رو رو پا کے وہ اتنی حیران ہوئی کہ ششدر رہ گئی تھی، جہان نے اس کی جانب کا دروازہ کھولا تھا تب وہ ہر بڑائی۔

”کیسی ہیں آپ؟“ بلیک جینز پہ وہ ایٹ شرت میں ہلکی بڑھی شیوا اور پیشانی پہ بکھرے ہوئے بالوں کے ساتھ وہ اس گھریلو اور عام سے حلیے میں بھی بے حد خاص اور امپریسوز نظر آ رہا تھا اس قدر کہ اسے نگاہیں جھکانا پڑیں۔

”آئی تھنک آپ مجھ سے خفا ہیں، سوری ایک چوٹی اس روز بھی میری طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔“
اس کی خاموشی سے اس نے اپنے تئیں جو سمجھا تھا اسی لحاظ سے وضاحت پیش کی، ڈالے لے گڑ بڑا کر رہ گئی۔

وہ ہرگز بھی اس قابل خود کو نہیں پاتی تھی کہ کوئی وضاحت پیش کر سکتی، مسز آفریدی نے آج خود اسے کالج سے پک کیا تھا اور یہاں کسی کام کا کہہ کر خود اندر چلی گئی تھیں، اس کے گمان تک بھی نہیں تھا کہ چند لمحوں کے بعد وہ اس چہرے کا سامنا کرنے والی ہے جو پوری کائنات میں سب سے زیادہ اہمیت اختیار کر گیا تھا۔

”آئیے پلیز!“ جہان نے اسے پھر سے مخاطب کیا تھا وہ جیسے مسمرائزسی گاڑی سے نکل کر اس کی سنگت میں جب اندر آئی تو مسز آفریدی نے بہت دھیان سے اس کے تاثرات ملاحظہ کیے تھے اور جیسے اتنے دنوں کی کشمکش سے نکل کر جیسے کسی حتمی نتیجے پہ پہنچ گئیں۔

”کب سے ہے آپ کی طبیعت خراب؟“ انہوں نے جہان کو مخاطب کیا، جو ڈالے کی نسبت نارمل اور بے نیاز نظر آتا تھا۔
”معمولی ٹمپریچر ہے۔“

جہان دوبارہ اپنے بیڈ پہ ٹک گیا تھا، ڈالے سر جھکائے اپنی گود میں رکھے ہاتھوں کو گھورتے جا رہی تھی۔

”آپ اتنے بڑے گھر میں اکیلے ہوتے ہو جہاں گھبراہٹ آئی مین آپ کی فیملی۔“ جہان جو سراٹھا کر انہیں خاموش نظروں سے دیکھنے لگا تھا گہرا سانس کھینچ کر رہ گیا۔
”ہم لوگ کراچی میں ہوتے ہیں، میں بزنس کے سلسلے میں یہاں ہوں۔“
”گڈ! بزنس کے علاوہ کیا مصروفیات ہیں؟“ مسز آفریدی نے جیسے ہی انٹرویو کا آغاز کیا وہ اپنی جگہ پہ بری طرح سے جزبہ ہونے لگی تھی۔

”بزنس کے علاوہ تو کوئی اور مصروفیات نہیں ہے۔“ جہان جو اس سوال جواب کے سلسلے پہ کچھ حیران نظر آ رہا تھا، اسی حیرانی سے بولا تھا۔
”بہن بھائی میں آپ کے؟“
”نہیں میں اکلوتا ہوں، میرے والدین کی میرے بچپن میں روڈ ایکٹیونٹ میں ڈیٹھ ہو گئی تھی، میں اپنے دو بچاؤں کے ساتھ رہتا ہوں، ماشا اللہ میرے چاچو اور بچیاں بہت پیار کرتے ہیں مجھ سے، میرے گزنز کے ساتھ میرا بہن بھائیوں والا ہی ریلیشن ہے۔“ جہان نے اب کے خود تفصیلی جواب سے نواز ا شاید وہ اس کے بعد ان سے کسی اس متعلق مزید سوال کی توقع کر رہا تھا، ڈالے کی خفت کچھ اور بڑھ گئی تھی، اس دوران ملازم چائے کی ڈالی لے آیا تھا، ذرا سی دیر میں اچھا خاصا اہتمام چائے کے ساتھ کر لیا تھا، جہان انہیں چائے کے ساتھ اسٹیکس لینے پہ اصرار کرنے لگا۔

”گڈ! آپ یہ بتاؤ بیٹا کہ آپ انگیڈ تو نہیں ہونا؟“ وہ بے تکلفی کی ہر حد پھلانگے مسکرا کر دوستانہ انداز میں گویا ہوئیں تو اس سے جہان کی حیرت سے پوری وا ہو جانے والی آنکھوں میں ایک لمحے کو بھی نہیں دیکھا نہیں گیا، وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑی ہوئی تھی۔
”حلیے مہ! پلیز انہیں۔“ اس کا چہرہ ضبط کی کوشش میں بے تحاشا سرخ پڑ گیا تھا، جہان نے خاموش مگر نا فہم نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

”ارے بیٹھو بیٹا! ابھی چائے.....“ اس نے ان کی پوری بات نہیں سنی تھی اور باہر نکلتی چلی گئی، مسز آفریدی نے کھسیا ہٹ زدہ مسکان سے جہان کو دیکھا تھا اور اس سے معذرت کرتیں ڈالے کے پیچھے لپکی تھیں جہان نے کاندھے جھٹک دیئے، اسے مسز آفریدی کے رویئے نے ہی نہیں ڈالے کے انداز نے بھی الجھایا تھا۔

☆☆☆

گویا انداز شاہانہ ہے امیروں جیسا
میرے اندر کا انسان ہے فقیروں جیسا
ہم نے چہرے پہ سجا رکھی ہے رونق لیکن
دل کا عالم ہے کہ ویران جزیروں جیسا
اس کے اوصاف و خصائل نے مجھے جیت لیا

میرے مریدوں میں ایک شخص تھا وہ پیروں جیسا
اس سے پہلے تھی اسیری تھی رہائی جیسی
اب کہ آزادی میں ہے حال اسیروں جیسا
اس کو گنوا کے ہیں اب تک خسارے تابش
وہ ایک شخص جو میرے ساتھ تھا پیروں جیسا

جہان شاہ ہاؤس آیا تو سب اس سے ویسے ہی ملے تھے جیسے کوئی بیچ میں بات ہوتی ہی نہ ہو،
وہ خود اپنے آپ سے شرمندہ ہونے لگا تھا اس وقت مکمل طور پہ وہ خود کو سخت مشکل میں گرفتار محسوس
کرتا جب جب بھی اس انجانی لڑکی کے متعلق کسی نے بھی اس سے سوال کیا تھا، اسے بیچ معنوں
میں اندازہ ہوا وہ کیسی مشکل میں گرفتار ہو کر رہ گیا ہے، سب سے زیادہ اسے زینب کے سامنے سے
ابجھن محسوس ہوئی تھی جو اب تک نہیں ہوا تھا، ماریہ کے ذریعے اسے پتہ چلا تھا کہ وہ کالج سے ہی
اپنی کسی فرینڈ کی طرف چلی گئی تھی جس کی آج برتھ ڈے تھی، جہان اس وقت اپنے کمرے میں تھا
جب زینب شام ڈھلے گھر لوٹی اور ماریہ نے اسے جہان کی آمد کی اطلاع دی تھی، زینب کے چادر
اتار کر رکھتے ہاتھ کچھ لمحوں کو اس زاویے پہ ساکن رہ گئے تھے، اس نے گہرا سانس بھر کے خود کو
سنجھایا تھا۔

”کیسے ہیں جے!“ شام کی چائے پہ زینب کا سب کے بیچ اس سے سامنا ہوا تھا، وہ اسے
پہلے سے دیکھ کر اور خاموش محسوس ہوا حالانکہ وہ سب سے ہنس بول رہا تھا، اسے دیکھ کر بھی بالخصوص
شکر آیا تھا۔

”الحمد للہ آپ کیسی ہیں زینب؟“

”آپ کے سامنے ہوں، آپ بتائیں کیسی ہوں؟“ اس نے ہمیشہ والا جواب دیا تھا مگر وہ
ہمیشہ کی طرح جواب نہ مسکرا سکا نہ ہی اس کا آنکھوں میں جھانک کر جواب دیا کہہ سکا تھا۔
”مجھے تو بالکل ٹھیک لگ رہی ہو، بلکہ پہلے سے کچھ موٹی نہیں ہو گئیں؟“ وہ مصنوعی حیرت سے
کہہ کر ساتھ بیٹھیں ماما، ماما جان اور پھر اسما بھابی سے پوچھا کرنا اور وہ چیخنے لگتی تھی مگر اب جواب
میں خاموشی تھی وہ ساکن تھا اور لا تعلق، وہ اب کسی اور کی سمت متوجہ ہو گیا تھا، زینب جتنی دیر وہاں
رہی تھی، اسے دیکھتی اسے پرکھتی رہی مگر اس کی کسی حرکت کسی ادا سے اسے اس یقین کی ڈوری
تھمانے کا حوصلہ نہ ہو سکا، جو نوریہ نے اسے تھمانا چاہی تھی، پھر جب وہ رات کھانے کے بعد اسے
کمرے میں سونے کی غرض سے جا رہا تھا، زینب نے راہداری کے موڑ پہ اچانک اس کا راستہ روک
لیا تھا، مدہم روشنی میں شفاف راہداری کے پلر سے ٹیک لگائے وہ اتنی پرسکون نہیں تھی، جتنا خود
ظاہر کر رہی تھی، جہان نے حیرت بھری نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

”سوری فارواٹ؟“

”اتنا کچھ میرے لئے کرنے پہ جے آپ نے میری خاطر ایک جھوٹا الزام اپنے سر پہ
مجھے اس بات کی شرمندگی تو.....“
”ایسا کچھ نہیں ہے زینب! وہ ایک حقیقت ہے، ہاں مجھے اس اعتراف میں عار نہیں کہ

دلی کا مظاہرہ کر جانا اگر تم مجھے تیمور کے بارے میں نہ بتاتیں، میں اپنے بزرگوں کے سامنے
احسان بندی کے باعث انکار کر جرات نہیں رکھتا تھا، اب میں نے تمہارے لئے سہی مگر اپنے حق
میں اچھا کیا ہے، سو ڈونٹ وری تم پہ میرا کوئی احسان نہیں ہے۔“ اس کا اندازہ اس قدر نارٹل تھا کہ
زینب متحیر رہ گئی تھی۔

”مجھے یقین نہیں آ رہا ہے جے! اگر یہ سچ ہے تو پھر آپ اس لڑکی کو سامنے کیوں نہیں
لاتے؟“ وہ متذبذب بھی جہان نے ٹھنڈا سانس بھر کے اسے دیکھا۔

”میں نے بتایا تھا نا کہ کچھ پرابلمز ہیں اس کی فیملی کی اور جہاں تک یقین کی بات ہے تو میں
گمانا کہہ سکتا ہوں اس کے سوا کہ جب وہ سب کے سامنے آئے گی تو تمہیں بھی یقین آ جائے گا
میری سچائی کا۔“ وہ اتنی بے نیازی اور اعتماد سے بولا تھا کہ زینب پھیکے پڑتے چہرے کے ساتھ
اسے دیکھتی رہ گئی۔

”تم اب تیمور سے کہتی کیوں نہیں ہو کہ وہ اپنے گھر والوں کو بھیجے؟“ وہ اب کے ذرا سا
سنجھایا تھا، زینب نے شاکی نظروں سے اسے دیکھا۔

”آپ مجھے یہاں سے اتنی جلدی کیوں نکالنا چاہتے ہیں؟“

”ایک کام جسے ہونا ہی ہے پھر وہ اپنے وقت پہ کیوں نہ ہو جائے، تیمور سے کہنا اپنے گھر
والوں کو بھیج دے اب۔“ اپنی بات مکمل کر کے وہ آگے بڑھ گیا تھا، زینب ساکن کھڑی تھی، یقین و
یقینی کے درمیان ڈولتی ہوئی جہان کی باتوں اور اس کی حالت میں یکسانیت نہیں تھی، وہ جو کہتا تھا
اس کی آنکھوں کی زبان سے کیوں میل نہیں کھاتا تھا، وہ ہونٹ بھینچے کاندھے جھٹک کر پلٹ گئی
تھی، اس نے اس مسئلے پہ مزید نہ سوچنے کا فیصلہ کیا تھا۔

☆☆☆

شوں کے موسم میں دل کی سرزمینوں پر
گرد کیوں بکھرتی ہے
دل کیوں نہیں کھلتے
دل کیوں نہیں ملتے
یوں یہ فقط تنہائی ساتھ ساتھ رہتی ہے
کیوں پھڑنے والوں کی یاد ساتھ رہتی ہے
تیز بارش سے دل کے آئینے پر سے
س کیوں نہیں ڈھلتے
س کیوں نہیں سلتے
س کیوں نہیں آتی

شوں کے موسم میں
س کیوں برسی ہے
س کیوں نہیں تھمتے

بارشوں کے موسم میں لوگ کیوں نہیں ملتے

اندھیری رات کے دامن میں دو دھپا چاندنی ٹیرس پہ پھیلی ہوئی تھی، اسی چاندنی کے فسوں خج ماحول میں وہ بے خیال سی ٹیرس پہ نکل آئی تھی، چاند بڑی تمکنت کے ساتھ ستاروں کے جھرمٹ میں جلوہ گر تھا جسے دیکھتے ہوئے وہ جانے اس جانے پہچانے شخص کو کیوں سوچنے لگی، شاید وہ بھی اس چاند کی طرح تھا، اکیلا مگر بے حد اثریکٹو، جس کی کشش میں سحر طاری کر دینے والی بے خودی تھی، وہ بھی اسی سحر میں جکڑ لی گئی تھی نا چاہتے ہوئے بھی، مگر بے وقوف تھی نا اس راز کو چھپا لیا چاہتی تھی جو خوشبو کی مانند پھیل کر اپنا احساس بخش جاتا ہے، اسے مسز آفریدی پہ غصہ تھا، کیوں بھلا انہوں نے اس روز جہان سے اس قسم کی باتیں کیں کہ وہ ان کی جانب سے مشکوک ہو جائے، وہ اتنی حساس تھی نہیں چاہتی تھی کوئی اس کے حوالے سے ذرا سا بھی غلط سوچے، مسز آفریدی یہ اس نے اپنا غصہ اپنی حلقی اس طرح سے ظاہر کی تھی کہ ان سے بات کرنا ان کے سامنے آنا ترک کر دیا تھا، مسز آفریدی اس کے اس احتجاج سے واقف تو تھیں مگر عادی نہیں ہو پاتی تھیں وہ ہمیشہ اپنی حلقی یونہی ظاہر کیا کرتی تھی، شاید اپنے متعلق ان کی محبت اور بے تابی سے آگاہ بھی جیسی انہیں اس انداز میں سزا دینا ٹیڑھ کرنا چاہتی تھی، اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں تھا کہ وہ بے حس یا کٹھور تھی وہ صرف حساس ہی نہیں بہت پیارا دل رکھنے والی نازک سی لڑکی تھی جسے سب کے احساسات کی ہمیشہ بہت پرواہ رہا کرتی تھی، بس مسز آفریدی کے لئے وہ کچھ کٹھور ہو گئی تھی تو وجہ وہ انکشافات تھے جو ڈالے کے خیال میں اگر اس پہ نہ بھی کئے جاتے تو اس سے کوئی خاص فرق نہیں پڑتا تھا مگر مسز آفریدی کی تنگ سوچ کے باعث یہ بات کھلی تھی اور ڈالے پہ اس کی زندگی کے اذیت انگیز پہلو عیاں ہو گئے تھے۔

”ڈالے! کیا کر رہی ہو بیٹے یہاں؟ پتہ ہے ناکتھی سردی ہے، اندر چلو۔“ وہ اس قدر مگن تھی کہ خبر نہیں ہو سکی کہ وہ اس کے سر پہ آ پچی تھیں، ان کی آواز سن کر اس نے محض ایک نگاہ انہیں دیکھا تھا پھر ہونٹ ہنپتے ہوئے نگاہ کا زاویہ بدل لیا، انداز میں لائق و بے نیازی اور بیگانگی تھی مسز آفریدی نے عاجز ہو کر اسے دیکھا تھا۔

”ڈالے تم سن رہی ہو کیا کہہ رہی ہوں میں؟“ انہوں نے اب کے کسی قدر خفگی کا مظاہر کیا۔

”سن لیا ہے، میں اپنی مرضی سے یہاں ہوں، جب جی چاہے گا روم میں چلی جاؤں گی، براہ کرم میری اتنی فکر کرنا چھوڑ دیں۔“ وہ کس قدر غصے میں آ کر بولی تو مسز آفریدی کو بھی غصہ آ گیا تھا۔

”یہ کیا بدتمیزی ہے ڈالے! ماں ہوں تمہاری، پتہ نہیں کیا ہونا جا رہا ہے تمہیں ہرگز رتے دن کے ساتھ بے رحم کیوں ہو رہی ہو۔“ ڈالے نے محض انہیں دیکھا تھا عاجزی سے بے بسی اور دکھ سے باور وہ جیسے ہارنے لگی تھیں اس کے آگے۔

”کیوں خفا ہو جان؟“ انہوں نے اس کے گلے میں بازو جمائل کرتے ہوئے خود سے قریب کیا، ڈالے بے حس سی بنی کھڑی رہی۔

”وائس یور پرا بلیم سویٹی؟“

”آپ اس روز مجھے جہانگیر شاہ کے ہاں کیوں لے کر گئی تھیں؟“

”بتایا تو تھا مجھے اس سے کچھ کام تھا۔“ انہوں نے معصومیت کا تاثر دیا۔

”میں ساتھ ہوں تو اپنے آفشیلی کاموں سے گریز کیا کریں پلیز۔“

”او کے جان! اور کچھ؟ ویسے کیا آپ کو اس بات پہ غصہ ہے کہ میں نے اس روز آپ کو تھوڑا سا انور کر کے جہانگیر کو توجہ دی تھی؟“ انہوں نے اسے گدگدا کر مسکراتے ہوئے پوچھا گویا اس کا موڈ بحال کرنا چاہا۔

”مجھے غصہ اس بات کا نہیں تھا مام! آپ کو کیا ضرورت تھی ان سے اس قدر پرسنل سوال پوچھنے کی، کیا سوچتے ہوں گے وہ۔“ اس نے نروٹھے پن سے کہا تو مسز آفریدی مسکرا دی تھیں پھر اسے دیکھ کر معنی خیزی سے بولیں۔

”وہ کچھ نہیں سوچتا ہو گا بی کوز وہ عادی ہو گا، جوان حسن لڑکیوں کی ماؤں کے منہ سے اس قسم کے سوال سننے کا۔“ ڈالے نے پہلے چونک کر پھر اضطراب بھرے انداز سے انہیں دیکھا تھا۔

”کیا مطلب ہے آپ کا؟ پلیز آپ خود کو اس لسٹ میں شامل مت کریں۔“ اس کا لہجہ ناگواریت اور تلخی لئے ہوئے تھا، مسز آفریدی نے بغور اسے دیکھا تھا۔

”کیوں میری بیٹی جوان اور حسین نہیں ہے کیا؟“

”مما پلیز! مجھ سے اس قسم کی باتیں مت کیا کریں۔“ وہ ضبط کھو کر چیخ پڑی۔

”اب بھی نہیں؟“ انہوں نے رسائیت آمیزی سے کہتے اس کی آنکھوں میں جھانکا تو ڈالے کی آنکھیں مارے خیر و وحشت کے پھیل کر رہ گئیں۔

”اس بات سے کیا مطلب ہے آپ کا؟ اب کیا ہو گیا ہے، یا تبدیلی آئی ہے۔“ شدت ضبط کے باوجود اس کی آواز اس کے حلق سے گھٹ کر نکلی تھی اور نمناک تھی، مسز آفریدی نے دانستہ گریز برتا ایک لمحہ لگا تھا انہیں صورتحال سمجھنے میں، وہ جان سکی تھیں وہ کیوں گریزاں ہے۔

”ڈالے جہانگیر ایسا لڑکا ہے کہ کوئی بھی لڑکی اس کے سنگت میں پورے تقاخر سے زندگی گزار سکتی ہے، بھر پور اور طمانیت آمیز۔“

”کوئی بھی لڑکی! مگر وہ ڈالے نہیں ہو سکتی، میں نہیں ہو سکتی، اس لئے کہ مجھے شادی نہیں کرنی ہے۔“ اس کا گلہ بھرانے لگا تھا، اس نے کچھ توقف کیا تھا پھر انہیں دیکھے بغیر بولی تھی۔

”آپ آئندہ اس قسم کی بات نہیں سوچیں گی، کرنا تو بہت بڑی بات ہے۔“ اس کا لہجہ دو ٹوک اور قطعی تھا، مسز آفریدی نے جواباً کچھ نہیں کہا، ڈالے پلٹ کر وہاں سے چلی گئی تھی۔

(میں تمہاری بات ماننے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتی ہوں میری جان! اس لئے نہیں کہ مجھے جہانگیر شاہ جیسا کوئی دوسرا لڑکا نہیں مل سکتا، اس لئے کہ مجھے جہانگیر کی طرح تمہاری آنکھوں میں کسی اور کے لئے محبت کا جذبہ نظر نہیں آئے گا، تم اپنی آرزو کو اپنی بے حس کی بھینٹ چڑھانا چاہتی ہو جو مجھے گوارا نہیں، مجھے تمہارا بچہ چاہیے اس جائیداد کا وارث، تمہارا نعم البدل، تاکہ اگر تم مجھ سے بچھڑ جاؤ مجھ سے دور ہو جاؤ تو مجھے زندگی گزارنے کے لئے کوئی سہارا میسر ہو)۔

ان کی سوچ ان کی خود پسندی اور خود غرضی کی عکاس تھی، وہ بہت شدومد سے آنے والے وقت کی پلاننگ کر رہی تھیں، آنے والا وقت جس کے بارے میں سوائے اللہ کے کسی کو آگاہ ہی نہیں آنے والا وقت جو انسانوں کے لئے کسی اندھیر تاریک غار کی طرح ہے جس کے متعلق وہ کچھ بھی نہیں جانتا۔

☆☆☆

یوسف نہ تھے مگر سر بازار آ گئے
خوش فہمیاں یہ تھیں کہ خریدار آ گئے
ہم سچ ادا چراغ کہ جب بھی ہوا چلی
طاقتوں کو چھوڑ کر سر دیوار آ گئے

وہ اوندھے منہ تکیوں میں سر دیئے لیٹا تھا بالکل ساکن، اسے لاہور آئے ہوئے آٹھ ماہ ہونے کو آئے تھے اور ان آٹھ مہینوں میں اس نے شاید آٹھ چکر بھی شاہ ہاؤس کے نہیں لگائے تھے، کتنا مشکل لگنے لگا تھا اسے وہاں سب کا سامنا، خاص طور پر زینب کا، اس کی نظریں کسی کھوج میں مبتلا محسوس ہوا کرتیں پھر معاذ حسن تھا، اس تک یقیناً ابھی تک اس طرح کی کوئی خبر نہیں پہنچی تھی جیسی وہ ابھی تک اسی ایک بات کے لئے اس کے کان کھایا کرتا۔

”تیرا منگنی کا ارادہ نہیں ہے نا؟ سیدھی سیدھی شادی کرے گا؟“

اور وہ خاموشی میں عافیت سمجھا کرتا اگر پانے سے نہیں بتایا تھا تو یقیناً پیش نظر کوئی مصلحت تھی، اس جیسا جذباتی انسان جس کی کھوپڑی بھی الٹی تھی کچھ بھی کر سکتا تھا، اس نے کروٹ بدلی اور سرد آہ بھری، دردناک سائی ایک بار پھر شکنے لگا، یہ زخم بھرتا ہی نہ تھا، یہ خیال کہ وہ ٹھکرا دیا گیا ہے اسے بل بل سلگاتا، اس نے شدید اضطرابی کیفیت میں سگریٹ نکال کر سلگایا اور یکے بعد دیگرے کی مسلسل کش لئے۔

پھر اس طرح ہوا کہ مجھے مقتل میں چھوڑ کر
سب چارہ ساز جانب دیوار آ گئے
اب دل میں حوصلہ نہ سکتے ہے بازوؤں میں
اب کے مقابلے میں میرے یار آ گئے

سنگر کی پردرد آواز ماحول پہ چھائی باسیت اور سوگواری کو کچھ اور بڑھانے لگی، اس کے سیل فون کی اسکرین اندھیرے میں بٹنک کرنے لگی، اس نے سرسری نگاہ کی، انجان نمبر تھا اس نے دانستہ نظر انداز کیا، انجان نمبر سے اسے ہمیشہ نیلما کال کیا کرتی تھی اور وہ اس لڑکی سے ٹاک تک بے زار تھا، بلکہ اس وقت کو کوسا کرتا جب وہ حادثاتی طور پر اس سے ٹکرائی تھی، کل پھر پاپا کا فون آیا تھا۔

”بٹے آپ خواجواہ کیوں دیر کر رہے ہو، ہمیں بچی کا ایڈریس دونا ہم بات آگے بڑھاتے ہیں، خواجواہ کسی گواتی دیر تک لٹکانا مناسب نہیں ہے۔“
اور وہ بے بس سایہ بات سنتا رہا تھا، وہ کس کا ایڈریس دیتا جب ایسی کوئی بات بھی نہیں تھی،

کل ہی زینب نے اسے فون پر تیمور خان کی فیملی کی آمد کے متعلق بتایا تھا۔
”وہ لوگ اس ہفتے آرہے ہیں جے! اب آپ کو یہ بات سنبھالنی ہے، سنیں انکار نہیں ہونا چاہیے۔“ اس نے درپردہ گویا اس کا وعدہ یاد دلایا تھا، جہان کے چہرے پر عجیب سی مسکراہٹ بکھر گئی تھی، دل کی جو بھی حالت تھی اس پر اس نے توجہ دینا دانستہ ضروری نہیں سمجھی تھی، اس نے گہرا سانس بھرا اور سر جھٹک کر دھیان بٹانا چاہا تو معنی کی آواز پر دھیان گیا تھا۔

آواز دے کے چھپ گئی ہر بار زندگی
ہم ایسے سادہ دل تھے کہ ہر بار آ گئے
سورج کی دوسی پہ جنہیں ناز تھا فراز
وہ بھی تو زیر سایہ دیوار آ گئے

اس نے آگے بڑھ کر ٹیپ آف کیا اور پھر ادھ جلا سگریٹ ایش ٹرے میں اچھال دیا تھا۔
”مجھے اب خود کو اس افسردگی سے نکالنا ہے، میں اب مزید سب سے نہیں بھاگ سکتا۔“
”صاحب آپ کی چائے؟ ساتھ میں کچھ کھانے کو بھی لے آؤں؟“ خانساں چھوٹی ٹرے میں چائے کی ٹگ لے کر آیا تھا، جہان نے ٹگ اٹھایا اور سر کے اشارے سے نفی میں جواب دیا تھا، ابھی پہلا سب لیا تھا کہ اس کے سیل پر معاذ کی کال آنے لگی تھی، جہان نے ٹگ سائیڈ پر رکھ کر اس کی کال ریسو کی تھی۔

”کیسے ہو معاذ؟“ اس نے شعوری کوشش سے لہجے کو بشاش بنانا چاہا تھا۔

”اس بات کو چھوڑو، بتاؤ میں کیا اول فول سن رہا ہوں؟“ وہ بے حد کڑے لہجے میں بولا تھا جہان کے چہرے پہ ایک رنگ آ کر گزر گیا۔

”جے تم زینب سے شادی سے انکاری ہو وائے؟“

”جس نے تمہیں یہ بات بتائی اس نے وجہ بھی بتائی ہوگی۔“ جہان نے دانستہ رکھائی کا مظاہرہ کیا تھا مگر معاذ سچ بڑا تھا۔

”میں ایسی بوکس باتوں پہ یقین نہیں کرنے والا میں تم سے پوچھتا ہوں جے مجھے سچ بتاؤ۔“
”یہی سچ ہے۔“

”یہ محض ایک بکو اس ہے جے مجھے اصل بات بتا دو ورنہ.....؟“

”ورنہ کیا.....؟“ جہان کا لہجہ و انداز بے حد پرسکون تھا مگر دوسرے فریق کو آگ لگا دینے والا۔

”ورنہ یہ کہ میں حقیقت معلوم کرنے کو خود پاکستان چلا آؤں گا، یہ بھی سن لو کہ زینب کی شادی تمہارے علاوہ اور کسی سے نہیں ہوگی انڈرا سٹینڈ۔“

(جاری ہے)

تم آخری جزیرہ ہو

ام مسیح

نویں قسط کا خلاصہ

مسز آفریدی، ڈالے کی آنکھوں میں موجود حسان کے لئے پسندیدگی کے جذبے کو دیکھتی ہیں تو یکنخت جہان سے اپنا رویہ بدل لیتی ہیں، وہ جہان کو ڈالے کی صحت مندی کی خوشی دی گئی پارٹی میں انوائیٹ کرتی ہیں مگر جہان اپنی مصروفیت کی بناء پر جا نہیں پاتا۔

ڈالے جہان کی منتظر رہتی ہے مگر آس جب نراش میں بدلتی ہے تب اسے احساس ہوتا ہے جہان اس کی زندگی میں کس درجہ اہمیت اختیار کر گیا ہے مگر وہ مسز آفریدی کی جہان کی ذات میں دلچسپی کو پسند نہیں کرتی اور ان سے ناراضگی کا اظہار کرتی ہے۔

نوریہ یہ زینب کا راز افشا ہو جاتا ہے، نوریہ، زینب سے ناراضگی کا اظہار کرتی ہے اور زینب کو احساس دلانے کی کوشش بھی کہ اس نے جہان کے ساتھ بہت بڑی زیادتی کی ہے، زینب یہ اس بات کا وقتی اثر ہوتا ہے۔

مسز آفریدی، جہان کو ڈالے کے لئے اپنے طور پر منتخب کر چکی ہیں مگر جہان کے انداز انہیں ناگواری میں مبتلا کرتے ہیں، وہ دانستہ سے ڈالے کی سمت متوجہ کرنے کے جتن میں مصروف ہونا چاہتی ہیں۔

معاذ یہ جہان کے شادی سے انکار کی بات کھلتی ہے تو وہ آگ بگولہ ہو جاتا ہے وہ جہان سے سچ اگلوانا چاہتا ہے اس کے گریز یہ وہ اسے بتاتا ہے کہ وہ پاکستان آرہا ہے جہان حیران رہ جاتا ہے۔

اب آپ آگے پڑھیے

دسویں قسط



Am



کھلا یہ راز کہ آئینہ خانہ ہے یہ شخص
اور اس میں مجھ کو تماشا بنا گیا اک شخص

وہ بے گل تھا اور بے مقصد گاڑی سڑکوں پہ دوڑاے پھرتا تھا، وحشت کا کوئی انت تھا نہ کوئی انتہا، بے چینی ایسی کہ کسی پل قرار نہیں تھا، عشق کی اس آزمائش نے اس کے اعصاب شکستہ کر ڈالے تھے، اس نے ایک طویل گہرا سانس لیا اور گاڑی ایک جھٹکے سے روک دی، نگاہ کے سامنے اب فانیو اشار ہوٹل تھا، وہ اپنا غم غلط کرنا چاہتا تھا مگر طریقہ نہیں آتا تھا، حلق میں پیاس نے گویا کانٹے بچھا دیئے تھے، وہ گاڑی سے اترا تھا اور چلتا ہوا اندر آ گیا، ایک ٹیبل منتخب کی اور بیٹھ کر فریش جوس آرڈر کیا، سگریٹ سلگاتے ہوئے اس کی غیر ارادی نگاہ سامنے شفاف دیوار پہ آویزاں پینٹنگ میں الجھ گئی تھی، بلند و بالا پہاڑ سفید برف کی چادر میں چھپے ہوئے تھے تا حد نگاہ برف کی اجارہ داری نظر آتی تھی، اس منظر میں ایک ہٹ تھا جس کے ادھ کھلے دروازے میں ایک لڑکی اپنے ساھی مرد کے شانے پہ سر ٹکائے اس کی سہارے کھڑی کسی بات پہ مسکرا رہی تھی، چھپنی ہوئی حیا آمیز مسکان اس کے عام سے چہرے کو بھی انوکھی دلکشی بخش رہی تھی، اس منظر میں کھوئے جہان کی ذہنی رو بہک گئی تھی، جنید بھائی شادی کے بعد ہنی مون کے لئے شمالی علاقہ جات جا رہے تھے، ساتھ میں نوجوان پارٹی کو بھی تیاری کا کہہ دیا، اندھا کیا چاہے دو آنکھیں، وہ سب بڑھ چڑھ کر گویا جنید بھائی اور بھابھی سے بھی زیادہ جوش و خروش سے تیاری کرنے لگے، زینب سب سے آگے آگے تھی، ماما کے ڈانٹنے سمجھانے پہ نوریہ زیاد اور حسان ماریہ وغیرہ تو آرام سے بیٹھ گئے مگر اس کے کان پہ جوں بھی نہیں رینگتی تھی۔

”وہاں آج کل برف باری ہو رہی ہوگی، میں لانگ شوژ لانگ کوٹ اور گلاؤز وغیرہ آج مارکیٹ سے لاؤں گی تاکہ مشکل نہ ہو۔“ زینب نے ناشتے کی ٹیبل پہ اعلان کیا تھا تو ممانے بے درلج گھورا۔

”کوئی ضرورت نہیں ہے حماقت کرنے کی، آرام سے گھر بیٹھو، وہ لوگ ہنی مون پہ جا رہے ہیں کہ تمہارا ٹرپ لے کر۔“ ماما کے غصیلے لہجے پہ زینب کا منہ بن گیا تھا۔

”اس میں ٹرپ لے جانے کی کیا بات ہے، وہ مناتے رہیں اپنا ہنی مون، ہم اپنا الگ سے انجوائے کر سکتے ہیں۔“

”ضرور الگ انجوائے کرنا مگر شادی کے بعد۔“ زیاد نے اسے چھیڑا تھا مگر اس نے جیسے کان نہیں دھرا۔

”مجھے نہیں پتہ میں جا رہی ہوں بس۔“ وہ اپنا فیصلہ بنا کر دھپ دھپ کرتی وہاں سے چلی گئی تو وجہ اسے جنید بھائی اور بھابھی کی پوری سپورٹ حاصل تھی مگر شام کو جب جہان آنس سے واپس آیا تو اس کی آنکھیں شدت گرہ سے بے تحاشا سرخ ہو رہی تھیں۔

”کیا ہوا تمہیں؟“ وہ حیران ہوا تھا۔

”مما مجھے بھائی کے ساتھ نہیں جانے دے رہیں۔“

”ٹھیک ہے، کوئی تک بھی نہیں بنتی۔“ اس کے کاندھے اچکا کر دی گئی رائے پہ زینب نے

”تم میری بات سن رہے ہو جے!“ اس کی خاموشی سے عاجز ہو کر معاذ نے کسی قدر ناراض سے اسے پکارا تھا، وہ چونکا اور جیسے حواسوں میں لوٹ آیا، اس خوش کن خیال سے جو معاذ کی دھمکی نے اجاگر کر گیا تھا، کیا تھا اگر وہ خود کو بے بس ظاہر کرتا زرا سا ڈھیٹ بن جاتا، پھر وہ اس کی ہوتی، وہ جس کو اس نے روح کی تمام گہرائیوں سے چاہا تھا، عشق کی حد تک عقیدت رکھی تھی، مگر نہیں یہ جبر ہی تو ممکن نہیں تھا، وہ محبت کی بجائے خیرات کا حقدار کیسے بن جاتا، یہ اس کی محبت کی ہی نہیں اس عقیدت کی بھی سخت توہین کے مترادف تھا جو اسے بہر حال گوارا نہیں تھی۔

”معاذ حسن آئی تھنک یہ میرا انتہائی پرسنل میٹر ہے، جس میں کسی کو انٹرفیئر کی ہرگز اجازت نہیں دے سکتا، کسی کو بھی نہیں معاذ تم سمجھ سکتے ہو نا؟ ذرا سوچو اگر تمہیں یہ حق حاصل ہو سکتا ہے تو مجھے کیوں نہیں؟ تم اگر نکاح کے بعد اپنی منکوحہ سے لالچ اور بے زاری کا اظہار کر سکتے ہو صرف اس بنا پر کہ تمہارے نزدیک اپنی پسند کی اہمیت ہے تو پھر میرا معاملہ تو بہت معمولی نوعیت کا ہے، یہاں تو شخص ایک بات تھی بڑوں کی سوچی ہوئی، میں امید رکھوں گا کہ آج کے بعد ہمارے درمیان یہ موضوع زیر بحث نہیں آئے گا۔“

وہ چیخا تھا نہ پھنکارا تھا اس کے باوجود اس کے سرد لہجے میں اتنی تھی سفاکی اس درجہ بیگانگی تھی کہ دوسری جانب معاذ جیسے صحیح معنوں میں سناٹے میں گھر گیا، اگلے کئی ٹائیوں تک ان کے درمیان سناٹا طاری رہا تھا، معاذ جیسے اپنی جگہ پہ ساکن تھا اور ایک عالم تحیر میں کم۔

”یہ تم ہو جے! تم اتنا کیسے بدل سکتے ہو؟“ خاصی تاخیر سے معاذ کچھ بولنے کے قابل ہوا تو اس کی آواز میں ہنوز غیر یقینی کا غلبہ تھا۔

”میں نے کہا نا معاذ اس کے علاوہ بات کرو۔“ جہان نے اسی سرد مہری اور بیگانگی و سفاکی سے جواب دیا تو معاذ نے گہرا طویل سانس کھینچا تھا۔

”مجھے اس کے علاوہ اور کوئی بات نہیں کرنی ہے!“

”تو پھر ٹھیک ہے میں فون بند کرتا ہوں، گڈ بائے۔“

اگلے لمحے وہ سلسلہ کاٹ چکا تھا، کچھ دیر تک ہونٹ بھیجنے ساکن بیٹھا رہا، صرف زینب کی وجہ سے اس نے بنا سوچے اپنا ایک اور نقصان کیا تھا، عظیم اور بڑا نقصان، شدت ضبط کی کوشش میں صرف اس کا چہرہ نہیں سرخ ہوا آنکھوں سے بھی جیسے لہو چھلکنے لگا، وہ اٹھ کر تیزی سے باہر نکل گیا، اب پتہ نہیں اسے کتنی دیر لگتی تھی خود کو سنبھالنے میں۔

☆☆☆

بنا گلاب تو کانٹے چھو گیا اک شخص
ہوا چراغ تو گھر ہی جلا گیا اک شخص
تمام رنگ میرے اور سارے خواب میرے
فسانہ تھے کہ فسانہ بنا گیا اک شخص
میں کس ہوا میں اڑوں کس فضا میں لہراؤں
دکھوں کا جال تو ہر سو بچھا گیا اک شخص

اسے کھا جانے والی نظروں سے گھور کر دیکھا تھا۔

”جے کوئی ضرورت نہیں ہے آپ کو مجھے چھوڑ کر میا کا ساتھ دینے کی، میں نے بتا دیا ہے۔“
وہ اس پر ہمیشہ یونہی جا رہا داری قائم رکھا کرتی تھی، وہ جو بات عام سے انداز میں دھونس سے کہہ دیا کرتی تھی جہان کی دھڑکنوں میں دنوں نہیں ہفتوں ہلچل مچائے رکھتی، جہان کے چہرے پہ ہلکی سی سرخی چھا گئی، اس نے ترچھی نگاہ سے اسے دیکھا تھا پھر مسکراہٹ دبائی۔
”اس کے باوجود کہ تم غلط ہو؟“ زینب نے اس سوال پہ اسے ناراضگی سے دیکھا تھا اور نروٹھے پن سے بولی تھی۔

”اول تو میں غلط ہوتی نہیں ہوں، لیکن اگر کبھی میں غلط ہوئی بھی تب بھی آپ کو میرا ساتھ دینا ہوگا جے ابی کوز آپ میرے سب سے اچھے دوست جو ہیں۔“ وہ کھلکھلائی تھی پھر اسے دیکھ کر اسی دھونس بھرے انداز میں بولی تھی۔
”مجھے ہر صورت مری جانا ہے، اس لئے بھی کہ مجھے ممانے ٹرپ کے ساتھ بھی نہیں جانے دیا تھا۔“

”زینی بھائی جان بھابھی کے ساتھ جا رہے ہیں، اپنی شادی کے بعد پہلی مرتبہ، مناسب نہیں لگتا، ہم سب پھر بھی پروگرام بنا لیتے ہیں اکٹھے چلیں گے۔“
”میں آپ کے وعدوں پہ اعتبار کرنے والی نہیں، مجھے بس ابھی جانا ہے، آپ ممانے کو منائیں پلیز۔“ اس نے سچ سچ ضد باندھ لی تھی پھر ہمیشہ کی طرح جیت اسی کی ہوئی تھی۔
”ٹھیک ہے چلی جاؤ مگر اکیلی نہیں، تم بھی چلے جاؤ، جہان بیٹے ورنہ یہ انہی دونوں کے سر پہ سوار رہے گی۔“ ممانے کو نئے نئے دلہا دلہن کا بے حد خیال تھا جن کی پرائیویسی ان کی بدتمیز بیٹی کی وجہ سے خراب ہونے والی تھی۔

”میں کیا؟“ جہان واقعی سٹیٹا گیا تھا۔

”اکیلے کہاں؟ یہ ہوگی نہ ممانے آپ کے ساتھ۔“ زیادہ نے زینب کی جانب اشارہ کر کے اسے چھیڑا تھا، مگر جہان یونہی متذبذب رہا تھا۔
”معاذ تم بھی چلو نایار۔“ اسے اور کچھ نہ سوچھا تو معاذ کی منت کی تھی جو فوراً رد کر دی تھی اس نے۔

”نان سنس، ایسی جگہوں پہ اپنے لائف پارٹنر کے ساتھ جایا جاتا ہے، یہ زینب تو پاگل ہے۔“
اس نے نخوت سے کہا تھا اور جہان ٹھنڈا سانس بھر کے رہ گیا، پھر وہ ہمیشہ کی طرح وہاں بھی اسے عاجز کرتی رہی تھی اپنی اوٹ پٹانگ حرکتوں اور فرمائشوں کی وجہ سے، اس روز بھی وہ لوگ جب مال پہ چہل قدمی کر رہے تھے ہاتھوں میں کافی کے مگ لئے باتوں میں مصروف اچانک زینب کو رائیڈنگ کا شوق جرا گیا تھا۔

”جنید بھائی مجھے گھوڑے پہ بیٹھنا ہے۔“ جے نے گہرا سانس بھرا تھا، جبکہ جنید بھائی کچھ گھبرا گئے۔

”نہیں گڑیا تم پہلے کبھی بیٹھی نہیں ہونا، میں یہ رسک نہیں لے سکتا۔“

”کیوں کیا اس کے لئے بھی ایکپرنس کی ضرورت ہوتی ہے؟“

”بالکل ہوتی ہے، گھوڑا بدک بھی سکتا ہے، میں چچی جان کو ان کی صحیح سہاگم بیٹی کو ٹانا چاہتا ہوں۔“ جنید بھائی نے ہنس کر بات ٹال دی تھی اور جہان کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا اس وقت خاموشی اختیار کر لینے والی زینب اپنی ضد کی پکی نکلے گی اور ان میں سے کسی کو آگاہ کے بغیر اپنے دل کی کرے گی، اگلے دو دن بہت شدید برف باری ہوتی رہی تھی، اتنی کہ وہ لوگ بھی ریست ہاؤس کے کمرے تک محدود ہو کر رہ گئے تھے، جہان ابھی سو کر اٹھا ہی تھا اور ہاتھ لینے کا سوچ رہا تھا جب اس کے کمرے کا دروازہ کھول کر بدحواس سے جنید بھائی اندر آئے تھے۔

”جہان میرے ساتھ چلو زینب کو ڈھونڈنے جانا ہے۔“ اس نے سراسیمہ ہو کر جنید بھائی کو دیکھا جن کے چہرے پہ ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔

”کیا مطلب؟ کہاں گئی ہے وہ؟“ آواز اس کے حلق سے پھنس کر نکلی تھی، جواب میں جنید بھائی نے اسے سارا واقعہ سنا دیا تھا جس کا لب لباب یہ تھا کہ زینب خود سری کا مظاہرہ کرتے ہوئے رائیڈنگ پہ گئی تھی، گھوڑے کے مالک کے آگاہ کرنے کے باوجود کہ گھوڑا سرکش ہے دوپہر کے بعد کسی دوسرے گھوڑے کو فراہم کر دے گا مگر زینب نے اس کی بات نہیں مانی تھی اور اسی گھوڑے پہ بیٹھ گئی تھی، خدشہ سچ ثابت ہوا تھا گھوڑا بدک گیا تھا اور بے قابو ہو کر برف زاروں میں اتر گیا تھا، جنید بھائی تفصیل سناتے ہانپ گئے تھے، جبکہ جہان کو لگا تھا کہ اس کے وجود پہ چیونٹیاں رینٹنے لگی ہوں، وہ پریشان اور متشکر سا باہر آیا تو گھوڑے کے مالک سے اس کی ریست ہاؤس کے برآمدے میں ہی سامنا ہو گیا تھا، وہ ریست ہاؤس کا ملازم تھا اور گھوڑے ریست پہ دینے کا کام بھی کرتا تھا، زینب کل سے اس کے پیچھے پڑی ہوئی تھی اور بالآخر اسے مجبور کر کے اپنی ضد پوری کر لی تھی، منحنی سے غریب آدمی نے ہاتھ جوڑے روتے ہوئے گویا اپنی صفائی پیش کی تھی۔

”صاحب آپ یقین کرو، ہمارا کوئی تصور نہیں ہے، بی بی صاحبہ کو ہم نے بہت منع کیا وہ نہیں مانی تھیں۔“ جہان اس کی پوری بات سنے بغیر آگے بڑھ گیا تھا، جنید بھائی اس کے ساتھ ساتھ تھے، ریست ہاؤس سے باہر آتے ہی سرد ہواؤں میں اڑتے برف کے زریوں نے ان کا استقبال کیا تھا، ہر سو برف کا راج تھا ہولناک سناٹا جس میں موت کی ٹھنڈک تیرتی تھی، جہان کے اعصاب خوف سے سلب ہونے لگے، برف باری اتنی شدید تھی کہ ہرگزرتے لمحے کے ساتھ اس کی سطح زمین سے بلند ہو رہی تھی، زینب جہان کہیں بھی تھی اسے ڈھونڈنا ڈھونڈنا گویا صحرا میں سوئی تلاش کرنے کے مترادف تھا۔

”بھائی آپ اس سمت جا کر دیکھیں میں ادھر تلاش کرتا ہوں۔“ ہواؤں کی تیزی کے باعث اسے چیخ کر اپنی بات کہنی پڑی تھی پھر وہ ان کا جواب سنے بغیر تیزی سے آگے بڑھ گیا تھا، وہ اس کی تلاش میں پالکوں کی طرح سرگرداں تھا اور یہ سراسر پاگل پن ہی تھا، سراسیمگی وحشت میں ڈھل رہی تھی وہ ہر صورت اسے زندہ سلامت ڈھونڈنا چاہتا تھا، جب اس نے اپنے پیچھے کسی ذی روح کی موجودگی محسوس کی تھی وہ چونک کر پلٹا اسے اسی گھوڑے والے کی شکل نظر آئی تھی۔

”صاحب گھوڑا اس طرف سے واپس آ رہا ہے وہ دیکھیں، آپ بی بی کو اس سمت تلاش

کریں۔“ جہان نے اس کی انگلی کی جانب سرگھمایا، وہ جگہ نسبتاً ہموار تھی، مگر برف وہاں بھی کثرت سے موجود تھی، جہان اندھا دھند اسی سمت بھاگا تھا، اسے راستے میں گھوڑے کے قدموں کے نشان برف کی نرم چادر میں دھسنے نظر آئے تھے، وہ انہی قدموں کے نشان پہ آگے بڑھا تھا اور اگلے لمحے اس کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا تھا، جہان تیزی سے اس جانب لپکا تھا، اس کی نیلی پڑتی رنگت اور سختی سے بند آنکھیں اور جامد وجود جہان کی وحشت کو انتہا تک لے گیا تھا، اس نے اسی وحشت بھرے انداز میں اسے شانوں سے تھام کر زور سے جھنجھوڑا تھا۔

”ذہنی آنکھیں کھولو زینی!“ وہ چیخ اٹھا تھا مگر زینب کی پلکوں میں خفیف سی جنبش کا احساس بھی باقی نہیں تھا، جہان نے گھبراہٹ میں بتلا ہو کر اس کی نبض ٹٹولی پریشانی کی وجہ سے اسے بالکل ٹھہری ہوئی محسوس ہوئی تھی، اس نے ہونٹوں کو بھینچا تھا اور اسے جھک کر اپنے بازوؤں میں اٹھا کر واپسی کے راستے پہ دوڑ پڑا، شدید برف باری کی وجہ سے ریست ہاؤس کے باہر راہداری تک سونی پڑی تھیں، بھابھی پریشانی کے عالم میں برآمدے میں ٹھہرتی ہوئی مل گئی تھیں اسے زینب کو اس طرح اٹھائے آتے دیکھ کر تیزی سے اس کی جانب آئیں۔

”جہان یہ..... یہ..... زینب ٹھیک تو ہے نا؟“ ان کے لہجے میں ہی نہیں آنکھوں سے بھی خوف چھلک رہا تھا، جہان نے بھینچے ہوئے ہونٹوں کے ساتھ انہیں ایک نظر دیکھا اور یونہی زینب کو اٹھائے اس کمرے میں آ گیا جہاں وہ قیام پذیر تھی۔

”بھابھی اگر بھائی کے پاس سیل فون ہے تو انہیں زینب کے ملنے کا بتادیں۔“ زینب کو بیڈ پہ لٹانے کے بعد اس پہ کمرے میں برابر کرتا ہوا وہ خود آتش دان جلانے لگا، اس کام سے فراغت کے بعد اس ریست ہاؤس کی انتظامیہ سے رابطہ بحال کر کے صورتحال بتا کر ڈاکٹر کو بھیجنے کا کہا تھا۔

”بھابھی آپ زینب کو مصنوعی تنفس دے سکتی ہیں؟ ڈاکٹر کو آنے میں کچھ وقت لگے گا جبکہ یہ بے ہوشی بہت خطرناک ثابت ہو رہی ہے۔“ وہ بے حد پریشانی کے عالم میں اسما بھابھی سے مخاطب ہو کر بولا تو وہ جو گھبراہٹ زدہ انداز میں زینب پہ اپنے کمرے سے بھی کمر لاکر اسے ڈال رہی تھیں اس کی بات سن کر گھبراہٹ کچھ اور بڑھ گئی۔

”مم..... میں کوشش کرتی ہوں، تمہارے بھائی کو بھی فون کیا ہے بس آتے ہی ہوں گے۔“ انہوں نے جواب دیا تھا پھر جہان کی ہدایت کے مطابق زینب کو تنفس دینے لگیں مگر زینب کی سانسیں ہر لمحہ ڈوبتی جا رہی تھیں، جہان نے انہیں ہٹا دیا تھا، اس جھجک اور گریز میں اگر پڑا رہتا تو یقیناً وہ اسے موت کے حوالے کر دیتا اور ایسا وہ ہرگز نہیں کر سکتا تھا اور جس بل وہ اس کے تخیل سے ہونٹوں سے اپنے ہونٹ ملائے اپنی تمام ہمتیں مجتمع کیے اس کی سانسیں بحال کرنے کی تگ و دو میں مصروف تھا جنید بھائی اور ڈاکٹر ریست ہاؤس کے میجر کے ساتھ اندر داخل ہوئے تھے، ڈاکٹر نے جہان کی اس بروقت اپنائی گئی حکمت عملی کو سراہا تھا زینب کو ٹریٹمنٹ دینے میں مصروف ہو گیا تھا۔

”پریشانی کی بات نہیں ہے اب، انہیں کچھ دیر میں مکمل ہوش آ جائے گا، ہاں اگر یہ ان کا تنفس بحال نہ کرتے تو پھر ضرور برا بلیم ہو سکتی تھی۔“

جنید بھائی کے زینب کے متعلق استفسار پہ ڈاکٹر نے تسلی سے نوازتے ہوئے جہان کو ایک بار

پھر سراہا تھا۔

”انہیں فی الحال زیادہ ہیٹ میں رکھیں، چند گھنٹوں میں بالکل نارمل ہوں گی۔“ جنید بھائی نے ڈاکٹر کا شکریہ ادا کیا تھا اور انہیں چھوڑنے باہر تک ساتھ گئے تھے، جہان وہیں کھڑا زینب کے چہرے کو یک ٹک دیکھتا رہا تھا، اس کے اعصاب ابھی تک تنے ہوئے تھے۔

”ریٹلیکس جہان! کہا ہے نا ڈاکٹر نے اب خطرے والی کوئی بات نہیں۔“

جنید بھائی واپس کمرے میں آئے تھے اسے ہنوز مضطرب پا کر رسائیت بھرے لہجے میں تسلی دی تھی۔

”یہ ٹھیک ہو تو آج ہی اسے واپس لے کر چلوں گا، جان نکال کے رکھ دی ہے ہماری۔“ اس نے خود یہ قابو پا کر اب قدرے خفگی کا مظاہرہ کیا تو جنید بھائی مسکرائے تھے۔

”تم آن پار بجی ہے ابھی! تم اب کسی اور سے ذکر مت کرنا ورنہ سب سے ڈانٹ پڑے گی پیاری کو۔“ جنید بھائی کی سفارش پہ وہ انہیں دیکھ کر رہ گیا مگر اس کی ان کی بات یہ عمل کرنے کا کوئی پروگرام نہیں تھا، لیکن جب وہ مکمل حواسوں میں لوٹنے کے بعد بھابھی سے ساری تفصیل جان چکی تو گھبراہٹ بھر کے جہان کو دیکھ کر مسکرائی تھی۔

”جب گھوڑے کی پشت پہ میں پھسل کر گری تھی تب مجھے یقین تھا بے مجھے اس مشکل سے نکال لیں گے، ایسا ہی ہوا ہے نا، دیکھ لیں میرے اندازے غلط ثابت نہیں ہوا کرتے۔“ اور جہان ٹھنڈا سا لہجے بھر کے رہ گیا تھا اور اس کی بات پر۔

”مشکل میں مدد کرنے والی اللہ کی ذات ہی ہوتی ہے زینی! میں تو بس سبب بنایا گیا تھا۔“

”چاچو سے تمہاری شکایت لگانے کا پکا ارادہ کر چکا ہو۔“ جنید بھائی نے مسکرا کر کہا تو زینب نے چونکے بنا جہان کو دیکھا تھا۔

”امپا بل! مجھے پتہ ہے جے ایسا کچھ نہیں کریں گے کبھی جس سے مجھے تکلیف ہو، ہے نا بے!“ اس کے لہجے کے مان اور یقین نے جہان کو جکڑ لیا تھا وہ کچھ کہنے کے قابل نہیں رہا تھا۔

دیٹر نے جوس لاکر اس کے سامنے رکھا تب وہ ہڑبڑا کر واپس حال میں لوٹا تھا مگر اس طرح کہ سماعتوں میں ہنوز زینب کی آواز کی بازگشت گونجتی تھی، اس کے ہونٹوں پہ زخمی مسکان بکھر گئی۔

(تم صحیح کہتی تھیں زینب! تم مجھے مجھ سے بڑھ کر جانتی تھیں شاید، اور میں اپنا سب کچھ گنوا کر تمہاری خواہش تمہاری توقع پوری کر دی ہے۔)

اس کی آنکھیں جلنے لگی تھیں، اس نے جوس کا سیپ لیتے ہوئے رسٹ وائچ پہ ٹائم دیکھا تھا، شام کے ساتھ بج رہے تھے، جانی گرمیوں کی یہ قدرے خوشگوار شام تھی مگر اس کے اندر غضب کی حد تیں اتری ہوئی تھیں اس نے جوس ختم کیا تھا پھر بل بے کرتے ہوئے کرسی گھسیٹ کر اٹھا تھا، واپسی کو قدم اٹھاتے ہوئے وہ اپنی دھن میں تھا کہ سکیئنڈ فلور کی سیڑھیاں اترتے ہوئے وہ ایک دم ٹھنکا، بلاشبہ وہ نزلے تھی لڑکھڑائی چال کے ساتھ شفاف لابی عبور کر کے سیڑھیوں کی سمت آتے وہ تیسری مرتبہ زور سے ڈگمگائی تھی، جہان ششدر کھڑا ہو کے اسے دیکھنے لگا، سکیئنڈ فلور میں وہ بھی جانتا تھا ہر ناجائز کام بڑے دھڑلے سے کیا جاتا تھا، ڈرنک سے لے کر کال گرنز سے ملاقات اور

آگے کے تمام مراحل تک، وہ اسی سمت سے آرہی تھی، اس کی لڑکھڑاتی چال اس کی مدہوشی کی از خود چیخ کر گواہی دیتی تھی، وہ بھونچکا کھڑا تھا کہ وہ اسی بے خودی کی کیفیت میں اس مرتبہ زور سے لڑکھڑاتی تھی اور یقیناً سنبھلے بنا سر کے بل سیرھیوں سے نیچے فرش پہ گرتی مگر جہاں بروقت ہوش میں آگیا تھا، اس نے جانے کس جذبے کے تحت آگے بڑھ کر اسے سنبھالا دیا تھا، جہاں اسے دوبارہ کھڑا کر دینا چاہتا تھا مگر وہ اس کے بازوؤں میں بے جان شے کی مانند جھول کر رہ گئی تھی، جہاں کے اعصاب ایکدم سے پراگندہ ہو کر رہ گئے، اس نے بھیچے ہوئے ہونٹوں کے ساتھ قہر سا ماں تاثرات سمیت اسے ناگواری سے دیکھا وہ مکمل طور پہ حواسوں سے باہر تھی، یہ تو نیکی گلے پڑنے والی بات ہوگئی تھی، وہ صحیح معنوں میں اس آکورد سپینیشن پہ بوکھلا اٹھا تھا، طوعاً و کرہاً وہ اسے یونہی اپنے ساتھ گھسیٹتے ہوئے سیرھیوں سے اترا تھا مگر اس طرح کہ چہرے سے اندرونی کیفیت صاف ظاہر تھی، سبھی رتپشن پہ موجود لڑکی لٹک کر اس کی جانب آئی تھی۔

”خیریت سر! ان کی طبیعت ٹھیک ہے؟“ رتپشن کی نظریں ڈالنے کی ڈھلک جانے والی گردن پہ تشویش زدہ انداز میں ٹھہری تھیں۔

”ٹھیک ہوتیں تو اس حالت میں ہوتیں؟“ جہاں جواباً بے حد درشتی سے بولا تھا پھر اسے کچھ فاصلے پہ موجود کاؤچ پہ لٹانے کے بعد کوٹ کی جیب سے سیل فون ٹول کر نکالا اور مسز آفریدی کا نمبر پیش کیا تھا۔

”آپ کو فوری یہاں آنا ہوگا، مس ڈالنے کی طبیعت بالکل ٹھیک نہیں ہے۔“ رابطہ بحال ہونے پہ اس نے بغیر اسلام دعا کے بڑے روڈ انداز میں ہوٹل کا نام بتا کر گویا اطلاع دی تھی جبکہ وہ دوسری سمت اسی قدر پریشان اور مضطرب ہو کر اس سے سوال پہ سوال کرنے لگیں۔

”کیا کہہ رہے ہو؟“ وہ زور سے چلائیں تو جہاں نے یوں ناگواری سے سیل فون کو گھورا تھا گویا وہ ہی مسز آفریدی ہو۔

”یہ محض اتفاق تھا کہ میں نے عین اس وقت انہیں دیکھا جب وہ بے ہوش ہو کر گر رہی تھیں، آئی ڈونٹ نو کہ انہیں کیا ہوا ہے؟“ جہاں نے جیسے مجبوراً صورتحال کی کبھی ہر تا کو ان پہ آشکار کیا تھا، مسز آفریدی جیسے سناٹے میں گھر گئیں۔

”جہاں کیر بیٹے پلیز ہیپ نی! آپ ڈالنے کو اپنی گاڑی میں ہمارے گھر لے آئیں گے؟ پلیز انکار مت کیجئے بیٹے ایچولی میں اس وقت ٹریفک میں پھنسی ہوئی ہوں کچھ نہیں کہہ سکتی مجھے یہاں سے نکلنے میں کتنی دیر لگی ہے جبکہ ڈالنے کی طبیعت ٹھیک نہیں اسے فوری ٹریٹمنٹ کی ضرورت ہے، میں ڈاکٹر کو کال کرنی ہوں وہ تب تک گھر پہنچے گا۔“ انہوں نے کسی قدر عجلت میں اپنا مدعا بیان کیا تو جہاں سخت تذبذب کا شکار ہو گیا تھا۔

”لیکن میم.....!“

”پلیز..... پلیز بیٹے آپ کو اللہ کا واسطہ ہے۔“ وہ فون پہ ہی سسک اٹھی تھیں، جہاں کے چہرے پہ ایک دم تغیر چھانے لگا۔

”اوکے میں کرتا ہوں کچھ، ڈونٹ یوری۔“ اس نے سیل فون کان سے ہٹا کر گہرا سانس بھرا

تھا، ڈالنے کو وہاں سے اٹھا کر گاڑی تک لے جانے کا مرحلہ از حد ناگواری و مجبوری لئے ہوئے تھا جسے اس نے ہونٹ بھیچ کر لے زار کن تاثرات کے ساتھ انجام دیا تھا، اطراف میں بہت سی حیران کن اور تجسس نگاہیں یکسر نظر انداز کیے وہ پارکنگ میں موجود اپنی گاڑی تک پہنچا تھا، کوٹ کی جیب سے چابی نکال کر گاڑی کا پچھلا دروازہ ان لاکڈ کیا تھا اور اسے کسی ناگواری بوجھ کی طرح ہی اپنے بازوؤں سے ہاتھوں اور ہاتھوں سے سیٹ پہ منتقل کر کے سکون کا لمبا سانس کھینچا اور خود گھوم کر ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی، ایک بار بھی پلٹ کر اس کی سمت دیکھے بغیر وہ بڑے سرد تاثرات سمیت جب آفریدی ہاؤس کے وائٹ گیٹ کے سامنے ہارن بجا رہا تھا اسی پل مسز آفریدی کی بلیک اکارڈ بھی اس کی گاڑی کے برابر آن کر رہی تھی، جہاں نے ایک نگاہ غلط انداز ان پہ ڈالنے بغیر گاڑی کھلے گیٹ سے اندر داخل کر دی۔

”انہیں اندر لے جائیں مجھے واپس بھی جانا ہے۔“

مسز آفریدی گاڑی پورچ میں روکتے ہی بے تابانہ اس کی سمت لپکی تھیں اور گاڑی کا پچھلا دروازہ کھول کر بے سدھ پڑی ڈالنے پہ جھک کر اس کا گال تھپتھا کر اسے آوازیں دے رہی تھیں جب جہاں نے اپنی جگہ سے حرکت کیے بنا سردوساٹ چہرے کے ساتھ نہیں مخاطب کیا تھا، مسز آفریدی نے سر اٹھا کر اسے دیکھا پھر ایکدم سیدھی ہو گئیں۔

”آئی ایم ساری بیٹا مجھے اندازہ ہے کہ آپ کو بہت زحمت دے چکی ہوں مگر جہاں اتنا احسان کیا ہے پلیز ہنی کو اس کے بیڈروم میں پہنچا دو، میں اکیلی کیسے لے جا سکتی ہوں اسے۔“ ان کے اگلے مطالبے نے صحیح معنوں میں جہاں کو چکرا کے رکھ دیا تھا۔

”آپ اپنی کسی ملازمہ کی مدد سے یہ کام کر لیں، آئی ایم ساری میں آپ کی مزید کوئی مدد نہیں کر سکتا۔“ اسے جتنی ناگواری محسوس ہوئی تھی اس لحاظ سے اس نے صاف لفظوں میں بہت واضح انکار کیا تھا، مسز آفریدی کا رنگ واضح طور پر پھیکا پڑ گیا۔

”دیکھو بیٹے میرے گھر میں کوئی فی میل سرونٹ نہیں ہے، مجھے اندازہ ہے کہ آپ کو یہ سب اچھا نہیں لگ رہا مگر میں اپنی جوان بچی کو غیر مردوں کے حوالے بھی تو نہیں کر سکتی، پلیز بیٹے! وہ عاجزی اور دلگیری کا کچھ ایسا مظاہرہ کر رہی تھیں کہ جہاں نے ہونٹ بھیچ کر تپتی نظروں سے انہیں دیکھا تھا ایک پل کو جی تو چاہا تھا جتلا دے کہ میرے حوالے اگر بخوشی کر رہی ہیں تو مجھے اس کا محرم سمجھتی ہیں کیا؟ مگر اسے یہ بات مناسب محسوس نہیں ہوئی تھی، جہی خاموشی سے ان کی بات پہ عمل کر گیا، اس کے خیال میں اب اس کے سوا کوئی چارہ بھی نہیں تھا، اگر وہ یہاں تک ان کی مدد کر چکا تھا تو پھر اس بات پہ اڑ جانا کچھ معنی نہیں رکھتا تھا، اسے ایک مرتبہ پھر ڈالنے کو اٹھانا پڑا تھا مگر غصے اور بے بسی کے احساس سمیت دماغ کی شریانیں گویا پھٹ رہی تھیں، وہ اس قدر نزدیک تھی کہ جہاں جس قدر بھی نگاہ جراتا چاہتا یہ ممکن نہیں تھا، وہ قدرت کی صنایع کا بہترین نمونہ تھی گویا، معصومیت، جاذبیت اور دلکشی کا مکمل پیکر اس کے بے حد ریشمی سیاہ گھنے بال جہاں کے بازو سے لپٹ گئے تھے اور ریشمی پلکیں عارضوں پہ ساکن پڑی تھیں سیرھیاں چڑھ کر اس کے بیڈروم تک آتے جہاں کو کسی عجیب احساس نے گھیرا تھا، یہ احساس احساس گناہ کے سوا تھا یقیناً جس پل وہ ڈالنے کو اس کے بیڈ

تیرا اس طرح مجھے دیکھنا میری عمر کو گھٹانہ دے
تجھے علم ہے اے طبیب جاں!
تیرا پیار میری حیات ہے
میں مریض ہوں تیرے قریب کا مجھے دور جا کے دو انہ دے
یہاں سب اندھیر پرست ہیں
یہاں روشنی کی مجال کیا
یہ چراغ پھر بھی چراغ ہے
کوئی آتے جاتے بجھانہ دے

جس وقت وہ شاہ ہاؤس پہنچا، وہاں کے مکیں ناشتے کی ٹیبل پہ موجود تھے، اسے رو برو پا کے وہ
بھی غیر متوقع گویا ایک دم ہلچل سی مچ گئی تھی۔
”کیسے ہو زیاد؟“ چونکہ سب سے پہلے زیاد نے اسے دیکھا تھا جیسی اس کی جانب آ گیا، مگر
زیاد کی نگاہوں میں سرد مہری تھی نخوت تھا، وہ ہمیشہ کی طرح اس کا پر جوش استقبال کر سکا نہ تپاک
سے گلے گا۔

”لوگوں کی بے حسی اور بے اعتنائی کے باوجود اللہ کا بہت شکر ہے، سہراٹھا کر جی رہے ہیں۔“
اس کی آنکھوں کی طرح اس کا لہجہ بھی سرد تھا اور جہاں اس سرد پن کے باعث ٹھنکارہ گیا تھا، جبکہ
زیادناشتہ ادھورا چھوڑ کر وہاں سے چلا گیا تھا۔
”پاگل ہے وہ بالکل! تم اس کی بیوقوفی کی وجہ سے ٹینس مت ہونا۔“ جنید بھائی نے اٹھ کر
اسے گلے لگاتے ہوئے رسائیت اور بڑے پن سے جواب دیا تھا جہاں کے چہرے کی پھکی پڑی
رنگت پھر بھی بحال نہیں ہو سکی۔
”باقی سب کہاں ہیں؟“ جہاں نے ٹیبل پہ پپا جان پاپا اور ماما جان کے ساتھ ماما کی غیر
موجودگی کو نوٹس کرتے ہوئے سوال کیا تھا۔

”یار تم کچھ لیٹ ہو گئے ہو، چاچو اور پاپا جان ابھی کچھ دیر پہلے آفس کے لئے نکلے ہیں، چچی
جان زینب اور ماریہ کے ساتھ کچن میں ہیں، اسما بلاؤ انہیں کہو جہاں آیا ہے۔“ جنید بھائی نے اسے
بٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے ساتھ ہی بیوی کو بھی کام سے لگایا تھا، ماما اور ماما جان ہمیشہ کی طرح اسے
دیکھ کر خوشی سے کھلی نہیں تھیں، ماما جان تو اسے گلے لگاتے ہی آبدیدہ ہو کر رہ گئیں۔

”میر بچہ مہمان ہو کر رہ گیا، کبھی کبھار صورت دکھاتا ہے۔“
وہ بار بار اس کی پیشانی چوم رہی تھی، جہاں نے بڑی مشکلوں سے ان کا دھیان بٹایا، ماما کسی
قدر خاموش اور گم صم نظر آتی تھیں، وہی ان سے کچھ دیر ادھر ادھر کی باتیں کرتا رہا، اس دوران اس
نے شدتوں سے زینب کی نگاہوں کی تپش کو محسوس کیا تھا مگر اس نے خود پہ اس کی سمت دیکھنا گویا
حرام قرار دیا تھا۔

”ماما جان کچھ ایسا غلط بھی نہیں کہتی ہیں، بالکل اجنبی لگنے لگے ہیں۔“ جیسے ہی ٹیبل پہ زینب کو
اس کے ساتھ تہائی میسر آئی اس نے ناشتے میں مصروف کسی قدر ریزروڈ نظر آتے جہاں کو دیکھ کر

پہ لٹا رہا تھا اس کے جڑے سختی سے بھیجنے ہوئے تھے، مسز آفریدی اس سے کچھ توقف سے اندر داخل
ہوئی تھیں، وہ انہیں ڈالے میں مصروف چھوڑ کر تیر کی مانند وہاں سے نکلا تھا، اپنی گاڑی کو واپسی کے
راستوں پہ دوڑاتے ہوئے بھی اس کے اعصاب شدید تناؤ کا شکار تھے، وہ ابھی خود کو مکمل طور پہ
سنجھال نہیں پایا تھا جب اس کے سیل پہ زینب کی کال آنے لگی تھی، جہاں نے دوبار اس کی کال
منقطع کی تھی مگر وہ پھر بھی باز نہیں آئی تو جہاں کو اس سے بات کرنا پڑی۔
”یہ آپ جو کچھ بھی میرے ساتھ کرنے لگے ہیں بے آپ کو اس کا اندازہ ہے؟“ وہ چھوٹے
ہی اس پہ برس پڑی تھی۔

”ٹوڈی پوائنٹ بات کرو زینب پلیز!“ وہ کسی طرح بھی اعصاب کی کشیدگی پہ قابو نہیں رکھ سکا
جیسی زینب کو آگ لگ گئی تھی۔
”دس از ٹوچ بے انف!“ وہ چیخ پڑی جہاں نے ہونٹوں کو باہم بھینچا تھا۔

”اب کیا ہو گیا ہے؟“ وہ عاجز ہو گیا۔
”تیمور کی فیملی آئی تھی، مگر پپا نے انہیں صاف انکار کر دیا ہے۔“ وہ جیسے رو دینے کو تھی جہاں
کے اعصاب ایک دم اضطراب سمیٹ لائے۔
”تم نے مجھے بتایا کیوں نہیں تھا؟“ وہ بولا۔

”آپ کال اینڈ کرتے ہیں میری! کیسے بتاتی؟“ وہ پھر برسنے لگی۔
”مائی گڈ نیس!“ جہاں نے اپنی پیشانی کے بالوں کو مٹھی میں جکڑ لیا۔
”تیمور کا موڈ بے حد خراب ہے، انسلٹ ہوئی ہے ان بھلے لوگوں کی۔“
”آئی ایم ساری زینب م..... میں کچھ کرتا ہوں، تم تیمور سے کہو وہ ایک بار پھر اپنے گھر
والوں کو بھیجے۔“ وہ کوشش کے باوجود اپنا لہجہ متعادل نہیں رکھ پارہا تھا۔
”آپ نی الفور یہاں آئیں، پپا سے بات کریں بے!“ اب کے وہ بولی تو اس کا لہجہ کسی حد
تک قابو میں تھا۔

”او کے ڈونٹ یووری! میں آؤں گا۔“
”کب آئیں گے، آج ہی آئیں ابھی۔“ زینب نے ہمیشہ کی طرح دھونس زور زبردستی کا
انداز اپنایا تھا اور جہاں میں ہمیشہ کی طرح ہمت نہیں تھی کہ انکار کرتا۔
”او کے آرہا ہوں۔“ اس نے سلسلہ منقطع کیا اور اسی وقت سیٹ کنفرم کرانے کے لئے فون پہ
نمبر ڈائل کرنے لگا تھا۔

☆☆☆

تم گئے دنوں میں جو ساتھ تھے
میرے قلب و جاں کا ثبوت تھے
یہ بلا وجہ تیرا روٹھنا
میری زندگی کو مٹانہ دے
تیرے سامنے میرے ہمسفر میری دھڑکنوں کی بساط کیا

جتلانے کے انداز میں کہا تھا، جہان نے جو ابنا شتے سے ہاتھ کھینچ کر لمحہ بھر کو اسے دیکھا تھا۔
 ”اب پہلے والی بات دہنی بھی نہیں چاہیے، تم پرانی ہونے جا رہی ہو، ہمیں ہر قدم سوچ کر اٹھانا ہوگا، کیا پتہ کون سی بات تمہارے ہونے والے شوہر کو بری لگ جائے۔“ اس نے شعوری کوشش سے لہجے میں بے پروائی اور توازن کو قائم رکھا تھا، زینب نے دھیان سے اسے دیکھا۔

”بہت پرواہ ہے میرے شوہر کی؟“ وہ سلگی تھی۔
 ”تمہاری وجہ سے ہی ہے، تمہیں تو اچھی لگتی چاہیے۔“ وہ ہنوز پرسکون تھا، زینب کچھ اور سلگی۔
 ”اطلاعا مرض ہے ابھی میں یہاں اپنے باپ کے گھر پہ ہوں۔“

”کب تک؟ محض چند ماہ، جب ایک کام کرنا ہی ہے تو اسے کیوں نہ کر لیا جائے۔“ جہان نے اسے جتلا یا تھا اور کرسی گھسیٹ کر اٹھ کھڑا ہوا۔

”پھر تو تجھے بھی محتاط ہو جانا چاہیے، آپ بھی تو کسی اور کے ہو چکے ہیں، آپ کی ہونے والی بیوی کو بھی کچھ برا لگ سکتا ہے۔“ وہ چیخ گئی تھی اس کے لہجے میں کانچ کی تڑخ تھی، جہان نے گہرا سانس کھینچا تھا۔

”یہی تو سمجھانے کی کوشش کر رہا ہوں تمہیں احسن لڑکی!“ اب کے وہ دانستہ مسکرایا تھا، مقصد اسے سلگانا تھا اور وہ کامیاب رہا تھا۔

”آپ کی یہ بھول ہے، میں کسی سے خائف ہونے والی ہوں نہ دینے والی، اونہہ ہونے والی بیوی۔“ وہ تکی و نفرت سے پھنکاری، جہان نے اسے دیکھا اس کی گلابی مائل بے تحاشا سفید رنگت سرخ پڑ چکی تھی۔

”میں کچھ دنوں کو یہاں ہوں، تم کوشش کرنا، تیمور کی فیملی کو انہی دنوں دوبارہ بلوالو۔“
 ”جے میں آپ کو بتا رہی ہوں، میں ہرگز بھی آپ سے اپنی دوستی ختم نہیں کروں گی نہ میں آپ کی اس ہونے والی سے ڈرتی ہوں سبھی ہیں نا آپ، مجھے آپ کی دوستی بے حد عزیز ہے۔“
 اس نے جہان کی بات جیسے سنی ہی نہیں تھی، جہان جو جانے کے لئے قدم بڑھا چکا تھا کچھ لمحوں کو اسی زاویے پہ ساکن ہو گیا، اس نے سر جھٹکا تھا اس کے ہونٹوں پہ عجیب سی مسکراہٹ بکھر گئی تھی، جس میں غم پنہاں تھا اذیت تھی بے بسی اور اضطراب تھا، اس کے ذہن میں کبھی کی پڑھی نظم کے الفاظ تازہ ہو گئے۔

وہی عادت ہے بچوں کی
 کہ جس طرح کوئی بچہ
 کھلونا مانگتا ہے
 کھیلتا ہے
 پھینک دیتا ہے
 اسی طرح وہ مجھ سے ہی
 مجھی کو مانگتا ہے
 کھیلتا ہے

پھینک دیتا ہے
 مگر جب دوسرا کوئی
 مجھے آکر اٹھائے تو
 وہ آ کر حق جتانے ہے
 کہ یہ میرا کھلونا ہے
 اسے کیسے میں سمجھاؤں؟
 کسی سے

پیارے
 جذبوں سے
 یوں کھیلا نہیں کرتے
 مگر کیسے وہ سمجھے گا؟
 ابھی اس شخص کی شاید
 وہی عادت ہے بچوں کی
 وہ اپنی حیثیت کا یقین کر سکتا تھا، وہ پسندیدہ کھلونے سے بڑھ کر اہمیت نہیں رکھتا تھا، وہ اپنے کمرے کی جانب بڑھا تو اس کی چال کی ٹھکن اور آنکھوں کی چلن میں مزید اضافہ ہو چکا تھا۔

☆☆☆

کبھی رات بھر کے جھگڑے، کبھی چاہتوں کی باتیں
 وہی آپ ہی قصبے وہی آپ ہی کی باتیں
 وہ ملا ہے مجھ کو اکثر سر راہ چلتے چلتے
 وہی اجنبی نگاہیں وہی بے رخی کی باتیں
 نہ سمجھ سکا جہاں میں کوئی میرا درد پارو
 میرے غم کو لوگ سمجھے میری شاعری کی باتیں
 کوئی ہم کو یہ بتائے یہ جنوں نہیں تو کیا ہے
 ملیں جب بھی ہم کسی سے کریں آپ ہی کی باتیں
 میرے حال پہ وہ یونہی کچھ ایسے مسکرایا
 میں سنا رہا ہوں جیسے کسی اجنبی کو باتیں
 دھیسے سروں میں چلتے ٹیپ کی آواز کمرے کی نضا میں گونجتی تھی، سنگر کی آواز میں ایک سوز تھا
 جو دلوں کو جکڑنے کا فن رکھتا تھا، ڈالے کی آنکھیں بھیکتی چلی گئی تھیں، عجیب حالات ہوتے جا رہے
 تھے، اختیار سے باہر، اس نے کب یہ چاہا تھا یہ بات کسی پہ کھلے، اس نے تو مسز آفریدی تک سے
 چھپایا تھا اور کھلی بھی بات تو کس پہ، جہاں تک یہ، اس کا دل درد سے بوجھل ہونے لگا۔
 ”نیلما کی ایک ہی ضد تھی، مجھ سے ملو۔“
 وہ پتہ نہیں اس سے ایسی کون سی ضروری بات کرنا چاہتی تھی، مگر ڈالے اس بات سے باہر

شدید غصے میں آگئی تھی، یہ اس کا طیش اور اشتعال ہی تھا کہ اس نے فون پہ اس سے ملنے کی حامی بھر لی تھی۔

”کیا کہنا ہے تمہیں؟“

”سوئیٹ ہارٹ فون پہ نہیں کر سکتی نابات؟“

”اور میں نہیں مل سکتی ہوں تمہیں۔“ وہ صاف انکاری ہونے جا رہی تھی کہ نیلما باقاعدہ منتوں پہ اتر آئی تھی۔

”دیکھو ڈالے میری جان! بہت اہم باتیں ہیں جو میں ہر صورت تم سے شیئر کرنا چاہتی ہوں، جتنے لوگ میری جان کے دشمن ہو چکے ہیں نا، مجھے اپنی زندگی کا بالکل بھروسہ نہیں رہا۔“ اس کے لہجے میں جس قدر یاس تھی اس سے بڑھ کر مایوسی اور کرب اتر آیا تھا یہی کرب ڈالے کے دل کو پگھلانے کا باعث بنا تھا، وہ جتنی بھی خفا تھی اس سے مگر رشتہ تو خون کا تھا نا، جو کشش مارتا تھا اس کے دکھ پہ تکلیف وہ بھی محسوس کرتی تھی۔

”آپ چھوڑ دیں یہ سب کچھ پلیز!“ اس نے شاید زندگی میں پہلی بار اس سے اس انداز میں بات کی تھی مگر فرمائش ایسی تھی کہ نیلما ڈھنگ سے خوش بھی نہیں ہو پائی تھی۔

”کیسے چھوڑ دوں یہ سب کچھ اتنا آسان نہیں ہے۔“

”کیوں آسان نہیں ہے؟ دنیا میں کچھ بھی ناممکن نہیں۔“ ڈالے نے بھرپور انداز میں تردید کی تو نیلما نے ٹھنڈا سانس بھر کے بات بدلنی چاہی تھی۔

”اس بات کو چھوڑو، تم مجھے بتاؤ مجھ سے مل سکتی ہو؟“

”ہاں میں ملوں گی، میں جانا چاہوں گی، وہ کون سی مجبوریات تھیں جو تمہیں اس قدر غلط راستے پہ لے گئیں۔“ ڈالے کی آواز میں ٹوٹے کانچ کی چھین در آئی تھی۔

”تمہیں تمہاری والدہ محترمہ نے کچھ نہیں بتایا؟“ نیلما کے لہجے میں طنز یہ کاٹ اتر آئی۔

”میں تم سے سننا چاہوں گی، وہ جو سچ ہے۔“

”کیسے یقین کرو گی کہ میں نے سچ کہا یا جھوٹ؟“

”ویسے جیسے ماما کے جھوٹ کا پتہ چل گیا، زبان جھوٹ کہے تو آنکھیں انکاری ہو جایا کرتی ہیں، یہ دل کا آئینہ ہوتی ہیں اور دل ہمیشہ شفاف ہوتا ہے اگر خدا وہاں موجود ہو تو.....“ اس کا انداز ناصحانہ ہونے کے باوجود لگیری لئے ہوئے تھا، نیلما نے پہلی بار اس سے اتنی طویل بات کی تھی وہ اس کے الفاظ کی سنجیدگی اور لہجے کی گہرائی میں کھو کر رہ گئی تھی، پھر فون پہ ہی ملنے کی جگہ اور ٹائم طے ہوا تھا، جس روز ڈالے نے نیلما سے مانا تھا اس کی طبیعت صبح سے بہت خراب تھی، اس نے ٹریٹمنٹ لی تھی مگر بگڑتی کیفیت میں کچھ بہتری نہیں آسکی تھی، کوئی اور موقع ہوتا تو وہ کبھی گھر سے نکلنے کی حماقت نہیں کرتی مگر اب ایسا نہیں کیا جا سکتا تھا، جیسی اس نے اس جانب دھیان نہیں رہا تھا، بلیک بے حد نفیس سوٹ میں اس کی شفاف رنگت یوں اجلی محسوس ہو رہی تھی گویا تاریک رات میں چاند روشن ہو، سوٹ کا ہمرنگ چادر نما دیو پٹہ اس نے بہت سلیقے سے اوڑھا تھا اور مقررہ وقت سے دس منٹ پہلے ہوٹل کی لابی میں پہنچ گئی تھی، وہاں رنگ و بو کا ایک سیلاب اٹا ہوا تھا، اس نے کسی

قدر حیرانی میں مبتلا ہو کر وہاں آزاد شراب کے استعمال کو دیکھا تھا، کچھ مزید خفیہ سرگرمیاں بھی اس نے محسوس کی تھیں، جیسی وہ شیٹا کر رہ گئی تھی، فوراً ہی اس نے ٹیبل سے اٹھتے ہوئے شفاف راہداری کو پار کیا تو موڑ پہ اس کا ٹکراؤ کسی دیوہیکل آدی سے ہوتے ہوتے رہ گیا تھا۔

”اوہ ایکسکیوز میم!“ وہ اسے نظر انداز کر کے آگے بڑھی تو وہ سرعت سے اس کے پیچھے لپکا تھا، ڈالے کی گھبراہٹ دو چند ہو کر رہ گئی۔

”آپ میرے ساتھ کچھ وقت گزاریں گی؟“ وہ مسکرا کر گویا ہوا تھا ایسے میں وہ کچھ اور بھی خوفناک لگنے لگا تھا، ڈالے ایک ساتھ کئی سیڑھیاں پھلانگی تو وہ آدی اس کی گھبراہٹ دوسرا سمیگی کو دیکھ کر کچھ حیران ہوتا واپس ٹھہر گیا تھا، ڈالے لائق چہرے پہ تماشا دھڑکتے دل اور مضطرب سانسوں کے ساتھ پلٹ پلٹ کر ایسے دیکھتی سیڑھیاں اتر رہی تھی، خوف نے اس کے حواس سلب کر لئے تھے، طبیعت تو خراب ہی تھی مگر یہ پروجیکشن اس کے رہے سبے اوسان بھی خطا کر گئی تھی، آنکھوں میں بار بار اندھیرے چھٹ رہے تھے، اسی سرا سمیگی بدحواسی میں مبتلا اس کی جہان پہ نگاہ پڑی تھی، وہ اس سے کچھ فاصلے پہ تھا، ڈالے کے دل میں اسے سامنے یا کمر ذرا سی ڈھارس اتری تھی گرا سی پل جانے کیا ہوا تھا، درد کی نوکیلی پھانس اس کے وجود میں پھیلی تھی اور وہ ہوش و حواس سے بیگانہ ہو گئی تھی، اگلے کئی دن تک اس کی طبیعت نہیں سنسنہل سکی تھی، اسے اس بات کا دکھ تھا نیلما نے اسے اتنی غلط جگہ پہ کیوں بلوایا؟ یہی شکوہ اس نے نیلما سے بات ہونے پہ اس سے بھی کیا تھا جسے سن کر وہ ہنس پڑی تھی۔

”نسٹ فلور تم جیسے شریف لوگوں کے لئے ہے، میں اگر وہاں تمہارے ساتھ ہوتی اور مجھے کوئی تمہارے ساتھ دیکھ لیتا تو اگلے دن اخبار میں اتنی بڑی بڑی شہہ سرخیوں کے ساتھ تمہاری تصویریں چھپی ہوتیں، کیا تم یہ اسکینڈل انورڈ کر سکتی تھیں؟“ اور ڈالے نے اتنی سختی سے ہونٹ کاٹے تھے کہ منہ میں خون کا ذائقہ محسوس ہونے لگا تھا۔

”اس روز تم مجھ سے ملے بغیر کیوں چلی آئی تھیں؟“

”وہ جگہ اس قابل تھی کہ میں وہاں تھوڑی دیر بھی ٹھہر جاتی، دس ازناٹ فینر!“ شکوہ کرتے اس کی آواز ابھرانے لگی تھی، اس نے مزید کوئی بات کیے بغیر فون بند کر دیا تھا، مسز آفریدی نے اسے بتایا تھا جہان اسے وہاں سے لے کر آیا تھا اور اس کی جان کو ایک نئی فکر لگ گئی تھی۔

”وہ کیا سوچتے ہوں گے میرے بارے میں؟ میں کوئی غلط لڑکی ہوں؟“ اضطراب اس کے سینے میں وحشت کے احساس کے ہمراہ پہلو بدلتا تھا اور اسے بے کل کیے رکھتا، اس نے ہاتھ بڑھایا اور ٹیپ آف کر دیا، کمرے میں یکنخت خاموشی کا بسیرا ہو گیا، جیسی مسز آفریدی اندر داخل ہوئی تھیں، اس کی پیشانی سے بال ہٹا کر بوسہ لیا پھر ساڑھی کی فال درست کرتے ہوئے مسکرا کر اسے دیکھا تھا۔

”اب کیسی طبیعت ہے سوئیٹ ہارٹ!“

”سچ بیٹر!“ ڈالے نے بے دلی سے جواب دیا تھا۔

”جہان نے آج کال کی تھی مجھے پتہ ہے کیوں؟“ انہوں نے بڑے ڈرامائی انداز میں بات

کپڑا کیا تھا اور لگاؤٹ بھرے انداز میں بولی تھیں۔

”مجھے تو ایسا نہیں لگتا، مجھے یقین ہے وہ مجھ سے ایسی بات ضرور کرے گا۔“

”تو پھر آپ انکار کر دیجئے گا صاف انکار، آپ جانتی تو ہیں میں شادی نہیں کرنا چاہتی ہوں۔“ ڈالے نے بھینچے ہوئے لہجے میں کہا تھا اور ایک جھٹکے سے وہاں سے اٹھ کر چلی گئی، وہ جانتی تھی یہ بات اس طرح ختم ہو سکتی ہے، مسز آفریدی نے ضبط کی کوشش میں سرخ پڑتے چہرے کے ساتھ سختی سے ہونٹ بھینچ لئے۔

(ایسا تو ہو گا ڈالے آفریدی اور ضرور ہو گا، میں تمہیں تمہاری خوشی سے دستبردار نہیں ہونے دوں گی، زبردستی اسے تمہاری جھولی میں ڈالوں گی پھر تم اس کی اہمیت سے آگاہ ہو گی۔)

میرس کی ریٹنگ کے سہارے کھڑی ڈالے ہوا کے دوش پہ اڑتے بالوں کو کانوں کے پیچھے اڑتے ہوئے آنکھوں پر آئی می کو پلکیں چھپک چھپک کر اندر اتار رہی تھی، مسز آفریدی کی یہ بات سن کر اس کے درویش صفت دل میں بھی محبت کو پانے کی خواہش جاگ اٹھی تھی، ایسی محبت جو صرف اس کے لئے ہو، جس میں بیگانگی کا شائبہ تک نہ ہو اور بے اعتنائی کی آنچ نہ ہو، دل چاہتی تھا کہ ہاتھ پھیلاؤ اور ساری محبت سمیٹ لو، مگر وہ تشنہ تھی اور تشنہ رہنے پہ مجبور تھی، جیسی دل کے اندر دھواں بھرنے لگا تھا وہ شخص جو بے حد خاص تھا مگر اس کی آنکھوں میں محبت کا کوئی عکس بند تھا، اس کی یہ لگائی ہی تو تھی جو اسے پیچھے رہنے اور مزید پیچھے ہٹنے پہ اکسائی تھی، وہ مسز آفریدی جیسی عورت کی کسی بات پہ بہر حال آنکھیں بند کر کے یقین بھی تو نہیں کر سکتی تھی۔

☆☆☆

جس گھڑی دل کے میرے زخم نمائی ہو گی
ساری خلقت ہی مجھے دیکھنے آئی ہو گی
کیسے چپ چاپ جلا ریشمی خوابوں کا بدن
تیری نفرت نے کہیں آگ لگائی ہو گی
جسے برباد کیا پہلی محبت نے سحر
پھر اسے دوسری بھی راس نہ آئی ہو گی

جہان کف لٹکس بند کرتا ہوا اپنے دھیان میں میٹھیوں اتر کے نیچے ہال میں آیا تو سب سے پہلا سامنا زینب سے ہوا تھا، وہ نظر انداز کیے آگے بڑھ جانا چاہتا تھا کہ زینب جو اس کے راستے میں کھڑی تھی ایک دم اپنا بازو پھیلا کر گویا اس کا راستہ روکا، جہان چونکا تھا اس کی متحیر نگاہ اس کے ہاتھ سے پھسل کر سفید دودھیاء سڈول کلائی میں شعائیں بکھیرتے نازک سے برسلیٹ میں لمحہ بھر کو اٹکی تھی پھر اس کے چہرے پہ آن ٹھہری۔

”آپ کو کچھ یاد آیا؟“ اس کے خفا خفا سے انداز میں گہری چھین اور کاٹ سمٹی ہوئی تھی۔

”کیا مطلب؟ کیا یاد آنا چاہیے مجھے۔“ وہ حیران ہوا تھا اور جزبہ بھی۔

”اس برسلیٹ کو دیکھ کر بھی نہیں؟“ وہ اب کے اور جھلائی۔

”یہ برسلیٹ غالباً گولڈ کا ہے۔“ وہ خود بھی جھنجھلا گیا تھا کسی قدر خفگی سے بولا مگر زینب چیخ

کا آغاز کیا تو ڈالے جو بے زاری لیٹی ہوئی تھی چونکتے ہوئے ان کی سمت متوجہ ہوئی تھی، انداز میں بھر پور توجہ اور تجسس تھا، مسز آفریدی بھر پور انداز میں مسکرائیں، مقصد اس کی توجہ حاصل کرنا تھا۔

”تمہاری طبیعت پوچھ رہا تھا، کل بھی کال کی تھی۔“

”آپ نے انہیں بتایا تو نہیں کہ میں.....؟“ ڈالے نے مضطرب ہو کر سوال کیا تھا اگر اس ذہن فوری طور پہ اس سوال میں نہ اٹکتا تو وہ لازماً ہمیشہ کی طرح ان کی آنکھوں میں جھانک کر اس بات کی سچائی کو پرکھنے کی کوشش ضرور کرتی۔

”یا گل تھوڑی ہوں میں جو یہ بات بتاؤں، میں نے کہہ دیا۔ ٹائیفیڈ بگڑ گیا ہے۔“ ان کے جواب نے ڈالے کو ایک دم مطمئن کر دیا تھا، وہ ہرگز بھی اپنی بیماری لوگوں کو بتا کر ان کی ہمدردی نہ لگا ہوں کہسنے کی ہمت نہیں رکھتی تھی جیسی بہت کتراتی تھی اس انکشاف سے۔

”ایک بات تم نے محسوس کی ہے بیٹا؟“ انہوں نے اپنے انداز کو پرسوج اور لہجے کو رازدارانہ بنا کر پھر ادھوری بات کی ڈالے جو کسی سوچ میں گم تھی، چونک کر سوالیہ نگاہوں سے انہیں دیکھنے لگی۔

”مجھے لگتا ہے جہاں گھیر تم میں انٹرنیٹ ہے۔“ ڈالے کا دل زور سے دھڑکا اور دھڑکتا چلا گیا۔

مسز آفریدی نے اس کا سرخ پڑتا چہرہ دیکھا تھا اور بات کو جاری رکھا۔

”تم نے کچھ ایسا محسوس کیا؟ دیکھو نا اس روز وہ خود بھاگا بھاگا تمہیں چھوڑنے آیا، حالانکہ نے منع بھی کیا تھا کہ گاڑی سے تمہیں نکال کر میں خود بیڈروم تک لے جاتی ہوں، مگر مانا نہیں لگا آپ سے نہیں گر کر نہ جائیں، یہاں بیڈروم میں خود اٹھا کر تمہیں لایا، بعد میں بھی کچھ دیر تک بیٹھا رہا تھا حالانکہ میں چاہ رہی تھی وہ فوری چلا جائے تو تم جانتی ہو میں اس کے سامنے ڈاکٹر سے سے کسٹنس نہیں کر سکتی تھی۔“ ڈالے متحیر مششدر اور غیر یقینی سی بیٹھی تھی، یوں جیسے یقین نہ آ رہا ہو۔

”ہنسی بیٹے مجھے یہ بتاؤ آپ کو جہاں گھیر اچھا لگتا ہے؟“ وہ اس کی گال تھپک کر بے حد متحیر سے بولیں تو ڈالے اس نیز سے نکل کر بے حد کنفیوز نظر آنے لگی اس نے شدید اضطرابی کیفیت میں ہونٹ کچلنے شروع کیے تھے، منہ زور جذبے خواہش تھی کہ لبوں سے اظہار کو بے تاب مگر اس نے یہ پہرے بٹھا دیے تھے۔

”آپ کیوں پوچھ رہی ہیں؟“ وہ بہت دیر بعد بولی تو کس قدر جھنجھلاہٹ کا شکار تھی، جیسے خود اپنی خواہش کے آگے ہار رہی ہو اور ہارنا نہ چاہتی ہو۔

”بیٹے بتایا تو ہے مجھے جہاں گھیر کا انٹرنیٹ لگتا ہے، اگر وہ مجھ سے اس حوالے سے کچھ مجھے تمہاری رائے تو معلوم ہونی چاہیے نا۔“

”آپ کو یقیناً کوئی غلط فہمی ہوئی ہو گی مام! مجھے نہیں لگتا اس کی ثبوت آئے۔“ اس نے خفا تاخیر سے بے حد مدہم لہجے میں کہا تو مسز آفریدی کا چہرہ غصے کی سرخی سے دھک اٹھا، انہیں ساری پلاننگ ٹیل ہوئی محسوس ہوئی تو جھنجھلاہٹ اعصاب پہ قابض ہونے لگی، مگر انہوں نے

”جے یہ سلیٹ آپ نے لاسٹ ایئر مجھے برتھ ڈے پہ گفٹ کیا تھا اور آپ کا گفٹ ہی ہمیشہ سب سے ایکسپنسیو نہیں ہوا کرتا تھا آپ سب سے پہلے مجھے خود برتھ ڈے وش کیا کرتے تھے، جے آپ بدل گئے ہیں ابھی سے، ابھی سے جبکہ نہ ابھی آپ کی شادی ہوئی ہے نہ میری۔“ وہ صبح معنوں میں روہا لسی ہو گئی تھی، جہان نے ایک نگاہ اس کی چھلک پڑنے کو بے فرار نین کٹوروں کو دیکھا تھا پھر گہرا سانس بھر کے کس قدر آہستگی و نرمی سے بولا۔

”میں آج شام واپسی پہ تمہارا گفٹ لیتا آؤں گا ڈونٹ وری؟“

”صرف گفٹ جے مجھے کیا آپ سے صرف گفٹ چاہیے ہوتا ہے کیا؟“ اس کی شکایت پہ جہان نے ہونٹ بھینچ کر سلگتی نظروں سے اسے دیکھا۔

”تمہیں یاد ہے میں نے اس روز تمہیں کیا نصیحت کی تھی؟ بے وقوف لڑکی اب بچوں والی حرکتیں چھوڑ دو شادی کے بعد ان کی گنجائش بالکل ختم ہو جایا کرتی ہے۔“ کوشش کے باوجود بھی وہ اپنے لہجے میں مخی کو کھلنے سے بچا نہیں سکا تھا۔

”آپ کیا سمجھتے ہیں تیمور اتنے ٹیپکل ہوں گے؟“ جہان کے چہرے پہ واضح اضطراب پھیل گیا، دل میں موجود نارسانی کا درد جیسے اس پل انتہا کو چھو کر اس کا ضبط آزمانے پہ تل گیا۔

”یہ بات مجھے نہیں تمہیں پتہ ہونا چاہیے کہ وہ کیسا ہے، راستے سے ہٹو میں آل ریڈی لیٹ ہو گیا ہوں۔“ وہ کس قدر بے اعتنائی کا مظاہرہ کرتا ہوا کترا کر نکل گیا تھا، زینب نے پیرنچ کر دور ہوتے جہان کو دیکھا پھر سلگتی آنکھوں کے ساتھ ہونٹ بھینچ لئے، وہ اپنی کیفیت خود سمجھنے سے قاصر تھی، بس اسے جہان کا بدل جانے والا رویہ تکلیف دے رہا تھا، حالانکہ اگر وہ غور کرتی تو اس سے پہلے وہ خود بدلی تھی اور اس سے بھی پہلے اس کی راہیں بدلی تھیں، جہان کا رویہ تو اس کے عمل کا رد عمل تھا جو اسے سراسر زیادتی محسوس ہو رہا تھا، عجیب بات تھی نا، جب کسی طرح بھی وہ خود کو سنبھال نہیں سکی تو یونہی بھینچے ہوئے ہونٹوں کے ساتھ اپنے کمرے میں آگئی تھی، نیکھے چا کر اس نے کھڑکیاں کھولیں اور پردے ہٹا دیئے، سورج کی کرنیں نیم تاریک کمرے کو روشن اور ہوادار بنانے لگیں، اس نے بکھرا ہوا کمرہ سمیٹنا شروع کیا تھا، بیڈ شیٹ کی شکنیں درست کیں اور کارپٹ پہ ڈھیر کتابیں جھک کر اٹھا رہی تھی جب نوریہ نے اندر جھانکا تھا اسے موجود پا کر بے تکلفی سے اندر آ گئی۔

”آؤ مزے کرتے ہیں۔“ اس کے ہاتھ میں باؤل تھا جس میں مناسب شیپ میں کٹے ہوئے تربوز کے قتلے تھے۔

”نمک اور کالی مرچ چھڑک کر لائی ہوں اتنے مزے کے ہیں۔“ نوریہ نے ایک قاش اٹھا کر منہ میں رکھتے گویا اس کی معلومات میں اضافہ کیا، زینب کے دھیان نہ دینے پہ اس نے بھنویں اچکائی تھیں۔

”خیریت منہ کیوں سوچھا ہوا ہے؟“

”کیا تمہیں بھی میرا برتھ ڈے یاد نہیں ہے؟“ وہ اسے گھورنے لگی نوریہ نے کاندھے اچکائے

تھے۔

”کیوں یاد نہیں، برتھ ڈے ہی تو سیلبرٹ کرنے آئی ہوں۔“

”مگر جے کو یاد نہیں تھا، نوری وہ بہت بدل گئے ہیں۔“ اس نے جیسے نوریہ کے آگے جہان کی شکایت لگائی، نوریہ نے چند ثانیے اسے بغور دیکھا پھر گہرا سانس بھر کے تربوز کے ٹکڑے منہ میں رکھ کر کھانے میں مصروف ہوئی تو زینب کو تپ چڑھ گئی تھی۔

”میں بکواس کر رہی ہوں تمہارے خیال میں کیا؟“ اس کے ہاتھ سے باؤل چھینتے ہوئے وہ چیخ پڑی تھی۔

”ذہنی دس از ٹو مج، انف!“ وہ عاجز ہوئی تو زینب کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئی تھیں۔

”کیا مطلب؟ کیا کہنا چاہتی ہو؟“

”انگلش سے نا بلد لگتی تو نہیں ہو، خیر میں ٹرانسلیشن کر دیتی ہوں کہ.....“

”نوری میں جان نکال دوں گی تمہاری، انسانوں کی طرح بات کرو مجھ سے۔“ وہ آنکھیں نکال کر غرائی تو نوریہ نے سرد آہ بھری تھی۔

”وہ بدل گئے ہیں تو تمہیں کیوں شکوہ ہے تمہیں نہیں لگتا ایسا کرنے پہ تم نے انہیں مجبور کیا ہے، زینب تمہیں پرواہ کیوں ہے اب؟“

”کیا نہیں ہونی چاہیے؟“ زینب نے الٹا اس سے سوال کیا تو نوریہ عاجزی ہو گئی تھی۔

”بالکل نہیں ہونی چاہیے، ایک ایسا انسان جس کے بغیر اب زندگی اطمینان سے گزار سکتے ہوں اس کے بدل جانے سے کیا فرق پڑتا ہے زندگی کو۔“

”تم معاذ بھائی کے بغیر خوش ہو؟“ زینب کو جانے کیا سوچھی تھی اس پہ وار کر دیا تھا، نوریہ کے چہرے پہ یکلخت زرد رنگ پھیل گیا۔

”یہاں اس بات کا کیا ذکر؟“ وہ جب بولی تو اس کی آواز میں ضبط کے باوجود اضطراب در آیا تھا۔

”ذکر ہے، جیسے تمہاری زندگی میں معاذ بھائی کی اہمیت تھی ویسے ہی میرے لئے جہان ہیں اس انداز میں نہ سہی مگر اہمیت تو رکھتے ہیں نا، مجھے ان کا یہ بدلاؤ بہت تکلیف.....“ اس کی بات ادھوری رہ گئی، اس کا سیل فون زور و شور سے بجنے لگا تھا، نوریہ نے ایک نظر اس کے سیل فون کی اسکرین کو دیکھا دوسری زینب کو، وہ جہاں بیٹھی تھی سیل فون وہیں چھوٹی ٹیبل کے اوپر رکھا ہوا تھا، فون تیمور خان کا تھا، نوریہ نے کچھ کہے بغیر سیل فون اٹھا کر اس کی جانب بڑھا دیا۔

”اس بات پہ کڑھنے کی بجائے یہاں اپنا معاملہ کلیئر کرو ڈیئر! آئی تھنک مسٹر تیمور نے آپ سے انکار کی وجہ پوچھنے کی ہی کال کی ہوگی۔“

اپنی بات مکمل کر کے وہ رکی نہیں تھی اٹھ کر کمرے سے باہر نکل گئی، زینب نے گہرا سانس بھر کے کال اٹینڈ کی۔

”زینب! تیمور خان نے جیسے تعذیق چاہی تھی۔“

”جی! کیسے ہیں آپ؟“ زینب نے خود کو کپوز کرتے ہوئے گفتگو کا آغاز کیا۔

”اوہ سوری جان تیمور! وش تو تب کرتا اگر تم مجھے بتائیں خیر چھوڑو، مبارک ہو تمہیں ایسے ہزاروں جنم دن تیمور خان کی سنگت میں، آمین ثم آمین۔“ وہ اپنی بات کے اختتام پہ خود ہی محفوظ ہو کر ہنسا تو زینب گہرا سانس بھر کے رہ گئی تھی۔

☆☆☆

فاصلے ایسے بھی ہوں گے یہ کبھی سوچا نہ تھا
سامنے بیٹھا تھا میرے اور وہ میرا نہ تھا
وہ کہ خوشبو کی طرح پھیلا تھا میرے چاروں
میں اسے محسوس کر سکتا تھا چھو سکتا نہ تھا
آج اس نے دکھ بھی اپنے علیحدہ کر لئے
آج میں رویا تو میرے ساتھ وہ رویا نہ تھا

جہان نے کافی کاگ اٹھاتے ہوئے درزیدہ نگاہوں سے پہلے زینب کو پھر دیگر افراد خانہ کو دیکھا تھا، رات تیمور خان کے بابا کا پھر فون آیا تھا کہ وہ کل آرہے ہیں، پاپا تو حیران رہ گئے تھے بلکہ ماما یہ برس پڑے کہ انہوں نے تب ہی انہیں صاف منع کیوں نہ کر دیا۔
”میں کیسے صاف منع کر سکتی تھی، آپ بات کر لیجئے گا نا ان سے۔“

”بھئی آپ صاف کہہ دیں کہ اگر رشتہ کے لئے آرہے ہیں تو آنے کی ضرورت نہیں، ہاں مہمان بن کر آئیں تو سو بسم اللہ ہمارا دروازہ کھلا ہے۔“ ماما جان نے بھی دیور کی ہاں میں ہاں ملائی تھی، اس وقت ناشتے کی ٹیبل پہ یہی موضوع چھڑا ہوا تھا اور زینب کی بے چینی دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی، اس سے آخر رہا نہیں کیا تو ٹیبل کے نیچے سے جہان کے پیر پہ اپنے پاؤں سے ٹھوکر لگائی تھی، گویا اسے بولنے پہ اکسایا، وہ اسے دیکھ کر رہ گیا۔

”آپ نے انہیں بتایا نہیں کہ ہم کاسٹ سے باہر شادیاں نہیں کرتے۔“ زیاد نے سلاٹس پہ مکھن لگاتے ہوئے استفسار کیا تھا۔

”بتایا کیوں نہیں، بتایا ہے بیٹے۔“ ماما عاجز ہوئیں۔

”چاچو اگر لڑکا اچھا ہے ٹیبل اچھی ہے تو کوئی حرج بھی نہیں ہے، شریعت میں حسب اس بات کی ممانعت نہیں ہے تو پھر ایک بے بنیاد بات کی اتنی پکڑ کرنا فضول ہے۔“ جہان نے گلا کھنکار کر بات کا آغاز کیا تھا، زیاد جو کہ سلاٹس کا بائٹ لے کے چائے کاگ منہ سے لگا چکا تھا، انتہائی ناگواریت سے اس کی سمت متوجہ ہوا۔

”آپ براہ کرم اس معاملے میں انٹرفیر نہ ہوں تو بہتر ہے، یہ ہمارا بے حد ذاتی معاملہ ہے، یہ آپ ہی کا کیا دھرا ہے کہ آج ہم اس صورتحال سے دوچار ہیں۔“ وہ اس قدر اہانت آمیز انداز میں پھنکار کر بولا تھا کہ جہان تو جہان وہاں ٹیبل پہ موجود باقی سب کو بھی جسے سانپ سونگھ گیا تھا، زینب جو موضوع کو چھڑتے ہی خود اٹھ کر چلی گئی تھی بہر حال جہان کی اس تذلیل سے آگاہ نہیں ہو پائی تھی۔

”واٹ نان سنس زیاد؟ بات کرنے کا یہ کون سا طریقہ ہے۔“

”تمہارے انکار کے بعد کیسا ہو سکتا ہوں؟ زینب دس ازناٹ فینر!“
”میرے نہیں میرے گھر والوں کے انکار..... تیمور پلیز آپ ایک بار پھر بھیجنا ان لوگوں کو۔“
”اتنی انسلٹ کے باوجود، پھر کیا گارنٹی ہے کہ وہاں سے اب انکار.....“

”نہیں ہوگا انکار تیمور اور جہاں تک انسلٹ کی بات ہے اسے رہنے دیں، انسلٹ تو آپ کے ہاں میری بھی کی گئی تھی نا۔“ اس نے ایک لمحے کی تاخیر کے بغیر جتلیا تھا، تیمور خان نے سرد آہ بھری تھی۔

”اسی وجہ سے خود پہ ضبط کیے ہوئے ہوں ورنہ..... زینبی کیا میں سمجھوں کہ اس انکار کی وجہ اس توہین کا بدلہ.....“

”انف تیمور..... اتنا گرا ہوا نہ سمجھیں مجھے! میں نے کہا تو تھا کہ ہمارے ہاں کاسٹ سے باہر شادیاں نہیں کی جاتیں، یہ مرحلہ بہر حال مشکل تھا ہی۔“ غصے میں آجانے کے باوجود زینب نے وضاحت دی تھی، تیمور جو اب کچھ نہیں بولا تو زینب نے گویا اسے باقاعدہ پکارا تھا۔

”پھر اب کیا ارادہ ہے آپ کا؟“

”میں کیا چاہتا ہوں یہ تم سے ڈھکا چھپا نہیں ہے زینب شاہ! شادی تو بہر حال مجھے تم سے ہر صورت کرنی ہے اگر یہ سیدزادے نہ مانے تو اٹھا کر لے جاؤں گا تمہیں، سمجھا کیا ہے انہوں نے تیمور خان کو۔“ وہ مذاق نہیں کر رہا تھا اس کے باوجود زینب ہنس پڑی تھی۔

”اچھا فضول نہیں بولیں جے آئے ہوئے ہیں یہاں، میں نے ہی بلوایا ہے، بہتر ہوگا آپ انہی کی موجودگی میں دوبارہ ان لوگوں کو بھیج دیں، پھر وہ معاملہ ہینڈل کر لیں گے، پہلے بھی کام خراب اسی وجہ سے ہوا کہ بے یہاں نہیں تھے۔“

”اگر وہ بندہ اتنا پاورفل ہے تو تم نے اسے پہلے کیوں نہیں بلوایا، ہماری توہین تو نہ ہوتی کم از کم۔“ اس کے لہجے میں محسوس کی جانے والی چبھن تھی وہ یقیناً طنز کر رہا تھا مگر زینب کے پاس دھیان دینے کا وقت نہیں تھا۔

”کہاں ہوتے ہیں یہ جہانگیر صاحب!“

”لاہور میں بھی ہمارا کچھ بزنس ہے نا، یہ ادھر ہی آفس میں ہوتے ہیں۔“

”کب تک ہے شاہ ہاؤس میں؟“

”تین چار دن تو ہیں یہاں؟“

”او کے پھر میں بابا سے بات کرتا ہوں، کل یا پھر پرسوں امکان ہے کہ آجائیں، بہر حال میں تمہیں آگاہ کر دوں گا۔“ تیمور خان نے گفتگو سمیٹی تھی کہ زینب کو جسے کچھ یاد آ گیا۔
”تیمور آپ نے مانیڈ تو نہیں کیا؟“ جو اب تیمور خان زور سے ہنس پڑا تھا، عجیب ہنسی تھی اس کی۔

”اگر کبھی لوں تو کسی کا کیا بگڑے گا، مائی ڈیئر نی الحال کس کا یہاں کچھ نہیں بگڑے گا، سو ڈونٹ ڈری۔“ زینب نے گہرا سانس بھر کے کاندھے اچکا دیئے تھے، پھر کسی قدر خشکی سے بولی تھی۔

”آج میرا برتھ ڈے ہے تیمور آپ نے مجھے وش تک نہیں کیا۔“

”یہ ہرگز جذباتی فیصلہ نہیں ہے، نہ میں جہان کی بات کو برتر ثابت کرنا چاہ رہا ہوں سبھی آپ۔“

تیمور خان کے گھر والوں کو پاں میں جواب دیا گیا تھا اور ایک ہفتہ بعد کی تاریخ منگنی کی طے ہوئی تھی، زیادہ کورات تک یہ خبر ملی تھی تو وجہ یہی تھی کہ وہ گھریٹ پہنچا تھا، وہ دندناتا ہوا پاپا کے پاس آیا تھا اور اس فیصلے پر احتجاج کرتے ہوئے جہان کو نوقیت دینے پر اپنا غم و غصہ ظاہر کیا تھا کہ پاپا نے کس قدر سرد آواز میں جواب دیا مگر زیادہ کا غصہ اور بدگمانی پھر بھی ختم نہیں ہو سکی تھی۔

”آپ کے نظریات اور ارادے یکا یک کیسے تبدیل ہو گئے، آپ نے ہمیشہ جہان بھائی کو ہم سب پر نوقیت دی، آپ کے اس فیصلے نے تو گویا آپ کی اس بات پر مہر لگا دی ہے، پاپا مجھے آپ کا یہ فیصلہ ہرگز قبول نہیں ہے۔“

”تو نہ کرو ایکسپٹ، جاؤ کر لو جو کرنا ہے، آئی ڈونٹ کیئر۔“ انہوں نے نخوت سے کہا تھا اور زیادہ شاکڈ رہ گیا تھا، وہ کچھ دیر ساکن نظروں سے انہیں دیکھتا رہا تھا پھر کچھ دیر بغیر ایک جھٹکے سے پلٹا تھا، اس کی رنگت مارے تذلیل اور غصے کے دہک اٹھی تھی، جبکہ ادھر پاپا کے بیڈروم میں پاپا بیٹے کے درمیان ہونے والی ساری گفتگو سنیں ماما زیادہ کے تاثرات سے ایکدم خائف ہو اٹھی تھیں، جہی پاپا سے لہجہ کنیں۔

”یہ کیا طریقہ تھا بھلا بات کرنے کا، بچہ ہے اور جذباتی بھی، آپ نے اسے بدگمان کرنے میں کوئی کسر چھوڑی ہے۔“

”تو جائیے آپ جا کر محترم کی بدگمانی دور کر دیں، میرے پاس ان کاموں کی فرصت نہیں ہے۔“ ان کا اپنا موڈ سخت آف تھا، جہی بد مزگی کی انتہا کر دی، ماما نے تاسف سے انہیں دیکھا تھا۔

”سارا کام ہی خراب ہو کر رہ گیا، انجانے لوگ ہیں، میرا تو دل ڈرتا ہے، اوپر سے اس لڑکی کا مزاج اتنا نازک۔“ وہ ہول کر کہہ رہی تھیں۔

”آپ یہ ہی پڑے ہیں آپ کے سارے بچے، ایک سے بڑھ کر ایک نمونہ ہے ماشا اللہ۔“ انہوں نے انہیں بھی رگید لیا تو ماما نے شاکی نظروں سے انہیں دیکھا تھا، البتہ کچھ کہنے سے گریز کیا۔

”احسان مانیے جہان کا، بات نہیں کھلنے دی ہے، یہ آپ کی بیٹی کا کیا دھرا نہیں ہے تو اور کیا ہے کہ ہر طرف سے اسی کو زیر عتاب کیا ہے، اس پر آپ کا خیال ہے کہ میں جہان کی بات نہ مانوں؟ اونہہ اب بھی اگر میں نہ ماننا یہ بات تو مجھے یقین ہے وہ اپنے منہ سے کہتی یہ سب۔“ وہ بری طرح بھڑک اٹھے تھے، ممالب سے بیٹھی رہی تھیں، کل رات زیادہ کی طرح انہوں نے بھی کچھ ایسے ہی الفاظ میں احتجاج کیا تھا جس کے جواب میں انہوں نے خاموش مگوظن یہ نظروں سے انہیں دیکھا تھا پھر بھینچے ہوئے سرد لہجے میں بولے تھے۔

”آپ کو پتہ ہے بیگم صاحبہ جہان کے ساتھ میں نے زینب کی نسبت کیوں طے کی تھی جہان کی زینب سے محبت کی وجہ سے، یہ انکار جہان کا نہیں در پردہ زینب کا ہے، اس بات پر مجھے شک تو

سب سے پہلے پاپا سنبھلے تھے اور زیادہ کو بری طرح سے جھڑکا، انہوں نے محض لمحہ بھر کو جہان کے چہرے کو دیکھا تھا جو خفت سبکی اور ضبط کی کوشش میں دہک کر انگارہ ہو چکا تھا۔

”جہان بڑا بھائی ہے تمہارا، بی کیئر فل نیکسٹ ٹائم! معافی مانگو فوراً جہان سے۔“ ماما نے بھی ڈانٹا تھا، زیادہ ہونٹ بھینچے انہیں تلخ نظروں سے دیکھنے لگا۔

”کس بات کی معافی؟“ وہ غرایا تھا۔

”اس بات کی کہ انہوں نے ہماری اسلٹ کی ہے۔“ اب کے اس کا لہجہ نمناک ہو گیا تھا تمام ترضیبت کے باوجود۔

”زیادہ آپ بہت فضول بول چکے، میں نے کہا نا سوری کریں جہان سے، آپ کے ابجکشن بے جا ہیں، اپنی مرضی سے زندگی گزارنے اور اس کا فیصلہ کرنے کا حق یہاں سب کے پاس ہے۔“

پاپا کا لہجہ و انداز بے حد کڑا تھا، زیادہ کو بے حد بری و ناراضی سے گھور رہے تھے، زیادہ خاموش رہا، البتہ اس کے تاثرات سے تنفر اور بغاوت پھلک رہی تھی۔

”زیادہ کیا کہہ رہا ہوں میں؟ سوری کریں جہان سے، آپ چھوٹے ہیں آپ کو یہ حق بالکل نہیں کہ بڑوں سے بدتمیزی کریں۔“ اب کے پاپا کا لہجہ بلند تھا اور غصیلانہ لہجے ہوئے بھی، یوں لگتا تھا ان کے تیور دیکھ کر گراں بھی زیادہ نے ان کی بات پوری نہیں کی اور جہان سے سوری نہ کی تو ان کا ہاتھ زیادہ پر اٹھ جائے گا، جبکہ زیادہ کے تاثرات میں ہٹ دھرمی لگی اور نفرت کا احساس ہنوز تھا، جہان کے لئے یہ صورتحال بے حد تناؤ اور کشیدگی کا باعث بنی تھی، اس نے آہستگی و نرمی کے ساتھ اپنا ہاتھ پاپا کے ہاتھ پر رکھ دیا تھا، وہ چونک پڑے، زیادہ کو تنبیہی نظروں سے دیکھتی ان کی نگاہیں جہان کی سمت اٹھی تھیں اور جیسے بے بس سی ہو کر رہ گئیں کہ اس کی نظروں میں خاموش جو التجا تھی اسے وہ رد کرنے کا حوصلہ کہاں سے لاتے۔

”ٹیک اٹ ایزی چاچو! نارگیٹ اٹ، زیادہ کچھ اتنا غلط بھی نہیں کہہ رہا، اس معاملے میں مجھے بولنے کا حق نہیں ہے۔“

”بالکل صحیح کہہ رہے ہیں آپ۔“ زیادہ انہیں گھورتے ہوئے پھنکارا اور ایک جھٹکے سے کرسی گھسیٹ کر اٹھا تھا اور ماما کی تادسی پکار کو بری طرح سے نظر انداز کرتا ایک جھٹکے سے باہر نکلتا چلا گیا، مگر اس کے پیچھے ماحول میں تناؤ اور کشیدگی پھر بھی موجود رہی تھی۔

”بہت بدتمیز ہو گیا ہے یہ، میں اس کا دماغ درست کر کے رکھ دوں گا۔“ پاپا پھر کنٹرول سے کھونے لگے، جہان نے نرمی سے ان کا ہاتھ تھپکا تھا۔

”سوری چاچو مجھے شاید یہ بات نہیں کہنی چاہیے تھی۔“ وہ بے حد شرمسار سا بولا، پاپا نے اضطراب بھری نظروں سے اسے دیکھا تھا، پھر گہرا سانس بھر کے پاپا جان کی سمت دیکھ کر بولے تھے۔

”بھائی جان آج وہ لوگ آئیں تو انہیں انکار نہیں کیجئے گا، بلکہ اس رشتہ پر رضا مندی ظاہر کر دیجئے، اگر وہ لوگ شادی کی تاریخ مانگیں تب بھی۔“ انہوں نے ایسا ایک فیصلہ سنایا اور وہاں سب کو ششدر چھوڑ کر خود پلٹ کر باہر نکلتے چلے گئے تھے۔

دل کے زخموں کے دار کھٹکھٹاتے رہے
اجنبی شہر کے اجنبی راستے
میری تنہائی پر مسکراتے رہے
اندر کمرے میں اس کا سیل فون مسلسل گنگنا رہا تھا، اس نے قدموں کا رخ موڑا اور آکر معاذ
کی کال اٹینڈ کی۔

”کیسے ہو معاذ؟“ اس نے سلام کے بعد اس کی خیریت پوچھی تھی۔

”جے تم لاہور والی کوٹھی میں ہی ہونا؟“

”ہاں کیوں خیریت؟“ جہان اس غیر متوقع سوال پہ حیران رہ گیا۔

”گھر یہ ہو؟“ معاذ نے اس کا سوال نظر انداز کر کے پوچھا تھا۔

”ہاں مگر.....“

”تو ٹھیک ہے، باہر نکل کر ٹیکسی کا کرایہ دینا میرے پاس کھلا نہیں ہے۔“ اس کی بات پہ جہان

ششدر رہ گیا تھا۔

(جاری ہے)

اگست کا شمارہ ”عید نمبر“ ہے جس میں ہم نے قارئین کی دلچسپی کو مد نظر رکھتے ہوئے ایک سروے ترتیب
دیا ہے، آپ سے گزارش ہے کہ آپ اس سروے میں ضرور شرکت کریں، ہمیں دلی خوشی ہوگی۔ شکریہ

سروے کے سوالات:

۱۔ چاند رات اور عید کی تیاریوں کا احوال لکھیے، اس عید پر آپ نے عید منانے کے لئے کیا خاص

پروگرام بنایا ہے؟

۲۔ عید ہمارا مذہبی تہوار ہے کیا آپ کی زندگی میں کوئی ایسی عید آئی جس کی یاد آج بھی خوشی سے

آپ کو سرشار کر دیتی ہو؟

۳۔ ایسی کوئی خاش ریش جو عید پر آپ سے فرمائش کر کے بنوائی جاتی ہو ہمیں اس کی ترکیب لکھیں؟

۴۔ آپ کو اپنی مرضی سے عید منانے کا اختیار دیا جائے تو کیسے منائیں گے؟

۵۔ عہد کے حوالے سے کوئی شعر، نظم یا خوبصورت جملہ؟

۶۔ عید کا دن آپ کس سیاسی شخصیت کے ساتھ گزارنا چاہیں گی؟

ان سوالوں کے جوابات اس طرح بھجوائیں کہ ہمیں 10 اگست تک موصول ہو جائیں۔

پہلے بھی نہیں تھا مگر جب تیمور کا پروپوزل آیا تب اس میں بالکل کوئی شبہ نہیں رہا، اس بات کی کڑیاں
کہاں ملتی ہیں جہاں زینب شادی اٹینڈ کرنے گئی تھی، آپ کو ابھی بھی میری بات پہ یقین نہیں تو جا
کر زینب سے تصدیق کرائیں، یہ ہماری بد نصیبی ہے کہ جہان اس طرح ہمارا بیٹا نہیں بن سکا۔“ ان
کے لہجے کے یقین نے نہیں ماما کو زینب کے اطمینان اور سکون نے یقین دلایا تھا، جہان نے جب
انکار کیا تھا اگر وہ غور نہ بھی کرتیں تب بھی انہیں اچھی طرح سے یاد تھا ان دنوں زینب کے رویے
نے انہیں الجھن میں گرفتار کیے رکھا تھا، وہ خاص طور پہ ان دنوں زینب کا سکون اور اطمینان ملاحظہ
کر کے خود حیران ہوتی رہی تھیں، وہ پاپا سے اس پل نظر میں نہیں ملا سکی تھیں۔

”زیادہ کو آپ اپنے الفاظ میں سمجھا دیجئے گا، مجھے جہان سے اس کی بدتمیزی بالکل پسند نہیں
آئی، آئندہ اگر اس نے کوئی ایسی حرکت کی تو میں ہرگز کوئی لحاظ نہیں کروں گا، اس احمق لڑکے کو
حقیقت معلوم نہیں ہے، ورنہ جہان کے سامنے اکڑنے کی بجائے نظریں اٹھانے کے قابل بھی نہیں
رہتا۔“ وہ بے حد نڈھال سے ہو کر کہہ رہے تھے، زینب کی اس حرکت نے جیسے انہیں اندر سے توڑ
کر رکھ دیا تھا، گو کہ انہوں نے جہان پہ اپنی اس آگاہی کو آشکار نہیں کیا تھا، اس کے باوجود وہ
شرمندگی کے باعث اس سے نگاہ ملانے سے بھی کترانے لگے تھے۔

”آپ فکر نہ کریں، میں زیادہ کو سمجھا دوں گی، ویسے بھی جہان ماشا اللہ سے سمجھ دار بچہ ہے۔“

”ہاں یہی سمجھ دار اور ضبط اس کے نقصان کا باعث بن گیا۔“ پاپا نے مضطرب ہو کر کہا تھا، ماما
کے پاس ایسے الفاظ نہیں تھے کہ ان کا حوصلہ بڑھا سکتیں سو خاموشی میں ہی عافیت جانی تھی۔

☆☆☆

اجنبی شہر کے اجنبی راستے
میری تنہائی پر مسکراتے رہے
میں اکیلا بہت دیر چلتا رہا
تم بہت دیر تک یاد آتے رہے
اجنبی شہر کے اجنبی راستے.....

وہ بے خیال ساتھ ٹیرس پہ ٹہلتے ہوئے واقعات کے الجھاؤ میں گم ہو رہا تھا، واقعات جو بے
حد مایوس کن ہوتے جا رہے تھے، ہوا کے دوش پہ اڑتی سنگر کی پردرد آواز گویا اس کے جذبات و
احساسات کی ترجمانی کرنے لگی، وہ کل ہی واپس لاہور آ گیا تھا، زیادہ کو آتے ہوئے اس نے مسکرا
کر جب خدا حافظ کہا تھا تو زیادہ نے اسی تنگ انداز میں چہرے کا رخ پھیر لیا تھا۔

”میں منافق نہیں ہوں کہ دل میں نفرت رکھتے ہوئے آپ سے ہاتھ ملا کر دانت نکال کر گڈ
بائے کہہ دوں۔“ جہان نے ہونٹ بھینچ لئے تھے، وہ کچھ کہے بغیر کوئی وضاحت دیئے بغیر چلا آیا تھا
اور یہی اس نے سچ کہا تھا۔

کل کچھ ایسا ہوا میں بہت تھک گیا
اس لئے سن کے بھی ان سنی کر گیا
کتنی یادوں کے بھٹکے ہوئے کارواں

فریحی خبریں

◇◇◇ ام مریم ◇◇◇

دسویں قسط کا خلاصہ

جہان کے لئے، زینب سے دسبرداری کا مرحلہ جان لیوا ثابت ہو رہا ہے، ایسی ہی کیفیت میں ایک بار پھر اس کا سامنا ڈالے سے ہوتا ہے، جس کی بے ہوشی کی صورت جہان کو اسے اس کے گھریلے اپنی گاڑی میں چھوڑنا پڑتا ہے تو اس کی وجہ سزا فریدی بھی ہیں جو جہان کو اس کام پہ مجبور کرتی ہیں، سزا فریدی جہان کے حوالے سے جھوٹی سچی داستانیں ڈالے کو سنا کر ڈالے کو جہان کی طرف راغب کرنے کی کوشش میں مصروف ہیں مگر ڈالے چونکہ ان پہ اعتماد نہیں رکھتی جیسی مشکوک رہتی ہے۔

زینب، جہان کو بتاتی ہے کہ تیمور کے گھر والوں کو رشتہ سے انکار کر دیا گیا ہے، وہ تیمور کو شاہ ہاؤس لوٹنے اور اس معاملے کو سنبھالنے کا کہتی ہے، جہان انکار نہیں کر پاتا، مگر وہاں اس موضوع پہ بات کرنے سے زیادہ اس بات کو انا کا مسئلہ بنا لیتا ہے، پاپا زیاد کی بات کو سرے سے اہمیت نہیں دیتے اور زینب کے رشتے کے لئے تیمور کے گھر والوں کو ہاں کہہ دیتے ہیں جس پہ زیاد جہان کے ساتھ ساتھ پاپا سے بھی خفا ہو جاتا ہے۔

معاذ، جہان کو فون کر کے اپنے پاکستان آنے کی اطلاع دیتا ہے جہان اس بات کو سن کر چکرا کر رہ جاتا ہے۔

گیا ہوریں قسط

اب آپ آگے پڑھیے



جہان بھونچکا رہ گیا تھا، اس نے کمرے سے میز پر آ کر کوشی کی بیرونی دیوار کے پار نگاہ کی تو معاذ اسے گیٹ کے سامنے ٹیکسی سے اپنا سامان نکالتا نظر آ گیا تھا، بلیک ٹوپیس سوٹ میں اس کی دراز قامت اور غضب کی اسمارٹنس لئے شاندار سراپا بے حد نمایاں تھا، وہ سرعت سے پلٹا تھا اور سیڑھیاں اتر کر تیز قدموں سے چلتا ہوا گیٹ کی سمت آ گیا۔

”معاذ..... تم؟ خیریت ہے ناسب؟“ وہ ہکا بکا اس سے سوال جواب کرنے کھڑا ہو گیا تھا، اس سے ماننا تک بھلا کر۔

”اگر خیریت ہوتی تو اس طرح افراتفری میں کیوں آتا۔“ اس نے کراہیہ ادا کر کے والٹ جیب میں رکھتے ہوئے لمحہ بھر کو جہان کو دیکھا اور وراج میں کو اپنا بیگ اٹھانے کا اشارہ کرتا گیٹ سے اندر داخل ہو گیا۔

”مجھے بتاؤ معاذ! ورنہ میں پاگل ہو جاؤں گا۔“ جہان بھاگ اس کے پیچھے آیا تھا اور اس کا بازو پکڑ کر روکا۔

”اتنی ایمر جنسی کی وجہ سمجھ میں نہیں آتی، بھابھی کو رخصت کرانے کا تو ارادہ نہیں؟“ معاذ نے اس شگفتہ مزاجی کے جواب میں اسے سنجیدگی و متانت اور کسی حد تک خفگی کی نگاہ سے دیکھا تھا۔

”تمہیں رخصت کرانے کے لئے آیا ہوں فی الحال، تم میرے ساتھ شاہ ہاؤس چل رہے ہو۔“ جہان نے ٹھٹھک کر اس کی شکل دیکھی تھی، پھر گہرا سانس بھر کے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا، وہ دونوں چلتے ہوئے ہال کمرے میں آگئے تھے، جہان نے خانساماں کو پکار کر چائے کا کہا تھا ساتھ ہی کھانے پر اہتمام کرنے کی تاکید کر رہا تھا جب معاذ نے ٹوک دیا۔

”اس کی ضرورت نہیں ہے جے! میں یہاں رکنے کو نہیں آیا ہوں، تم میرے ساتھ چلو بس۔“

”وائے جب تک تم مجھے وجہ نہیں بتاتے میں کیسے احمقوں کی طرح اٹھ کر تمہارے ساتھ چل پڑو، ہے کوئی بات کرنے کی۔“ اب کے جہان کا لہجہ صرف کڑا نہیں تھا کسی حد تک تلخی بھی سموئے ہوئے تھا یہی وجہ تھی کہ معاذ کا غصہ عود کر آیا تھا، آنکھیں شدت غمیض سے دہک اٹھیں۔

”تم کیا سمجھتے ہو تم مجھ سے اس طرح روڈ لی بات کرو گے اور میں دب جاؤں گا یا پیچھے ہٹ جاؤں گا تو یہ تمہاری غلطی ہے، جے! میں کسی بھی صورت تمہیں یہ حماقت نہیں کرنے دوں گا جو تم کرنے جا رہے ہو، اس بات کا اندازہ تمہیں اس طرح بھی لگانا چاہئے کہ میں اپنے ایکزیم کی پرواہ کیے بغیر یہاں چلا آیا ہوں، میں ایک طوفان برپا کر دوں گا جے مگر زینب کی شادی تمہارے علاوہ کسی اور سے نہیں ہونے دوں گا، سنا تم نے؟“ وہ چیخ اٹھا تھا اتنی شدت سے اتنے اشتعال سے کہ جہان کو اپنے کانوں کے پردے بھٹتے ہوئے محسوس ہونے لگے، مگر معاذ کی بات نے اس کے چہرے پر بے اعتنائی اور سختی بکھیر دی تھی۔

”تم کون ہوتے ہوں مجھ پہ زور زبردستی کرنے والے، میں اپنی مرضی کا مالک ہوں ماسٹڈ اٹ۔“ وہ شفر سے بولا تھا، وہ بنا بنایا کام معاذ کی جذباتیت کی نذر نہیں کر سکتا تھا اس کے باوجود کہ یہ لمحات بہت کڑے تھے، اس کے باوجود کہ معاذ کے سامنے خود کو کمپوزڈ ظاہر کرنا بہت مشکل تھا مگر یہ اپنا محبت اور بھرم کی جنگ تھی، اگر کسی کی محبت بچانا تھی تو اپنی انا اور بھرم کو بھی۔

”شٹ اپ جے جسٹ شٹ اپ! میں جانتا ہوں تم زینب سے محبت کرتے ہو، یہ سب کیوں ہوا کس وجہ سے ہو میں اس بحث میں نہیں پڑنا چاہتا، مجھے صرف اتنا پتہ ہے کہ میں نے تمہیں بچانا ہے عمر بھر کی بریادی سے محبت کی بقا ضروری ہے جے!“ اب کے اس کے لہجے میں اشتعال کی بجائے لاچارگی تھی، جہان نے بھیچنے ہوئے ہونٹوں کے ساتھ اسے دیکھا اور پھر زہر خند سے ہنس پڑا۔

”تمہارا اندازہ غلط تھا معاذ! میں نے اس وقت تمہاری غلط فہمی دور کرنی تھی مگر موقع نہیں مل سکا۔“ معاذ نے اس وضاحت پہ تھم کر تیز ہوتے تنفس کے ساتھ اسے دیکھا تھا اور اس کی آنکھوں میں جھانک کر تنک کر بولا تھا۔

”میں نے کہا نا جے! تم مجھ سے جھوٹ نہیں بول سکتے، کیوں کر رہے ہو ایسا؟“ زینب نے فورس کیا ہے تمہیں؟“ اور جہان تھرا کر رہ گیا تھا، اس کے بے ساختہ نظریں چرا جانے پہ معاذ نے کسی کرب میں مبتلا ہو کر اسے دیکھا تھا۔

”مجھے پتہ تھا یہی بات ہو سکتی ہے، ورنہ تمہیں سکری فائز یہ اور کوئی مجبور نہیں کر سکتا۔“ میں زینب کو شوٹ کر سکتا ہوں مگر اسے یہ حماقت نہیں کرنے دوں گا، وہ پھر ضبط کھو کر چیخنے لگا، جہان پھینکی ہنسی ہنسا تھا۔

”تم بہت بے وقوف ہو معاذ! مفروضے گھڑ رہے ہو میں نے کہا نا.....“

”انف جے پلیز انف! اگر تم نے سچ نہ اگلا تو یاد رکھنا میں ابھی اسی وقت اس لڑکی کو طلاق دے دوں گا جس سے مجھے رتی برابر بھی دلچسپی نہیں ہے، سنا تم نے؟ بہت ہمدردی ہے نا تمہیں اس سے؟“ جہان نے ٹھٹھک کر غیر یقین نظروں سے اسے دیکھا تھا اور جیسے ایک دم ہمتیں ہار گیا، وہ اگر اس کی جنونی حرکتوں سے واقف نہ ہوتا تو اس انداز میں خائف نہیں ہو سکتا تھا۔

”حقیقت جان کر کیا کر لو گے تم، یہ تو طے ہے معاذ حسن کہ ہو گا وہی جو زینب کی خواہش ہے۔“

”تو یہ زینب کی ایما پہ ہو رہا ہے۔“ معاذ نے بے حد ہرٹ ہو کر اسے دیکھا تھا جہان نظریں چرا گیا۔

”میں کسی قیمت پر اسے ایسا نہیں کرنے دوں گا جان سے مار سکتا ہوں مگر.....“

”معاذ محبتوں میں زبردستی اور چھینا جھپٹی نہیں ہونی، پھر میں کون سا اس کے عشق میں مبتلا تھا کہ اس سے پھڑا تو مر جاؤں گا۔“ وہ زہر خند سے ہنسا تھا، معاذ ہونٹ بھیچنے سلکتی نظروں سے اسے دیکھے گیا، پھر کچھ کہے بغیر ایک دم اس کے گلے لگ گیا تھا۔

”کسی سے پھڑا کر کوئی نہیں مرتا جانتا ہوں مگر جے جینے کا انداز بدل جاتا ہے۔“ اس کی آواز بے حد بوجھل ہو کر رہ گئی تھی، جہان نے خود کو پل صراط پہ محسوس کیا تھا۔

”کیا ملا تمہیں معاذ یہ سب کر کے، میں نے کہا تھا نا بٹا ہو غم چھپائے ہوئے غم سے زیادہ تکلیف دہ ہوتا ہے۔“ وہ جیسے سکا تھا اور اس کے شانے سے اپنی بیسگی نم آنکھوں کو گرگڑا جن میں بلا کی تمازت اور حد میں سمٹ آئی تھیں، بالآخر وہ ٹوٹ گیا تھا، بکھر گیا تھا، شاید وہ معاذ سے یہ بات

نہیں چھپا سکتا تھا۔

”تم خود برے بن گئے ہو جے یہ کہاں کی محبت ہے اور کیسی؟ تمہارے ساتھ سراسر زیادتی ہو رہی ہے جو مجھے بہر حال پسند نہیں۔“ جی بھر کے کڑھنے کے بعد وہ پھر سے مشتعل ہونے لگا۔

”تم ایسا کچھ نہیں کرو گے معاذ! پلیز مجھ سے پر اس کرو کہ تم اس بنے ہوئے کھیل کو ہرگز نہیں بگاڑو گے۔“ جہان اس سے الگ ہوا تھا اور اس کا چہرہ ہاتھوں میں تھام لیا۔

”میں تم سے کوئی فضول عہد نہیں کر سکتا، تم پاگل ہو، خود کو برباد کرنے یہ تلے ہو۔“ وہ اس کے ہاتھ جھٹک کر بے حد غصیلے انداز میں پھنکارا جہان نے عاجز ہو کر اسے دیکھا تھا۔

”اسے نصیب کا لکھا سمجھ کر قبول کیا جا سکتا ہے معاذ!“

”آئی تھینک تم نے اپنا نصیب خود بگاڑنے میں کسر نہیں چھوڑی۔“ وہ برہم ہوا۔

”معاذ میں زینب کے ساتھ کسی طرح بھی زبردستی نہیں کر سکتا، میں صرف اس کی خوشی چاہتا ہوں۔“

”یہ کیسی محبت ہے؟“ معاذ کو اس کی بات سے اختلاف ہوا تو جہان زخمی انداز میں مسکرایا تھا۔

”یہی محبت ہے؟“ اس کا لہجہ پر زور تھا، معاذ نے زور سے سر جھٹکا۔

”میرے نزدیک یہ محض حماقت ہے۔“ اس کے تقصیر پہ جہان نے گہرا سانس بھرا تھا، پھر وہ اگلے تیس منٹ مسلسل اسے قائل کرنے کی کوشش میں لگا رہا تھا کہ وہ زینب تو کیا کسی سے بھی اس

حوالے سے کوئی بات نہیں کرے گا، مشکل سے سہی مگر وہ معاذ کو منانے میں کامیاب رہا تھا مگر اس طرح کہ معاذ کا موڈ بری طرح سے خراب ہو گیا تھا۔

”میں جائے نہیں پیوں گا، رہنے دو۔“ وہ خفا خفا سا بولا۔

”کھانا منگواؤں؟“ جہان نے رسائیت سے پوچھا، وہ اس کا موڈ بحال کرنا چاہ رہا تھا۔

”مجھے زہر منگوا دو، اسے پھانک لوں، پھر شوق سے ساری دنیا کے لئے قربانیاں دیتے پھرنا۔“ وہ انتہائی بد مزاجی سے بولا اور دھپ دھپ کرتا ہوا اٹھ کر اس کے بیڈروم میں چلا گیا تھا،

جہان وہیں سر تھامے بیٹھا رہا۔

عشق تجھ سے برا نہیں کوئی

ہر بھلے کو برباد کیا تو نے

☆☆☆

لفظ محدود ہیں میرے
سوچتا ہوں کہ اپنی ہر اوجھن
زندگی کے سفر کی ساری تھکن
اپنے دکھ کی تمام تصویریں
ہجر کے غم کی ساری زنجیریں
اپنی تنہائیوں کے اشکوں کو
اتنا لکھوں کہ داستاں کردوں

ہاں مگر ہے یہ مجبوری

لفظ تھوڑے ہیں زخم زیادہ ہیں

جہان مضطرب سائیرس پہ ٹھہل رہا تھا، ہونٹوں کے درمیان سلگتا ہوا سگریٹ تھا، اس کے

اضطراب کی گویا کوئی حد نہیں تھی، وہ جانتا تھا معاذ پہ ایک نہ ایک دن اسے کھلنا ہے کہ ان کی کوئی بھی

بات ایک دوسرے سے کبھی پوشیدہ نہیں رہی تھی اس کے باوجود کہ وہ رکھنا چاہیں بھی تو، اتنا ہی

جانتے اور سمجھتے تھے وہ دونوں ایک دوسرے کو یہی وجہ تھی کہ اس کے بنا کہے ہی معاذ نے اس کے

کرب کو محسوس کیا تھا اور اپنا کیرئیر داؤ پہ لگا کر چلا آیا تھا، جہان نے اسے سب اتنی جلدی معلوم ہو

جانے یہ دل کو بوجھل اور افسردہ محسوس کر رہا تھا، ان لایعنی سوچوں سے چونکانے کا باعث ملازم کی

مداخلت تھی، جو اس کا سیل فون لئے اس کی تلاش میں ٹیرس پہ آیا تھا۔

”صاحب آپ کا فون آرہا ہے۔“ جہان نے چونکتے ہوئے پہلے اسے پھر سیل فون کو دیکھا،

اسکرین پہ نام نہیں ہند سے جل بھج رہے تھے، اس نے سیل لیا اور ایک لمحے کے توقف سے کال

ڈسکنکٹ کر دی، پھر اس نے سیل فون کو سوئیچ آف کیا تھا اور کوٹ کی جیب میں لا پرواہی سے ڈال

دیا۔

”صاحب کھانا لگاؤں؟“ ملازم کے استفسار پہ اس نے خالی نظروں سے اس دیکھا تھا پھر سر کو

نچی میں جنبش دینے لگا۔

”معاذ اپنے کمرے سے نہیں نکلا ابھی تک؟“

”نہیں صاحب! شاید وہ سو رہے ہیں۔“

”اد کے تم جاؤ۔“ جہان نے اس سے فارغ کیا پھر ادھ جلا سگریٹ پھینک کر جوتے سے

اسے مسلا اور خود پلٹ کر معاذ کے کمرے کی جانب آگیا، دروازہ بند تھا اور کمرائیم تاریک معاذ بستر

پہ اوندھا لیٹا ہوا تھا کان سے فون لگا ہوا تھا، جہان خاموشی سے اس کے فارغ ہونے کا انتظار کرنے

لگا۔

”کب کے کفرم ہوئے تمہارے نکلس؟“ معاذ نے سیل رکھا تھا اور پھر سے تکیے میں سر گھسیڑ

لیا تھا جب جہان اس کے پاس آکر آہستگی سے بولا تھا۔

”کوشش کر رہا ہوں کل صبح کی فلائیٹ مل جائے۔“ معاذ نے اس کی موجودگی کو محسوس کر کے

چونکتے ہوئے مگر جیسے بادل نا خواستہ جواب دیا تھا، جہان متحیر ہو کر اسے دیکھنے لگا۔

”کیا مطلب! تم شاہ ہاؤس نہیں جاؤ گے؟ کسی سے لوگے نہیں؟“

”ضرور ملتا اگر تم میری بات مان لیتے۔“ معاذ نے اٹھ کر بیٹھتے ہوئے کس قدر زور ٹھٹھے پن

سے جواب دیا تو جہان کے چہرے پہ ایک سایہ آکر گزر گیا، معاذ نے کچھ دیر تک اس کی جانب

سے جواب کا انتظار کیا تھا پھر جھلا کر متوجہ ہوا تو اسے ہونٹ چھینچے سر جھکائے جیسے خود اپنے ضبط سے

نبرد آزما کر جیسے نئے سرے سے اذیت کا شکار ہونے لگا تھا۔

”کچھ تو بولو؟“

”معاذ کیا بہتر نہیں ہوگا کہ ہمارے درمیان یہ موضوع کبھی زیر بحث نہ آئے۔“ اس مرتبہ معاذ

کو جب لگی تھی، جہان نے کچھ لمبے وقفے کیا تھا پھر اس کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر محبت نرمی اور آہستگی سے تھپتھپائے تھے۔

”میری فکر مت کرو معاذ مجھے اپنا نقصان کر کے بھی جینے کے ڈھنگ آتے ہیں، یہ دکھ اس صورت میں کرنا ہوتا اگر وہ جان گئی ہوتی، میں اپنی انسلٹ سے بچ گیا ہوں یہ کم تو نہیں ہے، میں نے کہا نا محبت میں زبردستی ہوتی ہے نہ چھینا جھپٹی.....“

”میں تمہاری اس منطق سے متفق نہیں ہوں بے سوری میری اپنی الگ سوچ ہے میں زبردستی کا قائل نہیں مگر اپنے ساتھ مجھے پاپا کی منتخب کردہ لڑکی پسند نہیں تو صاف کہہ دیا، یار شادی زندگی میں ایک مرتبہ ہونی ہوتی ہے پاپا کی زبردستی کی وجہ سے مجھے اب دو مرتبہ کرنی پڑے گی تو لوگ برا مجھ نہیں گے پاپا کی غلطی کوئی نہیں نکالے گا مگر آئی ڈونٹ کیئر!“ وہ بے حد غصے میں آ کر بولنے لگا تو جہان کے چہرے پر بھولی بھٹی مسکراہٹ لمحہ بھر کو آ کے ٹھہری تھی۔

”ٹھیک ہے تم کر لینا دوسری شادی، تمہیں کوئی برا نہیں کہے گا۔“ اس جواب پہ معاذ نے غیر یقین نظروں سے اسے دیکھا پھر کاندھے اچکا دیئے تھے۔

”تم کل کی بجائے پرسوں کی فلائٹ سے چلے جانا معاذ! اب آئے ہو تو گھر والوں سے مل کر جاؤ یار انہیں پتہ چلے گا تو کتنا ہرٹ ہوں گے وہ لوگ؟“

”انہیں ملنے کا مطلب ہے زہب کا سامنا اور گر میں اسے ملا تو یاد رکھنا ہے وہ ضبط چھلک جائے گا جو میں نے تمہاری وجہ سے کیا ہے فی الحال میں اس کی شکل دیکھنا بھی پسند نہیں کروں گا۔“ وہ ایک بار پھر ہتھ سے اکھڑنے لگا تو جہان کو کپیر و ماز کرنا پڑا۔

”او کے فائن! پھر میں کسی کو نہیں بتاؤں گا کہ تم یہاں آئے تھے۔“

”ہاں تمہارے اپنے حق میں بھی یہی بہتر ہے۔“ معاذ نے جواباً سرد آہ بھر کے کہا تو جہان نے ایک بار پھر ہونٹ بھیج لئے تھے اور کچھ کہے بغیر وہاں سے اٹھ کر چلا گیا۔

☆☆☆

سوگوار لہجے میں پیڑ خشک بیٹوں سے

کہہ رہے ہیں پت جھڑ ہے دوریاں مقدر ہیں

اس کے خیالات بے ربط ہو رہے تھے، الجھے ہوئے گنجلک سروں کا وہ ایک کونہ پکڑتی تو دوسرا ہاتھ سے چھوٹ جاتا، اس کے کمرے میں پڑے الیکٹریک کیبل میں کافی کا پانی ابل رہا تھا، مگر وہ بے دھیان تھی، اس کی فائل میں لگی اسائنمنٹ ادھوری تھی اور اس کی توجہ کی طالب مگر اسے خیال تک نہ رہا تھا۔

”لڑکی کسی کے خیالوں میں گم ہو؟“

”دانیال اسد کے؟“ ثناء اس کے قریب آ کر زور سے چیخی وہ تب ہڑبڑا گئی تھی اور توجہ کیبل کے پینڈے میں خشک ہوتے پانی پہ جا پڑی مگر ثناء کی بات نے اس کی صبح پیشانی پہ ناگواری کی شکن بھی پیدا کی تھی۔

”میرا دماغ خراب نہیں ہے ابھی۔“ اس نے بے حد رکھائی سے کہا اور کافی کے خشک بھورے

سفوف پر ابلتا پانی ایک دھار سے گرانے لگی، ثناء نے اس کے انداز کی اکتاہٹ اور نئی کوچونک کر مگر گہری نگاہ سے دیکھا تھا۔

”اس کے باوجود کہ وہ بہت ہنڈسم ہے؟“

”تو ہوا کرے۔“ وہ اسی ناگواری س بولی تھی، ثناء نے گہرا سانس کھینچا اور جیسے تائیداً سر ہلایا۔

”ہاں بھی تم کہہ سکتی ہو، خود جو بے شاندار دلکش اور پریٹی ہو۔“

”ایک ہم ہیں کوئی پوچھتا بھی نہیں۔“ اس کے لہجے میں مصنوعی حسرت تھی پر نیاں نے اس کی

بات کا دھیان نہیں دیا اس کی پرسوج نگاہیں لگ کے کنارے آٹھرنے والے میٹھے جھاگوں پہ مرکوز تھیں۔

”یار وہ تم میں انٹرنلڈ ہے اور سنیر بھی لگتا ہے۔“

ثناء کا انداز قائل کرنے والا تھا، پر نیاں نے ان سنی کی تھی اور ایک ہاتھ میں نم ہوتا بھاب اڑاتا لگ تھا مگر کھڑکی میں آن رکی، ہوشل کے کمرے کی عمارت کے پچھوڑے کھلنے والی اس کھڑکی سے شہر کراچی کی زندگی متحرک تھی، گول گھماؤ والے چوک کے اوپر ایستادہ جیو میٹریکل ڈیزائن کا خوبصورت نقش سیمنٹ کے دائرے کو گھیرے میں لئے ہوئے تھا، وہ بے خیال سا کن کھڑی رہی کتنی دیر گزری مگر اس نے ایک گھونٹ بھی نہیں بھرا تھا، فضا میں کچھ دیر پہلے پھیلی کافی کی سوندھی باس اب بجھ کر رہ گئی تھی، مرغولوں کی شکل میں لگ سے اٹھتے بھاپ کے تگلیے جھونکے فضا میں تحلیل ہو کر غائب ہو چکے تھے، تو ایک اضطراب اس کے ذہن میں کل کا وہ واقعہ پھر سے رسپیڈ ہونے لگا۔

”دانیال سحر!“ جو مائیگر ہو بیٹ کر اس کالج میں آیا تھا بے حد وجہہ اسی قدر امپریو بیک گراؤنڈ اس کی شخصیت کے چارم سے زیادہ اس کی کشش کا باعث اس کی بے حد شاندار ڈریسنگ اور آئے دن بدلنے والی گاڑی کا ماڈل تھا، پوری جامعہ میں اس وقت وہ مقناطیسی کشش کا حامل تھا لڑکیاں تو لڑکیاں لڑ کے بھی اس سے دوستی کے خواہاں تھے مگر اس کی نگاہ انتخاب پر نیاں پہ آ کر ٹھہری تھی تو شاید وجہ صرف اس کی دلکشی اور جاذبیت ہی نہیں تھی اس کا لیا دیا انداز اس کی وہ نظر اندازی تھی جو بلاشبہ پر نیاں نے بالخصوص اس کے لئے نہیں اپنائی تھی اس کا مزاج ہی ایسا تھا وہ صنف مخالف سے خاص طور پہ فاصلے سے ملنے کی قائل تھی وہ بھی بے حد ضرورت کے موقع پہ ورنہ وہ ہمیشہ محتاط رویہ اپنائے رکھتی اور مرد کی فطرت سے وہ ہمیشہ رسائی سے باہر شے کی جانب مچلتا ہے، دانیال کے لئے بھی پر نیاں بے حد کشش کا باعث ٹھہری تھی، وہ اس سے محبت کا دعوے دار تھا کل اتفاقاً جب کینٹین میں پر نیاں اکیلی تھی تو وہ اس کے پاس آدھکا تھا اور اپنی محبت کا یقین دلانے کی کوشش کرتے ہوئے اس کو پروپوز کر ڈالا، پر نیاں کے توجیح معنوں میں پسینے چھوٹ گئے تھے وہ اس کی پوری بات سنے بغیر وہاں سے بھاگ آئی تھی مگر اب کالج جانے سے اسی وجہ سے خائف تھی کہ اسے دانیال کا سامنا دشوار لگ رہا تھا، اس افتاد نے صحیح معنوں میں اسے روہانسا کر ڈالا تھا، وہ خود کو بے حد تنہا محسوس کرنے لگی تھی، اسے قطعی سمجھ نہیں آ رہی تھی اس قسم کی صورتحال میں اسے کیا کرنا چاہیے۔“ اس کے خیالات ایک چھنا کے سے ٹوٹے تھے، اس نے گردن موڑ کر دیکھا اس کے بستر کے سرہانے پڑا سیل فون ایک تسلسل سے بجتا جا رہا تھا، اس نے بے پروائی سے اسے دیکھا

ایک بار دو بار تیسری بار جب بیل اسی تو اتر سے ہوتی چلی گئی تو ثناء جو باہر میسر پہ کتاب پکڑے پڑھنے میں مصروف تھی جھلا کر اندر آئی۔

”یار کیا مصیبت ہے، بند کر دو اسے اگر بات نہیں کرنی۔“

فون کرنے والا یقیناً ڈھیٹ اور مستقل مزاج واقع ہوا تھا، پر نیاں نے کچھ کہے بغیر سیل فون اٹھا لیا، کوئی نیا نمبر تھا، کیونکہ اسکرین پہ نام نہیں ہند سے جگمگا رہے تھے اس نے گہرا سانس بھر کے کال ریسیو کی۔

”کیسی ہو پر نیاں؟ کہیں باہر تھیں کیا؟“

”کون ہو تم؟“ اس درجہ بے تکلف لہجے پر وہ بھونچکی رہ گئی تھی جو اب اس کا مخاطب جیسے ہرٹ ہوا تھا۔

”آپ نے پہنچا نہیں مجھے؟ دانیال بات کر رہا ہوں، کل آپ نے میری بات کا جواب بھی نہیں دیا۔“ اس نے شاکی ہو کر کہا تھا، پر نیاں کا چہرہ غصے سے سرخ پڑنے لگا۔

”مسٹر دانیال جواب اس بات کا دیا جاتا ہے جسے کوئی سننا پسند کرے سمجھے ہیں آپ؟“ وہ چیخ کر بولی تھی، گویا جتنا غصہ تھا سب کا سب نکال دیا، دوسری جانب دانیال شاکڈ ہوا۔

”کیا مطلب ہے آپ کا؟ میں آپ کو.....“

”خاموش ہو جائیں آپ! مجھے آپ کی کوئی بات نہیں سنی۔“ پر نیاں نے بری طرح ڈانٹا تھا، اسے دانیال کی جراتیں بے حدیش میں مبتلا کر رہی تھیں۔

”کیوں نہیں سنی؟ آپ کو ایک بات بتا دوں میں مس پر نیاں آپ مجھے پسند آئی ہیں اور

دانیال اسد کو جو چیز پسند آئے وہ اسی کی ہوتی ہے، میرے ڈیڈ مسٹر ہیں، میں چاہوں تو کھڑے کھڑے اس پورے شہر کراچی کو خرید سکتا ہوں، آپ نے مجھے سمجھا کیا ہے آخر؟“ وہ شرافت کا جامہ اتار کر اپنی اصلیت پہ آگیا تھا، پر نیاں کی رنگت شدت ضبط سے دہک اٹھی کچھ کہے بغیر اس نے پہلے کال ڈراپ کی تھی پھر سیل فون کو سوچ آف کیا، اس کے اندر کا اضطراب یکنخت بڑھ گیا، بے

پنی کے شدید احساس نے آنکھوں کو گیلیا کر دیا تھا، جتنی بھی بہادر شو کرتی تھی وہ خود کو مگر بہر حال لڑکی تھی، کمزور دل کمزور اعصاب اور جلدی خائف ہو جانے والی، اس کا دل بہت دیر تک سہمے ہوئے

انداز میں رک رک کر دھڑکتا رہا، اسے لطمی سمجھ نہیں آسکی تھی اسے کیا کرنا چاہیے، دانیال جیسے آدمی سے وہ کسی اچھائی کی توقع نہیں رکھ سکتی تھی۔

”کیا مجھے پتا سے بات کرنی چاہیے؟“ ٹہلتے ٹہلتے رک کر اس نے اضطراب بھری سوچ سوچی۔

”نہیں وہ بہت پریشان ہو جائیں گے اور شاید مجھے کالج سے اٹھالیں، شاہ ہاؤس لے جائیں۔“ جو بہر حال گوارا نہیں تھا اسے۔

اس نے خود ہی اپنی سوچ کو رد کیا، معا سے جہان کا خیال آیا تھا، دوستانہ مسکراہٹ اور اپنائیت آمیز تاثرات کا مالک وہ تھا اس قابل کہ وہ اس پہ بھروسہ کر سکتی، اس نے محض لمحہ بھر کو کچھ سوچا تھا گلے لمحے وہ اس کا نمبر ڈائل کر رہی تھی، کھڑکی کے پار ٹریفک کا ازدحام ہنوز تھا، سامنے

سوچا تھا گلے لمحے وہ اس کا نمبر ڈائل کر رہی تھی، کھڑکی کے پار ٹریفک کا ازدحام ہنوز تھا، سامنے

سوچا تھا گلے لمحے وہ اس کا نمبر ڈائل کر رہی تھی، کھڑکی کے پار ٹریفک کا ازدحام ہنوز تھا، سامنے

والی سڑک کے کنارے دودھ دہی کی دکان تھی، جس کا ملازم بار بار ریفریجیٹر کا دروازہ کھولتا اور اپنا کام کرنے کے بعد بہت زور دار آواز سے فریج کا دروازہ بند کرتا تھا، اتنی زور سے کہ ٹریفک کے اتنے شور میں بھی یہ آواز بہت واضح سنائی دیتی تھی۔

”السلام علیکم! جہانگیر بھائی کیسے ہیں آپ! پر نیاں بات کر رہی ہوں، میں نے سوچا خود بات کر لوں آپ کو تو شاید خیال نہیں آئے گا۔“ وہ جس قدر اب سیٹھی اس قدر اس کا لہجہ مضطرب اور بے ربط تھا، وہ بدحواس تھی اور اس طرح نارمل انداز میں کبھی شکوہ نہ کرتی یقیناً مگر وہ شاید اسے اس کی کوتاہی کا احساس دلانا چاہتی تھی، دوسری جانب یکنخت سناٹا چھا گیا تو اس نے بے تابی سے پکارا

تھا۔

”جہان بھائی! آپ نے پہنچا نہیں مجھے؟“ اس کا گلابی طرح سے بھرا گیا تھا۔

”جہان ہوتا تو لازماً پہنچتا میں اس کا کزن ہوں معاذ حسن، ویسے محترمہ آپ اس کی ایسی کون سی بہن ہیں جسے میں نہیں جانتا؟“

باقاعدہ گلا کھنکھار کر کس قدر طنزیہ لہجے میں کہا گیا تھا، انداز کی بے نیازی صاف گواہ تھی کہ وہ اسے پہچاننے سے قاصر رہا ہے، پر نیاں کو تو جیسے سانپ سونگھ گیا، بولنا تو درکنار اس میں حرکت کرنے کی تابی نہیں رہی تھی، حیرت، غیر یقین، رنج، تاسف، ملال، کتنی کیفیات تھیں جن کا وہ شکار ہوئی تھی، کتنی دیر تک وہ یونہی شاکڈ رہی پھر بے بسی کی انتہا کو چھوتے ہاتھوں میں چہرا ڈھانپ کر بے کلی سے روتی چلی گئی تھی۔

سے روتی چلی گئی تھی۔

☆☆☆

کوئی دیوار ہے نہ در سائیں
ہم فقیروں کا کیا ہے گھر سائیں
آبلے پڑ گئے ہیں پیروں میں
ختم ہوتا نہیں سفر سائیں
کون رہتا ہے اس خرابے میں
ڈھونڈتی ہے کسے نظر سائیں
اک قیامت گزر گئی مجھ پہ
اور تجھ کو نہیں خبر سائیں
اک بھٹکے ہوئے مسافر کو
اور ہونا ہے در بدر سائیں

جہان چیخ کرنے کے بعد ڈرینگ روم سے باہر آیا تو معاذ ہاتھ میں اس کا سیل فون لئے کھڑا تھا، چہرے پہ الجھن کے آثار نمایاں تھے جی جہان نے سرسری انداز میں استفسار کیا۔

”خیریت کس کا فون تھا؟“

”تمہاری کسی منہ بولی بہن کا، یا راب تو مجھے تمہاری شرافت پہ بالکل شبہ نہیں رہا۔“ سیل فون واپس رکھتے ہوئے وہ ان چوبیس گھنٹوں میں پہلی بار مسکرایا تھا، ڈرینگ ٹیبل سے ہیر برش اٹھا کر

بال بناتے ہوئے جہان نے الجھ کر اسے دیکھا۔
”کیا مطلب؟“

”یار اتنے شاندار ہو، پھر بھی ہر لڑکی کو منہ اٹھا کر بہن بنا لینے کی تک مجھے سمجھ نہیں آئی، پھر وہ لڑکیاں..... وہ بھی اجنبی ہوں گی یقیناً جیسے یہ محترمہ پر نیاں صاحبہ! واہ کیا بھلا نام ہے۔“ وہ کانڈھے جھٹک کر جتنے لائق بے نیاز اور لگن انداز میں کہہ رہا تھا جہان کو اسی قدر زور کا جھٹکا لگا تھا اس نے ٹھٹھک کر معاذ کو دیکھا۔

”پر نیاں کا فون تھا؟“

”کیا کہہ رہی تھیں؟“ معاذ نے اس کی اس بے چینی کو حیرانی کی نگاہ سے دیکھا پھر منہ بگاڑ کر بولا تھا۔

”مجھ سے شاید کچھ کہنا محترمہ کو گوارا نہیں تھا جیسی بات نہیں کی۔“

”اب ضروری تو نہیں فون تمہارا ہے تو کال بھی لازمی تھی اٹینڈ کرو۔“ وہ بد مزاجی سے کہہ رہا تھا، جہان سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر آیا تھا اور اسی وقت سیل فون اٹھا کر پر نیاں کا نمبر ڈائل کرنے لگا انداز میں جو پریشانی تھی جو خاصیت تھی اس نے معاذ کو متحیر کر کے رکھ دیا۔

”اُف ان کا سیل آف جا رہا ہے۔“ جہان نے اضطراب بھری آنکھوں کے ساتھ کہا تو معاذ نے جواباً کچھ کہے بنا بس اسے گہری نظروں سے دیکھا تھا۔

”کیا تم مجھے بتانا پسند کرو گے یہ محترمہ ہیں کون؟“ معاذ کو پھر سے کوئی نمبر ملانے میں مصروف دیکھ کر وہ کسی قدر کس کر بولا تھا، وہ دونوں ایئر پورٹ کے لئے نکل رہے تھے، معاذ کی فلائٹ میں صرف ایک گھنٹہ تھا ابھی کچھ دیر پہلے جہان کو اس سے زیادہ دیر ہو جانے کی فکر تھی مگر اب وہ جیسے یکسر اس بات کو بھول چکا تھا، جہان نے چونک کر اسے دیکھا پھر گہرا سانس بھر کے آہستگی مگر تاسف بھرے لہجے میں بولا تھا۔

”پر نیاں یعنی یور وائف! معاذ تم ہر بار انہیں کیوں بھول جاتے ہو؟“ معاذ کے چہرے پہ ایک دم سے تناؤ چھا گیا۔

”اس لئے کہ میں اسے یاد رکھنا نہیں چاہتا۔“ وہ گویا پھنکارا تھا۔

”پتہ نہیں کیوں معاذ مجھے لگتا ہے تمہارا یہ غرور بہت جلد ٹوٹنے والا ہے۔“ اب کی مرتبہ جہان نے مسکرا کر گویا اسے چھیڑا تھا، معاذ کا موڈ اسی لحاظ سے بگڑ گیا۔

”بکو اس مت کرو، یہ بددعا نہیں لگنے والی مجھے۔“

”چلو دیر ہو رہی ہے۔“ جہان نے بات کو طویل نہیں دیا، پھر وہ گاڑی میں بھی ڈرائیو کے دوران بار بار پر نیاں کا نمبر ٹرائی کرتا رہا تھا اور اسے بند پا کر اس کی پریشانی دیکھنے والی تھی، معاذ اسی لحاظ سے کس رہا تھا۔

”تم مجھے بھاڑ میں جھونکو اور جا کر اس کی خبر لو، اتنی ہی سگی ہے نا تمہاری؟“ اسے جس حساب سے غصہ آیا تھا اسی قدر زور سے پھنکارا تو جہان نے ٹھنڈا سانس بھر لیا۔

”یا کیا بیویوں کی طرح فوراً جیلنس ہونا شروع کر دیتے ہو، میں اس وجہ سے پریشان ہوں کہ

بھا بھی نے خود مجھے کبھی فون نہیں کیا، خیریت ہو ان کی طرف۔“
”ہاں اور تم تو ہونا سب کی مدر ٹریا، تمہیں لازماً بتانا ہے۔“ وہ نروٹھے پن سے بولا تو جہان اسے بغور دیکھتا آہستگی سے مسکرایا تھا۔

”تمہیں بھی بتا سکتی تھیں، اگر تم یہ مان انہیں دیتے۔“

”مجھے معاف رکھو، مجھے کوئی شوق نہیں ہے ایسے مان لینے کا۔“ معاذ نے بدک کر کہا تھا۔

”تو پھر جیلنس کیوں ہو رہے ہو۔“ جہان نے مسکرا کر گویا اسے بھڑکا ڈالا تھا۔

”یہ جو تادیکھ رہے ہو میرا، اسے بھی پرواہ نہیں ہے سمجھے۔“ اس نے لال بھبھوکا ہوتے چہرے کے ساتھ کہا تھا جہان متاسفانہ سانس بھر کے رہ گیا۔

☆☆☆

ہو ابن کے بکھرنے سے اسے کیا فرق پڑتا ہے

میرے چینی یا مرنے سے اسے کیا فرق پڑتا ہے

اسے تو اپنی خوشیوں سے ذرا فرصت نہیں ملتی

میرے غم کے ابھرنے سے اسے کیا فرق پڑتا ہے

وہی اس شخص کی یادوں میں تم روتے رہو لیکن

تمہارے ایسا کرنے سے اسے کیا فرق پڑتا ہے

اس نے ان گزر جانے والے دو دنوں میں متعدد بار پر نیاں کا نمبر ڈائل کیا تھا جو ہنوز بند ملتا تھا جہان کی پریشانی بڑھ چکی تھی، اس نے پاپا کو کال کر کے پر نیاں کی خیریت دریافت کرنے کا کہا تھا جواب میں انہوں نے اسے آنے کا کہہ دیا۔

”تم آ جاؤ اب بیٹے! تمہاری چچی جان پر نیاں کو شاہ ہاؤس بلوانے پہ بضد ہیں، مجھے تو حوصلہ نہیں بچی سے یہ بات کہنے کا، میرا خیال ہے تم آ کر یہ معاملہ سنبھالو۔“

اس بھاری ذمہ داری نے جہان کو کچھ بے چین کر دیا تھا، وہ زینب کے سامنے سے خائف تھا وہ ابھی تک خود کو اتنا مضبوط نہیں کر پایا تھا کہ ان لمحات میں اس کا سامنا کرتا اور خود کو کپوڑ ڈبھی رکھتا، اس نے پاپا کو سلی سے نواز کر فون بند کر دیا تھا مگر ایک دن گزر جانے کے باوجود وہ وہاں جانے کا حوصلہ نہیں پیدا کر سکا تھا، ابھی وہ اسی اضطراب اور کشمکش کا شکار تھا، جب زینب نے خود اسے کال کر لی تھی۔

”جے آپ کب آئیں گے واپس آ کر؟“

”ابھی کچھ بڑی ہوں، ایک دوران تک آ جاؤں گا۔“ اس نے لہجے کو سرسری بنایا تھا۔

”ایک دو دن، یعنی عین منگنی کے دن؟“ وہ حیران ہو گئی۔

”نہیں پہلے، آ جاؤں گا۔“

”پہاں سب محترمہ پر نیاں صاحبہ کو لانے پہ بضد ہیں ماما خاص طور پر۔“

”تمہیں اعتراض ہے کیا؟“ جہان نے اس کے لہجے کی ناگواری کو محسوس کیا تھا۔

”جب لالے کو یہ پسند نہیں تو.....“

ان کے اس زور زبردستی والے دھڑے نے جہان کی سنجیدگی کو بڑھا دیا تھا، وہ آہستگی سے کھنکارا گویا در پردہ انہیں ان کی بے تکلفی کا احساس بخشنا چاہا مگر وہ ان باریکیوں کو سمجھنے والی نہیں تھیں جبھی سرے سے نظر انداز کر دیا اور مسلسل لازمی شرکت پہ زور دیتی رہی تھیں اس کی جیل و حجت کے باوجود، اسے ہی ہار ماننا پڑی تھی۔

”کب ہے برتھ ڈے! دیکھیے آج تو میں کراچی جا رہا ہوں، ہمارے گھر میں بھی تقریب ہے، آف کورس میں.....“

”ڈونٹ دری بیٹے آپ لازمی وہاں جاؤ، ڈالے کی برتھ ڈے میں تو ابھی ایک ہفتہ ہے۔“ انہوں نے فراخ دلی سے کہا تھا جہان جو واقعی جان چھڑانا چاہ رہا تھا گہرا سانس بھر کے رہ گیا۔

”او کے فائن!“

”میں برتھ ڈے کی شام بھی آپ کو کال کر کے یاد دلا دوں گی او کے؟“ انہوں نے مسکرا کر کہا تھا جہان اب کے ان کے اس درجہ اہمیت اور خلوص کے مظاہرے پہ کچھ خفیف سا ہو کر رہ گیا۔

”نو میم مجھے یاد رہے گا۔“ اس نے کھسیا کر کہا تھا جو اب اسز آفریدی خوشدلی سے ہستی چلی گئی تھیں۔

”فون سیل یہ ریماڈر سیٹ کرو گے کیا؟ اور سنو بیٹھے مجھے میم نہیں آنٹی کہا کرو، مجھے اچھا لگے گا۔“ جہان کو ان کے عجیب سے احساس نے چھوا وہ ہنسی میں ان کا ساتھ نہیں دے سکا، مسز آفریدی کے فون بند کر دینے کے کتنی دیر بعد بھی وہ اسی الجھن آمیز کیفیت کے زیر اثر سیل فون کان سے لگائے ساکن کھڑا تھا، پھر گہرا سانس کھینچا اور سیل فون اپنے بستر پہ اچھالتا وارڈروب سے کپڑے نکال کر واش روم میں گھس گیا، ہاتھ لینے کے بعد تولیے سے سر کے بال خشک کرتا اپنے دھیان میں باہر آیا تھا کہ وائج مین کو گلابوں کا بے حد خوبصورت مہکتا گل دستہ لئے اندر آتے دیکھ کر چونکا۔

”صاحب یہ آپ کے لئے کوئی دے گیا ہے۔“

”رکھ دو۔“ جہان نے تولیہ صوفے پہ پھینکتے ہوئے کہا اور خود ڈریسنگ ٹیبل کے آگے کھڑا ہو کر بال بنانے لگا، مگر نظریں بکے پہ جمی ہوئی تھیں، آج اس کی برتھ ڈے تھی جو وہ کبھی خود سلیر بیٹ نہیں کرتا تھا وہ تو اس کے پیارے تھے جو ہمیشہ اس دن کو یاد رکھتے تھے اور اسے وش کرتے ہوئے تحفوں سے نوازا کرتے، مگر آج کے دن پتہ نہیں کیوں سب بھول گئے تھے، خاص طور پہ زینب اور معاذ، ورنہ اسے زینب اور معاذ ہی ہمیشہ پہلے وش کیا کرتے تھے، بلکہ دونوں میں باقاعدہ مقابلہ ہوا کرتا، دونوں ایک دوسرے سے بازی لے جانے کی کوشش میں رہا کرتے، ایک بار زینب معاذ سے جیت گئی تھی، اس نے صبح فجر کی نماز کے وقت ہی جہان کو وش کر دیا تھا اور خوشی سے تالیاں بجاتی اچھلنے لگی تھی۔

”لالہ ہار گئے اور میں جیت گئی، ہے نا جے؟“ اس نے خوشی سے چمکتے چہرے کے ساتھ کہا تھا، جبکہ معاذ کا منہ لٹکا ہوا تھا وہ سارا دن دانٹ کچکا تار پاتا تھا، عجیب تھا یہ معاذ بھی، زندگی کا ہر مقابلہ ہر دوڑ جیت لینے کا متمنی اور ہارا سے جنونی بنا دیا کرتی تھی، اس دن معاذ نے جہان کو وش بھی نہیں کیا تھا، جہان اسے منا منا کر ہارنے لگا تھا۔

”تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ ان کے حقوق ختم ہو جاتے ہیں۔“ جہان نے اس کی بات کاٹ کر تلخی سے جتلیا تھا، زینب نے اس کے لہجے کی کاٹ کو محسوس کیا۔

”آپ کو ان کا ہمیشہ بہت خیال رہتا ہے، غالباً مل چکے ہیں ان سے، سب خیریت ہے نا؟“ طنز آمیز شک آلود اور جلا بھنا انداز جہان کو چکرا کے رکھ گیا، وہ زینب تھی اس سے کسی بھی بات کی توقع رکھی جاسکتی تھی، پتہ نہیں وہ اپنے نام کے اتنی برعکس کیوں تھی حالانکہ تاریخ گواہ ہے اسی نام کی عظیم المرتبت ہستی نے کیسے صبر برداشت اور حوصلے کا عظیم الیشان مظاہرہ کیا تھا۔

”لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم میرے لئے وہ چھوٹی بہن کی طرح محترم ہیں۔“ اس نے تڑپ اٹھنے والے انداز میں کہنے پہ زینب زور سے کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

”گڈ، چلیں پھر مجھے بتائیں کب آرہے ہیں؟“

”آ جاؤں گا جب دل چاہا، مجھے ایک اور ضروری کال کرنی ہے، اللہ حافظ۔“ اسے کچھ کہنے کا موقع دیئے بغیر جہان نے خود سلسلہ منقطع کر دیا تھا مگر اس کے کتنی دیر بعد بھی زینب کے الفاظ اس کے دماغ میں تیروں کی طرح سناتے رہے تھے کچھ دیر بعد اس نے خود یہ قابو پا کر پھر سے پر نیاں کا نمبر ٹرائی کیا، جانے کیوں ایسے یونہی لگتا تھا پر نیاں نے بلاوجہ اسے کال نہیں کی، وہ یقیناً بہت پریشان ہوگی کسی وجہ سے، خوش قسمتی سے پر نیاں کا نمبر آن تھا اور نیل جا رہی تھی، وہ ایک دم کاشش ہوا مگر اگلا لمحہ اس کے اعصاب کو شدید دھچکے سے دوچار کر گیا تھا، اس کا فون کاٹ دیا گیا تھا، جہان پہلے متحیر ہوا پھر دوبارہ اس کا نمبر ڈائل کیا مگر اسے شاگ لگا تھا، پر نیاں نے نمبر بند کر دیا تھا، جہان سیل فون ہاتھ میں لئے کتنی دیر کو ساکن کھڑا رہ گیا، وہ اس سے بات نہیں کرنا چاہتی تھی۔

”کیا بات ہوئی ہوگی اس دن معاذ کے ساتھ ان کی۔“ وہ سوچنے پہ مجبور ہوا، پھر کچھ سوچ کر اس نے اسی وقت کراچی جانے کا ارادہ باندھ لیا تھا۔

پہلے فون پہ اس نے مینجر اور سیکرٹری کو بریف کیا تھا اس کے بعد سیٹ کنفرم کرائی اور اپنی پیکنگ میں مصروف ہو گیا اپنی ضرورت کی چیزیں بیگ میں ڈال کر وہ زپ بند کر رہا تھا جب اس کے سیل پہ مسز آفریدی کی کال آنے لگی تھی، ان کا نمبر دیکھ کر اسے حیرت نے آن لیا تھا، وہ ان سے مروتا احترام سے بات کرتا تھا مگر ان کی شخصیت میں کچھ ایسا ضرور تھا جو جہان کے لئے ناپسندیدگی کی وجہ بن چکا تھا۔

”السلام علیکم!“ اس نے دلی سے کال ریسیو کی تھی۔

”السلام علیکم! کیسے ہیں جہانگیر بیٹے!“ جواب میں ان کی خوش مزاجی اور خوش اخلاقی کمال تھی۔

”الحمد للہ! آپ کیسی ہیں؟“

”میں بالکل ٹھیک ہوں اور ڈالے بھی خیریت سے ہے۔“ انہوں نے خوشی سے کھلتے ہوئے اپنے ساتھ بیٹی کی بھی خیریت بتائی تھی، جہان ہنکارا بھر کے رہ گیا۔

”بیٹے میں نے آپ کو انویشن دینے کے لئے کال کی ہے، ایک چوکلی ڈالے کی برتھ ڈے ہے اور آپ کو لازمی آنا ہے، پچھلی بار کی طرح میں ہرگز کوئی بہانہ نہیں سنوں گی۔“

”پار کیا بچکا نہ حرکت ہے بھلا، کیا فرق بڑا ہے۔“
 ”کیوں نہیں پڑتا، مجھے بالکل اچھا نہیں لگتا میری جگہ کوئی اور لے۔“
 ”چاہے وہ تمہاری بہن کیوں نہ ہو؟“ جہان نے چھیڑا تھا۔

”چاہے وہ میری اولاد کیوں نہ ہو۔“ معاذ نے منہ پھلا کر نروٹھے پن سے مگر شدت سے کہا تھا اور اس سے اگلے سال وہ رات بارہ بجے تک صرف اس وجہ سے جاگا تھا کہ زینب اس سے پہلے وش نہ کر دے، بارہ بجتے ہی اس نے جہان کو وش کیا تھا اور زینب کو چڑا چڑا کر کتنا ہنسا تھا۔
 ”صرف وش کرنے سے ہی تو کچھ نہیں ہوتا، اصل بات محبت ہوتی ہے اور مجھے پورا یقین ہے جے آپ سے زیادہ مجھ سے محبت کرتے ہیں، کیوں جے؟“

تب وہ صرف میٹرک کی طالب علم تھی اور عقل کی ویسے بھی بقول ممانوٹی تھی جیسی تو بنا سوچے یہ بات کہہ دی تھی جس نے جہان کو گڑ بڑایا تھا تو معاذ کو خفت و خجالت سے سرخ کر دیا تھا۔

”بکومت اور دفع ہو جاؤ یہاں سے۔“ معاذ نے اسے ڈانٹا تھا اور وہاں سے بھگا دیا تھا، مگر جہان پھر بھی کتنے دن معاذ سے نظریں نہیں ملا سکا تھا، وہ ایسا ہی تھا، جھنپو اور کسی حد تک شرمیلا، جبکہ معاذ اس بات کو بھول بھال بھی گیا تھا اور زینب وہ تو شاید محسوس کیے بنا منہ میں آئے الفاظ کہہ چکی تھی جن کی تمبیرتا کا خود اسے بھی احساس نہیں تھا، معاذ تو اس کے جہان کو اپنی طرح جے کہنے سے بھی چڑتا تھا اور کئی بار اسے ڈانٹ کر تنبیہ بھی کر چکا تھا۔

”تم کیوں جے کہتی ہو، بھائی کہا کرو، بہت بڑا ہے تم سے۔“
 ”آپ بھی تو کہتے ہیں لالے! میں بھی کہہ لوں گی تو کیا فرق پڑے گا، ویسے بھی مجھے جے کہنا زیادہ اچھا لگتا ہے۔“ وہ خود سر تھی اس کے الفاظ سے بھی اکثر خود سری چھلکا کرتی، ماما کا خیال تھا اسے عقل نام کی نہیں، ہمیشہ بے سوچے سمجھے بولتی ہے۔

”نان سنس وہ میرا دوست ہے میں اس لئے کہتا ہوں، تم مقابلہ کرو گی میرا؟“ معاذ کو کتنا غصہ آیا تھا اس کی بات سن کر۔

”وہ میرے بھی دوست ہیں، میں آپ کا کوئی مقابلہ نہیں کر رہی، ہر دوست کی اپنی الگ اہمیت اور جگہ ہوتی ہے، ہے نا جے؟“ اس نے اسی اطمینان سے کہا تھا اور معاذ دانت بھینچ کر رہ گیا تھا، جبکہ جہان نے اڈ آنے والی مسکراہٹ با مشکل معاذ کی نظروں سے پوشیدہ رکھی تھی، ورنہ اس کا اشتعال کچھ اور بڑھ جاتا تھا۔

”جے تم سمجھاؤ اس گدھی کو، لڑکیاں لڑکوں سے دوستی نہیں کر سکتیں۔“ معاذ نے جہان کو جھنجھلا کر مخاطب کیا تھا۔

”بیٹے بھائی سے بحث نہیں کرتے، وہ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔“ کب سے ان کی بحث خاموشی سے سنتیں ماما جان نے زینب کو سمجھایا تھا، زینب تب تو خاموش ہو گئی تھی مگر بعد میں جہان کے سر ہو گئی تھی۔

”جے آپ کو بھی مجھ سے دوستی پہ اعتراض ہے؟“ اور جہان مشکل میں پڑ گیا تھا۔
 ”معاذ کچھ غلط نہیں کہتا، اسلام میں مرد اور عورت کے درمیان اس تعلق کی گنجائش نہیں۔“ اس

کا انداز نا صحابہ تھا، زینب مضطرب ہو گئی تھی۔
 ”لیکن جے آپ تو مجھے بہت اچھے لگتے ہیں، میں آپ کو کبھی کھونا نہیں چاہتی۔“ وہ روہانسی ہو کر بولی تھی۔

”اگر کھونا نہیں چاہتی تو پھر بجو جہان بھائی سے شادی کر لو، یہ ہمیشہ کے لئے تمہارے نام ہو جائیں گے اسلام میں سچی شوہر سے دوستی تو کیا محبت پہ بھی اعتراض نہیں۔“ حسان نے لقمہ دیا تھا اور اپنی بات یہ کھلکھلایا تھا، جہان کے چہرے پہ یکنخت سنجیدگی چھا گئی تھی اس نے زینب کو دیکھا وہ کچھ کھسیا کر رہ گئی تھی۔

”سوری! وہ ابھی بچہ ہے نا، تم اس کی بات پہ دھیان نہ دینا۔“ جہان نے حسان کو وہاں سے سرزش کے بعد بھیجا تو پھر اس سے مخاطب ہوا تھا، زینب سر جھٹک کر مسکرائی۔

”کم آن جے! اب ایسی بھی بات نہیں، وہ کچھ اتنا غلط بھی نہیں کہہ رہا تھا، اس پوائنٹ پہ میں کیوں نہ سوچ سکی۔“ اور جہان نے چونکتے ہوئے اسے بغور دیکھا تھا، اس کے نوخیز چہرے پہ ہلکی سی سرخی تھی، جہان ایک دم سنجیدہ ہو گیا تھا۔

”زینی! آپ ابھی بہت چھوٹی ہیں، ان باتوں کی بجائے اسٹڈی پر دھیان دیا کرو، اوکے۔“ اس کا انداز تادیبی تھا اور زینب نے بڑی فرمانبرداری سے سر اثبات میں ہلا دیا تھا، پھر بات بدلتے ہوئے اپنی اسٹڈی کے متعلق اس سے گفتگو کرنے لگی تھی اس کے بعد جب وہ اس کے پاس سے جانے کے لئے اٹھی تو اسی سنجیدگی و متانت سمیت بولی تھی۔

”جے ابھی تو میں چھوٹی ہوں مگر جب بڑی ہو جاؤں گی پھر حسان کی بات پہ دھیان دے سکتی ہوں؟ بی کوز میں واقعی آپ کو کھونا نہیں چاہتی۔“ جہان نے چونک کر سر اونچا کیا تو اسے شرارت سے مسکراہٹ دباتے دیکھ کر وہ اسے مارنے کو دوڑا تھا مگر وہ کھلکھلاتی ہوئی بھاگ گئی تھی۔

”اگر آپ مجھے اجازت نہ بھی دیں نا جے میں تب بھی ایسا کروں گی لالے کو پھر اعتراض نہیں رہے نا ہماری دوستی یہ.....“

جہان واپس آ کر اپنی جگہ پہ بیٹھا تو زینب نے دروازے سے سر اندر ڈال کر اسی شوخ و شنگ انداز میں کہا تھا اور اس کی شکل پہ بھرتی بوکھلاہٹ اور گھبراہٹ کو محسوس کرتی ہنستی چلی گئی تھی۔

جہان کو لگا زینب کی ہنسی کی وہ جھنکار ابھی تک اس کی سماعتوں میں باقی ہے، اس نے گہرا سانس بھر کے خود کو کمپوز کیا تھا اور ہیر برش رکھ کر اپنے تلے قدم اٹھاتا کبے کی سمت آ گیا، پھول بے حد تر و تازہ اور شبنمی اس سے بھیکے ہوئے تھے، جہان نے ملائمت سے انہیں چھوا پھر چکنا کاغذ ہٹا کر وش کارڈ کو انگوٹھے اور انگشت شہادت کی مدد سے کھینچ کر باہر نکال لیا، اس کی نظروں سے بہت آہستگی سے کارڈ پہ بکھرے موتیوں جیسے لفظوں کو چھوا تھا۔

کوئی رات میرے آنگن میں مجھے یوں بھی تو نصیب ہو

نہ خیال ہو لباس کا تو اتنا میرے قریب ہو

پروین شا کر کی پوری غزل تحریر تھی، جسے وہ پوری نہیں پڑھ سکا، الفاظ کی بے باکی نے اس کے وجود کو دہکا کے رکھ دیا تھا، غیر شعوری طور پر ہی وہ ننھا سا کارڈ جس پہ بیخنے والے کا نام تحریر نہیں تھا

اس کی مضبوط ہتھیلی میں چرا مرا گیا، واچ مین سے انٹرکام پہ رابطہ کرنے کے بعد اس نے پھول لانے والے کے متعلق استفسار کیا تھا۔

”صاحب وہ کوریئرسروس کا نمائندہ نہیں تھا، کوئی لوکل آدمی تھا بس مجھے پھول تھمائے اور اڑن چھو ہو گیا یہ کہہ کر کہ جہانگیر صاحب کو پہنچا دوں۔“ واچ مین کے جواب نے جہان کی الجھن اور اضطراب کو یکلخت بڑھا دیا۔

”کون ہو سکتا ہے؟“ وہ کتنی دیر تک یہی ایک بات سوچتا رہا تھا مگر کوئی سرا پھر بھی ہاتھ آ کر نہیں دیا تھا۔

☆☆☆

کہیں کوئی سمندر ہو
کہیں کوئی کنارہ ہو
کہیں قربت کے منظر کا
کوئی دلکش نظارہ ہو
کہیں بھیگی سی بدلی نے
کوئی موسم سنوارا ہو
کوئی سمندر ساموتی ہو
کوئی روشن ستارہ ہو
کسی چشمے میں قدرت نے
دھنک سے رنگ اتارا ہو
کہیں جگنو جھکتے ہوں
یا پھولوں کا گہوارہ ہو
اس لمحے صنم میرے
مجھے تم یاد آتے ہو
یہ کہنا ہے مجھے تم سے
مجھے تم یاد آتے ہو

کٹر کی کی شاخوں سے پرے شہتوت کی شاخوں میں الجھا چاند بھی گویا اسے نہیں بھارا تھا، ابھی کچھ دیر میں اس کا سفر مکمل ہو جاتا وہ اپنی روشنی بکھیرنے زمین کے کسی اور حصے پر چمکے گا، روشنی جو ایک امید کی علامت ہے، مگر اس کے پاس نہیں تھی، کیسے سفر کا آغاز کر دیا تھا اس کے دل نے جس کا کوئی اختتام ہی نہیں تھا، منزل کا تعین نہ ہو تو سفر بے معنی ہی ہوا کرتے ہیں، وہ بھی لا حاصل سفر پہ چل نکلی تھی، چکوری کی مانند صدیاں بھی چاند کے گرد طوائف انداز میں پھیرے لگاتی تب بھی نامراد نارسا ہی رہتی، اس کی آنکھیں بھیکتی چلی گئیں، اپنی بے بسی پہ، دل کا وہ ننھا سا لوہڑا جو پورے وجود پہ بڑے دھڑے سے حکمرانی کیا کرتا ہے، اسے بھی اپنے سامنے بالآخر لاچار کر گیا تھا، وہ ایک ایسے اجنبی کی محبت میں تن من دھن ہار بیٹھی تھی جس کے ملنے کی آس بھی حماقت تھی، وہ خود

نہارا پروپوزل لے کر میرے پاس آیا ہوا ہوتا ہے۔“
 ڈالے ان کی اتنی لمبی تقریر یہ تاسف آمیز دکھ سے مسکرائی تھی، پھر سرد آہ بھر کے تلخی سے جواب دیا تھا، اس کی وجہ میرا حسن جہاں سوز نہیں آپ کی یہ بے تحاشا دولت ہے جس پہ یہ لاپچی لوگ قبضہ کرنا چاہتے ہیں ایک مرنی ہوئی لڑکی سے شادی رچا کر، اونہہ میں تو جیسے جانتی نہیں ہوں نا، جہاں لیر صاحب کا بھی پتہ کرائیں اسی کیٹگری میں ان کا بھی شمار نہ ہوتا ہو۔
 اس نے اپنے ہی دل کی خفگی کی پردہ کیے بغیر آخری بات بھی اس تلخی سے کہا اور ایک جھٹکے سے اٹھ کر وہاں سے چلی گئی ایک بار پھر ان کی سینک تلخی اور بد مزگی پہ ختم ہوئی تھی، مسز آفریدی ہونٹ بچھپے گویا اپنا غصہ ضبط کر رہی تھیں۔

☆☆☆

وہ ہم سفر تھا مگر اس سے ہمنوائی نہ تھی
 کہ دھوپ چھاؤں کا عالم رہا جدائی نہ تھی
 وہ ہم سفر تھا مگر اس سے ہمنوائی نہ تھی
 وہ آنکھیں موندے نیم دراز تھا، کمرے میں دھیمے سروں میں بجتے میوزک نے ماحول کر گمبیرتا اور اداسی کو کچھ اور بڑھا دیا تھا، وہ ابھی کچھ دیر قبل شاہ ہاؤس پہنچا تھا، زینب پارلر گئی ہوئی تھی اسما بھابھی کے ساتھ جبکہ زیاد سے اس کے تعلقات اب خوشگوار نہیں رہے تھے، پاپا اور پاپا جان معمول کے مطابق آفس میں تھے جبکہ باقی افراد نے خوشدلی اور ہمیشہ کی محبت سے اس کا استقبال کیا تھا، ماما البتہ اس بار اس کے گلے لگ کر کتنی دیر تک سسکتی رہی تھیں، کیوں؟ وجہ وہ جانتا تھا، وہ ہمیشہ اسے اپنے بچوں سے بڑھ کر اہمیت دیتی آئی تھیں بڑھ کر محبت سے نوازا تھا اور جب کبھی وہ اسے اور زینب کو ایک ساتھ دیکھتیں تو ان کی آنکھوں کی چمک یکنخت کئی گنا بڑھ جایا کرتی تھی، وہ سینے جو انہوں نے اس کے اور زینب کے حوالے سے دیکھے تھے ٹوٹ کر کرچیوں کی صورت آنکھوں کو زخمی کر گئے تھے، یہ تاسف بہ رنج اور ملال اسی نقصان کا باعث تھے اور جہاں مجرم نہ ہوتے ہوئے بھی مجرم بن گیا تھا، وہ جلتی آنکھوں سمیت گہرا سانس بھر کے کروٹ بدل کر لیٹ گیا تھا، مگر سکون کہاں تھا، گلوکارہ کی آواز میں اس کے دل کا کرب رجا ہوا تھا۔

عداوتیں تھیں تغافل تھا رنجشیں تھیں مگر
 بچھڑنے والے میں سب کچھ تھا بے وفائی نہ تھی
 کہ دھوپ چھاؤں کا عالم رہا جدائی نہ تھی
 وہ ہم سفر تھا مگر اس سے ہمنوائی نہ تھی

دروازہ دھیمے سروں میں بجا تھا وہ ہڑ بڑا کر اٹھ بیٹھا، ماما دروازہ کھول کر اندر داخل ہو رہی تھیں۔

”آپ نے کیوں تکلیف کی چچی جان! مجھے چائے کی ابھی طلب نہیں تھی۔“
 ”ایسی باتیں مت کیا کرو بیٹے، مجھے فاصلوں کا گمان ہونے لگتا ہے، یہ فاصلے بہت ظالم ہوتے ہیں رشتوں میں دراڑیں ڈال دینے والے، میرے بچے کبھی انہیں اپنے بچے نہ آنے دینا۔“

سے بھاگتے تھک گئی تو شکست تسلیم کر لی تھی مگر اضطراب تھا کہ جد سے سوا، وہ یہ چند روزہ زندگی اسی من پسند قربت میں گزارنے کی خواہش یہ بند نہیں باندھ سکی تھی، کتنی لاچاری محسوس ہو رہی تھی اسے دل کے آگے اور مسز آفریدی جو اس کی ایک ایک جنبش کو بغور دیکھا کرتی تھیں اس کے اضطراب کی وجہ کو پا گئی تھیں، جیسی تو انہوں نے جہاں کو پھر سے گھیر گھا کر اس کے روبرو لانے کا ایک منصوبہ بنا لیا تھا، اگلے دن ناشتے کی ٹیبل پہ انہوں نے ڈالے کی مضمحل صورت کو ایک نظر دیکھا تھا اور لہجے کو حتی الوسع سرسری بنا کر بے نیازی سے بولی تھیں۔
 ”اگلے ہفتے جہاں لیر ہمارے ساتھ کھانے میں انوائٹڈ ہے۔“

”واٹ؟ کس سلسلے میں؟“ ترچھی نگاہ سے اسے دیکھتیں مسز آفریدی نے ڈالے کی ساری کسلمندی کو محسوس میں اشتیاق آمیز حیرت کے پردے میں چھپتے دیکھا اور معنی خیزی سے مسکرا دیں۔
 ”میں کچھ عرصے سے ٹیل کر رہی ہوں وہ تم میں واقعی انٹرسٹڈ ہے، کل اس نے خود مجھے کال کی اور تمہاری ڈیٹ آف برتھ پوچھی، میں نے دانستہ غلط بتا دی، مجھے لگا تھا وہ تمہاری برتھ ڈے میں شریک ہونے کا متنی ہے، ہفتے کو آئے گا کوئی ضرورت نہیں اسے یہ کہنے کی کہ اس روز تمہارا برتھ ڈے نہیں ہے۔“ مسز آفریدی نے اسے جزیب ہوتے اور چہرے سے اختلاف آمیز تاثرات کو محسوس کرتے ہوئے اسے کچھ کہنے کا موقع دئے بغیر ہی سرزش کر دی تھی۔

”بٹ دس ازناٹ فینر ماما! جب انہیں اصل بات پتہ چلے گی تو کتنا غلط امیج پڑے گا ان پہ اور دوسری اہم بات یہ کہ آپ کی سوچ سراسر غلط ہے، مجھے ایسا کبھی نہیں لگا۔“ دل میں ہونے والی دھڑکنوں کی سرپال پہ اس نے دانستہ دھیان نہیں دیا جو ان کی بات پہ یقین نہ آنے کی باوجود اپنا انداز بدل چکی تھیں، مسز آفریدی اس کی بات سن کر مسکرائی تھیں، پھر اس کا گال بڑے لگاؤٹ بھرے انداز میں چوما اور معنی خیز مسکان کے ساتھ بولی تھی۔

”جہاں لیر آج کل کے نوجوان لڑکوں سے یکسر مختلف ہے بیٹے! وہ بہت ڈینٹڈ ہے، غلط انداز میں کوئی حرکت آئی مین چھچھور پن سے اظہار کی بجائے اس نے بڑا سیدھا راستہ اختیار کیا ہے، مجھے وہ تمہارے لئے بہت پسند آیا ہے، میری جان تم انکار نہیں کرو گی۔“ ڈالے جو بغور ان کے چہرے کو دیکھتی گویا بیچ اور جھوٹ کو پرکھنے کی کوشش میں مصروف تھی کسی قدر لجا کر پلکیں جھکا کر میز کی سطح ناخن سے کھرچنے لگی، مسز آفریدی نے اپنی بات کے اثرات اس کے چہرے پہ واضح نوٹ کیے تھے اور دل میں گویا کلیاں چبھتی ہوئی محسوس کرنے لگیں۔

”آئی کانت بلیو دس! مجھے پتہ نہیں کیوں یقین نہیں ہوتا ماما! وہ اتنے گڈ لکنگ ہیں، اتنی امپریسو ہے ان کی پرسنالٹی، میں تو ان کے سامنے ایک دم دبی جاتی ہوں، مجھ میں بھلا ایسا کیا خاص ہے کہ وہ مجھے لائیک کریں گے۔“ وہ کچھ متذبذب سی تھی، خوشی کے ساتھ الجھن کا احساس بھی شدید تھا، اب کے مسز آفریدی نے خاصی سے زیادہ خفگی سے اسے دیکھا تھا۔

”یہ کیسی فضول باتیں شروع کر دیں، تم نے یقیناً کبھی خود کو غور سے نہیں دیکھا، خوبصورتی مجسم ہو کر تمہارے سر اے میں آن سائی ہوئی ہے، جو تمہیں ایک بار دیکھتا ہے مانو تمہارا دیوانہ ہو کر رہ جاتا ہے حالانکہ اکثر لوگوں کو تمہاری بیماری کا علم ہے پھر بھی آئے دن انہی لوگوں میں سے کوئی نہ کوئی

بات کے اختتام تک ان کا گلابی طرح سے بھرا گیا تھا، جہاں نے گھبرا کر انہیں دیکھا پھر آہستگی سے نرمی و محبت سے انہیں اپنے ساتھ لگا لیا تھا۔

”میری بات سے اگر آپ کو تکلیف پہنچی ہے چچی جان تو مجھے معاف کر دیں۔“

”معافی تو ہمیں مانگنی چاہیے بیٹے! ہم تو گویا تم سے نظریں چار کرنے کے قابل بھی نہیں رہے، زینب کی سرکشی اور ضد سے ایویں تو مجھے خوف نہیں آتا تھا۔“ وہ اب کے بری طرح سے ہلکے اٹھی تھیں جبکہ جہاں تو شاکد رہ گیا تھا، اسے گمان تک نہیں تھا وہ اصل بات سے آگاہ بھی ہو سکتی ہیں، اس صبح معنوں میں خود کو سنبھالنا شوار محسوس ہو رہا تھا۔

”چچی جان پلیز! ٹیک اٹ ایزی، کنٹرول یور سلیف۔“ خاصی تاخیر سے وہ خود کو سنبھال پایا تو بچھے ہوئے لہجے میں آہستگی سے بولا تھا، اس کے لئے یہ اعصاب شکن انکشاف تھا کہ معاذ ہی نہیں ماما اور پاپا بھی زینب کی حقیقت سے آگاہ ہو چکے ہیں، اس کے باوجود اس نے زینب کے دفاع کی اور پوزیشن کلیئر کرنے کی کوشش کرنی جا رہی تھی۔

”آپ غلط سمجھ رہی ہیں چچی جان! ایسا کچھ نہیں ہے، زینب تو.....“ ماما نے آنسو بھری نظروں سے اسے دیکھا تھا پھر اس کے ہونٹوں پہ اپنا لرزیدہ ہاتھ رکھ دیا تھا۔

”اس کی اتنی بے جا حمایت مت کرو جہاں! اس نے صرف تمہارے نہیں ہمارے بھی دلوں کو دکھایا ہے، میں اگر مجبور نہ ہوتی تو لازمی اس کو سرزخ کرتی مگر.....“

”آپ اس چیٹر کو اب ہمیشہ کے لئے کلوز کر دیں پلیز۔“ جہاں کے آہستگی سے کہنے پہ ماما نے بھینچا ہوا سانس کھینچا تھا اور کچھ دیر پلویں سی سر جھکائے بیٹھی رہیں۔

”پرینیاں بھابھی سے ملنے گئی تھیں آپ؟“ جہاں نے دانستہ اگلی بات چھیڑ کر انہیں اس کیفیت سے نکالنا چاہا۔

”پرینیاں کو اس تقریب میں شریک ہونا چاہیے نا جہاں؟“

”جی بالکل ہونا چاہیے۔“

”مگر تمہارے چاچو کہہ رہے ہیں وہ پرینیاں سے یہ بات نہیں کریں گے، دوسرے لفظوں میں وہ اسے فورس کرنا نہیں چاہتے میں نے کہا میں خود لے آئی ہوں اسے، مگر کہتے ہیں جہاں لائے گا، تم کب لاؤ گے؟“ جہاں نے گہرا سانس بھر کے خود کو ڈھیلا چھوڑ دیا۔

”جب آپ کہیں۔“

”وہ آتو جائے گی نا؟“ ان کا خدشہ زبان پہ آ گیا، جہاں آہستگی سے مسکرا رہا تھا، پھر اپنا بازو ان کے شانے پہ دراز کرتے ہوئے رسائی سے بولا تھا۔

”ڈونٹ یو وری چچی جان! خوش قسمتی سے آپ کی بہو صاحبہ بہت روادار اور فرمانبردار ہوا تو ہوئی ہیں، مجھے نہیں لگتا وہ آپ کی کوئی بات ٹال سکیں، آپ تو چلیں گی نامیرے ساتھ انہیں لینے۔“

”ممانے لے ساختہ سر کونٹی میں جنیشن دی تھی، پھر وگیری سے بولیں۔“

”جو کچھ اس کے ساتھ ہوا ہے وہ ہرگز بھی اس لائق نہیں کہ اب ہم اس پہ یہ حق استعمال کر سکیں، بیٹے میں اسے خود جا کر مشکل میں گرفتار نہیں کرنا چاہتی، شاید اس صورت وہ انکار نہ کر سکے،

تم چلے جاؤ اور اس سے زبردستی ہرگز نہ کرنا۔“

”تقریب کل ہے، کل نہ چلا جاؤں؟“

”نہیں بیٹے، عین وقت پہ بلانا مناسب نہیں لگتا، وہ گھر کے فرد کی حیثیت رکھتی ہے۔“

”او کے فائن، میں چاچو سے بات کر لوں پھر چلا جاؤں گا۔“ جہاں نے گفتگو سمیٹی تھی اور چائے کا گگ اٹھا کر ہونٹوں سے لگا لیا، ماما خاموش اور کسی سوچ میں گم بیٹھی تھیں۔

☆☆☆

کون سا ہو گا ہم سا تہی داماں لوگو

جب میں حرف دعا ہے نہ ہتھیلی پہ حنا

نہ بسم نہ رفاقت نہ کوئی لمحہ یاد

آنکھ ویران ہے اور دل خالی

ہونٹ نادم ہیں اور بنا ہم پیوست

ان کہے حروف ہیں رنجور اور ساعیتیں بے فیض

انگلیاں خشک چٹانوں کی طرح تڑخی ہیں

کسی آنسو کی نمی ان کی زباں پہ کبھی اتری ہی نہیں

آس جکڑی نہ تمنا کسی دو جے کو تھمائی ہم نے

عمر بھر تنہا رہے تنہا جیئے

کہنے کو کچھ تو تھے بہت اپنے

خودی کے زعم میں داؤ پہ لگایا جن کو

لیکن یہ گماں

ہاں صرف گماں

وہ نہانے ہنسی ہوئی تھی گیلے بال تولیے میں لیڈے باہر نکلی تو ثنا جو اس کی منتظر تھی اس کی متورم آنکھیں دیکھ کر کڑے تیور ڈھیلے کر کے گہرا سانس بھر کے رہ گئی تھی۔

”میں پوچھتی ہوں آخر ہو کیا گیا ہے تمہیں؟“

پرینیاں نم لمبے بال جھٹک کر انہیں برش سے سلجھانے میں مصروف ہوئی تھی اسے نظر انداز کیے جب ثنا کے تیور پھر سے سختی سمیٹ لائے تھے۔

”کیا ہوا ہے؟“ پرینیاں نے اپنے کام میں محورہ کر بے نیازی سے استفسار کیا تو اسے تپ چڑھنے لگتی۔

”میم یہ آپ مجھے بتائیں گی کہ کیا ہوا ہے آپ کو، کیوں مجھ سمیت کالج کا بھی بائیکاٹ کر رکھا ہے۔“

”ایسی کوئی بات نہیں، بس ذرا طبیعت اچھی نہیں تھی تو.....“

”پرری! تم جانتی ہو تمہاری اسٹڈی کا کتنا حرج ہو چکا ہے، پھر وہ دانیال..... تمہیں روز غائب پا کر میرا سر کھاتا ہے، آج تو تمہیں ملنے کو یہاں آنے کا بھی کہہ رہا تھا۔“ ثنا نے کہا تھا اور پرینیاں

اڑنے لگیں۔

”کون ہے، آپ نے دیکھا تو ہوگا۔“ اس نے ہکلا کر پوچھا تھا جو باہر درمیانی عمر کی عورت بھی معنی خیزی سے مسکرائی تھی۔

”یہ تو آپ کو پتہ ہوگا جی کون ہے، ویسے ہے بہت ہی پیارا، انگریزی فلموں کا ہیرو لگتا ہے دیکھنے میں تو۔“ پر نیاں کا رنگ اڑ سا گیا اس نے سہمی ہوئی نظروں سے ٹاکو دیکھا تھا۔

”مجھے لگتا ہے وہی منحوس آن ٹیکا ہے، تم بتا رہی تھیں نا کہ میم نے اسے یہاں گھسنے کیسے دیا۔“ وہ ٹاکو کے ساتھ لگ کر سرگوشی میں بولی تھانے اس کے وجود کی خفیف کپکپاہٹ کو محسوس کیا تھا اور جیسے ٹھنڈا سانس بھر کے رہ گئی۔

”ٹھیک ہے آپ چلیں ہم آ رہی ہیں۔“ تھانے خاتون کو فارغ کیا تھا پھر اسے گھورتے ہوئے بولی تھی۔

”پرری بالکل احمق ہو تم، ہاتھ پیر منٹوں میں چھوڑ دیتی ہو، نان سنس، آخر یہاں کے کچھ روز ہیں وہ جتنا بھی لفنگا سہی مگر اس طرح یہاں نہیں کھس سکتا، عین ممکن ہے تمہارے ڈسینٹ انکل کا کوئی بیٹا آیا ہو اس مرتبہ تم سے ملنے، آؤ میں دیکھتی ہوں تمہارے ساتھ۔“ تھانے اس کے گریز اور خوف کو خاطر میں لائے بغیر ایک طرح سے گھسیٹ کر ساتھ لائی تھی، وزٹینگ روم کے دروازے پر رک کر پر نیاں نے اپنے حواس بحال کیے اور خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر گویا خود کو سنبھالنے کی سعی کی تھی پھر محتاط انداز میں تھانے کی معیت میں اندر داخل ہوئی تو اپنے روبرو جہان کو دیکھ کر وہ ایک دم ساکن رہ گئی تھی۔

”السلام علیکم کیسی ہیں آپ؟“ جہان اسے دیکھ کر اٹھا تھا اور مسکرا کر گفتگو کا آغاز کیا۔
 ”علیکم السلام میں ٹھیک ہوں کیسے آنا ہوا آپ کا؟“ پر نیاں کے چہرے کے تاثرات ایک دم سے تبدیل ہو گئے تھے خوف کی جگہ نخوت سے سختی نے لے لی، جہان نے محسوس کیا تھا اور گہرا سانس کھینچ کر خفیف سا مسکرایا۔

”آئی تھینک چاچو کی بجائے مجھے دیکھنا آپ کو اچھا نہیں لگا۔“
 پر نیاں نے اس مرتبہ جواب نہیں دیا اور آہستگی سے ایک صوفے پر بیٹھ گئی، جہان نے اس محتاط نظروں سے دیکھتے ہوئے کھنکار کر گلا صاف کیا تھا۔

”میں آپ کو لینے آیا ہوں۔“ اب کی مرتبہ پر نیاں نے چونک کر اسے دیکھا تھا اور کچھ دیر تک مضطرب سی کیفیت میں مبتلا دیکھتی رہی۔
 ”آپ کے لئے چائے لانی ہوں۔“

”نہیں پر نیاں میں“
 ”میں چائے بنا کے لاتی ہوں۔“ تھانے جہان سے جہان کو دیکھ رہی تھی ہڑ بڑا کر بولی اور کچھ مزید سنے بغیر اٹھ کر چلی گئی، جہان جیسے ایک دم ریلیکس ہوا تھا۔

”آئی تھینک آپ نے یہاں کسی کو کچھ نہیں بتایا۔“ اس نے ایک اندازہ ظاہر کیا تھا جسے سمجھتے ہوئے پر نیاں کے چہرے پر موجود سنجیدگی اور حنفی میں گراں قدر اضافہ ہو گیا۔

کے چہرے کا رنگ اڑ گیا تھا، ہیر برش ہاتھ سے چھوٹ کر فرش پہ جا گرا وہ ساکن کھڑی تھی، تھانے متحیر ہو کر اس کی حالت ملاحظہ کی تھی۔

”خیریت پر نیاں! کہیں تم دانیال سے ہی تو خائف نہیں ہو؟“ تھانے محض ایک اندازہ لگایا تھا مگر پر نیاں کا ضبط جواب دے گیا تھا۔

”اس ذلیل کینے آدمی کو کہو میرا پیچھا چھوڑ دے، ورنہ یا تو میں اسے شوٹ کر دوں گی یا پھر خود کو۔“ ہاتھوں میں چہرہ اڑھانپ کر ہچکیوں سے روتی ہوئی وہ پھپھڑوں کی پوری طاقت صرف کر کے چیخی تھی، تھانے صحیح معنوں میں بھونچکی رہ گئی تھی۔

”پرری پر نیاں ٹیک اٹ ایزی، ریلیکس جانو۔“ تھانے آگے بڑھ کر اسے گلے لگایا تھا اور تھپکنے لگی۔

”دانیال نے کچھ کہا ہے تم سے؟“ پر نیاں خود کو سنبھال کر بھیگی آنکھیں رگڑتی اس سے الگ ہوئی تب تھانے بے حد سانسیت سے سوال کیا تھا، پر نیاں کچھ نہیں بولی اور ہونٹ کچلتی رہی، تھانے اس کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لئے تھے۔

”تم مجھ پہ بھروسہ تو کر سکتی ہو پر نیاں!“ اس کے لہجے میں محبت تھی، اپنائیت تھی اور خلوص تھا، پر نیاں بے بس ہونے لگی، پھر دل کا بوجھ بھی کھٹا سس مانگتا تھا۔

”وہ مجھے دھمکیاں دیتا ہے، مجھے بہت ڈر لگنے لگا ہے تھانے، تم جانتی ہونا میں اکیلی ہوں۔“
 ”دھمکیاں کیوں دیتا ہے؟“ تھانے سب سے اہم سوال کیا تھا، پر نیاں کا اضطراب کچھ اور بڑھا۔

”پر نیاں!!!“ تھانے اس کا کندھا ہلایا تو وہ جیسے چونکی تھی۔
 ”شادی کرنا چاہتا ہے۔“

”یہ تو اچھی بات ہے یار، اگر وہ“
 ”بے حد کرپٹ انسان ہے وہ پھر میں تو آل ریڈی“ وہ جیسے بے اختیاری کی کیفیت میں کہتے کہتے یکنخت سنبھلی اور ہونٹ باہم سختی سے بچھ لئے، تھانے نے اس کی اس حرکت کو بالخصوص نوٹس کیا تھا۔

”کیا تم تو آل ریڈی“
 ”تھا وہ بندہ تمہیں میرے قابل لگتا ہے؟ اس قسم کے تھرڈ کلاس عاشق قدم قدم پہ ملتے ہیں، ہر کسی کی آفر تو نہیں قبول کی جاتی۔“ وہ بہت خوبصورتی سے بات بدلتے وہ سختی سے جواب دے رہی تھی، تھانے سے دیکھ کر رہ گئی، مطلب واضح تھا وہ اس بات کا جواب نہیں دینا چاہتی تھی۔

”ٹھیک ہے تم اسے منع کر دو۔“
 ”کہا نا وہ فضول دھمکیاں دے رہا ہے مجھے۔“
 ”کسی کی گیدر بھکیوں سے ڈر کر چپ کے بیٹھ جاؤ گی، تم اپنے انکل کو کیوں نہیں بتاتی ہو؟“
 ”مس پر نیاں آپ کو کوئی ملنے آیا، وزٹینگ روم میں آ جائیں۔“ اس سے قبل کہ پر نیاں جواباً کچھ کہتی وارڈرن کی ہیلپر اس کے لئے پیغام لے کر چلی آئی، پر نیاں کے چہرے پہ جیسے ہوائیاں

قرآن شریف کی آیات کا احترام کیجیے

قرآن مجید کی مقدس آیات اور احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور تبلیغ کے لیے شائع کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے لہذا صحیح صفحات پر یہ آیات درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حسرتی سے محفوظ رکھیں۔

گئی۔

”اب مجھے سمجھ آئی تم بیچارے دانیال کو گھاس کیوں نہیں ڈال رہی تھیں، یار اتنا ڈیشنگ بندہ..... اف رینگی میں تو اسے دیکھتی رہ گئی، اوپر سے نام بھی کیا شاندار ہے۔“

”بکومت یہ بھائی ہوتے ہیں میرے، خبردار جو کچھ ایسا ویسا سوچا بھی تو، اپنی منگنی کی تقریب میں بلانے آئے ہیں مجھے۔“ پر نیاں نے اسے گھور کر سب سے اہم اطلاع پہنچائی تو ثنا کا منہ لٹک گیا تھا۔

”یار دو گھڑی کو خوش ہی ہو لینے دیتیں، بندہ جتنا کمال سے تا تیرے ساتھ بہت سوٹ کرتا، چل تو نے بھائی کہہ دیا تو میرا ٹانگہ فٹ کرانے کی کوشش کرتی مگر نہیں سمجھیں اتنی فکر ہوتی تو ایک سال پہلے نہ پھولی ہوئی منہ سے۔“ پر نیاں نے اس کی باتوں پر دھیان نہیں لگایا تھا اور اپنا ایک آدھ جوڑا بیگ میں رکھ کر ثنا کو خدا حافظ کہتی جہان کے پاس آئی تو وہ جیسے اس کا منتظر تھا۔

”مجھے بے حد خوشی ہو رہی ہے جہان بھائی کہ زینب آپ سے منسوب ہو رہی ہے، ممانے بتایا تھا مجھے کہ بچپن سے آپ کی ان سے بہت دوستی رہی ہے، انڈر اسٹینڈنگ بھی کمال تھی، ایسے پینر بہت خوشگوار اور کامیاب زندگی گزارتے ہیں۔“ اس نے اپنی وہ پاراض یقیناً ختم کر دی تھی جہی گاڑی میں اس کے ساتھ بیٹھتے ہی وہ کسی قدر خوشدلی سے بولی تھی، جہان کے چہرے پہ ایک تاریک سایہ لہرا کر معدوم ہو گیا تھا اس نے خود کو سنبھالنے کی سعی کی تھی اور اپنے ہونٹ کا زیریں کنارہ بے دردی سے دانتوں سے دبایا تھا اور خود پہ جبر کر کے آہستگی سے بولا تھا۔

”زینب کی انگریج منٹ تیمور خان سے ہو رہی ہے پر نیاں، چچی جان نے جو کچھ آپ سے کہا تھا وہ کسی شدید غلطی نہیں کا نتیجہ تھا، اینڈ دیٹ سیک۔“ جہان بظاہر جتنا نارمل نظر آ رہا تھا اندر سے اسی قدر مضطرب تھا اور پر نیاں تو جیسے اس انکشاف کی زد پہ متحیر مششدر اور بھونچکی رہ گئی تھی۔

(باقی آئندہ ماہ)

”آپ ٹھیک سمجھے ہیں اور میں بتانا بھی نہیں چاہوں گی، بہتر ہوگا آپ بھی خیال رکھیں۔“

”ڈونٹ وری، ویسے آپ مجھ سے کیوں خفا ہیں؟“ وہ کچھ دکھ میں مبتلا ہو کر بولا۔

”آپ کو محسوس ہوا ہے؟“

”مجھے سمجھی کچھ غلط محسوس نہیں ہوتا مائی سس۔“

”میں آپ کی ناراضگی کی وجہ سمجھ سکتا ہوں، سوچا اس روز میں آپ کی کال پک نہیں کر سکا مگر

بعد میں آپ نے اپنا نمبر.....“

”آپ کو جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت تھی؟“

”کون سا جھوٹ؟“ جہان نے حیران ہو کر اسے دیکھا پھر اس کی آنکھوں میں مچلتی نمی کو

محسوس کر کے شرمندہ ہونے لگا تھا۔

”وہ جھوٹ نہیں سچ ہے، معاذ محض دودان کے لئے میرے پاس لاہور آیا تھا، یقین کریں وہ

شاہ ہاؤس کے کسی ملکین سے بھی نہیں ملا بلکہ کسی کو علم بھی نہیں ہے۔“

”مجھے اس سے کوئی غرض نہیں ہے، آپ مجھے کیوں لینے آئے ہیں یہ بتائیں آپ کو پتہ ہے

میں.....“

”مجھے چچی جان نے بھیجا ہے، زینب کی انگریج منٹ ہو رہی ہے، آپ سمجھ سکتی ہیں آپ کی

شرکت کس قدر ضرور ہے، چچی خود آپ کو لینے آئیں مگر وہ سب لوگ آپ سے بہت شرمندہ ہیں۔“

”زینب کی انگریج منٹ ہو رہی ہے یعنی آپ کی، مبارک ہو بھائی۔“ وہ سب کچھ بھول بھال کر

یادداشتہ نظر انداز کیے اسے جوش ہرے انداز میں ش کرنے لگی جہان کی اذیتیں محسوس کیے بغیر، وہ

خاموش رہ گیا تھا، تبھی ثنا چلا۔ ہنسیت اندر آئی تھی، پائے کے دوران تقریباً خاموشی چھائی رہی

تھی۔

”آپ چل رہیں ہیں نامیرے ساتھ؟“ جہان نے خالی کپ جھک کر میز پر رکھتے امید افزا

نظروں سے اسے دیکھا تھا، پر نیاں نے جھکی پلکیں اٹھا کر لمحہ بھر کو اسے دیکھا پھر گہرا سانس بھر کے

سرکواثبات میں جنبش دی تھی۔

”گڈ.....“ جہان جیسے لہلہکا پھلکا ہوا جیسے سر سے بھاری بوجھ اتارا ہو۔

”آپ اپنا ضروری سامان لے لیں پھر آئیے ہیں۔“ رسٹ وائچ پہ نگاہ ڈالتے ہوئے جہان

نے پہلو بدلاتا تو پر نیاں نے اپنی جگہ چھوڑ دی تھی۔

”آپ نے میم سے بات کی مجھے ساتھ لے جانے کی؟“ اس نے وارڈن کا حوالہ دیا تھا

جہان نے کانڈھے اچکا کر سرکواثبات میں جنبش دی۔

”ان سے جاچو بات کر چکے ہیں، آپ کیا سمجھتی ہیں ایویں آپ کے سامنے بیٹھا ہوا ہوں۔“

پر نیاں محض مردانہ مسکرائی تھی پھر وہاں سے پلٹ کر باہر نکلی تو اس کا دل ہی نہیں اٹھتے قدم بھی بوجھل

ہو رہے تھے، اگر دانیال والا معاملہ بیچ میں نہ آچکا ہوتا تو شاید نہیں یقیناً وہ یہ میفاہمت ہرگز نہ کرتی

مگر اب ان حالات میں سے ان لوگوں کا سہارا لینا پڑ رہا تھا تو اس کی مجبوری تھی زندگی میں ہر جگہ

ہر مقام پہ صرف اتنا کو نہیں دیکھا جاتا، اس نے سرد آہ بھری تھی اور بے دلی سے سیڑھیاں چڑھنے

قلمی نگار

◇◇◇ ام مریم ◇◇◇

معاذ ہر طرح سے جہان کو فورس کرنے کی کوشش کرتا ہے، مگر جہان محبت میں زبردستی کا قائل نہیں، یہی بات وہ معاذ کو بھی سمجھاتا ہے جس سے متفق نہ ہونے کے باوجود معاذ اس کے سامنے ہتھیار ڈال دیتا ہے، مگر وہ نینب سے اتنا خفا ہے کہ کسی سے بھی ملے بغیر وہی کا قصد کر لیتا ہے۔ پر نیاں کالج میں نئے مانیگریٹ ہو کر آنے والے دانیال اسد کی اپنی ذات میں دلچسپی لینے سے پریشان ہے، دانیال اسے پروپوز کرتا ہے پر نیاں کے سختی سے انکار پر وہ دھمکیوں پر اتر آتا ہے جس سے مخالف ہوئی پر نیاں کچھ نہ سمجھ آئے یہ جہان کو سارا معاملہ بتانے کو کال کرتی ہے مگر اس کی بات جہان کی بجائے معاذ سے ہوتی ہے معاذ کا رویہ پر نیاں کو مزید ہرٹ کر جاتا ہے۔

مسز آفریدی، ڈالے کو جہان کے حوالے سے خود ساختہ سنوری سنا کر ہر صورت اسے جہان سے شادی پہ آمادہ کرنے کی کوشش کرتی ہے، ڈالے متذبذب ہے مگر اس کا دل جہان کی جانب کھینچتا ہے جہان کو اس کی سالگرہ کے دن کسی انجان شخصیت کی طرف سے پھول ملتے ہیں کارڈ پہ لکھی نظم پڑھ کر جہان کا موڈ آف ہو جاتا ہے۔

جہان نینب کی مگنی میں شرکت کی غرض سے شاہ ہاؤس پہنچتا ہے، تو ماما سے پر نیاں کو لانے کا کہتی ہیں، پر نیاں جہان سے نکل کر ظاہر کرتی ہے مگر جہان کی باتوں کے سامنے وہ اس ناراضگی کو برقرار نہیں رکھ سکتی اور اسے مگنی کی مبارک باد دیتی ہے، جہان اسے یہ بتا کر شاکڈ کر دیتا ہے کہ نینب کی مگنی تیمور شاہ سے ہو رہی ہے۔

بارتھویں قسط

اب آپ آگے پڑھیے



پر نیاں اس شاک سے نکلی تو سوالیہ نگاہیں جہان کے چہرے پہ آن رکی تھیں، جو خود کو کسی مد تک سنبھال چکا تھا، مگر بچنے ہوئے ہونے اس کے ضبط کے گواہ تھے، وہ خاموش بیٹھی رہ گئی کچھ تو تھا کہ ایسا جو اس نے محسوس کیا تھا اور خود کو کسی سوال کرنے سے باز رکھا، دونوں کے درمیان کبھی اور بوجھل سناٹا چھایا رہا، گاڑی پر رہتی سڑکوں جلتے بچتے سائن بورڈز اور بلند و بالا عمارتوں کو پیچھے چھوڑتی سرعت سے اپنی منزل کی جانب بڑھتی رہی جہاں تک کہ وائٹ عمارت کے سیاہ گینت کے سامنے آن رکی، جس کی پیشانی پہ شاہ ہادس کے حروف رات کے اندھیرے میں بھی جھنگاتے ہوئے نظر آ رہے تھے اور جس بل ان کی گاڑی پورج میں آن کر رکی اسی لمحے ایک اور گاڑی بھی پورج میں داخل ہوئی تھی اور ایک ہنگسے سے رک گئی، پر نیاں جو کچھ مضطرب اور گریزاں سی بیٹھی تھی اس سمت متوجہ ہوئی تھی، گاڑی کا پچھا دروازہ کھلا تھا اور ایک نازک اندام بے حد دکھائی لڑکی گاڑی سے باہر نکلی آئی، سنا اس کی نگاہ پچھلے سے نکل کر پچھا دروازہ ان لاکھڑے جہان پر پڑی تھی اور اس کی آنکھیں ایک دم چمک اٹھیں۔

”جے آپ!“ وہ خوشی و انساب سے چٹکی تھی اور لپک کر اس کی جانب آگئی جہان بھی متوجہ ہوا تھا مگر جہان کا انداز نارمل تھا۔

”کب آئے آپ؟ پتہ ہے مجھے سب سے زیادہ آپ کا دیٹ تھا۔“
 ”اوکے! تم اب آئی ہو پارلر سے، اتنے کھٹے لگا کر؟“ جہان نے پچھا دروازہ کھول دیا تھا، پھر پر نیاں کی سمت متوجہ ہوا۔

”آئے پلیرز!“ اس کا لہجہ، انداز بے حد سوڈیپ تھا، پر نیاں نے گہرا سانس بھرا اور جھکتے ہوئے اتری تھی اس کی نگاہ پھر اس لڑکی کی سمت اٹھی تھی جو حیران پریشان سی گویا آنکھیں پھاڑے غیر یقینی سے اسے غور رہی تھی، پھر اس نے اس حیرت پہ قابو پائے بغیر جہان کو ٹھوکا دے کر اپنی جانب متوجہ کیا تھا۔

”جے کون ہے یہ لڑکی؟“ اس کا انداز کڑا تھا بے حد ناپسندیدگی لئے ہوئے پر نیاں فطری طور پہ کفیوژ ہوئی۔

”زنوب یہ پر نیاں بھابھی ہیں، میں انہیں ہاسٹل سے لے کر آ رہا ہوں۔“ جہان کے ٹھہرے ہوئے لہجے میں رمانیت آمیز تری تھی، زنوب نے ٹھک کر پہلے جہان پھر پر نیاں کو دیکھا تھا اور کچھ لمحوں کو حیرت کی زیادتی سے اس کا منہ کھلا رہ گیا تھا، جدید ٹرائش خراش کا آئینی گااہی سوٹ ہمرنگ بے حد اسٹائلش و وپنہ سلپتے سے اوزھے میک اپ سے مبرا سحر انگیز چونکا دینے کی حد تک دکھائی نقوش کی مالک پر نیاں کا حسین چہرہ اتنی جاذبیت اس قدر اثر کشن لئے ہوئے تھا کہ زنوب ہر پلکیں جھپکے بنا سے دیمتی چلی گئی تھی، مٹا وغیرہ کی تعریفوں پہ کان نہ دھرا تھا، پر نیاں واپسی اتنی من موہنی شخصیت اور وقار اپنے اندر رکھتی تھی کہ پہلی نگاہ میں ہی دل میں اتر جانے کی صلاحیت سے مال گئی۔

”انہوہ زنوب کیا ہو گیا ہے جس میں، بجائے سلام دعا کرنے کے تم انہیں گھورے جا رہی ہو۔“
 جہان نے پر نیاں کو بڑبڑلے ہوئے محسوس کیا تو زنوب کو: ”اٹا تھا جو، وہی اس بل احسن اعظم لگ رہی تھی

جہان کی بات پہ سنبھل کر غصیانی ہنسی ہنسی اور جینپ کر پر نیاں کا ہاتھ مصافحے کے انداز میں تھام کر جوش سے دہرایا۔

”ہائس ٹو میٹ یو بھابھی صاحبہ اور اسے محض رکھی جملہ نہ سمجھئے گا، ریلی جے کے بعد سب سے پہلے آپ سے ملنے اور دیکھنے کا شرف حاصل کر کے میں سچ معنوں میں خود پہ فخر کر سکتی ہوں۔“ اس نے بے ساختہ اسے گلے لگا دیا تھا پھر اسی بے تکلفی سے اس کا گال چوما، پر نیاں مخالفت نشت اور شرم سے بالکل سرخ بڑ گئی، زنوب کے والہانہ انداز نے اس کے جھکے چہرے کے رکھ دیئے تھے، اس نے پتلا کر جہان کو دیکھا، وہ زیر لب مسکان کے ساتھ بے بسی سے کاغذ سے جھٹک کر رہ گیا تھا، اس بل لہا اور ماما جان کی معیت میں ایک بڑا سا قافلہ اندرونی حصے سے لان کی جانب اور پھر پورج میں آ گیا، پھر تو گویا پر نیاں کوئی سیاسی لیڈر تھی جس نے کئی مصافحے اور معافیے سن تبا بھگتائے تھے سب کی محبت اور جوش و خروش دیکھنے لائق تھا، اسے ہاتھ تیل کی دھار گرا کر گھر کی دہلیز پار کرائی گئی تھی، اس قدر والہانہ کر جوش استقبال نے جانے کس کس سوچ اور خیال کے ساتھ پر نیاں کی آنکھیں نم کر ڈالی تھیں، اسی بھابھی نے منوں میں چائے پہ ڈھیروں اہتمام کر لیا اور چائے کے دوران اس اتنے بڑے شرارتی نولے سے اس کا تعارف ہوا تھا کروانے والا زیاد تھا اور اس کا انداز اتنا مزاجیہ تھا کہ پر نیاں کی بار بار ہنسی چھوٹی رہی تھی، اس کے بعد زنوب سب کو پر نیاں کے حوالے سے اپنی فیملنگ بتانے لگی جو کچھ دیر پہلے پر نیاں کو دیکھ کر اس پر وارد ہوئی تھی۔

”ایمزنگ! اگر زنوب صاحبہ کا یہ حال ہوا ہے تو لالے کی بھی خیر نہیں، واضح رہے دونوں کی پسند ہی نہیں مزاج اور سوچیں بھی یکساں ہیں، سولی کیئر فل بھابھی جی!“ زیاد نے بے حد شوخی سے پر نیاں سے پھینز چھاڑ کی، پر نیاں کے چہرے کی رنگت ایک دم سے پھلکی پڑ گئی تھی جسے ممانے چھینوس کرتے ہی زیاد کو تادیبی نظروں سے دیکھ کر اس کو کیئر فل ہونے کا سگنل دیا تو وہ منہ بسور کر بیٹھ گیا تھا، وہ سب لوگ خوش گہوں میں معروف تھے جب پچا جہان کے ساتھ وہاں آئے تھے، پر نیاں انہیں دیکھ کر اٹھ کھڑی ہوئی، انہوں نے مسکرا کر اس کی پیشانی چومی تھی اور خیریت دریافت کرنے لگے۔

”سرکس بے باک بننے کی سعادت مند اور با حیا بوی! جوڑ تو خاصا بے ڈھنگا نہیں ہے۔“
 زیاد نے اس منظر کو دیکھا تھا، اور نزدیک بیٹھی معمول سے کچھ زیادہ خاموش نظر آتی تو رویہ کی بہت جھک کر سرگوشی کی، وہ چونکی تھی، اور زشی انداز میں مسکرانے کے بعد سرگوشی میں پر زور انداز میں پیش دہی۔

”نہیں یہ پرفیکٹ کپل ہو گا، پر نیاں ہی ہر لحاظ سے معاذ کے قابل ہیں، اسٹائلش شاندار اور بے حد پرین۔“

”نہیں شکر ادا کر رہا ہوں اللہ کا کہ پر نیاں بھابھی کا تعلق صنف مخالف سے نہیں ہے، ورنہ میرا دل سے لازمی پنکا ہو جاتا۔“ جو اب وہ شوخی سے آنکھیں نچا کر بولا تو لوریہ نے چونک کر اسے دیکھا تھا۔

”کیا مطلب؟ آپ کیوں یہ کہتے ہیں ان سے؟“

"تم اس بری طرح سے ان پر فریفتہ جو ہو گئیں تھیں۔" بات چونکا دینے والی تھی سب پر خاصیت لئے مگر نوریہ کا دھیان ہی تو بٹ گیا تھا دل میں جیسے کوئی پھانس آن چھبی تھی۔
 "ان پر کہاں فریفتہ ہوئی ہوں، فریفتہ کر دینے والا تو ان کا نصیب ہے۔" اس کے ہونچے لہجے میں نارسائی کی سنگین تھی مگر زیاد کہاں سمجھتا تھا، کاغذ سے اچکا کر بولا تھا۔
 "اب ایسے بھی شہزادے گلگام نہیں ہیں لالے۔"

"آپ کی رائے یہ کان کون دھرتا ہے، سب جانتے ہیں آپ شروع سے ان کی فریفتہ پریشانی سے بیخبر ہیں۔" نوریہ جو خود کو سنبھالنا چاہ رہی تھی اسے چھیڑ کر بولی تو زیاد نے سرد آواز میں کہا۔

"یہ تم لالے کا نام کیوں لیتی ہو، ہماری طرح لالہ کیوں نہیں کہتی؟"
 زیاد کے سوال پر نوریہ کے چہرے پر ایک رنگ سا آ کر گزر گیا، اس نے ہونٹ بیچھے اور کہا:
 "زاد یہ بدل کر دوسری جانب دیکھنے لگی زیاد جواب کا خنجر تھا۔
 "بولتی کیوں نہیں ہو؟"

"کچھ خاص نہیں شروع سے عادت نہیں ہے۔" اس نے آہستگی سے کہا اور وہاں سے اٹھ گئی وہ کمرے سے باہر جا رہی تھی جب نرنب کی نگاہ اس پر پڑی اس پل بھی وہ پریناں کے ساتھ جڑی بیٹھی تھی اور اسی سے باتوں میں محو تھی لہجہ بھر کو متوجہ ہوئی تھی پھر پریناں سے کوئی بات کرنے لگی اور جب وہ لوگ کھانا کھانے میں مصروف تھے جہان کی کسی بات پر زیاد نے اختلائی نقطہ اٹھایا تھا اور بلاوجہ بات کو طول دے کر رخ ہوتا چلا گیا، پاپانے اسے بلا دروغ ڈانٹ دیا تھا جس کے نتیجے میں زیاد ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھانا ادمورا چھوڑ گیا، سب سے زیادہ متاثر پریناں ہوئی تھی، کسی حد تک حراساں و متوحش پاپانے اس کے سر پر دست شفقت رکھا تھا۔

"ریلیکس بیٹا! ٹیک ات ایزی!" پریناں کو تسلی دینے کے بعد پاپانے باقی سب کو کھانے کا اشارہ کیا تھا، نوریہ بے حد ڈسٹرب ہو چکی تھی، صورت حال کی گھبراہٹ کو وہ اچھی طرح سے سمجھ چکی تھی باقی سب کی طرح سے اسے بھی زیاد کو جہان کو خواخواہ ڈی گریڈ کرنا پسند نہیں آیا تھا، سب سے پہلے جہان ہی کھانے کی ٹیبل سے اٹھا تھا پھر پاپا اور ان کے بعد نرنب والی نوریہ بھی، برآمدے میں آ کر کچھ دیر تک مشغول سی کھڑی رہی، انرجی سیور لیمپ کے گرد پرانوں کا ہجوم تھا کتنے جل کر گرے تھے، بھلوریں کالج سے نکراتے پر وانوں کے حسین وجود کی ہلکی ٹھنک سے فضا بوجھل تھی اس نے کچھ سانس کھینچا پھر گویا زیاد سے بات کرنے کا فیصلہ کرتی لیکن میں آگئی لڑے میں کھانا نکالا تھا اور اٹھاتے ہوئے زیاد کے کمرے کی جانب آئی تو وہ اسے ٹیبل پر پھلتا ہوا مل گیا تھا۔

"کھانا کھائیں زیاد بھائی!" اس نے جتنے رساں سے کہا تھا زیاد نے اسی قدر تنگی سے اسے گھورا۔

"مجھے نہیں کھانا تم کیوں آئی ہو اس ہمدردی کے ساتھ.....؟" وہ چیخ پڑا۔
 "کس کی ہمدردی؟" نوریہ نے استعجابی نظریں اس کے چہرے پر جما کر اسے گھورا زیاد حیران ہوا تھا۔

"آپ کو غلط فہمی ہے کہ میں آپ کی ہمدردی میں آئی ہوں۔"
 "مجھے یہ خوش فہمی لائن نہیں ہے۔" اس کا موڈ بگڑا تھا جی پھنکا رہا۔

"میں اس قابل نہیں ہوں کہ ہم مانا جاؤں، یہ سب تو جہان صاحب کے حسین و جمیل چہرے نے لے لیا ہے۔" وہ بے رخ ہو چکا تھا اس کے لہجے میں اتنی تپش تھی کہ نوریہ نے خود کو جھلتا ہوا محسوس کیا۔

"زیاد بھائی بسا اوقات حقیقت اپنی تمام تر بے رحمی اور بد صورتی سمیت دانستہ دفنا پڑتی ہے تاکہ اس کی کڑواہٹ اور تنگی سے سارا ماحول نہ خراب ہو، میری آپ سے صرف اتنی ریکوریٹ ہے آپ جہان بھائی کے ساتھ اٹھنا چھوڑ دیں۔"

"اور تمہارا خیال ہے کہ میں تمہاری یہ بات مان لوں گا؟"
 "پاپانے سب کے سامنے مجھے ڈانٹا ایون پریناں بھابھی کا بھی خیال نہیں کیا، کیا عزت رہی ان کے سامنے میری۔" وہ ترخ کر بولا تھا نوریہ نے تاسف بھری نظروں سے اسے دیکھا اور گہرا سانس بھر کے بولی تھی۔

"اس لئے کہ ماموں آپ کی طرح سے حقیقت سے آنکھیں نہیں چرائے ہوئے۔"
 "حقیقت..... حقیقت..... کیا ہے آخر یہ حقیقت؟ جس سے ساری دنیا آگاہ ہے ماموں نے میرے۔" وہ پھر چہنچا اس کا ضبط جواب دے چکا تھا، نوریہ نے اس پر توجہ دانستہ تجاہل برتا تھا، زیاد جو سوالیہ نظروں سے اسے ہی دیکھ رہا تھا اس کے آنکھیں پھیر جانے پر مستعمل ہو کر رہ گیا۔

"تم بولتی کیوں نہیں ہو؟ بتاؤ مجھے کیوں کیا ہے جہان نے ایسا؟"
 "میں نے کہا، کچھ حقیقتیں ہرگز بھی قابل اعتراف نہیں ہوتیں ان کا عیاں نہ ہونا ہی....."
 "تم اپنا یہ گھبر فلسفہ اپنے پاس رکھو بھئی، مجھے اصل بات بتاؤ۔" اس نے نوریہ کا بازو اسی غصیلے انداز میں پکڑ کر زور سے جھٹکا دیا تھا کہ وہ لڑکھڑا کر رہ گئی۔

"چھوڑیں مجھے زیاد بھائی!"
 "وہ تکلیف کے احساس سے تم آنکھوں سمیت کراہی۔"

"میں نے کہا نا مجھے میری بات کا جواب دو۔" معاذ نے سرخ آنکھوں سے اسے گھورتے ہوئے پھنکار کر کہا تھا، نوریہ اب کے کچھ خائف ہوئی تھی، بہر حال وہ نرنب کا راز طشت از بام بھی نہیں کرنا چاہتی تھی۔

"میرا ہاتھ درد کرنے لگا ہے بھائی پلیز چھوڑیں مجھے۔" اب کے وہ سسک اٹھی تھی مگر لفظ بھائی نے گویا زیاد کے طیش کو کچھ اور بڑھا دیا۔

"کتنی مرتبہ کہوں بھائی والی نہ کہا کرو مجھے۔" اس نے آنکھیں نکال کر غصیلے پن سے کہا تھا، نوریہ شاکتہ ہو کر رہ گئی، اس سے قبل کہ کچھ کہنے کی پوزیشن میں آئی ماما اپنے دھیان میں اندر داخل ہوئی تھیں ان دونوں کو ایک ساتھ اور اس طرح دیکھ کر حیرت کی زیادتی سے وہیں دروازے میں قائم کر رہ گئیں۔

"کیا ہو رہا تھا یہ؟" گو کہ زیاد، نوریہ کو چھوڑ کر فاصلے پہ ہو گیا تھا اس کے باوجود انہوں نے

خاص ناگواری دھنگی سمیت بیٹے کو دیکھا تھا، وہ بے ساختہ نکتہ زدہ انداز میں نظر میں چرا گیا۔
 "کیا پوچھ رہی ہوں زیادہ؟" انہوں نے پہلے سے بھی زیادہ کڑے انداز میں استفسار کیا تو
 زیادہ مشتاکر بولا تھا۔

"یہ میری بات نہیں مان رہی تھی۔"
 "کون سی بات؟ بھائی نہ کہنے والی؟" ممانے اسے ساتھ گئی کھڑی نور یہ کہے آنسو نرمی دہن
 سے پونجھ کر بیٹے کو ملامت کی، زیادہ کی خجالت کا کوئی انتہا نہیں رہا تھا۔
 "ہاں ٹھیک ہے آپ بھی مجھے ہی ڈانٹیں۔" وہ جھنجھلا کر انکا پہاٹ پڑا۔
 "جب تم غلط ہو تو تمہیں ہی ڈانٹ پڑے گی نا۔"

"ہاں جہان صاحب توجہ کر کے لوٹے ہیں، تمام گناہوں سے مبرا۔" وہ حلق تک کڑواہٹ
 بھر کے بولا، ممانے اسے دیکھا تھا پھر دھنگی کے اظہار کو رخ پھیر لیا۔
 "یہ کیا بات ہوئی بھلا ماما! میں اسحق نظر آتا ہوں شکل سے آپ کو؟ مجھے کوئی کچھ کیوں نہیں
 بتاتا؟"

"اس لئے مائی سن کہ بتانے کو قابل فخر ایسا کچھ نہیں اور آپ نمبرے بلا کے جذباتی۔"
 "کیا مطلب؟ جہان بھائی نے باہر شادی وادی تو نہیں کر رہی۔"
 "کاش ایسا ہی ہوتا ہمارے سر تو اس بچے کے سامنے نہ جھکتے۔" ماما کی آنکھیں ہی نہیں کی
 بھی بھرا گیا، زیادہ نے الجھ کر انہیں دیکھا تھا۔
 "میں سمجھا نہیں ماما!"

"یہ مسئلہ زینب کی ایما پہ ہو رہی ہے، بس سن لیا اب بھی جا کے آکر جہان کے سامنے جا کر
 ارے وہ بچہ اپنی شرافت کی وجہ سے خاموش ہے اور آج کے دور میں کسی کی شرافت کو اس کی کمزوری
 ہی سمجھا جاتا ہے۔" انہوں نے دکھ بھری افسردگی سے کہا اور جھگی آنکھیں پونجھتی ہوئیں باہر چلی گئیں
 زیادہ ساکن کھڑا رہ گیا تھا۔

☆☆☆

تجھ کو شاید نہیں خبر سائیں
 عشق کرنا ہے معجز سائیں
 تیرے قدموں میں رکھ دیا خود کو
 اب جو چاہے سلوک کر سائیں
 اپنے صدمے سے مار دتا ہے
 عشق ملتا نہیں اگر سائیں
 تجھ کو چاہا نہیں خدا کی قسم
 تجھ کو پوجا ہے عمر بھر سائیں
 بھول جاؤں میں کس طرح سب کچھ
 زور چلا ہے عشق پر سائیں

ساحلوں کی ہوا ہوں آج مجھے
 اپنی منہمی میں قید کر سائیں
 اس نے گہرا سانس کھینچا اور تھکتا ہوا سر گھٹائے سے نیچے اچھال دیا، ابھی کچھ دیر قبل ہی وہ
 اسٹینڈ وغیرہ کے کاموں سے فراغت کے بعد اپنے روم میں آیا تھا اور یادوں سے چھٹکارا پانے کی
 غرض سے نیرس پہ بیٹھنے لگا تھا، کل کی تقریب کا سارا انتظام لان میں کیا گیا تھا، وادی سے یہاں
 تک کا سفر طے کر کے آنے والوں کے آرام کا ہر لحاظ سے خیال کیا گیا تھا ان لوگوں کو وہی روز چونکہ
 واپس بھی جانا تھا جیسی رات کی بجائے دن میں ہی تقریب ہونا تھی انتظام بے حد اعلیٰ بنانے پہ کیا
 گیا تھا اور جہان نے ہر کام میں پیش رو کر، معاذ کی غیر موجودگی اور زیادہ کی لاپرواہی کے باعث
 اس نے پاپا کے بیٹا ہونے کا حق ادا کر کے، دکھایا تھا دل کی حالت کو یکسر نظر انداز کیے خود کو سنبھال
 لینے کے باوجود پتہ نہیں کیوں وہ ان لمحات میں پھر کمزور پڑ رہا تھا حالانکہ یہی نہیں پابستا تھا وہ، اس
 نے بے چینی سے اپنی پیشانی کے بال منہمی میں جکڑ کر جھٹکا دیا اور اپنی جلتی ہوئی آنکھیں بند کر لیں،
 زینب کو ہمیشہ کے لئے کسی اور کو سوپ دینے کا احساس اتنا تکلیف دہ تھا کہ اسے اپنا وجود وہ نکلروں
 میں تقسیم ہونا محسوس ہونے لگا، بھگتی رات کے نم جمو گئے اس کے حدت سے بھرے وجود کو چھو چھو کر
 گزرنے لگے، اسے اپنے قریب ہلکی آہٹ محسوس ہوئی تھی، اس نے چونک کر آنکھیں کھولیں اور
 اپنے روبرو زینب کو پا کر شہرہ رہ گیا تھا۔

"تم! تم کب آئیں؟"

"جب آپ بہت پریشان ہو رہے تھے۔"

"کیا ہوا ہے؟" وہ گھٹی ہمدردی سے پوچھ رہی تھی جہان کا کرب دو چہرہ ہو گیا۔

"تم اس وقت کیوں آئی ہو خیریت؟" جہان نے اس کا پہلا سوال نظر انداز کر دیا تھا، زینب
 نے کاندھے اچکا دیئے۔

"آپ کو دش کرنے، آپ کا ہر تھوڑے سے نا آج۔" اس نے خوبصورت رہنمائی میں اپنا گھٹ
 آگے کر کے اسے خوبصورت لفظوں میں دش کرنا شروع کیا تھا، جہان ساکت و سامت کھڑا اسے
 دیکھتا رہ گیا۔

"آئی ایم ساری جے میں اس مرتبہ لیٹ ہو گئی ہوں، ایک وجہ تو یہ تھی آپ یہاں نہیں تھے
 اور۔۔۔"

"اب اس قسم کے چونچلوں میں پڑنے کی کیا ضرورت تھی تمہیں، میں نے سمجھایا بھی تھا
 کہ۔۔۔؟"

"پلیز جے! لیواٹ۔"

"میں خود کو پابند نہیں کر سکتی اور سکری فائز میری نیچر میں نہیں ہے میں نے بھی کہا تھا نا کہ مجھے
 آپ کو نہیں کھونا۔" وہ جواباً ہی بولی تھی، جہان ہونٹ جھنجھے اسے دیکھتا رہا، اس کی اتنی سنجیدگی کو
 دیکھ کر زینب مسکرائی تھی، پھر شوخی سے آنکھیں نیچا کو بولی۔

"مجھے سنجیدہ مزاج مرد بالکل اچھے نہیں لگتے۔"

"نہیں جاؤ یہاں سے۔" جہان نے سرد مہری سے جواب دیا تھا مگر اس پر قلمی اثر نہیں ہوا۔
 "کیوں نہیں! میں تو سلبرٹ کرنے آئی ہوں، آئیں میرے ساتھ اندر اور کیک کاٹیں۔"
 اس نے اس کا ہاتھ پکڑنا چاہا تو جہان نے نہایت درستی سے اپنا بازو پشت پہ کر لیا تھا۔
 "تم دو کشتیوں کی مسافر ہو رہی ہو نہ نوب اور اسکی مناسبت کرنے والا ہمیشہ نقصان اٹھایا کرتا ہے۔"

"نو ایڈوائز جے پلیز! اس طرح آزادی کے ساتھ یہ میں آخری سالگرہ منا رہی ہوں آپ کی، پھر یہ نہیں نصیب میں کیا لکھا ہوگا، میں نے خود کیک بیک کیا ہے۔" وہ ہنسی ہو کر کہتی اور اس نظر آنے لگی جہان کو ہمیشہ کی طرح ہتھیار اس کے سامنے پھینکنے پڑے تھے۔
 "مجھے کچھ سنائیں نا جے!"

جب وہ کیک کاٹ چکا نہ نوب نے ایک نئی فرمائش کر دی تھی جو اس کے انکار کے باوجود زور پکڑتی گئی تھی اور جہان نے یہاں بھی اس کی مان لی تھی اور گا کھنکار کر اس سے نگاہیں چار کیے بنا سنجیدگی کے ساتھ ساتھ تنبیہی انداز میں کہنے لگا۔

اتنا ہی یاد رکھ مجھے
 جیسے کسی کتاب میں
 بیٹے دنوں کے دوست کا
 اک خط پڑا ہوا ملے
 لفظ مٹے مٹے سے ہوں
 رنگ اڑا اڑا سکی
 لیکن وہ اجنبی نہ ہو
 اٹھ کر تیرے گلے گلے
 بھولے ہوئے تمام سکھ
 بیٹے دنوں کی سب کتھا
 تجھ سے کہے اور رو پڑے
 اتنا ہی یاد رکھ مجھے
 بیٹے دنوں کے دوست کا
 جیسے کوئی خط ہوں میں
 رکھا ہوا کتاب میں

لکھ ختم کرنے کے بعد جہان نے اسے دیکھا تو وہ گھٹنوں پہ چہرہ نکالے اسے دیکھ کر مسکرا رہی تھی۔
 "میں آپ کی بات ماننے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتی۔" اس نے جہان کو گویا چھیڑا تھا، جہان گہرا سانس بھر کے رہ گیا۔
 "چلو اب جاؤ رات بہت ہو گئی ہے، پریناں بجا بھی سو گئیں؟"

"ہاں کب کی؟ حالانکہ میرا دل چاہ رہا تھا اس سے باتیں کرنے کا، بے معاذ بھائی انہیں دیکھ کر کیاری ایکشن دیں گے بھلا؟" جہان چونکہ بات بڑھا نا نہیں چاہتا تھا جیسی کا مدھے اچکانے پہ اکتفا کیا۔

"رنگی وہ تو ہماری سوچوں سے کہیں بڑھ کر خوب صورت نکلی ہیں۔"
 "مجھے حیرانی اس بات کی ہے تمہیں ان کی خوب صورتی سے جیسی کیوں نہیں مل ہوئی۔"
 جہان اس کی تعریفوں پہ واپسی ہکا بکا تھا اور نہ نوب وہ تھی کہ اپنے آگے کسی اور کی تعریف ہضم نہیں کر سکتی تھی، کجا پریناں کے خود قصیدے پڑھے جا رہی تھی، جہان کی اس بات پر نکل ہو کر ہنس دی۔
 "وہ بجا بھی ہیں میری، لالے کی سزا ان سے کیوں جیلس ہوں گی بھلا۔"

"اوکے فائن! اب جاؤ سو جاؤ جا کے۔" جہان نے اپنا سیل فون اٹھایا جس کی بیل اچانک ہی زور و شور سے بجنے لگی تھی۔

"یہ اس وقت آپ کو کس کا فون آ گیا دکھائیں، کوئی ضرورت نہیں سننے کی۔" نہ نوب کو یہ مدافلت ناگوار گزری تھی، جیسی سیل جہان سے اچکنا چاہا مگر جہان نے ہاتھ پیچھے کر لیا تھا، نہ نوب نے مشکوک ہو کر اسے دیکھا۔

"معاذ کا فون ہے۔" جہان نے کال پک کرنے سے قبل اسے بے اختیار وضاحت دی، نہ نوب ایک دم خوش ہوئی تھی۔
 "میری بات کراہیے گا۔"

"کون ہے تمہارے ساتھ جے؟" معاذ تک۔ جہان نے نوب کی آواز پہنچ گئی تھی جیسی اس نے سوال کیا تھا۔

"کوئی نہیں ہے، تم نے اس وقت کیسے کال کی خیریت؟"
 "تمہیں ہیش کرنا تھا یار! سوری میں لیٹ ہو گیا۔" وہ معذرت کر رہا تھا اور جہان ٹخنہ اسانس بھر کے رہ گیا، واپسی وہ نہ نوب جیسا مزاج اور عادات رکھتا تھا۔
 "کیا گفٹ بھیجیں تمہیں یہاں سے؟"

"میں بچہ تھوڑی ہوں یار؟" جہان نے ٹوکا تھا تب ہی نہ نوب نے اس کے ہاتھ سے سیل فون چھین لیا، جہان پیلو بدل کر رہ گیا۔

"لالے کیسے ہو آپ؟ آپ پھر مجھ سے ہار گئے ہیں، میں آپ سے پہلے جے کو دوش کر چکی ہوں۔" وہ کھلکھلا رہی تھی جبکہ معاذ کے اعصاب گویا ایک دم سے تناؤ سمیٹ لائے تھے۔

"تمہیں کوئی ضرورت نہیں تھی اس زحمت میں بڑنے کی سمجھیں؟ جو کچھ تم کر چکی وہ کافی نہیں ہے کیا، نہ نوب اگر میں یہ کہوں کہ تم سے بڑا احسن اور کوئی نہیں تو یقیناً میں غلط نہیں ہوں گا، ایک بات یاد رکھنا نہ نوب تم نے جہان کا انتخاب نہ کر کے خود اپنے آپ سے زیادتی کی ہے اور اس کا احساس تمہیں دنت کے ساتھ ہو جائے گا۔" غم دھیسے کی زیادتی سے پھر اٹھا تھا اور جو منہ میں آیا بولنا چلا گیا، نہ نوب کے چہرے کے بدلتی کیفیت سے جہان نے صورت حال کا انداز کیا تھا اور بے چین ہو کر اس کے کان سے لگا سیل فون ہٹا کر سلسلہ منقطع کر دیا، وہ دھواں ہوتے چہرے کے ساتھ کچھ

دیر اسے دیکھتی رہی تھی پھر منہ پہ ہاتھ رکھے پلٹ کر بھاگتی اس کے کمرے سے نکلتی چلی گئی، جہاں پریشانی کے عالم میں اس پکارتا پیچھے آیا مگر وہ جا چکی تھی۔

☆☆☆

مجھے وہ لاکھ ترپائے مگر اس شخص کی خاطر میرے دل کی اندھیروں میں وفا میں رخصت کرتی ہیں اسے کہنا کہ لوٹ آئے سستی شام سے پہلے کسی کی خشک آنکھوں میں صدائیں رخصت کرتی ہیں خدا جانے یہ کیسی کشش ہے اس کی آنکھوں میں میں اس کا ذکر چھیڑوں تو ہوا میں رخصت کرتی ہیں

اس نے بیڈ کے کنارے تک کر نگاہ کا زاویہ بدل کر جائزہ لیا، بھاری پردے تمام سہولیات سے مزین لگژری بیڈروم میں اسے سی کی کوکنگ سرسرا رہی تھی، بے حد خوباناک ماحول تھا، معاش کی نگاہ ساکن ہو کر وہ گئی سامنے دیوار پہ معاذ حسن کی اعلیٰ شدہ تصویر تھی، گاؤن پہنے ڈگری ہاتھ میں پکڑے با اعتماد انداز میں مسکراتا ہوا وہ کچھ اور بھی پرکشش لگتا تھا اتنا کہ دل اپنی دھڑکن کی رفتار بدل لے، اس نے گھبرا کر ان بولتی ہوئی شوخ آنکھوں سے نظر چھڑائی اور بے چین ہو کر اٹھ کھڑی ہوئی، دیوار گیر شیشے کی الماری میں معاذ کی شیلڈ میڈل اور ٹرائفیز تکی ہوئی تھیں جو اس کے شاندار اکیڈمک ریکارڈ کی گواہ تھیں، اب اس میں خشک کی گنجائش باقی نہیں بچی تھی کہ یہ بیڈروم معاذ حسن کا تھا اور یہاں رات گزارنے کے خیال سے ہی اسے وحشت ہونے لگی، جو تے پیروں میں پھنسا کر وہ باہر جانے کو تھی کہ اسی بل کوئی اندر آ گیا، اس نے بوکھلا کر دیکھا اسکا بھابھی تھیں، اس کے متوجہ ہونے پہ اپنائیت آمیز انداز میں مسکرائیں۔

”کیا ہوا پر نیاں خیریت؟“

”یہ... ہم میں زنب یا پھر ماریہ کے ساتھ سو جاتی ہوں بھابھی!“ کچھ کہتے بھجک کر اس نے اپنا مدعا کچھ اور الفاظ میں بیان کیا، بھابھی نے ایک نظر اسے دیکھا پھر مسکرا کر اسے اپنے ساتھ لگا لیا۔

”یہ زینی اور ماریہ کی ہی شرارت ہے تمہیں معاذ کے روم میں بھیجنے کی، ان کا خیال ہے جب اصل ٹھکانہ یہی ہے تو پھر.....“ انہوں نے کسی قدر شرارتی انداز میں نقرہ ادھورا چھوڑا، پر نیاں کے چہرے پہ ایک سایہ لہرانے لگا، اس کے نام پہ دل پہ جیسے کسی نے معنراب مارنا شروع کر دیا تھا، ایک دھکی آج جو ہر بل سلگاتی تھی یکا یک بھڑک اٹھی۔

”میں یہاں ان کٹریں قبل کروں گی بھابھی!“ اس نے رسائیت سے جواب دیا تھا مگر بھابھی کو جو باشرارت سوچنے لگی تھی۔

”بھئی وضاحت دو کیوں دیور صاحب کی عدم موجودگی کے باعث یا پھر.....“ پر نیاں کا رنگ واضح طور پر پھیکا پڑ گیا، اس نے آنکھوں میں شدید جلن محسوس کی تھی، کچھ کہے بنا ہاتھ کی انگلیاں چٹختی وہ اندر کی ناگواری کو دبانے لگی۔

”پلو آؤ میں تمہیں زنب کے بیڈروم میں چھوڑ آؤں، ویسے میں سوچتی ہوں معاذ نے تمہیں نہیں دیکھا تو ایک طرح سے بہت اچھا ہوا، ورنہ اس نے ہر کام ٹھپ کر دینا تھا، اپنی پڑھائی بھی اور تمہاری تعلیم بھی، تم اتنی ہی پیاری ہو کہ بندہ سب کچھ بھول جائے، پھر معاذ تو ہے بھی بہت حسن برست!“ اس کا ہاتھ تمام کرنزی سے دباتے ہوئے وہ اپنے مخصوص شوخ و خشک لہجے میں بولی تھیں، پر نیاں کالوں کی لوٹوں تک سرخ پڑنے لگی، بھابھی نے بہت دلچسپ نظروں سے اسے جھینپ ہوئے دیکھا تھا۔

”شرماتی ہوئی تو عام سی لڑکی بھی بہت پیاری لگتی ہے، تمہاری تو بات ہی الگ ہے، معاذ تو تمہیں دیکھ کر ہی دیوانہ ہو جائے گا، مجھے صاف لگتا ہے۔“ اس کا گال سہلا کر انہوں نے اسے بے ساختہ سراہا تھا، پر نیاں کچھ اور بھی مشت زدہ ہو کر رہ گئی۔

”اب ایسی بھی بات نہیں ہے بھابھی!“ اس نے کنفیوژ ہو کر کہا تھا۔
”میں نے کہا نا شکر کرو معاذ یہاں نہیں، ورنہ لینے کے دینے پڑ جاتے تھے تمہیں لڑکی؟“ انہوں نے پھر معاذ کا حوالہ دیا پر نیاں کی لمبی ریشمی پلکیں بے اختیار جھجک گئیں۔
”تم جینو میں تمہارے لئے دودھ لے کر آتی ہوں، مجھے لگتا ہے زنب سو گئی ہے۔“ وہ اس کے ہمراہ زنب کے کمرے میں داخل ہوئی تھیں مگر اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا لائٹ آن کرنے پہ زنب سر تک چادر تانے لینی نظر آئی تو بھابھی نے تبصرہ کیا تھا۔

”نوشہ تھکس بھابھی میں دودھ نہیں پیوں گی پلیز۔“

”میری جان تکلف نہیں کرتے، پھر یہ تو تمہارا اپنا گھر ہے۔“ انہوں نے نے پیار سے اس کا گال سہلایا۔

”نہیں میں رات کو دودھ پینے کی عادی نہیں ہوں اس لئے۔“ اس نے بڑی مشکوں سے انہیں کالا پھر زنب کے برابر لینی تو اس کے احساسات بے حد عجیب ہو رہے تھے، دل گداز تھا جیسے بہت سارا رونا چاہتا ہو، وہ ایسے شخص کے گھر پہ اس کے حوالے سے موجودگی جو اسے بری طرح سے دھتکار چکا تھا، وقت اور حالات کی ستم ظریفی اس کی انا کو زخمی کرتی چلی جا رہی تھی، ان سب لوگوں کی بے پناہ چاہت اور اہمیت بھی اس کے دل میں موجود معاذ کے ناروا سلوک کے زخموں کو بھرنے سے قاصر تھی بلکہ یوں اتنی اہمیت پا کر ان زخموں سے گویا درد سے لگتا تھا، اس کی آنکھیں بھیکتی چلی گئی تھیں ایک ہی بیڈ کے دلوں سروں پہ موجود دونوں نفوس اپنی اپنی کیفیات کے سنگ آنسو بہانے میں مصروف تھے اور وہ ایک ہی شخص تھا ”معاذ حسن“ زنب کو اس کے الفاظ نے گویا ادھیر کے رکھ دیا تھا، اس کے لئے یہ انکشاف کسی قدر دل شکاف تھا، زمین میں گاڑ دینے والا کہ جو بھی بات اس کے اور جہان کے بیچ تھی اس سے معاذ آگاہ ہو چکا تھا، کیوں کیسے؟ اس سوچ پہ آ کر اس کا دماغ الجھ کر پھنسنے کے قریب ہونے لگا، ساری رات وہ بے حس و حرکت ساکن پڑی رہی تھی اور صبح نماز فجر کے وقت جب پر نیاں نے بستر چھوڑا اس کی آنکھ لگی تھی، نماز کے بعد اس نے دعا کو ہاتھ پھیلائے تو نم آنکھیں بھیکتی چلی گئی تھیں، مستقبل کے عدم تحفظ کا خوف اس کے سحر کی نگلی تلواری تھی گویا، بہت دیر تک رب کی بارگاہ میں جھکے رہنے اور بہتری مانگنے کے بعد وہ جائے نماز تہیہ کرتے

ہوئے انھی تو زینب کے چہرے پر اس کی نگاہ بھٹک گئی تھی، مغرور تھیکھے نقوش میں معاذ حسن کی جھلک نمایاں تھی، ویسی ہی نمایاں ہوئی غلامی آنکھیں اور تراشیدہ گلابی ہونٹ، صبح کی ساری تازگی اور نکھار گویا اس کے چہرے میں آن سہایا تھا، اس کی گھنیرے پلکیں ہلکی نہی لئے ساکن تھیں، پر نیاں اس کی شب بیداری ہی کی نہیں مگر یہ زاری کی بھی گواہ بنی تھی مگر ایک الجھن تھی جو بڑھ گئی تھی، کچھ تھا ایسا جو واضح نہیں تھا، اس کا دل مقفل ہونے لگا۔

”زینب انھیں نماز پڑھ لیں۔“ اس نے آگے بڑھ کر زینب کا کاندھا ہلایا اور بیدار کرنے کی کوشش کی، وہ نیند میں کسمپاسی تھی۔

”زینب.....!“

”جے..... جے! لالے کو کس نے بتایا؟ وہ سب کچھ کیسے جان گئے ہیں مجھے بتائیں، انہوں نے مجھے ڈانٹا ہے۔“ وہ نیند میں بڑبڑائی تھی اور اضطرابی کیفیت میں تھکے پہ سر پٹخا، پر نیاں ایک دم ساکن ہو گئی تھی، سمجھتے ہوئے ہونٹوں کے ساتھ وہ بے ساختہ پیچھے ہوئی تھی، پھر پلٹ کر کھڑکی کی جانب آگئی، پردہ بنا کر در پیچہ ڈاکھا تو صبح کی ہوا کے خوشگوار جھونکے اس کے چہرے کو فرحت بھرا احساس بخش کر کمرے میں بکھرنے لگے، ایک روشن صبح شاہ ہاؤس کے در و دیوار پہ اترتی جا رہی تھی، کونھی کی بیرونی آتش پھولوں کی نینل سے ڈھکی دیوار کے پار شفاف سڑک پہ ہوا خشک پتے اڑانی تھی، دونوں اطراف بنگلوں کی قطاریں دور تک جاتی تھیں، یہ پوش علاقہ تھا یہاں سب صاحب حیثیت لوگ رہائش پذیر تھے، ہر بنگلے کے پورج میں قیمتی گازیباں کھڑی تھیں گینت پہ داچ مین مستعد نظر آتا تھا مگر یہاں کے لوگ ایک دوسرے سے صدیوں کے فاصلوں پہ نظر آتے ہیں، جن کے اپنے دکھ اور اپنے سکھ الگ الگ ہوا کرتے تھے، شاہ ہاؤس کے وسیع و عریض لان میں تقریب کے مطابق سب تیاری تقریباً مکمل تھی، اس کی نگاہ آرائشی لیمپ کے پاس کھڑے جہان پہ پڑی، سلگتا ہوا سکرین اس کے ہاتھ کی انگلیوں کے سچ پھنسا ہوا تھا جسے وہ وقفے وقفے سے ہونٹوں سے لگا کر کش لیتا تھا، وہ جتنا گریس فل اور امیر سو نظر آتا تھا اس کا ہر انداز اس سے بڑھ کر دلکشی سمیٹے ہوئے تھا، پر نیاں کو سکرینٹ پھونکتے مرد بھی اچھے نہیں لگے تھے مگر جہان اس کو لگ کر تے ہوئے بھی باوقار نظر آتا تھا، اس نے گردن موڑ کر ایک نظر زینب کو دیکھا جو ہنوز گہری نیند میں تھی پھر جہان کی جانب وہ وہیں کھڑا تھا اور کسی ملازم کو شاید کچھ ہدایات دے رہا تھا پر نیاں کا دل تپا ہوا وہ جہان کے پاس جائے اور زینب کے حوالے سے بات کرے مگر یہ کسی طور بھی مناسب بات نہیں تھی، یہ اس کا سسرال تھا اور یہاں اس کا پہلا دن تھا قیام کا، اس نے گہرا سانس بھر کے خود چہیز پہ گرا دیا، نیپل پہ پڑا میگزین اٹھا کر ورق گردانی کر رہی تھی جب آہٹ پہ چونکی تھی، ماما انھیں ہاتھ میں کچھ سامان لئے بھا بھی کے ساتھ اندر داخل ہو رہی تھیں، پر نیاں نے میگزین رکھ کر اپنا دوپٹہ سنبھالا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔

”بھئیو بیٹے بھئیو! مجھے اسانے بتایا آپ زینب کے کمرے میں ہو، یہ زینبی ابھی تک انھی نہیں، بہت لا پرواہ ہے یہ لڑکی۔“ انہوں نے زینب کو دیکھ کر جیسے ٹھنڈا سانس بھرا تھا پھر صوفے پہ شاہنگ بگ رکھ کر پر نیاں کو مخاطب کیا۔

”بیٹے آپ ادھر میرے پاس آ کر بیٹھو!“

پر نیاں جیسے چونکی اور اسی خاموشی سے ان کے قریب آگئی انہوں نے اس کا سبک گلابی ہاتھ پکڑ کر اپنے پہلو میں بٹھایا تھا پھر بیگ سے ایک جیولری باکس کھول کر اس کے آگے رکھ دیا۔

”میں جانتی ہوں میری بیٹی آج یہ جیولری اور یہ لباس پہنے۔“ ان کی فرمائش پہ پر نیاں شناسی گئی تھی، بنگ گھر کا کاندانی بے حد بھاری مگر اسٹائلش لباس تھا اور اسی سے میچ کرتی گندنی جیولری۔

”مم مگر میں.....“

”بیٹے پلیز انکار نہیں کرنا، آج یہاں سب آپ سے اس گھرانے کی سچو کے حوالے سے متعارف ہوں گے، سب کو پتہ ہے کہ ہم نے معاذ کا نکاح کر دیا ہے، یہ لباس میں نے خاص طور پہ اس دن کے لئے بنوایا ہے۔“ ماما کی وضاحت نے اس کے چہرے پہ ایک ٹھہراؤ سا اتار دیا، اس کی نگاہیں جیولری کی چمک اور تاناکا کی پہ ساکن ہو کر رہ گئی تھیں۔

”اپنی ٹیگلی چمکا جان تمہیں دلہن بننے نہیں دیکھانا ابھی تک اسی لئے اچھا ہے پہن لو پہلے ہی ایسا بھاری لباس اور زیور آنے والے وقت کی پریکٹس بھی ہو جائے گی۔“ بھائی نے اپنی عادت کے مطابق شکستہ انداز میں چھیڑ چھاڑ کا آغاز کیا تھا، مگر پر نیاں کے چہرے پہ خوش رنگ جذبے نہیں جھللائے بلکہ ایک اذیت بھری سلی کا احساس بکھرا گیا۔

”پر نیاں سچے کیا سوچ رہی ہو میری جان! کیا یہ سب پسند نہیں آیا ذوری بیٹے بس مجھے خیال نہیں رہا تمہیں ساتھ لے جا کر شاہنگ کر ادیتی مگر تمہاری.....“

”آپ غلط سوچ رہی ہیں ماما پلیز، ایسی بات نہیں ہے۔“ اس نے گڑبڑا کر ان کی بات کاٹی تھی تو ممانے سوالیہ نگاہوں سے اسے دیکھا۔

”پھر کیا بات ہے بیٹے؟“

”میں نے کبھی ایسا لباس نہیں پہنا ہے تو.....“

”یہ وقت کا تقاضا ہے میری جان! یہ تو صرف ریپرسل ہے اصل کام تو دیور صاحب کی واپسی پہ ہوگا۔“ بھائی نے پھر افسوس دیا تھا، پر نیاں کے چہرے پہ پھر تار یک سایہ لہرایا، ماما اس کی کیفیات و احساسات سے آگاہ تھیں انہوں نے بے ساختہ اسے ساتھ لگا کر جو ماتھا۔

”سب ٹھیک ہوگا میری بیٹی! اللہ یہ بھروسہ رکھو۔“ ان کی تسلی پہ پر نیاں کی آنکھیں جھللانے لگی تھیں، سر جھکائے وہ آنسو ضبط کرنے لگی، اسی لمحے دروازہ کھول کر زیادتی سے اندر آیا تھا۔

”ماما آپ کے لئے لالے کا فون ہے۔“ اس نے ہاتھ میں پکڑا سیل فون ماما کو تھمایا، پر نیاں نے بنا دیکھے بھی بھائی کی شوخ نگاہوں کو محسوس کیا۔

”ارے اسے پتہ تو نہیں چل گیا کہ ماما اس وقت پر نیاں کے ساتھ ہیں، ماما کا تو بہانہ ہے وہ اپنی زوجہ سے بات کرنا چاہ رہا ہوگا۔“

بھائی پتہ نہیں تھیں ہی ایسی چلبلی یا ابھی ہو رہی تھیں جو بھی تھا مگر پر نیاں کے لئے ان کی یہ لفظں چھیڑ چھاڑ اذیت کا باعث بن رہی تھی۔

”ہاں بیٹے کیسے ہو؟“ اس کا دھیان نا چاہے ہوئے بھی ماما کی جانب ہوا جو اسی دشمن جان

سے محو کام تھیں، مما بات کرتی رہی تھیں اور جب سیل فون واپس زیادہ کوریا تو ان کے چہرے پہ پریشانی تھی۔

”سب خیریت سے، چچی جان!“ بھابھی نے استفسار کیا تھا، مما چونکیں۔

”ہاں بیٹے اللہ کا شکر ہے۔“

”معاذ کیا کہہ رہا تھا؟“

”نہنہ کی منگنی کے حوالے سے یہی بات کر رہا تھا، ڈر تو ہوتا ہے نا اپنی بیوی کو غیر ہاتھوں میں سوچتے۔“ وہ منظر ہی بولی تھیں۔

”بھر جائی آپ کہاں بڑھوں کی محفل میں پھنسی ہوئی ہیں آئیں میرے ساتھ ناشتہ اکتھنے کرتے ہیں۔“ زیادہ نے مسکرا کر پر نیاں کودیکھا مگر وہ اس کی سمت متوجہ نہیں تھی، بھابھی ہنس پڑیں۔

”اسے ابھی عادت نہیں ہے، بھابھی کہلوانے کی جیسی ایسا ہوا ہے۔“ بھابھی نے زیادہ کو چھیڑا تھا، اس نے کاندھے اچکا دیئے۔

”بڑ جائے گی عادت جب ہر طرف سے بھر جائی کی ہی صدا بھرے گی تو۔“

”کیوں بھر جائی کی ہی کیوں؟ بیگم اور بیوی کی کیوں نہیں، کچھ حقوق اس کے بیچارے کے بھی رہنے دینا جس کی وجہ سے تم کچھ لگے ہو۔“ بھابھی نے پھر چھیڑا تھا زیادہ زور سے ہنس پڑا، پر نیاں کی رنگت دیکھ آئی۔

”اجی ہم تو فرضی لوگ ہیں اصل حقدار تو وہی ہوں گے موصوف۔“ زیادہ بھی گویا ان کے ساتھ مل کر بات کو طول دینے لگا تھا۔

”خیر اتنے بھی معصوم نہ بنو کوئی تو تمہارے۔“ لہجہ بھگی جس کے سب کچھ تھپی ہو گئے۔

”کیوں نہیں جی انشا اللہ وہ وقت بھی دور نہیں، آپ کے منہ میں کھی ٹھکر۔“ جوا با زیادہ لہک کر ترنگ میں آکر بولا تو اس انداز پہ پر نیاں بھی آہستہ سے مسکرا دی تھی، اسی طرح ہر جگہ یہ خصوصی اہمیت سے نوازا جاتا رہا جو پر نیاں کے اندر موجود تھکیا کو گہرا کرتی رہی تھی، مما اور پاپانے بالخصوص اسے ہر جگہ معاذ کے حوالے سے متعارف کرایا تھا اور نوبیا سٹائش وصول کی تھی، دلربائی تو یوں بھی اس پہ ختم تھی مگر اس دن تو گویا اس کی چھب ہی نرالی تھی۔

”پوری اور مکمل دلہن لگ رہی ہو، بس ایک دولہا کی کمی ہے، کیا خیال وہ بلا نہ لیں الالے کو؟“

جب وہ تیار ہونے کے بعد سب کے سامنے آئی تھی تو جہاں مما اور مما جان نے اس کی بے ساختہ بلائیں لے کر پار کیا تھا، نہنہ کو اسے چھیڑنے میں مزا آنے لگا تھا۔

”تم خود دلہن ہو لہذا آرام سے بیٹھو، سیانے کہتے ہیں زیادہ بولنے سے روپ اڑ جاتا ہے۔“

اسا بھابھی نے لقمہ دیا تو نہنہ نے منہ بگاڑ لیا تھا۔

”یہ ایسا حسن تھوڑی ہے جو اس طرح اڑ جائے، قدرتی چیز کی نور ہی الگ ہوتی ہے جناب بیوٹی پارلر کا کمال نہیں ہے۔“ شہدہ لالے نے نہنہ کو لپٹا کر پیار کیا تھا اور گویا اس کا دفاع کیا تھا، تقریب کے اختتام پہ سرسالی مہمانوں کی رخصتی کے بعد جب نہنہ ڈل گولڈن کلر کا شرارہ ذرا سا

انٹائے اپنے کمرے میں جا رہی تھی راہداری کے موڑ پہ اس کا فیر متوقع سامنا جہان کے ساتھ ہو گیا تھا، بیوٹو چیس سوٹ میں بلوس بے حد وجیہ بے حد شاندار نظر آتا ہوا جہان جلدی میں تھا یا اس پہ یہ عجلت ظاہر کی تھی جو ایک ٹکاؤ تک اس پہ ڈالے بنا کتر کر نکل جانا چاہتا تھا مگر نہنہ کو بھلا یہ گوارا ہو سکتا تھا کہ وہ اسے نظر انداز کر جائے۔

”جے دن اے منٹ۔“ وہ لپک کر اس کے راستے میں آگئی تھی جہان اگر بروقت ایک جھٹکے سے ختم نہ جاتا تو تصادم یقینی ہو جاتا اس نے جھپا کر نہنہ کو دیکھا تھا، نتیج پیشانی پہ نازک سی بندیا بجی تھی جو اس کی دیک اور دلکشی کو بڑھا رہی تھی، کانوں میں آگے پیچھے جمبولتے بڑے بڑے آویزے اور پوری توجہ سے کیا گیا میک اپ وہ تو سادگی میں بھی غضب ڈھایا کرتی تھی یہ روپ تو حواسوں پہ چھا جانے والا تھا جہان کی آنکھیں کیا پورا وجود جانے کس کس احساس کے تحت سلگ اٹھا۔

”مجھے آپ سے ضروری بات کرنی ہے، الالے کے متعلق۔“ جہان کے نظریں جڑا جانے اور چہرے کا رخ پھیر لینے کو مسخر کی نگاہ سے دیکھتی وہ زہر خند سے بولی تھی۔

”جو بھی بات کرنی ہے بعد میں کرنا ہی الحال میں بہت اہم کام سے جا رہا ہوں۔“ جہان نے ٹھہری ہوئی آواز میں کہا اور اس پہ مزید نگاہ ڈالے بغیر آگے بڑھ گیا نہنہ تھلا کر رہ گئی تھی۔

☆☆☆

نہ بھجا چراغ دیار دل نہ چھڑنے کا تو ملال کر
تھے دے گی جینے کا حوصلہ میری یاد رکھ لے سنبھال کر
یہ بھی کیا کہ ایک ہی شخص کو بھی سوچنا بھی بولنا
جو نہ بچھ سکے وہ دیا جلا جو نہ ہو سکے وہ کمال کر
غم آرزو میری جستجو میری سمت کہ آ گیا رو برو
یہ سکوٹ مرگ ہے کس لئے میں جواب دہ تو سوال کر
تو پھنڈ رہا ہے تو سوچ لے تیرے ہاتھ ہے میری زندگی
تیرا دھنا میری موت ہے میری بے بسی کا خیال کر
میرے دل کو میرے ضبط کا میری بے بسی میرے صبر کا
جو یقین نہ آئے تو دیکھ لے تو ہوا میں پھول اچھا ل کر

اس کے وجود پہ گہرا سکوت طاری تھا، سرسبز لان میں رہیں چھتری کے نیچے چیر پہ بیٹھا وہ جیسے خود سے بھی غافل تھا، بارش ایک تو اتر سے برستی تھی اور زمین کی چھت پہ اس کی آواز کا ردھم بہت خوبصورت انداز میں گونجتا تھا، ماحول میں خوشگوار ٹھنڈک تھی، بدلتا موسم اپنے ہمراہ بے پناہ ارتھیلی سمیٹ کر لایا تھا مگر اس کے اندر ویرانیاں بسرا کر چکی تھیں، خفا میں بارش کی کیوں کی مہک رقص کرتی تھی اور اس کے ساتھ بارش میں نہاتے لیموں کے پودے کی ترس پاس بھی، لان کی امریکن اسٹائل گھاس بھیگ کر کچھ اور بھی سرسبز اور شفاف نظر آنے لگی تھی، وہ ساکن بیٹھا اپنے ہاتھوں کی لکیروں میں الجھا ہوا تھا، معاذ نے کہا تھا۔

”لا حاصل محبت دراصل انسانی وجود کو ایک قبرستان بنا دیا کرتی ہے، جس میں انسان اپنی تشنہ خواہشات اور نامکمل آرزوں کی قبر پر تا عمر روتا رہتا ہے، جے میں تمہیں روتے ہوئے نہیں دیکھ سکوں گا۔“ اور تب اس نے کتنے یقین سے اسے حوصلہ دیا تھا، خود اپنے تمام ورد چھپا کر، حالانکہ جس قدر ریزہ ریزہ اس کی ذات ہو رہی تھی خود اسے حوصلے کی ضرورت تھی مگر وہ کب جانتا تھا محبت میں ابھی اور بھی آزمائش باقی ہیں، جب وہ واپس آ رہا تھا زیادہ اس کے گلے لگ گیا تھا سخت زدہ انداز میں معذرت کرتا ہوا۔

”میں نے بہت بد تمیزی کی تھی نا آپ سے اور پناٹھیک کہتے ہیں آپ واقعی بہت گہرے ہیں بہت خاص اور اس قدر عظیم۔“ اور جہاں بوکھلا اٹھا تھا۔

”اتنا نہ چڑھاؤ مجھے یار، چاچو تو محبت میں کچھ زیادہ ہی تعریفیں کر جاتے ہیں۔“
 ”زیادہ نہیں کم کرتے ہیں، انہیں زیادہ کرنی چاہیں جتنے اچھے آپ ہیں۔“ اس نے دیکھا تھا زیادہ کی آنکھوں کے گوشے نم تھے اور جہاں کے دل کا بوجھ بڑھ گیا تھا، پتہ نہیں اس کی تمام تر راز داری کے باوجود یہ بات بھیل کیوں گئی تھی، اسے زینب کا زہر خند انداز یاد آیا تو چہرے پہ زخمی مسکراہٹ بکھر گئی۔

”آپ ایک سٹھلی کتاب ہیں یا پھر شکل سے اتنے مسکین لگتے ہیں کہ لوگ خود بخود آپ کو جرائم کی لسٹ سے خارج کر دیتے ہیں۔“ کتنا طنز تھا اس کے لہجے میں اس سے بڑھ کر تنفر۔
 ”یہی تھا آپ کا ظرف ہے! مجھے ساری زندگی اس بات کا افسوس ختم نہیں ہو گا کہ میں نے آپ پہ بھروسہ کیا اور آپ سے مدد مانگی، لعنت ہے مجھ پہ، اب خاموش کیوں ہیں؟ دیں نا کوئی فضول وضاحت۔“

اسے لعن طعن کرنے کے بعد وہ پیر پختی چلی گئی تھی اور جہاں کے اندر منانے اتر آئے تھے، صرف اس کی خوشی کی خاطر اس نے خود اپنے ہاتھوں خود کو برباد کر دیا تھا اور وہ اسے خوشی نہیں دے سکا تھا۔ اسے کوئی تیز نوک دار شے اپنے وجود کو کاٹی محسوس ہوئی تھی۔

”میر کرنے اور صبر آجانے میں فرق ہوتا ہے، اپنے دل پہ جبر کر کے اپنا حوصلہ آزما کر چپ سا رہ لینا جبکہ وہ جو کہ اپنا غم منا کر آنکھوں میں آنسوؤں کی تکت ہو جانے کے بعد خاموشی اختیار کر لینا سو خزانہ کر کے زمرے میں آتا ہے، صبر کوئی کوئی کرتا ہے، صبر ہر ایک کو آجاتا ہے، جے تمہیں صبر نہیں آئے گا کیونکہ تم نے صبر کو کرنے کی کوشش کی ہے، وقت نے اگر تمہارے دل پہ حوصلہ مندی اور برداشت کی پرت چڑھا بھی دی تو زینب کا بار بار کا سامنا اس پرت کو توڑنا پھوڑنا رہے گا جو مجھے گوارا نہیں۔“

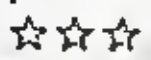
کتنا سمجھایا تھا اس رات معاذ نے اسے، کتنا سر پٹا تھا مگر اس کی ایک نہ کو ہاں میں نہیں بدل سکا تھا۔

”صاحب چائے لیں۔“ خانساہاں سلیقے سے ٹرے سجائے کھڑا تھا، ہارلی کیو و چلی سانس اس نے گہرا متا ستانہ سانس کھینچ کر جلتی آنکھیں لہو بھر کو بند کیں اور صرف چائے کا گنگ اٹھایا۔
 ”صاحب آپ!“

”بابا مجھے فی الحال کسی شے کی طلب نہیں۔“ اس نے ہاتھ سے ٹرے واپس لے جانے کا کہا تو خانساہاں کے کچھ کہنے پہ پھر نوک دیا۔
 خانساہاں بد دلی سے ٹرے اٹھا کر پلٹ گیا، جہاں تک ہونٹوں سے لگا کر پہلا گھونٹ لیا تھا جب اس کے سیل پہ واہبریشن ہونے لگی تھی، اس نے چونک کر ٹیبل پہ پڑے واہبریشن کرتے سیل فون کو دیکھا اور مسز آفریدی کا نام اسکرین پہ بلنک کرنا دیکھ کر کسی قدر جزبہ ہوا تھا۔
 ”کیسے ہو جیالیہ بیٹے!“ اسے کال ریسیو کرنا پڑی تھی، ان کا لہجہ بے حد خوشگوار لگنے ہوئے تھا۔

”فائن آپ۔۔۔۔۔“
 ”میں بھی ٹھیک ہوں سوچا آپ کو یاد کروادوں کہ آپ کل ہماری طرف الوا پینڈ ہو۔“ اس یاد دہانی پہ جہاں ٹنڈا سانس بھر کے رہ گیا تھا، اسے افسوس ہوا اسے کال پک نہیں کرنی چاہیے تھی، کبھی کبھار مردت اور لحاظ بھی انسان کو بے زار کر سکتا ہے۔
 ”خاموش کیوں ہو بیٹے، آپ لاہور واپس تو آگئے ہونا؟“ ان کے لہجے میں بے چینی سن آئی۔

”جی آگیا ہوں۔“ وہ کسی طرح بھی اپنی اکتاہٹ نہ چھپا سکا۔
 ”مگزن کی منتی تھی نا تمہاری؟ کیسی رہی تقریباً؟“
 ”میں اس وقت بڑی ہوں آپ ماسٹرنہ کریں پلیز۔“ اس نے اکتاہٹ آمیز سرد مہری سے کہا تو مسز آفریدی نے سخت کا شکار ہوتے بھی اسے کل لازماً آنے کی تاکید کرنے کے بعد فون بند کیا تھا، جہاں کا اگلے دن ان کے ہاں جانے کا ہرگز بھی ارادہ نہیں تھا مگر انہوں نے تو گویا اس کا پیچھا ہی لے لیا تھا، بار بار بہانے بناتے وہ خود سخت زدہ ہو گیا تو ازلی مردت کے ہاتھوں پھر ہار گیا تھا، اسے ہاں کرتے ہی نی تھی، ناچار اسے آفس سے الٹنا پڑا تھا۔



بات چلی تیری آنکھوں سے اور جا پہنچی پیمانوں تک
 کھینچ رہی ہے تیری الفت آج مجھے مے خانے تک
 عشق کی باتیں غم کی باتیں دنیا والے کرتے ہیں
 کس نے شمع کا دکھ دیکھا کون گیا پروانے تک
 عشق نہیں ہے تم کو مجھ سے صرف بہانے کرتے ہو
 یونہی بہانے قائم رکھنا تم میرے مر جانے تک
 اس نے پلٹ کر آئینے میں دکھائی دیتے اپنے عکس کو ایک نگاہ دیکھا، پہاڑی کلر کی فراک جس کے واسن پہ بے حد جھلملاتا ہوا بہت خوبصورت ہارڈر تھا، کھلے بالکل سپدھے سلی سیاہ بال اٹھتی گرتی لمبی ریشمی چٹکوں کے ساتھ وہ کرسٹل کی گڑیا کی طرح نازک اور حسین نظر آ رہی تھی، اس نے گہرا سانس بھرا اور پھر سے کفر کی کی سمت دیکھنے لگی، اسے صرف مسز آفریدی کا انتظار نہیں تھا، اسے جی جان سے جہاں کا انتظار تھا جہاں جو اتنا پرواہت اور اس قدر وجیہ تھا کہ اس کے دل پہ گریز کے

سارے پردے خود بخود ہٹتے چلے گئے تھے، وہ اس سے محبت کرنے پہ مجبور ہو کر رہ گئی تھی، کس قدر
 ممکن تھی اس کے سبھی تیروں میں کس درجہ خود اعتمادی کتنی خصوصیات کا حامل تھا وہ اور اس قدر
 پرکشش، ڈالے کو اس کی شان بے نیازی کی ادا نے ہی تو اسیر کر لیا تھا، اس کے ہر انداز میں ایک
 انجانا سا غرور تھا جو اس کے چہرے کا احاطہ کیے رکھتا اس کی بے تاثر نگاہ یہ بھی دل جان لانے پہ
 ماہل ہونے لگتا تھا، ایک ازلی ممکنت نہ صرف اس کے لہجے میں محسوس ہوتی تھی بلکہ اس کے چہرے
 آنکھوں سے بھی اس کا احساس ہو رہا تھا، کتنی کوشش کی تھی شعوری کوشش کہ وہ اس دیوانگی پر قابو پا
 لے، وہ سامنے آئے تو اس کی جانب نہ دیکھے، نگاہ میں وہ دیوانگی وہ وارثی نہ امد سے جو اس کے
 حوالے سے اسے مشکوک کر دے مگر وہ بے اختیار ہوتی چلی جا رہی تھی، کتنا بے خود بے بس کر دیا تھا
 اس محبت نے اسے، شاید وہ شخص تھا ہی اس قابل کہ اسے ٹوٹ کر تن من دھن وار کر چلا جاتا، اس
 کی پر تاثر شخصیت میں بے تمنا شاعر تھا بے پناہ کشش تھی، وقار اور بے نیازی کی آن شان تھی مگر یہ
 بھی حقیقت تھی کہ اس سفر لا حاصل نے اسے تمکا دیا تھا، وہ آغاز میں ہی تھک کر پانیسے لگی تھی، اس
 کی بے اعتنائی کو سہنا اتنا سہل نہیں تھا وہ شاید پتھر تھا اس میں وہ جو تک نہیں لگا سکتی تھی، مگر مسز
 آفریدی اسے ہارنے نہیں دے رہی تھیں، ان کی باتیں ان کی تسلیاں۔

"میں جان گئی ہوں ڈالے تم اسے چاہتی ہو اور بے حد، یہ اس کی محبت ہی تھی جو ڈاکٹرز کے
 دعوے دھرے رہ گئے تم ان کے دئے وقت سے چھ ماہ اوپر تکی گئی ہو، وجہ جانتی ہو؟ وہ آس جو
 جہا تیر کی محبت نے تمہارے اندر پیدا کی اپنی دل پاور کو استعمال کیا اور بیماری کے خلاف یہی امید
 اور دل پاور اہم کردار ادا کرتی ہے، میری جان وہ بھی تمہیں محبت کرنا ہے، وہ خود اظہار کرے گا تم
 سے دیکھنا اور جب وہ بتائے گا تو تمہاری بیماری ٹکست مان جائے گی تمہارے سامنے یونومن پسند
 مرد کا اظہار اس کا والہانہ پن وہ اسم ہوتا ہے جو عورت کے وجود کو روٹی کے گالے میں ڈھال دیتا
 ہے اور عورت تمام تفکرات سے آزاد ہو کر ہلکی پھلکی ہو جاتی ہے اور گویا فضاؤں میں تیرنے لگتی ہے
 بادل کے ٹکڑوں کی طرح، پانی کی نازک لہریں کر بیٹھ لگتی ہے اور یہ ایک ایسا دلچسپ احساس ہوتا
 ہے جس کا کوئی نعم البدل ہو ہی نہیں سکتا، جہا تیر تمہارے ہر جذبے ہر احساس میں برابر کا شریک
 ہو اس سے بڑھ کر تمہارے لئے کوئی دولت ہو سکتی ہے؟" انہوں نے رک کر اسے سوالیہ نظروں
 سے دیکھا تھا ڈالے جو کنفیوژ اور حجاب میں جٹا گئی نگاہیں اٹھا کر انہیں نہیں دیکھ سکی تو انہوں نے اس
 کی پیشانی چوم کر محبت سے کہا تھا۔

"میں اپنی بیٹی کو اس دولت سے سرفراز دیکھنا چاہتی ہوں۔" انہوں نے کہا تھا، ڈالے کے
 چہرے پہ مسکراہٹ سورج کی پہلی کرن بن کر چمکی، اس نے گہرا سانس بھرا اور بے تاب نظروں
 سے پھر کھڑکی کے پار دیکھا، کھڑکی کے باہر شہر لاہور شور مچا رہا تھا، دھواں چھوڑ رہا تھا، کہیں کہیں
 بے ترتیب اور کم صورت تھا مگر یہاں بے حد حسین اور چمک دار نظر آتا تھا، بلند و بالا عمارتیں تھیں
 اور خوشحال بے نگر چہروں کے مالک لوگ، معا اس کی نگاہ ساکن ہوئی اور دل بہت زور سے دھڑک
 اٹھا، جہا تیر کی باڈی آفریدی پولیس کے گیٹ پہ آن کر رک گئی تھی واپس مین گیٹ کھول رہا تھا، مسز
 آفریدی سے پہلے وہ آگیا تھا اس کا مطلب تھا اب اسے ہی جہان کا استقبال کرنا تھا، وہ بوکھلا کر

پہنچے ہوئی اور تیزی سے دھڑکتے دل کو سنبھالے پلٹ کر کمرے سے باہر آگئی۔

جہان ملازم کی سعیت میں اندرونی حصے کی جانب آیا تھا اور بے حد حیران تھا، ملازم سے اسے
 پتہ چل چکا تھا مسز آفریدی ابھی گھر نہیں پہنچیں، گھر کی پرسکون فضا میں کسی آپٹل کا احساس نہیں تھا۔
 "کوئی بھی نہیں ہے گھر پہ؟" اس کی حیرت پہ غصہ فلیپ پانے لگا تو ملازم سے استفسار کیا۔

"نہیں صاحب چھوٹی بی بی ہیں، بلکہ یہ لیس وہ آگئیں۔" ملازم نے جواب دیتے ایک دم
 جوش سے کہا تو جہان کی نگاہ اس کے ہاتھ کے اشارے کی سمت بے ساختگی میں گھومی اور کچھ لمحوں کو
 ساکن رہ گئی تھی، اسے پیروں تک آتے نفیس ملبوس کو اس نے چٹکیوں میں پکڑ کر خفیف سا ادھر اٹھا
 رکھا تھا اس عمل سے فرائڈ کی نرل پر ایک ہلکی سی لہر پیدا ہو رہی تھی ممکنت سے اٹھی ہوئی سراجی دار
 گردن کمر تک آتے سلکی بالوں کا آبخار اور سر پہ موجود نازک سا تاج وہ گویا قدرت کا حسین اور
 دلکش شاہکار تھی اور جس لمحے جہان نے سنبھل کر نگاہ کا زاویہ بدلا اسی پل ڈالے اس کی سمت متوجہ
 ہوئی تھی، نگاہ کا یہ تصادم بس لپٹے بھر کا تھا، مگر ڈالے کے دل میں اک جوت سی جگا گیا۔

"السلام علیکم اکیسے ہیں آپ؟" وہ مسکرائی تو گویا چہرے پہ روشنی چھا گئی، گالوں میں پڑتے
 ڈپل میں جہان کی نگاہ لہو بھر کو ابھی۔

"میم نہیں آئیں ابھی تک؟ حیرت ہے میں تو سمجھا تھا وہ میری خنجر ہوں گی۔" سلام کا
 جواب دے کر جہان نے کسی قدر نخوت سے اپنی ناپسندیدگی ظاہر کی، ڈالے نے جھل سی ہو گئی۔
 "سوری ماما کو شاید کچھ کام پڑ گیا تھا ضروری، آپ بیٹھیں میں انہیں کال کرتی ہوں۔" وہ
 تیزی سے پلٹی مگر جہان نے نوک دیا تھا اور اطراف میں نگاہ دوڑا کر کسی قدر متحیر ہو کر بولا۔

"انہوں نے مجھے پارٹی میں الرامیٹ کیا تھا مگر یہاں....."
 "جی ایجوگیٹی میں یہ برتھ ڈے وغیرہ سیلبرٹ کرنے کو پسند نہیں کرتی مگر ماما کی ضد ہوتی
 ہے نا تو بس....."

"تو کیا آپ نے کسی کو نہیں بلایا؟" جہان کی آنکھیں حیرت کی زیادتی سے پھیل گئیں، ڈالے
 نے اس کے چہرے کی ناگواری کو محسوس کیا اور طول ہوتے دل کے ساتھ سر جھکا لیا۔
 "جی کسی کو نہیں۔" اس نے کاندھے سے سر کٹے دوئے کو سنبھالتے بھرمانہ انداز میں گویا
 اعتراف جرم کیا، جہان نے چونک کر اس کے بچھتے چہرے کو دیکھا تھا اور جیسے اپنے خشک روئے کا
 احساس جاگ اٹھا۔

"یہ آپ کا گفٹ ہے، سوری مجھے بالکل اندازہ نہیں تھا آپ کی چوائس کا۔" اب کے اس کا
 لہجہ متعادل اور پر رساں تھا، ڈالے نے چونک کر سر اٹھایا وہ اس کی سمت ایک ٹھٹھکیس بڑھائے
 ہوئے تھا، ڈالے نے حیرت بھرے انداز میں مگر کس قدر جھک کر وہ ایک فنٹ لہا اور تین انچ چوڑا
 سیاہ ٹھٹھکیس کیس لیا تھا جس کے اطراف سنہری ڈوری کا گھیرا اور سنہرا ہی نازک سالاک تھا، یہ لمحے
 بہت پرسوں اہم اور دلربا تھے جب وہ بے تمنا شاد دھڑکتے دل کے ساتھ کیس کو کھول کر اس کینڈی
 زنجیر اور اس میں جمونٹا ہوا ننھا سامونی حیرت بھری خوشی اور جگر جگر چمکتی آنکھوں سے دیکھ رہی تھی،
 ہونٹوں کو باہم چھپتے اس نے فرط مسرت سے جہان کی سمت دیکھا اس ایک ساعت میں اس کے

دل کی کتنی دھیروں خوش فہم امیدیں باندھ لیں کتنے سنبھلے خواب سجائے، اسے سزا فریدی کی ہر بات سچ محسوس ہونے لگی تو جیسے خود کو ہواؤں میں اڑتا محسوس کیا۔

”کھٹکھٹاؤں تو جہان جو اپنے دھیان میں سگریٹ سلگا رہا تھا چونک کر متوجہ ہوا اور سادگی بھری مسکان کے ساتھ اس نے کاندھے اچکا دیئے تھے، ڈالے خالی کیس پھیل پڑھا اور چین کا ایک کھول کر اسے اپنے بال بٹا کر گردن کے گرد لپیٹنے لگی، مگر کچھ لمحوں بعد وہ بے حد پریشان نظر آنے لگی تھی۔“

”خیریت کیا ہوا؟“ جہان سگریٹ کی راکھ ایش ٹرے میں جھانک کر سیدھا ہوا تو اسے بالوں اور چین میں الجھنے پا کر بے ساختہ استفسار کیا تھا۔

”یہ..... یہ میرے بالوں میں ایک ٹی ہے شاید، مجھے ڈر ہے کھینچنے سے نوٹ نہ جائے۔“ ڈالے اس کی سمت متوجہ ہوئے بغیر یونگی ابھی ہوتی مگر مضطرب سی بولی، جہان گہرا سانس بھر کے رو گیا۔

”لا میں میں آپ کی ہیلپ کر دیتا ہوں۔“ اسے وہ بارہا ڈول جیسی ننھی سی لڑکی کسی حد تک معصوم اور قابل رحم لگی تھی، اس کا انداز بھی سادگی لئے ہوئے تھا وہ اٹھ کر خود اس کے پاس آیا اور ریشمی بالوں میں کہیں الجھی چین کو بغیر کسی دقت کے نکال دیا، مگر اتنی آسانی سے سرانجام پا جانے والا اس کا بے ریا دل کے ساتھ کیا گیا یہ کام اس کو ایک ان دیکھے جال میں بھاس جائے گا یہ اس کے گمان میں ہوتا تو کبھی یہ غلطی نہ کرتا، اس کے نزدیک وہ چھوٹی سی لڑکی تھی جس کے یوں قریب آ جانے کا اس نے اتنا خاص تردد یوں نہ کیا تھا کہ ڈالے اسے ہمیشہ مار یہ حوریہ کی طرح ہی لگتی تھی معصوم چھوٹی سی اور بے ضرر، جبکہ اس کے برعکس ڈالے کے احساسات یکسر مختلف تھا، وہ چند لمبے کتنے پرسوں تھے اس کی پوری زندگی یہ محیط ہو گئے تھے گویا، وہ اسی فسوں اسی سحر میں جکڑی کھڑی تھی اس کے ہاتھ نے اسی کے بالوں کو کتنے انوکھے انداز میں اپنا لیس بخشا تھا کہ اس کے اندر نئے اسرار کھل گئے تھے زندگی کتنی خوبصورت ہو گئی تھی یکا یک، یہ سب کتنا انوکھا اور دلنشین تھا، وہ نئے احساس اور تجربے کو دل سے محسوس کر کے شاداں فرما رہی تھی، اس پر ہمیشہ جہان کا رعب حسن اتنا چھا جاتا تھا کہ وہ خود کو اس کے سامنے سرنگوں محسوس کرنے لگتی، ابھی اس پر اپنی شخصیت کا مکمل اعتماد ظاہر نہیں کر پائی تھی، وہ اتنی ہی مرعوب تھی اس سے، یہ محض چند لمبے تھے مگر اسے مالا مال کر گئے تھے گویا، التفات کے اس انداز نے اس کے پاس سے دل کی دھرتی کو گویا ایٹھت پیرا ب کر دیا تھا، قربت کے یہ سارے رنگ اور احساس حسین ترین تھے، اسے لگا ماحول میں محبت کا رعب ہے، ایک جاہل و سادہ ہر سو پھیل گیا تھا، فضا میں ایک نشہ تھا، جہان کی گرم سانسوں نے اس کے چہرے اور گردن کو گھلایا تھا اس کی جان جیسے حلق میں ایک گئی تھی، وہ جیسے عالم بے خودی کی کیفیت سے باہر نہیں نکل سکی اسکا دوپٹہ کب شانے سے پھیل کر اس کے قدموں میں گر گیا اسے خبر ہی نہ ہو سکی، جہان نے حیران ہو کر اسے دیکھا تھا، پھر دانستہ کھٹکھٹا کر اور خود ڈالے سے ہو گیا، ڈالے بدحواس ہوئی تھی اور تیزی سے جھک کر دوپٹہ اٹھانے لگی تو سیاہ ریشمی بالوں کا آبشار ڈھلک کر اس کے شانوں اور جہان کے قدموں کو ڈھانپ گیا، جہان سرعت سے پیچھے ہوا تھا اور سونے پہ جا بیٹھا۔

”سزا فریدی پتہ نہیں کب آئیں، میں لیٹ ہو رہا ہوں۔“ اس نے رست و راج پہ نگاہ کرتے کسی قدر اکتاہٹ سے کہا تھا، اسی پہ ملازمہ لوازمات سے لدی پھندی ٹرائی لئے چلی آئی، ڈالے کسی حد تک خود کو سنبھال چکی تھی اس کے لئے چائے بنانے کو ابھی تو جہان نے منع کر دیا تھا۔

”میرا خیال ہے مجھے چلنا چاہیے، پلیز نیور مائنڈ، ایلچہ ٹیبل میری بہت ضروری میننگ ہے۔“ وہ ایک دم سے اٹھ کھڑا ہوا تو اسے روکنے کی کوشش میں ڈالے کے ہونٹ نیم وا ہو کر رہ گئے، وہ اس کے ساتھ ہی پورچ تک آئی تھی، ابھی سزا فریدی کی گاڑی گیٹ سے اندر داخل ہوتی نظر آئی۔

”مما آگئی ہیں۔“ ڈالے نے جیسے جہان کو اطلاع دی تھی، جہان نے گردن موڑ کر دیکھا سزا فریدی گاڑی سے نکل کر تیزی سے اس کی جانب آئی تھیں۔

”آئی ایم سوری بیٹے میں کوشش کے باوجود لیٹ ہو گئی۔“

”نوشینس اس آل رامیٹ، بٹ میں اب چلوں گا۔“

”لیکن کیک تو ابھی..... ڈالے آپ نے کیک کاٹ لیا ہوتا بیٹے۔“ انہوں نے جہان کے بعد ڈالے کو مخاطب کیا اور کسی قدر سرزنش کی تو ڈالے حیران ہوئی تھی۔

”ارے ایسی بھی بات نہیں اب، میں ضرور رکنا مگر میننگ کینسل نہیں کی جا سکتی۔“ جہان نے روداداری سے مسکرا کر کہا اور پھر سزا فریدی کی معذرت اور اصرار کے باوجود رکنے پہ آمادہ نہیں ہوا اور گاڑی میں بیٹھ کر چلا گیا، سزا فریدی کے چہرے پر اسرار مسکان پھیلنے چلی گئی۔

(بچ کر نہیں جا سکتے اب جہانگیر حسن شاہ یہ یاد رکھنا، ایک بار یہ جنگ تم سے جیت لوں، بس ایک بار یہ ہازی میرے ہاتھ آ جائے، میری بیٹی کا مستقبل محفوظ ہو جائے پھر تمہیں قابو کرنا مشکل نہیں ہوگا، یہ اگڑ یہ نخوت ایک منٹ میں نکال باہر کروں گی۔)

”چلو بیٹے اندر چلتے ہیں۔“ انہوں نے اپنی کامیابی کی حد بھی تو ملاحظہ کرنی تھی ابھی، بیٹی کے سرشار چہرے پہ دھیان دینے کی بھی ابھی ان کے پاس فرصت نہیں تھی، انہیں کچھ وقت گزرنے کا انتظار تھا جب وہ اپنا کام کر سکیں۔

☆☆☆

تمہاری یاد کے منظر کبھی کھونے نہیں دیتے
تمہاری یاد کے سائے ہمیں سونے نہیں دیتے
یہ بادل بھول اور خوشبو بہت ہے تاب کرتے ہیں
اگر روٹا بھی چاہیں ہم کبھی رونے نہیں دیتے
ہم اپنی سانس دے کر روک لیتے جانے والوں کو
ہمارا بس اگر ہوتا جدا ہونے نہیں دیتے
نظر میں دید کی حسرت لئے چپ چاپ بیٹھے ہیں
وہ ہم سے دور ہو کر بھی ہمیں سونے نہیں دیتے

اس کی نظریں معاذ حسن کی تصویر پہ تھیں اور آنکھوں میں آنسو، اس کا جو خیال تھا گزرتا دقت ان زخموں پہ مرہم رکھ دے گا وہ اتنا ہی مسخراڑا محسوس ہو رہا تھا اسے گئے دو سال ہونے کو

آئے تھے کل مہاجان خوش ہو کر بتا رہی تھیں۔

”صحیح کہتا تھا معاذ چکیوں میں وقت گزر جائے گا اور گزر گیا۔“

مگر کوئی اس کے دل سے پوچھتا اس کے بھرزہ دل نے یہ دو سال دوسدویوں کی طرح کانٹے تھے دید کی حسرت لئے آنکھیں دن رات جلتی تھیں، کیسا احمق تھا اس کا دل اور اس سے بڑھ کر ضدی، سب جان کر بھی اپنا وہی راگ الاپتا تھا، پر نیاں سے مل کر بھی مایوس نہ ہوتا تھا نہ صبر کرتا تھا مادہ اس نے نمنڈا سانس بھرا اور ایک بار پھر ہونٹ بچھنے لئے، دل بھی گویا اپنے وجود کی راجدھانی کا شہزادہ ہوا کرتا ہے، وجود کو محکوم سمجھ کر اس پہ اپنا تسلط جمائے رکھتا ہے مگر جب اس پہ انکشاف اپنی حدت کے پہاڑ گرانا ہے تو اس کے نیچے دب کر چل کر مچلے کا عمل روک دیتا ہے، ایڑیاں رگڑنا بند کر دیتا ہے، پھر پتہ چلتا ہے شہزادہ صرف لٹا نہیں بے موت مارا بھی گیا، باقی بچا ہے تو لٹا پٹانا کارہ وجود یا پھر برباد کا درد، جو رگوں میں پنجے گاڑ لیتا ہے، مگر اس کا دل انوکھا شہزادہ تھا، لٹنے برباد ہونے کے بعد بھی اپنی ضد سے باز نہیں آیا تھا، درویش بن کر کاسر پھیلائے آس مندانہ نظروں سے دیکھتا تھا، کبھی سوال کر کے کبھی خاموش رہ کر، ہاں اس کا دل پہلے کبھی شہزادہ تھا مگر اب تو فقیر تھا، نارسائی کے دکھ میں ڈوبا ہوا فقیر، پہلے تو ایک آس تھی نسیب کے ساتھ کی آس مگر وہ تو ایسے نظریں پھیر گئی تھی جیسے کبھی اس راز سے واقف ہی نہ ہو، وہی بے تکلفی وہی محبت مگر بس ایک یہ ذکر ہمدوم ہو گیا تھا جو ندریہ کے دل کی ڈھارس تھا، اوپر اوپر سے وہ کتنی مضبوط بنی تھی مگر دل تو ایک پھپھولا تھا جو ہر وقت رستا تھا۔

”پھپھولے نے بتایا تم یہاں ہو میں یہیں آ گیا، کیسی ہولڑکی اور مجھے بتاؤ مجھ سے کیوں چھپی پھرتی ہو؟“ دستک دے کر زیاد اندر گھس آیا تھا اور بے حد کڑے تیوروں سے اسے گھورنے لگا، نوریہ نے خائف ہو کر اس کے پیچھے بند ہو جانے والے دروازے کو دیکھا تھا۔

”آپ باہر چلے جائیں پلیز۔“ اس کی آنکھوں میں ہراس تھا اور وہ حلق کے بل چینی تھی، زیاد کے چہرے پہ تغیر پھیل کر رہ گیا تھا، نسیب کی منگنی کے دن جو کچھ ان کے سچ ہوا تھا وہ نوریہ کو اس سے بہت بدگمان کر گیا تھا، اس کے بعد کتنی مرتبہ زیاد نے اسے وضاحت دینی اور غلط فہمی کو دور کرنا چاہا تھا مگر وہ اسے موقع کہاں دیتی تھی، اسے دیکھ کر یوں سر پہ پیر رکھ کے بھاگتی جیسے خدا نخواستہ عفریت دیکھ لیا ہو، خود زیاد اپنی پڑھائی میں بہت مصروف ہو گیا تھا اس کا نائیل ابیر تھا ہاؤس جا ب چل رہی تھی، اس کے باوجود اس نے نوریہ سے ہار ہار مرتبہ بات کرنا چاہی تھی مگر نوریہ نے ہر مرتبہ کوشش نہ کام بنادی اور وہ یہ سوچ کر ہمیشہ مسکراتا کہ وہ جب اس پہ اپنے جذبے آشکار کرے گا تو اس کی ساری غلط فہمی دور ہو جائے گی مگر اب نوریہ کے رویے نے اسے صوبت حال کی گھبرتا کا احساس دلایا تھا تو پریشانی فکر میں ڈھلنے لگی۔

”دیکھ نوری تم مجھے بہت غلط سمجھتی تھیں میں تو تم سے.....“

”نو آرگومنٹ، نو آرگومنٹ اب کے؟“ آپ چلے جائیں یہاں سے ورنہ میں شور مچا کر سب کو اکٹھا کر لوں گی۔“ نوریہ نے لال بھسوکا ہوتے چہرے کے ساتھ چیخ کر کہا تو زیاد کو ذہنی دھچکا لگا تھا۔

”نوریہ.....!“ وہ ششدر رہ گیا۔

”جائیں آپ یہاں سے پلیز۔“ ہاتھوں میں چہرا ڈھانپ کر وہ بے ساختہ رو بڑی تو زیاد کے چہرے پہ تغیر سمٹ آیا تھا ہونٹ بچھنے وہ ایک جھٹکے سے پلٹا تو اس کا ذہن بے حد براگندہ ہو رہا تھا، اسے لگا معاملہ اس کے ہاتھ سے مکمل طور پہ نکل گیا ہے، اسے مہما سے بات کرنی چاہیے تھی، اسی سوچ کے ساتھ وہ لمبے ڈگ بھرتا شاہ ہاؤس پہنچا تھا اور مہما کی تلاش میں ہال کمرے میں آ گیا، وہاں نسیب کی حالیہ طے ہونے والی شادی کا موضوع زیر بحث تھا، وہ خاموشی سے بیٹھ گیا۔

”کیا بات ہے زیاد بیٹے؟“ مہما نے اس کی پریشانی کو نوٹس کیا تو اٹھ کر اس کے پاس آ گئی۔

”نسیب کی شادی میں ابھی ایک مہینہ ہے نا مہما۔“

”ہاں تو.....“ اس کی ادھوری بات پہ وہ الجھ کر رہ گئیں۔

”ایک کی بجائے اگر شاہ ہاؤس میں دو شادیاں ہوں تو.....؟“

”ہم تو خود ہی چاہتے تھے بیٹے مگر جہان ہے تو وہ ہاتھ نہیں آتا اور معاذ بھی مرضی کا مالک ہے، آنے والا تو ہے واپس دیکھو کیا چاند چھاتا ہے۔“ مہما اس موضوع کے چھڑتے ہی حسب ساقی جذبائی اور دھی نظر آنے لگیں جبکہ وہ بے زار ہوا تھا۔

”انہو مہما کیا صرف وہی دونوں شادی کے قابل ہیں موصوف؟ میں بھی غالباً اب بڑا ہو گیا ہوں۔“ وہ جس قدر جھنجھٹایا تھا مہما کو اسی قدر ہنسی اور پیار آیا اس پہ۔

”میرے چاند میں جانتی ہوں آپ بھی ماشا اللہ جوان ہو گئے ہو، مگر ان دونوں بڑوں کو چھوڑ کر آپ کا پہلے کیسے کر دیں پھر اب لڑکی تھی تو دیکھیں گے نا۔“

”کہاں دیکھیں گی؟ خاندان میں بھی تو ہیں نا؟“ وہ بے اختیار ہی میں کہہ گیا مگر مہما کو چوستکتے اور اسے حیران ہو کر دیکھنے پہ نظریں تہا کر چل نظر آنے لگا تھا۔

”کس کی بات کر رہے ہو؟“ وہ جیسے ایک دم پر جوش ہوئیں، پہلا خیال نوریہ اور حور یہ کی جانب ہی گیا تھا۔

”مہما مجھے نوریہ بہت پسند ہے مگر.....“ وہ ان کے شانے سے چہرا اٹکا کر منمنایا اور جھک کر ختم کیا، مہما نے اسے دھیان سے مگر سکرانی نظروں سے دیکھا تھا۔

”مگر وہ تمہیں بھائی کہتی ہے اور تمہارے منہ کرنے کے باوجود باز نہیں آتی۔“ انہیں بھی سال پرانی بات یاد تھی زیاد کی خجالت دیکھنے کے لائق تھی۔

”وہ تو خیر خود بخود باز آ جائے گی مگر معاملہ کچھ اور ہے۔“ سر کھجا کر اس نے اصل بات کی جانب دھیان لگایا۔

”کیا بات ہے بتائیں بیٹے!“

”نما وہ شاید مجھے پسند نہیں کرتی یا پھر غلط سمجھتی ہے، اس روز میں بہت خفا ہو رہا تھا نا اس پہ بس غصے میں کچھ پتہ نہیں چل سکا۔“ زیاد نے وہ پورا واقعہ شرمسار سے انداز میں سنایا تو مہما نے گہرا سانس بھرا تھا۔

”اسی لئے تو غصے کو حرام قرار دیا گیا ہے بیٹے! یہ ہمیشہ بے وقوفی سے شروع ہو کر شرمندگی پہ ختم

قرآن شریف کی آیات کا احترام کیجیے

قرآن مجید کی آیتوں کی عزت و احترام کی ضرورت ہے۔ ان کی کوئی بھی آیت کو مس کرنے سے منع ہے۔

اپہریس کرنے کی فرسودہ چال چلی ہے ان لوگوں نے مگر میں کامیاب ہونے نہیں دوں گا، یونو پارلر سے تو اگر چیل کو بھی توجہ سے میک اپ کرایا جائے تو وہ بھی پری نظر آسکتی ہے پھر ڈیجیٹل کیرے کا کمال مگر میں 1970ء کی فلموں کا کوئی ہیرو نہیں ہوں جو اس چکر میں پھنس جاؤں اونہہ۔ اور جہان گہرا سانس بھر کے رہ گیا تھا ایک سال بعد بھی اس کی سوئی وہیں اٹھی تھی۔

”کب آر ہے ہوتم؟“ جہان نے اسے سمجھانے کا ارادہ ترک کر کے پوچھا۔

”یہ سر پر اتڑے جناب نہیں بتا سکتا۔“

”تھیک ہے اگلے خوار ہو کر گھر پہنچنا پر تو کول ضروری نہیں۔“

”سر پر اتڑا لگ نور ہے۔“ وہ اپنے موٹوں سے نہیں ہلاتا کچھ مزید باتوں کے بعد جب معاذ نے فون بند کیا تو اسی پل پھر تیل بجنے لگی تھی جہان نے گہرا سانس بھر کے سزا آزیدی کے نمبر کو دیکھا اور جیسے طوعاً کرہاً کال ریسیو کی۔

”جہا گھر بیٹے اس وقت مجھ سے ملنے آسکتے ہو، بہت اہم بات کرنی ہے۔“ خلاف معمول انہوں نے بات کو طویل نہیں دیا تھا۔

”اس وقت؟“ جہان حیران ہوا وہ آفس سے واپس گھر جا رہا تھا۔

”ہاں زیادہ وقت نہیں لوں گی آپ کا سو پلیز۔“ جہان نے کچھ سوچا پھر آمادگی ظاہر کر کے سیل بند کیا اور گاڑی کا رخ بدل دیا تھا۔

”جی فرمائیے۔“ وہ ان کے سامنے بیٹھا تو بے حد سنجیدہ تھا۔

”آپ کو ڈالے کسی لگتی ہے؟“ ان کے سوال نے اسے ایک دم چونکا دیا وہ حیران سا نہیں دیکھنے لگا تھا اور کوئی جواب نہیں دیا تھا کہ انہوں نے اگلی بات کہہ کر گویا اسے شاکڈ کر ڈالا۔

”میں چاہتی ہوں ڈالے کی شادی آپ سے کروں۔“

(جاری ہے)

ہوتا ہے۔“ ان کا انداز ناسخاں تھا زیادہ کچھ اور بھی شرمندہ نظر آنے لگا۔
 ”اب کیا کرنا ہے ماما، ایک سال ہو گیا ہے اس بات کو گمروہ اپنی خنکی ختم نہیں کر رہی۔“
 ”تیک ات ایز کی بیٹا! میں آپ سے بات کرنے سے پہلے تمہارے پیار اور بھائی جان سے اور بھابھی جیم سے مشورہ کر لوں پھر آپ کے لئے نوریہ کو مانگیں گے تو بچی کی ناراضگی خود بخود ختم ہو جائے گی۔“
 ”رے ملی ماما! وہ بچوں کی طرح خوش ہوا تو ممانے سر ہلا کر اثبات میں جواب دیا تھا۔“

☆☆☆

وسعت دشت بجر دیکھ کے ڈر جاتا ہوں
 تجھ سے آگے کا سفر دیکھ کے ڈر جاتا ہوں
 شام کو یار کے آگن میں اتر جاتا ہوں
 اور اس بزم سے پھر وقت سحر جاتا ہوں
 میں تو قائم ہوں فقط تیری کشش کے باعث
 تیری سرحد سے جو نکلوں تو بکھر جاتا ہوں
 گنبد ذات سے جو صدا آتی ہے
 شب کی تنہائی میں جو سنتا ہوں تو ڈر جاتا ہوں

پتہ نہیں کیسی قسمت تھی اس کی پریشانیوں اور الجھنوں نے جیسے اس کی ذات کا گھیراؤ کر لیا تھا شاید یہ پریشانیوں اس کی خود ساختہ تھی وہ خود اپنے آپ کو دکھوں اور اذیتوں کے حال سے نکالنے کا خواہش مند نہیں تھا، ورنہ سال بھر سے زینب کی ناراضگی یہ اب مٹی ڈال چکا ہوتا، اگر اس نے ایسا نہیں کیا تھا تو یہ دل کی بے بسی تھی دل جو محبت میں سب کھو کر بھی واپسی کے راستے پہ چلنے کا راہ دار نہیں تھا، زینب سے اب اسے کوئی سروکار نہیں ہونا چاہیے تھا مگر اس کے دل کو سروکار تھا، جیسی تو وہ آسودہ نہیں ہو پاتا تھا، اس کے سیل کی بیپ ہونے لگی تو وہ چونکا، معاذ کا فون تھا اس نے گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے ہی کال ریسیو کی۔

”کیسے ہو جان من!“ معاذ کا موڈ یقیناً اچھا تھا، وہ بے دلی سے مسکرایا۔

”فائن تم کیسے ہو؟“

”نپ ٹاپ جناب! سنو میں پاکستان واپس آرہا ہوں، پاپا کو میرا پیج دے دینا اپنی پیئڈ ہو کا داغ لہاب شاہ ہاؤس میں ممنوع کر دیں، بی کا ز شہزادہ عالم اپنی ریاست میں ناپسندیدہ لوگوں کو پسند نہیں فرمائیں گے۔“

زینب کی مستثنیٰ پہ پریناں کی آمد کا اسے علم ہو گیا تھا، وہ اتنا خفا ہوا تھا کہ زینب کی مستثنیٰ کی بوجہ اور تصاویر تک دیکھنے سے صاف انکار کر دیا تھا۔

”مگر کیوں؟“ جہان کو اس کی یہ منطق ہرگز سمجھ نہیں آتی تھی۔

”میں جانتا ہوں پیارو ممانے محترمہ کو ہر جگہ آگے رکھا ہوگا ہر تصویر میں ہوگی وہ بچی ہوئی مجھے

غلط فہمی

◇◇◇ ام مریم ◇◇◇

باہو میں قسط کا خلاصہ

زیادہ جب نذیب کی حقیقت کھلتی ہے تو وہ جہان سے معذرت کرنے میں دیر نہیں لگاتا مگر اس غلط فہمی کے پتھر میں نور یہ اس سے بدگمان ہو جاتی ہے، جہان چاہنے کے باوجود خود کو سنبھال رکھنے کی کوشش میں ناکام ہے، اس پر معاذ حسن کی خطی جب نذیب پہ ظاہر ہوئی ہے تو نذیب اپنا سارا غصہ جہان پہ نکال کر اس کے اضطراب میں اضافہ کر دیتی ہے۔

پر نیاں شاہ باؤس کے کینوں کی محبتیں اور اہمیت پا کر بھی خود کو ادھورا محسوس کرتی ہے، معاذ حسن کے حوالے سے مستقبل کا خوف اسے پریشان کیے ہے۔

سزا فریدی اپنے منصوبے کے مطابق جہان کے گرد اپنا گھیرا تنک کرتی جا رہی تھی، جہان ڈراے کی سا لگرو پہ جاتا ہے تو اسے گھر میں ڈراے ہی ملتی ہے سزا فریدی اس وقت پہنچتی ہیں جب وہ واپسی آ رہا ہوتا ہے، جہان کو ان کی اس حرکت پہ غصہ ہے۔

معاذ کی اسٹڈی کمپلٹ ہو جاتی ہے تو وہ واپس آنے کا جہان کو بتاتا ہے ساتھ ہی پر نیاں کے حوالے سے دل شکن باتیں بھی کرتا ہے جو جہان کو پسند نہیں آتیں۔

زیادہ نور یہ کی غلط فہمی دور کرنا چاہتا ہے مگر جواب میں اس کی ناراضگی کا سامنا کرنا پڑتا ہے، زیادہ اپنا مسئلہ ماما سے بیان کر کے نور یہ سے شادی کی خواہش ظاہر کرتا ہے۔

تیرھویں قسط

اب آپ آگے پڑھیے



جہان اسے بخند کر دینے والی حیرت اور شاک سے نکلا تو پیش اور غیض سے اس کی آنکھیں سرخ ہو کر انکاروں کی طرح سے ہی دیکھ اٹھی تھی، سزا آفریدی کا تھکسا نہ انداز اور رحمت بھرا لہجہ اسے سراسر توہین آمیز لگا تھا جی وہ پھر کر ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

”آپ شاید اپنے کسی زعم میں مجھے حکم دے رہی ہیں مگر میں آپ کی غلط فہمی دور کر دینا چاہوں گا کہ میں حکم تو کیا اگر آپ گزارش بھی کرتی تو میں اسے بھی رد کر دیتا، لیکن کوز میں نہ تو آپ کا غلام ہوں اور نہ ہی آپ کے دستِ دہریہ سے متاثر ہونے والا آدمی، اب پہلے ہوں اس امید کے ساتھ کہ آپ مجھ سے دوبارہ اگر کبھی ملیں گی تو ایسی بات نہیں کریں گی۔“

وہ نہ چیخا نہ پھنکا رہا، اس کا ضمیر اڈنے لگا اور اپنے اندر ایک خاص قسم کا دباؤ لگنے ہوئے تھا اور سزا آفریدی جو بلاشبہ اس کے انداز اس کی چال ڈھال میں اور بات کر کے کے انداز میں اس کی خاص متانت، نغمہ آواز اور تمکنت کی شائق تھی اس میں بڑے طنز بھرے انداز میں مسکرائی اور آگے بڑھ جانے والے جہان کا سرعت سے اٹھ کر ہاتھ پکڑ کر جہالت بھرے انداز میں کھینچ کر گویا اسے روکنا چاہا، جہان پہ ان کی شخصیت کا ایک اور رنگ واضح ہوا تو چہرے پر موجود تاسف میں اضافہ ہو کر رہ گیا، اس نے ایک جھٹکے پہلے اپنا ہاتھ ان کی گرفت سے نکالا تھا پھر دسان بھرے مگر سرد لہجے میں بولا تھا۔

”ایکسکوز می، مجھے کس بدتمیزی پہ آمادہ مت کریں، آپ کو کم از کم اتنا تو خیال کرنا چاہیے کہ آپ خاتون ہیں اور عمر میں میری والدہ کے برابر۔“

مگر سزا آفریدی پہ اس کے کاٹ دار طنز کا بھی کچھ اثر نہیں ہوا تھا، انہوں نے سستکی نظروں سے کچھ دیر اسے گھورا پھر زہر خند سے بولی تھیں۔

”مجھے سب کچھ یاد ہے البتہ تمہیں وہ بھولی باتیں ضرور یاد کرانا چاہوں گی جنہیں تم بڑی آسانی سے فراموش کر گئے ہو، مگر میں نہیں کر سکتی جو ان بیٹی کی ماں ہوں، نا پتہ ہے ناموریت کی عزت کتنی نازک ہوتی ہے۔“ ان کے الفاظ کی معنی خیزی اور سنگینی نے جہان کو حیران ہی نہیں کیا وہ ٹھٹھک بھی گیا تھا۔

”کیا مطلب ہے آپ کا؟“

”تم شادی کرو گے ڈالے سے بس؟“

وہ اس کی ان سنی کئے اپنی بات دہرا کر بولیں تو جہان کا دماغ جیسے الٹ کر رہ گیا تھا۔

”آر یو میڈ؟“ وہ سچ گیا تھا شہسہ کی مانند۔

”اد کے فائن!“ انہوں نے اطمینان سے مسکرا کر اپنا بیگ اٹھا کر اس کی زپ کھولی پھر ایک

لٹاف کھول کر اس کی جانب بڑھا دیا۔

”اس میں تمہاری وہ امانت میرے پاس جو تمہارے بات مان لینے کی صورت میں اتنی خضر ناک نہ رہتی تھی اب ہو جائے گی، اس کی مزید کاپیاں میرے پاس ہیں تم نے اگر انہیں دیکھنے کے بعد بھی اپنا فیصلہ نہ بدلا تو یہ اسی روز شاہ ہاؤس کے کینوں کے پاس پہنچ جائے گا، بہت مان اور بھروسہ ہے؟ انہیں تم پہ تمہاری کزن نے تمہیں اپنے حق میں استمال کیا اور تمہاری شرافت پھر بھی

شکوک نہیں ہوئی مگر سوین ہارٹ اب یہی شرافت دھیوں میں بکھر جائے گی بلاشبہ۔“

جہان جو ان کی باتوں کو خاطر میں نہیں لارہا تھا مگر ان کی اس درجہ درست معلومات نے اسے بٹکا بٹکا کر کے رکھ دیا تھا۔

”کسے یہ؟“ اس کا سکتہ ٹوٹا تو ساتھ ہی طنز بھی ٹوٹ گیا تھا جسے محسوس کر کے سزا آفریدی

تفاخر سے مسکرائی وہ پوری طرح معاملہ نہیں بھی سمجھا تھا مگر اتنا تو اندازہ کر سکتا تھا یہ شاطر عورت اسے بلکے سبیل کرنا چاہ رہی ہے۔

”اپنے گھر جا کے اطمینان سے دیکھ لینا جلدی کیا ہے سوین ہارٹ!“

وہ بے حد پرسکون نظر آئی تھی گویا انہیں اپنی فتح کا یقین کامل ہو، جہان نے اب کے تردد نہیں کیا تھا اور وہ سفید بھاری منہ بند لفاظیوں سے لیا تو اس کے منسوب آہنی ہاتھ کی گرفت کمزور تھی اور ہاتھ میں بہت واضح کپکپاہٹ اتر آئی تھی، سزا آفریدی کی کمزور مسکراہٹ اس کی آنکھوں میں اندھیرے سینت رہی تھی، بے حد اب سیٹ سا جب وہ گھر پہنچا تو سورج مکمل طور پہ غروب ہو چکا تھا، جالی گرمیوں کی یہ ایک خوشگوار شام تھی مگر اس کے اندر بلا کما جس تھا، کوٹ کی جیب میں بڑا وہ بند لفاظی اسے سانپ بچھو کی طرح زہریلا محسوس ہو رہا تھا، وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا سزا آفریدی اس حد تک گھٹیا پن پہ اتر آئی گی، اس نے صرف تصویر ہی دیکھی تھی سووی دیکھنے کا وہ خود میں ہرگز حوصلہ نہیں پاتا تھا، پہلی تصویر جو اس کے ہاتھ میں آئی تھی وہ ان لحوں کی تھی جب جہان نے سزا

آفریدی کے پیچھے بڑھ جانے پہ بیزارگی سے کسی مگر بے ہوش ڈالے کو بانہوں میں اٹھا کر اس کے

کمرے میں پہنچایا تھا، کتنے مختلف پوز تھے، ڈالے کو بانہوں میں لئے بیٹھ پکڑتے ہر جگہ یہ وہ

اس کے اتنا نزدیک تھا گویا فاسلوں کا گان ختم ہو گیا تھا، پھر باقی کی تصویریں سا لگرہ کے موقع کی

تھیں وہ ڈالے کے پیچھے کھڑا تھا حالانکہ وہ رنجیر کو چھڑا رہا تھا مگر دیکھنے میں یوں لگتا تھا وہ اسے

لاکت پہنارہا ہوں، ڈالے کا دو بچہ اس کے پیروں میں پڑا تھا اور وہ جھکی ہوئی اپنا دوپٹہ اٹھا رہی

تھی، یہ تصویر دیکر تصادیر سے بھی گھس بڑھ کے سنی خیزیت لئے ہوئے تھی، جہان کے ماتھے پہ

پینت پھوٹ نکلا پورا وجود یوں جلنے لگا جیسے ایک کس نے اسے الاؤ میں دھکیل دیا ہو، اس نے ایک

دشت کے عالم میں ہر تصویر کے ٹکڑے کے تھے اور سی ڈی ڈسک کو توڑ کر پھینک دیا پھر بھی اس

کے اندر سرسراتی دشت میں کی نہیں آئی تھی تو بنا سوچے کبھی گاڑی کی چابی اٹھا کر باہر نکل آیا، جس

وقت وہ آفریدی پولیس کے گیٹ کے باہر کھڑا تھا سزا آفریدی کی گاڑی زن سے اس کے پاس آن

دھوکئی کی مانند چلتا سلس وہ ہوا تھا تو اس کی آواز بھی بدلی ہوئی تھی، جب تک ہاج میں اور ذرا میور جہان تک پہنچے وہ سزا فریدی کی انہی خاصی حالت بکاڑ چکا تھا، آنکھوں سے بہتا پانی اور بری طرح بکھرے بالوں کے ساتھ کھانسیں: وہیں وہ ایک تھیر ایک خوف کے عالم میں ہاج میں اور ذرا میور سے تن تھا جہان کو نبرد آزما دیکھنے لگیں، وہ لڑائی بجزائی کا شوقین شہر پسند لڑکا نظر آ رہا تھا جو غصے اور اشتعال سے بھر کر بے حد خطرناک ہو گیا تھا، بنے کئے مرد اس کے آگے گویا پائونک کے پتلے تھے، جنہیں وہ بڑی آسانی سے ساتھ اٹھا اٹھا کر بیچ رہا تھا اور اس کا طعمہ تھا کہ پھر جی ختم نہیں دتا تھا، اچھا خاصا تماشا بن کر رہ گیا تھا، اس پاس کے گھروں کے پوکیدار اور کرکٹ کھیلنے والے بچے بھی متوجہ ہوئے تب سزا فریدی جیسے چوٹیں اور خود کو سنبھال کر بڑی سے اترنے کے بعد آگے بڑھ کر ہاج میں اور شو فر کو اس سے بائیں گھنٹا گھنٹا کر اندر بھیجا تھا پھر اس کی سمت دیکھ کر پھنک کر بولی تھیں۔

”جہیں اندازہ نہیں ہے کہ تم اپنے لئے کتنا خطرہ مول لے چکے ہو، جو کام نہیں ذرا تاخیر سے کرنا تھا وہ آج ابھی اس وقت کروں گی، میں چاہتی تھی تم انسانوں کی طرف سے ری ایکٹ کرو مگر شاید شرافت تمہارے اندر ہے ہی نہیں، ہو گا تو وہی جو میں چاہوں گی، تمہیں عزت سے منظور نہیں ذلت سمیت کرنا تو یونہی سہی۔“ ان کی یہ دھمکی جہان کے اعصاب ٹھنڈا کر کے رکھ گئی، ٹپٹپ اور اشتعال پہ بے بسی نے لہجوں میں غلبہ پایا اور وہ جیسے بھر بھری مٹی کی مانند بیٹھتا چلا گیا، ان کے انداز میں خطرناک مزاج تھے، جہان کو لگا تھا وہ کھڑا نہیں رہ سکے گا، سزا فریدی تنہائی ہو میں اندر جا چکی تھیں وہ واپس جانے کی بجائے ان کے پیچھے جانے کو لپکا تو اس سے عزت افزائی کرا لینے کے باوجود ہاج میں نے کڑک دار آواز میں اسے ٹوکا تھا۔

”اک قدم بھی آگے نہ بڑھانا باوجود نہ امارا بندوں کو لی داغ دے گا۔“ جہان نے جھم کر سرخ لہور جگ آنکھوں سے اسے دیکھا تھا۔

”اپنی سیم سلاب سے کہو مجھ سے بات کریں پلیز۔“ وہ اپنا سارا طنز بھلائے مضم آواز میں جس وقت کہہ رہا تھا سزا فریدی شعلہ جوالہ بنی اندر سے باہر آئی تھیں اسے رو رو پا کر جیسے آتش فشاں لاڈے کی طرح سے پھٹ پڑیں۔

”جابر خان اسے اٹھا کر باہر پھینکو ورنہ میں جہیں قتل کر دوں گی۔“ وہ طلق کے بل غرائیں تھیں، جہان ان کے غصے کو خاطر میں لائے بغیر ان کے پاس چلا آیا۔

”مجھے آپ سے بات کرنی ہے۔“

”مگر مجھے تم سے کوئی بات نہیں کرنی، میں ابھی کراچی رہا نہ ہوتی ہوں، تمہارے کالے کرتوت تمہاری فیملی کو دکھانے پھر انکار کر کے دکھانا مجھے۔“ وہ پختہ آواز میں اور جہان لہجوں میں سرد پڑ گیا تھا۔

”آپ ایسا کچھ نہیں کریں گی پلیز، میں آپ کی ہر بات ماننے کو تیار ہوں نہیں تو۔۔۔“ وہ یکا یک ان کے سامنے سارے ہتھیار پھینک کر شکست تسلیم کر گیا تھا تو وہ ہمت کے بعد اب شاہ بانس سے: وہ اپنی عزت گوانے کے حق میں ہرگز نہیں تھا، کیا وہ یقین دلا سکتا تھا کسی کو یقیناً نہیں، وہ یوسف نہیں تھا کہ اس کے لئے گواہی اتر آئی، اسے بار ماننا ہی تھی، اس کے: جیسے چہرے پہ

اندرونی کرب اور بے بسی کا واضح اظہار چمکتا تھا وہ نونا ہوا شکست خوردہ نظر آتا: واجہان سزا فریدی کی اتا کی تسکین بن گیا انہوں نے گہرا سانس بھر کے مگر نخوت سے اسے دیکھا۔

”اندرو چلو کرتے ہیں بات اس موضوع پہ۔“ انہوں نے رعونت سے اکڑی گردن کو کچھ اور اکڑا کر اپنا رخ پھیر لیا، جہان نے متذبذب سا وہیں کھڑا رہا۔

”میں آپ کی بات مان رہا ہوں نا ابھی فی الحال مجھے جانے دیں۔“ اس کے اندر جو شکست: رنجیت اتری تھی اس کے بعد تنہائی ہی اس کی بہترین ساتھی ہو سکتی تھی۔

”اسق سمجھ لیا سے مجھے اندر چلو میرے ساتھ، ادھہ لڑ پانی بات مان لی اور میں یقین کراؤں۔“ وہ چڑکھتی سے بولتی پانی گھسی تو جہان نے جلتی آنکھوں سمیت اسے دیکھا تھا۔

”کیا مطلب ہے! میں سمجھا نہیں؟“

”اندرو چلو میں سمجھاتی ہوں۔“ انہوں نے نخوت زدہ تاثرات سمیت کہا اور خود بے نیازی سے آگے بڑھ گئیں جہان کو ان کی تھکید میں قدم اٹھانے پڑے تھے۔

”تمہارا نکاح آج ہی ہو گا اور ابھی، تم یہ بھی سمجھ سکتے ہو کہ مجھے اب تم پہ تمہاری زبان پہ اعتبار نہیں ہے۔“ ان کے الفاظ نے جہان کو بھک سے ازاد کیا تھا، بیروں تلے سے زمین کھینچ لینے کے بعد ان کا ارادہ سر سے آسمان کھینچ لینے کا بھی تھا، یوں لگتا تھا ان کی ذہنی حالت بگڑی گئی ہو، جہان یوں ساکن تھا جیسے پتھر کا ہو گیا ہو، کمرے میں دو نفوس موجود تھے مگر خاموشی ایسی تھی کہ ہنشت کا گمان ہونے لگتا۔

”تم خاموش کیوں ہو، اپنا فیصلہ سنا دیجیے، بلکہ فیصلہ تو تمہارے چکے میرے حق میں ہے نا؟“ جہان نے بے بسی اور اضطراب بھری آواز میں کہا، انہوں نے دیکھا اسے اپنی زندگی کا یہ مقام بے حد ٹھن اور بے رحم محسوس ہوا تھا۔

”میں کہیں بھانگا نہیں جا رہا ہوں آپ میری فیملی سے۔“

”مجھے کسی سے نہیں ماننا، مجھے تم پسند آئے ہو بس، وڑالے کی شادی مجھے تمہارے ساتھ کرنی ہے سمجھے!“ سزا فریدی کا انداز اس مرتبہ توہین آمیز اور دھتکارنے والا تھا جہان کا چہرہ سرخ پڑ گیا، سزا فریدی نے اسے بڑی بھانگتی نظرہوں سے دیکھا تھا۔

”ایسا کر: فی الحال نکاح کر لو رخصتی بعد میں کرا لیا اپنی فیملی کو اعتماد میں لینے کے بعد، تم کہو تو میں ان لوگوں پہ تمہارا نکاح بھی ظاہر نہیں کروں گی نوٹیشن! مگر میں تمہیں یہاں سے نکاح کے بغیر نکلنے نہیں دوں گی۔“ وہ بڑے غصے سے بولی تھیں، جہان کے پاس ان کی بات مان لینے کے سوا کوئی چارہ نہیں رہ گیا تھا۔

☆ ☆ ☆

پھر دامن امید وہ پھواریں سے بھر گیا
جاو بھری نگاہ سے جاو سا کر گیا
بس دیکھتے ہی دیکھتے دنیا بدل گئی
کچھ سوچتے ہی سوچتے پتھر اتر گیا

بے تاب بے قرار تھا پہلو میں دل بہت
پھر آپ کا آنا اور بھی بے تاب کر گیا
اک بے خودی کا نام محبت سے دوستو
چاہت میں کس کو ہوش کہ کیا کیا گزر گیا
کچھ بھی پتہ نہیں ہے محبت میں اے عین
کب رات صبح میں گئی کب دن گزر گیا

وہ پچھلے دو مہینوں میں یونہی ساکن بیٹھی تھی، مدہوشی و سرشاری کی وجہ کیفیت تھی جس نے
سب کچھ فراموش کر دیا تھا، ایک نیا جہان تھا دھنک رکھوں سے سنا، گنگنائی ہوا میں تبسم مہنگی
فضا میں اور سنبھلے پروں کے ہمراہ اس کا اڑنا ہوا وجود، اس کے اندر کتنی کیف آکٹیں سرشاری اثر
آئی تھی، وہ شخص جسے دیکھنے سے بھی دو گریزاں رہا کرتی تھی، کہ دل سواہی بن کر آنکھوں میں آہینے
تھا، کتنی حسرت زدہ خواہش تھی، اس کو پانے کی، وہ تو بھی ڈر کے مارے اسے پانے کی دعا بھی
رب سے نہ مانگ سکی تھی کہ اس نے بھی خود کو اس بے انتہا شاندار شخص کے قابل سمجھا ہی نہ تھا، وہ
جو زندگی میں پہلی بار اسے ملا تھا مگر اس کی زندگی کو نئے راستے پہ ڈال گیا تھا، خیندریں گروہی رکھ کر وہ
بس اسے سوچا کرتی آکٹھ کو اس سے کیا غرض کہ، وہ ملتا ہے یا نہیں، پر ایسا ہے یا سکا وہ تو جس چہرے
میں کھو جاتی ہے اسی کی ہو کر رہ جاتی ہے، بے پھر دل کو مجبور کر دیتی ہے کہ وہ اس خاص چہرے کو
اپنے نہاں خانوں میں سجائے، اس نے مردوں کے بہت سے روپ دیکھے تھے، مگر یہ روپ انوکھا
تھا، گھڑی ستواں تاک اس کے ازلی فرد کو دام دیتی محسوس ہوتی تھی، سحر طراز غانی آنکھیں کویا
پورے چہرے پہ حکمرانی کرتی تھیں اور یہی آنکھیں دوسری آنکھوں میں اپنے خواب سجانے کی
ملاحت بھی بھر پور رہتی تھیں، خدا یا اس ایک چہرے میں اتنی خوبصورتی کیوں بھر دی، تب پہلی بار
اس نے اس شخص کے سامنے پوری طرح ہارتے ہوئے اپنے مالک سے کتنی بے بسی میں بتا ہوا کہ
کہا تھا۔

وہ جب بھی اس کی دراز پلکوں سے مزین آنکھیں دیکھتی گویا نکاہیں اس کے چہرے سے ہٹنے
سے انکاری ہونے لگیں، وہ بھلا اتنی بے اختیار کب سے ہو گئی تھی، جیسے کسی گھڑی کے جالے میں
چھستی جا رہی ہو، وحشت اور بے اختیاری کا سفر غیر یقینی حالات میں طے کرنا بہت مشکل ہوا کرتا
ہے، اس کے خیر دل میں جیسے کوئی جگنو ٹنہر گیا تھا، نارسائی کا احساس الگ جان لیوا تھا کہ ایسا ایک
محبت و نارسائی کے اس چلچلا تے صحرا میں ابر رحمت جھائی اور معجزہ ہو گیا، یہی معجزہ ہی تو ہوا تھا، وہ
جس کا تصور بھی اس کے آس پاس نہیں تھا، بھلا جہاں تیر جیسے آدمی کو بھی کوئی لڑکیوں کی کمی تھی جو وہ
خود سے اس کا طلبگار ہوتا اور وہ بھی اتنی غلت میں اتنی افراتفری کے عالم میں کہ فوری نکاح کا تقاضا
کر دیتا، کتنا حیران ہوئی تھی وہ سزا فریدی کے منہ سے یہ بات سن کر اس کی غیر یقینی اور مستر کو دیکھ
کر ہی سزا فریدی سکرانی تھیں، پھر زنی و محبت سے اس کا کمال تو کیا تھا اور رساں سے بولی تھیں۔

"جہان کی تو یہ کب کی خواہش ہے، وہ کئی بار مجھ سے یہ خواہش ظاہر کر چکا تھا، میں ہی ڈٹل
مانڈر تھی بیٹا، اچھی لی اس کی نیکی میں کچھ پر اہم ہے، وہ جہاں تیر کی شادی خاندان سے باہر نہیں کرنا

چاہے جبکہ جہان کو تم اتنی پسند آگئی تھیں کہ وہ ہر صورت تم سے شادی کا خواہاں تھا، میں چاہتی تھی
کہ وہ اپنی نیکی کو لے کر آئے پر بوزل کے لئے۔" انہوں نے بات اور صوری چھوڑ دی، ڈالے
کے چہرے پہ دھنک کے رنگ تھے مگر ساتھ ساتھ وضاحت بحسب اور شوق کی کیفیت بھی واضح تھی۔
"کیا اب ان کے پیرنس باں گئے ہیں؟" ڈالے نے نکاہیں جھکانی تھیں، اس بل اسے خود
سے بھی بہت نوٹ کر حیا آرہی تھی تو سزا فریدی کا سامنا بھلا کیسے کرتی اور یہیں دو مات کھا گئی
تھی، سزا فریدی کے لئے اسے دھوکہ دینا اتنا مشکل نہیں تھا اس صورت میں تو بالکل نہیں وہ نظر ملا
کے ان سے بات بھی نہ کر سکے۔

"جہان کے پیرنس نہیں ہیں، وہ اپنے بچاؤں کے ساتھ رہتا ہے اور چچا کی خواہش اسے اپنا
داماد بنانے کی ہے، ظاہر ہے اتنا شاندار لڑکا کون ہاتھ سے گنونا جائے گا۔"
اس طرح کی اور بیشتر باتیں اور ڈالے ان کی باتوں میں آگئی تھی، نکاح جتنی غلت میں ہوا تھا
اس میں کسی دھوم دھڑ کے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا، سزا فریدی نے بتایا تھا جہان کسی کام
کے سلسلے میں ملک سے باہر جا رہا ہے، جانے سے قبل وہ یہ اہم کام کرنا چاہتا ہے، بھلا ڈالے کے
لئے اس اعزاز سے بڑھ کر بھی کچھ اہم تھا، وہ تو اس بل سب کچھ بھول گئی تھی، جہان کی بے احتیائی
سے لے کر اس کی نگاہ کے سرسری پن تک، اسے یاد رہ گیا تھا تو وہ جھوٹ کا سنبھرا پن جو سزا
فریدی نے بہت خوبصورتی سے اس کی نگاہوں کے سامنے پھیلا دیا تھا اور یہی اس کی سب سے
بڑی گلت تھی جس کا اسے فی الحال احساس تک نہ آدسکا تھا، نکاح کے بعد اس کے اندر خوش فہمیوں
کے لاتعداد قافلے آسمان ٹنہرے تھے، جیسی تو وہ جہان سے کسی مزید پیش رفت کی ختگر تھی، مگر شام
رات میں بدل گئی مگر وہ اس کے پاس نہیں آیا، مالا لکہ وہ ہر آہٹ پہ چونکی اور دل کو سمیٹ کر
آنکھوں میں اترتے دیکھتی رہتی تھی، دروازہ کھلا اور وہ ایک بار پھر دل و جان سے متوجہ ہوئی تھی مگر
چوکھٹ پہ سزا فریدی کو ایسا وہ پایا تھا۔

"شاہ چلے گئے ماما!" اس کی آس منداناہ نظرس ان کی جانب لمحہ بھر کو اٹھی تھیں، وہ مسکرائیں
اور آگے بڑھ کر والہانہ انداز میں اپنا کرا سے پیار کیا تھا۔

"ہاں کچھ جلدی میں تھا، ملنا چاہ رہا تھا تم سے مگر ایرجنسی کی وجہ سے جانا پڑ گیا، اب وہ تمہارا
بے میری جان سر سے لے کر پیر تک، جہاں بھی چلا جائے تمہارا ہی رہے گا۔" انہوں نے اس کی
بااٹیں لیتے ہوئے کچھ ایسے انداز میں کہا کہ ڈالے بری طرح سے ہلش ہو کر رہ گئی تھی، گلابی چہرا
سرخ ہونے لگا اور ریشمی لڑتی پلکیں اس بل جہا کے بوجھ سے اٹھنے سے انکاری ہو گئیں سزا
فریدی نے بغور اس کے چہرے کو دیکھا پھر رخ مندی کے بھر پور احساس سمیت سکرانی تھیں۔

"یہ دیکھو جہان تمہارے لئے دے کر گیا ہے، کہہ رہا تھا کہ میں دے دوں۔" انہوں نے ہاتھ
میں موجود پھلیں کیس اس کے سامنے کیا، ڈالے کی نگاہیں حیرانی سے اٹھی تھیں، سرخ پھلیں کیس
میں طلا کی جڑاؤ لیکن اپنی خیر و کن چک دک سے نگاہوں کو کھینکا گئے تھے۔

"کہہ رہا تھا، نکاح کی خوشی میں حقیر سا تحفہ ہے ابھی چکن لو۔" ڈالے جیسے سمرائز ہو گئی تھی،
اس نے ہاتھ بڑھا کر کیس تمام لیا، ٹنکرنی ہونٹوں کی نراش میں دل آویز حد ہوش کن مسکان چل گئی

تھی تو چہرے کے خدو خال میں اہمیت و چاہت کے احساس نے خفیف سی سرخی دوزادی مگر دل شاید کچھ کی محسوس کر رہا تھا، جیسی اس کے لبوں سے، تمام حسرت الفاظ کی صورت چل گئی تھی۔

"اسی کون سی ایمر جنسی تھی، وہ خود بھی تو دے سکتے تھے نا مجھے۔"

"انور، اب اس معمولی سی بات کو لے کر ہرٹ ہونے کی ضرورت نہیں ہے، ہنی! ابھی رخصتی تھی، اتنی ہوئی ہے، اب بھی وہ اپنے گھر والوں کو منائے گا پہلے۔" ان کی بات پہ ڈالنے کوئی تبصرہ نہیں کیا، سر جھکائے نکلنے کے نفس ڈیزائن پہ انگلی پھیرتی رہی۔

"میری بنی خوش ہے، میں جانتی تھی جہاں کو تم پسند کرتی ہو، جیسی تو اسے انکار نہیں کیا؟" انہوں نے آگے بڑھ کر ڈالے کا چہرہ ہاتھوں کے پیالے میں لے کر شریں لہجے میں کہا تو ڈالے چونکی پھر بے طرح جھینپ گئی تھی، اس کا سرخ پڑا چہرہ دیکھ کر سزا آفریدی بے ساختہ ہنس پڑیں۔

"تم نے مجھے نہیں بتایا تو کیا فرق پڑا، میری جان میں ماں ہوں تمہاری رگ رگ سے واقف ہوں۔"

ڈالے کی خفت اور جہاں میں کچھ اور اضافہ ہوا تو ہونٹ کھلتے ہوئے آہستگی سے رخ پھیر لیا، سزا آفریدی چند ثانیے سے یونہی دیکھتی رہیں پھر پلٹ کر کھینچ کر کھانے کے لئے ٹیبل پہ آنے کا کہہ گئی تھیں، ڈالے کچھ دیر یونہی کھڑی رہتی تھی پھر اس نے کس سے نکلنے نکالے تھے اور بہت آہستگی سے سجاد کے ساتھ اپنی کھائی میں پہن لئے، مرمج میں سفید کھائی ایک دم سے جیسے اس آرائش کے بعد جگہ کا اٹھی مگر اس سے کہیں بڑھ کر اس کی آنکھوں میں چمک تھی، ایک گہرا سانس بھرتے ہوئے اس نے خود کو بے حد آسودہ محسوس کیا تھا، پھر جانے کس جذبے کے تحت جھک کر کھائی میں بہار دکھاتے نکلنے پہ اپنے ہونٹ رکھ کر مسکرا دی تھی۔

ۛۛ ۛۛ ۛۛ

تکلیوں کے موسم میں لوچنا گاؤں کا ریت اس گھر کی ہے اور جانے کب سے ہے دیکھ کر پرندہ کو بانڈھنا نشانوں کا ریت اس گھر کی ہے اور جانے کب سے ہے گفتگو بہر اس کا ناشی میرا شیوہ میری بے گمانی کو لوگ کب مانیں گے بات بات پر جبکہ مانگنا حوالوں کا ریت اس گھر کی ہے اور جانے کب سے ہے تم ابھی نئے ہو نا اس لئے پریشان ہو آمان کی جانب اس طرح مت دیکھو آفتیں جب آتی ہوں تو ٹوٹنا ستاروں کا ریت اس گھر کی ہے اور جانے کب سے ہے

اس نے سکرینت کا طویل کٹ لیا اور جلتی آنکھیں کچھ لمحوں کو مولد میں، اس کے پورے وجود

میں جیسے بھانجریاں اٹھنے لگی تھیں، زینب کے بعد سزا آفریدی اور ڈالے نے اسے قابل تلامی سمجھا اور کلکتہ سے دو چار کیا تھا، اسے زندگی میں پہلی مرتبہ کسی سے نفرت محسوس ہوئی تھی، سزا آفریدی کے ساتھ ساتھ ڈالے سے بھی، وہ دکھ اور حسرت میں بہتا رہا سوچتا رہا تھا کوئی اپنے مفاد کو حاصل کرنے کی خاطر اس حد تک بھی کر سکتا ہے، اگر وہ بکھا جاتا تو جو کچھ کیا گیا تھا اس میں رسوائی اور ذلت کا سامان صرف جہاں کے لئے ہی تو نہ تھا، ڈالے لڑکی تھی وہ اس سے زیادہ بدنامی اور رسوائی پالی مگر یہ احساس تو اس صورت میں ہوتا اگر غیرت و قیمت زلمہ ہو۔۔۔ وہ کس درجہ غیرت مند تھیں یہ وہ اسی لئے جان گیا تھا، اسے تا سف و ملال تھا تو اس بات کا وہ سزا آفریدی کو پہلی نگاہ میں پسندیدگی کا جذبہ دے کر بھی ان کی جانب سے مٹا کیوں نہ رہا، آخر وہ اتنا آسان ہدف کیوں جیت ہوا ان کے لئے رخ اور تا۔۔۔ سف و ملال تھا کہ ڈھلتا ہی نہ تھا، تم و غیب اور بھانجریاں کا وہ عالم کہ وہ پچھلے چوبیس گھنٹوں سے اپنے کمرے میں قید تھا، سیل فون آف تھا کھانا پینا موقوف بس سکرینت پہ ٹکڑے تھا، نفرت و انتقام کی آگ اسے سرتا پا جلا کر خاکستر کیے دے رہی تھی۔

میری ذات ذرۂ بے نشان

میری ذات ذرۂ بے نشان

اس نے درد سے پھٹنے سر کو دونوں ہاتھوں میں تمام کر بیٹھتے ہوئے ہونٹوں کے سامنے زور سے سزا جھٹکا تھا کھلی کھنک سے ہوا کے دوش پر لبرالی سکر کی آواز اس کی سماعتوں میں اتر کر اس کی بے بسی اور اذیت میں اضافہ کرنے لگی۔

میں: کس سے کریں وہاں جو کہنے گئے ہیں تم یہاں

سنے کون میری وہ داستان کوئی، تم نشین ہے نہ راز داں

میری ذات ذرۂ بے نشان میری ذات ذرۂ بے نشان

یقینت اس کی آنکھوں کی جلیں اور سر کے درد میں اضافہ ہونے لگا، اسی جلیں دروازے پہ ملازم کی دستک اور آواز سنائی دی تھی، جہاں چونکا اور کچھ ٹانہوں کو خالی نظروں سے بند دروازے کو دیکھتا رہا، پھر آگے بڑھ کر بالٹ گرا کر پٹ ہوا کیا تھا۔

"صاحب! شاہ باؤس سے بڑے صاحب کا فون ہے، وہ آپ سے بات کرنا چاہ رہے ہیں۔" جہاں نے ٹھنڈا سانس بھرا اور آگے بڑھ کر راہداری میں آگیا، ٹیلی فون سینت کاریسور کچھ قاصدے رکھا تھا، اس نے تھکے اندھے انداز میں ہاتھ بڑھا کر ریسور اٹھایا۔

"کیسے ہو بیٹے! خیریت ہے نا آپ کا ٹیل بھی آف ہے اور۔۔۔" اس کے سلام کا جواب دیتے ہوئے پریشان کن لہجے میں اسے مخاطب بنا تھا۔

"سوری چاچو شاید چار چنگ ختم ہو گئی تھی، میں دیکھتا ہوں۔"

"بیٹے ملازم بتا رہا تھا آپ کل سے کمرے میں بند ہو کچھ کھایا پیا بھی نہیں، طبیعت ٹھیک ہے نا آپ کی؟" ان کے لہجے و انداز کی تشویش بہت تھی، جہاں کے چہرے پہ عجیب سا کرب چھیل گیا، (کوئی نہیں جانتا ہے چاچو میں کس گروپ میں بیٹھ گیا ہوں، اذیت کا کوئی انت ہی نہیں، کب تک چھپا سکوں گا یہ صورتحال اور اس متوقع شرمندگی کا خیال مجھے موت جیسے احساس سے بہکا کر

”تمہیں کیوں بتاؤں، سر پرانز کا مزا کرنا تھوڑی کرنا ہے، تم کراچی کب جا رہے ہو؟“
 ”ابھی تو نہیں شاید کچھ دن لگ جائیں۔“ جہان نے مختصر جواب دیا تھا تو دوسری طرف
 جانب معاذ معنی خیزی سے ہنسنے لگا۔

”خیریت ہے نا، مجھے تو لگتا ہے یہاں کا معاملہ گڑبڑ ہے کسی سینہ مد جینہ سے عشق و شوق
 جو نہیں ہو گیا؟“ معاذ نے گھس ایک ٹکا لگایا تھا مگر جہان کو لگا کسی نے تاک کر اس نے زخمی دل پہ
 بھروسہ مارا ہو، اس کا وجود ایک دم دھمک اٹھا۔
 ”بے! کدھر کھو گئے پیارے، مجھے تو لگتا ہے واقعی یہی بات ہے، ہے نا؟“ اب کے وہ پہلے
 سے بھی کہیں زیادہ شوخی سے مخاطب تھا جہان نے بے دردی سے ہونٹ کپلے تھے۔

”تم ہیٹھ فضول مفر، مضے مت گھڑا کرو سمجھے، فون رکھو مجھے ضروری کام سے باہر جانا ہے۔“
 ”اور وہ ضروری کام ہماری ہونے والی بھانجی صاحبہ کے دیدار کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے، ہے
 نا؟“ وہ کھلکھلا رہا تھا، جہان نے سختی سے دانت بچھنے اور ایک دم ریسور کر پیل پہ ڈال دیا تھا، اس کا
 چہرہ ابھاپ مہموڑ نے لگا تھا، آنکھوں میں بے بسی رنم تھی، نیل پھرنج رہی تھی، جہان نے ریسور اٹھا
 کر سائینڈ پہ رکھا اور یونٹی بچھنے ہوئے ہونٹوں کے ساتھ لمبے ڈگ بھرتا اپنے کمرے میں جا گھسا
 تھا۔

☆☆☆

بہت بے کیف لمعے ہیں
 بہت بوتھل سے سنے ہیں
 نہلم سے دل بہلتا ہے
 نہ خوشیاں راس آتی ہیں
 تیرے جانے زندگی ہم کو کیوں ایسے آزماتی ہے
 بہت تکلیف میں بھی ہم
 ضیلا سے مسکراتے ہیں

تموں سے دوستی کر کے ونا ایسے نہاتے ہیں
 عجب ہی زندگی ہے یہ جب ہی سوز آتے ہیں
 میری آنکھوں کے سب آنسو صرف اس کو باتے ہیں

پرنیاں نے اسائنمنٹ بناتے ہوئے نگاہوں کی پیش پہ بے اختیار سراونچا کیا تھا، نیاں ای
 پلر کے ساتھ ٹیک لگائے اسی کی سمت متوجہ تھی، ہونٹوں پہ عجب مسکان تھی، پرنیاں نے بغیر کسی تاثر
 کے نگاہ کا زاویہ بدل لیا۔

”یہ پھر آگئی کمپنی، مجھے سمجھ نہیں آتی اسے آخر تم سے پر خاش کیا ہے؟“ ثنا، نے بھی نیاں کی
 جتالی ہوئی مسکراہٹ دیکھ لی تھی، جیسی گلے کر بولی، نیاں چند ماہ قبل ہی مائیکریٹ کر کے یہاں
 آئی تھی، جب سے آئی تھی پرنیاں سے ایک بیہ بانہ لیا تھا، وہ بے حد مالدار اور حسین تھی، ماڈرن
 اور طرح دار تھی، پوری یونیورسٹی کی لڑکیاں اس سے مرعوب تھیں اور لڑکے تو تھے ہی اس کا دم بھرتے،

رہا ہے۔

”تھنک جا چو آپ ٹینس مت ہوں، بس معمولی سا فلو ہے۔“

”میں ٹیل کر رہا ہوں جہاں آپ یہاں سے جانے کے بعد اپنی طرف سے بہت کسٹریس ہو
 گئے ہو، بس پہلی فرسٹ میں سب مہموڑ کر واپس آ جاؤ، یہ ٹیکسٹری سبھی سنبھالے گا، تمہاری چچی اور
 ماما جان مجھ سے خفا ہیں کہ میں نے ان سے ان کے بیٹے کو دور کر دیا ہے، میں سمجھتا ہوں ان کا مشورہ
 کچھ اتارے جا بھی نہیں ہے۔“ ان کا لہجہ ہنوز تھا، محبت سے لبریز، فکر مند اور کسٹریگ، مگر جہان کے
 چہرے پہ آنکھوں میں موجود اذیت کا رنگ گہرا ہونے لگا تھا۔

(آپ کو کیا پتہ چاچو میں کس قدر بڑا خمیازہ بھگت چکا ہوں، کیسا ناقابل تلافی نقصان ہو گیا
 ہے میرا، کاش میں یہاں نہ آیا ہوتا، کاش میری زندگی میں سزا فریدی اور ڈالے کے عفریت نہ
 آئے ہوتے۔) اس کی پور پور میں توکان اترنے لگی۔

”کہاں کھو گئے ہو بیٹے! آپ کب واپس آ رہے ہو؟“ پاپا کی پکار پہ وہ چونک کر متوجہ ہوا تھا،
 اور گہرا سانس کھینچا۔

(یہ راستے تو میرے لئے دلدل بن گئے ہیں چاچو! میں چاہوں بھی تو اب اس دلدل سے
 نہیں نکل سکتا، مجھے تو یہ خوف مارے ڈال رہا ہے جب میں آپ کی آنکھوں میں بدگمانی اور دیکھ کر
 دیکھوں گا، آپ زنب کو جانتے تھے، جیسی آپ نے مجھ پہ کوئی الزام نہیں آنے دیا آپ سزا فریدی
 کی شاطرانہ فطرت سے آگاہ نہیں ہیں، آپ کو میری بے گناہی اور پارسائی کا یقین کون دلائے
 گا۔) اس کا دل جیسے ریزوریز ہو کر وجود میں گھرنے لگا۔

”میں آ جاؤں گا چاچو آپ پریشان نہ ہوں۔“ اس نے خود کو سنبھال کر انہیں تسلی دی۔
 ”محترم کے بارے میں کچھ پتہ سے کب تشریف لارہے ہیں؟ ایجوکیشن تو کپیٹ ہو گئی ہے
 نا، آگے کے کیا ارادے ہیں؟“ پاپا کے لہجے میں معاذ کے ذکر کے ساتھ ہی خفیف سی حلقی بھی خود
 بخود دور آئی تھی۔

”جی چاچو ایجوکیشن کپیٹ ہو گئی ہے، کہہ رہا تھا اب آ جاؤں گا، آنے کی ڈیٹ تو نہیں بتائی
 سر پرانز دینا چاہتا ہے۔“ جہان نے لہجے کو با مشکل کنٹرول کر رکھا تھا، ورنہ وہ جانتا تھا پاپا اس کے
 لہجے کے اتار چڑھاؤ سے اس کے مزاج اور موڈ کو پاپا جایا کرتے تھے، اتنے ہی گہرائی سے جانتے تھے
 وہ اتے چند مزید ادھر ادھر کی باتوں کے بعد اس نے ریسور رکھا ہی تھا کہ اسی پل پھر زور و شور سے
 نیل بچتی چلی گئی، جہان نے اسکا ہٹ آئیز نظروں سے فون سینٹ کو دیکھا اور بے زاری سے ریسور
 اٹھایا تھا۔

”بیٹو!“

”بیٹو کے بیٹے کدھر غائب ہو، کل سے تمہارا سیل لڑائی کر رہا ہوں، نمبر تو چینیج نہیں کر لیا؟“
 دوسری طرف معاذ تھا اپنے مخصوص فریش بے فکر اور بے تکلف انداز کے ساتھ جہان نے بے
 اختیار گہرا سانس کھینچا تھا۔

”نہیں نمبر وہی ہے، تم سناؤ کب آ رہے ہو؟“

توڑ ڈالے تھے، معاذ حسن کی تمام تر بے اعتنائی اور ستم ظریفی یاد آ کر اس کے وجود میں سوئیاں نے
میرے سے گاڑنے لگی، تو تکلیف کے احساس سے اس کی آنکھیں بھیکتی چلی گئی تھیں، جنہیں اس
نے رخ پھیر کر شاہ کی نظروں سے اسے بچایا تھا۔

☆☆☆

کبھی اس طرح میرے ہم سفر
کبھی جانتیں میرے نام کو
گر وہ سیکے تو کبھی نہیں
میرے نام بھی کوئی شام کو
میرے دل کے سائے میں آذرا
میری دھڑکنوں میں قیام کر
یہ جو میرے لفظوں کے پھول ہیں
تیرے راتے کی یہ جھولیں ہیں
کبھی ان سے سن میری داستان
کبھی ان کے ساتھ کھام کو

اس کے چہرے پہ الودہی مسکان تھی، اس کی آنکھوں میں زندگی دکنے لگی تھی، وہ اپنے ہاتھ کی
سوی الٹیاں بہت بے اختیاری کیفیت میں بائیں کھائی میں کھینکتے کھنکھوں سے یوں مس ہو رہی تھیں
جیسے اشہورنی طور پہ کسی لمس کو پانے کی جدوجہد میں مصروف ہوں، کتنے دن ہو گئے تھے ان کے
تکاح کو مگر جہان نے اس سے کسی قسم کا کوئی رابطہ کرنے کی کوشش نہیں کی تھی، حالانکہ وہ دل و جان
سے منتظر تھی، اگر وہ ملنے نہیں بھی آیا تھا تو کم از کم ایک کال تو کر سکتا تھا جو محبت کرتے ہیں، وہ تو
بہانے ڈھونڈا کرتی رہی، پھر وہ اتنا غافل کیوں تھا، اس کے اندر عجیب سی بے مانگی اترنے لگی تھی
مگر وہ اس احساس کو کبھی خود پہ حاوی نہیں ہونے دیا کرتی تھی، جو کچھ اسے ملا تھا وہ اس کی توقع
سوچ سے کہیں بڑھ کے تھا، وہ ہر سوچ کو ہٹک کر بس اس احساس کو محسوس کیا کرتی اور سرشاری اس
کے اندر خوشنما پھول کھلائی چلی جاتی، اسے احساس تک نہ ہوسکا تھا ان چند دنوں میں آسودگی اور
ظہانیت کے بھرپور احساس نے اسے کس درجہ حسین اور دلکش بنا دیا ہے، حسین تو وہ پہلے بھی تھی مگر
اب تو گویا اس کے جھلسلاتے روپ پہ نیا نہیں ٹھہرتی تھی، اس وقت بھی سزا فریدی نے اسے
دیکھا تو چند لمحوں کو بوجھتی محسوس کر اسے دیکھتی چلی گئی تھیں، انہیں اپنا فیصلہ بر وقت اور دانش مندانہ رکھا،
جہان کا رویہ انہیں اب سین ضرور کرتا تھا مگر انہیں خود یہ بہت زخمی تھا وہ حالات کو اپنے قابو میں
رکھنے کے فن سے آگاہ تھیں، جنہیں کسی ہنسن کو خود پہ سوار نہیں کیا کرتی تھیں، جہان کو بھی انہوں نے
زریعہ کر لیا تھا، گو کہ وہ اسے ایک حد سے زیادہ استہال نہیں کر سکتی تھیں کہ وہ ان کے لئے وہ سرکش
اور بدکا ہوا صوڈا بہت دور ہا ترانسے یکام ڈال کر بھی قابو کرنے میں وقت محسوس ہوتی ہے، جس کی
پشت پہ سواری زندگی کو خطر بننے میں ڈالنے کے مترادف ہوتی ہے مگر انہیں مشکل کام کرنے میں اپنی
لطف محسوس ہوا کرتا تھا، چھپی وہ بہت مہارت سے اپنا کھیل کھیل رہی تھی، ڈالنے کے متوقع

مگر وہ پر نیا سے خار کھاتی تھی کلاسز کے دوران بھی وہ ایسی حرکات کر گزرتی جس سے پر نیاں کو نیچے
دکھانا مقصود ہوتا مگر اس کی یہ حرکات اکثر خود اسی کو شرمندہ کر دیا کرتی تھیں، پر نیاں ریزرو ڈھکی اور
اسے نظر انداز کرنے کے فارمولے پہ عمل پیرا، حالانکہ شاہ کو اکثر غصہ آیا کرتا، وہ پر نیاں کو اکثر اتنی
بھی تھی کہ ذرا نیہاں کے دماغ درست کر دے مگر پر نیاں خواہ مخواہ کسی سے دشمنی لینا پسند نہیں کرتی تھی
وہ بھی اس صورت جبکہ وانیال کی دوستی بھی نیہاں سے ہو چکی تھی اور نیہاں کے اس سے خار کھانے
کی اصل وجہ بھی یہی تھی کہ وانیال سے اس کے ساتھ ہو کر بھی ان میں نیہاں کو بھول جانا تھا جب
اسے کبھی اس پاس پر نیاں کی جھلک بھی نظر آ جایا کرتی تھی، وانیال کی پر نیاں کے متعلق پسند یہ نہ
تھی وہ یہاں آتے ہی آگاہ ہو چکی تھی، پر نیاں کا ٹھکانا دینے والا حسن بھی تھا، وہ جتنا بھی خود کو یہ
سمجھاتی باہر کرتی کہ وہ پر نیاں سے زیادہ حسین ہے مگر خود کو یقین دلانے سے قاصر رہا کرتی تھی
اس میں شک نہیں تھا کہ پر نیاں ہر لحاظ سے اس سے بڑھ کر دلکش اور حسین تھی، نیہاں نے اپنی بے
کارگی ہاتوں کو حسد اور کینہ کی بنیاد بنا کر اس سے نفرت اپنے دل میں پال لی تھی، اس کی چند ایک
بے حد فضول حرکتوں کی وجہ سے شاہ اتنا تھمائی تھی کہ پر نیاں کو اکسا کر رہی تھی کہ وہ اپنے انگلیں کے
منے (جہان) سے بات کر کے یہ معاملہ ختم کرائے مگر پر نیاں آمادہ نہیں ہوتی تھی، جس پہ شاہ کو بہت
خفتہ تھا، ان نے آن لیا تھا۔

"مجھے سمجھ نہیں آتی پتی کہ تم آخر اتنی ریزرو کیوں ہو، تمہارے انگلیں اتنے پر خلوص ہیں پھر
بھی تم ایسے غیروں بیسارو یہ اپنائے پھرتی ہو۔"

"یہ بات نہیں ہے شاہ! جہان بھائی اور میں دوستے ہیں، پھر میری ان سے اتنی بے تکلفی بھی
دہیں سے کہ پرنسلب شیز کو کئی پھروں اور نیہاں والی بات درحقیقت کچھ بھی نہیں ہے، میں ان سے
ایک فضول بات کیوں کہوں جس کا کوئی سر پیر نہیں۔"

"اور وہ جو تمہیں خواہتا وہ عاجز کے رشتی ہے وہ.....؟ چلو خیر تم پہ لپٹل صاحب سے ہی شکایت
کر دو۔" شاہ کی جوج پہ پر نیاں ناجز ہو گئی تھی۔

"ہم یہاں مقصد لے کر آئے ہیں شاہ، وہ پورا ہوا ہے، یہ درمگہ ہے میں اسے سیاست
میدان نہیں بنانا چاہتی، پھر میں کسی اسکینڈل کو ہرگز انورہ نہیں کر سکتی؟"

"نیہاں کے ساتھ بنے گا تمہارا اسکینڈل؟" شاہ کی ہنسی نکلی تھی، مگر پر نیاں کی شہیدگی
متانت میں کوئی فرق نہیں آیا۔

"نیہاں کی پشت پہ وانیال بھی ہے واضح رہے۔" وہ اپنے مخصوص دھیسے لہجے میں بولی تو
نے جو ابنا ٹھنڈا سا لہجہ بھریا تھا۔

"یار جتنی تم شریف اور بے ضرور ہونا ایسے لوگوں کو دینا نہیں میں تو نوال سمجھ کے نکل جاتی ہے
اب تمہیں میں صرف یہی دعا ہے سکتی ہوں کہ تمہیں کوئی بے حد استراحت اور شاندار قسم کا کیرئیر
ساختی مل جائے جو تمہیں ہر لمحہ اس دنیا سے بچا کے اپنی محفوظ بنادوں میں امن طرح سٹے کہ دنیا کا
گرم ہوا تم تک پہنچ ہی نہ سکے۔"

شاہ کے غلام پہ اتنے کوئی شک نہیں تھا مگر اس کے الفاظ نے اس کے ذہنوں کے گویا پائے

سوالوں سے بچنے کی خاطر انہوں نے خود اسے یہ کٹن دیئے تھے اور نام جہان کالے دیا تھا جیسے ابھی انہوں نے اس سے ایک اور جھوٹ بولنا تھا۔

”اوہ ماما آئیے نا۔“ ڈالے اپنے دھیان سے نکلی تو انہیں رو رو پیا کے چونک گئی تھی۔

”میں تو آفس کے لئے نکل رہی تھی، مگر جہان کا فون آ گیا، مجھے ڈر پڑا۔ انوائسٹ کر رہا تھا، تمہارا بھی پوچھا تھا میں نے کہا خود بات کر لو، کہتا ڈالے شاید پسند نہ کریں۔“ ڈالے حیران ہوئی۔

”ایسی تو کوئی بات نہیں ہے ماما“ وہ کینیوڈ ہو چلی تھی۔

”بیٹے تو وہ یہی سمجھتا ہے، تاکہ تمہاری طرف یہ پسندیدگی نہیں ہے، میں نے اسے ذرا سا بھی اشارہ نہیں دیا، خیر یہ اتنی اہم بات نہیں، تم خود اسے کال کر لو، میرا تو خیال ہے اسے بہت اچھا لگے گا۔“ انہوں نے ایک بار پھر تڑپ کر پتہ پھینکا، اپنی کامیابی کا انہیں سو فیصدی یقین تھا، ڈالے ان کی توقع کے مطابق گڑ بڑا کر رہ گئی تھی۔

”نہیں ماما! اچھا نہیں لگتا۔“

اور سزا آفریدی مسکرا دی تھی، طمانیت آمیز مسکراہٹ، ابھی کل ہی جہان سے ان کی بات ہوئی تھی، اس کے توجہ بے حد بگڑے ہوئے تھے، یہاں تک کہ وہ ان کا لحاظ تک کھو چکا تھا، بد مزہ و گستاخ لہجے میں وہ فون پر چننا رہا تھا۔

”آپ سمجھ لیں محترمہ کہ آپ اس سے زیادہ مجھے بلیک میل نہیں کر سکتیں، آپ کا داؤ بس یہیں تک چلنا تھا۔“

”میں آپ کو بہت اچھی طرح سمجھ چکا ہوں۔“

”اس کے باوجود کہ وہ سوڈیز اور پیکرز میرے پاس موجود ہیں؟“ ان کا لہجہ طنز یہ تھا، وہ تاکن کی طرح سے پھینکاری تھیں۔

”مائی فٹ، آپ بھلے سینڈ کر دیں وہ سارا کچھ میری فیملی کو، اب اگر آپ اپنی پارٹنر کو میری نام نہاد بیوی بنا ہی چکی ہیں تو اس رشتے میں یہ سب بہت معمولی بات ہے۔“ اس کا زہر خند لہجہ سزا آفریدی کی ساری اکڑکھوں میں نکال گیا تھا۔

”تمیز سے تو بات کرو، مجھ سے جہاں تیرا رشتوں کا احترام کرنا بھی سیکھا ہے کہ نہیں؟“ وہ ہار ماننے والوں میں سے نہیں تھی، ہینتر بدل کر بولیں تو جہان زہر خند سے ہنستا چلا گیا تھا۔

”کن پوائنٹ یہ زبردستی قائم کیے رشتوں میں نہ محبت کا مکمل دخل ہوا کرتا ہے نہ احترام کا، معذرت کے ساتھ سزا آفریدی میں آپ کی توقع یہ پورا نہیں اتر سکتا؟“ بدلی تھی کے اس اعلیٰ و ارفع مظاہرے نے سزا آفریدی کے چہرہ طیش روشن کر کے رکھ دیئے تھے، انہوں نے عرق ریز پیشانی کو نکت زدہ انداز میں پونجھا تھا۔

”اس وقت تم حواسوں میں نہیں ہو، آئی تھینک مجھے بعد میں بات کرنی چاہیے۔“

”اس کی ضرورت نہیں ہے، بی کوز میرے حواس اب کچھ اس قسم کا کام کریں گے واضح رہے۔“ اس کا لہجہ و انداز ہنوز تھا، سزا آفریدی نے ہونٹ بھیج کر کال ڈراپ کر دی تھی، حقیقت یہ تھی کہ انہیں صحیح معنوں میں تشویش نے آن لیا تھا، چند لمحوں کو تو ان کی آنکھوں کے آگے اندھیرے

چھا گئے تھے، زندگی میں بہت مرتبہ انہوں نے اپنی مرضی کی بساط بچھائی تھی اور نبال ہے جو کوئی مہرہ ان کی منشا کے خلاف آ کے پیچھے ہوا، وہ ہمیشہ وقتی فتح یا بے ٹھہری تھیں مگر یہاں پہلے ہی مقام پہ ان کے سامنے اپنی فتح مشکوک ہونے لگی تھی، جہان ان کی توقع سے نہیں بڑھ کر شارپ اور چٹینس تھا شاید کہ وقتی طور پہ جال میں پھنس جانے کے باوجود وہ مجرد ہو کر متعین نہیں ہوا تھا، اس نے جال کو اگر کتر نہیں تھا تو اپنی قوت طاقت سے جال کو اپنے ساتھ از الیا تھا اور وہ شاید ہاتھ ملنے والوں میں شمار ہو کر رہ گئی تھیں، انہوں نے ڈالے کی زندگی اور خوشی کی خاطر یہ قدم اٹھایا تھا مگر اب انہیں لگ رہا تھا وہ زیادہ مرصہ اسے یہ بہلاؤ نہیں دے سکیں گی یہی سوچ تھی جو انہیں پریشان کر رہی تھی، شاید اب انہیں کسی نئی سازش تیار کرنی پڑتی تھی اور وہ کیا ہوگی ان کی سوچ کا ہر مرکز یہی تھا۔

www.KitaboSunnat.com

نہ کوئی نہ ہاتھوں پہ حنا تیرے بعد
میں نکل ہی سیاہ پونجے ہوا تیرے بعد
لے کے جاتا رہا ہر روز پھول اور چراغ
بس بیٹا میں نے کیا جتنا جیتا تیرے بعد
میرے ہونٹوں سے تیرا نام نکل جاتا تھا
جس نے اپنا یا مجھے چھوڑ دیا تیرے بعد
ساری دنیا نے مجھے مال قیمت سمجھا
جس نے بھی چاہا مجھے لوٹ لیا تیرے بعد
فیصلہ لکھ کر فون توڑ دیا مصنف نے
پھر محبت کی نہ وہی کوئی سزا تیرے بعد

اس نے بو تھیں سانس کھینچا اور ڈالے کی بند گردی، کمرے کی نفا میں ٹھنکن تھی مگر وہ بے حس بنی بیٹھی رہی، یہاں تک کہ رہنمدان سے اس پر پڑی سورج کی کرنوں کا رنگ مدغم پڑتا بالکل اندھیرے میں بدل گیا، اس کی پوزیشن میں فرق نہیں آیا تھا، ماما نے اس کے سامنے زیادہ کے پر پوزل کا ذکر کیا تو نور نے پوری بات سے بغیر ہی صاف انکار کر دیا تھا، ماما تو ماما خود حور یہ بھی ششدر رہ گئی تھی، نور یہ انہی کے اپنے کمرے میں آئی تو حور یہ اس کے پیچھے چلی آئی تھی۔

”کیوں آئی ہو تم؟ مجھے تنہا چھوڑ دو، پلیز۔“ اس کا ضبط جواب دے گیا تھا جیسی وہ چیخ اٹھی تھی۔

”جو آپ کو کیا ہو گیا ہے؟ ماما اتنی پریشان ہو گئی ہیں آپ کے اس اپنی ٹیوڈ کی بیچ سے۔“

”اور جو میں آپ سیٹ ہوں اس کی کسی کو پرواہ ہے کہ نہیں؟“ وہ بھڑک اٹھی تھی، حور یہ کچھ مراساں ہی ہونے لگی۔

”آپ کیوں اب سیٹ ہیں؟ کچھ بتائیں گی تو پتہ چلے گا نا، بجو۔“ وہ کسی قدر آہستگی سے بولی تو نور یہ کی آنکھوں کی جلن ایک دم گئی گنا بڑھ گئی تھی۔

”بس تم ماما سے کہہ دو، مجھے ہرگز بھی زیادہ سے شادی نہیں کرنی۔“ وہ ضبط کھو کر چیخ اٹھی،

"کل بڑے ماموں اور چھوٹے ماموں پر بات اسپیشلی آکر ماما سے کہہ کر گئے ہیں، زیاد بھائی کی خواہش بھی شامل ہے، جو کیا خرابی ہے زیاد بھائی میں اتنے تو چند سم ہیں۔"
(تم نے معاذ کو دیکھا ہے پھر بھی یہ بات کبھی ہو حوری! پھر اس ستم گر کی موجودگی میں میں کیسے ہی نیارشتہ اور اس کے تقاضے نبھاسکوگی، میں مر جاؤں گی حوری، اور ایک دم سے سسک اٹھی تو حوری یہ کی پریشانی دبوکھلاہٹ دو چند ہونے لگی۔

"ماما سے کہو ماموں کو انکار کر دیں، اس کے علاوہ وہ جہاں بھی کہیں گی مجھے اعتراض نہیں ہو گا۔" اس کے بھیکے لہجے میں اتنی عاجزی اس درجہ بے چارگی تھی کہ دروازے کی چوکت پہ کھڑا زیاد ساکن ہو کر رہ گیا تھا، بھی حوری یہ کی نگاہ اس پر پڑی تو اس نے شہنشاہی سے دیکھا تھا۔
"زیاد بھائی آپ!" نور یہ نے چونک کر نظریں اٹھائیں، وہ اسی کی سمت دیکھ رہا تھا، کیا تھا ان نظروں میں رنج و کرب طلال، شکایت، نور یہ نے فی الثبور نگاہ کا زاویہ بدل ڈالا، زیاد اس کے کج ادا انداز پر مزید زخمی ہو کر رہ گیا۔

"حوری یہ تم میرے لئے ایک کپ چائے بنا کے لاسکتی ہو؟" اس نے قدم بڑھاتے ہوئے گویا حوری یہ کو وہاں سے ٹر خایا تھا، وہ سر ہلائی اگلے لمحے دروازہ سے باہر تھی۔
"اتنا برا ہوں میں نور کہ تم میرے علاوہ کسی بھی انجانے شخص کو قبول کرنے کو تیار ہو۔" اس کے شاکی لہجے میں بے مائیگی کا کرب سمٹ آیا تھا۔

"میں اس موضوع پر آپ سے کوئی بات نہیں کرنا چاہتی، آپ براہ کرم یہاں سے تشریف لے جائیں۔" وہ جس قدر بیگانگی اور نفرت سے بولی تھی زیاد اسی قدر ہرٹ ہوا تھا۔
"اتنی خفا ہو؟ حالانکہ میرا قصور اتنا بڑا نہیں تھا اور میں معافی بھی مانگ چکا۔" زیاد نے متاسفانہ انداز میں کہہ کر اسے دیکھا تو نور یہ نے زور سے سر جھٹکا تھا۔

"سب سے پہلے تو آپ یہ خیال اپنے دل سے نکال دیں کہ میں آپ سے خفا ہوں۔"
"پھر اس انداز گفتگو کو کیا سمجھوں گا؟" زیاد جھٹکا اٹھا تھا۔
"آپ کو یوں مجھ سے پوچھے بغیر اپنا پرد پوزل نہیں سمجھو! چاہیے تھا۔" وہ تڑخ اٹھی، زیاد چونک کر اسے بغور دیکھنے لگا پھر ایک دم انس دیا۔

"اورہ جناب اس وجہ سے خفا ہیں کہ پہلے آپ یہ نیک ارادہ ظاہر کیوں نہیں کیا، چلیں میں ابھی یہ کام کر لیتا ہوں۔" وہ شوخی سے ہنسا پھر ایک ٹانگ کو زمین پر ٹیک کر اس کے سامنے بیٹھا اور اس کے آگے اپنا بائیاں ہاتھ بہت ڈرامائی انداز میں پھیلا کر مسکراتے ہوئے کھٹک دار لہجے میں گویا ہوا تھا۔

"مائی سویٹ ہارٹ دل یو میری مس پلیز۔" نور یہ ایک ہل کو تو ہونق ہوئی تھی مگر اگلے لمحے جیسے اس کا دماغ گھوم کر رہ گیا تھا۔

"جسٹ شٹ اپ یہ کیا بھودگی سے زیاد بھائی!" زیاد کا مسکراتا چہرہ ارہٹن آنکھیں ایک دم بچھ کر رہ گئیں اس نے پہلے تھیر سے پھر ہونٹ بھیج کر اسے دیکھا تھا، پھر خود کو سنبھال کر اٹھ کھڑا ہوا۔

"آئی ٹھنک اس موضوع پر ہم پھر بھی بات کریں گے، اوکے؟"

"میں بھی اس موضوع پر بات نہیں کرنا چاہوں گی، سنا آپ نے۔" وہ چیخ کر بولی تو زیاد نے یونہی سمجھتے ہوئے ہونٹوں کے ساتھ چند لمحے اسے دیکھا تھا۔

"کسی کو ٹھکرانے کے دو اہم وجوہات ہوا کرتی ہیں نور یہ! یا تو آپ کسی اور میں انوالو ہوں یا پھر آپ ٹھکرانے والے کو پسند نہ کرتے ہوں، ان دونوں میں سے کون سی وجہ ہے یہ مجھے بتانا پڑے گا نہیں؟" نور یہ جو پہلی وجہ کون کر ہی نظریں چرا گئی تھی، اس کی بات سرے سے نظر انداز کئے یونہی ساکن کھڑی رہی۔

"جسٹیں میری بات کا جواب دینا ہو گا نور یہ۔"
"یہ کوئی زبردستی نہیں ہے۔" وہ درخشکی سے بولی تو جواباً زیاد نے اسے بے حد عجیب نظروں سے دیکھا تھا۔

"تم میری محبت ہو نور یہ! اور تم سے میں صرف اس صورت دستبردار ہو سکتا ہوں کہ تم کسی اور کو چاہتی ہو، بتاؤ ایسا ہے؟" نور یہ کے بسم میں جیسے کسی نے بھالا اتار دیا تھا، زندگی کا یہ کیسا مقام تھا کہ وہ اس درجہ بے بس ہو کر رہ گئی تھی۔

"آپ یہاں سے نہیں جائیں گے تو ٹھیک ہے میں چلی جاتی ہوں۔" وہ ایک دم سٹکی اور بھٹکے سے پلٹ کر وہاں رہم میں گھستے ہی بات چتر حادیا، زیاد دھنڈا ساٹس بھر کے رہ گیا تھا، وہ پلٹا تو اس کے قدموں سے استعمحال لپٹا ہوا تھا۔



یہ اداس دن میری تنہائی کو ایسے عروج بخشتے ہیں کہ مجھے اک وہی پھر وہی شخص یاد آتا ہے

وہ کم مسم جنسی تھی جب نضب نے اس کے سامنے بھاب اڑاتا کافی کاک رکھا، اس نے چونک کر معاذ کی تصویر سے نگاہ اٹھائی تو ایک دم خفیف ہو گئی، پتہ نہیں کیوں وہ اتنی غیر محتاط ہو جاتی تھی، نضب کی گہری نظریں خود پہ مرکز پا کے اس نے جمل ہوتے ہوئے سوچا تھا۔
"کانی لو نا ٹھنڈی ہو رہی ہے۔" نضب کی نگاہیں ہنوز اس پہ تھیں، نور یہ نے کچھ کہے بغیر گ اٹھالیا۔

"شاپنگ کاپلیٹ ہو گئی تمبارنی؟" وہ اپنی کنفیوژن ظاہر نہیں کرنا چاہتی تھی جیسی اس کا درمیان بنانا چاہا۔

"نہیں ابھی کچھ رہتی ہے، کل تم کیوں نہیں آئی تھیں، کیا فرق پڑ جاتا اگر ساتھ چلی چلتیں؟"
نضب کا لہجہ شاکی تھا، نور یہ نے نگاہ جہالی۔
"بس یونہی پھر سکی۔"

"اب بے تو شاید میرے ساتھ نہ جانا چاہیں، ہر بار زیاد بھائی ہی ہوں گے، تم ہر بار بھانے پتاؤ کی کیا؟" نضب کا بات کرنے کا مخصوص انداز تھا، بے لچک، بدلہ لانا اور کھوجنا، نور یہ کارنگ ایکدم سے پھیکا پڑ گیا، اس سے کافی کا بھرا ہوا گھونٹ حلق سے اتارنا شکل ثابت ہونے لگا۔

"میرے بھائی میں کوئی کمی نہیں ہے، نور یہ، ان کا دل بھی بہت خالص ہے، سو بی کیئر فل۔" وہ ہنوز اسی لہجے میں گویا تھی، نور یہ کی آنکھوں میں یکوقت نمی بھرنے لگی، اگر وہ بدلہ لانا اور بے شرم ہوئی تو لازمی پوچھتی، کون سا بھائی، معاذ کہ زیادہ، ابھی کل تک وہ معاذ کا نکاح ہو جانے کے باوجود اسے معاذ سے انکسار کر دینے پہ اُکساتی رہی تھی اور اب زیادہ کے لئے کنوٹس کر رہی تھی۔

"کہاں جا رہی ہو؟" نضب نے ایکدم سے اٹھ کر جاتی نور یہ کا ہاتھ کسی قدر بدحواسی کے عالم میں پکڑ کر کھینچا تھا۔

"مجھے چھوڑ دو، زینی پلیز۔" اس کا گرا بھرانے لگا تھا، وہ با مشکل بولی تھی۔

"دس ازناٹ فینز نور یہ۔" نضب ہلکی ہوئی تھی، نور یہ نے آنسوؤں سے دھندلاتی نظروں سے لمحہ بھر کو اسے دیکھا۔

"فینز تو وہ بھی نہیں ہے زینی جو میرے ساتھ ہو رہا ہے، میں انسان ہوں کھلو، نہیں ہوں۔" ہاتھوں میں چہرہ اچھپا کر وہ رہتے ہوئے بولی تھی۔

"سوری میرا مقصد تمہیں ہرٹ کرنا نہیں تھا، پلیز ریلیکس۔" نضب گھبرا کے اسے چپ کرانے لگی۔

"تم جانتی تو ہو معاذ بھائی انگیز، بو پچھے ہیں، بھعداری کا تقاضا یہی ہے کہ تم اس بات کو ایکسپٹ کر لو۔"

"زینی میں نے اس صورتحال کو اگر تمہیں یاد ہو تو تم سے پہلے ایکسپٹ کیا تھا، میں غاصب نہیں تھی نہ ہوں، مجھے دکھ صرف اس بات کا ہے کہ پر نیاں کو دیکھ کر تم۔" وہ خود دار تھی اور اس کی خود داری کو یہ شکایت اور شکوہ گوارا نہیں تھا جسے بات ادھوری چھوڑ دی، نضب نے ہوتوں کا نچلا کنارہ دانت سے دبایا تھا۔

"سوری بار وہ دراصل میں پر نیاں کو دیکھ کر حیران ہی کچھ اس قدر رہ گئی تھی کہ تمہیں پتہ ہے میں کس درجہ حسن پرست ہوں۔"

حسب سابق شرمندہ ہوئے بغیر وہ بڑی ڈھٹائی کا مظاہرہ کر رہی تھی، نور یہ نے ساکن نظروں سے اسے دیکھا تھا پھر جانے اسے کیا ہوا کہ وہ ہر خند سے کہہ گئی تھی۔

"نہیں مجھے نہیں پتہ تھا کہ تم حسن پرست ہو، میں کیسے یہ بات سمجھ سکتی تھی زینی اگر ایسا ہوتا تو تم کبھی بھی جہان بھائی کو چھوڑ کر تیمور خان کا چٹاؤ نہ کرتیں، بہر حال یہ بات تو تم بھی جانتی ہو کہ تیمور خان جہان بھائی کے مقابلے میں۔" اس کی بات ادھوری اس طرح رہ گئی تھی کہ اس کی نگاہ اس پہلے بال کمرے کے دروازے پہ آن رکنے والے جہان پہ جا پڑی تھی، جس کے کانٹے پہ لٹکا بیگ تھلا تھا کہ وہ ابھی ابھی لاہور سے شاہ ہاؤس پہنچا ہے، جہان کے چہرے پہ جو تاثرات تھے وہ چیخ کر بتا رہے تھے کہ وہ یہ آخری بات پوری جزئیات کے ساتھ سن چکا ہے نور یہ تو شیشائی ہی تھی۔

نضب کی شرمندگی کا عالم ابھی دیکھنے والا تھا، جہان چند لمحے ٹھکنے کے بعد اگلے قدموں دروازے سے ہی پلٹ گیا تھا، نور یہ نے گھبرا کر ساکن کھڑی نضب کو دیکھا جس کے چہرے پہ زلزلے کو آہار بے حد نمایاں تھے۔

"آئی ایم ساری زینی میرا مقصد۔"

"تمہارا مقصد جو بھی تھا نور یہ بہر حال تم نے مجھے اس کم ظرف انسان کے آگے دو کوزی کا کر کے رکھنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رہی۔" وہ حواسوں میں لوٹی تو پھر سی گئی تھی، نور یہ ہونٹ بھینچے شرمندہ سی کھڑی رہ گئی تھی۔

سب امتحان عشق کے اپنے کڑے وہ ہے
ہم کوزہ گر کے پاک پہ برسوں پڑے رہے
ان کی نکاہیں شوخ تھیں ہم تھے حیا پسند
مشاق وہ ہم اپنے کہے پہ ازے رہے
بیتھے رہے ہم رات کی راہوں کے خواب اگر
دن مرملہ دید میں جاگن کھڑے رہے

وہ ہاتھ لے کر نکلا تو ماما خبر دیئے بنائے بانس نیس اس کی منتظر تھیں، وہ باہر آیا تو بے اختیار لپک کر اسے سینے سے لگایا، پیشانی چومی اور کتنی دیر لیں کا چہرہ ہاتھوں میں لئے نم آنکھوں سے اسے پوچھتی رہیں، ان نکاہوں کی حسرت سے وہ بخوبی آگاہ تھا، صرف پاپا ہی نہیں خود ماما کی بھی شدید خواہش تھی کہ وہ نضب کے حوالے سے ہمیشہ کے لئے ان کا ہو جائے مگر قدرت کو یہ منظر نہیں ہوا تھا تو ان کے دل کو ترار نہیں آتا تھا، تمام حسرت اکثر ان کو مضطرب کرنے لگتی تھی۔

"معاذ تمب آ رہا ہے کچھ بتایا آپ کو؟" جہان ان کا دھیان بنانے کو بولا تھا، ماما نے دوپٹے کے پلو سے آنکھیں دھوئیں اور سر کوئی میں ہلایا۔

"نہیں کچھ نہیں بتایا، یہ نہیں کیوں میرا دل ہونتا رہتا ہے، راتوں کو بھی نیند نہیں آتی، اگر وہاں کسی لڑکی کے دام میں چنسن گیا تو پھر.....! وہاں کا تو ماحول بھی ایسا ہے۔" ان کے خندوں میں خدشات تھے، بال بچاتے جہان کے ہاتھ اسی زاویے پہ ساکن ہو گئے، اس نے آنکھیں میں دکھائی دیتے ماما کے پر نول تیس کو دیکھا۔

(کسی کو دام میں الجھانے کے لئے بتاؤں، مامول اور ڈھلے بچے خصوصاً ہونا ضروری تو نہیں ہے چچی جان! معاذ تو شاید سب سے زیادہ لٹ آئے پر تو میرے نکات ویسے گئے، اس قدر شرمندہ وہاں اپنی اس بے دھیانی پہ کہ خود کو مخالف نہیں کر پاتا، اسلام نے یونہی تو حد بندیاں نہیں لگائیں، میں اس کا غیر محرم تھا، پھر کیوں کسی بھیدرنی کے تحت چلی اسے اٹھایا تھا، کیوں اتنا نزدیک گیا تھا کہ اس طرح مجال میں پھنسن گیا، یہ مجھے مزا ملی ہے اللہ کی حدوں کو پہنچا گئے۔)

"جہان بیٹے آپ کے پاپا اور پاپا پاپا جتے ہیں کہ آپ کی بھی شادی جلد کر دی جائے اگر آپ کی نظر میں کوئی لڑکی ہے تو بتادیں ورنہ پھر..... دراصل زیادہ نور یہ کے لئے کہہ رہا ہے تمہارے چوہے

زیادہ سے پہلے تمہاری شادی کرنا چاہتے ہیں۔" وہ وحشت زدہ سوچوں میں مبتلا تھا جب ماما کی آواز پہ چونک کر متوجہ ہوا اور خالی نظروں سے اٹھیں دیکھتا چلا گیا، ماما نے کچھ حیرانی سے اس کی اس کم صم کیفیت کو دیکھا تھا۔

"کیا بات ہے بیٹے! آپ پریشان کیوں ہو گئے ہو؟" جہان نے، دونوں کو کسی اذیت سے گزرتے ہوئے سختی سے باہم سمجھ لیا۔

"چچی جان پلیز آپ لوگ مجھے کچھ وقت دیں۔" اس کا لہجہ ہلکی سی حد تک سمجھنا ہوا تھا، ماما نے نم آنکھوں سے اسے دیکھا تھا پھر اٹھ کر زری اور محبت سے اس کا ہاتھ تھپتھپایا تھا۔

"آپ جیسا چاہو گے مابینے ویسا ہی ہوگا، ڈونٹ یوری۔" ماما سے نکل دے کر خود باہر چل گئیں جہان یونکی ہونٹ پیچھے ہنسا رہا تھا۔

(میں جو جو چاہتا تھا ویسا کچھ بھی نہیں ہوا، یہی تو الیہ ہے، مگر میں وہ بھی نہیں ہونے دوں گا جو میں نہیں چاہتا، جن لوگوں نے مجھے کمزور سمجھ کر مجھ سے ٹکری ہے اب ان کو بھی مجھے بتانا ہے کہ میں درحقیقت وہ نہیں ہوں جو نظر آتا ہوں۔) اس کے اندر سلتی آگ یکا یک بھڑک اٹھی تھی۔

"السلام علیکم اکیسے ہیں جے؟" وہ سر جھکائے سگریٹ سلگا رہا تھا جب مدھر سروں میں دستک دینے کے بعد وہ اس کے رو برو آکھڑی ہوئی تھی، جہان کے ہاتھ اسی زاویے پہ ساکن نہیں ہوئے تھے، اس کا دل اسی کا وجود اس کا رواں رواں ساکن ہو کر رہ گیا تھا، چند ثانیوں کو وہ اپنی کیفیت پہ خود بھی ششدر ہو کر رہ گیا۔

(کیا ابھی بھی اس سب سے اس آواز میں اتنی یاد رہتا طلسم اور کشش ہے کہ میں اسے سنوں اور باقی سب فراموش کر دوں، اس نے خود سے سوال کیا تھا اور کوئی اس کے اندر تمسخرانہ انداز میں ہنستا چلا گیا تھا، اب..... اب کیا ہوا؟ وہ کسی اور کی ہو رہی ہے، تم کسی اور کے نام کر دینے گئے جہاں تیر سن شاہ تو کیا محبت کے تقاضے اس کے اصول اور لوازمات بدل گئے؟ نہیں..... اگر تم اس بھول میں ہو تو اس فریب سے نکل آؤ۔)

تسکین محبت کے بس وہ ہی طریقے تھے
یا دل نہ بنا ہوتا، یا تم نہ بنے ہوتے

"آپ بھی خفا ہیں لالے کی طرح مجھ سے؟" اس نے سوال پہ جہان کے ہونٹوں پہ ناہم سی مسکان بکھری۔

"معاذ کے بارے میں میں کچھ کہنے سے قاصر ہوں۔"

"اور اپنے بارے میں؟" وہ سوالیہ نشان بنی کھڑی تھی، جہان نے ٹھنڈا سا ناس بھر کے جھکے سر کو مزید جھکا کر چائے کا گف اٹھالیا۔

"میں تجھیں پہلے بھی سمجھا چکا ہوں، زنب یہ باتیں اتنی اہمیت کی حامل نہیں ہیں۔" اس کے اس کا لہجہ، انداز کسی قدر گزرا تھا، زنب نے جو باجنا موش جاچتی نظروں سے اسے کتنی ہی دیر تک دیکھا تھا اور جہان خود کو کپور رکھنے کو بھر پور جہد و جہد میں مصروف ہوا تھا۔

"اب بھی اس خاص الفاظ ہستی کی رہنمائی نہیں کرائیں گے جے۔" سوال تھا یا کوئی ہم

بلاست ہو گیا تھا، جہان کے زخم بری طرح اوجھڑے۔
"میں ایک بے حد غیر اہم ہستی ہوں زنب اتن کیوں آخر اس قدر تجسس ہو؟" وہ اب کے زنج ہوا تھا، زنب آہستگی سے ہنس دی۔

"چلیں جانے دیتی ہوں، لی الحال آپ یہ بتائیں لالے نے کب آتا ہے؟"
"اس نے مجھے کچھ نہیں بتایا۔" جہان نے گنگ سے آخری گھونٹ بھر کے خالی گف بے خیالی میں

اس کی جانب بڑھا دیا جسے زنب نے کسی قدر تردد کے بعد تھما تھا۔
"میں جانتی ہوں مجھے سے خفا ہیں، ساری دنیا آپ کے سوا مجھ سے خفا ہو گئی ہے۔" وہ ایک دم

رو ہنسی ہونے لگی، جہان نے ہونٹ پیچھے لائے۔
(کاش میرے ہنس میں ہوتا میں بھی تم سے خفا ہو سکتا۔) اس نے سر د آہ بھری۔

"جے اگر لالے نے مارا ننگی میں شادی میں بھی شرکت نہ کی تو.....؟" پتہ نہیں کیوں وہ اس حد تک حساس ہو رہی تھی، جہان نے محض لمحہ بھر کو اسے دیکھا اور چاہنے کے باوجود اسے دل شکنی کے احساس سے دوچار نہ کر سکا۔

"ایسا نہیں ہوگا، وہ آجائے گا، ڈونٹ ڈری۔"
"اور آپ پر نیاں کو کب لائیں گے؟" اگلا سوال بھی بے حد اہم تھا، جہان نے کچھ تھیر د

استحباب میں مبتلا ہو کر اسے دیکھا۔
"ضروری تھوڑی ہے کہ انہیں میں ہی لے کر آؤں گا۔"

"ضروری ہے نا، پاپا براہم کام آپ جناب سے ہی کراتے ہیں۔" وہ اسے دیکھ کر خصوصیت سے مسکرائی، جہان کے چہرے پہ ایک رنگ آ کر گزر گیا۔

(ہاں جیسے تمہارے حوالے سے اک حسین خواب بھی تو دیکھا تھا انہوں نے میرے لئے، مگر ہر کام ہر بات پوری ہونے کے لئے تھوڑا ہوتی ہے۔)

وہ جانے کیوں پھر سے خود ترسی خود اذیتی اور بے تحاشا کرب کا شکار ہو رہا تھا، زنب اس کی سوچوں کے تسلسل سے بے خبر اپنی وحسن میں مگن کب رہتی تھی۔

"آپ اسے کچھ دن پہلے لے آئے گا، میں کچھ شاپنگ اس کے ساتھ کرنا چاہتی ہوں۔"
اب کی مرتبہ جہان نے کچھ کہنے کی بجائے محض سر ہلانے پہ اکتفا کیا تھا، اپنی سوچوں اور خیال کے باعث وہ اتنا نڈھال حال ہو رہا تھا کہ خود میں بولنے کی ہمت بھی نہیں پاتا تھا، زنب نے اس کی کیفیت

کو نوٹ کیا تو کانڈھے اچکا کر بولی تھی۔
"آئی تھنک آپ تھک گئے ہیں، آرام کر لیں۔" وہ پلٹ کر چلی گئی تو جہان گرنے کے انداز

میں صوفے پہ بیٹھ گیا تھا، اس کے چہرے پہ جانے کیا کچھ ٹھوہینے کا طلال گہرا مزید گہرا ہوتا چلا جا رہا تھا۔

اس نے گہرا سانس کھینچا اور ہاتھوں کو اٹھا کر چہرہ تھپتھپایا، پھر پلکیں جھپک جھپک کر آنسو اندر اتارنے کی کوشش کی تھی، ابھی کچھ دیر قبل اس نے کس درجہ فضول حرکت کی تھی، بظاہر معمولی بات پہ

وہ تھا، یہ اتنا برسی تھی کہ وہ حیرانی سے آنکھیں پھاڑنے اسے دیکھتی چلی گئی، پھر اس سے قبل کہ وہ سمجھ
 کہتی شرمندگی اور خفت نے یکبارگی پر نیاں پر منٹ کر دیا تھا، اسے خود احساس ہو گیا تھا اس نے ثنا
 کے ساتھ زیادتی کی ہے، یہ نہیں کیوں پھیلے کچھ دنوں سے وہ، چاہے ہوئے بھی لوگوں سے
 خواتین اور ایسے لگی تھی، جبہ کیا تھی؟ وہ اچھی طرح آکا تھی، نرسب کی شادی میں محض چند دن پر وہ
 تھے اور وہ اکثر شاپنگ پہ جاتے ہوئے زبردستی اسے بھی تھپتھپایا کرتی، یہ نرسب کی نسبت تھی اور
 مان تھا مگر وہ اس بیان اور محبت کے ساتھ برماندگی اور بے مانتگی کے شدید سے دوچار ہونے لگتی
 تھی، یہ بھی جانتی تھی ان چند دنوں میں ۱۰۰ روپے کی آمد متوقع ہے، پھر اس کے بعد۔۔۔ یہاں پہ آ کے
 اس کی سو نہیں بھی مطالبہ ہونے لگتی تھیں، حقیقت یہ تھی کہ، اس کی آمد پہ خوش ہونے کی بجائے،
 فکر مند اور منظر تھی، وہ اچھی طرح سے اس کے نزدیک اپنی اہمیت سے آگاہ تھی، ایک طوون تھا
 جو رکا ہوا تھا، مگر اب اس کے بہاؤ کا بند ٹوٹ جانا تھا، منجھد ہمار میں ڈالتی کشتی کو بہر حال، اب جانا
 تھا، وہ اتنی تھی نہ خوش فہم کہ سب سے خواب تھا کہ بیٹہ جالی اور یہی خوف نہیں وہ ہم اسے پاگل کر دے
 تو وہ اپنے سے وابستہ لوگوں کو بھی بہت کر پائی۔

"تمہیں بیٹے تھوڑی ہاسپل میں ڈیوٹی ہے اور بج چکے ہیں۔" وہ انہی دشتوں کے صحراؤں
 میں سرگرداں تھی کہ ثنا کی آواز پہ چونک گئی، اس کا لہجہ و انداز، رش تھا، جبکہ پر نیاں شرمندگی کی تھا،
 میں پھر سے اترنے لگی، منہ کی ٹوشس میں ہار کر اس کے ہونٹ کا بیٹے لگے اور آنکھیں ہزار پانچ ہڈ
 کے باوجود پھر سے نیر بر پائی پائی گئی تھیں، وہ سخت بے بس کھڑی رہ گئی، ثنا نے تنہا میں تندی کی تھی
 پھر اسے لگے لگا کر تھی دیر تھوڑا کچھ پوچھے بغیر نرمی سے ادھر ادھر کی باتوں کے بعد دھیان بنا ہوا،
 ہاسپل روانہ کیا تھا، مگر پر نیاں کے دل کا جو جو کم نہیں دور تھا، وہ آن ڈیوٹی بھی غیر مضر دماغی کا
 مظاہرہ کرتی رہتی تھی جس پہ مرہاتی سے اسے دوبارہ ڈانٹ بھی سننا پڑتی تھی۔

"ڈاکٹر پر نیاں آپ کا دھیان کدھر ہے، آپ سمجھتی ہیں ایک ڈاکٹر کو اتنا غیر مضر دماغی ہو
 سوت کرتا ہے؟" اور وہ گزیرا گئی تھی، جہن عذرت کرنے لگی۔

"اسر اہ کے، ہارڈ نمبر ایون کے بیڈ نمبر نور کے جو ڈیٹمنٹ ہیں آپ ان کا پالی پالی نوٹ کر رہیں
 کمال چیک اپ کے بعد رپورٹ تیار کریں میں ابھی چیک کرتا ہوں۔" انہوں نے رسالہ سے کہہ
 کر اسے کام سے واپس لیا اور وہ شکر کا کلمہ پڑھتا اپنا اور زائل ہو گیا اور اسٹیکو اب سنبھالے، اشارہ پہ
 وارڈ کی برائے بڑھی تھی کہ ایک، وہ انسانی ہی جھانگی، ایسیڈنٹ کا کیس تھا یقیناً شوہر چھالی
 ایسیڈنٹ سے مریض کو اسٹریجر پر منتقل کر کے اہلیت میل نمبر ایمر جنسی وارڈ کی سٹ لے جا رہے
 تھے، پر نیاں جو صورت حال جاننے کو دانستہ، ہاں رک گئی تھی ایک فلہا میں جیسے اپنے ہمہ ہونے سے
 زمین کھسکتی محسوس کرتی ہے اختیار بل تمام کر رہی تھی چلی گئی، اسٹریجر پہ بے سہہ خون میں نہا ہوا
 وجود کسی اور کا نہیں، حجاز حسنی کا تھا، اس ایک چہرے کو خاک و خون میں مل جانے کے باوجود بھی وہ
 ایک لئے میں شناخت کر گئی تھی اس نے وہیشت کے اعداد میں صرست کر ان ہڈیوں کے ساتھ ایمر جنسی
 وارڈ کی شفٹ راہروں اس کے، جو وارڈ کی طرح شانے کی نزدیکی ہوتی تھی۔

(جاری ہے)

عزیز نوری بھروسہ

◇◇◇ ام مریم ◇◇◇

تیرھویں قسط کا خلاصہ

سزا فریدی اپنے مقصد میں کامیابی حاصل کرتی ہیں اور جہان کو اپنے دام میں پھانس کر ڈالے سے نکاح پر مجبور کر لیتی ہیں، جہان کے متعلق وہ ڈالے کو بھی غلط معلومات پہنچا کر جہان کی طرف سے مطمئن رکھتی ہیں، ڈالے اس بات میں خوش ہے کہ اس کی خواہش پوری ہو گئی ہے۔

جہان شدید قسم کے اضطراب اور کرب کا شکار ہے، ایک وقت میں بیک وقت دو محاذوں پہ شکست فاش اسے غم و غصے اور اذیت سے پاگل کیے دے رہی ہے، پر نیاں کالج میں سیکرٹ ہو کر آنے والی وہ حسین اور مالدار لڑکی ہے جو دنیا کی وجہ سے پر نیاں سے پر خاش اور نفرت محسوس کرتی ہے اور اکثر پر نیاں سے بغیر کسی وجہ کے الجھ کر پر نیاں کے مسائل کو بڑھاتی رہتی ہے۔

زینت کی شادی طے ہو گئی ہے، زیادہ کا پروپوزل نوریہ کے لئے آتا ہے مگر نوریہ انکار کر دیتی ہے زیادہ اس انکار کا جواب مانگنے آتا ہے مگر نوریہ اس سے بھی سیدھے منہ بات نہیں کرتی، وہ معاذ کی وجہ سے ہرگز بھی زیادہ سے شادی پر آمادہ نہیں۔

پر نیاں ہاسپٹل میں زخمی ہو کر آنے والے معاذ کو دیکھ کر اپنے پیروں تلے سے زمین سرکتی محسوس کرتی ہے۔

چوہودیں قسط

اب آپ آگے پڑھیے



پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی ویب سائٹ

یہ تمام پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ہیں؟

- ✦ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✦ ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ✦ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ✦ سیریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- ✦ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریجن
- ✦ ایڈفری لنکس، لنکس کو میسج کمانے کے لئے شریک نہیں کیا جاتا
- ✦ ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور ریڈیو امیل لنک
- ✦ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پر یو ایچ آر پوسٹ کے ساتھ
- ✦ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ✦ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریجن
- ✦ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ✦ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ✦ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب فورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

← ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

← ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library For Pakistan

Like us on Facebook

fb.com/paksociety



twitter.com/paksociety1

ایک قیامت تھی جو اس مختصر سے دورانیے میں اس پر بیت گئی تھی، اسے لگا تھا کسی پل بھی اس دہشت و خوف کے احساس سمیت وہ بے ہوش ہو کر گر پڑے گی، تسلسل سے بہتی آنکھوں اور لرزیدہ بدن کے ساتھ اس کی حالت خاصی سے زیادہ قابل رحم تھی جب اس پہ جونیر ڈاکٹر شہلا کی نگاہ پڑی تھی تو وہ اگلے پل لپکتی ہوئی اس کی جانب آئی تھیں۔

”ڈاکٹر پر نیاں آریو اوکے؟“ پر نیاں نے سر اٹھایا نہ اسے دیکھا، وہ یونہی بدحواس سی سسک سسک کر رہی رہی تھی، وہ تو اس کے فیصلے سے خائف تھی، تو یہ کبھی بھی نہیں چاہا تھا کہ وہ اس طرح اس نوبت کو پہنچ جائے، وہ اس کے لئے خاص تھا وہ جانتی تھی مگر وہ اس کے لئے اس درجہ اہم اور اسی جذباتی وابستگی ہے وہ ہرگز نہیں جانتی تھی، اس کی تکلیف کا احساس تھا یا اسے کھودینے کا خوف کہ وہ اپنی حیثیت و مقام تک فراموش کر گئی تھی۔

”واٹ ہینڈ پر نیاں! کیوں رو رہی ہیں؟“ شہلا نے اسے تھام کر سہارا دیئے صوفے تک لائی پھر پانی کا گلاس اس کے ہونٹوں سے لگایا تھا۔

”سب خیریت ہے نا؟“ شہلا کی تشویش کم ہونے میں نہیں آ رہی تھی اور پر نیاں نے ہچکیوں سسکیوں کے درمیان اسے معاذ کے متعلق بتایا تھا۔

”وہ آپ کے ریلیٹیو ہیں؟ کزن وغیرہ؟“

اگلے سوال نے پر نیاں کو نہ صرف نگاہ چرانے بلکہ سنبھل جانے پہ بھی اکسایا تھا، شہلا نے حیرانی سے اس کی جامد خاموشی کو دیکھا، پھر اسے تسلی و دلا سے سے نوازنے کے بعد خود اٹھ کر معاذ کے حوالے سے تازہ صورتحال جاننے کو وہاں سے چلی گئی تھی۔

”آپ پریشان نہ ہوں پر نیاں! معاذ صاحب کو اندرونی و بیرونی چوٹیں ضرور آئی ہیں مگر ان کی حالت خطرے سے باہر ہے، ابھی انہیں طبی امداد دی جا رہی ہے، کچھ دیر بعد آپ آئیں دیکھ سکیں گی۔“

تقریباً پندرہ منٹ بعد شہلا واپس آئی تو اس کے پاس تسلی بخش خبر تھی، جس نے صحیح معنوں میں پر نیاں کے اعصاب کو کنٹرول کیا تھا مگر یہ بھی حقیقت تھی کہ اس کی پریشانی اور گھبراہٹ ہنوز تھی، شہلا کے جانے کے بعد اس نے اپنی نم پلکیں ہاتھ کی پشت سے پونجھ کر صاف کی تھیں اور سر جھکا کر بیگ سے سیل فون نکالا، اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی اس حادثے کی خبر شاہ ہاؤس میں سے کسے دے، بہت سوچنے کے بعد اس کا ذہن جہان کے نام پہ ہی مطمئن ہو سکا تھا، جہان کا نمبر پیش کرتے اس کی انگلیوں کی خف سی لرزش کچھ اور بھی واضح ہونے لگی تھی۔

”السلام علیکم! کیسی ہیں پر نیاں آپ؟“ چند لمحوں کے توقف سے اس کی ساعتوں میں جہان کا مخصوص ٹھہراؤ لئے گھبراہٹ بھرا ہوا تھا۔

”وعلیکم السلام جہان بھائی! آپ پلیز اسی وقت ہاسپٹل آجائیں۔“ اس کے رقت آمیز لہجے کو جہان نے محسوس کیا تھا یا اس کے بوجھل آواز کو کہ وہ ایک دم چونک اٹھا تھا۔

”خیریت ہے نا بھابھی! مجھے آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں لگ رہی۔“ پریشانی اور تشویش محسوس کی جانے والی تھی، اتنے فاصلے کے باوجود وہ لمحوں میں اس کے انداز کی تبدیلی کو پا گیا تھا تو یہ اسی

کی حساسیت اور اپنائیت ہی تھی، پر نیاں کو ایک دم ہی وہ کسی سایہ دار شجر کی طرح محسوس ہوا تھا، اس کے دل کی گھبراہٹ بڑھنے لگی۔

”انہیں آج پاکستان آنا تھا بھائی؟“

”کسے؟ معاذ..... کی بات کر رہی ہیں؟“ جہان نے ٹھنک کر سوال کیا تھا۔

”جی! ایک سیڈنٹ ہو گیا ہے ان کا، آج ہسپتال میں ہی ڈیوٹی تھی میری، پلیز آ جائیں جلدی۔“ ہزار ضبط کے باوجود پھر اس کی آواز یہی نے اپنا غلبہ پالیا تھا جیسی اس نے ہونٹ ہینچتے اور سیل فون کان سے ہٹا کر سلسلہ منقطع کر دیا، وہ جانتی تھی جہان کس درجہ پریشان ہوا ہوگا مگر وہ یہ بھی جانتی تھی اب اگر ایک لفظ بھی وہ مزید بولی تو خود یہ قابو نہ رکھ سکتی اور وہ بھرم کھو جاتا نہیں چاہتی تھی، دل کا اضطراب اس درجہ بڑھا تھا کہ وہ بنا سوچے سمجھے اٹھ کر چلتی ہوئی وہیں آگئی تھی جس روم میں معاذ کو منتقل کیا گیا تھا، ہسپتال کے مخصوص لباس میں اس کا لمبا چوڑا مضبوط وجود بیڈ پہ ڈھیلے انداز میں ڈھیر تھا، مغزور کھڑی ناک، کشادہ پیشانی پہ بکھرے بال اور بے تماشیا رویشیاں سمیٹے رکھنے والی آنکھیں بند تھیں، نرس اسے انجکشن لگانے کے بعد دروازے سے نکل رہی تھی، پیشانی اور بازو پہ بندھی پٹیاں نظر آرہی تھیں، ڈرپ کے ذریعے قطرہ قطرہ دوا اس کے وجود میں اتر رہی تھی، وہ ساکن کھڑی اسے دیکھتی رہی، یہاں تک کہ آنکھیں آنسوؤں سے دھندلا گئیں۔

”آپ جتنے بھی کھو اور ستمگر سہی مگر میں آپ کو اس طرح نہیں دیکھ سکتی۔“

درمیانی فاصلہ سمیٹ کر وہ اس کے نزدیک آئی تھی پہلے اس کے اپنی بازو پہ دونوں ہاتھ رکھے تھے پھر ہاتھ بڑھا کر اس کی پیشانی پہ بکھرے بال سمیٹے اور اس کے بعد سیکتے ہوئے جانے کس جذبے کے آگے ہار کر اس کے بیڈ سے سر نکا کر گھٹ گھٹ کر روتی چلی گئی تھی، یہ خیال یہ احساس سوہان روح تھا کہ ”اسے کچھ ہو جائے گا“ اس کی رگ جان میں وحشت بھرنے لگا تھا، اسے لگ رہا تھا پوری دنیا میں اس بل وہ تنہا ہے، ہر سو اندھیرا ہے گھٹا ٹوپ اندھیرا بس ایک معاذ حسن کا ساتھ ہے اگر وہ کھو گیا تو وہ ہمیشہ کے لئے وحشت کے صحراؤں میں سر ہنچتی پھرے گی، یہ احساس اتنا قوی تھا کہ باقی سب کچھ وہ فراموش کر چکی تھی، اس کی بے اعتنائی بچ ادائی اور لگائے ہوئے لفظوں کے نشتر۔

وہ سامنے آئے تو عجب سانحہ ہوا

ہر حرف شکایت نے خودکشی کر لی

جانے کتنی دیر وہ یونہی بلکتی رہی تھی کہ دوبارہ اندر آنے والی نرس کی مداخلت پہ وہ ایک دم حواسوں میں لوٹ آئی۔

”یہ ٹھیک ہیں، مسکن دواؤں کے اثر نیند میں ہیں، آپ کو بہر حال اتنا پریشان نہیں ہونا چاہیے۔“ نرس کی نگاہوں میں حیرانی کے ساتھ ساتھ معنی خیزی مسکان بھی تھی، جس نے پر نیاں کو اتنا جمل کیا کہ وہ ایک لمحہ مزید وہاں ٹھہرے بغیر سرعت سے پلٹ کر باہر آگئی، سات بج رہے تھے، اس وقت تک اسے ہاسٹل واپس پہنچ جانا چاہیے تھا، مگر وہ ہاسٹل تو کیا ہر احساس کو بھلا گئی تھی، یاد رہے گیا تو معاذ حسن!

اسے نئے سرے سے نرس کی آنکھوں کی معنی خیزیت یاد آئی تو خفیف سی جھنجھلاہٹ اعصاب پہ سوار ہوگئی، ہر کوئی کہہ رہا ہے وہ ٹھیک ہے، پھر پتہ نہیں میرا دماغ کیوں خراب ہوا جا رہا تھا، اس نے سر جھٹک کر سوچا اور اپنے بیگ میں ہاتھ ڈال کر مسلسل واسپرٹ کرتے سیل فون کو باہر نکالا، ثناء کا لنگ کے الفاظ چمکتے دیکھ کر اس نے کال ریسیو کی تھی۔

”کہاں ہو پری تم؟ وارڈن کے سخت ترین اصولوں کو بھول گئی ہو؟“

”سوری میں ہسپتال میں ہوں، آج لیٹ ہوگئی، تم وارڈن کو بتا دینا اوکے۔“

جہان کو بدحواسی اور پریشانی و تشویش کے سب آثار چہرے پہ سجائے اسی سمت آتے دیکھ کر اس نے مختصر بات کر کے کال منقطع کر دی تھی، تب تک جہان اس کے پاس آن ٹھہرا تھا۔

”کہاں ہے معاذ! خیریت ہے نا؟ میرا تو سانس بند ہوا جا رہا ہے سن کر، چاچو تک کو نہیں بتایا میں نے۔“ وہ پھولے سانسوں کے درمیان بولا تھا، پر نیاں نے ایک نظر اسے دیکھ کر گہرا سانس بھرا۔

”چوٹیں آئی ہیں لیکن تشویش کی بات نہیں ہے، آپ چلے جائیں اندر۔“ پر نیاں نے ہاتھ سے اس کے روم کی سمت اشارہ کیا تو جہان نے قدم بڑھاتے ہوئے جیسے ایک دم کسی خیال کے تحت اسے پلٹ کر دیکھا تھا، اس کی متورم آنکھوں اور نرم آلود گلاب چہرے پہ نگاہ لمحہ بھر کو پڑی۔

”آپ واپس جا رہی ہیں؟“

”جی! میری ڈیوٹی کا نام ختم ہو چکا ہے۔“

”آپ رکھیں میں آپ کو ڈراپ کر دیتا ہوں۔“ اس کی بات پر پر نیاں عجیب سے انداز میں

مسکرائی جھینکس بھائی! میں ہر روز اسی طرح جانے کی عادی ہوں۔“

”پلیز بھابھی مناسب نہیں لگتا، میں ابھی آ رہا ہوں۔“ وہ اسے پابند کرنا آگے بڑھ گیا، معاذ ہنوز دواؤں کے زیر اثر نیند کی آغوش میں تھا، جہان نے اس کی چوٹیوں کا جائزہ لیا تھا پھر خود ڈاکٹر سے بات کی تھی، اس کے بعد بہت سبھاؤ سے اس نے پاپا کو کال کی تھی، اس کے اتنے رساں سے بتلانے کے باوجود پاپا سننے ہی دل تھام کر رہ گئے تھے۔

”چاچو میں اس کے پاس ہوں، وہ ٹھیک ہے، معمولی چوٹیں ہیں، آپ دیکھ لیں آ کر اسے، مگر اکیلے مت آئیے گا، زیادہ کو ساتھ لے لیجئے گا پلیز۔“ مزید کچھ دیر انہیں تسلی دلا سہ دینے کے بعد وہ ایک بار پھر معاذ کو دیکھنے لگا۔

(تو یہ آپ کا سر پر اتنا تھا مہترم! ہاتھ پیر تڑا کر بستر پہ لیٹنے کا)۔ ہلکی سے مسکراہٹ نے اس کے ہونٹوں سے چھوٹا پھر پلٹ کر باہر آ گیا، پر نیاں اسی کے انتظار میں پلہ سے فیک لگائے کھڑی تھی، جہان کو دیکھ کر گہرا سانس بھرتی سیدھی ہوگئی۔

”چلیں۔“ جہان نے کوٹ کی جیب ٹٹول کر چابی کی موجودگی کا یقین کرتے سوالیہ نگاہوں سے اسے دیکھا جو کسی قدر متذبذب تھی۔

”آ..... آپ انہیں اکیلے چھوڑ کر جا رہے ہیں بھائی!“ جہان نے چوٹک کر اسے دیکھا، اسے

فکر مند اور مضطرب پا کر جہان کے ہونٹوں پہ اس ٹینشن کے باوجود مسکراہٹ بکھرتی چلی گئی تھی۔

”مجھ سے پہلے تو آپ اسے اکیلا چھوڑ کر جا رہی ہیں۔“
خلاف مزاج، خلاف عادت اس نے اس پہ گرفت کی تھی اور کسی قدر بڑھتی بھری شوخی سے پر نیاں نے پہلے متحیر ہو کر پھر کسی قدر خشکی سے اسے دیکھا تھا، البتہ کچھ کہنے سے گریز کیا، جہان دھیرے سے ہنس دیا۔

”سوری اگر آپ نے مائنڈ کیا تو، ویسے میں چاچو کو بتا چکا ہوں، ان کا آفس یہاں سے تھوڑے فاصلے پہ ہے، پانچ سات منٹ میں پہنچ جائیں گے، ڈونٹ یوری۔“ وہ پھر اسی مخصوص سنجیدگی متانت اور باوقار انداز میں گویا تھا، پر نیاں نے پرسکون ہو کر سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

☆☆☆

محبت میری جاں

تذبذب کی بے فیصلہ ساعتوں میں

اچھا لگتا کوئی سکھ نہیں

جس کے اک رخ پر ”ہے“ دوسرے پر ”نہیں“ ہو

یونہی خالی اوقات میں رنگ بھرنے کا

جیون کی پھیلی ہوئی ریت پر

چند شکلیں بنانے کا اک شغل بے کار کب ہے

محبت و طیفہ ہے

ایسا فریضہ ہے جو کام سارے بھلا کر نبھانا ہے

یہ جنگلوں کی بھڑکتی ہوئی آگ کا ایک شعلہ نہیں

من بہ کن من کی گرتی ہوئی

نرم کوئل پھواروں کی رم جھم میں

اندر تلک بھیگنا ہے

سندر کے سرگم پہ مد ہوش وارگی ہے

جو بیٹھے سروں سے زمانوں کو مسحور کرتی رہی ہے۔

محبت میری جاں

جاں سے گزرنے کا رستہ ہے

منزل نہیں

ایک نقطے کی جانب سفر ہے

جہاں ”میں“ پگھلتا ہے

اور ”تو“ کے سانچے میں ڈھلتا ہے

آساں نہیں ہے میری جاں محبت

وہ جہاں جیسے کھڑی گئی وہ ویسے ہی بیٹھتی چلی گئی، اس کی رنگت خطرناک حد تک زرد پڑ گئی

تھی، جو صورت حال تھی اس میں اس پہ دھیان کس نے دینا تھا، جس کا جیسے بھی انتظام ہوا بس ہاسپٹل دوڑنے کی گئی تھی، یہاں تک کہ حور یہ بھی ماما کے ساتھ ہی ٹھنسن کے چلی گئی تھی، پیچھے وہ رہ گئی تھی واہموں اور خدشات سے ڈولتا ہوا دل لئے۔

”آپ کو کچھ نہیں ہونا چاہیے معاذ حسن آپ کو کچھ نہیں ہونا چاہیے۔“ ہاتھوں میں چہرا ڈھانے وہ سسک سسک کر تڑپ کر رہی تھی جب زینب بھاگتی ہوئی اس کے پاس آئی تھی۔

”تم نے..... تم نے سنا کچھ نوری لالے کو.....؟“ وہ بات مکمل نہیں کر سکی اور ٹپ ٹپ آنسو بہنے لگے، نوریہ کی حالت تو پہلے ہی غیر ہو رہی تھی، وہ اٹھی تھی اور ایک دم اس کے گلے لگ گئی، دونوں زور و شور سے رونے میں مصروف تھیں جب زیاد اندر داخل ہوا تھا انہیں یوں روتا پا کر بری طرح سے جھلا گیا۔

”واٹ مان سنس، یہ کیا حماقت ہے۔“ وہ بد مزگی سے چیخا تھا، نوریہ سہم کر زینب سے الگ ہو گئی۔

”بھائی لالے کا ایکسٹنٹ ہو گیا ہے، پتہ چلا آپ کو؟“ زینب گھٹی ہوئی آواز میں بولی تو زیاد نے ٹھنڈا سانس کھینچا۔

”وہیں سے آرہا ہوں میں الحمد للہ خطرے کی بات نہیں ہے۔“

”آپ سچ کہہ رہے ہیں؟“ زینب نے غیر یقین نظروں سے اسے دیکھا تو زیاد کا موڈ خراب ہونے لگا تھا۔

”میں جھوٹ کیوں بولوں گا بھلا؟“

”تھنک گاڈ اور نہ میں تو بہت ڈر گئی تھی۔“ نوریہ کے حواس بحال ہونا شروع ہوئے تھے، زیاد نے طنزیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

”اچھا! اگر یہ خوف والی بات ہو تو اللہ سے مدد مانجنے کی بجائے رونا شروع کر دیا جاتا ہے؟ آپ کے خیال میں آنسو مسلے کا حل ہوتے ہیں؟“ اس کا لہجہ و انداز کاٹ دار تھا، نوریہ نے ہونٹ بھینچ لئے، زینب صورت حال کی گہمیرتا کو محسوس کر کے دانستہ کھنکاری تھی۔

”بھائی آپ ہمیں بھی تولے چلیں نا وہاں، مجھے بھی لالے سے ملنا ہے پلیز۔“

”مما پاپا کو آ لینے وہ پھر جہان کے ساتھ چلی جانا، میں تو ابھی آیا ہوں۔“ وہ رکھائی سے کہتا پلٹ کر دھپ دھپ کرنا چلا گیا، نوریہ سرخ چہرے لئے کھڑی تھی۔

”اے بھائی کی طرف سے میں معافی مانگ لیتی ہوں۔“ معاذ کے حوالے سے پریشانی کم ہوئی تھی تو اس کا موڈ خود بخود خوشگوار ہو گیا تھا، نوریہ نے ہاتھ باندھے مسکراہٹ دہائی زینب کو جلتی نظروں سے دیکھا۔

”اس کی قطعاً ضرورت نہیں، ہاسپٹل جاؤ تو مجھے لیتی جانا۔“ وہ نخوت سے کہہ کر دروازہ پار کر گئی، زینب مگر اسانس بھر کے رہ گئی۔

☆☆☆

وہ آنکھیں کھول کر کتنی دیر چھت کو دیکھتا رہا، اسے بالکل بھی اندازہ نہیں تھا کہ وہ کتنی دیر خود

سے غافل رہا ہے، چھت کو دیکھتے اچانک اس کا ذہن بیدار ہوا، اچانک اسے محسوس ہوا کوئی اس کے دائیں طرف موجود ہے، اس نے بے اختیار گردن گھمائی تھی، دونوں ہاتھوں میں چہرہ اڑھانے جہان کرسی کی بیک سے ٹیک لگائے نیم وا آنکھوں سے اسے دیکھ رہا تھا، نگاہ چار ہونے پہ آہستہ و نرمی سے مسکرا دیا۔

”آریو اد کے ناؤ۔“ معاذ نے جواب میں کچھ کہے بغیر بس خاموش نگاہوں سے اسے دیکھا تھا، جہان قدرے چونکا۔

”خیریت معاذ!“

”کیا مجھے بہت زیادہ چوٹیں آئی ہیں؟“ اس کا لہجہ سپاٹ تھا، جہان حیران رہ گیا یہ کیسا سوال تھا۔

”نہیں معمولی..... تم پریشان نہ ہو، انشا اللہ کل تک ڈسپارچ ہو جاؤ گے، میری ڈاکٹر سے بات ہو گئی ہے۔“

”پاپا، ماما کسی کو نہیں بتایا تم نے؟“ معاذ نے اپنے اطراف میں نگاہ ڈالی تو نظر کونے میں جائے نماز بجائے رکوع کی حالت میں کھڑی ماما سے جا ملی، اسی ملی دروازہ کھول کر پاپا اور پاپا جان ایک ساتھ اندر داخل ہوئے تھے، اسے ہوش میں دیکھ کر پاپا جان لپک کر نزدیک آئے تھے اور بہت جذباتیت بھرے انداز میں اس کا سر سینے سے لگانے کے بعد پیشانی کو بار بار چوما۔

”خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے، اللہ نے بہت کرم کیا؟ کیسا ہے میرا بے شکر؟“

”الحمد للہ! میں نے آپ کو پھر تنگ کیا نا پاپا جان؟ جیسی پاپا مجھ سے خفا لگتے ہیں۔“ اس کے لہجے میں ناچاچتے ہوئے بھی شاکا پن در آیا، جس نے اسی بل سلام پھیر کر اس کے پاس آئی ماما کو تڑپا کے رکھ دیا تھا۔

”ایسا بالکل نہیں ہے میری جان! آپ کے پاپا آپ سے بالکل بھی خفا نہیں ہیں، آپ ایسی باتیں مت سوچیں۔“ انہوں نے اس کے سرہانے بیٹھ کر سر اپنی گود میں رکھ لیا تھا اس کے لاڈ اٹھانے شروع کیے تھے ساتھ ہی شوہر کو کیشلی نظروں سے دیکھ کر انہیں آنکھوں ہی آنکھوں میں معاذ کی دلجوئی کا کہا تھا۔

”آپ ہمیں بتا تو سکتے تھے کم از کم آنے کا۔“ پاپا بولے بھی تھے تو کیا، ماما کا غصہ کچھ اور بڑھنے لگا جبکہ جہان اور بڑے پاپا جان نے اپنی مسکراہٹ چھپائی تھی۔

”سوری پاپا! میں آپ سب کو اچانک آکر حیران کرنا چاہتا تھا۔“ وہ جمل سا بولا۔

”یہ الگ بات ہے کہ حیران کرنے کی بجائے آپ نے ہمیں پریشان کر دیا، ماشا اللہ آپ کس سمجھداری کو تو داد دینی چاہیے۔“ وہ ہنوز اسی لہجے میں بولے تھے، معاذ نے شاکا نظروں سے ماما کو دیکھا اور منہ بنا لیا۔

”یہ بے کی غلطی ہے اسے آپ کو بتا کر پریشان نہیں کرنا چاہیے تھا، میں ایک آدھ دن میں ٹھیک ہو کر ہی ملتا آپ سے۔“ اس نے زودھے پن سے کہا، شاہانہ مزاج ذرا سی ڈانٹ پہ ہی بگڑ گیا تھا، پاپا نے جتلاتی نظروں سے ماما کو دیکھا گویا کہہ رہے ہوں تو ر ملاحظہ کیے صاحبزادے کے، مگر

ممانے ان سے نگار چار نہیں کی تھی، اس سے پہلے کہ کوئی کچھ بولتا زیادہ کے ہمراہ زینب اور نور یہ چلی آئیں، زینب تو آگے بڑھ کر معاذ سے لپٹ گئی تھی، البتہ نور یہ وہیں جھجک کر کھڑی رہ گئی، اسے لگا تھا جیسے صدیوں سے جلتی آنکھوں میں تراوٹ اتر آئی ہو، کتنی مدت بعد وہ اس خورد چہرے کو دیکھ رہی تھی جس پہ حنق اور جھنجھلاہٹ کا غلبہ تھا، اس نے زینب کو سخت بے زار کن انداز میں خود سے الگ کیا تھا۔

”ابھی مرا تو نہیں ہوں، صدانسوس زندہ ہوں، یہ رونے دھونے کا شغل ایسے وقت کے لئے بیمار رکھو۔“ زینب کا چہرہ ایک دم دھواں دھواں ہو گیا، ممانے تڑپ کر معاذ کے ہونٹوں پہ ہاتھ رکھا تھا جبکہ پاپا سرد آہ بھرتے ہوئے ہونٹ بھینچ چکے تھے، جہان نے زینب کی آنکھوں میں پچلتی نمی کو مضطرب نظروں سے دیکھا، وہ بے طرح ہرٹ ہوئی تھی، خوبصورت ریشمی بال دوپٹے کے اطراف سے نکل کر چہرے کے گرد لٹوں کی صورت جمع تھے لیکن اس بے ترتیبی میں بھی کمال درجے کا حسن تھا، وہ محبت کی فلاح ٹھہری تھی اور یہ احساس اسے ہرگز رتے دن کے ساتھ مزید حسین بنا رہا تھا۔

”دس از نو بجے بیٹے! بہن ہے آپ کی؟“ پاپا جان نے ہی ٹوکا تھا مگر بہت نرمی و ملامت بھرے انداز میں پھر بھی معاذ کے سپاٹ چہرے کے پتھریلے پن میں فرق نہیں آیا تھا، پاپا اسی خاموشی سے پلٹ کر باہر نکل گئے، جہان ساکن بیٹھا تھا، کمرے کی فضا میں اتنے نفوس کی موجودگی کے باوجود تکلیف دہ خاموشی در آئی تھی جب کھلے دروازے پہ مدھسروں میں دستک دیتے ڈاکٹر واثق چلے آئے ساتھ میں ان کے جو نیوز ڈاکٹر تھے انہی میں پر نیاں بھی تھی، لمبی پلکیں جھکائے بے حد کیفو ڈس، نور یہ بنا پلکیں جھپکائے اسے دیکھنے لگی۔

”اب کیسی طبیعت ہے یگ میں!“ ڈاکٹر واثق اس کا معمول کے مطابق چیک اپ کر رہے تھے، وہ خاموش لیٹا رہا، ماما اس کے سرہانے سے اٹھ چکی تھیں۔

”یہ ڈرپ اتار دیں پلیز۔“ معاذ نے بے زار کن انداز میں ڈاکٹر واثق کو مخاطب کیا تھا، انہوں نے مسکرا کر گویا اسے تسلی دی پھر اپنے پیچھے کھڑی پر نیاں کو ڈرپ اتارنے کا اشارہ کیا تھا، وہ قدرے شپٹائی تھی اور جھجک کر آگے بڑھی، ماما سکرانی نظروں سے اسے دیکھ رہی تھیں، زینب جہان کے علاوہ نور یہ کی نگاہوں کا مرکز بھی وہی تھی تو وجہ ان کے مابین رشتے کی معنی خیزی تھی، اس نے کانپتے ہاتھوں سے اپنا کام سرانجام دیا تھا، جھکنے سے وہ معاذ کے سر آپے سے بے حد نزدیک آگئی تھی اور یہی قربت اس کی گھبراہٹ و بوکھلاہٹ کا باعث تھی، نور یہ نے دیکھا تھا اس کے جھکنے سے اس کے حیا در نما دوپٹے کے اندر سے اس کے بالوں کی چند موٹی ٹیشیں اس کے گالوں پر اٹھکیلیاں کرنے لگی تھیں، پر نیاں نے نگاہوں کی پیش پہ ہی نظروں کو اٹھایا تھا اور ایک لمحے کو جیسے اس کا دل اچھل کر حلق میں آگیا، معاذ حسن پوری آنکھیں وا کیے پوری طرح سے اسی کی سمت متوجہ تھا، توجہ کا بیارنگاز اتنا گہرا تھا کہ وہ اس کے متوجہ ہونے پہ بھی نہیں ٹوٹا، پر نیاں کی ہمتیں یہیں تک تھیں، بے اختیار نیڈل اس کے ہاتھ سے چھوٹ گئی، وہ گھبرا کر یکدم پیچھے ہٹی تھی، اسے اپنے رخسار دیکھتے ہوئے محسوس ہوئے تھے، پھر وہ حنق دیر وہاں مجبوراً کھڑی رہی تھی نگاہیں اٹھائے بغیر بھی وہ معاذ کی گرم نگاہوں سے اپنا چہرا جلتا محسوس کرتی رہی، کمرے سے باہر آتے ہی اس نے سکھ کا سانس بھرا

تھا اور تیز قدموں سے راہداری عبور کر کے کہاؤنڈ کی سمت جا رہی تھی، جب اس نے اپنے پیچھے دوڑتے قدموں کی آہٹ سنی تو چونک کر مڑ کے دیکھا تھا، شفاف راہداری میں بھاگتی ہوئی زینب اس کے برابر آتے ہی شرارتی مسکراہٹ سے اسے دیکھنے لگی۔

”جے بتا رہے تھے کل بھی آپ کی اسی ہاسپٹل میں ڈیوٹی تھی اور آپ نے ہی انہیں کال کر کے لالے کے متعلق بتایا تھا۔“ وہ اس کے چہرے پر نظریں گاڑھے شوخ شرارتی لہجے میں بولی، پریناں نے جواب میں کچھ کہے بغیر اسے ایک نظر دیکھا تھا۔

”لالے کو ہوش تو ابھی آیا ہے نا، ویسے آپ کو دیکھ کر کچھ گم صم نہیں ہو گئے وہ۔“ زینب نے مسکراہٹ دبائی تھی، پریناں کا چہرہ جانے کس احساس کے تحت تپنے لگا۔

”میں چلتی ہوں زینب! ورنہ سر سے ڈانٹ پڑے گی۔“

”اوہ شیور!“ اس کی سنجیدگی و متانت کے آگے زینب کو بھی اپنی شوخی سمیٹ کر ایک طرف رکھنی پڑی، پریناں باوقار انداز میں چلتی آگے بڑھ گئی تھی، پھر جب وہ آدھا گھنٹہ وہاں گزارنے کے بعد جہان کے ساتھ واپس جا رہی تھی تو معاذ کی بے اعتنائی کے باوجود بے حد ایکساٹینڈ ہو رہی تھی۔

”جے کیا آپ کو ابھی ایسا لگا کہ جب پریناں لالے کے پاس سے ہو کر گئی ان کی نگاہیں بار بار دروازے کی سمت اٹتی رہی ہیں؟ مجھے لگا، ریلی وہ ہر آہٹ پہ چونک رہے تھے۔“ وہ کھلکھلا کر اپنا تجزیہ پیش کر رہی تھی جس سے زیادہ کوسخت کوفت ہوئی تھی۔

”آپ اتفاق کریں گے جہان بھائی کہ یہ لڑکیوں کی قوم انتہائی خوش فہم قوم ہوتی ہے۔“ وہ کھسا تھا جہان نے سنجیدگی سے دونوں کو دیکھا۔

”پریناں بھابھی نہیں چاہتی ہیں کہ معاذ سے ان کا تعارف اس حوالے سے کرایا جائے، کل انہوں نے خصوصی طور پر مجھ سے ریکویسٹ کی تھی، سولی کیئر فل او کے؟“ جہان کی بات پہ جہاں زیادہ اور نوریہ چونکے تھے وہاں زینب اسی قدر پر جوش ہو گئی تھی۔

”دیش امیزنگ! اب لالے کی بے خبری سے ہم خوب لطف اٹھائیں گے، خبردار کسی کو ضرورت نہیں ہے ان سے کچھ کہنے کی۔“ وہ گھر پہنچ کر بھی ایک ایک کو پکڑ کر تاکید کرتی رہی تھی، زیادہ سر پیٹ کر رہ گیا تھا۔

☆☆☆

اے محبت تیرے انجام پہ رونا آیا
جانے کیوں آج تیرے نام پہ رونا آیا
یوں تو ہر شام امیدوں میں گزر جاتی ہے
آج کچھ بات ہے جو شام پہ رونا آیا
کبھی قسمت کا ماتم کبھی دنیا کا گلہ
منزل عشق میں ہر گام پہ رونا آیا
جب ہوا ذکر دنیا میں محبت کا آکاش

ماہنامہ حنا 28 نومبر 2012

مجھ کو اپنے دل ناکام سے رونا آیا
وہ بہت تھک گیا تھا جیسی طویل باتھ لینے گھس گیا، نہا کر بھی طبیعت کا اضمحلال جوں کا توں قائم تھا، تھکان جسمانی نہیں روحانی تھی، اس کے اندر وحشت پر لومہ اپنے پیچھے گہرائی سے گماڑھتی جا رہی تھی، معاذ ہاسپٹل سے ڈسچارج ہو کر گھر آچکا تھا، صدقہ خیرات کے علاوہ قرآن خوانی اور محفل نعت کا بھی اہتمام ہوا تھا، وادی سے زینب کے سرالی معاذ کی عیادت کو بالخصوص آئے تھے، ایسے میں زینب کے چہرے پہ ہوتی رنگوں کی برسات جہان کے لئے کس آزمائش سے کیا ہی کم تھی اور جس پل وہ اضطراب کا شکار خود سے جنگ میں مصروف تھا معاذ کی گہری نگاہوں کو محسوس ہی نہ کر سکا، وہ ہاتھ روم سے نکلا تو معاذ کو اپنے کمرے میں موجود پا کر ٹھکا تھا۔

”تم یہاں؟ خیریت ہے نا معاذ!“ وہ حیران ہو کر اس کے پاس آیا تھا، اس کا چہرہ جانے کس احساس کے تحت سرخ ہو رہا تھا۔

”جے مجھے اتنا غصہ آ رہا ہے کہ تم پہ کہ بس نہیں چل رہا زینب کا گلہ دبا دوں یا پھر تمہیں شوٹ کر دوں۔“ جہان نے بے ساختہ نظریں چرائیں۔

”یہ کیا پاگل پن ہے معاذ! عقل سے کام بھی لیا کرو۔“

”تم ہونا عقل سے کام لینے کو، مجھے بس یہ بتاؤ کہ اگر کسی قربانی کا حوصلہ نہیں تھا تو کیوں.....؟“ اس کی آواز شدت کم سے بھٹکی گئی تو بات ادھوری چھوڑ کر ہونٹ بھیج لے، جہان نے اسے کچھ دیر دیکھا تھا، پھر آگے بڑھ کر کچھ کہے بنا اسے کھینچ کر سینے سے لگا لیا۔

”میرا کوئی نقصان نہیں ہوا ہے معاذ! تم ہونا میرے ساتھ، چاچو ہیں..... پلیز ریلیکس۔“ وہ جس قدر جذباتی حساس اور شدت پسند تھا جہان جانتا تھا جیسی خود کو کپوڑ ڈکر کے اسے سنبھالنے لگا۔

”تم جھوٹ بولتے ہو، تم اب ساری زندگی جھوٹ ہی بولتے رہو گے جے! کاش تم نے خود کو یہ دھوکہ نہ دیا ہوتا۔“ وہ یونہی اس کے ساتھ لگا ہوا کھٹی ہوئی آواز میں بولا، اب کی مرتبہ جہان نے کچھ کہنے کی بجائے محض اسے تھک کر اس کا حوصلہ بڑھایا تھا، وہ اسے اس پل کسی رد ٹھے ہوئے مگر ضدی بچے کی طرح لگ رہا تھا جو شدید نقصان کے بعد ہر اسماں ہو کر ماں سے آچٹتا ہے۔

”واؤ بڑا رو میٹنگ سین چل رہا ہے مگر ترتیب بہت غلط ہے، جناب آپ اپنی اپنی وائف تک رسائی حاصل کریں جا کر؟“ زیادہ اپنے دھیان میں دروازہ کھول کر اندر آیا مگر ان پر نگاہ پڑتے ہی بڑی شائستگی سے کھلکھلایا تھا، دونوں نے خود کو سنبھالا اور ایک دوسرے سے الگ ہو گئے۔

”لالے آپ کی خاطر آئے ہیں لوگ اتنی دور سے اور جناب غائب، ماما بلا رہی ہیں۔“ زیادہ نے معاذ کو مخاطب کیا تھا، جہان غیر محسوس انداز میں رخ پھیر گیا، زیادہ کی مذاق میں کہی بات بھی اس کے دل پہ جا کر تیر کی طرح لگی تھی، معاذ کے حوالے سے پریناں سے سب آگاہ تھے مگر اس پہ کیا افتاد ٹوٹی تھی یہ کوئی نہیں جانتا تھا، گو کہ یہ معمول کی عام باتیں تھیں مگر آج کل اسے وہی ہتھوڑے بن کر لگنے لگی تھیں۔

”تم جاؤ آ رہا ہوں میں۔“ معاذ رساں سے بولا تھا، زیادہ نے نی الفور سر کونٹی میں جنبش دی۔

”نہیں آپ بھی چلیں، ماما سے ڈانٹ پڑاؤ میں گئے مجھے۔“ معاذ نے جھلا کر اسے دیکھا تھا

پھر اسی جھلاہٹ میں ایک جھٹکے سے پلٹ کر چلا گیا۔
 ”سچ بتائیں کیا پوچھ رہے تھے یہ آپ سے؟“ زیادہ کا انداز راز دارانہ تھا، جہان کی آنکھیں تھیر سے پھیل گئیں۔

”کیا مطلب؟“ وہ ٹھٹکا تھا۔

”مطلب پر نیاں بھابھی کے متعلق ہی پوچھ رہے تھے یا؟ انہیں سن گن تو نہیں مل گئی؟“ وہ سخت متحس تھا، جہان ٹھٹکا سانس بھر کے رہ گیا، یعنی حد ہو گئی تھی۔
 ”بندہ خدا ایسی کوئی بات نہیں تھی، سو ڈونٹ وری۔“ وہ خفیف سا مسکرا کر بولا تو زیادہ کھپسا کر سر کھجاتا باہر نکل گیا تھا، جہان نے سر جھٹکا اور تولیہ گلے سے نکال کر ٹیسرے پہ جا کے ریلنگ پہ پھیلائے کے بعد ہیر برش اٹھا کر بال سنوار رہا تھا جب اس کے سیل فون کی گنگناہٹ کرے کی نضا میں ارتعاش برپا کرنے لگی تھی، اس نے آگے بڑھ کر سیل فون اٹھایا، اسکرین پہ الفاظ کی بجائے ہند سے چمک رہے تھے، اس نے کچھ تذبذب کے بعد کال ریسیو کی۔

”السلام علیکم!“ اس کا پرسان دھیما کبھی لہجہ بے حد مہذبانہ تھا۔

کہنے کو رہتے ہو دل میں
 پھر بھی کتنی دور کھڑے ہو
 کون ہی بات ہے تم میں ایسی
 اتنے اچھے کیوں لگتے ہو

جو بااچھوتے ہی لہک کر کہا گیا، نسوانی شوخ بھلتی آواز، جہان کی تیوری چڑھا گئی۔

”واٹ نان سنس! کون ہیں آپ؟“

”ہائیں، یعنی آپ ہمیں بھول گئی گئے، حد ہے آپ کی بے پروائی سے، ورنہ قسم سے ہم وہ ہیں کہ لوگ ایک جھٹک دیکھنے کو ترستے ہیں، آپ الٹا ہمیں ترسارے ہیں۔“ اس کے من چلے انداز میں فرق نہیں آیا تھا، بے باکی نقطہ عروج پہ تھی، جہان نے ایک جھٹکے سے کال ڈسکنٹ کی تھی، اس کے چہرے کے تاثرات قہر سا ماں ہو رہے تھے۔

”جی چاچو!“ اس نے آگے بڑھ کر انٹرکام کاریسور اٹھایا اور سیل فون کو سائلنٹ پہ لگایا تھا کہ وہ بلا پھر کال کر رہی تھی۔

”بیٹے آج سے شادی کی تقریبات شروع ہو رہی ہیں، آپ ابھی جا کے پر نیاں کو لے آؤ۔“
 ”چاچو میں تو اس روز بھی لینے گیا تھا مگر وہ گریزاں ہیں، شاید معاذ کی وجہ سے۔“ وہ جھجک کر بولا تھا، جواباً ان کا گہرا سانس سنائی دیا تھا۔

”میں نے بچی کو سمجھا دیا ہے، آپ لے آئیں اسے، پر نیاں کو میں صاحبزادے کی وجہ سے اس اہم تقریب سے بے دخل تو نہیں کر سکتا۔“ ان کا شدید موڈ آف ہونے لگا تھا۔

”جی چاچو معاذ نے انہیں پہچانا نہیں ہے، پھر ادھر سب کا خیال ہے کہ معاذ سے یہ بات چھپائی جائے گی، آپ کیا کہتے ہیں؟“

”ہوں کوئی حرج نہیں ہے، محترم کے تیور بھی کھل جائیں گے اس طرح، خیر آپ پہلی فرصت

میں بچی کو لے آئیں۔“

”جی چاچو!“ اس نے سعادتمندی سے کہا تھا اور انٹرکام کاریسور رکھ دیا۔

جہان نے گہرا سانس بھر کے اپنے سیل فون کو دیکھا، جس پہ سزا خریدی کی کال تسلسل سے آ رہی تھی نا چاہتے ہوئے بھی اسے کال ریسیو کرنی پڑی۔
 ”سیلو۔“

”تم میری کال ریسیو نہیں کرنا چاہتے ہونا؟“ وہ پھٹ پڑی تھیں، جہان کے کشادہ پیشانی پہ ناگواری کی شکن ابھری۔

”میں بڑی تھا، آپ نے کیوں زحمت کی؟“ اس کا موڈ اس کے الفاظ کی رکھائی سے بخوبی خرابی کا اعلان کر رہا تھا۔

”ظاہر ہے ہم تو زحمت کریں گے ہی، تمہیں تو اپنی کسی ذمہ داری کا احساس نہیں ہوگا۔“ وہ چیخ گئی تھیں گویا، جہان نے ناگواری سے سیل فون کو دیکھا۔

”ذمہ داریوں کو اگر زبردستی لادا جائے تو بوجھ بن جایا کرتی ہیں اور بوجھ معمولی ہی کیوں نہ ہو ہمیشہ ناگواری کا احساس دلایا کرتا ہے۔“

”کیا مطلب ہے تمہارا! کیا بکو اس کر رہے ہو؟“ حسب عادت وہ لمحہ بھر میں ایسی کیس پھلانگ کر سطحی بین پہ اتر آئیں، جہان کے ہونٹوں پہ زہر خند بکھر گیا۔

”مانڈیورنگ میڈم اینڈ سن میں جو کہہ رہا ہوں آپ اچھی طرح جانتی ہیں، جان بوجھ کر نظریں جراتا جا ہیں تو الگ بات ہے۔“ وہ جتنا بھی خفا سہی لہجے کو کنٹرول میں رکھا ہوا تھا جو اس کی تہذیب اور شائستگی کا گواہ تھا۔

”جہا تکیر آپ فضول کی باتوں میں الجھا کر مجھے مطمئن نہیں کر سکتے بہر حال۔“ وہ پھر انگارے کی طرح سے چیخ تھیں، جہان کو کچھ اور بھی غصہ آیا تھا۔

”مطلب کیا ہے آپ کا؟ کیا کہنا چاہتی ہیں؟“ اس نے برہمی سے دریافت کیا تو سزا خریدی نے ہنکارا بھرا تھا۔

”آپ کی نیلی میں اتنی اہم تقریب ہے، آپ نے جھوٹے منہ بھی ہمیں الو ایٹ کرنا پسند نہیں کیا۔“ مقصد واضح ہوا تو جہان کا ماتھا ٹھٹکا تھا۔

”کیا مطلب؟ آپ میری نیلی کی تقریب میں بھلا کیوں شریک ہوں گی، آپ جانتی ہیں میں نے کسی پہ بھی اس نئی صورت حال کے متعلق ابھی کوئی بات نہیں کھولی۔“ وہ بری طرح سے بگڑنے لگا۔

”یہ میرا نہیں آپ کا مسئلہ ہے، آپ اس گھر کے اہم فریق ہیں، میری بیٹی کا آپ کے حوالے سے جانا جانا از حد ضروری ہے مجھے بس اتنا پتہ ہے۔“ وہ اپنے مخصوص ہٹ دھرم ضدی لہجے میں بولیں تو جہان کو تاؤ آنے لگا تھا۔

”دیکھئے محترمہ آپ کے مقاصد ضرور پورے ہوں گے آف کورس آپ نے ایویس تو یہ قدم نہیں اٹھایا مگر دھیر چلیں ورنہ سب کچھ درہم برہم بھی ہو سکتا ہے۔“ اب کے وہ کسی طرح بھی اپنا

غصہ کنٹرول نہیں کر سکا اور پھٹ پڑا تھا۔
 ”تمہاری اس بات کا مقصد کیا ہے؟“ وہ چیخیں تھیں، جہان کی توقع کے مطابق وہ چلبلا گئی تھیں۔

”آپ اتنی معصوم نہیں ہیں کہ میں اس بات کا مطلب سمجھاؤں، میرا مشورہ ہے آپ کو اب مجھے کسی بھی معاملے میں فورس نہ کریں، میں پہلے بھی آپ کو بتا چکا ہوں، آپ اس سے بڑھ کر میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتیں، مجھے کسی بھی انتہائی قدم اٹھانے پہ مجبور نہ کریں، آپ کے نقصان کا انتہائی قدم کیا ہو سکتا ہے یہ بھی آپ کو اندازہ تو ہوگا۔“ اس کا لہجہ جتنا سرد تھا اس سے کہیں بڑھ کر سفاک اور سنگین تھا، جیسی مسز آفریدی کی ساری اکڑ اور طنطنہ لہجوں میں جھاگ بن کر اڑ گیا تھا۔

”تم نے تو مایہ ناز ہی کر لیا جیسا تیرے بیٹے! میرا مقصد یہ تو نہیں تھا۔“ منا ہانہ لہجہ کھینچا ہٹ آمیز انداز وہ لہجوں میں بھگی ملی بن گئی تھیں، جہان کے اندر زہر خند پھیل گیا، اس قسم کسی نیچر کے لوگوں سے وہ خوب آگاہ تھا، یہ ڈرنے والوں کو ڈرانے سہانے اور کھانے کو پسند کرتے ہیں، مگر جیسے ہی کوئی اپنے سے زیادہ تند خو نظر آتا ہے یہ اس کے قدموں میں لوٹنے میں بھی ایک منٹ کی تاخیر نہیں کرتے۔

”آپ کا مقصد جو بھی ہو، آئندہ مجھ سے اس لہجے میں بات مت کیجئے گا، ورنہ نتائج کی ذمہ داری آپ کی ہوگی۔“ جو اب اس کا لہجہ متغیر سے بھر پور تھا، فون بند کر کے اس نے انتہائی خراب موڈ کے ساتھ بستر پہ اچھلا اور خود پلٹ کر کمرے سے باہر نکل گیا۔

☆☆☆

وہ سخت مضطرب ہی کھڑی تھی، بے خیال اداس اور کسی حد تک فکرمند، ثنا کی نظریں اسی پہ تھیں، وہ زور سے کھنکاری تب پر نیاں چوٹی تھی اور اسے دیکھ کر گہرا سانس بھر کے رہ گئی۔
 ”جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے آج تمہارے انکل کی بیٹی کی شادی کی تقریب میں شریک ہونے والی ہو تم۔“ پر نیاں نے آنکھیں چرا لیں۔
 ”بار بولونا؟“

”تمہیں پتہ ہے تو، پھر اس سوال کا مقصد؟“ وہ جھنجھلائی۔

”اللہ کی بندی مانا مولا کریم نے آپ کو بڑی فیاضی سے حسن و دلکشی کی دولت سے نالا مال کیا ہے مگر حسین لوگوں کو بھی اپنی کیس تو کرنی پڑتی ہے، ایک چکر پارلر کا ہی لگا لیا ہوتا۔“
 ”تمہیں پتہ ہے مجھے پارلر جانا پسند نہیں۔“ اس کا لہجہ سخت تھا، ثنا نے ٹھنڈا سانس کھینچا۔

”مگر ہو سکتا ہے تمہارے جو ان ہوں انہیں یہ آرائش بھاتی ہو۔“ پر نیاں کا چہرہ یکدم پھیکا پڑ گیا، ابھی کچھ دیر قبل جہان نے فون کر کے اسے اپنی تیاری رکھنے کا کہہ کر بتایا تھا کہ وہ اسے لینے آ رہا ہے، تب سے اس کا اضطراب لامتناہی حدود تک پھیل گیا تھا، اتنے سارے لوگوں کے بیچ معاذ حسن کا سامنا کرنے کا خیال اسے پسینوں میں نہلا رہا تھا، پتہ نہیں اس کا رد عمل کیا ہوتا، وہ جانتی تھی وہ اسے پہچان نہیں سکا مگر کب تک.....؟ پھر اس کے بعد اس کا جو رویہ ہوتا، شاید وہ برداشت نہ کر پاتی، دل صرف غمزہ نہیں تھا، متوقع تذلیل کے احساس سے اسے الگ رہا تھا کوئی ابھی اسے کند

چھری سے کاٹ رہا ہو، بے بسی سے بے بسی تھی وہ اس آزمائش سے کنارہ بھی نہیں کر سکتی تھی، اسے ہر صورت متقل گاہ سے گزرتا تھا، کاش اے کاش ددانے تب ایک انتہائی جذباتی فیصلہ نہ کیا ہوتا، اس کے اندر پھر سے ملال اور تاسف اپنی جڑیں مضبوط کرنے لگا۔

”پری تمہارے وہ بے حد ڈشنگ سے کزن نما بھائی آگئے ہیں تمہیں لینے۔“ ثنا نے ہانک لگا کر اسے سوچوں کی عمیق کھائی سے کھینچ کر باہر نکالا تو پر نیاں کا دل سہے ہوئے انداز میں دھڑکنے لگا۔

”شکل پہ بارہ کیوں بچ رہے ہیں؟“ اسے چادر اوڑھتے اور بیگ اٹھاتے دیکھ کر ثنا نے اس کے انداز کی بے دلی کو شدت سے محسوس کیا تھا۔

”مجھے تمہارے بغیر نیند نہیں آئے گی ثنا۔“ وہ ایک دم اس کے گلے لگ کر بولی، رونے کو تو بہانہ چاہیے تھا گویا، ثنا تو سشدر رہ گئی تھی۔

”دماغ ٹھیک ہے تمہارا لڑکی! کیوں میرا کریکٹر مشکوک کروا رہی ہو، شوہر نہیں ہوں میں تمہارا۔“ اسے سچ کر خود سے الگ کرتی وہ مصنوعی حلقی سمیت کڑے تیوروں سے بولی مگر پر نیاں پہ ذرا سا جواثر ہوا ہو، اس کی آنسوؤں میں مزید روانی آئی تھی۔

”مسئلہ کیا ہے آخر تمہارے ساتھ پری! مجھے تو لگ رہا ہے تم کسی چیز سے خوفزدہ ہو۔“ اب کے ثنا واقعی الجھ گئی تھی، اس کی آنکھوں سے تشویش جھانکنے لگی، پر نیاں نے خود کو با مشکل سنبھالا اور ہاتھ کی پشت سے آنسو پونچھ دیئے۔

”کچھ نہیں بس دل اداس ہے۔“ وہ کمزوری تو جیہد دے کر جانے کو اٹھی تھی، ثنا سے جا چلتی پر کتنی نظروں سے دیکھ رہی تھی گویا اندر کا بھید پانے کی منتہی ہو۔

”دل بھی یونہی اداس نہیں ہوتا، خیر تم دا پس آ جاؤ، کرتی ہوں تم سے دو ہاتھ، غضب خدا کا اتنی پرانی ہو گئی، ہماری دوستی مگر تمہیں مجھ پہ اعتماد کرنا نہیں آیا۔“ ثنا نے اچھا خاصا برا منایا تھا، پر نیاں نے خاموشی میں عافیت بھی اور کان لپیٹ کر نکل آئی، جہان سے بھی اس نے بے حد سرسری سی بات چیت کی تھی پھر خاموشی سے گاڑی میں اس کے ہمراہ آ بیٹھی تھی، جہان نے چند ایک بار اس کے متفکر انداز گم صم کیفیت اور مضطرب آنکھوں کو دیکھا تھا اور اس کے دکھ کو اپنے دل میں محسوس کرتا رہا تھا، اس کے پاس اس نازک اور بے حد پیاری لڑکی کے لئے ایک بھی حرف تسلی نہیں تھا۔

”چاچو کہہ رہے تھے آپ کو پہلے مارکیٹ لے چلوں۔“ جہان نے احتیاط سے موڑ کاٹتے ہوئے بہت آہستگی سے اسے مخاطب کیا تھا، پر نیاں زور سے چوکی۔
 ”مارکیٹ کیوں؟“

”آپ کو شاپنگ نہیں کرنی؟“ جہان نے اس کو سوالیہ نگاہوں کو دیکھ کر وضاحت کی تو پر نیاں نے بے اختیار سر کوٹھکی میں جنبش دی تھی۔

”نہیں بھائی مجھے مزید کسی چیز کی ضرورت نہیں، ایک چوکی زینب مجھے کئی بار ساتھ لے کر گئی تھیں انہوں نے ہی اتنی شاپنگ کرا دی تھی میری وہی زائد از ضرورت ہے۔“ وہ جواباً اتنے رساں سے بولی تھی کہ جہان کے کچھ کہنے کی گنجائش باقی نہیں رہی، پھر جہان نے اس کا دھیان بنانے کو ادھر

ادھر کی بات کی بھی تھی تو وہ اتنی ابھی ہوئی تھی کہ ہوں ہاں سے زیادہ جواب نہیں دے سکی، گاڑی شاہ ہاؤس کے بلند آہنی گیٹ سے اندر داخل ہوئی اور سرخ روش پہ چلتی گول ستونوں والے پورٹیکو کے نیچے جا کر، زینب اور ماریہ جانے کب سے اس کی منتظر تھیں، دونوں نے بے تابی سے باری باری اسے گلے لگایا تھا۔

”آپ اندر چلیں میں چائے بنا کے لاتی ہوں۔“ ماریہ نے کہا تھا اور وہیں اس کا ساتھ چھوڑ دیا، وہ زینب کے ہمراہ اندرونی حصے کی جانب آئی تھی، ہال کمرے میں اوپری منزل کو جاتا گول چکر دار زینب تھا جس سے تولیے سے سر کے بال خشک کرتا، وہ معاذ ہی تھا جو اپنے دھیان میں بیٹریاں اترتا تیزی سے ان کے سامنے آیا تھا، بیوی جینز پہ بنیان پہنے شرٹ سے بے نیاز اس کا مضبوط آہنی وجود پوری طرح چھا جانے کی صلاحیت رکھتا تھا، وہ یکدم بوکھلائی، یہ تو وہ بات ہوئی تھی وہ جس سے سب سے زیادہ خائف تھی اسی سے ٹکرا ہوا وہ بھی اتنا الٹا اور اچانک طریقے سے یہ اس کی بوکھلاہٹ ہی تھی کہ تیزی سے گزر جانے کی کوشش میں وہ بری طرح توازن کھو بیٹھی تھی، معاذ جو کہ اسے دیکھ کر جانے کیوں کہتے ہیں آگیا تھا ایک دم سنبھلا، اگلے لمحے پر نیاں کا خوشبودار نازک وجود معاذ حسن کے مضبوط توانا ورزشی بازوؤں میں سمایا ہوا تھا اور ستم یہ بھی کہ وہ محض جینز اور بنیان میں ملبوس تھا، کیا ہی بجلی کی رفتار ہوگی جس طرح وہ تڑپ کر اس کے حصار سے نکلی اور بجلی کی رفتار کے ساتھ اس کی کھن گرج بھی اپنا ثانی نہیں رکھتی، سو وہ گرجی بھی اور برسی بھی، معاذ تو گھبراہٹ و بوکھلاہٹ میں وضاحت دینے کو منہ کھولتا ہی رہ گیا، آج سے پہلے تو کسی نے اسے اس قدر وضاحت سے شرتی و مغربی روایات کے درمیان فرق نہیں سمجھایا تھا، نہ ہی اختلافات روایات شرم دیا یہ یوں پکڑ دیا تھا۔

”ہا میں یعنی کہ میں.....“ وہ سمجھ نہیں پایا ان سب باتوں کا یہاں کیا تذکرہ، مگر پر نیاں اس کسی وضاحت کا موقع دیئے بغیر دھڑ دھڑ کرنی بیٹریاں چڑھ گئی، معاذ نے چلپلا کر زینب کو دیکھا جو ہنسی ضبط کرنے کی کوشش میں لال بھبھوکا چہرے لائے حال سے بے حال کھڑی تھی، اس کے پیچھے بیٹریوں کے آغاز یہ جہان تھا، حیران ششدر غیر یقین، معاذ کو کچھ اور بھی خجالت نے آن لیا۔

”کون ہے یہ محترمہ! پھنے خان کی جانشین۔“ وہ بری طرح سے جھنجھلایا تھا۔

”میری فرینڈ ہیں لالے! شادی میں شریک ہونے کو آئی ہیں، پلیز آپ بائسڈ مت کیجئے گا۔“ ان کی بات کو۔۔۔ زینب منمنائی تھی، اس نے بڑی دقت سے خود پہ سنجیدگی طاری کی تھی ورنہ حقیقتاً اس کے پیٹ میں گولے اڑ رہے تھے، معاذ نے زور سے سر جھکا تھا اور بڑبڑاتا ہوا آگے بڑھ گیا، زینب نے پلٹ کر جہان کو دیکھا اور جیسے ہنسی کا فوارہ چھوٹ گیا تھا۔

”جے آپ نے دیکھا بری کو؟ مجھے تو لگتا ہے لالے کی کم بختی شروع ہو گئی ہے۔“ وہ یونہی ہنستے ہوئے بولی تھی، جہان نے کوئی تبصرہ نہیں کیا اور پاپا کے کمرے کی جانب بڑھ گیا، زینب کمرے میں آئی تو پر نیاں خاندان بھر کی لڑکیوں کے درمیان گھری بیٹھی تھی، زینب نے جاتے ہی تمام تازہ ترین صورت حال مزے لے لے کر حاضرین کے گوش گزار کی تھی، پر نیاں کے جمل اور مضطرب تاثرات سے سچے چہرے کو بکسر نظر انداز کیے۔

”مائی گاڈ! پرئی کیا کافینڈس تھا، میں تو عیش عیش کر انھی، لالے کو آگے سے بات نہیں آرہی تھی ریلی، یار یہ ہمیشہ لڑکیوں کے جھکے چھڑاتے رہے ہیں، تم نے انہی کے چودہ طبق روشن کر دیئے۔“ پر نیاں کی آنکھیں نم ہو کر تھلکنے کو بے قرار ہو گئیں، اسے یوں موضوع گفتگو بننا پسند نہیں آیا تھا، وہ تو ابھی پہلے جھکے سے نہیں سنبھلی تھی، وہ تو خود حیران تھی معاذ حسن کے تو وہ سامنے سے ہی حراساں تھی کجا یہ سب کچھ پھر اس کے بعد اس کے منہ سے کیا نکلا تھا، اسے خود خبر نہ ہو سکی تھی، شعوری نہیں البتہ لاشعوری طور یہ وہ اس سے شاکی تھی خفا تھی اور یہی خفگی سامنے اس طرح آگئی تھی جس میں اس کا کوئی ذاتی اختیار نہیں تھا۔

”کدھر جا رہی ہو؟“ زینب کے معنی خیز لہجے میں بلا کی شرارت بھری ہوئی تھی۔

”مم..... میں ماما سے مل لوں۔“ اسے کچھ تو کہنا تھا زینب زور سے ہنسی۔

”دھیان سے یار میرے لالہ کے حال پہ اب رحم کرنا، بیچارے کہیں پھر نکرا گئے تو.....“ پر نیاں کا چہرہ ایک سرخ ہو کر دہک گیا، وہ بے اختیار واپس اپنی جگہ پہ بیٹھی تھی، وہ سب اس کی گھبراہٹ محسوس کر کے ہنسنے لگیں، پر نیاں نے ہونٹ تختی سے بچنے کے لئے تھے، اس سے قبل کہ کوئی کچھ کہتا ماما کے ساتھ ماما جان، پھیپھو اور نور یہ اسی وقت وہاں چلی آئیں، تینوں بزرگ خواتین نے اسے محبت و شفقت سے گلے لگا کر پیار کیا تھا، ماما کا انداز کچھ خصوصاً اہمیت ملا تھا، اندر ہی اندر وہ بھی معاذ کے رویے سے خائف تھی مگر پر نیاں کے بے تحاشا حسن کا لاشعوری طور پہ انہیں زعم بھی تھا اور اعتماد بھی کہ جیسے ان کا بیٹا اس حسین چہرے کے آگے ضرور ہی مات کھا جائے گا۔

”اب مکمل ہوئی ہے میری نیلی، میں تو کتنے دنوں سے آپ کے پپا سے کہہ رہی ہوں پر نیاں کو لے آئیں، آپ بالکل ریلیکس ہو بیٹے، یہ آپ کا اپنا گھر ہے، معاذ سے خائف ہونے کی بالکل ضرورت نہیں ہے۔“ انہوں نے جس انداز میں لاڈلی بہو کو ڈھارس دی اس پہ ایک اجتماعی قہقہہ پڑا تھا اور جو ہا ہو کار بھی وہ الگ وہی واقعہ نئے سرے سے بڑے جوش و خروش سے دہرایا گیا۔

پر نیاں کی خفت محسوس کئے بنا اسے شاہاشی کی تھپکیاں ملی تھیں، ماما جہاں حیرن ہوئیں وہاں خوش فہم کہیں زیادہ..... اسی اسی مذاق میں شام ڈھل گئی تھی، ماما سے اپنے ہمراہ کمرے میں لے آئیں۔

”میں نے اپنی بیٹی کے لئے خود شاپنگ کی ہے، آپ اپنی چیزیں سنبھال لو پہلے، پھر اب تو مہمانوں کی آمد شروع ہوگی تو مجھے کہاں ہوش رہ جائے گا۔“

”اس کی کیا ضرورت تھی ماما! زینب نے بھی اتنا کچھ خرید کے میرے ساتھ کر دیا تا، وہ بھی لے کر آتی ہوں۔“ وہ گریز پاپا سے کہہ رہی تھی۔

”میری جان ضرورت کیوں نہیں ہے، ابھی تو ضرورت ہے، ہو تو آپ پیاری ہی مگر پہن اڈھ کر تو شہزادی لگنے لگتی ہو اور میں چاہتی ہوں میری بیٹی اتنی پیاری لگے کہ معاذ کی ساری اکڑ نکل جائے اسے دیکھ کر۔“

ان کی وہی روایتی سوچ تھی، پر نیاں کا چہرہ استغیر ہو گیا، اسے یہ بات ہرگز اچھی نہیں لگی تھی، وہ بہر حال اپنے حسن کی نمائش لگا کر معاذ کی توجہ حاصل کر کے اپنی نسوانیت کا وقار کھونا نہیں چاہتی تھی،

مگر وہ ماں تھیں وہ ان کے جذبات بھی سمجھتی تھیں جیسی ہونٹ بھیج خاموش بیٹھی رہ گئی تھی۔
 ”یہ بندیا دیکھو کتنی حسین ہے، ایسا نہیں لگتا میری بیٹی کے لئے ہی بنی ہے۔“ ممانے گولڈ کے
 سیٹ کی گلابی سوٹ کے ہمرنگ موتیوں سے مزین نازک سی بندیا کیس سے نکال کر اس کی پیشانی
 سے لگا کر محبت پاش نظروں سے اسے دیکھا تھا مگر وہ ان کا دل رکھنے کو بھی مسکرا نہیں سکی تھی، اس کی
 آنکھوں میں مچلتی نمی نے ضرور ماما کو مضطرب کر دیا تھا۔

”میری بات بری لگی میری چندا؟ سوری بیٹا شاید مجھے ایسا نہیں کہنا چاہیے تھا، میں جانتی ہوں
 آپ عام لڑکیوں جیسی نہیں ہو، بہت اتا پرست اور خودار ہو مگر میری جان میری دلی خواہش ہے آپ
 بھی خوش رہو، آپ کا دامن بھی جی خوشیوں سے بھر جائے۔“ اس کے ہاتھ پکڑ کر وہ ایک دم آبدیدہ
 ہو گئیں تو پر نیاں کچھ کہے بغیر ان کے گلے لگ گئی تھی۔

☆☆☆

بہت امید رکھنا اور پھر بے آس بھی ہونا
 بشر کو مار دیتا ہے بہت حساس بھی ہونا
 سناک کان سے اور دوسرے سے پھینک دو باہر
 بہت تکلیف دہ ہے صاحب احساس بھی ہونا
 یونہی تو ابر رحمت کی طلب کرتا نہیں کوئی
 ضروری ہے مقدر میں ذرا سی پیاس بھی ہونا
 بہت سے قلب رک جاتے ہیں خوشیوں کی خبر پا کے
 ہمیں تو خوب چچتا ہے غموں کا راس بھی ہونا

اس کے احتجاج کو خاطر میں لائے بغیر زینب نے اسے اپنی نگرانی میں بیوٹیشن سے خود سے
 بھی پہلے تیار کر لیا تھا، ٹی پنک کا مدانی شرارے اور کام سے بوجھل ہاف سیلو چوٹی میں میچنگ کے
 طلائی زیورات سے سجی وہ آسمان سے اتری حور سے مشابہہ لگنے لگی، یہ سچ درج یہ نگاہوں کو چندھاتا
 ہوا روشنیاں بکھیرتا روپ جس نے بھی دیکھا بے ساختہ بلا میں لی تھیں۔

”ماشا اللہ چشم بدور!“ ممانے اس کی نظر اتاری اور اس پر آئینہ الگری پڑھ کر پھونک ماری۔
 ”ممانے بیٹے کی بھی خیریت خدا سے نیک مطلوب چاہ لیں، آج تو بے موت مرے گے۔“
 زینب کھلکھلائی تھی، پر نیاں کا دھواں ہوتا چہرہ دیکھ کر ممانے نے زینب کو بے دریغ گھورا تھا۔
 ”ممانے سے مجھے ہرگز عادت نہیں ہے ایسے لباس پہننے کی۔“ وہ واقعی ابجھن محسوس کر رہی
 تھی۔

”پڑ جائے گی عادت، بیٹے کچھ تقاضے نبھانے پڑتے ہیں۔“ وہ کچھ سننے پہ آمادہ نہیں تھیں،
 پر نیاں سرد آہ بھر کے رہ گئی۔

”یہاں کیوں گھس کے بیٹھ رہی ہو؟ جاؤ نا باہر گھومو پھرو۔“ اسے وہاں صوفے پہ نکتے دیکھ کر
 زینب نے دہائی دی تھی، پر نیاں نے ان سنی کر دی اس کا ہرگز ارادہ نہیں تھا باہر نکلنے کا، وہ سب
 زیادہ معاذ کے سامنے سے گریزاں تھی۔

”آپ کو منا بلا رہی ہیں۔“ ماریہ کچھ دیر بعد ہی پیغام کے ساتھ چلی آئی، جہاں پر نیاں گھبرائی
 وہاں زینب کھی کھی کرنے لگی۔

”مجھے لگ رہا ہے میں نہیں چل سکوں گی اس ڈریس میں، اگر گر گئی؟“ وہ بدحواس سی بولی تو
 زینب کو چٹکلا سوجھ گیا تھا۔

”ڈونٹ دری لالہ ہیں نا گھر پہ، سپر مین کی طرح اڑتے ہوئے آئیں گے جہاں بھی ہوئے
 آپ کو سنبھالنے کو۔“ پر نیاں کے چہرے پہ سائے سے لرز گئے کچھ کہے بغیر وہ پلٹ کر باہر نکل گئی
 تھی۔

”ماریہ ماما کس سائڈ پہ ہیں؟“ اس نے ہمراہ چلتی ماریہ سے سوال کیا تھا۔

”اس وقت تو نیچے تھیں ہال کمرے میں، آپ ڈھونڈ لیجئے گا نا۔“ ماریہ کسی کی پکار پہ اس سمت
 لپک گئی، پر نیاں کو یونہی حیران کھڑا چھوڑ کر، وہ ابھی کچھ طے نہیں کر پائی تھی کہ کیا کرے کہ اسی پل
 راہداری کا پہلا دروازہ کھلا اور وائٹ کاشن کے کڑکڑاتے سوٹ میں معاذ باہر نکل آیا، پر نیاں نے
 سرسری طور پہ نگاہ اٹھائی تھی اسے رو برو پاتے ہی نی الفور نہ صرف نگاہ کا زاویہ بدلا بلکہ تیزی سے
 سیڑھیاں پھلانگ جانا چاہتی تھی کہ معاذ اس کا ارادہ بھانپتا ہو اسرعت سے لپک کر اس کا راستہ روک
 کر کھڑا ہو گیا۔

”آں آں..... دھیرج مہم! یہ بے احتیاطی اچھی بات نہیں، پھر اگر میں سہارا بھی دوں گا تو
 آپ کو یہ جسارت گستاخانہ لگے گی اور آپ.....“

”پلیز اسٹاپ اٹ، راستہ دیجئے مجھے۔“ پر نیاں جو اس کی اس حرکت پہ اعصاب شل ہوتے
 محسوس کر رہی تھی سچ کر رہ گئی۔

”شیپور دائے ناٹ مگر پلیز اک بات کا جواب دے دیں پہلے۔“ وہ دیوار بنا کھڑا تھا، لہجہ
 پرفنون اور گہمیر تھا، پر نیاں کو بے طرح چھنچھلاہٹ نے آن لیا، اس کی صبح پیشانی پہ کئی شکنیں پڑ گئی
 تھیں، اسے معاذ کا یہ رویہ نہ تو سمجھ میں آیا تھا نہ ہی پسند، اس کی بے اعتنائی اور ستم رسیدگی کے زخم
 ابھی بھی تازہ تھے۔

”آپ جنت سے بھٹک کر یہاں کیسے آگئیں، ریلکی میں نے تو آپ کو ہمیشہ خوابوں میں
 دیکھا تھا۔“ وہ شرگوشی سے مشابہہ آواز میں بولا تھا، پر نیاں کا چہرہ ہی نہیں پورا وجود جل اٹھا، اس
 نے بے دردی سے ہونٹ کاٹے تھے، نفٹ اور سکی سے اس کا فشار خون بڑھنے لگا، تو آنکھیں
 یکلخت تھمکنے کو تیار ہو گئیں، یہ وہ اس کے ساتھ کون سا نیا کھیل کھیلنے لگا تھا، اس نے سن رکھے تھے
 اس کی رنگین مزاجی کے قصے، تو ہین کا احساس اسے رو پانسا کر گیا تھا، جبکہ معاذ اس کے پرفنون حسن
 کے آگے مسور سا کھڑا تھا، پر نیاں کترا کر تیزی سے نکلتی چلی گئی تھی، معاذ نے سر پہ ہاتھ پھیر کر
 کھساہٹ دور کی پھر گہرا سانس بھر کے خود بھی نیچے آ گیا، پر نیاں ماما کے پاس کھڑی تھی، پھر جب
 جب بھی پر نیاں کی نگاہ اٹھی وہ اسے اپنی سمت ہی متوجہ نظر آیا تھا، آنکھوں میں شوخ سی چمک لئے
 اور شوق کا اک جہان آباد کیے، اس بات کو صرف اس نے ہی نہیں سب نے محسوس کیا تھا، یقیناً اور
 پر نیاں کو یہی بات کھل رہی تھی، تقریب کے اختتام تک وہ خود سے جگ کرتی ٹڈھال ہو گئی تھی،

”انہیں مجھ پہ جس بات کا غصہ ہے نا وہ کھل کر وہی نکال لیں، بے کوئی بات کرنے کی۔“ وہ سخت براہم ہوئی تھی، ماحول ایک دم خراب ہو گیا تھا، محفل برخاست کرنی پڑی تھی، زینب اپنے کمرے میں آئی تو پریناں صوفے پہ لیٹی سو رہی تھی، زینب نے دوپٹہ نوچ کر اتارا پھر پھولوں کے زیور توڑ کر دور اچھال دیئے، لمحہ بھر کو اس کی نگاہ پریناں کے نم رخساروں پر ٹھہری تھی، صاف لگتا تھا وہ سونے سے پہلے تک جی بھر کے روئی رہی ہے۔

”میں آپ کو کیا کہوں لالے! آپ کو یہ لڑکی خود ہی سیدھا کر لے گی۔“ اس کے جلتے بھرتے دل پہ جیسے چھینٹے پڑ گئے تھے۔

☆☆☆

اگلے دن وہ سو رہا تھا جب جہان نے آکر اس کے اوپر سے چادر کھینچی تھی، اس کے ہمراہ زیاد بھی تھا۔

”اٹھ جائیں لالے! ماما آپ کا ناشتہ پہنچا کر رہی ہیں۔“

”ناشتہ کوئی بہت اسپیشل ہے جو ویٹ کر رہی ہیں، انھوں گا تو کر لوں گا یار۔“ اس پہ کسلمندی طاری تھی، زیاد جھنجھٹا یا۔

”مجھے نہیں پتا اسپیشل ہے یا نہیں، بس آپ یہ سستی چھوڑ دیں اور اپنا بیگ کھولیں یار دو سال بعد آئے ہیں ہمارے کفنس تو نکالیں ذرا۔“ زیاد نے اصل بات اگل ہی دی تھی، معاذ نے سخت ناسف سے اسے دیکھا۔

”آنکھیں کسی کے حسن تصور میں بند ہیں دنیا سمجھ رہی ہے ابھی نیند میں ہوں میں وہ چیخ کر نا اٹھ کر بیٹھ گیا تھا، زیاد نے حیرت کی زیادتی سے آنکھیں پھیلا کر اسے دیکھا۔“

”خیریت ہے نا؟ مجھے تو لگتا ہے وہیں کسی میم شیم کو دل دے آئے ہیں۔“

”میموں میں کون سے اضافی لال لگے ہوتے ہیں، اصل حسن تو پاکستان میں ہے میرے بھائی۔“

”حیا، وقار اور نسوانی انا کے بغیر حسن کتنا پھیکا ہے تم کیا جانو۔“ وہ جو ابنا لہک کر بولا تو زیاد جھوم جھوم گیا تھا۔

”ماشا اللہ خوب ریسرچ کی ہوئی لگتی ہے، مجھے تو ہوا لگا دیں کون ہیں محترمہ؟“ معاذ نے کاندھے جھٹکے تھے اور اٹھ کر شرٹ جھٹک کر اطمینان سے پہننے لگا جہان نے بے چینی سے اسے دیکھا۔

”بتائیں نا کون ہے وہ۔“ اس کا ضبط چھلکا تو ملتتی ہو گیا تھا، معاذ آہستگی سے مسکرا دیا۔

اس کا تعارف صرف اتنا ہے کہ وہ لفظوں کی طرح گہری، اپنے لہجے کی طرح بے نیاز اور اپنی باتوں کی طرح خوب صورت ہے، شیشے کی طرح صاف شفاف آسنے کی طرح تھی، ہواؤں کی طرح نچنڈی اور راحت بخش و سورج کی طرح چمکتی ہوئی روشن روشن، آنکھیں ایسے جیسے اندھیرے میں جلتی ہے، نم نماتی لودیتی یا جیسے طاق میں رکھا ہوا دیا، جو تفتے تفتے سے لودیتا ہے اور پھر ایسے

آج مایوں تھی لڑکیاں ایک دوسرے پہ ایشن پھینک رہی تھیں، وہ اس ماحول سے جان چھڑا کر زمین کے کمرے میں آگئی، اس کا قیام وہیں تھا، زیورات اور لباس سے نجات حاصل کر کے اس نے بو جھل دل سے دھو کیا تھا، واش روم سے باہر آئی تو حور یہ اسے ہی بلائے کو وہاں پہنچی ہوئی تھی۔

”ارے آپ نے چیخ بھی کر لیا، ابھی تو تقریب ختم نہیں ہوئی۔“ وہ سخت حیرانی سے بولی تھی۔

”میں تھک گئی تھی حور یہ، پھر مجھے نیند بھی آرہی تھی۔“ وہ چائے نماز بچھاتے زری سے کہہ گئی۔

”آپ نماز پڑھ لیں، میں آپ کو چائے پلوؤں گی، ممانی جان کہہ رہی ہیں آپ بھی باہر آکر بیٹھیں۔“ پریناں نے بحث سے بچنے کی خاطر محض سرکواثبات میں ہلا دیا تھا۔

”پرئی کیوں نہیں آئی؟“ زینب نے حور یہ کو تنہا آتے دیکھ کر سخت اعتراض کیا تھا اور چیکے سے معاذ کو دیکھا جو بظاہر جہان سے بات کر رہا تھا مگر زینب کو صاف لگ رہا تھا، وہ پریناں کی غیر موجودگی سے بد مزہ ہے۔

”وہ نماز پڑھ رہی ہیں، نماز پڑھ کر آئیں گی۔“ حور یہ جواب دے کر ڈھولک بجاتی لڑکیوں کے درمیان بیٹھ گئی۔

”تم تھک تو نہیں گئی ہو زینب؟“ بھابھی نے کچھ خیال آنے پہ زینب کو مخاطب کیا تھا، اس نے نی الفور سرکونشی میں جنبش دی تو کانوں میں بڑے بڑے موٹے کے بڑے بالے ہلکورے کھانے لگے، لمبی ریشمی پلکوں کا مرتعش سایہ ٹلکرتی ہوئی جہان کی نگاہ غیر ارادی طور پہ اٹھی تھی اور اضطراب سمیٹ لائی تھی۔

”چلو بچے ہم سوتے ہیں چل کر۔“ معاذ سے جہان کی نگاہ کا اٹھنا وحشت سے بھرنا اور پھر تھک کر جھک جانا محض نہیں رہا تھا وہ اس کے اضطراب سے آگاہ تھا جیسا طبیعت سے کہتا ایک جھٹکے سے اٹھا۔

”نہیں لالے پلیز ابھی تو ہم نے آپ سے گانا سنا ہے، پلیز بیٹھیں نا ابھی۔“ زیاد نے باقاعدہ اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

”جی بالکل اور ابھی تو پری پھر سے محفل کا حصہ بنیں گی۔“

”تو پھر میں کیا کروں؟ یہ بات تم مجھے کیوں خصوصی طور پہ بتا رہی ہو، کیا سمجھتی ہو میں تمہاری دوست کے حسن کا اسیر ہو گیا ہوں۔“ زینب کا معنی خیز انداز معاذ کو سلاگا کر آپے سے باہر کر کے رکھ گیا تھا، ماحول ایک دم ہی گھبرتا اور سنگینی سمیٹ لایا، جہاں زینب شیشائی وہاں جہان بھی گڑبڑا گیا تھا۔

”دس از نوچ معاذ کیا ہو گیا ہے یار؟“ جہان نے اس کا ہاتھ دبایا تھا، معاذ سرخ چہرے کے ساتھ دہکتی آنکھیں لئے دانستہ دوسری جانب دیکھتا گہرے سانس بھر کے خود پہ قابو پاتا رہا، کہیں کا اشتعال کہیں نکلا تھا، زینب تو بالکل حور سے باختہ ہو گئی تھی، سب کے سمجھانے کے باوجود اس کا موڈ بحال نہیں ہوا تھا اور وہ اسی طرح وہاں سے چلا گیا تھا۔

”زینب تمہیں ایسے نہیں کہنا چاہیے تھا۔“ بھابھی کے کہنے پہ وہ چمک اٹھی تھی۔

بھڑکتا ہے جیسے دنیا کو روشن کر دے گا، میرا اور اس کا تعلق خواب کا سا ہے، میں نے اس پہلی بار خواب میں دیکھا، یار تم سے وہ میرے بے حد نزدیک تھی، مجھے زندگی کی سمت بلاتی ہوئی، مگر پھر جب میں نے اسے حقیقت میں دیکھا تو وہ بالکل برعکس تھی، نہ وہ مہربانی نہ التفات نہ لگاؤ وہ اتنا پرور اور مغرور ہے مگر مجھے اچھی لگتی ہے، میں اس سے اگر بات کروں تو میرا مخاطب ہونا اسے اچھا نہیں لگتا شاید، خالص مشرتی لڑکیاں ایسی ہی ہوتی ہیں نازیبا غیر محرم سے سخت لہجے میں بات کرنے والی ان کی سمت جھکاؤ نہ رکھنے والی وہ ایسی ہے کہ اس کی عزت کرنے کو دل چاہتا ہے، میں اس کی بہت عزت کرتا ہوں۔ وہ خاموش ہوا تو جہان جیسے کسی ٹرانس سے باہر آیا تھا، وہ ششدر سا معاذ کو دیکھتا رہ گیا، معاذ نے اس کی کیفیت کو نوٹ کیا اور آہستگی سے کھیاہٹ بھرے انداز میں ہنس دیا۔

”تمہیں یقین نہیں آ رہا؟“

”کیسے آسکتا ہے، آپ تو پورے شاعر ہو گئے ہیں، ویسے ہی کون وہ؟“ جہان اب بھی بس اسے دیکھ رہا تھا اسی خاموشی سے جبکہ زیادہ کو کوکھ بد لگ چکی تھی۔

”جے تم بتاؤ یار، یہ عشق اتنی تیزی سے انسان کو نکما کیوں کر دیتا ہے، ریلی ساری رات نہیں سو سکا۔“ وہ منہ بسور کر کہہ رہا تھا، زیادہ کی کھی کھی پھر شروع ہو گئی۔

”جے تم نے کبھی منگولیا کے درختوں پر اتری سورج کی اولین کرنوں اور ان سے چھن کر آتی روشنی کو دیکھا اور محسوس کیا ہے؟ وہ کتنی اجلی ہوتی ہے، منگولیا کے دودھیا سفید شگوفوں اور ان پر اترے ملائم اجالوں کو دیکھا ہے؟ وہ ایسی ہی لگتی ہے جیسی وہ کرنیں اجلی شفاف اور حسین، اس کا وجود چاند کے نور سے تراشا ہوا لگتا ہے۔“ وہ جیسے پھر کہیں کھو گیا، زیادہ کا تو منہ کھلا رہ گیا تھا۔

”لالے تو گئے کام سے، مجھے تو ان پر بری طرح رحم آ رہا ہے، ان سے پوچھیں انہیں ایسا شاعرانہ عشق کس سے ہو گیا آخر؟“ زیادہ نے بلبلتا کر کہا تھا، جہان کی ہنسی چھوٹ گئی، معاذ نے منہ نکال لیا تھا۔

”دفع ہو جاؤ تم یہاں سے، مذاق اڑا رہے ہو میرا۔“ وہ زیادہ پہ چڑھ دوڑا تھا، وہ ہنستا ہوا بھاگ گیا۔

”آپ کی حرکتیں ہی ایسی ہیں۔“ اس نے دروازے سے سر نکال کر ہانک لگائی تھی، معاذ نے شاکی نظروں سے جہان کو دیکھا۔

”تمہیں بھی یقین نہیں آ رہا؟“

”نہیں خیر مجھے کسی حد تک تم سے اس بات کی توقع تھی۔“ جہان کے پر رمان اور پر وثوق انداز نے معاذ کو ہنوت کر دیا۔

”کیا مطلب ہے یار غار تو تم نے مجھے بھی حیران کر دیا۔“

”چھوڑو اس بات کو، یہ بتاؤ کون سے وہ لڑکی؟“

”وہ زینب ہے نا اس کی تک چڑھی سلیٹی پری، یار تم سے اسم باسکی ہے بالکل۔“ وہ آہ بھر کے کہتا آخر میں پھر پر جوش ہو گیا تھا، جہان ٹھنڈا سا سانس بھر کے رہ گیا، معاذ کو اس کی نگاہوں سے الجھن ہوئی تھی۔

”تم ایسے کیوں دیکھ رہے ہو؟“

”تم سیریس ہو معاذ؟“ جہان کی نگاہیں کھوجتی ہوئی تھیں۔

”تمہیں کوئی شک ہے کیا؟ میں نے کب اتنے فلرٹ کیے ہیں یار۔“ معاذ کو جانے کیا برا لگا تھا۔

جہان نے دانستہ چپ سا دھ لی، اگر پر نیاں بالخصوص اسے منع نہ کر چکی ہوتی تو اس پل وہ معاذ یہ اس اہم پوائنٹ کو اوین کر کے اسے غلط نہیں سے نکال سکتا تھا مگر اب وہ پابند تھا۔

”تم خاموش کیوں ہو گئے ہو جے؟“

”تمہنگ تمہیں چاچو بلا رہے تھے، ناشتہ کر لو تو ان کی بات سن لینا، اس موضوع کو بھی انہی سے ڈسکس کرنا۔“ جہان نے اپنی رائے محفوظ کر لی تھی، معاذ نے کاندھے جھٹکے اور داش روم میں گھس گیا، ناشتے کے بعد وہ پاپا کے پاس چلا آیا تھا۔

”آپ نے بلایا تھا مجھے پاپا! وہ اس وقت اسٹڈی میں تھے اور کسی کتاب کے مطالعے میں مصروف، گھر کے شور شرابے سے دور رہنے کو شہ عافیت میں تھے۔“

”جی! بیٹھیں۔“ پاپا نے کتاب بند کر کے رکھ دی تھی، معاذ کو ان کے موڈ کی گنہگار کا احساس ہوا۔

”آپ کو پتہ ہے آپ کے نکاح کو ڈھائی سال ہو چکے ہیں۔“

”پتہ نہیں یہ واقعہ میرے لئے اتنا خوشگوار نہیں تھا کہ یاداشت میں محفوظ رکھتا۔“ معاذ کا موڈ جس قدر بگڑا تھا اسی لحاظ سے الفاظ منتخب کیے تھے اس نے۔

”میں چاہتا ہوں زینب کی بارات کے دن بیچی کی رخصت کرانے کی رسم بھی ادا کر دی جائے اگر آپ چاہیں تو۔“ پاپا کی سوالیہ نگاہیں اس پہ آن ٹھہری تھیں، معاذ کے چہرے پہ کھنکھائی چھا گئی۔

”میں اس معاملے میں کوئی رائے دینے سے قاصر ہوں میری طرف سے اسے آج ہی رخصت کرالائیں، چاہے مزید دو سال بعد، میں آج بھی اپنی بات پہ قائم ہوں مجھے اپنی پسند کی شادی کرنی ہے؟“ وہ بولا تو اس کا لہجہ مخصوص قسم کی بے مرونی اور نخوت لئے ہوئے تھا، پاپا نے اس تقاضے پہ چونک کر اسے دیکھا تھا، وہ چہرا جس پہ طبعی کسی قسم کی گنجائش نہیں تھی، جہان جو وہاں اسی وقت آیا تھا ٹھنڈا سا سانس بھر کے رہ گیا،

وہی ہوا جس کا اندیشہ تھا، یعنی وہ واقعی پر نیاں کو جاننے پہچاننے سے قاصر رہا تھا، البتہ پاپا کا موڈ اس کی ضد ہٹ دھری اور تقاضے نے بری طرح سے بگاڑ ڈالا تھا۔

”ٹھیک ہے آپ اپنی پسند کی شادی کرتے پھریں، وہ بیچی اتنی بے مایا نہیں ہے کہ آپ کی بے رغبتی کے باوجود یہاں چلی آئے۔“ ان کا لہجہ بھڑکا ہوا تھا، جہان ساکن رہ گیا، معاملہ کچھ اور گنہگار ہو گیا تھا۔

(جاری ہے)



ذرا سحر کا سحر ہو

● ام مریم ●

چودھویں قسط کا خلاصہ

منز آفریدی، جہان کو اپنی مرضی کے مطابق چلانا چاہتی ہیں مگر ناکامی کی صورت میں انہیں جھنجھلاہٹ گھیر گئی ہے، جہان ان سے سخت بدگمان ہے جہان کو نیلما کا رویہ ٹپس میں مبتلا کرتا رہتا ہے۔

معاذ کے ایکسیڈنٹ کی خبر شاہ ہاؤس کے مکینوں کے شدید اضطراب کا باعث بنتی ہے، وہیں ہاسٹل میں معاذ پہلی بار پر نیاں کو دیکھتا ہے مگر جہان کی توقع کے عین مطابق اسے پہچاننے سے قاصر رہتا ہے، پر نیاں کا تعارف زینب کی دوست کے حوالے سے معاذ تک پہنچتا ہے تو اس کی جیب پر نیاں خود سے، وہ ہرگز بھی اصل تعارف کے ساتھ خود کو اس کے سامنے پیش کرنے پہ راضی نہیں شاہ ہاؤس کے مکین اس کے جذبات کی قدر کرتے ہیں، معاذ پر نیاں کا اسیر ہو چکا ہے اور اسی بات کا اظہار بہانگ دہل ہر کسی سے کرتا ہے، پر نیاں زینب کی شادی پہ شاہ ہاؤس معاذ کی موجودگی میں پہلی بار آئی ہے تو قدم قدم یہ معاذ کا سامنا اس کے جذبات کو مجروح کرتا ہے، معاذ کے حوالے سے وہ شدید غلط فہمیوں کا بھی شکار ہے۔

معاذ زینب سے نفار اور یہ نفی بار بار عیاں بھی ہوتی ہے زینب کی شادی کی تو جب میں پاپا معاذ سے پر نیاں کو رخصت کرا کے لانے کا ارادہ کرتے ہیں مگر معاذ تنفر بھرے انداز میں انہیں جواب دیتا ہے جس پہ پاپا کو شدید غصہ آتا ہے۔

پندرہویں قسط

اب آپ آگے پڑھیے



”سوری پاپا! آپ نے میری بات کو مانڈ کیا، چلیں میں اپنے الفاظ واپس لیتا ہوں، بٹ پاپا ہمارے درمیان یہ بات طے ہو چکی تھی نا۔“

معاذ کو شاید خود بھی صورتحال کی مبہرنا کا احساس ہو گیا تھا، یا پھر وہ ہمیشہ کی طرح اپنی زیادتی اور رویے کی بد صورتی کا خیال آتے ہی ازالے کی جانب پیش رفت کر چکا تھا۔

”اس کی ضرورت نہیں سے برخوردار! آپ اپنے الفاظ واپس نہ لیں، اپنی پسند کی شادی کریں جب آپ کا دل چاہے گا مگر مجھ سے کسی قسم کے تعاون کا خیال دل سے نکال دیجئے۔“ وہ پوری طرح سے تھا ہو چکے تھے، معاذ نے عاجز ہو کر انہیں دیکھا پھر جہان کو ٹھوکا دیا تھا، گویا معاملہ سنبھالنے پیا کسایا، جہان بے بسی سے اسے دیکھ کر رہ گیا تھا۔

”جہان بیٹے میں آپ کے لئے بھی کوئی فیصلہ کرنا چاہ رہا ہوں، یوں سمجھ لیں اپنے فرائض سے سبکدوش ہونے کا خواہش مند ہوں، بہتر ہو گا آپ مجھے اس سلسلے میں گائیڈ کر دیں۔“ ان کا روئے سخن اپنی جانب مڑنا دیکھ کر جہان کی پیشانی عرق آلود ہو کر رہ گئی۔

”اتنی جلدی کیا سے چاچو! پلیز ابھی کچھ وقت دیں مجھے۔“ وہ واقعی ہی گڑ بڑا گیا تھا، معاذ جو ہونٹ بھیجے بیٹھا تھا، ان کی بے انتہائی کود کھتا بھر پور حلقی کے مظاہرے کو اٹھ کر وہاں سے چلا گیا تھا، پاپا نے بغیر کچھ کہے جہان کو پر سوچ نظروں سے دیکھا اور محض آہستگی سے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

☆☆☆

مجھ کو پڑھنے بیٹھے ہو تو آنکھیں ہاتھ پر رکھ لو
کبھی ہنستا ہوا تم نے کبھی ابدال کو دیکھا ہے
کبھی بجلی کے دامن سے مہک پھولی ہے آنگن میں
سمندر ڈوب جانے کو کبھی دامن میں اتر ہے
مجھے پڑھنے اگر بیٹھو تو پر چھائیوں کو مت دیکھو
نہ جیتے انکاروں کی بھونچھل کو

کہ ان ہاتھوں سے شعلوں کی تمازت حرف بنتی ہے
میرے ہونٹوں سے مردہ منظروں کو لفظ ملتے ہیں
میری آہٹ کون کر بادباں خواہش سفر پہنے
مگر میں کون ہوں؟

آنکھیں کہ صحرا باد بے رونق
بدن پر آبرو کی کبھی کارنگ نھرا ہے
قدم شوریدگی کی دلدلوں میں زخم خنداں ہیں
مجھے پڑھتے ہوئے ہاتھوں پہ رکھی آنکھ بہہ نکلے
تو ہنس دینا

وہ سخت وحشت زدہ سی آئینے کے آگے کھڑی اپنے عکس کو دیکھ رہی تھی، اس کی آنکھیں طوفان

کی زد میں آئے سمندر کا عکس پیش کرنے لگیں اور تپا ہوا چہرہ خطرناک حد تک سرخ پڑ گیا، اس نے محبت کی تھی اور محبت کرنے والا تو محبوب کے دھڑکتے دل، اس کی پلکوں کی جنبش تک یہ نگاہ کیے رکھتا ہے، اسی لئے تو اس کے انداز و اطوار اور نگاہ میں آئے فرق کو سب سے پہلے محسوس کر جاتا ہے، وہ بھی بدلے ہوئے معاذ کو دیکھ رہی تھی، جس کی بے نیازی رخصت ہو چکی تھی، وہ پر نیاں کود کھتا تھا تو اس کی نگاہیں لو دینے لگتی تھیں، وہ اطراف کو بھول کر صرف اسی میں کھونے لگتا تھا، ہاں یہی تو محبت تھی، وہ اپنے مابین رشتے سے انجان تھا تو یہ حال تھا اگر اسے سب خبر ہو جاتی تب اس کے استحقاق کا کیا عالم ہوتا، اس نے سوچا اور خود کو بھڑ بھڑ جلتا محسوس کرنے لگی، یہ کہہ دینا کہ میں سہہ لوں گا اور وقت آئے یہ اس تکلیف کو سہنے میں زمین آسمان کے برابر فرق ہے، نور یہ کو خود اپنے وجود کے لئے یہ اذیت ناقابل برداشت لگ رہی تھی، کہاں تک برداشت کرنی اور کس حد تک، معاذ تو جیسے دیوانہ ہونے کو تھا، پھر وہ تھی جو ہرگز نہیں چاہتی تھی کہ کسی کو اس کے حوالے سے کچھ بھی شبہ ہو، جبھی وہ گھر میں گھس گئی تھی، مگر اس طرح بچت کہاں ہوتی تھی، پر نیاں سے بھی وہ چاہنے کے باوجود دیرسا بے تکلف اور اپنائیت آمیز رو بہ نہیں رکھ پارہی تھی جو پاپی سب کا تھا، پتہ نہیں پر نیاں نے کس حد تک محسوس کیا تھا، اسے عجیب و غریب سی سوچیں پیشمان کرنی جا رہی تھیں، کچھ بس نہ چلا تو ہاتھوں میں چہرہ اذھانپ کر رو دی، اب اس میں کیا کیا جا سکتا تھا، سارا کھیل ہی نصیبوں کا تھا، کچھ لوگ بڑے خوش نصیب ہوتے ہیں، ہر جگہ وہ آئی پی اہمیت پاتے ہیں، یہاں بھی انتہائی مغرور معاذ کے دل پہ اسی کی حکمرانی ہو گئی تھی، جبکہ وہ ہمیشہ سے اس کی نگاہوں کے سامنے رہی تھی مگر معاذ نے بھی اسے کسی اور نگاہ سے دیکھا ہی نہ تھا۔

☆☆☆

یہ محفل جو آج سچی ہے اس محفل میں ہے کوئی ہم سا
ہم سا ہو تو سامنے آئے ہم سا ہو تو سامنے آئے

زیاد نے ڈھولک بھائی حور یہ اور مار یہ سے ڈھول چھین لیا تھا اور خود تھاپ دیتے ہوئے تان اڑائی تو ایک دم ہا ہو کار بج گئی تھی۔

آنکھ اٹھا کر ہم جو دیکھیں پتھر کا بھی دھڑکے سینہ
آج ہمارے حسن کی پا کر شعلوں کو آتا ہے پسینہ
پھول سے ہم نے خوشبو چھین پیپ سے ہم نے موٹی پائے
سے کوئی ہم سا ہو تو سامنے آئے ہم سا ہو سامنے آئے

”لودہ آگے سامنے بلکہ مقابلے یہ..... اب بات کریں۔“ معاذ اور جہان ایک ساتھ وہاں آئے تھے، حور یہ اور مار یہ نے تالیاں بجا کر گویا زیاد کو تا ڈاڈا لایا۔

”خاموش حد ادب گستاخ لڑکیو!“ زیاد نے بری طرح جھڑکا مگر اسے سب نے مل کر بری طرح ہوت کیا تھا، جنید بھائی اور بھابھی بھی ساتھ شامل ہو گئی تھیں۔

”تمہاری یہی سزا ہونی چاہیے اور یہ بدلہ تو اللہ نے چکایا ہے، دو شہزادوں کو بھیج کر۔“ جنید بھائی ہنس رہے تھے، زیاد کھپسا گیا۔

”کیا ہوا خیریت؟“ معاذ متوجہ ہوا تھا وہ صورت حال سے بے خبر تھا، جیسی ساری بات بتلائی گئی، اس نے پہلے کالا کڑا یا پھر منہ لٹکا لیا تھا۔

”کیا ہوا جناب؟“ بھابھی کی نگاہ بالخصوص اسی پر تھی۔

”فائدہ تو جب ہے اس بے مثال و جاہت کا اگر کوئی خاص انسان ملنے، ابرے غیروں کا کیا ہے۔“ اس کی ترجمی نگاہیں زینب کے ہمراہ کھڑی پر نیاں پہ جائی تھیں، جوان کی سمت متوجہ ہرگز نہیں تھی، جاننے والوں نے جانا اور سمجھنے والوں نے سمجھا اور معنی خیز قہقہے بکھر گئے۔

”آپ کی نیا تو اللہ ہی پار لگائے۔“ زیاد نے دو ویشاندہ انداز میں دعا دی تھی، معاذ نے لپک کر اس کا منہ چوم لیا۔

”انہو یہ لاڈلیاں چھوڑیں، پہلے ہمارے تحفے تو دیں نا۔“ زیاد کی تان ایک ہی جگہ یہ ٹوٹ رہی تھی، معاذ نے اسے اپنا بیگ لینے دے دیا تھا۔

”جاؤ زینب کو بھی بلا لاؤ۔“

”سیدھی طرح کہو، ان کی سہیلی کو بلا لاؤ۔“ بھابھی نے چھیڑا تھا وہ کہاں شرمندہ ہونے والا تھا، ٹھکھلا کر ہنس پڑا۔

”جب آپ کو اتنا خیال ہے تو پھر بلا لیں نا، میں بیچارہ مشرقی لڑکا۔“ اس نے شرمانے کی ایکنگ کی تھی، محفل گل و گلزار بن گئی، اسی ہنسی مذاق میں زینب کو بلایا گیا تھا ساتھ دست بدستہ عرض پر نیاں کو بھی کی گئی تھی، وہ جیسے مارے بندھے آکر بیٹھی تھی، ہر انداز میں واضح گریز پائی تھی، معاذ نے بغور اس کے ہر انداز کو دیکھا تھا، اس نے پڑھا تھا عورت جب کسی مرد سے محبت کرتی ہے تو اس کے جسم کی سازی خوبصورتی خود بخود ظاہر ہونے لگتی ہے، لیکن ناپسندیدہ مرد کے لئے عورت اپنی جسمانی خوبصورتیاں اس سے پوشیدہ کر لیتی ہے، وہ ایسا کسی شعوری کوشش کے تحت نہیں کرتی بلکہ ایسا خود بخود ہو جاتا ہے، وہ گم صم ہونے لگا تھا، پر نیاں نے اس سے جھجکنا ہی نہیں گریز کرنا اور اپنا آپ چھپانا بھی شروع کر دیا تھا، وہ ہر اس جگہ سے راہ فرار ڈھونڈتی تھی جہاں اس کی آمد کا امکان بھی ہوتا، یہ گریز دوسرے لفظوں میں ناپسندیدگی ہی تھی، یہ بہت ذلت آمیز سا احساس تھا، اسے اپنے مساموں سے آگ پھونتی محسوس ہونے لگی تھی، محفل پھر جم گئی تھی، وہ وہاں موجود ہو کر بھی جیسے نہیں رہا تھا، زیاد کا دھیان پھر تحفوں سے ڈھولک کی طرف چلا گیا تھا۔

سوا رنگ ای پراندے دا

گورا رنگ کالا ہو گیا ویر کالج جاندے دا

خوریہ ڈھولک بجا رہی تھی، مار بھگلا پھاڑ کر گانے میں مصروف سب سے زیادہ تکلیف حسان کو ہوتی تھی بے تحاشا اعتراض کے ساتھ جیسی نور انوکا۔

”کیا ہیر دعویں کی چینی میں بیٹھ کر کالج جاتا ہے؟“ مان سنس۔“ ایک زبردست قہقہہ پڑا تھا، حسان کا سرخ چہرہ کچھ اور سرخ ہونے لگا تھا اس اجتماعی مذاق پر۔

”نہیں کالج کے سامنے چھابڑی لگاتا ہو گا۔“ زیاد نے ہانک لگائی تھی حسان نے زور سے سر ہلکا کر کے حورا کو دیکھا وہ نے سر سے سے گانے لگی۔

جڑی بیٹھ گئی سوتر تے
ساری ساری جج سائیکلاں تے
میرا ویر کبوتر تے

”اوتے ہوئے..... ویر ہے یا دو شیزہ کا رتھ، جد کبوتر کی چونچ میں لٹک کر بارات کے ساتھ چل پڑا۔“ حسان کے ساتھ اب کے زیاد نے بھی زبردست احتجاج کیا تھا، مار یہ گڑ بڑائی اور جلدی سے کاپی کھول کر پھر سے بے کی عبارت پہ نگاہ ڈالی تھی پھر کھسیا کر صحیح کی۔

جڑی بیٹھ گئی سوتر تے
ساری ساری جج سائیکلاں تے
میرا ویر سکوتر تے

”اب سکوتر پرانے ہو چکے، اپنے ویر کو مر سڈیز پچارو میں بٹھاؤ، بلکہ پوچھ کر بٹھاؤ، بتائیں لالے کس میں بیٹھ کر جج میرا مطلب ہے بارات لے کر جائیں گے؟“ زیاد نے اپنی گفتگو میں اچانک معاذ کو کھسیٹا، وہ خلاف عادت خاموش تھا، خفیف سا چونکا اور ایک غیر ارادی نگاہ پر نیاں پہ ڈالی، چادر نما بڑا سا کاسی دوپٹہ وہ اس انداز میں اوڑھے ہوئے تھی کہ سر کا ایک بال بھی نظر نہیں آتا تھا، ترچھے زاویے سے ایک طرح سے اسی سے رخ پھیرے وہ بے حد ریز اڈو ہو کر نظر آتی تھی، اس نے ہونٹ کھینچ کر نگاہ کا زاویہ بدل لیا۔

چھپنی وچ چھان لیا
لوکاں دے ویر گھر بیٹھے
ساڈا باندرنی نیچان گیا

لڑکیوں نے یقیناً اب کے جان بوجھ کر ہونگ کی تھی، وہ سب زبردست احتجاج کرنے لگے، ہنید بھائی سمیت جہان کے چہرے پہ بھی خفیف سی مسکان بکھری تھی، بس وہی تھا جو بے حد سنجیدہ رہا تھا۔

”بھائی ہم نے کون سا خود بنائے ہیں بے قسم سے ایسے ہی لکھے ہوئے ہیں۔“ حسان کی زبردست ڈانٹ پہ مار یہ رو ہانسی ہو گئی تھی۔

”اہ نہہ جب بھائیوں کی باری آئی تو رنگ کالا، سکوتر، باندرنی اور کبوتر رہ گئے، جب ماہیا گاؤ کی تو گورا رنگ پھول گھرے پتہ نہیں کیا کچھ خود بخود شامل ہو جائے گا۔“ حسان کا غصہ کم نہ ہو رہا تھا۔

”نہیک ہے پھر آپ خود کچھ گالو۔“ خوریہ کو بھی غصہ آ گیا تھا اس لعن طعن پہ، ڈھول اس کی دست لڑھکا دیا، جسے حسان نے بے صبری سے دبوچا تھا اور بھانڈوں کے انداز میں تان دے کر گانے میں دیکھیں لگائی۔

سازے بوپے اگے کیگری اے
چو مینوں ارا لا کے غیر بار نہ نکلی اے
”اہ نہہ“ ات اچھا گالیا، انصول گھسیا شاعری۔“ خوریہ نے نخوت سے ناک چڑھا کر بدلہ چکایا،

حسان نے کان نہیں دھرا تھا۔
 ”یار کچھ گانا ہے تو ڈھنگ کا گا لو نا..... یہ کیا فضولیات ہیں۔“ زیاد کے بھی ٹوکے یہ حور یہ سنے زور سے بنتے ہوئے گویا اس کا مہلکہ اڑایا تھا۔

”کیا گانیں کچھ خاص یاد نہیں آ رہا۔“ حسان نے بیچاری سے کہا۔
 ”لائے آپ کچھ سنائیں نا۔“ زیاد نے بالکل اچانک فرمائش کر دی، معاذ چونک کر متوجہ ہوا، اس نے دیکھا پریناں جربز ہوئی ہے، وہ جوانکار کرنے لگا تھا ایک دم ارادہ بدل دیا۔
 ”شیور، تم نے تو میرے دل کی بات کہہ دی۔“ وہ دل آویزی سے مسکرایا، پریناں کو بغور دیکھ کر۔

ان سب کو کہاں اس سے اتنی آسانی سے آمادگی کی توقع تھی، خوشی کے اظہار کو باقاعدہ شور مچنے لگا، پھر یہ شور تھا تو معاذ گھاگھا کر باقاعدہ جم کر محفل میں اتر آیا۔

تو جانے نہ تو جانے نہ تو جانے نہ
 مل کے بھی ہم نے ملیں تم سے نہ جانے کیوں
 میلوں کے ہیں فاصلے تم سے نہ جانے کیوں
 انجانے میں سلسلے تم سے نہ جانے کیوں
 سینے ہیں پلکوں تلے تم سے نہ جانے کیوں
 کیسے بتائیں کیوں تم کو چاہیں یارا بتا نہ پائیں
 باتیں دلوں کی دیکھو سمجھا نہ پائیں تو جانے نہ

عاطف اسلم کا یہ ساگ سے خود بھی بہت پسند تھا اور جانے کتنی مرتبہ اس نے اسے سیل پہ اسے سنا تھا مگر کبھی یہ گمان تک نہیں کیا جاسکتا تھا کہ کوئی اس کے لئے یہ گانا گائے گا اور وہ کوئی بھی معاذ حسن..... اس کی پیشانی سے پسینہ پھوٹ نکلا، نگاہیں اٹھائے بنا بھی وہ اس کی نظروں کا خود پہ ٹھہرنا محسوس کر رہی تھی اور ہر لمحہ سن ہوئی جا رہی تھی، اس میں شک نہیں تھا کہ معاذ حسن کی آواز میں دلکشی اور رچاؤ تھا، اس پل محفل پہ سکوت طاری تھا بس اس کی آواز کا زبرد ہم تھا جو ماحول کو پوری طرح طلسم زدہ کر رہا تھا۔

یہ محض گانا ہی تو نہ تھا، لہجے و آواز میں جذبوں کی لپک، احساس کا رنگ غالب تھا، جو دل پذیر ہو سکتا تھا، ہر طرف دس مور کی صدا میں اٹھ کھڑی ہوئیں، معاذ مسکراتا رہا۔

پریناں ساکن و سامت رہ گئی تھی، معاذ کی آنکھوں میں تو صیغ کی پر شور لہریں واضح طور پہ دکھائی دے رہی تھیں، وہ اپنی سحر انگیزی سے آگاہ تھا، آواز انداز اور شخصیت کو بھی اسے تو یہ تک احساس تھا کہ صبح کے بلکے شکن آلود ان کپڑوں میں بھی اس کی شخصیت کی دلکشی مانند نہیں ہوتی بلکہ یہ بے پرواہی اور سادگی اس کی شخصیت کو چارم اور انوکھا حسن بخش رہی ہے، اس کی ساری حسیات پریناں کو سامنے پاتے ہی شور بیدہ سر جذبوں میں بدل جانے لگی تھیں، اس کی آنکھوں میں پریناں کو دیکھتے ہی جو پسندیدگی کے جذبات ابھر آتے تھے وہ اب کسی سے بھی ڈھکے چھپے نہیں تھے، صبح طور پریناں کے لئے اس کے انداز و اطوار پریشان کن تھے، وہ مضطرب ہونے کے ساتھ ششدر بھی

تھی، بھلا اس کی دیوانگیوں کا رخ اس کی طرف کیسے ہو گیا، وہ جانتی تھی وہ خود سرخندی اور مغرور انسان ہے اور اٹنی کھوپڑی کا بے حد جذباتی بھی، اس کے مقابل پریناں نے خود کو ہمیشہ بے بس محسوس کیا تھا اور اب یہی بے بسی اسے اندر سے کاٹنا شروع کر چکی تھی، اسے اپنا آپ بے چارگی کی انتہا پہ لگ رہا تھا، وہ جانتی تھی شاہ ہاؤس کے سب کمینوں کے لئے معاذ کا یہ انداز یہ روپ بے حد طمانیت آمیز ہے مگر وہ اپنی اس انا کا کیا کرتی جو بے چارگی اور بے مائیگی کے احساس میں جلا سسک رہی تھی، معاذ حسن نے اپنی منکوحو کو قبول نہیں کیا تھا، وہ ایک انسی لڑکی کے لئے دیوانہ ہوا جا رہا تھا جو اسے حسین لگ گئی تھی، ورنہ حقیقت تو اس حد تک کر بناک اور سفاک تھی کہ اسے اپنی منکوحو کا نام تک یاد نہیں تھا، کبھی کوئی اس سے بڑھ کر اسلٹنگ بات، اس کا حلق کڑوا ہونے لگا، جبکہ وہ اسی شدہ مد سے کہہ رہا تھا، سب کے اصرار پہ اس نے دل کے جذبوں کو ایک دوسرے گانے میں سمونا شروع کیا تھا۔

خوابوں بنا نگاہیں میری جی رہی تھیں
 کوئی نہ تھا یہ اکیلی تھی میری زندگی
 خاموش تھا ہونٹوں پہ باتیں نہیں تھیں
 کوئی نہیں تھا اکیلی تھی میری زندگی
 تم ملے تو ملا یہ جہاں تم ملے تو ہر پل ہے نیا
 تم ملے تو سب سے ہیں فاصلے
 تم ملے تو جادو چھا گیا تم ملے تو جینا آ گیا
 تم ملے تو میں نے پایا ہے خدا

اس کا لہجہ پرسوں اور گہمیر تر تھا، مگر پریناں کی صبح پیشانی پر شکنیں پڑتی جا رہی تھیں، گو کہ اس کے جذبے اب ڈھکے چھپے نہ رہے تھے مگر پریناں کے دل پر اس کی ستم رسیدگی کے زخم تازہ تھے، مزید ستم اس کی بیانگ و دہل اپنی منکوحو سے جتنائی گئی بے زاری و لاعلمی کے ساتھ اکتاہٹ کا اندازہ تھا، زینب بغور اس کے تاثرات کا جائزہ لینے کے بعد ہی اس کے قریب چھکی تھی۔

”میرے لالہ نندا ہو رہے ہیں تم، یار ایک مسکراہٹ سے ہی نواز دو۔“ اس کا لہجہ شوخ و شنگ تھا، پریناں کا رنگ یکلخت پھیکا پڑ گیا، اسے لگا تھا کسی نے اسے دار پہ چڑھا دیا ہو، اس جیسی حساس عزت نفس اور وقار کو مقدم رکھنے والی لڑکی کے لئے یہ فرمائش یا تقاضا ایسا ہی ہو سکتا تھا، وہ باوقار زندگی اور حقوق کی طالب تھی، معاذ کے رنگ ڈھنگ دیکھ کر وہ دل میں کھٹک پیدا کر چکی تھی کہ اگر وہ اس جیسی عام سی لڑکی کو دیکھ کر یوں اس پر دیوانہ وار تار ہوا جا رہا ہے تو دو سال انگلینڈ جیسے ملک میں اس کی رنگین مزاجی کا کیا عالم رہا ہوگا، یعنی بدگمانی کی بھی حد نہیں تھی مگر وہ یہ سب سوچ رہی تھی اور روہاسی ہوئی جا رہی تھی، معاذ کے خوبصورت الفاظ کے براہن میں مغفوف عیاں ہوتے جذبے اس کو ہوا میں سرسراتے سانپ بچھو لگ رہے تھے جو اسے نکلنے اور ڈسنے کو بے ترار تھے، جبکہ وہ اس کے احساسات و جذبات سے بے خبر اسی جذب سے گویا تھا۔

تم ملے تو میں نے پایا ہے خدا

وہ جیسے ہی خاموش ہوا جیسے ہر سو چند ثانیوں کو سنا پا جھا گیا، پھر زوردار تالیاں پیٹ کر اسے سراہا گیا، زینب نے پر نیوں کی جھکی نگاہوں اور غیر معمولی سنجیدگی کو محسوس کر کے اس کی پہلی میں اپنی کہنی ماری تھی۔

”اتنی خاموش کیوں ہو؟“ وہ چونکی اور ایک دم اٹھ کر کھڑی ہو گئی، معاذ حسن وہ بیگ کھول چکا تھا، جس میں اس کی ساری ٹیبلٹی کے لئے گفٹس تھے، اب وہ کسی قیمت پر بھی یہاں رکنے پر آمادہ نہیں تھی، زینب کے روکنے معاذ کے ٹھٹھکنے کی پرواہ کیے بنا وہ کمرے سے باہر نکل گئی تھی۔

☆☆☆

اب تیری یاد سے وحشت نہیں ہوتی مجھ کو
زخم ملتے ہیں اذیت نہیں ہوتی مجھ کو
اب کوئی آئے چلا جائے میں خوش رہتا ہوں
اب کسی شخص کی عادت نہیں ہوتی مجھ کو
ایسے بدلا ہوں تیرے شہر کا پانی پی کر
جھوٹ بولوں تو ندامت نہیں ہوتی مجھ کو
بے امانت میں خیانت سو کسی کی خاطر
کوئی مرتا ہے تو حیرت نہیں ہوتی مجھ کو
اتنا مصروف ہوں جینے کی ہوس میں محسن
سانس لینے کی بھی فرصت نہیں ہوتی مجھ کو

اس نے کتاب بند کر کے رکھ دی، چہرے پر اضمحلال بھری مسکراہٹ تھی تو آنکھوں میں بے تحاشا سرخیاں، اسے سمجھ نہیں آئی وہ اس طرف سے آخر خود کو کیوں سمجھا اور سنبھال رہا ہے، ہاں دل نادان ہے، وہ تڑپتا ہے، اس وقت یہ جو بندشیں سے ریت کی مانند سرکا جاتا تھا، ہر گزرنے والا لمحہ اسے لگتا قیامت کے نزدیک تر کر رہا ہے، وحشت کا کوئی سرا تھا بھلا، یہ خیال ہی بہت اذیت انگیز تھا کہ وہ اس کی نہیں رہی، یہ تو دیوانگی کی آخری سرحد تک لے جانے والا احساس تھا کہ وہ کسی اور کسی ہو جائے گی، کیا پھر وہ بھی فرحت شاہ کی طرح دیواروں سے سرنگم کر لیتا تھا، خیال کا وحشت بھرا یاد سے کہ اس شہر نہ جا، جہاں آنکھوں کے پوٹوں پہ سجے بوسوں سے دم گھٹتا ہے، خیال کا وحشت بھرا سلسلہ تو ختم نہ ہونے والا تھا، محبت کو برگانے کے پاس دیکھ کر محسوس کر کے ایسی تڑپ سے مچلتا ہے کہ کیا مرغ بسمل..... وہ کیسے برداشت کرے گا، کیا وہ پاگل ہو جائے گا اسے سوچیں وحشت زدہ کرنے لگیں۔

”خدا یا کیا کروں؟“ اس نے اپنا سر ہاتھوں پر گرا لیا تھا، آنکھوں کی نمی قطرہ قطرہ ہتھیلیاں بھگونے لگیں، وہ ایک بار پھر ضبط کھو گیا تھا، وہ ایک بار پھر ہار گیا تھا۔

☆☆☆

بس یہی تاکہ رات تڑپ کر گزری
تم نہیں آئے تو کیا سحر نہ ہوئی

معاذ نے اپنے بستر پہ کر وٹ بدلی اور نگلیہ منہ پہ رکھ لیا۔
”آپ ہر روز اتنی دیر تک کیوں سونے لگے ہیں؟“ زیاد اس کے کمرے میں آگھسا تھا، معاذ نے اسے غصے سے گھورا تھا۔

”تمہیں تکلیف.....؟“

”سیدھی طرح مان لیں خواب دیکھتے ہیں سینے سجاتے ہیں۔“ وہ شرارتی ہونے لگا، معاذ نے سرد آہ بھری۔

”کہتے تو تم ٹھیک ہو، مگر تم نے کام خراب کر دیا مدخلت کر کے، بقول شاعر۔“

انہیں مجھ سے محبت ہو رہی تھی
نہ کھلتی آنکھ تو بس ہو ہی گئی تھی

زیاد کا چہرہ پھاڑتہ پھاڑتہ گونجا تھا، معاذ ٹھنڈی آہیں بھر کر رہ گیا۔

”یار یہ ساری پاکستانی حسین لڑکیاں اتنی پراؤڈی کیوں ہوتی ہیں؟“ معاذ نے اہم سوال اس کے سامنے رکھا، زیاد اچھل پڑا تھا۔

”صرف پاکستانی کیوں؟ حسین لڑکیاں ساری ہی پراؤڈی ہوتی ہیں۔“

”نہیں نا، وہاں انگلینڈ میں بیسویں لڑکیاں مرنی تھیں میری ذہانت پر مگر یہاں.....“

”یہاں بھی تو مرنی ہیں، کالج و یونیورسٹی کا دور بھول گئے لالے، پھر اچھی شادی یہ بھی لڑکیاں آپ کو اور جہان بھائی کو ہی رال نکا کے دیکھتی ہیں ہمیں تو بس گھاس بھی نہیں ڈالتیں، آپ بس پر نیوں کی بات کریں کہ وہ لفٹ نہیں گراتیں۔“ زیاد ہنسا تھا، معاذ کے چہرے پہ ایک رنگ آ کر گزر گیا۔

”وہ ایسا کیوں کرتی ہے؟ وہ اتنی روز کیوں ہے؟“ اب کے معاذ کا لہجہ دھیمہ تھا کس حد تک آج دیتا ہوا۔

”خالص مشرقی اور مذہبی لڑکیاں ایسی ہی ہوتی ہیں شاید۔“ زیاد نے مسکراہٹ دبائی، دل میں ابال تو بہت آیا کہ اسے بتا دے مگر پھر جو اس کی شامت آئی تھی۔

”یار میرے دل میں اک خیال آرہا ہے، اتنی پیاری لڑکی ہے، کہیں انگیز نہ ہو۔“ معاذ نے اپنا خدشہ ظاہر کیا تو زیاد نے با مشکل اپنا قہقہہ دبایا تھا۔

”آپ پوچھ لیجئے گا نا ان سے، میں تو زیاد نہیں جانتا۔“ اس نے گویا معاذ کو محاذ پہ روانہ ہونے کا سبق پڑھایا تھا، ایسی ضبط کرنے کی کوشش میں اس کا چہرہ سرخ ہوا جا رہا تھا، معاذ اپنے مسئلے میں الجھا ہوا تھا بری طرح ورنہ اس کے چہرے سے کچھ نہ کچھ اخذ تو ضرور کرتا، معاذ نے گہرا سانس کھینچا تھا، اس کے تصور میں پر نیوں کا ٹھنڈا ٹھنڈا تازہ سراپا لہرانے لگا، وہ بالکل چاند کی طرح چمکیلی اور صبح جیسی اجلی لگا کرتی تھی۔

”آپ سے کلیئر بات تو کرنی پڑے گی مس پر نیوں!“ وہ اس کے تصور سے مخاطب ہو کر مگنٹاٹا ابراٹھ کر واش روم میں گھس گیا، ناشتہ اس نے اپنے کمرے میں ہی کیا تھا پھر پر نیوں کی تلاش میں زینب کے کمرے کی جانب چلا آیا تھا، پپا کے دو ٹوک انداز کے بعد وہ اب اپنی راہیں

خود ہموار کرنا چاہتا تھا، سب سے پہلے اس کے خیال میں برنیاں سے بات کرنا مناسب تھا۔
 ”یہ محبت نہیں اذیت کا دوسرا رخ ہے، زیب، ایسی محبتیں تو س وقیح کی مانند ہوتی ہیں، چند گھڑیوں کے لئے حسین و دلکش اور خیرہ کن پھر دل کے آسمان سے پوں گم ہو جاتی ہیں جیسے بھی تھیں ہی نہیں اور دل اس تو س وقیح کو ڈھونڈنے میں دیوانہ ہو جاتا ہے، مگر وہ پھر ہاتھ نہیں آتیں، محبت بارش میں اگنے والی کھمبوں کی طرح ہوتی ہے جو دیکھنے میں خوشنما اور زہریلا پھل ہے، اس کو چکھنے والا عمر بھر تڑپتا رہتا ہے، نہ جیتا ہے اور نہ ہی مرتا ہے۔“ معاذ کے قدم دروازے کی چوکھٹ پہ ٹھکانے والی برنیاں کی ہی آواز تھی، وہ زیب کی بات کا جواب بے حد سنجیدگی سے دے رہے تھی، معاذ کو اس کے محبت کے بارے میں خیالات جان کر دانتوں پسینہ آنے لگا۔

”تو پھر یہ محبت آخر سے کیا؟ کیوں اس کا اتنا چرچا ہے، یہ دلوں کو کیسے اور کیونکر جکڑ لیتی ہے، کیوں دل سے نہیں نکل جاتی؟“ زیب نے ہنستے ہوئے بے فکرے پن سے سوال کیا تھا، معاذ وہیں کھڑا رہ کر برنیاں کا جواب سننے کا منتظر ہو گیا۔

”محبت تو بہت پیارا جذبہ ہے مگر اس کا خوش کن سلسلہ کسی بھی غیر محرم رشتے سے نہیں جڑتا، نا محرم سے ہونے والی محبت بے جز اور بے زمین پودے کی مانند ہوتی ہے کسی بھی تیز آندھی اور مخالف ہوا سے اکھڑ جانے والا پودا، محبت وہی بھر پور ہوتی ہے جو عورت کو اپنے محرم مرد سے ملتی ہے، اپنے بچوں سے ملتی ہے اور یہی محبت عورت کو مکمل بناتی ہے، اس کے نسوانی وقار اور پاکیزگی کو قائم رکھتی ہے، اسے آسودہ رکھتی ہے، یہ راستوں میں آنے والے کچے سائبان ہیں جو کبھی عورت کو تحفظ اور آسودگی نہیں دے سکتے، یہاں ٹھہرنا عبث ہے گزر جانا عقلمندی ہے، یہ سراب ہے، کبیرس ہے جو ہر گزرنے والے کو جکڑنا چاہتا ہے، میں اپنے دل کو نفس کے منہ زور سیلاب میں نہ لگنے کی طرح اپنے کی اجازت نہیں دے سکتی، یونہی منہ زور بے لگام گھوڑے کی مانند ہوتا ہے، اس کی مانو تو یہ منہ کے بل گراتا ہے۔“ معاذ کے ہونٹوں پہ بے اختیار مسکراہٹ بھر گئی، اسے اپنے انتخاب پہ فخر محسوس ہونے لگا۔

”مگر پری لالے تمہیں چاہنے لگے ہیں اور عورت کی یہ بہت بڑی خوبی ہے کہ وہ اپنے چاہنے والے مرد کی بڑی سے بڑی خطا کو بھی فراخ دلی سے معاف کر دیتی ہے۔“ زیب کا لہجہ و انداز ملتجیانہ تھا، معاذ کو حیرت ہوئی تھی کہ زیب پر نیاں کو اس کے لئے ہموار کر رہی تھی اسے بے اختیار زیب پہ پیار سا آنے لگا۔

”مرد عورت کی اس خالی سے ہمیشہ فائدہ اٹھاتا رہا ہے، کبھی کھوکھلے لفظوں سے کبھی جھوٹے حیلے بہانوں سے اسے ہمیشہ ٹریپ کرتا رہا ہے۔“ برنیاں کا جوانی لہجہ سرد اور سپاٹ ہو گیا تھا، معاذ کو اپنے اعصاب تڑختے محسوس ہوئے، وہ آخر اس سے اتنی بدگمان کیوں تھی۔

”میں جانتی ہوں مرد اور عورت ہر معاملے میں برابری نہیں کر سکتے، عورت کو مرد کی دوستی بہت مہنگی پڑتی ہے، مرد صرف گنہگار ہوتا ہے جبکہ عورت ساتھ رسوا بھی ہوتی ہے، اس کا نسوانی وقار اور پاکیزگی مجروح ہوتی ہے، سو مجھے محتاط رہنا پسند ہے۔“

معاذ کے اندر برداشت ختم ہوگی، وہ دروازہ دھکیل کر اندر داخل ہوا اور سیدھا جا کر برنیاں

کے سامنے کھڑا ہو گیا۔

”ماشا اللہ آپ کے خیالات بہت روشن ہیں، مجھے خوشی ہوئی ہے جان کر، مگر ضروری تو نہیں ہے کہ آپ ہر مرد کو ایک ہی پیمانے میں تو لیں۔“

برنیاں کو تو اس کی آمد کی توقع نہیں تھی کجا اس کا براہ راست اسے مخاطب کر لیتا، اس کا اعتماد بری طرح سے زائل ہوا تھا، بوکھلا کر وہ یکاخت اٹھ کر کھڑی ہو گئی، معاذ کا لہجہ آنچ دیتا ہوا تھا، تاہم چہرے اور آنکھوں میں بے تابیاں اور وارفتگیاں سمٹ آئی تھیں اور یہی رنگ پر نیاں کو ہراساں کیا کرتے تھے، اس وقت بھی وہ شدید گھبراہٹ کی زد میں آئی تھی۔

”کیا مطلب ہے آپ کا؟“

”مطلب مجھے آزمائیں، یہ آزمائش ہی شرط ہوگی۔“ معاذ نے ایک محسوس سانس بھری تھی اور اسے یوں دیکھنے لگا جیسے نگاہوں کے رستے دل میں اتار رہا ہو، لہجہ معنی خیز تھا، برنیاں کے وجود پہ گہرا سکوت طاری ہو کر رہ گیا، اعصاب کھینچے ہوئے محسوس ہونے لگے۔

”آپ اپنی کیٹس سے اس قدر بے بہرہ ہیں، مجھے ہرگز معلوم نہیں تھا، اینڈ لیسن مجھے ہرگز اس قسم کی گفتگو پسند نہیں، ایکسیکوزی.....“ وہ حواس میں لوٹی تو پھٹ پڑی تھی، اگلے لمحے وہ سائینڈ سے نکل کر باہر چلی گئی، معاذ سر تھام کر وہیں گرنے کے انداز میں بیٹھ گیا، زیب نظر سے چھا رہی تھی۔

”کیا میں نے اسے اور زیادہ خفا کر دیا ہے۔“ کچھ تاخیر سے خیال آنے پہ وہ فکر مند سا زیب کو دیکھنے لگا، زیب کو ہنسی آنے لگی۔

”پتہ نہیں لالے شاید..... ویسے آپ کو ایسے نہیں کہنا چاہیے تھا اور کیا آپ ہماری باتیں سن رہے تھے؟“ آخر میں اس کا لہجہ ناچاہتے ہوئے بھی طنزیہ ہوا تو معاذ کھسیا کر سر کھجانے لگا۔

”محترمہ بہت نفاحت و بلاغت سے محبت کے موضوع پہ تقریر کر رہی تھیں میں فیض یاب ہوئے بغیر نہیں رہ سکا۔“

”بری بات ہے لالے ویسے بھی کیا خوب کہا ہے کسی شاعر نے کہ۔“

ادب پہلا قرینہ ہے
 محبت کے قرینوں میں

زنب کی نصیحت پہ معاذ نے سرد آہ بھری تھی اور سر کو اثبات میں جنبش دی۔

”جس قسم کی باادب با ملاحظہ قسم کی محترمہ کی پر سنائی ہے، خیال تو کرنا پڑے گا۔“

”گڈ، ویسے لالے آپ خفا تھے نا مجھ سے، میں برنیاں کی مشکور ہوں کہ اس کی وجہ سے آپ نے مجھے بھی معاف کر دیا۔“ زنب کی آواز ایک دم بھرا گئی تھی، معاذ نے بوکھلا کر اسے دیکھا۔

”یا گل ہو بالکل، بھول جاؤ سب کچھ، خدا تمہیں آگے بہترین زندگی نصیب کرے آمین۔“

معاذ نے اس کا سر تھپکا تو زنب بے اختیار ہو کر اس کے کاندھے سے لگ گئی تھی۔

”میں جانتی ہوں کہ آپ بے سے بہت محبت کرتے ہیں، سب کا خیال ہے میں نے بے سے زیادتی کی ہے، مگر لالے انہیں کوئی فرق نہیں پڑا، انہیں مجھ سے کوئی لگاؤ نہیں تھا۔“ وہ سسکی تھی

پتہ نہیں کیوں، معاذ دکھ کی اتھاہ گہرائیوں میں اترنے لگا۔

(جے بھی کبھی مجھے لگتا ہے تم نے اپنے جذبوں کو ہر کسی سے پوشیدہ رکھ کر اپنا بہت بڑا نقصان کر لیا، زینب کم عقل تھی وہ میری اور پاپا کی طرح تمہاری آنکھوں کی اتھاہ گہرائیوں میں چھپے اپنے لئے جذبے نہ پہچان سکی، تمہاری ہار نے مجھے سبق دیا ہے کہ میں خاموش محبت سے باز رہوں۔)

”جوڑے آسمانوں پہ بنتے ہیں زینبی! تمہارے لئے تیمور ہی اتارا گیا تھا، پھر یہ تمہارا اپنا انتخاب ہے، بس یہ یاد رکھو، باقی سب بھول جاؤ۔“ وہ بے اختیار ہو کر زینب کو ڈھارس دے رہا تھا، جہاں اسے بہت عزیز تھا، مگر یہ بھی حقیقت تھی کہ زینب اس کی ماں جانی تھی، اسے بے حد پیاری، جبکہ زینب کے ذہن سے جیسے کوئی بوجھ اتر کے نہ دیتا تھا، وہ بے حد زخمی انداز میں مسکرا دی تھی۔

☆☆☆

تاکتے رہتے تھے کو ساخ سویرے
نینوں میں بسیاں جیسے تین یہ تیرے
تیرے مست مست دو نین
میرے دل کا لے گئے چین
میرے دل کا لے گئے چین
تیرے مست مست دو نین

زیادہ ہال کمرے میں ڈیک آن کیے سلو بھائی کے انداز میں ہی رخصت پیش کر رہا تھا، نوجوان پارٹی جمع تھی اور تالیاں بجا کر ساتھ ساتھ ہی دادو حسین کے ڈونگرے برسائے جا رہے تھے، معاذ نے اپنے کمرے کی کھڑکی سے یہ منظر دیکھا تھا اور گہرا سانس بھر کے کھڑکی سے ہٹ جانے کو تھا کہ اس کی نگاہ صوفے پر بیٹھی پریناں پر جا ٹھہری، جو ماما اور حور یہ کے درمیان بیٹھی کسی بات پر بے تحاشا ہنس رہی تھی، اس کا رگسی دھانی آچل بار بار اس کے سر سے سرکتا تھا جسے وہ سنبھالنے کی کوشش میں مصروف تھی اور معاذ اسے دیکھنے میں۔

گردن اور گالوں کے گرد اٹھکیلیاں کرتیں موٹی لٹوں کو سمیٹ کر پھر سے کچھ میں جکڑتے ہوئے پریناں کی اچانک نگاہ اٹھی تھی، معاذ کو اطراف سے بیگانہ ہو کر اپنی ذات میں گم پا کر پریناں کا دل دھک سے رہ گیا تھا، پیشانی سے بے اختیار پسینہ پھوٹ نکلا، اس کی جذبے لٹائی نظروں سے دل سہنے سا لگا، اس کے ہاتھ بے اختیار پسواؤں میں گر گئے، بدحواسی کے عالم میں اس نے دو پشہ اچھی طرح اوڑھا تھا اور ہونٹ نیچے تیزی سے اٹھی ارادہ کمرے میں جانے کا تھا مگر کمرے سے نکلتے ہی اس کا سامنا پھر معاذ سے ہوا تھا، وہ یقیناً وہیں آ رہا تھا، تصادم ہوتے ہوتے رہ گیا۔

”دھیان سے سیم! پھر آپ مجھے ہی لعن طعن کریں گی۔“ اس کے انداز میں شرارت تھی، وہ جھلس کر رہ گئی، غصے اور توہین کی لہر پریناں کے اندر سے بہت سرعت سے اٹھی، کچھ کہے بغیر اس نے معاذ کو سرد نظروں سے دیکھا تھا، اس کے دیکھنے کے انداز میں گو کہ ناگواری و خفگی اور نہاناش تھی مگر معاذ اس کی آنکھوں میں جھانک کر بہت دل آویزی سے مسکرایا تھا۔

”آپ کو کیسا لگتا ہوں، ویسے سب لوگ تو یہی کہتے ہیں میں بہت اسارٹ ہوں۔“ بالوں

میں ہاتھ پھیر کر وہ بڑی ادا سے بولا تھا، پریناں کو نگاہ سے لکھت کسی نے جلتے شعلوں میں دھکیل دیا ہو۔

”آپ کو شرم آتی چاہیے یہ ساری فضول ٹین ایجر حرکتیں کرتے ہوئے۔“ اس کا لہجہ گو کہ دھیما تھا مگر اس میں نرمی نام کو نہیں تھی، معاذ ا یکدم سنجیدگی کی لپیٹ میں آ گیا۔

”سوری میں مذاق کر رہا تھا۔“

”میرا آپ سے مذاق کا کوئی تعلق ہے؟“ بہت چبھتی ہوئی نظریں تھیں، معاذ ہونٹ بھینچ کر رہ گیا، وہ تنگانی ہوئی چلی گئی تھی۔

زیادہ چوکھٹ سے کاندھا نکلے سر تال ملا رہا تھا، معاذ نے جلتی آنکھوں سے اسے دیکھا اور ایک جھٹکے سے مڑ گیا۔

اوکھے پینڈے لبیاں نے رواں عشق دیاں
کدی نہ مکدیاں سخت سزاواں عشق دیاں
راہداری عبور کر جانے تک زیاد کی آواز اس کا پیچھا کرتی رہی تھی اور اس نے بے حد تلخی سے سوچا تھا۔

(میری محبت حوض کا مقید پانی نہیں ہے بلکہ ایک رواں پر جوش دریا ہے اور میں دیکھتا ہوں اس رواں دریا میں تمہاری سرد مہری کیسے نہیں ڈوتی۔)

☆☆☆

مہندی کی تقریب میں خلاف عادت معاذ کی سنجیدگی قابل دید تھی، ایش گمرے عام سے کھدر کے کرتا شلوار میں ہلکی بڑھی شیو کے ساتھ وہ جہاں کے ساتھ انتظامات سنبھالتا پھرتا رہا تھا، رسم کے موقع پر بھی وہ آگے نہیں آیا تھا، بلکہ جہاں کا سایہ بنا رہا تھا، حالانکہ زیادہ غیرہ نے اسے بہتیرا اپنے ساتھ بلے گلے میں شریک کرنا چاہا تھا مگر اس کی سنجیدگی میں فرق نہیں آسکا، پریناں نے مہندی کی مناسبت سے گرین کلر کا جدید تراش خراش کا لباس پہنا ہوا تھا، ساتھ میں بے حد نفیس ہلکی پھلکی جیولری، رسم کے لئے جب زینب کو اسٹیج پہ لایا گیا تو ایک طرف سے بھا بھی کے ساتھ وہ زینب کو سہارا دیتے ہوئے تھی اور ایسے سے بار بار پھسلتے دوپٹے کو سنبھالتے وہ کس درجہ حسین لگ رہی تھی یہ ہر دیکھنے والی آنکھ جانتی تھی، معاذ نے اسے دور سے دیکھا تھا مگر بغیر کسی پابندی کے دیکھا تھا، یہ لڑکی صرف دل کی طلب نہیں تھی، یہ تو اس کی مردانگی کا چیلنج بنتی جا رہی تھی، وہ یکا یک اس کے لئے جنونی ہونے لگا تھا، خود کو ناقابلِ بخیر بنا کر پیش کرنے والی لڑکیاں اسے بھی اٹریکٹ نہیں کرتی تھیں، وہ جانتا تھا ایسی لڑکیاں محض توجہ حاصل کرنے کو یہ حربے استعمال کرتی ہیں اور بہت جلد ان کا یہ خول تر جاتا ہے اسے یہ دیکھنا تھا پریناں کا یہ رنگ کتنا یکا ثابت ہوتا ہے، یہی وجہ تھی کہ وہ اسے عاجز کر دینے پر اتر آیا تھا، رسم کے بعد ہی اصل محفل جمی تھی، زینب کی فرمائش تھی سب کچھ نہ کچھ سنائیں، سب سے پہلے اس نے معاذ سے ہی گزارش کی تھی، معاذ نے کاندھے اچکا دیئے، وہ سب ہمہ تن گوش ہوئے تو معاذ کو شرارت سوجھ گئی تھی۔

شعر عرض ہے پوستہ رہ شجر سے امید بہار رکھ

بچے دو ہی اچھے بیویاں چاہے چار رکھ
وہ سب پہلے ہونے ہوئے تھے پھر اسے گھورنے لگے۔

”لا لے دس ازناٹ فینز۔“ زیاد نے احتجاج بلند کیا۔
”کیوں یہ شعر نہیں ہے؟“ معاذ نے آنکھیں دکھائیں۔

”آپ کے روشن خیالات کا کچھ اندازہ تو تھا ہمیں مگر اس حد تک سنا کی..... ایک ایک بیوی
سے ایک ایک بچہ بھی ہو تو چار تو بنتے ہیں نا۔“ زیاد نے کھل کر رائے دی، معاذ گڑبڑا سا گیا۔
”ایڈیٹ کیوں میرا ایجنڈا خراب کرنے پہ تلے ہو، یہ تمہیں نصیحت کی تھی میں نے۔“ وہ دانت
کچکپانے لگا، زیاد نے قہقہہ لگایا تھا، پھر جنید بھائی نے یہ فضول بحث ختم کر کے اصل بات کی سمت
توجہ دلائی تھی، معاذ کھنکار کر گنا صاف کرنے لگا تو زیاد نے پھر چھیڑا۔
”کلام معیاری ہونا چاہیے۔“ معاذ نے اسے تحفہ گھورنے پہ اکتفا کیا تھا۔

”ویسے سنا میں گے کیا؟“ زیاد کو نوہ لینے میں مزا آیا۔

”مجھ یہ تازہ تازہ انکشاف ہوا ہے کچھ لوگوں کی آنکھیں بہت حسین ہیں، انہی کو خراج پیش
کرنا چاہوں گا۔“ معاذ نے بالخصوص اسی بل بھائی کی معیت میں وہاں آئی پر نیاں کو دیکھا۔
پتہ نہیں اس نے سنا نہیں یا جان بوجھ کر نظر انداز کر دیا، نہ سب نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے برابر
بٹھالیا، وہ جزبہ بھی مگر خاموش اور کترانی ہوئی، معاذ کے لئے یہی کافی تھا کہ وہ وہاں موجود تھی، وہ
دانستہ کھنکار اور پھر گھبراہٹ میں گویا ہوا تھا۔

گلاب آنکھیں شراب آنکھیں
یہی تو ہیں لا جواب آنکھیں

معاذ نے لمحہ بھر کو توقف کیا اور پر نیاں کی آنکھوں میں زبردستی جھانکنے کی کوشش کی، دیکھنے کا
انداز بڑا مدہوش کن اور دل نشین تھا، وہ جانتا تھا لڑکیاں اس کی کن اداؤں پر جان دیتی ہیں، وہ ہر
دل آویز حربہ اس پہ آزماتا تھا مگر پر نیاں نے نگاہ نہ اٹھانے سے نہ دیکھنے کی گویا قسم کھالی، وہ
دانستہ سیل فون پہ مصروف ہوئی تھی، اس کا ہر حربہ ناکامی سے دوچار کرنے کو معاذ کے اندر
جھنجھلاہٹ اترنے لگی۔

عجب تھا گفتگو کا عالم
سوال کوئی جواب آنکھیں

اس کے لہجے میں جذبوں کی شدید لپک تھی، پر نیاں کا رنگ سرخ پڑنے لگا، جتنے بھی خود پہ
پردے گرائی، اس میں شک نہیں تھا کہ وہ بہت پہلے سے اسے اسیر کر چکا تھا، عجیب صورت حال تھی کہ
وہ اس پہ یوں فریفتہ ہوا جا رہا تھا، پر نیاں کو اس کی نظروں کی پیش سے اپنا وجود پھلتا محسوس ہونے
لگا، وہ مضطرب ہو کر انہی مگر زینب نے بروقت اس کا ہاتھ تھام لیا تھا، پر نیاں نے جلتی آنکھوں سے
زینب کو دیکھا اس کی نگاہوں میں التجا تھی، پر نیاں کو اپنا تماشا بننا پسند نہیں تھا مگر وہ کچھ کہنے کی
پوزیشن میں بھی نہیں تھی۔

نہ یوں جلیں نہ یوں ستائیں

کریں تو کچھ یہ خیال آنکھیں

معاذ کے جنتلاتے انداز پہ پر نیاں نے ٹھنک کر پلکیں اٹھائیں، جذبوں سے لودیتی آنکھیں
اسی پہ فوکس تھیں، اس کے متوجہ ہوتے ہی وہ بھر پور انداز میں مسکرایا، یعنی وہ اس کی کیفیت سے
پوری طرح آگاہ تھا، پھر بھی زنج کر پنے سے باز نہیں آ رہا تھا، وہ ایک دم روہانسی ہو کر رہ گئی۔
آخری مصرعہ اس نے مصنوعی خفگی سے کسی قدر بسور کر کہا تھا، محفل زعفران راز بن گئی، دادو
تحسین، سیٹیاں، تالیاں، پر نیاں کا ضبط جواب دے گیا، وہ بڑے فخر سے داد وصول کر رہا تھا،
پر نیاں کو لگا سراسر اس کا تسخر اڑا جا رہا ہو، یہ اگر محبت تھی تو کیسی؟ یہ اگر احساس تھا تو کتنا عجیب وہ
ایکدم اٹھ کر بھاگی مگر اگلے لمحے ٹھنک گئی، معاذ نے لپک کر اس کا راستہ روک لیا تھا، وہ ششدر سی
ہو گئی، وہ مسکرایا تھا۔

ابھی تم بیٹھ جاؤ تا
بہت سی بات باقی ہے
میرے حالات باقی ہیں
میرے جذبات باقی ہیں
میری تو ہر خوشی تم سے میری ہر آرزو تم سے
مجھے تم کیوں ستاتے ہو مجھے کیوں چھوڑ جاتے ہو

اس کا لہجہ ہلکی سی شرارت کا رنگ لئے دھیمو اور براثر تھا، لیوں کی تراش میں مبہم سی مسکراہٹ
رقصاں تھی، پر نیاں سکتے کے عالم میں اسے یک ٹنگ دیکھتی رہی پھر جانے کیا ہوا کہ ہاتھوں میں چہرا
چھپا کر وہیں بیٹھ کر زار و قطار روٹی چلی گئی تھی، معاذ تو بوکھلا ہی تھا، وہ سب بھی جواب تک جیسے کسی
ٹرائس میں تھے ہوش میں لوٹ آئے، جنید بھائی اور بھائی نے معاذ کو حسب توفیق ڈانٹا پھینکا تھا،
باقی سب کو پر نیاں کی پڑی ہوئی تھی، جوان کے سنبھالنے کے باوجود بکھرتی ہی جا رہی تھی، معاذ
حیران پریشان کھڑا تھا، پر نیاں کا رد عمل اس کی توقع کے بالکل برخلاف تھا۔
”لا لے یہاں سے کھسک جائیں، آپ کی فی الحال بہتری اسی میں ہے۔“ زیاد اس کے کان
میں گھس کر بولا تھا، معاذ نے ناگواری سے اسے دیکھا۔

”میں میدان چھوڑ کر بھاگنے والوں میں سے نہیں ہوں ماسٹڈاٹ۔“

”گنڈ، تو پھر جائیں آپ جا کر انہیں گلے لگا کر دلا سہ دیں شاید آپ کے الفاظ اثر دکھا
جائیں۔“ زیاد نے کچھ اس طرح جل کر کہا تھا کہ معاذ کا چہرہ اخفت سے سرخ پڑ گیا۔
”نان سنس، بہت بد تمیز ہو۔“ وہ جھینپا تھا۔

”افوہ، آپ اور شرم..... امیزنگ۔“

”بکو اس بند کرو، مجھے تو لگتا ہے تم لوگوں کی میرے متعلق اس قسم کی باتوں نے اسے مجھ سے
اتنا بدگمان کیا ہے۔“ وہ جھنجھلایا تھا اور ایک نظر پر نیاں کو دیکھا جو بھائی کے ساتھ لگی ہچکیاں بھر رہی
تھی، اس نے سر جھٹکا اور پلٹ کر باہر چلا گیا، زیاد نے ساتھ باقی سب نے بھی سکھ کا سانس بھرا
تھا۔

اگلا دن بارات کا تھا صبح سے ہی ایک افراتفری ایک ہڑبونگ سی مچی ہوئی تھی، معاذ فریش ہونے کے بعد ماما کو پکارتا بچن میں ہی جلا آیا مگر وہاں بھانجی اور ماما کے ساتھ پرینیاں کو بھی موجود پا کر وہ ایک دم ٹھنکا تھا۔

”اس میں بھلا زحمت یا پریشانی کی کیا بات ہے بیٹے! بس آپ ناشتہ کر لو پھر میں جہان سے کہہ دیتی ہوں، وہ لے جائے گا آپ کو۔“ ماما بہت دلدار بھرے انداز میں کرسی پہ بیٹھی پرینیاں سے مخاطب تھیں جس کے آگے ناشتے کے لوازمات موجود تھے اور چہرے پہ تردد کی کیفیت، وہ اسے رخ دوسری جانب ہونے کی بدولت فوری دیکھنے سے قاصر رہی تھی۔

”میرے پاس ہیں اور بھی ڈریسز میں انہی میں سے کوئی پہن لوں گی، آپ فکر نہ کریں۔“ بیٹے آپ غیر مت بریت رہی ہو اور یہ آپ کا انداز مجھے بہت تکلیف دیتا ہے۔“ ماما پتہ نہیں کیوں اس قدر جذباتی ہو گئی تھیں، اس سے قبل کہ پرینیاں جواب میں کچھ کہتی معاذ کھنکارتا ہوا اندر داخل ہو گیا تھا، ماما اور بھانجی کے ساتھ پرینیاں نے بھی چونک کر اسے دیکھا، پرینیاں ایک دم ریز روڈ ہوئی تھی، جبکہ ماما نے خوشدلی سے اس کا استقبال کیا تھا۔

”آؤ بیٹے ناشتہ کرو گے؟“

”جی! اگر آپ کے پاس ہم جیسے عام لوگوں کے لئے وقت ہو تو.....؟“ پرینیاں پہ گہری نگاہ ڈال کر وہ جتانے والے انداز میں بولا تھا، ماما اس کا طنز سمجھے بغیر زری سے ہنس دیں۔

”کیوں نا تم نہیں ہو گا بیٹے! آج زیادہ، ماریہ حسان اور نور یہ، حور یہ سب نے زینب کے ساتھ ناشتہ کیا ہے، زیادہ سے کہا تھا آپ کو بھی جگا لے۔“

”اٹوہ اسی لئے ان کی سہیلی یہاں اکیلی نظر آرہی ہیں، چلیں انہیں میں جوائن کر لیتا ہوں، اکیلے کچھ کھانا پینا بہت مشکل کام ہے ماما!“ اس کی سنجیدگی میں بھی بلا کی شوخی اور شرارت کا رنگ تھا، ماما ہنس دی تھیں جبکہ پرینیاں نے ہونٹ بھیج لئے تھے، معاذ کرسی تھسٹ کر اس کے مقابل بیٹھ چکا تھا۔

قیامت خیز ہیں آنکھیں تمہاری

تم آخر خواب کس کے دیکھتے ہو

پرینیاں کی جھکی پلکوں والی آنکھوں کو نشانہ بناتے ہوئے وہ معنی خیزی سے مگر بہت مدہم سا گنگنایا تھا۔

”تم آخر اس بیچاری کے پیچھے کیوں پڑ گئے ہو، بلکہ آنکھوں کے پیچھے۔“ بھانجی نے اسے سرزش کی تھی، پرینیاں کرسی چھوڑ کر اٹھ کر گئی، ماما بوکھلائے لگیں۔

”ناشتہ تو کرو بیٹے!“

”میں اس وقت صرف چائے لیتی ہوں۔“ اس نے جیسے ماما کو مطمئن کیا تھا، معاذ خواجواہ کھانا۔

”تو یہ بات آپ کو ماما کو پہلے بتانی چاہیے تھی، ویسے اظہار نہ کریں تو الگ بات ہے حقیقت یہ

ہے کہ آپ میری وجہ سے ناشتہ چھوڑ کر جا رہی ہیں۔“ اس کے پریش لہجے میں بلا کی حدت تھی، پرینیاں نے تلملا کر سر د نظروں سے اسے دیکھا۔

”کچھ لوگوں کو اپنے متعلق حد سے زیادہ خوش فہمی لاحق ہوتی ہے، اطلاعاً عرض ہے مجھے آپ کے ہونے نہ ہونے سے کچھ فرق نہیں پڑتا۔“ وہ کچھ اس طور پھٹی کہ بھڑک کر بولتی چلی گئی، ماما تو حق دق رہ گئی تھی جبکہ بھانجی نے سر تھام لیا تھا۔

پرینیاں نے اس کی دہائی پوری بھی نہیں سنی تھی اور پلٹ کر بچن سے نکل گئی۔

بہت مغرور بنتے جا رہے ہو
محبت میں کمی کرنی پڑے گی

وہ بڑا بڑا تھا، ماما نے دکھ کی کیفیت میں گھر کر اسے دیکھا۔

”دس از ناٹ فینر مائی سن! آپ کو نہیں لگتا آپ اپنے راستے دشوار کر رہے ہو؟“ معاذ نے چونک کر انہیں دیکھا پھر ایک دم خوشگوار میت میں گھر گیا۔

”آپ کو بھی یہ پسند آئی ہے نامام! آپ میرا ساتھ دیں گی نا؟“ چپک کر کہتا وہ ان سے پلٹ کر مننایا تھا، ماما کچھ کہنے کو منہ کھول رہی تھیں کہ بھانجی نے ان کا ہاتھ پکڑ کر دبایا اور آنکھ سے خاموشی اختیار کرنے کا اشارہ دیا تھا، ماما کچھ الجھ گئیں تھیں البتہ پولیس نہیں کچھ، معاذ ناشتہ کرنے کے بعد بچن سے گیا تب ان کی سوالیہ نگاہیں بھانجی پہ آن ٹھہریں تھیں۔

”یہ معاذ..... مجھے لگ رہا ہے کچھ سنگ ہے۔“ بھانجی مسکرا دی تھیں۔

”جی چچی جان! معاذ نے پرینیاں کو دیکھا ہی کب تھا، اس وقت کی غلطی اب بھگت رہا ہے، سب مل کر بے خوف بنا رہے ہیں اسے، پرینیاں کا اس کے لئے بس تعارف اتنا تھا کہ وہ زینب کی دوست ہے، وہ پاگل ہو رہا ہے اس کے پیچھے.....“ ماما نے پوری بات سنی اور ایک دم فکر مند ہو گئی تھیں۔

”یہ تو بہت غلط بات ہے بیٹے! آپ کو معاذ کی نیچر کا پتہ ہے نا، وہ علم ہونے پہ اک طوفان اٹھا دے گا۔“ ان کی تشویش کسی حد تک درست تھی جب بھانجی نے بتایا کہ وہ پرینیاں خود بھی اس تعارف سے گریزاں ہے تو انہیں چپ سی لگ گئی تھی۔

”میں پرینیاں کو سمجھاؤں گی، حقیقت سے فرار ہمیشہ نقصان جھولی میں ڈالا کرتا ہے۔“ وہ مضطرب ہو کر بولی تھیں، انہیں معاذ کی طرف سے دوسرا خطرہ تھا کہ اگر پرینیاں پسند نہ آئی اسے تو کیا ہوگا، مگر یہاں تو معاملہ ہی کچھ اور ہو گیا تھا۔

☆☆☆

ابھی ضد نہ کر دل بے خبر

کہ پس ہجوم ستم گراں

ابھی کون تجھ سے وفا کرے

ابھی کسی کو فرحتیں اس قدر

کہ سینت کر تیری کرچیاں

تیرے حق میں خدا سے دعا کرے
ابھی ضد نہ کر دل بے خبر
کہ تہہ غبارِ غم جہاں
کہاں کھو گئے تیرے چارہ گر
کہ راہ حیات میں رائیگاں
کہاں کھو گئے تیرے ہمسفر
ابھی غم گساروں کی چوٹ سے
ابھی کچھ نہ سن ابھی کچھ نہ کہہ
ابھی ضد نہ کر دل بے خبر

کمرے میں نیم تاریکی تھی، وہ بیڈ کے وسط میں بیٹھی تھی، گھٹنوں کے گرد بازو لپیٹے انہی بازوؤں میں سر دئے، لمبے گھنیرے ریشمی بالوں نے اس کے نازک وجود کو تقریباً ڈھانپ لیا تھا، کچھ دیر پہلے وہ نہا کر نکلی تھی، لیکن مہندی کی تقریب کا جوڑا نہیں پہنا تھا، معاً دروازہ کھلا اور کوئی تیزی سے اندر آیا۔

”ارے زینی! اتنا اندھیرا، تم نے لائٹ کیوں بند کر رکھی ہے۔“ بھابھی نے ہاتھ بڑھا کر لائٹ آن کی، ان کے ہاتھ میں اس کے پہلے جوڑے کا ہنگر تھا۔

”اٹھ کپڑے بدل لو۔“ بھابھی نے اس کی پوزیشن میں فرق نہ آتے دیکھ کر کہا، زینب نے محض سر ہلایا تھا، بھابھی اسے جلدی کی تاکید کرتیں پلٹ کر پھر چلی گئیں، آج وہ ضرورت سے زیادہ مصروف تھیں، خاصی تاخیر سے زینب نے سراونچا کیا اس کے چہرے پہ ان بازوؤں پہ صرف وہ کی تو نہیں تھی جو اس کے نم بالوں کے ڈھلک آنے کا باعث اس کے لباس کے ساتھ چہرے کو بھی گیلان کر گئی تھی، اس نے کچھ دیر ساکن اور منجمد نظر بن سے اس لباس کو دیکھا، جو آج کی تقریب میں اسے پہننا تھا، یہ جوڑا بہت خوبصورت اور مہنگا تھا مگر اس کے اندر کوئی جذبہ نہیں جاگا، وہ ہمیشہ مہنگی اور شاندار چیز پا کہ ہی سرشار ہوا کرتی تھی، معاً وہ چونکی تھی اور اٹھ کر کھڑکی تک آئی، کھلی کھڑکی سے لان کا منظر واضح تھا، تقریب کا اہتمام ہو گیا تھا، اس وقت لان کی آرائش دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی، کتنے چہرے تھے مگر اس کی نگاہ اک جگہ پر ساکن ہو گئی تھی، پرینیاں تھی، ساتھ میں زیادہ اور تیسرا ہنستا مسکراتا چہرا جہاں کا تھا، سفید کلف دار کرتا شلواری میں تک سب سے تیار، اپنی دجاہتوں اور شاندار قامت کے ساتھ، وہ گویا پورے ماحول پہ چھایا ہوا لگتا تھا، پرینیاں کچھ گریزاں اور نرمی نظر آتی تھی، زیادہ نے کچھ کہا تھا، جہاں زور سے ہنسا، ہنستے ہوئے اس کی آنکھوں کی چمک بڑھ گئی تھی، یہ جھلملائی روشنیاں اسے خار بن کر چھبی تھیں، اس نے ہونٹ بے دردی سے کچلے۔

”یار تم تیار نہیں ہوئیں، ممانی جان ڈانٹ رہی ہیں۔“ نور یہ اس کے پیچھے آ کر چیختی تھی، وہ چونکی اور بے اختیار تیزی سے رخ پھیرا۔

”کیوں دیر کر رہی ہو؟“ نور یہ کاموڈ خراب ہوا تھا۔

”دیر تو ہو چکی۔“ نور یہ نے اس کی خودکھالی سنی اور حیرت سے اسے دیکھا۔

”ابھی نہیں ہوتی، فنانٹ کرو۔“ نور یہ نے اس کے کپڑے اٹھا کر ڈرینگ روم میں خود رکھے تھے، زینب ہونٹ پیچھے کھڑی تھی، نور یہ نے الجھ کر اسے دیکھا۔

”کیا مسئلہ ہے؟“ نور یہ کو غصہ سا آیا۔

”تم جاؤنی الحال مجھے تنہا چھوڑ دو۔“ اس کا لہجہ سرد تھا آنکھوں میں بیگانگی کا تاثر، نور یہ کی حیرت غیر یقینی اور تاسف میں بدل گئی۔

”تم پاگل ہو زینی!“ نور یہ چیخ پڑی تھی۔

”ہاں ہو گئی ہوں پاگل تم دفع ہو جاؤ یہاں سے۔“ جواب میں اس سے بڑھ کر وحشت سے چلائی۔

”چچی جان کہہ رہی ہیں رسم کو جلدی آؤ، ہاں سب ویٹ کر رہیں ہیں۔“ دروازے پہ دستک دے کر جہاں اہم پیغام کے ساتھ موجود تھا، زینب نے جلتی بلتی آنکھوں کے ساتھ اسے دیکھا۔

”آپ کو سب سے زیادہ جلدی ہے مجھے گھر سے نکلنے کی، ہے نا۔“ وہ جیسے تنگ کر اس کے سامنے آئی، جہاں جو اسے دیکھنے سے بھی خائف تھا چونک کر متوجہ ہوا، ستا ہوا چہرا، سرخ آنکھیں اور بھگی نم بلیکس، وہ حد سے زیادہ اپ سیٹ لگی تھی اسے۔

”نور یہ چچی جان ویٹ کر رہی ہیں آپ لوگوں کا۔“ جہاں نے اس کی بجائے نور یہ کو مخاطب کیا اور زینب کو آگ لگ گئی تھی کچھ اس انداز میں بھری کہ لپک کر اس کا گریبان دونوں ہاتھوں میں جکڑ کر زور دار جھٹکا دیا تھا۔

”کیوں آتے ہو یہاں، چلے جاؤ، ورنہ میں مار ڈالوں گی تمہیں۔“ چہرے پہ وحشت، آنکھوں میں بے تحاشا مگی، زینب کا یہ روپ شاکڈ کر گیا تھا، جہاں کو وہ جیسے سنائوں کی زد پہ آیا تھا۔

”زینی!“ نور یہ جو متحیر سی حیرت کا شکار کھڑی تھی لپک کر اس تک آئی اور ایک دم اسے خود سے لپٹا لیا۔

”اسے کہو، یہ یہاں سے چلا جائے، میں اسے برداشت نہیں کر سکتی۔“ وہ سسکیاں بھرتی کہہ رہی تھی، نور یہ اسے تھکے گی گویا یہ سکون کرنے کی کوشش تھی، جہاں سرخ چہرے لپٹ گیا تھا۔

☆☆☆

”کدھر جا رہے ہیں محترمہ!“ وہ جیسے اسی تاک میں تھا جیسے ہی جہاں کو گاڑی کی چابی سمیت پورنیکی کی جانب جانے دیکھا لپک کر اس کا راستہ روک لیا۔

”شاپنگ آر کیڈ!“

”شاید پرینیاں کا ڈریس پرپیس کے دوران چل گیا تھا چچی جان کہہ رہی ہیں ان کے ساتھ جا کر شاپنگ کرالادوں۔“ جہاں کا لہجہ دھیما اور انداز تحمل تھا، معاذ کو وہ پھر اسی اضطراب کا شکار محسوس ہوا۔

”لاڈ چابی مجھے دو، تم نے ابھی تک ناشتہ بھی نہیں کیا نا، جاؤ ناشتہ کرو۔“ جہاں نے چونک کر اسے دیکھا پھر پھیلے سے انداز میں مسکرا دیا۔

”اتنا خیال ہے میرا؟ جناب ناشتہ میں کر چکا ہوں، آپ سیدھی طرح کہیے کہ یہ کام خود کرنا

چاہتے ہیں۔“
 ”واؤ تم تو اچھے خاصے جینس ہو، لاڈ چاہی دو۔“ معاذ نے دانت نکالتے ہوئے کہا تو جہان پھر سے سنجیدہ ہو گیا تھا۔

”ان سے پوچھ تو لو جانے یہ راضی ہیں تمہارے ساتھ؟“
 ”ان کی مرضی کی ایسی کی تھی، میں پنٹ لوں گا۔“ وہ باتیں کرتے ہوئے پورج میں آگئے تھے، جہان نے پراڈ کی چابی معاذ کے حوالے کر دی تھی، معاذ ڈرائیونگ سیٹ سنبھال کر گاڑی اشارت کر رہا تھا، جب لائٹ آسمانی سوٹ میں لمبوس ڈائیٹ چادر اوڑھے پر نیاں ماما کے ساتھ وہاں آئی تھی، جہان کے ساتھ معاذ کو دیکھ کر اس کے چہرے پہ موجود سنجیدگی یکفخت بڑھ گئی تھی۔
 ”آپ نہیں جا رہے ہو جہان بیٹے؟“ ماما نے معاذ کو گاڑی کے اندر دیکھ کر جہان سے سوال کیا تھا اور ایک محتاط سی نگاہ پر نیاں پہ ڈالی۔

”نہیں چچی جان! مجھے کچھ کام تھا تو میں نے.....“
 ”جہان بھائی میرا جانا اتنا ضروری تو نہیں ہے، اس اذکے۔“ پر نیاں نے پھر سے زسے تڑانے چاہے تھے، معاذ کو سخت ہانت کا احساس جاگزیں ہوا تھا۔
 ”مما بتا چکی ہیں نا آپ کو آپ کی شاپنگ کتنی ضروری ہے، پھر بار بار انکار کیوں کر رہی ہیں یا پھر آپ کو میرے ساتھ جانے یہ اعتراض ہے؟“ اس کا پختا ہوا لہجہ اور لہجہ بہ لہجہ سرخ ہوتی آنکھیں اس کے موڈ کی غماز تھیں، ماما اس کی ماں ہو کر بھی اس کے موڈ سے خائف رہا کرتی تھیں جیسی ایک دم گڑبڑائیں۔

”بیٹے ریلیکس! پر نیاں چل رہی ہیں آپ کے ساتھ، چلو بیٹے جاؤ پہلے ہی بہت دیر ہو گئی ہے۔“ ماما نے خود دروازہ کھول کر پر نیاں کو جلدی سے اندر بٹھایا تھا، پر نیاں شاید ناگواری محسوس کرنے کے باوجود محض ماما کی جید سے خود یہ جبر کر گئی تھی، اس نے محض ایک نظر معاذ کو دیکھا تھا مگر اس ایک نظر میں ہی وہ جان گئی تھی کہ معاذ کے تے ہوئے چہرے پہ کیسی فتح مندی چھلکی تھی، اس کی آنکھوں میں جو سرد مہری اور نخوت تھا اس کی جگہ ایک چمک نے لے لی تھی، پر نیاں کو تو وہین کا شدید احساس اپنا آپ سلگاتا ہوا محسوس ہوا تھا، اس کی حیثیت محض ایک کٹھ پتلی کی تھی یقیناً جسے اس شخص نے جب چاہا تھا جیسے چاہا تھا استعمال کیا تھا اور کرنا تھا، جب ٹھکرانا چاہا ٹھکرادیا جب اپنانا چاہا اپنا لیا، کیا اس کی ذاتی پسند، مرضی اور احساسات نہیں تھے، اس کو اپنی بے مائیگی اور بے یار و مددگاری رلانے لگی۔

تم اداس اداس سے لگتے ہو
 کوئی ترکیب بتاؤ منانے کی
 میں زندگی گروہی رکھ سکتا ہوں
 تم قیمت بتاؤ مسکرانے کی

وہ خواب آسا لہجے میں اس سے مخاطب تھا، پر نیاں نے چونک کر اسے دیکھا مگر اگلے لمحے نگاہ کا زاہ یہ بدل لیا، وہ بہت خاص بولتی، رشوخ نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

بس تین ہی چیزیں دے گئیں مجھ کو فریب
 زلف برہم، مست آنکھیں اور چاند سا چہرا
 وہ پھر گنگنایا تھا اور ٹشوکیس سے ایک ساتھ کئی ٹشو کھینچ کر اس کی جانب بڑھائے، تب پر نیاں کو احساس ہوا اس کے گال بھینگ چکے ہیں، رنخ پھیرتے ہوئے وہ خفت اور شرمندگی کی اتھاہ میں اتر گئی تھی۔

”آپ مجھ سے اتنا خفا کیوں ہیں اور یوں اتنا بار بار رو کیسے لیتی ہیں؟“ پر نیاں کے آنسو کچھ اور روانی سے بہنے لگے، معاذ کا تاسف بڑھ گیا۔
 ”قسم سے میں آپ کو منانا چاہتا تھا، آپ کی غلط فہمی دور کرنا چاہتا ہوں، مگر آپ تو اور بھی خفا اور بدگمان ہو رہی ہیں۔“ معاذ کے لہجے میں واقعی بے چینی تھی، پر نیاں کو جھکنا لگا۔
 ”کیوں منانا چاہتے ہیں آپ مجھے؟ کیا تعلق ہے جو آپ ایسا کریں گے؟“ وہ پھٹ پڑی تھی، اسے جیسے معاذ کے الفاظ نے آگ لگا دی تھی۔
 ”میں محبت کرنے لگا ہوں آپ سے پر نیاں اور تعلق تو بنانے سے بنتے ہیں، آپ مانیں تو میں آج آپ سے.....“

”چپ ہو جائیں، فار گاڈ سیک خاموش ہو جائیں۔“ وہ چیخ اٹھی تو معاذ ٹھنک کر رہ گیا، اس نے نا فہم نظروں سے بری طرح ہلکتی پر نیاں کو دیکھا، وہ پتہ نہیں ہر لحاظ سے اتنی عجیب کیوں واضح ہو رہی تھی۔

”کتنی لڑکیوں کو اس طرح بے وقوف بنا چکے ہیں اس سے پہلے، مگر میں بے وقوف نہیں بننا چاہتی سمجھے آپ، بہتر ہو گا اپنی انرجی کہیں اور ویسٹ کریں، کب دیکھا آپ نے مجھے اور محبت بھی ہوگی پاگل سمجھا ہے مجھے؟“ معاذ آنکھیں پھاڑے اسے دیکھا رہ گیا، اس کی آنکھیں ہی نہیں چہرا بھی غصے سے سرخ ہو رہا تھا، لہجے میں غصے کا تاثر سمونے وہ اسے گھورتی رہی تھی، لخت بھر کو معاذ کا چہرہ ہانت کے احساس سے لال بھسوکا ہو گیا، ایک منٹ میں اس نے اپنے اعصاب کھینچتے محسوس کئے تھے مگر دوسرے لمحے خود کو کنٹرول کرنا متاسفانہ سانس بھر کے رہ گیا۔

”کتنا جانتی ہیں آپ مجھے؟“ اس نے خاص تاخیر سے سوال کیا تھا، پر نیاں نے چونک کر اسے دیکھا مگر اسی بل نظر چرائی تھی، معاذ کے ہونٹوں پہ شکست مسکان بکھر گئی۔
 ملتے ہی نظر ہم سے چرا لیتے ہو آنکھیں
 کیا خوب سمجھتے ہو نگاہوں کی زباں تم
 پر نیاں جڑبڑ تو تھی ہی سمجھ اور ہو گئی، معاذ نے گہرا متاسفانہ سانس بھرا۔
 ”جواب نہیں دیا آپ نے میری بات کا۔“

”میرے پاس کسی بھی فضول بات کا جواب نہیں ہے، آپ چلیں دیر ہو رہی ہے۔“ اب کہ اس کا لہجہ کڑا تھا، انداز بد مزگی لئے ہوئے تھا، جب کبھی وہ اس سے اس طرح بات کر لیتی پھر خود ہی حیران بھی رہ جاتی، بھلا کبھی اس نے سوچا تھا، وہ معاذ حسن کے مقابل اس طرح ٹھہر سکے گی، اسے اچھی طرح یاد تھا جب پہلی بار اس کی معاذ سے فون پہ بات ہوئی تھی اور جب اس نے مارکیٹ

میں اس کی ایک جھلک دیکھی تھی تو کیسے بوکھلاہٹ سوار ہوئی تھی اس سے، مگر اب وہ اسی معاذ کو ایسے جواب دیتی تھی کہ اکثر وہ حق دق رہ جایا کرتا تھا، معاذ نے گاڑی خاشی سے آگے بڑھا دی تھی، البتہ اس کے موڈ کی برہمی کا اندازہ اس کے بھینچے ہوئے ہونٹوں سے بخوبی ہو رہا تھا، وہ اسے کراچی کے بے حد مہنگے اور مشہور شاپنگ آرکیڈ میں لایا تھا، پر نیاں نے آتے ہوئے احتیاطاً اپنا پرس چیک کیا تھا، پانچ چھ ہزار تھے، مگر یہاں کا کوئی بھی سوٹ پندرہ بیس ہزار سے کم کا نہیں لگ رہا تھا، جیسی وہ ہر سوٹ اسی بنیاد پر روکرتی چلی گئی تھی۔

”میم آپ کو کس قسم کا ڈریس چاہیے پلیز اپنی چوائس تو بتائیں؟“ سلیز گرل بے حد شائستگی سے گویا ہوئی تھی۔

”نہیں میں دیکھ چکی ہوں، کچھ خاص نہیں لگ رہے ہیں، کہیں اور دیکھ لیتے ہیں ہم۔“ اس نے بے اعتنائی سے کہا اور آگے بڑھ گئی تو معاذ جو تب سے خاموش یہ ساری کارروائی دیکھ رہا تھا مزید خاموش نہیں رہ سکا۔

”رکیس پر نیاں، یہ ڈریس شاید آپ نے نہیں دیکھا، سو بیوٹی فل آپ پہ بہت سوٹ کرے گا یہ کلر۔“

معاذ نے ڈل گولڈن اور پنک کلر کا بے حد اسٹائلش سوٹ نکالا تھا اور اس کے سامنے پھیلا یا، پر نیاں نے جو اب اسے نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

”لیکن مجھے نہیں پسند۔“ اس کے لہجے و انداز میں نخوت لائق اور برہمی تھی، معاذ نے ایک نظر اسے دیکھا پھر وہ ڈریس ہیٹنگر سمیت سلیز گرل سمت بڑھا دیا۔

”پلیز اسے پیک کر دیں۔“ پر نیاں کو تو جیسے آگ لگ گئی تھی، استحقاق کے اس اعلیٰ ترین مظاہرے پر۔

”واٹ نان سنس، میں نے کہا تھا مجھے نہیں پسند پھر آپ.....“

”میں کون ہوتا ہوں نا یہ سب کرنے والا، ہے نا، اب نہیں ہوں کبھی نہ کبھی تو ہو جاؤں گا نا، سو ڈونٹ وری اور آپ کو نہ سبھی مجھے تو پسند ہے نا۔“ پر نیاں کے بے تحاشا غصے کے باوجود وہ محل اور نرمی سے بولا تھا، اس کے لبوں کی تراش میں خفیف سی مسکراہٹ تھی تو لہجہ خواب آگئیں، پر نیاں کی پلکیں بے اختیار جھپک گئیں، وہ ایک بار پھر اس کے سامنے ہارسی گئی تھی، یہ حقیقت تھی کہ وہ اس کے مقابل ٹھہر ہی نہ پاتی تھی، یہ دھونس، جتنی غصہ یہ سب تو بس کسی عمل کار عمل تھا اور بس..... یا پھر وہ اپنے پندار کی حفاظت کرتے بلکان تھی، وہ نہیں جانتی تھی معاذ کے دل میں کیا تھا، وہ سیماب فطرت آدمی تھا، اس سے کب منہ پھیرے اسے خبر نہیں تھی، وہ جانتی تھی وہ اس اہم تعلق اور رشتے کے حوالے سے آگاہ نہیں ہے، کیا خبر وہ اس سے بھی ناٹم پاس کر رہا تھا، اس کا دل مختلف خیالات کے زیر اثر سیت میں گھیرنا چلا گیا اور جس بل کاؤنٹر پہ اس نے اپنے اسی پندار کو بچانے کی غرض سے بے منت کرنی چاہی تھی، معاذ نے کسی قدر حقلی سے اسے دیکھا تھا اور اس کا وہ ہاتھ میں میں لوٹتے تھے اس نے اپنے ہاتھ میں لے کر اس کی مٹھی بند کر دی تھی، پر نیاں کو لگا تھا اس کا لمس پاتے ہی جیسے کوئی برقی روپورے وجود میں سرایت کر گئی ہو، وہ ایک جھٹکے سے ہاتھ چھڑا کر بلاک کے فاصلے

ہوئی، معاذ جو اسی کی سمت متوجہ تھا مبہم سا مسکرایا تھا، اس کی گہری نظروں کے جواب میں پر نیاں ایسی پلکیوں پر لہزش اتر آئی تھی۔

”بس اب گھر چلیں، مجھے اور کچھ نہیں لینا۔“ معاذ کو جیولر شاپ کے آگے رکتے دیکھ کر وہ بے اختیار بولی تھی۔

”اس روز جب میں سب کو گفٹ دے رہا تھا، آپ وہاں سے چلی کیوں گئی تھیں؟“ وہ سگریٹ سلگاتے ہوئے رساں سے بولا تو پر نیاں نے حیرت سے اسے دیکھا تھا۔

”یہ کیا فضول سوال ہوا بھلا؟“

”آپ کو لگا ہو گا میں آپ کو کچھ نہیں دے سکوں گا، پر نیاں میں آپ کو اپنی طرف سے کچھ گفٹ کرنا چاہتا ہوں پلیز۔“ پر نیاں چند لمحوں کو ساکن ہو کر رہ گئی تھی، جانے کس کس خیال کے تحت اس کا دل رونا تھا۔

”صد افسوس آپ کو ابھی تک سمجھ نہیں آسکی کہ میں اس قسم کی لڑکی نہیں ہوں۔“ اس کے خوبصورت چہرے پہ از حد ناگواری در آئی تھی، اس کا لہجہ بری طرح سے بگڑ گیا تھا، معاذ نے خاموشی سے اسے دیکھا پھر کچھ کہے بغیر پارکنگ میں اس کے ساتھ آیا تھا، کوٹ کی جیب سے چابی نکال کر دروازہ ان لاکڈ کیا اور اسے اندر بیٹھنے کا اشارہ کیا، پر نیاں کے نقوش سے ہنوز برہمی مترشح تھی اس نے بیٹھنے کے بعد ایک جھٹکے سے دروازہ بند کیا تھا۔

”پلیز سیٹ۔“ وہ کھڑکی پہ جھک کر مسکرایا اور پھر پلٹ کر مارکیٹ کی جانب چلا گیا، پر نیاں مجلس کر رہ گئی تھی، آدھے گھنٹے بعد واپس لوٹا تو ہونٹوں کے درمیان سگریٹ سلگ رہا تھا۔

”آئس کریم کھا ئیں گی؟“ اسے دیکھ کر وہ دوستانہ انداز میں بدلا ہونٹوں میں سگریٹ ہونے کے وجہ سے لہجہ تھوڑا سا غیر واضح ہو رہا تھا، پر نیاں نے ہونٹ بھینچ لئے اور ناگواری دبا کر سر کو فٹی میں جنبش دی۔

”یہ آپ کے لئے ہے۔“ وہ رخ پھیر کر ابھی باہر کے نظارے کو دیکھ بھی نہ پاتی تھی کہ معاذ کی بات پہ بے ساختہ حیرانی سے مڑی، اس کے بڑھے ہوئے ہاتھ میں ایک فٹ لمبا مین ایج چوڑا بلیک ٹیلیس ٹیکس تھا، یقیناً اندر جیولری تھی، پر نیاں کی پیشانی پہ ایک دم شکنیں نمودار ہوئیں۔

”واٹ از دس؟“ اس کا لہجہ سچ تھا اور بے حد برہم۔

”کھول کر دیکھ لیں، میں نے کہا تھا نا میں نے سب کو گفٹ دیئے اور آپ کو بھی دینا چاہتا ہوں۔“ معاذ بے حد ریلیکس اور پرسکون نظر آ رہا تھا، پر نیاں نے تپتی نظروں سے اسے دیکھا۔

”سب کو کن کو؟ شہر کراچی کے سارے کینوں کو؟ اگر بالفرض انہیں دیئے بھی ہیں تو میں پھر بھی نہیں لے سکتی، سمجھے آپ؟“ وہ ایک دم بھڑک اٹھی، اتنا غصہ آ رہا تھا کہ حد نہیں، آخر وہ کیا سمجھ کر اس پہ اپنے التفات کی باریسیں برسا رہا تھا۔

”دیکھیں آپ خواخواہ خفا ہو رہی ہیں، میں آپ کو بتا دیکھا ہوں کہ آپ مجھے اچھی.....“

”اس سے آگے ایک لفظ مت بولنے گا آپ، اینڈ لیس اتنا ہی شوق ہے نا آپ کو فیاض دکھانے کا تو اپنی منکوچہ پہ دکھائیے، غالباً نکاح ہو چکا ہے نا آپ کا؟“ وہ بولی نہیں پھنکاری تھی،

ایک ایک لفظ سے آگ کی لپٹیں اٹھ رہی تھیں، اصل دکھ ہی اس کا یہی تھا کہ وہ اسے فراموش کیے اپنے جذبے ادھر ادھر ضائع کر رہا تھا، اس کی بے اعتنائی کے زخم اتنے گہرے تھے کہ توجہ کے یہ چند سکے وہ بھی بغیر رشتے کی پہچان کے اس پر مرہم نہیں رکھ سکتے تھے، معاذ تو چند لمحوں کو اس کے تیوروں کی وجہ سے سکتے میں آگیا تھا، پھر سنبھلا تو ایک دم ہنستا چلا گیا، پر نیاں نے جلتی آنکھوں سے اسے یوں تہمتے لگاتے دیکھا تو اس کی دماغی حالت پر شبہ محسوس ہوا تھا۔

”اوہ مائی گاڈ! اوہ مائی گاڈ! اب مجھے سمجھ آئی آپ مجھ سے اتنی متفر کیوں ہیں، تو آپ جیلنس ہو رہی ہیں کہ میں ایک منکوحہ بھی رکھتا ہوں مگر میم یقین کریں میں نے ابھی تک اس کی رہنمائی نہیں کی، کیا بھلا سا نام ہے سوری ذہین سے نکل جاتا ہے تو اس سے میرے پاپانے میرا نکاح آپہی خاصی جذباتی قسم کی صورت حال کری ایٹ کر کے کیا تھا، لیکن میں تب ہی انہیں واضح کر چکا تھا کہ میں شادی اپنی مرضی سے کروں گا۔“ اس کی گھورتی پھنکارتی نظروں کے جواب میں جانے وہ واقعی گھبرا کر وضاحتیں اور صفائیاں پیش کرنے لگا تھا پھر مذاق ازار ہا تھا، جو بھی تھا جیسے بھی تھا، پر نیاں کو اپنا آپ حقیر تنکے سے بھی زیادہ بے مایا لگا تھا، یہ تھی اس کے نزدیک اس کی ادقات، جانے کئی لڑکیوں کو جن جن سے ان دو سالوں میں اس نے معاشقے لڑائے تھے یہ ساری حقیقت تسخرانہ انداز میں سنائی ہوگی، اس کا چہرہ دھواں دھواں ہوا تو آنکھیں سمندر بن گئیں، معاذ نے گھبرا کر اس کے ساتھ زدہ وجود اور پھر اے ہوئے چہرے کو دیکھا تھا۔

(اف پھر کوئی بات بری لگ گئی) اس نے سر تھام لیا تھا۔

”آپ اس طرح بات بات پہ مائنڈ کیوں کرتی ہیں پلیز یہ بتا دیں بس۔“ وہ سخت عاجزی سے پوچھ رہا تھا، پر نیاں کے اندر سنانے در آئے تھے، وہ ایک لفظ نہیں بول سکی معاذ نے انتظار سے عاجز ہو کر جھپٹتے ہوئے گاڑی اشارت کی تھی۔

☆☆☆

”یہ اپنا ڈریس تو لے لیتی، میرے گفٹ کو تو آپ نے شاید اس قابل نہیں سمجھا ہو گا۔“ زینب پارلر جا چکی تھی، پر نیاں نہا کر باہر آئی تھی جب دروازے پر دستک دیتا معاذ اندر چلا آیا۔ وائٹ پینٹ کوٹ میں وہ تیار ہو چکا تھا یقیناً، غضب کی ہائٹ اور شاندار کسرتی وجود کے ساتھ وہ ماڈل نظر آ رہا تھا، شاندار باوقار وجہی، پر نیاں کے بال تولیے میں لپیٹے ہوئے تھے اور دوپٹے سر سے غائب تھا، اس کی پیشانی پر ایک دم ناگواری در آئی، معاذ نے اس کی غلٹ و انفراتنزی میں دوپٹہ اڑھتے ہاتھوں کو مسکراہٹ دبا کر دیکھا تھا، پھر شانچنگ بیگ بیڈ پہ ڈال کر قدم موڑے ہی تھے کہ اس کی مداخلت پر حیرانی سے پلٹا۔

”میں اس ڈریس کی ادا گیری کروں گی، ورنہ آپ اسے واپس لے جائیں۔“ وہ جھک کر اپنے بیگ سے پیسے نکال رہی تھی، معاذ کا چہرہ بے تحاشا سرخ ہو گیا۔

”آپ میری تو بہن کر رہی ہیں پر نیاں۔“ وہ بری طرح سے سلگا تھا۔

”آپ جو مرضی سمجھیں، اگر آپ یہ پیسے لے رہے ہیں تو سوٹ رہنے دیں ورنہ.....“

”میں ایسا نہیں کروں گا۔“ معاذ اس کی پوری بات سنے بغیر ہی بھر پور تکی مگر تشعیرت سے بولا:

”تو ٹھیک ہے، وہ سوٹ لے جائیے، میری بلا سے جسے مرضی دیں۔“ وہ پھنکارا تھی۔
”چاہے اپنی منکوحہ کو؟“ معاذ کو ایک دم سے شرارت سوجھ گئی، پر نیاں نے ٹھنک کر اسے دیکھا پھر ایک دم نگاہ چرائی۔

”وہ تو بہت خوش ہوگی، آپ کی طرح یقیناً ضدی اور مغرور نہیں ہوگی۔“
”سٹ اپ، میں جیسی ہوں آپ کو غرض نہیں ہونی چاہیے۔“ وہ بھر پور تکی سے چیخ اٹھی، جواباً کی آنکھیں لودینے لگی تھیں۔

برخ یار یہ یہ زلفیں یوں پھسل رہی ہیں ایسے
بکھی دن نکل رہا ہے کبھی رات ہو رہی ہے
وہ آہستگی سے مگر متبسم لہجے میں بولا۔

”عرض ہے نادل ایکی زلفوں میں کہیں ایک گیا ہے۔“ اس کی نظرس بے حد گہری تھیں، پر نیاں حواس باختہ ہو گئی، اس کے سر سے تولیہ ڈھلک گیا تھا، مشکوہ نم بال پشت اور کاندھوں پہ ہی کھینچ چہرے پر بھی بکھر گئے تھے، وہ اتنی جھنجھلاہٹ کا شکار تھی کہ اس نے اختیار کی طرف توجہ نہ دے سکی مگر اب بوکھلا کر بالوں کو پھر سے سیٹھے ہوئے سر پہ آچل سنوارا تو معاذ کے ہونٹوں پہ ذومعنی مسکان بکھر گئی تھی۔

چوم لیتی ہیں چل کر کبھی رخسار کبھی لب

تم نے زلفوں کو بہت سر پہ چڑھا رکھا ہے

پر نیاں کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا، دروازے پہ اسما بھا بھی کھڑی تھیں، پر نیاں ان کے بے کے تاثرات نہیں دیکھ سکی، اس کا بس نہیں چلا تھا زمین پھٹے اور وہ اس میں سما جائے بظاہر تو بتا کھڑ دکھاتی تھی وہ، صورت حال سے بے خبر بھا بھی نے کیا اندازہ لگایا ہو گا اس کے بارے میں وہ کا دل مارے شرمندگی اور کرب کے ڈب ڈب کر ابھرنے لگا۔

”حد ہے تم سے معاذ، اتنی برکل اور حسب حال شاعری کیسے کر لیتے ہو تم؟“ وہ ہنس رہی تھی۔

”آپ میری حاضر دماغی کی تعریف بھی کر سکتی تھیں مگر نہیں کیا ضرورت ہے۔“ وہ انہیں دیکھ سنبھل گیا تھا منہ پھلا کر بولا بھا بھی ہنستے چلی گئیں۔

”تمہاری یہ صلاحیت حسین لڑکیوں کو دیکھ کر ہی کیوں بیدار ہوتی ہے۔“

”خیر اب ایسی بھی بات نہیں، امیج خراب نہ کریں میرا۔“ وہ انہیں گھورتا باہر نکل گیا، بھا بھی ان کو جلدی تیار ہونے کا کہنے لگی۔

”بھا بھی یہ ہر لڑکی کے ساتھ اسی طرح افیئر کرتے ہیں؟“ پر نیاں نے عجیب سے لہجے میں لکھ لکھا تھا۔

(باقی اگلے ماہ)

پندرہویں قسط

◇◇◇ ام ریم ◇◇◇

پندرہویں قسط کا خلاصہ

پرنیاں، زینب کی شادی کے سلسلے میں شاہ ہاؤس میں ہے، معاذ کی دلچسپی اس کی ذات میں بڑھتی ہے، جو پرنیاں کو بجائے مطمئن یا آسودہ کرنے کے مضطرب اور بے چین کرنے کا باعث بنتا ہے، وہ معاذ کی جانب سے غلط فہمی اور بدگمانی کا شکار ہونے لگی ہے، جبکہ شاہ ہاؤس کے مکین معاذ کی بے خبری سے لطف اٹھا رہی ہے۔

زینب کی مہندی کی تقریب میں زینب کی ذات کا اک اور رنگ جہان اور توریہ پہ ظاہر ہوتا ہے، جو دونوں کو مششدر کر دیتا ہے۔

معاذ ماما کے کہنے پہ پرنیاں کو شاپنگ کے لئے لے کر جاتا ہے مگر وہاں دونوں کی تلخ کلامی ہوتی ہے، پرنیاں کی بے زاری اور کتاہٹ کو محسوس کرتا معاذ قدم قدم پہ ہر تہہ ہنور ہا ہے، مگر اس کی ذات کا مہذبانہ پن بھی محسوس کرنے والا ہے، جس پہ پرنیاں کی بہر حال توجہ نہیں ہے۔

سہولویں قسط

اب آپ آگے پڑھیے



بھا بھی جو واپسی کو دروازے تک جا چکی تھیں اس سوال یہ چونک کر حیرانی سے پلٹیں اور تھیر سے بھری ہوئی نظروں سے اسے دیکھا تھا، جس کی نگاہوں میں سلگتے سوال تھے، شکر یزے تھے۔
 ”ارے تم نے یہ سوال کیوں کیا پری؟ سویٹ ہارٹ معاذ ایسا نہیں ہے، تم نے بہت غلط اندازہ قائم کیا ہے اس کے متعلق، مذاق کی عادت ہے اس کی، وہ تو ایسا ہے کہ خاندان میں شادی سے بھی منع کر دیا تھا۔“ بھا بھی اس کے علاوہ بھی کیا کیا وضاحتیں دیتی رہی تھیں مگر وہ کم صم بیٹھی تھی۔

(وہ ایسا نہیں ہے، کیسا؟ مذاق کی عادت ہے، جو وہ مجھ سے کر رہے ہیں یہ مذاق ہے، مذاق میں وہ کسی کی دل جان ہستی داؤ پہ لگا دیں، یہ مذاق ہے، خدایا خدایا)۔ وہ بے مائیگی کے شدید احساس سمیت بے ساختہ و بے اختیار روٹی چلی گئی تھی۔

☆☆☆

اس موڑ پہ شروع کریں آ پھر سے زندگی
 ہر شے جہاں حسین تھی اور ہم تھے اجنبی

جہان نے ایک بار پھر خود کو زندگی کے کھن مرحلے سے دوچار پایا تھا، ایک بار پھر اسے اپنا حوصلہ اور ضبط آزمانا تھا، ہوٹل کے وسیع سبزہ زار پہ تقریب کا اعلیٰ پیمانے پہ اہتمام تھا، وہ ہر کام میں پیش پیش تھا مگر اندر سے جیسے ڈھتا جا رہا تھا، پہلے بارات آنے کا شور اٹھا تھا وہ معاذ پیا اور زیادہ کے ہمراہ خاندان کے دیگر مردوں کے ساتھ بارات کا استقبال کرنے لگا سرخ و سفید رنگت اور تکیے نقوش کا مالک دراز قامت تیمور خان شیروانی اور سر پہ صاف باندھے واقعی شاندار اور وجیہ لگ رہا تھا، جہان نے روایت کے مطابق اس کے گلے میں پھولوں کی مالا پہنائی تھی، تیمور خان نے اس کی پہنائی مالا کے ساتھ بھی وہی سلوک کیا تھا جو اس سے پہلے پہنائی گئی، دیگر کا اسی پل اتار کر اپنے ملازم کے ہاتھ میں تھما دی تھی جو سائے کی طرح ساتھ لگا ہوا تھا اور ہر پل یقیناً اس کی خدمت پہ معمور رہتا ہوگا، جہان کو محض ایک پل لگا تھا تیمور خان کی نظرت کے تکبر اور غرور و نخوت کو پانے میں، تیمور خان سے یہ اس کی پہلی باضابطہ ملاقات تھی، اس کے چہرے کے متکبرانہ تاثرات صاف جلتاتے تھے کہ وہ خود کو تمام لوگوں سے بلند اور اہم سمجھتا ہے، جہان نے ساکن نظروں سے تیمور خان کو اپنے سرسالی عزیزوں سے سرسری انداز میں گلے ملتے دیکھا تھا، نہ چہرے پہ بزرگوں کا احترام نہ نگاہ میں کسی رشتے کا لحاظ یہ تھا زینب شاہ کا انتخاب..... اسے عجیب سے تاسف نے آن لیا، پھر جیسے وہ تیمور خان سے واقف ہوتا گیا یہ تاسف یہ ملال یہ رنج بڑھتا چلا گیا تھا، رسم کے مطابق ماما جان اسے اسٹیج پہ پیش قیمت طلائی زنجیر تحفے میں دینے آئی تو زنجیر اس کے گلے میں پہنا کر وہ اسے لاک کرنے سے قاصر رہی تھیں، کچھ صحت کی ناتوانی کے باعث ہاتھوں کا ریشہ کچھ بینائی کی کمزوری کی بدولت وہ بہر حال خود سرخریلے داماد کے سامنے ویسے ہی کچھ نرم تھیں، مگر تیمور خان کو ان کی مشکل آسان کرنے کا خیال نہیں آیا، جین اس کے گلے سے پھسل کر کاندھے پہ کاندھے سے صوفی سے نیچے ریڈ کارپٹ پہ جاگری، جسے ماما جان خود جھک کر اٹھا رہی تھیں تب حسان آگے بڑھا تھا اور زنجیر گیس میں رکھ کر دیگر تحفوں کے ساتھ سامنے ٹیبل پہ رکھ دیا، نکاح کے

بعد زینب کو لا کر تیمور خان کے ساتھ بٹھایا گیا تب وہ اپنی نیلی کے علاوہ اگر کسی سے بات کر رہا تھا تو وہ زینب تھی، زینب کی شرمیلی مسکان تیمور خان کے بلند قہقہے بہت ساری نظروں نے ناگواریت سے دیکھے تھے، یہ اس گھرانے کی روایت نہیں تھی مگر بہت ساری رواتیں ٹوٹ گئی تھیں پھر ایک یہ بھی سہی، اکڑی ہوئی گردن کے ساتھ تیمور خان بھی سنوری زینب کو ہمراہ رخصت کرا کے لے گیا، مگر جہان کی جلتی آنکھوں کا کرب کئی گنا بڑھ گیا تھا۔

اکیلے پن سے ڈرتا تھا جدا ہونے سے ڈرتا تھا
 میری آنکھیں بتاتی ہیں کہ میں سونے سے ڈرتا تھا
 میرا نگلی پکڑ لینا مجھے تنہا نہیں کرنا
 یہ دنیا ایک میلیہ تھا تمہیں کھونے سے ڈرتا تھا
 میں ہنستا ہوں تو آنکھوں کے یہ گوشے بھگ جاتے ہیں
 تمہیں معلوم ہے میں اس طرح رونے سے ڈرتا تھا
 جب سے یہ خواب دیکھا تھا مجھے تم چھوڑ جاؤ گے
 میں ڈرتا تھا خوابوں سے میں پھر سونے سے ڈرتا تھا

☆☆☆

میرا سوچنا تیری ذات تک
 میری گفتگو تیری بات تک
 نہ تم ملو جو کبھی مجھے
 میرا ڈھونڈنا تجھے یار تک
 میں نے اپنا سب کچھ گنوا دیا
 تیری زلفوں سے پیار تک
 بھی فرحتیں جو ملیں تو آ
 میری زندگی کے حصار تک
 میں نے جانا کہ میں کچھ نہیں
 تیرے پہلے سے تیرے بعد تک

معاذ ایزی چیئر پہ نیم دراز تھا، سامنے کھڑکی کھلی تھی، سیاہ آسمان میں بے شمار چمکتے ستاروں کے جھرمٹ میں پوری تاریخوں کا چاند نگاہوں کو خیرہ کر رہا تھا، کھڑکی سے آگے ٹیرس پر رکھے ہوئے پودوں کی مہک اس کے اندر سرشاری بھر رہی تھی، اس نے سگریٹ کا کش لے کر دھواں پھیرا اور چاند کو بغور دیکھا تھا تو دھیرے دھیرے پر نیاں کا عکس چاند میں ابھرنے لگا، آج اس نے آئشی گللابی رنگ کا ہاف آستین کا لباس پہن رکھا تھا جو اس کے پیردوں تک جاتا تھا، اس کے گلے اور آستینوں پہ کوئی جھلملانا ہوا کام بنا ہوا تھا، وہ اس قدر حسین لگ رہی تھی کہ معاذ کو اس پر سے لگا ہوا ہٹا مشکل لگنے لگا تھا، کیا تھی وہ..... واقعی کیا ساحرہ جس نے منتر پڑھ کر پھونکا اور اس کا تن من دھن سب جلا کر خاکستر کر دیا، اسے پر نیاں کے سوا سب بھول گیا تھا، پہلی بار اس نے نیم

غنودگی کی کیفیت میں اسے ہسپتال میں دیکھا تھا، وہ خواب تھا یا خیال یا پھر حقیقت..... وہ آج تک اس سوچ میں الجھتا رہتا تھا، جس انداز میں وہ وہاں اس کے قریب آگئی تھی حقیقت میں وہ اس سے یکسر مختلف تھی، ہاں وہ اس کا خیال تھا، پھر جب وہ ہسپتال میں حقیقت میں اسے نظر آئی معاذ کو لگا تھا کسی ساحر نے اس منظر پر منتر پڑھ کر پھونکا ہو اور ہر شے ساکت ہوگئی ہو، وہ اس طلسمی منظر سے کئی لمحے آزاد نہ ہو پایا تھا، شاید کبھی ہو بھی نہیں سکتا تھا، مگر وہ اس سے بدگمان تھی، پتہ نہیں اس کے نکاح کی وجہ سے..... ہوتی ہیں کچھ لڑکیاں جو اپنے شریک حیات کے لئے بہت پوزیو ہوتی ہیں، وہ ہرگز نہیں چاہتیں جو ان کا ہو وہ کسی اور کے نام سے نام بھی جوڑنے، اس نے سوچا اور مسکرا دیا، آج جب وہ ہوٹل میں اس کے ہمراہ پہنچا تھا تو پورا میرج ہال لوگوں سے بھرا ہوا تھا، آج پھر وہ دھوکے سے سہی مگر اسے اپنی ہمراہی میں ہوٹل لایا تھا، وہ اس کی قربت حاصل کرنے کو باقاعدہ ایک ایک لمحے کے لئے جتن کیا کرتا تھا، کتنی عجیب بات تھی، کیسی شدید محبت میں مبتلا کر دیا گیا تھا وہ، اسے ہنسی بھی آئی اور دکھ بھی محسوس ہوا۔

میرج ہال میں ان کے اندر داخل ہوتے ہی وہاں موجود لوگوں کی ستاشی نگاہیں ایک ساتھ ان پہ آن ٹھہری تھیں، وہ دونوں ساتھ چلتے ہوئے یقیناً بہت پر فیکٹ لگتے تھے، تب معاذ کے دل نے عمر بھر کے لئے اس کی سنگت اور ہمراہی کی چاہ کتنی شدت سے کی تھی، مگر وہ دوران تقریب اس سے بدگنتی کتراتی رہی تھی، اس کی نگاہوں کے والہانہ پن یہ وہ کتنا جھنجھلا رہی تھی، معاذ کے ذہن میں اس کا ہر روپ ہر اداپوری جزئیات کے ساتھ محفوظ تھی۔

”ہاہ کتنا تنگ کرنی ہو تم، ہر وقت غصہ خنکی۔“ معاذ کے ذہن کے پردے پر اس کا نوخیز چہرہ لہرانے لگا۔

”دیکھنا میری قربت میں آ کر سب سے پہلے انہی کا خاتمہ ہوگا، محترمہ آپ کو ہمارے لئے با اخلاق اور خوش مزاج بننا ہے، معاذ حسن جس کو چاہے اسے بھی معاذ کو چاہنا ہے، یہ کنفرم ہے۔“

تجھ سے درکار محبت ہے محبت کے عوض میں نہیں چاہتا تجھ یہ میرا احسان رہے

معاذ نے بے ساختہ لب دانتوں تلے داب کر اپنی سوچوں میں پھیلنے والی مسکراہٹ کو روکا، اس کا برہم بگڑا بگڑا چہرہ تصور کے پردے پر لہرا رہا تھا اور جب اس نے تقریب کے اختتام پہ کسی قدر شرارت سے اس کی جانب جھٹک کر چیخنے کی غرض سے کہا تھا۔

بتاؤ اب کہاں ملو گے تم تمہیں اک پھول دینا ہے تم سے اک عہد لینا ہے تمہیں اب جاننا کہنا ہے تمہیں دل دھڑکن اور جان کہنا ہے جو ہمیں جدا کرنے کی ہیں سازشیں انہیں بے جان کرنا ہے

اور جواب میں وہ اسے تند نظروں سے گھورتی اسما بھابھی کے ساتھ گاڑی میں بیٹھ کر چلی گئی تھی، معاذ نے سمجھتے سگریٹ سے نیا سگریٹ سلگاتے ہوئے بھینچا ہوا سانس کھینچا اور سگریٹ کا ٹوٹا ایش ٹریے میں مسلا، تب ہی دروازے پہ دستک ہوئی تھی، معاذ نے چونک کر دیکھا، وہاں ماریہ کھڑی تھی۔

”آؤ گریا!“

”لالے وہ آپ ذرا آ کے پر نیاں جی کا پاؤں دیکھ لیتے۔“

”کیا مطلب خیریت ہے؟“ وہ چونک اٹھا تھا۔

”وہ سیزھیوں سے پھسل گئی ہیں، بہت ہیں بے انہیں۔“

”اوہ! آپ چلو میں آ رہا ہوں۔“ معاذ نے پہلے سگریٹ بجھایا تھا پھر سیلینگ سوٹ پہ گاؤن پہن کر زینب کے کمرے کی جانب چلا آیا تھا، رات کے بارہ بج رہے تھے اس وقت دن بھر کی تقریب سے نکلنے تقریباً سبھی مکیبن نیند کی آغوش میں تھے، پر نیاں کب گری تھی اور کتنی چوٹ اسے آئی وہ اس قسم کی کسی بھی بات سے یکسر لاعلم تھا، اس نے اندر داخل ہونے سے قبل دستک دی تھی۔

”آج میں زیاد بھائی دروازہ کھلا ہوا ہے؟“ اس نے پر نیاں کی مدھم مگر بوجھل آواز سنی تھی اور چند لمحوں کے توقف کے بعد دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا، پر نیاں سامنے ہی بستر پہ ٹڈھال سی بیٹھی تھی، اس کے سرخ چہرے پہ تکلیف کے آثار بے حد نمایاں تھے اسے رو رو پاتے ہی وہ بری طرح چونکی۔

”آ..... آپ!..... میں نے ماریہ سے زیاد بھائی.....“

”میں جانتا ہوں میرے علاوہ کسی یہ بھی بھروسہ کر سکتی ہیں، مگر آپ کی اطلاع کے لئے عرض ہے کہ ماریہ نے یہ زحمت مجھے دی ہے۔“ نرم گرم تمام جذبے اس کی مردانہ انا پر پڑنے والی چوٹ کے باعث لمحوں میں سرد مہری کی دبیز چادر تلے جا چھپے تھے، پر نیاں کا چہرہ ایک لمحے کو پھیکا پڑ گیا، اس نے ہونٹ بھیج کر سر جھکایا تھا۔

”کون سا پیر ہے؟ ادھر سامنے کرسی، چوٹ کب لگی آپ کو؟“ اس کی ناک اور آنکھوں کے پونپوں پر اتنی سرخی اور آنکھوں کے جھیلے گوشے معاذ کی نگاہ سے چھپے نہیں رہ سکے تھے، جیسی وہ لہجے کی آواز کر رہی تھی یہ قابو پا کر کس قدر نرمی سے بولا تھا۔

”تقریباً ایک گھنٹہ پہلے سیزھیوں سے پھسلتی ہیں، مہا پاپا کو کسی کو بھی نہیں پتہ، مجھے بھی ابھی بتایا ہے جب درد بہت زیادہ بڑھا ہے، جس ردائی کا نام یہ لے رہی تھیں مجھے میڈیکل باکس سے نہیں ملی، جیسی آپ سے کہا جا کر۔“ ماریہ جو نرم دودھ کا گلاس لے کر آئی تھی پر نیاں کے لئے، خود معاذ کی بات کا تفصیلاً جواب دیا، معاذ نے شخص ہنکارا بھرا تھا اور پر نیاں کے پیر کا معائنہ کرنے لگا، اچلا گلابی فٹل جیسا شفاف پیر معاذ کے سامنے تھا جسے پر نیاں نے جھجکتے ہوئے ذرا سا آگے پھیلا دیا تھا، معاذ نے اس کا پیر متاثرہ جگہ سے دبایا تو پر نیاں کے حلق سے بے ساختہ کراہیں نکلتی چلی گئیں تھیں، معاذ نے نگاہ بھر کے اسے کسی قدر طنز سے دیکھا۔

”آپ بھی ڈاکٹر ہیں غالباً! اتنا نازک مزاج ہے آپ کا، معمولی تکلیف برداشت نہیں کر

سکتیں؟“

”میں.....“ پر نیاں نے کچھ کہنا چاہا مگر آنکھیں آنسوؤں سے جل تھل ہو گئیں۔

”ہڈی محفوظ ہے، گوشت اندر سے پھٹ گیا ہے، آپ کو ذرا احتیاط کرنا پڑے گی، ماریہ اس مرہم کا مساج کر دینا اور یہ بین کلر دے دینا، اگر درد زیادہ ہو تو ایک اور ٹیبلٹ لے لیجئے گا۔“ وہ سنجیدگی اور متاسف سے گویا تھا، ساری توجہ میڈیکل پاکس سے دوا نکالنے پر مرکوز تھی، پر نیاں جو لاشعوری طور پر اس سے مخصوص شوخی اور بے باکی کی توقع کرتے ہوئے اندر ہی اندر خائف تھی کچھ حیرانی سے اسے دیکھتی رہی تھی۔

”ایسے کیا دیکھ رہی ہیں؟ میرے کردار کے ساتھ قابلیت اور ڈگری یہ بھی ڈاؤٹ ہے آپ کو؟“ اپنے کام سے فراغت کے بعد وہ سیدھا ہوا تو پر نیاں کی نظروں کا ارتکاز محسوس کر کے سرد لہجے میں بولا تھا، پر نیاں نہ صرف بوکھلائی بلکہ بے تحاشا خفت کا بھی شکار ہو گئی، معاذ نے سر جھٹکا تھا اور کمرے سے نکل آیا، اپنے کمرے کی سمت بڑھتے اس کے قدم جہان کے کمرے کی لائٹ آن دیکھ کر کھٹم سے گئے۔

”کیا وہ اس وقت تک جاگ رہا تھا؟“ وہ حیران ہوتا اس کے روم کی جانب چلا آیا، دروازہ یونہی آدھ کھلا تھا معاذ نے دھکیلا تو بے آواز کھلتا چلا گیا، وہ اسے کہیں نظر نہیں آیا تھا، بے شکن بستر اس کی شب بیداری کا گواہ تھا، معاذ کی متلاشی نگاہیں سکتے کے عالم میں رہ گئیں تھیں، جائے نماز پہ حالت سجدہ میں پڑے جہان کا پورا وجود ہچکیوں سسکیوں سے لرز رہا تھا، کیوں..... وہ وجہ جانتا تھا، اس کے واپسی کو لوٹتے قدم بے تحاشا ٹھکن، افسردگی اور اضمحلال سے بو جھل تھے۔

☆☆☆

کچھ شوق سی یار فقیری دا
کچھ عشق نے درد مار دیتا
کچھ جہاں کس نہ جھڈی سی
کچھ زہر رقیباں گھول دیتا
کچھ ہجر فراق دارنگ چڑھیا
کچھ درد ماہی انمول دیتا
کچھ سڑگی قسمت میری
کچھ پیار وچ دھوکہ ڈھول دیتا
کچھ اونچ وی راہواں اوکھیاں سن
کچھ گل وچ عم دا طوق دی سی
کچھ شہر دے لوگ وی ظالم سن
کچھ سانوں مرن دا شوق دی سی

معاذ کی نگاہیں جہان کے زرد چہرے پہ جمی ہوئی تھیں، جو بخار میں بری طرح سے پھنک رہا تھا، رات جس کیفیت میں وہ اسے چھوڑ گیا تھا، پھر نیند اس کی آنکھوں سے بھی روٹھ گئی تھی، جس

اضطراب اور بیکلگی میں وہ رہا تھا وہ بہر حال جہان کی بیکلگی کے آگے کچھ بھی نہیں تھی، فجر کی اذان ہو رہی تھی جب اس کی آنکھ لگی تھی اور صورتحال سے بے خبر مانے اسے معمول سے بھی کچھ جلدی جگا دیا تھا۔

”سوری مٹے مجھے یاد نہیں رہا مگر یہ آپ کی ڈاک کل سے آئی پڑی تھی، دیکھ لیتا۔“ اس نے سرسری نگاہ سے دیکھنے کے بعد لفافہ دراز میں ڈال دیا، میڈیکل ڈگری کالج سے اسے ٹیکہ چر شپ کی آفر تھی خصوصی پیج اور پرنسپل کی سرپرستی کے ساتھ، وہ اعلیٰ تعلیم یافتہ تھا، بیرون ملک سے اسپیشلائز اسپیشلائزیشن ڈگری ہولڈر ایسی آفرز تو اب اسے مختلف جگہوں سے ملنے والی تھیں ہی، شاور لے کر وہ ڈائمنگ ہال میں آیا تو ماسیمل فون پہ زینب سے بات کرنے میں مصروف تھیں، تب اسے زیادتی زبانی جہان کی طبیعت کی خرابی کا پتہ چلا تو اسی بل اٹھ کر وہاں آ گیا تھا، سب اس کے کمرے میں جمع تھے، پاپا جان ماما جان اور پاپا کے علاوہ پھوپھو بھی۔

”لیجئے ڈاکٹر صاحب تشریف لے آئے۔“ پھوپھو سے دیکھ کر مسکرائی تھیں۔

”کیا ہوا ہے؟“ وہ مضطرب سا اس کی جانب بڑھ آیا تھا۔

”معمولی ٹیپر پیچر ہے یار! آپ سب لوگ اتنے پریشان ہو رہے ہیں کہ مجھے تو شرمندگی ہونے لگی ہے۔“ جہان کی تمام تر توانائیاں زائل ہو گئی تھیں وہ بے حد نحیف آواز میں بولا تھا۔

”ایک سو تین بخار ہے تم اسے کچھ گردان ہی نہیں رہے ہو؟“ معاذ نے اسے نگلی سے دیکھا تھا، پھر نوریہ اور ماریہ کو بلا کر ان کو ٹھنڈے پانی کی پٹیاں رکھنے کا کہا تھا۔

”حسان سے کہو یار! انہیں واپس بھیج دو۔“ معاذ نے پیادہ غیرہ کو اس کی جانب سے مطمئن کرنے کے بعد واپس بھیج دیا تھا، تب جہان نے کہا تھا۔

”مجھے پتہ ہے، بہن اور کزن سے یہ کام کراتے تمہاری غیرت پہ حرف آتا ہے، سر پہ ٹھنڈے پانی میں کپڑا بھگو کر ہی رکھنا ہے، خیر میں خود کر لیتا ہوں۔“ معاذ خود آگے بڑھ کر باؤل میں برف لگے کیوبز اور پانی ڈال کر کاشن کا ٹکڑا کاٹ کر بھگو نے کے بعد اس کی پیشانی پہ رکھنے لگا تو جہان نے جلتی ہوئی آنکھیں بند کر لیں تھیں۔

”تم بہت اچھے ہو معاذ! خدا تمہاری ہر جائز دلی خواہش کو پورا فرمائے آمین۔“ خاص تاخیر کے بعد وہ بولا تو اس کی آواز پہ ہلکی سی کی کا غلبہ تھا، معاذ نے ایک دم ہونٹ بھیج لئے، وہ کچھ لحوں کو کچھ بولنے کے قابل نہیں ہو سکا تھا۔

”لیکن تم بالکل اچھے نہیں ہو جے! تم نے اپنے ضبط اور حوصلے سے بڑھ کر خود کو آزبایا ہے، دس ازناٹ فیئر یار! دس از نوچ۔“ معاذ کا اپنا گلا بھرا گیا تھا، جہان نے سختی سے ہونٹ بھیج لئے، دونوں ایک دوسرے سے نظریں چرا رہے تھے، دونوں ہی کچھ کہنا نہیں چاہتے تھے۔

”نہیں معاذ! خدا کا وعدہ ہے خدا اپنے بندوں کو اس کے ضبط اور برداشت سے بڑھ کر دکھ نہیں دیتا۔“

”تو پھر تم سنہیل کیوں نہیں جاتے ہو؟“ معاذ ضبط کھو کر چیخ پڑا تھا، جہان زخمی انداز میں مسکرایا۔

”سنجھ جاؤں گا، ڈونٹ وری۔“

”تم فوری شادی کر لو جے!“ معاذ نے ایک دم اس کے ہاتھ تھام لئے، جہان نے چونک کر اسے دیکھا پھر کرب آمیز انداز میں مسکرایا۔

”تم سمجھتے ہو شادی ہر مسئلے کا حل ہے؟ ایسا نہیں ٹرسٹ ی۔“

”کیا سمجھوں میں کہ تم اس اذیت سے باہر آنا نہیں چاہتے۔“ معاذ کو سخت غصہ آنے لگا۔

”میں نے یہ کب کہا؟“ جہان نے نظریں جمائیں۔

”جے ماضی کی سوگاری سے انسان کو اتنی گہری وابستگی نہیں ہونی چاہیے، انسان کو پیچھے نہیں ہمیشہ آگے دیکھنے کی عادت ڈالنی چاہیے، ایک دیا بجھ گیا تو اسے مقدر کیوں سمجھا جائے، آئے ہ، قدم یہ دیا جلایا جاسکتا ہے، جب منزل ڈھونڈنے کے اتنے مواقع موجود ہوں تو کوئی اتنا حتم کیوں بنے کہ کولہوں کے نیل کی طرح ساری زندگی بجھے ہوئے دیئے کا طواف کرتا رہے، تم سمجھ رہے ہو میں کیا کہنا چاہ رہا ہوں۔“ جہان نے جواب میں کچھ کہنے کی بجائے، اپنا ہاتھ تسلی آمیز انداز میں اس کے ہاتھ پر رکھ دیا تھا۔

(میں اب سنجھ جاؤں گا معاذ! آج کی رات سب سے کٹھن تھی، مجھے لگتا تھا نارسائی کے ساتھ وحشت کا احساس مجھے دیوانگی میں مبتلا کر دے گا، میں نے اللہ کے دربار میں خود کو پیش نہ کیا ہوتا تو تمہارے سامنے اس بل حواسوں میں نہ ہوتا۔)

”گند میں خود کوئی بہت اچھی لڑکی ڈھونڈوں گا تمہارے لئے، جو تم سے بہت محبت کرے، بہت قدر کرے تمہاری، وہ تمہارے قابل نہیں تھی جے؟“ معاذ نے اس کے گلے لگتے ہوئے کہا تو جہان نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا تھا۔

”آئندہ ایسا مت کہنا معاذ پلیز۔“ وہ کس درجہ لہجے ہو کر بولا تھا اور معاذ کرب آمیز ہنسی ہنس دیا تھا، دروازے پر ہونے والی دستک کی آواز پر وہ دونوں ایک دوسرے سے الگ ہوئے اور غیر محسوس انداز میں اپنی اپنی آنکھیں پونچھیں۔

”مجھے زیاد بھائی سے پتہ چلا تھا آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں، خیریت ہے نا؟“ جہان کے اجازت دینے پر پر نیاں دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی تھی، اس کی چال میں کس قدر لنگر بہت تھی، جہان نے محسوس کرتے ہی اپنی پریشانی ظاہر کی تھی۔

”مجھے تو آپ خود بھی ٹھیک نہیں لگتیں، ٹانگ کو کیا ہوا؟“ پر نیاں ہو معاذ کو وہاں موجود پا کر فٹکی تھی ایک دم کچھ کنفیوژڈ نظر آنے لگی۔

”پاؤں میں چوٹ آگئی تھی، اب بہتر ہوں۔“ آہستگی سے جواب دیتی وہ بیڈ سے کچھ فاصلے پر پڑی معاذ کی خالی کی کرسی پر بیٹھ گئی، معاذ خاموشی سے اٹھ کر کمرے سے باہر چلا گیا تھا، پر نیاں کے لئے اس کا یہ رویہ یہ خاموشی اچنبھے کا باعث تھی، اس کی ساکن پلکیں کئی ثانیوں تک ملتے پردے کو دیکھتی چلی گئی تھیں۔

”گھر میں وہ دو ڈاکٹر ہیں، آپ نے انہیں زحمت کیوں نہیں دی۔“ جہان کی بات سن کر پر نیاں خفیف سے انداز میں چونکی پھر آہستگی سے مسکرائی۔

”رات بہت زیادہ بین تھی، مار یہ زبردستی زحمت دے چکی تھی۔“

”زیادہ کو؟“ جہان نے بخور سے دیکھا، پر نیاں کے چہرے پر ایک رنگ آ کر گزرا۔

”نہیں انہیں۔“ جہان کچھ کیے بغیر آہستگی سے نگاہ کا زاویہ بدل گیا تھا۔

”میں محسوس کر رہا ہوں پر نیاں آپ معاذ کے متعلق غلط فہمیوں کا شکار ہیں، وہ بے حد کیئرنگ اور زیارے دل کا مالک ہے، آپ یقین کریں وہ ہرگز بھی ویسا نہیں ہے، بسا اوقات ایسا ہوتا ہے نا کہ کسی بہت اچھے انسان کا امیج اسی قدر غلط انداز میں پڑ جاتا ہے، ضروری نہیں فرسٹ امپریشن از وی لاسٹ امپریشن کے مقولے کو مد نظر رکھ لیا جائے۔“ پشت پر تکیہ رکھ کر ڈراما ساز ٹیلیکس انداز میں بیٹھتے ہوئے جہان نے اپنے اوپر پھیلی جادو کو از سرے نو درست کیا تھا، پر نیاں کا چہرہ متغیر ہو گیا تھا، کچھ لمحوں کو وہ سر جھکائے ہاتھ مسکتی رہی تھی پھر جب بولی تھی تو کچھ اور ”آپ کل تک تو اچھے بھلے تھے بھائی! ایک دم کیسے طبیعت خراب ہو گئی؟“

(کل کی رات بل صراط یہ سفر کی رات تھی، اس میں سفر جاری نہیں رکھ سکتا تھا، بار بار کٹ کٹ کر جہنم میں گرنے جلتے اور سلگنے کا عمل ناقابل برداشت ہوتا ہے، وہ رب ہی ہے جس نے مجھے سنبھالا دیا اور تھام لیا، بلاشبہ خدا کی یاد میں ہر دلوں کا سکون پوشیدہ ہے)

”آپ نے شاید میری بات کو مائنڈ کیا، سوری ٹو سے۔“ وہ دونوں ہی اپنے اپنے اذیت انگیز موضوعات سے کترارے تھے، جیسی اصل بات کا جواب گول ہو جاتا تھا، پر نیاں خفیف سا مسکرائی۔

”نہیں بھائی! میں آپ کی کسی بات کا برا نہیں مان سکتی، یہاں جو رشتے مجھے ملے ہیں ان میں سے جن کے اخلاص اور محبت پر مجھے شبہ کا گمان تک بھی نہیں ہوتا ان میں آپ کا نام بھی شامل ہے؟“ اس کے لہجے کی عقیدت سچائی اور محبت بے حد خاص تھی، جہان متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکا اور اس درجہ غلوں نے اس کے دل کو بے ساختہ گداز کر دیا تھا۔

”ان پر غلوں محبتوں والی لسٹ میں معاذ کا نام شامل ہے یا نہیں؟“ جہان نے دانستہ شرارت کی تھی، پر نیاں بے توجہ شام سرخ پڑ گئی۔

”اب آپ بھی مجھے زچ کریں گے؟ واضح رہے آپ ان کے فرینڈ جبکہ میرے بھائی ہیں۔“ جہان بے ساختہ ہنستا چلا گیا، اس نازک پیاری سی لڑکی کے مان بھرے انداز نے اس کی تکلیف سے پیش دیتے وجود پر اپنی نبے ریا محبت کے پھاپے رکھ کر کیسے شانت کر ڈالا تھا، بلاشبہ یہ رشتے ناٹے اور ان کی خوبصورتی اس خدا نے انسان کی ڈھارس حوصلہ اور جینے کا آسرا ہی تو بنائے ہیں، جہان کو یوں ہنستے دیکھ کر اپنے دھیان میں اندر آنا معاذ بے ساختہ ٹھٹکا تھا، اس نے جہان کے چہرے سے نگاہ ہٹا کر پر نیاں کو دیکھا جس کے چہرے کی مسکان اسے رو برو پاتے ہی سکڑتے تھے بالآخر غائب ہو گئی۔

”خیریت کون سا جوک سن لیا کہ ذانت نکل رہے ہیں، میرے سامنے تو مستقل سڑی بسی شکل بنا کر بیٹھ رہے تھے۔“ وہ جتنا کلسا تھا اس سے بڑھ کر پیش تھی اس کے لہجے میں، جو پر نیاں کو کڑی اور خفگی بھری نگاہوں سے دیکھا، ہانگ، جہان پر کیا اثر ہونا تھا، اس کی جگن محسوس کر کے اور بھی زیادہ ہنسنے لگا۔

”مطلب؟ کیا کہنا چاہتے ہو معاذ؟“ جہان کی سحرانہ نگاہوں میں الجھن اور اضطراب کا رنگ گہرا ہو گیا تھا۔

”تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں ہے! پھر میں نہیں چاہتا تم وہاں جا کر مزید ٹینس ہو۔“ معاذ کی بات سن کر جہان کے چہرے پر مجروح سی مسکان نے لمحہ بھر کو قیام کیا تھا۔

”پاگل ہو تم معاذ! میں اتنا نازک نہیں ہوں کہ.....“

”یہ تمہاری بہادری اور مضبوطی ہے کہ اب بستر سنبھالے پڑتے ہو، کوئی ضرورت نہیں ہے خود کو کسی ٹریجک مووی کا ہیرو ثابت کرنے کی ادکے؟“ حسب عادت وہ جلدی غصے میں آ کر بھڑک اٹھا تھا۔

”یہ تم مجھے آرڈر کر رہے ہو کہ میں وہاں نہیں جا سکتا؟“ جہان کا لہجہ جتنا عجیب تھا معاذ کو اسی حد تک تکلیف دہ محسوس ہوا، اس نے جہان کا چہرہ اپنے ہاتھوں میں لے کر بے قراری سے اسے دیکھا تھا۔

”یہ کیسی باتیں کرنے لگے ہو تم جے۔“ اس کے لہجے میں انداز میں کچھ ایسی وحشت اور کرب تھا جہان خود ہی شرمندگی محسوس کرنے لگا۔

”وہ تمہارے جذبات اور تمہاری محبت سمجھ سکتا ہوں معاذ! مگر یہ بھی تو دیکھو نا کہ اس طرح کتنے لوگ اس فیصلے کی زد میں آئیں گے، چاچو، چچی جان، پاپا جان، ماما جان تم کیا سمجھتے ہو کسی کو کچھ معلوم نہیں ہے، ایسا نہیں ہے معاذ میری اتنی احتیاط کے باوجود جانے کیسے سب ہی باخبر ہو گئے اور.....“

”اٹس اوکے، اب جانے دو یار۔“ معاذ نے اس کے ہاتھ کو تھپکا۔

”اگر میں نہ گیا تو.....“

”چلے جانا جے، چلے جانا، مجھے تم سے اگر کوئی گلہ ہے تو یہی کہہ لیں تو اپنے متعلق بھی سوچ لیا کرو، ہمیشہ دوسروں کو نوازا دوسروں کا بھلا چاہتا تو خدائی صفت ہے۔“ وہ عاجز ہوا تھا جہان بردباری سے مسکرا دیا۔

”خدا اپنی صفات اپنے بندوں میں دیکھنا پسند فرماتا ہے معاذ! لیکن یہ تم سے کس نے کہا کہ میں ایسا ہوں، میں تو اک بے حد عام انسان ہوں یار!“ اس کی عاجزی اس کی انکساری کا وہی عالم تھا، معاذ اسے دیکھ کر رہ گیا۔

☆☆☆

ہمارے لہجے میں یہ توازن
بڑی ہی محنت کے بعد آیا
کئی مزاجوں کی دشت دیکھے
کئی رویوں کی خاک چھانی

ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے اسٹول پر بیٹھی وہ اپنے لہجے بے حد گھنیرے بال سلجھانے میں مصروف تھی جب دروازے پر دستک ہوئی تھی، اس نے جلدی سے دوپٹہ سر پہ اوڑھا تھا اسی دوران

”بس جل گئے، یار ایک تو تم میں جیسی بہت زیادہ ہے۔“

”مم..... میں چلتی ہوں۔“ پریناں معاذ کے تیور دیکھ کر سہم گئی تھی، کرسی دھکیل کر انھی اور شیشائی ہوئی سی سرعت سے باہر نکل گئی، جہان نے متاسفانہ نظروں کو معاذ کے چہرے پہ جمایا۔

”بڑا گئی تمہیں ٹھنڈ، ڈرا کے رکھ دیا بیچاری کو۔“

”ہاں، ڈریکولا سے ملتی ہے تا میری شکل جو محترمہ ڈر گئیں اور تم جتنے پرنس ہونا یہ بھی جانتا ہوں میں۔“ وہ اتنا جھلایا ہوا تھا کہ باقاعدہ لڑنے لکڑا ہو گیا تھا۔

”تمہیں اتنا غصہ کس بات پہ آ رہا ہے آخر؟“ جہان نے مسکراہٹ دہائی تھی۔

”ساری دنیا یہ بات کہتی تھی کہ تم مجھ سے تھوڑا سا زیادہ ہینڈسم ہو مگر میں کبھی مان کر نہ دیا مگر آج مجھے بھی یقین آ گیا، یار یہ لڑکی بھی.....“

”خبردار، خبردار معاذ جو کچھ غلط سوچا، پریناں بہن ہے میری۔“ جہان نے بے اختیار اسے ڈانٹ کے رکھتے ہوئے آنکھیں نکالیں تو معاذ نے غم کر اسے غیر یقینی اور ناراض سے دیکھا تھا، پھر بے اختیار گہرا پرسکون سانس بھرا اور سر جھٹکا۔

”بہلے نہیں بک سکتے تھے، چلو شکر ہے تمہیں بھی کسی نے اس نظر سے دیکھا۔“ وہ ہنسنے لگا۔

”مجھے ہرگز نہیں پتہ تھا تم اتنا فضول سوچو گے، اطلاعاً عرض ہے کہ ہر لڑکی فضول نہیں ہوتی۔“

جہان نے تڑا تو جواباً وہ دانٹ نکالنے لگا تھا۔

”ہاں محترمہ کے اصول و ضوابط کتنے کڑے ہیں جانتا ہوں، مجھ سے کیا دشمنی ہے تمہاری ڈنیر سسٹری ذرا پتہ کر کے تو بتاؤ۔“ وہ سر کھجا کر کہتا اسے ترچھی نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

”غیرت مند بھائی اپنی بہنوں سے اس قسم کی باتیں نہیں کیا کرتے اتنی لڑکے۔“ جہان نے ہری جھنڈی دکھائی تو معاذ نے یہ درخ اسے گھورا تھا۔

”یعنی حد ہے بے وفائی کی ظالم! ٹھیک ہے میں جب اسے پٹالوں کا نائب وہ تمہیں پہچانے گی بھی نہیں۔“ معاذ نے منہ پہ ہاتھ پھیر کر جس طرح کہا جہان پھر سے ہنسنے لگا تھا، معاذ سب کچھ بھول کر بس اسے ہنسنے دیکھے گیا تو جہان نے ایک دم ہونٹ بھینچ لئے تھے۔

”ایسے کیوں دیکھ رہے ہو؟“

”میں چاہتا ہوں تم ہمیشہ ایسے ہی ہنستے رہو جے۔“ جہان نے بے ساختہ نظریں جھرا لیں۔

(تم اگر جان لو معاذ یہ دعا نہیں بد دعا ہے تو تم لرز اٹھو، یہ ہنسی دل کی خوشی کا نام نہیں ہے بھرم اور ڈھکوسلہ ہے، جب بھی دعا مانگو ہمیشہ کامل دعا مانگو۔)

”خاموش کیوں ہو گئے؟ کیا سوچ رہے ہو۔“ معاذ نے اس کا دھیان بٹایا تھا، جہان مجروح سے انداز میں مسکرایا۔

”کل صبح ناگم ہمیں جانا ہو گا نا، میرے پاس ولیمہ کے لئے کوئی ڈھنگ کا سوٹ نہیں، سوچ رہا ہوں آج مارکیٹ کا چکر لگا آؤں۔“

”کوئی ضرورت نہیں ہے جانے کی، نہ مارکیٹ نہ ولیمہ پہ۔“ اس کی قطعیت بھرے انداز پہ جہان نے بری طرح چونک کر اسے دیکھا تھا۔

دروازہ کھول کر مماندر چلی آئیں، پر نیاں گھبرا کر کھڑی ہو گئی۔
 ”مما آپ! مجھے بلا لیا ہوتا۔“ کھڑے ہونے سے اس کے سر سے ریشمی آنچل ڈھلک گیا اور
 سینے پہ کسی آبشار کی طرح گرتے مٹھلیں بال لہرانے لگے، ممانے مسکرا کر اپنی بے حد حسین شہزادی
 جیسی آن بان والی بہو کو دیکھا تھا اور آگے بڑھ کر اسے گلے لگا کر پیار سے پیشانی چومی۔
 ”میرا دل کر رہا تھا اپنی بیٹی کو دیکھنے کو باتیں کرنے کو تو چلی آئی، یہ بتاؤ آپ کو یہاں کوئی
 پریشانی تو نہیں ہے؟“ ان کے لہجے میں انداز میں اپنائیت محبت اور بے حد خاصیت کا احساس تھا،
 پر نیاں نے اپنی ماں کا لمس ان کا پیار نہیں دیکھا تھا، مگر جب سے وہ ممانے سے ملی تھی اس نے جانا تھا
 ایک ماں کا یہی روپ یہی محبت ہو سکتی ہے، وہ گھنیری چھایا تھیں، ٹھنڈا جھرتا تھیں اور ایک پرسکون
 احساس تھیں۔
 ”نہیں ممان جانی! آپ کے پاس آ کر میں ہمیشہ خود کو پرسکون اور مکمل محسوس کرتی ہوں۔“
 پر نیاں نے پہلی مرتبہ پوری سچائی اور خلوص کے ساتھ ان پہ اپنے جذباتوں کو آشکار کیا تھا، ممان کے
 چہرے پہ رہشیاں سی چھا گئیں۔
 ”بیٹے عورت مکمل اپنے مرد سے ہوتی ہے، پھر اس کے بچے سے، خدا تمہاری یہ تکمیل مکمل اور
 بھر پور کرے، میں تو جب معاذ کی تمہارے لئے بے تالی دیکھتی ہوں تو تشکر کے احساس سے
 آنکھیں نم ہو جاتی ہیں، سر سجدے سے اٹھانے کو جی نہیں کرتا، ورنہ ہر لمحہ ان دونوں میں میرا
 خون خشک ہوا ہے۔“ ممان بھیگی آنکھوں کو صاف کر رہی تھیں اپنی دھن میں جیسی پر نیاں کے
 چہرے پہ لرزاں تاریک سائے نہ دیکھ سکی تھیں، ممانہیں اس کی جامد خاموشی کا احساس ہوا تو چونک
 کر دیکھا تھا پھر ایک دم کچھ خفت زدہ ہو گئیں۔
 ”سوری بیٹے شاید آپ کو میری آخری بات کچھ اچھی نہیں لگی۔“ پر نیاں نے مجروح نظروں
 سے انہیں دیکھا اور پھر آہستگی سے بولی تھی۔
 ”حقیقت سے فرار چاہیں بھی تو ممکن نہیں ہوتا ممان!“
 ”بیٹے عقلمند وہی ہوتا ہے جو ماضی کے کرناک حالات سے دامن چھڑا کر آگے دیکھے، یہ مت
 سمجھنا کہ میں معاذ کی ماں ہوں اس لئے آپ کو یہ کہہ رہی ہوں، بیٹے آپ مجھے معاذ سے بھی زیادہ
 عزیز اور پیاری ہو، بیٹیاں حساس اور نازک ہوتی ہیں، میں تمہاری ماں ہونے کے ناطے تمہیں شوہر
 کی اس قسم نظر لینی کو بھلانے کا مشورہ دے رہی ہوں، وہ اس وقت ہر اپنا محبت ہے، اس کے لئے
 محبت بن جاؤ، آپ بیوی ہو اس کی، وہ شدت پسند اور جذباتی ہے برا انسان نہیں ہے، مجھے بتاؤ
 آپ کو معاذ سے کوئی شکایت ہے اب بھی؟“
 ”ممانہیں اپنی منکوحہ کے جذبات و احساسات کی پرواہ تک نہیں ہے، انہیں اس کا نام تک
 یاد نہیں، وہ اسے بسانے کا اب بھی نہیں سوچتے۔“ وہ روہاسی ہو گئی تھی، ممان اس کی بچکانہ سوچ پہ مسکرا
 دی تھیں۔
 ”تمہارے لئے تو یہ سب سوچتا ہے نا؟ پھر تمہیں کیا فرق پڑتا ہے۔“ ان کی بات پر پر نیاں
 نے مضطرب ہو کر انہیں دیکھا تھا۔

”لیکن اگر وہ میرے علاوہ کسی اور لڑکی کے لئے یہ سوچتے تو پھر.....؟“ اس کا لہجہ سخت
 احتجاجی قسم کا تھا ممان کو بے ساختہ اس پر پیار آیا تھا اور معاذ کی قسمت پہ رشک اس جیسے موڈی بے
 پرواہ اور ضدی انسان کو خدا نے کیسے خالص کھرے اور سچے جذبات کی حامل لڑکی سے نوازا تھا۔
 ”سوچا تو نہیں نا، ہوا تو نہیں نا، اور یہ مقام شکر ہے بیٹے! دیکھو مرد کے عورت سے چار سب
 سے اہم رشتے استوار ہوتے ہیں، پہلے ماں کا پھر بہن کا اس کے بعد بیوی کا اور بیٹی کا، مرد ان
 سب پہ اپنی اجارہ داری قائم کرتا ہے مگر جو شدت اس کے رویے میں ماں اور بیوی کے لئے ہوتی
 ہے، وہ بہن اور بیٹی کے لئے نہیں، شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ ان دونوں رشتوں کو اسے بالآخر غیر
 انھوں کو سوچنا ہوتا ہے، مگر وہ ماں سے اور بیوی سے اپنی ہر بات ہر ضد اور خواہش پوری کرانا اپنا
 حق سمجھتا ہے، بیٹے میں معاذ کے مزاج عادات سے بہت اچھی طرح آگاہ ہوں، وہ ضدی بھی ہے
 اور جذبات بھی، ضد اور جذبات میں وہ اکثر اپنا سب سے زیادہ نقصان کرتا رہا ہے، میں نے
 ساری زندگی اس کی پل پل حفاظت کی ہے، آپ یقین کرو میں معاذ کے مقابلے میں تمہارے پاپا کو
 بھی اگنور کرتی رہی ہوں، میں اس کی فطرت سے آگاہ تھی اور ہرگز نہیں چاہتی تھی اس کی شخصیت
 میں میری توجہ کی کسی کوئی بگاڑ یا کمی چھوڑ جائے، اب اس کی زندگی میں آپ آگئی ہو، اس کی توجہ کا
 مرکز مجھ سے ہٹ کر آپ پہ مرکوز ہو گیا ہے، اب وہ ہر توقع آپ سے پوری کرنا چاہے گا بیٹے مجھے
 اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ میری بیٹی میں یہ اپیلٹی ہے۔“ انہوں نے مسکرا کر نرمی سے کہتے اسے
 گلے لگا لیا تو پر نیاں کے اندر یکھت سناتے اتر آئے تھے، وہ ان سے کیا کیا امیدیں جوڑ بیٹھی
 تھیں۔
 ”ان کے رویے میں بہت شدت پسندی ہے ممان! ایسے لوگ بہت خطرناک ہوتے ہیں، بلیو
 می مجھے ان سے ڈر لگتا ہے وہ اگر اچھے موڈ میں ہیں تب بھی اس کی شدت مجھے ہولانی ہے اگر ان کا
 موڈ بگڑے تو پھر تو سمجھیں میری جان نکلنے لگتی ہے، رات بغیر کسی وجہ کے اتنے خفا تھے مجھ سے پھر
 اب بھی۔“ وہ ان کے ساتھ لگی لگی ہی بولنے لگی، لہجے میں گھبراہٹ کے ساتھ جو خفیف سا حیا کا
 رنگ تھا ممان کو وہی بہت پیارا لگا تھا جیسی مسکرائیں۔
 ”اچھا مجھے آپ یہ بتاؤ آپ کیوں یہ چاہتی ہو کہ معاذ کو پتہ نہ چلے جس لڑکی پہ وہ بری طرح
 سے نذا ہو گیا ہے! وہ اس کی منکوحہ ہی ہے۔“ ممان کے سوال پہ پر نیاں کا چہرہ پہلے حیا آمیز سرخی سے
 دیکھا تھا پھر سپاٹ ہو گیا۔
 ”میں چاہتی ہوں وہ اس لڑکی کو اس عزت و احترام سے قبول کریں جسے انہوں نے کبھی بہت
 زعم اور بے اعتنائی سے رد کیا تھا، میری انا اور وقار مجروح ہوئے ہیں ممان!“ وہ پھر سے روہاسی ہو گئی
 تھی، ممان نے اسے گلے لگا کر محبت اور نرمی سے تھپکا۔
 ”ڈنٹ وری بیٹے! خدا نے چاہا تو ایسا بھی ضرور ہوگا، اللہ آپ کی تمام جائز دلی خواہشات کو
 پورا فرمائے۔“ پھر جیسے کچھ یاد آنے پہ ایک دم گھبرا کر اٹھ گئیں۔
 ”مجھے دیکھو ذرا، جہان سے کچھ کھانے کا پوچھنے آئی تھی، میں دیکھوں اس نے دوا بھی لی کہ
 نہیں۔“

”کچن میں کچھ کام ہے تو مجھے بتا دیں میں کر لوں گی۔“ پر نیاں نے ان کے تھکے ہوئے چہرے کو دیکھا تھا، پچھلے کئی دنوں سے ان پہ کاموں کا لوڈ بہت بڑھا ہوا تھا۔
 ”ارے نہیں بیٹے! سب ٹھیک ہے۔“ وہ مسکرائی تھیں اور دروازے کی سمت بڑھیں کہ اسی پل دستک ہونے لگی تھی، ممانے دروازہ کھولا تو تک سب سے تیار معاذ کی صورت نظر آئی تھی۔
 ”آپ یہاں کیسے؟ بچو آپ کی بہن کی کل شادی ہو گئی ہے غالباً۔“ ممانے اسے ایک دم چھیڑا تھا اور جس وجہ سے وہ سمجھ سکتا تھا جیسی بری طرح جھینپا۔
 ”مگر ان کی فرینڈ تو یہیں ہیں نا۔“

”تو آپ کا اس سے کیا کام؟“ ممانے کی بے تری کی بولیں تھیں معاذ گڑبڑا سا گیا۔
 ”وہ اچھوٹی ہم مارکیٹ جا رہے تھے، سوچا ان سے پوچھ لوں کسی چیز کی ضرورت تو نہیں۔“ ممانے مسکراہٹ ضبط کی پھر پر نیاں کی جانب رخ پھیرا تھا۔

”کیوں پر نیاں بیٹے کچھ چاہیے آپ کو تو بتا دیں، میرے بیٹے کو آج کل خدمت فلق کا شوق ہو رہا ہے۔“ پر نیاں نے ممانے کے چہرے پہ کھیلتی مسکان کو دیکھا اور با مشکل اپنی مسکراہٹ ضبط کی تھی۔
 ”نہیں شکر یہ مجھے کچھ نہیں چاہیے۔“ اس نے دانستہ نخوت سے جواب دیا تھا، معاذ کے چہرے پہ مایوسی چھا گئی۔

”اوہ اچھا! دیے آپ کا پیر کیسا ہے اب؟ لگتا ہے آپ نے ریست نہیں کی۔“ پر نیاں نے چونک کر اسے دیکھا، وہ اس کے بجائے بلیک چوڑے اسٹیمپ والے ہینڈل میں مقید اس کے گلابی پیر کو دیکھ رہا تھا۔
 ”سج بیٹر! ٹھیکس۔“ پر نیاں کے الفاظ کی نسبت اس کا لہجہ روکھا تھا، معاذ نے ایک نظر اس کی سمت دیکھا، خوبصورت چہرے پر دلکشی ملاحظت کے ساتھ بے رخی اور بے اعتنائی بھی تھی۔

”پین کلرز لیتی رہیے گا اور مرہم کا مساج بھی شام تک دو تین مرتبہ ضرور کر لیجیے۔“ وہ اس کی بے رخی کے باوجود اسی خاص انداز میں نصیحت کر رہا تھا، ممانے اس کے باہر نکلی تھیں جو اس کی نظروں میں آگئی، جیسی وہ ان کے سر ہوا تھا اور ان کے پیچھے بھاگا آیا۔
 ”کیوں نہیں ہیں آپ؟“

”مجھے اپنے ڈاکٹر بیٹے کا پشٹنٹ سے خاص رویہ خوشی دے رہا تھا۔“ انہوں نے بات بنائی مگر وہ مطمئن نہیں ہو سکا تھا۔

”ہرگز یقین نہیں کر سکتا، آپ کی مسکراہٹ مشکوک تھی۔“ وہ زور دے پل سے بولا تو ممانے کی ہنسی نکل گئی۔

”میں اپنے بیٹے کو بدلا ہوا پارہی ہوں، بس اس لئے۔“ معاذ نے گہرا سانس کھینچا پھر گہری نظروں سے انہیں دیکھا تھا۔

”آپ کو اچھا لگ رہا تھا؟“ اب کے وہ خود مشکوک ہوا۔
 ”کیوں نہیں بیٹے! لڑکی اتنی پیاری ہے۔“

”اس کے باوجود کہ میں آپ کی لاڈلی بہو کو چھوڑ کر کسی اور کے پیچھے خوار ہو رہا ہوں۔“ اپنی بات کہہ کر اس نے بغور ان کے تاثرات جانچے۔
 ”مجھے اپنے بیٹے کی خوشی عزیز ہے۔“ ممانے نرمی سے دو ٹوک انداز میں جواب دیا تو معاذ نہایت چوٹی سے ان کے گلے لگ گیا تھا۔
 ”ٹھیکس مام! اب اپنے ہر بینڈ کو بھی یہی بات سمجھائیے گا پلیز۔“ ممانے اسے خفیف سا گھورا تھا۔

”شرم تو نہیں آتی آپ کو معاذ! میرے شوہر آپ کے بھی کچھ ہوتے ہیں۔“
 ”جی جی میرے تو ہوتے ہی ہیں مامام میں چاہتا ہوں آپ انہیں مس پر نیاں کے سر صاحب بنا دیں۔“ وہ دانت نکال کر بولا تو ممانے اس کے سر پہ چپت لگائی تھی، پھر اسی سمت آتے جہاں کو دیکھ کر فکر مند ہوتے ہوئے بولی تھیں۔

”بیٹے آپ کیوں اٹھ گئے ہو؟ طبیعت زیادہ خراب ہو گئی تو؟“
 ”کم آن چچی جان! الحمد للہ میں ٹھیک ہوں، آپ سب کی دعائیں اور یہ دود ڈاکٹرز ہیں نا مجھے دواؤں کی ترسیل کرنے کو۔“ وہ ہنس رہا تھا، مگر آنکھوں میں ایک مستقل سکوت ٹھہر گیا تھا جس میں درد گھات لگائے بیٹھا تھا، ممانے کے اندر اضطراب سا سمٹنے لگا، ان کا بس نہ چلا اسے ننھے بچے کی طرح سے بانہوں میں سمیٹ کر گلے سے لگالیں، ہر دکھ ہر تکلیف اپنی پوروں سے چن لیں، مگر وہ کتنی بے بس تھیں، ان کی آنکھیں نم ہونے لگیں۔

”بیٹے آرام ضروری ہے، تھکان سے پھر طبیعت بگڑ سکتی ہے خدا نخواستہ۔“ انہوں نے آگے بڑھ کر اس کا رخسار تھپتھپایا تھا، جہاں ان کی تشویش محسوس کر کے نرمی سے مسکرایا۔
 ”آپ فکر نہ کریں چچی جان میں ٹھیک ہوں، مارکیٹ تک جا رہا ہوں، آپ کو کچھ منگوانا ہے؟“

”ہو گئے لاڈ شروع دنوں کے جے کے سامنے آپ کو سب بھول کیوں جاتا ہے مام!“ معاذ کے لہجے میں مصنوعی نقل تھی، دونوں ہی مسکرا دیے، معاذ نے منہ بسور لیا تھا، معاذ جانتا تھا اس کی باتیں اس کی ہنسی مل کر بھی جہاں کو اس کیفیت سے نہیں نکال رہی وہ اسی خیال سے مضطرب ہو رہا تھا، مارکیٹ میں بھی وہ جہاں کے ساتھ بے خیال سا پھرتا رہا تھا۔

یوسف مصر تمنا تیرے جلووں پہ غار
 میری بے تابی کو خواب زینجا نہ بنا

جہاں سوٹ کے ساتھ کی میچنگ ٹائی ڈھونڈ رہا تھا جب کوئی اچانک اس کے پاس آ کر چپکنے کے انداز میں بولا، جہاں کچھ اس طرح بے خبر تھا کہ ایک دم اپنی جگہ پہ اچھل کر رہ گیا، اس کے ساتھ ساتھ معاذ بھی چونکتے ہوئے پلٹ کر دیکھا تھا، بلو بے حد خوبصورت کڑھائی کا گہرے گلے کا سلیویس ٹاپ اور کائٹن کے سلیو پھولوں والا سفید سکرٹ پہنے نیلما اپنی تمام تر حشر سامانیوں اور بے مانی کے ساتھ اس کے رہ رہو جذبے لٹائی نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی، جہاں کا چہرہ ایک نکت یوں بگڑ گیا جیسے منہ میں کوئین ٹھل گئی ہو۔

”کیسے ہیں جناب! بہت سنگدل ہیں آپ؟ کبھی خدمت کا موقع ہی نہیں دیتے۔“ وہ پیاسی نظروں سے جہان کو یک ٹک دیکھ رہی تھی۔

”چلو معاذ!“ جہان نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے ساتھ کھینچا تو نیلما سرعت سے لپک کر راستہ روک کر کھڑی ہو گئی۔

”ارے ارے اتنی خفگی اور یہ کون ہیں، ماشا اللہ خدا نے انہیں بھی کیا خوب بتلایا ہے۔“ اب اس کی نظروں کا فوکس معاذ پہ تھا، انداز کی بے باکی کا وہی عالم تھا، نظروں میں ستائش اور ہونٹ تو پھٹتی انداز میں سکڑے ہوئے۔

”کون ہے یہ؟“ معاذ نے جہان کے ساتھ باہر آتے ہوئے پلٹ کر ایک نظر نیلما کو دیکھا جو تیزی سے ان کے پیچھے ہی لپکی آرہی تھی۔

”ایسے لوگوں کا تعارف بھی حاصل نہیں کرنا چاہتے، لعنت بھیجو اس پر۔“ جہان کے لہجے و انداز میں اس درجہ حقارت تھی کہ معاذ ٹھنک گیا تھا، اس نے آج تک جہان کو بھی کسی کے لئے اس انداز میں بات کرتے نہیں دیکھا تھا۔

”پھر بھی یار کچھ پتہ تو چلے، مجھے لگ رہا ہے جیسے کہیں دیکھا ہے محترمہ کو اور تم اتنا ڈر کیوں رہے ہو، کھانے سے تو رہی۔“ معاذ کو واقعی اچھنچا ہوا تھا، جہان کے اس درجہ گریز پر۔

”یہ کی نا آپ نے خالص مردوں والی بات، کھانے سے تو رہی، ویسے آپ صرف خوبصورت نہیں ہیں، باتیں بھی مزے کی کرتے ہیں۔“ اس اثنا میں نیلما ایک بار پھر دونوں کے برابر آ پہنچی تھی اور شارہ ہونے والے انداز میں معاذ کو دیکھنے لگی، اس نے معاذ کا آخری فقرہ ہی سنا تھا، معاذ نے گردن موڑ کر تھیکھے چوتوںوں سے اسے دیکھا۔

”آپ کی تعریف؟“

”تعریف تو مجھے اس خدا کی کرنی چاہیے جس نے آپ کو بنایا، ہم تو جہان صاحب کو ہی دیکھ کر دل تھامے بیٹھے تھے، آپ کو دیکھ کر خدا کی سنائی پر رشک کر رہے ہیں۔“ معاذ کا منہ کھل گیا تھا، اس نے ایسی بے باکی کے مظاہرے انگلینڈ میں تو دیکھے تھے، پاکستان میں پہلی بار ایسا ہوا تھا۔

”ہو گئی سلی؟ اب چلو ورنہ اگر ان سے تمہارے بات کرنے کی بھنگ بھی پر نیاں کو ہو گئی تا تو ساری عمر بھی وضاحتیں دیتے رہے تو وہ مشکوک ہی رہے گی۔“ جہان نے دانت کچکچا کر اس کے تقریباً کان میں گھس کر کہا تھا مگر نیلما کی سماعت قابل رشک تھی اس نے چونکتے ہوئے دونوں کو دیکھا۔

”پر نیاں؟ بیوی ہے ان کی؟“ اس کا لہجہ بے حد عجیب تھا، جہان نے اس کے سوال کا جواب دینا گوارا نہیں کیا تو نیلما نے سرد آہ بھری۔

تربان ہو جاؤں اس شخص کے ہاتھوں کی لکیروں پر
جس نے تجھے مانگا بھی نہیں اور اپنا بنا لیا

وہ متاسفانہ انداز میں ٹھنڈی آہیں بھر رہی تھی، جہان قہر بھری نگاہ اس پہ ڈالتا گاڑی میں بیٹھا اور اگلے ہی ایک جھٹکے سے گاڑی اشارت کی تھی، معاذ کو نہایت عجلت میں اندر بیٹھ کر دروازہ بند کرنا

پڑا، جہان کا سرخ چہرہ دیکھ کر وہ بے اختیار ہنستا چلا گیا۔

”اف ہے! اتنا غصہ۔“

”حزرتیں دیکھی ہیں محترمہ کی؟“ جہان ہنوز کھس رہا تھا۔

”یار اچھی خاصی حسین و جمیل لگیں مجھے تو۔“ معاذ کے انداز میں شرارت تھی۔

”میں پر نیاں کو بتاؤں گا۔“ جہان نے جس طرح دھمکی دی تھی معاذ نے بھی اڑانے والے انداز میں ہاتھ ہلا دیا۔

”بتا دینا میری بلا سے، اسے بڑا کوئی فرق پڑتا ہے، بلکہ بتا ہی دینا شاید فرق پڑ جائے۔“ جہان کے گھورنے پہ وہ ہنستا رہا تھا۔

☆☆☆

تجھے کیا خبر میرے حال کی

میرے درد میرے ملال کی

یہ میرے خیال کا سلسلہ

کس باد سے ہے ملا ہوا

اسے دیکھنا اسے سوچنا

میری زندگی کا ہے فیصلہ

بیاسی کی پلکوں کے سائے ہیں

میری روح میں جو اتر گئے

یہ جنون منزل عشق ہے

جو چلے تو جاں سے گزر گئے

مجھے اس مقام پہ چھوڑنا

ہے یہ ونالی انتہا

یہ نفس ہو جیسے کھلی نضا

یہی سکھ کا سانس میں لوں سدا

جنہیں تیری دید کی پیاس تھی

وہ کورے نینوں سے بھر گئے

یہ جنون منزل عشق ہے

جو چلے تو جاں سے گزر گئے

لکڑی کی ریلنگ سے کاندھا ٹکائے وہ آنسو بھری آنکھوں سے شاہ ہاؤس کے سرسبز لان کی طرف دیکھتی رہی وہ اسے کہیں نظر نہیں آ رہا تھا اور جب نظر آتا تو ساری توجہ سارا دھیان پر نیاں کی سمت ہوتا، کیسا اذیت انگیز تھا یہ سب، دل یہ برداشت نہیں کر پاتا تھا اور نگاہوں کا تقاضا دیدار یار تھا، وہ نا چاہتے ہوئے بھی کن راستوں کی مسافر بن گئی تھی، اس کا دل رداٹھا، شاہ ہاؤس کے لان میں سناٹا تھا، ہوا خشک تھی، جبکہ آسمان پر سرمئی کالے اور سفید بادل آنکھ چھو لی کھینٹنے میں

مصروف تھے، اس نے سرد آہ بھری اور جلے پیر کی نلی کی مانند پورے گھر میں بھٹکتے پھری، کبھی اس کمرے میں کبھی اس کمرے میں پھر تھک کر برآمدے کی سیڑھیوں تک آگئی اور ستون سے ٹیک لگا کر آنکھیں موند لیں، بند آنکھوں کے پیچھے وہی تھا، جودل کے اضطراب کا باعث تھا، وہ بے اختیار کلائی مسلتی سیدھی ہو بیٹھی، پانچ مضبوط بھاری انگلیوں کے نشان ابھی بھی ثبت تھے، دکھائی نہ دیتے تھے محسوس ہوتے تھے، وہ ان پر ہاتھ پھیرتی لمس کو محسوس کرتی تھی، ان پوروں کی حرارت ابھی تک اس کی بنصوں میں اترتی اور اس کے پورے وجود کو دل بنا کر دھڑکاتی تھی اور یہی وہ نہیں چاہتی تھی کہ قصد اور عہد کچھ اور تھا، دل جن راہوں کا مسافر تھا وہ اس رستے پہ چلنا نہیں چاہتی تھی، معاذ نے کبھی اسے خاص نگاہ سے نہیں دیکھا تھا، اس کا چھوٹا عام سا انداز تھا، وہ اگر اس کے سامنے سیڑھیوں سے سلیپ نہ ہوتی تو یقیناً وہ یہ بے اختیار سہارا بھی نہ دیتا، مگر وہ پاگل تھی ای ایک لمحے میں بی رہی تھی، آنسو اس کی نگاہوں کو دھندلانے لگے۔

”یہاں کیوں بیٹھی ہو اتنی گری میں؟“ بیرونی گیٹ کھول کر زیادہ اندر آیا تھا، سیڑھیاں چڑھ کر اندرونی حصے کی جانب جاتے جاتے اسے ٹوکا اور آگے بڑھ گیا، وہ ان سنی کئے بیٹھی رہی پھر جانے دل میں کیا سمائی کہ پائپ لگا کر پودوں کو پانی دینے لگی، زیادہ کچھ دیر بعد واپس آیا تو چیخ پڑا تھا۔

”پاگل ہوئی ہو نوری! اتنی دھوپ میں پانی دے رہی ہو، ناس ہو جائے گا سب کا۔“ اس نے جلدی سے بڑھ کر پہلے ٹل بند کیا تھا پھر پائپ اس کے ہاتھ سے لے کر دور اچھالا، نوری نے گھاس کے قطع پہ دیوار کے نزدیک لگے ٹل پہ ہاتھ دھوے کپڑوں سے گھاس اور مٹی جھاڑی اور ای خاموشی سے اندر جانے کو قدم بڑھائے تھے کہ زیادہ جوتب سے اس کی کاروائی دیکھ رہا تھا بے اختیار پکار لیا۔

”کہاں جا رہی ہو؟ بیٹھو نا کچھ دیر میرے ساتھ یہاں۔“

”مجھے گری لگ رہی ہے، نہاؤں گی۔“ انداز صاف کترایا ہوا تھا، وہ اسے دیکھ بھی نہیں رہی تھی، زیادہ نے ہونٹ بھیجنے لئے۔

”چلو فریش ہونے کے بعد ادھر آ جانا، تمہاری تیاری تو مکمل ہے نا؟“

”میں ولیمہ پہ نہیں جا رہی ہوں۔“ اس کا لہجہ و انداز قطعی اور دو ٹوک تھا، زیادہ کو جھجکا لگا۔

”کیوں؟“ وہ سخت احتجاجی انداز میں بولا تھا، نوری کے چہرے پہ موجود سرد مہری میں اضافہ ہو گیا۔

”میری مرضی ہے نا جو چاہوں کرو۔“ زیادہ نے یلخت جل اٹھنے والی آنکھوں سے اسے دیکھا تھا۔

”تم کچھ زیادہ ہی مرضی کے تابع نہیں ہوتی جا رہی۔“

”یاد ہے کچھ پوچھا تھا تم سے؟“

”فضول کا انتظار ہے، میں کسی کو پا بند نہیں کرنا چاہتی۔“

”نوری یہ ذرا سی بھی گنجائش نہیں نکال سکتیں تم میرے لئے؟“ وہ ایک دم مضطرب ہو کر رہ گیا تھا۔

”نہیں، کہا نا۔“ نوری نے نخوت و درخشگی سے کہا تھا اور بے اعتنائی سے آگے بڑھ گئی، زیادہ

چند لمحوں کو پتھر سا لگ گیا تھا، وہاں سے لوٹا تو اس کا چہرا اندرونی خلفشار سے سمتایا ہوا تھا، معاذ نے دھیان سے اسے دیکھا تھا۔

”خیریت؟ لالے نوری یہ ولیمہ پہن نہیں جا رہی۔“ اس نے بوجھل آواز میں اہم اطلاع دی۔

”کیوں؟ طبیعت ٹھیک ہے اس کی؟“ معاذ کو فطری ہی تشویش ہوئی تھی۔

”جی فریبکی تو ہے میٹھی نہیں۔“ زیادہ نے اب کے قدرے غصے سے جواب دیا تھا، معاذ کی نگاہوں کا سوالیہ رخ پا کر گہرا سانس بھرا۔

”وہ مجھ سے خفا ہے لالے! میرا پر پوزل بھی قبول نہیں کر رہی۔“

”واٹ؟ تم نے کوئی حماقت تو نہیں کی؟“ معاذ نے جتنا حیران ہوا تھا ای لحاظ سے مشکوک تھی، زیادہ کے نظریں چرانے پہ معاذ ٹھنڈا سانس بھر کے رہ گیا، زیادہ کے مختصر تفصیل پہ معاذ نے اسے بے دریغ گھورا تھا۔

”یار کیا ضرورت تھی ہیرو بننے کی؟“

”ہیرو تھوڑی ہی بنا تھا، بس مجھے تب غصہ تھا، ذرا سا ڈانٹ دیا مگر وہ مائنڈ زیادہ کر گئی، آپ بتائیں کچھ کر سکتے ہیں؟“

”کس قسم کا تعاون چاہتے ہو؟“ معاذ نے بھنوں کو اچکا کر سوال کیا تو زیادہ کی باچھیں جھگی تھیں۔

”ہر قسم کا، ولیمہ پہ جانے سے لے کر میری اس سے شادی ہونے تک۔“

”بہت فاسٹ ہے تو کا کے! خیر آج لینے کا دینا ہے، ذرا اپنی ہونے والی بھابھی سے میرا معاملہ ابھی تو سیٹ کرانا میں بھی کچھ کرتا ہوں۔“

”پر نیاں کی بات کر رہے ہیں؟ آپ کا کام تو اللہ نے خود کر دیا ہے جی۔“ جواباً وہ ہنسنے لگا تو معاذ فوری مشکوک ہو گیا تھا۔

”کیا مطلب ہے تمہارا وضاحت کرو۔“

”مطلب آپ اتنے ہینڈسم ہواتے پڑھے لکھے ہولا لے کوئی لڑکی احمق ہی ہوگی جو اگر آپ کو رد کرے۔“ وہ فی الفور سنبھلا اور گڑ بڑا کر وضاحت دی، معاذ نے سرد آہ بھری۔

”تو وہ پوری نہیں تو کس حد تک احمق ضرور ہے، ایسی کھوپڑی کی، اسے نہ میری شکل صورت نظر آرہی ہے نہ اعلیٰ ڈگریاں.....“

پیوستہ رہ شجر سے امید بہار رکھ

زیادہ گنگنایا تھا، معاذ ٹھنڈا سانس بھر کے رہ گیا۔

☆☆☆

کب تک رہو گے آخر یوں دور دور ہم سے

ملنا بڑے گا آخر اک دن حضور ہم سے

اس وقت ذرا فراغت تھی اور زیادہ کو تو بے گلے کا کر پڑا تھا، سب کی تیاری مکمل تھی کل نہیں فرسٹ ٹائم وادی جانے کو ٹکلتا تھا، زیادہ اس دقت پھر ڈھولک کی شامت لے آیا تھا، نوری یہ کو معاذ خود

”تمہارا کیا خیال ہے تمہاری دوست چلی گئی تو تمہارا ہم سے تعلق ختم ہو گیا؟ خیر دار جو ایسا سوچا بھی اسی طرح آیا کرو سمجھیں۔“ اور نوریہ وہ تو اس حکم پہ اس انداز پہ حواس کھونے لگی تھی، پھر کہاں کی ضد اور انا وہ سر کے بل چل کر آئی تھی، بھلا تھی تاب کہ انکار کر سکے، اب وہ چائے بنا کر لائی تو ساتھ پر نیاں بھی تھی۔

تب زیاد نے ڈھولک کی تھاپ کے ساتھ لاگ الایا، صرف اپنے دل کی نہیں گویا معاذ کے دل کی بھی کیفیت عیاں کی تھی، چائے کے گگ میں چینی حل کرتے پر نیاں کے ہاتھ میں لرزش اتر آئی، معاذ کی پرکشش نگاہوں کا حصار تمام تر معنی خیزیت کے ہمراہ اسی کے گرد بندھتا جا رہا تھا۔

دامن بجانے والے یہ بے رخی ہے کیسی کہہ دو اگر ہوا ہے کوئی قصور ہم سے ہم چھوڑ دیں گے تم سے یہ بات چیت کرنا تم پوچھتے پھر دو گے اپنا قصور ہم سے ہم چھین لیں گے تم سے یہ نشان بے نیازی تم مانگتے پھر دو گے اپنا غرور ہم سے

اس کی بدلتی نظروں کا ہی اعجاز تھا کہ پر نیاں کا اعتماد بری طرح متزلزل ہوا تھا، اس نے باری باری سب کو چائے پیش کی تھی اس کا کپ زیاد کی سمت بڑھا دیا۔

”بھائی یہ دے دیں۔“
”کس کو؟“ زیاد نے معصومیت و انجان بننے کی انتہا کر دی۔
”انہیں۔“ پر نیاں کی آنکھیں ہنوز جھکی ہوئی تھیں۔

”انہیں کنیں؟“ زیاد معاذ کو آنکھ مار کے مسکرایا، گویا اپنا عہد نبھانے کا آغاز کر دیا، معاذ نے اشارے سے ہی اس کی حوصلہ افزائی کی تھی، پر نیاں نے اس جرح پہ حیران ہو کر زیاد کو دیکھا۔
”اپنے بھائی کو اور کنیں۔“ وہ جھلائی تھی اور سرگوشی سے ذرا ہی بلند آواز میں جواب دیا، معاذ دانستہ اپنی نگاہیں اسی بلبل دوسری سمت کر چکا تھا مگر دھیان کے سارے ارتکاز اوہر ہی تھے گویا۔
”سوری میں اتنے بھاری احسان نہیں لادا کرتا کسی پہ، آپ خود دے دیں نا، آپ کی لڑائی ہے ان سے؟“ نروٹھے پن سے کہتا وہ آخر میں کچھ رازداری سے بولا تھا، پر نیاں نے پہلے حیرانی پھر شاک کی نظروں سے اسے دیکھا تھا اور لب بھینچے اٹھ کر گگ معاذ کی سمت بڑھا دیا۔

سونی راتوں کی چاندنی میں کبھی نہ تم بے نقاب آنا میں دل پہ قابو تو رکھ سکوں گا نگاہ شاید گناہ کر دے

وہ دھیرے سے گنگنا رہا تھا، پر نیاں جو اس کی قربت میں آ کر ہی بوکھلائی ہوئی تھی اس پہ یہ گوہر افشانی، بوکھلاہٹ عروج پہ پہنچی تھی اور گگ سے چائے چھلک کر معاذ کے لباس کو داغدار کر گئی، زیاد کی دبی دبی ہنسی چھوٹ گئی تھی، پر نیاں کچھ اس طور بدحواس ہوئی کچھ اس درجہ شیشائی کہ گھبرا کر اپنے دوپٹے سے جلدی سے اس کی شرٹ کی آستین صاف کرنے کی کوشش کی تھی، خود معاذ بھی جیسے سکتے

وہ حواسوں میں لوٹا تو کسی قدر بے چارگی سے بولا تھا، پر نیاں کو شدت سے اپنی بے وقوفی کا احساس ہوا، وہ ایک جھٹکے سے اٹھی چہرے بے تحاشا سرخ پڑ گیا تھا، معاذ کی ہنسی میں بے تحاشا دلکشی بھرا اور آسودگی کا رنگ تھا، جبکہ وہ سب کے سب مسکراہٹ دبائے بیٹھے تھے۔

اسی عشق سے اسی چاہ سے
اسی مان سے اسی پیار سے
مجھے چند لمحے ادھار دو
میں بہت دنوں سے اداس ہوں

تیزی سے باہر جاتی پر نیاں کو دیکھ کر معاذ نے پیچھے سے ہانک لگائی تھی، زیاد قہقہہ لگا کر ہنسنے لگا۔

”دیکھا کہا تھا نا میں نے، آپ ہارنے کو نہیں بنے۔“ زیاد نے جوش بھرے انداز میں اس کا کاندھا ٹھونکا تھا۔

”یار میں نے تو سنا تھا کڑی ہنسے تو پھنستی ہے۔“ وہ مسمی شکل بنا کر پوچھ رہا تھا، زیاد نے گھورا۔

”آپ تو سارے مرحلے ابھی سر کر لیتا چاہتے ہیں، اتنے فاسٹ مت بنیں لالے۔“
”یار محفل سونی ہو گئی ہے، کوئی جائے اسے لائے۔“ معاذ دونوں ہاتھ سر کے نیچے رکھ کر نیم دراز ہو گیا، انداز میں شرارت رقم تھی، نوریہ جو تب سے ساکن کٹری یک یک اسے دیکھ رہی تھی، پچھلے چہرے کے ساتھ جلتی آنکھوں کا رخ پھیر لیا، وہ اس کے بلانے پہ آئی تھی مگر بلانے والا اسے فراموش کر چکا تھا، وہ جا رہی تھی تو تب بھی اسے خبر نہیں ہو سکی تھی۔

☆☆☆

موسم بہت حسین ہو رہا تھا، آسمان ایک دم صاف شفاف گہرا نیلا تھا اور اس پر جگمگاتے لاتعداد ستاروں کے درمیان روشنی بکھیرتا چاند بے حد حسین لگ رہا تھا، دھیرے دھیرے چلتی پرخم ہوانے ماحول کو سحر انگیز بنا دیا تھا، یہ ان کے سفر کا آغاز تھا، جو فجر کی نماز کے بعد ہوا تھا، بڑی کوشش میں یہ سفر شروع ہوا تھا اور پورا خاندان اس وقت ایک ہی بس میں سوار تھا جس کی سیٹیں بے حد آرام دہ تھیں، پر نیاں کو تو ابھی تک نیند کے جھونکے آرہے تھے مگر اس کے دائیں بائیں بیٹھیں ماریہ اور حور یہ اسے ہرگز سونے کی اجازت نہیں دے رہی تھیں، نوریہ نے ہاٹ لائن کھول کر ناشتہ سرو کرنا شروع کیا تو اسماء بھا بھی بھی اس کی مدد کو اٹھ گئی تھیں، پر نیاں ضرور ہیلپ کر ادیتی مگر کل کی حماقت اور بے وقوفی کا اثر ابھی بھی زائل نہیں ہوا تھا، وہ حیران تھی اسے آخر ہو گیا تھا، خواجواہ تماشا بنا کر رکھ دیا تھا، معاذ کی پریشانی نگاہوں کا پھر سے تصور اس کے رخسار سلگانے لگا۔

ہم چلے تو ہمارے سنگ سنگ نظارے چلے

زیاد نے ہانک لگائی تھی اور نوریہ سگ لیتے ہوئے جان بوجھ کر چائے چھلکا دی، نوریہ نے دیکھا تھا اور نظر انداز کر کے آگے بڑھ گئی، جہاں زیاد کھسیا تھا وہاں معاذ اور جنید بھائی کا مضحکہ

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی ویب سائٹ

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ہیں :-

- ✧ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✧ ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ✧ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ✧ ہر ایم کو الٹی، نارل کو الٹی، کیریڈ کو الٹی
- ✧ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریخ
- ✧ ایڈ فری لنکس، لنکس کو ایسے کمانے کے لئے شرنک نہیں کیا جاتا
- ✧ ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور ریڈیو م ایبل لنک
- ✧ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پر ریویو ہر پوسٹ کے ساتھ
- ✧ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ✧ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریخ
- ✧ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ✧ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ✧ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب فورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

↩ ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

↩ ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library for Pakistan

Like us on Facebook

fb.com/paksociety



twitter.com/paksociety

اڑاتا قہقہہ چھت اڑانے لگا، سب حیران ہو کر ان کی سمت متوجہ ہوئے البتہ کسی نے وضاحت طلب نہیں کی۔

”بچو کوئی نیا طریقہ ایجاد کرتے نالڑکی پٹانے کا۔“ جنید بھائی نے اسے دھپ لگائی تھی۔
 ”پٹانے کو کیوں؟ میں کوئی فلرٹ تھوڑی کر رہا ہوں۔“ زیاد نے اچھا خاصا برا منہ بنا لیا تھا، معاذ نے ہمدردانہ انداز میں کا ندھا تھپکا۔
 ”چلو بھئی ڈھوک نکالو گانے شانے گاتے ہیں۔“ ناشتے کے بعد جنید بھائی نے انگڑائی لے کر محفل جمانا چاہی۔

”ہاں ہاں نکالو انہوں نے وہ والا گانا گانا ہے، ابھی تو میں جوان ہوں۔“ معاذ کی بات پہ اجتماعی قہقہہ بڑا تھا، جنید بھائی بغلیں جھانکنے لگے۔
 ”جس طرح تمہارا معاملہ انکا ہوا ہے نا پتر میری جتنی عمر کو پہنچ کر بھی کنوارے رہنے کا خدشہ لاحق ہے مجھے۔“ انہوں نے بدلہ چکانا چاہا مگر وہ معاذ تھا اثر لئے بنا ہنستا رہا، پھر ادھر ادھر نگاہ دوڑائی تھی جہاں کی تلاش میں وہ اسے پپا کے ساتھ اگلی سیٹیوں میں سے ایک پر نظر آیا۔
 ”جے یہاں آ کر بیٹھو نا میرے پاس۔“
 ”گھاس کھا گئے ہو ڈاکٹر، یہ جہاں ہے پر نیاں نہیں۔“ جنید بھائی نے پھر اسے گھسیٹنا چاہا تھا، معاذ نے براہ راست انہیں دیکھا۔

”اف اتنا غصہ، چلیں آپ پر نیاں کولا کر میرے پاس بٹھا دیں اگر اتنے اداس ہو رہے ہیں۔“ وہ بھی ان کی طرح آواز دانستہ ہیجی کر کے بولا تھا، جنید بھائی کے دانت کچکچانے پر وہ پھر جلانے والے انداز میں ہنسنے لگا۔
 ”کچھ سناؤ نا معاذ! کیا لائین بحث ہے۔“ بھابھی نے ٹوکا تھا، سب نے ہاں میں ہاں ملائی، معاذ کی نگاہیں پھر بھٹکیں، پر نیاں اسے کہیں نظر نہیں آ رہی تھی، بھابھی نے اس کی نگاہوں کا بھنگنا محسوس کیا اور اسے ہاتھ کے اشارے سے پر نیاں کی سمت کا بتایا تھا، وہ بے ساختہ مسکرایا اور سرکوشی میں جنٹس دی۔

”نہیں یہاں بلائیں اسے کسی بہانے سے۔“
 ”بری بات ڈاکٹر صاحب! اپنے مقصد کو انسان کو خود جدوجہد کرنی چاہیے۔“ بھابھی نے جواباً سرگوشی کی تو معاذ انہیں دیکھ کر رہ گیا تھا، پھر کا ندھے اچکا دیئے۔
 ”حسان پانی لاؤ میرے لئے۔“ اس نے اسی رد میں آخری سیٹ پہ بیٹھے حسان کو پکارا تھا، حسان پانی لینے گیا تو معاذ نے اس کی جگہ سنبھال لی تھی۔
 ”یہ تو فاول ہے۔“ بھابھی نے چھیڑا، معاذ نے انہیں گھورنے پہ اکتفا کیا تھا، اسی پل جہاں بھی پپا کے پاس سے اٹھ کر چلا آیا۔

معاذ نے اسے اپنے ساتھ جگہ دی تھی پھر اس کی سمت جھک کر سرگوشی میں بولا تھا۔
 ”میں تمہاری بہن کو چھیڑنے لگا ہوں کچھ کر سکتے ہو تو کر لو۔“ جہاں پہلے تو ہونق ہوا تھا پھر اتنا کھسایا کہ اسے دو تین گھونٹے اکٹھے دے مارے تھے۔

”بہت بدتمیز ہوتی اور کبھی نہیں سدھر سکتے یہ لکھ کے رکھ لو میری بات۔“ جہان کی مخالفت کم ہونے میں نہیں آ رہی تھی، پر نیاں جو میگزین کے صفحے پلٹ رہی تھی، انہیں ایک دوسرے سے ہٹتے گھٹا ہوتے کچھ حیرت سے دیکھا، دونوں ہی مستنجل کر شرافت کے جاے میں آئے تھے۔

”یار سنا بھی دو ڈاکٹر! تمہارے نخرے ہی آسمان پہ چڑھتے جا رہے ہیں۔“ جنید بھائی نے پھر دہائی دی تو معاذ نے انہیں مشکوک نظروں سے دیکھا تھا۔

”گانا سننے کی طلب تو آپ کو ایسے ہو رہی ہے جیسے گانا نہ ہو ڈرگس ہو گئے، بھابھی ان کا چیک اپ کرائیں نشہ و شرہ تو نہیں کرنے لگے، مطلب عشق کا نشہ۔“ بھابھی کی گھوریوں پہ اس نے نی الفورٹریک بدلا تھا۔

”اچھا بس کرو کچھ سنا دو، ورنہ میں زیادہ سے کہتا ہوں۔“ جنید بھائی نے دھمکی دی تو معاذ نے کاندھے اچکا دیے تھے۔

”ہاں تو سن لیں نا زیادہ سے، آئی ڈونٹ کیئر۔“

”اور جو تمہارے کسی تک جذبات نہیں پہنچیں گے، سو چوکتا نقصان ہوگا۔“ جنید بھائی نے پچکار کر کہا تو اس کی آنکھیں کچھ کم ہوئی تھی۔

”آپ نے بھئی پتھر کو پکھلتے دیکھا ہے بھلا؟“ اس کی ترجمی نگاہوں کا مرکز پر نیاں جواز حد کنفیوژڈ ہو چکی تھی۔

”گانا سناؤ گانا، فلسفہ بگھارنے کی ضرورت نہیں۔“ معاذ نے چہرے پہ بے چارگی طاری کرتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا تھا، پھر گلا کھنکارتے ہوئے خصوصی طور پر پر نیاں کو دیکھا اور اس کی آنکھوں میں جھانک کر بولا تھا۔

”اجازت ہے؟“ پر نیاں بری طرح چونکی اور گھبرا کر متحیر نظروں سے اسے دیکھنے لگی جبکہ باقی سب بھی اس کی حرکت پہ حیران رہ گئے تھے۔

”ظاہر ہے یہ آپ کو ہی ڈیڈی کیٹ ہوگا تو اجازت تو چاہیے نا آپ کی؟“

شوخی رنگ آنکھیں، متبسم شریں قسم کا لہجہ اور توجہ و انداز کی خاصیت پر نیاں نے تو جھکے چھوٹے لگے تھے، وہ لمحوں میں پسینوں میں نہا گئی، شکرنی ہونٹ کپکپانے لگے، جہان نے معاذ کو کار سے پکڑ کر پیچھے کھینچا تھا اور اسے تادیبی نظروں سے دیکھا، پر نیاں کا رنگ فق تھا اور آنکھوں میں نمی لہرانے لگی تھی، وہ ایک دم انھی اور وہاں سے جانے کو آگے بڑھی تھی کہ بھابھی نے بروقت اسے تھام کر واپس بٹھایا اور اپنے ساتھ لگا لیا، وہ دھیرے دھیرے کپکپا رہی تھی، معاذ کی اس درجہ شوخی اور کھلم کھلا جسارت نے اسے سراسیمہ کر دیا تھا، اسے یوں اپنا تماشنا بنا بھی اچھا نہیں لگتا تھا، مگر

جب سے معاذ سے اس کا سامنا ہوا تھا، وہ قدم قدم پہ اسے تماشنا بنا رہا تھا، اس کے اندر خالی پن بکھرنے لگا، اس کی حالت کی وجہ سے ہی معاذ پہ ہر طرف سے نقطہ چینی ہونے لگی۔

”حد ہوتی ہے مذاق کی بھی معاذ! اور تم نے ہرٹ کیا ہے نا پر نیاں کو چلو اب مناؤ اسے۔“

بھابھی نے بھی اس لعن طعن میں اپنا حصہ ڈالنا ضروری سمجھا، وہ پر نیاں کے آنسو بڑی توجہ سے سمیٹ رہی تھیں۔

”میں ہرگز مذاق نہیں کر رہا تھا، اور منانے کی آپ نے خوب کہی، ٹیلی کیا مجھے اختیارات حاصل ہیں کہ منانے کا مرحلہ سر کر سکوں؟ آپ کو ہی پھر شکایت ہوگی بنا کسی پرمٹ کے ان کے قریب آ جانے کے، بی کوز مجھے تو منانے کا ایک ہی طریقہ آتا ہے گلے لگا کر آنسو پونچھنے کا۔“ اس کی آنکھوں میں ہنوز شرارت چل رہی تھی، زیادہ کوز بردست اچھو لگا تھا، بھابھی کلس کر رہ گئیں، پر نیاں نے بے اختیار جلتے چہرے کا رخ سرعت سے پھیرا تھا۔

”بہت اونچا نہیں اڑنے لگے ہیں آپ؟“ بھابھی جل کر بولی تھیں، باقی سب ہنسی ضبط کر رہے تھے۔

”کہاں اڑ رہا ہوں جناب! میرے تو پر کئے ہیں، ورنہ اتنا بے بس ہوتا؟“ اس کی آنکھوں میں ہونٹوں پہ تبسم کی شوخی تھی، پر نیاں کا وجود اس کی پر تپش فقرے بازی سے جل اٹھا تھا، بات کہاں سے کہاں جا پہنچی تھی۔

”مطلب کی بات کرو صاحبزادے۔“ جنید بھائی نے بڑے پن سے ڈانٹا مگر وہ ذرا جوان کے رعب میں آیا ہو۔

”مطلب کی بات یہ ہے کہ میں اپنی چیزوں سے کبھی دستبردار نہیں ہوا کرتا، چاہے کیسے ہی نا موافق حالات کیوں نہ ہوں، سب سن لیں۔“ اس نے پہلے پر نیاں پھر بہت فاصلے پہ بیٹھے پیا کو گویا سنایا تھا، لہجے میں خود سری، ہٹ دھری، سرکشی کے علاوہ سرد مہری بھی تھی، پر نیاں دہلی سی گئی، اس نے سہم کر بھابھی کو دیکھا، جانے کیوں اس بل اسے لگا تھا معاذ اس حقیقت سے آگاہ ہے جسے اپنے تئیں وہ چھپا ہوا سمجھ رہے ہیں، بھابھی نے بے اختیار اسے ساتھ لگا کر تھپکا گویا سلی سے نوازا۔

”کیا مطلب ہے تمہارا؟ کیا کہنا چاہتے ہو؟“ بھابھی نے گویا پر نیاں کے دل کی بات کی تھی۔

”مقصد یہ کہ میں اپنی زندگی کا فیصلہ اپنی مرضی سے کروں گا، چاہے پتا کتنے ہی تھا کیوں نہ ہوں؟“ اس نے ایک بار پھر پر نیاں کو دیکھ کر خصوصیت سے جتلا یا۔

”میں انہی محترمہ سے شادی کروں گا چاہے یہ بھی کتنا ہی اکڑیں۔“ اس نے اب کے مخصوص پر نیاں کو ہی سنایا تھا، پر نیاں کے چہرے پہ ایک رنگ آ کر گزر گیا، وہ رخ پھیرے ہوئے تھی، معاذ اس کے چہرے کو نہیں دیکھ سکتا تھا اس کے باوجود پر نیاں کو اس کی نظروں سے اپنا آپ جلتا ہوا محسوس ہو رہا تھا، وہ سنانے کی زد پہ تھی، اسے معاذ سے بہر حال اتنی ہٹ دھری اور جرأت کی توقع نہیں تھی۔

(جاری ہے)

”سانحہ ارتحال“

ہماری قاری زمزم سحر جو حنا کے مستقل سلسلوں میں شرکت کرتی ہیں گزشتہ دنوں ان کی والدہ کا انتقال ہو گیا، ادارہ حنا زمزم کے غم میں برابر کا شریک ہے اللہ تعالیٰ ان سب گھر والوں کو صبر عطا کریں اور مرحومہ کے درجات کو بلند کریں آمین۔

سوز و گداز

ام مریم

سواہویں قسط کا خلاصہ

پر نیاں، معاذ کے التفات پہ مضطرب ہے، اسے ہرگز سمجھ نہیں آتی معاذ کی یہ توجہ اور چاہت کے مظاہروں میں کس درجہ سچائی اور اخلاص ہے دوسری جانب معاذ کو پر نیاں کا یہ سپاٹ اور ترش رویہ بھی ہرٹ بھی کرتا ہے مگر وہ مستقل مزاجی کے ساتھ اس کا دل جیتنے کی کوشش میں مصروف ہے۔ ہجر و نارسانی کے ساتھ رقابت کی آگ جہان کو جلا کر خاکستر کیے دے رہا ہے، معاذ یہ اس کی وضاحتیں آشکار ہوتی ہیں تو اس کا اضطراب اور ملال ایک دم بڑھ جاتا ہے مگر وہ لاچار محسوس کرنے کے سوا کچھ کرنے سے قاصر ہے۔ زیادہ نوریہ کی بے اعتنائی کو محسوس کرتا پریشان ہے اور معاذ سے بالخصوص مدد کی درخواست کرتا ہے، معاذ اس کی مدد کا وعدہ کر لیتا ہے۔

ستر ہویں قسط

اب آپ آگے پڑھیے



”اچھا یا رچھوڑو نا یہ بحث، تم ہمیں گانا سنا رہے تھے۔“ جنید بھائی نے نرمی سے کہہ کر ماحول کی گھبرتا کو پھر سے خوشگوااری میں بدلنا چاہا۔

”میرے الفاظ اب بھی وہی ہیں، میں یہ ساگک انہیں ہی ڈیڈ یٹ کروں گا۔“ معاذ کے لہجے کی مضبوطی اور رساں میں فرق نہیں آیا تھا، زیادہ کھانا۔

”لائے آپ کو یاد ہو تو پر نیاں جی نے آپ کو اجازت نہیں دی۔“

”نہ دیں اجازت، میں اپنی مرضی کا مالک ہوں اور بھائی یہ آپ کیسے بیٹھیں ہیں، لوگوں کو گھیر گھار کر، فاصلے پہ ہوں، ان پہ صرف آپ کی اجارہ داری نہیں ہے۔“ اس کی بے باکی کا گراف دھیرے دھیرے اونچا ہوتا جا رہا تھا، زیادہ کسی طرح بھی اپنے قبضے کا گلا نہیں گھونٹ سکا، جہان نے پر نیاں کے احساسات کی پرواہ کرتے ہوئے معاذ کے بازو کو دبوچ کر تنبیہ انداز میں دبایا تھا۔

جو بھی آتا ہے تیرے پہلو میں جگہ مانگے ہے

ہم کہاں تک تیرے پہلو سے سرکتے جاویں

اس کا لہجہ ابھی بھی احتجاجی تھا مگر شرارت کا رنگ لئے ہوئے، بھابھی کو گھوریوں میں گراں قدر اضافہ ہوا، معاذ نے ان کے سامنے ہاتھ باقاعدہ جوڑے تب وہ ذرا سا پر نیاں کے سامنے سے سرکی تھیں، معاذ کو اس کے چہرے کا محض ایک رخ نظر آ سکا، جو بے تحاشا سرخ ہو رہا تھا وہ دل آویزی سے مسکرایا پھر باقاعدہ گانے کا آغاز کیا تھا۔

جان دے جان لے جان دل

جان دے بول دے جان دل

ماحول ایک دم پرسکون ہو گیا، بس اس کی آواز کا بھاری پن تھا، دورانق پہ پھوٹی شفق کی لالی کھڑکی کے باہر تیزی سے بدلتے مناظر اور وہ خود جس کا دل متضاد کیفیات کا شکار تھا، معاذ کی اہمیت دل کو بھاری ہی تھی تو اس کا یہ چلبلا پن، وہ کیا کہتی تھی شاید اسے خود خبر نہ تھی۔

آ جاتیرے سینے میں سانس سانس پگھلوں میں

آ جاتیرے ہونٹوں سے بات بات نکلوں میں

تو میری آگ سے روشنی چھانٹ لے

یہ زمیں آسماں جو بھی ہے ہانٹ لے

جان دے جان لے جان دل

جان دے بول دے جان دل

پر نیاں کو لگا اس کا دل اس کی آواز کے ساتھ کھینچ رہا ہو، ایک حادو تھا، ایک سحر جو اس پہ چھاتا جا رہا تھا، یا شاید وہ خود ساحر تھا جو منتر پڑھ رہا تھا اور سب کچھ اپنے لئے ہموار کرتا جا رہا تھا، وہ کم صم بیٹھی تھی، جیسے خود کو بھی فراموش کیے۔

آ جاتیرے ماتھے پہ چاند بن کے اتروں میں

آ جاتیری آنکھوں سے خواب خواب گزروں میں

جان دے جان لے جان دل

جان دے بول دے جان دل

اس کی آواز کے اتار چڑھاؤ کے ساتھ وہ سب جھوم رہے تھے، معاذ کو گانے میں ملکہ حاصل تھا یہ سب مانتے تھے، مگر اب یہ رنگ پر نیاں پہ بھی یقیناً چڑھا تھا، اس نے مسکراہٹ دبا کر اسے دیکھا تھا، وہ جو بے حد حسین تھی اتنی کد کھیننے والا مبہوت ہو جاتا تھا، شہد آگیاں بڑی بڑی آنکھیں جن میں حزن و ملال بسیرا کیے رکھتے تھے، کھلے گلے جیسے عارض جو کبھی گلابی ہو کے کبھی سرخ چھوٹی سی ستواں ناک، جو کبھی اسے مغرور ظاہر کرتی کبھی بے نیاز، مگر بلاشبہ اس کے حسن میں تمکنت تھی وقار تھا اتنی چھوٹی عمر میں لڑکیاں عموماً بے وقوف اور حد درجہ شوخ ہوتی ہیں مگر وہ ہمیشہ پروقار نظر آتی تھی، کبھی وقار اس کے حسن کو مزید نکھارتا تھا، وہ لاکھوں کے محبے میں بھی منفرد نظر آیا کرتی، اس کے انداز میں ایسی شان اور تمکنت تھی کہ معاذ یوں بہت کم کسی سے متاثر ہوا تھا مگر وہ اسے لمحوں میں اپنا امیر بنا گئی تھی اس وقت بھی وہ دل کی تمام شدتوں سے اس کے لئے اپنے جذبے آشکار کر رہا تھا۔

آ جاتیرے ہاتھوں پہ قسمتوں سا لکھ لوں میں

آ جاتیرے کاندھے پہ عمر بھر کو چنگوں میں

جان دے بول دے جان دل

وہ خاموش ہوا تو اس کو زبردست انداز میں سراہا گیا تھا، پر نیاں نے چونک کر سراونچا کیا تھا، وہ دل و جان سے اسی کی سمت متوجہ تھا، نگاہیں چار ہوتے ہی نہایت عجلت میں سیلیوٹ مارا تھا، پر نیاں نے گڑبڑا کر نگاہوں کا زاویہ بدل ڈالا، معاذ نے گہرا سانس کھینچا۔

”میں نے کہا تھا نا یہ پتھر ہے بے اثر ہے سب کچھ۔“ اس نے جیسے جہان سے شکایت لگائی تھی، وہ اپنے کسی خیال سے چونکا۔

پیوستہ رہ شجر سے امید بہار رکھ

زیادہ جانے کب کا بدلہ چکایا تھا، معاذ اسے ڈھنگ سے گھور بھی نہ سکا، اس کا سیل بجنے لگا وہ اس سمت متوجہ ہو گیا تھا۔

☆☆☆

جس وقت وہ لوگ وادی پینچے دن آدھے سے زیادہ سفر کر چکا تھا، حویلی تک پہنچے سے قبل خواتین نے اپنے میک اپ اور بال از سرے نو سنوارے تھے، وادی کے آغاز کے ساتھ ہی سرسبز راستے کو بھی انہوں نے اشتیاق بھری نظروں سے دیکھا تھا، جیسے جیسے سرسبز علاقہ وادی کی جانب جا رہا تھا، ماحول کی خشکی بڑھتی جا رہی تھی، سورج کی تپش نہ ہونے کے برابر تھی گویا تیمور کا دوران سفر ایک بار فون آیا تھا زینب البتہ کئی بار کال کر کے پوچھ چکی تھی، گاؤں سے باہر پختہ سڑک حویلی تک جاتی تھی جس پہ وادی کا کوئی اور باشندہ پاؤں رکھنے کی بھی جرأت نہیں کر سکتا تھا، سڑک کے دونوں اطراف صنوبر کے درخت تھے جن کے سوکھے پتے تار کول کی سڑک پہ ہوا سے اڑتے تھے، پوری حویلی دن کے وقت بھی جلتے بجھتے رنگ برنگے برتنی قلموں سے دیک رہی تھی، ان کی گاڑی پھانگ تک پہنچنے سے بھی قبل گیت کھول دیا گیا تھا، پورٹیکو میں مزید کئی گاڑیاں کھڑی تھیں، وہ سب ایک ایک کر کے نیچے اترنے لگے، پر نیاں نے کھڑکی سے باہر وسیع و عریض سرسبز لان پہ اپنی نگاہیں جما

تھا، کمرے میں وہ دونوں تنہا تھیں، نوریہ تو جیسے کسی ایسے سہارے کی ہی منتظر تھی، بری طرح سے بلک اٹھی۔

”تمہیں کیا ہو گیا تھا اسی رات؟ مجھ سے بھی تم پہچانی نہ گئی تھیں، میں بدل گئی تو کیا ہوا؟“ معا وہ تھی اور کچھ اور شدت سے بلکنے لگی۔

”میں نہیں ہو سکتی ایزی زینی! میں نہیں سنبھال سکتی خود کو، قسم سے مر جاؤں گی اگر یہی صورت حال رہی وہ میرے سامنے آجاتے ہیں تو مجھے نہیں پتہ مجھے کیا ہو جاتا ہے، میں خود کو بھول جاتی ہوں میری بصراتیں میری ساتھیوں میری رگ رگ میرے اعصاب جیسے کچھ بھی میرے اختیار میں نہیں رہتا، میں بے بس ہو جاتی ہوں۔“

وہ زار و قطار رو رہی تھی، زینب ششدر تھی، وہ تو اسے چپ کرانا بھی بھول گئی تھی جیسے، یہی وہ لمحے تھے جب پرہیز اپنے دھیان میں اندر آئی تھی مگر زینب سے لگ کر بری طرح سے بلکتی نوریہ کو دیکھ کر اس پہ حیرانی گھبراہٹ اور پریشانی نے ایک ساتھ حملہ کیا تھا، زینب بھی قدرے گڑبڑائی تھی، نوریہ تو حواسوں میں ہی نہیں تھی۔

”کیا ہوا نوریہ؟ آپ رو کیوں رہی ہیں؟“

پرہیز جس کے قدم گویا زمین نے جکڑ لئے تھے خود کو سنبھال کر تیزی سے ان کی جانب آگئی تھی، نوریہ نے آنسوؤں سے جل تھل آنکھوں سے اسے دیکھا اور کچھ کہے بغیر زینب سے الگ ہو کر آنکھیں اور چہرہ رگڑ کر صاف کرنے لگی، پرہیز کا سوال اس نے یکسر نظر انداز کر دیا تھا، پرہیز نے حیرانی سے اس کا یہ انداز دیکھا تھا پھر اس کی سوالیہ استعجابی نظریں زینب کی جانب اٹھی تھیں۔

”انہیں کیا ہوا ہے زینب؟“ قدرے محتاط انداز تھا اب اس کا شاید وہ نوریہ کے ساتھ زینب کے بھی گریز کو پا گئی تھی۔

”کچھ نہیں پری! مجھ سے بہت دوستی ہے نا اس کی ہمیشہ کے لئے پھنڑ جانے کے خیال سے پریشان ہے۔“ زینب پھیکے سے انداز میں کہہ رہی تھی مگر اس کے چہرے پر صاف صاف جھوٹ لکھا ہوا تھا، پرہیز کچھ نہیں بولی، گا ہے بگا ہے اس کی نگاہ نوریہ پہ اٹتی تھی جس کی ناک اور آنکھیں بہت زیادہ سرخ ہو رہی تھیں، اسے یاد تھا شاہ ہاؤس کے دیگر ٹیکنوں کی طرح نوریہ نے اس سے نہ تو بے تحاشا محبت و اہنایت کا اظہار بھی کیا تھا نہ ہی بھی اس سے بے تکلف ہونے کی کوشش، بلکہ پچھلے ایک ہفتے سے وہ شاہ ہاؤس میں تھی اور اس کی جھجک بھی قدرے کم ہو چکی تھی تو باقی سب کے ساتھ ساتھ پرہیز نے نوریہ سے بھی کھلنے ملنے کی کوشش کی تھی مگر نوریہ کے رویے کی وجہ سے یہ کوشش ہر بار ناکامی کا شکار ہوتی رہی تھی، پرہیز نے زیادہ غور اس لئے نہیں کیا تھا کہ وہ یہ سوچ کر مطمئن ہو گئی تھی شاید نوریہ فطرتاً کم گو اور ریزروڈ نیچر کی مالک ہو، مگر پھر اسے کچھ کلک ہونے لگا تھا، جو اسے سمجھ آ رہی تھی وہ اتنا خوشگوار نہیں تھا، جیسی وہ قدرے کم صدم ہو کر رہ گئی تھی۔

”کیا سوچ رہی ہو پری؟“ نوریہ داش روم میں منہ ہاتھ دھونے کی غرض سے گئی تو زینب نے اسے پکارا تھا، پرہیز نے خالی نظروں سے اسے دیکھا تھا یوں جیسے اس کی بات کا مفہوم سمجھنے سے قاصر رہی ہو۔

دیں، دن روشن تھا مگر سرخی بادلوں سورج کی تپش چھین لی تھی، گہرے بادل یہاں وہاں اٹھکیلیاں کرتے پھر رہے تھے، حویلی کے اندرونی حصے سے تیمور خان اپنے والد اور دیگر مرد حضرات کے ساتھ اسی سمت تیزی سے آتا ہوا نظر آیا، وہ باری باری سب کے گلے مل رہا تھا، جبکہ خواتین کا استقبال تیمور خان کی بہنوں نے کیا تھا، کونھی کیا تھی وسیع و عریض محل تھا، جدید اور قدیم کے زبردست تقابل کے ساتھ، ہر جگہ خصوصی آرائش نظر آرہی تھی، زنان خانے میں ہر سو خواتین کا بسرا تھا، سرسراتے آئینے، کھلکتے تہقبے، دکتی نگاہیں، شور ہنگامہ، حویلی کا کونہ کونہ بھر پور مہک سے معطر تھا، انہیں تیمور خان کی بہن زر لالے اپنی معیت میں زینب کے کمرے تک لائی تھی، زینب جیسے انہی کی شدت سے منتظر تھی، والہانہ انداز میں ایک ایک سے گلے ملی، ہلکے پنک سوٹ پہ بھاری کا پدار دوپٹہ میں سونے کے بیش قیمت مگر نفیس زیورات سے سجی وہ قیامت خیز حد تک حسین لگ رہی تھی، چھت سے نکلنے فانوس کی چمک دمک بھی گویا اس کے سامنے ماند پڑ گئی تھی۔

”کیسی ہو پری؟ میرے لالے کے ساتھ صلح ہوئی تمہاری؟“ پرہیز سے گلے ملتے ہوئے اس نے شوخی سے آنکھیں نیچائی تھیں، پرہیز کے گلابی رخساروں پہ لہو چھلک آیا، اس نے بے ساختہ ہونٹ کانے تھے۔

”یار مانا تم بہت حسین ہو، مگر لالہ بھی کسی سے کم نہیں، کیا تمہیں میری بات سے اتفاق نہیں۔“ زینب نے اس کی کیفیت نوٹ کی تھی جیسی قائل کرنے والے انداز میں اسے دیکھنے لگی، پرہیز نے خاموشی میں ہی عافیت سمجھی تھی، زینب کو اس سے دھیان ہٹانا پڑا کہ ماما اور ماما جان آگے بڑھ کر اس سے ملنے لگی تھیں۔

زینب کے لئے شہر سے ہی بیٹیشن کو بلوایا گیا تھا، میرون کلر کے خوب گھیر دار یٹواز میں ولیمہ کی دلہن بن کے اس پہ ایسا نکھار آیا تھا کہ گلاب بھی اس کے چہرے کی تازگی کے آگے ماند پڑ گئے تھے، زینب کی بات بے بات ہنسی اس کی طمانیت اور آسودگی کی گواہ تھی، نوٹو سیشن کے لئے جب تیمور خان وہاں آیا تب نوریہ نے پہلی بار دونوں کو بخورد دیکھا تھا، وہ واقعی بہت شاندار جوڑی تھی، مگر پھر بھی کچھ تھا ایسا کہ وہ جہان سے کم لگتا تھا، وہ لب بستہ کھڑی تھی جب زینب نے اسے اشارے سے اپنی طرف بلا لیا تھا۔

”تم کہاں چھپی ہوئی تھیں؟ اب نظر آئی ہو مجھے۔“

”میں سب کو ہمیشہ بعد میں ہی نظر آتی ہوں، اس میں تمہارا نہیں شاید میری قسمت میرے چہرے کا قصور ہے۔“

نوریہ جس نرسٹیشن کا شکار تھی اسی قسم کا جواب دے سکتی تھی، راستے بھر معاذ کی شوخ جساتوں اور بے لگام ہوئی نظروں نے اسے کیسے کیسے خود ترسی کا شکار نہیں کیا تھا، وہ خود کو لاکھ بے نیاز ثابت کرتی رہی تھی مگر اذیت تھی کہ بچے گاڑھے جاتی تھی اس کے اندر، زینب نے بے حد حیران ہو کر اسے دیکھا تھا، پھر ایک دم اسے گلے سے لگا لیا۔

”نوریہ کیا ہو گیا ہے جان! ٹیک اٹ ایزی۔“

یہ بھی شکر تھا کہ اس وقت سب لوگ کھانا کھانے کے لئے جا چکے تھے، نوٹو سیشن بھی ختم ہو چکا

ولیمہ کے اگلے دن بھی زینب کے سر نے انہیں واپس آنے کی اجازت نہیں دی تھی، انداز میں اتنا خلوص اور اصرار تھا کہ انکار کی گنجائش نہیں بچی تھی، انیکسی میں ان کے قیام کا انتظام تھا، کھانے کے بعد وہ لوگ وہاں آئے تو زیادہ کا موڈ پھر جانے اور باتیں کرنے کا تھا۔

”یار سارا دن اپنوں کی شکلیں دیکھنے کو ترس گئے، عجیب تو انہیں ہیں حویلی والے پٹھانوں کے۔“ اس کی نرم لود تھی نگاہیں جس خاص انداز اور زاویہ سے نوریہ یہ انہیں ان کی اپنی ہی ایک زبان تھی، جسے دل والے بخوبی سمجھتے تھے مگر نوریہ تو اسے خصوصی طور پر نظر انداز کرتی تھی۔

”پٹھانوں کے جیسے بھی تو انہیں ہیں بات اس وقت اتنی ہے دیور جی کہ آپ یہاں سے کھسکیں ہمیں سونا ہے، اتنے طویل سفر سے تھکے ہوئے ہیں۔“

سب خواتین ایک کمرے میں تھیں، لڑکے دوسرے کمرے میں تھے، بھابھی کی بات پہ زیادہ کا منہ لٹک گیا تھا، اس نے سخت شاکی ہو کر انہیں دیکھا۔

”یعنی آپ ظالم سماج بن رہی ہیں۔“ بھابھی نے اسے آنکھوں ہی آنکھوں میں خاموش رہنے کا اشارہ کیا تھا، پھر وہاں آئی ملازمہ سے بیٹی کا فیڈر تیار کرنے کا کہتی بہانے سے باہر آگئیں، زیادہ ان کے پیچھے تھا۔

”خیریت جناب! آپ کے انداز مجھے مشکوک لگ رہے ہیں۔“

”نوریہ کی طبیعت ٹھیک ہے نہ ہی موڈ، بہتر ہوگا تم بھی جا کر سو جاؤ۔“

”کیا ہوا ہے اسے؟“ وہ نوریہ طور پر پریشان ہونے لگا۔

”تھکنگ اسپیشل! شاید کچھ آپ سیٹ ہے، ٹھیک ہو جائے گی ڈونٹ وری۔“ بھابھی کے کہنے پہ وہ گہرا سانس بھر کے رہ گیا پھر کچھ خیال آنے پہ بولا تھا۔

”میں خیریت پوچھ لوں اس کی۔“

”ہرگز نہیں، لڑکے حقتل کے ناخن لو، بتایا ہے ناموڈ ٹھیک نہیں ہے۔“

بھابھی نے نادستی نظروں سے گھورا بتانے والی بات بھی نہیں تھی کہ موڈ کس وجہ سے خراب تھا، زیادہ نے سرد آہ بھری اور واپسی کو پلٹا تھا، اسی پل ملازمہ کی معیت میں زینب اس سمت آتی نظر آئی، ڈیپ پر پل جدید تراش خراش کا سوٹ بالوں کا خوبصورت سا اسٹائل بنائے، دونوں کلائیوں میں سونے کی چوڑیاں اور نیس سا سونے کا سیٹ پہنے وہ ایک نئی چھب، دلکش سے روپ میں سامنے تھی، زیادہ کو دیکھ کر بھاگنے کے انداز میں قریب آتے ہی اس سے لیٹ گئی۔

”کب سے وہیٹ کر رہی تھی آپ کا، مجھ سے ملنے آئیں گے مگر آپ کو تو شاید احساس تک نہیں تھا، اتنی جلدی بھول گئے ہیں مجھے۔“ شکوے شکا میں آنسو زیادہ تو بوکھلا گیا تھا، جبکہ دروازے سے نکلتا جہان اسی زاویے پہ ساکن رہ گیا تھا۔

”کیسے ملنے آتے تھے، آپ کے سرالیوں نے پابندیاں ہی اتنی سخت لگا رکھی ہیں۔“ زیادہ صفائی پیش کرنے لگا۔

”پاپا اور لالہ کدھر ہیں؟ مجھے ملنا ہے ان سے بھی، حسان وغیرہ۔“ وہ آنسو پونچھتی اس سے

”تمہیں کیسے لگے تیمور اور ہماری حویلی؟“ وہ مسکرا کر پوچھ رہی تھی، پر نیاں خود کو سنبھال کر رمان سے مسکرائی۔

”سب کچھ بہت اچھا ہے، خدا تمہارا نصیب اچھا کرے۔“

”تیمور کہہ رہے ہیں تم لوگوں کو یہاں کچھ دن روک لیں گے، ویلی کا وزٹ کرنا، بہت رومنگ جگہ ہے، کچھ لوگوں کا خیال ہے اس جگہ صرف انہی لوگوں کو آنا چاہیے جو سنگل نہ ہوں تم لالے کے ساتھ پہلی بار آئی ہو، آئیڈیل جگہ ہے، انجوائے یور سیلف۔“ پر نیاں کے چہرے پہ ایک دم سنجیدگی چھا گئی تھی۔

”میری اسٹڈی کا بہت حرج ہو رہا ہے زینب، پھر سہی، یہ فائنل ایئر ہے میرا، یونو پچھلے تین سالوں کا بھی یہی نچوڑ ہے۔“ اس نے صاف دامن چھڑایا تھا، زینب نے سر جھٹک دیا۔

”ایک دو دنوں سے کچھ فرق نہیں پڑے گا، ایسا وقت بار بار نہیں آیا کرتا، تم لوگوں کے لئے تیمور نے انیکسی میں قیام کا انتظام کیا ہے، الگ تھلگ کوئی پریشانی نہیں ہوگی۔“

اب کے پر نیاں نے کچھ جواب نہیں دیا، یہ بحث لایعنی تھی، یہاں اس کی نہیں بڑوں کی مرضی چلتی تھی۔

”لالہ اور جے کیسے ہیں؟“

”یہ آپ نے ان سے ہی لالہ کا کیوں پوچھا؟“ بھابھی کے ساتھ حور یہ اور ماریہ بھی کھانے کے بعد کمرے میں آگئی تھیں، ماریہ نے اس کا فقرہ اچکا۔

”لالہ کا تو پر نیاں سے ہی پوچھوں گی نا، البتہ زیادہ بھائی کا میں نے نوریہ سے احوال دریافت کرنا ہے۔“ واٹش روم سے برآمد ہوئی نوریہ کو شوخ نگاہوں کی گرفت میں رکھ کر زینب نے فقرہ چست کیا تھا اس کا رنگ متغیر ہوا تھا، پر نیاں کی نگاہ لہجہ بھر کو اس کے چہرے پہ ٹھہری تھی اور پھر جھک گئی۔

”مجھ سے کیوں؟ میں نے تمہارے بھائی کا حساب کتاب نہیں لکھ رکھا۔“ نوریہ بری طرح سے تڑخی تھی، زینب نے مسکراہٹ دبا کر اسے دیکھا۔

”مگر انہوں نے تو رکھا ہوا ہے نا۔“

”سٹ اپ زینی!“ وہ ضبط کھو کر چیخ پڑی تھی۔

”ریلیکس جانو کام ڈاؤن۔“ بھابھی نے بروقت نوریہ کو اٹھ کر سنبھالا، وہ شدت غیض سے جیسے کانپ رہی تھی۔

”خود کو سنبھالو نوریہ کیا ہو گیا یار۔“

”سب کو سمجھا دیں، آئندہ مجھ سے ایسی بات کوئی نہ کرے، نہیں پسند مجھے۔“

وہ یونہی وحشت زدہ سی چیخ گئی تھی، بھابھی نے اسے زور سے اپنے ساتھ بھینچ لیا، پر نیاں بھونچکی رہ گئی تھی۔

”ٹیک اسٹ ایزی نوریہ! کوئی نہیں کہے گا، ریلیکس۔“ بھابھی اسے یونہی ساتھ لگائے تھکے گئی تھیں، وہ لہجوں میں غڈ حال ہو چکی تھی۔

ٹیرس پہ شہلے سگریٹ نوشی کرتے گزاری تھی، اک آگ تھی جو اس کے وجود میں سلگ اٹھی تھی، چند لمحوں کو تو ایسا مجنونانہ احساس اندر سے اٹھا تھا کہ تیمور خان کو قتل کر دینے کی خواہش نے اسے پاگل سا بنا دیا تھا، وہ تھانہ زنب کے قابل؟ اس نے کتنی نفرت سے سوچا تھا، مگر اگلا لمحہ بے بسی کا لمحہ تھا ہاں آگاہی اور شعور اگر ہر وقت ملیں تو حقیقت کی سفاکی کند چھری کی مانند ذبح کرتی ہے اور ذرا سا بھی لحاظ نہیں کیا کرتی، اس کے اندر بھی سارے سرکش جذبے اپنی موت مرنے لگے تھے، وہ کوئی حق محفوظ نہیں رکھتا تھا اس بازرگ کا، یہ زنب کا اپنا انتخاب تھا، اس کی تو حیثیت ہی ثانوی ہو کر رہ گئی تھی، اس کی آنکھیں جانے کس کس احساس کے تحت جلنے لگیں، جو کچھ زنب نے اس کے ساتھ کیا تھا اس کے بعد اسے بھی غرض نہیں ہونی چاہیے تھی مگر وہ چاہ کر بھی بے حس نہیں بن سکتا تھا، یہ اس کا ورد ہی تو تھا جس نے جہان کی آنکھوں سے نیند چھین لی تھی، صبح دم جب وہ کمرے میں آ کر معاذ کے برابر لیٹ رہا تھا معاذ کی اسی وقت آنکھ کھلی تھی۔

”تم اب تک جاگ رہے ہو جے؟“ اس نے نیند سے بوجھل سرخ آنکھوں سے اسے دیکھا تھا، جہان نظریں چرا گیا، تم سہی لہو رنگ آنکھیں اور متغیر چہرے کے ساتھ وہ اس قابل نہیں تھا کہ کسی کا سامنا کر پاتا، اس نے جواب نہیں دیا تھا، معاذ کو جواب کی ضرورت بھی نہیں تھی، وہ نیند میں تھا کروٹ بدل کر پھر سو گیا، جہان کو قرار نہیں تھا، اس کے لئے نرم گرم بستر بھی کانٹوں سے بھری شعلوں سے الٹی ہوئی بے آرام جگہ تھی گویا، اسی بے قراری سے کروٹیں بدلتے جاتے کب اس کی آنکھ لگی تھی کہ بچی نیند پھر ٹوٹ گئی اس کی نیند بھی پرسکون نہیں تھی، کمرے کی کھڑکیاں کھلی تھیں اور تازہ پریم ہوا کے جھونکے نئی نویلی روشن دھوپ کے ساتھ کھڑکی کے رستے اندر آرہے تھے، انیسویں کے لان میں بہار دکھاتے صنوبر کے درختوں کا عکس گلاس وال سے گراتا پانی میں ڈالتے عکس کی طرح لرزاں تھا، اس نے گہرا سانس بھر کے کمرے میں نگاہ ڈالی، تمام بستر سیٹھے ہوئے تھے، کمرے میں اس کے علاوہ کوئی اور نہیں تھا، اس نے تکیے کے نیچے ہاتھ مارا اور سگریٹ کیس تلاش کیا، لائٹر اور سگریٹ کیس تکیے کے نیچے سے اسے مل گئے تھے مگر سگریٹ کیس معاذ کا تھا، وہ بہت مہنگے برانڈ کی سگریٹ استعمال کرتا تھا، جہان نے ایک سگریٹ نکالا اور لائٹر سے اسے شعلہ دکھایا، اڑتے دھوئیں میں ایک دلکش پیکر کے خدو خال نمایاں ہونے لگے، جہان گھبرا کر اٹھ گیا، مگر اسے جھٹکا لگا تھا، وہ واقعی دروازے کے پاس کھڑی تھی، سفید شب خوابی کے ڈھیلے ڈھالے لباس میں ہمیشہ کی طرح بے حد حسین دلکش حواسوں کو چھین لینے کی حد تک دل آویز، جہان ساکن پلکوں سے اسے دیکھتا جیسے حقیقت اور الوزن میں فرق محسوس کرنے لگا۔

”ایسے کیوں دیکھ رہے ہیں جے۔“ وہ یاسیت سے مسکرائی تھی، جہان کے اعصاب کو جھٹکا لگا، اس نے بے ساختہ نظریں جھکا لی تھیں اور سگریٹ اٹھتے ہوئے ایش ٹریے میں مسل دیا۔

”تم یہاں کیوں آئی ہو؟“ اس کا لہجہ کڑا اور انداز میں برہمی تھی، زنب نے حلقی سے اسے دیکھا تھا۔

”آف کورس آپ سے ملنے، آپ مجھ سے بھاگ کیوں رہیں ہیں جے؟“ وہ شاک کی ہو کر کہہ رہی تھی، جہان نے لمحہ بھر کو سرخ آنکھیں اٹھائیں۔

الگ ہوئی، جہان جیسے اس ٹرانس سے نکل آیا اور غیر محسوس انداز میں قدم موڑے اور دوسرے دروازے سے وہاں سے باہر نکل آیا تھا، وہ خود میں ہرگز ہرگز بھی اس کا سامنا کرنے کا حوصلہ نہیں پاتا تھا، کمرے سے باہر آنے کے بعد اس نے اضطرابی کیفیت میں سگریٹ سلگایا تھا اور کئی گہرے گہرے کش لئے، جس جگہ وہ کھڑا تھا وہ ایک وسیع مستطیل طرز کی لابی تھی، جس میں ہلکے براؤن رنگ کا دیز قالین بچھا ہوا تھا، سامنے بڑی سی الماری کے عقب میں براؤن کالر کے شیشیل کے وسیع صوفے تھے، وہ لمبے ڈگ بھرتے ہوئے لابی عبور کر آیا، یہ حویلی کا عیشی حصہ تھا جہاں اب وہ کھڑا تھا، یہ حصہ بھی قابل دید تھا، سرسبز ہموار اور تروتازہ لان، مرکزی لائٹوں کی روشنیوں میں نگاہوں کے سامنے تھا، دور تک سبز چمنیوں فرش کی چادر پھیلتی تھی جس کے کنارے کنارے تین اطراف محرابی طرز کی چھوٹی اینٹوں کی قطاریں خوش نما کیاریاں تیار کی گئی تھیں، جن میں نہایت خوبصورت پھولوں کے پودے اپنی بہار دکھا رہے تھے، وہ مضطرب تھا حویلی کی خوبصورتی اور طرز تعمیر پہ اس کی نگاہ نہیں تھی، اسے تو یہ بھی خبر نہیں تھی اس کے قدم کس سمت اٹھ رہے ہیں، معاذ کھنگھڑوں کی جھنکار اور میوزک کے سرتال پہ وہ اپنے خیالات اور سوچوں سے چونک اٹھا تھا، جہاں وہ اس وقت کھڑا تھا یہ یقیناً مردانے جیسے کا ہی کوئی گوشہ تھا، یہ کمرے کا پچھوڑا تھا جس کی بڑی بڑی کھڑکیوں کی سلائیڈز کھلی ہوئی تھیں، میوزک اور کھنگھڑوں کی یہ آواز انہی کھلی کھڑکیوں سے باہر آرہی تھی، اندر کون تھا اور کیا ہو رہا تھا اس سے اسے دلچسپی نہیں تھی، اس نے واپسی کو قدم موڑے تھے کہ نسوانی ہنسی کی جلتنگ نے اس کے قدموں کو جکڑ لیا، جانے کیوں اسے یہ آواز کس قدر شناسا لگی تھی، وہ قدموں کو رجیر یا محسوس کرتا وہیں تھما رہ گیا، اس نے گردن موڑ کر دیکھا، کھڑکیاں اتنی بلند نہیں تھیں اگر وہ قریب جا کر ذرا سی کوشش کرتا تو اندرونی منظر تک رسائی پاسکتا تھا، پھر جانے وہ کون سا جذبہ تھا جس نے اسے آگے بڑھنے اور کھڑکی سے جھانکنے پہ مجبور کر دیا تھا، حالانکہ گانے کے واہیات بول اس کے چہرے پہ سرخی پیدا کرنے کا باعث بنے تھے۔

”تم آہن اور فولاد سے بنے ہو تیمور خان! تم سے تمہارے بازوؤں میں اتنی طاقت ہے کہ ایک بار مجھے بانہوں میں جکڑتے ہو تو تمام ہڈیاں اپنی جگہ سے ہل جاتی ہیں۔“

نیلما تیمور خان کی قرتوں میں کھلکھلا رہی تھی، یہ منظر اتنا شرمناک تھا کہ جہان کا پورا وجود تھرا اٹھا تھا اسے لگا تھا پورا وجود جل کر لمحوں میں خاکستر ہو گیا ہو، اس کی آنکھوں میں اترتے اندھیروں میں زنب کا چہرہ ڈوب ڈوب کر ابھرنے لگا، وہ ساکن سا کھڑا اپنے اندر گونجتے سنائے کو سن رہا تھا۔

☆☆☆

نہ کوئی فکر لاحق ہے
نہ کوئی یاد ہے ہائی
مگر یہ آخری مصرعہ
ذرا سا جھوٹ لگتا ہے

اس نے کروٹ بدلی تو بے اختیار کراہ اس کے منہ سے نکل گئی تھی، کل کی ساری رات اس نے

”کچھ کہا ہے ابھی زینب نے تم سے؟“ وہ اس کی آنکھوں میں جھانک رہا تھا، انداز بگڑا ہوا اور تند تھا، جہاں نے آنکھیں چرا لیں۔

”بولو بے کیا کہا ہے زینبی نے تم سے؟“ وہ چیخ اٹھا تھا، اس کی آنکھیں ہر لمحہ سرخ تر ہوتی جا رہی تھیں، جہاں نے خائف سے انداز میں اسے دیکھا۔

”کچھ نہیں اس نے کچھ نہیں کہا۔“

”پھر تمہیں الہام ہو گیا ہے ہاں؟“ معاذ نے لہجے میں غصے کا تاثر سمونے سے گھورا۔

”زینب نے کچھ نہیں کہا معاذ بلیوی، مجھے خود محسوس ہوا۔“ اس کا لہجہ اس کا انداز صدیوں کی جھلک سیٹ لایا تھا، معاذ کچھ دیر تک بنا پلکیں جھپکائے اسے دیکھتا رہا پھر ایک دم اسے گلے لگا لیا تھا، جہاں کے اندر جیسے لامتناہی کرب پھیل گیا۔

”تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے بے! ایسا کچھ نہیں ہے ریلیکس، بس اب تم بھول جاؤ اسے۔“ وہ اسے تھک رہا تھا، گویا اس کا دھیان بٹا رہا تھا، جہاں مجروح انداز میں مسکرا کر رہ گیا۔

تجھے بھول جاؤں تو کس طرح
ابھی چاہتوں کا شعور ہے
ابھی فاصلوں میں سرور ہے
ابھی حوصلوں میں غرور ہے
تجھے بھول جاؤں تو کس طرح
ابھی سوچ ہے تیری ذات تک
ابھی یاد ہے تیری یاد تک
ابھی بدگمانی گمان ہے
ابھی خواہشوں میں عروج ہے
ابھی جسم میں ابھی جان ہے
تجھے بھول جاؤں تو کس طرح

☆☆☆

ابھی وہ لوگ ناشتے سے فارغ ہوئے ہی تھے کہ حسان اس کے پاس چلا آیا۔

”آپ کو جہاں بھائی بلار ہے ہیں؟“ پر نیوں نے حیرت سے پہلے حسان پھر حاضرین کو دیکھا تھا، ماما اور ماما جان کسی اہم موضوع پہ بات کر رہی تھیں متوجہ نہیں تھیں البتہ بھابھی نے نوٹس لیا تھا مگر ایسا خاص نہیں۔

”ہاں تو چلی جاؤ، سن لو بات۔“ انہوں نے عام سے انداز میں کہا تھا، پر نیوں اپنا دوپٹہ سنبھالے حسان کے ساتھ ہوئی۔

”مجھ سے کیا کہنا ہے جہاں بھائی نے اور ہیں کہاں وہ؟“ حسان کی معیت میں وہ حویلی سے باہر جانے والے راستوں پہ آئی تو کسی قدر حیرانی سے استفسار کیا تھا۔

”پتہ نہیں آپ انہما سے پوچھ لیجئے گا۔“ حسان نے لائسنس کے اظہار کو کاندھے اچکا دیئے

”میں کیوں بھاگوں گا؟“ اس کی صبح پیشانی پہ شکنیں اٹھ آئی تھیں۔

”اگر ایسا نہیں ہے تو آپ کل سے مجھے ملے کیوں نہیں۔“ وہ دو بدو بولی تھی، جہاں نے زور سے سر جھٹکا پھر اسے دیکھے بغیر قطعیت سے پر انداز میں بولا تھا۔

”زینب تم جاؤ یہاں سے۔“

”یہ میری بات کا جواب نہیں ہے اور میں کیوں جاؤں، ملنے آتی ہوں نا آپ سے۔“ زینب کے انداز میں غیر معمولی طور پہ ضد اور غصہ تھا، جہاں نے عاجز ہو کر اسے دیکھا۔

”میں فضول باتوں کے جواب نہیں دیا کرتا، اینڈ سن زینب تم بچی نہیں ہو کہ ہر بات سمجھانی پڑے، یہ سسرال ہے تمہارا اور ابھی تم ان لوگوں کے مزاج اور عادات کو پوری طرح نہیں سمجھ سکی ہو، ہر قدم تمہیں یہاں چونک کر رکھنا چاہیے، مگر تمہاری یہ لاپرواہی.....“

”آپ کا مطلب ہے کوئی شک کرے گا مجھ سے دوائے، آپ کزن ہیں میرے بے۔“ وہ اس کی بات کاٹ کر برہمی سے بولی تھی، جہاں کا دماغ گھومنے لگا، اس کے چہرے کے زاویوں میں سخت کھنچاؤ آ گیا تھا، اس سے قبل کہ وہ سخت ترین الفاظ استعمال کرنا معاذ ہاتھ میں کیرا لئے اپنے دھیان میں گنگنا تا ہوا اندر آیا تھا، ان دونوں کو اس طرح مقابل کھڑے دیکھ کر ٹھٹکا۔

”خیریت زینبی! تم اتنی صبح یہاں؟“

”میں بے سے ملنے آئی تھی کل ان سے ملاقات نہیں ہوئی تھی نا۔“ وہ بغیر کیفیوٹو ہوئے اسی اعتماد سے بتا رہی تھی، معاذ نے ایک نظر جہاں کے سرخ پڑتے چہرے اور سختی سے بھیجے ہونٹوں کو دیکھا پھر رساں سے زینب کو مخاطب کیا تھا۔

”تیور کہاں ہے؟ بے سے ملنا اتنا ضروری تھا کہ تم یوں بے تراری سے اٹھ کر بھاگ اٹھیں، زینب عقل کے ناخن لو اب، میں نہیں سمجھتا ہوں کہ تیور اتنا براڈ مائنڈڈ ہو گا کہ تمہیں اس سب کی اجازت دے اور کوئی تک نبتی بھی نہیں ہے سونی کیرفل اوکے۔“ زینب کا چہرہ ایک دم سے بھیکا پڑ گیا، اسے شاید اب معاذ سے اس قسم کے رویے کی امید نہیں تھی، منہ پہ ہاتھ رکھے وہ یکدم پلکی اور بھاگتی ہوئی کمرے سے چلی گئی، جہاں لب بھیجے کھڑا تھا، معاذ نے زور سے سر جھٹکا۔

”نان سنس، پتہ نہیں کب عقل آئے گی اسے۔“ اس کا موڈ خراب ہو چکا تھا، کیمرہ اس نے غصے میں بستر پہ اچھال دیا تھا۔

”تمہاری طبیعت کیسی ہے اب بے؟“ جہاں اس کی آواز پہ چونکا تھا اور سر آہستگی سے اثبات میں ہلا دیا، معاذ اسے سرخ آنکھوں سے دیکھتا رہا۔

”رات پھر تمہیں سپر بچر تھا، بے تم باز نہیں آؤ گے، سوچنے سے۔“ وہ عاجز سا ہو کر کہہ رہا تھا۔

”تمہیں لگتا ہے معاذ کہ زینب خوش ہے؟“

”مجھے نہیں لگتا۔“

جانے کیسے اس کے لبوں سے پھسل گیا تھا، معاذ نے بے طرح چونک کر اسے دیکھا، جہاں کے چہرے پہ ہی نہیں آنکھوں میں بھی ان دیکھی اذیتیں رقم تھیں، ایک لمحے کو معاذ کو اپنے اعصاب کھینچتے ہوئے محسوس ہوئے تھے، وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کر اس کے سامنے آن رکا۔

تھے، پھر وہ اسے دستِ پورج میں چھوڑ کر خود وہیں سے پلٹ گیا۔

”گرے پچارو میں ہیں وہ، آپ چلی جائیں۔“ حسان نے اشارے سے کچھ فاصلے پہ موجود سیاہ شیشوں والی پچارو کی سمت اشارہ کیا تھا تو یہ پرینیاں کی حیرت دو چند ہو گئی تھی، جہان کے اس عمل نے اسے متحیر کر دیا تھا، وہ اب سمجھن بھرے انداز میں قدم اٹھائی گاڑی تک آئی تھی اور رخ پھیرے جہان کو بے ساختہ پکارا۔

”جی جہان بھائی! خیریت ہے آپ نے یہاں کیوں بلایا مجھے؟“

”جہان کیوں بلائے گا، ہمیں ان کا معتبر حوالہ مجبوراً استعمال کرنا پڑا، تشریف رکھیے میم!“ رخ اس کی سمت موڑ کر معاذ نے کسی قدر معنی خیزی سے جواب دیا تھا، پرینیاں کے سر پہ تو جیسے آسمان ٹوٹ پڑا تھا، اس کے اعصاب جیسے سن ہو گئے، وہ حواس باختہ سی لڑکھرائے دیکھنے لگی۔

”بہت خوشی ہوئی نا مجھے رو برو پا کے، کیا کروں میں حسین ہی اتنا ہوں ماشا اللہ۔“ وہ بڑی والہانہ نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا، بلکہ جذب کر رہا تھا، لبوں کی تراش میں بہت مسکراہٹ تھی اپنی ذات کا غرور اور زعم تھا، پرینیاں کے چہرے پہ ناگواریت کے ساتھ ساتھ کئی بھی سمٹ آئی۔

”واٹ نان سنس، میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ آپ.....“ سر جھٹک کر بات ادھوری چھوڑ کر وہ ایک جھٹکے سے پلٹنے کو تھی کہ معاذ نے سرعت سے بڑھ کر اس کے بازو کو گرفت میں لے لیا تھا، پرینیاں کا اوپر کا سانس اوپر رہ گیا، اس نے ٹھہرا کر اسے دیکھا، معاذ بھی رکا ایک سنجیدہ ہو چکا تھا۔

”گاڑی میں بیٹھیں پلیز۔“ اس کے سنجیدہ لہجے میں شائستگی بھی مگر پرینیاں کے اندر تو آگ دہک اٹھی تھی۔

”ہاتھ چھوڑیں میرا۔“ مذاحمت بے کار جاتی دیکھ کر وہ دبے ہوئے لہجے میں چیخی تھی، معاذ نے اپنا ہاتھ ہٹا لیا۔

”آپ مجھے غلط سمجھ رہی ہیں پرینیاں! مجھے آپ سے بہت ضروری بات کرنی تھی، سوری میرا طریقہ کچھ غلط تھا، میں نے آپ کو ہرٹ کیا اگین سوری۔“ گاڑی کا دروازہ کھولے وہ بہت سچی نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا، پرینیاں ہونٹ تختی سے بھینچے ساکن کھڑی تھی، اس کی آنکھوں میں بے تحاشا کئی سمٹ آئی تھی، جو ٹپ ٹپ رخساروں پہ پھیلی یوں جیسے کرسٹل کے موتی نرم جھل پہ بکھر جائیں۔

”مجھے پتہ ہے آپ کو مجھ پہ اعتماد نہیں ہے، شاید اس حرکت کے بعد آپ کا اعتماد مزید مجروح ہوا ہے، ٹھیک ہے آپ واپس اندر چلی جائیں۔“ نظریں پھیرے چہرے کا رخ موڑے وہ بہت دیر بعد بہت بوجھل انداز میں بولا تھا، پرینیاں نے ایک نظر اسے دیکھا تھا، وہ اپنے خوبصورت بلند و بالا سراپے کے ساتھ یکا یک کتنا مضطرب اور بے حال نظر آنے لگا تھا، پرینیاں کو عجیب سے احساس نے گھیر لیا، ہاتھ کی پشت سے تیلے رخسار پونچھ کر اس نے ایک ایسی فیملہ کیا تھا اور کھلے دروازے سے سیٹ پہ بیٹھ گئی تھی، دروازہ بند ہونے کی آواز پہ معاذ کچھ چونک کر متوجہ ہوا اور حیرت سے حمد سا ہو کر کئی ثانیوں تک وہیں کھڑا اسے دیکھتا رہا تھا، پھر یہ حیرت تمام ہوئی تو اس کی آنکھوں میں

مدمسکراہٹ در آئی تھی۔

”تھینکس فار دس آزمائی لیڈی۔“ ڈرائیونگ سیٹ سنبھالتے ہوئے گاڑی اشارت کرنے کے بعد وہ اس پہ گہری نگاہ ڈال کر متبسم لہجے میں بولا، پرینیاں کے چہرے پہ ایک رنگ آ کر گزر گیا۔

”کسی خوش فہمی کا شکار ہونے کی ضرورت نہیں، میں آپ سے کلیربات کر کے اس معاملے کو ختم کرنا چاہتی ہوں۔“ اس کا لہجہ بگڑا ہوا تھا، معاذ کھل کر مسکرایا۔

”تو کریں نا کلیسربات، مائی پلشر۔“ اس کے لبوں کی تراش میں خفیف سی مسکراہٹ بکھری لہجہ خواب آگئیں تھا، پرینیاں جھنجھلا گئی۔

”میں کیا بات کروں، آپ بتائیں کیوں اس طرح پیچھے پڑ گئے ہیں میرے؟“

”ہم کو ہی کیوں دیتے ہو پیار کا الزام

بھی خود سے بھی تو پوچھو

اتنے حسین کیوں ہو

یہ اس کے سوال کا جواب تھا جو معاذ نے بڑے جذب کسی قدر شوخی اور ناز سے دیا تھا، پرینیاں کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا، اس نے دانستہ اپنی توجہ باہر کی سمت مبذول کی تھی، گاڑی اونچی نیچی بل کھاتی سڑک پہ سرعت سے دوڑ رہی تھی، اطراف میں سرسبز مناظر نگاہوں پہ سحر طاری کر رہے تھے، آفتاب پہاڑوں کے اوپر چمک رہا تھا، ہلکی برف سورج کی حرارت سے تیزی کے ساتھ پگھل کر سڑک کو گیلیا کر رہی تھی، درختوں کی ڈالیوں سے بھی اوس کے قطرے وقفے وقفے سے گرتے تھے، پہاڑوں کی زندگی ایسے موسموں اور قدرتی نظاروں کی دیوانی تھی، وہ جیسے معاذ سے بیگانہ ہو کر اسی سحر میں کھو گئی، برف پگھل رہی تھی اور زندگی میں حرارت کا احساس ہو رہا تھا، ہر شے کا حسن دوگنا ہو چکا تھا، معاذ کھنکارا گویا اس کی توجہ حاصل کرنا چاہی، پرینیاں چونکی تھی البتہ اس کو دیکھنے سے گریز کیا۔

اب بے خبر تھے کیا خبر

تیری آنکھ میں کیا جمال ہے

تھے دکھ لے جو اک نظر

اس کی آنکھوں میں پھر یہ سوال ہے

مجھے نیند سے کیوں جگا دیا

مجھے خواب کیسا دکھا دیا

کوئی ادا سے کوئی نشہ ہے

کوئی سادگی کی مثال ہے

میری ہر نظر میں بسا ہے تو

پیر سے ہر قلم میں لکھا ہے تو

بے سوچ لوں تو غزل مری

نہ لکھ سکوں تو خیال ہے

”پلیز اسٹاپ اٹ، اس سب کا مقصد کیا ہے، کیوں کر رہے ہیں آپ مجھے اس طرح زچ۔“
پرنیاں کا ضبط جواب دے گیا تو چیخ پڑی، معاذ نے ایک جھٹکے سے گاڑی روک دی، پھر اسے پرسکون انداز میں دیکھا تھا۔

”اتنی تفصیلی وجہ بتانے کے باوجود یہ سوال کر رہی ہیں؟“ وہ بے انتہا دلکش اور دل موہ لینے والی مسکان کے ساتھ اسے دیکھ رہا تھا، پرنیاں نے کہا جانے والی نظروں سے اس کا تبسم چہرا دیکھا۔

”آپ کی زندگی میں جو لڑکیاں آئی ہوں گی وہ ان فضول حرکتوں پہ خوش ہوتی ہوں گی، مائنڈ اٹ میرا شمار ان لڑکیوں میں نہیں ہوتا۔“ اس کی نگاہوں میں سلکتی چنگاریاں تھیں، لہجے میں زہر ہی زہر تھا، معاذ نے ایک گہری اور پیچی پیچی سانس بھر کے اس کے تنے ہوئے نقوش والے چہرے کو دیکھا تھا۔

”آپ میرے متعلق اتنا بدگمان ہو کر کیوں سوچتی ہیں؟“ وہ سخت عاجز ہو کر سوال کر رہا تھا۔
”کیا یہ غلط ہے کہ آپ میر ڈ ہیں اور یہ کہ.....“

”ایک منٹ پرنیاں! میں میر ڈ نہیں ہوں، میرا صرف نکاح ہوا تھا، وہ بھی پاپا کی ضد سے، ان کے کسی عزیز کی.....“ پرنیاں کے چہرے پہ آگ دہک اٹھی تھی، اس نے ہاتھ اٹھا کر جیسے معاذ کو کچھ کہنے سے روکا، اس کے انداز میں کچھ ایسا غیر معمولی پن تھا کہ معاذ نے الفور خاموش ہی نہیں ہوا بلکہ اس کی سمت سوالیہ نگاہوں سے بھی دیکھنے لگا تھا۔

”آپ اس لڑکی کو پسند نہیں کرتے آئی مین، اپنی منکوحہ کو؟“ اس نے جیسے خود پہ بہت ضبط کر کے اس سے یہ سوال کیا تھا۔

”پسند کرنے کا کیا سوال؟ میں نے اسے دیکھا تک نہیں ہے۔“ معاذ نے جیسے اپنی طرف سے صفائی پیش کی تھی، پرنیاں کا رنگ یکلخت بھکا پڑ گیا۔

”کیوں نہیں دیکھا؟ وہ آپ کو اپنے قابل نہیں لگتی؟“ اس کے چہرے کے ساتھ اس کی آواز بھی جیسے اپنا اثر کھونے لگی تھی۔

”کہہ سکتی ہیں۔“ معاذ نے بے اعتنائی سے کاندھے جھٹکے تھے، پرنیاں کے چہرے پہ تاریک سائے لرز نے لگے، ہونٹ رنج کے مریض کی طرح سے رنگ بدل چکے تھے، اسے لگا تھا کسی نے یکلخت اسے دکتے الاؤ میں پھینک دیا ہو، اس کا دل رنج سے شق ہونے لگا، اتنی تذلیل ایسی بے مائیلی آنسو اس کے حلق میں آ کر کانٹوں کی طرح اٹک گئے۔

”آپ کو اس سے اتنی دلچسپی کیوں ہے؟ میں آپ کو پسند کرتا ہوں، آپ سے شادی کا خواہاں ہوں میں آج آپ سے یہی بات کرنے کے لئے ساتھ لے کر آیا ہوں۔“ معاذ نے کہتے ہوئے اس کے جانب دیکھا اور چونک اٹھا، ہلکے نیلے رنگ کے سوٹ ہرنگ دوٹے میں وہ گلابی پھول جیسی لڑکی کا چہرہ لحوں میں بچر گیا تھا، سرسوں کے زرد گلاب کی طرح پیلی رنگت اور غیر متوازن تنفس، وہ حیران رہ گیا۔

”واٹ ہنڈ آر یو اوکے؟“ وہ کسی قدر گھبراہٹ میں جتلا ہو کر بولا تھا، مرنیاں کی ساکن ہو جانے والی پلکیں لرزیں اس نے دھندلائی ہوئی نظروں سے اسے دیکھا جس کی شخصیت بے حد سحر انگیز تھی تو پرسوں لہجے سننے والے یہ سحر طاری کر دیا کرتا تھا، وہ اس کی شخصیت سے مرعوب تھی بلاشبہ اس کی شخصیت میں سحر کر لینے والی قوت تھی، اس کا دل رواں تھا وہ کتنی سہولت، کتنی بے نیازی اور نرم سے اس کی ذات کی کر جیاں، بکھیر چکا تھا، پرنیاں نے ہونٹ بھیج لئے وہ کچھ کہنے کے قابل کہاں رہی تھی، معاذ نے مضبوطی سے اسٹیرنگ پہ جے ہاتھ اٹھائے اور اپنا کوٹ اتار کر اس کے کاندھوں پہ ڈال دیا۔

”آپ کو شاید سردی لگ رہی ہے، رات کے کسی حصے یہاں برف پاری ہوئی تھی، کتنا تضاد ہے نا یہاں اور کراچی کے موسم میں۔“ معاذ کے انداز میں دوستانہ بے تکلفی تھی، اس کی نگاہ وٹڈ اسکرین کے پار نظر آتے گھروں سے تھیں، جن کی چھتوں پہ برف ابھی بھی موجود تھی، پہاڑوں پر پھیلے چھوٹے بڑے عمودی چھتوں والے گھر جن میں سے اکثر لوگوں کی چھتیں ٹین کی تھیں اور کچھ مین ہی کی چھتوں پر سیمنٹ اور ریت کا گارا ڈال کر محفوظ کیا گیا تھا، اس کے باوجود موسم کی شدت روکنے میں ناکام تھے، پرنیاں نے اس سے نگاہ ہٹا کر اپنے کاندھوں پہ موجود اس کے گرے کوٹ کو دیکھا تھا، جس سے اتنی پرفیوم اور خود اس کے وجود کی مہک لحوں میں اس کے حواسوں پہ چھا چکی تھی، کچھ کہے بغیر اس نے کوٹ اپنے وجود سے الگ کر کے اپنے اور معاذ کے بیچ خالی جگہ سیٹ پہ رکھ دیا، اس کے اندر ایک بے نام سے دشت اتر آئی تھی جو چھین بن کر مضطرب کرنے لگی تھی، معاذ نے سنجیدہ مگر ساکن نظروں سے سائیڈ پہ پڑے اپنے کوٹ کو دیکھا، ایک توہین آمیز سا احساس اس کے رگ دے میں سرایت کرنے لگا تھا۔

”آپ نے مجھے بہت غلط سمجھا مسٹر معاذ حسن! محبت اگر راہ چلتے ملنے لگتی تو دنیا میں فریب کھائی عورتیں دکھائی دیتیں نہ درندہ صفت مرد، یہ بہت خفاف جذبہ ہے، اسے کسی بھی نامحرم کی آنکھوں میں تلاش نہیں کرنا چاہیے، یہ قدرت کی طرف سے تحفے کے طور پہ ملتی ہے، دل بازار نہیں گھر ہے، پاکیزہ گھر جس کا دروازہ اس دستک پہ کھلنا چاہیے جو اس کا جائز حقدار ہے جسے ہم نہیں تقدیر ہمارے لئے چھتی ہے، میں حیران ہوں خدا کا منتخب کیا ہوا سا بھی آپ کی زندگی میں آچکا اور آپ پھر بھی بھٹکتے پھر رہے ہیں، اپنے اصل کو پہچانیے، اسی کی سمت لوئیے مجھے واپس جانا ہے، مجھے آپ سے اور کچھ نہیں کہنا۔“

معاذ کا پورا وجود سکتے کی کیفیت میں تھا، معا اس کی ساکن پلکوں میں جنبش ہوئی اور مرنیاں کے چہرے پہ آن ٹھہریں، جہاں ازلی سرد مہری اور آنکھوں میں بیگانگی اور نفرت کا بے سیرا نظر آیا تھا، معاذ کو شاہانہ فطرت پہ یہ بہت سفاک اور کاری چوٹ تھی، وہ گویا ایک عالم تحیر میں گم ہو گیا تھا، وجود میں بڑھتا خون کا فشار دماغ میں ٹھوکر میں مارنے لگا۔

(یہ لڑکی شاید اپنے حسن پہ بے تحاشا گھمنڈ کرتی ہے۔)

اس کی نگاہیں شعلہ ہونے لگی تھیں، ورنہ اس جیسے شاندار اور مکمل انسان کو ٹھکرا نا ہرگز آسان کام نہیں تھا اس کی مردانہ انا پہ زبردست چوٹ پڑی تھی، اس نے ہونٹ بھیجے اور جھٹکے سے گاڑی

تھا، یہ ریڈ کارپٹ سے ڈھکی شفاف راہداری تھی، جس کے اختتام پہ بند دروازہ تھا، پر نیاں نے قدم بڑھائے تو معاذ اس کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا تھا۔

”جو کچھ آپ نے دیکھا.....“

”میں کسی کو نہیں بتاؤں گی ڈونٹ وری، آپ خود بھی اپنا گال صاف کر لیں تو بہتر ہوگا۔“ اس کی بات کاٹ کر وہ طنز آمیز سٹی سے بولی تھی اور انگلی سے اس کے چہرے کی جانب اشارہ کیا تھا جہاں نیلما کی بے باکی لپ اسٹک کے نشان کے ساتھ مثبت ہو گئی تھی، اپنی بات مکمل کر کے وہ رکی نہیں تھی لمبے ڈگ بھرتے آگے بڑھتی چلی گئی تھی، معاذ کو لگا تھا وہ جاتے جاتے اسے برزخ میں دھکیل گئی ہے، اس نے جھنجھلا کر اپنا گال رگڑ ڈالا تھا۔

☆☆☆

طیب بن کر جو آگے ہو میں نیم جاں تھا تو تم کہیں تھے
تمہاری لہفت کی بے بسی میں نوحہ خوں تھا تو تم کہیں تھے
ہر ایک گل تھا خزاں رسیدہ کہ آگ ہر سو لگی ہوئی تھی
بہارا آئی تو آگے ہو میں نوحہ خواں تھا تو تم کہیں تھے
لہو سے دیئے جلائے ہیں تو پھر کہیں یہ بحر بھی آئی
اندھیرا جب تک طویل ماہوں کا حکم تھا تو تم کہیں تھے
شعور گفتار آ گیا ہے نہ میرے لہجے میں زہر کھولو
مجھ ب اپنی زباں کی ہے میں نے نہیں تھا تو تم کہیں تھے

اس نے چہرے پہ تیزی سے بہتے آنسوؤں کو ہاتھ سے رگڑ کر خشک کیا اور کھڑکی سے باہر دیکھا اس کی نظر کیاریوں میں لگے پودوں پہ ٹھہر گئی، جن کے سائے بے ہنگم انداز میں دیوار پر بڑے تھے، اس منظر پہ کوئی اور منظر اپنا غلبہ پانے لگا، جس نے اس کی بینائی میں خراشیں ڈال دی تھیں کتنا تکلیف دہ تھا اس کے لئے یہ سارا کچھ، وہ تو پہلے ہی مشکوک تھی اس کی جانب سے مگر صرف شک تھا نا، نیلما جیسی عورت سے اس کی شناسائی تو جیسے نابوت میں کیل ٹھونک دی تھی، اتنی بے تکلفی اور بے باکی، افت وہ لرز گئی، حجاب کے احساس سے آنکھیں سلگ اٹھی تھیں۔

(تو یہ ہے تمہاری حقیقت معاذ حسن! ایک بدکردار بدنام عورت سے بھی تعلق ہے تمہارا)۔ اس کا دل نسک نسک کر تڑپ تڑپ کے رویا چل چل کر سکا۔

(کیا تم ہو میرے سچے خالص اور ان چھوئے جذبوں کے قابل؟ نہیں)۔ اس نے ہنسی بھری تھی، دل میں ماما کی باتوں سے اور اس کے اپنے التفات کے مظاہروں سے جو گنجائش پیدا ہوئی تھی ایک بار پھر سرد مہری اور سٹی کی نذر ہونے لگی، اسے معاذ کی بوکھلاہٹ یاد آئی تو چہرے پہ زہر خند پھیل گیا۔

(تم خوفزدہ ہو کہ میں تمہارا بھید نہ کھول دوں؟ آہ سیانے کہتے ہیں، تن سے چادر ہٹانے سے اپنا وجود ہی عریاں ہوتا ہے، یہ قسمت کی ستم ظریفی ہے معاذ حسن کہ تم میرے وجود کی چادر قرار پائے ہو، تمہارا عیب ظاہر کرنا گویا میری اپنی ذات کی عریانیت ہے جو بہر حال مجھے مر کے بھی گورا

آگے بڑھادی، گاؤں کے اونچے نیچے ٹوٹے پھوٹے راستوں پہ گاڑی بار بار بچکولے کھا جاتی گو کہ وہ بہت اچھی ڈرائیونگ کرتا تھا مگر یہاں کے راستے اور کچھ اس کی ذہنی حالت پر نیاں کا دومرتبہ سر ڈیش بورڈ سے لگراتے، بچا ایک مرتبہ چھت سے جا کر لکرایا، اس نے سخت احتیاجی نظروں سے معاذ کو دیکھا مگر اس کے چہرے پہ جو تاثرات تھے وہ اس درجہ خوفناک تھے کہ وہ کچھ بولنے اور کہنے کی ہمت نہیں کر سکی، جس وقت وہ حویلی لوٹے سر پہر ڈھل چکی تھی، ڈھلتی دھوپ پھاٹک سے لے کر لان میں پھیلی ہوئی تھی، مگر جگہ جگہ خوش نما جھاڑیوں کے شیڈ کے باعث سائے کا احساس غالب تھا، گاڑی رکتے ہی معاذ یونہی بیٹھے ہوئے ہونٹوں کے ساتھ دروازہ کھول کر باہر نکلا تھا اور ارادہ یقیناً اسے وہیں چھوڑ کر آگے بڑھ جانے کا تھا مگر پورٹیکو میں موجود سرخ مرسدیز کا دروازہ کسی نے بہت عجلت میں کھولا اور گاڑی اشارت چھوڑ کر نیلما نے بہت سرعت سے لپک کر آگے جاتے معاذ کا راستہ روک لیا تھا۔

”ہائے ہینڈسم پرینی بوائے! تم یہاں، واٹ اے سر پر ازیار، کیسے ہو؟“ اس سے قبل کہ معاذ کچھ سمجھتا، نیلما بے حد بے تکلفی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس کے گلے کا ہار بن گئی تھی، ستم یہی نہیں تھا تھا بلکہ چنا چٹ اس کے گال کا بوسہ بھی لے ڈالا، یہ بچویشن اس قدر اچانک تھی کہ معاذ شپٹا نا بوکھلا تارہ گیا۔

”ہنو چھوڑو مجھے نان سنس!“ وہ اسے جھٹک کر تڑپ کرنا صلی یہ ہوا تھا اور بوکھلا کر پر نیاں کو دیکھا جو ابھی تک گاڑی میں بیٹھی تھی، ساکن اور ششدر سی اسے دیکھتی ہوئی، معاذ کا سرخ چہرہ جذبات کی شدت سے دہک اٹھا، اہانت اور سکی کے احساس نے اسے ادھ موا کر کے رکھ دیا تھا، پر نیاں بھی جیسے حواسوں میں لوٹ آئی، خود کو سنبھال کر گاڑی کا بند دروازہ کھولا اور نپے تلے قدم اٹھائی ان کے نزدیک سے گزر کر اندرونی حصے کی جانب چلی گئی۔

”یہ پر نیاں ہے نا۔“ پر نیاں نے پورٹیکو سے نکلتے نیلما کی آواز سنی تھی، جو وہ معاذ سے ہی مخاطب ہو کر کہہ رہی تھی، اس کی آنکھیں ایکدم جل اٹھیں، پتہ نہیں معاذ نے کیا جواب دیا تھا، وہ یا گلوں کی طرح دوڑنے لگی، راہ میں لگراتے ملازموں نے اسے حیرت کی نگاہ سے دیکھا تھا مگر وہ رکی نہیں

”پر نیاں پر نیاں.....“ معاذ یقیناً اس کے پیچھے بھاگ کر آیا تھا جیسی سانس پھول رہی تھی مگر اس نے سنا ہی نہیں۔

”ادھر کہاں جا رہی ہو، یہ راستہ مردان خانے کی سمت جاتا ہے۔“ وہ زبردستی مداخلت کرتا ہوا ٹوک کر بولا، پر نیاں نے گالوں پہ بہتے آنسو صاف کیے۔

”مجھے راستہ بھول گیا ہے، مجھے نوریہ اور زینب کے پاس چھوڑ دیں۔“ وہ یونہی روتے ہوئے بولی تھی، معاذ اس سے نگاہ نہیں ملا پارہا تھا، کچھ کہے بغیر اس کا ہاتھ پکڑ لیا گویا رہنمائی کرنا چاہی مگر پر نیاں نے نہایت متنفر انداز میں اپنا ہاتھ اگلے ہی لمحے چھڑو لیا، معاذ کے گویا دل پہ چوٹ پڑی تھی مگر وہ کچھ کہے بنا اس کے آگے ہولیا تھا۔

”یہاں سے اندر چلی جائیں آپ اپنی مطلوبہ جگہ پہنچ جائیں گی۔“ وہ ایک جگہ جا کے ٹھم گیا

نہیں ہوگی، سوڈونٹ وری، ہاں لیکن اب تم میری نظر میں کبھی سر بلند نہیں ہو سکتے، میں اگر با کردار ہوں تو یہ میرا حق تھا کہ تم بھی میرے لئے شفاف اور با کردار رہتے میں نے اگر کبھی کسی غیر محرم کو ہاتھ بھی نہیں تھامنے دیا تو تمہاری بے باکیاں کیسے برداشت کر لوں، طے ہوا معاذ حسن تم میرے معیار پر پورے نہیں اتر سکتے۔)

پر نیاں یوں اندھیرے میں کیوں کھڑی ہو؟“ سب لوگ زینب کے پاس حوٹلی میں تھے صرف وہی عیاں نہ ہونے کے چکر میں انکسی میں بھی اپنے خیالات میں اتنی محو تھی غرق تھی کہ کب اندھیرا کمرے میں اتر آیا اسے خبر ہی نہ ہو سکی، وہ تو خود کو بھولے ہوئے تھی۔

”معاذ کہاں لے کر گیا تھا تمہیں؟ کیا کیا باتیں ہوئیں؟“ بھابھی لائینس آن کر چکی تھیں، اپنی سوئی ہوئی بیٹی کو بستر پہ لٹاتے ہوئے بے حد تجسس سے بولیں، ان کے لہجے کی خفیف سی شوخی اور اشتیاق نے پر نیاں کو جیسے کوڑا سا مارا تھا، وہ جو پہلے ہی مضطرب اور بیجانی کیفیت میں مبتلا تھی، بھابھی کے مذاق کو سہ نہ سکی، اس پر جیسے شدید قسم کا ہسٹریائی اٹیک ہوا تھا۔

”وہ مجھے دھوکے سے لے کر گئے تھے، مجھے اگر ذرا سا بھی حسان کے بیان پر شبہ ہوتا تو کبھی بھی ساتھ نہ جاتی اور میری ان سے ہرگز بھی اتنی بے تکلفی نہیں ہے کہ خوش گپیاں کرتی پھروں۔“ وہ بھڑک کر دبے ہوئے لہجے میں چیختی چلی گئی تھی، بھابھی جو بیٹی کو لٹا کر سیدھی ہو چکی تھیں حیرت رنج اور غیر یقینی سے اسے دیکھتی رہ گئیں، اس کی سرخ ہو کر دہکتی آنکھیں سستا ہوا چہرا اس کے اضطراب کا گواہ تھا مگر اس کا رویہ بے حد تکلیف رہا تھا مگر انہوں نے خود کو بیک وقت سنبھال لیا تھا۔

”سوری پری! تمہیں برا لگا شاید، میرا مقصد تمہیں ہرٹ کرنا نہیں تھا، آئی ایم سوری۔“ انہوں نے آہستگی وزی سے مگر بوجھل آواز میں کہا تھا اور پر نیاں جو اپنے رویے کی بد صورتی کا احساس ہوتے یہ متاسف اور خائف ہو گئی تھی، ایک دم چہرا انہوں میں ڈھانپ کر رونے لگی تھی، بھابھی تو بری طرح سے شیشا تے ہوئے اس کی جانب لپٹیں۔

”سوری پری گڑیا! مجھے نہیں پتہ تھا کہ تمہیں.....“

”مجھے معاف کر دیں بھابھی! مجھے معاف کر دیں، میں پتہ نہیں کیسے آپ سے اتنی بد تمیزی کر گئی، مجھے پتہ نہیں کیا ہو گیا ہے، ایچو ٹکی میرے سر میں بہت درد ہے۔“ اچانک ان سے لپٹ کر وہ کچھ اور شدتوں سے جھل جھل کر روتی جا رہی تھی، بھابھی کی سمجھ میں نہیں آیا اسے کیا سلی دی، کیسے چپ کرائیں۔

”پری میری جان! چپ ہو جاؤ، سر میں درد ہے پہلے کیوں نہیں بتایا، میں ابھی معاذ کو بلاتی ہوں آئی تھینک تمہارا بی بی شوٹ کر گیا ہے۔“ انہوں نے اس کے آنسو پونچھے تھے پھر اسے پچکار کر زری سے بیڈ پہ بٹھایا۔

”آپ نے مجھے معاف کر دیا؟“ وہ سراسیمہ سی انہیں دیکھ رہی تھی، بھابھی مسکرا دیں۔

”کم آن پری! اس قدر کانٹا کیوں ہو رہی ہو؟“ پر نیاں کے چہرے پر بے بسی چھا گئی۔

”میں معاذ کو بلاتی ہوں اور چائے کا بھی کہتی ہوں تمہارے لئے۔“

”بھابھی پلیز! آپ بس مجھے چائے کے ساتھ پین کلمر دے دیں۔“ اس نے معاذ کا نام سن کر

بدلے ہوئے انداز میں گزارش کی، اندر داخل ہوتے معاذ نے اس کا فقرہ سنا تھا اور گہرا سانس بھرا۔

”خیریت بھابھی کیا ہوا؟“ اس کی نظریں پر نیاں کے چہرے پر جم گئی تھیں، سیاہ ہلکے کام کے سوٹ میں ملبوس وہ چودھویں کے چاند کی طرح دک رہی تھی، اسے رو برو پاتے ہی پر نیاں نے ناگوار تاثرات سمیت چہرے کا رخ پھیر لیا تو معاذ کے چہرے پر ایک سا یہ سالہرا گیا تھا۔

”طبیعت ٹھیک نہیں ہے، پر نیاں کی، تم ذرا دیکھنا میں چائے کا کہتی ہوں۔“ بھابھی جیسے ساری ذمہ داری اس کے کاندھوں پہ ڈال کر خود باہر نکل گئی تھیں، پر نیاں نے گہرا کر دروازہ سے غائب ہوئیں بھابھی کو دیکھا اور سراسیمہ ہوگی، اوڑھے ہوئے دوپٹے کو اس نے اضطرابی کیفیت کے زیر اثر پھر سے درست کیا تھا، معاذ نے اس کی ہر حرکت کا بہ نظر غائر جائزہ لیا تھا اور جیسے بے اعتباری کے اس مظاہرے پر سر تا پا جھلس کر رہ گیا۔

”کیا ہوا ہے آپ کو؟“ خود پہ بامشکل ضبط کرتا ہوا وہ دھیمے مگر پریش لہجے میں بولا تھا۔

”جو بھی ہوا ہو، آپ براہ کرم یہاں سے تشریف لے جائیں۔“ وہ از حد رکھائی اور بد تمیزی سے بولی تو معاذ کسی طرح بھی خود پہ قابو نہیں رکھ سکا۔

”پر نیاں! اس کے سرد لہجے میں تنبیہ بھی تھی اور دھاڑ بھی۔“

”ڈونٹ شائٹ اوکے، یوں چیخ کر چلا کر عیبوں پہ پردہ نہیں پڑ جایا کرتا۔“ پر نیاں خائف ہوئے بغیر پھنکاری، تو معاذ کا چہرا اہانت کے احساس سے لال بھسوکا ہو گیا۔

”جسٹ شٹ اپ، کون سے عیب، ہاں بولو۔“ وہ غصے اور سکی سے جیسے دیوانہ ہونے لگا، اسے کاندھوں سے پکڑ کر شدتوں سے جھنجھوڑ ڈالا، پر نیاں چند ثانیوں کو تو جیسے سہم سی گئی، مگر اگلے لمحے اس نے پھر کر اس کے ہاتھوں کو جھٹک ڈالا۔

”ڈونٹ سچ ی، اوکے، مجھے کھن آرہی ہے آپ سے۔“ آخری فقرہ اس نے جیسے روتے ہوئے ادا کیا تھا، معاذ نے جلتی آنکھوں اور بے اوسان سانسوں کے ساتھ اسے دیکھا تھا، اس کا ہاتھ پر نیاں پہ اٹھتا اٹھتا رہ گیا تھا۔

”کھانی رہو کھن مجھ سے، آئی ڈونٹ کیر، سنا تم نے آئی ڈونٹ کیر، مجھے کوئی ضرورت نہیں ہے تمہارے آگے صفائیاں پیش کرنے کی، جنہم میں جاؤ تم، پتہ نہیں خود کو سمجھنے کیا لگی ہو۔“ وہ جیسے جنونی کیفیت میں بولتا ایک جھٹکے سے اٹھ کر وہاں سے چلا گیا تھا، پر نیاں سکتے میں آگئی، یہ سکتہ ٹونا تو معاذ کے ایک ایک لفظ نے اسے بے مایا کیا تھا وہ شدتوں سے بلک بلک کر روتی چلی گئی تھی۔

☆☆☆

کبھی آ میرے آنکھن میں ذرا شام کے بعد
مل کے مانگیں گے محبت کی دعا شام کے بعد
جن کی تقدیر میں خواب نہیں نیند نہیں
اوڑھ لیتے ہیں ستاروں کی ردا شام کے بعد
آؤ مل بیٹھ کے کچھ وقت اکٹھا گزار لیں

اسے دروغ کھورا۔
 ”اگر مجھے یہی سب کرنا ہوتا تو تمہیں انوالونہ کرتا، محترمہ مجھے دیکھ کر ہی منظر سے غائب ہونے لگی ہیں، کیسے وضاحت دوں، کوئی سننے پر بھی تو آمادہ ہو۔“ اس پہ چٹختلا ہٹ سوار ہونے لگی تھی، جہان کی ہنسی چھوٹ گئی۔
 ”ہنسے کیوں تم؟“ وہ مرنے مارنے پہ تل گیا۔

”سوری سوری، ویسے تم وہی ہونا جس نے ہمیشہ لڑکیوں کو اپنے پیچھے دوڑایا تھا اور کبھی تمہارے مزاج نہیں ملتے تھے، مجھے یقین نہیں آ رہا محترم معاذ حسن پر نیاں کے پیچھے پاگل ہو چکے ہیں۔“

”ہاں اڑالو مذاق، تمہارا حق بنتا ہے، بہن ہیں نا محترمہ تمہاری، بجائے میری کوئی سفارش کرنے.....“ معاذ کے چہرے سے بے بسی پھٹ گئی، جہان کو سنجیدہ ہونا پڑا۔
 ”اوکے..... اوکے میں کچھ کرتا ہوں۔“ جہان کی لہلی پہ معاذ نے پرسکون ہو کر آنکھیں موند لی تھیں۔

☆☆☆

دکھ دے کر سوال کرتے ہو
 تم بھی غالب کمال کرتے ہو
 دیکھ کر پوچھ لیا حال میرا
 جلو کچھ تو خیال کرتے ہو
 شہر دل میں اداسیاں کیسی
 یہ بھی مجھ سے سوال کرتے ہو
 مرنا چاہیں تو مر نہیں سکتے
 تم بھی جینا محال کرتے ہو
 اب کس کس کی مثال دوں تم کو
 ہر شتم بے مثال کرتے ہو

وہ سب کے درمیان ہو کر بھی جیسے اکیلی تھی، اپنے دکھوں کو بنا کر سوچوں اور خود اذیتی کے ساتھ، زینب کسی بات پہ زور سے ہنسی تب وہ چونکی تھی، صرف زینب نہیں باقی سب بھی ہنس رہی تھیں، اس نے خود کو ہونٹ محسوس کیا تھا۔

”دیوانگی کا مت پوچھو تیمور کی مجھے ساتھ آنے بھی نہیں دے رہے تھے، اتنی مشکلوں سے منایا ہے، تب بھی دو دن کی اجازت دی، کل آ جائیں گے مجھے لینے۔“ زینب کے شکر نے ہونٹوں پہ مسکراہٹوں کی کلیاں چنگ رہی تھیں، اس کی آسودگی اس کے چہرے و آنکھوں سے عیاں تھی، وہ عجیب سی حسرت سے اسے دیکھے گئی۔

”تم اتنی خاموش کیوں ہو پری؟“ زینب نے اچانک اسے مخاطب کر لیا تھا، وہ چونک کر سنبھلی۔

میں سنوں تجھ کو تو اپنی سنا شام کے بعد وہ مجھے چھوڑ گیا شام سے پہلے پہلے یہ نہ پوچھو میرا کیا حال ہوا شام کے بعد وہ یہاں تھی تو ہر اک شام بھی رہتی تھی اب تو لگتا ہے شام ہوتی ہی نہیں شام کے بعد

اس کی کشادہ آنکھوں میں سرخ ڈورے بے حد نمایاں تھے، صبح پیشانی پہ اضطراب کی مظہر رگ بار بار ابھر کر پھڑکتی تھی، جہان نے جتنی بار بھی اسے دیکھا اس کی اضطراب میں پہلے سے اضافہ ہی پایا تھا، وہ پوچھ پوچھ ہار گیا مگر منہ سے کچھ پھوٹا بھی نہیں تھا، گاڑی ذیلی سڑک سے نکال کر مین روڈ پہ ڈال کر جہان نے پھر اسے دیکھا اور گہرا سانس بھرا، اس وقت تارکول کی لمبی سڑک آسمان پر جا بجا بادلوں کی ٹولیوں کی وجہ سے دھوپ چھاؤں حصوں میں مٹی ہوئی تھی، گاڑی کے بند شیشوں کی وجہ سے گواس کا احساس نہیں ہو رہا تھا مگر گاڑی سے باہر گزرنے والے درختوں کی ایک طرف کوچھکی شاخوں اور پودوں کو دیکھ کر پتہ چل رہا تھا کہ باہر اچھی خاصی ہوا بھی چلنے لگی ہے، ہوا آسمان پر بکھرے بادلوں کو یہاں سے وہاں دھکیل کر زمین پر پھیلی دھوپ چھاؤں کو بار بار اپنی جگہ بدلنے پر مجبور کر رہی تھی، وہ اس منظر کو دیکھ کر صحیح معنوں میں قدرت کی کارگیری کا قائل ہوا تھا، سڑک کے جن حصوں پہ دھوپ تھی وہاں چمکیلا سنہرا پن تھا اور جہاں بادلوں نے سایہ کر رکھا تھا وہاں نیلگوں اداسی پھیلی ہوئی تھی، ایک ہی منظر میں دو متضاد کیفیات کو یکجا کر دینا صرف اس خالق کائنات کی ہی صلاحیتوں کا معمولی کام تھا۔

”معاذ تم کچھ پھوٹو گے منہ سے یا میں تمہیں اٹھا کر کھڑکی سے باہر پھینک دوں، نرمی مینشن۔“ جہان کا ضبط جواب دے گیا تو وہ پھٹ پڑا تھا۔

”دوسری تجویز زیادہ بہتر ہے۔“
 معاذ کی بد مزاجی نقطہ عروج پہ جا پہنچی تھی، جہان نے عاجزانہ نظروں سے اسے دیکھا اور گاڑی کی رفتار آہستہ کر دی۔

”معاذ کیا ہو گیا ہے یار؟“
 ”تم مجھے صرف یہ بتاؤ یہ لڑکیوں کی ساری قوم اتنی احمق اور بدگمان کیوں ہوتی ہے یار۔“
 ”کیا ہوا ہے؟“ جہان کا ماتھا ٹھنکا تھا، معاذ نے ٹھنڈا سانس بھر کے کھڑکی سے باہر اپنی توجہ راستوں پہ لگے بلند قامت اشتہارات اور بورڈز پر لگا دی، لیکن جب تک اس کے سچے عمل ہوتے گاڑی سبک رفتاری سے آگے بڑھ جاتی، وہ آہستگی سے جہان کو ساری بات بتاتا چلا گیا، جسے سننے کے بعد جہان کی تشویش اور پریشانی میں اضافہ ہو گیا تھا۔

”یہ نیلما.....“ وہ دانت چکچکا کر رہ گیا، پھر کسی قدر غصے سے اسے دیکھا۔
 ”اور تم..... بجائے ان کی غلط فہمی دور کرتے الٹا جھگڑا کرنا شروع کر دیا۔“
 ”پھر کیا کرتا، یار وہ مجھے اتنا غلط کیوں سمجھتی ہیں؟“ معاذ پھر بھڑکنے لگا۔
 ”تو پھر ٹھیک ہے، رہنے دو ان کی غلط فہمی برقرار۔“ جہان نے کٹیلتے انداز میں کہا تو معاذ نے

”نہیں تو ایسی کوئی بات نہیں۔“

”مما کیا کہہ رہی ہیں تم آج ہی ہاسٹل جا رہی ہو؟ اک دن تو رک جاؤ نا کل مجھے بھی چلے جانا ہے۔“

”میں نے ایک ہفتے کی چھٹیاں لی تھیں، آج دس دن ہو گئے ہیں، اسٹڈی کا بہت حرج ہو رہا ہے۔“ وہ آہستگی سے بولی تھی۔

”کچھ نہیں ہوتا نایار! اک دن سے کیا فرق پڑ جائے گا۔“ زینب مصرقتی، پریناں نے ہونٹ بھینچ لئے، اب وہ کیا بتانی کہ معاذ حسن کی وجہ سے وہ اک لمحہ بھی اب یہاں ٹھہرنا نہیں چاہتی تھی، حالانکہ جب ممما سے اس کی بات ہوتی تو اس کے ہاسٹل جانے کا سنتے ہی وہ بیکل ہوا تھی۔

”پریناں بیٹے! اب کیا ضرورت ہے ہاسٹل جانے کی، آپ یہاں رہو نا، میں چاہتی ہوں آپ اور معاذ زیادہ سے زیادہ وقت ایک ساتھ گزارو تا کہ انڈر اسٹنڈنگ ڈیلوپ ہو آپ کے بیچ، میں چاہتی ہوں جلد آپ کی رخصتی بھی ہو جائے۔“ پریناں کی جان پہ بن آئی ان کی باتیں اور ارادے سن کر۔

”مما میری اسٹڈی کا ابھی ایک سال باقی ہے، اس کے بعد ہاؤس جا ب بھی ہوگا۔“ اس کے انداز کی سراسیمگی کو ممما نے مسکرا کر دیکھا تھا۔

”معاذ آپ کو پڑھنے سے ہٹائیں گے تھوڑی، میرا بیٹا بھی ڈاکٹر ہے بھی۔“ ان کے لہجے میں خفیف سی شرارت تھی مگر وہ مسکرا بھی نہ سکی تھی۔

”میں جب تک اسٹڈی کر رہی ہوں مجھے ہاسٹل میں رنے دیں ممما۔“ اس نے اگلیاں چٹختے ہوئے بے چارگی سے کہا تھا، ممما کچھ دیر تک اس کے چہرے کے تذبذب کو گہری نگاہ سے دیکھتی رہی تھیں پھر اس کا گال تھپک دیا تھا گویا تسلی سے نوازتا تب کہیں جا کر اس کی جان میں جان آئی تھی، اگلے دن تیمور خان زینب کو لینے چلا آیا تھا، اس وقت پریناں ہی لان میں تھی، اس کا سامنا ہی تیمور سے ہوا تھا، وہ اس کے سامنے یہ سخت جزبہ ہو گئی، تیمور سے اس کی جان جانی تھی، عجیب تھا اس کا دیکھنے کا انداز، اندر تک اترتی ایکسرے کرتی ہوئی آنکھیں، وہ رشتوں کا بھی لحاظ کرنے والا انسان نہیں تھا۔

”زینب اندر ہیں تیمور بھائی، آئیے اندر چلتے ہیں۔“ اسے لان میں ہی اپنے مقابل کرسی پہ بیٹھتے دیکھ کر پریناں بدحواس ہو کر اٹھ کھڑی ہوئی تھی، اسے معاذ کی وہ خفگی یاد آئی تھی جو تیمور کے سامنے یہ اسے سہنا پڑی تھی، وہ ولیمہ کا دن تھا اور پریناں اس دن عام دنوں سے زیادہ اچھی لگ رہی تھی، بلیک سوٹ میں اس کی شفاف گردن اور کلائیوں بے حد نمایاں تھیں، اچھی طرح دوپٹہ لینے کے باوجود وہ ایسا سحر انگیز حسن رکھتی تھی کہ دیکھنے والی نگاہ کھٹک جاتی تھی اور تیمور کی نگاہ زینب کے پہلو میں بیٹھ کر بھی پریناں کے وجود کا بار بار حصار باندھنے لگی تھی، جسے اور کسی نے محسوس کیا ہو یا نہیں معاذ نے ضرور کر لیا تھا اور جب وہ زینب کے کہنے پہ اسے پہنچی تو تیمور نے اسے زینب کے ساتھ بیٹھتے ہی باتوں میں الجھا لیا تھا، اس کی گفتگو اس کی نظروں کی طرح معنی خیز تھی، پانچ منٹ بعد ہی وہ گھبرا کر اٹھ کر نیچے آگئی تھی تو اس میں معاذ کو گھورتی خفا نظروں کا کمال زیادہ تھا۔

”اتنی جلدی کیوں اٹھ گئیں آپ؟ ابھی اور وہاں بیٹھنا تھا نا۔“ وہ اس پہ چڑھ دوڑا تھا، وہ ان لوگوں میں سے تھا جو اپنی چیزوں رشتوں اور احساسات کے متعلق بھی بہت جذباتی ہوتے ہیں، گو کہ وہ اس کے حوالے سے اپنے اہم رشتے سے آگاہ نہیں تھا صرف اسے خاص نگاہ سے دیکھتا تھا اس کے باوجود اتنا پوزیو سوہور ہا تھا اگر رشتے کا استحقاق معلوم ہو جاتا تو جانے یہ اجارہ داری کس حد تک جا پہنچتی۔

”کمرے میں جائیں، کوئی ضرورت نہیں ہے یہاں بیٹھنے کی۔“ تیمور خان کی اس کے تعاقب میں سفر کرتی نظروں کو دیکھ کر وہ عصبیلی آنکھوں سے پریناں کو گھورتے ہوئے بچپتے ہوئے لہجے میں بولا تھا، اس بات پر پریناں ضرور اس سے ضد لگاتی اگر وہ خود تیمور کی نظروں سے ناپسندیدگی اور ناگواری کے احساس سے دوچار نہ ہوتی جیسی کچھ کہے بنا وہ اسی پل ہی انیکسی میں آگئی تھی۔

”آپ کے پیرنٹس نہیں ہیں نا، مجھے پتہ چلا ہے، آپ کا نکاح بھی معاذ کے ساتھ بالکل اچانک ہوا ہے، ظاہر ہے آپ کی مرضی تو شامل نہیں ہوگی۔“ تیمور خان اس کے ہمراہ اندرونی حصے کی جانب بڑھتے ہوئے اس کے چہرے پہ نگاہ کا نوکس جمائے بولا تو پریناں کی رنگت ایک لمحے کو متغیر ہوئی تھی، اس کے تاثرات اس درجہ ذاتی سوال بہ درستی اور خفیہ سمیٹ لائے۔

”کس نے کہا ہے آپ سے بہر حال جس نے بھی یہ اطلاع دی ہے بالکل غلط ہے، آپ بیٹھے میں زینب کو بلا کر لاتی ہوں۔“ تیمور کو ڈرائینگ روم میں چھوڑ کر وہ سختی سے کہتی اٹھ قدموں پلٹ گئی، پھر اس کے بعد کمرے میں آ کر وہ اپنا بیگ تیار کرنے لگی تھی، ملازمہ اسے کھانے کو بلانے آئی تو اس نے بھوک نہ ہونے کا عذر تراش کر کھانے سے انکار کر دیا تھا، ورنہ حقیقت یہ تھی کہ وہ تیمور کے سامنے سے خائف تھی، ممما کچھ دیر بعد خود اس کے پاس چلی آئیں۔

”کھانا کیوں نہیں کھایا بیٹے اور جا رہی ہو؟“

”جی ممما! جا رہی ہوں، مجھے بھوک نہیں تھی۔“

”چلو کچھ پھل لے لینا ساتھ میں ذودھ کا گلاس بھیجتی ہوں اور بیٹے اب چکر لگاتی رہنا یہ آپ کا اپنا گھر ہے۔“ وہ اسے گلے لگا کر آبدیدہ ہو گئیں، پریناں آہستگی سے مسکرائی تھی۔

(جاری ہے)

”دعاے صحت“

طبیعت کی ناسازی کے باعث نوزیہ غزل اس ماہ ”دہ ستارہ صبح امید کا“ کی قسط نہیں لکھ پائیں، قارئین سے نوزیہ غزل کی صحت یابی کے لئے دعا کی اپیل ہے۔



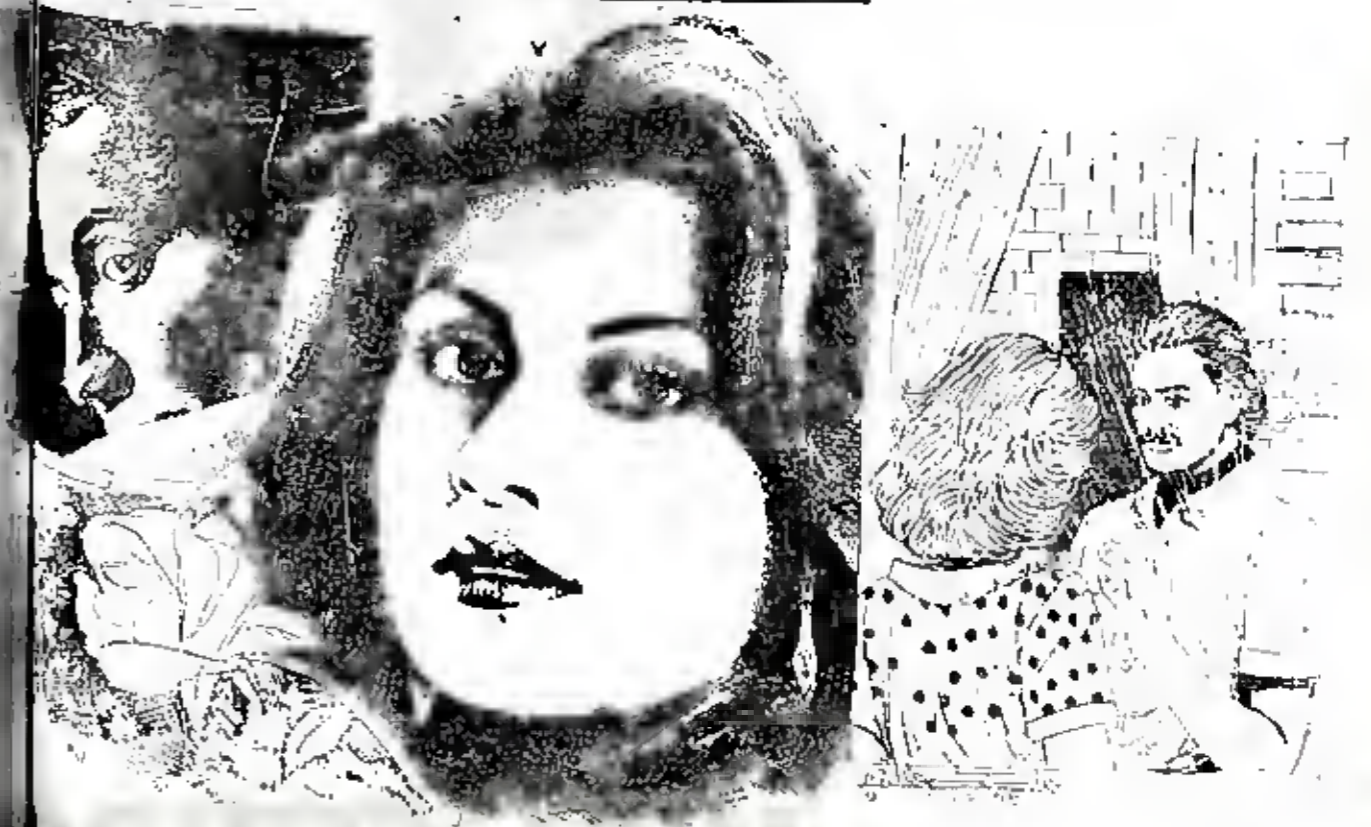
سترھویں قسط کا خلاصہ

ولیمہ میں شرکت کی غرض سے شاہ ہاؤس کے مکین حویلی میں ہیں اور اپنی اپنی جگہ سب اذیت و کرب اور ٹینشن کا شکار، معاذ پر نیاں سے بات کرنے کے غرض سے اسے اپنے ساتھ لے کر جاتا ہے جہاں اک بار پھر دونوں کے درمیان تلخ کلائی ہوتی ہے، حویلی واپسی پہ رہی سہی کسر نیلما سے ہونے والا سامنا پوری کرتا ہے، اس کی بے باکی کا مظاہرہ پر نیاں کو معاذ سے بدگمانی کی آخری حد تک لے جاتا ہے۔

جہاں ولیمہ کی رات زینب سے سامنا نہ کرنے کی خاطر حویلی کی بھول بھیلیوں میں بھٹک کر جہاں پہنچتا ہے وہاں تیمور اور نیلما کی بے تکلفی کا مظاہرہ اسے شاکد کر کے رکھ دیتا ہے۔
نور یہ زیاد کے جھکاؤ اور معاذ کی بے اعتنائی کو سہتی شدید ہیجانی و ذہنی تناؤ کا شکار ہے اور اس ٹینشن میں وہ پر نیاں کو اپنی طرف سے مشکوک کر کے ٹھنکاتی ہے۔
جہاں کو یقین کامل ہے، کہ زینب خوش نہیں ہے، یہ ادراک و یقین اسے شدید ہیجان میں مبتلا کر چکا ہے۔

اب آپ آگے پڑھیے

اٹھارویں قسط



”آپ فکر نہ کریں ماما میں آتی رہوں گی۔“ اس نے تسلی دی تھی، زینب کو جانا تھا جیسی ماما اس کے پاس سے اٹھ گئی تھیں، پر نیاں نے اپنی تیاری مکمل کی اور پپا کے کمرے کی جانب چلی آئی، مقصد ان سے اجازت لینا تھا، ان کے کمرے کے دروازے سے ابھی چند قدم کے فاصلے پر تھی جب معاذ حسن اپنے دھیان میں دروازہ کھول کر باہر آیا، دونوں ایک دم ایک دوسرے کے مقابل آ گئے تھے، پر نیاں نے نگاہ چرائی جبکہ معاذ نے جم کر اسے دیکھا تھا۔

”پپا کے کمرے میں جانے کی ضرورت نہیں۔“

”کیوں؟ آپ کون ہوتے ہیں مجھ پر پابندیاں لگانے والے۔“ وہ درشتی و نخوت سے اسے دیکھ کر کونسلے کی طرح چیختی تھی۔

”وہاں تیمور ہے میں نہیں چاہتا کہ تمہارا اس سے سامنا ہو، آئی سمجھ کہ نہیں۔“ وہ اس کی آنکھوں میں جھانک کر سرد مہری سے بولا اور اسے واپس مڑنے کا اشارہ کیا تھا، پر نیاں نے ہٹ دھرمی کا مظاہرہ ضروری سمجھا۔

”مجھے کام ہے ان سے، واپس جانا ہے مجھے۔“ وہ چڑ کر بولی تھی، معاذ نے چونک کر اسے دیکھا، بڑی چادر میں لپیٹی وہ جانے کو ہی تیار تھی۔

”آپ اندر چلیں مجھے آپ سے کچھ بات کرنی ہے۔“ معاذ نے ایک دم کسی نتیجے پر پہنچ کر کہا تھا، پر نیاں نے سرد نگاہوں سے اسے دیکھا۔

”مگر مجھے آپ سے کوئی بات نہیں کرنی۔“ وہ چڑ کر بے حد تلخی سے بولی تھی اور پیر پختی وہاں سے چلی گئی، معاذ وہیں کھڑا اس کے اکھڑے ہوئے سرد انداز کو دیکھتا کسی متشکرانہ سوچ میں گم ہو گیا تھا۔

ہم ذوق نظر ذوق تماشا نہ کریں گے
وہ سامنے آئیں بھی تو دیکھا نہ کریں گے
ہر حال میں رہیں گے بھرم اپنی وفا کا
ہم ان سے بھی وفاؤں کا تقاضا نہ کریں گے
یہ زخم وفا حاصل ارباب وفا ہے
مر کے بھی کبھی اس کا مداوا نہ کریں گے
ہر تمنا نے دیے ہیں داغ تمنا
اب تو یہ تمنا ہے کہ تمنا نہ کریں گے
اخلاص کے پردوں میں ہر شخص نے لوٹا
اب ہر گز بھی کسی پہ بھروسہ نہ کریں گے

☆☆☆

پچھلے چار دن کی ٹھیک ٹھاک بیماری کاٹ کر وہ پورے پندرہ دن بعد کالج آئی تو شام کے بقول واقعی ہی وہاں کا ماحول تسر بدل چکا تھا، تعلیمی ادارے کی بجائے وہ کوئی فیشن فیسٹول لگتا تھا جہاں ہر کوئی دوسرے سے سبقت لے جانے کو ایڑی چوٹی کا زور لگا رہا تھا، شام پچھلے چار دنوں سے نئے

نظر ہونے والے سر کا تذکرہ جوش و خروش سے کرتی رہی تھیں، ان کا ہر اسٹائل ان کی ہائینڈ۔ ان کی شاندار باڈی سے لے کر دیکھنے کے اسٹائل تک ان چار دنوں میں لڑکیوں کو ازبر ہو چکے تھے۔ خود شام بھی کچھ کم متاثر نہ تھی مگر اس کا حال بہر حال ویسا نہ تھا جو دیگر بے وقوف لڑکیوں کی ہو چکی تھی، وہ سب سے مزے کی بات یہ ہے کہ نہیا صاحبہ بھی دانیال کو ہری جھنڈی دکھا کر سر کے آگے پیچھے پھرتی ہے، اپنی دولت اور حسن کی پوری پوری نمائش لگا کر۔

کل ہی ثنائی یہ سب سے اہم اطلاع اسے فراہم کی تھی۔

”یار پری ریلی وہ اتنے ہنڈسم ہیں کہ انہیں دیکھ کر دل کو کچھ کچھ ہونے لگتا ہے، مجھے تو لگتا ہے تم بھی ضرور اسیر ہو جاؤ گی۔“ آخری بات اس نے شرارت میں اسے چھیڑنے کو کہی تھی اور پر نیاں نے اسے گھورنے پر ہی اکتفا نہیں کیا تھا۔

”شرم تو نہیں آتی ہے ثناء، استاد بھی باپ کے درجے پر فائز ہوتا ہے۔“

”لاحول ولاقوہ اللہ باللہ۔“ ثناء نے بے اختیار کانوں کو ہاتھ لگائے اور ہنستے ہوئے ال ال پٹی ہونے لگی۔

”باپ!“ اس کی ہنسی نہیں سمجھنے میں آ رہی تھی۔

”تم نے ابھی دیکھا نہیں ہے نا انہیں، ریلی ہم سے چند سال ہی بڑے ہوں گے، باپ کدھر سے ہو گئے؟“

”لڑکیاں تو لڑکیاں ان کی شاندار پرنسٹالٹی سے تو لڑکے بھی بری طرح متاثر ہو چکے ہیں، ریلی یاران کی سحر انگیز شخصیت کا تاثر اول روز سے ہی سب پہ اپنا تسلط جما چکا ہے، یہ سچ ہے کہ میں نے بھی پہلی بار انہیں دیکھا تو سحر زدہ سی ہو کر رہ گئی تھی، مجھے حیرت ہوتی ہے انہیں دیکھ کر کوئی اتنا شاندار بھی ہو سکتا ہے؟“

ثناء کو پھر سے تعریفوں میں رطلب اللسان ہوتے دیکھ کر پر نیاں تاسف سے سر جھٹکتی رہی تھی، مگر کالج آنے کے بعد لڑکیوں کے بدلے رنگ ڈھنگ دیکھ کر اسے ثناء کی بات کی صداقت کا یقین نہ جاتے ہوئے بھی کرنا پڑا تھا ثناء نے اسے بتایا تھا نئے آنے والے سر کا آخری پریڈ ان کا ہوتا ہے یعنی ابھی کلاس میں بہت ٹائم تھا، پر نیاں ثناء کے ہمراہ کینٹین چلی آئی تھی، آرڈر کرنے کے بعد وہ دونوں کرسیوں پہ آ کر بیٹھ گئیں۔

”تم فکر کیوں ہو سب ٹھیک ہو جائے گا جان من، اگر وہ بہت خاص ہیں تو کی تو مجھ میں بھی کوئی نہیں۔“ یہ آواز نہیاں کی تھی، وہ شاید ان سے پچھلی ٹیبل پر بیٹھی کسی سے نون پہ محو گفتگو تھی۔

”یہ بھی یقیناً سر کا ذکر خیر کر رہی ہے۔“ ثناء نے اس کی سمت جھک کر راز داری سے کہا تھا، پر نیاں نے توجہ نہیں دی اور منگو جوس کے ٹن کے میل توڑنے میں مصروف ہو گئی۔

”کیسے کہیں یہ مت پوچھو، ان کی تعریف تو گویا سورج کو چراغ دکھانے والی بات ہوگی، ہم تو مجھے کام سے۔“ نہیاں کھلکھلا رہی تھی، ثناء نے معنی خیز نظروں سے پر نیاں کو دیکھا اور پھر کھنکھاری مگر وہ بگڑا نجوائے کرنی رہی، اس نے اپنے طور پر طے کر لیا تھا کہ ان احمق لڑکیوں کی طرح کسی قسم کا شرم نہیں کرے گی، اسے ویسے یہ چھپھورین بالکل پسند نہیں تھا۔

”تم خود سوچو مجھے کوئی ایسا بندہ اٹریکٹ اور پھر دیوانہ کر سکتا ہے ناممکن بس وہی ہے جو بکینے میں ساحر لگتا ہے، سورج کی اولین کرنوں میں نہا کر آیا ہوا یونانی دیوتا، مجسم و جاہت و خوبرائی، یا پھر نظر کا دھوکا، میں نے جب انہیں پہلی مرتبہ دیکھا تو اتنا مبہوت ہوئی تھی کہ حد نہیں اب بھی جب وہ سامنے آجاتے ہیں یار میں سانس تک لینا بھول جاتی ہوں۔“ اس درجہ بے جالی اور بے باکی سے کی گئی تعریف پہ پر نیاں کی پیشانی پہ پسینہ اٹنے لگا، ثناء اسے جتلائی نظروں سے دیکھتی کھی کھی شروع کر چکی تھی، پر نیاں کھڑی دیکھتی گری دھکیل کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

”کہاں؟“ ثناء نے اسے بیگ کاندھے پہ ڈالتے دیکھ کر استفسار کیا تو پر نیاں نے الجھ کر اسے دیکھا۔

”سرواٹق کی کلاس شروع ہونے والی ہے، جلدی اٹھو۔“

”آف سرواٹق اور انکار بور مضمون، سوری ڈیر اس سے کہیں مزے کی نہیاں کی گفتگو ہے، آؤ تاڑا کرتے ہیں۔“ ثناء نے اس کا ہاتھ پکڑ کر واپس بٹھاتے ہوئے آنکھ ماری تو پر نیاں نے اسے بے حد غصے سے گھورا تھا۔

”دماغ خراب ہو گیا ہے ثناء تمہارا، چلو اٹھو۔“

”نہ جی میں نہیں جانے گی، سردرد کر رہا ہے قسم سے۔“ پر نیاں کے خوفناک نظروں کو دیکھتے وہ بسوری تھی، پر نیاں نے متاسفانہ سانس بھر کے سر جھٹکا۔

”ٹھیک ہے مری رہو یہاں، میں جا رہی ہوں۔“

”جاد اللہ کرے تمہارا سر سے ناکرا ہو جائے اور پھر تمہیں ان سے بڑی بری طرح سے محبت ہو جائے، یا راتنا ہند سم بندہ تمہارے جیسی لڑکی ہی سوٹ کرتی ہے، ورنہ انہیں نہیاں نے اپنے دام میں پھنسا لیتا ہے جو مجھے تو کم از کم پسند نہیں آتی بات۔“

ثناء نے پتہ نہیں دعادی تھی یا بد دعا، پر نیاں نے غصے میں سے اپنا جرنل کھینچ مارا تھا اور کھستی ہوئی وہاں سے واک آؤٹ کر گئی تھی، ثناء کی وجہ سے وہ پانچ منٹ لیٹ ہو چکی تھی، جب ہی بہت عجالت میں سیڑھیاں چڑھ رہی تھی جب دوسری سمت سے آتا معاذ بھی کچھ تیزی میں تھا کہ موڑ مڑتے ہوئے دونوں کا زبردست تصادم ہوا تھا، پر نیاں کی تو آنکھوں تلے اندھیرا چھا گیا تھا، ایک تو ماتھے پہ لگنے والی چوٹ اس پر غیر متوقع طور پہ ہونے والا معاذ حسن سے سامنا، وہ صحیح معنوں میں چہرا کر رہ گئی تھی۔

”سوری..... آریو اوکے؟ ویسے میں حیران ہو رہا ہوں، آپ یہاں.....؟ امیزنگ۔“ اس کے برعکس معاذ حسن خوشگوار بیت بھری حیرت کا شکار تھا، نگاہوں کی سرشاری اور تبسم بے حد وضاحت سے اس حسین حادثے کا انبساط چھلکا رہا تھا، ایک بل کو تو پر نیاں کو بھی لگا تھا کائنات کی گردش رک گئی ہو، مگر محض ایک بل کو اگلے لمحے وہ اس سے ایلیسیکوز کیے بغیر اپنی کتابیں اس کے ہاتھ سے چھینتی جو اس تصادم کے نتیجے میں چھوٹ کر گر گئی تھیں اور معاذ نے ہی اٹھائی تھیں، آگے بڑھ گئی، حالانکہ اسے بھی اپنی دھڑکنیں معمول سے لانے میں وقت لگا تھا کہ معاذ حسن کی سحر بھری مٹھاسی آنکھوں میں اس بل اپنے لئے بہت واضح نرم جذبے دکھائی دیئے تھے، جن میں سچائی

خلوص تھا، اس کے ہونٹوں پر کتنی دلکش مسکراہٹ تھی، شرارت سے بھرپور، اس کا دل زور سے ہڑک اٹھا تھا، وہ اتنا گھبرائی تھی کہ ہونٹ بھیجے آگے بڑھتی چلی گئی، اپنی ازلی خود ساختہ بے نیازی کے ساتھ، اس کے جذبات کی پرواہ کیے بغیر پڑیرائی کیے بغیر، تیز تیز پانی ماندہ میڑھیاں پھلانگ گئی تو موسم میں اتنی تبدیلی آجانے کے باوجود وہ سر تا پا پسینے میں نہا گئی تھی، اس کے لئے یہ بہت غیر متوقع تھا، معاذ حسن کی آنکھوں میں اپنے لئے محبت کا رنگ محسوس کرنا، یہ تو اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا، زینب کی شادی کی ہر تقریب میں اس کی توجہ کے ارتکاز اور شوخ جساتوں کے مظاہروں کو جب جب محسوس کیا تھا تو اس کی بھنورا صفت فطرت سے مسحور کر کے وہ اس سے بدگمان ہی ہوئی رہی تھی، مگر اب وہ کچھ الجھ گئی تھی، بے یقین سی بے یقین تھی، وہ جو کچھ ابھی دیکھ کر آئی تھی کیا وہ سچ تھا، وہ چکراتے ذہن کے ساتھ شش و پنج میں مبتلا تھی، جبکہ اس نظر اندازی پہ معاذ حسن کا چہرہ انتہا سے سرخ ہو چکا تھا، لب بھیجے اس نے سلکتی نظروں سے میڑھیوں کے آخری سرے پہ اس کی لہراتے آنچل کو جھٹک دکھلا کر غائب ہوتے دیکھا تھا، وہ ہمیشہ سراہا گیا تھا، پسند کیا گیا تھا، یہاں کالج میں آنے کے بعد تو یہ ستائش انتہا کو پہنچتی دیکھی تھی اس نے، وہ تو تسخیر کرنے والوں میں سے تھا، مگر پر نیاں کا رویہ اسے بے تحاشا ہرٹ کر گیا تھا، اس نے بہت تلخ انداز میں سر جھٹک دیا، وہ اس کے گفتگو پہلی بار بہت شدت پسندی سے اور متنفرانہ انداز میں سوچنے پہ مجبور ہوا تھا۔

☆☆☆

کسی سے اس لئے دشوار ہے خفا ہونا
منانے آئے گا ہم کو بھی یار مشکل ہے
خزاں رسیدہ چمن میں بہار مشکل ہے
تمہارے بعد کہیں اعتبار مشکل ہے
عجب راز جنوں تھا جو میرے دل پہ کھلا
تیری گلگی میں بھی آ کر قرار مشکل ہے
ہمارا کون سے اہل وفا کی بستی میں
ملے گا کوئی ہمیں غم گسار مشکل ہے
کہاں چلے ہو محبت خریدنے محسن
بغیر سود کے مانا ادھار مشکل ہے

وہ ساکن سی کھڑکی کے پاس کھڑی باہر دیکھ رہی تھی، تیمور خان کی سیاہ جیب تیزی سے برف آتی دور جا رہی تھی، اس کے دونوں ہاتھ مضبوطی سے اسٹیرنگ پہ جسے ہوئے تھے، نگاہیں سامنے ملن کھاتی سڑک پر مرکوز تھیں، اطراف میں حسین مناظر پھیلے تھے مگر وہ کس درجہ بے نیاز رہتا تھا، انیکدم کول، اس کی اس سرد مہری نے تو زینب کے تمام جذبوں کو بھی ٹھنڈا دیا تھا، وہ دیوانی تھی ایسے موسموں کی قدرتی مناظر کی مگر تیمور نے اسے حویلی میں قید کر کے رکھ دیا تھا، وہ جو مہکتے تر و تازہ گلہبوں جیسی نظر آیا کرتی تھی ہرگز رتے دن کے ساتھ مرجھاتی جا رہی تھی، محض شادی سے ایک ماہ بعد ہی، وہ اندر سے ختم ہونا شروع ہو چکی تھی، شاید ٹوٹے سپنوں کی کرجیاں آنکھوں میں چھپتی ہیں تو

یونہی آنکھوں میں اندھیرے بھر جاتے ہیں، وہ خود کو جوڑتے تھکنے لگی تھی، گولڈن فریم کے اطالوی طرز کے قد آدم آئینے میں اس کا عکس بے حد نمایاں تھا، بلکہ گلابی رنگ کے سوٹ میں میردن خوبصورت سی شال اوڑھے اس کا چہرہ مضمحل تھا، اس کو پہلا دھچکا شادی کی پہلی رات ہی سہنا پڑا تھا، جب تیمور خان اس کے پاس آنے کی بجائے طوائفوں سے دل بہلاتا اور جام پہ جام اپنے اندر اندھلتا رہتا تھا، جب وہ اس کے پاس آیا تو اسے بیوی اور داشتہ کے بیچ کا بنیادی اور اہم فرق بھول چکا تھا، ڈرنک کرنے کے بعد اس نے زینب سے جو تعلق استوار کیا تھا اس میں اذیت اور سبکی کے سوا کچھ نہیں تھا، مگر وہ یہ سب خاموشی سے سہنے پہ مجبور ہو گئی تھی، کس سے کہتی کہ یہ سب اس کا اپنا کیا دھرا تھا، وہ پہلے تو ہنستا رہتا تھا، پھر معذرت کرنے لگا، مگر زینب کے رویے کی شدت پسندی نے اسے پھر سے الٹا مڑ کر دیا تھا، وہ غیر شائستہ زبان میں اس کے لئے استعمال کر رہا تھا۔

”بہت پارسا ہوں تم، یہ سمجھانے کی کوشش کر رہی ہو مجھے، اذنبہ، ایک بات یاد رکھنا زینب بیگم کہ تم بیٹی ہو میری اور ہمارے ہاں بیویوں کو سر پہ نہیں رکھا جاتا، خوش قسمت ہو تم کہ میں نے نکاح کیا ہے تم سے..... ورنہ تم جیسی لاپٹی عورتوں کو پیسے سے خریدنا ہمارے لئے مشکل کام نہیں ہے۔“ کتنی حقارت تھی اس کے لہجے میں اور زینب وہ تو جیسے اتھاہ گہرائیوں میں اترتی چلی گئی تھی، پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھتی وہ جیسے ہزاروں ٹن برف کے نیچے اپنا وجود مسخ ہوتا محسوس کر رہی تھی، اس کے بعد تیمور خان سے الجھنے کی کبھی غلطی نہیں کی تھی، زینب نے دوسرے لفظوں میں اسے اپنی ذلت گوارا نہیں تھی، مگر تیمور خان کو شاید اس سے واقعی محبت تھی کہ وہ اس کی خاطر خود یہ کچھ نہ کچھ ضبط کرنے لگا تھا، سب سے پہلے اس نے جو اپنی عادت میں تبدیلی پیدا کی وہ شراب سے دوری تھی، جب وہ زینب کے پاس آتا بالخصوص ڈرنک سے پرہیز کیا کرتا تھا۔

”اتنی خاموشی اور اداس کیوں رہنے لگی ہو زینب! تم مجھے ہنستی ہوئی اچھی لگتی ہو۔“ اسی رات وہ بیڈ پہ اس کے مقابل لیٹتے ہوئے اس کے ریشمی بالوں سے کھیلنے ہوئے جذبات سے بوجھل آواز میں بولا تھا، وہ جواباً کچھ نہیں کہہ پائی تھی، تیمور کو اس کی خاموشی نے تکلیف پہنچائی تھی۔

”کیا خیال ہے ہنی مون کے لئے سوئز لینڈ چلیں؟“ وہ اسے ہر قیمت پہ بہلانا چاہتا تھا، زینب حیران رہ گئی تھی اس مہربانی پہ۔

”آپ سچ کہہ رہے ہیں؟“ وہ جوش میں اٹھ کر بیٹھ گئی، اس میں شک نہیں تھا کہ اس نے تیمور خان سے محبت نہیں کی تھی، مگر بھجوتہ ضرور کیا تھا، تیمور اس کی آنکھوں میں چمک اٹھنے والے ستاروں کو دیکھتا نری سے مسکرا دیا، ان ستاروں کی حقیقت کو جانے پہچانے بغیر۔

”ہاں بھئی! شادی کے بعد ہم کہیں گھومنے نہیں گئے، تو وہیں سہی۔“

”میں ضرور چلوں گی، مجھے بہت شوق ہے وہاں جانے کا تیمور، جب میں چھوٹی تھی تو الالے سے کہا کرتی تھی مجھے سوئز لینڈ دکھا کر لائیں، وہ ہر بار مجھے ڈانٹ دیتے اور بچے ہمیشہ مجھے تسلی دیا کرتے کہ وہ مجھے لے کر چلیں گے مگر جب میں بڑی ہو جاؤں گی۔“ تیمور خان نے اس کے جھنگاتے چہرے پہ اپنوں کی یاد کی حسرت کو سنجیدگی کی نگاہ سے دیکھا تھا پھر گہرا سانس بھرا۔

”تمہارا یہ کزن جہان بہت قریب رہا ہے تم سے؟ ہے بھی بہت امپریسو پرسنالٹی اس کی۔“

زینب کو جیسے دھچکا لگا تھا، وہ نہ صرف خاموش ہوئی تھی بلکہ کچھ سہم کر اسے دیکھنے لگی، شاید تیمور کو اس کے منہ سے جہان کا تذکرہ اچھا نہیں لگا تھا، وہ درست قیاس کرنے سے سخت قاصر رہی تھی، اسے یاد تھا شادی سے پہلے بھی ایک بار تیمور نے ایسی بات کہی تھی مگر تب زینب نے اتحادھیان نہیں دیا تھا اور اس کی بات ازادی تھی، مگر اب یہ بے نیازی وہ چاہ کر بھی نہیں برت سکتی تھی۔

”مجھے ایسا لگتا ہے اس کی انوالومنٹ بھی تھی تم میں۔“ تیمور کے اگلے سوال نے زینب کا خشک حلق کانٹوں سے بھر دیا تھا، اس نے گھبرائی ہوئی متحیر نگاہوں سے تیمور کو دیکھا۔

”ایسا تو کچھ نہیں ہے تیمور! آپ کو شدید غلط نہیں ہوئی ہے۔“ وضاحت پیش کرتی وہ روہانسی ہو چکی تھی، جب تیمور نے ہنستے ہوئے لاپرواہی سے کاغذ سے جھٹک دیئے تھے۔

”او کے بابا! میں تو ایسے ہی ایک بات کر رہا تھا، تم پریشان کیوں ہو جاتی ہو۔“ وہ اسے ساتھ لگا کر تھک کر بولا تھا مگر زینب کی اٹھل پٹھل ہو جانے والی دھڑکنیں جلد اعتدال پہ نہ آسکیں، پھر ان کے ٹکٹ ٹکنفرم ہو کر آئے تو زینب کی طبیعت اس دن اچانک خراب ہو گئی تھی، تے یہ ہونے والی تھے نے اس کا اندرونی نظام درہم برہم کر کے رکھ دیا تھا، اس دن زرلا لے بھی آئی ہوئی تھی، زرلا لے کی شادی بھی ان کے ساتھ ہی ہوئی تھی، اس کی حالت دیکھ کر وہ معنی خیزی سے مسکرائی تھی۔

”مجھے نہیں لگتا تم ہنی مون پہ جاسکو۔“

”کیوں اب ایسی بھی خراب نہیں ہے میری طبیعت۔“ زینب کو یہ بات سخت ناگوار محسوس ہوئی تھی جیسی نور انوک دیا تھا۔

”یار غصہ کیوں کر رہی ہو، مجھے لگتا ہے میں پھپھو بننے والی ہوں، بڑے تیز نکلے لالہ، اتنی جلدی تمہیں ان چکروں میں ڈال دیا۔“ زرلا لے نے آنکھیں نچا کر بے حد شوخی کا مظاہرہ کیا جو زینب کو ایک آنکھ نہیں بھاسکا تھا۔

”خدا نے کرے ابھی ایسی بات ہو، میں ہرگز ابھی ان جھمیلوں میں نہیں پڑنا چاہتی۔“ اس نے تھرا کر کہا تھا اب کی مرتبہ اس کی بات نے زرلا لے کو ناگواری بخش دی تھی۔

”سوچ سمجھ کر تو بولا کرو زینب! تیمور لالہ ہمارے اکلوتے بھائی ہیں، ان کے بیٹے نے ہی آگے چل کر ہماری وسیع جاگیروں کو سنبھالنا ہے، خبردار جو آئندہ ایسی بات منہ سے نکالی، اور سنو ہمیں لالہ کے بہت سے بچے چاہیے، اپنے فکر کی فکر میں کوئی حماقت کرنے کی ضرورت نہیں۔“

یہ وہ زرلا لہ تھی جو اس کی بے حد پیاری دوست تھی، مگر رشتوں کی تبدیلی نے دوستی کے رشتے کو بری طرح مسخ دیا تھا، زینب جس نے بھی بہت زعم سے شہہ لالہ کی بدتمیزی پہ اسے سبق سکھانے کا عہد کیا تھا اب شہہ لالہ کے ساتھ ساتھ زرلا لے کی بھی بدسلوکی کو سہنے پہ مجبور تھی تو وجہ تیمور خان ہی تھا، جو اس کی ناز برداری ضرور کرتا تھا مگر اسے کبھی بھی خود پہ اپنے رشتوں پہ اپنے فیصلوں پہ حاوی نہیں ہونے دیتا تھا اور پھر وہی ہوا تھا جس کا اسے خدشہ تھا، وہ پریکٹ تھی اور تیمور نے اس خبر کو سنتے ہی ہنی مون کینسل کر دیا تھا۔

”دس ازناٹ فیئر تیمور! ہم نے پلین سے ہی سفر کرنا تھا نا کچھ نہیں ہوتا۔“ وہ کس درجہ طول

ہوئی تھی، جیسی تیمور کو قائل کرنا چاہا تھا اور جواب میں اس کی جھڑکیاں سننی پڑیں۔

”تم باگل ہوزنہب! میرا پہلا بچہ ہے، اماں کہتی ہیں پہلی باریاں بننے کے مرحلے میں عورت کو بہت احتیاط کی ضرورت ہوتی ہے، وہ ہر احساس سے انجان ہوتی ہے تو خطرہ زیادہ ہوتا ہے۔“

زنہب خاموش ہو گئی تھی، البتہ اس کی آنکھوں میں لرزتے آنسو دیکھ کر تیمور پکھل گیا تھا۔

”زنہب جانم بچہ پیدا ہو جانے دو میں تمہیں سونز لینڈ تو کیا پوری دنیا گھملاؤں گا، ساری دنیا

کو تمہارے قدموں میں نثار کر سکتا ہوں مگر پلیز میری خاطر تھوڑا سا کپرو مائز کر لو نا۔“ اور زنہب کو

ہی پھر کپرو مائز کرنا پڑا تھا ہمیشہ کی طرح۔

”دہن بڑی بیگم کہہ رہی ہیں دودھ پی لیں۔“ ملازمیہ کی آواز پہ وہ چونک کر متوجہ ہوئی جو

دودھ کا گلاس ٹیبل پہ رکھ رہی تھی، جب سے وہ پریکٹ ہوئی تھی اس کی بے حد بوڑھی اور بیمار ساس

خود اس کی خوراک کا خیال رکھنا شروع کر چکی تھیں۔

”بی لوں گی تم جاؤ۔“ اس نے بے زاری اور اکتاہٹ آمیز نظروں سے اسے دیکھا، ملازمہ

متذبذب تھی۔

”دہن بیگم صاحبہ کا حکم سے ابھی دودھ پی لیں۔“ زنہب نے جھلا کر گلاس اٹھالیا اور بے دلی

سے گھونٹ بھرا، ملازمہ مطمئن ہو کر نکلی تھی، زنہب نے گلاس دوبارہ ٹیبل پہ رکھ دیا، موسم اچانک بدل

گیا تھا اور پوری وادی اور اطراف کے علاقوں میں برف باری شروع ہو گئی تھی، ننھے منے سفید

گالے گرنا شروع ہوتے تو مکان سڑکیں درخت تاروں کے کھمبے سب کچھ سفیدی میں بھر جاتے،

اتنی شدید بے موسم کی برف باری زنہب کو پریشان کر چکی تھی، اسے کراچی جانا تھا اور سارے راستے

تیزی سے بلاک ہو رہے تھے، اضطراب سے ہاتھ ملستی وہ درتچے سے پار گرتی برف کو دیکھنے لگی،

معاذیل فون کی گنگناہٹ پہ وہ چونکی تھی، اس نے درتچے سے ہٹ کر سیل فون تک رسائی حاصل کی

تھی، جلتی بجھتی اسکرین پہ جہان کا نام جگمگایا تھا، اس کا دل جانے کس جذبے کے تحت ایکدم بے

تجاہد دھڑک اٹھا، اس نے بہت بے تابی سے کال ریسیو کی تھی۔

”السلام علیکم! جے کیسے ہیں؟ آج میری یاد کیسے آئی آپ کو؟“ ناچاہتے ہوئے بھی شکوہ چل

گیا تھا۔

”جہان نہیں میں ہوں زنہب! تم سے بات کرنے کو جی چاہ رہا تھا تو جہان سے کہا تھا تمہارا

نمبر ملا دے، کیسی ہو بیٹا؟“ ماما کی رسائیت آمیز آواز پہ جانے کیوں اس کا گلا آنسوؤں سے

رندھنے لگا، مگر اس نے خود کو سنبھال لیا تھا۔

”میں ٹھیک ہوں ماما! بس طبیعت اپ سیٹ رہتی ہے، یہاں دل بھی نہیں لگتا، بہت اداسی اور

دیرانی ہے۔“

”ابھی آپ وہاں ہی ہونا بیٹے! آہستہ آہستہ دل لگ جائے گا، طبیعت تو ان دنوں ایسی ہی رہا

کرتی ہے، عورت ان ننھن آزمائشوں سے گزر کر ہی بلند درجے پہ فائز ہوا کرتی ہے، خدا آپ کا

حالی دناصر ہو۔“ انہوں نے دل سے دعا دی تھی پھر بھی جانے کیوں زنہب کو لگتا تھا ماما کے انداز

میں وہ بے ساختگی نہیں ہے، اس کے دل کو کچھ ہونے لگا۔

”آپ ابھی تک مجھ سے خفا ہیں ماما! میں نے آپ سب کا بہت دل دکھایا ہے۔“ دلگیری

اداسی سے خود احتسابی میں مبتلا کرنے لگی تھی، ماما بوکھلا کر رہ گئیں۔

”کیسی باتیں کرتی وہ زینی بیٹا! ماں بھی کبھی اولاد سے خفا ہوتی ہے، ایسا مت سوچا کرو، آپ

کی حالت ایسی نہیں ہے، اپنا خیال نہیں رکھو گی تو بیمار پڑ جاؤ گی۔“

”پاپا اور لالہ بھی مجھ کبھی کال نہیں کرتے، کیا جے سے شادی نہ کر کے میں نے ان دونوں کو

سب سے زیادہ ہرٹ کیا ہے۔“ وہ ہنوز اسی کیفیت کے زیر اثر تھی، ماما مضطرب ہونے لگیں۔

”ایسی باتیں کیوں سوچنے لگی ہو آپ زنہب بیٹے! آپ کے پاپا کی مصروفیت کا تو آپ کو پتہ

ہی ہے پھر بھی آپ فکر نہ کرو وہ آپ کو کال کر س گے اور معاذ.....“

”لالہ کو تو غالباً آج کل پرناں کے سوا کچھ نہیں سوچ رہا ہو گا ہے نا! ان کے ساتھ یہ خوب

رہی ہے۔“ وہ سب کچھ بھلا کر ہنسنے لگی، ماما بھی مسکرائی تھیں۔

”اچھا ہے ذرا اس کی بھی اہمیت محسوس ہو، قدر کرے گا میری بچی کی، اتنا ستایا بھی تو اسی نے

ہے۔“

”دیسے ماما ہے تو یہ زیادتی ہی لالے کے ساتھ، مگر خیر یہ بتائیں نور یہ کیسی ہے؟“

”نور یہ تو تمہاری شادی کے بعد سے بالکل گم صم ہو کر رہ گئی ہے، ادھر بھی بہت کم چکر لگاتی

ہے وہ بھی معاذ کے ڈانٹنے پہ اللہ جانے ہستی نکھلاتی بچی کو کیا ہو گیا؟“ ماما پریشانی میں مبتلا ہو کر کہہ

رہی تھیں، زنہب نے گہرا سانس بھرا تھا۔

”ماما جے ہیں آپ کے پاس؟“ اس نے موضوع بدل دیا تھا۔

”ہاں بیٹے! ابھی آیا ہے، شاید جا رہا ہے کہیں، تمہیں بات کرنی ہے؟“

”جی ماما میری ان سے بات کرادیں۔“ زنہب کے کہنے پہ ماما نے اثبات میں جواب دیا تھا،

پھر کچھ توقف سے اسے جہان کی مخصوص دھیمی پر تاثیر مگر بے حد تیسر ٹھہری ٹھہری آواز سنائی دی تھی،

وہ اس کا حال دریافت کر رہا تھا۔

”آپ بھی مجھے بھول گئے ہیں نا جے! لالے اور پاپا کی طرح؟“ وہ شاک ہو کر بولی تھی،

دوسری سمت کئی ثانیوں کو سناٹا چھایا رہا تھا، یہاں تک کہ اس کے سانس لینے کی بھی آواز نہیں تھی،

ایک پل کو تو لگا تھا زنہب کو جیسے سلسلہ منقطع ہو گیا ہو۔

”جے!“ وہ گھبرا کر پکاری تھی۔

”زنہب آئی تھینک آپ گھر والوں کے لئے اداس ہو گئی ہو، ایسا کرو تیمور کے ساتھ آ کر سب

سے مل جاؤ۔“ وہاں سے مشورہ حاضر تھا، وہ شاید ایسا مشورہ ہی دیے سکتا تھا، پتہ نہیں زنہب کے کون

سے ارمانوں پہ اس بڑی تھی پتہ نہیں وہ اس سے کیا سننا چاہتی تھی، جو اس روکھے پھیکے جواب پہ

آنکھیں نم ہوتی چلی گئی تھیں۔

”یہاں بہت برف پڑ رہی ہے جے! راستے بند ہوتے جا رہے ہیں، میں نہیں آ سکتی۔“ وہ

روہانسی ہو کر بتا رہی تھی۔

”چند دن ویٹ کر لو، موسم ٹھیک ہو جائے پھر آ جانا، تیمور کہاں ہے؟“

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی ویسٹ

یہ ٹھکانہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ہیں :-

- ✦ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✦ ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ✦ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ✦ سیریم کوالٹی، نارل کوالٹی، کیریڈ کوالٹی
- ✦ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریچ
- ✦ ایڈ فری لنکس، لنکس کو میسج کمانے کے لئے شریک نہیں کیا جاتا
- ✦ ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور ریڈیو امیبل لنک
- ✦ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پر یو ایچ آر ایف کے ساتھ
- ✦ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور ایچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ✦ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریچ
- ✦ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ✦ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ✦ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

↳ ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

↳ ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں، ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب

ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library for Pakistan



Like us on Facebook

fb.com/paksociety



twitter.com/paksociety1

”پتہ نہیں کہیں باہر گئے ہیں، آپ بڑی ہیں؟“ زینب نے بے دلی سے جواب دیا تھا پھر اس کی مختصر بات چیت سے خیال آنے پہ پوچھا تھا۔

”ہاں میں آؤں جانے کو نکلا ہوں، ڈرائیو کر رہا ہوں، حسان ساتھ ہے میرے بات کرو گی؟“

”نہیں میں پھر بات کر لوں گی حسان سے، آپ جائیں۔“ اسے پتہ نہیں کیا اتنا بڑا لگا تھا، اگلے پل سلسلہ کاٹ دیا، سیل فون واپس ٹیبل پہ رکھتے اس کی آنکھوں کی نمی گالوں پہ پھسل آئی تھی، زیر روڈ اور محتاط تو وہ ہمیشہ سے رہتا تھا مگر اب وہ اس کے ہر انداز میں ایک بے گامگی اور تکلف بھی محسوس کرنے لگی تھی اور یہی اس کے لئے تکلیف دہ تھا، اس نے کہا تھا وہ جہان کو اپنا دوست مانتی ہے اور دوست کو وہ کھوتا نہیں چاہتی مگر اسے لگ رہا تھا اس نے جہان کو کھودیا تھا، اس نے اپنا دوست کھودیا تھا، اس کی آنکھ سے پھر وہی آنسو گرے جو غم کی شدت سے بے تھے جن کا مفہوم اور مقصد آج بھی واضح نہیں ہوا تھا۔

☆☆☆

کافی عرصہ بیت گیا ہے جانے اب وہ کیسا ہوگا
وقت کی ساری کڑوی باتیں چپکے چپکے سہتا ہوگا
اب بھی بھگی بارش میں وہ
بن چھتری کے چلتا ہوگا
مجھ سے بچھڑے عرصہ بیتا
اب وہ کس سے لڑتا ہوگا
اچھا تھا جو ساتھ ہی رہتا
بعد میں اس نے سوچا ہوگا
اپنے دل کی ساری باتیں خود سے خود ہی کہتا ہوگا
کافی عرصہ بیت گیا ہے
جانے اب وہ کیسا ہوگا

جہان نے سگریٹ گا گہرا کش لیا تھا اور ڈھیروں ڈھیروں دھواں اپنے آگے پھیلا لیا، وہ اپنی آنکھوں میں زبردستی پھیلتی نمی سے خائف تھا، زینب کا پچھتاوا اس کے دل کا روگ بننے جا رہا تھا، وہ اپنی حماقت کی وجہ سے اپنا بہت نقصان کر بیٹھی تھی۔

(اور میں کتنا احمق تھا اسے کنویں میں چھلانگ لگاتے دیکھتا رہا۔) اس نے کرب سے آنکھیں بند کر لیں۔

(کیا معاف کر سکوں گا میں خود کو اس جرم کی پاداش میں، نہیں) اذیت اس کے وجود میں تند فیز موجوں کی طرح سر بٹختے لگی۔

(معاذ حق کہتا تھا میں نے صرف اپنے ساتھ نہیں زینب کے ساتھ بھی زیادتی کر ڈالی ہے) اس نے پیشانی کے بال مٹھی میں جکڑ کر ہونٹ بے دردی سے کاٹے، زینب کا مایوس کن لہجہ، آواز سے پھٹکتی افسردگی، اس کے رگ جان میں سرسرا نے لگی تھی۔

”السلام علیکم جہان بھائی!“ اس کو سچوں سے زیادہ کی آواز نے نکالا تھا، جو اسی وقت دروازہ کھول کر اندر آیا تھا، مگر کمرے میں بھرے دھویں سے کھانسا ہوا خانف سے انداز میں بولا تھا۔
 ”آف آپ تو بچے کے چین اسمو کر لگتے لگے ہیں بھائی! ڈاکٹری نقطہ نظر سے سگریٹ نوشی کی زیادتی بے حد خطرناک ہے پلیز بی کیئر فلی۔“ وہ آگے بڑھ کر آفس کی کھڑکیاں کھولنے لگا، کھڑکیاں کھلتے ہی ٹریفک کا شور بڑی فراخ دلی سے دفتر کے پرسکون ماحول کو درہم برہم کر گیا، جہان نے سگریٹ بجھا دی تھی۔

”سوچ رہا ہوں جا ب کی تلاش میں مزید جوتے چنجانے سے بہتر ہے میں بھی آفس جوائن کر لوں، اب میں لالے کی طرح تو ہوں نہیں کہ ادھر ڈگری ہاتھ میں آئی ادھر آفرز پٹا پٹ گرنے لگیں، نوکری اور چھوڑ کر ساتھ ساتھ.....“ وہ آہ بھر کے کہہ رہا تھا، ڈیڑھ سال کی خواری نے اسے اچھا خاصا مایوس کر کے رکھ دیا تھا۔

”مایوسی کفر ہے زیاد! اللہ سے ہمیشہ اچھی امید رکھتے ہیں، چائے پیو گے یا کافی؟“ جہان نے وال کلاک پہ نگاہ ڈال کر انٹرکام کا ریسور اٹھاتے اسے سوالیہ نگاہوں سے دیکھا۔
 ”نہ چائے نہ کافی! آپ بتائیں آپ نے کیوں بلایا ہے مجھے؟“ وہ کھڑکی سے ہٹ کر کرسی پہ آکر گرنے کے انداز میں بیٹھ گیا۔

”چل جاتا ہے پتہ آؤ میرے ساتھ۔“ جہان نے انٹرکام کا ریسور واپس جنایا اور اپنا کوٹ اٹھاتے ہوئے اسے بھی اٹھنے کا اشارہ کیا تو زیاد بوکھلا سا گیا تھا۔
 ”ہیں ہیں کہاں لے جا رہے ہیں مجھے؟ کہیں چکے سے میرا نکاح تو نہیں پڑھانا چاہ رہے ہیں آپ۔“ وہ مصنوعی انداز میں آنکھیں پھاڑتا اس کے پیچھے بھاگا آیا تھا، جہان نے لفٹ میں داخل ہونے سے قبل مطلوبہ منزل کا بٹن دبایا تھا، پھر اسے اندر داخل ہونے کا اشارہ کرتا آہستگی سے مسکرایا۔

”بہت شوق ہے نکاح پڑھنے کا، یہ مرحلہ بھی دور نہیں ڈونٹ وری۔“
 ”آپ مجھے باتوں میں لگا کر اصل جواب گول کر گئے ہیں، بتائیں نا کہاں جا رہے ہیں ہم؟“

”نی الحال تو اتنا جان لو کہ ہم معاذ کے کالج جا رہے ہیں، وہاں سے اسے پک کرنا ہے۔“
 ”صرف انہیں؟ پر نیاں بھابھی کو نہیں؟ وہ بھی تو وہیں ہوتی ہیں، واہ سبحان اللہ کیا سنہرے نصیب ہیں لالے کے..... رومینس کے اتنے مواقع دھڑا دھڑل رہے ہیں ایک ہم ہیں.....“ وہ بیک وقت معاذ پہ رشک اور خود پہ ترس کھانے میں مشغول تھا، جہان کو ہنسی آنے لگی، اس کی ایسی ہی باتوں کے دوران وہ لوگ کالج کے سامنے آن پہنچے تھے، جہان نے گاڑی پارکنگ میں روکی تھی پھر معاذ کا نمبر ڈائل کیا تھا۔

”تم فری ہو معاذ!“
 ”ہاں بس نکل رہا تھا، کیوں خیریت؟“
 ”آ جاؤ پھر ٹرافٹ ہم کالج کے باہر ویت کر رہے ہیں تمہارا۔“ اس کی بات نے معاذ کو حیران

کر دیا تھا۔

”ہم سے مراد؟ اور کون ہے؟“

”یہ تم آ کے دیکھ لینا یا رابھی جلدی نکلو۔“ جہان نے فون بند کر دیا، زیاد کھڑکی کا شیشہ نیچے کیے ایک شوق کی کیفیت میں کالج گیٹ سے نکلتی لڑکیوں کو دیکھنے میں مصروف تھا، جہان کو اسی کی محویت نے مسکرانے پہ مجبور کر دیا، معاہدہ لکھنے میں بلبوس معاذ حسن بیگ اپنے کاندھے پہ لٹکائے بے نیاز اور باوقار چال چلتا ہوا اپنی سمت آتا نظر آیا، زیاد نے مسکراہٹ دبا کر اسے دیکھا تھا۔

”ریلیکس لالے، چلتے ایسے ہیں قسم سے جیسے یہ ساری دنیا انہی کی ملکیت ہے اور باقی سارے ان کی رعایا، اؤ کیا شان بے نیازی ہے، ہا ہا اگہی کے لئے کہا گیا ہے گویا۔“
 خدا جب حسن دیتا ہے نزاکت آ ہی جاتی ہے

”انہیں بہت اچھی طرح سے اندازہ ہے ان کی کیا ٹور ہے، ورنہ میرے جیسا بندہ نہیں برتا اتنی حسین لڑکیوں سے بے رغبتی۔“ زیاد نے باقاعدہ آہ بھر کے کسی قدر حسرت زدگی سے کہا تھا، اسے واقعی معاذ کی بے اعتنائی یہ حیرانی ہوئی تھی، اس وقت کالج کے باہر چھٹی ہو جانے کے باعث لڑکیوں کا جم غیر جمع تھا اور اکثرگی توجہ اس نے خود معاذ کی سمت مبذول دیکھی تھی۔

”مجھے تو لگتا ہے یہ پر نیاں بھابھی کے ڈر کی وجہ سے اتنے پرہیزگار ہو گئے ہیں ورنہ اتنے شریف ہرگز نہیں تھے۔“ اب کے زیاد نے باقاعدہ اس کی تائید چاہی تھی، جہان مسکراہٹ دبائے رہا تھا۔

”خیریت ہے نا بچے؟ تم لوگ کیوں یہاں آ گئے ہو؟“ قریب آ کر معاذ نے گاڑی کی کھڑکی پہ جھکتے ہوئے جہان سے استفسار کیا تھا۔

”ہمیں بہت باخبر ذرا بچے سے اطلاع ملی تھی کہ آپ پر نیاں صاحبہ کو زبردستی اغواء کرانے والے ہیں میں بھاگ بھاگ پہنچے ہیں جی کچھ نہ پوچھیں، یہیں پڑھتی ہیں نا وہ؟“ زیاد کی اپنی بکواس تھی، معاذ نے بد مزگی سے اسے دیکھا پھر سوالیہ نگاہوں کو جہان کی سمت موڑا تو جہان نے رساں سے جواب دیا تھا۔

”تم دونوں کو چاچو نے بلوایا ہے، سمجھ لو سر پر اتنے تمہارے لئے، بیٹھ جاؤ گاڑی میں۔“
 ”یہ پتا ہر بات ہمیں چھوڑ کر تم سے ہی کیوں شینر کرتے ہیں آخر؟“ معاذ نے بڑے پتے کا سوال کیا تھا پھر چابی اس کی آنکھوں کے آگے لہرا کر بولا۔

”میں اپنی گاڑی میں تمہیں فالو کرتا ہوں، دیکھ لیتے ہیں سر پر اتنے بھی۔“
 ”فالو کرتے وقت یہ بات دھیان میں رکھئے گا کہ یہ جہان بھائی کی گاڑی ہے پر نیاں صاحبہ کی نہیں۔“ زیاد نے پھر چٹکلا چھوڑا تھا، معاذ اسے گھورتا ہوا اپنی گاڑی کی جانب بڑھ گیا۔

”آپ بتائیں نا ذرا کیا سر پر اتنے ہے؟ آپ نے مجھے تو ہوا بھی نہیں لگنے دی۔“ زیاد خیال آنے پہ جہان کے سر ہوا تھا۔

”یار لگ جائے گی ہوا بھی بس تھوڑا سا ویٹ۔“ جہان اس کے کہاں دام میں آنے والا تھا،

زیادہ سے دیکھ کر رہ گیا، ان کی گاڑیاں آگے پیچھے جس جگہ جا کے رکیں یہ علاقہ نیوکراچی کا ایریا تھا، جہاں نئی اسکیموں کے تحت نو آباد بستیاں زیر تعمیر تھیں، اس وقت شام ڈھل رہی تھی وائٹ اور گولڈن مرمر سے بنی تین منزلہ پر شکوہ عمارت جس کی پیشانی پہ حسن شاہ ہاسپٹل کے سنہرے خروپ ڈھوپ میں لشکرے مارتے اپنا تعارف کروا رہے تھے، اپنے نام کی طرح عمارت بے حد شاندار تھی، چار اطراف میں سبزے سے گھرا ہوا وسیع لان تھا، جیسے چھوٹے چھوٹے قطعوں کی شکل دے دی گئی تھی، پھولوں کے تختے مٹھلیں گھاس پر اس خوبصورتی سے سجے تھے کہ دور سے دیکھنے پر یوں معلوم ہوتا تھا، جیسے سبز قالین پر ڈیرا کڑھا ہو، اس وقت لان اور عمارت کی رہنمائی ہوئی تھیں، مگر نوارے چل رہے تھے، نواروں کے بیرونی کناروں میں بالز جیسے آرائشی بلب روشن تھے جن کی دودھیاروشنی میں پانی پر اسرار انداز میں جھللا رہا تھا، پودوں کے تختوں پر جگنو ہی جگنو تھے جو چمکتے تو یوں لگتا جیسے پھولوں پر چراغاں ہو رہا ہو اور ننھے دیے ٹنٹارے ہوں، زیادہ تو مبہوت بے یقین سا کھڑا یہ سب دیکھتا رہ گیا تھا، سامنے دلا گلاس میسر بھی لان کی طرح بے حد خوبصورت تھا، وہاں مریضوں کے ٹہلنے اور بیٹھنے کے لئے بھی سنگی بیچ نصب تھے، یہ میسر بہت نمایاں تھا خاص طور پہ بڑی سی گلاس ونڈ کے چاروں طرف سفید اور سیاہ گلابوں کے چھوٹے چھوٹے گلے جو ونڈ کے چاروں طرف دیکوریشن پیس سز کی طرح نصب تھے اتنے چمکے تھے لگتا تھا مٹی اور پارے سے بنے ہیں، ہاسپٹل کی عمارت کے سامنے اس وقت خوب گہما گہمی تھی، چوٹی دروازے کو بند کرنے کے بعد اس کے آگے چمکیلی پی لگائی گئی تھی، گویا آج افتتاح بھی ہونا تھا، پھر جانے کس کونے سے پاپا اور پاپا جان ایک ساتھ چلتے ہوئے ان کی جانب آئے تھے اور بہت والہانہ انداز میں انہیں باری باری گلے لگا کر پیشانی چومی تھی۔

”اے ڈاکٹر بیٹوں کے لئے یہ ایک معمولی سا تحفہ ہے۔“ پاپا کے کہنے پہ جہاں معاذ کے چہرے پہ دھیمی دل آویز مسکراہٹ بکھری تھی زیادہ کی آنکھیں اس درجہ محبت اور اہمیت پہ جھللا گئی تھیں، وہ بے اختیار پھر ان سے لپٹ گیا تھا۔

”ڈھینکس پاپا یو آر گریت۔“

”گریت تو بس خدائے کریم کی ذات ہے بیٹے! یہ اللہ کا ہی احسان ہے کہ اس نے آپ کو اس مقام پہ پہنچایا ہے اور اس نعمت سے سرفراز فرمایا، اپنے دل اپنی زبان پہ خدا کے ذکر اور شکر کے جاری ہونے کی دعا مانگو اور اس عہدے سے سرخروئی کی بھی، میری آپ لوگوں کو بس ایک ہی نصیحت ہے کہ اپنے منصب کو پہچانیں اور فی سبیل اللہ اس کے بندوں کی مسیحا کریں، یہ علاقہ ابھی اتنا نپس ہے نہ ہی مہنگا مگر میرا یہاں ہاسپٹل بنانے کا مقصد ہی یہاں کے لوگوں کو علاج کی سہولتیں مہیا کرنا ہے، یہ صدقہ جاریہ کی نیت سے کیا گیا کام ہے بیٹے اس میں بھی اغراض کی لائش کو شامل نہ ہونے دینا، خدا آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے، یہاں ہر شعبہ ہے، اسٹاف بھی ہائر کر لیا گیا ہے، آج سے چارج سنبھال لیں، یہاں کے اسٹاف میں ہمارے ملک کے بہت سینئر اور ماہر سرجن نے بھی اپنی خدمات پیش کی ہیں جن کا میں بے حد مشکور ہوں۔“

پاپا جان نے افتتاح کرانے کے بعد پاپا نے ہاسپٹل کے سبزہ زار پہ عارضی طور پہ بنائے گئے

اسٹج کے ڈائس پہ آ کر چھوٹی سی تقریر کی تھی، اس کے بعد مختلف شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والے مہمانان خصوصی نے اپنی نیک خواہشات کا اظہار کیا تھا اور یوں یہ تقریب کھانے کے بعد اختتام پذیر ہوئی تھی تو زیادہ کے دل میں پاپا کے اس اقدام نے ان کی محبت اور قدر دانی نے گراں قدر اضافہ کر دیا تھا۔

☆☆☆

اسے بارش پسند ہے
مجھے بارش میں وہ
اسے ہنسنا اچھا لگتا ہے
مجھے ہنستے ہوئے وہ
اسے بولنا پسند ہے
مجھے بولتے ہوئے وہ
اسے سب کچھ پسند ہے
مجھے بس وہ

کالج کے سکینڈ فلور کے میسر پہ کھڑا تھا وہ اس کی نگاہیں گراؤنڈ میں پھیلی ہنستی کھیلاتی لڑکیوں کے سچ صرف پر نیاں پہ جمی ہوئی تھیں، وہ اپنی دوست کے ساتھ تھی اور کسی بات پہ ہنس رہی تھی، ہنستے ہوئے اس کے داہنے گال پہ ڈمپل پڑتا تھا اور ٹھوڑی میں بھنور جو اس کی خوبصورتی میں بے پناہ اضافہ کر جاتا تھا، اس کے دودھیلا چہرے پہ ہوا کی سر سے بکھرتی لیٹیس بے حد حسین لگ رہی تھیں، وہ مجھو کر اسے دیکھنے لگا، بارش شروع ہو چکی تھی، ہوا میں ہلکی پھلکی خشکی کے ساتھ ہی بھلی معلوم ہو رہی تھی، پر نیاں اب آنسکریم کھا رہی تھی، وہ شیڈ کے نیچے تھی اور بارش سے محفوظ بھی، آنسکریم کھاتے ہوئے وہ بار بار اپنا ہاتھ پھیلا کر گلابی ہتھیلی پہ بوندوں کو جمع کرتی اور پھر شرارت بھرے انداز میں ثناء کی سمت اچھال کر ہنستے جاتی، معاذ کو کالج جوائن کیے ایک ماہ ہونے والا تھا اس ایک ماہ کے دوران معاذ نے اس کی سمت کوئی پیش رفت نہیں کی تھی، پر نیاں کا تو معاملہ ہی الگ تھا، وہ اسے سرے سے انگور یوں کیے ہوئے تھی جیسے کبھی شناسائی ہی نہ رہی ہو، کبھی کبھی اس کا یہ رویہ معاذ کو بہت تکلیف دیتا تھا، وہ جانتا تھا وہ بدگمان ہے اس سے، وہ یہ بھی جانتا تھا کہ وہ اس کے جذبوں سے بے خبر نہیں پھر بھی اگر وہ اسے کسی قابل نہیں گردانتی تھی تو معاذ کے لئے اس سے بڑھ کر توہین کی بات کوئی نہیں ہو سکتی تھی، وہ جس زاویے سے کھڑا تھا وہاں سے اسے نہیں دیکھا جاسکتا تھا جیسی وہ بہت ریلیکس انداز میں اسے دیکھتا رہا تھا مگر اب جیسے وجود میں نارسائی اور بے مائیگی کے احساس نے آگ سلگا دی تھی، لب صہنچتے ہوئے وہ پیچھے ہوا اور بلیٹ کر سیڑھیاں اترتا نیچے آ گیا، اس کا رخ بیرونی گیٹ کی جانب تھا لڑکیاں ابھی بھی اپنے اپنے شغل میں مصروف تھیں، کچھ بھگ رہی تھیں کچھ برآمدوں میں کھڑیں محض نظارہ کرنے میں مصروف تھیں، البتہ وہ جہاں سے گزرتا اسے خصوصی اہمیت سے نوازتے نہ صرف جگہ دی جاتی بلکہ یہ ہنسی اور تہمتوں کے طوفان بھی تھم جاتے، وہ اس سنجیدگی کے ساتھ آگے بڑھتے یکنخت تھم گیا، وہ پر نیاں ہی تھی جسے دوسری لڑکی بہت

جارحانہ انداز میں کھینچتی دھکیلتی برآمدے سے گراؤ ٹٹ تک لاری ہی تھی، اس کے چہرے کے تاثرات جتنے غصیلے تھے آنکھوں کی نفرت اس سے کہیں بڑھ کر زور آور تھی۔

”کیا سمجھتی ہو تم مجھ سے جیت جاؤ گی؟ یہاں بھی جیت جاؤ گی، ہرگز نہیں، اب ایسا نہیں ہوگا برنیاں بیگم! دیکھنا اب تمہارا تماشا پوری دنیا دیکھے گی۔“ اس نے پہلے پرنیاں کے گرد لپٹی چادر کو کھینچا تھا پھر اسے زوردار دکھا دیا، چادر کا جو آخری کونہ پرنیاں کے کاندھے پہ رہ گیا تھا اس دھکے سے وہ بھی سرک گیا، وہ لڑکھڑا کر سبزے کی بازو پہ گری تھی، یہ سب کچھ اتنا اچانک ہوا تھا کہ خود معاذ بھی حیرانی اور غیر یقینی سے ساکت کوئی ایکشن نہیں لے سکا، لرنی کا ہنسی پرنیاں کی حالت بے حد غیر ہو چکی تھی، سبکی خفت شرمندگی کے احساس نے اسے ادھ موا کر کے رکھ دیا تھا۔

”واٹ نان سنس؟ یہ بد تمیزی کیوں کر رہی ہیں آپ؟“ معاذ حسن بھڑک اٹھا تھا، اس کا خطرناک حد تک بڑ جانے والا سرخ چہرہ اس کے شدید غیض کا مظہر بن گیا تھا، اس لڑکی جس کے چہرے پہ عجب دیوانگی کا تاثر تھا اسے دیکھتے ہی جیسے ٹھنڈی پڑ گئی۔

”کیا حرکت تھی؟ میڈیکل کی اسٹوڈنٹ ہو کر آپ اس قدر ایٹی کیٹس سے بے بہرہ ہیں مجھے افسوس ہو رہا ہے۔“ بے پناہ غصے کے باوجود وہ شائستگی کے دائرے سے باہر نہیں نکلا تھا، تو یہ اس کے عہدے کا ہی تقاضا تھا ورنہ وہ اس وقت سراپا قہر بنا ہوا تھا، ثناء نے پرنیاں کو کھڑا ہونے میں مدد دی تھی اور اسے اس کی چادر اوڑھائی، برنیاں کی وہ حالت تھی کہ کالٹو تو بدن میں لہو نہ ہو، معاذ نے ایک نظر اس کے چہرے کو دیکھا اس کی آنکھیں بے حد خاموشی اور تسلسل سے بہ رہی تھیں، وہ بے اختیار اس کی سمت بڑھ آیا۔

”کہیں چوٹ تو نہیں آئی آپ کو؟“ برنیاں نے چونکتے ہوئے نگاہ اٹھائی تھی، اس کی آنسوؤں سے دھندلاتی آنکھیں لمحہ بھر کو اس کی برتھویش منتظر نگاہوں سے نکرانی تھیں پھر جھک گئیں، اس نے محض سر کونٹھ میں جنبش دینے پہ اکتفا کیا تھا، جبکہ معاذ کی نگاہ اس کے اجلے روٹی کے گالے جیسے سفید ہاتھ سے بہتے خون پہ جم گئی تھی جس پہ گہری کھروچ پڑ چکی تھی۔

”آپ دونوں پرپیل کے آفس چلیں ہری اب۔“ وہ آرڈر کرنے کے بعد خود نے تلے قدم اٹھاتا آگے بڑھ گیا تو جیسے تب سے چھایا طلسم بکھر گیا، لڑکیاں حیران ششدر، کبھی برنیاں کو تو کبھی لمحہ بہ لمحہ پرپیل کے آفس کی جانب بڑھتے سر معاذ حسن کو دیکھ رہی تھیں جو کتنی دیر بارش میں کھڑے ہو کر ایک معمولی بات کے لئے بھگے تھے، کیوں؟ ہر آنکھ میں یہ سوال معنی خیزیت لئے ہوئے تھا اور نگاہ خود بخود برنیاں کی سمت اٹھ گئی تھی، جس پہ اسٹون مین معاذ حسن کی دروان کلاس بے خودی میں اٹھتی نگاہوں کی ایک دنیا گواہ ہو چکی تھی، برنیاں کچھ اور بھی رو پانسی ہو گئی، اس نے بے بس نظروں سے ثناء کو دیکھا جو اسے ہاتھ پکڑ کر پھر سے شیڈ کے نیچے لے آئی تھی۔

”اب کیا ہو گا ثناء؟ وہ یقیناً معاملے کی نوعیت پوچھیں گے۔“ وہ سخت ہراساں تھی، بھلا تھی کوئی بات بتانے کی یہاں کی اس جھگڑے اور نفرت کی وجہ کوئی اور نہیں خود معاذ حسن تھا، دیگر لڑکیوں کی طرح اس نے بھی معاذ حسن کی توجہ اس کی سمت بڑی شدتوں سے محسوس کی تھی، یہ وہی معاذ حسن تھا جس پہ وہ اپنی ہر ادا کا جادو نا کام ہوتا دیکھ چکی تھی، پھر وہ بھلا پرنیاں کے لئے کیوں موم بن گیا تھا،

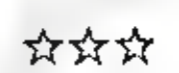
اس خیال نے یہاں جیسی خود پسند لڑکی کو پاگل کر دیا تھا اس کے لئے کبھی بھی کسی سے پنکا لینا مشکل نہیں رہا تھا، پھر برنیاں تو بہت آسان ہدف تھی اس کے لئے کہ اس کی اکثر زیادتیوں کے جواب میں اس کی خاموشی نے یہاں کے حوصلے بڑھا دیئے تھے، پھر اب جب کہ معاذ اپنے خیال میں سب سے محفوظ رہ کر پرنیاں کو دیکھ رہا تھا وہ یہ نہیں جان سکا تھا کہ یہاں جس کا دھیان صرف اسی پہ لگا رہتا ہے اس کی اس حرکت سے جل کر خاکستر ہو گئی ہے، معاذ ٹیرس سے ہٹا تو وہ تن فن کرنی برنیاں کے پاس چلی آئی تھی، اس کے نزدیک سے گزرتے ہوئے وہ جان بوجھ کر پرنیاں سے ٹکرائی تھی اور اپنا پرس پرنیاں کے پاس گرا دیا تھا، اس کے بعد اس کا تقاضا تھا کہ برنیاں اسے پرس اٹھا کر دے پرنیاں کے انکار پر وہ آہے سے باہر ہو کر یہ سارا افساد برپا کر چکی تھی، مگر شوخی قسمت کہ اب معاملہ معاذ کی وجہ سے پرسپل کی عدالت میں پیش ہو چکا تھا۔

”جو سچ ہے وہ بتا دینا تم۔“ ثناء کے مشورہ پہ پرنیاں نے گھبرا کر اسے دیکھا گویا کہہ رہی ہو وہ ہے اس قابل بات کہ دہرائی جائے، ثناء اس سے اکثر یہ بات ڈسکس کر چکی تھی، وہ پورے دعوے سے کہتی تھی کہ سر معاذ اس کی محبت میں گرفتار ہو چکے ہیں اور پرنیاں ہر بار اس کو پورے یقین سے جھٹلاتی تھی، ان کے درمیان بہت مرتبہ یہ بحث ہو چکی تھی جس کا اختتام پرنیاں کے جھگڑے اور پھر خٹکی پہ ہوتا تھا، وہ جتنا اس موضوع سے کترات تھی ثناء کو اتنا ہی اسے طول دے کر لطف آیا کرتا۔

”میری جان قسم سے پورے کالج میں اگر سر معاذ کے ساتھ کوئی لڑکی سوٹ کر سکتی ہے تو وہ تم ہو؟“

”میں کچھ نہیں بتاؤں گی ثناء چاہے ساری بات مجھ پہ آجائے۔“ پرنیاں نے اپنی چادر پیشانی پہ آگے کھینچتے ہوئے پرسپل کے آفس کی جانب بڑھتے حتمی انداز میں کہا تھا، ثناء نے آہ بھر کے اسے دیکھا۔

”یہی تو وجہ ہے کہ وہ تمہارے سر پہ چڑھ کے ناپسندیدہ لگی ہے، مجھے پتہ نہیں کیوں لگتا ہے سر معاذ تمہارے منتظر ہیں۔“ وہ پھر قیاس کے گھوڑے دوڑانے لگی، پرنیاں ان سنی کیے پرسپل کے آفس کی جانب بڑھ گئی تھی۔



تہا کہیں ملو تو بیان آرزو کریں
ہم اتنی بھیڑ بھاڑ میں کیا گفتگو کریں
تجھ تک رسائی کے لئے اک عمر چاہیے
سب کچھ خواب و خیال ہے کیا جستجو کریں
ہم ایسے پاکباز کہاں ہیں کہ روز و شب
دامن نچوڑ دیں تو فرشتے وضو کریں
قاصد کو درمیان سے ہٹایا ہے اس لئے
جو بات ہم کریں تیرے روبرو کریں
معاذ نے ونڈا سکرین سے نگاہ ہٹا کر اسے دیکھا جس کا چہرہ غم و یاس کی ہی نہیں بے بسی کی بھی

تصویر بنا ہوا تھا، پرنسپل صاحب آفس میں نہیں تھے اور وہ زبردستی اسے اپنے ساتھ لے آیا تھا اور اب خواہش مند تھا کہ پر نیاں اسے ساری بات بتائے، پر نیاں کے دماغ خراب نہیں تھا کہ اپنے ہاتھوں اپنی شامت کو آواز دے اس کے ہونٹوں پہ لگی خاموشی کی مہر نہیں ٹوٹی تھی، اس کی طرف منتظر سوالیہ انداز میں دیکھتی معاذ کی نظروں سے جھلا ہٹ چھلکنے لگی۔

”تو آپ نہیں بتائیں گی مجھے کچھ بھی؟ او کے فائن میرا خیال ہے مجھے گاڑی ہاسٹل کی بجائے گھر کی طرف موڑ دینی چاہیے مہا آپ سے خود پوچھ لیں گی۔“ وہ اتنا بھنبھلایا تھا کہ گاڑی میں شام کی بھی موجودگی کو فراموش کر گیا، خراب موسم کی وجہ سے معاذ انہیں خود ہاسٹل ڈراپ کرنے جا رہا تھا، ایک استاد کی حیثیت سے یہ بات اتنی معیوب بھی نہیں تھی اور پر نیاں دو ٹوک انکار کر کے شام کو مشکوک نہیں کرنا چاہتی تھی مگر اب معاذ کی دھمکی یہ وہ سراسیمہ ہو گئی تھی۔

”سر پلیز! یہ پرنسپل کی ٹیبل پہ بیٹھ کر حل ہونے والا مسئلہ ہے آپ اسے گھرتک کیوں لے جانا چاہتے ہیں، پھر جو کچھ ہوا اور اتنا معمولی تھا میں ہرگز بھی کوئی ایشیو نہیں چاہتی۔“ اس نے گڑبڑا کر تیزی سے بات ختم کرنا چاہی تھی، اس کے لہجے و انداز میں واضح طور پہ عاجزی اتر آئی تھی، معاذ نے ٹھنڈا سانس بھر کے اسے دیکھا۔

”مس نیہاں کو آپ سے بہت شکایتیں ہیں، وہ کہہ رہی تھیں کہ آپ ان سے ہر مقام پہ خواہواہ لہجہتی ہیں وائے؟“

”آف کورس آپ کی فیملی بھی آپ کو ان فضولیات کی اجازت نہیں دے گی۔“ معاذ نے اسٹیرنگ پہ جسے ہاتھ کی گرفت مضبوط کرتے ہوئے لمحہ بھر کو بیک مرر میں اسے دیکھا تھا، وہ سخت کنفیوژن نظر آرہی تھی۔

”ایسا نہیں ہے سر! نیہاں غلط بیانی کر رہی تھیں، پر نیاں نہیں وہ خود پر نیاں سے ہر مقام پہ لہجہتی ہے اور اسے نیچا دکھانے کی کوشش کرتی ہے۔“

پر نیاں کی خاموشی شام کو بری طرح کھلی تھی جیسی اس نے اس دوران پہلی پارلر کشائی کی، معاذ نے چونک کر شام کو دیکھا تھا البتہ اس کی نگاہ مضطرب ہوتی پر نیاں پہ بھی ٹھہری تھی۔

”وہ ایسا کیوں کرتی ہیں مس شام۔“ اس بنیادی سوال پہ شام کی بھی بولتی بند ہوئی تھی، وہ پہلے پر نیاں پھر معاذ کو ٹکڑے کر دیکھنے لگی۔

”ٹیل می مس شام۔“ اب کے معاذ نے کسی قدر سرد پن سے اسے دیکھا تھا، شام کے چپکے چھوٹنے لگے، پر نیاں کا خوف نہ ہوتا تو اسے اصل بات بتانے میں بھی کوئی تاثر نہیں تھا۔

”شش..... شاید سروہ..... وہ پر نیاں سے جیلنس ہے۔“ وہ ہکلا کر بولی تو معاذ ایک دم ہنس دیا تھا۔

”اچھا!..... گڈ! اس کا لہجہ ذومعنی تھا۔“

”یعنی آپ بھی لڑکیوں کی نوے فیصد قوم کی طرح اس خوش فہمی کا شکار ہیں کہ دوسرے آپ سے جیلنس ہیں۔“ شام کے ساتھ ساتھ پر نیاں کا بھی چہرہ خفت سے سرخ پڑ گیا، پر نیاں کا تو بس نہیں چلتا تھا کہ شام کا یا پھر معاذ حسن کا ہی سر پھاڑ دے۔

”مس شام مجھے امید رکھنی چاہیے کہ آپ لوگ آئندہ جامعہ کے تقدس کا احترام کریں گی اور آئندہ اس قسم کی سچویشن کری ایٹ نہیں ہوگی؟“

اس سے ایڈریس پوچھ کر گاڑی ہوسٹل کے آگے روکتے ہوئے معاذ نے کسی قدر تکیے لہجے میں کہا تھا، شام نے خشک ہونٹوں پہ زبان پھیر کے محض سر ہلانے پہ ہی اکتفا کیا اور گاڑی سے اترتے ہی پلٹ کر دیکھے بنا دوڑ لگا دی تھی، پر نیاں نے ایک جھٹکے سے دروازہ کھولا مگر وہ ایک سے دوسرا قدم نہیں اٹھا سکی، اس کے دوپٹے کا کونہ معاذ حسن کے ہاتھ میں دبا ہوا تھا، پر نیاں نے ٹھٹک کر اسے دیکھا تھا۔

”آپ شاہ باؤس کب آرہی ہیں؟ مجھے کچھ بات کرنی ہے آپ سے؟“

پر نیاں کا دل پھیلا سکا اور رگوں میں خون کی جگہ انگارے دوڑنے لگے، نگاہوں کا یہ تصادم لپٹے بھر کا تھا مگر معاذ حسن کی نظروں سے لپکتی شوق کی شعاعیں اس کے اندر تک اترتی چلی گئی تھیں، اس کے یوں دیکھنے پر پر نیاں نے بے اختیار خود میں سمٹ کر نظریں جہرائیں، وہ جب بھی معاذ کی گہری آنکھوں میں اپنے لئے جذبوں کے پرشوق پھرتے مچلتے طوفان دیکھتی ایک ہراسگی سی اس پہ چھا جاتی تھی، کچھ کہے بغیر اس نے ایک جھٹکے سے اپنا دوپٹہ چھڑایا تھا اور راستے میں کھڑے بارش کے پانی کی پرواہ کیے بغیر آگے بڑھتی ہاسٹل کے کھلے گیٹ سے اندر گھس گئی معاذ کے اندر آگ سی بھڑک اٹھی تھی۔

(تمہیں اندازہ نہیں ہے پر نیاں کہ تم اپنے لئے کتنی مشکلات بڑھا رہی ہو، چھوڑنے والا نہیں ہوں میں تمہیں) وہ تو ہیں اور سبکی کے احساس سے جل جل اٹھا تھا۔

☆☆☆

محبت امر رہتی ہے

اگر دل ٹوٹ بھی جائے

صنم گر روٹھ بھی جائے

کسی کا ہاتھ ہاتھوں سے

کبھی جو چھوٹ بھی جائے

محبت مٹ نہیں سکتی محبت مٹ نہیں سکتی

محبت امر رہتی ہے بھی یادوں کی صورت میں

کبھی باتوں کی صورت میں اداس راتوں کی صورت میں

یہ برساتوں کی صورت میں محبت امر رہتی ہے

محبت کرنے والوں کی انوکھی ریت ہوتی ہے

محبت ہار بھی جائے تو اس میں جیت ہوتی ہے

محبت چیز ایسی ہے ہے کبھی جو مٹ نہیں سکتی

اس نے دروازہ کھول کر باہر جھانکا، خاموش ملگجا ابر آلود دن اس کے ساتھ تھا، وہ جالی کا دروازہ کھلا چھوڑ کر باہر آگئی، جھولے پر کل کی آندھی سے ٹوٹ کر بکھرے ہوئے پتوں کی ڈھیری

تھی، جھولا بالکل ساکت تھا، اس نے ہاتھ سے تے جھاڑے اور جھولے پہ بیٹھ گئی، جھولا دھیرے دھیرے ہلنے لگا، وہ کسی سوچ میں گم ہونے لگی تھی کہ دروازہ کھلنے کی آواز پہ چونک کر دیکھا اگلے لمحے میں حیرت کی زیادتی سے ایک دم سے اٹھ کر کھڑی ہو گئی تھی، زینب نے مسکراتے ہوئے آکر اسے گلے لگا یا تب وہ گہرا سانس بھر کے اسے چھو کر دیکھنے لگی تھی۔

”یقین نہیں آ رہا ہے نامیرے آنے کا؟“ زینب ہنسی تھی، نور یہ مسکرا بھی نہ سکی۔
 ”کیسی ہو تم؟“ نور یہ کے ساتھ ہی وہ بھی جھولے پہ بیٹھ گئی اور بے حد حیرانی سے لان کا جائزہ لینے لگی جہاں پچھلی رات کے طوفان نے بہت تباہی مچائی تھی، آسمان ابھی بھی گرد آلود تھا۔
 ”تمہارا لان اتنا گندا کیسے ہو رہا ہے بھئی۔“ زینب کی حیرت بالآخر ظاہر ہو گئی تھی، وہ اس کی پودوں کے متعلق جذباتی وابستگی سے بخوبی آگاہ تھی، نور یہ کچھ شرمندہ نظر آنے لگی۔

”آؤ اندر چلتے ہیں، یہاں بہت گرد ہو رہی ہے۔“
 ”تو کیا ہوا؟ میں غیر تھوڑی ہوں۔“ زینب مسکرائی تھی۔
 ”اندر ماما اور حوری سے بھی تو ملو گی نام۔“ نور یہ ابھی تو زینب نے اس کی تقلید کی تھی۔
 ”تمہارا کوئی پروپوزل آیا ہوا ہے؟“ زینب کے سوال پہ نور یہ نے ہونٹ بھیجنے لئے تھے پھر دانستہ بات کو پلٹا۔

”تم کب آئیں؟ مجھ خبر ہی نہ ہو سکی۔“
 ”ابھی ایک گھنٹہ پہلے آئی ہوں، ماما سے کہا ہے پر نیاں کو بھی بلا لیں، تم نے میری بات کا جواب نہیں دیا؟“ زینب کی سوئی ایک ہی جگہ پہ اٹکی ہوئی تھی، پھر نور یہ کے چہرے پہ نگاہ جما کر بولی تھی۔

”نوری میرے بھائی کی حالت بہت خراب ہو رہی ہے، پلیز کچھ تو خیال کرو۔“
 ”کوئی کسی کے بغیر نہیں مر جاتا، میری مثال سامنے ہی تمہارے۔“ وہ کس قدر پھنکاری، زینب نے ہونٹ بھیجنے لئے تھے، پھر جتنی دیر وہ بیٹھی رہی نور یہ اس سے کترائی ہوئی رہی تھی۔
 ”آؤ نامیرے ساتھ چلو ادھر۔“ زینب جانے کو ابھی تو اس کا ہاتھ پکڑ لیا تھا، جسے نور یہ نے اگلے لمحے نہایت رکھائی سے چھڑا لیا۔

”میرے لئے اب وہاں کچھ نہیں بچا ہے، زینب سو پلیز منت فورس کرو مجھے۔“ زینب اسے دیکھتی رہ گئی تھی۔

☆☆☆

کوئی	بل	وہ	تیرے	ساتھ	کا
میری	عمر	بھر	کو	سمیٹ	لے
میں	فنا	بقا	کے	سبھی	سفر
اسی	ایک	بل	میں	گزار	دوں

پر نیاں اپنے دھیان میں لائبریری سے بک ایشو کروا کے نکلی تھی کہ اس سمت آتے معاذ حسن سے سامنا ہو گیا۔

”کیسی ہیں آپ؟“ اسے رو برو پاتے ہی معاذ کی آنکھیں چمک اٹھی تھیں، نیوی بلیو پینٹ کوٹ میں وہ اپنی ٹھنکا دینے والی مردانگی کے ساتھ ماحول کی خوبصورتی میں گراں قدر اضافے کا سبب بن رہا تھا، جس رخ سے وہ کھڑا تھا سورج اس کے بالکل مد مقابل آ گیا تھا، سورج کی کرنیں اس کی سنہری رنگت سے یوں لپٹ گئی تھیں کہ اس کا وجود گویا جگمگا اٹھا تھا، یوں لگتا تھا یہ روشنی اس کے وجود سے خارج ہو رہی ہو، پر نیاں کو لاشعوری طور پہ ہی سہی مگر اس کی خوبصورتی نے چند لمحوں کو حرزہ ضرور کر دیا تھا۔

اسے اعتراف کرنا پڑا تھا کہ اس سے قبل اس نے کسی پہ بلیو کٹر کو اتنا جتیا ہوا کبھی نہیں دیکھا تھا، ہمیشہ اس کو دیکھ کر نظر س جھکا لینے والی پر نیاں بھی اس بل اس کو دیکھتی رہ گئی تھیں اول روز کا اس کی ذات پہ چھایا معاذ حسن کی شخصیت کا سحر مزید گہرا ہو گیا تھا، معاذ نے اس کی اس غیر شعوری محویت کو پہلے حیرانی کی نگاہ سے دیکھا تھا پھر جیسے اپنی ذات کے غرور کے احساس سمیت زعم سے مسکرا دیا یہی منکر اہٹ نے پر نیاں کا یہ طلسم توڑا تھا اور اگلے لمحے ناگواری کے احساس سے دو چار کر دیا تھا۔

”آپ کی مجھ سے کسی قسم کی کوئی شناسائی ہے اس بات کو یہاں کوئی نہیں جانتا ہے، کیا یہ بہتر نہیں ہو گا کہ آپ مجھے اس طرح سرراہ مخاطب کرنا چھوڑ دیں، بہر حال میں کوئی اسکینڈل انورڈ نہیں کر سکتی ہوں۔“ اس کا تند خیز لہجہ تباہ کن تھا، اس کے شدید غصے کا غماز تھا، پر نیاں کے اندر اس دن کی لگی آگ نہیں بجھی تھی جب وہ معاذ کے زبردستی کے نتیجے میں اس کی گاڑی میں ہاسٹل آ گئی تھی، کیسا ناک میں دم کیا تھا ثناء نے اسے سوالوں سے اس کا، وہ ایک ایک نقطہ پوری جزئیات سے اٹھاتی تھی اور پھر اس پہ طویل بحث کرتی رہی تھی۔

”سرنے بالخصوص تمہیں اتنی اہمیت کس چکر میں دی، پھر وہ اپنی ماما اور گھر کا بھی حوالہ دے رہے تھے دائے پر نیاں دائے؟“ اور پر نیاں کو اس جیسی ذہن زیرک لڑکی کے سامنے جان چھڑانے کو ایک ہزار ایک جھوٹ بولنے بڑے تھے مگر وہ اس کی نگاہوں کے شکوک پھر بھی ختم کرنے سے قاصر رہی تھی، یہی نہیں اس روز جتنی لڑکیوں نے بھی انہیں معاذ حسن کے ساتھ گاڑی میں جاتے دیکھا تھا، سب کی نگاہوں میں اس کے لئے رشک و حسد بیک وقت ڈالتا رہتا تھا، وہ پر نیاں کو عجیب نظروں سے دیکھنے لگی تھیں اور پر نیاں کو یہی بات کھا گئی تھی۔

”اپنا لہجہ درست کریں پر نیاں! میں ہرگز آپ کی بدتمیزی برداشت نہیں کروں گا، حد ہوتی ہے کسی بھی بات کی؟ آپ خود کو سمجھتی کیا ہیں؟“ اس چمک نے اسے استغش کر دیا، اس کی تذلیل کرنے والا آنکھیں دکھانے والا کوئی پیدا نہیں ہوا تھا اس لئے وہ ایک منٹ سے بھی کم دورانیے میں بھڑک اٹھا، شدید غیض سے اس کی آنکھیں دہک اٹھی تھیں، وہ جیسے سب کچھ فراموش کر کے مرنے والے انداز میں اس کی جانب بڑھا تو پر نیاں سر اسیمہ ہو کر بے اختیار کئی قدم پیچھے سرکی، اسے ایک دم اپنی غلطی کا احساس ہو گیا تھا، کالج آف ہو چکا تھا اور کالج کا یہ حصہ یکسر سنسان تھا، وہ اس بل وہاں اس کے ساتھ اکیلی تھی اور گویا اس کے رحم و کرم پہ معاذ کی پیش قدمی کے نتیجے میں وہ یونہی اگلے قدموں پیچھے ہٹی دیوار سے جا لگی۔

”سس..... سوری سر! مجھے آپ سے یہ نہیں کہنا چاہیے تھا، آئی ایم ریلی ویری سوری پلیز۔“

مفاہمتی انداز میں دونوں ہاتھ اٹھائے، وہ گڑگڑائی کچھ اتنی عاجزی سے بولی تھی خوف کے شدید احساس سے آنکھیں چھلک پڑنے کو بے قرار ہو گئیں، معاذ کا دماغ میں ٹھوکریں مارتا جنونی غصہ سرد پڑنے لگا، اس نے نگاہ بھر کے اس کے چہرے کو دیکھا، سر سے دوپٹہ سرک جانے کے باعث کچھ نشیمن چہرے پہ ڈھلک آئی تھیں، معاذ کی نگاہیں اس کے چہرے کی دلکشی اور سحر انگیزی سے خیزہ ہونے لگیں، اس نے ہونٹ کھینچ لئے بلاشبہ یہی وہ چہرہ تھا جس نے اس کے ہوش و حواس چھین لئے تھے، اسے کسی بھی انتہا سے واپس لانے کو بھی یہی چہرہ جادو اثر صلاحیت رکھتا تھا، وہ جیسے ہارنے لگا، خود اپنے آگے بھی۔

”آئندہ مجھ سے اس بد تمیزی سے بات نہیں کرنا پر نیاں ورنہ انجام کی تمام تر ذمہ داری آپ کی ہوگی۔“ اس کے سہمے ہوئے چہرے پہ نگاہ ڈالتا ہوا وہ تنبیہ کے انداز میں جتلا کر بولا تھا، پر نیاں کے حواس اس قدر تحمل تھے کہ بے اختیار سر ہلا کر گویا عہد کر لیا تھا یا پھر وہ اس سے جلد از جلد جان چھڑانا چاہتی تھی، معاذ کو دوسری سوچ زیادہ صحیح محسوس ہوئی تھی۔

”زینب آئی ہوئی ہے اور وہ آپ سے ملنا چاہتی ہے، میں گاڑی میں آپ کا ویٹ کر رہا ہوں پانچ منٹ کے اندر آئیں۔“ اس سے فاصلہ بڑھاتا ہوا وہ وہاں سے مڑتے ہوئے اس کی سماعتوں میں صور پھونک کر اسے دشت کے حصار میں ڈھکیل گیا تھا، اس نئے آرڈر پہ پر نیاں کی روح فنا ہو گئی تھی، چند لمحوں کو تو اس پہ سکتہ طاری ہو گیا، پھر وہ حواسوں میں آ کر سراسیمہ ہوئی اس کے پیچھے بھاگی آئی تھی۔

”سر..... سر پلینز! مم..... میرے پاس زینب کا سیل نمبر ہے، میں نہیں کال کر لوں گی، اور اگر آتا ہوا تو خود ہی.....“ بانی کا فقرہ اس کے حلق میں ہی گھٹ کر رہ گیا تھا، معاذ حسن نے دیکھا ہی اسے ایسے خونخوار انداز میں تھا کہ وہ پھر سہم گئی تھی۔

”شٹ اپ پر نیاں! میں نے آپ سے مشورہ نہیں مانگا، آرڈر کیا ہے آپ کو، آرڈر کا مطلب سمجھتی ہیں، پانچ منٹ ہیں آپ کے پاس۔“ کلائی پہ بندھی رسٹ وراچ پہ نگاہ ڈال کر وہ سرد آواز میں پھنکارا تھا اور اس کے حق ہوتے چہرے پہ نخوت بھری نگاہ ڈال کر آگے بڑھ گیا تھا، بے چارگی اور بے مائیگی کے احساس نے پر نیاں کو مغلوب کر کے توڑ پھوڑ ڈالا تھا، اس کے پاس کوئی راستہ نہیں بچا تھا راہ فرار کا، اس کی بات ماننے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا، وہ شکست خوردہ سی آ کر اس کے ساتھ گاڑی میں بیٹھی تو چہرے سے بے بسی کا تاثر بے حد واضح تھا۔

”یہاں آئیے محترمہ! میں آپ کا ڈرائیور نہیں ہوں۔“ اسے پچھلا دروازہ کھولتے دیکھ کر وہ انہی سخت تیوروں سے بولا تھا، پر نیاں کچھ اور بھی بے جان سی ہو گئی، ناچاہتے فرنٹ سیٹ پہ اس کے برابر بیٹھ کر وہ بے دردی سے ہونٹ کھینچنے لگی تھی، معاذ حسن نے آگے کی سمت جھک کر بازو بڑھا کر خود اس کا کھلا چھوڑا ہوا دروازہ نہایت جارحانہ انداز میں بند کیا تو پر نیاں کی اس کے بگڑے تیوروں سے جان نکلنے لگی تھی۔

(بھلا یہ اب مجھے جہاں مرضی لے جائیں، اتنے تو غلط انسان ہیں) اس کی نگاہوں میں نیلنیا والا منظر پھر روشن ہوا، اس نے چورنگا ہوں سے اسے ایک نظر دیکھا اور جیسے خدشات کی یلغار سے

خود پہ قابو نہ رکھ سکی، ٹپ ٹپ کتنے آنسو ایک ساتھ بہے تھے، معاذ نے حیران ہو کر اس بن بادل برسات کو دیکھا تھا۔

”کیوں رو رہی ہیں؟“ وہ بے حد خراب موڈ کے ساتھ غرایا، پر نیاں کے پاس جواب نہیں تھا نہ آنسوؤں پہ اختیار، یہ خاموشی اور شدت سے بہتے آنسو معاذ کے غضب کو دعوت دے رہے تھے۔ ”مجھے بتا ہے آپ کو مجھ پہ اعتماد نہیں ہے۔“ وہ کونے کی طرح چنچا، آنکھیں تو ہیں کے احساس سے جل اٹھی تھیں، پر نیاں کی ہراسگی یکھت بڑھ گئی۔

”نا..... نہیں نہیں..... مجھے آپ پہ اعتماد ہے۔“ وہ گھبرائی ہوئی تھی، بے اختیار یقین دہانی کرانے لگی، معاذ نے چونک کر اسے دیکھا پھر اس کی حالت کو سمجھا تو ایک دم چند لمحوں کو چپ ہو گیا تھا۔

”تو آپ کو مجھ پہ اعتماد ہے، گڈ، کتنا؟“ وہ دلچسپی سے اسے دیکھ رہا تھا، آنکھوں کے گوشوں میں مسکراہٹ در آئی تھی مگر وہ اتنی حواس باختہ تھی کہ عقل گویا رخصت ہو گئی تھی۔

”بہت اعتماد ہے آپ بہت اچھے ہیں سر۔“ اپنی بات کے اختتام تک وہ سسک اٹھی تھی، معاذ نے دھیان سے اسے دیکھا۔

”سر کیوں کہہ رہی ہیں؟ یہ کالج نہیں ہے۔“ اس نے بظاہر سختی سے ڈانٹا تھا، پر نیاں آنسو بھری آنکھوں سے ہونٹ کھینچنے لگی۔

”رو کیوں رہی ہیں؟ رونا بند کریں۔“

تجھ سے محبت کرتا ہوں تیری میں جان لے لوں گا اگر ان جھیل آنکھوں کو بھی پر نم کیا تو نے

اگلا آرڈر جاری ہوا تھا بڑے شاہانہ انداز میں اس پہ جھک کر وہ خواب آسا لہجے میں گنگنایا تھا، پر نیاں کے تحمل حواس بڑی سرعت سے کام کرنے لگے، اس نے خود کو بے اختیار پیچھے کی جانب سرکایا۔

کتنی منہ پھٹ ہیں تمنا میں میری جیسے بچے امیر لوگوں کے

اس نے سرد آہ بھری اور اس کے آنسو پونچھنے کو بڑھا اپنا ہاتھ درمیان سے ہی واپس کھینچ لیا اور ٹشو کیس سے ٹشو کھینچ کر اس کی گود میں پھینک دیئے۔

”چہرہ صاف کرو اپنا میں نہیں چاہتا کوئی میری طرف سے مشکوک ہو۔“

خود پہ بے حسی لائق اور بے نیازی کا خول چڑھاتے ہوئے وہ کس قدر تنگ کر بولا تھا، پر نیاں نے بغیر کسی ہنسنے کے حکم کی تعمیل کی تھی، گاڑی شاہ ہاؤس کے آہنی گیٹ کے آگے ٹھہری تھی، معاذ نے ہارن پہ ہاتھ رکھ دیا، چند لمحوں کی تاخیر سے گیٹ کھلتا چلا گیا تھا، پر نیاں کی عجیب سی کیفیات ہو گئیں، سب کا سامنا کرنے کے خیال وہ بھی معاذ کے ساتھ اسے عجیب سی خفت اور شرمندگی سے دوچار کرنے لگا، کب سے سوئے جاگے احساسات پوری طرح بیدار ہو چکے تھے، ورنہ معاذ نے تو کچھ اس انداز میں پریشاں کیا تھا کہ وہ سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں ہی بیکار ہوتی محسوس کر رہی تھی، مگر

اب یہ صلاحتیں پھر سے بیدار ہو گئی تھیں، اسے شاہ ہاؤس کے کینوں کے متوقع تاثرات مضطرب کرنے لگے۔

”بھلا کیا سوچیں گے وہ سب میرے متعلق!“ اسے اپنی پوزیشن بے حد آکورڈ لگنے لگی۔ معاذ نے گاڑی پورٹیکو میں روکی پھر اس کی سمت توجہ ہوا تھا، مگر وہ کسی گہری سوچ میں تھی، معاذ نے شرارت آمیز نظروں سے اسے دیکھ کر کھانس کر متوجہ کیا۔

”کیا آپ شرماری ہیں؟ مگر ابھی میں آپ کو شادی کر کے تو نہیں لایا، یہ ساری جھجک اور گریز اس وقت کے لئے اٹھا رکھیں۔“ پریناں نے چونک کر اسے دیکھا، اس کی نگاہوں سے کچھ شرارت اور معنی خیز تبسم اسے جلا کر خاکستر کر گیا، کچھ کہے بغیر وہ پتے چہرے کے ساتھ رخ پھینک کر گاڑی سے اترنے کو دروازہ کھولنے لگی تھی کہ معاذ نے پھر بیکار لیا، پریناں کا ہاتھ اسی زاویے پہ ساکن ہو گیا تھا گویا ہمہ تن گوش ہو گئی مگر پلٹ کر اس کی جانب نہیں دیکھا مگر وہ بھی معاذ تھا، ضدی اور ہٹیل۔

”ادھر دیکھیں میری طرف۔“ پریناں لازمی اڑی دکھاتی اگر جو وہ کچھ ذریعہ قبل اس کا طنز چھٹی طرح توڑ نہ چکا ہوتا، اس نے اپنا رخ معاذ کی سمت پھیر لیا تھا مگر چہرہ اور نگاہیں ہنوز جھکی تھیں، تاثرات سے عجب بے بسی چمک رہی تھی جو اس کی واضح بار تھی، معاذ کو اس کی کیفیت نے انوکھا لطف دیا، مگر اسے زچ کرنے ستانے کا ارادہ موقوف نہیں کیا۔

”اک گزارش کر سکتا ہوں؟“ اس کا لہجہ مذہم اور گنہگار تھا، پریناں نے ہونق ہو کر اس کی شکل دیکھی تھی۔

”جی..... جی۔“

”میں نے کہا ایک ریکوسٹ کر لوں؟“ وہ بظاہر سنجیدگی سے کہہ رہا تھا مگر لبوں کے گوشوں میں مسکراہٹیں چل رہی تھیں، توجہ کے اس درجہ ارتکاز نے پریناں کی پلکوں پہ لرزش اور گالوں پہ سرخی دوڑادی۔

”حکم کیجئے۔“ اس کا لہجہ ناچاہتے ہوئے بھی طنزیہ ہو گیا، اسے تو اس کیفیت پہ ہی تاؤ آتا شروع ہو گیا تھا کہ وہ کس درجہ اسے سرا سیمہ کر کے الو بنا چکا تھا، معاذ نے اس کے انداز کی تبدیلی کو محسوس کیا اور حظ لیتے ہوئے قہقہہ لگا کر ہنس پڑا تھا۔

”از پوش! آپ حکم سمجھ لیں۔“

”حکم یہ ہے کہ۔“

اک کام کرنا

چاند سے کچھ مٹی لینا

اس سے پیار کے دو جسے بنانا

اک تم جیسا

اک مجھ جیسا

پھر ان کو تم توڑ دینا

پھر ان سے دو اور بنانا

اک تم جیسا

اک مجھ جیسا

تاکہ یہ دوری مٹ جائے

تم میں کچھ میں رہ جاؤں

مجھ میں تم کچھ رہ جاؤ

پریناں کے سارے جسم کا خون سمٹ کر اس کے چہرے کی جانب آ گیا تھا، کانوں کی لوڈوں تک سرخ پڑتی وہ بھاپ چھوڑتے چہرے کے ساتھ گاڑی سے نکل کر اندھا دھند اندرونی حصے کی سمت بھاگی تھی، اس پل اپنی گاڑی سے نکلتے پانے پہلے اسے پھر اس کے پیچھے گاڑی سے باہر آتے معاذ کو حیرانی سے دیکھا تھا، وہ اتنے حیران تھے کہ اپنی جگہ سے ہل نہیں سکے تھے، معاذ بڑی ترنگ میں تھا مگر انہیں دیکھ کر فوری طور پر خود پہ سنجیدگی طاری کر لی۔

”یہ پریناں..... آپ کے ساتھ ہی آئی ہیں؟“ پپا کی غیر یقین نظریں اس پہ آن رکیں، وہ دل آویزی سے مسکرایا۔

”جی پپا اس میں اتنی حیرت کی کیا بات ہے، اسٹوڈنٹ ہے میری، آپ سے میں نے بات کی تھی نا پپا یہی وہ لڑکی ہے جس سے میں شادی کرنا چاہتا ہوں پلیز۔“ وہ جھکتی ہو کر کہہ رہا تھا، پپا چونکے تھے اور پھر ایک دم ساکن ہو گئے، انہیں گویا جھٹکے پہ جھٹکے لگ رہے تھے۔

☆☆☆

زندگی بھر اداس رہنا ہے
سوچتا ہوں تو مسکراتا ہوں

وہ عجیب سے امتحان سے دوچار ہوا تھا، زینب اس کے ساتھ تھی، اپنی تمام تر بے نیازی، لائقیت اور بے خبری کے ساتھ اور وہ نارسائی قرب اور آگاہی کے ساتھ بے بسی کی آگ میں جل جل کر خاکستر ہو رہا تھا، وہ آفس سے اٹھ رہا تھا جب اس کے میل پہ زیادتی کال آئی تھی۔

”جہان بھائی کہاں ہیں آپ؟“

”گھر جا رہا ہوں خیریت؟“ اس نے اپنی ٹیبل کے اہم دراز کو لاک کرتے ہوئے استفسار کیا تھا۔

”جھٹک گاڑی کہ آپ گھر نہیں گئے، پلیز زینب کو پک کر لیجئے گا، مجھے ایک ضروری کام سے جانا پڑ گیا ہے۔“ زیاد نے ہاسپٹل کا نام بتا کر غلٹ میں فون بند کر دیا تھا، جہان ٹھنڈا سانس بھر کے اس آزمائش میں مبتلا ہونے کو جو صلے جمع کرنا مطلوبہ ہاسپٹل کے راستے پہ گاڑی ڈال چکا تھا، زینب کل سے آئی تھی، تیمور اسے چھوڑ کر خود واپس چلا گیا تھا، زینب کو چیک اپ کرانا تھا، یقیناً وہ اسی سلسلے میں ہاسپٹل میں آئی تھی، ہاسپٹل کی پارکنگ میں گاڑی روک کر جہان نے فون پہ اس سے رابطہ کیا تھا اور اسے باہر آنے کا کہا۔

”جی فارغ تو میں ہو گئی ہوں مگر مجھے تو زیاد بھائی نے پک کرنا تھا۔“ جہان نے جواب میں

زیادہ کا عذر پیش کیا تھا، زینب نے اسے انتظار کرنے کا کہہ کر رابطہ کاٹ دیا، اگلے دس منٹ میں وہ اس کے ساتھ تھی۔

”تھینک گاڈ! اسی بہانے آپ کی شکل تو نظر آئی۔“ وہ شاک کی ہو گئی تھی، جہان کے چہرے پہ ایک رنگ آ کر گزر گیا تھا، اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ وہ اس سے گریزاں رہا تھا تو وجہ اس پہ کسی بھی کمزور طے کی زد میں آ کر عیاں ہونے سے خائف تھا۔

”اتنے خاموش کیوں رہنے لگے ہیں جے!“ جہان پھیکے سے انداز میں مسکرا دیا اور سر کو نشی میں جنبش دی تھی۔

”تمہارا وہ ہم ہے۔“

”میرا وہ ہم نہیں ہے۔“ زینب نے اپنی بات پہ زور دیا تھا، اس سے پہلے کہ جہان جواب میں کچھ کہتا اس کا سیل فون گنگنا اٹھا تھا، وہ چونک گیا، اسٹیرنگ سے ہاتھ ہٹا کر اس نے کوٹ کی جیب سے سیل فون نکالا تھا مگر اسکرین پہ سزا آفریدی کا نام دیکھ کر اس کا رنگ لمحہ بھر کو متغیر ہوا تھا اگلے لمحے اس نے کال ڈسکنک کر دی تھی ساتھ ہی سیل فون کو سائمنٹ پہ کر کے واپس کوٹ کی جیب میں ڈال دیا، زینب نے اس کی اس حرکت اور چہرے کے زاویوں کو بخور دیکھا تھا اور فوری گرفت کر لی تھی۔

”کس کی کال تھی؟“

”کچھ نہیں رانگ نمبر تھا۔“ جہان نے سرسری سا انداز اپنایا۔

”رانگ نمبر تھا یا خاص نمبر تھا کہ آپ نے میرے سامنے بات کرنا مناسب نہیں سمجھی، ہے نا جے؟“ اس کے انداز میں یکدم کئی اتر آئی تھی، جہان کے چہرے پہ یکنخت گمبیرتا پھیل گئی، اس نے خاموشی اختیار کر لی تھی۔

”جے اس لڑکی کا کیا بنا جس کی تصویر آپ کے پاس تھی، اب تو مان لیں آپ نے محبت کی تھی؟“ زینب نے گھوم پھر کے پھر اسی الجھے ہوئے ریشم کا سرا ڈھونڈنا چاہا، جہان نے ٹھنڈا سانس بھر لیا تھا۔

”اب کیا تبدیلی آگئی کہ تسلیم کر لوں؟ خیر تمہیں اس وقت غلط نہیں ہوئی تھی زینب۔“ اس کا لہجہ رसान آمیز تھا، وہ ایک بار پھر پردہ ڈال رہا تھا، زینب کو یہی بات بری لگی تھی، وہ ہونٹ بھیج کر نگاہ کا زاویہ بدل گئی۔

”تو آپ نہیں مانیں گے؟“ وہ کچھ دیر بعد زور ٹھے پن سے بولی تھی، جہان عاجز سا ہو گیا۔

”تو زینب شاہ آپ کہہ لیں، میں بزدل ہوں، کم ہمت ہوں، محبت سے وفا کے تقاضوں سے خائف ہوں، جنہی محبت سے سو کوس دور بھاگا ہوں ہمیشہ۔“ ہونٹوں پہ زبردستی کی مسکراہٹ سجائے وہ زینب سے زیادہ خود کو دھوکہ دے رہا تھا، زینب نے کوئی تبصرہ نہیں کیا اور کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی، اس کے چہرے پہ خفگی سم آئی تھی، معاوہ! یکدم اچھل سی پڑی۔

”جے گاڑی روکیں پلیز گاڑی روکیں۔“ جہان نے کچھ بوکھلا کر یکنخت بریک پہ پیر رکھ دیا، گاڑی زبردست جھٹکے سے رکی، بھاری انجن غرا کر رہ گیا۔

”کیا ہوا خیریت؟“ وہ کسی قدر گھبرا سے دیکھنے لگا مگر اس کے چہرے پہ مسکراہٹ تھی۔

”مجھے گول کپے کھانے ہیں۔“ سڑک کنارے گول کپوں کے اسٹال کی سمت اشارہ کرتی وہ ہنستے ہوئے بولی تھی، جہان ٹھنڈا سانس بھر کے رہ گیا۔

”حد ہے تم سے بھی زینی! اب یہاں بیٹھ کر کھاؤ گی، عجیب لگتا ہے، ایسا کرنا ہوں پیک کرالینا ہوں۔“ وہ جھجک کر کہہ رہا تھا، وجہ یہ چہرے پہ تذبذب کے آثار تھے، زینب ٹھنک سی گئی۔

”نہیں جے پلیز! مجھے یہیں کھانے ہیں، آپ گاڑی میں سگولا لیں نا۔“

اور جہان کو اس کی خواہش کے آگے سر جھکانا پڑا تھا، چند لمحوں بعد ہی اس کے آرڈر پر دوکان کا چھوٹو جو ہر کام بھاگ بھاگ کر کر رہا تھا اس کے لئے ٹرے میں بھرائی والے گول گپے اور کٹھا پانی لے آیا تھا، صد شکر برتن صاف ستھرے تھے، زینب نے بڑی رغبت سے کھانے شروع کیے تھے، پھر اسے ہاتھ پہ ہاتھ رکھے دیکھ کر دعوت دی تھی۔

”آپ بھی لیں نا جے! ریلی اتنے مزے کے ہیں۔“ اس کا منہ بھرا ہوا تھا، شفاف چہرے پہ بچوں کی سی معصومیت اور خوشی کا رنگ نا، لمبے بے حد سلگی بال جو جوڑے کی شکل میں لپیٹے گئے تھے اب کھل کر دائیں شانے پہ بکھر کر سیاہ بالوں کا آبشار سینے پہ پھیلتا گود میں گر رہا تھا، بائیں طرف آدراہ لپٹیں ہوا کی لے رہو لے ہو لے لہرا رہی تھیں۔

جہان کی نگاہ اٹھی تھی تو وہ اسے بہکنے سے روک نہیں سکا تھا، زینب نے کھانے میں مصروف رہ کر اسے دیکھا تب وہ ایک دم سنبھلا تھا۔

”ایسے اس لئے دیکھ رہے ہیں نا کہ میں ندیدی ہو رہی ہوں۔“ وہ کچھ نچل ہو کر ہنسی تھی، جہان نے دانستہ مسکراہٹ ہونٹوں پہ بھیج تان کر سجالی۔

”چلو یہی سمجھ لو۔“

”بہت دل کر رہا تھا، اس حالت میں کسی نہ کسی شے کو ایسے دل چل ہی جاتا ہے اکثر۔“ وہ کھسیا کر وضاحت دیتی ہوئی گویا صفائی پیش کر رہی تھی۔

”کیسی حالت میں؟“ جہان بے خیال سا تھا، بے ارادہ کہہ بیٹھا، پھر زینب ہی نہیں خود وہ بھی بے ساختہ نظریں چرا گیا تھا، ایک ان دیکھا خنجر تھا جو اس کے رگ جاں میں اتر ا تھا، زینب کھسیالی سی ہنسی ہنس رہی تھی۔

”آپ کو نہیں پتہ، حویلی کا وارث دنیا میں تشریف لانے والا ہے۔“ جہان کا چہرا جانے کس احساس کے تحت دہک کر انگارہ ہونے لگا، کچھ کہے بغیر اس نے سختی سے ہونٹوں کو بھینچا اور گاڑی اشارت کر کے آگے بڑھا دی تھی، زینب نے سیٹ کی بیک سے سر نکا کر آنکھیں موند لیں، گاڑی کی فضا میں بو جھل اور تکلیف دہ سناٹے کا راج قائم ہو گیا تھا۔

(باقی آئندہ)

ذرا حسری بھر دو ہونو

ام مریم

انٹھارویں قسط کا خلاصہ

معاذ، پیلچرار کی حیثیت سے جس کالج میں تعینات ہوا ہے پر نیاں وہیں پڑھتی ہے، یہاں کے ساتھ وہاں ہر لڑکی معاذ حسن کی وجہہ و شاندار پر سنالنی پہ دل و جان سے فدا ہے، جبکہ پر نیاں اس قدر بے زار حائف اور کھڑی ہوئی، معاذ کو اس کا یہی رویہ تکلیف دیتا ہے، یہاں، معاذ کی توجہ پر نیاں میں محسوس کر کے بھرا اٹھتی ہے اس کی یہی رقابت پر نیاں سے شدید جھگڑے کی صورت معاذ کے سامنے آتی ہے اور ثناء معاذ کی پر نیاں کے لئے اتنی حسیاسیت محسوس کر کے چونک اٹھتی ہے اور اس کے سوالات پر نیاں کے ٹینشن بڑھانے کا باعث بنتے ہیں۔

زینب، تیمور کے ساتھ جھبوتے کی زندگی گزارنے میں مصروف خود کو پردوں میں لپیٹ کر اپنوں کے سامنے پیش کرتی ہے مگر جہان جو اس کی رگ رگ سے واقف ہے اسی کے اندر کا بھید پا کر اس قدر اذیت و کرب کا شکار ہے۔

نوریہ کا پروپوزل آنے پہ زیاد اپ سیٹ ہے مگر نوریہ زیاد کے ساتھ زینب کی بھی سننے پہ آمادہ نہیں۔

زینب چیک اپ کی خاطر ہاسپٹل جاتی ہے واپسی پہ جہان کو اسے پک کرنا پڑتا ہے اور یہ سامنا جہان کی اذیت و کرب میں اضافے کا باعث بنتا ہے۔

انیسویں قسط

اب آپ آگے پڑھیے



اس کی توقع اور خدشے کے عین مطابق جس نے بھی اسے دیکھا ایک دم حیران رہ گیا تھا اور وہی سوال کیا تھا جس سے وہ سب سے زیادہ خائف تھی۔
”کس کے ساتھ آئی ہو؟“

یہ الگ بات کہ اس سوال میں جوش و خروش بھی شامل تھی مگر وہ اتنی زد و خورد ہو رہی تھی کہ ان باقی اہم باتوں کو فراموش کر دیا تھا۔

”بے حد اس ہو رہی تھیں زینب کے لئے، میں نے کہا مل آؤ۔“ معاذ جب ہال کمرے میں پہنچا تھا اپنے مخصوص ازلی بے نیاز پر اعتماد انداز میں جواب دیا تھا، ان سب کی حیران اور متحسم شرارتی نگاہیں پر نیاں کی سمت اٹھ گئی تھیں۔

”ماشا اللہ پھر تو مبارک ہو، آپ کی تو اچھی انڈر اسٹینڈنگ ہو گئی ہے لالے سے۔“ ماریہ اس سے لپٹ کر جوش سے بولی تو پر نیاں کا ضبط جواب دے گیا تھا، کچھ کہے بغیر وہ مہما سے لپٹ کر کچھ اس طرح سے روئی کہ ان کے ساتھ دیگر حاضرین بھی بوکھلا سے گئے، معاذ البتہ میٹرھیاں چڑھ کر اپنے کمرے میں جا چکا تھا۔

”کیا ہوا بیٹے! کچھ بتاؤ تو؟“ کچھ کہہ دیا ہے معاذ نے؟“ مہما کی جان پہ بن آئی تھی، ماریہ بھاگ کر مانی لینے باہر دوڑی، بھابھی جلدی سے نزدیک سرک آئیں حوصلہ دینے کو، غرض ایک پچھل سی مچ گئی تھی۔

”زبردستی لے کر آئے ہیں مجھے، اتنا ڈانٹا بھی ہے، مہما پلیز آپ انہیں کہیں اس جانب سے ریڑائن کر دیں، یا پھر میرا کہیں اور مائیگر بیٹ کر ادیں۔“ وہ پونہمی روتے ہوئے اصل مسئلہ بیان کر رہی تھی، بھابھی کے چہرے پہ مسکراہٹ بکھری اور مہما گہرا سانس بھر کے رہ گئی تھیں، ماریہ نے پانی کا گلاس اس کی جانب بڑھایا۔

”معاذ سے کوئی اچھی امید رکھنا ہی عبث ہے۔“ مہما جھنجھلا کر کہہ رہی تھیں۔
”بھئی وہ بیچر ہے اب تمہارا، کسی غلطی پہ تو ڈانٹ سکتا ہے نا؟“ بھابھی نے معاذ کا دفاع کرنا چاہا، پر نیاں نے شاکی نظروں سے انہیں دیکھا تھا۔
”اور وہ جو اتنا تنگ کرتے ہیں مجھے۔“

”تنگ.....؟“ اس کا مطلب جانتی ہیں، کیسا ان لمیٹڈ قسم کا لفظ ہے یہ اور اس سے بڑھ کر معنی خیز، ویسے کس قسم کا تنگ کرتے ہیں، وہ ہاتھ پکڑتے ہیں یا جسارت اس سے بھی کہیں آگے تک جا چکی ہے؟“

اس بل زینب اندر آئی تھی، اس کا آخری فقرہ ہی سنا تھا اور اسی کو لے کر رگید ڈالنا تھا، انداز کی شوخی و شرارت اور معنی خیزی ایسی کہ پر نیاں کانوں کی لوڈوں تک سرخ پڑ گئی، سب کے بیچ اتنی خفت محسوس ہوئی تھی کہ اس کا زمین میں گڑ جانے کا جی چاہا تھا، اس کی نظریں نہیں اٹھ سکتی تھیں، مہما نے زینب کو گھورا تھا اس نے ہنستے ہوئے پر نیاں کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا اور زبردستی گلے لگا لیا۔

”انہو اتنا کیوں غصہ کر رہی ہو؟ یار شوہر ہیں وہ تمہارے۔“ زینب کو اس کا چہرہ دیکھ کر ہنسی آئے جا رہی تھی، جہان ٹھنڈا سانس بھر کے رہ گیا، پر نیاں نے خود کو سنبھال کر اسے سلام کیا تھا، اس

نے بڑی متانت اور شفقت بھرے انداز میں جواب دے کر خیریت پوچھی تھی۔

”ان کی خیریت نیک مطلوب نہیں ہے، لالے کی نگاہ کرم جو پڑ چکی ان پر۔“ زینب کا موڈ اسے دیکھ کر خوشگوار ہو چکا تھا، مہما چائے بنوانے کو اٹھ گئی تھیں، اس سے کچھ دیر بعد ہی زیادہ بھی آ گیا۔

”ارے آپ کیسے راستہ بھول گئیں؟“

”اب یہ نہ پوچھنا کس کے ساتھ آئی ہیں، اس سوال نے بیچاری کو پہلے ہی بہت عاجز کیا ہے؟“ زینب کے ہاتھ اچھا موضوع لگا تھا اسے چھیڑنے کا، زیادہ حیران ہو کر اسے دیکھنے لگا۔

”ہے تو یہ اہم سوال، ورنہ یہ محترمہ اس ریلیز کو یونہی تو عبور نہیں کرتی ہیں، خصوصی بلاوا ہوتا ہے۔“ پر نیاں کا چہرہ پھر تپنے لگا، اس نے ہونٹ بھینچ لئے تھے۔

”کون لا سکتا ہے، لالہ لے کر آنے ہیں۔“ زینب نے زیادہ کی معلومات میں اضافہ کرتے ہوئے شریر نظروں سے پر نیاں کو دیکھا تھا جس کی پیشانی پہ پسینہ نمودار ہونے لگا تھا، زیادہ کو جھٹکا لگا۔

”ریلی؟ امیزنگ یار، لالے کی کیا بات ہے، وہ کچھ بھی کر سکتے ہیں۔“ حیرت کے بعد یاس زدہ لہجہ ہو گیا تھا، زینب نے اس کا کا ندھا تھپکا۔

”فکر کیوں کرتے ہیں، آپ کے بھی انتظام میں لگے ہوئے ہیں، اللہ نے چاہا تو فل رومنٹک ماحول آپ کے لئے بھی تیار ہو جائے گا۔“ زیادہ نے مسکرا کر زینب کو دیکھا تھا۔

”تم نے کی بات اس سے؟“

”ہاں مگر وہ اڑیل ٹوٹی ہوئی ہے، نان سنس!“ زینب نے دانت بھینچے تھے، تب ہی ماما ملازمہ کے ہمراہ ٹرائی سمیت وہاں پھر آ گئیں۔

”زینب بیٹے چائے بنا کر پر نیاں اور اپنی مناجان کو در پہلے۔“ مہما نے تسبیح پڑھنے میں مشغول مہما جان کو دیکھ کر کہا تھا۔

”پہا آگئے؟“ زینب نے سوالیہ نگاہوں سے مہما کو دیکھا تھا۔

”ہاں آگئے ہیں، ڈڈنٹ ہری میں نے چائے بھیج دی ہے ان کی اور بھائی جان کی۔“ مہما پر نیاں کے ساتھ آ کر بیٹھ گئیں، زینب نے باری باری سب کو چائے دی تھی، مہما جان نے تسبیح پوری کی پھر بالخصوص زینب اور پر نیاں کے منہ پہ پھونک ماری تھی اور پر نیاں کو گلے لگا کر پیار کرتے خیریت دریافت کرنے لگیں، دوران وظیفہ وہ بات کرنے سے گریز کیا کرتی تھیں، پر نیاں کے آنے پہ انہوں نے محض اس کے سر پر ہاتھ پھیرا تھا۔

”جی جی کریں ان کے لاڈ، ہم تو سوتیلے ہیں نا؟“ زیادہ نے مہما جان کو دیکھ کر شکایت بھری آواز میں کہا، تو مہما جان نے فوراً اسے بھی گلے لگا کر ماتھا چوما تھا۔

”کیوں بیٹے! مجھے تو سب بچے برابر ہیں۔“

”مذاق کر رہا ہے بھابھی بیگم! آپ بھی کس کی باتوں میں آرہی ہیں؟“ مہما ہنسنے لگیں، ایسے ہی خوش گواری ماحول میں چائے پی گئی تھی۔

“معاذ کو چائے نہیں دے کر آئیں ماریہ؟ اب وہ شور مچائے گا۔“ ممانے یاد آنے پہ ماریہ کو دیکھا تھا، وہ بوکھلا سی گئی۔

“میں تو نہیں جا رہی اب، ماما ڈانٹ کھانے کا موڈ نہیں ہے۔“ ماریہ نے صاف جواب دیا تھا۔

“لالے نے کیا بردہ کر لیا ہے ان سے؟ یہاں آ کر چائے نہیں پی سکتے تھے؟“ زیاد نے پر نیاں کو دیکھ کر پھر مختل گرم کرنی چاہی، جہاں نے فہمائی نظروں سے زیاد کو دیکھا، پر نیاں کی گھبراہٹ اس کی نظروں سے مخفی نہیں تھی۔

“نوریہ اور حوریہ کو بھی بلا لیں ماما!“ پر نیاں کو یہ کئی بڑی شدت سے محسوس ہوئی تھی، زیاد جھوم اٹھا۔

“جیتی رہیں بھانوج! آپ نے تو میرے دل کی کلی چنکا دی ہے۔“ وہ منہ بھر بھر کے اسے دعائیں دے رہا تھا، پر نیاں تو کہہ کر پچھتاتی تھی، اس نے جھینپ کر سر جھکا لیا تھا۔

“جاؤ حسان! بلا کے لاؤ نوریہ کو، کہنا پر نیاں جی بلا رہی ہیں۔“ زیاد نے حسان کو دوڑایا تھا، باقی سب زیر لب مسکراتے رہے، جہاں اٹھ کر اپنے کمرے میں چلا گیا، ماریہ کو اس وقت اکیڈی جانا ہوتا تھا وہ بھی چلی گئی، بھابھی کچن میں کھانے کے انتظام میں مصروف ہو گئی تھیں، ساتھ میں ماما بھی ان کی مدد کے خیال سے انھیں تھیں کہ پر نیاں نے اپنی خدمات پیش کر دیں۔

“میں ہیلب کروا دیتی ہوں ماما!“

“جیتی رہو بیٹی! ابھی نہیں، ساری زندگی آپ کو ہی کرنا ہے یہ کام، مگر باقاعدہ طریقے سے۔“ ماما تو نہال ہی ہو گئی تھیں اسے لپٹا کر دنور جذبات سے بولیں۔

“جی جی! جب لالے آپ کو باقاعدہ رخصت کرا کے لے آئیں گی، یہ والی رخصتی تو عارضی ہی ہے نا۔“ زیاد کو پھر موقع ملا تھا، اسے چھیڑنے کا، زینب ہنسنے لگی، ممانے پر نیاں کے حیا آلود شرمائے ہوئے روپ کو محبت آمیز نگاہوں سے دیکھتے ہوئے اپنی دونوں اولادوں کو تادیبی نظروں سے گھورا تھا۔

“خبردار کوئی ضرورت نہیں ہے میری بیٹی کو تنگ کرنے کی۔“

“جی ہاں ہم بھلا کیوں کر تنگ کر سکتے ہیں، یہ پرمت تو آپ کے بڑے صاحبزادے نے حاصل کر لیا ہے۔“ زیاد نے چمک کر کہا تھا، زینب کا تہقید سب سے بلند تھا، پر نیاں بری طرح ہنس ہوئی تھی، اس کا دل اتنی شدتوں سے دھک دھک کرنے لگا کہ گویا ابھی پسلیاں توڑ کر سینے سے باہر آگرے گا۔

“ماما! ماما!“ معاذ نہایت خراب موڈ کے ساتھ تیزی سے سیڑھیاں اترتا ہوا نیچے آ رہا تھا، زیاد نے ٹھنڈا سانس بھرا۔

“لیجئے آگئے ہیں، اپنے حق جتانے۔“ وہ مصنوعی خشکی سے بولا۔

“ماما میرے کمرے کا دیکھا ہے کیا حشر ہو رہا ہے، کسی کو احساس تک نہیں ہے، جو کام بھی کروانا ہے خود کہہ کر حد ہے یعنی.....“ اس نے آتے ہی غصہ دکھانا شروع کر دیا تھا، ممانے حیرانی

سے اسے دیکھا۔

“کیا گستاخی سرزد ہو گئی سرکار! اتنا غصہ؟“ زیاد کی زبان پر پھر خارش ہوئی مگر معاذ اس کی بجائے ماما کو شاکی انداز میں دیکھ رہا تھا۔

“آپ کے پاس میرے لئے تو ٹائم بچتا ہی نہیں ہو گا نا۔“ اس کا منہ پھولا ہوا تھا، ماما کو ہنسی آنے لگی، پر نیاں دانستہ سے انگور کر رہی تھی، ورنہ زیاد کی معنی خیز مسکراہٹ جو معاذ کو وہاں آتے دیکھ کر ہی اس کے ہونٹوں سے مستقل طور پہ چپک گئی تھی اسے کنفیوژ کرنے کو کافی تھی۔

“ابھی تک بچکانہ حرکتیں ہیں میرے اتنے بڑے بیٹے کی۔“

“کیا ہوا ہے کچھ بتاؤ بھی؟“ ممانے اس نے بال بکھیرے تو اس نے کچھ اور بھی خشکی سے انہیں دیکھا تھا۔

“پچھلے آدھ گھنٹے سے میں وارڈ روب سے مینے کے لئے کوئی لباس دیکھ رہا ہوں مگر نہیں مل رہا، اگر شرٹ ہے تو جینز نہیں جس کا تڑاؤ زر ہے اس کی شرٹ غائب، سب کچھ کس ہو رہا ہے۔“ وہ بری طرح سے جھٹایا ہوا تھا۔

“شرٹس کے بن بھی چیک کر لینے تھے لالے، ٹوئے ہوئے نہ ہوں۔“ زیاد نے چھیڑا۔

“معاذ بیٹے ابھی چیخ کر لو، میں بڑی ہوں نا، کچھ دیر میں آ کر آپ کی وارڈ روب ٹھیک کر دوں گی۔“ ممانے اسے تسلی دی، مگر وہ حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر رہ گیا تھا۔

“یعنی مزید انتظار، دوسرے لفظوں میں ٹائم ویسٹ، ماما آپ بڑی ہیں کسی اور سے کہہ دیں نا، سب ہاتھ پہ ہاتھ ہی دھرے بیٹھی ہیں نا۔“ اصلاح دینے کے ساتھ اس نے تڑپھی نگاہوں سے پر نیاں کو دیکھا تو زیاد کو گدگد کی سی ہوئی تھی۔

“اوائے ہوئے۔“ اس نے سیٹی بجائی تھی۔

“سیدھی طرح سے کہیں نا آپ کو پر نیاں کی خدمات درکار ہیں۔“

“مجھ دار کو اشارہ کانی ہوتا ہے، ماما کیا خیال ہے۔“ معاذ نے پہلے زیاد کو ٹر خایا تھا پھر ماما کے گلے میں بازو حائل کر کے منمنایا، پر نیاں اپنی جگہ یہ جزبزا اور کنفیوژ ہو رہی تھی۔

“بیٹے اچھا نہیں لگتا، بچی مہمان ہے، آپ کام کر رہے ہیں۔“ ممانے مسکراہٹ دبائی تھی اور کسی قدر سنجیدگی سے جواب دیا۔

“مہمان کو خود خیال کر لینا چاہیے، کسی کا اتنا سا کام کرنے سے تھکن تھوڑا ہی ہو جاتی ہے۔“

اب کے معاذ براہ راست پر نیاں کو دیکھ رہا تھا، انداز میں خفیف سی شوخی کا رنگ تھا، زیاد کو اچھو لگ گیا تھا، پر نیاں گھبرا کر کھڑکی ہو گئی۔

“بھنا! آ..... آپ..... ان کا کام کر دیں میں کچن دیکھ لیتی ہوں بھابھی کے ساتھ۔“ معاذ نے سر پٹینے والے انداز میں جھٹا کر اسے دیکھا اور گویا اپنے بال ہی نوچ لئے تھے۔

“حد ہے یعنی، آپ یہ بھی کہہ سکتی تھیں محترمہ کہ میں آپ کا وارڈ روب دیکھ لیتی ہوں۔“ وہ بے حد شاک تھا، پر نیاں کا چہرہ فق ہو گیا، اس کی گھبراہٹ تدریج بڑھ رہی تھی، اوپر سے زیاد اور زینب کو کھی کھی، وہ واقعی کنفیوژ ہو چکی تھی، ممانے سر تھام لیا۔

”پر نیاں جاؤ بیٹے آپ ڈھونڈ کے دے دو اسے کپڑے۔“ وہ سخت عاجز ہو کر بولی تھیں، معاذ نے سکھ کا سانس لے کر پھر ماما کو گلے لگایا تھا۔

”بھینکس۔“ وہ ان کے کان میں گھس کر ہنسیا، ممانے اسے ایک چپت لگا دی تھی، پر نیاں شیشائی ہوئی سی اس کے کمرے کی جانب روانہ ہوئی تھی، یوں جیسے اس کے پاس کوئی چارہ اس کے سوارہ ہی نہ گیا ہو۔

”بہانہ تھا کپڑوں کا تو، ورنہ تو صاف لگتا ہے آپ ان کے ساتھ تمہاری چاہ رہے تھے۔“ پر نیاں کے جانے کے بعد زیاد نے آہ بھر کے معاذ کو جھلایا وہ ڈھٹائی سے ہنسنے لگا۔

”بات ساری سمجھداری کی ہوتی ہے، میں اپنی راہیں خود ہموار کر رہا ہوں، عقل استعمال کرتے ہوئے۔“

اس کے لہجے کا تفاخر اور زعم بے مثال تھا، زیاد نے رشک آمیز نگاہوں سے اسے دیکھا اور بے اختیار داد دی۔

”آپ کو پہلے سے گرومان چکا ہوں، بس ہار پھول پہنانے کی خواہش ہے۔“

”ہار پھول ذرا ٹھہر کے پہنانا، ابھی تو میں اپنے کمرے میں جا رہا ہوں۔“ معاذ نے مسکراہٹ دبا کر بے نیازی کا شاندار نظاں ہرہ کیا اور اسے ہاتھ سے دکڑی کا نشان بنا کر دکھاتا

سیڑھیاں چڑھ گیا، پر نیاں اس کے کمرے میں پہلے بھی آچکی تھی، تب بھی اس کی فیٹنگو عجیب تھیں اب تو عجیب تر تھیں، پہلے وہ اس کی بے اعتنائی لاغلتی اور سرد مہری سے زخم خوردہ تھی اب اس کی توجہ اور التفات اسے ہر پل سہائے رکھتے تھے، اس کے ہر اٹھتے قدم میں اب بھی گریز اور جھجک تھی

مگر وہ یہ سب کرنے پہ مجبور ماما کے کہنے پہ ہو گئی تھی، ورنہ اسے اپنا حق اپنے تمام تر شخص و قار اور شناخت کے ساتھ ہی درکار تھا، معاذ اسے اس کے اصل حوالے سے نہیں جانتا تھا، یہ بات اکثر

اسے بہت توہین آمیز احساس کر بناک اذیتوں سے دوچار کیا کرتی تھی، مگر چارہ صبر کے سوا کچھ نہیں تھا، یہ سارا معاملہ کچھ اس طور الجھا تھا کہ سلینے کی امید عبت ہو کر رہ گئی تھی، بظاہر دیکھا جاتا تو یہ عام

سی بات تھی، معاذ نے منتخب تو اسی کو کیا تھا، کیا فرق پڑتا تھا کہ وہ اس حوالے سے آگاہ نہیں تھا مگر وہ جس حد تک حساس تھی اسے اپنا رویا منظر اب اور ہرٹ کر چکا تھا اب وہ اسی حوالے سے منتخب بھی

ہونا چاہتی تھی مگر حالات اور واقعات کسی اور ڈگر پہ چل نکلے تھے، اسے اپنا وجود حالات کے سمندر میں ڈوبتا بھرتا ایک حقیر بنا محسوس ہونے لگا تھا جو تند خیز موجوں کے رحم و کرم پہ لہجوں میں زیر و زبر

ہوتا رہتا ہے، وہ تھی اسے اعصاب کو ٹوٹا بکھرتا اور مجروح ہوتا محسوس کرتی رہتی تھی مگر وہ ان پر خلوص لوگوں کو بھی آزمائش میں مبتلا نہیں کرنا چاہتی تھی، جنہوں نے اسے محبت مان اور عزت دینے

میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی تھی، ممانے کہا تھا، معاذ ضدی اور جذباتی ہے، وہ غصے میں سب سے زیادہ اپنا نقصان کرتا ہے، اسے ان کی ریکوسٹ یاد تھی جیسی وہ اکثر مقامات پہ اپنی انا اور پندار کو اپنے ہی

پیروں تلے چل جاتی تھی، یہ بھی ایک ایسا ہی عمل تھا جس نے اسے اندر سے شکستہ کر دیا تھا۔

”آ..... آہم!“

وارڈ روب کھولے کپڑوں کے جوڑے بنا کر تہہ لگاتی وہ اپنی سوچوں میں اس بری طرح

غلطاً تھی کہ معاذ کے آنے کی اسے خبر تک نہ ہو سکی، وہ اس کے پاس آ کر بولا تب وہ جو بے دھیان بے خیال تھی ایک دم زور سے اچھل گئی تھی، معاذ کی شرٹ اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر قدموں میں جا گری، اس نے گھبرا کر معاذ کو دیکھا اور اسے رو برو پا کے ان بڑی بڑی سر طراز آنکھوں میں واضح گریز اتر آیا۔

”آ..... آپ یہاں کیوں آئے ہیں؟“ وہ جتنی جزبہ ہوئی تھی، جس قدر اعتراض ہوا تھا اس شدت سے اس کے لہجے میں ناپسندیدگی اتر آئی تھی، معاذ کی آنکھیں حیرت سے پھنسنے والی ہو گئیں۔

”ہائیں! یعنی کہ میں اپنے کمرے میں بھی نہیں آ سکتا، یہ کیسی پابندی ہے بھئی؟“ اس کے انداز میں مصنوعی پن تھا، دبی ہوئی مسکراہٹ اس کے موڈ کی سرشاری اور سرکشی کی نماز تھی۔

”میرا مطلب ہے، یہ اپنی کیٹس کے خلاف ہے، میں اپنا کام کر کے چلی جاتی تو آپ کو آنا چاہیے تھا۔“ وہ بے طرح جھنجھلائی تھی، اسے غصہ آتے جا رہا تھا، وہ خود کو معاذ کے سامنے ہرگز بھی گھاس بنا کر پھینکنا نہیں چاہتی تھی۔

”اجی چھوڑیں جی ایسی کیٹس کو، خود سوچیں اگر مجھے خود باہر ہی رہنا ہوتا تو اتنے جتن کر کے آپ کو یہاں بلانے کی ضرورت کیا تھی۔“ اس کے ذومعنی جملے پر پر نیاں کا حلق خشک ہو کر رہ گیا، اس نے سراسمگی کی کیفیت میں گھبرا کر اسے دیکھا تھا۔

”کی..... کیا..... مطلب؟ کہنا کیا چاہتے ہیں آپ؟“ خشک لبوں پہ زبان پھیر کر وہ بامشکل کچھ بولنے کے قابل ہو سکی تھی، رنگ ہر لمحہ پیلا پڑتا جا رہا تھا مگر معاذ پہ جیسے سرے سے کوئی اثر نہیں

تھا، اس نے جواباً بہت گہری نگاہوں سے اسے دیکھا تھا پھر پور مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

تو میرا کفر ہے، تو میرا ایمان بھی

تو نے لوٹا ہے مجھے تو نے بسانا ہے مجھے

میں تمہیں یاد بھی کرتا ہوں تو جل اٹھتا ہوں

اب تجھے بھی اسی آگ میں جلانا ہے مجھے

یہ اس کے انداز بیان کا سحر ہی تھا کہ ماحول پہ ایک خوبصورت سی خاموش طاری ہو گئی تھی، پر نیاں کی ہتھیالیاں بھگنے لگیں، معاذ نے ایک محسوس سانس بھری تھی، اپنی بے حد روشن مگر شوخ نگاہوں کو اس کی لرزتی پلکوں پہ جمایا تھا اور دل سے مسکرا دیا۔

”آپ بھی تو کچھ کہیں نا پر نیاں۔“ وارڈ روب کے کھلے دروازے سے ٹیک لگائے دونوں بازو سینے پہ تپنے وہ کتنا فریٹس کس درجہ مطمئن نظر آتا تھا، پر نیاں نے لرزتے ہاتھوں سے اپنا دوپٹہ

سنجھالا اور کچھ کہنے بغیر باہر جانے کو پسلی تھی کہ معاذ نے بے اختیار اپنا بازو پھیلا کر گویا اس کی راہ مسدود کی تھی، پر نیاں اگر بروقت تھم نہ جاتی تو لازمی اس سے ٹکرائی ہوتی، اس نے کس قدر غصہ

بھری نگاہوں کو اٹھایا۔

”سوری! بت آپ کا کام مکمل نہیں ہوا ابھی۔“ وہ تبسم خیز لہجے میں بولا تھا۔

”مجھے جانے دیں پلیز۔“ وہ رو دینے کو تھی، معاذ بھی یکدم سنجیدہ ہو گیا۔

”تیور خان کی حویلی میں جو کچھ آپ نے دیکھا وہ.....“

”مجھے آپ کے کسی بھی پرستار سے انٹرسٹ نہیں ہے سر! آپ کیوں کانٹیشن ہو رہے ہیں۔“
پرنیاں نے بھڑک کر کہتے اس کی بات قطع کر دی، معاذ نے اس کے تے ہوئے نقوش والے گلابی چہرے کو دیکھا۔

”میں صرف آپ کے لئے کانٹیشن ہوں مس اور میں ہر کسی کو وضاحتیں اور صفائیاں بھی نہیں دیا کرتا۔“ وہ یکدم سرد مہری پتا تر آیا تھا اور کسی قدر نخوت سے بولا تھا۔
”اینڈ لیس۔“

انا پرست تو ہم بھی غضب کے ہیں لیکن

تیرے غرور کا بس احترام کرتے ہیں

اب کہ اس کا لہجہ کسی قدر فہمائشی تھا، پرنیاں اپنی جگہ پہل کھا کر رہ گئی، غم و غصے سے اسے اپنا دماغ ماڈف ہوتا محسوس ہوا، عجیب شاہانہ انداز تھا باور کرانے کا، وہ پھیٹ پڑنے کو ہوئی مگر اس کی شخصیت میں کچھ ایسا رعب و رعبا تھا کہ وہ اپنی کڑواہٹ پوری طرح نہیں نکال سکی، کہا تو فقط اس قدر۔

”مجھ سے ایسی باتیں مت کیا کریں سر!“ اس کے لہجے کی گہمیر تر سنجیدگی اور جڑ نے معاذ کو سکتے میں جتا کر دیا تھا، پرنیاں کہہ کر خود ہی خائف بھی ہو گئی، یوں لب بھینچے کھڑا تھا جیسے اپنے اندر سے اٹھتی طیش کی تند لہر کو دبا رہا ہو، پھر اس نے ایک گھٹی گھٹی سانس بھری۔

”دوبارہ کہیں یہ بات پرنیاں، میری طرف دیکھ کر۔“ وہ اس کے سامنے آن کھڑا ہوا تھا، پرنیاں کا اضطراب بڑھنے لگا، اس نے پلکیں نہیں اٹھائیں۔

”کبھی کبھار میرا دل چاہتا ہے ان تمام بد تمیز یوں کی آپ کو ایسی ہی سزا بھی دوں مگر پرنیاں میں خود اپنے دل کے ہاتھوں بے بس ہوں۔“ وہ عجیب سی بے بسی کا شکار ہو کر کہہ رہا تھا، اپنے اپنی آنکھوں میں شدید جلن محسوس ہو رہی تھی۔

”میں ہمیشہ سراہا اور پسند کیا گیا ہوں، پرنیاں آپ ہیں جو مجھے انور کر رہی ہیں، یہی بات مجھے حیران کرتی ہے، وائے کیا کمی ہے مجھ میں آپ کو تانا پڑنے کا۔“ اس کے لہجے میں پھر سے غصہ جھنجھلاہٹ ضد اور ہٹ دھرمی در آئی تھی، پرنیاں کی جان ہوا ہونے لگی۔

”آپ مجھے جانے دیں پلیز۔“ اس نے پھر وہی رٹ لگائی تھی، معاذ نے جھلا کر اسے دیکھا، پھر کسی قدر سختی سے بولا تھا۔

”ہاسٹل میں کیوں رہتی ہیں آپ؟ نینب سے دوستی کیسے ہوئی، دو سال پہلے تک تو میں نے کبھی آپ کو نہیں دیکھا، وہ انگلش میں ماسٹرز کر رہی تھی آپ میڈیکل کی اسٹوڈنٹ، کالج بھی آپ کے الگ، یہ تعلق اتنا گہرا کیسے ہو گیا کہ آپ کی میری ساری نیکی سے جان پہچان ہو گئی۔“ وہ اب کے کسی قدر سختی سے بولا تھا، پرنیاں موضوع کی لیکھت تبدیلی پہ سارا اعتماد اور ظننہ ہوا ہوتا محسوس کرتی بری طرح سے پزل ہوئی تھی، اس کا دل دھک سے رہ گیا، اسے سمجھ نہیں آئی آخر اس قسم کے سوالوں کا مقصد کیا تھا، سب سے بڑا خوف اسے یہی محسوس ہوا تھا کہیں وہ سب کچھ جان تو نہیں

گیا۔

”ک..... کیا مطلب؟ یہ انوسٹی گیشن کیسی؟“ وہ بری طرح گڑ بڑائی۔

”میں آپ کے پیرنٹس سے ملنا چاہتا ہوں، جب کسی لڑکے کو کوئی لڑکی پسند آجائے تو اس کے پیرنٹس سے ملا جاتا ہے نا۔“ معاذ ہنوز سنجیدہ تھا، پرنیاں نے مشکوک نظروں سے اسے دیکھا اور اس کی نگاہوں میں رقم سچائی کو پا کر قدرے ریلیکس ہوئی تھی۔

”اور وہ جو آپ کی مشکوک.....“ پرنیاں نے کسی قدر طنز سے کہتے کاٹ دار نظروں سے اسے دیکھا تو معاذ کا خراب موڈ کچھ اور بھی برا ہی سمیٹ لایا۔

”اسے آپ جہنم میں جھونک دیں، آپ کو اس کی اتنی فکر کیوں ہے؟“ وہ ضبط کھو کر پھٹ پڑا تھا۔

”اس لئے فکر ہے کہ میں نہ غاصب ہوں نہ بے حس، سمجھے آپ۔“ پرنیاں جو اس ذلت پر کٹ کر رہ گئی تھی، جھلس کر بولی تھی اور اس سے کترا کر کمرے سے بھاگ گئی، معاذ نے شدید غیض کے عالم میں نیل کو ٹھوکر رسید کی تھی۔

☆☆☆

چاند سفارش جو کرتا ہماری دیتا وہ تم کو بتا

شرم و حیا کے پردے گرا کے کرنی ہے ہم کو خطا

ذکر ہے اب تو خود کو مٹانا ہوتا ہے تجھ میں فنا

چاند سفارش جو کرتا ہماری دیتا وہ تم کو بتا

شام کا وقت تھا وہ ماما اور بھابھی کے ساتھ کچن میں آگئی تھی، جب کچن کی کھلی کھڑکی سے انڈین گانے کی آواز اندر آنے لگی، پرنیاں نے حیران ہو کر کھڑکی سے جھانکا، معاذ سیلیولیس بلیک ٹی ٹیٹ میں ملبوس جینز کے پائینچے جڑے برآمدے میں اپنی بائیک دھونے میں مصروف تھا، کچھ فاصلے پہ بڑی چیئر پہ اس کا سیل فون موجود تھا، اسی پہ یہ ساٹنگ چل رہا تھا، وہ گہرا سانس بھر کے پیچھے ہٹنے کو تھی کہ اسی بل معاذ نے سر اٹھا کر اسے دیکھا، دیکھا کیا اندر تک جھانکا تھا، عجیب نظرس تھیں، مجنونانہ سی ضدی سرکش قسم کی، پرنیاں کو اس کی نگاہوں کے اسی جتلاتے ہوئے انداز نے خونزدہ کیا تھا، وہ بے اختیار پیچھے ہٹی، اسے جانے کیوں لگا تھا معاذ نے جان بوجھ کر یہ سب کیا ہے

ورنہ وہ اور اس قسم کے کام کرے، ناممکن، مقصد اس یہ کچھ جتلاتا تھا، اس کا دل عجیب سے انداز میں دھڑکنے لگا، ابھی وہ سنبھلی بھی نہیں تھی کہ وہ دندناتا ہوا کچن کے دروازے پہ آن کھڑا ہوا۔

”ماما مجھے چائے بنا کر دیں، ساتھ میں کچھ کھانے کو بھی۔“ کچن کے دروازے سے کان دھا نکاتے ہوئے بولا تھا، کھڑکی کے رستے گانے کی آواز اسی زور و شور سے آرہی تھی۔

تیری ادا بھی جھونکے والی چھو کے گزر جانے دے
تیری لچک ہے جیسے ڈالی دل میں اتر جانے دے
آ جا بانہوں میں کر کے بہانہ ہوتا ہے تجھ میں فنا
چاند سفارش جو کرتا ہماری دیتا وہ تم کو بتا

شرم و حیا کے پردے گرا کے کرنی ہے ہم کو خطا
پر نیاں نے دانستہ روخ پھیر لیا تھا اور بریانی کا مسالہ بھوننے لگی، شکر کے کھلے ذلے الفاظ
اس کے چہرے پہ سرخی ہی نہیں پیش بھی سمیٹ لائے تھے، ناگواری جو بھی وہ الگ۔

”دیوانہ کر دیا ہے میرا دیورتی نے پر نیاں! قسم سے مجھے تو اب پیچارے پر رحم آنے لگا ہے، تم
بھی کر لو نا ذرا سا اس طرح تو وہ بھی کسی کی توجہ کا طالب نہیں ہوا قسم سے۔“ بھابھی اس پہ جھک کر
شریر میکان کے ساتھ بولی تھیں، پر نیاں ہولے ہولے کاپنے لگی، جو بھی تھا جیسے بھی تھا، وہ آخر
انسان تھی، اتنی توجہ اسے بھی پریشاںز کرنی تھی، وہ تو پہلے ہی اسیر تھی، اکثر اس پہ متضاد کیفیات کا
غلبہ چھا جاتا، بھابھی کی بات پہ اس کا دل معمول سے ہٹ کر دھڑکنے لگا، کچھ کہے بغیر اس نے محض
ہونٹ کچلے تھے۔

”یہ لو دے آئے اسے۔“ بھابھی نے جھٹ پٹ چائے بنا کر ساتھ میں کباب اور کٹلس تیار
کر کے ٹرے سجادی تھی۔

”جاؤ نا، وہ تمہارے لئے اتنے جتن کر رہا ہے تم اتنا بھی نہیں کر سکتیں، بیوی ہو اس کی۔“
بھابھی نے اس کے گریز اور شرم کو دیکھتے ہوئے نرمی سے سمجھایا، پر نیاں نے مضطرب نظروں سے
مما کو دیکھا، وہ خاموش تھیں مگر ان کی نگاہیں اور چہرے کے تاثرات ضرور بھابھی کی بات کی تائید
کر رہے تھے، وہ یہیں پہ ہارنے لگتی تھی، اسے ٹرے تھا منا پڑی، معاذ دوبارہ باہر جا چکا تھا، پر نیاں
کے ہر اٹھتے قدم کے ساتھ اس کا پندار زخمی ہو رہا تھا، معاذ نے اسے دور سے آتے دیکھا تو اپنی رخ
پہ نازاں ہو کر مسکرایا اور پائپ پھینک کر پہلے ٹل بند کیا پھر تولیہ اٹھا کر ہاتھ پونچھنے لگا تھا مگر انداز
میں واضح فتح مندی تھی۔

سے جو ارادے بنا دوں تم کو شربا ہی جاؤ گی
دھڑکنیں جو سنا دوں تم کو گھبرا ہی جاؤ گی
ہم کو آتا نہیں ہے چھپانا ہونا ہے تجھ میں فنا
چاند سفارش جو کرتا ہماری دیتا وہ تم کو بتا
شرم و حیا کے پردے گرا کے کرنی ہے ہم کو خطا

وہ خود بھی ساتھ ساتھ گلگٹانے لگا تھا، وہی سحر انگیز بیان، وہی سحر طراز لہجہ، وہی جان نکال
لینے والا انداز، پر نیاں کے اندر اکھاڑ بچھاڑ ہونے لگی، اس نے جھک کر ٹرے میز پر رکھی تھی پھر
ٹیل کو کرسی کے نزدیک کر دیا۔

”کہاں جا رہی ہیں؟“ اسے پلٹتے دیکھ کر وہ تیزی سے ٹوک گیا۔

”میں کچن میں بزی ہوں۔“ پر نیاں نے جیسے طوطا کر ہا جواب دیا تھا۔

”پر نیاں مجھے یہ تو بتا دیں آپ نے کیا فیصلہ کیا ہے؟“

”کون سا فیصلہ؟“ وہ سشدر رہ گئی۔

”پر نیاں میرے یہی نیک ارادے ہیں جو یہ حضرت بیان کر رہے ہیں۔“ اس نے ہاتھ سے
موبائل فون کی سمت اشارہ کیا جس پہ وہی گانا پھر ری وائسڈ کر دیا تھا، البتہ آواز کم تھی پر نیاں کا چہرہ

اس درجہ بے حجابی کے مظاہرے پہ خفت اور حیا سے دہک اٹھا، وہ ایک دم جھٹکے سے مڑی تھی پہلے
سے ذرا قدم نہیں اٹھا سکی، معاذ اپنے آہنی وجود کے ساتھ اس کے راستے کی دیوار بن گیا تھا۔
”مجھے جانے دیں سر!“ وہ جیسے روہا سی ہو گئی۔

”میری بات کا جواب دیئے بغیر آپ نہیں جا سکتیں۔“ وہ ایک بار پھر ہٹ دھرم اور خود سر تھا،
ٹیلے انداز میں بات کرنے والا۔

”پر نیاں اور نیلما میں فرق ہے سر! آپ اسی فرق کو نہیں سمجھ پارہے ہیں۔“ وہ پھٹ پھٹ مڑی
تھی، وہ ہمیشہ مفاہت کرتی اپنے آپ کو توڑتی پھر اس کی جانب بڑھتی تھی مگر وہ ہر بار اسے شاک
کرب اور دکھ سے لبریز کر دیا کرتا تھا، معاذ ساکن رہ گیا، محض ایک لمحے کو اس کی پر نیاں کی نمناک
آنکھوں سے نگاہ چار ہوئی تھی اور اس نے پر نیاں کی آنکھوں میں کرب اضمحلال کے ساتھ شکوہ بھی
نظر آیا تھا، وہ دوڑتی ہوئی راہداری کے موڑ پہ غائب ہو گئی، معاذ نے بھینچے ہوئے ہونٹوں کے ساتھ
کپ واپس ٹیل پہنچ دیا۔

(تم بھی مجھے نیلما کے درجے پر لا کر رکھ رہی ہو پر نیاں! یہی تمہاری غلطی ہے اور میں معاف
کرنے والوں میں سے نہیں ہوں) وہ لمبے ڈگ بھرتا اپنے کمرے میں جا رہا تھا۔

☆☆☆

جی بھر کے دیکھوں تجھے اور تجھے گوارا ہو
بے تاب میری نظرس ہوں اور پیار تمہارا ہو
جاں کی فکر ہو نہ دنیا کی پرداہ
اک تیرا پیار ہو جو بس ہمارا ہو

معاذ گلگٹانے ہوئے تیار ہو رہا تھا جب دروازہ ناک کر کے زیاد اندر آیا، وہ خود بھی تک سک
سے تیار ہاسپٹل جانے کو تیار تھا۔

”ہائے لالے! ہاڈ آر یو؟“ زیاد مسکرایا تھا، معاذ نے پرفیوم اسپرے کرتے ہوئے گردن
توڑ چھی کر کے اسے دیکھا۔

”صبح کیوں نازل ہو گئے ہو چھوٹے؟“

”آپ سے اک کام کہا تھا کچھ بنا اس کا؟“ وہ بھی اسی کا بھائی تھا اس نے اگر غرض کو پالیا تھا
تو شرمندہ ہونے والوں میں سے زیاد بھی نہ تھا جھٹ مطلب کی بات کی۔

”کون سا کام؟“ معاذ اب بیڈ پہ بیٹھ کر موزے پہن رہا تھا، زیاد نے جڑ کر اسے دیکھا۔

”بالکل صحیح، کریں یہ سوال مجھ سے، آپ کو تو پر نیاں جی کے سوا آج کل سب کچھ بھولا ہوا
ہے۔“ زیاد کا موڈ بگڑ گیا تھا، جیسی لڑنے کو تیار ہو گیا۔

”انہو طعنے کیوں دینے بیٹھ گئے ہو، یاد کرادونا۔“ معاذ نے اسے گھورا تھا، زیاد سرد آہ بھر کے
رہ گیا، کیا شان بے نیازی تھی۔

”نوریہ سے بات کی نہیں نا آپ نے؟“ اور معاذ واقعی شرمندہ ہو گیا تھا۔

”مسوری یارا! بالکل ذہن سے نکل گیا، انشا اللہ آج کالج سے واپسی پہ ضرور۔“

”دیکھ لیں آپ کو پھر بھول گیا تو..... پتہ ہے اس کا اک اور پروپوزل آیا ہوا ہے۔“ زیادہ کی بے چینی عروج پہ جا چکی تھی۔

”ڈونٹ وری، ڈونٹ وری میں سمجھاؤں گا اسے۔“ معاذ جوتے پہن چکا تھا دوش روم کی سمت ہاتھ دھونے بڑھ گیا، پھر وہ اور زیادہ کٹھے ہی کمرے سے نکل کر ڈائننگ ہال کی جانب آ رہے تھے کہ جہان بھی اپنے کمرے سے نکل کر ان کے ہمقدم ہو گیا، پر نیاں کچن سے ٹرے اٹھائے نکلی تھی، گھریلو جلیے میں دیکھ کر معاذ کی پیشانی پہ ہل پڑ گئے، وہ لمبے ڈگ بھرتا اس کے سامنے آ گیا تھا۔

”یہ ویٹرس سروں کیوں شروع کر دی، کالج نہیں جانا تھا آپ نے؟“ پر نیاں نے اس سوال پر گڑبڑا کر پہلے اسے پھر اس کے پیچھے کھڑے جہان اور زیادہ کود دیکھا، جہان تو گہرا سانس بھر کے ڈائننگ ہال کی جانب مڑ گیا البتہ زیادہ جس نظروں سے مسکراتا دونوں کو دیکھ رہا تھا۔

”کیا پوچھ رہا ہوں میں؟ دل کی طرح سماعتوں نے بھی اثر لینا چھوڑ دیا۔“ اس کے لہجے میں برہمی کے ساتھ طنز بھی شامل ہو گیا تھا۔

”آ..... آج مجھے نہیں جانا تھا۔“ وہ سر جھکا کر مجرمانہ انداز میں بولی تو معاذ کی پیشانی کی شکنیں کچھ اور بڑھ گئیں۔

”چلیں جا کر تیار ہو کر آئیں، آپ آج بھی کالج جا رہی ہیں۔“ معاذ نے اس کے ہاتھوں سے ٹرے لے کر پختی تھی اور قطعی لہجے میں بولا، تو وہیں کے احساس نے پر نیاں کو سرتا پابھلسا کے رکھ دیا۔

”مجھے ممانے چھٹی کرنے کو کہا ہے، زینب جا رہی ہے اس لئے۔“ وہ سخت رو ہانسی ہو گئی تھی، معاذ نے سرد نظروں سے اسے دیکھا۔

”میں بھی اس لئے چاہ رہا ہوں کہ آج کالج چلی جائیں، تیور خان آ رہا ہے اور میں ہرگز نہیں چاہتا اس سے آپ کا سامنا ہو۔“ معاذ نے ایک بار پھر خلاف مزاج، خلاف عادت وضاحت دی تھی، پر نیاں کا چہرہ جانے کس جذبے کے تحت سرخ پڑ گیا، کچھ کہے بغیر وہ خاموشی سے پلٹ گئی تھی، معاذ ڈائننگ ہال چلا آیا۔

”تم آخر پر نیاں کو ساتھ کیوں لے جا رہے ہو معاذ؟“ جہان نے اسے ٹوکا تھا۔

”جب میں لاسکتا ہوں تو لے جا بھی سکتا ہوں۔“ اس نے نخوت سے جواب دیا تھا۔

”یہ کتنی غلط بات ہے معاذ کہ آپ اسے یہاں سے خود جانے کو کہہ رہے ہو، بچی کیا سوچے گی۔“ خود ممانے کو اس کی اس حرکت پہ تازہ آیا تھا، جیسی ڈانٹ کر بولی تھیں۔

”ایسا نہیں ہے ممانے! میں اسے نکال نہیں رہا، بس نہیں چاہتا ان کا حرج ہو۔“ اس کے جواب پہ ممانے ڈائننگ ہال سے گھٹن کر رہ گئیں۔

”وہ آئی کیوں نہیں ہیں، انہیں بھیجیں دیر ہو رہی ہے۔“ معاذ نے گھڑی دیکھتے ہوئے جھنجھلا کر کہا تھا، اب اس سے کچھ کہنا فضول تھا، وہ جو ٹھان لیتا تھا کر کے رہتا تھا، ممانے خاموشی سے باہر آ گئیں پر نیاں تیار ہو چکی تھی مگر معاذ کے ساتھ جانے پر تیار نہیں تھی۔

”ممانے سمجھتی نہیں ہیں، مجھے ان کے ساتھ کالج آتے دیکھ کر ایک اسکینڈل کھڑا ہو جائے گا، میں ہرگز انورڈ نہیں کر سکتی۔“ اس کے اپنے تحفظات تھے۔

”بیٹے آپ کو یہ رشتہ چھپانا ہی نہیں چاہیے تھا، جھوٹ ہمیشہ مسائل پیدا کرتا ہے اور مشکلات سے دو چار بھی۔“ پر نیاں کی آنکھیں اس بات پہ بھر کر جھلکنے کو بے قرار ہو گئیں۔

”آپ بھی اب یہی بات کہہ رہی ہیں ممانے! جس قسم کی صورت حال تھی، اس میں، میں کیسے اس بات کا ڈھنڈورا پیٹ سکتی تھی۔“ ممانے خاموشی ہو گئیں اور بے اختیار اسے گلے لگا لیا تھا۔

”سوری بیٹے! مگر میں سمجھتی ہوں اب اس رشتے کو قبول کرنے اور ظاہر کرنے میں ہی بھلائی ہے اور نہ بہت کر تیکر کل پر ابھرا کھڑی ہو سکتی ہیں۔“ پر نیاں کے پاس ان کی اس بات کا جواب نہیں تھا، وہ اسے بہت دیر تک حالات کی اونچ نیچ سمجھاتی رہی تھیں۔

”کیا ارادے ہیں آپ کے؟“ معاذ سرد تاثرات کے ساتھ دروازے پہ نمودار ہوا تھا، پر نیاں نے گھبرا کر ممانے کے پیچھے پناہ لی اس حرکت نے معاذ کو گویا سچ پائی کر دیا تھا۔

”معاذ بیٹے پر نیاں اس بات سے لکھنوی ہے کہ انہیں آپ کے ساتھ دیکھ کر وہاں سب حیران ہوں گے، آپ خود بھی تو سوچو۔“

”یہ ہمیشہ صرف اپنے لئے ہی سوچتی ہیں ممانے! جبکہ میں اپنے ساتھ ان کا بھی سوچتا ہوں، یہ ان کی غلطی ہے تاکہ انہوں نے وہاں کسی سے بھی مجھ سے اپنا تعلق ظاہر نہیں کیا، اپنی ویز یہ اتنا ہاتھ ایشو نہیں ہے، میں خود فیس کر لوں گا، آئیے آپ۔“ وہ ممانے کو مطمئن کر کے پر نیاں سے مخاطب ہوا تو پر نیاں جو اس کی معنی خیز بات پہ پھر سے ہونے لگی تھی مرتے کیا نہ کرتے کے مصداق اس کے ساتھ چل پڑی مگر اس طرح کہ دل خون ہوا جا رہا تھا۔

”آپ کو اندازہ تو ہو گیا ہو گا میری پاؤں اور میری اپروچ کا۔“

”مس پر نیاں! معاذ حسن جو کرنے کا سوچ لے ارادہ باندھ لے اسے کر کے رہتا ہے الحمد للہ۔“ اس کے بٹھنے کے بعد اس نے زور سے دروازہ بند کر کے اس پہ جانے کیا جملانا چاہا تھا۔

”سو میں ابھی جیسی کہتا ہوں سنبھل جائیں سدھر جائیں کہ۔“

جلو بہ فرض کرتے ہیں
کہ تم مشرق میں مغرب ہوں
جلو بہ بان لیتے ہیں
بڑا المنا سفر ہے یہ
مگر یہ بھی حقیقت ہے
تمہاری ذات کا سورج
بہت سارا ستارے چل کر
میری ہستی میں ڈوبے گا

پر نیاں نے گھبرا کر نظریں اٹھائیں، وہ اسی کی سمت متوجہ تھا بھنڈوں کو بہت پیارے انداز میں جنبش دے کر ہنسا۔

”کیا سمجھیں؟“ پر نیاں نے ہونٹ بھیج کر نگاہ کا زاویہ بدل دیا، معاذ گویا سر پٹینے والا ہو گیا

تھا۔

یاد آتے ہیں آج اف گناہ کیا کیا

پہلا یہ کہ محبت کر لی آخری یہ کہ تم سے کر لی

پر نیاں کا رخ کھڑکی کی جانب تھا، اس دہائی دیتے انداز پہ ناچتے ہوئے بھی اس کے لبوں پر مسکراہٹ بکھری تھی۔

☆☆☆

تمہارے ساتھ چلتے ہیں ہزاروں بچانے والے

میرے ہونے نہ ہونے سے تمہیں کیا فرق پڑتا ہے

اس نے سرد آہ بھری اور ٹھلنا موقوف کر کے چلتی ہوئی سوئمنگ پول کے کنارے گلابوں کے کونج کے پاس سفید مرمر کی بیچ پر آ بیٹھی، تھوڑے فاصلے پر شان سے سر اٹھائے کھڑے المٹاس کی ٹہنیاں ہولے ہولے بل رہی تھیں، ہوا میں رچی گلابوں کی خوشبو سانسوں کے ذریعے اس کے اندر اترنے لگی، سوئمنگ پول کی سطح پر آسمان کے عکس کو لڑتا دیکھتے اس کی اپنی آنکھوں میں بھی نمی اترنے لگی۔

”ہائے کزن!“ نوری نے اس گبیر لہجے پر چونک کر سراہنچا کیا تو معاذ کو اپنے رو برو مسکراتے پا کر وہ تحیر کی زیادتی سے ساکن رہ گئی۔

بھلا بھی وہ اتنی اہم کردہ اسے ملنے کو خاص طور پر چلا آتا، خود تری نے اس کا دامن تھام لیا تھا، کچھ کہے بغیر یونہی حیرانی وغیر یقینی کی کیفیت میں ساکن پلکیں لئے وہ اسے دیکھتی چلی گئی تھی، معاذ آگے بڑھ کر اس کے سامنے کرسی پر بیٹھ گیا، پھر اسے دیکھ کر خصوصیت سے مسکرایا تو نوریہ کا یہ سکتہ ٹوٹا تھا وہ ایک دم کنفیوژ ہو کر پلکیں جھکا گئی۔

”کیا بات ہے نوریہ؟“ معاذ کا لہجہ دھیما اور اثر انگیز تھا، وہ ظاہری طور پہ ہی خوبصورت نہیں تھا، قدرت نے ہر لحاظ سے اسے بہت فیاضی سے نوازا تھا، بات چیت کے انداز سے لے کر لشت و برخواست تک میں ایک وقار و تمکنت اور دلربائی تھی، جو اسے ہمیشہ ہزاروں کے مجمعے میں بھی نمایاں دکھاتی تھی، وہ اتنا خاص تھا جیسا شاید نوریہ جیسی عام لڑکی اسے ڈیز رو نہیں کرتی تھی، اپنی سوچ نے خود نوریہ کی آنکھیں نم کر دیں تھیں۔

”نوریہ؟“ معاذ جو اس کے جواب کا منتظر تھا اس درجہ خاموشی اور نظر اندازی پہ خفیف سا جھنجھلا اٹھا، نوریہ گڑبڑائی تھی۔

”کوئی بات نہیں ہے۔“ اس نے جان چھڑانے کی خاطر اپنی بات پہ زور دیا تھا مگر سامنے معاذ حسن تھا، سو آسانی سے کیسے یقین کر لیتا۔

”میں ضرور تمہاری بات کا یقین کر لیتا اگر تمہارے رویے میں تبدیلی نہ آئی ہوتی، اب اس سے بھی منکر مت ہو جانا پلیز۔“ اس کے پہلے سے حد بندی لگا دینے پہ نوریہ کی بے بسی اور لا چاری میں کچھ اور اضافہ ہوا تھا۔

”اول تو ایسا کچھ ہے نہیں، اگر ہو بھی تو آپ کو کوئی فرق پڑتا ہے؟“ نوریہ کو جانے کیا سوچھا

تھا جو یہ بات کہہ کر کسی قدر طنز سے اس کا چہرہ دیکھنے لگی تھی، معاذ حسن پہلے چونکا تھا پھر اگلے لمحے کاندھے جھٹک کر آہستگی سے اس دیا تھا۔

”کم آن نوری! تم کزن ہو میری، سو اہمیت تو خود بخود ہو گئی تمہاری اس رشتے کے توسط، دوسری اہم بات یہ کہ ہمیں تو جو فرق پڑا سو پڑا کوئی ہے جسے بہت زیادہ فرق پڑ چکا ہے۔“ آخر میں اس کا لہجہ سنجیدگی کی لپیٹ سے نکل کر شرارتی اور معنی خیز ہو چلا تھا، نوریہ نے اسے الجھ کر دیکھا اگلے لمحے اس کے چہرے پہ بے زاری چھا گئی تھی۔

”مجھے کسی سے غرض نہیں ہے۔“

”زیادہ سے بھی نہیں؟“ معاذ نے اسے اٹھتے دیکھ کر خود بھی چیخڑ چھوڑ دی تھی، نوریہ کے چہرے کے رنگت نہ صرف پھکی پڑ گئی، بلکہ یکلخت اس کے چہرے پہ تاریک سائے لہرانے شروع ہو گئے تھے۔

”اگر میں کہوں زیادہ سے بھی نہیں تو.....“ معاذ سے نگاہیں چار کیے بنا اس نے سرد آواز میں جتلاتا چاہا تھا، معاذ نے گہرا سانس کھینچا۔

”تم زیادہ کے لئے منع کیوں کر رہی ہو، کسی اور کو پسند کرتی ہو نوریہ؟“ نوریہ کو لگا تھا اسے کسی نے بے خبری میں کسی بلند عمارت سے نیچے گر دیا ہو، زمین کا قدموں تلے نہ ہونا جس کیفیت کا نام ہے یہ اسی وقت اس پہ آشکار ہوا تھا، اس نے معاذ کی محبت میں وحشتوں کے جانے کتنے صحرا پار کیے تھے مگر بھی اتنی تکلیف سے دوچار نہیں ہوئی تھی جس کا اب اسے شکار ہونا پڑا تھا، کیا بتانی وہ، کہہ دیتی ہاں، اور وہ کوئی اور نہیں تم خود ہو، اس کا دل رواٹھا تھا، اس کے رویوں میں سے تمہیں اٹھتی چلی گئی تھیں، پتہ نہیں کیسے وہ خود پہ باندھے ضبط حوصلے کے سارے بند توڑ بیٹھی، معاذ تو اسے یوں چل چل کر روتے دیکھ کر ہی شینا گیا تھا۔

”نوریہ..... نوری پلیز! دیکھو اگر تم نے میری بات کو مائنڈ کیا اور ہرٹ ہوئی ہو تو آئی ایم ساری، مجھے شاید ایسے نہیں کہنا چاہیے تھا، میں اس بات کو غلط نہیں سمجھتا، فرینگی اس لئے پوچھا کہ اگر ایسی بات ہے تو میں تمہاری ہیلپ کر سکتا ہوں۔“ وہ گڑبڑا کر وضاحتیں پیش کر رہا تھا، نوریہ نے بالمشکل خود کو سنبھالا اور دوپٹے کے پلو سے بھیجا چہرہ گڑبڑا کر صاف کرتے اسے عجیب سی بے بسی سے دیکھا تھا اور چہرے کا رخ پھیر لیا۔

(میرا جو نقصان ہونا تھا ہو چکا ہے، اب تم بھی میری کوئی مدد نہیں کر سکتے۔)

معاذ گہرا سانس بھرتا اٹھ کھڑا ہوا، پھر رگ کر اسے دیکھا اور جھجک آمیز انداز میں گویا ہوا تھا۔

”تم روئی کیوں ہو نوریہ؟“

”آپ نے مجھے بہت غلط سمجھا، میں نے ایسا کوئی روگ نہیں لگا رکھا۔“ وہ پھٹ پڑی تھی، اپنے پندار کی حفاظت کی کوشش میں دل کا خون بھی اسے گوارا تھا، معاذ نے اسے حیرانی سے دیکھا تھا پھر ایک دم ہنس پڑا۔

”یہ تو بہت اچھی بات ہے، ویسے میں نے اندازہ قائم نہیں کیا تھا، سوال کیا تھا تم سے۔“

وضاحت کرتے ہوئے اس نے مسکراہٹ دبائی تھی، جانے کیوں نور یہ کا چہرہ جل اٹھا تھا۔
 ”نور یہ، زیادہ میں بھی کوئی کمی تو نہیں ہے، سب سے بڑی بات یہ کہ تم سے بہت محبت کرتا ہے، مجھے لگتا ہے تم اس کے ساتھ بہترین زندگی گزار سکتی ہو۔“ اب کی مرتبہ معاذ کا لہجہ صلح جو اور دوستانہ اپنائیت لئے ہوئے تھا، نور یہ کا حلق خشک ہو کر رہ گیا، اس نے سخت خائف ہونے والے انداز میں دانستہ اسے دیکھنے سے گریز کیا، حالانکہ معاذ کی نگاہوں کا سوالیہ انداز میں خود پہ اٹھنا وہ اچھی طرح محسوس کر چکی تھی مگر گریزاں تھی اور گریزاں رہنا چاہتی تھی۔

”میں جانتا ہوں کسی کو کھو کر کوئی بھی مر نہیں جایا کرتا، مگر یہ بھی سچ ہے کہ شدید خواہش پوری نہ ہوں تو عمر بھر کی تنگی ضرور دے جایا کرتی ہیں، میں ہرگز نہیں چاہوں گا زیادہ کے حصے میں کوئی ایسی تنگی آئے، وہ مجھے بہت عزیز ہے نور یہ! پلیز اس کے لئے گنجائش رکھ کر سوچنا ضرور۔“ اپنی بات مکمل کر کے معاذ آگے بڑھتا چلا گیا تھا، جبکہ نور یہ اسے لگا تھا وہ اس دشمن جاں کے حکم کی زنجیر میں جکڑی جا چکی ہے، وہ ایک بار پھر بلک اٹھی تھی، وہ جس بات سے خوفزدہ تھی بالآخر وہی سزا سے مل گئی تھی، وہ ایک بار پھر بری طرح سے لٹ گئی تھی، یہ پوچھے یہ جانے بنا کہ وہ ریکوسٹ کر کے گیا ہے یا حکم دے کر، اس کا کام تو خود کو اس کے لئے وقف کرنا تھا، سو وہ کر چکی تھی کب کی، بات اس کی زبان سے نکلی تھی اس سے اسے دار پہ بھی چڑھنا پڑتا تو چڑھ جاتی، یہی محبت کا تقاضا تھا یہی عشق کا اصول ہے۔

☆☆☆

دروازہ ہلکی چڑچڑاہٹ کے ساتھ کھلتا ہی انہوں نے نائل سے نگاہ ہٹا کر سامنے دیکھا، ہاتھوں میں ٹرے تھامے مماندر داخل ہو رہی تھیں، پاپا کی نگاہیں پھر سے نائل کے صفحات پہ جم گئیں۔

”پہلے چائے پی لیں احسان!“ ممانے ٹرے ٹیبل پہ رکھتے ہوئے ان کی توجہ حاصل کرنی چاہی، انہوں نے محض سر ہلانے پہ اکتفا کیا تھا، ممانے چائے کا گنگ ان کی جانب بڑھایا اور خود کشن کھینچ کر ان کی چیئر کے نزدیک کر کے ان کے پیروں کے پاس بیٹھ گئیں، پاپا نے نگ لیتے ہوئے انہیں تنگی سے دیکھا تھا۔

”آپ کو کتنی مرتبہ کہا ہے شائستہ اس طرح نہ بیٹھا کریں، ادھر آئیں صوفے پہ۔“

”آپ کو کبھی کتنی مرتبہ کہا ہے احسان مجھے ٹوکا مت کریں، میں اپنی مرضی سے اس طرح بیٹھتی ہوں مجھے اچھا لگتا ہے، مجھے سکون ملتا ہے، کیا آپ نہیں جانتے کہ میں مکمل سکون اور طمانیت سے کچھ دقت گزاروں؟“ ان کی تنگی کی پرداہ کیے بغیر وہ مسکرا کر بولی تھیں اور کسی قدر شوخی سے انہیں دیکھا، پاپا کچھ کہنے کے بجائے محض گہرا سانس بھر کر رہ گئے، وہ ان کی اپنے متعلق دیوانگی سے اچھی طرح آگاہ تھے اور یہ بھی سچ تھا ان کی اس دیوانگی سے ہمیشہ انہوں نے ہی کپہر و ماہر کیا تھا، ان کی عزت نفس کو مجروح کیے بنا انہیں توجہ اور محبت سے سمیٹا تھا، وہ ان کی دور یا کی رشتہ دار تھیں، کسی خاندانی تقریب میں احسان کو دیکھا تھا اور پھر اپنی فیملی کی سخت مخالفت کے باوجود انہوں نے احسان کو پالیا تھا، اس کے پانے کی جستجو میں انہوں نے باقی سب کچھ داؤ پہ لگا دیا تھا، اپنے رشتوں

سے لے کر اپنی جائیداد تک کو، شائستہ کے والد جاگیر دار گھرانے سے تعلق رکھتے تھے، وسیع جاگیریں اور کروڑوں کا بزنس تھا، شائستہ کے علاوہ ان کے دو بھائی اور تھے، وہ بھائیوں کے برابر جائیداد میں حصہ دار تھیں مگر احسان کی وجہ سے انہوں نے والدین سے قطع تعلق اختیار کیا تو سب کچھ قربان کر دیا تھا پھر انہوں نے بھی پلٹ کر دیکھنا تو درکنار ان لوگوں کو یاد بھی نہیں کیا تھا، یہ ان کی قسمت تھی کہ انہیں احسان کی فیملی سے صرف مان محبت ہی نہیں عزت اور چاہت بھی ملی تھی، جیسی وہ زندگی میں کسی مقام پہ نہیں ڈگمگاتی تھیں۔

”کیا بات ہے بیگم صاحبہ! آج پھر آپ کو ہم پہ جوانی والا پیار کیوں آ رہا ہے۔“ چائے کا گنگ ہونٹوں سے لگاتے ہوئے انہوں نے سلور فریم کے چشمے کے پار سے شرارتی نظروں سے انہیں دیکھا تو مہربانی طرح سے جھینپ کر سرخ بڑ گئی تھیں، وہ اس عمر میں بھی بلا کی دکھشی اور خوبصورتی سمیٹے ہوئے تھیں اس عمر کا وقار اور رکھکھاؤ انہیں کچھ اور بھی باوقار بنا چکا تھا۔

”اتنے بڑی رہنے لگے ہیں کہ اتنے کم میسر آتے ہیں مجھے، کبھی کبھی تو مجھے لگتا ہے آپ اور میں ہندی کے دو کنارے ہیں جو ساتھ تو ملتے ہیں مگر ملتے نہیں ہیں۔“ وہ پتہ نہیں کیوں اتنی حساس ہو رہی تھیں، پاپا نے کچھ الجھ کر بغور انہیں دیکھا۔

”کوئی بات پریشان کر رہی ہے آپ کو؟“

ان کی انڈر اسٹینڈنگ مثالی تھی، بنا کہے وہ جان گئے تھے جو وجہ یہی تھی کہ وہ انہیں بہت اچھی طرح سمجھتے تھے۔

”کوئی ایک بات تھوڑی ہے، پریشان کرنے کو، زینب کا معاملہ ہی کیا کم تھا میں تو جہان سے نظریں ملانے کے قابل نہیں پاپا خود کو، احسان کبھی کبھی مجھے لگتا ہے جیسے یہ میرے عمل کی معمولی سزا ملی ہے مجھے دنیا میں ہی، میں نے اپنی ماں کو دکھ دیا تھا اسی لئے زینب نے یہ سرکشی دکھائی، یہ مکانات عمل تھا۔۔۔۔۔“ ان کی آواز بھینگنے لگی، پاپا نے کچھ کہے بنا صرف ان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر تھکا تھا، ممانے سر جھکائے آنسو پیتی رہیں۔

”میں جس کرب سے گزری تب ہی جان پائی ہوں اس وقت میری ماں کا کیا حال ہوا ہوگا، ایسا نے مجھے معاف نہیں کیا تھا، وجہ یقیناً بھائی اور بابا تھے وہ ان سے احراف کی جرأت نہیں رکھتی تھیں، میں ان کی مجبوری سمجھ سکتی تھی، احسان آپ ہمیشہ میرے عجیب ڈھکتے آئے ہیں، آپ کا یہ ایک اور احسان تھا مجھ پہ کہ زینب کی اس ہٹ دھری کو آپ نے بہت اعلیٰ ظرفی سے نبھایا اور کسی قسم کی قطع تعلق اختیار نہیں کی، شاید میں یہ نقصان سمہ نہ پائی۔“ وہ باقاعدہ آنسو بہا رہی تھیں، پاپا نے نرمی سے انہیں خود سے قریب کر کے بہت توجہ سے آنسو پونچھے تھے۔

”یہ مسئلہ تو بفضل خدا حل ہو چکا ہے شائستہ! آپ خواہواہ اب کیوں ٹینس ہو رہی ہیں؟“ ان کے تپجے میں رسائیت اور ٹھہراؤ تھا، ممانے تنگی ہی بھری۔

”مسئلہ زینب کا حل ہوا ہے احسان! جہان کا نہیں اور آپ جانتے ہیں جہان کو میں نے کبھی بھی اپنے بچوں سے کم نہیں پایا، بلکہ جہان کی عادات اور مزاج کی وجہ سے وہ مجھے معاذ و زینب سے بھی کہیں بڑھ کے عزیز رہا ہے، زینب کی وجہ سے اس کے ساتھ بہت زیادتی ہوئی ہے، وہ اپ

سیٹ ہے، میں گواہ ہوں اس کے ہر اضطراب کی اماں ہوں نا، بنا کہے بھی جان سکتی ہوں۔“
 ”خدا بہتر کرے گا، آپ دعا کیا کریں۔“ پاپا نے سرد آہ بھر کے ان کے ساتھ خود کو بھی تسلی سے نواز، کچھ لمحوں کو ان کے بیچ خاموشی در آئی تھی، پھر جیسے ماما کو ہی کچھ یاد آیا تھا۔
 ”معاذ اور پریناں کا معاملہ بھی لمبیر ہو چکا ہے، بچے شاید کچھ زیادہ ہی بڑے ہو گئے ہیں، عجیب حماقت کرتے پھر رہے ہیں پتہ ہے آپ کو؟“ ان کا انداز عجیب شکایتی تھا، پاپا گہرا سانس کھینچ کر رہ گئے۔

”میں کیا کر سکتا ہوں، آپ کے بیٹے کو ہمارے ہر فیصلے سے اختلاف رہا ہے جانتی ہیں آپ؟“ ان کے نزدیک انداز پیمانے سخت شاکی نظروں سے انہیں دیکھا تھا۔
 ”معاذ کے لئے آپ کچھ شدت پسندی سے کام لیتے ہیں احسان۔“
 ”یہ محض آپ کی سوچ ہے، ورنہ میں بچوں میں امتیازی سلوک کا قائل نہیں ہوں۔“
 ”اب اس مسئلے کا حل نکالیں نا پلیز۔“ ماما نے اصل نکتہ اٹھایا تھا، پاپا نے کاندھے اچکا دیئے۔
 ”حل یہی ہے کہ پریناں کی رخصتی کا انتظام کریں، صاحبزادے بھی یہی چاہتے ہیں۔“
 ”مگر مجھے ڈر ہے اگر بچوں کی بات کا معاذ نے برا مانا لیا تو.....؟“ وہ سہمی ہوئی تھیں خائف ہو کر بولی تھیں پاپا کی صبح پیشانی پر ایک فکرن نمودار ہوئی۔
 ”مجھے آپ کا معاذ سے اس طرح خوفزدہ ہونا بالکل پسند نہیں ہے شائستہ! بیٹا ہے وہ آپ کا، اسی لحاظ سے ان سے اپنا رویہ رکھیں۔“

”آپ اس کی نفسیات کو بھی سمجھیں نا، وہ بہت شدت پسند ہے یونو؟“
 ”شدت پسند بھی اسے آپ کی حد درجہ اہمیت نے بنایا ہے، خیر میرے نزدیک اس مسئلے کا حل یہی ہے جو بتایا۔“ انہوں نے جیسے بات ختم کی تھی، ماما گہرا سانس بھر کے رہ گئیں۔
 ”زیادہ بھی نوریہ کو پسند کرتا ہے، بتایا تھا نا آپ کو، مگر نوریہ پتہ نہیں کیوں گریزاں ہے۔“ اس سے قبل کہ پاپا اس مسئلے کا بھی کوئی حل پیش کرتے دروازے پر دستک دیتا ہوا معاذ اپنی جھونک میں اندر آیا تھا، اسٹڈی روم میں پاپا کے ساتھ ماما کو دیکھ کر اچھا خاصا حیران ہوا تھا۔
 ”واؤ..... یہ آپ پاپا کے جنون میں کیوں بیٹھی ہوئی ہیں؟“ اس کی بڑی بڑی آنکھوں میں شرارت کا عکس اتر آیا تھا، ماما بری طرح چھینپیں۔

”یہ ساری محبت کی باتیں ہیں صاحبزادے، جس کے بیچ بھی آپ کو معلوم نہیں۔“ پاپا نے کھنکھار کر گلا صاف کرتے ہوئے لطیف پیرائے میں طنز کیا تھا، وہ باقاعدہ کھنکھارا۔
 ”آپ کا کیا خیال ہے میں انہیں یہاں سے اٹھا کر خود ماما کی جگہ سنبھال لوں اور آپ سے کوئی گزارش پیش کروں تو مان لیں گے؟“ مسکراہٹ دبائے وہ شوخ متبسم نظروں سے انہیں دیکھ کر بے حد اہم سوال کر رہا تھا، پاپا نے سنجیدگی کی نگاہ سے اسے دیکھا تھا پھر اسی سنجیدگی سے گویا ہوئے تھے۔

”یہ تو گزارش کے لب لباب پہ پڑ پینڈ کرتا ہے نا، خیر آپ کہیے؟“
 ”ماما پہلے آپ ہمارے لئے یہ خاص جگہ خالی کر دیں۔“ معاذ نے پاپا سے روئے سخن پھیر کر

انہیں دیکھا انداز کی شرارت ہنوز قائم دائم تھی، ماما نے اسے گھورا تھا، البتہ پاپا اس مرتبہ مسکراہٹ ضبط نہیں کر سکے۔

”معاذ حسن بی سرلیس، آپ اب ایک اہم پوسٹ پہ فائز ہو اور وہ سنجیدگی و متانت ڈیزرو کرتی ہے۔“
 ”پاپا میں شادی کرنا چاہتا ہوں۔“ معاذ لمحوں میں سنجیدہ ہو گیا تھا، پاپا نے ہنکارا بھرنے پر اکتفا کیا۔

”آپ کی شادی ہو چکی ہے غالباً؟“
 ”پاپا میں پریناں سے شادی کرنا چاہتا ہوں، میں آپ کو اپنی پسندیدگی سے آگاہ کر چکا ہوں نا، اور جب آپ کا حکم ماننا تھا تب میں نے یہ شرط.....“
 ”آپ پریناں سے شادی کر لو، مجھے ہرگز اعتراض نہیں ہے بیٹے۔“ وہ متانت سے گویا ہوئے تو معاذ کی آنکھیں حیرت کی زیادتی سے کھلی کی کھلی رہ گئی تھیں۔
 ”آپ سچ کہہ رہے ہیں پاپا! وہ سششدر ہونے لگا۔“
 ”اسنامپ پیپر یہ لکھ کے دینا پڑے گا؟“ پاپا نے بظاہر سنجیدگی سے پوچھا تھا مگر آنکھوں کی سطح پہ بکھری مسکان معاذ کو الجھانے کو کالی تھی۔

”نہیں..... مگر وہ آپ کی پینڈو بہو.....“
 ”اس کا آپ آج کے بعد کوئی تذکرہ نہیں کریں گے بھول جائیں اسے۔“
 ”مگر وہ میری.....“ معاذ گڑ بڑایا، پاپا نے ہاتھ اٹھ کر اسے ٹوک دیا تھا۔
 ”ہم اس موضوع پہ کوئی بات نہیں کریں گے معاذ۔“ ان کا لہجہ و انداز قطعیت آمیز تھا، معاذ کے اعصاب کشیدگی اور بے چینی سمیٹ لائے تھے، اس نے ہونٹ بھیج کر انہیں دیکھا پھر گہرا سانس بھرا تھا۔

”آپ خفا ہیں مجھ سے؟“ اسے لے دے کے یہی ایک بات سو جھی تھی۔
 ”ہرگز بھی نہیں، سوڈ وٹھ وری۔“ ان کے پررسان انداز نے معاذ کی الجھن کچھ اور بڑھا دی، وہ وہاں سے اٹھا تو بے حدست قدموں سے باہر نکلا تھا، ماما نے اس کے باہر جانے کا انتظار کیا تھا پھر سخت احتجاجی نظروں سے پاپا کو دیکھا۔

”کمال کرتے ہیں آپ بھی، اتنا اچھا موقع تھا آپ کے پاس معاذ کی غلط فہمی دور کرنے کا، پھر آپ ہی ہیں پورے خاندان میں جو اسے قابو کر سکتے ہیں، آپ کو بتانا چاہیے تھا اسے کہ پریناں ہی.....“
 ”بیگم صاحبہ آپ کا بیٹا اتنا احمق کیوں ہے، اسے یہ سامنے کی بات سمجھ کیوں نہیں آتی؟ میں پریناں کا وقار بحد نہیں کر سکتا، آئی ایم ساری۔“

”معاذ ہرگز احمق نہیں ہے، یہ سب لوگ مل کر اسے چیت کر رہے ہیں۔“ ماما کو بے حد برا لگا تھا جیسی وہ ناراضی سے بولی تھیں، پاپا نے کچھ کہے بغیر سگریٹ سلگانا شروع کر دیا، ماما کچھ دیر ان کی بے اعتنائی کو دیکھتی رہی تھیں پھر کچھ کہے بغیر اٹھ کھڑی ہوئیں۔

”مگر میں خود بھی پر نیاں کی اسٹڈی کمپلیٹ ہونے سے قبل رخصتی کا قائل نہیں تھا مگر اب میں نے اپنا فیصلہ بدل لیا ہے، پر نیاں بنی کو میں خود ہی قائل کر لوں گا، آپ کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں آپ کے انوکھے لاڈ لے کو بھی یہ سر پر اتر یقیناً اچھا لگے گا۔“ بات کے اختتام پہ وہ ماما کو دیکھ کر خصوصیت سے مسکرائے تھے، ماما کے دل کا بوجھ یگانگت سرکنا ہوا محسوس ہوا۔

”دھینکس احسان آپ واقعی بہت اچھے ہیں۔“ ماما بھی آنکھوں سے مسکرائی تھیں، جو اب ان کی آنکھوں میں خفیف سی شرارت در آئی تھی۔

”مگر آپ ہرگز بھی ویسی اچھی نہیں رہی ہیں جیسی پہلے ہوا کرتی تھیں، اب آپ جب بھی میرے پاس فرصت سے آتی ہیں اپنے بچوں کے مسائل ہی حل کرتی رہتی ہیں، ہمارے بھی کچھ مسائل ہو سکتے ہیں کبھی سوچا آپ نے؟“ ان کا لہجہ گنہگار تھا، ماما کا دل زور سے دھڑک اٹھا رنگت شادی کے اد لین دنوں کی مانند دہک کر سرخ پڑ گئی، پاپا ان کی حالت سے حظ اٹھا کہ ہنستے چلے گئے تھے۔

”آپ صرف اچھے ہی نہیں ہیں، بہت فضول بھی ہیں جیسے آج سے پچیس چھیس سال پہلے تھے۔“ وہ اپنی جھینپ مٹانے کو یہی کہہ سکی تھیں، جس نے پاپا کے تہمتے کو مزید طول دے دیا۔

”مگر آپ آج بھی ویسی ہی ہیں، جیسی پچیس چھیس سال پہلے تھیں، یعنی معصوم اور ہوش اڑا لینے کی حد تک حسین۔“ ان کا لہجہ ہنوز شرارتی تھا، ماما انہیں مصنوعی شکل سے گھورتیں کمرے سے نکل گئیں تھیں۔

☆☆☆

کالی گھٹا بہت تیزی سے سفید براق بادلوں کو اپنے اندر گھولتی آسمان پر پھیلتی جا رہی تھی، معاذ موسم کے تیور دیکھ کر ہی کمرے سے باہر نکل آیا تھا، ہاتھ میں کابی کا بڑا ٹک تھا جس پر جہاگاہ کی تصویر بنی ہوئی تھی، کالی کے سیپ لیتا ٹھہلتا ہوا وہ کسی سوچ میں محو تھا جب اسے ڈھونڈتا ہوا زیاد وہاں تک آیا تھا۔

”لالے آپ نے بات کی تھی نوریہ سے؟“ زیاد کے سوال پہ وہ چونک کر متوجہ ہوا تھا اور سوالیہ نگاہوں سے اس کا چہرہ دیکھا۔

”کون سی بات؟“ زیاد نے سخت ناراضی سے دیکھا تھا۔

”آپ کو تو بات یاد نہیں، پوچھنا خاک یا درہا ہوگا۔“ وہ بری طرح جھٹکا گیا تھا۔

”یار کیا ہو گیا ہے، خواجواہ کیوں جھگڑنا چاہ رہے ہو؟“ معاذ نے اسے گھورا تھا، زیاد اثر لئے بنا اسے اسی ناراضگی سے دیکھتا رہا۔

”کیا میں غلط کہہ رہا ہوں۔“

”بالکل غلط کہہ رہے ہو۔“ معاذ کی مسکراہٹ نے زیاد کی جان جلادی تھی۔

”اچھ پھر بتائیں کیا کہا نوریہ نے؟“

”نی الحال تو کچھ نہیں لیکن میرا خیال ہے وہ انکار بھی نہیں کرے گی۔“

”یعنی آپ بات کر چکے ہیں اس سے؟“ زیاد حیرت سے چلایا تھا، معاذ نے گہرا سانس کھینچا

اور کافی کاگ ساٹنڈ پہ دھری، پلاسٹک کی چھوٹی سی گول میز پہ رکھ دیا۔

”ہوں کر چکا ہوں۔“ اس کا انداز خود کلامی کا تھا وہ جیسے پھر سے اس کسی سوچ میں گم ہونے لگا تھا، زیاد نے اسے حیران ہو کے دیکھا، وہ عام سے گھریلو حلے میں تھا اور پھر بھی بے حد نمایاں لگ رہا تھا، ساہ شلوار سوٹ میں اس کا دراز قد کچھ اور بھی واضح ہو رہا تھا، کشادہ صبح پیشانی پہ بکھرے بال، گھنے ابرو تلے مقناطیت سے بھری چمکتی آنکھیں، کھڑی مغزور ناک، بھرے بھرے سرخ ہونٹ، ٹھوڑی میں ہلکا سا گڑھا تھا، وہ ہمیشہ ہر حلے میں زبردست لگا کرتا تھا، زیاد کو اس پہ بے ساختہ پیار سا آنے لگا، اس میں شک تھا بھی نہیں کہ وہ اس سے ہمیشہ بہت متاثر رہا تھا اور اس جیسا بننے کی کوشش میں باقاعدہ جتن کیا کرتا تھا، اس کا مضبوط، چٹائی وجود ایسی پناہ گامحسوس ہوتا تھا جس میں امان تھی، تحفظ تھا، بچپن میں جب اسکول میں اس کا کسی سے جھگڑا ہوتا تو وہ بڑے فخر سے اپنے مخالفوں کو معاذ کا حوالہ دے کر خائف کیا کرتا، لڑکپن سے ہی کھلے ڈھلے جسم کا مالک تھا، لمبا ترنگا اور لڑائی بھڑائی کا شوقین کالج اسکول میں اس کا ہمیشہ ایک ٹہکا رہا تھا، زیاد کو اس کا بھائی ہونے کی وجہ سے ہی خصوصیت رعایت مل جاتی تھی خود بخود وہ ہمیشہ ہر جگہ زیاد کے لئے سہارا بھی ثابت ہوا تھا۔

”آپ کس وجہ سے اب سیٹ ہیں لالے؟“ زیاد نے اپنی الجھن اس کے سامنے رکھی تھی، معاذ چونک سا گیا، پھر گہرا سانس بھرا تھا۔

”ہاں یار، پاپا نے بڑی آسانی سے مجھے پر نیاں سے شادی کی اجازت دے دی ہے، میں نے اس لڑکی کو بات کرنا چاہی تو خود ہی منع کر دیا، ہے نا حیرانی کی بات؟“ معاذ واقعی پریشان تھا زیاد نے حیران ہو کر اسے دیکھا۔

”کس لڑکی کی بات کر رہے ہیں؟“

”یہی جس سے پاپا نے خود میرا نکاح کیا تھا یار.....!“ وہ جھنجھٹایا تھا، زیاد نے ٹھنڈا سانس بھرتے خاصے ترم آمیز انداز میں اسے دیکھا تھا۔

”تو آپ کیوں نہیں ہو رہے ہیں؟ آپ کو خوشی اس بات کی ہونی چاہیے، پاپا نے آپ کے دل کی بات خوشی سے مان لی اور اعتراض نہیں کیا۔“

”لیکن وہ لڑکی بہر حال میرے نکاح میں ہے اور.....“

”آپ کیا چاہتے ہیں بھابھی کی حق تلفی نہ ہو؟“ زیاد نے ہامشکل مسکراہٹ دبائی۔

”پتہ نہیں میں کیا چاہتا ہوں، ظاہر ہے اب مجھے اس سے عشق تو ہوا نہیں ہے، پھر پر نیاں..... وہ یہ سب کیسے قبول کرے گی۔“ وہ ایک وقت میں کتنی مختلف سوچوں کے ساتھ الجھا ہوا مضطرب لگ رہا تھا۔

”لالے آپ بھابھی سے کانیکٹ کریں، ان سے کھل کر اس موضوع پہ بات کر لیں۔“ زیاد نے اپنی سمجھ کے مطابق بہترین مشورہ دیا تھا، اس کے خیال میں اس طرح سارا مسئلہ ہی حل ہو جاتا تھا جو کہ واقعی بری طرح سے پیچیدہ ہوتا جا رہا تھا، معاذ کے مزاج سے وہ آگاہ تھا، شرارت میں ان کا اٹھایا گیا یہ قدم بھی اسے بھڑکا سکتا تھا، وہ خود خائف ہو رہا تھا۔

”یہ ہرگز مناسب نہیں ہے زیادہ! کیا کہوں گا میں اس سے کہ تمہیں پسند نہیں کرتا اور کسی اور سے شادی کرنا چاہتا ہوں؟“ وہ سر جھٹک رہا تھا، زیادہ نے کچھ کہنے کی بجائے ہونٹ بھیج لئے اور برستی بارش کو دیکھنے لگا، جو ایک دم ہی شروع ہو گئی تھی، موٹی موٹی بوندیں موسلا دھار برسنے لگی تھیں۔

”یہ جے کہاں سے آرہا ہے اس وقت؟“ گیٹ کھلتا تھا اور جہان کی گاڑی تیزی سے بجزی کی بیبگنی روٹ پہ دوڑتی پور ٹیکو میں آن کر رکی تو معاذ سب کچھ بھلا کر حیرانی سے بولا تھا۔

”جہان بھائی کل رات لاہور گئے تھے، ابھی لوٹے ہیں۔“

”لاہور کیوں؟ اس کے چکر لاہور کچھ زیادہ ہی نہیں لگتے لگے۔“

”پتہ نہیں آپ انہی سے پوچھیے گا۔“ زیادہ اس کتر گیا تو معاذ نے اسے گھورا تھا۔

”ہاں تمہارا مسئلہ حل ہو گیا ہے نا اس لئے۔“ اس کی بات پہ زیادہ نے ہنستے ہوئے کانوں کو ہاتھ لگائے تھے۔

”حد کرتے ہیں لالے! میں مطلبی ہرگز نہیں ہوں۔“

”جے تم لاہور کیوں گئے تھے، اتنی امیر جہسی میں؟“ معاذ کا دھیان جہان کی سمت ہو گیا جو

سیڑھیاں چڑھ کر وہیں سے ہو کر اپنے کمرے کی جانب آرہا تھا اس سوال کو سن کر لہجہ بھر کور کا۔

”آئینشل کام تھا۔“ جہان کے جواب پہ زیادہ نے مسکراہٹ اچھالی تھی۔

”لالہ آپ پہ شک کر رہے ہیں، اس کے باوجود کہ یہ آپ کی سز نہیں ہیں۔“ زیادہ کی شرارت

پہ معاذ نے اسے بری طرح سے گھورا تھا، اسے دھکیلا اور خود جہان کے برابر آ گیا۔

”مجھے ایسے کیوں لگ رہا ہے جے کہ وہاں کے تمہارے چکر کسی خاص سلسلے کی کڑی ہیں۔“

معاذ نے آنکھیں نیچا کر گویا اس کا گھیراؤ کرنا چاہا، جہان نے اسے گھورنے پہ اکتفا کیا تھا۔

”فضول کی قیاس آرائی ہے، اسے اندازے سنہال کر رکھو۔“

”باہ کاش یہ فضول کی قیاس آرائی نہ ہوتی، کاش ایسا باتی کوئی معاملہ نکل آتا۔“ زیادہ نے

مصنوعی آہ بھری تھی، جہان کے چہرے پہ ایک رنگ آ کر گزر گیا، جس میں دلی اذیت کا ہر عکس بے

حد واضح تھا، معاذ متوجہ نہیں تھا، رندہ اس کی زیرک نگاہ سے یہ رنگ ہرگز نہ چھپتے۔

”تم نیچے جا رہے ہو تو پلیز میرے لئے ایک چائے کاگ بھجوادینا۔“ معاذ کو راستہ بدلتے

دیکھ کر جہان نے آہستگی سے اور چھکن زدہ انداز میں کہا تھا، معاذ نے کاندھے اچکا دیئے۔

☆☆☆

سبزہ سبزہ سوکھ رہی ہے پھکی زرد دوپہر

دیواروں کو چاٹ رہا ہے تنہائی کا زہر

دور اتن تک چھتی بوہتی اٹھتی گرتی رہتی ہے

کہر کی صورت بے رونق دروں کی گدلی لہر

بتا ہے اس کبر کے پیچھے روشنیوں کا شہر

اے روشنیوں کے شہر کون کہے کس سمت ہے تیری راہ

ہر جانب بے نور کھڑی ہے ہجر کی شہر پناہ

ماہنامہ حنا 40 اپریل 2013

تھک کے ہر سو بیٹھ رہی ہے شوق کی ماند سیاہ

آج میرا دل فکر میں ہے اے روشنیوں کے شہر

اس نے ہاتھ اٹھا کر بھیکے کمال رگڑ کر خشک کر ڈالے اور سرہ آہ بھر کے ہونٹوں کو باہم بھینچ لیا،

کچھ دیر خود کو کپوز کیا تھا پھر متوازن لہجے میں اپنے پیچھے منتظر کھڑی حور یہ سے مخاطب ہوئی تھی۔

”مما سے کہہ دو حور کہ ممائی اب کے پوچھیں تو انکار نہ کریں۔“ حور یہ جس کو اس سے کم از کم

اس جواب کی توقع نہیں تھی ایک دم خوشی سے اس سے لیٹ گئی۔

”آپ نے بہتر نہیں بہتر فیصلہ کیا ہے، بجور ٹکی، زیادہ بھائی بے حد اچھے ہیں، میں می کو بھی

یہ خوشخبری سنا کے آتی ہوں۔“ چپک کر کہتی وہ پلٹ کر بھاگی تو دروازے کے باہر کھڑے زیادہ سے

گھراتے گھراتے بچی تھی۔

”مبارک ہو بھائی! بچو مان گئی ہیں۔“ زیادہ بے حد آسودگی و طمانیت بھرے انداز میں مسکرایا

اور حور یہ کا گال محبت سے سہلایا تھا۔

”تھینک گاڈ اینڈ تھینکس یو، آپ سب کا تعاون میرے ساتھ رہا ہے۔“

”صرف تھینکس سے بات نہیں بنے گی، اتنی اچھی بچو تھیانی ہے آپ نے ہماری ٹریٹ تو

دینی پڑے گی۔“ حور یہ ہنسنے لگی تھی، زیادہ مسکرا کر تائیدی انداز میں بولا تھا۔

”ڈونٹ یوری جناب! ایک کیا جتنی مرضی مرتبہ ٹریٹ لیجئے گا آپ کا حق بنتا ہے۔“

تھینکس الے لاٹ۔“ حور یہ ہنستی ہوئی وہاں سے بھاگ گئی، زیادہ نے آہستگی سے دروازہ

ٹاک کیا پھر اندر قدم رکھا تھا، نور یہ نے سر سر کی نگاہ اٹھا کر اسے دیکھا پھر پلکیں جھکا دی تھیں۔

تھینکس فار دس آزمائی لیڈی! مجھے ہرگز سمجھ نہیں آرہی کیسے تھینکس کہوں آپ کو؟“ وہ جتنا

خوش تھا جس قدر سرشار تھا یہ اس کی ہر ادا ہر انداز سے عیاں تھا، پالینے کا نشہ اسے ابھی سے مدہوش

کر رہا تھا، نور یہ نے نا چاہتے ہوئے بھی نگاہ بھر کے کسی قدر دھیان سے اسے دیکھا تھا، آف

وائیٹ کائن کے سوٹ میں گھریلو سے چلیے میں اس کے سامنے تھا، آج شاید اس نے شیو بھی نہیں

بنائی تھی، چہرے پہ سبز سبز سارداں بکھرا ہوا تھا، وہ ہنڈسم تھا مگر عام سانو جوان تھا، معاذ کے مقابل

میں تو عشر عشر بھی نہیں تھا، وہ بے خیالی میں اس کا معاذ سے مقابلہ کرتی اور خود کو مکمل طور پر شکستہ

محسوس کرتی رہی تھی، اگر معاذ حسن نہ کہتا تو وہ کبھی اس کنویں میں چھلانگ نہ لگاتی جس میں اس

کے لئے درد اور اضطراب کے سوا کچھ نہیں تھا، محبت میں پوری طرح ہار جانے کے بعد وہ معاذ کی

سحر آئینزی تو کیا اس کے سائے سے بھی گریزاں ہو جانا چاہتی تھی، مگر یہ کیسی آزمائش تھی کہ قسمت

گھیر گھاڑ کر ایسے پھرای مقام پہ لے آئی تھی، اس نے اس روز چاہا تھا صاف انکار کر دے مگر وہ ایسا

کر ہی نہ پائی تھی، وہ بات جو اس نے زینب اور خود می بھی نہیں منوائی تھی اسے معاذ کے اک عام

سے انداز میں کہی بات نے ماننے پہ مجبور کر دیا تھا۔

”مجھے زیادہ بہت عزیز ہے، میں نہیں چاہتا اس کی کوئی خواہش ادھوری رہے۔“ عام سافقرہ

ہی تھا مگر خواہش ظاہر کرنے والا ہرگز عام نہیں تھا، اس کی خاطر تو وہ خود کو دان کر سکتی تھی، پھر یہ تو

منعمولی آزمائش تھی، اس کی آنکھیں بھیگی اور چپکنے کو بے تاب ہوئیں تب اس نے گھبرا کر سر جھکا لیا

ماہنامہ حنا 41 اپریل 2013

تھا، زیادہ سے اس کی پلکوں کا اٹھنا پھر آنکھوں کا بھر آنا کچھ بھی مخفی نہیں رہا تھا، چند لمحوں کو وہ ساکن ہوا تھا پھر بے تاب بے قرار سا ہو کر اس کی جانب بڑھ آیا تھا۔

”کیا بات ہے نوریہ؟ تم اس قدر اپ سیٹ کیوں ہو؟“
 ”ایسا کچھ نہیں ہے۔“ نوریہ نے ہونٹ پچل پچل کر ساری نمی اندر اتاری تھی، مگر زیادہ کی تسلی نہیں ہو سکی۔

”تم مجھے خوش نہیں لگتیں، کہیں لالے نے تمہیں زبردستی تو نہیں منایا؟“ وہ سخت وہمی ہو کر سوال پر سوال کرنے لگا، نوریہ کو اس کا یہی انداز ناؤ دلا گیا تھا۔

”وہ کون ہوتے ہیں مجھ سے زبردستی کرنے والے۔“ گو کہ زیادہ حقیقت سے کوسوں دور تھا پھر بھی نوریہ اسی ایک بات سے بدگئی تھی، زیادہ حیران رہ گیا۔

”کیا مطلب بھئی، رشتوں کے ایک دوسرے پہ مان ہوتے ہیں نا، میں اسی کی بیس یہ کہہ رہا تھا۔“ زیادہ کی وضاحت پہ نوریہ کو اپنے رویے کی شدت کا از خود اندازہ ہوا تھا، جیسی ڈھیلی پڑ گئی۔

”میری بات کا تو جواب دو یار۔“ زیادہ منتظر تھا، نوریہ خائف سی ہوئی۔
 ”کون سی بات کا؟“

”یہی کہ تم خوش ہونا؟“
 ”جی!!“ ایک لفظ کی ادائیگی میں نوریہ نے پل صراط کا سفر طے کیا تھا، زیادہ اسے بخور دیکھ رہا تھا۔

”پھر وہ آنسو؟“ اس کی یقیناً تسلی نہیں ہوئی تھی۔
 ”خوشی میں بھی تو آنسو بہتے ہیں نا۔“ نوریہ نے اپنے حلق میں بول اگتے محسوس کئے تھے، زیادہ نے گہرا سانس بھرا پھر آہستگی سے ہنس دیا۔

☆☆☆

”پریناں!“ وہ اپنے بستر پہ ڈھیر سارے تکیوں میں منہ دیئے ساکن بیٹھی تھی جب ثنا کی آواز پہ ذرا چونکی مگر جواب نہیں دیا تھا، یونہی لیٹی رہی۔

”مجھے پتہ ہے تم سو نہیں رہی ہو، پھر کیا یہ بہتر نہیں ہے تم میری باتوں کے جواب دے دو، ویسے بھی اس طرح منہ چھپانے سے صورتحال کی گینگی کو کوئی فرق نہیں پڑنے والا۔“ ثنا کے سر ذلیجے میں طنز کی کاٹ اور تکی تھی، پریناں کے اعصاب کو شدید جھکا لگا تھا، وہ اگلے لمحے سیدھی ہو بیٹھی تھی اور متحیر غیر یقین نظروں سے ثنا کا چہرہ دیکھا تھا جس پہ سنجیدگی کے ساتھ دبا دبا غصہ بھی تھا۔

”کیا مطلب ہے تمہاری اس بات کا ثناء؟“ پریناں نے اپنی مخصوص قسم کی سنجیدگی کے ساتھ سوال کیا تھا جو اس پل کچھ اور گہری ہو گئی تھی۔

”تم اتنی معصوم کیوں بننے کی کوشش کر رہی ہو پریناں؟“ ثنا کا لہجہ ہنوز تیکھا تھا پریناں کی رنگت سرخ پڑنے لگی۔

”شٹ اپ ثناء! تمہیں جو بھی کہنا ہے کھل کر کہو؟“
 ”مجھے کیا کہنا ہے، کہہ تو لوگ رہے ہیں، کیا تم سب کی زبانیں پکڑ لوں گی پریناں تو میں

بتاؤں یہ ممکن نہیں۔“ پریناں ٹھنک گئی تھی، اس نے کچھ مضطرب ہو کر ثنا کو دیکھا تھا۔
 ”کیا کہہ رہے ہیں لوگ؟“ اس کی آواز کی لرزش بے حد واضح تھی۔

”جب میں نے کہا تھا سر کی پر سنائی بہت سحر انگیز ہے اور تم بھی ان کے سحر سے محفوظ نہیں رہ سکتیں تو تم نے کتنی شد و مد سے انکار کیا تھا، مگر شاید تب تمہی خود بھی انداز نہیں تھا کہ تم آنے والے وقت میں اس حد تک گھائل ہو جاؤ گی کہ اپنا ہوشل اور کالج میں پچھلے تین سالوں سے بنا میج بھی اتنی آسانی سے داؤ پہ لگا دوں گی، تم ایسی تو نہیں تھیں پریناں، مانا سر کی شخصیت بہت امپریسو ہے مگر تمہارے کردار کی تو میں گواہ رہی ہوں، مجھے بتاؤ کب تم ان سے اس قدر متاثر ہو میں کہ اپنی داؤ پہ لگتی عزت کا بھی خیال نہیں رہا تمہیں؟“ ثناء کا انداز جتنا بھی غصیلا اور ملا متی سہی مگر پریناں کے حوالے سے ٹوٹنے والا بھرم اسے سخت روہانسا کر چکا تھا، وہ پریناں کی بے حد پیاری دوست تھی، وہ دوست جس کے متعلق خود ثناء کو یہ یقین تھا کہ پریناں کی کوئی بات اس سے چھپی نہیں، پھر یہ اتنی بڑی بات پریناں نے اس سے چھپا کر اسے سخت تکلیف سے دو جاؤ کیا تھا، اس کے برعکس پریناں ہکا بکا اس کی شکل دیکھ رہی تھی، اس کا چہرہ پہلے سرخ ہوا تھا پھر بے تحاشا زرد، وہ جیسے انکشافات کی زد پہ آ کر پتھر کی ہو چکی تھی مگر ثنا کو اس پہ اتنا غصہ تھا کہ اسے ایک لمحے کو بھی اس پہ رحم نہیں آیا تھا۔

”میں بہت انساں تھی تم سے پریناں اور اپنی ٹیمپلی میں تمہاری مثال دیا کرتی تھی، مگر مجھے نہایت افسوس سے کہنا پڑ رہا ہے کہ تم بھی ایک عام لڑکی نکلیں، بلکہ تم تو زیادہ قابل مزمت ہو کہ تم نے خود کو بہت خاصی بنا کر پیش کیا، مجھے یقین نہیں آیا تھا جب پچھلے ہفتے میں نے تمہیں سر کے ساتھ ان کی گاڑی میں بیٹھ کر جاتے دیکھا، پھر اگلے دن تم انہی کے ساتھ واپس آئیں، ساری رات انہی کے ساتھ گزارا تم نے پریناں اور میرے پوچھنے پہ صاف مکر گئیں کہ تم اپنے انکل کے گھر گئی تھیں اور وہیں رات گھبری ہو، پریناں مجھے بتاؤ تم مجھے تو دھوکہ دے لو گی مگر خدا ایسے دعا بازوں کی ساری چال بازیوں ظاہر کر دیا کرتا ہے کیونکہ صرف مین نے نہیں کالج و ہاسٹل میں تھی ہر جگہ تمہارے متعلق چبہ لگوئیاں ہو رہی ہیں کہ تم سر.....“

”جپ ہو جاؤ ثناء..... فار گاڈ سیک۔“ وہ منہ پہ ہاتھ رکھے زور زور سے روتے ہوئے چیخ کر بولی تھی۔

”ہاں میں نے تم سے جھوٹ بولے ہیں، دھوکے بھی دیئے ہیں، اس لئے میرے پاس بتانے کو کچھ بھی قابل فخر نہیں تھا، میں اس دن سر کے ساتھ گئی تھی، مگر میں نے رات ان کے ساتھ نہیں گزارا اس کے باوجود کہ وہ میرے شوہر ہیں، میں نے وہ رات انکل کے گھر پہ ہی گزارا تھی، ان کی ٹیمپلی کے ساتھ۔“ ایک ایک لفظ پر زور دے کر بولی تو وہ اپنے کردار کی شفاف جاوڑ پہ گرے داغدار چھینٹے صاف کرنے کی کوشش میں ہلکان اور شدتوں سے بلک رہی تھی جبکہ اب کی مرتبہ کہتے ہیں آنے کی باری ثناء کی تھی، اس کا منہ کھلا رہ گیا تھا۔

(باقی آئندہ ماہ)

نغمہ نغمہ جہزِ زہرو

ام مریم

انیسویں قسط کا خلاصہ

اپنی عادت و فطرت کے مطابق معاذ سب گھر والوں سمیت پاپرنیاں کے لئے اپنی پسندیدگی ظاہر کر کے شادی کا تقاضا کرتا ہے تو پاپا سے بغیر اعتراض کے پرنیاں سے شادی کی اجازت دے کر معاذ کو حیرانی ہی نہیں الجھن کا بھی شکار کر دیتے ہیں، وہ اپنی منکوحہ کے متعلق بات کرنا بھی چاہتا ہے تو پاپا کا ٹوک دینا اسے عجیب محسوس ہوتا ہے، بہر حال وہ اپنی منکوحہ کو بھی اس طرح چھوڑ دینا اس کی غیرت کے منافی ہے۔

پرنیاں معاذ کے التفات سے تو جزبہ ہے ہی مگر ثناء کے سوالات اسے کچھ اور زیادہ عاجز کرتے ہیں وہ اتنا ہرٹ ہوتی ہے کہ ثناء کے سامنے معاذ سے اپنا رشتہ واضح کر کے بکھری جاتی ہے۔

نور یہ معاذ کے سمجھانے پہ زیادہ کے رشتے پہ آمادگی ظاہر کرتی ہے تو سب سے زیادہ خوشی زیادہ کو ہی ہوتی ہے۔

بیسویں قسط

اب آپ آگے پڑھیے



ثناء کے اعصاب کو زبردست شاک لگا تھا، اس نے غیر یقینی وحیرت کے ساتھ مشکوک نظروں سے زاوہ قطار روتی ہوئی پر نیاں کو دیکھا تھا۔

”شوہر.....؟ کب کی انہوں نے تم سے شادی؟“ اس کی نظروں کی طرح اس کا لہجہ بھی شک آلودہ تھا، پر نیاں نے دھندلائی ہوئی نظروں سے اسے دیکھا تھا اور پھر ہنسی بھرتے ہوئے اپنے آنسوؤں کو پونجھا۔

”دو سال ڈھائی سال پہلے، جب ددا کی ڈچھ ہوئی اس سے چند روز قبل، انکل یعنی سر کے پانے ہمارا نکاح کرایا تھا، ددا کی وجہ سے، معاذ کو یہ فیصلہ پسند نہیں آیا تھا، جیسی مجھے ایکسپٹ کرنے سے انکار کر دیا۔“ وہ نہایت آہستگی سے مگر آنسوؤں کے درمیان اس پر اپنی بے مائیگی کی ساری کہانی کھول کر بتلاتی چلی گئی، نظروں سے گر کر جینا آسان نہیں تھا، اس کرب سے وہ اچھی طرح آگاہ تھی، جو چند گنے چنے رشتے تھے اس کے پاس انہی میں شفاء کا بھی شمار ہوتا تھا، وہ شفاء کو کھونے سے نہیں اس کی نظروں سے گرنے سے خائف تھی جیسی کچھ نہیں چھپایا تھا، جبکہ شفاء تو صحیح معنوں میں حق دق رہ گئی تھی، اسے پر نیاں کا وہ سابقہ رویہ آج بھی یاد تھا۔

”تو یہ وجہ بھی اور تم نے مجھے بتانا تک بھی گوارا نہ کیا، اگر تب ہی بتا دیتیں تو میں کم از کم شک تو نہ کرتی۔“ وہ بے تحاشا جھل ہو کر اب پر نیاں پر ہی چڑھائی کر رہی تھی۔

”میں نے کہا نا میرے پاس بتانے کو کچھ بھی قابل فخر نہیں تھا، اپنی ذات کی داستان سنانا دوسرے لفظوں میں خود اپنی تذلیل اپنے ہاتھوں کرنے کے مترادف تھا، جو مجھے ہرگز گوارا نہیں تھا۔“ پر نیاں نے ہیکل آنکھیں رگڑ کر صاف کی تھیں۔

”ذلت کی داستان کیوں، اتنے ڈشنگ بندے کی مالک بنی بیٹھی ہو، تمہاری قسمت پہ تو باقاعدہ رشک کرنے کو جی چاہتا ہے ریلی، میں نے کہا تھا نا وہ اور تم ایک دوسرے کے لئے بنے ہو۔“ پر نیاں نے جواباً کچھ کہے بنا زخمی نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

”پلیز شفاء میرے زخم نہ کرید۔“

”یہ کیا بات ہوئی یار، خوش رہنے والی بات پہ تو خوش ہوا کرو۔“

”میرے لئے اس میں کوئی خوشی کی بات نہیں۔“ پر نیاں کے چہرے پہ سختی چھا گئی تھی۔

”تم بہت عجیب ہو، ویسے سر کی فیملی نے ان سے اصل بات چھا کر اچھا نہیں کیا، زیادتی ہو رہی ہے ان کے ساتھ۔“ شفاء کو بات چیت میں لطف محسوس ہو رہا تھا، جیسی وہ اس موضوع کو طول دینا شروع کر دیا تھا، پر نیاں نے کوئی تاثر نہیں دیا اور اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔

”کیا بتا رہی تھیں تم کہ ہاسٹل اور کالج میں سب لڑکیاں.....؟“

”کالج کی لڑکیاں ہی نہیں لڑکے بھی تشویش کا شکار ہیں خاص طور پہ دانیال صاحب۔“ شفاء کی غلط جہمی دور ہو چکی تھی جیسی اس کا موڈ بحال ہو چکا تھا بلکہ اس حیرت بھرے انکشاف کے بعد سے تو وہ باقاعدہ چہک رہی تھی، پر نیاں کے چہرے پر تشویش لہرانے لگی۔

”اب مجھے سمجھ آئی تم نے دانیال کو لفٹ کیوں نہیں کرائی تھی؟“

”اگر تم یہ سمجھ رہی ہو تو میں یہی کہوں گی تم مجھے سمجھنے میں بری طرح ناکام رہی ہو، میں نے سر

کو بھی اسی وجہ سے تھوڑی بہت لفٹ کرائی ہے تو بچہ ان کی کمی ہیں، میں انہیں ہرٹ نہیں کرنا چاہتی۔“

”چلو اسی وجہ سے سر کا تو بھلا ہو رہا ہے نا، بلکہ مزے ہو رہے ہیں اور تم یہ انہیں سر کیوں کہتی ہو، تمہارے تو سر تاج ہوئے، سر تاج کہا کر دنا۔“ شفاء کو باقاعدہ چٹکے سوچنے لگے تھے، پر نیاں کے نقلی بھری نظروں کی اس نے پر، انہیں کی تھی۔

”سنو تم آج مجھے فائو اسٹار ہوٹل میں لے کر رہی ہو، ورنہ میں تمہارا یہ سیکرٹ آؤٹ بھی کر سکتی ہوں۔“ شفاء کی بلیک میٹنگ نے پر نیاں کو ہرگز خائف نہیں کیا تھا۔

”تم ایسا نہیں کرو گی، اتنا تو مجھے بھی پتہ ہے۔“ پر نیاں کے کاندھے جھٹکے پہ شفاء کی آنکھیں کھلی رہ گئیں۔

”تم مجھے غلط سمجھ رہی ہو پری! میں کسی کا بھلا کروں گی، سر کو بتاؤں گی، وہ نیک کام کرنا چاہوں گی جس میں ان کی فیملی نے بھی ان کے ساتھ دغا کیا۔“ وہ مسکرا رہی تھی، پر نیاں نے اب کی مرتبہ سنجیدگی سے اسے دیکھا تھا۔

”تم اب مجھے اس طرح پریشان کرو گی؟“

”نہیں بلکہ پریشانیوں کا علاج کروں گی، سر یہ حقیقت آشکار ہو گی تو وہ تمہیں بہت پیارے انداز میں منالیں گے اور یوں تمہاری یہ نام نہادانا ختم ہو جائے گی تو اس کے ساتھ ہی سارے مسائل بھی از خود ختم.....“ شفاء نے چٹکی بجائی تھی، پر نیاں نے زور سے سر جھٹکا۔

”آتا آسان نہیں ہے یہ سارا کچھ۔“

”اسے مشکل تم بنا رہی ہو پر نیاں، میں کہوں گی عقل کے ناخن لو۔“

”مجھے تمہارے مشورے کی ضرورت نہیں، انہیں بھی کچھ تو سبق ملنا چاہیے جو انہوں نے دو سال تک میرے ساتھ کیا۔“ پر نیاں کو اس وقت کی اذیت پھر سے روہانسا کرنے لگی۔

”عزت کو خدا نے جسمانی طور پہ نزاکت عطا کرنے کے باوجود حوصلہ اور ہمت بے مثال عطا فرمائی ہے، مرد کی نسبت عورت میں قربانی اور ظرف کا جذبہ زیادہ وافر مقدار میں رکھا ہے، ازدواجی تعلقات سے لے کر گھریلو ذمہ داریوں تک ہمیشہ عورت ہی منہا ہمت اور حوصلے کا مظاہرہ کیا کرتی ہے، تمہارے لئے شکر کا مقام یہ ہونا چاہیے پری کہ سر کا انتخاب تمہارے علاوہ کوئی اور نہیں ٹھہری، ذرا سوچو اس قسم کی صورتحال میں معاملہ کس درجہ لمبیہر ہوتا۔“ شفاء کے پررسان انداز پہ پر نیاں نے بھڑک کر اسے دیکھا تھا۔

”یعنی میں اپنے آپ کو ان کے سامنے پیش کر دوں کہ میں ہی آپ کی منکوحہ ہوں، جسے آپ نے تب دیکھا بھی گوارا نہیں کیا تھا اور اب میں آپ کا انتخاب ٹھہری ہوں، کیا یہ میری تذلیل نہیں ہوگی۔“ وہ چیخ پڑی اس کی ذہنی حالت بگڑی گئی تھی، شفاء نے تشویش زدہ انداز میں اسے تھاما۔

”ریلیٹس پر نیاں! کام ڈاؤن، میرا مطلب یہ نہیں تھا۔“

”تم مجھے تنہا چھوڑ دو شفاء، میرے لئے ابھی یہ صدمہ ہی کافی ہے کہ ان کی وجہ سے یہاں ہاسٹل اور کالج میں بھی میری نیک نامی کو گہن لگ گیا ہے، میں تمہاری طرف سب کو یہ حقیقت نہیں بتا

سکتی ہوں۔“ پر نیاس بات کے اختتام تک رو پڑی تھی، شام گہرا سانس لے کر وہ گئی، پر نیاس کچھ غلط نہیں کہہ رہی تھی۔

☆☆☆

سکوت شام میں گونجی صدا اداسی کی کہ ہے مزید اداسی دو اداسی کی امور دل میں کسی تیسرے کا دخل نہیں یہاں فقط تیری چلتی ہے یا اداسی کی بہت شریر تھا میں اور ہنستا پھرتا تھا پھر اک فقیر نے دے دی دعا اداسی کی چراغ دل کو ذرا احتیاط سے رکھنا کہ آج رات چلے گی ہوا اداسی کی بہت دنوں سے ملاقات نہیں اب محسن کہیں سے خیر خبر لے کے آ اداسی کی

اس نے بستر پہ پھر کر ڈال دی اور تکیہ منہ پہ رکھ لیا، مگر سکون پھر بھی نہیں آسکا تھا، بہت بے بسی لا چاری محسوس کرتے وہ اٹھ کر بیٹھ گیا، مگر بیٹ سلگایا تو پھلتے سمٹتے دھویں میں ایک دل خراش منظر پھر سے اجاگر ہونے لگا، بے تحاشا ہستی ہوئی زینب اور یونکی ہنستے ہوئے تیمور کے کاندھے پہ سر رکھ دینا، وہ اسی کی سمت متوجہ تھا اور جھک کر بے باک انداز میں زینب کے ہونٹوں اور آنکھوں کو بار بار چومنا وہ دونوں لادنج میں تھے، جہان تو بے دھیان سا ادھر آ گیا تھا، اپنی کیلنس کا خیال وہ لوگ نہیں رکھ پائے تھے مگر شرمندہ جہان کو ہونا پڑا تھا اور کیا صرف شرمندہ وہ تو پور پور جل اٹھا تھا، جل رہا تھا، اس نے ایک وحشت سے اٹھ کر سر جھکتے ہوئے خود کو اس احساس اس خیال سے نکالنا چاہا، مگر یہ آسان تھا ناممکن، اذیت اس کی رگ رگ کو رگید نے لگی، پتہ نہیں اسے صبر کیوں نہیں آ جاتا تھا، پتہ نہیں وہ اتنا کم ظرف کیوں ہو رہا تھا۔

واش روم میں آ کر اس نے واش بیسن کی ٹونٹی کھول دی اور پانی کے چھپکا کے منہ پہ مارنے لگا، مگر اندر جلتی آگ کو جو فرق پڑا ہو۔

”جہان کہاں ہو بیٹے؟“ ماما کی آواز پہ وہ حواسوں میں لوٹا تھا اور چونک کر متوجہ ہوا، ماما بیڈ روم کے بیچوں بیچ کھڑی تھیں ہاتھ میں کوئی چیز پکڑی ہوئی تھی، جہان نے گہرا سانس کھینچا اور ٹاول اسٹینڈ سے ٹاول کھینچ کر چہرہ تھپکتا باہر آ گیا۔

”بیٹھے چچی جان۔“ ماما سے دیکھ کر مسکرائی تھیں پھر لفافہ اس کی جانب بڑھا دیا۔

”لی الحال میں تمہیں یہ دینے آئی ہوں بیٹے! کچھ تصویریں ہیں، دیکھ لینا، سب ہی اعلیٰ خاندان کی بہت پیاری بچیاں ہیں جو تم پسند کرو ہم وہی آپ کی دہن بنا دیں گے۔“ جہان کے چہرے پہ ایک رنگ آ کر گزر گیا، اس نے بے اختیار ہونٹ بھیجے تھے۔

”آپ اتنی جلدی مت کریں چچی جان! میں نے کہا تھا مجھے کچھ وقت چاہیے۔“ وہ بے دلی

سے بولا تھا، انداز کا اضطراب بے حد واضح تھا، ماما کے لئے اس کا یہی اضطراب بے کلی کا باعث تھا۔

”ہم ایک دو مہینوں میں پر نیاس کو بھی رخصت کرا کے لا رہے ہیں بیٹے! آپ کے چاچو چاہتے ہیں آپ کی بھی شادی ہو جانی چاہیے، ہمیں امید ہے آپ ہمیں مانیوں نہیں کرو گے۔“ انہوں نے رسائیت سے کہا تھا پھر آگے بڑھ کر محبت سے اسے ساتھ لگا کر پیار کیا تھا اور پلٹ کر چلی گئی تھیں، جہان بے دم سے انداز میں صوفے پہ بیٹھ گیا، اسے لگا تھا حالات کسی آکٹوپس کی مانند اسے جکڑ رہے ہوں، اب کیا کرے وہ؟ اسے ہرگز سمجھ نہیں آرہی تھی، ادھر مسز آفریدی تھیں جو اس کی بے اعتنائی یا پھر خاموشی پہ تلملا رہی تھیں، اس مرتبہ وہ لاہور گیا تب بھی مصروفیت کی بنا پر ان سے مل نہیں سکا تھا، جس سے وہ بری طرح بے بدگمان ہو رہی تھیں، جہان کو ان کی بدگمانی کی پرواہ نہیں تھی، لاہور میں ہی اس کی ملاقات نیلما سے بھی ہوئی تھی، جو اپنے ازلی بے باک شرمناک انداز میں اس پہ فدا ہوتی رہی تھی، صرف یہی اکتفا نہیں تھا اس کا موڈ آف کرنے کو ایک اور واقعہ بھی ہوا تھا، سر راہ اس کی ٹرالے سے بھی ملاقات ہو گئی تھی، وہ شام کا وقت تھا جہان اپنی گاڑی میں آفس سے واپس آ رہا تھا، سڑک شہری حصے کو چھوڑ کر ایک نسبتاً کم آبادی والے راستے پہ آ گئی تھی، وہاں اپنے دھیان میں ڈرائیو کرتے ہوئے، جہان کو ایک لمحے کے لئے لگا تھا، سڑک کنارے کھڑی آلٹو میں موجود لڑکی ہاتھوں میں چرا ڈھانپنے رو رہی ہے، جہان کے قدم بے اختیار بریک پر جا پڑے تھے، گاڑی ریورس ہو کر پیچھے آئی تھی، دروازہ کھول کر جہان باہر نکلا تھا اور آلٹو کی ڈرائیونگ سیٹ کے شیشے پہ جھکتے اس کے اعصاب کشیدگی سمیٹ لائے تھے، آف وائیٹ لاگ شرٹ ٹراؤزر پنک چادر نما دوپٹے میں ملبوس وہ کوئی اور نہیں ڈالے آفریدی تھی، جس کی سرمئی بند آنکھوں میں اسے رو برو پا کے ہزاروں کی تعداد میں دیئے جھلملا اٹھے تھے تو گلانی چہرے پہ جیا آمیز سرخیاں بکھر گئی تھیں، نکاح کے بعد یہ ان کا پہلا سامنا تھا شاید جیسی وہ اسے دیکھ کر اس درجہ پزل ہو گئی تھی مگر اس کے برعکس جہان کا موڈ آف ہو چکا تھا۔

”کیا کر رہی ہیں آپ اکیلی یہاں؟“ اسے احساس تک نہ ہوا تھا مگر اس کے لہجے میں اپنے رشتے کا استحقاق شامل ہو گیا تھا۔

”گاڑی میں شاید کوئی فالٹ آ گیا ہے، میں اشارت کرنے کی کوشش کر رہی ہوں مگر.....“ اس طرح کے پراہنز تو کسی بھی وقت پیش آسکتے ہیں، آپ کو ضرورت کیا تھی اکیلے باہر نکلنے کی؟“ جہان کو سب سے زیادہ غصہ اس کی اکیلی ہونے پہ تھا، ڈرالے نے شپٹا کر اسے دیکھا تھا۔

”میری فرینڈ کی برتھ ڈے تھی مبارزی تھیں تو مجھے اکیلے آنا پڑا۔“ جہان کے تورا سے سہاگے تھے جیسی وہ گڑ بڑا کر وضاحت پیش کرنے لگی۔

”فرینڈ کی برتھ ڈے اتنی اہم تھی کہ آپ ان ویران راستوں پہ اکیلی چل پڑیں اور آپ کی مام فارغ کب ہوتی ہیں، ہوں گی کسی فضول جھیلے میں پھنسی۔“ وہ زہر خند سے بولا تھا پھر کھٹکاک سے اس کی طرف کا دروازہ کھولا۔

”گاڑی لاک کر دیں۔“

اسے باہر آنے کا اشارہ کر کے اس نے اگلا آرڈر جاری کیا تھا، ڈالے تو پہلے ہی مرعوب اور کنفیوژڈ تھی، حکم کی تعمیل میں لمبے بھر کی بھی تاخیر سے کام نہیں لیا، جہان نے اپنی گاڑی کا فرنٹ ڈور ان لاکڈ کیا تھا اور اسے اندر بٹھانے کے بعد خود چکر کاٹ کر ڈرائیونگ سیٹ پہ آ گیا تھا، آف وائٹ پینٹ کوٹ میں ہلکی بڑھی شیو کے ساتھ وہ اپنے چھا جانے والے سر اے کے ساتھ اتنا سحر انگیز لگ رہا تھا کہ ڈالے خود کو اسے بار بار دیکھنے کی خواہش پہ قابو نہ رکھ سکی، کتنا خوبصورت احساس تھا، یہ کہ وہ اس کا تھا بلا شرکت غیرے، اس کی دھر، کون کا انداز بدلنے لگا، عجیب سی سرشاری بے خودی بن کر اس پہ چھانے لگی، گاڑی سگنل پہ رکی تب وہ چونکی تھی، جہان اس سے بے نیاز پوری طرح ڈرائیونگ میں محو تھا۔

”اللہ کے نام پہ دے دو بابو، اللہ جوڑی کو سلامت رکھے۔“

جہان والے سائینڈ کی کھڑکی کھلی تھی، ایک بد حال فقیرنی شیشے پہ جھکی شد و مد سے صدا لگا رہی تھی، ڈالے نے ایک نظر جہان کی طرف دیکھا تھا پھر اپنی گود میں رکھے بے حد اسٹائش سے پنک بیگ کی زب کھول کر جو نوٹ ہاتھ لگا تھا وہی نکال کر ڈرا سا آگے جھکتے ہوئے فقیرنی کو تھما دیا، نیا نوٹ دیکھ کر فقیرنی کی آنکھیں پھٹ سی گئیں تھیں اگلے لمحے وہ نوٹ مٹھی میں دبوچے تیزی سے پیچھے ہٹی اور با آواز بلند دعائیں دیتی پلٹ کر رش میں غائب ہو گئی، ڈالے کے چہرے پہ بے اختیار مسکراہٹ بکھر گئی مگر یہ مسکراہٹ لمحائی ثابت ہوئی تھی، جہان کی خود پہ جمی سنجیدہ مگر گہری نظریں اسے گڑ بڑا کے رکھ گئی تھیں۔

(اُف کیا سمجھے ہوں گے یہ، کہ میں بہت بے قابو ہوں خوشی سے، کم از کم مجھے ان کے سامنے تو یہ نہیں کرنا چاہیے تھا۔)

وہ بے حد نزوس ہوتی بلیکس جھکا گئی تھی، جہان نے ہونٹ بھینچتے ہوئے نگاہ کا زاویہ بدل لیا، اس کی آنکھیں جلنے لگی تھیں، نیلما کی طرح ڈالے کے جذبوں سے بھی وہ نا آشنا نہیں رہا تھا، نیلما کی طرح ڈالے نے بھلے زبان سے اظہار نہیں کیا تھا مگر آنکھیں تو اس کی بھی دل کی کہانی کہتی تھیں، محبت کا خزانہ لٹاتی تھیں، نیلما کی طرح اس نے بے معنی گفتگو کا سہارا بھی نہیں لیا تھا، وہ چھوٹی سی نازک سی لڑکی اپنے جذبوں میں بے بس اسے کسی حد تک اچھی بھی لگی تھی مگر سزا آفریدی کی اس حرکت کی وجہ سے جہان اس سے بھی بری طرح بدگمان ہو چکا تھا، جیسی ڈالے کی اس فیاضی نے اس کے اندر ہر خند بکھیر دیا تھا، باقی کا سفر خاموشی سے کٹا تھا، گاڑی آفریدی ہاؤس کی شاندار عمارت کے آگے ایک جھٹکے سے رکی تب ڈالے اس شرمندگی اور خفت کی اتھاہ سے ابھر کر چونکی اور کھڑکی سے باہر دیکھتے ہی حیران رہ گئی، گھر آ بھی گیا تھا، یہ خواب آسا سفر کیسے لمحوں میں کٹ گیا تھا، ابھی تو وہ اس احساس کو ڈھنگ سے محسوس بھی نہ کر پائی تھی۔

”آپ اندر نہیں آئیں گے؟“ ڈالے نے دروازے کے ہینڈل پہ ہاتھ رکھ کر اترنے سے قبل جھک کر اسے دیکھا۔

”نہیں آپ جائیں۔“ جہان کی سپاٹ نظریں دنڈا سکرین پہ جمی ہوئی تھیں، اس کا لہجہ بھی اس

کی نظریں کی طرح بے تاثر تھا، ڈالے کو عجیب سی بے چینی اور غیر یقینی نے آن لیا۔

(یہ ایسے کیوں ہو رہے ہیں، ماما کے بقول انہیں تو بہت خوشی نظر آنا چاہیے، شاید تھا ہیں مجھ سے۔) وہ بے چینی ہی ہو گئی تھی۔

”ماما سے تو مل لیں، وہ اکثر آپ کو یاد کرتی ہیں۔“ ڈالے نے کسی قدر رک رک کر اپنا فقرہ مکمل کیا تھا، مگر جہان کی پیشانی پہ ناگواری کی شکنیں نمودار ہو گئی تھیں۔

”انہیں کہیے گا وہ زحمت نہ کیا کریں یہ۔“ جہان کا لہجہ بے حد سرد ہو گیا تھا، ڈالے تو اس کے انداز کی بے مہری پہ ششدر ہو کر رہ گئی تھی۔

”جی!“ وہ جو ہر بات ہر سازش سے لاعلم تھی گڑ بڑا کر اسے دیکھنے لگی، جہان نے سرخ ہوتی آنکھوں سے اسے دیکھا اور ایک جھٹکے سے خود دروازہ کھول دیا۔

”جائیں آپ اور اپنی والدہ محترمہ سے کہیے گا ضروری نہیں ہر مرتبہ فتح ہی ان کا نصیب بنے۔“ اس کا لہجہ والا انداز ہی نہیں دیکھنے کا انداز بھی بے حد کڑا تھا، ڈالے کو اس کی پہلی بات تو کیا سمجھ آئی تھی، انسلٹ اسے جہان کے دروازہ کھول کر آنے والے اشارے پہ محسوس ہوئی تھی، ہنک کا سا لگانے والا انداز اسے سر تا پا جھلسا کے رکھ گیا تھا، کچھ کہیے بغیر وہ گاڑی سے اتری تھی اور پلٹ کر دیکھے بغیر اسی وقت کھلنے والے گیٹ سے اندر داخل ہو گئی تھی اور جہان کے اندر زہر دوڑنے لگا تھا۔

ہر فرد یہاں پر تاجر ہے
ہر وقت تجارت ہوتی ہے
تم آپ ہی اپنے دام کہو
چھپ کے نہیں سر عام کہو
کیا لوگے اپنی باری کا
کیا لوگے تم دلدار کی کا
غم خوار بنو گے کتنے میں
تم پیار کر دو گے کتنے میں
سب جذبے میرے نام کرو
ہمنام تم اپنے دام کہو
یہ دام چکانے کی خاطر
ہم اپنا دفتر کھولیں تو
ہم اپنی جیب نو لیں تو
بس پیار ملے گا تھوڑا سا
اظہار ملے گا تھوڑا سا
اب تم ہی بتا دو اے ہمد
دلدار بنو گے کتنے میں

تم پیار کر دے گئے کتنے میں
(تمہاری شکل جتنی بھی معصوم اور بھولی ہو مگر میں اب فریب کھانے کو تیار نہیں ہوں۔) اس نے ڈالے کے تصور سے مخاطب ہو کر تنفر سے کہا تھا۔
ابھی مجھے زنیب کا دیا ہوا زخم نہیں بھولا، تم بہر حال اس سے زیادہ معصوم اور بھولی نہیں لگتیں۔
اس کی رگ رگ میں وحشتیں سرسراتی رہی تھیں، اس نے اس اضطراب میں کرٹ بدلی تو ہاتھ کسی چیز سے لکرایا تھا، جہان نے ہاتھ میں لے کر سامنے کہا یہ وہی تصویروں کا لفاظی تھا جو ماما سے دے کر گئی تھیں، اس نے لفاظی کھولے بغیر اٹھا کر دراز میں ڈال دیا، انداز میں بے دلی سے کہیں بڑھ کے کچھ تھا۔

☆☆☆

”مگنی ہی کیوں؟ آپ لوگ میرا بھی نکاح کرو میں نا۔“ زیادہ سب کے بیچ بیٹھا زور و شور سے بحث کرنے میں مصروف تھا، اس مطالبے سے ہا ہوا کر چکی تھی۔

”میرا بھی سے کیا مراد ہے جناب کی اور کس کس کے نکاح ہو گئے؟“ حسان نے چمک کر پوچھا تھا، زیادہ نے سر کھجایا۔

”لالے کا نکاح ہی ہوا تھا نا۔“ اس نے ترچی نظروں سے پر نیاں کو دیکھا جو آج ہی وہاں آئی تھی، اس مرتبہ اسے جہان لے کر آیا تھا کہ پاپا کو اس سے کوئی اہم بات کرنی تھی، پر نیاں تو سنتے ہی پریشان ہو کر رہ گئی تھی۔

”کس قسم کی بات ہے بھائی! آپ کو اندازہ ہے؟“ جہان کو اندازہ کیا سارا لب لباب پتہ تھا مگر وہ پر نیاں کو بتانے سے گریزاں تھا جیسی لائیکس کا اظہار کر دیا تھا، اب پر نیاں موجود تھی، زنیب بھی یہ نیا ہنگامہ اٹھ کھڑا ہونے پر رک گئی تھی، تیمور واپس چلا گیا تھا۔
”لالے کو تو نکاح کا کوئی فائدہ نہیں ہوا۔“

”اچھا تو آپ فائدے اٹھانا چاہتے ہیں، ممان رہی ہیں، کوئی ضرورت نہیں ان کا نکاح کرنے کی، بس مگنی کیجئے گا اور پھر سیدھی سیدھی شادی۔“ زنیب نے ہستے ہوئے کہہ کر زیادہ کو چھیڑا وہ خجالت سے سرخ پڑ گیا۔

”السلام علیکم!“ معاذ نے اندر قدم رکھا تھا، سب ایک دم کانسیس ہو گئے، پر نیاں اسی قدر گریزاں اتنے دنوں سے اس نے خصوصی کوشش کی تھی کہ معاذ سے کالج میں سامنا نہ ہو اور وہ اس کوشش میں کامیاب بھی رہی تھی۔

”آپ کو خاص قسم کی خوشبو نے نوید دے دی تھی کہ کچھ لوگ یہاں تشریف رکھتے ہیں۔“ زیادہ نے گھاٹھ کار کر شرارت بھرے انداز میں استفسار کیا، معاذ نے بھونڈوں کو لائیکس کے انداز میں جنبش دی اور ٹائی کی ٹاٹ ڈھیلی کرتے ہوئے جس صوفے پہ بیٹھا اس کے مد مقابل پر نیاں آگئی تھی، معاذ چند لمحوں کو اسی زاویے پہ ساکن رہ گیا تھا۔

”مائی گاڈ! اگر اس بچے خدا سے کچھ اور مانگتا تو وہ بھی لمحے کی تاخیر کے بغیر مل جاتا۔“ اس کی سحر طراز آنکھوں میں خوشگوار ریت سی خوشگوار ریت تھی۔

”آہم..... آہم..... یعنی آپ نے پر نیاں ہی کی یہاں موجودگی کی خواہش کی تھی؟“ زیادہ نے مسکرا کر نکلنا لگایا۔

”میں نے تو دیدار یار مانگا تھا۔“ معاذ نے کاغذ سے اچکا کر یونہی ایک ٹک پر نیاں کو دیکھتے رہ کر تبسم خیز لہجے میں کسی قدر شوخی بھری برجستگی سے کہا، پر نیاں کا سارا گریز پانی پہ بلبلہ ثابت ہوا، وہ بری طرح کنفیوژڈ نظر آنے لگی۔

اتنے کہاں مصروف ہو گئے ہو تم
کہ دل دکھانے بھی نہیں آتے
وہ یونہی اسے نظروں کے نوکس میں رکھے ہوئے سے گنگنایا تھا، پر نیاں گھبرا کر کھڑی ہو گئی۔
”بیٹھیں نا، کہاں جا رہی ہیں آپ؟“ وہ بے ساختہ چل کر بولا تھا، پر نیاں ان سنی کیے تیزی سے باہر چلی گئی۔

تمہاری بے رخی پہ بھی لٹا دی زندگی ہم نے
اگر تم مہرباں ہوئے ہمارا حال کیا ہوتا
وہ آہ بھر کے بولا تھا، زیادہ کی ہنسی چھوٹ گئی تھی، ماما نے البتہ خطگی سے اسے گھورنا ضروری سمجھا۔

”حد ہوتی ہے معاذ! کب آپ سرلیس ہوں گے، بچی اسی وجہ سے آپ سے اتنا بدکتی ہے۔“
”آپ سے کس نے کہا میں سرلیس نہیں ہوں، بخدا میں ہرگز بھی نان سرلیس نہیں ہوں، آپ انہیں بتائیں اور بدکتے کا علاج بھی ہو سکتا ہے، کسی مضبوط بندھن میں باندھ دیں، مجھ سے، سارے مسئلے حل۔“ اس نے چنگی بجائی تھی، وہ سب منہ چھپا چھپا کر ہنس رہے تھے، ماما سر پکڑ کے بیٹھ گئیں۔

”یعنی ملے ہو آپ کبھی نہیں سدھر سکتے۔“ بھائی نے لقمہ دیا، معاذ نے انہیں خفیف سا گھورا تھا اور اٹھ کھڑا ہوا، اپنے بکمرے میں جانے کی بجائے اس کا رخ جہان کے کمرے کی جانب ہو گیا تھا، دروازہ ٹاک کرنا ہوا وہ اندر داخل ہوا تو جہان کو صوفے پہ نیم دراز سرکریٹ سلکاتے پا کر خود بھی سلگ گیا تھا۔

”اتنی اسموگنگ کیوں کرتے ہو یار۔“
”چینج کیے بغیر چلے آئے ہو ریلیکس تو کر لیتے۔“ جہان نے سگریٹ بجھا دیا تھا۔
”ریلیکس تو تمہیں دیکھ کر بھی ہوا جا سکتا ہے۔“

”میں پر نیاں نہیں ہوں۔“ جہان نے مسکراہٹ دہائی تھی معاذ کی سنجیدگی میں فرق نہیں آیا۔
”کوئی خاص بات ہے؟“ جہان نے دھیان سے اسے دیکھا تھا۔
”وہ تصویریں دیکھی تم نے جو ماما نے دی تھیں؟“ معاذ کے سوال نے جہان کے چہرے پہ سنجیدگی اور گہمیرتا بکھیر دی تھی۔

”بولو جے؟ کوئی ایک تو پسند آئی ہوگی، ساری ہی لڑکیاں.....“
”معاذ پلیز۔“ وہ سخت عاجز ہو کر بولا تھا، معاذ نے الجھ کر اسے دیکھا۔

”کیا کہنا چاہتے ہو؟ شادی نہیں کرنی؟“
 ”شادی سے انکار نہیں ہے مجھے، مگر اتنی جلدی نہیں، تم چچی جان کو سمجھاؤ پلیز۔“
 ”میں اس سلسلے میں کوئی مدد نہیں کر سکتا، بی کوز میں خود ہی چاہتا ہوں۔“ معاذ کے جواب پہ
 جہان نے ہونٹ بھیج لئے تھے۔
 ”لاؤ مجھے دو اسٹینسپس، تمہارے حصے کا یہ کام بھی مجھے ہی کرنا پڑے گا۔“ معاذ آگے بڑھ کر
 تصویریں ڈھونڈنے لگا، جہان کو سخت تاؤ آیا تھا۔
 ”تو پھر شادی بھی تم خود ہی کر لینا۔“ وہ پھٹ پڑا تھا، معاذ پہلے ہونٹ ہوا پھر بے ساختہ ہنس
 پڑا تھا۔
 ”کچھ خدا کا خوف کرو یار، دو تو پہلے ہی تمہاری وہ پینڈو بھابھی اور دوسری پر نیاں تیسری کو تم
 مجھ پہ مسلط کرنا چاہتے ہو، پر نیاں خود نپٹ لے گی تم سے۔“
 ”معاذ پلیز میں مذاق کے موڈ میں بالکل نہیں ہوں۔“ وہ خلاف عادت جلدی غصے میں آ گیا
 تھا۔
 ”میں بھی مذاق نہیں کر رہا ہوں، شادی تو تمہیں کرنی پڑے گی جان من، بڑے ہو مجھ سے، تم
 سے پہلے شادی کرتے مجھے سخت شرم آئے گی۔“ وہ ذرا جو اس کے رعب میں آیا ہو۔
 ”اطلاعا عرض ہے تمہاری شادی ڈھائی سال پہلے ہو گئی تھی بھول گئے، تب شرم نہیں آئی
 تھی۔“ جہان نے اسے شرمندہ کرنا چاہا مگر یہ شاید ناممکن سی خواہش تھی، اس کی ڈھٹالی کا کوئی
 جواب نہیں تھا۔
 ”تب پپا نے زبردستی کی تھی، میں نے مرضی سے تو یہ کام نہیں کیا تھا نہ خوشی سے۔“ جہان
 جانتا تھا اس سے بحث میں جتنا ناممکن ہے سوچ سادھ لی تھی۔
 ”یار جے مان بھی جا، ضد اچھی چیز نہیں، یہ دیکھ یہ لڑکی سب سے کیوٹ ہے، کر لے اس سے
 شادی۔“ معاذ کو تصویریں کا لفاظ مل گیا تھا، اس نے ایک تصویر بھی منتخب کر لی تھی، جہان نے کچھ
 کہے بغیر محض ایک نظر اسے دیکھا تھا، اضطراب، بے چینی، بے بسی، لا چاری، کیا کچھ نہ تھا اس ایک
 نظر میں، معاذ کی ساری چونچالی لمحہ بھر میں ہوا ہو گئی تھی، معاذ سے ایک لفظ بھی مزید نہیں کہا گیا تھا،
 کچھ پل دونوں کے بیچ تکلیف دہ چپ حائل رہی تھی پھر معاذ شکستہ قدموں سے چلتا باہر نکل گیا تھا،
 جہان کے اندر ٹھکن اور اضمحلال اترنے لگا۔
 محبت امر رہتی ہے
 اگر دل ٹوٹ بھی جائے
 صنم گر روٹھ بھی جائے
 کسی کا ہاتھ ہاتھوں سے
 کبھی جو چھوٹ بھی جائے
 محبت مٹ نہیں سکتی
 محبت مرنے نہیں سکتی

محبت امر رہتی ہے
 کبھی یادوں کی صورت میں
 کبھی باتوں کی صورت میں
 یا ہر ساتوں کی صورت میں
 محبت امر رہتی ہے
 محبت کرنے والوں کی انوکھی ریت ہوتی ہے
 محبت ہار بھی جائے
 تو اس میں جیت ہوتی ہے
 محبت چیز ہے ایسی
 کبھی جو مٹ نہیں سکتی

جہان سیل فون پہ ہونے والی بیپ سے چونکا تھا، اسکرین پہ ان نان نمبر بلنک کرنا تھا، چند
 لمحوں کے توقف سے جہان نے بے دلی سے کال ریسیو کی تھی۔
 ”السلام علیکم! کیسے ہیں آپ؟“ دوسری جانب مدھر نسوانی آواز تھی، جسے جہان پہچاننے سے
 قاصر رہا تھا۔
 ”آپ کون؟“ سلام کا جواب دے کر اس نے اپنی الجھن رفع کرنا چاہی تھی، دوسری جانب
 چند لمحوں کا سکوت طاری ہو گیا۔
 ”مم..... میں ڈالے ہوں۔“ کس قدر توقف سے تعارف پیش ہوا تھا مگر آپ کے لہجے میں
 وہ پہلے والی تازگی باقی نہیں رہی تھی جہان کے چہرے پہ پہلے خیر اندھا تھا پھر نخوت پھر تکی۔
 ”کیسے زحمت کی آپ نے؟ اور یہ نمبر کہاں سے لیا؟“ اس کا لہجہ قابل اعتراض حد تک سرد
 اور بروکھا تھا جو مقابل کے حواس سلب کرنے کی بھرپور صلاحیت رکھتا تھا۔
 ”اس روز آپ کو میرا باہر جانا وہ بھی اکیلے شاید اچھا نہیں لگا تھا۔“ وہ گڑ بڑا کر بولی تھی جہان
 کی پیشانی پہ ایک اور بل پڑا۔
 ”یہ تو غالباً میں اسی وقت آپ کو بتا چکا تھا۔“ جہان کا لہجہ و انداز ہنوز سرد مہر اور روڈ تھا، اس
 کے الفاظ نہ کسی انداز ضرور صاف جھلکاتا تھا۔
 ”اب کال کرنے کی کیا ضرورت تھی پھر۔“
 ”مم..... میں نے سوچا مجھے آپ سے ایک سکویز کر لینا چاہیے۔“ وہ یقیناً بے حد زورس ہو چکی
 تھی جیسی ہکلا کر بولی تھی۔
 ”ہو گیا ایک سکویز اور کچھ؟“ جہان کا لہجہ کاٹ دار طنز سمیٹ لایا تھا۔
 ”ن..... نن..... نو..... نتھنگ۔ مجھ بس یہی کہنا تھا، اللہ حافظ۔“ اس نے گھبرا کر فون بند کر دیا،
 جہان نے ہونٹوں کو تختی سے بھینچا اور سیل فون بستر پہ اچھال دیا، اس کے اندر کی تپش بے تحاشا بڑھ
 گئی تھی، مسز آنریری کے حوالے سے جو نفرت تھی وہ ساری کی ساری وہ ڈالے پہ انڈیل دینا چاہتا
 تھا مگر اس کے مزاج کی رہ اداری اور تدبر اس کے راہ میں حائل ہونے لگتا تھا۔

(میں تمہیں کچھ مختلف سمجھا تھا، آج کل کی تمام جذبات میں بے قابو ہو جانے والی لڑکیوں سے، مگر نہیں تم بھی ویسی ہی ہو، تم نے خود یہ نقاب چڑھایا ہوا تھا، جو دھیرے دھیرے سرک رہا ہے، آئی ہیٹ یو۔) اس کے ذہن کا تناؤ اور نفرت کچھ اور بڑھی تھی۔

☆☆☆

دروازے پہ دستک دینے کے بعد اس نے تب تک انتظار کیا جب تک اندر سے اجازت نہیں ملی، دروازہ دھیرے سے کھول کر اس نے اندر قدم رکھا تو اس کی لمبی پلکیں جھکی ہوئی تھیں، فینسی سوٹ کا چادر نما بڑا سادو پٹہ بہت سلیقے سے اوڑھے ہوئے وہ بے حد چارمنگ نظر آرہی تھی، پپانے کتاب کا صفحہ پلٹتے ہوئے سرسری انداز میں نگاہ اٹھائی تھی مگر اسے رو برو پا کے یکدم سے اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔

”پریناں بیٹے آؤ آؤ۔“

”السلام علیکم پاپا!“ اس نے آہستگی سے سلام کیا تھا، پپانے خود بڑھ کر اس کے سر پہ ہاتھ رکھا پھر پیشانی چومی تھی۔
 ”وعلیکم السلام! جیتی رہتے بیٹے!“ نہایت محبت سے سلام کا جواب دے کر انہوں نے اسے اپنے پہلو میں بٹھایا تھا اور مسکرا کر خیریت دریافت کی۔

”جہان بھائی بتا رہے تھے آپ نے بلوایا ہے مجھے؟“

”مجبوری تھی بیٹے! ورنہ آپ کو خود تو اپنے باپ سے ملنے کا خیال نہیں آتا۔“ انہوں نے کسی قدر چھیڑنے والے انداز میں مسکرا کر کہا تو پریناں جھینپ کر رہ گئی تھی۔
 ”ایسی بات نہیں ہے پپا! پھر آپ تو مجھ سے ملنے ہائل بھی آسکتے ہیں نا۔“

”میں اس نالائق کی وجہ سے نہیں آتا سنا ہے آج کل وہ سب سے زیادہ آپ پہ اپنی توجہ لگائے ہوئے ہے، سچ بتائیں بیٹے یہ کچھ پڑھاتا وڑھاتا بھی ہے یا نہیں۔“ پپا کے انداز میں خفیف سی شرارت تھی، پریناں کا چہرہ سرخ پڑ گیا، اب کی مرتبہ وہ کچھ نہیں بولی تھی، بے چین سی ہونٹ کپکتی رہی۔

”بیٹے کیا ایسے نہیں ہو سکتا کہ آپ معاذ کی اس غلطی کو معاف کر دیں؟“ پریناں بے چینی و اضطراب کی کیفیت میں اپنی جگہ پہ پہلو بدلا تھا۔

”میں اس قابل کہاں ہوں پپا کہ کسی کو معاف کر سکوں۔“ وہ سخت عاجز ہو گئی تھی، پپانے کچھ لمحوں کو ہونٹ بھینچ لئے۔

”وہ کسی نہیں ہے بیٹے! آپ کا سب سے مضبوط اور اہم تعلق معاذ حسن سے ہی بندھا ہوا ہے۔“ انہوں نے جیسے اسے سمجھایا تھا، پریناں نے پھر چپ سادھ لی تھی، پپا بھی جیسے کسی سوچ میں ڈوب گئے۔

”پریناں بیٹے یاد ہے آپ کو، ایک بار میں نے کہا تھا میں آپ کو شاہ ہاؤس میں آنے کا تب کہوں گا جب معاذ آپ کو تمام تر عزت و احترام سے اس گھر میں لائے گا، بیٹے مجھے لگتا ہے وہی وقت ہے یہ، معاذ آپ کے حصول کی خاطر پاگل ہو رہا ہے، میں خدا کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اللہ نے

مجھے سرخرو کیا ہے وہ اب بچا کے سامنے..... پریناں بیٹے میں چاہتا ہوں اب آپ کو باقاعدہ رخصت کر کے اس گھر میں لے آئیں۔“ پریناں نے سخت متوحش ہو کر انہیں دیکھا تھا اور بے چین سی ہو کر اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

”مم..... مگر پپا نہیں تو ساری بات کا علم نہیں ہے۔“

”علم ہو جائے گا ڈنٹ وری، سب بچے یہ راز شادی کے دن تک رکھنا چاہتے ہیں، یہ بچوں کا معاملہ ہے وہ جانیں اور معاذ.....!“
 ”مگر پپا میری اسٹڈی۔“ وہ گھبراہٹ میں ادھر ادھر کے سوال کر رہی تھی، اسے قطعی سمجھ نہیں آ رہی تھی وہ انہیں کیسے منع کرے۔

”بیٹے معاذ آپ کو منع نہیں کرے گا پڑھنے سے، بلکہ میں سمجھتا ہوں شادی کے بعد اسٹڈی آپ کے لئے آسان ہو جائے گی۔“ اپنی بات کے اختتام پہ پھر مسکرائے تھے، پریناں کے چہرے پہ کچھ اور سرخی چھا گئی، کچھ کہے بغیر اس نے سر جھکا لیا تھا۔

(تو معاذ حسن طے ہوا کہ میرے فرار کا ہر راستہ مسدود ہے، فائدہ بھی کیا ہے، مجھے کہیں بھی جا کر پلٹ کے تو آپ کے پاس ہی آنا تھا، کہ تم آخری جزیرہ جوٹھبرے۔)
 ”بیٹے آپ کو کوئی اعتراض تو نہیں ہے نا؟“ پپا کی آواز پہ وہ چونک کر متوجہ ہوئی تھی، پھر آہستگی سے سر کوئی میں جنبش دے ڈالی۔

”مجھے آپ کے کسی بھی فیصلے سے انکار نہیں ہے پپا۔“

”گڈ ٹھینکس بیٹے! اک آخری سوال، یہ بتائیں آپ خوش ہیں؟“ اور اس سوال کے جواب میں وہ کچھ دیر پہلے کی طرح سر ہلا کر بھی جواب نہیں دے سکی، بس جھینپ کر مسکرا دی تھی اور اس کے چہرے پہ پھرتے خوبصورت رنگوں نے از خود اس کی خوشی کی نوید ان تک پہنچا دی تھی۔

(میں خود سے اور آپ سے بھاگتے تھک گئی ہوں معاذ حسن! اب جی چاہتا ہے آپ کی محبت کے احساس کی تمام شدتوں کو سیٹ لوں۔) اس نے سوچا تھا اور پھر اپنی سوچ پہ بھی خود ہی جھینپ کر مسکرا دی تھی۔

☆☆☆

جیہا راجھ ملا جاناں

وہ جس میں تم نے لکھا ہے

کہ اب حالات کیسے ہیں؟

پھر بے دن رات کیسے ہیں؟

مہربانی تمہاری ہے

کہ تم نے اس طرح مجھ سے میرے حالات پوچھے ہیں

پھر بے دن رات پوچھے ہیں

تمہیں سب کچھ بتا دوں میں

مجھے اتنا بتا دو کہ

کبھی ساگر کنارے پر کسی مچھلی کو دیکھا ہے؟
کہ جس کو لہریں پانی کے کنارے تک تو لاتی ہیں
مگر پھر ریت پر تڑپتا چھوڑ کر واپس لوٹ جاتی ہیں
میرے حالات ایسے ہیں
میرے دن رات ایسے ہیں

رات اندھیرے کے دامن میں دو دھیا چاندنی کی آمیزش لئے بڑی تمکنت سے جلوہ گر تھی، ستاروں کی تابانی آسمان کی خوبصورتی میں اضافہ کر رہی تھی، رات کی رانی کی مہک ماحول کی نسوں خیزی کو دوبالا کیے ہوئے تھی، آرائشی لہر روشن تھے اور وہ سرخ اینٹوں کے فرش پر گم صم سی کب سے چکرانی پھرتی تھی، رہ رہ کر اس کے ذہن میں جہان کا سیاہ چہرہ بے زار آنکھیں اور طنزیہ لہجہ در آتا تھا، کہیں سے بھی لگتا تھا اس نئے بندھن جانے والے تعلق سے خوشی سے سرشار بے قابو ہے، بلکہ اس کا اکتایا ہوا انداز تو کچھ اور کہانی بنا تا تھا، کتنے دن ہو گئے تھے اسے اس الجھن میں گرفتار ہوئے، بجھلے دو مہینے وہ ٹریٹمنٹ کے لئے لندن میں تھی، طبیعت زیادہ خراب تو نہیں تھی مگر یہ چھ ماہ بعد لینے والی ٹریٹمنٹ تھی جو اسے اس بیماری کے خلاف اضافی قوت مدافعت فراہم کرتی تھی، اس سے قبل وہ ہمیشہ یہ ٹریٹمنٹ لینے پہ متامل ہوا کرتی تھی مگر اس مرتبہ زندگی نے جو انداز بدلا تھا تو وہ ماما کے کہے بغیر خود وہاں جانے کو تیار ہو گئی تھی، یہ اس سے ایک دن بعد کی بات تھی۔

جب جہان سے اس کا اتفاقی طور پر ٹکراؤ ہو گیا تھا، ڈالے تو اسے دیکھ کر ہی مسرا سزا ہو گئی تھی، جہان کی اتنی سی توجہ نے ہی اسے گلاب کی مانند کھلا دیا تھا، صندل کی طرح سلگا کر مشکبویہ کر ڈالا تھا، مگر یہ شمار زیادہ قائم نہیں رہ سکا تھا، کچھ تھا جہان کے رویے میں جس نے اسے حواسوں میں لوٹایا تھا اور حیرت کے بعد کرب میں مبتلا کر دیا تھا، وہ چاہتی تو مسز آفریدی سے بھی اس بات کی تصدیق کرا سکتی تھی مگر بہت سوچنے کے بعد اس نے جہان کو کال کرنے کا فیصلہ کیا تھا، اس کا ذاتی خیال تھا جہان کو اس کی یہ بے احتیاطی ناگواری سے دو چار کر گئی ہے، اس کے ایکسکوز کو تو پتہ نہیں جہان نے ایکسپٹ کیا یا نہیں البتہ اپنی فیملی کو ضرور ڈالے پہ واضح کر دی تھی وہ اس دن سے ہی مضطرب اور بیکل تھی، جانے کیوں اسے لگ رہا تھا کچھ مسنگ تھا، کیا یہ وہ نہیں جانتی تھی کئی بار جی میں آئی مسز آفریدی سے باز پرس کرے مگر وہ یہ بات بھی اچھی طرح سے جانتی تھی مسز آفریدی کسی طور بھی اپنا کوئی راز اس پہ آشکار نہیں ہونے دیں گی، جہان سے کچھ پوچھنا دوسرے لفظوں میں خود کو مزید ڈی گریڈ کرنے کے مترادف تھا جو بہر حال اسے گوارا نہیں تھا۔

”ڈالے!“ اس نے چونک کر سر اٹھایا، مسز آفریدی اپنے کمرے کے ٹیرس کی ریلنگ سے جھکیں اسے غصے سے پکار رہی تھیں۔

ڈالے نے انہیں دیکھا ضرور تھا جواب میں کوئی رسپانس نہیں دیا حالانکہ وہ اسے ہاتھ کے اشارے سے اپنے کمرے میں جانے کا کہہ رہی تھیں، جسے انکوور کیے ڈالے دیں ایک کمرے پہ گرنے کے انداز میں بیٹھ گئی، شدید اضطراب کے باعث اس کی سانسیں غیر ہموار ہونا شروع ہو چکی تھیں۔

”اس وقت آدمی رات کو یہاں کیا کر رہی ہو؟ پاگل ہو تم ہی۔“ مسز آفریدی کو اس کی ہٹ دھرمی کے سامنے خود پسپا ہونا پڑا تھا، شب خوابی کے ریشمی تیز رنگ کے لبادے میں لپٹیں کھلے بالوں کے ساتھ وہ جھنجھلاہٹ کا شکار اس کے سامنے تھیں۔

”میں آدمی رات کو یہاں ٹہلوں یا بھری دو پہر میں، آپ کو اس سے غرض نہیں ہونی چاہیے مئی!“ وہ پھٹ پڑی تھی، مسز آفریدی نے حیرت بھرے انداز میں آنکھیں پھیلا کر اسے دیکھا، اس وقت اس نے بہت شوخ رنگوں میں دل فریب سی شرٹ پہنی ہوئی تھی جس سے اس کی نرم ملائم بانہیں موی شمعوں کی طرح روشن روشن نظر آتی تھیں، آف وایت ٹراؤزر تھالیح پیروں میں پنک ٹکر کی چپل اس کے ریشمی بالوں کا سیاہ آبشار پشت پہ سپدھا گر رہا تھا، اس چنگی ہوئی چاندنی میں اپنی سحر انگیزی کے ہمراہ وہ خود بھی چاند کا ہی ٹکڑا لگ رہی تھی، اسی بل تیز ہوا کے جھونکے نے اس کے اجلے چہرے کو اسی کے بالوں میں چھپانے کی کوشش کی جیسے دیکھنا چاہتی ہو کہ یہ روشنی بادلوں میں چھپ کر کیسی لگ سکتی ہے، مسز آفریدی نے اس بل اسے اپنی نہیں جہان کی نگاہ سے دیکھا تھا اور پھر زخم سے مسکرا دی تھیں۔

(تمہارا سارا طنطنہ ساری اکڑ دھری رہ جائے گی جہاں گیسر حسن شاہ، میری بیٹی ہرگز بھی کوئی عام لڑکی نہیں ہے، بس ایک مرتبہ تم اسے پوری توجہ سے دیکھ لو، سحر سے نکلنا بھی چاہو تو کامیابی نہیں ہو گی۔)

”اتنی خفا کیوں ہے مجھ سے میری بیٹی!“ انہوں نے آگے بڑھ کر بے ساختگی میں اسے چوما، ڈالے اسی حد تک بے زاری میں مبتلا ہو گئی۔

”مئی کیا میں آپ سے پوچھ سکتی ہوں شاہ آپ سے اتنے خفا کیوں ہیں؟ صرف آپ سے ہی نہیں مجھ سے بھی..... آپ کو یاد ہے آپ کہتی تھیں کہ.....“ اس کا گلابھرا سا گیا، وہ ایک دم خاموش ہوئی تھی پھر ہونٹ بھینچ لئے، مسز آفریدی نے اس کے ہونٹوں کی لرزش اور آنکھوں کی سطح پہ پھلتی نمی کو دیکھا تھا اور اپنی آنکھیں جلتی محسوس کی تھیں۔

”وہ ملا ہے تم سے؟ یہاں آیا تھا؟“ اندر کی تمام ناگواری چھپا کر انہوں نے سرد آواز میں استفسار کیا تھا، ڈالے نے متاسفانہ سانس کھینچی۔

”یہاں وہ اس صورت میں آتے مئی اگر انہیں آپ سے یا مجھ سے ملنے کی خواہش ہوتی، مجھے نہیں لگتا انہیں ایسی کوئی خواہش ہو۔“ وہ گلوگیر آواز میں کہہ کر پھر ہونٹ کاٹنے لگی۔

”فضول کی قیاس آرائیاں کیوں کر رہی ہو ڈالے، ایسی بات نہیں ہے۔“ مسز آفریدی نے اس نے نگاہ چرائی تھی اور بے ساختہ ڈانٹا، ڈالے کے ہونٹوں پہ زہر خند پھیلنے لگا۔

”کوئی بھی انسان اگر جھوٹ نہیں بول رہا ہوتا تو اسے نظریں چرانے کا ضرورت پیش نہیں آتی مئی! بہتر ہوگا آپ اصل بات سے مجھے بے خبر نہ رکھیں، کیا کیا ہے آپ نے شاہ کے تھا کہ اتنے روڈ ہو رہے ہیں۔“ ڈالے کے انداز میں صدیوں کی تھکان اتر آئی تھی، مسز آفریدی نے اب کے تلملاہٹ میں پیر پٹنے تھے۔

”تم مجھے ہمیشہ غلط سمجھتی ہوئی اور یہ تمہارا اپنا چھوٹا پن ہے، تمہاری خاطر پتہ نہیں کیا کچھ کرتی

پھر رہی ہوں اور آپ ہیں کہ.....
 ”کیا کر رہی ہیں مئی! بتائیں نا مجھے، ایسا کیا کر رہی ہیں آپ اور کیوں؟ جو مجھے بھی آپ کے ساتھ لوگوں کی نظروں سے گرا رہا ہے۔“ اب کی مرتبہ وہ خود پہ ضبط نہیں کر سکی اور رو دی تھی، جہاں کارویہ اسے اس دن سے سولی پہ لٹکائے ہوئے تھا وہ ہر لمحہ اذیت سے دوچار تھی اور مسز آفریدی کو پرواہ تک نہیں تھی۔

”ہنی..... ہنی..... ڈالے مائی لو کیا ہو گیا؟“ مسز آفریدی نے گھبرا کر اسے اپنے ساتھ لگانا چاہا تھا مگر ڈالے تڑپ کر فاصلے پہ ہوئی تھی۔

”مجھے آپ کی جھوٹی تسلیوں اور دلاسون کی ضرورت نہیں ہے مئی! ایک بات یاد رکھیے گا اگر آپ کی وجہ سے میں شاہ کی نظروں سے گری تو میں خود کو شوٹ کر لوں گی، آپ جانتی ہیں میں ان سے شادی نہیں کرنا چاہتی تھی مگر آپ نے.....“ اس کی سانسیں الجھ گئی تھیں اسے بولنے میں دشواری محسوس ہوئی اور کھانسی کا شدید حملہ ہوا تھا، بات ادھوری چھوڑ کر وہ کھانستے ہوئے بڑھال ہونے لگی، مسز آفریدی نے ایک بار پھر سے تھا منا اور خود سے قریب کرنا چاہا تھا مگر ڈالے ان کے ہاتھ جھٹک کر یونہی سستی ہوئی اپنے کمرے کی جانب بھاگتی ہوئی چلی گئی تھی، مسز آفریدی ساکن کھڑی تھیں۔

☆☆☆

معاذ نے کچن کے آگے سے گزرتے ہوئے آتش آہل کی جھلک دیکھی تو اس کے قدم بے اختیار رک گئے تھے، کچھ لمحے سوچا پھر آہستگی سے آگے بڑھ آیا، زرد بڑے بڑے پھولوں کی لائنگ شرٹ وائٹ ٹراؤزر کے ساتھ پہنے بے تحاشا سلی سیاہ جمنلیں بالوں کو نازک سے کچر میں مقید کیا ہوا تھا، جونہایت سیدھے پشت پہ گر رہے تھے، رستھی زرد کناری والا دوپٹہ شانے پہ جھولتا زمین پہ جھاڑو دے رہا تھا اور وہ خود بہت مگن انداز میں کوکنگ ریج کے آگے مصروف عمل تھی یہاں وہاں متحرک اس کی آمد سے بے خبر کہ دروازے کی جانب اس کی پشت تھی۔

میں اس کا ہوں اس راز کو وہ جان گیا ہے

وہ کس کا ہے یہ سوال مجھے سونے نہیں دیتا

اس نے آہ بھر کے کہا تھا، پر نیاں اس کی آواز پہ سراسیمہ ہو کر پیشی اس طرح کہ ہاتھ باقاعدہ دل پہ رکھ لیا تھا، وہ پوری جان سے متوجہ تھا، آنکھوں میں شوق کے ساتھ شکوؤں کا بھی اک جہان آباد کیے، پر نیاں شیشائی تھی۔

”آپ..... کچھ چاہیے؟“

یہ رات کا وقت تھا، بھابھی کو کچن میں مصروف دیکھ کر وہ جو اپنے لئے چائے بنانے آئی تھی ان کی مدد کے خیال سے رک گئی تھی، بھابھی کو جنید بھائی نے بلا لیا تھا، پر نیاں نے انہیں واپس آنے سے منع کر دیا۔

”تھوڑا سا کچن ہی سمیٹنا ہے نا بھابھی میں کر لوں گی، آپ آرام کریں۔“ بھابھی پر یکٹ تھیں اور کچھ ہی دنوں میں ان کے ہاں بچے کی ولادت متوقع تھی ان کی حالت خاصی قابل رحم ہو رہی

تھی، ڈاکٹر کی ہدایت تھی کام کارج کرنے کی ورنہ کوئی مجبوری نہیں تھی اس کے باوجود گھر کی تمام خواتین ان کے آرام کا خیال کرتی تھیں، اس وقت بھی پر نیاں نے اسی وجہ سے انہیں بھیج دیا تھا اور وہ اس کی اچھی خاص مشکور ہوئی تھیں، پر نیاں چائے بنانے کے ساتھ چند ایک ان دھلے جو برتن تھے انہیں بھی دھو چکی تھی کہ معاذ کی آمد نے اس گھبراہٹ سے دوچار کر دیا تھا۔

”میرا مطلب ہے چائے وغیرہ۔“ معاذ کی نظروں کو ذومعنی انداز میں اپنے چہرے پہ ٹھہرنا اسے کچھ اور بھی بوکھلانے کا باعث بنا تھا، جیسی وضاحت کی۔
 ”نہیں کچھ اور.....“

”ک..... کیا؟“ پر نیاں کی سوالیہ نگاہیں لمحہ بھر کو اسی مگر اسی کی نظروں کی تاب نہ لاتے ہوئے پھر جھک گئی تھیں۔

انگلیاں پھیر میرے بالوں میں

میرا درد نہیں جاتا

اس کی گنگناہٹ پہ پر نیاں کی رنگت دہک گئی تھی، ہتھیلیاں بیسنے لگیں۔

”آپ جائیں یہاں سے پلیز۔“ وہ بے حد عاجز ہو کر بولی تھی، معاذ نے غلٹی سے اسے

دیکھا۔

”ڈرتی ہیں نا آپ؟ مگر میں نہیں ڈرتا، سب جانتے ہیں یہاں کہ میں آپ سے محبت کرتا ہوں اور آپ کو اپنانے کا قسمتی ہوں۔“ وہ اسی اعتماد اور زعم سے بولا تھا جو اس کی شخصیت کا خاصہ اور پہچان تھی، پر نیاں نے گہرا سانس بھرا پھر جزبہ ہو کر بولی تھی۔

”اور آپ کی وہ منکوحہ..... اس کے بارے میں کیا سوچا آپ نے؟“ وہ بنا چاہتے ہوئے بھی پھر وہی حساس موضوع چھیڑ گئی جس کے تذکرے پہ وہ متعدد بار ہرٹ ہو چکی تھی، معاذ نے بہت چونک کر اسے دیکھا تھا پھر داہنا ہاتھ بالوں میں الجھا کر گہرا سانس کھینچا۔

”سب سے پہلے تو آپ مجھے یہ بتائیں پر نیاں کہ یہ اتنے اندر کی بات آخر کس نے آپ کو بتائی ہے؟“ وہ کس قدر جھلاہٹ کا شکار لگنے لگا پر نیاں نے نگاہ اس کے چہرے پہ لمحہ بھر کو ڈالی پھر چہرے کا رخ پھیر لیا۔

”اہمیت اس بات کی نہیں ہے، اہم سوال وہ ہے جو میں نے آپ سے کیا ہے؟“ اب کے وہ قدرے جیسے ہوئے لہجے میں بولی تھی، معاذ اسے دیکھتا رہ گیا۔

”میں آپ سے کوئی غلط بیانی کر کے آپ کو دھوکے میں رکھنا نہیں چاہتا، میں اس لڑکی کو چھوڑنے کا ارادہ نہیں رکھتا، اس کے باوجود کہ آپ ایسا چاہیں، بی کوڑ وہ پاپا کی منتخب کی ہوئی ہے اور ایسا کوئی قدم اٹھا کر میں پاپا کو ہرٹ نہیں کر سکتا۔“ اس نے صاف گوئی سے جواب دیا تھا، پر نیاں کے چہرے پہ ایک لمحے کو روشنی سی چھا گئی، مگر اس نے اپنے تاثرات بہت خوبصورتی سے چھپا لئے تھے۔

”لیکن صرف نکاح کے بندھن میں رکھنا اور باقی حقوق کی پاسداری سے غفلت برتتے رکھنا بھی تو اس فرق ثانی کے ساتھ سراسر زیادتی ہے نا، اگر آپ کا انہیں چھوڑنے کا ارادہ نہیں ہے تو

آپ نے ان سے ملنے یا پھر اپنی رخصت کرانے کے متعلق کیوں نہیں سوچا؟“ پر نیاں نے اپنے دل میں ہمیشہ سے کنڈلی مارے اس سوال کو اس کے سامنے رکھا تھا اور بہت اعتماد سے اس کی جانب دیکھتے ہوئے جواب دہی کی تھی، اب کی مرتبہ معاذ قد زے جھنجھلاہٹ کا شکار ہوا تھا۔

”مجھے ایک بات کی سمجھ نہیں آتی آپ کو اس انجانی لڑکی سے اتنی ہمدردی کیوں ہے آخر؟ وہ بھی اس صورت جبکہ میں آپ کو پسند کرتا ہوں، آپ سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔“ پر نیاں نے جواباً گہرا سانس کھینچا پھر اپنا چائے کا کسی حد تک ٹھنڈا ہو جانے والا گک اٹھا کر ہونٹوں سے لگا لیا تھا ایک سیپ لیا پھر اسی اطمینان سے بولی تھی۔

”اسی لئے تو مجھے یہ فکر ہے کہ آپ کا آئندہ لائحہ عمل کیا ہوگا؟“ معاذ دنگ رہ گیا، پھر خود کو سنبھال کر اس کی جانب خفیف سا جھکا اور آنکھوں میں جھانکنے کی کوشش کرتا ہوا مسکراہٹ دبا کر بولا تھا۔

”اس کا مطلب آپ مجھ سے شادی پر راضی ہیں؟“ پر نیاں بے تحاشا سرخ پڑ گئی، بے اختیار دو قدم پیچھے ہوئی اور لرزتی پلکیں جھکا دیں۔

”میں نے ابھی اقرار نہیں کیا۔“
 ”انکار بھی نہیں کیا پھر یہ نفی کس سلسلے کی کڑی ہے بھلا؟“ معاذ کا موڈ از حد خوشگوار بیت سمیٹ لایا تھا، مسکراہٹ مستقل اس کے ہونٹوں پہ آن جی تھی، پر نیاں محبوب سی ہو گئی، واقعی دھری گئی تھی وہ بھی بری طرح، جی جھنجھلاہٹ میں حیا کو چھپانا چاہا۔

”آپ میری بات کا جواب دیں پلیز۔“ معاذ کو سنجیدہ ہونا پڑا تھا۔
 ”میں اس لڑکی سے ابھی تک ملا نہیں ہوں پر نیاں! لیکن یہ طے ہے کہ اگر میں اسے ڈائیورس نہیں کروں گا تو آف کورس مجھے اس رخصت بھی کرانا ہے اور حقوق کی ادائیگی بھی کرنی ہے۔“
 پر نیاں کے دل میں بیوست آخری خار بھی نکل گیا، وہ بے اختیار ریلیکس ہوئی تھی کچھ کہے بغیر اپنی چاہے ختم کرتی رہی جبکہ معاذ کو اس کی خاموشی نے مضطرب کیا تھا۔

”آپ خفا ہو گئی ہیں؟ سوری پر نیاں لیکن دیانتداری کا تقاضا تو یہی ہے نا۔“ وہ جیسے اپنی بات کی وضاحت کرتا ہوا اس کی موڈ بحال کرنے کی کوشش میں مصروف تھا، پر نیاں کو بے تحاشا ہنسی آئی جسے اس نے ضبط کیا تھا۔

”آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں سر! اور میں بھلا کیوں خفا ہوں گی۔“ جواباً اس نے رسائیت سے کہا تھا مگر معاذ مطمئن نہیں ہونکا۔
 ”آپ کی خاموشی صاف بتاتی ہے کہ آپ ہرٹ ہوئی ہیں۔“ پر نیاں نے گہرا سانس کھینچا، پھر اسے دیکھ کر بظاہر لا جاری سے بولی تھی۔

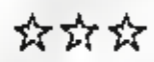
”دیکھیں مجھے یہ سمجھ نہیں آرہی جب آپ نکاح کر چکے ہیں اور اپنی بیوی کے ساتھ زندگی گزارنے کا ارادہ بھی ہے تو پھر مجھے کیوں اپنا پابند کرنا چاہتے ہیں؟“ اب اسے لطف محسوس ہو رہا تھا معاذ کو تنگ کر کے، معاذ کے چہرے پہ ایک رنگ سا آ کر گزر گیا، پھر اس نے سرعت سے خود کو سنبھالا تھا۔

”یہ نکاح پانے زبردستی کیا تھا، اگر میں اسے قائم رکھنا چاہتا ہوں تو بھی وجہ پیا ہی ہیں میں انہیں ہرٹ نہیں کرنا چاہتا، پر نیاں ہماری فیملی میں رشتوں اور تعلقات کی بہت اہمیت ہے ہم ایک دوسرے کے جذبات کا بہت احترام کرتے ہیں اور میں سمجھتا ہوں اسی میں زندگی کی خوبصورتی کے تمام رنگ پنہاں ہیں، زندگی ان رنگوں کے بغیر بھی گزر سکتی ہے بلاشبہ مگر اس میں وہ چارم اور دلکشی بہر حال نہیں ہوگی، اب یہی دیکھ لیں، میں نے آپ کو پسند کیا اپنے لئے، میری فیملی نے کتنی فراخ دلی سے آپ کو قبول کیا ہے، کیوں؟ اس لئے تاکہ انہیں میری ضرورت ہے وہ لوگ مجھے مکمل دیکھنا چاہتے ہیں، میں آپ سے محبت کرنے لگا ہوں آپ کو کھو کر میں خود کو ادھورا محسوس کروں گا اور یہی میں نہیں چاہتا۔“

منفصل اور واضح جواب تھا پر نیاں کے پاس کہنے کو کچھ باقی نہیں رہا تھا، وہ ایک بار پھر خاموش تھی، البتہ اسے معاذ کی بے خبری وہ بھی اس درجہ بے خبری یہ اب تاؤ کی بجائے تھی آ رہی تھی، اس نے خالی گک دھو کر واپس اس کی جگہ پہ پہنچایا پھر دروازے کی جانب بڑھی تھی کہ معاذ نے ہاتھ بڑھا کر اس کا راستہ روک لیا، وہ تھم سی گئی اور سوالیہ نگاہیں اس کی جانب اٹھائیں۔

”اک بات کہوں پر نیاں؟“ وہ کچن کی چوکھٹ سے کاندھا ٹکائے سینے پہ بازو لپیٹے کھڑا تھا، سیاہ جینز پہ وائٹ شرٹ میں اس کا دراز کسرتی وجود کچھ اور بھی نمایاں اور شاندار لگ رہا تھا، پر نیاں کی پلکیں آہستگی سے جھک گئیں، گویا اجازت دی گئی تھی، معاذ مسکرا دیا تھا۔

”آج آپ ایک بالکل انوکھے اور نئے روپ میں میرے سامنے آئی ہیں اور یہ انداز اتنا انوکھا اور دلکش ہے کہ میرا جی چاہ رہا ہے یونہی ہم اک دوسرے کے ساتھ رہیں اور رات بیت جائے۔“ پر نیاں کا دل زور سے دھڑکا تھا، چہرے پہ حیا آمیز گھبراہٹ سرعت سے بکھرتی چلی گئی۔
 ”پلیز جانے دیں مجھے۔“ وہ یوں گھبرا کر بوکھلا کر بولی کہ اس کی اسی کیفیت سے خط لے کر معاذ قہقہے لگانے لگا تھا، پر نیاں اسے سامنے سے دھکیل کر کچن سے تیزی سے نکلتی چلی گئی، معاذ نے لمبا سانس کھینچ کر اس کی وہیں ٹھہر جانے والی خوشبو کو اپنے اندر اتارا تھا پھر سیٹی پہ کوئی شوخ دھن بجاتے ہوئے خود بھی اپنے کمرے کی جانب ہولیا۔



شاہ ہاؤس میں گہما گہمی کا عالم ہی نرالا تھا، دو دو تقریب اک ساتھ تھیں، پر نیاں کی رخصتی اور زیادہ کی منگنی، گھر کی کچھ کنٹرکشن کا کام جاری تھا، ساتھ میں شادی کی تیاریاں اور خرید داری بھی، پر نیاں کا زیادہ وقت شاہ ہاؤس میں ہی گزرتا تھا، معاذ بیچارے کو ابھی تک کسی بات کی ہوا نہیں لگنے دی گئی تھی، گھر میں ہونے والی یہ ساری تیاری اور پچھل کے لئے معقول بہانہ یعنی زیادہ کی منگنی کا موجود تھا، جیسی سب اسے اپنے آگے لگائے پھر رہے تھے، حالانکہ جہاں کو اب یہ سب فضول لگ رہا تھا اور اس نے زیادہ وغیرہ کو یہ بات سمجھائی بھی تھی۔

”اس شرارت کو مزید طول مت دو زیادہ کہیں یہ مذاق بد مزگی کا باعث نہ بن جائے۔“
 ”ایسا کچھ نہیں ہوگا بے آپ اپنے خدشے سنبھال کر رہیں۔“ جواب زیادہ کی بجائے زہن نے دیا تھا اور خاصے نخوت سے دیا تھا، اسے چپ ہونا پڑا تھا۔

”اور خبردار ہے آپ نے ہمدردی میں لالے کو کچھ بتانے کی کوشش کی تو.....؟“ اس تو کے آگے اللہ جانے کون سی دھمکی تھی جہان نے کاندھے اچکا دیئے تھے حالانکہ اس کا ذاتی خیال تھا اگر اب معاذ پہ حقیقت آشکار ہو جاتی تو وہ مائینڈ نہ کرتا اور اپنی شادی کی تمام تقریبات کو خود بھی انجوائے کر سکتا تھا، نکاح کے موقع یہ بھی اس کا موڈ خراب تھا اب پھر اسے بے جبر رکھ کر اس سے زیادتی کی جا رہی تھی جو جہان کو بہر حال ہنسنے نہیں ہو رہی تھی۔

”آپ کا کیا خیال ہے پر نیاں معاذ کو لالہ رہنا چاہیے؟“ جہان نے وہیں موجود پر نیاں کو معالے میں گھسیٹ لیا تھا، اس نے بے نیازی سے شانے جھٹک دیئے تھے۔

”کوئی حرج نہیں ہے بھائی! آخر انہوں نے بھی تو اتنا عرصہ مجھے زچ کیا تھا نا۔“ اسے بھی ان کا ہم خیال پا کے جہان ٹھنڈا سا نس بھر کے رہ گیا۔

”اوکے فائن! پھر جو بھی اس کا رسپانس ہو گا آپ لوگ بھگت لیجئے گا۔“ وہ اپنے طور پہ بری ذمہ ہو گیا، زینب نے قہقہہ لگایا۔

”ہم کیوں بھگتیں، یہ بھگتیں گی نا ان کی زوجہ محترمہ۔“ اور پر نیاں جہان کی موجودگی میں سرخ پڑنے لگی تھی، جہان وہاں سے اٹھ کر اپنے کمرے میں آیا تو ٹیبل پہ پڑا ہوا اس کا سیل فون مسلسل وائبریشن کر رہا تھا، جہان نے سیل فون اٹھا کر نمبر دیکھا اسکرین پہ چمکتے مسز آفریدی کے نام کو دیکھ کر اس کی پیشانی پہ ناگواری بکھر گئی تھی۔

”جی فرمائیے؟“
 ”ہمارے بیچ جو تعلق ہے جہانگیر حسن شاہ کیا وہ اس احساس کا بھی متقاضی نہیں کہ بات چیت کا آغاز رسمی طور پر ہی سہی مگر سلام دعا سے کر لیا جائے؟“ مسز آفریدی کا لہجہ سرد اور تنکا ہوا تھا، جہان کا موڈ خراب تو تھا ہی گویا اس طنز کے بعد مزید بگڑ گیا۔

”ہمارے بیچ جو تعلق ہے پہلے اس کے مطابق سوچ بچار تو کر لیں کہ اسے قائم رہنا بھی چاہیے یا نہیں، یہ گنجائش بعد میں نکلی گی۔“ وہ پھنکارا تھا اس کا چہرہ جانے کس جذبے کے تحت سرخ ہو چکا تھا، دوسری جانب یکنخت گمبیر سناٹا چھا گیا، ایک لمحے کو تو جہان کو لگا تھا رابطہ منقطع ہو گیا مگر اگلے بل اس کا خیال مسز آفریدی کی دھاڑنی آواز پہ غلط ثابت ہو گیا تھا۔

”تم کہنا کیا چاہتے ہو آخر؟“

”آپ نہ تو سادہ ہیں نہ معصوم کہ میں اتنی سیدھی بات کی وضاحت پیش کرتا پھر دوں۔“ جہان کا غصہ ہر لمحہ بڑھ رہا تھا وہ جس شدید ذہنی کرب میں مبتلا تھا کہ کم از کم مسز آفریدی کے ساتھ لحاظ اور مردت برتنے کو تیار نہیں تھا۔

”اگر میں کہوں کہ آپ حد سے بڑھ رہے ہیں جہانگیر حسن شاہ تو یہ غلط نہیں ہوگا۔“ وہ ضبط کھو کر چیخ پڑی تھی جہان نے شفر بھرے انداز میں زور سے سر جھٹکا۔

”آپ مجھے بتا سکتی ہیں آپ نے اس وقت زحمت کس سلسلے میں کی ہے؟“ اس کا لہجہ طنزیہ تھا، بغیر کسی لحاظ کے روکھا اور نخوت بھرا۔

”ہمیشہ تم مجھے مجبور کرتے ہو کہ میں تم جیسے فضول انسان کو منہ لگاؤں تمام تر ناپسندیدگی کے

باوجود، بتاؤ ڈالے سے کہاں ملے تھے تم؟ کہاں بلوایا تھا اسے جہان سادے کر، اگر تم اسے اپنے جذبات نہیں سنبھالے جاتے تو سیدھا سیدھا اسے رخصت کر کے لے جاؤ یہ کیا کہ.....“

”شٹ اپ جسٹ شٹ اپ۔“ وہ پوری طاقت صرف کر کے چلایا، مسز آفریدی کی بہبودہ الزام تراشی نے اس کا دماغ ماؤف کر کے رکھ دیا تھا، غم و غصے سے وہ پاگل ہونے لگا، جیسی ان کی مزید بکواس سے بغیر اس نے رابطہ منقطع کر دیا تھا اور یوں مضطرب سا کمرے میں چکرانے لگا جیسے بیروں تلے کانٹے بچھے ہوں، توہین سکی اور ہتک کے احساس نے اسے لمحوں میں ادھ موا کر کے رکھ دیا تھا۔

(میں کیوں ملوں گا ڈالے سے..... اوہ کہیں ڈالے نے ان کے سامنے اس معمولی واقعہ کو بڑھا چڑھا کر بیان تو نہیں کیا؟) وہ ایک دم ٹھنک گیا، اگلے لمحے اس نے سر ہاتھوں میں تھام لیا تھا۔
 کن گھٹیا لوگوں میں پھنس گیا تھا وہ، اسے رونا سا آنے لگا، مسز آفریدی کا نام بار بار اسکرین پر بٹنک کرتا تھا اور نیم تاریک کمرے کی دیواروں پہ نیلی روشنی کا عکس تھرکنے لگتا، جہان نے کال اٹینڈ نہیں کی وہ اس وقت ایسی کربناک اذیت کا شکار تھا کہ خود اپنے آپ سے بھی نگاہیں چار نہیں کر رہا تھا، چپ چاپ اٹھ کر وہ واش روم میں گھس گیا آدھے گھنٹے کے بعد شاور لے کر باہر نکلا تب بھی اس کے اندر کی آگ یونہی بھڑک رہی تھی، سیل فون کی مدھم ہوتی اسکرین پہ مسز آفریدی کے نام سے نوٹی مسڈ کا لڑتھیں، اس کے چہرے پہ زہر خند پھیل گیا، اس نے سیل فون اٹھا کر اس کے سوچ آف کا بٹن پیش کرنے کے بعد بستر پہ اچھال دیا تھا، اب اسے مسز آفریدی سے کس طرح پنپنا تھا یہ وہ طے کر چکا تھا۔

☆☆☆

کیمل کلر کے نفیس لباس میں اس نے آف وائیٹ مردانہ شمال اپنے مخصوص انداز میں کاندھوں کے گرد لپیٹی اور گھنٹی مونچھوں کو بل دے کر آئینے میں اپنے عکس کو مطمئن نظروں سے دیکھا، تیاری مکمل تھی وہ پلٹا تو نگاہ اپنے سیل فون پہ پڑی جو بیڈ کی پائسی کی جانب پڑا ہوا تھا، تیور خان نے اسکرین پہ چمکتے نام کو دیکھا۔

”زینب کالنگ۔“ اس کی پیشانی پہ بل پڑ گئے، اب وہ وقت گزر چکا تھا، جب وہ اسی ایک نام کو اپنے سیل فون کی اسکرین پہ دیکھنے کو بے تاب رہا کرتا تھا، اس کے نزدیک زینب دیگر عورتوں سے معمولی سے اہمیت کی حامل تھی، وہ بھی اس لئے کہ وہ اسے نکاح کے بغیر حاصل نہیں کر پایا تھا، وہ غضب کا زریعہ تھا، پہلی سے دوسری ملاقات میں ہی اس نے جان لیا تھا جہان کا زینب سے تعلق کس قسم کا تھا، پھر اس نے محض جہان کو ذہنی کرب میں مبتلا کرنے کی خاطر ہی شاہ ہاؤس میں زینب کے ساتھ بے تکلفی کی حدود کو پھلانگا تھا کچھ اس طرح کہ وہاں کے بھلے ماس کمینوں کو نہ صرف نکالیں جہان پڑتیں بلکہ وہ مارے شرمندگی کے کسی نہ کسی بہانے سے وہاں سے اٹھ جانے پہ مجبور ہو جاتے، حالانکہ زینب اسی بات پہ اس سے الجھی بھی تھی۔

”تیور کچھ تو خیال کیا کریں، آپ تو مجھے بھی شرمندہ کر دیتے ہیں۔“

”کیا مطلب ہے تمہارا زینب؟ میری محبت تمہارے لئے شرمندگی کا باعث ہے؟“ وہ الٹا اس

کے گلے پڑ گیا تھا، زینب کو لینے کے دسے پڑ گئے، کچا سے باز کراتی اسے تیمور کی منتیں کر کے منانا پڑ گیا تھا، تب جا کے اس کی انتہا کچھ کم ہوئی تھی، مگر جہان سے اس نے بیر ضرور باندھ لیا تھا، آتے جاتے جہان پہ طنز کے تیر اچھا نامتی خیز جملوں میں اس پہ نثر زنی کرنا اس کا معمول بنتا جا رہا تھا جسے اور کسی نے کس حد تک جانا اور سمجھا تھا وہ نہیں جانتا تھا کہ ہاں البتہ جہان اس سے ضرور کترانے اور گریزاں رہنے لگا تھا۔

”خیر بت زینب؟“ تیمور نے کال پک کر لی تھی، وہ کمرے سے نکل کر راہداری تک آ گیا تھا، اس کا رخ گیراج کی سمت تھا، راستے میں ملنے والے ملازم اسے دیکھ کر ہاتھ ماتھے پہ لے جا کر عاجزی سے سلام کرتے مگر وہ جواب دینے کا تکلف کیے بنا بے اعتنائی سے آگے بڑھتا رہا تھا، گیراج میں آ کر اس نے ڈرائیور کو گاڑی کی چابی دے کر اشارت کرنے کا اشارہ کیا اور خود زینب کی سمت متوجہ ہوا جو کہہ رہی تھی۔

”یہاں زیاد بھائی کی مٹنی کے ساتھ پر نیاں کی رخصتی کی تقریب ایک ساتھ منعقد ہو رہی ہیں، آپ نہیں تو میں تب تک وہاں ٹھہر جاؤں؟“

”پر نیاں کی رخصتی.....؟“ تیمور کی کشادہ پیشانی پہ ناگواری لہرائی، اس نے برہمی کے انداز میں ایک پتھر کو ٹھوک سے اڑایا تھا۔

”جی!“

”پر نیاں صاحبہ راضی ہو گئیں؟“ تیمور خان اندر کی بات سے زینب کی وجہ سے آگاہ تھا جیسی یہ اہم سوال کیا تھا۔

”ارے وہ تو ایک مذاق تھا، ورنہ حقیقت یہ تھی کہ پر نیاں بھابھی شروع دن سے ہی لالے سے امپریس تھیں، ہوتی کیوں نہ لالے میں کمی بھی تو کوئی نہیں ہے، ہزاروں لڑکیاں ان کی وجاہت پہ مرنی ہیں۔“ زینب کے لہجے میں بھائی کی محبت کا مان اور تفاخر تھا، تیمور کا حلق کچھ اور کڑوا ہوا۔

”تو اب مجھ سے کیا چاہتی ہو تم؟“ تیمور کی یہ پدمزگی کچھ اور بڑھی، ایک نونیز شکفتہ کلی جیسی ان چھوٹی لڑکی کی دسترس سے مکمل طور پہ باہر جا رہی تھی، جسے دیکھ کر چھوٹے اور محسوس کرنے کا خیال دامن گیر ہو جائے، پھر اس جیسا عیاش مرد جو کلی کلی منڈلانے والا بھنورا تھا، مگر پر نیاں کے لئے وہ ہمیشہ دل مسوس کر ہی رہا تھا، معاملہ سسرال ہی کا نہیں تھا وہ ہمیشہ اپنا دامن بچا کر گزرنے والا انسان تھا، جس نے اسی احتیاط کی بدولت اپنا بھرم اب تک قائم رکھا ہوا تھا، اس کا اختیار وادی کے علاقے میں ہی چلتا تھا، وادی سے باہر وہ ایک عام فرد تھا، پھر یہ لڑکی جس کی ملکیت تھی وہ معاذ حسن تھا، قوی بے باک اور نڈر انسان جس کے ارادے اس کے وجود کی مانند مضبوط اور چٹانی محسوس ہوتے تھے، تیمور سمجھ سکتا تھا اگر اس نے غلطی سے بھی کوئی فضول حرکت کی تو اسے قتل کر کے بھی معاذ اس کا قصور معاف کرنے کو تیار نہ ہوتا، جیسی وہ اس خبر کو لے کر بس دل میں ہی کھس اور جھلس سکتا تھا، ڈرائیور نے گاڑی اشارت کرنی تھی وہ پچھلی سیٹ پہ شاہانہ طنطنے کے ساتھ بیٹھا تو گاڑی پھانک سے نکل کر وادی کی پہاڑوں کے بیچ گھری اوپچی نیچی بل کھاتی سڑک پر دوڑنے لگی،

زینب کی کال اس نے ڈراپ کر دی تھی، زینب کا یہ جرم معمولی نہیں تھا کہ اس نے اس قسم کی خبر سنا کر اس کا اچھا بھلا موڈ غارت کر دیا تھا، اب اسے خود کو کیوز کرنے میں کچھ دقت لگتا تھا، شاندار براڈویزی سے آگے بڑھ رہی تھی، موسم تبدیل ہو رہا تھا، مگر گاڑی کے شیشے بند تھے، وادی کے مقامات میں پہنچ کر پہاڑ بلند تر اور سبز تر ہو گئے تھے، فضا میں پھلوں کی خوشبو تھی، مخرطبی چشموں والے گھراہنی تمام تر خوبصورتی کے ساتھ پورے علاقے میں پھیلے ہوئے نظر آ رہے تھے، گاڑی اسی خیزی سے آگے بڑھ رہی تھی، ایک موڈ مڑتے ہی جھیل اور مسجد صاف نظر آنے لگی، یہ منظر ڈوبتے سورج کی روشنی میں اتنا بھلا لگتا تھا کہ دیکھنے والا لمحہ بھر کو اس کے سحر سے نکل نہیں سکتا تھا، یہ کالی بڑی اور گہری جھیل تھی، جو چاروں طرف سے درختوں میں گھری ہوئی تھی، اکثر درختوں پر پھل بھی موجود تھے، گنگریٹ کی بنی ہوئی ایک خوش نما منڈیر جھیل کی حد بندی کرتی تھی، اس حد بندی کے ساتھ فٹ پاتھ تھا، جس پر مقامی اور غیر مقامی لوگ چلتے پھرتے نظر آ رہے تھے اب ڈھلاوان سڑک پر اوپر کی سمت جا رہی تھی، جلد ہی جھیل اور مسجد صاف نظر آنے لگے، اگلے بندرہ منٹ میں ایک صاف ستھری بنگلہ نما کوٹھی کے سامنے گاڑی لمحہ بھر کو رکھی تھی پھر ڈرائیور سے گزر کر پورج میں جا پہنچی، کوٹھی اندر سے نہایت صاف ستھری اور سبزے میں گھری ہوئی تھی، روشن روشن کھڑکیوں سے نیچے جھیل کا پانی دعوت نظارہ دیا کرتا تھا اور جھیل کے پار مسجد کے سفید مینار پوری شان سے سر اٹھائے کھڑے تھے، تیمور کا استقبال کرنے کو اندر سے ایک موٹی تازہ زیورات سے لدی خزانٹ قسم کی عورت تم پشتم باہر آئی تھی، وہ شکل سے ہی نا اقلہ لگتی تھی، اس کا ہر انداز و اطوار دعوت نظارہ دیتا تھا، وہ ادھیڑ عمر تھی مگر ادا میں دوشیزاؤں والی دکھا رہی تھی، تیمور سے وہ گلے ملی تھی پھر اس کا ہاتھ تھام کر بڑے والہانہ انداز میں اندر کی جانب لے کر چلی گئی۔

”کیا یہ اطلاع درست ہے کہ آپ کا ہاں بالکل نیا اور شاندار مال آیا ہے؟“ تیمور کی نگاہیں متلاشی انداز میں یہاں وہاں بھٹکی تھیں، عورت خباث بھرے انداز میں طویل تہتہ لگانے کے بعد بے باکی سے بولی تھی۔

”فکر کیوں کرتے ہیں سائیں، آپ کے اک اشارے پہ قدموں پہ شار ہونے کو بے تاب ہیں ساری، یہ بتائیں آپ کتنے دن قیام فرمائیں گے؟“

”قیام کا دورانیہ تو آپ کے مال سے ڈینڈ کرتا ہے۔“ وہ بھی تیمور خان تھا اس جنگل کا گھاٹگ شکاری، عورت اس کی برجستگی سے محفوظ ہو کر نہیں تھی تہتہ اس مرتبہ بھی طویل اور بے باک تھا۔

”آپ فکر نہ کریں جناب! ہمارے انتخاب کی آپ داد دیئے بغیر نہیں رہو گے۔“ تیمور مطمئن ہوا تھا، عورت کے ہمراہ کار پڈ سیزھیاں چڑھ کر وہ بالائی منزل پہ آ گیا تھا، کمر کشادہ اور دیکھ

زیب تھا، دیواروں میں یہاں قیام کرنے والوں کے ذوق کو مد نظر رکھتے ہوئے داہیات اور ناٹلی اعتراض پوسٹز نمایاں کر کے لگائے گئے تھے، ایک کھڑکی بائیں جانب کھلتی تھی، جس میں بل کھانی

سڑک نظر آتی تھی، پر آمدے کی کھڑکی سے جھیل کا بھی نظارہ کیا جا سکتا تھا، ایک شاندار باتھ روم میں نیم گرم پانی سے غسل کر کے وہ باہر آیا تو کھڑکی کے عین سامنے رکھی میز پہ کھانے کے لوازمات سجائے گئے تھے، بلیک چست جینز جو گھنٹوں سے ذرا نیچے آ کر ختم ہو جاتی تھی اور مختصر سے سٹیڈ لیس

ٹاپ میں ملبوس منہرے بالوں والی لڑکی غیر ملکی شراب کی بوتل میز پر رکھ رہی تھی، اس کے ذرا سا جھکنے پہ گلے کا گہرا گھاٹ قابل اعتراض حد تک گہرائی سمیٹ لاتا تھا، تیمور کی خدمت پہ معمور ہوئی تھی، تیمور خان کی وہ بے زاری جو پر نیاں کی رخصتی کا سن کر اس پہ طاری ہوئی تھی بھاب بن کر اڑتی محسوس ہوئی، وہ کھانے سے زیادہ اس لڑکی میں گم ہو رہا تھا، جس کی ادا میں قاتل تھیں کچھ فاصلے پہ پڑے اس کے سیل فون کی اسکرین پہ بار بار زینب کا لنگ کے الفاظ چمکتے تھے مگر وہ اس جانب ہرگز متوجہ نہیں تھا۔

☆☆☆

جن جنا دے نیڑے نیڑے ہو
ڈھول جانا دے نیڑے نیڑے ہو
کہندیاں نے بانہواں مینوں دور نہ کھلو
جن جنا دے نیڑے نیڑے ہو

اس کا میوز بے حد خوش گو اور تھا، کالج سے واپسی پہ اس نے گاڑی کا رخ شاپنگ مال کی جانب موڑ دیا تھا، کچھ سوچنے کے بعد اور بہت خواری کے بعد وہ پر نیاں کے لئے ایک مہنگا ترین جیولری سیٹ خرید سکا تھا، اسے کچھ بھی پر نیاں کے شایان شان نہیں لگ رہا تھا، اب جبکہ اس نے معاذ کو قبولیت کی سند بخش دی تھی تو یقیناً اس کا تحفہ بھی لازمی قبول کرتی، اس نے تصور کی آنکھ سے پر نیاں کی گردن میں اس طلائی چین اور موتی کا تصور کیا اور آہستگی سے مسکرا دیا تھا۔

سڑک پہ بے تحاشا ٹریفک تھی، سرخ سنگل ہوا تو اس نے گہرا سانس بھر کے گاڑی کو لمبی قطار میں شامل کر لیا، اسی پل اس کے سیل کی بیپ ہونے لگی تھی، معاذ نے چونک کر کوٹ کی جیب میں ہاتھ ڈالا، اسکرین پہ نام کی بجائے ہندی سے بلنگ کرتے تھے، معاذ نے ایک نظر آہستگی سے ریگٹی گاڑیوں کی قطار کو دیکھا پھر کال ریسو کی تھی۔

”معاذ حسن سے بات کر رہی ہوں نا میں؟“ اس کے کچھ کہنے سے قبل ہی دوسری جانب سے بے سبری سے پوچھا گیا، نسوانی کھنک دار لہجہ تھا، جسے معاذ پہچاننے سے بہر حال قاصر رہا تھا۔

”جی مگر آپ.....؟“

”نیہاں بات کر رہی ہوں سر!“ اسی اعتماد سے تعارف پیش کیا گیا، معاذ کی حیرانی بڑھی تھی۔

”جی نیہاں خیریت؟“

”مجھے آپ سے ضروری بات کرنی تھی سر۔“

”ایسی کون سی ضروری بات تھی نیہاں؟ کچھ دیر پہلے میں کلاس میں تھا آپ کر لیتی بات۔“

معاذ نے رسائیت آمیز لہجے میں جواب دیا تو دوسری جانب نیہاں ہنسنے لگی تھی۔

”مجھے جو بات آپ سے کرنی تھی اس کے لئے کلاس روم کا ماحول ہرگز بھی سوٹ ایبل نہیں تھا سر۔“

”ایسی کون سی بات ہے؟“ معاذ کا ماتھا ٹھنکا اس لڑکی کی حرکتیں اسے ویسے ہی کچھ ناگوار محسوس ہوا کرتی تھیں۔

”بہتر نہیں ہوگا سر کہ ہم کہیں مل لیں اور میں آپ کے روبرو وہ کہہ دوں جو کہنا چاہ رہی ہوں۔“

”ہرگز نہیں، میں اس طرح ملنا پسند نہیں کرتا، آپ جو کہنا چاہتی ہیں ایسے ہی کہیں۔“ معاذ نے ناگواری دبا کر قطعیت بھرے انداز کو اختیار کیا، تو دوسری جانب کچھ کھوں کو خاموشی چھا گئی۔

”اےف یو ڈونٹ مائنڈ سر! لیکن میں پوچھنا ضرور چاہوں گی کہ اس قسم کی حد بندی آپ نے صرف میرے لئے ہی کیوں لگائی، جبکہ مس پر نیاں کے ساتھ تو.....“

”ویل یوشٹ اپ نیہاں! آپ آخر جتلانا کیا چاہتی ہیں؟“ معاذ کو یلخت بے تحاشا غصہ آ گیا تھا۔

”کیا آپ نہیں سمجھ رہے ہیں کہ میں کیا جتلانا چاہ رہی ہوں سر؟“ وہ خائف ہوئے بنا جھج کر بولی تھی، معاذ نے جھلا کر کال ڈراپ کر دی، وہی نمبر پھر بلنگ کرنے لگا مگر معاذ نے سیل فون ڈیش بورڈ پہ اچھال دیا تھا، بھینچے ہوئے ہونٹوں کے ساتھ آدھے گھنٹے بعد جب وہ گھر پہنچا تو بھی اس کا موڈ اس بات کو لے کر برہم تھا۔

”جے کی طرح ماما کو بھی یہی فکر ہے کہ ہمیں لالے کو اصل بات بتا دینی چاہیے، وہ اس بات سے خوفزدہ ہیں کہیں لالے کا موڈ خراب ہو جائے۔“ لادونج کے آگے سے گزرتے ہوئے اسے زینب کی ہنستی ہوئی آواز سنائی دی تھی، وہ دھیان دیئے بنا آگے بڑھ رہا تھا مگر بھابھی کی کہی بات نے اس کے قدم ٹھنکا دیئے تھے۔

”میرا بھی یہی خیال ہے زینب اب اس ڈرامے کا ڈراپ سین کر دیا جائے، بس بہت ہو گئی پتھارا معاذ بہت دیر بے وقوف بن گیا تمہارے ہاتھوں، میں سمجھتی ہوں یہ بات اسے پتہ چل جانی چاہیے کہ پر نیاں ہی اس کی منکوحہ ہے۔“ بھابھی ہنس رہی تھیں، وہ سنانے کی زد پہ کھڑا رہ گیا۔

حیرانی، پریشانی، تھیر، تھب، بے یقینی، صدمہ، جیسے ہر لفظ اس کی کیفیت بیان کرنے کے لئے ناکافی ثابت ہو رہا تھا، کچھ دیر وہ سکتے کے عالم میں کھڑا رہا تھا پھر وہ جیسے اس کیفیت سے باہر آیا، اس کی جگہ طیش، غیض اور اشتعال نے لے لی، اس کی آنکھیں یلخت دہک اٹھی تھیں، کچھ کہے بغیر وہ ایک جھکنے سے آگے بڑھ گیا تھا۔

(جاری ہے)

”انتقال پر ملال“

ہماری مصنفہ فرحت شوکت کی والدہ چار اپریل کو تقاضائے الہی سے انتقال کر گئیں۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

ہم دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرحت کی والدہ کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام سے نوازے اور ان کے اہل خانہ کو صبر جمیل عطا فرمائے آمین قارئین سے التماس ہے کہ مرحومہ کے ایصالِ ثواب کے لئے دعا کریں۔

نغمہ نغمہ نغمہ

امیریم

بیسویں قسط کا خلاصہ:

مما معاذ کا رجحان اور جھکاؤ پر نیاں کی طرف محسوس کر کے دل میں اطمینان پاتی ہیں اور پاپا سے بات کر کے پر نیاں کی رخصتی کی خواہش ظاہر کرتی ہیں، پاپا کو اعتراض نہیں ہوتا، وہ خود پر نیاں کو نرمی سے سمجھا کر قائل کرتے ہیں اور یوں اس کی رخصتی کی گھر میں تیاریاں شروع ہو جاتی ہیں، معاذ یہ حقیقت ابھی تک آشکار نہیں ہوئی اس پر ستم اسے شادی کی ٹکس ہو جانے والی ڈیٹ سے بھی آگاہ نہیں کیا، معاذ پر نیاں کے ساتھ کھل کر بات کرتا ہے اور اپنی پسندیدگی کے اظہار کے ساتھ اپنی منکوحہ کے لئے بھی نیک خیالات کا اظہار پر نیاں کو اس کے معاملے میں نرم کر دیتا ہے۔

جہان کا ٹکراؤ ڈالے سے ہوتا ہے، وہ ا کے تنہا گھر سے نکلنے سے اسے ڈانٹتا ہے اور گھر ڈراپ کرتا ہے، مسز آفریدی فون پہ اسی ایک بات کا حوالہ دے کر خاصے خطی انداز میں جہان کو روک دیتی ہیں جس پہ وہ غصے میں آؤٹ ہونے لگتا ہے۔

نیہاں فون پہ معاذ کو ملنے کا کہتی ہے، منع کرنے پہ وہ بھڑک کر پر نیاں کے حوالے سے طعنہ دیتی ہے معاذ غصے میں فون کاٹ دیتا ہے گھر پہنچنے پہ وہ زینب اور بھانجی کی بات سن لیتا ہے جس میں اس پر انکشاف ہوتا کہ پر نیاں ہی اس کی منکوحہ ہے، وہ غم و غصے کی شدتوں سے اپنا دماغ ماؤف محسوس کرتا ہے۔

اکیسویں قسط

اب آپ آگے پڑھیے



اس کے سر میں مسلسل دھماکے ہو رہے تھے، ایک لمحے کو تو اتنا غصہ آیا تھا کہ جی چاہا تھا اندر گھس جائے اور جو منہ میں آئے کہہ کر ان سب کی طبیعت صاف کر کے رکھ دے مگر اس نے خود کو کمپوزڈ کر لیا تھا، اپنے کمرے میں آنے کے بعد اس نے ایک دھماکے سے دروازہ بند کیا پھر کوٹ اور ٹائی اتار کر بستر پہ پھینک دیئے، اس کے لئے یہ احساس ہی بے تحاشا ہنگ کا باعث تھا کہ وہ بے وقوف بنایا گیا تھا وہ بھی اتنی آسانی سے، اس کی نگاہوں میں گزشتہ روز و شب کی ایک فلم سی چل رہی تھی، کیا وہ شکل سے اتنا احمق نظر آتا تھا کہ اسے اتنی آسانی کے ساتھ ڈیپ کر دیا گیا تھا، سوچ سوچ کر اس کا رخسار خون بڑھتا گیا اس کا غصہ کمرے کی نازک ترین چیزوں پہ اتر رہا تھا، وہ نازک ہی نہیں شاہانہ مزاج بھی تھا اور ہمیشہ اپنی ذہانت سے اس نے فخر کیا تھا، مگر یہ معاملہ ایسا ہوا تھا کہ وہ بل کھا کر رہ گیا تھا، دیکھا جاتا تو یہ سامنے کی بات تھی، سارے راز کھلے پڑے تھے، پر نیاں کا اس گھر میں آنا جانا، گریز ہاشل میں قیام گھر والوں کا اسے اس درجہ اہمیت دینا سے لے کر خود پر نیاں کا معاذ سے یہ خصوصی تسم کا گریز والا رویہ، از خود ساری کہانی سناتے تھے وہ یہی سمجھنا نہیں چاہتا تھا، پھر اگر وہ بے وقوف بنایا گیا تھا تو کیا عجب تھا، اسے بانی سب کے ساتھ ساتھ خود اپنے اوپر بھی تاؤ آنے لگا۔

”ہاں میں واقعی احمق تھا۔“ اس نے دانت کچکپائے۔

”اور وہ پر نیاں..... اس نے بھی میرا مصحکہ اڑایا، وہ بھی سب کے ساتھ مل گئی، میرا اتنا تصور نہیں تھا، میں نے اسے دیکھا ہی کہاں تھا، اور وہ..... وہ مجھے کیسے کیسے نہیں زچ کرتی رہی، اس کا بار بار اور کرید کرید کر سارے سوال کرنا بھی مجھے نہیں سمجھا، کا، تف ہے مجھ پہ، تف ہے معاذ حسن تمہاری ذہانت پہ۔“ اس نے ایک اور کرشل واز اٹھا کر دیوار پہ دے مارا تھا۔

”معاذ حسن کو بے وقوف بنانے کی سزا معمولی نہیں ہے پر نیاں صاحبہ، میرے خیال میں سب سے زیادہ آپ کو ہی خمیازہ بھگتنا چاہیے، کبھی یاد کرو گی کسی کو نول بنایا تھا۔“ میز کو ٹھوکر لگاتے ہوئے اس نے حتیٰ انداز میں شدت پسندی سے سوچا اور دوش روم میں گھس کر شاہ ر کھول کر اپنے جلتے جاتے وجود کی آگ بجھانے کی سعی کرنے لگا۔

☆☆☆

”جہان بیٹے!“ وہ اپنے کمرے سے تیار ہو کر نکلا تھا تبھی پپانے پکار لیا، جہان نے چونک کر پلٹ کے انہیں دیکھا، وہ اپنے کمرے کے دروازے پہ کھڑے اسی کو دیکھ رہے تھے۔

”جی چاچو!“ جہان نے سیل فون جس پہ وہ کوئی نمبر پیش کر رہا تھا جیب میں رکھا اور ان کی جانب بڑھ آیا۔

”آپ کبیں جا رہے ہو؟“

”جی لاہور کے لئے نکل رہا تھا، خیریت؟“

”لاہور کیوں جا رہے ہو بیٹے! میں نے آپ سے کہا تھا، ہاں کا کام میجر سنجال لے گا۔“

”سب کچھ میجر پہ نہیں چھوڑا جا سکتا ہے چاچو! میں مٹھلی وزٹ کرتا ہوں آئی تھنک یہ ضروری ہے۔“

”او کے از یوش بیٹے! کوئی مسئلہ تو نہیں وہاں؟“

”نو چاچو نو براہم ڈونٹ یوری۔“ جہان نے دانستہ مسکرا کر انہیں تسلی سے نوازا تھا، پھر انہیں خدا حافظ کہہ کر آگے بڑھ گیا، یہ جانے بغیر کہ پپا اس کے جانے کے بعد بھی بہت دیر تک اسی زاویے پہ کھڑے رہے تھے، کل شام انہیں مسز آفریدی کا فون اس وقت آیا تھا جب وہ ایک بہت اہم میٹنگ میں بزی تھے۔

دو تین بار کال ڈراپ کرنے کے باوجود جب فون کرنے والا ڈھٹائی پہ جمار ہا تھا تب انہوں نے زچ ہو کر فون اینڈ کیا تھا۔

”میں مسز آفریدی ہوں، لاہور سے بات کر رہی ہوں۔“

”دیکھتے خاتون میں میٹنگ میں ہوں آپ تھوڑا سا وٹ کر لیں، میں خود آپ کو کال کر لوں گا۔“

”احسان صاحب میری بات آپ کی اس میٹنگ سے زیادہ اہم ہے، بہتر ہوگا اسے پہلے سن لیں آپ۔“ مسز آفریدی کے انداز میں ایسا کچھ غیر معمولی پن تھا کہ پپا اپنی جگہ پہ جزیب ہو گئے تھے۔

”ایسی کون سی بات ہے؟“ وہ قدرے جھلائے۔

”جہانگیر حسن شاہ آپ کا بھتیجا ہے نا؟ اس نے میری بیٹی سے نکاح کیا تھا، میری بیٹی کم سن اور معصوم ہے اللہ جانے آپ کے بھتیجے نے کیسے اسے درغلا یا کہ وہ اس کے دام میں پھنس گئی، مجھے یہ بات کرتے ہوئے بھی شرم آ رہی ہے، احسان صاحب کہ آپ کا بھتیجا میری بیٹی کے ساتھ محض وقت گزاری کر رہا ہے، جب میں نے رخصتی کی بات کی تو وہ غصے سے اکھڑ گیا، بدتمیزی کرنے لگا۔“

مسز آفریدی نے یہ چال بھی بہت مہارت سے چلی تھی، گلو گیر لہجے میں اتنی بے بس اور لاچار تھی کہ سامنے والا متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا تھا، مگر یہاں معاملہ اور تھا پپا جہان کی رگ رگ سے واقف تھے، انہیں یہ سن کر پہلے تو یقین نہیں آ سکا تھا مگر جب مسز آفریدی نے نکاح نامہ ثبوت کے طور پر پیش کرنے کی بات کی تو پپا کا لہجہ لڑکھڑاسا گیا تھا، ان کا لہجہ پست ہونے کی دیر ہوئی تھی کہ مسز آفریدی اپنی چالبازی کے ساتھ ان پہ حاوی ہوتی چلی گئیں۔

”ہم شریف لوگ ہیں احسان صاحب! بہتر ہوگا آپ عزت دار طریقے سے آکر میری بیٹی کو رخصت کرا کے لے جائیں۔“ ان کے لہجے کے طنطنے اور نخوت کا پھر وہی عالم تھا، پپانے فون بند کیا تو بے حد الجھے ہوئے تھے، پھر وہ میٹنگ بھی ڈھنگ سے اینڈ نہ کر سکے تھے، ان کی نظریں بار بار جہان کے چہرے پہ جا کے بھٹکنے لگتیں جہان بے خبری اور ازلی سادہ دلی کا عکس تھا، جانے کیوں ان کا یقین ڈگمگانے لگتا، جہان ایسا نہیں ہو سکتا تھا، کئی بار انہوں نے چاہا اس سے تصدیق کرالیں مگر ہر بار وہ الفاظ جوڑتے ہی رہ گئے تھے اور اب جہان کے لاہور جانے کا سن کر ان کا ماتھا ٹھنک گیا تھا، وہ سخت مضطرب ہو کر رہ گئے تھے، اسی اضطراب میں انہوں نے سیل فون اٹھا کر جہان کا نمبر ڈائل کر لیا تھا۔

”السلام علیکم چاچو!“ جہان کی آواز ان کی سماعتیں سیراب کرنے لگی۔

”بیٹے کہاں ہو آپ؟“ انہوں نے بے کلی کے عالم میں پوچھا۔

”ایئر پورٹ پہنچ چکا ہوں چاچو! خیریت ہے نا آپ مجھے کچھ پریشان لگتے ہیں۔“

”مسز آنریڈی ہماری بزنس پارٹنر ہیں کیا؟“

”نہیں نہیں، اب نہیں ہیں، کیوں کیا ہوا؟“ جہان حیران سا ہو کر پوچھنے لگا اور پچا ایک

بازار پھر پوچھتے پوچھتے رہ گئے۔

”کیسی خاتون ہیں وہ؟“ ان کا لہجہ نہایت محتاط قسم کا تھا۔

”بہت کلیور ہیں وہ، گھاگ اور عیار، آپ کیوں پوچھ رہے ہیں چاچو۔“ جہان کے لہجے میں

واضح تنفر تھا معاوہ یگانگت ٹھنک سا گیا تھا۔

”بیٹے آپ نے ایک بار بتایا تھا نا کہ آپ کے ساتھ بھی وہ لہجہ پڑی تھیں، میں اس وجہ سے

کچھ اپ سیٹ تھا، بزنس میں لوگ خواجواہ دشمنیاں پال کر بیٹھ جاتے ہیں، میں اس لئے آپ کو

وہاں جانے سے منع کر رہا تھا۔“

”کم آن چاچو اب ایسی بھی کوئی بات نہیں ہے، ایسے لوگوں سے پنپنا میں خوب جانتا ہوں۔“

اس نے اپنے تئیں انہیں تسلی ہی دی تھی۔

”مگر بیٹے ہمیں ضرورت ہی کیا ہے خواجواہ کسی سے الجھنے کی۔“

”اوہ کے چاچو ڈونٹ وری! میں کیوں ان سے الجھوں گا۔“

”ٹھیک ہے کل آپ لازمی واپس آ جانا، وہاں ٹھہرنے کی ضرورت نہیں۔“

”جی بہتر! جیسے آپ کا حکم۔“ جہان نے انہیں سعادت مندی سے جواب دیا تھا، فون بند

کرنے کے بعد بھی پچا کسی سوچ میں ڈوبے ہوئے تھے۔

☆☆☆

”مہا! ماہ.....“ معاذ اپنے کمرے کے دروازے پہ کھڑا ہو کر زور سے چلایا تھا، اپنے دھیان

میں اسی سمت آئی پر نیاں نے چونک کر اسے دیکھا، اس پل معاذ کی بھی اس پہ نگاہ پڑی تھی، ایک

پل کو تصادم تھا مگر پر نیاں کے اندر کوئی جوت سی جگا گیا، جبکہ معاذ کے اندر اسے رو برو پا کر بھڑکتی

آگ کچھ اور بھی فروزاں ہو گئی تھی۔

”پر نیاں!“ وہ خاموشی سے کھسک رہی تھی کہ معاذ کی پکار پہ بے ساختہ گہرا سانس بھر کے نیچی

نظروں سے اسے دیکھا وہ گیلے بال ہاتھ کی انگلیوں سے سنوارتا ہوا شرٹ سے بے نیاز کھڑا تھا،

پر نیاں کی جھجک فطری تھی۔

”میری شرٹ استری کر دیں۔“ سوال نہیں آرڈر ہوا تھا جسے پر نیاں نے قدرے حیرانی سے

سنا مگر کچھ کہنا مناسب نہیں سمجھا تھا۔

”جی..... لائیں کر دیتی ہوں۔“ اسے اس کے سوا اور بھلا کیا کہنا تھا۔

”اندر کمرے میں پڑی ہے، لے لیں۔“ معاذ نے ہاتھ کے اشارے سے بیڈروم کی سمت

اشارہ کیا اور خود دروازے کے درمیان سے ہٹ گیا، اب اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا کہ وہ

کمرے سے جا کر خود شرٹ اٹھائی، پر نیاں گہرا سانس بھر کے اندر آئی تھی، بیڈ کی پائلٹی اسکا کی بیو

شرٹ پڑی ہوئی تھی، اس نے آگے بڑھ کر اٹھائی تھی۔

”آپ کالج کیوں نہیں جا رہی ہیں؟“ اس نے جیسے ہی واپسی کو قدم موزے معاذ ا یکدم اس

کے راستے میں حائل ہوا تھا، پر نیاں اپنی جون میں اس سے ٹکرائی اور سخت خفت زدہ ہو کر رہ گئی کہ

ایک پل کو تو وہ اس کے سینے سے ہی جا لگی تھی، اس کے گمان تک بھی نہیں تھا کہ معاذ یوں اچانک

اس کے اتنا نزدیک آ کر کھڑا ہو جائے گا، اس نے گہرا کر نظریں اٹھائیں معاذ اسے بہت گہری

نظروں سے دیکھ رہا تھا، پر نیاں تو لمحوں میں پسینوں میں نہا گئی تھی۔

”پلیز جانے دیں مجھے۔“ اس کا دل بے تحاشا رقبہ سے دھڑک رہا تھا آواز پہ لرزش سی اثر

آئی۔

”میری بات کا جواب تو دے دس؟“ معاذ دانستہ ہی مسکرایا تھا۔

”آپ شرٹ تو پہن لیں۔“ وہ جتنی جزبہ ہوئی تھی اتنی لحاظ سے جھٹاکر بدلی، معاذ کا دل تہتہ

لگانے کو جھل گیا۔

”اس سے کیا فرق پڑتا ہے، آپ بھی جانتی ہیں ہم مستقبل میں میاں بیوی بننے والے ہیں،

اس رشتے میں تو ہر قسم کی بے تکلفی ہوتی ہے نا۔“ پر نیاں کی آنکھوں میں زبردستی جھانکنے کی کوشش

کرتا ہوا، وہ بے نیازی سے گویا ہوا تھا، پر نیاں متحیر ہو کر رہ گئی۔

(بہت فائدہ اٹھا کر چکیں تم میری بے خبری کا، اب تمہاری ہاری ہے پر نیاں معاذ حسن، بھگتو)

معاذ کی نگاہوں میں سرکشی اور نخوت تھا، تمام نرم گرم جذبے اس چمک کے سامنے منجمد ہو کر رہ گئے

تھے۔

”مجھے یہ بے تکلفی نا لکل پسند نہیں۔“ پر نیاں نے خود کو سنبھال کر نا گواری بھرے انداز میں

بتلاتے ہوئے کہا تھا مگر معاذہ الٹا اثر ہوا اس نے نہایت اطمینان کے ساتھ پر نیاں کو وہ لوں

شانوں سے تھاما تھا اور اپنے مقابل کر لیا تھا، پھر اس کی تحیر و استعجاب سے پھیلی نگاہوں میں اپنی سرد

نظریں گاڑھ کر قطعیت بھرے انداز میں گویا ہوا تھا۔

”مگر مجھے تو پسند ہے، اپنے رشتوں پہ استحقاق جتلا نا بھی اور ان سے اپنی منوانا بھی۔“ معاذ کا

انداز پر نیاں کے حواس سلب کرنے کو کافی تھا، وہ نہ صرف تھرا تھی بلکہ ہر لمحہ سرد پڑنے لگی تھی

اس میں اتنی ہمت بھی نہیں رہی تھی کہ معاذ کی گرفت سے خود کو آزاد ہی کرا لیتی، بھلا کیا تبدیلی آئی

تھی ان چند دنوں میں کہ وہ اس قدر بدل گیا تھا، اس سے قبل تک تو وہ اس کا ہاتھ پکڑنے سے بھی

گریزاں ہوا کرتا تھا کہ جان گیا تھا پر نیاں کو یہ پسند نہیں، یہ معاذ کا اسے بخشا ہوا احترام تھا، دی گئی

حریت تھی اور یہ تب تک تھا جب تک پر نیاں نے اسے کسی قسم کی کوئی ڈھیل نہیں دی تھی، پرسوں

رات ہی ان کی آخری ملاقات ہوئی تھی جس میں پر نیاں نے اپنی طرف سے اسے رضا مندی بخش

تھی کہ اس کے حوصلے اتنے بلند ہو گئے تھے، کیا وہ ایسا ہی عامیاناہ انداز میں سوچنے والا تھا؟ کیا وہ

ایک بار پھر اسے غلط سمجھ چکی تھی؟ جو عورت کی جانب سے ذرا سی پیش قدمی کے بعد ہی سارے

قاصدے اور دیواریں گرانے کے درپے ہو جایا کرتے ہیں۔

وہ ایک بار پھر بدگمانی اور شک کے بدلے میں پھنس رہی تھی، معاذ کی آگاہی کے متعلق تو اسے

گمان تک نہیں تھا کہ وہ سب کچھ جاننے کے بعد انتہائی کاروائی پہ اتر اہوگا، سوچوں نے اسے وحشت زدہ کر دیا تھا، اسی پل دروازہ ناک ہوا تھا اور زینب نے اندر جھانکا۔

”لا لے وہ.....“

اگلے لمحے اس کی زبان گنگ ہو گئی تو وجہ ان دونوں کی اکورڈ پوزیشن تھی، معاذ حسن کے ہاتھ ابھی تلک پر نیاں کے شانوں پہ جمے ہوئے تھے اور پر نیاں اس کے بے حد نزدیک ساکن کٹری تھی، زینب کی آواز پہ دونوں ہی جیسے کسی سحر کے اثر سے آزاد ہوئے تھے، معاذ لمحے کے ہزاروں حصے میں رخ وارڈ روپ کی سمت پھیر چکا تھا، جبکہ پر نیاں اس کی تودہ حالت تھی کہ کانٹو بدن میں لہونہ ہو، زینب کے چہرے پر حیرانی کی جگہ معنی خیز ہنس نے لے لی، کچھ کہے بغیر اس نے کاندھے اچکائے اور انکی قدموں سے پلٹ گئی، پر نیاں کے پھرائے ہوئے دجوڈ میں جنبش ہوئی تھی، وہ ہاتھوں میں چہرا ڈھانے تیزی سے کمرے سے نکل کر بھاگ گئی، معاذ نے بے نیازی سے کاندھے جھٹکے اور اپنی تیاری مکمل کرنے لگا، تک سب سے درست خوشبوؤں میں بسا وہ نیچے ڈائٹنگ ہال میں آیا تو ماحول معمول کے مطابق تھا، زینب بھی موجود تھی مگر اس کے چہرے پہ ایک شرارتی ہنس کی مسکان جو بھید کھولنے کو بے تاب لگتی تھی مستقل براجمان تھی جس پہ معاذ نے قطعی دھیان نہیں دیا تھا۔

”مما جے کہاں ہے؟ مجھے کچھ بات کرنی تھی اس سے۔“ معاذ کی نظروں نے پر نیاں کو کچھ دیر کھوجا تھا پھر اسی پل وہاں ناشتے کے لوازمات کے ہمراہ آئی مما سے مخاطب ہو گیا۔

”جہاں تو لاہور گئے ہیں، آپ کو نہیں پتہ؟“ الٹا مما اس سے بڑھ کر حیران ہو گئیں تو اس نے ٹھنڈا سانس بھرا تھا۔

”مجھے پتہ ہوتا تو آپ سے کیوں پوچھتا مام، ماریہ پر نیاں کو بلا کر لاؤ انہیں کہو جلدی تیار ہو کر آئیں، وہ میرے ساتھ کالج جا رہی ہیں۔“ مما کو جواب دینے کے بعد معاذ نے ماریہ کو کام سے لگایا تھا، وہ کالج بیگ لٹکائے ناشتہ کرنے آئی تھی، بڑے بھائی کی بات سن کر کچھ خائف سی ہو گئی۔

”مگر لالے وہ تو کہہ رہی تھیں رات کہ اب وہ کالج نہیں جائیں گی۔“

”کیوں نہیں جائیں گی؟ اتنی چھٹیاں کر کے جی نہیں بھرا، جاؤ بلا کر لاؤ۔“ معاذ کا موڈ گہرا دیکھ کر ماریہ گھبرا کر پیغام لئے بھاگتی گئی۔

”بے آپ فورس مت کرنا، اس کی طبیعت ٹھیک نہیں ہوگی کل خود چلی جائے گی۔“ مما بھی بیٹے کے تیوروں سے خائف ہوئی تھیں جیسی رساں سے سمجھانا چاہا۔

”آپ کو نہیں پتہ ممدادہ کتنی لا بردا ہو چکی ہیں اسٹڈی سے، صرف میری وجہ سے وہ اہم کا اس اینڈ نہیں کرتیں ہے کوئی بات کرنے کی؟“ معاذ کی سیاہ آنکھوں میں بے تحاشا جھگی کا عکس تھا، مما کچھ کہنے کی پوزیشن میں نہیں رہیں، کچھ دیر بعد ہی خائف سی ماریہ چلی آئی تھی۔

”لا لے پر نیاں کے سر میں پین ہے، وہ کہہ رہی ہیں آج کالج نہیں جاسکیں گی۔“ وہ سننا کر بولی تھی، معاذ نے جتلاتی نظروں سے مما کو دیکھا۔

”سارے بہانے ہیں مجھ سے بچنے کے۔“ وہ کلس کر بولا تھا، زینب کی مسکراہٹ کھنکھاتی ہنسی

ہیں ذہلی۔

”وہ غلط تو نہیں بہانے بناتی ہے۔“ زینب بڑبڑاتی تھی۔

”شٹ اپ زینی!“ معاذ نے مسکراہٹ دہا کر اسے ڈانٹ چلائی، پھر ناشتہ ادھورا چھوڑ کر اٹھ کھڑا ہوا تھا جس پہ ممانے ٹوکا تھا۔

”آپ ناشتہ تو کر لو بیٹے۔“

”دو چکا ہوں مام! ڈونٹ وری۔“ اپنا کوٹ اٹھا کر پہننا ہوا وہ ڈائٹنگ ہال سے باہر نکل آیا تھا، اس کا رخ پورٹیکو کی بجائے زینب کے کمرے کی جانب تھا پر نیاں کا قیام ہمیشہ وہیں ہوا کرتا تھا، اسے یقین تھا اس وقت بھی وہ وہیں مل سکتی تھی، دروازے پہ دستک کا اس نے محض تکلف ہی برتا تھا، اس کا اندازہ درست تھا وہ سامنے ہی بیڈ پہ دراز تھی پاس ہی بھا بھی کٹری تھیں، اس کے آنسو پونجھتی ہوئی، پر نیاں معاذ کو آتا دیکھ کر صرف جڑبڑ نہیں ہوئی سخت متوحش بھی نظر آنے لگی۔

”تم نے کچھ کہا پری کو معاذ؟“ بھا بھی نے آتے ہی اسے آڑے ہاتھوں لیا تھا، معاذ نے ایک نظر پر نیاں کی روئی روئی آنکھوں کو دیکھا تھا۔

”اگر انہوں نے آپ کو یہ بتایا ہے کہ میں نے کچھ کیا تو یہ بھی لازماً بتایا ہوگا کیا کہا ہے؟“ وہ جواباً نروٹھے پن سے بولا، بھا بھی بیچاری خفت زدہ ہو گئی تھیں جبکہ پر نیاں کا چہرہ کچھ اور بھی جل اٹھا۔

”پلیز معاذ تنگ مت کرو بیچاری کو۔“ بھا بھی عاجز ہوئی تھیں۔

”آپ ان سے پوچھیں کہا کیا ہے میں نے، بتائیں آپ؟“ معاذ نے بھا بھی سے بات کرتے ایک دم پر نیاں کو کوچ میں گھسیٹ لیا، پر نیاں نے ہونٹوں کو پھینچ کر چہرا پھیر لیا۔

”تم بتاؤ کیا بات ہوئی ہے، ابھی ہنسی کھلتی تھی اب سہمی ہوئی ہرنی لگ رہی ہے، مجھے تو تم پہ ہی شک ہے۔“ بھا بھی اسے معاف کرنے کو تیار نہ تھیں معاذ کی ہنسی نکل گئی۔

نزاکت ختم ہے ان پر ہوا ہے درد سر پیدا

ذرا ماتھے کو چوما تھا پڑے ہیں تب سے سر ہاندھے

جواباً وہ پٹری سے اتر گیا تھا، پر نیاں تو پر نیاں خود بھا بھی بھی خجالت سے کھپا کر رہ گئیں، پر نیاں سے تو نگاہیں اٹھانا ہی محال ہو گیا تھا اتنی بے باکی کے مظاہرے پہ، وہ سر تا پا جل اٹھی تھی، بھا بھی نے البتہ خجالت مٹانے کو معاذ کو ایک دھپ لگا دی تھی۔

”بہت بدتمیز ہو تم معاذ، بے شرم۔“

”چلیں ہو گئیں شروع، مذاق کر رہا تھا بھی، پوچھیں ان محترمہ سے ایسی گستاخی کا مرتکب ہوا ہوں۔“ معاذ نے سخت احتجاج کیا تھا۔

”تم سے کچھ بعید بھی نہیں ہے۔“ بھا بھی نے لٹاڑا تھا، معاذ اسی لحاظ سے شاک ہونے لگا۔

”آپ لوگوں کی بدگمانیاں ضرور مجھے ایسا بنا دیں گی درحقیقت میں ایسا ہوں نہیں۔“

”چلیں، جی اب یہ جرم بھی ہمارے سر۔“ بھا بھی نے سر پھینٹ لیا تھا، پھر اسے ٹوک کر بولی تھیں۔

”پر نیاں کو کوئی چین کھروے دو، میں چائے بھجاتی ہوں۔“

ان کے جانے کے بعد پر نیاں کو معاذ نے دیکھا تھا جو یقیناً اس کے ساتھ تنہا رہ جانے کے خیال سے ہی سراسیمہ نظر آنے لگی تھی، معاذ نے اس کی کیفیت کو پوری طرح محسوس کیا تھا اور گلے کر رہ گیا تھا۔

”آپ کالج میرے ساتھ نہیں جانا چاہ رہی ہیں نا؟“ معاذ نے اس کے چہرے پر نگاہ جما کر سرد مہرپی سے دریافت کیا تھا، پر نیاں نے ہونٹ پیچھ کر نظریں جھکا لیں یقیناً وہ جواب نہیں دینا چاہتی تھی۔

”میں آپ پہ شک کروں نہ کروں، لیکن لوگ ہمیں ایک ساتھ دیکھ کر ضرور شک کرتے ہیں۔“ پر نیاں کا لہجہ زہریلا ہونے لگا تھا، معاذ نے دانت پیچھنے لگے وہ غلط نہیں کہہ رہی تھی، یہاں کی بات معاذ کو بھی یاد تھی، وہ لڑکی اس کا پیچھا چھوڑنے پہ آمادہ نہیں نظر آتی تھی اور اس کے عزائم بھی خطرناک تھے، معاذ کو بہر حال اپنی ہی نہیں پر نیاں کی بھی عزت عزیز تھی۔

”او کے فائن! آپ میرے ساتھ کالج نہ جائیں، مگر آپ کو اپنی اسٹڈی یہ دھیان دینا چاہیے۔“ معاذ کے پر رسان انداز پہ پر نیاں نے چونک کر اسے دیکھا تھا، معاذ آہستگی سے مسکرا دیا۔

”وہیے اگر آپ چاہیں تو آپ کو یہ مشکلات پیش ہی نہ آئیں۔“ معاذ کا لہجہ معنی خیز تھا، پر نیاں کچھ الٹ ہوئی تھی۔

”واٹ یو مین سر؟“ معاذ نے کاندھے جھینکے تھے اور بے نیازی سے گویا ہوا تھا۔

”آپ کو ہم سے اپنا تعلق کالج میں چھپانا نہیں چاہیے تھا۔“

”کی..... کون سا تعلق سر؟“ پر نیاں کی جان ہوا ہونے لگی، جواباً معاذ نے اس کی آنکھوں میں جھانکا تھا۔

”وہی تعلق جس کی بیس پہ آپ یہاں اس گھر میں آتی ہیں اور قیام کرتی ہیں۔“ معاذ کا لہجہ اب کے سرد اور کسی حد تک سخت تھا، اپنی بات مکمل کر کے وہ اس کے تاثرات دیکھے بغیر وہاں سے چلا آیا تھا، جبکہ پر نیاں کتنی دیر تک اپنی جگہ سے حرکت کرنے کے بھی قابل نہیں ہو سکی تھی، اسے قطعی سمجھ نہیں آرہی تھی معاذ نے یہ بات کس سنسن میں کہی تھی، کبھی اسے لگتا معاذ سب جان چکا ہے کبھی وہ اپنے خیال کی خود ہی نشی کرتی بے تحاشا بھتی رہی تھی۔

☆☆☆

سر آئینہ میرا عکس ہے پس آئینہ کوئی اور ہے
میری ابتدا تیرا پیار تھا تیری ابتدا کوئی اور ہے
تیری بات ہم سے ہوئی تو کیا تیری سوچ میں کوئی اور ہے
مجھے شوق تھا بڑی دیر سے کہ تیرا شریک سفر ہوں
تیرے ساتھ چل کے خبر ہوئی تیرا رستہ کوئی اور ہے
تجھے فکر ہے کہ بدل دیا تجھے گردش شب و روز نے

کبھی خود سے بھی تو سوال کر تو وہی ہے یا کوئی اور ہے

بڑھ رہی وہ کب سے لان میں اترتی سیڑھیوں پہ بیٹھی تھی، دل پہ ایک جمود سا طاری تھا، عجب بے کاشی جو کہیں چین نہ لینے دیتی تھی، کانچ جانے کو دل کرتا نہ کسی اور ایکٹیو دینی میں، سارا دن پاؤں الیہ ساٹک سنا کرتی دل زیادہ بھراتا تو وضو کر کے نوافل ادا کرتی اور پھر سجدے میں سر رکھ کے روئے جاتی، مالک حقیقی سے بنا کہے اپنے دل کا درد پیش کرتی، کہ وہاں کہنے کی بھی حاجت پیش نہیں آتی، اس وقت بھی وہ جائے نماز سے اٹھی تو اس کا سیل فون مسلسل بیپ کر رہا تھا، انجان نمبر تھا اس نے کال ریسیو کر لی تھی۔

”ٹھالے کیسی ہو جان؟“ دوسری جانب نیلمیا تھی، ٹھالے کی روح تک زہر آلود ہونے لگی۔

”کیوں فون کرتی ہو مجھے؟“ وہ بھڑک اٹھی تھی۔

”تمہارے سوا میرا ہے ہی کون؟“ نیلمیا کی آواز میں درد سمٹ آیا تھا مگر ٹھالے نے پھر بھی اسے دھتکار ڈالا۔

”میرے سوا ہی تو سب ہیں تمہارے، اگر تمہیں میرا خیال ہوتا تو تمہاری چوائس میں ہوتی نہ کہ پیسہ اور نفیس کی غلامی۔“ ایک ایک لفظ چبا کر کہتے وہ پھنکاری تھی۔

”تم بہت بدگمان ہو مجھ سے ہنی! میری بات تو سنو۔“ نیلمیا کی آواز میں نوحے گونجنے لگے تھے۔

”مجھے کوئی بات نہیں کرنی تم سے، اینڈ لسن مجھے کال مت کیا کرو، کیا تم چاہتی ہو کہ تم سے بات کرنے کی اذیت لے بیچنے کی خاطر میں خودکشی کر لوں؟“ اس نے انتہا کر دی تھی، دوسری جانب سناٹے چھا گئے تھے، ٹھالے کے دل میں ذرا سی ٹھنڈ پڑی۔

”اتنی نفرت کرتی ہو مجھ سے ہنی؟“ خاصی تاخیر سے شاید وہ بولنے کے قابل ہوئی تو بنیادی سوال کیا تھا، ٹھالے کے اندر حقارت سمٹ آئی۔

”ہاں اس سے کہیں زیادہ جہاں تمہاری سوچ کی انتہا ہوتی ہے، وہاں میری نفرت کا آغاز ہوتا ہے۔“ اس نے برہمی سے کہا اور سلسلہ کاٹ دیا تھا، پھر ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ وہ پرسکون ہو جاتی مگر اس کا اضطراب مزید بڑھ گیا تھا، وہ کبھی بھی نیلمیا کو شدید کرب سے ہمنما کر کے پرسکون نہیں ہو سکی تھی، تب سے اس کے آنسو بہ رہے تھے جن میں ملال تھا تا سرف تھارنج اور کرب تھا۔

”بی بی جی آپ کا فون کب سے آرہا ہے۔“ ملازمہ کی آواز پہ ٹھالے نے چونک کر بھیگا چہرا گھٹنوں سے اٹھایا تھا اور ہاتھ کی پشت سے چہرا پونچھا۔

”کس کا فون ہے؟“ اس نے تامل زدہ انداز اختیار کیا، وہ بولی تو اس کی آواز میں نمی گھلی ہوئی تھی، ملازموں کے لئے اس قسم کی صورتحال کچھ عجیب نہیں تھی، وہ پچھلے کئی سالوں سے بے بی کو اکثر بیشتر روتا دھوتا ہی پاتے تھے۔

”پتہ نہیں جی میں آپ کے کمرے کی صفائی کر رہی تھی اس کے بار بار بیچنے پہ آپ کے پاس آئی ہوں۔“ ملازمہ کی وضاحت پہ ٹھالے نے ہاتھ بڑھا کر سیل فون لے لیا مگر اسکرین پہ نگاہ پڑتے ہی اسے حیرت کی زیادتی سے سکتہ ہو گیا تھا، فون جہاں کا تھا، اسے یقین نہیں آ سکتا تھا، یہ

سکتے تو نا تو گھنٹی بند ہو چکی تھی، ڈالے کے اندر یکھنت ملال سا اتر آیا، یوں جیسے کوئی عظیم نقصان ہو گیا ہو، اس نے دھک دھک کرتے دل کے ساتھ خود جہان کا نمبر ڈائل کیا تھا، دل کی ہزار ہا سرزش کے باوجود گروہ ہر صورت جاننا چاہتی تھی جہان اسے کیا کہنا چاہتا تھا، ابھی اس نے نمبر پیش کیا ہی تھا کہ اس دم پھر گھنٹی بجنے لگی ساتھ ہی ڈالے کا دل بھی اپنی رفتار بھولنے لگا، اس نے لمحے کی تاخیر کے بغیر کال ریسیو کی تھی۔

”السلام علیکم!“ اس کی آواز میں لڑکھڑاہٹ ہی نہیں اکساٹھت بھی غضب کی تھی، مگر جہان کا موڈ بے حد خراب تھا۔

”نون کیوں نہیں سن رہی تھیں آپ؟ بات نہیں کرنا چاہتی مجھ سے؟“ وہ جھونٹے ہی تھی سے بولا، ڈالے کے اوسان خطا ہونے لگے۔

”نہ..... نہ..... نہیں، میں باہر تھی اور سیل اندر روم میں، آپ کہئے.....؟“ وہ گڑبڑا کر وضاحت دے رہی تھی، جہان نے یوں لہسا لہسا بھرا جیسے غصے سے قابو پار ہا ہو۔

”مجھے بات کرنی ہے آپ سے، آسکتی ہیں مجھ سے ملنے؟“ عجیب فرمائش ہوئی تھی، ڈالے تو گنگ ہونے لگی تھی۔

”مم..... میں کیسے..... مطلب یہ کہ.....“ اس کی گڑبڑاٹھت نقطہ مردج پہ جا پہنچی۔

”میں لاہور آیا ہوا ہوں، میری رہائش کا پتہ ہے آپ کو؟“ وہ جواباً ارمان سے بولا تھا، ڈالے کا حلق پھر بھی خشک ہوا جا رہا تھا۔

”جی نہیں می کو پتہ ہے، آ..... آپ یہاں آجائیے؟“ اس نے کہا اور پھر اس کی متوقع خشکی کے خیال سے خود ہی سہم بھی گئی۔

”آپ ویٹ کریں میں کچھ دیر میں یک کرتا ہوں آپ کو۔“ چند منٹ کچھ سوچنے کے بعد جہان نے کہہ کر سلسلہ منقطع کر دیا تھا، ڈالے کچھ لمحوں کو خواب کی سی کیفیت میں اسی ٹائیے یہ ساکن بیٹھی رہی تھی، جیسے یقین نہ کر پار ہی ہوا بھی جو کچھ ہوا اس کا حقیقت سے کتنا تعلق ہے، بے یقینی سی

بے یقینی تھی، اس نے سیل نون کا ریکارڈ بار بار چیک کر کے جہان کی اس چند منٹ پہلے آئی کال کو دیکھا تھا اور خود کو اس دل فریب حقیقت کا یقین دلایا تھا، پھر گلرنگ چہرے کے ساتھ اٹھ کر اندر بھاگی تھی، دھنک کے رنگوں کا ایک بے حد حسین جوڑا اس نے اپنے لئے منتخب کیا تھا، جس کے گلے

پہ بہت پیارا کام جھلملاٹھت بکھر رہا تھا، وہ جھٹ پٹ تیار ہوئی تھی، آرائش کے طور پر اس نے محض چیرل کلر لپ اسٹک کا استعمال کیا تھا، لمبے گھنیرے بالوں کو سنوار کر وہ بینڈ میں جکڑتے جکڑتے رہ گئی اور نہیں پشت پہ یونہی سیدھے گرتے چھوڑ دیا تھا، بڑا سادہ میٹ دیپلم جو ڈاؤز کے ساتھ میج

کرتا تھا سنبھالے وہ جھک کر بیروں میں سینڈل کے اسٹیرپ باندھ رہی تھی، جب ملازمہ نے آ کر اسے جہاں کے آنے کا مشورہ دیا تھا، اس کا پہلے سے دھڑکتا دل کچھ اور بھی شدتوں سے دھڑکنے لگا،

تب سے اختیار کی ہوئی عجلت اور افراتفری یہ عجیب سی حیا آمیز جھجک غالب آگئی، گیٹ کی جانب اٹھتے اس کے قدموں میں واضح گھبراہٹ اور گریز تھا، جہان نے اس کی اس معمولی سی مگر سچ دج

کو خصوصی طور پر نوٹ کیا تھا اور عجیب سی سرد مہری کے ساتھ ڈرا سا جھک کر فرنٹ ڈور اپن کر دیا۔

کو خصوصی طور پر نوٹ کیا تھا اور عجیب سی سرد مہری کے ساتھ ڈرا سا جھک کر فرنٹ ڈور اپن کر دیا۔

”سزا فریدی ہیں گھر پہ؟“ اس کے بیٹھنے کے بعد جہان نے دروازہ اسے بند کرنے کا اشارہ کرتے ہوئے اسی سرد مہری سے دریافت کیا تھا۔

”نہیں، ماما آفس میں ہوتی ہیں اس وقت۔“

”آپ نے انہیں بتایا میرے ساتھ جانے کا؟“ جہان نے گاڑی بڑھادی تھی، ڈالے نے ہر گونگی میں جیش دی۔

”ان کی واپسی پہ آپ بتائیں گی کہ آج آپ مجھ سے ملی تھیں؟“ جہان کا لہجہ و انداز ہنوز تھا، اب کے ڈالے قدرے گھٹکی تھی اس نے کچھ گھبرا کر جہان کے سپاٹ چہرے کو دیکھا تھا اور سخت خائف ہو گئی تھی۔

”پتہ نہیں، جو آپ کہیں گے میں وہ کروں گی۔“ بہت سوچنے کے بعد جہان کے موڈ کو دیکھتے ہوئے اس نے اپنے خیال کے مطابق یہ انتہائی مناسب فقرہ بولا تھا، جس پہ جہان نے وٹڈ اسکرین

پہ جی نظریں ہٹا کر ایک دم سے اسے دیکھا تھا اور بہت دیر تک دیکھا تھا۔

”تو کیا آپ سے آپ کی ماما کی غیر موجودگی میں جو بھی ملنے آتا ہے آپ اس کی مرضی کے مطابق چلتی ہیں؟“ سوال کیا تھا، ہم تھا گویا ڈالے اپنی تمام تر سادہ دلی اور بے دقونی کے باوجود اس کی سنگین اور معنی خیزی کو پا کر بھگ سے اڑی تھی، کچھ دیر تک وہ پلپلیں جھپکائے بغیر اس کے

مغز پر چہرے کو دیکھتی رہی جس پہ سفاکی اور بے رحم مردج تھی، پھر اس کا یہ خورد چہرہ تمام تر بے اعتنائی کے ساتھ اس کی آنسوؤں سے بھینکتی آنکھوں میں دھندلا گیا تھا، ٹپ ٹپ ٹپ ٹپ گتے آنسو کے

اند دیکرے بر سے تھے۔

”مجھ سے ماما کی غیر موجودگی میں ادل تو کوئی ملنے نہیں آتا، اگر آئے تو میں ملا نہیں کرتی، یہ بعد کی باتیں تو ناممکنات میں شامل ہوتی خود بخود۔“ وہ بولی تو اس کی آواز میں کرب اور احتجاج کا رنگ غالب تھا، جہان کو اپنے رویے کی بد صورتی کا احساس اگر ہوا بھی تو اس نے ظاہر کرنا گوارا

نہیں کیا۔

”او کے فائن! کیا میں پوچھ سکتا ہوں، میرے ساتھ یہ خصوصی رد یہ کیوں؟“ اس کا لہجہ گو کہ دھیما تھا مگر ہنوز سفاک اور طنزیہ کاٹ لئے ہوئے تھا، ڈالے نے ہونٹ چل کر خود پر قابو پانے کی

کوشش کی تھی اور بے دردی سے آنسو گز کر پونچھے تھے۔

”یہ خصوصی رد یہ مجھ سے آپ کے ساتھ بندھ جانے والے اس نئے رشتے کا متقاضی ہے،

ایڈیٹ سبک۔“ ڈالے نے اب کے کسی قدر سختی سے جواب دیا تھا، اس سے بڑھ کر وہ اپنی

تربیئل برداشت نہیں کر سکتی تھی، وہ ان لوگوں میں شمار نہیں ہوتی تھی جو محبت اور عزت میں محبت کا چھاؤ کیا کرتے ہیں، اسے ہر حالت میں اپنی عزت نفس کی بقا عزیز بھی جا ہے اس کوشش میں محبت کا

حرار کیوں نہ بن جاتا، وہ جذبوں میں بے بس رہ کر عمر بھر سسکنے کو تیار تھی مگر ان کی پامانی اسے ہرگز قبول نہیں تھی۔

”ایڈیٹ سبک؟“ جہان نے چیرانی سے اس کی شکل دیکھی۔

”اگر یہ بات اتنی ہی معمولی تھی تو ہمارا یہ رشتہ کیوں استوار ہوا بتانا پسند کریں گی مجھے آپ؟“

وہ بھڑک اٹھا تھا، ڈالے نے حیرت و الجھن کے ساتھ خفگی کے بھی اسے دیکھا تھا۔

”میں سمجھی نہیں آپ کا مطلب؟“ وہ روہا سی ہونے لگی تھی، اس باز پرس سے۔

”اتنی معصوم ہیں آپ؟“ وہ دھاڑ اٹھا تھا، پھر ہونٹ بچھ کر اسٹیرنگ پہ ہاتھ کا مکہ مارا تھا۔

”آپ کیا سمجھتی تھیں میں آپ کے عشق میں مبتلا تھا، آپ کو پانے کی خواہش میں تڑپ رہا تھا؟“ اس نے پھنکار زدہ انداز میں اس پہ جانے کیا واضح کرنا چاہا تھا، ڈالے کچھ اور سہم گئی اس کے آنسوؤں میں جو روانی آئی تھی وہ الگ۔

”اپنی والدہ محترمہ سے پوچھیے گا ان کی کڑو تیں، بہتر یہی ہوگا۔“ وہ چاہنے کے باوجود اپنے غصے پہ قابو کر پارہا تھا، ڈالے کے آنسو جلتی یہ تیل کا کام کر رہے تھے۔

”آپ کیا کہہ رہے ہیں، مجھے کچھ سمجھ نہیں آرہی۔“ وہ روتے ہوئے مگر بے حد عاجز ہو کر بولی تھی، اتنا بہر حال اسے بھی سمجھ آگئی تھی کہ کچھ نہ کچھ غلط ضرور ہوا ہے اور اس غلطی کی ذمہ دار سزا آفریدی ہی ہیں۔

”آپ کیا سمجھتی ہیں، آپ اپنی اس معصوم شکل کا فائدہ اٹھا کر مجھے بے وقوف بنا لیں گی تو یہ غلط سوچ ہے آپ کی، سب کیا دھرا آپ دونوں کا ہے مگر اب میں بتاؤں گا کہ آپ لوگوں نے پتلا کس سے لیا ہے اور رہنا دھونا بند کریں آپ۔“ مٹی و شکر سے کہتے وہ حقارت سے بھرپور انداز میں غرا کر بولا تھا، ڈالے کے اندر صرف سہم نہیں اترتا تھا اسے ہلک اور تذلیل کے احساس نے بھی کاٹ کر رکھ دیا تھا، ہونٹ بچھتے ہوئے اس نے ایک بار پھر بے دردی سے اپنے گال پر گڑ کر صاف کیے تھے، مگر آنسوؤں پہ اس کا بہر حال اختیار نہیں تھا، دل پہ صرف چوٹ نہیں پڑی تھی، اس کے جذبات و احساسات بری طرح مجروح ہوئے تھے، وہ جو کل کائنات کی حیثیت رکھتا تھا اس کے لئے وہ فنا تھا تو ساری دنیا ختم ہوتی محسوس ہو رہی تھی، نقصان سائنسٹان تھا، وہ تو آنسوؤں کے دریا بھی بہا دیتی تو ملال نہ ڈھلتا۔

”جائیں اندر اور پیشک یہ تکلیف نہ کیجئے گا اپنی والدہ محترمہ کو بتانے کی کہ میں آپ کو ساتھ لے کر گیا تھا، اب آپ کے ساتھ عیاشیاں اڑاتا رہا ہوں، میں خود یہ ساری تفصیلات بتا دوں گا نہیں۔“ گاڑی ایک جھٹکے سے روک کر وہ اسی خطرناک موڑ کے ساتھ بے چلک لہجے میں بولا تھا، ڈالے نے نگاہ بھر کے کھڑکی سے باہر دیکھا، گاڑی اس کے گھر کے آگے کھڑی تھی، جہان کی بات پہ اس کا چہرہ سرخ ہوا تھا مگر وہ ہونٹ بچھتے دروازہ کھول کر نیچے اتری تھی اور پلٹ کر دیکھے بنا چلتی آگے بڑھ گئی تھی، آج ایک اور بھرم ٹوٹا تھا، اس نے جانا تھا وہ ایک بار پھر ہار گئی ہے، یہ ہار عظیم ہار تھی، جس کا ازالہ ممکن ہی نہ تھا۔

☆☆☆

جن بننا دے نیڑے نیڑے ہو
ڈھول جانا دے نیڑے نیڑے ہو
کنڈیاں نے ہانہواں مٹیوں دور نہ کھلو
جن بننا دے نیڑے نیڑے ہو

جہان گھر واپس لوٹا تو معاذ کو موجود پا کر ششدر رہ گیا تھا، بستر پہ دراز فل والیوم میں ڈیک آن کیے، وہ نور جہاں کو سنتے ہوئے خود بھی جھوم رہا تھا۔

”تم کب آئے معاذ؟“ وہ اپ سیٹ تھا مگر خود کو سنبھالنا ضروری تھا۔

جہان بری طرح سے زچ ہوا اور آگے بڑھ کر کیسٹ پلیئر آف کر دیا، معاذ نے ڈرامائی انداز میں آنکھیں کھولی تھیں پھر اسے دیکھ کر پلک جھپک اٹھ کر گلے سے لگا کر بھیجنا اور دانت نکال کر بولا تھا۔

”مبارک ہو۔“ جہان ہونٹ ہو کر رہ گیا۔

”کس بات کی مبارک؟“ اس نے جھنجھلا کر گلے کا ہار بنے معاذ کو کھینچ کر خود سے الگ کیا اور غصے سے گھورا۔

”ابھی ابھی میں لیٹا ہوا تھا تو میری آنکھ لگ گئی میں نے اک خواب دیکھا، تم سیاہ کلر کی کروٹا میں بیٹھے ہوئے ہو تم نے آف دایٹ کلر کا بہترین سوٹ زیب تن کر رکھا ہے، تمہارے ملبوس سے کو برائی خوشبو پھوٹی ہے، تمہارے پہلو میں فرنٹ سیٹ پہ ایک لڑکی ہے، لڑکی کیا ہے جنت کی حور لگتی ہے چاندنی کی کرنوں کو میدے میں گھول دیا جائے تو کتنا حسین بیکر مجسم صورت اختیار کراتا ہوگا، ذرا تصور کرو، اس لڑکی کی خوبصورتی بھی ایسی ہی طبع اور بے داغ ہے، اس نے دھنک آنکھوں جیسا لباس پہنا ہوا ہے، سفید دوپٹہ وہ بار بار سنبھالتی ہے اس کے بال لمبے اور حسین ہیں، بے مگر وہ لڑکی خواب میں رو کیوں رہی تھی؟“ اس نے ڈرامائی سا وقفہ دے کر ایک اہم سوال کیا تھا، جہان جو اس داستان کے آغاز کے ساتھ ہی دھک سے رہ گیا تھا گنگ سا کھڑا اسے مگر لگ کر دیکھے گیا، معاذ نے اس کی کیفیت کو محسوس کیا تو گہرا سانس بھر کے متاسفانہ انداز میں سر کو بار بار زور سے جھنکا تھا۔

”آئی کانت بیواٹ، بے اگر کوئی یہ بات مجھے بتاتا تو میں کبھی یقین نہ کرتا مگر.....“ جہان اب بھی کچھ نہیں بولا، کوٹ اتار کر صوفی پہ اچھالا اور ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کر کے وارڈ روب کی سمت بڑھ گیا۔

”یار اپنا کوٹ اچھی طرح جھاڑ لو، اگر اس پہ گولڈن براؤن کوئی سلکی بال چپکا ہوا رہ گیا تو خواجواہ تمہارا کردار مشکوک ہو جائے گا۔“

معاذ کو مسلسل چٹکے سوجھ رہے تھے، جہان نے ایک بے بس قسم کی نظر اس پہ ڈالی تھی اور ایک شلوار سوٹ اپنے لئے منتخب کر لیا۔

”ویسے لڑکی پیاری تھی، انوسینٹ اور چارمنگ، پرفیکٹ کیل، میری طرف سے اوکے ہے۔“
”شٹ اپ معاذ! کلوز دس ٹاپک۔“ جہان کی خاموشی ٹوٹ گئی بالآخر مگر وہ بولا تھا تو کیا۔
”تو یہ وجہ تھی بھاگ بھاگ کر لاہور آنے کی اور بے تم جھوٹ کب سے بولنے لگے وہ بھی مجھ سے؟“ معاذ کے لہجے میں واضح طور پر ملال اتر آیا تھا۔

”بسا اوقات نظر فریب بھی دیا کرتی ہے معاذ، تم اپنا من پسند سوچ رہے ہو۔“ وہ کچھ اور زچ ہوا تھا۔

”یعنی تم کہنا چاہ رہے ہو میں غلط نہیں کا شکار ہوا ہوں؟“ معاذ نے بھنویں اچکا کر اسے دیکھا تھا، جہان نے محض کا ندھے اچکائے تھے، معاذ کو قدرے مایوسی ہوئی۔
 ”میری اس غلطی کو حقیقت میں بھی بدلا جاسکتا ہے۔“
 ”واٹ نان سنس معاذ، میں نے کہا نا کلوز کرو اسے۔“ اب کے وہ جھلا اٹھا تھا۔
 ”مجھے وہ لڑکی.....“

”میں کچھ نہیں سننا چاہتا، تم بتاؤ یہاں کس سلسلے میں آئے ہو؟“
 ”مجھے خبر ہو گئی تھی کہ تم یہاں اک لڑکی.....“ جہان کے گھورنے پہ معاذ نے زبان ردک لی تھی، پھر ایک گھنٹے کے بعد جب وہ دونوں کھانا کھا رہے تھے بے حد خاموشی ان کے بیچ مائل رہی تھی۔
 ”پاپا کی اس پینڈو بہو کا نام کیا ہے؟“ معاذ نے اچانک سوال کیا تھا، جہان پہلے چونکا پھر گڑبڑ لیا تھا۔

”یوٹی تمہاری ہے، تمہیں پتہ ہونا چاہیے۔“ اس نے جیسے کترانا چاہا تھا۔
 ”مجھے تو کبھی بھی یاد نہیں رہا تھا، تم جانتے ہو، تمہیں تو لازمی پتہ ہو گیا بتانا نہیں چاہتے؟“
 معاذ کا لہجہ آخر میں طنزیہ ہو گیا تھا، جہان نے دانستہ چپ سا دھکی تھی۔
 ”تم بدل گئے ہو بے ہر لحاظ سے بدل گئے ہو۔“ اس کی طرف سے کچھ دیر جواب کا منتظر رہ کر معاذ نے آہستگی سے کہا تھا، انداز کی کھٹکتھی اور دلگیری نے جہان کو جکڑ لیا تھا۔
 ”معاذ کیا ہو گیا ہے پار۔“ جہان نے اس کا کا ندھا تھپکا تھا، معاذ نے جواب نہیں دیا۔
 ”پر نیاں نام ہے بھانجی کا اور وہ.....“

”اور وہ وہی پر نیاں ہے جو ڈاکٹر پر نیاں ہے جس کے حسن نے تم سب کو بقول مجھے دیکھتے ہی دیوانہ کر لینا تھا اور یہ بات سو فیصد درست نکلے میں انیر بھی ہوا تو اپنی بیوی کے حسن کا، یہ میری بد نصیبی تھی یا حماقت میں اس بحث میں نہیں پڑنا چاہتا، میں صرف تم سے جواب دہی کر رہا ہوں بے نیل می تم نے میرے ساتھ یہ فول کیوں کھلیا؟“ وہ جتنا سنجیدہ تھا اس سے بڑھ کر تاسف زدہ، جہان کا تو منہ کھلا رہ گیا تھا، یہ انکشاف اس پہ اتنا اچانک ہوا تھا کہ وہ کس طرح بھی شاکڈ ہوئے بغیر نہیں رہ سکا۔

”آئی ایم سوری معاذ مجھے واقعی ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔“ جہان نے آہستگی سے کہہ کر سر جھکا لیا تھا اسے واقعی اس بل بے تماشا ندامت محسوس ہو رہی تھی، معاذ نے بھینچے ہوئے ہونٹوں کے ساتھ ایک نظر جہان کو دیکھا تھا اور گہرا سانس بھر کے خود کو کیپوز کیا تھا۔
 ”پر نیاں نے منع کیا تھا نا تمہیں؟“

”معاذ پلیز اب ان سے خفا مت ہو جانا، دیکھا جائے تو وہ غلط نہیں تھیں، وہ اپنی انا قربان نہیں کرنا چاہتی تھیں، ناٹ ڈاؤٹ تم نے ان کے پندار کو نہیں پہنچائی تھی۔“
 ”ویسی ہی نہیں جیسی تم اس لڑکی کو پہنچا رہے ہو، جے جسے میں نے کچھ دیر پہلے تمہارے ساتھ دیکھا تھا؟ جے مجھے پر نیاں کا رویہ حیران کرتا تھا ہمیشہ وہ اپنی بجائے میری منکووح کی بات کرتی تھی

میں پھر بھی نہ سمجھ سکا سارا قصہ میں واقعی بے وقوف ہوں کیا ہے؟“ معاذ کا تاسف ڈھلتا ہی نہ تھا، یہ سوچ اس کی روح میں آگ بھڑکاتی تھی کہ اس جیسے جینس اعلیٰ ڈگری ہولڈر سر جن کو ایک غرض تک کس درجہ آسانی سے بے وقوف بنایا گیا۔
 ”معاذ اربلیکس۔“ جہان نے اس کے ہاتھ کو آہستگی ویزی سے تھپکا تھا، معاذ پھیکے انداز میں ہنکرایا۔

”کیسے پتہ چلا تمہیں یہ سب؟“ جہان نے بنیادی سوال کیا تھا، معاذ نے سرد آہ بھری۔
 ”اتفاقاً باتیں سن لی تھیں بھانجی اور زینب کی مگر میں نے کسی پہ آشکار نہیں کیا، اب محترمہ کی باری ہے اتنی آسانی سے معاف نہیں کروں گا۔“ وہ کلس کر بولا تو جہان نے ٹھنڈا سانس بھرا تھا۔
 ”تمہارا کیا خیال ہے اس سلسلے کو اب ختم نہیں ہو جانا چاہیے؟“
 ”میں نے تم سے مشورہ نہیں مانگا تھا بے اور تم مجھے ٹالو مت، بتاؤ یہ سارا قصہ کیا ہے، وہ لڑکی کون ہے اور وہ رو کیوں رہی تھی؟“ جہان کے چہرے پہ ایک رنگ آ کر گزرا جسے معاذ نے پوری شدتوں سے نوٹس کیا تھا۔

”یہ چکر پرانا چل رہا ہے نا بے؟“ معاذ نے ایک اور قیاس لگایا تھا۔
 ”پتہ نہیں یہ چکر تقدیر کا ہے یا میرے کسی عمل کی سزا، معاذ کبھی کبھار تو میں سوچتا ہوں کاش میں اس فیکٹری کی بہتری اور اصلاح کی خاطر بھی لاہور نہ آیا ہوتا، یہ سارا منحوس سلسلہ اسی وقت شروع ہوا تھا۔“ جہان کے لہجے میں بلا کا ملال تھا، معاذ حیران ہوئے بغیر نہیں رہا۔
 ”یعنی تقریباً دو سال پہلے جب میں انگلینڈ جا چکا تھا تب تم آئے تھے نا یہاں؟“ جہان نے سرکواشات میں جنبش دی تھی پھر اس سنجیدگی و ملال کے ساتھ اس نے سزا فریدی کی چالوں اور جھانسون کا سارا کچا چٹا کھول کر معاذ کے آگے رکھ دیا تھا۔

”مجھ پہ دہری افتاد ٹوٹی تھی معاذ، میں ہر لحاظ سے ہار گیا تھا، مجھے سمجھ نہیں آئی تھی مجھے کیا کرنا چاہیے، پتہ نہیں معاذ میں نے اپنی اور خاندان کی عزت بچانے کو جو قدم اٹھایا وہ درست تھا یا نہیں۔“ جہان کا لہجہ ٹوٹا ہوا تھا، وہ پھر سے اسی ازیت اسی کرب کا شکار ہو چکا تھا، معاذ کی تو آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئی تھیں، پھر یہ حیرت تمام ہوئی تو اسے حسب عادت جلدی طیش چڑھنے لگا تھا۔

”تم نے بہت غلطی کی ہے، تمہیں سزا فریدی جیسی شاطر عورت کا مطالبہ نہیں ماننا چاہیے تھا کیا کرتیں وہ؟ مجھے تو لگتا ہے وہ عورت خود ہی چاہتی تھی، یعنی نکاح، اف..... تمہیں ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا، کیا ہمیں تمہارا بھرہ نہ تھا، تم پا کو یا پھر مجھے اعتماد میں لیتے تو سہی۔“ وہ اٹھ کر مضطرب سا نکلنے لگا، جہان ہونٹ بھینچے بس اسے دیکھتا رہا تھا۔

”بلاؤ اس لڑکی کو یہاں، کیا نام ہے اس کا؟“ معاذ نے تھلا کر کہا تو جہان نے سرکوفی میں جنبش دی تھی۔
 ”لغت بھیجو معاذ، فی الحال یہ مسئلے کا حل نہیں ہے، اس کی ماں بہت شاطر عورت ہے۔“
 ”اب کیا چاہتی ہے وہ عورت تم سے؟“

”جو وہ چاہتی ہے وہ میں کبھی نہیں ہونے دوں گا۔“ جہان کا لہجہ اٹل اور پختہ تھا۔

”چاہتی کیا ہیں آخر وہ؟“ معاذ کی توجہ اسی اہم بات میں انکی ہوئی تھی، جہان نے جواب دینے کی بجائے ہونٹوں کو باہم بھینچ لیا یوں جیسے المذاطیں دبانے کی کوشش کر رہا ہو، معاذ اٹھ کر اس کے پاس آیا پھر اسے دونوں شانوں سے تھام کر رخ اپنی جانب پھیرا تھا۔

”شاید بچپن سے یا پھر لڑکپن میں کب مجھے شیخ سے یاد نہیں ہماری دوستی اتنی پختہ اور مضبوط ہوئی تھی جے کہ ہم نے کبھی یہ عہد بھی نہیں کیا تھا، ہم ایک دوسرے سے ہر بات شیئر کیا کریں گے۔ مگر ہم کرنے لگ گئے، ہر دکھ ہر سکھ، چاہیے آغاز میں کتنا ہی اسے چھپا میں مگر ہمیں بالآخر اسے ایک دوسرے پہ عیاں کرنا پڑتا ہے، پورے شاہ ہاؤس میں یہ تعلق اور یہ گہرائی کہیں اور دیکھنے کو نہیں ملتی، جے میں اس تعلق میں بھی دراز بڑے دیکھتا ہوں تو بہت تکلیف محسوس کرتا ہوں، کوشش کرتا کبھی دانستہ مجھے اس دکھ سے ہٹانا نہ کرنا۔“ جہان نے کچھ کہے بغیر اسے بے اختیار ہو کر اپنے بازوؤں میں بھر کے بھینچ لیا تھا۔

”آئی ایم ساری معاذ مجھے احساس ہے میری طرف سے اکثر تمہیں یہ دکھ اٹھانا پڑا ہے، یہ تمہاری محبت ہے کہ ہر بار تم خود میری طرف بڑھتے ہو اور میرے درد میں شریک ہو جاتے ہو۔ معاذ میں کیا کروں میرا ہر مسئلہ گہیر تر اور الجھا ہوا ہوتا ہے جسے تمہارے سامنے رکھتے میں فطری طور پر شرمندگی محسوس کرتا ہوں، جھجک جاتا ہوں۔“

وہ نادام اور بے بس سا ہو کر بول رہا تھا، اس کے لہجے میں محسوس کی جانے والی اذیت تھی معاذ نے نرمی محبت اور آہستگی سے اسے تھکا تھا اور اسے تھام کر خود سے الگ کیا۔

”خود سے اعتراف میں کیا جھجک یا عار؟ میں تمہارا عکس ہوں جے ہم ایک دوسرے سے الگ نہیں ہیں۔“

”اچھا دوست خدا کا بہترین عطیہ ہوتا ہے، ہمیں خدا کے شکر گزار بننا چاہیے کہ خدا نے ہمیں یہ عطیہ بخشا ہے۔“ اپنی بات کے اختتام پہ وہ دانستہ مسکرایا تھا، جہان کو بھی ہونٹوں پہ بھی جبری قسم کی مسکان لانی پڑی۔

”مسز آفریدی اب ہر صورت ڈالے کو میرے ساتھ آباد اور خوش دیکھنا چاہتی ہیں جو مجھے کسی طور بھی گوارا نہیں۔“

”جے تم کیوں نہیں چاہتے یہ؟“ معاذ نے واپس کری یہ بیٹھتے ہوئے اسے سوالیہ انداز میں دیکھا تھا۔

”سب سے اہم بات یہ ہے معاذ کہ میرے نزدیک اس لڑکی کا کردار مشکوک ہے، ہے نا سوچنے کی بات آخر انہوں نے یوں زبردستی اپنی بیٹی میرے گلے کیوں ڈال دی۔“

”ضروری نہیں ہے جے کہ ایسی بات ہو، عین ممکن ہے تم اس حوالے سے مسز آفریدی یا ان کی بیٹی کو پسند آگئے ہو اور انہوں نے.....“

”میں نہیں مانتا اس بات کو، مجھ میں کوئی سرخاب کے پر نہیں لگے ہوئے۔“ جہان نے نہایت خفگی سے کہتے اس کی بات قطع کر دی تھی، معاذ کو خاموش ہونا پڑا۔

”سرخاب کے پر تو تم میں کچھ اضافی ہی لگے ہوئے ہیں کا کے، خیر جو بھی فیصلہ کرو بہت سوچ سمجھ کر کرنا، نکاح کا بندھن کھیل نہیں ہوتا ہے جے، خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گواہ بنا کر جو ذمہ داری اٹھانے کا ہم عہد کرتے ہیں اس سے بددیانتی کی پکڑ معمولی نہیں ہوگی۔“ معاذ نے گفتگو سیٹے ہوئے اہم بات سمجھائی تھی، جہان نے سر ہلا کر اسے سلی دی تھی۔

☆☆☆

اب تو خواہش ہے یہ درد ایسا ملے
سائیس لینے کی حسرت میں مر جائیں ہم
اب تو خواہش ہے یہ ایسی آندھی چلے
جس میں تپوں کی مانند بکھر جائیں ہم
اب تو خواہش ہے یہ دنیا والوں کا غم
ایسی ٹھو کر گائے کہ جی نہ سکیں

ایسی الجھیں یہ سینے میں سائیس کہ پھر
ہم دو اپنا چاہیں تو پنی نہ سکیں
کوئی ہمد نہ راہی نہ راحت ملے
ایک بل کو سہارا نہ چاہت ملے
اب تو خواہش ہے یہ دشت ہی دشت ہو
تنگ پاؤں چلیں

م سر بزم شمع کی مانند چلیں
جس کو چاہیں اسی کو نہ پائیں کبھی
چھوڑ جائیں چپ چاپ دنیا کو ہم
دل یہ چاہے تو پھر بھی نہ آئیں کبھی
اب تو خواہش ہے یہ کہ سزا وہ ملے
کوئی صحرا قلعہ یا بیابان ہو

جس میں سالوں تک قید ہی قید ہو
اپنے خالق و مالک سے میں نے جو کی
بے وفائی وہاں یہ وہ ناپید ہو
ان آدم کی چاہ کے کڑے جرم میں
بروئے جاؤں تو چپ نہ کرائے کوئی
دور جنگل یا پھر کسی دشت میں

ہاتھ پکڑے میرا چھوڑ آئے کوئی

وہ ساکن کٹری تھی پچھلے پندرہ منٹ سے یونہی بے حسی و حرکت جیسے پتھر کی ہو گئی ہو، اس کی آنکھ میں اترے آنسو بھی جیسے ٹھنڈے تھے، حیرانی پریشانی، تعجب و بے یقینی دھندلے جیسے ہر لفظ اس

کی کیفیت کو بیان کرنے سے لاپرواہ تھا، اسے لگا تھا اسے کسی نے بے خبری کے عالم میں اندھے کنویں میں دھکیل دیا ہو مگر نہیں یہ تکلیف بھی قابل برداشت ہو سکتی تھی، اسے لگتا تھا غلاظت کا لائق ہی ڈھیر ہے جس میں وہ گرا دی گئی ہے اور اس کا پورا وجود اسی غلاظت سے اٹ گیا ہے، اسے اپنے وجود سے خود گھن آرہی تھی، پھر بھلا جہان کیوں گھن نہ کھاتا، اس کے پھرائی ہوئی آنکھیں پھر زار و قطار آنسو بہانے لگیں، ابھی کچھ دیر قبل اس نے مسز آفریدی سے سخت انداز میں باز پرس کی تھی جس کے نتیجے میں پہلے تو ہمیشہ کی طرح وہ انکاری تھیں پھر ڈھٹائی کا اعلیٰ مظاہرہ کرتے ہوئے انہوں نے ہر جرم نہ صرف قبول کیا تھا بلکہ انہوں نے اس پر چڑھ دوڑی تھیں۔

”میں نے جو کچھ بھی کیا مجبوری میں کیا ہے۔“
 ”مجبوری؟ ایسی کون سی مجبوری تھی آپ کی؟“ وہ پھڑک اٹھی تھی جو اب مسز آفریدی نے طنزیہ نگاہوں سے اسے دیکھا تھا پھر کاٹ دار سر دیکھتے ہوئے بولی تھیں۔

”تم ہو میری سب سے بڑی مجبوری تھی! تمہاری خاطر میں نے ہمیشہ ہر جرم کیا، اگر مجھے تمہاری چاہ نہ ہوئی اگر مجھے تمہاری ضرورت نہ ہوئی اگر تم میری زندگی میں نہ ہو تیں تو میرا کردار، فرشتوں جیسا ہوتا اجلا روشن اور بے داغ، میں نے ہر جرم تمہاری وجہ سے کیا۔“ وہ شاید حواسوں میں نہیں رہی تھیں جیسا ایسی باتیں کر رہی تھیں، ڈالنے تو گنگ ہونے لگی تھی۔

”مجھے آپ کے جرائم کی تفصیلات نہیں معلوم تھی! مجھے بس اتنا بتائیں کہ آپ نے شاہ کے ساتھ ایسا کیا کیا ہے کہ وہ آپ کے ساتھ ساتھ مجھ سے بھی بدگمان ہو گئے ہیں، وہ میری شکل دیکھنے کے بھی روادار نہیں ان کی باتیں..... میں کاش میں مر گئی ہوتی ان کی وہ باتیں سننے بغیر۔“ وہ اس وقت کی انسلٹ یاد کر کے پھر سسکنے لگی۔

”کیا بکواس کر رہا تھا وہ؟ بتاؤ مجھے، کیا وہ پھر ملا تم سے؟“ مسز آفریدی ہسٹریک ہونے لگی تھیں، ڈالنے کو ان سے نفرت محسوس ہونے لگی۔

”ہاں بیلے تھے وہ مجھ سے، مگر میری اوقات مجھے یاد دلانے کو، وہ اوقات جس سے میں خود بھی آگاہ نہیں تھی، می آپ کے سارے بلند و بانگ دعوے دھرے رہ گئے، وہ مجھ سے نفرت کرتے ہیں، وہ مجھے بھی پسند ہی نہیں کرتے تھے، آپ نے ایسا کیا کیا تھا کہ یہ نکاح ہوا بتائیں مجھے ورنہ میں ابھی اسی وقت خود کو شوٹ کر لوں گی۔“ وہ پھرائی تھی، چیختے چیختے اس کا گلا اچھل کر رہ گیا تھا، مسز آفریدی پہلی مرتبہ ذرا سا گھبرائیں اور لپک کر اسے سنبھالنا چاہا مگر وہ مچل کر ان کی گرفت سے نکل گئی تھی۔

”مجھے صرف وہ بتائیں می! اور نہ آپ میری شکل دیکھنے کو بھی ترس جائیں گی۔“ ڈالنے کی قافیہ حالت بگڑی گئی تھی، وہ اس بل جیسے شدید ہجانی کیفیت کے زیر اثر تھی، مسز آفریدی جتنی بھی سفاک بے حس اور بے رحم تھیں مگر یہ بھی سچ تھا کہ ڈالنے ان کی دکھتی رگ تھی، اس وقت بھی وہ اس کے غیر ہوتی حالت پہ کچھ اس طور گھبرائی تھیں کہ مصلحت کا دامن بھی ہاتھ سے چھوڑ بیٹھیں اور فر فر اپنی ساری کارستانی اس کے آگے کھول کر رکھ دی۔

”جب ہوٹل میں تمہاری طبیعت خراب ہوئی تو جہاںگیر نے ہی مجھے کال کر کے بتایا تھا، میں

کتنے دنوں سے ہی ایسے موقع کی تلاش میں تھی، میں نے کہا نا ڈالے کہ میں نے تمہاری آنکھوں میں اس کی محبت کا رنگ دیکھ لیا تھا، میں نے ہمیشہ تمہاری ہر خواہش پوری کی تھی پھر یہ کہے نہ کرتی، میں نے جہاںگیر کو اس امر پہ آمادہ کیا کہ وہ تمہیں گھر چھوڑ جائے، اس کے آنے تک خفیہ کیمرے کا انتظام ہرگز مشکل کام نہیں تھا میرا من پسند رزلٹ مجھے اگلے دن مل گیا تھا، اس کے بعد تمہاری پٹائی لکڑی کے موقع پہ میں نے دانستہ تم لوگوں کو تنہائی فراہم کی تھی اور.....“ وہ سب بتانے کے بعد اسے لپٹا کر پیار جٹلانے لگیں، جبکہ ڈالنے سناٹے میں گھر گئی تھی۔

”میرے پاس اس کے سوا کوئی حل نہیں تھا ہی کوئی حل ہی نہیں تھا اور میں کامیاب رہی تھی۔“
 ڈالنے کی آنکھوں میں یلکھت کی سمٹ آئی۔

(آپ کو کیا پتہ می آپ نے میرا کیا نقصان کر دیا ہے، انہیں نہ پانا اس بھرم عزت اور وقار کو کھودینے سے ہزار ہا درجہ بہتر تھا۔)

اس کے اندر سے ناقابل برداشت درد اٹھ کر پورے وجود کو اپنی لپیٹ میں لینے لگا، مسز آفریدی اسے تسلی دلا سے سے کر خود کہیں کھل گئیں تھیں اور وہ یونہی کھڑی تھی، اس عظیم نقصان پہ ماتم کناں، قدموں تلے زمین تھی نہ سر پہ آسمان، وہ کیسی بے یار و مددگار ہو گئی تھی، ایسی ذلت، ایسی رسوائی اور ایسا درد جو برداشت کرنے کا حوصلہ تھا نہ طرف..... (اور مسز آفریدی کیا کہہ رہی تھیں کہ شاہ صرف میرے ہیں، وہ مجھے ہی ملیں گے۔) اس کے اندر تمسخر بکھرا۔

(میں تو خود میں اتنی تاب بھی نہیں پاتی می کہ ان کا دوبارہ سامنا کر سکوں، آپ کی شیطانی چالوں میں اتنا دم خم ہو گا کہ مزید اپنا من چاہا رزلٹ حاصل کر لیں، خدا ظالم کی ری دراز جو کر دیا کرتا ہے، مگر سوری می میں آپ کو اب کوئی موقع نہیں دینا چاہتی، اس نے کچھ سوچا تھا اور تیز تیز چلتی مسز آفریدی کے کمرے میں آگئی، سیلنگ پلیز وہ ہمیشہ دراز میں لاک رکھا کرتی تھیں، چابی کا علم اسے نہیں تھا مگر ذرا سی کوشش اور تلاش کے بعد اس نے چابی ڈھونڈ لی تھی مگر دراز میں موجود دو کی شیشی میں آخری دو گولیاں تھیں، جو بہر حال اس کی ضرورت اور خواہش کے لحاظ سے بے حد معمولی تھیں اس نے شیشی واپس چھین لی اور دراز کھلا چھوڑ کر واپس آگئی، پورٹیکو میں آکر اس نے شو فر کو پکارا تھا۔

”جی بے بی کہیں جانا ہے؟“ شو فر مستعد تھا۔

”مجھے چابی دو اور وائچ مین سے کہو گیٹ کھولے۔“

”بے بی بیگم صلابہ کا حکم ہے آپ اکیلی.....“

”شٹ اپ میں نے تمہیں آرڈر یاد دلانے کو نہیں کہا، چابی نکالو اور گیٹ اوپن کراؤ۔“ وہ حلق کے بل چیختی تھی، شو فر نے حکم کی تعمیل کی تھی، ڈالنے نے گاڑی کا دروازہ کھولا اور اندر بیٹھ کر گاڑی اشارت کی تھی، اس دوران گیٹ پورا کھل چکا تھا، ڈالنے نے طوفانی انداز میں گاڑی کو گیٹ سے نکالا تھا اور رہائش علاقے سے نکال کر مین روڈ پہ لاتے لاتے رفتار قدرے کم کی تھی اس کے باوجود وہ سے تین چار مرتبہ ایکسیڈنٹ ہوتے رہ گیا تھا، فارمیسی کے سامنے گاڑی روک کر وہ عجلت میں باہر آئی تھی، بیگ اور دوپٹے سنبھالتی فارمیسی کا گلاس ڈور دھکیلتی اندر داخل ہو گئی، مطلوبہ دوا

حاصل کرنے کے بعد اس نے کاؤنٹر پر بے سنٹ کی تھی اور اپنے دھیان میں مڑتے ہی کسی سے بہت زور سے ٹکرائی، ایک بل کو تو زمین آسمان اس کی نظروں میں گھوم گئے تھے، سرسئی کرتا شلواری میں ملبوس بیروں میں مردانہ چہل پہن جہان تمام تر سادگی مگر خوب روئی اور دجاہتوں کے ہمراہ اس کے سامنے تھا، ناپسندیدہ اور تیز نظروں سے اسے دیکھتا ہوا اس کا دل پھیلا سگرا اور خون میں وحشت کا احساس سرسرا نے لگا، یہ سامنا انتہائی غیر متوقع اور غیر مناسب تھا، ڈالے کا دل دھک سے رہ گیا تھا، ہونٹ کھینچتے ہوئے اس نے نظر چرائی اور ہونٹ کھینچتے ہوئے قدم بڑھا دیئے تھے، جہان نے کوئی مداخلت کی نہ تو کا معاذ جو اس کے پہلو میں کھڑا اس کی جانب سے کسی رد عمل کا منتظر تھا بے اختیار جزیر ہوا، ڈالے کو وہ ایک نظر میں ہی پہچان گیا تھا مگر پھر بھی کچھ ڈاؤٹ تھا جو ڈالے اور جہان کے تاثرات نے دور کر دیا تھا۔

”وہ جارہی ہیں، روکو انہیں۔“ معاذ نے اسے نہو کا دیا تھا، جہان کے منہ میں کوئین کھل گئی۔
”مجھے کیا ضرورت پڑی ہوئی ہے۔“ وہ نخوت سے بولا تھا، معاذ نے بے دریغ اسے گھورا پھر خود ڈالے کے پیچھے دوڑا تھا۔

”مس..... مس کیسکے زمی۔“ ڈالے گا اس وال کے ہنڈل پہ ہاتھ رکھے دروازہ داکر چکی تھی، چونکی اور پلٹ کر دیکھا، منٹکے شاندار لباس میں ملبوس بانوں پہ گلاسز بکائے، ایک ہاتھ میں گاڑی کی چابی لباس سے پھوٹی مہنگے پرفیوم کی مہک لئے وہ بے حد شاندار شخص اپنے انداز چال ڈھال اور چلیے سے ہرگز بھی کوئی سڑک چھاپ عاشق یا چھپوڑا نہیں لگتا تھا مگر اس طرح سے بیچ راہ روکنے کا مقصد..... وہ حیرانی سے اسے دیکھنے لگی۔

”آپ ڈالے ہیں نا؟“ ڈالے کی آنکھیں حیرت کی زیادتی سے کچھ اور پھیلیں، اس کا دل چاہا اک نظر پلٹ کر دیکھے جہان ابھی تک وہیں موجود ہے مگر اس نے دل کو سختی سے جھڑک دیا تھا۔
”آپ..... کون؟“ اس کی آواز لرزی گئی تھی۔

سیاہ سوٹ میں ادنیٰ قدر چوڑے شانوں والا خوبصورت ذہین آنکھوں والا یہ مکمل وجیہہ مرد اپنی تمام تر سحر انگیزی کے باوجود کسی کا عکس جراتا تھا، جہان کا..... اس کے ذہن میں ایک دم جھماکا سا ہوا اس کے چہرے پہ سختی چھا گئی۔

”میں جے کا کزن ہوں، آلی مین جہانگیر کا..... آپ اس کی.....“
”معاذ میں جا رہا ہوں، تمہیں آنا ہے تو آ جانا۔“ تبھی جہان کی خفا خفا سی آواز کچھ فاصلے سے گونجی تھی، ڈالے نے اب بھی خواہش کے باوجود پلٹ کر نہیں دیکھا۔

”آپ نے میرا راستہ کیوں روکا ہے؟“ ڈالے نے کسی قدر غصیلی نظروں سے اسے دیکھا تھا، جبکہ معاذ اس کی متورم سرخ آنکھوں بوجھل پہنوں پہ ٹھہری سوجن اور پلکوں کی نمی کو جا چھتی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

”دھنگلی آپ کی آپس میں ہے نا مجھے کیوں اس میں تھسیٹ رہے ہیں۔“ معاذ نے بے حد شاک کی ہو کر کہا تھا، ڈالے نے حیران نظریں اٹھائیں، معاذ کے چہرے پہ دوستانہ مسکراہٹ تھی، نگاہ ملنے پہ ہنسوؤں کو مخصوص انداز میں جنبش دے کر نرمی سے بولا تھا۔

”ہماری دوستی ہو سکتی ہے؟“

”میں غیر مردوں سے دوستی کی قائل نہیں ہوں، راستہ چھوڑیں میرا۔“ وہ نروٹھے پن سے بولی اور دروازہ ادپین کر کے شاپ سے باہر قدم رکھ دیئے تھے۔

”مگر میں تو آپ کا سسرالی عزیز بھی ہوں۔“ معاذ اس کے ساتھ باہر آیا اور اب اس کے ہتھم ہو کر سفید پتھر کے زینے اتر رہا تھا۔
”دیکھتے آپ.....“

”بھابھی کیا ہم کہیں بیٹھ کر کچھ بات نہیں کر سکتے؟“

”بھابھی.....!“ ڈالے ایک پل کو ساکن ہو گئی، انوکھا بادقار اور معتبر رشتہ جس کی لطافت اور اہمیت کے نئے نئے لیے احساس نے اسے اپنے حصار میں مقید کر کے خوشبو میں نہلا دیا، اسے لگا کچھ دیر قبل جو شدید کرب اس کی رگ و جاں میں ٹخبر بن کر اتر ا تھا اس کی سنگینی اور تکلیف قدرے کم پڑی ہو۔

”پلیز بھابھی!“ معاذ نے کسی قدر التجا آمیز انداز میں اسے قائل کرنا چاہا تھا، وہ نا چاہنے کے باوجود سب کو اثبات میں جنبش دینے لگی، معاذ بے اختیار مسکرایا تھا۔

”بھینکس اے لائٹ، اینڈ بھینکس نارڈس آنر۔“ ڈالے کے ہمراہ وہ سڑک کے دوسری جانب موجود ایسٹورنٹ میں آ گیا، جہان البتہ اس کے ساتھ نہیں آیا تھا، معاذ کے بلانے کے باوجود اس کا موڈ خراب ہو چکا تھا، وہ گاڑی میں بیٹھ کر اسی طیش میں وہاں سے چلا گیا تھا، یہ سب کچھ ڈالے نے بھی دیکھا تھا اور اس کا چہرہ ادھواں ادھواں ہوتا چلا گیا تھا۔

”آپ پریشان نہ ہوں بھابھی، اسے میں سنبھال لوں گا۔“

”وہ اب اور خفا ہوں گے، میں جانتی ہوں انہیں میرا کسی سے ملنا پسند نہیں ہے۔“ وہ سراسیمہ سی ہو کر بولنے لگی تھی، معاذ کو مسکراہٹ ضبط کرنا پڑی، یہ نازک اور شکل سے ہی بے حد معصوم نظر آنے والی لڑکی اپنی صورت سے زیادہ معصوم اور حساس لگتی تھی اسے، اس عیاری چالاکی اور چال بازی سے کوسوں دور جن کے متعلق جہان نے اسے بتایا تھا، تب خود اسے بھی کتنا غصہ آیا تھا ڈالے پہ مگر اس سے مل کر وہ چاہنے کے باوجود رخ کلائی تو دور کی بات سخت نظر نہیں ڈال سکا تھا، اس پر وہ دیکھنے میں ہی کتنی نازک تھی، جیسے کانچ سے بنی ہو بلوریں کانچ سے، جو ذرا سی ٹھیس بھی برواشت نہیں کرتا۔

”اگر کسی سے ملنا پسند نہیں محترم کو تو پھر خود آپ سے کیوں ملتا تھا؟ اور اتنا جانتی ہیں آپ اسے؟“ معاذ کو شرارت سوجھ گئی تھی، ڈالے نے گھبرا کر اسے دیکھا ایک لمحہ لگا تھا اس کی ہراساں آنکھیں چھلکنے جانے میں معاذ کوئی الفور اپنی غلطی کا احساس ہو گیا۔

”سوری آپ نے مانیڈ کیا تو، ویسے جے کو مجھ پہ اعتماد ہے، کم از کم میرے حوالے سے وہ آپ کو کچھ نہیں کہے گا ڈونٹ دری۔“ معاذ نے اسے تسلی سے نوازا پھر اس سے چائے یا کافی کے متعلق پوچھنے لگا۔

”نہیں، مجھے کچھ طلب نہیں، اب مجھے جانا چاہیے۔“ وہ گڑبڑا کر اٹھنے لگی تو معاذ نے ہاتھ اٹھا

کراسے رہا تھا۔

”آپ بیٹھیں پلیز، مجھے آپ سے جو بات کرنی تھی وہ ابھی نہیں کی۔“

”ک..... کیا بات؟“ وہ سخت وحشت زدہ نظر آنے لگی، معاذ نے گہرا سانس کھینچا۔

”آپ گھبرا میں نہیں، بس مجھے یہ بتادیں آپ نے سیلنگ پلا کیوں خریدی ہیں؟“ اور

ٹالے کو لگا تھا کسی نے اس کے قدموں تلے سے زمین کھینچ لی ہو، اس کا رنگ پھیکا پڑنے لگا۔

”میں اندر آتے ہی آپ کے ہاتھ میں وہ دیکھ چکا تھا، کیا میرا اندازہ درست ہے کہ آپ کچھ

غلط کرنے کا فیصلہ کر چکی ہیں۔“ معاذ کا دھیما لہجہ بے حد یقین لئے ہوئے تھا، ٹالے کچھ کہے بغیر

پھر آنسو بہانے لگی زار و قطار، معاذ نے ٹھنڈا سانس بھر کے اسے دیکھا تھا۔

”حالات جیسے بھی کٹھن ہوں، زندگی سے پیچھا چھڑانا صرف مایوسی اور بزدلی ہی کہلا سکتا

ہے۔“

”آپ کو نہیں پتہ میں کن مسائل میں گھر گئی ہوں، مجھے اب زندہ رہنے کی خواہش نہیں ہے،

میں ہرگز بھی وہ اذیتیں نہیں سہہ سکتی جو میرے نصیب میں لکھ دی گئی ہیں۔“ وہ یونہی بلبکتے ہوئے

کہہ رہی تھی، معاذ نے سرکوفی میں جنبش دی تھی۔

”اس کے باوجود کہ بے آپ کی زندگی کا حصہ بن گیا ہے۔“ معاذ نے اسے حیران نظروں

سے دیکھا، ٹالے نے کچھ کہے بغیر دوپٹے سے اپنا چہرہ صاف کیا تھا، اس کی خاموشی نے معاذ کو

صاف جتلیا کہ وہ کھلنا اور مزید بولنا نہیں چاہتی۔

”میں آپ سے یہ نہیں کہوں گا بھابھی کہ یہ سیلنگ پلا مجھے دے دیں میں جانتا ہوں اگر آپ

ایسا کر بھی لیں تو کہیں اور سے اپنی ضرورت پوری کر سکتی ہیں، میں آپ سے یہ کہوں گا، زندگی سے

منہ موڑنا حالات کا مقابلہ نہ کرنا اور خدا سے مایوس ہو جانا سب کے سب خسارے کے سبب دے ہیں،

زندگی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر جینا سیکھیں، حالات غیر موافق ہیں تو انہیں اپنے موافق

کریں، بی بیو، گاڈ بلیس یو۔“ اسے دس کرتے ہوئے وہ جاندار انداز میں مسکرایا تھا، اس وقت یہ

وہ معاذ نہیں تھا جو جذباتی کھلنڈرا اور بے پرواہ ہوا کرتا تھا، یہ معاذ حسن کا وہ روپ تھا، جو ایک

ڈاکٹر ایک مسیحا معاذ حسن کا تھا، دکھی انسانیت کی خدمت جس کا شکار تھا اور خدمت کا رنگ ایک

تھوڑی ہی ہے کہ دوا دے دی چیک اپ کر لیا، خدمت کا یہ انداز بھی ہے، مایوسی کے گھٹا ٹوپ

اندھیوں سے کسی کو امید کا جگنو تھمانا اسے راستہ دکھانا اور منزل کی نشاندہی کر دینا۔

ٹالے کچھ دیر تک حیرت بھری نظروں سے اسے دیکھتی رہی تھی پھر بتے آنسو پونچھتے ہوئے

مسکرائی۔

”دیکھیں بھائی، میں آئندہ خیال رکھوں گی۔“ اس کے آنسوؤں سے دھلے چہرے کی شادابی

میں زندگی کی سرخی شامل ہو گئی تھی اور اس کے نرم نقوش میں مسکراہٹ کی چاندنی بکھرنی لگی۔

☆☆☆

گھر پہنچتے ہی اس کا موڈ بری طرح عارت ہو گیا یہ سن کر کہ پر نیاں یہاں سے جا چکی ہے،

کہاں یہ راز تو بس وہ جہان سے ہی اگلا سکتا تھا جو ابھی اس کے ساتھ ہی لاہور سے واپس لوٹا تھا،

ماہنامہ جانا 182 جون 2013

وہ دوبارہ اس کے سر پہ جا کر سوار ہو گیا۔

”معاذ پلیز اب مجھے مزید کچھ مت سمجھانا میں بہت بے زار ہوں آل ریڈی۔“ جہان نے

اسے دیکھتے ہی کچھ ایسی عاجزی اور منت سے کہا تھا کہ معاذ تہقہ لگائے بغیر نہیں رہ سکا۔

ٹالے سے ملنے کے بعد سے وہ مسلسل اسے ٹالے کے حق میں ہموار کرنے کی کوشش میں

مصروف ہو گیا تھا اور باقاعدہ قائل کرنے کو زلیلیں دیتا رہا تھا جنہیں جہان نے ضبط سے سن ضرور لیا

تھا مگر یا نہ یا ان پہ عمل کرنے کا ہرگز بھی ارادہ نہیں تھا اور یہ بات معاذ نے اس کے تاثرات سے

ہی پالی تھی جیسی اس کا موڈ بگڑنے کو لچھ بھر سے زیادہ ٹائم نہیں لگا تھا۔

”تمہارا کیا خیال ہے بے میں بکواس کر رہا ہوں؟“ وہ ہتھے سے اکھڑنے لگا۔

”میں نے کب کہا؟“ جہان نے معصومیت کا تاثر دیا، معاذ نے اسے گھونسا دے مارا تھا۔

”یار قسم سے ٹالے واقعی معصوم ہیں، انتہائی سادہ اور بے ریا..... سب سے بڑھ کر تم سے

محبت بہت کرتی ہیں ان کی بد نصیبی یہ ہے کہ انہیں ماں اچھی نہیں ملی۔“ جہان نے ان سنی کرنا

مناسب سمجھا، وہ بہر حال معاذ کے خیالات سے متفق نہیں ہو سکتا تھا، وہ کیسے اسے بتاتا کہ ٹالے کی

اسی معصومیت نے اسے بھی جال میں پھانسا تھا، وہ توقع تک نہیں کر سکتا تھا کہ ٹالے اس کے ساتھ

ایسا ٹھیا کھیل بھی کھیل لے گی، معاذ بھی اس کی اس معصومیت سے متاثر ہو رہا تھا، دونوں نے اپنے

اپنے پوائنٹ آف ویو سے ایک دوسرے کا خوب ہی دماغ صاف کیا تھا اور دونوں اپنی اپنی جگہ پہ

ڈٹے رہے تھے۔

”مجھے معاف کر دو معاذ میں تم سے اس بات یہ بھی معافی مانگ لیتا ہوں کہ میں نے تمہیں

پر نیاں بھابھی کے لئے قائل کرنے کی کوشش کی تھی، اگر تم اس کا بدلہ چکا رہے ہو تو.....“ وہ واقعی

اس کے آگے ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہو گیا تھا، معاذ نے کھا جانے والی نظروں سے اسے دیکھا۔

”تم سمجھتے ہو تم وہ غلط کر رہے تھے؟ تم نے وہ بالکل صحیح کیا تھا، وقت نے اس بات کو ثابت کر

کے دکھا دیا بالکل اسی طرح.....“

”معاذ وقت کو آنے دو، ابھی مجھ سے زبردستی مت کرو، وقت یہاں بھی ہر سچائی اور جھوٹ کو

بیاد کر دے گا۔“ جہان کی بات نے معاذ کو ساکن کر دیا تھا، اسے یاد آیا تھا اس کی بھی کسی دہائی پہ

معاذ نے خود کوئی کان نہیں دھرا تھا اور زبردستی کسی کو دھکے سے کچھ منوایا بھی تو نہیں جا سکتا، اس میں

اصلاح نہیں بلکہ بگاڑ کے چانس زیادہ ہوتے ہیں۔

”اویکے فائن! میں اب تم سے کچھ نہیں کہوں گا، اللہ سے بہتری کی دعا کروں گا، اس لئے

کہ مجھے واقعی ٹالے بھابھی بے تصور اور معصوم لگی ہیں۔“ اس نے آہستگی سے کہا تھا اور یوں بات

ختم ہو گئی تھی مگر اب اسے اپنے کمرے میں دیکھ کر جہان کو پھر سے تشویش نے گھیر لیا تھا۔

”کم آن یار میں تیری نہیں اپنی والی کی وجہ سے آیا ہوں تیرے پاس، اپنی اپروچ استعمال کر

اور مجھے پتہ کر کے بتا پر نیاں کہاں ہے، رازداری شرط ہے میں کسی کو شک میں مبتلا کرنا نہیں چاہتا

ورنہ خود پوچھ لیتا۔“ اس کا مطالبہ سن کر جہان نے ٹھنڈا سانس بھرا تھا۔

”اڈکے فائن، تم فریش ہو جاؤ میں بتاتا ہوں تمہیں۔“

ماہنامہ جانا 182 جون 2013

WWW.PAKSOCIETY.COM

”بھلے کال کر کے بتا دینا مگر جلدی پلیز۔“ معاذ نے کہا تھا اور اگلے قدموں واپس آ گیا، کرپے میں آ کر اس نے اپنا لباس نکالا تھا، وہ جانتا تھا ابھی اسے پھر کہیں جانا ہے، وہاں جہاں پر نیاں تھی، جیسی اس لحاظ سے ڈریسنگ کی تھی، یہ جانی گرمیوں کے دن تھے، اس نے بلیک جینز کے ساتھ ہائٹ سیلیو بلیک ہی ٹی شرٹ منتخب کی تھی، جس وقت وہ ہاتھ لے کر نکلا اس کے میل پہ جہان کی کال آ رہی تھی، اس نے لپک کر فون پک کیا تھا۔

”بول شہزادے!“ وہ چکا تھا۔

”حسان کے ساتھ بھانجی فارم ہاؤس گئی ہیں، وہاں کچھ عرصہ قیام کیا تھا انہوں نے، ان کی ضرورت کی کچھ چیزیں وہاں تھیں اسی سلسلے میں گئی ہیں۔“

”اد کے فائن، تم ایسا کرو جے کہ کسی بہانے سے حسان کو واپس بلا لو، پر نیاں کو میں خود لینا آؤں گا۔“ معاذ نے اگلا آرڈر جاری کیا تھا جہاں تو ہونق ہو کر رہ گیا۔

”کیا مطلب ہے معاذ؟ اب تم وہاں جاؤ گے؟ دماغ ٹھیک ہے۔“

”تمہاری بہن کے ساتھ کچھ وقت رہیں کرنے اور ڈیٹ شیٹ مارنے کا موڈ ہے، سمجھ رہے ہوں۔“ اس نے دانت نکالتے ہوئے وضاحت کی تھی، جہاں اس کی بات یہ ٹھنڈا سانس ہی بھر سکا، معاذ نے گنگناتے ہوئے میل بیڈ پہ اچھالا اور خود پہ دل کھول کر پرفیوم چھڑکاؤ کرنے میں مشغول ہو گیا۔

☆☆☆

پر نیاں نے پردہ ہٹا کر کھڑکی سے باہر جھانکا، سورج واپسی کا سفر شروع کر چکا تھا، سرسبز فارم ہاؤس پر اس کی تاریخی شعاعوں کا عکس سونا بکھیر رہا تھا، فارم ہاؤس سے باہر بھی ہر سو دلکشی اور سبزہ بکھرا ہوا تھا، سامنے ایک لمبی پگنڈی تھی جس کے دونوں اطراف رنگین بے تماشا خوبصورت پھول کھلے گویا مسکرا رہے تھے، قریب ہی شفاف پانی کا تالا تھا جو کھیتوں کو سیراب کرتا گزر رہا تھا، جس کا آغاز نیوب ویل سے ہوتا تھا جس کے حوض میں پانی کا ایک کھلا اور موٹا پائپ زرد دار آواز کے ساتھ پانی گراتا تھا، باہر کے موسم کی تمام دلکشی و رعنائی اور حسن جگڑ لینے کی صلاحیت رکھتا تھا، وہ دن بچے پکٹی تھی اور حسان کے ساتھ چائے پینے کے بعد خود کمرے میں آ کر سو گئی تھی، جبکہ حسان فارم ہاؤس میں گھومنے پھیرنے چلا گیا تھا ہنڈی کیم اس کے پاس تھا اور تصویروں کا بے حد شوق، پر نیاں کے یہاں آنے کا تو ایک بہانہ تھا ورنہ حقیقت یہ تھی کہ وہ معاذ سے بچ کر یہاں آئی تھی، جانتی تھی ہاسٹل میں بھی امان نہیں ملے گی، وہاں بھی وہ اس کے سر پہ پہنچ جائے گا، پیا کو کہ اب کسی صورت اسے فارم ہاؤس آنے کی اجازت نہیں دے رہے تھے مگر اس نے ان کی منت سماجت کر کے قائل کر لیا تھا۔

”بی بی جی صاحب آپ کو ادھر بچھلے باغ میں بلا رہے ہیں۔“ وہ اپنے خیالوں میں گمن تھی جب کشمالہ نے آ کر اسے چونکایا، اس نے گردن موڑ کر اسے دیکھا۔

”حسان ابھی تک وہیں گھوم رہا ہے؟ کشمالہ آپ نے اس سے کھانے کا بھی نہیں پوچھا؟“ پر نیاں کو عجیب سی نفقت نے آن لیا تھا، کیا سوچتا ہو گا حسان بھی۔

”بی بی جی چھوٹے صاحب تو اسی وقت واپس چلے گئے تھے، کہہ رہے تھے ضروری کام ہے۔“ پر نیاں بھونچکی رہ گئی۔

”دانت واپس چلا گیا، مجھے چھوڑ کر، ایسا کون سا ضروری کام تھا۔“ اس کی حیرت کا کوئی انت نہیں تھا۔

”پتہ نہیں بی بی جی، انہیں کوئی فون آیا تھا، کہہ رہے تھے آپ کے موبائل پہ بھی میسج چھوڑا ہے کہ کیوں جا رہے ہیں اچانک۔“ کشمالہ کی بات کے جواب نے اسی تحیر آمیز کیفیت میں پلٹ کر ٹھیل پہ رکھا اپنا سیل فون اٹھایا، حسان کا ٹیکسٹ موجود تھا، اس نے غلٹ میں کھولا تھا۔

”سوری بھانجی میں آپ کو بتاتا جا رہا ہوں، کشمالہ نے بتایا ہے آپ سو رہی ہیں، کچھ سیل جہاں بھائی کی کال آئی ہے انہیں مجھ سے کچھ ضروری کام تھا، پھر کہہ رہے تھے آپ فکرنہ کریں، وہ خود شام تک آپ کو یہاں سے پک کر لیں گے۔“ میسج پڑھ کے پر نیاں قدرے ریلیکس ہوئی تھی۔

فارم ہاؤس کے پچھلے لان میں جانے سے قبل وہ کشمالہ کے ساتھ کچن میں آئی تھی، کھانا وہ اور اس کی مایاں تیار کر چکی تھیں مگر ان کے انتظار میں کھایا نہیں تھا، پر نیاں نے انہیں کھانا کھانے کی تاکید کی تھی اور کباب کے ساتھ ساتھ ٹرانسفل کا اضافہ بھی کروایا تھا۔

”آپ لوگ اس کی تیاری کریں مطلب، مصالحو جات اور دودھ وغیرہ نکال کر رکھیں میں ابھی آ کر ساتھ ہیٹ کرانی ہوں۔“ کشمالہ اور اس کی ماں کو ہدایات دینے کے بعد وہ اپنا بیو آئیل لپیٹتی ہوئی پچھلے لان کی سمت آ گئی، یہاں چار دیواری زیادہ بلند نہیں تھی، گھاس لمبی تھی یہ تقریباً دو ایکٹر رقبہ پر پھیلا ہوا میدان تھا جہاں صنوبر درو دار اور سفیدے کے درختوں کی بہتات تھی، پر نیاں اپنے قیام کے دوران صرف ایک بار وہاں آئی تھی تب کشمالہ نے اسے بتایا تھا کہ اسی لان کے مغربی جانب اصطل تھا جہاں اعلیٰ نسل کے گھوڑے موجود تھے جن کی دیکھ بھال کر سائیں مامور تھا، یہاں کو انہیں معلوم تھا شاہ ہاؤس میں رائیڈنگ کا شوق کس کا تھا، شاید جہان کا ہی تھا جو وہ آتے ہی وہاں آ گھسا تھا، اس کے چہرے پر مسکراہٹ بکھر گئی، تیز ہوا کے جھونکے بیک وقت اس کا آئیل دل سے بال اڑانے لگے، اس نے جہان کی تلاش میں نگاہوں کو دوڑاتے ہوئے بالوں کو سمیٹ کر پھر میں جکڑنا چاہا تو یاد آیا سونے سے قبل پکھرا تار کر اس نے اپنے سر ہانے رکھا تھا جو بعد میں لگانا چل گیا، اب بال یونیا پشت پہ بکھرے ہوئے تھے، اس نے بالوں کو جوڑے کی شکل دے کر پلے اڈرھا تب ہی اس کی نگاہ سامنے اٹھی تھی، سفید گھوڑے کی پشت پہ سوار وہ جہان نہیں معاذ تھا، سیاہ لباس میں آنکھوں پہ گلاسز چڑھائے وہ شہزادوں کی سی آن بان شان کے ساتھ اسے مسترد کر کے رکھ گیا تھا، ابھی وہ اس حیرانی سے ہی نہیں نکل سکی تھی کہ اسے ایک اور دھچکا لگا، معاذ گھوڑے کو دوڑاتا ہوا اس کے نزدیک لایا تھا اور لگا میں ایک ہاتھ میں پکڑ کر دوسرے ہاتھ کو پھیلاتے ہوئے وہ ذرا سا جھکا تھا اور اگلے لمحے زمین پر نیاں کے قدموں سے چھوٹ گئی تھی، اس کا دل زمین و آسمان کے درمیان نضا میں معلق تھا اور وہ خوف اور دہشت کے احساس سمیت بے ہوش چینی چلی گئی تھی۔

(جاری ہے)

فرآزمونی جہان زورلو

اہم ترین
اکیسویں قسط کا خلاصہ

پرنیاں سے اپنے رشتے کی نوعیت جان لینے کے بعد معاذ کا رویہ ایک دم اس کے تبدیل ہوتا ہے، جس میں موجود بے باکی اور واضح استحقاق کا رنگ پرنیاں کو خائف اور ششدر کرنے کا باعث ہے مگر معاذ حظ لینے کے ساتھ ساتھ غمے کا بھی شکار ہے۔

پہا کو کال کر کے سزا فریدی جہان کے نکاح کا بتا کر جہان کو ان کی نظروں میں مستحب ٹھہرانے کی کوشش کرتے ہوئے ڈالے کی باعزت رخصتی پہ مجبور کرتی ہیں پہا اس انکشاف کے بعد پریشان تو ہیں مگر جہان سے بدگمان نہیں۔

معاذ لاہور میں جہان کو ڈالے کے ساتھ دیکھتا ہے تو یہ بات اس پر جھلٹاتا ہے، جہان کو اس پہ ساری حقیقت منکشف کرنی پڑتی ہے، معاذ جہان پہ پرنیاں کے متعلق آگاہی ظاہر کر کے اپنے عزائم سے بھی باخبر کرتا ہے، جہان بہر حال اسے قائل نہیں کر پاتا۔

معاذ ریٹ ہاؤس میں موجود پرنیاں کے پاس آیا ہے اور پرنیاں اسے دیکھ کر خائف ہے۔

بائیسویں قسط

اب آپ آگے پڑھیے



اس کی آنکھیں بند تھیں اور وہ مسلسل چیخے جاتی تھی، حواس بانگلی کا کوئی انت تھا نہ شمار، اسے لگتا تھا گلے پل وہ زمین پر گرے گی اور گھوڑے کے بے رہم قدموں تلے آکر چکی جائے گی، مگر ایسا جب بہت دیر تک نہ ہوا اور امن و سلامتی رہی تب وہ خود کو حیران پائی ایک دم سے آنکھیں کھول گئی تھی، مگر کلیجہ دھک سے رہ گیا، وہ یکنخت شرم سے پانی پانی ہو گئی تھی، کاش اس نے آنکھیں نہ کھولی ہوتیں، وہ معاذ حسن کے بازو میں بری طرح سے چبکی ہوئی تھی یقیناً کرنے کے خوف سے منہ اس کے سینے میں گھسیڑا ہوا تھا، وہ حجاب اور خفت سے جل جل اٹھی اور بدک کر ناصطے پر ہونا چاہتا تھا مگر ناصطے کا برقرار رہنا یہاں گھوڑے کی پشت پہ سوار ہو کر کسی طور بھی ممکن نہیں تھا، اس کی دونوں ٹانگیں ایک سائینڈ پہ تھیں جیسے بائیک پہ بیٹھی ہو، اس کا وجود معاذ حسن کے مضبوط ہاتھوں کی بازوؤں کے چلتے میں تھا گھوڑے کا ہر اٹھا ہوا قدم ایک جھٹکا لگاتا تھا اور اسے کچھ اور بھی معاذ سے قریب تر کر جاتا، اس درجہ قربت آکر ڈپوزیشن اس پہ اپنی بے بسی کا شدید ترین احساس وہ بے ساختہ بے اختیار سی رو پڑی تھی، بھلا کب معاذ سے اسے اتنی جرأت اور ہمت کی توقع، وہ کہتے سے نکلی تھی اور تیش کے ساتھ مرنے مارنے پہ اتر آئی۔

”یہ..... یہ کیا بد تمیزی ہے؟ چھوڑیں مجھے۔“ خفت آمیز تیش میں اس نے معاذ کے سینے پہ دونوں ہاتھوں سے کموں کی بارش کر ڈالی تھی، مگر اس پہ کیا اثر ہونا تھا، اس نے تو جیسے اعزاز سمجھ کر یہ سوغات قبل کی تھی اور مزے سے ہنستا چلا گیا تھا۔

”یہ بد تمیزی نہیں ہے محترمہ رومالس کا ایک خوبصورت اسٹائل ہے اور چھوڑوں کیوں؟ چھوڑوں گا تو تم گر جاؤ گی نا۔“ پر نیاں کا دماغ بھک سے اڑ گیا، اسے معاذ کے ردیے کی قطعی سمجھ نہیں آسکی تھی آخر وہ اس درجہ بد تمیزی پہ کیوں اتر آیا تھا، وہ ہٹ دھرم تھا اور سرکش بھی، اتنا تو وہ بھی جان گئی تھی اسے، اگر وہ اس سے ضد لگائی تو یقیناً وہ اسے زچ کرنا اور تنگ کرنا۔

”یہ بالکل بھی ٹھیک نہیں ہے سر! کوئی دیکھیے گا تو کیا سوچے گا، پلیز مجھے نیچے اترنے دیں۔“ گھوڑے کی رفتار ہر لمحہ بڑھ رہی تھی اور پر نیاں کا دل بند ہوا جاتا تھا، اسے اپنی موجودہ پوزیشن پہ اتنی شرم آرہی تھی کہ اس سے نجات کی خاطر وہ اب اس کی منت سماجت پہ بھی اتر آئی تھی۔

”میں تو اس میں کوئی برائی محسوس نہیں کرتا، کوئی کچھ نہیں سوچے گا، سب کو پتہ ہے آپ سے میرا کیا تعلق قائم ہونے والا ہے، میں شادی کر رہا ہوں نا آپ سے، سوچا ذرا آپ کو خود سے مانوس کر لوں تمہوڑا رومالس سکھا دوں۔“ وہ اسے آنکھ مار کر شرارت آمیز ہنسی سے کہہ رہا تھا، پر نیاں کٹ کر رہ گئی تھی، کچھ بس نہ چلا تو منہ پہ ہاتھ رکھ کر سسکتی لگی۔

”سارے مجھ سے بچاؤ کے لئے اپنائے گئے طریقے ہیں نا، میں آگ لگا دوں گا ان سب طریقوں کو۔“ وہ پھر پھرنے لگا، پر نیاں کی جان ہوا ہونے لگی۔

”مجھے نیچے اتار دیں پلیز۔“ وہ پھر گڑ گڑائی۔

”پہلے وعدہ کرو۔“ معاذ نے اسے ایک بازو کے گھیرے میں لے کر اپنے آگے بٹھا دیا، اپنے ہی انداز میں اب پر نیاں کی پشت اس کے بال اور اس کی گردن معاذ کے سہارے ٹھہر گئی اور اس کا منہ سامنے آ گیا اب وہ اسے دیکھ نہیں سکتی تھی، اس کے آنسو ٹپ ٹپ بہنے لگے بے بسی اور لا چاری کا

کوئی انت تھا بھلا۔

”کون سا وعدہ؟“ اس نے سارے آنسو اندر اتار کر رقت آمیز لگے سے سوال کیا، وہ اس وقت پوری طرح اس کے رحم و کرم پہ تھی۔

معاذ نے اس کی واضح شکست کو محسوس کیا تھا اور بے اختیار مسکرا دیا، پر نیاں کے بال بہت خوبصورت انداز میں ہوا میں لہرا رہے تھے، ریشمی سیاہ مخملیں بال ٹٹوں کی صورت اڑتے تھے اور ہوا کو مشکبویہ کر رہے تھے، معاذ ذرا سا آگے جھکا اور اس کے انہی بالوں کو ذرا سا سمیٹ کر اس کے داسے کندھے پہ آگے کی جانب ڈال دیا پھر اپنا چہرہ اس کے اسی کندھے پہ ٹکا کر خوشبو بھرے انداز میں گنگنایا تھا۔

خوشبو کی طرح میری ہر سانس میں

پیارا اپنا بسانے کا وعدہ کرو

رنگ جتنے تمہاری محبت کے ہیں

میرے دل میں سجانے کا وعدہ کرو

ہے تمہاری وفاؤں پہ مجھ کو یقین

پھر بھی دل چاہتا ہے میرے دل نشیں

یونہی میری لسی کی خاطر ذرا

مجھ کو اپنا بنانے کا وعدہ کرو

صرف لفظوں سے اترار ہوتا نہیں

ایک جانب سے ہی پیار ہوتا نہیں

میں تجھے یاد رکھنے کی کھاؤں قسم

تم مجھے نہ بھلانے کا وعدہ کرو

”بولو ہے قبول؟“ اس نے شرارت بھرے انداز میں پر نیاں کو بازو کے چلتے میں لے کر زور سے بھینچا تھا، معاوہ چونک اٹھا، پر نیاں کی آنکھ سے بہتے آنسوؤں کی نمی نے معاذ کے بازو کو نم آلود کر دیا تھا، معاذ نے پہلے گھوڑے کی لگامیں کھینچی تھیں اور پھر اس کے رکنے کا انتظار کیا تھا، اس کے بعد پر نیاں کی سمت متوجہ ہوا جو ہچکچکیوں سے رو رہی تھی، معاذ نے اسے اتارنا چاہا تو وہ بری طرح سے چبکی تھی، اس کے ہاتھ جھٹک کر خود نیچے کود گئی، نا تجربے کاری کے باعث کودتے ہی اس کا پیر مڑ گیا تھا، وہ بے ساختہ کرائی، معاذ نے گہرا سانس بھر کے پہلے اسے پھر اپنے ہاتھ میں رہ جانے والے اس کے شیشون کے دوپٹے کو دیکھا اور خود بھی نیچے اتر آیا۔

”اگر میں آپ کو نیچے اتار دیتا تو یہ ہرگز کوئی ایسا احسان نہ ہوتا جس کا بار آپ سے اٹھایا نہ جاتا، سرکشی اور نافرمانی کا انجام دیکھ لیں۔“

آنسوؤں سے بھیگا چہرہ، ہم پلٹیں، چہرے پہ تکلیف کے آثار لئے زمین پہ بیٹھی وہ دونوں ہاتھ

میں اپنا پیر دوپٹے ہوئے تھی، ریشمی بالوں کا سیاہ آبخار سمٹ کر کندھے سے ہوتا گود میں گر رہا تھا،

وہ صحیح معنوں میں حواس چھین لینے کی صلاحیت اور حسن سے مالا مال تھی، معاذ کا دل بھکنے سا لگا۔

”آ.....آب؟“ پر نیاں نے غصے میں سر اٹھا کر اسے گھورا تھا کہ نظر اس کے ہاتھ میں موجود اپنے دوپٹے پہ جا ٹھہری اس کا چہرہ جانے کس احساس سے وہک کر انگارہ ہوا تھا اس نے ہاتھ بڑھا کر جھیننے کے انداز میں اس سے اپنا دوپٹہ چھینا تھا اور سرعت سے اپنے گرد لپیٹ لیا۔

”وگھائیں، زیادہ تکلیف ہے جبر میں۔“ معاذ اس کے مد مقابل بچوں کے بل بیٹھتا ہوا بولا تھا، پر نیاں شدید تکلیف کے باوجود بدک کرنے صرف قاصدے ہوئی بلکہ اٹھ کر بھی کھڑی ہو گئی۔

”کچھ نہیں ہوا مجھے اور کچھ ہوا بھی ہو تو آپ کی اہلیپ نہیں چاہیے، سو پلیز آپ جائیں یہاں سے۔“ شدید غصے میں وہ کچھ زیادہ ہی بد لحاظ ہو گئی تھی، معاذ کی صبح پیشانی پہ ایک شکن نمودار ہوئی تھی، کشادہ آنکھوں میں ناگواری کا عکس لہرایا مگر اس نے خود پہ قابو پالیا تھا۔

”اندر چلیں۔“ اس نے ایک قدم بڑھا کر درمیانی قاصدے سمینا اور اسے بازو کے حلقے میں لے لیا، پر نیاں ماہی بے آب کی مانند چھلی تڑپتی مگر معاذ کے سامنے اس کی ایک نہیں چلی تھی۔

”اس مزاحمت کو ہمیں ترک کر دیں پر نیاں یہی بہتر ہے ورنہ میں آپ کو گود میں اٹھا کر بھی لے جا سکتا ہوں اور آپ مجھے روک نہیں سکتی ہیں۔“ اس کا لہجہ سنگینی لئے ہوئے بے چک تھا، پر نیاں یکلخت سرد پڑ گئی، اس نے سہمی ہوئی نظروں سے معاذ کو دیکھا، وہ بے حد سنجیدہ تھا اور اس کی سمت متوجہ نہیں تھا، پھر اس کی ہی چلی تھی، وہ اسے سہارا دیئے ایک طرح سے اسے اٹھا کر ہی لایا تھا، اس کا سارا بوجھ تقریباً اس نے خود اٹھایا ہوا تھا، پر نیاں اس قربت میں حواسوں کو سلامت نہیں رکھ سکتی تھی، ڈوہتی دھڑکنوں کے ساتھ اس نے آنکھیں میچ لی تھیں، معاذ نے کمرے میں لا کر اسے صوفے پہ لٹا دیا تھا، پھر کٹن اٹھا کر اس کے سر کے نیچے رکھے اور خود اس کے ہیر کا معائنہ کرنے لگا، پر نیاں چپ چاپ آنسو بہائے گئی تھی، اسے یہ احساس پارے ڈال رہا تھا کہ معاذ اس کے ساتھ ایسا کیوں کرنے لگ گیا تھا، ہر خیال منفی تھا ہر سوچ شدید تھی، وہ بس یہی سوچے جاتی تھی معاذ کا ہر لڑکی سے یہی ایٹیٹیوڈ رہا ہو گا خاص طور پہ انگلینڈ میں، وہاں تو اسے کیا مشکل پیش آئی تھی، اس کی شائنگ گروڈ پر سناٹھی تھی نا جسے وہ کیش کرا کے اپنا وقت رنگین کرتا رہا ہو گا، یہاں کھی اگر سیدھی انگلی سے نہیں نکلا تو اس نے انگلی کو ٹیڑھا کر لیا، زور زبردستی جبر..... تو یقیناً وہ ایک عیاش اور بد فطرت انسان تھا، جس کا مقصد بس اپنا وقت اچھا گزرتا تھا، گناہ اور ثواب کی ایسے لوگوں کے نزدیک کیا اہمیت بھلا..... وہ معاذ کے اس روپ سے گنن محسوس کر رہی تھی، وہ خدا سے بھی شاکھی ہوئی جا رہی تھی، جس نے اس جیسی لڑکی کو ایسا بد کردار ساٹھی ویا تھا، وہ ہمیشہ معاذ کو شدت پسند کہتی تھی حالانکہ وہ خود بھی کچھ کم شدت پسند نہیں تھی۔

”اتنی نازک ہیں تو پھر اس نزاکت سے سمجھو یہ بھی کر لیں، مردانہ قسم کی اچھل کود سے پرہیز کیا کریں، گوشت پھٹ گیا ہے شخنے کے نیچے سے، یعنی اگلے کئی دن کا کھل بیڈ ریٹ۔“ وہ اٹھتا ہوا کسی قدر جھلا کر کہہ رہا تھا پر نیاں نے سن کر بھی ان سنی کر دی تو معاذ نے بغور اسے دیکھا تھا پھر اس کے ہتے آنسوؤں کو دیکھتا نزدیک آ گیا، اس کے بھیکے گال کو انگشت شہادت سے چھوا اور اسے ہونٹ میچ کر دیکھنے لگا۔

”ان آنسوؤں کی وضاحت کریں گی پر نیاں!“ اس کا لہجہ سرد تھا، پر نیاں نے منہ پھیر لیا،

معاذ کے اندر اس کے انداز نے آگ دیکھا دی۔

”مجھے اپنا نظر انداز ہونا ہرگز پسند نہیں ہے پر نیاں، سوئی کیئر فل نیکسٹ ٹائم!“ اس کا تکیہ انداز پر نیاں کو بے حد ناگوار محسوس ہوا تھا، اس سے پہلے کہ کچھ کہتی دروازے پہ دستک دے کر کشمال اندر آئی تھی۔

”کھانا لگا دوں جی؟“ معاذ نے ایک نظر کلائی پہ بندھی رست وایچ پہ ڈالی پھر کشمالہ کو اثبات میں جواب دیا تھا، اس کے جانے کے بعد پر نیاں کی سمت متوجہ ہوا۔

”کھانا کھا کر چلنے کی تیاری کیجئے گا، وہاں جا کے ہی آپ کے پاؤں کا کچھ علاج ہو سکے گا۔“ پر نیاں نے اب بھی جواب نہیں دیا، معاذ پلٹ کر کمرے سے باہر نکل گیا، پر نیاں آنکھوں پہ بازو رکھے پھر سے رونے لگی، اس کا دل بھرایا جا رہا تھا، معاذ کا رویہ اس کی دل شکنی اور دل آزاری کا مسلسل باعث تھا آخر کس حد تک اعلیٰ ظرفی دکھائی وہ معاذ اس کی ہر کوشش کو اپنی ہٹ دھرمی اور زعم کی ٹھوک رسید کر کے اسے ریزہ ریزہ بکھیر دیا کرتا تھا۔

”کھانا یہاں کیوں لگا رہی ہو کشمالہ، کچن میں لگا دو ٹیبل پہ۔“ برتنوں کی کھنک پہ پر نیاں نے آنکھوں سے بازو ہٹا کر گلو کیر آواز میں کہا تھا۔

”صاحب نے ادھر لگانے کا کہا ہے بی بی جی۔“ کشمالہ کے جواب پہ پر نیاں ٹھنڈا سانس بھر کے رہ گئی۔

”اٹھو کھانا کھاؤ۔“ معاذ تالیے سے ہاتھ خشک کرنا اندر آ کر بولا تھا، کشمالہ صوفے اور ٹیبل کے نزدیک ایک کرسی یقیناً معاذ کے لئے ہی رکھ کر گئی تھی، معاذ اسی چیئر پہ بیٹھ گیا تھا۔

”مجھے بھوک نہیں ہے۔“ پر نیاں نے نخوت سے جواب دیا تھا۔

”کیوں بھوک نہیں ہے؟ آپ نے دوپہر بھی کھانا نہیں کھایا تھا میں جانتا ہوں۔“ معاذ نے اب کے قدرے نرمی سے کہا تھا مگر پر نیاں پہ اثر نہیں ہو سکا، اسے اس سے کس نہ ہوتے دیکھ کر معاذ نے اس کی کلائی پکڑ کر جھٹکے سے اٹھا کر بٹھا دیا تھا، پر نیاں ایک بل کو حق دق رہ گئی تھی، پھر ایک جھٹکے سے اپنا ہاتھ چھڑایا تھا۔

”آپ میری جان کیوں نہیں چھوڑ دیتے؟ کہانا نہیں ہے بھوک۔“ وہ چیخ پڑی تھی۔

”نہیں چھوڑ سکتا جان من، مجبوری ہے، چلو بتاؤ میں کھلاؤں اپنے ہاتھ سے؟“ وہ اس کی آنکھوں میں گھستا ہوا مسکراہٹ و باکر بولا، پر نیاں نے بے اختیار اس کی بولتی شوخ آنکھوں سے نظریں چرائیں اور روہانسی ہو کر بولی تھی۔

”ایسا کیوں کر رہے ہیں آپ معاذ؟“

”معاذ!“ وہ اچھل پڑا تھا اور بے اختیار ہنسا۔

جاؤں سو جان سے اس طرز تکلم پہ شار
پھر سے فرمائیے کیا آپ نے ارشاد کیا
پر نیاں کے چہرے پہ جیسے آگ سی دیکھی، اس نے بے داری سے ہونٹ کپکپے تھے۔
”آپ یہاں سے چلے جائیں ورنہ.....“

”میرا آپ سے کیا تعلق؟“ وہ بری طرح سلی، معاذ نے اب کی مرتبہ اس کی آنکھوں میں جھانکا تھا۔

”کیا کہا آپ کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں؟ آپ کو یقین ہے اس بات کا؟“ اس کا ٹھہرا ہوا لہجہ گمبیرتا سمیت لایا تھا، پر نیاں نے جڑبڑ ہو کر اسے دیکھا۔

”آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟“

”یہی کہ آپ کا واقعی مجھ سے کوئی تعلق نہیں ہے؟“ معاذ اب کچھ اور سنجیدہ ہو چکا تھا، پر نیاں کی سانسیں الجھے لگیں، وہ جھنجھلا کر پھر اٹھی تھی، معاذ نے جلدی سے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

”کہاں جا رہی ہیں؟“

”آپ کے پاس میں سکون سے نہیں بیٹھ سکتی۔“ اس نے تڑخ کر جواب دیا تھا معاذ ہنستا چلا گیا، پھر اسی آہنی کے دوران با مشکل بولا تھا۔

”بے وقوف ثابت ہو گئی ہیں آپ۔“

”کیا مطلب؟“ پر نیاں کو آگ سی لگ گئی تھی اس ٹائٹل پہ۔

”مطلب یہ کہ.....“

تھہ کو الجھا کے کچھ سوالوں میں

میں نے جی بھر کے تھہ کو دیکھا ہے

اس کے فریش کھکتے لہجے پر پر نیاں یہ جیسے گڑوں کے حساب سے پانی پڑ گیا تھا، اس کی شوخ نظروں کے آگے وہ اسے ڈھنگ سے گھور چکی نہیں سکی تھی۔

☆☆☆

معاذ بہت عجلت میں سیڑھیاں اتر رہا تھا، گولائی کا موڑ مڑتے ہی پر نیاں ایکدم اس کے سامنے آگئی، جہاں پر نیاں خائف ہوئی تھی معاذ کے گویا دل کی کلی کھل اٹھی۔

”کدھر بھاگتی پھر رہی ہیں، تین دن کا ریٹ بتایا تھا آپ کو، کالج سے چھٹی کر لی اور گھر میں کلا نہیں بھری جا رہی ہیں۔“ وہ دلی کیفیت کے برعکس اس کا لہجہ و انداز کڑا تھا، پر نیاں کا رنگ پھیکا سا پڑ گیا، لمبی پلکیں خفت سے جھک گئیں۔

”ابھی اٹھی ہوں بستر سے، وہ بھی بھا بھی کے کہنے پہ۔“ وہ منمنائی تھی۔

”بھا بھی آپ کی ڈاکٹر ہیں جو ان کی اجازت ملی اور آپ نے.....“

”اب اتنا بھی درد نہیں ہے مجھے۔“ پر نیاں اس کی ڈانٹ کا دورانہ بڑھتا دیکھ کر درشتی سے بولی تھی۔

”اچھا آپ کو بہت پتہ ہے، سوری آپ تو خود ڈاکٹر ہیں میں یہ بات تو بھول ہی گیا، ساری قابلیت سے آپ کے پاس ڈگریوں کے ثبوت سمیت۔“ وہ طنز سے بولا، پر نیاں شرمندگی سے سرخ پڑنے لگی، کچھ کے بغیر وہ یونہی سرخ چہرے کے ساتھ پٹی اور آہستگی سے چلتی راہداری عبور کر گئی، معاذ سیڑھیاں پھلانگتا نیچے آ گیا، اس بل جنید بھائی کاٹن کے کھڑکھڑاتے سوٹ میں اپنے کمرے سے نکلے تھے۔

”ورنہ کیا؟ کیا کریں گی مادام آپ؟“

جان و دل ہوں و حواس میرا قرار تو لے چکے

اور بھی آپ کو کچھ درکار ہے کہ بس

وہ مسکراہٹ دبا کر بولا تھا، پر نیاں نے کرب سے آنکھیں بند کر لیں، اس شخص کو لوٹ لینے کے کتنے انداز برتھے، بڑھنگی، شگفتگی بے ساختہ گفتگو حسب حال شاعری، کتنی لڑکیوں کو بے وقوف بنا چکا ہوگا، میرا تو اسے نمبر بھی یاد نہیں ہوگا، اس کا دل رونے سا لگا۔

”کیا سوچ رہی ہی، کھانا کھالیں پھر ہمیں جانا بھی ہے۔“

”آپ جاییے گا، مجھے آپ کے ساتھ نہیں جانا۔“ پر نیاں نے ہٹ دھری کا مظاہرہ کیا، معاذ نے سر کوئی میں زور و شور سے جنبش دی تھی۔

”ایسا ممکن نہیں ہے مادام! آپ کو میرے ساتھ ہی جانا پڑے گا، چاہے خوشی سے چاہے زبردستی۔“ وہ بے نیازی سے نخوت کا مخصوص انداز خود بخود اس کے لہجے میں شامل ہو گیا تھا جو پر نیاں کو روہانسا کر گیا تھا۔

”زبردستی کے قائل کیوں ہیں آپ؟ زبردستی سے محبت نہیں ہو جایا کرتی۔“ وہ سچ کر بولی تھی، منہ کی سمت لقمہ لے جاتے معاذ کا ہاتھ اسی زاویے پہ ساکن ہو گیا تھا، اس نے تم کمر بہت دھیان سے پر نیاں کو دیکھا پھر زعم سے گویا ہوا تھا۔

میری آنکھوں کے جادو سے شاید تم ناواقف ہو

جس پہ مجھ کو پیار آ جائے اس کو پاگل کر دیتا ہوں

چھوڑ کے مجھ کو جانے والا لوٹ کے واپس آ کے گا

دائیں بائیں آگ لگا کر آگے جنگل کر دیتا ہوں

”آزمائش شرط ہے۔“ اسی طرح اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے وہ متکبرانہ انداز میں بولا تھا، پر نیاں وانت بھیج کر رہ گئی۔

”آں آں ہوں، مت انہیں، مجھے بتائیں کیا چاہیے، ابھی حاضر کر دیتا ہوں۔“ اسے اٹھتے دیکھ کر معاذ نے بے اختیار ٹوکا تھا، پر نیاں گہرا سانس بھر کے رہ گئی۔

”میں نے پتا سے بات کر لی ہے، اب انہیں آپ سے میری شادی پہ کوئی اعتراض نہیں، اب تو آپ کو خوش ہونا چاہیے۔“ وہ موضوع گفتگو بدل چکا تھا، پر نیاں خاموش رہی، معاذ کے کچھ دیر اسے دیکھا تھا، پھر دوبارہ بولا۔

”وہ آپ کی رقیب ہے نا یہاں، مجھ سے اظہار محبت کر رہی تھیں۔“ وہ مسکراہٹ دبا کر بولا، پر نیاں ایکدم چونکی تھی، اس کا چہرہ متغیر ہو کر رہ گیا، معاذ نے آنکھوں سے اسے دیکھا تھا پھر گلا کھنکارا۔

”اپنا پروپوزل خود پیش کر رہی تھیں۔“

”تو کر لیتی تھی شادی، مجھے کیوں بتا رہے ہیں۔“ وہ پھٹ پڑی، معاذ بے اختیار منہ دیا۔

”آپ کو جیسی نہیں ہوئی؟“

”چلیں بھائی تیار ہیں سب؟“ ان کی مخاطب زینب اور ماریہ تھیں جو تیار بیٹھی تھیں چادریں اوڑھے۔

”کہاں کی تیاری ہے جناب؟“ معاذ کی مداخلت پہ ماریہ جوش سے بولی تھی۔

”سی سائیڈ لے کر جا رہے ہیں ہمیں جنید بھائی۔“

”ہمیں سے مراد کون کون؟“ معاذ نے پھنوس اچکا تھیں۔

”سب ہی پریناں، نور یہ، سور یہ، میں ماریہ بھابھی، زیاد، حسان اور آپ جا رہی ہیں تو آپ بھی۔“

”پریناں کا پیر ٹھیک نہیں ہے پتہ ہے آپ لوگوں کو؟“ معاذ تیوری چڑھا کر بولا تھا۔

”ڈاکٹر صاحب ہمیں بھی احساس ہے مگر وہ تفریح پہ جانا چاہتی تھی، اب پھر اتنا بھی درد نہیں

کرتا، آئی نہیں ابھی تک۔“ جنید بھائی نے اسے گھورا تھا، معاذ کھنکارا۔

”میں نے ڈانٹا ہے اسے، اب یقیناً اس ظلم کے مظاہرے پہ احتجاج بلند ہو رہا ہوگا۔“ معاذ

نے ہونٹوں کا کوند دانتوں تلے داب کر اصل واقعہ بیان کیا، جنید بھائی نے ٹھنڈا سانس بھر لیا۔

”تمہیں کوئی کام نہیں ہے اسے ڈانٹنے کے سوا؟ اچھے استاد بنے ہو تم، جاؤ اب منا کے لے کر

آؤ۔“ جنید بھائی نے اسے ہی لٹاڑنا شروع کر دیا تھا، معاذ نے سر کھجایا۔

”آپ کا حکم سر آنکھوں پہ لیکن اگر ذرا دیر ہو جائے تو گھبرائے گا نہیں، اس طرح کے کاموں

میں دیر سویر تو ہوئی جا یا کرتی ہے۔“ جنید بھائی کو آنکھ مار کر شرارت سے کہتا وہ میزھیاں چڑھ گیا

تھا، وہ سب کھسکا کر ایک دوسرے کو دیکھ کر رہ گئے، معاذ اوپر آیا تو کچھ لمحے بند دروازے کے باہر

رک کر سانس بحال کی بھی پھر دروازہ کھول کر اندر قدم رکھا، پریناں بیڈ پہ اوندھے منہ لیٹی ہوئی تھی،

نازک وجود پچکلیوں سے لرزتا تھا اور ریشمی بالوں کا خمیلیں آبیٹار بستر پہ دور تک بکھرا ہوا تھا، ذرا سا

غور کرنے پہ معاذ جان گیا تھا کہ وہ جانے کی تیاری مکمل کر چکی تھی، معاذ نے آگے بڑھ کر اس کے

کاندھے پہ ہاتھ رکھا، پریناں کا لرزنا وجود یکتھت ساکن ہو گیا، اگلے لمحے وہ ایک جھٹکے سے سیدھی

ہوئی تھی، بیڈ پہ بکھرا ریشمی بالوں کا آبیٹار سٹتا سر کتا، اس کی پشت پہ جاگرا جبکہ وہ اسے رو رو پا کر

گھبرا کر سرو قد گھڑی ہو گئی تھی۔

”آ..... آپ؟“ اس کی سحر انگیز آنکھوں میں یہاں وہاں ہراس بکھر گیا۔

”کیوں میں یہاں نہیں آسکتا۔“ معاذ نے پھنوس اچکا میں تھیں۔

”کیوں آئے ہیں یہاں؟“ وہ سخت کوفت زدہ ہو کر بولی۔

”سوری کرنے، پریناں آپ کو مجھے ایسے نہیں ڈانٹنا چاہیے تھا، جائے نیچے آپ کا سب لوگ

دیت کر رہے ہیں۔“ پریناں ششدری اسے دیکھتی رہ گئی، کیا تھا وہ بھی شعلہ تھی شبنم، کتنے رنگ

تھے اس کے ہر رنگ پہلے سے زیادہ جان لیوا اور سحر طاری کرتا ہوا، وہ گم سم ہو گئی تھی۔

”ایسے کیوں دیکھ رہی ہو؟ ایسے مت دیکھو یار، گہنگار بندہ ہوں، بہک گیا اور کوئی گستاخی کر

دی تو پھر شکوہ کرو گی۔“ اس کا لہجہ دھیمہ اور سحر انگیز تھا، لیوں کی تراش میں دل آویز مسکان رقصاں

تھی، جذبوں سے پرلود ہتی آنکھیں کتنے استحقاق سے اسے دیکھ رہی تھیں، پریناں کا شرم اور خفت

سے برا حال ہو گیا، اس نے گڑبڑا کر تیزی سے رخ بدل لیا۔

”او کے میں آجاتی ہوں، آپ جائیں۔“ اس نے جیسے جان چھڑانا چاہی تھی۔

”اب یہاں رک کر کیا کریں گی؟ تیاری تو مکمل ہے آپ کی، میرے ساتھ ہی چلیں۔“ اس

نے اپنے مخصوص فیصلہ کن اور اٹل انداز میں کہا تھا، پریناں دل ہی دل میں تملائی ضرور مگر بحث

نہیں کی، ڈریٹنگ نیبل کے سامنے رک کر اس نے بالوں میں از سرے نو برش پھیرا دراز کھول کر

کوئی کچر ڈھونڈنے لگی، سلور کلر کا کچر جس پہ چمکتا ہوا پتھر اس کی خوبصورتی کو مزید بڑھا رہا تھا

نکال کر اس نے بالوں کو سمیٹ کر لگانا چاہا تھا کہ تب سے اس کی کاروائی خاموشی سے دیکھتا معاذ

بے اختیار آگے بڑھ آیا۔

”اونہہ، پریناں میرے خیال میں آپ کے بال کھلے ہوئے زیادہ اچھے لگتے ہیں، ایسے ہی

رہنے دیں انہیں۔“ اس نے صرف کہا نہیں تھا، اس کے قریب آیا پھر ہاتھ بڑھا کر کچر نکال دیا تھا،

بے تحاشا گھنے سیدھے بال ڈھلک کر پریناں کی نازک پشت پہ سیدھے کرنے لگے، پریناں اس کی

اس حرکت پہ ساکن رہ گئی تھی، اس کے وجود کی آنچ ویتی قربت اور لمبوں سے اٹھتی مہک نے اس

کے حواس سلب کر لئے تھے، وہ جیسے پتھر اسی گئی تھی، معاذ نے کسی قدر شوخ نظروں سے اسے دیکھا

پھر اطمینان بھرے انداز میں مسکرایا۔

”نانس، ناڈیوٹکس ویری پریٹی۔“ پریناں کو اس کی آواز ہی حواسوں میں لے کر آئی تھی، اس

کے لئے یہ لمحے قیامت خیز تھے، وہ جتنا اس کی قربتوں سے بھاگتی تھی وہ اس قدر اس کے قریب آتا

تھا، شاید اس کی بے بسی کو جان گیا تھا اور دانستہ زچ کرتا تھا اور ہر بار پہلے سے بڑھ کر بے باکی کا

مظاہرہ کیا کرتا۔

”واک ہیپنڈ؟“ معاذ نے جیکے سے سوال کیا تھا، وہ خالی نظروں سے اسے دیکھے گئی۔

”آئی تھینک آج آپ نے پہلی بار مجھے دھیان سے دیکھا ہے اور میری وجاہت کی تاب نہیں

لا پائیں، بس جی اللہ کا کرم ہے کبھی غرور نہیں کیا میں نے۔“ مسکراہٹ دبائے وہ بظاہر انکساری

سے کہہ رہا تھا، پریناں کے اندر ایک ساتھ بہت سارے احساس انڈے، غصہ و حسرت، اکتاہٹ

اس نے ہونٹ پہنچ کر معاذ کو پیچھے کی جانب دھکا دیا تھا، پھر بھینچے ہوئے لہجے میں بولی تھی۔

”آپ چلے جائیں یہاں سے۔“ معاذ نے جواباً اسے تنہی نظروں سے دیکھا۔

”مجھے آپ کا یہ لہجہ و انداز بالکل پسند نہیں، کتنی مرتبہ بتاؤں؟“ پریناں نے ان سنی کی تھی اور

لمحوں میں الجھتا دوپٹہ سنبھالتی کترا کر کمرے سے نکل آئی، وہ سب اس کے منظر تھے اس کے پہنچنے

کا اٹھ کھڑے ہوئے۔

تو پیا سے مل کے آئی ہے

بس آج نیند پرانی ہے

زینب نے اس کے کان میں سرگوشی کی تھی، پریناں نے گھبرا کے اسے دیکھا، پھر آنکھیں

بھگولی تھیں۔

”لالہ بہت پاورفل ہیں جناب، کچھ بھی کر سکتے ہیں، آپ کے چہرے پہ سہرے قوس و قزح

جاننے سے لے کر ہر مشکل بات منوانے تک۔“ وہ ہنس رہی تھی، پریناں کی سنجیدگی میں فرق نہیں

آیا تھا، وہ جا کر ماریہ اور حور یہ کے ساتھ بیٹھ گئی، دوسری جانب زینب تھی، فرنٹ سیٹ پہ جنید بھائی اور زیادہ موجود تھا، شاید معاذ ساتھ نہیں جا رہا تھا، اس نے سکون کا سانس لیا، وہ معاذ کی ہمہ وقت شوخی سے عاجز آگئی تھی، اس کا یہ شوخ و خشک انداز اپنے اسی خشک کی بنا پر اسے ہرگز نہیں اچھا لگ رہی تھا، دوران سفر ان سب کی شوخیوں کے باوجود وہ سوچوں میں گم اور کھٹکتی رہی تھی۔

ساحل پہ آنے کی خواہش بھائی کی تھی، چند دنوں تک ان کی ڈیوری متوقع تھی اور جنید بھائی ان کی ہر خواہش پہ لبیک کہہ رہے تھے، یہاں جس جگہ وہ آئے تھے رش نہ ہونے کے برابر تھا، اس کے باوجود جنید بھائی اور زیادہ انہیں قدرے فاصلے پہ بالکل الگ تھلگ گوشے میں لے آئے تھے، کھانے پینے کا سامان اور چٹائی وغیرہ زیادہ اٹھارہ تھی احسان اور ماریہ حور یہ وغیرہ تو اس وقت پانی میں اتر گئے تھے، ڈھلتی ہوئی شام کا عکس ساحل کی ریت کے سرمئی پن کو اور گہرا کر رہا تھا، ڈوبتے سورج کا رنگ پانی میں گھل کر سرخ پہ سونا بکھیر رہا تھا، ٹھنڈی ہوائ نے مزاج پہ اچھا اثر ڈالا تھا، وہ ریت پہ آہستگی سے چلتی آگے بڑھنے لگی، وائٹ سولی بے حد خوبصورت ایمر رشید سوٹ کا بڑا سا دوپٹہ سنبھالتی ہوئی وہ جھک کر پیروں کو جوتوں سے آزاد کرنے لگی، کیلی ریت پر چہل قدمی کا اپنا لطف تھا وہ اسی سے محفوظ ہونا چاہتی تھی، کچھ دیر سب پانی میں بھیگتے رہے اس کے بعد بھائی نے انہیں آواز دے کر بلایا تھا، سورج مکمل طور پہ ڈوب چکا تھا، رخصت ہونے کی تیاری کرتے سورج کی روشنی بالکل مدھم پڑ گئی تھی، سامنے سمندر کی وسعت میں آسمان کا کنارہ مدھم ہوتا لگ رہا تھا۔

یہی وہ لمحہ تھا جب معاذ اور جہان نے اپنی بائیک وہاں لا کر روکی تھی، پر نیاں کا اوپر کا سلس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا، اسے اپنی یہ تفریح بھی غارت ہوئی ہوئی لگی تھی، اس کے چہرے پہ ایک رنگ آ کر گزرا تھا، ناگواری کا رنگ جسے معاذ نے بہت شدت سے نوٹ کیا۔

”بائیک پہ کیوں آئے آپ لوگ، نور یہ کو ساتھ کیوں نہیں لائے؟“ زیادہ نے اسی وقت ان سے جرح شروع کر دی تھی۔

”اللہ کے بندے سانس تو لینے دو، چائے تو پینے دو۔“ معاذ نے چہرے پہ بیچارگی طاری کر لی۔

”میری تو پینک غارت کر دی نا، میں جا رہا ہوں واپس۔“ غصے میں پیر پختا ہوا وہ اٹھ کھڑا ہوا معاذ نے آنکھیں پھاڑیں تھیں۔

”ہائیں ابھی سے یہ حال ہے بعد میں کیا کر دے لڑکے، وہ خود نہیں آئی، کہہ رہی تھی طبیعت خراب ہے، اس کی وجہ سے ہم بھی نہ آتے مگر یہاں بھی کچھ لوگوں کی تفریح غارت ہو سکتی تھی۔“ معاذ نے مسکراہٹ دبا کر پر نیاں کو دیکھا جس کے چہرے پہ لائق اور نخوت تھا، معاذ نے یونما ہنسی پھلکی باتوں کے ساتھ صرف زیادہ کا نہیں باقی سب کا بھی موڈ بحال کر دیا تھا، جب وہ جائے کے دوگ پی کر سارے اسٹیکس بھی چٹ کر چکا تب سب نے مل کر اس سے گانے کی فرمائش کر دی تھی۔

”انکار نہیں ہونا چاہیے لالے، فل رومنگ ماحول ہو، بقول شاعر۔“

رات بھی خوب ہے پاس محبوب ہے

زیادہ نے شوخی سے آنکھیں گھمائی تھیں، جہاں پر نیاں کی رنگت دکھ گئی معاذ لطف لے کر ہنسنے لگا، پھر براہ راست پر نیاں کو دیکھ کر بولا تھا۔

”مجھے تو اعتراض نہیں، ان سے پوچھ لو۔“

”کیا پوچھ لیں؟“ زیادہ نے آنکھیں نکالیں۔

”انہیں اعتراض نہ ہو میرے گانے پہ، یار اب ناراضگی تو نہیں چاہتے نا ہم۔“ وہ بن کر بولا اور ان سب نے اسے ہوٹ کرنا شروع کر دیا تھا۔

”اتنے ہی شریف ہیں نا جیسے آپ، ان سے پوچھ کر تو ہر کام کرتے ہیں، میں جو رد کا غلام بن کے رہوں گا، آپ پہ ہی تو بنا ہے۔“ ہر سمت سے ہونے والی سنگ باری معاذ نے گھبرا کر جلدی سے حامی بھری تھی۔

”او کے سنا تا ہوں چپ کر دو پلیز۔“ وہ سب اپنی کامیابی پہ دانت نکالنے لگے، معاذ نے گلا کھنکار کر پر نیاں کو دیکھا۔

”گانا، گانا، گانا.....“ زیادہ اور احسان کے ساتھ جنید بھائی بھی مل گئے۔

”یار میرا شاعری کا موڈ ہے، وہ نہ سنا دوں؟“

”پہلے گانا پھر شاعری۔“ زینب نے فیصلہ کر دیا اور معاذ نے کاندھے اچکائے تھے۔

تمہارے سوا کچھ نہ چاہت کریں گے

کہ جب تک جنیں گے محبت کریں گے

نظر چاہتی ہے دیدار کرنا

یہ دل چاہتا ہے تمہیں پیار کرنا

وقا میں تمہاری ڈوبے رہیں

ہم ہے کیا حال دل کا یہ کیسے کہیں ہم

مہکنے لگے لگا بدن یہ تمہارا

ہم آنکھوں سے ایسی شرارت کریں گے

تمہارے سوا کچھ نہ چاہت کریں گے

کہ جب تک جنیں گے محبت کریں گے

پر نیاں کا سرد مہرا جنسی تاثر زائل ہوا اس کی جگہ حجاب اور گھبراہٹ نے لے لی تھی، اس کا چہرا ہی نہیں پورا بدن جل اٹھا تھا، یہ نہیں وہ اتنا بے باک کیوں تھا، ہر قسم کے اظہار میں چاہے وہ زبانی ہو یا عملی، اس سے اتنے لوگوں کے بیچ ان بے باک جذبوں کا اظہار خفت سے سرخ کر گیا تھا۔

اس نے لرزتی پلکیں لمحہ بھر کو اٹھائیں، وہ بڑی والہانہ پر شوق نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا، ان نگاہوں میں کچھ ایسی جنوں خیزی اور ایسی لپک تھی کہ پر نیاں کے پورے وجود میں سنسناہٹ سی دوڑ گئی، اس نے کہیں پڑھا تھا ہر مرد کے اندر ایک فارج ہوتا ہے، وہ راستے میں آنے والی ہر دکاؤٹ کو زیر کرنا چاہتا ہے ورنہ اس کی انا بد مزہا ہوتی ہے، اسے اپنا آپ بھی معاذ کے لئے ایک دکاؤٹ محسوس ہوا تھا جسے وہ کسی بھی قیمت پہ زیر کر لینا چاہتا تھا، وہ سمجھ ہی نہ سکی، جان ہی نہ سکی کہ

اس کی دلربائی قیامت خیز تھی اور معاذ اسی دلربائی کا ایسر ہو گیا تھا، سب نے معاذ کو بے پناہ داد سے نوازا تھا، شاید کوئی بھی اس کی طرح حساس ہو کر یا پھر شدت پسندی سے نہیں سوچتا تھا، اب اس سے لطم سننے کی فرمائش ہو رہی تھی، پر نیاں نے ہونٹ بھینچے اور سر جھکا لیا، چاندنی کا غبار اب ہر سو پھیل رہا تھا، یہ ماحول بھی گویا سحر انگیز طلسماتی دنیا کا ہی ایک عکس لگ رہا تھا، چاندنی کی چمکتی کرنیں سمندر کی پر شور لہروں پر بے دریغ اپنا حسن لٹا رہی تھیں، معاذ کی ساری توجہ اسی پہ تھی، سفید سوٹ میں لمبوس وہ چاندنی کا ہی ایک حصہ معلوم ہوتی تھی، برلز کے ایئر ریگ اس کے شفاف ترو تازہ گلاب چہرے پہ اپنی رعنائی کا عکس بکھیر کر اس کو کچھ اور حسین بنا کر دکھا رہے تھے، بہتی چاندنی اور لہروں کے شور نے ایک طلسم بکھیر دیا تھا اور اس ماحول میں وہ کم صم خود سے بے نیاز لڑکی ایسی ساحرہ لگ رہی تھی جو اپنے حسن کی سحر انگیزی سے دیکھنے والوں کو پتھر بنا دیتی ہے، وہ بھی اس کے سحر میں گم ہو رہا تھا، ایسے میں اس کا گنہگار لہجہ بے اختیار دل کو چھونے لگا۔

میں ایک فرد ہوں عام سا اک قصہ تا تمام سا
نہ لہجہ بے مثال ہے نہ بات میں کمال ہے
”اف اتنی انکساری، وہ بھی سب کچھ ہوتے ہوئے۔“ زیادہ کال پیٹے تھے مگر وہ گن رہا۔
ہوں دیکھنے میں عام سا اداسیوں کی شام سا
جیسے اک راز ہوں خود سے بے نیاز ہوں
نہ صہ جینوں سے ربط ہے نہ شہرتوں کا خط ہے
زیادہ کو اچھو لگ گیا، وہ خاص دیر تک کھانستارہا، معاذ نے جھینپ کر اسے ایک دھپ لگا دی،
پر نیاں کے چہرے پہ زہر خند پھیلا۔

رانجھا نہ قیس ہوں انشاء نہ فیض ہوں
میں پیکر اخلاص ہوں وفا و عا اور آس ہوں
میں شخص خود شناس ہوں تم ہی کرو اب فیصلہ
میں فرد ہوں عام سا یا پھر بہت ہی خاص سا
”اف..... تو یہ قصہ تھا، میں پہلے ہی حیران تھا آپ اور یہ عاجزی کا عالم میں تو مرنے والا تھا، شکر ہے آپ نے سچ تو بولا۔“ وہ جیسے ہی خاموش ہوا زیادہ بلبلانے لگا تھا، باقی سب مسکرا رہے تھے، معاذ نے پر نیاں کو دیکھا گلابوں کی سی تازگی لئے نوخیز چہرہ، ملکوتی سبک نقوش، بھرے بھرے گداز ہونٹ، سیاہ گھور آنکھیں جن میں چاند ستاروں کی جگمگاہٹ بھری ہوئی تھی جیسے چاند کی روشنی میں وہ خود بھی دمک رہی تھی، مگر اس کا انداز بالکل سرد اور اجنبی تھا، جیسے کوئی تعلق واسطہ ہی نہ ہو، واپسی پہ جب وہ پھر سب کے ساتھ گاڑی میں بیٹھنے لگی، معاذ نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا تھا۔

”جے تم گاڑی میں چلے جاؤ، پر نیاں کو مجھے کچھ کہنا ہے۔“ معاذ اس کے احتجاج اور مزاحمت کو خاطر میں لائے بغیر سنجیدگی سے بولا تھا، وہ سب ہنستے مسکراتے اسے دس کرتے وہاں سے چلے گئے، پر نیاں اپنے لا تعداد خدشوں اور سراسمکیوں کے ساتھ ہوتی وہاں اس کے ساتھ تنہا کھڑی رہ گئی۔

”اگر آپ نے مجھ سے کسی قسم کی کوئی بد تمیزی کی تو میں سمندر میں کود کر جان دے دوں گی، یاد رکھیے گا۔“ اسے اپنی سمت دیکھ کر فاتحانہ انداز میں مسکراتے پا کر وہ اتنا بھڑکی تھی کہ بیچانی کیفیت کے زیر اثر چلا پڑی، معاذ کے چہرے کی مسکان لمحے کے ہزاروں حصے میں غائب ہو گئی تھی۔

”میں جانتا ہوں آپ کو مجھ سے محبت نہیں ہے، شاید آپ مجھے اپنے قابل بھی نہیں سمجھتیں اور.....“

”مجھے یہاں کیوں روکا ہے، اس طرح، بتائیں مجھے، آپ کو میری عزت کا ذرا بھی خیال نہیں ہے۔“ وہ رو ہی پڑی تھی، معاذ نے ہونٹ بھینچ لئے۔

”آپ کو مجھ سے اپنی عزت کی پامانی کا خوف ہے؟“ وہ ششدر ہو کر اور کچھ سلگ کر بولا، پر نیاں نے ہونٹ بھینچ لئے۔

”گھر چلیں۔“ اس نے اپنی بات یہ زور دیا تھا۔
”چلیں۔“ معاذ نے ہرگز تردید نہیں کیا، جینز کی جیب ٹٹول کر بائیک کی چابی نکالی پھر بائیک کو

سیدھا کیا تھا اور خود اس پہ سوار ہو گیا، لگ لگاتے ہوئے جیسے کچھ یاد آنے پہ بولا تھا۔

میرا کچھ سامان تمہارے پاس پڑا ہے
وہ سادوں کے کچھ بھیکے بھیکے دن رکھے ہیں
اور میرے اک خط میں لپٹی رات پڑی ہے
وہ رات بچھو ادو

میرا وہ سامان لوٹا دو
پت جھڑ ہے
کچھ ہے نا.....؟

پت جھڑ میں کچھ پتوں کے گرنے کی آہٹ
کانوں میں اک بار پہن کے لوٹائی تھی جو تم نے
پت جھڑ کی شاخ ابھی تک کانپ رہی ہے
وہ شاخ گرا دو

میرا وہ سامان لوٹا دو
ایک اکیلی چھتری میں
جب آدھے آدھے بھگ رہے تھے
آدھے سوکھے آدھے گیلے
سوکھا تو میں لے آیا تھا

گیلا من شاید تمہارے بستر کے پاس ہو
وہ بچھو ادو
میرا وہ سامان لوٹا دو

ایک سوسلہ تاک کی راتیں
ایک تمہارے کاندھے لگ کر کاٹوں
گیلی مہندی کی خوشبو
جھوٹ موٹ کے شکوے کچھ
جھوٹ موٹ کے وعدے بھی
یاد لا دوں سب بھواؤ
میرا وہ سامان لوٹاؤ

وہ خاموش ہوا تب پر نیاں چوکی تھی اور جیسے اس ٹرانس سے باہر آئی اور قدرے خفیف سی ہو گئی، معاذ ہونٹ بھیچنے اسے دیکھ رہا تھا۔
”میرے پاس اپنے جذبوں کی سچائی ثابت کرنے کو کوئی ثبوت نہیں ہے پر نیاں۔“ اس کا لہجہ گنہگار تھا اور کسی حد تک تھکا ہوا بھی، پر نیاں کچھ نہیں بولی اور اسی خاموشی کے ساتھ اس کے ساتھ بانیگ پے سوار ہو گئی، معاذ جو اس کی جانب سے کسی خوبصورت اظہار کا خواہش مند تھا سرد آہ بھر کے رہ گیا تھا۔

☆☆☆

بدلتے موسم نے وادی کو سرسبز و شاداب تو خیز کلیوں اور مہکتے پھولوں سے وافر یب حسن عطا کیا تھا، موسم دلکش و دل آویز تھا، سرمئی پہاڑوں کے دامن میں ایک قدرتی جھیل تھی، جس کے اطراف میں پھیلے سبزے میں بکثرت کھلے سرخ گلاب نگاہوں کو خیرہ کر رہے تھے، جھیل کے نیلگوں پانی کی سطح آئینے کی طرح شفاف اور ستھری تھی اور اس میں سبزے و سرخ گلابوں کا عکس یوں نظر آتا تھا جیسے سامنے آئینہ رکھ دیا گیا ہو، تیمور خان نے جیب وہیں روک دی، اس کے ساتھ بیٹھی لڑکی چل کر اوپن جیب سے نیچے کودی تھی اور کیمرا تیمور کی سمت اچھال کر خود اپنی تصویریں بنوانے لگی، یہ اسی ناکتہ کی فراہم کردہ رنگ برنگی تیلیوں میں سے ایک تھی جو دن رات تیمور خان کا دل بہلا رہی تھیں۔ جاگیروں اور سرداری کے سارے کام باپ پہ ڈالے وہ اپنا وقت اپنے انداز میں گزارنا پسند کرتا تھا، زینب کی غیر موجودگی کے باعث یہ عیاشی کچھ اور بھی بڑھ گئی تھی۔

”کہاں گم ہو رہے ہیں سائیں! یہاں بھی میری ایک تصویر کھینچیں۔“ لڑکی اداؤں سے لبریز تھی اس پہ اس کا حشر برپا کرتا حسن، تیمور تو فدا ہوا جاتا تھا، وہ سبزے کے درمیان آتشی سفید اور سج اور سرخ پھولوں کے تختوں کے بیچ کھڑی اس گلغلتہ لڑکی کی اداؤں سے گھائل ہو رہا تھا، کیمرا اور اچھال کر وہ لہجے ڈگ بھرتا اس کے نزدیک آیا اور اسے بازوؤں میں بھر لیا، اس نے دانستہ خود کو گرایا تھا اور اگلے لمحے دونوں سبزے سے بھری ڈھلوان سے نیچے لڑھکنے لگے، لڑکی کی شوخ مصنوعی سریلی چیخوں سے ہر سواک شور سا بچ گیا، تیمور نے کیا تھا تب ہی اس کی جیب میں پڑا ہوا سیل فون گنگنا اٹھا اور مسلسل بجنا چلا گیا، تیمور نے ایک گالی فون کرنے والے کو بکی تھی اور اس دلچسپ مشغل کو ترک کر کے فون جیب سے نکالا، کال اس کے خاص ملازم کی تھی۔

”کیا تکلیف ہے سمندر خان! تمہیں کہا تھی تھا بغیر کسی خاص وجہ کے ڈسٹرب نہ کرنا۔“ اس

نے فون پک کرتے ہی دھاڑ کر کہا تھا۔

”سرکار گستاخی معاف، مگر بات بہت اہم ہے، ایک لڑکی سے سرکار بے حد خوبصورت شہر سے آئی ہے، راستہ بھنگ کر ہمارے ٹھکانے کی جانب آگئی، آپ بتائیں کیا کرنا ہے۔“ تیمور خان کی تیموری کے بل کھلنے لگے۔

”اسے سنبھال کر رکھو، میں آ کے بتاؤں گا۔“ اس نے مختصراً کہہ کر فون بند کر دیا۔

”آپ چلے جاؤ گے سائیں؟“ لڑکی گھاگ تھی لمحوں میں اس کے چہرے سے نتیجہ اخذ کر گئی، تیمور چونکا۔

”آں ہاں، جانا پڑے گا، ڈیوٹ وری میں پھر آ جاؤں گا۔“ اس کا گال سہلا کر تسلی سے نوازا گیا، لڑکی کا چہرا اتر گیا، وہ جانتی تھی اچھی طرح اپنی اوقات ان جیسوں کو ایسے مرد کسی نشوکی طرح اک بار ہی استعمال کرتے ہیں اور وہ استعمال ہو چکی تھی، تیمور نے واپسی کا راستہ عجلت میں طے کیا تھا، لڑکی کو یاہر سے ہی چھوڑ کر وہ ایک بار پھر روانہ ہوا، وادی پر غروب ہوتے سورج کی شعاعیں اپنا سونا لٹا رہی تھیں، بدلتے موسم نے برف پگھلا دی تھی جس کے وجود سے بے شمار جھرنے اور آبشار جنم لے چکے تھے، تیمور بہت مہارت سے ڈرائیور کر رہا تھا، یہ سڑک بہت پتلی تھی، دائیں طرف آسمان کی طرح بے وسعت کھائیاں مگر چمچ کی طرح جڑے کھولے ہولناکی کے احساس کو بڑھاتی تھیں جن کی گہرائیوں کا کوئی تعین کوئی حد معلوم نہ تھی، دوسری طرف فلک بوس پہاڑ تھے جن کی چوٹیاں برف سے ڈھکی کرشل کی مانند چمک رہی تھیں، یہ راستہ اتنا تنگ تھا کہ ذرا سی بھی بے احتیاطی موت کے منہ میں پہنچا سکتی تھی، تیمور خان کا سننے شکار کے متعلق سن کہ موڈ خوشگوار ہو چکا تھا، اس نے سارا راستہ گنگناتے ہوئے طے کیا تھا، پہاڑی سلسلہ ختم ہوا اور سرسبز علاقہ پھر سے شروع ہو گیا، مزید کچھ سفر کے بعد اس نے گاڑی سبزے سے گھرے آتھی پھولوں کی بیلوں سے ڈھکے ہٹ نما پختہ مکان کے آگے روکی تھی، دو مستعد بڑی موٹھوں والے مسکے ملازم جو پہرے پہ مامور تھے مستعد نظر آتے تھے، اسے دیکھتے ہی اتر آنا تھے پہ ہاتھ رکھ کر سلام کیا اور آگے بڑھ کر ایک نے جیب کا دروازہ کھولا تھا، دوسرے نے گھر کا دروازہ اس کے بھیچنے سے قبل وا کر دیا۔

”لڑکی نے کوئی مسئلہ تو نہیں کیا سمندر خان۔“ وہ اندر آتے ہی اپنے ہمراہ چلتے آدی سے بولا تھا۔

”نہیں سرکار آپ کے حکم کے مطابق اندر کر دیا تھا، روٹی چلائی تو سہی مگر نکلنے سے قاصر تھی۔“

”تم روسٹ تیار کرو، رات کے کھانے میں، بانی سامان موجود ہے۔“

”موجود ہے سائیں۔“ سمندر خان نے سر کو اثبات میں جنبش دی تھی، تیمور خان اپنے پر تعیش کمرے میں آ گیا، جہاں وہ لڑکی بند تھی، خوب گھیر دار سوتی سکریٹ اور بے حد نفیس نیلا لکیر ٹڈ بلاؤز اور لڑکی دراز قدر وانی حواس چھین لینے کی حد تک خوبصورت تھی، تیمور خان تو اسے دیکھ کر ہی جھوم اٹھا تھا۔

”ک..... کون ہو تم؟“ وہ سرا سیمی سی اسے دیکھتی دیوار سے جا لگی۔

سر ملی گھنٹیوں کی آواز جیسے کسی پہاڑ سے جھرنات گرتا ہو، سچ ہے حسن مکمل ہوتا ہی چپتا ہے۔

”بولتے نہیں ہو کون ہو تم؟“ وہ چلائی تھی، تیمور خان نے ہاتھ بڑھا کر اسے پکڑنا چاہا لڑکی پہلے سے الٹ تھی، اس کا نازک ہاتھ فضا میں گھوما تھا اور تیمور خان کے چہرے پر یہ چاہتا تھا، اک شور سا برپا ہوا تیمور خان ہنک کے احساس سے بلبلا گیا، تکلیف تھپڑکی نہیں توہین کی تھی، وہ جیسے آپے سے باہر ہوا تھا اور پھرے ہوئے ساٹھ کی طرح آگے بڑھ کر لڑکی کو دبوچ لیا، لڑکی مزاحمت کر رہی تھی، جس کے نتیجے میں اس کے بلاؤز کی دھجیاں بکھرنے لگیں ساتھ ساتھ تیمور خان کے وحشیانہ قبضے بھی، وہ انسانی سطح سے گر کر جانور درندہ بن گیا تھا۔

☆☆☆

”جہان ذرا کمرے میں آ کر میری بات سن لیں۔“ وہ ابھی سونے کے ارادے سے لیٹا ہی تھا جب پیا کی کال اس کے سہل پہ آئی تھی، وہ حیران رہ گیا، ٹائم دیکھا پارہ بجتے والے تھے، ایسی کون سی ایمر جنسی ہو گئی تھی، نائٹ ڈریس پہ گاؤں پہن کر وہ ان کے کمرے کی بجائے اسٹڈی روم کی طرف آیا، اگر انہوں نے اس سے ضروری بات کرنی تھی تو پھر یقیناً وہیں کرتے، معاذ کے کمرے کے آگے سے گزرتے ہوئے اس نے ادھ کھلے دروازے سے جھانکا وہ اگلے دن کے لیکچر کی تیاری میں مصروف تھا مگر اس کی آہٹ پہ متوجہ ہو گیا تھا۔

”آؤ نا ہے؟“ اسے پلٹتے دیکھ کر معاذ نے مسکرا کر پکارا۔

”نہیں میں چاچو کے پاس جا رہا ہوں۔“

”اس وقت؟ پیا جاگ رہے ہیں؟“ وہ حیران نظر آیا، جہان نے اثبات میں جواب دیا تھا۔

”انہوں نے خود بلوایا ہے مجھے، میں حیران ہوں اس وقت کیا بات کرنی ہے؟“ اس کے لہجے سے تشویش عیاں تھی، معاذ نے شرارت سے آنکھیں نیچائی تھیں۔

”کہیں انہیں لاہور والے واقعے کا تو پتہ نہیں چل گیا؟ تمہاری ساس کی اچھی خاصی سوریں ہے۔“ جہان کا دل دھک سے رہ گیا، خود اسے بھی یہی خدشہ لاحق ہوا تھا۔

”آئی ڈونٹ نو، دیکھتے ہیں۔“ جہان نے کاغذ سے اچکا کر بے نیازی ظاہر کی۔

”تم چلو میں بھی آتا ہوں، پیا سے مجھے بھی اک بات کرنی ہے۔“ جہان کمرے سے نکل کر اسٹڈی کے دروازے پہ آن ٹھہرا اور آہستگی سے دستک دی۔

”کم ان، آ جاؤ بیٹے، میں آپ کا ہی انتظار کر رہا ہوں۔“ اس نے دروازہ کھول پیا سگریٹ سلگائے ٹہل رہے تھے، اسے دیکھ کر تھکے ہوئے انداز میں بولے۔

”جی چاچو؟“ وہ کچھ خائف سا نہیں دیکھنے لگا۔

”تم سوچ رہے ہو گے میں نے آدھی رات کو آپ کو ڈسٹرب کیا مگر.....“

”اس اوکے چاچو خیریت آپ پریشان لگتے ہیں۔“ جہان نے بے حد باط انداز میں گفتگو کا آغاز کیا اس کا دل معمول سے ہٹ کر دھڑک رہا تھا، جانے کیوں اسے اپنا خدشہ سچ ہوتا لگ رہا تھا۔

”جہان بیٹے اس روز ہم مسز آفریدی کی بات کر رہے تھے، ان کے حوالے سے اگر کوئی بات میرے علم میں نہیں تھی تو آپ کو مجھے بتانی چاہیے تھی۔“ پیا کا لہجہ و انداز بے حد شاک تھا، جہان کا

دل ایک دم گہرائیوں میں جا کر ڈوبا، چہرہ تاریک پڑنے لگا، کچھ کہے بغیر اس کا بحرمانہ انداز میں سر جھکانا ہی پیا کو مضطرب کر گیا تھا۔

”دس ازناٹ فیئر مائی سن، کیا آپ کو ہم میں سے کوئی پہ بھی اعتبار نہیں تھا؟“ وہ بے حد ہرٹ ہو کر پوچھ رہے تھے۔

”آئی ایم ساری چاچو!“ اس کا لہجہ شرمندگی سے بوجھل ہو گیا، اس شرمندگی سے جس سے بچنے کی خاطر اس نے مسز آفریدی کی اپنی سمت اچھالی غلاظت کو بھی اپنے اوپر سجایا تھا۔

”ہوا کیا تھا؟ کیوں آپ یہ قدم اٹھانے پہ مجبور ہوئے، آپ بہک گئے ہوں گے آئی کانت بلیواٹ۔“ پیا کے لہجے کے مان نے اس کے تن مردہ میں جان ڈال دی تھی، اتنا سمجھتے تھے یہ لوگ ایسے اسے خود اپنی اس وقت کی سوچ اور بدگمانی پہ ندامت اور یاسیت نے آن لیا، وہ کیوں بھول گیا تھا کہ پیا اس پہ جان دیتے تھے، ایک بار وہ آزمانا تو سہا، اسے پشمانی اور پچھتاوا سا ہونے لگا۔

”کیا بتایا انہوں نے آپ کو؟“ جہان نے لہجہ بھران سے نظریں چار کی تھیں۔

”ان کی چھوڑو، مجھے آپ بتاؤ کیسے ٹریپ کر لیا اس عورت نے آپ کو؟“ جہان کچھ اور بھی شرمندگی محسوس کرنے لگا اور سسر کر کے چلتے چہرے سے انہیں بتانے لگا، پیا نے ہونٹ بھینچ لئے تھے۔

”مجھے وہ خاتون بہت شارب لگتی ہیں۔“ پیا کے لہجے میں تشویش تھی۔

”آپ نے کسی اور کو تو نہیں کچھ بتایا چاچو؟“ جہان جھجک کر بولا تو پیا کی سوالیہ نگاہیں اس پر تھیں پھر سر جھٹکا تھا۔

”نہیں بیٹے! ڈونٹ وری، انکیو نیلی میں کوئی بھی فیصلہ کرنے سے قبل اس بچی سے ملنا چاہتا ہوں۔“

”میں بھی یہی چاہتا ہوں پیا کہ آپ ڈالے بھابھی سے مل لیں، اپنی والدہ سے سکر مختلف ہیں وہ۔“ اسی بل معاذ نے اندر قدم رکھا تھا، جہان بری طرح جزبہ ہوا۔

”آپ ملے ہو؟“ پیا حیران ہوئے۔

”جی پیا نہ صرف ملا ہوں بلکہ ساری حقیقت سے بھی آگاہ ہوں ورنہ ان محترم نے تو سوچ رکھا تھا ہر ٹینشن خود ہی لینی ہے بس۔“ معاذ نے بات کے اختتام پہ جہان کو گھورا جو بے زار نظر آ رہا تھا۔

”چاچو اب اس کھڑاگ میں پڑنے کی ضرورت نہیں، اگر آپ مجھ پہ اعتماد ہے تو میں کل ہی ڈائیرس پیپر تیار کر کے.....“

”جہان بیٹے ریلیکس! جلد بازی کی کوئی ضرورت نہیں، آپ بالکل پریشان نہ ہوں، یہ معاملہ اب میں خود ہینڈل کروں گا۔“ جہان نے یوں ہونٹ بھینچ لئے جیسے خود کو کچھ کہنے سے باز رکھا ہو۔

”پیا میں بھی اب پرینیاں سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔“ معاذ نے جلدی سے اپنا معاملہ پیش کیا تھا، پیا نے اسے خاموش نظروں سے دیکھا۔

”تو پھر مجھ سے کیوں کہہ رہے ہیں؟“

”آف کورس آپ ہی اس معاملے کو لے کر آگے چلیں گے۔“

”یہ بعد میں دیکھی جائے گی، نئی الحال مجھے جہان کا معاملہ حل کرنا ہے۔“ چپانے سے جان بوجھ کر ہری جھنڈی دکھائی، معاذ کا چہرہ سرخ پڑ گیا، اسے یہ سراسر اپنی توہین محسوس ہوئی تھی، وہ کچھ کہے بغیر ایک جھٹکے سے اٹھا تھا اور کمرے سے باہر چلا گیا۔

☆☆☆

”السلام علیکم! بیٹا مبارک ہو جناب!“ وہ ہنستا مسکراتا ہوا اندر داخل ہوا تھا، فریش اور خوش باش، بھابھی کے چہرے پہ نقاہت تھی مگر ہر کسی سے مبارکباد خوشی خوشی وصول رہی تھیں، معاذ کی نظروں نے بچے کو ڈھونڈا تو بھابھی نے ہنستے ہوئے، صوفے پر بیٹھی پرینیاں کی سمت اشارہ کر دیا تھا، نومولود اس کی گود میں تھا، معاذ گہرا سانس بھرتا اسی جانب آ گیا، جھک کر بچے کو پیار کرنا چاہتا تھا کہ پرینیاں نے گھبرا کر بچے کو اس کی سمت بڑھا دیا، بھابھی اور زینب زور سے ہنس پڑیں، معاذ کو خجالت نے سرخ کر ڈالا۔

”میں بعد میں دیکھ لوں گا۔“ وہ زور سے ہنسنے سے کہتا سیدھا ہو گیا۔

”کس کو بچے کو یا پرینیاں کو؟“ زینب نے چھیڑا تھا اور خود ہی زور سے ہنس پڑی، معاذ کی سنجیدگی میں فرق نہیں آ سکا۔

”کوئی نام سوچا؟“ وہ اسی سپاٹ انداز میں بھابھی کو دیکھنے لگا۔

”پرینیاں عدل رکھنے کو کہہ رہی ہے، میں نے تو صاف منع کر دیا کہ اپنے بیٹے کا رکھ لینا میرے شوہر کو تو عبدالرافع پسند ہے۔“ بھابھی نے کچھ دیر قبل کی کہی بات معاذ کے سامنے بھی دہرا دی، پرینیاں کا چہرہ حیا کے احساس سے دھب کرانگارہ ہو گیا تھا اس پر معاذ کی آنکھ دیتی ہوئی نظروں کا احساس، وہ اپنی جگہ پہ پہلو بدل کر رہ گئی۔

”ہاں تو نہ رکھیں آپ یہ نام ہم خود اپنے بیٹے کا رکھ لیں گے، کیوں پرینیاں؟“

معاذ کا موڈ لمحوں میں بحال ہو گیا تھا، اس کے برابر آ کر بیٹھتے ہوئے وہ بظاہر بڑی معصومیت بڑی سادگی اور دوستانہ انداز میں بولا تھا مگر پرینیاں کا شرم سے برا حال ہو کر رہ گیا تھا، کمرے میں بولتی تہائی تھی، اس کی بے باک دہکتی نگاہیں اپنے چہرے پہ مرکز پا کر وہ اتنی زورس ہو چکی تھی کہ دھیرے دھیرے لرزنے لگی، معاذ کے ہونٹ بظاہر خاموش تھے مگر نگاہوں کی گستاخ سرگوشیاں اسے سہانے کو کافی تھیں، اس نے اپنا دھیان بٹانے کو بچے کو جھک کر پیار کیا تھا، معاذ کی شوخ کھنکار پہ وہ گھبرا کر سیدھی ہوئی، معاذ اس کی توجہ آئینے کی سمت مرکوز کر رہا تھا، پرینیاں نے حیرانی سے نگاہوں کا زاویہ بدلا، اطالوی طرز کے قد آدم گولڈن فریم کے آئینے میں ان دونوں کا عکس بے حد نمایاں تھا، لمبا چوڑا بے حد خوب رو معاذ اس کے پہلو میں بچہ گود میں لئے بیٹھی وہ خود معاذ کا ایک بازو صوفے کی بیک پاس طرح پھیلا ہوا تھا گویا پرینیاں کے کاندھوں کے گرد ہو۔

”کتنا کپلیٹ ہے نہ یہ منظر؟“ وہ اس کی زورس ہوتی نگاہوں میں جھانک کر شرارت آمیز مسکان کے ساتھ بولا، اس کی نگاہوں سے لگتی شوق کی شیعاعیں پرینیاں کے اندر تک پہنچ چکی تھیں، شرم اور خفت سے اس کا چہرہ تپنے لگا، وہ اس قدر گھبرائی تھی کہ یکلخت اٹھ کر کھڑی ہو گئی اور آگے بڑھ کر بچے کو بھابھی کے پہلو میں لٹا دیا۔

”کیا ہوا پرئی! تم اتنی گھبرائی ہوئی کیوں ہو؟“ بھابھی جو زینب سے بات چیت میں مصروف تھیں اسے دیکھ کر چونکیں، پرینیاں نے محض ہونٹ کاٹے تھے، اس کے چہرے سے ابھی تک جیسے بھاپ سی نکل رہی تھی۔

”افوہ! اسے شرم آرہی ہوگی لالے کہ پہلے یہ پھر آپ بھی عبدالرافع کو ایسے ہی دیکھ چکے ہیں، حالانکہ بچے کو دیکھنے کے بعد رونمائی دیتے ہیں۔“ زینب نے ایک اہم نقطہ اٹھایا تھا، بھابھی ہنسنے لگیں۔

”پرینیاں کو تو بھٹلے میں معاف کر دوں مگر معاذ کو نہیں کر سکتی، بھاری اسامی ہے بھئی۔“

”پرینیاں یہ بھی احسان کرنے کی ضرورت نہیں، یہ لیجئے ان کی طرف سے بھی ساتھ ہی۔“ معاذ نے والٹ کھول کر دو بڑے لوٹ ایک ساتھ بھابھی کی سمت بڑھائے، بھابھی کی آنکھیں پھیل گئی تھیں۔

”بڑے فیاض بن رہے ہو، پرینیاں کی طرف سے کسی خوشی میں؟“ بھابھی کو شرارت موجد رہی تھی، وہ دونوں ساتھ کھڑے لے حد پیارے لگ رہے تھے، اونچا لمبا بے حد شاندار نظر آتا معاذ اور جدید تراش فراش کے لباس میں جھینپی گھبرائی شرمائی سی نازک گڑپا جیسی پرینیاں۔

”جب مستقبل میں ان کی ساری ذمہ داریاں مجھے اٹھانی ہیں تو ابھی بھی کوئی حرج نہیں ہے۔“ معاذ نے ترچھی نگاہوں سے پرینیاں کو دیکھا تھا، جس کے چہرے پہ ایک رنگ سا آ کر گزرا تھا۔

”بھابھی ان کے پیسے واپس کر دیں، مجھے کسی کا احسان لینا پسند نہیں۔“ بچے کو ان کے پہلو میں لٹانے کے بعد پرینیاں نے اپنا بیگ کھول کر ہزار کا نوٹ نکالا تھا معاذ نے ہونٹ سمجھ کر اسے دیکھا پھر کچھ کہے بغیر قدم بڑھاتا پلٹ کر باہر چلا گیا، اس کے پیچھے کمرے میں گھبیر سناٹا چھا گیا تھا۔

”تم نے اسے تھا کر دیا ہے پرینیاں۔“ بھابھی کے لہجے میں از حد تشویش تھی، پرینیاں نے سر جھٹک دیا تھا۔

”تمہارے رویے میں شدت ہے پرینیاں اور شدت ہمیشہ نقصان کا باعث بنا کرتی ہے۔“ زینب کا انداز ناصحانہ تھا، پرینیاں نے ہونٹ سمجھ لئے، یہ ایسا موضوع تھا جس پہ وہ بحث نہیں کرنا چاہتی تھی، تیمور خان کی کال آنے لگی، زینب وہاں سے اٹھ گئی تھی۔

”تمہاری معاذ سے شادی میں بہت کم وقت رہ گیا ہے پرینیاں، اس کی شکایتوں اور خفگی میں اضافہ مت کرو گڑیا، تم چھوٹی بہن ہو میری، اگر اس کی کوئی بات ناگوار بھی لگ جاتی ہے تو درگزر سے کام لیا کرو، عورت کو ازدواجی زندگی میں بہت سے نشیب و فراز دیکھنے پڑتے ہیں اور زیادہ تر قربانی بھی عورت کا ہی نصیب بنا کرتی ہے، تم تو خوش نصیب ہو کہ معاذ بہت چاہتا ہے تمہیں۔“ پرینیاں نے سر جھکائے رکھا، اختلاف نہ تائید، اس کی خاموشی سے بھابھی کچھ اخذ نہیں کر سکتی تھیں۔

”تمہیں کوئی شکایت ہے معاذ سے؟“ پرینیاں کی آنکھیں بھرا آنے کو ہوئیں مگر اس نے محض سر کونفی میں جنبش دی تھی۔

”آئی تھنک اس نے تمہاری بات کو مائنڈ کیا ہے، تم ذرا اس کا ازالہ کرنے کی کوشش کرو اور کے؟“ وہ پھر اسے قائل کرنے لگیں، پر نیاں کے اندر غضب کا احتجاج اٹھ آیا۔

”سوری بھابھی مجھے اپنا آپ پیش کرنے کی عادت نہیں ہے۔“

”تم بیوی ہو اس کی پر نیاں۔“ بھابھی تو اس کی پھٹ پڑنے سے تعجب زدہ رہ گئی تھیں۔

”بیوی ہوں، جیسی طوائفوں والی حرکتیں نہیں کر سکتی۔“ اس نے گلے کر کہا تھا، معاذ جو کسی کام سے اندر آ رہا تھا اور بھابھی کو اپنے متعلق بات کرتے سن چکا تھا وہیں ٹھنکارا گیا، پر نیاں کے جواب نے اس کے چہرے پہ پورے جسم کا خون جمع کر دیا تھا، دانت بھیج کر وہ ایک جھٹکے سے مڑ کر چلا گیا، جبکہ اندر بھابھی پر نیاں کے تنفر زدہ انداز کو دیکھتی سنائے کی زد پہ آ گئی تھیں۔

”کیا کہہ رہی ہو پری؟ خدا نخواستہ کیا بات ہو گئی؟“ پر نیاں ایک دم ڈھیلی پڑ گئی، اسے خود سمجھ نہیں آئی تھی کہ اس کے منہ سے اس قدر نازیبا بات نکل کیسے گئی تھی، جیسی بے تحاشا خفت کا شکار ہو کر رہ گئی۔

”سوری بھابھی..... مجھے پتہ نہیں.....“ اسکی آنکھیں بے بسی کے احساس سے نم ہوئیں تو بھابھی نے آہستگی و نرمی کے ساتھ اس کا ہاتھ تھک کر گویا تسلی دی تھی، پر نیاں پلکیں جھپک کر آنسو اندر اتارنے لگی، اس کی ذہنی کیفیت اس قدر دگرگوں ہو رہی تھی کہ اسے یونہی بعد میں شرمندہ ہونا پڑتا تھا اور یہ سب معاذ کی وجہ سے تھا اسے پھر معاذ پہ غصہ آنے لگا تھا۔

☆☆☆

وہ اپنے کمرے میں لیپ ٹاپ پہ بیٹھ کر کھیل رہی تھی جب ملازمہ نے آ کر اسے کسی مہمان کی آمد کی اطلاع دی۔

”مما کو بتاؤ جا کے۔“ اس نے یونہی معروف رہ کر کہا تھا۔

”بیگم صاحبہ نے انہیں یہاں بھیجا ہے، آپ سے ملنے آئے ہیں۔“

”مجھ سے؟“ وہ حیران ہوئی، ملازمہ کے سر ہلانے پہ سوچ میں ڈوب گئی۔

”کوئی خاتون ہیں؟“ پہلا خیال اسے نیلما کا ہی آیا تھا۔

”نہیں جی صاحب ہیں بابو آدی ہیں۔“ اس کا دل زور سے دھڑکا سب سے پہلے دھیان جہان کا ہی آیا تھا۔

”او کے چلو آتی ہوں، چائے بنا لاؤ۔“ اسی وقت اٹھ کھڑی ہوئی تھی، آئینے میں اپنا حلیہ دیکھا ٹھیک ٹھاک تھا۔

”السلام علیکم!“ وہ اندر داخل ہوتے ہی گھبرا کر چوکھٹ پہ رک گئی تھی، سامنے صوفے پہ پیپا بڑے طمطراق سے بیٹھے ہوئے تھے، وہ انہیں بہر حال پہچاننے سے قاصر رہی تھی، مگرے کلر کے پتی سوٹ میں انکی پر سنائی بے حد پروقار و متاثر کن تھی، سرخی مالک چہرے پہ کچھ ایسا رعب و دبدبہ تھا کہ مقابل خود بخود ہی مرعوب و سودب ہو جائے، ژالے بھی کچھ کنفیوژ ہو گئی تھی جیسی محض سلام ہی کر سکی۔

”وعلیکم السلام! آپ ژالے ہیں؟“ انہوں نے متاسف بھرے انداز میں سلام کا جواب

دیتے اس کا جائزہ لیا، وہ بے حد خوبصورت تھی جب بولی تو جیسے ہوا میں بھی گنگناٹھی تھیں، وہ جتنی خوبصورت تھی اس سے زیادہ دلکش آواز کی مالک تھی اور خوبصورتی بذات خود کسی مجازے سے کم نہیں ہوتی، کاسنی کلر کے سوٹ میں مہرنگ دوپٹہ سینے پہ سلیقے سے پھیلا یا ہوا تھا، گولڈن کلر کے اسکارف میں اس کے چہرے کی جاذبیت اور نکھار دل موہتا ہوا محسوس ہوتا تھا۔

”جی مگر..... سوری میں آپ کو.....؟“

پیپا آہستگی سے مسکراتے تھے۔

”بیٹھ جاؤ بیٹے آپ، مجھے آپ سے بات کرنی ہے کچھ، جہاں گھیر کا چاچو ہوں میں۔“ اس کے گریز اور گھبراہٹ کو دیکھتے انہیں تعارف کرانا پڑا تھا، ژالے چند ثانیوں کو ساکن رہ گئی، پھر اتنا بوکھلائی کہ فوراً سلام کر دیا تھا، حالانکہ وہ سلام سے ابتدا کر چکی تھی مگر انہوں نے اسے جتلا کر مزید کنفیوژ کرنا مناسب نہیں سمجھا، کچھ دیر اس کے پاس بیٹھ کر چند رسمی باتیں کرتے رہنے کے بعد وہ جانے کے ارادے سے اٹھ کھڑے ہوئے تو ژالے بھی شیشا کر کھڑی ہو گئی۔

”آپ بیٹھے نا پلیز، کھانا کھا کر چاہیے گا، میں می کو کال کرنی ہوں، وہ بھی آ جائیں گی۔“ پیپا نرمی و حلالت بھرے انداز میں مسکرا دیئے۔

”نو ٹھینکس بیٹے، مجھے واپس کراچی جانا ہے، آفیشل کام سے یہاں آنا ہوا تھا، سوچا اپنی بیٹی سے ملاقات کر لوں۔“ انہوں نے اس کا سر تھپکا اور الوداعی کلمات ادا کرتے ہوئے رخصت ہو گئے، ژالے مسخوری کھڑی رہ گئی، معاذ کے بعد جہان کے حوالے سے ان سے ملنا اسے ایک بار پھر بہت اٹو کھے اور خوشنما احساس سے لبریز کر گیا تھا۔

(یہ شاید معاذ بھائی کے پیاتھے، یہ مجھ سے ملنے کیوں آئے ہوں گے، شاہ کی وجہ سے؟ یا پھر معاذ بھائی نے بھیجا ہوگا؟ شاہ نے تو اتنے عرصے سے گھر میں شاید میرا تذکرہ بھی نہیں کیا ہوگا، یہ یقیناً معاذ صاحب کا کارنامہ ہے، جس معاذ بھائی۔)

وہ آسودگی کے بھرپور احساس سے مسکرائی، اس بل ایک بار پھر وہ بھول گئی تھی کہ اس کی ماں کی یہ کوئی نئی چال بھی ہو سکتی ہے، وہ بس سب کچھ بھلائے اسی دلکش احساس میں جتلا ہو چکی تھی۔

☆☆☆

شاء نے اس کے ساتھ چلتے ہوئے لمحہ بھر کو لگا بھر کے اس کا سرخ چہرہ دیکھا اور پھر سے غصے سے بچ و تاب کھانے لگی۔

”تمہاری یہ خاموشی مجھے مصلحت نہیں بزدلی لگتی ہے پر نیاں، تمہیں اس کا منہ توڑنا چاہیے تھا، آخر تم ڈرتی کس بات سے ہو؟“

آج پھر نہاں نے پر نیاں سے خواہ مخواہ الجھنا چاہا تھا، پر نیاں فساد نہیں چاہتی تھی، جیسی حسب سادھے رکھی مگر نہاں کو تو جیسے آگ لگی ہوئی تھی، اپنی انسلٹ اسے صاف نظر آئی تھی، معاذ کا واضح جھکاؤ وہ محسوس کر چکی تھی پر نیاں کی طرف اور جب اس نے کمال جرأت کا مظاہرے کرتے معاذ سے خود اپنا مدعا بیان کیا تو جواب میں اس سے تہذیب اور روایات کے علاوہ مذہب کے حوالے سے بھی طویل لیکچر سننے کو ملا تھا، جس کے آخر میں معاذ نے صاف لفظوں میں یہ بھی جتلا دیا تھا کہ

اسے لڑکیوں کی بے باکی پسند ہے نہ وہ اس قسم کی لڑکیوں کو اپنی زندگی میں شامل کرنے کی حماقت کر سکتا ہے۔ اتنی سکی اس درجہ تذلیل پر وہ معاذ کا تو کچھ نہیں بگاڑ سکی تھی البتہ اس کی نفرت اور انتقام کا نشانہ پر نیاں کو بنا پڑا تھا، اس وقت بھی یہاں نے بے دریغ پر نیاں پر ایک قسم کے الزام لگائے تھے کہ اس نے سر معاذ کو اپنے حسن کے دام میں الجھا لیا ہے اپنی گھٹیا اداؤں سے اور سب کی آنکھوں میں دھول جھونک کر ان سے چھپ کر لیتی ہے، وغیرہ وغیرہ۔

ایسی گھٹیا اور بیہودہ زبان استعمال کرتی تھی وہ لڑکی کہ پر نیاں تو پر نیاں شا کے بھی کانوں سے دھواں نکلنے لگا تھا، ثناء نے تمللا کر اسے چند ایک جواب دینے چاہے مگر پر نیاں اسے زبردستی وہاں سے کھینچ لائی تھی، جس پر ثناء غصے میں خود یہ کنٹرول کھو کر اسے ہی سخت مست سنائی رہی۔

”ایک پورا مجمع جمع ہو گیا تھا یہ گھٹیا بگو اس سننے کو، تمہاری خاموشی سے بھاگ آئے یہ سب نے پتہ ہے کیا سمجھا ہو گا کہ غلط تم ہو۔“ ثناء نے آئینہ اس کے سامنے رکھا تھا، پر نیاں نے غور کیا تو اسے یہ بات سو فیصد درست لگی، اس کا دماغ چکرانے لگا، اسے قطعی سمجھ نہیں آ سکی تھی کہ اسے کیا کرنا چاہیے ایسے میں جب کالج آف ہونے پر معاذ نے اسے بلوایا تو وہ بنا سوچے سمجھے تمللائی ہوئی اس کے سر پر جا پہنچی تھی۔

”کیوں بلوایا ہے آپ نے مجھے؟“

”آف اتنا غصہ؟ مجھے تو ایک فیصد بھی امید نہیں تھی کہ آپ آجائیں گی۔“ اس کا موڈ فریش تھا پر نیاں کے سر پر لگی تھی جا کے گویا۔

”ہاں میں تمہارا ہوں آپ کے لئے جانتی ہوں، میری عزت کی آپ کو پرواہ ہوتی تو مجمع اشتہار ہی کیوں بناتے آپ؟“ وہ پھنکار رہی تھی، معاذ حیران رہ گیا۔

”پر نیاں..... خیریت کیا ہوا؟“

”مجھ سے کیوں پوچھتے ہیں کیا ہوا، یہاں سے پوچھیں جس نے میری زندگی اجیرن کر کے رکھ دی ہے، میں آپ سے پوچھتی ہوں سر آپ کو کس نے حق دیا میری تذلیل اس طرح سے کرانے کا، آپ بھی یہ سب کچھ میرے ساتھ اس لئے کر رہے ہیں کہ میری بیک پہ کوئی نہیں ہے، اگر ایسا ہے تو اس میں میرا کوئی قصور نہیں نکلتا، آپ کی ذرا سی بے احتیاطی نے میرا ایسا نقصان کیا ہے جس کا کوئی ازالہ بھی نہیں ہے۔“ وہ ایک دم رو پڑی تھی اور یونہی روتے ہوئے اسٹاف روم سے باہر چلی گئی، معاذ حسن ساکن کھڑا رہ گیا تھا۔

☆☆☆

سانے اسکرین پر چلتی سلائیڈ ایک دم سے تبدیل ہوئی تو اس نے اپنا ہاتھ غیر ارادی طور پر آنکھوں کے آگے کر لیا، اب تک کے اعداد و شمار کو ظاہر کرتی ہوئی، رنگوں سے سخی اس سلائیڈ کے تیز رنگ اس کی آنکھوں میں ایک دم چھبے تھے، اس سر درد کی وجہ سے کل سے اس کی طبیعت خراب تھی، جواب مزید بگڑتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی، اسی وجہ سے اس مدہم روشنی والے اس کمرے میں چلتی ہوئی پریزیشن پردھیان دینے میں بھی اسے دقت محسوس ہو رہی تھی، اس نے کوٹ کی آستین پیچھے سرکا کر گھڑی پر نظر ڈالی، تین بج رہے تھے، اس کے اندازے کے مطابق ابھی ایک گھنٹے کی

پریزیشن باقی تھی، پھر اس کے اہم نکات پر بحث و سوال جواب کچھ نہیں تو کم از کم دو ڈھائی گھنٹے مزید سہیں صرف ہونے تھے، بات صرف سر درد کی نہیں تھی اسے اپنا وجود ٹوٹا ہوا محسوس ہو رہا تھا، اس نے گردن کے پیچھے ہاتھ پھیرا جہاں پنہوں میں شدید کھنچاؤ تھا اس نے کرسی پر پہلو بدلا تو درد کی شدید لہر وجود میں آئی، چپا بھی آفس میں نہیں تھے، اسے ہر صورت خود ہی اس پریزیشن کو پورا کرنا تھا۔

”پتہ نہیں چاچو نے وہاں کیسے معاملہ نپٹایا ہو گا، وہاں جا کے بیٹھ ہی گئے ہیں، اتنی دیر تو نہیں لگانی چاہیے تھی مجھے کال بھی نہیں کی۔“

وہ سننے سرے سے ڈسٹرب ہونے لگا پہلے خود انہیں فون کرنے کا سوچا مگر پھر فطری جھجک آڑے آگئی تھی، مگر اضطراب بڑھتا جا رہا تھا، چپا بھی اس نے معاذ کا نمبر ڈائل کر لیا تھا، اس کی آواز سننے ہی اپنی پریشانی کی وجہ بتانے لگا۔

”انہ تو تمہیں انتظار رہے کہ کیا رہا، وہ بھی بے چینی سے، یا یہ تو آخر ہونا ہی تھا، لڑکی تھی ہی بہت فیسئیک۔“ معاذ نے قہقہہ لگایا تھا، جہاں اسی لحاظ سے بد مزہ ہوا۔

”بکومت معاذ! مجھے اس میں کتنا انٹرسٹ ہے تم اچھی طرح جانتے ہو، مجھے یہ فکر ہے مزہ آفریدی نے چاچو کو بھی ششے میں نہ اتار لیا ہو۔“ وہ جھنجھلا کر بولا تھا، معاذ کا قہقہہ مزید طویل ہو گیا۔

”یہ بات تمہیں پہلے سوچنا چاہیے تھی، چپا تو اس اتج میں بھی اتنے اسپر یوس ہیں، اگر ایسی بات ہوئی ناچے تو ماما کے ساتھ ساتھ میں بھی عمر بھر تمہیں معاف نہیں کروں گا، تم نے زندگی کے کس مقام پہ لا کر ہمارے ڈیڈ کو ہم سے چھیننے کی سازش کی ہے۔“

وہ جتنا غیر سنجیدہ تھا یہ اس کی گفتگو نے ظاہر کر دیا تھا، جہاں اتنا جھلایا تھا کہ فون بند کر دیا، کچھ دیر بعد ہی معاذ کی کال آنے لگی مگر وہ نظر انداز کیے، اسکرین کی سمت متوجہ رہا تھا، جانے کتنی دیر تک ٹیبل پہ پڑا سیل فون وائبرٹ کرتا رہا، ڈیڑھ گھنٹے بعد جب جہاں نے گھر جانے سے قبل اپنا سیل فون اٹھایا تو معاذ کا ٹیکسٹ موجود تھا۔

”چپا واپس آگئے ہیں، تمہاری قسمت کا فیصلہ سننے کو میں تو ہاسپٹل سے ابھی گھر جا رہا ہوں، اللہ تمہیں ڈالے آفریری مبارک کرے ہا ہا ہا۔“

جہاں کا چہرہ تپ گیا تھا، اس نے ہونٹ پیچھنچ رکھے تھے، گھر پہنچا تو اس کی گردن اور کمر کی درد شدید آٹھن میں ڈھل گئی تھی، بیک اور کوٹ بستر پہ پھینک کر وہ ٹائی کی ٹاٹ ڈھیلی کرتا ڈریننگ روم میں کھس گیا، موسم تبدیل ہو چکا تھا، خرابی طبیعت میں اس نے ہاتھ لینا مناسب خیال نہیں کیا تھا، پیچ کر کے باہر آیا تو مار پیہا کے پیغام کے ساتھ موجود تھی۔

”جہاں بھائی پاپا آپ کو اپنے روم میں بلا رہے ہیں۔“ جہاں کے چہرے کی گھبرتا میں کچھ مزید اضافہ ہو گیا، اس نے معاذ کے متعلق سوال کیا تھا۔

”لالہ بھی: ہیں ہیں، آپ چائے تو لی لیں بھائی۔“

”میں ابھی آجاتا ہوں گڑیا۔“ وہ آہستگی سے کہتا کمرے سے نکل آیا، پاپا کے روم میں چاروں

بزرگوں کے علاوہ معاذ بھی موجود تھا، ایسے دیکھتے ہی شرارت سے مسکرایا اور بھاگ کر اسے زبردست معاف کرنے لگا۔

”سارک ہو جناب! پپانے آپ کے لئے ڈالے آفریری کو کفرم کر دیا ہے۔“ وہ بچوں کی سی خوشی سے کھلکھلایا تھا، جہان نے ٹھنک کر پپا کو دیکھا تھا، اس کی نگاہوں میں عجیب سی دشت سرسرائی تھی، جسے دیکھتے پپا اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے نزدیک آگئے۔

”میں سزا فریدی کے ساتھ ساتھ ڈالے سے بھی مل کر آ رہا ہوں بیٹے! مجھے وہ بچی ہر لحاظ سے آپ کے لئے برقیٹ لگی ہے، ویسے بھی میں کسی کے جرم کی سزا کسی اور کو دینے کا قائل نہیں ہوں۔“ پپا اس کی متغیر ہوئی رنگت پہ نگاہ جمائے مدبرانہ انداز میں گویا ہوئے تھے، جہان نے سر نہیں اٹھایا اس کے دل و دماغ میں دھماکے سے ہورے تھے، اسے ایک بار پھر اپنی ہار کا احساس ہوا، حالانکہ جب پپانے اس کی طرف داری کی تھی تو اسے لگا تھا تمام زخموں کے کھلے منہ کسی نے بہت دھیرے سے بند کر کے ان پہ مدہم رکھ دیا ہو، مگر اب انہی زخموں کے منہ پھر سے کھل گئے تھے، یہ تکلیف ناقابل برداشت تھی۔

(یقیناً چاچو کو میری پارسائی اور بے گناہی پہ ڈاؤٹ ہے، جیسی انہوں نے یہ فیصلہ کیا ہے ورنہ انہیں ہمیشہ میری خوشی عزیز و مقدم رہی تھی۔)

اس کی پور پور سلگ اٹھی، رگوں میں خون کی جگہ انگارے دوڑنے لگے، اپنی بے وقتی اور تذلیل پہ بھی تو مر جانے کو ڈل کر رہا تھا۔

”میں جانتا ہوں بیٹے آپ کو میرا یہ فیصلہ پسند نہیں آیا، ان لوگوں کو بھی نہیں قائل کر سکا ہوں میں۔“ پپانے گم صم اور کسی قدر رنجیدہ نظر آتے ماما اور ماما جان کی سمت اشارہ کر کے گہرا سانس بھرا اور مزید گویا ہوئے۔

”مگر وقت ثابت کرے گا انشا اللہ کہ یہ فیصلہ کسی درجہ بہترین ہے۔“ پپانے اس کے ضبط کی کوشش میں سرخ پڑے چہرے پہ پیار بھری نگاہ ڈال کر نرمی سے کہا تھا، وہ تب بھی کچھ نہیں بولا، پپا نے کچھ دیر اسے ہونٹ سختی سے بھینچے نظریں جھکائے دیکھا تھا، پھر آہستگی سے کھینچ کر اسے گلے سے لگایا، ماحول ایک دم سے سوگوار اور گھبرتر ہو گیا تھا، ممانے ہونٹ کچلنا شروع کر دیئے تھے۔

”آئی ایم ساری بیٹے! میں سمجھ سکتا ہوں کہ میرا یہ جبری فیصلہ آپ کو ہرگز پسند نہیں آیا مگر آپ کو میرے خلوص اور محبت پہ شک نہیں کرنی چاہیے۔“ جہان کا گلا ایک دم بھرا گیا، اس نے نم ہو جانے والی آنکھوں کو ان کے کاندھے سے رگڑ کر مٹی کو اندر اتارا تھا، پھر خود کو سنبھال کر بہت جبر سے مسکرایا۔

”مجھے گتہ گار مت کریں چاچو، مجھے آپ سے کوئی شکایت نہیں ہے۔“ پپانے جواباً کچھ کہے بغیر آہستگی اور محبت سے اسے تھکا تھا، جہان ان سے الگ ہوا تھا پھر بوٹھی سر جھکائے پلٹ کر باہر نکل گیا، تب سے خود کو سنبھالنے کی کوشش میں گونجنے لگیں، پپانے ایک نظر انہیں دیکھا اور سگریٹ سلگانے لگے، ابھی لاہور سے واپس آنے کے بعد انہوں نے جب یہ سارا معاملہ

ان کے سامنے رکھا تو سب سے زیادہ اختلاف اور احتجاج ممانے ہی کیا تھا، ماما جان کو بھی اختلاف ہا تھا مگر انہوں نے کچھ کہنا مناسب نہیں سمجھا، جبکہ پاپا جان کو اب بھی ہمیشہ کی طرح اپنے چھوٹے بھائی کے فیصلے پہ اطمینان اور تسلی تھی کہ وہ کوئی غلط فیصلہ نہیں کر سکتے۔

”کیوں رو رہی ہیں ماما؟“ معاذ بے چین ہو کر ان کے نزدیک آیا اور انہیں اپنے بازوؤں میں سمٹ لیا، وہ تو جیسے ایسے ہی کسی جذباتی سہارے کی منتظر تھیں شدتوں سے رونے لگیں۔

”یہ بھی پوچھنے کی بات ہے، اپنے پپا کو دیکھا آپ نے معاذ! اللہ جانے کیسی لڑکی کو اٹھا کر یہاں لا رہے ہیں، خود سوچو جنہوں نے میرے معصوم بچے کو ایسی چالاکی سے پھانس لیا کیسی عورتیں ہوں گی، منہ دیکھا تھا کیسا اتر گیا تھا جہان کا۔“ انہوں نے شوہر کے آگے پیش نہ چلتی دیکھ کر بیٹے سے شکایت کی، ماما جان بھی دیورانی کی ہمنوا تھیں جیسی جھٹ ساتھ بھانے کو آنسو بہانے لگیں، معاذ نے بے بس سا ہوا کر پپا کو دیکھا جو جھلاہٹ کا شکار ہونا شروع کر چکے تھے۔

”جہان کا دشمن نہیں ہوں میں، غالباً آپ محترم ماؤں سے زیادہ ہی قریبی رشتہ ہے اس سے

رمضان کی آمد کے ساتھ ہی عید کی تیاریاں شروع ہو جاتی ہیں، مہندی، چوڑیاں، نت نئے لباس، گھر کی آرائش و زیبائش اور مزے دار چٹ پٹے پکوان، عید کے تصور سے ہی ہر چہرہ شاد اور دمہکا نظر آتا ہے، حسب روایت ہم نے مصنفین اور قارئین سے عید کی مناسبت سے ایک سروے ترتیب دیا ہے جس کے سوالات کچھ یوں ہیں۔

عید سروے سوالات:-

۱۔ آپ عید الفطر کس طرح مناتی ہیں، عید کی مناسبت سے کوئی ایسی رسم و روایت جس کے بنا آپ کو عید نامکمل لگتی ہو؟

۲۔ عید کا کوئی خاص پکوان جس کی آپ کے گھر والے اور مہمان فرمائش کر کے بنواتے ہیں اس کی ترکیب لکھیں؟

۳۔ چاند دیکھ کر کوئی دعا یاد آتی ہے یا کوئی چاند سا چہرہ؟

۴۔ عید سے قبل یا عید کے دن رونما ہونے والا کوئی خوشگوار واقعہ یا فون یا میسج جس نے عید کی خوشیوں کو دو بالا کر دیا ہو؟

۵۔ اگر آپ سے کہا جائے کہ آپ عید کا دن اپنی پسندیدہ مصنفہ یا شخصیت کے ساتھ گزارنا چاہیں تو آپ کس کے ساتھ گزاریں گی؟

۶۔ اپنے سپنوں کے چاند کے لئے کوئی شعریا خوبصورت جملہ؟

ان سوالات کے جوابات بیس جولائی تک ارسال کریں ساتھ میں تصاویر بھی۔
(تصویر ضروری نہیں)

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ہیں :-

- ✧ ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور ریڈیو ایبل لنک
- ✧ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پر یو پیو ہر پوسٹ کے ساتھ
- ✧ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ✧ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریج
- ✧ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ✧ ویب سائٹ کی آسان براؤسنگ
- ✧ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں

- ✧ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✧ ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ✧ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ✧ پیریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- ✧ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریج
- ✧ ایڈفری لنکس، لنکس کو میسج کمانے کے لئے شریک نہیں کیا جاتا

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب فورٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

✈ ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

✈ ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library for Pakistan

Like us on Facebook

fb.com/paksociety



twitter.com/paksociety1

میرا، معذرت کے ساتھ۔“ ماما کو خود کو گھورتے پا کر انہوں نے گہرا کروضاحت ضروری تھی پھر اسی مناسبت سے بولے تھے۔

”یہ جو کچھ بھی ہوا سزا فریدی کا کیا دھرا ہے بیگم صاحبہ بچی کا کوئی قصور نہیں نکلتا، کیا آپ کو مجھ پر میری بات پہ یقین نہیں ہے؟ بہت پیاری بچی ہے ڈالے، جہان کو ایسی ہی ہم سفر کی ضرورت ہے اس وقت جن حالات سے وہ گزر رہا ہے، دھیسے مزاج کی وقار پرست، پر خلوص سائگی کی، محبت میں سائگی کی خطاؤں کو درگزر کرنا اور اس کی خاطر ایثار کرنا ہی عورت کا طرف نہیں ہوتا، اس بچی میں مجھے یہی کوالٹیز نظر آئی ہیں اور آپ اسے میری ریکوسٹ سمجھ لیں کہ اس بچی کو کبھی اس حوالے سے ہرٹ نہ ہونا پڑے، آپ سمجھ لیں یہ بات آپ کے علم میں آئی ہی نہیں، وہ اس گھر کی بہو بنی ہے تو اسے اس کا یہ حق پورے اعزاز اور وقار کے ساتھ ملنا چاہیے، مجھے امید ہے آپ لوگ مجھے شکریت کا موقع نہیں دیں گے، خاص طور پہ یہ بات بچوں تک نہیں پہنچنی چاہیے۔“ انہوں نے بات ختم کر دی تھی، معاذ نے دیکھا ماما کا چہرہ انوز بجا ہوا تھا، وہ گہرا ٹھنڈا سانس بھر کے رہ گیا تھا۔

☆☆☆

”جے ا“ وہ بالائی منزل کی سیڑھیاں چڑھ رہا تھا، زنب کی آواز پہ گہرا سانس بھر کے پلٹ کر سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا اس کے تاثرات مرد تھے۔

”الے کو تو بدنام کیا ہوا ہے لوگوں نے خواخواہ، ورنہ بدنام سے بد اچھے بہر حال نہیں ہوتے۔“ الفاظ تھکے اور لہجہ طنزیہ تھا، جہان نے ایک دم یوں ہونٹ بھینچ لئے جیسے خود پہ ضبط کے پیرے سخت کیے ہوں، اسے سمجھنے میں ایک لمحہ بھی نہیں لگا تھا وہ کسی حوالے سے یہ نشتر زنی کر رہی ہے، سرخ چہرے کے ساتھ وہ قدم بڑھا چکا تھا، جب زنب نے سرعت سے بڑھ کر اس کا راستہ روکا۔

”کب سے ہے یہ سلسلہ شروع کیا ہوا؟ اگر نکاح اتنے عرصے سے کر رکھا تھا تو چھپانے کی کیا ضرورت تھی؟“ وہ پھنکاری تھی، جہان نے جلتی آنکھوں کو لمحہ بھر کو اٹھا کر اس کے غصیلے تاثرات والے چہرے کو دیکھا تھا۔

”آئی تھینک یہ میرا انتہائی ذاتی معاملہ ہے زنب! آپ کو انٹرفیر کرنے کی ضرورت نہیں۔“ بالآخر اس کا ضبط کا پیمانہ چھلک گیا تھا، وہ جتنے سکون سے بولا تھا اندر سے اس قدر شدت سے بکھر رہا تھا، اپنی بات مکمل کر کے وہ رکائیں سیڑھیاں پھلانگ گیا، اس کے لہجے کی ٹخی اور بیگانگی زنب کو برہمی کی اتنی بن کر چھٹی تھی۔

(جاری ہے)

فریضہ

ام مریم

بائیسویں قسط کا خلاصہ

سزا فریدی جہان کے تیروں اور بے اعتنائی کے مظاہروں کے سامنے خود کو بے بس پاتی ہیں تو اک نئی چال چل کر پاپا کو ساری کہانی نمک مرچ لگا کر سنا کر خود کو مظلوم ظاہر کرتے ہوئے ڈالے گی رخصتی کی استدعا کرتی ہیں، پاپا فطری طور پر مضطرب ہوتے ہیں اور جہان سے استفسار کرتے ہیں، جہاں حقیقت کو کھول کر معاذ کے بعد پاپا کو بھی سنا دیتا ہے اور ان کے اپنی ذات پر موجود اعتماد کو برقرار پا کر ڈالے کو طلاق دینے کا فیصلہ کرتا ہے مگر پاپا روک دیتے ہیں کہ وہ ڈالے سے ملے بغیر ایسا کچھ نہیں ہونے دیں گے، ڈالے سے ملاقات میں پاپا کو ڈالے اپنی موٹی صورت اور نیک اطوار کے باعث جہان کے لئے پسند آتی ہے اور وہ جہان کو فیصلہ بدلنے پر مجبور کر دیتے ہیں۔

اب آپ آگے پڑھیے

بیسویں قسط



دانتوں سے بھینچا تھا کہ لہو کا ذائقہ منہ میں گھلنا شروع ہو چکا تھا، اتنی تلخی اس قدر پہچان اس کے اندر اترتا تھا کہ ہر شے کو آگ لگا دینے کی وحشت بھری خواہش اسے پاگل بنانے لگی، نہ سب مسز آفریدی اور ڈالے..... ان تین عورتوں نے مل جل کر اس کی زندگی بٹا کر دی تھی، اس کا بس نہیں چل رہا تھا وہ ان تینوں کو جلا کر خاکستر کر دے، ہجر، نارسائی، کرب، نا کاہی اور پھر ذلت کا لامتناہی سلسلہ..... یہ تھا بس اس کا نصیب اور اگر تھا تو وجہ کیا تھی، نہ سب مسز آفریدی اور ڈالے..... اس نے اپنے بال مٹی میں جکڑ لئے۔ (تمہارے نفس کی اطاعت کا یہ عالم تھا ڈالے آفریدی کہ تم نے ذلت بھرے راستے پہ چل کر بھی مجھ تک آنے میں قیامت نہیں سمجھی، میں اب تمہیں بتاؤں گا ذلت درحقیقت کیا ہوتی ہے، اگر تمہیں خواہی عزت کا خیال نہیں ہے تو مجھ پہ تمہاری عزت لازم نہیں ہوتی۔)

اس نے جلتے بھڑتے دماغ کے ساتھ سوچا تھا اور خود کو بستر پہ گرا دیا، اس کے پورے وجود میں درد اٹھ رہا تھا مگر خود اذیتی کا شکار ہوتے اس نے دانت کوئی میڈیسن نہیں لی، حالانکہ کل اس کا تفصیلی چیک اپ کرنے کے بعد معاذ نے اسے باقاعدگی سے دوا لینے کی تاکید کی تھی، کمرے کی فضا میں گونجتی میوزک کی آواز پہ اسے فوری طور پہ اس کی وجہ سمجھ نہیں آ سکی، مسلسل ہونے والی بیپ پہ وہ سر میں اٹھتی درد کی ٹیسوں سے عاجز ہونا ہاتھ بڑھا کر سیل فون اٹھا چکا تھا۔

”کیسے ہیں داماد جی؟“ اس نے نمبر دیکھے بغیر کال ریسیو کی تھی، اب مسز آفریدی کی فاتحانہ مخمور آواز سن کر اس کا سر درد یکھت بڑھ گیا۔

”مجھے پتہ ہے آپ کو مجھ سے بات کرنا پسند نہیں، مگر کیا کریں مجبوری ہے نا، ہمارا تو آپ سے مقصد وابستہ ہے نا۔“ وہ جھکی تھیں۔

”کیوں فون کیا ہے؟“ وہ خود پہ جبر کر کے سرد آواز میں استفسار کرنے لگا، جواباً وہ کتنی دیر ہنستے ہوئے جہان کا ضبط اور حوصلہ آزمائی رہیں۔

”آپ یہ اپنی پاور کو ثابت کرنے کے لئے داؤ نہیں دیں گے داماد جی؟ آپ ہر لحاظ سے شکست سے دو چار ہو چکے ہیں، میں کبھی ہاری نہیں تھی تو اب کیسے ہار جانی ہاں؟“ وہ پاگلوں کی طرح ہنس رہی تھیں، جہان ششدر رہ گیا، معاذ نے خود کو سنبھالا تھا۔

”آپ کو ذر نہیں لگتا مسز آفریدی کہ آپ اپنی بیٹی کو میرے حوالے کرنے والی ہیں، آپ کے ایٹمی ٹیوڈ سے مجھے تو یہی لگتا ہے کہ یا تو آپ کو اپنی بیٹی کی صلاحیتوں پہ بہت بھروسہ ہے یا پھر آپ کو اس سے محبت نہیں ہے، اب یہ وقت ثابت کرے گا ان میں سے میرا کون سا قیاس درست ہے۔“ اس نے خود پر سکون رہ کر بھی مسز آفریدی کو آگ لگا دی تھی۔

”شٹ اپ، اپنے فضول قیاس اپنے پاس رکھو سمجھے۔“ وہ چیخ پڑی تھیں، جہان نے سرد آواز میں انہیں ٹوک دیا۔

”ڈونٹ شاور مسز آفریدی ابی کیئر فل نیسٹ ٹائم، آپ کی ساری اکڑ نکالنے کو میرے تین الفاظ کافی ہیں، وہ الفاظ طلاق کے ہو سکتے ہیں، اچھی طرح سے ذہن میں بٹھالیں اس بات کو، میں پہلے بھی آپ کو بتا چکا ہوں کہ آپ کا وقت گزر چکا، اب گیند میرے کورٹ میں ہے، آپ کو یہ فکر ہونی چاہیے کہ میں اسے کتنی شدید ضرب لگاتا ہوں۔“ اس نے پھنکار کر کہا تھا اور ان کی مزید سنے بغیر کال ڈراپ کر دی،

حالات اگر سنگین تھے تو اسے بھی خود کو بدلنا تھا، لوگوں نے اس کی شرافت کو اس کی بزدلی سمجھنا شروع کر دیا تھا، بہر حال وہ بزدل نہیں تھا یہ بات اب اس نے لوگوں کو سمجھانی تھی۔

☆☆☆

رات کی تاریکی کو دکانوں کے شیشے کے دروازوں سے پھوٹی روشنیاں روشن کیے ہوئے تھیں، زرد روشنیوں کا عکس سامنے لمبی سڑک پر بھی پڑتا تھا، اس کی گاڑی اسی زرد روشنی کا عکس سے چمکتی سڑک پہ کھڑی تھی، وہ منظر بس مسلسل سگر ہٹ کے گہرے کش لے کر دھواں بکھیر رہا تھا، ہر طلوع ہونے والا نیا دن اس کے سامنے ایک نئی ٹینشن رکھ جاتا تھا، اب پاپا کو جانے ایک دم سے کیا سوچھی تھی کہ معاذ کے ساتھ اس کی شادی کا بھی فیصلہ کر لیا تھا، جہان اس فیصلے پہ احتجاج کیے بغیر نہیں رہ سکا۔

”ایسا مت کریں چاچو پلیز! مجھے کچھ وقت دیں۔“

”بیٹے اگر یہ نکاح نہ ہوا ہوتا تو آپ کو لازمی وقت ملتا آف کورس اتنی جلدی لڑکی ڈھونڈنا رشتہ طے ہونا جیسے پراسس سے گزرتا پڑتا مگر اب معاملہ دوسرا ہے، اتنا ٹائم گزر چکا ہے نکاح کو، بغیر کسی وجہ کے کسی کو انتظار میں کیوں رکھا جائے، پھر آپ زیاد اور معاذ دونوں سے بڑے ہو مجھے بالکل مناسب نہیں لگتا کہ آپ کو چھوڑ کر ان کی شادیاں پہلے کر دوں۔“

پاپا کا وہی مخصوص انداز تھا قائل کرنے کا مگر جہان اتنی جلدی پہ ہرگز آمادہ نہیں تھا، ابھی تو اس کے دل و دماغ میں جو آگے بھڑک رہی تھی اگر ڈالے ایسی کیفیت میں اس کے سامنے بھی آ جاتی تو شاید وہ اسے اسی بیجانی کیفیت کے زیر اثر شوٹ کرنے سے بھی گریز نہیں کرتا۔

”مگر چاچو ابھی وہ پڑھ رہی ہے، اس کی ایجوکیشن کمپلیٹ ہونے تک تو آپ کو رک جانا چاہیے۔“

اس نے بے زار کن انداز میں ایک اور رکاوٹ ڈالی تھی، پاپا نے بغور اس کا چہرہ دیکھا تھا پھر اسی متانت سے گویا ہوئے تھے۔

”میں جانتا ہوں جہان بیٹا آپ ڈالے سے بدگمان ہیں، میں ان فاصلوں کے اسی وجہ سے سمیٹنے کا خواہاں ہوں تاکہ آپ کی غلط فہمی دور ہو جائے، کلام پاک میں رب رحمن کا ارشاد ہے، جس کا مفہوم کچھ اس طرح سے ہے کہ ”ضروری نہیں جو چیز ہمیں بھلی لگ رہی ہے وہ درحقیقت ہمارے لئے اچھی بھی ہوا اور جو چیز ہمیں پسند نہیں وہ ہمارے لئے اچھی بھی ہو سکتی ہے“ ویسے بھی کسی کو پرکھے بنا تو کوئی حتمی رائے قائم کرنی مناسب نہیں ہے۔“

جہان نے کچھ نہیں کہا، انہوں نے کچھ کہنے کی گنجائش چھوڑی ہی نہیں تھی، مگر وہ ان کی آخر بات سے کچھ مزید متفر ضرور ہو گیا تھا۔

(آزمائے ہوئے کو آزمانا حماقت ہے میرے نزدیک چاچو! اور ان عورتوں کی سازش تو بہت واضح ہے، اس روز جب اس نے اپنی طلائی زنجیر کا اک جھ سے لگوایا تھا کیا یہ اس کی اتنی حرکت نہیں تھی، اگر وہ اپنی ماں کے ساتھ ملی نہ ہوتی تو یوں بہانہ کر کے تنہائی میں میرے نزدیک کیوں آتی، اس کے دل میں بھلا تھا اور اللہ کی حدود کو تو میں نے بھی پھلانا تھا، تنہائی میں کسی غیر محرم سے ملا تھا، یہ جرم ہی تو تھا، جس کی سزا محنت رہا ہوں، مگر جس کی سازش کی وجہ سے یہ سارا فساد برپا ہوا ہے اب اسے بھی یہ بھگتنا پڑے گا۔)

ایک لینڈ کروزر تیز ہارن بجاتی سنسان سڑک سے گزری تب وہ اپنے خیالات سے چونکا تھا اور

ساکن نظروں سے ڈیش بورڈ پہ پڑے اپنے سیل فون کو گھورنے لگا، وہ پچھلے دو گھنٹوں سے ڈالے کو فون کرنا چاہ رہا تھا مگر ہر بار اس ارادے میں تزلزل پیدا ہو جاتا، وہ بندوق کو ڈالے کے کاندھے پہ رکھ کے چلانا چاہتا تھا مگر اس کی مردانگی کو یہ بات گوارا نہیں تھی، وہ پچھلے دو گھنٹوں سے شش و پنج میں مبتلا تھا اور گھر جانے سے گریزاں بھی، زینب کی انگارے برساتی نظروں اور طنزیہ جملوں کو سہنے کی تاب نہیں تھی اس میں، اس پہ باری باری سب کا نکاح کی مبارک باد دینا، وہ ہر بار کڑھنے لگتا تھا۔

”ہیلو ڈالے۔“ اس نے سیل فون اٹھا کر نمبر ڈائل کر لیا تھا، ہر قسم کے خیال کو جھٹک کر اس نے ڈالے سے بات کرنے کا فیصلہ کر لیا، رابطہ بحال ہونے پہ اس نے سوالیہ انداز میں اسے پکارا تھا، ڈالے جو ششدر سی بھی با مشکل حلق سے آواز برآمد کر سکی، وہ تو اتنی تیزی سے معاملات کا آگے بڑھنا ہی غیر یقینی سے دیکھ رہی تھی، اس پہ مزید معجزہ جہاں کی کال تھی۔

”چاچو آئے تھے آپ سے ملنے؟“ اس نے پھنکار ڈالنے والے ملاحتی انداز میں دریافت کیا تھا۔

”جی.....!“

”وہ پھر آئیں گے، شادی کی تاریخ طے کرنے، مگر آپ نے انکار کر دینا ہے۔“ خوشی کا مژدہ سنا کر اس نے خود ہی اوس بھی ڈال دی، ڈالے تو اپنی صلاحیتیں بے کار ہوتی محسوس کرتی ساکن بیٹھی رہ گئی۔

”بہری ہو گئی ہیں آپ؟ سنا نہیں میں نے کیا کہا؟“ وہ بھڑک کر پھنکارا، ڈالے ہڑبڑا ہی گئی۔

”جج..... جج..... جج..... لیکن..... مم..... میں کیسے منع کر سکتی ہوں۔“ وہ ایک دم روہانسی ہو گئی تھی اپنی لاچارگی پہ۔

”شٹ اپ، یہ بے بسی اور معصومیت کا پرچار کسی اور کے آگے کیجئے گا اوکے؟ مجھے ویسے بھی اندازہ تھا کہ آپ ایسا ہرگز نہیں چاہیں گی۔“ وہ پھر سا گیا تھا، جو منہ میں آیا بولتا چلا گیا، اس الزام تراشی پہ ڈالے کو اپنا وجود کٹا اور جلتا محسوس ہوا، بے بسی کی بے بسی تھی، وہ اس پہ اپنی بے گناہی بھی ثابت نہیں کر سکتی تھی، ماما کے جرموں کی سزا اسے بھگتنی ہے، وہ یہ بات اچھی طرح سے جان گئی تھی، جیسی خاموشی سے اس کی لعنت ملامت سہتی رہی۔

”میں کسی قیمت پہ ابھی رخصتی نہیں چاہتا سمجھ سکتی ہو کہ تمہیں برداشت کرنے کا فی الحال مجھ میں ظرف ہے نہ حوصلہ۔“ جہاں کے لہجے میں حقارت کے ساتھ شدید تضحیک کا بھی عنصر نمایاں تھا، ڈالے کی آنکھیں یوں جل اٹھی تھیں جیسے کسی نے مٹی بھر کے مچھیں ان میں جھونک دی ہوں، پورا وجود شدید درد کی لپیٹ میں آ گیا، سکی سکی تھی، حد تھی کوئی توہین کی، مگر اس نے آخری حد تک اپنا ظرف آزما لیا، وہ اس سمکھ کے بخشنے ہر زخم کو اپنے دل میں سینت کر سجا کر رکھنے کا عزم باندھ چکی تھی۔

”ٹھیک ہے آپ پریشان نہ ہوں، میں می کو شادی کی تاریخ دینے سے منع کر دوں گی۔“ سارے آنسو گلے سے اتار کر اس نے آہستگی سے کہا تھا، جہاں نے طنزیہ ہنکارا بھرا۔

”ضرور کرنا، یہ تم مجھ پہ نہیں اپنے اوپر احسان کرو گی، آئی سمجھ؟“ وہ اسی شدید انداز میں جلتا کر بولا تھا۔

”جی! خدا حافظ۔“ ڈالے نے بھیگی آواز میں کہا اور اگلے لمحے سلسلہ کٹ گیا تھا، جہاں نے نہایت خراب موڈ کے ساتھ سیل واپس ڈیش بورڈ پہ اچھال دیا، اسے لگ رہا تھا سر سے کوئی بھاری بوجھ اترا ہو۔

☆☆☆

وہ تیار ہو کر ڈائینگ ہال میں آیا تو وہاں معمول کی چہل پھل اور خوشگوار شور مچھلا ہوا تھا۔

”آئیے نوٹے میاں۔“ معاذ اسے دیکھتے ہی چپکا تھا، جہاں کے چہرے پہ ایک تاریک سایہ لہرا کر معدوم ہو گیا۔

”نوٹے میاں تو آپ بھی ہیں۔“ زیاد نے شرارت بھرے انداز میں معاذ کو دیکھا تھا، معاذ نے کاندھے جھٹک دیئے۔

”ہم تو پرانے ہو گئے ہیں، تین سال ہونے والے ہیں نکاح کو۔“

”پرانے کو پھر نیا کیا جا سکتا ہے، ڈونٹ وری۔“ بھابھی مسکرائی تھیں۔

”السلام علیکم! صبح بخیر۔“ بھی فریش اور تروتازہ نظر آئی نور یہ چلی آئی، جسے دیکھتے ہی زیاد کی آنکھیں چمک اٹھی تھیں، معاذ خواجہ کھنکارا، تو زیاد کو سنبھلانا پڑا۔

”کیسے ہیں جہاں بھائی! آپ کو مبارک دینی تھی مگر آپ دستیاب ہی نہیں ہوتے، آج تو میں صبح صبح بھاگی آئی ہوں۔“ زیاد اور معاذ کو خصوصیت سے نظر انداز کیے وہ جہاں کی سمت متوجہ تھی، جہاں ایک بار پھر کسی شدید کرب میں شدید زیاں میں مبتلا ہونے لگا، اسے میں زینب کی اندر تک اترتی نظریں۔

”چلو اسی بہانے تم نے یہاں قدم رنجہ تو فرمایا، ورنہ کلشن میں بہا نہیں آئی تھی۔“ زیاد نے اس کی توجہ حاصل کرنی چاہی، معاذ پھر کھانا سنا تھا۔

”ہاں بھئی نور یہ یہاں آنے پہ تمہارے پابندی تھوڑی لگی ہے، پھر ابھی شادی میں تو ٹائم ہے، کلشن کے مرجھانے کا خوف لاحق ہے مجھے تو۔“ معاذ کی شرارتی نگاہیں زیاد پہ تھیں، وہ کھینسا کر ہنسا پڑا تھا۔

”ناشتہ تو کر لو بیٹے!“ ماما جو اسی وقت بھابھی اور ملازمہ کے ہمراہ ناشتے کی ٹرے لئے آئی تھیں جہاں کو خالی چائے حلق سے اتار کر اٹھتے دیکھتے ہی ٹوک گئیں۔

”بھوک نہیں ہے چچی جان! بس چائے کی طلب تھی وہ لے چکا۔“ کرسی کی بیک سے اپنا کوٹ اور نیشل سے گاڑی کی چابی اٹھاتے ہوئے وہ رساں سے بولا۔

”انہیں اب اکیلے کھانا اچھا نہیں لگتا ہے مام! ان کی ڈیئر وائف کو یہاں ان کی برابر کرسی پہ لا کر بیٹھائیں، ہر مسئلہ خود بخود حل ہو جائے گا۔“ زینب کے لہجے میں سرد مہری تھی اور درشتی بیک وقت تھی، اس کی نظریں انگارے برساتی تھیں، جہاں کا سرخ چہرہ اور سرخ ہوا۔

”لگے ہوئے ہیں پاپا اس نیک کام کو انجام دینے میں، تم ٹینشن فری رہو۔“ جہاں نے باہر نکلتے معاذ کی آواز سنی تھی جس میں تنبیہ اور سرزنش کا رنگ واضح تھا، اندرونی حصے سے نکل کر پور نیکی کی سمت جاتے ہیں نے کھلی فضا میں یوں گہرے گہرے سالس بھرے جیسے اندر کی گھٹن سے نجات حاصل کرنا چاہتا ہو، زینب کا یہ رویہ اس کے لئے بے حد تکلیف کا باعث تھا، شاید نہیں یقیناً اس کا شمار ان لوگوں میں ہوتا تھا جو اپنے لئے ہر کام چاہے وہ کتنا ہی ناجائز کیوں نہ ہو جائز سمجھ لیتے ہیں مگر اپنے سے وابستہ لوگوں کو وہ کھل کر سناٹا لینے کی بھی اجازت نہیں دیا کرتے، وہ اس کے لئے پوزیو تھی تو کیوں جبکہ وہ خود اپنے آپ کو اس سے الگ کر چکی تھی، پھر اتنا شدید رد عمل عجیب لگتا تھا، مگر جہاں کی مجبوری یہ تھی کہ وہ اپنی ذات سے اپنے پیاروں کو دکھ دینے سے قاصر تھا، پھر زینب اس کے ساتھ تو اس کے دل کا سب سے مضبوط تعلق استوار ہوا

تھا، جو فاصلوں اور رویوں کے باوجود قائم تھا، وہ اسے دکھ دینے اور ہرٹ کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتا تھا، چاہے نہ نب خود اس کے فکار وجود میں مزید کتنے ہی درد کیوں نہ بھر دے۔

☆☆☆

ان زخموں کا کیا کرے کوئی جن کو مرہم سے آگ لگتی ہو

کتاب بھلے اس کے آگے کھلی پڑی تھی مگر اس کی توجہ اس سمت پر گز نہیں تھی، یہاں کی باتیں جیسے جیسے یاد آتیں اسے اسی حساب سے رونا آتا تھا، زندگی بھر کی کمائی بھی یونیک نامی، جیسے معاذ حسن کی ذرا سی لاپرواہی اور نگاہوں کے ہنسنے انداز نے ڈبو دیا تھا، اسے رونا آئے جاتا تھا، معاذ پہ سارا قہر نکالنے کے باوجود اس کا ملال تھا کہ ڈھلتا نہیں تھا، پچھلے دو دنوں سے وہ کالج نہیں جا رہی تھی، ہر وقت منہ سرپیٹے کمرے میں پڑی رہتی، حالانکہ شام نے کتنا لڑا تھا۔

”خطرے کو دیکھ کر کیوٹر کی طرح آنکھیں بند کر لینے سے خطرے ٹلا کرتے ہیں نہ مسائل کا حل نکلتا ہے، آپ کو بہر حال حالات کے سامنے کو خود کو تیار تو کرنا پڑے گا مہم!“ پر نیاں نے سن کر بھی ان سنی کر دی تھی۔

”آپ کے سر تاج کا پیغام ہے آپ کے لئے کہہ رہے تھے کل ہر صورت کالج آنا ہے ورنہ..... اس خالی جگہ میں تم ہرگز بھی کوئی سائنس ڈھمکی مت سوچنا۔“ کالج سے واپسی پر نیاں کو شام نے معاذ کا پیغام دیا تھا، جسے پورا اس کے سہل پہلے آئے ٹیکسٹ نے کر دیا تھا۔

”اگر آپ کل کالج نہ آئیں تو قسم سے میں سب کے سامنے آپ کو اٹھا کر لے جانے سے بھی نہیں چوکوں گا، پھر جو ہوگا بعد میں دیکھی جائے گی۔“ ٹیکسٹ پڑھتے ہی اس کا چہرہ یوں رنگ بدل گیا جیسے کسی نے لال رنگ میں ڈبو کر برش اس کے منہ پہ پھیر دیا ہو۔

”لگتا ہے سرنے خود اپنے سر تاج ہونے کا ثبوت فراہم کر دیا ہے نا؟“ شام جو اس کے ہاتھ میں سیل دیکھ چکی تھی اس کی کیفیت سے لحوں میں معاملے کی تہہ تک جا پہنچی، پر نیاں نے گھبرا کر نوری ٹیکسٹ کو پلٹ کر دیکھا، یہ اس کی دھمکی کا ہی اثر تھا کہ وہ اگلے دن کالج میں موجود تھی، یہ الگ بات ہے کہ شاید تارا ضیٰ کی وجہ سے اس نے معاذ کی کلاس تک کر دی تھی۔

”یار یہ نہیں مجھے کیوں لگتا ہے سر جانتے ہیں اس راز کو کہ تم بیوی ہو ان کی۔“ شام کی بات پر اس کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔

”تم کیسے یہ بات اتنے یقین سے کہہ سکتی ہو؟“ پر نیاں خائف نظر آنے لگی، شام نے گاندھے اچکا دیئے تھے۔

”وضاحت تو شاید میں نہ کر سکوں مگر مجھے قیل ہوا ہے۔“

”مس پر نیاں آپ کو پرنس صاحب نے اپنے آفس میں بلوایا ہے۔“ اس سے پہلے کہ پر نیاں کچھ کہتی بیون اس کے لئے پرنس صاحب کا پیغام لئے حاضر ہوا تھا، پر نیاں دھک سے رہ گئی، اس کی گھبراہٹ سے بھری متوحش نظریں شام کی سمت اٹھی تھیں۔

”کیوں بلوایا ہوگا انہوں نے مجھے؟“ اس کی آواز گھٹی ہوئی سی تھی، شام نے اس درجہ بدحواسی پہ

اسے گھور کر دیکھا۔

پرنس صاحب نے بلایا ہے پرنس جی سر معاذ نے نہیں، آپ کی گھبراہٹ کا تو یہ عالم ہے گویا سر معاذ نے بلایا ہو وہ انہی آفس میں نہیں اپنے جملہ عروسی میں۔“ شام کو شرارت سوچھ گئی تھی، اسے آنکھ مار کر وہ خیانت سے بولی تھی، پر نیاں اس درجہ شدید ٹینشن کے باوجود کانوں کی لوڈوں تک سرخ پڑ گئی تھی اور اتنا جھپٹی کہ اسے کتنے ہی گھونٹے دے مارے تھے۔

”بہت بدتمیز ہو تم، مجھے اس لئے ڈر لگ رہا ہے کہیں یہاں نے مزید کوئی گل نہ کھلا دیا ہو۔“ وضاحت دیتے ہوئے وہ روہا لسی ہو گئی تھی۔

”فضول کی قیاس آرائیوں کی جان چھوڑ دو کے، اب یہاں اتنی بھی احمق نہیں ہوگی کہ اس قسم کا معاملہ پرنس کے آفس تک لے جائے۔“ شام نے ڈانٹنے کے انداز میں ہی اس کی حوصلہ افزائی بھی کی تھی اور راستے بھرا سے سمجھاتی تسلی دیتی بھی لائی اس کے باوجود جب پرنس کے آفس میں اس نے قدم رکھا تو پیچھے رہ جانے والی شام کے تسلی دلا سوں کے باوجود وہ نہ صرف خوفزدہ نظر آتی تھی بلکہ اس کا دل بھی بہت شدتوں سے دھڑک رہا تھا۔

”سے آئی کم ان سر؟“ دروازے میں رک کر اس نے لمحہ بھر کو نظر اٹھائی تو پرنس کے وسیع و عریض آفس میں کالج کے تقریباً تمام اسٹاف کو موجود پا کر اسے اپنے حواس تھل ہوتے محسوس ہوئے تھے، بھلے ایسی کیا بات ہوئی تھی کہ سارے اسٹاف کے سامنے اسے پیش ہونے کی ضرورت پیش آگئی تھی، اسے لگا اس کی آنکھوں میں گہری تاریکیاں اتر آئی ہوں۔

”آئیے آئیے بیٹے! معاذ حسن آپ کی موجودگی میں ہیں کوئی سر پر اتر دینا چاہ رہے تھے، انہی کی ایما پہ ہم نے آپ کو یہاں بلوایا ہے بیٹھے۔“

پرنس صاحب کے کہنے پر اس نے حیران مگر متوحش نگاہوں کو اٹھایا تھا، بلکہ ٹو پیس میں تک سب سے تیار خوشبوؤں میں سے معاذ کے خوب رو چہرے پر ازلی پر اعتماد دکھ کر مسکراہٹ ٹھہری ہوئی تھی، پھر اس نے پر نیاں کا ہاتھ تھام کر اپنے برابر خالی کرسی تک اسے لایا تھا، پر نیاں کی تمام صلاحیتیں جیسے مفلوج ہو کر بو گئیں، اس نے فق چہرے کے ساتھ ڈوٹی نظروں سے معاذ کو دیکھا تھا۔

”جی معاذ حسن مس پر نیاں پہنچ چکی ہیں آپ کا سر پر اتر کیا ہے بتائیے اب تو ہمیں بھی بے چینی ہونے لگی ہے۔“ پرنس صاحب مسکرائے تھے، دیگر اسٹاف کی بھی دبی دبی ہنسی گونجی پر نیاں کی گردن کو خٹک کر شانوں سے جا لگی یہ سبھی انسان اب پہ نہیں اس کے ساتھ کیا سلوک کرنے والا تھا۔

”ضرور سوائے ناٹ، بٹ میں چاہتا ہوں آپ لوگ پہلے یہ سوچتے تو لیں نا، کیونکہ پر نیاں کو آپ پہلے میری اسٹوڈنٹ کی حیثیت سے جانتے تھے مگر میں آپ کو بتانا ضروری سمجھتا ہوں کہ یہ صرف میری اسٹوڈنٹ نہیں میری منکوحہ بھی ہیں، ہمارے نکاح کو تین سال ہونے والے ہیں، شادی ان کی اسٹڈی پلینٹ ہونے سے پہلے ہی انشاء اللہ۔“

سب کی حیرانی کو انجوائے کرتے ہوئے اس نے مسکرا کر اطمینان سے کہا تھا جبکہ پر نیاں اسے لگا تھا کہ اس کی چھت اچانک اس کے سر پہ آن گری ہو، آفس کے روم میں ایک دم پرنس کی آواز گونجی تھی، ہر کوئی اپنے انداز میں حیرانی کا اظہار کرتا تھا اور دونوں کو بالخصوص مبارک باد دیتا تھا، کچھ چہرے بچھے بھی تھے

ان میں عباس فاروقی اور مس رعنا شیخ بھی تھیں جو اپنے طور پر دل ہی دل میں پر نیاں اور معاذ کے طلبکار تھے، پر نیاں کی تو حالت وہ تھی کہ جیسے پتھر کی بن گئی ہو، اسے تو معاذ کے اس اہم راز سے آگاہی کی ضرورت نہیں تھی کجا سب کے سامنے اس کا انکشاف، حج معنوں میں اس کی حرکت نے پر نیاں کو ہلا کر رکھ دیا تھا، حیرت غیر یقینی اور گھبراہٹ کیا کچھ یلکھت اس پہ حملہ آور نہیں ہوئے تھے، اسے اپنی کیفیت بھی سمجھ سے باہر تھی آیا وہ حیران ہے خوش ہے یا پریشان، اسے خود کو کمپوز کرنے کو اپنی ساری ہمت جمع کرنی پڑی تھی، آفس کا ماحول ایک دم خوشگوار ہو چکا تھا جس میں دوستانہ بے تکلفی کا احساس چھلکتا تھا، وہ سب لوگ اب معاذ سے بہترین قسم کی ٹریٹ کا مطالبہ کر رہے تھے اور معاذ اسی خوشدلی سے وعدہ کر چکا تھا، پھر ان چند گھنٹوں کے اندر اندر پورے کالج میں یہ خبر سرعت سے پھیل گئی تھی، پر نیاں میں تاب نہیں تھی لوگوں کی عجیب و غریب نظروں کا سامنا کرنے کی جیسی وہ کترا کر لائبریری کی سمت آگئی، راستے میں روک روک کر اور وہاں بھی کتنی لڑکیوں نے اسے مبارک باد سے نوازا اور انتہائی ذاتی قسم کے سوال داغنے شروع کر دیئے، کب نکاح ہوا؟ چھپا کے کیوں رکھا، ہوٹل میں کیوں رہتی ہو گھر کی موجودگی کے باوجود وغیرہ وغیرہ۔

”ان کی ساس کو بہو کی خوبصورتی سے ڈر لگتا ہوگا، کہیں رخصتی سے پہلے ہی نہ پنا حسین بہو سے حق وصول کر لے۔“ ایک بے باک لڑکی نے آخری سوال کے جواب میں ٹھٹھا لگا کر کہا تھا، پر نیاں کے چہرے سے بھابھ ٹپکنے لگی، وہاں کے بغیر وہ تیزی سے بیرونی گیٹ کی سمت جانے لگی، اتنا تو وہ بھی جان گئی تھی، یہاں ٹھہرنا اب محال ہے۔

”میری جان مبارک ہو، سرنے تو کمال کر دیا ہے نا، یہاں تو کہیں منہ چھپا کر روتی ہوگی۔“ جانے کہاں سے بھاگتی ہوئی ثناء اچانک آ کر اس سے لپٹی تھی، پر نیاں نے ہونٹ کپکپے تھے۔

”چلو ثناء چلتے ہیں۔“ اس نے اپنے سر دھوتے ہاتھ میں ثناء کا ہاتھ پکڑ لیا۔

”کیوں بھئی روکنا، ابھی تو مزا آتا ہے، ساری لڑکیوں کو آگ لگ ہوئی ہے، شکلیں دیکھنے والی ہیں سرن جو گیوں کی، اپنے اپنے خیالوں میں تو سب سر پہ اجارہ داری جمائے بیٹھی تھیں۔“ ثناء نے دانت کچکچا کر کہا، صاف لگتا تھا وہ اس صورتحال سے بے تحاشا خوش اور مطمئن ہے، پر نیاں کو اس کی سوچ سے شدید اختلاف ہوا تھا مگر اس وقت اسے نوکنے کی بھی ہمت نہیں تھی اس میں۔

”ٹھیک ہے تم کرو انجوائے مرو میں جارہی ہوں۔“ وہ پھینکار کر بولی تھی اور اس کا ہاتھ چھوڑ کر آگے بڑھ گئی گیٹ سے ابھی کچھ فاصلے پہ ہی تھی جب معاذ حسن اور یہاں سے ایک ساتھ سامنا ہو گیا، وہ فطری طور پہ کنفیوز ہوئی تھی۔

”آئیے پر نیاں میں آپ کو ڈراپ کر دیتا ہوں۔“

معاذ نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا تھا، جسے پر نیاں نے اگلے لمحے ہی چھڑوا بھی لیا، اس کی نگاہ ناچاہتے ہوئے بھی یہاں سے ملی تھی، کیا تھا اس کی آنکھوں میں بے بسی، کرب رنج یا پھر بے تحاشا نفرت و حقارت پر نیاں کو اس کی آنکھوں میں آنسوؤں کی جھللاہٹ بھی محسوس ہوئی تھی جس نے اس کا دل کچھ اور بوجھل کر دیا۔

”دس ازناٹ فیئر پر نیاں! اب بھی آپ کی ناراضگی اور آپ کا اپنی ٹیوڈ میری سمجھ سے باہر ہے۔“

معاذ جو اس کے ہمراہ گیٹ سے باہر آیا تھا کس قدر بے بسی سے گویا ہوا، پر نیاں کو تو جیسے آگ ہی لگ گئی۔

”اب بھی سے کیا مطلب ہے آپ کا؟ کون سا کمال کر دیا آپ نے؟“ وہ بھڑک کر کہتی اس پر چڑھ دوڑی تھی، معاذ نے بھنوسیں سیکر کر اسے دیکھا پھر کچھ کہے بغیر اس کا ہاتھ پکڑ کر تقریباً کھینچتے ہوئے گاڑی تک لایا تھا پھر اسے سیٹ پہنچ کر دروازہ لاکڈ کرنے کے بعد خود ڈرائیونگ سیٹ پہ آ گیا تھا اور دروازہ زوردار آواز کے ساتھ بند کیا۔

”آپ کو شکایت تھی نا مجھ سے کہ میری وجہ سے آپ کا کروار مشکوک ہو گیا تھا میں نے اسے معتبر کر دیا اور کون سے پہاڑ سر کرانا چاہتی ہیں مجھ سے یہ بھی بتاویں۔“ ایک ایک لفظ چبا کر کہتا ہوا وہ بری طرح سے خفا نظر آ رہا تھا، پر نیاں اس کے تیوروں سے کس قدر خائف ہونے لگی۔

”آپ کو کس نے بتایا تھا کہ.....“ اس کی گھورتی نظروں کی وجہ سے پر نیاں نے گھبرا کر فقرہ ادھورا چھوڑ دیا۔

”آپ کے خیال میں میں بے وقوف احمق تھا، مگر اتنا بھی نہیں تھا جتنا آپ نے سمجھ لیا تھا۔“ گاڑی اشارت کرتے ہوئے وہ خفیہ و نخوت سے جواب دے رہا تھا۔

”اگر آپ کو یہ سب پتہ چل گیا تھا تو آپ.....“ معاذ کی نگاہوں کے شاکی انداز پہ پر نیاں نے پھر فقرہ ادھورا چھوڑ دیا۔

”میں نے تو آپ سے کوئی شکایت نہیں کی پر نیاں حالانکہ آپ نے بھی مجھے کم پریشان نہیں کیا۔“ پر نیاں بے اختیار نظریں چرا گئی۔

”آغاز آپ کی طرف سے ہوا تھا، کسی کو دیکھے بغیر آپ نے اپنی ایک مستقل رائے قائم کر لی، پھر اس پہ ڈٹے بھی رہے، حد تھی خود پرستی کی بھی۔“ وہ خفا خفا سی بولی، تو معاذ نے وٹڈ اسکرین سے نگاہیں ہٹا کر بہت شرارتی قسم کی مسکراہٹ کے ساتھ اسے دیکھا۔

”میں سارے ازالے کر دوں گا ڈونٹ وری بس تم دیکھتی جاؤ جان من۔“ وہ ایک دم سے پٹری چھوڑ گیا پر نیاں بری طرح چونکی اور اس کی نگاہوں میں اترتے استحقاق کے رنگوں کو دیکھ کر اس کی جان ہوا ہونے لگی۔

”بس روک دیں گاڑی، یہاں سے ہاسٹل زیادہ دور نہیں ہے میں خود چلی جاؤں گی۔“ اس نے گھبرا کر راہ فرار ڈھونڈنی چاہی تھی، معاذ نے ان سنی کر دی تھی۔

”آکس کریم کھاؤ گی؟“ پر نیاں نے زچ ہو کر خفگی سے اسے دیکھا پھر جھنجھلا کر بولی تھی۔

”ہاسٹل پیچھے رہ گیا ہے سر آپ مجھے یہیں اتار دیں۔“

”سر کی کچھ کتنی تمہیں سر میں بتانا ہوں، پھر کہو گی سر مجھے؟“ معاذ نے غصے سے اسے دیکھا پھر ایک ہاتھ سے اسٹیرنگ سنبھال کر دوسرے ہاتھ کو اس کی کمر میں جمائل کرتے ہوئے ایک دم اپنی جانب کھیٹ لیا، پر نیاں کے حلق سے چیخ نکل گئی، گاڑی نے بے قابو ہو کر لہرائی تھی مگر معاذ کو پرواہ ہی نہیں تھی، وہ اپنے ساتھ اس کی زندگی کو بھی خطرے میں ڈال چکا تھا، فارم ہاؤس میں گھوڑے پہ بیٹھے بھی وہ یہ کرشمہ دکھا چکا تھا حالانکہ تب بھی کئی مرتبہ دونوں توازن کھو کر گرنے سے بچے تھے، مگر معاذ جذباتیت میں ان باریکیوں کی سمت کبھی دھیان نہیں دیتا تھا۔

”نہیں کہتی، نہیں کہوں گی، پلیز آپ گاڑی کو دیکھیں۔“ پر نیاں نے اٹھل پھٹھل ہوتی سانسوں کے بیچ اس کی قربتوں میں جل کر خاک ہوتے بھی شپٹا کر بوکھلا کر کہا تھا، معاذ زور سے ہنس پڑا۔

”تمہاری موجودگی میں میرا دھیان کسی اور پہ ہو سکتا ہے ظالم لڑکی۔“ وہ مخموری سانس بھر کے کس قدر شریر نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔

”سنو ہمیشہ ایسی ہی میری فرمانبردار رہنا، بہت اچھی لگی ہو مجھے اس طرح۔“ اس کے شوخ و شنگ لہجے میں معنی خیریت کا رنگ بے حد گہرا تھا، پر نیاں اسی حساب سے سرخ پڑ گئی۔

”بہت بد تمیز ہیں آپ۔“ وہ جھلا کر بھی کہہ سکی۔

”تمہیں اندازہ ہے تم اس وقت کتنی حسین لگ رہی ہو؟ میرا دل بے حد بے ایمان ہو رہا ہے رٹلی، ہر حد بندی کو توڑنے کی خواہش ہو رہی ہے، ویسے بھی یہ میرا حق بنتا ہے، تم نہیں ستایا تم نے مجھے۔“ معاذ نے ذرا سا اس کی سمت جھک کر سرگوشی کی تھی، پر نیاں کی ریڑھ کی ہڈی میں سرد لہر دوڑ گئی اس نے بے ساختہ قسم کی گھبراہٹ سے دوچار ہوتے متوحش ہو کر اسے دیکھا تھا، اس کا رنگ کیسے گھوں میں پیلا پڑ گیا تھا، معاذ نے ٹھنڈا سانس بھر لیا۔

”مذاق کر رہا ہوں۔ بھئی بے ہوش نہ ہو جائیے گا۔“ وہ آہ بھر کے بولا تب ذرا پر نیاں کے حواس بحال ہوئے تھے، معاذ نے اس کی ہر کیفیت کو بری جزئیات کے ساتھ نوٹس کیا تھا اور اسی لحاظ سے بد مزہ ہو گیا۔

”بہت مطمئن اور خوش رہتی ہوں۔ مجھ سے دور رہ کر مجھے پاگل بنانے کی پھر کیا ضرورت تھی۔“ پر نیاں اس انوکھے شکوے پر بے تحاشا جھل جھل ہوتی اس سے نظریں چرا کر خود میں سمٹ گئی، چہرا الگ تپنے سا لگا تھا۔

معاذ کی ایسی باتوں کے دوران ہی وہ دونوں شاہ ہاؤس پہنچے تھے، پر نیاں دھک دھک کرتے دل کے ساتھ اس رومینٹک موڈ سے خدا کی پناہ مانگتی رہی تھی، گاڑی پورٹیکو میں رکی تب وہ تیزی سے اندر بھاگی تھی، سب سے پہلا سامنا زینب سے ہوا جو اسے دیکھ کر بے اختیار چمکی تھی۔

”لالہ نے اب تمہیں گھر کیا بیڈ روم تک لے جا کر ہی جان چھوڑنی ہے، لہذا انخریے اور ضد چھوڑ دو لڑکی۔“ پر نیاں کچھ کہے بغیر بس اس سے لپٹ گئی تھی، معاذ نے آتے ہی سب پر اپنی کھلی جھلا کر سہی مگر انہیں اپنا کارنامہ سنا دیا تھا نہیاں کی مایوسی تک ساری تفصیل کے ساتھ، زیادہ پہ سب سے زیادہ اوس گری تھی، اس کا سارا پلان ٹل ہو گیا تھا۔

”آپ کو جہان بھائی نے بتایا ہوگا یقیناً۔“

”میں نے خود سنا تھا، ویسے بھی ذرا سا غور کرنے پہ یہ حقیقت واضح ہو جاتی تھی۔“ معاذ نے یہاں اپنی بیوقوفی کا قصہ چھیڑنا مناسب نہیں سمجھا تھا۔

”اب آپ مجھے یہ بتائیں ماما کہ محترمہ کو منکوحہ سے بیوی کا درجہ کب ملے گا؟“ معاذ نے اہم سوال کیا تھا، ماما چونکیں۔

”آف کورس بھابھی کی اسٹڈی کمپلیٹ ہونے کے بعد۔“ زیادہ نے ماما کی گھورتی نظروں کی پردہ کیے بغیر نیا شوٹ چھوڑ دیا، معاذ کو اس جواب پہ تپ چڑھ گئی تھی۔

”اسٹڈی کمپلیٹ ہونے میں ابھی وقت ہے، پھر ہاؤس جاو، سن لیں ماما میں اتنا ویٹ نہیں کر

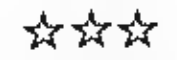
نکلے۔“ وہ اپنے مخصوص اکل کھرے انداز میں بولا، پر نیاں نے وہاں سے اٹھ جانا ہی مناسب خیال کیا تھا، وہ بے باک تھا مگر وہ اس کی بے باکی کے مظاہرے نہیں سہہ سکتی تھی۔

”بہتر ہوگا آپ اپنا معاملہ چپا کی عدالت میں لے جائیں۔“ زیادہ نے چمک کر اصلاح دی، اسے خوشی ہو رہی تھی کہ معاملہ ابھی ہاتھ سے نکلا نہیں تھا، معاذ ساری حقیقت سے آشنا نہیں ہوا تھا، ایڈوکیٹ بھی یہی موجود تھا، اب بھی اسے عین مہندی کے دن اس کی شادی کا ہتلا کر مزالیا جاسکتا تھا۔

”مجھے نہیں پتہ بس میں بتا چکا ہوں۔“ وہ نروٹھے پن سے کہتا دھڑ دھڑ سیڑھیاں چڑھ گیا، اس کے جاتے ہی ماما نے زیادہ کو گھورا تھا۔

”کوئی ضرورت نہیں ہے اب یہ کھڑا ک پیدا کرنے کی۔“

”کچھ نہیں ہوتا ماما دیکھیں اب بھی کیا کہہ دیا لالے نے کچھ نہیں نا، رٹلی وہ خود بھی انجوائے کریں گے۔“ زیادہ تب تک انہیں قائل کرتا رہا جب تک ماما نے جھلا کر سہی ”جو مرضی آئے کر دو“ کہہ کر جان چھڑالی پھر زیادہ نے یہ اہم سچ باقی سب تک بھی پہنچایا تھا تا کہ کہیں رخنہ نہ پڑ جائے مس انڈر اسٹینڈنگ کی وجہ سے اس کے ساتھ حور یہ حسان اور ماریہ وغیرہ بھی پر جوش ہو کر نیا پلان ترتیب دینے لگے تھے۔



جہان نے کس قدر حیرانی سے اپنے سامنے پڑے بکے کو دیکھا تھا، جس کے موی جھکنے کاغذ کے نیچے سفید ادھ کھلے گلاب تھے، کہیں کہیں سبز پتے جھلک رہے تھے، پھول بالکل تازہ تھے جن کی دلچسپی تک پورے کمرے میں پھیل گئی تھی، یہ تقریباً سال بعد اس حرکت کو دہرایا گیا تھا اور ایسا کرنے والا کون تھا وہ نہیں جانتا تھا، اس نے گہرا سانس بھرا اور اٹھ کر کھڑا ہو گیا، اسی پل اس کا سیل فون بجتا تھا، جہان ہونک کے متوجہ ہوا، مسز آفریدی کا فون تھا وہ شش و پنج میں پڑ گیا کال ریسیو کرے یا نہ کرے، پھر کچھ سوچی کر اس نے فون اٹھا لیا تھا۔

”رخصتی کے لئے تم نے ڈالے کو منع کیا ہوگا نا جو وہ ایک ہی ٹکرا کر کیے جا رہی ہے۔“ وہ چھوٹے ہی سے لٹاڑنے لگیں، جہان کے ہونٹوں کی تراش میں دل جلانے والی مسکراہٹ بکھر گئی۔

”بہت خوب، اگر مجھے اندازہ ہوتا محترمہ میری اتنی فرمانبردار ہیں تو میں نکاح سے قبل ضرور اس قسم کا مطالعہ بحال کرتا ان سے۔“ اس کے جواب نے مسز آفریدی جیسی گھاگ اور شاطر عورت کو بھی چکرا کر رکھ دیا تھا۔

”سچ کہہ رہے ہو جہان آپ نے اسے منع نہیں کیا تو پھر وہ کیوں ہی رٹ لگا کر بیٹھی ہے؟“ ان کے انداز میں جھنجھلاہٹ اور پریشانی تھی، جہان کو عجیب سا سکون اپنے اندر اترتا محسوس ہونے لگا۔

”آپ بتائیں میں ایسی حماقت کر سکتا ہوں؟ آپ کے اندازے اور سوچ کے عین مطابق مجھ سے تو ملازمت نہیں کھتے ہیں ڈالے صاحبہ کے بھر میں، کب یہ چند دن گزریں گے اور وہ مکمل میری دسترس میں ہوں گی۔“

اس نے دانت کچکا کر کہا تھا، مسز آفریدی کی کھسیاہٹ کا کوئی انت نہیں رہا تھا، اگلے لمحے وہ کال اٹھ کر چکی تھیں، جہان نے غمزوہ انداز میں سر جھٹکا اور سیل واپس جیب میں رکھ لیا، پلٹا اور ساکن رہ

ہو گیا۔

☆☆☆

”آپ چلیں میں لا رہی ہوں چائے۔“ پر نیاں جو اس کی نظروں سے کنفیوژ ہو رہی تھی، جزبہ ہو کر بولی، ممانے اسے اپنے کمرے میں بلایا تھا کچھ زیورات پسند کر رہی تھیں وہ اسے اور نور یہ کہہ کر معاذ وہاں ٹپک پڑا تھا۔

”چائے پلوائیں ممانی!“ وہ زبردستی ان کی گود میں سر گھسا کر لیٹ گیا تھا۔

”اچھا بیٹے بنا دیتی ہوں، آپ ہٹو تو سہی کام کرنے دو مجھے۔“

”یہ اتنا ضروری کام تھوڑی ہے، پہلے میری سس۔“ ممانسکراوی تھیں پھر اس کے بال بگاڑ دیئے۔

”او کے بتاؤ کیا چاہیے۔“

”بیوی چاہیے محل قبضہ ملکیت کے ساتھ۔“ وہ پر نیاں کو ترچھی لگا ہوں سے دیکھ کر بولا تھا، پر نیاں ممان اور نور یہ کی موجودگی میں بے ججالی کے اس مظاہرے پر خفت اور حجاب سے سرخ پڑ گئی تھی، نور یہ تو معاذ کی موجودگی کے ساتھ ہی یہاں نہ بنا کر نکل گئی تھی۔

”مم میں چائے بنا کر لادیتی ہوں۔“ پر نیاں کو اور کچھ نہیں سوچھا تو تیزی سے باہر چلی گئی۔

”ماں سے کچھ تو شرم کرتے ہیں بیٹے۔“ ممانے اسے لٹاڑا تھا، مگر وہ کہاں پر دس پانی پڑنے دیتا تھا۔

”کم ان ممان میں نے کوئی گستاخی تھوڑی ہی کی ہے، اب یہ سوال کرنا بھی میرا حق نہیں؟“ وہ الٹا خفا ہونے لگا، ممان نے ٹھنڈا سانس بھرا۔

”نہیں پتر جی آپ کو سارے حقوق حاصل ہیں۔“

”گڈ یہ کی نا آپ نے اچھی سی بات۔“ وہ دانت نکالنا ہوا ان سے لپٹ گیا تھا، پھر وہاں سے اٹھ کر کچن میں آ گیا۔

”میرے سر میں درد ہے اور وہ چائے سے ختم ہونے والا نہیں ہے۔“ پر نیاں اس کی آواز سے گھبرا کر پلٹی، پھر سرعت سے خود کو سنبھالا تھا، وہ بہت اطمینان سے چوکھٹ سے نکلا کھڑا تھا۔

”کوئی ٹیبلٹ لے لیں نا ساتھ۔“

”ٹیبلٹ سے بھی نہیں جائے گا ریل۔“

”پھر کیا چاہتے ہیں؟“ وہ کسی قدر جھلائی۔

انگلیاں پھیر میرے بالوں میں

یہ میرا درد بھاگ جائے گا

”یہ اپنی چائے سنبھالیں اور اپنے کمرے میں جائیں۔“ پر نیاں نے چائے چھان کرگ اس کی سمت بڑھاتے بے حد رڈ ٹھے پن کا مظاہرہ کیا تھا، جو معاذ کو کم از کم بالکل پسند نہیں آیا تک اس سے پکڑ کر سیلپ پر پٹخا اور اسی جارحانہ موڈ میں اسے بازوں میں دبوج کر بولا تھا۔

”تمہیں نہ سنبھال لوں اور لے جاؤں اپنے کمرے میں، سارے مسئلے ہی حل ہو جائیں گے۔“ وہ اس پہ جھک کر دھمکی آمیز انداز میں بولا تھا، لہجے کی گیسرتا، قربتوں کی سحر انگیزی کے باوجود پر نیاں کا دل

گیا، زینب ذرا سی جھکی بکے ہاتھوں میں لئے ناک کے قریب لا کر سونگھ رہی تھی، جھکنے کے باعث اس کے ریشمی بالوں کا آبشار آگے کی سمت گر رہا تھا جسے اس نے ایک ہاتھ سے نزاکت سے پیچھے کمرہ گرایا تھا پھر سیدھی ہو کر اسے دیکھنے لگی۔

”یہ بھی آپ کو ڈالے صلحہ نے بھیجا ہوگا؟“ پتہ نہیں اس کے لہجے میں اتنی کاٹ اور سرد مہری کہاں سے آن سائی تھی، گنتی حسین تھی وہ جو ہودیں کے چاند جیسا مہبوت کر دینے والا روشن چہرہ تھا، اس کا مگر وہ ہر وقت انکارے چبایا کرتی تھی، جہان نے اس کی ہر بات کے جواب میں خاموش رہنے کا خود سے عہد کیا تھا، جیسی قدم بڑھا دیئے تھے۔

”بات سنے ہے۔“ زینب نے تیزی سے پکارا تھا، جہان رک گیا تھا مگر پلٹ کر نہیں دیکھا۔

”بہت محبت کرتے ہیں نا ڈالے سے؟“ جہان نے جلتی آنکھوں سے اسے دیکھا، کیا نہ تھا اس کے چہرے پہ، رقابت کی جلن، نخوت بھری ٹخی، اپنے خدشے کی صداقت کا خوف اور انکار سننے کی ایک احتیاط سی خواہش، جہان کو جانے کیا سوچھی تھی ایسا ایسی اپنی اپنے دل کے ساتھ ساتھ اس کے دل سے بھی مخالف چلنے کا فیصلہ کر لیا۔

”ہاں بہت زیادہ، تم نے سنا نہیں میں ابھی کیا کہہ رہا تھا، مجھ سے وقت کاٹے نہیں کتنا۔“ زینب کا چہرہ ایک نکت پھیکا پڑ گیا، اتنا پھیکا کہ ایک بل کو جہان کو اپنی جذباتیت پہ تاؤ آ گیا تھا، مگر صرف ایک بل کو پھر اس نے اسے دل میں ٹھنڈک بڑی محسوس کی تھی، زینب نے لمحے کے ہزاروں حصے میں نگاہ جھکا دی تھی، مگر وہ اس کی آنکھ میں گھات لگا کر بیٹھتا ہوا تاسف عجیب سا طلال اور کچھ بہت اہم کھودینے کی ککک دیکھ چکا تھا کی سمیت۔

(میں خود تو جل رہا ہوں زینب پھر کیا حرج ہے کہ میں ان لوگوں کو بھی اسی آگ کی لپیٹ میں لے آؤں جو میری تباہی کے ذمہ دار بنے ہیں، اب میں شہا نہیں جلنا چاہتا۔)

”یہ وہی لڑکی ہے نا جس کے متعلق میں ہمیشہ آپ سے سوال کرتی رہی اور آپ مگر جانتے تھے؟“ زینب خود کو شاید سنبھال چکی تھی جیسی اگلا سوال کر دیا تھا، مگر اس کی آنکھیں اتنی ہمت نہیں رکھتی تھیں شاید کہ وہ جہان کا سامنا کر پائیں، شاید اپنی ٹکست کا احساس یا بعید کل جانے کا خوف مانع تھا۔

”اور کون ہو سکتی ہے بھلا؟ یہ سوال تو اب بے معنی نہیں ہو کر رہ گیا؟“ جہان کے جھلاتے ہوئے انداز پہ زینب پھر سے چہرے کو دھواں ہونے سے نہیں بچا سکی، جہان کو اسی بل اندازہ ہوا تھا اس کا دل ایک نرم گوشت کے ٹکڑے کی بجائے سٹلاخ پتھر میں ڈھل چکا ہے، ورنہ زینب کو اس طرح سے تڑخ کرنے دکھ میں جھلا کرنے اور فریب دینے کا تو تصور بھی محال تھا اس کے نزدیک۔

”اگر ایسی تھی تو پھر آپ کو ہر کام تھرو پر اپریٹل کرنا چاہیے تھا، آپ کو نہیں لگتا اس لڑکی کی عزت اس اقدام سے مجروح ہوئی ہے؟“ وہ تڑخ کر بولی تھی، جہان بلاوجہ مسکرانے لگا۔

”ابھی صرف نکاح ہوا، ہر کام باقاعدہ طریقے سے ہوگا، جہاں تک نکاح کا معاملہ ہے تو یہ قدم بھی میں نے اس لئے اٹھایا تھا مجھے خدشہ تھا اگر یہاں کسی نے کسی وجہ کو بنیاد بنا کر انکار کر دیا تو..... میں ڈالے کو کھونا نہیں چاہتا تھا۔“ زینب کچھ دیر سا کن نظروں سے دیکھتی رہی تھی پھر ہونٹ بھیج کر تیزی سے پلٹ کر باہر نکل گئی اور جہان وہ تو تھا ہی بل صراط پہ اس کے جاتے ہی ٹھحال سے انداز میں صوفے پہ ڈھیر

”میں نے جو کچھ دیکھا، غلطی سے، میں نے جو کچھ سنا نادانستگی میں، اللہ کے بندوں یہ کچن ہے اور یہاں ایسے سین ممنوع کوئی ہے جو مجھے میرے کمرے تک چھوڑ آئے، کہ میں اب غلطی سے بھی آنکھیں نہیں کھولنا چاہتا۔“ زیاد نے دونوں ہاتھ آنکھوں پر رکھے ہوئے تھے اور ان کی جھری سے مسکراہٹ چھلکانی نظروں سے دونوں کو دیکھتا دہائی سی دینے میں مصروف تھا، معاذ جھینپ کر تیزی سے پر نیاں کو چھوڑ کر قاصلے پہ ہوا، پر نیاں کو تو جیسے سارا خون ہی سمٹ کر چہرے پہ آ گیا تھا، تیزی سے رخ پھیر کر وہ بے بسی کے شدید احساس سمیت ہونٹ کچل کر زخمی کرتی رہی۔

”جاہل لڑکے تمہیں تمیز نہیں ہے؟ میاں بیوی کو پرائیوسی میں اس طرح نہیں گھبٹے۔“ معاذ نے شرمندہ ہونا تو سیکھا ہی نہیں تھا، الناسے لٹاڑنے کھڑا ہو گیا، زیاد کی تو آنکھیں پٹختے والی ہو گئیں۔

”میاں بیوی سوری صرف میاں کو بھی خیال کرنا چاہیے کہ کچن جیسی جگہ پہ اس قسم کے پرائیوسی مظاہرے نہ کرے۔“ زیاد نے چمک کر اس کی غلطی واضح کی۔

”تم تو بیوقوف ہو، موویز دیکھو تو پتہ چلے، آدھا رو مانس ہیرو ہیروئن کچن میں کرتے ہیں آدھا پنک اسپاٹ اور بیڈ روم میں، آئندہ کچن میں آنے سے پہلے دروازہ ضرور تاک کرنا۔“ وہ اسی ڈھٹائی سے مشورہ دے رہا تھا، زیاد بیچارہ اسے دیکھ کر رہ گیا۔

☆☆☆

لو آج میں تم سے نکاح عشق کرتا ہوں

مجھے تم سے محبت ہے، محبت ہے محبت ہے

معاذ نے شعر سنا کہ حاضرین سے داد چاہی مگر ان سب کے منہ بنے ہوئے تھے۔

”یہ کیا بد تمیزی ہے بھئی اتنا زبردست شعر ہے۔“ وہ بھنایا تھا۔

”ہمیں گانا سننا ہے، آپ ننھے منے سے شعر پہ ٹر خا رہے ہیں، ویسے بھی یہ حالتا پر نیاں بھابھی کے لئے تھا، ہمیں کیا فائدہ ہوا۔“ زیاد نے منہ لٹکا کر کہا تھا معاذ کی اتنی چھوٹ گئی۔

”گانا بھی تمہاری بھابھی صاحبہ کے لئے ہی ہوگا، تمہیں کیا فائدہ دے گا بھلا؟“

”اوہ ویری ناکس مبارک ہو بھابھی آپ کو، ڈالے بھابھی کو میں بعد میں کال کر کے مبارک دون گا کہ انہیں ان کے دیور تیمور حسن نے گانا ڈیڈیکٹ کیا ہے۔“ معاذ کے طنز یہ لہجہ و انداز یہ زیاد تلملایا تھا اور نہایت برجستگی سے بات کا رخ پلٹ کر اپنا بدلہ چکا لیا، پہلے تو معاذ کو اس کی عیاری سمجھ نہیں آئی جب سمجھ آئی تو اس نے زیاد کو اکٹھے کئی گھونٹے دے مارے تھے۔

”اب اور دکھا یہ اپنی شیلی میرا دماغ پاگل ہے تاکہ میں اپنی اتنی حسین و جمیل بیوی کو چھو کر ادھر ادھر گانے ڈیڈیکٹ کر رہا ہوں۔“ اس نے اسی دقت اندر آتی پر نیاں کو شمار ہونے والی نظروں سے دیکھ کر زیاد کی درگت بنائی تھی۔

”یار کیا بد تمیزی ہے، ماما جان ان کو دیکھ کر کہیں سے بھی لگتا ہے یہ دونوں ڈاکٹر ہوں گے؟“ جیلد بھائی نے متاسفانہ نظروں سے دونوں کو دیکھا تھا، ماما جان جواب میں کچھ کہے بغیر مسکرائی رہیں۔

”خوش ہیں میرے بچے، اللہ انہیں نظر بد سے بچائے، جہان کدھر ہے؟ اسے بھی بلا کے لاؤنا سب

کے بچ۔“ ماما جان کے کہنے پہ حسان جہان کو بلانے کے لئے چلا گیا۔

”ادھر کیوں بیٹھ رہی ہو پر نیاں، یہاں آؤنا میرے پاس۔“ معاذ نے اسے بھابھی کے ساتھ بیٹھنے دیکھ کر شہارت بھرے انداز میں ٹوکا، وہ کھسکی تھی اور سخت زدگی کے عالم میں ایک نیچی نگاہ، سب پہ ڈالی اور لمبی پلٹکیں جھکا دیں، بے خیالی کے مظاہرے وہ کرتا تھا اور سخت ہمیشہ اسے اٹھائی پڑتی تھی۔

کیا کہیں کیا ہے ان آنکھوں میں کہ رکھ دیتی ہیں

اک اچھے بھلے انسان کو دیوانہ کر کے

وہ اگر آنکھوں میں ہی رہتا تو بہت اچھا تھا

اس نے یہ بہت ظلم کیا دل میں ٹھکانہ کر کے

معاذ نے آہ بھر کے کچھ اور شعر لڑھکائے، بھابھی نے ذرا غور کیا پھر اہم نقطہ اٹھایا تھا۔

”آئی تھینک معاذ تمہیں پر نیاں کی آنکھیں کچھ زیادہ ہی پسند ہیں، سب سے زیادہ شاعری تم نے اس کی آنکھوں پہ ہی کی ہے۔“ ایک زبردست قہقہہ پڑا تھا، معاذ نے ٹھنڈا سا نس کھینچ لیا۔

”بہت خوب، جن سے میں کرتا رہا انہیں خبر نہیں اور گرد خیر مشہوری ہوگی، ویسے بانی داوے اچھی تو آپ بھی مجھے کبھی نہیں لگیں مگر اتنی بری بھی نہیں لگی تھیں جتنی آج کل..... اندازہ ہے آپ کو کہ آپ میری چیز یہ کیسی پہرہ داری کرتی ہیں، ہمیشہ اسے یوں پاس چپکائے بٹھاتی ہیں جیسے میں کھا جاؤں گا اسے۔“ وہ گلے کر کہہ رہا تھا، بھابھی نے منہ بنا کر اسے مصنوعی غصے سے گھورا پھر تکیے لہجے میں بولی تھیں۔

”تمہارا کچھ بھروسہ بھی نہیں ہے، ہماری لڑکی اتنی پیاری ہے کہ حفاظت کی اضافی ذمہ داری سرانجام دینی پڑتی ہے۔“

”یہ ساری پہرے داری دھری رہ جائے گی کسی دن اور.....“ اس نے پر نیاں کے سرخ پڑتے چہرے پہ معنی خیز نگاہ ڈال کر فقرہ ادھورا چھوڑ دیا، پر نیاں کا دل دھک سے رہ گیا، اس سے اس معنی خیزیت سے بھری گفتگو کو سننا مزید برداشت نہیں ہوا تھا، جیسی ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑی ہو گئی، معاذ نے سرعت سے اس کی کلائی تھامی تھی۔

”کہاں جا رہی ہو؟ میں گانا سنانے لگا ہوں بیٹھو۔“

”مجھے نیند آرہی ہے جانے دیں۔“ وہ بے اختیار رو دہانسی ہو گئی۔

”اسکی کی تھکی نیند کی، اب تمہاری نہیں میری مرضی چلا کرے گی، سمجھی ہو تم، بیٹھو یہاں۔“ وہ رعب دار آواز میں حکم سے بولا، پر نیاں کے چہرے پہ انڈی ناگواری کو پا کر بھابھی نے ملائمت بھرے انداز میں خود پر نیاں کو اپنے پاس بٹھالیا تھا۔

”چند منٹ کی تو بات ہے چندا، ٹھہر جاؤ پلیز۔“ پر نیاں گا موڈ آف ہو گیا تھا، مگر دانستہ خاموشی اختیار کی تھی۔

توڑی جو اس نے مجھ سے تو جوڑی رقیب سے

انٹا تو میرے یار کی بس جوڑ توڑ دیکھ

معاذ کو بھابھی کو پر نیاں سے سرگوشی میں بات کرتا دیکھ چکا تھا ٹھنڈی آہ بھر کے گویا ہوا تھا، باقی سب اس کی مسخری پہ بے ساختہ ہنسنے لگے، مگر وہ اثر لئے بنا بڑے انداز میں بولا تھا۔

جائے پر نیاں کو دیکھ کر مسکرایا تھا۔

چلوں میں تیرے پیچھے پیچھے باقی سارے بندھن توڑ دیوں
جو تیرے تک نہ جائے اس رستے کو چھوڑ دوں
ہر خواب میرا امیر میری میں تم سے جوڑ لوں
سب رشتے ناطے ہنس کے توڑ دوں
بس تجھ سے دل کا رشتہ جوڑ لوں
بڑ گئی بڑ گئی تجھ سے یہ میری زندگی
میں نے تو پائی ہے تجھ میں میری ہر خوشی
کہہ گئی کہہ گئی مجھ سے ساری خود یہ ہاتھ تیری
اکثر خیالوں میں جو تیرے سنگ کہیں
رکھوں میں لہو لہو تجھ کو اپنے سینے میں رکھوں
ہر صبح تجھ سے ملنے کی چاہت میں جگوں
اک تو ہی تو ہے ہونٹوں کی ہنسی چہرے کا نور تو
سب رشتے ناطے ہنس کے توڑ لوں
بس تجھ سے دل کا رشتہ جوڑ لوں

تالیوں کی خوبصورت تال میں اس نے گیت ختم کیا تھا، پھر پر نیاں کو دیکھا، اس کے گلرنگ
رخساروں پہ حجاب آمیز سرخی تھی، ریشمی پلکوں کا لرزنا سا یہ اسے کچھ اور بھی حسین بنا رہا تھا، وہ اسے دیکھتے
ہوئے کھونے سا لگا، زیاد نے اس کی آنکھوں کے آگے ہاتھ لہرایا تھا، تب وہ کھسیا کر سیدھا ہوا اور ایک
خمور سا سانس کھینچا۔

تیرا پیکر در احساس پہ دستک دے کر
رات کے بچھلے پہر روز جگاتا ہے مجھے
”ابھی تو آپ کو اسی پہ گزارا کرنا پڑے گا جی۔“ زیاد نے اسے چھیڑا تھا اور باقاعدہ کندھا تھپک کر
حوصلہ بڑھایا، معاذ نے مسکین قسم کی شکل بنالی تھی۔
مچلتے رتے ہیں ذہنوں میں دوسوں کی طرح
حسین لوگ بھی وبال جان ہوتے ہیں
اس نے اب کے پر نیاں کو ہی سنایا تھا پھر سرد آہ بھر کے کمرے سے نکلا تب پر نیاں کی جان میں
جان آئی تھی۔

☆☆☆

کچھ تم سے محبت ایسا تھی ہم باقیں کرنا بھول گئے
کچھ اور ہی ہم نے کہہ ڈالا جو کہنا تھا وہ بھول گئے
ہم نے تو کہا تھا لوٹ آنا پر تم لوٹ کے آنا بھول گئے
ہوئی رات فلک پر تارے تھے ہم دیا جلانا بھول گئے

ماہنامہ حسنا 179 اگست 2013

رہنمائی تو ہوتی ہیں محبتوں میں مگر

تم سے یہ کس نے کہا مجھ کو اکیلا کر دو
”کوئی ہے جو ہماری سچ کرادے؟ بے یار تو ہی سمجھا اپنی بہن کو۔“ اس کا ڈرامہ طول پکڑنے لگا
باقی سب کے ساتھ بھابھی کی بھی ہنسی نکل گئی، پر نیاں ان کو گود میں سوائے عبدالرافع کو پیار کرتی رہی،
معاذ نے پھر وہائی دینا شروع کی۔

میری بے بس میری التجا میری ضبط آہ پہ نظر تو کر
مجھے مسکرا کے نہ ٹال تو میری زندگی کا سوال ہے
”چل بس کریار، اللہ تجھے صبر دے گا۔“ جنید بھائی نے اس کا کندھا تھپکا۔
”آپ سب لوگ گواہ رہیے کہ.....“

انہیں حق دیا ہے میں نے میرے ساتھ دل لگی کا
میرے دل سے کھیلیں جب تک ان کا دل بہل نہ جائے
اس نے پر نیاں کی جانب ہاتھ کا اشارہ کر کے خاصی رنجیدگی سے کہا تھا، زیاد پھر ہنسی ہنسی کرنے لگا۔
”کچھ اور بھی سنائیں نا۔“ زیاد کو بے پناہ لطف آ رہا تھا، معاذ نے سر تسلیم خم کیا پھر اٹھ کر پر نیاں کے
نزدیک آ کر گھنٹوں کے بل جھک کر شوخی و شرارت سے گنگنایا تھا۔

کہنا ہے جناب سے
پیار سے آداب سے
دل کی آواز سے
زندگی کے ساز سے
بڑے اطمینان سے
کہوں اپنی جان سے
آئی لو یو ایمان سے

وہ بڑی فدیانہ نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا، پر نیاں کو ٹوٹ کر شرم آئی تھی، اس نے بے اختیار
ہاتھوں میں چہرہ ڈھانپ لیا، معاذ دل سے مسکرایا تھا اور کارا کڑا ہوا بڑے ٹھنڈے سے اٹھ کر واپس اپنی
جگہ پہ آیا۔

”یار! اب سنا بھی دے گا نا۔“ جنید بھائی نے اس کے سامنے باقاعدہ ہاتھ جوڑے، معاذ نے گھبراہٹ
سانس بھرا۔

”اتنا کچھ تو سنا دیا ہے۔“ وہ پھر نخرے دکھانے لگا۔

”وہ تو نے اپنی نصف بہتر کو سنایا ہے، ہم تو تب سے گانے کے انتظار میں سوکھ رہے ہیں۔“

”وہ بھی نصف بہتر کے لئے یہی ہوگا، سوچ لیں۔“

”پسند ہے ہمیں، میں تو سنا ہمیں تیری آواز اچھی لگتی ہے، تیرے نخرے نہیں ختم ہوتے۔“ جنید بھائی
کو غصہ آنا شروع ہو گیا تھا، معاذ کو ان کا موڈ بحال کرنا پڑا۔

”راحت کا ہی سنانا اوکے؟“ معاذ کو گانے کے آغاز سے پہلے جنید بھائی نے تاکید کی تھی، وہ ان کی

ماہنامہ حسنا 179 اگست 2013

میں ساحل پر بیٹھا ہی رہا تم کشتی لانا بھول گئے
اس نے سگریٹ سلگا کر گہرا کش لیا اور اپنے آگے ڈھیر سارا دھواں پھیلا لیا، فضا میں تحلیل ہونے
دھوئیں کے مرغولوں میں اک منظر ابھرنے لگا، ساتھ میں سرگوشی سے مشابہہ کچھ آوازیں۔
”بہت محبت کرتے ہیں ڈالے سے؟“ اس کے ہونٹوں کی لرزش آنکھوں کا ہر اس جہان کے دل پہ
کند چھری کا وار کر رہا تھا۔
”ہاں بہت زیادہ، تم نے سنا نہیں ابھی میں نے کیا کہا؟“ اسے اپنی سفاکی یاد آئی اور دل خون
ہونے لگا۔

کچھ اور ہی ہم نے کہہ ڈالا جو کہنا تھا وہ بھول گئے
پتہ نہیں یہ حالات کی ستم ظریفی تھی قسمت کی یا پھر خور زینب کی، جو بھی تھا جیسا بھی تھا وہ اپنے دل
سے اپنی خواہش کے سامنے دعا بازی اور غلط بیانی کر کے سرشار نہیں رہ سکتا تھا، لہذا جل رہا تھا تڑپ اور
سلگ رہا تھا، دروازہ ناک ہوا اور اگلے لمحے پیمانے اندر قدم رکھا تھا، سگریٹ اس کے ہونٹوں سے درمیان
تھا اور آنکھوں میں وحشتوں اور کرب کا بسیرا، پتا تو اسے دیکھ کر ہی ٹوٹنے لگے تھے، بولھا با تو یہاں بھی تھا
یوں غیر متوقع طور پہ انہیں سامنے پا کر۔
”چاچو آپ نے مجھے بلوایا ہوتا، خیریت ہے نا؟“ اس نے سگریٹ پھینک کر جوتے سے مسلما
اور شرمندگی و خجالت سے چوران سے نگاہیں چار کیے بنا بولا۔
”آپ نے ڈالے کو رخصتی سے منع کر کے اچھا نہیں کیا بیٹے۔“ جہان کے چہرے پہ ایک رنگ سا
کر گزر گیا، اس نے بے اختیار نظریں چرائی تھیں۔
”یہ میری خواہش تھی بیٹے میں آپ کو یوں تنہا سلگتے ہوئے نہیں دیکھ سکتا۔“
”سوری چاچو۔“ وہ بوجھل آواز میں یہی کہہ سکا۔

”اپنا خیال رکھا کرو بیٹے! اپنی ویز آپ کی خواہش مجھے ہر حال مقدم ہے مگر میں چاہتا ہوں ڈالے
شاوی سے کچھ دن قبل یہاں بلوالوں، بچی سب سے متعارف بھی ہو جائے گی اور شاوی میں شریک بھی
لیکن اگر آپ کو اعتراض نہ ہو تو.....“ جہان ان کے سوالیہ انداز کو پا کر ایک دم خفت زور ہو گیا۔
”جیسے آپ مناسب سمجھیں چاچو، مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔“ وہ گڑ بڑا کر بولا تھا، پیمانے آہستگی
سے اس کا شانہ تھپکا اور دعائیں دینے واپس چلے گئے، انہیں گئے پانچ منٹ بھی نہیں ہوئے تھے، جب
معاذ زیا و حسان سمیت باقی سب نے بھی اس کے کمرے پہ دھاوا بول دیا تھا۔
”آپ کے تو وارے نیارے ہیں جناب اسنا ہے ڈالے بھابھی بھی تقریب میں شریک ہوں گی۔“
زیاد نے مسکراتی آنکھوں میں شرارت بھر کے اس سے استفسار کیا تھا، جہان کیا کہتا گہرا سا کس بھر کے
گیا۔

”تم نے بالکل اچھا نہیں کیا شادی رکوا کر ہے۔“ معاذ خفا خفا سا بولا تھا، جہان نے محض اس کا ہاتھ
رہا دیا گویا خاموش رہنے کا اشارہ کیا تھا۔
”کون لائے گا بھابھی کو یہاں؟“ حسان بھی بے حد متعجب ہو چکا تھا۔
”لالے کو لانا چاہیے اصولاً تو۔“ زیاد کی بات پہ معاذ کو دھچکا لگا تھا۔

”کیوں مجھے کیوں، بچے کا کام ہے یہ۔“
”پرینیاں بھابھی کو جو ہر بار جہان بھائی لاتے رہے ہیں۔“ زیاد کی وضاحت پہ معاذ کا منہ بن گیا
تھا۔
”وہ تو میں یہ کام کرنا نہیں چاہتا تھا یعنی میں خفا تھا نا بچے کا تو ایسا کوئی مسئلہ ہی نہیں، کیوں ہے؟“
معاذ نے اسے سنجیدگی سے دیکھا جہان اسے دیکھ کر رہ گیا، وہ پتہ نہیں اس سے کیا سننے کا متنی تھا، اس کی
خاموشی پہ معاذ کا موڈ آف ہونے لگا۔
”جس تم لے کر آؤ گے انہیں بچے میں کہہ چکا ہوں۔“
کچھ دیر بعد جب وہ سب ہلہ گلہ مچا کر چلے گئے اور معاذ جہان کے ساتھ اکیلا رہ گیا تو معاذ نے اپنی
بات زور دے کر کہا تھا۔
”ہمیں آخر ضرورت کیا ہے اس تکلیف میں پڑنے کی معاذ جسے آنا ہو گا خود آ جائے گا۔“ وہ جھنجھلا
گیا تھا اس کی ایک رٹ سے۔
”تو تم نہیں مانو گے میری بات؟“ معاذ غصگی سے اسے گھورنے لگا۔
”بات ہو بھی تو ماننے والی نا، میں اتنا اتنا ولا نہیں ہو رہا ہوں کہ محترمہ کو خود لینے کا بیج جاؤں۔“ وہ تضر
سے بولا تھا، معاذ ٹھنڈا سا کس بھر کے اسے بے بسی سے دیکھنے لگا۔
”تم بہت ضدی ہو رہے ہو بچے!“
”یہی سمجھ لو، مگر میں کوئی فضول بات ماننے سے قاصر ہوں۔“ وہ نروٹھے پن سے کہتا وہاں سے چلا
گیا، معاذ حیران رہ گیا تھا۔

☆☆☆

لفظ ٹوٹے لب اظہار تک آتے آتے
مر گئے ہم تیرے معیار تک آتے آتے
ہم سمجھتے تھے کہ کچھ وقت لگے گا شاید
اک انکار کو اقرار تک آتے آتے
ہاتھ رکھنا پڑا سینے پہ ہمیں بھی آخر
دل کہاں رہتا ہے دلدار تک آتے آتے
اک لمحے کی مسافت بھی بڑی ہوتی ہے
ہم کو تو عمر لگی پار تک آتے آتے

اس نے کسی قدر غصے کے عالم میں اس کا راستہ روکا تھا، پرینیاں نے جڑ بڑھ کر اسے دیکھا۔
”کیوں کر رہی ہو تم میرے ساتھ اس طرح؟“ اس کی آنکھوں میں اپنی نظر اندازی پہ آگ سی
سلگ رہی تھی، پچھلے کئی دنوں سے پرینیاں نے عجیب سی روش اپنائی تھی، اس سے گریز کی روش، اگر وہ شاہ
بادس میں ہوتی تو اس کے سائے سے بھی بدکا کرتی، سب کے ساتھ بھی اس کے سامنے نہ بیٹھی، کالج میں
بھی اس سے سامنے پہ اس طرح اجنبی بن جاتی جیسے کبھی کوئی تعلق واسطہ ہی نہ رہا ہو، معاذ اس کے یوں
رنگ بدل جانے پہ زیادہ تامل رہا تھا۔

”میں بھی آپ سے پوچھ سکتی ہوں کہ آپ میرے ساتھ ایسا کیوں کر رہے ہیں؟“ وہ تڑخ کر بولی مگر معاذ کو شرارت سوجھ گئی تھی۔

”کیا کر رہا ہوں، ابھی تو میں نے کچھ کیا ہی نہیں ہے، پھر بھی الزام.....“ اس کی آنکھوں میں شوخ جذبوں کی بے باک لپک تھی، جو پر نیوں کے اندر تک جھلاہٹ بھر گئی۔

”سٹ اپ پلیز، یہ کالج ہے کم از کم اس کے تقدس کا ہی خیال کر لیں۔“ اس نے بھڑک کر ٹوکا تھا۔

معاذ نے بھیچا ہوا سانس کھینچا۔

”کالج ہو یا مدرسہ، تم ہر جگہ یہ میری بیوی ہو رہی ہوگی۔“ اس نے صاف جتکایا تھا، پر نیوں اسی حساب سے زچ ہوئی۔

”راستہ چھوڑیں میرا۔“

”تم میرے ساتھ چلو۔“ وہ ہٹ دھری سے بولا تھا۔

”میں نہیں جا رہی، آپ اپنی اصلاح کر لیں پہلے پھر میں بھی یہ گریز چھوڑ دوں گی، ہر جگہ آپ مجھے ذلیل کرانے پہل گئے ہیں۔“ وہ سرخ چہرے کے ساتھ پھنکاری، معاذ کے اعصاب کو زبردست شاک لگا تھا۔

”تمہیں اندازہ ہے پر نیوں تم کیا کہہ رہی ہو؟“ وہ اس شاک سے نکلا تو متاسف ہو کر بولا تھا۔

پر نیوں کے چہرے کے عضلات میں موجود تپتی میں پھر بھی کی نہیں آسکی۔

”بالکل اندازہ ہے بلکہ مجھے یہ بات کہنے پہ آپ نے مجبور کیا ہے، میں عاجز آگئی ہوں آپ کی ہر وقت کی شوخ حرکتوں، مذاق سے، حد ہوتی ہے کسی بات کی۔“ اسے اندازہ تک نہ ہو سکا اس کے الفاظ کس درجہ سنگینی سمیٹ لائے تھے، معاذ کے چہرے پہ ایک دم سائے لہرانے لگے۔

”میری محبت تمہیں بے زار کرتی ہے؟“ وہ خاصی تاخیر سے بولا تھا، تو لہجہ بھیچا ہوا سا تھا۔

”بات یہ نہیں ہے معاذ مگر آپ کو خیال کرنا چاہیے، سب کے سامنے ایسے مظاہرے، آکورد لگتا ہے۔“ وہ شاید خود بھی اپنے رویے کی بد صورتی سے آگاہ ہو گئی تھی، جیسی دیرینہ سے بولی مگر معاذ کے چہرے کے تاثرات جو بے حد سرد ہو چکے تھے ان میں نری آئی تا ہی تبدیلی۔

”تم سمجھتی ہو تم نے یہ جو حد بندیاں قائم کی ہیں انہوں نے تمہیں سنیٹی دے دی ہے؟“ وہ اسی سنگین و مطمئن لہجے میں بولا تھا، پر نیوں کا سارا اعتماد اور ظن اس کے رویے کی ڈھیل تک برقرار رہتا تھا، جہاں اس نے مزاج کا رنگ بدلا وہیں اس کی جان ہوا ہوئی نہیں۔

”ٹھیک ہے تم جاؤ۔“ وہ اسی برہم موڈ اور خطرناک سنجیدگی کے ساتھ بولا تھا، تشویش اور گھبراہٹ نے پر نیوں کو بے حال کر دیا، تو وہ گویا بری پھنسی تھی۔

”آ..... آپ میری بات کو سمجھ نہیں رہے ہیں معاذ..... آپ۔“

”تم جا سکتی ہو پر نیوں! اب تم سے میں تب ہی پیار جتلاؤں گا بات کروں گا جب مکمل تنہائی ہوا کرے گی، آف کورس تمہیں لوگوں کا خیال مجھ سے زیادہ ہے۔“ وہ اسی طرح خراب موڈ کے ساتھ بولا بلکہ اسے وہاں مشکور اور پریشان چھوڑ کر خود آگے بڑھ گیا، پرسوں شام کے وقت جب ماما کے کہنے پہ وہ انہیں شاپنگ کرانے کو لے جا رہا تھا، پر نیوں نے اس کا ساتھ جانے کا سن کر ہی ارادہ بدل دیا تھا، پھر وہ

سب کے اصرار کرنے پہ بھی آمادہ نہیں ہوئی تھی، تب معاذ کے تصور تک بھی نہیں تھا کہ وہ یہ سب کچھ اسی حکمت عملی کی وجہ سے کر رہی ہے، وہ جیسے جیسے سوچ رہا تھا اسی حساب سے سلگ رہا تھا جب سے پر نیوں کے ساتھ اس کی ایچ منٹ ہوئی تھی وہ قدم قدم پہ ذلیل اور ہرٹ ہوتا رہا تھا، وہ اتنا پرست تھا اور اسی لحاظ سے حساس بھی، اس کے اندر ایک جنگ سی چھڑ گئی تو بین کا جان لیوا احساس تھا جو کچھ کے لگاتا رہا تھا۔

پر نیوں اس کی زندگی میں آنے والی پہلی لڑکی تھی جو اپنی معصومیت حسن و پاکیزگی کے باعث دل کے ایوانوں پر حکمرانی کرنے لگی تھی، اس نے اس سے بہت پاکیزہ اور شفاف محبت کی تھی مگر اسی نے ہر لمحہ ہر بل اس کو ہی نہیں اس کے جذبوں کو بھی پیروں کی ٹھوکروں پہ رکھا تھا، پتھر پر بھی مسلسل پانی کی بوند گرتی رہے تو اس میں بھی سوراخ کرو تھی ہے، وہ تو پھر انسان تھی، اس پہ اس کی محبت نے اثر نہیں کیا تھا تو معاذ کے اندر اس تضحیک آمیز رویے سے کئی اور انتہائی کارروائی کا جذبہ بیدار کر دیا تھا، وہ بچپن سے ایسا ہی تھا انتہا پسند، محبت میں ٹوٹ کر چاہنے والا جان نچھاور کر دینے کو تیار، نفرت و انتقام میں توڑ دینے والا جان نکال لینے کے ورے ہو جاتا، اس کے اندر پر نیوں کی نظر اندازی اور پھر مسلسل روہونے نے انکارے چٹخا دیئے تھے، اتنی شدید کھولن تھی بے حد جلن، بس ایک ہی احساس تھا کہ اس پہ اپنی برتری اپنی اہمیت جتلاتا چاہتا تھا، کچھ دیر وہ ٹھہلا اور سگریٹ پھونکنے لگا رہا تھا پھر کمرے سے نکل کر تیز قدموں سے نیچے چلا آیا۔

”مما!“ اس نے لاؤنج میں کھڑے ہو کر پکارا تھا۔

”خیریت ہے ماما کچن میں ہیں۔“ زینب نے اسے غور سے دیکھا تھا، وہ معمول سے ہٹ کر سنجیدہ اور طول نظر آ رہا تھا، معاذ نے قدم بڑھادیئے تھے، وہ کچن میں آیا تو ماما ملازمہ اور بھابھی کے ساتھ رات کے کھانے کی تیاری میں بری طرح مصروف تھیں اس نے ملازمہ کو وہاں سے ٹرخایا پھر ماما سے دو ٹوک انداز میں مخاطب ہوا تھا۔

”ماما میں پر نیوں کی رخصتی چاہتا ہوں فوری۔“ ماما تو اس آرڈر پہ ہی ششدر ہو گئی تھیں، اس پہ اس کا چار حانہ انداز۔

”بیٹے ہو جائے گی رخصتی بھی، کام ڈاؤن۔“

”کب ہو جائے گی؟ میں نے کہا نا فوری۔“ اس کا لہجہ و انداز ہنوز تھا، بھابھی نے مسکراہٹ چھپا لی۔

”ہر بات کے کچھ قواعد و ضوابط ہوتے ہیں مائی سن! بٹ ڈونٹ وری سب کچھ آپ کے حسب نشتا ہوگا۔“ ماما نے اسے پیار سے دیکھا تھا۔

”مجھے قواعد و ضوابط سے کچھ لینا دینا نہیں ہے ماما! میرا کام کریں سب آپ۔“

”یہ کیا بات ہوئی بھلا معاذ؟ آپ آج کبیں گے ہم آج تو ہنسی کو رخصت کرانے سے رہے نا، کچھ دن ٹھہر جاؤ۔“

”آپ بس مجھے ٹرخا رہی ہیں، خیر میں سمجھتا ہوں میں نے اپنا فرض ادا کر دیا، کل کوئی مجھ سے شکایت نہ کر سکے۔“ اس کا لہجہ بغاوت اور سرکشی لئے ہوئے تھا، ماما تو حق دق رہ گئیں۔

”کیا مطلب سے بیٹے! یہ بھلا کیا بات ہوئی۔“ ماما پکارتی رہ گئیں، مگر وہ جیسے آندھی طوفان کی طرح سے آیا تھا ویسے ہی چلا بھی گیا ماما ہوتیں ہوئیں اس کے پیچھے لپکی تھیں کہ بھابھی نے نری سے انہیں تمام

لیا تھا۔

”آپ کیوں گھبرار ہی ہیں چچی جان!“

”وہ کیا کہہ گیا ہے، دیکھا آپ نے؟ اتنے غصے میں تھا کہ.....“ وہ حراساں ہونے لگیں بھابھی مسکرائی تھیں، یہ مسکراہٹ تسلی آمیز تھی۔

”پر نیاں سے کوئی نظریاتی اختلاف پیدا ہو گیا ہوگا، پتہ تو ہے کتنا جذباتی ہے، اگلے لمحے بالکل ٹھیک بھی ہو جاتا ہے، ڈونٹ وری۔“

”مگر میرا دل ڈر رہا ہے بیٹے اس کا غصہ ہمیشہ خطرناک ہوتا ہے۔“

”چلیں آپ فکر نہ کریں، میں کال کرتی ہوں معاذ کو سمجھاتی ہوں۔“ بھابھی کے رساں سے کہنے پر ممانے سر اثبات میں ہلا دیا، مگر ان کی پریشانی ہنوز قائم تھی۔

☆☆☆

”تم ہمیشہ کے لئے جاری ہو یا پری؟“ آج اس کی مایوں تھی اور ہوٹل کے کمرے میں پر نیاں کا آخری دن، شام بے حد طول ہو رہی تھی، خود پر نیاں کا بھی دل اداس سا تھا بار بار آنکھیں بھرا آئیں، شام کے ساتھ اس کا یادگار وقت گزرا تھا ہر لمحہ بے حد قیمتی تھا، کچھ کہے بغیر پر نیاں اس کے گلے لگ گئی۔

”افوہ رونے کی ضرورت نہیں ہے پری، ہم کالج میں ملتے رہیں گے نا، جب دل چاہے گا تم مجھ سے ملنے آ جانا ورنہ میں خود چلی آیا کروں گی۔“ شام اس کی آنکھیں چمکتی دیکھ چکی تھی، جیسی ڈھارس بندھانے لگی مگر پر نیاں کے آنسو پھر بھی بہنے لگے تھے۔

”کیوں رو رہی ہو یار؟ اتنا ہنڈسم وولہا مل رہا ہے بیٹھے بٹھائے، انسوخوشی مناؤ، مجھے تو ایکسٹرا دعائیں مانگنی ہیں تمہارے لئے کہ اتنی دعائیں ہیں تمہارے ساتھ۔“ شام نے زبردستی اسے خود سے الگ کیا اور اس کے آنسو اتنی محبت اور توجہ سے پونجے کہ پر نیاں کو پھر سے رونا آنے لگا۔

”تم میرے ساتھ چلو نا، شادی کے بعد آ جانا۔“ پر نیاں نے گلو کیر آواز میں کہا تھا، شام نے منہ لٹکا لیا تھا۔

”بس اب تم میرے جذبات نہ چھیڑو، اتنا دل چاہ رہا تھا میرا مگر وارڈن نے پریشن نہیں دی۔“

”معاذ سے سفارش کر لو نا، حل ہو جائے گا مسئلہ۔“ پر نیاں کے کہنے پہ شام نے اسے شرارت سے بھر پور انداز میں آنکھیں نیچا کر دیکھا۔

”معاذ.....؟ اب سر کیوں نہیں کہتی ہو؟“ پر نیاں بری طرح سے جھینپی پھر شرمیلی مسکان کے ساتھ بولی تھی۔

”اک بار کہہ دیا تھا مانتا کرتے ہیں نا اس لئے۔“

”افوہ، تم تو ابھی سے ان کے رنگ میں رنگ گئی ہو، بعد میں کیا ہوگا؟“ شام نے اسے گدگدایا تھا اور کچھ اور جھینپ گئی، جیسی اس کے لئے وارڈن کا پیغام آ گیا تھا کہ اسے کوئی ملے آیا ہے، وہ حیران سی ہو کر وال کھاک کو دیکھنے لگی۔

”اتنی جلدی آگئے جہاں بھائی؟ انہیں تو شام کو آنا تھا۔“

”جاؤ دیکھو تو کسی ہے کون۔“ شام کے کہنے پہ وہ دوپٹہ اچھی طرح پھیلا کے اوڑھتی وزینگ روم

میں آئی تو پہلے ہی مقام پہ اسے جھٹکا لگا تھا، آف واہٹ پیٹھ کوٹ میں اپنے نمایاں ہونے قدر فریش شیو اور مضبوط کسرتی وجود کے ساتھ بے حد خوبرونظر آتا سگریٹ کے کش لے رہا تھا۔

”آ..... آپ؟“ اس کی آواز لرزی گئی پلکوں پہ جانے کسی خیال سے منوں کے حساب سے بوجھ آگرا، معاذ اس کی سمت متوجہ نہیں تھا آہستگی سے رخ پھیر کے اسے دیکھا اور اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

”آپ کو میرے ساتھ چلنا ہے، چلیں گی؟“ عجیب سا انداز تھا لیا دیا اور بیگانی سے لبریز، پر نیاں کو صاف محسوس ہوا وہ پہلی ملاقات کی بات کو لے کر روڈ ہوا ہوا ہے، جیسی اس نے ازالہ کرنا چاہا تھا، ویسے بھی اب تو ساری زندگی اسی کے مزاج اور تیوروں کو دیکھ کر قدم اٹھانا تھے پھر ابھی کیا حرج تھا، اس نے اس سے اس کے آگے ہتھیار ڈالنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

”جی بہتر، آپ ویٹ کریں میں اپنا سامان لے آتی ہوں۔“ وہ آہستگی سے کہتی اگلے قدموں مڑی تھی کہ معاذ نے ٹوک دیا تھا۔

”سامان رہنے دیں بعد میں آتا رہے گا۔“

”مم..... مگر.....“ پر نیاں اسے اپنا یہاں سے ہمیشہ کے لئے جانے کا بتانا چاہا مگر پھر وجہ بھی کھولنا پڑتی وہ جھجک گئی تھی۔

”مگر کیا؟“ معاذ کی پیشانی پہ ہل آیا، پر نیاں نے آہستگی سے سر کوٹنی میں جنبش دے ڈالی تھی۔

”کچھ نہیں چلیں۔“ معاذ نے کچھ دیر اس کے چہرے کو بغور دیکھا تھا، پھر اس کے سر پہ کوئی پنگ

نفس ایمر ڈری کا بے حد اسٹائش سوٹ اس کے متناسب موی سر پہ پہ بہار دکھا رہا تھا، وہ شاید کچھ دیر پہلے نہائی تھی جبکہ نم بالوں کی کچھ ٹیس بار بار اس کے چہرے اور گردن سے لپکتی تھیں، بیروں میں پیچنگ کی نفیس سی چہل، وہ اس کے اس طرح جائزہ لینے پہ جھجک کر خود میں سمٹنے لگی تو معاذ چونکا تھا اور سگریٹ پھینک کر اسے اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کرتا ہوا آگے بڑھ گیا، پر نیاں نے چند منٹ اسے روک کر غلت میں اپنا بیگ لیا تھا، ساتھ ہی شام کو معاذ کے ساتھ جانے کا بھی بتا دیا۔

”یار یہ سرتو کچھ زیادہ ہی بے صبرے نہیں نکلے، خیر کیا کر سکتے ہیں۔“ شانے آہ بھری تھی، وہ معاذ کے ہمراہ پارکنگ تک آئی تو ہاسٹل کے کمروں کی اکثر کھڑکیاں کھل گئی تھیں، وہ جانتی تھی ہر کھڑکی کے پیچھے دو سے زیادہ آنکھیں رشک و حسد سے اسے دیکھ رہی ہوں گی، اس کے قدموں میں لڑکھڑاہٹ آنے لگی،

معاذ نے پہلے اسے بٹھایا تھا پھر خود سیٹ سنبھالی اور گاڑی اسٹارٹ کر دی، پر نیاں نے اسے کھٹکوں سے دیکھا، وہ ویسا ہی سنجیدہ اور سپاٹ چہرے لئے ڈرائیو کر رہا تھا، جانے کیوں پر نیاں اس کے موڈ سے خائف ہونے لگی، اسے یاد آیا چند دنوں قبل اس نے کہا تھا اس کی موجودگی میں وہ کسی اور سمت توجہ نہیں دے سکتا

مگر وہ اب اس کے پہلو میں تھی اور اسے شاید احساس تک نہیں تھا، معاذ کو ایک ہاتھ سے اسٹیرنگ سنبھالے دوسرے سے سگریٹ سلگاتے دیکھ کر پر نیاں نے گہرا سانس بھرا تھا اور لائٹس اس کے ہاتھ سے لے کر خود ہلکا سا دباؤ ڈال کر شعلہ بھڑکا دیا تھا اور اس کی سمت کر دیا، معاذ نے چونک کر بلکہ ٹھٹک کر اسے دیکھا، پھر ہونٹوں کے بیچ دبے سگریٹ کی وجہ سے آگے بھٹکتے ہوئے سگریٹ سلگالی۔

”بھینس۔“ ذہیر سارا دھواں اس کے منہ پہ چھوڑتے ہوئے وہ لہجہ بھر کو ہی مسکرایا تھا، پر نیاں کو تو بس مسکراہٹ کا گمان ہی ہوا تھا، اس نے عجیب سے احساس میں گھرتے لائٹس واپس ڈیش بورڈ پہ ڈال

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ہیں :-

- ✧ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✧ ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ✧ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ✧ ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور ریویو ایبل لنک
- ✧ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پر ویو ہر پوسٹ کے ساتھ
- ✧ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ✧ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریٹ
- ✧ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ✧ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ✧ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں
- ✧ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریٹ
- ✧ ایڈفری لنکس، لنکس کو میسج کمانے کے لئے شرنک نہیں کیا جاتا

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

✦ ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

✦ ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library For Pakistan

Like us on Facebook

fb.com/paksociety



twitter.com/paksociety1

دیا، معاہدہ چونک گئی تھی، یہ راستہ شاہ ہاؤس کی سمت تو نہیں جاتا تھا، اس نے معاذ کو دیکھا پھر کچھ اچھوٹ کر بولی تھی۔

”ہم کہاں جا رہے ہیں؟“

”اتق کے اس پار جہاں زمین اور آسمان آپس میں ملتے ہیں، ملاط کا مطلب سمجھتی ہیں؟ وہ بھی زمین اور آسمان کے؟“ اس کی چپ ٹوٹ گئی تھی، وہ اسے دیکھ کر ہنسوؤں کو جنبش دے کر بولا تھا، سنجیدگی البتہ برقرار تھی۔

”زمین اور آسمان کبھی نہیں ملتے۔“ پر نیاں نے جیسے بات برائے بات کہا تھا، معاذ مبہم سا مسکرایا۔

”آج مل جائیں گے، آپ اپنی آنکھوں سے دیکھیں گی۔“ اس کے لہجے میں زعم تھا عجیب سا سخت تھا، پہلی بار پر نیاں کا دل عجیب سے انداز میں دھڑکا۔

”آپ کیا کہنا چاہتے ہیں معاذ؟“ وہ کس قدر متشکر ہوئی تھی، اس کے چہرے کی رنگت بدلنے لگی۔

”ابھی پتہ چل جائے گا نیچے اتریں۔“ معاذ نے ایک جھلکے سے گاڑی روکی تھی، پر نیاں نے حیران نظروں سے باہر کے منظر کو دیکھا، جہاں کھڑکی کے پار شاعر ہونٹ کی جگمگاتی بلند عمارت موجود تھی، اس کا دل دھک دھک کرنے لگا مگر کچھ کہنا مناسب نہیں سمجھا گلاس ڈور دھکیل کر ماربل کے چکنے فرش پہ سبک قدموں سے چلتی وہ معاذ کے ریسپشن پہ آ کر تھم گئی تھی، معاذ کو کاؤنٹر سے کمرے کی چابی وصول کرتے دیکھ کر اس کا ماتھا ٹھنکا تھا، اس کا خیال تھا معاذ وہاں کھانا کھانے آیا ہو گا مگر اس نے تو کمرے کی ریزپشن کروا رکھی تھی۔

”آپ مجھے یہاں کیوں لے کر آئے ہیں اس طرح؟“ معاذ جیسے ہی اس کی سمت پلٹا وہ شیشا کر

بولی تھی، معاذ نے جواب دینے کی بجائے اس کا ہاتھ پکڑ لیا تھا، پر نیاں کو ایک دم کسی انہونی کا احساس جاگا تھا، اس نے ہاتھ چھڑانا چاہا مگر معاذ کی گرفت بے حد مضبوط تھی، پر نیاں کو ایک لمحے کے لئے لگا وہ لہرا کر گر جائے گی، مگر خیریت گزری معاذ لفت کے ذریعے اگلے چند منٹ میں اپنے مطلوبہ روم کے سامنے تھا۔

”آپ مجھے بتاتے کیوں نہیں ہیں آپ اس طرح.....“

”رخصت کرا کے لے آیا ہوں تمہیں، کچھ وقت گزار دوں گا یہاں تمہارے ساتھ، پھر تم میری منگوانی ہی نہیں بیوی بھی ہوگی۔“ دروازہ لاکڈ کر کے معاذ نے اس کا سرد ہاتھ پکڑ کر اندر کھینچ لیا تھا، پر نیاں کے

چہرے کا رنگ ایک دم سے اڑ گیا، زمین اس کے قدموں تلے سے سرکنے لگی، اس نے سراسیمہ ہو کر معاذ کے سرد تاثرات والے چہرے کو دیکھا تھا اور سرسراتی ہوئی آواز میں بولی تھی۔

”آ..... آپ مذاق کر رہے ہیں نا؟“ معاذ نے دیکھا اس کے چہرے پہ ہوائیاں اڑنے لگیں تھیں اور آنکھوں میں تیزی سے آنسو جمع ہو رہے تھے۔

”نہیں میرا مذاق کا تم سے کوئی رشتہ نہیں رہا ہے، تمہیں میرے ہر وقت کی مذاق کی عادت پسند نہیں تھی نا۔“ وہ سفاکی اور نخوت زدہ انداز میں جواب دے رہا تھا۔

☆☆☆ باقی اگلے ماہ

عجیبی جزوہ دور

امیریم

میتھسویں قسط کا خلاصہ

پیا معاذ کے ساتھ جہاں کی بھی شادی کے خواہاں ہیں مگر جہاں ہرگز آمادہ نہیں، پیا ہے خود انکار کرنے کی بجائے جہاں ڈالے کو انکار کرنے کا حکم دیتا ہے۔

گھر میں شادی کی تیاریاں ہو رہی ہیں مگر معاذ ہنوز اس منصوبے سے لاعلم ہے، البتہ پر نیاں کا سخت رویہ ضرور سے اب غصہ دلانے لگتا ہے، اسی غصے میں معاذ شادی سے دو دن پہلے جس دن پر نیاں نے ہمیشہ کے لئے ہاسٹل چھوڑ کر شاہ ہاؤس میں آنا ہے اسے لے کر ہوٹل میں آجاتا ہے، وہ پر نیاں کو یہ بتا کر سرا سمیہ کر دیتا ہے کہ وہ اسے رخصت کرالایا ہے۔

اب آپ آگے پڑھیے

چوتھیں قسط



وہ وہل کر دو قدم پیچھے ہٹی اور ڈرتے ڈرتے معاذ کو دیکھا جس کا چہرہ سیاہ اور آنکھیں بے ہوش تھیں مگر یقیناً ان کے پیچھے کوئی بہت بڑا طوفان چھپا ہوا تھا اس کے ارادے ہرگز ٹیک نہیں لگتے تھے، وہ کوئی عام انسان نہیں تھا، ہٹ دھرم، کینہ پرور، خود سر، ضدی اور خود پسند انسان تھا، وہ صرف اپنی سوا کر ہی خوش ہوا کرتا تھا اس سے کچھ بید نہیں تھا کیا کر گزرے، وہ انتہا پسند وحشی اور طاقت و مردانگی کے ذمہ میں مبتلا مغرور انسان تھا جس کی نازک انا کو وہ غلطی سے جھنجھوڑنے کی گستاخی کر چکی تھی، اس کا دماغ ماؤف ہونے لگا اسے کچھ نہیں سوچ رہی تھی وہ کیا کرے، اس کا بدن لرزنا شروع ہو چکا تھا، معاذ نے پہلے کوٹ اتارا تھا پھر ٹائی کی ماٹ ڈھیلی کرتے ہوئے انٹرکام یہ انتظامیہ سے رابطہ کر کے شاید کچھ منگوا یا تھا، پرینیاں کو اور کچھ نہ سوچی تو اندھا دھند دروازے کی سمت بھاگ کھڑی ہوئی، اس کا دوشہ اس کے پیچھے آگیا تھا، مگر وہ نہیں نہیں نہ دروازے تک پہنچ پائی معاذ نے اس سے پہلے اسے رستے میں ہی قابو کر لیا تھا۔

”کہاں جا رہی ہو؟“

”چھوڑیں مجھے۔“ وہ بری طرح مچلی تھی اس کی گرفت میں۔

”اب تم یہاں سے تب جاؤ گی جب میری مرضی ہوگی، سچی ہو تم۔“ وہ بولا نہیں غرایا تھا، پرینیاں

ایک دم رو پڑی اور روتے ہوئے اس کے آگے ہاتھ جوڑ دیئے تھے۔

”مجھے واپس لے چلیں معاذ، مجھے معاف کر دیں، میں وعدہ کرتی ہوں، آئندہ کبھی آپ کو ہرٹ

نہیں کروں گی۔“ معاذ نے غصہ چھلکاتی سرخ آنکھوں سے اسے آنسو بہاتے دیکھا تھا پھر نگوشت زدہ

انداز میں بے رحمی سے بول پڑا۔

”اب معافیاں مانگنے اور نہیں کرنے کی ضرورت نہیں ہے، مجھے تمہارے آنسو اپنے ارادوں سے باز

نہیں رکھ سکتے، مجھے وحشتوں کے سمندروں میں پھینک کر تم میری بے بسی کا تماشا دیکھتی رہیں، میرا سکون

تمہاری وجہ سے برباد ہوتا رہا، تمہیں احساس تھا، التام بھی سب کے ساتھ مل کر میرے جذبات سے کھلتی

اور میرا مضحکہ اڑاتی رہیں۔“ اس نے پرینیاں کو دھکا دے کر بیڈ پر گراتے ہوئے چیخ چلا کر کہا، اس پر ایک

دم جیسے جنونی قسم کا دورہ پڑ گیا تھا، پرینیاں کا تو دم حلق میں اٹکنے لگا، وہ فق چہرے سے اسے دیکھنے لگی، اس

کارہنگی دو پٹہ ڈھلک گیا تھا مگر اسے خیال تک نہ آیا، اس کی جان تو معاذ کے تیوروں کے آگے نکل چاری

تھی، جس کے چہرے پر پھلتے ہوئے ٹیش اور جنون آمیز غصے نے اس کا خون خشک کر دیا تھا، معاذ کی

آنکھوں کے شعلے گویا اسے جلا کر خاکستر کر دینے کے درپے ہو گئے تھے۔

”میں آپ سے پھر معافی مانگتی ہوں معاذ پلیز میرے ساتھ اس طرح مت کریں، مجھے میری

نظروں سے مت گرا میں معاذ۔“ وہ کچھ اور شدتوں سے گڑ گڑانے لگی کہ معاذ نے اس کا دوشہ پیچھ کر دوڑ

اچھال دیا تھا پرینیاں کی سراسمگی انتہاؤں کو چھوٹنے لگی۔

”میرے جیسے انسان کا کسی کو معاف کر دینا اتنا آسان نہیں ہے، وہ بھی اس صورت جبکہ تم نے ایک

بار نہیں متعدد بار میرے جذبوں کی توہین کی ہے، میری عزت نفس، انا، غیرت اور مردانگی کو اپنے غرور اور

ضد کے قدموں تلے روند رہے، میں اپنا وقار مرتبہ اور انا بھلا کر تمہارے پیچھے دیوانہ وار لپکتا رہا اور تم میری

محبت اور بے بسی کا تماشا دیکھ کر ہنستی رہیں، میں اپنی انا کو بیچ میں لائے بغیر ہر بار تمہاری غلطیوں کو درگزر

کر کے تمہاری طرف ہاتھ بڑھاتا لیکن تم ہمیشہ میری تذلیل کرتی رہیں، صرف یہی نہیں میری پوری فیملی کو

بھی اسے ساتھ ملا کر اسے اشاروں پر بچانا شروع کر دیا، تم نے بار بار میری انا اور عزت کو ٹھوک کر ماری، خود

کو ناقابلِ تخیل بنا کر پیش کرنے والی لڑکیوں کا انجام اس سے مختلف نہیں ہوتا۔“

اس کے سرخ و سفید چہرے پر خشونت و برہمی مترشح تھی بادای آنکھیں خون چھلکاتی محسوس ہو رہی تھیں، پرینیاں مسلسل سرکونی میں ہلاتی آنسو بہاتی گویا اس کے اندازوں کی تردید کرتی رہی مگر وہ کچھ سننے پر آمادہ کہاں تھا۔

”میری بات سنیں معاذ، پرسوں ہماری شادی ہے، آپ سے یہ بات چھپائی گئی تھی، مگر میں آپ کو

بتاتی ہوں پلیز پلیز مجھے چھوڑ دیں اور.....“ وہ جیسے ہی اس کے نزدیک آیا اور اس پر گرفت کرنی چاہی

پرینیاں بدک کر فاصلے پہ ہوئی تھی اور تقریباً چیختے ہوئے اسے بتایا گیا گویا اس اقدام سے روکنے کی کوشش

کی مگر معاذ یہ الٹا اثر ہوا تھا، اس کے چہرے پر یکلخت شدید طیش اور جنون آمیز غصہ پھیل گیا تھا۔

”گویا ایک بار پھر مجھے بے وقوف بنایا گیا اور آپ بھی شامل نہیں، یہ بتائیں کیا میں شکل سے آپ کو

باجل نظر آتا ہوں۔“ وہ حلق کے بل چیخا تھا، پرینیاں سہم کر متوحش نظروں سے بے قابو ہوئی دھڑکنوں اور نرم

آنکھوں سے اسے دیکھنے لگی، اس کی غیرت و حمیت پر ایک مرتبہ پھر گویا تازیانہ مارا گیا تھا، جیسی اس کا

دماغ الٹ سا گیا تھا، اس کی طبیعت کی مخصوص قسم کی انتہا پسندی اور خود کو برتر ثابت کرنے کا زور اور

خیال کچھ اور بھی شدت اختیار کر گیا، پرینیاں اس کی جنوں خیزی اور جبری جساتوں پر مرغ بھل کی طرح

سے تڑپنے اور سسکنے لگی مگر وہ جتنا احتجاج اور مزاحمت کر رہی تھی وہ اسی قدر بچھ رہا تھا، مگر اس غصیلے

جاریت سے بھرے انداز میں بھی معاذ کی توجہ محبت اور التفات کا رنگ غالب تھا، قربتوں کے سارے

احساس اور رنگ حسین تر تھے، ماحول میں محبت کا رقص تھا ایک جادو سا ہر سو پھیل رہا تھا، معاذ پہ بے خودی

طاری تھی، اس کی محبت ایک حشر اٹھارہ تھی، التفات کی تیز بارش تھی مگر پرینیاں کی جان ہر لمحہ فنا ہو رہی

تھی، وہ جیسے صحرا کی دھوپ میں ننگے سر ننگے پیر کھڑی جھلس رہی تھی، اس کی مزاحمت دم توڑنے لگی، وہ

التماس کرتے ہارسی گئی وہ کچھ سننے پر آمادہ نہیں تھا، وہ فاتحانہ مسکراہٹ سے اسے دیکھ کر مسکرایا، جیسے اس

کی ہار بے بسی اور پوکھلاہٹ سے حظ لے رہا ہو، پرینیاں نے کرب سے آنکھیں بند کر لیں اور بے تحاشا

بے حساب روٹی چلی گئی تھی، وہ واقعی ہر لحاظ سے ہار گئی تھی۔

☆☆☆

بھابھی اندر آئیں تو وہ اسی وقت ہاتھ لے کر نکلی تھی، پورا جسم شدتوں سے کپکپا رہا تھا، بھابھی تو

دیکھتے ہی تشویش کا شکار ہو گئیں، پہلے بیٹر آن کیا پھر اسے جلدی سے پکڑ کر کمر میں چھپایا۔

”کیا ہو گیا ہے پری، نہانا اتنا ضروری تھوڑی تھا، طبیعت تو تمہاری پہلے ہی ٹھیک نہیں تھی۔“ پرینیاں

نے اس بل ان سے ہی نہیں خود اپنے آپ سے بھی نظریں چرائی تھیں، چند لمحوں کے بعد وہ معاذ کے ساتھ گھر

پہنچ گئی، شاہ ہاؤس کی آرائش شروع ہو چکی تھی برتی نقسے اور پھولوں کے ساتھ گھر کا ہر کونہ سجایا جا رہا تھا،

تقریباً سبھی افراد گھر پہ جمع تھے سوائے پاپا کے اسے ایک بار پھر معاذ کے ساتھ آتے دیکھ کر ہا ہو کار مچا دی

گئی۔

”انہیں تو آج شام کو آنا تھا وہ بھی ہم سے کسی کے ساتھ، آپ کیوں لے آئے۔“ زیاد نے آنکھیں

نچا کر کہا تھا، معاذ نے ایک شوخ نگاہ پرینیاں پہ ڈالی اور بے ساختہ مسکرایا۔

”یہ ہمارا ذاتی معاملہ ہے، کیوں بری۔“ اپنی من مانی کر کے اس کا موڈ پھر سے باغ بہار قسم کا ہو گیا تھا، سرشاری اس کی ہر انداز سے چمکتی تھی، جبکہ پریناں نے رو رو کر اپنا حال خراب کر لیا تھا، معاذ اسے بہلاتے چپ کراتے جب بارنے لگا تو زچ ہو گیا تھا۔

”ٹھیک ہے رو لیں، آنکھوں کا حشر کر لیا ہے، مگر جارہی ہیں آپ یاد رہے وہاں سب آپ سے اس کی وجہ ضرور پوچھیں گے، کیا جواز دیں گی؟“

اس کی آنکھیں پھر سے آنچ دینے اور شوخ رنگ سمیٹ لائی تھیں، پریناں کے آنسوؤں میں کچھ اور روانی آئی اس نے رخ پھیرا تھا اور خود یہ قابو مانے لگی، زیاں ملال، اور پامالی کا احساس اتنا شدید تھا کہ وہ خود کو سنبھال ہی نہ پارہی تھی، وہ جتنی بھی کوشش کر لیتی اپنی سبکی اور تزلزل کے اس واقعہ کو بھلا نہیں سکتی تھی، نہ اس کی شدت کے احساس کو ختم کر سکتی تھی کہ یہ احساس تو روح کو کچھ کے لگا رہا تھا، معاذ کے سمجھانے پہ اس کا دل کچھ اور بھی خون ہوا تھا، تزلزل کوئی لباس یا پوشاک نہیں ہوتی جسے اتار کر مطمئن ہوا جاسکتا، وہ تو اندر سرایت کر جاتی ہے وجود کے کھال بن کے جسم سے چمٹ جاتی ہے، زندگی میں پہلی بار اس نے اپنی بے مائیگی کے احساس کے ساتھ دل کو خون روٹے دیکھا تھا، اسے لگا تھا اسے بہت اونٹھائی سے نیچے پھینک دیا گیا ہو، اسے اس کی اوقات بتا دی گئی ہو، پاں اسے اس کی اوقات ہی بتائی گئی تھی، معاذ نے اتنے دھڑلے کے ساتھ اپنی من مانی کی یہ اس وجہ سے تھی کہ وہ جانتا تھا پریناں کے میکے کا سہارا نہیں ہے، کوئی اس سے پوچھنے والا نہیں تھا، وہ جب سے اس کے عقد میں آئی تھی انہی کے در پہ پڑی تھی، ایسی لاوارث بے یار و مددگار لڑکی کے ساتھ تو اس سے بھی برا رو بہ روار کھا جاسکتا تھا، اس کی زندگی میں اس سے زیادہ ذلت آمیز لمحے کبھی نہیں آتے تھے جب وہ اپنی ہی نظروں میں اس بری طرح زیرہ ریزہ ہوئی ہو، تب بھی نہیں جب پہلی بار معاذ نے اسے ہنگ آمیز انداز میں ٹھکرایا تھا، اب تو اسے لگتا تھا اس کے وجود یہ سناٹا اتر آیا ہو ایسا سناٹا جو میدان جنگ کے بعد ہارے ہوئے لشکر اترتا ہے، وہ بھی تو ہار گئی تھی پامال کر دی گئی تھی، وہ احساس زیاں میں گم ساکن بیٹھی تھی، اس کی سوچوں اور احساسات پہ بھی سناٹا ہوا ٹھہر گئی تھی، معاذ کے کانڈھے سے اس کا کانڈھا زور سے ٹکرایا، جو معاذ نے خود ہی اسے مارا تھا، گویا اسے متوجہ کرنا چاہا، وہ ہڑبڑا کر جیسے گہری نیند سے جاگی اور خالی نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

”پری یہ سب پوچھ رہے ہیں ہم کہاں چلے گئے تھے، بتا دیں کہاں تھے ہم؟“ معاذ کی آنکھوں کا بہکا بہکا ہوا انداز چمکتی مسکراہٹ اس کے اندر سونی دشت کو پھر سے جگالے لگی۔

”مجھے تو لگتا ہے یہ بہت سادہ روٹی ہے، سچ بتاؤ معاذ جھگڑا کیا ہے پھر میری بیٹی کے ساتھ؟“ مہما اسی وقت وہاں پہنچی تھیں، پریناں کو ایک نظر دیکھ کر ہی ان کا دل ہول گیا تھا، اس کی آنکھیں شدت گریہ سے سو جن کا شکار تھیں، پریناں کو جانے کیا ہوا وہ ماما کے گلے لگ کر پھر سے زار و تظار روٹنا شروع ہوئی، سب کی سوالیہ نگاہیں معاذ پہ اٹھی تھیں، وہ بری طرح سے گڑبڑایا۔

”کیا ہو گیا ہے سب کو، کیوں شک کر رہے ہیں، قسم لے لیں جو جھگڑا کیا ہو، میں تو پیار ہی کرتا رہا ہوں ایمان سے۔“ پریناں نے ماما کے ساتھ گلے گلے وضاحت سنی تھی اور خود کو جل کر خاکستر ہوتا محسوس کرنے لگی۔

”میں مان ہی نہیں سکتی معاذ کہ آپ نے بیٹی کو کچھ نہ کہا ہو اور وہ اس طرح سے روئے، سچ بتا دو۔“

ورنہ میرے دل کو کچھ ہو جائے گا۔“

ماما کے واقعی ہاتھ پیر پھولنے لگنے تھے، کچھ دیر میں مہمانوں کی آمد متوقع تھی اور ہونے والی دلہن کے اس طرح رونے کا کوئی جواز نہیں بنتا تھا، ماما بھی پریناں کو سنبھالتیں کبھی معاذ کو گھور نہیں تھیں۔

جو سچ کہیں تو یارو ہم کو خبر نہیں تھی

بن جائے گا قیامت اک واقعہ ذرا سا

وہ بے بسی سے بڑبڑایا پھر بولا تھا۔

”افوہ آپ بھی ماما معمولی باتوں پہ گھبرا جاتی ہیں، میں مارکیٹ لے گیا تھا، انہیں شاپنگ کے لئے نہیں جو جیولری سیٹ پسند آیا وہ بہت مہنگا تھا، میں نے سمجھایا اتنا فورڈ نہیں کر سکتا کوئی اور لے لیں، بس اتنی سی بات کو اتنا مسئلہ بنا لیا، کہہ رہی ہیں میں نے انسلٹ کیا ہے ان کی اتنی منتیں کرتا آیا ہوں راستے بھر، یہ بھی کہا کہ وہی سیٹ لے لیں مگر مانتی ہی نہیں، آپ بتائیں اب کیا کروں۔“ وہ اتنی روانی اور دھڑے سے جھوٹ بول رہا تھا اور ایسی خوبصورتی اور حاضر جوابی سے معاملہ سنبھالا تھا کہ خود پریناں بھی حیران بلکہ بھونچکی رہ گئی، ماما نے کچھ متحیر ہو کر پریناں کو دیکھا، جس کا سر ہنوز جھکا ہوا تھا اور ہونٹوں پہ سکریاں تھیں۔

”ہاں تو اتنی سی بات کے لئے آپ کو بیٹی کو ہرٹ کرنے کی کیا ضرورت تھی معاذ! آپ اگر نہیں بھی فورڈ کر سکتے تھے تو آپ کے پیاپے سنٹ کر دیتے، خیر ابھی جائے اور میری بیٹی کو پسند کیا ہوا سیٹ لے کر آئیے۔“ ماما نے لمحوں میں مسئلہ حل کر دیا، پریناں کے اندر غضب کا احتجاج اٹھ آیا، اس کے دل میں آئی معاذ کا بھانڈا سب کے بیچ پھوڑ ڈالے مگر پھرتے سرے سے اس معاملے کی کرید ہوتی جو اسے گوارا نہیں تھی، جیسی چپ سادھ لی تھی۔

”جی بہتر جیسے آپ کا حکم!“ معاذ نے سعادت مندی کا مظاہرہ ضروری خیال کیا، ماما خود اس کے کمرے میں لے کر آئی تھیں، جہاں زینب بے وقت سو رہی تھی۔

”آپ بھی ذرا آرام کر لو بیٹے، رات کی تقریب کی طوالت کا کچھ اندازہ نہیں، آپ تھک جاؤ گی میں آپ کے کھانے کو کچھ بچھواتی ہوں۔“ ماما سے پیار کر کے واپس چلی گئی تھیں، پریناں کچھ دیر ساکن اور رنجیدہ سی بیٹھی رہی پھر واش روم میں چلی گئی تھی، موسم بدل گیا تھا، دسمبر کا آغاز تھا، گرم پانی سے غسل کے باوجود اس کا جسم کپکپاہٹ کا شکار ہو گیا تھا شاید اسے نمبر پیچ ہو گیا تھا، جیسی پورا بدن ٹوٹتا ہوا محسوس کرنے لگی تھی وہ، زینب شاید اس وقت جب وہ واش روم میں تھی اٹھ کر باہر چلی گئی تھی، پریناں کبل اڈھنے کے باوجود سردی محسوس کر رہی تھی۔

”یہ چائے پیو تم سردی کم ہوگی، عین شادی کے دنوں میں طبیعت خراب ہونا پریشان کن بات ہے، تم رکو میں معاذ کو بلا کر لاتی ہوں۔“

اس سے پہلے کہ وہ انہیں ٹوکتی بھا بھی باہر نکل گئی تھیں، پریناں اس کے سامنے لئے ہرگز تیار نہیں تھی، اس کا موڈ اتنا خراب ہوا تھا کہ ہاتھ میں پکڑا چائے کا گنگ اور سلاکس دونوں واپس رکھ دیتے، آنکھوں میں اپنی بے بسی کے خیال سے پھر سے آنسو اترنے لگے، اگلے چند منٹ میں معاذ اس کے رو بہ و تھا، پریناں اسی سے بچاؤ کی خاطر سر تک کبل اوڑھ چکی تھی۔

”پری کیا ہوا یا ر؟ بھابھی بتا رہی تھیں تمہاری طبیعت خراب ہو رہی ہے۔“ معاذ اس کے سر ہانسی کی جانب آیا تھا پھر اس کے اوپر سے کبل سرکایا، پریناں طیش بھرے انداز میں ایک جھٹکے سے اٹھی، سیاہ بالکل سیدھے رنگی بالوں کا آبشار اس جھٹکے سے لہرا کر کاندھے اور سینے پہ بکھر کر پھر سمٹ گیا، اس کے چہرے پہ جیسے آگ کی لپٹیں تھیں۔

”چلے جائیں آپ یہاں سے، میں ایک منٹ بھی آپ کو برداشت نہیں کر سکتی۔“ وہ چیخ پڑی تھی، مگر معاذ نے اس کی فحشگی کا ہرگز برا نہیں مانا، سیاہ کپڑوں میں مہکتی خفا خفا سی کپچی کپچی سی وہ بے احتیاج خوبصورت لڑکی اسے بے حد اپنی اپنی محسوس ہوئی، معاذ کی آنکھوں میں اس کے ناراض کے مظاہرے پہ شرارت اتر آئی۔

”اُف..... اُف اتنا غصہ، تہ میری جان صرف دھان پان صحت کے لئے خطرناک ثابت ہو سکتا ہے یہ غصہ۔“ اس کا موڈ ہنوز خوشگوار تھا، اپنی جیت اور سب پالنے کا نشہ اس کی آنکھوں چمک رہا تھا، مگر پریناں کی آنکھوں میں سرخی اٹھنے لگی، اس سرخی کے عقب میں مجروح ہو جانے والی ان گنت اور تڑپیں دیکھ سکی کا دھواں اٹھ رہا تھا، پریناں کو لگ رہا تھا وہ اپنی جیت اور اس کی بربادی کا تماشا دیکھنے آیا ہے۔

”چلے جائیں ورنہ میں.....“ بے بس کے احساس نے اسے مغلوب کر لیا، وہ کچھ کرنے کے قابل نہیں رہی تھی، معاذ آہستگی سے مسکرایا اور گہری نظروں سے اس کا جائزہ لیا۔

”آپ کو میرا احسان مند ہونا چاہیے، لانا خفا ہو رہی ہیں، کس خوبصورتی سے میں نے معاملہ سنبھالا، داد دیں نا مجھے۔“ اس کا لہجہ شوخ تھا، بے فکر تھا، وہ کتنی گہری نظروں سے اس کے تازہ غسل سے کھربے وجود کو دیکھ رہا تھا، کیلے بال پشت پہ بکھرے ہوئے تھے، جن کے سروں سے پانی کے شفاف قطرے اچھی بھی سوتیوں کی طرح ٹوٹ کر بکھر رہے تھے، وہ ایسے لؤجھکھتے پھول کی طرح مہکتی ہوئی دکھائی دے رہی تھی جو شب رفتہ کی تمام خوبصورتیاں سمیٹنے کے بعد اس میں نہا چکا ہو، معاذ کی شرارتی آنکھیں اس کے چہرے کو دیکھتے ہی کسی سرکش جنرے کی شدت سے مسکرا دیں۔

”بالوں کو ٹاول میں پھینٹیں، سردی اسی وجہ سے اتنی لگ رہی ہے آپ کو۔“ وہ بالکل اس کے نزدیک آ کر کھڑا ہو کر اس کا نمبر پچر چیک کر رہا تھا، اتنا نزدیک کہ اس کے قرب کی آغچ پریناں کے جواں چھلانگ لگی، اگر بھابھی کمرے میں نہ آ چکی ہوتی تو جتنا طیش اسے آ رہا تھا وہ یقیناً معاذ کو دھکیل کر خود سے پرے کر دیتی۔ مجبوری سی مجبوری تھی، اس خود سرخص کے آگے وہ خود کو انتہائی لاچار محسوس کر رہی تھی، ایک تڑپ آ کر اس کی آنکھوں میں ٹھہر گیا تھا۔

”کوئی اچھی سی دوا دینا، بخار نہ چڑھے، پریناں کی فلتیس کی سخت ضرورت ہے ہمیں۔“ بھابھی نے معاذ کو مخاطب کیا تھا، وہ آہستگی سے کھنکارا۔

”کہنے کی ضرورت ہی نہیں ہے مادام! ہم جانتے ہیں، آپ سے زیادہ ہمیں ان کی فٹ لسن کی ضرورت ہے۔“

پریناں کو خصوصیت سے دیکھ کر وہ معنی خیزی سے کہہ رہا تھا، لودیتا سرگوشیا نہ لہجہ لگا ہوں کی گستاخانہ چمک پریناں کے اندر دھواں سا چھلنے لگا، دل گرتی کا وہ عالم تھا کہ روح میں اترتی محسوس ہوتی تھی وہ بے دم سے انداز میں تکیے پہ گری گئی، معاذ میڈیکل باکس بند کر رہا تھا، اس نے ایک بار پھر اپنے ادا

کبل بھینچ لیا، ایک بار پھر آنسو تھے۔

☆☆☆

ان کے رخسار پہ ٹھہرے ہوئے آنسو توبہ ہم نے شعلوں پہ مچکتی ہوئی شبنم دیکھی

وامیٹ شلوار بلیک کرتے میں ملبوس گلے میں آگے کی جانب کر کے لٹکایا ہوا صاف جس کا رنگ سرخ تھا اور اس کی جھٹک اس کے فریش صحت مند اور بے حد خور و چہرے پہ بھی پڑتی تھی اور اسے کچھ اور بھی حسین بنا کر دکھاتی تھی چہنہ وہ بالکل تیار ہو چکا تھا، تقریب کا آغاز ابھی ہوا نہیں تھا، مگر شاہ ہاؤس کا کونہ کونہ گیندے کے پھولوں موجیے کی لڑکیوں سے سجا اور مہکا ہوا تھا، روشنیوں کی الگ بہاری اتری ہوئی تھی، وہ یہی سارے انتظامات دیکھتا پھر رہا تھا، انداز ایسا تھا گویا کوئی شہزادہ جو اپنا ریاست میں سیر پہ نکلا ہو، جہان اسے دیکھ کر مسکرایا۔

”بڑے خوش لگ رہے ہیں جناب!“

”صرف لگ نہیں رہا ہوں، میں خوش ہوں۔“ معاذ کے مسکراہٹ گہری ہو گئی تھی، وہ مزے سے اس کے فقرے کی تصحیح کر رہا تھا۔

”گند، مگر اس خوشی کی کوئی خاص وجہ؟“

”شادی سے بڑھ کر بھی کوئی وجہ ہو سکتی ہے۔“ جہان نے بے ساختہ چونک کر اسے دیکھا۔

”آئی سی، پتہ چل گیا تمہیں؟“

”تم نہ بتاتے تو کیا مجھے پتہ نہ چلتا۔“ وہ بسورا پھر جیسے کچھ یاد آنے پہ قدرے حیران ہو کر بولا تھا۔

”یہ ترالے بھابھی نظر نہیں آئیں، آئی بھی ہیں یا.....؟“

”لینے گئے ہیں چاچو۔“ جہان کے چہرے پہ ایک ایسی سنجیدگی چھا گئی تھی، معاذ نے فحشگی سے اسے دیکھا تھا۔

”یعنی حد ہو گئی، تم انہیں لینے بھی نہیں جاسکتے تھے۔“

”معاذ ضروری ہے تم اس موضوع پہ بات کر کے اپنا اچھا بھلا موڈ غارت کرو۔“ جہان نے گیسو حرم کی سنجیدگی سے کہا تو معاذ نے ہونٹ بھینچ لئے تھے۔

”یہ قانون قدرت ہے یا شاید انسانی فطرت انسان ٹھوکر کھائے بغیر سبق حاصل نہیں کر پاتا، بے

میری مثال سامنے سے تمہارے یونو جب ہم ذاتی مسرت کو احتیاجی دکھ پر ترجیح دیتے ہیں تو اکثر ہمیں خالی ہاتھ بھی رہنا پڑتا ہے مگر بعد کا تھپتھانا بھی کسی کام نہیں آتا، پہلے خالی ہاتھوں ہم ایک سبق حاصل کر چکے

ہوتے ہیں، مگر وہ سبق اسے نقصان کا ازالہ کرنے سے بہر حال قاصر رہتا ہے۔“ معاذ کا انداز ناصحانہ تھا،

جہان نے عاجزانہ نظروں سے کچھ دیر اسے دیکھا۔

”تم مجھے خود سے کپیسر کیوں کرتے ہو معاذ؟ جزوی طور پہ میرا اور تمہارا معاملہ مختلف ہے، کیا میں

جہیں بتائیں چکا ہوں؟ یا پھر تمہیں میری باتوں کا اعتبار نہیں آسکا؟“ وہ پھٹ پڑا تھا، معاذ نے گہرا سانس بھر لیا۔

”تم معاف بھی نہیں کر سکتے انہیں؟“

”تم مجھے کم ظرف کہہ سکتے ہو۔“ معاذ نے اس جواب پہ ہونٹ بھیج لئے تھے۔

☆☆☆

گویا اعزاز شاہانہ ہے امیروں جیسا
میرے اندر کا انسان ہے فقیروں جیسا
ہم نے چہرے پہ سجا رکھی ہے رونق لیکن
دل کا عالم ہے کہ ویران جزیروں جیسا
اس کے اوصاف و خصائل نے مجھے جیت لیا
میرے مریدوں میں وہ اک شخص تھا جو بیروں جیسا
اس سے پہلے بھی اسیری بھی رہائی جیسی
اب کہ آزادی میں حال ہے امیروں جیسا
اس کو گنوا کے ہیں اب تک خسارے محسوس
وہ اک شخص جو میرے ساتھ تھا بیروں جیسا

پلین کراچی ایئرپورٹ پہ ٹیک اور کرنے والا تھا، وہ جو پہلے ہی بے حد نروس تھی کچھ اور بھی پرل
ہونے لگی، جب چند دن قبل ممانے سے بتایا تھا اسے جہانگیر کے ہاں شادی کی تقریب میں شریک
ہونے کو جانا ہے وہ کتنا حیران ہوئی تھی، جب یہ حیرانی ہوئی تو اس نے صاف لفظوں میں انکار کر دیا تھا،
وہ تو ابھی تک سبکی اور بے مائیگی کے اس احساس سے باہر نہیں آسکی تھی جب جہان نے اس سے کہہ کر
شادی رکوائی تھی، دوسرے لفظوں میں اس پہ اس کی اوقات واضح کر کے رکھ دی تھی، اتنی تو ہیں اسے لگا تھا
کسی نے پورے وجود میں زہریلی سونیاں گاڑھ دی ہوں، مگر پھر اس نے خود کو کپڑے کر لیا تھا چاہے یہ کتنا
ہی جان لیوا اور اذیت انگیز عمل کیوں نہیں تھا، وہ حقیقت جان گئی تھی، اس کے بعد جہان کے کسی رویے
شاکی ہونا اس کو بہر حال زیب نہیں دیتا تھا، جہان جو کر رہا تھا اس کے خیال میں ایکشن کاری ایکشن تھا،
جس میں وہ اسے حق بجانب سمجھتی تھی، یہ سارا اس کی ماں کا جرم تھا، اسی نے اسے اتنا بہ وقعت کر کے
جہان کے قدموں میں پھینکا تھا، اب یہ جہان پہ تھا کہ وہ اسے ٹھوکروں کی زد پہ رکھتا تھا یا اٹھا کر اپنے
میں جگہ دیتا تھا اور دوسری بات محض ایک خوش نہیں تھی۔

”کیوں نہیں جاؤ گی تم؟ تمہارا دماغ ٹھیک ہے؟ میں تمہاری خاطر کیا کیا جتن کر رہی ہوں تمہیں
اندازہ نہیں اور تم ہو کہ مجھے ہر پل آنکھیں دکھائی ہو۔“ مسز آفریدی اس کے انکار کا سن کر ہی بھڑک اٹھی
تھیں اور جو منہ میں آیا بولنے لگیں، جس نے ڈالے کی تکلیف کو دو گنا کر دیا تھا۔

”کاش آپ نے یہ ذلت کے اسباب نہ کیے ہوتے میرے لئے، میں وہاں جاؤں تاکہ آپ کی
سیاہ عملی کا سارا عتاب اور کالک اپنے منہ پہ ملو لوں، بلکہ آپ مل چکی ہیں میرے منہ پہ یہ سیاہی۔“ وہ بے
ساختہ رونے لگی تھی، مسز آفریدی نے جھلا کر اسے دیکھا تھا۔

”ایک تو تمہاری یہ جو جذب باتیت اور فضول قسم کی اتنا ہے نا یہ بہت واہیات لگتی ہے مجھے، بات بات پہ
رہ کر نحوست ڈالو گی۔“ وہ پھینکارنے لگیں، ڈالے کے آنسو کچھ اور بھی شدت سے بہنے لگے، مسز آفریدی کی
کچھ دیر اسے سخت ست سنانی رہی پھر اس کو منانے اور منت سماجت کر کے راہ پہ لانے لگیں، مگر ضد مٹا

وہ بھی انہیں پہ پڑی تھی، مسز آفریدی نے اس کے اس ضد سے ہار کر نایا حربہ آزمایا تھا، انہوں نے احسان
حسن کو کال کر کے بڑے معصوم انداز میں کہا تھا۔

”ڈالے پہلی بار اکیلی سسرال آنے سے گھبرا رہی ہے، آپ اسے فون پہ ڈر اتلی دے دیجئے گا، ہو
سکتا ہے بان جائے۔“

”اکیلی کیوں؟ آپ ساتھ نہیں آ رہی ہیں کیا؟“ پپا نے حیرانی سے استفسار کیا تھا، جواب میں وہ
معنوی پن سے نہیں۔

”ارے بھائی صاحب میری مصروفیت کا آپ کو تو پتہ ہے، اتنے دن پہلے نہیں آسکتی جبکہ آپ تو
ڈالے کو باپوں پہ ہی انوائیٹ کرنا چاہ رہے ہیں نا، میں ولیمہ پہ شریک ہو جاؤں گی ڈنٹ وری۔“
”اٹس اوکے، ایز یوش، ڈالے بیٹی کو میں قائل کر لوں گا آپ مگر نہ کریں۔“ انہوں نے فون بند کیا
تھا مسز آفریدی کے ہونٹوں پہ شاطرانہ مسکراہٹ بکھرنی تھی۔

(میں نے ہارنا نہیں سیکھا ہے ڈالے ڈارنگ!) پھر اسی شام ڈالے خفا خفا ہی ان کے سامنے کھڑی
تھی۔

”آپ بھی میرے ساتھ شادی پہ چل رہی ہیں، بس میں نے کہہ دیا۔“ انہوں نے جواباً حیرانی کی
ادکاری کی پھر اسے لپٹا کر چٹا چپ پیار کرتے ہوئے بولی گئیں۔

”کل تو تم صاف انکاری تھیں کہ جاؤ گی نہیں، یہ کایا پلٹ کیسے؟ سچ بتاؤ جہانگیر نے کہا ہے نا آنے کا
تمہیں؟“ وہ بالکل بے تکلف سہیلی کی طرح سے اسے گدگدا کر بولی گئیں، ڈالے کے چہرے پہ ایک
تکلیف دہ رنگ آ کر گزر گیا۔

”ان کے چاچو کا فون آیا تھا، اتنا اصرار کر رہے تھے مجھ سے انکار نہیں ہو سکا۔“ سر جھکا کر اس نے
بے دلی اور یاسیت سے بتایا تھا۔

”ہاں وہ مجھے بھی کہہ رہے تھے، جہانگیر ہی فورس کرنا ہو گا انہیں، خیر چھوڑو تم اپنی تیاری کر لو،
بہترین شاپنگ کراؤں گی اپنی بیٹی کو، اتنے پیارے لباس کہ جنہیں پہن کر وہ شہزادی لگے گی اور جہانگیر کو
دیکھنا کیسے دیوانہ ہو جائے گا تمہارا۔“ ان کے لہجے میں صرف وثوق نہیں تھا شدت بھی تھی، ڈالے کے دل
میں کوئی کاٹنا سا پوسٹ ہو گیا مگر وہ کچھ بولی نہیں تھی، پھر مسز آفریدی نے خود شاپنگ آرکیڈ میں خوار ہو
کے اس کے لئے خریداری کی تھی جیولری کا سٹ بلوسات جوتے اور جانے کیا کچھ، پوری شاہ مہلی کے
لئے قیمتی اور بیش قیمت تحائف کا ایک الگ سے انبار تھا، جو انہوں نے لاکھوں روپیہ خرچ کر کے خرید لیا
تھا۔

”میری بیٹی کی حیثیت اور مرتبے کا ان لوگوں کو اندازہ تو ہونا چاہیے۔“

سارے تحائف ایک بڑے سوٹ کیس میں پیک کرواتے ہوئے انہوں نے کتنے زعم سے کہا تھا اور
ڈالے کا دل رواٹھا تھا، یہ سب کچھ مل ملا کے بھی اس کو اس کی کھوئی ہوئی حیثیت واپس نہیں مل سکتی تھی وہ
نظروں سے گری تھی، پہاڑ سے نہیں کہ پھر سے اٹھ جاتی، مسز آفریدی جتنی بھی بڑی بڑی باتیں کر لیتیں مگر
حقیقت اپنی جگہ قائم قائم تھی۔ یہی وجہ تھی کہ ڈالے وہاں کسی کے سامنے کی بھی ہمت خود میں نہیں پانی تھی
جہاز ٹیک اوور کر چکا تھا، اناڈیسٹ ہو رہی تھی، وہ اپنے خیالوں میں اتنی دور تک چلی گئی کہ کچھ خبر ہی نہ ہو

سکی، ایئر ہوسٹس نے شائستگی سے اس کے پاس آ کر سیٹ بیلٹ کھولنے کی استدعا کی تب اس نے چونک کر دیکھا، خوش باش مسافر اپنے مختصر سامان کے ہمراہ منزل پہ پہنچ جانے کے بعد بڑے منظم انداز میں جہاز سے باہر جا رہے تھے، وہ بھی ہڑبڑا کر اٹھی پھر کھسیا کر پہلے سیٹ بیلٹ کھولی تھی، سامان کلیئر کرانے کے بعد سے باہر آتے وہ بے حد فزوس تھی، وہ جانتی نہیں تھی ایئر پورٹ یہ اسی کا سامنا کس سے ہونے والا ہے، اس کا سیل فون اس کے بیک میں گنگنا اٹھا، اس نے چونک کر بیک سے سیل فون نکالا انجان نمبر سے کال تھی۔

”ہیلو.....؟ میں احسان حسن ہو بیٹے! آپ ابھی تک باہر نہیں آئیں۔“

”جی انکل میں بس آرہی ہوں۔“ اس نے نرمی سے کہہ کر فون بند کر دیا تھا، ڈیپارچر لاؤنج میں لوگوں کی گہما گہمی میں اسے شاندار بے حد پروقار سے پیکو ڈھونڈنے میں ہرگز دشواری نہیں ہوئی، وہ اپنا ذہانت اور دراز قامت کی بدولت بہت آسانی سے دیکھے جاسکتے تھے۔

”السلام علیکم!“ وہ بھی اسے دیکھ چکے تھے اور خود اس کے پاس چلے آئے، ڈالے نے نظریں چمکا کر سلام کیا جس کے جواب میں انہوں نے اس کا سر تھک کر بہت محبت سے اس کی خیریت پوچھی تھی، ڈالے نے آہستگی سے گردن ہلا دی، وہ اکیلے تھے، اس کی آس مندانہ نظریں جنہوں نے جہان کو بہت بے قراری سے ڈھونڈا تھا پائیت کا شکار ہو کر جھک گئی تھیں، حالات جیسے بھی ہوں، دل کی خوش فہمیوں کا ذخیرہ کبھی ختم نہیں ہوتا، پتہ نہیں کیوں یہ دل اتنا نادان ہوا کرتا ہے، اس کے ہونٹوں پہ مجروح ہی مسکان بکھر گئی۔

”سفر میں کسی قسم کی پریشانی تو نہیں ہوئی بیٹے! میں آپ کو لینے کو خود آ رہا تھا مگر سزا فریدی نے منع کر دیا کہ آپ آج آئیں گی۔“

”نہیں انکل بالکل پریشانی نہیں ہوئی۔“

وہ ان کے ساتھ ان کی شاندار سی گاڑی میں بیٹھ گئی جس کا ڈیٹر آن تھا، باہر کی نسبت یہاں ایک سکون آمیز حدت کا احساس تھا، دسمبر کے شروع میں ہی کراچی کی سردی کا یہ عالم تھا اسے حیرت ہوئی راستے بھر وہ اس سے بہت شفقت اور محبت بھرے انداز میں اس سے اس کی دلچسپی کے حوالے سے کئی پھسلکی بات چیت کرتے رہے، اس کے انکل کہنے پہ بھی انہوں نے اسے ٹوکا تھا کہ جہان انہیں چاچو کہنا ہے اسے بھی چاچو کہنا چاہیے، کئی بات ہے ڈالے کو ان کی اس اپنائیت نے امیر کیا تھا اس کی جھجک اور گریز بھی گھبراہٹ کے ساتھ دھیرے دھیرے رخصت ہو رہی تھی، اس دوران کئی بار ان کا سیل فون بجا ایک دو بار انہوں نے خود بھی کال کی تھی، رات کھل طور پہ تاریک ہو چکی تھی جب گاڑی شاہ ہاؤس کی دہلیز کی مانند کئی خوبصورت عمارت کے آگے رکی، مستعد و اچھٹ میں نے لیک کر سیاہ گیٹ وا کیا اور گاڑی سرخ بگری کی روش پر پھیلتی گول ستونوں والے پورٹیکو کی چھت تلے دیگر قیمتی گاڑیوں کے ساتھ جارکی اور ڈالے کا دل بھی رک سا گیا تھا، پتہ نہیں گھر کے دیگر کینوں کا رد عمل کیا ہوتا تھا، وہ تو اب تک معاذ اور سنا سے ہی ملی تھی، ان کا رویہ تو تسلی بخش ہی نہیں بے حد محبت بھرا تھا گھر کے دیگر افراد اللہ جانے معاذ اور سنا جیسے تھے یا پھر جہان کی طرح..... جہان کے تصور کے ساتھ ہی اس کا دل اس کے سامنے کا سوچ کر عجیب سے انداز میں دھڑکنے لگا، پاپا پہلے خود اترتے تھے پھر اس کی جانب کا دروازہ کھولا۔

”آئیے بیٹے۔“ ان کی آواز پہ اس نے اپنی ہتھیلیاں ہی نہیں پورا وجود گھبراہٹوں کے پسینوں میں ڈوبتا محسوس کیا تھا۔

”آئی تھینک یگم صاحبہ میرا کام یہاں پہ ختم ہوتا ہے آپ لوگوں کا شروع، سنبھالیں اپنی بہو کو۔“ پاپا کسی سے مخاطب ہوئے تھے، ڈالے نے ڈرتے ڈرتے نگاہ اوپر اٹھائی، گرین ڈل گولڈن بارڈر کی بے حد نفیس سازھی میں ملبوس بے حد خوبصورت خاتون اسے نظر آئیں ان کے پیچھے انہی کی ہم ایجنج دو اور خواتین اور اس کے علاوہ بے شمار لاتعداد ایک لڑکے لڑکیاں جن کے چہرے پہ شوخ مسکانیں تھیں اور آنکھوں میں شرارت کے کبھی رنگ ڈالے کی گھبراہٹ کچھ اور بڑھ گئی، وہ سب ایک ٹک اسے دیکھ رہے تھے، دلچسپی، حیرت احترام اور بری طرح متاثر کن نظروں سے اس کا استقبال ویسے ہی ہوا تھا جیسے پہلی بار گھر آنے پہ کسی بہو کا ہو سکتا ہے، پھولوں کی پیتیاں نچھاور کی گئی تھیں تمام خواتین اور لڑکیوں نے ایسے گلے لگا کر اچھے اچھے مسکس بھی دیئے تھے، اس کے باوجود ڈالے کو لگتا تھا کچھ کی گئی، وہ کی جوش کی تھی شاید ادھوری خوشی کی تھی شاید، یا پھر اس سے پہلے پہنچ جانے والی اس شہرت کی تھی جس نے اسے تنکے سے زیادہ حقیر کر دیا تھا، ڈالے کا دل لہو ہونے لگا۔

”افوہ یہ تو فاول ہے نا، اتنی پیاری نئی لوہلی دہن کو سب نے بڑے مزے سے بغیر رونمائی کے دیکھ لیا، بھابھی نکلو ان میں ان سے اپنی رونمائی فافٹ۔“ سب کے ہمراہ وہ لاؤنج میں آ کر بیٹھی تو معاذ نے گفتگو کا باقاعدہ آغاز کیا تھا۔

”کوئی فاول نہیں ہے، ابھی جہان بھائی نے انہیں دہن نہیں بنایا، پہلی رونمائی بھی وہی دیں گے پھر ہم سلائی دے دیں گے۔“ زیادہ نے اپنی رائے دی، سب ہی ہنسنے لگے، تب ہی چائے آگئی تھی چائے پہ خصوصی اہتمام تھا، اسی کے دوران ڈالے کی ملاقات پاپا جان سے کرائی گئی، انہوں نے اپنے مخصوص شناخت بھرے انداز میں اسے دعاؤں سے نوازا اور پانچ ہزار کا نوٹ دیا تھا، ڈالے کچھ گھبرا سی گئی۔

”لے لو بیٹے، آپ کو رونمائی کا تحفہ دیا ہے بھائی صاحب نے۔“ ممانے مسکراتے ہوئے کہا تب ڈالے نے قدرے کنفیوژ ہوتے نوٹ تھام لیا تھا۔

”جہان کہاں چلا گیا؟ اسے بھی تو بلا کر لاؤ۔“ ممانے کہنے پہ بھابھی نے بتایا وہ اپنے کمرے میں تیار ہونے گیا ہے۔

”اب تو پھر لمبا ویٹ کرنا پڑے گا، اتنی جلدی تیاری تھوڑی ختم ہوگی آج۔“ زیادہ نے ڈالے کو دیکھ کر ہنسنے ہوئے کہا، ڈالے کا دل دھڑک اٹھا۔

”پریشانی نہیں انھی کیا؟“ ماما جان نے حیرانی سے استفسار کیا تھا۔

”اٹھ تو گئی ہے مگر طبیعت ابھی بھی بہتر نہیں ہے اس کی، زہنہب کر رہی ہے اس کو تیار۔“ اس مرتبہ بھی بھابھی نے ہی جواب دیا تھا، معاذ فوری متوجہ ہوا۔

”آپ نے دو تو ڈھنگ سے کھلائی تھی انہیں؟“

”افوہ فکر میں نوٹس کروا ذرا منڈے کی، فی الحال وہ ہماری ذمہ داری ہے اور ہمیں تم سے زیادہ فکر ہے اس کے ٹھیک ہونے کی پھر ہی تمہارے حوالے کریں گے۔“ بھابھی نے اسے چھیڑا تھا، وہ سر کھجانے لگا۔

”اسی لئے تو فکر زیادہ ہو رہی ہے، اگر ذرا سی بھی کوئی کمی بیشی رہ گئی تو آپ نے غلام سماج کا کردار نبھانے کھڑی ہو جانا ہے.....“ وہ بھلا کب جھجکا تھا، کسی سے جنید بھائی نے ہنستے ہوئے اسے ایک دھبہ لگا دی۔

”خبردار جو میری بیوی کے خلوص پہ شبہ کیا تو۔“ اس سے پہلے کہ معاذ جواب میں کچھ کہتا جہان اپنے دھیان میں بہت غفلت میں اندر آیا تھا اور آتے ہی گویا چنڈال چوڑی کے ہتھے چڑھ گیا۔

”واؤ، کیا بات ہے آپ کی کوئی سروس کی جناب! ہم تو سمجھے تھے آپ تیاری میں گفتگوں صرف کریں گے مگر آپ نے سوچا کیا ضرورت ہے وقت برباد کرنے کی، آپ کو تو خدا نے خوب سجا سنوار کے بھیجا ہے، تو کیوں نہ موقع سے فائدہ اٹھائیں، خیر ساری پھرتیوں کا سبب جانتے ہیں ہم بھی۔“ زیادتی کھلکھلاہٹ پہ جہان جو ماسے پپا کے متعلق سوال کر رہا تھا گہرا سانس بھر کے زیادہ دیکھنے لگا۔

”کیا کہنا چاہتے ہو میں سمجھا نہیں؟“ زیادہ آنکھیں پھیلا لیں، پھر صدمے سے نکل کر چمک کر بولا تھا۔

”اتنے معصوم نہیں ہیں آپ کہ وجہ نہ سمجھیں۔“ اس نے ڈالے کی سمت اشارہ کیا جو جہان کی آمد کے ساتھ ہی نہ صرف گلابی پڑ گئی تھی بلکہ اتنا گھبرا گئی تھی کہ اپنی جگہ پہ سمٹ سی گئی تھی، جہان کی نگاہ حیرانی کے عالم میں اس کی سمت اٹھی تھی اور چند ثانیوں کو ساکن رہ گئی، اس کے خیرہ کن سراپے کو دیکھ کر وہ اپنے اندر زہر دوڑانا محسوس کرنے لگا، نگاہوں میں بے تحاشا پیش در آئی، معاذ اور زیادہ ایک ساتھ کھنکارتے تھے اس نے ناگواریت کے احساس سمیت نگاہ کا زاویہ بدل کر گہرا سانس کھینچا، ڈالے بھی اس کی نظروں کا فوکس خود پہ محسوس کر چکی تھی اور اسی پوکھلاہٹ میں اس نے اسے سلام کیا تھا، جہان نے بھیچا بھیچا سانس کھینچا پھر خود کو بری وقت سے کپوڑا کیا تھا۔

”کیسی ہیں آپ؟“ سلام کے جواب کے بعد اس نے محض اپنا اور اس کا بھرم قائم رکھنے کو اگلا فقرہ بولا تھا، یہاں موجود سب لوگ ان کے سچ چلچلتے کو نہیں جانتے تھے اور وہ اتنا انا پرست تھا کہ اپنا تماشا بنانا بھی نہیں چاہتا تھا جیسی خود پہ جبر کرنا پڑا تھا، ڈالے کو شاید اس سے اس رواداری کی بھی توقع نہیں تھی جیسی ایک لمحے میں اس کی بخشی توجہ نے اس کے رخساروں پہ سنہرا پن سا بکھیر دیا، لبوں کی تراش میں اداس سی شرمیلی مسکان بھری اور جس بل وہ حیا آمیز جھجکے ہوئے انداز میں جہان کو جواب دے رہی تھی ممانے اسے خصوصی طور پہ ٹوس کیا تھا، خوش روی یہ لڑکی جو با حیا دھمے لہجے میں بات کرتی تھی جس کی سیاہ دراز پلکیں اب تک بہت کم اوپر اٹھی تھیں اور جس کا چہرہ چاند کی طرح روشن اور شبنم کی طرح پاکیزہ تھا اپنی بے گناہی معصومیت کا خود گواہ بنا ہوا تھا گویا، انہیں پپا کی باتوں پہ یقین سا آنے لگا، یہ لڑکی واقعی اس قابل لگتی تھی کہ جہان کا نصیب ٹھہرتی، ان کا بدگمان سادل اس کی طرف سے صاف ہونے لگا، جہان کب کا پلٹ کر باہر جا چکا تھا، ساتھ میں معاذ بھی کہ اس کے کالج اور ہاسپٹل کو لیکز کی آمد شروع ہو چکی تھی، ممانہ کھڑی ہوئیں۔

”آؤ بیٹے میں آپ کو آپ کا کمرہ دکھا دوں، آرام کا تو نام نہیں ہے اب، آپ بس جلدی سے تیار ہو جاؤ رسم کا نام بس ہو رہا ہے۔“ وہ ڈالے سے مخاطب ہوئی تھیں، وہ فی الفور ان کے حکم کی تعمیل میں کھڑی ہوئی۔

”آپ رہنے دیں ممانہ! بھائی کو میں ان کے کمرے میں چھوڑ آئی ہوں، بلکہ انہیں تیار ہونے میں بھی ہیلپ کر دوں گی، آپ بیوشن سے تو تیار نہیں ہونا چاہئیں؟“ ماریہ نے آگے بڑھ کر اشتیاق آمیز نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے مسکرا کر پوچھا تھا، ڈالے کچھ جھینپ سی گئی اب وہ اسے کیا بتانی کہ بیوشن سے تو کیا وہ بھی خود بھی تیار نہ ہوئی تھی، زندگی نے اپنا ڈھب ہی ایسا رکھا تھا کہ اس قسم کے چوچلوں کی نوبت ہی نہ آسکی تھی، مگر یہ بتانے کی باتیں تھوڑی تھیں، اس نے بس ماریہ کو یہ کہہ دیا تھا کہ وہ اسی سے تیار ہو جائے گی، جس پہ ماریہ خوشی کے احساس سے پھولے نہ ساتی تھی۔

☆☆☆

”کیا ہو گیا ہے پرینا، اتنی ڈل سی کیوں ہو رہی ہو؟“

باپوں کے حوالے سے پپلا لباس پہن کر پرینا ڈریننگ سے باہر آئی تو اس کا موی نازک سراپا اس رنگ میں گویا جگمگا اٹھا تھا، وہ نظر بہک جانے کی حد تک دلقریب اور حسین لگ رہی تھی مگر انداز کی بے دلی اور یاسیت و حزن بھی ایسا تھا جو چھپاتے نہ چھپتا تھا، نینب نے بغور اس کا جائزہ لے کر ہی ٹوکا تھا، پرینا کا دل پھر سے سکھنے لگا۔

(کسے زخم لگائے ہیں آپ نے معاذ میں نہ کسی کو دکھا با رہی ہوں نہ چھپا، آپ سے مجھے اچھی توقع تھی بھی نہیں تھی مگر ایسی جارحیت کے مظاہرے کا تو گمان بھی نہیں تھا، میں تو آپ کی ملکیت تھی آپ نے تو جانے کتنے وجود اسی طرح سے فتح کیے ہوں گے۔) وہ پھر بدگمانی کے حصار میں مقید ہونے لگی تھی۔

”ڈالے کے ساتھ کوئی جھگڑا ہو گیا ہے تمہارا؟“ نینب نے پہلے اس کے بالوں کو سلجھا کر بہت پیارا سا سوال دیا تھا جو پیچھے سے جکڑ کر سارے بال سمیٹ کر آگے دائیں کا ندھے پہ ڈال دیئے تھے پھر میک اپ کٹ اٹھا کر مہارت سے اس کے چہرے پہ رنگ سجانے لگی، پرینا نے آنسو اندر گرا لئے تھے۔

”نہیں، بس طبیعت ٹھیک نہیں ہے، اتنی دیر رسم کے لئے بیٹھنا پڑے گا، سوچ کر وحشت ہو رہی ہے۔“ نینب کے اصرار پہ اس نے اپنی کیفیت پہ مصلحت کی چادر اوڑھا کر سامنے رکھا تھا، ورنہ حقیقتاً اسے رسم سے نہیں رسم کے دوران ہونے والے معاذ کے سامنے سے وحشت کا احساس دامن گیر تھا۔

”جناب ان کٹھن مراحل کو طے کرنے کے بعد ہی وصال یار نصیب ہوا کرتا ہے، میرے اتنے بھرم اور جھنسن لالہ یونہی آسانی سے آپ کو نہیں مل جائیں گے۔“

نینب اس سے پھولوں کے زیور پہنار ہی گئی، بڑے بڑے بالے جو موہیے کی مند بند کلیوں کو پرو کر مائے گئے تھے، چھوٹا سا ٹیکہ جو ایک گلاب اور اطراف میں موہیے کی کلیاں گوندھ کر بنایا گیا تھا، ہاتھوں میں گہرے گلے میں مالا، وہ لمحوں میں پھولوں سے لد گئی مگر اس کا دل اپنی پامالی کے احساس سے نمناک ہو رہا تھا۔

(تمہیں کیا پتہ زنی تمہارا بھائی کتنا سستا ثابت ہوا ہے، اس نے اپنی اصلیت مجھ پہ آشکار کرنے کی کتنی غفلت دکھائی کہ دل میں جو ڈری سہی اس کی محبت تھی وہ بھی اپنی موت آپ مر گئی۔)

”نیبے جناب! آپ تیار ہیں۔“ نینب نے اس کا بے حد خوبصورت کا مدانی دوپٹہ اسے اوڑھا کر پیش کرنے کہا تھا، پھر اس کا ہاتھ پکڑ کر رخ آگئے کا جانب پھیر دیا۔

”ذرا دیکھو، اتنی سی آرائش کے بعد ہی کتنی پیاری لگ رہی ہو، اللہ تو بے ہوش ہو جائیں گے۔“
دیکھ کر۔ ”وہ اسے چھیڑ رہی تھی، پر نیاں نے نگاہ بھر کے بھی اپنے جھلمل کرتے روپ کو نہیں دیکھا اور گرجا
جھکائے رکھی۔

”یہ تیمور صاحب ابھی تک تشریف نہیں لائے، میں پتہ تو کروں۔“ زینب کو اسی بل نیا خیال آ رہا تھا۔
وہ خود بلیک جھلملاتی ساڑھی میں تیار ہو چکی تھی اور چہرا گویا چاند کو شمار ہاتھا، لمبے سیدھے بال جو کئی وقت
پہلے گر رہے تھے، وہ اپنا سیل فون ڈھونڈ رہی تھی جب بھابھی ورواڑہ کھول کر ڈالے کی معیت میں اندر
آئیں۔

”پری ہو گئی تیار؟ میں نے سوچا ڈالے سے ملو ادوں۔“ بھابھی نے مسکراتے ہوئے کہا تھا، زینب
کے ہاتھ اس زاویے پہ ساکن ہو گئے خود سیدھی ہونے سے قبل اس نے ڈھلک کر آگے گرتے پالوں کو
بہت نزاکت سے پیچھے گرایا تھا پھر پلٹ کر دیکھا تھا اور اسے اپنی نگاہیں خیرہ ہوتی ہوئی محسوس ہوتی تھیں
یوں جیسے جھلمل جھلمل ڈھیر ساری روشنیوں پہ آنکھیں ٹھہر گئی ہوں، ڈیپ گرین بے حد اسٹائش ہائٹ سٹائل
شرٹ جس کے گلے پہ بہت خیرہ کن کام بنا ہوا تھا اس نے پہن رکھی تھی جس سے جھانکنے اس کے دو دھیا
بازوں کی ملائمت بنا چھوتے بھی نگاہ کو محسوس ہوئی تھی، میک اپ کے نام پہ ہلکی سی لپ اسٹیک اور پلشر
کا سچ لے حد سلکی سیدھے بال بھی جکڑ کر سلور نازک سے کچر میں قید کر دیئے گئے تھے، جو اس کے نازک
وجود کی ہلکی سی بھی جنبش پہ بھی ریشم کے لہجے کی طرح بکھر بکھر کر پھر سمٹ جاتے تھے، یہ نہیں وہ واقعہ آتی
حسین تھی یا لگ رہی تھی، وہ واقعی اس قابل لگتی تھی کہ جہاں اس کے لئے اتنا کچھ کر لیتا، زینب نے اندر
عجب سی سنگن اور رقابت بکھرتی چلی گئی جب وہ آئی تھی اسے بھی پتہ چلا تھا مگر وہ دانستہ اسے نہیں بل
اسے ڈالے سے ملنے کا قطعی شوق نہیں تھا، مگر اب..... اس نے سلگتی آنکھوں میں چٹکاریاں بھرتے ڈالے
کو دیکھا جسے بھابھی پر نیاں سے متعارف کر رہی تھیں تینوں کے چہروں پہ مسکان تھی، اس نے دیکھا
نہیں کس بات پہ ڈالے کے دھلے کھڑے چہرے کی شادابی میں ہلکی سی سرخی شامل ہو گئی تھی، جس نے
اس کے نرم نقوش میں چاندنی سی بکھیر دی، اس کو دیکھتے زینب کی آنکھوں میں ہی نہیں دل میں بھی شے
لپکنے لگے۔

”اور یہ زینب ہے، معاذ کی بہن، شادی ہو چکی ہے اس کی چند ماہ قبل۔“ بھابھی اب ڈالے کو لے
اس کے پاس آ گئیں۔

”السلام علیکم!“ ڈالے نے خوشدنی اور پر خلوص مسکراہٹ کے ساتھ اپنا نازک سا دو دھیا سفید ہاتھ
اس کی جانب مصافحے کر بڑھایا، اس کا اعتماد بہت حد تک بحال ہو چکا تھا، تو وجہ شاہ ہاؤس کے کینوں کی
محبت اور اہمیت ہی تھی۔

”وعلیکم السلام! میں تیمور کو کال کر رہی ہوں، شاید سنکل پرابلم ہے آواز کلیئر نہیں آ رہی
اکیس کیو زی۔“ زینب نے چوتھے ہوئے ٹھٹی ٹھٹی سانس بھری تھی پھر بے حد سرسری انداز میں ڈالے کے
سلام کا جواب دیا تھا اس کا مصافحے کو بڑھایا ہاتھ وہ بہت خوبصورتی سے نظر انداز کر چکی تھی، اس کے
اعصاب شدید تناؤ کا شکار تھے، پتہ نہیں یہ وضاحت اس نے کسی کو دی تھی اور ایک جینکے سے آگے بڑھ کر
ڈالے کا اعتماد پارہ پارہ ہوا تھا لفظ بھر کو زینب کے خشک سر روئے پہ اس کا چہرہ بالکل پھیکا پڑ گیا، زینب کی

آنکھوں میں موجود سرد مہری اور بے زاری اس نے واضح طور پہ محسوس کی تھی اور گھبراہٹ کے ساتھ
انظراب کا بھی شکار ہو گئی، دل گرجا کا احساس اس کی رگوں میں دوڑتے خون کو منجمد کرنے لگا، بھابھی
کے ساتھ پر نیاں نے بھی زینب کے رویے کی بدتمیزی کو محسوس کیا تھا جیسی فوری طور پہ ڈالے کا دھیان
ادھر ادھر بنانے میں مصروف ہو گئی تھیں۔

”بھابھی سب مہمان آچکے ہیں سو دی میکر بھی، ماما کہہ رہی ہیں پری بھابھی کو رسم کے لئے لے کر آ
جائیں۔“ ماریہ اور حور یہ پیغام لے آئی تھیں، دونوں نے لہنگے پہنے ہوئے تھے اور بالکل پریاں لگ رہی
تھیں۔

”اوکے گڑیا تم دیکھنا عبدالرافح تمہارے بھائی کو تنگ تو نہیں کر رہا؟“ بھابھی نے پر نیاں کو اٹھنے کا
اشارہ کرتے ہوئے ماریہ کو کام سے لگایا وہ دونوں اٹھے قدموں واپس بھاگ گئیں۔

”ڈالے گڑیا آؤ تا میرے ساتھ بڑی کو باہر لے کر چلو۔“ بھابھی نے اسے کم صم کھڑے پا کر محبت
سے پکارا تھا، وہ زور سے چونکی اور پھر کچھ گھبراہٹ اور پریشان بے بوئی تھی۔
”جی میں.....“ بھابھی اس کی گھبراہٹ محسوس کر کے نہیں۔

”ہاں بھئی آپ ہی خاندان کی بہوؤں کا ہی یہ کام ہوتا ہے، بڑی میں پھر آپ کا ہی نمبر آتا ہے،
بھلے ابھی آپ کی رخصتی نہیں ہوئی۔“ انہوں نے اسی شفقت سے خاصی تفصیل سے جواب دیا، تو ڈالے
کچھ جھجک کر آگے بڑھی تھی، پھر وہ دونوں جس وقت پر نیاں کو تھام کر باہر آئیں تو سو دی کیمروں کی چکا
چاند نے انہیں اپنے حصار میں لے لیا تھا، کتنی بے شمار تو صنی لگا ہوں کا یکنکت وہ مرکز بن گئی تھیں،
پر نیاں کا شرارہ بار بار اس کے پیروں میں الجھتا تھا جسے ڈالے نے ذرا سا جھک کر تھوڑا سا ادھر پر کواٹھا دیا،
ایسا کرنے سے جہاں پر نیاں کے مہندی کے نقش و نگار سے سجے سنہرے چپلوں میں مقید گداز پیر نما یاں
ہو کر جھگانے لگے وہاں ڈالے کے بے انتہا گھنیرے اور سیدھے بال اس خم پہ ڈھلگ کر آگے کی سمت گر
گئے تھے اور کیمروں کی آنکھ کو ایک خوبصورت عکس مل گیا تھا، اسٹج کے آگے ماما موجود تھیں، انہوں نے
باری باری تینوں بہوؤں کو گلے لگا کر پیار کیا اور دعاؤں سے نوازا تھا، پر نیاں کو انہوں نے خصوصی اہمیت
سے نوازا اور کتنی دیر تک خود سے الگ نہیں کیا تو پر نیاں کا گداز ہوا ہوا دل پانی بن کر بہنے لگا۔

”اب کیسی طبیعت ہے بیٹا۔“ پر نیاں سے جواب میں کچھ نہیں بولا گیا بس سر کو اثبات میں ہلانے پہ
اکٹھا کیا، اسے یقین تھا اگر وہ بوئی تو آنسو نہیں رک پائیں گے۔

”ماشا اللہ اتنی پیاری لگ رہی ہو، خدا نظر بد سے بچائے۔“ انہوں نے پھر ساتھ لگا کر اسے چوما تھا
پھر بھابھی کو اسے اوپر لے جانے کا اشارہ کیا، اس کے بعد رسم کی ادائیگی ہونے لگی تھی تب خفا خفا سما عاز
بھاگا آیا تھا۔

”میرے بغیر آپ نے آخر رسم شروع کیسے کر دی؟“ پر نیاں کے مقابل بیٹھتے ہوئے اس نے بے
حد کڑے انداز میں استفسار کیا۔

”اس لئے کہ یہ رسم آپ کے بغیر بھی ہو سکتی تھی بڑی آسانی سے۔“ بھابھی کے انداز میں شرارت
آ رہی تھی، وہ بہت نفاست سے پر نیاں کو انہیں لگا کر شکلن کی مٹھائی کھلا رہی تھیں۔

”میرے بغیر ان کا کوئی کام نہیں ہو سکتا، یہ بات آپ ہمیشہ کے لئے نوٹ کر لیں اوکے۔“ وہ کہاں

کم تھا سخت سے بولا تھا بھابھی جواب میں ہنستے ہوئے اٹھ گئی تھیں۔

”چلو ڈالے اب تم رسم کرو، پھر نوریہ کی باری آئے گی، بد تمیز صبح سے غائب ہے ابھی ایک بج گیا۔ دیکھی ہے کان کھینچتی ہوں اس کے۔“ بزرگ خواتین رسم کی چکی تھیں، ڈالے کو ان کاموں کے متعلق نہ آگاہی تھی نہ ہی کوئی تجربہ وہ قدرے نروس ہو رہی تھی۔

”ارے رے بھابھی رکیں ایک منٹ ٹھہریں ذرا۔“ معاذ نے اسے بے اختیار ٹوکا وہ جواب میں پریشان کو لگانے لگی تھی شپٹا کر سوالیہ انداز میں معاذ کو دیکھنے لگی مگر وہ اس کی بجائے جہان کو بلا رہا تھا جو سانسے ہی جنید بھائی اور پاپا جان کے ساتھ کھڑا بات چیت میں مصروف تھا، معاذ کے اشاروں کو اس نے انگوڑ کر دیا تھا، ڈالے نے معاذ کے تعاقب میں نگاہ اٹھائی، سرسئی کھدکے کرتے اور سفید شلوار میں بلبوس ہواہ سے چپلوں میں وہ اس عام سے حلیے میں بھی اپنے وجود کی سحر انگیزی اور غضب کی دراز قامت کے باعث پورے ماحول پہ چھایا ہوا لگ رہا تھا، اس کی شخصیت میں بلاشبہ انوکھی کشش اور سحر انگیزی تھی، جس سے شاید وہ خود بھی آگاہ تھا جی تو اس کے انداز و مزاج میں ایسی بے نیازی اور شہانہ پن سما گیا تھا، ڈالے نے جہان کے گریز کو صاف محسوس کیا یقیناً وہ اس کی وجہ سے اوپر آنے سے کتر رہا تھا مگر معاذ کے آگے زیادہ اس کی چلی نہیں تھی، اسے آنا پڑا تھا۔

”بیٹھو ادھر لوگ تم دونوں کو اکٹھا دیکھنا چاہتے ہیں بار۔“ معاذ نے اسے دھکیل کر ڈالے کے متعلق بٹھا دیا تھا، ڈالے پہ اس کی تربتوں میں آتے ہی بتدریج گھبراہٹ حملہ کرنے لگی، بڑی مشکوک سے اس نے پر نیوں کی رسم ادا کی تھی، معاذ کے شوخ فقروں کے باعث اس کے ہاتھوں میں لرزش درآئی تھی رسم ادا کر کے وہ تیزی سے نیچے بھاگی تھی، جہان اس سے پہلے ہی رے سے تڑا کر جا چکا تھا۔

”اب طبیعت کیسی ہے؟“ جیسے ہی انہیں اس سچ پہ ذرا تہائی میسر آئی معاذ جی جان سے اس کی حسی متوجہ ہوا تھا، پر نیوں کے حلق میں کڑواہٹ گھلنے لگی، اس نے جواب دینا بھی گوارا نہیں کیا۔

”بہت پیاری لگ رہی ہو یا مگر ان لوگوں کو کیا ضرورت تھی تمہیں دلہن بنانے کی، دلہن تو میں نے تمہیں دوپہر کو ہی بنا دیا تھا۔“ وہ معنی خیز انداز میں اپنی بے باکی کے اظہار کا حوالہ دے کر نہیں رہا تھا، پر نیوں کی ادھیڑی ہوئی حساس احساسات پہ اس کے الفاظ نے گویا شتر زنی کا کام انجام دیا تھا، تلفظ اور ذلت و سبکی کا احساس اس کی پور پور کو نیلا کر گیا، ایسی رسوائی، ایسی ذلت اسے اندر تک شکستہ کر گئی تھی، ایک بار پھر اس کا جی چاہا تھا وہ یا تو معاذ کو قتل کر دے یا پھر خودکشی کر لے، معاذ کا یہ فقرہ اسے سراسر انا منہکھ اڑاتا محسوس ہوا تھا جی ضبط کھو کر وہ بے ساختہ سسک پڑی، سرعت سے بکھرتے شفاف موتیوں جیسے آنسو اس کے گود میں دھرے ہاتھوں کو بھگو گئے، معاذ تو بری طرح سے شپٹایا تھا۔

”انہوہ پری کیا ہوا؟ میری بات بری لگی؟ سوری یار میں مذاق کر رہا تھا، چپ تو کرو، دیکھو سب ادھر ہی متوجہ ہیں۔“

وہ واقعی ہی بوکھلا گیا تھا، جیسی جھک کر خود اس کے آنسو چھنے لگا، پر نیوں نے نہایت خضر بھرے انداز میں اس کا ہاتھ جھٹک دیا تھا، معاذ نے چونک کر اسے دیکھا، اس کا شفاف مگر یہ سوز رعتا تئوں سے بھرا چہرہ اور آنکھوں میں مچلتا سوز معاذ کی نگاہ کی گرفت میں آ کر اسے لہو بھر کو عجیب سے احساس سے دوچار کر گیا، پر نیوں کی آنکھوں کے زیریں کناروں پر ابھی بھی سرخی ٹھہری ہوئی تھی، جو اس کی شدت گریہ کی گواہی دے

”ابھی تک تھا ہوا؟“ معاذ نے اسے پیاری بھری نظروں سے دیکھا، پر نیوں نے اس مرتبہ بھی جواب نہیں دیا، ہونٹ بھینچے بار بار بھیگی آنکھوں کو نشو سے رگڑتی رہی، اس سے قبل کہ وہ کچھ اور ایکشن لینا بھابھی نوریہ کو تقریباً کھینچتی ہوئیں اور بلائی تھیں۔

”ابھی پرسوں دلہن بنو گی تم، وہ تمہی آدمی ادھوری اور پردہ ابھی سے کرنا شروع کر دیا، چلو بیٹھو یہاں اور اپنے جھٹائی سے ذرا بے تکلفی پیدا کرو، ساری عمر ساتھ گزارنی ہے۔“ بھابھی مذاق میں نوریہ کو رکید رہی تھیں یہ جانے بنا کہ اس کا دل اس لوک جھونک میں کیسے خار دار جھاڑی پہ گر جانے والے وجود کی طرح سے زخمی ہوا جا رہا ہے، معاذ نے گہرا سانس بھر کے ترچھی نگاہوں سے پر نیوں کو دیکھا تھا جو ایک بار پھر خود کو سنبھالنے کی کوشش میں مصروف تھی مگر اس کی شفاف کشادہ آنکھوں میں ہنوز آنسو تیر رہے تھے، معاذ بے بسی بے چارگی سے اسے دیکھ کر رہ گیا، رسم کی ادا سنگی کرنے والوں کی ایک لمبی لائن بھی وہ وہاں سے اٹھ گیا تھا، پھر دو گھنٹے بعد جب مہمان کھانا کھا چکے ان سب نے نئے سرے سے محفل ہال کمرے میں جمائی تو معاذ اس کیفیت کے حصار سے کب کا نکل بھی آیا تھا اور اسی خوش باش انداز میں چپکتا پھر رہا تھا، جبکہ اس کے برعکس پر نیوں نہ صرف تھکی ہوئی لگ رہی تھی بلکہ اداس بھی اور بار بار روٹی بھی، رونے کو اس کے پاس اہم جواز تھا، زندگی کے اس اہم مقام پہ اس کے میکے سے کوئی ایک بھی رشتہ اس کے پاس نہیں تھا، سب اس کی اس محرومی سے آگاہ تھے کوئی اس نئی تازہ محرومی کو نہیں جانتا تھا جو اسے کچھ کے لگا رہی تھی، اس نے دو تین بار بھابھی اور زینب سے کہا بھی تھا کہ اسے کمرے میں چھوڑ آئیں مگر انہوں نے پیار سے ٹال دیا تھا کہ ابھی تو محفل کا رنگ جتنا تھا، وہ سب لوگ ڈھولک بجا کر گیت گار رہی تھیں۔

”تمہارے بغیر ہم تو گزار کر لیں گے مگر معاذ کے لئے محفل سونی ہو جائے گی۔“ بھابھی نے اسے چھیڑا تھا اور معاذ نے ان کی بھر پور تائید کی تھی، پر نیوں کے زخموں کے ٹانگے ادھڑنے لگتے تھے اسے ہنستے دیکھ کر اندر بھڑکتی آگ کچھ اور دکھتی محسوس ہونے لگتی۔

”چھوڑیں یہ ڈھولک، میں آپ کو اپنی شادی کی خوشی میں گانا سنانا ہوں۔“ معاذ کے کہنے پہ زیادہ سے اسے دھر لیا تھا۔

”دیکھیں ذرا ان سے خوشی اور جذبات سنبھالے نہیں جا رہے، پہلے ہم سے غنٹیں کرا کے سنایا کرتے تھے اب خود آفر ہو رہی ہے۔“ معاذ نے زیادہ کی اس بات پہ مسکرائی نظروں سے پر نیوں کو دیکھا تھا، پھر اس دیا۔

”ہاں یہ سب کسی کی محبت کی حشر انگیزیاں ہیں، میں واقعی اپنے جذبات پہنچانا چاہتا ہوں، لہذا اب آپ ہمہ تن گوش ہو جائیے۔“ وہ باقاعدہ گلا کھنکارنے لگا، باقی سب مسکرا کر خنجر نظروں سے اسے دیکھ رہے تھے اور وہ بس پر نیوں کو اس کے دیکھنے کے انداز میں شرارت بھی تھی محبت بھی شوخی بھی تھی معنی خیزی بھی پر نیوں کو اپنے چہرے پہ الاؤ دیکھتے محسوس ہونے لگے اور فشار خون بلند ہوتا ہوا، جبکہ اس کی آواز کا جادو ہر سوتام تر زد و معیت اور معنی خیریت سے بکھرنے لگا۔

جانم دیکھ لو مٹ گئی دوریاں
میں یہاں ہوں یہاں ہوں یہاں ہوں
کیسی سرحدیں کیسی مجبوریاں

میں یہاں ہوں یہاں ہوں یہاں ہوں
اس کی پریشانی آپ کو کبھی بیٹے لکھوں کی تمام تر شوخی اور دلکشی کا عکس سمیٹ کر کچھ اور بھی گستاخ ہے
ادب اور ہنسی ہنسی لگ رہی تھی، پر نیاں کا سارا وجود جیسے بھڑبھڑاتے لگا۔

میں ہی میں اب تمہارے خیالوں میں ہوں
میں جوابوں میں ہوں میں سوالوں میں ہوں
دیکھتی ہو مجھے دیکھتی ہو جہاں
میں یہاں ہوں یہاں ہوں یہاں ہوں

پر نیاں کو صاف لگا تھا وہ اسے نظروں ہی نظروں میں اپنی ساری شوخ جساتوں کو جٹکا اور باور کر رہا
ہے اس کا ضبط ایک دم سے چٹک گیا، وہ یکدم اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ ماحول پہ چھایا طلسم اس کی اس طرح
اٹھنے سے بکھر سا گیا، سب اس کی سمت متوجہ ہو گئے تھے اور تو اور محاذ بھی گانا چھوڑ کر اسے دیکھنے لگا۔

”کیا ہوا پرئی؟ طبیعت زیادہ خراب ہو رہی ہے؟“ بھابھی نے اٹھ کر اسے نرمی سے تھاما تھا، پھر اس
کا متغیر چہرہ دیکھ کر استفسار کیا، وہ روکھی سی ہو گئی۔

”جی..... میرا دل گھبرا رہا ہے، پلیز مجھے یہاں سے لے جائیں بھابھی۔“ وہ ان سے لگ کر سسٹک
اٹھی تھی بھابھی نے اسے بے ساختہ خود سے لپٹا لیا۔

”چلو چلتے ہیں، ریلیکس سوئی!“ ان کے ساتھ ساتھ زینب نے بھی اسے سہارا دیا تھا اور کمرے
سے نکال لائیں۔

”بھابھی میری ضرورت ہوئی تو بتائیے گا، پرئی بی بی تو نارمل ہے تمہارا؟“ محاذ پریشان سا ان کے
چہرے آیا تھا، پر نیاں کے دل کو پتہ سے لگے ہوئے تھے، اس کی آواز سن کر اس نے کرب سے آنکھیں بند
کر لیں۔

”لالے آئی تھینک یہ تھک گئی ہے، آرام کرے گی تو بہتر ہو جائے گی طبیعت، آپ پریشان نہ
ہوں۔“ زینب نے محاذ کی تشویش کو دیکھتے ہوئے تسلی دینی ضروری سمجھی، محاذ نے محض گردن ہلائی تھی اور
پریشان کن نظروں سے پر نیاں کو دیکھتا جیسے مارے بندھے واپسی کو پلٹا تھا۔

☆☆☆

بہت خود پہ جبر کر کے
محبت کا سفر کر کے

اسے پانے کی چاہت میں مٹا کر ہر خوشی اپنی
بس اتنا جان پائے ہیں

محبت مر نہیں سکتی
محبت مار دیتی ہے

اگلا دن بہت زیادہ مصروفیت اور گہما گہمی لے کر طلوع ہوا تھا، ماما بے حد مصروف تھیں مگر پھر بھی اس
کا خصوصیت سے خیال کر رہی تھیں، کھانے پینے سے لے کر چھوٹی سے چھوٹی ضرورت تک، ناشتہ اس
نے اپنے کمرے میں ہی کیا تھا، پھر ماریہ اور حور یہ وغیرہ کی تلاش میں کمرے سے نکلی تھی کہ لڑکیوں میں

انہی کے ساتھ اس کی کچھ بے تکلفی ہو پائی تھی مگر شفاف راہداری کے اختتام پہ اس کا سامنا اچانک زینب
بے ہو گیا تھا، وہ سیل فون ہاتھ میں لے کر بار بار کسی کا نمبر ڈائل کرتی بے حد جھٹلاتی ہوئی نظر آتی تھی، آف
وائٹ پھولوں والا گلابی پیروں تک آتا ہوا لبادہ اور پشت پہ سیدھے گرتے ہوئے ریشمی بال جنہیں
چہرے پہ ڈھلک جانے سے بچانے کو وہ بار بار ریشمی لٹوں کو کانٹوں کے پیچھے اڑتی تھی اور وہ پھسل کر پھر
اس کی گردن اور گالوں کو وارنٹی سے چومنے لگتیں، وہ رات سے یکسر مختلف حلیے میں تھی مگر ویسی ہی فریش
تر، تازہ اور صبح تو خیر کی طرح اجلی اور روشن روشن، ڈالے کو لگا وہ شاہ ہاؤس میں موجود لڑکیوں میں شاید
سب سے زیادہ حسین تھی، اس کی محویت تب ٹوٹی جب زینب کی نگاہ اس پر پڑی جو اگلے ہی لمحے تپش اور
ناگواری و برہمی سمیٹ لائی تھی۔

”تو تم ہو ڈالے آفریدی جس نے جے کو اپنے حسن کے جال میں پھانس کر تہذیب تک بھلا دی۔“
کچھ دیر اسے اپنی نظروں سے جسم کرتے رہنے اور اچھی طرح سے نروس کرنے کے بعد وہ ڈالے کے
پاس رک کر سرد و تند آواز میں بولی تھی، الفاظ ایسے تھے کہ ڈالے کا رنگ فق ہو کر رہ گیا۔
”جی.....!“ وہ سخت ہراساں ہو کر ٹکڑا کر اسے دیکھنے لگی۔

”مجھے دیکھو، غور سے دیکھو، کیا تمہیں لگتا ہے تم مجھ سے زیادہ خوبصورت ہو؟“ ایک تو اس کے الفاظ
اور پھر سے انداز کی تلخی و درشتی ڈالے کا اعتماد لچکوں میں ہوا ہوا تھا، وہ خشک ہوتے گئے اور گھبراہٹ کی نظروں سے
منظر ہی اسے دیکھے گی۔

”آ..... آپ کیا کہہ رہی ہیں، مجھے قطعی سمجھ نہیں آرہی۔“ وہ جیسے روہانسی ہو گئی تھی، کچھ بعید نہیں تھا
کہ وہ زینب کے اس انداز پہ گھبرا کر روئی پڑتی کہ جہان کی مداخلت پہ دونوں ہی چونک کر متوجہ ہوئی
تھیں، بلیک سوٹ میں آف وائیٹ مروانہ شمال لپیٹے سفید مر جیسے پیروں میں بلیک چہل پہننے وہ کسی
منہبوط اور بلند چٹان کی طرح کچھ فاصلے پہ ایستادہ تھا، اس کے چہرے کے ہر نقش میں گہیر جسم کی سنجیدگی
تھی، ڈالے کے دل کو اس بل اسے روہرو پا کے عجیب سے تحفظ اور ڈھارس کا احساس ہوا تھا۔

”ڈالے آپ اپنے کمرے میں جائیے۔“ وہ اسے ایک نظر دیکھ کر نارمل انداز میں بولا، اس ایک
سادہ سی نظر میں کچھ بھی نہیں تھا مگر ڈالے کو جیسے اپنا آپ معتبر ہونا محسوس ہوا، کچھ کہے بغیر وہ اگلے قدموں
پلٹ کر وہاں سے چلی گئی تھی۔

”بہت خیال ہے اس کا؟ گویا اس کی پہرے داری پہ لگے ہوئے ہیں۔“ زینب کو جہان کا یہ
استحقاق اور احساس وہ بھی ڈالے کے لئے ایک آنکھ نہیں بھایا تھا، اسے جتنی ناگواری محسوس ہوئی تھی اس
حساب سے ترخ کر بولی تھی، ایک بے نام سی کیفیت تھی جو چہن بن کر اسے چہرہ رہی تھی، وہ جس نے
ہمیشہ اسے دیکھا تھا، اس کو اہمیت دی تھی اس کی اور سمت متوجہ بھی ہوتا تو زینب سے برداشت کرنا وہ بھر
ہور ہا تھا، جہان نے تھکا ہوا اور بھینچا بھینچا سانس بھر کے زینب کے قہر سا ماں تاثرات سے بچے چہرے کو
دیکھا تھا۔

”آپ سمجھتی ہیں زینب کہ آپ کو ڈالے سے یہ سوال کرنا چاہیے؟ اگر کرنا چاہیے تھا تو کس لحاظ
سے؟“ جہان کے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کچھ ایسا تو ضرور تھا جو کوڑا بن کر زینب کو لگا تھا۔
”ہر انسان کی اگیوں کا بہت قیمتی سرمایہ ہونی چاہیے، یہ میں محض ایک بات کہہ رہا ہوں، آگے آپ

خود سمجھ دار ہیں۔“ اپنی بات کہہ کر وہ مضبوط قدموں سے آگے بڑھ گیا، جبکہ زینب سن اعصاب کے ساتھ ساکن کھڑی اپنے وجود کو جلتا محسوس کرتی رہی۔

(یہ کیسی حماقت کر دی میں نے، کیا سمجھتا ہو گا وہ کہ میں اس کی بیوی سے جیلس ہوں، میں کیوں ہوں گی جیلس میں نے خود ٹھوک ماری تھی اسے اونہہ۔)

وہ اپنے خودی کے زعم اور تکبر میں غمر بھرے انداز میں سوچتی رہی تھی پھر بھی اس کا دماغ منگ رہا تھا، وہ کل سے تیور سے رابطہ کرنے کی کوشش میں مصروف تھی پتہ نہیں وہ کیوں نہیں پہنچتا تھا اور یہاں وہ سب کے سوالوں کے جواب دیتی عاجز ہو رہی تھی، اس نے جھنجھلا کر پھر تیور کا نمبر پیش کیا اس بار نہ صرف رابطہ بحال ہو گیا بلکہ اس کی کال بھی ریسو کر لی گئی۔

”ہاں زینب بولو؟“ اس نے تیور کی سوئی سوئی آواز سنی تھی اور جھلائی گئی تھی۔
 ”کیا بولوں؟ آپ پہنچے کیوں نہیں ہیں ابھی تک، اوپر سے سیل بھی آف۔“ وہ مشتعل سی ہو کر بولی جلی گئی تھی۔

”یہ کون سا طریقہ ہے بات کرنے کا؟ تمہیں ابھی تک یہ سمجھ نہیں آسکی کہ تم تیور خان کی بیوی ہو اور تیور کی بیوی کو کس طرح سے اس سے بات کرنی چاہیے؟“ وہ بھڑک کر پھنکارا تھا اور اس کے لئے لینے شروع کر دیئے تھے، تیور کے لہجے کے کروفر اور طنطنے نے اسے لہجہ بھر میں جتلا دیا کہ وہ اس سے ہر لحاظ سے کمتر ہے، یہ کتری اسے وہ اپنے ہر عمل سے باور بھی کرا چکا تھا، اس کے لہجے سے جو تحارت نفرت اور تضحیک کے ساتھ بے زاری پھکی تھی اس نے زینب کو منجمد کر دیا تھا، تو جین کے احساس سے وہ جتنا بھی سٹکی مگر خود پہ ضبط ضروری تھا، ضبط اور جبر کیا ہوتے ہیں تیور سے شادی کے بعد ہی تو وہ جان پائی تھی مگر مزاج چونکہ اپنا بھی شعلہ صفت تھا جیسی اکثر اپنی حیثیت بھول کر اس سے الجھ جاتی تھی پھر عزت افزائی کے بعد پھر سے اپنے مقام پہ لوٹ جانی بالکل ایسا ہی اب بھی ہوا تھا، تیور کا شمار بھی انہی مردوں میں ہوتا ہے جو رشتے کو اہمیت دینے بغیر عورت کو بس پیر کی جوتی سے زیادہ گردانے پہ آمادہ نہیں ہوتے، وہ تیور کا کوئی اور عکس اور رنگ تھا جس پہ زینب نے اپنا سب کچھ اس پہ وار دیا تھا مگر سب کچھ ہار کے پچھتاوا ہی پچھتاوا تھا اس کے پاس۔

”یہاں شادی ہے تیور اور سب آپ کا پوچھ رہے ہیں، آپ نے وعدہ بھی کیا تھا نا مجھ سے کہ آئیں گے یہاں۔“ اس کا سارا نخوت مصلحت اور نری کے پردے میں ملخوب ہو گیا تھا، اب اس کا لہجہ کسب مختلف تھا دیا جیسا تیور کی خواہش تھی، دھیما کس قدر دبا ہوا اور التجا آمیز، وہ بدل گئی تھی کچھ بہت اہم کون کر اندر سے مر گئی تھی۔

”آ جاؤں گا، کل پرسوں، یہاں میں فارغ تھوڑی بیٹھا ہوں، اتنی بڑی ذمہ داریاں ہیں مجھ پہ، آخر ہونے والا سردار ہوں، اپنی ٹیلی کو سمجھاؤ کہ نہیں آسکتا میں۔“ وہ نخوت و بے نیازی سے بولا تھا، زینب کی جان ہوا ہونے لگی، اس نے تو یہاں سب سے کہا تھا وہ ضرور آئے گا اب بھلا نہ آنے پہ یہ یہی کیسے برداشت کرتی۔

”پلیز تیور میری خاطر آ جائیں بھلے اک رات کے لئے، آئیں گے نا۔“ وہ منت پر اترا آئی جریہ ایسی کچھ منتوں کے بعد تیور نے آنے کا وعدہ کیا وہ بھی کل اس نے سکھ کا سانس بھرا تھا، اتنا بھی کافی تھا۔

اگر سمجھوتہ کرنا ہو تو اور وہ سمجھوتہ کر رہی تھی۔

☆☆☆

مہندی کی تقریب کے لئے اس کا بلڈ ریڈ بے حد یونیک سی فرائک تھی، جو اس کے پیروں تک آتی تھی، گھیرا اتنا تھا کہ جب وہ چلتی تو اس کا دامن پیچھے تک زمین پہ جھاڑ دیتا سرکتا آتا تھا کانوں میں اس نے زرقون کی جیوری پہنی تھی ویسا ہی گلوبند تھا جو اس کی صراحی دار راج ہنس جیسی گردن سے لپٹ کر شعاعیں بکھیرتا اس کی دودھیا گردن کو بے حد نمایاں کر رہا تھا، ایک بڑے سے ٹنگ کا ٹیکہ جس کے ساتھ موتیوں کی لڑی تھی جسے بڑی احتیاط سے ماریہ نے اس کی مانگ پہ رکھ کر پیوں سے سیٹ کر دیا تھا، حالانکہ وہ یہ ٹیکہ نہیں لگانا چاہتی تھی، اسے اتنا سنجے سنور نے سے شرم محسوس ہوتی تھی، مگر ماریہ نے اس کی چلنے کہاں دی تھی اور ٹیکہ اس کی صبح اجلی پیشانی پہ سجا کر ہی دم لیا تھا، ہلکا پھلکا میک اپ اور پشت پہ گرتے لمبے سیدھے بال پیروں میں کھسے، اس پہ ایسا روپ آیا تھا کہ خود وہ بھی اپنے آپ کو آئینے میں دیکھ کر گنگ رہ گئی تھی۔

”آئیں ذرا میرے ساتھ باہر۔“ ماریہ نے اسے سراہتی نظروں سے دیکھا تھا پھر اس کا ہاتھ پکڑ کر کینچنی باہر لے آئی، ڈالے اس کی کارستانی خاک نہ سمجھ پائی اور ماریہ نے لا کر اسے لابی میں کھڑے ٹیلی فون سیٹ کار ریور کان سے لگائے کوئی نمبر ڈائل کرتے جہاں کے سامنے لا کھڑا کیا تھا۔

”دیکھتے جہاں بھائی میں نے آپ کی دلہن کو کتنا اچھا تیار کیا ہے، کیا انعام دیں گے بھلا مجھے؟“ جہاں کی ساری توجہ اپنے کام کی طرف تھی، چونک کر متوجہ ہوا، جہاں وہ اس کے شعاعیں بکھیرتے پر حجاب چہرے پہ نگاہ ڈالتے ہی مبہوت ہوا تھا وہاں ڈالے اسی لحاظ سے کنفیوژڈ اور چھپتی تھی، وہ حسین بھی بلاشبہ مگر اس سچ دریغ نے تو گویا اس کے حسن کو دو آتشہ کر دیا تھا اور حسن کی زبان بھی ایک کرشمہ دکھائی ہے، اپنا آپ سنوائی ہے، جہاں بھول گیا تھا کہ اس کے جذبات ڈالے کے لئے کیسے تھے، وہ تو بس اس کے جکڑ لینے والے سراپے اور حیا آمیز شرمیلیں چہرے پہ کئی مسکان کو دیکھ کر گنگ رہ گیا تھا۔

”آپ کو بھی پیاری لگیں نا؟ چلیں اب میرا انعام نکالیں۔“ ماریہ کی محسوم کھکتی ہنسی جہاں کو ہوش کی دنیا میں لے کر آئی تھی، اس نے بے اختیار اپنے چہرے پہ ہاتھ پھیر کر جیسے خود کو اس سحر سے آزاد کرانے کی کوشش کی اور خود کو جھڑکا تھا، اس کے چہرے کے زاویوں میں پہلے بتاؤ آیا پھر نا گواری، اس نے کڑی نظروں سے ڈالے کو دیکھا تھا، ان نظروں میں کس درجہ ملامت اور کئی تھی ڈالے کو محض ایک پل لگا تھا سمجھنے میں، اس کے گلابی شرمیلے گھبراہٹ زدہ چہرے پہ لہجوں میں سرا سیمکی اور دھواں بکھرتا چلا گیا، ماریہ کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ آہستگی سے نکالتی وہ لڑکھڑاتے قدموں سے پلٹ گئی، ماریہ کو اس سے شاید یہ توجہ نہیں تھی، وہ اسے آوازیں دیتی اس کے پیچھے دوڑی تھی، جہاں نے نا گواری سے انداز میں سر جھٹکا۔

(تم نے بہت گھانٹے کا سودا کیا ہے ڈالے آفریدی، میرا دل تو ایک گھنٹا تاریک اور بیست ناک جنگل ہے اس کی بھول بھلیوں سے نکلنے کا بھی کوئی راستہ نہیں ملتا، تم یہاں آنا چاہتی ہو، اول تو تمہیں یہاں داخلے کی اجازت نہیں، اگر کبھی کسی معجزے نے تمہیں اندر آ بھی لینے دیا تو یاد رکھنا، یہاں برسات نہیں ہوتی یہاں کسی آس کے جتنو کا بسیرا بھی نہیں ہے، یہاں صرف کانٹے اور سگریزے ہیں، جو لوہا لہان کر دیں گے تمہیں اور اب تو میں بھی یہی چاہتا ہوں کہ ہر نئی تکلیف بنا کر ب ایجاد کروں تمہارے لئے میں نہ

تمہاری پذیرائی کروں گا، نہ تمہیں واپس لوٹنے دوں گا، یہ ہی تمہاری سزا ہے، یہی تمہارا بھگتان ہوگا۔
نفرت اس کی پور پور کو نیلا کر رہی تھی۔

☆☆☆

یہ سارا دن بھی اس نے سوتے جاگتے روتے سکتے ہی گزارا تھا، معاذ کئی بار اسے دیکھنے آیا مگر وہ اس کے سامنے سے نہپتے کو ہی سوتی بن گئی تھی، وہ اس کی شکل بھی دیکھنا نہیں چاہتی تھی، اس کے دل میں یہ خیال پختہ ہو گیا تھا کہ معاذ نے محض اسے نچا دکھانے کو ہی اس کے ساتھ یہ سلوک کیا تھا اور وہ بکھر بکھر کر یہ سوال بار بار خود سے کرتی تھی، وہ کیا ایک بار بار جانے والا انسان بار بار ہارتا ہی رہتا ہے۔

”کیا پھر کوئی محبت اس کا نصیب نہیں بن سکتی۔“ اس کی پلکیں بار بار نم ہوئی تھیں، معاذ نے اسے زیر کر لیا تھا، اپنی من مانی کر لی تھی، اس کے جذبات و احساسات کو بری طرح مجروح کر کے وہ چاہتا تھا پھر سب ویسا ہو جائے، وہ کیوں ایسا کرتی وہ کیوں اسے بار بار اپنے جذبات سے کھینچنے کا موقع دیتی، وہ اپنے اندر لگی آگ کو معاذ کے وجود کا حصہ بنا دینا چاہتی تھی، شاید تب اسے کچھ سکون آ جاتا، مہندی کی تقریب بے حد شاندار تھی، معاذ نے بلیک شہروانی پہنی تھی، جو اس کے دراز قد اور غضب کے شاندار سراپے پر بہت چمکی تھی، وہ کل کی طرح آج بھی چاک و چوبند بے حد فریش اور گمن نظر آتا تھا بات بات پر تھپتھپتے پھیرتا ہوا محفل کی جان بنا ہوا تھا، اس کی شخصیت بڑی جاندار اور مسرور کن اور مغلوب کر لینے والی تھی اس کی شخصیت سب سے خاص چیز اس کا بھر پور اعتماد تھا، جو اس پر اٹھنے والی ہر نگاہ کو پسندیدگی اور ستائش عطا کرتا تھا، کہ یہ اسی کی شادی کی تقریب تھی اس کے باوجود اچھی خاصی طرح دار لڑکیاں اس پر فدا ہوئی جا رہی تھیں، پر نیاں کا خیال تھا اسی چیز نے اس کا دماغ ساتویں آسمان پہ پہنچا دیا تھا، وہ خود کو کوئی اونچی چیز سمجھنے لگا تھا۔ ان کی جوڑی کو بے حد سراہا جا رہا تھا، آج کی تقریب میں پر نیاں کا لباس جوڑی پا جائے اور انارکلی فرانس کا تھا، جس کا گھیرا اتنا زیادہ تھا کہ دونوں سائیدوں سے دو لڑکیاں اٹھاتی تھیں، تب وہ قدم اٹھا سکتی تھی، سلور کلر کا یہ انتہائی دیدہ زیب لباس تھا جس پر سلور جھلملاتا ہوا کام بنا ہوا تھا، سلور ہی جیولری تھی، وہ اس لباس میں پھولوں کے گہنے پہنے اتنے منفرد اور پیاری لگ رہی تھی گویا چمکیلی پری ہو یا پھر کوئی ایسپروہ ریم کے دوران بھی اس کی خاموشی اور حزن میں کمی نہیں آئی، معاذ تو اس کا یہ روپ سروپ دیکھ کر ہی سچ محنتوں میں دل تھام کر رہ گیا تھا، فوٹو سیشن کے دوران پر نیاں کی اصل بے بسی اور ضبط کی آزمائش ہوئی تھی، معاذ نے اتنے خوبصورت اور انوکھے پوز بنوائے تھے اسے ساتھ کہ وہ عاجز ہو گئی تھی اس کی قربت سے اور شوخی کے مظاہروں پہ نالاں ہی مگر کچھ کہنے سے قاصر بھی کہ سب وہاں ہی موجود تھے فوٹو سیشن کے بعد معاذ نے اپنی پسند کا گیت چلا دیا اور بار بار روائنڈ کر کے سننے لگا، اس کی شوخ بولتی نظروں کا مرکز پر نیاں ہی تھی، اس نے جب چھٹی بار بھی گانا لگایا تو اتنی سرمستی اور سرشاری کی کیفیت میں تھا کہ زیادہ کے ہاتھ پکڑ کر کھینچنے پہ اس کے ساتھ مل کر بھنگڑا ڈالنے لگا تھا پر نیاں کے ساتھ باقی سب بھی حیران رہ گئے، باقی شرارتیں ایک طرف مگر وہ کبھی بھی یوں ناچتا نہیں تھا، مگر جب اس کے قدم اٹھے تو ایک عجب بے خودی چھائی ہوئی تھی اس پہ، اس نے ثابت کیا وہ باقی سب کاموں کی طرح اس کام میں بھی لاجواب ہے، اس کا بھنگڑا اور راحت فتح علی خاں کی آواز نے ایک سماں باندھ دیا سب پلکیں جھپکائے بنا اسے دیکھنے لگے۔

کوئی بولے صحرا ہے کوئی مانے دریا ہے
کیسا کیسا ہے کیسا ہے عشق
کوئی سونے ساتھ لے لے رہے
کوئی مائی سا بولے رہے
کوئی بولے کہ چاندی کا ہے چھرا
ہوتا ایسے یہ موقع یہ روکا جائے نہ روکے سے
اچھا ہوتا ہے ہوتا ہے یہ برا
کیسا عشق ہے عجب سا رنگ ہے

اس کے قدم میوزک کی سر تال کے ساتھ اٹھتے تھے، تمام تر نفرت اور بے زاری کے باوجود پر نیاں کو اعتراف کرنا پڑا تھا کہ اس نے اس سے قبل کسی کو ناپتے ہوئے اتنا اچھا لگتے کبھی نہیں دیکھا تھا، ذاتی طور پہ اسے بھنگڑا ڈالنے اور رقص وغیرہ بالکل پسند نہیں تھا نہ اسے ناپتے ہوئے لوگ کبھی اچھے لگے تھے پھر یہ نہیں معاذ کی مرتبہ اس کا یہ خیال کیسے غلط ثابت ہو گیا تھا یا وہ اتنا شاندار تھا اتنا پاور فل تھا کہ اس کو خیال بدلنے پہ مجبور کر دیا تھا۔

حسان بھاگم بھاگ اپنا ہنڈی کیم لے آیا تھا اور ان یادگار لمحات کو قلم بند کرنے لگا، ماما اور ماما جان یوں فدا ہوئیں کہ اس پہ ٹوٹوں کو نچھاور کرنے لگیں، باقی سب تالیاں بجا کر گویا اس کو داد دے رہے تھے اور پر نیاں وہ بس خالی دل خالی ذہن اور خالی نظروں سے اس کی بے تحاشا خوشی ملاحظہ کر رہی تھی۔

نہیاں، لاگے تو لاگے بنا ڈوری یا دھاگے
بندھتے ہیں دو نہیاں خواب سے
نہ اتا ہو نہ پتہ ہو کہ اے نینوں میں کوئی آہے
اس کا اس ہے نہ اس کا ہے جانے کتنا کا ہے کس کا ہے
کیسی بھاسا میں بھاسا میں ہے لکھا
کیا یہ عشق ہے عجب سا رنگ ہے

کانا ختم ہوا تو تالیوں سے ہال گونج اٹھا تھا، وہ پسینوں میں نہ پایا ہوا دھب سے پر نیاں کے پاس آ کر گرا اور گہرے گہرے سانس بھرتے ہوئے اسے دیکھ کر مسکرایا پھر شوخی سے بولا تھا۔
”آج کتنی ہی حسین لڑکیوں نے اپنے دل نذرانے کے طور پہ مجھ پہ نچھاور کر دیئے، ان میں آپ کا بھی دل تھا نا؟“ پر نیاں نے اس بات کے جواب میں ایک نفرت زدہ پھنکارنی نگاہ اس پہ ڈالی تھی اور منہ پھیر لیا تھا۔

☆☆☆

اس کا عروسی جوڑا بلڈ ریڈ کلر کا تھا جس پہ ایسا جھلملاتا ہوا کام تھا کہ نگاہ اس کی جھلملاہٹ اور چمک دک کے آگے خیرہ ہوئی جاتی تھی، یہ جوڑا معاذ کی پسند کا تھا اور سب کو بے حد پسند آیا تھا، مگر جب وہ پر نیاں کے اعلیٰ نازک بدن پہ سجا تب اس کی قیمت سچ معنوں میں ٹھکانے لگی تھی، چونی کا دامن کام سے لڑھکھل تھا جس کی آستین آدمی سے بھی کم تھی، گلے کا گہراؤ بہت زیادہ گہرا تھا، اس پہ بیوشین نے اس کے

منع کرنے کے باوجود سارا دوپٹہ پیچھے سیٹ کیا تھا، طلائی میچنگ جیولری اور دونوں کلائیوں میں سونے کی بھری ہوئی چوڑیاں بڑے بڑے جھمکی والے جھمکے اور اسی دن کی مناسبت سے کیا میک اپ وہ پچھلے تمام دنوں کی خوبصورتی کا ریکارڈ توڑ گئی تھی، جس نے بھی دیکھا تھا بے اختیار بلائیں لی تھیں، اس نے جتنی سے مووی بنوانے سے انکار کر دیا تھا، جتنی وہ پیاری لگ رہی تھی مگر کون بھی اس کی کسی لگ جانے کا غرض لاحق ہو گیا، جیسی کسی نے بھی مجبور نہیں کیا تھا، اسے سب کے سب سچا سچ پہ بھی نہیں لاکر بٹھایا گیا کہ ماما کو اس کی خرابی طبیعت کا اندازہ تھا، بس رسوں کی ادا نگلی کو معاذ کے ساتھ زیادہ وغیرہ لہو بھر کو اندر آئے تھے، معاذ نے البتہ وہاں آکر ہلنے سے انکار کر دیا تھا، خود وہ بلیک ٹو پیس میں بلبوس تھا، سرخ ٹائی باندھے اپنے اونچے پورے قد چوڑے شانوں خوبصورت چہرے اور ذہین آنکھوں کے ساتھ وہ بے حد مکمل اور وجہہ لگ رہا تھا، جس کی شخصیت میں بے حد سحر انگیزی تھی، وہ پر نیاں کودیوانہ وارد دیکھتا تھا اور مسکرائے جاتا تھا۔

”مجھے فخر ہے میں اس دنیا کا سب سے خوش بخت انسان ہوں، اتنی خوبصورت ہے میری بیوی۔“
 دھیمی مسکراہٹ ہنوز اس کے لبوں کی تراش میں چل رہی تھی، اس کا لہجہ خواب آسا تھا، زیادہ دیکھنے سے وہاں آکر اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچ لیا۔
 ”باہر آئیں آپ کو جنید بھائی بلا رہے ہیں۔“ معاذ کے احتجاج کی پرواہ کیے بغیر وہ اسے ساتھ کھیٹ کر ہی لے کر گیا تھا، جہاں جنید بھائی نے اسے دیکھتے ہی آڑے ہاتھوں لیا۔
 ”شباباش ہے پتر تمہاری مردانگی کے، ابھی سے بیوی کے گھٹنے سے لگ کر بیٹھ گئے، ساری زندگی کیسے گزرے گی۔“

”ساری زندگی بھی بیوی کے گھٹنے سے لگ کر گزاروں گا ناٹ ڈاؤٹ۔“ اس نے بلا جھجک کہا اور غصے سے انہیں دیکھا تھا۔

”کیوں بلایا ہے آپ نے مجھے؟ پتہ نہیں ہے آج میری شادی ہے اور میں اپنی بیوی سے پیار بھی کرتا ہوں۔“ وہ انہیں گھور رہا تھا، اس بے شری اور دھڑلے پہ جنید بھائی کا منہ کھل گیا حسان بھائی اور زیادہ کی کھی کھی نے الگ انہیں کھساہٹ میں جلا کر دیا تھا۔
 ”حد ہے یار تم سے، یعنی کوئی شرم ہی نہیں۔“ جنید بھائی نے بھی ہمت نہیں ہاری تو وہ الٹا انہیں ڈھیٹ کرنے لگا۔

”شرم کیسی بھئی، میں کوئی گناہ کا کام کرنے لگا ہوں کیا؟“ جنید بھائی بغلیں جھانکنے لگے، پھر انہوں نے اپنی خیالت دور کرنے کو کہا تھا۔

”چل یارا ک گانا ہی سنا دے، تیری آواز بڑی مست کر دینے والی ہے۔“
 ”اتنی بار تو سنایا ہے، کل تو ڈالس بھی کیا تھا، آپ کہاں تھے؟“
 ”دیکھا تھا یار میں آج کی بات کر رہا ہوں۔“ انہوں نے زچ ہو کر جواب دیا مقصد اسے باتوں میں الجھانا تھا جس میں وہ کسی حد تک کا سیاب بھی تھے۔

”یہ پروگرام پھر کسی دن کے لئے اٹھا رکھیں، ابھی تو میں اپنے کمرے میں جا رہا ہوں۔“ وہ اٹھاتو جنید بھائی نے اسے ہاتھ پکڑ کر واپس کھیٹ لیا تھا۔

”ایسی بھی کیا بے مروتی ہے یار کچھ دیر تو بیٹھو ہمارے پاس۔“ وہ جان بوجھ کر اس سے بحث کو طول دینے لگے، معاذ کی جھلاہٹ بڑھتی جا رہی تھی اور جنید بھائی حنظلے رہے تھے، اسی بحث میں وہ لوگ مشغول تھے جب جہاں اس سمت آ نکلا تھا، انہیں الجھتے دیکھ کر حیران ہونے لگا۔
 ”خبریت کیا ہوا؟“ اس کی سوالیہ نگاہیں ان دونوں پہ جم گئیں۔

”یار بے سمجھا نہیں کہ مجھے جانے دیں نا، جب ان کی شادی ہوئی تھی ہم لے ان سے ایسی زیادتی نہیں کی تھی۔“ وہ زردٹھے پن سے بولا، جہاں کے لبوں پہ مدہم سی مسکان بکھر گئی۔
 ”جانے دیں نا جنید بھائی! آپ لے اس سے کیا کرانا ہے؟“

”ہاں تم تو فیور کرو گے ہی، تم پہ بھی ایسا نازک وقت جو آنے والا ہے۔“ جنید بھائی نے برامان لیا، جہاں انہیں دیکھ کر رہ گیا۔

”میں جاؤں بھائی جان؟“ معاذ، جنید بھائی کے منہ کے پاس منہ لگا کے بولا اور ہنسنے لگا، جنید بھائی کھسا کر اسے گھونٹہ مارنے کو لپکے مگر وہ انہیں چڑاتا ہوا وہاں سے بھاگ گیا تھا، ماحول خوبصورت تھا زندگی خوبصورت تھی، وہ بے حد سرشار تھا نہیں جانتا تھا یہ خوشی عارضی ہے زندگی یہ اس کا اس کی خوشی کا اک وقت متعین تھا جو پورا ہو گیا تھا، آگے کیا ہونا تھا یہ دھرنی پہ پھیلی تاریکی کی طرح غیر واضح تھا تاریک نظر نہ آنے والا۔

(جاری ہے)

ابن انشاء کی کتابیں

طنز و مزاح سفر نامے

- اردو کی آخری کتاب،
- آوارہ گرد کی ڈائری،
- دنیا گول ہے،
- ابن بطوطہ کے تعاقب میں،
- چلتے ہو تو چین کو چلئے،
- نگر نگر پھر اسانر،

شعری مجموعے

- چاند نگر
- اس بستی کے اک کوچے میں
- دل وحش

لاہور اکیڈمی
 ۲۰۵ سرگھر روڈ لاہور۔

عزیزہ

امریہ

چوبیسویں قسط کا خلاصہ

گھر میں شادی کی تیاریاں ہو رہی ہیں مگر معاذ ہنوز اس منصوبے سے لاعلم ہے، البتہ پرینیاں کا سخت رویہ ضرور سے اب غصہ دلانے لگتا ہے، اسی غصے میں معاذ شادی سے دو دن پہلے جس دن پرینیاں لے ہمیشہ کے لئے ہاسٹل چھوڑ کر شاہ ہاؤس میں آتا ہے اسے لے کر ہوٹل میں آجاتا ہے، وہ پرینیاں کو یہ بتا کر مراسیہ کر دیتا ہے کہ وہ اسے رخصت کرالایا ہے۔

معاذ کی من مانی کا مظاہرہ پرینیاں کو اس سے شدید براگشتہ کرنے کا سبب بنتا ہے، وہ اس سے بے زاری کے ساتھ نفرت بھی محسوس کرتی ہے، اس کے برعکس معاذ بے حد خوش اور مطمئن ہے، مسز آفریدی کی کوشش سے ہی ڈالے معاذ کی شادی میں شریک ہونے کو شاہ ہاؤس آتی ہے، تو فنب اسے دیکھ کر بے حد ڈر رہ جاتی ہے۔

پچیسویں قسط

اب آپ آگے پڑھیے



معاذ نے جب اپنے کمرے میں قدم رکھارات نصف سے تجاوز کر چکی تھی، ممانے اسے بے حد بھاری سیٹ دیا تھا پر نیاں کی رونمائی کے لئے، وہ اندر آیا تو ایئر فرسز کی ولفریب مہک کے ساتھ گلابوں کی خوشبو نے بھی اسے اپنے حصار میں جکڑ لیا تھا، اپنی موجودگی میں معاذ نے بیڈروم کی صرف گلاب کے پھولوں سے آرائش کرائی تھی، وہ اس رات کو حسین تر بنا دیا چاہتا تھا اور یادگار بھی، وہ جان گیا تھا پر نیاں اس کی من مانی کے بعد سے تھا ہے اس سے اسے خود بھی احساس ہو گیا تھا، جیسی اس نے اسے منانے کے ہزار ہا طریقے سوچ لئے تھے، وہ اس سے مزید خفا رہی نہیں سکتی تھی، اسے یقین تھا، مگر پہلا دھچکا اسے پر نیاں کو بیڈروم پا کر لگا تھا، دروازہ کھلنے کی آواز پہ اس نے چوکتے ہوئے گردن موڑی تو داش رووم سے باہر آئی، پر نیاں کو دیکھ کر اس کا اربانوں سے لبریز دل بجھ کر رہ گیا تھا، وہ اتنا حسین روپ اس کی ستائش پائے بغیر ختم کر چکی تھی، وہ نہا کر نکلی تھی اور اس وقت گلابی لہادے میں لپٹی سرسرائی رات کا ایک حسین راز لگ رہی تھی، اس کے لیے سیدھے بال اس کی پشت کی بجائے سینے پہ گر رہے تھے، اس کو دیکھ کر بھی خوبصورتی سے نظر انداز کرتی وہ ڈریسنگ ٹیبل کے آئینے کے آگے جا کھڑی ہوئی بال سلجھائے اس کی کلائیوں میں پڑی سونے کی چوڑیاں جلتی تھیں، بجائے لگیں تو معاذ چوڑیاں لگا تھا۔

”اتنی جلدی لباس تبدیل کر لیا، میرا انتظار تو کتیس آپ۔“ معاذ کو غصہ تو آیا تھا مگر وہ اس سے سختی سے بات نہیں کرنا چاہتا تھا، جیسی رساں سے کہا تھا۔

”کیوں انتظار کر لیتی، تاکہ تم جیسے عیاش کو عیاشی کا ایک اور موقع مل سکتا؟“ وہ اتنی نفرت اور اتنی شدت سے چلائی تھی کہ گردن کی رگیں پھول کر رہ گئیں، معاذ کے اعصاب کو اس کے الفاظ اور انداز سے دھچکا لگا تھا، اس نے چونک کر حیرانی سے اسے دیکھا، پر نیاں کے ہر انداز سے درستی ہی نہیں نفرت و حقارت بھی ٹپک رہی تھی، ایک لمحے کو معاذ کو اپنے اعصاب کھینچتے ہوئے محسوس ہوئے تھے اس کی اس درجہ بدتمیزی پہ مگر اس نے بروقت خود کو کنٹرول کر لیا، اس کا تصور تو بہر حال تھا، اس نے وقتی اشتعال اور غصے میں آکر اس کے جذبات کو مجروح کیا تھا، پر نیاں کی بھیگی آنکھوں میں جو کرب تھا، جو تڑپ تھی اس نے معاذ کو اضطراب سے دوچار کر دیا تھا، کتنا تکلیف دہ ہوتا ہے اپنی عزیز ترین، سستی کو رنجیدہ آزر دہ دیکھنا یہ معاذ نے اسی وقت جانا تھا۔

”آئی ایم ساری پر نیاں! مجھے احساس ہے کہ تم ہر بیٹ.....“ اس کی بات ادھوری رہ گئی کہ معاذ نے جیسے ہی پر نیاں کا ہاتھ تھاما تھا وہ بری طرح سے پھرا گئی اور اگلے لمحے وہ اپنا ہاتھ تنفر زدہ انداز میں چھڑوا کے فاصلے پہ جا کھڑی ہوئی۔

”خبردار! ہاتھ مت لگانا مجھے سمجھے تم، میں تمہیں بتانا ضروری سمجھتی ہوں معاذ حسن کہ میں تمہارے ہاتھوں خوشی خوشی پامال ہونے والی بد کردار عورتوں میں شمار نہیں ہوتی، تمہاری زور زبردستی اک بار ہی چل گئی ہے، یاد رکھنا اگر تم نے دوبارہ مجھے اپنی ہوس کا نشانہ بنانا چاہا تو میں اسی وقت خود کو ختم کر لوں گی۔“

شینیسی انداز میں انگلی اٹھا کر اسے باور کرائی ہوئی، وہ نفرت اور سختی کے کس مقام پہ تھی وہ نہیں جان سکتا تھا، اس کا لہجہ اس کا انداز اور ہر انداز سے چلتی نفرت اسے گنگ کرنے کو کافی تھی، یہ نفرت و بدگمانی کا ہی شدید احساس تھا کہ وہ بہت تھیک آمیز انداز میں اسے پہلی بار آپ کی بجائے تم کہہ کر پکار رہی تھی، جس میں اپنائیت یا شناسائیت کا ملنا تو دور کی بات تذلیل اور سبکی کا غالب تھا، اس کے لہجے کی بے خونی اسے

گویا ہر انجام سے بے نیاز کر چکی تھی، معاذ کی پیشانی پہ اتنی ذلت کے بعد پسینہ پھوٹ نکلا تھا، کہاں کا نظریہ حوصلہ ضبط اور شرمندگی یہ سارے جذبے پر نیاں کی جانب سے زہر میں بجھے نشتروں پہ بھاپ بن کر فضا میں تحلیل ہو گئے، اسے جیسے کسی نے یلخت اٹھا کر جلتے الاؤ میں بیچ دیا تھا، سب کچھ اسی بھڑکتی آگ میں جل گیا اس کے اپنے وجود سمیت غصے اور توہین کی شدید لہر اس کے اندر سے اٹھی تھی اور اسے اپنے ساتھ بہا کر لے گئی، اس نے بہت جارحانہ انداز میں پر نیاں کی کلائی پکڑی تھی اور جھٹکے سے رخ اپنی جانب پھیرا۔

”تمہیں شاید اندازہ نہیں ہے پر نیاں کہ تم کیا بکواس کر رہی ہو۔“ معاذ کی بھاپ چھوڑتے چہرے پہ بے پناہ خشکی، ناگواری اور فہمائش تھی، پر نیاں نے جواباً اپنی جلتی ہوئی آنکھوں میں نفرت سمو کر اسے دیکھا تھا پھر اسی زہر بھرے لہجے میں جلا کر بولی تھی۔

”تم کیا سمجھتے ہو، میں ڈر جاؤں گی تم سے اور کہہ نہیں سکوں گی، میں تمہارے کروت سب کو تباؤں کی کہ تم درحقیقت کیا ہو۔“

”کیا ہوں میں؟“ معاذ نے اپنے طیش کو دبا کر اندر اٹھتی تندر خیز لہر کو اٹھانے سے روکتے ہوئے بھینچے ہوئے لہجے میں کہا، کوئی نوک دار شے تھی جو ہر لمحہ اسے کاٹ رہی تھی، اس کی اس درجہ غلط فہمی یہ معاذ کے وجود پہ ایک سکوت سا طاری ہو رہا تھا، وہ کرب آمیز انداز میں اس کے خوبصورت چہرے پر پھیلی نفرت اور سختی کو دیکھتا رہا تھا۔

”بد کردار ہو تم، ہوس پرست ہو تم، جانے کتنی لڑکیوں کی عزتوں کو.....“ پر نیاں کی بات ادھوری رہ گئی معاذ کا ہاتھ فضا میں گھوما تھا اور بھر پور پھپھری صورت کیلے بعد دیکر اس کے چہرے پہ برسا، اس کی آنکھوں سے ہی نہیں چہرے سے بھی گویا لہو ٹپکنے لگا تھا۔

”میں لعنت بھیجتا ہوں تمہاری سوچ سمیت تم پہ بھی، میری بلا سے تم جو مرضی سمجھو، میں جیسا بھی ہوں، تمہیں ہرگز غرض نہیں ہونی چاہیے، سمجھ آئی تمہیں؟“ معاذ کا لہجہ و انداز انتہائی جارحانہ تھا، اس کی برہمی کو برداشت کرتے وہ بھی بالآخر پھپھر سا گیا تھا اور ہر مصلحت و احتیاط بالائے طاق رکھ دی تھی۔

”میں ہوس پرست ہوں یا نہیں مگر آج کے بعد کم از کم تمہارے نزدیک نہیں آؤں گا۔“ اتنی تذلیل کا احساس اسے پاگل کرنے کو کافی تھا، پر نیاں ایک دم ساکت ہو گئی تھی، معاذ کے اٹھے ہوئے ہاتھ نے اسے حواس باختہ کر دیا تھا، اس کے اعصاب سن ہوئے تھے، معاذ اس پہ قہر بھری نگاہ ڈالتا پاؤں کی ٹھوک سے راستے میں آئی ہر شے کو اڑاتا کمرے سے باہر چلا گیا، پر نیاں اس کے بعد بھی بہت دیر تک یونہی ساکن و سامت بیٹھی رہی تھی، تین دن اس نے ہر لمحہ اس ایک لمحے کو سوچا تھا، جب وہ اپنے دل کی آگ اسی کے وجود میں منتقل کرتی اور خود پر سکون ہو جاتی، وہ لمحہ آیا تھا اس نے معاذ کی اپنی خواہش کے مطابق نفرت سے دھتکارا بھی تھا، مگر وہ پر سکون نہیں ہو سکی تھی، بلکہ وہ اس صدمے اور شاک سے نکلی تو پہ نہیں کس زبیاں کے احساس سمیت بلک بلک کر روٹی چلی گئی تھی، باہر بھٹکتی رات کچھ اور گہری تاریک اور ہولناک ہوئی تھی۔

☆☆☆

جب کانچ اٹھانے پڑ جائیں تو ہاتھ ہمارا لے جانا
جب سمجھ کہ کوئی ساتھ نہیں تم ساتھ ہمارا لے جانا

جب دیکھو کہ تم تنہا ہو اور رستے ہیں دشوار بہت
تب ہم کو اپنا کہہ دینا بے باک سہارا لے جانا
جو بازی بھی تم جیتو گے جو منزل بھی تم پاؤ گے
ہم پاس تمہارے ہوں نہ ہوں احساس ہمارا لے جانا
اگر باری ہماری آ جائے تم پاس ہمارے آ جانا
بس اک مسکان ہمیں دینا پھر جان بھی چاہے لے جانا

جہان کے سر میں شدید درد تھی، اس کی ہمیشہ سے عادت تھی جب وہ زیادہ تھکا ہوتا سو نہیں پاتا تھا، آج بھی دن بھر کی روزمرہ سے ہنی ہوئی روٹین کی بھاگ دوڑ نے اسے تھکا کر چور کر دیا تھا، وہ سونے کو لیٹا اور نیند کو ترس کر بستر چھوڑ دیا، چائے بنانے کے خیال سے اپنے کمرے سے کچن کی سمت آتے وہ زینب کے کمرے کے آگے سے گزرتے ٹھنک کر تھم گیا تھا، دروازہ ادھ کھلا تھا، لائٹ آن تھی جہان کے ٹھکنے کی وجہ زینب کی سسکیاں تھیں کٹھنی بے ترار سسکیاں، جو جہان کا دل ایسے بھیج گئیں، جیسے کسی نے جوتے سے مسل کر رکھ دیا ہو، قدم آگے بڑھنے سے انکاری ہو گئے تھے اور اندر جانے سے وہ حد درجہ گریزاں تھا، کچھ سوچ کر اس نے نیم واردوازے پر دستک دی تھی، رات کے اس پہر سنانے میں یہ مدہم سی آواز بھی پوری طرح گونجی تھی، زینب کی سسکیاں تھم سی گئیں، ماحول پہ پھر سے سکوت طاری ہو گیا تھا، اگلے چند لمحوں میں جہان نے دروازے کی ادٹ میں اس کی جھلک دیکھی تھی، ڈل گولڈن اور پر پل کے بے حد خوبصورت امتزاج کے سوٹ میں اس کا لچکتی شاخ جیسا دلربا سراپا اپنی تمام تر حشر شانوں کے ساتھ اس کے رو بہرہ تھا، وہ اپنا چہرہ غالباً صاف کر چکی تھی مگر اس کے باوجود آنسوؤں کی کمی کا احساس غالب تھا۔

”جی فرمائیے؟“ اسے رو بہرہ پا کے وہ پہلے حیران ہوئی تھی پھر خشک لہجے میں بولی۔

”کیوں رو رہی تھیں تم؟“ جہان کا لہجہ مضطرب سا تھا۔

”آپ سے مطلب؟ آپ کیوں پوچھ رہے ہیں؟“ وہ زور سے پھنکاری، اس کا لہجہ ہی نہیں اس دخل برد معقولات پہ آنکھیں بھی دہک اٹھی تھیں۔

”زینب آپ پریشان ہیں، کیا مسئلہ ہے پلیز بتائیں مجھے؟“ اس کی بدتمیزی کا برا مانے بغیر وہ اسی رساں اور نرمی سے بولا تھا جو زینب کے لئے کبھی اس نے مخصوص کر رکھی تھی۔

زینب نے جھنجھلا کر اور آنکھوں میں غصے کا تاثر سو کر اسے دیکھا مگر جہان کے چہرے پہ موجود اپنائیت اور نرمی پہ اس کے ذہن کا تاثر قدرے کم ہوا تھا۔

”تیور نہیں آئے جے اسب لوگ مجھے مشکوک نظروں سے دیکھ رہے تھے، میں بہت اپ سیٹ ہوں، کچھ سمجھ میں نہیں آیا کیا کروں۔“ وہ غصہ بھلائے اس کے آگے اپنا مسئلہ بیان کر رہی تھی پہلے کی طرح جیسے ہمیشہ کیا کرتی تھی، جہان نے گہرا سانس بھر کے اسے دیکھا۔

”کوئی تو وجہ ہوگی نا، تم خود کال کر لیتی اسے۔“

”کی تھی کال، جب میں آنے کا کہتی ہوں وہ خفا ہونے لگتے ہیں۔“ وہ روہانسی ہو کر بتانے لگی، جہان نے ہونٹ بھیج لئے تھے۔

”تم پریشان مت ہو، میں کل اسے خود کہوں گا، آجائے گا ریلیکس، اب سو جاؤ رات بہت ہو گئی ہے۔“ زینب نے مشکور نظروں سے اسے دیکھا پھر بے چارگی سے بولی تھی۔

”میرے سر میں بہت درد ہے جے الالے کو پوچھ کر کوئی ٹیبلٹ لے دیں گے؟“

”میرے پاس ٹیبلٹ ہے، میں لا دیتا ہوں۔“ جہان وہیں سے پلٹ گیا، اپنے کمرے میں آ کر پین کھرنکالی تھیں پھر کچن میں کھڑا ہو کر چائے تیار کی، اپنا گگ وہیں چھوڑ دیا، زینب کے لئے دوا کے ساتھ پانی کا گلاس اور چائے لے کر وہ رات کے اس پہر دوبارہ اس کے دروازے پہ آیا تو دل میں اس خشکی کا احساس تک باقی نہیں تھا جو اسے آج دن میں اس سے اس وقت محسوس ہوئی تھی وہ جب وہ بہت سرد اور

نخوت زدہ انداز میں ڈالے کے سامنے خود کو اس سے برتر ثابت کر رہی تھی کہ وہ اگر جہان کو نہ ٹھکرانی تو جہان بھی ڈالے کا نصیب نہیں بن سکتا تھا، ڈالے کی آنکھوں میں صرف حیرانی نہیں، تاسف رنج اور اذیت کے کتنے رنگ تھے، یہ محض اتفاق تھا کہ وہ دونوں اس کے کمرے کی اس عقبی کھڑکی کے نیچے کھڑی تھیں جو لان میں کھلتی تھی، جانے زینب نے اسے کیسے وہاں پھیر لیا تھا اور اپنی عادت و فطرت کے مطابق

اس پہ اپنی برتری ثابت کرنا چاہ رہی تھی، جہان کو اسی بل اس پہ اتنا ہی غصہ آیا کہ جی چاہا تھا جا کے دوپٹہ پھینک مار کے اس کا دماغ ٹھکانے پہ لے آئے مگر اس نے ایسا نہیں کیا تھا تو وجہ ڈالے آفریدی ہی تھی، ڈالے سے نفرت کے احساس نے اسے ایک انتہائی ناجائز اور غلط کام کو ہونے دیا تھا اور بے حسی کا لبادہ اوڑھ کر

چیچھے ہٹ گیا تھا تو اس کا یہ مطلب بھی نہیں تھا کہ اسے زینب کی یہ حرکت اچھی لگی تھی، وہ اسے سرزنش کرنا چاہتا تھا مگر اکیلے میں، یہ اب جو کچھ اس نے سنا تھا زینب کی پریشانی جس انداز میں اس پہ آشکار ہوئی تھی، جہان نہ بھی کچھ کہتا، وہ اپنا کیا خود ساتھ ساتھ بھگت رہی تھی مگر بات نہ سمجھنے کی تھی اور دکھ بھی اسی

بات کا ہے کہ ہم اتنی تیزی سے عاقبت نا اندیش ہوتے جا رہے ہیں کہ ہماری بے حسی ہمیں یہ سوچنے کا بھی موقع نہیں دیتی ہم نے کسی کے ساتھ کہاں کیا غلط کیا، یا اگر ہمارے ساتھ کچھ غلط ہو رہا ہے تو اس میں ہمارے اپنے اعمال کا کتنا عمل دخل ہے، ذاتی اعمال پہ نگاہ کیے بغیر ہم اپنے اوپر آنے والی تکلیف پہ دوا بیلا

شروع کر دیتے ہیں اور نصیب کو دوش دینا اپنا فرض اولین سمجھ لیتے ہیں، حالانکہ دیکھا جائے تو نصیب لکھنے والی تو رب تعالیٰ سبحانہ کی ذات مبارک ہے اور رب کسی کے ساتھ زیادتی کرتا ہے نا انصافی۔

”اندر آ جائیں جے! میں بہت تھک گی ہوں، بار بار اٹھنا نہیں چاہتا۔“

جہان کی دستک کے جواب میں زینب کی تھکی ہوئی تھکی مدہم آواز ابھری تھی، جہان قدرے تذبذب کا شکار ہوتا کچھ ثانیوں کو وہیں کھڑا رہ گیا تھا، پھر گہرا سانس بھر کے آہستگی سے اندر قدم رکھ دیئے، زینب

ڈھال لی لیش ہوئی تھی، گال یوں نم تھے جیسے جہان کے چلے جانے کے بعد پھر روئی ہو۔

”صحتس جے مجھے اس وقت چائے کی بہت طلب محسوس ہو رہی تھی، آپ واقعی بہت اچھے ہیں جے ہمیشہ بنا کہے میری ہر ضرورت کو آج بھی جانے لیتے ہیں۔“ اسے دیکھ کر وہ تکیے کے سہارے نیم درواز

ہوئی تھی اور جو کچھ کہا تھا اس نے جہان کو ساکن ہی نہیں کیا، اس کی روح میں زیاں اور وحشت کے ایسے احساس کو جنم دیا تھا جسے شمار میں لانا عبث تھا، زینب نے پہلے دوا پانی کے ساتھ لی تھی پھر چائے کا گگ اٹھا

لیا۔

”شادی ایک جوائی ہوتی ہے اور جو یہ جوا ہار جائے اس کی ساری زندگی داؤ پہ لگ جایا کرتی ہے نا

جے؟“ جہان نے دیکھا اس کی آنکھوں میں سرخیاں اتر رہی تھیں، وہ مضطرب سا ہو گیا۔

”اتقامت سوچوں زینب، لیٹ جاؤ، تمہیں آرام کی سخت ضرورت ہے۔“ جہان نے پہلے اس کے ہاتھ سگ لے کر سائیڈ پر رکھا تھا پھر اسے شانوں سے تمام کر زبردستی لانے کے بعد کبل اس پر برابر کر دیا، زینب نے ایک نظر اسے دیکھا پھر آنکھیں بند کر لی تھیں۔

(تم کتنے کیئرنگ ہو جے کتنے خاص اور انمول، میں نے خود اپنے ہیروں پہ کپھاڑی ماری تھی)۔

اس کی بند آنکھیں آنسو لٹاری تھیں، جہان بہت اضمحلال کی کیفیت میں لائٹ بند کرتا کمرے سے نکلا تو اسے لگا تھا جیسے کوئی سایہ بہت تیزی سے راہداری میں گم ہو گیا ہو، وہ اتنا ڈسٹرب تھا کہ اس اہم بات پر اتنی توجہ صرف نہیں کر سکا، اپنے کمرے میں آ کر بھی وہ مضطرب سا ٹھہرتا رہا تھا، پھر سگریٹ سلگاتا ہوا ٹیرس پہ آکلا، کس لیے دھواں بکھیرتے وہ موسم کی شدت کو اپنے وجود پہ سہتا رہا تھا، ختم ہوتی سگریٹ کو پھینک کر جوتے سے ملتے اس کی نگاہ یونہی سرسری انداز میں اندھیرے میں ڈوبے لان کی جانب اٹھ گئی تھی اگلے لمحے وہ ٹھنک کر اسی زاویے پہ ساکن کھڑا رہ گیا، بلیک لباس اور اپنے ڈیل ڈول کی بنا پر اسے معاذ کو پہچاننے میں ایک لمحہ کافی تھا، ششدر تو وہ اس کی اس وقت وہاں موجودگی سے ہوا تھا، لان میں ٹھہرتا ہوا معاذ حسن اسے کسی انداز سے بھی نارمل محسوس نہیں ہوا تھا، جہان سرعت سے پلٹا اور اگلے چند لمحوں میں وہ اس کے رو برو تھا، معاذ اسے دیکھ کر پہلے چونکا تھا پھر بے نیاز بن گیا۔

”کیا کر رہے ہو یہاں تم؟“ جہان نے اسے ٹھورا تھا۔

”جہل قدی، ہوا خوری۔“ معاذ کا چہرہ تاریکی میں تھا پھر بھی وہ اس کے نقوش سے جتنا اندازہ کر پایا تھا جان گیا تھا کہ وہ خود کو چھپانے کی کوشش میں ناکام ہے اور ڈسٹرب ہے۔

”مجھے نالوں نہیں معاذ، تم اپنے کمرے میں گئے تھے نا، یہاں کیسے.....؟“

”خدائی فوجدار..... یہاں سے جاؤ، ہر وقت ہر کسی کی اتنی جستجو میں نہ رہا کرو۔“ معاذ بد مزگی سے بولا مگر جہان نے ہرگز اس کی بات پہ کان نہیں دھرا تھا۔

”میں تمہیں کچھ نہیں کہہ رہا ہوں معاذ سوائے اس کے کہ اپنے کمرے میں، میں جاؤ۔“

”میرا تمہارے لئے یہی مشورہ ہے، جاؤ جان چھوڑو میری۔“ معاذ نے صرف کہا نہیں تھا غصے میں اسے زور سے پیچھے کی جانب دھکا بھی دے ڈالا، جہان اچھا خاصا لڑکھڑا کر با مشکل سنبھلا تھا، جہان نے دیکھا اس کے سرخ و سفید چہرے پہ خشونت و برہمی مترشح تھی، باوای آنکھیں خون چھلکانی محسوس ہو رہی تھیں، اس کے ہر انداز سے بے نامی وحشت پک رہی تھی مگر جہان کے ساتھ اس سلوک پہ ذرا سی بھی عداوت کا احساس اس کے چہرے پہ نہیں تھا، جہان نے اپنا ہاتھ اس کے کاندھے پہ رکھ کے نرمی سے دباؤ ڈالا۔

”کیوں ڈسٹرب ہو معاذ؟“ معاذ نے زنج ہو کر بے حد ناراضی سے اسے دیکھا۔

”چل اب بتاؤ کیا بات پریشان کر رہی ہے تجھے، جہاں تک میرا خیال ہے بھابھی سے جھگڑا ہوا ہے۔“ جہان کے انداز میں مخصوص بے لکھی اپنائیت اور محبت تھی اور یہ رنگ اس کے لہجے و انداز سے معاذ کے لئے صرف اسی وقت چمکتے تھے جب وہ سمجھتا تھا معاذ کو اس کی محبت اور دوستی کی بے حد ضرورت ہے، معاذ نے ایک نظر اسے دیکھا تھا اور ہونٹ سختی سے بھینچ لئے، جہان کو اپنی بات کا جواب مل گیا تھا،

اس نے بے اختیار سرد آہ بھری تھی۔

”کیوں ہوا ہے جھگڑا؟“ وہ زبردستی اسے اپنے کمرے میں لے آیا تھا، معاذ کا وجود بے تحاشا سرد پڑ چکا تھا، جانے وہ خرد دماغ انسان کب سے سرد ہواؤں کا مقابلہ کر رہا تھا، جہان نے کبل اسے اوڑھانے کے بعد بیٹری بھی آن کر دیا۔

”کتنی بد کردار اور ہوس پرست انسان سے جھگڑے یا اختلاف کے لئے کیا یہی ایک وجہ کافی نہیں؟“ معاذ نے پینچی ہوئی مگر سرد آواز میں کہا تھا، جہان تو اپنی جگہ سے ہل نہیں سکا۔

”یہ کہا ہے تمہیں بھابھی نے.....؟“ اس کی آنکھیں حیرت کی زیادتی سے پھٹنے والی ہو گئی تھیں، معاذ نے شخص سر ہلایا، جہان کی حیرت دو چند ہو گئی۔

”انہیں وہی نیلما والے معاملے میں شک ہے؟“ جہان کے سوال نے معاذ کو نظر میں چرانے پہ مجبور کر دیا تھا، جبکہ جہان کا سوال اپنی جگہ پہ تھا، پھر اس کے اصرار کے آگے ہی معاذ نے اصل بات بتائی تھی، جہان ٹھنڈا سا لٹس بھر کے تاسف بھرے انداز میں سر ہلانے لگا۔

”تمہارا ایٹی ٹیوڈ غلط تھا معاذ، تم مانو۔“

”مجھے پتہ تھا تم مجھے ہی غلط کہو گے، وہ غلط نہیں تھی، تم غلط نہیں تھے سارے گھروالے غلط نہیں تھے جو مل جل کر مجھے بے وقوف بناتے رہے، مجھے غصہ تھا پھر میں نے کوئی گناہ نہیں کیا، اس کا شدید رد عمل دیکھ کر تو لگتا ہے جیسے میں نے کوئی گناہ کر دیا ہے، اتنا احتجاج تو شاید کوئی عورت کسی غیر محرم کے چھونے پہ کرتی ہوگی، مان لو جے وجہ صرف یہی نہیں ہے، وہ مجھے شروع سے پسند نہیں کرتی، نفرت ہے اسے مجھ سے۔“ وہ اتنے غصے میں آیا تھا کہ بھڑک کر بولتا چلا گیا، اس کی سحر انگیز آنکھوں میں شعلوں کی پلک تھی، جہان کیا کہتا اس کا تو دماغ ہی ماؤف نہیں ہوا تھا، معاذ کی باتوں سے وہ چکرا کر رہ گیا تھا۔

”دیکھا ہو گئے نا تم بھی چپ، میں کچھ بھی غلط نہیں سوچ رہا ہوں، اسے مجھ سے جان چھڑانے کا بہانہ چاہیے تھا۔“ معاذ نے پھنکار کر کہتے اپنی اتنی حسی رائے پیش کی۔

”بکومت، اپنی فضول کی قیاس آرائیاں اپنے پاس رکھو، میں بھابھی کو اچھی طرح جانتا ہوں، وقتی غصہ ہے ان کا، تھوڑا تم بھی خود کو نارمل کرو، سب ٹھیک ہو جائے گا۔“ جہان نے اسے جھڑک کے رکھ دیا، معاذ ایک جھٹکے سے اٹھا تھا۔

”بہت غلط سوچ ہے تمہاری کہ اب کچھ ٹھیک ہوگا، اب کچھ ٹھیک نہیں ہوگا جے، میں اسے بتاؤں گا کہ اس نے مجھ پہ یہ الزامات لگا کر کتنی بڑی غلطی کی ہے۔“

”کیا کرنے والے ہو تم؟“ جہان نے دہل کر اسے دیکھا، جواباً وہ ہر خند سے ہنس پڑا تھا۔

”یہ تو راز کی بات ہے تمہاری ڈیسرکس ہی جانے گی، بی کوز جھانکیں جب حد سے بڑھ جائیں تو اشتعال انگیزیوں کو ہی جنم دیتی ہیں۔“ اس نے نخوت سے جواب دیا تھا، جہان سر تھام کر رہ گیا۔

☆☆☆

معاذ نے جس بل دوبارہ کمرے میں قدم رکھارات کے آخری پہر کا بھی آخر چل رہا تھا اور فضا میں جھرکی اذان کی پر نور پکار بھیل رہی تھی، وہ سیدھا ڈرینک میں گھسا تھا، ٹائٹ ڈریس بدل کر کمرے میں آیا تو پر نیاں کو اپنے بیڈ پہ بے خبر سوتے دیکھ کر پوری جان سے سلگ اٹھا تھا، اس بل پر نیاں نے نیند میں

جانب پیش رفت کر لے، معافی مانگ لے اس سے، وہ شوہر تھا اس کا، رات جس سے اس نے جھکا تھا اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان کے مطابق ساری رات فرشتوں نے لعنت بھیجی تھی اس سے، کیا وہ ہر رات ایسی ہی لعنت کی مستحق ٹھہرے گی، اس کے آنسو بہنے لگے، مگر معاذ کے پاس جانے اور کچھ کہنے کا بھی حوصلہ ناپید تھا، وہ جتنے غمے اور قہر کا ابھی مظاہرہ کر چکا تھا اس سے کچھ بعد نہیں تھا اسے شوٹ کرنے سے بھی گریز نہ کرتا، آنسو پونجھتی وہ وضو کے ارادے سے واش روم میں تھیں تھی، بو تھیل دل سے نماز ادا کرنے کے بعد وہ بارگاہ ایزدی کے حضور سرسجدے میں رکھتے ہی ضبط کھو گئی تھی۔

☆☆☆

تجھے کیا خبر میرے حال کی
میرے درد میرے ملال کی
یہ میرے خیال کا سلسلہ
کس یاد سے ہے ملا ہوا
اسے دیکھنا اسے سوچنا
میری زندگی کا ہے فیصلہ
یہ اس کی پلکوں کے سائے ہیں
میری روح میں جو سائے ہیں
یہ جنون منزل عشق ہے
جو چلے تو جاں سے گزر گئے

بیڈ پہ نیم دراز وہ ہینڈ سیٹ کے ذریعے اپنے سیل پہ گیت سن رہی تھی، سن کیا رہی تھی، سن کر رو رہی تھی، عجیب حالت تھی دل کی، انکشاف کی زد پہ آ کر خشک تے کی طرح لرزے جاتا تھا، عجیب تھازیاں کا عالم بھی وہ اک شخص جو کبھی اس کو ملا تھا نہ تھا وہ اسی کو گوانے کی عذاب سے دوچار تھی گویا۔

مجھے اس مقام پہ چھوڑنا
ہے یہ بے وفائی کی انتہا
یہ نفس ہو جیسے کھلی فضا
بہیں سکھ کا سانس میں لوں سدا
جنہیں تیری دید کی پیاس تھی
وہ نین آنسوؤں سے بھر گئے
یہ جنون منزل عشق ہے
جو چلے تو جاں سے گزر گئے

وہ مضطرب اتنی تھی کہ اٹھ کر بے قراری سے ٹہلنے لگی، کل جب زینب اسے جہان کے حوالے سے اپنی برتری اس پہ ثابت کرنے کی کوشش کر رہی تھی اس سے بھی قبل اس نے جان لیا تھا، جہان اور زینب کے بیچ کچھ نہ کچھ خاص تھا، مگر وہ خاصیت وہ ساری کی ساری اہمیت جہان کی جانب سے ہوگی یہ تو اس نے تصور تک نہیں کیا تھا، کچھ زینب کی باتیں تھیں اور کچھ نئی جگہ کی وجہ کہ وہ سو نہیں پار رہی تھی، سوچیں اور

کروٹ بدلی تھی جس سے اس کا رو بہلی چاندنی جیسا چہرہ اکمل سے باہر آ گیا تھا، اس کے گلابی رخساروں پہ معاذ کے ہاتھ کی انگلیوں کے نشان بے حد واضح ہو رہے تھے، وہ ہونٹ بھینچے بہت جارحانہ انداز میں آگے بڑھا تھا اور نہایت طیش کے عالم میں اس کے اوپر سے کبل کھینچ لیا تھا، پر نیاں کی خیند اتنی گہری کہاں تھی کہ پھر بھی نہ ٹوٹی جبکہ کبل کا ایک بڑا حصہ اس کے وجود کے نیچے دبا ہونے کے باعث وہ اس کھنڈاؤ سے سرک کر بیڈ کے سرے تک آ پہنچی تھی بس گرنے سے ہی بچی تھی گویا، اس افتاد پہ اس نے گھبرا کر آنکھیں کھولیں اور معاذ کے خطرناک تیوروں کو دیکھ کر جیسے روح ہی فنا ہو گئی۔

”اٹھو یہاں سے، خبردار جو آئندہ میرے بستر تک آنے کی جرأت کی۔“ وہ پھنکارا تھا، اس کی آنکھوں میں لہراتا خوف ناک قسم کا غصہ اس پل کچھ اور بھی گہرا ہو چکا تھا، پر نیاں اس درجہ سکی اور تڑپ کبل کے مظاہرے پہ اپنی جگہ پر کٹ کے رہ گئی مگر اس نے بستر سے نیچے آنے میں ایک لمحے سے زیادہ وقت نہیں لیا تھا، تو بین کا سلٹکا احساس اس کا تابدن چھلسا کے رکھ رہا تھا، معاذ نے بستر سنبھال لیا تھا کبل اپنے اوپر پھیلاتے اس کی نگاہ سرہانے کی جانب پڑے پر نیاں کے گلابی دوپٹے میں الجھی تھی۔

”اپنے ساتھ اپنی چیزوں کی بھی حفاظت کرنا سیکھو، ہوس پرست لوگوں کے قبیلے میں پارسا لوگوں کی پارسانی کو زیادہ خطرہ لاحق ہوا کرتا ہے۔“

دو پٹے گول مول کر کے دور اچھالنے کے بعد وہ نفرت زدہ لہجے میں پھنکارا تھا اور پر نیاں جو مشکل سے آنسو ضبط کیے تھی مزید خود پہ قابو نہیں رکھ سکی، ایک عجیب سی دل جکڑتی ہوئی کیفیت نے اسے اپنے حصار میں لے لیا، وہ ہمیشہ کی طرح ایک بار پھر اس کی خشکی ناراضی اور طیش کے سامنے اپنا غصہ ناراضی سب بھول گئی تھی، رات سے ہی اسی کے اندر ملال اور یاسیت کا عجیب سا احساس اتر آیا تھا، اپنے آپ کو حق بجانب سمجھنے کا خیال ہوا تھا اور اس کی جگہ معاذ کے شدید رد عمل کو تشویش اور اضطراب نے لے لی تھی وہ ان چند گھنٹوں میں جانے کتنی بار خود کو ملامت کر چکی تھی قصور وار ٹھہرا چکی تھی کہ اسے معاذ سے یوں جھگڑا کم از کم نہیں کرنا چاہیے تھا وہ بھی اس صورت جبکہ وہ اپنے کیے پہ معذرت خواہ تھا، اس خود پہ حیرت ہو رہی تھی، کیا اس کی وہ ناراضگی اتنی شدید تھی کہ اس میں معاذ کی وہ محبت بھی گم ہو گئی تھی جو اسے پہلے روز دیکھ کر ہی اس نے اس کے لئے اپنے دل میں محسوس کی تھی، پھر اس کی ہر حرکت چاہے وہ اس پہ کتنا ہی کڑھی ہو سکتی ہو مگر اس محبت کے دل میں فروزاں دینے کو حالات کی آندھیوں سے بچانے کی سعی میں ہلکان رہا کرتی تھی، دیکھا جاتا تو اس پوری دنیا میں لے دے کے آگراں کا کچھ اثاثہ اور قیمتی سرمایہ تھا تو وہ معاذ تھا اس کی محبت تھی، جو معجزاتی طور پہ ہی اسے ملی تھی، وہ دو سال جس کے ہر دن کے متعدد سجدوں میں گزر گئے اپنے رب سے اپنے لئے مانگی تھی، کتنے راز کی بات تھی یہ جسے اس نے کبھی خود بھی اپنے آپ سے شیر نہیں کیا تھا شیر کیا تھا تو اس مالک حقیقی سے جو سب کچھ عطا کرنے کی شان رکھتا ہے اور اس مالک کل نے اسے ماپوس بھی تو نہیں ہونے دیا تھا، معاذ کا اسے دیکھ کر یوں باقی سب بھلا دینا اس کے نزدیک معجزہ ہی تو تھا، مگر وہ اس لعنت کی قدر نہیں کر سکی تھی، شکر ادا کرنا تو دور کی بات، رات سے اسے یہی ملال کھائے جاتا تھا، یہ کیا کر دیا تھا اس نے، کیا وہ محبت اتنی ہی بودی تھی اس کی جو اتنی ہی بات پہ یوں ختم ہو گئی تھی اور دل اتنا سخت ہو گیا جذبے یوں سرد پڑ گئے، وہ ساکن کھڑی معاذ کے کبل میں جیسے تو انا وجود کو آنسو بھری آنکھوں سے دیکھتی رہی، ایک بار تو دل میں خواہش جاگی، انا کو پس پشت ڈال کر خود اس کی

خیالات کا سلسلہ اتنا وحشت زدہ کر رہا تھا کہ اسے لگا تھا وہ پاگل ہو جائے گی اپنی اسی کیفیت کے خوف سے وہ ماریہ کے پاس جانے کو بے سوچے سمجھے اٹھ کر کمرے سے باہر آگئی تھی، حالانکہ رات کے اس پہر ماریہ کو ڈسٹرب کرنا غلط تھا مگر ڈالنے اپنی بیجانی کیفیت کے زیر اثر اس اہم نقطے پر زیادہ غور نہیں کر سکی تھی۔ کہاں خبر تھی اس سے بڑھ کر وحشت اور اضطراب نصیب بنے والا ہے، وہ اس گھر کی لوکیشن سے انجان تھی، راہداری کے کونے میں جس دروازے کو کھلا دیکھا اس میں جھانک لیا تھا اور یہ غلطی ہی تو کی تھی اس نے، زینب کے ساتھ وہ جہاں ہی تو تھا، کیا وہ جہاں ہی تھا، اسے خود کو یقین دلانا پڑا تھا، ورنہ جہاں اور مہربانی نری اور محبت یکساں تو بھی نہیں لگے تھے اور یا پھر وہ زینب کے لئے سراپا رحمت ہی رحمت تھا، ہاں بلاشبہ حیثیت اور مراتب طے کرنے میں بھی دل کی مرضی کو ملحوظ رکھنا پڑتا ہے، وہ جس دیوتا کے قدموں میں جگہ ڈھونڈتی نڈھال ہو رہی تھی وہ تو کسی اور کا اسیر تھا پھر کیسے اس کی کوشش سرخروئی سے ہمکنار ہو جاتی، اس زیاں نے اس کے دل کو اتنا بے دردی سے بھیجا تھا کہ اسے سانس لیتی محال کر دی تھی، معاہدہ چونک گئی تھی، گانا بند ہوا تھا اور اس کے پل یہ کال آنے لگی تھی، ڈالنے نے آنسوؤں سے دھندلائی نظروں سے اسکرین پر چمکتے مسز آفریدی کے نمبر کو دیکھا تھا۔

”جی می!“ کال ریسو کرنے سے قبل اس نے خود کو کمپوزڈ کیا تھا، جانتی تھی وہ سوال کر کے اسے عاجز کر دیں گی۔

”آج ولیمہ ہے نا؟“ اس کی خیریت دریافت کرنے کے بعد انہوں نے سوال کیا تھا۔

”جی! آپ کو آتا تھا نا آج؟“

”میں نہیں آسکوں گی ہنی میں نے یہی بتانے کو کال کی ہے، میری سینگ ہے بہت اہم آج، اٹینڈ نہ کرنے کا مطلب لاکھوں کا نقصان۔“ وہ اپنی مجبور یوں کا پلندہ کھول کر بیٹھ گئیں۔

”آپ شاہ کو یا پھر ان کے چاچو کو ایسکیو ز کریں می، مجھے کیوں کر رہی ہیں؟“ وہ زروٹھے پن سے بولی تھی۔

”میں کر چکی ہوں، احسان شاہ کو کال، تمہیں تو بتایا ہے کہ میرا انتظار نہ کرنا۔“

”آپ کو شاہ کو بھی بتانا چاہیے تھا می۔“ ڈالنے نے انہیں ٹوکا، تو مسز آفریدی نے طنزیہ ہنکارا بھرا تھا۔

”تم تو ایسے کہہ رہی ہوئی جیسے وہ اس تقریب میں صرف میرا ہی تو مختصر ہوگا۔“ مسز آفریدی کی بات پر ڈالنے کو ناگوار سے احساس نے آن لیا۔

”اپنی کیش بھی کوئی چیز ہوئی ہے می! آپ کا سب سے اہم تعلق شاہ سے ہی بندھا ہے۔“

”تم تو ابھی سے اس کی بے دام غلام بن گئی ہوئی، بعد میں کیا حال ہوگا تمہارا۔“ مسز آفریدی کو بھی غصہ آ گیا تھا اس کی نقطہ چینی پر۔

”شوہر کی اطاعت گزاری اور خدمت کا حکم ہمیں اسلام دیتا ہے می، میں ایسا کر کے کچھ بھی انوکھا نہیں کروں گی۔“ اس نے جتلا کر کہا مسز آفریدی اس کی ایسی باتوں سے ہمیشہ چڑتی تھیں، اس وقت بھی جھلا کر فون بند کر دیا، ان کے خیال میں اتنی سی عمر میں اتنا مذہبی ہونے کی کیا تک ہے۔

”پھر کس اتج میں مذہبی ہونا چاہیے می! آپ کس اتج میں، مگر آپ تو ابھی تک مذہبی نہیں ہوئیں؟“

ایک مرتبہ اس نے غصے میں کہہ دیا تھا اور مسز آفریدی اتنا برا مانی تھیں کہ اسے طویل لیکچر دیا تھا، جس کے جواب میں ڈالنے نے انہیں وہ حدیث سنائی تھی جس میں نوجوانوں کے توبہ کرنے سے مردوں سے عذاب ہٹا دیا جانے کا بیان ہے، انہیں اس کی سادگی، فیشن سے گریز ناگوار گزرتا تھا اور ڈالنے محض ان کی رضامندی کی خاطر اللہ کے احکامات سے روگردانی کی روادار نہیں تھی۔

”بھابھی آپ اٹھ گئیں ہیں؟ ماما آپ کو ناشتے پہ بلا رہی ہیں۔“ دروازے پہ ماریہ تھی، ڈالنے اپنے خیالات سے چونک اٹھی، پھر اسے کچھ دیر میں آنے کا بہتی مکمل قدموں سے واس روم کی سمت بڑھ گئی تھی۔

☆☆☆

ڈل گولڈن لہنگا اور کاہار بلاؤز تھا، بلاؤز کی آستین بے حد مختصر سی تھیں جن سے نمایاں ہوتے اس کے بازو بھی سنہرے لباس میں سنہرے سنہرے ہی ہو رہے تھے، بھاری کاہار دوپٹہ بہت سلیقے سے سیٹ کیا گیا تھا، کانوں میں طلائی جھمکے تھے، دکتی پیشانی پہ بندیا جسے وہ بار بار درست کرتی تھی، شدید الجھن محسوس کر رہی تھی، تیاری کے بعد اسے جس نے بھی دیکھا کچھ لحوں کو اس کے چکا چوند کرتے سراپے سے نکالیں نہیں ہٹا سکا تھا، چوہودیس کے چاند جیسا روشن مہبت کر دینے والا چہرہ دیکھ کر زینب نے اس کی بے ساختہ تعریف کی تھی۔

”میں نے ہمیشہ سنا تھا شادی کے دن کے بجائے ولیمہ کی دلہن پہ زیادہ نکھار آتا ہے، درحقیقت یہ نکھار شوہر کی محبتوں کا چڑھتا ہے ہر عورت پہ مگر تم پہ تو کچھ زیادہ ہی چڑھ گیا ہے، لالے کی ہی نظر لگنے کا سب سے زیادہ خدشہ ہے مجھے، ویسے رات تمہیں ہوش میں لانے کی دوا دینا بھول گئی، لالے کی خیریت نیک مطلوب تھی مجھے۔“

وہ اسے مسلسل چیخ رہی تھی اور پرینیاں کا جورنگ خجالت سے سرخ پڑ رہا تھا اسے زینب نے شرم پہ محلول کیا تھا اور اچھا ہی تھا اس کا بھر مر رہ رہا تھا ورنہ معاذ نے تو یہ تکلف بھی نہیں برتا تھا، وہ اگر خوش نہیں تھا تو اس نے خود کو خوش ظاہر کرنے کی لٹھی کوشش نہیں کی تھی، صبح سے اب تک کتنے لوگ معاذ سے اس کی خاموشی اور بے زاری کا سبب پوچھ چکے تھے جس پہ جھلاہٹ کا شکار ہوتا وہ ان سے الجھنے کھڑا ہوا تھا کئی بار۔

”اب کیا میں پاگلوں کی طرح تہمت لگاتا ہوں؟“

”کل تک تم تہمت لگاتے رہے تھے تو اس کا مطلب تھا تم پاگل تھے؟“ جنید بھائی نے اسے ڈانٹا تھا۔

”خوشی کا اظہار نہیں مسکرا کر ہی کیا جاتا ہے نہ کہ منہ میں کنگھیاں ڈال کر بیٹھ جایا جاتا ہے۔“ جنید بھائی اسے ہرگز بخشنے پہ آمادہ نہیں تھے، تب اس نازک موقع پہ جہاں نے جنید بھائی کا دھیان بنایا تھا، معاذ کے انداز کی گھیرتا سے پرینیاں کا دل وہلا جاتا تھا اور جب اسے اتنا پہ سلامیوں کے لئے بلایا گیا تو مووی میکر کی ہدایت کے مطابق معاذ کو پرینیاں کے ساتھ ساتھ چل کر اسے آنا تھا اور معاذ کو اسی بات سے الجھن اور ناگوار محسوس ہو رہی تھی مگر مصلحتاً خاموش رہا تھا، یہ بھی شکر کا مقام تھا، ورنہ جس قسم کا اس کا مزاج تھا پرینیاں خوفزدہ تھی وہ صاف منع نہ کر دے، اب تک اس کے رویے کی تبدیلی کی وجہ بھی ماما اور

بہا بھی سمیت کتنے لوگوں نے سرسری انداز میں سہی مگر اس سے پوچھی ضرورت تھی اور وہ ہوتی رہی تھی، سو وہی میکر کی ہدایت کے مطابق وہ بہت سبک انداز میں قدم رکھ رہی تھی، یوں جیسے پانی پہ چلتی ہو پھر بھی جانے کیسے ہانی تھل پہ اس کا توازن بگڑا تھا اور وہ سنبھلتے سنبھلتے بھی گری گئی تھی، اس کے ہمراہ چلتا معاذ پہلے چونکا پھر بوکھلا پاتا، مصلحتی ہی سہی اس نے ناگواری کو دبا کر اسے سہارا دے کر کھڑا کیا تھا، اور گرد کتنے لوگ تھے، سب لپک کر ان کی جانب آگئے تھے، اس کے جوتے کا اسٹریپ ٹوٹ گیا تھا، وہ خود کو چلنے سے بری طرح قاصر پاتی تھی، پھر پیر میں بھی شاید موج آگئی تھی، تکلیف کے ساتھ سکی کا بھی احساس تھا جس نے اس کے چہرے کو سرخ اور آنکھوں کو نم کر دیا تھا، معاذ کے چہرے پہ بے زاری اور کوفت کے آثار بے حد نمایاں تھے، وہ اسے مارے بندھے بھی سہارا دینا گوارا نہیں کر رہا تھا، ماما اور بہا بھی جو لپک کر اس تک آئی تھیں پر نیاں کو سنبھال لیا تھا، سو وہی کیمرہ بند کر دیا گیا، پر نیاں کے آنسو تمام تر جذبہ کے باوجود بہہ نکلے تھے۔

”معاذ بیٹا آپ پر نیاں کو اٹھا کر کمرے میں لے کر چلو، پھر دیکھتے ہیں چوٹ زیادہ تو نہیں آئی؟“
 ماما پر نیاں کے آنسوؤں کی وجہ سے کچھ زیادہ ہی گھبراہٹ کا شکار ہو گئی تھیں، معاذ تو سنتے ہی بدک سا گیا تھا اس کے چہرے پہ ناگواری کا بہت واضح اظہار ہوا تھا۔

”کیا مطلب ہے ماما! اتنے لوگوں کے بیچ میں کیسے اٹھا لوں، کتنا آکروڈ لگے گا۔“ ماما نے حیرانی سے بیٹے کی شکل دیکھی، پھر کس قدر غصے سے بولی تھیں۔

”کیا آکروڈ لگے گا؟ یہاں موجود سب لوگ جانتے ہیں پر نیاں کے ساتھ آپ کا کیا رشتہ ہے اور یہ کام تم کسی سووی کے سین کو ادا کرنے کو نہیں کرو گے، بچی تکلیف میں ہے۔“

”میں چل لوں گی ماما، جوتے کا اسٹریپ نکل گیا ہے، بس مجھے ذرا سا سہارا دے لیں آپ۔“
 پر نیاں دھیمے لہجے میں مداخلت کر گئی تھی، اس کا چہرہ اسکی کے احساس سے لال بھسکا ہو رہا تھا، ماما خاموش رہیں اور بہا بھی کے ساتھ اسے سہارا دے کر واپس کمرے میں لے گئیں مگر ان کے چہرے سے صاف لگا تھا وہ معاذ کے اس رویے سے بے حد خفا ہوئی ہیں۔

”اسا بیٹے آپ زیادہ بولا کر لاؤ، بچی کے پیر کو دیکھ لے۔“ پر نیاں کا لہنگا سمیٹ کر اسے بستر پہ بٹھاتے ہوئے ماما نے بہا بھی کو مخاطب کیا تھا، وہ اسی خاموشی سے کمرے سے نکل گئیں پر نیاں ان سے نگاہ چرا رہی تھی، صاف ظاہر تھا ان کے سوالوں سے خائف ہے، ماحول پہ تکلیف دہ اور معنی خیز سناٹا طاری تھا جب دروازہ کھلا اور بہا بھی کے ساتھ ڈالے بھی اندر آگئی تھی۔

”آپ کو چوٹ زیادہ لگی ہے پر نیاں؟“ وہ تشویش زدہ انداز میں اسے دیکھتی بیٹھ پہ اس کے ساتھ آ بیٹھی، پر نیاں جبراً ہی مسکرائی تھی۔

”نہیں، ماما یونہی پریشان ہو رہی ہیں، ایم او کے ناؤ۔“ اس نے ڈالے کے ساتھ ساتھ ماما کو بھی تسلی سے نوازا تھا۔

”زیادہ نہیں آیا؟“ ماما نے سوالیہ نگاہوں سے بہا بھی کو دیکھا تھا جو روتے ہوئے عبد الرافع کو کانٹھے سے لگائے تھیں۔

”میں نے جہان کو کہا ہے، آتا ہو گا وہ۔“ بہا بھی کے الفاظ ابھی منہ میں ہی تھے جب جہان اور معاذ

ایک ساتھ اندر داخل ہوئے تھے، معاذ نے آگے بڑھ کر منہ سے کچھ بولے بغیر پر نیاں کا پیر چیک کرنا چاہا تھا، پر نیاں نے ایک نظر اس کے چہرے کو دیکھ کر ہی اندازہ لگا لیا کہ وہ جہان کے فورس کرنے پہ طوعاً و کرہاً آیا ہے، اس کا دل عجیب سے خالی پن سے بھر گیا، معاذ کو شاید اس سے تعاون کی توقع تھی کہ وہ متاثرہ پیر آگے کرے گی لہنگا ہٹائے گی مگر وہ تو ساکن بیٹھی رہی تھی، جیسی اس پہ قہر بھری پھنکارنی نگاہ ڈال کر معاذ نے خود اس کا لہنگا پیر سے سرکایا تھا اب مسئلہ اس کے نختے تک آتے پا جائے گا تھا جس کی بے شمار چوڑیاں وہ چاہتا بھی تو ہٹا کر متاثرہ جگہ کا معائنہ نہیں کر سکتا تھا، پر نیاں کو اس کی جھنجھلاہٹ کا جیسے ہی احساس ہوا اس نے گھبرا کر جھکتے ہوئے یہ کام خود سر انجام دیا تھا، معاذ کی جھکی مگر سستی نظروں میں اس کے نازک بے حد ابلے شفاف حنائی ہاتھ آگئے، جو بہت ہلکی سی کپکپاہٹ لئے مصروف عمل تھے، پر نیاں کے ہاتھ جھٹک کر معاذ نے چیک اپ کا فریضہ انجام دیا تھا، پھر گہرا طویل سانس بھر کے کس قدر آہستگی سے بولا تھا۔

”معمولی سی موج ہے مگر احتیاط ضروری ہے، آج کا دن چلنے پھرنے سے گریز کرنا ہو گا۔“ وہ دوبارہ اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

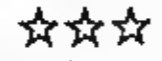
”بہا بھی آپ کو تکلیف زیادہ تو محسوس نہیں ہو رہی؟“ جہان نے معاذ کو سیمی نظروں سے گھور کر زہری سے پر نیاں کو مخاطب کیا، اس نے محض سر کو نشی میں جنبش دی تھی، ڈالے جو تب سے گاہے بگاہے اسے دیکھ رہی تھی اب سر جھٹکا کر اپنے ہاتھوں کی لکیروں میں الجھنے لگی تب جہان کی پہلی بار اس پر نظر اٹھی اور عجیب سی پیش سمیٹ لائی تھی۔

”مجھے پہلے ہی یہی خدشہ تھا، نظر لگ گئی نا، آپ کے پاس سے کہتی ہوں بچی کا صدقہ دیں بکرالے کر۔“ ماما بڑا میں اٹھی تھیں، بہا بھی شرارت سے مسکرانے لگیں۔

”ماما کا خیال ہے بلکہ یقین ہے پر نیاں کو معاذ نے نظر لگائی ہے۔“ بہا بھی کی نظریں معاذ پہ تھیں جس کے چہرے پہ تاؤ کی لہر اٹھی تھی مگر وہ وہا گیا تھا۔

”معاذ کے ساتھ تمہارا کوئی اختلاف ہوا ہے بری؟“ سب کے کمرے سے جانے کے بعد بہا بھی نے تشویش سے پوچھا تھا، پر نیاں کی رنگت متغیر سی ہو گئی۔

”نہیں تو بہا بھی، ان کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں ہے شاید اس وجہ سے اس طرح ہو رہے ہیں۔“ اس نے ٹالا تھا، بہا بھی نے مزید کرید نہیں کی تھی، پر نیاں نے تھکے ہوئے انداز میں آنکھیں موند لی تھیں۔



بالوں میں انگلیاں الجھائے وہ مضطرب سی ٹیرس کی ریٹنگ سے لگی کھڑی نچے دیکھتی تھی، لان کی سبز خنٹلیں گھاس دھوپ میں چمک رہی تھی، ٹھنڈی ہوا کے جھوکے سردی کی شدت کو کم ہونے نہیں دے رہے تھے، وہ بے چین سی ہو کر ٹپٹنے لگی، اتنے سارے گفٹس وہ ساتھ لے کر آئی تھی سب کو پہنچا دیئے تھے، چنگ پارٹی نے تو بہت جوش و خروش اور خوشی سے قبول کیے تھے، بڑوں نے البتہ اس تکلف پہ اسے ٹوکا تھا، جہان کا گفٹ سب سے خاص تھا جو اس نے خود پسند کیا تھا، بیش قیمت رسٹ واچ اور پر فہوم مگر وہ اسے دینے کی ہمت نہیں کر پار رہی تھی آج اسے واپس جانا تھا اور جانے سے قبل وہ یہ کام کر دینا چاہتی تھی، بہت سوچنے کے بعد اس نے ہمتوں کو جمع کیا اور کمرے میں آ کر ٹپٹل پہ رکھا پیک اٹھا لیا تھا، کچھ دیر قبل اس

نے جہان کو اپنے کمرے میں جاتے دیکھ چکی تھی اس کے خیال میں یہ بہترین موقع تھا، بہت حوصلہ کر کے وہ اس کے کمرے تک تو آگئی تھی مگر دروازے پہ آ کر پھر ہمتیں اور حوصلے کمزور پڑنے لگے، قریب تھا کہ وہ واپس پلٹ جاتی کہ اس بل دروازہ کھلا تھا اور جہان اپنے دھیان میں باہر آتا اس سے ٹکرا گیا تھا، ڈالے مل کر رہ گئی، ہاتھ میں موجود پیک زمین یوں ہو چکا تھا، اپنے کمرے کے دروازے پہ ہونے والے اس تصادم نے جہان کے چہرے پہ ناگواریت کا تاثر بکھیر دیا تھا، یہ سوچ ہی بے حد تاؤ دلا دینے والی تھی کہ وہ اس کے کمرے میں آنا چاہ رہی تھی۔

”کیا مسئلہ ہے؟ کیوں کھڑی تھیں آپ یہاں؟“ اس کے چہرے کے تاثرات میں ہنوز برہمی اور بے زاری تھی، ڈالے جو جھک کر پیک اٹھا رہی تھی گھبرا کر سیدھی ہوئی۔
 ”وہ..... انچوکلی یہ گفت تھا جو میں.....“ حواس باختہ سی ہوتی ہکلا کر بولی تھی، جہان نے ایک نظر اس کے ہاتھ میں موجود خوبصورت پیک کو دیکھا تھا اور ماتھے پہ بل ڈال لئے تھے۔

”آپ سے کس نے کہا مجھے اس کی ضرورت ہے یا میں قبول کر لوں گا؟ محترمہ آپ جو عمر بھر کا طوق بن کر میرے گلے پڑ گئی ہیں آپ کی طرف سے یہی کافی ہے میرے لئے، تشریف لے جائیے۔“ اس کا لہجہ مدہم مگر ہانت اور تضحیک کے احساس سے لبریز تھا، اپنی بات مکمل کر کے وہ روکا نہیں تھا، تضرع بھرے انداز میں آگے بڑھ گیا، ڈالے سکی اور خفت کے احساس کے ساتھ اپنا دل رنج سے شق ہوتا محسوس کرتی دھواں ہوتے چہرے کے ساتھ وہیں کھڑی رہ گئی، معانظوں کی تپش اور مردانہ کھنکار یہ وہ اس تکلیف دہ احساس سے نکلتی تھی، سامنے سیاہ شلوار سوٹ میں لمبوس کڑیل جسم کا مالک تیمور خان گھڑا تھا جس کے چہرے پہ ہی نہیں آنکھوں میں ایک عجیب سا احساس تھا، شاید اس کے دیکھنے کے انداز میں شائستگی نہیں تھی جس نے ڈالے کو سنبھلنے اور پھر خود میں سمٹ جانے پہ اکسایا تھا، تیمور خان کل ولیمہ پہ پہنچا تھا وہ دور سے ہی اس سے متعارف ہوئی تھی کسی نے بھی اس کا انٹروڈکشن براہ راست تیمور سے کرانے کی کوشش نہیں کی تھی، اس کی وجہ ڈالے کو اب سمجھ آ رہی تھی۔

”آپ کو پہلے کبھی یہاں نہیں دیکھا، پرینیاں صاحبہ کی سسٹر ہیں آپ، انہی کی طرح ہیں، یونیک اور نفسی ٹینک۔“ وہ بے باک اور اندر تک کھوج گئی نظروں سے اسے مسلسل یک نگ دیکھ رہا تھا، ڈالے بری طرح سے جریز ہوئی ہوئی تھی، اسے قطعی سمجھ نہیں آئی سسرالی اس بے جداہم رشتے کے ساتھ کس طرح کا رویہ رکھے۔

”جج..... جی میرا نام ڈالے آفریدی ہے اور میں پرینیاں کی بہن نہیں ہوں۔“ اس نے مارے بندھے جواب دیا تھا اور اپنا آچھل کچھ اور پھیلا کر اپنے آپ کو اچھی طرح سے ڈھانپا۔
 ”ڈالے..... یعنی جہاگیر کی مسز؟“ تیمور خان کو جیسے دھچکا لگا تھا، ڈالے کا رنگ جہان کا حوالہ پاتے ہی گلابی ہو گیا جبکہ تیمور بے ساختہ ہونٹ بھیج کر رہ گیا تھا، ڈالے محض سر ہلا سکی پھر کتر کرتیزی سے نکل گئی، تیمور خان کی ہنسی نگاہوں نے راہداری کا موڑ مڑنے تک اس کا پوسٹ مارٹم کیا تھا۔

☆☆☆

ان کی سب سے پہلی دعوت کالج کے پرنسپل صاحب نے اپنے گھر پہ کی تھی، معاذ اپنی معروفیت کو آڑ بنا کر باقی سب کو توڑ خانے جا رہا تھا مگر انہیں ظاہر ہے انکار نہیں کیا جاسکتا تھا، جیسی اسے پرینیاں کو لے کر

وہاں جانا پڑا تھا، دعوت تو سب کو دی گئی تھی مگر جاوہی دونوں رہے تھے، معاذ خود کب کا تیار ہو کر باہر جا چکا تھا اسے پورنیکو میں آنے کا کہہ دیا تھا، پرینیاں نے اس کے موڈ کی خرابی کے خوف سے ذرا عجلت میں تیاری مکمل کی تھی، آٹمی گلابی ساڑھی جس کے کناروں پہ بہت شوخ رنگوں کا خوبصورت سا کام جھلملاتا تھا اور انہی شوخ رنگوں کے ساتھ میچ کرنا ہوا بلاؤز تھا جس کے بازوؤں کا بس جیسے تکلف ہی کیا گیا تھا، پرینیاں نے اس بے پردگی کو چھپانے کی غرض سے ہی شال اوڑھ لی تھی، جس بل وہ سیٹل پہنکر باہر آئی، پہلا ٹکراؤ ہی ماما سے ہوا تھا۔

”ماشا اللہ! چشم بدور۔“ ماما نے اس کو بے ساختہ والہانہ انداز میں پیار کیا تھا۔

”گجرے کیوں نہیں باعدھے؟ میں نے تجھوئے تھے نا بیٹے، ساتھ لے جاؤ گاڑی میں پہن لینا۔“
 ”جی ماما!“ وہ آہستگی سے مسکرائی تھی، پھر واپس جا کے گجرے ڈریسنگ ٹیبل سے اٹھلائی، ماما کو خدا حافظ کہتی وہ پورنیکو میں آئی تو وہاں تیمور خان پہلے سے معاذ کے ساتھ موجود تھا، پرینیاں اس سامنے پہ بے ساختہ گھبرائی تھی اس پہ تیمور کی بے لحاظ ہنسی ہوتی نظر میں۔

”السلام علیکم! کیسی ہیں آپ؟“ اس کا اخلاق اور خوش دلی کا مظاہرہ بھی بہت اٹوکتا تھا جو ہمیشہ خوبصورت لڑکیوں کو دیکھ کر ہی ہوتا تھا۔

”وعلیکم السلام! مم..... میں ٹھیک ہوں۔“ وہ جواب اس کی خیریت نہیں پوچھنا چاہتی تھی، اس کی جان تو معاذ کے چہرے کے بگڑتے زاویوں کی وجہ سے ہی ہوا ہو رہی تھی۔

”آپ مجھے ہمیشہ ضرورت سے زیادہ خاموش اور کسی حد تک اداس نظر آتی ہیں۔“ تیمور سے دیکھ کر زیادہ ہی پھیل رہا تھا، پرینیاں نے منظر ب سی نگاہ معافیہ ڈالی جو دانت بھیجے بظاہر لگاتار نظر آتا تھا۔

”یہ میرا مزاج ہے تیمور بھائی اور جو آپ کو اداس لگتی ہے وہ میرا گریز ہے میں اجنبیوں سے زیادہ بات چیت پسند نہیں کرتی، چلیں معاذ؟“ تیمور کی آخری بات نے اسے آگ سی لگا دی تھی، جیسی اس نے اس کا مزاج درست کر کے رکھ دیا تھا، معاذ بھی ایک بل کے لئے اس کے اعتماد اور بے رخی کے مظاہرے پہ ساکن رہ گیا تھا، کسی تاثر کے بغیر اس نے تیمور سے الوداعی مصافحہ کیا اور گاڑی کا دروازہ کھول کر ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی، پرینیاں نے اس کے برابر بیٹھتے ہوئے زور سے دروازہ بند کر کے گویا اپنا غصہ نکالا تھا۔

”میں جانتی ہوں آپ کو میرا ان سے ملنا اور بات چیت کرنا پسند نہیں مگر رتیلی مجھے ہرگز بھی اندازہ.....“

”کیوں وضاحتیں دے رہی ہیں؟ میں نے آپ سے کچھ پوچھا نہیں ہے، ویسے بھی آپ ہر معاملے میں خود مختار ہیں۔“ وہ اس کی بات قطع کر کے زور سے پھنکارا تو پرینیاں نے سہمی ہوئی نظروں سے اسے دیکھا تھا، پھر ہمت مجتمع کر کے سننائی۔

”میں ہرگز نہیں چاہوں گی آپ مجھے غلط سمجھیں۔“ اس کی بات پہ معاذ نے کاٹ دار تسخر سے اسے کچھ دیر تک دیکھا تھا پھر مضحکہ اڑانے والے انداز میں ہنس دیا۔

”میں ہوتا کون ہوں، آپ کے بارے میں کوئی رائے دینے والا، اس تکلف میں مت پڑا کریں میڈم۔“ پرینیاں کا چہرہ دھواں دھواں ہو گیا، کچھ دیر وہ پلکیں جھپک کر آنسو اندر اتارتی رہی، معاذ کی بے

حسی لائق اور بے نیازی اس کے لئے بہت تکلیف دہ تھی وہ بھی اس صورت کہ وہ اس کی محبت اور چاہت کی سب شدتوں کو محسوس کر چکی تھی۔

”مجھے پتہ ہے آپ مجھ سے بہت نفرا ہیں، مجھے اپنی غلطی کا بھی احساس ہے، معاف کر دیں مجھے پلیز۔“ اسٹیونگ وہیل پہ جسے معاذ کے مضبوط ہاتھوں پہ اپنے دونوں ہاتھ رکھتے ہوئے وہ اچانک بچھی ہو کر بولی تھی، معاذ تو چند ثانیوں کو حق دق رہ گیا تھا، اسے پر نیاں سے اس حد تک پسائی کی توقع ہی کہاں تھی مگر جب یہ سکتہ ٹوٹا تو پھر گویا بھونچال آگیا تھا۔

”جسٹ شٹ اپ، قابو میں رکھنا سیکھو اپنے آپ کو اور مجھے کیوں چھو رہی ہیں، اس ناپاکی کے احساس کو کیسے معاف کریں گی، مجھ جیسے انسان سے بچ کر رہنا سیکھو سمجھیں۔“ اس کے ہاتھ پھیلے ہتھارت بھرے انداز میں جھٹک کر وہ غرانے کے انداز میں کہہ رہا تھا، اس کی آنکھوں میں اس درجہ تک کڑھائی تھی کہ پر نیاں حق چہرے کے ساتھ اسے متوحش بھیگی نظروں سے دیکھتی رہ گئی، گاڑی کے ماحول میں یکنگت سناٹا در آیا تھا، سکوت سے لبریز یہ اعصاب شکن لمحے بہت بوجھل تھے گویا، پر نیاں کی آنکھوں میں کرب اور اضمحلال کے ساتھ شکوہ بھی چل رہا تھا، جبکہ معاذ کے سرخ چہرے یہ صرف تھی تھی، اتنی ذلت کالی تھی فی الحال پر نیاں مجھے دل کے ساتھ آنسو پتی ٹھہال سی ہو کر بیٹھ گئی تھی، معاذ بھیچے ہوئے ہونٹوں کے ساتھ ریش ڈرائیو کر رہا تھا۔

☆☆☆

زینب نے گاڑی کی سیٹ سے ٹیک لگائی اور ایک نظر کھڑکی سے باہر دیکھا، جہاں سے اس وقت وہ گزر رہے تھے یہ کراچی کا ہنگام ترین علاقہ تھا، یہاں کٹھیاں اور بنگلے ایک دوسرے سے قاصطے پر بے ہوئے تھے، بہت جدید اور خوبصورت انداز میں بنے گاؤں اور سوئمنگ پول بھی نظر آ رہے تھے، پینک بہت پرسکون ماحول تھا، آج اتنے دنوں بعد وہ تیمور کے ساتھ واپس حویلی جا رہی تھی تو بجائے خوشی کے اداسی محسوس کر رہا تھا، عجیب سی تھکن اس کے رگ و پے میں سار رہی تھی، زیادہ نہیں ایر پورٹ چھوڑنے آیا تھا، زینب کی طبیعت کی وجہ سے تیمور نے پلیٹین سے جانے کا فیصلہ کیا تھا، چند گھنٹوں کا سفر تھا جو ہرگز تکلیف دہ ثابت نہیں ہوا، ایر پورٹ پہ تیمور کا ملازم گاڑی لئے ان کا منتظر تھا، کچھ دیر میں ہی جانے پہچانے منظر نگاہ کے سامنے بکھرنے لگے، فلک پوش پہاڑیاں سنہری دھوپ میں چمک رہی تھیں، ہر سو پھیلے مینے سے بچتے جھرنے اور گرتے آبشاروں نے وہاں کی شادابی و خوبصورتی کو اجاگر کر دیا تھا، دن بہت نکھرا ہوا اور خوبصورت تھا، سبب آلوچے، خوبانی درختوں سے ٹوٹ کر گھاس پر بکھرے نظر آ رہے تھے، سامنے اونچی پہاڑیوں کی چوٹیوں پر بادل دھویں کی صورت بکھرے نظر آ رہے تھے، سورج سرخی پہاڑوں کے پیچھے چھپتا جا رہا تھا، سردیوں میں دن انتہائی مختصر ہوتے ہیں، ایسا لگتا ہے کہ دن ابھی پوری طرح چڑھا بھی نہیں اور اتر گیا، ایر پورٹ سے حویلی تک کا سفر ڈیڑھ گھنٹے کا تھا جس میں سورج دھرتی کا جالا بھین کر غروب بھی ہو گیا تھا پہاڑی علاقوں کی مخصوص اور شدید خشکی ماحول میں اپنے پر پھیلا نا شروع کر چکی تھی۔

”جہا تکیر کی وائف ڈالے آفریدی کا تعلق کہاں سے ہے، تم نے کبھی ذکر ہی نہیں کیا زینب۔“ تیمور خان کی دنگ آواز پہ زینب نے چونک کر کھڑکی سے رخ اس کی جانب پھیرا، ڈالے کے ذکر کے ساتھ

ہی اس کا حلق کڑوا ہوا تھا مگر تیمور کے سامنے وہ بہت محتاط ہو کر بات کرتی تھی۔

”لاہور سے بی لائنگ کرتی ہیں مسز آفریدی، ڈالے ان کی اکلوتی بیٹی ہے۔“

”یہ رشتہ اچانک طے ہوا تھا تو ڈرائیور ایکٹ نکاح کیوں، یا تمہاری نیلی میں ایجنج منٹ کو اچھا نہیں سمجھا جاتا؟“ وہ عجیب سے خنجر سے کہہ رہا تھا۔

”جے کا ذاتی انٹرسٹ تھا ڈالے میں، نکاح کا ڈیٹن بھی یقیناً انہی کا ہوگا۔“

”یعنی تمہیں کچھ نہیں پتہ؟“ تیمور نے جیسے ہوئے لہجے میں پوچھا زینب گڑبڑائی۔

”میں نے یہ کب کہا؟ ڈالے کا نکاح آف کورس سب کے علم میں ہے۔“ وہ سنناتی تھی، تیمور کچھ دیر اسے جھانچتی نظروں سے دیکھتا رہا پھر ٹھنڈا سانس بھر کے بولا تھا۔

”بہت لگی ہیں جہا تکیر صاحب ہر لحاظ سے، اتنی حسین و جمیل بیوی بھی مل گئی ساتھ میں اتنا لمبا چوڑا بینک بیلنس بھی، جانتا ہوں میں مسز آفریدی کو انڈسٹری کی دنیا میں ایک جانا مانا نام ہے ان کا۔“ اس کے لہجے میں عجیب سی پیش اور رقابت تھی جو زینب کو سراسر ناگوار محسوس ہوئی تھی، مگر وہ کچھ کہہ کر اسے اپنے گلے ڈالنا نہیں چاہتی تھی۔

”تمہارے ہاں لڑکیوں کو پراپرٹی میں حصے دیا جاتا ہے؟“ اس کے اگلے سوال پہ زینب کو عجیب سے احساس نے آن لیا۔

”بالکل دیا جاتا ہے، آپ کیوں پوچھ رہے ہیں؟“

”کیوں میں نہیں پوچھ سکتا؟ بیوی ہوتی میری، کوئی بھی بات پوچھ سکتا ہوں۔“ وہ سرد مہری سے کہہ رہا تھا، زینب نے چپ سا دل، آج ایک بار پھر اسے تیمور کی فطرت کا ایک اور رنگ نظر آیا تھا جو بلاشبہ ناگواری میں جلا کرنے والا تھا، آج پھر اس نے لاشعوری طور پہ تیمور کا جہان سے موازنہ کیا تھا اور جہان کا پلڑا جھٹکا پا کر اس کی اپنی نظریں جھکتی جا رہی تھیں جو تاسف اور ملال تھا وہ الگ۔

☆☆☆

”نام مجھے ذرا جلدی ناشتہ دے دیں، آل ریڈی لیٹ ہو چکا ہوں۔“ ایش گرے پیٹ وائیٹ شرٹ میں تیار وہ عجلت میں ڈائیننگ ہال میں داخل ہوا تھا اس طرح کہ ایک ہاتھ سے دوسری کلائی پہ رسٹ وایج باندھ رہا تھا گرے کوٹ بازو پر لٹکا ہوا تھا، جنید بھائی نے اخبار کا کونہ موڑ کر چہرے کے آگے سے ہٹایا اور اسے مسکراہٹ دبا کر دیکھا۔

”لیٹ تم جیسے روڈ بینک لوگ نہیں ہوں گے تو ہم ہوں گے مگر یار کوٹ تو تمہیں اندر سے ہی پہن کے آنا چاہیے تھا نا، مطلب پر نیاں سے پہن کر۔“ اندر داخل ہوتی پر نیاں کا چہرا آن واحد میں سرخ بڑا تھا جبکہ معاذ نارمل تھا، یوں جیسے جنید بھائی کی بات سنی ہی نہ ہو، البتہ ایک بار پھر ماما کو زور سے آواز لگائی تھی، پر نیاں جو کرسی کھینٹ کر بیٹھ رہی تھی گھبرا کر کھڑی ہو گئی۔

”مم..... میں ناشتہ لے کر آتی ہوں۔“ ماما نے ابھی باقاعدہ اسے کام میں ہاتھ نہیں ڈلویا تھا جیسی آج کل وہ سرے سے فارغ تھی، معاذ نے جنید بھائی کے ہاتھ سے اخبار لے لیا، گویا ہر قسم کے تاثرات محفوظ کرنے کا آسان طریقہ۔

”یار کیا کرتے ہو تمہیں آنکھ لڑانے کے لئے ایسے پردوں کی کیا ضرورت، لا ادھر مجھے اخبار دے۔“

جنید بھائی کو اس کے موڈ کی تبدیلی کا اندازہ ہی نہیں تھا جسی سابقہ انداز میں اس سے بچنے لے رہے تھے، پر نیاں بھی دروازے تک ہی گئی تھی کہ ممالازمہ کی ہمراہی میں چلی آئیں، بڑے ٹرے میں ناشتے کے لوازمات سب تھے، پر نیاں نے جلدی سے ٹرے تمام لی، پھر معاذ کے لئے ناشتہ نکال کر اس کے آگے رکھا تھا۔

”سلاٹس پہن لگاؤں یا جیم؟“ اس نے جھپکتے ہوئے انداز میں معاذ کو لہو بھر کر دیکھ کر سوال کیا تھا، وہ جانتی تھی گھر کے سارے افراد کی نظریں ان دونوں پہ ہوتی ہیں، سب ان سے بلکہ معاذ سے سابقہ رویے کے متقاضی تھے مگر اسے تو جیسے پرواہ تک نہیں تھی کسی کی پر نیاں ہی پردے رکھتی ہلکان ہوئی جا رہی تھی۔

”بہر۔“ معاذ نے چائے کا گنگ اٹھاتے ہوئے مختصر جواب دیا تھا۔

”پر نیاں بیٹے آپ کا کالج کیوں نہیں جا رہی ہو؟ ایگزیم نزدیک ہیں آپ کے۔“ پاپا کے سوال پہ پر نیاں نے بے اختیار معاذ کو دیکھا جیسے اس کی رائے جاننا یا اجازت پانا چاہ رہی ہو مگر وہ بے نیازی سے ناشتے میں مشغول رہا تھا، پر نیاں اس کی لائق اور بے حسی کی مار پہ رو ہانسی ہونے لگی۔

”جی پاپا کل چکی جاؤں گی، آج میری کوئی تیاری نہیں ہے۔“ اسے پاپا تو جواب دینا ہی تھا، شام کو جب معاذ کی کالج سے واپسی پہ اس نے وارڈ روم کھول کر اس کے کپڑے نکال کر واش روم میں رکھنے چاہے تھے معاذ نے بری طرح سے اسے جھڑک کر رکھ دیا تھا۔

”کوئی ضرورت نہیں ہے میرے کام کرنے کی سمجھیں، بیڈ روم سے باہر تک اس تعلق کو بھانا میری مجبوری ہے مگر اندر میں تمہیں برداشت کرنے کا ہرگز روادار نہیں ہوں، اپنے کام تک کام رکھا کرو۔“ اس کی اتنی سنگ دلی اور اپنی ذلت پہ وہ کٹ کر رہ گئی، غم و غصے سے دماغ ماؤف ہوتا محسوس ہونے لگا۔

”آپ میری انسلٹ کر رہے ہیں معاذ۔“ بھئی آنکھوں سے وہ بھی کہہ سکی، معاذ نے جواب میں ایک پھینکاری نگاہ اس پہ ڈالی پھر رعونت بھرے انداز میں بولا تھا۔

”تم بھی کر چکی ہو میرے ساتھ۔“

”میں معافی مانگ تو رہی ہوں آپ سے۔“ اس نے زنج ہو کر کہا تھا، جواب میں معاذ نے اسے ایسی نظروں سے دیکھا تھا جیسے گل کر دینا چاہتا ہو۔

”تمہاری وہ بکواس میں مرتے دم تک نہیں بھلا سکتا، تم معافی کی بات کرتی ہو۔“

”غلطیاں انسانوں سے ہی ہوا کرتی ہیں۔“ وہ پھر اپنا دفاع کرنے لگی۔

”ہاں تو کرو غلطیاں تمہیں روکا کس نے ہے۔“ وہ پھاڑ کھانے کو دوڑا، پر نیاں غمناک نظروں سے اسے دیکھنے لگی، پھر کھٹی کھٹی سانس بھر کے قدرے تاخیر سے سوال کیا تھا۔

”پاپا کالج کا کہہ رہے تھے، چلی جایا کروں؟“ ڈیرینگ ٹیبل کے آئینے کے آگے کھڑے بال بناتے معاذ کا ہاتھ اس سوال پہ اسی زاویے پہ چند لمحوں ساکن رہ گیا تھا، پھر اس کے چہرے پہ یکا یک تبدیلی آئی تھی، تمام عضلات تن کر رہ گئے، اس نے ہاتھ میں پکڑا برش زوردار آواز کے ساتھ ٹیبل پہ پھینک دیا تھا، گھر خارجہ انداز میں اس کی جانب پلٹ کر اس کی کلائی اتنی بے دردی سے دبوچا تھا کہ پر نیاں کو اپنی بی چختی ہوئی محسوس ہونے لگی۔

”یہ فرمانبرداری و اطاعت گزاری کا ڈرامہ رچانا بند کرو سمجھیں، بہت اچھی طرح سے آگاہ ہونم سے، اپنی مرضی کی مالک ہونم، وہ کیا کرو جو تمہارا دل چاہے۔“ بات کے اختتام کے ساتھ ہی اس نے زوردار طریقے سے اسے پرے دھکیل دیا تھا، پر نیاں اچھل کر بیڈ پہ جا کر گری تھی، معاذ اس شدید موڈ کے ساتھ باہر چلا گیا تھا، پر نیاں کا دماغ ہی نہیں پورا وجود سنسٹا رہا تھا، آنکھوں سے ایک دم لاوا بہہ نکلا، اس نے اپنی زندگی میں کبھی اتنی ذلت نہیں سہی تھی، معاذ سے وابستگی کے بعد وہ یہی سمیٹ رہی تھی چاہے کس رنگ میں بھی سہی۔

☆☆☆

اگلے دن وہ معاذ کے ہمراہ ہی کالج آئی تھی، وہ ٹرین کے دو ایسے مسافر بن گئے تھے جو ایک ساتھ سفر تو کرتے ہیں مگر ایک دوسرے سے اچھی رشتے ہیں، راستے بھر معاذ نے کوئی بات کرنا تو درکنار اسے نگاہ بھر کے دیکھنا تک گوارا نہیں کیا تھا البتہ کالج کے گیٹ پہ ہی ضرور معاذ کی بدولت اس کو خصوصی پروٹوکول ملنے لگا، لڑکے لڑکیاں انہیں روک روک کر شادی کی مبارک باد دیتے اوروش کرتے رہے تھے، پر نیاں کچھ کنفیوژ ہو رہی تھی جھینپ رہی تھی جبکہ معاذ کا انداز ویسا ہی پر اعتماد بادقار اور شاندار تھا، وہ رکنے بغیر چلتے چلتے ہی اس جم غفیر کے جوش و خروش کے مختصر ترین لفظوں میں جواب دیتا اسٹاف روم کی سمت چلا گیا تھا، پر نیاں وہاں سے اپنی کلاس کی جانب آتی شا کو ڈھونڈتی رہی، لڑکے لڑکیوں کی بے شمار نگاہوں کا مرکز بنی وہ اچھی خاصی کنفیوژ ہو چکی تھی، وہی کالج تھا مگر وہی سب کچھ اس کے لئے ماحول تبدیل ہو گیا تھا، وہ جہاں بھی جا رہی تھی نظریں ساتھ ساتھ سفر کرتی تھیں اور جہاں ایک سے ذائد نفس ہوتے اس کی سمت اشارہ کر کے کچھ نہ کچھ دھسی آواز میں کہا جا رہا تھا۔

پر نیاں چند لمحوں میں ہی گھبرا گئی، بات یہ نہیں تھی کہ اس میں اعتماد نہیں تھا، بات یہ تھی کہ معاذ نے اس کا اعتماد بجال نہیں رہنے دیا تھا، سٹی بیچ پہ بیٹھ کر اس نے سیل فون اپنے بیگ سے ڈھونڈ کر نکالا اور شا کا نمبر پیش کیا، کتنی عجیب تھی یہ بات کہ اتنے دنوں میں اسے پہلی بار شا کی یاد آئی تھی وہ بھی کالج آ کر اسے تو پر نیاں کی شادی میں بھی آنا تھا مگر وہ شریک ہی نہیں ہوئی تھی، حالات ہی ایسے ہو گئے تھے کہ وہ سب کچھ بھول گئی تھی، شا کا نمبر بند جا رہا تھا، وہ مضطرب ہونے لگی، کلاس کے دوران اس نے ایک لڑکی سے شا کے متعلق استفسار کیا تھا، اس کے یہ بتانے پہ کہ شا پچھلے کئی دنوں سے کالج نہیں آ رہی اس کی تشویش بڑھنے لگی تھی، اس نے اپنے سیل سے ہاسٹل رابطہ کیا تھا، وارڈن سے علیک سلیک کے بعد اس نے بے صبری سے شا کے بارے میں سوال کیا تھا۔

وہ تو آپ سے ایک دن بعد ہی اپنے گھر واپس چلی گئی تھیں، بہت امیر جنسی میں بلوایا تھا ان کی فیملی سے دوبارہ کوئی کاھیکٹ نہیں ہوا۔

وارڈن اسے شادی کی مبارک باد دینے لگیں، پر نیاں نے بے دلی سے چند باتیں کہیں پھر فون بند کر دیا، اس کا دن بے زاری کے عالم میں گزرا تھا، معاذ کی کلاس کے دوران بھی وہ زیادہ عائب دماغ رہی، چھٹی کے وقت وہ گیٹ کی طرف جانے والے راستے پہ آگئی تھی، تاکہ معاذ اسے آسانی سے دیکھ لے، مگر اس کا انتظار طویل ہونے لگا تھا، پر نیاں نے تقریباً آدھا گھنٹہ انتظار کے بعد اس کے سیل پہ ٹرائی کیا تھا،

تیل بجتی رہی مگر وہ فون پک نہیں کر رہا تھا پر نیاں کا دل عجیب سی وحشت اور غصن کا شکار ہونے لگا، یہ نہیں وہ دانستہ اکتور کر کے بدلا لے رہا تھا یا واقعی مصروف تھا، دوسری سے تیسری مرتبہ جب ٹرائی کرتی وہ روہاکی ہو رہی تھی، تب معاذ کی جھنجھلائی ہوئی آواز سنائی دی۔

”واٹ مان سنس، کیا انارڈ آپڑی ہے تم پہ آخر؟“

”آپ مجھے کالج چھوڑ کر کہاں چلے گئے ہیں، اکیلی بیٹھی ہوں میں۔“ وہ واقعی ہی رو پڑی تھی۔

”یہ تمہاری اپنی پالی ہوئی مصیبت ہے، میں نے ٹھیکہ نہیں لیا تھا تمہارا اور روڈ مت، ابھی مراجل ہوں یہ آسوا ایسے وقت کے لئے سنبھال رکھو۔“ وہ بھڑک اٹھا تھا، اس کا لہجہ گوکہ دھیما تھا مگر زری اس میں نام کو نہیں تھی۔

”فار گاڈ سیک! مت کہیں ایسے۔“ وہ بے اختیار دہل گئی تھی، معاذ جھلایا۔

”آپ مجھے لینے کب آرہے ہیں؟“ پر نیاں نے ہیکل آواز میں پوچھا۔

”کچھ ویٹ کرو آجاتا ہوں۔“ وہ رکھائی سے کہہ کر سلسلہ کاٹ گیا تھا، پھر اگلے پندرہ منٹ مزید

کلنے کے بعد چوکیدار معاذ کا پیغام لایا تھا کہ گاڑی میں اس کا منتظر ہے۔

”اگر آپ نے مجھے یونہی خوار کرنا ہے تو میں کل سے کالج نہیں آؤں گی۔“ گاڑی میں بیٹھنے کے بعد

پر نیاں نے بے ساختہ غصے سے کہا تھا، جو اب معاذ نے مفرور سے انداز میں کانٹے اچکا دیئے وہ کلس کر رہ گئی تھی، مگر واپس آکر وہ معاذ کی طرح سیدھی اپنے کمرے میں نہیں گئی، ماما کے پاس آگئی۔

”کیسا گزرا کالج میں پہلا دن بیٹے؟“ انہوں نے مسکرا کر اسے دیکھا تھا، وہ جھک کر جوتے اتار

رہی تھی مگر اسانس بھر کے رہ گئی۔

”یہ پہلا دن کہاں تھا ماما!“

”شادی کے بعد تو پہلا ہی تھا۔“ ماما اس کی سادگی پہ مسکرا دی تھیں، وہ خفیف سی ہو گئی۔

”سب ہی وش کرتے رہے، مگر ثنا نہیں ملی مجھے۔“ اس کے لہجے میں یاسیتہ کھل گئی۔

”معاذ آپ کو کھانا کھلانے لے گیا تھا؟“ ماما کے سوال پہ اس کا سر بے ساختگی میں ہنسی میں مل گیا۔

”بیٹے آپ کے پیا چاہتے ہیں آپ اور معاذ کہیں گھومنے چلے جاؤ۔“ ماما کی بات پہ پر نیاں کے

چادر اتارتے ہاتھ اسی زاویے پہ ساکن ہو گئے تھے، ماما نے بغور اسے دیکھا تھا۔

”کیا بات ہے آپ کو خوشی نہیں ہوئی؟“ ماما کے سوال پہ وہ گڑبڑا سی گئی۔

”میری اسٹڈی.....“

”چند دنوں کی تو بات ہے بیٹے، معاذ ہے نا کور کرا دے گا آپ کو، یہ دن بار بار لوٹ کر تھوڑا ہی

آتے ہیں۔“ ماما نے رسان سے قائل کرنا چاہا تو پر نیاں نے ہونٹ کا کونہ دانتوں تلے داب کر سر جھکا لیا

تھا۔

”آپ ان سے بات کر لیجئے گا ماما آئی تھیک وہ کالج اور ہاسپٹل سے اتنی طویل غیر حاضری پہ

آبادہ نہیں ہوں گے۔“

”آپ فکر نہ کرو بیٹے، معاذ سے احسان خود بات کر لیں گے، آپ یہ بتاؤ معاذ خفا ہے آپ سے،

پر نیاں بیٹے میں ماں ہوں، میں نے پہلے بھی آپ سے کہا تھا نا کہ میں معاذ کو بہت اچھے طریقے سے جانتی ہوں، کوئی بات ہے ضرور آپ کے سچ وہ بہت بدل سا گیا ہے، آپ بھلے مجھے نہ بتاؤ مگر پلیز اس خشکی کو ضروری دور کر لو، اچھی بیویاں اپنے شوہر کو زیادہ عرصہ خود سے ناراض نہیں رہنے دیا کرتیں، مرد کو اگر توجہ اور محبت کھل نہ ملے تو وہ گھر سے باہر رہنا سیکھ جاتے ہیں، باہر اپنی ضرورتیں پوری کرنے کے عادی ہو جایا کرتے ہیں، یہیں سے آشیالوں کے بکھرنے کا آغاز ہوتا ہے، مجھے معاذ ہی نہیں آپ بھی عزیز ہو، میں کبھی نہیں چاہوں گی آپ کو دکھ ملے، آپ مجھے ہمیشہ مسکراتی ہوئی اچھی لگی ہو اور ایسا تب ہی ہوتا ہے جب دل خوش ہو، دل کی خوشی معاذ سے کھل ہوتی ہے نا آپ کی؟“

انہوں نے اپنی بات کے اختتام پہ رک کر تائید چاہی تھی، پر نیاں جو گم صم سی بیٹھی تھی ہڑبڑا سی گئی، پھر ان کے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لے کر عقیدت بھرے انداز میں چوما تھا اور آنکھوں سے لگایا۔

”دوا کے بعد وہ میری زندگی میں آنے والے واحد مرد ہیں ماما جن سے میں نے پوری سچائی اور

شدت سے محبت کی ہے، ان کے تمام تر ناروا سلوک کے باوجود، آپ فکر نہ کریں، میں انہیں منالوں

گی۔“ دھیسے لہجے میں بات کرتی وہ آخر میں مسکرائی تھی، ماما آسودگی سے مسکرا دیں۔

☆☆☆

معاذ نے اپنے معمول کے کام نپٹائے تھے پھر پیکر کی تیاری میں مشغول ہو گیا، پر نیاں نے اس کے

لئے چائے کاگ رکھتے ہوئے گریز اپنی نظروں سے دیکھا تھا، جو اس کے تیور تھے بہت کم امید تھی وہ اس

کی بات سنتا مگر کوشش تو بہر حال کرتی تھی، ماما سے وعدہ کر چکی تھی وہ۔

”مجھے آپ سے کچھ کہنا تھا۔“ نظریں جھکاتے اٹھکیاں چٹکتاتی ہوئی وہ بڑی آہستگی سے گویا ہوئی تو

معاذ نے مصروف سے انداز میں سرسری سی نگاہ اٹھا کر لمحہ بھر کو اسے دیکھا۔

”پڑھنے کی بات مت کرنا، میں ایکسٹرا ٹائم دینے کے چونچلے ہیں برداشت کر سکتا۔“ وہ زروٹھے

پن سے بولا تھا، پر نیاں کے دل پہ چوٹ پڑی، اسے یقین نہیں آسکا یہ وہی معاذ ہے جو اس سے بات

کرنے کے بہانے ڈھونڈا کرتا تھا، جب دیکھا تھا تو آنکھیں سیراب نہیں ہوئی تھیں، کوئی اتنا بھی بدل

سکتا ہے، وہ تو نہیں بدل سکتی تھی، اس کا غصہ ہمیشہ وقتی ہوا کرتا تھا، وہ ہمیشہ اس کی منتظر رہی تھی اور جب وہ

اس کی جانب پلٹا تو اندر سے کیسے مطمئن ہو گئی تھی اور اوپر اوپر سے اس کی حرکتوں سے وہ کتنا ہی جھنجھلائی

رہی مگر.....

”فرمائیے کیا بات ہے؟“ معاذ نے اسے گھورا تو اس کی لالچنی مویں تھم سی گئیں۔

”بات یہ نہیں ہے۔“ وہ مضطرب ہوئی، معاذ نے چائے کاگ اٹھا لیا۔

”ک..... کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ آپ میری اس بد تمیزی کو بھول جاتیں، میں اپنے الفاظ واپس لے

لتی ہوں، معاذ پلیز مجھے.....“

”کیا سمجھوں میں تمہاری اس بات سے کہ تم میری اس طرح منتیں کیوں کر رہی ہو؟ یہ کہ تم سے اپنے

جذبات سمجھالے نہیں جا رہے، تمہیں یاد ہے تم نے مجھے ہوس پرست کہا تھا، میں تو اس الزام کو غلط ثابت

کرنے کی کوشش میں تم سے دور بیٹ گیا، ہمیں کیا ہوا؟ تم وہ کیوں ثابت نہ ہو جس جو تم نے خود کو ظاہر کیا تھا، تمہاری وہ یار سائی محض ڈھونگ تھی، ورنہ حقیقتاً تم نیلما جیسی نفس پرست عورتوں سے ہرگز بھی الگ نہیں ہو، جو اس نفس کی تکمیل کی خاطر ذلت کو پس کر سکتی ہیں، کیا سمجھتی ہو تم؟ ہے کوئی فرق تم میں اور اس میں؟

الفاظ تھے یا بر چھیاں، کوئی بلاسٹ ہوا تھا اور اس کا وجود بکھر گیا تھا، اسے لگا تھا کسی نے اسے جنم میں دھکیل دیا ہو، اس درجہ سفاکی اور تضحیک آمیز سلوک پہ وہ پتھر اسی گئی تھی، اپنی کڑواہٹ اس پہ نکال کر معاذ خود کمرے سے نکل گیا تھا مگر پر نیاں وہیں بیٹھی تھی، رنگت پھلی اور ہونٹ سبز زدہ انداز میں کانپتے رہے، وہ ذبح ہوتے جاوڑ کی طرح جانتی کے عالم میں تھی گویا، نہ تکلیف ملی تھا نہ موت آئی تھی اس پہ اپنا قہر نکال کر باہر نکلا ہوا معاذ ایک گھنٹے بعد واپس آیا تو وہ صوفے پہ گھٹنوں میں سر دیئے سسک رہی تھی، معاذ نے اس پہ نگاہ ڈالے بغیر لائٹ آف کر دی اور خود سونے کو لیٹ گیا، تشویش اسے اس وقت ہوئی تھی جب صبح وہ معمول کے مطابق اٹھا وہ تب بھی اس پوزیشن میں اس جگہ پہ موجود تھی، ایک لمحے کو وہ اس کے پاس رکا پھر سر جھٹک کر باہر چلا گیا، اس کی بلا سے یہ جیتی یا مرنی اسے قطعی پروا نہ تھی۔

☆☆☆

ممانے معاذ سے پر نیاں کے متعلق استفسار کیا، جس کے جواب میں وہ انہیں اس کے سونے کا بتا کر خود کالج چلا گیا، تب ممانے کے ہونٹوں پہ مسکان بکھر گئی تھی، وہ بھی تمہیں پر نیاں اور معاذ کی آپس میں صلح ہو گئی ہے، معاذ کا رویہ نارمل تھا، جس سے وہ یہی اندازہ قائم کر سکیں، مگر جب دس بجے تک پر نیاں کمرے سے نہ نکلی تب ممانے کو فطری سی تشویش ہوئی تھی، ملازمہ کو اس کے کمرے میں بھیجا جو اس پیغام کے ساتھ آئی تھی کہ پر نیاں بخار میں پھنک رہی ہے، ممانے کچھ بھولے بھامگ اس کے بیڈروم میں آئیں اور پر نیاں کی حالت دیکھ کر ان کے ہاتھ پر پھولنے لگے تھے، وہ ہوش و خرد سے بیگانہ لگ رہی تھی، انہوں نے پر نیاں کو ہوش میں لانے کی اپنی سی تدبیریں کی تھیں، ان کے ساتھ ممانے جان اور بھابھی بھی اس کے کمرے میں چلی آئی تھیں۔

”بچی کو بخار تھا تو معاذ نے بتایا کیوں نہیں، غضب خدا کا بچی کی اتنی حالت خراب سے اور صاحبزادے کالج چلے گئے ہماری جانے بلا کہ بہو اتنی دیر سے کمرے سے کیوں نہیں نکلی، معاذ اتنا کیر لیس کیسے ہو گیا بھلا؟ ایسی ڈاکٹری بھاڑ میں جھونکنی ہے جس کا لپٹوں کو فائدہ نہیں۔“ ممانے جان کو بہت کم غصہ آتا تھا مگر پر نیاں کی حالت نے انہیں جیسے جو اس باختہ ہی نہیں غصے سے بے قابو بھی کر دیا تھا۔

”اسا نمبر ملاؤ ذرا معاذ کا، فون مجھے دینا۔“ پر نیاں کو ذرا سی ہوش آئی تھی، اسے آنکھیں کھولتے دیکھ کر ممانے جان کی جان میں جان آئی، بھابھی نے ساس کے حکم کی تعمیل میں دیر نہیں کی اور معاذ کا نمبر جھٹ ملا کر سیل ممانے جان کو تھما دیا، انہوں نے رابطہ بحال ہوتے ہی معاذ کے لئے لینے شروع کر دیئے تھے، ادھر یقیناً معاذ کا موڈ خراب ہوا تھا کہ اس کے کسی جواب پہ ممانے جان کا غصہ سا تو اس آسمان پہ جا پہنچا۔

”میں نے کہہ دیا ہے نا معاذ تم خود فوراً گھر آؤ، زیادہ کو بھیجنے کی ضرورت نہیں ہے، مجھے تمہاری مجبور یوں کا نہیں پتہ، یہاں ہم کتنے پریشان ہیں تمہیں اندازہ ہے؟ آپ اتنے لا پرواہ ہو گئے مجھے تو یقین نہیں آ رہا اور یہ.....“

”ہیں ہیں فون بند کر دیا؟ کیا ہو گیا ہے اس لڑکے کو؟“ ممانے جان تو سششدر ہو کر رہ گئیں تھیں، جبکہ ممانے کی رنگت متغیر ہو چکی تھی، پر نیاں کی حالت معاذ کا رویہ خود بخود ساری کہانی سن رہا تھا، وہ ہر لمحہ سر دیئے جارہی تھیں، ممانے جان کو اتنا غصہ آیا تھا کہ انہوں نے پر نیاں کو کاڑی میں قمر ہی کلینک لے جانے کا فیصلہ کر لیا تھا اور اس پر عمل درآمد بھی کر رہی تھیں مگر اسی پل سرد تاثرات سے سچے چہرے کے ساتھ معاذ چلا آیا تھا۔

”اب بھی کیوں آگئے بیٹے؟ ہم عورتیں کسی نہ کسی طرح بچی کو لے ہی جاتیں۔“ انہوں نے معاذ کو دیکھ کر بھرائی ہوئی آواز میں کہا تھا۔

”اسی کہا یہاں یہ معصیت پڑ گئی تھی، مجھے تو آپ کی بہو صاحبہ اچھی بھلی لگ رہی ہیں، آپ نے اس طرح ایمر جیسی نافرمانی کی جیسے.....“

”ہاں بولونا..... چپ کیوں کر گئے بیٹے۔“ ممانے جان اس کے لال بھسوکا غیض و غضب سے ڈبکتے چہرے کو دیکھ کر متاسف ہو کر پوچھیں، معاذ نے سمجھتے ہوئے ہونٹوں کے ساتھ زور سے جھٹکا تھا پھر آگے بڑھ کر پر نیاں کی سمت آ گیا، وہ کسی قدر ہوش میں تھی اور سب کچھ سن رہی تھی، رنگت بخار کی حدوں کے باعث انگارہ ہو رہی تھی، ایک ہی رات میں وہ یوں نچڑ گئی تھی جیسے خون کی آخری بوند بھی نچوڑ گئی ہو، ایک لمحے کے لئے تو معاذ بھی دھک سے رہ گیا تھا۔

(بس اتنی ہی ہمت تھی پر نیاں بیگم الفاظ کی تلواریں سے کوئی کیسے قتل ہوتا ہے اب تمہیں پتہ چل گیا ہوگا، میں بھی یہی چاہتا تھا تمہیں احساس دلاؤں کیا کیا ہے تم نے میرے ساتھ۔)

بے جان مٹی کی طرح پڑی پر نیاں کا معائنہ کرتے وہ زہر آلود ذہن سے سوچتا رہا تھا، پر نیاں نے آنکھیں پھر بھی نہیں کھولی تھیں ہاں البتہ اس کے لس کو محسوس کر کے ضرور اس کے وجود میں کوئی تبدیلی اگر پیدا ہوئی تھی تو وہ خاموش آنسوؤں کا بہنا تھا، معاذ کے اندر لگی آگ کچھ اور بھڑکنے لگی۔

”انہیں کچھ کھلانے کے بعد یہ میڈیسن دے دیجئے گا بھابھی! آرام کریں گی تو طبیعت سنبھل جائے گی۔“ بھابھی کو میڈیسن کے ساتھ ہدایات دیتے معاذ کی نگاہ ہنوز کم صم بیٹھی ممانے پڑی تھی تو ایک لمحے کو خاموش سا ہو گیا۔

”آپ لوگ آخر اتنے پریشان کیوں ہیں ممانے! کچھ نہیں ہوگا انہیں۔“ وہ جتنا جھنجھٹایا تھا اسی لحاظ سے تپ کر بولا تھا، ممانے نے ایک نظر اس کے سر و چہرے کو دیکھا تھا پھر آہ بھر کے بولی تھیں۔

”ہم نے آپ سے تو کچھ نہیں کہا بیٹے! آپ جاؤ، آپ کا بہت حرج ہو رہا ہے نا۔“ الفاظ کے برعکس ان کے لہجے میں شکایت بھی تھی اور بے پناہ دکھ کی آمیزش بھی، معاذ نے گہرا سانس بھر کے اپنے جھنجھٹا ہٹ کو دبایا تھا پھر آہستگی سے کانڈھے جھٹک دیئے تھے اور کچھ کہے بغیر پلٹ کر باہر نکل گیا، ممانے شاید اس سے اسے درجہ بے حسی اور لاتعلقی کی توقع نہیں تھی، سر جھکا کر آنسو بہانے لگیں، بے دم سی پڑی پر نیاں عجیب سے مجرمانہ احساس میں گھرنی چلی گئی تھی۔

☆☆☆

اس رات تو کیا معاذ اس سے اگلی رات بھی گھر نہیں آیا تھا، زیادہ کے ذریعے انہیں بھی یہ بات پتہ

چل گئی تھی کہ طیر کے علاقے میں اسکول میں بلاسٹ ہوا تھا، بیشتر زخمی بچوں اور اساتذہ کو وہیں ہسپتال میں ایڈمٹ کرایا گیا تھا اور معاذ اسی وجہ سے گھر نہیں آ پارہا تھا، زیادہ بھی زیادہ وقت ہسپتال کو دے رہا تھا مگر معاذ نے تو ماما کے خیال میں حد کر دی تھی، ماما اور ماما جان کا خیال تھا وہ دانستہ ایسا کر رہا تھا۔

”یقیناً برانا ہے اس نے ہماری بات کا۔“ ماما جان کا غصہ تمام ہوا اور فکر لگ گئی جو ماما کو ایک آنکھ نہیں بھاسکی۔

”ہاں تو کرے، یہاں پرواہ کسے ہے، میں تو بات بھی نہیں کروں گی اس سے، احسان سچ کہتے تھے، ہماری اتنی اہمیت اسے بگاڑ چکی ہے، بے کوئی بات کرنے کی، بچی کن حالوں کو پہنچ گئی اسے پرواہ ہی نہیں۔“ انہوں نے پر نیاں کا زرد چیرا دیکھ کر غصے بھرے انداز میں کہا تھا، انہیں تو یہ بات بھولی نہیں تھی جب کل رات کے استفسار پر پر نیاں کچھ کہے بغیر ان سے لپٹ کر رو دی تھی اور بس ایک فقرہ کہا تھا۔

”مجھ سے کچھ مت پوچھیے گا ماما! پلیز۔“ اور ماما گنگ ہونے لگی تھیں، ایسا کیا ہوا تھا ان کے سچ کہ وہ یوں ہمت ہار گئی تھی، انہیں زندگی میں پہلی بار معاذ یہ شدید تادا آیا تھا، اگلی صبح ہی معاذ واپس آئے کا تھا، جنکن آلود لباس بڑھی ہوئی شیو کے ساتھ انکارہ ہوتی آنکھیں، صاف لگتا تھا ان پینتیس چھتیس گھنٹوں میں اس نے ایک منٹ کو بھی آنکھ نہیں چھپکی ہوگی، اس کی اپنے پیشے سے محبت اور اخلاص سے بھی آگاہ تھیں، کتنے روپ تھے اس کے اور وہ ہر روپ میں پہلے سے الگ تھا جدا تھا، مگر انہیں تو ہمیشہ پیارا ہی لگا تھا، ایک بار پھر انہیں اپنا غصہ اور خشکی ڈھلتی محسوس ہوئی تھی، جب اس نے آتے ہی اپنی ٹھکن کی پرواہ کیے بغیر ماما جان کے گلے میں بازو جھائل کیے تھے۔

”سوری ماما جان اس دن میں آپ سے گستاخی کر گیا تھا۔“ اور ماما جان تو فدا ہو گئی تھیں اس لوٹ لینے والے انداز پر، پیشانی چوم کر اس کے بالوں کو سنوارا۔

”نہ بیٹے میں تو خفا نہیں ہوں، بس تو پر نیاں کی طرف سے ہمیں شکایت کا موقع نہ دینا، بن ماں باپ کی پنچا ہے، دل میں بہت حساس ہے۔“

”جی بہتر۔“ نہ کوئی نسلی نہ دعوہ بس محض سر ہلا کر ایک چھوٹا سا فقرہ ادا کر دینا ماما جان کی تسفی نہیں کرا سکا۔

”بیٹے پر نیاں کو بھی ایسے ہی منالو جا کے۔“ انہوں نے اب کے لجاجت سے کہا تھا، زیادہ کی ہنسی چھوٹنے لگی۔

”غور کریں لالے، ماما جان پابند کر رہی ہیں آپ کو، ایسے ہی یعنی محض گلے لگانا ہے آپ نے۔۔۔۔۔ اس سے آگے پابندی۔“ زیادہ کی گئی گر رہا تھا، معاذ نے ان سنی کر دی، پھر ماما کو دیکھ کر بولا تھا۔

”بہت اسٹراٹجک قسم کی چائے تو بھجوا دیں ماما، میں شاور لے لوں۔“ وہ اٹھ کھڑا ہوا تھا، اپنے کمرے میں آیا تو اس وقت بھی پر نیاں بستر پر دراز تھی، ان چند دنوں میں اس کی صحت اتنی تیزی سے گری تھی کہ صدیوں کی مریض نظر آنے لگی تھی، زرد چہرہ آنکھوں تلے موجود، گہرے حلقے، آنکھوں کی وہ چمک دکھ بھی ناقص تھی جن میں ہزاروں دیئے جھلکایا کرتے تھے، آہٹ پر اس نے چمکتے ہوئے گردن موڑی تھی اور معاذ کو دیکھ کر اس کے چہرے پر ایک سایہ سا لہرایا تھا، اگلے لمحے وہ خود کو سنبھال کر اٹھی تھی،

پہلے اپنا دوپٹہ اٹھایا پھر بالوں کو سمیٹ کر کچر نہیں متید کیا اور بستر سے اترتی، اس سے مل کر وہ اسی دن کی طرح ذلیل کر کے اٹھانا وہ خود اٹھ جانا چاہتی تھی، معاذ اس کی سمت متوجہ نہیں تھا، کوٹ اتارنے کے بعد کلاکی پہ بندھی رسٹ وایج ہاتھ سے نکال کر ڈرینگ پر رکھتے اس کی نگاہ آئینے میں نظر آتے پر نیاں کے وجود پر جا ٹھہری، اگلے لمحے وہ گھبرا کر تیزی سے پلٹتے ہوئے اس کی جانب لپکا، وہ شاید بیڈ سے اتر کر صونے تک آنا چاہتی تھی، نقاب تھی یا کچھ اور کہ وہ ایک سے دوسرا قدم نہیں اٹھا سکی معاذ اگر اسے بروقت نہ سنبھال لیتا تو اب تک وہ زمین بوس ہو چکی ہوتی، اس کے چہرے پر ایک نگاہ ڈال کر ہی معاذ خود چکر سا گیا تھا، وہ بری طرح کھائس رہی تھی ساتھ ہی اس کے ہاتھوں سے نکلنے کو مزاحمت بھی گو کہ یہ مزاحمت بہت کمزور قسم کی تھی، معاذ نے کچھ کہے بغیر جھینچے ہوئے ہونٹوں سے اسے لاکر پھر سے بستر پہ لٹا دیا تھا وہ جیسے چل سی گئی تھی۔

”چھوڑیں مجھے۔“ اس کا گلا بھرا سا گیا، بخار ابھی تک اس کے وجود کو حد میں بخشنے ہوئے تھا۔

”کیا ہو گیا ہے، پاگل ہو گئی ہو تم؟ حالت دیکھی ہے اپنی۔“ وہ دبے ہوئے لہجے میں چیخا، حقیقت یہ تھی کہ تمام تر انا اور ضد کے باوجود پر نیاں کا یوں حال سے بے حال ہو جانا سے زیادتی کے احساس کے کچھو کے لگا رہا تھا۔

”آپ کو اس سے کوئی غرض نہیں ہونی چاہیے، میں مروں یا جیوں۔“ پر نیاں نے اپنے دونوں ہاتھوں سے اسے پیچھے کی جانب دھکیلتے ہوئے کہا۔

”سلیف پور کنٹرول مس پر نیاں، کیا ہوا ہے؟ کس بات کا اس قدر داد دیا ہے بھلا؟ بتانا پسند کریں گی؟ کیا آپ کو لگتا ہے جو کچھ میں نے آپ سے کہا وہ غلط تھا۔“ پر نیاں نے آنسوؤں سے جل چھل ہوئی آنکھوں سے اسے دیکھا تھا، اس کے طنز یہ مصلحہ اڑاتے انداز نے پر نیاں کے اندر پھر سے آگ دہکا دی۔

”شٹ پور ماؤتھ، اگر آپ نے پھر ایسی کوئی بات کی تو انجام کے ذمہ دار بھی آپ ہوں گے میں بتا رہی ہوں۔“ اس کا لہجہ ہمکنی آمیز تھا، حتمی انداز لئے ہوئے تھا اس کے باوجود معاذ بھڑک سا اٹھا۔

”دھمکار رہی ہو مجھے؟ میں جو کہہ چکا اس سے ایک انچ بھی اپنی رائے تبدیل نہیں کرنا چاہتا۔“ معاذ کی اس ہٹ دھری یا دوسرے لفظوں میں پر نیاں کی تذلیل نے پر نیاں کے اندر سے سراتے بیجان کو کچھ اور بڑھا دیا تھا، کچھ کہے بغیر وہ ایک جھٹکے سے اٹھی تھی اور سرخ چہرے کے ساتھ آگے بڑھ کر فروٹ کی ٹوکری سے چھوٹی مگر انتہائی تیز دھار کی چھری جھپٹ کر اٹھالی، پلک جھپکنے میں بھی دیر لگتی ہوگی مگر اس نے اس سے پہلے انتہائی بے دردی سے داہنے ہاتھ میں پکڑی چھری سے بائیں ہاتھ کی رگ کاٹ ڈالی تھی بھل بھل بہتے خون نے سرعت سے اس کے کپڑوں کے بعد کارپٹ کو رنگین کرنا شروع کر دیا۔

(جاری ہے)

فریحی جزیرہ

امریہ

چھبیسویں قسط کا خلاصہ

پرنیوں کے اندر جمع حصہ معاذ کے سامنے نکلا ہے اور شدید جھگڑے اور الزام تراشی کے بعد دونوں کے درمیان صدیوں کے فاصلے در آتے ہیں۔

نہیب، تیمور کی وجہ سے بے حد پریشان ہے، جہاں اسے حوصلہ دینے کی کوشش میں مصروف ہے مگر تب ڈالے پہ ان کے تعلق کی گہرائی اور نوعیت آشکار ہو کر اسے اضطراب کا شکار کر جاتی ہے۔ معاذ اور پرنیوں کے تعلق کی سرد مہری مہم پہ بھی آشکار ہوتی ہے، معاذ پرنیوں سے غفلت کی بنا پر سب سے ڈانٹ بار بار سنتا ہے۔

معاذ کی من مانی کا مظاہرہ پرنیوں کو اس سے شدید براگشتہ کرنے کا سبب بنتا ہے، وہ اس سے بے زاری کے ساتھ نفرت بھی محسوس کرتی ہے، اس کے برعکس معاذ بے حد خوش اور مطمئن ہے، مسز آفریدی کی کوشش سے ہی ڈالے معاذ کی شادی میں شریک ہونے کو شاہ ہاؤس آتی ہے، تو نہیب اسے دیکھ کر بے حد شرب ہو جاتی ہے۔

چھبیسویں قسط

اب آپ آگے پڑھیے



احساس ہوا۔

”میں بہتر ہوں پاپا! آپ سے مجھے ایک ضروری بات کرنی تھی۔“ وہ ہرگز بھی معاذ کی سمت متوجہ نہیں تھی، پاپا مسکرائے اور اس کا سر پیار سے تھپکا۔

”جی ضرور بیٹے، بولے؟“ وہ ہمتن گوش تھے۔

”میں کچھ دن نواب شاہ اپنی حویلی میں گزارنا چاہتی ہوں، پلیز آپ منع نہیں کیجئے گا۔“ وہ مدہم مگر پاس زدہ لہجے میں کہہ رہی تھی۔

”میں منع نہیں کر رہا بیٹے، مگر پہلے آپ لوگ لندن جائیں گے، ٹیکس آپ کی کفرم ہو چکی ہیں، تفریح آپ کی صحت کے لئے بے حد ضروری ہے۔“ پاپا کی بات پہ پر نیاں ایک دم زروس سی ہو گئی۔

”مم..... مگر پاپا.....“

”بیٹے میں ایک ہفتہ بعد کا کہہ رہا تھا مگر معاذ کہہ رہے تھے ابھی ان کے پاس ٹائم ہے سو یہ کام اس وجہ سے بھی غفلت میں ہو رہا ہے۔“

پاپا کی وضاحت پہ پر نیاں کو اپنی سماعتوں پہ یقین نہیں آسکا تھا، اس نے بے اختیار معاذ کو دیکھا، اس کے چہرے پہ مسکراہٹ تھی، یقیناً وہ پاپا کے سامنے بھرم رکھ رہا تھا، پر نیاں مجلس کر رہ گئی اور فی الفور نگاہ کا زاویہ بدلا تھا۔

”آپ آرام کرو بیٹے، میں آپ کی تیاری کا اسما سے یا آپ کی ماما سے کہہ دیتا ہوں۔“ پاپا اس کا تر تھکتے باہر نکل گئے تھے، پر نیاں نے جلتی ہوئی آنکھوں سے معاذ کو دیکھا، وہ بے نیازی کا تاثر دیتا اپنے دل پہ مصروف تھا۔

”میں آپ کے ساتھ کہیں نہیں جانا چاہتی، براہ کرم اس سلسلے کو یہیں روک دیں۔“ وہ غصے میں ہانپ کر رہ گئی تھی۔

”کچھ کام مجبوری میں بھی کیے جاتے ہیں مہترمہ، اسے آپ میری مجبوری سمجھ لیں، میں اپنے گھر والوں کو مزید ہرٹ نہیں کر سکتا، آپ مجھ سے وابستہ ہیں تو آپ کو وہ کرنا پڑے گا، جو میں چاہتا ہوں، چاہے وہ امر آپ کے لئے کتنا ہی ناگوار کیوں نہ ہو۔“ وہ نخوت سے بولا تھا، اس کا یہ استحقاق لب و لہجہ پھر سے اپنی اہمیت اور رشتے کا گھمنڈ جتلا رہا تھا، اس درجہ سنگ دلی اور اپنی بے بسی کے احساس سے پر نیاں کی آنکھیں پھر سے نم ہونے لگیں، جنہیں معاذ سے چھپانے کو وہ رخ پھیر گئی تھی۔

☆☆☆

”میں آپ کو بہت مس کروں گی ماما!“ وہ ان کے گلے لگتی لگتی بولی، انداز ایسا تھا جیسے الگ ہونا نہ چاہتی ہو، ماما نے مسکرا کر اس کی پیشانی کو بے حد محبت سے چوما تھا پھر اسے شانوں سے تھام کر بلیک ٹوٹ میں بلبوس نکھرے سمرے سے معاذ کے برابر کھڑا کرتے ہوئے مسکرا کر بولی تھیں۔

”میرا بیٹا آپ کو میری یاد نہیں آنے دے گا ہے نامعاذ؟“

ان کی تائیدی نگاہیں معاذ کی سمت نہیں تھیں وہ جو بے نیازی کا تاثر دینے کو سیل پہ مصروف تھا، خفیہ سا چونکا پھر سرد سانس سچ کر کاندھے اچکا دیئے تھے، کچھ کہنے سے کھل کر بڑکیے، اب جانے یہ اس کی اپنائی گئی وہ ہی احتیاط تھی یا پھر اسے نے ماما کی بات سنی ہی نہیں تھی، پر نیاں کچھ سچ سے قیاس نہیں کر

اس نے صرف یہیں پر اکتفا نہیں کیا تھا، چھری کے ساتھ دوسرے ہاتھ کی بھی کلائی کاٹنے کی کوشش کرنے لگی، شاید نہیں یقیناً وہ خود کو ہر صورت ختم کر دینے کے در پے تھی، جب تک معاذ متوجہ نہ ہو جائے۔ چونکہ اس تک پہنچا وہ خود کو اچھا خاصا زخمی کر چکی تھی، چھری اس سے چھیننے اس کو سنبھالتے معاذ نے اپنے حواس متخل ہو کر رہ گئے، یہ پھویشن سچ معنوں میں اسے بولکھلا کے رکھ گئی تھی، اس کے گمان تک نہیں تھا پر نیاں اتنا شدید رد عمل بھی دے سکتی ہے، اس کے ہاتھوں سے چھری نکالتے چھینتے معاذ کی ہتھیلیوں پہ اچھے خاصے گہرے کٹ لگ گئے تھے، مگر اس بل اسے اپنی نہیں پر نیاں کی فکر تھی، جس کا اثر تیزی سے ضائع ہو رہا تھا مگر اس کی ہسٹریائی کیفیت جوں کی توں تھی، وہ ابھی تک چل چل کر اس کی گرفت سے نکل رہی تھی، معاذ نے کچھ کہے بغیر اسے اپنے اپنی بازوؤں میں جکڑ کر سینے سے بچھ لیا۔

”پری..... آئی ایم ساری، آئی ایم ساری پر نیاں، مجھے ایسا نہیں کہنا چاہیے تھا، مجھے معاف کر دوں۔“ اس کے بکھر جانے والے بالوں کو بار بار ہونٹوں سے چھوتے وہ اس پھری ہوئی موج کی طرف بے قابو ہوئی پر نیاں پہ جھک کر سرکوشی میں بولا تھا، پر نیاں زار و قطار رو رہی تھی، تڑپ رہی تھی سبک رہی تھی، وہ اسے ریلیکس کرنے کو اسے ساتھ لگائے تھپکتا رہا، پر نیاں بھی یقیناً حواسوں میں نہیں تھی، دھیرے دھیرے اس کی وحشت قرار پانے لگی تو اسے اپنی پوزیشن کا خیال آیا تھا، معاذ کو خود سے اتنا قریب پا کر تڑپ کر پیچھے ہوئی اور معاذ کو دونوں ہاتھوں سے پیچھے دھکیل دیا، معاذ کچھ خائف کچھ بے بس سا لگتا تھا جبکہ پر نیاں کے چہرے پر زردیوں کے ساتھ ہنوز کرب اور لامتناہی درد کے رنگ تھے، تا سرف و طمان تھا، سسکی سی بھر کے اس کی بجائے وہ اپنی زخمی کلائی کو دیکھنے لگی تو جیسے معاذ کو اچانک ہوش آیا تھا، پر نیاں اب تک بے تحاشا خون ضائع ہو چکا تھا جو خطرے کا سگنل تھا، وہ تیزی سے حرکت میں آیا اور پر نیاں کا ہاتھ پکڑ کر مٹھانے پہ بٹھانا چاہا، ارادہ ٹریٹمنٹ کا ہی تھا مگر پر نیاں نے اس کا ہاتھ جھٹک دیا تھا۔

”ڈونٹ بیچ گی۔“ اس کے لہجے میں آنسوؤں کی نمی تھی لہجہ اتنا پھیکا اور یاس زدہ تھا کہ معاذ نے ہونٹوں کو باہم بچھ لیا۔

”یہ ان باتوں کا وقت نہیں ہے پر نیاں، بلڈنگ بہت ہو رہی ہے۔“ میڈیکل باکس کھولتے ہوئے وہ یکسر بدلتے ہوئے لہجے میں بولا تھا۔

”ایسی زبردگی پہ میں موت کو ترجیح دینا چاہتی ہوں، مجھے آپ کی بھر پوری کی ضرورت نہیں ہے۔“ پھر رو پڑی، معاذ نے سراٹھا کر اسے دیکھا پھر اس کا زخمی ہاتھ زبردستی اپنے ہاتھ میں لے کر دو الگ الگ پر نیاں پر فحاش طاری ہو رہی تھی، وہ بے دم سی ہو کر یوں لیٹ گئی جیسے ساری طاقت سلب ہو گئی ہو، معاذ تیزی سے اپنے کام میں مشغول تھا۔

☆☆☆

”اب آپ کی طبیعت کیسی ہے بیٹے؟“

پاپا خود چل کر اس کے کمرے میں آئے تھے، معاذ نے محتاطی نگاہ پر نیاں پہ ڈالی، خون آلود لباس تبدیل ہو چکا تھا، کلائیوں کی ڈرینگ چھپانے کی غرض سے ہی اس نے فل آسٹین کی فیسی جرسی پہن لی تھی جس کی آسٹین اس کی آدھی ہتھیلیوں تک کو ڈھانپے ہوئے تھیں، وہ ناراض ضرور تھی مگر اس نے اس تارہ ترین حادثے کو گھر والوں سے مخفی رکھنے کی اپنی ہی بھر پور کوشش کی تھی، معاذ کو ایک گونہ سکون

تھی۔“ معاذ بھی یقیناً ماما کی بے تابی بے قراری کو نوش کر چکا تھا، پر نیاں کو بار بار چار کرنا گلے لگانا اسے بری طرح سلگا چکا تھا جیسی وہ منہ ہی منہ میں بدبویا تھا، جہان نے ذرا سا چوک کر اسے دیکھا، اس کی سرخ و سفید رنگت اس پلٹے کی زیادتی سے دکھ رہی تھی۔

”اتنا موڈ کیوں آف ہو رہا ہے تمہارا؟“ ایئر پورٹ پر جب جہان نے الوداعی انداز میں معاذ کو گلے لگایا تو نری سے سوال کیا تھا۔

”وماغ خراب ہو گیا ہے میرا۔“ وہ جواب میں تڑخا تو جہان نے مسکراہٹ دہالی۔

”یہ کوئی نئی خبر تھوڑی ہے میں عرصے سے جانتا ہوں۔“ معاذ نے اس بات کے جواب میں اسے کھا جانے والی نظروں سے دیکھا پھر اسے زور سے پرے دھکیل دیا۔

”دفع ہو جاؤ، تم بھی باقیوں سے الگ تھوڑی ہو۔“ اب کے جہان نہ ہنسانہ مسکرایا اس کی کمر کے گرد بازو حائل کیا اور زبردستی خود سے لپٹا لیا۔

”کیوں آپ سیٹ ہو یا رہتی مومن پریڈ پہ جا رہے ہو، وہ بھی اپنی مرضی سے۔“ معاذ نے اس کے ہاتھ پھر سے ہٹا دیئے پھر زور سے سر جھٹکا تھا، عجیب تھخر بھر انداز تھا۔

”کچھ کام تو فارمیٹور کے لئے کیے جاتے ہیں۔“

”لیکن تم تو فارمیٹور نہیں بھیایا کرتے تھے، اسنے خالص کمرے انسان کا یہ روپ کچھ بھانپیں رہا۔“ جہان نے جیسے اسے تاسف سے دیکھا تھا، معاذ کے چہرے پہ عجیب سا تاثر پھیل گیا، اس نے ہونٹوں کو باہم لپٹی سے چبھ کر کچھ قاصلے پہ موجود پر نیاں کو دیکھا، وہ ڈیبا رچ لاؤنج کے صوفے پہ بیٹھی تھی، گھیر دار فرائک بیروں میں ڈھیر تھا، گود میں میگزین، وہ ان سے یکسر غافل تھی۔

”جہاں نے جیسے اسے تاسف سے دیکھا تھا، معاذ کے چہرے پہ عجیب سا تاثر پھیل گیا، اس نے ہونٹوں کو باہم لپٹی سے چبھ کر کچھ قاصلے پہ موجود پر نیاں کو دیکھا، وہ ڈیبا رچ لاؤنج کے صوفے پہ بیٹھی تھی، گھیر دار فرائک بیروں میں ڈھیر تھا، گود میں میگزین، وہ ان سے یکسر غافل تھی۔“

”مجھے یہ نعت اور ذلت کا احساس ہر لمحہ کچھ کے لگاتا ہے ماما کہ آپ کے فورس کرنے پہ میں نے انہیں منایا تھا، مگر انہوں نے اتنے برے طریقے سے مجھے جھٹکا اپنی تذلیل کی کہ میں خود سے نظریں ملانے کے قابل نہیں رہی، میں کبھی اس بات پہ خود کو محاف نہیں کروں گی کہ میں نے اپنے وقار اور اپنے پندار کو داؤ لگا دیا، محض انہیں منانے کی خاطر.....“ اس کی سسکیاں ہر لمحہ تیز ہو رہی تھیں، ماما سے جب کرانے کی کوشش میں مصروف تھیں، معاذ کو لگا تھا اس کا پورا وجود برزخ میں جا پڑا ہو، بدگمانی اور حصہ جس کا کوئی انت نہیں تھا وہ وہیں سے پلٹ گیا تھا، اسے لگا تھا اگر وہ اس پلٹ پر نیاں کا سامنا کر لیتا تو شاید خود کو کسی طرح بھی کنٹرول نہ کر سکتا، ایک طوفان تھا جو اس کے اندر اٹھانچ جاری کیے ہوئے تھا، اس کا بس نہیں چل رہا تھا، پر نیاں کا گلابا کر کام تمام کر دے، جہاں نے اس کے شانے پہ ہاتھ رکھا تب وہ چونکا تھا۔

”مجھے بھی کچھ نہیں بتاؤ گے؟“ جہان کی آنکھوں میں مخصوص حس کی اپنائیت تھی، محبت اور احساس کے تمام پر خلوص رنگ۔

”تم ایک دوسرے کے ساتھ خوش نہیں ہو؟ کب تک یوں مخالف رخ پہ بھاگتے رہو گے؟ تم ٹھیک نہیں کر رہے ہو نام نہادانا میں الجھ کر؟“ جہان متاسفانہ انداز میں سوال کر رہا تھا، معاذ کے ہونٹوں پہ زہر خند پھیل گیا۔

”جہان نے جیسے اسے تاسف سے دیکھا تھا، معاذ کے چہرے پہ عجیب سا تاثر پھیل گیا، اس نے ہونٹوں کو باہم لپٹی سے چبھ کر کچھ قاصلے پہ موجود پر نیاں کو دیکھا، وہ ڈیبا رچ لاؤنج کے صوفے پہ بیٹھی تھی، گھیر دار فرائک بیروں میں ڈھیر تھا، گود میں میگزین، وہ ان سے یکسر غافل تھی۔“

”جہان نے جیسے اسے تاسف سے دیکھا تھا، معاذ کے چہرے پہ عجیب سا تاثر پھیل گیا، اس نے ہونٹوں کو باہم لپٹی سے چبھ کر کچھ قاصلے پہ موجود پر نیاں کو دیکھا، وہ ڈیبا رچ لاؤنج کے صوفے پہ بیٹھی تھی، گھیر دار فرائک بیروں میں ڈھیر تھا، گود میں میگزین، وہ ان سے یکسر غافل تھی۔“

”جہان نے جیسے اسے تاسف سے دیکھا تھا، معاذ کے چہرے پہ عجیب سا تاثر پھیل گیا، اس نے ہونٹوں کو باہم لپٹی سے چبھ کر کچھ قاصلے پہ موجود پر نیاں کو دیکھا، وہ ڈیبا رچ لاؤنج کے صوفے پہ بیٹھی تھی، گھیر دار فرائک بیروں میں ڈھیر تھا، گود میں میگزین، وہ ان سے یکسر غافل تھی۔“

سکی تھی، اس نے جھکے سر کو کچھ اور جھکا لیا، ماما نے بغور اسے دیکھا تھا، سیاہ بیروں کو چھوٹے فرائک میں گلاب کی منہ بند کھلی کی مانند تھی، گھنٹہ دلیفریب اور نوخیز، فرائک کے گلے اور بازوؤں پہ شوخ رنگوں چھوٹے پھولوں کی خوشنما لیس لگی ہوئی تھی، محالہ کے پہلو میں کٹری باری باری سب سے الوداعی انداز میں گلے ملتی وہ انہیں حسب سابق طول اور افسردہ لگی تو ان کا اپنا دل جیسے کوئی مٹھی میں لے کر بیٹھنے لگا جہان انہیں ایئر پورٹ ڈراپ کرنے جا رہا تھا، ہلکے بادامی کھدر کے سوٹ میں ہاتھ میں بن گلاسز پکڑے وہ اسی وقت وہاں آیا تو اس کے ستورے ہوئے بالوں کی کمی اس کے تازہ غسل کی گواہ تھی وہ بہت طبعیت کا مالک تھا، علی اسح ہاتھ اس کی روشنی تھی، چاہے کیسا ہی شدید موسم ہو ایسے میں اگر کہیں خصوص طور پہ تیار ہو کر جانا پڑتا تو وہ پھر سے ہاتھ لیا کرتا تھا، ماما جان تو اس کے یوں بار بار نہانے پہ اکٹرا کر کرتیں۔

”اتنا نہ نہایا کرو، مجھے ڈر ہے کھل نہ جاؤ۔“

”جتنی ان کی ہاڈی ہے کھلنے میں بھی وقت لگے گا۔“ زیاد لازی رکھ کیا کرتا، پھر بات کو بدلنے میں ڈال دیا جاتا۔

”ویسے جہان بھائی صابن کی کئی تھوڑی ہیں جو پانی کے استعمال سے کھل جائیں گے۔“ وہ کھی کھی کیے جاتا۔

”تم پیچھے بیٹھ جاؤ، پر نیاں بھابھی کے ساتھ۔“ معاذ کو پراڈو کافرٹ ڈور اوپن کرتے دیکھ کر جہان نے ٹوکا تھا، جسے معاذ نے سن کر بھی نظر انداز کر دیا، تو جہان کسی قدر جھنجھلایا تھا۔

”یار سنا نہیں تمہیں؟“

”جہان تم لوگ ہیں جس جگہ بھیج رہے ہو، وہاں تمہاری اور روٹینس کے لاتعداد مواقع ہیں ابھی سے مجھے عاجز مت کرو۔“ معاذ نے تھخر سے جواب دیا اور سیٹ سنبھال کر دروازہ زور سے بند کیا تھا، جہان کی اسی قدر برا لگا۔

”معاذ.....!“ اس نے صرف گھورنے پہ اکتفا نہیں کیا تھا، معاذ نے جھلاہٹ زدہ انداز میں نظریں اٹھائیں۔

”بے اگر اب تم کچھ بولے تو گمراہوں کی خاطر جو خود پہ جبر کر رہا ہوں تا اس لحاظ مروت کو بھی بالائے طاق رکھ دوں گا، سبھے تم۔“

وہ بیٹھ پڑا تھا، سرخ چہرہ ادا کتی ہوئی آنکھیں، جہان تو ششدر ہو کر رہ گیا، پر نیاں اسی پلٹ گاڑی کی سمت آئی تھی، نم پلکوں کو ہاتھ کی پشت سے پوچھتی طول اور دل گرفتہ سی ماما نے خود دروازہ کھولا اسے بیٹھنے میں مدد دی پھر اس کے لباس سمیٹ کر دروازہ بند کیا تھا، ایک بار پھر الوداعی کلمات کا تبادلہ ہوا، ماما نے ایک بار پھر کٹری کے کھلے شیشے سے اندر ہاتھ داخل کر کے پیار بھرے انداز میں اس کا سر اور گال تھپکے چار کیا تھا، جہان بیک و پور سے سب دیکھ رہا تھا ماما اچانک اس کی نگاہ ٹھک گئی تھی، سر کئی شال کا پتلا سنبھالتے پر نیاں کی دونوں کلائیوں سے آستین سرک گئی تھی اور ڈرینگ پہ محض ایک نگاہ ہی پڑ سکتی تھی جہان کو گم صم کر کے رکھ گئی تھی۔

”اونہ اتنی گم مندی ہے بد اعتمادی ہے، مجھ پہ تو میرے ساتھ اپنی لاڈلی کو تھا بیٹھنے کی ضرورت نہ تھی۔“

”اونہ اتنی گم مندی ہے بد اعتمادی ہے، مجھ پہ تو میرے ساتھ اپنی لاڈلی کو تھا بیٹھنے کی ضرورت نہ تھی۔“

”انا نہیں نفرت ہے، میرے ساتھ رہنا اسے اتنا گوارا کرتا ہے کہ وہ خود کٹی کرنے پہ مجبور ہو گئی، میری بات کا یقین نہیں تو جا کر اس کی کٹی ہوئی کلائیاں دیکھ لو۔“ وہ حبیط کھو کر زور سے پھنکارا جہاں بے طرح خائف ہوا تھا۔

”تم شدید بدگمانی کا شکار ہو معاذ! پرینیاں کو میں جانتا ہوں وہ اسکی۔“
 ”تو تمہارا خیال ہے میں اب تک جھوٹ اور بکواس کرتا رہا ہوں؟ اوکے فائن پھر تو ماما کی طرح تمہیں بھی مجھ سے نہیں اس سے ہوردی کرنی چاہیے جا کے جاؤ۔“ جتنا اس کا موڈ خراب ہوا تھا وہ اسی شدت سے غرایا تھا، آنکھیں یکدم یوں سرخ ہو گئیں جیسے ابھی ان سے خون ٹپک پڑے گا، جہاں بری طرح سے عاجز ہوا تھا۔

”معاذ کیا ہو گیا ہے یار۔“
 ”تم جاسکتے ہوئے بے تم نے ثابت کر دیا کہ تم میرے دوست نہیں اس فضول لڑکی کے بھائی ہو بس۔“ معاذ نے رخ پھیرا اور کوٹ کی جیب سے سگریٹ نکال کر سلگانے لگا، جہاں کے چہرے سے بہت واضح بے بسی چمکنے لگی۔

”اب اس طرح مجھے پریشان کر کے جاؤ گے تو نہ ڈھنگ سے کام کر سکوں گا نہ کھاپی۔“ جہاں نے گویا اسے جذباتی کرنا چاہا تھا، مگر وہ اتنے غصے میں تھا کہ گویا پوری طرح دھیان سے بات بھی نہیں سنی، گہرے کس لیتے دھاواں پھیرتا رہا۔

”چلو میں مان لیتا ہوں میرے باپ کہ غلطی تمہاری نہیں پرینیاں کی ہے، اب تو موڈ ٹھیک کر لو۔“
 جہاں نے کسی قدر جھنجھلا کر کہا اور اس کے لبوں سے سگریٹ کھینچ کر جوڑے سے مسل دیا، معاذ اسے جواباً غصہ بھری نظروں سے دیکھتا رہا تھا، جہاں نے آگے بڑھ کر اسے اپنے بازوؤں میں بھر لیا تھا۔
 ”اس طرح ایٹھا ہوا تو بالکل کسی محبوبہ بیوی کی طرح لگ رہا ہے تم سے۔“ اس کے شانے پہ اپنے ہاتھوں کا مکہ مار کر کہتا وہ آخر میں ہنستا تھا۔

”داہسی پہ اگر محترمہ میرے ساتھ نہ ہوں تو خود سمجھ لینا اس کی کسی بدتمیزی کے جواب میں، میں اسے پڑھیں کسی پہاڑ سے دھکا دے کر مار آیا ہوں۔“ پرینیاں کے لاطن دجود پہ ایک پھنکاری نگاہ ڈال کر وہ اتنی کٹی سے بولا تھا کہ جہاں شہنشاہ سانس بھر کے رہ گیا۔
 ”تم کبھی سدھرو گے بھی معاذ اب میرے دل نے امید رکھی بھی چھوڑ دی۔“ وہ جس مایوسی سے بولا تھا اس نے معاذ کے لبوں پہ دل جلاتی مسکان بکھیر دی تھی۔
 ☆☆☆

تیرے اور میرے درمیان
 بعد کیسا فاصلہ پائی کہاں
 لے ڈرامٹی کی اک چکنی ڈلی
 ڈال پانی گوندھ اس کو زور سے
 اور بنا دو بت حسین دلا جواب
 اک بت کی شکل ہو تیری طرح۔

دوسرا بت ہو مرا
 بت شکن بن کر نہیں اب تو ڈرے
 ڈال پانی گوندھ ان کو پھر ذرا
 اب بنا پھر دونوں بت
 ایک اپنا، اک مرا
 اب میرے بت میں کچھ تیرا وجود
 اور تیرے بت میں ہے کچھ میرا
 زندگی کی کون سی طاقت بنا
 تجھ کو کر سکتی ہے اب، مجھ سے جدا

اپنے گرد لپٹی بے حد اسٹاکش سی شال کے کونے کو اس نے زمین پہ لپٹے پیچھے جھاڑو دیتے محسوس کیا تو گہرا سانس بھر کے پلو سمیٹا تھا، کچھلی رات کے طوفان نے بہت تباہی مچائی تھی، لان میں پودوں کا ہنس ہو رہا تھا، جنہیں مالی تندی سے پھر سے سنبھالنے سنوارنے اور کاٹ چھانٹ کرنے میں مصروف تھا، پھولوں کے پودوں کی کٹی شانیں درمیان سے ٹوٹ گئی تھیں جنہیں وہ بانہہ رہا تھا تا کہ پھر سے توانائی حاصل کر سکیں، یہ نہیں ایک بار اپنی جگہ چھوڑ دینے والا انسان ہو یا پودے کی شاخ پھر اپنے مرکز پہ ٹھہر پاتی ہے یا نہیں۔

اس نے تاسف بھرا سانس کھینچا اور سر اونچا کر کے آسمان کی سمت دیکھا بادل ابھی بھی موجود تھے، مچا چند لمحوں کے اندر تیز ہوا کے جموں کے ساتھ پھر بارشیں شروع ہو گئی اور پوکھش کے جوڑے چوں پر تڑا تڑستی بارش کی آواز ماحول میں کھسکی کا احساس پیدا کرنے لگی، شیڈ کے نیچے ہو کر اس نے ہاتھ پھیلا کر بوندوں کو اپنی گلابی تھیلی پہ سمیٹا چاہا مگر یہ ایک سنی لا حاصل تھی، ہنس کا دل اس احساس کے ساتھ ٹول ہونے لگا تھا، بوندوں کی بجائے اسے لگا تھا وہ خوشی کو سمیٹنے کی کوشش میں ناکام ہے، خوشی جو جہاں کی ذات اس کے وجود سے منسوب تھی، وہ اس کا ہو کر بھی اس کا نہیں ہو سکا تھا بات اگر اسی زباں تک رہتی تو بھی قیمت تھا وہ یہ کرب سہہ کتنی معاملہ بہت آگے تک بڑھا ہوا تھا، آگاہی اضطراب کے در ہی دا کیا کرتی ہے شاید۔ زینب وہ گلاب کی پھٹری سے بھی نازک تر و جود رکھنے والی صبح تو خیر جیسی اجلی لڑکی، وہ تو جہاں کی کل کائنات۔۔۔۔۔ وہ نہ سمجھ پاتی، وہ جس نے محبت میں سب کچھ ہار دیا تھا، ہر احساس کو خود پہ پوری شدتوں سے محسوس کیا تھا اور بری طرح سے ٹوٹ کر بکھر گئی، مسز آفریدی جی جی تھیں وہ جیت گئیں ہیں، وہ کیا جانیں انہیں کیسی مات ہوئی تھی، ڈالے کا دل رونے لگا تھا، کیسی ٹی پٹی گھر لونی تھی وہ اور مسز آفریدی اس کے چہرے کے انحصال کو حیرت بھری نظروں سے دیکھنے لگی تھیں۔

”اب میں بہت جلد تمہاری رخصتی کروں گی، اب خرید دیر مناسب نہیں، میں جانتی ہوں تم اس سے الگ رہ کر اب خوش نہیں رہ سکتی ہو۔“ ڈالے کے چہرے پہ اس بات کے جواب میں کرب پھیل گیا تھا۔

(جب دل میں فاصلے اور دوریاں ہوں تو پھر جسموں کا تعلق اور قربت بھی بے معنی ثابت ہوا کرتی ہے، مگر آپ کیا جانیں جو جسموں کی تغیر کو بھی سمجھ گروا دیتی ہیں۔)

”مجھے رخصتی کی کوئی جلدی نہیں ہے می آپ ان سے ایسی کوئی بات نہیں کہیں گی۔“ ڈالے کی بات پہ مسز آفریدی بھڑک اٹھی تھیں۔

”تمہارا دماغ درست ہے ڈالے، آج کل کی لڑکیوں جیسی کوئی بات ہی نہیں تم میں، شوہر ہے جہاں تک تمہارا مگر تم اس کے باوجود اسے ہاتھوں میں نہیں لے سکیں، لڑکیاں پہلی ملاقات میں ہی لڑکیوں پہ ڈورے ڈال لیا کرتی ہیں، فون پہ اپنے رشتے ناٹے مٹے کرتی پھرتی ہیں۔“ وہ سخت نفاسی ہو چکی تھیں، ڈالے کو اسی حساب سے غصہ آیا۔

”میرا شمار ایسی فضول لڑکیوں میں نہ کریں جنہیں اپنی نسوانیت کی پرواہ ہے نہ اپنے وقار کی۔“ ایسے لگا تھا یہ بات وہ مسز آفریدی کو نہیں جہاں کو کہہ رہی ہے، جہاں جس کی آنکھوں میں اس نے بدگمانی نفرت اور شک کے لائق انداز رک دیکھے تھے اور اندر تک فلسفگی کا شکار ہو گئی تھی، جیسی بولی تو اس کی آواز بھرا سی آئی تھی۔

”پتہ ہے مجھے، یہ تو میرا ہی دم نصیب تھا کہ جہاں تک اس وقت تمہارا شوہر ہے ورنہ تم.....“ انہوں نے دانت کچکپچائے تھے اور ڈالے ضبط کو گئی تھی جیسی چیخ پڑی۔

”کاش اے کاش آپ نے مجھ پہ یہ احسان نہ کیا ہوتا، مجھے اتنا ہنکا سودہ محکوم نہیں تھا، عزت اتنا وقار کی قربانی دے کر محبت کو مانا، اس سے بہتر تھا میں اسی نارسائی کے احساس میں سلگ سلگ کر ختم ہو جاتی۔“ وہ روتے ہوئے اپنے کمرے میں بھاگ گئی تھی، مسز آفریدی سوائے جھلانے کے اس کی عقل پہ ماتم کرنے کے اور کیا کر سکتی تھیں۔

”چھوٹی بی بی آپ کا فون ہے۔“ خیالات کے تسلسل کو ملازمہ کی آواز نے توڑا تھا، جو اس کا سیل فون بڑھاتے کھڑی تھی، ڈالے نے چونک کر دیکھا اور بے دلی سے سل لے لیا، جس کی اسکرین تو روشن تھی مگر رنگ ٹون بند ہو چکی تھی، ملازمہ بارش میں بھکتی وانہیں اندرونی حصے کی جانب جا رہی تھی، وہ خالی نظروں سے اسے دیکھے تھی، بھی ایک بار پھر سل مدھر سروں میں گتکتانے لگا، اس نے اسکرین پہ اسپارک کرتے نمبر کو دیکھا پھر جانے کس خیال میں گم کال ری سو کر لی تھی۔

”ہیلو بی بی! ہاؤ آر یو؟“ دوسری سمت نیلما تھی، بغیر کسی گلے شکوے کے انتہائی محبت سے بولی، ڈالے کے چہرے پہ بے زاری سی چھا گئی۔

”کیوں کال کی ہے؟“ اس کا لہجہ ہر قسم کے احساس سے عاری تھا۔

”مجھے تم سے ملنا ہے جان! ترس گئی ہوں تمہاری صورت دیکھنے کو، اب تو تمہاری تصویریں بھی نیکی کے بہلاوے کا سامان کرنے سے قاصر ہیں۔“ اس کے لہجے و انداز میں عجب سی کھل گئی تھی، مگر ڈالے کا دماغ تو تصویروں والی بات پہ ہی الٹ سا گیا تھا۔

”میری تصویریں کیوں رکھی ہوئی ہیں آپ نے؟ اور مل کیاں سے گئیں، براہ کرم انہیں آگ لگا دیں۔“ وہ پھنکار کر بولی تو دوسری جانب نیلما یکھت خاموش ہو گئی تھی۔

”تمہارے حوالے سے یہ واحد اور عارضی خوشی ہے، میرے پاس ہی، کیا تم اسے بھی مجھ سے چھین لینا چاہتی ہو؟“ جب وہ بولی تو اس کے لہجے میں عجب سی بے بسی اور اضطراب تھا۔

”مجھے آپ کی خوشی سے غرض نہیں ہے محترمہ، آپ نے یہ سوچا آپ کے پاس میری تصویر کا کیا ہے“

میرے لئے کسی بھی گنہگار مسئلے کا باعث بن سکتا ہے۔“ وہ زہر خند سے بولتی چلی گئی تھی، اس بات کو سوچے اور خیال کیے بغیر کہ اس کے الفاظ نیلما کی روح پہ کیسے گھاؤ ڈال سکتے ہیں وہ کہہ گئی تھی، اس کے لہجے میں جو حقارت اور گئی تھی اس کا شاید اسے خود بھی پوری طرح سے اندازہ نہیں تھا۔

دوسری سمت یکھت سنانا چھا گیا تھا، ڈالے نے سلسلہ منقطع کر دیا تھا، وہ نازک احساسات کی حامل لڑکی بھی یہاں اس مقام پہ آ کر اس درجہ کھو رہے حس اور سنگدلی کا مظاہرہ کر جاتی تھی، اسے بھی خود بھی اندازہ نہ ہو پایا تھا شاید کہ وہ نیلما کو معاف کرنے اس سے درگزر کرنے میں خود کو اتنا کم طرف کیوں پاتی تھی۔

(میں دنیا کے لئے جیسی بھی ہوں ڈالے مگر تمہارے لئے میں ہمیشہ سراپا محبت رہی ہوں، ایک ایسے سوالی کی طرح جو دل کا کارہ پھیلائے تمہاری توجہ نری اور محبت کی خیرات کا طلب گار بنا رہتا ہے، مگر ڈالے تم جو ساری دنیا کے لئے دوست اور غم گسار ہو میرے لئے یہ نہیں کیوں ہمیشہ پتھر ثابت ہوئیں، میں تھک گئی ہوں تمہارے اس پتھر وجود سے سرنگراتے، اب میں ایسا نہیں کروں گی تو اس کا مطلب یہ نہ سمجھنا نیلما ہار گئی، نیلما نے عرصہ ہوا کھست کھالی چھوڑ دی ہے، اسے ہار سے شدید نفرت ہے، میں تمہیں بھی حاصل کروں گی، محبت سے نہ سبھی زور زبردستی سے سبھی، اب تم تک پہنچنے کا میرا طریقہ کار کچھ اور ہو گا، یاد رکھنا)۔

نیلما کا میج اگلے چند لمحوں میں اسے موصول ہو چکا تھا، جسے اس نے پڑھا تھا اور بغیر کسی تاثر کے اسی سپاٹ انداز میں ضائع کر دیا تھا۔

☆☆☆

طویل سفر اپنے اہتمام کو پہنچا، فلائیٹ سے نکل کر وہ اس کے ہمراہ ایئر پورٹ کی پر شکوہ عمارت سے باہر آ رہی تھی تو اس نے نگاہ بھر کے پاسیت آمیز انداز میں اپنے بے پرواہ ہم سفر کو دیکھا تھا، جو اس سے اتنا بریگانہ نظر آ رہا تھا جیسے اس پلٹین میں سفر کرنے والے اور اتنے لائق اور اچھی مسافر، کیا فرق تھا اس میں اور ان میں، اس کا دل جانے کسی کسی احساس کے سنگ رویا اور ذہن کے گوشوں میں جانے کب کی ”امجد اسلام امجد“ کی اندیشہ سرسرا نے لگی۔

ضروری نہیں ہے جو ساحل کی ٹیلی خٹک ریت پر ہاتھ میں ہاتھ دے کر سفر اور تھلاطم کے حصے سنانے جزیرے ہواؤں اور ان دیکھے موسم اور آنکھوں سے اوچھل کناروں پر بھرے منظروں، ڈانکوں اور رنگوں کی باتیں کرے وہ ان وارداتوں سے گزرا بھی ہو گر کہہ آؤ ہم ان پریشان موجوں کا پچھا کریں جو تیرے میرے پاؤں کو چومتی ہیں تھلاطم کی بے نام منزلوں سے گزریں

یہ دیکھیں ہوائیں کے ڈھونڈتی ہیں
تو چلنے سے پہلے ذرا سوچ لیتا
ضروری نہیں ان ان دیکھے رستوں کی خبر سنائے
وہ ان راستوں کا شاسا بھی ہو
کہیں یہ نہ ہو تم سمندر میں اس کو
ڈھونڈ دو وہ

ساحلوں پر کھڑا مسکراتا رہے

اسے لگا اس کے ساتھ ایسا ہو چکا ہے، وہ اسی سانچہ عظیم سے دوچار ہے، معاذ ظالم خیر موجوں کے
سمندر میں اس کے ہمراہ نہیں آیا تھا، وہ ساحل پہ کھڑا تھا محفوظ اور اس کی بے بسی لا چاری اور کرب سے
بے نیاز، اس کی آنکھیں بھر بھر آنے لگیں، بے بسی کی بے بسی تھی وہ، اس کا ہو کر بھی اس کا نہیں تھا، اس
کے ساتھ ہو کر اس کے ساتھ نہیں تھا، ائیر پورٹ سے باہر آ کر معاذ نے گاڑی ہار کی تھی اور ان کا سفر نئے
سرے سے شروع ہو گیا تھا، پریناں نے ایک نظر پھر اسے دیکھا، وہ سگریٹ کے کش لیتا اپنے سیل پہ کوئی
ای میل چیک کر رہا تھا، بری طرح مصروف اس سے بے طرح بے نیاز، ان کا سارا ہی مون ٹرپ یقیناً
اس کی اسی سرد مہری اور لاتعلقی کا شکار ہونے والا تھا، پریناں نے اپنے دل کے بوجھ سے دانستہ دھیان
ہٹانے کو کھڑکی سے باہر دیکھنا شروع کیا تھا، رات کے اندھیرے میں مدغم لندن اس پل نہ صرف
روشنیوں سے جگمگا رہا تھا، بلکہ بارش میں بھی بھیگ رہا تھا، کب ناریل کے جھوٹے درختوں کے نیچے
تارکول کو چمکتی سڑک پہ رواں جنوب کی سمت بڑھ رہی تھی، پھرے کے ایک ڈرم کے پاس ایک بوڑھا
فقیر بیٹھا ہوا تھا، جو اس سردی میں ٹھنڈا تھا، یہاں سڑکیں صاف ستھری اور بلند و بالا عمارتیں تھیں، گرو
سے بالکل صاف تھی، گاڑی کے اندر ہیش کی حدت کے باعث ماحول خوشگوار تھا، گاڑی کا یہ ستر آدھا گھنٹہ
مزید جاری رہا، پھر ایک رہائشی بلڈنگ کے سامنے جا کر اختتام پذیر ہوا تھا، یہ شفاف اور پوش علاقہ تھا،
غیر آلودہ فضا کے باعث ہر شے ٹھہری ہوئی تھی، چمکتی سڑکوں کے کنارے سر بلند عمارتیں چمکتی تھیں جن کی
اکثر کھڑکیاں روشن اور زندگی کے احساس سے مزین تھیں سامنے ایک ہوٹل بھی تھا، پکوانوں میں باربی کی
اور تبتوں کے تیل کی خوشبو کا احساس تھا، سائن بورڈ پہ غور کرنے پہ وہ جان پائی یہ پاکستانی ہوٹل تھا، معاذ
سامان اٹھائے آگے بڑھ گیا تھا، پریناں نے بوکھلا کر اس کی تھلید کی تھی، لفٹ کے ذریعے وہ لوگ ایک
شفاف راہداری عبور کر کے جس اپارٹمنٹ کے دروازے پہ روکے وہ لاکھ تھا، راہداری سنسان تھی اور
دروازے کی نیم پلیٹ پہ احسان شاہ کے نام کے الفاظ جگمگاتے تھے، دروازے کے دونوں اطراف
خوبصورت پلانٹس کے گمکے تھے، معاذ نے کوٹ کی جیب سے چابی نکال کر دروازہ ان لاکھ کیا تھا، پریناں
نے اس کے بعد اندر قدم رکھا تھا، فرینڈ اپارٹمنٹ تھا جس کی آرائش بے حد نفیس ذوق کی حامل تھی
دیواروں پہ آف و امیٹ پینٹ تھا، بلیو مینڈیل صوفے اور بیلوئی پردے تھے، معاذ لاؤنج میں ہی ٹھہر گیا تھا،
آج کے دن کی ساری نمازیں قضا ہو چکی تھیں، پریناں بیڈروم میں چلی آئی تھی۔

بھوک کا احساس بھی تھا مگر اس نے نماز کا ارادہ باعہدھا تھا، شام اور دوپہا تار کر رکھنے کے بعد اس
نے جوتوں سے بیروں کو آزاد کیا تھا، واش روم جا کے وضو کیا اور جائے نماز ڈھونڈنے کی کوشش کیے بغیر

قبلے رخ جائے نماز بچھا کر نمازوں کی ادائیگی میں مشغول ہو گئی، تقریباً ایک گھنٹے بعد بیڈروم سے باہر آئی
تو معاذ لاؤنج کے صوفے پہ نیم دراز فون پہ گفتگو میں مصروف تھا، دوسری جانب یقیناً جہان تھا، پریناں
رکے بغیر آگے بڑھ کر مکن کے دروازے پہ آگئی، وہاں موجود چھوٹی ٹیبل پہ کھانے کے برتن پڑے تھے،
یقیناً معاذ کھانا کھا چکا تھا اور یہ کھانا بھی اس نے ہوٹل سے منگوایا تھا، ٹیبل پہ موجود برتنوں میں ابھی بھی
اس کی ضرورت سے زائد کھانا موجود تھا جس کا واضح مطلب تھا کہ معاذ نے اس کے لئے بھی کھانا منگوایا
تھا مگر اس کا یوں اپنا نظر انداز کرنا روہانسا کر گیا تھا، یہ نہیں وہ حساس زیادہ ہو رہی تھی یا اس کی جانب
سے اب کسی پیش رفت کی متنبی تھی کے اس کا رویہ تکلیف دہ حد تک اذیت دے رہا تھا، شدید بھوک کے
باوجود اس نے کھانا نہیں کھایا تھا، برتن دھونے کھانا سمیٹ کر فریج میں رکھتے اس نے چمکے چمکے کتنے آنسو
بہا دیئے تھے، وہ پوجھل دل کے ساتھ مکن سے باہر آئی تو معاذ لاؤنج میں موجود نہیں تھا، آئس دان میں
لکڑیاں سلگ رہی تھیں اور ٹیبل پہ کافی کا خالی گلاس تھا جس کی سطح پہ بچی ہوئی کافی نے جمننا شروع کر دیا
تھا، الٹس ٹرے میں ادھ جلمے سگریٹ کے ٹوٹے اور راکھ پڑی تھی، اس نے آگے بڑھ کر کشز کی ترتیب
درست کی، الٹس ٹرے کو ڈسٹ بن میں خالی کیا، کافی کا گلاس دھو کر اس کی جگہ پہ رکھا اور معاذ کا صوفے پہ
پڑا ہوا سیل اٹھا کر بیڈروم کی جانب آگئی، جس پل اس نے اندر قدم رکھا تھا اسی لمحے معاذ بھی ٹائٹ
ڈریس میں واش روم سے باہر آیا تھا، انگلیوں سے کیلے بال سہلاتے ہوئے اس پہ نگاہ پڑی تو اس کی صبح
پیشانی پہ ایک ٹھکن نمودار ہوئی تھی۔

”جسمیں اپنی ضرورت کا جو بھی سامان یہاں سے چاہیے اٹھا لو۔“ پریناں صوفے پہ بیٹھ چکی تھی جب
معاذ کی سرد آواز پہ اس نے چونک کر سراونچا کیا اور ناٹھی کے عالم میں اسے دیکھا تھا۔

”ہم اپنے گھر میں نہیں ہیں محترمہ کہ یہ فارمیٹی مجبوری میں بھانا ضروری ہے، جب کوئی مجبوری نہیں
ہے تو میرا جسمیں برداشت کرنا بھی ضروری نہیں۔“ معاذ کے لہجے میں ہرگز کوئی گنجائش تو تھی ہی نہیں جو
تذلیل اور تھجیک کا عنصر تھا اس نے پریناں کو اتنی بے دردی سے کانٹوں پہ گھسیٹا تھا کہ وہ محوں میں لہولہان
ہو گئی تھی، ذلت اور خفت کا وہ عالم کہ وہ فوری طور پہ کوئی ری ایکشن دینے کے قابل بھی نہ رہ پائی، بس
دھواں ہوتے چہرے کے ساتھ ساکن ٹیٹھی کی ٹیٹھی رہ گئی تھی۔

”سنا نہیں ہے تم نے؟ اس اپارٹمنٹ میں اس کے علاوہ بھی کمرے ہیں، کہیں بھی ٹھکانا کر لو اپنا۔“
وہ پھر پھنکارا تھا، پریناں جیسے اس لٹاتی سکتے کی کیفیت سے باہر آگئی، وہ ایک دم جھٹکا کھا کر اٹھی تھی اور
ایک لفظ کیے بغیر بیڈروم کا دروازہ بھاگتے ہوئے پار کر لیا تھا، اس کا دماغ سائیں سائیں کر رہا تھا، معاذ
سے اسے اس درجہ رہانت کی ہرگز توقع نہیں تھی، سکی کا احساس اتنا شدید تھا کہ وہ بنا سوچے سمجھے اپارٹمنٹ
کا بیرونی دروازہ کھول کر باہر آگئی، دل و دماغ حواسوں میں تھے نہ قابو میں، رات کا سنسان پہر اور طویل
راہداری جس میں سناٹا بولتا تھا، زار و قطار بہتی آنکھوں کے ساتھ وہ پاگلوں کی طرح اس ویران راہداری
میں دوڑتی چلی گئی، تیز اور تیز..... انسلٹ کا احساس اتنا شدید تھا کہ وہ پھر سے معاذ کو اپنی شکل نہیں دکھانا
چاہتی تھی، ایسی جیانی کیفیت میں اس شدید غلظی کا احساس کہاں رہا تھا کہ وہ انجان جگہ پہ گھر سے نکل
کھڑی ہوئی ہے، بس اس پل تو ایک ہی خواہش تھی کہ معاذ سے اتنی دور چلی جائے کہ پھر وہ اس کی شکل
نک نہ دے سکے، معاذ سے ٹھوکر لگی اور وہ منہ کے بل گرنے سے ہاشکل بچی تھی، اس نے سنبھل کر دیکھا

تو ٹھوکر لگنے کی وجہ سمجھ میں آئی تھی، نشے میں دھت وہ گرائڈیل وجود کا کوئی آدی تھا جو بیڑیوں کے آغاز پہ یوں پھیل کر لیٹا ہوا تھا جیسے اپنے بیڑے پر عواستراحت ہو، پرینیاں بدک کر اس سے فاصلے پہ ہوئی مگر یہ فاصلہ بڑھا نہیں پائی تھی، وہ شرابی اسے دیکھ چکا تھا اور اب بدست تیل کی طرح سے ہی اٹھ کر اس پر چھٹا تھا، ساتھ میں وہ کچھ بڑا بھی رہا تھا، اس کے منہ سے اٹھتے چیز بو کے سمجھنے، پرینیاں کے حواس محل کر کے رکھ گئے، اسے اپنی فاش غلطی کا احساس یکفخت جاگا تو لہورگوں میں ٹنڈ ہونے لگا تھا، وہ زور سے چیخی اور اپنا آٹھل اس سے چھڑا کر اٹھے قدموں دوڑی، چند قدم کے فاصلے کو طے کر کے ہی اس کی گردن میں کوئی پھندا سا بڑ گیا تھا، اس نے تمرا کر پلٹ کر دیکھا، اس کے دوپٹے کا ایک سرا اس حفریت کے ہاتھوں میں تھا اور وہ قہقہے لگاتا اٹھ کر اس کی جانب آرہا تھا، پرینیاں نے ایک جھکے سے دوپٹہ اپنی گردن سے الگ کیا تھا اور اگلے لمحے پھر سر پیٹ بھاگی تھی، بار بار پیچھے کو مڑ کر دیکھتی ہوئی وہ شکار ہاتھ سے لکھتا دیکھ کر ڈھی ٹانگ کی مانند پھینکا رہتا اس کے پیچھے لگا تھا پرینیاں کے قدموں کی رفتار میں ہی نہیں دل کی دھڑکن کی رفتار میں بھی تیزی آئی تھی، سچی وہ اپنی جھونک میں دوڑتے کسی سے بہت زور سے لگرائی بارے خوف کے اس کے حلق سے چیخ نکل گئی تھی، تڑپ کر پیچھے ہٹتے ہوئے اس نے آنسوؤں سے جل تھل آنکھوں کو اٹھایا، چہرے پہ غمے اور برہمی کے سب آثار لگے، معاذ حسن اس کے روہر دھتا، اسے سنبھلنے کا موقع دیئے بغیر وہ اسے بازو سے پکڑ کر گھسیٹتا ہوا واپس لایا تھا اور دروازے سے اندر داخل ہوتے ہی اسے بے دردی سے پیچھے دھکیلا اور خود دروازہ لاکھ کرنے لگا۔

”تمہیں میں نے بڈروم سے نکالا تھا، اس گھر اور اپنی زندگی سے نہیں مگر تمہیں شاید میرے گھر اور میری زندگی میں بھی رہنا گوارا نہیں ہے، پابندی سے نفرت سے نا تمہیں، ویسی ہی نفرت جیسی مجھ سے کرتی ہو ہے نا۔“ وہ سرخ دہکتی آنکھوں کو اس پہ لگا کر پھینکا، پرینیاں اس قابل بھی نہیں تھی کہ جواب دے سکی، آنسو اسی رفتار سے بہ رہے تھے اور جسم یوں کانپ رہا تھا جیسے خزاں رسیدہ پتہ، ان طعنوں سے یہ ہوا کہ اس کے رونے میں شدت آگئی تھی، معاذ کا غصہ کچھ اور بڑھا۔

”دوپٹہ کہاں ہے تمہارا؟“ اس کا لہجہ ہی نہیں نظریں بھی کاٹ دار تھیں، پرینیاں جیسے زمین میں گڑھ کر رہ گئی تھی، اب وہ رونا بھی بھول گئی تھی گویا، معاذ کچھ دیر اپنی خون ریز نظروں سے اسے دیکھتا رہا تھا، پھر تفرزدہ انداز میں پلٹ کر اندر چلا گیا، پرینیاں وہیں پڑی سلتکی کڑھتی اور سکتی رہی تھی۔

☆☆☆

اگلی صبح اس کی آنکھ اتنی تاخیر سے کھلی تھی کہ نماز قضا ہو چکی تھی، پرینیاں نے ناگم دیکھا تھا اور بے دلی سے وہیں پڑی رہی، کروٹ بدلی تو اپنے جسم پہ کبیل کی موجودگی اسے قدرے حیران کر گئی تھی، یقیناً یہ معاذ کی گرم فرمائی تھی۔

(یقیناً سوچتے ہوں گے میں ٹنڈ سے اکڑ کر مرنہ جاؤں، پھر آپ مشق ستم کس پہ توڑیں گے اور کیا سکتی ہے اس نوازش کی وجہ)۔

اسی کے ہونٹوں پہ زخمی مسکان بکھر گئی تھی، رات جانے کتنی دیر تک وہ جاگتی اور روتی رہی تھی، اس کا شمار ان لوگوں میں ہوا تھا، جو ہمیشہ آزمائے جاتے ہیں، وہ بھی ہمیشہ تشنہ اور مضطرب رہنے کو دنیا میں سمجھتی گئی تھی شاید..... اس کے ہونٹوں پر اضملاں سا آکر ٹھہر گیا، پتہ نہیں وہ اس سب سے بھجوتہ نہ کر سکی تھی۔

اس نے اٹھتے ہوئے کھلے بالوں کو سمیٹ کر جوڑے کی شکل دی تو اپنی آنکھوں کی جلن کا احساس ہوا تھا، پردوں میں سلپیر اٹھا کر وہ واش روم میں آئی تھی، منہ ہاتھ دھو کر وہیں کھڑے کھڑے بالوں کو بھی سلجھا کر کچھ لگا لیا، پھر بچن کا رخ کیا تھا، وہ کل سے بھوکے تھی اب پیٹ کی وہ حالت تھی گویا اندر آگ لگی ہو، فریج کھول کر اس نے بریڈ کھن اور دودھ کا بیکٹ نکال لیا تھا، چائے کا پانی رکھ کر اس نے بریڈ کا بیکٹ کھول کر سلاکس پہ بڑنگ کرنا شروع کی، اس دوران پانی کھول اٹھا تھا، دودھ ڈال کر جوش دیا پھر چائے چھان کنگ میں نکالی اور خود تھل کے پاس آگئی، ناشتے کے دوران وہ اپنے سبل پہ بھی میسج چیک کرتی رہی تھی، جس وقت وہ بچن سمیٹ کر نکل رہی تھی معاذ بھی کمرے سے باہر آیا تھا، شرٹ سے بے نیاز گلے میں تولیہ لٹکا ہوا، سبل فون کان سے لگائے وہ جیتے ہوئے باتوں میں مصروف تھا، پرینیاں واپس بچن میں آگئی، اس کے لئے ناشتہ تیار کرتے وہ دوپہر کے کھانے کا میسو سوچنے لگی تھی، معاذ ناشتے میں پراٹھا اور آلیٹ بھی لیتا تھا، شاہ ہاؤس میں ناشتے میں اتنی ورائٹی ہوا کرتی تھی، وہ تھوڑا تھوڑا کسی کبھی کچھ ضرور چمکتا، اس وقت پرینیاں نے اس کے لئے فریش جوس کے ساتھ چائے بوائل اٹھے اور سلاکس تیار کیے تھے، پراٹھے اور آلیٹ کے جھنجھٹ میں وہ پڑنا نہیں چاہتی تھی، وہ ٹرے اٹھائے باہر آئی تو معاذ تک سب سے تیار ہو چکا تھا، پرینیاں نے ٹرے اس کے سامنے رکھ دی، جسے نظر انداز کیے وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا تھا۔

”دروازہ بند کر لو، جب تک میں تمہیں کال کر کے دروازہ کھولنے کا نہ کہوں کھولنا نہیں ہے، سبل تو لائی ہونا ساتھ۔“ وہ کتنے نارمل انداز میں بات کر رہا تھا، جیسے رات کی کسی نئی کو یاد رکھے ہی نہ ہو۔

”جی! آپ ناشتہ تو کر لیں۔“ پرینیاں نے بھی خود کو سنبھال کر اور کسی قدر جبر کر کے کہا تھا۔

”میں باہر جا رہا ہوں، کچھ کام ہے۔“ اس کی بات کا جواب دیئے بغیر وہ اپنی کہہ رہا تھا، پرینیاں نے جواب میں کچھ نہیں کہا، وہ اس کے پیچھے دروازہ بند کرنے چلی آئی تھی۔

”اگلی باہر نکلنے سے پہلے یہ سوچ لینا کہ یہ پاکستان نہیں ہے، یہاں راہ گیر کسی کو مشکل میں دیکھ کر بھی رکنا پسند نہیں کرتے۔“ اس کا لہجہ زہر خند تھا، پرینیاں کی پلٹیں جھکی تھیں اور چہرے پہ سخت سی چھا گئی، معاذ کے جانے کے بعد اس نے دروازہ لاکھ کیا تھا اور تھکے ہوئے قدموں سے واپس آگئی، اس کے سبل پہ زینب کی کال آ رہی تھی، پرینیاں نے بوجھل دل کے ساتھ فون ریو کیا تھا۔

”السلام علیکم!“

”وعلیکم السلام! کیا حال ہے جناب، سنا ہے آپ اس وقت لنڈن کی سیاحت پہ نکل ہوئی ہو، لالے کا کیا حال ہے؟“

”الحمد للہ، سب ٹھیک ہے۔“ اس کا لہجہ انداز رسائیت سے پر تھا۔

”کہاں ہیں لالہ؟ بات کر دو انا ان سے۔“

”ابھی باہر نکلے ہیں، آئیں گے تو خود کال کر لیں گے تمہیں۔“

”وہ اکیلے کہاں چلے گئے بھئی؟ اکیلے گھومنے تھوڑی آئے ہیں وہ، تمہیں ساتھ جانا چاہیے تھا۔“

زینب کا انداز ناسمجھانہ تھا، پرینیاں کے چہرے پہ عجیب سی مسکراہٹ بکھر گئی۔

”سنو تمام اچھی جگہوں پہ جا کر اسٹاپس ضرور بنوانا، تمہارے بچے بڑے ہو کر دیکھیں گے ان کے با اتنے رو میٹنگ تھے، انہیں خود احساس ہو جائے گا۔“ زینب ہنسی رہی تھی، پرینیاں اس کا ساتھ نہ دے سکی،

میں نے تم سے
نہیں مانگا
تم مسکرا دئے
تم یہ بھی تو کہہ سکتے تھے
میری جان!

اپنی چیزیں بھی بھلا مانگی جاتی ہیں

اس نے ایک تمکا مانگا سانس کھینچا اور کتاب بند کر کے سیٹ کی بیک سے ٹیک لگالی، اسے کچھ کتابیں درکار تھیں پچھلے کئی دن سے ہر روز مسز آفریدی سے کہتی مگر ان کے پاس تو ایسا ویسا ہی ٹائم لگتا تھا۔

”تم خود چلی جاؤ بیٹی۔“ انہوں نے کل اسے کہا تھا، وہ چلی جاتی اگر جہان اسے بالخصوص منع نہ کر دکھاتا، اب درمیانی راستہ اس نے یہ نکالا کہ شوگر کے ساتھ آگئی تھی، کتابیں اس کی بنیادی ضرورت تھیں اگر نہ پڑھتی تو شاید سوچیں اسے پاگل کر دیتیں، مارکیٹ میں گھوم پھر کے مطلوبہ بکس خریدنے کے بعد وہ گاڑی میں آ کر بیٹھی تو کتاب کی ورق گردانی کرتی ہوئی، وہ ایک جگہ غم سی گئی تھی، پھر جیسے ٹھکن کا احساس اندر تک سرایت کر گیا تھا، گاڑی جھٹکے لگا کر رکی تپ وہ چونکی تھی، ڈرائیور گاڑی اشارت کرنے کی کوشش میں ناکام ہو کر گاڑی سے اتر رہا تھا۔

”کیا ہوا خان چاچا؟“ اس نے الجھ کر ڈرائیور سے سوال کیا تھا۔

”ام کو لگتا ہے بی بی صاحبہ گاڑی کے انجن میں خرابی پیدا ہو گیا ہے، خیرام دیکھتا ہے۔“ ڈرائیور دروازہ کھلا چھوڑ کر ڈیگ کی کھول کر جھک گیا کچھ دیر بعد وہ پھر اس کے رو برو تھا۔

”بی بی صاحبہ ام آپ کو ٹیکسی کرا دیں آپ گھر چلی جاؤ، گاڑی درکشاپ لے جانا پڑے گا۔“ ڈرائیور کی اطلاع پہ ڈالے ٹھنڈا سانس بھر کے گاڑی سے اتر آئی۔

”آپ گاڑی میں بیٹھو بی بی صاحبہ ام ٹیکسی لے کر پھر.....“

”آپ پریشان نہ ہوں چاچا میں ٹیکسی کر لیتی ہوں۔“ ڈرائیور کو مطمئن کر کے سڑک کے دوسری سمت آگئی، ادھر ٹیکسی کے ٹپنے کا زیادہ امکان تھا مگر ٹیکسی مل کے نہیں دے رہی تھی، وہ دس منٹ کے انتظار کے بعد پریشان ہونے لگی تھی، یہ پریشانی اس وقت سرا سمگی میں بدل گئی جب دن دھاڑے اسے باقاعدہ اغواء کرنے کی کوشش کی گئی، وہ نہیں جانتی تھی وہ غنڈے کون تھے اور کیوں اس کے پیچھے پڑ گئے تھے، اس کی جان تو ہوا وہاں غیر متوقع طور پہ جہان کو پا کر ہوئی تھی، اس کی مزاحمت اور چیخ و پکار کے نتیجے میں وائٹ مسڈ تڑتڑی سے بھاگتے ہوئے رکی گئی اور جہان بہت عجلت میں نکل کر ان غنڈوں سے بچڑ گیا تھا، پھر ایک گھسان کارین پڑا تھا، ڈالے فاصلے پہ کھڑی اس کا ایک بدل جانے والی صورت حال پہ حواس کا پتہ اور روتی رہی تھی، وہ تین غنڈے تھے، جن کا جہان نے مار مار کر حشر بگاڑ دیا تھا، ارد گرد ایک جم غفیر اکٹھا ہو چکا تھا، جو بھی لڑنے والوں کو زبانی کلائی روکنا کسی فساد کی اصل جز ڈالے کو معنی خیز لگائوں سے دیکھ کر سرگوشیوں میں کچھ کہتا تھا، ڈالے تو ہر لمحہ زمین میں گڑتی جا رہی تھی، بالآخر یہ جھگڑا

چند مزید باتوں کے بعد زینب نے فون بند کیا تو پریناں نے وہی انداز میں سیل سائیڈ پہ ڈال دیا تھا جانے کیوں اس کی آنکھیں پھر سے جھپکنے لگی تھیں، وہ نہیں جانتی تھی معاذ کو کس وقت گھر پہ آنا تھا، اس کے باوجود اس نے پہلے بیڈروم میں آ کر وہاں ڈسٹنگ کی تھی پھر کچن میں آ کر دوپہر کے لئے کھانے کی تیاری کرنے لگی، چکن اور چاول موجود تھے معاذ نے یہاں آنے کے بعد ہی کل ضرورت کی تمام چیزیں لا کر کچن میں رکھ دی تھیں، پریناں نے بریانی پکانے کا ارادہ کیا تھا، ساتھ میں ریشمن سیلز اور پیٹھے میں کھیر، وہ جانتی تھی معاذ کو دسی نوڈ پسند تھا، ڈیزہ گنڈہ کچن میں مسلسل مصروف رہنے کے بعد وہ باہر آگئی تھی، بیک کھول کر اپنا ایک سوٹ نکالا اور ہاتھ لے کر پکین لیا، کرنے کو کچھ نہیں تھا اب اور اس سے وقت کا ٹھنڈا ہوا ہو رہا تھا، کچھ نہ سوچا تو ٹی وی آن کر لیا، مگر مطلب کا ایک بھی پروگرام نہیں تھا جیسی بہت جلد آگئی، اسی دوران سارا دن گزرا تھا، وہ دوپہر کو تو کیا شام کو بھی نہیں آیا تھا، پریناں کو اس کے انتظار کی جگہ جھنجھلاہٹ اور پھر غصہ آنے لگا تھا، رات کا اندھیرا تنگ لٹنڈن کی فضاؤں میں پر پھیلانے لگا تھا جب وہ اس کی ہدایت کو فراموش کیے دروازے تک آئی اور بالٹ گرا کر باہر جھانکا راہداری ہنوز سناں تھی، پہ نہیں اس فلور میں صرف معاذ کا ہی اپارٹمنٹ آباد ہوا تھا، اس نے گہرا سانس بھر کے دروازہ بند کر دیا، کسی خیال کے تحت وہ اندر آئی اور سیل پہ معاذ کا نمبر ڈائل کیا تھا، تیل جانی رہی مگر وہ کال پک نہیں کر رہا تھا، پریناں عجیب سے احساسات کا شکار ہو کر رہ گئی، اس نے دوبارہ اس کا نمبر ڈائل کیا مگر صورتحال وہی تھی، وہ ہاتھ میں سیل لئے بیٹھی سیل فون کی اسکرین کو گھورتی رہی، تب ہی موبائل خود سے گنگنا اٹھا تھا، نمبر کوئی انجان تھا اس نے بے ولی سے کال ریسیو کی تھی۔

”کیا حال ہے بیٹی؟“ دوسری جانب ماتھیں، پریناں کا دل ایک دم بھرا سا گیا۔

”انہیں آپ نے فورس کیا تھا ماما کہ وہ مجھے یہاں لے کر آئیں؟“

”کیا ہوا بیٹی خیریت؟“ ماما فطری طور پر اس سوال سے پریشان ہو اٹھی تھیں۔

”ایسی کوششوں کا کوئی فائدہ نہیں ہے ماما کم از کم وہاں آپ کے پاس میں تھائی کا شکار تو نہیں تھی۔“ اس کے لہجے میں کچھ ایسی لاچاری اور اضطراب تھا کہ ماما دوسری جانب سن ہی ہو کر رہ گئیں۔

”کہاں ہے معاذ؟“

”وہ صبح سے نکلے ہوئے ہیں، شاید انہیں میری صورت دیکھنے کی بھی خواہش نہیں ہے۔“ وہ کبھی طرح بھی خود پہ قابو نہیں رکھ سکی تھی اور رو پڑی، پہ نہیں ماما سے وہ کیوں اتنی انتہائیت محسوس کرتی تھی کہ اپنا دکھ ان سے چھپا کے رکھ ہی نہیں سکتی تھی، اس سے قبل کہ ماما کوئی جواب دیتیں کسی نے سیل فون اس سے جھپٹ لیا تھا، پریناں نے سرا سمگی سے پلٹ کر دیکھا اور معاذ کو غیض و غضب کی تصویر بنے اپنے دماغی دنیا کے دم اس کے حلق میں اٹک گیا تھا۔

”میری ماں کو اس طرح پریشان کرتے اور میری شکایتیں لگاتے شرم بہر حال تمہیں نہیں آتی ہے۔“ وہ پھنکار کر کہہ رہا تھا، پریناں ساکن بیٹھی رہ گئی، سخت کے احساس نے اسے سرخ کر ڈالا، جو بھی تھا بہر حال اس کی پوزیشن واقعی آگور تھی، سر جھکائے وہ ہونٹ کھلتی رہی، معاذ کچھ دیر اسے سستی نظروں سے دیکھتا رہا پھر سیل فون مومنے پہ پینج کر خرزہ انداز میں پلٹ کر چلا گیا تھا، پریناں بے دم سی دھما لٹ گئی تھی۔

تمام ہوا تھا، جہان غصے میں بھرا ہوا آیا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر گاڑی کی فرنٹ سیٹ پہ ایک طرح سے اسے دبا تھا، ڈالے خوف اور بے بسی سے کانپتی خائف نظروں سے اسے دیکھنے لگی، جہان کی اپنی حالت خراب ہو چکی تھی، قیمتی سوٹ صرف گرد آلود ہی نہیں ہو رہا تھا ایک دو جگہ سے رگڑ لگنے کے باعث پھٹ بھی گیا تھا، اس کا داہنا ہاتھ زخمی ہوا تھا اور ماتھے پہ بھی چوٹ کا نشان تھا، ڈالے اس کا بہتا خون دیکھ کر جیسے کچھ بھول گئی۔

”شاہ آپ کے زخم سے بلیڈنگ ہو رہی ہے۔“ فکر مندی اس کے لہجے سے عیاں تھی، اس نے حد تشویش میں گھر کر جہان کے زخم کو چھونا چاہا تھا، جہان نے نہایت سختی بھرے انداز میں اس کا ہاتھ سے جھٹک دیا۔

”اس ہمدردی کی ضرورت نہیں ہے۔“ وہ زور سے پھنکارا، ڈالے کی نگاہ اس کے چہرے سے تاثرات پہ پڑی تو ایک دم خائف نظر آنے لگی تھی۔

”م..... میں اکیلی نہیں آئی تھی ڈرائیور.....“

”جسٹ شٹ اپ، میں نے ہرگز آپ سے کوئی وضاحت نہیں مانگی، مجھے بہت اچھی طرح سے اندازہ ہے آپ کس نیچر کی مالک ہیں۔“ جہان کے آگ برساتے لہجے میں کاٹ دار طنز کی تپتی اور سرد مہر تھی، ڈالے اپنی جگہ پہ کٹ کر رہ گئی تھی۔

جہان بہت ریش ڈرائیو کرتا ہوا گھر پہنچا تھا، گیٹ کھول کر وہ گاڑی پور نیو میں لے آیا، ڈالے سر جھکائے مضمحل سی بیٹھی تھی، جہان اس پہ توجہ دینے بنا گاڑی کا دروازہ کھولنے کے بعد اتر کر چلا گیا، ڈالے بھی بددلی سے اس کے پیچھے آئی تھی، جہان سیدھا اپنے کمرے میں چلا گیا تھا وہ جانتی تھی کہ وہ جلیہ درست کرنا چاہتا ہوگا، ڈالے وہیں لاؤنج کے صوفے پہ ٹپک گئی، لاؤنج کے ایک کونے میں ہی گھومنا ہوا زینہ اوپر جہان کے بیڈروم میں جاتا تھا، وہ گویا اسی کی منتظر تھی، پندرہ منٹ بعد جہان دوسرے لہجے میں نیچے آتا نظر آیا تھا، ڈالے اٹھ کر کھڑی ہوئی۔

”چلیں؟“ وہ مضطرب نظروں سے اسے دیکھنے لگی، جہان نے چونک کر اسے دیکھا تھا۔

”کچھ دیر رکھیں میں کچھ کھا لوں، بھوک لگی ہوئی ہے مجھے۔“ وہ مارے بندھے جواب دیتا ہوا دروازے سے نکل گیا، ڈالے وہیں بیٹھی رہ گئی پھر کچھ خیال آئے یہ اس کے پیچھے کچن میں آئی تو وہ فریج کا دروازہ کھولے کھڑا تھا، شکل پہ عجیب سی جھنجھلاہٹ سوار تھی، ڈالے کو بچھنے میں محض ایک لمحہ اسے کھانے کو کچھ میسر نہیں آیا تھا۔

”آپ نہیں میں کچھ بنا دیتی ہوں آپ کے لئے۔“ وہ کسی طرح بھی اپنی خدمات پیش کیے بغیر رہ سکی تھی، جہان نے حیرانی سے مڑ کر دیکھا پھر چہرے پہ لولفٹ کا بورڈ سجایا۔

”اس زحمت کی ضرورت نہیں ہے آپ چلیں میں چھوڑ کر آؤں آپ کو۔“ باسکٹ سے ایک سیب اٹھا کر بائٹ لیتا ہوا وہ باہر آ گیا، ڈالے نے ان سنی کر دی تھی، فریج کے بعد اس نے کیبنٹ کھول کر دیکھے، ضرورت کی تقریباً ہر شے موجود تھی، اس نے جہان کے منع کرنے کے باوجود خود کو کام میں مصروف کر لیا تھا، اگلے آدھے گھنٹے بعد وہ تورے مشن کے ساتھ رائیہ پھلکے اور سلاڈ سجا کے ٹرے اس کے سامنے رکھ رہی تھی، جہان جوئی وی لاؤنج میں صوفے پہ نیم دراز تھا ٹرے پہ نگاہ ڈالتے ہی واضح حیرانی اس میں

دلکش آنکھوں میں امد آئی تھی۔

”کھائیں آپ، میں پیسی لے کر آتی ہوں۔“

”میں پیسی نہیں پیتا، پانی لایئے گا۔“ جہان نے خود کو سنبھال کر اسے ٹوکا تھا ڈالے سر ہلاتی پلٹ گئی تھی، جہان نے لوالہ توڑا سا لہجے حد ذائقہ دار تھا، وہ دل ہی دل میں اچھا خاصا حیران ہوا تھا، وہ پانی لے کر آئی تو جہان نے اسے بھی کھانے کی دعوت دی تھی، جسے ڈالے نے مسکرا کر ٹال دیا تھا، جب تک وہ کھانے میں مصروف رہا تھا، ڈالے نے محض خود کو اس کی وجاہت اور خوب روئی کے سحر سے بچانے اور اپنی دھڑکنوں کو اعتدال میں رکھنے کی خاطر بکھرا ہوا لاؤنج سمیٹ دیا تھا، کچن کی ترتیب درست کی، کافی اور چائے کنگ اٹھا کر دھو کر کچن میں رکھے، میگزین سمیٹ کر ٹیبل پہ رکھے، فرنیچر سے گرد صاف کی۔

”آپ چائے پیس گے یا کافی؟“ جہان کے آگے سے خالی برتنوں کی ٹرے اٹھائے وہ آہستگی سے بولی تھی۔

”اس زحمت کی ضرورت نہیں ہے، اب چلیں میں آپ کو چھوڑ آؤں۔“

جہان نیپکین سے ہاتھ پونچھنے کے بعد ہونٹوں کو دبا کر خشک کر رہا تھا، ڈالے نے پلکیں اٹھا کر اسے دیکھا وہ اس کی سمت متوجہ نہیں تھا، جیسی وہ اسے دیکھے گئی تھی۔

”یہ زحمت نہیں ہے شاہ! آپ صرف پانچ منٹ ویٹ کریں میں لاتی ہوں۔“ جہان اب کے کسی قدر جھنجھلایا تھا مگر کچھ بولا نہیں تھا، وہ ہوا کے جھونکے کی مانند باہر نکل گئی پھر جہان نے کافی کے ایک گگ کو کچھ اچھبے سے دیکھا تھا۔

”آپ کو کافی نہیں پینی تھی تو چائے بنا لیتی۔“

”میں چائے بھی نہیں پیتی۔“ وہ مسکرائی جہان کچھ لمحے اسے دیکھے گیا، گلابی پھولوں جیسی بے حد حسین لڑکی، جس کے شادابی اور چاذبیت کو چھو کر محسوس کرنے کی خواہش خواخواہ ہی دل میں اترنے لگتی تھی، ڈالے نے اس کی نگاہوں کا اٹھنا اور ٹھہرنا محسوس کیا تو دل معمول سے ہٹ کر دھڑکا اور پلکوں پہ جیسے منوں بوجھ آگرا۔

”آئی ایم ساری، آج میری وجہ سے.....“

”اس کی ضرورت نہیں، آپ کی جگہ اگر وہاں کوئی اور بھی لڑکی ہوتی تو میں یقیناً اسی طرح سے اس کی مدد کرتا، یہ میرا اخلاقی فریضہ تھا، کوئی احسان نہیں کیا آپ پہ۔“ وہ ایک بار پھر خشک اور سرد سا ہو گیا تھا، ڈالے کا رنگ لحوں میں پھیکا پڑ گیا، وہ جیسے کسی اذیت کی اتھاہ میں ڈوب کر ابھری، وہ کچھ بولنے کے قابل نہیں رہی تھی، جہان نے خالی گگ رکھتے ہوئے ایک نظر اسے دیکھا، وہ پتھر کے مجسمے کی مانند سا کھن نظر آتی تھی۔

”اب چلنا چاہیے، ایسا نہ ہو آپ کی ماما آپ کی تلاش میں یہاں چھا پہ ماریں اور مجھ پہ فرد جرم کی ایک طویل فہرست تیار کر لیں۔“

ڈالے نے جیسے اس کی بات سنی ہی نہیں تھی، وہ گم صم ہی اس کے ساتھ چلتی آ کر گاڑی میں بیٹھ گئی۔

(مجھے لگتا ہے شاہ میں ساری عمر اپنی ساری توانائیاں بھی لگا دوں تو آپ کا دل نہیں جیت سکتی اور اس سے بڑھ کر میرے لئے اذیت انگیز بات اور کوئی نہیں ہو سکتی)۔

جہان کے اسٹیرنگ پہ جسے ہاتھوں پہ نظریں جمائے وہ مایوس دول گرفتہ سوچ رہی تھی۔

☆☆☆

بے مقصد سڑکوں پہ پھرتے اسے صبح سے شام ہونے کو آئی تھی، ایک بار پھر وہ آوارہ گردی پہ نکلا ہوا تھا اور جیسے خود سے پر نیاں سے بھاگتے بھی تھک گیا تھا، موسم سرد تھا، ٹھنک ہوا میں اب برف کے اکا دکا ستارہ نما گالے شامل ہو چکے تھے، اس نے لانگ کوٹ پہن رکھا تھا، پھر بھی سردی اس کی ہڈیوں میں موجود گودے کو بھی جمانے پہ کمر بستہ تھی، اس نے دونوں ہاتھ کوٹ کی جیب میں ڈال لئے وہ چلا ہوا خشک گھاس کے ایک ویران قطع کی جانب آیا جہاں لکڑی کا ایک خوبصورت سفید بیج پڑا ہوا تھا، ہوا میں سفید گالوں کی آمیزش بڑھ رہی تھی، وہ بیج پہ گری برف جما کر وہیں گرنے کے انداز میں بیٹھ گیا، برف باری اب باقاعدہ شروع ہو چکی تھی، کچھ ہی دیر میں برف نے تمام پارک کو ڈھک لیا، وہ بے دل سا وہیں بیٹھا اطراف میں نظریں دوڑاتا رہا، درختوں کی ٹہنیوں برف کے بوجھ سے بھاری ہو کر جھک رہی تھیں، برف گرنے کے مخصوص آواز ماحول کا حصہ تھی، آسمان سرخ انگارہ ہو رہا تھا، اس کی رجنوں کی مظہر آنکھوں کی طرح، کل رات اس کا ایک بار پھر پر نیاں سے شدید جھگڑا ہوا تھا، لڑا سے اس کا کھراؤ بالکل اتفاقی تھا، معاذ اپنی ضرورت کی اشیاء خرید کر واپس اپارٹمنٹ آ رہا تھا جب لڑا اس سے ٹکرائی تھی، وہ شاید نشے میں تھی، مگر اس سے اس نے اسے لمحوں میں پہچان لیا تھا اور بہت خوش اخلاقی کا مظاہرہ کیا تھا۔

”کیا تم مجھے سہارا دو گے؟ اچھو ٹی میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔“ وہ اسے اپنی مجبوری بہت بے بس سے انداز میں بتا رہی تھی، معاذ نے خود بھی دیکھا تھا اس کے قدم لڑکھڑا رہے تھے۔

”تمہیں ڈرنک نہیں کرنی چاہیے لڑا۔“ معاذ نے اسے ٹوکا تھا، جواب میں وہ ہنس بڑی تھی۔

”میں نے ڈرنک نہیں کی شالی بوائے رٹلی، تم اگر مجھے سہارا نہیں دینا چاہتے تو منع کر دو، میں برا نہیں مانو گی مگر مجھ پہ کم از کم الزام تو نہ لگاؤ۔“ معاذ کھسیا گیا تھا، پھر اسی محنت کو مٹانے کی خاطر وہ ناچاہتے ہوئے بھی لڑا کو اس کے کمرے تک پہنچانے کی حامی بھری تھی، شوٹنی قسمت کی اس کے انتظار میں پریشان ہوتی پر نیاں نے بالکونی سے انہیں دیکھ لیا تھا، نظر تو معاذ کی بھی اس پہ پڑ گئی تھی، وہ جتنا بھی جزیب ہوا تھا مگر یہ بھی سچ تھا کہ وہ اب وہ لڑا کو اس وجہ سے نہیں چھوڑ سکا تھا کہ پر نیاں کیا سوچے گی، وہ جو بھی سوچتی اسے پرداہ کرنے کی ضرورت نہیں تھی، پر نیاں کے ششدر ساکن وجود پہ نگاہ غلط انداز ڈالنے بنا وہ لڑا کے اپارٹمنٹ میں چلا گیا تھا۔

”ابھی مت جاؤ نا پلیز، اتنے عرصے بعد ملے ہو کچھ دیر تو بیٹھو۔“ معاذ جیسے ہی واپسی کو پلٹا تھا، لڑا نے اسے ٹوک دیا تھا۔

”نہیں رات بہت ہو گئی ہے، میں چلا ہوں۔“

”تم اب بھی اتنے ہی پرہیزگار ہو حسن۔“ وہ اسے بیاسی نظروں سے دیکھتے ہوئے بولی، معاذ نے ہونٹ بھیج لئے اور کچھ کہے بغیر پلٹ آیا تھا، اپنے اپارٹمنٹ کے دروازے پر رک کر اس نے دروازہ ٹاک کیا تھا، ایک بار دو ہارٹین ہارنگر اندر سے کوئی جواب نہیں آیا تھا، معاذ نے جھنجھلا کر پر نیاں کے سیل پہ کال کی تھی، مگر وہ کال بھی ریسیو نہیں کر رہی تھی، معاذ کا پیش آسمان کو چھونے لگا تھا اس پل جب پر نیاں کا ٹیکسٹ اس نے وصول کیا تھا۔

(اسی حرافہ کے پاس جائیں واپس، میں دروازہ نہیں کھولوں گی سمجھے آپ۔)

معاذ کا دماغ گھوم کر رہ گیا، اس نے مشکل ہو کر ایک زور دار ٹھوکر بند دروازے کو رسید کی تھی، معاذ سے یاد آیا، اس کے پاس ڈیلی کیٹ کی موجود ہے، اپنی یادداشت کو کومتا ہوا وہ دروازہ ان لاکڈ کر کے اندر آیا تو اس کا دماغ ٹھسے کی زیادتی سے وہک رہا تھا۔

”دماغ ٹھیک تھا تمہارا؟ کیا بکواس کر رہی تھیں تم ابھی۔“ پر نیاں ٹی وی آن کیے بیٹھی تھی، اسے اپنے سر پہ سوار دیکھ کر پہلے حیران ہوئی پھر جھڑک اٹھی تھی۔

”آپ اندر کیسے آئے؟“

”واٹ نان سنس؟“ وہ چیخ پڑا۔

”مجھے ہاتھ مت لگائیں، ڈرنک کی ہوئی ہے نا آپ نے۔“ وہ ناک پہ دو پتھر رکھ کے بدک کر پیچھے ہوئی، معاذ تو ہین اور پیش سے پھراٹھا تھا، اسکا ہاتھ ناچاہتے ہوئے بھی اٹھ گیا تھا، اس کے طمانچے کے بعد پر نیاں لڑکھڑا کر دو قدم پیچھے ہوئی تھی۔

”کیا جھپتی ہو تم خود کو بہت پارسا؟“ وہ حلق کے بل خرایا تھا، پر نیاں گال پہ ہاتھ رکھے ششدر کھڑی تھی۔

”آج کے بعد میرے متعلق کوئی ایسی فضول بات کی تو جان سے مار دوں گا سمجھیں؟“ وہ پھنکارا پر نیاں کا سکتے ٹوٹ گیا، ٹپ ٹپ کئی آنسو اس کی آنکھوں سے بر سے تھے، کیا نہ تھا اس کی نظروں میں، تاسف، رنج، غیر یقینی، ملال، معاذ نے زور سے سر جھٹکا اسی متفرد انداز میں پلٹ کر بیڈ روم میں آ گیا، ٹھسے بھرے انداز میں کوٹ اتار تے وہ اچانک چونک گیا، سگریٹ، پرفیوم کی مہک کے ساتھ اس کے کوٹ میں اک اور بھی مہک آئی تھی، ام النہایت کی مہک، یہ یقیناً لڑا کی قربت کا شاخسانہ تھا کہ اس کے بھیکے لباس کی مہک، اس کے کپڑوں میں بس کی تھی، پتہ نہیں وہ کس عیاشی کے بعد لونی تھی اور پر نیاں کی حساس قوت شاید نے اس ناگوار بو کو بہت سرعت سے محسوس کیا تھا، معاذ کے اندر ایک عجیب سا تاسف اور تجالت بیک وقت اتری تھی، شاید نہیں یقیناً وہ پر نیاں کے ساتھ زیادتی کر چکا تھا، یہ وہ لڑکی تھی جسے اس نے دل کی تمام گہرائیوں کے ساتھ جاپا تھا، جسے دکھ دینے کا تصور بھی اس کے آس پاس نہیں تھا، مگر پھر حالات کچھ ایسی تیزی سے تبدیل ہوئے کہ سب کچھ درہم برہم ہو کر رہ گیا، اس میں پر نیاں کے نازک مزاج کا جتنا بھی ہاتھ ہو مگر یہ بھی حقیقت تھی کہ اس پل معاذ کا جین رخصت ہو چکا تھا، یہ احساس عدمت ہی تھا کہ ہاتھ لینے اور پہنچ کرنے کے بعد وہ کمرے سے باہر آ گیا تھا، لاؤنج تارکی میں ڈوبا ہوا تھا اس نے آگے بڑھ کر لائٹ آن کی، وہ صوفے پہ سگریٹ کٹی لپٹی تھی، لڑنا ہوا جو اس کی گریہ و زاری کا گواہ تھا، معاذ کے دل پہ گرا بوجھ کچھ اور بھی گہرا ہو گیا، وہ آگے بڑھ آیا تھا پھر ہاتھ پھیلا کر اس کے چہرے سے کبل سرکایا، اس کا اندازہ بالکل درست تھا، وہ ہنوز رو رہی تھی، ہیکلی پلکیں، سرخ ہو کر حشر برپا کرتی آنکھیں، معاذ اس کے چہرے سے نگاہ نہیں ہٹا سکا، پر نیاں نے اپنے دوپٹے سے بے دردی سے آنسوؤں کو پونجھا۔

”مجھے بھوک لگی ہوئی ہے، کھانے کو ہے کچھ؟“ اسے کہنا کچھ اور تھا مگر زبان سے کچھ اور پھسل گیا تھا، پر نیاں کچھ دیر ساکن بیٹھی رہی پھر اپنی جگہ چھوڑ کر وہاں سے اٹھ گئی تھی، معاذ بد دل سا وہیں اسی کی

جگہ پہ بیٹھ گیا، وہ لایعنی سوچوں میں اتنا کم تھا کہ اس کی واپسی کا علم نہیں ہو سکا۔

”بات سنو۔“ وہ ٹرے رکھ کر باہر جانے کو پٹی تو معاذ نے بے اختیار پکار لیا تھا، پر نیاں تھم گئی تھی مگر اس کی جانب پلٹ کر نہیں دیکھا۔

”تم کھانا نہیں کھاؤ گی؟“ وہ کس قدر مدہم ہو کر بولا تھا۔

”نہیں۔“ پر نیاں نے غمی سے کہا تھا اور کمرے سے نکل گئی، معاذ کچھ لمحوں کو ساکن بیٹھا رہ گیا، پھر اٹھا تھا اور اس کے پیچھے کچن میں آ گیا۔

”برتن اٹھا لو مجھے کھانا نہیں کھانا۔“ وہ کافی کا پانی رکھتے ہوئے بولا تھا، پر نیاں نے بغیر کسی رد و عمل کے ٹرے اٹھا لی تھی اور خود جا کر پھر سے صوفے پہ لیٹ گئی، معاذ کے اندر یکفخت عجیب سا سناٹا اتر آیا،

اسے پر نیاں کی یہ لاشعقی توڑ کے رکھ گئی تھی، وہ یہ بھول گیا تھا کہ ابھی کچھ دیر قبل وہ خود اس کے ساتھ بھی زیادتی کر چکا ہے۔

”اسے میری پرداہ ہی نہیں ہے۔“ اس نے سخت طیش میں آ کر ہاتھ میں موجود کافی کا جاڑ اور بگ دونوں ماربل کے پختہ فرش پہ پھینچ دیئے تھے، زوردار آواز گونجی اور دونوں ہی شیشے کے برتن ٹوٹ کر بکھر گئے، پر نیاں حیرانی کے عالم میں پھر سے بھاگی آئی تھی، معاذ کو سرخ چہرے کے ساتھ کچن سے نکلنے دیکھ کر وہ گہرا سانس بھر کے یہ نیا پھیلا دہ سینٹے میں جت گئی۔

اس کا سیل فون گنگٹانے لگا تب وہ چونکا تھا، کوٹ کی جیب میں ہاتھ ڈال کر سیل نکالا، پاکستان سے ماما کی کال تھی۔

”جی ماما! وہ بولا تو اس کے منہ سے بھاپ کے بگولے سے نکلنے لگے، برف باری میں شدت آگئی تھی، سڑک پہ دونوں اطراف اونچے درخت ایسا وہ تھے جو اس وقت رات کی برف باری کی وجہ سے دور سے دیکھنے پہ سفید لباس میں ملبوس بوڑھوں کی طرح نظر آتے تھے، نہر کے پانی کی سطح پہ شفاف برف کی نرم تہہ جمی ہوئی تھی۔

”پر نیاں فون کیوں نہیں اٹھا رہی بیٹے؟“ ماما آواز سے ہی پریشان لگتی تھیں، معاذ نے گہرا سانس کھینچا، پتہ انہیں ہر وقت پر نیاں کی ہڑک کیوں لگی رہتی تھی۔

”تم خود کہاں ہو؟ وہ گھر پہ آگئی ہے کیا؟“

”میں گھر پہ ہی ہوں، پر نیاں واش روم میں ہے، باہر آتی ہے تو آپ کی بات کر دیتا ہوں۔“ اس نے محض ان پریشانی کو دور کرنے کی خاطر جھوٹ بولا تھا، چند مزید باتوں کے بعد اس نے فون بند کیا اور گھر کی سمت ہو لیا تھا، وہ یقیناً جان بوجھ کر فون نہیں اٹھاتی تھی۔

راستے بھر وہ یہی سوچ کر تھماتا رہا تھا، دروازہ ان لاکڈ کر کے وہ اندر آیا تو پر نیاں صوفے پہ اسی طرح کبیل میں لیٹا پڑی تھی، معاذ نے آگے بڑھ کر نہایت خراب موڈ میں اس کے اوپر سے کبیل کھینچا۔

پر نیاں نیند میں گئی یونہی پڑی رہی، معاذ کو تشویش نے گھیر لیا، وہ بے اختیار آگے بڑھ آیا تھا، اس کا سینہ پہ دھرا ہاتھ پکڑ کر نبض کی رفتار محسوس کر رہا تھا، جب پر نیاں کی آنکھ کھلی، اسے یوں اندھیرے میں اپنے اوپر جھکے پا کر وہ قدرے بدحواس ہو کر چیخی تھی، کچھ اندھیرا تھا کچھ وہ ابھی تک نیند کے خمار میں تھی، معاذ گھبرا کر پیچھے ہٹا اور کسی قدر جھنجھلا گیا۔

”میں سوچتی نہیں ہوں، مجھے یقین ہے، حیرت بس اس بات پہ ہے کہ آپ مجھے کیوں ساتھ لے کر آئے؟ آپ نے یہ بھی خیال نہیں کیا کہ میں آپ کے بھیدوں سے واقف ہو جاؤں گی، یا پھر آپ مجھے اس قابل بھی نہیں سمجھتے کہ میں کچھ بھی جان لوں آپ کو فرق نہیں پڑتا؟“ اس کا لہجہ بوجھل تھا، پتہ نہیں طرز

بند یاد رکھ سے معاذ سمجھنے سے قاصر رہا، اسے تو اس کے الفاظ نے آگ لگا دی تھی۔

”ہاں یہی حقیقت ہے کہ میں تمہیں اس قابل نہیں سمجھتا، ویسے ہی جیسے تمہیں مجھ سے نہ محبت ہے نہ

”سیل کہاں ہے تمہارا؟“ سونے کے علاوہ بھی کوئی کام ہے تمہیں؟“ وہ جانے کیوں بھڑک گیا تھا، شاید پر نیاں کے نظر انداز کرنے کو اپنی توہین گردانا تھا کہ اسے کروٹ بدلتے دیکھ کر پھینکا۔

”سوٹا پھر حال ان تھرڈ کلاس کاموں سے بہتر ہے جو لوگ کرتے پھرتے ہیں یہاں۔“ وہ گو کہ منہ میں بڑبڑاتی تھی مگر معاذ کی سماعت نے بہت خوبی سے اس کا فقرہ کچھ کیا تھا، اسے ہونٹ بھینچ کر خود پہ ضبط کرنا پڑا تھا۔

”مما کو کال بیک کر لو، پریشان ہیں تمہاری وجہ سے۔“ معاذ کوٹ اتار چکا تھا، اطلاع دے کر دروازے سے نکل گیا، پر نیاں کو اپنے سیل کی تلاش کرنی پڑی، معاذ کھانا ٹرے میں لے کر وہاں آیا تو پر نیاں صوفے پہ دونوں ٹائیکس چڑھائے تھیں کبیل میں چھپی ماما سے بات کر رہی تھی۔

”یہاں سردی بہت ہے ماما! مجھے ہرگز بھی اندازہ نہیں تھا یہاں کی سردی کی اتنی خطرناک ہے ورنہ اچھی طرح انتظام کر کے آتی۔“ معاذ نے نوالہ منہ میں ڈالتے ہوئے ایک نظر اسے دیکھا، اس کی چھوٹی سی ستواں ناک سرخ ہو رہی تھی۔

”انتظام تو آپ کے پاس موجود ہے، میرے بستر میں آ جاؤ، سردی کی شدت دم دبا کر بھاگ جائے گی۔“ وہ فون پہ بات کر کے فارغ ہوئی تو معاذ نے ریموٹ سے ٹی وی آن کرتے ہوئے اس کی جانب فقرہ اچھالا تھا، پر نیاں اپنے دھیان میں تھی مگر اس کی بات پہ پہلے غیر یقین سے اسے دیکھا تھا پھر اس کا چہرہ جانے کس جذبے کے تحت سرخ پڑ گیا تھا، کچھ کہے بغیر کبیل ہٹا کر وہ ایک دم سے اٹھی، معاذ جو اسی صوفے پہ براجمان تھا ایک دم اس کی کلائی تمام لی۔

”کہاں جا رہی ہو؟“ پر نیاں کو جھجکا لگا تھا۔

”ہاتھ چھوڑیں میرا۔“ اس کا لہجہ بھینچا ہوا مگر سرد تھا۔

”اگر نہ چھوڑوں تو.....؟“ معاذ نے اسے تپا کر حنظل لینا چاہا۔

”آپ کو غلط نہیں ہے تو میں بتا دوں، یہ میں ہوں پر نیاں، آپ کی یہاں کی نمبر نہ وہ فرنگن ہوں نہ ہی پاکستان میں آپ پہ دل و جان لٹانے والی سستے جذبات رکھنے والی کوئی.....“ اس کا تند خیز لہجہ بے حد شدید اور شہر سے بھر پور تھا، وہ ہانپ سی گئی تھی۔

”میں جانتا ہوں۔“ معاذ نے مسکراہٹ ضبط کی اور اسے دیکھا تھا۔

”آپ نشے میں ہیں پھر، ڈرنک کی آپ نے پھر؟“ وہ ناصرف مشکوک ہوئی بلکہ ایک دم سرا سیمہ بھی ہو گئی تھی، اس کے ہاتھ پہ معاذ کی گرفت ڈھیل پڑ گئی یعنی وہ اس حد تک بدگمان تھی اس سے۔

”تم میرے بارے میں اتنا غلط کیوں سوچتی ہو ہمیشہ۔“ بے تحاشا لڑتے طیش کو دبا کر اس نے تھکن زدہ انداز میں سوال کیا تھا، مگر پر نیاں کے لبوں پہ زہر خند پھیل گیا تھا۔

”میں سوچتی نہیں ہوں، مجھے یقین ہے، حیرت بس اس بات پہ ہے کہ آپ مجھے کیوں ساتھ لے کر آئے؟ آپ نے یہ بھی خیال نہیں کیا کہ میں آپ کے بھیدوں سے واقف ہو جاؤں گی، یا پھر آپ مجھے اس قابل بھی نہیں سمجھتے کہ میں کچھ بھی جان لوں آپ کو فرق نہیں پڑتا؟“ اس کا لہجہ بوجھل تھا، پتہ نہیں طرز

بند یاد رکھ سے معاذ سمجھنے سے قاصر رہا، اسے تو اس کے الفاظ نے آگ لگا دی تھی۔

”ہاں یہی حقیقت ہے کہ میں تمہیں اس قابل نہیں سمجھتا، ویسے ہی جیسے تمہیں مجھ سے نہ محبت ہے نہ

”مما کو کال بیک کر لو، پریشان ہیں تمہاری وجہ سے۔“ معاذ کوٹ اتار چکا تھا، اطلاع دے کر دروازے سے نکل گیا، پر نیاں کو اپنے سیل کی تلاش کرنی پڑی، معاذ کھانا ٹرے میں لے کر وہاں آیا تو پر نیاں صوفے پہ دونوں ٹائیکس چڑھائے تھیں کبیل میں چھپی ماما سے بات کر رہی تھی۔

”یہاں سردی بہت ہے ماما! مجھے ہرگز بھی اندازہ نہیں تھا یہاں کی سردی کی اتنی خطرناک ہے ورنہ اچھی طرح انتظام کر کے آتی۔“ معاذ نے نوالہ منہ میں ڈالتے ہوئے ایک نظر اسے دیکھا، اس کی چھوٹی سی ستواں ناک سرخ ہو رہی تھی۔

”انتظام تو آپ کے پاس موجود ہے، میرے بستر میں آ جاؤ، سردی کی شدت دم دبا کر بھاگ جائے گی۔“ وہ فون پہ بات کر کے فارغ ہوئی تو معاذ نے ریموٹ سے ٹی وی آن کرتے ہوئے اس کی جانب فقرہ اچھالا تھا، پر نیاں اپنے دھیان میں تھی مگر اس کی بات پہ پہلے غیر یقین سے اسے دیکھا تھا پھر اس کا چہرہ جانے کس جذبے کے تحت سرخ پڑ گیا تھا، کچھ کہے بغیر کبیل ہٹا کر وہ ایک دم سے اٹھی، معاذ جو اسی صوفے پہ براجمان تھا ایک دم اس کی کلائی تمام لی۔

”کہاں جا رہی ہو؟“ پر نیاں کو جھجکا لگا تھا۔

”ہاتھ چھوڑیں میرا۔“ اس کا لہجہ بھینچا ہوا مگر سرد تھا۔

”اگر نہ چھوڑوں تو.....؟“ معاذ نے اسے تپا کر حنظل لینا چاہا۔

”آپ کو غلط نہیں ہے تو میں بتا دوں، یہ میں ہوں پر نیاں، آپ کی یہاں کی نمبر نہ وہ فرنگن ہوں نہ ہی پاکستان میں آپ پہ دل و جان لٹانے والی سستے جذبات رکھنے والی کوئی.....“ اس کا تند خیز لہجہ بے حد شدید اور شہر سے بھر پور تھا، وہ ہانپ سی گئی تھی۔

”تمہیں بتانے کی ضرورت نہیں ہے، میں بہت اچھی طرح سے جانتا ہوں، شکایت اور شکوے وہاں ہوتے ہیں جہاں محبت ہو، جہاں محبت نہ ہو وہاں ان کا کیا کام۔“ وہ بولا تو اس کا لہجہ بوجھل ہی نہیں بیخینچا ہوا بھی تھا، پر نیاں نے حیرانی سے اس کی کیفیت کو نوٹس کیا تھا مگر دانستہ غفلت برت لی۔

”ہمارے بزرگ ہماری زندگی کا فیصلہ کرتے وقت پتہ نہیں آتی ضد اور ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کیوں کرتے ہیں، ان کی اس نام نہاد ضد کی وجہ سے دو زندگیاں خراب ہو جاتی ہیں انہیں اس بات کا احساس تک نہیں ہوتا۔“ وہ اسی کیفیت کے زیر اثر کہہ رہا تھا، اب کے پر نیاں نے چونک کر اسے دیکھا تھا۔

”تو آپ کی زندگی خراب ہو چکی ہے؟“

”تمہارا کیا خیال ہے میں بہت خوش ہوں؟“ معاذ نے طنز بھری نظروں سے اسے دیکھا، پر نیاں کے چہرے پہ ایک رنگ آ کر گزرا تھا، اس نے بے ساختہ ہونٹوں کو باہم سمجھ لیا تھا، کچھ کہے بغیر وہ وہاں سے اٹھ گئی تھی، اسے نہیں سمجھ آئی تھی معاذ اتنا حساس کیوں ہو رہا تھا، البتہ وہ اگر یہاں سے جانا چاہا رہی تھی تو اس کی وجہ کچھ اور تھی، وہ ہرگز نہیں جانتی تھی اس رات کی وہ غلطی اس جگہ پر ختم نہیں ہوئی، وہ جو کوئی بھی تھا، پر نیاں نے تو ڈھنگ سے اس کی شکل بھی نہیں دیکھی تھی مگر وہ شاید اسے اچھی طرح سے جان گیا تھا، کل وہ اپنے دھیان میں نہیں پہنچ رہی تھی جب سامنے والے پارٹمنٹ کے ٹیرس کا دروازہ کھولا تھا اور ایک لمبے قد کا آدمی ہاتھ میں سمپن کی بوتل لے کر ریٹنگ کے ساتھ لگ کر کھڑا ہو گیا، اونپر ہٹاتے اس کی نگاہ سرسری انداز میں پر نیاں کی سمت اٹھی گئی اگلے لمبے وہ چونک گیا تھا۔

”ہی تم وہی ہونا جو اس رات میرے پاس آئی تھیں مگر پھر بھاگ کیوں گئی تھیں؟“ وہ سفید قام تھا اور اچھا خاصا خورد و گردانت کھوس کر بات کرتا ہوا پر نیاں کو بالکل اچھا نہیں لگا تھا، دل کو اسی کا تب ہی دھک سے رہ گیا تھا، جب اس نے اس منحوس ملاقات کا حوالہ دیا تھا کچھ کہے سنے بغیر وہ پلٹی تھی اور سرعت سے اندر چلی گئی مگر وہ ہرگز نہیں جانتی تھی اس کا یہ رویہ بھی اسے بدل نہیں کرے گا، وہ نیچے آئی تو دروازے کی تیل زور و شور سے بج رہی تھی، پر نیاں یہی سمجھی کہ معاذ واپس آیا ہے مگر میچک آئی سے اسی منحوس کی شکل دیکھ کر سچ محسوس میں پر نیاں کے ہمدون تلے سے زمین کک گئی تھی۔

”دروازہ کھولو سو بیٹ ہارٹ، تم مجھ سے آخر اتنی خفا کیوں ہو؟ میں تو اس دن سے تمہیں ڈھونڈ رہا تھا، تم تک گاڈ تم آج نظر تو آئیں۔“ وہ سچ محسوس میں ہاتھ دھو کر اس کے پیچھے بڑا تھا، پر نیاں کا دل دھک دھک کرنے لگا، وہ خوفزدہ ہو کر اندر کمرے میں آگئی اور دروازہ اندر سے لاگ کر لیا تھا، تب ہی لینڈ لائن کی تیل ہوئی تھی پر نیاں اپنی جگہ پہ زور سے اچھل گئی، اس تسلسل سے بچتے فون سے عاجز ہو کر اس نے کال ریسیو کی تھی۔

”تم مجھ سے بات نہیں کرو گی تو میں زبردستی تمہارے گھر میں کس آؤں گا، یاد رکھو یہ میرے لئے قطعی مشکل کام نہیں ہے۔“ اس کی دھمکی نے پر نیاں کی رہی سہی جان بھی نکال دی، ریسیور اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا تھا۔

(جاری ہے)

☆☆☆

کبھی ہوگی، کیوں نفرت کرتی ہو مجھ سے، میں نے بھی تو تم سے وجہ نہیں پوچھی، تم بھی اسی چیز سے کھڑے کر لو تو بہتر ہوگا۔“ وہ حلق کے بل چیخا رہا تھا، پھر تن فن کرتا اپنے کمرے میں جا گھسا، پر نیاں کوئی راسکت رہی پھر اس کے ہونٹوں پہ اشکلال بکھرنے لگا تھا، اس ساری رات وہ دونوں اپنی اپنی جگہ کروٹیں بدلتے اور جاتے رہے تھے، پر نیاں تو باہر برستے آسمان کی طرح نیر بھی بہانی رہی تھی مگر معاذ صرف سلگا تھا، جہاں کی مغز ماری تو محض ایک بہانہ تھی اس کی جانب پیش رفت کا در نہ حقیقت یہی تھی کہ وہ دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر اس کی جانب پیش رفت کر چکا تھا، وہ اپنی زندگی کو ایک بے بنیاد بات کے پیچھے برباد نہیں کرنا چاہتا تھا مگر محض اس کے اچھے جذبے ہی تو اہم نہیں تھے، فریق ثانی کا رویہ بھی اہم کردار ادا کرتا تھا اور وہ پھر ثابت کر چکی تھی کہ اس کے دل میں اس کے لئے کوئی گنجائش نہیں تھی۔

☆☆☆

جب وہ سو کر اٹھا تو پر نیاں کو وہیں کمرے میں ہی موجود پایا تھا، وہ وارڈ روم کھوے کھڑی تھی اسے اٹھتے دیکھ کر یوں کھنکری جیسے متوجہ کرنا چاہتی ہو، معاذ پھر بھی نظر انداز کیے واش روم میں گھس گیا، ہاتھ لے کر لٹکا تو وہ کمرے میں نہیں تھی، معاذ بے دلی سے تیار ہوا تھا، معاذ فی وی کے آگے آ کر بیٹھ گیا، یہاں کاپنی مون تھا، ایک فرینڈ اپارٹمنٹ میں مقید وہ دونوں ایک دوسرے سے صدیوں کے فاصلوں پہ موجود ایک دوسرے کو برداشت کرنے پہ مجبور تھے، معاذ قنوطیت کا شکار ہوتا چھینل سرچنگ میں مصروف تھا جب پر نیاں نے ناشتے کی ٹرے لا کر اس کے سامنے رکھی معاذ نے فی وی آف کر دیا تھا۔

”ہم واپس کب جا رہے ہیں۔“ معاذ ناشتے کی سمت متوجہ ہوا تو پر نیاں نے سوال کیا تھا، نوالہ معاذ کے حلق میں اٹک گیا، انہیں یہاں آئے آج پانچواں دن تھا، پاپا کی خواہش تھی وہ کم از کم پندرہ دن تک یہاں رہیں اور وہ اس سے محض چار دن میں اکتانگ تھی۔

”میں واپس جانا چاہتی ہوں۔“ معاذ کی خاموشی اور لائقیت پہ وہ اپنی بات پہ زور دے کر بولی تھی۔

”میں جانتا ہوں تمہیں یہاں میرے ساتھ رہنا پسند نہیں مگر اتنی جلدی واپس جا کے ہم اپنے گھر والوں کو مشکوک کر دیں گے، جتنا بھی کڑا سہی مگر تمہیں یہ وقت برداشت تو کرنا پڑے گا۔“ ٹرے ہاتھ سے پرے سرکا کر وہ کسی قدر تخی سے بولا تو پر نیاں کو اس الزام تراشی پہ تپ چڑھ گئی تھی۔

”آپ کیا سمجھتے ہیں کہ صرف میں آپ کو برداشت کرنے سے قاصر ہوں؟ آپ کی جو حرکتیں ہیں ان پہ بھی غور فرمائیں۔“

”کیا حرکتیں ہیں میری بتاؤ مجھے؟“

”آپ کو تو جیسے کچھ پتہ نہیں، اجے مصوم نہ بنیں۔“ وہ سلگ سلگ گئی۔

”چلو اس بحث کو چھوڑو، یہ بتاؤ تمہیں مجھ سے کیا شکایتیں ہیں؟“ معاذ نے الفاظ کے میٹر پھیرنے سے گھبرنا چاہا۔

”یہ آپ کی غلط فہمی ہے مجھے آپ سے کوئی شکایت نہیں۔“ پر نیاں کو صاف لگا تھا وہ اس سے اظہار چاہ رہا ہے، مگر وہ کیوں خود کو گراتی، اب تو ہرگز نہیں جبکہ وہ اس پہ اس کی حیثیت بہت بار واضح کر چکا تھا اس کی انا سے ہرگز اجازت نہیں دیتی تھی کہ وہ اس پہ اپنی محبت آشکار کر دیتی، جیسی خشک اور سرد آواز لگاتی بولی تھی، معاذ کی رنگت متغیر ہوئی تھی، اس نے فی الفور نگاہ کا زاویہ بدل لیا۔

پر نیاں کے اندر جمع حصہ معاذ کے سامنے لگتا ہے اور شدید جھگڑے اور الزام تراشی کے بعد دونوں کے درمیان صدیوں کے فاصلے در آتے ہیں۔
 نضب، تیمور کی وجہ سے بے حد پریشان ہے، جہاں اسے حوصلہ دینے کی کوشش میں معروف ہے مگر تب ڈالے پہ ان کے تعلق کی گہرائی اور نوعیت آشکار ہو کر اسے اضطراب کا شکار کر جاتی ہے۔
 معاذ اور پر نیاں کے تعلق کی سرد مہری مہما پہ بھی آشکار ہوتی ہے، معاذ پر نیاں سے غفلت کی بنا پر سب سے ڈانٹ باز پارہنتا ہے۔
 مہما کی کوششوں سے معاذ اور پر نیاں الگ ہونے لگتی ہیں مون پہ جاتے ہیں جہاں مائیکل اور لڑا سے ہونے والا انگریزوں میں موجود فاصلوں کو مزید بڑھا دیتا ہے۔
 ڈالے کو نیلماز بردستی انھوں نے کی کوشش کرتی ہے مگر جہاں کی بروقت مداخلت سے ڈالے بچ جاتی ہے مگر ڈالے کو جہاں کی شدید ناراضگی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

ستائیسویں قسط

اب آپ آگے پڑھیے



www.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

اس نے خوفزدہ نظروں سے ریور کو دیکھا تھا، جس سے مدہم نکلنے آواز اس کی ریڈھ کی پڑی میں سرد لہریں دوڑانے لگی تھی، اسے خوف محسوس ہوا تھا، اس آوی سے، اگر معاذ پہ بات کھل جاتی تو وہ یقیناً مرنے مارنے پہ تل جاتا، پر نیاں کو اس کا حل اس کے سوا کچھ سمجھ نہیں آیا تھا کہ وہ یہاں سے چلی جائے، خدا سے بھی وہ کسی گزبند ہونے کی دعائے نئے میں مصروف رہی تھی، خوف کا انسانی فطرت سے بہت گہرا تعلق ہے، وہ بھی تمام تر احتیاطی تدابیر اختیار کرنے کے باوجود خوف کا احساس نہیں جھک سکی تھی، جسمی چھلکی رات انا کو چل کر وہ معاذ کے روم میں نہیں جا سکی البتہ ساری رات اس نے جاگ کر ہولتے ہوئے گزاری تھی، ہر آہٹ پہ اس کا دل اچھل کر طلق میں آتا رہا تھا، وہ خود اتنی الجھی ہوئی تھی کہ معاذ کا بدلا ہوا رویہ بھی محسوس کرنے سے قاصر رہی تھی۔

”کیا جا رہے ہیں آپ؟“ معاذ اپنے کمرے سے تیار ہو کر نکلا تو تمہارہ جانے کے خیال سے اسے سراسیمگی کی اہٹا کو پہنچا دیا تھا۔
 ”میں تمہاری طرح یہاں قید ہو کر بیٹھنے کو نہیں آیا۔“ معاذ کا موڈ بتنا خوشگوار تھا اسی لحاظ سے جواب بھی اوندھا موصول ہوا تھا۔

”میں بھی یہاں قید ہو کر بیٹھنے کو نہیں آئی ہوں، اطلاعاً عرض ہے۔“ معاذ کے پر نخوت انداز نے اسے بھی غصے سے بھر دیا تھا، معاذ نے کانڈھے اچکا کر اسے دیکھا تھا۔
 ”تو ٹھیک ہے نہ رہو قید، جاؤ جہاں تمہارا دل کرتا ہے۔“ اس کے جواب نے پر نیاں کو جو روہانسا کیا وہ الگ طیش سے بھی بھر دیا۔

”میری ہر قسم کی ذمہ داری آپ قبول کر چکے ہیں، زبردستی ہی سہی۔“ وہ مشتعل ہو کر جتلا رہی تھی۔
 ”بڑی جلدی نہیں خیال آگیا تمہیں اس بات کا؟“ معاذ کا لہجہ اس سے بڑھ کر طعنا آمیز تھا، پر نیاں نے ہونٹ پیچھ لئے تھے۔

”کہاں جانا ہے تمہیں بتاؤ مجھے؟“
 ”جہاں آپ جائیں گے میں بھی ساتھ چلوں گی۔“ پر نیاں کے جواب پہ معاذ نے ہنسنے سے انکھوں میں جھانکا۔
 ”میں اگر کلب، یا پھر بار میں جاؤں گا تو تم بھی چلو گی ساتھ۔“ پر نیاں کا رنگ ایک لمحے کو بالکل زرد پڑ گیا، اس نے بے دردی سے ہونٹوں کو چل دیا تھا۔

”اچھا ہوا آپ نے خود اعتراف کر لیا کہ آپ کی یہ مصروفیات رہی ہیں۔“ اس کے چہرے کے تاثرات کی نسبت اس کا لہجہ یاس بھرا تھا، معاذ نے مستحکمہ آمیز قبیلہ لگایا۔
 ”اب یقیناً تمہارا میرے ساتھ جانے کا ارادہ بدل گیا ہوگا ہے نا؟“ وہ ایک بار پھر گویا اسکا مذاق اڑا رہا تھا، پر نیاں نے کچھ کہے بغیر نگاہ کا زاویہ بدل لیا تھا اور پلٹ کر کمرے سے نکل گئی، معاذ یونہی ہنستا ہوا اس کے پیچھے آیا تھا۔

”دروازہ بند کر لو پا کباز لوگو! گڈ بائے ہم جا رہے ہیں۔“ پر نیاں نے پھر جواب نہیں دیا تھا، معاذ نے کانڈھے اچکائے اور پلٹ کر چلا گیا مگر اگلے چند لمحوں بعد ہی وہ غصے میں بھرا اس کے پاس واپس آیا تھا۔

”ڈر تم نے لاکڈ کیا ہے؟“

”ہاں میں نے کیا ہے۔“ پر نیاں اس کے غصے سے خائف ہوئے بغیر ترنت ہوئی تھی۔
 ”کیوں؟ تمہیں کیا تکلیف ہے، چاہی وہ مجھے۔“ وہ بھڑک کر کہہ رہا تھا، پر نیاں نے جیسے اس کی بات سنی ہی نہیں تو معاذ نے اس کا کانڈھا جارحانہ انداز میں دیوچ کر جھجھوڑا تھا۔

”تمہیں سنتا نہیں ہے کیا کہہ رہا ہوں میں۔“
 ”اگر میں کہوں نہیں سنتا تو پھر؟“ پر نیاں نے جواباً اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا تو معاذ ششدر رہ گیا بہادری اور دلیری کے اس اعلیٰ مظاہرے پہ۔

”وماغ ٹھک ہے تمہارا؟“ وہ آنکھیں نکال کر خرابا تھا۔
 ”اگر آپ کسی ایسی فضول جگہ پہ جائیں گے تو میں ہرگز نہیں جانے دوں گی۔“ دھونس کے اس مظاہرے نے معاذ کو حق دق کر کے رکھ دیا۔

”تم ہوتی کون ہو مجھ پہ اپنی مرضی چلانے والی؟ تمہیں جرأت کیسے ہوئی کہ تم میری جیب سے کی رنگ لو؟“ وہ ایک دم اسے دیوچ کر جھٹکا دیتے ہوئے پھنکارنے لگا، اب کی مرضی پر نیاں نے جواب دینا بھی ضروری نہیں سمجھا۔

”مجھے چاہی جا ہے پر نیاں، شرافت سے لے آؤ۔“ وہ بری طرح سے جھنجھلا رہا تھا۔
 ”میں نہیں دے رہی، کہا نا نہیں جانے دوں گی۔“ پر نیاں نے اسی غصے سے جواب دیا تھا، معاذ اسے کیونہ تو ز نظروں سے گھورنے لگا۔

”کہاں ہے چاہی بتاؤ مجھے۔“ وہ اسے گھورتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔
 ”نہیں بتاؤ گی، کیا کر لیں گے آپ؟“ پر نیاں کے جواب نے معاذ کا دماغ صحیح معنوں میں گھما کے رکھ دیا تھا، اس نے شدید طیش میں جتلا ہو کر اسے دھکا دے کر بستر پہ گرا دیا۔

”چاہی تمہاری جیکٹ میں ہے، نکال کر دو تمہاری بہتری اسی میں ہے۔“
 ”میں نہیں دوں گی کہا ہے نا۔“ وہ پھر چیختی تھی، معاذ کچھ دیر اسے غصیلی نظروں سے گھورتا رہا تھا پھر انتہائی غصیلے انداز میں اس کے پاس بستر پہ آگیا، پر نیاں نے بچاؤ کی خاطر اٹھ کر بھاگنا چاہا تھا مگر معاذ اس پہ گرفت کر چکا تھا، وہ اس کی جیکٹ کی پائکس کی تلاشی لینا چاہ رہا تھا مگر پر نیاں نے اجرت کر رہی تھی، اپنی اپنی کوشش میں مصروف دونوں بری طرح سے ہنسنے لگے تھے، معاذ تو اتنے غصے میں تھا کہ اسے شاید اس حد سے بڑھی ہوئی قربت کا احساس تک نہیں تھا مگر پر نیاں بہت جلد ہمت ہار گئی تھی۔

”رکیں، پلیز میں دے رہی ہوں آپ کو۔“ وہ بے اختیار چیختی تھی، معاذ اتنی دیر میں خود ہی پاگٹ سے کی رنگ برآمد کر چکا تھا۔

”بس اتنی ہی ہمت تھی؟“ معاذ اس کی آنکھوں میں پھلتے آنسوؤں کو دیکھ کر طعنا سے ہنسا پر نیاں نے نظریں چرائیں، آنسو گالوں پر اتر آئے تھے۔

”دل گئی ہے نا آپ کو چاہی، جائیں چلے جائیں۔“ وہ بھراہٹ زدہ آواز میں با مشکل بولی۔
 ”چاہے بار یا کلب چلا جاؤں؟“ معاذ نے اسے چھیڑا تھا۔

”میری بلا سے جہنم میں جائیں۔“ پر نیاں نے گھٹی ہوئی آواز میں کہا اور آنسو پونچھے، معاذ اسے

ترجمی نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

”چلو تم یوں رو رہی ہو تو نہیں جاتا۔“ معاذ نے چابی ٹھیل پہ اچھال دی تھی۔

”ویسے تم رو کیوں رہی تھیں؟“ معاذ نے اس کا سرخ ہونا ٹاک دیا، پر نیاں نے اس کا ہاتھ زور

سے جھٹک دیا۔

”دماغ خراب تھا میرا۔“ وہ بھنکاری تھی۔

”چلو دل ہی بہلانا تھا نا وہاں بھی جا کے، یہ کام گھر پہ بھی ہو سکتا ہے، کیا خیال ہے؟“ معاذ نے اس

کی سمت جھک کر معنی خیزی سے کہا تھا، وہ مجلس کر رہی تھی، پر نیاں کو لگا معاذ نے اسے ایک بار پھر دو کوڑی کا

کر کے رکھ دیا، اب وہ اس سے جھگڑ نہیں سکتی تھی، بس ہاتھوں میں چہرا ڈھانپ کر شدتوں سے رو پڑی

تھی، معاذ تو پھر کھلا کر رہ گیا۔

☆☆☆

”پر نیاں کیا ہوا ہے؟“ وہ اسے چپ کرانا چاہ رہا تھا مگر پر نیاں اسے جھٹکتی وہاں سے اٹھ کر بھاگ

گئی تھی، معاذ سرد آہ بھر کے رہ گیا۔

جہان واپسی کے لئے بالکل تیار تھا جب اس کے بل پہ مسز آفریدی کی کال آنے لگی تھی، اس نے

گہرا سانس بھرا اور بتا چار کال ریسیو کر لی۔

”کیسے ہو جھانگیر؟“

”کیسے فون کیا آپ نے؟“ وہ چاہنے کے باوجود ان سے اپنا رویہ صحیح نہیں کر پارہا تھا تو جب ان کی

وہ چال بازیوں ہی نہیں جن کے باعث اس پہ اس کی اپنی زندگی الجھ کر رہ گئی تھی۔

”مجھ سے ابھی تک تھا ہو؟“ انہوں نے جس شاکی انداز کو اپنایا تھا وہ جہان کے ہونٹوں پہ زہر خند

بکھیر گیا۔

”مطلب کیا ہے آپ کا اس بات سے؟“ اس کا لہجہ دانداز اب بے حد کڑا تھا۔

”تم مطلب نہیں سمجھتے ہو کیا؟ کل میری بیٹی کو بہانے سے اپنے گھر لے گئے اور اس سے خدمتیں

حاصل کرتے رہے، یہ کس قسم کی خدمتیں تھیں اس کی نوعیت سمجھنا مشکل کام تھوڑی ہے۔“ ان کے لہجے کا

سطی بن اور سوچ کا گھٹیا انداز جہان کو بھک سے اڑا گیا تھا، اس کا خون لمحوں میں سمٹ کر چہرے پہ جمع ہو

گیا، آنکھیں جل اٹھی تھیں، توہین، سبکی اور خفت کے احساس سے کچھ بولنے کے قابل نہیں ہو سکا تھا۔

”اب بولتے کیوں نہیں ہو مسٹر چانگیر، ایک بات یاد رکھنا میں اپنی بیٹی کو تمہاری اس قسم کی عیاشیوں

کا ذریعہ نہیں بننے دوں گی، بہتر ہو گا تم اسے باعزت طریقے سے رخصت کرا کے لے جاؤ۔“ وہ دانت

بچھنچ کر کہہ رہی تھیں، جہان کے چہرے سے بھاپ نکل رہی تھی، اس نے کچھ کہے بغیر سلسلہ کاٹ دیا،

اسے لگ رہا تھا کسی نے اسے بے ذرہ سے خاردار جھاڑیوں پہ گھسیٹا ہو، پورے بدن میں کرب آمیز

ٹیسیں اٹھ رہی تھیں، ڈالے یہاں آئی تھی، اس بات سے صرف وہ اور ڈالے ہی آگاہ تھے، مسز آفریدی

کو اگر یہ بات پہ چلی تھی تو اس کا صاف اور سیدھا مطلب تھا کہ ڈالے سے ہی پتہ چلی تھی، اس کے دل

میں عجائبات تو پہلے بھی نہیں تھی ڈالے کے لئے مگر اس حد تک نفرت اور بغض بھی نہیں تھا جواب ایکدم سے

آگیا تھا، اس کے اندر اتنی آگ بھڑک رہی تھی کہ اگر ڈالے اس کے سامنے آجاتی تو شاید اسی جنونی

کیفیت میں اسے شوٹ کر ڈالنا، لاہور تک سے کراچی کا سفر اس نے یونہی طے کیا تھا گویا ہر لمحہ خود کو سلگتے

کوٹلوں پہ برہنہ یا محسوس کیا ہو، اس کا موڈ بری طرح سے خراب تھا، گھر آ کے اس نے اپنے کمرے کا رخ

کیا تھا، یہ بھی غنیمت تھا کہ شاہ باؤس کے کسی مبین سے سامنا نہیں ہوا تھا، ہاتھ لے کر اس نے اپنے اندر

بھڑکتی آگ کو بجھانے کی سعی کی تھی مگر کامیابی نہیں ہو سکی تھی، بستر پہ گر کر اس نے سگریٹ سلگایا اور گہرے

کس لینے لگا، جانے کتنی دیر خود اذیتیں اور آگ و دھوئیں کا یہ کھیل جاری رہا تھا، وہ چونکا تھا اس وقت جب

اس کے سیل فون پھر سے گنگنانے لگا تھا، اس نے ہاتھ بڑھا کر سائیڈ ٹیبل پہ رکھا ہوا سیل فون اٹھایا، پیا

کی کال تھی وہ ایکدم سیدھا ہوا۔

”السلام علیکم چاچو!“ خود کو کپوڑ ڈرکنے کی کوشش کے باوجود وہ لہجے کو معمول کے مطابق بنا سکا اور

پیا تو گویا اس کی رگ رگ سے واقف تھے۔

”وعلیکم السلام بیٹے! خیریت طبیعت ٹھیک ہے آپ کی؟“

”جی الحمد للہ۔“

”واپس آگئے ہیں آپ؟“

”جی چاچو! کچھ تھکان تھی، جیسی کچھ دیر ریٹ کا سوچا تھا۔“

”شیور مائی سن! آپ کا آفس آئیے گا ڈونٹ وری اور تھکان آپ کو سفر سے نہیں تنہائی کے عذاب

سے محسوس ہوتی ہے، آئی تھینک اب ہمیں اپنی بہو کو رخصت کرا لانا چاہیے۔“ ان کے بے تکلف بلکے پھلکے

لہجے میں کچھ تو ایسا تھا جو غیر معمولی تھا یا پھر خود جہان ہی بے حد زور داران ہو رہا تھا کہ اس بات پہ تکلیف وہ

حد تک چونک کر رہ گیا۔

”ایسی ہرگز کوئی بات نہیں ہے چاچو۔“ اس کا لہجہ آہوں آپ ہی سخت اور دو ٹوک ہو گیا جس کا اسے

خود احساس نہیں تھا، پپانے بہت کھل سے اس کی بات سنی تھی پھر یقیناً مسکرائے تھے۔

”بیٹے وہ بچی اب آپ کی ذمہ داری ہے اور اچھے بچے اپنی ذمہ داریوں سے نہ جی جراتے ہیں نہ

گھبراتے ہیں، مجھے ہرگز اچھا نہیں لگتا ہے کہ ہم خواجواہ بچی کو انتظار میں بٹھائے رکھیں۔“ وہ رساں سے

کہہ رہے تھے، جہان کے اندر یکلخت گہرا اور پراسرار سکوت اتر آیا، اسے پکا یقین ہوا تھا یہ نیا شر بھی مسز

آفریدی کا پھیلا ہوا ہے۔

”آپ کو کال کی ہے مسز آفریدی نے چاچو؟“

”وہ نہ بھی کہیں گی بیٹے تو ہمیں اپنی ذمہ داری کا احساس ہونا چاہیے۔“ پپا کا انداز ہنوز مدہم اور

ناسخا نہ تھا، جہان کی پیشانی کی شکنوں میں کچھ اور اضافہ ہوا۔

”معاذ کی شادی کو ابھی محض ایک ماہ بھی نہیں ہوا ہے چاچو، پھر سے گھر میں ہم نیا کھڑا ک پیدا کر

لیں، اگر انہیں اتنی جلدی تھی تو پھر یہ کام تب ہی ہو جانا چاہیے تھا۔“ وہ اتنا جھنجھلایا تھا کہ اس جھنجھلاہٹ

میں یہ بات کہہ گیا، پپا کی ہنسی اسے سنائی دی تھی پھر وہ بے حد خوش گوار موڈ میں گویا ہوئے تھے۔

”ہم نے تو تب بھی کہا تھا آپ ہی نہیں مانے تھے، اب پچھتا رہے ہیں کیا؟“ جہان بری طرح

سے خفت کا شکار ہوا تھا۔

”میں تو اب بھی نہیں مان رہا ہوں چاچو۔“ اس کی جھلاہٹ کے جواب میں پپا ایکدم سنجیدہ ہو گئے

تھے۔
 "حالات و واقعات جو بھی تھے جہاں بیٹے مگر اب یہ سب بے کہ ڈالے بیٹی ہی آپ کی زندگی کی ساتھی ہیں، میں نے کہا نا آپ کو اپنی ذمہ داری سے نظریں نہیں چرائی جائیں، میں سزا فریدی کو شادی کی تاریخ دے رہا ہوں، مجھے امید ہے میرا فرما نہر دار بیٹا ہمیشہ کی طرح کو آجی میٹ کرے گا۔" پاپا کی بات نے اسے کم صدم کر کے رکھ دیا تھا، کال کٹ گئی تھی اور اس کی ساعتوں میں سرد ہواؤں کی سنساہٹ تھی۔

☆☆☆

"مجھے ٹریبونگ کا جنون ہے، ایسے آدمی سے شادی کروں گی میں جو مجھے پورے پاکستان کی کیا پوری دنیا کی سیاحت پہ لے کے چلے۔"
 پور نہیں بہت دور سے ایک کھیتی پر جوش آواز بازگشت بن کر اس کے اطراف میں بکھرتے لگی اور اس کی جلتی آنکھوں میں اتری نمی بھی گویا بھاپ چھوڑنے لگی۔
 "اس کے لئے تو دو باتوں کا ہونا اہم ہے، ایک اس آدمی کا مالدار ہونا دوسرا تمہارا راج کے فرمانبردار ہونا، اب تم سوچو ایسا کون سا آدمی ہے؟" اس کی باتوں کے جواب میں تب زیاد نے ہنستے ہوئے کہا تھا۔

"پھر ٹھیک ہے میں بے سے شادی کر لوں گی، بڑے چاچو کی ساری جائیداد بچے کی ہی ہے نا اور صرف بچے ہی ہیں اس پوری دنیا میں جو میری کوئی بات نہیں مانتے، کیوں بچے؟ آپ کریں گے نا مجھ سے شادی۔" چندرہ سالہ زینب دو موٹی چوٹیوں کے درمیان چہرے پر ڈھیروں اشتیاق لئے اس کے رو برو آکھڑی ہوئی تھی، جہاں ان دنوں نیا نیا یونیورسٹی میں آیا تھا اور شامی اتنا تھا کہ ابھی تک اپنی شادی کے تذکرے یہ لال ہو جا رہا تھا، زینب کے منہ سے ایسی بات سن کر وہ اتنا گڑبڑایا تھا کہ اٹھ کر وہاں سے بھاگ گیا تھا، اس نے اللہ جانے زینب کو کتنا پریشان اور تنگ کیا ہو گا کہ وہ اس سے باقاعدہ منہ پھلا کر بیٹھ گئی تھی، جہاں تو اس بات کو بھول بھی گیا تھا مگر زینب یاد رکھے تھی اور اس سے بات نہیں کرتی تھی۔
 "کیا ہوا ہے تمہیں؟ خانا کیوں ہو؟" ماما کے کہنے پہ وہ اسے اپنی بائیک پہ اسکول چھوڑنے والا تھا مگر زینب کے تڑپے انکار پہ حیران ہو کر سوال کر رہا تھا۔

"میں اب آپ سے کبھی بھی بات نہیں کروں گی۔"
 "ہائیں وہ کیوں؟" بچے کی آنکھیں پھٹنے والی ہو گئیں۔

"آپ نے اس دن مجھ سے شادی کی حامی نہیں بھری، زاو بھائی لالے اور نور پہ کے سامنے اپنی انسلٹ کی میری سب میرا مذاق اڑا رہے تھے، اچھے دوست ہرگز ایسے نہیں ہوتے۔" آنکھوں میں موٹے موٹے آنسو لے وہ کسی بھی پل رو پڑنے کو تیار تھی، جہاں کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں جکڑ لیا۔
 "میں تم سے شادی کر لوں گا زینب بس تم روؤ نہیں۔" اس نے کہا تھا، بس وہ اس وقت اس کے چہرے پہ خوشی کا تاثر دیکھنا چاہتا تھا اور وہ واقعی چمک اٹھی تھی۔

"تسلی بچے؟ پھر آپ مجھے بہت سارا گھمائیں گے بھی نا، میری ہر بات مانا کریں گے نا؟"
 "ہاں میں تمہاری ہر بات مانا کروں گا اور....." اس کی بات تب وہاں ماما کے آجانے سے ادھوری رہ گئی تھی، ورنہ وہ اسے بتانا چاہتا تھا کہ وہ اس لئے اس کی ہر بات مانے گا کہ وہ اسے بہت اچھی بہت

پیاری لگتی ہے، وہ اسے بتانا چاہتا تھا، پوری دنیا میں بس وہی ایک لڑکی ہے جسے وہ سب سے زیادہ محبت کرتا ہے، مگر وہ بتائیں سکا تھا، اس وقت ہی نہیں پھر کبھی بھی نہیں مگر اس نے اپنا وعدہ ضرور پورا کیا تھا، اس کی ہر بات ماننے کا وعدہ، اس کے باوجود کہ زینب اپنی کئی ہر بات بھول گئی تھی۔

☆☆☆

زندگی کی ناؤ کو کچھ اور ڈگمگانا ہے
 پر ہم کو لوٹ آنا ہے
 تم سے کیا کہیں جاناں؟
 دھواں دھواں سا آسماں
 کٹے پھٹے سے بادیاں
 شیوریزہ سرد ہوا میں بھی
 ڈھکی چھپی مسافتیں
 مسافتوں کی دھند میں تم
 ہزار ہا جزیرے ہیں
 ہزار ہا جزیروں میں
 ایک وہ جزیرہ ہے
 جس کی دستوں میں تم
 اک حساس آشنا
 ہمیں داہنیں بلاتی ہے
 تم سے کیا کہیں جاناں
 میرے چار سو بہت دور تک
 بڑی کھر ہے جی
 اور راستے مسدود ہیں
 پر ہم کو لوٹ آنا ہے
 اس جزیرے کی طرف
 جس پہ تم کھڑے ہو گے
 تم جواگ جزیرہ ہو
 وقت کے سمندر میں
 اور آخری جزیرہ ہو

تاشتے کے برتن دھونے اور کچن کی صفائی کے بعد وہ دروازہ بند کرتی اسنے ٹھکانے پہ آگئی، صوفے پہ بیٹھ کر کبیل ٹانگوں پہ ڈالا اور ریوٹ اٹھا لیا، معاذ اسنے کمرے میں تھا، یقیناً گھمبیں جانے کی تیاری میں مصروف، وہ جلتی کڑھتی رچی اور چھیل سرچنگ میں مصروف تھی۔
 "اٹھو، تیار ہو جاؤ۔" معاذ نے آکر اس کے اچھڑے ریوٹ چھینا اور ٹی وی آف کر دیا، پر نیاں کا

”ایسے کیا دیکھ رہی ہو؟ گھر والوں کے لئے شاپنگ کرنی تھی، تم ساتھ چل رہی ہو میرے، پھر جا کے شکایتیں لگاتی پھر لوگی کہ میں نے وہاں جا کے تمہیں فراموش کیے رکھا۔“

اسکا کی بلیو پیٹ کورٹ میں اس کی سرخ و سفید رنگت بے پناہ وجہ چہرہ پر کشش آنکھیں اور غضب کی اشارتیں بے حد نمایاں تھیں، خوشبوؤں میں بسا وہ کتنا فریش اور شاندار لگ رہا تھا جب کہ پریناں اس کے مقابل پچھلے دو دن پہلے پہنے ہوئے لباس میں محض سی نظر آ رہی تھی، سامنے ڈائینگ ہال کا آئینہ بہت وضاحت سے دونوں کو دکھا رہا تھا، پریناں کا وہ عجیب سے احساسات سمیٹ کر طول ہونے لگا۔

”شکایتیں لگانا میری عادت نہیں ہے، آپ کو اس ٹگر میں ہلکان ہونے کی ضرورت نہیں۔“ اس نے آنکھوں کی ساری نمی اندر اتار لی تھی، معاذ نے دھیان سے اسے دیکھا۔

”میں جانتا ہوں شکایتیں لگانے کی عادت نہیں ہے تمہیں، ورنہ یہ اتنی بری بات گھر والوں سے چھپی ہوئی نہ رہتی۔“ معاذ کے لہجے کی چھین بے حد واضح تھی، ہاتھ بڑھا کر وہ اس کی دونوں کلائیوں کے

زخم باری باری جانچ رہا تھا، پریناں ساکن بیٹھی رہ گئی، معاذ نے گہرا سانس بھر کے خود اس کا ہاتھ چھوڑ دیا۔

”انا اچھی چیز ہے مگر اس کی سرحدیں بہر حال خود اذیت سے جا کر نہیں ملنی چاہئیں، تم خود سے زخموں کی ڈریننگ ایجنٹ انداز میں نہیں کرنا چاہیے، تم تو نہیں بھولی تھیں نا؟“ وہ سخت تھا ہو کر اسے دیکھ رہا تھا، پریناں کی

کلائیوں کے زخم ہنوز کچے تھے اور کام کی وجہ سے ان سے خون رستار بہتا تھا، پریناں جیسی تھکی خود ڈریننگ کرتی تھی، بائیں ہاتھ کی تو پھر بھی ہو جاتی دائیں ہاتھ کی حالت زیادہ خراب تھی۔

”آپ کا مجھے یا میری کسی بات کو بھول جانا میرے لئے معمولی بات ہے، آپ بھی گلٹی فیل نہ کریں۔“ اس کا لہجہ صرف طنز یہ نہیں تھا، درد اور اذیت کے رنگ میں بھی ڈوبا ہوا تھا، معاذ نے جیسے اس

کی بات سنی نہیں، اٹھ کر بیڈ روم سے میڈیکل باکس اٹھالایا تھا۔

”مجھے آپ سے ڈریننگ نہیں کروانی۔“ پریناں نے دونوں ہاتھ پشت پہ کر لئے، اس کے لہجے میں عجیب دل شکنگی اور ہٹ دھری بیک وقت تھی، معاذ نے میڈیکل باکس کھولا پھر اسے دیکھا تھا۔

”دل کر رہا ہے تمہارے منہ پر تھپڑ مار کر تمہاری یہ فضول اکڑ نکال دوں، حد ہوتی ہے بدتمیزی کی۔“ معاذ نے زبردستی اس کی کلائی سامنے کرنا چاہی تو پریناں کی مذاحمت کے جواب میں وہ کھولتے ہوئے

لہجے میں بولا تھا۔

”ہاں ماریں مجھے تھپڑ آپ، کوئی نیا کام تھوڑی کریں گے، یہ میری بد قسمتی تھی کہ دوا آپ کے حوالے مجھ مجبوری میں کر کے خود چلے گئے، آپ نے مجھے بھی بیوی نہیں سمجھا ہمیشہ اپنی جاگیر سمجھا ہے، جس کو بیروں سے روندا جاتا ہے۔“ وہ یک دم سے پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی تھی، معاذ کو اس کی قیافہ شناسی اور

اندازوں پہ مزید قہر چڑھا تھا۔

”صرف تمہاری نہیں تھی یہ بد قسمتی میرا بھی مقدر پھوٹ گیا ہے تم سے شادی کر کے، جان عذاب میں ڈال دی ہے تم نے میری، ہرزقت کا رونا ہرزقت کی نحوست۔“ معاذ کا مخصوص قسم کا قہر ظاہر ہوا تھا اور وہ لال بھسوکا چہرے کے ساتھ تنہا ہوا اٹھ کر دوبارہ اپنے کمرے میں جا گھسا، پریناں وہیں گھنٹوں میں

سردیے سسکیاں بھرتی رہی، کال بیل کی آواز پہ اس نے کسی قدر دہلی کر سرائھا، جب سے وہ سامنے والا آدمی اس کے پیچھے بڑا تھا وہ کسی قدر خونزدہ رہنے لگی تھی اس وقت بھی اس کا سب سے پہلا دھیان اس سمت گیا تھا، عجیب متضاد سی کیفیات کا شکار وہ وہاں بیٹھی رہی، خود دروازے پہ جاتے خوف آتا تھا جبکہ کال بیل وقفے وقفے سے بجائی جا رہی تھی، اگر معاذ اندر سے نکل آتا تو پھر اس کے بعد کا سوچ کر اس کی روح لرز اٹھی، لرزیدہ قدموں سے وہ خود اٹھ کر بیرونی دروازے تک آئی تھی، ہچک آئی سے دیکھا تو لڑا کی شکل نظر آئی۔

”جی فرمائیے۔“ اس نے ہٹ داکر کے بے حد خشک انداز میں سوال کیا تھا، سیلیولیس گہرے گلے کے اسٹامپس ٹاپ اور آف وائیٹ لیمر نیڈ ٹھنسی ایک تہائی ٹانگوں کو چھپاتے سکرٹ میں بلبوس منہرے

بالوں والی لڑا کو دیکھ کر اس کا موڈ کچھ اور بھی قارت ہو گیا تھا۔

”حسن کہاں ہے؟ میں تو اس سے ملنے آئی تھی اور تم کون ہو؟“ لڑا کی بڑی بڑی سنہری آنکھوں میں ناگواری سی پھیل گئی۔

”ان کا نام معاذ حسن ہے محترمہ، ہرزینڈ ہیں وہ میرے، آپ تشریف لے جائیں، اس وقت وہ مگر

پہلے حسن..... یاد آرہی۔“ اس کی بات ادھوری رہ گئی لیزا کی نگاہیں اس کے پیچھے تھیں اور وہ

ایک دم سے اچھل کر چکی تھی، پریناں نیکا کی انداز میں مڑی، معاذ حسن چہرے پہ سنجیدگی لئے موجود تھا، اس کا موڈ اتنا خراب ہوئے کہ وہ ایک جھٹکے سے پلٹ کر چلی گئی، لاؤنج کے صوفے پہ بیٹھ کر گوکہ اس نے

پھر سے ٹی وی آن کر لیا تھا مگر ساری کی ساری توجہ جیسے معاذ کی سمت اٹکی ہوئی تھی اور بے چینی کا وہ عالم تھا کہ بار بار پہلو بدلتی تھی، معاذ کی کچھ دیر تک دروازے پہ یہ بات چیت کی آواز آتی رہی پھر وہ اسے لے کر

ڈرائینگ روم میں چلا گیا تھا، پریناں کی جان کچھ اور سکتی اور آنکھوں میں خواہ مخواہ ہی اترنے لگی۔

”چائے بنا دو، ساتھ میں کچھ اسٹیکس بھی۔“ معاذ کی آواز پہ وہ حیرانی سے مڑی، وہ دروازے میں کھڑا تھا۔

”مجھ سے ایسے فضول لوگوں کی خدمتیں نہیں ہوتیں ویسے بھی محترمہ چائے نہیں شراب بنتی ہوں گی، وہ منگوائیں ان کے لئے۔“ ریموٹ سٹخ کر وہ لال ہوئی آنکھوں سے سمیت جینی، معاذ کو وہیں چھوڑ کر وہ

تلمٹاتی ہوئی دوسرے کمرے میں چلی گئی تھی، مگر اس طرح ابال نکال کر بھی چین کہاں آیا تھا، کچھ دیر تک منظر ہی پہلوتی رہی پھر کچن میں آگئی تھی، چائے تیار کی ساتھ میں بسکٹس اور نمکو کے علاوہ کیک اور

کباب بھی رکھ دیئے، ٹرے اٹھائے وہ ڈرائینگ روم میں آئی تو لیزا صوفے پہ بیٹھے معاذ کے قدموں میں بیٹھی نظر آئی تھی۔

”تم اتنے عرصے بعد لوٹے ہو حسن، میں نے ہر گھڑی ہر پل تمہارا انتظار کیا، تم جانتے تھے میں تم سے محبت کرتی ہوں، پھر بھی تم نے پاکستان جا کر شادی کر لی، وائے؟“ شاید وہ رورہی تھی، پریناں ساکن رہ گئی۔

”تم خواہ مخواہ جذباتی ہو رہی ہو لیزا، میں نے تمہیں کبھی پابند کیا تھا نہ تم سے شادی کا وعدہ۔“ معاذ کے لہجے میں جھنجھٹا ہٹ تھی۔

”لیکن تم میرے جذبات سے تو کھیلے ہونا؟ تم نے میرے بڑھتے ہوئے قدموں کو کیوں نہیں روکا۔“ لیزا کی سسکیوں میں کچھ اور اضافہ ہوا تھا، پر نیاں کے ہاتھوں میں لڑے لڑی تھی اور برتن رکھنے اٹھے معاذ نے چونک کر گردن موڑی، پر نیاں نے اس کی آنکھوں میں حیرت اور خجالت بیک وقت دیکھی تھی۔

”جسٹ شٹ اپ لیزا، فضول باتیں نہ کرو۔“ لڑے ٹیل پہ رکھ کر پر نیاں جس ہل دروازے سے نکل رہی تھی، پر نیاں نے اس کی دھاڑ سنی تھی، اس کے چہرے پر ہر خند پھیل گیا تھا۔
(کہاں کہاں خود کو عیاں ہونے سے چھپائیں گے معاذ حسن) اس کی سوچیں تک زہریلی ہو رہی تھیں۔

اس کے بعد ان کے دھیان سرد مہری کچھ اور بھی گہری ہو گئی تھی، گو کہ وہ معاذ کی وضاحت اور معافی کی منتظر نہیں تھی مگر پھر بھی اسے لگتا تھا، وہ اپنی پوزیشن کلیئر ضرور کرے گا، مگر معاذ نے اس سے وہ بات تو کیا کوئی اور بات بھی نہیں کی تھی، پر نیاں کے دل کا غبار اور بدگمانی حد سے ہوا تھی، دوسری سمت معاذ تھا جو صورتحال کی اس گھبر سے مضطرب ہو چکا تھا، وہ حالات کو جتنا سدھارنے کی کوشش کر رہا تھا اسی قدر گھبر ہو رہے تھے، لیزا کے ساتھ اس کا تعلق ہلکی پھلکی دوستی بات چیت سے بھی آگے نہیں بڑھا تھا مگر اب وہ خواہ مخواہ اس کے نکلے پڑی جا رہی تھی، معاذ کی سختی کے جواب میں وہ اسے دھمکیاں دیتی ہوئی گئی تھی کہ اگر معاذ نے اس کی پذیرائی نہ کی تو وہ لازمی پر نیاں کو اس کے خلاف بھڑکا دے گی، یہی بات تھی جس نے معاذ کو سب سے زیادہ اپ سیٹ کیا تھا وہ جانتا تھا پر نیاں کو اس کے خلاف بھڑکانا ہرگز مشکل کام نہیں، جتنی وہ بدگمان رہتی تھی اس سے اس کے بعد تو لیزا کی آدمی ادھوری بات نے ہی اس کا موڈ اتنا خراب کیا تھا کہ وہ اسی کی طرف دیکھنا تک چھوڑ چکی تھی، بات کرنا تو دور کی بات تھی، اس کے آگے وضاحت یا پھر معافی پیش کرنا معاذ کو اپنی پوزیشن مزید خراب کرنے کے مترادف لگ رہا تھا، سمجھوتہ اس کی فطرت میں نہیں تھا مگر اب وہ سمجھوتہ کرنے اور خود پہ تبرر نے یہ مجبور ہو کر رہ گیا تھا، اپنے کمرے سے باہر نکل کر اس نے لاؤنج میں جھانکا، وہ صوفے پر دوسری سمت کروٹ بدلے لیٹی تھی، معاذ اسے متوجہ کرنے کو کھٹکارتا تھا مگر اس کے وجود میں کوئی جنبش نہیں ہوئی۔

”اندراؤ، مجھے بات کرنی ہے تم سے۔“ معاذ کو اسے آواز دینی پڑی تھی، پر نیاں کچھ دیر تک بے حس و حرکت پڑی رہی تھی پھر آنکھوں سے ہازو ہٹایا تھا۔
”جو بھی بات آپ کو کرنی ہے یہیں کریں میں اندر نہیں آ رہی۔“ وہ نروٹھے پن سے بولی تو معاذ نے شہدائیس کھینچا، اس کے چہرے سے بے بسی کا بہت واضح اظہار ہوا تھا۔

”تمہارے ہاتھ کا زخم کیسا ہے اب؟“
”بہتر ہوگا آپ فضول باتیں چھوڑ کر مقصد کی بات کریں۔“ پر نیاں کا لہجہ صرف خشک نہیں تھا، تو ہیں کے احساس نے معاذ کا چہرہ ہکا سا ڈالا۔

”بدتمیزی کی کوئی حد ہوتی ہے پر نیاں اہات کرنے کا یہ کون سا انداز ہے؟“ وہ کسی طرح بھی خود پہ ضبط نہیں کر سکا تھا، پر نیاں زہریلی ہنسی اور ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔
”اگر آپ کی عیاشیوں کی اور بے مہاریوں کی کوئی حد نہیں ہے تو میں تو پھر.....“ پر نیاں ایک دم

خاموش ہو گئی، معاذ کا ہاتھ اس پہ اٹھتا اٹھتا رہ گیا تھا، پر نیاں نے کاٹ دار اور سلکتی نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

”ماریں نا..... رک کیوں گئے؟ یہاں آپ کو روکنے والا ہے بھی کون؟ میرے لئے تو ویسے بھی آپ کو ضرورت سے زیادہ اختیارات مل گئے ہیں، جن لڑکیوں کو میکے کی سپورٹ نہیں ہوتی وہ شاید یونہی ڈیل ہوتی ہیں قدم قدم پر۔“ وہ دلگیری سے کہتی آنسو بہانے لگی، معاذ کا سارا پیش جیسے انہی آنسوؤں میں بہہ گیا، عجب بے بسی اس کا احاطہ کرنے لگی۔

”ٹپے کر رکھا ہے پر نیاں کہ ہمیشہ میرے مخالف چلتا ہے؟ کبھی مجھے سمجھنے مجھے جاننے کی کوشش بھی تو کی ہوتی۔“ وہ سخت عاجز ہو کر کہہ رہا تھا، پر نیاں سر جھکائے رونے میں مصروف رہی، معاذ نے اس کی زخمی کلامیاں تھام لیں۔
”مجھے بتاؤ تمہیں کبھی نہیں لگا میں تم سے محبت کرتا ہوں؟“ وہ اس کی بل تھل آنکھوں میں جھانک رہا تھا، جن میں بدگمانی ہی بدگمانی تھی۔

”نہیں مجھے نہیں لگا ایسا کبھی، مفاد پرست اور خود غرض لوگ محبت بھی اپنی اعتراض سے کیا کرتے ہیں، محبت کا پہلا تقاضا عزت ہوتی ہے، آپ اس پہ کب پورے اترے جو میں اگلی بات کا یقین کروں۔“ پر نیاں نے پہلے اس سے اپنے ہاتھ چھڑوائے تھے پھر قطعیت بھرے انداز میں بولی تھی، معاذ کا رنگ لکھت پھیکا پڑ گیا، اسے خود کو سنبھالنے میں دشواری محسوس ہوئی تھی۔

”آئندہ لیزا یہاں آئے تو اسے اندر نہیں گھسنے دینا، مجھے اور تم سے کچھ نہیں کہنا۔“ کچھ دیر بعد وہ بولا تو اس کا لہجہ پھر سے روکنا اور سرد تھا، پر نیاں کو جیسے آگ لگ گئی۔
”یہ سراسر آپ کا ذاتی مسئلہ ہے، میں مداخلت کرنے والی کوئی نہیں ہوتی۔“ معاذ نے ایک بار پھر اسے عاجزانہ نظروں سے دیکھا تھا۔

”تم خواہ مخواہ بات کو بڑھا رہی ہو پر نیاں۔“ اب کے وہ جھلاہٹ کا شکار ہو کر کلس کر رہا تھا۔
”اگر آپ اس بات سے خائف ہیں کہ میں الٹی سیدھی دالیں جا کر باتیں کروں گی تو ہمیشہ کے لئے بے فکر ہو جائیں، میں اس سے پہلے بھی آپ کے لئے بہت کچھ دیکھ چکی ہوں مگر وہ بس مجھ تک ہی محدود رہا ہے، آپ کی پوزیشن آپ کے ایہوں کے سامنے ہونو کلیئر ہے۔“ وہ اپنے مخصوص اکل کھرے انداز میں جھلارہی گئی۔

”مجھے یہ پوزیشن صرف ان کے سامنے ہی کلیئر نہیں رکھنی، تمہارے سامنے بھی رکھنا چاہتا ہوں۔“ معاذ کا لہجہ گھبرتا ہو گیا، پر نیاں نے ٹھنک کر اس کی شکل دیکھی تھی پھر حکارت بھرے انداز میں مسکرا دی۔
”اگر یہ خواہش تھی تو پھر اپنے جذبات کو بھی سنبھالا ہوتا۔“ وہ پھکاری تو معاذ کا چہرہ تاریک پڑ گیا تھا۔

”میں نے ایسا کچھ غلط نہیں کیا ہے پر نیاں کہ.....“
”مجھے وضاحتیں نہ دیں، وضاحتیں ہمیشہ جوئے لوگ دیا کرتے ہیں اوکے۔“ اس کے دیکھنے کے انداز میں ناگواری بڑھی اور فہمائش تھی مگر آنکھوں میں بکھرے خوابوں کی کرجیاں تھیں گویا، معاذ سناٹوں کی زد پہ آ گیا۔

”تو پھر ٹھیک ہے، میری طرف سے جہنم میں جاؤ، میں لعنت بھی نہیں بھیجتا تم پر۔“ اس کا یہ سکتہ ٹوٹا تو وہ پھنکارتے ہوئے بولا تھا، پھر بیبل کو زور سے ٹھوکر مارتا کمرے سے نکل گیا، مصالحت کی ہر کوشش رایگاں جا رہی تھی، پتہ نہیں حالات کس رخ پہ جا رہے تھے۔
☆☆☆

محبت کے سفر میں جب وفا کا سلسلہ لکھا
تو تجھ کو اپنی ہستی کو اکیلا آشنا لکھا
دنیا کی عداوت نے کافر تک کہا مجھ کو
پھر بھی میری چاہت نے تجھے سب سے جدا لکھا
میرے جذبوں کی طاقت کو کوئی بھی سمجھ نہ پایا
کسی نے ابتدا لکھا کسی نے انتہا لکھا
تیری ہستی قیامت تھی یا کوئی شہر تھا تجھ میں
کہ خود تقدیر نے تجھ کو دعا کا تجزہ لکھا
میری دھڑکن کی بندش یہ دنیا کے میخانے
محبت کو غم لکھا تجھے اس کی دوا لکھا
مجھے یہ فخر ہے کہ میں تجھے تحریر کرتا ہوں
اسی خاطر تجھے پل پل اپنا ہمنوا لکھا

وہ کب سے ایک ہی زاویے پہ بیٹھی تھی، ساکن و سامت اور گم صم، ابھی کچھ دیر قبل مسز آفریدی اس کے پاس سے اٹھ کر گئی تھیں، اسے کل شاہ ہاؤس سے آنے والے مہمانوں کی آمد کا مزہ سنا کر۔
”خیریت کیوں آرہے ہیں وہ لوگ؟“ اس کی حیرت بجا تھی، یہ سوال بھی فطری تھا۔
”تمہاری شادی کی تاریخ لکھ کر نے آرہے ہیں۔“ ڈالے کے اعصاب کو جھکا لگا تھا، اس نے تخیرو استجاب کے عالم میں انہیں غیر یقین نظروں سے دیکھا۔
”میری شادی کی؟“

”اتنی حیران کیوں ہو رہی ہو؟ کیا تمہاری یہ خواہش نہیں ہے؟ بہت اگڑ رہا تھا جہا تکیر میں نے بھی سارا طغتنہ نکال کر رکھ دیا، میرے سامنے کب ٹھہرا ہے وہ جواب ٹھہرتا، مسز آفریدی کو آنکھیں دکھانے والے کو عمر بھر میرے قدموں میں گڑ گڑانا پڑتا ہے۔“ ان کے لہجے کا غرور اور تکبر ہرگز نئی بات نہیں تھی البتہ جو بات وہ کر رہی تھیں وہ کچھ انوکھی ضرور تھی، ڈالے کا ماتھا ٹھٹھکا تھا۔
”کیا مطلب ہے آپ کا؟ اب کیا کیا ہے آپ نے می؟“

وہ جو نیلما کی وجہ سے پہلے ہی پریشان تھی، کچھ اور بھی مضطرب نظر آنے لگی، ابھی کچھ دیر پہلے نیلما نے کال کر کے اپنے کارنامے سے پردہ اٹھایا تھا کہ اگر ایک بار اس کی کوشش ناکامی سے دوچار ہو گئی تو ضروری نہیں دوبارہ بھی ایسا ہو، یعنی اس روز اسے کڈ نیپ کرانے کی حرکت نیلما کی تھی، ڈالے کو اپنے وجود سے نفرت ہونے لگی تھی، کیسا تھا اس کا نصیب یا پھر اس کے رشتے ہی اتنے گھٹیا تھے کہ وہ اذیتوں میں مبتلا ہو کر رہ گئی تھی، ذلت اور شرمندگی کے بے درپے احساس اسے ڈھنگ سے سرائٹھانے بھی نہیں

دیتے تھے کہ ایک اور طوق اس کے لئے تیار ہو جاتا تھا۔

”جہا تکیر ہرگز آسان ہدف نہیں ہے، اسے لائن یہ لانے کو مجھے ہمیشہ کوئی سازش تیار کرنا پڑی ہے، لیکن اس بار تو کام میری بیٹی نے خود آسان بنا دیا، تم گئی تھیں نا اس کے ساتھ اس کے گھر، اب چھپانا مت، بتاؤ مجھے وہ کس حد تک تمہارے حسن کے آگے بہکا اور اسے خراج پیش کیا۔“
”می پلیز۔“ وہ تو ہین کے احساس سے جل اٹھی تھی، جیسی پوری قوت سے چلائی، جو اب مسز آفریدی نے اسے کسی قدر ناراضگی سے دیکھا تھا۔

”کوئی نازیبا بات کہہ دی ہے میں نے جو چلا رہی ہو، شوہر ہے وہ تمہارا۔“ ان کے لہجے میں ناگواری کا تاثر تھا، ڈالے نے جلتی ہوئی آنکھوں سے انہیں دیکھا اور بھرائی ہوئی آواز میں بولی تھی۔
”آپ اور میری سوچوں میں ہی نہیں عادات میں بھی فرق ہے مما آپ کو میری راہوں میں مزید کانٹے نہیں بکھیرنے چاہئیں، ایسے کانٹے جنہیں مجھے پلکوں سے ہٹانا پڑے، آپ کو اندازہ تو ہو گا یہ کتنا دشوار کام ہو سکتا ہے۔“

”میرے سامنے یہ فلسفیانہ گفتگو نہ کیا کرو، مجھے بس اتنا پتہ ہے کہ اگر میں تمہاری پشت پہ نہ ہوتی تو اول تو تمہارا نکاح نہ ہوتا جہا تکیر سے دوسرے یہ کہ وہ قیامت تک تمہیں رخصت کرانے نہ آتا بجائے میرا احسان مند ہونے کے تم مجھے ہر وقت باتیں سناتی رہتی ہو۔“ وہ چیخ کر کہہ رہی تھیں، ڈالے نے متاسفانہ نظروں سے انہیں دیکھا تھا۔

”خدا جب انسان کو زیادہ اختیارات دے دیتا ہے تو اس کا مطلب ہوتا ہے اس کی رسی دراز کر دی گئی ہے جس کا سر اللہ کے ہی ہاتھ میں ہوتا ہے، انسان کو اپنی اوقات بھلا کر خود کو خدا نہیں سمجھ لینا چاہیے، فرعون نے یہ غلطی کی تھی، عبرت کا نشان ہے ابھی تک۔“
مسز آفریدی اس کی پوری بات سنے بغیر ہی باہر نکل گئی تھیں، ڈالے ساکن بیٹھی رہ گئی، اسے مسز آفریدی کے غرور سے ہی خوف نہیں آیا تھا، اسے جہان کے سامنے اپنی مزید خراب ہو جانے والی پوزیشن پہ بھی جی بھر کے رونا آیا تھا۔

☆☆☆

رک گئی زندگی بس اک موڑ پر
تیرے بن یونہی موسم گزرتے رہے
دل کے آنکھ میں روئی رہیں حسرتیں
آنکھ زندہ رہی خواب مرتے رہے
جب تک تو میری سمت چلا رہا
میری خوشیوں کا سورج کلکا رہا
تیرے لہجے کی خوشبو میں بھیکے ہوئے
جاندارے میرے گھر اترتے رہے
آنکھ میں چاہتوں کے سمندر لئے
کتی جلدی تو مجھ سے جدا ہو گیا

جانے والے تجھے کیا خبر ہے کہ ہم

لحہ تیرے بعد مرتے رہے

ایزی چیئر پر بیٹھے اس نے کھڑکی سے باہر کا منظر دیکھا، برف اسی تواتر سے گر رہی تھی، تاحد لگاہ
دھند کا تسلط تھا، شاید یہ برف گرنے کے باعث فضا میں غبار تھا، ابھی کچھ دیر قبل ماما کا فون تھا وہ اسے
جہان کی شادی کی تاریخ کے متعلق بتا کر آنے کا کہہ رہی تھیں۔

”جے کی شادی....“ اس نے سوچا اور ایک لامحدود قسم کا خالی پن اس کے اندر اتر آیا تھا۔

(یو تم بھی مکمل طور پہ بیگانے ہوئے جے) اس کے دل نے کسی زیاں کے احساس کو بہت شدت
سے محسوس کیا۔

”اصولاً تو مجھے تیمور کو کہنا چاہیے تھا مگر بیٹے ان کا نمبر مسلسل بڑی جا رہا ہے، آپ ہمارا بیج نہیں
دے دینا اور کل ضرور پہنچ جاتا۔“

وہ انہیں بتا نہیں سکی تھی کہ تیمور کی شکل تو اس نے خود کئی ہفتوں سے نہیں دیکھی تھی، اللہ جانے کہاں
مصروف رہتا تھا، اسے تو زینب کی طبیعت کی خرابی کی بھی پروا نہیں تھی گویا۔

”ابھی تو لالے کی شادی ہوئی ہے ماما، اتنی جلدی بھی کیا ہے آخر؟“ وہ یہ نہیں کیوں جھنجھلائی تھی۔
”ایک کام جب ہوتا ہے تو پھر جلدی یا تاخیر کا کیا سوال، ویسے بھی کوئی کام ہوتا اسی وقت ہے

جب اللہ کے ہاں اس کا وقت مقرر آچکا ہو۔“
”ہمارا آنا شاید مشکل ہو ماما، ادھر موسم بہت اپ سیٹ ہے، مسلسل برف پڑ رہی ہے، آپ کو پتہ ہے

نارستے بلاک ہو جاتے ہیں۔“
اس کے اندر ایسی ہی بے دلی اتر آئی تھی، یہ نہیں کیوں اس مقام پہ آکر وہ شاہ ہاؤس جانے سے

گریزاں ہو گئی، شاید جہان کو اپنی نظروں کے سامنے کسی اور کا ہوتے دیکھنے کا حوصلہ ناپسند تھا، کیسا
احساس تھا یہ جو بے حد جان، اس نے اک داؤ پہلے کھیلا تھا، خود کو دار پہ دانستہ چڑھایا تھا، حالانکہ لمحہ آخر

تک وہ اس آس اور امید میں انکی منتظر رہی تھی جیسے پورا ہونا ہی نہیں تھا یہ نقصان تو اس سے اس کا نصب
بن چکا تھا۔

غصہ جھنجھلاہٹ اور تنگی اسے اپنے حصار میں جکڑنے لگی، یہ غصہ ہی تھا کہ وہ اس غصے میں ایسی حرکت
کر گئی تھی جس کا عام حالات میں اس کے پاس تصور بھی محال تھا، ملازمہ کے ذریعے اس نے ڈرائیور کو

گاڑی نکالنے کا پیغام پہنچایا تھا اور خود اگلے چند لمحوں میں چادر میں سر تاپا خود کو ڈھانپنے احتیاط سے چلتی
پورٹیکو میں آگئی، اندر کے گرم ماحول کی نسبت باہر غصب کی سردی تھی، وہ ٹھنڈی گئی، ڈرائیور نظر نہیں

پہنچی کیے مستعد تھا۔
”کہاں جائیں گی چھوٹی بی بی صاحبہ۔“

”جہاں آپ کے چھوٹے خان ہیں وہیں۔“ وہ اپنے ازلی اعتماد سے کہتی گاڑی کا پھپھلا دروازہ
کھول کر بیٹھ گئی جبکہ ڈرائیور اپنی جگہ اچھل گیا تھا۔

”گ.... کیا کہہ رہی ہیں چھوٹی بی بی۔“ ڈرائیور نے چارہ سشد نظر آنے لگا۔
”دیکھو انہوں نے مجھے خود وہاں بلوایا ہے، شاید وہ کسی پرابلم میں ہیں، بہت پریشان تھے، جلدی

کر دو روزہ وہ تم پہ تھا ہوں گے۔“ ڈرائیور کی صبح معشوں میں آنکھیں پھٹی رہ گئیں، صاف لگتا تھا اسے زینب
کی بات کا یقین نہیں آسکا تھا۔

”مم.... مگر بی بی صاحبہ! خان تو ہمیشہ منع کرتے ہیں کہ ان کے کسی بھی پوشیدہ ٹھکانے کے متعلق
یہاں کسی کو نہیں بتانا اور....“ ڈرائیور بات پوری نہیں کر سکا تھا، بند گیٹ کے باہر تیمور خان کی جیب کا

تخصیص ہارن سنائی دیا تھا، ڈرائیور ایکدم سے چپک اٹھا۔
”خان آ گیا ہے۔“ زینب کے چہرے پہ ایک رنگ آ کر گزر گیا، اسے ہرگز اندازہ نہیں تھا اس کے

جھوٹ کا بھانڈا اتنی جلدی پھوٹ جائے گا۔
”تم کیا کر رہی ہو یہاں؟“ تیمور کی نگاہ اس پہ پڑی تو جیب اشارت ہی چھوڑ کر اس کے پاس آ

گیا، زینب ہنوز اسی طرح تکی تھی، اس سوال پہ زہریلی نگاہوں سے دیکھا تھا۔
”اگر میری اتنی فکر ہے آپ کو تو اتنا عرصہ قائب نہ رہا کریں، کبھے آپ؟“ وہ پھٹ پڑی تھی گویا،

جانے کب کب کا غصہ اور غبار تھا اور کس کس بات کا یوں لگتا تھا تیمور نے حیرانی کی نگاہ سے اس کے تنے
ہوئے نقوش کو دیکھا تھا۔

”دماغ چل گیا ہے تمہارا، بات کیسے کر رہی ہو۔“ اس کی کلائی پکڑ کر مڑوٹے ہوئے وہ بھڑیے کی
طرح سے فرمایا تھا، درد کی شدت سے زینب کو ادھ موا کر دیا، وہ تڑپ کر دو ہری ہو گئی تھی۔

”بہت خیال ہے آپ کو اپنی عزت کا؟ میں بھی آپ کی عزت ہی ہوں جس کا حق آپ دوسری
عورتوں کی جھولیوں میں ڈالتے پھرتے ہیں۔“ تیمور اسے یونہی کلائی سے پکڑ کر گھسیٹتا ہوا اندر لایا تو زینب

بلبلا کر کہتی چلی گئی تھی جس کے جواب میں تیمور کے اٹنے ہاتھ کا پھنسا اس کی ناک سے خون چھلکا گیا تھا۔
”اپنی زبان کو لگام دو، ورنہ اسے کاٹ کر پھینکنے میں ایک منٹ نہیں لگاؤں گا۔“ سرخ آنکھوں سے

اسے گھورتا ہوا وہ زور سے پھنکارا تھا، زینب اس تبدیلی پہ بھڑک اٹھی تھی۔
”میں آپ کی زرخیز نہیں ہوں تیمور صاحب کہ تم جو چاہو مجھ سے سلوک رکھو اور کوئی تمہیں پوچھنے

والا بھی نہ ہو۔“ زینب نے اپنا دوپٹا ناک سے بہتے خون سے زمین ہوتا محسوس کیا اور چھٹی۔
”کس پہ اکڑتی ہو تم؟ اپنے بھائیوں پہ یا پھر اس جہان پہ، سارے میرے قدموں میں رینگنے والے

کیڑے کوڑوں کی مانند ہیں جنہیں میں لہہ بھر کی تاخیر کے بغیر غسل کے رکھ سکتا ہوں۔“ اس کے لہجے کے
تکبر اور سفاکی نے لہہ بھر کو زینب کو خمد کر کے رکھ دیا تھا۔

”میری فیملی کے مرد نہ آپ کی طرح بزدل ہیں نہ بے غیرت اور حیا ش، کہ وہ اپنے فضول
کارناموں پہ کسی سے منہ چھپاتے پھریں۔“ یہ سخت بات تھی اور ظالم کے سامنے سچ بولنا ہمیشہ نقصان سے

دو چار کرتا ہے، زینب سے یہی غلطی ہو گئی تھی، پھر تیمور خان تھا اور اس کا وحشیانہ غصہ، اس نے یہ بھی پرواہ
نہیں کی تھی کہ زینب پریکٹ ہے، زینب جس کو بھی کسی نے پھولوں کی چھڑی سے بھی نہیں چھوا تھا اس

روز اس نے اپنے نازک وجود پہ بدترین تشدد برداشت کیا تھا، اس کی اٹھنے والی ہر چیخ کا گلا حویلی کے
ساؤنڈ پروف دیواروں نے اندر ہی گھونٹ دیا تھا۔

☆☆☆

میں شام فروزاں ہوں میں آتش لڑاں ہوں

میں سوزش اجراں ہوں میں منزل پروانہ
میں وصف بکل ہوں میں رونق محفل ہوں
اک ٹوٹا ہوا دل ہوں میرے شہر میں دیرانہ
میں نعرہ مستانہ میں شوخی رندانہ
میں تشنہ کہاں جاؤں پی کر بھی کہا جانا

زیب کے نہ آنے کو کسی نہ بھی اتنی شدت سے محسوس نہیں کیا تھا، شاید سوائے خود اس کے، حالانکہ اس موقع پر وہ خود اس کے سامنے سے بے حد خائف تھا، ایک وہی تھا جس سے وہ خود کو عیاں کرنے سے ہمیشہ گریزاں رہا تھا، مگر اب جبکہ گھر کے بزرگ لاہور کی فلائٹ پکڑ کر جا بھی چکے تھے، وہ تحمل پھر رہا تھا، پتہ نہیں بے چینی کے احساس کے ساتھ زیب کا خیال اتنا حاوی کیوں تھا، حالانکہ دیگر گھر والوں کی طرح اس تک بھی زیب کا عذر پہنچ چکا تھا مگر وہ اس دل کا کیا کرتا جسے قرار میسر نہیں تھا، یہ اضطراب اس حد تک بڑھا تھا کہ وہ تمام احتیاط بھلائے زیب کا نمبر ڈائل کر چکا تھا، تیل جاتی رہی مگر وہ کال ریسیو نہیں کر رہی تھی، جتنی بھی بار اسکی سہمی مگر وہ اس کا فون ہمیشہ بنا کرتی تھی، اب کیا ہوا تھا، سوچیں اسے بیکل کرنے لگیں، انہی سوچوں کے ساتھ اس نے پھر سے نمبر ڈائل کیا تھا، تیسری سے چوتھی تیل پہ کال ریسیو کر لی گئی۔

”السلام علیکم، کیا حال ہے زیب، کہاں تھیں تم، میں کب سے ٹرائی کر رہا ہوں۔“ وہ جہاں مطمئن ہوا تھا وہاں تشویش کا اظہار بھی کر گیا تھا۔

”یہ میں ہوں تیمور، زیب کی طبیعت ٹھیک نہیں وہ سو رہی ہے، کوئی خاص بات؟“ تیمور کی بوجھل آواز میں رکھائی اور بے اعتنائی تھی، جہاں کو تو اس سے بات ہونے کی توقع نہیں تھی اس پر یہ نخوت بھرا انداز، جہاں ایک دم ریزروڈ ہوا تھا۔

”نہیں ایسی کوئی خاص بات نہیں تھی، اس کی خیریت ہی پوچھنا تھی، کیا ہوا ہے اسے؟“
”مسٹر جہانگیر ہم خالص پشمان لوگ ہیں اور اپنی بیویوں کے ساتھ ان کے کزنز کی بے تکلفی کو بے حیائی سے تعبیر کرتے ہیں، کیا مجھے آپ کو بتانا چاہیے کہ مجھے آپ کی یہ جسارت پسند نہیں آتی؟“ تیمور خان کا لہجہ جھکھا اور ترش تھا، جہاں کی پیشانی سے پسینہ پھوٹ نکلا، اس کی مزید سننے بغیر تیمور نے کھٹ سے سلسلہ منقطع کر دیا تھا، جہاں اپنا چہرہ اتھا ہوا محسوس کرنے لگا، تیمور کے اس درجہ شدید رویے نے اس کا خون کھولا کے رکھ دیا تھا، وہ کتنی دیر تک ساکن بیٹھا رہا تھا اور خود کو سنبھال نہیں پایا تھا، پہلی بار اس نے بے احتیاطی کی تھی پہلی بار ہی اس کا شدید انجام اس کے سامنے آ گیا تھا۔

☆☆☆

”ہو گئیں تم تیار؟“ معاذ نے دروازہ بجا کر اسے متوجہ کیا، گہرے گلابی رنگ کے جدید تراش خراش کے لباس میں وہ گلاب کا تروتازہ مہلکا ہوا گلاب لگ رہی تھی، بالوں کو سمیٹ کر اس نے پچر میں جکڑا اور سر پہ اسکارف باندھ کر شمال اچھی طرح اپنے گرو لیٹ لی، اس نے معاذ سے یہ نہیں پوچھا تھا وہ اسے لے کر کہاں جا رہا ہے، بس وہ اسی کے بغیر یہاں رہ جانے کے خیال سے خائف تھی جیسی اس کے ساتھ جانے پہ آمادہ ہو گئی تھی، معاذ نے اس کا سر تاپا جائزہ لیا اور جیسے مطمئن ہو گیا، وہ دروازہ لاکڈ کر کے مڑا تو

اس وقت اس کے میل کی بیب ہونے لگی تھی، معاذ اسے اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کرتا ہوا کوٹ کی جیب سے میل فون نکالنے لگا، اسکرین پر موجود نمبر دیکھ کر اس کے ہونٹوں کی تراش میں بہت دلکش مسکان اتری تھی۔

”ہاں ہے بولو؟“

”کیسے ہو تم معاذ؟“ جہاں کا لہجہ کچھ بجھا ہوا تھا معاذ چونک سا اٹھا۔

”ٹپ ٹاپ، مزے میں تم سناؤ طبیعت ٹھیک ہے؟“ معاذ نے نری سے کہا تھا اور لکٹ میں داخل ہو کر بین دبایا پھر پریناں کا ہاتھ پکڑ کر اسے بھی سچ کر اپنے مقابل کھڑا کر لیا تھا۔

”معاذ یہاں بہت کچھ گڑبڑ ہو رہا ہے یار، رینگلی میں بہت اپ سیٹ ہوں۔“ معاذ نے اس کی بات کے جواب میں قہقہہ لگایا تھا۔

”کیوں تمہاری شادی طے ہو گئی ہے، جواتنے اپ سیٹ ہو؟“

”تمہیں کیسے پتہ؟“ جہاں واقعی ہی ششدر رہ گیا تھا۔

”شادی ہی وہ مستقل مرد ز رہے جو انسان کا چین و سکون چین نے مجھ سے بڑھ کر کون جانے گا اس کا عذاب۔“ اس نے ایک نظر اپنے مقابل بے نیاز کھڑی پریناں کو دیکھ کر سرد آہ بھری، مگر پھر چونک گیا۔

”کیا مطلب تم سچ کہہ رہے ہو؟“

”جھوٹ میں ایسی ہی فضول بات کہی تھی جس کے سچ ہونے کا خوف مجھے یہ بات منہ سے نکالنے نہیں دیتا تھا۔“ جہاں کا لہجہ زہر خند ہوا جبکہ معاذ خیر رہ گیا تھا۔

”یہ کیا چکر چلا رہے ہو بھئی، جبکہ ہم ابھی بیٹھے ہیں۔“

”سارے چکر اسی فضول عورت کے چلائے ہوتے ہیں، بلکہ صرف اس کے نہیں وہ معصوم چلتے بھی شامل ہے۔“ وہ پھکارا معاذ نے ششدر سانس بھر لیا۔

”ہوا کیا ہے یار یا تو کچھ میرے طے میں بھی ڈالو۔“ جہاں نے مختصر اسے ڈالے والا واقعہ سنا دیا، جس کے جواب میں معاذ کی نہ رکنے والی اسی شروع ہو گئی تھی جس نے جہاں کو بری طرح سے جھلاہٹ کا شکار کر ڈالا۔

”اگر تم میرے سامنے ہوتے تو میں اس فضول حرکت پہ دانت توڑ دیتا۔“ جہاں نے دانت کچکا کر کہا تھا۔

”مجھ پہ آخر کیوں غصہ ہو رہے ہو؟ تم ایسے ہاتھ آنے والے بھی کہاں تھی، ویسے مسز آفریدی کے خدشات کہیں سچ تو نہیں، بندہ بشر ہو تم بھی اور پھر بھابھی کی کمال کی خوبصورتی اس پہ تہائی، انسان بہک سکتا ہے جناب۔“ وہ پونہی نس رہا تھا، جہاں اتنا تھا ہوا کہ فون کاٹ دیا۔

”ہر کوئی ضروری نہیں آپ جیسا ہو، کوئی ان سب لوازمات کو پا کر بھی نہیں بہکتا وہ اور ہی ہوتے ہیں جو باقاعدہ کوشش کر کے ایسا ماحول بناتے ہیں۔“ پریناں جو اس کے پہلو میں کھڑی ساری گفتگو کا حرف حرف سن چکی تھی بے حد بخ ہو کر بولی، عجیب انداز تھا ضرور اور تحارت سے مہر پور، معاذ جو مسکراتے ہوئے جہاں کا نمبر ڈائل کر رہا تھا اس کے ہاتھ اسی زاویے پہ ساکن ہو گئے، اس کا چہرہ جانے کس جذبے کے

تحت سرخ پڑا تھا، اس نے بہت سختی سے ہونٹوں کو بھینچا تھا۔

”کچھ لوگ بہت کینہ پرور ہوتے ہیں، یہ کینہ ان کی سوجوں کو خیالات کو اتنا محدود اور تاریک کر دیتا ہے کہ انہیں رویوں کی بھی پرکھ نہیں رہتی، ان کے پاس اتنی صلاحیت بھی نہیں ہوتی کہ سارے معاملے میں اپنا اور فریق شانی کا تصور پانٹ سکیں، پورے انصاف اور توازن کے ساتھ، یہ لوگ نہ خود خوش رہتے ہیں نہ کسی کو خوش دیکھ سکتے ہیں، تمہارا شمار ایسے ہی لوگوں میں ہوتا ہے، مجھے اور کچھ نہیں کہنا۔“ معاذ کا لہجہ واعداز جتنا پرسکون تھا، پر نیاں کو اسی قدر سلگا کے رکھ گیا، اس کا جی چاہا تھا اس پاس کوئی ایسی چیز ملے جس سے وہ معاذ کا سر پھاڑ دے، لفٹ کی بھی وہ دونوں آگے پیچھے باہر نکل آئے، رات کا وقت تھا اور لندن ایک بار پھر بھیگ رہا تھا تارکول کی نم سڑکوں پہ اسٹریٹس لائٹس کی روشنیاں، دمک پیدا کر رہی تھیں، آسمان پر سفید بادل تھے اور ہلکی پھلکی بوند باندی جاری تھی، اس کے صبح چہرے پہ صبح تو خیر جیسی تازگی تھی اور آنکھوں میں نیند کا جو ہلکا سا شمار تھا۔

اس نے اسے پہلے سے بڑھ کر حسین بنا دیا تھا، مگر وہ دونوں عدی کے کناروں کی طرح ساتھ چلتے تھے جو ملتے نہیں ہیں، معاذ کا رخ اسٹیشن کی سمت تھا، اسٹیشن پہ زیادہ رش نہیں تھا، لندن کے ریلوے اسٹیشن کی شاندار عمارت مختلف روشنیوں سے جگمگ رہی تھی، زیر زمین چلنے والی ٹرینوں کا ایک جال تھا، جو لندن شہر میں بچھا ہوا تھا، یہ ٹرینیں ہر چند منٹ کے وقفے سے ہزاروں لوگوں کو اپنے شکم میں سموتے ان زمین دوز راستوں پر مستقل مزاجی سے سفر کرتی ہیں، لندن کا پورا شہر بیک وقت ایک سے زائد سطحوں پر آباد ہے، ایک زمین کے اوپر اور باقی زمین کے نیچے، سب سطیوں سب انتہائی گنجان، ان کی مطلوبہ ٹرین بھی اپنے مخصوص وقت پر مخصوص شور کے ساتھ آئی اور خود کار دروازے کھل گئے، وہاں نہ دھکم پیل ہوتی ہے نہ کلٹ کے باوجود سیٹ کا مسئلہ سو بہت آرام سے وہ دونوں آکر اپنی سیٹوں پر بیٹھ گئے تھے، کتنے مسافر تھے مگر سب بے نیاز اور خود میں گن وہاں کسی کو کسی سے کوئی غرض نہیں ہوتی، پر نیاں کھڑکی سے باہر تیزی سے گزرتے مناظر میں گم رہی پھر عدی بھی کب اس کی آنکھ لگ گئی تھی، معاذ کے کاغذ ہلانے پہ وہ ہڑبڑا کر جاگی تھی۔

”اسٹیشن آگیا ہے، ہمیں اترنا ہوگا۔“ پر نیاں اپنا بیگ سنبھالتی اس کے ہمراہ پہلے ٹرین پھر اسٹیشن کی عمارت سے باہر آگئی، یہ بریڈ فورڈ تھا، لندن کی نسبت یہاں کا موسم یکسر مختلف تھا، معاذ نے ٹیکسی روکی تھی، یہاں برف باری ہو رہی تھی اور برف صاف کرنے والی مشین سڑکوں سے برف ہٹا کر کناروں پر کرتی نظر آ رہی تھی، راستے میں نظر آنے والے مکانوں کی ترچھی چھتوں پر برف گری نظر آتی تھی، ان کی ٹیکسی بھی برف سے بھگی سڑک پر پھیل چکی جا رہی تھی آدھے گھنٹے کے ٹیکسی کے سفر کے بعد معاذ اپنا مختصر سامان لئے نیچے اتر آیا، پر نیاں اس کے ساتھ تھی، اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی رات کے اس پہرا چنبھی انجان ملک میں وہ مختلف شہروں کی خاک کیوں چھانٹا پھر رہا تھا، اسٹریٹ ایکروٹس (سڑکوں پر تماشا کرنے والے) سڑک پر اپنے فن کا مظاہرہ کرنے میں مصروف تھے، زمین لوگوں کا مرکز بنی وہ انگریز لڑکی فنٹ بال پر نہایت مہارت سے اپنا توازن برقرار رکھے ڈالس میں مصروف تھی، پر نیاں تو چلتے چلتے تھک کر رک گئی، اس کے جیسے سانس بھی رکنے لگی تھیں، اس لڑکی کے بدن اور فنٹ بال کی ہر حرکت پر اسے لگتا وہ ابھی نیچے گر پڑے گی، سچ سچ میں منچوں کی سیٹیاں سنائی دیتیں جو مجمع میں شامل تھے مگر وہ لڑکی ہر شے سے

بے نیاز رقنیاں رہی، جیسے ہی رفل ختم ہوا اور تالیوں کا شور فضا میں بلند ہوا جیسے پر نیاں کا رکا ہوا سانس بھی بحال ہوا اور وہ جیسے ہوش میں بھی آگئی تب سب سے پہلے گھبرا کر اس کی نظروں نے معاذ کو کھو جاتا تھا، وہ بے خیالی میں رک گئی تھی، اللہ جانے معاذ کو خبر بھی ہوئی تھی یا نہیں اور وہ اسے چھوڑ کر اکیلا ہی کہیں کا کہیں نکل گیا ہو خیال تھا کہ پھر پھیری جس نے وجود میں سننا ہٹ بھر دی وہ گھبرا کر پلٹی اور معاذ سے ٹکراتے پکی تھی، وہ چند قدم کے فاصلے پہ موجود سینے پہ ہاتھ باندھے ایک ٹک اسے دیکھ رہا تھا، صاف لگتا تھا ساری دنیا اس نظارے میں ٹھوٹی اس سے غافل وہ پر نیاں میں گن تھا۔

”اب چلیں؟“ اس کے متوجہ ہونے پہ وہ رساں سے بولا اور پر نیاں بے تحاشا جھل ہو کر رہ گئی۔
(کیا سوچ رہے ہوں گے میں پہلی بار یہ سب دیکھ رہی ہوں، جی سب کچھ فراموش کر گئی)، کچھ کہے بغیر پر نیاں نے قدم بڑھا دیئے تھے۔

”ادنیہ ادھر نہیں ہمیں ادھر اس سمت جانا ہے۔“ معاذ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اس کا رخ بدلا تھا، پر نیاں کچھ اور کھسیا گئی، معاذ نے جب بعد میں بھی اس کا ہاتھ نہیں چھوڑا تو وہ قدرے گھبرائی تھی، مگر معاذ اس سے بے نیاز اپنے سیل پہ نمبر ڈائل کرنے میں مصروف تھا۔

”کیا ہے یارا! بات بات پہ بچوں کی طرح خفا ہو جاتے ہو؟“ رابطہ بحال ہونے پہ وہ ڈانٹتے ہوئے بولا تھا۔

”تم بات ہی اتنی فضول کرتے ہو۔“ جہان کا لہجہ ہنوز سرد تھا۔
”اب تم بھی دشمنوں جیسے اطوار اپنا رہے ہو ہر بات پہ ٹوکو گے ہر بات پہ گرفت کرو گے۔“ معاذ نے سرد آہ بھر کے کہا اور گھنٹھوئیس سے پر نیاں کو دیکھا، پر نیاں نے اس نظر کو محسوس کیا تھا جس کے نتیجے میں نہ صرف اپنا ہاتھ ایک جھکے سے چھڑایا بلکہ اس سے فاصلہ رکھ کر چلنے لگی، معاذ نے سرد آہ بھری تھی۔
”خیر چھوڑو تم بتاؤ کیا کر رہے ہو؟“

”میں بریڈ فورڈ کی سڑکوں پہ آوارہ گردی کر رہا ہوں، سنو فال ہو رہی ہے یہاں۔“
”پر نیاں کہاں ہے، میں نے کہا بھی تھا انہیں اکیلا نہ چھوڑا کرو۔“
”میرے ساتھ ہیں محترم آپ کی بہن صاحبہ، تم بتاؤ آپ سیٹ کیوں تھے؟“ معاذ نے مطلب کی بات کی تھی، جو اب جہان کے ٹھنڈا سا سانس بھرنے کی آواز آئی۔
”تو تو دی ہے وجہ۔“

”صرف یہی وجہ نہیں ہے جے آئی تو۔“ معاذ کا پر یقین لہجہ جہان کو مضحک کر گیا تھا۔
”تم زنب کو کال کرو معاذ، بات کرو اس سے۔“
”کیا مطلب؟ خیر بہت ہے نا۔“
”وہ کراچی نہیں آئی حالانکہ چچی جان نے بلوایا تھا اسے، میں نے کال کی تو تیمور نے فون اٹینڈ کیا، زنب سے بات نہیں ہو سکتی، بتا رہا تھا طبیعت خراب ہے۔“

”اور تم پریشان ہو گئے ہو، ہے نا؟“ معاذ نے سرد آہ بھر کے سوال کیا، جہان خاموش رہا تھا، خاموشی کا یہ وقفہ طویل ہوا تو معاذ جھنجھلانے لگا۔
”تم صبر کر چکے ہو تو فراموش بھی کر دو جے، اس بندگی میں کیوں آگے بڑھے جا رہے ہو؟“

”تم کال کرو گے اسے یا نہیں؟“ جہان نے اپنی بات کی تھی، معاذ نے بالوں میں ہاتھ پھیر کر سر پہ گری برف جھاڑی۔

”اوکے کرتا ہوں۔“ معاذ کی تسلی یہ جہان نے کال ڈراپ کر دی تھی، وہ اب رہائشی علاقے میں آ پہنچے تھے، یہاں بھی اسٹریٹس لائٹس روشن تھیں، ترچھی چھتوں والے مکان ایک لمبی قطار میں کھلی گلی میں دونوں اطراف کھڑے تھے جن کے نقشے ایک ہی طرز کے تھے، چوٹی دروازے کے اوپر شیڈ جس پہ آرائشی بلب روشن تھا یہ مکان دو منزلہ تھے جن کا رنگ سرخ اور دروازے گولڈن کالر کے تھے، کھڑکیوں کے شیشے بالکل سیاہ تھے، معاذ ایک مکان کے سامنے جا کر رک گیا اور کال بیل کے بٹن کو دبا یا، مکان کے آگے بنی کیار یوں میں موجود پھولوں کے پودے تازہ گری برف سے پوجھل ہو کر جھکے ہوئے تھے، ہواؤں میں شدت اور تیزی تھی، پر نیاں شمال اور جرسی کے باوجود کپکپا رہی تھی۔

”کہاں لے آئے ہیں مجھے آپ؟“ اس کی خاموشی آخر ٹوٹ گئی تھی، لہجے میں ہلکی سی لرزش کے ساتھ ناگواری بھی تھی، اتنا تو بہر حال وہ بھی جانتی تھی یہاں ان کا دور پار کا بھی کوئی عزیز رشتہ دار نہیں ہے۔

”آپ کو یہ خیال بہت جلدی نہیں آ گیا، خیر جہاں اتنا صبر کیا ہے وہاں اور سکتی۔“ اس اوندھے جواب پہ پر نیاں اسے ڈھنگ سے گھور بھی نہیں سکی تھی کہ کھٹ سے دروازہ کھل گیا، اگلا لمحہ پر نیاں کے لئے حیرت انگیز ثابت ہوا، کھٹکھٹاتی ہوئی ٹانے اسے بہت والہانہ انداز میں کھینچ کر اپنے گلے سے لگایا تھا۔

”یہ سچ ہے نا پری کہ تم ہی ہو میرے سامنے، اس روز سر سے ملاقات ہوئی تو تمہارے یہاں ہونے کا پتہ چلا تھا، آج بھی یہ بار بار مجھے یہاں تمہاری آمد کا بتاتے رہے مگر مجھے جیسے یقین ہی نہ آتا تھا کہ میں تمہیں پھر سے دیکھ سکوں گی۔“ ثنا بار بار اسے چومتی شدتوں سے بھینچے جا رہی تھی، پر نیاں تو ششدر سی ششدر تھی، ثنا کا جوش و خروش کم ہوا اور اسے یقین بھی آیا تب وہ مسکراتے ہوئے انہیں اندر لائی تھی، معاذ نے راستے سے آتے ہوئے مٹھائی اور فروٹ بھی خریدنا تھا جسے ثنا کا شوہر علی لے کر ٹیبل پہ رکھ چکا تھا۔

”اب بتاؤ کیسی ہو؟“ پر نیاں صوفے پہ بیٹھ گئی تب ثنا اسے مسکرا کر دیکھتی استفسار کرنے لگی۔

”تم یہاں کیسے؟ کیا تمہاری شادی ہو گئی ہے؟“ اس نے سب سے اہم سوال کیا تھا جواب میں ثنا کی آنکھیں حیرت سے پھٹنے والے ہو گئیں۔

”کیا مطلب بھی سرنے تمہیں نہیں بتایا کچھ بھی؟“

”نہیں مجھے تو تمہارے گھر کا دروازہ کھلنے تک بھی یہ نہیں پتہ تھا کہ میں تم سے ملنے والی ہوں۔“ پر نیاں کے جواب پہ ثنا کی شاکی نظروں کا رخ معاذ کی سمت مڑ گیا تھا۔

”وہس از ناٹ میز سر۔“ معاذ نے جواب میں کانڈھے اچکا دیے۔

”ایچی ٹیلی میں آپ کی سہیلی کو اچانک سر پر اتار دینا چاہتا تھا، دیکھیں اب کتنی خوش ہیں یہ۔“ معاذ کے تبسم لہجے پہ پر نیاں ایک دم سے چھینی گئی۔

”تم پہلے سے زیادہ حسین ہو گئی ہو پری، یہ سب سر کی رقابتوں کا اعجاز ہے نا۔“ ثنا جب کھانا لگانے کو اٹھی تو پر نیاں بھی اس کے ساتھ کچن میں آ گئی تھی، اس کی بات پہ پر نیاں کے چہرے پہ ایک رنگ آ کر

مڑ گیا تھا۔

”لاؤ میں سلاہ بنا لیتی ہوں، تم جب تک کھانا گرم کر لو۔“ پر نیاں نے گویا بات کا رخ بدلنا چاہا تھا۔

”میں نے سب کچھ تیار کر کے رکھا ہوا ہے، علی بہت کو اپریٹو ہیں یار۔“

”تمہاری شادی کب ہوئی ہے؟“

”اتفاقاً تمہارے جانے کے بعد میرے گھر سے کال آئی تھی، میں گئی تو نکاح خواں تیار بیٹھے تھے بس پکڑ کر مجھے دہن بنایا اور بیاہ دیا، اچھو نکلی علی صاحب یہاں پڑھائی کو آ رہے تھے اور گھر والے انہیں اکیلے بھیجے پہ متامل تھے، وجہ یہاں کا ماحول تھا، ان کی لگام مجھے تھمائی ہے گویا، بس یار جھٹ پٹ سب ہوا ہے، عیش تو تمہارے بھی بہت ہیں، سرہنی مومن کے لئے لائے ہیں تمہیں۔“ ثنا نے بات کے اختتام پہ شوخی سے پر نیاں کو دیکھا، وہ جبراً ہی مسکرائی تھی، خوشگوار باتوں کے درمیان کھانا کھایا گیا تھا، پھر ثنا کافی ہالائی تھی۔

”سرویسے تو ہمارے گھر میں بھی دو بیڈروم ہیں مگر ہم ترتیب بدلنے کا ارادہ پاندھ چکے ہیں، یونو آج آپ کے ساتھ سوئیں گے اور میں آپ کی سبز کے ساتھ، زندگی پھر جانے کب مومچ دے، مجھے پری سے بہت ساری باتیں کرنی ہیں۔“ ثنا نے کافی کالگ معاذ کو دیتے ہوئے کہا تو معاذ اسے گھورنے لگا تھا۔

”ہرگز نہیں، آپ کچھ زیادہ ہی نہیں فری ہو رہی ہیں شاگردہ رشیدہ، میری بیوی پہ ہی قبضہ جمانے کا ارادہ پاندھ لیا، آپ کو اچھی طرح سے اندازہ ہونا چاہیے کہ میں ان کے بغیر مومنے کا عادی نہیں ہوں۔“ اس کی بات کے جواب میں صرف ثنا ہی نہیں علی بھی حظه لے کر چہننے لگا تھا، جبکہ پر نیاں معاذ کی اس فضول حرکت پہ جریز ہو کر رہ گئی تھی۔

”ایک رات سے کچھ نہیں ہوتا سر، پلیز ہمارے اتنی لمبی جدائی کا تو خیال کریں۔“

”چلیں آپ اتنا اصرار کر رہی ہیں تو میں چند گھنٹوں کو اپنی لاڈلی پیاری بیوی آپ کے حوالے کر سکتا ہوں مگر یہ سوئیں گی میرے ساتھ ہی۔“ معاذ کی اس درجہ رعایت کو ہی ثنا نے غنیمت جان لیا تھا جبکہ پر نیاں نے اس بات چیت سے بھی اندازہ لگایا تھا وہ ایک بار پھر اپنا بھرم رکھ رہا تھا۔

”تمہاری شادی کو ایک ماہ ہو گیا ہے پری لیکن تم ابھی تک سر سے بے تکلف نہیں ہو سکی ہو۔“ پر نیاں کے پاس اس بات کا جواب نہیں تھا۔

”علی اور میری خالفتا ارنج میرج ہے یار مگر ہم دونوں بے حد خوش ہیں، تم نے دیکھا علی کتنے مطمئن ہیں مجھ سے، لیکن تم ماسٹڈ مت کرنا پری مگر تم مجھے پہلے سے زیادہ اداس اور سنجیدہ لگتی ہو۔“ ثنا سوالیہ نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی، پر نیاں کو جان چھڑانا مشکل ہونے لگا۔

”تم جانتی تو ہو ثنا میرے مزاج میں ہی سنجیدگی ہے۔“

”کیا واقعی صرف یہی بات ہے؟“ ثنا کی آنکھیں بہت تھیں، اسے کھوج رہی تھیں، پر نیاں جریز ہونے لگی، معاذ ایک دم اٹھ کر واش روم کی سمت بھاگی تھی، اس کا دل کب سے متلا رہا تھا مگر اب تو اسے باقاعدہ دو میٹنگ ہو رہی تھی، وہ چند گھنٹوں کے اندر ہی جیسے پڑوسی گئی۔

”تم گہری تو پہلے بھی بہت تھیں پری مگر اب کچھ اور بھی اچھی لگ رہی ہو، تم نے مجھے اس قابل بھی نہیں سمجھا کہ یہ اہم بات ہی بتا دو۔“ پر نیاں واپس آ کر اس کے مقابل بیٹھی تو ثنا نے کسی قدر خشکی سے کہا

تھا، پر نیاں نے عاجز ہو کر اسے دیکھا۔

”کون سی اہم بات؟“ وہ واقعی ہی حیران تھی۔

”تم پریکنٹ ہو، کیا یہ بات تمہارے لئے اہم نہیں ہے۔“ ثناء کا لہجہ چھتا ہوا تھا، جبکہ پر نیاں رنگ یکھت تھی ہوا اٹھا تھا۔

”اسکی کوئی بات نہیں ہے ثناء، مجھے آج پہلی بار دو مینگ ہوئی ہے۔“ وہ دہل کر وضاحتی انداز میں بولی تھی۔

”پہلی بار ہوئی ہے تو کیا ہو، اب بار بار ہوگی، تم میڈیکل کی تعلیم حاصل کرتی رہی ہو کیا تمہیں اس بات کا علم نہیں ہو سکا؟ اور سب سے بڑھ کر سب... کیا انہوں نے بھی محسوس نہیں کیا؟“ ثناء کے سوال و جواب نے اسے نہ صرف خوفزدہ کیا بلکہ عاجز بھی کر کے رکھ دیا تھا۔

”اسکی کوئی بات ہوتی تو وہ مجھے بتاتے نا، بہت رات ہو گئی ہے اب مجھے سونا ہے۔“ پر نیاں محض اس کے سوالوں سے عاجز ہو کر ہی اٹھی تھی، دل ہی دل میں اس خدشے کو جھکتی ہوئی، جو صورت حال تھی وہ ہرگز بھی اس نئے جھیلے میں پڑنے پہ آمادہ نہیں تھی، ثناء کے اس قیاس نے اسے اچھا خاصا متشکر اور مضطرب کر دیا تھا۔

”ہاں جاؤ، سربھی تمہارا اوپٹ کر رہے ہوں گے، ویسے پوچھتا ضرور ان سے، میرا شک درست نکلے گا؟“ ثناء نے اس اصلاح دی تھی، پر نیاں کا رنگ جانے کس احساس سے سرخ پڑ گیا، بہر حال اس کا ثناء کے اس آخری مشورے پہ عمل کرنے کا قیامت تک ارادہ نہیں تھا، وہ کمرے میں آئی تو معاذ کو جانتے اور سیل پہ جو گفتگو پا کر سخت جڑ بڑ ہوئی تھی، اس کا ہرگز خیال نہیں تھا وہ اسے جاگتا ہوا ملے گا ورنہ ابھی ہرگز کمرے میں نہ آتی۔

”وہاں کیسے لیٹوگی، یہاں آ جاؤ، کبیل ایک ہی ہے۔“ معاذ اسے دیکھ کر گفتگو کا اختتام کر چکا تھا، سیل فون رکھتے ہوئے اسے دیکھ کر بولا، پر نیاں نے ان سنی کر دی تھی، کٹن سمیٹ کر کارپٹ پہ ڈھیر کیے اور صوفے پہ دراز ہوگی، معاذ نے ہونٹ جھنجھک کر اس کو کچھ دیر دیکھا جو اپنی مثال کھول کر اوپر پھیلا رہی تھی۔

”میں کچھ کہہ رہا ہوں پر نیاں۔“ خود پہ جبر کر کے وہ رساں سے بولا تھا۔

”آپ کو شاید اپنی چند دن قبل کہی بات بھول گئی ہو مگر مجھے یاد ہے۔“ وہ مدہم مگر کاٹ دار لہجے میں جیسے ناچاہتے ہوئے جواب دے رہی تھی۔

”اگر وہ بات تب میں نے کہی تھی تو یہ بھی میری ہی کہہ رہا ہوں، سردی بہت ہے اٹھ کر یہاں آؤ۔“

”اول تو یہ سردی مجھے موت کے منہ میں دھکیلنے سے رہی، اگر ایسا ہو بھی تو میں پھر بھی آپ کے پاس آنے کی بجائے مرنے کو ترجیح دوں گی، سنا آپ نے؟“ وہ بے حد سچ ہو کر بولی، ایسا لہجہ تھا جس میں اپنی تذلیل کا کرب سمٹ آیا تھا، معاذ کو یکا یک اپنی زیادتی کا خیال برداشت کے احساس سے دوچار کر گیا، وہ اپنی جگہ چھوڑ کر اٹھا تھا اور درمیانی فاصلہ سمیٹ کر اس کے پاس آ گیا، پر نیاں اس کی سمت متوجہ نہیں تھی پر اس وقت وہ بھونچکی رہ گئی تھی جب معاذ نے اسے جھک کر اپنے بازوؤں میں اٹھالیا تھا، حیرت تمام ہوئی تو اس کے حلق سے دہی دہی مگر سخت احتجاجی چیخ نکل گئی تھی، وہ اس کی گرفت میں مرغ بیل کی طرح سے تڑپتی تھی، اسے معاذ سے ہرگز ہرگز بھی ایسی دھولیں، زبردستی اور استحقاق کی توقع نہیں تھی پہلے تو اسے یقین

نہیں آسکا تھا اور جب یقین آیا تھا تو اس کے اندر غضب کا احتجاج اور ناگواری اٹھی تھی۔

”دھیرج یار ہمارے ارادے ہرگز گستاخانہ نہیں ہیں، گیوں مگلوک ہو رہی ہو۔“ وہ اسے یونہی سنبھالے بیڈ پہ آیا تھا، پر نیاں اس کی گرفت ڈھیلی پڑتے ہی تڑپ کر دور ہوئی اور حیرتی سے بیڈ سے اترنا چاہا معاذ نے اس کا ارادہ بھانپ کر ہی اسے پھر سے نہ صرف اپنی طرف کھیٹا بلکہ پھر سے اپنے بازوؤں کے شکنجے میں بھی کس لیا، پر نیاں کی صحیح معنوں میں جان ہوا ہونے لگی۔

”تمہیں اگر شرافت سے میری بات نہیں مانتی تو یہ والی زبردستی تو پھر مجھے کرنی پڑے گی محترمہ، ویسے تم جیسی حسین اور خوبصورت لڑکی کو یوں ساری رات کے لئے بھی خود سے اس طرح قریب رکھنا میرے لئے ہرگز مشکل کام نہیں ہے، ہے نا؟“ وہ اپنا پرکشش چہرہ اس کے ہوا نیاں اڑاتے چہرے کے نزدیک لا کر کسی قدر شرارت بھرے انداز میں معنی خیزیت سے بولا تھا، اس کا یہ بہکا ہوا انداز یہ استحقاقی لب و لہجہ پر نیاں کے اندر طوفانی جھکڑ سے چلنے لگے، یہ نہیں وہ کیا جیتلانا چاہ رہا تھا اسے، وہ اتنا نزدیک تھا کہ اس کی دھڑکنیں اور سانسوں کی سانسوں اور دھڑکنوں میں کھل مل رہی تھیں، ماحول میں دلکشی اور معنی خیریت سی در آئی مگر پر نیاں کا گلا آنسوؤں سے بھر چکا تھا، کچھ کہنے کی تاب نہیں تھی، اس نے بس پوری قوت صرف کر کے اس کے بازو جھکے اور فاصلہ بڑھانے کو اس کے سینے پہ دونوں ہاتھوں کا دباؤ ڈالتے ہوئے بھکی آواز میں با مشکل بولی تھی۔

”چھوڑ دیں مجھے۔“

”مجھے چھوڑ کر تو نہیں جاؤ گی؟“ معاذ نے اس پہ گرفت کچھ اور مضبوط کی اور بظاہر رساں سے کہتے اس کی آنکھوں میں شوخی سے جھانکا۔

ابن انشاء کی کتابیں

طنز و مزاح سفر نامے

- اردو کی آخری کتاب،
- آوارہ گرد کی ڈائری،
- دنیا گول ہے،
- ابن بطوطہ کے تعاقب میں،
- چلتے ہو تو چین کو چلئے،
- تگری تگری پھر اسانز،

شعری مجموعے

- چاند نگر
- اس بستی کے اک کوچے میں
- دل دہشی

لاہور اکیڈمی

۲۰۵ سرک روڈ لاہور۔

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی ویب سائٹ

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ہیں :-

- ✧ ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور ریڈیو م ایبل لنک
- ✧ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پر یو یو
- ✧ ہر پوسٹ کے ساتھ
- ✧ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور ایچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ✧ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریٹخ
- ✧ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ✧ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ✧ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈبڈ نہیں
- ✧ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✧ ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ✧ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ✧ سیریم کوالٹی، نارل کوالٹی، کیریڈ کوالٹی
- ✧ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریٹخ
- ✧ ایڈفری لنکس، لنکس کو میسے کمانے کے لئے شرٹک نہیں کیا جاتا

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

➔ ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

➔ ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب

ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library for Pakistan

Like us on Facebook

fb.com/paksociety



twitter.com/paksociety1

”میں اسی بیڈ پہ لیٹ رہی ہوں، مگر مجھے چھوڑ دیں، فارگا ڈسک۔“ اب کے وہ آنسوؤں پہ بھی قابو نہیں رکھ سکی تھی، معاذ نے ایک دم اپنے ہازو ہٹائے تھے، پر نیاں جیسے منتظر تھی، سرعت سے قافلے پہ ہوئی اور کروٹ بدل کر چہرے کا رخ پھیر لیا، آنسوؤں میں کچھ اور بھی روانی آگئی تھی، معاذ کی مختلف مرحلوں پہ کی گئی تزییل اسے یاد آ کر تڑپا رہی تھی، معاذ کی اب کی پیش رفت نے اسے بے دردی سے کانٹوں پہ تھسیٹ لیا تھا گویا، کتنا آسان ہوتا ہے کسی بھی مرد کے لئے اپنی بیوی کو بے عزت کرنا دو کوڑی کا کر کے رکھ دینا اور پھر اپنی مطلب کی خاطر دوبارہ اس کی جانب پیش رفت کر لینا، مگر وہ خود کو اتنی حقیر اور بے توقیر نہیں سمجھتی تھی کہ اتنی ذلت برداشت کرے اور پھر ضرورت کے وقت نشو کی حیثیت بھی اختیار کرے، وہ بہر حال کھلونا نہیں تھی، جبکہ معاذ کے اندر اس کے رد عمل پہ شدید تھکان اتر آئی تھی، ایک بار پھر وہ اس کی جانب پورے خلوص سے بڑھا تھا اور پر نیاں نے اسی قدر شدت سے اسے جھٹک دیا تھا، اس کا دھیرے دھیرے لرزنا وجود اس کے بہتے آنسوؤں کا غماز تھا، معاذ نے اس پہ اچھی طرح کبل پھیلایا تھا پھر تھوڑا سا اس کی سمت جھکا، اس کا اندازہ بالکل درست تھا، وہ رونے میں ہی مشغول تھی۔

”اتنی نفرت کرتی ہو مجھ سے پری کہ یہ لچاتی قرب بھی تمہیں گوارا نہ ہو سکا؟“ اسے یہ نہیں کی سوچھی تھی کہ یہ سوال کر دیا تھا۔

”میرے اس رد عمل کے بعد بھی اگر آپ کو اس سوال کی ضرورت پیش آئی تو پھر سن لیں، جہاں آپ کی سوچ کی انتہا ہوتی ہے وہاں سے میری نفرت کا آغاز ہوتا ہے۔“ وہ اس کی جانب رخ پھیرے بغیر

پھکاری تھی، معاذ اگلے کئی گھنٹے اپنی جگہ سے ہلنے کے قابل نہ ہو سکا تھا، اگلے دن وہ بہت جلدی ثناء سے رخصت لے کر آگئے تھے، معاذ کا موڈ بے حد عجیب ہو رہا تھا، ثناء سے جو چند جملے بولے تھے وہی پر نیاں کی سماعتوں میں اترے تھے، بس پھر اس نے اس کے پیچھے ہوئے ہونٹوں کو کھلتے نہیں دیکھا تھا وہ مسلسل سگریٹ پھونک رہا تھا، راستے بھر بھی وہ اپنی خطرناک قسم کی سنجیدگی کے حصار میں رہا تھا، لندن اسٹیشن سے باہر آ کر معاذ پیدل چلنے کی بجائے کب کی تلاش میں تھا جب وہ اٹا دان پہ ٹوٹی تھی، پر نیاں اس کے پہلو میں گریزاں سی کھڑی تھی جب کسی نے اس کی شال اور اسکارف کو بیک وقت کھینچا تھا، شال کو تو وہ نہیں بچا سکی مگر اسکارف کے ساتھ کاسن پنوں کی مضبوطی کے باعث اس کے سر سے الگ نہیں ہو سکا تھا، یہ جھکا لگنے سے وہ سنبھلے بغیر سر کے بل گری تھی۔

”ہاؤ کیوٹ، ایشین بیوی کو ہم بے حجاب دیکھنا چاہتے تھے۔“ مردانہ تہقیر کی آواز پہ پر نیاں نے نفرت اور سبکی سے جل اٹھنے والے چہرے کو موڑ کر پیچھے دیکھا تو اس کی ریڈھ کی ہڈی میں یکھٹ سر دہریں دوڑتے چلی گئی تھیں، وہ وہی سفید قام انگریز تھا جو یہاں قیام کے پہلے دن ہی سے ناگہانی آفت کی طرح سے اس کے اعصاب پہ سوار ہو گیا تھا، گرتے وقت جو بے اختیار ہی میں اس کے حلق سے نکلی تھی سونگلی بعد کی چیخوں کا اس نے شرمندگی کے باعث دانستہ گلا کھونٹ دیا تھا، مگر اس وقت وہ چیخنے سے خود کو بچا نہیں سکی جب اس نے معاذ کو اس گراٹیل آدمی پہ جھپٹے دیکھا۔

(باقی آئندہ ماہ)

مخبرہ

۱۴۴۱ھ

ستاکیسویں قسط کا خلاصہ

سزا فریدی جہان پر ڈالنے کے حوالے سے ریکم قسم کے الزام لگا کر ایک بار پھر اسے گھیرنا چاہتی ہیں تاکہ وہ رخصتی پر آمادہ ہو جائے، ان کے یہ انداز و اطوار جہان کی صرف نفرت کو بڑھا دیتے ہیں سزا فریدی ہار نہیں مانتیں اور پاپا کے ذریعے ایک بار پھر اپنا مطلب نکالتی ہیں، جہان ہمیشہ کی طرح ان کے آگے بے بس ہو جاتا ہے۔

انگلینڈ میں معاذ پر نیاں کو ٹھانے سے ملواتا ہے، پر نیاں پہلی بار خوشی کے احساس سے ہلکتا رہتی ہے مگر شاہ یہ انکشاف کر کے کہ وہ پریگٹ ہے پر نیاں کو کم مہم کر دیتی ہے۔
پر نیاں کے اندر جمع غصہ معاذ کے سامنے نکلتا ہے اور شدید جھگڑے اور الزام تراشی کے بعد دونوں کے درمیان صدیوں کے فاصلے در آتے ہیں۔

زینب، تیمور کی وجہ سے بے حد پریشان ہے، جہان اسے حوصلہ دینے کی کوشش میں معروف ہے مگر تب ڈالنے پہ ان کے تعلق کی گہرائی اور نوعیت آشکار ہو کر اسے اضطراب کا شکار کر جاتی ہے۔
معاذ اور پر نیاں کے تعلق کی سرد مہری ماما پہ بھی آشکار ہوتی ہے، معاذ پر نیاں سے غفلت کی بنا پر سب سے ڈانٹ بار بار سنتا ہے۔

آٹھائیسویں قسط

اب آپ آگے پڑھیے



وہ سفید قام گراٹیل ہٹا کٹا تھا مگر معاذ نے اسے لحوں میں زمین چائے پر مجبور کر دیا تھا، پر نیا ان دونوں کو لڑتے دیکھ کر شرمندگی اور چوٹ بھلائے خوف کے عالم میں معاذ کو بار بار پکار کر منع کرنے کی کوشش کر رہی تھی مگر وہ تو جیسے سننے سمجھنے کی صلاحیت ہی کھو چکا تھا، اس کے چہرے کے تاثرات میں ایک جنونی کیفیت تھی اور آنکھوں میں خون اتر رہا تھا، اس گراٹیل بھیسے جیسا دھور کھٹے والے لڑکے کو اٹھا اٹھا کر پٹیاں دیتا وہ ہرگز بھی نارل نہیں لگ رہا تھا، پر نیاں ششدر سی اسے دیکھ رہی تھی، اسے یوں لڑتا دیکھ کر کوئی نہیں کہہ سکتا تھا وہ ایک مہذب شہری ہو سکتا ہے، بلکہ وہ اس وقت لڑائی بھڑائی کا شوقین ایسا غنڈا نظر آ رہا تھا، جو بے حد جنونی طاقت کے غرور میں مبتلا غصے میں اپنی جان کی پروا نہ کرنے والا ہوتا ہے، اگلے چند لمحوں میں وہ اس سفید قام کو میدان چھوڑ کر بھاگنے پہ مجبور کر چکا تھا، پر نیاں نے خائف نظروں سے اسے دیکھا جو کچھ فاصلے پہ گری اس کی مثال اٹھا رہا تھا، پر نیاں اتنی بدحواس اور سراسیمہ تھی کہ یہ خیال اسے آ ہی نہیں سکا تھا، معاذ نے اسے دیکھے بغیر چادر اس کی سمت بوجھائی تو پر نیاں نے جلدی سے تھام کر کانپتے ہاتھوں سے اپنے گرد پھیلائی تھی، پھر وہ راستے بھر ہوتی رہی تھی، اپارٹمنٹ آنے کے بعد بھی اس کا اضطراب کم نہیں ہوا تھا، لیکن میں آ کر اس نے دودھ گرم کر کے اس میں اور لٹیں ملایا تھا اور گلاس ٹرنے میں رکھ کر اس کے کمرے میں آ گئی، معاذ شرٹ اور پیمان اتارنے، ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑا اپنے جسم پر لگی خراشوں اور چوٹوں پہ دوا لگانے میں مصروف تھا، اس لڑائی میں وہ خود بھی زخمی ہوا تھا، پر نیاں کے دل پہ کچھ اور بوجھ آ گیا۔

”لائیں میں دوا لگا دوں۔“ گلاس ٹیبل پر رکھ کے وہ کس قدر جھکتے ہوئے قریب آ کر بولی تھی۔
 ”یہ بائیکل تمہیں پہلے بھی تنگ کرتا رہا ہے اور تم نے مجھے بتانا بھی گوارا نہیں کیا دوائے؟“ معاذ نے دوا کی ٹیوب ٹیبل پہ پٹی اور اس کی جانب روئے لیکن پھر کرکڑے انداز میں اس پر چڑھ دوڑا۔
 ”کون مائیکل؟“ وہ حیران ہو کر اسے ٹکڑے دیکھنے لگی۔

”یہی ہمارے سامنے والے اپارٹمنٹ میں رہتا ہے نادہ خبیث۔“ وہ بری طرح چٹخا پر نیاں نے بے ساختہ نظریں چرائیں اور اپنے خائف قسم کے تاثرات اس سے سختی رکھنے کی کوشش میں جھک کر دوا اٹھانے لگی۔

”مجھے تمہارے اس احسان کی ضرورت نہیں ہے، جا سکتی ہو تم یہاں سے۔“ اس نے جیسے ہی دوا اس کے زخم پہ لگانا چاہی معاذ نے نہایت درشتی سے اس کا ہاتھ جھٹک دیا تھا، پر نیاں سخت زدہ سی ہونٹ کچلتی رہ گئی۔

”آئی ایم ساری! میری وجہ سے آپ کو اچھی خاصی زحمت ہوئی۔“ اس بات کے جواب میں معاذ نے اپنی بے تحاشا حسین اور ساحر آنکھوں کو اٹھا کر اسے دیکھا تھا، پھر عجیب دل شکستہ انداز میں اسے دیا۔
 ”آپ کی وجہ سے مجھے بہت سارے مقامات پہ اچھی خاصی زحمت اٹھانا پڑی ہے عزیز پر نیاں! کس کس پہ معذرت کریں گی، چھوڑ دیں اس قہصے کو۔“ پر نیاں کا چہرہ متغیر ہو کر رہ گیا، وہ کچھ نہیں بول سکتی تھی، معاذ پلٹ کر بستر پہ گیا اور کمبل میں گھس گیا۔

”دودھ تو پی لیں پلیز۔“ اسے سر تک کھیل کھینچتے دیکھ کر وہ بے حد ہتھی ہو کر بولی تھی، معاذ کے ان سنی کرنے پہ پر نیاں بے اختیار آگے بڑھ آئی اور کمبل سر کا یا تھا، معاذ نے اپنی سرخ آنکھوں کو کھول کر انتہائی

غصے سے اسے گھورا تھا۔

”کیا تکلیف ہے اب تمہیں؟“ وہ زور سے چیخا تھا، پر نیاں خائف نہیں ہوئی اور دودھ کا گلاس بڑھا دیا۔

”اب جاؤ یہاں سے۔“ معاذ نے گلاس اس سے جھپٹ کر سائیڈ ٹیبل پہ پٹی، پر نیاں کچھ دیر اسے دیکھتی رہی پھر پھلکے پڑتے چہرے کے ساتھ پلٹ گئی، معاذ نے اس کے جاتے ہی کمبل پھر سر پہ تان لیا تھا۔

☆☆☆

نیوویگی لا سیر میری اینڈ فریمنگ پوائنٹ
 سلائیڈ سسٹم اور جلد سازی کی سہولت موجود ہے
 نئے اور پرانے ڈاکٹروں کی خرید و فروخت کی جاتی ہے
 دوکان نمبر 13 صدر بازار ہری پور

اس کو پا کر کبھی تو کھوتا تھا
 یہ حادثہ میرے ساتھ کبھی تو ہوتا تھا
 وہ تو زکرا کثر مجھے جوڑتا رہا
 جیسے میں اس کے ہاتھ میں کوئی کھلوتا تھا

اس نے کروٹ بدلی تو منہ سے بے ساختہ کراہ نکل گئی، آج چار دن بعد وہ ہاسپٹل سے واپس تیمور کے ساتھ حویلی آئی تھی، اس دن کی مار پیٹ کا نتیجہ تھا کہ زینب کی طبیعت اس قدر بگڑ گئی تھی، تیمور اس کی غیر ہوتی حالت دیکھ کر ہی گھبرا کر اسے ہاسپٹل لے کر دوڑا تھا، جہاں وہ ضروری ٹریٹمنٹ کے بعد بیڈ ریٹ پہ رہی تھی، اس کا مس کیرج ہوتے ہوتے رہ گیا تھا، تیمور کچھ خائف نظر آ رہا تھا، بے حد خاموش سا، شاید اسے اپنے رویے کی بد صورتی کا احساس ہو گیا تھا مگر معذرت کا ایک لفظ بھی اس نے زینب کے سامنے بولنے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی، البتہ وہ خود ہی اس کے خیال نہیں رکھ رہا تھا ملازماؤں کو بھی خصوصی ہدایت کی ہوئی تھی مگر زینب کا دل تھا جیسے کوئی دیران کھنڈر..... نہ کوئی آس، نہ امید، نہ زندگی کا احساس۔

”بی بی صاحبہ آپ کا فون۔“ اس کا سیل مسلسل بجے جاتا تھا وہ ساکن لیٹی چھت کو گھور رہی تھی، ملازمہ جو وہیں تھی اور کمرے کی ڈسٹنگ میں مصروف تھی اس کا سیل اس کی جانب بڑھایا، زینب نے بغیر کسی تاثر کے فون لے لیا تھا، اسکرین پہ ہلنگ کرتے معاذ کے نمبر کو دیکھ کر وہ پچھلے چار دنوں سے آنے والی دیگر کالز کی طرح اس کی کال کو ڈسکالٹ نہیں کر سکی۔

”آف زینی کی بچی، کہاں تھیں تم؟ کسی کا بھی فون پک نہیں کر رہیں تمہیں خیریت؟“ اس کے سلام کے جواب کے ساتھ ہی معاذ تیز تیز بولتا چلا گیا، اس کی آواز سن کر ہی زینب کی آنکھیں جانے کس کس خیال کے تحت بھینکتی چلی گئی تھیں، اسے یاد تھا تیمور سے شادی کے لئے سب سے زیادہ معاذ نے اختلاف کیا تھا، کتنا تھا ہوا تھا وہ اس پہ، پھر اس سے بات چیت تک ترک کر دی تھی، مگر جب شادی میں شریک ہونے کو آیا تو سب کچھ بھلا کر اس کی خوشی میں خوش ہو گیا تھا، اس کی تمام دعائیں ابھی تک زینب کو اپنے پلو سے بندھی محسوس ہوتی تھیں، شاید وہ دعائیں زینب کے حق میں قبولیت حاصل نہیں کر سکی تھیں۔
 ”کچھ نہیں لائے، نمبر پیچ ہو گیا تھا، دواؤں کے زیر اثر زیادہ تر سوئی رہتی تھی، آپ کا ٹرپ کیسا رہا لندن کا؟“

”ہم واپس آ گئے ہیں، تمہارے لئے بہت سارے گفٹس ہیں، آ کر لے لو، یہاں کون دینے آئے

گاتھیں۔“ وہ مذاق میں کہہ رہا تھا۔

”لالہ میں آؤں گی مگر ابھی موسم ٹھیک نہیں ہے۔“

”مجھے تو تم بھی ٹھیک نہیں لگتیں زینتی۔“ معاذ کے لہجے میں تشویش تھی، زینب نے ہونٹ کچل کر آنسو

ضبط کرنے چاہے تھے، شاہ ہاؤس کے کینوں میں جہان کے بعد وہ سب سے زیادہ معاذ کے ہی قریب

تھی، ان تینوں کا ایک ٹرائی اینگل سامن گیا تھا، اس کی دیکھا دیکھی زینب نے جہان کو بے کہنا شروع

تو سب سے پہلے ماما کو خود سے اتنے بڑے جہان کو بھائی نہ کہنے پہ اعتراض ہوا تھا۔

”مجھے بے کہنا اچھا لگتا ہے نامملا لالے کی طرح۔“

”مگر بیٹے جہان آپ سے بہت بڑے ہیں، اچھا نہیں لگتا۔“ ممانے پیار سے سمجھانا چاہا تھا، مگر وہ

مان کر نہیں دی تھی اور یوں معاذ کے بعد جہان اس کے لئے بھی بے ہوئی وہ معاذ اور جہان سے کئی جگہ

چھوٹی ہونے کے باوجود ان کے ہر کھیل ہر ایکٹیوٹی میں شامل ہونے لگی تو وجہ جہان کی اسے وی جانے

والی اہمیت تھی، معاذ اگر اسے کسی کام میں شریک نہ بھی کرنا چاہتا تب وہ جہان کی سفارش حاصل کر لیتی،

معاذ جتنا بھی جھنجھلاتا، مگر جہان کی سفارش اس سے بھی ٹالی نہیں جاتی تھی پھر جہان کی طرح معاذ بھی اس

کے ساتھ کا عادی ہوتا چلا گیا، یہ الگ بات تھی کہ اس نے جہان کی طرح اسے سر پہ نہیں چڑھا کر رکھا ہوا

تھا، بلکہ وہ اکثر اسے اس کی غلطیوں پہ جھاڑتا اور ڈانٹا رہتا، جہان و معاذ کے گروپ میں شامل ہو کر

زینب کو کچھ فائدے پہنچے تھے تو کچھ نقصان بھی حصے میں آئے تھے، معاذ کی سب سے زیادہ توجہ اس پہ ہو

کر رہی تھی، وہ سب سے زیادہ اس کی اطلاع پہ توجہ دینے لگا تھا اس باعث اس کے حصے میں معاذ کی

تنقید اور ڈانٹ پہنکار زیادہ آنے لگی، معاذ کی یہ شکایت وہ جہان سے کرتی تو جہان اپنے مخصوص غیر

محسوس انداز میں سب کا ازالہ کرتا چلا جاتا پھر اب اس مقام پہ جب زینب کو سب سے زیادہ جہان کی

فیور کی ضرورت تھی تو وہ پیچھے کیوں ہٹ گیا تھا، کیا وہ نہیں جانتا تھا یہ کتنا گھائے کا سودہ کرنے جارہی

ہوں میں۔

”انہو زینتی بول کیوں نہیں رہی ہو؟“ معاذ کی جھنجھلاہٹ بھری آواز پہ وہ خیالات سے چونکی تھی اور

خفیف سی ہوئی۔

”جی لالے کیا کہہ رہے ہیں آپ؟“

”جے کی شادی طے ہو گئی ہے زینب، تم کب آ رہی ہو؟ تیمور سے بات کراؤ میری، میں خود کہتا

ہوں اس سے۔“ زینب کے دل پہ گھونسا آ کر لگا تھا، ایک عجیب سی شگفتگی کا احساس رگ و پے میں سرایت

کرتا چلا گیا۔

”کب ہے شادی؟“ وہ بولی تو اس کا لہجہ بے حد یاسیت آمیز اور مدہم تھا۔

”نیکسٹ مہینہ، ماما کہہ رہی ہیں تم کچھ پہلے آ جاؤ۔“

”جی لالے میں کوشش کروں گی، پر نیاں کیسی ہے؟“

”وہ ٹھیک ہے، اس وقت میں گھر پہ نہیں ہوں، ورنہ تمہاری بات کراؤیتا۔“

”اسے اور ماما کے ساتھ باقی سب کو بھی سلام کہیے گا لالے۔“

”اوکے ٹیک کیئر۔“ معاذ نے گفتگو سبھی تو زینب نے ”خدا حافظ“ کہہ کر سلسلہ منقطع کر دیا تھا،

زینب نے سیل فون رکھا اور بستر سے اٹھ کر کمرے سے باہر آ گئی، ملازمہ اسے پیچھے سے پکار کر تیمور کی

مددیت یاد کر رہی تھی کہ اسے بستر سے نہیں اٹھنا چاہیے، جسے ان سنی کیے وہ ننگے سر ننگے پیر اہداری میں آ

کھڑی ہوئی، برآمدے سے آگے حویلی کا مرکزی باغ تھا، دور دور تک پھیلی ہوئی گھاس بڑے بڑے

درخت جو بھوتوں کی طرح تنے کھڑے تھے، ہر طرف گھیر خاموشی اور نامانوس سے اندھیرے کا راج تھا

اور ہواؤں کی سرسراہٹ۔

”آپ میری ہر بات مانتے ہیں جے تو مجھے بہت اچھے لگتے ہیں، سب کہتے ہیں آپ کا نام جہانگیر

ہے اسی لئے آپ کی جہانگیر قسم کی اچھائی ہے، جس پہ کسی ایک کی یعنی میری ہی اجارہ داری نہیں، کیا یہ سچ

ہے جے کہ میں بھی آپ کے لئے باقی تمام لوگوں کی طرح عام ہوں؟“ اس بار اس نے کتنے دھڑلے

سے یہ سوال جہان سے کر لیا تھا اور پھر بہت دھیان سے اس کے چہرے کے تاثرات دیکھنے لگی تھی، جہان

مسکرایا تھا، اس نے نگاہیں چار کیے بنا کاندھے اچکانے پہ اکتفا کیا تھا۔

”پتہ نہیں۔“ اسے صاف لگا تھا وہ محض دامن بچا رہا ہے جیسی وہ اس کے پیچھے بڑھی تھی۔

”ہر انسان کی زندگی میں کچھ لوگ اہم ہوتے ہیں جے، آپ کی زندگی میں بھی ہوں گے، پلیز مجھے

بتائیں تا وہ اہم لوگ کون ہیں؟“

کہیں ہر دم کریدگی رہتی تھی اسے، مگر وہ کبھی اس کے سامنے نہیں کھلتا تھا، یہ تجسس دھیرے دھیرے

کم ہوتا گیا، اسے صاف لگنے لگا جہان کے بارے میں اس کا قیاس غلط تھا، اسے ہمیشہ خصوصیت پسند رہی

تھی، یہ اس کی بد قسمتی تھی کہ اسے خصوص اہمیت سے تیمور نے نواز دیا تھا اور آج زندگی اس مقام پہ تھی،

جس چھلکتی چیز کو وہ سونا سمجھ کر لپکتی تھی وہ تو سراسر دھوکہ نکالتا تھا، زیاں سازیاں تھا، اسے ڈالے کی خوش قسمتی

پہ پہلی بار رشک آیا، یہ رشک بھی عجیب تھا، جس نے اس کی آنکھوں کو بھگو دیا تھا۔

”یہاں کیوں کھڑی ہو؟ تمہیں اندازہ ہے اپنی حالت کا؟ مجھے اپنا بچہ بہت عزیز ہے محترمہ، وہ

معمولی بچہ ہے بھی نہیں، اس ریاست کا ولی عہد ہے، ہونے والا سردار، اگر وہ تم جیسی عام عورت کے بطن

سے جنم لے رہا ہے تب بھی اس کی اہمیت میں کوئی فرق نہیں آ رہا، بی کوزہ تیمور خان کی اولاد ہے اسی کا

خون ہے۔“

تیمور خان وہاں آیا تو اسے خود سے بے نیاز سرد ہواؤں کے رخ پہ کھڑے پا کر وہ پھر سا اٹھا تھا،

کلائی سے پکڑ کر تقریباً کھینچتا ہوا اندر کمرے میں لایا تھا، تیمور کو دیکھ کر ہی کاٹنے لگی، وہ بے دریغ اس پہ

برس رہا تھا، زینب ایک لفظ نہیں بولی تھی منہ سے، خاموشی سے مسہری پہ بیٹھ گئی۔

”کچھ کھا باتم نے؟“ وہ کڑے لہجے میں سوال کر رہا تھا۔

”میرا دل نہیں کرتا۔“ تیمور نے اسے سرخ آنکھوں سے قتل کر دینے والی نظروں سے گھورا، وہ

مضمحل نظر آتی تھی، تازہ گلاب جیسی لڑکی ہرگزرتے دن کے ساتھ مرجھار رہی تھی، شکن آلود لباس اور

بکھرے ہوئے بال، یہ وہ زینب ہی نہیں تھی جس کی خوبصورتی، نزاکت اور سحر انگیز حسن اور لباس اپنی

مثال آپ ہوا کرتا تھا۔

”اپنے پچھلوں کا سوگ منانا چھوڑو تو تمہیں بھوک لگے نا، کتنی بار کہہ چکا ہوں، اچھی ڈانٹ ضروری

ہے تمہارے لئے، مگر اثر ہوتا ہے نا، میرے بچے کی صحت کا تمہیں خیال کیوں نہیں آتا، عجیب ڈانٹ جیسی

ماں ہوتی، حیرت ہے۔“ جوتے اور ویس کوٹ اتار کر رکھتا ہوا وہ پینکار کر کہہ رہا تھا، زینب ملازمہ کے سامنے اس عزت افزائی پر ذلت سے کٹ رہی تھی مگر لبوں کو سینے رکھا، تیمور اچھی طرح اپنا قہر نکال چکا تو ملازمہ کو جوں اور فروٹ لانے کا کہا تھا، ملازمہ نے اگلے چند منٹوں میں حکم کی تعمیل کر دی تھی۔

”زحمت کریں گی یا میں ہی کاٹ کر کھلاؤں بھی۔“ ملازمہ کو بھیج کر تیمور نے فروٹ کی باسکٹ اس کی جانب سرکاتے ہوئے طنز آمیز نظروں سے اسے دیکھا زینب جتنی گڑبڑائی اس سے بڑھ کر عاجز ہوئی تھی، اس کی ولی کیفیت اسکی نہیں تھی کہ کچھ کھا سکتی مگر انکار کرنے کا مطلب تھا تیمور خان کو پھر سے پیچھے پڑوا لینا، اس نے بے دلی سے اسٹراہری اٹھا کر دانٹوں سے کترتے تیمور خود جوں کا گلاس لیوں سے لگا چکا تھا، دوسرے ہاتھ سے ٹی وی آن کر لیا، کمرے کی فضا میں اسچ ڈرامے کے ڈائلاگ گونجنے لگے، واہیات معنی خیریت لئے ہنراسر بہوہ کوئی، تیمور خان کی پسند اسکی چیزیں ہو سکتی تھی، اس کے بعد نصیبو کا اخلاق سوز گانا گونجنے لگا، زینب نے بے دلی سے ادھ کھائی اسٹراہری واپس رکھ دی، اسے یاد آیا اس نے کہیں پڑھا تھا۔

”میاں چوی کا ضمیر ایک مٹی سے اٹھایا گیا ہے یہ عادات فطرت اور مزاج میں ایک ہوتے ہیں پھر قرآن کے واضح الفاظ تھے ”پاک مردوں کے لئے پاک عورتیں اور ناپاک عورتوں کے لئے ناپاک مرد۔“ اس کے وجود میں سنسناہٹ اور لرزہ طاری ہونا چلا گیا۔

کیا وہ بھی تیمور کی طرح بدکار تھی؟ کیا وہ بھی تیمور کی طرح شرابی تھی؟ نہیں نہیں نہیں اس کے اندر غضب کا خوف اور اضطراب در آیا، خود سے نظریں چرائے خود سے خائف ہوتے ہوتے ٹڈھال وہ بے اختیار سنسکتی چلی گئی۔

☆☆☆

معاذ کمرے میں تیار ہو رہا تھا، جبکہ وہ صوفے پر دوسری جانب کروٹ بدلے لیٹی تھی، اس کی طبیعت بوجھل سی تھی، سر بھی بھاری ہو رہا تھا، نماز کے بعد وہ چاہنے کے باوجود کلام پاک نہیں پڑھ سکی تھی تو دوبارہ لیٹ گئی، طبیعت کی یہ خرابی اس کا دل نیچے اٹھا گھبراہٹوں میں گر رہی تھی، اسے ثنا کی بات یاد آئی تو دماغ ماؤف سا ہونے لگا، ہولتے دل کے ساتھ وہ اس خدشے کی نشی کرنی چلی جاتی، اب زندگی کے اس مقام پر جبکہ اس کی ناؤ منجھدار میں ڈولتی تھی اور سمندر میں طوفان تھا کیسے وہ اس صورتحال کو قبول کر لیتی، معاذ کے متعلق ہونے والا وہ آخری انکشاف اسے تنوں کے حساب سے برف تلے دبا گیا تھا، اس روز انہیں واپس آنا تھا، معاذ کو قریبی مارکیٹ تک کچھ کام تھا اور پریناں تنہا رہ جانے کے خیال سے خائف تھی، مگر معاذ سے کچھ کہنا بھی نہیں چاہتی تھی، اسے گئے محض پانچ سات منٹ ہوئے تھے جب لینڈ لائن پہ کھنٹی بجتی چلی گئی، پریناں نے کچھ دیر تو نظر انداز کیا تھا پھر جی کڑا کر کے فون اٹھا لیا، وہ مائیکل کے وجود سے خائف تھی مگر دوسری جانب لڑا تھی۔

”فون بند مت کرنا پلیز، ابھی میں نے حسن کو باہر جاتے دیکھا ہے جیسی تمہیں کال کی ہے، یہ بات چونکہ حسن کے متعلق ہی تھی جیسی میں اس کی غیر موجودگی میں کرنا چاہ رہی تھی۔“ وہ جانے کس خدشے کے تحت تیز تیز بولتی چلی گئی تھی، پریناں کو بے تحاشا حیرت نے آن لیا۔

”کون سی بات؟“

”حسن کے ساتھ اپنے تعلق کی بات، تم بیوی ہونا اس کی، میں نے سنا ہے پاکستانی عورتیں اپنے ہر بیٹے کے لئے بہت پوزیو ہوتی ہیں، اس کی وجہ شاید یہ ہو کہ وہ خود صرف ان کی ہو کر رہتی ہیں۔“

”آپ کہنا کیا چاہتی ہیں؟ ٹو وی پوائنٹ بات کریں۔“ پریناں نے ہاتھ ہوتے ہوئے کہا تھا، اسے لڑا سے عجیب سی چڑھی بلکہ یہ حقیقت تھی اسے لڑا سے حسد اور جلن محسوس ہوتی تھی۔

”حسن نے ایک بار نہیں کئی بار میرے ساتھ وقت گزارا ہے، وقت گزارنے کی تفصیلات بھی میں تمہیں سنا سکتی ہوں اگر تم چاہو تو، اس کے جانے کے بعد میں پریکٹ بھی ہوئی مگر میں نے اپارشن کروا دیا، بی کوز میں جانتی تھی پاکستانی مرد بھی غیر عورت سے اپنی اولاد قبول نہیں کرتا۔“

پریناں کو لگا تھا وہ ایکدم سے سر تا پا تجسس اٹھی ہو، ایک آگ تھی جو اس کے دل و دماغ میں سلگ اٹھی تھی، اسے ہمیشہ شک تھی معاذ کے متعلق مگر اب ثبوت بھی مل گیا تھا، اس سے بڑا کیا ثبوت تھا کہ وہ عورت خود اپنی پر بادی کی داستان اپنے منہ سے سن رہی تھی، کوئی عورت اتنا گر سکتی ہے بھلا؟ پریناں اس وقت بھول گئی تھی کہ وہ جس معاشرے کی پیداوار تھی وہاں اسکی باتیں محبوب نہیں تھیں، مگر وہ تو جیسے خود اسی سے بدگمان تھی، اسکی ہی تو حقائق رکھتی تھی وہ معاذ سے، جیسی کسی کی لگائی آگ میں جل گئی، کسی کے بہکاوے میں آنے میں ویر نہیں کی، اگر وہ دیکھا جانا تو اسے خود ہی معاذ سے اتنی شکایتیں تھیں کہ اس پر اعتماد نہیں کرنا چاہتی تھی، اس پر فرد جرم عائد کرنے میں دیر نہیں کی تھی اور اب اسی ایک بات کو لے کر وہ خود تری اور خود اذیتی کا شکار ہو کر رہ گئی تھی، معاذ سے بدگمانی کا وہ عالم تھا کہ وہ اس سے بات کرنا بھی گوارا نہیں کرتی تھی، ماما کے پیغام پر اٹھ کر اس نے پہلے منہ پہ پانی کے چھپا کے مارے تھے پھر مچن کا رخ کیا، میٹرھیاں اترتے جانے کیا ہوا تھا کہ ایکدم اس کی آنکھوں میں تاریکیاں چھا گئیں، ماما نے اسے لڑکھڑا کر گرتے دیکھا تھا اور بدحواس ہو کر اس کی سمت بھاگی تھیں۔

”پریناں! پریناں بیٹے۔“ ماما نے اس کا سر گود میں رکھ کر سخت ہراسگی کے عالم میں اس کے گل تھک کر آوازیں دیں مگر اس کے وجود میں کوئی جنبش نہیں ہوئی تھی، ماما تو اتنا گھبرائیں کہ فوراً رونا شروع ہو گئیں، لمحوں میں سب اکٹھے ہوئے تھے، ماما جان، بھابھی، حسان اور ماریہ کے ساتھ جہان بھی، ہر سو ایک سراسمکی اور گھبراہٹ بتدریج پھیل چکی تھی۔

”ارے کوئی معاذ کو تو بلاؤ، بچی کو دیکھے تو سہی۔“ ماما جان زور سے چیختی تھیں، جہان ایک افراتفری کی کیفیت میں جا کر معاذ کو بلا کر لے آیا۔

”کیا ہو گیا؟ خیریت؟“ گیلے کھمرے بالوں کے ساتھ گلے میں جھولتی ٹائی، وہ جیسے تھا ویسے ہی بھاگا آیا تھا، چہرے پر خفیف سے جھنجھلاہٹ اور برہمی کے تاثرات لئے۔

”معاذ بچی کو اٹھا کر تو اندر لے کر چلو پہلے، بے ہوش ہو گئی ہے، طبیعت خراب تھی تو تم نے بتایا تو ہوتا، میرا تو دل پھٹنے والا ہو رہا ہے۔“ ماما نناگ آواز میں بولی تھیں، معاذ اسے نئے آرڈر کرن کر سخت بڑبڑا ہوا۔

”ایک پورا قافلہ جمع ہے یہاں، کس میں اتنی بھی ہمت نہیں تھی کہ اٹھا کہ یہاں اسے صوفے پر نخل کر دیا جاتا مجھ سے کروائیں گی ہر کام۔“ وہ بھننا کر کہہ رہا تھا، سب کے سامنے پریناں کو اٹھانے کے خیال سے ہی وہ کھیلاہٹ کا شکار ہو چکا تھا۔

”پاگل ہو گئے ہو معاذ! ہم عورتیں کیسے بھلا اٹھا سکتی تھیں بچی کو، جہان اور حسان تھے تو مگر تم شوہر ہو یہ تمہارا کام ہے نہ کہ ان کا۔۔۔۔۔“ ماما جان نے اس نازک صورتحال میں بھی معاذ کی کلاس لینی ضروری خیال کی تھی، باقی سب گویا ماما جان کے ہم خیال تھے، معاذ نے ہونٹوں کو بھینچا اور بے سدھ بے خبر پڑی پر نیاں کو کسی ناگوار بوجھ کی طرح سے اٹھا کر کمرے میں لے جانے کی بجائے وہیں صوفے پہ لٹا دیا تھا، ماما نے جلدی سے پر نیاں کا سر پھر سے بیٹھ کر گود میں رکھ لیا۔

”افوہ کہاں بھاگے جا رہے ہو معاذ! دیکھو تو سہمی بچی کو ہوا کیا ہے؟“ اسے واپس پلٹتے دیکھ کر ماما نے پھر وہائی دی، معاذ نے گہرا سانس بھر کے اکٹا ہٹ بھرے انداز میں انہیں دیکھا۔

”مجھے دیر ہو رہی ہے ماما، میں۔۔۔۔۔“

”حد سے تم سے معاذ بیٹا! بیوی بے ہوش پڑی ہے تمہیں اپنی پڑی ہوئی ہے، وہاں بھی بچی کے ساتھ ایسا ہی سلوک کرتے ہو گے جیسی تو اپنی کمزور ہو رہی ہے۔“ وہ دل گیری سے کہہ کر آنسو پونچھنے لگیں گویا سارا الزام معاذ پر رکھ دیا، وہ صبر کے گھونٹ پی کر رہ گیا۔

”میڈیکل باکس لینے جا رہا تھا، کہیں تو وہ بھی نہ لاؤں؟ کوئی منتر پڑھ کر پھونکتا ہوں، آپ کی لاڈلی ابھی اچھی تھی اٹھ کھڑی ہوگی۔“ وہ جی بھر کے نکلا تھا اور تندر لہجے میں بولا۔

”تم پر نیاں کو دیکھو میڈیکل باکس میں لے آتی ہوں۔“ ماما بھی نے محل سے کہا تھا اور خود میڈیکل باکس چلے گئیں، معاذ نے آگے بڑھ کر پر نیاں کی نبض دیکھی پھر بند آنکھوں کو کھول کر دیکھا تھا، تب تک ماما بھی میڈیکل باکس لے آئیں، معاذ بی پی چیک کرنے لگا۔

”کچھ نہیں بھی بتا دو بیٹے، پریشان ہو رہے ہیں۔“ اسے اس سنجیدگی کے ساتھ میڈیکل باکس بند کرتے دیکھ کر ماما جان کا ضبط بھی چھلکا تھا، معاذ نے چونک کر انہیں دیکھا۔

”کیا ہوا ہے پر نیاں کو وہ اس طرح سے بے ہوش کیوں ہو گئی ہے؟“ ماما بھی نے بھی سوال کیا تھا، معاذ نے گہرا سانس بھرا اور اٹھ کھڑا ہوا۔

”پریشانی والی بات نہیں ہے، بے ہوشی نہیں ہے اب، غالباً یہ شدید کمزوری کے باعث ہے، ڈائٹ کا خیال رکھیں۔“

”پریشانی والی بات نہیں ہے تو پھر کیا بات ہے؟ پوری بات بتاؤ نا۔“ ماما بھی اس کا سرخ پڑتا چہرا دیکھ کر بات کو طول دینے لگیں، معاذ بری طرح سے جھینپا۔

”بہتر ہو گا آپ کسی گائنا لوجسٹ سے چیک اب کرائیں۔“ اس کے منہ سے نکلنے والی بات نے وہاں موجود سب لوگوں میں زندگی اور خوشی کی لہر دوڑادی تھی۔

”یو مین تم باپ بننے والے ہو؟“ ماما بھی زور سے ہنسی تھیں پھر اسے ایک دھپ لگا کر چھیڑتے ہوئے کہا تو معاذ کا جھینپا ہوا سرخ چہرا کچھ اور بھی سرخ ہو گیا۔

”ماما گرینڈ ماما بننے والی ہیں۔“ وہ ان سے لپٹ کر ہنسنے لگا تھا، ماما نے بے اختیار اس کا سر فرط مسرت سے بار بار چوما۔

”تم سچ کہہ رہے ہو نا معاذ بیٹے! صد شکر خدا، مجھے کتنی آرزو تھی اس لمحے کی۔“ ماما کا لہجہ گلو کیر ہو گیا تھا، معاذ مسکرائے گیا تھا، جہان اور حسان نے باری باری گلے لگا کر اسے مبارک باد سے نوازا جبکہ ماما

جان نے اس کی بلائیں لی تھیں۔

”بڑے فاسٹ نکلے ہو دیور جی، پر نیاں بیچاری کو اتنی جلدی اس کام میں ڈال دیا، ابھی تو اس کی پڑھائی بھی کمپلیٹ نہیں ہوئی تھی۔“ ماما بھی اسے چھیڑ رہی تھیں، وہ جھینپ کر رہ گیا۔

”ہاں تو کرتی رہی پڑھائی، میں نے روکا تو زاعی ہے۔“

”اور کیسے روکتے ہیں بھلا؟ یہ اتنے کڑے مرطے ہیں جن میں تم نے اسے ڈال دیا۔“ ماما بھی اسے بخشنے کو تیار نہ تھیں، معاذ نے انہیں خفیف سا گھورا تھا اور ماما جان کی پڑھائی گلاب جاہن لے کر منہ میں ٹھونس لی، جو اس خوشی کے موقع پر وہ سب کا منہ بیٹھا کرانے کو کھٹار رہی تھیں۔

”انہیں بھی کھلا دیں، اس پر سب سے زیادہ حق انہی کا ہے غالباً۔“ معاذ کی مسکراتی نظریں پر نیاں پر جا شہری تھیں جو اب کسی قدر ہوش میں تھی اور کچھ حیرت بھرے انداز میں ان سب کو اپنے گرد جمع خوش تپسیوں میں مصروف دیکھ رہی تھی، اس کے کہنے پر ماما نے از سرے نو پر نیاں کی بلائیں لیں اور پکار کیا تھا۔

”او کے ماما اجازت، جا سکتا ہوں نا اب؟“ معاذ اٹھتے ہوئے بولا تھا، ماما نے فی الفور سر کو تکی میں بلا دیا تھا۔

”نہیں بیٹے آج نہ جاؤ ایک دن کی غیر حاضری سے کچھ نہیں ہو جاتا، اللہ نے اتنی بڑی خوشی دکھائی ہے، آپ آج پر نیاں کے ساتھ رہو گے۔“ ماما کے آرڈر پر جہاں معاذ کی جسم شوخ نگاہیں پر نیاں پہ آن کر ٹھہریں وہاں پر نیاں کچھ الجھن بھرے انداز میں سب کو دیکھنے لگی تھی۔

”کون سی خوشی ماما۔“ وہ اٹھ کر بیٹھ گئی تھی، ماما نے محبت پاش سے اسے دیکھا پھر مسکرا دی تھیں۔

”یہ بات آپ کو معاذ بتائیں گے، معاذ بیٹے پر نیاں کو اپنے کمرے میں لے جاؤ۔“ ماما نے معاذ کے موڈ کی خوشگوار اور سرشاری کو بہت گہرائی سے محسوس کیا تھا اور یہ بات ان کے لئے بے حد اطمینان کا باعث تھی، پر نیاں کی نگاہ بے اختیار معاذ کی سمت اٹھی، وہ ہمیشہ کی طرح شاعر اور سحر انگیز تھا اور اپنی شخصیت کی خوبصورتی کا اس نے بہت نا جائز فائدہ اٹھایا تھا، اس کا بدگمان دل کمزورت سے بھرنے لگا۔

”اسی کیا بات ہے بھلا؟“ وہ نظروں کا رخ پھیر کر پھر سے ماما سے مخاطب ہو گئی۔

”بتا دیں نا آپ ماما! مجھے خود شرم آ رہی ہے۔“ معاذ نے مداخلت کی تھی چہرے پر شرم کی مسکان تھی، وہاں موجود سب کی بے ساختہ ہنسی چھوٹ گئی تھی۔

”شرم اور تمہیں۔۔۔۔۔؟ دو بالکل متضاد چیزوں کے نام ہیں۔“ ماما بھی نے اس پر فوری گرفت کی تھی معاذ نے انہیں سخت ناراضگی سے دیکھا۔

”یعنی آپ مجھے بے شرم سمجھتی ہیں، ماما دیکھ رہی ہیں آپ؟“ وہاں ایک نئی بحث چھیڑ گئی تھی، سب کے چہروں پر مسکراہٹ تھی خوشی تھی، پر نیاں کی الجھن اپنی جگہ پر قائم رہی تھی، پھر خاص تاخیر سے یہ محفل برخاست ہوئی تب وہ ماما کے کہنے پر معاذ کے ہمراہ اپنے کمرے میں آ گئی تھی، میڈیکل باکس چھنے تک اس نے مجبوراً معاذ کے بازو کو برداشت کیا تھا جو اسے سہارا دیتے تھا، جیسے ہی اسے یقین ہوا کہ وہ سب کی نظروں کے حصار سے نکل آئی ہے اسی بل اس نے معاذ کے حلقے کو توڑ دیا تھا۔

”میری طبیعت اتنی خراب نہیں ہے کہ اس قسم کے سہاروں کی محتاج ہو جاؤں۔“ معاذ کی استعجابی نظروں سے جواب میں اس نے بے حد تکی بھرے انداز میں جتلا نا ضروری سمجھا۔

”جس قسم کی طبیعت آپ کی خراب ہوئی ہے، اگلے کئی مہینوں تک کے لئے مہم کی خواہش ہے کہ میں آپ کو ہانپوں میں اٹھائے اٹھائے پھروں، کیا اس پر بھی اعتراض کریں گی آپ؟“ معاذ بھی سنجیدگی سے دیکھنے لگی، ذہن میں پھر خدشے کا سائب سرسرایا۔

”کیا کہنا چاہتے ہیں آپ؟“ اس نے دھڑ دھڑاتے دل کے ساتھ سوال کیا تھا۔

”میں یہ تو نہیں کہوں گا کہ ہماری محبت کی نشانی، صرف میری محبت کی نشانی ہے وہ بچہ۔“

”کون سا بچہ؟“ وہ ہنکائی اور فحش ہوتے چہرے کے ساتھ اسے دیکھنے لگی۔

”نو آئر پریکٹس و دہائی کڈ۔“ معاذ پھر مسکرایا تھا، پر نیوں کے اعصاب شق ہو کر رہ گئے، وہ سشدر سی اسے دیکھتی چلی گئی تھی، غیر یقین شا کڈ، رنجیدہ، معاذ نے کسی قدر دھیان سے اس کا جائزہ لیا تھا، اس کی آنکھوں میں لرزتے آنسوؤں نے معاذ کو ہونٹ بھینچنے میں مجبور کر دیا تھا۔

”میں سمجھ سکتا ہوں کہ تم اس اہم خبر کو یا کر خوش نہیں ہو سکتیں تھیں مگر یہ آنسو.....؟ کیا سمجھوں میں؟“ اس کی آنکھوں میں کرب و اضمحلال کے ساتھ شکوہ بھی نظر آ رہا تھا۔

”آپ خوش ہیں اس خبر سے تو پھر اس وقت خوش کیوں نہیں ہوئے آپ جب لڑانے یہ خبر آپ کو سنائی تھی؟“ وہ بپتے آنسوؤں کے درسیان زور سے چیخی، معاذ کو اس قدر شدید دھکے سے گزرنا پڑا۔

”کیا مطلب ہے تمہارا؟ پر نیوں کیا بکواس کر رہی ہو؟ میرا اس سے کیا تعلق.....؟“ تمام تر ضبطی کے باوجود وہ چیخ پڑا تھا۔

”مجھے تو صرف ایک اس کا پتہ چل سکا، آپ بتائیں اس کے علاوہ اور کس کس سے آپ کے تعلقات تھے، مگر نے کی ضرورت نہیں ہے، میں خود اپنی آنکھوں سے دیکھ چکی ہوں۔“ وہ پھٹ پڑی تھی

زور سے چلائی۔

”کیا دیکھ چکی ہو تم؟ بولو الزام لگا رہی ہو مجھ پر؟“ معاذ نے سخت مشتعل ہو کے اسے جھنجھوڑ ڈالا تھا، اس کی رنگت دہک کر انکارہ ہو گئی تھی لمحوں میں، جتنا غصہ اور طیش تھا اس کے چہرے پر پر نیوں کو ایک لمحے کو اس سے خوف محسوس ہوا۔

”چیننے اور چلانے سے حقیقت چھپ نہیں جایا کرتی، مجھے آپ سے نفرت ہے تو آپ کی حرکتوں کی وجہ سے سمجھے آپ؟“ پر نیوں نے بے حد کھٹکی سے کہتے اس کے ہاتھ اپنے کاندھوں سے ہٹا دیئے، معاذ یکدم سرد پڑ گیا تھا۔

”تم میرے منع کرنے کے باوجود لڑا سے ملی تھیں؟“ اس نے خاصی تاخیر سے یہ سوال کیا تو اس کا لہجہ ترخ رہا تھا۔

”آپ تو یہی چاہتے تھے کہ آپ کے عیبوں پر پروے پڑے رہیں۔“ وہ کاٹ دار لہجے میں بولی تو معاذ نے سخت کشیدگی کے عالم میں خود کو ڈھیلا چھوڑ دیا، اس کا مطلب تھا لڑا اپنا وار کر گئی تھی، اس نے جو دھکی دی تھی کہ وہ اسے برباد کر دے گی اس نے وہ کر دیا تھا، اپنے اشاروں پر نہ ناپنے والوں کے ساتھ شاید وہ ایسا ہی کرتی ہوگی، وہ ایک بد فطرت لڑکی تھی جس کی نفسانی خواہش کی بھوک کبھی مرنی ہی نہیں تھی، معاذ نے بھی اسے بہت تاخیر سے سمجھا تھا، وہ ہر خور و مرد پر فٹار ہو جانے والی دل پھینک عورت تھی،

نفس کی غلام شیطان کی پجاری، معاذ کے سختی سے انکار کے جواب میں وہ اسے بلیک میل کرنے پر اتر آئی تھی، وہ کیوں خائف ہوتا جبکہ اس کی کوئی کمزوری بھی اس کے پاس نہیں تھی مگر وہ مات کھا گیا تھا پر نیوں سے، وہ کانوں کی جھنجکی یا پھر واقعی اس سے اتنی نفرت کرتی تھی کہ اس سے قاصدے برقرار رکھنے کو ہر وقت کسی نہ کسی ایسی بات کی تاک میں رہتی جسے بنیاد بنا کر اس سے جھگڑ سکے، وہ تو یہی سمجھا تھا، اس کے اندر غضب کی ٹوٹ پھوٹ ہونے لگی تھی، پر نیوں کو کسی بات کا جواب دیئے بغیر وہ کمرے سے نکل آیا، ایک بار پھر اس کی بے حد اہم خوشی پر نیوں انتہائی سنگدلی سے غارت کر چکی تھی اور اسے احساس تک نہیں تھا۔

☆☆☆

رات سنتی رہی میں سنا رہا
درد کی داستاں میں بتاتا رہا
لوگ لوگوں سے چاہت بھاتے رہے
اک وہ تھا میرا دل جلاتا رہا
دھوپ چھاؤں سی اس کی طبیعت رہی
وہ نکالیں ملاتا چراتا رہا
اک میں ہی جیسا رہا دوستو
لوگ پیٹے رہے میں پلاتا رہا
دل کے مہمان خانے میں رونق رہی
کوئی آتا رہا کوئی جاتا رہا
ہم کتب نے سارا سبق پڑھ لیا
میں تیرا نام لکھتا مٹاتا رہا

غزل ختم ہوئی تو اس نے پھر روانہ کرنا شروع کی تھی کہ دروازہ تاک کر کے زیاد نے اندر جھانکا تھا۔

”جہان بھائی آپ کو مہلا رہی ہیں۔“ وہ اہم پیغام لایا تھا، جہان کا ہاتھ اسی زاویے پر قائم گیا۔

”اوکے آتا ہوں میں۔“ وہ اٹھ کھڑا ہوا تو زیاد کو وہیں کھڑے پایا تھا۔

”یہ آپ کیا سرخی لہی غزلیں سن رہے ہیں؟ اچھے اچھے ساگ نہیں نا۔“ زیاد کے ٹوکنے پر جہان کے لبوں پر منتعل سی مسکان کھڑ گئی۔

”کہاں ہیں چچی جان؟“

”ہال کمرے میں ہیں آئیے۔“ جہان سر ڈاھ بھرتا اس کے ساتھ ہو لیا تھا، دونوں آگے پیچھے ہال کمرے میں داخل ہوئے تو مہلا، مہلا جان کے ساتھ زیورات کے ڈبے کھولے ایک طرح سے زیورات کی دکان سجائے بیٹھی تھیں۔

”آؤ بیٹے یہ دیکھو ذرا سیٹ۔“ مہلا نے جہان کا خیر مقدم بہت خوشدلی سے کیا تھا، وہ اب بھن بھرے انداز میں ان کے قریب آیا زیاد ساتھ ساتھ تھا اس کی بانہت اس کا انداز بے حد اشیاق آمیز تھا۔

”اُف اتنی شاندار جیولری، ساری ڈالے بھابھی کو دے دس گی تو نور یہ کہاں جائے گی مام؟“ اس

کی بے صبری کے مظاہرے پہ ممانے ہنستے ہوئے اسے ایک جھانپڑ لگا دی تھی۔
”بدمعز، نوریہ کے لئے اور بن جائے گی جب اس کا وقت آئے گا تو۔“

”مگر یہ تو ہمارے خاندانی زیور ہیں غالباً، ان میں تو سب بہوؤں کا حصہ ہو گا نا۔“ زیاد نے ایک مٹھلیں کیس اٹھایا جس میں گلوبند تھا، تھا تو پرانا مگر اس کی چمک دمک اور ڈائزین کی خوبصورتی کمال تھی۔
”ہاں بیٹے یہ خاندانی زیورات ہیں اور جہان کی ماما کے ہیں سارے، اس لئے ڈالنے کو ہی ملیں گے، نوریہ کے لئے میرے زیورات میں حصہ ہے، اب جو ڈالے کے لئے جیولری سوٹ کی میپنگ ہے گی وہ میں چاہتی ہوں جہان ڈالے کو ساتھ لے کر اس کی پسند سے خریدے۔“

”زیاد تمہیں جو سیٹ پسند ہے وہ تم لے لو نوریہ کے لئے۔“ جہان نے ماما کی آخری بات پہ سخت جزیبہ ہوتے دانستہ بات کا رخ بدلا تھا۔

”نہیں بیٹے، یہ بالکل مناسب نہیں، نوریہ کے لئے جو زیاد چاہے مارکیٹ سے آجائے گا۔“ ممانے پر زور مخالفت کی تھی۔

”یہ کیا بات ہوئی بھلا چچی جان! اس گھر کی کسی بھی چیز پہ کسی کا نام نہیں لکھا ہوا، یہاں سب کچھ سانجھا ہے، پلیز آپ یہ سوچ کر آئندہ ایسی بات نہ کہیے گا کہ مجھے یہ سب تکلیف دیتا ہے۔“ اس کے پرسان لہجے میں تمام تر فرمانبرواری کے ساتھ جو خلوص اور محبت اور اپنائیت تھی وہ سب سے اہم تھی، ماما نے گہرا سانس بھرا اور نرم آنکھوں کے ساتھ اسے گلے لگا کر ماتھا چوما تھا، فرط جذبات کے باعث وہ کچھ کہنے کے قابل نہیں رہی تھیں، زیاد نے بے صبری کا مظاہرہ کرتے صرف وہی گلوبند نہیں ایک بے حد نازک سائٹ بھی اٹھالیا تھا۔

”یا ہو، جیو جہان بھائی، یہ دونوں تو اتنے یونیک ہیں کہ بس نوریہ کو ہی بیچ سکتے ہیں، بس میں لے رہا ہوں اور ہاں جہان بھائی ایک بات اور سن لیں، ڈالے بھابھی سے شادی کے بعد بھی آپ ایسے ہی رہیے گا، اگر بدل گئے تو۔۔۔۔۔“

”کسی میں اتنا دم نہیں کہ مجھے بدل سکے، مجھے اپنے حقیقی رشتوں سے بڑھ کر نئے بننے والے رشتے ہرگز اہم نہیں ہونے والے، سو ڈونٹ یووری۔“ جہان نے پھر اسی رسائیت بھرے انداز میں کہا تو زیاد ہنسنے لگا تھا۔

”مسز آنریدی کی کال آئی تھی بیٹے، بتا رہی تھیں وہ شاپنگ دوئی سے کر رہی ہیں مگر ڈالے کا برائڈل ڈریس یہاں کراچی سے لیں گی، میں چاہتی ہوں ویسے کا جو ڈالے آپ خود پسند کرو بلکہ جن دنوں ڈالے یہاں آئے آپ ڈالے کو ساتھ لے کر اس کی پسند کے مطابق لباس خریدو، جب پہننا چکی نے ہے تو پسند بھی اس کی ہونی چاہیے، کیوں بھابھی بیگم؟“ ممانے نے آخر میں ماما جان کو بھی اپنا اہموا کرنا چاہا تو جہان ٹھنڈا سانس بھر کے رہ گیا۔

”جب پسندان کی ہوگی تو پھر ساتھ کوئی بھی چلا جائے، میری موجودگی اتنی اہم نہیں ہے۔“ وہ صاف دامن چھڑا رہا تھا۔

”ہر نیکی کی زندگی میں یہ بے حد اہم موقع ہوتا ہے بیٹے جب اس کے شریک سفر کی کچھ مواقع پر موجودگی اس کے اعتماد اور ڈھارس کو بے حد اہم ہوتی ہے، آپ سمجھ رہے ہو میری بات؟“ ماما کا انداز

نامحمانہ تھا، زیاد نے کسی قدر شوخی سے تائیدی انداز میں سر ہلایا پھر بولا تھا۔

”ان کو چھوڑیں ماما! میں ہر بات کو پلو سے پاندھ رہا ہوں، میری باری ہے آپ کو مجھے کوئی نصیحت نہیں کرنے پڑے گی۔“ وہ کھلکھلایا تو ممانے اسے مصنوعی کھنٹی سے گھورا تھا۔

”بتانے کی ضرورت نہیں، مجھے اچھی طرح سے اپنے بیٹوں کی رنگین حرائجی کا پتہ ہے۔“

”صرف ہمیں کیوں الزام دیتی ہیں، بچا کا احوال سنا میں، بلکہ آپ سنا میں ماما جان پیا اپنی جوانی میں ماما یہ کیسے فدا ہوا کرتے تھے، ہم سب یقیناً انھی پہ پڑے ہیں حراجا۔“ وہ دانستہ نکال کر کہہ رہا تھا، ماما خفت سے سرخ پڑ گئیں ارادہ اسے پھر جھانپڑ لگانے کا تھا مگر زیاد کو بھلا ان کے ہاتھ آتا تھا، ہنستا ہوا بھاگ گیا۔

☆☆☆

ان کو ناموس بھی عزت بھی پذیرائی بھی مجھ کو رونے کو میسر نہیں تھی اپنی اپنے ہی حال پہ ہنستا بھی ہنس کر رونا میں بیک وقت تماشا بھی تماشا شائی بھی

اس نے غیر محسوس انداز میں بھیکے گالوں کو رگڑ کر خشک کر لیا مگر یہ آنسو تو تاسف و ملال کے تھے جو تھے تھے نہ خشک ہوتے تھے، اس کی طبیعت سنبھل کر نہیں دے رہی تھی، تیور آج پھر اسے ڈاکٹر کے پاس لے کر آیا تھا، ڈاکٹر نے دواؤں کے ساتھ ہدایات اور تسلیاں دے کر بھیج دیا، شام سرخی آپٹل پھیلا چکی تھی، دورانق پر غروب ہوتے سورج کی سرخی میں گویا آگ دہک رہی تھی، پردوں کی قطاریں بہت سرعت سے اپنے آشیانوں کی طرف ٹھوس تھیں، ہوا میں خشکی رچی ہوئی تھی، کچھ دنوں سے برف باری کا سلسلہ موقوف تھا، سردیوں کا مخصوص خشک سناٹا اور ویرانی دھیرے دھیرے وادی کو اپنی لپیٹ میں لیتی جا رہی تھی، پوری وادی نے گویا برف کا سفید لباس زیب تن کیا ہوا تھا، برگ شجر پھول، بزمہ چھوٹی بڑی پہاڑیاں اور بلند و بالا آسمان کو چھوٹی ہوئی چوٹیوں تک پہ برف ہی برف بکھری ہوئی تھی، برف کے ننھے زہرے ایک بار پھر آکاش سے سفید پر یوں کی طرح اترنے لگے تھے، سردی اپنے عروج پہ پہنچی جا رہی تھی، جیسے جیسے برف پڑنی زنب کا دل بھی کسی کھائی میں ڈوبنا شروع کر دیتا، اسے لگتا کسی نے اسے اس سرد جہنم میں قید کر دیا ہو، ایک بار پھر برف گرتے دیکھ کر اس کا دل بھاری ہونے لگا۔

سیاہ جیب سبک خرای سے لکڑی کے پلے پر دوڑ رہی تھی، اطراف میں بزمے سے گھرے بزم میدان تھے، جن میں جگہ جگہ جنگلی پھولوں سے جھاڑیاں اور صنوبر کے ساتھ چنار کے درختوں کی بہتات تھی، سامنے بلند پہاڑ سے شاید جھرنٹا گرتا تھا جو اسی صورت میں نجم چکا تھا، اس وادی کا ہر گوشہ قدرتی حسن کی دولت سے مالا مال تھا، مگر وہ اس ماحول اس جگہ سے مانوس نہیں ہو سکی تھی تو وجہ تیور ہی تھا، اس کا رویہ اور اس کا دھوکہ تھا جو وہ اسے دے چکا تھا، جیب پلے سے اتر کر اب سڑک پہ دوڑ رہی تھی، معائنہ قند آور جھاڑیوں سے مولیٹوں کا چھوٹا ریوڑ جیب کے راستے میں حائل ہو گیا جس نے تیور خان کی نازک طبع پہ ناگواری لا دی تھی، وہ بے درلج بوڑھے پہ برس پڑا جوان مولیٹوں کو ہانک کر لے جا رہا تھا، تیور کی جیب

اس کی اہم شناخت تھی۔ اس پہ تیمور کی برہمی، بوڑھا پچھرا بدحواس ہو چلا تھا، زینب نے اس ماحول سے فرار کی خاطر آنکھیں بند کر لیں، پھر اس نے تب ہی آنکھیں کھولی تھیں جب جیب حویلی کے بڑے پھانک سے اندر داخل ہو رہی تھی، پہلی بار جب وہ اس حویلی میں آئی تھی تو سرخ پتھروں سے بنی اس حویلی جس کے گوشے گوشے پھولوں اور پھلوں کی بہتا بھی دیکھ کر وہ عنقریب اس میں ملکیت کے احساس سمیت رہائش کے خیال سے کئی سرشار تھی، مگر اس کی ساری خوشی ساری سرشاری بہت جلد بھاپ بن کر اڑ گئی، اس نے آدھر کے حویلی کے اطراف میں پہاڑوں کی کوکھ سے گرتے جھرنوں اور آبشاروں کے ساتھ سرسبز خوبصورت پھولوں سے مہکتے لان کو دیکھا تھا اور طے کیا تھا کہ انسانی زندگی میں اطمینان اور سکون کے لئے دولت و حشمت نہیں پذیرائی اور عزت ضروری ہوا کرتے ہیں، جو کم از کم اسے تیمور خان کی حویلی سے نہیں مل سکتے تھے۔

”مجھے لگتا ہے زینب تم میرے ساتھ خوش نہیں ہو۔“ تیمور نے ملازمہ کو سبز قبوے کا کہا تھا پھر اپنی گرم مردانہ مثال اتار کر رکھتا ہوا اس کے اداس اور بے زار چہرے کو دیکھ کر بولا تو زینب اس کی متوجع ناراض کے خیال سے حراساں ہی ہو گئی۔

”کیسی تو بالکل کوئی بات نہیں ہے تیمور، بس میری طبیعت ٹھیک نہیں رہتی نا، اسی وجہ سے۔“ وہ وضاحتوں پہ وضاحتیں دیتی چلی گئی، حالانکہ یہ وہی زینب تھی جس کا مزاج ہمیشہ شاہانہ رہا تھا، جو خلاف مزاج کوئی بات سنتی تو ایک حشر اٹھا دیتی تھی مگر وہ وقت نیت گیا تھا، وہ جو اسے سر آنکھوں پہ بٹھاتے تھے اب اس کے آس پاس نہیں تھے، اب اس کی زندگی کی ڈور جس کے ہاتھ تھے وہ خود بہت نازک مزاج تھا، اسے اپنی بجائے اس کے ناز اٹھانے پڑتے تھے۔

”اس کا نالوجسٹ کے طریقہ علاج سے میں سیٹ سفائیڈ نہیں ہوں زینب، میں سوچ رہا ہوں تمہیں کراچی ہیج زون، وہیں اچھے ہاسپٹل سے تم اپنا علاج کرواؤ، آف کورس میں اپنے بیچے کے معاملے میں کوئی ریسک نہیں لے سکتا۔“ تیمور کی بات پہ زینب کے چہرے پہ یکدم روشنی سی چھا گئی مگر اس نے اپنے جذبات کو کنٹرول میں رکھا تھا وہ ہرگز نہیں چاہتی تھی تیمور کو اس کی خوشی کی بھنگ بھی پڑے۔

”کیا کہتی ہو پھر تم؟“ تیمور کو شاید اس کی خاموشی کھلی تھی جیسی چلبلا کر بولا تھا۔

”جی بہتر جیسے آپ مناسب سمجھیں۔“ اس نے فرمانبرداری کا مظاہرہ کیا، ملازمہ قبوے لے کر آئی تو تیمور اس جانب متوجہ ہو گیا۔

”اوکے میں کوشش کروں گا ایک دو دنوں میں تمہیں کراچی ہیج ووں، مجھے کچھ کام ہے، چلا ہوں۔“ وہ اسے اپنا خیال رکھنے کی خاص تاکید کرتا چلا گیا، اس کے جانے کے بعد زینب بھی اٹھ کر باہر آ گئی، آزادی چاہے عارضی سہی مگر وہ اس احساس کو اس خوشی کو محسوس کرنا چاہتی تھی، اس نے گہرا سانس بھر کے ریلنگ کے پار دور تک نگاہ کی، وادی رات کے اندھیرے میں گم تھی، ایک سرد سکوت ہر سو پھیلا ہوا تھا، کھیتوں، بھڑے اور پھولوں کی مہک سے لبریز ہوائیں ہر سو سرسبز تھیں، ارد گرد بلند و بالا پہاڑوں پہ گرتی برف ماحول میں عجیب سا نور کا احساس بن کر پھیلی ہوئی تھی، کہر کی دہیز چادر سے ہر شے می سے بھکی ہوئی تھی، دھند میں لپٹے آسمان پر چاندنی سے منور چاند کس جھکے ہارے مسافر کی طرح آہستگی سے اپنی منزل کی طرف سفر میں تھا، وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ماحول میں ٹھنڈک بڑھ رہی تھی، ایسے سرد

ترین موسم میں جہاں معمولی سی بے احتیاطی رگوں میں دوڑتے لہو کو برف کر دے وہ تمام تر سردی کے بچاؤ کے تقاضوں سے بے نیاز آمدے میں بھاتی رہی۔

”آپ کا فون ہے بی بی صاحبہ۔“ ملازمہ اس کا فون اور مثال لئے نزدیک آ کھڑی ہوئی تھی، زینب نے سیل فون لیا تھا، فون پہ دوسری جانب زیاد تھا۔

”الحمد للہ میں ٹھیک ہوں بھائی، آپ کیسے ہیں؟“ وہ اب کے دل سے مسکرائی تھی، اس کی آواز کی کھنک نے یقیناً زیاد کو بھی مطمئن کیا تھا۔

”تمہاری طبیعت کیسی ہے؟ یہاں سب سے زیادہ اسی بات پہ غور مند ہیں یونہی؟“

”کم آن بھائی آئی ایم اوکے، آپ ماما سے میری بات کجروا میں ذرا۔“

”آپ پریشان نہ ہوا کریں ماما، ایسی حالت میں طبیعت کا خراب ہونا تو معمولی بات ہے۔“

”ہاں بیٹے، لیکن پریشانی تو فطری بات ہے، پھر آپ سے بات بھی تو نہیں ہو پارہی تھی۔“

”بات نہیں ہوتی تھی تب بھی آپ میں سے کسی نے یہاں آنے کی ضرورت نہیں محسوس کی، ماما کیا میں سمجھوں کہ اس طرح مجھے یہ احساس دلایا جا رہا ہے کہ میں نے جو غلطی کی اسے مجھے تنہا ہی بھگتنا ہے، کیا آپ کی خوشیاں مجھ سے الگ ہو گئی ہیں۔“

اسے جانے کیا ہوا تھا کہ وہ پچھک کر رو پڑی تھی، حالانکہ جب بات چیت کا آغاز کیا تو اس کا موڈ بے حد خوشگوار تھا، ماما اس کی بات پھر اس کو یوں رو دینے سے یقیناً مضطرب ہوئی تھیں اور بار بار اسے پکار میں اپنے انداز میں تسلی دے رہی تھیں مگر اس کے دل کا بوجھ یونہی قائم رہا۔

”آپ ایسا کیوں سوچتی ہو بیٹا۔“

”پھر اور کیا سوچوں، یہاں سب بے کی خوشیوں میں مگن ہیں، میری کسی کو کوئی پرواہ نہیں۔“ اس کی زبان پہ اصل شکوہ آ گیا، جواباً ماما نے سرد آہ بھری تھی۔

”یہ ساری خوشیاں آپ کے بغیر ادھوری ہیں، آپ آؤ گی تو ہی کام آگے بڑھے گا۔“ وہ اسے بھلا رہی تھیں جب معاذ نے ان کے ہاتھ سے سیل لے لیا تھا۔

”کیوں خواہ مخواہ ماما کو پریشان کر رہی ہو زینبی۔“

”سوری لالے، مجھے پتہ نہیں کیا ہو جاتا ہے۔“ وہ دلگیری سے کہتی آنسو پونجے لگی۔

”چلو چھوڑو، یہ بتاؤ کب لینے آؤں تمہیں؟“

”میں خود آ جاؤں گی ایک دو دن میں لالہ ڈونٹ وزی۔“ اس نے خود کو سنبھال لیا، معاذ کے بعد اس کی پر نیوں سے بات ہوئی تھی۔

”تمہیں مبارک ہو پری، اب تم اپنے بیٹے کا نام عدنان رکھ سکتی ہو، بہت پسند ہے نا یہ نام تمہیں؟“ وہ یاسیت سمیٹ کر پھر سے خوشدلی اڑھ چکی تھی۔

”ضروری تو نہیں ہے میری پسند کو اہمیت دی جائے۔“ وہ پتہ نہیں کیوں زہر خند ہو رہی تھی، زینب حیران سی ہو کر رہ گئی۔

”یہ کیا بات ہوئی بھلا؟ پری تمہیں شاید اپنی خوش بختی کا اندازہ نہیں ہے، نیک اور پارسا مرد کا ملنا

بھی خدا کا تھہ ہے اور نعمتوں کی ناقدری کرنے والے خدا کے ہاں محبوب ٹھہرتے ہیں۔“ پر نیاں کے شاکی انداز پہ وہ گہرے رنج اور کرب میں مبتلا ہو کر کہتی چلی گئی، دکھ تھا طلال تھا اور آرزو تھی، اسے نور یہ ہوا یا ڈالے یا پر نیاں ہر لڑکی خود سے کروڑوں روپے بڑھ کر خوش بخت لگنے لگی تھی، نیاں تھا لامحدود نیاں جس نے اسے اب ہر بل ہر لڑکی کو رگیدنا شروع کر دیا تھا۔

”تمہارے بھائی ہے نادہ، تم تو کروگی ہی تعریفیں۔“ پر نیاں بھی جو بابا ہا پیر ہوئی تو زینب بری طرح سے ہرٹ ہوئی تھی۔

”اس بات کا کیا مطلب ہے پری، تمہیں میری بات کا یقین نہیں یا لالے پہ کوئی شک ہے۔“

”یہ لالہ حاصل بحث ہے زینب، میں اس موضوع پہ بات نہیں کرنا چاہتی۔“ زینب کو شدید اختلاف ہوا۔

”مجھے لگتا ہے پر نیاں تم لالے کے متعلق ابھی تک شدید غلط فہمی کا شکار ہو۔“

”دکھ اور افسوس کی بات ہی یہی ہے زینب کہ میری ساری غلط فہمیاں دور ہو گئی ہیں۔“ پر نیاں کے لہجے میں تاسف تھا، دھمکے لہجے میں دکھ کی آج تھی، زینب کا اضطراب بڑھا۔

”اگر غلط فہمی دور ہو گئی ہے تو پھر بدگمانی کیوں ختم نہیں ہو رہی ہے پری؟“

”لیووس ٹاپک زینب پلیز۔“ وہ سخت عاجز ہو چکی تھی گویا زینب نے شخصہ اسانس کیچھا۔

”میں تم سے وہاں آ کے بات کروں گی پری، میرے لالہ بہت سوٹ، بہت ٹائٹس ہیں، شاید تم انہیں صحیح طرح سے انڈر اسٹینڈ نہیں کر پائیں۔“ پر نیاں نے اس بات کا جواب نہیں دیا تھا، زینب خود بھی کسی سوچ میں کم ہو گئی تھی۔

☆☆☆

کوئی سکوں کی جگہ تلاش کریں
آمل کر وفا تلاش کریں
جرم دونوں کا ہے اک سا
آ اک جیسی سزا تلاش کریں
غم سینے میں بھی پھوٹنے نہ پائے
آ ایسی آب و ہوا تلاش کریں
دلوں اپنا اتا میں نہ مٹ جائیک
کوئی درمیانی سی راہ تلاش کریں
قربت اپنی کیوں دوری میں بدل گئی
آ ہم اپنا اپنا خطا تلاش کریں
دیکھتے دیکھتے جو دل میں اتر گئی تھی
محبت کی وہ پہلی نگاہ تلاش کریں

کراچی ایئر پورٹ پہ جہان اس کا منتظر تھا، خوبصورت لباس پہنے بے حد اسٹائلش شمال میں خود کو اچھی طرح لپیٹے وہ جب اس کے سامنے آئی تو جہان ایک لمحے کو اس پر سے نگاہ نہیں ہٹا سکا تھا، گلابوں کی

شرماتی اس کی نزاکت اور دلکشی و تازگی جیسے کہیں کھو گئی تھی، ماند پڑی رنگت اور آنکھوں تلے حلقوں کے ساتھ وہ صدیوں کی بیمار نظر آتی تھی، جہان کے تو جیسے دل پہ آ رہے چل گئے تھے۔

”زینب آ رہو اوکے۔“ وہ کسی طرح بھی خود کو اس سوال کے پوچھنے سے باز نہیں رکھ سکا تھا، جواب میں وہ پھیکے سے انداز میں مسکرا دی۔

(پورا اپنی جڑ اور بنیاد کھودے تو اس کا نصیب مر جھانا ٹھہرا کرتا ہے، شاید مجھے ایسوں خاص طور پہ تمہارا دل دکھانے کی سزا ملی ہے۔)

”ہاں ٹھیک ہوں مجھے کیا ہونا ہے۔“ اس نے پہلی بار اس کے سامنے بھرم رکھا تھا اور جہان نے ہونٹ بھیج لئے تھے۔

”مجھے پتہ چلا تھا پھلے دنوں تمہاری طبیعت خراب رہی ہے۔“

”ہاں موسم کی تبدیلی کی وجہ سے نپرس پکڑ ہو گیا تھا، اسی کے اثرات سمجھ لیں، وہاں موسم میں بہت شدت ہے، میں فی الحال عادی نہیں ہو پا رہی۔“ وہ ایک کے بعد دوسرا پردہ اپنی ذات پہ گرائی چلی گئی، جہان نے سمجھنے ہوئے ہونٹوں کے ساتھ محض اثبات میں سر ہلایا۔

”آپ کو بہت مبارک ہو بے شادی کی، مجھے لینے کیوں آگئے آپ، میں تو سبھی مایوں بیٹھے ہوں گے۔“ وہ خواہ مخواہ ہنسنے لگی، جہان نے نہ اسے دیکھا نہ ہنسی میں ساتھ دے سکا، شاید وہ ابھی تک اتنا بہادر نہیں ہو پایا تھا جتنا زینب ہو گئی تھی۔

”میرے پاس ڈالے کا نمبر نہیں تھا ورنہ اسے لازماً مبارک باد دیتی، آپ کے پاس تو ہو گا میری بات کراچے گا۔“ اس کے بھراہ گاڑی میں آ کر بیٹھتے ہوئے وہ اسی اور پرے سے لہجے میں کہہ رہی تھی، جہان وٹا اسکرین پہ نظریں مرکوز کیے کم صم بیٹھا ڈرائیو کر رہا تھا، زینب بھی جیسے تھک سی گئی تھی، سیٹ کی بیک سے سر ٹکا کر آنکھیں موند لیں تو جہان نے نگاہ کا زاویہ بدل کر اسے دیکھا تھا، رخساروں کی ابھری ہوئی ہڈیوں اور زرد پڑتی رنگت کے ساتھ وہ اپنا بھرم رکھنے میں بھی ناکام تھی، جہان کی جیسے آنکھیں جل اٹھیں۔

(تو کیا تم انکشافات کی زد پہ ہو زینب؟ اور خود کو سنبھال نہیں پا رہی، کیا میری دعائیں بھی تمہاری راہوں کے کانٹوں کو نہیں چن سکیں۔)

”دھیان سے ہے ابھی ایک کیٹیڈنٹ ہو جاتا۔“ گاڑی کے ٹائر ڈور سے چرچرائے اور ایک زور دار جھٹکا لگا تھا، یہ ہمارا جہان کی تھی ہوئی توجہ اور پراگندہ ذہن کا شاخسانہ تھا۔

”آپ اتنے خاموش کیوں ہیں بے؟ من پسند ہم سفر کی رفاقت کا خیال تو بہت دلقریب ہوتا ہے۔“ وہ پھر سیدھی ہو بیٹھی تھی، جہان نے اس بات کے جواب میں ایک چیخی ہوئی سانس بھری تھی پھر خود کو کس قدر سنبھال کر بولا تھا۔

”مجھے تو تم بھی خوش نہیں لگ رہی، تم نے بھی تو اپنی مرضی سے شادی کی تھی۔“

”طلعت دے رہے ہیں بے؟ حالانکہ نہ آپ نے یہ کام بھی کیا تھا، نہ آپ پہ یہ چٹا ہے۔“ وہ گہرے دکھ کے حصار میں گہر کر زخمی انداز میں مسکرائی جہان نے سرد آہ بھری تھی۔

”میں وہ بات کر رہا ہوں زینب جو میں نے محسوس کی۔“ اس نے سادگی سے وضاحت کی تو

زینب کے چہرے پہ ایک رنگ آ کر گزر گیا تھا، جہان نے بھی اس کی خاموشی کے بعد کچھ نہیں کہا، زینب کو دیکھ کر اس طرح بانی سب کو بھی دھچکا لگا تھا، جہان اسے سب کے بیچ چھوڑ کر خود واپس آفس آ گیا، ابھی فائل کھول رہا تھا جب اس کا تیل گھٹانے لگا تھا، نمبر مسز آفریدی کا تھا، جہان نے تیل کو سائلیٹ پہ لگا کر دراز میں ڈال دیا اور اپنے کام میں مشغول ہوا تھا، مگر زینب کا سنا ہوا چہرہ بار بار اس کو ڈسٹرب کرتا رہا، رات کو وہ گھر لوٹا تو شاہ ہاؤس کے دروازے سے قہقہے پھوٹ رہے تھے، وہ سب ہال میں جمع تھے اور ہنسی مذاق جاری تھا۔

”معاذ کہاں ہے؟“ زیاد نے اس کا ہاتھ پکڑ کر زبردستی اپنے مقابل بٹھایا تو جہان نے فوری طور پہ اس کی کمی کو محسوس کیا تھا۔

”ہا سہیل میں ہی ہیں، مجھے خصوصی رعایت دی ہے کہ شادی کے ہنگاموں میں بھرپور حصہ لوں۔“ زیاد کی وضاحت پہ جہان نے کچھ کہے بغیر تیل فون نکال لیا تھا اور اس کا نمبر ڈائل کیا۔

”تم ابھی تک گھر کیوں نہیں پہنچے ہو معاذ؟“ رابطہ بحال ہونے پہ اس نے کس قدر حلقی سے کہا تھا۔

”سوری ہے مجھے اعزاز ہے میرے پار کی شادی ہے مگر کچھ ضروری کام تھا۔“

”پرینیاں بھی کچھ اداں لگتی ہے، پھر کوئی بات ہوگی ہے نام دونوں کے بیچ؟“ وہ سب کے درمیان سے اٹھ کر باہر آ گیا تھا۔

”میری جان ہماری فکر چھوڑو، ہم پرانے ہو گئے ہیں۔“ وہ صاف اسے ٹال رہا تھا مگر جہان ٹکا نہیں تھا۔

”تم سمجھتے ہو معاذ اسی طرح مجھ سے کچھ چھپا لو گے؟“

”میں کچھ نہیں چھپا رہا ہوں، پرینیاں کی طبیعت ان دنوں اپ سیٹ ہے، وہ اداں نہیں اس پر پیکٹسی سے کچھ گھبراہٹ کا شکار ہے یار۔“ معاذ عاجز ہو کر یہ کہہ رہا تھا، جہان نے ہنکارا بھرا۔

”تمہیں ان کا خیال زیادہ رکھنا چاہیے مگر تم ہا سہیل کو زیادہ پیارے ہوتے جا رہے ہو، فوری گھر آؤ۔“

”جو حکم می لارڈ۔“ معاذ نے ہنستے ہوئے فرمانبرداری سے کہا تو جہان نے فون بند کر دیا تھا، واپس اندر جانے کو مڑا تو زینب کو کھڑے پا کر خود کو سنبھال کر زری سے مسکرایا۔

”ڈالے سے بات کر رہے تھے؟ میں نے آپ سے کہا بھی تھا میری بات کرا دیجئے۔“ اس کے سوال نے جہان کی مسکراہٹ کو یوں بوجھ لیا تھا۔

”معاذ تھا فون پہ۔“

”چھپا رہے ہیں مجھ سے؟“ زینب نے اسے مشکوک نظروں سے دیکھا تو جہان نے گہرا سانس بھرا تھا۔

”شاید آپ ڈالے سے میری بات نہیں کرانا چاہتے، خیر اسے میری طرف سے کہہ دیجئے کہ وہ بے حد لگی ہے، ہر لحاظ سے۔“ اپنی بات کہہ کر وہ رکی نہیں گئی جہان ششدر سا کھڑا رہ گیا۔

☆☆☆

”مما بتا رہی تھیں کہ تم اپنی ڈائٹ پہ توجہ دیتی ہو نہ ہی میڈیسن باقاعدگی سے لیتی ہو، آخر مسئلہ کیا

ہے تمہارے ساتھ؟“

معاذ کمرے میں آیا تو پرینیاں ڈریسنگ ٹیبل کے آگے کھڑی ہاتھوں پہ لوشن کا مساج کر رہی تھی، بلکہ گلابی سوٹ میں اس کے تازہ قسمو کیے بال پشت پہ سیدھے گر رہے تھے، لمبی پلکوں کا مرتش سایہ صلیج گالوں پہ لرزتا تھا، پرل کے ٹاپس اس کے چہرے کو انوکھی سی کشش دے رہے تھے، ماں بننے کے مرتلے میں داخل ہوتے ہی اس کی خوبصورتی میں کچھ اور بھی اضافہ ہوتا جا رہا تھا گویا۔

”میں دیواروں سے نہیں تم سے مخاطب ہوں۔“ اس کی بات کو یکسر نظر انداز کیے وہ سونے کی چوڑیاں اتار اتار کر ڈریسنگ ٹیبل پہ رکھنے لگی تو معاذ توہین کے احساس سے سلگتا ہوا اس کے قریب آ کر کونکے کی طرح سے ہنستا۔

”بے معنی اور فضول باتوں کے جواب نہیں ہوتے میرے پاس۔“ اس کا انداز آگ لگا دینے والا تھا، معاذ کا دماغ الٹ سا گیا۔

”تم خود کو آخر سمجھتی کیا ہو؟ میں جتنا جھک رہا ہوں تم اکثرتی جا رہی ہو۔“ وہ چیخ پڑا تھا۔

”تو نہ جھکیں، کس نے کہا ہے اپنی اکثر توڑنے کو، آپ کو میری ڈائٹ کی اگر پردا ہے تو وجہ آپ کا بچہ ہے، ورنہ اس سے قبل تک آپ اس فکر میں کبھی ہلکان نظر نہیں آئے تھے۔“ پرینیاں کا ملا متی انداز معاذ کو گہرا سانس بھر کے اسے عاجزانہ انداز میں دیکھنے پہ مجبور کر گیا تھا۔

”میرا بچہ تمہارا کچھ نہیں لگتا پرینیاں؟“ وہ جیسے بے حد تھکا ہوا نظر آ رہا تھا۔

”فنی الحال میں اس کے لئے کوئی ٹیسٹنگو محسوس نہیں کرتی۔“ اس کا لہجہ دائرہ خشک تھا ترخا ہوا جو معاذ کو ششدر کر کے رکھ گیا تھا۔

”تمہاری نفرت مجھ سے ہے پرینیاں، یہ بچہ جیسی بھی صورت حال کا پیدوار ہے مگر یہ مت بھولو کہ ہمارا جائز بچہ ہے اور صرف یہی نہیں میں تمہیں اس کی کوئی حق تکلیف نہیں کرنے دوں گا۔“ انگلی اٹھا کر تنبیہی انداز میں جنتا تا ہوا وہ یکسر بد لے ہوئے انداز میں ہنکارا تو پرینیاں کے ہونٹوں پہ زہر خند پھیل گیا تھا۔

”اتنی جلدی اپنی اصلیت ظاہر کر دی آپ نے؟ گڈ مگر ایک بات دھیان میں رکھیے گا معاذ حسن کہ ابھی آپ کا بچہ میرے پاس ہے اور میرے رحم و کرم پہ بھی، آپ چاہنے کے باوجود بھی مجھے اپنے اشاروں پہ نہیں چلا سکتے۔“

پتہ نہیں غصے اور نفرت کی یہ کون سی کیفیت تھی کہ وہ اتنی کڑی بات کہہ گئی تھی، جس نے اگلے کئی لمحوں کے لئے معاذ کو حق دق کر دیا تھا۔

”بہت اچھا کیا کہ تم نے بھی مجھے اپنی پہچان کرا دی، ورنہ میں شاید کسی غلط فہمی کا شکار رہتا، نہایت انوسوں کے ساتھ مجھے یہ کہنا پڑ رہا ہے آج کہ میں ان جذبوں پہ اس قربت پہ شرمندہ ہوں جو میں نے تمہارے لئے محسوس کیے جو تمہارے سنگ کسی بھول میں گزارے، کاش یہ آگاہی مجھے پہلے حل گئی ہوتی تو میں تم جیسی گمراہ اور سفاک عورت پہ تھوکتا بھی پسند نہیں کرتا۔“ اس کے غصے کے آگے وہ بھی بھڑ گیا تھا، بات بڑی تھی، الفاظ کڑے تھے، معاذ کے بعد سکتے میں آنے اور رنج سے صدمے سے دوچار ہونے کی پرینیاں کی باری تھی، وہ فق چہرے کے ساتھ پتھرائی ہوئی سی صوفی پہ گری گئی، اسے لگا تھا اس کے زخموں کے پھر سے ناکے تڑتڑ کر کے ٹوٹے ہوں اور زخموں کے منہ کھل گئے ہوں، بے آواز بہتے آنسوؤں کے

ساتھ وہ ہاتھوں میں چہرا چھپا کر صوفیہ بی بی لیٹ گئی تھی۔

”آج سے تم بیٹھو سوؤ گی اس وقت تک جب تک میرا بچہ جنم نہیں لیتا، اس کے بعد تم بھاڑ میں بھی جاؤ تو مجھے پروا نہیں ہوگی، تمہارے ایٹنی ٹیوڈ نے بارہا مجھے جنگا دیا کہ تمہیں مجھ سے نفرت ہے، مگر اس کے باوجود تمہیں مجھے برداشت کرنا ہے تو وجہ تم سمجھ سکتی ہو۔“ معاذ نے اسے بازو سے پکڑ کر بیٹھنے پر شیخ دیا تھا، وہ سانس روکے اسے دیکھنے لگی، ایک بار پھر وہ خوفناک موڈ میں تھا، ایسا موڈ جس سے ماما بھی خائف رہا کرتی تھیں، اس میں اتنی بھی ہمت نہیں رہی تھی کہ اٹھ کر اپنا دوپٹہ اٹھا لیتی، جو وہاں صوفیہ کے پاس ہی گر گیا تھا، اس نے کروٹ بدل لی اور اپنی سسکیوں کا گلا گھونٹنے کو منہ پہ تکیہ رکھ لیا تھا، یونہی روتے پتے نہیں کب اس کی آنکھ لگی۔

☆☆☆

یہ ماما کا شدید ترین وباؤ تھا کہ اور کچھ نہیں کم از کم وہ رونمائی گفت ضرور اپنی پسند سے خریدے، باقی ہر کام کی طرح وہ یہاں بھی شخص طفل تسلیوں سے کام چلا لیتا مگر پچھلے ایک ہفتے سے وہ اس کی آنس واپسی پہ جب باقاعدگی سے اپنا سوال دہرا کر گفت کے متعلق پوچھتیں تو جہان کو ہر بار شرمندہ ہونا پڑتا، وہ ان کی خاطر یہ کام کر بھی لیتا مگر بات یادداشت کی بھی تھی جو ہر بار دعا دے جاتی، کل رات بھی اس نے سخت زورہ انداز میں ان سے سوری کی تھی۔

”رنگی چچی جان مجھے واقعی یاد نہیں رہا، آفس کے کاموں میں لگ کر بھول جاتا ہوں۔“

”انسان ہمیشہ اسی کام کو بھولتا ہے جہاں کے نزدیک غیر اہم ہو، اب آگے تم خود سمجھ وار ہو۔“ معاذ جو اس وقت وہیں تھا، کسی قدر شجیدگی اور سمانت سے بولا تھا، جہان کی خجالت میں گراں قدر اضافہ ہو کر رہ گیا۔

”چلو خیر سے بیٹے! میں ایسا کروں گی کل آپ کو فون کر کے یاد کروادوں گی۔“ ماما سے جہان کی سخت دیکھی نہیں گئی تھی، جیسی انہوں نے نارل سے انداز میں کہہ کر بات ختم کر دی اور آج جب وہ آفس سے اٹھ رہا تھا صرف ماما کی ہی یاد دہانی کی کال نہیں آئی تھی، معاذ نے بھی اسے فون کیا تھا۔

”جے آج لازمی مال چلے جانے یا ورنہ ماما کے ہاتھوں تیری خیر نہیں، دیکھ مجھے کتنا خیال ہے تیرا، یاد دلا دیا۔“ وہ چہرے پر کہہ رہا تھا۔

(یہ سارا پراس جس کی وجہ سے ہے وہی میرے لئے غیر اہم ہے معاذ! کہاں کہاں پہ کیا کچھ یاد کراؤ گے؟) اس کے بعد گھنٹی اترنے لگی۔

”ابھی سے اپنی شادی کی رات میں کھو گئے، یار پہلے گفت خرید تو لے پھر دیکھنا خواب۔“ معاذ کی کھنک دار شوخ آواز پہ جہان کے ہونٹوں پہ زہر خند پھیل گیا تھا۔

(اگر میرے بس میں ہوتا تو یہ رات بھی نہ آنے دیتا مگر.....)

”تم آج نہ معاذ میری ہیلب کو، قسم سے مجھے بالکل کچھ سمجھ نہیں آ رہی۔“ وہ بے حد اکٹھاٹ آمیز بے زاری سے کہہ رہا تھا، جو اب معاذ نے صاف ہری جھنڈی دکھا دی۔

”نہ جی میں تو بے حد مصروف ہوں ہسپتال میں، ماما نے بھابھی کی خدمت کی آفر کی تو تمہیں مگر تم۔“

”چلو ٹھیک ہے پھر خدا حافظ۔“ جہان نے بے اعتنائی سے کہہ کر سلسلہ منتقل کر دیا تھا، اسی بے دلی

اور بے زاری کی کیفیت میں وہ شاپنگ آرکیڈ میں آیا تھا، جیولرز کی بڑی بڑی جگمگاتی شاہس میں جن میں سے وہ ایک کا گلاس ڈور وٹھیل کر اندر داخل ہو گیا تھا، وہ کچھ بے خیال تھا یا پھر ماحول سے اتنا غافل کہ فوری طور پہ سزا آفریدی کے ساتھ موجود ڈالے اسے نظر نہ آسکی، اس کی نگاہ سرسری انداز میں اٹھی تھی اگلے لمحے وہ اس زاویے پہ ساکن رہ گیا، آتشی گلابی بے حد اسٹاکش لباس میں ملبوس بڑے سارے دوپٹے کو سلپتے سے اوڑھے وہ ہی تھی، اپنی تمام تر جاڈہیت دلکشی اور جگر لینے والی خوبصورتی سمیت، سزا آفریدی نے اپنے ہاتھ میں موجود سرخ یا قوت سے سے اس ٹیکے کو اس کی دکتی ہوئی پیشانی پہ لگا کر سٹاکشی نظروں سے دیکھا تھا جبکہ وہ ان کے اشارے پہ آئینے کی سمت متوجہ ہوئی تو انداز میں ہی نہیں چہرے و آنکھوں میں بھی حجاب اور شرم کا اتنا خوبصورت احساس تھا کہ جہان بھی نگاہ نہیں ہٹا سکا تھا، دونوں نے شاید اسے نہیں دیکھا تھا مگر اسی پل وہ آئینے میں انہیں نظر آ گیا، ڈالے تو اسے رو رو پا کے پہلے غیر یقینی سے ساکن ہوئی تھی پھر اس کے چہرے پہ شرمیلیں تاثر ابھرا تھا اس کے بعد وہ جانے کس احساس کے تحت کچھ خائف نظر آنے لگی تھی۔

”السلام علیکم! کیسے ہو بیٹے آپ، ایسی بھی کیا ناراضی کہ آپ ہمیں دیکھ لینے کے باوجود.....“

”اس کی وجہ مجھ سے پوچھنے کی ضرورت نہیں پیش چاہیے تھی آپ کو آئی تھنک۔“ خلاف مزاج وہ طنز یہ ٹون میں بولا تھا۔

”ہم یہاں شاپنگ کے لئے آئے ہیں، غالباً آپ بھی۔“ سزا آفریدی نے ایک نظر ڈالے کے پھلکے سے زرد بڑے چہرے کو دیکھ کر پھر سے خوش اخلاقی کا دامن تھاما اور چالپوسی کا بھی۔

”میں تھل نہیں ہو رہا آپ اپنا کام کر سکتی ہیں۔“ وہ رکھائی اور بے اعتنائی کا اعلیٰ مظاہرہ کرتا ہوا نخواست بھرے انداز میں پلٹ کر شاپ کا دروازہ کھول کر باہر نکل گیا، ڈالے کی ٹانگیں بے جان سی ہو گئیں، وہ بے دم سے انداز میں جا کر صوفیہ پہ گری گئی، جب سزا آفریدی سے زبردستی یہاں لا رہی تھیں تو وہ اس وعدے کے ساتھ آنے پہ آمادہ ہوئی تھی کہ وہ جہانگیر یا پھر اس کی بیٹی کو اس بات کی ہوا بھی نہیں لگنے دیں گی، سزا آفریدی کہاں اس کی سننے والی تھیں وہ تو بات اہم یہ تھی کہ جہان نے ہی ان کی ہر کال انکور کر دی تھی، مجبوراً انہیں دل پہ پتھر رکھنا پڑا تھا، مگر یوں غیر متوجع طور پہ جہان کو سامنے دیکھ کر وہ ڈھنگ سے خوشی بھی نہیں ہو پائی تھیں کہ۔۔۔ بلکہ ان کے خیال میں تو وہ ڈالے کے سامنے انہیں ڈھیل کر کے جا چکا تھا۔

”کیا ہو گیا ہے سزا آفریدی خود کو سنبھالو بیٹا، میں قسم کھا سکتی ہوں کہ سبھی جہانگیر سبھی تمہیں پوری عزت اور احترام سے نوازے گا، معافی مانگنے کا تم سے اپنے رویے کی۔“ وہ بڑے بڑے دھوے کر رہی تھیں، مگر ڈالے جیسے نے بغیر آنسو بہائی رہی۔

”آپ نے اچھا نہیں کیا می، آپ نے بالکل اچھا نہیں کیا، کاش اے کاش اس شرمندگی سے خدا مجھے بچالے، شادی سے پہلے موت آ جائے مجھے۔“ وہ پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی تھی، سزا آفریدی کے دل پہ جیسے کسی نے مٹھراب وے مارا تھا، انہوں نے نرٹپ کر اسے اپنے سینے سے لگا لیا۔

”کیسی باتیں کر رہی ہو بیٹی، خدا سے رحم مانگو، میں نے کہا نا سب ٹھیک ہو جائے گا۔“ وہ اس کے آنسو پونچھ کر ہولتے ہوئے کہہ رہی تھیں، وہ شاپنگ ادھوری چھوڑ کر اسے لے کر گاڑی میں آ بیٹھی تھیں۔

”میں نہیں برداشت کر سکتی می، کاش آپ نے میرے ساتھ یہ ظلم نہ کیا ہوتا۔“
 ”یہ ظلم نہیں ہے، پاگل ہو بالکل تم۔“ مسز آفریدی پہ جھنجھلاہٹ سوار ہونے لگی، مگر ڈالے ان کی سے
 بغیر روئے جاری تھی۔

☆☆☆

وہ ہاسپٹل میں تھا جب اسے بھابھی کی کال آئی تھی کہ پریناں میٹریوں سے پھسل کر گر گئی سے
 بھابھی نے اسے قریبی ہاسپٹل کا نام بتا کر عجلت میں وہاں پہنچنے کا کہا تھا، ان کے لہجے میں جتنی پریشانی تھی
 معاذ کے اسی لحاظ سے ہاتھ پیر پھولے تھے، سائیں سائیں کرتے ذہن کے ساتھ وہ بے حد مضطرب اور
 وحشت زدہ سا ہاسپٹل پہنچا تھا، جہاں اسے ہاسپٹل کے احاطے میں ہی مل گیا، وہ اس قدر خوفزدہ ہو چکا
 کہ اس سے کچھ پوچھنے کا جوصل نہیں کر سکا بس متوحش اور بے حد فکر مند آنکھوں سے اسے دیکھا تھا۔
 ”ریلیکس معاذ! خدا کا شکر ہے، سب خیریت گزری۔“ جہان نے اس کی کیفیت کے زیر اثر اسے
 گلے کا کر تلی سے نوازا تھا۔

”بچہ..... ب..... بے بچے کو کوئی نقصان؟“

”ٹھیک اٹ ایزی معاذ! سب ٹھیک ہے پریناں کا پیر میٹریوں سے سلیپ ہو گیا تھا، بھابھی گھبرا
 زیادہ گئی تھیں جیسی تمہیں کال کی، ورنہ پریشانی کی بات نہیں تھی۔“
 ”تم سچ کہہ رہے ہوتا ہے؟“ وہ ابھی تک خوف کے حصار میں تھا، جہان نے مسکرا کر رسانیت
 بھرے انداز میں اس کا اندھا تھا۔

”تم مل لو پریناں سے، وہ بالکل ٹھیک ہیں۔“ جہان اس کا ہاتھ پکڑ کر ڈاکٹر کے آفس میں لے کر آیا
 جہاں ماما پریناں کو تھامے باہر ہی آ رہی تھیں۔

”پریشانی نہیں ہونا بیٹے! اللہ نے کرم کیا ہے اپنا۔“ ماما سے دیکھ کر مسکرائی تھیں، معاذ نے پریناں کو
 دیکھا وہ جھکے سر کے ساتھ کچھ ٹڈھال سی کھڑی تھی، معاذ جہاں ریلیکس ہوا تھا وہاں اس کی آنکھیں سنگ
 اٹھی تھیں غصے سے۔

”جی بلاشبہ خدا کا ہی کرم ہے، ورنہ لوگوں نے اپنی طرف سے تو کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔“ اس کا
 کاٹ دار لہجہ اتنا دم تھا کہ نزدیک ہونے کے باعث پریناں ہی با مشکل سن پائی اور جیسے سخت احتجاجی
 نظروں سے اسے دیکھا تھا، معاذ کی نظروں میں ملامت اور غم کے سوا کچھ نہیں تھا۔

”میں تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ تم میری نفرت میں اس حد تک گرجاؤ گی، اپنی طرف سے تو کوئی
 کسر نہیں چھوڑی تم نے، ہے نا؟“ معاذ کو جیسے ہی کمرے میں اس کے ساتھ تنہائی میسر آئی وہ اس پہ چڑھ
 دوڑا تھا، اس سراسر الزام پہ پریناں کے اندر غضب کا احتجاج اٹھا تھا۔

”دس از تو بچ، میں نے ایسا نہیں کیا سمجھے آپ، میرا پیر پھسلا تھا اور میں ایسا کیوں کروں گی؟“ وہ
 روپانسی ہو گئی تھی وضاحت دیتے ہوئے مگر معاذ بدگمانی کی اس انتہا پہ جا پہنچا تھا جہاں سے شاید واپسی ممکن
 نہیں رہی تھی۔

”تم کیا سمجھتی ہو تم اپنی صفائی پیش کرو گی اور میں مان لوں گا، اتنا حق سمجھ رکھا ہے؟ اور کیوں کرو
 گی؟ یہ مجھ سے پوچھتی ہو؟ اونہہ تمہاری نفرت اس کا جواز ہے۔“ ایک ایک لفظ چبا کر ادا کرتے اس کی

آنکھوں کی پیش بڑھتی جا رہی تھی، پریناں اس درجہ شک برداشت نہیں کر سکتی تھی جیسی بے ساختہ رو پڑی۔
 ”مجھے کوئی ضرورت نہیں تھی اتنا گھٹیا کام کرنے کی، نہ میں اتنی ظالم ہوں کہ اپنے بچے کے ساتھ یہ
 سلوک کروں۔“

”افوہ اتنا تضاد؟ کہاں آپ کی اس کے لئے کوئی فیملنگ نہیں تھیں اور..... اچھی طرح سوچ لیں محترمہ
 آپ کے آخری الفاظ میں کس حد تک صداقت ہے، اس بچے سے واقعی آپ کا کوئی تعلق یا رشتہ ہے؟“
 ادھر ادھر چکراتے ہوئے وہ مشتعل سا پھنکار پھنکار کر کہہ رہا تھا، پریناں کا چہرہ متغیر ہو کر رہ گیا، طیش اور
 غصے میں کئی باتیں اس کے لئے مجاز نے یوں سنبھال کر رکھ لی ہوں گی یا وہ اتنا بدگمان ہو جائے گا تب
 اگر اسے ذرا سا بھی اندازہ ہوتا تو وہ منہ سے ایسی بات نکالنے سے قبل سو بار سوچتی۔

”ہو گئی نابولتی بند، سچی بات انسان کو یونہی ہونتی بنا دیا کرتی ہے۔“ اس کی خاموشی کو نشانہ بنا کر وہ
 پھر اس پہ طنز کے تیر چلانے لگا، پریناں اتنی عاجز ہوئی تھی کہ بے ساختہ چیخ

”مجھے اپنی صفائیاں پیش نہیں کرنی، آپ کا جو دل چاہتا ہے سوچیں۔“ الفاظ کے برعکس اس کی
 آنکھوں سے بے بسی کے مظہر آنسو ٹوٹ ٹوٹ کر گرتے رہے، معاذ کے ہونٹوں پہ مسخر سے بھری
 مسکراہٹ بکھر گئی۔

”بتلانے کی ضرورت نہیں ہے، میں تمہاری ہٹ دھرمی سے اچھی طرح آگاہ ہوں۔“ پریناں نے
 اب کے جواب نہیں دیا تھا، ٹکے میں چھپائے گھٹ گھٹ کر روئے لگی تھی۔

☆☆☆

وہ اپنے کمرے میں مفید سگریٹ کا دھواں اڑا رہا تھا، جب زیادہ آ کر زبردستی اسے ساتھ گھسیٹ کر
 لے گیا۔

”وہاں جو محفل بھی ہوئی ہے نا وہ آپ کے ہی اعزاز میں ہے جناب! اس میں کچھ تو حصہ اور گراما
 گری آپ کو بھی شامل کرنی چاہیے۔“

”یہ خالصتاً خواتین کی محفلیں ہوتی ہیں یار، میں کیا کروں گا؟“ جہان نے جان چھڑانا چاہی تھی، مگر
 وہ کہاں تھا اتنی آسانی سے چھوڑنے والا۔

”لاالے کی شادی یاد ہے، پتہ ہے اتنی یادگار کیو ہوئی کہ دو لہا صاحب خود سب سے زیادہ پر جوش
 تھے، ایسی محفل جمانے تھے کہ مزا آ جاتا تھا۔“

”وہ معاذ تھا، نیز ایسا مزاج نہیں ہے سنا۔“ اس کے پاس لاکھوں عذر تھے۔

”افوہ آپ لالے کی طرح گانے نہ سنا بیٹے گا، گانے ہم خود گالیں گے، آپ بس ہمیں جوائن کریں
 بھائی۔“ اور وہ مزید انکار نہیں کر سکا، وہ سب اس کے اپنے تھے، بے حد پیارے، وہ ان کے دل نہیں توڑ
 سکتا تھا، انہی کی خاطر تو اس نے زہر کا یہ گھونٹ چا تھا، ورنہ شاید مسز آفریدی تو قیامت تک بھی اسے مجبور
 نہ کر سکتیں۔

”بھابھی آپ چائے بنا لائیں، آج میں گانا سنانا ہوں اور یہ جہان بھائی کی طرف سے ڈالے
 بھابھی کو ڈیڑی کیٹ ہو گا اور میری طرف سے نور یہ کو۔“ زیادہ نے آخر میں دانت نکال کر لوریہ کو دیکھا جو
 وہاں موجود تھی مگر بے حد ریز روڈ نظر آتی تھی۔

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ تمام پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ہیں :-

- ✧ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✧ ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور ریڈیو امیل لنک
- ✧ ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ✧ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ✧ ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور ریڈیو امیل لنک
- ✧ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پر یو ہر پوسٹ کے ساتھ
- ✧ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ✧ سائزوں میں اپلوڈنگ
- ✧ نیریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کیریڈ کوالٹی
- ✧ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل رینج
- ✧ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل رینج
- ✧ ہر کتاب کا الگ سیشن
- ✧ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ✧ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں
- ✧ ایڈ فری لنکس، لنکس کو ایسے کمانے کے لئے شریک نہیں کیا جاتا

We Are Anti Waiting WebSite

• واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب فورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

➔ ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

➔ ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library For Pakistan

Like us on Facebook

fb.com/paksociety



twitter.com/paksociety1

”انہو اک تیرے دو شکار، تمہارا کیا بنے گا لڑکے۔“ نماز نے اٹھار افسوس کیا، زیاد تر بے بنے گیا تھا۔
”لالے آپ کی طرح میرے پاس گانوں کا اشاک نہیں ہے، سو گزارا تو کرتا پڑے گا۔“ پھر ان باتوں کے بعد وہ باقاعدہ سراڑانے لگا تھا۔

دل تیرے بن کہیں لگتا نہیں وقت گزرتا نہیں
کیا بھی پیار ہے، کیا بھی پیار ہے
پہلے میں سمجھا کچھ اور وہ ہے ان باتوں کی
لیکن اب جانا کہاں نیند گئی میری راتوں کی
جاتی رہتی ہوں میں بھی چاند دکھتا نہیں
دل تیرے بن کہیں لگتا نہیں وقت گزرتا نہیں

جہان کی نظر نے خیالی و بے خودی کی کیفیت میں اٹھی تھی، زینب گم سم بیٹھی تھی، ویران اور بڑبڑوہ جہان نے جلتی ہوئی آنکھوں کا رخ پھیرا تو اسی وقت زینب نے اسے دیکھا تھا، زیاں کے اسی دل گداز احساس سمیت۔

زیادہ کے الفاظ اس کے اپنے دل کے عکاس بن گئے تھے، وہ اتنا گھبرائی کہ یکفخت اٹھ کر کھڑی ہو گئی جہان نے ہی سب سے پہلے چونک کر اسے دیکھا تھا، اس کی آنکھوں میں آنسو چمک رہے تھے۔

”کیا ہوا زینب؟“ پر زیاں نے اس کا سر دھڑکا ہاتھ تھام کر تشویش سے اسے دیکھا تھا۔
”میری طبیعت خراب ہو رہی ہے پری، شاید یہاں ٹھن بہت زیادہ ہے۔“
وہ اگلے لمحے اس سے ہاتھ چھڑا کر باہر نکل گئی تھی، پر زیاں کے علاوہ شاید کسی نے بھی اس کے اس طرح اٹھ کر جانے کو محسوس بھی نہیں کیا، پر زیاں اس کے پیچھے چلی گئی، جہان سے بھی وہاں بیٹھا نہیں گیا تھا۔

”میں بہت تھک گئی ہوں پری، بہت زیادہ، سب سے بڑی اذیت میرے لئے یہ ہے کہ یہ عذاب مسلسل میں نے خود اپنے لئے چنا ہے، مجھے بتاؤ کیا مجھے اس اپنی ہی بھڑکانی آگ میں چپ چاپ خود کو جلتے رہنے دینا چاہیے؟“

جہان برآمدے کی بیڑھیاں اترتے ہوئے وہیں ٹھٹھک گیا تھا، زینب پر زیاں کے گلے سے لگی زانو تظار رو رہی تھی، جہان کو لگا تھا وہ اسی جگہ پہ پتھر کا ہو گیا ہو۔

”کوئی بھی میرے نقصان سے آگاہ نہیں ہے، وہ نقصان جو میں نے کسی اس اور امید کے جگنوؤں کو اپنی مٹیوں میں قید کر کے بہت زعم سے کرنا چاہا تھا کہ مجھے عین وقت پہ بجالیا جائے گا مگر ایسا نہیں ہوا جس سے اس کی امید تھی، غلط گئی پھر مجھے لٹنے سے، ڈوبنے سے کون بچاتا۔“

(جاری ہے)

فر آفریدی جہان پر ڈالو

امیرم

اٹھائیسویں قسط کا خلاصہ

سزا آفریدی جہان پر ڈالنے کے حوالے سے ریکم قسم کے الزام لگا کر ایک بار پھر اسے گھیرنا چاہتی ہیں تاکہ وہ رخصتی پر آمادہ ہو جائے، ان کے یہ انداز و اطوار جہان کی صرف نفرت کو بڑھا دیتے ہیں سزا آفریدی ہار نہیں مانتیں اور سپا کے ذریعے ایک بار پھر اپنا مطلب نکالتی ہیں، جہان ہمیشہ کی طرح ان کے آگے بے بس ہو جاتا ہے۔

انگلینڈ میں معاذ پر نیاں کو ثنا سے ملواتا ہے، پر نیاں پہلی بار خوشی کے احساس سے ہمکنار ہوتی ہے مگر شاہ یہ انکشاف کر کے کہ وہ پریگنٹ ہے پر نیاں کو کم صدم کر دیتی ہے۔

زندہ، تیمور کی حویلی میں شدید ترین آزمائش سہ زری تھی، جسمانی، روحانی اور ذہنی آزمائش مگر اس نے ہر اذیت کو خود پسہنے کا عہد، جسے خود سے باندھا تھا جیسی شاہ ہاؤس کے مکینوں تک اس کی اذیت کی خبر نہیں پہنچی، مگر جہان لاشعوری طور پر بے قرار ہے۔

پر نیاں کی پریگنٹ کی خبر شاہ ہاؤس کے ہر مکین معاذ سمیت کو خوشگوار عطا کرتی ہے مگر پر نیاں معاذ کے رویے کی بدولت اپنا مستقبل غیر محفوظ خیال کرتے اسی خوشی پر خوشی نہیں۔

اب آپ آگے پڑھیے

اٹھائیسویں قسط



جہان وہیں سے اپنے قدموں پلٹ گیا تھا، اس کے اعصاب شکستہ اور دل بے انتہا بوجھل ہو گیا تھا، آنکھوں میں جو سرخی اتری تھی اس کے ساتھ وہ خود کو اس قابل نہیں پاتا تھا کہ سب کے درمیان بیٹھ سکے، ان سوالوں کے جواب وہ نہیں دے سکتا تھا۔

”مجھے سمجھ نہیں آرہی ہے زہنی میں آپ کو کیسے حوصلہ دوں، ہم قسمت کے ہاتھوں کو یا کچھ پتلیاں ہیں، تقدیر کے فیصلوں کے آگے سرگوں۔“ پر نیاں کے لہجے میں کرب اور اذیت کی آمیزش تھی، زہن نے آہستگی سے اپنے بھیکے گال رگڑ کر خشک کر ڈالے۔

”آئی ایم ساری پر نیاں میں نے تمہیں بھی ادا اس کر دیا۔“ زہن کو جیسے ہی احساس ہوا تھا اس نے بہت سرعت سے خود کو سنبھالنے کی سعی کی تھی۔

”ڈونٹ وری، اس اداسی کی فکر نہ کریں، کچھ لوگوں کے نصیب میں ازل سے اداسیاں اور تھکنیاں درج ہو چکی ہیں۔“ پر نیاں کے یاسیت آمیز لہجے میں مایوسی کھلی ہوئی تھی، زہن نے حیران کن نظروں سے اسے دیکھا۔

”لالے سے تمہیں اب بھی شکایتیں ہیں پری؟“ پر نیاں کے ہونٹوں پہ زخمی مسکراہٹ کی جھلک نظر آئی۔

”اس ذکر کو چھوڑو زہن، آؤ اندر چلتے ہیں، مہما آپ کی غیر موجودگی سے زیادہ دیر غافل نہیں رہیں گی، انہیں ویسے بھی بہت پریشانی رہتی ہے آپ کی طرف سے۔“ زہن نے ٹھنڈا سانس بھرا اور اس کے ساتھ ہولی تھی۔

☆☆☆

”چاچو میرا خیال ہے کہ لاہور والے گھر میں ایک رات قیام کر لیا جائے، واپس اسی روز یہاں آنا مناسب نہیں ہے۔“

معاذ کسی کام سے پیما کے پاس آیا تو جہان پوری سنجیدگی کے ساتھ پیما کو قائل کرنے میں مصروف تھا، معاذ نے انڈی مسکان کے ساتھ اسے دیکھا تھا۔

”ڈونٹ یو وری جے، ہم جلدی رخصتی کرا لیں گے، رات کے پہلے حصے میں یہاں پہنچ جائیں گے، تم فکر کا ہے کو کرتے ہو؟ تمہاری گولڈن ٹائٹ ہرگز بھی مس نہیں ہوگی شہزادے۔“ اس کے برابر دھب سے بیٹھ کر وہ اس کے کان میں ہنس کر بھر پور خباثت سے بولا، جہان کی رنگت اس کی اس درجہ بیہودہ گوئی پہ نکت کے احساس سے سرخ پڑ گئی، اس نے بے حد ناراضی سے اسے دیکھا تھا۔

”اعتراض تو ہمیں کوئی نہیں ہے بیٹے مگر اتنے بار اتیوں کو کہاں ٹھہرائیں گے؟ پھر زیادہ تر لوگ یہاں کراچی کے ہیں، انہیں واپس اپنے گھروں کو جانا ہوگا۔“

”ہاں تو یہ ان لوگوں کا سرور ہے نا پیما ہمیں کیا لینا دینا، جے کی بات بالکل ٹھیک ہے، ساری رات تو سفر میں ہی گزر جائے گی، آپ لوگوں کو خود بھی خیال کرنا چاہیے۔“ اب کے معاذ نے پھر ٹانگ اڑائی تھی، جہان اتنا جھلایا کہ اب کی مرتبہ اسے گھورے بنا ہی ہونٹ حتی سے بھینچ لے۔

”تم کس طرح خوش نہیں ہو گے؟ ویسے میں نے جانا تم ایکٹنگ اچھی کر لیتے ہو، سب کے سامنے سنجیدہ اور بے زار بنتے ہو، حقیقت یہ ہے تمہاری، اف یہ بے تابا، چپکے چپکے پیما کو قائل کیا جا رہا ہے کہ

لاہور ہی رک جائیں۔“ پیما کے منظر سے ہٹتے ہی معاذ نے اسے آڑے ہاتھوں لیا، جہان جواب میں وضاحت کا ایک لفظ تک بولے کچھ دیر تک اسے خاموش اور سنجیدہ نظروں سے دیکھتا رہا تھا، پھر جیسے ہی اٹھ کر وہاں سے جانے لگا، معاذ نے بوکھلا کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا تھا۔

”کیا ہے جے؟ اب اتنی سی بات پہ خفا ہو گے؟“

”تم بتاؤ اگر تم ساری بات جانتے بوجھتے بھی مجھے اس طرح عاجز کرو گے تو کیا مجھے خفا ہونے کا بھی حق نہیں ہے؟“ وہ ضرورت سے زیادہ سنجیدہ ہو رہا تھا، معاذ نے گہرا اور طویل سانس کھینچا اور خود کو ڈھیلا چھوڑ دیا۔

”میرا چاچو سے یہ بات کرنے کا مقصد صرف یہ تھا کہ میں نہیں چاہتا، محترمہ کو دلہن بنانے پلین میں اور ائیر پورٹ پہ لے کر خوار ہوتے پھریں، انسان ایک تماشا بن کر رہ جاتا ہے گویا، میں نے بات کی تھی مہما جان اور چچی جان سے سزا فریدی کو صاف منع کر دیں، ڈالے کو دلہن بنانے سے، بس سادگی سے رخصتی ہونی چاہیے، مگر وہ ماننے کو تیار نہیں ہیں۔“ وہ سخت جھلاہٹ زدہ سا کہہ رہا تھا، معاذ نے ساری بات سنی اور گہرا سانس بھر لیا۔

”کہہ تو تم ٹھیک رہے ہو، مجھے خود یہ سب کچھ اگورڈ لگتا ہے۔“

”تو پھر قائل کرو نا مہما جان کو۔“ جہان نے تیزی سے کہا تو معاذ کی مسکراہٹ پھر سے اٹھ آئی۔

”پیما ہیں نا آپ کی منگی میں، بس ایک بار کہہ دیا سمجھو تمہارا کام ہو گیا۔“ اس کے پر یقین انداز پہ جہان کچھ جھینپ گیا تھا۔

”یہ کنڈیشن ہیں معاذ جو جینے کا آسرا بنایا ہے اللہ نے، ورنہ جو حالات تھے شاید....“

”اچھا اچھا، زیادہ جذباتی ہونے کی ضرورت نہیں، اللہ نے چاہا تو سب ٹھیک ہو جائے گا، ڈالے بھابھی مجھے تو بہت اچھی لگی ہیں، معصوم اور بے حد کیرنگ.... تم اچھی نہ سہی مگر کبھی تو میری بات سے اتفاق کرو گے، انشاء اللہ۔“

اس کے سخت کبیدہ تاثرات اور کچھ کہنے کو جو یقیناً اس کی تردید میں ہوتا جہان کو ہاتھ اٹھا کر ٹوکتے اسی نے بے حد یقین سے کہا تھا، جہان خاموش رہا تھا مگر انداز صاف جھلتا تھا اسے بہر حال معاذ کی بات سے سراسر اختلاف ہے۔

☆☆☆

میرے ہاتھ میں تیرا ہاتھ ہو
ساری منگیتیں میرے ساتھ ہوں
تو جو پاس ہو پھر کیا یہ جہاں
تیرے پیار میں ہو جاؤں فتا

وہ بستر پہ لیٹی ہوئی تھی جب کھلی کھڑکی سے آتی مغنیہ کی خوبصورت آواز نے اسے اپنے حصار میں جکڑ لیا، اس کا دل ایک دم کم صم ہو گیا تھا، وہ لپک کر بے قراری سے کھڑکی کے پاس آئی تو آواز کچھ اور بھی واضح اور صاف سنائی دینے لگی اور اس کا ذہن ان لمحات میں بھٹکنے لگا جب اس نے پہلی بار گانا یہ سنا تھا، کتنی بری طرح سے وہ تب یونیورسٹی سے واپس آیا جہاں کے پیچھے پڑی تھی کہ وہ اسے اپنی پسند کا گانا

سنائے اور وہ اس کے سامنے ہمیشہ کی طرح ہتھیار ڈال گیا تھا، ڈھیر ساری کیسٹوں میں سے اس نے ایک کیسٹ منتخب کر کے کیسٹ پلیئر میں لگا کے پلے کا بٹن دبا دیا تھا، گاڑی کی فضا میں میوزک کے ساتھ خوبصورت آواز کا سرگم بکھیرنے لگا۔

میرے ہاتھ میں تیرا ہاتھ ہو
ساری جنتیں میرے ساتھ ہوں
تو جو پاس ہو پھر کہا یہ جہاں
تیرے پیار میں ہو جاؤں فنا
میرے ہاتھ میں تیرا ہاتھ ہو
ساری جنتیں میرے ساتھ ہوں

تب جہان کے چہرے پہ جورنگ تھے جو کیفیت تھی، اس کے دیکھنے کے انداز میں جو بے خودی کا احساس چھلکا تھا تب محض تب چند لمحوں کو سہمی مگر زنب کو لگا تھا، جہان کی یہ ساری بے حد دلکش خواہشیں اسی سے وابستہ ہیں، مگر یہ محض چند لمحوں کی بات تھی، جہان پھر سے ویسا ہی تھا، بے نیاز، اجنبی اور غافل اور یہ اب وہ بھی تھی یہ احساس یہ کیفیت اس کے لئے نہیں کسی اور کے لئے تھی اور وہ کوئی اور نہیں رہی تھی اب اس کی زندگی کا حصہ بننے جا رہی تھی، اس کے ہونٹوں پہ پہلے زہر خند بکھرا پھر سبکیاں اتر آئی تھیں، وہ ایک بار پھر رو رہی تھی، اب بد نصیبی پہ اپنی بے مانگی پہ اپنے غلط فیصلے پہ۔

☆☆☆

جو گناہ میں نے کیا نہیں
مجھے اس سزا کا ملال تھا
میرا جرم مجھ کو بتا بھی دو
میرا معفوں سے سوال تھا
میں محبتوں کا امین تھا
میں اداس گھر کا تکین تھا
اسے نفرتوں پہ عبور تھا
مجھے چاہتوں پہ کمال تھا
میری کون سنتا تھا داستاں
میری ذات سے کہے اس تھا
میرے ہر طرف تھیں رقابتیں
میرے چاروں سمت ہی جال تھا
وہ بھی اپنی سوچ میں ٹھیک تھا
کہ یہ تھا میرا طرف اے دوستو!
مجھے لوٹ کر تھا وہ خوش بہت
میں بھی اس سے لٹ کے نہال تھا

ایک بار پھر شاہ ہاؤس میں روشنیوں، رنگوں اور خوشیوں کی برسات اتر آئی تھی، محض دو ماہ بعد ہونے والی اس شادی میں بھی کوئی کسر اٹھانہیں رکھی گئی تھی، آرائش، زیبائش میں پیسہ گویا پانی کی طرح بہا یا گیا تھا پورا شاہ ہاؤس دلہن کی طرح سے جگمگا رہا تھا، حالانکہ جہان کی یہ شدید خواہش تھی کہ سب کچھ سادگی سے ہو مگر اس معاملے میں تو اس کی پیانے بھی نہیں سنی تھی وہ محض گہرا سانس بھر کے رہ گیا تھا۔

آج مہندی کی تقریب تھی، مایوں وغیرہ سے جہان نے سرے سے منع کر دیا تھا، خواتین نے اپنے طور پر یہ رسم بھی منائی تھی مگر جہان شریک نہیں ہوا تھا مگر آج وہ کسی طرح بھی جان بخشی نہیں کراسکا، سب سے بڑھ کر تو معاذ سے جان چھڑانا مشکل تھا جس نے خود اپنے ہاتھوں سے اس کی ایک ایک تیاری کی تھی، مہندی کی تقریب کے لئے معاذ نے اس کے لئے آف ڈائیٹ شیر وانی بنوائی تھی جس کے گلے پہ دیکے اور سچے موتیوں کا اتنا شاد ار اور نفیس کام بنا ہوا تھا کہ نگاہ خیرہ ہوتی تھی مگر جب جہان نے اس لباس کو پہنا تھا تب صحیح معنوں میں گویا اسی کا حق ادا ہوا تھا، وہ باوقار تھا، شاد ار تھا مگر اس میں تو اس کی آن بان شان دیکھ کر یوں لگتا تھا جیسے کسی ریاست کا شہزادہ ہو، فریش شیو کی نیلا ہٹوں نے اس کے خوب رو چہرے کی تازگی اور نکھار میں کچھ اور بھی اضافہ کر دیا تھا، سنجیدگی سے لبریز آنکھوں میں کچھ ایسا سحر ایسی منطاطیت تھی کہ چکڑ لینے سحر کر دینے کی صلاحیت رکھتی تھیں، معاذ نے بے حد شوخ انداز میں اس پہ پرفیوم کی پھوار چھڑکی تھی پھر مسکراتے ہوئے اسے گلے لگا لیا تھا۔

”آئی وٹش کہ زندگی کا یہ نیا سفر تمہیں راس آ جائے ہے! خدا تمہیں اتنی خوشیاں دے کہ تمہارا دامن تنگ نہ بنے لگے۔“ معاذ نے اس کے گلے لگے ہی کہا تھا، اس کے لہجے کا خلوص اور اپنائیت بے مثال تھی مگر جہان کے دل کی جگہ پہ جیسے کوئی پتھر رکھ دیا گیا تھا، وہ ساکن منجمد سا کھڑا رہا، نہ کوئی احساس نہ جذبہ نہ خیال۔

”ماضی میں کس نے تمہارے ساتھ کیا کیا یہ سب کچھ بھول کر پھر سے جینے کا آغاز کرو جے یا یہ سوچ کر کہ خدا کے ہر کام میں ہر فیصلے میں مصلحت اور ہمارے لئے خیر خواہی پوشیدہ ہوتی ہے، جسے ہم اپنی کم فہمی کی بناء پہ سمجھنے سے قاصر رہتے ہیں مگر ایک وقت آتا ہے جب ہمیں سمجھ آتی ہے جو کچھ ہوا تھا اس میں ہمارے اللہ نے ہمارے لئے کتنی امان کتنی بھلائی رکھی تھی۔“ معاذ اس سے الگ ہوا تھا اور اس کا چہرا ہاتھوں کے پیالے میں لے کر سمجھانے والے انداز میں بولا تھا، جہان پھر بھی کچھ نہیں بولا، ویسے ہی سپاٹ چہرا اور بے تاثر آنکھوں کے ساتھ اسے دیکھتا رہا تو معاذ نے اسے خفیف سا جھنجھوڑ دیا۔

”جے..... مسکراؤ نا؟“ عجیب فرمائش ہوئی تھی، جہان نے کچھ خفگی سے اسے دیکھا۔

”چلو میری خاطر پلیز۔“ اس نے مسکراہٹ دہائی انداز دلربائی میں مجبورہ یا پھر بیویوں والا تھا، تمام تر اضطراب کے باوجود جہان کے ہونٹوں پہ مسکراہٹ بکھرنی تھی، معاذ اتنا نہال ہوا تھا کہ بے ساختہ پھر اسے گلے لگا لیا، یہی وہ لمحہ تھا جب زیاد نے اندر قدم رکھا تھا، انہیں ایک دوسرے سے بغل گیر دیکھ کر ٹھنڈا سانس بھرنے لگا۔

”ایک تو آپ لوگوں کی محبت بھی عجیب مشکوک قسم کی ہے، ساری دنیا باہر رسم کے لئے انتظار کر رہی ہے اور ادھر چھپ کے رو مانس ہو رہا ہے، قسم سے میری بجائے یہاں پر نیاں یا پھر ڈالے بھا بھی آجائیں تو ایک نیا مسئلہ شروع ہو جاتا، کچھ تو خیال کیا کریں آپ لوگ۔“ وہ معنی خیز شرارت بھرے انداز میں

سکر اہٹ دبائے کہہ رہا تھا، معاذ نے بے دریغ صرف اسے گھورا نہیں اسے لائے ہاتھ کی جڑ بھی دی تھی۔
 ”چلو تم آرہے ہیں ہم۔“

”یعنی ابھی روماس کا کوٹہ پورا نہیں ہوا؟“ زیاد نے آنکھیں مصنوعی حیرت سے پھاڑیں۔
 ”بکومت کہانا آتے ہیں، چلو جے۔“ معاذ نے پہلے اسے جھڑکا تھا پھر جہان کو مخاطب کیا، وہ گہرا

سانس کھینچتا اس کے ہمراہ ہولیا، ابھی وہ تینوں دروازے تک ہی پہنچے تھے کہ ماما کے ساتھ ماما جان اور پھوپھو کے علاوہ خاندان کی کچھ دور پرے کی دیگر بزرگ خواتین سے ٹکراؤ ہو گیا۔

”ماشا اللہ، چشم بدور، خدا بری نظر سے محفوظ رکھے بالکل شہزادہ لگ رہا ہے میرا بیٹا، ہے نا بھابھی بیگم۔“ ممانے بے اختیار اسے گلے لگا کر انتہائی محبت سے اس کی پیشانی چومتے ہوئے ماما جان کی رائے لی تو ماما جان نے مسکرا کر پوری صداقت سے تائید کی تھی۔

”چھوٹا سا ہوتا تھا بالکل جب ہم اس کی سالگرہ پر اسے ایسے ہی شیروانی پہنا کر تیار کیا کرتے تھے، بالکل شہزادہ لگا کرتا تھا، راہ چلتے لوگ بھی رک کر پیار کرتے تھے، خدا نے اسکی موٹی صورت سے نوازا ہے میرے بچے کو۔“ ماما جان نے گلوگیر آواز میں کہا پھر ماما کے انداز میں ہی اسے گلے لگا کر پیشانی چوی اور دعاؤں سے نوازا تھا، پھوپھو سے دعائیں سمیٹ کر جہان پاپا جان پھر پاپا سے ملا تھا۔

”جیتے رہو بیٹے، خوش آباد رہو۔“ پاپا نے مسکرا کر اس کے مضبوط چوڑے شانے کو تھکا تھا اور سائیڈ پر ہونے، تپ سے مستقرہ جوان پارٹی آگے بڑھی اور اسے زرتار دوپٹے کے سائے میں گیت گاتے ہوئے

اتج کی سمت لے جایا گیا۔
 ”آپ کی مہندی کی تقریب اتنی روکی پھکی پتہ ہے کیوں ہے کیوں ہے شہزادہ سلیم صاحب کہ آپ کی اتار کلی آپ کے ساتھ نہیں ہے، کتنا کہا تھا کہ کہاں کر لیتے ہیں ساری رسمیں مگر تم بھی نا جے.....!“

معاذ کسی قدر جھنجھلا کر کہہ رہا تھا، جہان کے چہرے پہ ایک تاریک سا سایہ لہرا کر معدوم ہو گیا۔
 (تم نے بالکل ٹھیک کہا معاذ میری اتار کلی میرے ساتھ نہیں ہے، اتار کلی شہزادہ سلیم کو نہیں مل سکی تھی یاد کرو، اسے تو وقت کے آنے میں دیوار میں چنوا دیا تھا، محبت کے نصیب پہ ازل سے شب خون مارا جاتا رہا ہے طریقہ واردات کچھ بھی ہو۔)

اس کی آنکھیں بے تحاشا جلن سیٹ لائیں، اس نے نظریں جھکالی تھیں، بھابھی کے بعد پر نیاں رسم کرنے کو اوپر آئی تھی تو معاذ نے اسے تب ہی دیکھا تھا گویا، ڈل گولڈن کلر کے بیروں تک آتے فراگ میں ہاتھوں میں گجرے باندھے اپنی سحر انگیز دلکشی اور جاذبیت کے ساتھ اس کی معصومیت بھری خوبصورتی گویا پورے ماحول پہ سحر طاری کر رہی تھی، معاذ نے دانستہ اس سے نگاہ نہیں ہٹائی، پر نیاں کے رسم کرتے ہاتھوں اور لمبی پلکوں پہ بیک وقت اگر لرزش اترتی تھی تو یہ اس کی پریشانی اور کسی حد تک طنز پہ نگاہوں کی بدولت ہی تھا، کالوں میں آگے پیچھے جھولتے بڑے بڑے جھمکے گلے میں گلو بند اور روشن پیشانی پہ ٹیکہ اس کی سچ دج ہی کمال نہیں تھی وہ خود بھی کوئی ساحرہ تھی جو کم از کم معاذ پہ ہمیشہ ہی ہر حال میں سحر پھونک سکتی تھی، ذرا سا جھکتے پہ اس کی کمر پہ سیدھے گرتے بال ڈھلک کر کاندھے پہ گرے کچھ معاذ کے چہرے کے آگے جھولنے لگے، معاذ ایک خوبصودار حصار میں قید ہونے لگا۔

”اس مٹھائی پہ صرف جے کا حق ہی تو نہیں ہے، کوئی اور بھی کھا سکتا ہے۔“ وہ جیسے ہی رسم کی ادائیگی

کے بعد واپس جانے کو مڑی، معاذ نے اس کا مہندی چوڑیوں اور گجرے سے سجایا تھا پکڑ لیا، یہ سب کچھ اتنا غیر متوقع تھا، پر نیاں کے لئے کہ وہ لڑکھڑا کر اس کی گود میں گرنے سے بچی تھی تو بھی اس کے ہی کاندھے کو سختی سے دبوچ کر، وہ اتنی گھبرا گئی تھی کہ فوری طور پہ قطعی سمجھ نہیں سکی اسے کیا کرنا چاہیے۔

”شباباش ہے لالے آپ سے، روماس کا ہر نیا طریقہ آپ سے ایجاد ہوتا ہے تو اس کی وجہ یہی ہے کہ یقیناً آپ کو اس کے علاوہ کچھ سوچتا نہیں ہے، زبردست شاندار.....“

زیاد بھی وہیں اسٹیج پہ تھا سب کچھ دیکھ کر متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا اور باقاعدہ تالیاں بجا کر دادوی تھی، باقی سب جو متوجہ تھے ان کی کھی کھی بھی جاری ہو گئی، پر نیاں کو یہ سب بے حد آکروڑ لگا تھا، خفت اور خیالت کے احساس کے ساتھ سکی کا شدید احساس اس کی آنکھوں میں بھی بھر گیا تھا تو وجہ یہی تھی وہ جانتی تھی معاذ یہ سب کچھ اپنا بھرم رکھنے کو کر رہا تھا، محض دنیا دکھاؤ، اس کا دل شدتوں سے سسکا اٹھا تھا۔

”پر نیاں کھلا دیں اسے مٹھائی، ایسے کہاں جان چھوڑے گا یہ آپ کی۔“ جہان کی نگاہ سے پر نیاں کے آنسو بے بسی اور معاذ کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ چھڑانے کی سعی لا حاصل تھی نہیں رہی تھی معاذ کو کتنی ہی نظروں سے گھورتے وہ پر نیاں سے مخاطب ہوا تھا، پر نیاں نے دھند آلود نظروں سے نیل پہ رکھی ہوئی مٹھائی کی پلیٹ سے ایک گلاب جاسن اٹھائی تھی اور معاذ کو دیکھے بغیر اس کے منہ میں ڈال دی۔

”بھینٹلس فار دس آفر مائی لیڈی!“ وہ کارش بجالایا تھا، پر نیاں تیزی سے اٹھ کر نیچے اتر گئی، جہان نے سخت قسم کی نظروں سے اسے دیکھا تھا۔
 ”جو کام آپ سے خود سے نہیں ہوتا اس کی دوسروں کو نصیحت کرنا بالکل زیب نہیں دیا کرتا۔“ اس کا انداز تلخی تھا، معاذ نے سوالیہ مگر استعجابی نظروں سے اسے دیکھا۔
 ”مطلب؟“ وہ بے نیازی سے نشو سے اپنے ہونٹوں کو دوبارہ ہاتھ، جنہیں مٹھائی کا شہرہ لگ گیا تھا۔
 ”پر نیاں کو اس طرح سے تنگ کرنے کا مقصد؟“ جہان کا لہجہ کڑا تھا مگر معاذ کی آنکھیں پھٹنے والی ہو گئیں۔
 ”ہائیں..... تم کہنا کیا چاہتے ہو جے؟ بیوی ہے میری صرف اسے ہی تو.....“
 ”بکومت معاذ؟“ وہ سخت جھلایا۔
 ”یہ سب دکھاؤ کرنے کی کیا ضرورت تھی، سخت بری لگتی ہیں، مجھے یہ بھرم رکھنے کو کی گئی ادا کاری۔“ معاذ اس درجہ درست قیافہ شناسی پہ سر پکڑ کر رہ گیا۔
 ”تمہیں اتنے الہام کیسے ہو جاتے ہیں جے؟“ وہ سخت عاجز ہو کر کہہ رہا تھا، جہان نے ملاستی نظروں سے گویا اس کے اس اعتراف جرم والے انداز کو دیکھا تھا۔
 ”میں آنکھیں کھلی رکھتا ہوں اور عقل استعمال کرتا ہوں اور یہ تمہاری ادا کاری ہر ذی شعور محسوس کر سکتا ہوں سمجھے، اپنے ساتھ تم نے پر نیاں کو بھی آزمائش میں ڈالا ہوا ہے۔“ وہ اسے سخت سست سستے گیا تھا۔
 ”تم اسے بھابھی کیوں نہیں کہتے آخر؟“ معاذ نے جیسے جان چھڑانے کو موضوع بدلنا چاہا۔
 ”یا، کرو تمہیں ان کے لئے یہ رشتہ میری طرف سے قابل قبول نہیں تھا، میں نے خود اپنا رشتہ استوار کیا ان سے، بہنوں کو کوئی اجس ہی بھابھی کہتا ہوگا۔“ اب کے جہان نے صاف اسے چڑایا تھا۔

کے بعد واپس جانے کو مڑی، معاذ نے اس کا مہندی چوڑیوں اور گجرے سے سجایا تھا پکڑ لیا، یہ سب کچھ اتنا غیر متوقع تھا، پر نیاں کے لئے کہ وہ لڑکھڑا کر اس کی گود میں گرنے سے بچی تھی تو بھی اس کے ہی کاندھے کو سختی سے دبوچ کر، وہ اتنی گھبرا گئی تھی کہ فوری طور پہ قطعی سمجھ نہیں سکی اسے کیا کرنا چاہیے۔

”شباباش ہے لالے آپ سے، روماس کا ہر نیا طریقہ آپ سے ایجاد ہوتا ہے تو اس کی وجہ یہی ہے کہ یقیناً آپ کو اس کے علاوہ کچھ سوچتا نہیں ہے، زبردست شاندار.....“

زیاد بھی وہیں اسٹیج پہ تھا سب کچھ دیکھ کر متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا اور باقاعدہ تالیاں بجا کر دادوی تھی، باقی سب جو متوجہ تھے ان کی کھی کھی بھی جاری ہو گئی، پر نیاں کو یہ سب بے حد آکروڑ لگا تھا، خفت اور خیالت کے احساس کے ساتھ سکی کا شدید احساس اس کی آنکھوں میں بھی بھر گیا تھا تو وجہ یہی تھی وہ جانتی تھی معاذ یہ سب کچھ اپنا بھرم رکھنے کو کر رہا تھا، محض دنیا دکھاؤ، اس کا دل شدتوں سے سسکا اٹھا تھا۔

”پر نیاں کھلا دیں اسے مٹھائی، ایسے کہاں جان چھوڑے گا یہ آپ کی۔“ جہان کی نگاہ سے پر نیاں کے آنسو بے بسی اور معاذ کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ چھڑانے کی سعی لا حاصل تھی نہیں رہی تھی معاذ کو کتنی ہی نظروں سے گھورتے وہ پر نیاں سے مخاطب ہوا تھا، پر نیاں نے دھند آلود نظروں سے نیل پہ رکھی ہوئی مٹھائی کی پلیٹ سے ایک گلاب جاسن اٹھائی تھی اور معاذ کو دیکھے بغیر اس کے منہ میں ڈال دی۔

”بھینٹلس فار دس آفر مائی لیڈی!“ وہ کارش بجالایا تھا، پر نیاں تیزی سے اٹھ کر نیچے اتر گئی، جہان نے سخت قسم کی نظروں سے اسے دیکھا تھا۔
 ”جو کام آپ سے خود سے نہیں ہوتا اس کی دوسروں کو نصیحت کرنا بالکل زیب نہیں دیا کرتا۔“ اس کا انداز تلخی تھا، معاذ نے سوالیہ مگر استعجابی نظروں سے اسے دیکھا۔
 ”مطلب؟“ وہ بے نیازی سے نشو سے اپنے ہونٹوں کو دوبارہ ہاتھ، جنہیں مٹھائی کا شہرہ لگ گیا تھا۔
 ”پر نیاں کو اس طرح سے تنگ کرنے کا مقصد؟“ جہان کا لہجہ کڑا تھا مگر معاذ کی آنکھیں پھٹنے والی ہو گئیں۔
 ”ہائیں..... تم کہنا کیا چاہتے ہو جے؟ بیوی ہے میری صرف اسے ہی تو.....“
 ”بکومت معاذ؟“ وہ سخت جھلایا۔
 ”یہ سب دکھاؤ کرنے کی کیا ضرورت تھی، سخت بری لگتی ہیں، مجھے یہ بھرم رکھنے کو کی گئی ادا کاری۔“ معاذ اس درجہ درست قیافہ شناسی پہ سر پکڑ کر رہ گیا۔
 ”تمہیں اتنے الہام کیسے ہو جاتے ہیں جے؟“ وہ سخت عاجز ہو کر کہہ رہا تھا، جہان نے ملاستی نظروں سے گویا اس کے اس اعتراف جرم والے انداز کو دیکھا تھا۔
 ”میں آنکھیں کھلی رکھتا ہوں اور عقل استعمال کرتا ہوں اور یہ تمہاری ادا کاری ہر ذی شعور محسوس کر سکتا ہوں سمجھے، اپنے ساتھ تم نے پر نیاں کو بھی آزمائش میں ڈالا ہوا ہے۔“ وہ اسے سخت سست سستے گیا تھا۔
 ”تم اسے بھابھی کیوں نہیں کہتے آخر؟“ معاذ نے جیسے جان چھڑانے کو موضوع بدلنا چاہا۔
 ”یا، کرو تمہیں ان کے لئے یہ رشتہ میری طرف سے قابل قبول نہیں تھا، میں نے خود اپنا رشتہ استوار کیا ان سے، بہنوں کو کوئی اجس ہی بھابھی کہتا ہوگا۔“ اب کے جہان نے صاف اسے چڑایا تھا۔

”زینب..... زینبی..... ادھر آؤ، رسم کیوں نہیں کر رہی ہو تم؟“

معاذ کچھ اتالا جواب ہوا تھا کہ اسی جھنجھلاہٹ میں زور زور سے زینب کو پکارنے لگا، جو شاید ابھی تیار ہو کر پنڈال میں آئی تھی، پنک خوب گھیر واری فراک اور لمبا چوڑا دوپٹہ، وہ اس وقت بھی تھکی تھکی اور پڑمردہ نظر آتی تھی، تیور نے شادی میں شریک ہونے سے انکار کر کے بھی اس کی پریشانی میں اضافہ کر دیا تھا۔

”رہنے دو معاذ..... اس کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔“ چہان نے زینب کے گریز کو صاف پایا تھا جیسی بے ساختگی میں معاذ کو ٹوکا، صرف زینب ہی تو گریزاں نہیں تھی وہ خود بھی اس آزمائش سے کتر رہا تھا۔

”کیوں رہنے دوں؟ تمہیں بڑا خیال ہے اس کی طبیعت کا۔“ معاذ اتنا جھلایا ہوا تھا کہ اس صورتحال کی نزاکت اور بارگاہی پدھیان دیے بغیر جھنجھلا کر کہہ گیا۔

(کسی کو تو خیال کرنا چاہیے معاذ، تیور نہ سہی میں سہی، میں اسے مزید کیا پریشان کروں، میرے تو بس میں اتنا بھی اختیار نہیں رہا کہ اس کے دکھوں کو سمیٹ سکوں، قسمت کے فیصلوں نے ہمیں کیسے امتحان سے دوچار کر دیا ہے۔) وہ اضطراب کا شکار ہوتا سوچتا رہا تھا۔

☆☆☆

”رہنے دیجئے ناما! میرے پاس اور اتنے ڈریس ہیں کوئی بھی پہن لوں گی۔“ معاذ نہا کرواںش روم سے نکلا تو ماما کو پوری وار ڈروپ کھنگالتے پایا تھا، ان کے چہرے پر پریشانی ہی نہیں جھنجھلاہٹ بھی تھی، جبکہ پریناں انہیں اپنے انداز میں تسلی دینے میں مصروف تھی۔

”کیسے رہنے دوں بیٹا! اتنی پیاری ساڑھی تھی، لہرنی ساری چہان کر پھر آپ کے لئے لائی تھی اسے شوق سے آج کے دن کے لئے، عین ٹائم پہ آ کے کم ہو گئی۔“ ماما اس طرح مصروف رہ کر بولی تھیں۔

”ادھر ادھر اوپر نیچے ہو گئی ہوگی، اگر ٹل گئی تو ولیمہ پہ پہن لوں گی ڈونٹ وری ماما!“ معاذ اس گفتگو سے بے نیاز آگے بڑھ کر ڈریسنگ ٹیبل کے آگے جا کر کھڑا ہو گیا اور تولیہ گلے سے نکالا۔

”اچھا بیٹا! اب آپ ایسے کرو معاذ کے ساتھ مارکیٹ چلی جاؤ، کوشش کرنا اس سے ملتی جلتی ساڑھی مل جائے مجھے بہت پسند تھی، آپ پہ بہت نیچے کا آج کے دن یہ لباس۔“ ماما کی بات یہ معاذ کے بال سنوارتے ہاتھ اسی زاویے پہ ساکن ہوئے اور بیچ پریشانی پہ ناگوار سی شکلیں نمودار ہوئی تھیں البتہ ماما کی موجودگی کے باعث کچھ کہنے سے گریز برتا۔

”نہیں ماما اس کی کیا ضرورت ہے، اب ٹائم ہے بھی کہاں، میرے پاس بے شمار جوڑے پڑے ہیں جنہیں ایک بار بھی نہیں پہنا، میں انہی میں سے کوئی پہن لوں گی۔“ پریناں معاذ کے چہرے کے سرد تاثرات دیکھ چکی تھی جیسی گڑبڑا کر کہہ رہی تھی مگر ماما کو ہرگز بھی اس سے اتفاق نہیں ہوا تھا۔

”کوئی ضرورت نہیں ہے گھر سے اٹھا کر پہننے کی، ابھی ہماری فلائٹ میں بہت وقت ہے، آپ آرام سے مارکیٹ سے ہو کر آسکتے ہو، کیوں معاذ بیٹے؟“ ماما نے بات کے آخر میں اسے بھی شامل گفتگو کیا تو پریناں سخت خائف سے انداز میں سر جھکائے انگلیاں چٹکانے لگی۔

”جی کیوں نہیں، میں آپ سے اختلاف رائے کی جرأت کہاں رکھتا ہوں، آپ کا حکم سر آنکھوں پہ یہ میری شرٹ پکڑ دیجئے براہ کرم۔“ اس کا لہجہ بے پناہ سرد تھا جسے ماما نے اپنے دھیان میں محسوس نہیں کیا۔

وہ تو شاید اس کے اتنی آسانی سے مان جانے پہ ہی، مطمئن ہو گئی تھیں اور معاذ کی آخری بات شاید انہوں نے سنی ہی نہ تھی، تب پریناں کو آگے بڑھ کر اس کی شرٹ اٹھا کر اسے دینا پڑی، جسے معاذ نے نہایت تضر بھرے جھٹکے سے اس سے چھینا تھا۔

”میرا ناشتہ یہاں بچھو دیجئے گا ماما! گیارہ بج رہے ہیں مگر ابھی کسی کو خیال تک نہیں آسکا کہ میں بھوکا ہوں۔“ اس نے باہر نکلتیں ماما کو کم پریناں کو زیادہ سنایا تھا، وہ اتنا گڑبڑائی کہ تقریباً پلٹ کر بھاگنے کے انداز میں باہر بھاگی تھی، اگلے پندرہ منٹ میں وہ ناشتے کی ٹرے سمیت حاضر تھی، تب بھی معاذ کا موڈ سوائیزے پر ہی تھا۔

”یہ اچھل کود، آپ یہ زیب نہیں دیتی، اب محترمہ کم از کم اگلے ساتھ آٹھ مہینے آپ کو بے حد احتیاط کی ضرورت ہے، اس کے بعد.....“

”اس کے بعد میں جہنم میں جاؤں مروں یا جیوں آپ کو کوئی غرض نہیں، کہنے کی ضرورت نہیں مجھے خود سے معلوم ہے۔“ پریناں نے اس کی بات قطع کر دی تھی، معاذ نے اس کے شدت جذب سے سرخ پڑتے چہرے کو طنزیہ نظروں سے دیکھا پھر زہر خند سے مسکرایا۔

”ماشاء اللہ آپ کی ذہانت کا تو میں قائل ہوئے بغیر نہیں رہ سکا۔“ پریناں نے جلتے ہوئے چہرے کو پھیر لیا اور آگے بڑھ کر وار ڈروپ کے کپڑے دوبارہ تہ لگا کر اس میں رکھنے لگی، معاذ نے اطمینان سے ناشتہ کیا تھا، پھر اٹھتے ہوئے اسے ایک نظر دیکھا۔

”تم نے کچھ کھاپا؟“ پریناں بری طرح سے چونکی پھر جواب میں کچھ کہے بغیر اپنے کام میں مشغول ہو گئی تھی۔

”ماما پریناں نے صبح دودھ لیا تھا؟“ وہ اکثر کام پہ ماما سے رابطہ قائم کر چکا تھا، پریناں بری طرح سے جربز ہو گئی، پتہ نہیں ماما کیا جواب دیتیں، حقیقت یہ تھی کہ اس نے دودھ پیا تھا نہ جوس۔

”اور جوس؟“ وہ پوچھ رہا تھا۔

”اوکے میں بھیجتا ہوں اسے، ناشتہ بھی کرائیں، اس کی ڈائٹ کا آپ خود خیال رکھا کریں پلیز۔“ ماما نے یقیناً اس کا بھرم رکھنے کو یا جان چھڑانے کو جھوٹ بولا تھا جیسی وہ مطمئن نظر آ رہا تھا، پریناں نے بے اختیار سکھ بھرا سانس کھینچا۔

”جاؤ، ماما بلا رہی ہیں تمہیں۔“ وہ بیڈ پہ پڑا اپنا کوٹ اٹھا کر پہن رہا تھا، پریناں نے بحث مناسب نہیں سمجھی اور خاموشی سے نکل گئی تھی، معاذ گاڑی کی چابی اٹھائے مارکیٹ کے لئے نکل گیا، پھر ایک گھنٹے کی خواری کے بعد وہ ساڑھی اس کی میچنگ جو لری اور سینڈل لے کر گھر پہنچا تو پریناں سے اس کا ٹکراؤ سیرھیوں پہ ہی ہو گیا تھا، اس کے ہازدوں کے گھیرے میں بڑا سا ڈبہ تھا اور چہرے پہ دبا دبا جوش۔

”کہاں جا رہی ہو؟“ وہ اسے دیکھ کر خائف ہوئی تھی معاذ نے مزید خائف کر دیا۔

”ماما کے پاس، ایچو ٹیلی ان کی پسند کی ساڑھی مل گئی ہے، نا، بیڈ کے نیچے دھکیل دیا تھا کسی نے اس کو، میں نے ڈھونڈ لی۔“

”کوئی ضرورت نہیں ہے اس کارنامے کو ماما کے سامنے بیان کرنے کی، وہ ہیں رکھو اسے لے جا کر اور اسے پہنوں پاگل نہیں تھا میں جو جوتے گھسا کر خوار ہو کے ایمر جنسی میں لے کر آیا ہوں۔“ اس نے

ڈبا چھین کر اپنے ہاتھ میں موجود شاپنگ بیگ اسے تھماتے، وہ اس کے بچھتے چہرے پہ نگاہ ڈالے بغیر بیڑھیاں چڑھ گیا، پر نیاں سرواہ بھر کے رہ گئی تھی۔

☆☆☆

کبھی	غم	کی	آگ	میں	جل	اٹھے
کبھی	داغ	ول	نے	جلا	ویا	
اے	جنون	عشق	تتا	ورا		
مجھے	کیوں	تماشا	بنا	ویا		
کبھی	اشک	پلوں	پہ	رک	گئے	
کبھی	پورا	دریا	بہا	دیا		
ابھی	کر	رہا	ہے	وہ	ابتداء	
میرا	کہہ	رہا	ہے	تجربہ		
اے	زندگی	کی	ہے	آرزو		
مجھے	زندگی	نے	مٹا	ویا		

اس کی بند پلکیں آنسو پروتی تھیں، ساری رات بھی کچھ ایسے ہی اضطراب اور وحشت کی نظر ہو گئی تھی، اس کی شادی کی ہر تقریب ایسی شاندار تھی کہ ان کی سوسائٹی میں شاید ہی کسی اور کی ایسی شادی منعقد کی گئی ہو اس سے پہلے، مہندی کا جوڑا اسی نے جوڑا زیب تن کیا تھا اس کی قیمت ہزاروں میں نہیں لاکھوں میں تھی، مسز آفریدی کا بس نہیں چلتا تھا اس کے قدموں میں ساری دنیا کی دولت نچھاور کر دیں، مگر کتنی لاچار تھیں وہ کہ اس دولت سے اس کے لئے آسودگی اور خوشی نہیں خرید سکی تھیں، وہ ساری رات جاگی تھی، وہ ساری رات روتی تھی، سیل فون اس کے سر ہانے پڑا رہا تھا بالکل جاموش، حالانکہ اسے آج کی رات کتنا انتظار رہا تھا کوئی اسے یاد کرے، چاہے وہ نیلما ہو چاہے جہان، کتنی عجیب اور تشنہ تھیں اس کی سب خواہشیں اور اسی قدر بے چاری سی، اسے خود اپنی خواہشوں پر ترس سا آنے لگا، جہان کے بارے میں تو وہ خوش تھی میں کم ہی بتلا تھی مگر نیلما... اس سے تو اس کا گہرا خونی اور قلبی تعلق تھا، وہ بھی پتہ نہیں کیوں اسے فراموش کر گئی تھی، آج کے اس اہم دن جبکہ وہ زندگی میں پہلی بار خود اس کی پیش رفت کی خواہش مند تھی، اس کی آنکھیں پھر سے گرم سیال بہانے لگیں، دروازے پہ آہٹ ہوئی پھر کوئی اندر آ گیا، بنا دیکھے بھی وہ جان سکتی تھی آنے والی مسز آفریدی ہیں، اس کا اندازہ ہرگز غلط نہیں تھا۔

”ہنی اٹھو بیٹے! اور کتنا سوؤ گی؟ بیویشن آچکی ہے، ہاتھ لے کر ناشتہ کر لو، بارہ بج چکے ہیں، پھر آپ کو تیار بھی ہونا ہے۔“ انہوں نے اس کے پہلو میں بیٹھ کر کمر لگا کر اس کا سر کاٹا اور اس کے رگھی بالوں میں پیار بھرے انداز میں انگلیاں چلائیں، اس کے ہونٹوں پہ عجیب سی مسکراہٹ بکھر گئی، یہ لالہ ہور کی سب سے پہنکی اور بد و ماغ بیویشن تھی جس سے کئی مہینے قبل باقاعدہ اپائنٹمنٹ لی جاتی تھی، مگر وہ یہاں اس کے گھر آ کے اس کی منظر بھی تھی، سب پیسے کا کمال تھا۔

”مجھے ناشتہ نہیں کرنا می! آپ میرے کپڑے نکلوا دیں بس۔“ وہ اٹھ کر بیٹھ گئی، بارہ بج گئے تھے، اس کے دل کے کیس کے آنے کا ٹائم ہو رہا تھا، وہ اس کی آمد سے بہت پہلے اپنی تیاری مکمل کر کے اس کی

راہوں میں پلکیں بچھا دینا چاہتی تھی، وہ فرمانبردار تھا اور اس کی حیثیت ایک واسی کی، جس پہ وہ چاہتا تو نگاہ ڈالتا چاہتا تو بے نیازی سے آگے بڑھ جاتا، واسی کا کام خدمت گزاری ہوتا ہے، شکایت نہیں، مسز آفریدی نے اس کے اس ٹیکسٹ لے ہوئے انداز کو کچھ حیرت کچھ خوشگوار کی عالم میں چونک کر دیکھا، ان کا خدشہ بے بنیاد تھا کہ وہ روٹنگی چیخے گی اور ان پہ ہمیشہ کی طرح الزامات کی بھرمار کرے گی۔

”بہت خوش ہونا میری جان؟“ انہوں نے اس کی پیشانی کو بے حد محبت سے چوما، ڈالے کی آنکھوں میں نمی اٹھ آئی۔

(خوشی شاید میری قسمت میں نہیں لکھی گئی۔)

اس نے سر جھکا لیا تھا، مسز آفریدی نے زبردستی اسے ناشتہ کرایا تھا، جو چند گھونٹ فریش جوس اور آدھے ابلے ہوئے انڈے سے مشتمل تھا۔

”میرا کچھ کھانے کو دل نہیں کر رہا ماما پلیز۔“ ان کے اصرار پہ اس نے بے حد عاجزی سے کہا تھا، ہاتھ لینے کے بعد وہ بیویشن کے آگے آ کر بیٹھ گئی تھی، اس کا عروسی جوڑا ادھک کے سب رنگوں سے سجا تھا، جس کی چمک دمک سے نگاہیں خیرہ ہوئی جاتی تھیں، میچنگ جیولری اور پھولوں کے گہنوں نے اس کی تیاری کو فائنل ریچ دیا تو اس کی شعاعیں بکھیرتا ہوا حسن ایکدم سے جگمگا اٹھا تھا، مسز آفریدی نے اس کی بار بار نظر اتاری تھی پھر اس کے بعد وہ اپنے مہمانوں کے جلو میں بہت شان سے اسے لے کر میرج ہال کی سمت روانہ ہوئیں جہاں تو بارات ابھی پہنچی نہیں تھی، مزید دو گھنٹے انتظار کے بعد بارات کی آمد ہوئی تھی، تب ڈالے کا اب تک مختلف خدشات کے ہمراہ ڈوبتا دل قرار پڑ سکا تھا، سب سے پہلے اس کے پاس پر نیاں اور بھابھی کے ساتھ لوریہ آئی تھیں تینوں نے باری باری اسے گلے لگا کر پیار کیا اور بے ساختہ تعریف کی تھی، میرون بنا رسی ساڑھی جس کی کناری گولڈن کلر کی تھی پہنے پر نیاں سب سے پیاری لگ رہی تھی۔

”آپ کو مبارک ہو پری بھابھی۔“ جس وقت پر نیاں اس کے گلے مل رہی تھی، ڈالے نے آہستگی سے مسکرا کر کہا تھا۔

”کس بات کی مبارک؟ یہ تو ہمیں تمہیں دینی چاہیے اتنا شاندار اور باکمال دو لہا مل رہا ہے تمہیں۔“ پر نیاں مسکرائی تھی، جبکہ بھابھی نے قہقہہ لگایا تھا۔

”جیسی مبارک تمہیں ڈالے دے رہی ہے پری، یہ مبارک ہم سے انشاء اللہ ایک ڈیڑھ مہینے بعد دیں گے، یعنی پرنیلینسی کی مبارک۔“ بھابھی کی وضاحت پہ صرف پر نیاں نہیں جھپٹی، ڈالے بھی کانوں کی لوڑوں تک سرخ پڑ گئی تھی، اس کے دل پہ چہرے پہ حیا کی سرخی کا یہ تاثر اتنا بھر پور اور دلکش لگا تھا کہ وہ تینوں کچھ دیر کو نگاہ نہیں ہٹا سکی تھیں۔

”ہمیں پھر سے اعتراف کرنا پڑے گا کہ جہان کی پسند لا جواب ہی نہیں بے مثال بھی ہے ناٹ ڈاؤٹ۔“ بھابھی نے بے ساختہ قسم کی تعریف کی تھی، جس نے ڈالے کے چہرے کی چمک دمک چھین کر تار کی بھردی، اس نے شکستہ سے انداز میں سر جھکا لیا تھا، گویا تاثرات محفوظ رکھنے چاہے، پر نیاں بھابھی کی تائید کر رہی تھی پھر مسکرا کر گویا ہوئی۔

”جہان بھائی بھی آج بالکل پریس لگ رہے ہیں، ماشاء اللہ بہت پیاری جوڑی ہے۔“

”ہاں بالکل جیسے تمہاری اور معاذ کی، شاہ ہاؤس میں یہ دو جوڑیاں ہی تو چندے آفتاب چندے ماہتاب ہیں، پرفیکٹ ہر لحاظ سے ایک دوسرے کے لئے بنے ہو جیسے۔“ بھابھی کے لہجے میں خلوص بھی تھا اور محبت بھی، اب خاموش ہونے اور سر جھکانے کی باری پر نیاں کی تھی، پھر جس بل ڈالے کولا کر جہان کے مقابل اسٹیج پہ بٹھایا گیا تو وہاں بے حد گہما گہما تھی، مسز آفریدی نے اپنی فتح کو آج مکمل ہوتے دیکھا تھا، واہٹ پینٹ کوٹ میں ملبوس وہ اونچا پورا بے حد وجہ بے حد شاعرانہ لڑکا آج ان کی بیٹی کو لینے آ پہنچا تھا، اس سے بڑھ کر بھی کوئی فتح کوئی خوشی ہو سکتی تھی؟ گو کہ وہ انہیں ہرگز خوش نہیں لگتا تھا، گو کہ اس نے نگاہ بھر کے بھی ان کی پریوں جیسی نازک اور حسین بیٹی کو نہیں دیکھا تھا مگر کیا فرق پڑتا تھا، پھر وہ حسین بھی تو بہت تھا، پڑھا لکھا ویل ڈریسڈ اور سب سے بڑھ کے ان کی بیٹی کا من پسند، اتنے نخرے تو برداشت کرنے ہی پڑتے ہیں، خاندان بھر کیا ان کو یقین تھا پورے لاہور شہر میں کسی کو ایسا داماد نہیں ملا تھا، ان کی بیٹی تو خوشی ہو گئی تھی نا اور کیا چاہیے، جہان بھی کب تک اسے نظر انداز کرتا؟ انہیں اپنی بیٹی کے بے مثال حسن پہ بہت بھروسہ اور غرور تھا، وہ بہت تمکنت اور غرور سے اٹھی تھیں اور جہان کو سلائی دینے اسٹیج پہ آ گئیں، پر نیاں نے احترام ان کے لئے اپنی جگہ خالی کر دی، لیکن جب انہوں نے سلائی میں ایک کرڈ کا چیک اور پراڈو کی جابی جہان کو پیش کی تو جہان نے نہایت رکھائی سے اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا۔

”یہ بھلا کیا بات ہوئی، جہانگیر بیٹے؟ یہ میں اپنی خوشی سے دے رہی ہوں۔“ وہ سخت جریز ہوئی تھیں۔

”مجھے آپ کی خوشی چاہیے نہ کچھ اور، شکر ادا کریں کہ آپ کی بیٹی کو رخصت کرانے آ گیا ہوں۔“ وہ جو اب پھنکارا تھا، مسز آفریدی کا رنگ بالکل سفید پڑ گیا، جہان کے چہرے پہ اتنی رعونت اس درجہ حقارت تھی کہ معاذ بھی ششدر رہ گیا تھا، گو کہ اسٹیج پہ اس وقت معاذ کے علاوہ ڈالے اور مسز آفریدی ہی تھیں اس کے باوجود معاذ کچھ خائف سا ہو کر رہ گیا تھا، اس نے بے اختیار جہان کے کاندھے پہ ہاتھ رکھ کر کچھ کہنا چاہا تھا کہ جہان نے اسی شدید موڈ میں ہاتھ اٹھا کر نہ صرف اسے کچھ کہنے سے باز رکھا بلکہ قطعیت بھرے انداز میں بولا تھا۔

”انہیں کہہ دو معاذ کہ میرا ضبط مزید نہ آزماؤں، ورنہ شاید میں ہر لحاظ بھول جاؤں، بعد کے حالات کی ساری ذمہ داری انہی کی ہوگی۔“ اس کا لہجہ شدت ضبط کے باوجود بھی بچھا ہوا تھا، چہرے کے تاثرات میں اتنی برودت اتنی تھی تھی کہ معاذ کو لگا اس کا ضبط واقعی عنقریب جواب دے جائے گا، مسز آفریدی کا سارا طنز بھی جیسے جہان بن کر بیٹھ چکا تھا، وہ فن چہرے کے ساتھ ٹکر ٹکر جہان کی شکل دیکھ رہی تھیں، معاذ نے ان سے دھیان ہٹا کر مضطرب نگاہوں سے ڈالے کو دیکھا، اس کی رنگت متخیر تھی اور آنکھیں کسی بھی بل برس پڑنے کو تیار بھیجے ہوئے ہونٹوں کے ساتھ وہ اس درجہ تک پہنچائی ہوئی سی نظر آئی تھی۔

”کام ڈاؤن ہے ریلیکس، کیا ہو گیا ہے یار؟“ معاذ نے ایک بار پھر جہان کا کاندھا تھکا تھا، وہ لال بھسوکا چہرے کے ساتھ ہونٹ بھیجے دوسری ہمت دیکھتا رہا، مسز آفریدی کب کی اسٹیج سے اتر کر جا چکی تھیں، معاذ ٹھنڈا سانس بھر کے رہ گیا تھا۔

☆☆☆

زمن پہ چل نہ سکا آسمان سے بھی گیا کتا کے پر وہ پردہ اڑان سے بھی گیا بھلا دیا تو بھلانے کی انتہا کر دی اب میں اس شخص کو وہم و گمان سے بھی گیا کسی کے ہاتھ سے نکلا ہوا تیر ہوں میں جو برف کو چھو نہ سکا کمان سے بھی گیا جاہ کر گئی مجھے کے مکان کی خواہش میں اسے گاؤں کے کچے مکان سے بھی گیا پرانی آگ میں کودا تو کیا ملا تجھ کو اسے بچا نہ سکا اور اپنی جان سے بھی گیا

جہان کے رویے کے برعکس اسے ہر جگہ ہر مقام پہ اس عزت وقار اور پذیرائی سے نوازا گیا تھا، جو اس کے رشتے کا تقاضا تھا، اسے رخصت کر کے لاہور والے جنگلے میں ہی لایا گیا تھا، یہاں بھی مکان کی آرائش ہوئی تھی، اس کا بیڈروم تو خاص طور پہ بہت آرنٹک انداز میں ڈیکورینڈ کیا گیا تھا، مختلف رسوں کی ادائیگی کے بعد ڈالے کو بیڈروم میں پہنچا دیا گیا تھا، جہان کے رویے نے اسے بہت خائف کر دیا تھا اس سے رسوں کے دوران جب ساری اس کی کزنز اس سے چھیڑ چھاڑ کرتی رہی تھیں، تو ڈالے اس خیال سے ہوتی رہی تھی کہ وہ بھڑک کر کسی کو کچھ کہہ نہ دے مگر خیریت گزری تھی، کمرے میں آ کر اسے سمجھ نہیں آ سکی تھی وہ پھولوں بھری اس بیچ پہ بیٹھ کر اس کا انتظار کرے یا پھر لباس تبدیل کر لے، کس بات سے مزاج برہم ہو گا وہ وہی نہیں کرنا چاہتی تھی، بہت سوچنے کے بعد وہ اسی فیصلے پہ پہنچی تھی کہ اسے لباس تبدیل کر لینا چاہیے، اب تک جو جہان کا رویہ تھا بہر حال وہ اس بات کا تقاضا نہیں تھا کہ وہ اس سے کسی تعریف وغیرہ کی خوش فہمی کو پالتی، اس نے گہرا سانس بھرا اور ایک ایک کر کے وہیں بیٹھے تمام زیور اتارنے لگی، اس کے بعد دوپٹے سے پنشن نکالنے کا مشکل مرحلہ درپیش ہوا تھا، جس میں اسے پندرہ سے بیس منٹ لگے تھے، دوپٹے کو سر سے الگ کر کے اس نے بے دلی سے صوفے پہ اچھالا اور زیورات کے ڈھیر پہ دھیان دیتے بنا اٹھ کر بیڈ سے نیچے اتر گئی، ابھی پہلے سے دوسرا قدم اٹھایا تھا کہ دروازہ کھول کر جہان نے اندر قدم رکھا، وہ جہاں تھی اسی زاویے پہ ساکن ہو گئی، جہان اس کے سامنے آیا تو اسے اپنی پوزیشن کا خیال آیا تھا، پہلے گھبر کر دونوں بازو سینے پہ لپیٹے پھر آگے بڑھ کر دوپٹہ اٹھایا تھا۔

”کیا ثابت کرنا چاہتی ہو مجھ پہ کہ تم بہت پارسا ہو، بہت شرم و حیا ہے تمہارے اندر؟“ جہان کی نظروں میں تپش تھی اور لہجے میں گویا کسی برہمنی کی کاٹ، ڈالے کا چہرہ سرخ پڑ گیا، اس کا دوپٹہ بار بار سرکتا تھا جسے وہ سنبھالنے کی کوشش میں ہلکان تھی، جہان نے ایک جھٹکے سے دوپٹہ سنبھال لیا۔

”اتنی جلدی اپنی آرائش کے آثار مٹا دیتے، داد وصول کیے بغیر ہی؟“ وہ پھر پھنکارا، ڈالے پھر چپ رہی، جہان کو اس کی اسی ڈپلو میٹک خاموشی نے آگ لگائی تھی۔

”مخصوصیت کے اس ڈھونگ کو ختم کرو سنا تم نے، کیا کہتی تھیں اپنی ماں کو جا کر کہ میری خدمتیں کر کے آئی ہو، کوئی عورت کسی مرد کی کیسی خدمت کرتی ہے جانتی ہو تم؟“ وہ اس کی موہی کی کلیوں سے

گندھی ہوئی چوٹی پکڑ کر ایک جھٹکے سے اپنے مقابل کھینچتے ہوئے حلق کے بل فرمایا تھا، ڈالے کی آنکھیں تکلیف اور سکی کے احساس سے برس پڑیں، مگر اس نے ہونٹوں کو سختی سے کھینچے رکھا تھا، جہان کو ان آنسوؤں نے جیسے آگ لگا دی تھی، اس نے ایک کے بعد دوسرا بھر پورا اور شدید طمانچہ انتہائی چارحانہ مولیٰ میں اس کے چہرے پہ برسایا تھا، پھر تھارت بھرے انداز میں اسے زور سے جھٹک دیا۔

”اپنی ماں کو بتا دینا جا کر کہ میں تمہیں اس خدمت کے قابل نہیں سمجھتا، صرف ابھی نہیں ساری عمر تم اور تمہاری چالباز ماں ساری عمر مجھ سے اس خیرات کی بھیک بھی مانگو گی تو ایک سکہ ہیں ملے گا، یہی سزا ہے تمہاری گھٹیا پلاننگ کی، اب بیٹھ کر اپنی کامیابی کا جشن مناؤ یا پھر ماتم کرو، آئی ڈونٹ کیئر۔“ وہ اپنی بات مکمل کر کے اسی فیصلے اور قہر بھرے انداز میں پلٹ کر کمرے سے نکل گیا، ڈالے وہیں گری آنسو بہانی اور سستی رہی تھی۔

☆☆☆

جہان صبح اس وقت بیڈروم میں واپس آیا تھا جب فجر کی اذان کی پہلی پکار رضا میں گونجی تھی، اس کی آنکھوں میں بے تحاشا جلن تھی، جو ڈالے کو جائے نماز پہ موجود پا کر کچھ اور بھی بڑھ گئی تھی، سی گرین دوپٹے کے ہالے میں اس کا صبح کی تازگی لئے اجلا چہرہ جس پہ بے تحاشا حسن آنکھوں کا سحر بے جدا ہم تھا مگر یہ جہان پہ اثر انداز ہونے والا نہیں تھا، پہ نہیں ڈالے نے اس کی آمد کو محسوس کیا یا نہیں وہ قطعی نہیں سمجھ پایا تھا، لباس تبدیل کر کے ہاتھ لیتے اور کھدر کے سفید کرتا شلوار میں نماز کے لئے جانے تک اس کی جتنی بار بھی اس کی سمت نگاہ اٹھی وہ اسے اسی پوزیشن میں نظر آتی تھی، مسجد میں نماز کی ادائیگی کے بعد اس نے دعا کو ہاتھ بلند کیے تو سستی ہوئی زنب نگاہوں میں آن سالی تھی۔

”تیور نہیں آئے ہیں ماما وہ آئیں گے بھی نہیں، انہوں نے مجھے پہلے یہ صاف منع کر دیا تھا۔“ وہ ماما کی کود میں سر رکھے کتنی ٹڈ حال سی کہہ رہی تھی، ماما کے پاس جیسے اس کی بات کے جواب میں کہنے کو کچھ نہیں تھا، وہ تو اسے یہ بھی نہیں بتا سکی تھیں کہ پاپائے خود کال کی تھی تیور کو اور آنے کی گزارش کی تھی مگر وہ معذرت کر چکا تھا، پھر اس کے بعد کوئی گنجائش ہی باقی نہیں رہ گئی تھی۔

ایک بار پھر غیر ارادی طور پہ سہی مگر وہ اس کے دکھوں سے آشنا ہو گیا تھا، ڈالے کے ساتھ جو بھی سلوک تھا اس کا اس میں لاشعوری طور پہ اس اضطراب کا بھی حصہ تھا، وہ متحمل سا واپس لوٹا تو ڈالے کمرے میں خواتین میں گہری ہوئی تھی، جہان اپنے خیال میں تھا اسی وقت واپسی کو پلٹا تو پر نیاں نے تیزی سے اسے پکار لیا تھا۔

”کہاں جا رہے ہیں جہان بھائی! آئیے نا یہاں آپ کا ہی انتظار ہو رہا ہے ناشتے کے لئے۔“ جہان تھم گیا تھا، البتہ پلٹ کر نہیں دیکھا، اس کی اسی حرکت پہ بھابھی نے گرفت کر لی تھی۔

”اتنا شرم کیوں رہے ہو جہان، بھئی یہ دلہن سے تمہاری۔“

”شرم تو لوگ بڑے بڑے گناہ کرنے کے بعد بھی نہیں کرتے، الحمد للہ میں نے کسی کے ساتھ دعا بازی کی نہ ہی بددیانتی۔“ جہان نے اپنے ازلی اعتماد کے ساتھ جواب دیا تھا، نگاہ محض ایک لمحے کو ڈالے کی سمت اٹھی جس میں بلا کی کاٹ تھی۔

”تمہاری دلہن بہت کم گو اور شائی تھی ہے، تمہاری طرح گہری بھی بہت ہے، ہمیں رونمائی گفت

تک کا نہیں بتایا۔“ بھابھی نے پتہ نہیں تعریف کی تھی یا تعقید وہ سمجھ نہیں سکا، ان لوگوں کے جانے کے بعد وہ پہننے کے لئے اپنے کپڑے نکالنے لگا، اس کا کچھ دیر نل اتار کر رکھا ہوا کوٹ اب ڈنگر میں لنگ رہا تھا، جہان نے اسے ڈنگر سے نکال کر جھٹکا اور تہہ لگا کر بیگ میں رکھنے کا ارادہ کیا تھا کہ اس کی پاکٹ سے کوئی چیز نکل کر لڑھکتی ہوئی پرے جا گری، جہان نے کچھ حیرانی کے عالم میں اپنی نگاہ کو اٹھایا تھا اور گہرا سانس بھر کے رہ گیا، وہ وہی پلائیم کی رنگ تھی جو جہان نے ماما کے بے حد اصرار پہ رونمائی کے لئے خریدی تھی، وہ رنگ ممانے بارات کے دن اس کے کوٹ کی جیب میں اس کے سامنے ڈالی تھی ساتھ میں تاکیدی بھی کی تھی کہ وہ لازمی ڈالے کو پہنا دے، جہان کے کوٹ جھٹکنے پہ یہ ہی رنگ تھی جو اس طرح نکل کر گری تھی کرنے کے باعث اس کا دل شیب بازک سا کیس کھل گیا تھا اور انگوٹھی لڑھکتی ہوئی جا کر رک گئی تھی، جہان نے ہونٹ بھیج کر جبکہ ڈالے نے کچھ تحیر کے عالم میں نگاہ اٹھائی تھی، دونوں کی نظریں غیر ارادی طور پہ ملی تھیں، جہان نے بد مزگی کے احساس سمیت نگاہ کا زاویہ بدلنے میں پہل کی اور رخ پھیر کر بے نیازی سے اپنا کام کرنے لگا، ڈالے آہستگی سے جھکی تھی اور اس رنگ کو اٹھا کر اس کے کپس میں رکھا تھا پھر لا کر جہان کے سامنے کر دی۔

”یہ لیجئے۔“ جہان نے چونک کر کسی قدر حیرانی سے اس کے ہاتھ میں موجود رنگ کو پھر اسے دیکھا تھا، نہ کوئی مظنہ نہ غرور کا کوئی احساس اس کا انداز عاجزی و فرمانبرداری لئے ہوئے، سادگی کا مظہر تھا، رات کی کسی زیادتی یا کئی کارنگ اس کے چہرے پہ نہیں ملتا تھا، وہ کچھ کچھوں کو ساکن رہ گیا تھا۔

”رکھ لو، تمہارے لئے ہی ہے، کوئی پوچھے رونمائی کے متعلق تو دکھا دینا۔“ اسے کہتا بڑا تھا، تمام تر نفرت یقین اور اشتعال کو ایک طرف رکھ کر، ڈالے کے چہرے پہ ایک رنگ آ کر گزرا سمجھوتہ کرنے پہ مجبور ہی اس وقت ہوئی تھی جب محبت اس کی رگوں میں زہر بن کر اتر گئی تھی، پھر کہاں کی انا اور کہاں کی عزت نفس، ورنہ وہ وہی تھی جس نے نیلما سے خون کا رشتہ ہونے کے باوجود اس کی اصلیت جان کر اسے عضو بے کار کی مانند کاٹ کر پھینک دیا تھا مگر یہ ڈالے وہ ڈالے نہیں تھی، اس نے وہ رنگ اپنے ہاتھ کی انگلی میں پہنی تو جہان کے نام کے بعد اس کی دی انگوٹھی کو پہن کر کچھ اور بھی خوش بخت گردانا تھا خود کو۔

”تیار ہو گئے ہونا بیٹے، آپ کی چچی جان ناشتہ لازمی ہیں۔“ ماما جان نے اندر آ کر دونوں کو باری باری پیار کیا اور دعاؤں سے نوازا تھا، ڈالے بلیو کٹر کے لائنگ فرائک میں ہلکا میک اپ کیے جیولری پہننا خاص طور پہ بے حد پیاری لگ رہی تھی، ہلکی نمی لئے بے حد سلکی بال پشت پہ گر رہے تھے۔

”نہیں ماما جان! ناشتہ ہم وہیں سب کے ساتھ کریں گے، میں چچی جان کو منع کر دیتا ہوں۔“ جہان نرمی سے کہتا باہر نکل گیا۔

”بیٹے دلہن ان کنفرینسیل ٹیل کرتی اس لئے.....“ جہان کے منع کرنے پہ ممانے کہتا چاہا تو جہان کے ماتھے پہ ناگواری کی شکن ابھری تھی۔

”کیوں ان کنفرینسیل ٹیل کریں گی وہ؟ اسے کیا اب انہی لوگوں کے ساتھ نہیں رہنا؟“

”انہو جہان ماما کا یہ مطلب نہیں تھا، ایک دن کی دلہن ہے تو.....“ بھابھی نے وضاحت دینا چاہی۔

”اٹس اوکے، آپ اس بات کو لے کر پریشان نہ ہوں۔“ جہان نے اب کے نرمی سے کہا تھا پھر

پلٹ کر بچن سے نکل گیا، ناشتہ ڈائیننگ ہال کی وسیع ٹیبل پہ سارے خاندان نے بیک وقت کیا تھا، ہلکے پھلکے ہنسی مذاق کے ساتھ ساتھ سب سے زیادہ زیاد چہک رہا تھا۔

”یار رہے پاپا! اب میری ماری ہے اور پلیز اب درہر ہو گز نہیں ہونی چاہیے۔“ زیاد کی بات پہ لوریہ کے پہلو میں بھابھی نے زور سے کہنی ماری تھی، اسے اچھو لگتے لگتے رہ گیا۔

”یہ پانی لو لوری، خیریت ہے نا؟“ زیاد نے جلدی سے پانی کا گلاس بڑھایا تھا، ہال میں دہلی دہلی مسکرائشیں بکھر گئیں۔

”کچھ بولیں نا پاپا؟“ لوریہ کرسی تھکیٹ کر وہاں سے اٹھ گئی تو ممانے زیاد کو گھورا تھا۔

”بچی کو ڈھنگ سے ناشتہ بھی نہیں کرنے دیا آپ نے زیاد۔“

”کرے گی ناشتہ بھی، شادی تو ہو جائے، اب دیکھیں جہان بھائی اور لالے کی ہی مثال لے لیں، شادی سے پہلے دونوں بھابھیاں ان سے شرماتی تھیں اور ان کے سامنے پہ گھبرا کر راہ فرار ڈھونڈا کرتی تھیں، اب کیسے اپنے اپنے میاؤں کے پہلو میں بیٹھیں ناشتے میں مصروف ہیں، اک میں بیچارا.....“ اس نے خود ہی اپنے اوپر جی بھر کے رحم دکھایا تھا، لالے اور پریناں دونوں ہی کسی قدر خفیف ہو کر رہ گئیں۔

”ہمیں تو آپ کی خواہش کی تکمیل کے لئے ہر گز بھی کوئی اعتراض نہیں ہے بیٹا جانی آپ یہ سفارش اپنی پھپھو سے کیجئے بلکہ لوریہ سے، بی کوزیہ رعایت یا پھر وقت لوریہ کو ہی درکار ہے۔“ پاپا نے جواباً مسکرا کر کہتے اسے تسلی دی تو زیاد ہل اٹھا تھا۔

”پھپھو اور لوریہ کی تو آپ فکر نہ کریں ایسے منالوں کا نہیں آپ بس شادی کی تیاری کریں، کیوں پھپھو؟“ زیاد نے چٹکی بجاتے ہوئے کہا تو پھپھو آہستگی سے مسکرا دی تھیں۔

”زینب کہاں ہیں معاذ؟“ جہان کی بے چین متلاشی نگاہیں کب سے اسے نہ پا کر مضطرب تھیں، بالآخر رہا نہ گیا تو اپنے ساتھ بیٹھے معاذ سے پوچھا تھا، معاذ خود بھی چونک سا گیا۔

”ہاں وہ کمرے میں ہے، بی بی نارمل نہیں تھا میں نے میڈیسن دی تھی صبح، آئی تھنک سو رہی ہو گی۔“ معاذ کی نگاہ لہجہ بھر کو لالے کے چہرے پہ ٹھہری جہاں اس تذکرے کے ساتھ ہی پیکا بن نمایاں ہو گیا تھا، جسے معاذ نے بہت شدت سے نوٹ کیا تھا، جیسی اس نے تنہا کی ملتے ہی جہان پہ گرفت کر لی تھی۔

”کیا ضرورت تھی جے تمہیں اس وقت زینب کے بارے میں سوال کرنے کی؟“

”کیا مطلب ہے تمہارا؟“ جہان کو سخت حیرانی ہوئی تھی۔

”تمہیں بھابھی کے سامنے نہیں پوچھنا چاہیے تھا، مجھے اچھا نہیں لگا۔“

”زینب کے متعلق میرا پوچھنا یا پھر صرف لالے کے سامنے؟“ جہان کا لہجہ عجیب سی سنگن لئے ہوئے تھا، معاذ نے اپنا سر پیٹ لیا۔

”پاگل مت بنو جے! جب زینب کی شادی ہوئی تھی اس وقت تمہیں کتنا خیال تھا کہ تیمور کو تمہارے حوالے سے کوئی بات بری نہ لگ جائے، اس قسم کی صورتحال اب بھی ہے، اگر تم مجھو تو.....“

”وہ لڑکی بھی معاذ اور لڑکیوں کو اپنی شادی شدہ زندگی میں بے حد محتاط رہنا چاہیے، میں کیوں یہ فکریں پالتا پھروں، زینب میری کزن ہے میں خیریت پوچھ سکتا ہوں اس کی..... دوسری اہم بات یہ کہ اس لالے کو میری زندگی میں ہرگز اتنی اہمیت نہیں ہے کہ میں کوئی کام کرنے سے پہلے اس کے جذبات و

احساسات کی فکر پالتا پھروں۔“ وہ گویا آگ برسانے لگا تھا، معاذ کو چپ ہونا پڑا تھا، جہان اسی طیش کی کیفیت میں سگریٹ سلکانے لگا۔

”گامڑی تیار ہے نا جہان بھائی! ماما کہہ رہی ہیں فلا میٹ کا ٹائم ہو رہا ہے۔“ تب ہی پریناں وہاں آئی تھی، ڈیپ پر بل لانگ شرٹ چوڑی پاجامہ اور بڑے سے دد پٹے میں لمبوس ساتھ میں ڈالے ہی اسی ساج دھج کے ساتھ۔

”جی تیار ہے، لیکن پہلے ان کے زیورات اتروائیں، میک اپ صاف کریں پھر چادر اوڑھ کر جانا ہے۔“ جہان نے بات تو پریناں سے کی تھی مگر کڑی نگاہوں سے لالے کو دیکھ کر جیسے ہمیشہ کے لئے جتلیا تھا، لالے کی جھکی آنکھوں کی پلکیں لرز اٹھی تھیں، پریناں نے فرمانبرداری سے سر اثبات میں ہلایا۔

”جی بھائی بہت بہتر، آئیے لالے۔“ پریناں لالے کا ہاتھ پکڑے آگے بڑھ گئی تو معاذ نے باقاعدہ سرد آہ بھری تھی اور آہستگی سے گنگنایا۔

بدلتا ہے رنگ آسمان کیسے کیسے
جہان نے چوکتے ہوئے گردن موڑ کر حیرانی سے اسے دیکھا۔

”آئی کانٹ بلیواٹ کہ یہ وہی جے ہے جو صرف پولاٹ تھا کیئرنگ تھا، میں اندازہ کر سکا ہوں کہ رات بھابھی یہ آپ کے کیا کیا قہر ٹوٹے ہوں گے، بے چاری لالے بھابھی۔“

وہ ہر گز بھی مذاق نہیں کر رہا تھا، اس کے باوجود جہان باقاعدہ کھنکارا اور اسے گھورتے ہوئے آگے بڑھ گیا کہ پاپا بالائی منزل کی میٹھیوں پہ کھڑے اسے پکار رہے تھے۔

☆☆☆

دلیر کی تقریب حسب روایت شاعر رہی تھی، لالے نے ٹی پنک لہنگا زیب تن کیا تھا جبکہ اس روز جہان ہلکے ہلکے پینٹ کوٹ میں لمبوس ہمیشہ کی طرح اپنی ٹھکانا دینے والی دجاہت کے باعث ہر نگاہ کا مرکز بنا ہوا تھا، مسز آفریدی کی آمد بہت تاخیر سے ہوئی تھی اور انہوں نے آتے ہی واپسی کی جلدی مچا دی، انہیں شاید خواہ مخواہ اپنی اہمیت جتلانے کی عادت تھی مگر اس مرتبہ ان کا پالا جہان سے پڑا تھا، جوان کی بچھائی ہوئی بساط پہ محض ایک باران کی شاطری کے آگے پنا تھا پھر تب سے اب تک وہ انہیں ٹاکوں چنے چوار ہا تھا۔

”میری بہت ضروری مینٹنگ ہے مسز شاہ پلیز لالے کو ذرا جلدی تیار کر دیں ایک گھنٹے بعد کی میری فلائیٹ ہے۔“ جہان اندر آیا تو مسز آفریدی کا منہ سے یہ سناڑھی کی قال کو نزاکت سے درست کرتیں، نحوٹ بھرے انداز میں کہہ رہی تھیں، جہان کی تیوری پہ مل پڑ گئے تھے۔

”لالے آپ کے ساتھ نہیں جائیں گی مسز آفریدی، آپ کی مینٹنگ تھی تو آپ نے یہاں آنے کی زحمت کیوں کی؟ یہ تقریب آپ کے بغیر بھی اسی خوش اسلوبی سے انجام بخیر ہو جاتی۔“

”جہان بیٹے.....! ماما بری طرح سے گڑبڑائی تھیں اور اسے ٹوکنا چاہا مگر جہان نے انتہائی نرمی سے انہیں شانوں سے تھام کر اپنے ساتھ لگایا اور ہاتھ سے عاجزانہ سا اشارہ خاموش رہنے کا کیا تھا پھر مسز آفریدی کے متغیر چہرے کو دیکھ کر اسی رعونت زدہ لہجے میں گویا ہوا۔

”آپ سمجھ لیں آپ کی بیٹی پہ آپ کا اختیار ختم ہوا، آج کے بعد وہ میرے حکم کی پابند ہے، میں

چاہوں تو آپ سے ملنے بھی دوں اور چاہوں تو.....“

”دس ازناٹ فیئر..... مسز شاہ دیکھ رہی ہیں آپ؟“ مسز آفریدی نے حواس میں لوٹنے ہی اور کے انداز میں کہنا چاہا تھا کہ جہان نے ایک بار پھر انہیں ٹوک دیا تھا۔

”چچی جان سے سفارش کرانے کی ضرورت نہیں ہے، یہ میرا آپ کا اور آپ کی بیٹی کا معاملہ ہے، میرے کسی گھروالے کو آپ نے تب شامل نہیں کیا تھا یاد کریں، اب اگر آپ نے کوئی احتجاج بلکہ میں آپ کی بیٹی کو ہمیشہ کے لئے آپ کے ساتھ بھیجے یہ آمادہ ہوں، کیسے منظور ہے آپ کو؟“ وہ پھنکار کر مسز آفریدی کا ہی کیا ماما کا بھی رنگ فق ہو گیا، انہوں نے بے اختیار ہم کر جہان کے منہ پہ اپنا لہر ہاتھ رکھ دیا تھا۔

”پلیز جہان بیٹے! کنٹرول پور سیلف، ریٹیکس میں مسز آفریدی کو قائل کر لوں گی، آپ باہر جا کر وہ ایک طرح سے گویا اس کے آگے گڑ گڑائیں نہیں، جہان نے سر کوئی الفورٹی میں جنبش دی تھی۔

”ہرگز نہیں چچی جان! آپ کو کوئی ضرورت نہیں ہے ان کی منت کرنے کی۔“ ماما سے بات کر کے اس کا لہجہ مدہم اور موڈ ب تھا اس کے باوجود اس کے خطرناک عزائم کا کھیلا پن اس کے چہرے چمکتا تھا۔

”میں منت نہیں کروں گی بیٹے آپ جاؤ یہاں سے یہ بزرگ ہیں اور بزرگوں سے اس طرح بات نہیں کی جاتی۔“ ماما بے حد عاجز ہو کر بولیں، جہان تنے ہوئے چہرے کے ساتھ ہونٹ سمیٹنے وہاں سے نکلا تھا تو زینب سے ٹکراؤ ہوتے ہوتے رہ گیا، سلور گرے میٹ کے لباس میں شمال اوڑھے حیران سی آتی تھی، جہان نے با مشکل اپنے کشیدہ اعصاب کو کنٹرول کیا تھا۔

”معاذ تار ہا تھا تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں؟“ زینب نے کچھ چونک کر اسے دیکھا پھر دل شکستگی سر جھٹک دیا۔

”ان باتوں کو چھوڑیں بے یہ بتائیں آپ کا ڈالے کی ماما سے کوئی جھگڑا ہے؟“ جہان نے اختیار نظر چرائی۔

”نہیں، بس نظریاتی اختلاف ہے تھوڑا سا۔“ اپنی بات کہہ کر وہ آگے بڑھا تو زینب نے ہونٹ لئے تھے۔

(نظریاتی اختلاف سے ہی تو سارا بگاڑ شروع ہوتا ہے، مجھ سے پوچھو اس بگاڑ اور نقصان تفصیلات) وہ بے حد طول ہی سوچ رہی تھی۔

☆☆☆

سر جھکائے بیٹھی وہ ہاتھ میں پہنی انگلی کو بے خیالی میں بار بار چھوری تھی، ابھی کچھ دیر قبل اس نے ولیم کا لباس بدلا تھا اور ہلکے کام کا شیٹون کا ہلکا اور ج سوت پہنا تھا، مسز آفریدی اس سے ملنے آئیں ان کا موڈ بے حد آف تھا۔

”وہ خود کو کچھ سمجھنے لگا ہے، مگر مجھے جانتا نہیں سے میں.....“

”پلیز می! بس کر دیں اب اور مجھے ہرگز پسند نہیں ہے یہ بات کہ آپ میرے ہز بیٹڈ کا ذکر اسے بڑے انداز میں کریں۔“ اس نے کس قدر ناگواری سے کہا تھا اور مسز آفریدی کی آنکھیں پھٹ سی گئی

”تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے؟ اتنا سر پہ ہٹھاؤ گی تو وہ تمہیں جوتے کی ٹوک پہ ہی رکھے گا، صرف نہیں ساتھ مجھے بھی۔“

”مجھے اعتراض نہیں ہے، یہ آپ کی ہی لگائی ہوئی آگ ہے جس میں مجھے جلنا پڑ رہا ہے مگر میں چاہ رہا ہوں کہ مجھے گوارا نہیں ہے کہ اپنی ماں کے عیوں سے پردہ اٹھا دوں۔“ جواباً وہ بھی پھٹ پڑی تھی، اس کی آنکھوں میں لرزتے آنسوؤں نے مسز آفریدی کو بھونچکا کر کے دیا تھا۔

”کیا مطلب ہے تمہارا؟ جہا تکیر نے رات مس بی ہو کیا ہے تمہارے ساتھ؟ بتاؤ مجھے، میں ابھی سب کو.....“

”می پلیز انف..... انف..... یہ آپ کی بیٹی کا سرال ہے، آپ کی راجدھانی نہیں ہے، کچھ تو خیال کریں۔“ اس نے ان کی بات قطع کر کے بے حد شاک ہو کر کہا تھا، جس کے جواب میں مسز آفریدی سے گھورنے لگیں۔

”سرال سے تو کیا ڈر جاؤں؟ بچا نہیں ہے تمہیں سمجھیں۔“

”اس سے کچھ کم بھی نہیں کیا، بس رہنے ہی دس اب۔“ وہ جیسے روسی پڑی تھی، مسز آفریدی جیسے نہیں اس مقام پہ آ کے ہار گئیں، اسے گلے لگایا تھا پھر گلو کیر آواز میں بولی تھیں۔

”وہ تمہیں مجھے اپنے ساتھ نہیں لے جانے دے رہا۔“

”کون..... شاہ؟“ ڈالے حیران ہوئی، مسز آفریدی نے محض سر کو اثبات میں جنبش دی تھی۔

”ابھی وہ غصے میں ہیں می! میں کچھ دن بعد آپ سے ملنے آؤں گی، ڈونٹ ڈری۔“ اس نے آہستگی وزنی کے ساتھ انہیں تسلی دی۔

”ٹھیک ہے بیٹے! اگر اسے زیادہ سر پہ چڑھانے کی ضرورت نہیں ہے، تم ہر لحاظ سے اس سے برتر ہو، حسن جائیداد وغیرہ۔“ ڈالے نے کسی کرب سے گزر کر ہونٹ کو کاٹا تھا، مسز آفریدی کے جانے کے بعد سے وہ ایسے ہی بیٹھی تھی، کچھ اداس کچھ طول سی۔

”ڈالے کپڑے بدل بھی لئے گڑیا؟“ اسے بہت ہی نہ چلا کب بھا بھی اندر آ گئیں، وہ زور سے چوکی تھی پھر بے دلی سے مسکرائی۔

”جی! کچھ سلی بہت بھاری تھے کپڑے پھر تقریب بھی تو ختم ہو گئی تھی۔“ اس کے لہجے میں مخصوص حم کا بھولپن اور سادگی تھی، بھا بھی بے ساختہ مسکرا دیں۔

”لیکن ابھی جہان نے تمہیں اس لباس میں سر ہا تھوڑی تھا، ہنگی شوہر کی سٹائش پائے بغیر ہی اتنا اچھا جوڑا اتار پھینکا۔“ ان کی بات پہ ڈالے کے چہرے کی رنگت بدل سی گئی تھی، اس نے فی الفور سر کو جھکا دیا، اسے قطعاً سمجھ نہیں آ سکی اس مقام پہ اسے کیا کہنا چاہیے تھا۔

”چلو خیر اب! اس ہونے کی ضرورت نہیں، تم اتنی انوسینٹ ہو کہ سر اپنے پیار کرنے کے لئے کس آرائش کی ضرورت تو ہے ہی نہیں، میں تمہیں بلانے آئی تھی، وہاں ہال میں بہت اچھی محفل جمی ہوئی ہے، بس تمہاری کمی ہے۔“ بھا بھی اس کا ہاتھ پکڑ کر باہر لے آئی تھیں، ہال کمرے میں واقعی بے حد رونق تھی،

نو جوان پارٹی وہیں جمع تھی اور بات بات پہ تہمتے پھونچتے تھے، جہاں سامنے ہی صوفے پہ ترچھے ز سے بیٹھا ہوا تھا، ٹانگ پہ ٹانگ رکھے بے حد مغرور مگر بے نیاز قسم کا انداز تھا، اس کے ساتھ معاذ تھا زیاد۔

”آئیے بھائی! یہاں اپنے صاحب بہادر کے ساتھ تشریف رکھیے۔“ زیاد اسے دیکھتے ہی اٹھا اور ڈالے بے اختیار ٹوک دیا۔

”نہیں بھائی آپ بیٹھے رہیں، میں یہاں پر نیاں جی کے ساتھ بیٹھ رہی ہوں۔“ وہ اپنے مخصوص جگہ کے نرم اور موڈب انداز میں کہہ کر نیچے کارپٹ پہ نور یہ اور پر نیاں کے درمیان خالی جگہ پہ آن بیٹھی پر نیاں نے اسے کٹھن دیا تھا جسے اس نے گود میں رکھ لیا تھا، زیاد ٹھنڈا سا لٹس بھر کے رہ گیا۔

”یعنی طے ہوا کہ آپ میں کمال کی انڈر اسٹینڈنگ پیدا ہو گئی ایک ہی رات میں، ایک ہی رات میں آپ دونوں نے یہ بھی پلاننگ کر لی کہ میرے اور میری فیائسی کے درمیان ظالم سماج کا کردار ادا کر لیں گی۔“ زیاد کی زبان کے آگے تو گویا خندق تھی، وہ بولنے پہ آیا تو یہ بھی نہیں دیکھا کہ ڈالے اس کی ان فضول باتوں سے کس حد تک گھبرائی یا حواس باختہ ہوئی۔

”جج..... جی!“ ڈالے نے شپٹا کر پہلے زیاد پھر جہان کو دیکھا تھا جو اس مخصوص قسم کی سنجیدگی کے حصار میں تھا۔

”انفہ بہت بدتمیز ہو زیاد، پریشان کر دیا نا پچاری کو، ڈالے لڑ گیا مذاق کر رہا ہے، ابھی پہلے نوری کے ساتھ بیٹھنے لگا تو جہان نے اپنے ساتھ صوفہ پہ بٹھا لیا اب تم نے اس کا چانس گنوا دیا یہ جانتے بغیر کہ ہمارا یہ لڑکا صرف اتنا ذلا ہی نہیں چھچھو رہا ہے۔“ بھابھی مسکرا مسکرا کر وضاحت دے رہی تھیں جبکہ زیاد نے آخری دونوں القاب پہ سخت قسم کا احتجاج بلند کیا تھا۔

”اونہہ آپ خود تو جیسے بہت سو برد ہیں نا ماشاء اللہ اور جنید بھائی..... اف ان کی بے ججائی کے مظاہرے ہم نے اپنی کہنے گار آنگھوں سے کئی بار دیکھے۔“ زیاد اتنا بلبلایا تھا کہ بھابھی کے ساتھ جنید بھائی کو بھی رگید ڈالا، بھابھی برامانے بغیر بیٹھے گئی تھیں۔

”مجھے پتہ ہے اب تم اپنی حققت مٹا رہے ہو۔“ انہوں نے پھر اسے جلایا تھا، اس سے پہلے کہ زیاد پھر سے شروع ہوتا، معاذ نے مداخلت کی تھی۔

”ڈالے بھابھی ہم ایک کھیل کھیل رہے ہیں، اس باؤل میں کچھ کارڈز آپ دیکھ رہی ہیں نا، یہ باری باری سب کے پاس آئے گا، آپ کے ہاتھ جو کارڈ آتا ہے اس پہ جو بھی فرمائش لکھی گئی ہے اسے پورا کرنا حاضرین پہ لازم ہے، بے فکر رہے کوئی بھی نازیبا فرمائش نہیں ہے۔“ وہ آخر میں مسکرا کر تسلیم کر رہا تھا کہ اسے کنفیوژڈ ہونے دیکھ چکا تھا وہ، ڈالے نے بے اختیار سکھ کا سا لٹس بھرا۔

”یہ کھیل آپ سے ہی شروع ہو گا، پی کوز یہ محفل آپ دونوں کے ہی اعزاز میں سجائی گئی ہے۔“ معاذ نے ٹیکر کیا تو حسان نے شیشے کا رولین کارڈز والا باؤل نہایت مودب انداز میں دونوں ہاتھوں میں لے کر اسے پیش کیا، ڈالے پھر سے پزل ہو گئی تھی، جانے کون سی فرمائش ہو جاتی، اس نے دھڑکتے دل کے ساتھ ایک ٹیلا کارڈ منتخب کیا تھا، اس سے پہلے کہ اس پہ درج بار یک سی عبارت کو پڑھ پانی زیاد نے کارڈ اس سے اچک لیا تھا، ساتھ ہی اس کا منہ لٹک گیا۔

”اپنی پسند کی کوئی نظم سنائیں۔“ اس نے با آواز بلند پڑھ کر سب کو سنایا، یہ کارڈ اسی نے لکھے تھے اور زیاد تر پہ گانے اور لور کا نام اور پہلی ملاقات کا احوال سچ کی شرط رکھ کر بنانے کو کہا گیا تھا، ڈالے کے لئے وہ اسی کارڈ کا متنی تھا۔

”ہو ہو پوٹری..... دلچسپی بھی ہے آپ کو؟“ ماریہ ہنسی تھی، ڈالے جھوٹ نہیں بول سکی مگر سب کے سچ وہ بھی ایسے جبکہ وہ فریک بھی نہیں ہو پائی تھی سنانے کے خیال سے اسے عجیب لگ رہا تھا، مگر ان سب نے اسے کچھ اس انداز میں پیش کیا کہ اسی کا حوصلہ بندھا تھا، اس نے ایک نظر جہان کو دیکھا، وہ ہنسی تھی پہ چہرہ انکائے وہ مصلحتاً ہی سہی مگر اسے ہی دیکھ رہا تھا، چاہے نظروں کا انداز کتنا ہی پریش اور طنزیہ سہی، اس نے گھبرا کر پلٹیں جھکا دیں۔

مجھ کو معلوم نہیں چاہت کے تقاضے لیکن ہم نے تیری ذات کے سوا ہر بات بھلا رکھی ہے سفر مشکل ہے بہت معلوم ہے ہم کو لیکن تو ہمارا ہے تو ہر فکر مٹا رکھی ہے تو بھلا دے تو بھلا دے لیکن ہم نے تیری خوشبو بھی تقدیر بنا رکھی ہے تو جو پھڑے تو ہر بار یوں لگتا ہے زندگی موت کے پہلو میں بٹھا رکھی ہے تیری باتیں تیرا چہرہ تیرا لہجہ ہم تجھ میں خالق نے ہر چیز حیا رکھی ہے

جب اس نے غزل شروع کی اس کی آواز میں لرزش بھی تھی اور عدم اعتماد بھی مگر پھر جیسے جیسے پڑھتی گئی لرزش بھی غائب ہوئی اعتماد بھی آیا اور اس کے الفاظ اور لہجے کی گہرائی شدت سچائی خلوص اور سب سے بڑھ کر جذب نے وہاں سب کے دلوں پہ جیسے گہرا اثر چھوڑا تھا، وہ خاموش ہوئی تو سب نے بے حد فراخ دلی سے اسے داد دی تھی۔

”دیکھ لیں جہان بھائی آپ کی نئی ٹوبلی وہیں بھی آپ کے سحر آپ کی دلکشی سے محفوظ نہیں رہے ہیں۔“ زیاد نے جو بات لالہالی اور مذاق میں کہی تھی وہ ڈنگ بین کر جہان کو لگی تھی، ڈالے کو دیکھتے ہوئے اس کی آنکھوں میں حقارت اور طہر بیک وقت اترتا تھا، جسے اور کسی نے محسوس کیا ہو یا نہیں ڈالے ضرور کیا تھا، جہان نے جتنی بھی ناگواری محسوس کی البتہ ہونٹوں کو باہم بچھ کر خود کو کچھ کہنے سے باز رکھا تھا۔

”جے تمہاری باری ہے اب۔“
”مجھے کچھ نہیں آتا، پہلے بتا رہا ہوں۔“ وہ نروٹھے پن سے بولا، تو سب نے بری طرح اپنا احتجاج پیش کیا تھا۔

”یہ فاول ہے بھائی! آپ کو سنانا پڑے گا۔“ یہ ان سب کا اصرار ہی تھا کہ جہان کو کارڈ اٹھانا پڑا جس پہ گانے کی فرمائش ہوئی تھی، وہ سخت جریز ہو گیا تھا۔

”مجھے گانا نہیں آتا۔“ وہ گڑبڑا کر صاف انکار کرنے لگا۔

”آپ کو گانا آتا ہے جہاں بھائی ہم جانتے ہیں، سنائیں ورنہ ہم ابھی تھا ہو کر یہاں سے واک آؤٹ کر جائیں گے، کیوں مانی پارٹی؟“ زیادہ نے صرف دھمکی نہیں دی، ان سب کو بھی اپنا ہموایا لیا تھا، جہاں کو ہتھیار پھینکتا پڑے تھے، اس نے گلا کھنکھار اسی بل نہن اپنے کمرے سے نکل کر ملازمہ کو پکارتی ہوئی لاؤنج کے صوفے پہ آ کر بیٹھ گئی، جہاں کی نظروں نے ساکن ہو کر اسے دیکھا تھا، وہ اس کی سمت متوجہ نہیں تھی۔

کیونکہ اتنا پیار تم کو کرتے ہیں ہم

کیا جان لو گے ہماری صنم

ہمارے دل کی تم تھوڑی سی قدر کر لو

ہم تم پہ مرتے ہیں تھوڑی سی فکر کر لو

کیونکہ اتنا پیار تم کو کرتے ہیں ہم

ایک بے خودی تھی ایک بے اختیاری تھی، جو اس کی زبان سے ادا ہو رہی تھی، اس نے دوبارہ زینب کو نہیں دیکھا سر جھکایا اور آنکھیں بند کر لی تھیں، اسی کے بھاری لہجے میں ایک سوز تھا ایک جذب تھا۔

کیونکہ اتنا پیار تم کو کرتے ہیں ہم

کیا جان لو گے ہماری صنم

زینب نے چونک کر گردن موڑی تھی اور جہاں کو نظر نہ سوا دیکھ کر اسے بے تحاشا حیرت نے آن لیا تھا، ملازمہ کو چائے کا کہا اور اٹھ کر ہال کے دروازے میں آن رکھی، اس کی نظریں جہاں سے ہٹ کر ڈالے پہ ان ٹھہریں، جو جہاں کے ہی انداز میں سر جھکائے ہوئے تھی، گزد پیش سے بیگانہ اور غافل کسی اور ہی ہال میں کم۔

تم سے ہے سائیں تمہی سے ہے دھرمکن

تمہی سے ہے دیوانگی

رب نے ہمیں دی ہے

جان تمنا تمہارے لئے زندگی

وعدہ سنگ جینے کا اے جان جگر کر لو

ہم تم پہ مرتے ہیں تھوڑی سی فکر کر لو

کیونکہ اتنا پیار تم کو کرتے ہیں ہم

کیا جان لو گے ہماری صنم

جہاں نے گانے کے اختتام پہ بھی کٹی دیر تک نہ آنکھیں کھولیں نہ سرا دینا کیا، جبکہ اسے زبردست لانا داد سے نوازا گیا تھا۔

”مجھے ایک بات کی سمجھ نہیں آئی آپ دونوں نے دوران گانا ایک دوسرے کو دیکھا کیوں نہیں۔“ نے اہم سوال اٹھایا تھا، ایک زبردست قہقہہ پڑا تھا۔

”اس لئے کہ یہ فلم نہیں تھی۔“ معاذ نے اس کی تسلی کرنا چاہی تھی۔

”مگر جب آپ پر نیاں بھا بھی کے لئے گاتے تھے تب تو مسلسل انہیں دیکھا کرتے تھے۔“ زیادہ کی تسلی نہیں ہوئی تھی، معاذ نے سرد آہ بھری۔

”میں کسی شدید غلطی کا یا پھر خوشی جی کا شکار تھا، شاید جے یہ غلطی نہیں دوہرانا چاہتا۔“ معاذ نے لہجہ کو بالخصوص پر نیاں پہ جملاتی نگاہ ڈال کر سکتے ہوئے انداز میں جواب دیا تھا۔

”آپ لوگ خواہ مخواہ جھگڑ رہے ہیں، جے اس سوال کا مناسب جواب دے سکتے ہیں بہر حال۔“

زینب نے اسی طرح دروازے کی چوکھٹ سے کاغذ کا ٹکڑے بچھاؤ کر لیا تھا مگر اس کے لہجے میں کچھ ایسا تھا جو چونکا تھا، جہاں نے تب سے دانستہ نگاہوں کو نہیں اٹھایا تھا مگر اب اس نے زینب کی سمت نظر کی تھی۔

”اب تمہاری طبیعت کیسی ہے زینب؟“ اس نے آہستگی سے سوال کیا گویا بات کا رخ دانستہ بدلا۔

”بہت جلدی خیال نہیں آ گیا آپ کو میرا؟“ خیر میں ٹھیک ہوں اب ٹھیکس۔“ وہ بے حد رکھائی سے جواب دیتی معاذ کی سمت متوجہ ہو گئی۔

”لالے میرے سیل میں کریڈٹ نہیں ہے، اپنا سیل دیجئے، مجھے کال کرنی ہے؟“ معاذ نے اپنا سیل جیب سے نکال کر اس کی سمت بڑھا دیا تھا۔

”ملازم کو بھیجو میں کالنگ کارڈ منگواتا ہوں۔“ زینب نے محض سر ہلایا تھا اور پلٹ کر چلی گئی۔

”چلو اب تم بھی کچھ سنا دو یا۔“ اس نے خود کو سنبھال کر معاذ کو مخاطب کر لیا تو اس کے چہرے پہ

معنی خیر مسکراہٹ بکھر گئی تھی۔

”ہم میں سے کسی کو بھی کچھ نہیں سنانا تھا، بس تم دونوں سے سنا تھا۔“

”کیا مطلب؟“ جہاں واقعی ہی الجھ کر رہ گیا تھا۔

”مطلب یہ ہے مانی ڈیڑھ بجے کہ تم نے جو اپنی ساسو ماں سے جھگڑا کر کے اپنی پیاری سی دلہن کو

زبردستی اپنے پاس روکا ہے تو ہم اب ظالم سماج تو بننے سے رہے کہ تمہارا اتنا اہم اور قیمتی وقت یہاں کی

بے کاری میں ضائع کر دوں، تم اپنی سزا کا ہاتھ پکڑو اور اپنے بیڈروم کی راہ لو۔“

وہ جواباً دانت نکال کر وضاحت کر رہا تھا، جس نے جہاں کو خفت و خجالت سے سرخ کر دیا تھا،

ڈالے کا تو جیسے شرم سے برا حال ہو گیا تھا، دونوں کی بے ساختہ نگاہ ملی تھی، ڈالے نے حیا سے چلتے

چہرے کو بے ساختہ ہاتھوں میں چھپا لیا تھا، اس کی اس حرکت پہ معاذ اور زور سے ہنسنے لگا، جبکہ جہاں

خجالت مٹانے کو معاذ کو مارنے کو دوڑا معاذ اپنا آپ بچارا تھا، اسی کوشش میں دونوں کھٹم گھٹا ہو چکے

تھے۔

☆☆☆

جہاں کی شادی سے مہینہ بھر بعد بھی جب پر نیاں نے کالج جانے کا نام نہیں لیا تو معاذ کو بے تحاشا

جھنجھٹاہٹ نے آن لیا تھا، خود سے اسے مخاطب کرنا وہ بہت عرصے کا چھوڑ چکا تھا، سب کے سامنے جو

بات چیت ہوتی وہ الگ بات تھی مگر بیڈروم کی حد تک وہ دونوں ہی ایک دوسرے کے لئے ممنوع ہو چکے

تھے، دیکھنے اور بولنے تک کی حد تک بھی، اب بھی معاذ کی فطری رعونت اسے مخاطب کرنے میں آڑے آ

رہتی تھی مگر اس کے سوا چارہ بھی نہیں تھا، کالج سے لے کر یہاں گھر تک ہر بندہ پر نیاں کی ادھوری تعلیم

کے متعلق اسی سے سوال کرتا تھا اور وہ اس کی خاموشی یا دوسرے لفظوں میں نظر اندازی و پہلو تہی پہل کر رہا جاتا۔

”کانچ کیوں نہیں جاتی ہو تم؟“ وہ کسی کام سے اندر آئی تو معاذ جو اس سے بات کرنے کا فیصلہ چکا تھا، چھوٹے ہی بھڑک کر بولا تھا، پر نیاں اپنے دھیان میں لگی یا پھر اس سے ایسی بات کی توقع نہیں رہی تھی کہ پہلے کھٹکی پھر گہرا سانس بھر کے اسے دیکھا۔

”مجھے نہیں چاہنا، نہ مجھے پڑھنا ہے۔“

”کیوں؟ اب کیا تکلیف ہوئی ہے تمہیں؟ سب ہی سمجھیں گے کہ میں نے تمہیں روکا ہے، خود تو میری سمجھتی ہی ہو مجھے، دنیا کی نظر میں بھی برابر دینا چاہتی ہو؟“ وہ اسے قہر بھرے اسے غصیلے انداز میں بولا۔

چلا گیا تھا کہ پر نیاں تو حیران ہو کر اسے دیکھتی رہ گئی۔

”ہے کوئی تمہارے پاس میری اس بات کا جواب؟“ معاذ نے اس کی خاموشی کو محسوس کر کے دانستہ کچکپائے تھے، پر نیاں نے ہونٹ سمجھتی لہنے۔

”میں نہیں پڑھ سکتی اب، اگر مجھے پڑھنا ہوتا تو اتنا نام ضائع کیوں کرتی۔“ وہ عاجزی ہو گئی، معاذ نے سر کو زور سے جھٹکا۔

”اگلے ماہ ایگزیم ہیں تمہارے، میں تمہاری ہیلپ کر دوں گا۔“ معاذ کا انداز قطعیت لئے ہوئے تھا، پر نیاں بری طرح سے جھنجھلائی۔

”ہرگز نہیں، مجھے نہیں چاہیے، آپ کی ہیلپ، بس کہہ دیا نا مجھے نہیں پڑھنا۔“ پر نیاں نے پھر اسی شدت سے انکار کیا تو معاذ کے چہرے پہ چند لمحوں کو سکوت سا چھا گیا۔

”آئی سی..... تمہیں میری اتنی سی توجہ بھی..... خیر میں کسی ٹیوٹر کا انتظام کر دوں گا، مگر ایگزیم دے رہی ہو تم، محض ایک ماہ کی بات ہے، ڈگری ضائع نہیں کرنے دوں گا تمہیں۔“ اس کا لہجہ ضدی سا تھا۔

مخصوص ٹیلا پن لئے، پر نیاں کو غصہ آنے لگا۔

”آپ مجھے فورس نہیں کر سکتے سمجھے آپ، مجھے نہیں چاہیے کوئی ڈگری و گری۔“

”یہ تو پھر میں دیکھوں گا کہ تم کیسے نہیں پڑھیں فی الحال تو میرے پاس نام نہیں مگر کل سے تم کانچ بھی جا رہی ہو۔“ اپنی بات مکمل کر کے وہ رکائیں تھا، مضبوط قدموں سے کھٹا چلا گیا، پر نیاں غصے سے ہونٹ پیچھے کھڑی رہی پھر مشتعل ہو کر ہاتھ میں پکڑا لیگر دوزا اچھال دیا اور خود کو بستر پہ گرا کر بے بسی کے شدید احساس سمیت گھٹ گھٹ کر روٹی چلی گئی تھی۔

☆ ☆ ☆

فراغت سے اکتا کر وہ بیڈروم سے باہر نکل آئی اور پورے گھر میں گھوم پھر کر جائزہ لینے لگی، تین بیڈروم تھے، ساتھ ہی لاؤنج، لاؤنج سے محلک ٹیرس تھا، ٹیرس کی وائٹ گرل سے لٹھی یوگن ویلیا کی بہار دکھائی تیل خوبصورتی میں اضافہ کر رہی تھی، گولابی سے اترتی سرخ کارپٹ سے ڈھکی بیٹریاں اتر کر وہ نیچے آگئی، نیچے کچن تھا جو ڈرائنگ روم سے جڑا تھا، وسیع و عریض سفید ٹائل والا امریکن اسٹائل کچن جہاں وہ شادی سے پہلے بھی ایک بار کھڑے ہو کر کام کر چکی تھی، لاؤنج کے آگے چھوٹا سا کچن تھا اور کچن سے

آگے لان جس کے وسط میں مین گیٹ تھا جس کے ساتھ مختصر سا پورٹیکو تھا۔

یہ لاہور والا جنگل تھا جہاں شادی کے محض چند دنوں بعد جب جہان کو کام کے سلسلے میں یہاں آنا پڑا تو ممانے جہان کی حیل و حجت کے باوجود ڈالنے کو اس کے ساتھ کر دیا تھا، تو اس کی وجہ شاید یہی تھی کہ وہ ان کے بیچ موجود تناؤ اور کشیدگی کے علاوہ فاصلوں کو بھی محسوس کر چکی تھیں، ان سب کے ہنسی مون پہ کیے گئے اصرار کو بھی جہان نے اس شدید سے ڈالا تھا چونکہ جہاں لاہور ساتھ لانے سے اتنی سختی سے انکار کرنے کی پوزیشن میں نہیں رہا یہی وجہ تھی کہ وہ اب اس کے ساتھ یہاں بھی، اتنے دن یہاں آتے ہوئے تھے اس کے باوجود جہان نے اسے مسز آفریدی سے ملنے کی اجازت دی تھی نہ ہی خود اسے لے کر گیا تھا، یہ بھی شکر تھا کہ مسز آفریدی کو ابھی تک اس کے لاہور آنے کی اطلاع نہیں گئی ورنہ وہ ایک طوفان لازمی اٹھا دیتیں، ان کی مصروفیت ہی انہیں سر اٹھانے نہ دیتی تھی اس کے باوجود وہ اسے اکثر فون کیا کرتی تھیں۔

”مجھے پتہ ہوتا ہے کہ یہ جہاں تم یہ اسی طرح سے قبضہ جما کر بیٹھ جائے گا تو میں بھی تمہاری اس سے شادی نہ کرتی۔“ اس دن انہوں نے کسی قدر غصے میں آ کر کہا تھا، جو اب وہ بھی ترنگ میں آ گئی تھی۔

”آپ بھی یہ بات جانتی ہیں مگر میں، میں نے شاہ کے علاوہ کسی سے شادی نہیں کرنی تھی۔“

بات کے اختتام پہ اس کی نگاہ جہان سے جا ملی تھی جو جانے کب وہاں آیا تھا، اسے خبر نہیں ہو سکی تھی، اس کی نظروں میں اتنی تپش اور تپش تھی کہ ڈالنے کو اپنا آپ جلتا ہوا محسوس ہوا تھا۔

”سچ ہمیشہ منہ سے نکل جایا کرتا ہے، غلطی سے ہی سہی مگر آپ نے اعتراف تو کیا نا کہ آپ نے یہ کارنامہ انجام دیا ہے، کتنی سستی حرکت ہے یہ اندازہ ہے آپ کو؟“ وہ اس کے رو برو آ کے کھڑا ہو گیا تھا، ڈالنے نے رابطہ منقطع کر دیا مگر خود کو اس کی عدالت میں بری نہیں کر سکی، جہان کی عادات بن گئی تھی قدم قدم پہ اسے ذلیل کرنے کی، اس وقت بھی وہ اپنے دل کی بھڑاس نکال کر راہ میں آئی ہر شے کو ٹھوکریں پہ اڑاتا چلا گیا تھا، گھر میں ایک ہی ملازم تھا، ڈالنے پہ گھر کی اکثر ذمہ داریاں خود بخود آ گئی تھیں، جن سے اس نے جی نہیں چرایا بلکہ بہت خوش اسلوبی سے ہر کام کرتی تھی، جہان کا ہر کام کنا اسے ویسے ہی گہری آسودگی اور تسکین سے دوچار کرتا تھا، مگر جہان نہیں سمجھتا تھا، اسے شاید یقین نہیں آتا تھا، ڈالنے صبر سے اچھے وقت کی منتظر تھی، جو پہ نہیں آتا بھی تھا کبھی کہ نہیں، اس کا دل اکثر طول ہو کر سوچنے لگتا تھا۔

(جاری ہے)

☆ ☆ ☆

☆ ☆ ☆

☆ ☆ ☆

☆ ☆ ☆

☆ ☆ ☆

☆ ☆ ☆

☆ ☆ ☆

☆ ☆ ☆

☆ ☆ ☆

عشقِ آفریدی

ام مریم

انیسویں قسط کا خلاصہ

زینب، تیمور کی حویلی میں شدید ترین آزمائش سہہ رہی تھی، جسمانی، روحانی اور ذہنی آزمائش مگر اس نے ہر اذیت کو خود پسند کا عہدہ جسے خود سے باندھا تھا جیسی شاہ ہاؤس کے مکینوں تک اس کی اذیت کی خبر نہیں پہنچی، مگر جہان لاشعوری طور پہ بے قرار ہے۔

پرنیاس کی پریکٹس کی خبر شاہ ہاؤس کے ہر ٹکین معاذ سمیت کو خوشگوار عطا کرتی ہے مگر پرنیاس معاذ کے رویے کی بدولت اپنا مستقبل غیر محفوظ خیال کرتے اسی خوشی پہ خوشی نہیں۔

جہان کی شادی کی تقریبات جاری ہیں مگر وہ ہرگز خوش نہیں ہے، زینب کے منہ سے سن کر کہ وہ خوش نہیں ہے جہان کے وجود کے اندر بول اگ آئے ہیں۔

سزا آفریدی اپنی سزا پہ نازاں ہیں مگر جہان انہیں قدم قدم پہ احساس دلاتا ہے کہ وہ جیت کر بھی جیت نہیں سکی ہیں۔

پرنیاس تعلیم جاری نہیں رکھنا چاہتی مگر معاذ ہر صورت اسے پڑھائی جاری رکھنے پہ مجبور کرتا ہے۔

تیسویں قسط

اب آپ آگے پڑھیے



مصنوع محبت کا اتنا سا فسانہ ہے
کانڈ کی حویلی ہے اور بارش نے بھی آنا ہے
کیا شرط محبت ہے کیا شرط دنیا ہے
آواز بھی زخمی ہے اور گیت بھی گانا ہے
اس تک پہنچنے کی امید بہت کم ہے
کستی بھی پرانی ہے طوقاں کو بھی آنا ہے
عشق نہیں آساں بس اتنا سمجھ لیجئے
اک آگ کا دریا ہے اور ڈوب کر جانا ہے

سردیوں میں دن انتہائی مختصر ہوتے ہیں، ایسا لگتا تھا ابھی دن پوری طرح چھا بھی نہیں اور اتر
بھی گیا، جب سے وہ یہاں آئی تھی گھر کے چھوٹے چھوٹے کام ہی اسے اتنا من اور مصروف رکھتے کہ
وقت کا پتہ ہی نہ چلا، جہان کا ہر چھوٹا بڑا کام وہ خود کرتی تھی اپنے ہاتھ سے، کھانا تیار کرنے سے لے کر
اس کے کپڑے دھونے سے استری کرنے تک، اس وقت بھی وہ کھانا تیار کر کے نکلی تو لان میں درختوں
کے سائے لیے ہو کر زمین پہ دوڑ تک لیٹے نظر آ رہے تھے، سورج افق کے پار اترنے کی تیاری پکڑ رہا تھا،
اس کی الوداع کہتی کمزور شعاعوں نے ہر شے کو اپنے رنگ میں ڈھانپ لیا تھا، وہ شال درست کرتی
برآمدے کی سمت آگئی، کچن کے گرم ماحول سے نکل کر یہاں کھلی فضا میں سرد ہوا کے خشک چھونکوں نے
اسے ٹھنڈا کر رکھا دیا اس نے گرم شال سے سر کے ساتھ ساتھ ناک اور ہونٹوں کو بھی ڈھانپا مگر سانس کے
ذریعے منہ سے نکلتی بھاپ سرد فضا میں شدت سے محسوس ہونے لگی، نگاہوں کے سامنے سبزہ اور ہریالی
تھی، شاہ باؤس میں جب پہلی بار اس نے کچن میں ماما کے ساتھ ہاتھ بٹانا چاہا تھا تو انہوں نے ایلکدم اس
کے ہاتھوں کو زری سے اپنے ہاتھوں میں لے لیا تھا۔

”نہیں بیٹے ابھی نہیں، ابھی تو آپ کے ہاتھوں کی مہندی بھی نہیں اتری اور آپ نے کام کا آغاز
کر دیا، ہمارے ہاں تو دلہن کا ہاتھ پہلے ہاتھ میں ڈلوایا جاتا ہے، کہیں تمہیں جہان نے تو کام کا نہیں کہا؟“
اور ڈالے اس درجہ محبت پہ بے اختیار مسکرا دی تھی۔

”ایسی بات نہیں ہے چچی جان میں اپنی مرضی سے کرنا چاہ رہی ہوں، مجھے اچھا لگتا ہے نا۔“ اس
کے جواب پہ ماما نے اسے نہال سے انداز میں گلے لگا لیا تھا۔

”جینسی رہو بیٹا سدا سہا کن رہو، خدا ہزاروں خوشیوں سے نوازے، بیٹے آپ جہان کی دلہن ہو
جہان اس گھر کا سب سے پیارا اور لاڈلہ بچہ ہے، اس کی دلہن کے لئے تو ہمارے دل میں ارمان ہی بہت
ہیں، بس ہم نے سوچا ہوا تھا کہ جب تک جہان کم از کم ایک بچے کا باپ نہیں بن جاتا اس کی دلہن صرف
گھوسے پرے کی خوش رہے گی، تم بنا کام کے ہی ہم سے شٹا بول بولو کی تب ہی ہمارے دلوں پہ چھا جائے
گی، ہم تو صرف اتفاق اور محبت کے منتظر ہیں بیٹے! روایتی بہوؤں کی طرح کام کی مشقت سہہ
سرالیوں کا دل جیتنے کی تکلیف میں پڑنا نہیں پڑے گا تمہیں۔“ وہ جینپ گئی تھی پھر ان کے ساتھ لگ کر
پیار سے اپنی بانٹیں ان کے گلے میں جامل کر دیں۔

”اللہ نے چاہا تو آپ کو مجھ سے کوئی شکایت نہیں ہوگی چچی جان!“ پھر جب وہ کمرے میں آئی تھی

تو جہان جیسے اسی کا خطر تھا، اسے دیکھتے ہی انتہائی درشت سے بولا تھا۔

”چچی جان کی باتوں پہ اوقات سے باہر ہونے کی ضرورت نہیں، ان کی عادت ہے ہر کسی سے بے
لوٹ محبت کرنا مگر یہاں تمہیں اسی صورت جگہ مل سکتی ہے اگر تم میرے رشتوں کو اہمیت اور محبت دو گی اور
یاد رکھنا میں اپنی بات دہرانے کا عادی نہیں ہوں۔“ ڈالے نے محض سر کو اثبات میں جنبش دی تھی اور نگاہ
بھر کے حکم دینے والے کو دیکھا تھا، گھر کے سوٹ میں وہ اتنا خوب دلگ رہا تھا کہ خود ڈالے بھی عمل
حسن کی مالک تھی لیکن اس کے سامنے ایسے دب جاتی تھی جیسے چاند کی روشنی کے آگے ستاروں کی روشنی
مانند پڑ جایا کرتی ہے۔

”میں آپ کو کبھی شکایت کا موقع نہیں دوں گی شاہ!“ جھکی ہوئی نظروں کے ساتھ اس نے اپنے
مخصوص مدھم مگر فرمانبردار انداز میں کہا تھا مگر اس کے باوجود جہان کے چہرے پہ رعوت سی پھیل گئی تھی۔
”جیسے بہت اچھی طرح سے اندازہ ہے جینسی اچھی ہو تم۔“ وہ خواہ مخواہ جھلایا تھا، اسے ہمیشہ اس پہ
غصہ آتا رہتا تھا جو اس کی حد درجہ بے زاری اور نفرت کا ہی نماز ہو سکتا تھا، یہاں آنے کے بعد تو وہ اس
نفرت کے اظہار کو اور بھی آزاد ہو گیا تھا، ڈالے اس روز سے الگ کمرے میں سو رہی تھی، شاید وہ اس کی
شکل دیکھنے کا بھی روادار نہیں تھا، ہارن کی آواز پہ ڈالے نے چوکتے ہوئے گردن موڑی، جہان کی گاڑی
گیٹ سے اندر داخل ہو رہی تھی، پھر وہ پور ٹیکو سے اسے اسی جانب آنا نظر آیا، بلیک ٹوپ میں اس کی
رنگت دکھ رہی تھی اور آنکھوں میں گویا خون سا اتر آیا تھا، اسے سرے سے نظر انداز کیے وہ اس کے پاس
سے ہو کر اندر چلا گیا، وہ اپنے نام سے پہلے گھر آیا تھا، اس کے چہرے پہ ایک نگاہ ڈال کر ہی ڈالے کو
اس کی طبیعت کی خرابی کا اندازہ بخوبی ہو گیا تھا، کچھ دیر سوچنے کے بعد وہ کچن میں آگئی، کچھ جلالت میں
چائے بنائی اور ٹرے سجا کر اس کے کمرے میں آگئی، جہان کنبل میں گھسا ہوا بری طرح سے چھینک رہا
تھا۔

”یہ چائے لیجئے۔“ اس نے ٹرے میز پر رکھی تھی۔

”یہ دراز کھولو، اس میں دس ہام ہو گا، نکال کر لے آؤ۔“ جہان اتنی سی بات کے دوران تین بار
چھینکا تھا، ڈالے نے پلٹ کر دراز سے ہام نکالی تھی۔

”کب سے خراب ہے آپ کی طبیعت؟ دوا لی؟“ اسے بے چین اور تکلیف میں محسوس کر کے
ڈالے کی اپنی جان گویا تھی میں آگئی تھی۔

”یہ چائے واہیں لے جاؤ۔“ جہان نے اس کے ہاتھ سے دس کی شیشی اچک کر اس کے سوال نظر
انداز کر دیئے تھے، ڈالے کچھ متذبذب سی کھڑی رہ گئی۔

”اب کیا ہے؟“ جہان نے اسے سر پہ سوار دیکھ کر شرٹ کے ٹیگ کھولتے ہوئے تخی بھری نظروں
سے اسے دیکھا۔

”مم..... میں ہام لگا دیتی ہوں۔“ اس نے جھجک کر کہا تھا مگر جواب میں جہان کی آنکھیں سلگ اٹھی
تھیں۔

”آؤٹ، میں جانتا ہوں بہت کرین ہے تمہیں میرے نزدیک آنے کا مگر.....“ ہاتھ سے دروازے
کی سمت اشارہ کرتے ہوئے وہ حلق کے بل چلایا، ڈالے کا چہرہ اتر ہو کر رو گیا، یہ جہان کی تخی اور تو جین

ڈالے تیزی سے چمکتی آنکھیں لئے اندھا دھند باہر بھاگی تھی اور باہر برآمدے کی سیڑھیوں پہ سٹنڈ کی پرواہ کیے بغیر بیٹھ کر روتی رہی، موسم شدید ہوا تھا مگر وہ اندر نہیں گئی، وہ خود کو معاف نہیں کر سکتی تھی اس محبت پہ جس نے اتنی ذلت اس کا نصیب ٹھہرا دی تھی، اس رات ہوا میں بھی اس سے ٹکرا کر آ کر جین کرتی رہی تھیں، بارش کی بوندیں اس کے آنسوؤں کے ساتھ مل کر اپنا وجود کھوٹی رہیں وہ سردی کے باعث ٹھنڈے لگی مگر اندر نہیں گئی، دوسری جانب جہان تھا، خود اپنے آپ سے جنگ میں مصروف، پہلے نہیں وہ خواہش کے باوجود اس کی اس انداز میں تامل کیوں نہیں کر پاتا تھا جیسا اس نے سوچا تھا، پہلے نہیں وہ کیوں اتنی مقدس لگتی تھی کہ وہ اس کا احترام کرنے پہ خود کو مجبور پاتا تھا، وہ اچھی نہیں تھی بری تھی اس میں شک تھا نہ گنجائش، پھر وہ اسے برباد کرنے کا انتقام کی آگ بجھانے کی خواہش پہ عمل پیرا کیوں نہیں ہو پاتا تھا، ایسے میں اسے پاپا اور معاذ کی باتیں یاد آتیں جو انہوں نے اس کی معصومیت اور کردار کے متعلق کہی تھیں تو کچھ اور جھنجھلا جاتا حالانکہ برسوں رات جب اس نے اس کے اسی پاکیزگی اور معصومیت کو پرکھنے کو ایک حربہ آزمایا تھا تو کتنا گھبرا گئی تھی وہ، جہان نے جو مووی لگا کر اسے دیکھنے پہ مجبور کیا تھا، وہ اس قابل ہرگز نہیں تھی کہ وہ خود بھی دیکھ سکتا مگر اس نے ڈالے کو اس کام پہ مجبور کیا تھا، وہ اس کی سوچ اور ارادے سے انجان تھی عام مووی سمجھ کر بھی دوا لگا کر کرتی رہی تھی۔

”مجھے موویز پسند نہیں ہیں شاہ! میں نے کبھی موویز نہیں دیکھیں۔“ جہان کو ظاہر ہے اس کی بات پہ یقین نہیں آ سکا تھا، جیسی ہونٹوں کی تراش میں تھی بھری مسکان بھر گئی تھی۔

”یہ مووی کچھ الگ ہے، آئی ایم شیور تمہیں پسند آئے گی۔“ اس کے اتنے اصرار کے آگے ڈالے نے ہار تسلیم کر لی تھی، مگر جب مووی سٹارٹ ہوئی تو پہلی نظر ڈال کر ہی ڈالے نے فق چہرے کے ساتھ اسے دیکھا تھا اور پھر پنی الفور اس سے بھی نگاہ پھیر لی تھی، جہان نے دیکھا تھا اس کا چہرہ ادھواں ادھواں تھا اور ہونٹوں پہ کپکپاہٹ تھی کچھ کہے بغیر وہ منہ پہ ہاتھ رکھے جیسے ہی اٹھ کر بھاگی جہان نے سرعت سے اسے دیوچ لیا تھا۔

”مجھے چھوڑ دیں، جانے دیں مجھے۔“ وہ وحشت زدہ سی چیخ اٹھی تھی، اس کا سارا وجود تیز ہواؤں کی زد پہ آئے ہوئے بچے کی طرح سے لرزتا تھا۔

”کیوں جانے دوں؟ یہ سب کچھ تمہارے لئے ہر گھر میں نیا نہیں ہے، جیسی تو تم سے اپنے جذبات نہیں سنبھالے گئے اور تم نے اتنی گھٹیا پلاننگ کر کے مجھے حاصل کر لیا، بہت پسند تھا میں تمہیں؟ اب ہوں تمہارے پاس، اپنی اداؤں سے راغب کرونا مجھے اپنی طرف۔“ وہ برس پڑا تھا، اس کے اپنی ہاتھوں کا وحشیانہ دھاؤ ڈالے کی ساری مزاحمتی صلاحیتیں بے کار کر رہا تھا مگر وہ پھر بھی اس کی گرفت میں مرعہ کھل کی طرح سے تڑپ اٹھی تھی۔

”مجھے معاف کر دیں شاہ! میں ایسی نہیں ہوں، میں قسم کھا سکتی ہوں آپ مجھے غلط سمجھ رہے ہیں۔“ وہ کتنی شدتوں اور بے قراری سے روتی اپنی صنائیاں پیش کرتی رہی تھی، جہان نے طیش نفرت اور برہمی کے عالم میں اس کے منہ پر ڈالے دار پھیرے در پے مارے تھے۔

”تم سولی پہ چڑھ کر جی بجھے اپنی بے گناہی کا یقین دلاؤ گی تو میں یقین نہیں کروں گا، اب دفع ہو

جاؤ یہاں سے۔“ جہان نے شدید جھلاہٹ کی کیفیت میں اسے بیڈ سے دھکیل دیا تھا، وہ منہ کے بل گری تھی مگر پلٹ کر دیکھے بغیر وہاں سے بھاگ گئی تھی، جہان کے اندر ایک عجیب سی کیفیت اتر آئی تھی، اگر وہ واقعی نفس پرست تھی تو پھر اس موقع پہ اس سے وہ اپنی اصلیت چھپا نہیں سکتی تھی کہ اس جیسے مردانہ وجاہتوں کی سحر انگیزی سے بھر پور مرد کے ساتھ اس ماحول اس درجہ قربت میں بھی وہ جھکنے کی بجائے حراساں اور سراسیمہ ہوتی رہی تھی حالانکہ وہ اس کا محرم تھا، وائے..... وہ سوچ سوچ کر پاگل ہوتا رہا، وہ واقعی معصوم تھی یا پھر بہت گھاگ اور پختہ تھی اپنے کام میں، مگر جانے کیوں دوسری بات پہ دل آمادہ نہیں ہوتا تھا، وہ جھنجھلاتا رہا تھا، اسے اس حرکت کے اس پرکھ کے بعد ڈالے کے مقابلے میں اپنا وجود پونا سا لگنے لگا تھا، وہ تو شبنم کی طرح پاکیزہ تھی، اس کی دعوت برائی پہ بھی نہ جھکنے نہ جھکنے والی، جہان کو اس کی یہ مضبوطی ہی خار دل رہی تھی جھنجھلاہٹ میں جھلا کر رہی تھی، اندازہ غلط ثابت ہوا تھا تو گویا وہ جھوٹا ثابت ہوا تھا، اس کی انا کو یہ گوارا نہیں تھا، جیسی وہ اس کے وجود کے ٹکرے کر دینا چاہتا تھا، اس دن سے اب تک وہ اسی تھی اسی کڑواہٹ میں جھلا تھا، یہ ذہنی خلفشار ہی تھا جو بخار کی صورت ظاہر ہوا تھا اور اس نے اپنی کچھ اور کڑواہٹ اس پہ نکال دی تھی مگر اب آرام سے سونے کی بجائے بے چینی سے کروٹیں بدل رہا تھا تو وجہ اس کی فطری، رحمتی اور خدا ترسی ہی تھی، آج تک اس نے بے جا کسی پہ زیادتی کی تھی نادانستہ و کھ پہنچایا تھا، سزا فریدی کی حرکات نے اسے بہت مزاج ضرور بنایا تھا مگر اس کے اندر کی اچھائی بہر حال ختم نہیں ہوئی تھی، کچھ دیر مزید کروٹیں بدلتے رہنے کے بعد وہ بالآخر بستر چھوڑ کر اٹھ گیا، ڈالے کی تلاش میں پہلے اس نے ساتھ والا کمراد دیکھا تھا، جہاں تار کی تھی، اس نے لائٹ آن کی، کمر اسنان اور بستر بے شکن تھا، جہان کا دل دھک سے رہ گیا، اگر وہ اپنے کمرے میں نہیں تھی تو پھر کہاں تھی، وہ سرعت سے باہر آیا تو باہر کی سرد ہواؤں نے اس کی شرٹ کے بغیر وجود کو یکدم ٹھنڈا کر کے رکھ دیا مگر وہ پرواہ کیے بنا ایک ایک کمرہ دیکھتا تیزی سے برآمدے کی جانب آیا تھا، وہاں اندھیرا تھا اور بارش کی بو چھاڑ کے باعث ہی کا احساس معائنہ تاریکی میں اسے شوکر لگی تھی جہان نے گریے سے سنبھلنے کی خاطر ستون کا سہارا لیا تھا، تب ہی اسی ستون کے ساتھ ٹیک لگائے بیٹھی وہ اسے نظر آ گئی تھی۔

”ڈالے!“ وہ بری طرح جھلایا مگر جواب نہ ارد تھا، جہان نے غصے میں اس کا کندھا جھنجھوڑ ڈالا جس کے نتیجے میں وہ ایک طرف کولڑھک گئی تھی، جہان کی ریڑھ کی ہڈی میں کسی خیال نے سرد لہر دوڑا دی تھی، اس کے سر وہ وجود کو بانہوں میں سنبھالے وہ تیزی سے اندر لپکا تھا، کمرے میں لا کر اسے لٹایا اور کبل اوڑھنے کے بعد پلٹ کر ہنر کی اسپینڈ بڑھائی تھی، وہ بالکل سن ہو رہی تھی سردی کے باعث ہونٹ بھی نیلے تھے اور سانس ٹھم ٹھم کے آئی تھی، جہان کو تو بیچ معنوں میں لینے کے دینے پڑ گئے تھے، گھبراہٹ اور پریشانی کے عالم میں وہ اسے ہوش میں لانے کو مختلف تدابیر کرتا رہا تھا، تب کہیں جا کے اس کی حالت سنبھلنے لگی تھی، جس پہ اس نے لرزتی پکوں والی آنکھوں کو نیم وا کر کے جہان کو دیکھا وہ اس کی پیشانی پہ بام کا مساج کر رہا تھا۔

”وہاں اتنی سٹنڈ میں جا کر اس لئے بیٹھ گئیں تھیں کہ مر مرا کے مجھے پھانسی کے پھندے پر چڑھا جاؤ، یعنی جاتے جاتے بھی میرے لئے مصیبت کمڑی کرنا ضروری تھا۔“ وہ اتنا جھلاہٹ زدہ تھا کہ اس کی حالت کی پرواہ کیے بغیر ڈانٹا چلا گیا تھا، ڈالے نے جواب میں کچھ نہیں کہا، وہ بس اس احساس اس

توجہ کو محسوس کرتی وجود میں زندگی کے احساس کو بیدار ہوتا پاتی رہی تھی۔

”ہونا تو یہی چاہیے تھا کہ یہ خودکشی میں تمہیں کرنے دیتا مگر میں تمہاری طرح گمراہ ہوں نہ ہی بے حس، آج تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں اس لئے یہاں لٹی رہو، کل اپنی جگہ پہ چلی جانا۔“ اس نے احسان جتلا نا ضروری سمجھا تھا، ڈالے پھر بھی کچھ نہیں بولی، بس اسے دیکھتی رہی، جہان نے لیٹنے کے بعد آنکھوں پہ بازو رکھ لیا، اس کا غضب کی مردانگی لئے شاعر سر اپا بجز پور تحفظ اور اپنائیت کا احساس دلاتا اس کے نزدیک تھا، وہ اپنی خوش قسمتی پر نازاں ہوتی رہی، پھر جب اس نے اپنے طور پہ یہ محسوس کیا تھا کہ وہ سو گیا ہے تو ڈالے بہت آہستگی سے اپنی جگہ سے سر کی گئی اور درمیانی فاصلہ گھٹا کر اس کے نزدیک آگئی، اپنا سر اس کے کندھے پہ رکھا تھا اور مسکراتے ہوئے سکون سے آنکھیں موند لیں، اس کے بعد وہ اتنی مطمئن ہوئی تھی کہ اسے گہری نیند کی آغوش میں اترنے میں محض چند منٹ درکار تھے اور جہان جو سو نہیں رہا تھا، اس کے اس طرح نزدیک آنے پہ سنائے کی زد پہ آگیا تھا دم سادھے اس کے اگلے اقدام کا منتظر تھا مگر چند لمحوں بعد اس کے ہوا و سانسوں کا زبرد ہم اس کی گہری نیند کا پتہ دینے لگا تو جہان کے جسم کا تڑاؤ ڈھیلا پڑ گیا تھا، اس نے گہرا سانس کھینچا تھا، ٹائٹ بلب کی نیلگوں روشنی میں اس کے ساتھ لگ کر بے خبر سوئی، وہ بے حد نازک سی لڑکی اپنی تمام تر معصومیت اور پاکیزگی کے ساتھ اتنی دلربا لگ رہی تھی کہ اسے دیکھتے جہان کو ایک بار پھر معاذ اور پیا کی باتوں کی بازگشت سنائی دینے لگی تھی، اس کا ذہن الجھاؤ اور تڑاؤ کا شکار ہونے لگا تو بے اختیار سچائی اور حقیقت کی آگاہی کی خدا سے درخواست کرنے لگا تھا۔

☆☆☆

”آج آپ کو ڈاکٹر شائستہ کے پاس بھی جانا ہے بیٹے، ذرا آرام کر لو تا کہ شام تک فریش ہو جاؤ۔“ وہ ابھی کالج سے لوٹی تھی، معاذ اپنے کمرے میں چلا گیا تھا جبکہ وہ ان کے پاس لیجن میں آگئی تھی، چہرے پہ صرف تھکن ہی نہیں تھی وہ ٹھحال بھی لگتی تھی۔

”آج بھی طبیعت ٹھیک نہیں رہی آپ کی۔“ انہوں نے فریش جوس کا گلاس اس کے آگے رکھا اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔

”دو میٹنگ ہوتی رہی بار بار، سب لڑکیاں وہاں میرا مذاق اڑاتی ہیں ماما مجھے بہت اکورڈ لگتا ہے، کتنا کہا تھا نہیں جانا مجھے مگر زبردستی.....“ اس کی زبان کو ایک دم بے یک لگا، معاذ لیجن کے دروازے میں کھڑا تھا، پر نیاں نے گالوں پہ پھسل آئے والے آنسوؤں کو رخ پھیر کے صاف کیا۔

در پردہ رقیبوں سے گلے شکوے نہیں اچھے تمہیں جو بھی شکایت تھی ہمارے روبرو کرتے وہ گلا کھنکارتا ہوا اندر آ گیا، ماما نے خود کو رقیب کہنے پہ اسے گھورا پھر ہنسی دبا کر اسے ایک دھپ لگائی تھی۔

”شرم تو نہیں آتی آپ کو معاذ ماں کو دشمن بنا لیا؟“

”کیا کروں ماما یہ شعر کچھ ایسے تھا نا۔“ وہ سر کھجا کر کہہ رہا تھا۔

”انہیں گلو کو ز پلا میں ماما اور ساتھ میں یہ تسلی بھی دے لیں کہ انگریزیم کی ڈیٹ شیٹ کنفرم ہو گئی ہے، جلدی جان چھوٹ جانے کی مجھ سمیت پڑھائی سے بھی۔“ اس کا لہجہ بے پناہ سرد ہو گیا تھا، ماما نے دل ٹکڑ

اسے دیکھا۔

”معاذ کیا کہہ رہے ہو بیٹے؟ خدا سے معافی مانگو، اللہ عمر دراز عطا فرمائے آپ کو۔“ وہ جیسے روہا نسی ہو گئی تھیں، معاذ کی سسکتی لگا ہوں پر نیاں پر تھیں، جو سر جھکائے ساکن بیٹھی تھی۔

”کیوں پریشان ہو رہی ہیں ماما! میں کوئی مرنے والے کی بات نہیں کر رہا، انہیں ہر وقت پڑھائی کی وجہ سے تنگ کرتا ہوں نا، اس لئے تسلی دے رہا تھا۔“ اس نے ماما کی تسلی کرائی تھی، ماما نے گہرا سانس بھر لیا۔

”نماز کی تو بہت پابند ہیں آپ، دعا کیوں نہیں مانگتیں کہ مجھ سے ہمیشہ کے لئے جان چھوٹ جائے، ہر معاملے میں کتنا جبر کیا ہے نا میں نے آپ پہ۔“ ماما کی کام سے باہر نہیں تو معاذ نے اس کے روبرو آ کر میز کی سطح پہ دونوں ہتھیلیاں جمائیں اور جھک کر اس کی آنکھوں میں جھانکنے کی کوشش کرتا ہوا زہر خند سے بولا تھا، پر نیاں کے جیسے دل پہ کسی نے بے دردی سے خنجر پھیر دیا، اس نے تڑپ کر آنسوؤں سے چھلکتی آنکھوں سے اسے دیکھا تھا۔

”پلیز انف۔“ اس کے ہونٹ کا پتے تھے اور دو آنسو بہت بے تابی سے گالوں پہ پھیل گئے۔

”کیا پلیز.....؟ ان آنسوؤں کی وضاحت ضرور کیا کرو، بہت ایری ٹیٹ کرتے ہیں مجھے۔“ اس کا لہجہ ہنوز سرد مہر اور بیگانہ تھا، پر نیاں کے آنسوؤں میں شدت آگئی۔

”دکھ بھی اسی بات کا ہے، آپ نے مجھے کبھی سمجھنے کی کوشش نہیں کی، خود پرست لوگ آپ جیسے ہی ہو سکتے ہیں۔“ اس نے بجز اہٹ زدہ آواز میں کہا اور ایک جھٹکے سے اٹھ کر وہاں سے چلی گئی، معاذ نے ٹھنڈا سانس بجز کے خود کو ڈھیلا چھوڑ دیا۔

میری لغزشیں نہیں گنا کرو

میری غلطیاں نہ چننا کرو

یہ قدم قدم کی حدود کیا

میرے ساتھ ساتھ چلا کرو

میں کھلے مزاج کا شخص ہوں

میں تکلفات سے ماورا

یہ جو مہربانی کا لفظ ہے

اسے تم نے مجھ سے کہا کرو

کہیں تم نہ ہو جاؤ سکوں

کوئی بددعا نہ تمہیں لگے

یہ جو کھوئے کھوئے سے لوگ ہیں

انہیں دیکھ کے نہ ہنسا کرو

یہ دعا سے رب رحیم سے

تیری تازگی کو خزاں نہ ہو

یہ بہار تجھ سے جلا کرے

سدا مسکراتے رہا کرو

☆☆☆

اے چاند سنو کچھ بات کہو
تیری بات چلے میری رات کئے
بات کرو اس ہستی کی
بادل، بارش اور مستی کی
یا بات کرو اس بندھن کی
پائل، چوڑی اور نگین کی
یا بات کرو ان سپنوں کی
جنہیں تم بھی سوچا کرتے ہو
خوابوں میں پوچھا کرتے ہو
یا ہوا میں اڑتے آجمل کی
جو جب لہرائے کچھ یاد دلائے
تیرا چین چرائے تیری نیند اڑائے
تم مجھ سے کہو کچھ بات کرو
تیری بات چلے میری رات کئے

نہب نے بے دلی سے پردہ چھوڑ دیا، تب سے نگاہ کے سامنے کہہ میں لپٹا ہوا چاند پردے کی اوٹ
میں چھپ گیا اور اس کی آنکھوں سے ستارے بھرنے لگے، زندگی عجیب سے مقام پہنچ کر جیسے نمود ہو گئی
تھی، تیمور خان جہان کی شادی یہ تو شریک ہوا ہی نہیں تھا بعد میں ڈیڑھ مہینہ ہونے کو آیا تو وہ اسے لینے
نہیں آیا تھا اور نہ سب سے نظریں چراتے پھرتی، اس نے متعدد بار تیمور سے خود ڈھیٹ بن کر کہا تھا
کہ اگر اس کے پاس نام نہیں ہے تو وہ خود آ جائے گی تیمور نے ہر بار سختی سے ٹوک دیا تھا۔
”میں کہہ رہا ہوں نا نہب ڈیوری تک تم وہیں رہو گی، ہر تیسرے دن تمہاری طبیعت بگڑی رہتی
ہے مجھے ہی لے کر اتنی دور ہاسپٹل بھاگنا پڑتا ہے، سہولیات سے عاری ہیں یہاں سارے ہاسپٹلوں میں جانتی
تو ہو۔“ وہ کیسے جھلا کر کہہ رہا تھا، نہب کو سخت کے ساتھ سکی اور تو ہیں بھی محسوس ہونے لگی تھی۔
”ہمارے ہاں یہ رسم ہے تیمور کہ لڑکی پہلی بار ڈیوری کے موقع یہ والدین کے گھر ہی آتی ہے مگر وہ
لوگ خود شگن وغیرہ کی رسمیں ادا کر کے لے جاتے ہیں۔“ وہ منمنائی ہی تھی، یہ نہیں کہہ سکی کہ وہ اسے پہلے
ہی دھکا دے چکا ہے۔

”ہاں تو کیا فرق پڑتا ہے اگر تم خود چلی گئیں، اتنی دور کا سفر اس حالت میں بار بار کرنا تمہارے
لئے خطرناک ثابت ہو سکتا ہے، تمہیں خود بھی سوچنا چاہیے۔“ وہ اسے ڈانٹنے ڈپٹنے لگ گیا تھا اور نہب کی
آنکھوں سے بے مائیگی کے احساس سے پانی بہنے لگا تھا، وہ کیسے اس اجڑے حس انسان کو سمجھاتی کہ اس
کی عزت کس حد تک مجروح ہو چکی ہے، گو کہ یہاں سب نے اسے سر آنکھوں پہ بٹھایا ہوا تھا کسی نے
اسے اس کے غلط فیصلے پہ سر دس کر کے زخموں پہ نمک پاشی نہیں کی تھی بلکہ زخموں پہ مرہم رکھنے کی اپنی ہی

کوشش میں مصروف تھے یہ تو نہب ہی تھی جو حساسیت اور طلال کے احساس میں گھرتی سب سے کشتی جا
رہی تھی، دن میں کتنی مرتبہ وہ تیمور کے کسی بیچ یا پھر کال کی امید میں ہیل فون کو چیک کرتی مگر اس کی امید
کبھی بر نہیں آئی تھی، تیمور خان کے محبت کا پر زور دریا اتر گیا تھا، یا شاید وہ محبت تو تھی ہی نہیں اس جذبے
یا احساس میں ہوس اور خواہش کا دار و مدار زیادہ تھا، کبھی بہت جلد وہ اس کے لئے بے کشش ہو گئی تھی،
جبکہ نہب کی زندگی میں آنے والا تو وہ وہی تھا جس نے اس کی ساری خواہشیں اور امیدیں ہی نہیں
خواب بھی وابستہ ہوئے تھے وہ ان کے ٹوٹنے پہ خود بکھرنے کے عمل سے دوچار تھی، وہ بہت جھکے مائدے
سے انداز میں بیڈ پہ آ کر بیٹھی تو اس کا سانس بری طرح سے پھولا ہوا تھا، اس کی ڈیوری نزدیک تھی تو
آج کل ڈراسی مشقت بھی اس کو بے تحاشا شکن سے دوچار کر دیا کرتی تھی، بستر کے کونے پہ پڑے ہیل
فون کو اٹھا کر اس نے کچھ تذبذب کی کیفیت میں تیمور خان کا نمبر ڈائل کیا تھا۔

”ہاں نہب یو لو.....؟“ پہلی سے دوسری تیل پہ کال ریسو کر لی گئی، نہب ایک دم کانٹش ہوئی تھی،
اسے تو سرے سے اس کی امید نہیں تھی کہ وہ اس کی کال پک کرے گا۔
”کیسے ہیں تیمور آپ؟“ گو کہ اس کے اندر دبا دبا جوش اٹھ آیا تھا مگر وہ اس سے بات کرتے وقت
اب بہت محتاط رہا کرتی تھی۔

”قائن! تم کیسی ہو؟“ آج وہ اسے مسلسل حیران کرنے پہ تلا ہوا تھا، نہب بے ساختہ مسکرائی۔
”آپ یاد آ رہے تھے تو سوچا بات کر لوں۔“ نہب نے گویا وضاحت دی جواب میں وہ اس سے
کوئی خوبصورت سی بات سننے کی منتنی تھی۔

”اوہ میں سمجھا ہمارا ولی عہد دنیا میں تشریف لے آیا ہے، تم مجھے خوشخبری سنالے گی ہو۔“ تیمور کا لہجہ
ہی نہیں انداز بھی بگھ سا گیا تھا، صرف تیمور نہیں خود نہب بھی بگھ کر رہ گئی۔
”ڈیوری میں تو ابھی خاصے دن ہیں، آپ کو بتائی تو کئی میں نے ڈیٹ۔“ اس نے مدہم مگر شکستہ
آواز میں کہا تھا، تمام اربانوں پہ جیسے اس پڑ گئی تھی۔
”مجھے کہاں یاد رہتا ہے، خیر تم بتا دینا اس وقت مجھے۔“ وہ بے نیازی سے بولا تھا جس میں مخصوص
حس کا شاہانہ پن تھا۔

”آپ آجائیں نا تیمور مجھے ملنے کے لئے۔“ وہ بے ساختگی میں کہہ گئی، اتنی رکھائی کے مظاہرے
کے بعد اس کی گنجائش نہیں تھی مگر بات صرف انا کی ہی تو نہیں تھی، اسے یہاں بھی اتنے بہت سارے
لوگوں میں اپنا بھرم قائم رکھنا تھا جو اسی صورت ممکن تھا۔

”دماغ درست ہے تمہارا؟ ایک ہفتہ ہے تمہاری ڈیوری میں اور میں اس ایک ہفتے میں بار بار خوار
ہوتا پھروں۔“ وہ جھڑکتے ہوئے اوجھے خاصے تو ہیں آمیز انداز میں کہہ رہا تھا، نہب کا چہرہ غمت اور تذلیل
کے احساس سے جل اٹھا، بنا سوچے سمجھے اس نے کال ڈسکنک کر دی تھی اور پتے آنسوؤں کے ساتھ ہیل
فون پٹخ دیا تھا، ایک بار پھر وہ زار و قطار رو رہی تھی، اگلے لمحے وہ ایک دم دوہری ہو گئی، اس کی طبیعت
اچانک بگڑنا شروع ہو گئی، ہر لمحہ اس کی کر بناک جھپٹیں بلند سے بلند تر ہوتی چاری تھیں۔

☆☆☆

کسی کی یاد دل میں ہے کوئی احساس باقی ہے

بدلتے موسموں کے درمیاں اک راز باقی ہے
ابھی تو میں سفر میں ہوں ملیں گی منزلیں مجھ کو
مگر ان راستوں کے درمیاں اک ساتھ باقی ہے۔
کہیں پر شام ڈھلتی ہے کہیں پہ رات ہوتی ہے
ابھی تو جامدنی ہے چاند کی رات باقی ہے
چلے آؤ کسی دن تم ہمارا حال بھی دیکھو
ہمارا جسم مردہ ہے مگر اک سانس باقی ہے
امید ہے پھر بھی ملے گا وہ ہمیں اک دن
مجرورہ ہے خدا پر خدا کی ذات باقی ہے

وہ کچن میں کھڑی چکن روٹس تیار کر رہی تھی جب جہان بہت غلٹ میں دہاں آیا تھا۔

”مجھے ایمر جنسی میں کراچی جانا پڑا ہے، بیک تیار کر دو میں تب تک ٹکٹ کنفرم کراتا ہوں۔“ ڈالے
نے برز آف کیا پھر اس کی جانب ہلٹی تو چہرے پہ حیرانی کے ساتھ کچھ پریشانی اور تشویش کے بھی آثار
نمایاں تھے۔

”خیرت ہے نا وہاں؟“ جہان جو پلٹ چکا تھا اس سوال پہ ذرا سا تم گم کیا۔

”زیب ہسپتال میں ہے، طبیعت کچھ زیادہ خراب ہے، ویسے بھی میرا یہاں کا کام مکمل ہو چکا
ہے۔“ جہان کے لہجے میں ٹھہراؤ اور رسائیت تھی، ڈالے کچن یونٹی چھوڑ کر بیڈروم میں آگئی تھی اور بہت
غلٹ بھرے انداز میں جہان کے ساتھ اپنی ضرورت کی چیزیں بھی بیک میں رکھی تھیں۔

”تمہیں اپنی ماما سے ملنا ہوگا، اپنے کپڑے الگ کر لو، میں جاتے ہوئے تمہیں وہاں چھوڑ دوں گا۔“
جہان نے اپنی تیاری کرتے دیکھ کر ہی ٹوکا تھا، ڈالے ایک دم ساکن ہو کر رہ گئی۔

”میں مئی سے پھر مل لوں گی شاہ! اس وقت مجھے آپ کے ساتھ جانا چاہیے۔“ جھکی نظروں کے
ساتھ وہ جب بولی تو اس کے لہجے میں التجا سی تھی، جہان نے کچھ دھیان سے اسے دیکھا تھا۔

”میرا روز روز لاہور آنا نہیں ہوتا، پھر نہ کہتا کہ.....“

”آپ پریشان نہ ہوں، میں مئی سے فون پہ بات کر لوں گی۔“ ڈالے نے کچھ غلٹ بھرے انداز
میں جواب دیا تھا، حالانکہ جہان کے لہجے و انداز سے صاف ظاہر تھا کہ وہ ساری بات اس پہ ڈال رہا تھا
پھر بھی وہ بغیر کسی شکایت و شکوے کے جیسے ہر حال میں مگن اور مست تھی، کیا شے تھی وہ۔

ایک پل کو تو جہان کو اچھی خاص حیرت نے آن لیا تھا، پھر اس نے کانڈ سے اچکا دیئے۔
”یہ لباس ٹھیک رہے گا آپ کے لئے؟“ ڈالے نے اس کے لئے الٹن گریے سوٹ نکالا تھا اور

اب سوالیہ نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

”یہ وقت لباس کی چوائس میں برباد کرنے کا نہیں ہے، ان چکروں میں نہ پڑیں۔“ اس کے ہاتھ
سے ڈیگر جھینٹے ہوئے وہ جھلا کر کہتا داش روم میں ٹھس گیا، ڈالے کے چہرے پہ اس کے سبے اعتماد اور سبے
حد روکھے انداز پہ تغیر سا پھیل گیا، وہ جان اور سمجھ سکتی تھی جہان اس وقت کس درجہ حساس اور مضطرب ہو
سکتا تھا، بات زینب کی تھی جو زندگی اور موت کی کشمکش میں جلا تھی، اس کا سکون تو اسی ایک خبر نے لوٹ

لیا تھا گویا، اس نے گہرا سانس بھرا اور تیزی سے اپنے کمرے کی جانب بھاگی، ابھی اسے خود بھی تیار ہونا
تھا، وہ جہان کو شکایت اور خٹکی کا موقع نہیں دینا چاہتی تھی۔

☆☆☆

”سینے، ہسپتال جا رہے ہیں تو مجھے بھی ساتھ لے چلیں۔“ معاذ فون پہ معروف کنفلکٹو میٹر حیاں اتر
رہا تھا جب پریناں اس کے پیچھے بھاگی آئی تھی، معاذ نے پلٹ کر سسکتی بھڑکتی نظروں سے اسے دیکھا۔

”تمہیں کسی کی بات کا اثر کیوں نہیں ہوتا پریناں؟ کتنی بار تمہیں کہا ہے چلنے پھرنے میں احتیاط کیا
کر دو، ہر وقت کڈ کڈے لگاتی پھرتی ہو، نیکی نہیں ہو تم کہ بات بات پہ ٹوکنا اور سمجھانا پڑے، اگر اس بچے
سے جان چھڑانا چاہتی ہو تو سیدھا سیدھا ہارٹن کر دو۔“ سیل کان سے ہٹا کر وہ جیسے اس پہ برس پڑا تھا،
پریناں نہ صرف وہیں ٹھنک کر رک گئی بلکہ متغیر ہوتی رنگت کے ساتھ ہونٹ بھی بھینچ لئے تھے، معاذ سخت
نالاں سا اسے دیکھ رہا تھا، کالج میں بھی وہ اس کی غیر ذمہ داری اور لا پرواہی یہ اکثر کلسا کرتا تھا، وہ خود
ڈاکٹر تھا اور اس معاملے کی احتیاط سے اچھی طرح آگاہ، پھر اپنے بچے کے متعلق اس کی حساسیت بھی
کمال درجے کی تھی، پریناں کی لا پرواہی کے یہ مظاہرے اس لئے بھی اسے چڑاتے تھے کہ وہ پریناں سے
بدگمان رہتا تھا۔

”اب کہاں جا رہی ہو، چلنا نہیں ہے کیا؟“ پریناں لال بھسکا چہرے کے ساتھ مڑی تو معاذ نے

جلدی سے اس کا بازو پکڑ کر روکا، اس کی آنکھوں سے برسنے کو تیار آنسو بھی اس کی نگاہ میں سائے بغیر نہیں
رہ سکے تھے، ایک دم ہی اسے اپنے رویے کی بد صورتی کا احساس ہو گیا تھا۔

”چھوڑیں مجھے، آپ کے ساتھ کہیں نہیں جانا۔“ وہ جیسے روسی پڑی تھی، اس کے صبح چہرے پہ آنسو
یوں بکھرے تھے جیسے گلاب کے پھول پہ شبنم کے قطرے۔

”اگر نہیں جانا تھا تو پھر مجھے رد کیا کیوں تھا؟ سب سے کہتے ہیں کسی کا راستہ نہیں کاٹنا چاہیے۔“ وہ
مسکراہٹ دبا کر گویا ہوا، پریناں کو جیسے آگ سی لگ گئی۔

”گلا گھونٹ دیں میرا اس جرم کی سزا کے طور پہ۔“ وہ آنسو پونچھے بغیر چیخی۔
”ضرور گھونٹوں گا مگر ابھی نہیں، تم سے اپنا بچہ لینے کے بعد، بہت حساب نکلتے ہیں تمہاری طرف
انہیں چکانا تو بڑے کا تمہیں۔“ معاذ نے جارحانہ انداز میں اسے بازو کے حصار میں لے کر جھٹکا دیتے
ہوئے پھنکار کر کہا، پریناں یکنخت سرد پڑنے لگی تھی سفاکی اور خود غرضی کے اس مظاہرے پہ۔

”مجھے آپ کے ساتھ نہیں جانا، چھوڑیں مجھے۔“ معاذ یونٹی سے دیوچے بلکہ ایک طرح سے
اٹھائے میٹر حیاں اترنے لگا تو پریناں حواسوں میں لوٹی ہوئی برہم ہو گئی۔

”ابھی کچھ عرصہ تو تمہیں مجھے برداشت کرنا ہی پڑے گا، پھر اس کے بعد ہم اپنی زندگی کا فیصلہ بھی کر
لیں گے، تمہیں جو بھی راہ منتخب کرنی ہوگی تمہیں آزادی حاصل ہوگی، میں بھی زبردستی کسی کو ساتھ لٹکانے
رکھنے کا قائل نہیں رہا۔“ معاذ نے اس کی آنکھوں میں اپنی سرد نظریں گاڑ کر بہت واضح انداز میں جتلیا
تھا، میٹر حیاں اترنے کے بعد اس نے اپنا بازو ہٹا لیا تھا اور خود مضبوط قدم اٹھاتا آگے بڑھ گیا، پریناں
بے جان سی ہوتی وہیں بیٹھ گئی، اس دن اس نے خود سے ایک عہد کیا تھا، معاذ کی کسی بھی زیادتی پر احتجاج
بلند نہ کرنے کا عہد، بہر حال وہ اس پوزیشن میں نہیں تھی، اب کہ وہ اسے ہمیشہ کے لئے چھوڑنے کا

یہ پیشوں کے سینے
یہ دھاگوں کے رشتے
کسے ہے خبر کہ کہاں ٹوٹ جائیں
محبت کے دریا میں جھکے وفا کے
کسے ہے خبر کہ کہاں ڈوب جائیں
لگائے ہیں ہم نے بھی خوشیوں کے پودے
مگر کیا بھروسہ یہاں بارشوں کا
یہ ممکن ہے پودے کہیں سوکھ جائیں
جنہیں دل سے چاہا
جنہیں دل سے پوچھا
نظر آ رہے ہیں وہی اجنبی سے
سنو اپنا دل دے کے مضبوط رہنا
کیا خبر لینے والے کہاں بھول جائیں

وہ بے دم بے حال سی بستر پہ لیٹی ہوئی تھی، صبح دم اس کی طویل اور کرناک آزمائش ختم ہوئی تھی اور قدرت نے اسے اپنی رحمت عطا فرمائی تھی، وہ ان رحمتوں میں سے ایک رحمت جس کے بارے میں خود ہی ارشاد فرمایا کہ یہ میری رحمت ہیں مگر لوگ اسے رحمت سمجھیں گے، یہاں بھی اس رحمت کو رحمت سے تعبیر کر لیا گیا تھا، وہ خدا کی رحمت سے منہ موڑنے والی نہیں تھی مگر تیور کے رد عمل کو سوچ کر اتنی خائف ہوئی تھی کہ خوشی منانا بھول گئی، آنسو بے اختیار اس کی حراساں آنکھوں سے بہہ نکلے تھے، حالانکہ یہاں سب نے صبح سالم اور خوبصورت بچی کی پیدائش پر نہ صرف خدا کا شکر ادا کیا تھا، بلکہ باقاعدہ خوشی بھی منائی تھی، معاذ اور زیاد نے تو ماموں بننے کی خوشی میں پورے ہاسپٹل میں ڈھیروں مٹھائی تقسیم کر دی تھی۔

”تیور کونوں کیا آپ نے ماما“ بچی کی پیدائش چونکہ ڈاکٹرز کی وی گئی ڈسٹ سے پہلے ہو گئی تھی جیسی تیور کے سان وگمان تک بھی یہ بات نہیں تھی۔

”ہاں بیٹے معاذ اور زیاد بھی ان کا نمبر ملا رہے ہیں مگر کال ریسیونٹس ہوئی، ڈونٹ وری وہ پھر ٹرائی کریں گے۔“ ماما نے اس کا گال سہلا کر تسلی دی تھی اور زینب نے تھک کر آنکھیں موند لی تھیں، وہاں باری باری سب اس سے ملنے آتے رہے، پھولوں کے ساتھ باقاعدہ وش کرتے ہوئے، زینب بھی ہوئے دل سے مسکراتی رہی مگر دل کا بوجھ ہنوز تھا، اس کے اعصاب پہ ٹھکن اور نیند سوار تھی، شاید آنکھ لگ گئی تھی، جب دوبارہ کھلی تو اسپتال کے اندر صبح کی مخصوص روٹین کا آغاز ہو چکا تھا، رات دے پاؤں چلنے والی نرسوں کی جگہ تازہ اور فریش نرسوں نے سنبھال لی، خاکروب ہالتیاں ڈنڈے سنبھالے فریش کورگر صاف کرنے میں لگے ہوئے تھے اور ہاتھوں میں دہلی چادروں کا ڈھیر پکڑے ڈاکٹرز کی آمد سے پہلے

پہلے مریضوں کے بستریوں کے غلاف تبدیل کرنے کے لئے آپائیں، یہاں وہاں پھر رہی تھیں، رات کے سناٹے کے بعد سارا ماحول جیسے ایک دم بیدار ہو گیا تھا، زینب نے گردن موڑ کر دائیں جانب دیکھا، ماما ایزی چیئر پہ بیٹھی اونگھ رہی تھیں ان سے کچھ فاصلے پہ بچی کاٹ میں بے خبر گہری نیند کی آغوش میں تھی، جانے کس سوچ اور خیال کی بدولت اس کی آنکھیں ٹھکن پانچوں سے بھرنے لگیں، وہ ہونٹ چلاتی چلیں جھپک جھپک کر آنسو اندر اتار رہی تھی جب دروازے کے باہر راہداری میں قدموں کی چاپ ابھری پھر کوئی عین دروازے میں آن ٹھہرا، زینب نے چونکتے ہوئے نظر اٹھائی اور جہان کو رو برو پا کے کچھ ٹانگوں کو اسے یونہی دیکھتی چلی گئی تھی، ہلکی بڑھی ہوئی شیو، آنکھوں میں رنج کی سرخی کا شمار لے، ایش کرے ٹو ہیں میں وہ اپنی پروجاہت شخصیت کے ہمراہ سامنے تھا۔

”کیسی طبیعت ہے زینب؟“ وہ نے تلے قدم اٹھا تا بیڈ سے کچھ فاصلے پہ رک گیا، زینب کی آنکھوں میں ٹھہری نمی آنکھ کی کوروں سے نکل کر کنٹیوں سے ہوتی تھکے میں جذب ہونے لگی، وہ چاہنے کے باوجود جہان کی بات کا جواب نہیں دے سکی۔

”آئی ایم ساری، میں کچھ جلدی میں آیا تھا جیسی کوئی فارمیٹی نہیں بھاسکا، بیٹی بہت مبارک ہو۔“ بیڈ کے ساتھ رکھی ٹیبل پہ پڑے ان گنت گل دستوں پہ جہان کی نگاہ گئی تو وہ کچھ خفیف سا ہو کر بولا تھا، زینب کے لبوں پہ نا فہم سی مسکان لہجہ بھر کو جھلک دکھلا کر قاصب ہو گئی، جہان نے متلاشی نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھا پھر نگاہ کاٹ پہ جا کر ٹھم گئی، اس نے پلٹ کر یوں زینب کو دیکھا جیسے بچی تک جانے سے قبل اس کی اجازت کا متقاضی ہو، زینب نے نگاہ پھیر لی، جہان نے رخ موڑا اور جھک کر بچی کو نری اور احتیاط سے اٹھا لیا، گلابی لمبل میں لپٹی روٹی کے گالے جیسی وہ لمبی پلکوں اور ستارہ آنکھوں والی بے حد حسین اور من موہنی سی پری تھی گویا، جہان کی ذہنی رواسی پل جیسے بہک گئی تھی۔

”یہ تو کرٹل ڈول ہے ماما جان! اسے میں لوں گا۔“ وہ سات سال کا تھا جب زینب کی پیدائش ہوئی تھی، گلابی رنگت اور ستاروں کی مانند دکتی آنکھوں والی وہ گڑیا اسے دیکھتے ہی وہ گود میں لینے کو مچلنے لگا تھا۔

”یہ بہت چھوٹی ہے ابھی بیٹے! آپ سے گر جائے گی۔“ ماما جان نے اس کی ضد کو دیکھ کر سمجھایا تھا۔

”نہیں گرا تا پراس، آپ دیں تو۔“ اس نے چل کر کہا تھا۔
”بیٹے یہ بڑی ہو جائے گی نا پھر لے لیتا۔“ ماما جان اتنی چھوٹی بچی کو اس کی گود میں دینے کے خیال سے ہی خائف تھیں۔

”پراس ماما جان پھر آپ مجھے دے دیں گی نا، چلیں ابھی میں اسے آپ کی گود میں ہی بٹا کر لیتا ہوں۔“ وہ تب بھی ضدی تھا، ہٹ دھرم، بڑوں کی بات مان لیا کرتا تھا۔

”ہاں بیٹے آپ سے پکا پراس ہے ہم بڑے ہونے پہ آپ کو یہ گڑیا ضرور دے دیں گے ڈونٹ وری۔“ پاپا جو تب ہی یہاں آئے تھے اور اس کی آخری بات ہی سنی تھی اسے گود میں بھر کے مسکراتے ہوئے کہا تھا، اسے تو تب سمجھ نہیں تھی مگر پاپا نے اپنا وعدہ بھانے کی پوری کوشش کی تھی شاید تقدیر کو منظور نہیں تھا یہ طلب جیسی وہ خود اس فیصلے کے آڑے آ گیا تھا۔

”آپ کی بیٹی بہت کیوٹ اینڈ اٹریکٹو ہے زینبی آپنی بالکل آپ کی طرح۔“ وہ بے اختیار ہی کی کیفیت میں جھک کر بچی کو چوم رہا تھا جب ڈالے کی آواز پہ چمک کر حواسوں میں لوٹا، ڈالے مہاسے ملنے کے بعد زینبی کی سمت متوجہ ہوئی مگر جہان کی بے خودی اور آنکھوں کی وہ غیر محسوس نمی دیکھ چکی تھی جس سے شاید وہ خود بھی بے خبر تھا۔

”اسے مجھے دیکھئے شاہ۔“ زینب کے بعد وہ جہان کی سمت متوجہ ہوئی تو جہان خود کو پوری طرح سنبھال چکا تھا، بچی کو اسے دیا اور خود مہاسے کی جانب متوجہ ہو گیا۔

”السلام علیکم چچی جان!“ مہاسے نے جواب میں اس کی پیشانی چومی اور دعاؤں سے نوازا تھا، وہ ان سے باقی سب گھر والوں کے متعلق پوچھنے لگا۔

”آپ نے اس کا نام سوچا؟“ ڈالے بچی کو گود میں لئے زینب کے پاس آگئی تھی، زینب کے لبوں سے سرد آہ نکلی، اس نے محض سر کو بچی میں جنبش دی اور چہرے کا رخ پھیر کر آنکھیں بند کر لیں، وہ اپنی بے بسی اور گزوری جو آنسوؤں کی صورت آنکھوں میں اٹھ رہی تھی کسی پہ عیاں نہیں کرنا چاہتی تھی، پھر جہان اور ڈالے ابھی وہیں تھے جب زیادہ بچی لوریہ اور حور یہ کے ساتھ ماریہ کو لئے آگیا، لوریہ نے بالخصوص زینب کو گلے لگا کر پیار کیا تھا، اس سے ملنے وقت زینب کس طرح بھی خود پہ کنٹرول نہ کر سکی۔

”شادی ایک جو ہے لوریہ تم کہا کرتی تھیں نا؟ مجھے لگتا ہے میں یہ ہازی ہار رہی ہوں، میری ماؤ ڈوبنے کو ہے، دعا کرنا اس سے پہلے کہ کوئی ایسی صورتحال پیدا ہو میں اس سے پہلے ہی مر.....“ لوریہ نے بے قراری سے اس کے ہونٹوں پہ اپنا ہاتھ رکھ دیا تھا۔

”اتنی مایوس کیوں ہو رہی ہو زینبی؟“ لوریہ نے ڈانٹا تھا، وہ دونوں ہی سرگوشیاں میں بات کر رہی تھیں، لوریہ اس کے بیڈ کے کنارے کئی بیٹھی تھی اور جھک کر اس کے ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا ہوا تھا، سب اپنی اپنی جگہ بات چیت میں مصروف تھے مگر جہان کی نگاہ گاہے لگا ہے زینب پہ چلتی گئی۔

”چورا بھی تک نہیں آئے، وہ فون بھی نہیں اٹھاتے۔“ وہ کچھ اور بھی شدتوں سے سسک اٹھی تھی۔

”کم آن زینبی، اتنی سی بات پہ تم نے بدگمانی پال لی، بری بات، جانتی ہونا وہاں سنگٹلز پر اہل رہتا ہے، میں خود ڈرائی کروں گی ڈونٹ وری۔“ لوریہ اسے نرمی اور محبت کے ساتھ تسلی دے رہی تھی۔

”تمہیں پتہ ہے نا وہ بیٹے کے لئے کس قدر پوزیو تھے، اب بیٹی.....“ اس نے وحشت بھرے انداز میں فقرہ ادھورا چھوڑ دیا، اس کی سحر طرازا آنکھوں میں ہراس کا غلبہ تھا۔

”اس میں تمہارا تو کہیں بھی کوئی تصور نہیں نکلتا زینبی اب یہ اللہ کی رضا اور مرضی ہے، پھر اولاد تو مرد کے نصیب سے ہوتی ہے۔“ اب کے لوریہ نرمی سے جھنجھلائی گئی، زینب خاموش تو ہو گئی مگر اس کا اضطراب اور یہ کئی ہونٹ تھی، وہ لوریہ کو کیسے بتاتی کہ زمین پہ خود کو خدا سمجھنے والے لوگ ان باتوں کو اہمیت نہیں دیتے، وہ خوف خدا سے محروم ہوتے ہیں تب ہی ایسی باتیں کرتے ہیں اور تیور میں کس حد تک سرکشی اور یاد خدا سے غفلت تھی یہ زینب ابھی طرح سے جان چکی تھی۔

☆☆☆

”بس کل لاسٹ پر پیکل ہے، اس کے بعد میں کالج کی شکل بھی نہیں دیکھوں گی۔“ پر نیوں، زینب کی بیٹی کو گود میں لئے بہت ریلیکس سے انداز میں کہہ رہی تھی۔

”کیوں بھابھی خیریت؟ کیا وہاں لالے پہ مرنے والی لڑکیوں کی تعداد زیادہ ہو گئی ہے اور آپ کی برداشت ختم؟“ زیادتی دانستہ اسے چھیڑا تھا، پھر بچتے ہوئے مزید گویا انسانی کی۔

”یقیناً وہاں ہر روز آپ کو اسے نظارے دیکھنے کو ملتے ہوں گے کہ کوئی نہ کوئی الیڈر ڈوشیزہ آکر لالے سے آکر اظہار محبت کرتی ہوں گی اور وہ جواباً آپ کی موجودگی کے باعث مصنوعی سنجیدگی کو اختیار کر کے کہتے ہوں گے۔“

ابھی کم سن ہو رہنے دو
کہیں کھو دو گے دل میرا
”مگر جیسے ہی آپ ادھر ادھر ہوتی ہوں گی پھر سے اس ڈوشیزہ کو پکڑ کر تسلی دیتے ہوئے اس بندھاتے ہوں گے۔“

تمہارے ہی لئے رکھا ہے
لے جانا جواں ہو کر
اس کی بکواس پہ ایک قبضہ پڑا تھا، پر نیوں بھی پھیکے سے انداز میں مسکرا دی، زیادتی ہاتھ کے اشارے سے سب کو پھر متوجہ کیا۔

”ابھی بات مکمل نہیں ہوئی، ڈوشیزہ جواب میں ٹھک کر منگ کر کہتی ہوں گی۔“

نہ کم سن ہوں نہ ناداں ہوں
محبت کو سمجھتی ہوں
تمہارا کیا بھروسہ ہے
مگر جاؤ جواں ہو کر

اس نے پھلجھری چھوڑی اور خود بھی محفوظ ہو کر ہنسنے لگا۔

”اؤے ہوئے جواں ہو کر باڈھے ہو کر۔“ اس نے نکل کر کہا تھا، یہی وہ لمحہ تھا جب وہ سب ہنس

مسکرا رہے تھے، معاذ کے ساتھ تیمور خان نے ہال کمرے میں قدم رکھا تھا۔

”السلام علیکم!“ جو یہاں تھا سب ہی اپنی اپنی جگہ پہ کانٹش سا ہو گیا، زینب کے چہرے پہ گھبراہٹ اور خوف کا لہو کھا اصرار دیکھنے میں آیا تھا۔

”تو یہ ہے ہماری بیٹی!“ بچی ابھی تک پر نیوں کی گود میں تھی، تیمور خان اسی طرح سے جھک کر بچی کو

دیکھنے لگا، پر نیوں اس کی اس حرکت پہ صرف یوگلائی نہیں بے حد جڑ بڑھی ہو گئی، اس کی نظر بے اختیار ہی

اور گھبراہٹ میں معاذ کی سمت اٹھی تھی، اس کے چہرے کی ناگواری، تناؤ اور برہمی سرخی کی صورت اس

کے چہرے پہ آشہری تھی، پر نیوں کی وحشت بڑھ کر رہ گئی، اس نے سہٹا کر بچی کو ہاتھوں پہ اٹھا کر یوں

تیمور کی سمت بڑھایا جیسے اس کے حوالے کرنا چاہتی ہو مگر تیمور نے دانستہ انگوڑ کر دیا اور بچی کو سرسری سا

پیار کیا تھا، صاف لگتا تھا اس نے یہ پیار بھی محض اس لئے کیا تھا کہ بچی پر نیوں کی گود میں تھی، اس کی گھٹیا

اور سستی سوچ کچھ اور بھی مکمل کر واضح ہوئی، بھابھی اور ڈالے تیمور کے لئے چائے کا اہتمام کرنے دوڑی

تھیں، مہاسے اور مہاسے سے خصوصی پروٹوکول دینے اپنے اپنے کام چھوڑ کر وہاں پہنچیں، معاذ چہرے پہ تناؤ

لئے جیسے طوعا و کرہا وہاں موجود تھا، پر نیوں بے حد سرعت سے اٹھی اور بچی کو مہاسے کی گود میں دیتی خود پلٹ

کر باہر نکل گئی، وہ گلانی بے حد خوبصورت پرنٹ کے اسٹائش سے سوٹ میں لبوس تھی، جس کا دوپٹہ باریک شیٹون کا تھا، جو سر پہ اوڑھے ہونے کے باوجود اس کے گلدار سیاہ جھیلے بالوں کی بل کھاتی چوکی کو نمایاں کر کے دکھاتا تھا، تیور کی نظروں نے اپنے مخصوص آلودہ انداز میں نظر کی آخر حد تک اس کا پیچھا کیا تھا اور معاذ کی جان جل کر خاک ہو گئی تھی، وہ بہت آف موڈ کے ساتھ وہاں سے اٹھ کر پاؤں پختا ہوا وہاں سے نکلا تھا، تیور کا تعلق اگر نرنب سے نہ بندھا ہوتا اور یہ رشتہ اتنی نزاکت کا مظہر نہ ہوتا تو وہ تیور کی آنکھیں نکال کر اس کی ہتھیلی پہ رکھ سکتا تھا۔

”اماں یا پھر بابا میں سے کوئی نہیں آیا ساتھ؟“ نرنب اس کے ساتھ کمرے میں تہا ہوئی تو تیور کی خاموشی سے خائف ہو کر بہت سوچ سمجھ کر یہ سوال ہی اسے مناسب لگا تھا پوچھنے کو۔

”ایسا کون سا کارنامہ انجام دیا ہے تم نے کہ وہ تمہیں سلائی دینے کو یہاں چلے آتے؟“ ادبہ بیٹی کو جنم دیا ہے محترمہ نے اور خوش بھی ملاحظہ ہو، شکر ادا کرو کہ میں خود آ گیا ہوں۔“ وہ بھڑک کر کہتا گویا اس کے گلے پڑ گیا تھا، نرنب اتنی خائف ہوئی کہ پھر کچھ بولنے کی جرأت نہیں کر سکی تھی۔

”اگر میرے ساتھ چلنا ہے تو کل تیار رہنا، ورنہ جب ہی چاہے آ جانا، مجھ سے بار بار پکرنے لگتے۔“ وہ پھنکار کر بولا تھا، نرنب کے چہرے پہ ہراس کی چھا گئی، اسے قطعی سمجھ نہیں آئی تھی اس بات کا کیا جواب دے، اس کا سیزیرین ہوا تھا ابھی تو اس سے بغیر کسی کے سہارے کے خود سے اٹھ کر بیٹھنا تک محال تھا، ساتھ کیسے جاسکتی تھی وہ، جبکہ وہ پھر نہ لے جانے کی دھمکی بھی دے رہا تھا۔

”مم..... میں چلوں گی آپ کے ساتھ۔“ وہ اتنا سہم گئی تھی کہ یہی کہہ سکی، تیور نے اس جواب پہ بے زاری سے اسے دیکھا تھا پھر جب سے سگریٹ کس اور لائٹر نکال کر سگریٹ سلکانے لگا۔

☆☆☆

”تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے نرنب؟ حالت دیکھ رہی ہو اپنی۔“ نرنب کے اس فیصلے نے سب کو ہی ہلا کر رکھ دیا تھا، مگر معاذ کو تو سنتے ہی تب چڑھ گئی تھی، وہ اسے بلا در لنگ ڈانٹنے آ پہنچا تھا۔

”کچھ نہیں ہوگا مجھے لالے، پلیز مجھے جانے دیں۔“ وہ سستے ہوئے چہرے اور چنجی ہوئی آواز کے ساتھ بولی تھی، معاذ نے بہت دھیان سے اسے دیکھا۔

”کسی نے کچھ کہا ہے تمہیں؟ کوئی بات ہوئی ہے؟“ نرنب نے بے ساختہ نظر میں چرائیں۔

”کون کچھ کہے گا لالہ، وہاں جو ملی اماں کی طبیعت بہت خراب ہے، میرا جانا ضروری ہے۔“ اس نے صاف جھوٹ بولا معاذ نے ہونٹ چیخ لئے۔

”میں سچ سننا چاہتا ہوں زینا! ورنہ تم نہیں جاؤ گی۔“ اس کا لہجہ دو ٹوک اور قطعی تھا، نرنب کی آنکھوں میں جھنجھلاہٹ سی اتر آئی۔

”کیوں نہیں جاؤ گی میں؟ یہ میرا گھر نہیں ہے، مجھے اپنا گھر آباد رکھنا ہے اور اس کے لئے کیا کرنا چاہیے مجھے، یہ میں جانتی ہوں آپ نہیں جانتے۔“ وہ ضبط کھو کر چیخ پڑی تھی، وہ سارا اضطراب وحشت اور ہیجان جو اس کے اندر سرخ رہا تھا جیسے بند توڑ کر بہہ نکلا، تیور اس وقت لان میں چائے پینے میں مصروف تھا، جیسی وہ دونوں بہت سہولت سے بات کر رہے تھے، معاذ کو شدید دھمکا لگا تھا نرنب کے رویے سے، وہ کچھ دیر حیرانی سے اسے دیکھا رہا پھر آگے بڑھ کر نرنب کو کانٹھوں سے تھام لیا تھا۔

”یقیناً تیور نے تمہیں دھمکایا ہے، تم کہیں نہیں جا رہی ہو نرنب تیور کو میں خود دیکھ لوں گا۔“ اس کے سنجیدہ چہرے پہ اتنا قہر اور آنکھوں میں اتنا خوفناک تاثر تھا کہ نرنب لرز اٹھی تھی۔

”لالے پلیز..... پلیز رک جائیں، آپ تیور کو کچھ نہیں کہیں گے، لالے..... فارگا ڈسک رک جائیں۔“ معاذ کو آندھی طوفان کی طرح اٹھ کر باہر جاتے دیکھ کر نرنب اتنی حراساں ہوئی تھی کہ زخموں اور تکلیف کی پرواہ کیے بغیر تیزی سے آگے اس کے منہ سے نکلنے والی کراہوں اور چہرے کے تکلیف زدہ اثرات پہ ہی نکل اس کے آخری الفاظ پہ بھی معاذ بے بس سا ہو کر رکا تھا اور واپس آ کر اچھائی عاجزی اور لا چاری کی کیفیت میں اسے تھام کر پھر سے لٹا دیا۔

”دس ازناٹ فیئر نرنب، دس ازناٹ فیئر، مجھے بتاؤ کیوں ہر ستم خود پہ سکتی رہیں۔“ معاذ کا لہجہ بے حد بوجھل تھا، تو آنکھوں میں شدت ضبط نے سرخیاں پیدا کر دی تھیں۔

”یہ سب میرا اپنا کیا دھرا ہے لالے، میں کسی کو مورد الزام کیوں ٹھہراؤں۔“ وہ خود اذیتی میں جھلا ہو کر کہہ رہی تھی، معاذ نے سر کوٹلی میں جنبش دی تھی۔

”ہم تمہیں سزا کے طور پہ مصلوب ہونے کو تہا نہیں چھوڑ سکتے زینا، ہمیں بیگانگی کا احساس دلا کر شرمندہ نہ کرو۔“

”مجھے کسی سے کوئی شکایت نہیں ہے لالے، تیور ذرا غصے کے حیز ہیں باقی سب بالکل ٹھیک ہے ڈونٹ وری۔“

”غصے کا حیز ہونا کوئی معمولی خالی نہیں ہے۔“ وہ برہمی سے بولا تھا، نرنب دلگیری سے مسکرا دی۔

”یہ خالی تو آپ میں بھی ہے لالے، پرغیاں بھی تو کپڑو مائز کر رہی ہے نا، یہ سمجھوہ ازل سے عورت کا مقدر ہے۔“ اس کے جواب پہ معاذ نے شاک کی نظروں سے اسے دیکھا اور ہونٹ چیخ لئے۔

”محترمہ کے ہارے میں تمہاری ہمدردی بے جا اور خیالات ہرگز درست نہیں۔“ معاذ کے تاثرات بدل گئے تھے، نرنب آہستگی سے ہنس دی۔

”دیکھا آپ نے مرد ہونے کا ثبوت فراہم کر دیا۔“

”کیا مطلب ہے تمہارا؟“ معاذ نے اسے غصے سے گھورنا شروع کیا۔

”لالے مرد اپنے رشتوں کے لئے گنجائش نکال لیتے ہیں مگر بیوی کے لئے ہمیشہ پوز پوز رہتے ہیں، وہ اس کی چھوٹی سے چھوٹی خطا کو بھی معاف نہیں کرتے، بس اتنی سی بات ہے، میں صرف آپ کی بات نہیں کر رہی تو بے فیعد یہی کچھ کرتے ہیں، اتنی سی بات پہ گھر تو برباد نہیں کیے جاتے۔“ وہ جیسے بہت تھک کر کہہ رہی تھی، معاذ اپنی جگہ پہ گم مسم ہو کر رہ گیا۔

(اس کا مطلب نرنب یہ حقیقت ہے کہ تم سب کچھ اپنی جان پہ سہہ رہی ہو۔) اس کا دل اتھاہ گہرائیوں میں اترتا جا رہا تھا۔

☆☆☆

”بات سنیں جہان بیٹے۔“ جہان آفس سے آنے کے بعد فریش ہو کر نیچے آ رہا تھا جب نرنب کے کمرے سے باہر آتیں ممانے اسے پکارا۔

”مٹی چچی جان!“ وہ کف لکس بند کرتا ان کی سمت آ گیا تھا۔

”بیٹے آپ ڈالے کو لے کر اس کی مٹی کے ہاں نہیں گئے تھے؟“ سوال ایسا تھا کہ جہاں کچھ جریز ہوا تھا، اس کی خاموشی پہ ممانے اسے کسی قدر حش سے دیکھا تھا۔

”بہت بری بات ہے بیٹے، سزا فریدی کیا سوچتی ہوں گی آپ کے متعلق؟“ ان کی تادیبی انداز میں حبیہ بھی تھی اور تاسف بھی۔

”آپ کو ڈالے نے بتایا ہوگا؟“ جہاں کا موڈ یکدم آف ہوا اور آنکھیں شدت غیض سے سنگ اٹھیں۔

”بچی سے بدگمان ہونے کی ضرورت نہیں ہے، مجھے سزا فریدی نے فون کر کے شکوہ کیا ہے کہ ڈالے شادی کے بعد ایک بار بھی ملنے نہیں بھیجا، جبکہ ڈالے سے جب میں نے یہی سوال کیا تو وہ کہہ رہی تھی ہم مٹی سے مل آئے ہیں، اب آپ بتاؤ سچ کیا ہے؟ مجھے تو لگتا ہے ہر اچھی بیوی کی طرح ڈالے آپ کا پردہ رکھ چکی ہے میرے آگے۔“ ماما کا انداز ایسا تھا کہ جہاں نعت سے سرخ پڑ گیا۔

”سوری چچی جان میں بڑی اتنا تھا کہ جا نہیں سکا، ان کی بیٹی کو ملنا ہوتا تو چلی جاتی، میں منع تھوڑی کرتا۔“ وہ خود کو سنبھال کر جھنجھلاتا ہوا بولا۔

”آپ کی اجازت کے بغیر بچی اپنی مرضی سے کیسے چلی جاتی، جبکہ آپ اسے سبب سے انکار بھی کر چکے تھے، ڈالے آج کل کی لڑکیوں کی طرح تیز طرار اور بد لحاظ نہیں ہے بیٹے، خود دار بھی بہت ہے، آپ کو اس کے حقوق کا خود خیال رکھنا پڑے گا، ورنہ وہ جتنی مرضی تکلیف سے دوچار ہو جائے مگر تقاضا نہیں کرے گی، میں بچی کی نیچر کو اچھی طرح سمجھ گئی ہوں۔“ ممانے اپنی فطرت کے مطابق بہت اچھا تجزیہ پیش کیا تھا۔ جہاں متفق نہیں بھی ہوا پھر بھی احتراماً اختلاف سے گریز برتا۔

”آپ پریشان نہ ہوں چچی جان میری وجہ سے انشاء اللہ آپ کو کوئی پریشانی نہیں ہوگی، میں ڈالے کو آج ہی لاہور بھجوانے کا انتظام کرتا ہوں۔“ اس نے رسائیت آمیز لہجے میں کہہ کر گویاں کی تسلی کرائی تھی تو ماما ہسٹلی سے مسکرا دیں۔

”کھلی بار بچی میکے شادی کے بعد اکیلی آتی اچھی نہیں لگتی بیٹے، آپ ساتھ جانا اس کے۔“

”ابھی تو مشکل ہے چچی جان، میں لے آؤں گا جا کر، پلیز اب لے جانے پہ اصرار مت کیجئے گا۔“ وہ عاجز سا ہوا تو ماما مسکرا کر اس کا گال چھتکتیں چلی گئیں تو جہاں وہیں سے پلٹ کر پھر سے اپنے کمرے میں آ گیا تھا۔ ڈالے اسی وقت نہا کر نکلی تھی، زرد کھلے کھلے پرنٹ کے سوتی لباس میں وہ خود بھی سرسوں کا پھول لگ رہی تھی، بال سلجھاتے ہوئے اس نے جہاں کو دیکھ کر اتار کر سائیڈ پہ رکھا وہ پشہ جلدی سے شالوں پہ ڈالا۔

”اپنی والدہ محترمہ کو سمجھایا ہوتا کہ اب تمہارے فراق میں آہیں بھرنا چھوڑ دیں اگر وہ تمہیں آبادو یکھنا چاہتی ہیں تو۔“ وہ جاتے ہی بھڑک کر بولا تھا، ڈالے کے ہاتھ سے اس کے موڈ کے پیش نظر ہیئر برش چھوٹ گیا۔

”ک..... کیا ہوا؟“ وہ سخت و چشت زدہ سی ہو کر بولی تھی۔

”میں نے کہا تھا تم سے کہ اپنی مٹی کے پاس چلی جاؤ تم خود نہیں گئی تھیں، بتائی کیوں نہیں یہ بات تم نے انہیں؟“ وہ پھنکارا تھا ڈالے کا رنگ فق ہو گیا تھا۔

”میں نے آپ سے کچھ کہا؟“ وہ بوکھلاہٹ اور سراپمگی کے سبب آثار چہرے پہ سجائے کھی ہوئی سی بولی۔

”انہیں شکایت ہے کہ ہم تمہیں ملنے نہیں دیتے، خیر اپنی تیاری کرو، تم لاہور جا رہی ہو۔“ وہ اسی شدید موڈ کے ساتھ بولا تھا، ڈالے اسی قدر متوحش نظر آنے لگی۔

”م..... میں مٹی کو منع کر دوں گی، وہ آئندہ ایسی بات نہیں کریں گی، پلیز آپ مائیڈ نہ کریں شاہ!“ وہ پیشانی ہوئی سی کہہ رہی تھی اور گویا کسی بھی پل رو پڑنے کو تیار، جہاں نے جھلاہٹ میں جھلاہٹ ہو کر اسے دیکھا۔

”کیا مطلب؟ تمہارا کبھی بھی ان سے ملنے کا ارادہ نہیں ہے کیا؟“ جہاں کی صبح پیشانی پہ بل پڑنے لگی۔

”آ..... آپ کہیں گے تو نہیں ملوں گی۔“ وہ بیٹگی پلکیں جھپکتے ہوئے کہہ کر جہاں کو ششدر کر گئی تھی۔

”دماغ ٹھیک ہے نا تمہارا؟ میں ایسا کیوں کہوں گا۔“ وہ سچ کر رہ گیا تھا۔

”میں جانتی ہوں شاہ آپ مٹی کو پسند نہیں کرتے، میں ہر وہ چیز چھوڑنے کو تیار ہوں جو آپ کو پسند نہیں، بی کو ز اسلام میں خدا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احکامات کے بعد عورت پہ سب سے اہم اور ضروری شوہر کی اطاعت و فرمانبرداری ہے، شوہر اگر نہ چاہے کہ وہ اپنے والدین سے ملے تو عورت کو اجازت نہیں ہے۔“ وہ جس رساں بھرے انداز میں کہہ رہی تھی جہاں پتھر کا ہو کر رہ گیا تھا۔

”مجھے تو تم بھی پسند نہیں ہو ڈالے آفریدی، اب اس کا کیا حل ہو؟“ خاصی دیر بعد وہ خود کو سنبھال کر زہریلے انداز میں گویا ہوا تھا، ڈالے کا رنگ یکدم بھیکا پڑ گیا، اتنا بھیکا کہ اس کے مقابلے میں درہنچے سے در آئی دھوپ بھی گویا گہری تھی، اس نے ہونٹ کھینچ کر رخ آہستگی سے پھیر لیا، شاید نہیں یقیناً وہ کچھ بولنے کے قابل نہیں رہی تھی۔

”اپنی تیاری کر لیتا میں تمہاری سیٹ کنفرم کر رہا ہوں۔“ جہاں نے نخوت بھرے انداز میں کہا، اس نے محض سر اثبات میں ہلا دیا۔

”جی بہتر۔“ عام بیویوں کی طرح نہ اس زیادتی پہ بھی جھگڑا نہ احتجاج نہ ناراضگی، وہ شاید بے حس تھی۔

ماما کو اسے سمجھنے میں دھوکہ ہوا تھا، وہ اتنا پرست اور خودار نہیں بس بے حس تھی، جہاں نے اس کے متعلق حتی فیصلہ دیا تھا۔

☆☆☆

”مس پر نیاں نہیں ہیں ٹھیل پہ، انہیں کھانا نہیں کھانا؟“

یہ رات کا وقت تھا اور شاہ ہاؤس کے ڈائیننگ ہال کی وسیع و عریض ٹھیل کے گرد تقریباً سبھی مرد پراجنات تھے جو خواتین غیر حاضر تھیں وہ بکن میں آخری مراحل میں کام نہا رہی تھیں اور میٹیں آنے والی تھیں، انہی میں پر نیاں کا بھی شمار تھا، ٹھیل پہ انواع و اقسام کے کھانے خوبصورتی سے سجے ہوئے تھے یہ خصوصی اہتمام تیمور خان کی آمد کے باعث تھا، تیمور کے سوال لے ہال میں سنانا پھیلا دیا، تیمور کی فطرت

کسی سے بھی ڈھکی چھپی نہیں رہی تھی اور پر نیاں کی جانب اس کا خصوصی جھکاؤ بھی سب کی نظروں میں تھا۔ تمام تر ناگواری کے باوجود محض رشتے کی نزاکت انہیں چپ چاپ پہ کڑوا گھونٹ پینے پہ مجبور کرتی تھی، اس وقت بھی تیمور کی اس حرکت کے جواب میں معاذ نے بالمشکل اپنا غصہ کنٹرول کیا اور اس سے پہلے کہ کوئی اور جواب دیتا وہ خود سرد آواز میں بولا تھا۔

”وہ ہاسپٹل میں ہیں، نائٹ ڈیوٹی ہے آج ان کی، ایکسکیوز می۔“ اپنی بات کھل کر کے وہ رکاوٹیں تھا، کرسی تھسیٹ کر اٹھا اور باہر نکل گیا، پر نیاں صورتحال سے بے خبر تھی کسی بھی لمحے وہ یہاں آسکتی تھی، معاذ لمبے ڈگ بھرتا ہوا سیدھا چکن کی سمت آیا تھا، پر نیاں پتیلے سے بریانی ڈش میں نکال رہی تھی، معاذ نے جاتے ہی اس کے ہاتھ سے ٹرے چھین کر سلیب پہ پٹی اور اس کی کلائی پکڑ کر واپس مڑا تو پر نیاں سخت جڑبڑ ہوئی تھی۔

”واٹ ہیڈ؟ مجھے کھانا تو امداد دے کر آنے دیں۔“
 ”یہ کام تمہارے لئے اتنا ضروری بھی نہیں اور لوگ ہیں نا کر لیں گے۔“ وہ اسے گھورتے ہوئے پھنکارا۔

”ہاں تو اور کیا، جاؤ بھی، رومانس کا موڈ انسان کا ہمیشہ تو نہیں ہوتا نا۔“ بھابھی نے مسکراہٹ دہا کر ماحول کو رنگین کرنا چاہا، پر نیاں کی رنگت دہک کر رہ گئی، جبکہ معاذ نے جیسے ایک کان سے سن کر دوسرے سے اڑا دیا۔

”اس قسم کے ہار یک دوپٹے جو پردے کے تقاضوں پر پورے نہ اترتے ہوں لینے سے بہتر ہے نہ لئے جائیں۔“ وہ اسے یونہی اپنے ہمراہ کھینچتا اندر لایا پھر اسے صوفے پر بیٹھ کر بے حد توجہ اور تضرع سے بولا تھا، پر نیاں نے گہرا سانس بھر کے اسے کرین بروٹھے کے دوپٹے کو دیکھا تھا اور کچھ کہے بغیر اٹھ کر وارڈ روپ کے خانے سے اپنی بڑی سی شال نکال لی، دوپٹے اتار کر شال اوڑھتے وہ معاذ کے موڈ کی جاہی کا اندازہ اس کے مختلف چیزوں کی اٹھاؤ سے لگا سکتی تھی۔

”کوئی ضرورت نہیں ہے باہر جانے کی، بیٹھو یہاں آرام سے، جب تک تیمور ہے یہاں تم ہرگز بھی اس کے سامنے نہیں آؤ گی سنا تم نے۔“ اسے دروازے کی جانب جانے دیکھ کر وہ زور سے پھنکارا اور اسے تیش میں اس کی جانب آیا جیسے تل کر دینے کا ارادہ ہو، پر نیاں بہم کر کے اختیار دو قدم پیچھے ہوئی، محض ایک لمحے کی بات تھی اور ساری الجھن پر نیاں سے سلج گئی، ایک بار پھر وہ کچھ کہے بغیر واپس ہوئی تھی اور بیڈ پہ بیٹھ کر ریوٹ اٹھا لیا۔

”دروازہ اندر سے لاک کر واٹھ کر۔“ معاذ نے باہر نکلنے سے قبل اسے نصیحت کی تھی، پر نیاں نے حکم کی تعمیل کی تھی، معاذ نیچے ہال میں نہیں گیا، وہ خود بھی تیمور کا سامنا نہیں کرنا چاہتا تھا، وہ چکن میں چلا آیا تھا، ملازمہ دھونے والے برتن ڈائیننگ ٹیبل سے چکن تک لاری تھی ساتھ میں بھابھی تھیں۔

”مجھے کھانا نکال کر دیں بھابھی۔“ چکن کی ٹیبل کے گرد موجود کرسی بچھ کر بیٹھتے ہوئے اس نے بھابھی سے کہا تھا۔

”پہری کو کہاں پھوڑ آئے؟ کھانا تو اس نے بھی نہیں کھایا تھا۔“ بھابھی نے بریانی کی ڈش اس کے آگے رکھتے ہوئے فریج سے ٹھنڈے پانی کی بوتل نکالتے اہم اطلاع دی۔

”کھانے کی ذمہ داری، ابھی تو مجھے دیں۔“ اس نے برا سامنا بنایا، بھابھی نے محض سر بلایا تھا پھر اس کے لئے سالن کرم کر کے پھلکے بنانے لگیں، ساتھ ہی انہوں نے معاذ کے لئے چائے کا پانی رکھ دیا تھا۔ ”جراک اللہ و احسن جزاء۔“ کھانے کے بعد ہاتھ دھو کر وہ ان سے گرما گرم کافی کا گگ لیتے ہوئے مسکرا کر بولا تو بھابھی نے سائیڈ پر رکھی ٹرے کی جانب اشارہ کیا جس میں انہوں نے بہت نفاست سے کھانے کے برتن ڈھک کر رکھے تھے۔

”یہ کھانا پر نیاں کے لئے لے جاؤ، ایسی حالت میں اس کا زیادہ دیر تک بھوکا رہنا مناسب نہیں ہے۔“ ان کی بات پہ معاذ نے ٹھنڈا سانس بھر لیا تھا۔

”ملازمہ کے ہاتھ بھیجیں بھابھی، اب میں محترمہ کی اس قسم کی بھی خدمت کروں گا کیا؟“ وہ بھننا کر بد مزگی سے بولا تو بھابھی نے مصنوعی غصے سے اسے ایک دھپ لگائی تھی۔

”شرم تو نہیں آئی تمہیں، اگر وہ ہر قسم کی تمہاری خدمت کر سکتی ہے تو تم اتنا سا کام کیوں نہیں کر سکتے۔“ بھابھی نے جیسے اسے کچھ دیر قبل کاروبار جتلا یا، اپنے تئیں وہ کسی شدید غلطی کا شکار تھیں، معاذ کا چہرہ سخت اور شرم سے دہک اٹھا، اس نے بے ساختہ نظریں چرائی تھیں۔

”اللہ کا نام لیں بھابھی بیگم، اور کچھ شرم بھی کر لیں، یعنی حد سے بے جاہی کی بھی، آپ پختہ غم خواہین سے اللہ بچائے۔“ وہ سخت زدہ سا بولا، تو بھابھی نے اسے بے دریغ گھورنا شروع کیا تھا۔

”اتھابس کرو تم جتنے شاکی ہو نا سب پتہ ہے مجھے، میں ٹرے ملازمہ کے ہاتھ بھیجتی ہوں۔“ بھابھی نے اسے چکن سے دھکیلا تھا، وہ سر پہ ہاتھ پھیر کر رہ گیا، بھابھی نہیں کر ابھی بھی اسے چڑا رہی تھیں گویا۔



اس نے کروٹ بدلی اور سر ہانے کے نیچے پڑا سگریٹ کیس اور لائٹ نکال لیا، سگریٹ سلکا کر اس نے کش لینے کے بعد دھواں بکھیرا تو اس دھوئیں کے مرغلوں میں ایک شبیہ بننے لگی جو اتنی واضح تھی کہ جہان سن ہو کر رہ گیا، معاذ وہ سنبھلا تھا اور سگریٹ ایک جھلکے سے اٹس ٹرے میں اچھال دیا، کمرے کے ہر گوشے ہر کونے میں گویا اس کا احساس لپٹا ہوا تھا، پتہ نہیں وہ جتنا اس کے خیال سے جان چھڑانے کی کوشش کرتا تھا وہ اس قدر حادی کیوں ہو رہا تھا، کیا وہ اسے اپنے حواسوں پہ مسلط کر چکا تھا یا پھر اس کا عادی ہو رہا تھا، اس نے تھیر سے تھیرنی کے عالم میں خود سے سوال کیا، اسے گئے آج دوسرا دن تھا، صبح جب وہ آفس جانے کو تیار ہو کر نیچے آیا تو بھابھی اسے دیکھ کر ہنسنے لگی تھیں۔

”کیا ہوا؟“ وہ حیران رہ گیا تھا۔

”جہان تم نے اپنا کوٹ دھیان سے دیکھا؟ یہ چلون کے ساتھ کا کوٹ نہیں ہے۔“ جہان ایک دم کھسا کر رہ گیا تھا، یہ دونوں کوٹ ایک جگہ پڑے تھے اور رنگوں میں معمولی فرق تھا، وہ خاصی توجہ دینے بغیر یہ غلطی کر چکا تھا اور اب ان سب کے مذاق کا نشانہ بنا پڑا تھا۔

”آئی تھینک تمہیں اب کوٹ پہنانے کی ذمہ داری ڈانے بھابھی کی تھی، وہ نکلیں تو تم نے کام غلط کرنا شروع کر دیئے۔“ معاذ بھلا کیوں پیچھے رہتا، جہان نے فی الفور کوٹ اتار دیا تھا، وہ اس پچو پچویشن میں بے حد سخت محسوس کر رہا تھا۔

”ابھی تو بھابھی کو گئے محض ایک دن ہوا ہے اور تم اتنے بوکھلا گئے، جلدی واپس لے آنا انہیں معاملہ

تکلیف نہ ہو جائے۔“ معاذ نے پھر اسے رگیدا تھا، جہان اتنا جھلایا تھا کہ ناشتہ کیے بغیر وہاں سے چلا گیا تھا پھر ماما سے جہان کو جو ڈانٹ پڑی وہ الگ معاملہ تھا، جہان تصور بھی نہیں کر سکتا تھا اس کے دل میں ڈالنے جیسی لڑکی کے لئے بھی گنجائش نکل سکتی ہے، جو ناپسندیدگی کی فہرست میں شاید نہیں یقیناً پہلے نمبر پر تھی، لاشعور طور پر یہ سہمی مگر وہ اس کی کمی محسوس کرنے اور اس کی ذات کو بے دھیانی میں سوچنے لگا اور پھر چونکا تو خود کو ملائمت کرنا نہیں بھولا تھا، وہ ایسی ہی کیفیت کے زیر اثر جھنجھلاہٹ کا شکار تھا، جب معاذ اس کے بالکل سامنے آن کر بیٹھ گیا تھا۔

”بھابھی کو مس کر رہے ہونا؟“ اس کے یقین اور پختگی نے جہان کو ششدر نہیں کیا غصہ دلا دیا تھا۔
”فضول باتیں مت کرو معاذ، میرا دماغ خراب نہیں ہوا۔“ اس نے بے دریغ ڈانٹا تھا جواباً معاذ کتنے زعم سے مسکرایا تھا۔

”میں تمہیں تم سے زیادہ جانتا ہوں ہے، سو بہتر ہے خود سے بھاگنا چھوڑ دو۔“

”کیا مطلب ہے تمہارا؟“ جہان کو تپ چڑھنے لگی تھی اس کی بات پر۔

”مطلب یہ کہ تسلیم کر لو کہ ڈالے آفریدی تمہیں اپنا گرویدہ کر چکی ہیں، ان میں ایسی کوئی اور نہیں ہے کہ وہ کسی کو انہماک کر سکیں۔“

”او نہہ کوئی بہت غیر معمولی حسن نہیں ہے اس کا، لاکھوں لڑکیاں ایسی آسانی سے مل سکتی ہیں۔“

”اوں ہوں میں صورت کی نہیں میرت کی بات کر رہا ہوں، جو باکمال ہے، تم لگی ہو مان لو، تم ان کی میرت و کردار سے انہماک ہوئے ہو ابھی محبت کی بات نہیں کر رہا میں۔“ معاذ کا لہجہ ہنوز ٹھوس اور مدلل تھا، پھر مسکراہٹ کو دباتے ہوئے بولا تھا۔

”اعتراف میں کیا حرج ہے یار، بیوی ہیں تمہاری اور وہ نظم یاد ہے تمہیں تمہارے حسب حال ہے بالکل سناٹا ہوں، بالکل یہی حال ہے تمہارا۔“ معاذ نے کہا تھا پھر اسی وقت لہک لہک کر نظم پڑھنے لگا، آنکھوں میں شرارت تھی۔

میں تمہیں چاہتا نہیں لیکن پھر بھی جب پاس تم نہیں ہوتیں خود کو کتنا اداس پاتا ہوں

گم سے اپنے حواس پاتا ہوں جانے کیا دہن سائی رہتی ہے

اک خاموشی سی چھائی رہتی ہے دل سے بھی گھٹکو نہیں ہوتی

میں تمہیں چاہتا نہیں لیکن پھر بھی شب کی طویل خلوت میں تیرے اوقات سوچتا ہوں میں

تیری ہر بات سوچتا ہوں میں کون سے پھول تجھ کو بھاستے ہیں

رنگ کیا کیا پسند آتے ہیں کھوسا جاتا ہوں تیری جنت میں میں تمہیں چاہتا نہیں لیکن پھر بھی احساس سے نجات نہیں سوچتا ہوں تو رنج ہوتا ہے دل کو جیسے کوئی ڈبوتا ہے جس کو اتنا سراہتا ہوں میں جس کو اس درجہ چاہتا ہوں میں اس میں تیرے ہی کوئی بات نہیں میں تمہیں چاہتا نہیں لیکن

معاذ خاموش ہوا تو جہان کی آنکھوں میں حد درجہ خشکی کے رنگ گہرے ہو چکے تھے، دوران نظم اس نے ایک دو بار معاذ کو چپ کرانے کی کوشش کی تھی مگر وہ جھلا کہاں کسی کی سنتا تھا، سو نظم پوری کر کے ہی چپ ہوا اور شرارتی کسی حد تک تائیدی نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

”اس بات کو مان لو جے کہ ڈالے اور نرنب میں زمین آسمان کا فرق ہے، یہ بات میں نرنب کا بھائی ہونے کے باوجود تم سے کہہ رہا ہوں، جے مجھے احساس جرم ستانا ہے کہ تم ابھی تک سراب کے پیچھے بھاگتے ہوئے اپنی زندگی تباہ کر رہے ہو۔“ جہان نے ایک دم سے ہونٹ بھیج لئے، نرنب والا ٹانگ عرصہ ہوا ان کے درمیان زیر بحث نہیں آیا تھا، یہ تکلف وہ رخ تھا زندگی کا جس سے وہ دونوں ہی نگاہ چراتے تھے۔

”میں کسی کی وجہ سے کچھ نہیں کر رہا ہوں، ڈالے کی طرف میرے اپنے کچھ حساب لگتے ہیں، میں منافق نہیں ہوں معاذ سو دوغلی زندگی نہیں جی سکتا۔“ اس نے پوری صداقت و دیانتداری سے جواب دیا تھا۔

”ایسا کب تک چلے گا جے؟“ معاذ کے لہجے میں آنکھوں میں تشویش لہرانے لگی۔

”جب تک خدا کو منظور ہوگا، ڈالے کے متعلق اب میں کسی حد تک متذبذب ہوں، مجھے تمہاری باتوں کا کچھ کچھ یقین آنے لگا ہے، مگر معاذ تم جانتے ہونا میں اپنے لئے کیسا لائف پارٹنر کا خواہش مند تھا، بات اتنی سی ہے کہ جب تک ڈالے کے کردار کا جھول ہے میری نظروں میں، میں اسے قبول نہیں کر سکتا، اسے تم میری ضد سمجھو یا پھر میرا فیصلہ۔“ معاذ نے گہرا سانس کھینچا تھا، پھر آہستگی سے گویا ہوا۔

”خدا تمہاری حق اور سچ کی طرف رہنمائی فرمائے آمین۔“

”آمین، میں خود بھی یہی دعا کر رہا ہوں۔“ جہان نے جواباً تائیدی کی تو معاذ پہلی بار کھل کر مسکرایا تھا۔

☆☆☆

دور نیچے مینرے کے درمیان مل کھاتی سڑک پہ پکار و سرعت سے دوڑ رہی تھی، اگرچہ دوپہر کا وقت تھا مگر آسمان پر چھائے بادل کے کٹڑے سورج سے آنکھ بھولی کھینے میں مصروف تھے، کبھی سیاہ بدلی کے

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی ویب سائٹ

یہ ٹھکانہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ہیں؟

- ✧ ہرائی بک کا ڈائریکٹ اور ریزیوم ایبل لنک
- ✧ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پر یو یو
- ✧ ہر پوسٹ کے ساتھ
- ✧ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ✧ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریٹخ
- ✧ ہر کتاب کا الگ سیشن
- ✧ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ✧ سائٹ پر کوئی بھی لوگ ڈیڈ نہیں
- ✧ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✧ ہرائی بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ✧ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ✧ سیریم کوالٹی، نارل کوالٹی، کیریڈ کوالٹی
- ✧ عمران سیریز از مظہر کلیم اور
- ✧ ابن صفی کی مکمل ریٹخ
- ✧ ایڈفری لنکس، لنکس کو ایسے کمانے کے لئے شریک نہیں کیا جاتا

We Are Anti Waiting WebSite

داعد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

↳ ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

↳ ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں، ہر ای بک سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library for Pakistan

Like us on Facebook

fb.com/paksociety



twitter.com/paksociety1

شریر نکلے سورج کے آگے آجاتے تو کبھی سورج ان کی گرفت سے نکل کر اپنی شعاعیں دھرتی پہ بکھیرنے لگتا۔ دھوپ چھاؤں کا، منظر جاری تھا، گاڑی دکھ سبزہ زاروں بلند و بالا پہاڑوں کے درمیان بنے راستوں سے گزر رہی تھی، ماحول میں ان علاقوں کی مخصوص دیرانی اور خاموشی پھیلی ہوئی تھی، سبزے کو چھوٹی، پھولوں سے مہکی ہوا سے چھو چھو کر گزرنے اور اس کی کمر پہ سیدھے گرتے بالوں کو اڑانے لگی۔

سیاہ بادل ہر سو چھائے تھے جن کے باعث اندھیرا سا پھیلا تو نیچے واوی میں سڑک پہ دوڑتی گاڑی بھی نگاہ سے اوجھل ہو گئی، اسے آج یہاں آئے چوتھان تھا، معاذ نے اسے ایسی ادویات تجویز کر دی تھیں جن سے اس کے زخم تیزی سے بھر رہے تھے، اب وہ پہلے سے قدرے بہتر تھی مگر تیمور خان کی بے اعتنائی کے زخم کہاں بھرنے والے تھے، وہ اسے یہاں لاکر پھر سے منظر سے غائب ہو چکا تھا، اس کی بیٹی کا ابھی تک کوئی نام تجویز نہیں ہو سکا تھا، وہ سوچتی تو گل خانم سے بھرنے لگتا، کیا اس کی بیٹی اس سے بھی زیادہ بلکے نصیب نے کر پیدا ہوئی تھی، سرد شندھی ہواؤں نے اسے منظر اسادیا مگر وہ کمرے میں نہیں گئی، موسم کی دلربائی عروج پہ تھی، وادی میں سبزے درختوں اور رنگ رنگ کے پھولوں کے علاوہ پھولوں کی بھی بہت بھاری تھی، جو پھولوں کے اس ٹیرس سے وادی کا بہت خوبصورت نظارہ ہوا کرتا تھا، بے شمار جھرنے مختلف پہاڑوں سے گرتے دکھائی دیتے تھے، سامنے بلند بھورا پہاڑا تھا جس کی چوٹی پر ایک دم سرخ سیبوں سے لدا درخت تھا، وہ بے دلی سے اطراف کا جائزہ لیتی رہی اور وقت گزرتا رہا، سورج مغرب میں غروب ہونے جا رہا تھا، اندھیرا عمل طور پہ دھرتی پہ چھایا تب وہ تھک کر اندر آئی تھی، ملازمہ بیٹی کو پہنچ کرانے میں مصروف تھی اور بیٹی رو رو کر بلکان۔

”تم چھوڑ دو میں خود کر لوں گی یہ کام۔“ نذیب نے بیٹی کو اس سے لے لیا تھا، ابھی وہ اس کام سے فارغ نہیں ہوئی تھی کہ تیمور ایسے مخصوص دہنگ انداز میں دندنا تا ہوا کمرے میں آ گیا۔

”میں کب سے آپ کا انتظار کر رہی تھی۔“ نذیب نے بیٹی کی چادر درست کرتے ہوئے اسے مخاطب کیا، تو تیمور جو جوتوں سمیت بستر پہ دراز ہو چکا تھا، نیم باز آنکھوں سے اسے دیکھنے لگا۔

”کیوں کر رہی تھیں انتظار؟ ابھی تو ہمیں ہی تمہارا انتظار کرنا ہے، کب تم ٹھیک ہو گی، کب.....“ نذیب کا دل اس کے اس رویے تک موڈ پہ عجیب سے غبار سے بھرنے لگا۔

”ہماری بیٹی کا ابھی تک کوئی نام نہیں رکھا گیا ہے تیمور۔“ اس نے جیسے نا چاہتے ہوئے بھی شکوہ کیا تھا، تیمور کی پیشانی پہ ناگواری کی شکنیں ابھریں۔

”تم اگر چاہتی ہو کہ اس کا نام میں رکھوں گا تو یہ خوش نہیں دل سے نکال دو، جو مرضی آئے نام دے دو اسے، یہ تھوڑی بات نہیں ہے کہ تم بیٹی اٹھا کر لے آئی ہو اور میں نے تمہیں کچھ نہیں کہا، ورنہ ہمارے ہاں پہلی بیٹی کو جنم دینے والی عورت کو محسوس سمجھا جاتا ہے، اماں کہتی ہیں جو عورت پہلی بار ہی بیٹی کو جنم دے وہ پھر ساری بیٹیاں ہی جنتی ہے، مجھے تو تم سے اولاد دینے کی امید ہی چھوڑ دینی چاہیے۔“ وہ حسب عادت پھنکارنے اور غرانے لگا تھا، جہالت سی جہالت تھی، اس کا ایک ایک فقرہ گویا قابل مذمت تھا، نذیب ریٹخ صدے اور کرب سے شق ہوتے دل کے ساتھ پھرائی ہوئی سی بیٹھی رہ گئی، اسے ایک بار پھر اپنا زیاں شدت سے محسوس ہوا، اسے ایک بار پھر جہان کو کھونے کا تانسف آ گیا، اسے ایک بار پھر تیمور کی گھٹیا فطرت نے دہلا دیا تھا۔

(جاری ہے)

عزیز عمری گزشتہ روز

امہ مریم

تیسویں قسط کا خلاصہ

جہان کی شادی کی تقریبات جاری ہیں مگر وہ ہرگز خوش نہیں ہے، زینب کے منہ سے سن کر کہ وہ خوش نہیں ہے جہان کے وجود کے اندر بھول آگے آئے ہیں۔
 مسز آفریدی اپنی سچ پہ نازاں ہیں مگر جہان انہیں قدم قدم پہ احساس دلاتا ہے کہ وہ جیت کر بھی جیت نہیں سکی ہیں۔
 پر نیاں تعلیم جاری نہیں رکھنا چاہتی مگر معاذ ہر صورت اسے پڑھائی جاری رکھنے پہ مجبور کرتا ہے۔
 جہان ڈالے سے ہنوز بدگمان ہے اور اسے پرکھنے کو آزمائش بھی کرتا ہے، ڈالے کی مصومیت اور پاکیزگی کا اسے یقین ہو کر نہیں دیتا وہ اسی وجہ سے پریشان بھی ہے۔
 تیمور زینب کو علاج کے بہانے شاہ ہاؤس بھیج کر دم لیتا ہے، زینب سب کے سامنے اپنی بے مائیگی چھپانے کی کوشش میں ناکامی پر شرمندہ نظر آتی ہے۔
 زینب کے ہاں بیٹی کی پیدائش ہوتی ہے جو اسے ہراساں کرتی ہے کہ تیمور ہر صورت بیٹے کا خواہاں ہے۔

اکتیسویں قسط

اب آپ آگے پڑھیے



یہ جہالت کی انتہا تھی کہ وہ فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فراموش کر چکا تھا کہ ”جب کسی کے ہاں بیٹا پیدا ہوتا ہے تو اللہ اس بچے سے فرماتا ہے، جا اور اپنے باپ کا بازو بن جا، مگر جب بیٹی پیدا ہوتی ہے تو اللہ اس بچی سے مخاطب ہو کر فرماتا ہے، مجھے قسم ہے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آج سے میں خود تیرے باپ کا بازو ہوں۔“

زینب کی آنکھوں سے بہنے والے آنسو اس کے گالوں سے ہو کر اس کی گود میں گرتے رہے، تیمور خان کب کا اٹھ کر جا چکا تھا، وہ ساری رات زینب سو نہیں سکی تھی، یہ سوچ اس کے لئے اضطراب کا باعث تھی کہ اگر آج اس مقام پہ وہ اپنی بیٹی کے لئے کچھ نہیں کر سکی تو آنے والے وقتوں میں جبکہ اس کی بیٹی کو بہت سارے مقامات پہ اس کے ساتھ اور مدد کی ضرورت تھی وہ اس کے لئے کیا کر سکے گی، وہ ایک کمزور عورت تھی، مرد کی محکوم اور مفتوح، یہ نہیں ان پہاڑوں کا کالا قانون کب تبدیل ہوتا تھا، ہونا بھی تھا یا اسے انہی چتر جیسے لوگوں کے رویوں نے زخمی کر کے مار ڈالنا تھا، اس نے وہ ساری رات جاگی تھی اور اس نے اپنی بیٹی کے لئے فاطمہ نام تجویز کیا تھا، بچی اس کے نہیں آیا کے پاس ہوتی تھی، وہ بچی کو لینے باہر آگئی، ملازمہ بچی کو پھر سے سلا چکی تھی، زینب بار نکل آئی، سورج خاصا بلند ہو چکا تھا، سبزہ پر اس کی سنہری رو پہلی کڑوں کا عکس نکا ہوں کو خیرہ کر رہا تھا، باہر کا منظر بہت دلکش و دلربا تھا، سامنے ایک بسی پگڈنڈی تھی جس کے دونوں جانب رنگین بے تحاشا خوبصورت پھول پودوں میں کھلے مسکرا رہے تھے، کچھ فاصلے پر شفاف پانی کی ندی بہ رہی تھی جو کچھ فاصلے پر پہاڑوں سے گرتے جھروں کے پانیوں سے وجود میں آئی تھی، اندر اس کا سیل فون مسلسل بج رہا تھا، زینب اسی کی آواز پہ چونکی تھی پھر گہرا سانس بھر کے اندر آگئی، کال معاذ کی تھی جو ڈراپ ہو چکی تھی، اسی وقت پھر بتل ہوئے لگی، اس مرتبہ زینب نے فوری طور پر ہن پش کیا تھا۔

”السلام علیکم! لالے کیسے ہیں؟“ اس نے دانستہ اپنے لہجے کو فریش بنایا تھا، وہ جانتی تھی معاذ اس کی وجہ سے ڈسٹرب ہو چکا ہے، وہ اس کی بیٹی پریشانی دور کرنا چاہتی تھی۔

”میں تو ٹھیک ہوں، تم کیسی ہو زینبی؟“

”بالکل ٹھیک ہوں لالے، اب تو میں بستر پہ بھی سوار نہیں رہتی اور آپ کو پتہ ہے میں نے اپنی بیٹی نام کیا رکھا ہے؟“

”ہاں بولو، کیا رکھا ہے؟“ معاذ یقیناً دوسری جانب مسکرایا تھا۔

”فاطمہ! اچھا نام ہے نا؟“

”ناٹ ڈاؤٹ، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیاری بیٹی کا نام ہے، مجھے ذاتی طور پر یہ نام پسند ہے، سوچا تھا اگر ہمارے ہاں بیٹی ہوتی تو یہی نام رکھوں گا۔“ اس کی بات کے جواب میں زینب پڑی تھی۔

”چلیں اب کوئی اور نام سوچنا شروع کر دیں پھر، پری کیسی ہے؟“

”یہ آپ انہما سے پوچھ لیجئے گا۔“ معاذ نے طرح دے دی تھی زینب نے صاف محسوس کیا تھا۔

”آپ ابھی تک خفا ہیں اس سے لالہ؟“

”بات میری نہیں ہے زینب، خیر تم چھوڑو یہ بے معنی باتیں۔“ معاذ جھلانے لگا، زینب کی تشو

اسی قدر بڑھی۔

”مجھے بہت دکھ ہو رہا ہے لالے، شادی شاید ہم میں سے کسی کو بھی راس نہیں آسکی ہے، ہر کوئی اپنی جگہ پہ اضطراب اور الجھن کا شکار ہے، ادھورا اور تشنہ چند سال پہلے ہم سب کتنے خوش رہتے تھے نا لالے؟“

”سب کچھ بالکل ٹھیک ہو جائے گا دوبارہ، ڈونٹ وری۔“ معاذ نے اسے تسلی ہی دی تھی، اپنی طرف سے تو خاص طور پہ مگر زینب نے صدق دل سے آمین کہا تھا۔

☆☆☆

دشمن میری خوشیوں کی دنیا ہی نہیں تھی
تو بھی کبھی اپنا تو جانا ہی نہیں تھا
کیا کرتے اسکے میں سجا کر کوئی محفل
جب ساتھ میرا کسی نے بھانا ہی نہیں تھا
دل تو بہت چاہا مگر کس طرح جیتے
جینے کے لئے کوئی بہانہ ہی نہیں تھا
مڑ مڑ کے دیکھتے رہے ہم عمر بھر مگر
تم آئے نہیں تم کو تو آنا ہی نہیں تھا
اک رستہ بچا تھا وہ بھی لوٹنے کا تھا
جانا میں کہاں کوئی ٹھکانا ہی نہیں تھا

پر نیاں نے دودھ کا گلاس اس کے پاس ٹیبل پہ رکھتے ایک نظر اسے دیکھا، وہ بری طرح سے اپنے کام میں مصروف تھا، موٹی موٹی کتابیں کھولے لیکچر تیار کرنے میں کھویا ہوا، پر نیاں کو اس کی توجہ حاصل کرنے کو باقاعدہ کنکارنا پڑا، چند دنوں پہلے تک وہ بھی اس کے ساتھ والی چیئر پہ موجود ہوا کرتی تھی اور وہ بہت سنجیدگی تحمل اور محنت سے اسے پڑھاتا رہا تھا، کل سے اس لئے کہ دوران سٹڈی بار بار اس کا جی متلاتا تو وہ منہ پہ ہاتھ رکھ کر واش روم بھاگا کرتی اور معاذ ٹھپتے ہوئے اس کا انتظار کرتا اس کی واپسی پہ کبھی اسے منہ ہاتھ صاف کرنے کو ناول تھماتا تو کبھی کوئی ٹیبلٹ جسے کھانے سے اس کے خیال سے دو میٹنگ رک سکتی تھی مگر مجال ہے جو یہ اللہیاں رکی ہوں، وہ خود بے زار اور بے حال ہو جاتی، ایسے میں ماما کی لاڈلی بہو کی بے چارگی اور کمزوری کے خیال سے کبھی جوس کبھی دووہ تو کبھی گلوکوز ملے پانی کے ساتھ آمد، پر نیاں کے نخرے اور ماما کا پیار بھرا دل بھر اصرار، معاذ ہونٹ بیچنے سے دیکھا کرتا، کبھی اسے لگا وہ جان بوجھ کر اسے اتنا زچ کر رہی ہے کہ پڑھائی سے جان چھوٹ جائے، جیسی اس نے اس روز ماما کے جانے کے بعد اسے جتلا یا تھا۔

”اس ساری مشقت کا تمہیں کوئی فائدہ نہیں حاصل ہونے والا، پڑھنا تو تمہیں ہے چاہے تم کتنا ہی وقت ان فضول کاموں میں برباد کر لو۔“ اور پر نیاں نے جواباً کتنی شاک اور تلخ نظروں سے دیکھا تھا۔

”آپ کا مطلب ہے میں یہ جان بوجھ کر کر رہی ہوں؟“ تو ہین کے احساس نے اس کی آنکھوں میں سرخیاں پھیلا دی تھیں اور یہ لال ڈورے اس کی آنکھوں کی دلکشی میں اتنا اضافہ کرتے تھے کہ معاذ کا

محبت ریت جیسی تھی
مگر مجھے یہ غلط نہیں تھی
کہ محبت ڈھیر ساری ہے
دولوں ہاتھوں میں بھر کر
تمام عمر سنبھالوں گی
کبھی کھونے نہیں دوں گی
محبت کھونے کے ہی ڈر سے
منھیاں بھیجنے لیں میں نے
مگر جب منھیاں کھولیں
تو دولوں ہاتھ خالی تھے
کیونکہ

محبت ریت جیسی تھی

سیاہ جیب ہوا کے دوش پہ اڑ رہی تھی گویا، راستہ بہت خوبصورت تھا، ہر سو سبزہ ہی سبزہ پھیلا ہوا تھا، سامنے آسمان کی حدوں کو چھوستے برف پوش پہاڑ تھے، سبزہ میں کھلے رنگ برنگ پھولوں کی بہتات تھی چاندی کی طرح چمکتے ہوئے جہروں کا رقص سب سے دل کش و متاثر کن تھا، اس نے گہرا اور تمکا ہوا سانس بھر کے بیرونی نظاروں سے نگاہ ہٹا کر تیمور خان کو دیکھا، سیاہ لباس پہ سیاہ ہی شمال کا دھوم پہ پھیلائے وہ سامنے لامتناہی رقبے پر پھیلے ہوئے ان پرہیز پہاڑوں کی طرح ہی نظر آتا تھا جو کبیرے سر اٹھائے کھڑے تھے، اس نے اپنی خالی گود کو دیکھا اور دل کی بھراہٹ کچھ اور بڑھ گئی، وہ بچی کی ماں تھی مگر یہ ستم بھی عجیب تھا کہ تیمور خان کی موجودگی میں بچی کو اس سے دور کر دیا جاتا، تیمور کو اپنی موجودگی میں اپنے علاوہ کسی اور پہ توجہ پسند نہیں تھی چاہے وہ اس کی اولاد ہی کیوں نہ ہو، اس نے محسوس کیا وہ پوری شدتوں سے شکست سے دوچار ہوئی تھی، الف سے لے کر یے تک بھر پور اور کامل شکست، ایک بار پھر تیمور نے اسے نچا دکھایا تھا اور اسے لے کر خود زرلا لے کے گھر جا رہا تھا، خیر سگالی کا یہ دورہ پتہ نہیں اب اور کیا رنگ دکھانے والا تھا، اس نے دل میں خیر کی دعا مانگتے ہوئے بیک سے سر نکا کر پھر سے اپنی نگاہ کھڑکی کے شیشے کے پار ڈالی۔

جیب اوچی بچی خطرناک بل کھاتی سڑک پہ رواں تھی، جس کے ایک طرف گہری اور تاریک گھاٹیوں کا سلسلہ تھا جبکہ دوسری جانب سبزہ و ہریالی پہاڑوں پہ برف کے زرات دھوپ میں چمکتے نظر آ رہے تھے، گاؤں کے پہاڑی پتھروں پہ بنے گھروں میں زندگی جاگ اٹھی تھی، کچے مکالوں کے مھنوں میں اٹھتا سیاہی مائل دھواں دل افروز لگ رہا تھا، اب فضا میں جنگلی پھولوں، سبزے کی مہکار کے ساتھ دیکھی تھی کے پراٹھوں اور چائے کی مہک کا بھی احساس تھا، اس کے دل میں عجیب سا کرب چنگیاں لینے لگا، شاہ ہاؤس میں یہ وقت پورے چوبیس گھنٹوں میں سب سے حسین ہوا کرتا تھا، ڈائینگ ہال کی رونق عروج پہ جا پہنچا کرتی تھی، پیار بھری نوک جھونک، اپنائیت، محبت، یگانگت، احساس ذمہ داری اور ایک

دوسرے کا احساس، کیا کچھ نہیں تھا وہاں اور یہ سب کچھ ہمیشہ کے لئے اس کا نصیب ٹھہر سکتا تھا اگر وہ ہے سے شادی.....

اس نے ایک دم سے اپنی سوچوں کو جکڑ لیا، اب وہ سوچوں میں بھی اس خیال کو در آنے کی اجازت نہیں دیا کرتی تھی، صرف وہی نہیں اب جہان بھی شادی شدہ تھا اور اس نے تو اپنی ساری توانائیاں اپنے آشیانے کو بچانے پہ صرف کر ڈالی تھیں، یہ بددیانتی اسے ہرگز زیب نہیں دیتی تھی، جس وقت وہ لوگ زرلا لے کی حویلی پہنچے، سورج پوری طرح بلند ہو چکا تھا مگر ہواؤں کی شدت کے باعث موسم کی خشکی ہنوز تھی، اس کے خدشے کے برعکس زرلا لے نے اس کا استقبال بہت شاندار انداز میں کیا تھا، اس کا اخلاق اس کی محبت نہنہب کو حیرانی سے نکال کر زرلا لے کا گرویدہ کرنے لگی تھی، ورنہ اس بے بنیاد جھگڑے کے بعد سے اب تک تو وہ ہمیشہ کے لئے اس سے بدگمان اور خائف ہو چکی تھی۔

”یہ میرا بیٹا ہے، سالول خان، لالے کو اپنے اس بھانجے سے بہت محبت ہے بھاجائی۔“ زرلا لے نے اپنے بڑے بیٹے سے اسے طویا تھا، جو تین سال کا تھا اور معذور تھا، نہنہب نے بیٹے کا پیار سے گال سہلایا۔

”آپ کی بیٹی بہت حسین ہے میں نے سنا ہے، جلد دیکھنے آؤں گی اسے تو رسم کے مطابق انگوشی بھی پہناؤں گی، میری امانت کی حفاظت بہت دھیان سے کرنا بھاجائی۔“ زرلا لے نے کسی قدر شوخی سے کہا تو نہنہب پہلی بار زور سے چوٹی تھی اور کس قدر خائف سے انداز میں زرلا لے کو دیکھا۔

”میں بھی نہیں اوی، کیا مطلب ہے اس بات کا؟“

وہ واقعی ہی حواس باختہ سی ہو گئی تھی، مختلف خدشات اس کے اعصاب کو آہنی زنجیروں کی مانند جکڑنے لگے تھے۔

”لالے نے تمہیں کچھ نہیں بتایا بھاجائی؟ حیرت ہے، حالانکہ لالے نے تو جس دن تیری بیٹی کی پیدائش ہوئی اسی دن اپنی بیٹی کی نسبت میرے سالول خان سے طے کر دی تھی۔“ زرلا لے کا لہجہ گو کہ دھیما تھا مگر اس میں نرمی نام کو نہیں تھی بلکہ سردی کیفیت تھی، نہنہب کو لگا تھا اس کا دماغ یکھت کام کرنا چھوڑ گیا ہو، وہ جلدی سے قریبی کرسی پر بیٹھ گئی، اسے لگا تھا کہ اس نے تیزاب انڈیل دیا ہو، ایسی ہی جلن اور روح میں سرایت کر گئی تھی، اس کی رنگت بالکل چمکی بڑ گئی تھی، اس سے کچھ بولنا محال ہوا تھا، زرلا لے کچھ دیر اسے طنز یہ نگاہوں سے دیکھتی رہی، پھر ایک جھٹکے سے پلٹ کر کمرے سے نکل گئی، صرف وہی نہیں نہنہب کو لگا تھا اس کی جان بھی اس کے جسم سے نکل گئی ہو، ابھی چند دلوں پہلے وہ آنے والے اسی وقت سے خائف تھی تو اس نے سوچا تک نہیں تھا اسی پہ یہ وقت اتنی جلدی آ جائے گا، اتنی جلدی جب کہ وہ اپنی زندگی کے شاید سب سے کمزور اور بے بس ولا چار دور سے گزر رہی تھی، ان کی واپسی بہت دیر سے ہوئی تھی، نہنہب نیم جان ہی گئی تھی، وہ تیمور سے جتنی بھی خائف تھی مگر وہ اس سے اس موضوع پہ بات کرنا ہی نہیں اس سے اپنی منوانا بھی چاہتی تھی، کچھ بھی ہوتا وہ اپنی بیٹی کے لئے یہ ظلم برداشت نہیں کر سکتی تھی، مگر جیب میں ڈرائیور ساتھ تھا، نہنہب کو ملازم کے سامنے تیمور سے بات کرنے کی اجازت نہی تھی، اسے اس کے لئے حویلی پہنچنے کا انتظار کرنا تھا، چونکہ ان کی واپسی بہت تاخیر سے ہوئی تھی جیسی غروب ہوتے سورج کی شعاعوں میں سرخی جھلک آئی تھی، مزید کچھ سفر کے بعد جیب ایک پہاڑ کے پاس آ کر رک گئی

تھی، شہوت کے درخت کے نیچے پتھر پہ ایک نوخیز لڑکی بیٹھی تھی، جس کا شفاف حسن اتنا بے داغ اور جگمگاتا ہوا سا تھا کہ نگاہ ٹھٹھک سی جاتی تھی، پہاڑ سے پہتے جھرنے سے جو عری وجود میں آئی تھی وہ اس عری سے اپنی چھاگل بھرنے میں مصروف تھی، تیور کی نگاہ جیسے ہی اس پہ پڑی اس نے اپنے ڈرائیور کے ہاتھ کے اشارے سے جیب روکنے کا کہا تھا اور سو پھولوں کو بل دیتا ہوا نینب کی موجودگی کی پرواہ کیے بغیر گرم نظروں سے اسی لڑکی کا جائزہ لینے لگا، لڑکی ان کی آمد سے بے خبر چھاگل بھرنے کے بعد لا پرواہی سے اُدھر اُدھر گھوم پھر کے ارد گرد پھیلے سبزے میں خوبصورت کاسنی نکالی اور سرخ جنگلی پھول چٹکی پھر رہی تھی، انہی پھولوں کی مہک سے نغما مہکی ہوئی تھی، سامنے پہاڑ کی اوٹ میں سورج غروب ہوتا جا رہا تھا، اس کا سارا سونا جیسے اس لڑکی کے روپ میں اتر آیا تھا، تیور نے اپنے ڈرائیور کے ساتھ لگا ہوں ہی لگا ہوں میں کچھ بات چیت کی تھی، مسی خیر مسکراہٹوں کا تبادلہ ہوا اور تیور کے اشارے پہ جیب آگے بڑھ گئی، نینب کی موجودگی میں یہ دھڑلہ نینب کی اوقات اس پر واضح کرنے کا کوئی تھا مگر وہ خود بھی اتنی الجھی ہوئی تھی کہ یہاں یہ سب کیسا کھیل کھیل گیا تھا، اسے قطعی خبر نہیں ہو سکی تھی۔

”جانتے ہو اس لڑکی کو؟“

جیب حویلی کے پورج میں آن کر رکی اور نینب اتر کر اندرونی حصے کی جانب چلی گئی تب تیور خان نے اپنے قابل بھروسہ ڈرائیور کو دیکھا تھا، اس کی نگاہوں سے مسکراہٹ پھوٹی تھی۔

”جی خان اس مندر خان کا پوتی ہے، ابھی صرف سولہواں سن لگا ہے مگر عالم ٹھٹھک کا جوان ہوا ہے۔“

ڈرائیور کا ہات کرنے کا انداز مزید مشتاقی کر دینے والا اور حد درجہ سنگینی پن لئے ہوئے تھا، تیور خان زور سے اس پر۔

”میں سمجھ گیا تھا کہ تم اسے جانتے ہو، جی اس وقت چھوڑ دیا ورنہ اسی وقت اٹھوا لیتا، خیر اب دیر نہیں ہونی چاہیے اس کام میں۔“ اس نے ایک بار پھر موٹھوں کو مروڑتے ہوئے گویا صیحت کی تھی، ہمیشہ کی طرح حسین چہرہ دیکھ کر اس کی رال ٹپک پڑی تھی۔

”آپ مگر نہ کرو خان، جلد آپ کو اچھی خبر سنائیں گے۔“ تیور مسکراتا ہوا اپنے ہاتھ کے کمرے کی جانب بڑھ گیا تھا جبکہ دوسری جانب ڈیب بے گلی وانظراب کی کیفیت میں ٹپکتے ہوئے اس کی شہر تھی۔ اس نے آپا سے فاطمہ کو لے لیا تھا اور اسے ہار ہار چوتھی مسلسل روئے جاتی تھی، تیور کے انتظار میں اس پہ ایک ایک لمحہ بھاری تھا، یہاں تک کہ وادی نے شب کی تاریکی کی دیہ چار اوڑھ لی، بریلی چوٹیوں سے آئی سرکش ہواؤں کے جھکڑوں نے سردی کی شدت کو بے تحاشا بڑھا دیا تھا، ماحول پر ہراساں سنا تا تو ہمہ وقت طاری رہتا تھا مگر اس وقت تو یہ سنانے جیسے روح میں بھی اتر آئے تھے، وہ وہیں ٹھہرس پہ کھڑی بار بار جھک کر اوپر آتی بیڑھیوں پہ جھانکتی تھی مگر تیور کی آمد کے کوئی آثار نہیں تھے۔

چوڑی بیڑھیوں پہ بچھا قالین آرائشی لائٹس کی روشنی میں اپنا ڈیزائن واضح کر کے دکھاتا تھا اور اتنا شفاف تھا گویا کبھی کسی نے اس پہ قدم بھی نہ رکھا ہو، نینب کے اندر عجیب سی وحشت تھی اور اکیلے پن کے خیال کے ساتھ بچے کاڑھنے لگی، معاہدہ لگ رہا اور یونیس گرنے لگیں، وہ ٹھہرس پہ کھڑی اسی پھوار میں بھینکتی خود اذیتی کا شکار ہوتی رہی، رات کچھ اور بھی گہری ہو گئی، ہینکل ہوا میں اس کے بھیکے وجود سے نکرائیں تو سردی کے باعث اس کا جسم کا پھنے لگا، اسے اپنے چہارہ سو مہیب تاریکی کا احساس ہو رہا تھا،

ایسی تاریکی جو مایوسی کی انتہا پہ جا کر محسوس ہوتی ہے، اس کے اعصاب سن ہو رہے تھے، یہاں ٹھٹھک میں نگاہ دوڑانے سے دور گاؤں کی گلیاں اور پتھر سے بنی چھوٹی بڑیاں نظر آرہی تھیں جن میں جلتے چراغ اور لائٹن کی روشنی میں زندگی کا احساس تو تھا مگر اس کی اس بڑی جگمگاتی حویلی میں اس کے لئے موت کے سائے لرزاں تھے گویا، اس نے آنکھیں بند کر لیں اور زار و قطار روٹی چلی گئی، شاید اس سے زیادہ وہ کچھ اور نہیں کر سکتی تھی۔

☆☆☆

تمہیں اک بات کہنی ہے
مگر ناراض مت ہونا
کہ تم جو ہر کھڑی مجھ کو
اتنا یاد آتے ہو
ہمیں اتنا ستاتے ہو
کہ ہم تم دور ہیں دونوں
بہت مجبور ہیں دونوں
نہ اتنا یاد آؤ تم
نہ یوں اتنا ستاؤ تم
کہ اتنا یاد آ کر یوں
ہمیں پاگل بنا کے تم
فقط اتنا بتا دو کہ
ہماری جان لوگے کیا؟

اس نے اپنی میڈیکل فائل کو سرسری نگاہ سے دیکھا تھا پھر آہستگی سے اسے بند کر کے رکھ دیا، سبز آفریدی پچھلے دنوں سے پھر سے ٹرنمنٹ دلا چکی تھیں، ڈاکٹرز نے اچھی امید ہی دلائی تھی بلکہ حیران تھے کہ وہ ان کی بتائی ہوئی زندگی کی معیار پوری کر چکی تھی جبکہ اس کی بیماری آخری اسٹیج پہ بھی پھر بھی۔

”جہاں انسان مایوس ہو جاتا ہے اور بے بس بھی، وہاں خدا کی ذات ہی کرشمہ دکھایا کرتی ہے سبز آفریدی، آپ کی بیٹی کی یہ امپرومنٹ ایک معجزہ ہی ہے، ہمارا علم تو یہاں بے بس اور لاچار کھڑا ہے، ہم یہاں کچھ کہنے سے قاصر ہیں، آپ بس دعا کریں کہ آپ کی بیٹی یونہی امیر و گرتی رہیں۔“ یہ ڈاکٹرز کے الفاظ تھے اور سبز آفریدی کے اندر ایک نئی امنگ چمک گئے تھے، انہوں نے کتنی محبت سے اسے گلے لگا کر پیار کیا تھا، پھر مسکرا کر بولی تھیں۔

”آج تو میں اتنی خوش ہوں کہ اگر جہانگیر بھی میرے پاس ہوتا تو اسے بھی یونہی پیار کرتی، میں جانتی ہوں میری بیٹی میں یہ زندگی کا احساس اسی کی وجہ سے پیدا ہوا ہے۔“ اور ڈالے ٹھٹھک مسکرا دی تھی، پھر جیسے جیسے دن گزرتے گئے اور جہاں نے پلٹ کر اسے نہ پوچھا نہ ہی لینے آیا تو سبز آفریدی کی یہ خوشی پھر سے غصے میں بدلنے لگی تھی۔

”جہانگیر کا رو یہ تو تمہارے ساتھ اچھا ہے نا بیٹے؟“

”جی ماما، میں ان کے ساتھ بہت خوش ہوں۔“ وہ ہر بار رسائیت سے جواب دیتی اور مسز آفریدی اس کا چہرہ جھانپتی نظروں سے دیکھنے لگ جایا کرتیں، مگر کل جانے کیوں ان کا ضبط جو خواب دے گیا تھا۔

”جہا تکیر کو کال کر کے کہو وہ آکر تمہیں لے کر جائے۔“

”کیوں ماما آپ اتنی جلدی اکتا بھی لگیں مجھ سے؟“ ڈالے نے بات کو مذاق میں اڑانا چاہا تھا مگر مسز آفریدی کی سنجیدگی میں فرق نہیں آیا۔

”وہ تم سے پرانے بدلے لینا چاہ رہا ہے نامیرے، اس طرح سے بھگ کر کے، مجھے اک بات بتاؤ ڈالے تمہارا اور اس کا ریلیشن کیا ہے؟“

”کیا مطلب ہے ماما؟“ وہ اس آخری بات پر اس بری طرح سے گڑبڑائی تھی کہ لمحے کے ہزاروں حصے میں ان سے نظریں چرائی تھی، مسز آفریدی کو اپنی بات کا جواب مل گیا تھا، ان کی رنگت غصے سے دھک کرانکار ہو گئی۔

”وہ خبیث اتنا کم ظرف ہو گا، مجھے ہرگز اندازہ نہیں تھا، تم بھی جانتی ہونا ڈالے کہ مجھے اپنے لوا سے یا لو اسی کا کتنا انتظار ہے، ارے وہ اگر اکڑ دکھا بھی رہا ہے تو تم ڈرنا سا بھگ جاتیں، کیا حرج تھا، شوہر ہے تمہارا، اتنا حسن کس کام کا اگر اس سے تم کوئی کام نہ لے سکیں، اب تم دیکھنا میں پھر کیا کرتی ہوں، مسز آفریدی نام ہے میرا۔“ مسز آفریدی تو جیسے بیجان میں ہڈیاں بکنے پر اتر آئیں، اتنی تھرڈ کلاس سوچ اور پھر اس کو بھی یہی ترغیب..... ڈالے کے تو جیسے کانوں سے دھواں سا نکلنے لگا، غم تاسف اور صدمے نے اسے برفروختہ سا کر ڈالا۔

”فار گاڈ سیک می، چپ ہو جائیں، آپ کو کیا اندازہ کہ میں کس درجہ ذلت سے دوچار ہو کر رہ گئی ہوں صرف آپ کی وجہ سے، جو کچھ بھی کیا وہ آپ نے کیا تھا، میرا کوئی قصور نہیں تھا، میری غلطی بس یہ تھی کہ مجھے شاہ سے محبت ہو گئی تھی، آپ سے میں نے کب گزارش کی تھی کہ شاہ کا ساتھ بھی مجھے چاہیے، آپ نے جو گھٹیا پلاننگ کر کے شاہ کو اس امر پر مجبور کیا خدا گواہ ہے کہ میں اس سے آخر دم تک بے خبر رہی تھی مگر شاہ اس بات کو نہیں سمجھتے، وہ نہیں مانتے ہیں ماما اور میری بے بسی دیکھتے کہ میں اپنی پوزیشن ان کی نظر میں کلیئر کرنے سے بھی قاصر ہوں، کیا وضاحت دوں کہ میری نہیں میری ماں کی غلطی ہے، میں نہیں میری ماں چالباز ہے؟“

وہ پھٹ پڑی تھی، بلند آواز سے زار و قطار روتی وہ جیسے جانے کب کا جمع شدہ غبار نکال رہی تھی یہ جانے بنا کہ ماما اور معاذ کے بے حد سمجھانے اور مجبور کرنے پر اسے لینے کو آیا جہاں ان کی بلند آوازوں پر اور اپنا تذکرہ سن کر دروازے کے باہر ہی ٹھٹھک کر رک گیا ہے، اس نے اللہ سے دعا مانگی تھی، اس کے متعلق آگاہی اور راہنمائی کی اور اللہ اپنے بندوں کے لئے سب سے بڑا انصاف کرنے والا ہے بلاشبہ۔

”آپ کو اندازہ ہی نہیں ہے ماما کہ آپ میرے ساتھ کس درجہ زیادتی کر چکی ہیں، مجھے ذلت کی گہرائیوں میں پھینک دیا ہے آپ نے، جس سے میں اگر نکلتا بھی جا ہوں تو نہیں نکل سکتی، مجھے ہر لمحہ اللہ کا وجود کسی دلدل میں دھنستا ہوا محسوس ہوتا ہے، ایسی دلدل جس کا بدبودار کچھڑ اور کائی کی دبیز تھیں میرے لاچارو بے بس وجود کو ہر لمحہ نکل رہی ہیں، میں اپنے بچاؤ کو جس چیز کو بھی تھامنے کی کوشش کرتی ہوں وہ

بھی ٹوٹ کر میرے ساتھ اسی دلدل کا حصہ بنتی جا رہی ہے، آپ اچھی طرح جانتی تھیں ماما میری انا کو میری عزت نفس کی اہمیت کو، میں اپنی زندگی کے یہ چند دن کم از کم اپنی نظروں سے گر کر جینا نہیں چاہتی تھی، میرے نزدیک محبت کو پانا اہم نہیں تھا وہ بھی اس صورت کہ اس میں عزت کے کھونے کا ڈر ہو آپ کو کیا خبر ماما جسے ہم سب سے اہم سمجھتے ہوں اس سے عزت نہ پانا کس درجہ اذیت انگیز احساس ہے، کاش..... اے کاش مجھے محبت اور عزت میں سے اگر چناؤ کا اختیار ہوتا تو میں کبھی محبت کو عزت پر ترجیح نہ دیتی۔“

وہ زار و قطار رو رہی تھی، جہاں کو مزید کچھ سننے کی خواہش باقی نہیں رہی تھی، بنا آہٹ کے وہ اگلے قدموں وہیں سے پلٹ گیا تھا، جبکہ اس کی آمد سے ٹکڑے خبر اندر مسز آفریدی کو ڈالے کی یہ جذباتی تقریر ہرگز بھی متاثر کرنے سے قاصر رہی تھی۔

”تم اسحق تھی اور ہمیشہ اسحق رہو گی، نان سنس، اگر تم نے عقل نہ پکڑی تو مجھے تمہارے حق کے لئے جہا تکیر سے صاف صاف بات کرنی پڑے گی، اب یہ تمہارے اوپر ڈپینڈ کرتا ہے کہ تم کچھ کر پاتی ہو یا نہیں۔“ ان کی اگلی بات نے ڈالے کو بھگ سے اڑا کر رکھ دیا تھا، اس کا چہرہ یوں دھک اٹھا جیسے کسی نے اس پر الاؤ روشن کر دیا ہو۔

”اب اگر آپ نے کوئی بھی فضول بات کی شاہ سے تو ماما یاد رکھیے گا، آپ مجھ سے ہاتھ دھو بیٹھیں گی، میں قسم کھا کر کہتی ہوں میں شوٹ کر دوں گی خود کو، اس سے زیادہ ذلت کی میں متحمل نہیں ہو سکتی ہوں۔“ وہ اتنی وحشت سے چلائی تھی کہ اپنے ہی کانوں کے پردے پھٹنے محسوس کیے، پھر وہ اپنے کمرے میں آئی تب بھی بہت دیر تک آنسو بہاتی رہی تھی مگر ملال ایسا تھا کہ ڈھلتا ہی نہ تھا، سیل فون کی ٹنگناہٹ نے اس نے چونک کر دبا کر رکھ کر تے موبائل کو دیکھا، اسکرین پر نیلما کا نمبر تھا جو اس نے سید تو نہیں کیا تھا مگر اسے ازبر ہو چکا تھا، جانے کس احساس کس جذبے کے تحت اس نے بغیر کسی ہچکچاہٹ کے کال رسبو کر لی۔

”ڈالے؟“ نیلما کے لہجے میں اشتیاق آمیز ہچکچاہٹ تھی۔

”جی یولیس۔“ اس نے اختصار سے کام لیا، اس کا گلا اس وقت بھی بھرا ہوا تھا، لہجہ متعادل تھا، جو اس سے پہلے شاید کبھی نیلما سے بات کرتے ہوئے ہوا جیسی نیلما کچھ حیران محسوس ہونے لگی۔

”کیسی ہو سوئیٹی، مائی لو۔“

”میں ٹھیک ہوں، آپ نے کیوں کال کی؟“

”میں نے سنا ہے تمہاری شادی ہو گئی ہے، ابھی تو تم بہت چھوٹی سی تھیں ناہنی، لیکن خیر اچھا ہوا تمہارا دولہا کیسا ہے؟ میں مل سکتی ہوں اس سے؟“ اس کے لہجے میں اشتیاق بھی تھا اور محبت بھی، ڈالے نے بے دردی سے ہونٹوں کو پکلا۔

”اگر آپ سمجھتی ہیں آپ کو ان سے ملنا چاہیے تو مل لیجئے گا۔“ آج وہ ہر طرح سے حیران کرنے پر تیار تھی، دوسری جانب یکنگت سناٹا چھا گیا۔

”تم نے ٹھیک کیا ڈالے فیصلہ مجھ پر چھوڑ دیا، واقعی میں اس قابل نہیں رہی کہ تم..... خیر چھوڑو تمہیں ایک خوشی کی خبر سنانی تھی، ابھی تک کسی کو نہیں بتایا، مگر تم سے شیئر کرنے کو اب چاہا ہے تو وہ یہی ہے سہنی کہ اس دنیا میں اگر کوئی میرا اپنا میرا سا بچا ہے تو وہ تم۔“

”کون سی خبر؟“ ڈالے نے بھراختصار اور تحمل کا مظاہرہ کیا۔

”پہلے تم بتاؤ کہ تمہارا ہزبرینڈ کیسا ہے؟ بیار اتو سے تمہارے جیسا، تمہیں خود بھی پسند آیا کہ نہیں۔“
 ”شاہ بہت ہنڈم ہیں، بے حد امپر یو، آپ بتائیں کیا خوشی کی خبر ہے میرے لئے؟“ ڈالے نے کننگو کو سیٹھا چاہا، ڈالے کی ہنسی سنائی دی۔

”شاہ تمہارے دولہا کا نام ہے یقیناً، خیر بہت یونک نیم ہے، خوشی کی خبر یہ ہے کہ میں شوہر چھوڑ کر رہی ہوں بلکہ چھوڑ چکی ہوں، کل پرسوں کا ہمدردہ اعلان کر دوں گی، دوسری اہم خبر یہ کہ میں مقررہ شادی کر رہی ہوں، جس کو میں نے پسند کیا ہے نا وہ شاید تمہارے شاہ سے بھی زیادہ اٹریکٹو ہے، بے حد امپر یو پر سنائی ہے اس کی، کبھی موقع ملا تو ملاؤں گی تم سے۔“

دردازے پر آہٹ ہوئی تھی، ڈالے نے چونک کر گردن موڑی اور جہان کو روہد پا کے حیرت کی زیادتی سے سیل فون اس کے ہاتھ سے چھوٹے چھوٹے رہ گیا، وہ گنگ سی لہہ لہہ اسے اپنی سمت بڑھتا دیکھ رہی تھی، آف وائیٹ پینٹ کوٹ میں اس کا اونچا لمبا مضبوط بلند سراپا کس درجہ سحر انگیزی اور وجاہت سیٹھے ہوئے تھا اپنے اندر، جہان نے اسے دیکھا تب وہ حواسوں میں لوٹ آئی۔

”م..... میں آپ سے پھر بات کروں گی، اوکے ہائے۔“ اس نے گڑبڑا کر کہا اور نیلما کی سنے بغیر کال ڈراپ کر دی۔

”السلام علیکم!“ وہ گھبرا کر ایک دم سرد قد کھڑی ہو گئی، ریشمی فرائگ ہی نہیں گود میں بڑا دوپٹہ بھی بھروس میں آگیا تھا، اس سے گل کردہ خود بخود جھکتی دوپٹہ اٹھانے کو جہان نے اس سے پہلے یہ کام کر لیا تھا اور بہت ریمان بھرے انداز میں دوپٹہ اس کے اوپر اوڑھادیا، ڈالے تو گنگ ہونے لگی تھی۔

”کیسی ہیں آپ؟“ جہان نے سلام کے جواب میں اسے گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے استفسار کیا تھا۔

”جج..... جی..... میں ٹھیک ہوں، آپ بیٹھے نا۔“ اس کی بوکھلاہٹ اور گڑبڑاہٹ کچھ اور سوا ہوئی تھی، جہان نے ریمان سے سر کوٹھی میں جنبش دی تھی۔

”میں لینے آیا ہوں آپ کو ڈالے۔“ ڈالے کے چہرے پر یکنخت رنگوں کا قافلہ سا اتر آیا۔
 ”آپ بیٹھے میں تیار ہو جاؤں۔“ وہ اسے بیٹھنے کا اشارہ کرتی باہر بھاگی، ملازمہ کو چائے کا کہا اور خود تیار ہونے لگی، اگلے چند منٹ بعد جب وہ جہان کے ساتھ گاڑی میں آکر بیٹھی تو اس کے چہرے پر خوشی اور ظمانیت کا احساس تھماہٹ تکبیر رہا تھا، کئی فائن تھی وہ جہان کی ذات سے، بغیر کسی مطالبے کے وہ اس کی معمولی سی توجہ معمولی سی توازش پہ ہی سرشار ہو جایا کرتی تھی۔

”کسی کام سے آئے تھے آپ لاہور۔“ ڈالے نے گاڑی کی فضا میں چھائی گھیر خاموشی کو توڑنے کو سوال کیا تھا، خاموشی میں اسرار ہوتے ہیں اور اسے اسراروں سے ہی ڈر لگتا تھا جیسی گھبرا کر اس خاموشی کی چادر کو چاک کرنا چاہا۔

”آپ کو لینے آیا تھا کل۔“

”کل؟“ ڈالے حیران ہوئی۔

”آپ کل کیوں نہیں آئے تھے پھر؟“

”میں کل ہی آیا تھا مگر واپس چلا گیا، آپ کی اپنی والدہ سے شاید لڑائی ہو رہی تھی، مجھے حیرت ہوئی آپ کو جھٹکا کرنا بھی آتا ہے۔“ اس مرتبہ جہان کے لہجے کی سنجیدگی میں خفیف سی مسکراہٹ کا رنگ بھی اتر آیا مگر ڈالے تو اس کی بات سن کر ہی جیسے فنا ہو رہی تھی، اس کی رنگت میں پہلے زردی اتری پھر وہ لٹھے کی مانند سفید پڑ گئی۔

”اگر اب آپ کو محبت اور عزت میں انتخاب کا موقع دیا جائے تو آپ کا انتخاب کیا ہوگا ڈالے؟“ جہان جو اسے بخور دیکھ رہا تھا اسی سنجیدگی سے بولا تھا، ڈالے کے چہرے پہ تاریک سائے لرزاں ہو گئے، اس کے ہونٹ کا پتے رہے مگر بولنے کی سکت نہیں تھی، اس کے لئے یہ تصور ہی جان لیوا تھا کہ جہان وہ سب کچھ سن چکا ہے۔

”یقیناً عزت، آپ مجھے چھوڑ کر چلی جاؤ گی ڈالے بی کوڑ میں آپ کو عزت نہیں دے سکا۔“ جہان نے اس کی خاموشی سے من پسند نتیجہ اخذ کیا تھا، ڈالے کا وجود یوں لرزنے لگا جیسے طوفان کی زد پہ آئی لٹکتی ڈولتی ہے، آنسو ایک تو اتر سے بہنے لگے۔

”جو حالات تھے ان میں میرا آپ سے بدگمان ہو جانا بڑی بات نہیں تھی ڈالے، جو کچھ ہوا آئی من میری طرف سے آپ کے ساتھ اس میں آپ سے ایکسکیوز کرنا ہوں.....“ مگر پہنچ کر جب جہان نے بیڈروم میں آکر یہ بات کہی اور کسی قدر شرمسار انداز میں اپنے ہاتھ اس کے آگے جوڑنے چاہے تب ڈالے پہ چھائی غیر یقینی بھرا یہ سکت ٹوٹ گیا، اس نے تڑپ اٹھنے والے انداز میں جہان کے ہاتھوں کو اپنے سرد پڑتے لرزتے ہاتھوں میں تھا ما اور پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی تھی۔

”مجھے گھنکار نہ کریں شاہ، ہم بہر حال آپ کے مجرم تھے، میں نہ سکی مئی سکی اور مجرم کی سزا تو یہ بہت معمولی تھی، میں آپ سے شکایت نہیں کر سکتی تھی، میں اس قابل تھی ہی کہاں اور چھوڑ جانے کی بات نہیں تھی، آپ کا ملنا ایک معجزہ تھا جو روز روز رونما نہیں ہوتا۔“ وہ اس کے انہی ہاتھوں پہ چہرا ٹھکائے روتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

”اس کا مطلب آپ کو مجھ سے کوئی شکایت نہیں، میرے گلے ٹھکے بھی تمام ہوئے تو پھر ہمیں اپنی نئی زندگی کی ابتداء اسی کرے سے کرنی چاہیے، جہاں آپ دوہن بن کر آئی تھیں، وہ بھی اتفاق تھا، اب یہ بھی اتفاق ہی ہے مگر بہت دل پذیر۔“ جہان کا موڈ ایک دم سے بدل گیا تھا، لگا ہوں کی تپش میں شوخ نقاضے تھے، ڈالے کا دل اس عنایت اس مہربانی پہ دھڑکنا بھولنے لگا، تو چہرے پہ جیسے سارے جسم کا خون سٹ کر اکٹھا ہو گیا تھا، پلٹیں یوں جھک گئیں جیسے کسی نے منوں کے حساب سے بوجھ لا دیا ہو، حجاب، گریز اور گھبراہٹ کے رنگوں کا اتنا حسین سنگم شاید ہی اس سے گل جہان کی نگاہ سے گزرا ہو، وہ اس کے دلکش حسین چہرے میں جیسے کم ہو کر رہ گیا، وہ ہمیشہ سے دیانت دار اور انصاف پسند تھا، ڈالے کی طرف سے دل صاف ہوا تو اس کی جانب پیش رنعت میں ہچکچاہٹ محسوس نہیں کی کہ یہی اس کی نیچر کی خوبی اور انصاف کا تقاضا تھا۔

☆☆☆

گاڑی تیزی سے سڑک پر دوڑ رہی تھی، کالے بادلوں نے آسمان کو ڈھک لیا تھا، جب ان کا یہ سفر شروع ہوا تھا تو دھوپ تیز تھی اور دن پوری طرح روشن دیکھتے ہی دیکھتے بادل آئے اور جھٹ پٹا ہو گیا، ہوا

بند تھی مگر سردی کا احساس پھر بھی باقی تھا، یہ مارچ کا اواخر تھا پھر بھی سردی محسوس ہوتی تھی تو وجہ ایک تو گاؤں کا کھلا علاقہ دوسرا موسم کی خرابی تھی، سڑک کے دونوں اطراف گنے اور کپاس کے کھیت برستی بارش میں دلکش نظارہ پیش کر رہے تھے، گہرے بادلوں کی وجہ سے تاریکی کا احساس ہوتا تھا، پچھرو بہت تیزی سے آگے بڑھے جاتی تھی، معاذ نے کیسٹ پلیئر آن کر رکھا تھا، اس کی آنکھوں پہ ڈارک گلاسز تھے جو اس کے وجہ چہرے کو کچھ اور بھی حسین بنا کر دکھا رہے تھے، موسم کی شدت کے باعث اس نے گلاسز آنکھوں سے ہٹا کر بالوں پہ انکا دیئے تھے، ڈائٹ کھد کے سوٹ میں مغرور اور بہت شاندار سا ڈیرالگ رہا تھا اس لباس میں، پتہ نہیں اس پہ ہر لباس اتنا چمکا کیوں تھا، یوں جیسے اسی کے لئے بنا ہو، پر نیاں نے بھر جانے کے بعد اس کے سر اُپے سے نگاہ ہٹائی اور اسے پتہ بھی نہیں چلا، وہ پتہ نہیں واقعی غافل تھا، یا بے تیاری برت رہا تھا، پر نیاں نے سرواہ بھری اور پھر کھڑکی کے باہر دیکھا، سڑک کے ایک طرف کھیتوں دور تک جاتا سلسلہ تھا دوسری جانب گھر جو کچھ بھی تھے اور پختہ اور نیم پختہ بھی ان مکانوں کے پیچھے فاصلے پہ نگاہ دوڑانے سے کھلے میدانوں میں مٹی جھونپڑیاں بھی نظر آ رہی تھیں، جن کے باہر موٹوں بندھے ہوئے تھے، معاوضہ اسکرین پہ موٹی بوندیں ٹاپ کرنے لگیں جو اگلے کچھ لمحوں میں شدید بارش روپ دھار گئیں، یقیناً بارش اور سردی کے باعث دور و نزدیک کوئی اور نظر نہیں آ رہا تھا، مٹی کی سڑک پر پانی تیزی سے اکٹھا ہوتا جا رہا تھا اور معاذ کی پیشانی پہ ناؤاری کی شکنیں بھی، جو پر نیاں کو خائف کرنے کی کافی تھیں کہ ابھی اچھا خاصا راستہ باقی تھا، معاذ انجن ہولے سے غرایا اور گاڑی جھٹکا کھا کر رک گئی پر نیاں نے گڑبڑا کر معاذ کو دیکھا جو اسٹارٹ کرنے کی کوشش میں مصروف تھا اور اس کی جھنجھلاہٹ بڑھتی جا رہی تھی۔

”کیا ہوا؟ گاڑی خراب ہو گئی ہے کیا؟“ پر نیاں نے قدرے جھجک کر سوال کیا تھا جس کے جواب میں معاذ نے محض کھا جانے والی نظروں سے اسے نوازا۔

”یہاں سے حوصلی کا قافلہ ہے تو مگرا تادور بھی نہیں ہے۔“

”کیا مطلب؟ اگر تم یہ کہنا چاہتی ہو کہ اس بارش اور کچھ میں، میں بیدل چلوں گا تو ایسا سوچنا بہت مت۔“ وہ بھڑک کر کہتا اس پر چڑھ دوڑا تھا، پر نیاں جڑی ہو کر رہ گئی۔

”تو پھر آپ باہر نکل کر دیکھیں نا، شاید معمولی خرابی ہو اور.....“

”مخترمہ تجھے اس کی الف بے سے بھی آگاہی نہیں ہے سمجھیں آپ، بہتر ہو گا کہ ہمیں رات بس لیں۔“ اس نے قہر بھرے انداز میں کہتے سیٹ کو آرام وہ حالت میں کیا اور نیم دراز سا ہونے کے کرتے کی جیب سے سگریٹ کیس اور لائٹرن کال کر شعلہ دکھایا، گاڑی کی فضا میں تمباکو کی مہک اور دھواں کا غبار پھیلنے لگا پر نیاں کچھ حیران سی ہو کر اسے دیکھتیں لب بھینچ گئی تھی، سرما کی یہ طوفانی رات کالی سڑک اور دور تک خاموشی تھی، اس پہ کن من برستی بارش درختوں کے سائے گاڑی کی ہیڈ لائٹس کی روشنی میں سڑک پہ خوفناک انداز میں پڑے نظر آتے تھے، بوندیں تپوں پہ ٹھہر کر ایک دوسرے میں مدغم ہو گئیں تو اور موٹی ہو جاتی تھیں، اس نے دھندلے نم مناظر پہ تشویش زدہ انداز میں نظر دوڑائی پھر دیکھا، وہ کتنا بے نیاز اور ریلیکس نظر آتا تھا، جبکہ وہ یہاں کی رہائشی ہونے کے باعث جانتی تھی یہ کس قدر رات کے وقت خطرناک ہو جاتا تھا کہ لوگ رات کو یہاں سے گزرنے سے بھی گریز کرتے

توجہ راہ گیروں کے لٹنے کے کئی واقعات تھے، ڈاکو زور نقدی چھیننے کے علاوہ مار پیٹ بھی کرتے تھے، وہ معاذ کو یہ بات نہیں بتانا چاہتی تھی تو وجہ یہی تھی کہ وہ اٹنے دماغ کا آدی تھا، ایسی باتوں کو غیرت کا مسئلہ سمجھ کر بے خوف خطرے میں کود جاتا تھا، لندن کی ایسی ہی برستی شب میں اس کا مائیکل سے بھڑنا پر نیاں کو اس سے کچھ اور بھی محتاط کر چکا تھا، کسی خیال کے تحت وہ ایک دم چونک کر سیدھی ہوئی تھی، اس نے بیگ کی زپ کھول کر اپنا سیل فون نکالا تھا اور اپنی ملازمہ روٹی کا نمبر تلاش کرنے لگی، ابھی کل ہی اس نے روٹی کو کال کر کے اپنی آمد کی اطلاع دی تھی، اس کی عادت تھی وہ غیر ضروری نمبرز بھی ڈیلیٹ نہیں کیا کرتی تھی اور یہ عادت کئی بار اس کے کڑے وقت میں فائدہ پہنچا چکی تھی روٹی کا نمبر تو مل گیا تھا مگر اس کے سیل میں کریڈٹ ختم تھا، اس نے جھنجھلا کر سیل چھانچا تو معاذ نے دھواں بکھیرتے ہوئے اسے دیکھا۔

”اپنا سیل دیں معاذ مجھے کال کرنی ہے۔“ اسے کہنا پڑا تھا، معاذ قدرے چوٹکا۔

”مما سے میری شکایت کرنا چاہتی ہو؟“ وہ اسے گھورتے ہوئے بولا تو پر نیاں نے اپنا سر پیٹ لیا تھا۔

”ایسا ارادہ نہیں ہے میرا، سیل دیں گے؟“ وہ چڑی تھی، معاذ نے جیب سے سیل نکال کر اس کی جانب بڑھایا پھر کسی قدر معنی خیزی سے بولا تھا۔

”تو طے ہوا ضرورت ایجاد کی ماں ہے، کاش کبھی آپ مجھے بھی مجھ سے اسی طرح مائیکس، ہک ہا ہمارے ایسے نصیب کہاں ہیں۔“ معاذ کی بڑی بڑی آنکھوں میں شرارت بھرا تبسم رقعاں تھا، پر نیاں تو گویا غقت سے سرخ پڑ گئی تھی، دل دھک سے رہ گیا، اس کی ٹپکیں کانپیں اور لرز کر عارضوں پہ سایہ لگن ہو گئیں، اس نے ایک جھٹکے سے اپنا رخ پھیر لیا، دل ہنوز دھک دھک کر رہا تھا، اسے خود کو سنبھالنے میں کسی قدر دشواری محسوس ہو رہی تھی۔

”لو، کس کو کال کرنی تھی آپ نے؟“ معاذ نے پہلے اس کے کاندھے کو اٹکیوں سے بجایا پھر خود پہ اس کی سمت قدرے جھک آیا تھا، پر نیاں نے لرزتی آنکھوں سے اپنے سیل سے روٹی کا نمبر معاذ کے موبائل پہ ڈائل کیا تھا، دوسری سمت نیل جانے لگی۔

”دل تو چاہ رہا ہے یہ بارش برستی رہے گاڑی خراب رہے اور تم یونہی میرے نزدیک رہو اور عمر بیت جائے۔“ وہ آنکھیں بند کئے شرارت بھرے انداز میں کہہ رہا تھا، پر نیاں نے ایک نظر اسے دیکھا دوسری جانب روٹی نے کال رسپونڈ کر لی تھی۔

”ہاں روٹی میں ہوں پر نیاں۔“

”پر نیاں بی بی آپ ابھی تک نہیں پہنچیں، میں پریشان ہو رہی ہوں کب کی۔“ روٹی اس کی آواز پہچان کر فرارے سے بولنے لگی۔

”گاڑی خراب ہو گئی ہے ہماری، تم ڈرائیور کو گاڑی دے کر بھیج دو جا جلدی۔“ پر نیاں نے جگہ بتا کر کال ڈراپ کی تو معاذ نے حلقی سے اسے دیکھا تھا۔

”مذاق اور حقیقت میں فرق ہوتا ہے بیگم صاحب! بے فکر رہیں میرا آپ سے روٹینس کا ہرگز مواؤ نہیں تھا۔“ وہ نخوت سے کہہ رہا تھا، پر نیاں نے کچھ کہے بغیر سیل ڈیش بورڈ پہ ڈال کر وٹا اسکرین کے پار برستی بوندوں سے آگے بہت دور تک نگاہ کی، سڑک کنارے دور پہ درختوں کی قطاریں بہت دور تک جانی

تھیں، سڑک سے چھ کھجوں میں بارش کا پانی تیزی سے بہہ کر جا رہا تھا، یہاں سے بہت دور جا کر روشنی میں گاؤں کے آثار بھی نظر آتے تھے، سامنے کی گھنٹری باغات تک جانی تھی جہاں پر نیاں نے کئی بار اپنے ہاتھوں سے کینو اور امرود توڑ کر کھائے تھے، پھر وہ اونچی شاعر حویلی تھی جہاں اس کے دادا کی بے شمار یادیں وابستہ تھیں یہی یادیں تھیں جو اسے بھرے پرے شاہ ہاؤس سے نکال کر یہاں لے آئی تھیں اور دوا..... اس کا دل سینے کی گہرائیوں میں بہت ڈوب کر ابھرا، اسی گھنٹری کے دائیں ہاتھ دوسری گھنٹری تھی جو قبرستان میں لے جاتی تھی، وہیں وہ محو خواب تھے، پر نیاں کا دل دکھ سے بھرتا چلا گیا، اسے خبر بھی نہ ہو سکی کہ اس دکھ نے آنکھوں میں دھندلاہٹ بھری اور وہ آنسوؤں کی صورت چلوں سے ٹوٹ کر بھرنے لگے۔

”کسی کو ناپسند کرنے کی صرف ایک وجہ بدگمانی نہیں ہو سکتی، مجھے لگتا ہے تم مجھے کبھی ایکسپٹ نہیں کر سکتیں، اس کی وجہ بتانا پڑے گی تمہیں۔“ اس کے آنسوؤں کو اپنی پور یہ لے کر جھٹکتا ہوا معاذ زہر خند سے بولا تو پر نیاں ہوش میں آتے ہی سراسیمہ سی ہو گئی، یعنی بدگمانی کی بھی کوئی حد نہیں تھی، معاذ کا چہرہ توہین کے احساس سے سرخ ہو چکا تھا۔

”کیسی باتیں کر رہے ہیں آپ؟“ وہ ضبط کے باوجود چیخ پڑی تھی، معاذ نے ناگواری سے اسے دیکھا۔

”چیننے سے سچائی چھٹی نہیں ہے پر نیاں صاحبہ! مجھے اپنی بات کا جواب ہر صورت چاہیے، میں تمک گیا ہوں تمہاری جانب سفر اختیار کرتے ہوئے، اب اور نہیں، تم میرے جذبات سے اور نہیں کھیل سکتیں۔“ اس کا لہجہ سرد اور پھنکار زدہ تھا، پر نیاں کو اپنی ریڑھ کی ہڈی میں سرد لہر دوڑتی محسوس ہونے لگی۔

”معاذ آب غلط نہیں کا شکار ہو رہے ہیں، مجھے دوا یاد.....“

”یہ بہانہ کس قدر بودا ہے اس کا شاید تمہیں خود بھی اندازہ نہیں ہے۔“ وہ اس کی پوری بات سننے بغیر غرایا تو پر نیاں کا رنگ سفید پڑنے لگا تھا، اسے قلعی سمجھ نہیں آ سکی وہ اس بدگمان شخص کو اپنی بات کا یقین کیونکر دلائے، تب ہی دور سے کسی گاڑی کی ہیڈ لائٹس چمکتی نظر آنے لگیں، یہ یقیناً روٹی کا بھیجا ہوا ڈرائیور تھا۔

”گاڑی آگئی ہے، میں آپ سے گھر چل کر بات کرتی ہوں۔“ پر نیاں نے رسائیت بھرے انداز میں فی الحال گفتگو کو سینٹنا چاہا تھا، مگر معاذ کا تنہا دیدنی تھا۔

”تم جاؤ، مجھے کہیں نہیں جانا تمہارے ساتھ۔“ پر نیاں نے ٹھٹک کر اس کی شکل دیکھی اور بے حد مضطرب ہو کر رہ گئی۔

”کیا مطلب؟ کہاں جائیں گے آپ، اتنی رات اوپر سے گاڑی بھی خراب ہے؟“ اس نے پریشانی کے عالم میں کہا تھا معاذ کے چہرے پہ ہنس بھیل گیا تھا۔

”تمہیں میری فکر میں ہنگام ہونے کی ضرورت نہیں جاؤ تم۔“ اس کا لہجہ بے حد حقارت آمیز تھا، پر نیاں مجلس کر رہی مگر اس قسم کی صورتحال میں وہ ہمیشہ کی طرح جذباتی نہیں ہوئی تھی اور بہت ضبط سے ساری سخی انداز اتار لی۔

”پلیز معاذ اگر میری کوئی بات بری لگی ہے آپ کو تو میں ایکسیکوز کر لیتی ہوں۔“ بغیر کسی اتار کے

پتلیکا ہٹ کے اس کے آگے اس نے دونوں ہاتھ جوڑ دیئے تھے، معاذ کچھ دیر سلکتی نظروں سے اسے دیکھتا رہا پھر سرد آواز میں بولا تھا۔

”اس کی ضرورت نہیں ہے، مجھے مینافقت سے شدید نفرت ہے۔“ پر نیاں نے ہونٹ ہینچ لئے تھے، گاڑی سامنے کچھ فاصلے پہ آ کر رک گئی تھی، اب دروازہ کھول کر ڈرائیور جو درمیانی عمر کا مگر مضبوط جسم کا مالک تھا، سر پہ صاف ہاندھے باہر نکل آیا اور پر نیاں کی جانب کھڑکی پہ جھک کر بارش میں بھیکتا ہوا پر جوش انداز میں سلام کرنے لگا۔

”سلام بی بی صاحبہ، سلام صاحب، گاڑی تیار ہے آپ شریف لاؤ، وہاں حویلی میں تو جی آپ کی آمد کا سن کر سب ہی عید کے چن کی طرح آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔“ وہ عاجزانہ انداز میں کہہ رہا تھا، پر نیاں نے اپنی مخصوص نرمی سے اس کے سلام کا جواب دیا تھا پھر سخی نظروں سے معاذ کو دیکھا۔

”پلیز معاذ چلئے نا۔“ اس کے لہجے میں عاجزی تھی بے بسی تھی، معاذ بوٹی تھپتھپے ہوئے ہونٹوں کے ساتھ اتر کر دوسری گاڑی میں جا بیٹھا، پر نیاں نے بے اختیار اطمینان کا سانس لیا، ڈرائیور شہیر سے کہہ کر اس نے سامان ڈکی سے کھٹوا کر اس گاڑی میں رکھوایا تھا، باقی کا راستہ ان کے سچ خاموشی چھائی رہی، پر نیاں ڈرائیور کی باتوں کا بھی مختصر جواب دیتی رہی تھی، اسے معاذ کی طرف سے پریشانی تھی وہ بار بار مگر مندانہ نظروں سے اسے دیکھتی تھی، معاذ اس کے ہمراہ اس کمرے میں آ گیا جو شادی سے پہلے تک پر نیاں کا بیلڈروم تھا، اچھے سارے ملازم کل سے اس سے ملنے کے شائق تھے مگر اب وہ ڈھنگ سے ان کے سلام کا بھی جواب نہیں دے سکتی تھی تو وہ معاذ کا بگڑا ہوا موڈ ہی تھا۔

”آپ چیخ کر نہیں میں کپڑے نکالتی ہوں آپ کے۔“ پر نیاں نے دانستہ اسے مخاطب کیا تھا، معاذ نے جواب دینے کی بجائے اس کی کلائی تختی سے جکڑ لی۔

”تم نے کہا تھا تم میری بات کا جواب دو گی، مجھے بے کار باتوں میں مت الجھاؤ۔“ وہ چیخ پڑا تھا، اس کی آنکھیں لہورنگ ہو رہی تھیں، پر نیاں نے بے حد خاموش نظروں سے اسے دیکھا تھا اور پہلی بار اس کی نظروں سے خائف ہو کر نظر چرائی نہ چھڑائی، بلکہ اس کی آنکھوں میں دیکھتی رہی، پھر بے حد ٹھوس اور سنجیدہ آواز میں بولی تھی۔

”آپ کو شک ہے نا کہ میں نے کس سے محبت کی تھی، تو یہ سچ ہے، میں نے محبت صرف کی نہیں تھی اب بھی کرتی ہوں، اسی لئے کیونکہ وہ میری زندگی میں آنے والا پہلا مرد تھا، جو مجھے اچھا لگا تھا یا شاید وہ تھا ہی اس قابل کہ اسے چاہا جاتا۔“ معاذ کی اس کے ہاتھ پہ گرفت پہلے ڈھیلی پڑی پھر اس کے ہاتھ سے پر نیاں کا ہاتھ چھوٹ گیا، وہ ساکن سا اسے دیکھے گیا تھا۔

”مجھے پتہ چل گیا تھا، وہ مجھے پسند نہیں کرتا پھر بھی میں اسے چاہنے سے خود کو باز نہ رکھ سکی، دلوں کے معاملات اچھے ہی بے اختیار ہوا کرتے ہیں، اس نے مجھے قدم قدم پر ذلت کے احساس سے ہمکنار کیا مگر میں پھر بھی اسی کی چاہت میں مبتلا رہی پتہ ہے کیوں؟ وہ میرے لئے صرف دوا کا نہیں میرے رب کا بھی منتخب کر وہ سامنے تھا، یہی وہ ہستیاں تھیں جن پہ مجھے ہر طرح سے بھروسہ تھا اور ان کی محبت پہ کسی قسم کا شک نہیں تھا، جیسی میں نے اس فیصلے کو دل کی پوری آمادگی کے ساتھ قبول کر لیا تھا اور وہ شخص معاذ حسن ہے میرے لئے میرا سب کچھ۔“ اپنی بات مکمل کر کے اس نے معاذ کو دیکھا تو اس کے چہرے پہ سچا

نہیں آنکھوں میں بھی تنفر سے بھری مسکان بکھری ہوئی تھی۔

”بہت خوب، تم مجھے اتنی جھکتی ہو پر نیاں؟ تم مجھے یہ فرضی کہانی سناؤ گی اور میں یقین کر لوں گا؟“ وہ بے حد جھکی سے بولا تو پر نیاں کا رنگ یکدم پھیکا پڑ گیا، یہ تو وہی بات ہوئی تھی کہ اس نے انا کو نیلام بھی کیا تھا اور حاصل وصول کچھ بھی نہیں، معاذ اور اس کی بات کا یقین کرے یہ تو شاید قیامت تک بھی نہیں ہو سکتا تھا، اسے عجیب سے تاسف اور طال نے گھیر لیا۔

”دماغ آپ کا نہیں میرا خراب ہے، کہ میں نے آپ کو بچتا کر خود کو مزید ہلکا کیا، اس سے زیادہ میں کچھ اور کرنے سے قاصر ہوں، آپ کا جودل چاہتا ہے سوچتے رہیں۔“ غم و غصے اور سبکی کے احساس نے کو یا اسے شدید ہچان میں جلا کر دیا تھا، جیسی وہ کڑواہٹ زدہ لہجے میں کہہ کر ایک جھکے سے باہر نکل گئی، معاذ نے شدید پیش کے عالم میں میز کو ٹھوک کر رسید کی تھی۔

☆☆☆

جدا ہونے کے صدمے کو اگرچہ ہنس کے سہنا تھا اسے رسی سکی لیکن خدا حافظ تو کہنا تھا دباں میں اتنی طاقت تھی مگر صحرا کی وحشت میں میری بچپن سے عادت تھی مجھے خاموش رہنا تھا وہ کچا کمر وہ بارش میں ہماری چاگتی آنکھیں ہمیں جاتی ہوئی برکھا سے کچھ نہ کچھ تو کہنا تھا ہم رسم وفا اس سے نبھاتے بھی کہاں تک کہ ہمارے خواب کے گہرے گہرے ہمیں تو ان میں رہنا تھا

وہ کم صدمتی خاموش تھی اور خالی آنکھوں سے اپنی بیٹی کو دیکھتی، وہ بیٹی جس کے لئے وہ کچھ بھی کرنے سے قاصر رہی تھی، اس کا دل زوتا تھا مگر آنکھیں صحرا کی طرح خشک تھیں، وہ تو آنسو بھی بہا بہا کر تھک گئی تھی، کہاں تک روتی یہاں تو ہر روز اک نیا صدمہ نیا سانحہ اس کا منتظر ہوا کرتا تھا، تیمور کی شکل کتنے دنوں بعد نظر آئی اس لئے تو حساب رکھنا بھی چھوڑ دیا تھا، ہاں البتہ اسے یہ یاد رہ گیا تھا کہ اپنی بیٹی کی خاطر وہ ضرور اپنی ساری توانائیاں صرف کر دی تھیں، اس کا مطالبہ جان کر ہی تیمور خان کی آنکھیں سلگ اٹھی تھیں۔

”کیوں منع کر دوں زرا لالے کو؟ تمہاری بیٹی میں کون سے سرخاب کے پر لگے ہیں اگر سانول معذور ہے تو۔“

”تیمور فاطمہ میری نہیں آپ کی بھی بیٹی ہے، دوسری اہم بات یہ کہ ابھی میں اس کی نسبت طے نہیں کرنا چاہتی، بڑی ہونے پر دیکھا جائے گا۔“

”ہمارے ہاں اسی طرح سے نسبتیں طے ہوا کرتی ہیں زینب بی بی، اپنی بک بک بند کرو، اور سب سے قانون نہ بناؤ یہاں، بڑی ہونے پر کون دیکھے گا، تم یا یہ خود؟ یہی نہیں چاہتا میں کہ وہ تمہارے نقش قدم چلے اور میرا سر جھکا کے رکھ دے۔“

”کیا مطلب ہے آپ کا؟“ زینب کو اس آخری بات پر صبح منٹوں میں آگ لگ گئی تھی۔

”مطلب مجھ سے پوچھ کر اپنی مصدومیت ظاہر کرنا چاہتی ہو یا پھر اپنے عیبوں پر پردہ ڈالنا مقصود ہے، کیا مجھے نہیں پتہ کہ تم کون سے کڑوت گھول کر مجھ تک پہنچی ہو، جہان منگیتر تھا تمہارا؟ تم نے محض اس وسیع چائیداد کے لالچ میں اسے ٹھوکر ماری اور اسے والدین کے سر جھکا کر اپنی بات منوالی، یہ تمہاری بیٹی ہے کیا تمہارے نقش قدم پر نہ چلے گی، مگر یاد رکھنا اگر ایسی بھی صورت حال پیش آئی تو میں تمہارے والدین کی طرح بے غیرتی کا مظاہرہ کرنے کا بجائے اس کا ہی نہیں تمہارا بھی نقل کرنے سے گھبر نہیں کروں گا۔“ سرخ پڑتے چہرے کے ساتھ وہ منہ سے انگارے نکال کر پھینک رہا تھا، جس سے زینب کا وجود جھلس کر رہ گیا تھا اسے لگا تھا تیمور کے ان طعنوں نے اس کے جسم کے پر نچے اڑا کے رکھ دیئے ہوں، تیمور نے آج تک اسے ہر دکھ دیا تھا مگر یہ دکھ وہ سہہ نہیں پار ہی تھی رنج اور تاسف تھا اس کے ہر انداز میں، یہ وہ شخص تھا جس نے اسے بہکانے اور اس لائن پر لگانے کو کیا کیا نہ جتن کیے تھے، یہ اسی کی خواہش عشق جنوں خیز تھا کہ آج وہ یہاں اس کے سامنے تھی، کتنا سمجھایا تھا کتنا روکا تھا سب نے مگر جہان کی خاموشی کے بعد سے ایسی ضد اتری تھی اس کے اندر کہ ہر انجام کی پرواہ کیے بغیر وہ آگے بس آگے بڑھتی گئی تھی، یہی وقت تھا جب اس نے محض اپنی ضد پوری کرنے کو سب کے دلوں کو توڑا تھا، اب وہ وقت تھا کہ وہ اکیلی دکھ سہہ رہی تھی، آزمائش میں جلا تھی، یہ اس کا جرم تھا تو سزا تو پانا تھی پھر، اس نے اپنے لرزے وجود کے گرد اپنے ہی بازو لپیٹ لئے اور سر گھٹنوں پر رکھ لیا، پہلی بار اس نے آنسو بہا کر اپنی قسمت پہ تاسف کا اظہار خود سے نہیں کیا، وہ جان گئی تھی وہ سمجھ گئی تھی، اسے ماں باپ کا دل دکھانے کی سزا ملی ہے، وہ یہ سزا بھگتنے کو تیار تھی، اب اسے اس اذیت سے خلاصی اس آزمائش سے سرخروئی کا دعا کرنی تھی تو وہ کسی اور سے نہیں، اپنے رب سے کرنی تھی بس۔

☆☆☆

کل تیرے شہر کا اک شخص ملا جو مجھ سے باتوں باتوں میں تیرا ذکر بھی ظالم نے کیا نام کیا آیا تیرا اس کے لبوں سے جاناں جس طرح روح کسی جسم سے کھینچ کر آئے یوں لگا موت کے سائے مرے سر پہ آئے پھر تیرے پیار کی بازیب اچانک چھینکی پھر میرا وہم دلاسون کی حدوں سے نکلا پھر میری آنکھ میں سادوں کے کٹورے چھلکے پھر میری جان پہ قیامت کی گھڑی آٹھری پھر میرے دل نے عجب مانگی دعا مانگ سے آج کے بعد تیرا ذکر کرے نہ کوئی آج کے بعد تیرا کوئی شناسا نہ ملے

وہ گھر لوٹا تو بے حد منضم نظر آتا تھا، ماما جان کا لاؤنج سے گمراہ ہوا تھا، انہیں آہستگی سے سلام کرتا وہ اپنے کمرے میں آ گیا تھا، پہنچ کیے بغیر اس نے صرف ہاتھ میں موجود سوٹ کیس صوفے پہ اچھالا تھا

اور خود بیٹھ کر نے کے انداز میں لیٹ کر آنکھوں پہ ہازور رکھ لیا تھا، آنکھیں ہی نہیں اس کا پورا وجود جل اٹھا تھا گویا، آفس سے نکل کر وہ پارکنگ کی جانب آیا تھا جب اس کا تصادم اس خاتون سے ہوتے ہوئے رہ گیا، فطرتی اس کی نہیں مگر یقیناً وہ خاتون ہی کچھ غلٹ کا شکار تھیں، اس کے باوجود جہان نے شائستگی بھرے انداز میں ان سے معذرت کی تھی، جس کے جواب میں وہ مسکراتے ہوئے ایکدم سے اسے کچھ دھیان سے دیکھنے لگی تھیں۔

”مجھے لگ رہا ہے آپ کو میں پہلے بھی کہیں دیکھ چکی ہوں۔“ اس سوال نے جہان کو اچنبھے میں مبتلا کر دیا تھا، اس سے قبل کہ وہ جواب میں کچھ کہتا خاتون کا ایک پر جوش نظر آنے لگیں۔

”آپ شاید نوبت کے کزن ہو، ہارات میں دیکھا تھا آپ کو، اچھی آپ ہنڈم بہت ہوتا، اس وجہ سے آپ کی شکل نہیں بھول سکی۔“

”اوہ.....“ جہان کچھ خفیہ سا ہو گیا تھا۔

”کیسے ہیں آپ؟ پھر بھی نوبت سے ملے بھی نہیں آئے شاید آپ ہے نا، نوبت نے تو شاید آپ کو نہیں بتایا، وہ میری سہمن بن گئی ہے، میرے بیٹے سے اس کی بیٹی کی نسبت ملے ہے۔“

”جی! جہان کے سر پر جیسے کسی نے بم دے مارا تھا، وہ ششدر سا ہو کر اسے دیکھنے لگا۔

”دیکھنا آپ کو نہیں بتایا نوبت نے، مجھے پتہ تھا، وہ خوش نہیں ہے اس رشتے سے، مگر لالا اپنی بیٹی کی شادی میرے بیٹے سے ہی کریں گے، ہمارے ہاں اسی طرح رشتے ٹاٹے ملے ہوتے ہیں۔“ چند مزید باتوں کے بعد وہ خاتون ہا مشکل اس کی جان چھوڑ پائی تھیں، پتہ نہیں جہان کو یہ کیوں لگا تھا جیسے اس کا مقصد ہی جہان کو یہ اہم معلومات دینا تھا، وہ کسی طرح بھی خود کو نوبت سے بات کرنے سے باز نہیں رکھ سکا، نوبت سے اس کی کال ریسیو نہیں کر رہی تھی، وجہ وہ نہیں جانتا تھا، یہ ضرور تھا وہ اعتقاد ہے کی پریشانی میں مبتلا تھا، اس نے اسی پریشانی میں پھر سے اس کا نمبر لڑائی کیا تھا۔

”السلام علیکم!“ چند لمحوں کے توقف سے اسے نوبت کی ٹھہری ہوئی مگر بے حد سنجیدہ آواز سنائی دی تھی۔

”کیا حال ہے نوبت؟ فاطمہ کیسی ہے؟“

”فاطمہ ٹھیک ہے آپ نے کیسے کال کی؟“ جہان کو اس کا لہجہ سرد محسوس ہوا تھا، وہ کچھ خفیہ سا ہو کر رہ گیا، وہ ایسا انسان نہیں تھا کہ خواہ مخواہ کسی کے سر پہ مسلط ہو جاتا، مگر یہ نوبت کا معاملہ تھا اور وہ چاہنے کے باوجود خود کو اس کے مسائل اور پریشانیوں سے الگ نہیں کر سکتا تھا۔

”تیور نے فاطمہ کی نسبت ابھی سے اپنے بھانجے سے کیوں ملے کر دی، تمہیں روکنا تو چاہیے تھا نوبت۔“ دوسری جانب یکتخت سناٹا چھا گیا۔

”آپ کو کیسے پتہ چلا ہے؟“ وہ جب بولی تو لہجے کی سرد مہری اور تندی کی جگہ بے بسی اور عجیب سے کرب نے لے لی تھی۔

”تمہاری رضا شامل نہیں ہے میں جانتا ہوں، تمہیں یہ.....“

”میرا یہاں کوئی بس نہیں چلتا ہے؟ آپ کو پتہ ہے ذرا لے کا پٹنا سانول معذور بھی ہے، میری بے بسی دیکھیں ہے کہ میں اپنی مصوم سی بیٹی کو اس پہ ہونے والے پہلے ظلم سے نہیں بچا سکی۔“ وہ

پھوٹ پھوٹ کر روتے کہہ رہی تھی، جہان کے اعصاب یکدم کشیدگی اور تباہی کا شکار ہو کر رہ گئے۔

”پلیز نوبت ریٹیکس، تم پریشان نہیں ہو، ہم بات کریں گے وہاں آ کر تیور سے، وہ ایسا نہیں کر سکتا، فاطمہ یہ صرف اس کا حق نہیں ہے، وہ ہماری بھی کچھ لگتی ہے۔“ جہان کے لہجے میں یکتخت طعنے اور درشتی در آئی تھی، وہ بہت کم غصے میں آتا تھا مگر اب وہ غصے میں تھا۔

”نوبت ہے پلیز، کوئی کچھ نہیں کرے گا، تیور بہت خفا ہوں گے، آپ سن رہے ہیں بے کوئی کچھ نہیں بولے گا اور آپ آئندہ مجھے کال مت کیجئے گا، مجھے کم از کم آپ سے کوئی بات نہیں کرنی اب۔“ اس کے لہجے یہ صرف ہر اس غالب نہیں آیا تھا، وہ جیسے کسی دباؤ اور سٹیشن کے حصار میں بھی تھی، اس سے قبل کہ جہان کچھ کہہ پاتا سلسلہ منقطع ہو گیا تھا، جہان سرخ چہرے کے ساتھ سختی سے ہونٹ بچھنی ہنسا رہا گیا۔

وہ کچھ ملتا تھا نوبت وہاں کس قسم کے حالات کا شکار ہوگی، اس کے باوجود یہ عجیب سی شکل اپنا ظہیر پانے لگی، اسے یاد آیا جب وہ یہاں سے جا رہی تھی تب جہان کی سمت کچھ دیر دھند آلود نظروں سے مسلسل دیکھتے رہنے کے بعد اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا تھا۔

”آپ ابھی طرح یاد کریں ہے اور مجھے بتائیں جب میں نے آپ کو ٹھکرایا تب آپ نے مجھے کوئی بددعا دی تھی؟“ جہان نے کتنی حیرانی کے عالم میں اسے دیکھا تھا۔

”میں تمہیں بددعا کیوں دیتا نوبت، ایسی باتیں کیوں کر رہی ہو؟“

”ہاں اصولاً تو آپ کو مجھے بددعا نہیں دینی چاہیے تھی کیونکہ اس طرح آپ کو اپنی محبت آسانی سے مل گئی تھی، پھر پتہ نہیں میرا مکافات عمل کا چکر کیوں شروع ہو گیا، میں ایک ہی دن میں بار بار اس اذیت اس کرب سے گزر رہی ہوں۔“ جہان کتنا مضطرب ہو گیا تھا، نوبت کے پلٹ کر بھاگ جانے سے، وہ بے اختیاری کیفیت میں اس کے پیچھے جانا چاہتا تھا مگر جب معاذ نے جانے کہاں سے آ کر اس کے کانٹے سے ہاتھ رکھ دیا تھا، جہان نے چمکتے ہوئے گردن موڑ کر اسے دیکھا تو کتنی وحشت تھی اس پل جہان کی آنکھوں میں۔

”وہ نوبت..... معاذ وہ کہہ رہی تھی.....“

”وہ کچھ ڈسٹرب ہے۔“

”ہاں وہ بہت ڈسٹرب ہے، میں اس سے بات.....“

”نوبت ہے..... تم اس سے کچھ نہیں کہو گے، وہ اپنے گھر جا رہی ہے، تیور یہاں ہے، وہ تم لوگوں کے تعلق اور رشتے سے بے خبر نہیں ہے، اب تمہاری اور اس کی حیثیت یہ نہیں رہی کہ تم ایک دوسرے کے دکھ بھی شیئر کر سکو۔“ معاذ کا لہجہ بوجھل تھا اور چہرے پہ کسی انجانے سے دکھ کا گہرا سایہ، جہان کے رنگت متغیر ہوئی تھی اس نے ہونٹوں کو باہم سختی سے بچھ لیا تھا۔

”وہ پچھتا رہی ہے معاذ، وہ بالکل بھی خوش نہیں ہے، وہ بر لوہ عمل کر ختم ہو رہی ہے۔“ جہان کے لہجے میں کتنے نوحے تھے، کتنا کرب تھا، اب ہونٹ بچھنے کی ہاری معاذ کی تھی۔

”ہم اس کے لئے دعا کر سکتے ہیں ہے، ہمارے بس میں شاید اس سے زیادہ کچھ نہیں رہا۔“

اور معاذ کے جواب میں جہان نے سرد آہ بھر کے سر جھکا دیا تھا، وہ اعصابی طور پہ ہی نہیں روحانی سطح پہ بھی ڈسٹرب ہو چکا تھا، دروازہ کھلنے کی آواز کو اس نے سنا ضرور مگر اٹھانے اور آنے والے کو دیکھنے کی

ہمت ناپید تھی جیسی آنکھیں موندے یونہی بے دم سا بڑا رہا تھا، آنے والی ڈالے تھی، اس نے چائے کے مگ سمیت لڑے جھک کر ٹیبل پر رکھی پھر کارپٹ پہ ٹکٹوں کے بل جھک کر جہان کے جوتے اتار لے گی انداز میں اتنی توجہ اور اہمیت تھی گویا یہی دنیا کا سب سے اہم کام ہو اس کے نزدیک، جہان کو جیسے ہی اس بات کا احساس ہوا تھا وہ یکتا اور نہ صرف مرمت سے اپنے سر سمیٹے تھے بلکہ ڈالے کا بازو پکڑ کر اپنے مقابل ہٹاتے ہوئے بے حد کھلی سے اسے دیکھا تھا۔

”یہ کیا کر رہی تھیں تم؟“ اس نے بے حد سنجیدگی اور خشکی سے اسے دیکھا تھا، ڈالے کچھ جھینپ کر مسکرا دی۔

”جوتے اتار رہی تھی آپ کے۔“

”وہ مجھے بھی پتہ چل گیا تھا، کیوں اتار رہیں تھیں؟“

”آپ کو اچھا نہیں لگا شاہ؟“ وہ یکدم سہم سی گئی، جہان نے سر کوئی میں جنبش دی پھر اس کے ہر اس بھرے چہرے کو ہاتھوں کے پالے میں لے لیا تھا۔

”مجھے تمہارا اس طرح کے کام کرنا اچھا نہیں لگتا ڈالے، آپ بیوی ہو میری، آپ کی جگہ میرے پیروں میں نہیں یہاں ہے میرے برابر۔“ ڈالے کے چہرے کا رنگ بدلا تھا دھیرے دھیرے ہر اس چھٹا اور خفیف سی حجاب آمیز سرخی اس کے چہرے کو لگنا کرنے لگی۔

”آپ لے ماہینڈ کیا ہے شاہ ورنہ حقیقت تو یہ ہے کہ مجھے آپ کے ہر قسم کے کام کرنا اچھا لگتا ہے، اس لئے کہ مجھے آپ سے۔“ وہ بے اختیار کی کیفیت میں کہتے کہتے یکدم احساس ہونے پہ قسم سی گئی، جہان کی آنکھوں میں شرارت آمیز تبسم سا بکھرنے لگا۔

”ہاں بولو؟ کیا مجھ سے؟“ وہ جیسے اس کی محبوب کیفیت سے حظ اٹھا رہا تھا۔

”کچھ نہیں؟“ ڈالے نکتہ سے سرخ پڑ چکی تھی، یونہی جھکی پلکوں سے بولی، جہان نے ٹھنڈا سانس بھر لیا تھا۔

”آپ پر نیاں کو کال کریں نا، اب واپس آ جائیں گاؤں سے، ان کے بغیر مجھے کچھ اچھا نفل نہیں ہوتا۔“ اس نے کمال خوبصورتی سے بات بدل دی، جہان کو اس کی اتنا بہت پیاری لگی، گو کہ ڈالے بھی آگاہ تھی کہ جہان اس کی محبت اور پسندیدگی کے جذبے سے آگاہ ہے اس کے باوجود وہ اظہار نہیں کرنا چاہتی تھی تو یہ نسوانیت کا ہی وقار تھا جو بہر حال قائم رہنا چاہیے، عورت اپنے رویے سے اپنے انداز سے محبت ثابت کرتی اچھی لگتی ہے، منہ پھاڑ کر اظہار کرتی ہوئی نہیں، جہان کو نسوانیت کا یہی روپ بھاتا تھا اسے اچھل نفل ہوتا تھا کہ ڈالے بیشتر عادات اسی سے میل کھاتی تھیں۔

”کہہ کر تو معاذ دو دنوں کا ہی گیا تھا، ہو سکتا ہے آج آ جائیں وہ لوگ۔“ جہان نے اٹھتے ہوئے ٹائی کی ٹاٹ ڈھیلی کی، ڈالے نے اس کا کوٹ اتارنے میں مدد دی تھی۔

”پہلے پہنچ کر میں گے؟ چائے تو آپ کی ٹھنڈی ہو گئی۔“ ڈالے کوٹ لنگر میں لٹکا کر پٹی تو جہان کو ڈرینگ روم کی سمت چائے دیکھ کر بولی تھی۔

”اس ادکے، میں آ رہا ہوں دو منٹ میں۔“ وہ محض اس کی خاطر مسکرایا تھا، ورنہ حقیقت یہ تھی کہ زینب والے معاملے کی وجہ سے وہ حد درجہ اپ سیٹ ہو چکا تھا مگر ڈالے کے ساتھ اپنا رویہ بدل کر دیا اس

پر اپنا اضطراب ظاہر کر کے وہ اسے ہرگز بھی پریشان کرنا نہیں چاہتا تھا، مگر اس وقت اس کی حیرت کی انتہا نہیں رہی تھی، جب وہ پہنچ کر کے واپس آیا تو ڈالے نے سرے سے چائے بنا کر اس کی نظر پٹی تھی۔

”اس کو گرم کر لینا تھا، رزق کی اس طرح ضائع نہیں کرتے ڈالے۔“ وہ نرمی سے ٹوک کر بولا تو ڈالے مسکرا دی تھی۔

”ضائع نہیں کی، میں نے خود پی لی تھی۔“ جہان کو بے تحاشا حیرت لے آن لیا۔

”تم لے؟ بٹ دائے؟ اور تم تو چائے پیتی ہی نہیں ہوتا۔“ اس کی سوالیہ و استعجابی نگاہوں کے جواب میں ڈالے کی مسکراہٹ گہری ہو گئی تھی۔

”اب پینے لگی ہوں، اس لئے کہ آپ کو پسند ہے۔“ جہان عجیب سے احساسات کا شکار ہو کر رہ گیا۔

”یہ ہرگز بھی فیئر نہیں ہے ڈالے، مجھے اچھا نہیں لگے گا کہ تم میری خاطر خود یہ جبر کرو نہ میں اس کا قائل ہوں مجھے تو ایسا بہت کچھ پسند ہو گا جیسے تم باخوشی اپنی زندگی میں شامل نہیں کر سکتیں۔“ وہ پتہ نہیں کس کس خیال کے ساتھ اتنا سنجیدہ اتنا طویل ہو گیا تھا، ڈالے نے کسی قدر وحیان سے اس کی شکل دیکھی پھر نرمی و آہستگی کے ساتھ اس کے ہاتھ پہ اپنا ہاتھ رکھ دیا تھا۔

”آپ یہ سوچنا بھی نہیں شاہ کہ آپ کی پسند مجھ پہ جبر کی صورت مسلط ہو سکتی ہے، ہر وہ کام جو آپ کے لئے اہم یا خاص ہو وہ میرے لئے عین سعادت ہو گا، میں دعوے نہیں کرنا چاہتی بس آپ کو یقین دلانا چاہوں گی شاہ کہ میرے لئے آپ بہت اہم بہت خاص ہیں، اب یہ بتائیں آپ پریشان کیوں ہیں؟“ جہان کے اعصاب کو جھکا لگا تھا، اس نے تھیر اور غیر یقینی کی کیفیت میں جھلا ہو کر ڈالے کو دیکھا، اسکی نگاہ جس میں عجب سا گریز بھی تھا۔

”تمہیں کس نے کہا کہ میں۔“

”میں سمجھ سکتی ہوں، آپ کی آنکھوں، آپ کے چہرے کی کیفیت اور زبردستی کی مسکراہٹ سے۔“ اس نے ٹھنڈا سانس بھرا پھر اسے دیکھ کر بولی تھی۔

”میں جانتی ہوں شاہ آپ میں اور معاذ بھائی میں بہت دوستی اور انڈر اسٹینڈنگ ہے، مجھے اکثر معاذ بھائی پہ رشک آتا تھا، آئی وٹس آپ کے اتنا ہی نزدیک آسکوں میں جتنا کہ وہ ہیں۔“ اس کی بات کو جہان نے دانستہ ہنسی میں اڑا دیا تھا، اس میں شک نہیں تھا کہ ان چند دنوں میں ڈالے اپنی فطرت کے رکھ رکھاؤ، اوصاف کی خوبیوں کے بدولت بہت تیزی سے اس کے نزدیک آئی تھی، مگر بہر حال وہ اسے زینب کے حوالے سے کوئی بات بتانے پہ آمادہ نہیں تھا، زینب کے لئے جو بھی فیملنگو تھیں وہ اس کے دل کا وہ راز تھیں جنہیں وہ کبھی ڈالے پہ آشکار کرنے کا متمنی نہیں تھا، حالانکہ نہیں جانتا تھا، ڈالے اس راز سے کتنے غیر محسوس انداز میں کب کی واقف ہو چکی ہے۔

☆☆☆

آگ کے شہر میں نکلے کی حقیقت کیا تھی
دشت پر پھول کا سایہ تھا محبت کیا تھی
زخم تھے درد تھا تہائی تھی ویرانی تھی

کیا بتاؤں کہ تیرے عشق میں راحت کیا تھی وہ ساکن بیٹھی تھی، ہانکل پتھرائی ہوئی سی، اس کی آنکھوں سے بے آواز آنسو بہتے تھے، باہر برسے والی بارش کی طرح بے آواز، کچھ طوفان کس درجہ خاموشی سے آتے ہیں اور سب کچھ برباد کر کے چلے جاتے ہیں، اسے لگتا تھا ہر بار لگتا یہ اس کی زخم خوردہ محبت کے بدن پہ آخری سانحہ ہے مگر اگلے روز ایک نئی اذیت ایک نئی آزمائش آن کھڑی ہوئی تھی، ذرا لالے کی وہ منہ جو تیور کی منگ تھی ابھی تک اس کے نام پہ بیٹھی تھی مگر اب اس کے بھاگ جاگ اٹھے تھے، تیمور خان سے اس کی شادی کرائی جا رہی تھی تو وہ تیور کی بیٹی کا اس خاندان میں رشتہ طے ہونا تھا، وہ سہہ کا رشتہ، تیمور کو اگر اپنی بیٹی دینی تھی تو ان کی بیٹی کو لازمی بیاہ کر لانا تھا، شاید یہ سارا چکر چلایا ہی اس لئے گیا تھا، یہاں اعتراض تھا بھی کس کو، تیمور تو اس کی بے چینی اور وحشت کو دیکھ کر اسے مزید چرگے لگائے یہ اتر آیا تھا۔

”تم اگر یہ سوچتی ہو زینب بیگم کہ میں تم پہ اکتفا کروں اور ایک کے بعد دوسری بیٹی کا باپ بننا ہوں تو یہ تمہاری بھول ہوگی، پتہ نہیں کون سا منتر پڑھ کر پھونکا تھا تم نے مجھ پہ کہ مجھے پاگل کر ڈالا، اس قسم کے اثرات عمر بھر قائم نہیں رہا کرتے، میں اپنے خاندان اور برادری سے بغاوت تمہاری وجہ سے مول نہیں لے سکتا، مجھے یہ شادی کرنی ہوگی۔“

”دوسری شادی کے بعد میری حیثیت کیا ہوگی تیمور؟“ اس کے خدشات زبان پہ آگئے تھے، یہ وہ زینب تھی جو اپنی زندگی میں اپنی ذات کی معمولی سی ترجیحات کو انور کرنے پہ ایک طوفان اٹھا دیا کرتی تھی، اب تیمور خان کے دہاؤ نے اس کی شخصیت کو اس انداز میں مسخ کیا تھا کہ وہ اس سے اس مقام پہ اپنے حقوق کی جنگ لڑنے کی بجائے اس کے آگے سوالی بنی کھڑی تھی بلکہ نہیں وہ اس سے پہلے بھی سوالی بنی تھی مگر تب سوال زبان پہ نہیں لاسکی اور جواب میں نقصان اٹھالیا۔

”آہ کون جانتا تھا یہ سودہ کتنے گھائے کا تھا، انا تو پھر بھی نہیں بیٹی، سوال آخر کرنے پڑے تھے، وہاں نہ سکی یہاں سکی، تمہیں سر پہ تو ٹھالے سے رہا، میں عورتوں کو سر پہ رکھنے کا قائل ہوں بھی نہیں، تمہیں تم۔“ وہ آنکھیں نکال کر غیر مجرم جواب دیتا چلا گیا تھا، پھر وقت نے ثابت کیا تھا کہ وہ ہرگز بھی دو بیویوں کے درمیان توازن برقرار نہیں رکھ سکا تھا، بعد میں آنے والی اس عادت اور فطرت کی مالک تھی جیسے یہاں کے دیگر مکین، جیسی وہ چند دنوں کے اندر ہر شے پہ حکمراں اور قابض ہوتی چلی گئی تیمور سمیت اور زینب بس اپنے خالی ہاتھوں خالی دامن اور خالی کمرے کو دیکھتی خود پہ بیت جانے والی اس اذیت کا خود سے احتساب کرتی رہی۔

”میرے لئے نہ سکی، کم از کم اپنی بیٹی کے لئے ہی گھڑی دو گھڑی کو یہاں آجایا کریں تیمور۔“ اس روز اس کے منہ کا پانہ چمکا تھا اب اس نے ناچاہتے ہوئے بھی شکوہ کر ڈالا تھا، جواب میں تیمور خان نے خواہ مخواہ کی نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

”پچھلے سال بھر سے میں تمہارے ساتھ ہوں، صرف تمہارے ساتھ، اب نئی شادی ہے کیا حرج ہے اگر میں یہ وقت اس کے ساتھ گزار لوں گس پرست عورت ذرا خود پہ کنٹرول رکھنا سیکھو۔“ اپنی بات مکمل کر کے وہ اسے سامنے سے دھکیل کر چلا گیا تھا اور زینب وہ جیسے ہمیشہ کے لئے قوت گویائی کھولنے کے

قریب تھی، اس درجہ سکی، اتنی تڑیل، اس کے وجود کو ان الفاظ نے لمحوں جلا کر خاکستر کر ڈالا تھا، پھر چرچ میں کتنے دن بیت گئے، زینب نے اپنے کمرے سے لٹکنا بھی چھوڑ دیا، وہ اس حویلی میں اس بے کار سامان کی طرح ہو کر رہ گئی تھی جسے کاٹھ کہاڑ میں پھینک دیا جاتا ہے، شاہ ہاؤس سے کسی کا بھی فون آتا وہ اپنا ہر دکھ چھپا کر ہنسنے مسکرانے لگتی، یہاں بیت جانے والے سارے سانحے سے وہ انہیں بے خبر رکھنا چاہتی تھی مگر شاید قدرت کو یہ منظور نہ تھا، وہ بے چین تھی تو ادھر اس کے کرب کو محسوس کیا جا رہا تھا، جیسی ما پر روزیہا سے زینب سے ملنے کا اصرار کرنے لگی تھیں اور ادھر جب اس سے ملنے کو آنے کی تاریخاں ہو رہی تھیں اس پر وہ آخری قیامت بھی توڑ دی گئی جس کے بعد کسی مددے کی گنجائش باقی نہیں رہ گئی تھی۔

فاطمہ کی طبیعت اس روز ٹھیک نہیں تھی اور زینب اس قدر بے چین، اس نے ملازمہ کو ہار ہار یہ پیغام دے کر تیمور کے کمرے میں بھیجا تھا کہ وہ فاطمہ کو ڈاکٹر کے پاس لے جائے مگر تیمور ہر بار ملازمہ کو جھڑک کر واپس بھیج دیتا، زینب فاطمہ کو کاغذ سے لگائے خود اس کے کمرے کی جانب آگئی تھی، ناک کرنے کے بعد اس نے دروازہ کھول دیا تھا، سامنے صوفے پہ تیمور اپنی نئی ٹوبلی دلہن کے ہمراہ بیٹھا تھا اور وہ اسے اپنے ہاتھ سے شراب پلا رہی تھی، زینب تو ششدر ہو کر رہ گئی تھی، حیرت رنج اور صدمے سے اس کی آنکھیں پھٹی رہ گئیں۔

”کیا کر رہی ہو یہ تم؟“ اس سے برداشت نہ ہو سکا تو وہ چیخ پڑی تھی، زینب بھول چکی تھی وہ کس مقصد سے یہاں آئی ہے اور یہ اس کی گستاخی اور ہد تیزی کی انتہا تھی، جو تیمور نے سکی نہ چا سکی۔

”تمہیں یہاں آنے کی جرات کیسے ہوئی؟“ تیمور نے اٹھ کر اسے لے ہاتھ کا پتھر دے مارا تھا، وہ پوری طرح سے نشے میں مدھوش تھا، زینب اس کے جتنا پیٹھڑی تاب نہ لاتے ہوئے الٹ کر گری تھی، فاطمہ اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر یہ نہیں کہاں جا گری، بیٹی کے بلک اٹھنے کی آواز نے زینب کو اپنی چوٹ کا احساس بھلا دیا، وہ تڑپ کر اٹھی مگر تیمور نے اسے فاطمہ تک پہنچنے سے ٹل ہی دیوچ لیا۔

”تم جان کا مذاق بن گئی ہو میری، میں ہمیشہ کے لئے تمہیں دفنان کرنا چاہتا ہوں، مار ڈالوں گا تمہیں۔“ وہ آنکھیں نکال کر کہتا سچ اس کی گردن دہانے لگا، زینب دہشت زدہ سی ان کی فولادی گرفت میں محض پھڑ پھڑا سکی، موت کو اتنا قریب پا کر اس کے حلق سے آواز تک نہ نکل سکی۔

”اسے مت ماریں تیمور خان، کیوں اپنی جان مصیبت میں ڈالتے ہیں، جدید سوسائٹی کے لوگ ایسے معاملات میں بہت خوار کرتے ہیں جان چھڑانے کے اور بھی تو طریقے ہیں نا۔“ دلہن صاحبہ نے تیمور کے کاغذ سے ہاتھ رکھ کر اٹھلا کر کہا تھا، تیمور نے بدست نکل کی طرح سے سر ہلایا پھر زینب کو دونوں ہاتھوں سے پیچھے کی جانب دھکیل کر بوجھل آواز میں بولا تھا۔

”ہاں جان چھڑانے کے اور بھی تو طریقے تھے ہیں اور وہ ایک طریقہ تو طلاق ہے، میں تمہیں طلاق دیتا ہوں۔“ زینب کے حلق سے خوفزدہ سی چیخ نکل تھی اور رنگ پھلا پڑ گیا۔

”مجھے خوبصورت لڑکیاں ہرگز اچھی نہیں لگتیں، یہ ڈائیں ہوتی ہیں، خون چوس لیتی ہیں، تم بھی خوبصورت ہو، میں نہیں چاہتا تم میرا خون چوس لو، اس لئے میں تمہیں طلاق دیتا ہوں۔“ زینب پھر پوری قوت سے چیخی اور بلند آواز سے روتے ہوئے اپنے دونوں ہاتھوں کے آگے جوڑ دیے تھے۔

(باقی آئندہ ماہ)

زینتِ حرمِ حرم

◇◇◇ ام مریم ◇◇◇

اکیسویں قسط کا خلاصہ

جہاں خالے سے ہنوز بدگمان ہے اور اسے پرکھنے کو آزمائش بھی کرتا ہے، خالے کی معصومیت اور پاکیزگی کا اسے یقین ہو کر نہیں دیتا وہ اسی وجہ سے پریشان بھی ہے۔

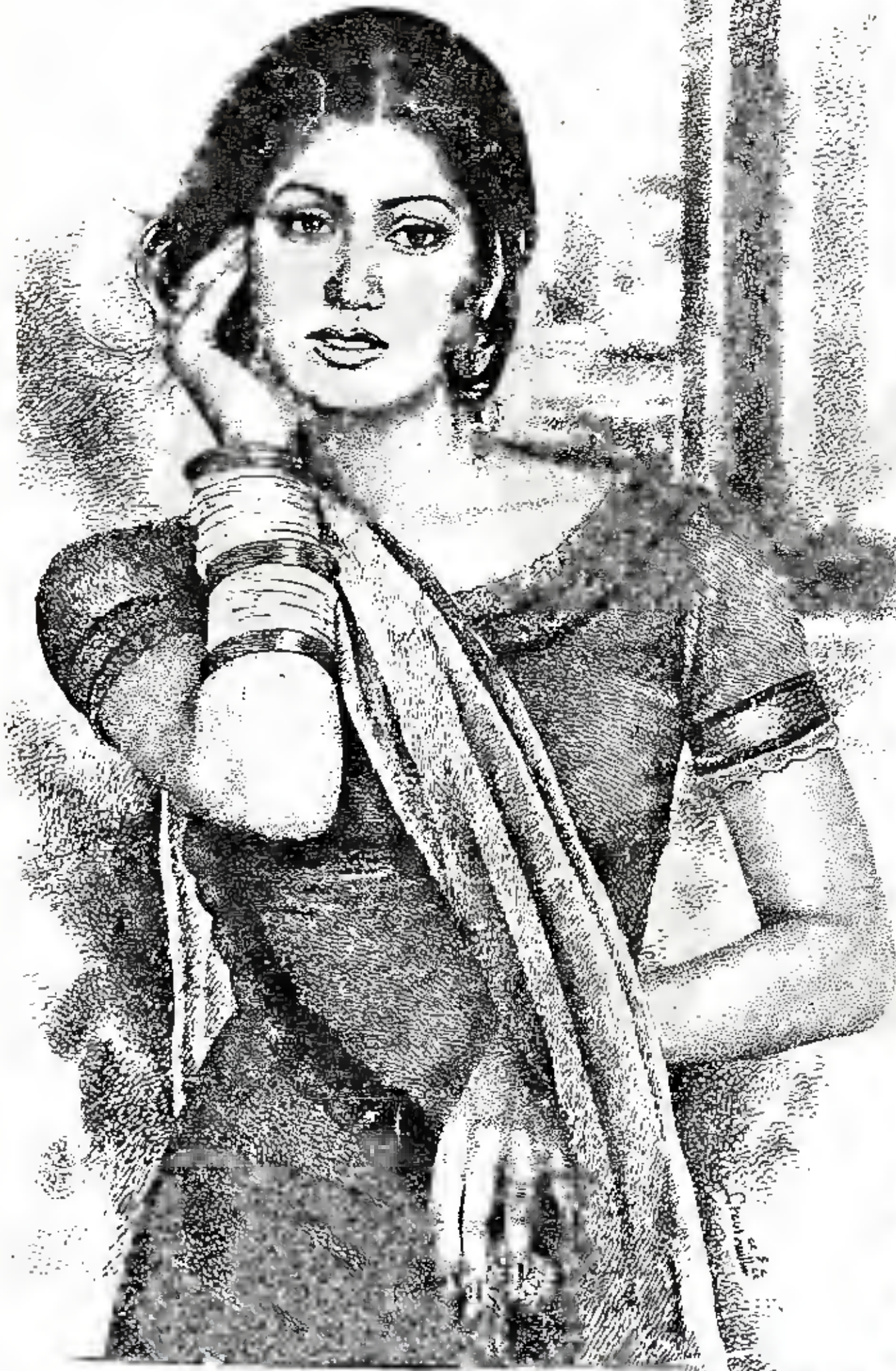
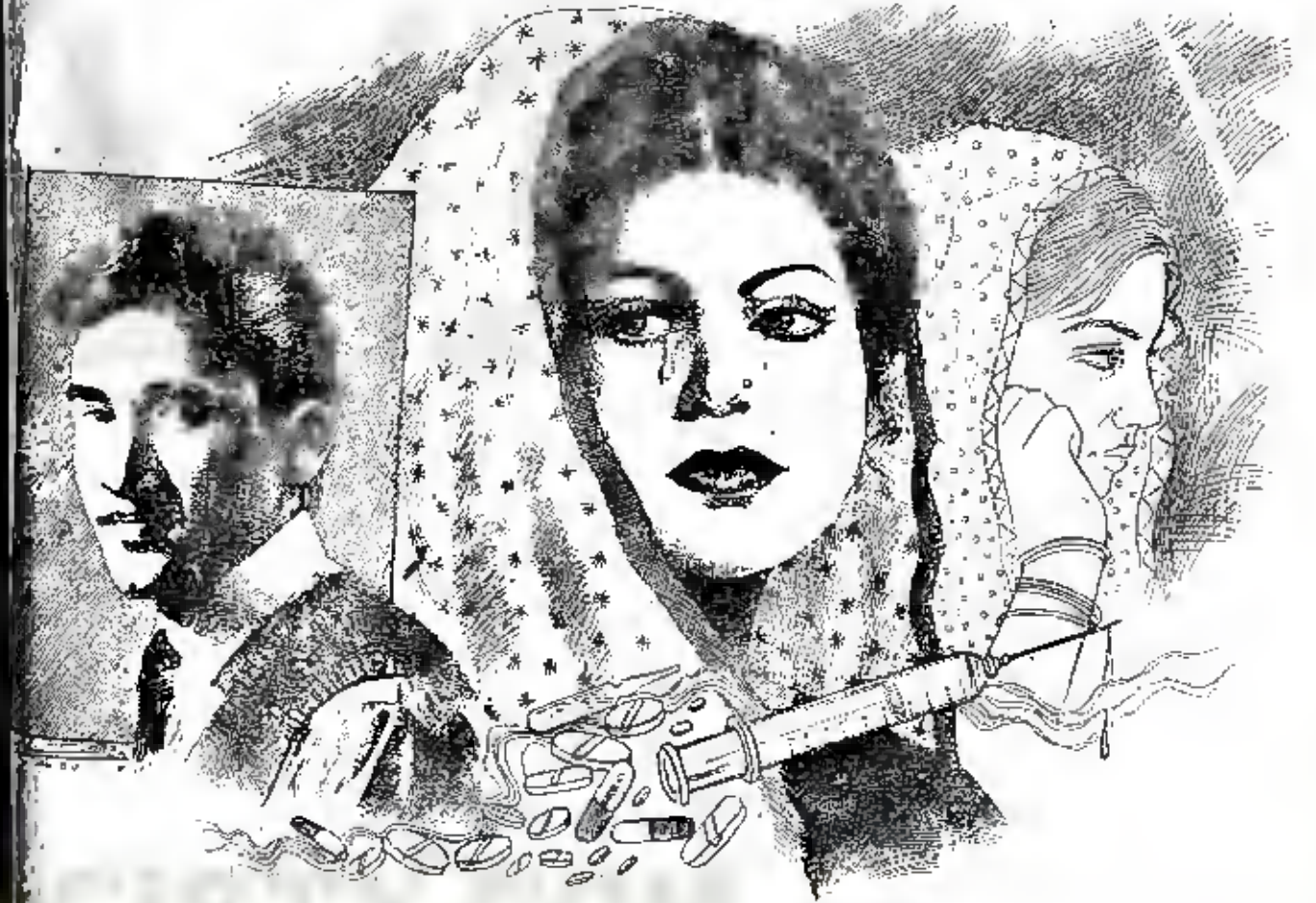
تیور زینب کو علاج کے بہانے شاہ ہاؤس بھیج کر دم لیتا ہے، زینب سب کے سامنے اپنی بے مانگی چھپانے کی کوشش میں ناکامی پر شرمندہ نظر آتی ہے۔

تیور صاحب کو مانا جاتے ہوئے بھی حویلی تو لے آتا ہے مگر اس کا رویہ اپنی بیٹی اور زینب کے ساتھ مزید ہنک آمیز اور شدید ہو چکا ہے، وہ اپنی سابقہ منگیتر سے بیٹے کی خواہش میں شادی کرتا ہے تو زینب کم صم ہو کر رہ جاتی ہے، مگر اصل افتاد اس یہ اس وقت ٹوٹی ہے جب نشے میں تیور زینب کو طلاق دیتا ہے۔

پر نیاں کو معاذ ناراضگی کے اظہار کے طور پر اس کی حویلی چھوڑ آیا ہے مگر پھر ماما کی زبردست ڈانٹ کے بعد واپس بھی لانا پڑتا ہے۔

بتیسویں قسط

اب آپ آگے پڑھیے



دہشت سکتے اور غیر یقینی میں ڈھل گئی تھی، تیمور نے تیسری مرتبہ ہی نہیں چوٹی اور پانچویں مرتبہ بھی طلاق کے الفاظ منہ سے نکالے، وہ اس حد تک نشے میں تھا کہ اسے یاد نہیں رہ سکا، شریعت میں تین سے بڑھ کر طلاقیں نہیں ہوا کرتیں، تیمور کی بیوی کے چہرے پر فتح مندانہ مسکان اٹدی اور گہری ہو گئی، اس نے ملازمہ کو پکارنے سے پہلے تیمور کو سہارا دے کر بیٹھ پھلایا تھا۔

”اس عورت کو اور اس کی بیٹی کو یہاں سے شام ہونے سے پہلے دھکے مار کر نکال دو۔“ ملازمہ کی آنکھیں اس حکم پر حیرت سے پھٹی رہ گئیں، زینب کی لٹی پٹی حالت کے باوجود وہ اس آرڈر پہ عمل کرنے سے گریزاں تھی تو وجہ زینب کی حیثیت سے آگاہی تھی۔

”سنا نہیں تم نے کم بخت عورت، اس کا اب اس حویلی سے کوئی تعلق نہیں ہے، تیمور خان اسے طلاق دے چکے ہیں۔“

وہ گرجتی تھی، ملازمہ کی آنکھیں اس نئی اطلاع پہ پہلے تاسف سے سکڑیں پھر وہ سرد آہ بھر کے زینب کو سہارا دے کر اٹھانے سے قبل بیٹی کو جھک کر بانہوں میں بھرنے لگی جو رو رو کر اتنی غڑھالی ہو چکی تھی کہ اب اس کے حلق سے آواز بھی نہیں نکل رہی تھی، پٹھانوں کی حویلی میں ویسی ہی چہل پہل تھی بس صرف زینب کے لئے شام غریباں اتر آئی تھی۔

گم صم آنکھیں سونی سانسیں ٹوٹی جرتی امیدیں
ڈرتی ہوں یوں کیسے گزرے گی عمر ہے کوئی رات نہیں
☆☆☆

معاذ کا موڈ آف ہی رہا تھا، جیسی وہ اگلے دن ہی اسے وہاں چھوڑ کر خود واپس چلا گیا تھا، پریناں کے دل میں لاتعداد خدشات اور واہیات کو جگہ دے کر، پریناں کو روٹا سا آنے لگا تھا، اسے سمجھ نہیں آ سکی تھی وہ اس شخص کی خاطر اور اس سے زیادہ کیا کرے ایسا، اپنی عادت اور فطرت کے بالکل برخلاف اس نے معاذ کے لئے اپنے جذبات تک آشکار کر دیئے تھے، مگر وہ بدگمانی کے دریا میں ڈوبتا ہی جاتا تھا، کتنے دن ہوئے تھے وہ لوٹ کر آیا ہی نہ تھا، ماما کا تو بھی ماما جان فون آ جاتا، ہر بار واپس آنے پہ اصرار اور ساتھ ہی یہ سمجھانے کی کوشش بھی کہ اسے تہا وہاں رہنے کی ضد نہیں کرنی چاہیے، وہ سمجھ سکتی تھی کہ ایسا معاذ نے ہی وہاں شوشا چھوڑا ہوگا اب وہ کیا وضاحتیں پیش کرتی اس کا یہ حل نکالا اس نے کہ سیل کو آف کر دیا تھا، معاذ کی اس حرکت کے بعد اسے معاذ سے مزید کوئی اچھی امید نہیں رہ گئی تھی، وہ انا پرست ہی نہیں تھا گھمنڈی اور شدت پسند بھی تھا، صرف خود کو اہمیت دینے والا، پریناں کے دل میں اس کے لئے جتنے بھی نرم خو جذبے تھے سارے اس رویے کی بد صورتی کی مار سے مرجھاتے چلے گئے تھے، اس نے خود سے عہد باندھے لیا تھا کہ اگر معاذ اسے لینے بھی آئے گا تو وہ واپس نہیں جائے گی، اس وقت بھی وہ نماز پڑھ کے فارغ ہوتی تو کچھ دیر ٹیڑس پہ ٹہلنے کے انداز میں پھرتی رہی، نیچے روٹی ملازماؤں پہ چلا رہی تھی، وہ خود کو تمام ملازماؤں کی ہیڈ سمجھتی تھی اور شاید پریناں کی غیر موجودگی میں مالکن تھی، سارا یہاں کا نظام خود بخود اس کے کنٹرول میں جا چکا تھا، پریناں بہت خاموشی سے اس کے انداز و اطوار دیکھ رہی تھی، اکثر معاملات میں وہ خود پریناں سے بھی صلاح لینا گوارا نہیں کرتی تھی، پریناں نے کئی بار حیرت سے سوچا تھا

یہ وہی مسلمین کی روٹی ہے جو دوا کی زندگی میں سر اٹھا کر اعتماد سے بات بھی نہیں کر سکتی تھی، گو کہ دوا پیار تھے مگر ملازموں پہ ان کی کڑی نگاہ رہا کرتی تھی، پریناں جب بھی انہیں ملازموں کو ڈانٹتے ڈپٹتے دیکھتی تو اپنی فطرت سے مجبور ہو کر بے ساختہ ٹوک جایا کرتی۔

”ایسے نہ کیا کریں ناددا یہ لوگ بھی آخر عزت نفس رکھتے ہیں۔“

”میں جانتا ہوں بیٹے مگر تم اس لڑکی کو نہیں جانتیں، یہ بہت چالاک بنتی ہے میں نے اکثر اسے اناج اور دیگر سامان کی چوری کرتے دیکھا ہے۔“ پریناں کو عجیب سی حیرت نے آن لیا، وہ جانتی تھی دوا صرف اپنے ملازموں کو ہی نہیں گاؤں کے تمام غریب کو اناج ہر ماہ اتنی مقدار میں بچھواتے ہیں کہ ان کا اچھا گزارا ہو سکے۔

”چلیں دفع کریں ناددا اتنا کچھ ہے ہمارے پاس لے بھی جائے گی تو اپنا ہی ایمان خراب کرے گی نا۔“

”برائی کو پھیلنے کو چھوڑ دینا اور اس کی روک تھام نہ کرنا بھی نہ صرف معاشرے کے بگاڑ کا باعث ہے بلکہ کل روز محشر خدا کے سامنے بھی ہمیں جواب دہ ہونا پڑے گا، ہم نے برائی کو روکنے اور اچھی بات کہنے کا فرض کیوں پورا نہیں کیا۔“ دوانے اسے سمجھایا تھا تب وہ کھسیا کر قائل ہو گئی تھی، اب جس دن سے پریناں یہاں تھی بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ معاذ اسے چھوڑ کر چلا گیا تھا روٹی کی ساری خوش اخلاقی بھی اڑ چھو ہو گئی تھی، وہ اسے اپنی مملکت میں گویا ناگوار اضافہ سمجھ رہی تھی جس کا اظہار اس کے الفاظ سے نہیں انداز سے ہوتا تھا ظاہر ہے الفاظ سے اظہار کی جرأت نہیں تھی اس میں، ٹیڑس پہ دھوپ اتر آئی تھی فضا میں بھی جس کا اضافہ ہو گیا تھا، گرمی کا زور بتدریج بڑھتا جا رہا تھا، ہر آنے والا دن اب پہلے سے زیادہ تپش لے کر آتا تھا۔

درخت اور پودے ساکت تھے، حالانکہ صبح کا وقت تھا اس کے باوجود عجیب سا جس تھا اور تپش کا احساس بھی، پریناں نے پیشانی پہ چمکتی سپینے کی بوندوں کو دوپٹے کے پلو سے خشک کیا اور گردن موڑ کر نیچے دور تک نگاہ دوڑائی، کھیتوں کی طرف جانے والی پلنڈھی پر لوگوں کا ہجوم تھا، یہ فصل کی کٹائی کا دور تھا، تازہ دم لوگ ہاتھوں میں درانٹی لئے کھیتوں میں جا رہے تھے، دائیں طرف نہر کا کنارہ تھا جہاں چھمرے مچھلیاں پکڑنے کو اپنا جال ڈال رہے تھے، پریناں نے گہرا سانس بھرا اور اندر آ کے اے سی ہلکی رفتار میں آن کر لیا، ابھی لیٹے ہوئے کچھ ہی دیر ہوئی تھی جب روٹی پھولے سانسوں کے ساتھ اندر آئی۔

”بی بی جی آپ کو پتہ ہے، آج سورج کو گرہن لگا ہوا ہے، ابھی میں نے ٹی وی پر خبر سنی ہے۔“

”اچھا ٹھیک ہے، یہ دروازہ بند کر جاؤ، مجھے ذرا آرام کرنا ہے بہت تھکان محسوس کر رہی ہوں۔“

پریناں نے کچھ بیزارگی کے عالم میں کہا تھا۔

”بی بی جی آپ اس وقت آرام نہیں کر سکتیں۔“ اس کی بات نے پریناں کو نہ صرف آنکھیں کھولنے بلکہ اسے گھورنے پہ بھی مجبور کر دیا تھا۔

”مطلب کیا ہے تمہاری بات کا؟ اب مجھے اپنے ان ذاتی کاموں کے لئے بھی تمہاری اجازت درکار ہوگی۔“ اس کا غصہ عود کر آیا تھا، روٹی بری طرح سے جائف نظر آتے ہوئے اپنے گال چاٹ پوسا نہ

”اللہ رحم کرے جی، میں ایسا کیوں کہنے لگی، مطلب یہ ہے بی بی صاحبہ کہ چاند سورج گرہن کے وقت حاملہ عورتیں بیٹھ یا لیٹ نہیں سکتیں، کوئی کام بھی نہیں کر سکتیں، انہیں اس دوران مسلسل ٹھلنا مطلب چہل قدمی کرنا پڑتی ہے۔“ پر نیاں کے چہرے پر ابھرن اور تذبذب کی کیفیت ابھر آئی۔

”تم کیا کہنا چاہتی ہو رومی ججھے سمجھ نہیں آسکی۔“

”بی بی جی آپ رومی سے ہوا اللہ خبر کرے، تو آپ جب تک چاند کو گرہن ہے کوئی کام کریں نہ ہی ایک جگہ تک کر لیٹیں نہ بیٹھیں، بچے کو نقصان ہوتا ہے جی، یہ ساتھ والے حاجی بشیر ہیں نا ان کی بہو کو چاند گرہن کا پتہ ہی نہ چل سکا، بیچاری بیٹی تکیہ کاڑھتی رہی جب بچہ پیدا ہوا ہاتھ لجا تھا ایسے۔“ رومی نے ہاتھ ٹیڑھا کر کے دکھایا، جیسے فریم پکڑتے وقت موڑا جاتا ہے، پر نیاں کے چہرے پہ غیر یقینی کے ساتھ گھبراہٹ اٹھتی دیکھ کر رومی نے ایسی ہی مزید کئی مثالیں جن جن کر بڑی وضاحت و بلاغت کے ساتھ بیان کیں کہ جن بچوں کے ماں باپ چاند سورج گرہن میں کسی بھی کام میں مشغول تھے ان کی عمر بھر کا روگ لگ گیا تھا، جس کی ماں پڑی سوتی رہی اس بچی کی بیٹائی نہیں تھی جس بچے کا باپ بڑھتی تھا اس نے اس اوقات میں لکڑی کالی اور بچے کا بازو ڈوٹ گیا وغیرہ وغیرہ، پر نیاں تو اتنی ہراساں ہو گئی تھی کہ فی الفور بستر چھوڑ کر بیچے آگئی، رومی کا بات کرنے کا انداز ہی ایسا خوفناک تھا کہ اس کی اپنی عقل بھی سلب ہو کر رہ گئی، چار گھنٹے کا سورج گرہن تھا اور ان چار گھنٹوں کے دوران ایک لمحے کو بھی رومی نے اسے بیٹھنے سانس لینے کی بھی اجازت نہیں دینی، مسلسل ٹھلنے کے باعث پر نیاں کی ٹانگیں شل ہو گئیں اور پیروں میں درم اثر آیا۔

”ماں بننا اتنا آسان تھوڑی ہے بی بی جی، ایوس تو جنت پیروں تلے نہیں آ جاتی۔“ وہ خود بہت ریلیکس انداز میں صوفے پہ بیٹھی پر نیاں کے لئے لائی گئی، اسٹرائی کی پلیٹ ٹھونکتے ٹھونکتے خالی کر چکی تھی۔

”اب مجھ سے بالکل نہیں چلا جا رہا ہے رومی میں گرنہ جاؤں۔“ پر نیاں آخری لمحات میں آ کر تو بالکل ہمت ہار کر روہا نسی ہونے لگی تھی۔

”دو بجتے میں دس منٹ تو رہتے ہیں بی بی صاحبہ، چار گھنٹے کی محنت ضائع کریں گی، اپنے بچے کا سوچیں ذرا، آپ اور معاذ صاحب اتنے حسین ہو دونوں خدا نخواستہ.....“ اس کی بات ادھوری رہ گئی دروازہ کھول کر معاذ اپنے دھیان میں اندر آیا تھا، رومی گھبرا کر تیزی سے صوفے سے اٹھی اور معاذ کو جھٹ سلام کیا۔

”تم کھڑی کیوں ہوں؟ کیا ہوا خیریت؟“ معاذ کی نگاہ پر نیاں کے چہرے پہ تھی، جو سرخ ہو چکا تھا، نڈھال ہوتا وجود اور شدت ضبط سے چھلکتی آنکھیں۔

”سورج کو گرہن لگا ہوا ہے صاحب، پچھلے چار گھنٹوں سے بی بی صاحبہ کو میں نے ہی بتایا ہے۔“ اس کے آگے وہی تفصیلات تھیں جو وہ پہلے پر نیاں کے گوش گزار کر چکی تھی، معاذ نے اشتعال انگیز انداز میں اسے درمیان میں ہی ٹوکا اور سخت قسم کی ڈانٹ پلانے کے بعد وہاں سے چلا گیا تھا، پھر رخ پھیر کر پر نیاں کو اس طرح سنبھالا کہ اپنے بازوؤں میں اٹھا کر ہی بیڈ پر لایا تھا۔

”تم پاگل تھیں پر نیاں، کیا حالت بنا لی ہے اپنی اندازہ ہے؟“ معاذ کی نگاہ اس کے دادھیا پیروں سے اٹھی تو انتہائی تاسف زدہ سا ہو کر بولا تھا، پر نیاں نے جواب میں کچھ نہیں کہا تھا، نیکی پہ نڈھال سے انداز میں سر رکھ دیا۔

”حد ہے جہالت کی بھی، اگر ایسی کسی بات کا کوئی وجود ہوتا تو احادیث سے اس کا ثبوت ملتا، وہ ان پڑھ کمزور عقائد کے لوگ ہیں مگر تم پر نیاں.....“ معاذ نے پہلے اٹھ کر فرنگ سے اس کے لئے جوس کاشن نکال کر اسے زبردستی پلایا پھر اس کے درم آلود پیروں پہ کسی مساج جیل سے مساج کرتے ہوئے پھر اسے ڈانٹا تھا۔

”آپ..... یہ کوئی احسان نہیں کیا میں نے، شکوہ تھا نا آپ کو کہ میں آپ کے بچے کی جان کی دشمن ہوں۔“ پر نیاں نے اپنے پیر کھینچ کر اس کی کھینچ سے دور کرتے ہوئے کسی قدر کھینچ سے جواب دیا تھا، معاذ تو جیسے سر بیٹنے والا ہو گیا۔

”بہت خوب، یہ تو آپ نے اتنا اچھا ثبوت پیش کیا ہے کہ کیا ہی کہنے ہیں، اللہ پہ بھروسہ اور یقین رکھنے کی بجائے ان جاہل لوگوں کے عقائد پہ آنکھیں بند کر کے یقین کرتے ہوئے اپنا ناس مار کے رکھ لیا۔“ معاذ کو واقعی ہی غصہ آ گیا تھا، جیسی بھڑک کر کہتا چلا گیا۔

”آپ کو میری فکر میں ہلکان ہونے کی ضرورت نہیں ہے، سنا آپ نے۔“ دل ہی دل میں معاذ کی بات پہ اتفاق کرتے ہوئے اس نے خدا سے معافی بھی مانگی تھی مگر معاذ کے سامنے اپنی اکثر برقرار رکھی، معاذ نے جواب میں کچھ کہے بغیر چند لمحوں کو بہت خاموش نظروں سے اسے دیکھا تھا، پھر اٹھ کر کھڑا ہوتے ہوئے سنجیدگی بھری متانت سے بولا۔

”لینے آیا ہوں تمہیں، فی الحال آرام کر لو، شام سے پہلے تیار ہو جانا۔“

”جب آپ پہلے مجھے چھوڑ کر جاسکتے ہیں تو پھر اب لینے آنے کی ضرورت کیوں پیش آ گئی، میں نہیں جا رہی ہوں۔“ وہ دھیرے دھیرے اپنے دکھتے پیروں کو دبا رہی تھی، اس کی بات پہ توہین کے احساس سے سلگ کر تڑخ کر جواب دیا تھا، معاذ کا چہرہ یکبارگی سرخ ہو کر رہ گیا۔

”بہت شوق ہے تمہیں تنہا رہنے اور من مانیاں کرنے کا؟ کر دوں گا اسے پورا، مگر فی الحال اپنی بکواس بند رکھو اور میرے ساتھ چلو۔“ غصے میں آؤٹ ہوتے ہوئے اس نے آنکھیں نکال کر جتلانے کے انداز میں کہا اور اس شدید موڈ میں پلٹ کر کمرے سے نکل گیا، پر نیاں چند لمحے ساکن و سامت بیٹھی رہی، پھر گھنٹوں پہ سر رکھ کر گھٹ گھٹ کے رونے لگی تھی۔

☆☆☆

بڑے دنوں سے ہے بے خبر وہ
جو میرے بل بل سے باخبر تھا
کبھی میں ٹوٹا تو جوڑتا تھا
وہ میرے قدموں پہ دوڑتا تھا
میں روٹھ جاتا منانا مجھ کو
طرح طرح سے ہنساتا مجھ کو

کبھی چھڑنے کی بات ہوتی
تو سادھ لیتا تھا چپ ہمیشہ
وہ جو اکیلا چلا نہیں تھا
کبھی جو غم سے ڈرا نہیں تھا
کہاں گیا وہ کدھر گیا وہ
وہ شخص تو بڑا باہر تھا

بڑے دنوں سے ہے بے خبر وہ
جو میرے بل بل سے باخبر تھا

اس نے جھکی پللیں اٹھا کر دیکھا معاذ کی تیاری آخری مراحل میں تھی، ان کا والٹ رسٹ وایج اور گاڑی کی چابی پر نیاں نے اس کے سامنے ڈریسنگ ٹیبل پر رکھی اور اس کی بے نیازی کی مار سہتی خاموشی سے پلٹ کر باہر آگئی۔

”رہنے دو بیٹے ناشتہ کرو آپ وہاں جا کے۔“ ممانے اسے کچن میں آکر اٹیٹ تیار کرنے کی تیاری کرتے دیکھا تو ٹوکا تھا۔

”کر لوں گی ممان، صبح جو سنا پیا تھا، فی الحال بھوک نہیں ہے۔“ اس نے محض ان کی تسلی کرائی تھی، پندرہ منٹ بعد وہ ٹالے اور بھابھی کے ہمراہ ناشتے کے لوازمات لئے ڈرائیونگ ہال میں آئی تو معاذ مکمل تیاری کے ساتھ وہیں موجود تھا اور زیادہ سے نوک جھونک چل رہی تھی۔

”جے اس کی شادی تب تک نہیں ہونی چاہیے تا جب تک تم آبادی میں اضافے کی خوشخبری نہیں سنا دیتے۔“ معاذ نے اپنی چھیڑ چھاڑ میں جہان کو بھی زبردستی کھینٹا تھا، جہان اخبار میں گم تھا مگر اس فضول بات پر اسے گھور کر رہ گیا تھا، جبکہ اندر آئی ٹالے کو بھابھی نے زور سے کہنی ماری تھی۔

”ہاں بھی تم لوگ کب سنا رہے ہو ہمیں ایسی خبر؟“ بھابھی نے بھی حصہ لیا تھا، جہان محض مسکرایا جبکہ ٹالے اتنے لوگوں کے بیچ اس موضوع کے آغاز سے ہی بلیش کر گئی تھی، اس براہ راست سوال پر اس کے چہرے پر خفت و خجالت کی سرخی چھا گئی۔

”یہ فاول ہے لالے بس آپ میری سفارش پاپا سے کر رہے ہیں۔“ زیادہ اپنی طرف پھر سے توجہ مبذول کرائی۔

”تو یہ مان گئی؟“

”اس کا مسئلہ نہیں ہے۔“ زیادہ نے کروڑ بھرے انداز میں کانڈھے جھٹکے تو معاذ نے اسے گھورا تھا۔

”بھول گئے سب کچھ یاد کرو جب.....“

”مجھے یاد دے لالے، بس اک احسان اور کر دیں پلیز۔“

”اس کے لئے تمہیں مجھ سے زیادہ جج کی منت کرنی چاہیے، پاپا کے لاڈلے یہ ہیں۔“ وہ کانڈھے

اچکا کر کہہ رہا تھا، زیادہ اس مندانہ نظروں سے جہان کو دیکھنے لگا، پر نیاں نے معاذ کے آگے ناشتے کے لوازمات جنے تھے، پھر سلاکس پہ کھن لگانے لگی۔

سلاکس اس کے ہاتھ میں تھا جب معاذ کے بل پر کسی کا ٹیکسٹ آیا تھا، جسے دیکھتے ہی وہ غلٹ میں

ناشتہ ادھورا چھوڑ کر اٹھا۔

”معاذ ناشتہ تو مکمل کرو بیٹے۔“ ممانے ٹوکا تھا مگر اس نے سر کوٹھی میں ہلایا۔

”ایمر جنسی ہے مام! اور سب سے میں آج تمہاری گاڑی لے جا رہا ہوں، چابی دو، میری گاڑی کا ٹائر پتھر ہے، تم یہ کام کرا لیا۔“ جہان نے گہرا سانس بھرا اور کوٹ کی جیب سے چابی نکال کر اسے تھادی۔

”بھابھی یہ ایمر جنسی کسی قسم کی تھی کچھ اندازہ بھی ہے آپ کو؟ دھیان رکھا کریں ان پہ۔“ اس نے باہر نکلنے زیادہ کا فقرہ سنا تھا جو اسی نے یقیناً پر نیاں کو مخاطب کر کے کہا تھا، اس کے ہونٹوں پہ زہر خند سا پھیلا، تیز قدموں سے پور ٹیکو کی جانب آتے وہ کسی قدر چونکا جہان اسے پکارتا ہوا پیچھے آ رہا تھا مگر وہ

جہان کی نہیں کھلے گیٹ کے پار رکنے والی ٹیکسی سے اترتی نہ سب کو دیکھ کر حیران نظر آ رہا تھا جس کا حلیہ ابتر تھا اور چہرے کی رنگت بے تحاشا زرد، اس سے قبل کہ وہ کچھ سمجھتا نہ سب ردی ہوئی اس کی جانب ہلکی تھی اور اس کے گلے لگ کر کچھ اور بھی بلند آواز سے روئے گی۔

”نہ سب خیریت ہے نا..... تم اس طرح.....“ معاذ کے منہ سے سرسراتی ہوئی آواز نکلی تھی۔

”لالے تیمور نے طلاق دے دی ہے مجھے۔“ الفاظ تھے یا بارود کے گولے، جہان کو نہیں خبر ہو سکی معاذ پہ کیا ہوتی ہے، اسے لگا تھا کسی نے اچانک اسے بلندی سے دھکا دیا ہو اور وہ نیچے بہت نیچے گرتا جا رہا ہو۔

☆☆☆

جب لوگ جدا ہو جاتے ہیں

جب عہد ہوا ہو جاتے ہیں

جب نیت میں خور سا ہو

سب عمل گناہ ہو جاتے ہیں

جب تیرے بازے میں سوچتے ہیں

سب لفظ دعا ہو جاتے ہیں

جب غربت ور پہ دستک دے

سب یار خفا ہو جاتے ہیں

جب وقت دکھاتا ہے آنکھیں

سلطان گدا ہو جاتے ہیں

تو جب بھی میرے ساتھ نہ ہو

تہوار سزا ہو جاتے ہیں

جب نفرت لفظوں میں اترے

تب اپنے جدا ہو جاتے ہیں۔

پھر کتنے بہت سارے دن بنا آہٹ کے بیت گئے، شاہ ہاؤس کے شب و روز میں ایک نمایاں تبدیلی آچکی تھی، یہ حادثہ تھا یا سانحہ جو بھی تھا، یہاں کے ہر کین کو سر سے لے کر پیر تک جھنجھوڑ کے رکھ گیا، جہاں ہر دم زندگی چمکتی تھی بہت دنوں تک کسی کے لبوں پہ بھولی بھنگی مسکان بھی نہ آسکی، اس خاندان کو تو

یہ بھی روایت رہی تھی کہ یہاں کبھی کسی نے طلاق نہیں دی تھی، کبھی کسی لڑکی کو طلاق نہیں ہوئی تھی، مہا تو اس انکشاف کے بعد جیسے بستر پہ جا پڑی تھیں، ان کا بی بی ہر وقت لور بننے کی وجہ سے ایک بار ہاسپٹل میں بھی ایڈمٹ کرنا پڑا، دوسری جانب زینب بھی، زندگی کے ہر احساس ہر رنگ سے دور جیسے خود سے بھی کٹ سی گئی تھی، معاذ کتنا مشتعل تھا، تیور خان کوئل کر دینے کے در پے، اسے سمجھانا بچھانا اور قابو میں رکھنا یہ ایک الگ سے پریشان کن امر تھا، ہر کوئی اپنی جگہ پہ ٹینشن کا شکار ہو کر رہ گیا تھا، فاطمہ کو مستقل طور پر ڈالے سنبھال رہی تھی، پر نیوں کی طبیعت ہی اکثر خراب رہتی یا پھر بھابھی اس کی دیکھ بھال کرتیں، ڈالے خود بچی کی بہت کیر کرتی تھی، ایک مہینہ اسی طرح گزرا پھر دوسرا بھی، مگر زینب کے اندر زندگی جیسے ہر لمحہ بچھتی جا رہی تھی، کھانا بھی، مہا جان تو بھی بھابھی اور پر نیوں منت کر کے کھلایا کرتیں، اس وقت بھی پر نیوں کے بے تحاشا اصرار کے جواب میں زینب نے چند لقمے ہی با مشکل حلق سے اتارے تھے۔

”اچھا یہ تھوڑا سا ٹرانسفل ہی لے لو، کھانا تم نے کھایا نہیں۔“ پر نیوں نے پلیٹ میں فروٹ ٹرانسفل نکالنا چاہا تو زینب نے بے زاری سے ہاتھ اٹھا کر اسے ٹوک دیا تھا۔

”کہانا پری، نہیں دل کر رہا میرا کھانے کو، پلیز زبردستی مت کرو۔“

گلابی پھول دار مٹلے ہوئے لباس میں بکھرے بالوں اور ستے ہوئے چہرے والی زینب کی آنکھوں کے پونے یوں بوجھل تھے جیسے کچھ دیر قبل تک بے تحاشا روکے بیٹھی ہو، مہا نے اس منظر کو آنسو بھری آنکھوں سے دیکھا تھا اور کرب آمیز انداز میں چہرے کا رخ پھیر لیا، بھلے یہ سب کچھ اس کا اپنا کیا دھرا تھا، مگر اس روادار گھرانے کی یہ روایت نہیں تھی کہ مرے یہ سو درد لگائے بیٹھ جاتے، کسی نے غلطی سے بھی زینب کو اس کی غلطی کا احساس دلانے کی کوشش نہیں کی تھی، ان کے خیال میں تو وہ اپنی لغزش سے زیادہ سزا بھگت چکی تھی۔

”خود کو سنبھالو شائستہ! اس طرح سے زندگی کیسے گزرے گی۔“ ٹپ ٹپ کتنے آنسو بے آواز ان کی آنکھوں سے گرتے چہرے اور دامن کو بھگوتے چلے گئے تو مہا جان نے نہایت محبت سے کہتے انہیں اپنے بازو کے حلقے میں لے کر تسلی دینے کی کوشش کی تھی، مگر مہا کی آنکھوں میں مزید کرب اور اذیت بکھرتی چلی گئی تھی۔

”میری تو گزر گئی زندگی بھابھی بیگم! پتہ نہیں چند سانس ہیں بھی مزید کہ نہیں، بات تو زینب کی ہے، ابھی عمر ہی کیا ہے اس کی، اتنی لمبی زندگی بغیر مہارے کے کیسے گزرے گی، سوچتی ہوں تو ہول اٹھتے ہیں، مجھے صبر نہیں آ رہا، یوں لگتا ہے صبر اور قرار تو اب مرے بھی نہیں آئے گا، زینب کی بربادی یہ دکھ ہمیشہ میری روح کو بے تاب رکھے گا۔“ وہ زار و قطار رو رہی تھیں، جب دروازے پہ آ رکنے والے معاذ نے سر د آہ بھری اور قدم بڑھاتا ہوا آ کر مہا کے پاس بیٹھا پھر ان کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر چومے اور آنکھوں سے لگائے تھے۔

”آپ کو اتنا پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے مہا! ہم زینب کو ہمیشہ اس بربادی کی نذر نہیں ہونے دیں گے، خود کو سنبھالیں یہ سوچ کر کہ زینب زندگی کو پھر سے ضرور شروع کرے گی اور انشا اللہ بہت خوش رہے گی، کسی بھی غلط فیصلے کے سدھار کی خاطر مزید فیصلہ اور مثبت انداز میں اٹھایا گیا قدم

سابق تمام دکھ درد کے ازالے کر دیا کرتا ہے۔“ معاذ کے مستحکم لہجے میں ڈھارس بھی تھی اور مستقبل کے حوالے سے پختہ عزم بھی، مہا نے بے ساختہ چونک کر اس کے خوب رو چہرے کو دیکھا جس پہ ازلی اعتماد کی جھلک تھی۔

”آپ کا مطلب ہم زینب کی شادی کریں گے؟“ مہا ششدر تھیں۔

”آپ ایسا نہیں چاہتی ہیں کیا؟“ معاذ کی نگاہیں سوالیہ تھیں۔

”اب کون کرے گا شادی؟ یہ بہت مشکل اور پیچیدہ مسئلہ ہو گیا ہے بیٹے، لوگ تو کنواری لڑکیوں کو بے دردی اور سفاکی سے رد کر دیتے ہیں زینب تو پھر.....“

”زینب میں کوئی عیب نہیں ہے مہا۔“ معاذ نے تیزی سے ان کی بات کاٹی تھی، مہا کے چہرے پہ کرب آلود مسکان بکھر گئی۔

”یہ ہمارا خیال ہے نا بیٹے! لوگ بہت ظالم ہیں، آپ کو ابھی اندازہ نہیں ہے نا دنیا کی سفاکیت کا۔“ وہ بھرائی ہوئی آواز میں کہتی پھر سے بہنے والے آنسوؤں کو پونچھنے لگیں۔

”مجھے اندازہ ہے مہا! لیکن دنیا میں ابھی اچھے لوگوں کا خاتمہ نہیں ہوا اور خدا مسبب الاسباب ہے، مجھے یقین ہے خدا زینب کے لئے بہتر فیصلہ فرمائے گا۔“ اس نے مہا کے کانڈھے کو نرمی سے دبا کر اتنے رساں سے کہا تھا اتنے مستحکم یقین اور اعتماد سے کہ مہا بس اسے دیکھتی رہ گئیں، بلیک ٹوپیں میں تک سٹک سے درست یہ ان کا بیٹا ہمیشہ جذباتی اکٹڑ بے تحاشا خنجر لایا اور موڈی ہی نظر آیا تھا ان کو، خود کو بے تحاشا اہمیت دینے والا مگر یہ اس کا ایک بہت الگ روپ تھا، اس کے پتہ نہیں کتنے روپ تھے، جو پہلے ہی یکسر مختلف ہوتا اور پہلے سے زیادہ انوکھا اور پیارا نہیں بے ساختہ ہی اس پہ ٹوٹ کر پیار آ گیا تھا، جیسی بے اختیار اسے ساتھ لگایا پھر بے حد محبت سے اس کی صیغہ پیشانی چومی تھی۔

”خدا آپ کی زبان مبارک کرے بیٹے! دو دھوں نہاڈ پوتوں پھلو۔“

”اونہہ، بہت زیادہ بچوں کی آس مت لگائیں، میرا بس ایک ہی بچہ ہوگا، ہاں اس کی زیادہ شادیاں کر کے بچوں کی موج ظفر فوج بنا لیجئے۔“ وہ شرارت سے بولا تو مہا نے اسے مصنوعی حنک سے گھورا تھا۔

”کیوں آپ کا صرف ایک بچہ کیوں ہوگا؟ خدا خواستہ۔“

”آپ کی لاڈلی بہو ہمیں اتنی لطف جو نہیں کراتی ہیں اس لئے۔“ وہ مسکراہٹ دبا کر کہہ رہا تھا، مقصد مہا کا دھیان بٹانا تھا اور وہ کامیاب رہا تھا۔

”ہاں اب سارے الزام اس پہ لگا دو، تم بھی کچھ کم نہیں ہو، پتہ ہے مجھے۔“ مہا کی اس بے ساختگی میں کی گئی پر نیوں کی حمایت پہ معاذ نے ٹھنڈا سانس بھر لیا۔

”آپ سے مجھے کوئی اچھی امید نہیں ہو سکتی، آپ کی یہ بے جا حمایت ہے جس نے مجھ کو.....“ معاذ کی بات ادھوری رہ گئی، پر نیوں چائے کی ٹرے اٹھائے کمرے میں داخل ہوئی تھی، لی پنک بہت خوبصورت سے پرنٹ کی شرٹ پہن ٹراڈ زرار اور چادر نما دو ٹیٹے میں بہت سلیقے سے لپٹا ہوا اس کا بھرا بھرا سراپا اور بے تحاشا تازگی نکھار اور دکھائی لئے چہرہ جس پہ اب ایک مستقل سنجیدگی قیام کر چکی تھی، معاذ نے آج دیتی نظروں سے اس کا تفصیلی جائزہ لیا تھا۔

”بیٹے کتنی بار منع کیا ہے آپ کو اتنا کام نہ کیا کرو، آرام کے دن ہیں آپ کے۔“ مہا سے ڈانٹ

رہی تھیں، اپنے مخصوص پیار بھرے انداز میں، وہ سادگی سے مسکرائی۔

”چائے بنا کر لانا کوئی کام تو نہیں ہے ماما!“ ماما جان اور ماما کو چائے دینے کے بعد اس نے جھکی پلکوں سمیت کپ معاذ کی جانب بڑھایا، معاذ نے دانستہ خود کو سیل فون پہ مصروف کیا تھا، ناچار پر نیاں کو اسے مخاطب کرنا پڑا تھا۔

”معاذ چائے۔“ معاذ نے نظروں کو سیل فون کی اسکرین سے ہٹا کر اس کے چہرے پہ جمایا، پھر ہونٹ سکڑ کر بولا تھا۔

”مجھے نہیں پتہ۔“ پر نیاں کچھ حیران ہوئی البتہ کچھ کہے بغیر کپ واپس ٹرے میں رکھ دیا تو معاذ بری طرح سے چلبلا کر ماما سے مخاطب ہوا تھا، پر نیاں کا اس بات کو اہمیت نہ دیتے ہوئے وہاں سے چلے جانا سکا کے رکھ گیا تھا۔

”دیکھ لیا آپ نے ماما“ اس کا انداز بے حد شاک تھا، ماما نے حیران ہو کر اسے دیکھا تھا۔

”محترمہ کو ہے پرواہ میری، مجھے پورا یقین ہے میری بجائے اگر یہ چائے پینے سے رجوع نہ انکار کیا ہوتا تو محترمہ ضرور سوال کرتیں تشویش ظاہر کرتیں، مگر میری پرواہ نہیں ہے۔“ اس کا انداز سکا ہوا تھا، ماما جان کو مسکراہٹ ضبط کرنا محال ہو گیا، جبکہ ماما نے سرد آہ بھری تھی۔

”بے جا شکوے شکایتیں ہیں آپ کی معاذ، پر نیاں بہت روادار گھرانے کی بچی ہے، بزرگوں کے سامنے اپنے شوہر سے زیادہ فریٹک ہونا شرم و حیا کے منافی سمجھا جاتا ہے میری جان، آپ کو اتنی سی بات کو سمجھنا چاہیے۔“ پر نیاں کی غیر موجودگی میں بھی اس کی طرف داری معاذ کو ہرگز پسند نہیں آسکتی تھی، جیسی ہونٹ کھینچے اٹھا اور پلٹ کر کمرے سے نکل گیا، ماما ہاتھ میں پکڑے گ پتے نگاہیں مرکوز کیے پھر کسی گہری سوچ میں ڈوب چکی تھیں۔

☆☆☆

خدا کی مرضی ہے وہ میرے ہاتھوں پہ ہجر لکھے وصال لکھے
 رضا جو اس کی ہے میں بھی خوش ہوں عروج بخشے زہل لکھے
 سنو میرے دل کی آج سے ہیں جدا جدا سب ہلکے رستے
 تہلکے رستے پہ چل کے ہم نے دکھ بڑے ہیں ملل لکھے
 جو ممتن تھا بنایا اس نے ہے اتنا مشکل حیات پرچہ
 کہ ہم سے مبر تو نفل ہوں گے ہیں اس نے ایسے سہل لکھے
 یہ لفظ میرے ہیں درحقیقت سب قصیدے تیری لدا کے
 ہے جو بھی حرف لکھایا لفظ لکھا ہیں اس میں تیرے جمل لکھے

تولینے سے لابنے بانوں کو رگڑ کر خشک کرنے کے بعد اس نے ہلکے سے جھٹکے سے پشت پہ گرایا پھر تولیہ ہاتھ سے رکھتے ہوئے آئینے میں اپنے چہرے کو ذرا دھیان سے دیکھا تھا، ایک عجیب سا ملال پورے وجود میں از سرے نو سراہت کر گیا تھا، ماند پڑتی رنگت اور آنکھوں تلے موجود گہرے حلقوں کے باعث کھل سی یہ لڑکی کہیں سے بھی زینب کا عکس نہیں لگتی تھی، وہ زینب جو طر حدار خود پسند اور خود آگاہ تھی، حالات کے ایک ہی زور دار پٹنے نے اس سے سب کچھ چھین لیا تھا، غرور و ناز خود ستائشی کا احساس

اور اس کی خوبصورتی بھی، عجیب کھیل کھیلا تھا قسمت نے اس کے ساتھ، نواز نے پہ آئی تو نوازی چلی گئی، ایک کے بعد دوسری نعمت اور زینب نے اپنے تئیں خود کو اپنے حسن کا سارا کریڈٹ دے لیا مگر پھر کھلا یہ تو آزمائش تھی ایک کڑے وقت کی شروعات کے لئے، سب کچھ چھین گیا، ذات کا مان نخر اور سب سے بڑھ کر گھر گریہ سستی، کیسے جیئے گی وہ.....؟

دنیا کا سامنا آسان ہیں تھا، چاہے وہ بے قصور تھی مگر طلاق یافتہ تو تھی، تیمور نے یہ آخری زخم ایسا لگایا تھا جس کی دکھن عمر بھر ساتھ چلنی تھی، کل اس کی عدت بھی پوری ہو گئی تھی، آج پر نیاں بڑی مشکلوں سے اپنے نہانے کپڑے بدلنے پہ آمادہ کر سکتی تھی، وہ خود بھی آخر تک منہ چھپا کر کمرے میں پڑی رہ سکتی تھی، حالات کا سامنا تو کرنا ہی تھا۔

جنہوں نے شاید آگے آگے مزید کڑے ہوتے جانا تھا، اس کی آنکھوں میں پھر سے آنسو اترنا شروع ہوئے تھے کہ کمرے میں اچانک پر شور انداز میں بیچ اٹھنے والے میوزک کی آواز نے اسے گھبراہٹ سے دوچار کر دیا، اس کا دل اتنا کمزور ہو گیا تھا کہ معمولی آہٹ پر بھی کئی کئی منٹ تک دھڑکنیں منتشر کے رکھتا، ٹیکے کے پاس پڑا موبائل نیم اندھیرے میں روشن نظر آیا، شاید اسے بھی پر نیاں نے ہی آج چارج کر کے یہاں رکھا تھا، وہی ہر وقت اسے زندگی کی طرف لانے کی جدوجہد میں سب سے زیادہ مصروف نظر آیا کرتی تھی، یا پھر ڈالے تھی جو خاموشی سے ہر خدمت انجام دیا کرتی، فاطمہ کو سنبھالنا زینب کے لباس اور کھانے پینے کو تینوں وقت وہی ٹرے سجا کر لایا کرتی، البتہ بات بہت کم کیا کرتی، شاید وہ زینب کے پہلے سلوک کے باعث ابھی تک اس سے خائف تھی، بھابھی نور بیہ، ماما، ماما جان، معاذ، زیاد کون تھا جواب اسے خصوصی اہمیت سے نہیں نوازتا تھا، ہر انداز سے محبت اور دل جوئی کا احساس چھلکتا تھا مگر اس کے تو اندر سے ہی زندگی مر گئی تھی، پاپا کے سامنے سے خاص طور پہ خائف ہوا کرتی، اسے اپنی من مانی کا احساس اب شرمندگی کی اچھاہ میں اتارے رکھتا تھا، کھنٹی بیچ بیچ کر بند ہو گئی مگر اس نے فون نہیں اٹھایا، بال سلجھا کر بے دلی سے برش رکھتی وہ بیڈ کی جانب آئی تو یہ تیسری بار کھنٹی بیچ رہی تھی، پتہ نہیں کون تھا اتنا مستقل مزاج..... اس نے کوفت سے سوچا اور ہاتھ بڑھا کر سیل فون اٹھایا مگر اگلا لمحہ اس پر بہت بھاری ثابت ہوا تھا، سیل فون اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر نیچے جا گرا، وہ پتھرائی ہوئی نظروں سے اسکرین پہ چمکتے بار بار چمکتے تیمور خان کے نام کو دیکھ رہی تھی، اس پہ جو اچانک اتنا ڈوٹی تھی اس کے بعد اتنا ہوش کہاں رہا تھا کہ وہ اس بد بخت انسان کا نمبر اپنی فون بک سے کاٹ دیتی، مگر سوال یہ پیدا ہوتا تھا اب ہر تعلق واسطہ توڑ دینے کے بعد وہ یوں اتنا ڈلا ہو کر کیوں فون کر رہا تھا، اب کھنٹی کوئی دسویں بار بیچ رہی تھی، زینب کے دل کو شدید قسم کی کھنٹی کے احساس نے گھیر لیا، اس نے ہاتھ بڑھا کر سیل فون اٹھایا اور اس کا سرخ بشن زور سے دبا دیا، اگلے لمحے موبائل کی اسکرین تاریک ہو چکی تھی، زینب نے سرد نظروں سے سیل فون کو دیکھا اور اسے ٹیبل پہ اچھال دیا، مگر وہ نہیں جانتی تھی یہ مسئلے کا حل بہر حال نہیں تھا۔

☆☆☆

جنگل تھے تاریک کہیں کہیں مٹی ریت کے ٹیلے تھے
 عشق کی راہ میں آنے والے پتھر بھی لو کیلے تھے
 تیرے عشق کے ناگ کا ڈسنا کچھ اتنا زہریلا تھا

میری آنکھ سے بہنے والے آنسو نیلے نیلے تھے
سانسوں کی شطرنج پہ ہارے پھر بھی مل نہ پائے وہ
ان کے پیار میں حاصل شاید ریت رواج قبیلے تھے
وہ ساکن بیٹھی تھی جیسے پتھر اگنی ہو، تیمور خان کی بار بار فون کالز نے اسے مضطرب ہی نہیں متفکر بھی کر
ڈالا تھا، وہ اپنے ہر انداز سے ہارا ہوا پڑا مردہ لگتا تھا، بار بار اپنی غلطی کی معافی مانگتا ہوا اور ازالے کے
بھر پور وعدے کے ساتھ، وہ پھر اس کی راہوں میں اس کا منتظر کھڑا تھا، زینب کے اندر کتنی وحشت کس
درجہ خوف در آیا تھا اس سے بات کر کے۔

”اب کچھ نہیں ہو سکتا ہے تیمور، ہر کوشش ناکام ہو چکی تمہاری، تم نے برباد کر دیا مجھے۔“ وہ رو ہی
نہیں پڑی تھی، نفرت سے بھی چینی تھی۔
”مجھے معاف کر دو زینب، مجھے ایک پل کو بھی قرار نہیں ہے، میں تمہیں کھونا نہیں چاہتا تھا، تم جانتی
ہو تا میں تب نشے میں تھا، ورنہ کبھی تمہیں خود سے جدا نہ کرتا، خود سوچو زینب میں ایسا کر سکتا تھا، کتنی مشکلوں
سے حاصل کیا تھا تمہیں۔“

”مجھے کچھ نہیں سننا ہے، آئندہ یہاں فون مت کرنا۔“ اس نے لینڈ لائن کا ریسیور پٹخ دیا تھا، پھر
خاموش کالز کا سلسلہ شروع ہو گیا، وہ ہر بار نئے نمبر سے کال کرتا کسی اور کے فون اٹھانے پہ چپ سا دھ
لیتا اگر زینب بات کرتی تو اس کی منت سماجت کرتے کر گڑانے لگا۔
”مجھے ایک بار اپنی بیٹی سے ملنے دو زینب۔“

”تمہیں اس کی ضرورت نہیں، یہ تم نے خود کہا تھا، آئندہ اس کا نام بھی نہ لینا۔“ زینب کے اندر
اشتعال اٹھ آیا تھا، یہ اس کی پھینکار اور ملامت ہی تھی کہ تیمور خان نے پھر سے چولا بدلا اور اپنی اصلیت
ظاہر کر دی۔

”مجھے ہر قیمت پر تم سے ملنا ہے زینب ورنہ میں کچھ بھی کر گزروں گا یاد رکھنا۔“
”کیا کرو گے تم؟ اور کیوں ملوں تم سے اب میں، میرا کوئی تعلق نہیں رہا ہے تم سے۔“ زینب کا خون
کھولنے لگا تھا ہٹ دھرمی اور دھونس کے اس مظاہرے پر۔
”تعلق کو پھر سے بنایا جا سکتا ہے، میں ہر گز بھی تم سے دستبردار ہونے کو تیار نہیں ہوں کان کھول کر
سن لو تم۔“ اب کے وہ اپنے مخصوص چٹائی لہجے میں گرج کر بولا تو زینب ششدر ہونے کے ساتھ خائف
بھی ہونے لگی۔

”کیا مطلب ہے تمہاری اس بات کا، تمہیں یاد ہو تو تم مجھے طلاق دے چکے ہو۔“
”تم میری بات سننے پہ آمادہ ہو تو میں بتاؤں گا کہ اس مسئلے کا حل بھی موجود ہے۔“ تیمور کے جھنجھلا
کر کہنے پہ زینب کے وجود میں سرد لہریں دوڑنے لگی تھیں۔
”کیا کہنا چاہتے ہو؟“ اس کے حلق سے پھنسی پھنسی آواز نکلی تھی۔

”تم اتنی نادان ہو کہ نہیں سمجھ رہی تو میں کھول کر بتا دیتا ہوں، حلالہ ہے اس کا حل۔“ اس کی بات
کے جواب میں وہ پھینکارا تھا اور زینب نے ایک جھٹکے سے ریسیور کریڈل پہ پٹخ دیا، اس کی ٹانگیں ہی نہیں
پورا وجود لرزنے لگا تھا، وہ صحیح معنوں میں تیمور سے خوفزدہ ہو گئی تھی، پتہ نہیں وہ اب اس کے ساتھ کیا

کھیل کھیلنا چاہتا تھا، کھنٹی پھر بجنے لگی تھی تب اس نے ریسیور کو اٹھا کر سائیڈ پہ رکھ دیا، پلٹ کر اپنے کمرے
میں جانے کی کوشش بے جاں ہوتی ٹانگوں کے باعث ناکام ہوئی تو وہ وہیں بیٹھی تھی اور
پونجی جانے کتنی دیر بیٹھی رہتی کہ آفس سے واپس آئے جہاں کی نگاہ اس کے کم صم ساکن وجود پہ جاٹھری
تھی۔

پر نیاں اور بھابھی وغیرہ کے بے حد خیال کرنے کے باعث اتنا ہوا تھا کہ اس کے بال سلجھے ہوئے
اور لباس صاف ستھرا نظر آنے لگا تھا، مگر آنکھوں کے حلقے لبوں پہ خاموشی کی مہر اور آنکھوں کی گہرائیوں
میں آئینے والی ناسیت کا حل تو شاید ان کے پاس بھی نہیں تھا، چوٹی سے نکل کر ٹوں کی صورت بکھرے بال
بھگی نم پلکیں اور کاندھے سے ڈھلک کر بیٹھیوں پہ دور تک پھیلا آؤٹ، وہ اس کی آمد سے تو کیا خود سے
بھی بے خبر تھی گویا، جہاں کا دل دکھ کے لامتناہی احساس سے بھرتا چلا گیا۔

”زینب..... کیا ہوا؟“ زینب نے طے کر کے وہ اس کے پاس آن رکھا، تب زینب نے چونک کر سر اٹھایا
اور خالی نظروں سے اسے دیکھا تھا، کتنی دیرانی تھی اس کی آنکھوں میں، جہاں نے ہونٹ بھینچ لئے۔

”اٹھو اندر چلو۔“ جہاں نے اپنا بریف کیس ایک ہاتھ سے دوسرے میں منتقل کیا اور نرمی بھرے
انداز میں اسے مخاطب کیا تھا، زینب نے کچھ دیر اسے دیکھا تھا، گرے ٹوپس سوٹ میں میچنگ ٹائی
لگائے، فریش شیو اور چہرے کی تازگی و متانت کے ہمراہ وہ اپنے بے حد شاندار اونچے لمبے مضبوط سراپے
کے ہمراہ اس کے روبرو تھا، زینب نے سر تاپا اسے دیکھا اور ہونٹ بھینچ لئے۔

کبھی وہ اس کے لئے تھا، مگر اب نہیں، وہ وقت گزر گیا تھا، ایک عجیب سے نیاں و طلال کے احساس
نے ایک عرصے بعد پھر سے دل کے دروازے پہ دستک دی۔

”ایسے کیوں بیٹھی ہو زینب؟“ جہاں کو اب اس کے انداز سے تشویش ہونے لگی تھی۔
”وہ مجھے جینے نہیں دے گا، ہمیشہ یونجی مجھے حراساں کیے رکھے گا۔“ اس کا انداز خود کلامی کا سا تھا،
جہاں چونک اٹھا۔

”کون؟ کس کی بات کر رہی ہو؟“ زینب نے اس سوال پہ جیسے گہرے خواب سے جاگ اٹھنے
والے انداز میں ہڑبڑا کر اسے دیکھا جہاں کی سوالیہ اور متفکرانہ نگاہیں اس پہ مرکوز تھیں، وہ ایک دم
گڑبڑائی، جانے کیا نکل گیا تھا اس کے منہ سے۔

”ک..... کچھ نہیں..... میں چلتی ہوں۔“ اس نے ہکا کر کہا اور ایک جھٹکے سے اٹھی، جہاں حیران
سا کھڑا اسے اپنے دوپٹے میں الجھ کر وہاں سے دور ہوتے دیکھتا رہا، گہرا سانس بھر کے وہ کمرے میں آیا تو
ژالے فاطمہ کو کاندھے سے لگائے وارڈ روب کے آگے کھڑی تھی، آہٹ پہ مڑ کر اسے دیکھنے لگی۔

”چائے لاؤں آپ کے لئے؟“ جہاں نے بیگ رکھ کر اس سے فاطمہ کو لے کر پیار کیا تو ژالے
نے پوچھا تھا۔

”لے آنا مگر یہ بیگ.....؟“ اس کی نگاہیں وارڈ روب کے پاس کارپٹ پہ پڑے بیگ پہ سوالیہ
انداز میں جا رہیں جس میں ژالے اپنے ایک دو جوڑے رکھ بھی چکی تھی۔

”مما مجھے لاہور بلا رہی ہیں شاہ۔“
”اور تم چلی جاؤ گی؟“ جہاں نے سوئی ہوئی فاطمہ کو بستر پہ لٹاتے ہوئے ایک نظر اسے دیکھا۔

”آپ کہیں گے تو چلی جاؤں گی ورنہ نہیں۔“ ڈالے کے جواب پہ جہان نے ٹھنڈا سا بس بھر کے ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کرتے ہوئے کوٹ اتارا، جسے ڈالے نے جلدی سے آگے بڑھ کر اس سے لیا تھا اور چنگ کرنے لگی۔

”اصولاً تو مجھے نہیں روکنا چاہیے کہ تمہیں ان کے پاس گئے بھی کم از کم چار پانچ ماہ ہو گئے ہیں مگر ڈالے یہاں کے حالات اور سب سے بڑھ کر فاطمہ..... تم سے اس درجہ امیج ہو گئی ہے کہ..... زینب ابھی ہرگز اس کنڈیشن میں نہیں کہ فاطمہ کی ذمہ داری کو قبول کر سکے۔“

”جی آپ پریشان نہ ہوں، میں نہیں جاؤں گی۔“ ڈالے نے اس کی تسلی کی خاطر ہی مسکرا کر کہا تھا مگر جہان کچھ سمجھا ہوا تھا۔

”کتنے دنوں کو جانا ہے تمہیں؟“

”کم آن شاہ! یہ اتنی اہم بات تو نہیں کہ آپ یوں پریشان ہو جائیں، پھر چلی جاؤں گی میں ماما کو سمجھا دوں گی۔“ وہ نرمی سے کہہ کر کمرے سے نکل گئی، جہان اسی الجھن میں ڈوبا ہوا ہاتھ روم میں گیا تھا، فریش ہونے کے بعد تولیے سے بال خشک کرتے باہر آیا تو ڈالے اس کے لئے چائے بنا کے لے آئی تھی۔

”چائے پی لیں تو ماما جان کی بات سن لیجئے گا، بلا رہی ہیں آپ کو۔“ جہان جو اسے بغور دیکھنے لگا تھا ڈالے اس کی اسی توجہ کے ارتکاز کو بٹانے کی غرض سے دانستہ بولی تھی۔

”تمہاری طبیعت ٹھیک ہے نا ڈالے؟ دن بد دن کمزور ہو رہی ہو، آنکھوں تلے بھی حلقے ہیں۔“

جہان نے اس کا ہاتھ تھام لیا، ڈالے کی جیسے جان پر بن کر آنے لگی، وہ ہر لمحہ جہان کے اس سوال سے ہی خائف رہا کرتی تھی، اس کا ٹریٹمنٹ اس مرتبہ بہت لیٹ ہو چکا تھا، یہ اسی کی اثرات تھے کہ وہ ہر لمحہ کھلتی جا رہی تھی، جہان کو پالنے کے باوجود وہ اس بیماری کو شکست دینے میں بڑی طرح سے ناکام رہی تھی، حالانکہ کبھی وہ وقت تھا جب وہ پورے یقین سے سوچا کرتی تھی اگر جہان اسے پورے کا پورا مل جائے تو وہ اس بیماری کو ہرا سکتی ہے۔

”ڈالے مجھے نہیں بتاؤ گی؟“ جہان کی تمام تر توجہ اسی پہ تھی اور وہ ہر لمحہ کھل کر ڈھیر ہو رہی تھی گویا۔

”کچھ خاص نہیں ہے شاہ، بس راتوں کو صبح طرح سو نہیں پارہی۔“

”اس کا مطلب سارا الزام مجھ پہ آ گیا؟ یار میں تو بہت خیال کرتا ہوں تمہارا؟“ جہان کی ہلکے پھلکے انداز میں کہی بات پہلے تو ڈالے کے سر سے گزری پھر سمجھ آنے پہ وہ اسی لحاظ سے سرخ پڑ گئی تھی، جہان نے بہت دلچسپ نظروں سے اس کے اس درجہ حسین انداز کو دیکھا تھا، وہ اپنی مصومیت فطری سادگی اور جاذبیت بھری دلکشی اور طبیعت کے محبت بھرے انداز کے باعث بہت تیزی سے جہان کے دل میں جگہ بنا گئی تھی، بلکہ اگر وہ کہتا کہ اسے ڈالے سے محبت ہو گئی تھی تو ہرگز غلط نہ تھا، پچھلے بہت سارے دنوں زینب کی وجہ سے جو ٹینشن پھیلی تھی اس میں ڈالے نے جس طرح جہان اور پورے گھر والوں کے ساتھ محبت اپنائیت اور ہمدردی کا انداز اپنایا تھا اس نے صحیح معنوں میں جہان کے دل میں ڈالے کی قدر کے احساس کو گہرا کیا تھا، وہ خود ہی صرف خوبصورت نہیں تھی خوبصورت دل کی بھی مالک تھی، وہ محبت کی مٹی سے بنائی گئی تھی جس کا کام ہر کو محبت باٹنا تھا، جب جہان نے اسے جانا تھا سمجھا تھا پھر خود کو اس سے محبت

ہی تریخ کر رہ گئے، ڈائیننگ ہال میں لمحہ بھر کو اتنے افراد کی موجودگی کے باوجود سناٹا سا پھیل گیا، پرینیاں اپنی خائف ہوئی تھی کہ جلدی سے کرسی کھینچ کر اس کے مقابل بیٹھ گئی، ابھی کل ہی وہ اسے بری طرح سے جھڑک کر یہ باور کرا چکا تھا کہ اسے اس کا اس حال میں یوں سب کے سامنے گھومنا پھرنا پسند نہیں، اس کے بعد سب باتوں کا ایک لمبا لیکچر تھا جس میں ایسی بے حیا عورتوں کے لئے شدید نفرت کا اظہار تھا جن کو اپنا آپ اس حالت میں بھی نمایاں کرنے کا شوق ہوتا ہے، پرینیاں شرم حقت اور غصے سے دیکھ اٹھی تھی، سب جانتے تھے وہ اس معاملے میں خود کتنی حساس تھی، جب سے وہ پریکٹ ہوئی تھی اس نے مستقل خود کو بڑے دوپٹے اور بھاری چادر میں ڈھانپ کر رکھنا شروع کر دیا تھا، وہ معاذ کے علاوہ گھر کے کسی فرد کے سامنے شادی سے پہلے تک بھی تنگے سر نہیں آتی تھی، معاذ کی یہ سراسر کی الزام تراشی اسے بھڑکاکے رکھ گئی تھی مگر محض اس کے منہ نہ نکلنے کے خیال سے وہ خاموش رہی تھی، ماما کے بیمار ہونے کے باعث کام کا بہت لوڈ خود بخود اس پہ آ گیا تھا، بھابھی کے بیٹے تھے ماریہ کو یونیورسٹی جانا ہوتا، لے دے کر ڈالے اور وہی رہ جاتی تھیں، مگر بھابھی کے ہاتھ بٹانے کے باوجود پرینیاں کو کئی کام بھاگ بھاگ کر خود کرنے پڑتے تھے جیسے اب ناشتہ لے کر یہاں آتا۔

”پرینیاں آج آپ کو چیک اپ کو بھی جانا ہے نا بیٹے؟“ کچھ دیر کی گھمبیر خاموشی کے بعد ماما نے اسے مخاطب کیا تھا، وہ اس کے شرمندہ سے انداز کو محسوس کر چکی تھیں، غلطی معاذ کی تھی مگر ڈالے کی کوشش میں وہ ہلکان رہا کرتی، پتہ نہیں اس نازک سی لڑکی نے کب تک ان کے بڑے ہوئے بیٹے کی غلطیوں پر پردے ڈالنے تھے، ایسے سے انہیں کچھ اور بھی ٹوٹ کر اس پہ پیار آیا کرتا۔

”جی ماما! تمہیں بچے جانا ہے۔“ پرینیاں نے سلاکس پہ لکھن لگا کر زینب کو دیا پھر ٹی پاٹ اٹھا کر چائے بنانے لگی۔

”سن لیا معاذ! تمہیں بچے آپ کو گھر پہ موجود ہونا چاہیے۔“ معاذ نے اس حکم نامے پہ نخوت بھرے انداز میں بھنوں کو اٹھایا تھا۔

”چیک اپ کو یہ جائیں گی، میرا اس وقت حاضر ہونا کیوں ضروری ہے؟“ اس کے لہجے کی ناگواریت نے ماما کے ساتھ پرینیاں کو بھی ساکن کیا تھا۔

”اس لئے کہ پرینیاں کو آپ ہی ڈاکٹر علیہ کے کلینک لے کر جاؤ گے۔“ ماما کے آرڈر پہ معاذ نے بے حد جنگ پڑتے ہوئے انہیں دیکھا۔

”میری بہت اہم میٹنگ ہے ماما! سو معذرت میں نہیں آسکوں گا۔“ اس واضح اور صاف جواب کی ماما کو شاید توقع نہیں تھی جیسی کچھ ٹائیڈ کو بول ہی نہ سکیں۔

”آپ کی میٹنگ زیادہ اہم ہے اس کام سے؟“ ماما کو جتنا غصہ آیا تھا اسی حساب سے تلخ ہو کر بولی تھیں، معاذ کے چہرے پہ زہر خند پھیلا۔

”کم آن ماما! اتنی چھوٹی اور معمولی باتوں کے لئے جذباتی نہ ہو جایا کریں۔“

”چھوٹی اور معمولی بات کیا ہے تمہارے نزدیک معاذ؟“ ماما نے بھڑک کر کہا تو پرینیاں جو ہونٹ کھینچے ہوئے تھی بے اختیار عاجزی سے ان کے ہاتھ پہ اپنا ہاتھ رکھ دیا، ماما نے چونک کر اس کے چہرے کو دیکھا جہاں کرب آمیز بے بسی تھی، اپنا بھرم قائم رکھنے کی استدعا آنکھوں میں لئے وہ انہیں نم آنکھوں

سے دیکھ رہی تھی، ماما کو ایک دم سے چپ لگ گئی، معاذ نے اطمینان سے ناشتہ کیا تھا پھر نارمل انداز میں وہاں سے چلا گیا، جہان جس نے یہ سب کچھ دیکھا اور سنا تھا آہستگی سے اٹھ کر ان کے نزدیک آ گیا۔

”پریشان نہ ہوں چچی جان! میں آ جاؤں گا آپ پر نیاں کونے کر میرے ساتھ چلیے، معاذ کو بھی میں سمجھاؤں گا۔“ وہ اپنے مخصوص انداز میں انہیں تسلی دے رہا تھا۔ پر نیاں وہاں سے اٹھ چکی تھی، زینب نے سر اٹھا کر جہان کو دیکھا، وہ آج بھی ویسا ہی تھا، ہر مسئلے کا حل نکال لینے والا، ہر کسی کی مدد کو تیار، شاید وہ حقیقتاً ایسا تھا، نیک اور باوقار..... تو کیا وہ اس کے قابل نہیں تھی؟

ایک سوال ذہن میں اٹھا تھا اور پورے وجود میں بے چینی بھر گیا، اس نے سلاکس واپس رکھا اور کرسی دھکیل کر اٹھ گئی، یہ جانے بغیر کہ جہان کو اس کے اس اقدام نے بھی پریشانی میں مبتلا کیا ہے۔

☆☆☆

اسے اک سلطنت اک راجد ہانی چاہیے تھی
 محبت میں بھی اس کو حکمرانی چاہیے تھی
 پھڑنے کا وہ پہلے سے تہیہ کر چکا تھا
 اسے میری طرف سے بدگمانی چاہیے تھی
 وہ پھر سے امتحاں پہ امتحاں لینے لگا ہے
 ہمیں اس عمر میں آگ مہربانی چاہیے تھی
 ادا مجھ کو فقط تھا سرسری کردار کرنا
 اسے شہرت کی خاطر اک کہانی چاہیے تھی

وہ واپس گھر لوٹی تو باہر موجود گرمی سے ہی نہیں اندر جلتی آگ سے بھی جل اٹھی تھی، آنکھوں میں جلتے آنسوؤں کو اس نے کتنی مشکلوں سے جہان اور ماما کے سامنے رو کے رکھا تھا اور کس اذیت سے گزری تھی یہ بس وہی جانتی تھی یا پھر اس کا خدا، یہ نہیں اتنا کچھ ہو جانے کے یاد جو وہ معاذ کی طرف سے خوش گمان کیوں رہتی تھی، کسی نئے دمچکے کے لئے خود کو تیار کیوں نہ کر پاتی تھی، اس نے بہت زنج ہو کر برستی آنکھوں کے ساتھ سوچا تھا وہ تھا ایسا، فکرٹ بھی بد کردار بھی اور بے باک بھی، پھر وہ کیوں سمجھتی نہیں کر لیتی تھی، اب اگر اسے کسی لڑکی کے ساتھ ریسٹورنٹ میں بیٹھے دیکھ لیا تھا جو اس پر کیسے گری جا رہی تھی جیسے کود میں سوار ہونے کا اندھوں پر چڑھ جانے کو بے تاب ہو، اس کی اتنی بے تکلفی کے جواب میں اگر معاذ کے ہونٹوں پہ مسکراہٹ تھی تو کیا عجیب تھا، کچھ بھی نہیں پھر وہ اتنی ہرٹ کیوں ہو رہی تھی جبکہ وہ اسے نیلما کے ساتھ بھی بے تکلفی کی حدوں کو پھلانگتے دیکھ چکی تھی مگر پھر بھی اس کا طیش تھا بے بسی تھی کہ کسی طور پر قرار پاتی تھی، معاذ کے رات گئے لوٹنے تک وہ گویا جلتے پیر کی بی بی بنی اس کے انتظار میں رہتی تھی معاذ اندر آیا تو اسی وقت وہ بہت تھک کر بیٹھی تھی اور جھکے سر کے ساتھ اپنے پیروں میں اتاری سوزش کو دیکھ رہی تھی، معاذ نے اسے نظر انداز کیے اپنے معمول کے کام پھانٹے تھے، پہنچ کرنے کے بعد اس نے قدرے دھیان سے اسے دیکھا تھا۔

”کیا ابھی کوئی گنجائش ہے؟“ اس کا لہجہ کاٹ دار طنز سمونے مگر نا فہم تھا، پر نیاں نے بے دردی سے سر اٹھایا، گویا سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

کرنے سے بھی روک نہیں سکا تھا۔

”کل میرے ساتھ ڈاکٹر کے پاس چلنا، میرا خیال ہے کہ تم پریکٹس ہو۔“ جہان نے اس کے بالوں کی موٹی ٹی لٹ کو اپنی انگشت پہ لپیٹتے ہوئے کہا تو ڈالے کی رنگت بے اختیار متغیر ہو اٹھی فوری طور پہ اسے بالکل نہیں سوچا کہ وہ جہان کی بات کا کیا جواب دے، اس کے اندر تو ڈاکٹر کے پاس جانے کے احساس نے ہی سرسراہٹ بھردی تھی۔

”آپ بھی پتہ نہیں کیسی کسی باتیں سوچتے لگے ہیں شاہ! ایسا کچھ نہیں ہے میں بالکل ٹھیک ٹھاک ہوں۔“

”ٹھیک ٹھاک ہی ہو، میں نے کب کچھ کہا ہے، یا برس ہماری فیملی میں بھی اضافہ ہونے والا ہے۔“ جہان ہنسا تو ڈالے کے دل سے ہوک سی اٹھی تھی، ان کی شادی کو کتنے مہینے ہو گئے تھے مگر ابھی تک اسے ایسی کوئی خوشخبری نہیں ملی تھی اور وقت تھا کہ ریت کی طرح اس کی مٹھی سے پھسلا جا رہا تھا، شاید ماما کے ساتھ اس کی بھی یہ خواہش یونہی تشوہہ جانی تھی جو جہان سے وابستہ ہونے کے بعد دل میں گھر کر گئی تھی۔

”شاہ! فاطمہ کتنی پیاری ہے نا؟“ ڈالے نے محض اس کا ذہن بٹانے کو ہی گفتگو کا رخ پلٹا تھا، جہان نے چائے کا سیب لیتے ہوئے مسکرا کر سوئی ہوئی فاطمہ کا معصوم اور پیارا سا چہرہ دیکھا۔

”ہاں یہ بالکل زینب پہ گئی ہے، وہ بھی ایسی ہی تھی، اتنی ہی نازک اسی کی طرح کیوٹ اور چارمنگ۔“ جہان کا لہجہ جیسے خواب آسا ہو گیا، وہ ماحول سے کٹ کر جیسے بہت پیچھے چلا گیا تھا، مکمل طور پہ زینب کی ذات میں گم، ڈالے نے ایک نظر اسے دیکھا پھر آہستگی سے سر جھکا لیا، اس کے پاس کہنے کے لئے اور کچھ بھی نہیں رہ گیا تھا۔

☆☆☆

”زینب نہیں آئی ناشتہ کے لئے؟“ معاذ کف لنگس بند کرتا ہوا ڈائیننگ ہال میں آیا تو ایک ہی نگاہ کے جائزے میں زینب کی کمی محسوس کر کے استفسار کیا تھا، آج کل اسے سب سے زیادہ زینب کی فکر اور خیال رہتا تھا۔

”بیٹھ جاؤ بیٹھے! ماما یہ بلانے کی ہے زینبی کو۔“ ماما نے اسے اٹنے قدموں پلٹتے دیکھ کر ٹوکا تھا، معاذ نے کچھ سوچا پھر کرسی کھینٹ کر بیٹھ گیا، اسی بل پر نیاں ٹرائی کھینٹتی ہوئی اندر آئی تھی اور ٹیبل کے قریب آ کر ناشتے کے لوازمات چننے لگی، اس کے ڈیلیوری کے دن قریب قریب تھے، پھر ابھر اساد جو دار اور چہرے پہ جیسے ساری دنیا کا حسن سمٹ کر بیٹھا کر چکا تھا، اتنی حسین تو شاید وہ کبھی بھی نہیں تھی جتنی آج کل آ کر لگنے لگی تھی، ڈھیلے ڈھالے لباس اور بڑی سی چادر میں ہمہ وقت اس سلیقے سے چھپی کہ بغور دیکھنے پہ ہی اس کی اس پوزیشن کا احساس کیا جاسکتا تھا۔

”بیٹے اب آپ بیٹھ جاؤ تھک جاؤ گی۔“ ماما نے اسے پھر کسی کام سے باہر جاتے دیکھا تو بے اختیار ٹوکا۔

”نہیں کیا ضرورت ہے بیٹھنے کی، ساری دنیا کا نظام انہی کے کندھوں پہ تو سوار ہو کر چل رہا ہے۔“ معاذ نے آف موڈ کے ساتھ کہتے چائے کا کپ زور سے ساسر میں پٹا اس طرح کہ کپ اور ساسر دونوں

”کھانا لایا میں کسی اور کو ہوں؟“ وہ سخت جھنجھلا ہوا نظر آ رہا تھا، پر نیاں کے گمان تک نہ تھا، وہ اب تک بھوکا پھر رہا ہوگا، گھر اسلس بھرتے وہ اٹھی تھی اور کچن کی جانب آگئی۔

”چائے لیں گے یا کافی؟“ دس منٹ بعد وہ اس کے سامنے کھانے کی ٹرے رکھتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔

”کچھ نہیں، مجھے سونا ہے۔“ وہ کھانے میں مگن رہ کر رکھائی سے بولا۔

”کل کالج جارے ہیں آپ؟“ پر نیاں کے سوال نے معاذ کو سر اٹھانے اور اسے تسخرا نہ نظروں سے دیکھنے پہ مجبور کیا تھا۔

”ظاہر ہے، روزہ تمہارے گھنٹے سے لگ کر بیٹھنے کی عادت نہیں ہے میری۔“

”میرے گھنٹے سے لگ کر بیٹھنے کی ضرورت ہی کیا ہے جب وہاں آپ کو ایسی بہت ساری میسر آ جاتی ہیں۔“ جو اب پر نیاں کا لہجہ بھی زہر آلود تھا، پانی کے گلاس کو اٹھاتا معاذ کا ہاتھ اسی زوایے پہ ساکن رہ گیا۔

اس نے چونک کر جیکھی نظروں سے پر نیاں کو دیکھا جس کے چہرے پہ برہمی تھی، یہ پہلا موقع تھا کہ اس نے ایسی کسی بات پہ براہ راست طعنہ زنی کی تھی اور اپنی ناگواری جتلائی تھی، معاذ کو عجیب سے احساس نے گھیر لیا۔

”تو یہ تھی آپ کی اہم میٹنگ کی وجہ..... شرم تو نہیں آتی ہوگی آپ کو؟“

”شٹ اپ، تم کیا بکواس کر رہی ہو اندازہ ہے تمہیں؟“ وہ دھاڑا اٹھا تھا، پر نیاں نے دہک جانے والی نظروں سے اسے دیکھا۔

”ایک بات یاد رکھیے گا معاذ اب بھی اگر آپ اپنے ان فضول کارناموں سے باز نہیں آئے تو میں ماما کو آپ کی ساری حرکتیں کھول کر بتا دوں گی۔“ وہ پھٹ پڑی تھی، معاذ ایک جھکے سے اٹھا اور اس کے نزدیک آئے ہی اس کا ہاتھ بہت جارحانہ انداز میں پکڑ کر بے دردی سے اپنی جانب کھینچا۔

”کیا حرکتیں ہیں میری؟ بکو۔“ اپنی سرد نظریں اس کی آنکھوں میں گاڑتے ہوئے وہ زور سے پھکارا تھا مگر وہ ہرگز خائف نہیں ہوئی۔

”آج ساڑھے تین بجے سپر اسٹار ہوٹل میں گلاس وال کی ٹیمیل پہ آپ نہیں تھے مگر جائیں، وہ لڑکی کون تھی جس کی گھٹیا اداؤں پر مر مٹ رہے تھے آپ، آج کے بعد آپ کالج نہیں جائیں گے سنا آپ نے۔“ وہ جواباً اس سے بڑھ کر زور سے چیخی تو معاذ نے طیش سے پھرتے ہوئے بے اختیار اس کے منہ

پہ زوردار تھپڑ دے مارا تھا، پر نیاں ایک دم سنانے میں گھر گئی تھی، شاید اسے معاذ سے اس درجہ ڈھٹائی کی ہرگز امید نہیں تھی۔

”ہاں وہ میں تھا، کیوں مکروں، تم سے ڈرتا نہیں ہوں، کر لو جو کر سکتی ہو اور کالج جانے پہ پابندی لگانے والی تم کون ہوتی ہو؟ اوقات کیا ہے تمہاری میرے نزدیک، وہ تم پہ میں بہت اچھی طرح ثابت کر چکا ہوں۔“ اس کی آنکھوں میں کسی درجہ شدید نفرت اور کٹی تھی، پر نیاں سکتے زدہ سی اسے دیکھتی رہی، وہ تھیک ہی کہہ رہا تھا، کیا اوقات تھی بھلا اس کی، وہ تو ایک ٹشو پیپر سے بھی حقیر تھی، اسے بھی وقت ضرورت دوسری مرتبہ استعمال کیا جاسکتا ہے مگر معاذ نے تو..... اس سے آگے اس کی سوچیں تک جامد ہو گئی تھیں،

اس رات وہ نہ روئی نہ تڑپی بس اس سکتے کی کیفیت میں رہی تھی، شاید واضح اور قطعی انداز میں یاد دلائی گئی اوقات اسے دکھ سے نجد کر گئی تھی۔

☆☆☆

اندھیری رات میں شمع جلانا بھول جاتے ہو ہماری یاد آتی ہے بتانا بھول جاتے ہو تمہاری اک یہی عادت پریشان ہم کو رکھتی ہے نظر میں آ تو جاتے ہو سانا بھول جاتے ہو تمہارے ہاتھ میں اکثر گلابی پھول دیکھا ہے ہماری راہ میں اکثر بچھانا بھول جاتے ہو تمہیں تو لوٹ جانے کی ہی اکثر فکر رہتی ہے مگر جب لوٹ جاتے ہو تو آنا بھول جاتے ہو سنا ہے تم بھینٹیلی پر ہمارا نام لکھتے ہو مگر جب ہم سے ملتے ہو دکھانا بھول جاتے ہو

تیور کی بھیجی پہ غزل اس نے سرسری نگاہ سے پڑھی اور اگلے لمحے انگلی کی جنبش سے اسے ڈیلیٹ کر دیا تھا، اسے قطعی سمجھ نہیں آتی تھی تیور اب اس طرح اس کے پیچھے پھر سے کیوں پڑ گیا تھا، وہ اسے کھل کر بتا سکتی تھی کہ اسے کتنی شدید نفرت ہے اس سے مگر وہ یہ بتانے سے خائف تھی، وہ اس کی پاؤں اور ابروؤں سے خائف تھی، وہ کینہ پرور منتقم مزاج تھا پتہ نہیں اس کے جواب میں کیا کر گزرتا جبکہ زینب اب شاہ ہاؤس کے مکینوں کو اپنی وجہ سے کسی اور آزمائش میں مبتلا نہیں کرنا چاہتی تھی، جیسی اس نے اس کی جانب سے کھل چپ سادھ لی تھی۔

(زینب اگر آج بھی تم مجھ سے نہ ملیں تو میں لازماً کچھ کر گزروں گا)، زینب نے اس کے فون کو انور کیا تو تیور نے سچ بھیج دیا تھا، وہ سخت کبیدہ خاطر ہو رہی تھی جب اچانک دروازہ کھلا اور بھابھی کی پریشان کن صورت نظر آئی تھی۔

”زینی نیچے آؤ جلدی۔“

”بھابھی خیریت؟“ وہ یکتخت حراساں نظر آنے لگی۔

”فاطمہ کو چوٹ لگ گئی ہے، حسان ڈاکٹر کے پاس لے جا رہا ہے مگر تمہیں ساتھ تو ہونا چاہیے، ماما بھی گھر پہ نہیں ہیں۔“ بھابھی کی بات نے اس کے ہاتھ پیر پھلا دیئے تھے، وہ حواس باختہ سی نیچے آئی تو فاطمہ کی پیشانی سے بہتے خون نے اس کی گھبراہٹ دو چہرہ کر دی۔

”کیا ہوا ہے اسے؟ کیسے چوٹ لگی؟“ وہ اپنے دوپٹے سے ہی بچی کی پیشانی کا خون صاف کرتی روکھی ہو کر بولی تھی۔

”مار یہ کھلا رہی تھی، جانے کیسے چھوٹ کر نیچے گر گئی۔“

”آئیں آپنی گاڑی اشارٹ ہے۔“ حسان تجلت میں اندر آیا تھا، زینب جلدی سے اس کے پیچھے

زینب، مجھ سے رشتہ اور تعلق ختم ہوا ہے تمہارا مگر نفرت اور جی نہیں۔

☆☆☆

حسان کے ذریعے یہ بات گھر کے بڑوں تک جا پہنچی تھی اور شاہ ہاؤس میں ایک بار پھر گہری تشویش اور اضطراب در آیا، زیادہ معاذ سے یہ بات خصوصیت سے چھپائی گئی تھی ورنہ شاید وہ تو تیمور کو ٹل کر دینے کے درپے ہو جاتے۔

”اب کیا ہوگا؟ اس خبیث سے کچھ بعید نہیں وہ اس سے بہت اگلے اقدام بھی اسی نے غیرتی سے کر سکتا ہے؟“ ماما کے آنسو ایک بار پھر اختیار کھو چکے تھے، صورتحال اس درجہ گہیر تھی کہ پاپا کو بھی کوئی راہ بھائی نہیں دے رہی تھی، ماما جان کا حوصلہ بنا بھی ماما کے آنسوؤں کو نہیں روک رہا تھا۔

”اس کا ایک ہی حل ہے، ہمیں فوری کوئی مناسب رشتہ دیکھ کر زینب کا نکاح کر دینا چاہیے۔“ بہت دیر کے بعد پاپا بولے تھے اور جو تجویز سامنے رکھی اس نے وہاں موجود سب لوگوں کے چہروں پہ گہیر سنجیدگی کے ساتھ دکھ کی سیاہی بھی بکھیر دی تھی۔

”ایسا مناسب رشتہ کہاں سے ملے گا، معاذ اسی دن سے اس کوشش میں ہے، مجھے تسلی سے لواز ا تھا مگر اب جب بھی میں اس سے سوال کرتی ہوں نظریں چرانا شروع کر دیتا ہے، مطلب واضح ہے، وہ ناکام ہے اس تلاش میں، پھر اب جو گہیر صورتحال ہے اس کے بعد تو اور بھی احتیاط کی ضرورت ہے، وہ خبیث آدمی تو دوبارہ اس کا گھر برباد کرنے میں کسر نہیں اٹھا رکھے گا، ایسا کون سا اعلیٰ ظرف مرد ہوگا جو یہ سب کچھ جان لے اور پھر اس کے بعد تیمور کا سامنا بھی اسی جی داری سے کرے، آپ مان لیں احسان اب ایسا ممکن نہیں رہا۔“ ماما زار و قطار روتے ہوئے بولی تھیں، صورتحال کی مایوس کن حالت نے انہیں اس درجہ زردورنچ کیا تھا کہ آج کل بات بات پہ یونہی ضبط کھودتی تھیں۔

”شائستہ خود کو سنبھالو بیٹا! اللہ نے چاہا تو سنب ٹھیک ہو جائے گا، جہاں ہے نا، ہم زینب کا عقد اس سے کریں گے، انشا اللہ سارے مسائل حل ہو جائیں گے۔“ پاپا جان نے پہلے اٹھ کر ماما کے سر کو پیار سے تھپک کر تسلی دی، پھر پاپا سے مخاطب ہو کر زندگی میں پہلی بار چھوٹے بھائی کی موجودگی میں خود کو فیصلہ کیا تھا، ورنہ انہیں ہمیشہ خود سے زیادہ اپنے بھائی کی فہم و فراست پہ یقین رہا تھا، مگر یہ صورتحال ایسی تھی کہ وہ جانتے تھے جو کچھ زینب نے جہاں کے ساتھ کیا تھا، اب احسان اس پوزیشن میں نہیں رہے تھے کہ اس کے بعد اس قسم کا کوئی ایکشن لیتے، ان کے اس ایک ایسی سٹے فیصلے کے بعد کمرے میں یکتخت سناٹا چھا گیا، جہاں ماما حیران اور ششدر تھیں وہاں پاپا مضطرب اور بے چین البتہ جنید بھائی پاپا جان اور ماما جان بے حد مطمئن نظر آ رہے تھے۔

”نہیں بھائی جان، اب ایسا ہرگز نہیں ہوگا، جہاں شادی کر چکا ہے، وہ بچی مجھے اپنی بیٹی کی طرح ہی عزیز ہے، میں اس کے ساتھ ہرگز کوئی زیادتی نہیں ہونے دوں گا۔“ ماما پاپا نے اپنی خاموشی توڑی تھی اور بھائی کے پہلے فیصلے سے ٹکرا گئے تھے، پاپا جان نے کسی قدر ناراضگی سے انہیں دیکھا تھا۔

”زیادتی کیسے؟ مجھے جہاں کی فہم و فراست پہ پورا بھروسہ ہے، جیسی جنید کی بجائے اس کا نام لیا، ورنہ اس گھر کے تمام مردوں میں سے یہی دو مرد ہیں جن سے زینب کا نکاح جائز ہے، جہاں ماشا اللہ سے

لگی، ڈالے فاطمہ کا فیڈر لئے پیچھے بھاگی آئی تھی، سارے رستے زینب کی پریشانی دیدنی تھی، قریب کلینک سے مرہم بچی کراہتے ڈاکٹر سے دوا لیتے زینب کو اتنی پریشانی کے باوجود بار بار محسوس ہوا وہ کسی کی گہری اور پریشانی نگاہوں کے حصار میں گہری ہے مگر اس وقت اس کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا تھا جب اچانک جانے کسی کو نے سے نکل کر تیمور خان نے اس کی راہ روک لی تھی۔

”کیسی ہوزی؟“ اس کے لہجے میں لہک اور شدت کے ساتھ بے مبری تھی اور نظریں..... آف زینب کا بس نہیں چلا تھا ان غلط نظروں کی پہنچ سے کہیں دور جا چھے، وہ بے اختیار نہ صرف خود میں سمٹی بلکہ فاطمہ کو سینے سے پیچ کر خونزدگی کے عالم میں حسان کی آڑ میں ہوتی تھی جو اس افتاد پہ کسی قدر بوکھلاہٹ کا شکار ہوا تھا۔

”تم وہاں بیٹھ کر چند لمحوں کو میری بات سن لو گی؟“ تیمور موچھوں کو ٹل دیتے ہوئے حکمانہ انداز میں بولا تو تب سے چکرائے ہوئے حسان کو پیش نے آن لیا تھا۔

”سٹ اپ، اینڈ نا ڈیکٹ لاسٹ فراہم ہیر، چلیں آپا گاڑی میں بیٹھیں۔“ وہ زور سے چلایا تھا پھر سہی ہوئی ہرنی کی طرح نظر آتی زینب کی کلائی پکڑ کر مضبوط لہجے میں بولا تو تیمور نے ناگواری و پیش میں جھٹلا ہو کر اسے تنفر بھری نظروں سے دیکھا تھا۔

”اوائے چوٹے، اوقات سے باہر نہ نکل، ایک لمحے کی تاخیر کے بغیر مسل کر رکھ دوں گا تمہیں۔“ اس کے لہجے کی گھن گرج اور پھنکار نے زینب کو دہلا کر رکھ دیا تھا، اس نے نق ہوتے چہرے کے ساتھ پہلے تیمور کو پھر حسان کو دیکھا جو تیمور کی بات سن کر غصے کی زیادتی سے لال بھسوکا چہرے لئے کھڑا تھا۔

”چلو حسان یہاں سے، ہمیں کوئی ضرورت نہیں کسی سے جھگڑا مول لینے کی۔“ معاذ زینب نے خود کو سنبھال کر حسان کو تقریباً اپنے ساتھ کھینچا مگر تیمور نے بل کھاتے ہوئے تلملا کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا تھا۔

”جو میں نے تم سے کہا ہے، وہ نہیں سنا تم نے؟“ زینب کو گھورتے ہوئے وہ زور سے چیخا، زینب کی جان ہوا ہو کر رہ گئی، یہ پر رونق علاقہ تھا اس پاس لوگوں کی آمد و رفت تھی اس مفت کے تماشے کی وہ ہرگز تحمل نہیں ہو سکتی تھی۔

”تمہارے ساتھ میرا اب اس قسم کی زور زبردستی کا کوئی تعلق نہیں رہا ہے تیمور اس بات کو یاد رکھ کرو۔“ ایک جھٹکے سے اپنا ہاتھ چھڑا کر وہ جتلانے والے ناگوار انداز میں بولی تھی، بچی جو اس کے کانڈھ سے سر نکالے سوچتی تھی ایک بار پھر اٹھ کر رونے لگی، زینب نے اسے نرمی سے تھپکا تھا پھر حسان کو دیکھا۔

”چلو حسان!“

”ایک بات یاد رکھنا زینب میں تم سے اتنی آسانی سے دستبردار نہیں ہوں گا۔“ آگے بڑھتی زینب سے مخاطب کر کے اس نے جتلانے والے انداز میں کہا تھا، زینب کے مضبوط قدموں میں لہو بھر کو لڑکھڑاہٹ اتری تھی مگر اگلے لمحے وہ پلٹ کر دیکھے بغیر گاڑی میں جا بیٹھی تھی، تیمور اڑتی دھول کو دیکھتا موچھیں مڑا رہا۔

(میرا یہاں اپنے کام سے آنا بھی بے کار نہیں گیا، میں کبھی تمہیں سکون سے جینے نہیں دوں

دو بیویوں میں توازن قائم رکھ سکتا ہے۔

”جی بالکل اور میں نے تو نرنب کو ہمیشہ چھوٹی بہن کی نظر سے ہی دیکھا ہے۔“ جنید بھائی نے فوراً اپنی پوزیشن کلیئر کی، ماما جان پوری طرح شوہر سے متفق نظر آ رہی تھیں البتہ ماما کی حیرانی کی جگہ اب اطمینان لے چکا تھا، گویا وہ پنا جان کے فیصلے سے مطمئن ہوئی تھیں جو پاپا کے نزدیک بے حسی ہی تھی۔

”آپ سمجھ نہیں رہے ہیں بھائی جان از نرنب نے پہلے خود انکار کیا تھا جہاں کو، مجھے تو آج تک اس وقت کی شرمندگی نہیں بھولی، پھر اب نئے سرے سے.....“ پاپا بڑی طرح سے زنج ہو کر بولے تھے، پاپا جان نے نرمی و آہستگی کے ساتھ نہیں بندھوں سے تمام لیا۔

”وہ اس وقت بچی کی نادانی تھی، جہاں ہرگز نادان نہیں ہے، ہمارا اپنا بچہ ہے، ہماری مشکل اور پریشانی کو وہ کیوں نہیں سمجھے گا بھلا؟“

”لیکن بھائی جان اس وقت جہاں کی بہت انسٹلٹ.....“

”اس وقت کو بھول جاؤ احسان، آج کو یاد رکھو، میں خود جہاں سے بات کروں گا، یہ میرا معاملہ ہے، اب تم کچھ نہیں بولو گے۔“ پاپا جان نے قطعی لہجے میں کہا تو پاپا نے ہونٹ پیچنے لگے تھے۔

”اس مسئلے کا اس سے بہتر حل اور کوئی نہیں ہے، احسان اگر بے توتیادہ، میں اپنا فیصلہ ہٹالوں گا۔“ پاپا جان نے ان کی آڑ روگی کو دیکھتے ہوئے رسائیت سے کہا تو پاپا نے نم آنکھوں سے محض ایک نظر انہیں دیکھا تھا اور سر جھکا لیا تھا۔

”دل پہ کسی قسم کا بوجھ لینے کی ضرورت نہیں ہے، اللہ نے چاہا تو سب ٹھیک ہو جائے گا۔“ پاپا جان نے چھوٹے بھائی کو پیار سے ساتھ لگا کر تھکا تو بہت خاموشی سے ان کی آنکھ سے آنسو بہہ نکلے تھے، بے بسی لا چاری عم اور اپنی شکست کے منظر پہ آنسو ان کے بڑے بھائی نے محبت سے سمیٹ لئے تھے۔

☆☆☆

اس نے جھک کر بیگ میں اپنا آخری سوٹ رکھا اور زپ بند کر کے سیدھی ہوئی تو سانس اتنی سی مشقت سے ہی پھول گئی تھی، اس نے جوڑے میں بندھے بالوں کو کھول کر انہیں برش سے سلجھایا، گاؤں جانے کی اجازت ماما سے اسے بڑی مشکل ملی تھی، وہ بھی اس صورت کہ وہ محض ایک دن میں ہی کام نپے کر داپس آنے کی کوشش کرے گی، روٹی کی دھاندلیوں کی داستان طویل تھی اور پریناں نے یہ کام جہاں کے سپرد کر دیا تھا، جہاں کی کوششوں کا یہ نتیجہ تھا کہ ان کی حویلی اب اسکول میں ڈھلنے جا رہی تھی، اس کام میں پریناں کی موجودگی ضروری تھی، کچھ اہم معاملات کی انجام دہی کو اسے وہاں جانا تھا جسے وہ بہر حال ڈیپوری کے بعد یہ بھی نہیں ٹال سکتی تھی، جیسی نا چاہتے ہوئے ماما کو اسے اجازت دینی پڑی تھی تو وجہ پاپا کی فورسگی، جنہوں نے ماما کی تشویش کے جواب میں قطعی انداز کو اپناتے ہوئے کہا تھا۔

”پریناں کو اپنے بیٹے کی ہی پابند کرنے کی ضرورت نہیں ہے بیگم صاحبہ، محترم کے جو عزائم اور حرکتیں ہیں ان سے میں تو کسی خوش فہمی کا شکار نہیں ہوں، پریناں اپنے پیر مضبوط کرنا چاہتی ہے اسے ایسا کرنے سے مت روکیں، نرنب کے بعد مجھے پریناں کی ہی سب سے زیادہ فکر رہتی ہے تو اس کی وجہ آپ کے بیٹے کی نا اہلی اور لاپرواہی ہے۔“ تب ماما کو خاموش ہو جانا پڑا تھا، یہ حقیقت تھی کہ معاذ کا رویہ شدید تھا

اور وہ پریناں پر ہر ستم آزار ہا تھا، ماما جیسے ہاری گئی تھیں اس معاملے کو سدھارتے۔

”ڈراؤ دھیان سے کرنا بیٹے اور کوشش کرنا آج نہیں تو کل لازماً داپس آ جاؤ، بچی کی طبیعت ٹھیک نہیں مگر یہ معاملہ بھی اہم ہے، ورنہ یہ حالت ہرگز اتنے لمبے سفر کے لئے مناسب نہیں۔“ ماما جہاں کو تاکید کر رہی تھیں جب اپنے دھیان میں معاذ وہاں آیا تھا، ماما کی آخری بات پہ چونکا۔

”کون کہاں جا رہا ہے؟“

”پریناں جا رہی ہے اپنے گاؤں؟“ ماما نے طوعاً و کرہاً ہی جواب دیا تھا۔

”کیوں؟“ اس کی پیشانی پہ لاتعدادا بل پڑ گئے۔

”کام ہے ضروری۔“ ماما کا لہجہ ہنوز تھا، اس نے بھڑک اٹھنے والے انداز میں انہیں دیکھا۔

”آپ کو پتہ ہے نا مجھے اس کا یوں منہ اٹھا کر ہر جگہ چل پڑنا پسند نہیں۔“

”آپ کو تو وہ خود بھی پسند نہیں، اب کیا کیا جاسکتا ہے۔“ ماما نے سرد آہ بھری تھی، لہجہ دکھ کی شدت سے بھینچا ہوا تھا، معاذ نے چونک کر انہیں دیکھا اور اگلے لمحے کسی سوچ نے اس کی آنکھیں سلگا ڈالی تھیں۔

”میں اچھی طرح جانتا ہوں وہ آپ کے کان بھرتی رہتی ہے میرے خلاف، مگر اس وقت آپ اسے صرف یہ بتائیں کہ گھر سے قدم نکالنے کی ضرورت نہیں ہے۔“ وہ پھنکار کر بولا تو ماما کو بھی غصہ آ گیا تھا۔

”آرام سے بیٹھے رہو معاذ، اس پہ پابندیاں لگانے کی ضرورت نہیں سمجھے۔“

”کیا مطلب ہے آپ کا اس بات سے؟ آپ نہیں کہہ رہی تو میں خود کہہ دیتا ہوں اس سے۔“ وہ

ایک جھٹکے سے مڑا اور ماما کے پکارنے کے باوجود نہیں رکا تھا، ٹھوکر سے دروازہ کھلنے کی آواز پہ پریناں جو

چادر اوڑھ رہی تھی حیرانی سے مڑی اسے لال بھبھو کا چہرے کے ساتھ اندر آتے دیکھ کر بھی نظر انداز کر

کے اپنے کام میں مشغول ہو گئی تو معاذ تن فن کرتا ہوا اس کے سر پہ آ کر چڑھا تھا۔

”کہاں جا رہی ہو تم؟“

”اپنے گاؤں۔“ پریناں نے مختصر جواب دے کر جھک کر بیگ اٹھانا چاہا تو معاذ نے زوردار ٹھوکر

سے اڑا کر بیگ دور اچھال دیا تھا۔

”مجھ سے پوچھا تھا تم نے؟ ہاؤ ڈیر یو۔“ اس کی آنکھیں لہورنگ ہو رہی تھیں، پریناں کے اعصاب

کو جھٹکا لگا۔

”آپ جو کچھ کرتے پھر رہے ہیں مجھ سے اجازت لے کر کرتے ہیں؟“ وہ جواباً تلخی سے بولی تو

معاذ کا ہاتھ ایک بار پھر اس پر اٹھ گیا تھا، وہ اتنا ہی شدید پیش اور جھنجھلاہٹ میں مبتلا تھا کہ اپنی اس خالی

کا اسے احساس تک نہ تھا، حالانکہ بھی وہ عورت پہ ہاتھ اٹھانے کو سراسر بزدلی گردانا کرتا تھا، پریناں مل کر

رہ گئی، گال پہ ہاتھ رکھے آنکھوں میں آنسو لئے وہ سن کھڑی تھی، اسے اپنی بے ماسگی کا ایک بار پھر بہت

اچھی طرح سے اندازہ ہوا تھا کہ وہ قدم قدم پہ اسے یوں ذلیل کرنے پہ تل گیا تھا۔

”کہیں نہیں جاؤ گی تم، ڈرا اپنے حلیے پہ دھیان دے لیا کرو پہلے۔“ معاذ کا لہجہ صرف سرد نہیں تھا

طنز یہ بھی تھا، پر نیاں کے وجود پہ چھایا سناٹا ایک چھناکے سے ٹوٹا تو اس کی جگہ طیش اور جہان نے لے لی۔

”میں جاؤں گی، آپ ہوتے کون ہیں مجھے روکنے والے۔“ وہ حلق کے بل چیختی تھی اور اسے اپنے سامنے سے دھکیل کر سرعت سے دروازے کی جانب دوڑی تھی کہ معاذ نے ایک دم سے اسے بے دردی سے دبوچ لیا۔

”میں کون ہوتا ہوں؟ نکاح نامے پہ سائن کرتے ہو، جو بات تمہیں اپنے ددا سے پوچھنی چاہیے تھی جنہوں نے تمہیں میرے سپرد کیا تھا۔“

”مجھے آپ کے ساتھ نہیں رہنا، اب مجھے ہر صورت یہاں سے جانا ہے۔“ پر نیاں جیسے اس کی بات سنی ہی نہیں تھی، اس کی گرفت میں چل کر شدتوں سے چلائی۔

”جانا چاہتی ہو یہاں سے، اوکے فائن جاؤ، لیکن یاد رکھنا اب اگر تم نے اس وقت اس گھر کی دلہیز پارکی تو میرا تم سے ہر رشتہ ختم، جاؤ چلی جاؤ، بلکہ نہیں میں خود چھوڑ کر آتا ہوں۔“ معاذ جیسے حواسوں میں نہیں رہا تھا، جبکہ پر نیاں کی تو ساری توانائیاں اس کے الفاظ نے نچوڑ لی تھیں، وہ بے اختیار بے بسی کے شدید احساس سمت رو پڑی مگر معاذ نے اس کی مزاحمت کو سرے سے نظر انداز کر دیا تھا اور یونہی کھینچے ہوئے کمرے سے نکال کر میزٹیوں سے نیچے پھینچ کر لایا تھا، پر نیاں کی سسکیاں بے بسی کی انتہا پہ جا کر بلند چیخوں میں ڈھل گئی تھیں، وہ معاذ کی صرف سنت نہیں کر رہی تھی بلکہ اس سے معافی بھی مانگ رہی تھی مگر وہ تو جیسے کچھ سننے سمجھنے اور سوچنے کی صلاحیت سے ہی عاری ہو گیا تھا۔

”بہت شوق ہے نا تمہیں مجھ سے الگ ہونے کا، مجھ سے طلاق لینے کا، میں تمہارا یہ شوق پورا کر دیتا ہوں۔“ وہ پھینکار پھینکار کر کہہ رہا تھا، اس کی تلخ آواز اور پر نیاں کی خوفزدگی کے عالم میں نکلتی چیخوں پہ ہی سب حیران پریشان ہونے سے اپنی اپنی جگہ سے اٹھ کر وہاں بھاگے آئے تھے اور صورتحال کی غیر معمولی گیمبیرتانی ہر کسی کو ششدر کر کے رکھ دیا، زار و قطار روٹی ہوئی وحشت زدہ پر نیاں اور اسے زیر دست اپنے ساتھ تھسیٹ کر لانا ہوا معاذ جس کے چہرے کی خشونت برہمی اور الفاظ کی سنگینی نے سب سے پہلے مماغ کو حرکت میں آنے پہ مجبور کیا تھا، وہ آگے بڑھیں اور ایک زنانے کا پھنٹر معاذ کے منہ پہ دے مارا۔

”کیا بکواس کر رہے ہیں معاذ آپ کو اندازہ ہے؟ ارے ہم تو ابھی پہلے ہی دھچکے سے نہیں سنبھلے کہ تم پھر سے ہمیں اس طرح مار دینے کی خواہش مند ہو گئے ہو چھوڑ دو بچی کو، اور چلے جاؤ یہاں سے، معاذ آپ نے ہمیں زندہ درگور کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔“ مماغ پھوٹ پھوٹ کر روتے ہوئے کہہ رہی تھیں، معاذ ان کے پھنٹر اور پھر ان کے ہونٹوں سے نکلنے والے الفاظ پہ حق دق کھڑا رہ گیا تھا۔

توین خجالت سکی اور رنج نے اسے شق کر ڈالا تھا گویا، اس نے دھندلائی ہوئی نظروں سے مماغ کو دیکھا تھا اور کچھ دیر تک یونہی دیکھتا رہا، جو پر نیاں کو ساتھ لگائے اس کے ساتھ خود بھی رو رہی تھیں، باقی سب لوگ بھی اس کی بجائے مماغ اور پر نیاں کی سمت ہی متوجہ تھے، وہ ساکن کھڑا رہا تھا، پھر کچھ کہے بغیر ایک جھٹکے سے پلٹ کر باہر چلا گیا، کوئی بھی نہیں جانتا تھا کہ اس کے دل میں دماغ میں کیا ساگئی تھی۔

”یہاں حالات بہت کرہ شکل ہیں می! آپ سمجھیں تو سہی۔“ ڈالے فون پہ مسز آفریدی سے بات کرنے میں مصروف تھی اور خاص جھنجھلائی ہوئی تھی، وہ اسے ہر صورت لاہور بلا رہی تھیں تاکہ اسے ٹریٹمنٹ مل سکے۔

”مجھتی تم نہیں ہو مٹی، تمہاری زندگی اور موت کا معاملہ ہے اور تم لاہور ہی برت رہی ہو، جو بھی حالات ہیں تم فوراً یہاں پہنچو، ورنہ میں خود تمہیں لینے آ جاؤں گی۔“

”آپ ایسا کچھ نہیں کریں گی می، یہاں حالات بہت پریشان کن ہیں، میرا ایسی صورتحال میں آنا

ہرگز مناسب نہیں، پھر میں ٹھیک ہوں، ٹریٹمنٹ اتنا بھی ضروری نہیں ہے، حالات سنبھلیں گے تو آ جاؤں گی، یہاں کسی کو یہ علم نہیں ہے کہ میں بلڈ کنسر کے مرض میں مبتلا ہوں آپ کا یہاں آنا اس راز کو افشا کرنا ہوگا جو میں بہر حال نہیں چاہتی۔“

وہ ان کی کسی بات کے جواب میں بہت چڑ کر کہہ رہی تھی، اپنے دھیان میں اندر داخل ہوتے جہان نے اس کی اس آخری بات پہ ٹھنک کر ڈالے کو دیکھا جس کی نگاہ اسی لمحے اس پہ اٹھی تھی، اس کا رنگ جس طرح سے اڑا تھا اس نے جہان کی حیرت کو شدید ترین گھبراہٹ میں ڈھال دیا تھا۔

(جاری ہے)

ابن انشاء کی کتابیں

طنز و مزاح سفر نامے

- اردو کی آخری کتاب،
- آوارہ گرد کی ڈائری،
- دنیا گول ہے،
- ابن بطوطہ کے تعاقب میں،
- چلتے ہو تو چین کو چلئے،
- نگری نگری پھر مسافر،

شعری مجموعے

- چاند نگر
- اس بستی کے اک کوچے میں
- دل وحشی

لاہور اکیڈمی

۲۰۵ سرکڑ روڈ لاہور۔

نئی آنسو کی تہذیب

◇◇◇ ام مریم ◇◇◇

بتیسویں قسط کا خلاصہ

تیور صاحب کو نا چاہتے ہوئے بھی حویلی تو لے آتا ہے مگر اس کا رویہ اپنی بیٹی اور زینب کے ساتھ مزید تنگ آمیز اور شدید ہو چکا ہے، وہ اپنی سابقہ منگیتر سے بیٹے کی خواہش میں شادی کرتا ہے تو زینب گم سم ہو کر رہ جاتی ہے، مگر اصل افتاد اس پر اس وقت ٹوٹی ہے جب نئے میں تیور زینب کو طلاق دیتا ہے۔ پر نیایں کو معاذ ناراضگی کے اظہار کے طور پر اس کی حویلی چھوڑ آیا ہے مگر پھر ماما کی زبردست ڈانٹ کے بعد واپس بھی لانا پڑتا ہے۔

زینب کی طلاق کے باعث شاہ ماؤس کے مکیں شدید صدمے سے دوچار ہیں، ایسے میں تیور اپنی بد فطرت کو ظاہر کرتے ہوئے یہ ٹینشن مزید بڑھاتا ہے اور زینب سے ملنے کی کوشش کر کے معاملے کو گنہگار بنا دیتا ہے، ایسے میں پاپا جان حالات کی نزاکت کے پیش نظر اک فیصلہ کرتے ہیں، جہان سے زینب کے نکاح کا فیصلہ۔

جہان ڈالے کی بیماری کے متعلق جان کر خود کو فضا میں معلق محسوس کرتا ہے۔

بتیسویں قسط

اب آپ آگے پڑھیے



ٹالے سراسیمہ سی اسے دیکھتی اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔

”جائے لائی ہوں آپ کے لئے۔“ اس نے اپنی گھبراہٹ کا پورا پورا جیسے وہاں سے راہ فرار ڈھونڈ لی تھی، جہان نے ایک دم سے اس کی نکائی تمام کر اپنے مقابل کر لیا۔

”تم کہہ دو ڈالے ابھی جو تم نے کہا وہ جھوٹ تھا، سراسر جھوٹ۔“ اس کی آواز میں ہی نہیں آنکھوں میں بھی ایک وحشت سی سمٹ آئی تھی، کتنا پریشان نظر آ رہا تھا وہ، ڈالے اسے دیکھے گئی، ایک عجب سی ٹھنڈک انوکھا سکون اس کے اندر اتر گیا۔

”وہ سب جھوٹ تھا شاہ! سراسر جھوٹ۔“ اس کے چوڑے بچے سے سر نکلتے ہوئے وہ سرگوشی سے مشابہہ آواز میں بولی تو جہان نے بے اختیار اسے بانہوں میں بھر لیا غار۔

”مجھ سے جھوٹ مت بولو ڈالے پلیز۔“ وہ جیسے رو پڑا تھا، زندگی کے اس مقام پہ آ کر کیسا عجب انکشاف ہوا تھا، وہ اسے کھودنے کے خیال سے ہی پاگل ہونے لگا تھا۔

”کینسر لا علاج مرض تو نہیں ہے یا شاہ۔“ ڈالے نے بہت محبت سے کہتے اس کے سینے سے سر اٹھایا اور اس کے بالوں کو سہلا کر گویا اسے تسلی دینا چاہی جہان اسے دکھ سے بھری خوف سے چھلکی آنکھوں سے دیکھتا رہا تھا، پھر کچھ کہے بغیر اس کا ہاتھ پکڑا اور اپنے ساتھ لے آیا تھا، از سرے نو سارے ٹیسٹ

مرض کی تھکیں، ڈالے تھک سی گئی۔

”میرے پاس وقت بہت کم ہے شاہ!“ اس نے بالآخر اس کے سامنے جیسے کسی جرم کا اعتراف کر لیا، جہان کی آنکھوں میں کرب سمٹ آیا۔

”تم نے چھپایا کیوں مجھ سے؟“ جہان کو اس کے ساتھ روار کی جانے والی تمام بدسلوکی کے احساس نے بے چینی اور بے قراری میں جلا کیا تھا۔

”میں آپ کو دکھ نہیں دینا چاہتی تھی شاہ۔“ اس کے رمان سے کہنے پہ جہان کے اندر اذیت کا احساس گہرا ہو گیا۔

”اتنی محبت کرتی ہو مجھ سے؟“ اس کے سوال نے ڈالے کے ہونٹوں پر تھکی مامدی مسکان سجادی تھی۔

”یہ سوال نہ کریں پلیز شاہ۔“

”کیوں؟“ جہان کی نگاہوں میں ہزاروں سوال چل اٹھے تھے۔

”میرے پاس الفاظ نہیں کہ بتا سکوں مجھے آپ سے کتنی محبت ہے۔“ اس کے جواب نے جہان کو گنگ کر دیا تھا، اس نے جانے کس جذبے کے تحت ڈالے کو اپنے بازوؤں میں بھر کے بچھ لیا۔

(میں تمہیں مرنے نہیں دوں گا ڈالے، میں نے آج تک اپنے لئے اپنے اللہ سے کچھ نہیں مانگا، زینب کو بھی نہیں اس کے باوجود کہ وہ میری شدید خواہش تھی، اس دعا کے راستے میں حائل اس کی مرضی ہو گئی تھی جو میں نہیں تھا، مگر میں اب تمہیں اپنے لئے اللہ سے مانگوں گا، تمہیں کچھ نہیں ہوگا ڈالے اس کے باوجود کہ تمہاری بیماری آخری اسٹیج پہ ہے مگر میں اس سے مانگوں گا جس کے اختیار میں سب کچھ ہے۔)

☆☆☆

وہ رات گئے لوٹا تو بہت تھکا ہوا تھا، اسے ہرگز امید نہیں تھی کوئی اس کے انتظار میں جاگ بھی رہا ہو

کا، آج اس کی شوٹنگ لیٹ نائٹ تک جاری رہی تھی، وہ کبھی بھی رات کو شوٹ کرانے کے قائل نہیں تھا، مگر آج مجبوری تھی، ایک تو سین ہی رات کے تھے، دوسرا لاسٹ اپی سوڈ تھا سیریل کا اس کے ایک ہفتہ

بعد آن آئیر ہو جانا تھا، پچھلے کئی مہینوں سے وہ اسی کام کے سلسلے میں مصروف تھا اور وہ رات اس کی ہیروین ہی تھی جس کے ساتھ اس روز پر نیاں نے ہوٹل میں اسے دیکھا تھا، بیچاری بچے میں ہی نہیں سچ سچ بھی

اس پہ فدا ہو گئی تھی، جتنی حسین تھی اس سے بڑھ کر چھوڑی، معاذ ایک بچے کر کے ہی اس کام سے اکتا گیا تھا، حالانکہ جب اسے یہ آفر ہوئی تو وہ بالکل بھی سنجیدہ نہیں تھا مگر پھر پر نیاں کو جلانے کے لئے اس نے یہ

آفر قبول کر لی تھی، پر نیاں جو اپنی تمام تر بے اعتنائی ہٹ دھری اور تھکے ترشے پر نخوت انداز و اطوار کے ساتھ اس کے دل پہ حکمرانی کر رہی تھی، کتنا چاہا تھا وہ بھی اس کی طرح سے اسے اگتور کر دے غافل ہو

جائے اس سے مگر یہ جو دل تھا ہمیشہ آڑے آ جاتا تھا، یہ اس کی توجہ اور محبت کی ہی طلب کی شدید خواہش تھی کہ وہ اس کو زچ کرنے کو ہر وہ حربہ استعمال کر چکا تھا جس سے وہ مکمل جائے اس کی طرف جھک

آئے مگر وہ بہت ضدی تھی، یا شاید ضدی نہیں تھی، بس اسے معاذ سے محبت نہیں تھی، یہ خیال اتنا زور آور تھا اتنا پختہ کہ وہ ٹوٹ کر بکھرتا چلا گیا، اس نے ہر ہر زاویے سے پر نیاں کو پرکھا تھا، شاید وہ اس کے سامنے

اعتراف کر لیتی مگر اسے ہر طرح سے شکست کا سامنا کرنا پڑا، وہ صرف ایک بار اس کی سمت جھکی تھی ایک بار رجوع کیا تھا وہ بھی ماما کے کہنے پہ، اس نے جانا تو اس کے اندر آگ سلگ اٹھی، اسے یہ کپہروا تڑ نہیں

چاہیے تھا، وہ اتنا گیا گزرا تھا کہ وہ اس کے ساتھ سمجھوتے کی بنا پہ زندگی گزارتی، پھر جہاں لڑائی ہوتی وہاں وہ پھر سے بار بار اس کی سمت متوجہ ہوتا رہا تو اس خوش فہمی میں کہ شاید پر نیاں کو اس سے محبت ہو

جائے، مگر وہ گوشت پوست سے بنی بے حد حسین لڑکی تو کوئی پتھر تھی، سنگلاخ چٹان جس سے سر ٹکراتا وہ خود پاش پاش ہو رہا تھا، جیسی اس نے یہ کوشش ترک کی اور اسے پاش پاش کرنے کو اس پر ضرر نہیں لگانا

شروع کر دیں مگر وہ پتہ نہیں کس مٹی سے بنی تھی، اثر ہی نہ ہوتا، معاذ جیسے ہار گیا تھا تو خود ٹوٹ گیا، اس پہ

ماما کا اس دن کا انتہائی شدید رد عمل، ایک لمحے کو تو اس کا جی چاہا تھا اس شدید ذلت کے بعد خود کشی کر کے، پر نیاں نے اس سے ماما کو چھین کر اس کا دوسرا بڑا نقصان کیا تھا، وہ کہاں تک برداشت کرتا، مگر پھر اس

نے خود کو کپھوڑ کر لیا تھا، اب وہ میچور مرد تھا، وہ جذباتی سا نو عمر لڑکا نہیں تھا کہ ان باتوں پہ ڈس ہارٹ ہو کر ایسے قدم اٹھالیتا، جیسی اس نے گھر چھوڑ جانے کی شدید سوچ کو بھی جھٹک دیا البتہ وہ پہلے کی طرح

نہیں بول کر بات نہیں کر سکا تھا، اس کے اندر عجیب سے سنائے اتر آئے تھے، ماما کوشش کرتی تھیں پر نیاں سے اس کا سامنا کم سے کم ہو شاید یہ پر نیاں کی اپنی بھی خواہش تھی، معاذ کو اب ان باتوں سے فرق نہیں

پڑتا تھا، اس نے محسوس کرنا چھوڑ دیا کہ پر نیاں اس کی موجودگی میں کمرے میں آتی ہے یا نہیں، اسی وقت بھی وہ گاڑی پور ٹیکو میں روک کے سیڑھیاں چڑھ کر اندرونی حصے کی جانب آیا تو شاہ ہاؤس کے درو دیوار

پہ سناٹا طاری تھا، وہ اپنے وہیمان میں آگے بڑھتا ماما کی آواز پہ بے ساختہ ٹھٹک کر قہم گیا تھا۔

”معاذ! بیٹے اتنی دیر کیوں کر وی آئے میں آپ نے؟“ ماما سے ساکن کھڑے دیکھ کر خود اس کے قریب آگئی تھیں، لہجے کی نرمی و حلاوت میں شرمندگی کے ساتھ ازلے کے احساس کا رنگ بھی غالب

تھا۔

”کام تھا مجھے۔“ وہ انہیں دیکھے بغیر آہستگی سے بولا تھا۔

”جلدی آچایا کرو بیٹا، شہر کے حالات کا تو آپ کو پتہ ہی ہے۔“

”میں تو خود خواہش مند ہوں کسی روز کسی ایسے حادثے کا شکار ہو جاؤں جن سے اخبار بھرے ہوتے ہیں۔“ وہ ہرگز ایسی بات نہیں کہنا چاہتا تھا، جو ماما کو بھجھوڑنے کا باعث بنتی مگر زبان سے پھسل گئی تھی شاید وہ اتنی ہی زرد رنگ ہو رہا تھا۔

”معاذ.....!“ ماما نے پہ ہاتھ رکھ کر یوں نیچے بیٹھ گئیں جیسے یلکھت کھڑے ہونے کی ہمت نے جواب دے دیا ہو، معاذ نے گردن موڑ کر انہیں روتے ہوئے ساٹ نظروں سے دیکھا۔

”ان تمام آنسوؤں کو کسی ایسے ہی وقت کے لئے بچا کر رکھ لیں ماما!“ وہ سفاکی کی انتہا کو چھونے لگا، ماما کی سسکیاں تیز چھکیوں میں ڈھلے اگلے لمحے وہ گھٹ گھٹ کر روز ہی تھیں۔

”خدا ایسا وقت دکھانے سے پہلے مجھے موت دے دے، اگر آپ کو ماں کو دکھ دینا ہے تو اس کے اور بھی طریقے ہو سکتے ہیں بیٹے۔“ وہ یونہی بولتے ہوئے بولی تھیں، معاذ کے چہرے پہ زہر خند پھیلا۔

”وہ طریقہ جو آپ نے مجھے دکھ دینے کو اختیار کیا؟ وہ آپ کو اپنے بیٹے سے عزیز ہو گئی ہے؟“ وہ دبے ہوئے لہجے میں چیخا، ماما نے اٹھ کر اسے گلے سے لگایا تھا اور بے تحاشا چومتے ہوئے بولی تھیں۔

”مجھے معاف کر دو بیٹے، مجھے شاید اس دن ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔“

”نہیں آپ کو پورا حق حاصل ہے مگر اس عورت کے لئے نہیں۔“ وہ اسی شدید انداز میں پھر چیخا۔

”آئی ایم سوری بیٹے اکیں سوری۔“ ماما نے پھر کہا تو وہ سخت عاجز ہو گیا تھا۔

”مجھے گنہ گار مت کریں ماما۔“

”میں اس روز پریشان تھی۔“ انہوں نے جیسے وضاحت دی تھی۔

”مجھے اندازہ ہے۔“ معاذ نے ٹھنڈا سا سانس کھینچا۔

”کھانا نہیں کھاؤ گے؟“ انہوں نے کہا پھر اس کا ہاتھ تمام کر کچن میں لے آئیں۔

”پرناں کو معاف کر دو بیٹے، بس تم اسے انڈرا سٹینڈ نہیں کر پائے۔“ ماما نے اس کے آگے کھانے کی ٹرے رکھتے ہوئے عاجزی سے کہا تھا، معاذ کے چہرے پہ زہر خند پھیل گیا۔

”میں اسے بہت اچھی طرح انڈرا سٹینڈ کر چکا ہوں ماما ڈونٹ یووری۔“ اس نے گہرا سانس بھرا پھر انہیں دیکھ کر آہستگی سے بولا تھا۔

”میرا ایک دوست ہے ماما! بہت قابل ہے، خوبصورت بھی اور پڑھا لکھا بھی، بس ذرا فیملی بیک گراڈ اٹنا مضبوط نہیں ہے۔“

”تو پھر۔“ ماما حیران نظر آئیں۔

”میں چاہتا ہوں زینب کے لئے، ماما ہم اسے فنانسلی سپورٹ.....“

”بیٹے آپ بچھلے دنوں گھر پہ نہیں رہے ہو ورنہ آپ کو بتا دیتی، آپ کے پاپا جان نے زینب کا نکاح جہان سے کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔“ ماما کے جواب نے معاذ کو بھونچکا کر ڈالا تھا، وہ اگلے کئی لمحے کچھ بولنے کے قابل نہیں ہو سکا۔

”جے کو پتہ ہے؟“ خاصی تاخیر سے وہ بولا تو حیرت اس کے لہجے سے ہنوز ظاہر تھی۔

”نہیں، بی الحال یہ بات بزرگوں کے بیچ ہوتی ہے، یا پھر جنید تھے وہ۔“

”جے سے بات کرنے کی کوئی ضرورت بھی نہیں ہے ماما، اس سلسلے کو ہمیں ختم کر دیں۔“ اس کا لہجہ

دو ٹوک اور قطعی تھا، ماما نے مضطرب اور حیران ہو کر اس کی شکل دیکھی تھی۔

”مگر کیوں؟ آپ جانتے ہو معاذ یہ میری شدید خواہش تھی۔“ ان کے لہجے میں احتجاج اور بے بسی بیک وقت در آئی تھی۔

”مگر یہ زینب کی خواہش نہیں تھی ماما! اور میں دوسری بار، جے کی تڑیل نہیں ہونے دے سکتا، آپ بھول گئی ہوں گی جو کچھ ہوا مگر جے.....“

”جہاں ایسا بچہ نہیں ہے۔“

”اس کا یہ مطلب ہے اس سے قربانی مانگی جائے۔“ معاذ نے کسی قدر تخی سے کہا تھا، ماما نے کرب انگیز نظروں سے اسے دیکھا پھر ہونٹ سمجھ لئے۔

”یہ قربانی نہیں شاہ ہاؤس کی بھلائی کو اٹھایا گیا ایک قدم ہے، ہم ایک بار پھر کوئی اور رسک نہیں لے سکتے، آپ کا دوست بہت اچھا ہو گا بیٹے مگر ہم اب کسی غیر پہ بھروسہ نہیں کرنا چاہتے۔“ ماما نے تیمور والی بات پر رساں انداز میں اس کے سامنے رکھ کر کہا تو معاذ تم صم سا ہو کر رہ گیا تھا، ماما نے گہری نظروں سے اس کا جائزہ لیا تھا۔

”کیا آپ اپنے دوست کو یہ مجبوری بھی بتا دو گے؟ کیا وہ اتنا اعلیٰ ظرف ہو گا کہ پھر بھی زینب کو قبول کر لے اور تیمور جیسے برے انسان کا سامنا کرنے کی ہمت بھی پیدا کرے اپنے اندر۔“ معاذ نے

کھینچے ہوئے ہونٹوں سے انہیں دیکھا تھا پھر ٹھنڈا سا سانس بھرا۔

”آپ کی بات مان لی ماما جے اعلیٰ ظرف بھی ہے اور یہ کہ یہ خاندان کی بھلائی کو اٹھایا گیا ایک قدم ہے مگر کیا اس صورت تیمور جیسے انسان کے انتقام کے نشانے پہ جے کو لاکھڑا کرنا ہمیں زیب دیتا ہے۔“

معاذ نے ایک بہت اہم مگر سچ سوال ان کے سامنے رکھا۔

”تیمور خان بہر حال خدا نہیں ہے معاذ حسن کہ کسی کی زندگی موت کا فیصلہ کرنے لگے۔“ ماما کی بجائے یہ جواب پاپا جان نے دیا تھا جو اسی وقت شاید وہاں آئے تھے، ماما کے ساتھ معاذ نے بھی چونک کر انہیں دیکھا، ماما جلدی سے اٹھی تھیں۔

”بھائی جان آپ اس وقت؟ بھابھی بیگم کی طبیعت تو ٹھیک ہے؟“

”ہاں، ڈونٹ ڈری، میں معاذ کو ہی دیکھنے آیا تھا، آج بہت تاخیر سے آئے بیٹے؟“

”جی پاپا جان کام کے سلسلے میں دیر ہو گئی تھی۔“

”اس وقت کون سا کام کرتے ہو؟“ پاپا جان نے الجھ کر اسے دیکھا، معاذ نے مسکراہٹ دبائی، اگر

وہ کام کی نوعیت انہیں بتا دیتا تو انہوں نے اسی وقت اس کی طبیعت صاف کر دیتی تھی۔

”میں کئی دنوں سے آپ کا منتظر تھا بیٹے۔“

”سوری پاپا جان، کہیے کیا بات تھی؟“ وہ اٹھ کر ان کے نزدیک چلا آیا۔

”آپ جہان کے دوست ہونا، جہان کو اس بات پہ آمادہ کرو۔“ پاپا جان کی بات پہ بلکہ اس کڑی

ذمہ داری نے معاذ کی پیشانی عرق ریز کر دی، وہ ایک دم سے ہونٹ سمجھ گیا تھا۔

(تو آپ بھی جانتے ہیں پاپا جان یہ کس درجہ دشوار امر ہے) اس کے ہونٹوں پر شکستہ مسکان بکھری۔

”آپ بات کو سمجھ بیٹے، میں اگر جہان سے یہ بات کروں گا تو وہ اسے حکم کا درجہ دے گا، کچھ نہیں بولے گا مگر تم دوست ہو اس کے، اسے کریدو ذرا۔“ پاپا جان نے گویا اپنی بات کی وضاحت کی تھی، معاذ نے محض سر ہلادیا تھا، انا خوداری کی بات نہیں تھی کہ اسلام میں اس کی ممانعت نہیں تھی، حضرت بی بی آمنہؓ کا رشتہ ان کے والد گرامی خود لے کر حضرت عبداللہ کے والد محترم کے پاس حاضر ہوئے تھے، معاذ نے پہلی بار جہان کو فورس تک کیا تھا وہ اس میں قباحت نہیں سمجھتا تھا، مگر اب کے معاملہ کچھ اور تھا، وہ جہان کے سامنے اس بات کو کرتا ہوا شرمسار تھا تو وجہ نذیب کا اس سے ردارکھا جانے والا سلوک تھا۔

”آپ کر دے گا بات بیٹے! میں چاہتا ہوں یہ کام جتنی جلدی ہو جائے مناسب ہے۔“

”اوکے پاپا جان، میں بات کروں گا، ڈونٹ وری۔“ اس نے رساں سے کہا تو پاپا جان ایک دم مطمئن نظر آنے لگے تھے مگر معاذ کا احتمال بڑھ گیا تھا۔

☆☆☆

میرے چہرے پر ان گنت تحریریں ہیں
ہر سطر میں ہزاروں مضمحل خواب
ان خوابوں کی شبیوں سے لپٹے
خارگلاب ایسے
بہت ہی ستم رسیدہ کسی بے حد بوڑھے فقیر کے جیسے
حسن کا کاسہ بہت سی دعاؤں سے دیران ہے
سراب ہو زکا منتظر
زوردار بارش کا طلبگار
آئینہ جب بھی دیکھوں تو
میرے چہرے پر ان گنت جھریاں
بے شمار سلوٹس دکھائی دیتی ہیں
تھکی ہوئی بیمار آنکھیں
کسی شفا یاب لمحے کی منتظر میں بھی
بوڑھے فقیر کے جیسی ہوں

تم نے میرے قدموں تلے گرم ریت بچھادی ہے

وہ کھڑکی میں کھڑی تھی، اس کی نگاہیں نذیب کے خزاں رسیدہ وجود پہ جم کر رہ گئی تھیں، کتنی حسین تھی وہ جب ڈالے نے اسے پہلی بار دیکھا تھا، تروتازہ ہنستی ہوئی گلاب کی کلی کی طرح سے دلکش اور حسین، مگر اب..... اسے دیکھ کر کسی کھنڈر اور ویران عمارت کا خیال آتا تھا، اسے دیکھتے ہی ڈالے کے ذہن میں اس نظم کے مصرعے بازگشت کی طرح گونجنے چلے گئے تھے، معاذ کسی سمت سے نکل کر جہان اس طرف آ گیا، وہ نذیب کی بانہوں میں ہنستی فاطمہ کو پیار کر رہا تھا، پھر اس نے ہاتھ بڑھا کر نذیب سے فاطمہ کو لے لیا تھا، پل دو پل کی بات تھی پھر نذیب آگے بڑھ گئی تھی، مگر ڈالے نے دیکھا تھا وہ دونوں ساتھ کھڑے تھے تو ماما کی نظریں ان کی جانب ہی اٹھی ہوئی تھیں، ایک خواہش تھی جو ان کی نگاہ کو کور میں ہنستی تھی، وہ خواہش

ڈالے اٹھانے میں سہمی مگر جان گئی تھی، اس رات جب وہ پانی لینے کچن میں آئی تھی اور معاذ پاپا جان اور ماما کی باتیں یا جانتے ہوئے بھی اس کی سماعتوں میں اترتی چلی گئی تھیں، کتنی وحشت اترتی تھی تب اس کے اندر، کیسی کتنی جس کے آگے حلق میں کانٹے ڈالتی پیاس بھی اپنی حیثیت کھو بیٹھی تھی، جہان کو شیر کرنے کا خیال بھی سوہان روح تھا، وہ اس ساری رات تڑپتی تھی جب کسی طور قرار نہیں آیا تو جائے نماز پہ کھڑی ہو کر اپنے رب کے حضور اپنی گزارش پیش کرنے لگی کہ یہاں شاہ ہاؤس کے باسیوں نے تو اس سے رائے لینا بھی گوارا نہیں کیا تھا، پھر کیا کہتی وہ ان سے جھگڑتی کیسے کہ آج تک وہ کبھی اپنے حق کے لئے ڈٹ ہی نہ سکی تھی، اسے یہ سلیقہ ہی نہ آیا تھا، کچھ نہ سوچھا تو اللہ کے دربار میں چلی آئی اپنی گزارش لے کر، چکیاں آنسو آہیں، وہ کتنی بے چین تھی، کس درجہ مضطرب، ایک ہی التجا ایک ہی دعا کسی طریقے پر نہ ہو، وہ جہان کو بانٹ نہیں سکتی تھی مگر پھر ٹھنک گئی، آگاہی کرب بن کر اس کی رگوں میں سرایت کر گئی تھی، وہ تو ایک گرتی ہوئی عمارت تھی، جو ہر لمحہ مسمار ہو رہی تھی، وہ بھلا کب تک جہان پہ اجارہ داری جما سکتی تھی، پھر کیا مضائقہ تھا اگر وہ خود سے یہ نیک کام کرے۔

”اللہ مجھ میں حوصلہ نہیں، میں برداشت نہیں کر سکتی۔“ اس نے یہ دعا مانگتے اپنے الفاظ پہ دھیان دیا تھا اور کانپ گئی تھی، وہ کیا کہہ رہی تھی۔

اللہ کا وعدہ ہے کہ وہ اپنے بندے کو اس کی برداشت سے بڑھ کر دکھ نہیں دیتا، اگر عورت برداشت نہیں کر سکتی تھی تو پھر اللہ نے مرد کو چار شادیوں کی اجازت کیوں کر دی؟ سوال اٹھا تھا، ”اور اللہ ہرگز ظالم نہیں ہے“ جواب بھی مل گیا تھا، وہ عمل ہی آنسو پونچھ کر مسکرا دی۔

”میرے اللہ مجھے حوصلہ دینا، میں یہ کام نذیب کے لئے نہیں کروں گی، میں یہ کام شاہ کے لئے بھی نہیں کروں گی، کہ وہ نذیب کو پسند کرتے ہیں میں جانتی ہوں، میں یہ کام تیرے لئے کروں گی اور اگر ہم تیرے لئے کوئی کام کریں تو تو ہی بہترین اجر عطا فرمانے والا ہے۔“

ایک لمحہ تھا آگاہی کا، ایک لمحہ ہی ہوتا ہے ہدایت کا جو اسے عطا ہوا تھا، وہ خوش بخت ٹھہرائی گئی تھی یہ اس نے جان لیا تھا۔

”ڈالے تم تیار نہیں ہوئی ہو؟“ جہان اندر آیا تو اسے ہنوز اسی حلیے میں دیکھ کر زنج ہو اٹھا، ابھی کچھ دیر قبل وہ اسے ہاسپٹل چیک اپ کے لئے لے جانے کا کہہ کر تیار ہونے کا کہہ گیا تھا۔

”آپ بھی نذیب کے پاس کھڑے تھے نا شاہ، آپ کو پتہ ہے آپ اور نذیب ساتھ ساتھ کھڑے کتنے اچھے لگتے ہیں۔“ وہ اس کے نزدیک آئی تھی اور اس کے کوٹ کے بٹن سے کھیلتی ہوئی بولی تو جہان جیسے سناٹے میں گھر گیا تھا، اسے حقیقتا ڈالے کی دماغی حالت پہ شبہ ہوا تھا۔

”آپ کو کبھی کسی نے یہ بات اس سے پہلے بتائی نہیں کیا؟“ ڈالے نے اس کا کوٹ مٹھی میں دبوج کر بلکے سے جھٹکا دیتے ہوئے گویا اسے بولنے پہ اکسایا، جہان ایک دم سے بھڑک اٹھا۔

”واٹ نان سنس ڈالے؟ تمہیں شاید خود بھی اندازہ نہیں ہے کہ تم.....“

”مجھے اندازہ ہے، میں نے بہت سوچ سمجھ کر یہ بات کی ہے، آپ یہ بتائیں میری اک بات مائیں گے؟“ ڈالے کی سنجیدگی میں فرق آیا تھا نا اطمینان میں جبکہ جہان صحیح معنوں میں سر تا پا پل کر رہ گیا تھا۔

”کون سی بات؟“ وہ جیسے خود بہت ضبط کر کے بولا تھا۔

”پہلے وعدہ کریں مائیں گے۔“ ڈالے کے اصرار پہ جہان کا ماتھا ٹھنکا تھا۔

”اسکی کون سی بات ہے؟“ اس نے محتاط انداز کو اپنایا۔

”پر اس تو کریں۔“ ڈالے نے مسکرا کر کہتے اپنا نازک سا ہاتھ اس کی جانب بڑھایا، جسے جہان

نے بہت جذب سے تھاما پھر اسے نرمی و آہستگی سے چوم لیا تھا۔

”میں وعدہ کرتا ہوں میں ساری زندگی تمہارا ساتھ بھاؤں گا، تمہاری بے وقوفانہ باتوں کے

باوجود۔“ جہان نے جیسے کچھ دیر قبل زینب والی بات کا حوالہ دیا تو ڈالے نے ناراضگی سے اسے دیکھ کر

منہ پھلایا تھا۔

”آپ کے خیال میں میں بے وقوف ہوں؟“ وہ نرم لہجے میں بولی، جہان نے مسکراہٹ

دیائی۔

”پہلے نہیں تھا یہ خیال، ابھی ابھی یقین ہوا ہے۔“ وہ پھر اسی بات کا حوالہ دے رہا تھا ڈالے نے

زچ ہو کر اسے دیکھا تھا۔

”آپ مذاق اڑا رہے ہیں میرا اور میری نہیں بھی نہیں ہیں، جبکہ میں بے حد اہم بات کرنے والی تھی،

خیر جب آپ سیریس ہوں تو توتا دیکھئے گا۔“ ڈالے نے بے اعتنائی کی حد کر دی، جہان تو بوکھلا اٹھا تھا۔

”افوہ..... اتنا غصہ؟ چلو خیر آئی ایم سیریس ناؤ، بولو کیا بات ہے؟“ جہان نے خودیہ دانستہ سنجیدگی کا

خول چڑھا کر مسکراتی نظروں سے اسے دیکھا، ڈالے کچھ دیر اسے جھانپتی نظروں سے دیکھتی رہی پھر گہرا

سانس بھرا۔

”آپ زینب سے شادی کر لیں۔“ جہان کا دل ہی نہیں وہ خود بھی دھک سے رہ گیا تھا، پہلے اس کا

چہرہ متغیر ہوا تھا پھر بے تحاشا سرخ ہو کر دھک گیا۔

”یہ کیسا فضول مذاق ہے ہنی؟“ وہ جو سنجیدہ نہیں ہو پارہا تھا خطرناک قسم کی سنجیدگی سمیت بولا تھا۔

”یہ مذاق نہیں ہے شاہ! آپ کو اندازہ تو ہو گا کہ گھر میں اس وجہ سے کس درجہ تینشن پھیلی ہوئی ہے،

تیور کی وجہ سے سب کس قدر اپ سیٹ ہیں اور.....“

”تمہیں اس متعلق کسی نے کچھ کہا ہے ڈالے؟“ جہان بری طرح سے چونک اٹھا تھا، ڈالے نے

تیزی سے نفی میں سر کو جنبش دی۔

”ایسا کچھ نہیں ہے شاہ! مجھے خود سے احساس ہے۔“

”میری بات دھیان سے سنو ڈالے اور اچھی طرح ذہن نشین کر لینا، آج کے بعد میں تمہارے منہ

سے یہ بات نہ سنوں۔“ وہ جس خوفناک سنجیدگی کے حصار میں تھا ڈالے اسی قدر عاجز ہوا ٹھی تھی۔

”دس ازناٹ فیئر شاہ! آپ ایسے نہیں ہیں۔“ اس نے جیسے سخت احتجاج کیا تھا، جواباً جہان نے

اسے سخت اور تادیبی نظروں سے دیکھا تھا۔

”میں نے کہا تم یہ بات نہیں کرو گی، دوسری اہم بات یہ کہ تم کچھ نہیں جانتی ہو۔“

”میں یہ بات بار بار کروں گی شاہ، اس وقت تک کروں گی جب تک آپ مان نہیں جاتے اور یہ

خیال اپنے دل سے نکال دیں کہ میں کچھ نہیں جانتی۔“ سنجیدگی سے بات کرتے ہوئے آخر میں جیسے

ڈالے نے اپنی بات پہ زور دے کر اسے کچھ جتلا یا تھا، مگر جہان نے قطعی اہمیت نہیں دی تھی۔

”مجھے نہیں پتہ ہے ہنی تم مجھ سے یہ اصرار کیوں کر رہی ہو، لیکن میں اتنا جانتا ہوں کوئی عورت خوشی

سے اپنا شوہر کبھی تقسیم نہیں کر لی، کیا میں تجھوں وہ تمہارا مجھ سے محبت کا دعوا نام نہاد تھا۔“ اس کا لہجہ زہر

آلود نہیں تھا نہ طنز یہ البتہ عجیب سا اضطراب لئے ہوئے تھا۔

”یہ اپنے اپنے طرف کی بات ہے شاہ! اور عورت بہر حال کم ظرف نہیں ہے، اسلام کی تاریخ گواہ

رہی ہے اس بات کی کہ ایک عورت نے ایک سے زائد مرتبہ اپنے شوہر کو تقسیم کیا ہے اور میں محبت کرتی

ہوں جسکی محبت میں نارسانی اور تشکی کے احساس سے آشنا ہوں، شاہ میں چاہتی ہوں میری طرح سے آپ

بھی اپنی محبت حاصل کر لیں، بلیوی مجھے دکھ نہیں خوشی حاصل ہوگی۔“ وہ عاجزی سے کہہ رہی تھی جبکہ

جہان شاکڈرہ گیا تھا، اس کی بات کا آخری حصہ گویا اس کے وجود کے پر خچے اڑا کر رکھ گیا تھا، اسے اپنی

سامعتوں پہ شے کا گمان ہوا تھا۔

”کیا کہا تم نے؟“ وہ حق دق سا اسے دیکھنے لگا، ڈالے رواداری سے مسکرا دی۔

”آپ زینب سے محبت کرتے ہیں شاہ میں جانتی ہوں، اب سے نہیں تب سے جب آپ کو پہلی بار

دیکھا تھا جب میں نے خود آپ سے محبت کی، تب مجھے اندازہ ہو گیا تھا آپ کسی اور سے محبت کرتے ہیں،

مجھ سے کبھی نہیں کریں گے، پھر جب میں یہاں آئی تو زینب سے مل کر یہ معمہ بھی حل ہو گیا تھا۔“ جہان

متحیر سا بیٹھے کا بیٹھا رہ گیا، کیا اس کا چہرہ کھلی کتاب تھا جسے ہر کسی نے پڑھ لیا تھا، وہ تو لاکھ پردوں میں چھپا

کر رکھتا رہا تھا، اس ایک جذبے کو پھر بھی اس کی اتنی تشہیر ہو گئی تھی، نہیں جان سکی تھی تو بس ایک دہ جیسے

جاننا چاہیے تھا، وہ پر ملال سا سوچے گیا۔

”کیا سوچ رہے ہیں شاہ؟“ اس نے نرمی سے کہہ کر جہان کے شانے کو چھوا وہ جیسے گہری نیند سے

جاگا۔

”تمہیں بہت شدید قسم کی غلط فہمی.....“

”شاہ پلیز..... کم از کم مجھ سے جھوٹ نہ بولیں، آئی ایم ساری مگر مجھے اچھا نہیں لگتا آپ کا اس

طرح خود کو چھپانا۔“ وہ ٹوکتے ہوئے انتہائی نرمی سے بولی تھی، جہان کس قدر کھسیا گیا پھر گہرا سانس بھر

کے خود کو کپھوڑ ڈکھیا تھا اور رساں بھرے انداز میں گویا ہوا۔

”چلو ٹھیک ہے، اگر تم یہ ساری باتیں جان گئی ہو تو بعد کی صورت حال بھی تم سے ہرگز مخفی نہیں رہی ہو

گی، میرے انکار کی وجہ بھی یہی ہے، میں اتنا بے مایا بھی نہیں ہوں کہ.....“

”آپ بے مایا نہیں خاص ہیں شاہ، اعلیٰ ظرف اور درگزر سے کام لینے والے، انہوں کے عیب دیکھ

کر نہیں عیاں نہیں کیا جاتا شاہ بلکہ ان کو ڈھانپنا جاتا ہے، آپ نے ایک بار پہلے بھی اپنی محبت کی قربانی

دی تھی اب تھوڑی سی انا کی قربانی دے دیں، کیا حرج ہے؟“

”بہت حرج ہے، میں ایسا نہیں کر سکتا، تم مجھے کم ظرف سمجھو یا کینہ پرور، یہ تمہاری مرضی ہے۔“

جہان نے اس کی بات کاٹ کر بے حد سختی سے کہا اور اٹھ کر چلا گیا، ڈالے ہونٹ پیچ کر بیٹھی رہ گئی تھی،

شاید یہ کام اتنا بھی آسان نہیں تھا جتنا اس نے اسے سمجھا تھا۔

☆☆☆

ہتھیلی سامنے رکھنا کہ سب آنسو گریں اس میں

چورک جائے گا ہونٹوں پر سمجھ لینا کہ وہ میں ہوں
 کبھی جو چاند کو دیکھو تو تم یوں مسکرا دینا
 جو چہل جائے ہوا شہنشاہی تو آنکھیں بند کر لینا
 جو جھونکا تیز ہو سب سے سمجھ جانا کہ وہ میں ہوں
 جو زیادہ یاد آؤں تو تم رو لینا جی بھر کے
 اگر بھلی کوئی آئے سمجھ جانا کہ وہ میں ہوں
 اگر تم بھولنا چاہو مجھے شاید بھلا دو تم
 مگر جب سانس لینا تم سمجھ جانا کہ وہ میں ہوں

مما کی ہدایت کے مطابق وہ ہسپتال ساتھ لے جانے والا بیگ تیار کر رہی تھی، اس کی ڈیوری کی
 ڈیٹ نزدیک تھی مگر ماما کا خیال تھا ڈاکٹرز کی ڈیٹ یہ بھروسہ نہیں کرنا چاہیے، یہ اللہ کے کام ہیں اور اللہ کو
 ہی غیب کا علم ہے، وہ اپنی ساری تیاری مکمل کر رکھے، اسے جس وقت بھی جو یاد آتا وہ اٹھا کر بیگ میں
 رکھ دیتی، اس وقت بھی بچے کے کپڑے جو ابھی ماریہ ننھے ننھے سفید کرتے سلائی کر کے دے کر گئی تھی جن
 پہ بڑے شوق سے اس نے خود کڑھائی بھی کی تھی، نینب نے انہی کو پریس کرنے کے بعد بیگ میں رکھ
 رہی تھی جب ماریہ جوش و خروش سے بھری اس کے پاس بھاگی آئی تھی۔

”بھانجی بھانجی نیچے آئیے، اک سر پرانز ہے آپ کے لئے۔“
 ”کون سا سر پرانز؟ رکو تو مجھے آرام سے چلنے دو۔“ وہ ہانپ کر رہ گئی تھی، مگر ماریہ نے کہا سنا تھا، ٹی
 وی لاؤنج میں لا کر چھوڑا جہاں گویا پورا گھرا اٹھا ہوا تھا، ٹی وی آن تھا اور سب حیران ششدر اور کس حد
 تک تجسس سے اسکرین کی سمت متوجہ تھے، جہاں وہ تھا دشمن جاں اپنی تمام تر سحر انگیزی، دلکشی، وجاہت
 اور خوبوئی سمیت وہ پلے میں وہ رو میٹھک شوہر کا کردار ادا کر رہا تھا، بیڈروم سین تھا، صرف معاذ ہی نہیں
 اس کی ساتھی لڑکی بھی ایک دوسرے کے بے حد نزدیک تھے اور جو ڈائلاگ تھے، پرینیاں کے کانوں سے
 گویا دھواں نکلنے لگا، وہ سرخ چہرے کے ساتھ مڑی تو اسی بل دہاں آنے والے معاذ سے ٹکراؤ ہوتے
 ہوتے رہ گیا، پرینیاں نے ایک نظر اسے دیکھا تھا پھر سرعت سے سائیڈ سے نکل گئی، معاذ کی نگاہ پہلے اس
 پر پھرتی وی اسکرین پر جارکی اور دل میں جیسے ٹھنڈک سی پڑ گئی، اسے لگا تھا اس کا مقصد حل ہو گیا تھا، اس
 نے کانڈھے جھکے اور مسکراتا ہوا وہیں سے پلٹ گیا، اس کا رخ جہان کے کمرے کی جانب تھا، ڈالے
 سب کے ساتھ یہاں ٹی وی لاؤنج میں تھی، معاذ نے مناسب سمجھا تھا اسی وقت جہان سے بات کر لے
 پایا جان کی نظریں ہر بار ہونے والے سامنے یہ سوال کرتی تھیں اور اسے شرمندگی سے نگاہیں چراتا پڑ
 جا میں، اب وہ انہیں کیا بتاتا کہ جہان سے بات کرنے کو اسے بہت سارا حوصلہ چاہیے تھا جو جمع نہیں کر پایا
 رہا تھا وہ۔

”بڑی تو نہیں ہو جے؟“ دستک دے کر معاذ نے اندر جھانکا تو اس کا انداز بے حد فائل سا تھا،
 جہان نے حیرانگی سے اسے دیکھا۔
 ”اگر ہوں گا بھی تو کیا تمہارے لئے وقت نہیں نکالوں گا؟ آ جاؤ یار۔“ جہان نے اپنے آگے کھلی
 فائل بند کر دی تھی، معاذ ڈھیلے قدموں کے ساتھ آگے بڑھا تھا، ایک وقت تھا جب اس نے ماما سے بحث

کرتے ہوئے طعنہ دینے کے انداز میں عبدالوہاب (پرینیاں کے ددا) کے متعلق گویا افشانی کی تھی کہ
 انہوں نے زبردستی اپنی بیٹی اس کے سر منڈھ دی تھی، آج وقت کی گردش نے اسے کسی اور کے آگے
 جھکانے کا فیصلہ کر لیا تھا، یہ مکافات عمل کا سلسلہ قدرتی عمل ہے، بہت سارے اس سے عبرت اور عمل
 پکڑتے ہیں اور کچھ مہرزہ دل والے اس لئے بھی خدا سے بدگمان ہو کر شکوہ شکایت کا دفتر کھول بیٹھتے
 ہیں۔

”خیریت معاذ؟ طبیعت ٹھیک ہے نا تمہاری؟“ جہان نے اس کی گم صم کیفیت اور خاموش انداز کو
 حیرت کی نگاہ سے دیکھا تھا، اس کے سان و گمان میں بھی نہیں تھا کہ جس بات پہ وہ کل بہت سختی سے
 ڈالے کو جھڑک چکا ہے یہ ہی مطالبہ لے کر معاذ اس کے پاس آیا ہوگا۔
 ”ہاں..... کچھ نہیں.....“ معاذ نے ہڑبڑا کر اسے دیکھا تھا پھر خائف سے انداز میں ہونٹوں کو بچھ
 لیا۔

”تم کچھ کہنا چاہتے ہو معاذ؟“ جہان ایک دم سے جیسے محتاط ہوا تھا، اس نے پرکھتی نظروں سے معاذ
 کو دیکھا تھا۔
 ”تم نے شوہز جو اس کر لیا اور کسی کو بتایا تک نہیں، دس از ناٹ فیئر یار۔“ جہان نے دانستہ موضوع
 تبدیل کر دیا تھا، معاذ اسے دیکھے گیا، شاید وہ اس کے گریز کے پہلو کو پا گیا تھا۔

”پرینیاں بہت ہرٹ ہوئی ہے، تم نے اسے تنہا بھی بہت کر دیا ہے، یار کیوں اس کی شکایتوں میں
 اضافہ کرتے ہو؟“ جہان نے جیسے اس کی برین ڈاشنگ کا آغاز کر ڈالا تھا۔
 ”لڑکیاں نازک غلیوں کی طرح ہوتی ہیں معاذ، رویوں کی سختی سے ان کے خوبصورت رنگ بہت
 تیزی سے ماند پڑنے لگتے ہیں، پھر لاکھ کوشش کرو مگر.....“

”جے مجھے تم سے کچھ اور بات کرنی ہے۔“ معاذ نے یلخت اس کی بات کاٹ دی، جہان جو اٹھ کر
 کھڑکی کے پاس جا کھڑا ہوا تھارک کر اسے دیکھنے لگا پھر اسے ہاتھ کے اشارے سے اپنے پاس آنے کا
 کہا تھا۔

”وہ بہت اکیلی نظر آتی ہے معاذ، مجھے ہر لمحہ اس کی آنکھوں میں تمہارا انتظار نظر آتا ہے، اس وقت
 وہ جس حالت میں ہے نا معاذ، یونو اس پر پینسنی پریڈ میں عورت بہت سی اپنی کیفیات سوائے اپنے ساتھی
 کے اور کسی سے شیئر نہیں کرنا چاہتی جن سے وہ گزر رہی ہوتی ہے، تم نے اسے اس مرحلے پہ آ کر بھی تنہا
 چھوڑ دیا ہے۔“ جہان کا انداز ناصحانہ تھا اور نظریں نیچے لان میں چھل قدمی کرتی پرینیاں یہ بھی تھیں اس
 کے ہر اٹھنے قدم سے ٹھکن لپٹی تھی، وہ واقعی تنہا اور اس نظر آتی تھی، کسی حد تک خود سے بھی بے زار،
 ڈاکٹر نے اسے کئی کئی گھنٹے چھل قدمی کی ہدایت کر رکھی تھی، وہ تھک جاتی بیروں میں سولنگ اتر آتی مگر
 اسے پھر بھی ٹھلنا پڑتا کیوں، اس کے بچے کی خاطر، ماں بننا اتنا آسان نہیں تھا، اس ٹھن منزل کے کتنے
 ہی کڑے مراحل پرینیاں نے اس کے سامنے طے کیے تھے، پہلے مرحلے کی فضا بہت اور بے تحاشا وہ میٹنگ
 پھر میڈیسن اور چیک اپ اور ان دنوں تو اس کی وہ حالت تھی کہ وہ نہ سکون سے بیٹھ پاتی تھی نہ لیٹ، کل
 ہی کی بات تھی جب اس نے اسے ماما کو اپنی کیفیت کتنی بے چارگی سے کہتے ہوئے سنا تھا۔
 ”مجھے کسی بھی بل سکون نہیں ہے ماما! رات کو اکثر تو نیند نہیں آتی، آجاتے تو وقفے وقفے سے آنکھ

کھلتی رہتی ہے، سانس رکنا ہے۔“ جواب میں ممانے اسے گلے لگا کر ماتھا چوما تھا۔
 ”آخری دن ہیں تاپیٹے، ان دنوں ایسا ہی ہوتا ہے، ماں کے لئے اللہ نے ایسے ہی امتحان رکھے ہیں، ابویں تو اس کے درجات میں اتنی بلندی نہیں رکھی گئی، پھر تمہارا تو یہ پہلا تجربہ ہے جیسی زیادہ گھبرا رہی ہو، معاذ کی مرتبہ میں بھی یونہی پریشان تھی، بار بار گھبرا کر رو پڑا کرتی، مگر احسان بہت خیال رکھتے تھے۔“ ممانے نے اختیار میں کہہ کر خود ہی شرمندہ ہو گئی تھیں۔
 ”معاذ یہ مرحلے کتنے ہی کٹھن سہی اگر عورت کے ساتھ اس کا ساتھی ہر قدم پہ ساتھ بھائے تو یہ دشواریاں آسان لگنے لگتی ہیں، جاؤ وہ اس وقت بھی تمہاری منتظر ہے۔“ جہان کی اس نصیحت پہ معاذ نے اسے ناگواریت سے دیکھا تھا۔

”میں تم سے اس موضوع پہ لیکچر سننے نہیں آیا۔“ اس بات کے جواب میں جہان محض تاسف سے اسے دیکھ سکا تھا۔
 ”ہم زینب کی شادی کرنا چاہ رہے ہیں جے، آف کورس اسے عمر بھر کو یوں نہیں بٹھایا جاسکتا۔“ معاذ نے اپنی بات کہہ کر اسے دیکھا، جہان نے دانستہ اس سے نگاہ نہیں ملائی تھی، جبکہ معاذ اس کی کسی بھی بات کا منتظر تھا، دونوں کے بیچ بولتی معنی خیز خاموشی آ کے ٹھہر گئی، جہان خائف جبکہ معاذ مضطرب تھا۔
 ”بہت اچھا فیصلہ ہے، بے کوئی مناسب رشتہ نظر میں؟“ بالآخر جہان کو کہنا پڑا تھا، یہ طے تھا کہ اسے زینب سے شادی نہیں کرنی تھی، ڈالے کے بعد وہ معاذ کو بھی صاف جواب دے سکتا تھا، معاذ نے جہان کے اس سوال کے جواب میں گردن موڑ کر اسے کچھ دیر تک دھیان سے دیکھا تھا، پھر کاندھے جھٹک دیئے۔

”ہاں ہے، پوچھو گے نہیں وہ کون ہے؟“
 ”کون ہے؟“ جہان ہنوز پرسکون تھا، مگر وہ اس کی جانب نہیں دیکھ رہا تھا۔
 ”تم! پہلے ہو یا بعد میں ہمارا زینب کے لئے ہمیشہ انتخاب تم ہی رہو گے جے۔“ الفاظ تھے یا بارود کے گولے، جہان نے اپنا وجود ریزہ ریزہ ہو کر فضا میں بکھرتا محسوس کیا، معاذ نے اس کے دھواں ہوتے چہرے کو اور سختی سے سمجھنے ہوئے ہونٹوں کو ایک نظر دیکھا تھا، جو ایک سکتے کی کیفیت کے زیر اثر دکھائی دیتا تھا، شاید اسے معاذ سے کم از کم اس بات کی توقع نہیں تھی، معاوہ سنبھلا تھا اور ایک لفظ کہے بغیر جھٹکے سے پلٹا اور کمرے سے نکلتا چلا گیا، معاذ اس کے پیچھے اس کے کمرے میں تنہا کھڑا رہ گیا تھا، اس کے چہرے پہ احمول تھا، گہری جھٹکن تھی۔

(تم انکار بھی کر دو گے جے تو مجھے بالکل تکلیف نہیں ہوگی، لیکن میں جانتا ہوں تم ایسا کرو گے نہیں، یہی تو فرق ہے تم میں اور ہم میں، ہم بدلہ لینے والے ہیں اور تم معاف کرنے والوں کی فہرست میں شامل)

☆☆☆
 اگر وہ پوچھ لے ہم سے تمہیں کس بات کا غم ہے
 تو پھر کس بات کا غم ہے اگر وہ پوچھ لے ہم سے
 اس کی آنکھیں ایک تسلسل سے برس رہی تھیں، صبح سے اسے درد ہو رہی تھی، جواب تک ناقابل

برداشت ہوئی تو آنکھیں چھٹک پڑیں، آنسوؤں کا یوں بہنا صرف اس تکلیف کے باعث ہی تو نہیں تھا، معاذ کی بے اعتنائی اور سرد رویہ اسے ہر لمحہ کچھ کے لگانے کو کافی تھا، آج صبح ہی جب رابداری میں موجود نہی سے اس کا پیر سلپ ہوا تو وہ اس بری طرح پھسل گئی تھی کہ خود اس کی اپنی جان بھی ہوا ہو گئی تھی، بروقت کسی کے مضبوط بازوؤں نے سہارا دے کر سنبھال لیا تھا، حواسوں میں آتے ہی اس نے بے اختیار گردن موڑی تھی اور اپنے بے حد نزدیک معاذ حسن کو پا کر اس کے اندر جیسے ایک دم سے تپش اتر آئی تھی، اگر اس کے ہاتھ جھٹک کر وہ فاصلے پہ ہونے کو بے قرار ہوئی تھی تو وجہ معاذ کا ہر قدم پہ اس کے لئے اختیار کیا ہوا ہنک آمیز سلوک ہی تھا مگر معاذ نے اس کی اس ناگواری کے احساس کو بھی سراسر اپنی توہین سے تعبیر کیا تھا۔

”اگر تم اس خوش فہمی کا شکار ہو کہ تمہیں چھوٹے چھوٹے یا تمہارے نزدیک آنے کی خواہش میں بے تاب ہو ہوں تو تمہاری عقل پہ ماتم ہی کیا جاسکتا ہے، تم میرے سامنے تڑپ تڑپ کر بھی مر جاؤ تو مجھے ہرگز پرواہ نہیں ہوگی، یہ اگر میں تمہاری کیئر کرتا ہوں تو اس کی وجہ بھی تم نہیں میرا بچہ ہے جس کی وجہ سے میں تمہیں برداشت کرنے پہ مجبور ہوں۔“

اسے ایک جھٹکے سے خود سے الگ کر کے فاصلے پہ کھڑا کرتے ہوئے معاذ نے اس کی سماعتوں میں اپنی نفرت کا سیدہ پکھلایا تھا، خود تو وہ لمبے ڈگ بھرتا ہوا وہاں سے چلا گیا تھا جبکہ پر نیاں اس درجہ نفرت و حقارت اور بے زاری کے مظاہرے پہ وحشت زدہ سی وہیں کھڑی رہ گئی تھی، پھر جانے کیا ہوا تھا اس کے پہلو میں درد کی میسٹس اٹھتی چلی گئی تھیں، اس کی طبیعت کی خرابی خبر بھائی کے ذریعے دو گھنٹے بعد ممانے تک پہنچی تھی۔

”میں ڈاکٹر کے پاس لے کر چلتی ہوں آپ کو، آپ تیار ہو جاؤ بیٹے۔“ ممانے دنوں اتنے جمیلوں میں ابھی ہوئی تھیں کہ پہلے کی طرح اس کی کیئر کر پانی تھیں نہ وقت دے پاتیں، ویسے بھی پر نیاں نے ان کے سامنے خود کو کسی قدر سنبھال لیا تھا، پھر بھی وہ بہت پریشان نظر آ رہی تھیں، انہوں نے خود اسے کپڑے نکال کر دیئے تھے۔

”میں رجو کو بھیجتی ہوں وہ آپ کی چادر پر لیس کر دے گی، تب تک میں خود تیار ہوں۔“ انہوں نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا تھا، پر نیاں نے اٹھ کر بس کپڑے ہی تبدیل کئے تھے، اس کی تکلیف شدت اختیار کرتی جا رہی تھی، وہ بے دم سے انداز میں وہیں بیٹھ گئی، رجو اس دوران آ کر اس کی چادر استری کر کے رکھ گئی تھی، اسے جانتے دیکھ پر نیاں نے ممانے کو جلدی بھیجنے کی تاکید کی تھی۔

”ممانے پلینز مجھے چادر اٹھا کر دے دیں، اٹھا نہیں جا رہا مجھ سے، ناگھیں بے جان ہو رہی ہیں۔“
 دروازہ کھلنے کی آواز پہ اس نے گردن موڑے بغیر بوجھل آواز میں کہا تھا، جواب میں خاموشی چھائی رہی تھی، پر نیاں نے کچھ حیرانی کی کیفیت میں پلٹ کر دیکھا، کوٹ بازو پہ ڈالے ماتھے پہ بکھرے بالوں کے ساتھ معاذ وارڈروب کے پاس کھڑا اس کی سبت متوجہ تھا، پر نیاں کا چہرہ ا یکدم سے سرخ پڑ گیا، اس نے نی الفور نگاہ کا زاویہ بدل ڈالا، معاذ بھی جیسے ہوش میں آیا تھا، وارڈروب کا دروازہ کھول کر اپنی مطلوبہ فائل لی اور اٹنے قدموں پلٹ گیا، میٹھییاں اترتے ہوئے اس کا ممانے سے سامنا ہوا تھا جو اوپر ہی جا رہی تھیں اسے دیکھ کر قدموں کو روک لیا۔

”آپ اس وقت..... خیر اچھی بات ہے، پر نیاں کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے، چیک اپ کے لئے لے جا رہی ہوں، عین ممکن ہے ڈاکٹر ایڈمٹ ہی کر لیں، آپ ہمارے ساتھ چلے بیٹے۔“ معاذ کی صبح پیشانی پہانڈتی ناگوار لکیروں کو خاطر میں لائے بغیر انہوں نے اپنی بات کی تھی۔

”میں بے حد ضروری کام سے جا رہا ہوں ماما! آپ ہیں نا، لے جائیں اسے، اگر میری ضرورت پڑی تب کال کر لیجئے گا، آنے کی کوشش کروں گا۔“ اپنی بات عمل کر کے وہ آگے بڑھ گیا تھا، ماما حیرانی اور غیر یقینی کی کیفیت میں اسے دیکھتیں رہ گئیں۔

☆☆☆

اک برس کے عرصے میں

چار چھ ملاقاتیں
شام کی حویلی میں صبح کے مہنگے کی

بے یقین سی باتیں

کچھ عذاب ماضی کے

گفتگو کا موضوع تھے

کچھ سوال خوابوں کے اور وہ ملاقاتیں

چار چھ ملاقاتیں

جن میں تیری باتوں کی بارشوں کے موسم نے

جتنے جھوٹ بولے تھے

شام کی حویلی میں جتنے زہر گھولے تھے

تیرا بے وفا لہجہ دھیان میں جب آتا ہے

تب سوال کرتی ہیں میری عمر کی راہیں

اک برس کے عرصے میں

چار چھ ملاقاتیں

اس نے سرسری انداز میں اس لہجہ کو پڑھا تھا پھر بار بار پڑھا اور کسی طرح بھی آنکھیں جھٹکنے سے نہیں روک پائی، یاسیت کا احساس تو تھا ہی ایک وحشت بھی رگ و پے میں سرایت کرتی چلی گئی، ایسے میں تیور کا فون آ گیا تھا، وہ اس پہ پھٹ پڑی تھی۔

”اتنے ڈھیٹ کیوں ہو تم خبیث کیبنے آدی، تمہیں سمجھ نہیں آتی کہ میں تم سے بات کرنا تمہاری شکل دیکھنا نہیں چاہتی، لعنت بھیج چکی ہوں تم پہ، جان کیوں نہیں چھوڑتے تم۔“ وہ اتنے غصے میں تھی کہ بنا سوچے سمجھے جو منہ میں آیا بولتی چلی گئی۔

”تمہارا دماغ ٹھیک ہے زینب یا پھر میں کر دوں آکر، تیور خان ہے میرا نام اور کسی کو آج تک جرات نہیں ہو سکی کہ مجھ سے اس لہجے میں بات کر سکے۔“ زینب کے سچ و ستم لہجے نے تیور خان کو آپے سے باہر کر دیا تھا، اس کے لہجے میں بادلوں کی سی گھن گرج محسوس ہوئی تھی، مگر زینب اب اس سے کیوں ڈرتی۔

”اپنی بکواس بند کرو، یہ دھمکیاں کسی اور کو دینا سمجھے؟“ وہ جواب اس کی حیثیت اور مرتبے کو خاطر میں لائے بغیر ہنکاری تو تیور کو جیسے آگ لگ گئی تھی۔

”میں اس وقت تمہارے گھر سے کچھ فاصلے پر ریسٹورنٹ میں تمہارا منتظر ہوں، دس منٹ ہیں تمہارے پاس، اگر تم نہ آئیں تو میں خود آ جاؤں گا۔“

”تم میرے سامنے ایڑیاں رگڑ کر بھی مر جاؤ تو میں اب تمہاری کسی بات کو نہیں مانوں گی مجبوری کیا ہے آخر؟“ تیور کے دھونس بھرے لب و لہجے نے زینب کو سچ پا کر دیا تھا جیسی وہ بغیر لحاظ کے کہہ گئی اور اس کی مزید کچھ سننے بغیر فون بند کر دیا تھا، اس کا چہرہ غم و غصے کی زیادتی سے دھک اٹھا تھا۔

تیور اس کے بعد بھی کال کرتا رہا مگر زینب نے جیسے کانوں میں تیل ڈال لیا بہری بن گئی، دس منٹ کے وقفے سے اس کے سیل فون کی اسکرین تیور کے نام کے ٹیکسٹ کے نشان سے روشن ہوئی تھی، زینب نے بھینچے ہوئے ہونٹوں کے ساتھ ٹیکسٹ پڑھا تھا اگلے لمحے اس کی پیشانی پہ پسینہ نمودار ہو گیا، اس نے خوف کے عالم میں پھر سے اسکرین پہ نگاہ دوڑائی۔

(میں تمہارے گھر کے سامنے آ گیا ہوں، باہر آؤ میری بات سنو، ورنہ گھر میں گھسنے سے تمہارے سورا بھائی مجھے روکنے میں کامیاب نہیں ہو سکیں گے۔) زینب کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا، وہ ایک دم سے بستر سے اتری تھی اور لپک کر کھڑکی تک آئی، دہیز پردہ ہٹا کر اس نے ڈارک گلاس کے پار نگاہ کی تو اسے اپنا سر چکراتا ہوا محسوس ہوا تھا، گرے چھماتی ہوئی پراڈو کے کھلے دروازے سے کمر نکائے وہ اپنے لیے تڑگے وجودک ساتھ واقعی وہاں بہت دھڑلے سے موجود تھا، زینب یوں نیچے بیٹھتی چلی گئی جیسے اس کی ٹانگوں نے جسم کا بوجھ سہارنے سے انکار کر دیا ہو۔

ڑالے سوئی ہوئی فاطمہ کو اس کے حوالے کرنے آئی تو زینب کا رنگ دلھے ہوئے لہجے کی مانند سفید ہو رہا تھا ڈالے کی نگاہ اس پہ ٹھہری تو اس نے تشویش زدہ انداز میں اسے پکارا تھا، جواباً زینب کی وحشت بھری نگاہوں میں اتنی اجنبیت تھی گویا وہ اسے پہچاننے سے بھی قاصر رہی ہو۔

”کیا ہوا ہے زینب آئی؟ آپ اس طرح نیچے کیوں بیٹھی ہیں، طبیعت ٹھیک ہے نا آپ کی؟“ فاطمہ کو بستر پہ لٹا کر وہ سرعت سے قریب آئی تھی اور زینب کے سر پڑتے ہاتھ تمام لئے اس دوران سیل فون پہ ایک بار پھر زور و شور سے تیل بھتی چلی گئی، زینب اپنی جگہ پہ زور سے اچھلی تھی اور خوفزدہ نظروں سے سیل فون کو دیکھنے لگی۔

”کس کا فون ہے؟“ ڈالے کو تیور زینب کی اس درجہ غیر ہوتی حالت پہ اضطراب میں ڈھلنے لگا۔

”آپ ادھر بیٹھیں، میں ماما کو بلائی ہوں۔“ اس نے سہارا دے کر دھیرے دھیرے کا ہتھی زینب کو اٹھایا تو وہ ایک دم سے اس سے لپٹ گئی تھی۔

”مجھے کہیں چھپا لو ڈالے، وہ آ گیا ہے وہ..... وہ مار دے گا مجھے، میری بیٹی کو بھی..... دشمن ہو گیا ہے وہ ہماری جانوں کا۔“ وہ ایک دم سے پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی تھی، ڈالے تو حق دق رہ گئی تھی۔

”کس کی بات کر رہی ہیں زینب آپ؟“ اس نے زینب کو ساتھ لگا کر تھکا تھا۔

”تیور..... وہ باہر کھڑا ہے، تم واج مین کو آرٹ کر دو، پاپا کو بتاؤ وہ گھر آ جائیں، مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے۔“ آنسو سسکیاں اور سرانگیسی، وہ اس پہل گویا ایک چھوٹی اور بے حد خوفزدہ بیٹی تھی، ڈالے کو تو ایسا

یہ لگا کر اس کے الفاظ کی سنگینی نے خود ڈالے کو بھی گھبراہٹ سے دوچار کر دیا تھا۔
 ”تیور خان؟ مائی گاڈ، میں ماما کو بتاتی ہوں۔“ وہ باہر دوڑی تو زینب نے ایک دم سے اسے دبوچ لیا۔

”نہیں مجھے تھامت چھوڑو، وہ نیچے ہے کسی وقت بھی یہاں آ سکتا ہے۔“ وہ سر اٹکی اور دہشت زدگی کے حصار میں تھی، ڈالے واپس صوفے پر اس کے پہلو میں بیٹھ گئی۔
 ”او کے میں نہیں جاتی، مگر ماما کو تو بتانے دیں، ایک منٹ میں، میں انٹرکام پر ماما کو آگاہ کرتی ہوں۔“ اسے تسلی سے نواز کر ڈالے نے انٹرکام پر ماما سے رابطہ کیا تھا اور زینب کے کمرے میں آنے کا کہا۔
 ”خیریت ہے نا بیٹے، زینب کی طبیعت تو ٹھیک ہے؟“ وہ عادت کے مطابق جلدی پریشان ہو اٹھی تھیں۔

”جی طبیعت تو ٹھیک ہے، کچھ اہم بات ہے، ہو سکے تو اپنے ساتھ ماما جان اور بھابھی کو بھی لے آئیے گا۔“ ڈالے نے رمان سے کہا تھا، اگلے چند منٹ میں تینوں خواتین زینب کے کمرے میں موجود تھیں اور سب سے پہلے کھڑکی سے بیرونی منظر کا جائزہ لیا گیا تھا، ماما نے انٹرکام پر واقعہ سن کر ضروری ہدایت سے نوازا تھا، تیور خان کو کہ اپنی پچا رو سمیت دفعتان ہو چکا تھا، مگر اب اس کی جانب سے دھڑکا تو لگ گیا تھا نا، تشویش اور پریشانی کا ایک نیا باب کھل گیا۔

”اس مسئلے کا فوری حل نکالنا چاہیے، ہم اس طرح ڈر کر تو زندگی نہیں گزار سکتے، ویسے بھی یہ اس کا علاقہ نہیں ہے جہاں وہ جو مرضی آئے کرتا پھرے اور اسے کوئی پوچھے نا۔“ بھابھی کو بے تحاشا غصہ آ رہا تھا۔

”ہمیں پولیس کو انقارم کرنا چاہیے، بھابھی بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں۔“ ڈالے نے بھی ہاں میں ہاں ملائی تھی، ماما سر جھکائے بیٹھی رہیں، ڈالے پر نیاں سے پوچھ کر زینب کو سکون آور دو اکھلا کر لٹا آئی تھی اسے تینوں خواتین ڈالے اور پر نیاں کے ساتھ لاؤنج میں تھیں۔

”آپ اتنی خاموش کیوں ہیں ماما، پتا جان سے بات کریں، یہ معمولی مسئلہ نہیں ہے، وہ بد قماش انسان کچھ بھی غلط کر سکتا ہے خدا نخواستہ۔“ پر نیاں نے اپنی تشویش کا اظہار کیا تھا۔
 ”انہوں نے جو مسئلے کا حل نکالا ہے، وہ اتنا آسان بھی نہیں ہے، میں بہت اپ سیٹ ہوں بیٹے اتنے دنوں سے ڈالے سے بات کرنا چاہ رہی تھی مگر دیکھو خود میں حوصلہ نہیں پاتی۔“ ماما بے حد رنجیدہ سے بولیں، تو بھابھی کے سوا وہ دونوں چونک اٹھی تھیں۔

”آپ کی بات ہو چکی ہے ماما، کیا کہا ہے پانے؟“ پر نیاں ہی بولی تھی اس کے لہجے میں بہت واضح حیرت تھی، یہاں شاہ ہاؤس میں بات چھپانے کا رواج نہیں تھا، اس کی حیرت کی اصل وجہ بھی یہ تھی، ماما جان کا موقف تھا، باتیں وہاں چھپائی جاتی ہیں جہاں اک دوسرے کے خلاف سازشیں تیار کر ہوں، یہاں ایسا کچھ نہیں تھا۔

”یہ بھائی جان کا فیصلہ ہے ان کا خیال ہے، زینب کا نکاح ہی بہترین سیٹی دے سکتا ہے۔“
 ”بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں پتا جان، کیا آپ کو ان پر اعتراض ہے؟“ پر نیاں نے حیرت زدہ انداز میں انہیں دیکھا تھا، ماما نے یا سیت بھرے انداز میں سر کوئی میں جنبش دی تھی، پھر ڈالے کو دیکھا جو سا

بیٹھی تھی، یوں جیسے پھانسی کی سزا کا منتظر قیدی، انہیں اس پر ایک دم سے بہت رحم آیا، وہ اس کی کیفیت سمجھ سکتی تھیں، خود ان کا اپنا دل بھاری ہو رہا تھا۔

”ہم زینب کا نکاح جہان سے کرنا چاہتے ہیں اور ڈالے بیٹے آپ کے آگے ہاتھ پھیلاتے ہیں کہ آپ ہمیں اس کی اجازت.....“ دیورانی کو مشکل میں پا کر ماما جان نے خود دست سوال بہو کے آگے دراز کر دیا تھا، جہان پر نیاں کے اعصاب کو جھکا لگا تھا، وہاں ڈالے جیسے ایک دم سے تڑپ اٹھی، اس نے بے حد عاجزی سے روٹی ہوئی ماما جان کو سنبھالنے کی سعی کی تھی۔

”پلیز ماما جان پلیز، مجھے گنہگار مت کریں، میری کیا مجال کہ آپ کو اجازت دوں، آپ کے بیٹے ہیں شاہ، آپ کو پورا اختیار ہے ان کے لئے ہر فیصلہ کرنے کا۔“ وہ ان کے آنسو پونچھتے ہوئے جانے کس جذبے کے تحت خود بھی رو پڑی تھی، ماما نے بے اختیار اسے گلے سے لگایا۔

”ایسے مت کہو میری بیٹی بیوی ہوتی اس کی، ہماری مجبوری ہی اسکا ہے، حالات جس نہج پہ ہیں وہاں ہم دوسری بار بیٹی کو بیگانے ہاتھوں میں نہیں دے سکتے۔“ ماما جان نے یونہی آنسو بہاتے ہوئے گویا وضاحت کی تھی۔

”جی میں سمجھ سکتی ہوں ماما جان، بلکہ میں خود آپ سے اس سلسلے میں بات کرنے والی تھی، ہمیں جتنی جلدی ممکن ہو سکے یہ کام کر لینا چاہیے، آپ شاہ سے بات کر لیجئے گا۔“ اس کے الفاظ نے ماما اور ماما جان کے ساتھ بھابھی کو بھی گنگ کر دیا تھا، ماما جان اور ماما کی طرح سے انہیں بھی یہ ہی توقع تھی کہ سب سے کٹھن مرحلہ ڈالے کو قائل کرنے اور منانے کا ہی ہو گا، یہی وجہ تھی کہ وہ اس سے بات کرنے میں ہچکچاہٹ کا شکار تھیں۔

”تم سچ کہہ رہی ہو میری بیٹی؟“ ماما جان کسی طرح بھی اپنی حیرت پہ قابو نہ رکھ سکی تھیں، ڈالے زخمی سے انداز میں مسکرا دی۔

”ماما جان کیا میں اس گھر کی فرد نہیں ہوں؟ کیا یہاں کی پریشانی سے میرا تعلق نہیں ہے؟ میں بھی جانتی ہوں یہاں شاہ کے علاوہ زینب کا نکاح کسی سے نہیں ہو سکتا، ایک جنید بھائی ہی ہیں نا، وہ تو بہت بڑے ہیں زینب آئی سے، زینب کے جوڑے تو شاہ ہی ہیں، پھر اپنے ہی اپنوں کو مشکل وقت میں سہارا دیتے ہیں۔“ اس کے جواب نے ماما جان کی آنکھوں سے نیر بہا دیئے تھے، انہوں نے حیرت غیر یقینی عقیدت اور محبت سے اسے دیکھتے ہوئے اس کی پریشانی چوی تھی اور پھر گلے لگا کر بھرائی ہوئی آواز میں بولی تھیں۔

”مجھے جہان کی خوش قسمتی پہ آج کوئی شبہ نہیں رہ گیا، تم نے ثابت کیا ہے بیٹا کہ تم جہان کی ہی بیوی بننے کے قابل تھیں، جیسا وہ خود ہے اثار و وفا محبت کا شاہکار ویسی ہی تم، عظیم اور بہترین عورت جو قربانی دینا جانتی ہے، تمہاری اس قربانی نے ہمارے دل جیت لئے بے مول خرید لیا ہے۔“ وہ بے اختیار رونے لگی تھیں، ماحول اتنا جذباتی ہو رہا تھا کہ ماما اور بھابھی کے ساتھ پر نیاں کے بھی آنسو بہنے لگے، ڈالے آہستگی سے ان سے الگ ہوئی پھر ان سب پہ ایک نگاہ ڈال کر دانستہ مسکرائی تھی۔

”سب سے پہلے تو آپ یہ خیال دل سے نکال دیں ماما جان کہ میں نے کوئی قربانی دی ہے، ایسا نہیں ہے، خدا نخواستہ میں شاہ کو چھوڑ کر نہیں جا رہی، محض انہیں شادی کی اجازت دے رہی ہوں اور

مسلمانوں کی تاریخ میں ایسی بے شمار مثالیں موجود ہیں، جب ضرورت پڑنے پہ ایک مرد کو ایک سے زائد خواتین کا نکاح میں لینا پڑا۔ وہ رواداری سے بولی تھی، پر نیاں کی نگاہوں میں واضح حیرت اتر آئی، وہ چھوٹی سی نازک سی لڑکی کتنے بڑے حوصلے کی مالک تھی، بظاہر جتنی نازک لگتی تھی اس کی ہمتیں اس قدر بلند اور عزم اتنا پختہ تھا، یہ اس کی انکساری ہی تھی کہ وہ پھر بھی عجز کا مظاہرہ کر رہی تھی، شاید اس کی جگہ وہ خود ہوتی تو یا خود مر جاتی یا معاذ کی جان لے لیتی مگر بھی اسے دوسری شادی نہ کرنے دیتی، اس نے تو ایک معمولی بات پہ اتنا طوفان اٹھایا تھا کہ اب تک ان کے تعلقات میں سرد مہری چل رہی تھی، حالانکہ دیکھا جاتا تو معاذ نے اپنا حق استعمال کیا تھا شوہر تھا وہ اس کا، کوئی جرم نہیں کیا تھا مگر پر نیاں نے اتنا واویلا کیا تھا کہ اسے مجرم بنا کر رکھ دیا تھا، اگر غلطی پہ معاذ تھا تو درست وہ بھی نہیں تھی، نیک بیویاں اس جیسی نہیں یقیناً ڈالے جیسی ہوتی ہیں، خدا اور شوہر دونوں کی رضا میں راضی رہنے والی، اسے نے پہلے شوہر کو نفی کیا پھر خدا کو بھی..... کتنی بار اس عرصے میں معاذ نے پیش رفت کی تھی اس کی طرف مگر وہ ہر بار اس کو جھٹک چکی تھی، حالانکہ وہ مستعد و مرتبہ پڑھ چکی تھی، شوہر کے بلاؤ سے پہ انکار کرنے والی عورت پہ فرشتے لعنت بھیجا کرتے ہیں۔

جبکہ وہ خود کو ہر لمحہ مظلوم سمجھتی رہی تھی، اسے معاذ سے جو بھی شکایت ہوئی تھی اس نے کبھی اس سے وضاحت نہیں مانگی تھی، ہمیشہ بدگمانی سے سوچا اور بس اس سے جھگڑا کیا تھا، کسی سیانے نے کہا ہے مرد کو جب گھر پہ توجہ اور محبت نہیں ملے گی وہ باہر کا رخ کرے گا، اگر معاذ جھٹک بھی تھا تو اس کی وجہ وہ خود تھی۔ عجیب سی شرمندگی اور اندامت نے اس کا خصار کر لیا، وہ اپنی سوچوں میں کچھ اس طرح کھوئی تھی گویا ماحول سے کٹ گئی، ڈالے کے فیصلے نے اس کو گویا خواب غفلت سے جگا دیا تھا۔

☆☆☆

”کل تم تیار رہنا میں نے ایک ڈاکٹر سے بات کی ہے، وہ تمہیں ٹریٹمنٹ دیں گے۔“ جہان نماز پڑھ کر آیا تو بستر کی چادر بچھاتی ڈالے کو مخاطب کر کے کہا تھا۔

”آپ خواجواہ تردد کرتے ہیں شاہ۔“ اس نے ہاتھ روک کر اسے دیکھا تھا پھر کسی قدر اکتا کر بولی تھی۔

”کیا مطلب ہے تردد؟“ جہان نے تیوری چڑھائی۔

”مطلب یہ کہ زندگی تو اتنی ہی ہوتی ہے جتنی اللہ نے لکھ دی، یہ ٹریٹمنٹ یہ علاج زندگی نہیں بڑھا سکتے۔“ وہ پتہ نہیں اتنی ہی صبر و استقامت کی تصویر تھی یا پھر بے حس ہو گئی تھی کہ اتنے نارمل انداز میں اپنی موت کے موضوع کو ڈسکس کر لیا کرتی، جہان کے دل کو کچھ ہوا تھا۔

”وہ نقدیر بدل سکتی ہے ڈالے، میں اللہ سے ہر صورت تمہاری زندگی مانگ کر رہوں گا۔“ اس کے لہجے میں آخر میں آکر ضدی بچوں کی سی دھولس آگئی تھی، جس نے ڈالے کو مسکرانے پہ مجبور کر دیا۔

”میں خود یہ چاہتی ہوں شاہ کہ بہت لمبی زندگی آپ کے ساتھ جیوں، آپ سے دوری مجھے اتنی گراں گزرتی ہے کہ ماما کے گھر بھی جانے کو دل نہیں کرتا، یہ دیکھیں آج میں نے ساڑھی پہنی ہے آپ کو دکھانے کو۔“ اس نے اپنی ساڑھی کا پہلو لہرایا، جہان کی آنکھیں ایکدم سے لودینے لگیں۔

”یہ خصوصی اہتمام خصوصی تقاضا بھی رکھتا ہے؟“ وہ مسکراتے ہوئے معنی خیزی سے کہتا اس کے

نزدیک آگیا، ڈالے کی پلکیں حیا بار انداز میں لرز کر عارضوں پہ جھک گئیں۔

”میں نے کبھی پڑھا تھا جب عورت کو اپنے شوہر سے بات منوانی ہو تب بھی وہ اس طرح کا اہتمام کرتی ہے۔“ ڈالے کے جواب نے جہان کو ایک دم سے سنجیدگی کے حصار میں مقید کر ڈالا تھا۔

”کون سی بات منوانا چاہتی ہو؟“ اس نے رکھائی سے کہا تو ڈالے عاجز ہو کر اسے دیکھنے لگی۔

”آپ جانتے تو ہیں شاہ۔“

”تم پاگل ہو گئی ہو ڈالے، اک طرف کہتی ہو مجھ سے دوری گراں گزرتی ہے دوسری جانب مجھے کسی اور کے حوالے کرنے پہ بضد ہو، تمہیں نہیں لگتا تمہارے قول و فعل میں کس حد تک تضاد ہے۔“ وہ بھڑک اٹھا تھا، اسے ڈالے سے بہت شدت سے یہ شکایت پیدا ہوئی تھی کہ وہ اب اکثر یہ موضوع چھیڑ کر اس کا موڈ خراب کیے رکھتی تھی۔

”زینب آپا کوئی اور نہیں ہیں، آپ کی محبت ہیں۔“

”شٹ اپ ڈالے جسٹ شٹ اپ، آج کے بعد میں یہ بات نہ سنوں تمہارے منہ سے۔“ جہان نے ساری زندگی کا غصہ جیسے اسی ایک لمحے میں آیا تھا، اس کا لہجہ و انداز اتنا شدید تھا کہ ڈالے بری طرح سے ہم کر رہ گئی، وہ سارا اعتماد وہ سارا مان جو اس پہ حاصل ہوا تھا ڈالے کو جیسے اس ایک لمحے میں ہوا ہو کر رہ گیا، اب وہ پھر جیسے وہی کنفیوژڈ سی ڈالے تھی جو اس سے کوئی تعلق بندھنے سے پہلے تھی، جہان کو اپنے رویے کی سختی کا احساس ہوا تو ایک دم سے ڈھیلا پڑ گیا، ڈالے کی چھلکتی آنکھیں، خوف سے پہلی پڑی رنگت اسے شرمسار کر کے رکھ گئی تھی۔

”آئی ایم ساری ڈالے، بٹ تمہیں خود بھی خیال کرنا چاہیے نا، اک بات جو تمہیں پتہ چل گئی کسی بھی طرح اس کا یہ مطلب نہیں کہ تم مجھے بلیک میل کرنا شروع کر دو۔“ جہان نے اسے اپنے ساتھ لگاتے ہوئے بے حد مدہم لہجے میں کہنا شروع کیا تھا۔

”میں آپ کو بلیک میل کیوں کروں گی شاہ؟ مجھے یہ بات کتنے عرصے سے معلوم تھی مگر کبھی آپ سے تذکرہ بھی نہیں کیا، اب اگر میں کہہ رہی ہوں تو کیوں؟ یہ وقت کی ضرورت ہے شاہ آپ بھی تو سمجھیں۔“

ڈالے اس کے سینے میں منہ چھس کر بے حد سختی سے کہہ رہی تھی، جہان نے ہونٹ بھیج لے، پھر بہت دیر کے بعد جب وہ بولا تو اس کے لہجے میں سنجیدگی اور گہیرا تھا۔

”تم مجھے پتہ نہیں کیا سمجھ رہی ہو ڈالے، مگر میں تمہیں لازماً بتانا چاہوں گا کہ میں انسان ہوں نہ کہ فرشتہ، انسان بھی بے حد عام سا ہوں، دوسری شادی مذاق نہیں ہوتی، کسوٹی ہوتی ہے مرد کے لئے، مل صراط ہے یہ، ایک سے زائد شادیاں مرد کے لئے ڈھیل نہیں پکڑیں، اس میں مرد کی آزادی نہیں مردگی آزمائش ہے، بہت بڑی آزمائش، ہمیں یہ تو یاد رہتا ہے کہ ایک مرد چار شادیاں کر سکتا ہے مگر ایسا کہنا یا کرنے والے کہ یہ بھول جاتا ہے بیویوں کے سچ انصاف بھی رکھنا ہے اور یہ بہت مشکل کام ہے اور یہی وہ کسوٹی ہے جس پہ پورا اترنا ہرگز آسان نہیں، اگر ہم یہ جان لیں تاکہ یہ کتنا مشکل کام ہے، تو دوسری شادی کا نہ سوچیں، میں جانتا ہوں مجھ جیسا عام سا انسان دو بیویوں کے درمیان انصاف اور توازن نہیں رکھ سکے گا۔“

اپنی بات مکمل کر کے وہ یوں چپ ہو گیا جیسے بہت تھک گیا ہو، وہ ڈالے کو نہیں بتا سکتا تھا کہ اس

میں اور زینب میں کیا فرق ہے، ڈالے وہ تھی جو زبردستی اس کی زندگی میں داخل کی گئی تھی، پھر اس نے اپنی فطرت کی نیکی اچھائی اور محبت سے اسے اسیر کر لیا تھا جبکہ زینب اپنی تمام تر بے نیازی بدتمیزی اور بے رعایتی کے باوجود اس کی رگ جاں میں بستی تھی، اسے زینب سے صرف محبت نہیں تھی وہ اس کے لئے لور لور ترسا اور تڑپا تھا۔

دیوانگی کی حدوں کو چھوا تھا اس کی چاہ میں اس نے، پھر یہ ممکن تھا کہ وہ اسے ملتی اور جہان اس کے آگے ڈالے کو فراموش نہ کر دیتا، وہ اس چیز سے خائف تھا، وہ ایک بار پھر اپنی آزمائش نہیں چاہتا تھا، جبکہ ڈالے اور دیگر لوگ اس کے پس درپیش کو اس کی انا سے تعبیر کر رہے تھے۔

”جب کوئی کام خدا کی رضا کو پیش نظر رکھ کر کیا جائے تو اللہ اس کام میں خود مددگار ہو جایا کرتا ہے شاہ، آپ پریشان نہ ہوں، ہم سب کو دعائیں اور تعاون آپ کے ساتھ ہے، مہاجان نے خود میرے آگے ہاتھ پھیلا یا ہے، آپ کو مانگا ہے مجھ سے، مجھے شرمندہ تو نہ کریں۔“ وہ کہنا نہیں چاہتی تھی مگر اسے کہنا پڑا تھا، جہان بری طرح سے چونکا کچھ دیر غیر یقینی سے اسے دیکھتا رہا پھر نگاہ کا زادیہ بدلتے ہوئے ہونٹ بچھینچ لئے تھے۔

☆☆☆

وہ ہمسر تھا مگر اس سے ہمنوائی نہ تھی کہ دھوپ چھاؤں کا عالم رہا جدائی نہ تھی عداوتیں تھیں تعاضل تھا زبیں تھیں مگر پھڑنے والے میں سب کچھ تھا بے وقافی نہ تھی پھڑتے لمحے ان آنکھوں میں تھی ہماری غزل غزل بھی وہ جو کسی کو کبھی سنا کی نہ تھی کبھی یہ حال کہ دونوں میں یک دلی تھی بہت کبھی یہ مرحلہ جیسے کہ آشنائی نہ تھی جنوں کا سفر کچھ اس طرح بھی گزرا ہے شکستہ دل تھے مسافر شکست پائی نہ تھی

ریوالنگ چیئر یہ چھوٹا وہ سگریٹ کے دھوئیں کے مرغولے بنا رہا تھا، بیک سائیڈ ٹیبل پہ دھیمے سردوں میں عینی کی آواز گونج رہی تھی جب معاذ نے اندر قدم رکھا۔

”امیزنگ، بڑے ٹھاٹ ہیں، پاپا کو پتہ چلے صاحب بہادر کام کی بجائے یہ شغل فرما رہے ہیں تو نہال ہو کر تمہاری سلبری میں اضافہ کر دیں۔“ اس نے ہنستے ہوئے کہا کہ جہان کے کانڈھے پہ ہاتھ مارا تھا۔

”چائے پیو ڈگے یا کافی منگواؤں؟“ جہان نے پہلے ٹیپ بند کیا تھا، پھر سگریٹ الٹس ٹرے میں بچھا کر فرصت سے اسے دیکھا۔

”کچھ نہیں میں صرف تمہارے پاس تم سے بیٹنے آیا تھا، مگر یہ تو نظر ہی نہیں آتے، بارہم نے صرف اک آپشن رکھا تھا تمہارے سامنے، تمہیں فورس تو نہیں کیا تھا، کیوں بھاگ رہے ہو بھلا؟“ وہ ناچاہتے

ہوئے بھی شکوہ کر گیا، جہان کے چہرے پہ ایک رنگ آ کر گزرا تھا۔

”ایسی ہرگز کوئی بات نہیں ہے۔“

”گڈ ہوئی بھی نہیں جاوے، ٹم ٹینشن مت لو یا، سمجھتا ہم نے تم سے کبھی ایسی کوئی بات کی ہی نہیں تھی۔“ معاذ کے رساں سے کہنے پر جہان زور سے چونکا تھا، اس سے پہلے کہ کچھ کہتا اس کا سیل فون گنگنا اٹھا، جہان نے کوٹ کی جیب سے سیل فون برآمد کیا، ڈالے کا پیج تھا، اس نے دھیان سے پڑھنا شروع کیا شاید معاذ کے سامنے سے اس کے سوال کے جواب سے بچنے کی یہ لاشعوری کوشش تھی مگر ڈالے کی بیجی لظم کو پڑھ کر وہ مزید بے بسی محسوس کرنے لگا تھا۔

آج کے دن میں ہوں تمہاری محفل میں

آج کا دن نہ یوں برباد کر دو

پھر کسے فرصت ہے کہ یوں

تمہیں پانے تمہیں چھونے کا سفر اختیار کرے

چمچرنے کے لمحات کو یوں بے ثمر نہ گزرنے دو کہ

میرے مرنے کے بعد تمہیں اک لکڑی کا احساس رہے

اور اس دوسرے جہاں میں میرا یہ کم مایہ دل

تمہاری آنکھوں کی طرح سے ناشاد رہے

جہان کی آنکھیں ایک دم سے جل اٹھیں، وہ سمجھ سکتا تھا وہ اسے کیا کہنا چاہتی ہے۔

”داٹ ہیڈ؟ آر یو اوکے؟“ معاذ اس کے چہرے کے اتار چڑھاؤ کو غلطی نہیں سمجھ پایا تھا جیسی پریشانی کی کیفیت میں بولا، جہان نے چونک کر اسے دیکھا تھا، اس کی آنکھیں بے تحاشا سرخ ہو رہی تھیں۔

”تمہیں پپا جان نے جو ذمہ داری سونپی تھی، معاذ اگر تم اس میں سرخرو ہو جاؤ تو تمہیں بھی بہت اچھا لگے گا نا؟“ وہ عجیب سے لہجے میں بولا تھا، معاذ حیران سا اسے دیکھنے لگا۔

”انہیں آج میری طرف سے یہ پیغام پہنچا دینا کہ جہان آج بھی ان کی کسی توقع اور امید کو مایوسی کی نذر نہیں ہونے دے سکتا، مجھے آج بھی ان کے حکم پہ سر جھکانا اچھا لگے گا، اس کے باوجود کہ زینب کو آج بھی شاید اس اقدام پہ اعتراض ہوگا۔“ اس کے گھبرے ہوئے لہجے میں بھی ایک عجیب سی سرد مہری اور بیگانگی تھی، جسے معاذ نے اپنی حیرت بھری خوشی میں محسوس ہی نہیں کیا، وہ ایک دم اپنی جگہ سے اٹھ کر جہان سے لپٹ گیا تھا۔

”آئی ایم پراؤڈ آف یو جے، یو آر گریٹ سویٹ ہارٹ۔“ شدت جذبات سے اس کی آواز کانپ رہی تھی، گو کہ وہ دل سے خود جہان کے ساتھ تھا مگر جہان کی طویل خاموشی پہ وہ بھی اس سے شاک ہو گیا تھا مگر جہان کے فیصلے نے صحیح معنوں میں اسے ممنون کرنے کے ساتھ اسے اس کی اچھائی کا معترف کر دیا تھا، جبکہ اس کی بات کے جواب میں جہان کے ہونٹوں پہ زخمی مسکراہٹ بکھر گئی تھی۔

(اچھے ہونے اور اچھا بننے میں بہت فرق ہے معاذ، مجھے آج تک اپنی اچھائی کا احساس تھا نہ اندازہ، مجھے تو یہ بھی پتہ نہیں چل سکا تھا میری عادات کی وجہ سے میں اپنوں کی تکی امیدوں کا مرکز بن گیا

ہوں، کچھ کام ہم دوسروں کے لئے کرتے ہیں کچھ محض اپنی خوشی کی خاطر، مجھے نہیں پتہ یہ میں نے کیوں کیا، ہاں شاید میں ایک بار پھر اپنی امیدوں کو جو مجھ سے وابستہ تھی توڑ نہیں سکا۔

☆☆☆

وہ بے چینی سے اپنے کمرے میں ٹہل رہا تھا، کاشن کے سفید کلف شدہ سوٹ میں اس کے دروازے غصب کی مضبوط کسرتی وجود پے اتھا ج رہا تھا، آج شام کو اس کا زہن سے نکاح تھا اور ڈالے لکل ہی لاہور چلی گئی تھی، حالانکہ جہان ہرگز بھی آمادہ نہیں تھا۔

”مما مجھے کتنے عرصے سے بلا رہی تھیں شاہ جانتے تو ہیں آپ، اچھا ہے میں کچھ دن وہاں گزار لوں گی۔“ وہ کتنے حوصلے سے مسکرائی تھی، حالانکہ جہان کو بار بار مرتبہ لگا تھا اس کی نم پلکوں سے کہ وہ جیسے بہت سارا روئی ہو، جب اس نے ڈالے پہ گرفت کی تھی تو وہ کتنی مصیبت سے بولی تھی۔

”آپ نے ازواجات مطہرات یہ معنی واقعات کی بک پڑھی ہے شاہ؟ میں نے پڑھی ہے ایک بار نہیں کئی مرتبہ، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تمام ازواجات مطہرات بھی آپس میں ایک دوسرے سے رقابت محسوس کرتی تھیں، حالانکہ بلاشبہ وہ سب ہی تمام خواتین سے افضل ہیں اور درجات میں اعلیٰ مقام پہ پہلے میں بہت حیران ہوئی تھی مگر پھر..... مجھے سمجھ آگئی، پتہ ہے کیا شاہ؟ رقابت کی وجہ اور وہ تھے ان کے اعلیٰ و افضل شوہر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، بھلا اتنے بے مثال اور بہترین انسان کو کون چاہے گا کہ اپنے ساتھ اور سے شیر کرے، مگر یہ حکم خداوندی تھا، جس پہ پیر جھکانا لازم، جبکہ وہ ان بی بیوں کی محبت تھی جو شراکت پہ دل کو جگ کرتی تھی تو اس جذبے کو جنم دیتی تھی، اس میں انسانی فطرت کا بھی گہرا عمل دخل نظر آتا ہے، میرے یہ آنسو میری فطرت کا تقاضا ہیں جبکہ آپ کو اجازت دینا اور اس امر پر رضا مند کرنا حکم خداوندی کی تعمیل۔“ اتنا مفصل اور جامع جواب جہان نے تو اس کی فہم دفراسٹ پہ اسے دیکھتا رہ گیا تھا۔

”تم خاص ہوئی اور بلاشبہ مجھے تم پہ فخر ہے۔“ جہان نے بے اختیار بہت جذب سے اسے اپنے ساتھ لگا کر بھینچا تھا۔

”زہن آبی بہت سخت اور تلخ تجربے سے گزری ہیں شاہ، اب یہ آپ کی ذمہ داری ہے کہ آپ نے نہ صرف ان کے زخموں پہ مرہم رکھتے ہیں بلکہ ان کی سوچ کو بھی بدلنا ہے جو مردوں کے متعلق ان کے دل و دماغ میں گہرا کر گئی ہے۔“ اس نصیحت نے جہان کو چپ لگا دی تھی۔

”میں تمہیں بہت مس کروں گا، جلدی واپس آنے کی کوشش کرنا، بلکہ میں خود آ جاؤں گا لینے۔“ اس نے دانستہ اس کی بات سے تجال برتا تھا، ڈالے نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

”میں بہت عرصے بعد می کے پاس جا رہی ہوں شاہ، وعدہ کریں مجھے میری مرضی کے مطابق رہنے دیں گے۔“ وہ کتنی عاجزی سے کہہ رہی تھی، مگر جہان چاہتا تھا اس وقت وہ کتنے کرب سے گزر رہی تھی، اس کے دل کی عجیب کیفیت ہونے لگی۔

”سب کچھ تمہاری مرضی کے مطابق ہی ہو رہا ہے ڈالے، یہ بھی سہی۔“ وہ ناچاہتے ہوئے بھی شکوہ کر گیا تھا، ڈالے جبراً مسکرائی تھی۔

”میں جانتی ہوں آپ بہت بہادر ہیں، بہت انصاف پسند، مجھے اور کچھ کہنے کی ضرورت ہی نہیں۔“

جہان نے اب کے جواب میں کچھ کہنے کی بجائے ہونٹوں کو باہم بھینچ لیا تھا۔

”جہان بھائی آجائیں، وہاں ڈرائیونگ روم میں سب آپ کا ویٹ کر رہے ہیں۔“ دروازہ کھینچتا کر زیاد نے اندر جھانک کر پیغام دیا، جہان اپنی سوچوں سے چونک کر باہر آیا تھا اور ایک سرد آہ کھینچی، کچھ کہے بغیر اس نے زیاد کی تقلید میں قدموں کو اٹھایا تھا، مختلف راہداریاں اور میڑھیاں عبور کر کے وہ ڈرائیونگ روم میں آ گیا، جہاں پاپا نے اٹھ کر اسے اپنے بازو کے حصار میں لے کر نہایت شفقت بھرے انداز میں پیشانی چومی تھی، وہ یونہی لب بستہ ابن کے پہلو میں بیٹھ گیا، مولانا صاحب کی آمد ہو چکی تھی اگلے چند لمحوں میں نکاح کی سنت کی ادائیگی کا آغاز ہوا اور کاروائی شروع کی گئی، جہان کے احساسات عجیب سے ہونے لگے، بہت پرانی بات نہیں تھی جب یہ اس قسم کی بات کے متعلق سوچ کر ہی اس کی دھڑکنیں بے ترتیب ہو جایا کرتی تھیں، زہن کے حوالے سے ہر سوچ اور خواہش دل موکتی اور دلربائی رکھتی تھی، مگر اب ایک عجیب سی بے حسی اس پہ طاری ہو چکی تھی، نکاح ہوا اس کے بعد وہاں سب اس سمیت ایک دوسرے کے گلے ملنے لگے، اس کے ساکن و منجذ ذہن میں ایک نظم کے مصرعے گونجنے لگے۔

میرے چھوٹے سے آگن میں تمہیں وحشت سی ہوتی تھی

مجھے تم نے بتایا تھا کسی کی قید میں رہنا

تمہیں اچھا نہیں لگتا

میں اک آزاد چھی ہوں

پھر جس کو تم نے چاہا تھا

دفا کے نام سے اس کو بہت وحشت سی ہوتی تھی

وہ اک آزاد چھی تھا

کسی کی قید میں رہنا بھی اسے اچھا نہیں لگتا

سنا ہے تم پشیمان ہو

چلو پھر ایسا کرتے ہیں

نیا آغاز کرتے ہیں

محبت پھر سے کرتے ہیں

”میری دعا ہے اللہ تمہاری زندگی کا یہ نیا سفر مبارک کرے، آمین۔“ پاپا اور پاپا جان کے بعد معاذ نے اسے گلے لگایا تو بے حد خلوص سے کہا تھا، جہان نے جواباً گہرا سانس بھرا تھا اور سر جھکا لیا تھا، اس کی تسلی کی خاطر کچھ بھی عہد و پیمانے کیے بنا۔

☆☆☆

”تھوڑا سا کھانا تو کھا لو زہن۔“ نور یہ اس کے سامنے بیٹھی بے حد اصرار بھری عاجزی سے کہہ رہی تھی۔

”مجھے بھوک نہیں۔“ اس نے مخصوص قسم کے ٹروٹھے پن سے جواب دیا تھا، اس کا موڈ بری طرح سے گبڑا ہوا تھا، ایک عجیب سی جھنجھلاہٹ اس کے اعصاب پہ حملہ آور ہو چکی تھی، جب ممانے آج بالکل اچانک اس پہ اس فیصلے کو مسلط کیا تو صحیح معنوں میں وہ ہکا بکا سی ان کی شکل دیکھتی رہ گئی تھی۔

تر آٹھی

جزیرہ ہو

تھیوئیں قسط کا خلاصہ

زینت کی طلاق کے باعث شاہ ہاؤس کے مکیں شدید صدمے سے دوچار ہیں، ایسے میں تیمور اپنی فطرت کو ظاہر کرتے ہوئے یہ ٹینشن مزید بڑھاتا ہے اور زینت سے ملنے کی کوشش کر کے معاملے کو گنہگار بناتا ہے، ایسے میں پاجان حالات کی نزاکت کے پیش نظر اک فیصلہ کرتے ہیں، جہان سے زینت نکاح کا فیصلہ۔

جہان ڈالے کی بیماری کے متعلق جان کر خود کو فضا میں معلق محسوس کرتا ہے۔

جہان ڈالے کو کھونے کے تصور سے ہراساں ہے، ایسے میں ڈالے اسے زینت سے نکاح کو قور کرتی ہے، صرف وہی نہیں جب معاذ بھی وہی بات کہتا ہے اور اس کے علم میں یہ بات آتی ہے کہ یہ جان کی خواہش تو جہان کے پاس انکار کی گنجائش ختم ہو جاتی ہے۔

معاذ اور پریشاں کے تعلقات کی سرومہری جہان کی بہتری کی کوشش اور معاذ کو سمجھانے بچھانے کے باوجود بڑھتی جاتی ہے۔

چوتھیوں قسط

اب آپ آگے پڑھیے



کمال ضبط کو میں خود بھی تو آزماؤں گی میں اپنے ہاتھ سے اس کی دہن سجاؤں گی سپرد کر کے اسے چاندنی کے ہاتھوں میں میں اپنے گھر کے اندھیروں میں لوٹ آؤں گی بدن گئے کرب کو وہ بھی نہ سمجھ پائے گا میں دل میں روؤں گی آنکھوں میں مسکراؤں گی وہ کیا گیا کہ رفاقتوں کے سارے لطف گئے میں کس سے روٹھ سکوں گی کسے مناؤں گی وہ ایک رشتہ بے نام بھی نہیں لیکن میں اب بھی اس کے اشاروں پہ سر جھکاؤں گی بچھا دیا تھا گلابوں کے ساتھ اپنا وجود وہ سو کے اٹھے گا تو خوابوں کی راکھ اٹھاؤں گی اب اس کا فن تو کس اور سے منسوب ہوا میں کس کی لکڑی میں گنگناؤں گی جواز ڈھونڈ رہا تھا وہ نئی محبت کے وہ کہہ رہا تھا میں اس کو بھول جاؤں گی

اس نے گہرا سانس بھر کے بروین شاکر کی بک کو بند کیا تو سرورق کے چکنے کاغذ پر اس کی ٹوک مڑکان سے بکھرنے والے آنسو پھیل کر دور تک لڑھکتے چلے گئے، دکھ سے بوجھل مسکان اس کے ہونٹوں پر اتری تھی، شام سے اب تک وہ کتنی بے چین تھی، کس وجہ وحشت زدہ، دھیان کے تمام پچھی لمحہ لمحہ اڑان بھرتے رہے تھے۔

”اب وہ تیار ہو رہے ہوں گے، اب نکاح ہوا ہوگا، اب زینب کو کمرے میں لایا گیا ہوگا، اب شاہ ہاؤس آئے ہوں گے، دونوں نے پہنچنے کی بات کی ہوگی، پھر عہد وفا سے پہلے غلطیوں کا اعتراف کچھ آنسو پھر مسکراہٹ، روٹھنا مانانا اور پھر.....“ اس کے آگے کی تمام سوچیں اس کے وجود میں گھٹن بھر جاتیں تو دل میں وحشت سے بھرا ہوا احساس، وہ ہر بار سر جھکتی اور ہر بار خود کو جھڑکتی۔

اسے کم طرف ہو کر نہیں سوچنا تھا، اسے خود سے اپنے دل کو بھی وسیع کرنا تھا، مگر کرب ایسا تھا گہرا ہٹ اتنی شدید تھی کہ اس کی ہر کوشش ناکام جا رہی تھی، کتنی بار پوری شدت سے ول چاہا تھا جہان سے بات کرے مگر اس نے ہر بار خود کو سختی سے روک لیا تھا، آج کے دن اس نے جہان کو ہرگز نہیں پکارنا تھا، آج کی رات اس نے جہان کو اپنی یاد نہیں دلانا تھی، یہ اس کا خود سے عہد تھا جو اسے ہی خون رلائے جا رہا تھا، جب یہ وحشت کچھ اور بھی سوا ہونے لگی، تب وہ وضو کی نیت سے واش روم میں بند ہو گئی تھی، باہر آئی تو کمرے میں مسز آفریدی کو موجود پایا کہ قدرے حیران ہوئی تھی۔

”مئی آپ اس وقت؟ خیریت آپ سوئی نہیں؟“

”یہی سوال میں تم سے کرنے آئی ہوں، ایک بج رہا ہے اور تم ابھی تک پھر رہی ہو۔“ ان کے سوال

پہ ڈالنے نے بے ساختہ نظریں چرائیں۔

”مجھے نماز پڑھنی ہے مئی! پھر سونا ہی ہے۔“

”نمازی تو میری بیٹی پہلے بھی تھی اب کچھ زیادہ ہی عبادت گزار نہیں ہو گئی؟“ انہوں نے چھیڑا تھا، ڈالے بوجھل دل سے ذرا سا مسکرائی۔

”میں محسوس کر رہی ہوں ڈالے تم اب سیٹ ہو، نہ ڈھنگ سے کچھ کھاتی ہو نہ میرے پاس بیٹھتی ہو، مجھے تو لگتا ہے جیسے روئی بھی ہو تم، جہان نے تو کچھ نہیں کہا تمہیں؟“ ان کی گہری نظریں جیسے اندر تک اتر کر بھید پانے کی جدوجہد میں مصروف تھیں، ڈالے کو بے چینی نے آن لیا۔

”ایسا کچھ نہیں ہے مئی، بس کچھ طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔“ اس نے جیسے جان چھڑانا چاہی، مسز آفریدی نے ہنکارا سا بھرا۔

”چھ ماہ ہوا ہے میں تمہاری شادی کو مگر تم ابھی تک پریکٹ نہیں ہوئیں، کلن چلنا میرے ساتھ میں تمہارا چیک اپ کرانا چاہوں گی، جہان کا رویہ تو بہتر ہے تا تمہارے ساتھ؟“ مسز آفریدی کی باتوں نے ڈالے کے چہرے کو دہکا ڈالا تھا، اس نے سخت زدہ اندازہ میں نظریں جھکا لیں اور بے حد عاجز ہو کر بولی تھی۔

”مجھے آپ کا شاہ پہنک کرنا اچھا نہیں لگتا مئی، وہ صاف گوا اور کمرے دیا متدار انسان ہیں، اولاد کے معاملے میں دیر اللہ کی طرف سے ہے۔“

”اوکے اوکے تم نے تو برا مان لیا، میری جان میں بھول جاتی ہوں تم اپنی ماں سے زیادہ اپنے شوہر سے محبت کرتی ہو۔“ انہوں نے ہنستے ہوئے کہہ کر اس کا گال تپتہ تپایا تھا اور اسے نیک تمناؤں سے نوازی پلٹ گئیں، ڈالے گہرا سانس بھر کے جائے نماز بچھا رہی تھی۔

”بے شک اللہ کی یاد میں ہی دلوں کا سکون پوشیدہ ہے۔“ وہ اس بات کو جانتی تھی۔

☆☆☆

ہاسپٹل کی شفاف راہداری میں اس پل موت کا سناٹا طاری تھا، رات کا تیسرا پہر تھا اور ہر سو ہوکا عالم، بس ماحول میں کبھی کبھار کسی اسپر کے مہینے یا پھر کسی وارڈ بوائے کے جوتوں کی سرک سرک سناکی دے جاتی، ایمر جنسی آپریشن روم کا دروازہ بند تھا اور وہ سب باہر ایک اضطراب اور وحشت کے عالم میں موجود اپنی اپنی سوچوں میں کم تھے، میزھیاں چڑھتے ہوئے جانے کیسے پریناں کا پیر مڑ گیا تھا اور وہ سنبھلے بغیر گرتی چلی گئی تھی، یہ اس کی کربناک اور دروز چھین ہی تھیں جس کی وجہ سے آن کی آن میں گھر بھر کے سارے افراد اس کے گرد جمع ہو گئے تھے، جو ہر لمحہ اپنے ہی خون میں ڈوبتی جا رہی تھی، بس پھر گہرا ہٹ تھی ایک بدحواسی اور افراتفری سی پھیلی تھی ہر سو اور اسے بہت غلٹ میں ہاسپٹل لے جایا گیا تھا، معاذ انہی کچھ دیر قبل ہی گھر سے نکلا تھا، کہاں کوئی بھی نہیں جانتا تھا، آپریشن سے پہلے چند پیر زپہ اس کے سپر کی ضرورت پڑی تھی اور جہان اس سے رابطہ کرتا ہا گیا تھا، پھر اس کی زندگی یا موت کے اس پر وانیے پہنچا کے سائن لے لئے گئے تھے، پچھلے تین گھنٹے سے آپریشن روم میں گئے ہونے کے آئے تھے اور پچھے سب کی جان سولی پہ لگی ہوئی تھی، معاذ راہداری کے سرے پہ بھاری قدموں کے دوڑنے کی آواز ابھری اور اگلے چند لمحوں میں معاذ ان کے سامنے تھا، چہرے پہ ہر اس آنکھوں میں اک انجانا سا خوف لئے وہ کتنا

مختلف لگ رہا تھا اس معاذ سے جس سے پچھلے کئی مہینوں سے جہان واقف تھا۔
 ”کیا ہوا ہے اسے؟ زیادہ کب رہا تھا سڑھیوں سے گری ہے۔“ اس کی آواز میں بھی اندیشے سرسراتے تھے، جہان کے ہونٹوں سے سرد آہ برآمد ہوئی تھی۔

”ڈونٹ پوری، ڈاکٹرز نے بچے کی طرف سے مکمل اطمینان دلایا ہے، سارا خطرہ تو پریناں کی جان کو ہے۔“ جہان عادت کے برخلاف اس پہ طنز کر گیا تھا، وہ اس کی پریناں کی جانب سے برتی جانے والی بے رغبتی اور بے سلوکی پہ بے تحاشا کڑھتا تھا۔

”کیا کہنا چاہتے ہو؟“ معاذ کے دل کو دکھ کا سا لگا تھا، جہان کے ہونٹوں پہ زہر خند پھیل گیا۔
 ”تمہیں اپنے بچے کی فکر ہے نا؟ اسے کچھ نہیں ہوگا نا امیدی تو ڈاکٹرز نے پریناں کی طرف سے دلائی ہے۔“ جہان آج اسے ہرگز معاف کرنے کے موڈ میں نہیں لگتا تھا، معاذ یکتا سکتے میں آ گیا، جہان غصے سے اسے دیکھتا یا کی جانب چلا گیا جو اشارے سے اسے پاس بلا رہے تھے جبکہ معاذ یوں دیوار کے سہارے بیٹھتا چلا گیا تھا جیسے جسم سے کسی نے ساری توانائی ایک لمحے میں نچوڑ لی ہو۔

”یہ تائی اس سوٹ کے ساتھ اچھی لگے گی، پرئیں کروں؟“

صبح جب وہ تیار ہونے لگا تھا تو پریناں نے جان بوجھ کر اسے مخاطب کیا تھا، پچھلے کچھ دنوں سے وہ اس میں بہت نمایاں تبدیلی محسوس کر رہا تھا، وہ ہر وقت اس کے آگے پیچھے پھرنے لگی تھی، ہر کام بھاگ بھاگ کر خود سرانجام دینے کی کوشش کرتی، معاذ نے زیادہ توجہ نہیں دی تھی مگر اس وقت جھنجھلا گیا تھا۔
 ”تم سے میں نے مشورہ نہیں مانگا اور ہر وقت سر پہ کیوں سوار رہنے لگی ہو میرے۔“ وہ جھڑک کر بولا تو پریناں کا چہرہ ایک دم سے دھواں دھواں ہو گیا تھا، ہونٹ چلتی ہوئی وہ یوں پلکیں جھپکنے لگی تھی جیسے آنسو ضبط کر رہی ہو۔

”اب کیا ہے؟ جاؤ نا۔“ وہ چیخا تھا، پریناں گھبرا کر دو قدم پیچھے ہوئی پھر قدرے ہچکچا کر مگر سہے ہوئے انداز میں بولی تھی۔

”مجھے آپ سے کچھ بات کرنی ہے۔“
 ”ہاں تو بولو، یوں محسوسیت کا تاثر دینے کی کیا ضرورت ہے، اچھی طرح جانتا ہوں جو حقیقت ہے تمہاری۔“ وہ اسی خراب موڈ کے ساتھ ترش انداز میں بولا تھا، پتہ نہیں اسے اتنا غصہ کیوں آرہا تھا اس پہ۔

”مجھے آپ سے معافی مانگنی ہے، مجھے اس اعتراف میں عار نہیں ہے کہ میں نے آپ کی بہت نافرمانی کی، پلیز مجھے معاف کر دیں۔“ پچھلی آواز میں کہتے اس نے باقاعدہ اس کے سامنے ہاتھ جوڑ دیئے تھے، معاذ جہاں حیران ہوا تھا اس کی اس حرکت پہ وہاں زہر سے بھی بھر گیا تھا۔

”اب یہ کوئی نیا ڈرامہ ہے تمہارا؟ تم اور معافی تمہاری اکڑنے اجازت کیسے دے دی اس کی؟“
 اس کا لہجہ کاٹ دار اور گہرا طنز سونے ہوئے تھا، پریناں کا چہرہ پیکا پڑنے لگا۔

”ایک دو دن میں میری ڈلیوری متوقع ہے، یہ بہت نازک وقت ہوتا ہے، میں چاہتی ہوں اپنی سابقہ ساری خطا میں معاف کرا لوں۔“ اس کی وضاحت پہ معاذ تسخّر سے ہنس پڑا۔

”یہ سبق بھی یقیناً تمہیں ممانے دیا ہوگا ہے نا، ورنہ تمہاری انا کو کہاں گوارا ہو سکتا تھا، خیر بے فکر رہو

بہت سخت جان ہوتم، مردگی ہرگز نہیں، میری جان اتنی آسانی سے نہیں چھوٹنے والی تم سے۔“ یہ نہیں اس وقت وہ اتنا بے رحم اور سفاک کیوں ہو گیا تھا کہ اسے نہ پریناں کے زرو پڑتے چہرے پہ ترس آیا نہ اس کی آنکھوں میں انڈنی نمی پہ اور اب اپنی ہی بے رحم آواز کی بازگشت اسے سنائی دی گئی تو دل میں وحشت سی بھر گئی، اسے احساس تک نہ ہو سکا اور اس کی آنکھوں سے کتنے ہی آنسو ٹوٹ ٹوٹ کر بہتے چلے گئے، ضد..... انا..... اور خودی کے زعم میں جلا وہ کیا کھونے جا رہا تھا، اسے احساس ہوا تو جسے پاگل ہونے لگا تھا۔

”معاذ..... رو رہے ہوتم؟“ جہان کی اس پہ نگاہ پڑی تو اسے بچوں کی طرح سسکیاں بھرتے دیکھ کر وہ قریب آ کر ششدر سا بولا تھا، جواب میں معاذ اس کے کاغذ سے لگ کر خود پہ پوری طرح ضبط کھو بیٹھا تھا۔

”میں مر جاؤں گا بے اگر اسے کچھ ہوا، وہ ٹھیک تو ہو جائے گی نا بے؟“ اس کی آنسوؤں سے بھیگی بھرائی ہوئی آواز میں کتنے خدشوں کی یلغار تھی، جہان ٹھنڈا سا نس بھڑکے رہ گیا تھا، کیا چیز تھا وہ؟ اسے قطعی سمجھ نہیں آ سکی۔

”اللہ سے دعا کرو معاذ، سب کچھ اسی قادر مطلق کے ہاتھ میں ہے، دعا کرو اللہ پریناں کی مشکل کو آسان بنا کر اسے صحت اور زندگی سے نواز دے۔“

جہان خود بے تحاشا مضطرب تھا مگر اس بل اس بہت رساں سے کہہ رہا تھا، معاذ کچھ دیر سا کن سا اس کے ساتھ لگا رہا پھر آہستگی سے الگ ہو گیا، کچھ کہے بغیر وہ بے آواز قدموں سے پلٹا تھا اور وضو کر کے جائے نماز کا اہتمام کیے بنا ہی سجدے میں گر گیا تھا، اسے نہیں پتہ تھا اس نے کس انداز میں اور کیسے رب کو پکارا تھا اسے بس یہ یاد تھا اس نے اللہ سے صرف ایک ہی التجا کی تھی، وہ تھی پریناں کی زندگی کی دعا۔

☆☆☆

بحر کی اذان کی پہلی پکار فضا میں گونجی تھی، جب جہان دوبارہ شاہ ہاؤس واپس آیا تھا، پورے شاہ ہاؤس کی لائٹس آن تھیں، نوریہ حور پہ اور پچھو بھی رات سے نکاح کی تقریب کے باعث ادھر ہی تھیں ابھی بھی آتے ہوئے اس نے سامنے گیٹ پہ تالا دیکھا تھا بانیگ پور ٹیکو میں کھڑی کر کے وہ اندرونی حصے کی جانب آیا تو سب سے پہلا سا نماز منب سے ہی ہوا تھا، آف وائیٹ شیفون کے خوبصورت سی کڑھائی سے آراستہ سوٹ میں لمبوس ہمرنگ دوپٹہ نماز کے اسٹائل میں لپیٹے وہ جیسے اسی کی منظر تھی اسے دیکھتے ہی ایک دم کھڑی ہو گئی۔

”پریناں کیسی ہے؟“

نکاح کے بعد یہ باضابطہ دوسرا سا ملنا تھا جہان کا اس سے، اس سے پہلے جب وہ اندر آیا تھا تو وہ نوریہ سے الجھ رہی تھی، جہان خود آتے ہوئے ماما سے فاطمہ کو لے کر آیا تھا، بغیر کچھ کہے فاطمہ کو آگے بڑھ کر اس کی گود میں ڈال دیا، نوریہ کترا کر کب کی باہر نکل گئی تھی۔

”آپ کے ساتھ جتنی زبردستی ہوتی تھی ہوگی، مزید جبر کرنے کی خود پہ ضرورت نہیں، مجھے اور میری بیٹی کو آپ سے کچھ نہیں چاہیے ہوگا۔“ وہ اسے دیکھے بغیر اس سے مخاطب ہوئی تھی، جہان کچھ چونک کر رہ گیا تھا۔

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ نادر پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ہیں۔

- ✧ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✧ ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور ریڈیو امیل لنک
- ✧ ہر ای بک آن لائن پڑھنے
- ✧ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پر یو یو
- ✧ ہر پوسٹ کے ساتھ
- ✧ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ✧ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف
- ✧ سائزوں میں ایلوڈنگ
- ✧ سائزوں میں ایلوڈنگ
- ✧ پیریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- ✧ عمران سیریز از مظہر کلیم اور
- ✧ ابن صفی کی مکمل ریچ
- ✧ ایڈ فری لنکس، لنکس کو میسج کمانے کے لئے شریک نہیں کیا جاتا
- ✧ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریچ
- ✧ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ✧ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ✧ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

← ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

← ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیگر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library For Pakistan

Like us on Facebook

fb.com/paksociety



twitter.com/paksociety1

”کیسی زبردستی؟“ اسے خفتان سا ہونے لگا۔

”کیا آپ اپنا بھرم رکھنا چاہتے ہیں میرے سامنے؟ یہ بہت فضول بات ہوگی، میں جانتی ہوں آپ ڈالے سے محبت کرتے ہیں اور.....“

”اور.....؟“ جہان نے سوالیہ مگر سر دنگوں سے اسے دیکھا وہ اس کی پوری بات سننا چاہتا تھا۔
”اور یہ کہ تیور کی بدتمیزیوں اور دھمکیوں کی وجہ سے پریشان ہو کر ماما پاپا نے آپ کے سر پہ مجھے مسلط کر دیا۔“ وہ زہر خند سے بولی تھی، جہان نے ہونٹ سختی سے بھینچ لئے، اسے قطعی سمجھ نہ آسکی وہ اس صورتحال میں اب کیا کردار ادا کرے، اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہہ پاتا نیچے ایک دم سے شور و پکار مچ گیا تھا، جہان کسی طرح بھی خود کو نیچے جانے سے روک نہیں سکا، وہاں کا منظر بہت دلروز تھا، پر نیاں کی حالت اتنی خراب تھی کہ وہ اسی وقت بے ہوش ہو چکی تھی، جہان ہی پاپا اور پاپا جان کے ساتھ ماما کے ہمراہ اسے ہسپتال لے کر گیا تھا۔

”بول کیوں نہیں رہے ہیں آپ؟ کچھ پوچھا ہے میں نے، سب خیریت ہے نا؟“ جہان کو سوچوں کی اتھاہ سے زہن کی تیز آواز نے نکالا تھا، وہ اس کی خاموشی پر ہراساں نظر آ رہی تھی، جہان چونکا اور قدرے شرمندہ سا ہو کر رہ گیا۔

”ہاں پر نیاں ٹھیک ہیں، اللہ نے بیٹے کی نعمت سے نوازا ہے۔“
”اوہ! تمہنک گاڈ، ایک لمحہ گویا سولی پہ لٹک کر گزرا ہے، نمبر ملا تے انگلیاں کھس گئیں، فون کیوں نہیں اٹھا رہے تھے آپ؟ بات کرنے کا مجھے بھی شوق نہیں پڑا ہوا، مگر پریشانی ہی ایسی تھی۔“ وہ جتنی اضطراب سے نکلی تو پھر سے سلگتے کوئلے کی طرح چمکنے لگی، جہان کی خفت میں کچھ اور اضافہ ہوا۔
”سوری فون سائلٹ پہ تھا، پریشانی میں خیال ہی نہیں آسکا۔“ اس کی وضاحت پہ زہن نے تیوری چڑھائی تھی۔

”ہاں خیال کیوں آئے گا، پچھلوں کی پریشانی کی کسی کو کیا پروا۔“
”اگین سوری، آئندہ ایسا نہیں ہوگا۔“ جہان نے جیسے جان چھڑانا چاہی مگر چھوٹنے کی بجائے گرفت سخت ہو گئی۔

”کیا مطلب ہے؟ خدا نہ کرے کہ پھر سے ایسی چوکیشن سے دوچار ہونا پڑے۔“ وہ اسے گھور کر بولی تھی، جہان کا دل اپنا سر پیٹ لینے کو چاہتا تھا، وہ لگتی تھی ایک رات کی دہن؟ نہ جھج نہ شرم نہ گریز، وہ تو جیسے اس نئے بندھنے والے بندھن سے ہی سرے سے بے نیاز تھی۔

جہان کو عجیب سی جھنجھلاہٹ نے آن لیا، بھابھی کو ہسپتال لے جانے کے لئے سوپ اور ناشتہ تیار کرنے کا کہتا وہ اپنے کمرے میں آ گیا، وارڈ روم سے کپڑے نکالے اور نہانے لگی، اس کے بعد نماز ادا کی تھی پھر آ کر بستر پہ لیٹا تو اس کے اعصاب شدید کشیدگی اور تھکن کے باعث تباہ کا شکار تھے، فاطمہ وہیں سو رہی تھی، جہان نے کروٹ بدلی تو نگاہ گلابی میٹ کی خوبصورت سی فرائک میں محسوس پری پر جا پڑی، وہ کچھ دیر اسے دیکھتا رہا، وہ ہو بہو زہن کی کاپی تھی، وہی غلابی آنکھیں وہی ہی تھی مگر ستواں ناک گلاب کی پگھل پوں جیسے نازک ہونٹ صبح پریشانی اور میدے جیسی بے حد اجلی رنگت، جہان کے چہرے پہ مسکراہٹ بکھرنی چلی تھی، اس نے ہاتھ بڑھایا تھا اور احتیاط اور نرمی کے ساتھ ہنسی کو اٹھا کر

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ فائدہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ٹیبل :-

- ☆ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ☆ ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ☆ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ☆ نیریو کوالٹی، نارل کوالٹی، کیریڈ کوالٹی
- ☆ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریچ
- ☆ ایڈ فری لنکس، لنکس کو میسے کمانے کے لئے شرنک نہیں کیا جاتا
- ☆ ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور ریڈیو امبل لنک
- ☆ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پر ریویو ہر پوسٹ کے ساتھ
- ☆ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ☆ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریچ
- ☆ ہر کتاب کا الگ سیشن
- ☆ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ☆ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

← ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

← ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب

ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library For Pakistan

Like us on Facebook

fb.com/paksociety



twitter.com/paksociety1

اے سنے پہ لٹالیا، پھر اسی شفقت اور محبت سے بار بار اس کی پیشانی کو چوما، وہ ذرا سا کسمپاسی اور پھر سے گہری نیند سو گئی، جہاں کو اپنی تھکان اور کلفت دور ہوتی محسوس ہوئی تھی، ایک عجیب سا سکون تھا جو اس کے اندر سرایت کرتا جا رہا تھا، فاطمہ کے لئے اسی کے دل میں محبت کے سوتے اس وقت بھی پھولے تھے جب پہلی بار اس نے اسے دیکھا تھا۔

دل کی گہرائیوں سے یہ خواہش ابھری تھی کہ وہ تیور کی نہیں اس کی بیٹی ہوتی، پتہ نہیں اس خواہش میں کتنی شدت تھی کہ وہ حالات کے چکر میں آکر اس تک پہنچ گئی تھی، اسے اس کا باپ ہونے کا درجہ دے دیا گیا تھا۔

سل فون پہ میسج ٹون بجی تھی، جہاں چوک سا گیا، سیل بیڈ کی سائیڈ ٹیبل پہ موجود تھا اور اس کی اسکرین روشن تھی، جہاں نے فون اٹھایا اور اس کی اسکرین کو الٹی سے چھوا، ان باکس کھل گیا تھا، کہنی کی طرف سے کسی پرکشش آنر کی پیشکش تھی، جہاں نے میسج ڈیلیٹ کیا اور ڈالے کا نمبر ملا لیا تھا۔

”کیسی ہوئی؟“ اس نے سلام کے بعد بہت خوشدلی سے اس کی خیریت دریافت کی تھی۔

”آپ اتنی جلدی اٹھ گئے شاہ؟“ دوسری جانب یلکھت خاموشی چھائی تب جہاں ایکدم سے سنبھلا۔

”اچھو لی رات پر نیاں کی طبیعت خراب ہو گئی تھی، ہاسپٹل لے جانا پڑا۔“ وہ جانے کیوں وضاحت دے رہا تھا۔

”خیریت سے ہیں نا پر نیاں؟“

”الحمد للہ، بیٹا ہوا ہے معاذ کا۔“ وہ مسکرا کر بتا رہا تھا، دوسری جانب ڈالے ایکدم پر جوش ہو کر اسے مبارکباد دینے لگی تھی۔

”بھئیٹکس ہنی، پر نیاں اور معاذ کے ساتھ چاچو چاچی اور ماما پاپا جان کو بھی مبارکباد دینا۔“ وہ اسے نصیحت کر رہا تھا، ڈالے ہنس دی تھی۔

”یہ بھی کوئی کہنے کی بات ہے، میں ابھی فون کرتی ہوں، یہ بتائیں زینی آیا کیسی ہیں؟“ ڈالے نے یہ سوال کرنے سے قبل پتہ نہیں خود یہ کتنا جبر کیا ہوگا، جہاں کو ایکدم چپ سی لگ گئی۔

”بولیں نا؟“ وہ اصرار کر رہی تھی۔

”یہ سوال بہتر ہے تم اسی سے پوچھ لینا۔“ جہاں نے جواباً بے اعتنائی کا مظاہرہ کیا تھا۔

”ان سے تو آپ کے متعلق کروں گی نا؟ آپ بتائیں آپ کو کیسی لگی ہیں وہ؟“ پتہ نہیں وہ اپنا ضبط آزمایا تھی کہ اس کا جہاں کو قطعی سمجھ نہیں آسکی مگر وہ سنبھلانے لگا تھا۔

”اگر یہ مذاق ہے تو مجھے پسند نہیں آ رہا ہے ڈالے۔“ جہاں نے اسے ٹوک دیا تھا، ڈالے لہنتی چلی گئی، پھر فون بند کر دیا، جہاں عجیب سا محسوس کرنے لگا، وہ یونہی سا کن پڑا تھا جب نہ منب نے اندر قدم رکھا تھا، سوئی فاطمہ یہ نگاہ پڑی تو ایکدم سھکی اور کچھ دیر یونہی عجیب سی نظروں سے اسے دیکھتی رہ گئی، مگر جہاں اس کی آمد سے بھی گویا بے خبر کسی گہری سوچ میں متفرق تھا۔

”بھابھی نے ناشتہ تیار کر دیا ہے، آپ ہی لے کر جائیں گے نا ہاسپٹل؟“ فاطمہ کی فیڈر اٹھاتے ہوئے اس نے جہاں کو مخاطب کیا تب وہ چونکا تھا اور گہرا سانس بھر کے اسے دیکھا وہ اب جھک کر فاطمہ

کو اٹھا رہی تھی، جہان کی نظریں اس پر ٹھہر گئیں، رات بھر کی جگارتا اور اس سے پہلے کی گریہ وزاری نے اس کی آنکھوں کے پوٹوں پر سو جن اتار دی تھی، اور ایسے میں ہمیشہ اس کی آنکھوں کی خوبصورتی کا عالم ہی اور ہوا کرتا تھا، لمبی ریشمی پلکیوں کو اٹھنا گرنا جہان کھل طور پر اس میں محو ہو رہا تھا جب وہ ایک دم سے متوجہ ہوئی اسے اس طرح خود میں گمن پا کر نینب کی رنگت میں تغیر پیدا ہوا تھا، وہ یکلخت فاطمہ کو چھوڑ کر سیدھی ہوئی پھر دو قدم پیچھے ہو گئی تھی۔

”فاطمہ کو مجھے دس، بیچ کرانا ہے۔“

اسے دیکھے بغیر وہ کسی قدر سخت لہجے میں بولی تھی، جہان جیسے ایک دم سے ہوش میں آ گیا، خود کو کپوڑا کرتا ہوا وہ سیدھا ہوا تھا اور جیسے خود کو ملامت کرنے لگا، اس کا خیال غلط نہیں تھا، وہ واقعی اس کی قربت میں ڈالے کو تو کیا خود اپنے آپ کو بھی بھول رہا تھا، اس کے لئے وہ آج بھی وہی سحر رکھتی تھی جس کے سامنے جہان سمرائز ہو جایا کرتا تھا۔

”بات سنھیں ہے۔“ فاطمہ کو بستر پہ لٹا کر وہ خود اٹھا تھا اور سلپروں میں ڈال کر دروازے کی جانب پیش قدمی کر چکا تھا جب نینب کی پکار پہ گہرا سانس کھینچ کر تم کو اسے دیکھا۔

”یہ آپ یہاں بھول کر جا رہے ہیں، اچھا خاصا جنتی ہے، سنبھال کر رکھنا چاہیے آپ کو۔“ اس کے ہاتھ میں وہ منگلیں کیس تھا، جس میں وائیٹ گولڈ کا ڈائمنڈ جڑا وہ بے حد حسین لاکٹ تھا جو زیڈ کی شیب میں بنا ہوا تھا، بہت سال قبل دل کی اس الہی سی خواہش پہ اس نے دوئی کے مہنگی ترین جیولری شاپ سے یہ لاکٹ خریدا تھا اور سنبھال کر کسی بے حد حسین اور مناسب وقت کے لئے رکھ لیا تھا، وہ خواہش جس کے ادھورے رہ جانے سے دل دھویں اور کرجوں سے بھر گیا تھا۔

وہ چاہتا تو یہ ڈالے کو بھی دے سکتا تھا، نینب کی طرح اس کا نام بھی زیڈ سے شروع ہوتا تھا مگر چاہنے کے باوجود ایسا نہیں کر سکا تھا اور کل لاکر سے رقم نکالتے یہ اس کے ہاتھ آتا تو اس نے نکال کر دروازے میں رکھ دیا تھا، مقصد واضح تھا، وہ نینب کو ہی دینا چاہتا تھا مگر ایک بار پھر اسے موقع نہیں مل سکا تھا۔

”رکھ لو، یہ تمہارے لئے ہی ہے۔“ جہان نے گہرا سانس بھر کے جواب دیا تو نینب کے چہرے پہ ایک دم سے بھر پور کئی چھا گئی تھی۔

”اتنا بے وقوف سمجھ رکھا ہے مجھے، ہماری شادی نہ تو باقاعدہ پلاننگ سے ہوئی ہے نہ آپ اس کام کے دل و جان سے منتظر تھے کہ مجھے اس قسم کی باتوں میں سچائی محسوس ہوگئی، یہ ڈالے کا ہے آپ اسے ہی دیجئے گا، مجھے کوئی ضرورت ہیں ہے کسی کی چیز یہ اپنا نام لکھوانے کی۔“ وہ کئی اور عنصر سے کہتی چلی گئی تھی، لہجہ رجحانت سے بھر پور تھا، جہان کا تو جیسے دماغ گھوم کر رہ گیا تھا، یعنی حد تک کوئی بدگمانی کی بھی اور توہین کی بھی۔

”مجھے بھی کوئی ضرورت نہیں ہے جھوٹ بول کر تمہاری نظروں میں معتر ہونے کی، جہاں تک ڈالے کی بات ہے تو یہ لاکٹ ہی نہیں جہا تکیر حسن بھی پہلے اسی کا شوہر بنا ہے، کس کس سے اجتناب برتو گی۔“ اتنا ہی غصہ آیا تھا اسے کہ اپنی بات کھل کر کے نینب باہر نکلتا چلا گیا، الفاظ کی سنگینی کے اثرات دیکھنے کے بھی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔

”تم تھوڑا آرام کر لیتے جہان، ذرا ٹھہر کے چلے جاتے، یہ ناشتہ وغیرہ میں حسان یا زیاد کے پاس

بجھوادی تھی۔“ وہ کچن میں آیا تو بھابھی نے اس کی سرخ ہوتی آنکھوں کو دیکھ کر رومان سے کہا تھا، شاید نہیں یقیناً نہیں اس کی بے آرامی سے بڑھ کر اس پوزیشن کا خیال تھا جو کل رات کے بندھنے والے بندھن کے بعد کی متقاضی تھی، جہان نے ان سنی کر سنے ہوئے ان کے ہاتھ سے ٹخن کیر یہ تر لے لئے۔

”نینب نہیں چل رہی تمہارے ساتھ؟ مجھے تو اس نے کہا تھا وہ بھی جائے گی پرینیاں کو اور بچے کو دیکھنے۔“ بھابھی کی بات پہ جہان عجیب غم سے میں پڑ گیا۔

”مجھے تو ایسی کوئی بات نہیں کہی اس نے۔“

”تم رکو میں پوچھ کر آتی ہوں۔“ بھابھی نے چولہے کی آنج ڈھکی کی تھی اور پلٹ کر باہر جا رہی تھی کہ نینب خود وہاں چلی آئی۔

”زینی تم جہان کے ساتھ نہیں جا رہی ہو ہاسپتال؟“ بھابھی نے اسے اسی گھریلو طبع میں دیکھ کر حیرت بھرے انداز میں استفسار کیا تھا۔

”نہیں۔“ جواب مختصر مگر سرد تھا۔

”مگر تم تو کہہ رہی تھیں.....“

”غلط کہہ رہی تھی، ضروری تو نہیں کہ مہر لگا دی جائے، فی الحال نہیں جانا مجھے۔“ وہ کس قدر غصے میں آ کر بولی تھی، جہان جو اسی کے جواب کا منتظر تھا ہونٹ کھینچنے کچن سے نکل گیا تھا، وہ کتنی دیر تک برتن بیچ کر اپنا غصہ نکالتی رہی تھی۔

☆☆☆

تازہ گلاب کی دلغریب مہک اور مومی پیر کی مہکن سی کھڑ کھڑا ہٹ پہ پرینیاں جو بڑھ چالی سی بڑی تھی بے اختیار آنکھیں کھولنے پہ مجبور ہوئی تھی، بلیک ٹو پیس میں گلے میں جھولتی ٹائی جس کی ٹائٹ ڈھیلی کی گئی تھی اور کلر کا اوپر کا بن بھی کھلا تھا وہ اس کے سر ہانے کھڑا پھولوں کا بکے اس کے پاس رکھ رہا تھا، پرینیاں کی پلکیں اسی زاویے پہ ساکن ہو گئی تھیں، ہلکی بڑھی ہوئی شیو، بکھرے ہوئے بال اور بے تحاشا سحر انگیز آنکھوں میں ٹھہری بے تحاشا سرخی..... وہ اس طبع میں بھی بے تحاشا دلکشی اپنے اندر رکھتا تھا۔

”پری یسی ہو؟“ وہ کرسی کی بجائے اس کے بیڈ کے کنارے آ کر نکا تو جیسے تمام قافلے ایک دم سے سٹ گئے، پرینیاں کی حیرت اس کے چہرے سے ہی نہیں آنکھوں سے بھی چھلکی تھی، اس نے تھیری نظروں سے اس کے بھاری ہاتھ میں دبے اپنے دیرے دیرے کانپتے ہاتھ کو دیکھا تھا، اس کا دوسرا ہاتھ پرینیاں کے چہرے پہ آن رکھا جہاں اس کے ہنسنے والے آنسوؤں کی کئی ہر لہجہ پھیل رہی تھی۔

”آئی ایم ساری فار دیٹ، حالانکہ میں نے نہیں چاہا تھا کہ میں زندہ بچوں مگر.....“ معاذ نے ایک دم سے اس کے ہونٹوں پہ اپنا ہاتھ رکھ دیا۔

”تو کیا تم نے جان بوجھ کر.....؟“ معاذ کے حلق سے سرسراتی آواز نکلی تھی، پرینیاں کرب آمیز انداز میں مسکرا دی

”نہیں..... میں نے صرف دعا کی تھی کہ مجھ سے آپ کی جان چھوٹ جائے۔“ اس کے آنسو اس شدت سے بر سے تھے کہ معاذ جو کھنگلی سے اسے دیکھ رہا تھا گہرا سانس بھر کے رہ گیا۔

”بے وقوف ہو، میں بس اتنا جانتا ہوں اگر تمہیں کچھ ہوتا تو زندہ میں بھی نہیں رہ سکتا تھا۔“ معاذ

نے جھک کر نرمی اور جذب سے اس کے ہونٹوں کو چوم لیا۔

”بدگمانی اور لڑائی جھگڑا ایک طرف یہ کیا حماقت تھی بھلا؟“ وہ ڈانٹتے انداز میں بولا تو پر نیاں نے شاکی نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

”آپ معاف نہیں کرنا چاہتے تھے مجھے اور لڑکیوں کو مجھ پہ ترجیح دیتے تھے، پھر کیا کرتی میں؟“ وہ سخت روہانسی ہوئی تھی۔

”ایک بار گلے میں بازو جامل کر کے مجھے پیار کرتیں، نہ مانتا پھر کہتیں، احمق لڑکی ہمیشہ دس گز کے فاصلے سے مناتی رہی ہو مجھے، خیر آئندہ خیال رکھنا۔“ وہ مصنوعی خشکی سے گھور کر بولا تو پر نیاں بے تحاشا سرخ پڑ گئی تھی۔

”منہ دھور رکھیں، یہ تمہر ڈکھاں حرکتیں نہیں ہوں گی مجھ سے۔“ وہ خجالت مٹانے کو کہہ رہی تھی، معاذ نے جواباً لودیتی نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

”ایک سال سے بڑھ کر رومانس کا کھپ تھو چکا ہے میرا، صرف محبت دوں گا نہیں وصول بھی کروں گا، دیکھتا ہوں کہاں تک پہنچتی ہو تم مجھ سے۔“ اس نے دھونس سے کہا تھا اور پر نیاں ہلکے کر گئی تھی، دونوں طرف کی اس پیش رفت نے لحوں میں اس چپقلش اور نرمی کو دھو دیا تھا جو کئی مہینوں سے ان کے بیچ سرد جنگ کو چھیڑے ہوئے تھی تو وجہ یہی تھی کہ بیچ میں اتنا ہی نفرت نہیں، انا کی دیوار گری تو فاصلے سٹ گئے تھے، رشتوں کے درمیان موجود دراڑ کو کوئی معمولی حادثہ بھی بھرنے کا سبب بن سکتا ہے، ان کے بیچ بھی یہی حادثہ سبب بنا تھا کلفت دور ہوئی تھی تو سماں بے حد خوبصورت تھا۔

”عدن کو نہیں دیکھا آپ نے؟“ پر نیاں کو اس کی گہری پرشوق اور شوخ نگاہوں سے حیا محسوس ہو رہی تھی جیسی اس کا دھیان بٹانے کو بولی تھی۔

”محترم کی والدہ ماجدہ کو تو اچھی طرح دیکھ لیں، آنکھیں ترس رہی ہیں جناب۔“ اس کی پھر وہی چو نچالی اور خوش مزاجی لوٹ آئی تھی۔

”دیکھیں تو سبھی کتنا پیارا ہے، ماما کہہ رہی ہیں بالکل آپ جیسا۔“ پر نیاں کے لہجے میں مامتا کا مخصوص رچاؤ اور مان تھا، معاذ نے کاٹ سے نیچے کو لیتے ہوئے ایک دم اسے بے حد شرارتی نظروں سے دیکھا اور جٹلانے والے انداز میں بولا تھا۔

”میری طرح پیارا؟ دیش گریٹ، تو آپ نے مان لیا کہ میں بھی پیارا ہوں۔“ وہ اس کے لفظوں پہ گرفت کر چکا تھا انداز میں شرارت کا رنگ غالب تھا، پر نیاں ایک دم جھپٹیں۔

”میں نے ماما کا بھی حوالہ دیا ہے، یہ ان کے الفاظ ہیں میرے نہیں۔“ پر نیاں نے بھی اسے زنج کرنا چاہا تھا، معاذ نے سچ منہ لٹکا لیا۔

”دیکھو بیوی اگر تم میری تھوڑی سی تعریف کر دیتیں تو کوئی حرج نہیں تھا۔“

”ایویں ہی کر دیتی، پہلے کم چڑھایا ہوا ہے نا لوگوں نے آپ کو جو میں بھی کسر پوری کر دوں۔“ پر نیاں کے جواب پہ معاذ نے ٹھنڈا سا لہجہ سنی تھا۔

”مجھے لوگوں سے نہیں صرف اپنی ڈیروانف سے غرض ہے اوکے۔“ وہ نیچے کو چومتے ہوئے اس کے پاس پھر سے آ گیا تھا۔

”میں کوشش کروں گی معاذ آپ کو مجھ سے اب کوئی شکایت نہ ہو، میں آئندہ آپ سے یہ بھی نہیں کہوں گی کہ شوہر کو چھوڑیں یا پھر کالج کی جاب کو۔“ وہ ایک دم سے سنجیدہ ہو گئی تھی، معاذ نے رک کر بہت دھیان سے اس کی آنکھوں میں چمکتی نمی کو دیکھا تھا۔

”پر نیاں شوہر میں نے تمہاری ضد میں جو ان کیا تھا، وہ میرے مزاج سے مطابقت نہیں رکھتا تھا میں اسے چھوڑ بھی چکا ہوں، کالج میں میری ایسی کوئی سرگرمی نہیں ہے کہ تمہیں اعتراض ہو لیکن اگر پھر بھی تمہیں اس جاب پہ یا دوسرے لفظوں میں میرا لڑکیوں کے قریب رہنا پسند نہیں تو میں پہلی فرصت میں ریز ان کر دوں گا، تیسری اور اہم بات یہ کہ مجھے سنی سادتری قسم کی بیوی نہیں چاہیے، مجھے پر نیاں چاہیے جو مجھ سے لڑے بھی ملتی کی طرح پنچے بھی مارے اور..... اور جب میں پیار کروں تو مجھ سے خفا نہ ہو بلکہ..... جواب میں مجھے بھی پیار کرے، اسے سمجھنا چاہیے کہ یہ مجھ پیارے کا حق ہے۔“ آخر میں اس کا لہجہ شوخی و شرارت سے لبریز ہو کر بے انتہا بوجھل بھی ہو گیا تھا، پر نیاں اتنا جھپٹتی تھی اتنی نچل ہوئی تھی کہ اسے ڈھنگ سے گھور بھی نہ سکی، معاذ کی ہنسی اس کی سرخ ہوتی رنگت کو دہکاتی رہی تھی۔

☆☆☆

”زینب کو بھی لے آتے جہان بھائی۔“ جہان جیسے ہی وہاں پہنچا اسے اکیلے دیکھ کر پر نیاں نے بے اختیار کہا تھا۔

”بھابھی نے کہا تھا، مگر اس نے انکار کر دیا۔“ جہان نے اصل بات کہہ دی تو زور یہ نے مسکراہٹ ضبط کی تھی۔

”آپ کہتے تو آجاتی، وہ آپ کی منظر ہوگی۔“ جہان نے سنا تھا اور ان سنی کر دی تھی۔

”تمہارا بیٹا بہت خوبصورت ہے، معاذ تم پہ بالکل نہیں لگتا۔“ وہ جھک کر نیچے کو پیار کر رہا تھا، معاذ نے ترچھی نگاہوں سے اسے دیکھا تھا۔

”مجھے ابرے غیروں کی نہیں اپنی بیوی کی بات کا ایمان کی حد تک یقین ہے، جو پہلے ہی مجھ سے کہہ چکی ہے کہ ہمارا بیٹا بہت پیارا ہے اور مجھ پہ گیا ہے۔“ معاذ کے لہجے میں کھٹک تھی اور طمانیت اور زندگی کا احساس تھا، جہان کو ایک طویل عرصے کے بعد پھر سے یہ آواز پہ لہجہ سننے کو ملا تھا اسے یک گونہ سکون محسوس ہوا تھا مگر بظاہر اسے چھیڑنے سے باز نہیں آیا۔

”یعنی پر نیاں پہ، تو اس میں تمہارا ذکر کہاں سے آ گیا احمق۔“ معاذ نے زنج ہو کر اسے دیکھا اس کی آنکھوں میں شرارت کا رنگ دمکتا تھا، ہونٹوں کی تراش میں دلی ہوئی مسکراہٹ تھی، وہ خود بھی ہنس دیا۔

”بد تمیز میرا مطلب مجھ سے میں یعنی عدن کا پاپا اوکے۔“ وہ اس کے کاندھے پہ گھونسا مارتے ہوئے چیخا تھا، پھر دونوں ہنس دیے تھے۔

”تم خوش ہونا ہے؟“ معاذ اس کے ساتھ تہا ہوا تو دل میں مچلتا ہوا سوال کر دیا تھا، جہان کے چہرے پر یکا یک سنجیدگی چھا گئی۔

”کیا سننا چاہتے ہو معاذ؟“

”صرف وہ جو سچ ہے؟“ معاذ کے قطعی انداز پہ اس نے سرد آہ بھری تھی۔

”پھر رہنے دو، وہ اتنا خوش گوار نہیں ہے، تم بتاؤ تم خوش ہونا؟“ اس نے ایک دم سے موضوع بدل

دیا، معاذ گم صم سا ہو گیا تھا۔

”مجھے بہت اچھا لگا ہے، معاذ آج تمہیں پر نیاں کے ساتھ اس طرح مطمئن اور خوش دیکھ کر، اگر ہم انا کوچ سے ہٹا دیں تو بہت سے مسائل خود بخود حل ہو سکتے ہیں۔“ اس کا اندازنا سمانہ تھا، معاذ نے گہرے سانس کھینچ کر اسے دیکھا۔

”مگر مجھے اس وقت اچھا لگے گا جب میں اس طرح تمہیں زینب کے ساتھ مطمئن اور خوش دیکھوں گا، یہ بات تم یاد رکھنا۔“ معاذ کے جواب پہ جہان نے ہونٹ کھینچ لیں اور نگاہ کا زاویہ بدل کر دوسری جانب دیکھنا شروع کر دیا، جبکہ معاذ کی منتظر اور کسی وعدے یا تسلی کی متقاضی نگاہیں اس کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔

”میں کیا سمجھوں ہے کہ جو نصیحت تم مجھے کرتے رہے اس پر خود۔۔۔“

”میرے نزدیک میری انا بھی اتنی اہم نہیں رہی، میں رشتوں کو برتری دینے اور جوڑے رکھنے کا قائل ہوں، ایسا کچھ نہیں ہے تم پریشان مت ہو، وقت تو چاہیے ہے نا بہتری لانے میں۔“ جہان نے بہت سرعت سے اس کی بات کاٹ دی تھی اور وہی تسلی دی جو شاید معاذ سننا چاہتا تھا، معاذ نے لمبا سانس کھینچا اور جسم کو ڈھیلا چھوڑ دیا۔

”مجھے تم سے ہمیشہ اچھی امید رہی ہے، مجھے یقین ہے تم ہمیشہ اچھائی پہ قائم رہو گے۔“

”تو قعات اور امیدوں کا مرکز انسان نہیں خدا کی ذات ہونی چاہیے معاذ، ہمارے اکثر کام ہی غلط اس وجہ سے ہوتے ہیں کہ ہم روشنیوں سے بہت ساری توقعات وابستہ کر لیتے ہیں جن کے پورا نہ ہونے کی کھسک بے چینی بن جاتی ہے جو جھگڑے اور فساد کی شکل میں ظاہر ہوا کرتی ہے۔“

اس کے ٹھہرے ہوئے لہجے میں رسائیت بھی تھی اور رچاؤ بھی، معاذ پوری طرح سے متفق ہوا تھا، پر نیاں سے بھی تو اس نے توقعات اور امیدیں ہی باندھ لی تھیں جن پہ وہ پوری نہیں اتری تو کتنا اضطراب در آیا تھا ان کی تعلق کے سچ، جہان کے سہل پہل ہونے لگی تھی، کال اس کی سکریٹری کی تھی، جو آفیشل پرائیوٹ ڈسکس کر رہی تھی، اس کے بعد جیسے ادا دہانی کو بولی تھی۔

”سر آپ کا آج آفس آنا ضروری ہے، ٹارن ڈیلیکیشن آ رہا ہے آج۔“

”اد کے مجھے یاد ہے، میں آ جاؤں گا۔“ جہان نے فون بند کیا تو نگاہ راہداری کے سرے پہ جنید بھائی اور بھابھی اور ماریہ کے ساتھ اس سمت آئی زینب سے چالی تھی، پنک کلر کے شرٹ اور دوپٹے کے ساتھ وائیٹ ٹراؤزر تھا دوپٹے کے چار اصراف بہت خوبصورت و امیٹ لیس لگی ہوئی تھی، لمبے بالوں کو سمیٹ کر اس نے چوٹی کی شکل میں گوندھا ہوا تھا جو اس کے چادر نما دوپٹے سے بھی دیکھتی تھی، پیروں میں دوپٹے کے ہر رنگ خوبصورت نازک سی چمچل تھی، بغیر کسی اضافی آرائش اور میک اپ کے بھی وہ کتنی کھلی کھلی سی لگ رہی تھی۔

”یہاں سب سے الگ کیا رازد نیاز ہو رہے ہیں، کہیں ہماری لڑکی کے خلاف سازش تو تیار نہیں ہو رہی؟“ قریب آنے پہ بھابھی نے مسکراتے ہوئے چھیڑ چھاڑ کا آغاز کیا۔

”کون سی لڑکی؟ یہ جو آپ کی بغل میں کھڑی ہے یا ہماری ڈیر وائف؟“ معاذ نے مسکراتی شوخ نظروں سے بھنوں کی جھنجھٹ دی تھی، زینب جڑ بڑی ہو گئی۔

”تم دونوں کے قبضے میں تو یہی دد لڑکیاں ہیں، ہمیں تو دونوں کی فکر ہوگی نا اور ڈیر وائف اونے ہوئے، مجھے پکڑنا بے ہوش نہ ہو جاؤں میں۔“ جنید بھائی کی غیر سنجیدگی انتہا کو جا پہنچی، معاذ کی ہنسی چھوٹ گئی تھی۔

”جلنے والے جلیں گے ہم تو یونہی رہیں گے۔“ وہ مزے سے گنگنایا تھا۔

”یونہی میں اول جلول چلیے میں۔“ جنید بھائی نے اس کے رف ہوتے لباس پہ چوٹ کی معاذ نے گھورا تھا۔

”یونہی میں پختے مسکراتے خوش باش آپ کو جلاتے اور اپنی مسز کے ساتھ ساتھ۔“ اس نے دانت کچکچا کر وضاحت کی۔

”او کے گاڑ آئی ایم گونگ، مجھے آفس کو نکلتا ہے۔“ جہان نے گہرا سانس بھر کے وہیں سے رخصت چاہی تو جنید بھائی نے اس کا ہاتھ تمام لیا تھا۔

”کیا بات کرتا ہے یار، آج ویسے تیرا، آج کیوں آفس جائے گا۔“ جہان کی نگاہ بے اختیار زینب کی سمت اٹھی تھی، سر جھکائے ہونٹ کھینچی ہوئی وہ کسی قدر ماحول سے بیگانہ لگی۔

”بہت ضروری میٹنگ ہے بھائی، بہر حال میں جلدی آنے کی کوشش کر دوں گا، تقریب تو رات کی ہے نا۔“ وہ رسائیت سے بولا تھا اور وہیں سے پلٹنا چاہا رہا تھا کہ بھابھی نے ٹوک دیا۔

”رکو جہان، زینب کو بھی لے جانا، فاطمہ کو گھر چھوڑ کر آئی ہے، زیادہ دیر نہیں رک سکتی۔“

”رہنے دیں بھابھی، میں کس کے بھی ساتھ چلی جاؤں گی۔“ بھابھی کی بات پہ جہان جو کلائی پہ بندھی رسٹ وائچ پہ ٹائم کا اندازہ کر رہا تھا، زینب کو سراٹھا کر دیکھنے لگا، وہ بے نیازی سے آگے بڑھ گئی تھی۔

”میں یہیں ویٹ کر رہا ہوں بھابھی، اسے بتا دیجئے گا۔“ جہان کے رسائیت سے کہنے پہ بھابھی مسکرا دی تھی۔

”میری خاطر زحمت میں پڑنے کی کیا ضرورت تھی، کہا تھا نا کسی کے بھی ساتھ گھر آ جاتی۔“ پندرہ منٹ بعد بھابھی اسے دوبارہ جہان کے پاس چھوڑ کر گئیں تو اس کا موڈ پتہ نہیں کیوں اتنا آف تھا، جہان نے جواب میں اسے ایک نظر دیکھا تھا۔

”فرائض اور حقوق کی ادائیگی میرے لئے زحمت کبھی نہیں رہی، یہ بات تم ہمیشہ کے لئے اپنے ذہن میں محفوظ کر لو۔“ اس کی بات کے جواب میں زینب کے چہرے پہ ایک رنگ آ کر گزرا تھا البتہ کوئی اختلافی پہلو نہیں نکالا تو جہان نے دل ہی دل میں سکون کا سانس بھرا تھا۔

”بانیک پہ جائیں گے آپ؟ مجھے نہیں بیٹھنا بانیک پہ۔“ پارکنگ میں اسے بانیک کے پاس رک کر کرتے کی جیب سے چابی برآمد کرتے دیکھ کر وہ کوفت سے بولی تھی، جہان کے ہاتھ اسی زاویے پہ ساکن ہو گئے۔

”او کے فائن، تم رکو میں معاذ سے گاڑی کی چابی لے آتا ہوں۔“ بغیر ماتھے پہ ہنسن لائے وہ کتنے تحمل سے اس کے ہر اعتراض کو برداشت کر رہا تھا، زینب کو اس کی قوت ارادی پہ حیرت ہوئی، پتہ نہیں وہ اتنا کپوڑڈ کیسے رہ لیتا تھا ہر قسم کے حالات میں، جبکہ وہ کل سے ہی عجیب سی فیملنگ اور اذیت کے احساس

سے دو چار تھی، وہ اسے رد کر چکی تھی کبھی اور کتنے دھڑلے سے، اب حالات کی ستم ظریفی ہی تھی کہ اسے پھر سے ہاتھ پیر باندھ کر جہان کے آگے پھینک دیا گیا تھا، وہ جو چاہتا اس کے ساتھ سلوک روا رکھتا، وہ اس کی اسی رویے سے خائف تھی جیسی شدید ٹینشن کا شکار ہو چکی تھی، اس کے علاوہ جو سکی اور خفت کا احساس تھا وہ اس سے بھی سواتر، جیسی وہ اپنے ہر عمل سے اس پہ ثابت کرنا چاہتی تھی کہ وہ آج بھی اس کے لئے غیر اہم اور غیر ضروری ہے۔

”اب اتنی دیر میں یہاں اکیلی کھڑی رہوں گی؟“ اس نے ایک خائف سی نگاہ اطراف میں ڈالی، دہنی جانب ہاسپٹل کا وسیع سبزہ زار تھا جسے چھوٹے بڑے قطعات میں سبزے کی باڑھ لگا کر بانٹا گیا تھا، مریضوں کی چہل قدمی کے لئے سرخ بجری کی روشیں تھیں اور جگہ جگہ وزیٹر کے بیٹھنے کے لئے سٹکی بیچ نصب تھے، اس وقت چونکہ صبح کا وقت تھا اور دھوپ پوری طرح نہیں پھیلی تھی کچھ موسم بھی خوشگوار تھا تو مریضوں کے رشتہ داروں کی اکثریت وہاں نظر آ رہی تھی، جن میں نوجوانوں کی تعداد زیادہ تھی، زینب یقیناً جیسی وہاں اکیلے ٹھہرنے کے خیال سے خائف نظر آ رہی تھی۔

”اب کیا کرنے لگے ہیں؟“ زینب نے جہان کو سیل فون کے بشن پیش کرتے دیکھ کر حیرانی سے پوچھا تھا۔

”معاذ سے کہتا ہوں وہ خود یہاں آ کر گاڑی کی چابی دے جائے۔“ جہان کے جواب نے زینب کو عجیب سے احساسات سے دو چار کر دیا، اسے کچھ سال پہلے کا جہان یاد آیا، ہر کام ہر بات میں اس کی مرضی اور پسند کو مقدم رکھنے والا، وہ کچھ لمحے اس سے نگاہ نہیں ہٹا سکی تھی، سادہ سا جلیہ تھا اس کا، لباس جس میں شکنیں پڑ چکی تھیں اور شیوہ بنانے کی یقیناً مہلت نہیں ملی تھی، ہلکا سا سبز رداں اس کے خورد چہرے کو مزید دلکش بنش رہا تھا، جب تک معاذ نہیں آیا جہان فون پہ ہی بڑی رہا تھا، معاذ کو کال کرنے کے بعد اس نے انٹرنیٹ آن کر کے آئیٹیل ای میل چیک کرنی شروع کر دی تھیں جانے کیوں اس پہل زینب کو اس اس مصروفیت سے سخت کوفت اور چڑھوس ہوئی تھی، اگر وہ ہمیشہ کی طرح آج بھی کیئرنگ اور دل آویز تھا تو ہمیشہ کی طرح بے نیاز اور لا پرواہ بھی تھا۔ وہی بے نیازی لا پرواہی جو زینب کو اتنا جراتی تھی اتنا دل تنگ بڑھا محسوس ہوتا تھا کہ وہ اسی اضطراب میں غلط سلسلہ فیصلے کرتی چلی گئی تھی جس کے اثرات اور کرب ابھی تک اس کی روح کو جھلسائے دے رہا تھا۔ اسے خود پر حیرت تھی۔ جب ممانے دوبارہ سے اس کے سامنے جہان کا نام پیش کیا تو اسے غصہ آیا تھا نہ ہی جھنجھلاہٹ محسوس ہوئی بلکہ ایک عجیب سی آسودگی تھی جو غیر محسوس انداز میں اس کے اندر اترتی تھی۔ ہاں خفت اور شرمندگی کا احساس ضرور تھا تو اس کی وجہ اپنی حیثیت کا بدل جانا تھا۔ وہ بہر حال پہلے کی طرح ان چھوٹی تھی نہ ویسی اکثر نہ مان..... کتنے نقصان عمر بھر کو جھولی میں آن گئے تھے۔ ایک خود بخود جھوٹے اس کے اندر کنڈلی مار کر بیٹھ گیا تھا۔ یہ اس کا اپنا کیا دھرا تھا، تو سہنا تو تھا پھر۔ اس کی قسمت میں ہی شیئر کرنا لکھا تھا۔ چاہے وہ تیمور خان ہوتا یا جہانگیر حسن شاہ..... پھر وہ جہان کیوں نہیں جو تیمور خان سے ہر لحاظ سے بہترین تھا۔

”زینب بیٹھو نا گاڑی میں۔“ معاذ کی آواز پر وہ جو سوچوں میں گم ہو چکی تھی چونک کر اس کی سمت متوجہ ہوئی۔ وہ گاڑی کا فرنٹ ڈوراوپن کے اس کے بیٹھنے کا منتظر تھا۔ جہاں ڈرائیونگ سیٹ سنبھال چکا تھا۔ زینب اپنا دوپٹہ سنبھالتی اندر سیٹ پر بیٹھ گئی۔

”اجو سے کہہ کر پر نیاں کے لیے سوپ تیار کرادنا زینب میں کچھ دیر میں گھر آؤں گی۔“ معاذ نے کھڑکی پہ جھک کر اسے ہدایت کی تھی۔

”ڈونٹ وری لالہ میں خود بنا دوں گی سوپ۔“ زینب نے اپنے تئیں تسلی سے نوازا تھا مگر معاذ کے ٹوکنے کا بھی اپنا ہی انداز تھا۔

”تم چولہے کے آگے کھڑکی مت ہونا۔ آج شام کو تم لوگوں کے دلیمہ کی تقریب ہے اور دونوں کو کاموں کا شوق چرا رہا ہے۔ کوئی ضرورت نہیں ہے ابھی دشمنی دکھانے کی۔“ زینب نے بے اختیار چہرے کا رخ پھرایا۔

”یاد منع کر دیا ہے میں نے چاچو کو ساری فیملی ہاسپٹل میں موجود ہے دلیمہ ضروری تھوڑی ہے۔“ جہان کی بات پہ زینب نے ایکدم سے ہونٹ تنج لیے۔ معاذ البتہ حیران نظر آنے لگا تھا۔

”مان گئے پیا؟ وہ جو اتنے الو۔ ٹینشن دیئے تھے لوگوں کو؟“

”نون پر منع کر دیں گے ڈونٹ وری۔“ جہان نے اسی رسائیت سے کہتے گاڑی اشارت کی تھی۔ زینب کو عجیب سی توہین کے احساس نے گھیر لیا تھا۔ سارے رستے وہ رخ پھیرے کھڑکی سے باہر دیکھتی رہی۔ جانے کیوں اسے لگ رہا تھا جہان نے دانستہ اس کی یہ تدلیل کی ہے۔ گھر واپس آ کر وہ کمرے میں جہان کے پیچھے جانے کی بجائے کچن میں گھس گئی تھی۔ فرنیچ سے گوشت نکال کر چولہے پر سوپ تیار کرنے کو چڑھائی رہی تھی جب جہان روٹی ہوئی فاطمہ کو اٹھائے کچن کے دروازے پر آیا تھا۔

”تمہیں منع بھی کیا تھا کچن میں کھڑے ہونے سے۔ فاطمہ کو پکڑو بھوک لگی ہوگی اسے۔“ وہ لباس تبدیل کر چکا تھا۔ بلیک پینٹ پر سفید براق شرٹ اور گلے میں جھولتی ناکی پیروں پر البتہ گھریلو سلپرتھے۔ زینب نے پہلے ہاتھ دھوئے تھے پھر آگے بڑھ کر فاطمہ کو اس سے لے لیا۔

”ناشتے میں کیا لیں گے آپ بتادیں؟“ فاطمہ کو کاندھے سے لگائے اس کا فیڈر تیار کرتی وہ بڑی ذمہ دار لگ رہی تھی۔ جہان جو واپسی گھر پلٹ چکا تھا اس سوال پر گردن موڑ کر اسے دیکھا۔

”اتنی مصروفیت میں میرے لیے ناشتہ کیسے بناؤ گی؟ رہنے دو میں آفس میں کر لوں گا۔“ جہاں کے جواب پر زینب نے کاندھے اچکا دیئے تھے۔ جہان گہرا سانس بھرے آگے بڑھ گیا۔

☆☆☆

جہاں آفس سے واپسی پر ہاتھ لے کر نکلا تو زینب بستر پر نیم دراز فاطمہ کو تھپک کر سنانے کی کوشش میں مصروف تھی۔ اسے دیکھ کر اپنا کاندھے سے ڈھلکا ہوا دوپٹہ درست کیا تھا۔ جہاں نے پہلے بال سنوارے تھے پھر آ کر بیڈ پر ٹک گیا۔ زینب جو اس کے بے تکلفی سے آ کر برابر لیٹ جانے پر قدرے حیران ہوئی تھی کسی قدر جزیز ہوئی ابھی تھی۔

”کہاں جا رہی ہو زینب؟ بیٹھو مجھے بات کرنی ہے تم سے۔“ جہان نے اس کے چہرے کے تاثرات کو بغور دیکھا تھا۔ جیسی ٹھہری ہوئی آواز میں مخاطب کیا تھا۔

”آئی ہوں چائے بنا لوں آپ کے لیے۔“ وہ جیسے صاف کترائی تھی۔ جہان نے سرکونی میں جنبش دی۔

”رہنے دو مجھے چائے کی طلب نہیں ہے۔“

”پھر.....؟“ زینب کی نگاہوں میں لاتعداد سوال اٹھ آئے۔ گویا کہہ رہی ہو پھر کس چیز کی طلب ہے مگر جہان اس کی بجائے کہیں اور متوجہ تھا۔ اس نے بیڈ کی سائیڈ دروازہ کھولا اور ایک گول ٹھیلین خوبصورت سا میروں کیس نکال کر اس کی جانب بڑھایا۔

”یہ تمہارا رونمائی گفٹ ہے۔“ زینب ایک دم سے ساکن ہو کر اس تکنے لگی۔ جہان نے اس کا ہاتھ پکڑ کر پہلے بیڈ پر بٹھایا تھا پھر کیس کھول کر اس کے آگے کیا۔

”مجھے لگا تھا وہ لاکٹ سیٹ تمہیں پسند نہیں آسکا ہے جس میں نے آج یہ خریدا ہے۔“ طلا کی بے حد بھاری سرخ نیلگوں سے حنین شعاعیں نکھیرتے لیکن خود اپنے ہیتمی ہونے کے گواہ تھے گویا۔

”اچھے نہیں لگے تمہیں؟“ جہان اس کے نغمہ تاثرات سے کوئی نتیجہ اخذ نہیں کر سکا تو جیسے پریشان ہو کر بولا تھا۔

”آپ ان فارمیٹیز میں کیوں پڑتے ہیں جہانگیر؟“ اس کا لہجہ عجیب تھا جہان کو جھٹکا لگا تھا تو لفظ جہانگیر سے ”جہانگیر؟“ اس نے زیر لب دہرایا۔ کتابی لہجے کا احساس دلایا تھا۔ زینب کے منہ سے اس لفظ نے اور شاید ناصلوں کا بھی۔

”کیا اب میں جہانگیر ہو گیا ہوں تمہارے لیے؟“ جہان کی نگاہوں میں شاک کی پن تھا۔ زینب نے پلکیں اٹھا کر اسے دیکھا۔

”پھر اور کیا کہوں؟“

”تم پہلے کیا کہتی تھیں؟“ وہ الٹا اس سے سوال کرنے لگا۔

”پہلے کی بات اور تمہی تب آپ میرے دوست تھے۔“ زینب کے جواب نے جہان کو ٹھٹکا رہا تھا وہ متحیر سا ہو کر اسے دیکھنے لگا۔

”تو کیا اب میں تمہارا دوست نہیں رہا؟“ وہ یقیناً ہرٹ ہوا تھا۔

”نہیں، شوہر دوست نہیں ہو سکتا“ اس کے لہجے میں عجب سا کرب سمٹ آیا تھا۔ جہان نے ہونٹ بھیج لیے۔ اسے خود کو کپوزڈ کرنا پڑا تھا۔ وہ سمجھ سکتا تھا زینب نے یہ بات کیوں کہی ہے۔

”دوست تو شوہر ہو سکتا ہے نا؟“ کچھ دیر بعد وہ بولا تھا اس کا لہجہ انداز ہلکا پھلکا تھا۔ زینب نے نظر اٹھائی۔ اس کی نگاہیں اپنائیت بھرے انداز میں مسکرائی تھیں۔

”ہم پہلے دوست تھے زینبی یہ رشتہ تو اب استوار ہوا ہے ہمارے بیچ۔“

”لاؤ یہ لیکن پہنا دوں تمہیں۔“ جہان نے ہاتھ بڑھایا تھا۔ وہ کم مہم بیٹھی رہی۔ کہ اسی پہل جہان کے سیل پر بیل ہوتی چلی گئی تھی۔ جہان نے نم نم کر گردن موڑ کر سیل فون کو دیکھا۔ اسکرین پر ڈالے کا نام روشن تھا۔ صرف جہان نے نہیں زینب نے بھی دیکھا تھا۔ جہان نے سیل فون اٹھا کر کال ریسیو کی تھی پھر فون کو کاندھے سے اٹھا کر ڈالے سے علیک سلیک کرتے ہوئے زینب کا ہاتھ پکڑ کر لیکن پہنانا چاہے تھے کہ اس نے ایک دم سے ہاتھ ہٹا لیا۔

”یہ بہت بھاری ہیں میں عام روٹین میں انہیں نہیں پہن سکوں گی۔“ جہان کی نگاہوں کی حیرت اور سوال کے جواب میں اس نے آہستگی سے کہا تھا اور اٹھ کر کمرے سے نکل گئی۔ جہان با مشکل خود کو کپوزڈ کر سکا تھا۔ جبکہ زینب باہر راہداری میں ٹھنڈے فرش پر ننگے پیر شہلٹی ہوئی جیسے بے مائیگی کے شدید

احساس سے گھرتی چلی گئی تھی۔

(”آپ نے ایک بار پھر ثابت کیا ہے جیسے کہ آپ کے لیے میں یا میرا کام اہم نہیں ہے۔ ڈالے اہم ہے۔ میں آپ کے سامنے موجود ہوں اور آپ نے تمہی آسانی سے مجھے اکتور کر کے اس کے فون کو

اہمیت دے دی۔ اس سے بڑھ کر بھی کوئی تو جن ہو سکتی ہے۔ تیمور نے بھی یہی کہا تھا میرے ساتھ اور اب آپ نے بھی۔ تیمور نے میری جتنی بھی تذلیل کر دی مگر میں آپ کے ہاتھوں خود کو کھلوتا نہیں بننے دوں

گی۔ یہ میرا نصیب ہے میں جان گئی۔ مگر میں اپنے آپ کو اپنی نظروں میں بار بار گرانا نہیں چاہوں گی۔“)

وہ بے حد دلگیر اور مضطرب ہی ہو کر سوچے گئی تھی۔ حالانکہ جب نکاح کے بعد اس نے جہان کے متعلق سوچنا چاہا تھا تو خود سے عہد کیا تھا کہ وہ کبھی ڈالے سے جیلس نہیں ہوگی۔ دیکھا جاتا تو ڈالے نے ہی

تربانی دی تھی اور اعلیٰ ظرفی کا مظاہرہ کیا تھا۔ اسے اس کے جذبے کی قدر کرنی تھی۔ مگر وہ اس وقت اتنی حساس اور زودہ انج ہو رہی تھی کہ اپنا عہد ہی بھول بیٹھی تھی۔

☆☆☆

تیمور کی کالز پھر بار بار آر رہی تھیں۔ زینب نے زیاد سے زیادہ کمرس بدل لی تو قدرے سکون کا احساس ہوا۔ ان کے نکاح کو چوتھا دن تھا مگر ڈالے ابھی تک پلٹ کر نہیں آئی تھی۔ تیسری رات ہی زینب جہان کے بیڈروم سے اپنے کمرے میں واپس آ گئی تھی۔ ماریہ سے کہہ کر اس نے فاطمہ کو جہان کے کمرے سے

بلوایا تھا۔ رات کا شاید دوسرا پہر تھا۔ جب وہ نیند کی آغوش میں تھی تو کمرے کے دروازے پر دستک ہو گئی تھی۔ زینب حیران ہی اٹھ کر بیٹھ گئی تھی۔

”دروازہ کھولو زینب۔“ جہان کی آواز سن کر اس کی نیند ایک دم سے اڑ گئی تھی۔

”آپ اس وقت کیوں آئے ہیں یہاں؟“ دروازہ تو اس نے کھول دیا تھا مگر فاصلے بگڑے ہوئے انداز میں اس سے سوال جواب کرنے کھڑی ہو گئی تھی۔

”یہی سوال مجھے تم سے کرنا ہے تم اپنے کمرے میں کیوں نہیں آتی ہو؟ تمہی اندازہ ہے میں ویٹ کر رہا ہوں۔“

”کیوں کر رہے ہیں آپ میرا ویٹ؟ اور مائنڈ اٹ میرا وہ نہیں یہ روم ہے۔“ اس کا موڈ جتنا خراب تھا اس نے اسی لحاظ سے غصے میں جواب دیا تھا۔ جہان کی صبح پیشانی پر ایک شکن ابھری تھی، ناگواری کی، غصے کی۔

”مطلب کیا ہے تمہارا اس بات کا؟ نکاح کے بعد تمہیں ہر فضول سوال جواب کرنا چاہتے ہو مجھ سے۔“ جواباً جہان کا بھی وماغ گھوم گیا تھا۔ زینب کا انداز اسے سراسر تو جن آمیز لگا تھا۔

”آپ کی اطلاع کے لیے عرض ہے آپ کی ایک نہیں دو دو بیویاں ہیں کیا آپ دونوں کے ساتھ ایک کمرے میں قیام فرمائیں گے۔ ڈالے کے آنے پر بھی تو مجھے آنا تھا یہاں تو ابھی کیوں نہیں۔“

زینب کا لہجہ و انداز طرز یہ تھا جہان نے ہونٹ بھیج کر اسے دیکھتے ہوئے پہلے زبردستی اسے دروازے سے ہٹایا پھر خود اندر داخل ہو کر دروازہ بند کر دیا تھا۔ زینب تو آنکھیں پھاڑ کر رہ گئی تھی۔ اس دھڑلے پر۔

”ٹھیک ہے تم یہاں رہ لو ڈالے وہاں رہے گی۔“ جہان نے مصالحت کر لی تھی۔ زینب کو ایک بار

کو عجیب متضاد سی کیفیت نے گھیر لیا۔

”زیلی ہنی؟“ معاوہ دے دے جوش سے چیخا اور ایک دم سے اٹھ کر بیٹھ گیا، زینب نے چونک کر ہونے حیران ہو کر اسے دیکھا تھا، مگر جہان تو جیسے اس کے وجود سے سرے سے بے خبر لگتا تھا۔

”مائی گاڈ..... ڈالے اتنی اہم خبر تم اتنے فاصلے سے بیٹھ کر سنار ہی ہو، بالکل مزاحمتیں آیا رہی۔“ وہ کھلکھلایا تھا، پھر اسی طرح خوش دلی سے بولا تھا۔

”بس فائنٹ تیاری پکڑو، میں کل ہی لینے آرہا ہوں تمہیں۔“ زینب نے گہرا سانس کھینچا اور سر جھکا کر اپنی خالی ہتھیلیاں دیکھنے لگی، اسے ایک بار پھر بہت شدت سے اپنی بے ماسکی کا احساس روہا تھا

کرنے لگا تھا، تعلق تو ان کا تھا ڈالے اور جہان کامیاں بیوی والی محبت بے تکلفی اور اپنائیت، کیا نہیں تھا ان دونوں کے بیچ، جبکہ وہ تو اضافی اور بے کار حیثیت لے کر آگئی تھی یہاں، اس کا دل اتنا بھاری ہوا تھا

کہ اس سے قبل آنسو پھٹکتے وہ وہاں سے اٹھ جانا چاہتی تھی۔

”مگر کیوں؟ پلیز میں ستر کرنے سے کچھ نہیں ہوتا، بس آ جاؤ تم، میں خود بات کر لوں گا ڈاکٹر سے۔“ وہ اٹھی تب جہان نے چونک کر اسے یوں دیکھا جیسے اس وقت اس کی وہاں موجودگی سے آگاہ ہوا تھا اور کچھ کہے بغیر اس کا ہاتھ پکڑ کر روک لیا تھا، زینب نے چونک کر اسے دیکھا تھا، وہ اس کی سمت دیکھتا ہوا ڈالے سے الوداعی جملے بول رہا تھا۔

”کہاں جا رہی ہو تم اس وقت؟“ فون واپس رکھتے ہوئے ہوا سے دیکھ کر بولا تھا، زینب نے ہونٹ بھیج لئے، اب اس پہ توجہ ہوگئی تھی، ڈالے کے بعد اس کی موجودگی میں وہ کہیں بھی نہیں ہوئی تھی، وہ اس کے بعد گئی اور اس سے بچی تھی توجہ اور محبت ہی اس کا حصہ تھی، اس کا دل غم کے احساس سے بوجھل ہو کر پھٹنے کے قریب ہو گیا۔

اپنی اس درجہ سبکی اور توہین اس کی برداشت سے باہر ہوئی جا رہی تھی، مگر احساس دلانا جتنا مزید اپنی تذلیل کرانے کے مترادف تھا، جیسی اس نے جواباً اپنی ساری توانیاں لٹا کر لہجے کو نارمل کر کے اپنا بھرم رکھ لیا۔

”ابھی تک میں نے نماز نہیں پڑھی، آپ لیٹ جائیں میں نماز پڑھ لوں۔“ اس کے ہاتھ پہ جہان کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی، پھر نماز میں اس نے دانستہ تاخیر کی گئی، وہ دیکھنا چاہتی تھی جہان اس کے انتظار میں جاگتا ہے؟ مگر جب وہ بیٹھ پہ آئی گئی تو اس کے مقدر کی طرح جہان بھی سوچکا تھا اور آنسو قطرہ قطرہ اس کی آنکھوں سے پھوٹتے رہے تھے۔

☆☆☆

ڈالے کی واپسی ہوئی تو جہان نے زینب اور ڈالے کے لئے ایک ایک ہفتہ ساتھ رہنے کی روٹیں خود سے سیٹ کر لی، چونکہ اب تک وہ اس کے ساتھ تھا جیسی ڈالے کی واپسی پہ وہ اس کے ساتھ رہ رہا تھا پھر اس کی طبیعت بھی بہت خراب تھی، جیسی جہان ہی نہیں سبھی ڈالے کا حد سے زیادہ خیال رکھ رہے تھے

زینب نے خود کو بے حس بنا لیا تھا، ڈالے کو ملنے والی یہ اہمیت اسے اچھی نہیں لگتی تھی مگر اس نے ہر کیفیت کو اپنے اندر رکھنا شروع کر لیا تھا، اس وقت بھی وہ سب کے لئے چائے بنا کر لاتی تھی، ڈالے بھی وہیں تھی اور پریناں بھی اس کی طبیعت قدرے سنبھل گئی تھی، اب وہ سہارا لے کر سہی مگر تھوڑا بہت چل پھر لیا کرتی

تھی، عدن زیادہ کے پاس جبکہ فاطمہ ڈالے کی گود میں تھی، بھابھی کے دونوں بچے لان میں کھیل رہے تھے یہ شام کا وقت تھا اور موسم میں خوشگوار سی احساس۔

”زینب ہر وقت کچن میں کیوں کھتی رہتی ہو بیٹے، سب کے ساتھ بیٹھا کرونا اور کپڑے بھی جانے کب کے بدلے ہوئے ہیں، جاؤ پہلے جا کر فریش ہو کر چنچ کرو، جہان کے آنے کا نام ہو رہا ہے۔“ ماما جان نے اس وقت اسے ٹوکا تھا جب وہ ٹرے رکھ کر واپس پلٹ رہی تھی۔

”آج لالے نے بریانی اور چکن روسٹ کی فرمائش کی تھی ماما، مجھے کھانا تیار کرنا ہے، پہلے ہی خاصی دیر ہو چکی ہے۔“ اس نے آہستگی سے جواب دے کر قدم بڑھانے چاہے تھے کہ ماما جان نے پھر ٹوک دیا۔

”تو کھانا بنانا صرف آپ کی ہی ذمہ داری نہیں ہے بیٹے، ماما یہ اور اسما، میلب کریں گی آپ کی، آپ پہلے اپنا حلیہ سنوارو، صبح جہان کہہ رہے تھے وہ آپ دونوں کو کھیل باہر لے کر جانا چاہ رہے ہیں۔“ ماما کے کٹھنی انداز پہ وہ مزید کچھ نہیں کہہ سکی تھی اور سر ہلا کر اندر چلی گئی، نہا کر اس نے لباس تو تبدیل کر لیا تھا مگر جہان کے ساتھ جانے کا اس کا بالکل کوئی ارادہ نہیں تھا، جیسی اس کے آنے اور پھر بار بار کے پیغام کے باوجود اس نے غفلت برتے رکھی تھی، بریانی کے لئے اسے زرد رنگ کی ضرورت تھی جو مل کر نہیں دے رہا تھا، نیچے والے سارے کینٹ جہان مارنے مگر نہیں مل سکا، بھابھی کسی کام سے وہاں آئیں تو اسے کھینچے دیکھ کر زرد رنگ کی نشاندہی کر دی، جو سب سے اوپر والے کینٹ میں پڑا ہوا تھا، زینب نے گہرا سانس بھرا اور اسٹول کھینچ کر اس پہ قدم جما کر اوپر کی کینٹ تک رسائی حاصل کی تھی، زرد رنگ موجود تھا اس نے وہیں کھڑے ہو کر حسب ضرورت رنگ بیچ میں نکالا اور کینٹ پھر سے واپس اس کی جگہ پر فٹ کر رہی تھی کہ اس بل اس کی نگاہ کینٹ کے اندر سے برآمد ہونے والے کا کروچ پر پڑی، نیچے اور کینٹ تو چھوٹا ہی تھا وہ مارے خوف کے اپنا توازن بھی مختصر سے اسٹول پہ برقرار نہ رکھ سکی اور تیز چلنے کے ساتھ لہرا کر نیچے گرتے ہی خوف سے آنکھیں میچ لیں، مگر یہ کیا وہ پختہ فرش کی بجائے کسی کی مضبوط پانہوں کے حصار میں تھی، سراسیمگی کے احساس پر حیرت غالب آئی اس نے پٹ سے آنکھیں کھولیں تھیں اور رو برو جہان کو پا کر ایک دم سے جڑ بڑ ہو گئی۔

”شکر کرو میں بروقت پہنچ گیا، ورنہ اگر تھوڑی سی بھی دیر ہو جاتی تو کیا ہوتا ذرا سوچو۔“ وہ مسکراہٹ دبا کر کہہ رہا تھا، زینب نے ایک جھٹکے سے اس کے بازوؤں کا حصار توڑا تھا اور فاصلے پہ ہو گئی، وہ اس سے نکالیں نہیں چار کر سکتی تھی، جو اس باختمی کا عالم تھا کہ وہ قطعی فیصلہ نہیں کر پائی کہ گرتے ہوئے خود بخود اس کے سینے میں ساگتی تھی یا اس میں جہان کی کسی شعوری کوشش کا عمل دخل تھا، کتنی مضبوط تھی اس کی گرفت جیسے یہ حلقہ توڑنا نہ چاہتا ہو، کتنے سے دونوں کی دھڑکتیں ایک دوسرے کی دھڑکتوں میں مدغم ہوتی رہی تھیں۔

”یاد تیار ہو گئیں تھیں تو باہر بھی آ جاتیں، تمہارے انتظار میں سوکھ رہا تھا بیٹے نا؟“ وہ کتنی گہرائی سے اس کا جائزہ لے رہا تھا، زینب کی بے ترتیب دھڑکتیں تو تھیں ہی کچھ اور بھی انتشار کا شکار ہو کر رہ گئیں۔

”مجھے نہیں آتا تھا، آپ کو اتنی سی بات سمجھ نہیں آتی؟“ چڑھے ہوئے انداز میں کہہ کر وہ ماربل کے

فرش سے زردہ رنگ کو گیلے کپڑے سے صاف کرنے لگی، کینٹ کو درازیں آگئی تھیں جسے تاسف کی نگاہ سے دیکھتے اس نے سائیڈ پر رکھ دیا تھا۔

”کیوں؟ کیا اس لئے کہ تم خود بھی یہ حسین اتفاق چاہتی تھیں؟“ جہان کی بات پر اس کے اعصاب کو جھٹکا لگا تھا، اس نے پلٹ کر تیر آمیز غیر یقینی سے جہان کو دیکھا اور اس کی معنی خیز مسکراہٹ پہنچی جان سے جل اٹھی تھی۔

”دماغ ٹھیک ہے آپ کا؟ خیر دار جو مجھ سے اس قسم کی فضول بات کی ہو۔“
 ”یہ فضول بات نہیں ہے محترمہ۔“ جہان کے اطمینان میں ذرا جو فرق آیا ہو، فریج کا دروازہ کھول کر وہ ایک سرخ اور صحت مند سیب نکال کر کرچ کرچ کھا رہا تھا۔

”پھر کیا ہے یہ؟“ زینب کا انداز ہنوز کڑا تھا۔
 ”بیوی سے رومانس کا ایک طریقہ ہے۔“ اس نے کاغذ سے جھٹکے تھے، زینب کو صحیح معنوں میں آگ لگ گئی۔

”آپ کی بیوی وہاں باہر بیٹھی ہے۔“ اس نے انگلی سے لان کی سمت اشارہ کیا، چہرہ لال بھسوکا رہا تھا۔
 ”ایک میرے سامنے بھی کھڑی ہے۔“ جہان نے اسی سکون کا مظاہرہ کیا، زینب نے ایک دم سے ہونٹ بھینچ لئے تھے۔

”کیا چاہتے ہیں آپ؟“ وہ خاص تاخیر سے بولی تو لہجہ تب بھی غصیلایا تھا۔
 ”تم سے صلح۔“ جہان مسکرا دیا۔

”میرا آپ سے ہرگز کوئی جھگڑا نہیں ہے۔“ اس نے جیسے بات غلطی چاہی۔
 ”پھر کاٹ کھانے کو کیوں دوڑ رہی ہو، بات کیوں نہیں مانتی۔“

”آپ مجھے غصہ دلا رہے ہیں، کیوں زبردستی کر رہے ہیں؟“ وہ کونسلے کی طرح چٹکی۔
 ”اس قسم کی الزام تراشی مت کرو زینبی، میں نے کوئی زبردستی نہیں کی ہے تم سے تم بھی گواہ ہو۔“

شاید کچھ جتلارہا تھا، زینب کے چہرے نے ایک دم سے بھاپ چھوڑ دی، وہ جھلس کر رہ گئی تھی۔
 ”آپ چلے جائیں یہاں سے جے۔“ اس نے ایک دم سے رخ پھیر لیا تھا، اس کی آنکھوں میں اس ذلت پر آنسو اترنا شروع ہو گئے تھے، جہان نے کچھ دیر تک اس بے بس نظروں سے دیکھا تھا پھر ہونٹ بھینچ کر پلٹ گیا تھا، وہ سمجھ نہیں سکتی تھی، مگر اس کی جانب اپنے وقار اور ان کو کھل کر اختیار کیا گیا سفر جہان کو ہر بار شدید حلقن سے دوچار کر جاتا تھا۔

☆☆☆

گر سیاہ بخت ہی ہونا تھا نصیبوں نے میرے
 زلف ہوتے تیری یا تیرے رخسار کا تل
 معاذ نے اسے دیکھتے ہوئے مسکراہٹ دبا کر شعر پڑھا، پریناں کا چہرہ حیا کی سرخی سے ایک دم دیکھ
 اٹھا، وہ ہر روز جانے لگتی بار اس سے پوچھتا اس کے چلہ نہانے میں کتنے دن رہ گئے ہیں وہ ہر روز بتاتی
 مگر وہ آج جھنجھلا گئی تھی۔

”آخر آپ کو کیا دلچسپی ہے؟ ابھی بہت دن پڑے ہیں۔“
 ”مجھے نہیں تو اور کسے دلچسپی ہوگی بھلا؟ فراق یار کا اختتام اسی دن ہوگا جناب۔“ اس کی آنکھیں

نچانے پر پریناں کا شرم سے برا حال ہو گیا تھا۔
 ”آپ اتنے بد تمیز کیوں ہیں معاذ۔“ وہ کھساہٹ مٹانے کو یہی کہہ سکتی تھی۔

”اس میں کیا بد تمیزی ہے بھلا؟“ معاذ نے منہ پھلا کر سوال کیا تھا، اب وہ اسے جواب میں کیا کہتی
 ٹھنڈا سانس بھر کے رہ گئی۔

”مما کہہ رہی ہیں جس دن میں چلہ نہاؤں گی، وہ مجھے اپنے کمرے میں لے جائیں گی۔“
 ”واٹ؟“ وہ زور سے چیخا پھر اسے گھورنے لگا۔

”مطلب کیا ہے ان کی اس بات سے؟“
 ”مطلب تو واضح ہے جناب، انہیں اپنے بیٹے پر اعتماد ہے نہ بھروسہ جبکہ ڈاکٹر نے بہت سخت
 احتیاط کی ہدایت کی ہوئی ہے۔“ وہ مسکراہٹ دبا کر بولی تو معاذ نے دانت کچکپائے تھے۔

”مما کو تو میں خود دیکھ لوں گا، یہ بتاؤ ان کی اس سازش میں تم بھی شریک ہونا؟“ وہ سخت مشکوک نظر
 آنے لگا، پریناں کی ہنسی چھوٹنے لگی تھی۔

”میں کیوں شریک ہوں گی، مجھے تو انہوں نے خود ہی سمجھایا تھا۔“
 ”ہاں تم کہاں میری طرح بے قرار ہوگی، محبت میں نے کی ہے تم نے تھوڑی۔“ وہ پھر آہیں بھرنے
 لگا، ساتھ ہی الزام تراشیوں پہ بھی اتر آیا، پریناں نے جان بوجھ کر اسے کچھ اور چڑایا۔

”بالکل جہان محبت ہو وہیں بے قراری بھی ہوتی ہے، صد شکر ہم نے ایسا کوئی روگ نہیں پالا ہوا۔“
 معاذ نے اسے جارحانہ نظروں سے دیکھا تھا، پھر ایک دم اس کی کلائی پکڑ کر مروڑی۔

”کیا واقعی میں تمہیں اچھا نہیں لگتا؟“
 ”اتنے برے بھی نہیں ہیں۔“ وہ جیسے ان چھڑانے کو بولی تھی۔

”میں کتنا برا ہوں یہ عنقریب تمہیں پتہ چل جائے گا، پناہ مانگو مجھ سے۔“ اس کی آنکھوں میں
 شوخ رنگ چھٹک آئے تھے، پریناں نے سخت کنفیوژ ہوتے اسے دور دھکیلنا چاہا تھا مگر اسی پل اپن دھیان
 میں زیادہ اندر آیا تھا، معاذ تیزی سے پریناں سے الگ ہوا اور خواجواہ کھکارا، زیادہ اسے غصے سے دیکھا
 تھا۔

”محترم یہ آپ کا بیڈروم نہیں ہے۔“
 ”آپ کیوں تجلیس ہو رہے ہیں؟“ معاذ نے اس کے کچھ اور سمجھنے کا انتظام کیا تھا گویا، جبکہ پریناں
 اچھی خاصی چل نظر آ رہی تھی۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی ویب سائٹ

یہ شاندار پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ٹھیں :-

- ☆ ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور ریڈیو م ایبل لنک
- ☆ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پر یو ایچ
- ☆ ہر پوسٹ کے ساتھ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ☆ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریٹخ
- ☆ ہر کتاب کا الگ سیشن
- ☆ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ☆ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں
- ☆ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ☆ ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ☆ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ☆ سیریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- ☆ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریٹخ
- ☆ ایڈ فری لنکس، لنکس کو ایسے کمانے کے لئے شرٹک نہیں کیا جاتا

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

← ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

← ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library for Pakistan

Like us on Facebook

fb.com/paksociety



twitter.com/paksociety1

قرآن شریف کی آیات کا احترام کیجیے

قرآن مجید کی ہر آیت اور حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی ربی عظمت میں امانت اور تبلیغ کے لیے شان کی ہوتی ہے۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے لہذا اس صفحات پر یہ آیات درج ہیں ان کو صحیح اسطی طریقے کے مطابق پڑھیں اور مستحق عزت ہوں۔

”بھابھی آپ ہی خیال کر لیں۔“ اس کے انداز میں بے چارگی سی بے چارگی تھی، پر نیاں کو ہنسی آ گئی تھی۔

”او کے میں نور یہ کو قائل کرنے کی کوشش کروں گی۔“

”اللہ آپ کا بھلا کرے۔“ وہ باقاعدہ دعائیں دیتا رخصت ہو گیا، اسی وقت ممدان کو لئے چلی آئی تھیں، جس کی مالش کے بعد انہوں نے اسے نہلایا تھا، محترم اب مزے سے سو رہے تھے، وہ عدن کے سب سے زیادہ ناز اٹھایا کرتی تھیں۔

”ممدان کا حکم بھلا کون چنچ کیا کرے گا؟“ ممدان نے عدن کو اس کی گود میں دیا تو پر نیاں نے مسکراہٹ دبا کر پوچھا تھا۔

”کون کیا کرے گا؟“ انہوں نے حیرت سے اسے دیکھا۔

”معاذ کیا کریں گے۔“ وہ اپنی بات کے اختتام پہ شرارت بھرے انداز میں کھلکھلائی تھی، معاذ پہلے حیران ہوا پھر اس کی شرارت سمجھ کر اسے گھورتے ہوئے اپنا کاغذ زور سے اس کے کاغذ سے مارا تھا۔

”تمہیں کس لئے رکھا ہے، صرف میری نہیں میرے بیٹے کی بھی آیا ہوتی۔“ وہ ہنس رہا تھا، پر نیاں کا منہ بن گیا۔

”دیکھ رہی ہیں ممدان نہیں، یہ ہے ان کے نزدیک میری حیثیت اور دعویٰ بڑے بڑے کرتے ہیں۔“ پر نیاں نے مصنوعی حنکی سے ممدان سے شکایت جڑی تھی، جواب میں معاذ نے اس پہ چڑھائی کر دی۔

”ہاں تو جو تم نے مجھے کہا اس میں میری انسلٹ نہیں ہوئی؟“

دونوں کی لوک جو تک بڑھنے لگی، وہ ہنس بھی رہے تھے اور لڑ بھی اس لڑائی میں بھی مان تھا محبت تھی اور رشتے کی خوبصورتی زندگی کا یہ رنگ کتنا حسین تھا، یہ نہیں تھا کہ پر نیاں یا معاذ نے کڑا وقت نہیں دیکھا تھا مگر ان کی پریشانی بالآخر ختم ہو گئی تھی، زندگی کی خوبصورتی نے بالآخر انہیں اپنے سنگ شامل کر لیا تھا، ایک بس وہ بھی جس کے لئے زندگی کا ہر حسین رنگ پھیکا پڑ گیا تھا، اس کا دل دکھ سے بھرنے لگا تو وہیں سے پلٹ گئی تھی۔

(جاری ہے)

تم اٹھی تیز ہو

اہم مہتمم

چوتھیں ویں قسط کا خلاصہ

جہان ڈالے کو کھونے کے تصور سے ہراساں ہے، ایسے میں ڈالے اسے زینب سے نکاح کو فورس کرتی ہے، صرف وہی نہیں جب معاذ بھی وہی بات کہتا ہے اور اس کے علم میں یہ بات آتی ہے کہ یہ پیا جان کی خواہش تو جہان کے پاس انکار کی گنجائش ختم ہو جاتی ہے۔

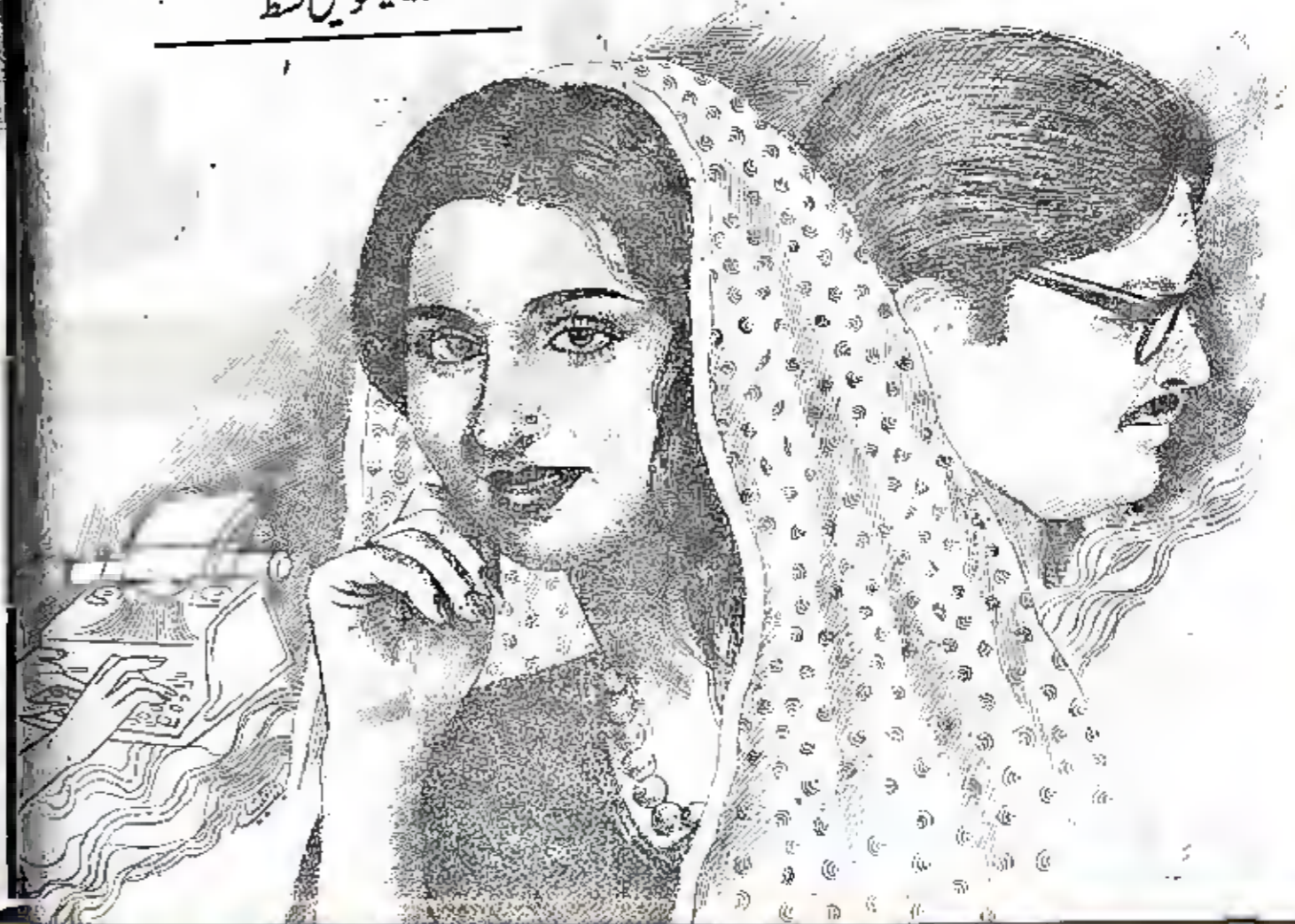
معاذ اور پرینا کے تعلقات کی سرد مہری جہان کی بہتری کی کوشش اور معاذ کو سمجھانے بجھانے کے باوجود بڑھتی چالی ہے۔

پرینا کے ہاں بیٹا پیدا ہوتا ہے، اسی اہم موقع پہ زینب اور جہان کا نکاح ہو جاتا ہے معاذ کی پرینا سے غلط فہمی بھی اسی موقع پہ دور ہوتی ہے، اک عرصے بعد شاہ ہاؤس کے مکین پھر سے خوشیوں کا منہ دیکھتے ہیں مگر زینب کا رویہ جہان کو الجھانے ہی نہیں پریشان کرنے کا بھی باعث ہے۔

تیمور زینب کو جہان کو جان سے مار دینے کی دھمکیاں دیتے اسے اپنے مکروہ ارادوں کے مطابق چلانے کی کوشش میں کامیابی سے ہمکنار ہوتا ہے۔

اب آپ آگے پڑھیے

پہنیں ویں قسط



”مجھے تو لگتا ہے تم بھی ان دنوں بہت حساس ہو رہی ہو، صرف ڈالے کو نہیں تمہیں بھی میری زیادہ سے زیادہ ضرورت ہے۔“ جہان پہلو کے بل ذرا سا اونچا ہو کر اسے بغور دیکھ رہا تھا، زینب کے توجیح معنوں میں جھکے چھوٹ گئے تھے اس بات پہ جیسے۔

”ایک تو آپ کی خوش فہمیوں کا کوئی انت نہیں ہے، میں آپ سے جان چھڑا رہی ہوں آپ کو ہری ہری سوچ رہی ہیں۔“ اس نے انجام کی پردہ کیے بغیر خود کو داؤ پر لگا دیا تھا، جہان کے چہرے پہ ایک سایہ آ کر گزرا۔

”زینب اگر تمہیں واقعی اس شادی کی ضرورت نہیں تھی تو انکار کر دیتیں پہلے کی طرح، اس طرح سے میرا امتحان لینے کی کیا ضرورت تھی۔“ وہ پل کے پل خطرناک قسم کی سنجیدگی میں جھٹلا ہو چکا تھا، زینب ایک لمحے کو گڑبڑا سی گئی۔

وہ اس کی توجہ حاصل کرتے کرتے ایک بار پھر اپنا کام خراب کرنے جا رہی تھی، کچھ کہے بغیر وہ ہونٹ کچلتی رہی تھی، جہان چند لمحے اس کے جواب کا منتظر رہا تھا پھر جیسے تھک کر روٹ بدل لی تھی، زینب ساری رات اس کی جانب سے پیش قدمی کی منتظر رہی تھی مگر جہان یونہی منہ موڑے پڑا رہا تھا اور اس نے جان لیا تھا وہ اپنے لئے مزید اندھیرے خرید چکی ہے، پتہ نہیں اسے ڈھنگ سے اپنے جذبات کا اظہار کرنے کا سلیقہ کیوں نہ آیا تھا، اس نے بے حد یاسیت سے سوچا تھا۔

”بجو آپ کو ماما بلا رہی ہیں اپنے کمرے میں۔“ زینب کو چونکانے کا باعث ماریہ کی آواز تھی جو دروازے میں کھڑی تھی۔

”تم چلو آئی ہوں میں۔“ اس نے گہرا سانس بھر کے کہا پھر بیڈ کے نزدیک آ کر سوئی ہوئی فاطمہ کو اٹھالیا، اسے کتنی دیر ہوئی تھی سوئے اسے باہر جانے کتنی دیر لگ جاتی، وہ نہیں چاہتی تھی بچی بیدار ہونے سے دشت زدہ ہو کر روٹی رہے۔

”جی ماما آپ نے بلایا؟“ وہ ان کی تلاش میں لائن میں آگئی تھی، وہاں ماما کے ساتھ ڈالے اور بھابھی کے علاوہ پر نیاں اور زیادہ بھی موجود تھے، عدن بھابھی کی گود میں تھا اور وہ اس سے کھیل رہی تھیں۔

”لائیں زینب آپا فاطمہ کو مجھے دے دیں۔“ ڈالے نے اسے دیکھتے ہی فاطمہ کو لینے کو ہاتھ پھیلا دیا تھا، زینب نے کچھ کہے بغیر فاطمہ کو اسے تھما دیا اور خود ماما کے پاس آ کر بیٹھ گئی۔

”کچھ کام تھا ماما!“ اس نے پھر اپنا سوال دہرایا تھا، ماما مسکرائیں۔

”کیا کام کے بغیر ہماری بیٹی ہمارے پاس نہیں بیٹھ سکتی؟“ وہ کس قدر پھیکے انداز میں مسکرائی تھی۔

”آپ بہت خاموش رہنے لگی ہو زینب؟ اپنا خیال بھی نہیں رکھتیں؟“ ماما جان کو بھی فکر ستانے لگی تھی۔

”حالانکہ اتنا پیارا اور شاندار دولہا مل گیا ہے آپ کو، قسم سے میری سب فرینڈز اتنی تعریف کر رہی تھیں جہان بھائی کی۔“ ماریہ نے مزے سے لقمہ دیا تھا، زینب کے چہرے پہ ایک سایہ آ کر گزرا گیا۔

”جہان کے کسی دوست کی شادی ہے لاہور، وہ نیملی جاتا ہے اسے لازماً، آپ اپنی تیاری کر لو بیٹے، شادی میں آپ کو ہی شریک ہونا ہے جہان کے ساتھ۔“ ماما کی بات پہ زینب کے اندر غضب کی جھنجھلاہٹ اور احتجاج اُٹا آیا تھا۔

کچھ عشق تھا کچھ مجبوری تھی
سو میں نے جیون وار دیا
میں کیا زندہ آدمی تھا
اک شخص نے مجھ کو مار دیا
وہ عشق بہت مشکل تھا مگر
آساں نہ تھا یوں جینا بھی
اس عشق نے زندہ رہنے کا
مجھے ظرف دیا پندار دیا
یہ سجا سجا سجا سجا
میری ذات نہیں میرا حال نہیں
اے کاش کہ تم جان سکو
جو اس نے سکھ آزار یاد

وہ کھڑکی میں کھڑی تھی، نگاہ کے سامنے لان کا منظر تھا، جہاں ڈالے کے ساتھ جہان تھا، اس کے ہمرا چہل قدمی کرتا ہوا، کتنا کیترنگ انداز تھا اس کا، ابھی اسے سہارا دے کر بٹھاتا بھی اپنے ہمراہ ہاتھ پکڑ کر چلاتا ہوا اس کا جیسے بس نہ چلتا تھا کہ ڈالے کو گود میں اٹھالے، وہ اس کی محبت تو تھی ہی اب تو اس کی نسل کی امین بھی بن چکی تھی، کچھ اور اہمیت کچھ اور خاصیت یا گئی تھی گویا، زینب خالی نظروں سے دونوں کو دیکھتی رہی، یہ مرحلہ اس نے بھی طے کیا تھا، مگر اس کے سامنے نے ابھی اسے یوں سر آنکھوں پہ نہیں بٹھایا تھا، اسے پتہ ہی نہیں تھا شوہر کی محبت اور اہمیت کا احساس کیسا ہوتا ہے، وہ تشنہ تھی اور شاید تشنہ رہنا چاہتی تھی، جیسی تو اس نے جہان کو کسی بھی پیش رفت کی اجازت نہیں دی تھی، ڈالے کی باری کا ایک ہفتہ پورا ہوا تو جہان اس کے پاس آ گیا تھا، وہ با اصول تھا اور دیانتداری کے تقاضوں کو پورا کرنا چاہتا تھا مگر وہ اپنے دل کا کیا کرتی جسے خالی خالی فرض کی ادائیگی نہیں چاہتے تھی، چاہ محبت مان اور خلوص..... سب سے بڑھ کر جہان کا دلہانہ انداز کا اظہار محبت..... یہی تو طلب تھی جس کی چاہ اور پھر ناکامی نے اسے آبلہ یا صحرانوں میں بھٹکا کر دیا تھا، کتنا تھک گئی تھی وہ۔

”آج سے آپ یہاں سوئیں گے؟“ وہ اسے دیکھے بغیر سوال کر رہی تھی۔

”ہاں۔“ جہان کا جواب مختصر تھا، زینب کے رویے کی بدولت وہ خود بھی محدود اور محتاط ہو چکا تھا۔

”آپ کو ڈالے کو تنہا نہیں چھوڑنا چاہیے، یونو اسے آپ کی زیادہ ضرورت ہے۔“

”وہ اکیلی نہیں ہے، اتنے بڑے گھر میں بہت سارے لوگ اس کے آس پاس ہیں، ہاں اگر تمہیں

کوئی اور اعتراض ہے تو کھل کر کہو۔“ جہان کی پیشانی پہ بل پڑنے لگے تھے، زینب کا یہ انداز اسے صرف توہین سے ہی نہیں نفرت اور ذلت کے احساس سے بھی دوچار کرنے لگا تھا، زینب کچھ ٹائینوں کو کچھ کہنے

بولنے کے قابل نہ ہو سکی۔

”میں چاہتی ہوں آپ ڈالے کے ساتھ زیادہ وقت گزاریں، ان دنوں عورت بہت حساس ہو رہی

ہوتی ہے اور.....“

سب سے ہو جانا تھا، پھر دیکھو آخر کب تک تم اس صورتحال سے بھاگو گی، اسے تو نہیں کرنا ہی ہوگا۔“ وہ بہت نرمی اور سجاؤ سے اسے سمجھا رہی تھی، زینب نے بیگنی پلکوں کو آہستگی کے ساتھ رگڑا تھا۔
”ٹھیک ہے تم ماما سے کہہ دینا میں چلی جاؤں گی۔“ اس نے بالآخر ہار تسلیم کر لی تھی، پر نیاں جیسے بے اختیار ریلیکس ہو کر گہرا سانس بھرنے لگی۔

☆☆☆

ریسورس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا تھا، اس کی رنگت بالکل زرد ہو چکی تھی، یہ محض اتفاق تھا یا پھر وہ واقعی تیمور کو بھلا چکی تھی کہ کال ریسیو کر لی تھی، وہ اس کی آواز پہچانتے ہی اس پر چڑھ دوڑا تھا۔

”بہت خوب، تو جہان صاحب کے ساتھ نکاح کر کے رنگ رلیاں منانی جا رہی ہیں۔“ زینب کے کانوں سے پہلی بات نے ہی دھواں نکال دیا تھا، اس نے ایک دھماکے سے ریسیور کر پڈل پہنچ دیا تھا، مگر اس وقت نیل پھر سے زور و شور سے بچتی چلی گئی تھی۔

اس نے ریسیور اٹھا کر سائیڈ پر رکھا اور بھاگتی ہوئی اپنے کمرے میں آگئی تھی، تب اس کا سیل فون بجنا تھا سچ ٹون تھی اس نے نیکسٹ کھولا انجان نمبر تھا، اس نے حیرانی سے عبارت یہ نگاہ دوڑائی۔

”میں تمہاری زندگی اجیرن کر دوں گا زینب، بہتر ہے مجھ سے بات کر لو۔“ زینب نے نفرت زدہ انداز میں پیغام کو کاٹ دیا تھا، اسی وقت اس نمبر سے ایگلا پیغام موصول ہو گیا۔

”اگر چاہتی ہو کہ میں تمہاری فیملی کے کسی فرد کا کل نہ کر دوں تو مجھ سے بات کر لو، میرا پہلا نشانہ تمہارا چہیتا جہان ہی ہوگا، اکیلی تم نہیں وہ دوسری لڑکی بھی بوجہ ہو جائے گی خواخوہ۔“ الفاظ تھے یا تیر بر چھیاں جو زینب کے وجود میں پوست ہو گئے تھے، اس کے جسم پہ جیسے لڑہ سا چھا گیا، وہ یکنخت نیچے بیٹھ گئی تھی، تیمور جان کی سفاکی سے وہ بخوبی آگاہ تھی، کسی کو معمولی سی بات پہ جان سے مار ڈالنا اس کے لئے عام سی بات تھی، خوف و وحشت کا احساس بن کر اس کے وجود میں دھیرے دھیرے نیچے گاڑنے لگا۔

”کیا جانتے ہو؟“ تیمور کی مزید چند ایسی ہی دھمکیوں کے جواب میں اس نے ہار تسلیم کر کے اسے لکھا تھا، چند لمحوں کے توقف سے ہی اسکرین چمکی اور تیمور کا جواب نگاہ کے سامنے تھا، ایک طویل تمغیہ کے بعد اس نے بڑے خیانت بھرے انداز میں لکھا تھا۔

”اف اتنی محبت کرتی ہو اس لہنگے سے، سخت جینس ہو رہا ہوں، خیر نکاح ہو گیا تمہارا یہی تب میں کہنا چاہتا تھا تم سے مگر تم سنتی ہی نہ تھیں، اب اس سے طلاق بھی لے لو جان من تاکہ حلالہ کی شرط پوری ہو اور تم پھر سے میری بانہوں میں آسکو۔“ تیمور کے الفاظ نے زینب کے چہرے پہ گویا آگ سلگادی تھی، اس نے طیش کے عالم میں سیل فون کو دیوار سے دے مارا تھا، اندر داخل ہوتے جہان نے کس قدر حق دق ہو کر اس کی اس حرکت کو دیکھا تھا۔

”خیر بت اتنا غصہ کیوں آ رہا ہے؟“ وہ اس کے قریب آ گیا، زینب کسی طرح بھی اتنی تیزی سے خود کو سنبھال نہیں سکی تھی جیسی شیٹا سی گئی۔

”پریشان ہو زینب؟“ جہان نے اسے شانوں سے تمام کر مقابل کیا، انداز میں اتنی توجہ اتنی اپنائیت اور محبت تھی کہ جتنی شاید زینب کے اندر تڑپ تھی، جیسی وہ اسے دیکھتی رہ گئی تھی۔

ماہنامہ حنا (33) اگست 2014

”میں کیوں ماما! ڈالے ہے، نا ڈالے چلی جائے گی ان کے ساتھ۔“ اس نے فی الفور انکار کیا تھا ماما کے ساتھ ساتھ باقی کے سب افراد کو بھی چپ سی لگی تھی۔

”ڈالے کی طبیعت ان دنوں ٹھیک نہیں، ڈاکٹر نے سختی سے منع کیا ہوا ہے، پتہ تو ہے آپ کو۔“ ماما نے جیسے اسے نادہی انداز میں سمجھایا تھا مگر وہ اس طرح بے زار نظر آرہی تھی۔

”تو ٹھیک ہے وہ اکیلے چلے جائیں، میرا نہیں موڈ۔“
”یہ کیا بات ہوئی بھلا؟ کہنا تو دیکھی ہے، دوست ہے جہان کا بہت قریبی۔“ ماما کے لہجے میں اب کے صرف سختی نہیں محکم بھی تھا، زینب بری طرح زنج ہوئی۔

”مگر ماما.....“
”اگر مگر کچھ نہیں زینب، کہہ دینا آپ کو ساتھ جانا ہے۔“ ماما نے اسے گھورتے ہوئے کہا تھا، وہ ہونٹ بھینچ کر جلتی آنکھوں سے انہیں کچھ دیر دیکھتی رہی تھی پھر ایک جھٹکے سے اٹھ کر وہاں سے چلی گئی، جب وہ یکن میں کام کرتے ہوئے برتنوں کو بیچ کر اپنا غصہ نکال رہی تھی پر نیاں وہیں اس کے پاس آگئی تھی۔

”تم ٹینس کیوں ہو زینب؟“ زینب نے پلٹ کر آنسو بھری آنکھوں سے اسے دیکھا تھا مگر منہ سے ایک لفظ نہیں کہا۔

”مجھے تم پریشان لگتی ہو، جہان بھائی تو بے حد نائس ہیں اور.....“
”میں خوش نہیں ہوں ان کے ساتھ پر نیاں، محبت کے بغیر عورت خوش ہو سکتی ہے بھلا؟“
”کیا مطلب ہے تمہارا؟“ پر نیاں کو جھٹکا لگا تھا۔

”مجھے یہ بتاؤ پری کیا میرے نصیب میں محبت نہیں لکھی؟“ وہ جیسے رو پڑی تھی، پر نیاں ششدر تھی۔
”جہان بھائی نے کچھ کہا تمہیں؟“ وہ کچھ سمجھ نہیں پائی تو یہ اہم سوال کیا تھا۔

”یہی تو دکھ ہے، وہ کچھ کہتے نہیں ہیں، پر نیاں انہیں مجھ سے جبراً باندھا گیا ہے۔“
”ایسا نہیں ہے زینب، جہان بھائی تو مجھے لگتا ہے محبت ہی تم سے کرتے ہیں۔“ وہ ابھی ابھی سی

بولی تو زینب زہر خند سے ہنس پڑی تھی۔
”اچھا.....“ اس کے لہجے میں مسخر کارنگ اتر آیا۔

”اور بہت سے احمقوں کی طرح تم بھی یہی سوچتی ہو کیا؟“ پر نیاں قدرے کنفیوژ ہو گئی، پھر بات بنانے کو بولی تھی۔

”اچھا چھوڑو، جو بھی حقیقت ہوگی آخر کھل جائے گی، فی الحال تم ماما کی بات مان لو، بہت پریشان ہیں وہ تمہاری وجہ سے۔“

”تم بھی مجھ سے کہہ رہی ہو پری۔“ وہ دکھ سے لبریز ہو گئی جیسے۔
”ساری دنیا ڈالے کو ان کی وائف کی حیثیت سے جانتی ہے، مجھے ہرگز اچھا نہیں لگ رہا ہے خود کو جا کر اس حوالے سے متعارف کرانا اور لوگوں کی آنکھوں میں حیرت اور سوال دیکھنے کا۔“ اس نے جیسے اصل مسئلہ بیان کیا تھا، پر نیاں نے گہرا سانس بھر لیا۔

”سوری زینبی، میری ڈیوری کی وجہ سے تم لوگوں کا ولیمہ منسوخ ہو گیا تھا، ورنہ تمہارا تعارف وہاں

ماہنامہ حنا (32) اگست 2014

گھر کے ہر فرد کی نگاہ میں کتنی فکر ہوتی ہے ان کے لئے۔“ وہ عاجزی ہو کر کہہ رہی تھی۔
 ”یہ تمہاری یا پھر باقی سب گھر والوں کی خواہش تو ہو سکتی ہے، مگر یہ زینب کی اپنی خواہش نہیں ہے،
 میں اپنی ہی کوشش کر چکا ہوں اور کیا چاہتی ہوں؟“ جہان کو غصہ آنے لگا تھا، ڈالے خائف تو ہوئی مگر
 اپنی بات پھر بھی کہہ ڈالی تھی۔
 ”آپ ان کو انڈر اسٹینڈ کرنے کی کوشش کریں شاہ، ان کے اصل پر اہم کو سمجھیں، الجھن ختم ہو
 جائے گی۔“ جہان نے سرد آہ بھری، پھر اس کو دیکھنے لگا۔

”اک بات پوچھوں؟“
 ”جی ضرور۔“ ڈالے نے مسکراہٹ دہائی۔
 ”میں نے ہمیشہ یہی سنا بڑھا اور دیکھا ہے کہ ایک شوہر کی بیویاں آپس میں اک دوسرے سے
 رقابت اور حسد محسوس کرتی ہیں مگر تم لوگوں کا معاملہ الٹ کیوں ہے؟ وہ تمہاری اور تم اس کی فکر میں ہلکان
 آپس میں لڑنے کی بجائے تم مجھ سے لڑتی ہو، ہے نا حیرت انگیز بات۔“ وہ بے بس سا ہو کر کہہ رہا تھا،
 ڈالے زور سے ہنس پڑی۔
 ”انڈر اسٹینڈنگ کا کمال ہے جناب، یہی آپ پیدا کریں ان سے۔“ ڈالے نے مفید مشورے
 سے نوازا تھا، جہان نے آہ بھر کے کاندھے اچکا دیئے۔

☆☆☆

”ہیلو۔“ جہان نے بہت مصروفیت کے عالم میں کال رسبو کی تھی، انجان نمبر تھا جبھی وہ ضروری کال
 سمجھ کر اگنور بھی نہیں کر سکا تھا۔
 نظر سے دور رہ کر بھی کسی کی سوچ میں رہنا
 کس کے پاس رہنے کا طریقہ ہو تو تم جیسا
 جواب میں بڑے جذب سے شعر پڑھا گیا تھا، جہان نے حیرت بھرے انداز میں سیل فون کو کان
 سے ہٹا کر عجیب نظروں سے دیکھا یوں جیسے وہ فون نہ خود کال کرنے والی ہو۔
 ”کون؟ آپ نے شاید غلط نمبر ڈال کر لیا ہے محترمہ۔“
 ”آہ..... ہا.....“

تمہاری بے رخی پہ ہی منادی زندگی ہم نے
 ہمارا حال کیا ہوتا اگر تم مہرباں ہوتے
 اس کی رکھائی کے جواب بڑے درد بھرے انداز میں شعر لڑھا گیا، جہان کا موڈ یکا یک بگڑا تھا۔
 ”واٹ نان سینس، کون ہیں آپ؟ بات کرنے کی تمیز نہیں ہے کس سے؟“ وہ بھنا کر فون بند کرنے
 لگا تھا کہ اس نے بے اختیار شکوہ کیا تھا۔
 ”ایک تو میں شاہ صاحب آپ کی اس یادداشت سے عاجز ہوں، اتنی جلدی انسان یا تو بڑھا پے
 میں بھولتا ہے اس وقت اگر وہ کسی کو اہمیت نہ دے رہا ہو، نیلما ہوں جی میں۔“ جہان کے اعصاب ایکدم
 سے تفر اور کشیدگی سمیٹ لائے، ایک لفظ کہے بغیر اس نے کال ڈسکنیکٹ کی تھی اور فون کو سائیلنٹ پہ لگا
 دیا، جانتا تھا اب وہ مشکل سے ہی پیچھا چھوڑے گی، لاہور آیا تھا تو سوچا فیکٹری کا بھی چکر لگالے اسی چکر

”مجھے ڈر لگ رہا ہے؟“ اس نے بلا جھجک اپنی کیفیت بیان کی تھی۔
 ”ڈر؟ مگر کس سے؟“ جہان حیران رہ گیا تھا۔
 ”خود اپنے آپ سے، کاش میں ہی مر جاؤں، سارے مسائل خود ہی حل ہو جائیں گے۔“ وہ ضحکا
 کھوتے ہوئے ہاتھوں میں چہرہ اڑھانپ کر رو پڑی تھی، جہان کے اعصاب یکا یک تناؤ کا شکار ہو گئے۔
 ”فون کس کا تھا؟“ جہان کے سوال نے زینب کو نہ صرف محتاط کیا بلکہ مضطرب بھی کر دیا۔
 ”کسی کا نہیں، آپ بتائیں جانا کب ہے؟“ اس نے جلدی سے بات کا رخ موڑ کر گویا اس کا
 دھیان ہٹایا۔

”آج ہی جانا تھا، کیا تم تیار ہو؟“ جہان نے جواب دے کر سوالیہ نگاہوں کو اس پہ جمایا۔
 ”پیکنگ کر تو لی تھی میں نے کل اور کیا کرنا ہے؟“ وہ بتا کر اسے دیکھنے لگی تو جہان کے لبوں کے
 گوشوں میں شریسی مسکان چل گئی تھی۔
 ”اور میرا ساتھ دینا ہے بس، دوگی؟“ سوال معنی خیز تھا، زینب کی پلکیں ایکدم سے جھکیں۔
 ”کتنے بجے کی فلائٹ ہے؟ بتا دیں میں اس حساب سے تیار ہو جاؤں گی۔“ وہ طرح دے گئی تھی،
 جہان گہرا سانس بھر کے رہ گیا، جانے سے قبل جہان ڈالے کے پاس کمرے میں آیا تھا۔
 ”یہاں سب ہی تمہارا بہت خیال رکھتے ہیں، مجھے پتہ ہے ڈالے مگر پھر بھی اپنا خاص طور پہ خیال
 رکھنا، میں خود بھی کامیکٹ میں رہوں گا مگر تم بھی مجھے کال کرنی رہنا۔“
 ”او کے جناب آپ زینب آبی اور فاطمہ کے ساتھ اپنا بھی خیال رکھیے گا۔“ ڈالے نے اس کے
 کوٹ کے بٹن بند کرتے ہوئے اسے مسکرا کر مطمئن کیا، جہان نے محض سر اثبات میں ہلایا تھا۔
 ”شاہ زینب بہت ادا اس لگتی ہیں ابھی بھی، حالانکہ میں سمجھتی ہوں اب ایسا نہیں ہونا چاہیے تھا۔“
 ڈالے نے کب سے اپنے دل میں اٹکا ہوا سوال اس کے آگے رکھا تو جہان نے ٹھنڈا سانس بھریا تھا۔
 ”کیوں اب اسے کون سا قارون کا خزانہ مل گیا ہے بھلا؟“
 ”آپ کسی قارون کے خزانے سے کم ہیں کیا؟“ ڈالے نے مصنوعی خفگی سے گھورا تو جہان تسخیر
 سے ہنس پڑا تھا۔

”ہر کوئی تمہاری طرح سوچتا ہے نہ ہی تمہاری طرح مانع اور شاکر ہوتا ہے۔“
 ”اچھا اب آپ ان کی برائیاں نہ کریں میرے سامنے۔“ ڈالے نے منہ بنا لیا تھا، جہان آہستگی
 سے مسکرانے لگا۔
 ”میں محترمہ کی برائیاں نہیں کر رہا، صرف تمہارے سوال کا جواب اور اس کا مزاج بتایا ہے۔“ وہ
 کاندھے اچکا کر بولا تو ڈالے نے آہستگی سے اس کا ہاتھ تھام لیا تھا۔
 ”شاہ ان کے لئے آپ نہ سہی مگر وہ آپ کے لئے، ضرور اہم اور خاص ہیں، آپ کو یہ بات نہیں
 ضرور بتانی چاہیے۔“
 ”مجھے سمجھتیں نہ کیا کرو ڈالے، مجھے خود بہتر پتہ ہے مجھے کیا کرنا ہے۔“ جہان روڈ نظر آنے لگا،
 ڈالے پرل ہو کر رہ گئی۔
 ”میں چاہتی ہوں زینب آپنی خوش رہا کریں، آپ نہیں جانتے ہیں شاہ ماما اور ماما جان کے علاوہ اس

جواب زبان سے نہیں عمل سے دیا تھا، اس نے اتنی توجہ، اتنی نرمی اتنی محبت سے اسے چھوا تھا اسے برتا تھا کہ وہ خود پہ نازاں ہو جاتی، جہان نے بتایا تھا تیمور اگر وحشی درندہ تھا تو وہ عشق کی معراج کو چھو کر لوٹا تھا، تیمور نے اسے لوٹا تھا تو وہ اسے انمول کر رہا تھا، تیمور نے اسے بے مایا کیا تھا، تو وہ اسے معتبر کر رہا تھا، بس یہی فرق تھا، اس میں اور تیمور میں۔

☆☆☆

اگلے دن کی صبح بے حد حسین تھی، چمکیلی روشن اور دکھتی ہوئی، جہان نماز پڑھ کے لوٹا تو زینب ہنوز بستر میں موجود تھی، جہان نے مسکرا کر آہستگی سے اس کا گال تھپتھپایا تھا۔

”صبح بخیر میم!“ اس کی آنکھوں میں صرف شرارت نہیں تھی، بھرپور آسودگی اور خمار آلودگی بھی تھا، زینب اسے دیکھتی رہ گئی، دھیرے دھیرے رات کے سارے منظر اس کی نگاہ میں روشن ہوئے تو اس کے وجود پہ سناٹے سے چھا گئے تھے، پہلے نگاہ جھکی پھر وہ خود میں سمٹی تھی اور جیسے اس نقصان پہ ششدر رہ گئی تھی، یہ کیا ہوا تھا، بنا بنایا کھیل اس نے خود بگاڑنے میں کس نہیں چھوڑی تھی، اس نے بے دردی سے ہونٹ کھلے تھے، کل جو کچھ بھی ہوا تھا اس کے چہرے تیمور کی شدید اور خوفناک دھمکیاں تھیں اور وہ اتنی خوفزدہ ہو گئی تھی کہ اس کی خواہش کے مطابق ماحول کو خراب کر کے جہان کو پریشان کرنا شروع کر چکی تھی، وہ جانتی تھی کہ غصہ اور نشہ ہی انسان کے ایسے دشمن ہیں جو اسے بربادی کی آخری حد تک لے جاتے ہیں، تیمور نے نشے میں اسے چھوڑا تھا وہ جہان کو غصے میں لا کر یہ کام کرانا چاہتی تھی، ورنہ تیمور جیسا درندہ صفت انسان وہ کرتا جو اسے دھمکیاں دے چکا تھا، اس نے بہت سوچا تھا مگر وہ جہان کو نقصان پہنچانے کے تصور سے ہی لرز اٹھتی تھی، جہان سے صرف اس کی ذات نہیں وابستہ تھی، ڈالے تھی اس کا ہونے والا بچہ اور خود اس کی پوری فیملی، جبکہ وہ اگر تیمور کی بات مان لیتی تو کیا ہوتا، وہ خود برباد ہوئی تا تو اس میں کیا تھا، وہ تو پہلے بھی برباد ہو چکی تھی، فیصلہ ہوا تو اس نے دل پہ پھر رکھ لیا، مگر جہان کے ہاتھ اٹھانے کے بعد اس کے اندر کی حالت ہی بدل گئی تھی، عقل پہ جذبات غالب آ گئے تھے، یہ وہ جہان تھا جس کی نگاہ نے بھی کبھی سختی سے نہیں چھوا تھا اسے، کہاں اتنی وحشت کہ وہ اس پہ ہاتھ اٹھا چکا تھا، وہ تو جیسے پاگل ہونے لگی تھی دکھ اور صدمے سے ایسے میں جہان کی ذرا سی توجہ اسے پیاسی دھرنی میں بدل گئی تھی، اگر جہان مہربان بادل بن کر چھایا تھا، اس پہ تو حواسوں میں وہ بھی نہیں رہی تھی، جیسی تو صدیوں کے فاصلے مٹ گئے تھے، تمام گلے دور ہو گئے تھے، گنتا مہکتا ہوا تھا وہ حصار جس میں مقابل کی بے خودی کے گہرے تاثر میں بھی دھیان اور توجہ کے رنگ واضح اور اہم تھے، ہاں بس ایک شکایت پھر بھی اسے ہو گئی تھی، اس درجہ قربت میں بھی جہان نے اس پہ اظہار محبت کا ایک موتی بھی نچھاور نہیں کیا تھا، اس نے پھر جانا تھا کہ جہان کی محبت جو کوئی بھی تھی مگر وہ نہیں تھی۔

”آج ناشتہ نہیں ملے گا جناب!“ جہان نے اسے چونکانے کو باقاعدہ کھنکار کر کہا تب وہ جیسے گہری نیند سے جاگی۔

”رات کیوں آئے تھے میرے پاس آپ؟“ وہ لہجہ و انداز بدل کر ناگن کی طرح سے پھنکار اٹھی، جہان تو ہکا بکارہ گیا تھا۔

”کیا مطلب ہے؟“ وہ ٹھنک کر بولا، چہرے پہ سکی کا احساس چھلک پڑا تھا۔

ماہنامہ حنا (39) اگست 2014

غصہ بچی پہ نکال رہی تھی، بد دعائیں اور مار کٹائی، بھلا ہے وہ اتنی بڑی کہ یہ سلوک کیا جائے اس سے۔“ معاذ سخت متاسف سا کہہ رہا تھا، جہان نے ہونٹ جھینپے رکھے۔

”میں چائے بنا رہا ہوں، پیو گے نا تم؟“ معاذ نے کرسی دکھلایے ہوئے اس دیکھا، جہان نے سر کونفی میں جنبش دی۔

”نو ٹھینکس میں تھکا ہوا ہوں، سوؤں گا۔“

”واقعی؟“ معاذ نے اس کی آنکھوں میں کچھ ایسی غیر یقینی سے جھانکا تھا کہ جہان تنگ پڑنے لگا۔

”جے میں صرف یہ بات سمجھتا نہیں ہوں مجھے یقین ہے تم بہت سمجھدار ہو، معاملہ یقیناً شیر نہیں کرنا چاہو گے، نو پرا بلیم، مگر اسے سدھارو گے ضرور..... ہے نا؟“ وہ پتہ نہیں اس سے وعدہ چاہ رہا تھا یا سلی، جہان خاموش نظروں سے اسے دیکھتا رہا پھر گہرا سانس بھر کے آہستگی سے سر کو اثبات میں ہلا دیا تھا۔

”ٹھینکس جے، مجھے تم آج بھی اتنے ہی عزیز ہو جتنے ہمیشہ تھے اور ہمیشہ رہو گے۔“ معاذ نے اسے بازو کے حصار میں لے کر کہتے ہی اسی خلوص اور محبت کا اظہار کیا تھا، جو ان کے بیچ ہمیشہ سے قائم رہا تھا، جہان کی آدمی سے زیادہ کلفت گویا اسی ایک بل میں دور ہو گئی تھی۔

”تمہاری بہن ذرا تھوڑی سی ٹیڑھے مزاج کی ہیں مگر ڈونٹ وری میں سدھار لوں گا اسے۔“ اس دوران پہلی بار ہلکی سی مسکان کی جھلک اس کے چہرے پہ اتری تھی۔

”یہ ہوئی نامردوں والی بات، مگر جان من مار نہیں پیار، یہ قوم پیار سے ہی رام ہوتی ہے یاد رہے۔“

معاذ نے صرف نصیحت نہیں کی، اپنا تجربہ بھی بیان کیا تھا، جہان نے جواب میں اس کے ہاتھ کوزی سے دبا کر تسلی سے نوازا تھا، معاذ کے کمرے میں جانے کے بعد جہان خود بھی دل کڑا کر کے بیڈروم میں آیا تھا، ٹائٹ بلب کی نیلگوں روشنی میں وہ اسے صوفے پہ لیٹی نظر آئی، سینے سے فاطمہ کو چھٹایا ہوا تھا، پتہ نہیں سورہی تھی کہ جاگ، جہان ست قدموں سے چلتا ہوا قریب آ گیا، جھک کر پہلے فاطمہ کو اس کی بانہوں کے حصار سے نکالا تھا اور احتیاط سے کاٹ میں لٹا دیا، زینب نے کچی نیند سے ہڑبڑا کر اسے دیکھا ضرور البتہ کسی قسم کی مداخلت نہیں کی تھی۔

”زینب!“ وہ کروٹ بدل کر ریزخ دوسری جانب کر چکی تھی جب جہان کی آواز پہ ایک دم سے ساکن ہو کر رہ گئی، جانے کس بے لگام جذبے کے تحت دل پانی بن کر پگھلا اور آنکھیں شدتوں سے ابل پڑیں۔

”مجھے پتہ ہے تم سو نہیں رہی ہو۔“ جہان نے کہا تھا اور ہاتھ بڑھا کر اس کی کمر میں بازو اس انداز میں جمائے لیا کہ ایک بل میں سارے فاصلے سمٹ گئے تو اس میں سارا جہان کی ہی کوشش کا عمل دخل نہیں تھا اس کا اپنا بھی تھا، وہ اس کے بازو سے لپٹ گئی تھی۔

”آپ نے مجھے مارا ہے۔“ وہ ہچکیوں اور سسکیوں سے روئے گئی، جہان نے اس کے ہر آنسو کو اپنے ہونٹوں سے چنا تھا۔

”تم نے بات ہی بہت غلط کی تھی زینبی۔“ وہ اسے اپنے بازوؤں میں کسی قیمتی متاع کی طرح سے اٹھا کر بیڈ پر لایا تھا۔

”وہ بھی مجھے ایسے ہی مارتا تھا پھر کیا فرق رہا اس میں اور آپ میں۔“ وہ ہچکیوں کے بیچ بولی تھی، لہجے میں ہوکتا ہوا کرب اور اذیت کی انتہا تھی، جواب میں جہان کو چپ لگ گئی تھی، اس نے اس بات کا

ماہنامہ حنا (38) اگست 2014

”ابھی بھی مجھ سے مطلب پوچھتے ہیں، مطلب پرست تو آپ نکلے، مجھے ہرگز بھی اندازہ نہیں تھا کہ آپ کا نفس اس قدر کمزور ہوگا۔“ وہ جان بوجھ کر ایسے الفاظ کا استعمال کر رہی تھی جس سے جہان کو زیادہ طیش آسکے۔

”زینب حواسوں میں ہوتی؟ اندازہ ہے کیا کہہ رہی ہو؟“ جہان بامشکل خود کو کنٹرول کر رہا تھا، البتہ اس کا چہرہ لہجہ سرخ پڑتا جا رہا تھا۔

”ابھی تو حواسوں میں لوٹی ہوں، آپ نے میری کمزوری سے خوب فائدہ اٹھایا، میں پوچھتی ہوں آپ نے میری اجازت کے بغیر مجھے چھوا بھی کیسے؟“ اس نے ہنسنے کے لئے سائید پہ پڑا گلہ انٹھا کر زور سے زمین پہ مارا تھا، جہان کا ضبط بھی بس یہیں تک تھا۔

”چیخو مت، اپنی گھٹیا اور فضول بکواس بند رکھو، معاذ یہیں ہے اس تک تمہاری آواز نہیں جانی چاہیے۔“ وہ آگے بڑھ کر اس کے بازو کو زوردار جھٹکا دیتے ہوئے بولا تھا۔

”چیخو نا، بکواس بند کرنا چاہتے ہیں؟ میں سیاری دنیا کو آپ کی اصلیت دکھاؤں گی۔“ وہ طیش میں آئی وہ اسے دھکا دے کر اٹھنے کے لئے قدموں پیچھے ہٹی تھی کہ اسی پل بے اختیار کراہتی بے دم سی ہو کر نیچے بیٹھ گئی، وہ ننگے پاؤں تھی، کچھ دیر قبل ٹوٹے واز کے نوکیلے ٹکڑے اس کے پیروں میں کھب کر اسے زخمی کر گئے تھے، خون بہت تیزی سے نکل کر ماربل کے سفید فرش کو رنگین کرنے لگا، جہان جو شاکڈ کھڑا تھا سب کچھ بھلا کر تیزی سے اس کی جانب آیا۔

”مائی گاڈ..... کیا کیا ہے یہ تم نے؟“ وہ جیسے صدے سے چور آواز میں بولا تھا، زینب بے حس سی بیٹھی رہی۔

”اٹھو ادھر بیڈ پہ آؤ۔“ جہان نے اس کے پیروں سے پہلے نوکیلے کاچ کھینچے تو خون کا اخراج کچھ اور تیزی سے بڑھا تھا جسے ایک نگاہ دیکھتے اسے سہارا دینا چاہا مگر وہ بری طرح سے چلی تھی۔

”ڈونٹ سیج ی او کے؟“ اس کے لہجے میں غراہٹ تھی، جہان سخت عاجز ہوا تھا پھر جیسے اس کی بات یہ دھیان دیئے بغیر اٹھا کر اسے قریبی صوفے پہ بٹھا دیا اور خود معاذ کو بلانے بھاگا تھا، زینب نے دھند آلود نظروں سے اپنے زخمی پیروں پہ نگاہ کی تو جیسے کلیجہ منہ کو آنے لگا، زخم بے حد گہرے تھے اور خون اتنی تیزی سے بہ رہا تھا، تکلیف کا احساس تو ایک طرف تھا اسے تو اتنے خون نے عجیب سی وحشت سے دوچار کیا تھا، تب ہی سلیپنگ گاڈن کی کھلی ڈوریوں کو عجلت میں باندھتا بھرے بالوں اور سرخ آنکھوں میں پریشانی کا تاثر لئے معاذ وہاں آیا تھا اور زینب کی حالت دیکھ کر وہ چند ثانیوں کو بھونچکا رہ گیا تھا۔

”زینبی پیرا دھر کرو۔“ معاذ تیزی سے حرکت میں آتے ہوئے چھوٹی ٹیبل تھسیٹ کر سامنے رکھنے کے بعد خود اس کے پیراٹھا کر اس انداز سے نکائے تھے کہ زخموں کا معائنہ کرنے اور مرہم پٹی کرنے میں سہولت رہے اور اسی پل وہاں میڈیکل باکس کے ساتھ پہنچنے والے جہان سے باکس لے لیا تھا، یہ فرسٹ ایڈ کا سامان اس کے پاس ہر وقت کسی بھی ایمرجنسی کی صورت میں کام آنے کو موجود ہوا کرتا تھا۔

”اسٹینک ہوگی جے تم ایسا کرو زینبی کو یہاں سے اٹھا کر وہاں بستر پہ لٹا دو، زخم بہت گہرے ہیں، اسے پہلے انجکشن لگنے ہوں گے۔“

میڈیکل باکس کو کھول کر اپنی مطلوبہ دوائیں اور اوزار نکالتے ہوئے وہ بے حد سنجیدگی کے ساتھ

جہان سے مخاطب ہوا تھا، جہان اپنی جگہ پہ مضطرب سا کھڑا رہ گیا، زینب کی جو ذہنی حالت تھی کچھ پتہ نہیں تھا وہ معاذ کے سامنے بھی کیا کچھ بول جاتی ہی وجہ تھی کہ وہ اس کے پاس جانے کے خیال سے بھی خائف نظر آ رہا تھا، معاذ انجکشن تیار کر چکا تھا اس کی اس پس و پیش کو پلٹ کر حیرت کی نگاہ سے دیکھا۔

”جے..... کچھ کہا ہے تم سے میں نے۔“ وہ نرمی سے جھنجھلایا تھا، بلکہ حقیقت یہ تھی کہ اسے پہلی بار جہان پہ غصہ آیا تھا، زینب کی تکلیف اور حالت کے باوجود اس کی یہ خاموشی جو بے حس کی طرف اشارہ کر رہی تھی معاذ کو بالکل اچھی نہیں لگی تھی جہان نے ہونٹ کچلے پھر کسی قدر گریز کرتی نظروں سے زینب کو دیکھا تھا، وہ سر جھکاتے ہوئے بیٹھی تھی، اس کے چہرے کے تاثرات کا وہ ہرگز بھی اندازہ لگانے میں ناکام رہا تھا۔

”میں خود وہاں چلی جاتی ہوں لالے!“ وہ بیٹھی اور مدہم آواز میں بولی اور اسی ارادے سے اٹھنا چاہا تھا کہ معاذ نے گھبرا کر اسے تھاما تھا۔

”زینبی تم نی الحال تو کیا اب اگلے بہت سارے دن تک چلنے کے قابل نہیں رہی ہو او کے؟“ اس نے کس قدر دکھ اور تاسف میں مبتلا ہو کر یہ بات کہی تھی، جہان نے اس انکشاف پہ پہلو بدل کر معاذ کو دیکھا تھا۔

”تم کس سوچ میں گم ہو جے؟ کچھ کہا ہے تم سے، اگر میرے سامنے شرمارہے ہو تو میں باہر چلا جاتا ہوں۔“ اب کے معاذ کے لہجے میں جھٹلائی ہوئی ناراضی تھی، جہان کو دل کڑا کر کے آگے بڑھنا پڑا، زینب کو اٹھاتے ہوئے اس کی نگاہ ایک پل کو اس کے چہرے پہ ٹھہری تھی، اسے ہونٹ بھیج کر چہرے کا رخ پھیرتے دیکھ کر اسے اپنا خون کھولتا ہوا محسوس ہوا تھا اور جب وہ اسے بستر پہ لٹا کر سیدھا ہو رہا تھا، جو اس وقت اس کے اعصاب کو جھٹکا لگا تھا اس کی شرٹ زینب نے مٹھوں میں بھیج رکھی تھی، اتنی شدت سے کہ جہان کو باقاعدہ زور لگا کر چھڑانا پڑی تھی، اس نے حیران الجھن زدہ نگاہ سے زینب کا چہرہ دیکھا جو آنسوؤں سے بھیگ چکا تھا اور لمبی ریشمی پلکوں سے بھی آنکھیں سختی سے بند تھیں، جہان کو عجیب سے احساسات نے گھیر لیا اس نے انہی احساسات سے پیچھا چھڑانے کو زینب کے ہاتھوں کو زور سے جھٹکا تھا اور فاصلے پہ ہو گیا، جب تک معاذ زینب کے زخموں کی مرہم پٹی کرتا رہا زینب کے آنسو اسی شدت سے بہتے رہے تھے۔

”زیلیکس زینبی گڑبا! میں تمہیں پین کلر دیتا ہوں، ابھی درد ختم ہو جائے گی۔“ معاذ نے اپنے تئیں اسے تسلی دی تھی، پھر چند منٹیں نکال کر جہان کے آگے رکھی تھیں۔

”یہ زینب کو کھلا دو جے، نیند کی بھی دوا ہے اس میں۔“ جہان کو ناچار دو ایسی پڑی تھی، پانی کا گلاس اٹھا کر اسے پانی نکال کر اس کے پاس آ گیا تھا، جہان نے کچھ کہے بغیر اس کا ہاتھ پکڑ کر گولیاں ہتھیلی پہ منتقل کی تھیں اور گلاس اس کے نزدیک رکھ دیا، زینب کی آنسوؤں سے چھلکتی نظریں مستقل اسی پہ جمی ہوئی تھیں، جہان کو اس کی انہی نگاہوں سے تپ چڑھ رہی تھی۔

”کیا ثابت کرنا چاہتی تھی وہ معاذ کے سامنے کہ سارا تصور اسی کا تھا۔“ (وہ وقت گزر گیا زینب بیگم جب تم ہر الزام مجھ پہ رکھ کر بری ذمہ ہو جاتی تھیں، تمہاری اب کی کوئی بھی بدتمیزی کے جواب میں میں تمہیں ایسا سبق سکھاؤں گا کہ ہمیشہ یاد رکھو گی۔)

اس کا دماغ کیلے دھوئیں سے بھرتا جا رہا تھا، زینب نے دوا بھاگی اور پانی کے چند گھونٹ بھرے، گلاس واپس رکھتے ہوئے اس نے دوسرے ہاتھ سے بھیگی آنکھوں کو رگڑا تھا، اس دوران کاٹ سے فاطمہ کے رونے کی آواز آنے لگی، زینب کے ساتھ معاذ اور جہان نے بھی چونک کر اس سمت دیکھا تھا، معاذ نے دانستہ تغافل برتا تھا، جہان البتہ اس کی کیفیت سے انجان آگے بڑھ چکا تھا، فاطمہ کو کاٹ سے اٹھا کر اس نے اپنے طور پر بہلانے کی کوشش کی تھی مگر بچی بے چین ہو رہی تھی ماں کی آغوش کو۔

”تم دونوں آپس میں ابھی تک بات نہیں کر رہے ہو؟“ معاذ نے جہان کے گریز اور زینب کی بے نیازی سے یہی نتیجہ اخذ کیا تھا، جہان نے ٹھنڈا سانس بھر کے فاطمہ کو زینب کی گود میں دیا اور جواب میں کچھ کہے بغیر باہر نکل گیا تھا۔

”تمہیں نہیں لگتا ہے بے کہ تم لوگ ایک معمولی جھگڑے کو طول دیئے جا رہے ہو؟“ معاذ بے بسی سے کہتا اس کے پیچھے آیا تھا۔

”تمہاری بہن کا دماغ خراب ہو گیا ہے معاذ امیری بجائے بہتر ہے یہ بات تم اسے سمجھاؤ۔“ وہ بھڑک کر پھٹ پڑنے کے انداز میں بولا تو معاذ نے اچاٹ نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

”کیا سمجھاؤں؟ مجھے کسی بات کا سرا بھی تو تمہارا، ایسی کون سی رازداری کی بات ہے آخر؟“ معاذ کے سوال پر جہان کا چہرہ ایک سخت سرخی مائل ہو کر رہ گیا۔

”میں ناشتہ بنانے جا رہا ہوں، جو کھانا ہے بتا دو۔“ اس کا سوال یکسر نظر انداز کیے وہ ایک نئی بات کر رہا تھا، معاذ بڑی طرح سے جھلا گیا، جہان کمرے سے جا چکا تھا، معاذ ہاتھ لے کر تیار ہونے کے بعد وہاں آیا تو جہان ناشتے کی ٹرے وہیں لے آیا تھا۔

”مجھے ابھی واپس جانا ہو گا بے، تم لوگ تو روکے نا؟“ معاذ کرسی تھکیٹ کر بیٹھتے ہوئے اسے مخاطب کر چکا تھا۔

”مجھے بھی رک کر کیا کرنا ہے، آج شام تک ہو سکتا ہے آجائیں۔“ جہان نے سلاٹس پہ مکھن لگا کر پلیٹ اس کے آگے رکھی۔

”جائے پیوؤ گے یا جوس دوں؟“

”تم ناشتہ کرو یا ریس میں لے لوں گا اور واپس کیسے آؤ گے، زینب ایک قدم چلنے کے بھی قابل نہیں ہے، اگر یہ واز ٹوٹا تھا تو تم لوگوں کو چاہیے تھا اس کی گرجیاں کم از کم سائیڈ پہ کر دیتے، حد ہے لا پرواہی کی۔“ معاذ کو پھر سے تانسف گھیرنے لگا۔

”یہاں بھی تو میں نہیں رک سکتا نا، اتنے دن، پھر ہر روز اس کی ڈریسنگ پیئج ہوتی ہے، میں کہاں ڈاکٹر کے پاس لے کر جاؤں گا، اگر یہاں کے آفس بھی جاؤں تو پیچھے اس کی دیکھ بھال کون کرے گا؟“

جہان کے لہجے میں اتنی جھنجھلاہٹ اور بے زاری تھی کہ معاذ کی آنکھیں حیرت کے واضح اظہار کے طور پر پھیلتی چلی گئیں، اسے یقین نہیں آسکا تھا یہ جہان ہے، وہی جہان جسے زینب کو کھودنے کے احساس سے بے حال ہو کر بارہا مرتبہ آنسو بہاتے وحشت زدگی کے عالم میں وہ دیکھ چکا تھا، اسے ایسی چپ لگی تھی کہ وہ کچھ بول نہیں سکا، ناشتے سے بھی اس نے ہاتھ کھینچ لیا تھا، تب ہی جہان کو اپنے رویے کی شدت کا اندازہ ہوا تھا جیسی خفت کا گہرا احساس رگ و پے میں سرایت کرنا چلا گیا۔

”ایسی فضول باتیں مت سوچو جے، زینب ایسا مزاج نہیں رکھتی کہ اس پہ زور زبردستی چل سکے۔“

”پھر تم اسے جانتے ہی نہیں ہو، وہ بیلے والی زینب کہیں سے بھی نہیں رہی، بالکل بدل گئی ہے۔“

جہان کے برزور اور بریقین لہجے پہ اس تشویش زدہ ماحول اور صورتحال کے باوجود معاذ کے چہرے پہ مسکراہٹ بکھرتی چلی گئی تھی۔

”جانہیں رہے ہو تم؟“ جہان اسے اٹھ کر لاؤنج کے صوفے پہ نیم دراز ہوئے دیکھ کر مدہم سے انداز میں استعجابی لہجے میں بولا تھا۔

”میں شام کو تمہارے ساتھ ہی چلوں گا، زینب اور فاطمہ کو اکیلے تم کہاں سنبھال سکو گے، کسی بھی فلائیٹ سے تم سینس کنفرم کرالو۔“ معاذ کے جواب پہ جہان نے ہونٹ کھینچ لئے تھے، صاف پتہ چلتا تھا وہ اس کی گفتگو سے ہرٹ ہوا ہے، جو بھی تھا اس میں معاذ کا قصور کہیں بھی نہیں نکلتا تھا، اسے کم از کم معاذ کے سامنے یوں ہاتھ نہیں ہونا چاہیے تھا۔

”آئی ایم ساری فار دیٹ۔“ جہان نے اس کے ہاتھ کو تھام کر نرمی سے دبایا تھا، معاذ نے لمحہ بھر کو سرخ ہوتی نظروں سے اسے دیکھا۔

”اس اوکے، میں سمجھ سکتا ہوں تم لازماً کسی کرہ شکل سپوشن کو فیس کر رہے ہو، میں نے مانیڈ نہیں کیا بس تمہارا بوجھ ہائٹا چاہتا ہوں۔“ اس کا لہجہ صرف مدہم نہیں تھا بوجھل بھی ہو رہا تھا۔

”مجھے زینب بہت پریشان کر رہی ہے معاذ، کل ڈائورس کا مطالبہ کر رہی تھی مجھ سے۔“ اس نے بھینچے ہوئے لہجے میں کہہ کر سوالیہ نگاہوں سے اسے دیکھا تھا، جبکہ معاذ سکتے میں آ گیا تھا۔

”کیا کہہ رہے ہو جے؟“ اس کے حلق سے سرسراتی آواز نکلی تھی، جس میں غیر یقینی اور استعجاب کا تاثر چھلکتا تھا۔

”مجھے نہیں پتہ اس کے دماغ میں کیا چل رہا ہے، تم بتاؤ مجھے کیا کرنا چاہیے؟“ اس کے چہرے پہ بے بسی سی بے بسی تھی۔

”کہیں وہ اس بات سے تو خائف نہیں کہ تمہاری بیٹی ہوئی توجہ اسے پریشان کرتی ہے؟“

”لیکن اگر ایسا ہے بھی تو اسے نہیں بھولنا چاہیے کہ سکری فائر ڈالنے نے ہی کیا ہے۔“ کچھ تاخیر کے بعد معاذ نے پھر کہا تو اس کی آواز میں دبا دبا غصہ تھا۔

”اتنا تو میں بھی جان سکتا ہوں کہ اس کی کیفیات متغداد ہیں، وہ کسی بات پہ شدید ٹینشن میں مبتلا ہے، ایک لمحے اگر غصے میں ہوتی ہے تو دوسرے لمحے اس قدر بے چین حراساں اور مضطرب، معاذ مجھے لگتا ہے وہ مجھ سے شیر نہیں کرے گی، تم یہ کوشش کر کے دیکھو۔“ جہان نے کسی خیال کے تحت کہا تھا، معاذ گہرا سانس بھر کے سر کوٹھنی میں جنبش دینے لگا۔

”وہ مجھ سے ہرگز بھی اتنی بے تکلف نہیں ہے کہ اپنی الجھن یا پھر پریشانی کو مجھ سے کہنے پہ آمادہ ہو جائے، میری نسبت وہ تم سے زیادہ کھوز رہی ہے ہمیشہ، تم خود کیوں نہیں کرتے یہ کوشش۔“

”انہو یار..... اس کی ٹینشن کا باعث ہی میری ذات ہے، مجھ سے کیسے کہے گی وہ، مجھے کبھی تو لگتا ہے وہ اب بھی مجھ سے شادی نہیں کرنا چاہتی تھی، ایک بار پھر اس پہ زبردستی ہو گئی ہے۔“ جہان بیک وقت پریشانی، نظر اور جھنجھلاہٹ میں مبتلا تھا۔

”ایسی فضول باتیں مت سوچو جے، زینب ایسا مزاج نہیں رکھتی کہ اس پہ زور زبردستی چل سکے۔“

”پھر تم اسے جانتے ہی نہیں ہو، وہ بیلے والی زینب کہیں سے بھی نہیں رہی، بالکل بدل گئی ہے۔“

جہان کے برزور اور بریقین لہجے پہ اس تشویش زدہ ماحول اور صورتحال کے باوجود معاذ کے چہرے پہ مسکراہٹ بکھرتی چلی گئی تھی۔

جہان کے برزور اور بریقین لہجے پہ اس تشویش زدہ ماحول اور صورتحال کے باوجود معاذ کے چہرے پہ مسکراہٹ بکھرتی چلی گئی تھی۔

ششدر کیا پھر وہ بری طرح سے بھر کر رہ گئی تھی، مگر جہان نے اس کی مذاحمت کو خاطر میں لائے بغیر بیڈ پہ لی لاکر اسے چھوڑا تھا۔

”کیا بد تمیزی تھی یہ.....؟ میں کہہ چکی ہوں نامیرے ساتھ زیادہ فریک ہونے کی ضرورت نہیں۔“ وہ دونوں ہاتھوں سے اسے پیچھے دھکیل کر تخت زدہ چہرے کی گریز پائی کے ساتھ دے لہجے میں چلائی۔

”دماغ تو تمہارا خراب ہو گیا ہے شاید، سنا نہیں تھا کیا کہا تھا معاذ نے، اگر واش روم جانا تھا تو مجھے کہا ہوتا، ناس مار لیا ہو گا زخموں کا، مجھے لگتا ہے ٹانگے کھل گئے ہیں۔“ جہان نے اس کے پیروں پہ موجود سفید پیوں کو پھر سے خون سے رنگین ہوتے دیکھ کر پریشانی سے کہا تھا۔

”میں مر بھی رہی ہوں گی نا، تب بھی آپ کا سہارا لینا مجھے گوارا نہیں ہو گا، سمجھے آپ؟“ اس کی ذہنی حالت پھر سے بگڑنے لگی، جہان نے لب بھینچ کر اسے دیکھا تھا اور کچھ دیر یونہی دیکھتا رہا۔

”میں جانتا ہوں زینب تم مجھے پسند نہیں کرتی ہو، لیکن پریشان کرنے کا یہ طریقہ بالکل غلط ہے، میرا نہیں کم از کم خود سے وابستہ دوسرے لوگوں کا ہی خیال کر لو، معاذ بہت اپ سیٹ ہے اس وجہ سے۔“ اس نے خود کو کپوڑ ڈرکتے ہوئے بہت تسلی سے اسے سمجھانا چاہا تھا اور ناشتے کی ٹرے اس کے آگے رکھی۔

”مجھے نہیں کھانا یہ، اٹھائیں اسے۔“ زینب نے بے حد بد تمیزی سے ٹرے کو دور سرکایا، جہان ہونٹ بھینچے اسے دیکھتا رہا۔

”آخر کیا چاہتی ہو تم مجھ سے؟“ وہ جیسے تنگ پڑنے لگا تھا۔

”میں کل بتا چکی ہوں آپ کو، بھول گئے ہیں یا پھر سے سنا چاہتے ہیں؟“ زینب نے طنز آمیز نظروں کو اس پہ جمایا، جہان کو پھر سے اپنا ضبط آزمانا پڑ گیا تھا۔

”تم جو مرضی کر لو، میں بھی تمہاری یہ فضول بات نہیں مانوں گا، شادی تمہارے نزدیک کوئی کھیل ہو گی مگر میرے نزدیک ایک مقدس بندھن ہے، جسے بار بار بنایا اور بگاڑا نہیں جاتا۔“ زینب نے پھیکے پڑتے چہرے کو دیکھے بغیر وہ پلٹ کر باہر چلا گیا تھا، ایسے میں تیمور کی کال پھر سے آنے لگی تو زینب نے انجام کی پرواہ کیے بغیر سیل فون اٹھا کر دیوار سے دے مارا تھا۔

☆☆☆

”میں اب چل سکتی ہوں لالے؟“ معاذ اس کے پیروں کی ڈریسنگ بدل کر سیدھا ہوا تو زینب نے اکتاہٹ آمیز انداز میں استفسار کیا تھا۔

”ٹانگے کھل گئے ہیں زخم بھی بہتر ہے پہلے سے، مگر تم کچھ اور ریٹ کر لو گی تو تمہارے حق میں اچھا ہو گا۔“

”میں اکتا گئی ہوں لالے، پلیز مجھے چلنے دیں نا۔“ اس نے بے بس سے انداز میں منت کی تھی، وہ لوگ پرسوں ہی واپس کراچی آ گئے تھے، زینب کی اس دن سے خصوص دیکھ بھال ہو رہی تھی۔

”تھوڑا بہت چل پھر لیا کرو، مگر زیادہ نہیں، کوشش کرو کسی کا سہارا لے لو، اس سے زخموں پہ زیادہ بوجھ نہیں پڑے گا۔“ معاذ نے اس کی حالت پہ رحم کھاتے ہوئے جہاں اجازت دی وہاں ساتھ میں ہدایت بھی جاری کی تھی۔

”زینی آپا آپ میرا سہارا لے کر آ جائیں، میں آپ کو لان میں لے چلتی ہوں، موسم بھی بہت اچھا

ماہنامہ حسنا (45) اگست 2014

”میں تو پہلے ہی اعتراف کر چکا ہوں جناب کہ مجھ سے کہیں زیادہ آپ اسے جانتے ہیں، سو آپ کی بات یہ اتفاق کے سوا میرے پاس اور کوئی چارہ نہیں۔“ اس کے گفتہ لہجے نے جہان کے چہرے پہ خجالت کی سرخی بکھیری تھی وہ جھینپتے ہوئے اسے گھورنے لگا۔

”مخترمہ نے کچھ کھائے پیئے بغیر ہائی پونسی کی دوائیں نگل لی ہیں، مجھے تو خیال ہی نہیں رہا، ناشتہ دے آؤں۔“ وہ ٹرے اٹھاتے ہوئے بولا تو معاذ نے اسے بے دردی گھورا تھا۔

”رات بھر وہ تمہارے ساتھ تھی، تمہیں خیال کرنا چاہیے تھا اس بات کا اگر وہ بھوکے تھی تو دو ان کھلاتے، مجھے کیا پتہ تھا۔“ معاذ اس نے جڑھ دوڑا تھا۔

”پریشانی ہی ایسی تھی کہ مجھے کچھ یاد نہیں رہ پایا۔“ جہان نے خفت زدہ انداز میں گویا اپنی صفائی پیش کی، معاذ کو ایک دم وہ بہت اچھا لگا تھا۔

”جے کل اور پھر آج صبح جو کچھ میں نے دیکھا اس کے بعد سچی بات ہے میں بہت خائف ہو گیا تھا تم سے یہ بھی حقیقت ہے زینب کی ہٹ دھری اور ضدی طبیعت کو جاننے کے باوجود مجھ سے اس کی تکلیف برداشت نہیں ہوتی، پہلے اور بعد میں بھی میں اسے تمہارے حوالے کرنے کے حق میں ہی لے گیا تھا کہ جانتا تھا تم اس کی بہت اچھے انداز میں کیئر کر لو گے، کل سے تمہارے رویے نے مجھے الجھایا ہی نہیں پریشان بھی کر دیا تھا مگر اب..... جے مجھے پھر تسلی ہوئی ہے کہ تم وہی جے ہو کیئرنگ اور لوگ جے جس کو زینب سے خصوصی طور پہ محبت ہے، اس کی بد تمیزی کو سدھارنا ضرور مگر کبھی ہمیشہ کے لئے اس سے خفا نہیں ہونا کہ وہ پہلے ہی بہت دکھ اٹھا چکی ہے، اس نے اپنی تھوڑی سی غلطی کا بہت بڑا خمیازہ بھگتا ہے۔“ معاذ کی آواز مدہم ہوتے آخر میں بالکل بوجھل ہو گئی تو جہان نے ٹرے واپس رکھ کر اسے تھام کر گلے سے لگالیا تھا۔

”تمہیں یہ سب کہنے کی ضرورت نہیں ہے معاذ، وہ جتنی بھی بدل گئی ہو، میں وہی ہوں اور انشاء اللہ وہی رہوں گا بھی، صرف اسی کے لئے نہیں باقی سب کے لئے بھی، کیا میں نہیں جانتا زینب میری پوری قیمتی کے لئے کتنی اہم ہے۔“ وہ اسے تھکتے ہوئے تسلی بھرے انداز میں بولا تو معاذ نے اس کے کانڈھے سے سراٹھایا تھا۔

”صرف قیمتی کے لئے؟“

”نہیں میرے لئے بھی، میرے باپ۔“ وہ جھینپ کر اسے ایک دھپ لگاتے ہوئے بولا تو دونوں ہی کھلکھلا کر ہنس پڑے تھے۔

☆☆☆

جہان نئے سرے سے اس کے لئے تازہ ناشتہ تیار کر کے لایا تو اسے وہ بیڈ پہ نظر نہیں آئی تھی، وہ حیران پریشان سا نظریں گھما کر اسے پورے کمرے میں دیکھنے لگا، زخمی پیروں کے ساتھ وہ بھلا کہاں جا سکتی تھی، ٹرے رکھ کر وہ سیدھا ہورہا تھا جب واش روم کے دروازے کا بالٹ گرنے کی آواز پہ چونک کر پلٹا، گیلے بالوں کو تویے میں لپیٹے وہ چہرے پہ تکلیف کے آثار لئے دروازے کا سہارا لئے بچوں کے بل کھڑی نظر آئی تو جہان کا تشویش کے ساتھ حصے سے بھی برا حال ہو کر رہ گیا تھا، وہ سرعت سے اس کی جانب آیا تھا اور ایک لمحے کی تاخیر کے بغیر اسے ہاتھوں پہ اٹھالیا تھا، زینب کو اس کی اس حرکت نے پہلے

ماہنامہ حسنا (44) اگست 2014

ہورہا ہے۔“ ڈالے جو اس کے لئے دودھ کا گلاس لے کر آئی تھی، نرمی سے بولی تھی، زینب نے جواب میں سرد نگاہوں سے اسے دیکھا۔

”تم اپنی ساری ہمدردیاں اپنے پاس سنبھال کر رکھو سمجھیں، ضرورت نہیں ہے مجھے ان کی۔“ بدلجامی کے اس مظاہرے نے صرف ڈالے کو ہی خفت زدہ نہیں کیا معاذ کو بھی اب سیٹ کیا تھا۔

”ڈالے بھابھی آپ کو بچے کچھ دیر پہلے بلا رہا تھا، شاید آپ کچن میں تھیں تب۔“ معاذ نے اس کی اڑتی ہوئی رنگت اور خفت زدہ تاثرات سے خود شرمسار ہوتے ہوئے نرمی سے کہہ کر گویا خود زینب کے رویے کی تلافی کرنا چاہی تھی، وہ محض سر ہلا کر تیزی سے کمرے سے نکل گئی تھی۔

”حسن کے احسان کے بدلے برائی کرنے والے لوگ کم ظرف اور پست سوچ کی عکاسی کر رہے ہوتے ہیں زینب، تمہیں کم از کم ڈالے بھابھی سے یہ رویہ سوٹ نہیں کرتا۔“

”حسن؟ کون سا احسان کیا ہے اس نے مجھ پہ لالے؟ اسی کی وجہ سے زندگی تنگ ہو کر رہ گئی ہے مجھ پہ۔“ وہ بھڑک کر اس سے الٹ پڑی تھی۔

”ڈالے بھابھی کی جگہ اگر کوئی اور لڑکی بے کی بیوی ہوتی تو آج تمہاری بھی یہ حیثیت نہیں ہو سکتی تھی۔“ معاذ نے ناچاہتے ہوئے بھی اسے آئینہ دکھایا تھا، زینب کی رنگت جانے کس احساس کے تحت سرخ پڑ گئی۔

”ہمدردی کی آڑ میں جو چہرہ اس نے میری پشت میں کھوپنا ہے اس کی حقیقت سے آپ کہاں آگاہ ہو سکتے ہیں، کاش ایسا نہ کرتی وہ۔“ اس نے ہنسی سے کہنے پہ معاذ نے جواباً اسے بہت غصے سے دیکھا تھا۔

”تمہارا مطلب دوسرے لفظوں میں یہ ہے کہ تم بچے سے شادی نہیں کرنا چاہتی تھیں؟“

”میں اس موضوع پہ اب کسی سے بھی کوئی بات نہیں کرنا چاہتی لالے۔“ زینب نے قطعیت بھرے ٹھوس انداز میں اپنا فیصلہ سنایا تھا، معاذ نے ہونٹ بھینچ لئے پھر اٹھتے ہوئے دو ٹوک انداز میں جتلا کر گویا ہوا تھا۔

”اگر تم اپنے مسائل شیمز کرنے پسند نہیں کرتیں تو پھر بہتر ہے اپنا رویہ درست رکھو، مجھے آئندہ شکایت نہیں ملنی چاہیے۔“ اس کی سخت تنبیہ کے جواب میں زینب نے دانت بھینچ لئے تھے، معاذ کمرے سے نکل کر باہر لان میں آیا تو ڈالے کرسی پہ اکیلی بیٹھی فون پہ بات کرنے میں مصروف تھی اور کسی قدر مضطرب لگتی تھی۔

”میں نے کب کہا می کہ آپ نے غلط سنا ہے، میں آپ کو جھٹلا بھی نہیں رہی، اوکے ہم پھر بات کر لیں گے میں خود آپ کو کال بیک کروں گی می، ڈونٹ وری۔“ معاذ کو دیکھ کر اس نے گفتگو سمیٹ دی تھی اور سیل آف کر کے جبری مسکان لبوں پہ سجا کر اسے بیٹھنے کی آفر کی تھی، وہ جانتا تھا وہ بہت روادار تھی مگر وہ اس حد تک اعلیٰ ظرف ہوگی اسے اندازہ نہیں تھا، زینب کی سخت سست سن کر بھی اور معاذ کی خاموشی کے باوجود بھی وہ جیسے سب کچھ فراموش کے اپنی اس نرم مسکراہٹ اور لہجے کی چاندی لٹا رہی تھی، معاذ کے دل میں اس کی عزت و توقیر کچھ اور بڑھنے لگی۔

”مجھے آپ سے زینب کے ایٹی ٹیوڈ پہ ایکسیوز کرنا تھا بھابھی، اچھو ٹیلی وہ ان دنوں بہت اپ

”کم آن معاذ بھائی..... آپ مجھے شرمندہ کر رہے ہیں۔“

”شرمندہ تو میں ہورہا ہوں آپ سے بھابھی، آپ کی اچھائی اور اعلیٰ ظرفی کے سامنے۔“ معاذ کی نظریں جھکی ہوئی تھیں، ڈالے خفیف سا ہنس پڑی۔

”آپ مجھے انسان ہی رہنے دیں، فرشتوں میں شامل نہ کریں پلیز، جب آپ سے اس قسم کی باتوں کو سنتی ہوں تو مجھے شدت سے احساس ہوتا ہے میں اس گھر کے فریقین سے الگ ہوں، جسے اس کی کسی اچھائی کا خصوصی بدلہ دینے کی کوشش کی جا رہی ہو، بھائی اپنوں کے لئے تو سب ہی کچھ نہ کچھ کرتے ہیں نا اس میں احسان یا شکر یہ کی بات نہیں ہوئی، پھر یہ میں نے کوئی خصوصی کام کیا بھی نہیں ہے، شاہ میرے شو ہر ضرور ہیں مگر جاگیر ہر گز نہیں تھے کہ میں نے انہیں کسی اور کے نام کر کے قربانی دی ہو۔“ معاذ نے اس کی بات کے جواب میں مسکرا کر اسے تو سیٹی نگاہوں سے دیکھا تھا۔

”آپ کی سوچ بھی اعلیٰ ہے ماشاء اللہ مگر اپنوں میں اگر شکر یہ نہیں ہوتا تو اچھائی کے بدلے اچھے جذبات ضرور ہونے چاہیں، اس سے نیکی کے جذبے کو تقویت ملتی ہے اور نیکی پروان چڑھتی ہے، زینب کا ایٹی ٹیوڈ غلط ہے، مگر وہ کچھ اب سیٹ ہے، کہنے کا مقصد یہی ہے کہ آپ پلیز ہرٹ نہیں ہوئے گا۔“

”میں سمجھ سکتی ہوں بھائی! آپ پلیز میری وجہ سے پریشان نہ ہوں۔“ ڈالے نے مسکرا کر اس کی تسلی کرائی تب معاذ کسی قدر ریلیکس ہو کر وہاں سے اٹھا تھا، اس کے جاتے ہی ڈالے کا فون پھر سے بجنے لگا، ڈالے نے نمبر پہ دھیان دیئے بغیر معاذ کی باتوں کو سوچتے ہوئے کال رسیو کی تھی۔

”ڈالے کیسی ہو میری جان؟“ نیلما کی خوش باش چہکتی آواز پہ ڈالے بری طرح سے خائف ہو کر رہ گئی تھی۔

”کیوں فون کیا ہے؟ تمہیں پتہ ہے نا میری شادی ہو چکی ہے اب۔“ اس کی بے چین نگاہیں ادھر ادھر پھسلیں، دور دور تک کوئی نہیں تھا مگر وہ پھر بھی بری طرح پریشان ہو کر رہ گئی تھی۔

”شادی ہو جانے کا مقصد یہ تو نہیں ہوتا سو میٹ ہارٹ کہ اپنوں سے تعلق ٹوٹ جاتا ہے۔“ نیلما نے اس کی بات کا یقینا برامانا تھا جبھی جتلا نا ضروری سمجھا۔

”میرا تم سے کبھی بھی کوئی تعلق نہیں تھا، یہ بات میں متعدد بار تمہیں بتلا چکی ہوں۔“ اب کے ڈالے نے گویا اسے اس کی اوقات یاد دلائی تھی، دوسری جانب جانے نیلما پہ کیا کیا ہوتی تھی۔

”تمہارے کہنے سے تعلق ختم نہیں ہو جائیں گے، میں جب تک زندہ ہوں تم سے تعلق بھاتی رہوں گی، اب تک ملک سے باہر تھی، اتنا عرصہ یاد نہ کرنے کی وجہ یہ ہی تھی۔“

”مجھے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا، آپ اس بات کو کیوں نہیں سمجھتیں؟“ وہ جھلا اٹھی تھی۔

”اتنا عرصہ ہو گیا ہے تمہاری شادی کو، اپنا دولہا بھی نہیں دکھایا، ملے تو خیر کیا آؤ گی، اپنی شادی کی تصویر ہی بھیج دو مجھے، آنکھیں ترس رہی ہیں تمہاری صورت کو۔“ اس کی دل شکن بات کے جواب میں وہ اسی تڑپ سے کہہ رہی تھی جو اس کے لئے ہمیشہ نیلما کے لہجے و انداز سے چھلکا کرتی تھی۔

”اگر میں نے تمہیں تصویر نہیں بھیجی تو تمہیں اندازہ کر لینا چاہیے، اس کی وجہ کیا ہے، کتنی عجیب ہے تمہاری فطرت، جان بوجھ کر ہرٹ ہوتی ہو مجھ سے۔“ ڈالے نے اسے سخت ترین الفاظ میں بے نقط سنا

بھی رنگ گہرا تھا، زینب کو اس سے کہاں ایسے جواب کی امید تھی، پہلے ہونق ہوئی پھر اسی لحاظ سے نفرت زدہ شرم سے اس کا چہرہ ادبک کر سرخ ہوا تھا تو پلکوں پہ جیسے ایک دم بوجھ اتر آیا، جہان کی نگاہوں شوق و شرارت اور گستاخی کے بھرپور احساس کی لپکتی شعاعیں اس کے اندر تک اترتی چلی گئیں، اس نے بے دردی سے ہونٹ کاٹے تھے، مگر یہ کیفیت وقتی تھی اگلا احساس شدید سبکی کا تھا، جہان کی اس فضول حرکت نے اس کا دماغ گھما ڈالا تھا۔

”آپ کو جرات کیسے ہوئی اس گھٹیا حرکت کی؟“ وہ چیخ کر بولی تھی، جواب میں جہان کے مغرور چہرے کی معنی خیز مسکراہٹ اسے جلا کر خاستر کر گئی تھی۔

”محترمہ! اطلاعاً عرض ہے آپ بیوی ہو میری، اس قسم کی حرکتیں میں پہلے بھی سرانجام دے چکا ہوں مگر اس وقت محض آپ کی فرمائش پہ یہ سب ہوا ہے، یاد دلاؤں کہ ثبوت مانگ رہی تھیں آپ۔“ وہ اپنی سحر انگیز مسکراہٹ کے ساتھ اسے دیکھتے ہوئے بولا تو زینب اتنا جھلائی تھی کہ اس کی شرٹ کا کالر پکڑ کر زور سے جھٹکا دیا تھا، اس سے قبل کہ وہ کوئی سخت بات کہتی دروازے پہ بڑے زوردار طریقے سے دستک ہوئی تھی۔

اس کے ساتھ جہان نے بھی چونک کر دروازے کی جانب دیکھا، زینب کو اسی پل اپنی پوزیشن کا خیال آیا تو سنبھل کر تیزی سے فاصلے پہ ہوئی اور کچھ فاصلے پہ پڑا دپنڈا اٹھا کر شانوں پہ پھیلا نے لگی، جہان اٹھ کر دروازہ کھول چکا تھا۔

”جہان بھائی آپ کو اور زینبی بچہ دونوں کو لالے نے نیچے لاؤنج میں بلوایا ہے۔“ حسان پیغام پہنچا کر پلٹنے لگا تو جہان نے بے اختیار روکا تھا۔

”خیریت ہے نا حسان؟“

”یہ تو آپ کو نیچے آکر ہٹا چلے گا۔“ حسان نے کہا تھا اور آگے بڑھ گیا، جہان نے اس کے جانے کے بعد گردن موڑ کر زینب کو دیکھا تھا۔

”چلو نیچے چلتے ہیں۔“

”کوئی ضرورت نہیں ہے مجھ سے بات بھی کرنے کی۔“ وہ پھنکارا تھی، جہان نے مسکراہٹ دہائی۔

”اس سے بھی تمہیں کوئی فائدہ نہیں ہوگا، میں ایسے بہت سے کپلو کو جانتا ہوں جن کی ایک لمبے کی بھی نہیں بنتی، کوئی آپس میں بات چیت نہیں مگر ہر سال ان کے ہاں بچے کی ولادت ہوتی ہے۔“

”یہ کیا بکواس ہے؟“ زینب نے اس عجیب و غریب جواب پہ خونخواری سے اسے گھورا تھا۔

”مطلب ظاہر ہے میری جان! مجھے ابھی چند دن پہلے اندازہ ہوا کہ تم بہت حسین ہو، اسی وقت جب اچانک مجھے تم سے محبت ہوئی تھی اس سے ایک دن پہلے یہ انکشاف ہوا تھا، مجھے صاف لگتا ہے تمہاری ناپسندیدگی کے باوجود میں تم سے دور نہیں رہ سکوں گا۔“ وہ جیسے بہت خاص انداز میں بہت پتے کی بات اسے بتا رہا تھا، زینب کا دل پوری قوت سے پھیل کر سکڑا اور رگوں میں خون کی جگہ نگارے سے دوڑنے لگے، خجالت کا احساس اس کی رنگت میں خون چھلکا گیا۔

”ہاں بے عزتی کی ایک یہ بھی نشانی ہو سکتی ہے۔“ اس نے دانستہ جہان کو آگ لگائی تھی، مگر مجال ہے اس نے برامانا ہو، جیسی بے نیازی سے بولا تھا۔

انا ہستی تھی ہر اک خون کے قطرے میں میرے خیر یہ عشق سے پہلے کی باتیں ہیں

اب کے وہ سراسر اسے جلانے کے سماں کر رہا تھا، وہ اتنا جھلائی تھی کہ اسے دھکیلتی ہوئی اس سے پہلے باہر نکل گئی، جہان اس کے پیچھے لاؤنج میں آیا تو وہاں کے ماحول میں بہت عرصے بعد گرما گری دیکھنے میں آئی تھی، زیادہ نوریہ مار یہ حسان کے علاوہ معاذ اور پرنیاں کے ساتھ ڈالے اور بھابھی کے ساتھ زینب اور جنید بھائی بھی موجود تھے، ٹیبل پہ موسم کی مناسبت سے پکوان کے علاوہ بیکری سے بھی اسٹیکس منگوا کر اچھا خاصا اہتمام کیا گیا تھا۔

بڑی دیر کر دی مہراں آتے آتے زیادہ اس کا استقبال بہت لہک کر کیا تھا، جس میں معاذ نے بھی اپنا حصہ ڈالا تھا۔

دو ہی لذو تھے کھا لئے میں نے اک تیرے آنے سے پہلے دوسرا تیرے جانے کے بعد۔

اس نے پلیٹ میں بچی آخری گلاب جاسن گومنہ میں ٹھنک کیا اور برجنکی سے شعر لڑھکا دیا۔

ایک زبردست مشترکہ قہقہہ اٹھا تھا، جہان بھی مسکراہٹ ضبط نہ کر سکا اور ڈالے کے ساتھ کونے والی نشست پہ براجمان ہو گیا مگر اس طرح کہ زینب بھی نگاہوں کی زد پہ تھی۔

”جیسا کہ محفل میں بیٹھنے کی شرط ہے کچھ نہ کچھ عرض کرنا تو اس کے اصول کے مطابق کون آغاز کرے گا؟“ معاذ کے سوال پہ سب نے اسی کا نام لے کر شور مچانا شروع کر دیا تھا۔

”میں تو سنا ہی دوں گا جناب بات تو ان کی ہونی چاہیے، جو ہر بار دامن کترا کر نکل جاتے ہیں۔“ معاذ نے مزے سے کہا پھر جہان کی سمت روئے سخن پھیرا تھا۔

”چلو بے آج تم آغاز کرو۔“ وہ جو ڈالے کی گود میں سوئی ہوئی فاطمہ کو جھک کر پیار کر رہا تھا گڑبڑا کر سیدھا ہوا۔

”میں..... کہیں نہیں بھاگا چارہا اللہ کے بندے، تو سنا دے میں ذرا ذہن کو کھنگال لوں۔“

”ادا میں دکھانا بند کر، مجھے اچھی طرح سے پتہ ہے تمہاری یادداشت کا چل سنا۔“ معاذ کے پیچھے پڑنے پہ جہان کے پاس راہ فرار نہیں بچی تھی، جیسی آہستگی سے مسکرا دیا۔

جدا ہونے کا شوق بھی پورا کر لو لگتا ہے تمہیں ہم زندہ اچھے نہیں لگتے

اس نے زینب پہ بظاہر سرسری نگاہ ڈال کر کہا تھا مگر در پردہ اسے بہت کچھ جتلا دیا، زینب نے بہت خوبی سے اس کا مطلب سمجھا تھا اور اپنی جگہ پہ بے چین سی ہو کر رہ گئی۔

”یہ کیا بھئی اتنا چھوٹا سا شعر، ہم نے ایکسپٹ ہی نہیں کیا، کچھ اور سناؤ۔“ جنید بھائی کو واقعی مزہ نہیں آیا تھا، جیسی احتجاج کیا، جہان بھی پتہ نہیں کس رو میں تھا کہ اگلی لظم کو گلا کھنکار کر شروع کیا تھا۔

میرے عشق کو نہ نڈھال کر بھی بے حجاب و مال کر میری آنکھ کو پینائی دے میرے قلب کو اجال کر

میرے عشق کو نہ نڈھال کر بھی بے حجاب و مال کر میری آنکھ کو پینائی دے میرے قلب کو اجال کر

میرے عشق کو نہ نڈھال کر بھی بے حجاب و مال کر میری آنکھ کو پینائی دے میرے قلب کو اجال کر

مجھے دے سزا کوئی سخت سی
مجھے اس جہاں میں مثال کر
میری اصل صورت بگاڑ دے
کسی عشق بستی میں ڈھال کر
مجھے بھی پلا کوئی ایسی شے
بھی میری آنکھیں بھی لال کر
تیری طلب میں ہوں میں در بدر
بھی اس سمت بھی خیال کر

گو کہ اس مرتبہ جہان نے دانستہ یا نادانستہ ایک بار بھی اس کی جانب نگاہ نہیں اٹھائی تھی مگر زینب کا دل پھر بھی دھڑکنیں منتشر کر گیا تھا، وہ خوش فہم نہیں تھی بریقین تھی کہ یہ جہان نے اسی پہ اپنی کیفیت آشکار کی ہے، جیسی اس کا چہرہ سرخ پڑنے لگا تھا، جنید بھائی کو اتنی پسند آئی تھی یہ نظم کہ جہان کے پیچھے پڑ گئے تھے وہ اسے لکھ کر دے۔

”آپ کو کیا ضرورت پیش آگئی ہے اس بڑھاپے میں؟“ معاذ نے انہیں چھیڑنے کا آغاز کیا تھا، وہ بدک اٹھے۔

”تمہارے خیال میں میں بڑھا ہو گیا ہوں؟“

”تو اور کیا بھی کنپٹیاں دھیان سے دیکھی ہیں؟ آدھی سے زیادہ سفید ہو رہی ہیں۔“ معاذ نے مسکراہٹ دہائی تھی، جبکہ جنید بھائی نے منہ لٹکا لیا تھا۔

”مما جان بتلاتی ہیں میری اور تمہاری عمروں میں صرف چھ سال کا فرق ہے، اس کا مطلب چھ سال بعد تم بھی بڑھے ہو جاؤ گے۔“ اپنی بات کا مزالے کر وہ خود ہی ہلکھلائے تھے۔

”میں خود کونٹ رکھوں گا تو بیگ ہی نظر آؤں گا، ویسے بھی تینیس چونتیس سال کوئی بڑھاپے کی اتباع نہیں ہوتی وہ بھی مردورد کے لئے، یہ تو آپ نے ہی اپنا حال برا کر لیا، تو ننگی ہوئی کنپٹیاں سفید اور سب سے بڑھ کر ماتھے سے سنہری سے اڑتے ہوئے بال۔“ معاذ انہیں جان بوجھ کر جلا رہا تھا، جبکہ ان کا رنگ واقعی تشویش زدہ انداز میں اڑتا جا رہا تھا، بھانجی شوہر کی حمایت میں میدان میں اتری تھیں، پہلے انہیں تسلی سے نوازا پھر معاذ کو کھڑی کھڑی ستائی تھیں، معاذ اس اتفاق پر دانت نکالتا رہا تھا۔

”دیکھ رہی ہو پری؟ کیسی ہڑک جاگی ہے بھانجی کو، یارا انہی سے کچھ سبق تم بھی سیکھ لو، مجھ بیچارے کی زیادہ نہیں تھوڑی سی ہی سائیڈ لی ہوتی۔“ اس کے بسور کر کہنے پر پر نیاں محض جھینپ کر مسکرا دی تھی، پھر جنید بھائی کے ہی کہنے پر معاذ نے کچھ سنانے پر آمادگی ظاہر کی تھی۔

”بند اسے اپنے اعزاز میں نہ سمجھ لیجئے گا، آپ کی فرمائش میں نے ضرور مانی مگر یہ ڈیڈی کیٹ نہیں کر رہا آپ کو۔“ اسے پھر سے شرارت سو جھگٹی تھی جیسی انہیں چھیڑنے کو کہا تھا، جنید بھائی اتنا جھینپتے تھے کہ اسے ایک دھب لگا دی۔

”افوہ سناؤ تو آخر ہے کیا جس کے لئے پہلے سے حد بندیاں لگنا شروع ہو گئیں۔“ زیاد کا اشتیاق بے برا حال ہونے لگا، معاذ بڑے ناز سے کھنکارا تھا پھر شرارت بھرے انداز میں گویا ہوا۔

ماہنامہ حنا (52) اگست 2014

”اصولاً تو مجھے یہ اپنی شادی کے موقع پر پر نیاں کوسنانی چاہیے تھی مگر کم بخت یادداشت نے دعا دے دیا، لیکن وہ کیا کہتے ہیں کہ در آمد درست آید کے مطابق ابھی سہی۔“ اس کی شوخ نگاہیں پر نیاں پہ اٹھی تھیں، جو حجاب سے سرخ پڑنے لگی۔

”ہے کیا سنائیں تو عین ممکن ہے کسی اور پہ فٹ آ جائے اب۔“ زیاد نے بالخصوص نور یہ کو دیکھ کر مسکراہٹ اچھالی تھی، معاذ نے اس کی بات سے زبردست اختلاف ظاہر کیا۔

”ہرگز نہیں، یہ میں سنار ہا ہوں تو بس پر نیاں کے لئے ہے۔“

”اوکے، سنائیں تو، آپ یہ سمجھتے رہے گا بانی جس کا جو دل چاہے سمجھے یا سمجھائے۔“ زیاد نے پھر سے اپنی ٹانگ اڑائی تو معاذ نے اسے گھورتے ہوئے بڑے جذب سے کہنا شروع کیا تھا۔

اس کے ہونٹوں پہ اپنے ہونٹوں کی نشانی چھوڑ آیا ہوں
اس نے مانگی تھی محبت کی نشانی مجھ سے
زینب کی بے ساختگی میں نگاہ اٹھی تھی، یہ دیکھ کر اس کا دل دھک سے رہ گیا کہ جہان اس کی سمت متوجہ تھا، نگاہ میں تبسم شوخی اور اسی لمحے کی جسارت کا بھر پور تاثر اور جھلانا ہوا احساس تھا، زینب کا چہرہ حجاب شرم اور خفت سے جل اٹھا، پلکیں لرز کر سرعت سے عارضوں پہ چھکی تھیں، معاذ اسی بھر پور انداز میں کہہ رہا تھا گویا جہان کے جذبات کا ہی اظہار کر رہا تھا۔

(جاری ہے)

ابن انشاء کی کتابیں

طنز و مزاح سفر نامے

- اردو کی آخری کتاب،
- آوارہ گرد کی ڈائری،
- دنیا گول ہے،
- ابن بطوطہ کے تعاقب میں،
- جلتے ہو تو چین کو چلئے،
- نگر نگر پھر مسافر،

شعری مجموعے

- چاند نگر
- اس بستی کے اک کوپے میں
- دل وحشی

لاہور اکیڈمی

۲۰۵ سرکل روڈ لاہور۔

ماہنامہ حنا (53) اگست 2014

تم آگھی جزیہ ہو

ام صبح

پینتیسویں قسط کا خلاصہ

پرنیاں کے ہاں بیٹا پیدا ہوتا ہے، اسی اہم موقع پہ زینب اور جہان کا نکاح ہو جاتا ہے معاذ کی پرنیاں سے غلط فہمی بھی اسی موقع پہ دور ہوتی ہے، اک عرصے بعد شاہ ماؤس کے مکین پھر سے خوشیوں کا منہ دیکھتے ہیں مگر زینب کا رویہ جہان کو الجھانے ہی نہیں پریشان کرنے کا بھی باعث ہے۔ تیمور زینب کو جہان کو جان سے مار دینے کی دھمکیاں دیتے اسے اپنے مکروہ ارادوں کے مطابق چلانے کی کوشش میں کامیابی سے ہمکنار ہوتا ہے۔ جہان زینب کے ساتھ تعلقات بہتر بنانے کی کوشش کرتا ہے مگر زینب تیمور کی دھمکیوں سے ہراساں اس کی ہر کوشش کو ناکامی کا منہ دکھاتی ہے۔ جہان کو ڈاسلے کی طرف سے پینتیسویں کی خبر اگر خوشی دیتی ہے تو اس کی جان لیوا بیماری بھی ہر مضر ب کیے رکھتی ہے۔

اب آپ آگے پڑھیے

چھتیسویں قسط



قرآن شریف کی آیات کا احترام کیجیے

قرآن مجید کی مشدس آیات اور عارف نبوی صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی دینی تعلیمات میں اصلانے اور پہلے کے لیے شان کی جانی ہیں ان کا احترام آپ پر فرض ہے لہذا انی مغفلات پر یہ آیات درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حسرتی سے سنو اور سمجھو۔

زیاد نے کہا تھا، جس کا جودل چاہے سمجھے یا سمجھائے اور زینب کو صاف لگا تھا جہان کی نظریں اس کی کیا سمجھانا چاہ رہی ہیں، اس کی مسکراہٹ میں کتنا شریعتاثر تھا اور نگاہوں میں کتنی گہرائی نگاہ اٹھائے بھی اس کی اندر تک اترتی نظروں نے اسے زور کر چھوڑا تھا، جیسی وہ جزیب ہو کر بولی، بہانہ نوریہ کے ساتھ چاکے چائے بنانے کا تھا، جہان کی نگاہوں کے جتنا تے انداز نے دروازے تک اس کا پیچھا کر تھا، پھر یہیں پہنچا نہیں ہوا وہ کچن میں بھی آ کر اس کے سر پہ سوار ہو گیا تھا۔

بڑھ کے غزل ہماری وہ پہلو بدل کر بولی
گوئی قلم چینیے اس سے یہ تو جان لے چلا ہے
”ایسی ہی بات ہے نا؟“ وہ اسے زور سے کاندھا مار کر بولا تھا، زینب کے لئے اس کا یہ روپ بہت حیران کن اور انوکھا تھا۔

”خوش نہیں کی حد سے لوگوں کو، ویسے یہ حرکتیں سوٹ نہیں کر رہی ہیں آپ سے۔“ وہ جل کر یہی کہہ سکی۔
”پھر بھاگ کیوں آئی وہاں سے، معاذ کے الفاظ بھلے تھے مگر ترجمانی ہمارے جذبوں کی ہی ہو رہی تھی۔“ وہ اس شدت سے کہہ رہا تھا۔

”کیا ہو گیا ہے آپ کو بے؟ اچھے خاصے بیچور تھے آپ۔“ اس نے جیسے واقعی اسے شرم دلانا چاہی تھی، جہان کی ہنسی چھوٹنے لگی۔
”اس سے پہلے ہمیں عشق تھوڑی ہوا تھا، یہ تو چند دن قبل کی بات ہے، بقول شاعر۔“

عشق نے غالب نکما کر دیا
ورنہ آوی تھے ہم بھی بڑے کام کے
”آپ جائیں یہاں سے ورنہ میں رعایت نہیں کروں گی سمجھے ہیں آپ؟“
”تم نے رعایت کی کب ہے، محبت کا اظہار کرو یا زبانی بھی اور عملاً بھی، مگر تم.....“
”جے..... پلیز ایسی فضول باتیں مت کریں مجھ سے۔“ وہ چیخ پڑی، مگر جہان نے اثر نہیں لیا تھا۔
کچھ بھی ہو میں تو الزام تمہیں دوں گا
تم معصوم بہت ہو مگر تو بہ تیری آنکھیں

وہ اس پہ جھکا تھا جبکہ زینب جو جنید بھائی کو اندر آتے دیکھ چکی تھی، گھبرا کر اسے زور سے پیچھے دھکیلا وہ لڑکھڑا کر جنید بھائی سے ہی نگرایا تھا، جنید بھائی زور سے کھنکراتے چلے گئے، یہ بھی ایک سنگٹن تھا گویا اسے اپنی موجودگی کی آگاہی بخشنے کا، زینب تو اتنی جمل ہوئی کہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر وہاں سے نکل بھاگی تھی، اب جہان رہ گیا تھا جنید بھائی کا سامنا کرنے کو، جن کی حیران نگاہوں پہ خفیف ہوتے اس نے سر کھجایا۔

”پتر مجھے یقین نہیں آ رہا کہ تو بھی پبلک پبلس پہ اسے سین کری ایٹ کر سکتا ہے، کھلم کھلا رومانس اور وہ بھی تیرے جیسا بندہ.....“ جہان نے آگے بڑھ کر پہلے ان کے منہ پہ ہاتھ جما کر انہیں روکا پھر سر کھجا کر بولا تھا۔

”وہ انکچو ٹلی میں زینب سے پوچھ رہا تھا، چائے کب تک بنے گی۔“ اس نے ہلکی نگاہ سے جنید بھائی کو زبان بندی کی گزارش کرتے ہوئے صفائی بھی پیش کی۔

”آف کورس پہلے انہیں عشق تھوڑی ہوا تھا، وہ تو ابھی ہوا ہے اور اہم بات یہ کہ دو دو بیویوں کی موجودگی میں ایسی بے احتیاطی تو معمولی بات ہے، کیوں جہان؟“ بھابھی نے بھی اندر قدم رکھ کر شوہر کی شرارت میں اپنا حصہ ڈالا تو جہان نے ٹھنڈا سانس بھر کے وہاں سے کھسکنے میں ہی عافیت بھی لگی۔

☆☆☆

معاذ نے جس وقت بیڈروم میں قدم رکھا رات کے بارہ بج رہے تھے، لائٹ آن تھی اور وہ بیڈ کے پیچوں بیچ گہری نیند کی آغوش میں تھی، نیلی ساڑھی کا پلو ڈھلک گیا تھا، آدھی سے بھی کم بازوؤں کے بلاؤز میں اس کی گداز خفاف کلائیاں موی شمعوں کی طرح سے جگمگانی نظر آ رہی تھیں، سیدھے بے انتہار تھی بال سیاہ نخل کی طرح اس کے سینے سے ہو کر بستر پہ دور تک بکھرے ہوئے تھے۔

ایک بازو بیڈ سے نیچے لٹک رہا تھا، دوسرا گال کے نیچے تھا، آج وہ چلہ نہائی تھی، جیسی یہ خصوصی اہتمام تھا، معاذ نے اس دن کا جتنی شدت سے انتظار کیا تھا، پر نیاں نے اسی حساب سے تیاری میں دل لگایا تھا، وہ آہستگی سے مسکرایا اور اس کی کلائی نری سے اٹھا کر پہلو میں رکھی پھر اسی نری اور محبت سے اس کے بال سمیٹ کر تکیہ سر کے نیچے رکھ رہا تھا، جب پر نیاں کی آنکھ کھل گئی تھی، وہ پہلے حیران ہوئی پھر اٹھ کر بیٹھ گئی۔

آپ کی گہری نیند کا منظر بھی کتنا حسین ہوتا ہے
تکیہ کہیں زلفیں کہیں اور خود کہیں

معاذ مسکرایا تھا، پھر اس کا ہاتھ پکڑ کر لیوں سے چھوا۔
”بہت پیاری لگ رہی ہو جان معاذ۔“ پر نیاں جھینپ گئی تھی، اس کی پلکوں پہ حیا آمیز سرخی چھانے لگی۔

”یہ ہی نہیں چلا کب آنکھ لگ گئی، ورنہ میں انتظار کر رہی تھی آپ کا۔“
”اٹس اوکے یار..... میں ہرگز جلا دانا پ شوہر نہیں ہوں جو اس معمولی بات کو انا کا مسئلہ بنا کر فساد کھڑا کر لوں۔“

”ہاں مجھے یہ ہے اب آپ میرے ساتھ کبھی نہیں جھگڑیں گے۔“ وارڈروب کے آگے کھڑی ہو کر وہ اس کے کپڑے نکالتے ہوئے جس قدر شریر ہو کر بولی۔
”میں نے تو پہلے بھی جھگڑا نہیں کیا تھا، جھگڑا آپ نے کیا تھا جناب۔“ معاذ نے پیچھے سے آ کر اس کے گرد بازو نری سے حائل کر دیے۔

”چلیں میں اپنے فقرے کی صحیح کر لیتی ہوں کہ اب میں آپ سے کبھی جھگڑا نہیں کروں گی۔“
”پیار میں لڑائی نہ ہو تو مزاج نہیں آتا، روٹھو گی نہیں تو مناؤں گا کیسے، مناؤں گا نہیں تو شدت کی محبت کا

اظہار کیسے ہوگا؟“ معاذ کے لہجے میں شرارت تھی، پر نیاں زچ ہو کر رہ گئی۔
”یعنی طے یہ ہوا لڑائی ضروری ہے۔“

”چھوٹی موٹی معمولی سی۔“ معاذ نے مسکراہٹ دبائی تھی، پر نیاں نے کاندھے جھٹکے اور اس کے کپڑے اسے تھمائے۔

”جائے، ہاتھ لے لیں، میں کھانا گرم کرتی ہوں۔“

”آپ کے انتظار میں بھوکے پیٹھی ہوں، حالانکہ ماما خفا ہو رہی تھیں۔“ اس نے مسکین سی صورت بنا لی۔

”افوہ یار کھالیا ہوتا، ماما ٹھیک خفا ہو رہی تھیں۔“ معاذ نے ڈانٹا تو پر نیاں نے شرارت سے اسے دیکھا تھا۔

”مجھ سے آپ کے بغیر نہیں کھایا گیا، عادتیں خراب کر دی ہیں میری۔“

”یعنی کہ محبت کا آغاز ہو رہا ہے، دیس گرہٹ۔“ وہ ہنسنے لگا پر نیاں جھینپ گئی تھی۔

”عدن کہاں ہے؟“ معاذ ہاتھ لے کر تالیے سے بال خشک کرتا باہر آیا تو پر نیاں کھانے کی ٹرالی سمیت منتظر تھی۔

”ماما کے پاس۔“ پر نیاں نے پلیٹ میں بریانی نکالتے ہوئے جواب دیا تھا، معاذ حیران رہ گیا۔

”ان کے پاس کیوں؟ کھمبہ وہاں لے کر آتا ہوں، تنگ نہ کر رہا ہوا نہیں۔“

”وہ خود لے کر گئی ہیں معاذ، کہہ رہی تھیں آج اپنے ساتھ سلا میں گی۔“ پر نیاں نے جھکی پلکوں کے ساتھ بتایا تو معاذ کی حیرت دو چند ہو گئی تھی، پھر گہرا سانس بھر کے مسکرایا۔

”آج نہیں پوتے یہ زیادہ پیار آ رہا ہوگا۔“

”بالکل یہی خیال ان کا آپ کے بارے میں تھا، جیسی لے کر گئیں ہیں کہ ڈسٹرب نہ کرے۔“ پر نیاں نے جھینپ کر دے ہوئے کچھ میں کہا تو معاذ کی آنکھیں حیرت سے وا ہو گئی تھیں۔

”کیا مطلب ہے میں سمجھا نہیں؟“ وہ واقعی الجھا ہوا نظر آ رہا تھا، پر نیاں نے ہونٹ کا کنارہ دانت سے دبا کر لہجہ بھر کو اسے دیکھا۔

”آپ نے اس دن کا اتنا شور مچایا ہوا تھا، کہ سب مجھے اتنا چھیڑ رہے تھے، بھابھی تو مجھے نورس کر رہی تھیں شادی والا جوڑا پہن کر تیار ہوں، باقاعدہ دلہن بنانا چاہ رہے تھے سب مجھے۔“ وہ جھینپی جھینپی سی ساری بات بتا رہی تھی، معاذ کا ہنسنے برا حال ہونے لگا۔

”آپ کو کیا ضرورت تھی سب کے سامنے ایسا کہنے کی؟“ وہ عاجز ہوئی، معاذ نے اسے اپنے ساتھ لگا کر بغور اسے دیکھا۔

”تمہیں برا لگا؟“ پر نیاں نے فی الفور سر کونٹی میں ہلا دیا۔

”نہیں، مگر وہ سب کچھ زیادہ ہی چھیڑ رہے تھے مجھے۔“

”اد کے باراب انہیں اپنے ارادوں سے باخبر نہیں کروں گا، ٹھیک؟ اور سنو دلہن تو میں تمہیں پھر سے واقعی بنوادوں گا مگر اس دن جب گولڈن ٹائٹ منانے کا ارادہ ہوگا، ابھی نہیں۔“ معاذ کے خواب پہ پر نیاں کے چہرے پہ صرف حیا نہیں الجھن بھی اتری تھی۔

”کیا مطلب؟“

”مطلب یہ ہے میری جان کہ ابھی ہم ہنوز وصال پار کے خواب ہی دیکھ سکتے ہیں، آپ مکمل طور پہ صحت یاب جو نہیں ہوئیں اور پری..... مجھے تمہاری زندگی کی تمہاری صحت کی بہت پرواہ ہے۔“ اس کا ہاتھ ہونٹوں سے بہت جذب سے چھوتے ہوئے معاذ نے اسے یکا یک بہت خاص بنا دیا تھا، اس نے بتایا تھا کہ وہ جذبات میں بھٹکنے والا انسان نہیں تھا۔

”آپ مجھ سے خفا تو نہیں ہیں نا معاذ؟“ پر نیاں نے مطمئن ہوتے ہوئے بھی کسی خدشے کے تحت پوچھا تھا۔

”میں تم سے کبھی خفا نہیں ہو سکتا پری، جن سے ہمیں محبت ہو، ان کی کیڑ کرنا ہماری ذمہ داری یا فرض نہیں دل کی خوشی اور طمانیت کے لئے ضروری ہے، کیا سمجھیں؟“

”تھینک یو معاذ، آپ واقعی بہت اچھے ہیں۔“ پر نیاں کچھ اس طور پہ ممنون ہوئی کہ اس کے سینے سے سر ٹیک کر جذبات سے مغلوب آواز میں بولی تھی۔

”یار اچھا بھلے ہوں مگر فرشتہ ہرگز نہیں، اتنے قریب آنے میں خدشات پیدا ہو سکتے ہیں، وجہ صرف میری محبت نہیں ہوگی زیادہ کام تمہارا حسن خراب کرے گا، بقول شاعر۔“

حسن ہر یار شرارت میں پہل کرتا ہے
بات بڑھ جاتی ہے تو پھر عشق کے سر جاتی ہے

وہ بظاہر مسمی شکل بنا کر بولا تھا مگر لہجے میں جو معنی خیز شرارت تھی اس نے پر نیاں کو کانوں کی لوڈوں تک سرخ کر دیا تھا۔

”بہت بدتمیز ہیں آپ؟“ پر نیاں نے حیا سے جلتے چہرے کے ساتھ سرعت سے اس سے الگ ہوتے ہوئے خفیف سی نظری کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس کے کاندھے پہ اپنی جھینپ مٹانے کو کئی گھونٹے جڑ دیئے تھے۔

”ہائیں ہائیں، ابھی تو تم مجھے کہہ رہی تھیں اچھا ہوں یہ پھر.....“

”اچھا بس کھانا کھائیں۔“ پر نیاں نے اسے گھورا تھا۔

”اچھا ظالم بیوی، آپ کا حکم سر آنکھوں پہ۔“ وہ ٹھنڈا سانس بھر کے کھانے کی سمت متوجہ ہوا تب پر نیاں نے سکھ کا سانس لیا تھا۔

☆☆☆

میری آنکھوں میں تے خواب بسانے آئے
پھر سے جگنو میرے کمرے میں سجانے آئے
اک مدت سے میرے دل میں یہی خواہش ہے
تیری خوشبو میری سانسوں میں سامنے آئے
تو کسی روز میرے نام کا آچل اوڑھے
تو کسی روز میرا ساتھ نبھانے آئے
آؤ تعمیر کریں پیار کا اک تاج محل

اس سے پہلے کہ ہجر ہم کو رلانے آئے
بیٹھ جاتا ہوں ہر روز سر راہ گزر
جانے کس روز کوئی مجھ کو منانے آئے

اس سے کچھ فاصلے پہ زیادہ موجود تھا اک کرسی پہ نیم دراز دوسری پہ ٹانگیں رکھے، کان سے سیل فون لگا ہوا تھا، وہ اتنے جذب سے نور بہ کے ہی گوش گزار کر سکتا تھا کچھ، یہ جہان کو یقین تھا مگر انتخاب بہت اعلیٰ تھا، اس کے لبوں کی تراش میں مہکتی ہوئی مسکان آٹھری، گھٹنوں پہ کھلی فائل پہ اس کی توجہ نہ ہونے کے برابر رہ گئی تھی، سرسبز لان پہ گہرا سایہ اتر آیا تھا، سورج کا سرخ گولہ پردہ مغرب میں غروب ہونے کو تھا، ماحول میں اسی کا نارنجی رنگ پھیلتا جا رہا تھا، کسی درخت پہ بیٹھی کونل کی آواز بھی ماحول کا حصہ بنی ہوئی تھی، مگر سب سے حسین منظر کچھ فاصلے پہ نوارے کے گرد کھڑی وہ تینوں لڑکیاں تھیں، زینب ڈالے اور پرناں وہ تینوں اس قدر حسین اور دلکش تھیں کہ فیصلہ کرنا مشکل ہو جاتا ان میں زیادہ حسین کون تھی اور بقول جنید بھائی ”وہ“ وہ خوش قسمت تھا، جسے دونوں بیویاں بے مثال اور لا جواب ملی تھیں، اسی سوچ نے اس کے چہرے پہ مسکراہٹ بکھیر دی تھی۔

”یہ چکے چکے کیوں مسکرایا جا رہا ہے جناب؟“ زیادہ نون بند کر چکا تھا جیسی اس پہ گرفت کر لی تھی۔
”دو دو بیویاں ہیں اور وہ بھی نگاہ کے سامنے، وہ بھی ایک سے بڑھ کر خوبصورت اس پہ ایسا اتفاق، ماشاء اللہ یہ نہیں مسکرائیں گے تو کیا ہم جیسے جن کی اک ہی بڑھی وہ بھی بس.....“ جنید بھائی نے پھر سے تان اڑائی تھی، جہان نے گہرا سانس بھرا، جبکہ زیادہ سے چھوڑ کر ان کے پیچھے بڑ گیا تھا۔
”میں بھابھی کو بتاتا ہوں آپ انہیں بڑھی کہہ رہے ہیں اور یہ بھی کہ وہ حسین نہیں ہیں اور یہ بھی کہ وہ موٹی اور بھدی بھی.....“

”اوائے اوائے اللہ کے بندے تجھے اللہ ہی سمجھے، کہیں مجھ سے بددعا نہ لے لینا کہ تیرا کبھی ویسا نہ ہو، بڑھی کا مطلب بیوی ہے اور یہ دوسری باتیں کب کی میں نے؟“ جہان کے سیل پہ کال آ رہی تھی، وہ فون اٹھائے انہیں الجھتا چھوڑ کر وہاں سے اٹھ گیا۔
”السلام علیکم؟“ اس نے کال ریسیو کی تھی۔
”وعلیکم السلام! شاہ صاحب کیسے ہیں آپ؟“ دوسری جانب بڑا چمک کر پوچھا گیا تھا، جہان الجھ کر رہ گیا۔

”سوری میں آپ کو پہچان نہیں سکا۔“
”مسٹر شاہ آپ اگر میری جان بوجھ کر ہر بار تذلیل کرتے ہیں تو یہ بہت غلط بات ہے، نیلما ہوں میں۔“ وہ ایک دم تنگ کر بولتی چلی گئی۔
”آئی سی، اگر اتنی ایگو ہے آپ میں تو ذلیل ہونے کا شوق کیوں بار بار چراتا ہے آپ کو؟“ جواباً معاذ کا بھی لہجہ طنز آمیز ہو گیا تھا۔

”ہماری تو مجبوری ہی ایسی ہے، دل لگ گیا ہے آپ سے، آپ ابھی تک نہیں سمجھے۔“ وہ آہ بھر کے بولی، جہان کی پیشانی پہ ناگواری کی لکیریں ابھرنے لگیں۔
”دیکھئے محترمہ میں آپ کو بتا چکا ہوں میں ایسا آدمی نہیں ہوں، سمجھ کیوں نہیں آتی آپ کو۔“ بری

طرح سے جھنجھلاہٹ کا شکار ہوتا ہو بے حد تنگی سے بولا تھا۔

”آپ مجھ سے ملیں، بہت ضروری بات کرنا چاہتی ہوں آپ سے۔“ اس دوران ڈالے اس جانب چلی آئی تھی، جہان کو غصے میں پا کر اشارے سے وجہ پوچھی گئی۔

”اگر میری بیوی کو پتہ چل گیا تم اتنے عرصے سے مجھے تنگ کر رہی ہو تو گھلا دیا سکتی ہے وہ تمہارا۔“ جہان کو اتنا ہی غصہ آیا تھا کہ وہ تنگی سے کہہ گیا تھا، دوسری جانب نیلما ہستی چلی گئی، جہان جھلا کر سلسلہ کاٹ دیا، اس کا یہ خیال بھی غلط ثابت ہوا تھا وہ اس کی شادی کے متعلق سن کر پیچھے ہٹ جائے گی۔

”کون تھی؟“
”ہے کوئی خردماغ، عجیب کھسکی ہوئی عورت ہے۔“ جہان نے اسی غصے سے بھرے ہوئے جواب دیا تھا۔

”عورت ہے لڑکی نہیں؟“ ڈالے نے شرارت سے آنکھیں نیچائیں۔

”شادی کرنا چاہتی ہے مجھ سے۔“ جہان نے جھلاتے ہوئے کہا تھا۔

”ہاں تو کر لیں، ابھی ایک کیا دو کی مزید گنجائش ہے، انصاف کرنا تو خوب آتا ہے آپ کو، عیاشی مفت میں، ثواب الگ۔“ زینب نے پاس سے گزرتے ہوئے یہی بات سنی تھی، رک کر کسی قدر تکیے انداز میں مشورے سے نوازا اور آگے بڑھ گئی، جہان کا چہرہ غصے اور طیش سے جل اٹھا تھا، وہ اس کے پیچھے جانے لگا تھا مگر ڈالے بے اختیار دونوں ہاتھوں سے اس کا بازو پکڑ لیا تھا، جہان نے پلٹ کر اسے دیکھا، اس کے چہرے پہ صرف گھبراہٹ نہیں التجا بھی تھی۔

”پلیز شاہ اس اوکے۔“ جہان نے ہونٹ یوں بھینچ لئے جیسے خود پر ضبط کرنا چاہ رہا ہو۔
”وعدہ کریں شاہ آپ انہیں بعد میں بھی اس بات پہ ہرگز نہیں ڈالیں گے۔“ وہ تنگی ہو کر کہہ رہی تھی، جہان نے جواباً اسی کو گھورا تھا۔

”مجھ سے فضول قسم کے وعدے نہ لینے بیٹھ جایا کرو۔“

”شاہ پلیز۔“ وہ لہجوں میں آنکھوں میں آنسو بھر لائی تھی، جہان یہیں بے بس ہوا تھا۔

”اوکے تمہارے طفیل بخش دیا اس کو ورنہ.....“

”اچھا جانے دیں نا پلیز۔“ ڈالے نے اسے پھر سے غصے میں آتے دیکھ کر نرمی سے ٹوکا۔

”آج تمہیں چیک اپ کو جانا تھا یاد ہے تمہیں؟ میں نماز پڑھ کر آؤں تو تیار ملو مجھے۔“ جہان نے اپنا سیل چارجنگ کے لئے اس کے ہاتھ پہ رکھتے ہوئے گویا تاکید کی تھی۔

”ہاں ٹھیک ہے، زینبی آپا کو بھی بخار ہے، انہیں بھی ساتھ لے جلتے ہیں۔“ ڈالے کی بات پہ جہان خفیہ سا چونکا تھا، ان دنوں وہ ڈالے کی باری کی وجہ سے اس کے ساتھ ہوتا تھا جیسی زینب کے مزاج یا پھر حالات کے بارے میں کچھ خاص آگاہی نہیں تھی۔

”کہہ کر دیکھ لینا، مشکل ہے آمادہ ہو، دو تو اس نے زیادہ یا پھر معاذ سے لے لی ہوگی نا؟“ جہان نے اس پہ یہ معاملہ چھوڑ دیا تھا، نماز پڑھ کے واپس آیا تو ڈالے کمرے میں نہیں تھی، اس نے سیل فون کی چارجنگ چیک کی تو نگاہ میں ان باکس میں آنے والا نیا پیغام آ گیا۔

”جہانگیر صاحب جتنی جلدی ممکن ہو سکے مجھ سے ملیں، فراق کی گھڑیاں اب وصال میں بدلنے کی

خواہش ہے، کیا مجھے کہنا پڑے گا کہ اب اور صبر نہیں ہوتا۔“ جہان کی پیشانی جل اٹھی تھی، اس نے سخت غصے میں آتے اس وقت پیغام ضائع کر دیا تھا، اس عورت کی بے باکی نے اسے متعدد بار مرد ہو کر شرم سے پانی پانی کر ڈالا تھا۔

”چلیں..... تیار ہیں آپ؟“ ڈالے کی آواز یہ اس نے مڑ کے دیکھا، زرد کلر کی فراک جس کے گلے پہ سورج کبھی کے پھولوں سے بنی خوبصورت سی گیس نیم دائرے میں لگی بہار دکھا رہی تھی اس کی گردن کو مزید نمایاں کر کے دکھا رہی تھی، وہ دوپٹہ اتار کر چادر اوڑھ رہی تھی، جہان کی نگاہوں کو محسوس کر کے اس کا چہرہ گلجانی ہونے لگا۔

”ایسے کیا دیکھ رہے ہیں؟“ وہ شرمیلی تھی، پلکیں جھک کر عارضوں پہ لرزنے لگیں۔

”تم خود کو پہلے سے بہتر لیل کرنی ہونا ڈالے؟ تمہیں وہ بین ہوتی ہے؟“ جہان درمیانی فاصلہ گھٹا کر اس کے نزدیک آ گیا تھا، اس کے انداز میں سوال میں ایک عجیب سی بے تابی اور اضطراب کا عنصر نمایاں تھا، ڈالے نے پلکیں اٹھا کر اسے کچھ دیر دیکھا تھا۔

”میں ان چار پانچ سالوں کے بعد ان کچھ مہینوں سے خود کو بہتر بہت بہتر محسوس کرنے لگی ہوں شاہ، ورنہ یہ اتنی شدید بیماری ہے کہ اس میں مریض ہر لمحہ اس تکلیف سے بے چین رہتا ہے میں عادی ہو کر بھی عادی نہیں ہو پا رہی تھی مگر اب..... اب جیسے کوئی جادو چھانے لگا ہو، مجھے لگتا ہے جیسے دھیرے دھیرے یہ تکلیف کا احساس میرے وجود سے اپنے نیچے نکال رہا ہو، اس کی کیا وجہ ہے مجھے نہیں پتہ، مگر میں خوش ہوں، شاہ میں چاہتی تھی مجھے کم از کم اتنی مہلت مل جائے کہ ہمارا بچہ اس دنیا میں آجائے..... اک بات کہوں شاہ؟“

”ضرور جناب اجازت کی کیا ضرورت ہے۔“ جہان کا موڈ ایک دم سے خوشگوار ہو گیا تھا، جیسی اس کی ناک پکڑ کر زرد سے دبائی تھی۔

”اگر مجھے کچھ ہو گیا نا ہمارا بچہ جو ہو گا اسے می کودے دیجئے.....“ جہان نے اس کے ہونٹوں پہ ہاتھ

رکھ دیا تھا۔

”تمہیں کچھ نہیں ہو گا ڈالے، اپنی بدلتی کیفیت سے بھی تمہیں اندازہ نہیں ہوا کیا؟“ جہان کو ٹوکنے پہ نہیں وہ اس کے الفاظ پہ حیران نظر آنے لگی تھی۔

”میں بھی نہیں شاہ۔“

”ایک یقین ہوتا ہے ایک ایمان ہوتا ہے ڈالے، یقین کی پہنچگی میں کہیں کوئی دراڑ نہ ہو سکتی ہے مگر ایمان میں نہیں، مجھے اپنے اللہ کی رحمت پہ ایمان کی حد تک ہی یقین ہے، میں نے تمہیں کہا تھا نا میں تمہیں مرنے نہیں دوں گا، میں نے اللہ سے اپنے لئے تمہیں مانگا، میں نے پڑھا تھا، دعا مانگو تو ایسی جو فرشتے کے پر جیسی ہو، جب میں نے دعا مانگی چاہی تو مجھے سمجھ نہیں آ سکی تھی فرشتے کے پر جیسی کیسی دعا ہو گی، میں نے فرشتے کے پر کا تصور کیا تو مجھے یہ منکشف ہوا فرشتہ نور سے بنا ہوا ہے اور نور روشنی ہے، روشنی یعنی ہر شے کو واضح کر دینے والا احساس، جس میں کچھ بھی چھپا نہ ہو، یعنی کوئی شک کوئی کھوٹ نہیں، ڈالے میں نے اسی عقیدے اسی یقین کے ساتھ دعا مانگی کہ اللہ کے لئے تو کچھ بھی ناممکن نہیں ہے نا، بس یہی عقیدہ تھا اور وسیلہ میں نے درود پاک کو بنایا ”آب کوثر“ کے مطالعہ سے مجھ پہ منکشف ہوا تھا کہ بہت

سے لا علاج بیماریوں کے مریض درود پاک کے وظیفہ سے اس بیماری سے چھٹکارا پانے میں کامیاب ہوئے تھے، بس میں نے بھی اللہ کو اسی طرح سے منانے کا سوچ لیا تھا ہنسی تمہیں اپنے اندر جو تبدیلی جو بہتری محسوس ہو رہی ہے اس کی وجہ یہی ہے، کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے کہ۔“

ورد درود پاک میں کرتا چلا گیا
بگڑا ہوا جو کام تھا بنتا چلا گیا
ان کے حضور جب سر تسلیم خم کیا
پھر اپنا سر اٹھا کے میں چلتا چلا گیا

”میں اور کیا کہوں سوائے اس کے کہ یہ میرے اللہ کا کرم ہے اور بس۔“ جہان کی آنکھیں عقیدت اور تشکر کے احساس سے لیلی ہو رہی تھیں، ڈالے جو ایک تحیر کا جہان آنکھوں میں آباد کیے استعجاب بھرے انداز میں اسے دیکھ رہی تھی، جیسے موم بن کر اس کے قدموں میں ڈھیر ہونے لگی۔

”شاہ..... شاہ آپ اتنی محبت کرتے ہیں مجھ سے۔“ وہ اس کے ساتھ لگ کر سسک اٹھی تھی، جہان نے اسے نہایت نرمی کے ساتھ اپنے سینے سے لگا لیا۔

”تمہیں شک کیوں ہے ڈالے میری محبت پہ۔“

”شک نہیں، میں خود کو اس قابل نہیں سمجھتی تھی۔“ وہ بے اختیار سسک اٹھی۔

”کون کس قابل ہے اس کا فیصلہ کرنا ہمارا نہیں اللہ کا کام ہے ڈالے، وہ جسے چاہے نواز دے۔“

جہان نے اس کا چہرہ اٹھایا اور بہت محبت اور توجہ سے اس کے اشک جھننے لگا۔

”آج مجھے اپنی خوش بختی پہ کوئی شک باقی نہیں رہا، میں خدا کی بھی شکر گزار ہوں جس نے مجھے بلاشبہ میری اوقات سے بڑھ کر عطا کیا ہے، شاہ یہ حقیقت ہے کہ میں نے صرف آپ کو باکرہ ہی خود کو مکمل سمجھنا شروع کر دیا تھا مگر اصل تکمیل تو آج ہوئی ہے میری۔“ وہ بے حد جذب سے کہتی چلی گئی تھی، جہان بس اس کی خوشی اس کے اطمینان کو مسکرائی لودیتی نظروں سے دیکھتا رہا تھا، ڈالے کو خود ہی اس قربت کا احساس ہوا تو قدرے جھینپ کر اس سے فاصلے پہ ہوئی۔

”ہمیں باہر دیر ہو جائے گی، ہو سکتا ہے تب تک زمینی آپا سو جائیں، آپ پہلے ان کی طبیعت معلوم

کر آئیں شاہ۔“

”کیوں وہ ساتھ نہیں چل رہی؟ تم تو کہہ رہی تھیں.....“ جہان نے شرارت بھرے انداز میں کہتے

بات ادھوری چھوڑ دی تو ڈالے نکتہ زدہ سی ہو کر مسکرائی تھی۔

”انہیں تیز بخار ہے، کہہ رہی تھیں باہر جانے کی ہمت نہیں، دو تو وہ معاذ بھائی سے لے چکی ہیں۔“

”واقعی یہی کہا تھا رسکی؟“ جہان نے پھر اسے چھیڑا، یعنی شرارت کو طول دیا تھا۔

”آپ بال کی کھال کیوں اتار رہے ہیں؟ اگر وہ مجھے ڈانٹتی ہیں غصہ دکھاتی ہیں تو میں نہیں مایہ نڈ

کرتی اس بات کو، آپ کو اپنی فکر کرنی چاہیے، سنا ہے ڈانٹ تو ان سے آپ کو بھی پڑنی ہے۔“ ڈالے نے

اب کے اس کی ناگ بیچنی تھی، جہان کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

”اس کی اتنی جرأت نہیں ہے محترمہ، بہت غلط سوچ ہے آپ کی۔“

”یہ مان اور جراتیں ہمیں محبت عطا کرتی ہے شاہ، جہاں محبت ہوگی وہیں یہ حسین رنگ ملیں گے،

میں نے بھی کبھی نہیں سوچا تھا آپ سے اس انداز میں بھی بات کروں گی مگر آج..... آپ کی محبت کا ہی اعجاز ہے۔“

”اللہ کا کرم ہے ڈالے۔“ جہان نے تھج کی تھی ڈالے نے فوراً شرمندہ ہو کر سرکواشات میں ہلایا۔
”بالکل اللہ کا کرم ہے، آپ زینبی آپا کے پاس جائیں ناب، ورنہ پھر دیر ہو جائے گی۔“ ڈالے نے اسے دروازے کی سمت دھکیلا تھا، جہان گہرا سانس بھر کے باہر آ گیا، راہداری میں فینسی لائٹ کی روشنی تھی اور دیواروں کا پینٹ چمک رہا تھا، ہر سواک سکون اور خاموشی کا احساس تھا، ماما عدن کو اٹھائے اس وقت معاذ کے کمرے سے نکلی تھیں۔

”آپ ڈالے کو لے کر نہیں گئے جہان؟ آج چیک اپ تھا اس کا، کہیں بھول تو نہیں بیٹھے؟“ ان کی فکر مندی پہ جہان مسکرا دیا تھا۔

”نہیں چچی جان! مجھے یاد ہے، نکل ہی رہے تھے، زینب کو بھی ٹیپر پچر ہے سوچا پہلے اس کی خیریت پوچھ لوں۔“

”ہاں بیٹے ضرور..... مگر بتاؤ وہ آپ کو زیادہ تنگ تو نہیں کرتی؟“ نما کے لہجے میں تشویش تھی، جہان کو مسکراہٹ ضبط کرنا پڑی تھی۔

”ایسی ہرگز کوئی بات نہیں ہے چچی جان۔“
”سچ کہہ رہے ہو بیٹے؟“ ان کی نگاہوں میں غیر یقینی اور شکوک کا غلبہ تھا۔

”چچی جان اب زینبی اتنی بھی نالائق نہیں ہے، بلکہ سچ پوچھیں تو مجھے اس سے بالکل کوئی شکایت نہیں۔“ انہیں بازو کے حلقے میں لے کر اس نے بہت جذب سے کہا تھا، ماما کچھ دیر یونہی اسے نم آنکھوں سے دیکھتی رہیں پھر اظہار تشکر کے احساس کے طور پہ باقاعدہ رو پڑیں تھیں۔

”الحمد للہ! مجھے میرے اللہ نے سرخرو کر دیا ہے آج، خداتم تینوں کو ہمیشہ شاد و آباد رکھے آمین۔“ وہ اسے دعاؤں سے نوازنے لگیں، جہان کے اندر آسودگی اتر آئی، گو کہ وہ زینب سے پوری طرح خوش نہیں تھا مگر گنجائش رکھ کر اگر ماما کو مطمئن کیا جاسکتا تھا تو اس میں قباحت نہیں تھی، زینب کے کمرے کا دروازہ کھلا تھا، جہان نے آہستگی سے دھکیلا اور اندر قدم رکھ دیا، اسے سی کی کوننگ اور نیم اندھیرے نے اس کا استقبال کیا تھا، جہان نے سب سے پہلے لائٹ آن کی تھی، وہ اسے بیڈ پہ نظر نہیں آئی تو جہان نے حیرت بھرے انداز میں نگاہ کو گھمایا تھا، اسے جائے نماز پہ سجدے میں جھکے دیکھ کر اسے خوشگوار قسم کی حیرت محسوس ہوئی تھی، جیسی وہیں تک کر اس کے فارغ ہونے کا انتظار کرنے لگا، مگر چند لمحوں کے بعد ہی ایک بے چینی کا اضطراب اس کے رگ و پے میں سرایت کرنے لگا تھا، وہ مالک کے حضور خود کو پیش کیے جانے کس بات پہ گریہ زاری میں مشغول تھی، خاصی دیر بعد سر اٹھایا اور اسے وہاں موجود اور متوجہ پا کے جزبہ ہو کر رہ گئی۔

”تمہیں کوئی پرابلم ہے زینب؟“

”آپ یہاں کیوں آئے ہیں؟“

”کیا میں تمہارے پاس نہیں آسکتا زینب؟“ اسے اپنے سوال کے نظر انداز ہونے کا ہی نہیں زینب کی اس تفتیش پہ بھی تاؤ آیا تھا۔

”اس تفتیش پہ بھی تاؤ آیا تھا۔“

”اس تفتیش پہ بھی تاؤ آیا تھا۔“

”اس تفتیش پہ بھی تاؤ آیا تھا۔“

”اس تفتیش پہ بھی تاؤ آیا تھا۔“

”اس تفتیش پہ بھی تاؤ آیا تھا۔“

”آسکتے ہیں مگر جب ڈالے کی باری نہیں ہوتی، آپ کو نہیں لگتا آپ بد یادتی کے مرتکب ہو رہے ہیں؟“ وہ پتہ نہیں طنز کر رہی تھی یا اس کی اصلاح کی کوشش، جہان سرد مہری سے اسے دیکھے گیا۔

”ڈالے بتا رہی تھی تمہیں نمبر پچر ہے، خیریت معلوم کرنا چاہ رہا تھا، کب ہوئی تمہاری طبیعت خراب؟“ جہان نے کہتے ہوئے اس کی پیشانی کو چھوا تھا، جو آگ کی طرح تپ رہی تھی۔

”میں ٹھیک ہوں، اس نوازش کے لئے شکر یہ۔“ زینب نے رکھائی سے کہتے اس کا ہاتھ ہٹایا تھا۔

”ابھی تم نماز پڑھ کر رہی ہو، تمہیں یہ بھی نہیں پتہ شوہر کے ساتھ اس قسم کا سلوک بیوی کو زیب نہیں دیتا؟“

”ہو گئے طعنے شروع؟ اطلاع عرض کر دوں، یہ شوہر مجھے پسند ہے نہ قبول، کتنی بار کہہ چکی ہوں کہ مجھے.....“

”آگے ایک لفظ نہیں بولنا زینب! میں بہت رعایت دے چکا تمہیں۔“
”تو کس نے کہا ہے رعایت کو؟ کریں جو کرنا ہے آپ کو؟ ماریں گے جان سے یا پھر تشدد کریں گے۔“ وہ سچ پڑی تھی، جہان اسے دیکھتا رہا۔

(تم اپنی ذات کو پردوں میں مغلوف کر کے رکھنا چاہتی ہو زینب، مگر میں اس راز کو ضرور کھولوں گا، تم وہ نہیں ہو جو تم میرے سامنے خود کو ظاہر کرنا چاہتی ہو، تمہارا مسئلہ تمہارا درد کچھ اور ہے۔)

”ایسے کیوں دیکھ رہے ہیں؟“ زینب نے آنکھوں کی نمی چھپانے کی غرض سے رخ پھیرتے ہوئے بھی تلخ کلامی ضروری سمجھی تھی۔

”دیکھ رہا ہوں تم جھوٹ بولتے ہوئے صاف پہچانی جاتی ہو۔“
”یہ کیا بکواس ہے؟ کون سا جھوٹ بولا میں نے، تنگ کر کے رکھ دی ہے زندگی آپ نے، آپ سے تو تیمور بہتر تھے، کم از کم ان کے قول و فعل میں تضاد تو نہیں تھا۔“ زینب نے اک نیا حربہ آزما یا، اس کی توقع کے عین مطابق جہان کی آنکھیں غیض و غضب سے انگارہ ہو کر بے تحاشا حد تیس سمیٹ لائیں، اس نے زینب کو بازو سے دبوچ کر جارحیت بھرے انداز میں جھٹکے سے اپنے مقابل کیا اور اس کا چہرا اپنے فولادی ہاتھ میں جکڑ لیا۔

”اس خبیث انسان کا نام تمہارے منہ سے دوبارہ نہیں سنوں میں، زینب میں قتل کر دوں گا تمہیں مگر اب تمہاری کوئی فضول بات برداشت نہیں کروں گا، اس سے پہلے جب تم نے یہ ساری بد تمیز حرکتیں کی تھیں تب میرا تم پہ کوئی اختیار نہیں تھا، مگر اب بیوی ہو تم میری۔“ جہان نے اسے اسی شدید انداز میں جھٹکا دے کر بستر پہ اچھالا اور خود لمبے ڈگ بھرنا پلٹ کر باہر نکلتا چلا گیا، زینب جیسے حواس باختہ سی اسی جگہ گری پڑی رہی، اس کی گرفت میں کتنی مجنونیت تھی اور آنکھوں میں واقعی ہی گویا مرنے مار دینے والے تاثرات جو حقیقتاً زینب کو خائف کر کے رکھ گئے تھے، اس کے سانسوں کی بھاپ سے ابھی تک اسے اپنا چہرا جلتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔

”میں کیا کروں میرے خدایا! مجھے اس مشکل سے نکال لے۔“ وہ ذرا حواسوں میں لوٹی تو سسک سسک کر بلک بلک کر روئے گئی تھی۔

”میں کیا کروں میرے خدایا! مجھے اس مشکل سے نکال لے۔“ وہ ذرا حواسوں میں لوٹی تو سسک سسک کر بلک بلک کر روئے گئی تھی۔

”میں کیا کروں میرے خدایا! مجھے اس مشکل سے نکال لے۔“ وہ ذرا حواسوں میں لوٹی تو سسک سسک کر بلک بلک کر روئے گئی تھی۔

”میں کیا کروں میرے خدایا! مجھے اس مشکل سے نکال لے۔“ وہ ذرا حواسوں میں لوٹی تو سسک سسک کر بلک بلک کر روئے گئی تھی۔

”میں کیا کروں میرے خدایا! مجھے اس مشکل سے نکال لے۔“ وہ ذرا حواسوں میں لوٹی تو سسک سسک کر بلک بلک کر روئے گئی تھی۔

”میں کیا کروں میرے خدایا! مجھے اس مشکل سے نکال لے۔“ وہ ذرا حواسوں میں لوٹی تو سسک سسک کر بلک بلک کر روئے گئی تھی۔

”میں کیا کروں میرے خدایا! مجھے اس مشکل سے نکال لے۔“ وہ ذرا حواسوں میں لوٹی تو سسک سسک کر بلک بلک کر روئے گئی تھی۔

☆☆☆

اگر چہنا ہی ہے مقصود تو ہم نظروں سے چوم لیا کرتے ہیں
لگا کر ہونٹ کسی کے دامن کو ہم داغدار نہیں کرتے
پر نیاں نے بے نیازی سے شعر بڑھا تھا، معاذ نے گویا کبھی اڑائی۔
”میں محبت میں ایسی حد بندیوں کا قائل نہیں ہوں، تمہیں اندازہ تو ہو گیا ہوگا۔“

لفظ ناپ کر لکھتا بات تول کر کرنا
مجھ سے یہ نہیں ہوتا تم کو تو پتہ ہے نا
کتنا بے دھڑک ہوں میں لوگ مجھ سے کہتے ہیں
لفظ ناپ کر لکھو بات تول کر بولو
ان کو کیا بتاؤں میں کہ میں تو کچھ نہیں لکھتا
کچھ بھی میں نہیں کہتا دل یہ بول بڑتا ہے
اور تم کو تو پتہ ہے نا دل کے پاس کوئی بھی
بیانہ نہیں ہوتا ناپ لے جو لفظوں کو
تول لے جھنجھکیں باتوں کو

اپنے مخصوص انداز میں اس نے اپنی سوچ واضح کی تھی، پر نیاں نے مسکراہٹ دبائی۔

”ہاں پتہ ہے مجھے، اب تو بہت اچھی طرح اندازہ ہو گیا ہے مزاج کا۔“

”ٹھیک گاڈ! جان تو لیا تم نے، ورنہ میں تو خائف ہوتا رہتا تھا کہ کہیں پھر تم میری محبت کو میری
ہوں سے تعبیر کر دو، اگلے سال تک پھر ناراضگی کا سلسلہ چلے ساتھ میں ایک عدد چائلڈ بھی یا لوگ سمجھتے
ہوں گے پتہ نہیں ہم کتنے رومینک میاں بیوی ہیں کسی کو کیا پتہ.....“

”کم آن معاذ..... بس بھی کریں۔“ پر نیاں کی آنکھیں ہی نہیں جھکیں گال بھی دکھ اٹھے تھے۔

”انہ..... یہ کی ہے تم نے اصلاح اپنی..... رومینس پہ تو پابندی ہے ہی، تو تم مجھے زبانی کلامی ہی دل
نہیں پرچانے دیتیں۔“ معاذ نے منہ بنا لیا تھا۔

”آپ کو اب کالج سے دیر نہیں ہوتی؟ تیاری میں یہ اتنا وقت لگا دیتے ہیں، ناشتے پہ ممانتظار کرتی
ہیں تو سب کتنا مذاق اڑاتے ہیں اتنی دیر کمرے میں رہنے پہ۔“ پر نیاں نے اس کی رسٹ وایج اس کی
لگا ہوں کے سامنے لہرا کر گویا وقت کا اندازہ کرانا چاہا۔

”جنید بھائی اور جے تو جیسے بہت وقت پر آتے ہیں نا ڈائینگ ٹیبل پہ، اندر وہ بھی اس قسم کی سر
گر میوں میں مشغول ہوتے ہیں، کوئی مذاق اڑا کے تو دیکھے میرا۔“ اس کے پاس ہر بات کا جواب تیار
ہوتا تھا، پر نیاں کو ہی ہار تسلیم کرنی پڑی تھی، جھبی گہرا سانس بھر لیا۔

☆☆☆

او صنم او صنم کاش ہوتا اگر
تم نبھا جاتے یہ زندگی کا سفر
ہم بھی تنہا نہ رہتے یونہی عمر بھر
او صنم او صنم کاش ہوتا اگر

حصہ 31 ستمبر 2014

”پری اک بات کہوں تم سے؟“ معاذ نے اس وقت اس کے گلے میں اپنے بازو جھائل کیے تھے
جب پر نیاں اس کی ٹائی کی گرہ لگا کر کوٹ پہنار ہی تھی۔

”جی بولیں۔“ پر نیاں نے مسکرا کر اسے دیکھا اور کوٹ کے بٹن بند کرنے لگی۔

”یار وہ زہنی کسی وجہ سے پریشان ہے، اس نے جے کو بھی آپ سیٹ کیا ہوا ہے، تمہاری تو دوتی ہے
نا اس سے، تم ذرا اس سے مسئلہ تو جاننے کی کوشش کرو، مگر اس انداز میں کہ اسے شک نہ ہو۔“ معاذ کی
سنجیدگی کے مظاہرے پہ پر نیاں جیسے کسی سوچ میں گم رہ کر بولی تھی۔

”ایسا تو مجھے بھی کئی بار محسوس ہوا کہ وہ ابھی ہوئی اور پریشان ہے کیا زیادہ تشویش کی بات ہے۔“
پر نیاں خود بھی متفکر ہونے لگی تھی۔

”ہے تو پریشانی کی بات ہی، جے تو خاص طور پہ بہت زیادہ ٹینس ہے۔“

”آپ بے فکر رہیں، میں آج ہی اسے کریدنے کی کوشش کرتی ہوں۔“ پر نیاں نے اسے تسلی دی تو
معاذ کسی خیال کے پیش نظر بولا تھا۔

”یار ایک دم سے اٹھوانے بیٹھ جانا، ورنہ وہ محتاط ہو جائے گی۔“

”آپ کی قربت میں رہ کر اتنی عقل تو مجھ میں بھی آگئی ہے کہ کون سا کام کیسے کرنا ہے؟“ پر نیاں
نے اسے چھیڑا تھا، معاذ کی آنکھیں ایک دم سے چمک اٹھیں۔

”اوائے ہوئے قربت..... کون سی قربت کی بات ہو رہی ہے؟ اللہ جھوٹ نہ بلوائے تو صرف ایک
بار یہ موقع آیا تھا وہ بھی شاید ہی آپ تب حواسوں میں ہوں، پھر اتنی عقل کیسے حاصل کر لی۔“ اس کے
لہجے میں شرارت سی شرارت رقم تھی، آنکھیں الگ بہک اٹھی تھیں، پر نیاں تو گویا پھینس گئی تھی سیدھے
سجاؤ بات کر کے بھی۔

”حد ہے آپ سے معاذ..... بات کو کہاں سے کہاں لے جاتے ہیں۔“ شرمایا لجا لیا ہوا اس کا سنہرا
جگمگاتا ہوا روپ اس قدر بہکا دینے کی حد تک دلکش لگا تھا کہ معاذ کسی طرح بھی خود کو گستاخی کرنے سے
نہیں روک سکا، پر نیاں کی حالت دیکھنے والی ہو گئی تھی۔

”معاذ.....!“ وہ روہانسی ہوئی تھی، معاذ بے گیا تھا۔

”صبح ہی عہد سے پھر گئے ہیں۔“ اس نے مصنوعی خشکی سے اسے گھورا تھا۔

کچھ بھی ہو میں تو الزام تمہی کو دوں گا
تم معصوم بہت ہو مگر توبہ تیری آنکھیں

اس اہم وضاحت نے پر نیاں کو ٹھنڈا سانس بھرنے پہ مجبور کر دیا تھا۔

”آپ نہیں سدھر سکتے۔“ وہ سر جھٹک رہی تھی۔

”آپ بھی تھوڑا سا بگڑ جائیں تو ہمارا بھلا ہو جائے، دن رات رومانس کے طریقے بناتا ہوں مگر
مجال ہے جو بھی آپ کو بھی خیال آیا ہو، محترمہ شوہر ہوتے ہیں آپ کے ہم، سواک نظر کرم ادھر بھی۔“ اس
نے خاصے قائل و مائل کرنے والے انداز میں کہا تو پر نیاں حیا آمیز خفت سے سرخ پڑ گئی۔

”آپ ہی کانی ہیں اس کام کو۔“

”لیکن میرا بھی تو دل کرتا ہے، تم مجھے پیار کرو۔“ معاذ کا اصرار اور تقاضا بڑھنے لگا۔

حصہ 30 ستمبر 2014

جہان نے دروازہ کھول کر نیم تاریک میں قدم رکھا تو مغنیہ کی درد سے بوجھل آواز نے ایکدم سے اسے اپنے حصار میں لے لیا وہ ایزی چیئر پر نیم دراز جیسے خود سے بھی غافل تھی، کھلے بال ہوا سے اڑتے تھے، آنکھیں بند تھیں مگر سائیدوں سے بہتے آنسو اک تسلسل سے کنپٹیاں بھگور رہے تھے۔

اپنے لبوں کی ہلکی آہے کا ش دے دوں تمہیں
میرے خوشی لے لے تو غم اپنا دے دے مجھے
کاش ہم کو بنا لیتے تم اپنا ہم سز
تم ساتھ ہوتے اگر تم ساتھ ہوتے اگر

جہان کے ہونٹ باہم سختی سے پیوست ہو گئے تھے، دماغ کی طنائیں پوری قوت سے تن گئیں، وہ رقابت کی ان دیکھی آگ میں مجلس کر خاک ہوتا آگے بڑھا تھا اور کیسٹ پلیئر زور سے ہاتھ مار کر آف کیا، کمرے میں یکفخت جان لیوا سناٹا در آیا، زینب چونکتے ہوئے سیدھی ہوئی تھی، البتہ کچھ کہنے سے گریز کیا تھا، جبکہ جہان منتظر تھا کہ وہ کچھ کہے تو جواب میں اسے بھی دل کی بھڑاس نکالنے کا موقع ملے، اس کے اندر جوار بھائے اٹھ رہے تھے۔

”میرا بیگ تیار کر دو، کچھ دنوں کو مجھے آؤٹ آف سٹی رہنا ہوگا۔“ جہان کا لہجہ و انداز حکمانہ نخوت لئے ہوئے تھے، حیرت انگیز طور پر زینب نے جواب میں ناگواری کے اظہار یا پھر دامن بچانے کے اٹھ کر اس کے حکم کی تعمیل شروع کر دی، جہان کو اور غصہ آنے لگا تھا یہ سوچ کر کہ وہ اس سے جان چھوٹ جانے پر شکر منار ہی ہوگی، آج سے اس کی باری جو شروع ہو چکی تھی۔

”یہ سوٹ ٹھیک رہے گا رکھ دوں؟“ وہ اپنے دھیان میں بیٹی تو جہان سے زور سے ٹکرائی، وہ پتہ نہیں کب اس کے پیچھے آکر کھڑا ہو گیا تھا۔

”انہو آپ کیوں یہاں آگئے تھے؟“ وہ جتنا جھنجھلائی تھی، اسی حساب سے چڑ کر بولی۔

”تم بھی ساتھ چلو گی میرے، ہے تو آئیڈیل ٹورنگر میں بیٹھ کر لوں گا۔“ جہان نے ایک نیا شوٹا

چھوڑ کر زینب کے انداز کی بے زاری کو جھلاہٹ میں ڈھال دیا۔

”میرا دماغ نہیں خراب کہ آپ کے ساتھ خوار ہوتی پھر دوں۔“

”تمہیں بات کرنے کی تمیز کب آئے گی زینب، بی ہیو یور سینلف اینڈ انف، آئندہ میں تمہیں دیکھوں نا اس طرح سے بات کرتے ہوئے، سب گھر والوں کے ساتھ بھی تم یونہی تھمر پھوڑنی پھرنی ہو۔“ جہان کا ضبط آخر کار جواب دے گیا تھا، زینب کی رنگت واضح طور پر پھلکی پڑی۔

”میں نے آپ سے کوئی عہد کیا تھا نہ بیان کہ میں آپ کے ساتھ.....“

”تمہارے نزدیک عہد و بیان کی کیا ڈیفینی نیشن ہے مجھے نہیں پتہ، میرے خیال میں جب تم نے نکاح نامے پر سائن کر دیئے تو اس کا مطلب یہ ہی ہوا کہ تمہیں میرے میری فیملی کے حقوق کو ادا کرنا ہے۔“ انگلی اٹھا کر وہ بے حد ٹھہرے ہوئے انداز میں جتلا کر بولا، تو زینب چند ثانیوں کو ٹکڑا کر اسے دیکھتی رہ گئی۔

”یہ صرف آپ کی فیملی نہیں ہے میرے پیرنٹس اور.....“

”اچھا!!!“ وہ پھر اس کی بات کاٹ کر طنز یہ ہنسی ہنسا۔

”اطلاع کا بہت شکریہ، ویسے پتہ مجھے پہلے سے تھا تم نے اپنے پیرنٹس کے جذبات و احساسات کی کتنی پرواہ کی، یہ تمہارے ایٹی ٹیوڈ نے بہت بار واضح کر دیا، اب اگر میں تم سے ان کے ساتھ بہترین رویہ کا آرڈر کر رہا ہوں تو اس کی وجہ یہی ہے کہ تب تم اپنی مرضی کی مالک نہیں مگر اب تم مجھ سے وابستہ ہو، تمہارا رویہ تمہارا مزاج اور تمہارا اس گھر میں کردار میرے حوالے سے جانا اور پہچانا جانا ہے میں ہرگز یہ برداشت نہیں کر سکتا کہ تم سے اب میرے رشتوں کو تکلیف پہنچے اور یہ تمہیں میری لاسٹ وارننگ ہے، اس کے بعد میں ہرگز بھی رعایت نہیں کروں گا۔“ جہان کے لہجے سے ہی نہیں آنکھوں سے بھی برہمی چھلکی پڑ رہی تھی، زینب کے اعصاب تک شدید کشیدگی سمیٹ لائے تھے۔

”انہو رعایت، فار کانسڈ یور انفارمیشن جہا تکیر صاحب کہ پہلے بھی آپ نے کوئی ہار پھول نہیں پہنائے ہیں مجھے، بڑا انصاف انصاف کا ڈنکا بجاتے ہیں، لاڈلی اور چھتی تو آپ کی وہی ڈالے ہے نا، جیسے میں جانتی نہیں ہوں، ہمیشہ مجھ پہ آپ نے اسے ترجیح دی، میری طرف تو بس فرض نبھانے آتے ہیں، تو نہ نبھایا کریں، مجھے بہت اچھی طرح سے اندازہ ہے اپنی اور اس کی حیثیت کا، وہ آپ کی محبت ہی نہیں، خوبصورت نوعمر سب سے بڑھ کر کنواری ملی آپ کو، جبکہ میں روندی اور مسلی ہوئی کٹی تھی، جسے کوئی بھی اپنے کالر میں سجانا پسند نہیں کرتا، مگر برا ہو آپ کی اس اچھی دھاک کا، جسے بحال رکھنے کو آپ کو یہ ناگوار کام کرنا پڑا۔“ وہ بولنے پہ آئی تو جانے کب کی تپش اور غبار نکال دیا تھا، غصے کی زیادتی سے دہکا چہرا، تیز ہوتا تنفس اور آنکھوں سے بہتے آنسو، جو پتہ نہیں کتنے کرب اور اذیت کو محسوس کر کے لکھے تھے۔

”زینب.....!“ جہان سخت مضطرب ہوا، مگر وہ اس کی سنے بغیر منہ پہ ہاتھ رکھے روٹی ہوئی باہر بھاگی تھی، جہان اس کے پیچھے لپکا، زینب نے برآمدے میں رک کر سرعت سے بہتے آنسوؤں کو صاف کیا تھا، وہ ہرگز کسی کے سامنے وضاحت کی پوزیشن میں نہیں تھی مگر اسے اندازہ نہیں تھا اس پہ کیا افتاد پڑنے والی ہے، اس سے قبل کہ جہان اس تک پہنچتا آندھی طوفان کی طرح سے اندرونی حصے کی جانب آتیں سز آفریدی اسے دہاں دیکھ کر چیل کی طرح اس کی جانب لپکی تھیں۔

”اچھا..... تو تم ہون زینب، جس نے میری بیٹی کے حق پہ ڈاکہ ڈالا، شرم تو نہیں آئی ہوگی تمہیں؟ ارے غضب خدا کا اپنا شوہر سنبھال نہ سکیں تو دوسروں کے شوہروں کو قابو کرنا شروع کر لیا، میں کہتی ہوں تم لوگوں کو جرات کیسے ہوئی آخر میری بیٹی کے ساتھ یہ سلوک کرنے کی، اس پہ دھڑلہ دیکھو کہ مجھے کانوں کان خبر نہیں ہونے دی۔“ بغیر کسی لحاظ کے بلند ہوتا لہجہ جس میں جہالت کی حد تک چیخ چنگھاڑ نمایاں تھی، انہوں نے ہاتھ لہرا کر صاف طعنے دینے پہ اکتفا نہیں کیا تھا، طیش سے بے حال ہو کر زینب پہ حملہ آور بھی ہوئی تھیں، ان کا ارادہ اسے بالوں سے نوج کر زمین پہ پٹختے کا تھا اور وہ ٹیم ٹیم عورت دھان پان سی زینب کو یقیناً منٹوں میں زمین چٹا سکتی تھیں اگر جو اسی مل دہاں آئے جہان نے زبردست مداخلت کرتے ہوئے زینب کو ہاتھ سے پکڑ کر سرعت سے اپنی جانب نہ کر لیا ہوتا۔

”واٹ نان سنس سز آفریدی؟ بات کرنے کا یہ کون سا طریقہ ہے؟“ جہان کا لہجہ بے حد کڑا تھا تو چہرے کے تاثرات میں شدید خشکی، زینب اتنی حواس باختہ تھی کہ جہان کے کھینچنے پہ اپنی جھونک میں آ کر اس کے بالکل پہلو سے لگ گئی تھی اور یونہی لگی کھڑی رہی، سز آفریدی کو دیکھتی رہی جن کی آنکھوں میں گویا خون اتر رہا تھا۔

”بہت خوب، تم نے خود کون سے اپنی کیلنس کے مظاہرے کر دیئے ہیں کہ مجھ سے یہ سوال کرتے ہو؟“ انہوں نے جہان کی آنکھوں کے آگے ہاتھ لہرا کر پھر اسی انداز میں طعنہ مارا ان کا لڑنے کا انداز خالص جاہل عورتوں کا سا تھا۔

”آپ کو جو بھی بات کرنی ہے اندر چل کر کریں، نہ تب تم بھی اپنے کمرے میں جاؤ۔“ جہان نے پہلے انہیں پھر زینب کو مخاطب کیا تھا اور لمحہ بھر کو اسے بہت نرمی سے اپنے ساتھ لگا کر تھپکا، نہ تب ہنوز سراسیمہ نظر آئی تھی، اس کے کہنے پہ بے اختیار فرمانبردار انداز میں سرکواثبات میں ہلایا اور اندر کی جانب دوڑی۔

”اسے کہاں بھیج رہے ہو فساد کی جڑ کو، اس سے تو بات کرنی ہے میں نے۔“ مسز آفریدی پھر چنگھاڑیں تو جہان نے تیز نظروں سے انہیں دیکھا تھا۔

”میں آپ کا احترام کر رہا ہوں تو بہتر ہوگا آپ بھی تمیز کے دائرے سے باہر نہ نکلیں، میں نے جو کچھ بھی کیا وہ کسی سنیس میں بھی جرم نہیں ہے کہ آپ کے سامنے مجرم ٹھہروں۔“ اس کے لہجے میں سختی بھی تھی اور تشبیہ تھی، مگر مسز آفریدی نے زور سے سر جھٹک دیا تھا۔

”اونہہ دیکھ لوں گی میں تمہیں۔“ جہان نے راہداری کے سرے پہ رجوکی جھٹک دیکھی تو وہیں سے اسے پکارا تھا۔

”جی صاحب؟“ وہ بھاگی آئی تھی۔

”بیگم صاحبہ کو ڈرائیونگ روم میں لے جا کر بٹھا ڈالو اور چائے کا انتظام کرو۔“

”مجھے نہیں پتہ تمہارے چائے، میں یہاں ضیافت پہ نہیں آئی سمجھے؟“ انہوں نے زور سے پھنکار کر کہا تھا، جہان نے ہونٹ بھیج کر پریش نظروں سے انہیں دیکھا تھا۔

”آپ اندر چل کر بیٹھیں میں پیاجان اور چاچو کو بلا کر لاتا ہوں، انہی کے سامنے بات ہوگی آپ سے۔“ اپنی بات مکمل کر کے وہ آگے بڑھا تو مسز آفریدی نے بھڑکیلے انداز میں اسے آواز دی تھی، لہجے سے طیش اور غیض کی لہریں اٹھ رہی تھیں، جہان کو ناچار رک کر ان کی جانب متوجہ ہونا پڑا۔

”ہنی کہاں ہے؟ اسے بلاؤ میرے پاس۔“ انہوں نے اسی حقارت آمیز لہجے میں گویا جہان کو آرڈر کیا تھا، اسی انداز نے جہان کا خون کھولا دیا تھا مگر اس نے اپنے جذبات کنٹرول سے باہر نہیں ہونے دیئے۔

”آپ چلیں، ڈالے بھی آرہی ہے وہیں۔“ مسز آفریدی نے کچھ دیر گھورتی پھنکارتی نگاہوں سے اسے دیکھا پھر ہیل کی ٹک ٹک بجاتیں ساڑھی کا پلو سنبھالتی خانف سی رجو کے ساتھ آگے بڑھ گئیں، جہان نے سیل فون نکال کر ڈالے کا نمبر ڈائل کیا تھا، اس نے پہلی ہی بیل پہ کال رسیو کر لی۔

”گھر سے باہر ہیں آپ شاہ؟“

”نہیں، ادھر ہی ہوں تم ڈرائیونگ روم میں آؤ ڈالے تمہاری می آئی ہوئی ہیں۔“ جہان نے مطلب کی بات کی تھی، دوسری جانب ڈالے کے ٹھنڈا سانس بھرنے کی آواز سنائی دی تھی۔

”میں نے انہیں بہت منع کیا تھا شاہ مگر وہ نہیں مانیں، اگر وہ آپ سے سخت بات کہیں تو پلیز مائیڈ نہیں کیجئے گا۔“ اس کے لہجے میں التجا در آئی تھی، جہان نے جواباً ٹھنڈا سانس بھرا تھا۔

”ڈونٹ یووری، تم آ جاؤ وہاں اوکے۔“ جی میں آرہی ہوں۔“ ڈالے نے تسلی سے نواز کر رابطہ منقطع کر دیا، اس دوران جہان پیانے کے کمرے کے دروازے تک پہنچ چکا تھا، سیل فون، جینز کی جیب میں اٹکا کر اس نے دروازے پہ مدھم مدھم دہکائی میں دستک دی تھی۔

”پیس کم آن۔“ پیانے کی بھاری مگر مصروف آواز بھری تھی، جہان نے آہستگی سے دروازہ دھکیلا پیانے کی ایزی چیئر پہ جمولتے کسی کتاب کے مطالعے میں مصروف تھے جبکہ ماما بیڈ پہ فاطمہ عدنان اور اسامہ کے ساتھ موجود تھیں فاطمہ کھلونوں کے ڈھیر میں گھری بیٹھی تھی، عدنان ماما کی گود میں تھا جبکہ اسامہ بستر پہ دھمکا چوڑی مچا رہا تھا۔

”ارے جہان بیٹے! آئیے سویٹ ہارٹ۔“ اس کے سلام کے جواب میں پیانے نے بہت خوشی دلی سے اٹھ کر اس کا خیر مقدم کیا تھا، جہان ان کی اس درجہ پذیرائی کے مظاہرے پہ ہمیشہ کی طرح خفیف سا ہو گیا، فاطمہ کی نگاہ اس پہ پڑی تھی تو کھلونے چھوڑ چھاڑ ہمک کر اس کی جانب لپکنے لگی، وہ جہان سے بے حد مانوس ہو چکی تھی، جہان نے آگے بڑھ کر اسے اٹھایا پھر اس کے ریشمی بالوں کو چوما تھا۔

”بیٹھو نا بیٹے! کھڑے کیوں ہو؟“ ماما سے مسکرا کر دیکھ رہی تھیں، نرمی سے ٹوک کر بولیں تو جہان نے سر کونٹھی میں جھپٹس دی تھی۔

”نہیں میں بیٹھنے نہیں بلکہ آپ کو اور چاچو کو بلانے آیا ہوں، چاچو مسز آفریدی آئی ہیں۔“

”اوہ..... خیریت؟“ پیانے فوراً الٹ ہوئے تھے اور کتاب بند کر دی۔

”گلتی تو نہیں ہے، ارادہ تو لڑائی کا ظاہر ہو رہا ہے۔“ جہان نے مسکراہٹ دبائی تھی۔

”دیکھ لیتے ہیں، آپ نے بھائی صاحب کو بتایا؟“ پیانے اسی وقت اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔

”نہیں، بتانے جا رہا ہوں، آپ چلیں وہاں۔“

”چلیں بیگم صاحبہ، ان لاڈلوں کو ان کے پیرنٹس کے حوالے کر کے آپ بھی آ جائیں۔“ پیانے اور جہان ایک ساتھ باہر آئے تھے، پیچھے تشویش زدہ سی ماما گود میں عدنان کو لئے اسامہ کی انگلی پکڑے ہوئے تھیں۔

”جہان بیٹے! وہ خاتون تو اچھی خاص گرم مزاج ہیں، مجھے تو ڈر لگ رہا ہے ہنگامہ ہی نہ کر دیں۔“ پیانے کا رخ ڈرائیونگ روم کی سمت تھا جیسی اس جانب مڑ گئے جبکہ ماما جہان کے ساتھ راہداری میں چل رہی تھیں، انداز میں پریشانی بھی تھی اور گھبراہٹ بھی، جیسے محسوس کر کے ہی جہان نے انہیں ایک بازو کے حصار میں لیا تھا۔

”مجھے ان سے پتہ آتا ہے جی جان، آپ قطعاً ٹینس نہ ہوں۔“

”مگر بیٹے وہ.....“ انہوں نے ہکلا کر بات ادھوری چھوڑ دی، ان کی رنگت متوقع لڑائی جھگڑے کے خیال سے ہی پہلی پڑتی جا رہی تھی، وہ بہت اسن پسند خاتون تھیں، ساری عمر جھٹائی کے اور نند کے ساتھ بہت اتفاق سلوک میں گزری تھی، جیسی ایسی صورتحال میں ان کی گھبراہٹ بہت نیچرل تھی۔

”آپ نہ آئیں ڈرائیونگ روم میں جی جان اور پلیز ریلیکس، ہم مجرم نہیں ہیں جو ڈریں۔“ جہان نے پھر اسی رسائیت آمیز نرمی سے انہیں تسلی دی۔

”نہیں میں چلتی ہوں آپ کے ساتھ پر نیاں..... پر نیاں بیٹے۔“ ممانے پہلے اسے جواب دیا تھا پھر پر نیاں کے بیڈروم کے آگے رک کر اسے آواز دی۔
”جی ممان۔“ وہ گلابی دوپٹہ سلیقے سے اوڑھتی باہر نکلی تھی۔

”عدن کو سنبھالو بیٹے اور فاطمہ کو جا کر اس کی ماں کو دے آؤ، جہان دو بیٹے فاطمہ کو بھی۔“ جہان نے فاطمہ کو گود سے اتارنا چاہا مگر وہ اس سے چمٹ گئی تھی اور بسور نے لگی، پر نیاں مسکرا دی۔
”یہ جہان بھائی کے پاس سے کم از کم میرے پاس نہیں آئے گی جائیں زینی کو دیں آئیں اسے بھائی۔“

”ہاں بیٹے زینب کو پکڑا کر پھر آپ آؤ وہاں، میں بلاتی ہوں بھائی صاحب اور بھابھی بیگم کو۔“ ممان نے بھی پر نیاں کی تائید کی تھی اور آگے بڑھ کر پاپا جان کے کمرے میں چلی گئیں۔

”خیریت بھائی؟ کہاں جمع ہو رہے ہیں سب لوگ؟“ جہان نے مختصر الفاظ میں تازہ صورتحال اس تک پہنچائی اور پلٹ کر زینب کے کمرے کی جانب آ گیا، وہ کھڑکی کے آگے کھڑی تھی ہاتھ میں سیل فون تھا، جو اسے دیکھتے ہی بے اختیار اس نے پشت پہ کیا تھا۔

”مسز آفریدی کے رویے پہ میں بہت شرمندہ ہوں زینب۔“ فاطمہ کو اس کے حوالے کرتے ہوئے جہان نے جوابات کہی تھی اس نے زینب کے ہونٹوں پہ زبردستی بھیر دیا تھا۔

”شرمندہ ہوتے آپ اس صورت اچھے لگتے ہیں بے صاحب اگر آپ خود نہ یہ کرتے ہوں، بہت اچھا ہوا کہ آپ کی طرح انہوں نے بھی میری اوقات یاد دلا دی، انہیں یہ ضرور بتائیے گا کہ میں نے کب کب کس انداز میں ڈورے ڈالے تھے، شاید ان کی وجہ سے ہی مجھے بھی پتہ چل جائے۔“ اس کی کرخت لہجے میں سرد پھنکاریں تھیں، جہان سخت عاجز ہو کر رہ گیا۔

”لوگوں کو عادت ہوتی ہے فضول میں ہانکنے کی، اب تم ہر کسی کی باتوں کو یونہی دل پہ لیتی پھر دو گی؟“
”لوگوں کو گولی ماریں صاحب، آپ کیا کہہ رہے تھے اس سے پہلے مجھے؟“ وہ یقیناً بہت ہرٹ ہوئی تھی جیسی صدمہ ابھی تک ہاتی تھا۔

”مائی گاڈ، زینی میں نے ایسی کوئی فضول بات نہیں کی تھی۔“ جہان نے سخت احتجاج کیا تھا۔
”یہ بحث کبھی ختم نہیں ہوگی، آپ جائیے آپ کی ساس صاحبہ منظر ہوں گی آپ کی۔“ زینب نے غصے میں آ کر پھر طنز کا تیر چلایا تھا، جہان نے مزید کوئی وضاحت مناسب نہیں سمجھی، زینب کے چہرے پہ جو تاثرات تھے وہ صاف صاف لفظوں میں کہتے تھے اسے جہان کی کسی بات کا بھی اعتبار نہیں، جبکہ اس کی خاموشی سے واپسی پہ زینب کے اندر ہوئی ٹوٹ پھوٹ میں یکنخت اضافہ ہو گیا۔

(آپ ہمیشہ یونہی مجھے ڈی گریڈ کرتے رہے ہیں بے اور یونہی کرتے رہیں گے۔) بے بسی اور سکی کے احساس کے تحت اس کے آنسو روانی سے بہتے چلے گئے تھے۔

☆☆☆

”مئی شاہ ہر جانی نہیں نہ دل پھینک، پلیز آپ ان کے لئے اتنے تھرڈ کلاس ریبار کس نہ کریں، میں نے آپ سے پہلے بھی کہا تھا کہ شاہ میرے ہر بیٹے ضرور ہیں مگر میری پر اپنی نہیں، یہ دوسری شادی جس کی میں نے خود اجازت دی انہیں اور بغیر کسی جبر کے دی ہے، کرنے کا وہ پورا حق محفوظ رکھتے ہیں۔“

”یہ حق کسی انسان نہیں اللہ نے دیا ہے انہیں، پھر آپ اسے کفر اور ظلم سے کیوں گردان رہی ہیں، میں آپ کو بتاؤں کفر اور ظلم دوسری تیسری یا چوتھی شادی کر کے مرد نہیں کرتا، عورتیں کرتی ہیں جو ایسی بات سنتے ہی فوراً فتویٰ صادر کر دیا کرتی ہیں کہ اس نے بہت ظلم کیا، مئی ایسا کہنے سے قبل وہ یہ کیوں بھول جاتی ہیں کہ اس کام کی اجازت اللہ نے مرد کو دے رکھی ہے اور جس کام کی اجازت اللہ نے دی اسے کرنے والا ظالم کیسے؟ دوسرے لفظوں میں ہم یہ کہتے ہیں کہ اللہ نے ظلم کی اجازت دی، اللہ ظالم ہے، نعوذ باللہ، اب یہ کفر نہیں ہے تو اور کیا ہے؟“

جہان اندر جس وقت داخل ہوا مسز آفریدی کے زبردست واویلے اور جھگڑے کے بعد ماحول میں کسی قدر سکون تھا، ڈالے کی ہی آواز گونج رہی تھی، جو یقیناً ان کے کسی اعتراض کے جواب میں وضاحت دیتی سمجھا رہی تھی، مسز آفریدی کے چہرے پہ دبا دبا غصہ ہنوز تھا، البتہ ممانیپا کے ساتھ دیگر اہل خانہ بہت مطمئن نظر آئے تھے۔

”میں مانتی ہوں بیٹے کہ مرد کو دوسری شادی کی اجازت ہے مگر کوئی وجہ بھی تو ہو، جیسے اولاد کا نہ ہونا وغیرہ۔“ مسز آفریدی بار مانے کو تیار نہیں تھیں، ایک اور نقطہ اعتراض اٹھایا۔

”اسلام میں بغیر کسی وجہ کے بھی دوسری تیسری اور چوتھی شادی کی اجازت ہے، اگر کوئی مرد دوسری شادی کر لیتا ہے تو ایسی کون سی قیامت آ جاتی ہے کہ ہر کوئی افسوس کرنے بیٹھ جاتا ہے، اگر کوئی مرد عیاشی کر رہا ہے تو اسے کوئی کچھ نہیں کہتا، لیکن اگر کوئی جائز طریقے سے عقد کر لے تو ظالم ہو جاتا ہے۔“ ڈالے کے لہجے میں واضح حتمی تھی، وہ بہت اچھے انداز میں جہان کے ساتھ یہاں کے ہر فرد کا دفاع کر رہی تھی، ممان تو نظروں ہی نظروں میں اس کے صدقے واری ہوئی جا رہی تھیں، ان کی بہو بھھدار ہے وہ جانتی تھیں مگر وہ اتنی دین کی بھی سمجھ رکھتی ہوں گی انہیں اندازہ ہی نہ تھا۔

”تم پاگل ہو گئی ہو ڈالے، ان لوگوں نے تم پہ تعویذوں کا اثر کر دیا ہے، کیا کہوں میں تمہیں سوائے اس کے؟“ وہ اتنا جھلائی تھیں کہ بھڑکے ہوئے انداز میں ہتی اٹھ کر کھڑی ہو گئیں۔

”تم جیسی ہی عورتیں ہوتی ہیں جو اپنا گھر خود برباد کرتی ہیں، میں جانتی ہوں ان لوگوں کی پڑھائی ہوئی پٹیاں ہیں یہ، سازش ہے ان لوگوں کی ہمارے خلاف، میں یہاں نہیں چھوڑوں گی تمہیں، ان کا کیا بھروسہ جیسے آج اپنے بیٹے کی شادی کی کل تمہیں راستے سے ہٹانے کو جان لے لیں تمہاری تم چلو میرے ساتھ۔“ انہوں نے خوبی نظروں سے جہان کو دیکھ کر کہا اور ڈالے کی کلانی تھام کر جھٹکے سے اٹھایا، ڈالے کا ایک پریشان نظر آنے لگی۔

”پلیز مئی چھوڑیں مجھے، پتہ نہیں کیسی باتیں کر رہی ہیں آپ۔“ ڈالے بری طرح سے شرمندہ ہو کر بولی تھی۔

”تم اب یہاں نہیں رہو گی ڈالے یہ میرا فیصلہ ہے، اسے اگر تمہیں اپنے ساتھ رکھنا ہے تو اپنی دوسری بیوی کو طلاق دینا ہوگی۔“ مسز آفریدی کے لہجے میں ہرگز کوئی گنجائش نہیں تھی جہاں سب شدید تناؤ کا شکار ہوئے جہان کا چہرہ سرخ ہو کر رہ گیا تھا۔

”مائیڈاٹ مسز آفریدی، آپ ہوتی کون ہیں میری زندگی کے فیصلے کرنے والی؟“ جہان کے لہجے میں سردی کیفیت اتر آئی تھی، اس کی آواز میں غراہٹ نمایاں تھی۔

”مئی پلیز، انف، آپ چلی جائیں یہاں سے۔“ ڈالے نے اپنا ہاتھ جھٹکے سے ان سے چھڑا لیا تھا، وہ ان کی بجائے جہان کو تشویش کی نگاہ سے دیکھ رہی تھی جس کے چہرے پہ نخوت اور درشتی کا تاثر ہر لحظہ گہرا ہوتا جا رہا تھا۔

”میں ہرگز بھی کسی فیصلے کو کرائے بغیر نہیں جاؤں گی، اگر چنانچہ اپنی دوسری بیوی کو طلاق نہیں دے گا تو پھر اسے تم سے قطع تعلقی اختیار کرنی ہوگی، یہ ابھی اسی وقت تمہیں طلاق دے گا۔“

”مئی.....!!!“ ڈالے نے چیخی ہوئی آواز میں چیخی تھی اور پہلی پڑتی رنگت کے ساتھ یوں نیچے بیٹھ گئی جیسے وجود سے خون کا آخری قطرہ بھی کسی نے چھوڑ لیا ہو، ماما اور ماما جان بدحواس ہو کر اس کی جانب لپکی تھیں اور اسے سنبھالنے کی سعی کی پریشانی ان کے چہروں سے ہویدا تھی، لیکن مسز آفریدی نے بہت تفریح بھرے انداز میں انہیں ڈالے سے دور دھکیل کر ایک طرح سے اسے اپنی گرفت میں جکڑ لیا تھا۔

”خبردار کوئی نزدیک نہیں آئے گا میری بیٹی کے، میں اچھی طرح سے جانتی ہوں جتنی آپ لوگوں کو اس سے ہمدردی اور پیار ہے۔“ وہ پھنکار پھنکار کر کہہ رہی تھیں، ممانخت زدہ جبکہ ماما جان کو ڈالے کی طرف سے تشویش ہونے لگی تھی، جو ہڈی حال اور نیم جان سی نظر آ رہی تھی، اس صورتحال نے جہان کے ضبط کا پیمانہ لبریز کر دیا تھا، اس نے ایک جھٹکے سے ڈالے کو ان کی گرفت سے نکال لیا تھا اور انہیں سرد نظروں سے دیکھتا ہوا ٹھنڈے ٹھار لہجے میں بولا تھا۔

”آپ نے جو کہنا تھا کہہ چکیں اور ہم نے جتنا برداشت کرنا تھا کر لیا، اس سے زیادہ کی نہ منجائش ہے نہ میں آپ کو اجازت دوں گا، یہ آپ کی بیٹی میری بیوی ہے، یہ فیصلہ بھی اسی کا ہوگا کہ یہ آپ کے ساتھ جائے گی یا یہاں ہمارے ساتھ رہے گی، بتاؤ ڈالے کیا چاہتی ہو تم؟“ جہان نے خوفزدہ اور مضطرب نظر آتی ڈالے کو تھام کر صوفے پہ ماما کے پاس بٹھا دیا تھا، انہوں نے اسی کا سراپے کا ندھے سے لگا لیا۔

”میں مئی کے ساتھ نہیں جاؤں گی شاہ پلیز مجھے یہاں رہنا ہے آپ کے ساتھ۔“ وہ اتنی سی بات کہتے رو پڑی تھی، جہان نے طنز یہ نگاہوں سے مسز آفریدی کو دیکھا جن کا چہرہ اذہواں اور رنگت پھیلکی پڑ گئی تھی۔

”سن لیا آپ نے؟ میرا خیال ہے آپ کی تسلی ہو جانی چاہیے۔“ جہان کے لہجے میں گہری کاٹ تھی۔

”ایک بات یاد رکھنا ڈالے میں تمہاری ماں ہوں اور ماں اولاد کی کبھی دشمن نہیں ہو سکتی، تم نے ان خود غرض لوگوں کو مجھ پہ ترجیح دے کر میری انسلٹ کی ہے گویا اور مسز آفریدی کی توہین کرنے والا ہمیشہ نقصان اٹھاتا ہے، ابھی بھی وقت ہے سوچ لو، فیصلہ کر لو، اگر تمہاری ترجیح تمہارا شوہر ہی ہے تو پھر تمہیں مجھ سے دستبردار ہونا پڑے گا۔“ مسز آفریدی کا لہجہ دونوک اور سفاک تھا، ڈالے کے چہرے پہ ایک رنگ آ کر گزر گیا۔

”شاہ کے مقابلے میں میرے سامنے ساری دنیا بھی چھوٹ رہی ہونا مئی تو میں ساری دنیا کو چھوڑ دوں گی۔“ ڈالے اس دھمکی کے جواب میں ضبط کھو کر چیخ پڑی تھی، مسز آفریدی کے تابوت میں گویا آخری کیل ٹھونکی تھی، وہ اپنا سیل فون جھپٹ کر بیگ اٹھا میں کا ندھے سے سرکتے ساڑھی کے پلو کو درست

کرتیں طیش بھرے انداز میں اٹھی تھیں، جب پپانے بڑے حلیمانہ انداز میں انہیں مخاطب کیا تھا۔

”کام ڈاؤن مسز آفریدی! آپ بہن ہیں ہماری، اس طرح سے خفا ہو کر نہ جائیے، دیکھئے نکاح شادی اور طلاق بچوں کے کھیل نہیں ہیں، آپ کو بردباری اور تحمل سے معاملہ سمجھنا چاہیے پلیز۔“ مسز آفریدی لہجہ بھر کورکیں، پھر تند نظروں سے انہیں پلٹ کر دیکھا تھا۔

”آپ لوگ اپنی سی کر چکے ہیں، احسان صاحب، اب میری باری ہے، یاد رکھیے میں معاف نہیں کیا کرتی اپنے مقابل گردن تان کر کھڑے ہونے والوں کو، میری بیٹی کو آپ نے ایسے ورغلا یا کہ اس نے آنکھیں ہی پھیر لی مجھ سے، میں معاف کر دوں گی ایسا کرنے والوں کو، ہرگز نہیں، ایک ہی بیٹی ہے یہ میری گویا میری کل متاع، آپ لوگوں نے وہی اتھیلی، مجھے دو کوڑی کا کر کے رکھ دیا، اب میں چین سے نہیں بیٹھ جاؤں گی اونہہ۔“ ان کے لہجے میں تعجبیک بھی تھی حقارت اور طیش تھی، جہان نے قطعاً ان کی تقریر کا اثر نہیں لیا تھا البتہ ماما جان اور ماما ضرور خائف نظر آنے لگیں۔

”خدا خواستہ کیا کریں گی یہ محترمہ؟“ ممانے دہل کر پپا کو دیکھا تھا، پپا رواداری سے مسکرا دیئے۔

”کم آن بیگم صاحبہ، آپ نے وہ کہاوت نہیں سنی جو گرجتے ہیں وہ برستے نہیں۔“ جہان نے ڈالے کو دیکھا اس کے چہرے پہ بھی تشویش تھی، خود جہان بھی کسی قدر بے چین نظر آنے لگا تھا، مسز آفریدی کر کرپشن اور غنڈا گردی کا مظاہرہ وہ بھی ملاحظہ کر چکا تھا، یہ تو اس کی قسمت اچھی تھی کہ اس بازی میں ڈالے آفریدی اس کے ہاتھ لگ گئی تھی تو ہر زخم کا ازالہ ہو گیا تھا۔

”پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے ڈالے، تمہیں پتہ ہے نا ڈاکٹر نے ٹینشن فری رینے کی خصوصی تاکید کی ہے تمہیں۔“ جہان ڈالے کو اس کے کمرے میں چھوڑنے آیا تو اسے گم صم اور متفکر پا کر نرمی سے کہا تھا۔

”آپ مئی کو جانتے نہیں ہیں شاہ، میرا پریشان ہونا یونہی نہیں ہے، اب تو مجھ سے بھی سخت خفا ہیں، میری بھی نہیں سنیں گی۔“ وہ جیسے روکھی ہو کر بولی تھیں۔

”کچھ نہیں ہو گا یار، ایویس کیوں ٹینشن لے رہی ہو؟“ گو کہ جہان خود بھی متفکر تھا مگر وہ اسے ریلیکس کرنا چاہتا تھا۔

”آپ تمہی یہ بات کہہ رہے ہیں؟ جبکہ پتہ ہے وہ آپ کے ساتھ بھی کیا کر چکی ہیں۔“ ڈالے نے اس بل اس سے ہی نہیں جیسے خود سے بھی نظریں جرائی تھیں، جہان ایک دم سے ہنس پڑا۔

”مجھے اس بات کی ہرگز بھی کوئی کک نہیں ہے، بلکہ مجھے ان کا شکر گزار ہونا چاہیے، ان کی اس سازش کی وجہ سے ہی مجھے اتنی اچھی بیوی مل گئی تھی۔“ جہان کی بات پہ ڈالے جھینپ سی گئی تھی، پھر جیسے ہی کلاک پہ نظر پڑی چونک کر رہ گئی۔

”رات بہت ہو گئی ہے شاہ، آپ اب بھی جاؤ گے؟“

”آپ کی والدہ محترمہ نے آ کر سارا پروگرام چوہٹ کر دیا، اب دیکھتا ہوں کب جانا ہے۔“ جہان کی وضاحت پہ ڈالے جیسے ریلیکس ہوئی تھی۔

”تو پھر اب آپ جا کے آرام کریں، زینب آپی بھی ویٹ کر رہی ہوں گی۔“ ڈالے کے کہنے پہ جہان نے ٹھنڈا سانس بھر لیا تھا۔

(کاش ایسا ہوتا، کاش وہ میرا انتظار ہی کر لیتی، محبت تو ایک طرف رہی۔)
 ”ہاں جا رہا ہوں، تم دو الے چکی ہو؟“ جہان نے سوالیہ نگاہوں سے اسے دیکھا، ڈالے مسکرا دی۔
 ”جی لے چکی ہوں۔“ اسے جہان کا یوں توجہ دینا خیال رکھنا ہمیشہ سرشار کر دیا کرتا تھا۔
 ”آپ کی والدہ ماجدہ غصہ میں گئی ہیں غصہ اتر جائے تو انہیں مناجتیں پڑھنے کا ڈالے، آف کورس شوہر کیساتھ ماں کے بھی حقوق ہوتے ہیں۔“

”جی لیکن، شادی شدہ مرد کے لئے ماں کے حقوق بہت اہم ہیں، شادی شدہ لڑکی کے لئے اس کے والدین سے کہیں زیادہ اس کے شوہر کے احکامات کی تعمیل ضروری ہے۔“ ڈالے نے شریر انداز میں کہہ کر اسے دیکھا تھا، جہان نے مسکرا کر اس کا گال تھپکا تھا۔
 ”میری جان آپ اپنے عمل سے یہ بات ثابت کر چکی ہیں، تھینکس مائی لیڈی۔“
 ”میں نے اپنا فرض ادا کیا ہے شاہ، آپ پہ ہرگز احسان نہیں کیا۔“ اس کا لہجہ نرم اور محبت آمیز تھا۔
 ”مجھے تم پہ فخر ہے ڈالے، تم میرے لئے خدا کا تحفہ ثابت ہوئی ہو۔“ جہان نے جواباً پوری صداقت سے اعتراف کیا تھا، ڈالے کے چہرے پہ آسودگی سے بھرپور مسکراہٹ بکھر گئی تھی۔

☆☆☆

”کوئی ضروری ہے آج آپ کا آفس جانا؟“ جہان ہاتھ لے کر باہر نکلا تو زینب بہت بے دلی سے اس کی شرٹ پر ٹیس کر رہی تھی، اس بات پہ جہان نے کچھ الجھن آمیز نگاہوں سے اسے دیکھتے تو لیہ گلے سے نکال کر بیڈ پہ پھینکا اور جھک کر سوئی ہوئی فاطمہ کو پیار کرنے لگا۔
 ”کیا پوچھا ہے میں نے؟“ زینب کو اپنا سوال انگور ہونا غصہ دلا گیا تھا، بلیک پینٹ پہ سفید شرٹ پہنے اس کا مضبوط کسرتی وجود کتنا نمایاں اور خاص تھا، زینب کو اب اکثر اسے اس طرح دیکھنا بھی اچھا لگنے لگا تھا۔
 ”اگر ضروری نہ ہوتا تو میں کیوں جاتا آفس، مجھے تو سوال ہی بے معنی لگا ہے تمہارا۔“ جہان نے اسے دیکھ کر نخوت سے جواب دیا تھا، زینب نے ہونٹ بھیج لئے تھے اور اس کی شرٹ بستر پہ پھینک کر رخ پھیر لیا۔

(یہ آدمی ساری زندگی یونہی میری جان جلائے گا پتہ ہے مجھے۔) اسے غصہ نہیں رونا آنے لگا تھا۔
 ”خفا ہو گئی ہو۔“ جہان نے پیچھے سے آکر اس کے کاندھے پہ ہاتھ رکھا جسے اس نے فوری جھٹک دیا۔

”آپ کو پرواہ ہے اس کی؟“ وہ تڑخ کر بولی تھی۔
 ”پرواہ نہ ہوتی تو یہ سوال کیوں کرتا، احمق لڑکی تم اتنی بڑی ہو گئی ہو مگر بہت ساری باتیں ابھی بھی سمجھانا پڑتی ہیں تمہیں۔“ مسکراہٹ ضبط کیے وہ بہت شریر انداز میں کہہ رہا تھا۔
 ”اگ بات مانیں گے؟“ زینب نے اس کے ہاتھ ہٹا کر خود اس کی شرٹ کے بٹن بند کرنے شروع کیے، جہان تو انداز در بانی کے اس مظاہرے پہ بے ہوش ہوتے بچا تھا۔
 ”یہ تو بات کی نوعیت پہ ڈپینڈ کرتا ہے خیر کہو تم۔“ وہ سنجیدہ ہو گیا تھا تو دھیان یہی تھا وہ وہی فضول بات کرنے والی تھی۔

”آج آفس نہ جائیں۔“ انوکھا مطالبہ ہوا تھا، جس نے جہان کو حیرت کے سمندر میں دھکیل دیا۔
 ”تمہیں کوئی کام ہے مجھ سے؟“ وہ لے دے کے یہی سمجھ سکا تھا۔
 ”یہی سمجھ لیں۔“ زینب نے بے نیازی برتی، وہ بٹن بند کر چکی تھی، اب اس کا کارڈ درست کر کے ٹائی کی گرہ لگانے میں مصروف تھی، جہان نے اس کا وہی ہاتھ پکڑ لیا تب زینب نے اسے دیکھا تھا۔
 ”میں کیسے سمجھ لوں، تم سمجھاؤ مجھے کیوں روکنا چاہ رہی ہو؟“
 ”آپ رگ جائیں گے میرے لئے؟“ زینب نے اسے جھانچتی پرکھتی نظروں سے دیکھنا شروع کیا۔

”یہ تو روکنے والے پہ ہے، کیسا وہ روک سکتا ہے؟ اس کے لئے کچھ ماننے کچھ منوانے کا حوصلہ ہونا ضروری ہے۔“ جہان کی بات پہ زینب نے سرد آہ بھری تھی۔
 ”پھر تو رہنے ہی دیں، آپ نے اب تک کتنی باتیں مانی ہیں میری۔“ اس کا لہجہ طنزیہ تھا، جہان آہستگی سے مسکرایا۔
 ”تمہاری وہ بات ماننے والی ہی نہیں تھی، اب تم کہو میں مانوں گا، بولو تو سہی۔“
 ”بنا کیے کیسے وعدہ کر رہے ہیں، اگر میں نے وہی والی بات کہہ دی تو.....؟“ زینب کے لہجے میں تپش در آئی تھی، جہان نے گہرا سانس کھینچا اور اس کا ہاتھ چھوڑ کر پیچھے ہٹ گیا۔
 ”اس کے متعلق میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ نہیں مان سکتا، بار بار ایک بات کرنا مجھے پسند نہیں۔“ وہ سنجیدہ ہو چکا تھا، زینب ہونٹ پکچتی رہی۔

”اگر میں کوئی وجہ نہ بتاؤں تو آپ میری بات نہیں مانیں گے؟“ کچھ توقف سے زینب نے پھر اسے مخاطب کیا، اس کے لہجے میں عجیب سی آج تھی۔
 ”یار کیا ہو گیا ہے کیوں امیج خراب کرنے کے درپے ہو، آفس میرے نہیں آپ کے والد گرامی کا ہے، وہ نہیں جانتے کہ آج میں آپ کے ساتھ ہوں، ددیویاں والا بندہ چاہے جتنی بھی خشک زندگی گزار رہا ہو، ہر انسان اسے ہمیشہ مشکوک نظر سے ہی دیکھے گا کہ لازمی رد میں کا معاملہ ہوگا۔“ اس کا لہجہ شرارتی اور شوخ تھا، زینب خفت زدہ سی ہو کر رہ گئی۔
 ”اوکے..... جائیں آپ، مجھے کہنا ہی نہیں چاہیے تھا۔“ وہ جھلا کر کہتی باہر نکل گئی تھی، جہان شپٹا کر اس کے پیچھے بھاگا آیا تھا۔
 ”زینب سنو تو.....“

”خفا ہو گئی ہے؟“ زیاد نے اپنے کمرے سے نکل کر اس کے ہمراہ چلتے ہوئے مسکراہٹ دہائی، جہان ٹھنڈا سانس بھر کے رہ گیا۔
 ”باس..... باس..... بہت مہربانی اس گائیڈ لائن کی۔“ اس کا لہجہ ایسا تھا کہ زیاد شرمندہ ہو کر رہ گیا۔
 ”اونہہ..... بھلائی کا تو دور ہی نہیں رہا، میں واقعی آپ کی ہیلپ کر رہا تھا اور نہایت سنجیدہ بھی تھا۔“
 زیاد بسور کر کہہ رہا تھا۔
 ”اگر تم اتنے ہی سنجیدہ اپنی شادی کے لئے ہو جاتے تو نوریہ کب کی اس گھر میں آچکی ہوتی

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی ویب سائٹ

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

خاص کیوں ہیں :-

- ✧ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✧ ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ✧ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ✧ سیریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- ✧ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریخ
- ✧ ایڈفری لنکس، لنکس کو میسے کمانے کے لئے شریک نہیں کیا جاتا
- ✧ ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور ریڈیو ایبل لنک
- ✧ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پر ویو ہر پوسٹ کے ساتھ
- ✧ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ✧ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریخ
- ✧ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ✧ ویب سائٹ کی آسان براؤسنگ
- ✧ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

← ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

← ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library for Pakistan

Like us on Facebook

fb.com/paksociety



twitter.com/paksociety1

اور.....

”اور میرے دو تین نہیں تو ایک بچہ تو ضرور اس دنیا میں آچکا ہوتا مگر..... یہ نہیں ہوا تو اس میں بھی آپ جیسے ظالم اور بے حس سفاک بھائیوں کا قصور ہے، خاص طور پہ آپ کا، جہاں بھائی کیا چلا جاتا اگر جو آپ پیا کو.....“

”یا ر معاف کر دو، اب ضرور تمہاری سفارش کر دوں گا، اطمینان رکھو۔“

”خدا آپ کو بھاگ لگائے، مولا خوش رکھے۔“ زیادہ دانت نکال کر دعائیں دینے لگا، وہ یونہی ہنستے مسکراتے ڈائینگ ہال میں آئے تھے، جہاں حسب معمول اس وقت خاصی رونق ہو رہی تھی۔

”میری گاڑی کل تم لے کر گئے تھے نا زیادہ؟“ معاذ نے اسے اندر آتے ہی دیکھ کر آڑے ہاتھوں لیا تھا۔

”کیا ہو گیا ہے لالے، چرا کر تو نہیں لے گیا کہیں، واپس لا کر اسی دیانت داری سے کھڑی کی ہے پور نیکی میں۔“ وہ اس کی کڑی نظروں کے جواب میں اسی ڈھٹائی سے بولا تھا۔

”ہاں اتنی دیانت داری سے کہ اس کے پچھلے دونوں ٹائر پتھر ہو گئے ہیں، اب میں تمہاری وہ پھنچر بائیک لے کر جاؤں گا، سارا امیج خراب ہو کر رہ جائے گا کالج میں۔“ وہ پھنکار رہا تھا، زیادہ دانت کان لپیٹ لئے۔

”مما دیکھ رہی ہیں اس کو؟ پتہ بھی ہے میں اتالیٹ ہو رہا ہوں اگر ورکشاپ گیا تو مطلب مزید لیٹ۔“

”ہاں تو کمرے سے جلدی نکل آیا کریں، مسئلے مسائل سے آگاہی رہتی ہے، مگر آپ تو مجنوں کے جانشین ہیں گویا۔“ زیادہ کلس کر بولا تھا، معاذ چمک اٹھا۔

”ہاں اصل جیلسی ہی تمہیں یہی ہے۔“

”ہاں تو ہے، اب کیا جلون بھی نہ میں، بس ایک صرف میری ہی شادی نہیں ہو رہی۔“

”افوہ معاذ تم میری گاڑی لے جاؤ، اس سے کیوں لڑے جا رہے ہو۔“

”تھیں لنکس ہے، لاؤ چابی دو۔“ معاذ نے بھی اسی وقت بحث ختم کر دی تھی، جہاں سے چابی لے کر وہ اسی وقت اٹھ کھڑا ہوا۔

”پری جان آج تم وہ پریل والا سوٹ پہننا اور ساتھ میں پرل کاسیٹ او کے شام کو باہر چلیں گے۔“ وہ یونہی ہانک لگاتا ہوا بار نکل گیا، گاڑی میں بیٹھ کر وہ کالج کے راستوں پہ رواں دواں تھا تو اسے اندازہ تک نہیں تھا اس گاڑی کے کب سے منتظر وہ دو آدمی اسے فالو کر رہے ہیں، پھر ایک خاص مقام پہ انہوں نے اپنی کارروائی مکمل کی تھی، معاذ کو بے ہوشی کی دوا میں ڈوبار دمال سے ہوش و خرد سے بیگانہ کر کے اس

بٹے کئے آدمی نے اس کی گاڑی سے اپنی میں منتقل کیا تھا، جہاں کی گاڑی وہیں کھڑی رہ گئی تھی، کراچی جیسے شہر میں ایسے واقعات اتنے عام تھے کہ جن کسی نے دیکھا بھی جیسے دیکھ کر بھی نظر انداز کر دیا۔

(جاری ہے)

نئی دہلی کی لائبریری کی ایگزیکٹو اولڈ بکس سینٹر
صدر بازار برکی پور، لاہور
جلد ساز



فرخ آفریدی جہنم زدہ ہو

امہریم

چھٹیویں قسط کا خلاصہ

مسز آفریدی کو جہان کے نکاح کی خبر مشتعل کر دیتی ہے، شاہ ہاؤس میں آکر وہ اچھا خاصا
واویلا مچا کر ڈالے کو ساتھ لے جانے پہ مصر ہوتی ہیں، مگر ڈالے ان کی بجائے جہان کی طرف
داری کر کے اپنی محبت اور وفا کا ثبوت فراہم کر لی ہے۔
آفس جاتے ہوئے معاذ کو نامعلوم افراد اغوا کر لیتے ہیں، یہ خبر پر نیاں کے ساتھ شاہ ہاؤس
کے مینیوں پر بنگلی بن کر گرنے والی ہے۔

اب آپ آگے پڑھیے

سینٹیویں قسط



”تم نے روکا تھا مجھے، خمیازہ تو بھگتتا پڑے گا، ادھر میرے پاس تو آؤ ڈرا۔“ وہ اٹھ کر بیڈ پہ جا بیٹھا، اب اسے بلا رہا تھا، مقصد واضح تھا، زینب کی تو جیسے جان پہ بن آئی۔

وہ فطری طور پہ حجاب کے حصار میں گھر گئی، ساری طراری جیسے لمحوں میں ہوا ہوئی تھی، جہان کی نگاہوں میں اتنی چمک اور بھر پور تاثیر تھا کہ زینب نے گھبرا کر نگاہیں جھکا دیں۔

”مم..... میں نے آپ کو اپنے نہیں ڈالے کے لئے روکا تھا، سمجھ آئی آپ کو؟ اس کے پاس جائے، کل رات جو کچھ ہوا، اس کے بعد کتنی اب سیٹ ہے وہ، اندازہ تو ہوگا آپ کو۔“ اب کے وہ بولی تو اس کا لہجہ دبا ہوا ہی نہیں کترایا ہوا بھی تھا، اس کے رومینک موڈ سے جان چھڑانے کا اسے اس سے بہتر حل نظر نہیں آیا تھا، اسے متشہم نظروں سے دیکھتا جہان گہرا سانس بھر کے رہ گیا۔

”یار! کتنی سوتیں ہو تم دونوں؟ ایک دوسرے کا اتنا خیال..... اور میری پرواہ کسی کو بھی نہیں۔“ آنکھوں میں ہلکا سا شکوہ بھی تھا اور ناراضگی بھی، زینب نے دانستہ اسے نہیں دیکھا۔

”بے فکر رہیں، ڈالے کو آپ کی بہت پرواہ ہے۔“ اب کے اس کا لہجہ و انداز کسی حد تک طنز آمیز تھا، جہان آنکھوں میں خشکی سمونے اسے دیکھتا رہا۔

”مگر میں تم سے بھی ایسا ہی اظہار چاہتا ہوں زینبی! اور میں سمجھتا ہوں یہ میرا حق ہے۔“ بکیہ بازوں میں دبوچے وہ قدرے ترچھا ہو کر بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے اب پوری طرح اس کی جانب متوجہ تھا، زینب پہ اس قدر بے گانگی رکھائی اور جھنجھلاہٹ سوار ہونے لگی۔

”ڈالے کو آپ سے محبت اس لئے ہے، کہ آپ اس سے محبت کرتے ہیں، مجھ سے کس حساب میں کر رہے ہیں یہ تقاضا.....؟“

اس حد تک بدگمان اور بد مزہ اور ہی تھی وہ کہ آنکھیں نکال کر جہان کو گھورنے لگی، جہان نے جواباً گہرا سانس کھینچا تھا اور بکیہ بازوں سے نکال کر سائیڈ پر ڈال دیا، پھر نچلا ہونٹ دبا کر ذومعنی متشہم نظروں سے اسے بہت غور سے دھیان سے دیکھتے ہوئے کبھی تر لہجے میں گویا ہوا تھا۔

”اگر ایسی بات ہے تو پھر تمہیں مجھے ڈالے سے دس گناہ بڑھ کر اہمیت و محبت سے نوازنا چاہیے کہ میں تمہیں.....“

”مجھ سے غلط بیانی مت کیا کریں بے! سخت نفرت ہے مجھے جھوٹ سے.....“ اس کی بات کاٹ کر اگر وہ چلائی تھی تو اس کی وجہ خود اپنے اندر کی کمزوری تھی، جہان کا آج دیتا لہجہ محبت سے لبریز نرم گرم انداز اس کی آواز کے بھاری پن میں کچھ ایسا تھا کہ اس کی دھڑکنیں بے ترتیب ہونے لگی تھیں، محل حواسوں پہ قابو پانے کی کوشش میں اس کی آواز لرز اٹھی تھی، جہان کی قربتیں اسے خائف ہی نہیں کمزور بھی کر رہی تھیں، ہر مصلحت ہر خوف سے دامن چھڑا کر اس مہربان ساتھی کے سینے میں خود کو سمودینے پہ اکسار ہی تھیں، وہ ایسا کر لینا چاہتی تھی، مگر تیور کا خوف شدید خوف اس کی اذیت بھری بے بسی کا سب سے بڑا باعث تھا، وہ یہ سب کرنے پہ کس حد تک مجبور تھی، اتنی کہ اس کا دل رو رہا تھا، سسک سسک کر بے حال تھا، دوسری جانب جہان تھا جو ایک بار پھر اس کے رویوں کی بد صورتی کی آج سے جھلس رہا تھا، ہونٹ پیچھے سرخ ہوتے چہرے و آنکھوں کے ساتھ بے حد خاموش نظر آنے لگا تھا۔

حسین رت میں گلاب چہرے ہمیں بتاؤ اداس کیوں ہو؟

دلوں پہ ہتی ہوئی کہانی مجھے بتاؤ اداس کیوں ہو؟

جو رنجشیں دل میں پل رہی ہیں منافقت میں جو ڈھل رہی ہیں بھلا کے شکوے مٹا کے دوری

گلے لگاؤ اداس کیوں ہو؟ کتاب دل کے ہر اک صفحے پر لکھا ہے ہم نے لفظ محبت ہمیں ہماری وفا کے بدلے

سزا سناؤ اداس کیوں ہو؟ فریب کھانا بھی مشغلہ ہے فریب دینا بھی مشغلہ ہے

تو دل کے لٹنے پہ کیسا ماتم خوشی مناؤ اداس کیوں ہو؟

جہان نے نظم مکمل کی پھر اسے دیکھا تھا، اس کا سر اس طرح جھکا ہوا تھا اور چہرے کی یاسیت چھپائے نہیں چھپتی تھی، انفرادی کا سوز کا یہ تاثر اسے مزید دلنشین بنا کر دکھلا رہا تھا، جہان کی نگاہ اس کے چہرے پہ اٹکنے لگی۔

”کیا بوریٹ ہے یارا تمہارے کہنے پر آنس نہیں گیا، تمہارا موڈ پھر بھی خراب ہے۔“ وہ ناچاہتے ہوئے بھی جھنجھلانے لگا، زینب نے پلکیں اٹھا کر سنجیدہ سی نگاہ اس پر ڈالی۔

”میری وجہ سے نہیں، آپ گاڑی کی وجہ سے نہیں گئے۔“ اس نے جھٹلانا ضروری سمجھا، خوشنما آنکھوں سے برہمی مترشح تھی۔

”گاڑی کا تاثر محض پتھر تھا، میں اسے سروس کر سکتا تھا، میں صرف تمہاری وجہ سے رکا ہوا ہوں اوکے؟“ اس کی صبح پیشانی پہ انگشت شہادت سے ٹھوکا لگا کر وہ بھی جواباً جھٹلانے سے باز نہیں آیا، انداز حسنی تھا، زینب فطری طور پہ خفیف ہوئی تھی، البتہ اظہار ضروری نہیں سمجھا۔

”بہت شکر یہ اس نوازش کا۔“ زینب نے بے نیازی کا تاثر دیتے اٹھ کر وہاں سے جانا چاہا تھا کہ جہان نے نخوت کے اس اعلیٰ مظاہر سے پہ قدرے غصے میں آتے اس کی کلائی پکڑ کر جھٹکا دیا، نتیجے میں وہ اس کے اوپر گرتے پچی تھی بھی تو اس کے ہی کا ندھے کو دبوچ کر، دوسرا ہاتھ اس کے سینے پہ جما ہوا تھا۔

”یہ کیا بد تمیزی ہے بے!“ اس کے اوسان و اقلی خطا ہو گئے تھے، صرف جھنجھلاہٹ نہیں تھی، اس کی قربت کے سحر نے بھی اثر دکھاتے اسے بوکھلا ڈالا تھا، گال تپتے تپتے سے تھے۔

”میں نہیں یہ چاہتا زینب! کہ ہمارا تعلق ہمیشہ ایسا ہی رہے، میں اسے بہتر اور خوشگوار بنانے کا متمنی ہوں۔“

کچھ تاخیر سے وہ بولا تو اس کی آواز میں اندر ہونے والی ٹوٹ پھوٹ کا ہلکا سا ہی تاثر چھلک سکا تھا، بلاشبہ اسے ہمیشہ خود پہ اپنے جذبات پہ بہت کنٹرول رہا تھا، مگر اس میں بھی کوئی شک و شبہ نہیں تھا کہ زینب کے معاملے میں وہ اپنے دل کے ہاتھوں ہمیشہ بے بس لاچار اور مضطرب ہی رہا تھا، زینب نے بہت حنفی آمیز جھنجھلاہٹ میں جتلا ہو کر اسے دیکھا۔

”اس کا مطلب یہ بھی نہیں ہونا چاہیے سب سے کہ آپ مجھ سے جھوٹ بولنے لگ جائیں۔“ وہ بے حد شاک کی ہو کر کہہ گئی، اس کے انداز میں بہت واضح صدمہ اور تاسف بیک وقت در آیا تھا اور جہان پہلی بار اس کی کیفیت سمجھنے کی بجائے جذبات کی رو میں پہنچنے لگا، محبت سے لبریز احساسات سے مہلکا دل اس درجہ بدگمانی یا لاعلمی پہ ایک دم سے ویران ہوا، آنکھوں کی جوت بجھ گئی، اسے لگا وہ آج بھی وہی ہٹ دھرم ضدی نخوت سے بھری ہوئی زینب ہے، جسے اس کی پرواہ ہے نہ اس کے جذبات کی بس جس اپنی انا عزیز ہے، وہ آج بھی اس سے اتنی ہی غافل اتنی ہی لائق اور بے نیاز ہے، وہ دکھ اور اذیت سے دوچار ہی نہیں ہوا، بری طرح سے تپا بھی اور شدید ترین جھنجھلاہٹ کا بھی شکار ہو گیا۔

”اچھا تو تمہیں لگتا ہے میں جھوٹ بول رہا ہوں؟“ وہ برہم سا پھینکا۔

”مجھے یقین دلانے کو، محبت کا ثبوت پیش کرنے کو تمہارے سامنے جذباتی اور تھرڈ کلاس عاشقوں کی طرح اپنی دین کا ٹنی پڑے گی؟ یا دریا میں چھلانگ لگا کر تمہیں یقین دلاؤں کہ آگ میں کودوں بتاؤ۔“

وہ اس قدر جھلایا تھا کہ شاید غصے میں آ کر بولتا گیا، زینب آنکھوں میں آنسو لئے خاموشی سے اس کی جھنجھلاہٹ اور شدید ترین حنفی ملاحظہ کرتی رہی، پھر اس درشتی و جلی کا سارا زہر اندر اتار کر بولی تو گلگام سے بھرا رہا تھا۔

”کچھ نہیں کرنا ہوگا، میں اچھی طرح جانتی ہوں کہ آپ میں اتنی ایبلیٹی نہیں ہے کہ میرے لئے کچھ کر سکیں آف کورس میں ڈالے نہیں ہوں، جسے آپ نے جتنوں سے حاصل کیا ہے، میں تو زینب ہوں، زینب، جس سے قسمت نے ایک بار آپ کی جان چھڑائی تو دوسری بار پھر نصیب کی گردش نے اسے آپ کے دامن میں زبردستی ڈال دیا، کاش اس وقت میں نے خودکشی ہی کر لی ہوتی جب میری کوئی سن رہا تھا نہ مان رہا تھا تو آج اس درجہ اذیت و سبکی کا شکار تو نہ ہوتی میں۔“ ہاتھوں میں چہرہ ڈھانپ کر وہ اتنی بے قراری سے اتنی شدتوں سے روئی کہ جہان تو سششدر بیٹھا رہ گیا، زنج و تاسف ملاں اضطراب، گنتے احساسات تھے جو اسے جکڑ چکے تھے مگر مانہ کیفیت کے ہمراہ، آنکھوں میں عجیب سی در ماندگی اتر آئی۔

(تم نے بالکل ٹھیک کہا ہے زینب! مجھ میں ہی اتنی ایبلیٹی نہیں کہ کچھ کر سکوں، پہلے کی بات تو اور تھی، میں تو اب بھی تم پہ پورا استحقاق رکھتے ہوئے تمہیں اپنی محبت کی شدت سے اس کی گہرائی تک بتانے سے جتلانے سے قاصر رہا ہوں، اس سے بڑھ کر اور بے بسی کیا ہو سکتی ہے، اس سے

بڑھ کر اور ناکامی کیا ہو سکتی ہے)۔ اس کی آنکھیں بے تحاشا سرخ ہو رہی تھیں، وجود میں بے نام ٹھکن اتر رہی تھی، زینب کو روتے دیکھنا اس کے لئے ہمیشہ اعصاب شکن مراحل رہا تھا، اس کے آنسو ہمیشہ اس کمزور کرتے آئے تھے، وہ کبھی اسے اس انداز میں ڈھارس نہیں دے سکتا تھا جسے خواہش رکھتا تھا، وہ اب بھی اسے چب نہیں کر سکا، یہاں تک کہ زینب رو کر ڈھال ہوئی اور خود ہی چپ بھی کر گئی، ہاتھ سے رگڑ کر آنکھوں سے پھسلتی کی صاف کرتے اس نے کتنی دھکی کتنی شاکی نظروں سے جہان کے گم صم ساکن انداز کو دیکھا جو اسے غافل اور بے نیاز ہی محسوس ہوا تھا اور آہستگی سے وہاں سے اٹھ کر چلی گئی، جہان میں اتنی اہمیت بھی ناپید تھی کہ اسے روک لیتا، اس کی غلط فہمی دور کر لیتا، اسے منا لیتا، قدم گھسیٹ کر چلتے آنکھ سے بہتے آنسو اس کے پیروں میں رلتے اپنی قدر رکھو رہے تھے، اس نے ہونٹ پیچھے اور اپنے پیچھے بالکنی کا دروازہ بند کر کے خود کو ریلنگ کے سہارے پہ چھوڑ دیا، اس کے ہونٹ کانپ رہے تھے اور آنکھیں سمندر میں آ جانے والی طیفانی کا منظر پیش کرتی تھیں، اس وقت اسے سب کچھ بھولا ہوا تھا، سوائے جہان کی بے رخی و بے اعتنائی کے، یہاں تک کہ تیمور اس کے خوفناک ارادے اس کی منحوس عزائم اور اپنی بے بسی تک، دل بس ایک ہی زیاں اور ملال کے ہمراہ صدیوں کی تڑپ اور بلک کے ہمراہ ہو کر رہا تھا، جو پوری ہو کے نہ دیتی تھی، اسے یاد تھا، اسے آج بھی یاد تھا جب دل کے ہاتھوں پوری طرح بے بس ہوتے اس نے سخن کی معاذ کی سجائی محفل میں جہان پہ اپنے الفاظ میں کچھ واضح کرنے یا پھر اسے کچھ بولنے پہ اکسانے کو یہ نظم پڑھی تھی۔

مدتوں سے یہی عالم ہے نہ تو قیام نہ امید

دل پکارے ہی چلا جاتا ہے جاناں جاناں!

آخر آخر تو یہ عالم تھا کہ اب یاد نہیں

رگ جینا سلگ انھی تھی کہ رگ جاناں

کس قدر جلد بدل جاتے ہیں نا انسان جاناں

دل سمجھتا تھا کہ شدید ہوا نسرودہ تو بھی

دل کی کیا بات کر س دل تو ہے ناداں جاناں

مدتوں سے یہی عالم ہے نہ تو قیام نہ امید

دل پھر بھی پکارے چلا جاتا ہے جاناں جاناں!

زندگی تیری عطا تھی سو تیرے نام ہی کی

ہم نے جیسی بھی بسر کی تیرا احساں جاناں

کس قدر کھل گئی تھی وہ اس پل جہان پہ، پوری طرح عیاں، مگر جہان کو نظر میں چراتے پا کر اس کا دل کیسے ڈوب گیا تھا، پھر وہاں سے آگئی تھی تو جتنا بھی ٹوٹ گئی تھی مگر فیصلے کی انی سینے میں خود اتار لی تھی، فیصلہ جو زندگی سے ناطہ توڑ کر عمر بھر معلوب ہونے کا تھا، تیمور کو ہاں کہنے جہان سے عمر بھر کو دستبردار ہونے کا فیصلہ، اس نے جان لیا تھا، جہان اس کا نہیں ہو سکتا، نہیں بلکہ اس نے یہ جان لیا تھا، کہ جہان اس کا نہیں ہونا چاہتا، ورنہ کیا تھا عار ایک اترار میں، ایک اظہار میں، وہ محبت

میں تو حید کی قائل تھی اور ہرگز بجل سے کام نہیں لینا چاہتی تھی، لیکن اگر جہان اس کا جہان نہیں تھا تو پھر وہ کسی کی بھی ہو جانی، یہ ناقدری جہان سے نہیں سہہ سکتی تھی کہ ان چاہی ہے، اسے ان چاہی ہونے سے نفرت تھی، وہ ان چاہی بننا نہیں چاہتی تھی مگر نصیب سے لڑا کیا جاتا ہے، وہ بھی ہار گئی تھی بالآخر۔

نصیب نے اسے جتلیا تھا کہ وہ ان چاہی ہے، چاہے وہ تیمور کے حوالے سے ہو یا جہان کے، اسے ان چاہی ہی رہنا تھا، ایک تنگ پھندا تھا جو اسے اپنی گردن کے گرد کستا محسوس ہو رہا تھا، لان میں نیچے آرائشی گلوب کی روشنی میں اداس درختوں کی کھنی قطار آج بھی ویسے ہی سر اٹھائے کھڑی تھی جیسے اس فیصلے کی شب اداسی سے اسے آنسو بہاتے دیکھتی رہی تھی، مگر اس کے پیچھے دروازے پہ آہٹ ہوئی تھی، اس قدر مایوس کن ماحول میں بھی اس کا دل خوش تھی، اس کا احساس سمیت دھڑکا، اس نے بے اختیار گردن اٹھائی اور غم پھیلتی آنکھوں سے جہان کو دیکھا، براؤن ٹمپلیں گاؤن میں ملبوس اس کی غضب کی دراز قامت سبے حد نمایاں تھی، مغرور خوب روچہ ازیلی بے نیازی کے تاثر کے ہمراہ نظر آیا۔

”آ کر لیٹ جاؤ، ڈالے کی طبیعت کچھ اپ سیٹ ہے، مجھے اس کے پاس جانا ہوگا، فاطمہ اکیلی ہے۔“ زہنب بے وقتی اور ذلت کے احساس سمیت دہک سی گئی، خوش بھی بھاپ بن کر اڑی اور اذیت کے ساتھ تسخیر کاروب دھارے اسے دیکھنے لگی، وہ کچھ نہیں بولی اور تیزی سے رخ پھیر لیا، آنسو ہی اتنی شدتوں سے اٹھ آئے تھے کہ اسے کوئی رعایت کوئی مہلت دینے پہ بھی آمادہ نہیں تھے گویا۔

ریلنگ کو مضبوطی سے تھام لینے کے باوجود وہ باقاعدہ لرزنے لگی، غم و غصے سبکی و ذلت کے شدید احساس کے ہمراہ وہ رو رہی تھی، وہ اس سے خفا بھی، جہان کو پرواہ نہیں تھی، وہ اس کے ساتھ تھا اسے تب بھی ڈالے کی پرواہ ڈالے کی فکر تھی، اس توہین و تذلیل نے اسے جتنا بھونچکا کیا اسی قدر تنفر سے بھر دیا، اس قدر سناٹے اندر اتار دیئے، جہان چلا گیا، وہ وہیں اکیلی کھڑی روتی رہی، کل کی طرح آج بھی وہ اپنے دکھ میں تنہا تھی، ہمیشہ کی طرح آج بھی وہ جہان کی توجہ التفات اور سب سے بڑھ کر مس انڈر اسٹینڈ کرنے کی خواہش کی حسرت پہ نوجہ کناں تھی۔

☆☆☆

پریناں نے ایک بار پھر وال کلاک پہ نگاہ ڈالی تھی اور تشویش میں مبتلا ہوتے معاذ کا پھر نمبر ملایا، وہاں ہنوز وہی صورتحال تھی، نمبر ہنوز آف تھا، بے قراری سے یہاں وہاں ٹپکتے ہوئے اس کی ٹانگیں سل ہونے لگیں جیسی تھکے ہوئے انداز میں صوفی پہ تک گئی مگر سکون کہاں تھا، جیسی اٹھ کر کمرے سے باہر آگئی، پہلا سامنا ہی زیاد سے ہوا تھا، ہاتھ میں بیگ، بکھرے بال بازو پہ کوٹ ڈال رکھا تھا، وہ شکل سے ہی تھکا ہوا لگ رہا تھا۔

”زیاد بھائی! معاذ کو ہاسپٹل میں زیادہ ٹائم لگے گا؟ آئی مین کوئی امیر جنسی ہے؟ اچھو ٹیلی ان کا سیل فون بھی ناٹ رسپانڈنگ ہے۔“ پریناں خود کو استفسار سے روک نہیں پائی تھی مگر زیادہ دلالتا خود حیران نظر آنے لگا۔

”لالہ گھر نہیں آئے ہیں بھابھی کیا؟“ وہ جتنی حیرانی و تحیر سے استفسار کر رہا تھا، پریناں کا اضطراب اسی قدر بڑھا، نفی میں گردن ہلاتے وہ رونے کو تیار تھی، دل الگ ڈوبنے سا لگا۔

”خیریت ہے، آج لالہ ہاسپٹل تو آئے ہی نہیں، میں سمجھا گھر چلے گئے ہوں گے۔“ زیاد کے جواب نے گویا پریناں کی ساری توانائیاں نچوڑ لیں، وہ لمحوں میں زرد پڑتی گئی۔

”اگر وہ ہاسپٹل بھی نہیں گئے تو پھر کہاں گئے ہوں گے؟ کالج سے تو ان کا بارہ کے بعد آف ہو جاتا ہے۔“ وہ بولی تو اس کی آواز خدشات سے لرز رہی تھی، بہت سے واسطے اس کے چہرے پہ تاریکیاں پھیلانے کا باعث بننے لگے۔

”پریشان نہ ہوں بھابھی! ممکن ہے کسی کام سے کہیں چلے گئے ہوں، میں فون کر کے پتا کرتا ہوں کسی سے۔“ زیاد سے تسلی دیتا خود تیز قدموں سے اپنے کمرے کی جانب بڑھ گیا کہ صبح وہ اپنا فون گھر بھول گیا تھا، پریناں خوفزدہ و متوحش سی وہیں کھڑی رہی تھی اس کا انتظار کرتی ہوئی۔

”بھابھی! لالہ تو آج کالج بھی نہیں گئے ہیں، آپ نے کس وقت ان کا فون ٹرائی کیا تھا؟“ زیاد کچھ دیر بعد ہی واپس آ گیا تھا، اس کے چہرے پہ بھی واضح تشویش کے آثار نظر آنے لگے تھے، جبکہ پریناں تو اس اطلاع کے ساتھ ہی باقاعدہ ڈھسے سی گئی تھی، اسے لگا تھا اس کی آنکھوں کے آگے اندھیرے چھانے لگے ہوں اگلے چند لمحوں میں یہ تشویش ناک خبر پورے شاہ ماؤس میں پھیل کر پھپھو کے گھر تک جا پہنچی تھی، زیاد کے علاوہ جہان نے بھی اپنے طور پہ ہر جگہ فون کر کے پتا کر لیا تھا مگر حاصل و وصول سوائے مایوسی اور پریشانی میں اضافے کے اور کچھ نہیں تھا، ایک دحشت انگیز شور پریناں کے اندر برپا ہوا تھا۔

”میرا دل رک جائے گا ماما! ان کی خیریت کی اگر فوری اطلاع نہ ملی تو.....“ وہ باقاعدہ لرز رہی تھی، آنسو بہاتے ہوئے بولی تو بھابھی جو خود بھی کچھ کم متکثر اور اذیت میں مبتلا نہیں تھیں بے اختیار اسے خود سے لگایا اور خود بھی ضبط کا دامن چھوڑ بیٹھیں۔

”ک..... کیا ہوا.....؟ خیریت.....؟“ زہنب چونکہ اپنے کمرے میں تھی بلکہ رو دھو کر فاطمہ کے اٹھنے پہ ہی فیڈ رہنے آئی تھی، ہر چہرے پر پریشانی و تشویش پا کر دھک سے رہ گئی، پہلا خیال ہی تیمور کے حوالے سے آیا تھا، اس نے کچھ اس طور پر اس کا کرکھا تھا کہ اگر پتا بھی کھٹکتا تو سہم سہم جانی، اس وقت بھی بامشکل حواسوں پہ قابو رکھتی لرزتی آواز میں بولی تھی۔

”معاذ بھائی کی وجہ سے پریشان ہیں سب، وہ صبح کالج گئے، ہیں نہ ہی ہاسپٹل پہنچے۔“ اس کی بات کے جواب میں ڈالے نے تفصیل بتائی تھی، جو خود بھی کچھ ٹھنڈا حال لگ رہی تھی مگر اس وقت بہت ہمت اور ضبط کا مظاہرہ کرتے سب کے درمیان موجود تھی اور پریناں کے ہاتھ سہلا رہی تھی جو ہر لمحہ سرد پڑتے جا رہے تھے، زہنب کے چہرے پہ پہلے حیرت اتری پھر الجھن وغیرہ یعنی آخر میں اترنے والا احساس خوف اور دحشت بھرا تھا، جو دائمی تھا اور اسے سرد کر کے رکھ گیا تھا، وہ جہاں تھی ویسے ہی بے جان ہوتی ٹانگوں سمیت نیچے بیٹھتی چلی گئی، یوں جیسے اب کبھی کھڑی نہیں ہو سکے گی، اس کا رنگ ہر لمحہ زرد پڑتا جا رہا تھا، کچھ فاصلے پہ جہان کے علاوہ پیا زیاد اور حسان بھی اپنے طور پہ ہر جگہ فون کر کے پتا کروانے کی کوشش میں مصروف تھے مگر ہر جگہ سے ہی ناکامی و مایوسی کا سامنا

ہوتا تھا، جیسے جیسے وقت گزر رہا تھا ویسے ویسے ہر کسی کی تشویش اور اضطراب بڑھ رہا تھا، زینب کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسنائی ہوئی سرد لہریں اتر رہی تھیں، اسے لگا تھا تیمور نے اپنی دھمکی یہ عمل کر ڈالا تھا، اس کے خیال میں تو تیمور ایسی حرکت جہان کے ساتھ کرنے کا ارادہ رکھتا تھا، جیسی تو اس نے مختلف حیلوں بہانوں سے جہان کو گھر پہ روک لیا تھا، جہان نہ سہی معاذ سہی، بات تو ایک ہی تھی، نقصان میں فرق تو نہیں تھا، اس کا دل پاتال میں گرتا رہا، آنسوؤں کے سیلاب میں وجود ڈولتا رہا، اس کے پاس اس کے سوا چارہ نہ رہا کہ وہ خود کو حالات کے بے رحم تھپیڑوں کے حوالے کر دے، اس خاندان کے کسی ایک فرد کو تو قربان ہونا تھا ہر صورت، تو پھر وہ کیوں نہیں، ہاں وہ صرف زینب ہو سکتی تھی۔

وہ زینب ہی ہونی چاہیے تھی، اس کا بھگتان نہ تو اس کے بھائی کو بھگتنا چاہیے تھا نہ جہان کو..... دونوں کی زندگیاں صرف یہی نہیں تھیں، ان سے وابستہ ہو جانے والی لڑکیاں بھی اس لیٹ میں آئی تھیں اس کا دل جو تیمور کی جانب سے نفرت کے شدید احساس سے لبریز تھا، اس کا تحمل نہیں ہو سکتا تھا کہ یہ ظلم ڈالے یا پھر پر نیاں پہ ہونے دے، ہونے والا فیصلہ دو دھاری تلوار تھا، جو اسے ہر لمحہ زخمی کرتا تھا، مگر ایسا فیصلہ وہ ایک بار پہلے بھی کر چکی تھی، ہر خوشی سے دستبرداری کا یعنی جہاں سے دستبرداری کا، یہی فیصلہ اسے اب پھر کرنا تھا مگر وہ پہلے سے کئی گنا بڑھ کر اذیت و کرب کا شکار تھی تو وجہ یہی تھی، پہلے کسی طرح بھی اسے جہان نہیں ملا تھا، مگر اب کس طرح بھی سہی مگر اسے جہان مل تو گیا تھا، اس نعمت اس دولت کو پا کر پھر سے کھودینے کو تو پہاڑ کا حوصلہ بھی کم تھا، اس کا کلیجہ ہر لمحہ شق ہوتا تھا دل آنسو بن کر پھیلتا جاتا تھا، وہ آنسو بہانی وہاں سے اٹھی تو کسی کا بھی دھیان اس پہ نہیں تھا، یہ قیامت خیز گھڑی تھی جس میں ہر کوئی اپنی اذیت میں مبتلا تھا، پھر اس کے آنسو غیر معمولی کیوں محسوس ہوتے۔

اپنے کمرے میں آ کر اس نے کانٹے ہاتھوں کی لرزیدہ انگلیوں سے تیمور کا نمبر ملا یا، وہ جو پچھلے کئی ماہ سے اسے تنہا باہر ملنے پہ آمادہ نہیں کر سکا تھا، اس کاری وار کے بعد اسے گھائل کر کے اپنے جال میں پھانسنے میں کامیاب رہا تھا، شدید شکست و ریخت میں مبتلا کرنے میں کامیاب، زینب کے اندر سرسراتی وحشت اس وقت اور بھی گہری ہونے لگی جب تیمور کا نمبر آف ملنے کا آنسر آنے لگا، وہ ہاتھ میں فون لئے دنیا و مافیہا بھولے بار بار نمبر ملتا رہی تھی جب جہان روتی ہوئی فاطمہ کو لے کر اندر آیا تھا تو اس کا بھی چہرہ سستا ہوا تھا، زینب نے فون نیچے کے نیچے سرکاتے اسے اک نگاہ دیکھا اور دل میں امنڈ آنے والا سوال کر ڈالا۔

”لالہ..... کا کچھ پتا چل سکا؟“ کتنی آس تھی اس کی نگاہوں میں جیسے طوفان کی زد میں آ جانے والی کشتی کے اکلوتے مسافر کی نگاہ میں ڈوبنے سے قبل کسی سہارے کو پانے کی امید جاگے، آخری امید..... جہان کے نظر جہاں پہ زینب کے چہرے پہ تاریکیاں پھیلتی چلی گئیں تھیں، اس کے اندر سرسراتی وحشت، عجیب سی ہیجان آمیز کیفیت میں ڈھل کر اس کے حواس چھین کر لے گئی۔

”ایسے ہاتھ پہ ہاتھ دھرے رہنے سے ان کا پتا چلے گا بھی نہیں، میں جانتی ہوں کہاں ہیں وہ..... انہیں وہاں سے کون بچا کے لائے گا جے..... وہ..... وہ وحشی انسان ہرگز زندہ نہیں چھوڑے

گا نہیں اسی..... اسی بات سے بچنا چاہتی تھی میں مگر..... مگر آپ نے بات نہیں مانی میری..... نہیں مانی ناں آپ نے میری بات۔“ تند خیز لہریں مانند چل کر اٹھتی وہ جہان کے قریب آتے ہی ان کا گریبان پکڑ کر جھکے دیتی ہوئی ہرگز ہرگز اپنے حواسوں میں نہیں لگ رہی تھی۔

آنسو، آپیں، سسکیاں اور بے رننت وحشت، جہان کے اعصاب کشیدگی کا، انتشار کا شکار تو تھے ہی، اس کی بے ربط غیر مہم باتوں پہ وہ صحیح معنوں میں چکرا کر رہ گیا تھا جیسے۔

”کیا مطلب ہے زینب! کیا کہنا چاہتی ہو؟“ اور اونچا رو اٹھنے والی فاطمہ کو سنبھال کر کاندھے سے لگاتے جہان نے ایک ہاتھ سے زینب کو سنبھالنا چاہا مگر وہ تڑپ کر چل کر فاصلے پہ ہو گئی تھی، انتہائی تنفر آمیز انداز تھا، وہ اور شدتوں سے رونے لگی تھی۔

”آپ خود غرض ہیں جے! بہت اتا پرست اور کٹھور بھی، مگر ایک بات یاد رکھیے گا، اگر لالے کو کچھ ہوا تو میں میں..... آپ کو بھی زندہ نہیں چھوڑوں گی۔“ جہان اس کے چہرے سے چھٹکتی رعونت و تنفر کو پا کر عجیب دل شکن احساس سے گزرا تھا مگر زینب کی ذہنی حالت کو بھی فراموش نہیں کر سکتا تھا، وہ جتنا بھی اپ سیٹ تھا مگر زینب کے رویے سے یہ بھی محسوس کیے بغیر نہیں رہ سکا کہ کوئی گرہ تھی جو کھلنے کو تھی، زینب کے مزاج اور رویے کی ہر اوجھن کا سرا بھی جیسے یہیں سے ملتا تھا۔

”تم کھل کر کچھ کیوں نہیں کہتی ہو؟ کیا تمہیں لگتا ہے معاذ کو کسی نے گڈ نیپ کیا ہے؟“ خود کو کپوڑ ڈرکتے ہوئے جہان نے پہلے باہر آ کر فاطمہ کو مار یہ کے حوالے کیا تھا، پھر اس سے استفسار کیا، اس کے روم روم میں گویا بے چینی بے قراری پارہ بن کر دوڑ رہی تھی۔

”ہاں کیا ہے گڈ نیپ، وہ اتنے عرصے سے مجھے ایسے ہی کسی انجام سے ڈرا رہا تھا، میں یہی نہیں چاہتی تھی جو ہوا..... مگر..... مگر آپ۔“ بات ادھوری چھوڑ کر کچھ اور شدتوں سے رونے لگی تھی وہ، جہان لمحوں میں ڈھنکے گا، اس کا وجود اس پل گویا ریت کی دیوار تھا، ہونٹ آپس میں باہم پوست ہوئے اور آنکھیں بے توجہ شاخہ میں دسرخیاں سمیٹ لائیں۔

”تیمور کی بات کر رہی ہو تم؟“ وہ جیسے ادھیڑ تارا بارہا تھا خود کو، اس کی آواز بے حد بوجھل اور سرد تھی، چینی ہوئی بھی غصیلی بھی، تہر آلود بھی، مگر زینب تو جیسے ہر احساس سے عاری تھی۔

”کب کیا تم نے اس سے رابطہ؟ اور کیوں؟ کیوں زینب؟“ اس نے اسے کاندھوں سے پکڑ کر شدتوں سے چھوڑ ڈالا، اس کا لہجہ اس کا انداز اس قدر سنگین و فطین تھا، اس درجہ خوفناک لئے ہوئے کہ زینب وقتی طور پہ سہی باقی سب بھول کر سہی ہوئی نظروں سے اسے دیکھنے لگی، جس کی آنکھوں میں آن کی آن میں گویا خون اتر آیا تھا، وہ گنگ ہوئی تھی تو جہان کا یہ تہر آلود روپ تھا وجہ جبکہ جہان کو اس کی یہ خاموش اس پل تازیانہ بن کر لگی تھی، خار بن کر چھی تھی، جیسی اس کا بازو کئی سے پکڑ کر اپنے مقابل کرتے وہ پھر پھنکارا تھا۔

”اس خبیث آدمی کا تم سے رابطہ تھا، تم نے رابطہ رکھ بھی لیا، وہ تمہیں بلیک میل کرتا رہا اور تم ہوتی بھی رہیں؟“ وائے.....؟ یہ تھی تمہاری ٹینشن کی اصل وجہ، کتنا پوچھا تم سے میں نے مگر تم مجھے اس قابل سمجھتی ہی کہاں تھیں، بتاؤ مجھے زینب اور کیا کیا مظالم نے مانے ہیں تم نے اب تک اس کے؟“ خوفناک سنجیدگی کے ساتھ وہ سپے درپے سوال کر رہا تھا، اس کا لہجہ خشک اور سرد تھا اس کے

لہجے کا استہزا سہہ پن آگ بن کر زینب کے دل کو رکھ اور خاکستر کرنے لگا، زینب کا سر چکرانے لگا، اسے گمان تک بھی نہ تھا، وہ الٹا اس پر برس پڑے گا، اس سے استفسار کرے گا، سوالوں کی نوعیت اور ان سے پھلکتا اشتعال آمیز شک کا زہریلا ناگ زینب کو صرف سرد نہیں کر گیا تھا، وہ شرم نخت اور بے بسی کے احساس سے مرنے لگی، ندامت کا احساس چور کرنے کو کافی تھا، وہ باقاعدہ کاہنے لگی۔

”بولو زینب! جواب دو؟ میں تمہیں چھوڑوں گا نہیں اس بددیانتی پر، میرے نکاح میں ہوتے ہوئے تم اس گھٹیا آدمی سے باتیں کرتی رہیں؟ ہاؤ ڈیئر یو..... میری ناپسندیدگی کو خاطر میں لائے بغیر، وائے زینب دالے؟“ وہ حلق کے بل چیخا تھا، اس ذلت کا تو تصور بھی نہ تھا اس کے پاس، زینب کا حسین تر ہر اسماں چہرہ اس کا بس نہ چلتا تھا اس بل اس کا گلا دبا دے، اس کے چہرے کے تاثرات اتنے کبیدہ خاطر تھے کہ زینب کو اپنا آپ مجرم نہ ہوتے بھی مجرم لگنے لگا۔

”مم..... میں نے بتایا نا..... وہ..... وہ مجھے بلیک میل کر رہا تھا۔“ سراسیمہ سی نخت زدہ سی ہو کر وہ وضاحت پیش کر رہی تھی، انداز بے حد ڈھیلا اور شرمسار قسم کا تھا، جواب میں جہان کا چہرہ مزید غضبناک ہوا تھا، آنکھوں میں سے لہوسا سینے لگا۔

”کیوں ہوئیں تم بلیک میل؟ مجھے بتائیں، نیٹ لیتا میں اس سے خود۔“ جہان نے جواباً غراتے ہوئے اس کا پوائنٹ رد کیا، لہجے میں بلا کا طنز اور زہریلا پن تھا، وہ آگ بگولہ ہوا جا رہا تھا، زینب کو بھی اس قدر تاؤ آنے لگا، بجائے اسے سمجھنے کے مسئلے کا حل نکالنے کے وہ اس سے سوال جواب کرنے کھڑا ہو گیا تھا، جبکہ یہاں ایک ایک لمحہ قیمتی تھا، اگر خواہنا خواستہ معاذ کو کچھ ہو جاتا، وہ سکی انسان ضد میں انتقام و نفرت میں کسی بھی انتہا سے گزر جاتا تو تھا ازالہ ممکن.....؟ جہان کو جانے کیوں اس بات کا خیال نہیں آ رہا تھا، جبکہ وہ اسی ایک احساس سمیت ہر لمحہ مر رہی تھی۔

”تو اب جا کر نیٹ لیں اس سے، میرے بھائی کی جان کو خطرہ لاحق ہے، آپ کو اپنی انوشی ٹیکس کی پڑی ہوئی ہے۔“ جہان کے ہاتھ اپنے کاندھوں سے جھٹکتی وہ بے حد شفر آمیز انداز میں کہہ رہی تھی، جہان کچھ دیر اسے جھٹکتی نظروں سے گھورتا رہا تھا، جب بولا تو اس کا لہجہ اس کا انداز بے حد سرد مہری لگے تھا۔

”نمبر دو اس سو رہا کا مجھے..... دیکھ لوں گا اسے میں۔“ پھر خود بڑھ کر جھپٹ کر اس کا فون اٹھا لیا تھا، چند من پر لیس کیے، نمبر اپنے فون پہ منتقل کرنے کے بعد اسے خونخوار نظروں سے گھورتا پلٹ گیا۔

”اب اگر تم نے اس بد معاش سے بات کی یا اس کی کال ریسو کی زینب تو یاد رکھنا، یا تو میں تمہیں شوٹ کروں گا، یا خود اپنے آپ کو بارڈالوں گا، یہ باتے طے ہے کہ اب تمہارا اس سے کوئی تعلق نہیں برداشت کر سکتا میں، چاہے وہ کتنی ہی معمولی نوعیت کا ہو۔“ دروازے پر رک کر مستعمل انداز میں کہتا وہ ایک جھٹکے سے باہر نکل گیا، پیچھے دروازہ ایک دھماکے سے بند ہوا اور کتنی دیر لرزتا رہا، زینب پوری ہستی سمیت ہلتی سرد پڑ گئی تھی۔

☆☆☆

دن نکلے سوچ الگ شام ڈھلے وجدان الگ
امید الگ آس الگ سکون الگ طوفان الگ
تشبیہ دوں تو کس سے کہ تیرے حسن کا ہر رنگ الگ
نیلیم الگ زمر الگ باقوت الگ مرجان الگ
طویل بے ہوشی یا پھر عنودگی کے بعد معاذ کی آنکھ پوری طرح کھلی ہی اس پہنتی ہوئی آواز پہ تھی، اس نے غائب دماغی کی کیفیت میں گردن موڑ کر دائیں طرف دیکھا، وہ جو کوئی بھی گویا سورج کی آب تاب رکھتی تھی، اس پہ ستم بے حجابانہ انداز و اطوار، معاذ کے حواس پوری طرح بحال ہوئے تو وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کر بیٹھا اور سرعت سے اپنے اور اس کے بیچ فاصلہ بڑھایا تھا، وہ اس حرکت پہ بڑے پر زعم انداز میں مسکرائی اور تعریف و توصیف کے اس سلسلے کو کچھ اور بھی بڑھا دیا۔

تیری الفت کے تقاضے بھی عجب انداز کے تھے
اقرار الگ تکرار الگ تعظیم الگ فرمان الگ
گر ساتھ نہیں اب دے سکتے تو بانٹ دو بیجان لمحے
مسرور الگ ٹھہرا الگ پر کیف الگ پریشان الگ
وقت رخصت جب الوداع کہنے لگے
آنسو الگ مسکان الگ بے تابی الگ بیجان الگ
جب تو چھوڑ گیا تھا تب دیکھا اپنی آنکھوں کا رنگ
حیران الگ پریشان الگ سنسان الگ بیابان الگ

وہ خاموش ہوئی تو سناش طلب نظروں سے اسے دیکھنے لگی، گویا اپنے انتخاب کی داد چاہی ہو، مگر اس کی بجائے اطراف کو حیران اور مضطرب لگا ہوں سے دیکھ رہا تھا، یہ معصومیت بھری حیرانی و پریشان اس کے وجہ چہرے پہ نیلما کو گویا اور فدا ہونے پہ اکسار ہی تھی۔

”کچھ تو بولیں چھوٹے شاہ!“ بے تکلفی کا مظاہرہ ضروری خیال کرتے ہوئے اس نے ہاتھ بڑھا کر معاذ کی پیشانی پہ کھرسے بال محبت سے سنوارے معاذ نے جواباً ناگواری محسوس کرتے تیز اور کاٹ دار نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

”کون ہو تم؟ اور کیا بکواس ہے یہ سب؟“ وہ سخت برہم نظر آنے لگا، اس درجہ اپ سیٹ اور مضطرب تھا کہ اپنے روبرو موجود ہستی کو بھی پہچاننے سے قاصر رہا تھا کہ اس قدر نازک صورت حال نے اسے بھونچکا کر رکھا تھا، اس پہ یہ سخن طرازی یہ بے تکلفی اس کا دماغ ماؤف ہوا جا رہا تھا، جبکہ نیلما اس درجہ نخوت سے شفر کے ساتھ اعلیٰ قسم کی غفلت و بے نیازی پہ پوری جان سے جل کر خاک ہوئی۔

”تم واقعی نہیں پہچانے ہو مجھے چھوٹے شاہ! کیا میری پر سنائی اتنی ڈاؤن ہے تم لوگوں کی نظروں میں کہ.....“ تاسف و نج و ملال اور جھنجھلاہٹ کا اتنا شدید احساس یکبارگی اس کے چہرے پہ اترتا تھا کہ وہ گویا روپائی ہونے لگی تھی کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد دل میں اٹھتی غصے کی لہر دباتے ہوئے وہ دانستہ مسکرائی اور سرک کر معاذ کے مزید نزدیک ہوئی، اس کے اکھڑے انداز اور

”یعنی تمہاری اس ساری بکواس کا مطلب یہ نکلا کہ تم مجھ سے شادی کرنا چاہتی ہو؟“ معاذ کے غصے پہ اس فضول مذاق نے تسخر کی گہری مسکراہٹ کو جگہ دی تھی، نگاہ کی برہمی البتہ ہنوز تھی، نیلما نے کاندھے جھٹک دیئے تھے۔

”ہاں..... کیا مضائقہ ہے اس میں؟ اگر ایک مرد اپنی پسندیدہ لڑکی کو اغواء کر سکتا ہے، اس سے زبردستی شادی کر سکتا ہے تو ایک عورت کو بھی ایسا کرنا چاہیے۔“ نیلما کے لہجے و انداز میں زعم بھی تھا اور طمانیت آمیز مسکراہٹ کا فتح مندانہ رنگ بھی، معاذ کچھ دیر اسے مستحکم اثراتی نظروں سے اسے دیکھتا رہا، پھر ہونٹ سکڑ کر اسی قدر تھوکیک آمیز انداز میں گویا ہوا تھا تو آنکھوں کی نفرت چھلک چھلک پڑتی تھی۔

”تم جیسی عورت سے ایسی ہی توقع رکھی جاسکتی ہے نیلما خاتون! مگر یہاں آپ کی آنکھیں کھولنے کے لئے یہ ضرور عرض کروں گا کہ یہ آپ کی کسی تھرڈ ریٹ گھٹیا فلم کی اسٹوری نہیں لکھی جا رہی جس میں آپ اپنے من پسند سین اور موڈ پیدا کر سکتی ہیں، یہ حقیقت ہے اور حقیقت میں ایسی حقائق کی توقعات باندھنے والوں کی آنکھیں ریت سے بھر جایا کرتی ہیں۔“ معاذ کا لہجہ اس کا انداز سراسر اس پہ اس کی اوقات واضح کرتا ہوا انتہائی توہین آمیز تھا، اس حد تک توہین آمیز کہ ایک بل کو نیلما بھی گنگ ہوتی اسے ٹکر ٹکر دیکھے گی تھی، مگر اگلے لمحے اس شرمندگی کو جھٹک کر یہ زعم و پر مغز و انداز میں مسکراتی بڑے دل آویز انداز میں اٹھلا کر بولی تھی۔

”کی کیا ہے مجھ میں؟ غور سے دیکھو اور مجھے بتاؤ کہ وہ لڑکی جو تیور کی حویلی میں تمہارے ساتھ تھی اس سے زیادہ خوبصورت نہیں ہوں؟“ اس قربت میں تنہائی میں وہ بہک رہی تھی، معاذ کی پیشانی کی سلوٹیں بھی اس کو اس کے ارادوں سے روکنے میں ناکام تھیں، جب وہ پھر اس کے نزدیک آئی اور اس کے ساتھ لگ کر بیٹھی معاذ کے ضبط کا پیمانہ پھر چھلک گیا تھا۔

”تم جیسی عورت حسن کا معیار اور پیمانہ ہی رکھتی ہے، یہی رکھ سکتی ہے، بے حیا عورت جتنی بھی حسین و طر حدار ہو حیا دار عورت کے سامنے ماند پڑ جایا کرتی ہے، مگر تم بھی ان باتوں کو نہیں سمجھو گی، کبھی نہیں سمجھو گی کہ میرے نزدیک تم پر نیاں کی پیروں کی خاک کے برابر بھی نہیں بن سکتیں۔“ معاذ کے لہجے و انداز سے اتنی نفرت و تحقارت اور برہمی چھلکی تھی کہ نیلما اپنی تمام تر بے شرمی کے باوجود دہک کر رہ گئی، معاذ اس نے متاسفانہ سانس بھر کے خود کو سر جھٹک کر نارٹل بھی کر لیا۔

”مجھے یہ طغیانہ مارو معاذ حسن! ذلت کی پستیوں سے نکل کر عزت کی زندگی جینے کی متنی ہوں، مجھے اس اتھاہ تاریکی تک کسی عورت کی حاسد نفرت نے پہنچایا تھا، بہت چاہا اسے برباد کر ڈالوں مگر وہ ہمیشہ مجھ سے زیادہ طاقتور اور مضبوط رہی، غاصب عورت! میں چاہنے کے باوجود اس کا آج تک کچھ نہیں بگاڑ سکی۔“ نیلما کے چہرے پہ ان کہا کرب گہرے دکھ کی صورت اتر آیا تھا، آنکھیں لمحے کے ہزاروں حصے میں چھلکنے کو بنے تاب ہو گئیں، وہ اس وقت واقعی قابل رحم لگ رہی تھی، مگر معاذ کو اس سے فطری ہمدردی محسوس نہیں ہوئی۔

”بات سنو..... مجھے تمہاری اس خالص فحاشی کہانی سے ہرگز کوئی ہمدردی یا دلچسپی نہیں ہے، اگر

گڈے توروں کی پرواہ کے بغیر اپنی کہنی اس کے سینے پہ ٹکا کر اس پہ جھک کر دلبرانہ انداز میں مسکراتی آنکھوں میں جھانکنے لگی۔

”کبھی میں سوچا کرتی تھی، شیر کو اگر زنجیروں سے جکڑا جائے تو کیسا لگے گا وہ؟ اب مجھے اندازہ ہوا اس کی خوب صورتی پہ فرق نہیں پڑ سکتا۔“ رسیوں میں جکڑانا گواریت کے شدید احساس سمیت مزاحمت کرتا معاذ کا کڑیل یقینت ساکن رہ گیا وہ اس کی بے بسی کا مضحکہ اڑا رہی تھی یا تعریف کر رہی تھی، وہ سمجھنے سے قاصر رہا، البتہ عورت کے ایسے روپ نے آنکھوں کی جلن میں بے تحاشا اضافہ کر دیا تھا۔

ہوں تیری آنکھوں میں لال ڈورے

یوں رات میرے نصیب جاگیں

وہ مزید بکواس کر کے کھلکھلائی، معاذ کا چہرہ جھلس اٹھا، اب پہچان کے مرحلے طے کرنے کو باقی کچھ نہیں بچا تھا، اس درجہ سطحی سوچ کے ساتھ صرف نیلما ہی تھی جسے وہ جانتا تھا، اس کا دل اس کی آنکھیں غبار سے بھرنے لگیں، یہ کیسی آزمائش تھی کہ وہ ایسی بے بسی کی کیفیت میں اس فاحشہ کے ہاتھ لگ گیا تھا، جبکہ وہ اس کی کیفیات و احساسات سے بیکرا لعلق ہنوز اپنی داستان سنا رہی تھی۔

”تم لے لو چھوٹے شاہ! جو تمہیں جہانگیر شاہ کے ساتھ دیکھ کر بھی میرا دل نہ دھڑکا ہو، تم مجھے کبھی بھی اس سے کم جو لگے ہو، مگر یہ کم بخت دل تو پہلے ہی جہانگیر کا اسیر ہو چکا تھا، جی میں اسی کی سنگت کے خواب دیکھتی تھی، کل جب میرے آدمیوں نے تمہیں جہانگیر کی کار میں موجود پایا تو مجھے اطلاع دی تھی، میں نے کہا بندے کی پکی نشانی ہی یہی ہے کہ ہے بہت حسین و جمیل..... ایمان لوٹ لینے کی حد تک سحر انگیز، بولے میڈیم! ہم نے آج سے پہلے اتنا حسین مرد نہیں دیکھا زندگی میں.....“ اپنی بات ادھورنی چھوڑ کر وہ زور سے کھلکھلائی، گویا حظ لیا ہو، معاذ کا چہرہ تپنے لگا، وہ خود بہت بولڈ تھا، پر نیاں کو خاص کر اس سے سب سے زیادہ یہی شکایت رہی تھی، بانی سب کے خیال میں بھی وہ ہمیشہ سے شوخ و شنگ اور بولڈ مشہور تھا مگر آداب ترینے اور حدیں بھی نہیں پھلانگا کرتا تھا، رب سے ڈرتا تھا، تربیت کا اثر گہرا تھا، مگر کسی عورت کی ایسی بے حجابی سے بھی واسطہ نہیں پڑا تھا، شوہر میں بھی اچھی خاصی بولڈ لڑکیاں تھیں مگر نیلما جیسی بہر حال نہیں تھیں، پھر وہ ان سے ویسے بھی فاصلوں کو قائم رکھتا تھا، جو الٹی سیدھی کچھ حرکتیں کی بھی تھیں تو ان کے پیچھے سوائے پر نیاں کو جیلس کرنے یا ایسے بھنجھوڑنے کے علاوہ اور کوئی جذبہ بہر حال کارفرما نہیں تھا، اس وقت جتنی بھی ناگواری و برہمی کا احساس تھا، مگر وہ اس کی بہبود بکواس سننے پر مجبور بھی تھا۔

”میں نے کہا، یہی تو نشانی ہے اس دشمن جان کی، لے آؤ کہ اب مزید قربت یار کی تاب نہیں، مگر جناب جب آپ تمام تر عزت و احترام کے ساتھ آپ یہاں پہنچے تو آپ جہانگیر نہیں تھے مگر ان سے کم بھی نہیں تھے چھوٹے شاہ! اگر نیلما جہانگیر کے علاوہ کسی پہ کپو و ماٹز کر سکتی تھی تو وہ صرف تم ہی ہو سکتے تھے، بس اب فراق کے موسم ختم، بتاؤ شادی کب کریں؟“ آنکھوں میں شخ کا خمار اور مسکان لئے وہ کتنے صلح جو انداز میں سوال کر رہی تھی، یوں گویا معاذ اسی ایک سوال کا یہ تو منتظر تھا، معاذ کے اعصاب مزید کشیدگی سمیٹ لائے۔

تم یہ توقع مجھ سے باندھ بیٹھی ہو تو اس حماقت میں نا تم ضائع کرنے کی بجائے، بہتر ہوگا اپنے کسی فین کے پاس چلی جاؤ۔“ لٹھ مارا انداز نخواست بھری سفاکی سے لبریز تھا، نیلما کا چہرہ دھواں دھواں ہونے لگا، وہ کچھ دیر اسے عجیب نظروں سے دیکھتی رہی، پھر اس کے تاثرات دھیرے دھیرے بدلنے لگے، بے بسی کی جگہ کئی، تاسف و ملال کی جگہ نخواست ہٹ دھرمی اور مخصوص قسم کی بے باکی نے لے لی۔

”ایز یوش چھوٹے شاہ اتھیں میری کہانی میں دلچسپی نہ ہو، مگر مجھ میں ضرور دلچسپی لینی پڑے گی مت بھولنا کہ تم شادی نہیں کرو گے مجھ سے، اگر یہ معاشرہ مجھے ذلت سے ہمکنار کر سکتا ہے تو اب اسی ضد معاشرے کے اعلیٰ نصب خاندان کے سپوت سے شادی کر کے میں اس معاشرے سے اپنی چھٹی ہوئی عزت دوبارہ ضرور حاصل کروں گی۔“ وہ بولی تو اس کے سہجے میں ناگن پھنکار رہی تھی، معاذ جواباً اسے تاؤ دلائی نظروں سے دیکھتا دل جلاتی مسکان ہونٹوں پہ سجا چکا تھا۔

”تمہارا یہ خواب بھی شرمندہ تعبیر نہیں ہوگا عزیز نیلما!“ معاذ کو اس کے احساسات اور کیفیت کی کیوں پرواہ ہونے لگی تھی، جسے منہ توڑ جواب دے کر گویا اس کا مذاق اڑایا، نیلما اس کی توقع کے عین مطابق بھڑک اٹھی تھی، جسے باقاعدہ دھمکی پہ اتری۔

”تمہارے پاس ایک دن کا وقت ہے، بہتر ہوگا معاذ تم وہ کرو جو میں چاہتی ہوں، ورنہ۔“

”ورنہ کیا.....؟“ معاذ نے طیش میں اُس کے اسے گھورا۔

”یہ تمہیں وقت آنے پہ معلوم ہو جائے گا۔“ نیلما نے جواباً اسے گھورتے ہوئے کہا اور ایک جھٹکے سے پلٹ کر باہر نکل گئی، معاذ کچھ دیر ساکن بیٹھا رہا، پھر ٹھہرا حال انداز میں آنکھیں بند کر لیں، اگر اسے بے بس کرنے کو کرسی سے مضبوطی سے باندھ نہ دیا گیا ہوتا تو اپنے لئے وہ کچھ کر بھی سکتا تھا، مگر اب بے بسی کے سوا کیا چارہ تھا بھلا.....؟

☆☆☆

معاذ کی گمشدگی کو آج دوسرا دن تھا، شاہ ہاؤس کے درو دیوار پہ چھائے تشویش و اضطراب کے سائے موت کے سنٹوں میں ڈھلتے جا رہے تھے، سب سے خراب حالت پر نیاں، میا یا پھر زینب کی تھی، پر نیاں کی آنکھیں اس دوران ایک لمحے کو بھی جو خشک ہوتی ہوں، کئی وحشت تھی اس کے چہرے پہ، جبکہ ماما کابی پی ایک پھر خطرناک حد تک شوٹ کر گیا تھا، خدشات تھے واہے اور سرسراہی ہوئی وحشت جو ان کے چہرے و آنکھوں سے جدا ہی نہ ہوتی تھی، آئے دن ملنے والی کراچی کے ہاسیوں کی ہراس زدہ خبریں جن میں بے دردی و سفاکی سے قتل کر دیئے جانے والے بے قصور شہری جن کی اکثر شناخت بھی نہیں ہو پائی تھی اور لاشیں کئی کئی دن مردہ جانوں میں پڑی اپنے وارثوں کی راہ دیکھتے بالآخر گمنام قبروں کی تاریکیوں میں ہمیشہ کو کھو جایا کرتی تھیں اور وراثہ انہیں تلاش کرتے جانے کس کرب اور اذیت سے دوچار ہوتے خود بار بار مرتے رہتے تھے، اسی قسم کی کیفیت سے آج کل شاہ ہاؤس کے مکین گزر رہے تھے، ماما جان کا زیادہ وقت جائے نماز پہ اذکار و وظائف میں گزر رہا تھا اور رو کر ان کی آنکھیں بھی تھکنے لگیں تھیں مگر وہ ہر دم ہنسنے مسکرانے کا عادی معاذ پلٹ کر نہیں آیا تھا، جس کی غیر موجودگی سے شاہ ہاؤس کی ساری رونقیں ماند پڑ گئی تھیں،

جہاں سمیت یہاں کے ہر مرد نے شہر بھر کے ہسپتالوں کے کہ مردہ خانوں تک ہر جگہ کھنگال لی تھی مگر اس کا نشان نہیں پاسکے تھے، گاڑی کالج سے کچھ فاصلے پہ بالکل صحیح حالت میں مل گئی تھی، مگر معاذ کے متعلق کہیں سے بھی کوئی چھوٹی سی خبر میسر نہیں آسکی۔

”جہاں کن حالوں میں ہوگا میرا بچہ! جب وہ انگلینڈ سے آیا تھا، تب بھی اس کا ایکسٹرنٹ ہو گیا تھا، ہمیں تو تب بھی پتا نہیں لگتا تھا، اگر پر نیاں ہمیں نہ بتاتی۔“ پاپا اندر آئے تو ماما کی آنسوؤں کے سچ کئی بات سیدھی ان کے دل پہ تراز ہوئی تھی جا کر گویا، وہ خود ان دونوں میں جیسے یکدم ڈھے کر رہ گئے تھے، اتنا لاڈلا اور عزیز تھا وہ انہیں کہ اس سے اتنی شکایتوں کے باوجود بھی اسے ڈانٹ کر نہیں دیکھا تھا، ساری اولادوں میں اسے سب سے زیادہ محبت اور اہمیت سے نوازا، منہ سے نکلی ہر بات کو پورا کرنا خود پہ فرض جان لیا، مگر اس انداز میں کہ یہ محبت اسے بگاڑ نہ سکے، کتنا زنج اور تنگ کیا تھا معاذ نے پر نیاں کے معاملے میں انہیں، مگر ضبط کا دامن بھی ہاتھ سے اس محبت نے چھوڑنے نہیں دیا جو انہیں اس سے تھی، اسے دیکھ دیکھ ہی تو جیتے تھے، مگر اب یوں اس کا نگاہوں سے ادھیل ہو جانا انہیں لمحہ لمحہ گھلا رہا تھا۔

”احسان! معاذ کیوں نہیں مل رہا؟ اب تو کسی سے خفا بھی نہیں تھا وہ، پھر کیوں چلا گیا؟“ انہیں دیکھتے ہی ماما خود پہ ضبط کھو کر پھر سے سسکنے لگی تھیں۔

”اللہ سے دعا کرتی رہیں شائستہ! اللہ بہتر کرے گا۔“ انہوں نے دلگیری سے کہتے حوصلہ دیا، ممانے ٹھہرا حال انداز میں سر گھنٹوں پہ نکا دیا، آنسوئے آواز بہ رہے تھے۔

”پر نیاں کہاں ہیں؟ اب طبیعت کیسی ہے بچی کی؟“ پاپا کو پر نیاں کی فکر لاحق تھی، جسے خصوصیت سے احوال دریافت کیا، صبح جب وہ گھر سے جا رہے تھے اس کی طبیعت بہت بگڑ گئی تھی، پچھلے کئی گھنٹوں سے پانی کا ایک قطرہ بھی اس کے حلق سے نہیں اتر سکا تھا، گہرے صدیے کے ساتھ ساتھ نقاہت نے اس پہ غشی کی سی کیفیت طاری کر دی تھی، یہ ایک نئی اور اچانک افتاد تھی جس سے شاہ ہاؤس کے مکین دوچار ہوئے تھے، سب کے بے تحاشا اصرار اور منتوں کے بعد کہیں جا کے پر نیاں نے کچھ نوالے زہر مار کیے تھے، مگر اس کی حالت پھر بھی قابل رحم ہی تھی۔

”اندر سے اپنے کمرے میں، وہی حالت ہے بدستور، کیسے سنبھل سکتی ہے بھلا، اس وقت تک جب تک معاذ کے حوالے سے دل کو تر نہیں آ جاتا۔“ ماما آنسو پونجھ رہی تھیں، انداز کی یاسیت و افسردگی کا کوئی انت نہیں تھا۔

”کوئی ہے نا پر نیاں کے پاس؟ بچی کو ہرگز بھی اکیلی نہ چھوڑیں۔“ پاپا کی نصیحت پہ ممانے اسی یاسیت آمیز پرملوں انداز میں سر کو اثبات میں جھنپش دی۔

”اسا اور نوریہ بھی ہیں خیال رکھ رہی ہیں مگر ڈالے تو گویا مستقل ہی ساتھ ہے پر نیاں کے، بہت نیک اور سعادت مند بچی ہے ڈالے، اللہ اس کا نصیب بہت سنہرا کرے آمین۔“ ماما پہ جیسے جیسے ڈالے کی خوبیاں فطرت اور مزاج آشکار ہو رہا تھا، وہ اسی حساب سے اس کی مداح و گرویدہ ہوتی جا رہی تھیں، پاپا کے فون پہ کوئی کال آ رہی تھی، جسے گہرا سانس بھرتے فون سمیت وہاں سے اٹھ گئے، ماما عصر کی نماز کے ارادے سے وضو کرنے واٹش روم کی سمت جا رہی تھیں۔

بغیر اسے گھورتا ایک جھٹکے سے پلٹ کر باہر جا چکا تھا، وہ پتھرائی ہوئی نظروں سے ملتے پردے کو دیکھتی رہی، روئی رہی، آنکھ سے ٹوٹ کر بکھرتے صرف آنسو ہی تو نہ تھے، ماضی کے کچھ دھندلے عکس بھی تھے، تصویریں بھی تھیں، جب..... جب عادت کے مطابق اک معمولی بات یہ وہ منہ سجا کر بیٹھ گئی تھی، ہر کسی سے شاک ہر کسی سے نالاں ہر کسی سے خفا ہو جانے والی زینب کو پھر کسی کی مجال ہوا کرتی کہ کوئی مناسکے کہ ایسی جرأت کرنے والوں کو وہ بغیر لحاظ کے پھاڑ کھانے کو دوڑ پڑا کرتی اور بقول زیاد سے اپنی عزت پیاری ہے، یہ بد تمیز لڑکی ایسے سموں میں ایک اہم بات بھول جایا کرتی ہے، ایسے میں ہمیشہ جہان آگے بڑھا کرتا، اپنے مخصوص دھیمے پر اثر محبت آمیز انداز و رویے کے ساتھ، مگر پھر بھی زینب اسے کتنا ستاتی تھی، شرائط ہوتیں جو ختم ہونے میں نہ آتیں، مطالبے ہوئے جن کا انت نہ ہوا کرتا، نخوت ہوتا تو وہ سنبھالنا نہ جانتا، وہ مانتے یہ شکن لائے بغیر ہر شرط مان جاتا، ہر عذر قبول کر لیتا، ہر مطالبہ سر آنکھوں پہ رکھتا، ہر ضد پہ مسکراتا بھی نہ بھولنا، اس پہ بھی زینب مان کر احسان کرتی، یہ احسان کتنے کتنے دنوں تک اس پہ جتلیا جاتا اور وہ سرخم کرتا مسکراتے جاتا، ایسے میں جو مہیا پھر معاذ کی نظر اس کے خردوں پہ اور جہان کی اطاعت گزاری پہ پڑ جاتی تو زینب کے ساتھ ساتھ جہان کی بھی کلاس لگ جاتی۔

”اسے بگاڑنے میں ہاتھ ہی تمہارا ہے بے! کون شادی کرے گا اس سے۔“ معاذ چڑا ہوا ہوتا تھا، ایسے میں وہ کسے پیاسی ہو جایا کرتی تھی، جو تمنا ہٹ جہان کے چہرے پہ اتری ہے جو نظروں سے مسکراہٹ چھلکی ہے، زبان سے بھی اقرار کی صورت بکھر جائے اور ایسا نہیں ہوا، اس خواہش میں خود وہ بکھر گئی، ایسے کہ پھر خود سے سبٹی ہی نہ جاسکی، کتنے بڑے بڑے نقصان ایک کے بعد ایک جھولی میں آن آن کرتے گئے، سیل فون کی گنگناہٹ پہ اس کی ساکن پلکوں میں جنبش ہوئی تھی، ماضی سے کٹ کر واپس جال میں آتے اس نے گردن موڑ کر بستر پہ پڑے سیل فون کو دیکھا، جس کی اسکرین روشن تھی اور بیل ہنوز گنگنا رہی تھی، سپاٹ چہرے کے ساتھ وہ قدم قدم چلتی بستر کے نزدیک آئی، اسکرین پہ تیمور کا نمبر روشن تھا، یہ نام وہ ڈیلیٹ کر چکی تھی، مگر نمبر ازبر تھا اسے، اس نے ہاتھ بڑھا کر فون اٹھالیا۔

”تیمور.....!“ الفاظ اس کے حلق سے تو کیلے کانٹے بن کر ہونٹوں تک آئے تھے، تیمور تو اس نوازش پہ حیران تھا، ریشہ کسی کیسے نہ ہوتا۔

”میری جان امیری زندگی! بولو مجھے یقین دلاؤ، تم نے میری کال پک کر لی ہے۔“ وہ بھاری بے ہنگم آواز میں ہنسنے لگا، زینب کے چہرے پہ عجیب سی زردی چھانے لگی، اس نے تھوک نکل کر حلق تر کیا، گویا ساری ناگواری کو زہر بنا کر اندر اتارا اور بے تحاشا اذیت سے دو چار ہونے لگی۔

”نون بن کیوں تھا تمہارا؟ میں کل سے ٹرائی کر رہی ہوں۔“ وہ بولی تو آواز بھیگ رہی تھی، تیمور کو ایک بار پھر اپنی سماعتوں پہ شبہ کا گمان ہونے لگا۔

”زے نصیب! آپ ہمارا فون ٹرائی کریں، کیا نصیب سے ہمارا ماشاء اللہ۔“ وہ پھر اسی گونجدار بے ہنگم انداز میں ہنسنے لگا، زینب کو یہ ہنسی زہر لگنے لگی، ناقابل برداشت۔

”لالے کو کہاں رکھا ہے تم نے؟“ وہ اسے ڈپٹتے ہوئے پھنکارا تھی، دوسری جانب کچھ لمحوں کو

جاتے درپچوں میں
خواب سوئے رہتے ہیں
آنکھ کے پیالے میں
ان گنت زمانوں کی
ریت گرتی رہتی ہے
ادھ بچھے مکانوں میں
جا چکے مکینوں کی
بات چلتی رہتی ہے
راکھ اڑتی رہتی ہے

دروازہ کھلنے کی آواز پہ زینب جو گھٹنوں پہ سر رکھے کب سے اس زاویے پہ ساکن بیٹھی تھی، ایک دم متوجہ ہوئی، جہان تھا، اپنے دھیان میں تیز تیز چلتا آیا اور الماری کھول کر کھڑا ہو گیا۔
”ک..... کچھ پتا چلا لالے کے بارے میں؟“ وہ خود اٹھ کر اس کے قریب آئی تھی، جہان نے ایک برہم نگاہ سے نوازا ضرور البتہ جواب دینا شاید اتنا ضروری خیال نہیں کیا تھا، کچھ کاغذات نکالے اور الماری کے پٹ بند کرنا واپس پلٹا تھا کہ زینب جو اس کے جواب کی منتظر تھی یہ بے اعتنائی سہمی یکدم مشتعل ہو کر اس کی شرٹ کو ہی پکڑ کر زور سے کھینچا تھا۔

”آپ کو سنا نہیں ہے بے! کیا پوچھا ہے میں نے آپ سے؟“ وہ چیخ پڑی تھی، آنکھوں میں بیک وقت آنسو بھی تھے اور غصے کے ساتھ غصے کا تاثر بھی، جہان نے گردن موڑ کر بے حد سرد نظروں سے اسے کچھ دیر دیکھا پھر بلکے سے جھٹکے سے اپنی شرٹ کا کالر اس سے چھڑوا لیا۔

”اب جو ہو رہا ہے، اس پہ صبر کرو، میں اگر یہ کہوں گا کہ یہ تمہارا ہی کیا دھرا ہے تو غصہ تو بہت آئے گا تمہیں۔“ پیشانی پہ شکنیں لئے وہ جھپٹے ہوئے انداز میں جتلا گیا تھا، لہجے میں بلا کا طنز اور زیریلا پن تھا، زینب اس الزام تراشی پہ انگشت بدنداں ہی رہ گئی تھی، ساکن غیر یقین چند ثانیے وہ اسے فٹ چہرے کے ساتھ یوں دیکھتی رہ گئی، گویا یقین نہ آتا ہو یہ جو کچھ اس نے سنا وہ واقعی جہان ہی کہہ چکا ہے اس سے، یہ سکتہ ٹوٹا تو جیسے اسے آگ سی لگ گئی تھی۔

”فضول بات مت کریں بے! کیا میں نے اس منحوس آدمی کو کہا تھا کہ.....“

”اس نے بہت غلط کیا جو میری بجائے معاذ کو اٹھوا لیا ہے، اسے اپنے ٹارگٹ پہ ہی ہاتھ ڈالنا چاہیے تھا، اسی بہانے تمہاری جان بھی مجھ سے چھوٹ جاتی۔“ بے حد درشت انداز میں ہاتھ اٹھا کر اسے ٹوکتے وہ جس طرح سے چیخا تھا، زینب صدمے سے گنگ رہ گئی، خطرناک حد تک تیز ہوتی دھڑکنوں کے ساتھ اس نے محسوس کیا اس کے گال بہت تیزی سے بھینگتے جا رہے ہیں، جہان نے تو کبھی اس قسم کا طعنہ نہیں دیا تھا، یہ اس کی فطرت ہی نہ تھی، اس وقت اللہ جانے وہ کس ذہنی عذاب سے گزر رہا تھا کہ اس طرح اس پہ چڑھ دوڑا تھا، زینب کی تمام حسیات یکبارگی ساکت ہو کر رہ گئی تھیں، دکھ صدمہ رنج بے مانگی، کیا کچھ نہ تھا اس کی دھندلاتی ہوئی آنکھوں میں مگر جہان پرواہ کیے

سناتا چھا گیا، یہ سکوت کے لمحے تیمور جیسے گھاگ کو صورتحال سمجھنے میں درکار تھے، غور کرنے کو ضروری تھے جبکہ زینب یہ گراں تھے، سخت گراں۔
 ”بولتے کیوں نہیں ہو؟ تیمور اک بات سن لو، جو گھٹیا حرکت کر چکے ہو کانی ہے، اس سے زیادہ کچھ نہیں، میں کہہ رہی ہوں ناں لالے کو معمولی گزرنہ بھی نہیں پہنچنا چاہیے، انہیں..... انہیں واپس آنے دو، چھوڑ دو خدا را۔“

تیمور تو جانے کس حد تک معاملہ سمجھا ہوگا، زینب نے خود سمجھا دیا سارا، وہ جس ذہنی کرب سے گزر رہی تھی اور جس سے اب جہان کے بیگانے بدگمان انداز سے جھٹلا ہوئی تھی، اس نے اس کی عقل سمجھ سوچ سب ضبط کر لی تھی، اسے شک نہیں یقین تھا، یہ کام تیمور کے علاوہ کوئی نہیں کر سکتا، اس یقین کا باعث تھا کہ وہ ہر قیمت پر معاذ حسن کو بچا لینے پر تل گئی تھی، دوسری جانب تیمور گیند اپنی آسانی سے اپنے کورٹ میں آتا پا کر خوشی سے پاگل ہونے کے قریب جا پہنچا تھا گویا۔

”بے وقوف سمجھا ہے مجھے زینب! اسے کچھ نہیں ہوگا، وہ صحیح سالم واپس بھی پہنچے گا، مگر اس ساری جاں کا ہی کچھ مطلب بھی ہوگا نا مجھے؟ میں نے یونہی یہ کام نہیں کیا، یہ تو تم بھی جانتی ہوگی، کچھ قیمت چکانا ہوگی کچھ انعام و کرام ہمیں بھی ملنا چاہیے۔“

وہ اصل موضوع یہ آیا تو باچھیں چیر رہی تھیں، زینب کی رنگت زرد پڑنی شروع ہوئی، وہ اس کی کیسنگی سے آگاہ تھی، اس کے باوجود اس کا دل اس سودہ بازی کے مرحلے پہ آکر پاتال میں گرنے لگا۔

”کیا چاہتے ہو؟“ اس نے گھٹی ہوئی آواز میں استفسار کیا تھا، جواباً تیمور نے مجنونانہ قسم کا طویل قہقہہ لگایا تھا۔

”اپنی کھوئی ہوئی متاع! اپنی زینب کے علاوہ کیا چاہئے ہوگا مجھے نادان لڑکی، واپس آ جاؤ میرے پاس، وہ منحوس جہانگیر تمہیں طلاق دے گا، تم عدت بھی میرے پاس گزارو گی، پھر باقاعدہ نکاح کروں گا میں تم سے..... وعدہ کرتا ہوں زینب، اب کچھ بھی غلط نہیں ہوگا، قسم لے لو، جو تمہیں کھو کر ایک دن بھی سکون کی نیند سویا ہوں میں، مجھ سے غلطی ہوگئی تھی زینب، اسے سدھار مل جائے، پھر تمہیں بتاؤں گا، کتنی محبت کرتا ہوں تم سے، تمہیں بھی تو بھولا نہیں ہوگا، میں پاگل تھا تمہارے لئے، اللہ جانے کیا ہو گیا تھا مجھے، کیوں عقل ضبط ہوگئی تھی میری، اس وقت کو کوستا ہوں۔“

وہ جوش میں جذبات میں بولے گیا یہاں تک کہ آخر میں آواز شدت جذب سے بھینگنے لگی تھی، وہ کس حد تک درست تھا، کس حد تک زیاں سے دوچار، زینب کو غرض نہیں تھی، اس کے اندر بس نفرت سرسرا رہی تھی، مطالبہ ایسا تھا، گویا پل صراط کا سفر، جو شروع نہیں ہوا تھا، اس کے باوجود اذیت بے انت تھی، بے شمار تھی، اس کی پوری دنیا بھی لٹ رہی ہوئی تو بھی خود کو اس راستے پہ نہ چلنے دیتی، اتنی ہی نفرت تھی اسے تیمور خان سے، مگر حالات و واقعات اس کی مرضی کے مطابق کہاں تھے، وہ تار عنکبوت تھے جن میں اس کا لاجار بے بس وجود جکڑا تھا، نجات کا راستہ یہی راستہ تھا، جس پہ خود اس کی موت تھی، مگر اب اس کے سوا چارہ نہیں تھا، اگر غلطیاں اس کی تھیں تو پھر سزا کسی اور کا حصہ کیوں ٹھہرتی، اس نے ضمیر کی عدالت میں پیش ہو کر یہ مقدمہ ہارا تھا اور سزا قبول کر

لی تھی، اس کے باوجود وہ تیمور سے محبت کرتی رہی تھی، بحث کرتی رہی تھی، مان لینے کے باوجود۔
 ”میں اس وقت تک تمہارے پاس نہیں آؤں گی، جب تک لالہ گھر نہیں آجاتے۔“
 اس کا دل رو رہا تھا، وہ اس راستے پہ مجبوری میں بھی چلنے پہ آمادہ نہیں تھی اور کوئی معجزہ چاہتی تھی۔

”کیوں گھبراتی ہو جان من! تمہارے لالے کو کچھ نہیں ہوگا، پورا سالم واپس کر س گے ہم پر نیاں ڈیر کو اسے، اس کے باوجود کہ ہماری امانت میں خیانت ہو چکی، یہ سوچ یہ خیال رنگ جاں میں خنجر اتارتا ہے، میری زینب کہ وہ رقیب روسیاہ کتنی بارتہم سے۔“

”ٹھک ہے، میں آ جاؤں گی، لیکن کوئی ضمانت بھی دو کہ تم لالے کو چھوڑ دو گے۔“ اس کی بے صحابانہ گفتگو کو روکنے کی خاطر ہی زینب نے بے اختیار اسے ٹوکا تھا، جواباً تیمور پھر قہقہہ لگانے لگا۔
 ”جیسے ہی تم خود کو میری تحویل میں دو گی زینب میں تمہارے لالے کو تمہارے سامنے آزاد کر دوں گا، یقین کر لو میری جان اور میرے پاس آ جاؤ جلدی۔“ اب وہ باقاعدہ چپک رہا تھا اور ملنے کی جگہ بتا رہا تھا، وہ خاموش رہی، اتنی آسانی سے اس کے جال میں پھنس جانے والی زینب اس قدر نادان اور احمق بھی نہیں تھی، اس انتہائی فیصلہ کا باعث کون جانتا تھا، جہان کا کچھ دیر قبل کا رویہ تھا، رنج و ملال کے احساس کے ساتھ اس نے جذباتیت کی انتہا پہ جا کر وہ فیصلہ کر لیا تھا، جو وہ پچھلے اتنے مہینوں میں نہیں کر سکی تھی۔

(اگر یہ سب میری وجہ سے ہوا ہے تو پھر مجھے ہی اس کا ازالہ بھی کرنا ہے، چاہے یہ ازالہ کتنا ہی جان لیوا کیوں نہ ہو) تیمور اسے ہر صورت یہ فیصلہ کرنے پہ مجبور کرنے کو معاذ کے قتل تک کی دھمکی سے بھی گریز نہیں کر گیا تھا، زینب کی آنکھیں جل جل اٹھیں، وجود میں جیسے بگولے اڑنے لگے، اس نے فون بند کیا تو اس کے انداز میں واضح شکست تھی۔

(ایک بار لالے کو چھڑ والوں، تمہیں تمہارے ناپاک ارادوں سمیت جہنم داخل کروں گی میں تیمور خان) اس کی آنکھوں میں آنسوؤں کی بجائے پہلی بار خون اتر آیا تھا۔

☆☆☆

نگاہ یار پہ پلکوں کی گر لگام نہ ہو
 بدن میں دور تلک زندگی کا نام نہ ہو
 وہ بے نقاب جو پھرتا ہے کٹی کوچوں میں
 تو کیسے شہر کے لوگوں میں قتل عام نہ ہو

معاذ کے اعصاب مکمل طور پہ شل ہو چکے تھے، بندھا ہوا جسم ایک ہی زاویے پہ رہنے کی بدولت جیسے اگر کرہ لٹھے بے جان ہوا جاتا تھا، نیلما کی شدت پسندی اس کے انداز سے عیاں تھی، وہ اس کے لئے کسی قسم کی گنجائش بغیر مطالبہ پورا ہوئے نکالنے پہ آمادہ نہیں تھی، معاذ کا مسلسل انکار اور بے رخی اس کی ضد کو بڑھا رہی تھی، گویا پاگل کر رہی تھی، معاذ کی سزا کے باوجود اس کے ارادوں میں فرق نہ آتا دیکھ کر نیلما جیسے نیم دیوانی ہوئی جاتی تھی، یہی وجہ تھی کہ اس نے معاذ کی بندش تک کھولنے کی اجازت نہیں دی تھی، کھانا اس نے چینی ہار بھی معاذ کو کھلانے کی کوشش کی، معاذ نے ہر

کھول دیتی ہوں میری جان! وہ اپنے مخصوص بے باک من چلے انداز میں کہہ کر بے ڈھنگے پن سے مننے لگی، گویا خود اپنی ہی بات یہ خود کو داد دی ہو، گویا خود اپنی بات پہ مزہ لیا ہو، معاذ کا چہرہ جانے کس احساس کے تحت سرخ ہو کر تھمتانے لگا۔

”اس سے پہلے بھی تمہارا بہت اچھا میچ نہیں تھا میری نظروں میں، مگر اب جس طرح تم نے اپنی حقیقت کھول کر میرے سامنے رکھی ہے، تم جیسی عورت یہ بس لعنت بھیج سکتا ہوں۔“ وہ جتنا بھڑکا تھا اس لحاظ سے برہمی سے تڑخ کر بولا، نیلما کا چہرہ سفید پڑ گیا، وہ کچھ دیر اسے ساکن، پتھرائی نظروں سے دیکھتی رہی، جب بولی تو اس کی آواز ڈوب رہی تھی۔

”میں اس لعنت سے چھٹکارا ہی پانا چاہتی ہوں چھوٹے شاہ! تم میری بات مان لو، میں ثابت ہو جاؤں گی، ہم کہیں باہر چلے جائیں گے، تمہاری بیوی بھی ساتھ ہوگی ہمارے، شاہ جی میں عزت کی زندگی کو ترس رہی ہوں، یہ نیکی کما لو تم، میری حسرت کو پورا کر دو۔“ وہ جیسے اس کے پیر پڑنے لگی، منت سماجت کا انداز تو ایسا ہی تھا، معاذ یکنخت سکتے میں آ گیا، اسے قطعی سمجھ نہیں آئی وہ کیا کہے، اس کا دماغ ماؤف ہو رہا تھا، اس کے اعصاب سن ہو رہے تھے، نیلما کی آہ و بکا ہر گزرتے لمحے بڑھ رہی تھی، معاذ کو اب اگر اس پر رحم نہیں بھی آ رہا تھا، تو نفرت بھی محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ اسے پہلی بار نیلما کا دکھ سمجھ میں آیا، اسے پہلی بار نیلما کی محرومی کا اندازہ ہو پایا، اس نے پہلی بار اس کی تکلیف کو محسوس کیا تھا جیسے۔

☆☆☆

اک بوند برس
اک اشک چھلک
خاموش نظر
کوئی بات تو کر
دل دکھتا ہے
تو میرے دل پہ ہاتھ تو رکھ
میں تیرے ہاتھ پہ دل رکھ دوں
دل درد بھرا
جو اس کو چھوئے
یہ اس سے ملے
اک لفظ محبت بول ذرا
میں ہمارے لفظ تجھے دے دوں
دل درد مراب کو آب سے بھر
تو میرے خواب پہ آنکھ تو دھر
میں تیری آنکھ میں خواب بھروں
خاموش محبت بات تو کر

بار نفرت سے منہ پھیر لیا تھا، یہ طے تھا اسے نیلما کے ہاتھ سے کھانا گوارا نہیں تھا، بھوک پیاس اور اس پہ یہ ذہنی و جسمانی اذیت وہ جیسے نا چاہتے ہوئے بھی ہار رہا تھا حالات کے سامنے، اس وقت بھی نیلما کی آمد کے ساتھ ہی یہ بہکتی آواز اس کے اعصاب پہ ہتھوڑوں کی مانند برسی، جبھی اس نے بے زار کن نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

کا ہی مائل مہین کپڑے کی بے انتہا خوبصورت ساڑھی میں وہ اپنے جگمگاتے سراپے کے ساتھ اس کے سامنے بیٹھی، پچھن کاٹن ہاتھ میں لئے گھونٹ گھونٹ حلق سے اتارتی اسے خار آلود نظروں سے دیکھ رہی تھی، اسے متوجہ پا کر ٹن اس کی جانب بڑھا کر بھنوں کو ترغیب دینے کے انداز میں جنبش دیتی زور سے ہنسی۔

”پی کر تو دیکھو ہنڈسم ادنیٰ بدل جائے گی تمہاری بھی۔“ اس کا انداز چھیڑتا ہوا تھا، معاذ نے گھن کھائے انداز میں نگاہ کا زواہ بدل ڈالا، وہ پھر ہنسنے لگی، پھر گنگنائے لگی۔

مجھے یقین ہے دنیا میں درد بڑھ جائیں
اگر یہ پینے پلانے کا اہتمام نہ ہو
بٹھا کے سامنے میں دیکھتا رہوں تم کو
سوائے اس کے مجھے دنیا میں کوئی کام نہ ہو
اب کے اس کے لہجے میں شرارت بھری مدہوشی تھی، وہ اسے پیاسی نظروں سے یک ٹک دیکھ رہی تھی۔

جو اس کو دیکھ لے محسن کی اک نظر سے تو
اس کے شہر کی گلیوں میں کبھی شام نہ ہو
وہ پھر چکی تھی، آج وہ کچھ زیادہ بے لگام ہو رہی تھی، معاذ کے چہرے پہ اضطراب چھانے لگا۔

”مان جاؤ میری جان! ابھی ہی بندشیں کھل جائیں گی، کیا بگڑے گا تمہارا؟ بلکہ فائدہ ہی فائدہ، اتنی تو حسین ہوں میں، پھر میری اتنی وسیع پراپرٹی، سب دے دوں گی تمہیں مشورہ لڑکے!“ وہ گویا اسے لالچ دے رہی تھی، اکسار ہی تھی، معاذ نے ہونٹ بچھنے رکھے، وہ کچھ بولنا نہیں چاہتا تھا، یا اس میں ہمت ناپید ہو رہی تھی۔

”بھوک تو لگی ہوگی نا تمہیں؟ کھانا کھلاؤں؟“ وہ اب کے قدرے سنجیدہ ہوئی، یا اس کی حالت کے سامنے لاچار، معاذ پھر کچھ نہیں بولا۔

”ضد چھوڑ کیوں نہیں دیتے؟ حالت اپنی دیکھ لو ذرا۔“ اس نے پھر ہاتھ بڑھا کر اس کا گال سہلایا، بڑھی ہوئی شیو خور و چہرے کی دلکشی میں اضافے کا باعث تھی، معاذ اس لمس سے ناگوار انداز میں کسمسایا، آنکھیں شدید ناپسندیدگی چھلکانے لگیں۔

”میرے ہاتھ کھول دو نیلما!“ وہ جیسے تڑخا تھا، نیلما اس قدر فدا ہوئی۔
”قربان ہو جاؤں اس فرمائش کے شہزادہ عالم! مگر ارادہ ظاہر ضرور فرمائیں، اگر مجھے بانہوں میں بھر کے گلے لگانے کا وعدہ کرو، مجھے سے ہونے والے نکاح کے پیریز یہ سائن کا عندیہ دو تو ابھی

فیصلہ مشکل ہو، راہ کٹھن تو جان کنی نصیب بن جایا ہی کرتی ہے، یہی اس کا نصیب تھی، وہ جتنا بھی رو لیتی، جیسے جیسے مرضی تڑپتی، اسے معلوب تو ہونا تھا، اسے جہان سے اک بار پھر دستبردار ہونا تھا، اسے ایک بار پھر خود کو تیمور کے بے رحم مرضی کے تابع کرنا تھا، یہ جتنا گوارا تھا، اس قدر اذیت انگیز اس سے بڑھ کر ضروری بھی۔

کسی نے کیا خوب کہا تھا کہ انسان کی فطرت میں سر جھکانا لازم ہے، یہ سر جھکانا انسان پر اللہ کی سب سے بڑی رحمت ہے، اللہ نے انسان کو ایک حد تک خود مختار بنایا ہے، اسے اعمال انجام دینے میں ایک حد تک آزادی دی ہے، لیکن اعمال کا نتیجہ کیا ہوگا اس پر انسان کو طاقت نہیں، اس لئے جب وہ اللہ پاک کے احکامات کے منافی کام کرتا ہے یا دل ایمان کی حلاوت بھول جاتا ہے تو وہ پھنس جاتا ہے، اس کے اعمال کے انجام اسے مسائل کی دلدل میں مزید کھینچتے ہیں، یہ وہ وقت ہوتا ہے اگر وہ سر جھکانے والا ہو تو اللہ کی رحمت سے اسے نکلنے کی راہ مل جاتی ہے اور وہ بالآخر جسمانی و روحانی بوجھ سے آزاد کر دیا جاتا ہے، لیکن اگر وہ سر جھکانے والا نہ ہو اور اپنے رب سے اجنبی ہو تو وہ منشی سے منشی ہوتا چلا جاتا ہے اور اس کی زندگی شدید عذاب بن کر رہ جاتی ہے۔

زینب کی فطرت میں بھی سرکشی بھی تھی، نخوت اور اکر بھی، جسے حالات نے واقعات نے شدید ضربیں لگا کر توڑا تھا، وہ اب وہ نہیں تھی مگر بہر حال خدا کی پوری اطاعت گزار بھی نہ بن سکی تھی، جیسی حالات کے سخت حال سے نکلنے میں بھی کامیاب نہیں ہو پا رہی تھی، یہی غفلت اس مصیبت کا باعث تھی مگر اسے خدا کے آگے گڑگڑانے کا خیال نہیں آ رہا تھا، وہ اپنے مسائل اپنی ناقص عقل سے حل کرنے میں لگی تھی، اسے جہان کا انتظار تھا، وہ اس سے حتیٰ بات کرنا چاہتی تھی، فاطمہ کو فیڈ کرانے اور پھر سلاتے خاصا ٹائم بیت گیا، اسے یقین ہوا جہان آچکا ہے تو اپنے کمرے سے نکل کر اس کے کمرے کی جانب آگئی۔

شاہ ہاؤس کے درو دیوار پہ ان دنوں ہر وقت مردنی چھائی رہتی تھی، ہر اس زدہ چہرے غم آنکھوں کے مین ہزاروں خدشے دل میں لئے جیسے سائیں ٹھینتے تھے، تلاش کا کام ٹھہری تو دعاؤں پہ ساری توجہ مرکوز ہوئی، اب کسی کی شکل کم کہا کسی کو نظر آتی تھی، زینب جتنی بار بھی اپنا دل ٹٹولتی..... اسے معاذ کے حوالے سے تسلی ملتی تھی، وہ لوٹ آئے گا یہ یقین ملتا تھا، مگر اس واپسی کو مشروط بھی کر دیا گیا تھا۔

”کون ہے؟“ وہ دروازے کے باہر آ کر رک گئی، دستک بہت مدہم تھی، جواب میں ڈالے کی مدہم اور کسی حد تک بوجھل آواز ہی گونجی تھی، زینب نے جواب دینے کے بجائے پھر دستک دی تھی، چند لمحوں کے توقف سے دروازہ کھل گیا، چوکھٹ پہ ڈالے کا چہرہ نظر آیا تھا، دوپٹہ شانے پہ ڈالے کھلے بالوں کے حصار میں مقید معصوم بے ریا چہرہ، زینب اسے دیکھتی رہی، عجب خالی نظریں تھیں، اس کی خوشی بخشی کا اسے پھر اندازہ ہوا تھا جیسے۔

”اندر آ جائے زینب آپ!“ ڈالے سائیڈ پہ ہو کر گویا اسے راستہ دے رہی تھی، زینب چونک گئی تھی، گہرا سانس بھرتے اس نے نگاہ کا زاویہ بدل کر کمرے میں جہان کو کھوجا جو اس بل واش روم کا دروازہ کھول کر باہر آیا تھا، بلیو جینز پہ بغیر شرٹ کے کسرتی وجود گلے میں سفید تولیا، بھمرے

بالوں سے ٹپکتے شفاف پانی کے قطرے، دونوں کی نگاہ لمحہ بھر کو چار ہوئی تھی، نگاہ کا زاویہ بدلنے میں جہان نے پہل کی، زینب کے دل کی دنیا زیروزیر ہونے لگی، اسے سمجھنے میں ایک لمحہ درکار تھا، وہ کتنا خفا تھا اس سے۔

”آپ سے بات کرنی ہے ضروری ہے!“ وہ جیسے منمنائی تھی۔

”ڈالے.....! شرٹ کہاں رکھ دی میری۔“ اسے نظر انداز کیے وہ برش اٹھا کر بالوں میں چلا رہا تھا، ڈالے تیزی سے آگے بڑھی اور سائیڈ پہ دھری اس کی شرٹ اس کی جانب بڑھا دی، پھر پلٹ کر اسے دیکھا۔

”زینب آپ اندر آ کر بات کر لیں، شاہ میں چائے بنا کر لاتی ہوں۔“

”جے کمرے میں..... میں آپ کا انتظار کر رہی ہوں۔“ ڈالے کی بات کا جواب دیتے بنا اس نے جہان کو بھی پھر مخاطب کیا تھا اور وہیں سے پلٹ گئی، اپنے کمرے میں آ کر وہ سکون سے نہیں بیٹھ سکی تھی، جب تک جہان نہیں آیا وہ ہنسی ہاتھ مٹکتی رہی تھی، جہان نے اندر آ کر اپنے پیچھے دروازہ بند کیا تھا، پھر آگے بڑھ کر کاٹ میں بے خبری اور سکون کی نیند سونی فاطمہ کو جھک کر پیار کرنے لگا۔

”آپ جانتے ہیں جہانگیر! میں آپ سے شادی نہیں کرنا چاہتی تھی، کبھی بھی نہیں، میں اس رشتے کو لے کر اب بھی آگے نہیں چلنا چاہتی ہوں، اس لئے آپ مجھے..... مجھے طلاق دے دیں۔“ اسے جتنی بھی دشواری محسوس ہوئی تھی مگر اس نے یہ سب کہہ ڈالا تھا، جو کچھ وہ ٹھان چکی تھی، اس کے بعد کی ساری ذلتوں میں وہ جہان کی بدنامی کی قائل نہیں تھی، یہ ضروری تھا، از حد ضروری کہ اب اس کا نام جہان کے نام سے جدا ہو جاتا، جہان جیسے تھا اسی زاویے پہ کھڑا رہ گیا، اس کی تمام حسات یکبارگی ساکت ہو کر رہ گئی تھیں، معاوہہ خود کو سنبھال کر بہت آہستگی سے اس کی جانب پلٹا، اس کی نظروں میں اس پل کیا تھا، یہ زینب میں دیکھنے کی تاب نہیں تھی، جیسی وہ سر جھکائے کھڑی رہی، جہان دو قدم آگے بڑھا تھا اور اس کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تھام لئے۔

”زینب.....!“ اس کی آواز سرگوشی سے مشابہہ تھی، جذبات سے بے انتہا بوجھل۔ اذیت کے شدید احساس سے لبریز، زینب نے پھر بھی پلکیں نہیں اٹھائیں، آنکھوں کے پیچھے آنسوؤں کا بوجھ بڑھتا جا رہا تھا، وہ خود کو ہرگز کوئی رعایت دینے پہ آمادہ نہیں تھی۔

”سوری فار دیت زینب! کہ میں بہت روڈ ہو گیا تھا تمہارے ساتھ..... حالات جیسے بھی ہوں مگر مجھے ایسے بات نہیں کرنی چاہیے تھی تم سے..... اس میں تمہارا قصور نہیں ہے، تمہاری جگہ کوئی بھی ہوتا اس سے یہ غلطی سرزد ہو سکتی تھی اور.....“

”میں نے کوئی غلطی نہیں کی ہے جہانگیر! یہ سب جو کچھ بھی ہوا، اک باقاعدہ پلان اور منصوبے کے تحت ہوا ہے، تیمور مجھے چھوڑ کر بچھڑاؤئے کا شکار تھا اور میں اسے پانے کی خواہش مند، آپ کو معلوم ہے، میں نے اسی سے محبت کی تھی، ہمیں ہر صورت ملنا تھا اور ملاپ کی راہ ایک ہی تھی، حلالہ..... ایسے میں اور کسی پہ مہروسہ نہیں کیا جاسکتا تھا سوائے آپ کے، اب وہ شرط پوری ہو چکی ہے، آپ کو مجھے چھوڑنا ہوگا۔“ ایک ایک لفظ اٹکارا تھا، جو اس نے کس جشن سے زیاں سے

پھینکا تھا، یہ جہان کیسے جان سکتا تھا، جو خود اذیت کے لاتنا ہی سمندر میں جا گرا تھا انکشاف ایسا تھا جو محبت و اعتماد کی دھجیاں بکھیر کے رکھ چکا تھا، کہاں کا مان اور کیسی محبت، سب کچھ ایسی بے یقینی کی زد پہ لا کر رکھ دیا گیا تھا کہ وہ خود کو خس و خاشاک ہوتا محسوس کر رہا تھا، اسے یقین نہیں آ سکا، زینب اس کے ساتھ ایسا کھیل بھی کھیل سکتی ہے، وہ یقین کرتا بھی نہیں اگر ماضی کے سارے حوالے سارے واقعات زینب کے خلاف نہ گواہی دے رہے ہوتے۔

”تم..... جھوٹ بول رہی ہو زینب! تیمور سے مت ڈرو، معاذ کو کچھ نہیں ہوگا۔“ متغیر رنگت کے ساتھ وہ ٹوٹے پھوٹے بے ربط لفظوں کے ساتھ بولا تھا کہ وہ چیخ پڑی۔

”بات لالے کی نہیں ہے، بات میری بھی ہے، مجھے ہر صورت تیمور واپس چاہیے۔“ جہان ایک بار پھر یکھت خاموش ہوا، گویا سکتے میں آ گیا ہو۔

”فیصلہ کریں جہان!“ وہ پھر چیخی اور جہان کا سکتہ جیسے چھتا کے سے بکھر گیا، وہ عجیب سی وحشت میں گھرتا دو قدم پیچھے ہوا اور اسے زور سے دھکا دے ڈالا۔

”تمہاری جو بھی مرضی ہو، یا اس واہیات انسان کی جو بھی خواہش، مگر یاد رکھو میں اب تمہارے ہاتھ میں کھلوتا بن کر نہیں رہ سکتا، میں یہ شیطانی کھیل نہیں کھیل سکتا، میں ہرگز تمہیں طلاق دے کر رب کی ناراضگی کا باعث نہیں ٹھہروں گا، حلالہ کا یہ تصور جو تمہارے ذہن میں تیمور نے پیدا کیا ہے سراسر ناجائز ہے، نکاح کھیل نہیں ہوتا کہ اسے بار بار کھیلا جاسکے، میں نے تمہیں قبول کیا تو اللہ سے عہد کیا تھا، ہر اس حق کو ادا کرنے کا جو رب نے اسے رشتے کے تقاضے سمجھائے ہیں، الحمد للہ میں کامیاب بھی رہا ہوں، اگر یہ ارادے تم پہلے ظاہر کر دیتیں تو میں بھی اس شیطانی کھیل کا حصہ نہ بنتا، جس کے لئے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شدید ناراضگی کا اعلان ہے اور اس کو کرنے والے پہ لعنت کی گئی ہے، اس لئے بھول جاؤ کہ میں ایسا کچھ کروں گا، چاہے تم خوش ہو یا ناراض۔“

وہ جتنا بھی خفا تھا، مگر اس وقت بہت تحمل اور برداشت کا مظاہرہ کر رہا تھا، زینب کا چہرہ ایک دم سے دھواں دھواں ہو گیا، اسے ہرگز اندازہ نہیں تھا، جہان اسی حد تک پختہ ثابت ہوگا، اپنے پیروں پہ کلباڑی مارنے کا بھی کوئی فائدہ نہیں ہوا تھا، الٹا شاید اس نے اپنے راستے مزید کھولنے کے لئے تھے، مزید راہوں میں کانٹے بچھا دیئے تھے، بے بسی کا مظہر آنسو ٹوٹ ٹوٹ کر اس کے چہرے پہ بکھرنے لگے، جہان نے اسے آنسو بہاتے ہونٹ بچھنچ کر دیکھا تھا، خوشنما آنکھوں سے مسلسل سے بہتے آنسو لال ہوتا چہرہ، عجیب پگھلا دینے والی صورت حال تھی، وہ خود کو برا بنا کر پیش کر رہی تھی، مگر جیسے بری نظر آنے میں ناکام تھی، اجلا چہرہ شفاف آنکھیں بے بس انداز از خود گواہی دیتے تھے اس کی معصویت کے اس کی لاچاری و بے بسی کے، اس کی مجبوری کے اس کی گھبراہٹ و خدشات کے ساتھ پشیمانیوں کے، جہان کا دل اس کی جانب سے صاف ہوتے دیر نہیں لگی، دل پکھلنے لگا، غصہ حسن کی شعاعوں سے جل کر خاک ہوا تو گہرا سانس بھرنا خود اس کے نزدیک آ گیا۔

”زینب.....!“ اس نے اس کا چہرہ ہاتھوں میں نرمی سے تھام لیا۔

”اب ہم میاں بیوی ہیں، ایسا رشتہ ہے ہمارے بیچ میں جس کو رب نے ایک دوسرے کے

لباس سے تشبیہ دی ہے، یعنی کسی کا بھی کسی سے کوئی بھی بھید پوشیدہ نہیں، تم کیوں مجھ سے چھپ رہی ہو؟ کیوں اپنا آپ عیاں کرنے سے خائف ہو، زینبی ان فاصلوں کو ختم کر دو، ہر جھجک بھول جاؤ، تمہارا ہر دکھ میرا دکھ ہے، کہو تو دل کا بوجھ ہلکا کر دو، ایسے خود کو تکلیف نہ دو، میں جانتا ہوں وہ تمہیں تنگ کر رہا ہے، وہ تم پہ دباؤ ڈال رہا ہے، تم وہ نہیں کرنا چاہتیں جو وہ تم سے کر رہا ہے، ہاں؟“ وہ مدھم لہجے میں بول رہا تھا، آواز کی گھمبیرتا، اپنا پن..... دوستانہ طلسم..... محبت کی کشش زینب کو جکڑنے لگی، ایسر کرنے لگی، وہ ڈر سی گئی خائف ہوئی تھی اور دونوں ہاتھ جہان کے سینے پہ رکھ کر دباؤ ڈالتے اسے خود سے دور دھکیلا تھا اور کئی قدم لڑکھڑا کر خود بھی فاصلے پہ ہوتی زور سے سر کو نٹی میں ہلانے لگی۔

”آپ اتنے خوش فہم کیوں ہیں جہانگیر حسن شاہ!“ اس کا لہجہ بیگانگی بے مروتی کا مظہر تھا، جہان اسے جھانپتی پرکھتی آزمائشی نظروں سے دیکھتا رہا۔

”معاذ کو کچھ نہیں ہوگا زینبی! آئی پر اس و دیو، وہ آجائے گا انشاء اللہ بہت جلد بالکل ٹھیک ٹھاک، ڈرو مت، تیمور کی باتوں کو اہمیت مت دو، آئندہ اس کا فون ہی نہ سننا رائٹ؟“

زینب نے جواب نہیں دیا، رخ پھیر لیا، جہان بہت دیر کھڑا رہا، جب وہ متوجہ نہیں ہوئی تو تھکے ہوئے انداز میں پلٹ کر چلا گیا تھا، اگلی صبح زینب نے اس کا بانی مردوں کا گھر سے جانے کا انتظار بہت بے صبری سے کیا تھا تیمور نے رات انتہائی دھمکی دے ڈالی تھی، اگر وہ نہ آئی تو مزید انتظار نہیں کرنے گا، معاذ کو واپس بھیجنے کا مگر مردہ حالت میں، زینب کے اندر جیسے الاؤ دہک اٹھے تھے، اسے سب بھول گیا تھا، سوائے معاذ کے، فاطمہ کو اس نے صبح ہی طبیعت کی خرابی کا کہہ کر ڈالے کے سپرد کر دیا تھا۔

ابن انشاء کی کتابیں

طنز و مزاح سفر نامے

- اردو کی آخری کتاب،
- آوارہ گرد کی ڈائری،
- دنیا گول ہے،
- ابن بطوطہ کے تعاقب میں،
- چلتے ہو تو چین کو چلئے،
- نگری نگری پھر مسافر،

شعری مجموعے

- چاند نگر
- اس بستی کے اک گوپے میں
- دل وحشی

لاہور اکیڈمی

۲۰۵ سرکلر روڈ لاہور۔

ذخیرہ نثری ادب

سینٹیوس قسط خلاصہ

سزا فریدی کو جہان کے نکاح کی خبر مشتعل کر دیتی ہے، شاہ ہاؤس میں آکر وہ اچھا خاصا واویلا مچا کر ڈالے کو ساتھ لے جانے پہ مصر ہوتی ہیں، مگر ڈالے ان کی بجائے جہان کی طرف داری کر کے اپنی محبت اور وفا کا ثبوت فراہم کرتی ہے۔
آفس جاتے ہوئے معاذ کو نامعلوم افراد اغوا کر لیتے ہیں، یہ خبر پریشانی کے ساتھ شاہ ہاؤس کے کپینوں پر بجلی بن کر گرنے والی ہے۔

اب آپ آگے پڑھیے



جیسے جیسے گاڑی آگے بڑھتی جا رہی تھی، اس کا دل اسی تیزی سے ڈوبتا جا رہا تھا، چادر میں سر تاپا خود کو چھپائے وہ بار بار بیک میں موجود رہا اور کچھو کچھو کر اپنے آپ کو مضبوط بنا رہی تھی، جس کی اس کی مظلوم جگہ بھول کے آگے جا کر رک گئی، زینب نے باہر نظر کر کرنا یہ ادا کیا تھا اور ٹریک کے اثر دھما سے بوجھل سرک کے دوسری جانب موجود بھول کو سر اٹھا کر دیکھا، جس کے ایک کمرے میں تیمور اس کا منتظر تھا، اس کے دل میں خوف دکھ اور کھن کا ایک گہرا احساس اترنے لگا، بیک کا اسٹریپ کا ندھے سے ڈالتے ہوا کے جھونکے کی شرارت کے باعث چادر کا کونہ اس کے چہرے سے ہٹ گیا تھا، جسے اگلے لمحے اس نے پھر سیٹ کر لیا، مگر یہاں پولیس اسٹیشن سے واپس آتا سکنل پہ گاڑی روک کے ہوئے جہان کی بونہی اتفاقاً نگاہ عین اسی بل اس پہ اٹھی تھی، نیکی سے نکلتی اس لڑکی پہ اسے زینب کا کھن گمان گزرا تھا مگر چہرے سے اسی بل ڈھلک جانے والی چادر نے جہان کو حیرت و غیر یقینی کے احساس نے منجمد کر ڈالا تھا، اسے غلطی سمجھ نہیں آ رہی تھی اگر وہ یہاں ایسے موجود تھی تو اس کے پیچھے بچہ کیا ہو سکتی تھی، وہ اپنی جگہ سے حرکت کرنے کے بھی گویا قابل نہیں رہا، مگر زینب اس کی موجودگی اس کی کیفیات سے بے خبر اپنے دھیان میں آگے بڑھ گئی تھی، اس کے رخ بھل کی عمارت کی جانب تھا اور اٹھتے قدموں میں ٹھہراہٹ و لڑکھڑاہٹ بہت واضح..... جہان کے دماغ میں جیسے یکبارگی کچھ ٹکک ہوا تھا، اگلے لمحے وہ گاڑی بونہی اشارت چھوڑ کر سرخ چہرے مشتعل انداز میں بنا کچھ مزید سوچے سمجھے اس کے پیچھے بھاگا تھا، اس کے ذہن کے گوشے میں بج اٹھنے والی کھن بہت تیز اور خطرناک سمت کی جانب اشارہ کرتی تھی، زینب کو اس نے بول کے داخلی دروازے پہ جالیا تھا۔

”کیا کرنے آئی ہو تم یہاں زینب.....؟“ اس کا راستہ اچانک روک کر وہ ہستے خطرناک تاثرات کے ساتھ استفسار کر رہا تھا کہ زینب جو اس کی غیر متوقع آمد پہ ہی شاکڈ ہو گئی تھی اس سوال پہ جیسے خوف کی شدت کے باعث باقاعدہ لرزے لگی، رنگ بالکل فق ہو گیا تھا، دھڑکنیں خطرناک حد تک تیز ہو گئیں، اس اچانک پڑنے والی افتاد نے اس کے حواس سلب کر لئے تھے، جہان نے شعلہ بار نظروں سے اسے دیکھتے اس کا بازو اپنی چار حانہ گرفت میں جکڑ کر ایک طرح سے اسے اپنے ساتھ کھینچا تب وہ ان تمام حساسات سے نکل کر گویا تڑپ اٹھنے کے انداز میں اس کی گرفت سے نکلنے کو چل گئی تھی۔

”چھوڑیں مجھے ہے.....! میں کہہ رہی ہوں مجھے چھوڑیں۔“ جہان کے چہرے کے خوفناک تناؤ سرد بریلی سنجیدگی، آن کی آن میں اتر آنے والے آنکھوں کے خون سے وہ جھنکی بھی متوجہ نہ تھی وہ ایک طرف مگر یہ بھی طے تھا جو اسے کرنا تھا وہ ہر صورت کرنا تھا، تیمور اس وعدہ خلافی پہ پیش میں آ کر کچھ بھی معاذ کے ساتھ غلط کر سکتا تھا، جو اسے ہرگز ہرگز بھی گوارا نہیں تھا، انجام سے تو بے پرواہ ہوتی گئی تھی وہ..... یہ تو اچانک ہونے والا جہان کا سامنا اسے گہراہٹ و سراسیمگی سے وہ چار کر گیا تھا، مگر یہ وقتی عارض احساس تھا، ورنہ اس کے عزائم میں کوئی جگہ نہیں تھی، جہان پہ مگر جیسے اس کی التجا کا اثر ہوا تھا، ہی مزاحمت کا..... زینب کوئی پیش نہ چلتی پا کر غم و غصے سے پاگل ہونے لگی، اس مقام پہ آ کر وہ کیسے ہار جاتی جبکہ سب کچھ داؤ پہ بھی لگ چکا تھا، اعتماد پوزیشن، سب کچھ، اسے اور

کچھ نہ سوچتا تو ذرا سا جھنجھتے جہان کے ہاتھ پہ پوری قوت سے دانت گاڑ دیتے تھے، جہان کی گرفت معمولی سی ڈھیلی ہو سکتی تھی مگر اتنی نہیں کہ وہ خود کو چھڑا پاتی، البتہ اس کے قدم ضرور ٹھم گئے تھے، اگلے لمحے زمین آسمان زینب کی نگاہوں میں گھومنے لگے، جہان کے ہاتھ کا زانے دار پھنڈر اس کے حواس چھین کر لے گیا تھا، ماحول اور لوگوں کی پرواہ کیے بغیر اگر وہ ایسا کر چکا تھا تو زینب ہی اس کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہیں رہنے دیا تھا، چادر میں لپٹی ہوئی لڑکی کو اپنے ساتھ گھسیٹتا ہوا خوب رہا میر گھیر نو جوان..... صرف یہی تماشاکم دل آویز نہیں تھا، سچ شاہراہ کے جس سے راہ گیر منظور ہو سکتے تھے کہ اس پہ عورت پہ اٹھنے والا مرد کا ہاتھ..... دلچسپی اور ریشمی کوگراں قدر بڑھا گیا، کئی تو آگاہ قدم اٹھانا پلک جھپکنا بھی بھول گئے۔

”ہاتھ ہولا رکھ پتر! زانی عورت کو اس طرح بازار میں تماشائیں بناتے۔“ ایک بزرگ نے نزدیک آ کر جہان کو تنبیہ ضروری خیال کی تھی، جس پہ کان دھرے بغیر جہان نے ایک طرح سے زینب کو اٹھا کر اس گاڑی کی سیٹ پہ بٹھا تھا اور دروازہ لاکڈ کر دیا، وہ سر تاپا شعلوں میں گھرا ہوا تھا جیسے۔

”کس سے ملنے آئی تھیں تم یہاں.....؟ جواب وہ مجھے.....؟“ جہان اپنی جگہ پہ آ کر بیٹھا تو دھماکے سے دروازہ بند کرتے ہوئے اس خون آلود نظروں سے دیکھا، جو حواس باختہ تھی اور شدتوں سے زہنی تھی، اس سوال پہ سر اٹھا کر اسے دیکھنے بلکہ گھورنے لگی۔

”تیمور سے ملنے..... اور میں اس سے ملے بغیر ہرگز نہیں جاؤں گی، دروازہ کھولو۔“ وہ خود کو سنبھال کر آنسو پونچھتے حلق کے بل چینی ٹکر اس وقت اس کا دماغ ماؤف ہونے لگا تھا، جب ایک بار پھر جہان کا اس پہ ہاتھ اٹھا تھا۔

”انف..... تم جیسی ہی بد بخت عورتیں ہوا کرتی ہیں جنہیں غیرت کے نام پہ قتل کرنا گریز ہو جایا کرتا ہے، تمہارا یہ روپ اتنا گھناؤنا ہے کہ نفرت ہو رہی ہے مجھے اس وقت تم سے۔“ زینب کی جانب سے ڈھٹائی کے مظاہرے نے جہان کو صبح معنوں میں پاگل کر ڈالا تھا، اس کی آنکھوں سے لہو نکلنے لگا تھا تو چہرے پہ اتنی نفرت سمٹ آئی تھی جیسے الفاظ میں بیان کرنا ممکن نہ رہا تھا، شدید غیض و غضب کی جانب اشارہ کرتی پیشانی کی رنگ بھر آئی تھی، اس نے دانت سختی سے بچھڑ کر رکھے تھے اور گاڑی فل اسپید پہ چھوڑ دی تھی، زینب کو ہر لحاظ سے اپنے ہار جانے کا یقین ہوا تو وجود میں سے جان نکلتی محسوس کرتی بے دم انداز میں بیٹھی رہ گئی، بے بسی کے منظر آنسو کتنی شدتوں سے بہتے رہے تھے۔

☆☆☆

پرینیاں کی حالت اور ذہنی کیفیت کے پیش نظر زیادہ سے زیادہ کی دوا سے کرسلانے کی تاکید تھی، ڈالے نے دودھ میں یہ دوا حل کر کے بڑی مشکلوں سے پرینیاں کو پینے پہ مجبور کیا تھا، چند گھنٹوں میں ہی پرینیاں پہ خنودگی اور پھر مکمل غفلت طاری ہوئی چلی گئی تھی، عدن بھی سوراہا تھا، ڈالے نے وہ نوبں پہ کبیل درست کیا اور کمرے سے باہر آ گئی، ماما کے کمرے میں جھانکا وہ چائے نماز پہ بیٹھی نظر آئیں، ہاتھ دعا کے انداز میں پھیلے ہوئے تھے اور آنکھیں تسلسل سے آنسو لارہی

تھیں، ڈالے کا بوجھل دل مزید بھاری ہونے لگا، آہستہ روی سے چلتی وہ اپنے کمرے میں آئی اور بیڈ پر سوئی فاطمہ کے پاس آ کر اس کے نرم سلی مال سہلانے لگی، اسی مل اس کا کچھ فاصلے پہ دھرا فون گنگنا اٹھا تھا، نیم یارک کمرے میں فون کی اسکرین کا مدھم اجالا پھیلنے لگا، جب تک اٹھ کر اس نے فون اٹھایا، تیل بند ہو چکی تھی، اس نے نمبر چیک کیا، مسز آفریدی اور نیلما کی لا تعداد مسڈ کالز تھیں، مسز آفریدی کو وہ کال بیک کرنے کا سوچ ہی رہی تھی کہ اسکرین پہ پھر نیلما کا نمبر جگمگانے لگا، ڈالے نے اس کی کال ڈسکلیٹ کی تھی اور مسز آفریدی کا نمبر ملایا۔

”آگنی ماں کی یاد.....؟ ابھی بھی کیا ضرورت تھی زحمت کی.....؟ مر جاتیں تو صورت دیکھنے کا تکلف برتا ہوتا۔“ مسز آفریدی جانے کیوں بھری بیٹھی تھیں، چھوٹے ہی شکوے شکایات کا دفتر کھول لیا، ڈالے گہرا سانس بھر کے رہ گئی۔

”تمی پلیز! میں آل ریڈی بہت اپ سیٹ ہوں، مجھے اور پریشان نہ کریں براہ کرم!“ اس کے سرد مہری سے نونے پہ دوسری جانب مسز آفریدی طنز یہ ہنسی بننے لگیں۔

”اچھا.....؟ تو تم بھی پریشان ہو سکتی ہو.....؟“ بات ایسی تھی جس نے ڈالے کو ناگواری سے ہمکنار ہی کیا۔

”کیوں.....؟ میں پریشانیوں سے مبرا کر دی گئی ہوں.....؟“ اس کے حلق میں کڑواہٹ گھلنے لگی۔

”دو بیویوں کو پریشان کرنے والے خود پریشانیوں کہاں پالا کرتے ہیں۔“ مسز آفریدی کے لہجے میں واضح سی واضح خنصر تھا، ڈالے کو خود پہ جبر کرنا محال لگنے لگا۔

”آپ کو ابھی بھی لگتا ہے می! کہ میں نے پریشان کیا ہے آپ کو.....؟“ وہ جیسے تھک کر سوال کر رہی تھی۔

”اس میں کوئی شک نہیں ہے پینا! تم سے بڑی بھی کوئی بے وقوف ہوگی عورت بھلا.....؟ اپنے ہی شوہر کو تقسیم کر کے بیٹھ گئیں۔“ وہ طنز یہ سرد انداز میں پھینک کر ڈالے کو چہرے پہ زبردندانہ پھیلنے لگا۔

”اگر سمجھا جائے تو یہ بے اختیار فعل بھی ہو سکتا ہے می! تقدیر کا فیصلہ بھی، جس کے سامنے انسان ازل سے بے بس رہا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ تاریخ اپنے آپ کو دہرا رہی ہو، اگر آپ نے کسی سازش کے تحت یہ کام دھڑلے سے کر لیا تھا تو پھر میں تو مکانات عمل کے حصار میں ہوں، کیسے بچ سکتی تھی اس اذیت سے، آپ سمجھ لیں میں تو اپنے طور پہ آپ کے گناہ یا غلطی کی تلافی اور از اس کی کوشش میں مسرف ہوں۔“ تمام تر تخی کے باوجود وہ جیسے رد پڑی تھی، مسز آفریدی کو کہاں تو قہقہے اس سے ایسے انداز میں آئینہ دکھلانے کی، وہ تو سنانے میں گھر گئی تھیں۔

”کیا بک رہی ہو ڈالے! اندازہ نہیں ہے تمہیں شاید۔“ وہ حواسوں میں لوٹی تھیں تو زہر سے غرائیں، ڈالے کے ہونٹوں پہ شگفتگی سے بھر پور مسکان اتر آئی۔

”آپ پریشان نہ ہوں می! جیسے آج تک اس معاملے میں میری زبان بند رہی، ایسے ہی ہمیشہ بند رہے گی، اس وقت تو آپ کو کسی اور مقصد سے کال کی ہے۔“ وہ بولی تو اس کی آواز

بھراہٹ کا شکار تھی، مسز آفریدی کی ناگواری ہنوز قائم دائم رہی۔

”مبولو.....؟“ ان کا انداز واضح سرد پن لئے تھا۔

”معاذ بھائی! آپ کی تحویل میں ہیں می! انہیں چھوڑ دیں، بس بہت ہو گئی ہے۔“ وہ کچھ ایسے

یقین ایسی رکھائی سے بولی تھی کہ مسز آفریدی حق دق رہ گئیں۔

”تمہارا دماغ تو خراب نہیں ہو گیا ہے ڈالے؟ اتنی بدگمان ہو گئی ہو مجھ سے کہ.....“ اس

الزام نے انہیں صحیح معنوں میں آپے سے باہر کر ڈالا تھا، دکھ الگ تھا۔

”بہت بڑی غلطی ہوئی مجھ سے جو تمہیں ان بدتمیزب اجڈ لوگوں میں بیاہ دیا، اتنے کینہ پرور

یہ لوگ کہ تمہیں یوں میرے خلاف اکسانے لگ گئے ہیں؟ ہر وہ کام جو تمہارے گھر میں غلط یا

خراب ہوگا، اس کی ذمہ داری مجھ پہ عائد ہو گئی اب؟“ وہ جیسے آتش فشاں لاوے کی مانند پھٹ

پڑی تھیں لہجے سے بلبلاہٹ دکھ اور گہرا طال بھی چٹک رہا تھا، ڈالے تو ان کے یوں پھپھک اٹھنے

پہ خود نیچوڑتے ہو کر رہ گئی۔

”تو آپ..... اس کا مطلب ہے..... یہ کام آپ نے نہیں کیا؟ مم..... مگر اس دن آپ کہہ

دھمکی دے کر گئی تھیں تو۔“ ڈالے اتنی ہی پزل ہو گئی تھی کہ سچا ہٹ میں بے ربط بے اوسان ہوئے

گئی، مسز آفریدی نے متاثرانہ انداز میں گہرا طویل سانس کھینچا تھا۔

”شباباش بے میری بیٹی! بہت خوب غیروں سے کیسا شکوہ جب اپنی اولاد ہی فرد جرم عائد کرنا

شروع کر دے۔“ وہ جیسے رہا تھی ہو گئی تھیں، ڈالے کو حقیقتاً تا نصف دلال اور شرمندگی نے آن لیا،

مسز آفریدی کا ہر انداز ہی ان کی بے گناہی کا ثبوت پیش کر رہا تھا، جو بھی تھا وہ بھی اپنے کسی بھی

جرم سے مکرئی نہیں تھیں، بلکہ اپنا کارنامہ فخر سے جتانے کی عادی تھیں۔

”سوری مم! مجھے مس انڈر اسٹینڈنگ ہو گئی ہے، آپ مائنڈ نہ کریں پلیز!“ اس نے منہنا کر

کہا مگر مسز آفریدی کا غصہ کہاں تمام ہوا تھا، جیسی وہ اس کے گلے پڑے لگیں۔

”مائنڈ تو نی نے ایسا کیا ہے کہ دل چاہ رہا ہے، واقعی ایسا کوئی کارنامہ انجام دے کر مزہ

چکھاؤں شاہ، دن تو، انہیں بھی پتا چلنا چاہیے میری اپر، سچ کا اور بے وقوف لڑکی غصے میں کہی ہر بات

پوری کرنے والی تھوڑی ہوتی ہے مگر تم.....“

”آئی ایم ساری می! ایک سیکیڈ کر رہی ہوں ناں میں۔“ ڈالے نے ایک بار نہیں بار بار ان

سے معذرت کی اور بڑی مشکلوں سے ان کا دوز بھال کر پائی تھی، ان کا فون بند ہونے پہ ڈالے

بے جان سی بیٹھ گئی، ایک امید تھی، جو پھر سے مایوسی میں ڈھل گئی تھی، اس کا دل گھبراہٹ کا شکار

ہونے لگا، معاً اس کے فون پہ ایک بار پھر کال آنے لگی، اس نے ہڑبڑا کر فون سامنے کیا، اس مرتبہ

پھر نیلما کی کال تھی، ڈالے نے مشتعل کرتے کرتے جانے کس جذبے کے تحت کال ریسیو کر لی۔

”جی.....؟“ اس کا لہجہ ناچاہتے ہوئے بھی خشک اور سرد ہوا، وہ بہت پہلے ہمیشہ کو نیلما سے فضا

ہو گئی تھی، اسے نیلما سے دائمی شکایتیں تھیں۔

”کیسی ہو جان نیلم!“ وہ اس کی آواز سنتے ہی چپکی۔

”کیوں فون کیا ہے؟“ ڈالے نے مخصوص قسم کے سرد پن سمیت سوال کیا تھا، جو صرف نیلما

کے لئے ہی مخصوص تھا، دوسری جانب گہرا سکوت چھا گیا، پھر وہ بولی تو لہجہ و انداز یکسر تبدیل ہو چکا تھا۔

"ہنی..... میری جان! کبھی تو مجھ سے بھی اچھے طریقے سے بات کر لیا کر، تمہیں تو اندازہ بھی نہیں ہوگا کہ مجھے براہ کرنے والوں میں نہ سہی مگر مجھے زندہ درگور کرنے والوں میں تمہارا نام بھی شامل ہو گیا ہے۔" نیلما کے لہجے و آواز میں ایسا کرب تھا جو براہ راست ڈالے کے دل پہ حملہ آور ہوا تھا، یہ وار بہت شدید تھا، ڈالے کے اعصاب شدید متاؤ سمیٹ ایسے، اندر دور تک سنانا پھیل گیا، وہ کچھ بولنے حرکت کرنے کے بھی قابل نہیں رہی، بات جتنی بھی سختی تھی مگر کیا شک کہ حقیقت سے بہت قریب تھی، اسے لگا یقیناً اس کے حلق میں کانٹے آگے آئے ہوں، خاموشی اور یہ سنانا ہر سو بڑھنے لگا، بے پناہ اذیت کے ہمراہ یہاں تک کہ نیلما نے خود ہی اسے مخاطب کر لیا تھا۔

"ڈالے! اک بات کہنی تھی، آخری خواہش سمجھ لو، اس کے بعد میں ملک سے باہر چلی جاؤں گی تو کبھی تم سے کچھ طلب نہیں کروں گی۔" اس کی خاموشی سے اپنے تئیں مایوس ہو کر وہ کئی انداز میں اگلی بات شروع کر چکی تھی، ڈالے کے وجود کو خفیف سا جھکا لگا۔

"پاکستان سے ہمیشہ کے لئے چلی جائیں گی.....؟" اس کی آواز بہت مدہم تھی، جیسے ڈوب رہی ہو۔

"ہاں..... ہمیشہ کے لئے، ایکچو نیلی میں شادی کر رہی ہوں ناں، آؤ گی مجھ سے ملنے؟ اس نوجوان سے بھی ملو اوں گی تمہیں، مجھے پورا یقین ہے، وہ تمہارے، وہاں سے کہیں زیادہ خوبہ بہتر ہے۔" اس کے لہجے میں انداز میں انوکھا سا فخر در آیا، ڈالے نے سوس کیا تھا، گہرا سا سانس بھرا۔

"ہنی میں نے سنا ہے تمہاری شادی بھی شاہ نیلی میں ہوئی ہے، کتنا عجیب اتفاق ہے نا کہ وہ لڑکا بھی شاہوں کا ہی ہے، جسے میں نے اشوایا ہے۔" جوش مسرت میں اس کے منہ سے ایک فضول بات بھی نکل گئی تھی، جس پہ اس نے زبان دانتوں تلے دالی جبکہ ڈالے اسی قدر چونکتی پوری جان سے ہل کر رہ گئی تھی۔

"اشوایا ہے..... کیا مطلب؟" وہ مضطرب ہوتی اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی، اس کا دل بہت خوف کے احساس سمیت تیز تیز دھڑکنے لگا، نیلما نے ابھی یہ بھی کہا تھا، اس لڑکے کا تعلق بھی شاہ نیلی سے ہے، اس کے اعصاب وحشت اضطراب اور تاؤ کا بیک وقت شکار ہو رہے تھے، دوسری جانب نیلما کا وہ حساب کہ بتا کر پھنس گئی تھی، اب وہ بات پلٹنا چاہ رہی تھی مگر ڈالے ہی ایک نقطے پہ آئی اس سے سب اٹھوا لینے کے درپے اسی ایک بات کے پیچھے پڑی رہی تو نیلما کو جھل انداز میں سہی مگر بتانا پڑا تھا۔

"ہاں ہنی..... دراصل وہ لڑکا کچھ پسند نہیں کرتا تھا مجھے..... بہت سو برا اور ڈینٹ ہے، میں تو اس کے بڑے بھائی یعنی کزن سے شادی کی خواہاں تھی مگر قسمت سے وہ ہاتھ لگ گیا، قدرت کو شاید یہی منظور تھا، جوڑے تو آسمانوں پہ بنتے ہیں ناں، سنا ہی ہوگا تم نے۔" خجالت سے تدبر کی جانب کا عنصر ابھی اس نے بہت تیزی سے طے کیا تھا، وہ کتنے مدبر انداز میں ہی اب اسے سمجھا رہی تھی، جبکہ ڈالے کا رنگ اب فق ہونا شروع ہو چکا تھا، شک کی گنجائش ہی نہ رہی تھی گویا، اس

سٹر مناک صورتحال نے ڈالے کا دماغ ماؤف کرنا شروع کر دیا تھا۔

"آپ کہہ رہی ہیں، آپ ہمیشہ کے لئے جا رہی ہیں تو پھر ملنے میں کوئی حرج نہیں سمجھتی میں، کہاں ملیں گی مجھ سے؟ اپنے گھر یہ ہی مل لیں، کسی بول میں شاہ یا شاہ کی نیلی میں مجھے کوئی دیکھ نہ لے، مجھے ڈر ہے۔" خود کو سنہال کر ٹوٹے اعصاب کو جوڑ کر حاضر دماغی کا ثبوت پیش کرنا اس وقت بہت کٹھن مرحلہ تھا، وہ اسی کٹھن مرحلے سے گزر رہی تھی، جو ہوا تھا جس انداز میں ہوا تھا، اس کے لئے رازداری شرط تھی، وہ کسی کو انوالو کیے بنا اپنی ایما پہ یہ سب کرنا چاہتی تھی، اسے کیا کرنا تھا، یہ اس کا ذہن سرعت سے سوچنے میں مشغول تھا۔

"تم سچ کہہ رہی ہو ڈالے! تم واقعی ملنے آؤ گی مجھ سے؟ اگر یہ ناممکن کام ممکن ہوا ہے تو مجھے اب پورا یقین ہو چلا ہے، معاذ بھی شادی پہ راضی ہو گا مجھ سے۔" وہ سرشار نہیں رہی تھی، ڈالے نے خود کو کانٹوں پہ برہنہ پا محسوس کیا تھا گویا، جیسی ہونٹ بھینچتے ہوئے آنکھیں سختی سے میچ لیں۔

"اس نوجوان کا پورا نام کیا ہے؟ جس سے شادی کرنا چاہتی ہیں آپ؟" وہ سینے میں گڑھی شک کی آخری کیل بھی کھینچ لینا چاہتی تھی، اس سوال کو کرتے اس کے لہجے میں مرنی ہوئی ڈالے کی اتا کر ارتقی تھی، غزت سسک رہی تھی، دھک دھک کرتے دل کے ساتھ شدت کی خواہش تھی کاش اس کا یہ پتہ یقین غلابا ثابت ہو جائے، مگر لازم نہیں ہر دعا قبول ہو "معاذ حسن شاہ!" نیلما کی تصدیق نے اس کی آنکھوں کی دہلیز پہ نمبرے کرب میں ڈوبے آنسوؤں نے ضبط کا واسن چھوڑ دیا، جو وہ برسوں سے پسینہ پھوٹ نکالا، نون اس کے ہاتھ کی گرفت سے چھوٹ کر نیچے جا گرا تھا۔

☆☆☆

لفظ ٹونے لب اظہار تک آتے آتے
مر گئے ام تیرے معیار تک آتے آتے
ہم سمجھتے تھے کہ کچھ وقت لگے گا شاید
اک انکار کو اقرار تک آتے آتے
ہاتھ رکھنا پڑا سینے پہ ہمیں بھی آخر
دل کہاں رہتا ہے دلدار تک آتے آتے
اک لمحے کی مسافت بھی بڑی ہوتی ہے
ہم کو اک عمر بھی یار تک آتے آتے

نیلما نے اس کی بندھیں کھول دی تھیں، ان چار دنوں میں معدے میں خوراک کے نام پہ اک ذرہ بھی نہیں جاسکا تھا، اس کی ساری توانائیاں چھڑ گئی تھیں مگر نیلما کے لئے کوئی گنجائش پھر بھی اس کے کسی انداز سے ظاہر نہیں ہوئی تھی، اتنے دنوں سے نہایا نہیں تھا، طبیعت میں کسلندی کے ساتھ بے زاری و اکتاہٹ بھی تھی جھنجھلاہٹ و خفگی بھی، نیلما نے حسب عادت اشعار پڑھتے ہوئے اسے کھانا پیش کیا تو معاذ نے ساتھ طے اور نخوت کا مظاہرہ کیے بغیر پیٹ کے تقاضے کے مطابق کھانا شروع کر دیا تھا، نیلما سامنے بیٹھی مسکراتی پیار لاتی نظروں سے اسے دیکھتی رہی۔

”کافی پیو گے یا چائے بنوادوں؟ اس کے بعد ہاتھ لے کر فریٹس ہو جاؤ، تمہارے شایان شان لباس مٹو لایا ہے میں سے، مجھے تو ایسے بھی پیارے لگ رہے ہو مگر سمجھ سکتی ہوں تم بہت امیری ٹیٹ ہو رہے ہو۔“ کھانے سے فراغت کے بعد اس نے ٹرے دور سر کائی تھی جب نیلما نے بڑے صلح جو انداز میں مزید التفات کی بارش برسائی، معاذ کے حلق میں کڑواہٹ بکھلنے لگی، اس نے سر اٹھا کر نیلما کو دیکھا نہیں گویا گھورا تھا۔

”نوجھینکس، اتنے احساسات کی ضرورت نہیں، کھانا بھی اس لئے کھایا کہ تین دن بعد حرام بھی حلال ہو جایا کرتا ہے۔“ اس جواب نے نیلما کو ششدر کر کے رکھ دیا، وہ ہونٹوں کی طرح آنکھیں پھاڑ کر اسے گھورنے لگی، چڑھی ہوئی تیوری کے ساتھ مگر معاذ نے پروا نہیں کی تھی۔

”اس کا مطلب تمہاری اکڑ ابھی بھی ختم نہیں ہوئی؟“ وہ جیسے ہنسی بھری تھی، متوقع ٹھکست یا پھر اتنی جاں کا ہی کا بے کار جانا اسے صدمے سے چور کرنے کو کافی تھا، معاذ نے کانڈھے اچکا دیئے۔

”ہاں تسلیم کرنا مرد مومن کا شیوہ نہیں ہے۔“ اب کے معاذ نے دل جلانے والی مسکان لبوں پہ سہالی تھی، بھوک مٹی تھی تو مرنی ہوئی صلاحیتیں پھر سے بیدار ہو گئی تھیں، وہ حالات کا ڈٹ کر مقابلہ کرنا چاہتا تھا۔

”دیکھو اگر کوئی حماقت کرنے کی کوشش کرے، گے تو خواجوا مارے جاؤ گے، بھول جاؤ اس بات کو کہ میری مرضی کے خلاف تم یہاں سے نکل سکتے ہو، دروازے، کھابھرا سلحہ، یہ میرا آدن کھڑا ہے جس کا کام ہی تمہیں واج کرنا ہے۔“ وہ ہرگز دھمکی نہیں دے رہی تھی، اس کے باوجود معاذ کو خائف نہیں کر سکی، وہ جو اب کانڈھے بھٹکتا بے فکرے انداز میں مسکرانے لگا۔

”اس اہم ترین اطلاع کا بہت شکریہ، آپ اب کچھ کہنا چاہیں گی نیلما آئی؟“ معاذ نے جیسے استہزا کرنے کا آغاز کیا تھا، نیلما کی دودھیارنگت ایکدم سے ختم ہو گئی، آنکھوں میں بے بسی اور شرارے پھوٹنے لگے تھے، اس سے قبل کہ وہ کچھ بولتی ملازمہ، ہم اطلاع کے ساتھ چلی آئی۔

”میم! آپ سے کوئی لڑکی ملنے آئی ہے۔“ نیلما نے چونک کر اسے دیکھا، اس کے چہرے پہ پہلے حیرت پھر کسی خیال کے تحت ایک نکتہ ریشیاں سی جگمگائیں، کچھ کہے بغیر وہ تیزی سے پٹی اور بھاگنے کے انداز میں دروازے سے نکل گئی، معاذ نے اس درجہ جوش و خروش اور ترنگ کو حیرت کی نگاہ سے دیکھا تھا اور کچھ نا سمجھے ہوئے آگے بڑھ کر در سے بچے کا پردہ ہٹا کر باہر جھانکنے لگا۔

نیلما جس وقت طویل اور سنسان رانداری عبور کر کے ڈرائیونگ روم میں آئی اس کا سانس باقاعدہ پھول رہا تھا، سیاہ چادر میں سر تاپا ڈھکی وہ نازک لڑکی ڈالنے کے علاوہ کوئی اور نہ تھی، اس کے باوجود نیلما کو اپنی بے ساروتوں پہ اپنی خوش بختی پہ یقین آ کر نہ دیتا تھا، یہ ایسا خواب تھا جو اس نے جاگتی آنکھوں سے بار بار دیکھا تھا، یہ ایسا خواب تھا جس کی اسے کبھی تعبیر نہ ملتی تھی، اب جبکہ وہ سامنے تھی، پاس تھی نیلما کو اس حقیقت پہ خواب کا گمان ہونے لگا تھا۔

”ڈالے..... ہنی.....! میری جان، میری جان!“ اس نے غم آنکھوں سے ڈرتے ڈرتے اسے چھو اور ہنس کر رہی اور جیسے رگڑی، ڈالے نمناک نظروں سے اسے دیکھتی رہی۔

”تم سچ مجھ میرے پاس ہونا؟ میرے سامنے۔“ اس کا لہجہ سرگوشیا نہ تھا، خواب آسا، ڈالے پہ عجیب سی جذبات کا غلبہ تھا، جن کا اسے اس سے قبل کبھی تجربہ نہ رہا تھا، اس نے کچھ بولنا چاہا مگر زبان نے ساتھ نہیں دیا، وہ بھینکی آنکھوں سے سر اشات میں ہلانے لگی۔

”مجھے یقین دلاؤ ہنی! میرے گلے لگ جاؤ پلیز۔“ نیلما نے ہاتھیں کھول دیں، پھر بے قراری سے اسے بازوؤں میں سمو کر سینے میں بھر لیا، ڈالے کا دل بے تحاشا گداز ہو رہا تھا، وہ جیسے پلاسٹک کی گڑیا میں ڈھل گئی، نیلما کی شدتیں اس کی دیوانگی دے بے قراری اس کی ہر حرکت سے ہی نہیں، اس کے بے رعبا فقرہوں سے بھی عیاں تھی۔

”مجھے سمجھو نہیں کھانا، آپ مجھے ان سے ملو انہیں پلیز۔“ نیلما کے ایک آرڈر پہ ڈالے کے سامنے طویل میز لوازمات سے سج گئی تھی، اصرار کے جواب میں ڈالے نے نرمی سے نو کا تو نیلما کا چہرہ اتر سا گیا۔

”یہ تو بتاؤ، تم مجھ سے ملنے آئی ہو یا اس سے؟“ سوال طنز یہ نہیں تھا، دکھ کی شدت کی انتہا پہ جا کر ہوا تھا، ڈالے بے انت خفت کا شکار ہوئی نظریں چرا گئی تھی، نیلما کو اس کے احساسات کی کیا خبر ہو سکتی تھی، ہاتھ بڑھا کر اس کا گال سہلانے لگی۔

”میں آج کا سارا دن تمہیں اپنے پاس رکھوں گی ڈالے! تمہاری تصویر اپنی نظروں میں محفوظ کرنے کے لئے، اتنا وقت دو گی مجھے؟“ وہ ہر اپا سوال بنی نظر آئی تھی، تفتی حسرت تھی اس کے ہر انداز میں، ڈالے میں انکار کی سکت نہیں رہی، وہ کیسے بتاتی وہ اپنی جان ہی نہیں اپنا گھر گریہ سستی یہاں تک کہ جہان کا اعتماد بھی داؤ پہ لگا آئی تھی، مگر اب یہاں اس مقام پہ غلبت کا مظاہرہ کام بگاڑ بھی سکتا تھا، وہ حد درجہ محتاط تھی۔

”تمہیں میرا خیال آ ہی گیا ہنی، کیا میں سمجھوں کہ تمہارے دل میں میرے لئے نرم گوشہ پیدا ہوا ہے؟“ نیلما کی آنکھوں میں خوش امید تھی مگر خوف نامیدی کی چادر میں لپیٹی ہوئی ڈالے کے الفاظ ذہن کھینچیں، ایک تاثر کو اقتدار دے سکتے تھے، وہ جانتی تھی جیسی اس کے ہونٹوں پر احمال ہنسنے کا تھا، وہ کیا کیا مجبوری بتاتی اسے۔

”یہی سمجھ لیں، خود ہاں بننے والی ہوں ہاں شاید، اس لئے۔“ وہ جانے کس رو میں کہہ گئی تھی، جبکہ نیلما کو خوشگوار حیرت نے آن لیا، وہ کچھ دیر یونہی اسے جگمگاتی نظروں سے اسے دیکھتی رہی تھی پھر مسکرا دی۔

”بہت پیاری لگو گی ماں بن کر، اللہ تمہیں اولاد کی فیر پور خوشیوں سے نوازے آمین۔“ یوں بزرگانہ انداز میں دعا دیتی ڈالے کو وہ بہت الگ بہت عام سی عورت تھی، جو مصحوم بھی ہوتی ہے، بے ریا بھی، متخلص بھی ہوتی ہے، وفا دار بھی، عام ہو کر بے حد خاص عورت، کاش وہ سچ سچی ایک رہ پ رہتی ہوئی، ڈالے کا دل سکھنے سا لگا۔

”میاں لینت جاؤ ڈالے میرے پاس۔“ وہ اسے اپنے بیڈ روم میں لے آئی تھی، پھر صرف کہا نہیں تھا، جگڑ کر اسے لٹا بھی دیا، ڈالے نے مدافلت نہیں کی، وہ اس کی ہستی کو تاراج کرنے آئی تھی، اس سے قبل وہ اسے اپنی ذات سے کوئی خوشی دے سکتی تو ملامت کا احساس قدرے کم بھی پڑ

سکتا تھا، نینما خود اس کے پاس بستر پہ نکل گئی، اس کی نگاہوں میں بیک وقت خوشی بھی تھی اور ناتمام حسرتیں بھی۔

”تم اگر براندہ مانو تو..... تو میں تم سے پیار کر لوں گا۔“ اجازت طلب کرتے ایک عورت کی ماتا میں انجانی بلک تھی، آنکھوں میں صراوٹوں کی دھول انکار کے خدشے کے ہمراہ بھی اڑتی دکھائی دیتی تھی، وہ بہت حراماں نصیب رہی تھی، عمر بھر ہر جائز خواہش کو ترسنے والی، اسی پہ جھکی وہ کتنی یاس آزرہ آہ آہ میں اجازت طلب کر رہی تھی، ڈالے کا دل شرمندگی رنج کے بے کراں احساس سے لبریز ہوا تو آنکھیں اس حراماں نصیب عورت کی بے بسی پہ برس پڑی تھیں، اس میں کچھ کہنے کی تاب نہیں تھی، محض سر ملایا تھا اور خود آنکھیں بند کر لیں، نینما جو ہمیشہ پیاسی زمین رہی تھی اس پہ کھٹکھٹا رہتا بن کر برستی تھی، پتا نہیں وہ محبت کے ماتا کے اس بے بہا خزانے سے اسے سیراب کر رہی تھی یا خود کو، اس وقت وہ بدنام آنسوؤں کا کارہ نہیں ماتا کے ترستے ہوئے جذبوں سے لبریز دل رکھنے والی ایک عام عورت تھی، جسے اس کی اولاد صدیوں کے انتظار کے بعد ملی تھی، ڈالے کے ذہن سے بھی اس کا ماضی اس کا کردار سب محو ہو گیا تھا، اس نے اپنی ہانہیں پھیلائی تھیں، نینما کے وجود کو جکڑ لیا تھا، دونوں طرف آسودگی تھی، دونوں طرف آنسوؤں کی برسات تھی، جانے کتنی دیر بیت گئی، دلوں کا بوجھ تھا کہ ہلکا ہونے میں ہی نہیں آتا تھا، یہاں تک کہ آنسو ختم ہو گئے، ڈالے نے نینما کے کاندھے سے سر اٹھایا تو خود کو اس کی کئی مہینے پیار بھری نظروں کے حصار میں پایا تھا، مگر ڈالے کی آنکھوں میں آگاہی کا کرب بھی تھا اور شکوک بھی۔

”نہیں اب واپس جانا ہوگا۔“ اس کی نگاہ وال کا اک پہ انھی تو اس یکتا بیدار ہو گئے تھے، نینما نے اس کا ہاتھ پکڑ کر توجہ اپنی جانب مبذول کرانی۔

”اک بات کہوں ہی!“ انداز کی بے تزاری پہ ڈالے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگی تھی۔
 ”میں خود کو اس قابل نہیں پاتی کہ تم سے معافی طلب کر سکوں، لیکن جہاں مجھ پہ اتنا بڑا احسان کیا ہے وہاں اک اور کرم کر دو مجھ پہ پلیز، مجھے..... مجھے..... اک بار اپنی زبان سے ماں کہہ کر پکار لو۔“ بات مکمل ہونے سے بھی پہلے وہ پھوٹ پھوٹ کر رد پڑی تھی، ڈالے گھراس گئی۔
 ”میری اس شدید خواہش کو پورا کر دو ڈالے! مجھے میری نظر میں سرخو کر دو۔“ وہ اسی طرح زار و قطار رو رہی تھی، ڈالے کا سکتا ایک چھنا کے سے ٹوٹا تھا، وہ تڑپ کر آگے ہوئی تھی اور ایک بار پھر اسے بازوؤں میں بھر لیا تھا۔

”اُمی..... پلیز اُمی، مت روئیں، مجھے اس طرح شرمندہ مت کریں۔“ اس کے آنسو چختے وہ خود بھی سسک اٹھی تھی، جبکہ نینما نے اس معتبر احساس کو پا کر خوشی و انبساط کے ساتھ فخر کے احساس میں گھرا سے دیکھا۔

”اُمی.....!“ اس کی نگاہوں میں حیرت و خوشی کا دلنشین استخراج ابھرا، ڈالے نے سر کو اثبات میں ہلاتے اس کا چہرہ ہاتھوں میں تھام لیا۔

”یہ لفظ آپ کے لئے ہی تھا اُمی..... میری اصل اور حقیقی ماں کے لئے، کہ ماں جو ہو وہ نہی نہیں ہوتی اور جو مٹی ہو وہ کبھی ماں نہیں ہو سکتی۔“ اس کی آواز میں اس کی آنکھوں میں نامعلوم دکھ کی

آمیزش چلی ہوئی تھی، نینما نے اس کی بات کا مقصد سمجھا تھا اور جیسے تباخراور خوشی کے احساس سے بے حال ہو گئی، اس نے سرخوئی مانگی تھی اور اسے سرخوئی مل گئی تھی، خدا ایسے بھی نواز دیا کرتا ہے، اپنے بندوں کے ذریعے بندوں کو خوشی و فخر سے ہمکنار کرتا ہے، اس سے بڑھ کر کیا سرخوئی ہو سکتی تھی کہ ڈالے نے ”سزا آفریدی کو جھٹلا کر اسے سچائی کے مرتبے پہ فائز کیا تھا، وہ روٹا بھول کر کھلکھلانے لگی، ڈالے دکھ سے بھری نظروں سے اسے دیکھے گئی، زندگی آپس میں عجیب عجیب دورا ہے۔ لے آئی تھی، جہاں بے بسی تھی، مجبوریاں تھیں، لا چاری تھی، شرمندگی و تاسف تھا، ملام تھا، رنج تھا۔

”ایک بات میں بھی کہوں اُمی!“ اس نے بہت آہستگی سے نینما کا ہاتھ پکڑ لیا تھا، نینما نہال ہو گئی تھی بلکہ قربان ہونے لگی۔

”سو باتیں کہو میری جان! سو باتیں اور بلا جھجک کہو۔“ اس نے مہکتے انداز میں کہہ کر ڈالے کی پیشانی چومی۔

”آپ میری بات مانیں گی؟“ ڈالے کے دل میں انجانے خدشے اور درد ہلکورے لینے لگا، نینما نے اسے بغور دیکھا تھا، پھر عجیب انداز میں مسکرائی۔

”تم اگر مجھ پہ یہ احسان نہ بھی کرتیں ڈالے اور مجھ سے کوئی بات منوانا چاہتیں میں تب بھی تمہاری بات رہنمائی کرتی، کہہ کر تو دیکھتیں، اب کہہ کر دیکھ لو، آزما لو۔“ نینما کے انداز میں محبت تھی، سخاوت تھی، عنایت تھی، وفا تھی، بے تحاشا خلوص تھا، ڈالے کو اپنی غرض اپنی سوچ پہ عداوت نے آن لیا، اس کا دل کتنے ساگ، وہ تھی دیر کچھ نہیں کہہ سکی، زندگی کے کس مرحلے پہ آ کر نینما نے اس کا دل جیتا تھا، جب اس کے پاس اس بد نصیب عورت کو دینے کے لئے کچھ بھی نہیں بچا تھا اس کے پاس، وہ بے دردی سے ہونٹ کھلنے لگی، پلکیں جھپک کر آنسو اندر اتارتے اس نے نینما کو منظر بانہ انداز آک نظر دیکھا۔

”معاذ حسن کو چھوڑ دیں اُمی، پلیز اُمی!“ اس نے ایک دم سے اس کے دونوں ہاتھ پکڑ کر ان پہ پھرہ جھکانے دوئے اس کے ہاتھ پہ بوسہ ثبت کیا، نینما کو شاک لگا تھا جیسے، مسکراہٹ اس کے ہونٹوں سے سکڑتے سکڑتے بالکل غائب ہو گئی، اس نے تجرید غیر یقینی کی کیفیت میں گھرتے ڈالے کی جانب دیکھا تھا۔

”کیا کہا تم نے؟ میرا مطلب ہے ایسا کیوں کہا تم نے؟“ وہ ہنوز شاکد تھی، ڈالے نے ہونٹ بھینچ لئے۔

”تم جانتی ہو اسے؟ اور اس کے باوجود یہ کہا ہے کہ میں..... میں تمہیں سب کچھ بتا چکی ہوں؟“ الفاظ نینما کے حلق سے جیسے پھنس کر نکل رہے تھے، اس کی آنکھوں میں کرب گہرا ہوتا جا رہا تھا، وہ جیسے ابھی تک غیر یقین تھی، ڈالے نے نظریں چرائیں، وہ خود کو عجیب مشکل میں گھرا اذیت میں مبتلا محسوس کر رہی تھی۔

”جی..... اس کے باوجود..... اور اُمی..... پلیز مجھ سے وجہ نہ پوچھئے گا۔“ اس نے آنسو بہاتے ہوئے اتنی عاجزی سے کہا تھا کہ نینما اسے دیکھتی رہ گئی، کچھ دیر ساکن رہی، پھر آہستگی سے

سر جھکا لیا تھا۔

”تمہیں پوچھتی..... ٹھیک ہے، سمجھ لو چھوٹا شاہ آزاد ہو گیا اور کچھ؟“ نیلما کی آواز میں صرف بھراہٹ نہیں اترتی، لہجے میں ٹوٹے کاغذ کی بھی چھٹک تھی، ڈالے کے دل میں کوئی کیل گڑھ گئی، وہ اٹھ کھڑی ہوئی، اس میں اتنی تاب نہیں تھی کہ وہ ٹوٹ جانے والی مکمل طور پر ٹوٹ جانے والی نیلما کا دکھ کی وراڑوں سے اچھرہ دکھ لیتی، حالانکہ دل کتنا تڑپا تھا، زندگی بھر بیٹی نہ بننے والی عمر بھر ماں کو تڑپانے والی خود غرض بیٹی اک لمحے میں ماں کو تہی دست کر دینے والی دنیا اجاڑ دینے والی ماں کا چہرہ دیکھ لے، عورت ماں بن جائے تو عظیم رتبے پہ فائز ہو جایا کرتی ہے، نیلما جیسی عورت نے بھی اس رتبے کی لاج رکھ لی تھی، وہ اس عودت پہ فخر کر سکتی تھی، جس کو اس نے ہمیشہ شرمندگی کا باعث جانا تھا، مگر وہ پتھر کی ہو جانے کے خوف سے پلٹی نہیں تھی، لیکن پتھر کا ہو جانے کے لئے پلٹنا شرط بھی نہیں ہوتا۔

☆☆☆

”اللہ! اللہ! بس کرو پلینز، میرے حالی پہ رحم کرو، میں کھلے مل کر تھک گیا ہوں۔“ معاذ جس طرح اجانک غائب ہوا تھا، ویسے ہی چلا بھی آیا، اس کی آمد کے ساتھ ہی شاہ ہاؤس میں جیسے زندگی جاگ اٹھی تھی، رجو کی نگاہ ہی سب سے پہلے اس پہ پڑی تھی، جس طرح وہ عجیب و غریب آواز میں نکالتی چلائی ہوئی اندر بھاگ گئی، اس سے معاذ خود تشویش کا شکار ہو کر رہ گیا نہیں خدا نخواستہ شکل تو نہیں تبدیل ہو گئی، پھر تو ایک دم سے ماحول بدل گیا تھا، جو جہاں کہیں بھی تھا، اس کے گرد جمع ہو گیا، جو گھر پہ نہیں تھے انہیں خوشی خوشی فون کر دیئے گئے، ماما اور ماما جان نے تم ویش بھی تمہیں سے چالیس بار گلے لگا کر اسے پیار کیا تھا، گویا اس کے بیچ سالم واپس آ جانے پہ انہیں یقین ہی نہ آتا ہو، آگے انہیں خوشی اور تشکر کے احساس سمیت بار بار چھلکتی تھیں، ماما اور ماما جان کے علاوہ جب زینب بھی اسی پاگل پن کا شکار ہوئی تیسری سے چوتھی بار اس کے گلے لگ کر روئی تو معاذ نرمی سے یہی مگر جھنجھلا گیا تھا۔

”افوہ..... کیا ہو گیا ہے اللہ کی بندی اتنے دنوں سے نہایا نہیں ہوں، مجھے تو خود اپنے آپ سے ہشت ہو رہی ہے، مگر تم لوگوں کو بیسے پرواہ ہی نہیں اور چیخے جا رہے ہو، ویسے بھی کچھ نام میری بیوی کو بھی تو دہ میرے قریب آنے کا، دیکھو بے چاری کا سب سے زیادہ برا حال ہو رہا ہے میرے فراق میں۔“ معاذ کی وہی مخصوص باتیں تھیں، جہاں روئی کی نڈھال پر نیاں جھپٹی، وہاں زینب بھی غفت زدہ رہ گئی تھی، ایسے میں کچھ فاصلے پہ موجود جہان کی آج ویتی نظروں کا احساس اسے سر تا پا بھلساتا چلا گیا تھا، اس کی سماعتوں سے صرف وہی تو آگاہ ہوا تھا اور اس دن سے اتنا شدید خفا تھا کہ بات کرنا تو وہر کی بات اسے دیکھنا بھی ترک کر رکھا تھا گویا، اب جبکہ معاذ نے آتے ہی سزا فریدی اور تیمور دونوں کو اس جرم کی فہرست سے خارج کر دیا تھا تو سب سے زیادہ زینب ہی خوف سے سرد پڑنے لگی تھی، اگر تب جہان اسے بروقت وہاں سے نہ پکڑ لاتا تو تیمور کے ہاتھوں وہ کسی ذلت آمیز انجام سے ہمکنار ہو سکتی تھی، اس کا تصور بھی دہلا دینے والا تھا، اسے جہان پہ یکدم کتنا پیار بھی آیا تھا، مان اور فخر بھی محسوس ہوا تھا، وہ واقعی کھنیری چھایا تھا اس کے

لئے، مضبوط پناہ گا، اور وہ..... کتنا ستاتی رہی تھی اسے، کس قدر تنگ کرتی رہی تھی، اسے شرمندگی نے آن لیا، مگر یہ سوچ کر بھی دل کو تسلی دے لی تھی، وہ جہان کو منالے گی، وہ اسے سب بتا دے گی۔

”ہاں بیٹی! آپ فریش ہو جاؤ، نہاؤ دھوؤ، میں اپنے بیٹے کی پسند کا کھانا اپنے ہاتھ سے بتاتی ہوں۔“ ماما اب ساری بیماری بھولے ہشاش بشاش چاک و چوبند تھیں، ماما جان مسکرائے گئی تھیں، معاذ شکر مناتا ہوا اٹھا۔

”یار پر نیاں! میں ابھی تمہیں بھی ملتا ہوں، مگر اس سے پہلے نہالوں، اپنا کام ریڈ کہاں ہے؟“ وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر کمرے کی جانب آ گیا تھا، پر نیاں نے اپنا ہاتھ اس کے بازو کے نیچے سے گزار کر اس کے کاندھے سے ٹکا دیا۔

”وہ لوگ کون تھے معاذ! جنہوں نے آپ کے ساتھ ایسا کیا..... اور کیوں؟“ اس نے دل میں مچلتا ہوا سوال معاذ سے کر لیا تھا، معاذ نے دانستہ لاطمی کا اظہار کرتے کاندھے جھٹک دیتے۔

”دفع کر، یار! جو بھی تھے ہمیں کیا، میں آ گیا ہوں تا تمہارے پاس بالکل ٹھیک ٹھاک۔“ پر نیاں نے سر اٹھا کر پر تشویش نظروں سے اسے دیکھا تھا، پھر منظر ب سی ہوئی۔

”اگر خدا نخواستہ انہوں نے پھر.....؟“

”لاٹا تو نہیں ہے میری جان کہ وہ ایسا کریں، دیکھو ناں اگر ان کا اس قسم کا ارادہ ہوتا تو ابھی کیوں چھوڑتے نہتے، جہاں تک میں سمجھ سکا ہوں تو انہوں نے کسی اور کے مغالطے میں مجھے کذیب کیا تھا۔ جیسے ہی ان لوگوں کو اس غلطی کا احساس ہوا فوراً مجھے چھوڑ دیا۔“ اس کا سر سہلاتا ہوا وہ رسائیت سے کہہ رہا تھا، پر نیاں نے بغیر کسی اور کے یقین بھی کر لیا مگر اس سوال بھی کر دیا تھا فکر مند انداز میں۔

”ان لوگوں نے آپ یہ تشدد نہیں کیا معاذ؟“ اس کی نگاہوں میں تشویش لہرائی تھی، معاذ نے نفی میں سر ہلاتے جھٹکے، اس کے سر پہ بوسہ شبت کیا، پر نیاں کی تشویش اس کی فکر مندی اس کی محبت اس کا ڈھیروں خون بڑھارتی تھی گویا۔

”کم آن بیوی! میں کوئی مجرم تھوڑی تھا، جو وہ تشدد کرتے، اوکے میں جب تک ہاتھ لوں تم..... تم چائے بنا لاؤ، ترس گیا ہوں تمہارے ہاتھ کی چائے کو۔“ معاذ نے اس کا ذہن بنانے کو ہی کام سے لگا یا تھا، پر نیاں نے سر ہلایا، اس کے پتھرے دارڈر وہب سے نکال کر اسے رہم میں رکھ کر پنی تو اسے دیکھ کر یکدم ٹھٹک گئی تھی۔

”آپ تو کہہ رہے تھے تشدد نہیں کیا..... پھر یہ نشان کیسے ہیں آپ کے جسم پہ؟“ معاذ بے خیالی وہیں ٹرٹ اتار چکا تھا، پر نیاں کی نگاہ انہی سرخ شانوں پہ اٹکی تھی جو اس کے سینے سے لے کر بازوؤں اور کاندھوں پہ جگہ جگہ ابھرے ہوئے تھے، یہ پیرا شوٹ کی اس رسی کے نشان تھے جن سے اسے چار دن تک مسلسل باندھے رکھا گیا تھا، جو سخت گرفت کے باعث اس کے گوشت اور کھال کے اندر تک اتر گئی تھی، بلکہ معمولی سی بھی جنبش پہ رگڑ پڑنے سے یہ پیرا شوٹ اس کی کھال کو اوہیزتا رہا تھا، جیسی خون نکل کر جم چکا تھا، پر نیاں ہراساں و بے قراری ایک ایک زخم کو چھو کر دیکھتی

ارہ پڑنے کو تیار تھی، معاذ نے اسے بازو کے حصار میں لے کر خود سے لگا لیا تھا۔

”اتنی معمولی بات پہ رد رہی ہو، میری بیوی کو ہرگز اتنا کمزور نہیں ہونا چاہیے پر نیاں!“ اس کے ریشمی بال سہلا تادہ گویا اسے بہلایا تھا، پر نیاں ہچکیاں بھرتی خود پہ ضبط کی کوشش کرتی رہی۔
”ان لوگوں نے تشدد کیوں کیا ہے آپ پہ.....؟“ اس کے آنسو ہنوز معاذ کے سینے میں جذب ہو رہے تھے، وہ گہرا سانس بھر کے بے بس سا اسے دیکھنے لگا۔

”انفہ یار کسی کی اتنی مجال نہیں تھی کہ ڈاکٹر معاذ حسن پہ ہاتھ اٹھا لیتا، ہاتھ کاٹ کے نہ پھینک دیتا میں۔“ اس کی حنکی ہنار اسکی سے کہنے پہ بھی پر نیاں کو یقین آسکا نہ کوئی تسلی ہوئی تھی، بلکہ الٹا شاک ہی ہونے لگی۔

”کیوں کر جھٹا سکتے ہیں مجھے معاذ! یہ نشان ایسے نہیں جیسے ہنر سے مارا گیا ہو۔“ سسک کر کہتی وہ پھر اس کے زخم سہلا رہی تھی، معاذ کے لبوں کی تراش میں دلفریب مسکان اتر آئی۔

”بہت پیاری لگ رہی ہے مجھے اپنی بیوی یوں اپنے لئے پریشان ہوئی روتی ہوئی، مگر اتنی نہیں جتنی وہ میرے لئے مسکرائی، مجھ سے خوش ہوئی یا پھر مجھ سے پیار کرتی اچھی لگتی ہے۔“ وہ ایک دم ٹون بدل گیا تھا، پر نیاں کے گالوں پہ چہرے پہ بہت سرعت سے حجاب کا رنگ پھیلا، مگر جب اسے دیکھا تو نگاہوں میں شکایت اتر رہی تھی۔

”اس قسم کی باتوں سے آپ بہر حال میرا دھیان نہیں بنا سکتے، بتانا تو بڑے گالازی۔“ نردھما پن اس کے انداز میں اتر آیا تھا، معاذ بے ساختہ ہنستا چلا گیا، پھر جبک کہ اس کی پیشانی پہ بہت نرمی سے اسے ہونٹ رکھ دیتے تھے۔

”چینچ مت کر دو جان معاذ! میں تو اپنی ایسی باتوں سے لحوں میں تمہارا دھیان بنا سکتا ہوں، جانتی نہیں ہو تم جیسے..... کر۔“

ہنکے ہنکے سے انداز بیاں ہوتے ہیں

آپ ہوتے ہیں تو پھر ہوش کہاں ہوتے ہیں

وہ چپکا تھا، پر نیاں گہرا سانس بھرتی فاصلے پہ ہوئی، انداز میں حنکی بھی تھی، جھینپ کا تاثر بھی جیسے معاذ نے محسوس کیا تھا، بھی اس کا بازو پکڑ کر پھر خود سے قریب کر لیا۔

”خفا ہو گئی ہو؟“ سوال ہوا تھا، پر نیاں کی آنکھیں پھر آنسوؤں سے بھرنے لگیں۔

”کتنا رلاتے ہیں، کتنا متاتے ہیں معاذ! بہت دکھ دیتے ہیں ہمیشہ اور آپ کو احساس بھی نہیں ہوتا ہے۔“ شکوے کا انداز بھی معاذ کو دلنشین لگا تھا، کہ وہ پہلی بار خود اس طرح اس سے لپٹ کر رہی تھی، وہ تو جیسے باغ بہشت میں آ گیا تھا۔

”میری جان! میری جان! آپ کے شوہر نامدار کو کسی خوف کے باعث ہی انہوں نے بے ہوشی کی حالت میں ریوسوں سے جکڑ کر باندھ دیا تھا، یہ نشان اسی کے ہیں، چار دن تک ایک ہی پوزیشن میں بندھا رہا ہوں، حال مت پوچھو۔“ اس نے منہ لگا لیا تھا، دانستہ، پر نیاں کے اعصاب کو دھچکا لگا، آنکھیں دکھ رنج اور حیرت کے شدید احساس سے پھٹ کر رہ گئیں۔

”خدا غارت کرے انہیں، کیسے ظالم لوگ تھے، رکیں میں پہلے کوئی دوا لگاتی ہوں، پھر ہاتھ

لیجئے گا۔“ وہ تڑپ ہی تو اٹھی تھی، بیگی آواز میں کہتی درواز کھول کر کھسر پھسر کرنے لگی، معاذ مسکرایا تھا۔

”کم آن یار! اتنا نازک نہیں ہوں، کیوں فکر کر رہی ہوتی۔“ وہ اس کی پریشانی کم کرنے کو بق کبہر ہاتھ دھر: وہ یوں ٹوکے جانے پہ رد ٹھکی گئی۔

”ابھی بھی فکر نہ کروں؟ دیکھ رہے ہیں کیا حالت ہو چکی ہے؟“

”بیوی اس میکانی کی خواہش تو میں بھی رکھتا ہوں قسم سے، مگر پلیز پہلے فریش تو ہونے دو، نخت بے چین ہو رہا ہوں اس سینے سے، اتنے دن پہلی بار اپنی ہوش میں نہیں نہایا، مجھے تو لگ رہا ہے اگر چند منٹ بھی مزید اسی طرح اور گزرے تو بے ہوش ہو جاؤں گا۔“ بے چارگی سے کہتا وہ بڑتی ہوئی شید کو کچھا کر بولا تو پر نیاں بے اختیار مسکرانے لگی تھی۔

”اوہ کے جائیں۔“ اس نے خود معاذ کو دواش روم کی جانب دھکیل دیا۔

☆☆☆

ہاتھ لینے کے بعد ابھی وہ کھانا ہی کھا رہا تھا جب جہان اس کے سر پہ آکر سوار ہو گیا۔

”اگر وہ مسز آفریدی نہیں تھیں، تیور بھی نہیں تھا، تو پھر کسی نے اغواء کیا تھا تمہیں معاذ!“ معاذ جو اس کی آمد کے ساتھ ہی مقصد بھی سمجھ گیا تھا اور گہرے بے چارگی آمیز سانس بھر رہا تھا، اس سوال پہ مزید عاجز ہوتے اس کے سامنے دونوں ہاتھ جوڑ دیئے تھے۔

میرے باپ..... تجھے ہی بتاؤں گا، مگر کچھ تو صبر بھی بندے کو کرتا چاہیے، تھوڑی تہذیب سیکھو۔ ننھے اپنی بیوی کے ساتھ تھوڑا ناٹم گزارنے دے، ترسا چوہا ہوں اس کی شکل ڈھنگ سے دیکھنے کو۔“ معاذ نے سر اسر تھابل برتا تھا، وہ تجھائل ہی برتا چاہتا تھا، اس نے جو کچھ وہاں دیکھا تھا، وہ ناقابل یقین تھا، اسے نہیں لگتا تھا یہ بات جہان سے کہنے والی تھی۔

”جو مت معاذ! میری پریشانی کا تمہیں اندازہ نہیں ہے شاید اور یہ جو بہانے بنا رہے ہوناں جانتا ہوں کتنے رہینگے، تو تم۔“ معاذ کو گھورتے ہوئے دو صحیح معنوں میں اس کی طبیعت صاف کر گیا تھا، معاذ کا تو پورا منہ کھل گیا تھا تو بیا۔

”پائیس..... کیا مطلب! ساری دنیا میں میں بیچارا رومنگ، گستاخ ہٹ دھرم مشہور ہو گیا اور تم.....“

”بسا لوقات انسان کی شخصیت کا محض ایک رنگ ایک پہلو ہی اجاگر ہو پاتا ہے، ورنہ تم در حقیقت کتنے سلیف کنٹرولڈ ہو کس حد تک خود کو کپوڑ کر سکتے ہو میں سب جانتا ہوں۔“ اب کے جہان کی مسکان میں بہت محبت بہت پیار تھا اس کے لئے، معاذ کے ہونٹوں پہ جو ابلی مسکان جو اتنی اس میں، نذر وہ اعتماد تھا جوان دونوں کی دوستی میں ہمیشہ ایک دوسرے کو سمجھنے جاننے کا گواہن کر ان کے درمیان بستا رہا تھا، مگر جب بوا تو وہی رٹ تھی۔

”سچ کہہ رہا ہوں ہے! ہم دونوں اتنے دن اتنے کراسس میں رہے ہیں، مجھے ذرا اپنی بیوی سے دکھ سمجھنے دے، اس نے زرد کر دیکھا نہیں اپنی حالت کتنی خراب کی ہوئی ہے۔“ وہ ہنوز غیر تشدید تھا، جہان اس جواب پہ اسے بے درخ گھورنے لگا۔

شخصیت کا ایسا معتبر روپ وہ پہلی بار اس سے مل کر بھی دیکھ چکی تھی، جب اس نے خود کشی جیسے حرام فعل سے اسے ایسے ہی مدبرانہ انداز میں سمجھا بچھا کر دکھا، اسے یقین ہوا معاذ کا اصل اور حقیقی روپ یہی ہے۔

”اگر آپ مجھے نہیں بتانا چاہتیں تب بھی کوئی بات نہیں، میں ہرگز آپ کو فورس نہیں کروں گا، لیکن ایک انڈوٹز ضرور ہے، اسے بڑے بھائی کا حکم بھی سمجھ لیں بیشک، آئندہ بھی بھی، میں تو کیا ہماری جہلی پہ گنتی بھی بڑی بھاری مشکل کیوں نہ آن پڑے، آپ اس قسم کی بہادری نہیں دکھائیں گی، ہماری غیرت کو ہرگز یہ گوارا نہیں ہے اوکے۔“ آخر میں جس طرح معاذ کا لہجہ دو ٹوک اور قطعی ہو گیا تھا، وہ ڈالے کو گہرا سانس بھرنے پہ مجبور کر گیا، اس نے بے اختیار سر کوٹنی میں جنبش دئی، اسے لگا معاذ کو سب بتانا ناگزیر ہو چکا ہے۔

”آپ یقیناً میرے متعلق کچھ غلط سوچ رہے ہیں بھائی جبکہ حقیقت.....“

”میں ہرگز کچھ غلط نہیں سوچ رہا ہوں بھابھی! مجھے آپ کے کردار پہ بھی شبہ نہیں، ڈونٹ یو دی۔“ وہ گہرا کر کہتے جا رہی تھی، کہ معاذ نے اسے ٹوک دیا تھا، جس طرح بات کے اختتام پہ وہ مسکرایا وہ اس کے صاف دل ہونے کی جانب اشارہ کرنا تھا، مگر ڈالے بے سکون ہی رہی، مضطرب نظروں سے اسے ایسے دیکھتی جیسے اس کی اس آخری بات کا ہی یقین نہ کر سکی ہو، ہونٹ چکاتی، انگلیاں مسلتی ہوئی بے حد بے قرار۔

”وہ..... میری ماں ہیں، میری سگی ماں!“ فپ ٹپ آنسو اس کی دراز ریشی پلوں سے پتیلے تھے اور اس کے دو دھما خلیس ہاتھوں کو بھگو گئے، معاذ کے سر پہ جیسے آسمان ٹوٹ پڑا تھا، وہ بھونچکا سا اس کی ٹکر ٹکر شکل دیکھتا رہ گیا، انکشاف ہی ایسا شاک میں مبتلا کر دینے والا غیر یقینی کی حد تک حیران کن تھا، اس کی گویا قوت گویا ئی سلب ہو کر رہ گئی۔

”مئی کے ناروا سلوک کی بدولت وہ آج اس ذلت بھری زندگی کو جینے پہ مجبور ہوئی ہیں، انہوں نے ان پہ کوئی ایک ستم نہیں کیا، میری پیدائش پہ انہوں نے مجھے چھین لیا ای سے اور انہیں گھر سے نکال دیا، میرے ذہن میں ان کے خلاف اتنا زہر بھرا کہ عمر بھر ان سے نفرت کرتی رہی میں بھی، مگر اب..... اب یہ محض اتفاق تھا بھائی کہ مجھے ای سے آپ کی بات کا معلوم ہو گیا، میں خود کو روک نہیں سکی اور جو بھی ان سے نہیں ملی تھی، جو بھی ان سے سیدھے منہ بات نہیں کی تھی، آپ کی خاطر اپنے گھر کے سکون کی خاطر خود کو ان کے پاس جانے آپ کو چھڑوانے چلی گئی۔“ وہ زار و قطار رہتے ہوئے کہہ رہی تھی، معاذ ہنوز شاکڈ تھا، اس کی آنکھوں سے غیر یقینی استعجاب اور صرف تحیر ہی جھانکتا تھا۔

”نیہما.....! وہ آپ کی سگی ماں تھیں بھابھی..... رینیلی مدر؟“ وہ متعجب سا بولا تھا، ڈالے نے آنسو پونچھتے ہوئے سر کو دکھ بھرے انداز میں اثبات میں جنبش دی۔

”آپ کو بھی یقین نہیں آ رہا ہے کہ وہ میری سگی ماں ہیں، کسی کو بھی یقین نہیں آ سکتا ہے، وہ اس وقت صرف ستریس سال کی ہیں، سولہا سال کی تھیں جب ڈیڈ سے مئی نے ان کا نکاح اولاد کی غرض سے ہی کروایا تھا، سترہ سال کی تھیں جب میری پیدائش ہوئی، مئی شادی کے بیس سال بعد بھی

بے اولاد رہی تھیں، ڈاکٹرز نے انہیں بانجھ قرار دے دیا تھا، اولاد کی خواہش کو دبا نہیں سکیں، جیسی انہوں نے ڈیڈ کی شادی اپنی نو عمر ملازمہ سے کروادی، جو گوڈھ سے لائی گئی تھی، ان کے پیش نظر مقاصد اور تھے، جبکہ ای معصوم بے ریا اور سادہ تھیں، ان کی سازشوں سے آگاہ کیسے ہو سکتی تھیں، مگر جب آگاہ ہو بھی گئیں تو ان کی لاچاری ان کی غربت ثابت ہوئی، میری پیدائش تک مئی نے ای کو پامشل برداشت کیا، پھر روایتی سازشوں کے جال میں پھانس کر ڈیڈ سے طلاق دلوا کر گھر سے نکال دیا، وہ اگر انہیں صرف طلاق دلواتیں اور گھر سے نکلواتیں تب بھی ای کی زندگی اتنی تلخ نہیں ہو سکتی تھی، جتنی مئی کے بعد کے ظلم کی بدولت ہو گئی، مگر انہوں نے انتہا پسندی سے کام لیتے ہوئے ای کو بازار حسن میں بیچ دیا، جنس چند ہزار کے عوض، تاکہ وہ پھر بھی ان کی زندگی میں دخل نہ دے سکیں اور اپنی مصیبت خود ہی بھگتی رہیں، ای تب مجبور نہیں تھیں، پھر ظلم کی چکی میں پس کر نکلی تھیں، جیسی اس ماحول سے فرار حاصل کرنے کی بجائے اسی میں رچتی چلی گئیں، یہ ان کی ایسی غلطی تھی جس پہ میں انہیں کبھی معاف نہ کر سکی، وہ اتنی بری نہیں تھیں، جتنا مئی نے انہیں بنا ڈالا تھا، مئی اسے آدمیوں کو اس کے خلاف غلط خبریں پھیلانے پہ لگا چکی تھیں، تاکہ میں (جو ای کی کوششوں کی بدولت اس سارے راز سے واقف ہو چکی تھی جو مئی نے ہمیشہ مجھ سے چھپایا تھا) ای سے نفرت کرتی رہوں اور وہ اپنی اس کوشش میں کامیاب بھی رہیں، میں ہمیشہ نفرت ہی دیتی رہی ای کو ان کی محبتوں کے جواب میں، بھائی ای جتنی بھی بری تھیں، مگر وہ ایک بہترین ماں رہی ہیں، میری اتنی نفرتیں جی ان کی محبت میں کبھی کی نہیں کر سکیں، انہوں نے میری دھتکار کو کبھی میری جانب اختیار کیے راستوں پہ اندھا دھند بھاگنے سے نہیں رکھنے دیا، انہوں نے کبھی میری کسی خوشی یا غم کے موقع پہ مجھے نظر انداز نہیں کیا، انہوں نے کبھی میرے کسی ستم کو مجھ پہ نہیں جھکا یا، وہ سرتاپا محبت تھیں وہ سرتاپا محبت بنی رہیں، مگر میں اتنی ہی کم ظرف تھی کہ اگر کبھی ان کے پاس گئی بھی تو اپنے مفاد کے پیش نظر، انہوں نے پھر بھی اپنی آخری پونجی میزے حوالے کر دی، بغیر کسی رد و کد کے، بغیر کسی احسان کے، میں نے کہا آپ مجھ سے نہ پوچھیے گا میں ایسا کیوں کر رہی ہوں، انہوں نے اپنی زبان کو سی لیا، میں نے کہا میں آپ کو آئندہ کبھی نہیں مل سکتی، انہوں نے اپنا دل مار ڈالا، ماں میں تو ایسی ہی ہوتی ہیں ماں بھائی، بیٹیاں ایسی نہیں ہوتیں جیسی میں ہوں۔“ ڈالے کی ہچکیاں بندھ رہی تھیں، معاذ پھر ایا ہوا کھڑا تھا، صرف اس کے نہیں نینما کے بھی دکھ پہ کھی، اس کے مضبوط اعصاب اس وقت شل ہو رہے تھے، لمحے یونہی سرکتے پھسلتے رہے، دونوں ہی اپنی اپنی جگہ شدید ترین اذیت کے عالم میں تھے۔

”جے کو پتا ہے؟ میرا مطلب ہے یہ ساری باتیں؟“ وہ خاں تاخیر سے خود کو سنبھال سکا تو ایک فطری سوال کیا تھا، ڈالے نے آہستہ سے باری باری آنکھوں کو رگڑا اور حمل انداز میں سر کوٹنی میں جنبش دی۔

”اور میں بتانا بھی نہیں چاہوں گی، کیا فائدہ۔“ وہ بے حد یاسیت سے کہہ رہی تھی۔
 ”آپ کو یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ مجھے اسے نہیں بتانا ہے۔“ معاذ نے اس کے سر پہ ہاتھ رکھ دیا تھا، ڈالے نے ممنون و مشکور نظروں سے اسے دیکھا اور جھکی پلکیں جھپکیں، معاذ گہرا سانس

بھرتا اٹھ کھڑا ہوا۔

”معاذ بھائی مجھے آپ سے معذرت کرنی تھی کہ..... امی کی غلط فہمی کی بناء پر آپ کو.....“ وہ دروازے پہ پہنچ چکا تھا جب ڈالے کی خفیف آواز پہ بے ساختہ پلٹا اور کسی قدر ناراضگی سے اسے دیکھا تھا۔

”پلیز بھائی! مجھے شرمندہ نہ کریں، آپ قابل احترام ہیں تو آپ کے حوالے سے وہ از خود ہمارے لئے محترم ہوتیں، ویسے بھی انصاف پسندی سے سوچا جائے تو انہیں اس نوبت تک پہنچانے والے ہم جیسے ہی لوگ ہیں، ہم بھی کچھ نہ کچھ کردار تو نبھاتے ہیں اپنے رویوں سے ایسے لوگوں کی تباہی میں، ہم بہر حال خود کو معاشرے سے الگ نہیں کر سکتے، ہماری سب سے بڑی غلطی ہی یہی ہے کہ ہم برائی کی بجائے برائی کرنے والے کو نفرت سے دیکھتے ہیں، حالانکہ کوئی بھی پیدا کنی برا نہیں ہوتا، مجرم کو مجرم بنانے کے عناصر پیدا کرنے والے بھی ہم ہوتے ہیں جس برائی کا آغاز برسوں قبل سزا فریدی کے مفاد سے شروع ہو کر نفرت و عناد بر ختم ہوا اسے ہم جیسے خود کو باکبار اور معتبر سمجھنے والے لوگوں نے اپنی نفرت اور تسخر کا حصہ ڈال کر منطقی انجام تک پہنچا دیا، کاش کہ اپنے اپنے طور پہ ہم اپنی اصلاح کا بیڑا اٹھالیں تو ایک بہترین نظام اور مہذب، حاشرہ خود بخود تکمیل کے مراحل طے کر لے گا۔“ معاذ متاسفانہ انداز میں کہہ کر پلٹ کر باہر چلا گیا، جبکہ ڈالے اس کی باتوں کے اثر کے ہمراہ غم حال ہی ہیں بیٹھی رہ گئی تھی، اس نے نلک کہاں کہاں تھا، اس غلطی اس بگاڑ میں اس کا بھی حصہ شامل تھا، اس کا جو بیٹی تھی، جسے یہ زیب نہیں دیتا تھا، وہ پھر رونے لگی تھی، یہ آنسو بہت گہرے ملاں اور پچھتاؤں کے تھے۔

☆☆☆

اس کو فرصت ہی نہیں وقت نکالے محسن ایسے ہوتے ہیں بھلا چاہنے والے محسن یاد کے دشت میں پھرتا ہوں میں ننگے پاؤں دیکھ تو آ کے بھی پاؤں کے چھالے محسن کھو گئی صبح کی امید اور اب لگتا ہے ہم نہیں ہوں گے جب ہوں گے اجالے محسن حاکم وقت کہاں میں کہاں عدل کہاں کیوں نہ خلقت کی زبانوں پہ لگیں تالے محسن وہ جو اک شخص متاع دل و جاں تھا نہ رہا اب بھلا کون میرے درد سنبھالے محسن

وہ صبح سے کچن میں کھسی ہوئی تھی، بہانہ مصروفیت کا بنا کر مقصد سب سے کٹنا تھا، دل اتنا ٹوٹا ہوا تھا کہ بار بار آنکھیں چٹک جاتی تھیں، کتنے دنوں سے وہ بار بار چھپ چھپ کر روتی تھی، حانا نگہ شاہ ہاؤس میں تو خوشیوں کے رنگ پھر سے اترنے لگے تھے، زیاد اور نور یہ کی شادی کی آج

ڈیٹ فکس ہو گئی تھی، مگر اس کا دل ملول کا ملول رہا تھا تو وجہ جہان کی ناراضگی ہی تھی، کتنے دن ہو گئے تھے اس ایک بات کو، مگر جہان کا رویہ اس کے ساتھ تبدیل ہو کر نہیں دے رہا تھا، وہ اس سے بات کرتا تھا نہ اس کی بات کا ہی جواب دیتا تھا، بات یہیں تک رہتی تب بھی ٹھیک تھا، مگر وہ تو اس کی باری کے دنوں میں بھی اس کے کمرے میں آنا چھوڑ چکا تھا، یعنی اتنا خفا تھا اس سے یا اتنی نفرت کرنے لگا تھا کہ اس کی صورت دیکھنے کا بھی روادار نہیں رہا تھا، مجرم رکھنا اس سے بڑھ کر کون جانتا تھا، مگر وہ سب کے سامنے بھی ضرور دیتا اس سے مخاطب ہونا ترک کر چکا تھا، تو کیا کسی نے یہ گریز نہ پایا ہوگا؟ یہ چیخاں محسوس نہ کی ہوگی؟

کی ہوگی لازمی، مگر..... مگر جہان نے پرواہ کرنا چھوڑ دی تھی، یہ بھی نہیں تھا کہ زینب نے اسے منانے یا صفائی پیش کرنے کی کوشش نہیں کی تھی، جس روز معاذ گھر لوٹا تھا، زینب اتنی ہی ریلیکس ہو گئی تھی کہ فی الفور جہان کے سامنے ساری بات رکھ کے اسے منالینا چاہتی تھی، یہ اتفاق تھا کہ اس روز باری بھی زینب کی تھی، یعنی جہان کو اس شب اسی کے ساتھ ہونا تھا، زینب کے لئے یہ اطمینان کافی تھا، فاطمہ کو سلانے کے بعد اس نے خود کو بہت دنوں بعد توجہ دی تھی، ٹی پنک بہت خوبصورت پیروں کو چھوٹی فرائز کے ساتھ پرل کا نازک سائٹ، ہونٹوں پہ اس نے نیچرل کلر کی لپ اسٹک کا ہلکا سا لچ دیا تھا، بالوں کو سلجھا کر اس نے کمر پہ یونہی کھلا چھوڑ دیا تھا، جہان کا انتظار شروع ہوا تو بستر کے کنارے نکلے نکلے اس کی آنکھ لگ گئی تھی، دوبارہ اس وقت ہڑبڑا کر سیدھی ہوئی جب آہٹ محسوس کی تھی، اس نے شمار آلود گلابی ڈوروں سے نچی نیم دا آنکھوں سے دیکھا، جہان ہارڈ روب کے پاس کھڑا نظر آیا تھا، وہ سرعت سے سیدھی ہوئی اور اپنے لباس سے الجھتی آ کر اس کے پہلو میں کھڑی ہو گئی۔

”آج بہت دیر کیوں کر دی آپ نے ہے! میں انتظار کر رہی تھی۔“ ریشمی بے ترتیب بالوں کی کچھ لٹیں اس کے بیچ چادروں کے گرد لہرا رہی تھیں، آنکھیں ستاروں کی مانند دکھتی تھیں وہ ادھ کھلے گلاب کی مانند نظر آتی تھی، بے حد حسین بے حد تر تازہ، جہان نے ایک نگاہ ڈال کر چہرہ پھیر لیا، زینب نے اس کی غلطی کو صاف محسوس کیا، اس کا دل سینے میں بے طرح دھڑ دھڑایا، مگر بظاہر نارمل انداز میں گویا ہوئی۔

”آپ نہیں میں نکالتی ہوں کپڑے۔“ اس کے بازو پہ اپنا ہاتھ رکھتی وہ جیسے ہی بولی، جہان نے بے حد متفردانہ انداز میں اس کا ہاتھ جھٹک دیا تھا، اس کے چہرے پہ کسی چپک کا کوئی تاثر نہیں تھا جو زینب کی حساسیت کو بری طرح ادھیڑ کے رکھ گیا، بے بسی شرم حقت و نجالت مل جل کر اس کی آنکھیں بھگوئی، دھڑکنیں چنچنے لگیں۔

”میں جانتی ہوں آپ خفا ہیں۔“ سر جھکائے آنسو جیتی وہ افسردگی سے کہہ رہی تھی، جہان نے جیسے ان سنی کر دی، جس چیز کی تلاش تھی شاید وہ نہیں ملی، جسی زور سے دروازہ بند کرنا وہ باہر جانے کو پلٹا تھا کہ زینب تڑپ کر اس کے راستے میں آ کر کھڑی ہو گئی۔

”کہاں جا رہے ہیں؟ میری بات تو سنیں۔“ وہ روی پڑی تھی، جہان نے سرد نظروں سے

اس کا چہرہ دیکھا۔

”راستے سے ہٹو۔“ وہ بے حد روڈ ہو رہا تھا، زینب کو اور شدتوں سے رونا آیا، جہان کا یہ رویہ تو کبھی نہیں سہا تھا اس نے۔

”آپ غلط سمجھ رہے ہیں، ہم..... میں اس روز تیمور سے ملنے نہیں اسے شوٹ کرنے کے ارادے سے گئی تھی، میرے پاس جو گن اور.....“

”تمہیں کیسے سمجھ آئے گی کہ مجھے تمہاری ان فضول باتوں میں کوئی دلچسپی نہیں ہے۔“ وہ پھینکار کر ڈپٹنے کے انداز میں اتنے رہانت آمیز لہجے میں بولا تھا کہ زینب اپنی بات اپنے الفاظ تک بھول کر اسے فٹ چہرے سے دیکھنے لگی۔

”آپ.....“ معا اس نے پھر کچھ کہنا چاہا تھا کہ جہان نے پھر اس کی بات کاٹ دی۔

”تم مجھ سے شادی نہیں کرنا چاہتی تھیں، تمہارے دیگر کیا مقاصد تھے، یہ سب تم اس روز مجھے بتا چکیں صرف بتا نہیں چکیں، تم یہ ثابت بھی کر دیتیں اور میں تمہیں وہاں سے اگر ساتھ لے کر آیا تھا تو اس کی وجہ صرف ہمارے خاندان کی عزت کا سوال ہی تھا، ورنہ تم بہر حال شروع سے اپنی مرضی کی مالک تھیں ہو..... اور رہو گی، میں تمہارے نزدیک کیا حیثیت رکھتا ہوں، آئندہ تمہیں یہ بتانے کی زحمت نہیں ہوگی۔“

وہ جس حد تک تلخ ہوا تھا جتنے غصے میں تھا جس قدر بری طرح سے ہرٹ ہوا تھا، اس کے لہجے و انداز سے بھی وہی رنگ چمکنے لگے اور زینب کی ہستی کو نارنج کر کے چلے گئے تھے، وہ بل بھر میں سرد پڑ چکی تھی، آنکھوں تلے جیسے اندھیرے چھا رہے تھے، آنسو بے اختیار بہنے لگے، معادہ یکدم چلی، بھاگ کر بستر پہ دھرا اپنا فون اٹھایا اور واپس آ کر جہان کا ہاتھ پکڑ کر زبردستی اسے تھماتا چاہا۔

”..... میرا فون.....“ آپ رکھ لیں، میں کبھی بھی اس شیطان سے بات نہیں کرنا چاہوں گی، لیکن اگر فون میرے پاس رہا تو آپ کو یقین نہیں آسکے گا کہ میں.....“ جہان نے بے حد درستی سے اپنا ہاتھ واپس کھینچا تو فون چھوٹ کر نیچے دونوں کے قدموں کے درمیان جا پڑا، وہ کتنا مشکل لگ رہا تھا، آنکھوں میں اترتی لانی اور چہرے کی بوہتی ہوئی سرخی زینب کو خائف کرنے کو کافی ثابت ہو رہی تھی۔

”میں ایسی فضول پابندیوں کا لگانے والا کون ہوتا ہوں، ایسی پابندیوں سے ویسے بھی کسی پہ سرکشی کے دروازے بند نہیں کیے جاسکتے۔“ جہان کا لہجہ اشتعال آمیز تھا، زینب کو جیسے کسی نے چابک رسید کیا، آنکھوں میں آنسو بھرے وہ اسے بے بسی کی نگاہ سے دیکھے گی۔

”میں نے مان لیا، مجھ سے غلطی ہوئی، لالے کی وجہ سے میں بہت اپ سیٹ ہوئی تھی جے! جو اس نے دھمکیاں دی تھیں، مجھے کچھ سوجھ ہی نہیں رہا تھا، وعدہ کرتی ہوں، آئندہ کچھ نہیں چھپاؤں گی آپ سے معاف کر دیں مجھے پلیز۔“ بتے آنسو گئی انداز اور زینب جہان کیسے نظر انداز کرتا، مگر اس وقت غصہ اتنا شدید تھا، اعتنا داس بری طرح مجروح تھا کہ اس پہ کسی بھی چیز کا اثر نہیں ہوا۔

”میں منافق نہیں ہوں زینب! منافقت برداشت نہیں کر سکتا، آج کے بعد تمہیں کم از کم مجھ سے کوئی شکایت نہیں ہوگی، معافی مانگنے کی ضرورت نہیں۔“ سرد تر سنجیدہ لہجے میں کہتا وہ پلٹ کر ایک جھٹکے سے باہر نکل گیا، زینب کو یقین نہیں آ رہا تھا، یہ وہی جہان ہے، وہ اس رات ہی نہیں اس کے بعد بھی اس کا انتظار کرتی رہی، مگر وہ اسے موقع نہیں دے رہا تھا کہ کسی ازالے کا، کسی معافی طلبی کا، مگر زینب ہمت نہیں ہار رہی تھی، وہ ہر صورت اسے منانا چاہتی تھی، جیسی بار بار اسے متوجہ کرتی مخاطب کرتی رہی تھی، ناشتے کی ٹیبل پہ، کھانے کی میز پہ، اس کی توجہ کا مرکز صرف وہی ہوا کرتا، سلاکس پہ لکھن لگا کر اسے پیش کرتی، جہان بریڈ سے دستبردار ہو جاتا، وہ چائے بنا کر دیتی، جہان کو جوس کی طلب ہو جاتی۔

”برائی خاص کر آپ کے لئے بنائی ہے جے!“ کھانے کے دوران اس نے سب کے سامنے اسے مخاطب کیا تھا اور ڈش اس کے سامنے کی، زیا دکھانے لگا، معاذ کے لبوں پہ مسکراہٹ بکھر گئی۔

”ہمیں تو کوئی پوچھتا بھی نہیں۔“ معاذ نے پر نیاں کی مصروفیات کو نشانہ بناتے مصنوعی آہ بھری۔

”آپ بھی لے لیں۔“ زینب نے ہی ڈش اس کی جانب سرکائی تھی۔

”تم کیوں نہیں لے رہے ہو جے!“ معاذ نے جہان کا گریز محسوس کر لیا تھا، اس کے انداز میں حیرانی تھی۔

”کچھ تیز ابیت ہو رہی ہے آج کل، نہیں کھا سکتا۔“ جواب بھی معاذ کو دیا تھا، زینب اسے دیکھتی رہ گئی۔

”کچھ اور بنا لاؤں؟ بنا دیں جو پسند کریں۔“ زینب پھر اس سے مخاطب تھی، جہان نے ناچار سر کونٹی میں ہلایا، مگر اسے دیکھے بنا، زینب کے حلق میں آنسوؤں کا پھندا لگنے لگا، اسے لگا اگر وہ ایک لمحہ بھی وہاں ٹھہری تو سب کے سچ پھوٹ پھوٹ کر رو دے گی، جہان کی بے اعتنائی سہنا اس کے بس کی بات رہتی ہی نہ تھی، جیسی تیزی سے اٹھ کر وہاں سے آگئی تھی۔

یہ تفاعل تیرا نیا تو نہیں مجھ سے تو بے خبر تھا پہلے بھی

بچن میں آ کر وہ منہ پہ پانی کے چھپکے مارتی بے قراری سے روٹی رہی تھی، اس سے کچھ نہیں کھایا جاسکا، بھابھی برتن سیٹ کر بچن میں لا کر رکھ رہی تھیں، وہ وہیں رخ پھیرے کھڑی دھونی رہی، ان کے منع کرنے کے باوجود اسے حالات سے فرار چاہیے تھا، جو اسی صورت ممکن تھا، مگر نہیں جانتی تھی، اس کی ہزار پر وہ داری کے باوجود گھر میں موجود تین تین جہاندیدہ خواتین ان کے سچ موجود سرد مہری کو محسوس کر چکی ہیں، پر نیاں کا معاملہ الگ تھا، وہ عدن کی مصروفیات میں کھوئی رہتی تھی، دن بھر گرد و پیش کا ہوش اسے تم ہی رہتا تھا، رہی سہی کسر معاذ پوری کیے رکھتا، وہ جتنی دیر گھر ہوتا اس کی خواہش ہوتی پر نیاں بس اسی پہ توجہ دے، وہ اس کی عدم توجہی نہیں سہہ سکتا

تھا، اگر کبھی بھولے سے بھی پر نیاں اس توجہ میں معمولی غفلت کرتی تو اگلے کئی دنوں کو وہ اپنا موڈ اس سے خراب کر کے اس کے حواس چھین لیا کرتا تھا، مہا کی خود کوشش ہوتی، مہا کی موجودگی میں عدن کو زیادہ تر خود اپنے پاس رکھیں، جہاں تک ڈالے کی بات تھی تو زینب کو یقین تھا وہ بھی مہا کی طرح اس بات سے انجان نہیں رہی ہے، اسے سب سے زیادہ خفت ڈالنے کے سامنے ہی محسوس ہوتی تھی، آنکھوں کی نمی پونچھ کر اس نے یاسیت آمیز سانس کھینچتے اس نے تل بند کر کے ہاتھ خشک کیے اور دودھ نکال کر فرنیج بند کی اور دودھ گرم ہونے کو چولہے پہ رکھ دیا، فاطمہ زیادہ تر ڈالے اور جہان کے پاس ہی ہوا کرتی تھی، اس سے جتنا بھی خفا تھا وہ، مگر فاطمہ سے ذرا ہی بھی غفلت نہیں برت سکتا تھا جہاں، زینب کی تقویت کا سب سے بڑا باعث یہی محبت تھی جہاں کی، وہ رخ پھیرے سنگ پہ فیڈر حور رہی تھی، جب جہان اپنے دھیان میں اندر آیا تھا اور آگے بڑھ کر فرنیج کھول کر پانی کی بوتل نکالتے اسے دیکھے بنا بولا۔

”ایک کب چائے بنا کر دو مجھے ڈالے!“ زینب نے بے اختیار پلٹ کر دیکھا، اسی مل جہان کی نگاہ بھی اٹھی تھی، نگاہوں کا یہ تصادم زینب کے لئے جاہ کن تھا تو جہان بھی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکا، خوب صورت پرنٹ کے تنگ کلرز کے لباس میں دو پوشہ شانوں پہ سلیپے سے پھیلائے وہ گلاب کے پھول جیسے روئی روئی آنکھوں والی لڑکی اتنی انرکیشن اپنے اندر ضرور رکھتی تھی کہ جہان تمام تر ناراضگی کے باوجود اپنا دل اس کی جانب کھینچتا محسوس کرنے لگا، مگر یہ لمبائی کیفیت تھی، اگلے لمحے وہ سر جھٹک چکا تھا۔

”رکھیں جے! میں بنا رہی ہوں چائے۔“ اسے تیزی سے بگن سے باہر جاتے پا کر زینب سرعت سے بیکاری تھی، جہان کے قدم ٹھٹکے اور چہرے کے عضلات تن گئے تھے۔

”آپ کو اس زحمت کی ضرورت نہیں ہے۔“ اسے دیکھے بغیر وہ درشتی سے کہہ گیا، لہجے میں بے پناہ تندی تھی، زینب کو اس کا رویہ اب ابھی تکلیف تو دیتا تھا، مگر وہ اب اس کی عادی بھی ہوتی جا رہی تھی۔

”مگر آپ تو کہہ رہے تھے.....“

”تمہیں نہیں کہا تھا۔“ جہان کا لہجہ تنگ بھی تھا اور جتلانا ہوا بھی، اسے اس کی حیثیت، اس کا مقام، زینب کا چہرہ پھیکا پڑنے لگا۔

”آپ مجھے معاف نہیں کریں گے جے تو مر جاؤں گی میں، آپ کا یہ رویہ زہر قاتل ہے میرے لئے۔“ وہ سسکی دبا کر جیسے منت کے انداز میں بولی تھی، جہان بے حس بنا کھڑا رہا۔

”میرا اعتبار کر لیں جے! میرے ہر رویے کے پیچھے آپ کو کھونے کا خوف لاحق تھا اور بس..... اس کے باوجود مجھ سے غلطی ہوئی کہ میں نے آپ سے سب چھپایا، اس نے مجھے ڈریپ ہی اس طرح کیا تھا کہ.....“ اسے قہم جانا پڑا، دودھ اٹل کر کیتلی کے کناروں سے باہر آ رہا تھا، وہ ایکدم گھبرا گئی، بجائے برز آف کرنے کے اس نے تیزی سے حرکت میں آتے کیتلی کو اٹھانے کی کوشش کی تھی، یہ اس کی غیر حاضر دماغی اضطراب کا واضح ثبوت تھا، نتیجہ ظاہر تھا، اس کے حلق سے

پہلی دہائی ہوئی چیخ پھر کر ب آمیز کراہیں نکلی تھیں، تڑپ اٹھنے کے انداز میں یکدم پیچھے ہاتھ کھینچ لینے کے باوجود پیش اپنا اثر دکھا چکی تھی، اس نے دھندلانی ہوئی نظروں سے متاثرہ ہاتھوں کو دیکھا، گلابی پوریں ایکدم سرخ ہو رہی تھیں، ان سے اٹھنے والا جلن کا کرب آمیز احساس اس کے پورے وجود میں پھیلتا جا رہا تھا، ٹپ ٹپ کتنے آنسو بے اختیار ہو کر برسے تھے، مگر اس کی توجہ کا مرکز نہ متاثرہ ہاتھ تھے نہ یہ آنسو، وہ کانپتے ہونٹوں انگلیاں آنکھوں سے جہاں کو تک رہی تھی، جو دروازے کے پاس کھڑا سا کن نظروں سے اسے دیکھتا رہا تھا، پھر وہیں سے پلٹ کر باہر چلا گیا، زینب جیسے سکتے میں آگئی، اسے یقین ہی آ کر نہیں دیتا تھا کہ جہاں اسے ایسے تکلیف میں چھوڑ کر بھی جاسکتا ہے، وہ بھی اتنی بے اعتنائی سے، اس کے آنسوؤں میں جیسے یکدم بہت شدت آگئی تھی، کوئی لادہ تھا جو پیوٹ پڑا تھا اور تھمنے کے امکان نہیں تھے، اسے مہا کی بات یاد آئی، جو انہوں نے اس کے اور جہان کے بیچ موجود سرد مہری کو محسوس کرنے کے بعد اسے سمجھانے کو کہی تھی۔

”ہمیشہ یہ بات یاد رکھنا زینبی جی! مرد کتنا ہی چاہنے والا کیوں نہ ہو، مگر اس کا دل آسمان کی طرح وسیع ہوتا ہے جس میں ایک وقت میں بہت سے چاند سما سکتے ہیں، عورت کے لئے اس کی محبت چاند کی مانند ہی ہوتی ہے، دیکھنے میں بہت تیز چمکدار خیرہ کن مگر بڑھنے گھٹنے والی، اسے بھی بھی غلابہ رویوں کے سورج کے مقابل نہیں لے کر آنا، اور نہ یہ گھٹ جائے گی اور ہمیشہ کے لئے اس پہ کرمین لگ جائے گا اور اگر مرد کی محبت پہ گرمین آ جائے تو کبھی یہ محبت ویسی اجلی بے غرض اور چمک دار نہیں رہتی، اس کا دائن تنگ سے تنگ پڑتا جا جاتا ہے، اتنا تنگ کہ پھر عورت کا دم گھٹنے لگتا ہے، مرد محبت میں اس بچے کی طرح ہوتا ہے جو اپنی ماں کی محبت اور توجہ کا بار بار خواہاں رہتا ہے اور ویسے بھی، اظہار تو بارش کی طرح ہوتا ہے، اسے محبت کے پودے کی تازگی اور نمو کے لئے بھی کبھی بلکے بلکے برستے رہنا چاہیے، تم سمجھ رہی ہونا میری بات.....؟“ اس کی خاموشی کو محسوس کرتے انہوں نے اسے ٹوک کر پوچھا تھا، وہ محض سر ہلا کر رہ گئی تھی۔

”جہان بیٹا ماشاء اللہ سے بہت سمجھ دار ہیں، انہیں اگر آپ سے کوئی شکایت ہے تو مجھے پورا یقین ہے، ہرگز بے جا نہیں ہوگی، آپ کو اپنی اس غلطی کو سدھارنا چاہیے اور اگر وجہ ڈالے ہے تو بیٹے اس بچی کا خود پہ احسان اور سبکی کو کبھی فراموش نہ کرنا آپ۔“ زینب یاسیت سے مسکرائی تھی۔

”ایسی کوئی بات نہیں ہے مہا! مجھے ڈالے سے کوئی شکایت نہیں، میں اس کا احسان بھی کبھی فراموش نہیں کروں گی اللہ نے چاہا تو۔“ اس کا لہجہ مدہم تھا، افسردگی سے لبریز۔

”بجو.....!“ ماریہ کی آواز پہ اس نے آنسوؤں سے لبریز آنکھیں اٹھائیں، وہ اس کے پاس کھڑی تھی۔

”ہاتھ کیسے جل گیا آپ کا؟ جہان بجائی نے یہ مرہم بھیجا ہے، لائیں لگا دوں۔“ زینب کے وجود کے ساتھ جیسے روح پہ بھی غضب کی جلن اتر آئی، جہان کی یہ امدادی سے مزید اذیت سے دوچار کر گئی تھی۔

”لے جاؤ یہاں سے، مجھے ضرورت نہیں ہے، نہ ان کی بھیجی دواؤں کی نہ ان کی امدادی

کی۔“ بھراہٹ زدہ آواز میں کیسی وہ رخ پھیر کر کھڑی ہو گئی کہ، کے ہوتے آنسوؤں پھر اہل پڑے تھے۔

”مگر بچو.....!“

”پلیز ماریہ! چلی جاؤ یہاں سے۔“ وہ اتنی عاجزی سے بولی تھی کہ ماریہ کچھ در بے بس لاچار نظروں سے اسے دیکھتی رہنے کے بعد ڈھیلے قدموں سے پلٹ گئی تھی، زینب پھر اکیلی رہ گئی تھی، اپنے دکھوں اپنی وحشتوں کے ہمراہ۔

☆☆☆

کتنی چاہت چھپائے بیٹھا ہوں
یہ نہ سمجھو کہ مجھ کو پیار نہیں
تم جو آتے ہو میری دنیا میں
اب کسی کا بھی انتظار نہیں

زیادہ کی فرمائش پہ معاذ کا سنا رہا تھا، کورم پورا تھا، بس اک زینب کی کئی تھی، اسے بھی پر نیوں زبردستی کھانچ کھانچ کر لائی اور صوفے پہ جہان کے مقابل دھکیل دیا، وہ سنبھلے بنا جہاں سے گرائی تھی، کاندھے سے کاندھا گھٹنے سے گھٹنا ٹکرا گیا، وہ اپنی جگہ سے ہل کر رہ گیا تھا، مگر اسے نہیں دیکھا، گود میں فاطمہ تھی، دوسری جانب ڈالے وہ اس کے علاوہ ہر جانب متوجہ تھا، زینب جس حد تک کنفیوز ہوئی، جہان اسی قدر بے تاثر نظر آ رہا تھا، زینب نے اس کی بے نیازی کو محسوس کیا اور دل کو خون ہوتا دیکھتی رہی۔

وہ اسے دیکھتی رہی، دیکھتی رہی، اس خواہش اس ضد میں کہ جہان بھی اسے دیکھے، مگر جہان بے خبر تھا، لائق تھا، لائق رہا، اس کی خواہش حسرت میں ڈھلی، ضد ہارتی چلی گئی، آنکھیں آنسوؤں سے دھندلائی تھیں تو جہان کا خوبو چہرہ اپنا تاثر کھونے لگا، اس نے ہونٹ کانے اور نظر جھکا دی، اب وہ اپنے ہاتھوں کی نیکروں کو کھوج رہی تھی۔

چاند تاروں کی سہانی راتیں
کھلے بھولوں وہ ملاقاتیں
کتنی دلکش ہیں کتنی پیاری ہیں
یاد آتی ہیں تمہاری آنکھیں
دل کی شمع جلانے بیٹھا ہوں
اب تو خود پہ بھی اختیار نہیں
کتنی چاہت چھپائے بیٹھا ہوں
یہ نہ سمجھو کہ تم سے پیار نہیں

معاذ نے گانا ختم کیا، پھر حسان کو دیکھ کر تائیدی انداز میں بھونوں کو جنبش دے کر مسکرانے لگا۔
”ہے تاجے!“ جہان نے جواباً بے نیازی سے کاندھے اچکا دیئے۔

”کیا مطلب ہے مجھے کیا پتا؟ یہ تمہاری کیفیت بیان کی ہے میں نے، تمہیں نہیں لگتا کوئی خطر ہے؟“ معاذ کی نگاہ لچھ بھر کوزینب کے گم سم انداز پہ غہری تھی اور جہان کو غصے سے گھورا، جہان پہلے چونکا، پھر کسی قدر خائف ہوتا آنکھ سے اسے کچھ اشارہ کرنے لگا، جسے خاطر میں لائے بغیر معاذ نے نخوت سے نگاہ کا زدایہ بدل ڈالا تھا، جہان نے اک نظر زینب کے ساکن وجود کو دیکھا تھا پھر گود میں موجود ہسکتی ہوئی فاطمہ کو ڈالنے کے حوالے کرتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔

”تم اٹھو..... مجھے تم سے کچھ بات کرنی ہے۔“ وہ اس کے سر پہ سوار ہوا۔

”پھر بھی کر لینا یارا!“ معاذ زینب کی جانب سے تشویش کا شکار ہو چکا تھا، جیسی دامن بچایا، مگر جہان اس کے انکار کو خاطر میں لائے بغیر ہاتھ پکڑ کر گھسیٹا ہوا باہر لے آیا تھا۔

”انفہ..... کیا ہو گیا ہے تمہیں ہے؟“ جہان کی اس زبردستی پہ معاذ چلبلا سا گیا تھا۔

”اندر کیا فضول حرکتیں کر رہے تھے تم؟“ جہان کے آنکھیں ٹکانے پہ معاذ نے حیرانی کا تاثر ضروری خیال کرتے آنکھیں پھیلا لیں۔

”یہ کس قسم کا الزام ہے؟ میں اپنی بیوی سے دس منٹ کے فاصلے پہ تھا، گواہ ہے تو بھی، اتنی دوری سے رو مانس۔“

”شٹ اپ معاذ.....!“ وہ دھاڑا تھا، پھر اس کی گردن اپنے مضبوط ہاتھ میں دیوچ لی۔

”اندر کیا بک بک کر رہے تھے؟“ معاذ جان بوجھ کر پھڑ پھڑانے لگا۔

”کوئی ہے؟ ارے یہ مارنے لگا ہے مجھے..... خدارا بچاؤ۔“ اس کی اداکاری کمال تھی، جہان نے چھتھاہٹ کا شکار ہوتے اسے زور سے ہور دھکیل دیا۔

”مجھے صاف لگ رہا ہے تم زینب کے ساتھ مس بی ہو کر رہے ہو، تم نے شاید غور سے نہیں دیکھا اسے..... ہرگز رتا دن اسے گھلاتا جا رہا ہے، ویسے بھی اب کیا تکلیف ہے تمہیں؟ دیکھو ہے..... اگر تم نے نہ بتایا اسے تو میں خود کھول دوں گا تمہارے سارے بعید، یہ بھی کہ جو اس کی شادی کی رات تمہاری حالت ہوئی تھی۔“ معاذ کی اعلیٰ پائے کی معلومات پہ جہان یکدم ساکن ہو کر رہ گیا تھا، بھرا سے خورا۔

”اتنی دھاندلی.....؟“ اس نے معاذ کو زور دار گھونسنہ دے مارا۔

”دھاندلی تم کر رہے ہو۔“ معاذ فوراً لال پیلا ہونے لگا، جہان کے اندر حکم بھرا کرنے لگی۔

”تم نہیں سمجھتے معاذ کیا کچھ ہو رہا ہے میرے ساتھ۔“ اس کی آنکھیں کرب سے بوجھل ہو رہی تھیں، اس پل وہ کتنا مضطرب اور لاچار نظر آ رہا تھا، نڈھال تھا کتا ہوا۔

”سب ٹھیک ہو جائے گا، ایک بار زینب کو یقین دلا دے کہ تو اسی سے محبت کرتا رہا ہے۔“ معاذ نے گویا راستہ دکھایا تھا، جہان نے سرخ ہو کر دکھتی آنکھوں سے اک نظر اسے دیکھا۔

”بتا چکا، مگر یقین دلانا میرے بس کی بات تو نہیں۔“ جہان نے سرد آہ بھری تھی، معاذ ششدر سا ہونے لگا۔

”یہ بھی..... کہ وہ ڈائری تو اسی کے لئے لکھتا تھا؟ اور وہ تصویر.....؟“ معاذ کی آنکھوں میں سوال اتر رہے تھے۔

”ان سب کی اہمیت خود بخود صفر ہو جاتی ہے معاذ!“ جہان بے دلی سے کہہ کر سگریٹ سلگانے لگا۔

زینب کی حماقتوں کی داستان اتنی طویل اور فضول تھی کہ اس کے بھائی ہونے کے ناطے معاذ سے شیر بھی نہیں کی جاسکتی تھی، معاذ نے اب کی بار ٹھک کر اسے دیکھا، اس کے ہر انداز سے اتنی ٹھکن اور بے زاری چھلکتی تھی جو ہرگز نظر انداز نہیں کی جاسکتی تھی۔

”کیوں ضرورت نہیں ہے بے! پہلے نہ سہی مگر اس بات کا اس کے علم میں ہونا بہت بہتر کر سکتا ہے تمہارے تعلقات کو۔“ اب کے جہان نے جواب نہیں دیا، البتہ اس کے ہونٹوں کی تراش میں ایسی مسکان اتری تھی جس میں خود اذیتی کا رنگ بہت گہرا تھا، معاذ کے دل میں کمرے میں چلے جانے کے بعد بھی وہ وہیں کھڑا رہا تھا، زینب کے متعلق اس کا دل آج کل بہت زیادہ غمگینا ہو رہا تھا، کسی ضدی ہٹ دھرم بچے کی مانند..... زینب کے وہ الفاظ اس کی روح پہ تازیا نون کی مانند ضرب کاری کرتے تھے۔

وہ اس سے محبت نہیں کرتی، وہ اس سے کبھی کبھی شادی نہیں کرنا چاہتی تھی، وہ اس تعلق کو مزید قائم نہیں رکھ سکتی تھی، ان کے بیچ اور کچھ نہ بھی رہا ہو، ان کے بیچ عزت اور بھرم ہمیشہ رہا تھا، یا پھر جہان نے کبھی اپنی کوششوں سے، اپنے طرف سے اسے بھلا رکھا تھا، بٹوٹے نہیں دیا تھا، پھر زینب نے اس عزت کی وجہاں کیوں بکھیری تھیں؟ وہ جتنا سوچتا اسی قدر ٹوٹتا چلا جاتا۔

وہ اتنی صاف گو کیوں ہوئی تھی کہ جہان کی مردانگی اس کی عزت نفس کا بھی خیال نہ رکھ سکی، وہ اتنا حقیر کیوں سمجھتی تھی اسے کہ پاؤں کی ٹھوک سے اس کا اپنی زندگی میں مقام متعین کرتی تھی، وہ انسان تھا، فرشتہ نہیں، پھر کیسے اتنی ذلت سہہ جاتا، کیوں بھلا بار بار اسے موقع دیتا کہ وہ اس کے جذبات سے کھیلتی رہے، اب وہ اسے کیوں منانی تھیں؟ وہ کھنکھنے سے قاصر تھا۔

اگر وہ ڈر رہی تھی کہ اس کا بھید کھول دوں گا تو بے جا تھا اس کا ڈر، ہاں البتہ وہ اسے اب چھوڑ نہیں سکتا تھا، اس میں صرف خاندان کی ذلت نہیں تھی، وہ سب سے بھی در بڑ جاتا، نکاح کو کھیل کھنکھنے والوں میں شمار ہونا گوارا نہیں تھا اسے، حلالہ یہ تھوڑی تھا جو زینب سمجھ رہی تھی یا جو زینب کو تیمور نے سمجھا دیا تھا، حلالہ کی اصل حقیقت جو اللہ نے قرآن حکیم میں واضح فرمائی ہے یہی ہے کہ کسی بھی وجہ سے اگر مرد عورت میں طلاق ہو جائے اور عورت اپنی مرضی اور خوشی سے دوسرا نکاح گھر بسانے کی نیت سے دوسرے مرد سے کر لے، پھر اگر کسی وجہ سے شادی ختم ہو جائے یا شوہر کا انتقال ہو جائے اور پہلا شوہر نیک نیتی سے سابقہ بیوی کو عقد میں لینا چاہے اور عورت کی بھی رضا مندی شامل ہو تو یہ جائز صورت ہے، یعنی یہ خود بخود حلال ہو گیا، نہ کہ آج کل جو لوگوں کے ذہنوں میں تصور قائم ہو گیا تھا، میاں بیوی لڑائی جھگڑے میں جذباتیت میں آکر طلاق دے اور پھر پچھتاوے کا شکار ہوتے بیوی کو کسی اور مرد سے نکاح پہ مجبور کرے، بیوی بھی اس کا ساتھ دے اور جس مرد کو

اس کھیل میں شامل کیا گیا، اگر وہ انجان ہے تو اسے دھوکہ دیا، یہ الگ گناہ، اگر وہ انجان نہیں اور اس کھیل میں دانستہ شامل ہوا ہے تو اس پہ اللہ کا غضب ویسا ہی ہے جیسا ان مرد عورت پہ جو دوبارہ ایک ہونے کو نکاح کو مذاق سمجھتے ہوئے ایسا کرتے ہیں یہ ہرگز حلالہ کی جائز صورت نہیں ہے۔

جہان یہ سب جانتے بوجھتے بھلا ایسا غلط کام کیوں کر سکتا تھا، کسی بھی صورت ممکن نہیں تھا، زینب سے اگر وہ خفا تھا، تو اس کا حق بھی محفوظ رکھتا تھا، زینب دھوکے دہی کی مرتکب ہوئی تھی اور ایسی عورتوں کے لئے قرآن میں رب کا حکم ہے ”کہ انہیں مارو اگر یہ باز نہ آئیں تو خواب گاہوں میں ان سے الگ ہو جاؤ۔“

جہان زینب کو نصیحت کرنا چاہتا تھا، سبق سکھانا چاہتا تھا، اس کے باوجود وہ اس کی ہدایت کے لئے بھی رب سے دعا گو تھا، یہ سب تھا، اس کے باوجود اس میں شک نہیں تھی کہ وہ لڑکی اپنی تمام تر حماقتوں کے باوجود اسے عزیز تھی۔

اؤنچ میں محفل ابھی بھی عروج پہ تھی، مگر وہ سب کچھ چھوڑ چھوڑ کر اپنے کمرے میں آ گیا، اس کا دل اتنا بھلا ہوا رہتا تھا کہ کہیں نہیں بھلتا تھا، ڈالے اسے نہ پا کر ہی ڈھونڈتی ہوئی کمرے میں آ گئی تھی۔

”طبیعت ٹھیک ہے ناں آپ کی شاہ!“ سگریٹ کے کش لیتا کر بیان کے سارے ٹن کھولے ستم صم جہان اسے ہرگز بھی نارمل نہیں لگا تھا، جہان نے چونکتے ہوئے سرخ نظروں سے اسے دیکھا اور سگریٹ ایش ٹرے میں اچھال دی۔

”ڈالے یہ دردازہ بند کرو، اور لائٹ بھی، مجھے آرام کرنا ہے۔“ اس نے شرٹ اتار کر پھیلتے ہوئے کہا، اس کا لہجہ ہنوز بھی بچا ہوا تھا۔

”شاہ.....! آپ پریشان ہیں؟“ ڈالے اس کے نزدیک آ گئی تھی، وہ ایسی بیوی تھی جو اپنے ساتھی کی ہر جنبش سے اس کے مزاج کی کیفیت کو پرکھ لیتی ہے، یہ اضطراب وہ بہت دنوں سے محسوس کر رہی تھی، مگر دانستہ پوچھا نہیں تھا، جب زینب تھی وہ جانتی تھی اور زینب کے معاملے میں وہ بہت محتاط رویہ اختیار کرتی تھی، جب یہ نہیں تھی اسے زینب کا خیال نہ تھا، ہاں وہ یہ ضرور سوچتی تھی، اس کی کسی بھی حرکت سے زینب کا معمولی سا بھی نقصان کا باعث نہ بن جائے۔

”نہیں ٹھیک ہوں، تم اگر سب کے پاس جانا چاہتی ہو تو چلی جاؤ۔“ جہان نے اسے مطمئن کرنے کو دانستہ لہجے کو نارمل کیا، ڈالے کچھ دیر اسے دیکھتی رہی پھر آہستگی سے اس کے پہلو میں ٹک گئی، اسے اپنا گریز اٹھانا پڑا، اس کا خیال تھا اب اسے بات کرنی چاہیے تھی، زینب اور جہان کا معاملہ بہت پیچیدہ نوعیت اختیار کر رہا تھا، یہی نہیں چاہتی تھی وہ۔

”نہیں میں آپ کے پاس زیادہ رہیںگی راتیں ہوں۔“ ڈالے نے دانستہ مسکرا کر اسے دیکھا، جتنی بڑی بات وہ کرنے جا رہی تھی، اس کے لئے ضروری تھا کہ وہ پہلے جہان کا موڈ بحال کرتی، جہان نے ٹرین موڈ کر اسے نرم لودیتی نظروں سے اسے دیکھا، پھر ہاتھ بڑھا کر اسے بازو کے دھار میں لے کر خود سے نزدیک کر لیا۔

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ہیں :-

- ✧ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✧ ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ✧ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ✧ ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور رٹریوم ایبل لنک
- ✧ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پر ویو ہر پوسٹ کے ساتھ
- ✧ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ✧ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریچ
- ✧ ہر کتاب کا الگ سلیشن
- ✧ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ✧ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں
- ✧ ابن صفی کی مکمل ریچ
- ✧ ایڈ فری لنکس، لنکس کو پیسے کمانے کے لئے شریک نہیں کیا جاتا

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

↩ ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

↩ ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب

ڈاؤنلوڈ کریں www.paksociety.com

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library for Pakistan

Like us on Facebook

fb.com/paksociety



twitter.com/paksociety1

”انشاء اللہ تم ہمیشہ میرے نزدیک رہو گی اور ریلیکس بھی۔“ وہ اس کی پیشانی چوم کر زنی سے کہہ گیا، ڈالے کے اندر جنموں کا سکون اترنے لگا، کچھ کہیے بغیر اس نے اپنا سر جہان کے کاندھے سے نکا دیا تھا۔

”آپ زینی آپنی کے پاس کیوں نہیں جا رہے ہیں شاہ! کوئی جھگڑا تو نہیں ہو گیا خدا نخواستہ؟“ اس نے بالآخر بات کا آغاز کر دیا تھا، چاہے جتنا بھی ڈرتے ہوئے کیا، اس کے بالوں میں سرسراتی جہان کے ہاتھ کی انگلیاں یکدم ساکن ہو کر رہ گئیں، وہ کچھ نہیں بولا تھا، البتہ ہونٹ باہم سمجھ لئے تھے، ڈالے نے اس خاموشی کو اس خاموشی کے کرب کو بہت دل سے محسوس کیا اور اپنا ہاتھ اس کے گال پہ رکھ دیا۔

”شاہ.....!“

”پلیز ڈالے! اس ٹاپک کو کلوز کرو، وجہ پوچھنے کی ضد لگانے کی ضرورت نہیں ہے۔“ جہان کے لہجے میں واضح بے زاری و ناگوارگی تھی، ڈالے کو معاملے کی سنگینی کا احساس ہوا تو دل دھک دھک کرنے لگا، وہ اٹھ کر بیٹھ گئی اور کئی نظروں سے اسے دیکھا۔

”شاہ پلیز! بیشک وجہ نہ بتائیں مجھے مگر اس ناراضگی کو ختم ضرور کر دیں، یہ بالکل مناسب نہیں ہے، خود سوچیں اگر یہ میں ٹیل کر چکی ہوں تو گھر کے باقی افراد نے بھی کیا ہے، آپ کی اپنی پوزیشن بھی خراب ہو رہی ہے، زینی آپنی کو بھی جانے کتنے مرحلوں پہ پریشانی کا سامنا کرنا پڑا رہا، دو گا اور.....“

”ڈالے! ہمدردی کے اس احساس کو یہیں پہ وہاں دانی الحال میں کچھ سننا نہیں چاہتا، یہ بات میں بھی جانتا ہوں کہ حترمہ زینب کے بھی مجھ پہ حقوق ہیں، بلکہ میں تم سے بہتر انداز میں ہی جانتا ہوں اور مزید یہ کہ مجھے یہ بھی پتا ہے کہ مجھے کیا کرنا چاہیے کیا نہیں۔“ وہ کچھ اس طور بھڑکا تھا کہ اسے جھڑکتا چلا گیا، ڈالے تو ڈالے دروازے کے باہر معاذ اور جہان کی آپس میں ہونے والی بات چیت سننے کے بعد اس سے اس سلسلے میں بات کرنے آئی زینب یہاں ڈالے سے اس کی گفتگو سستی زینب بھی دیک کر رہ گئی تھی، اگر اس انکشاف نے حیرت غیر یقینی کے بعد بے پایاں خوشی اور فخر کے احساس کو اجاگر کیا تھا تو اب جہان کی شدید ناراضگی کا احساس اس کی وحشت گھبراہٹ اور اضطراب کا بھی باعث بن گیا تھا، وہ اندر جانے کا ارادہ ترک کر کے وہیں سے پلٹ گئی تھی، تو دوشدید احساس اس کے ہمراہ تھے۔

جہان کے حوالے سے شدید دکھ اور افسردگی کا احساس، ڈالے کی محبت اخلاص اور بے مثال اعلیٰ ظرفی کا احساس، اسے ڈالے سے عقیدت محسوس ہو رہی تھی، تو جہان پہ بے پناہ غصہ بھی آ رہا تھا اور پیار بھی، اسے یقین تھا وہ جہان کو اب بہت آسانی سے منالے کی، مگر اسے یہ معلوم نہیں تھا زندگی نے حالات کا رخ اب کس جانب پلٹانا تھا۔

(جاری ہے)

48 ستمبر 2014



فرخ آفریدی کی جہان منور

ام مریم

سین قسط کا خلاصہ

مسز آفریدی کو جہان کے نکاح کی خبر مشتعل کر دیتی ہے، شاہ ہاؤس میں آکر وہ اچھا خاصا واویلا مچا کر ڈالے کو ساتھ لے جانے پہ مصر ہوتی ہیں، مگر ڈالے ان کی بجائے جہان کی طرف داری کر کے اپنی محبت اور وفا کا ثبوت فراہم کرتی ہے۔
آفس جاتے ہوئے معاذ کو نامعلوم افراد اغواء کر لیتے ہیں، یہ خبر پر نیاں کے ساتھ شاہ ہاؤس کے مکینوں پر بجلی بن کر گرنے والی ہے۔

انتالیسویں قسط

اب آپ آگے پڑھیے





اس کی ساری اواسی جیسے بھاپ بن کر اڑ گئی تھی، اس کی جگہ سرخروئی کا محبت کا، تفاقہ کا دلنشین انداز لے چکا تھا، اس کا دل چاہا جہان کے سامنے جائے، اس سے بہت سارا لڑے، آخر کیوں وہ اتنا کنجوس ثابت ہوا تھا اظہار کے معاملے میں، کہ اتنا نقصان کر ڈالا اس کا، اسی ایک جنونی طلب نے ریگستانوں کی خاک چھنوا دی تھی، اسے بتائے وہ ہمیشہ سے اس کی منتظر تھی۔

اسے جہان کے علاوہ کسی سے محبت ہی نہ تھی۔

اسے جہان کے علاوہ اور کچھ نظر ہی نہ آتا تھا۔

جہان اس کا جہان تھا، کل کائنات تھا۔

زندگی جینے کا سب سے خوبصورت احساس۔

تیور تو اس کی سزا تھی، محض ناراضگی میں دی گئی، خود کو سزا۔

”کیا احساسات ہوں گے بھلا جہان کے؟“ اس نے سوچا، تصور کیا اور مسکرانے لگی۔

”آپ اظہار کے معاملے میں کنجوس تھے اور ہیں، شاید رہیں بھی، مگر جے اب میں خود پہ

پابندیاں نہیں لگاؤں گی، ہرگز نہیں شرمائوں گی، بتادوں گی آپ کو آپ کیا ہیں میرے لئے۔“ اس

نے بستر پہ لیٹ کر خود سے عہد باندھا تھا اور یونہی مسکراتے ہوئے آنکھیں بند کر لیں۔

☆☆☆

ابھی ضد نہ کر دل بے خبر

تیرے پاس ہجوم ستم گراں

ابھی کون تجھ سے وفا کرے

ابھی کس کو فرصتیں اس قدر

کہ سمیٹ کر تیری کرچیاں

تیرے حق میں خدا سے دعا کرے

ابھی ضد نہ کر دل بے خبر

ابھی غم گساروں کی چوٹ سہہ

ابھی کچھ نہ سن ابھی کچھ نہ کہہ

ابھی ہو سکے تو یہ سوچ لے

کہ تعلق اشک سے بیشتر

کہیں درد ہے تو ہوا کرے

کہیں چوٹ ہے تو کھلا کرے

ابھی ضد نہ کر دل بے خبر

لاؤنج کے صوفے پہ وہ بے خیال سی بیٹھی تھی، چہرے پہ تفکر کی اضطراب و الجھن کی لکیروں کا

جال سا پھیلا ہوا تھا، گود میں سوئی فاطمہ کے منہ سے فیڈر کا نیل بار بار نکل جاتا، وہ ہر بار چوکتی اور

فیڈر واپس اس کے منہ سے لگا دیتی، یہ بھی جیسے ایک معمول تھا، جسے وہ بغیر کسی احساس کے انجام

دے رہی تھی، سارا دھیان تو جہان میں اٹکا ہوا تھا، کتنے دن ہو گئے تھے جہان کو اس سے کلام کیے ہوئے بھی۔

وہ انگلیوں پہ شمار کرتی تو پوروں کی تعداد کم پڑنے لگی، ساتھ ہی ساتھ آنکھیں چھلک چھلک جاتیں، کیسے یقین کرتی وہ جہان کے بدلے ہوئے رویئے کا، اس کے بدلے ہوئے انداز کا، وہ اتنا خفا تھا کہ اس کی جانب دیکھنے کا بھی روادار نہیں رہا تھا جیسے۔

”اتنا بڑا جرم تھا میرا.....؟“ وہ خود سے سوال کرتی تو دل خون ہونے لگتا، دل عجب متضاد کیفیات سے بوجھل ہوا جاتا، تمام تر صفائیوں کے باوجود جہان نے اگر اسے معاف نہیں کیا تھا تو پھر سچ یہی تھا، جو اس روز وہ اس پہ واضح کر چکا تھا، کیسے کیسے نہ اس دن مان اور زعم ریزہ ریزہ ہو کر بکھرا تھا، وہی مان اور زعم جو اسے جہان پہ ہمیشہ رہا تھا اور جو اس رات جہان و معاذ کی گفتگو میں ہونے والے اس وجود میں ہر سو خوشبو بکھیر دینے والے انکشاف پہ یکلخت اور زیادہ بڑھ گیا تھا، جیسی تو وہ جہان کے پچھلے کئی دنوں کے سرد مہر رویئے کو یکسر فراموش کیے اتنے اعتماد اس قدر یقین اور دھڑلے کے ساتھ کل اس کے کمرے میں اس وقت گئی تھی جب ڈالے کچن میں مصروف تھی، آہٹ پہ جہان جو بیک ریک کے پاس کھڑا کوئی کتاب تلاش کرنے میں مصروف تھا، سرسری انداز میں گردن موڑی تھی، مگر ڈالے کی بجائے اسے رو برو پا کے اس کی صبح پیشانی پہ ناگواری و برہمی کی شکنیں ابھر آئی تھیں، البتہ کچھ کہنے سے اس نے گریز برتا اور کچھ کہنے کی بجائے لا تعلق کا مظاہرہ کرتے ہوئے، اپنے کام میں مشغول ہو گیا تھا، زینب اس کی خفگی کو محسوس کر کے ہی مسکرائی تھی اور ازلی اعتماد کے ساتھ چلتی آ کر اس کے پہلو میں کھڑی ہو گئی۔

”جے.....!“ اس کے بازو پہ ہاتھ رکھ کے اس نے باقاعدہ اس کی توجہ حاصل کرنا چاہی، جہان نے اپنے بازو پہ رکھے اس کے ہاتھ کو صرف سرد نظروں سے دیکھا نہیں، اسی سرد مہری سے اس کا ہاتھ بھی ہٹا دیا تھا، اس کی جانب اٹھنے والی جو جہان کی نظریں تھیں، ان میں ایسی برقی بیگانگی سرد تغافل اور لا تعلق تھی کہ زینب کے اعتماد میں یکلخت دراڑیں پڑنے لگی تھیں مگر وہ خود کو بروقت سنبھال گئی تھی اور بڑی ہمت سے مسکرائی۔

”آپ آخر کب تک خفا رہنا چاہتے ہیں مجھ سے جے.....؟“ اپنائیت آمیز اس سوال نے جہان کے چہرے پہ کئی ہونٹوں پہ زہر خند بکھیر دیا تھا، اس نے برہم و مشتعل انداز میں سر جھٹکا اور ہاتھ میں موجود کتاب بک ریک پہ پٹخ دی، اس کی خاموشی زینب کو مضطرب بیکل کر رہی تھی، جیسی اس کا بازو پکڑ کر آہستگی سے جھنجھوڑا۔

”بتائیں نا مجھے۔“ اس کے انداز میں بچوں کی سی ہیلی ضدا تر نے لگی۔

”یہ فضول باتیں..... فضول سوال نہ کرو مجھ سے، ویسے بھی اگر ایسا نہ ہو بھی تو کیا فرق پڑتا ہے تمہیں۔“ جہان کے لہجے کا طنز بھر پور تھا، زینب کا چہرہ پھیکا پڑنے لگا۔

”کیوں فرق نہیں پڑتا۔“ وہ قدرے دھیمی پڑی، شاکی ہو کر رہ گئی۔

”مجھے اپنی اوقات جو تمہارے نزدیک ہے، بہت اچھی طرح معلوم ہو چکی، پھر ان فضول باتوں کا مقصد؟“ جہان نے یکدم سرد مہری اوڑھ لی تھی، زینب نے گہرا سانس بھرا۔

”اوقات نہیں اپنی اہمیت..... اگر آپ اپنی اہمیت جان لیں تو اچھی بات ہوگی اور بے میں آپ کو بتا چکی ہوں نا کہ میں نے وہ کام کیوں کیا تھا اور.....“

”چپ ہو جاؤ زینب! اور پلیز جاؤ یہاں سے فی الحال۔“ جہان یکدم مشتعل نظر آنے لگا، اسے سختی سے ٹوکا اور پھٹ پڑنے کے انداز میں اسے جھڑکتے ہوئے بولا، مگر زینب نے جیسے اس کی بات کا برانہ ماننے کی قسم کھالی تھی۔

”میں آپ کو منائے بغیر نہیں جاؤں گی۔“ زینب کے اس جواب پہ جہان کی آنکھوں میں تسخر کا رنگ اتار رہا تھا۔

”ان فارمیٹرز میں مت پڑیں زینب خاتون! اتنا تو تم بھی سمجھتی ہوگی کہ یہ سب چونچلے وہاں اچھے لگتے ہیں جہاں رشتوں میں محبت اور ضرورت ہو، ہمارے رشتے میں ایسا کچھ نہیں ہے۔“ وہ ایک طرح سے پھنکارا تھا، زینب کی موجودگی اس کے ذہنی تناؤ کو بڑھا رہی تھی، وہ بے تحاشا اذیت کا خود ترسی کا شکار ہو رہا تھا، زینب اسے کچھ دیر یونہی دیکھتی رہی، پھر متاسفانہ سانس کھینچا۔

”آپ اب بھی مجھے نہیں بتانا چاہتے ہیں جے! کہ آپ مجھ سے محبت کرتے ہیں، مجھے بتائیے؟ اگر اس راز سے لالہ آگاہ ہو سکتے تھے، نور یہ اور گھر کے دیگر افراد جان سکتے تھے، تو مجھ سے صرف مجھ سے چھپانے میں کیا مصلحت تھی؟ کیا آپ کو نہیں لگا کبھی بھی کہ اس بات کو جاننے کا سب سے زیادہ حق ہی میرا تھا؟“

زینب کے اندر جتنا غصہ تھا، جس قدر دکھ سے وہ دوچار تھی، یہ استفسار بھی اس قدر شدید تھا، اس کا گریبان پکڑ کر اپنی عدالت میں کھینچتی ہوئی زینب جہان کو اپنے الفاظ کی سنگینی سے بھک سے اڑا چکی تھی، جہان نے پہلے غیر یقینی، پھر حیرت اور پھر غمی سے بھرپور تاثرات کے ساتھ دیکھا تھا اسے۔

”کیا مطلب ہے تمہارا؟ کہنا کیا چاہتی ہو؟“ اس نے زینب کے بہتے ہوئے آنسوؤں کو خاطر میں لائے بغیر اپنا گریبان اس کے ہاتھ سے زور سے چھڑواتے اسے فاصلے پہ کھڑا کرتے بے حد برہم و مشتعل انداز میں استفسار کیا تھا، اس کی آنکھیں ایک دم دہک اٹھی تھیں، زینب کا استحقاق آمیز انداز اسے استحقاق سے بڑھ کر متکبرانہ لگا تھا، جیسی پسند نہیں آسکا، ویسے بھی اب ان کے تعلقات جس سچ پہ تھے وہاں یہ انکشاف ہرگز بھی مناسب نہیں تھا، اسے کیسے پسند آ سکتا تھا، زینب کو اس کے اس انداز نے مزید تکلیف سے دوچار کیا تھا، وہ خود دو قدم مزید پیچھے ہٹ گئی۔

”آپ سے کل لالہ جو بات کر رہے تھے میں سن چکی ہوں وہ۔“ آنسو پونچھتی زینب کے لہجے میں بے حد دھیمپن اتر آیا، جہان کا ردیہ اسے سراسر توہین آمیز محسوس ہو رہا تھا، وہ مان وہ زعم وہ اعتماد دھیرے دھیرے اس کا ساتھ چھوڑ رہا تھا جس کے ہمراہ وہ یہاں تک آئی تھی، اس کی جگہ خفت بھرے ذلت آمیز سبکی کے احساس نے لے لی، اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھرتی جا رہی تھیں، جہان نے اس جواب پہ سر جھٹک دیا، گویا اہمیت نہیں دی۔

”ہاں..... یہ سچ ہے، مگر وہ پرانی بات تھی، میں معاذ کو جھٹلانا یا ہزٹ کرنا نہیں چاہتا تھا۔“ اس کا انداز ہنوز نخوت بھرا تھا، جواب ایسا ضرور تھا کہ زینب کی اوقات واضح کر دی گئی، زینب کی

آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں، تضحیک اور رہانت کے شدید احساس کے ہمراہ وہ اگلے کئی لمحے حرکت نہیں کر سکی، بالکل ساکن گویا پتھرائی ہوئی کھڑی رہی۔

”یعنی..... آپ کا مطلب ہے.....! وہ لڑکی جس سے آپ..... آپ ہمیشہ محبت کرتے تھے..... وہ..... وہ میں ہی تھی..... مگر..... مگر..... پھر آپ..... کی سوچ..... آپ..... کا دل بدل گیا اور.....“ وہ اپنی بات نہیں مکمل کر سکی، گلے میں اتر جانے والے رنج و غم نے رقت نے اس کی آواز بھرا دی تھی، اس کی چھلکتی آنکھوں میں جہان کا سراپا بہت تیزی سے دھندلاتا جا رہا تھا۔

”کیا اس میں کوئی مضائقہ ہے؟ وہ بھی اس صورت جبکہ ڈالے بہت نیک سیرت بہت فرمانبردار، بہت خوبصورت بھی ہے، پھر ایسا ممکن ہو نہیں ہو سکتا تھا؟“ جہان اس کی کیفیات سے بے خبر نہیں تھا، مگر اس پل دانستہ بے حسی کا مظاہرہ جانے کیوں کر رہا تھا، زینب نے پوری شدت سے کانٹے ہونٹوں کو باہم پیچ لیا، وہ آنسو روکنا چاہتی تھی مگر ابلتے ہوئے اس لاڈلے پتے سے ہرگز اختیار نہیں تھا، وہ سر تاپا کانپتی ہوئی منہ پہ ہاتھ رکھے پلٹ کر اندھا دھند بھاگی اور دروازے سے نکل کر اپنے لباس سے الجھتی کمرے سے نکل گئی تھی، اس کے بعد کیا بچا تھا بھلا اس کے پاس، صرف بے یاسگی، بے چارگی اور اپنی بہت واضح اوقات، وہ جتنا تڑپتی تھی، درد کی شدت اس قدر بڑھتی جاتی تھی، جتنا رونی تھی، غم اسی قدر سوا ہو رہا تھا۔

(ہاں..... کوئی مضائقہ نہیں، ایسا ممکن بھی ہو سکتا ہے، جس زینب سے آپ نے محبت کی تھی ناں ہے.....! وہ ایک ان چھوٹی لڑکی تھی، مگر اب جو آپ کے لیے باندھ دی گئی وہ مسلی ہوئی روندی ہوئی استعمال شدہ عورت ہے، فرق تو ہے، واضح فرق ہے، اس فرق کو میں نے خود کیوں نہ سمجھا؟ خود کیوں نہ جانا، آپ نے سمجھایا ہے تو اتنی تکلیف کیوں ہو رہی ہے، سچائی سے کیسا فرار..... حقیقت سے کیسا گریز۔)

اب وہ ہر لمحہ خود کو یہ سمجھاتی تھی، یہ جلتی تھی، یہی وجہ تھی کہ غم ڈھلتا نہ تھا، یہی وجہ تھی کہ زخم سلتے نہ تھے، کم از کم اسے جہان سے ایسی امید ایسی توقع نہیں تھی، وہ تو بہت اعلیٰ طرف تھا، بہت الگ..... بہت خاص۔

یہ کیسا نقصان اس کے حصے میں آ گیا تھا، ایسی نارسائی تو تب نہ تھی، جب اس نے اپنے دل کا حال چھپائے خود کو اسی ضد میں جہنم میں جھونک دیا تھا، کہ جہان نے اس سے اعتراف نہ کیا تھا، اقرار نہ کیا تھا، اظہار نہ کیا تھا۔

نقصان تو ہو چکا تھا، پھر یہ اتنا دلہن چہ معنی دارد.....؟ اب تو اسے سمجھ دار ہونا چاہیے تھا، عقل استعمال کرنی چاہیے تھی، اگر جہان کو اس کی ضرورت ہوتی تو وہ اس وقت اسے کیوں اتنی آسانی سے کسی کو سو نپتا؟ انکشافات تھے، اذیتیں تھیں، دکھ تھے، سوچیں تھیں۔

اسے چپ لگ گئی تھی، کتنے دن وہ بول نہیں سکی تھی، اسے لگتا تھا وہ اب کبھی بول بھی نہیں سکے گی، کم از کم جہان کے سامنے بالکل نہیں، وہ ہر اس جگہ سے بدکنے لگی تھی، جہاں جہان کی موجودگی کا احتمال بھی ہوتا، اسے لگتا تھا، جہان کا اب کے ہونے والا سامنا اسے ذلت کی ایسی اتھاہ میں اتارے گا، جہاں سے وہ کبھی نہیں نکل سکے گی۔

وہ یونہی ساکن بیٹھی تھی جب دروازہ زور سے کھلا، اس نے چونک کر مگر جلتی آنکھوں سے سامنے دیکھا، وہ پر نیاں تھی، منہ پھلائے ہوئے غصے سے بھری ہوئی آئی تھی، آتے ہی چادر اتار کر پھینکی اور خود کو صوفے پر اس کے مقابل گر ادیا۔

”رجو..... رجو.....! فریج سے ٹھنڈے پانی کی بوتل نکال کر لاؤ۔“ وہ زور دار آواز میں چلائی، زینب کی گود میں سوئی فاطمہ اس کی آواز سے کسمانے لگی، زینب نے نرمی سے تھپکنا شروع کیا تھا۔

”پری.....! تم پکڑو ناں عدن کو..... پانی میں لا کر دیتا ہوں تمہیں، میں کس لئے ہوں یارا!“ اس پل معاذ عدن کو اٹھاتے ہوئے وہاں پہنچا تھا، انداز منانے والا تھا، کسی حد تک لجاجت آمیز مگر پر نیاں اس پر الٹ پڑی تھی۔

”مجھ سے بات کرنے کی ضرورت نہیں آپ کو..... سمجھے ہیں؟“ وہ زور سے پھنکاری، معاذ بدک سا گیا اور خائف انداز میں اسے دیکھا۔

”یہ کیا بات ہوئی زوجہ! اتنی پابندی کیوں بھلا؟“ وہ دونوں ہی جیسے زینب کی موجودگی کو فراموش کیے ہوئے تھے، زینب مزید خاموش مزید گم صم نظر آنے لگی۔

”میں نے کہا ناں، زیادہ فرینک ہونے کی ضرورت نہیں ہے، پیچھے ہٹیں۔“ معاذ اس کے ساتھ صوفے پر آ کر بیٹھا تو پر نیاں بدک کی تھی، معاذ نے نچلا ہونٹ دبا کر مسکراہٹ ضبط کی۔

نا حق قبضہ نہ کیجئے خود پر
آپ اپنے نہیں ہمارے ہیں

معاذ نے بڑے دھڑلے سے اس کے گلے میں بازو جمائل کر کے استحقاق جتلا یا تھا، پر نیاں نے خفت سے بھر پور نظروں سے زینب کو دیکھا اور شرم سے سرخ پڑتے ہوئے معاذ کو گھورتے زور سے پرے دھکیل دیا، زینب کی موجودگی میں معاذ کی اس حرکت نے اسے بہت پزل کر دیا۔

”شرم نہیں آتی ہے؟ زینب کا ہی کچھ خیال کر لیں۔“ وہ دبے ہوئے مگر بے حد تپتے انداز میں اسے سنار ہی تھی، معاذ ڈھٹائی سے ہنستے ہوئے سر کھجانے لگا۔

”کیا کروں یار..... قسم لے لو جو مجھے تمہارے سامنے کچھ اور نظر آتا ہو۔“ وہ ایک دم رومینک ہونے لگا، پر نیاں نے خجالت آمیز تاثرات کے ساتھ اسے زور کا مکہ کاندھے پہ دے مارا تھا۔

”اٹھیں یہاں سے..... اور جائیں، آپ سے بعد میں نیٹوں گی۔“ پر نیاں نے اس سے عدن کو چھین لیا تھا، معاذ سرد آہ بھرتا ہوا اٹھا۔

”تمہارا موڈ آف تو نہیں ہے ناں جان من!“ وہ اٹھتے اٹھتے بھی اس کی آنکھوں میں جھانک کر شرارت سے بولا تھا، پر نیاں نے اب کی بار کچھ کہنے کی بجائے دونوں ہاتھوں سے اسے پرے دھکیل دیا۔

”نی الحال جائیں بعد میں بات کروں گی۔“ اس کے دانت کچکچا کر کہنے پہ معاذ آہیں بھرتا وہاں سے چلا گیا، تب پر نیاں زینب کی سمت متوجہ ہوئی تھی، جو اسے ہی دیکھ رہی تھی، مگر انداز میں بے خیالی اور غائب دماغی کا تاثر اتنا گہرا تھا کہ پر نیاں کو لگا وہ وہاں موجود ہو کر بھی یہاں نہیں

”ان کے ہمراہ باہر جانا بھی کسی آزمائش یا عذاب سے کم نہیں ہے، رنگ برنگی فیزلمتی ہیں اور چپکی جاتی ہیں، برداشت کی کوئی حد بھی ہوتی ہے آخر۔“ وہ از خود اپنے موڈ کی خرابی کی وجہ بتلانے لگی، زینب کے ہونٹوں پہ بہت بچھی ہوئی مسکان بکھر گئی۔

”ایسے نہ کہا کرو پری، بہت خوش نصیب ہو تم کہ لالہ کی حقیقی اور پر خلوص محبتوں کی حقدار ٹھہری ہو، قدر کرتی رہو، کوئی پتا نہیں چلتا کب کوئی غلطی گرفت میں آ جاتی ہے اور سب کچھ چھین جاتا ہے۔“ زینب کی خاموشی ٹوٹ گئی تھی، پر نیاں کو اس کے الفاظ سے زیادہ اس کے لہجے کی حسرت و یاس کے ساتھ کرب آمیز بے مائیگی نے بے چین کیا تھا، وہ چاہنے کے باوجود فوری طور پہ کچھ کہنے کے قابل نہ ہو سکی۔

”اس میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے زینب کہ جہان بھائی بھی تم سے بہت محبت کرتے ہیں، پھر بھی تم اتنی اداس رہتی ہو؟“ خاصی تاخیر سے وہ بولی تو زینب کے ہونٹوں پہ مسکراہٹ بھی کسی نوچے کی طرح ابھری تھی، آنکھوں میں چلتی ہی پلکوں کی دہلیز یہ آن کر شبنمی موتیوں کی مانند اٹک گئی۔

”میں بھی یہی سمجھتی تھی، اس حماقت میں پڑی رہی، مگر ہر خواب کا تعلق سراب سے جا کر کیوں کر مل جاتا ہے اس پہ کبھی غور نہیں کیا اور خود کو اس غلط فہمی میں ضد میں دار پہ چڑھا دیا، یہ کیسی محبت تھی ان کی پری..... جس نے انہیں مجھ سے مدعا کہنے سے روک رکھا؟ اب سوچنا یہ بھی ہے کہ وہ محبت بھی تھی؟“

کیسی تڑپ تھی اس کے لہجے میں انداز میں، چہرے پہ آنکھوں میں پر نیاں مضطرب نظروں سے اسے دیکھتی رہ گئی، زینب ہونٹ کچلتی پلکیں جھپک جھپک کر آنسو اندر اتاری رہی تھی۔

”ابھی تو مجھے معلوم ہوا ہے پری کہ کوئی بھی مرد اتنا اعلیٰ ظرف نہیں ہوتا کہ مطلقہ اور برتی ہوئی عورت کو اسی انداز میں قبول کر سکے، جیسے وہ ایک کنواری لڑکی کو کر لیتا ہے، جے کو اعلیٰ ظرفی کا یہ ثبوت فراہم کرنا ہی نہیں چاہیے تھا، دوسرے لفظوں میں گھر والوں پہ مجبوری میں بھی اس فرما تبرداری اور سعادت مندی کو ثابت نہیں کرنا چاہیے تھا۔“ بے حد دکھ میں مبتلا ٹوٹے ہوئے لہجے میں کہتی وہ ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر بلک پڑی تھی، پر نیاں کی جان پہ بن کر آنے لگی، اسے چپ کراتے وہ ہلکان ہو رہی تھی۔

”پلیز زینبی! خود کو سنبھالو، تم بہت بڑی غلط فہمی کا شکار ہو، صاف لگتا ہے، کم از کم جہان بھائی ایسے بالکل بھی نہیں ہیں۔“ اس کے آنسو پونچھتے پر نیاں نے اسے سمجھانا چاہا تھا، زینب تھکے ماندے اور زخمی انداز میں مسکرانے لگی۔

”کیا میں تمہیں بتاؤں پری کہ مجھے اب اس دلاسے کی بھی ضرورت ہے نہ حاجت۔“ اس کی آواز رقت آمیز تھی، پر نیاں کو گہرا دھچکا لگا، اس نے الجھ کر ٹھنک کر زینب کو دیکھا۔

”کیا مطلب.....؟ تمہیں کچھ کہا ہے جہان بھائی نے.....؟“ وہ ششدر نظر آنے لگی۔

”ان باتوں کو چھوڑ دو پر نیاں! میں نے جان لیا ہے، میرے نصیب میں شوہر کی محبت اور توجہ نہیں لکھی گئی۔“ اس کے لہجے میں اس پل ٹوٹے کانچ کی سی چھنک تھی، پر نیاں کو اس کا دکھ اپنے

دل میں شگاف ڈالتا ہوا محسوس ہوا، پر نیاں نے کچھ کہنا چاہا تھا مگر دروازے کے باہر جہان کی جھلک دیکھ کر ہونٹ کھینچتے ہوئے ارادہ ملتوی کر دیا، جس وقت رات کے کھانے کے بعد وہ کچن میں رجو کے سر پہ کھڑی ہدایات دے رہی تھی، جہان کو چائے کی طلب وہاں کھینچ لائی تھی۔

”رجو تم پہلے چائے بنا دو بھائی کے لئے۔“ اس نے رجو کو حکم دیا تھا اور خو جہان کے پیچھے بھاگی جو واپس اپنے کمرے کا رخ کر چکا تھا۔

”میری بات سنیں جہان بھائی!“ وہ اس کے برابر پہنچ کر پھولے سانسوں سے بولی تو جہان جو قدرے حیران ہو چکا تھا، خود کو سنبھال کر نرمی و رسان سے مسکرایا۔

”جی..... حکم کیجئے.....؟“ وہ سینے پہ ہاتھ رکھ کے ذرا سانسوں کو ہوا، انداز میں کسی حد تک شرارت کا عنصر تھا، پر نیاں اسے بغور دیکھتی رہی، گویا وہ جتنا مطمئن نظر آتا ہے واقعی ہے بھی کیا واقعی زنیب کی سب باتیں بالکل ٹھیک ہیں، اس کا دل انوکھے خدشات سے بھر رہا تھا۔

”آپ اتنے ہی مطمئن ہیں بھائی جتنا اس وقت نظر آ رہے ہیں؟“ اس کا لہجہ ناچاہتے ہوئے بھی تلخی و چھین سمیٹ لایا تھا، جہان کے چہرے کی مسکراہٹ غائب ہونے میں دیر نہیں لگی۔

”کیوں؟ آپ کو کوئی شک؟ ویسے خیریت، مجھے لگ رہا ہے، آپ کلاس لگا رہی ہیں میری۔“

اب وہ سنجیدہ تھا اور بہت سنبھل کر بات کر رہا تھا، پر نیاں نے دھیان سے اس کی سنجیدگی کو بلاخطہ کیا اور انجانے کرب کا شکار ہونے لگی۔

”آج دن میں میری اور زنیب کی باتیں سن چکے ہیں ناں آپ.....؟“ اپنی شاکی نظریں اس کے چہرے پہ جما کر پر نیاں نے کڑا استفسار کیا تھا، جہان جو اسے ہی دیکھ رہا تھا، بے اختیار نگاہ کا زوایہ بدل کر سنجیدگی سے دوسری جانب دیکھنے لگا۔

”جی..... مگر یہ محض ایک اتفاق تھا۔“ جہان نے نیاں کا محتاط قسم کا جواب اس سنجیدگی سے دیا جس کا وہ اب تک مظاہرہ کر رہا تھا، پر نیاں ایک دم ڈھیلی پڑ گئی، آنکھوں کا شکوہ جیسے گہرا ہوا تھا۔

”کیسے سنی تھیں مسئلہ یہ نہیں ہے بھائی اب بات یہ ہے کہ آپ کو اگر علم ہو ہی چکا تھا تو آپ کو اس کا شکوہ یا غلط فہمی دور نہیں کرنی چاہیے تھی؟“ پر نیاں کا لہجہ ڈانڈا ہنوز تھا، بلکہ اس میں اب کے خفگی کا افسردگی کا تاثر بڑھا ہی تھا، جہان نے اب کے دانستہ جواب نہیں دیا، جیسے ہونٹ کھینچے دوسری جانب دیکھ رہا تھا، دیکھتا رہا، جبکہ پر نیاں ہنوز منتظر تھی، بے چینی، بے تلبی اضطراب اس کی ہر ادا سے ظاہر تھا، معاوہ بے حد تناؤں کی کیفیت میں آ کر پھر خود ہی بول پڑی تھی۔

”آپ کی اس خاموشی سے کیا مجھے خود کو یہ سمجھانا چاہیے کہ میں آپ کی ذاتیات میں دخل دے رہی ہوں جو کہ مجھے نہیں دینا چاہیے۔“

وہ جتنا پتی تھی، جس قدر دکھ کا شکار تھی، یہ اس کے الفاظ سے اس کے انداز سے ظاہر ہو گیا تھا، جہان بے ساختہ بوکھلا اٹھا۔

”میں نے ایسا کچھ نہیں کہا ہے بھابھی پلیز۔“ اس نے احتجاجاً ٹوکا تھا، پر نیاں جو اب اضطرابانہ نظروں سے اسے دیکھتی رہی، پھر گہرا سانس بھرتے لجاجت سے کہہ گئی تھی۔

”اسے منالیں پھر بھائی! ورنہ وہ خود کو کوئی نقصان پہنچائے گی مجھے ڈر ہے، مجھے یقین ہے

آپ ایسا کبھی نہیں چاہیں گے۔“ اس کا انداز رسائیت آمیز تھا، جہاں ہونٹ سختی سے بھینچے ساکن کھڑا رہا۔

”محبت میں انا نہیں ہوتی ہے بھائی!“ نصیحت کر کے وہ خود آگے بڑھ گئی تھی، جہاں کتنی دیر وہیں کھڑا اس کی اس آخری بات پہ غور کرتا رہا تھا۔

☆☆☆

مجھے چشم ناز سے مت گرا
میرے ہمسفر میرے ساتھی
تیرے سارے عذر قبول ہیں
یہ محبتوں کے اصول ہیں
رہوں کب تک تیری راہ میں
مجھے رکھ کے اپنی نگاہ میں
میری خواہشیں تیری چاہ میں
کسی گزرے وقت کی دھول میں
میری زندگی دھواں دھواں
تیرے ساتھ جاؤں کہاں کہاں
میری آرزو میں خزاں خزاں
تیرے پاس پھول ہی پھول ہی
یہ محبتوں کے اصول ہیں
مجھے میری ذات پہ زینتیں
کہاں میں کہاں میری حسرتیں

بستر پہ گھٹنوں میں سر دیئے، وہ اب بھی روہی رہی تھی، فاطمہ کے جاگنے اور پھر رونے کی آواز پہ اس نے سر اٹھا کر دیکھا تھا، پھر ہاتھ بڑھا کر اسے اٹھا لیا، بچی بھوکے تھی اور اس کا فیڈر خالی، وہ اسے اٹھائے کمرے سے باہر آگئی، لاؤنج خالی تھا، رجو بھی نظر نہیں آ رہی تھی، اس نے فاطمہ کو وہیں صوفے پہ لٹا دیا، اسے اٹھا کر گود میں لے کر وہ کوئی کام نہیں کر سکتی تھی، اتنے ہاتھ پیر چلاتی تھی فاطمہ کہ کام ہونے کی بجائے بگڑ جایا کرتا تھا۔

جہاں آفس سے لوٹا تھا، بیڈروم سے فریش ہو کر نکلا تو فاطمہ کی روئی آواز پہ بے اختیار اس کے قدم لاؤنج کی جانب بڑھ آئے تھے، صوفے پہ بری طرح سے ہاتھ پیر چلا کر روئی فاطمہ کو اس نے حیرانی کی نگاہ سے دیکھا اور بے اختیار آگے بڑھ کر اس تک آیا اور جھک کر اسے بانہوں میں بھر کر کاندھے سے لگا کر تھپکا، بچی اس کا لمس پہچانتی تھی، جیسی اس سے چمٹ کر چند لمحے ہچکیاں بھرتے رہنے کے بعد پھر سے خاموش ہو کر غنودگی میں چلی گئی، جہاں اسے ساتھ لگائے تھپکتا ہوا ہال کمرے میں آگیا تھا، جہاں اس وقت سبھی موجود تھے۔

زیب فیڈر تیار کر کے واپس آئی تو خالی صوفہ دیکھ کر ایک پل کو حیران رہ گئی، اگلے لمحے وہ

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ہیں :-

- ✦ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✦ ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ✦ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ✦ ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور ریڈیو مائیل لنک
- ✦ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پر یو ہر پوسٹ کے ساتھ
- ✦ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ✦ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریج
- ✦ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ✦ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ✦ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں
- ✦ پیریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- ✦ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریج
- ✦ ایڈ فری لنکس، لنکس کو ایسے کمانے کے لئے شرک نہیں کیا جاتا

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

← ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

← ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب

ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library for Pakistan



Like us on
Facebook

fb.com/paksociety



twitter.com/paksociety1

تیزی سے پلٹی تھی تو چہرے پہ ہوائیاں اڑ رہی تھیں، ماریہ دروازے میں کھڑی مسکرا رہی تھی۔
 ”فاطمہ کو ڈھونڈ رہی ہیں؟ خدا نخواستہ وہ غائب نہیں ہوئی بلکہ جہان بھائی لے گئے ہیں
 اسے۔“ اس کے تاثرات پہ ہی محظوظ ہوتی وہ نرمی سے تسلی دے رہی تھی، زینب کے چہرے پہ
 جہان کا نام سنتے ہی تناؤ ابھر آیا۔

”جاؤ لے کر آؤ، بھوک لگ رہی ہے اسے۔“ اس کا لہجہ رکھائی سے بھرپور اور سرد پن لئے تھا،
 ماریہ البتہ اس کی کیفیت نہیں سمجھ سکی، سر اثبات میں ہلاتی پلٹ گئی تھی، زینب سے انتظار محال ہونے
 لگا تو خود اسی جھنجھلاہٹ میں اس کے پیچھے آئی تھی، فاطمہ جہان کی گود سے ماریہ کے پاس آنے پہ
 آمادہ نہیں تھی، جہان نے مسکراتے ہوئے نرمی سے ماریہ کو ہیٹو کا تھا۔

”گڑیا آپ فاطمہ کا فیڈر یہاں لا دو، مائی ڈول ابھی پاپا کے ساتھ رہنا چاہتی ہے۔“ اس
 نے جھک کر فاطمہ کا گال چوما تھا، فاطمہ نے خوش ہو کر کلکاری ماری تھی اور جہان کے چہرے پہ
 ہاتھ مار مار کر کھیلنے لگی، مہما اس کی محبت کا یہ مظاہرہ بہت مطمئن نظروں سے دیکھ رہی تھی، مسکرا رہی
 تھیں، اب کے اندر کوئی ملال کوئی رنج نہیں تھا جیسے، جہان نے اس فیصلے کی بہتری کو ثابت کر کے
 دکھا دیا تھا اپنی سعادت مندی و فرمانبرداری کے ساتھ، اس برسکون ماحول میں دراڑیں زینب کی
 آمد سے پڑی تھیں، جو دروازے میں کھڑی جہان کی بات سن چکی تھی اور گویا پورا وجود جیسے سلگ اٹھا
 تھا، وہ تلملا کر جیسے کانٹوں پہ چلتی آگے آئی تھی اور بغیر کسی لحاظ کے جہان سے فاطمہ کو نہایت
 جارحانہ انداز میں جھپٹ لیا تھا۔

”اگر آپ کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں ہے، تو میری بیٹی سے بھی جھوٹی محبت جتانے کی ضرورت
 نہیں، کل کو یہ بھی آپ کو اپنی غلطی لگے گی، اس سے بھی دستبردار ہو جائیں گے، مگر یہ اس محرومی کے
 ساتھ جینا نہیں چاہیے گی، آج کے بعد اسے ہاتھ نہیں لگانا آپ نے... سمجھے۔“ وہ بولی نہیں غرائی
 تھی جیسے، اس کا چہرہ سرخ تھا اور آنکھیں اشتعال آمیز انداز میں دہک رہی تھیں، غم و غصہ رنج و ذہنی
 اذیت و حشت مل جل کر اسے ہسٹریک کر چکی تھی، وہ مکمل طور پہ حواسوں سے باہر لگ رہی تھی،
 جہان تو جہان، وہاں موجود ہر بڑے چھوٹے کو گویا سانپ سونگھ گیا، زینب سے اس بد لحاظی اس
 گستاخی اس انتہائی رویے کی توقع بھلا کس کو تھی، شدید نفرت اور شرمندگی کے باعث جہان کی
 پیشانی تپ اٹھی، چہرہ گویا پسینوں میں ڈوبنے لگا، دھڑکنیں چٹختنے لگیں۔

”یہ کیا بد تمیزی ہے زینبی... بی ہو یور سلیف۔“

سب سے پہلے معاذ کے حواس بحال ہوئے تھے، اس نے ایک منٹ میں زینب کو لتاڑ کر رکھ
 دیا تھا، اس کے خیال میں زینب کی بد تمیزی کی یہ حد تھی، انتہا تھی، اس سے جہان کے چہرے کی
 خفت نہیں دیکھی جا رہی تھی جو نظریں زمین پہ گاڑھے سکتے زدہ نظر آ رہا تھا، یہ دستور، زینب نے جیسے
 معاذ کی بات سنی ہی نہیں، جیسے آندھی طوفان کی مانند آئی تھی ویسے ہی رونی بلکتی فاطمہ کو سینے سے
 چمٹائے پلٹ بھی گئی، مگر معاذ کی دھاڑ نما آواز پہ اس کے قدم جیسے زمین نے جکڑ لئے تھے۔

”یہیں رکوزینی! اور فاطمہ کو واپس بچے کے پاس لاؤ، بات کرنے کا یہ کون سا انداز ہے، یہی
 تمیز سیکھی ہے آج تک تمہارے؟“ اس کا سرد لہجہ اس قدر برا فروختہ اور خوفناک تھا کہ زینب کا سارا

ہیجان ایک طرف اسے منجمد کر کے رکھ گیا تھا، اس نے تھرائے ہوئے مگر تلخ انداز میں پلٹ کر لہو رنگ آنکھوں سے معاذ کو دیکھا، جس کے چہرے پہ ہرگز کوئی گنجائش نہیں تھی اور ایسا تاثر ملتا تھا اگر وہ اس بات سے ذرا سا بھی انحراف کی جرأت دکھائے گی بغیر کسی لحاظ کے وہ اس کا چہرہ پھٹروں سے سرخ کر دے گا، آنکھوں میں ایسا ہی غم و غصہ اور اشتعال تھا، وہ ساکن کھڑی باغیانہ سرکشانہ انداز میں اسے ٹکر ٹکر دیکھتی رہی، ایسے سرکشانہ انداز میں جس میں گہرا رنج و ملال بھی پایا جاتا تھا، معاذ کو البتہ اس کے تجاہل اور ڈھٹائی نے مزید آگ سی لگادی تھی۔

”تم نے سنا نہیں؟ کیا کہہ رہا ہوں میں؟“ وہ پھر غرایا، ماحول پہ ہنوز وحشت آمیز سناٹا طاری تھا، بس ایک جہان کی آواز بھی بہت مدہم سی بہت بو جھل، جو وہ اسے بار بار جزبز ہوتا ٹوک رہا تھا جس پہ قطعی دھیان دیئے بنا معاذ صرف زینب کی جانب متوجہ تھا اور اسے ہی گھور رہا تھا، زینب نے اپنی پیشانی اس ذلت پہ جلتی محسوس کی، اس کا غم سے بو جھل دماغ کیسے دھویں سے بھرنے لگا، وجود میں غضب کی توڑ پھوڑ مچی ہوئی تھی، اندر سر پھٹتی ہوئی وحشت جنون کی سمت بڑھنے لگی، اس نے اسی وحشت بھری نظروں سے وہاں موجود سب اپنوں کو دیکھا، ان کی بیگانگی و ناراضگی سے لبریز چہروں پہ اپنائیت و ہمدردی کی رفق ڈھونڈنی چاہی، کوئی ایک چہرہ بھی تو نہیں تھا، جو اس کا حمایتی نظر آتا ہو، ایک جہاں تھا جو اس کے حق میں کچھ کہہ رہا تھا، مگر اس نے اس سے بڑھ کر چاہلوس منافق اور دوغلا پن انسان کوئی دوسرا نہیں دیکھا تھا، اسے تیمور سے نفرت تھی، مگر تیمور جو تھا وہ کھلا ہوا تھا، اس کی برائی بھی عیاں تھی، جہاں تو چھپا ہوا تھا، اس کی برائی بھی عیاں نہیں تھی، وہ تیمور سے بڑھ کر اس کا دشمن ثابت ہوا تھا، بہت برے طریقے سے لوٹنے والی، اس سے سب چھین لینے والا، اس کے اپنے بھی، یہ اپنے جن کے چہروں پہ اس کے لئے نفرت تھی، جہان کے لئے اپنائیت بھی ہمدردی بھی، اس کا پیارا بھائی بھی، جو اب اسے مار ڈالنے پہ کمر بستہ تھا، اس کی وحشت دو چند ہونی چلی گئی، اس نے خود سے چمٹائی ہوئی فاطمہ کو اس وحشت زدگی کی کیفیت میں خود سے الگ کیا پھر زور سے دور پٹخ دیا تھا۔

”یہ لو..... لے لو..... میری بد نصیبی نے..... مجھ سے میری باقی سب رشتے بھی تو چھین لئے ہیں، میری بیٹی بھی چھیننا چاہتے ہو، چھین لو۔“ وہ بلک کر پوری شدت سے بلند آواز میں روتی ہوئی چیخ کر کہتی پلٹ کر پاگلوں کی طرح باہر بھاگ گئی، ہال میں موت کا سا سناٹا اتر آیا، ہر کوئی اپنی جگہ پہ جیسے پتھر کا ہو گیا تھا، جیسی تو فلور کشن یہ گرتے والی فاطمہ کی جانب بھی فوری طور پہ کسی کا دھیان نہ جاسکا، جہاں اس لمحائی صدمے سے نکل کر سرعت سے فاطمہ تک آیا اور اٹھا کر اسے سینے سے بٹھینچ لیا تھا، جب تک وہ اسے بہلاتا چپ کراتا رہا تھا، تب تک کمرے میں موجود سارے نفوس اپنی اپنی جگہ پہ گم صم سکتے زدہ بیٹھے رہے تھے، جہان نے بچی کو ڈالنے کے حوالے کیا اور خود لٹھے کی مانند سفید پڑ جانے والی ماما کے پاس آ گیا تھا۔

”چچی جان!“ اس کا لہجہ اس کا انداز بے حد شرمسار قسم کا تھا، ممدلولو لگرفتہ اور بے قرار نظر آئیں تھیں، شرمندگی و خفت الگ تھی، جہان نے گھٹنوں کے بل بیٹھتے ان کے ہاتھ نرمی سے تھام لیے، وہی کوئی وضاحت دینا چاہتا تھا کہ ماما نے بہتے آنسوؤں کے ساتھ سر کونشی میں جنبش دینا شروع

کی تھی۔

”میں جانتی ہوں بیٹے! قصور آپ کا نہیں ہو سکتا، زینب ہی بہت جذباتی ہے، حالانکہ اب.....“ جہان کو یہ اعتماد پہ بھروسہ یہ مان اور محبت جیسے عرقِ ندامت میں ڈبوتا چلا گیا۔
اسے پر نیاں کی شاکی نظروں میں چھین بھی محسوس ہونے لگی، جو کچھ فاصلے یہ بالکل خاموش آ کر کھڑی ہو گئی تھی، وہ زینب کے پیچھے گئی تھی مگر مایوس لوٹ آئی تھی، زینب نے خود کو کمرے میں بند کر لیا تھا۔

”چچی جان! پلیز سنبھالیں خود کو، سارا قصور زینب کا ہی نہیں ہے، لیکن وعدہ کرتا ہوں آپ سے، سب ٹھیک کر لوں گا انشاء اللہ۔“ وہ جتنا شرمندہ تھا، اس قدر مدہم لہجہ تھا اس کا، در پردہ گویا اس نے پر نیاں کو بھی عہد دیا تھا، ڈھارس دی تھی، وہ اس کی لہجہ بھر کو خود پہ اکتھتی نگاہ کو محسوس کرتی سرد آہ بھر کے رہ گئی۔

”آپ کا بڑا پن ہے بیٹے!“ ماما کی آواز بھرا سی گئی، جہان سرخ چہرہ لئے اٹھ گیا، معاذ کب کا وہاں سے جا چکا تھا، ہر کوئی اپنی اپنی جگہ تفکر اور اضطراب کا شکار تھا۔

☆☆☆

تمہیں میں نے بتایا تھا

شکستہ پا نہیں دیکھو

شکستہ روح بھی ہوں میں

میری مفلوج ہاتھوں کو

حیات نو کا کوئی

اشارہ اب دکھانا مت

میری بے نور آنکھوں کو

نوید خواب الفت مت سنا دینا

بتایا تھا کہ مدت سے

میرے معذور پیروں نے

مجھے چلنے..... کسی کے ساتھ چلنے کی

اجازت تک نہیں دی ہے

میرے ٹوٹے بدن میں زندگی کا ایک بھی ذرہ نہیں باقی

تمہیں تو سب بتایا تھا

تمہیں ضد تھی

تمہیں ضد تھی میرے پیروں تلے پلکیں بچھاؤ گے

تمہیں ضد تھی کہ تم میری زخمی ہتھیلی پر

دھڑکتے دل کو رکھو گے

تمہیں ضد تھی کہ بجھتی روح پر تم

زندگی کی آگ رکھو گے
تمہاری ضد کے آگے ہار مانی
پھر سے ایک دم توڑتی امید کے دھاگوں سے زخموں کو سیا
خود کو تمہیں سوچنا
مگر جواب کے ٹوٹا ہے
میرے ٹکڑوں کے ٹکڑے ہیں
بکبھی بھی جڑ نہ پائیں گے
اگر یہ جڑ بھی جائیں تو
نہیں امکان کوئی کہ

کہ ان میں میری روح بھی ہوگی

اس نے کراہ کر آنکھیں کھولیں، جن میں بے تحاشا جلن تھی اور تکلیف کی شدت سے بے حال ہوتے سر سچا تھا، پر نیاں جو ٹھنڈے پانی میں کیڑ بھگو کر اس کی پیشانی پہ رکھ رہی تھی، اس کی بے قراری کو محسوس کرتی اس کا چہرہ ہاتھوں میں نری سے تھام کر اس پہ چھکی۔
”زینبی.....! کیا ہوا ہے؟“ اس کی آواز بوجھل تھی، زینب نے آنکھیں بند کھولیں، اس کا درد سے پر پھٹتا ٹکڑے ہوتا جا رہا تھا، ذہنی ہیجان مایوسی در ماندگی شدید غم کا شاخشاہ تھا یہ کہ وہ پچھلے دو دنوں سے ہی بخار میں پھنک رہی تھی، برسوں جب اس نے خود کو کمرے میں بند کر لیا تھا، پر نیاں دروازہ بجاتی اس کی منتیں کرتی ہار گئی تھی مگر زینب نے کوئی جواب نہیں دیا تھا، تو پر نیاں کے اندر کتنی پریشانی اترتی چلی گئی تھی، جہان پہ شاکی نگاہیں ڈالتی وہ معاذ کو وہاں موجود نہ پا کر پلٹ رہی تھی جب جہان اس کی نازا نکھی کو محسوس کرتا خود اس کی جانب آ گیا تھا۔

”آئی ایم سوری۔“ محض ایک فقرہ کا ازالہ اور کسی کی زندگی داؤ پہ جا لگی تھی، اس کے رنج و الم اور تاسف کا کوئی انت نہیں رہا، نگاہوں میں بے پناہ دکھ اتر آیا تھا۔

”کبھی ایک لمحہ کی تاخیر بھی انسان کو ہمیشہ کے نقصان سے دوچار کر جایا کرتی ہے بھائی! میں آپ کو اس کی ذہنی حالت کے متعلق بتا چکی تھی، اگر آپ نے غور کیا ہوتا تو شاید یہ سب نہ ہوتا، اب بھی وہ کمرے میں اپنے ساتھ کیا سلوک کرتی ہے، کوئی اچھی امید نہیں ہے مجھے۔“

وہ جہان کو دہکتے الاؤ میں دھکیل کر خود آگے بڑھ گئی تھی، جہان جو پہلے ہی مجرمانہ احساس سے دوچار تھا خود کو عجیب سی گھبراہٹ میں مبتلا محسوس کرتا کچھ سمجھ نہ آنے پہ زینب کے کمرے کی جانب دوڑا تھا، دروازہ واقعی اندر سے لاک تھا، ناک گھمانے پہ اسے اندازہ ہو گیا تھا، اس کی گھبراہٹ بڑھی تھی اور دل بہت تیزی دھڑکنے لگا، دروازہ دھڑ دھڑاتے اس کے ہاتھوں کی جنبش میں وحشت سرسراتی تھی، چہرے پہ ایسا تاثر ملتا تھا، گویا پوری زندگی کی متاع داؤ پہ جا لگی ہو مگر اندر موت کا سناٹا خاموش اور وحشت طاری تھی، کوئی آہٹ نہیں، کوئی احساس نہیں، کبھی مہم بھی وہاں آگئی تھیں، دونوں کی نظریں چار ہوئی تھیں، جہان کی نگاہوں میں بے تحاشا سرخی اور سراسیمگی تھی، مہم کی آنکھیں آنسوؤں کے ساتھ خدشات سے پر تھیں۔

”زینی.....! دروازہ کھولو بیٹے! دروازہ کھولو۔“ انہوں نے خود دروازہ اتنی زوردار آواز میں بجایا تھا، ساتھ ہی سسک کر ہلک کر گویا التجا کرنے لگیں، مگر اندر صورتحال ہنوز کھلی، دروازے کے باہر گھر کے افراد کی تعداد بڑھتی جا رہی تھی۔

بھابھی..... ڈالے..... ماریہ..... نوریہ، حسان..... بابا جان..... سب کے سب سراسیمہ تھے، دہشت زدہ جہان نے ہونٹ دانتوں سے کاٹ کاٹ کر زخمی کر دیئے، عجیب سے پر بلا ل احساس سے دو چار تھا وہ..... یہ کیا ہو گیا تھا..... اتنا ظالم سفاک کیوں ہوا وہ..... کتنی بار وہ معافی مانگتی رہی، ایسا غصہ کیوں آ گیا کہ ہر بار اسے جھٹکتا ہی چلا گیا، اس کی شرمندگی اس کا خوف ہر آن بڑھ رہا تھا۔

”زینب.....! میری جان میری بیٹی! دروازہ کھولو، کچھ بولو ورنہ میرا دل رک جائے گا۔“ ماما جان کا ضبط جواب دے گیا تو روتے ہوئے وہیں زمین پہ بیٹھ گئیں۔

”کیوں پریشان ہیں سب؟ ابھی مری نہیں ہوں، بد قسمتی سے زندہ ہوں، مزید تسلی کے لئے سن لیں، خودکشی کا بھی کوئی ارادہ نہیں رکھتی ہوں۔“

زینب اندر سے ہی چیخی تھی، آواز مسلسل رونے کے باعث ہی بیٹھ چکی تھی، اس کے باوجود سب کی جیسے جان میں جان آئی، ڈالے نے بے اختیار ریلیکس ہوتے جہان کے بازو پہ تسلی آمیز انداز میں ہاتھ رکھا، جہان کا جانے کب کا سینے میں اٹکا ہوا سانس بحال ہوا، دل کی خطرناک حد تک بڑھی ہوئی دھڑکنیں واپس معمول پہ آنے لگیں۔

”بیٹے دروازہ تو کھولو، جان بات تو سنو ماما کی، ایسے نہیں کرتے پلیز۔“ اب پھر ماما جان ہی بولی تھیں، ان کے آنسو ہنوز بہہ رہے تھے، ممانے انہیں کاندھوں سے تھام کر اٹھایا، اب ان کے چہرے پہ بھی اطمینان تھا، اندر کچھ دیر کی خاموشی رہی تھی، پھر بالٹ گرنے کی آواز سنائی دی دروازہ البتہ اس نے نہیں کھولا تھا، ماما جان کے اندر جیسے کوئی نئی ترنگ اور جوش و خروش امنڈ آیا، انہوں نے خود دروازے پہ دباؤ ڈالا تھا اور اندر داخل ہونے سے قبل باقی سب کو وہاں سے جانے کا اشارہ کیا تھا، جسے سمجھتے وہ سب بے دلی سے سہی مگر پلٹ گئے تھے، صرف ممان کے ساتھ کھڑی تھیں، جہان کو مطمئن محسوس کر کے ممانے آگے بڑھ کر مشفقانہ انداز میں اپنے ساتھ لگا کر تھکا۔

”ریلیکس بیٹے! وہ ٹھیک ہے اب، کچھ دیر میں آپ کو بھیجوں گی تو مل لینا۔“ جہان نے محض ایک خفیف نگاہ ان پہ ڈالی تھی پھر سر جھکا لیا تھا، وہ یوں مہربان تھا، جیسے کہنے کو کچھ باقی نہ بچا ہو، ممان نے پھر ان کا گال تھپتھپایا اور جانے کا اشارہ کیا تھا اور خود اٹھ کر کمرے میں آ گئیں، بیڈ پہ ماما جان کی گود میں سر رکھے زینب ایک بار پھر روتی جان سے بے حال تھی۔

”میری بیٹی تو بہت بہادر ہے۔“

”میں نے سب محبتیں کھودی ہیں ماما جان! میں ہار گئی ہوں ہر لحاظ سے۔“ وہ اور زیادہ ہلک اٹھی، ماما جان نے تڑپ کر اسے دیکھا تھا، جھک کر اس کی پیشانی کو چوما۔

”ایسا کچھ بھی نہیں ہے بیٹے! ہم سب بہت محبت کرتے ہیں آپ سے، سب سے زیادہ جہان۔“ جہان کے نام پہ زینب کے ہونٹ پھر سل گئے، آنکھیں سمندر بنتی گئیں، وہ پھر کچھ نہیں

بول سکی تھی، مایا جان نے ممانے کتنا سمجھایا، کتنا یقین دلایا، مگر اس کے اندر جو بدگمانی جو بے اعتباری اتری تھی وہ ڈھلتی نہ تھی، سب اس کے پاس آتے تھے باری بازی، سب ہی اپنی محبتوں کا اپنے انداز میں اظہار کرتے رہے، یہاں تک کہ معاذ بھی، اسے پر نیاں نے کتنا رگیدا تھا اس بات پہ کہ اس نے بنا سوچے سمجھے کیوں زینب کے ساتھ مس لی ہو کیا۔

”ہر بار جہان بھائی کے مقابلے پہ زینبی غلط ہو یہ ضروری نہیں ہے معاذ! اور ہر مرتبہ زینبی کے ساتھ ان کے اختلاف پہ آپ جہان بھائی کا فیور کریں، وہ بھی بنا سوچے سمجھے یہ تو بالکل ان فیور ہے، جہان بھائی نے تو اسے ہرٹ کیا تھا سو کیا تھا، آپ نے تو حد ہی کر دی، وہ مر بھی سکتی تھی، خدا نخواستہ کچھ بھی غلط ہو جاتا تو ساری عمر آپ اور جہان بھائی سر پکڑ کے روتے رہتے۔“

پر نیاں ہرگز بھی معاذ کو رعایت دینے یا کچھ کہنے کی اجازت نہیں دے رہی تھی، معاذ خود بھی پشیمان تھا، جبھی کچھ کہے بغیر اٹھ کر زینب کے کمرے میں آ گیا تھا، وہ جیسے چند گھنٹوں میں نچڑ گئی تھی، آنکھیں اندر گھس گئی تھیں، ہونٹ نیلے پڑ رہے تھے، اس نے واقعی خود کو داؤ پہ لگا دیا تھا، معاذ تو ہول گیا تھا اسے اس حال میں پا کر، اسے اس کی شادی کی رات کا جہان یاد آیا، کم و بیش ایسی ہی حالت تھی اس کی، اگر وہ دونوں ایک دوسرے میں اتنے ہی انوالو تھے تو جمانتیں کیوں کرتے پھرتے تھے، اسے سخت ملال نے آن لیا، زندگی میں پہلی بار جہان پہ اتنی غصہ آیا تھا دل چاہا جا کر اسے بھی دو جڑ دے۔

”کیا یا گل ہو گئی ہوزینی!“ کرسی پر ٹکتے ہوئے وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر کہتا آواز کو بھینگنے سے نہیں بچا سکا، وہ کچھ نہیں بولی تھی، نم آنکھوں سے اسے دیکھتی رہی۔

”اے مت کرو زینب! تم مارے ڈال رہی ہو ہمیں۔“ معاذ سے اس کی خاموشی بے بس لاچار آنسو نہیں دیکھے جا رہے تھے۔

”آپ بھی بدل گئے لالہ! باقی سب کی طرح، آپ نے بھی مجھے ڈانٹا۔“ وہ بھیگی بھرائی آواز میں بولی، معاذ نے اس کا ہاتھ ہونٹوں سے نرمی سے محبت سے شفقت سے چوما۔

”تم بھول گئی ہو، ورنہ تمہارے اور بچے کے جھگڑے میں، میں ہمیشہ جے کی فیور میں ہی بولتا رہا ہوں اور تمہیں کبھی برا نہیں لگتا تھا۔“ معاذ نے جیسے اسے کچھ یاد دلایا، زینب کے چہرے پہ مضمحل مسکان بکھر گئی، جس میں درو کی آمیزش تھی۔

”حالات ہمیشہ ایک جیسے نہیں رہتے ہیں لالہ! جہاں باقی سب تبدیل ہو گیا، یہ تو ایک بہت بچاری سی کیفیت تھی۔“ اس کی آواز غم سے بو بھل ہوئی گئی، معاذ نے سر کونٹی میں جنبش دی۔

”کچھ نہیں بدلا ہے زینبی! بلکہ جو بگاڑ ہوا تھا، وہ بھی درستی کے زاویے پہ آ گیا ہے اب ہی تو وہ سب ہوا ہے جس کی خواہش تمہیں مجھے یا پھر جے کو تھی، جے کے کسی بھی رد عمل کو انتہا نہ سمجھو، میں جانتا ہوں، وہ تم سے کتنی محبت کرتا ہے، جہاں انتہا کی محبت ہو وہاں معمولی سی بھی کوتاہی برداشت نہیں ہوتی، تم سے یقیناً کچھ غلط تو ہوا ہوگا، مانی سس اپنی کوتاہی کو کھلے دل سے کھنگالو، اس کا ازالہ کرو، بس اتنی سی بات ہے۔“ وہ اسے سمجھاتا رہا، زینب نے پھر چپ سا دھلی تھی، وہ اسے کسے بتاتی، معاذ کس قدر شدید غلطی کا شکار ہے، وہ جہان کو پھر ٹھیک سے سمجھا ہی نہیں تھا، جان تو وہ پائی

تھی، جس کے سامنے پورا کھلا تھا، وہ محبت کو غلطی قرار دینے والا جہان، حالات ذہن دل بدل جانے کو مضائقہ نہ قرار دینے والا جہان۔

جو ابتعام تھا کہ زینب کا کسی اور کے پاس جانا تو برداشت کر گیا تھا، مگر اس کا سب کچھ کھو کر واپس اس کے پلو سے آبدھنا برداشت نہیں کر سکا تھا، اپنی بے مائیگی بے قدری کی داستان وہ کیسے سناتی سب کو، اپنے آپ کو برہنہ کرنے والی بات تھی، یہی گوارا نہیں تھا اسے۔

اسے تو اس بات پہ بھی خود پہ تاؤ تھا، آخر اس نے اس طرح سے ٹیپر لوز کر کے کیوں اپنا تماشا بنوایا، کیوں اشتہار لگا دیا، جہان جیسا بھی تھا، تیمور سے بڑھ کے تو اس یہ زندگی اجیرن نہ کی تھی۔

ہاں یہ الگ بات کہ وہ اسے یہ سمجھتی نہ تھی، بھی تو برداشت کی حدیں ختم ہو گئیں، عم لا متناہی تھا، جو اس سے رابطہ منقطع کر گیا۔

مگر..... جو ہوا سو ہوا، اسے اب خود پہ ضبط نہیں کھونا تھا، اسے حالات کے خلاف احتجاج نہیں کرنا تھا، اسے اپنا بھرم نہیں توڑنا تھا، جو جیسے تھا، اسے قبول کرنا تھا، بھلا قسمت سے بھی کوئی لڑ سکتا ہے، بھلا نصیب سے بڑھ کر بھی کوئی پاسکتا ہے، ایسا ممکن نہیں تھا تو پھر فائدہ، اسے صابر و شاکر رہنا تھا۔

☆☆☆

ڈالے نے اس کے آگے چائے کا بھاپ اڑانا رکھتے اس کی غائب دماغی کو محسوس کیا تھا اور سرد آہ بھرتے اس کے مقابل بیٹھنے کے بعد اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے ہاتھوں میں نرمی سے دبایا، جہان خفیف سا چونکا تھا اور اسے دیکھ کر جیسے جبراً مسکرا دیا۔

”اتنے کیر لیس کیوں ہوئے جارہے ہیں شاہ! صبح ناشتہ بھی نہیں کیا تھا، اب کتنی دیر ہوئی آفس سے لوٹے ابھی تلک باتھ لیا ہے نا چینیج کیا۔“ وہ نرمی سے ٹوک کر اس کی غفلت کا شکوہ کر رہی تھی، جہان سنبھل کر سیدھا ہوتا ہوا نرمی سے مسکرانے لگا۔

”کام کر بڑن ہے، شادی کے انتظامات بھی دیکھنے پڑتے ہیں، کچھ تھکاوٹ ہو جاتی ہے، تم پریشان نہیں ہو۔“ اس نے چائے کا لگ اٹھالیا تھا، سیپ لیتے گویا اسے تسلی سے نوازا، ڈالے اسے دیکھتی رہی۔

”زینب کے پاس نہیں گئے آپ۔“ سوال ایسا تھا جو جہان کو نظریں چرانے پہ مجبور کر گیا، اپنے میں معاذ زینب کے پاس سے اٹھ کر سیدھا اس کے پاس آ گیا تھا۔

”زینب کیسی ہے؟“ بے اختیاری کیفیت میں اس کے لبوں سے پھیل گیا تھا یہ فقرہ، جواب میں اسے معاذ کی ملامت آمیز نظریں سنبھنا پڑی تھیں۔

”یہ تو تمہیں خود جا کے اس سے پوچھنا چاہیے۔“ جہان خفت سے سرخ پڑ گیا تھا، کیسا بتاتا وہ کس حد تک شرمندہ تھا، اس کا سامنا ہی تو دشوار ہو گیا تھا۔

”کس سوچ میں ڈوب گئے ہو بے! آخر کیوں گریز برت رہے ہو؟“

”میں صرف اسے سنبھلنے کا موقع دینا چاہ رہا ہوں معاذ! ڈرتا ہوں مجھے دیکھ کر وہ پھر سے اپ سیٹ نہ ہو جائے، اس روز کی کیفیت نے ہی مجھے محدود کیا ہے۔“ جہان کا اضملا ل بڑھنے لگا تھا،

معاذ کو بالآخر اس پہ رحم آ گیا، نری سے اس کا کاندھا تھپکتا ہوا وہ گہرا سانس بھر کے بولا تھا۔
 ”یہ گریز بھی نقصان کا موجب ہے جے! وہ منتظر ہے تمہاری، میں تو سمجھتا ہوں اس وقت
 اسے سب سے زیادہ ضرورت ہی تمہاری ہے۔“ معاذ کی بات پہ جہان نے چونک کر اسے دیکھا
 تھا، ایک دم سے اس کی آنکھوں کی بجھی چمک لوٹ آئی ہو جیسے۔
 ”تم سچ کہہ رہے ہو؟“ اس کی آواز میں زندگی کا احساس اتر آیا، معاذ نے محض سر کو اثبات
 میں ہلایا۔

”میں تو خائف تھا وہ بہت خفا ہوگی مجھ سے۔“
 ”ناراضگی جتنی بھی گہری ہو، محبت و توجہ ہی اس کی کاٹ کرتی ہے، اگر زلٹ نہ ملے تو مقدر
 بڑھاتے جاؤ۔“ معاذ کا متبسم لہجہ حوصلہ افزا تھا، جہان کا چہرہ روشن ہو کر دکھنے لگا، اٹھتی مسکان کو
 اس نے دانتوں کے نیچے لب دبا کر کنٹرول کیا تھا۔

”ہوا کیا تھا تم دونوں کے بیچ؟ جے مجھے لگ رہا ہے اس بار زیادتی زینب کی نہیں تمہاری
 جانب سے ہوئی ہے، ہے ناں؟“ جہان نے دیکھا انجان سی بے چینی کا اضطراب معاذ کو مضمحل کر
 رہا تھا، اس نے گہرا متاسفانہ سانس بھر کے اعتراف جرم کیا۔

”ہاں..... میں شرمندہ ہوں، اسے ذرا سا سبق سکھانے میں یہ اہم بات فراموش کر گیا تھا،
 اس نے میرا صرف ایک روپ دیکھا ہے، مہبتوں کا مہربانیوں کا، اس کے برعکس رو یہ وہ کم از کم مجھ
 سے برداشت نہیں کر سکے گی، مگر اب..... اب ایسا نہیں ہو گا یار، کیا مجھے تمہیں یہ یقین دلانا پڑے گا
 کہ زینب اگر کسی کو سب سے زیادہ پیاری اور عزیز ہے اس دنیا میں تو وہ جہان کے علاوہ دوسرا کوئی
 شخص نہیں ہو سکتا۔“ اس کا مضبوط لہجہ بے حد رساں سموئے ہوئے تھا، معاذ نے اس کا کاندھا
 تھپتھپایا اور مسکرایا تھا۔

”اس یقین دہانی کی ضرورت یہاں نہیں، وہاں ہے۔“ اس نے ہاتھ سے زینب کے کمرے
 کی جانب اشارہ کیا تھا، پھر مزید گویا ہوا۔

”اور اللہ نے چاہا تو میں بہت جلد زینب کا مطمئن مسکراتا ہوا چہرہ دیکھوں گا۔“
 ”انشاء اللہ۔“ جہان پہلی بار اس دوران کھل کر مسکرایا تھا، معاذ کے جانے کے بعد وہ کچھ دیر
 وہیں کھڑا رہا تھا، پھر جیسے سارا گریز بھلا کر زینب کے کمرے کی جانب آ گیا، واقعی..... مزید تاخیر
 مناسب نہیں تھی، بلکہ نقصان دہ تھی، اس نے یونہی بند ہوئے دروازے کو دھکیلا تو وہ ہلکی آواز سے
 کھلتا چلا گیا تھا، زینب سامنے ہی بستر پہ دراز تھی، زرد رنگت اور جسم میں آدھی بھی نہیں رہ گئی تھی،
 جہان کے ذل کو دھکا سا لگا، یہ کیا کر دیا تھا اس نے، وہ اپنی جگہ پہ کھڑا رہ گیا۔

”پرنیاں..... بہت دیر سے آئی ہو، کب سے انتظار کر رہی تھی، مجھ میں تو ملنے کی بھی تاب
 نہیں، یہ اے سی بند کر دو اور کبل اوڑھا دو مجھے، ٹھنڈ لگ رہی ہے۔“ وہ کروٹ لئے چہرہ دوسری
 جانب پھیرے ہوئے تھی، یونہی آنکھیں موندے پڑی رہی تھی، آہٹ پہ پرنیاں سمجھ کر ٹڈھال
 نجیف سی آواز میں کہہ رہی تھی، جہان کا دکھ سے لبریز دل کچھ اور بو جھل ہونے لگا، کچھ کہے بغیر اس
 نے پہلے اسے سی بند کیا، پھر کبل کھول کر اسے اوڑھانے لگا۔

”پلیز سر بھی دبا دو، بہت درد ہو رہی ہے، جیسے پھٹ جائے گا۔“ وہ پھر بولی تھی، آنکھیں ہنوز بند تھیں، مگر آواز جیسے ڈوب رہی تھی، جہان کے دکھ کا اس بل اندازہ نہیں لگایا جاسکتا تھا، اس کی نظریں ایک لمحے کو بھی زینب کے چہرے سے نہیں ہٹ رہی تھیں، جس پہ صدیوں کی مسافت کا دکھ رقم تھا۔

”فاطمہ اگر سو نہیں رہی تو کچھ دیر کو میرے پاس چھوڑ دینا۔“ جہان اس کے پہلو میں ٹک گیا تھا، بہت نرمی سے اس نے زینب کی سرد پیشانی پہ اپنی ہتھیلی کا دباؤ ڈالنا شروع کیا تھا تو انداز میں اگر توجہ و محبت تھی تو اضمحلال اور تھکن بھی بڑھتی جا رہی تھی، اس کے سارے الفاظ جیسے کھو گئے تھے زینب کی حالت دیکھ کر، اس کو سب کچھ بھول گیا اس کے سوا۔

”تم کہتی تھیں بے ضرور آئیں گے، انہیں مجھ سے آج بھی محبت ہے میں بھی اسی خوش فہمی کا شکار تھی، مگر انہوں نے میری طرح، میری ہر آس کو بھی مار ڈالا ہے۔“ وہ بے اختیار آنسو بہانے لگی، جہان کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا، جسم میں جیسے کسی نے بارود بھر دیا تھا، تمام صلاحیتیں اس بل بے کار ہو گئیں، وہ ساکن پتھرایا ہوا وہیں اسی زوایے پہ بیٹھا رہ گیا، جبکہ ایک کے بعد دوسرا دکھ کہتی اس کی جانب سے ڈھارس، دبوکی کی منتظر زینب اس خاموشی پہ جھنجھلا گئی تھی، جہی کسی قدر ناراضگی سے کروٹ بدل کر آنکھیں کھول دیں۔

”تم کچھ بولتی کیوں نہیں ہو پر.....“ معا پر نیاں کی بجائے جہان کو روبرو پا کے اسے صحیح معنوں میں زمین آسمان اپنی نظروں میں گھومتا محسوس ہوا تھا، رنگت یکدم بالکل فق ہو گئی، اس نے یوں آنکھیں جھپکیں جیسے بصارت پہ کوئی شبہ بے بسی، شرم، گھبراہٹ، خفت و خجالت کے شدید ترین احساس نے لحوں میں اسے جھلسا کر رکھ دیا تھا، ایک بار پھر وہ حماقت کی حد سے گزر گئی تھی، اسی کٹھور بے حس سفاک شخص کے سامنے انجانے میں خود کو عیاں کرتی وہ جیسے خود کو ذلت کی گہرائیوں میں گرتا محسوس کر رہی تھی، اس کی آنکھوں میں بے بسی کی نمی اتری تھی جبکہ پیشانی جیسے جھلس رہی تھی، اس کا سکتہ ٹوٹا تو وجود میں غضب کا احتجاج ابھر آیا، وہ تڑپ کر بے اختیار بستر سے نیچے اتری۔

”زینب.....!“ جہان نے بے ثراری سے اسے مخاطب کیا، وہ پھر بھی نہیں رکی، یونہی متغیر چہرے کے ساتھ گرتی پڑتی واش روم میں جا کر بند ہو گئی، جہان سرعت سے اس کے پیچھے لپکا۔

”زینی..... زینب پلیز۔“ دروازہ کھٹکھٹاتے وہ اسے یا گلوں کی طرح آوازیں دیتا رہا، مگر اندر سے اس کی نسکیوں آہوں اور کراہوں کے علاوہ کوئی آواز نہیں آئی تھی، جہان اسی قدر بے چین ہوا جا رہا تھا، اس حد تک کھمبل ہوا جاتا تھا۔

”پلیز زینب! ایسے مت کرو، یوں سزا نہ دو مجھے، ایک موقع تو دو پلیز۔“ وہ عاجزانہ انداز میں منتوں سے اسے قائل کرتا رہا۔

”زینب.....!“ وہ جیسے کراہا تھا، وہ اور شدتوں سے روئے گئی۔

”حلے جائیں، مجھے آپ کی کوئی بات نہیں سنی، میرا آپ کا کوئی رشتہ ہی نہیں ہے۔“ وہ بلک رہی تھی، تڑپ رہی تھی، جہان نے اور وحشت میں گھرتے دروازہ کھٹکھٹایا۔

”زینب پلیز زینب!“ اس کا بس نہیں چل رہا تھا، دروازہ توڑ ڈالے۔

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ہیں :-

- ✦ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✦ ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ✦ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ✦ ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور ریڈیو ایبل لنک
- ✦ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پر یو ہر پوسٹ کے ساتھ
- ✦ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ✦ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریج
- ✦ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ✦ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ✦ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں
- ✦ پیریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- ✦ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریج
- ✦ ایڈ فری لنکس، لنکس کو ایسے کمانے کے لئے شرک نہیں کیا جاتا

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

← ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

← ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب

ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library for Pakistan



Like us on
Facebook

fb.com/paksociety



twitter.com/paksociety1

”جلے جاؤ میری بے بسی کا تماشا دیکھنا چاہتے ہیں؟“ وہ روتے روتے چینی۔

”نہیں..... بخدا نہیں، باہر تو آؤ زینی!“ وہ گڑ گڑانے لگا۔

”نہیں آؤں گی، چاہے ساری عمر یہاں بیٹھ کر انتظار کریں، میں ساری زندگی دروازہ نہیں کھواؤں گی۔“ وہ پھر ہجیان میں مبتلا ہو کر چلائی، جہان ڈر سا گیا، کہیں وہ خود کو پھر کوئی نقصان نہ پہنچالے، وہ چپ ہو گیا، وہ تھک گیا، مگر زینب رونے سے چپ نہیں ہوئی، اس کی سسکیاں جہان کے دل میں شگاف ڈال رہی تھیں، وہ دو گھنٹے وہاں اس آس کے ساتھ بیٹھا رہا، آخر وہ باہر تو آئے گی، زینب نے دو گھنٹے ہی دروازہ نہیں کھولا، جہان اس کے کمرے سے نکلا تو جیسے مکمل طور پر ہارا ہوا تھا، مکمل طور پہ مایوس، ژالے نے اس طویل خاموشی پہ اس کا ہاتھ ہلایا تھا، گویا اسے چونکایا، وہ واقعی چونک گیا۔

”وہ بہت خفا ہے مجھ سے ژالے! بات بھی نہیں سن رہی۔“ جہان کا لہجہ مدہم تھا، ژالے کی آنکھیں حیرت کی زیادتی سے پھیلیں، مگر اگلے لمحے وہ سر جھٹک کر نرمی سے مسکرا دی تھی۔

”جہاں جتنی زیادہ محبت ہوگی، مان جتنا پختہ ہوگا، بھروسہ جتنا مضبوط ہوگا شاہ! وہاں دکھ کی شدت کا گراف بھی اسی قدر گہرا ہوگا، زینی آپنی کوشاک بھی بہت گہرا لگا ہے نا، شاید ان کا بھروسہ ٹوٹ گیا ہے، وہ بہت یاسیت میں مبتلا ہیں، آپ کہیں تو آپ کی پوزیشن میں کلیئر کرنے کی کوشش کروں.....؟“

نرم نگاہوں سے اسے دیکھتی وہ اس کی الجھن ختم کرنے میں کوشاں تھی، ہمیشہ اس کی فکر میں مبتلا، اس کے لئے آسانی سوچنے والی، اس پہ تمام توجہ کے ارتکاز مرکوز کیے وہ بھی بیوی تھی، وہ بھی اس کی ملکیت کی دعوے دار تھی، مگر رویے میں انداز میں ایسی عاجزی و انکساری تھی کہ جہان کو اب اس پہ پیار آنے لگتا تھا، وہ ایسی مہربان گھنیری چھایا تھی جس کے پاس آتے ہی جہان کو دنیا کے سب غم بھولنے لگتے تھے، اس وقت بھی اسے اس پہ پیار آنے لگا۔

”نہیں، یہ مناسب نہیں ہے، وہ تمہارے ساتھ مس بی ہو کرے، مجھے بالکل اچھا نہیں لگے گا۔“ جہان نے منع کرتے ہوئے اسے اشارے سے اپنے پاس بلایا تھا، ژالے اس کے پہلو میں اس کے ساتھ لگ کر بیٹھ گئی، پھر مسکرا کر اس کا چہرہ دیکھا تھا۔

”آپ کو پھر میری صلاحیتوں کا اندازہ ہی نہیں ہے جناب، زینی آپنی سے میری بہت دوستی ہو گئی ہے، ہر روز میں ان کے پاس جا کر بیٹھتی ہوں، فاطمہ کو میں ہی سنبھال رہی ہوں، آپنی ہرگز بھی مجھ سے خفا نہیں ہیں، بلکہ مینوں و مشکور ہیں میری، مجھ سے بہت اچھے انداز میں بات کرتی ہیں۔“ وہ بڑے تفاخر سے بتا رہی تھی، جہان آہستگی سے مسکرا دیا، اپنا بازو اس کے شانے پہ دراز کیا تھا اور اپنے ساتھ لگا لیا۔

”صد شکر..... ورنہ میں تو سمجھا محترمہ تمہیں بھی میری بیوی ہونے کی سزا دے رہی ہوگی۔“ وہ ذرا سا شریر ہوا، ژالے نے البتہ برامانتے ہوئے منہ لٹکا لیا تھا۔

”ایسی بھی کوئی بات نہیں، آپنی بہت اچھی ہیں، کسی کی سزا کسی کو نہیں دیتیں ہیں۔“ وہ جیسے اس کی تصحیح کر رہی تھی، جہان نے کاندھے اچکا دیئے۔

”او کے میم! گستاخی ہو گئی ہو آپ کی آپنی صاحبہ کی شان میں تو بندہ مجرم ہے معاف فرما دیں۔“ اس کی شرارت مزید بڑھی، ڈالے جھینپ ہی گئی۔

”تو میں آپ کی سفارش کر دوں؟ ویرا اصل میں چاہتی ہوں زینبی آپنی بھی سب کے ساتھ نارٹل زندگی گزاریں۔“ ڈالے کے لہجے میں لٹکنی تھی، جہاں نے محسوس کیا پھر اس کا گال نرمی سے سہلانے لگا۔

”ایسا ہی ہو گا میری جان! وہ ضرور نارٹل ہو گی، مگر تم کچھ نہ کہنا، کجا وہ سمجھے میں نے سفارش کروائی ہے، اس کا دل تم سے بھی برا ہو، مجھے نہیں پسند، اپنا بھگتانا میں خود بھگت لوں گا۔“ وہ ایک بار پھر سنجیدہ ہو چکا تھا، ڈالے نے گہرا سانس بھر کے سر ہلا دیا، وہ مزید کچھ نہیں بولی۔

وہ دعا کر رہی تھی، یہ سارا اپ سیٹ جلدی سے درست ہو جائے، زینب کا دکھ اسے اپنا دکھ لگتا

تھا۔

☆☆☆

بتاؤ کیا لکھوں تم کو
کہ لفظوں کا چناؤ بھی
بڑا دشوار ہوتا ہے
جو تم کو جان لکھتے ہیں
دفا میں خوب رونی ہیں
کہ تم اپنے ہی قاتل کو
اپنی جان لکھتے ہو.....؟
جاں کہتے ہو اس کو
کبھی ایمان لکھتے ہو
یہ تم اچھا نہیں کرتے
تو پھر یہ سوچتے ہیں ہم
تمہیں اک سوگ لکھتے ہیں
کوئی مستقل سا روگ لکھتے ہیں
سوگ کو منانے میں
روگ کو بھلانے میں
عمریں بیت جاتی ہیں

وہ دھیرے دھیرے نارٹل ہو رہی تھی، شادی کے دن بھی قریب تر آچکے تھے، مصروفیات بڑھ رہی تھیں، اس کے باوجود سب کی محبتیں، سب کی توجہ نے اسے پھر سے چلنے کا آسرا دے دیا تھا، پہلے وہ بستر سے اٹھی تھی، پھر گھر میں چلنے پھرنے لگی، اس کے بعد گھر کے کاموں شادی کی تیاریوں میں بھی ہاتھ بٹانے لگی تھی، جو ایک مستقل احتیاط تھی، وہ جہاں سے بچاؤ کی ہی تھی، اس نے طے کیا تھا، خود سے عہد باندھ لیا تھا، وہ اسے مزید اپنی زندگی برباد کرنے کی اجازت نہیں دے گی، وہ اسے

اپنی زندگی میں مزید دخل نہیں دینے دے گی، اپنا سیل فون اس نے مستقل آف کر کے دراز میں
مستقل کر دیا تھا، لینڈ لائن پہ کوئی کال رسیو کرنے پہ اس نے خود اپنے اوپر پابندی لگالی تھی، زندگی
اک جہان کی کمی کے بغیر بہت گہری کمی کے بغیر بھی اچھی بھلی گزر رہی تھی، رات کو وہ اپنا دروازہ
اندروں سے مستقل کر لیا کرتی۔

گو کہ جہان پھر نہیں آیا تھا، مگر اسے دھڑکا ضرور تھا، ناشتے کھانے پہ وہ دانستہ نہیں شامل
ہوتی، اس احتیاط کے باوجود جہان سے بچاؤ ممکن نہیں تھا، ایک ہی گھر میں رہتے ہوئے یہ ممکن ہو
بھی نہیں سکتا تھا، مگر وہ اپنے سموں خود پہ نظریں اٹھانا اسے دیکھنا حرام قرار دے دیتی، اس کے
باوجود کہ جہان کی نظروں کی لپک اسے صاف محسوس ہوا کرتی، مگر وہ بے حس بن گئی تھی، ایسے
حالات میں اگر وہ اپنے وجود میں اس شخص کی اولاد کا پلنا محسوس کر رہی تھی تو زمین اس کے قدموں
تلے سے کیسے نہ سرکتی، اس کی بدلتی کیفیت اور بگڑتی طبیعت اس کے شک کو تقویت دے گئی تو زینب
ایک بار پھر ٹوٹ کر روئی تھی، ایک مرتبہ پہلے وہ اسی حالت سے گزر چکی تھی، شک کی گنجائش تو باقی
ہی نہیں تھی، مگر جہان کے ساتھ جب اس کا ذہنی و قلبی و جسمانی تعلق اس تک پہنچا تھا، اس بچے کی آمد کی
خبر نے ایسے اذیتوں کے سمندروں میں بیخ ویا تھا، وہ اتنی اپ سیٹ ہو چکی تھی کہ کسی کو بھی بتانے کا
حوصلہ نہیں کر سکی، ابھی اسے اس امر پہ سوچنا تھا، آیا اس بچے کو دنیا میں آنا بھی چاہیے تھا یا نہیں۔
”زینی آپی.....!“ وہ اپنے خیالات میں گم تھی، ڈالے کی آواز پہ چونک کر سوالیہ نظروں سے
اسے دیکھا۔

”تیار ہو جائیں، ہمیں شاپنگ کے لئے جانا ہے، میں نے فاطمہ کو تیار بھی کر لیا ہے، آپ کے
بھی کپڑے استری کرووں؟“ آتشی گلابی خوب صورت لباس میں وہ نکھری نکھری شفاف سی بے حد
دلربا لگ رہی تھی، زینب نے سر کونفی میں ہلا دیا۔

”نہیں، ضرورت نہیں ہے، میرے پاس ہے ہر چیز، ماما کے علاوہ لالہ اور زیاد بھائی بھی لے
آتے تھے بہت کچھ، کافی ہے۔“ اس نے نرمی سے ٹوک دیا تھا، ڈالے کا چہرہ اتر سا گیا۔
”لیکن میں چاہتی ہوں آپ ہمارے ساتھ چلیں، شاہ منتظر ہیں ہمارے۔“ وہ اس کے پاس
بیٹھ کر عاجزی سے گویا ہوئی، انداز قائل کرنے والا تھا، زینب کو اس کی اچھائی اس کی محبت کا شدت
سے احساس ہوا تھا، کیا تھی وہ نازک سی لڑکی، کوئی فرشتہ معلوم ہوتی تھی، اتنا خوبصورت دل اس نے
آج تک کسی کا نہیں دیکھا تھا۔

”ڈالے.....! تم فاطمہ کو لے جاؤ، میں نے کہا ناں میرے پاس ہے ضروریات کی ہر شے،
پلیز۔“ وہ اس کا گال نرمی سے سہلا کر کہہ رہی تھی، ڈالے خاموش ہو گئی، اصرار بڑھا کر وہ زینب کو
پریشان کرنا نہیں چاہتی تھی، جی بی بے ولی سے اٹھ گئی، جہان نے اسے تنہا آتے دیکھا تو سرد آہ بھرتا
نگاہ کا زاویہ بدل گیا تھا، نہ اس نے کوئی سوال کیا، نہ ڈالے نے کچھ بتایا، گاڑی کے ماحول میں
فاطمہ کی کلکاریاں ہی گونجتی رہیں، شاپنگ کے دوران بھی دینوں انہی کیفیت کا شکار رہے تھے،
ڈالے نے ہر شے اپنے برابر زینب کے لئے بھی خریدی تھی، جہان نے پھر بھی ایک بہت
خوبصورت جوڑا اس کے لئے خرید کر ڈالے کے حوالے کر دیا تھا۔

”اپنی طرف سے دنیا اسے، میرا نام لوگی تو خدشہ ہے باہر نہ دے مارے۔“ وہ مضطرب سا مسکرایا تھا، ڈالے آہستگی سے ہنس دی۔

”دل تو کر رہا ہے، آپ کا نام بے دلوں، پھر دیکھ لیں گے کیا ہوتا ہے۔“ وہ شرارت سے بولی تھی، جہاں اسے دیکھ کر مسکرا دیا۔

لب لنگھی کی مانند
شب و روز رفتہ رفتہ
مجھے زہر مل رہا ہے
تیری بے رخی سے جاناں

وہ واپس لوٹا تو بہت تھکا ہوا تھا جیسے..... ڈالے سوئی ہوئی فاطمہ کو اندر لٹانے چلی گئی تھی، وہ شاہنگو بیگ سنبھالے ہال کمرے کی جانب آ گیا کہ سب وہیں موجود ہوتے تھے، اندر داخل ہوتے ہی اس کی سنب سے پہلی نگاہ زینب پہ لگی تھی، بری کاسوٹ پنوں کی مدد سے بہت خوبصورت انداز میں سیٹ کرتی وہ اپنے کام میں بے حد مگن نظر آ رہی تھی، تراشیدہ بالوں کی کچھ لٹیس جھکے چہرے پہ من مانی سے اٹھکیلیاں کرتی تھیں اور ہونٹ ذرا سے نیم داتھے، دوپٹہ کاندھے کی بجائے سائیڈ پہ رکھا ہوا تھا، بھابھی پر نیاں ماریہ کے علاوہ ماما اور ماما جان بھی وہیں تھیں، سب ہی مصروف بھی، زیورات اور رنگ برنگے ملبوسات کے ڈھیر سے نبرد آزما کوئی بھی اس کی جانب فی الفور متوجہ نہ تھی، وہ زینب کی غفلت سے فائدہ اٹھا کر ہی گویا جی بھر کے اسے دیکھتا نگاہ کے رستے دل میں اتارتا رہا تھا، معاً زینب کو بہت زور کی ابکائی نے ایک دم منہ پہ ہاتھ رکھ کے اٹھنے پہ مجبور کیا تھا، وہ سب کچھ پھلانگتی تیزی سے دروازے کی جانب بھاگی تو راستے میں ایستادہ جہاں سے تصادم ہوتے ہوتے رہ گیا۔

جو اس صورتحال سے گڑبڑا نا چاہتے ہوئے بھی اپنی مصروفیات ترک کرنے پہ مجبور ہوا تھا، دونوں کی نظریں لمحہ بھر کو ملی تھیں، جہاں کی نظروں میں انوٹھی سی چمک ابھر رہی تھی، آنکھی کا احساس دلکشی کے رنگوں کے ساتھ پھیل رہا تھا، زینب کی آنکھوں میں صرف کرب تھا، دھندھی، اگلے لمحے وہ نظریں چھڑاتی تیزی سے کترا کر باہر نکل گئی تھی، اپنے کمرے میں آ کر وہ کتنی دیر وائش روم بیسن پہ جھکی رہی، مسلسل تے سے اس پہ نقاہت طاری ہو چکی تھی، کمرے میں آ کر جھکی وہ ٹڈھال انداز میں بستر پہ ڈھے گئی تو ایک نئی تشویش اسے لاحق ہو چکی تھی، جہاں یہ ہی نہیں یقیناً یہ بات اب سب پہ کھل گئی تھی، اس کی نم آنکھیں چھلکنے کے بے تاب ہونے لگیں، بو جھل دل سے بھراہٹ کا شکار ہوتا چلا گیا۔

”بجو..... ماما بلا رہی ہیں آپ کو۔“ ماریہ کی آواز پہ اس نے نا چاہتے ہوئے بھی تھکے ہوئے انداز میں آنکھیں کھول کر اسے دیکھا۔

”کچھ ٹھہر کے آؤں گی ماریہ! چند سوٹ رہ گئے تھے، بھابھی اور پری کر لیں گی۔“ اس پہ طاری متلی کی کیفیت ابھی بھی قائم تھی، وہ ہرگز ایسی کیفیت کے ساتھ باہر جانے کے حق میں نہیں تھی۔

”بیٹے میں کام کی خاطر تھوڑا بلارہی تھی آپ کو۔“ ماما خود وہاں چلی آئیں تھیں، زینب کو اٹھ کر بیٹھنا پڑا۔

”تیار ہو جاؤ، ڈاکٹر کے پاس جانا ہے آپ کو جہان کے ساتھ۔“ ماما نے بیڈ کی پالکتی نکتے سے محبت بھری نظروں سے دیکھا تھا، زینب ایک دم سے گھبرا گئی۔

”ک... کیوں؟ مجھے بھلا کیا ہوا ہے؟“ وہ سخت جزبز ہوئی تھی گویا، ماما آہستگی و رواداری سے مسکرا دیں۔

”ابھی تو ہمارا شک ہی ہے، خوشی کی خبر کا کنفرم تو وہیں سے ہو گا نا۔“ ان کے لہجے میں خوشی و اطمینان کا ایسا گہرا احساس تھا جس نے زینب کے ہونٹوں پہ قفل ڈال دیئے، وہ ہونٹ نیچے نظریں چرائی ایک دم خاموش ہو کر رہ گئی۔

”چلو نا بیٹے!“ انہوں نے اس کا ہاتھ تھام کر لجاجت سے اصرار کیا تھا، وہ کوفت بھری جھنجھلاہٹ اور خفگی سے لبریز ہوتی عاجز نظر آنے لگی۔

”ایسا کچھ بھی نہیں ہے ماما، آپ کو غلط نہیں ہوئی ہے، میں کہیں نہیں جا رہی ہوں۔“ تفسر سے کہتی وہ یکدم بے حد روڈ نظر آنے لگی، جہان کا نام سن کر ہی اس کے وجود میں جوار بھالے اٹھنے لگے تھے، وہ کیوں اس کے ساتھ جاتی، اس کے ساتھ کا تعلق ہی کیا تھا۔

”بیٹے ضد نہیں کرتے، گنجائش ہمیشہ باقی چھوڑنی چاہیے، تاکہ غلط فہمیاں دور ہوں، فاصلے مٹ سکیں، جہان کو اگر آپ موقع نہیں دوگی تو کیسے وہ کچھ بھی ثابت کر سکے گا اور رشتے اتنے کمزور نہیں ہوتے کہ انہیں یوں کچے دھاگے سمجھ کر توڑ دیا جائے، بچہ اس آزمائش میں مبتلا گھلتا جا رہا ہے جتنی بڑی ذمہ داری اس پہ عائد ہوئی ہے، وہ اسے اٹھالے یہی بہت ہے، اس کے راستے دشوار نہ کرو، میاں بیوی میں لڑائی جھگڑے بھی ہوا ہی کرتے ہیں، بسا اوقات غلط فہمیاں بھی پیدا ہو جاتی ہیں، یہ رشتہ ان جھگڑوں سے مضبوط بھی ہوتا ہے، تقویت بھی پکڑتا ہے، میری بیٹی اتنی اچھی ہے کہ اپنے گھر کی بنیادیں مضبوط بنانا چاہتی ہے، کیوں ٹھیک کہہ رہی ہوں میں؟“

کتنی آسن بھی ان کی آنکھوں میں، چہرے پہ کتنا مان تھا اپنی بات کے رد نہ ہونے کا، زینب انہیں دیکھتی رہ گئی، اس میں واقعی اتنا حوصلہ نہیں تھا یہاں ان کا دل توڑ دے، ان کے مان کو سلامت نہ رکھے، ان کے حوصلوں کو مسمار کر دے، وہ ایسی بیٹی کی ماں تھیں جس کا گھر ایک مرتبہ ٹوٹ چکا تھا، جو ایک بار پہلے بھی برباد ہو چکی تھی، اگر حالات دوسری مرتبہ پھر اسی نہج پہ پہنچ جاتے تھے تو پھر ان کے دل کی حالت کیا ہو سکتی تھی، یہ ابھی ان کی آنکھوں میں گھات لگا کر بیٹھے خوف کو پاپا کر ہی تو اسے اندازہ ہو پایا تھا، وہ یکدم ہی کم قسم ہو کر رہ گئی تھی، اک طرف اپنا دل تھا، جس میں بدگمانی تھی بوجھ تھا اک طرف یاں کا دل تھا، جس میں اس کی آبادی خوشحالی اور اطمینان کی خواہش تھی، وہ ان کا دل کیسے توڑ سکتی تھی محض سرکواثبات میں ہلا دیا، اس پل اس نے اپنے دل اپنی انا کے خون سے نظریں چرائی تھیں، ماما کا چہرہ ایک دم جگمگا اٹھا، خوشی سے نہال ہوتے انہوں نے ایک پیشانی چوم کر ڈھیروں دعاؤں سے نوازا تھا اور مسکراتی ہوئیں اٹھ کر باہر آ گئیں، ان کا رخ جہان کے کمرے کی جانب تھا کہ اس سے کچھ کہنے سے قبل انہوں نے زینب کو قائل کرنا مناسب سمجھا تھا،

کجا وہ انکار کرتی تو انہیں جہان کے سامنے شرمندگی اٹھانا پڑتی۔

”جہان بیٹے!“ دستک دے کر انہوں نے اندر ذرا سا جھانکا، جہان غالباً ہاتھ لے کر نکلا تھا، ڈریسنگ ٹیبل کے آئینے کے آگے کھڑا بال سنوار رہا تھا، انہیں دیکھ کر ایک دم چونک گیا۔

”چچی جان آئیے ناں۔“ وہ صرف مودب نہیں ہوا، قدیرے پریشان بھی نظر آنے لگا، ماما کبھی بھی بلا وجہ بغیر ضرورت کے اس کے کمرے میں نہیں آیا کرتی تھیں، اس کو سب سے پہلے زینب کی جانب سے ہی دھڑکا لگا تھا، ماما مسکراتے ہوئے اس کے نزدیک آگئیں، جہان کے دل کو ان کی مسکراہٹ سے ذرا سا سنبھالا ملا۔

”آپ مصروف تو نہیں ہو، آئی مین تھکے ہوئے؟“ اس قسم کے سوالوں نے جہان کو حیرانی کی زد پہ آگیا تھا، پھر خود کو سنبھال کر سرکونفی میں بے اختیار ہلایا۔

”ہرگز بھی نہیں چچی جان، آپ حکم کیجئے۔“ نرم مسکان سمت وہ اس مودب انداز میں بولا۔

”زینب کو ڈاکٹر کے پاس لے کر جانا تھا، میں کئی دنوں سے اسے ست محسوس کر رہی ہوں۔“ جہان کی تمام حیا ست یکبارگی ساکت ہو کر رہ گئیں، وہ چونک کر پر تشویش نگاہوں سے انہیں دیکھنے لگا۔

”کیا ہوا اسے؟ خیریت؟“ سوال عام سے تھے، مگر وہ یکدم جس طرح مضطرب نظر آنے لگا تھا، اسی انداز نے ماما کو تقویت دی تھی۔

”الحمد للہ، بالکل خیریت ہے بیٹے، آپ کے لئے پریشانی کی نہیں اللہ نے چاہا تو خوشی کی خبر ہو گی، مجھے لگتا ہے زینب پر ایکٹ ہے تو چیک اپ کرانا چاہ رہی تھی۔“ ماما کے بات پہ جہان پہلے حیران ہوا تھا، پھر اسی قدر متمتاہٹ اس کی وجہہ چہرے پہ بکھرتی چلی گئی تھی، وہ ایک دم کسی نوخیز لڑکے کی طرح جھینپ کر سرخ پڑتا بے اختیار چہرہ جھکا گیا تھا، ماما نے وچپی و محبت کے ساتھ اس کے تاثرات دیکھتے اسے دعاؤں سے نوازا تو وہ مزید جھپٹتا ہوا ان سے لپٹ کر آہستگی سے ہنس دیا تھا۔

”اگر یہ سچ ہوا چچی جان تو یہ دن میرے لئے بہت خاص ثابت ہوگا۔“ وہ پوری سچائی سے ان سے اپنی کیفیات شیئر کر گیا تھا، ماما بے اختیار ہنس دی تھیں۔

”اچھا، ویسے یہ بات میری بجائے تمہیں اس بدگمان لڑکی کو بتانی چاہیے تھی، شاید کچھ برف پکھل جاتی۔“ انہوں نے گویا اسے راہ دکھلائی تھی، وہ یونہی ہنستا مسکراتا ان سے الگ ہو کر محل سا سرکھانے لگا۔

”اس سے بھی زیادہ چچی باتیں اسے بتانے کو اکٹھی کر رکھی ہیں، بس وہ ہاتھ نہیں لگتی تھی، آپ کی اس ہیلپ کے لئے ٹھینکس کہوں گا۔“ وہ ان کے ہاتھ پہ بوسہ مثبت کرتے ہوئے جھکا، ماما اسے دیکھتی رہ گئیں، جہان کا یہ روپ تو زندگی میں کبھی نہیں دیکھا تھا انہوں نے، انہیں جتنی بھی تقویت ہوئی، انہیں زینب کی خوش بخشی پہ ہرگز کسی قسم کا کوئی شبہ نہیں رہا تھا۔

(خدا بہت مہربان ہے میرے بیٹے، میں آج اپنی ہر خواہش کی تکمیل ہوتی دیکھ رہی ہوں تو یہ میرے رب کا ہی کرم ہے، ایسا سب کچھ اس وقت ہوا ہے جب ہم سب سرے سے مایوس بھی ہو

چکے تھے، بیشک اللہ بہت مہربان ہے، بس ہم انسان ہی ناشکرے جلد باز اور احسان فراموش ہیں، اس شکر کے موقع پہ ڈالے کے لئے دل سے دعائیں نکلتی ہیں، خدا اس بچی کو ہمیشہ زینب سے بھی بڑھ کر نوازتا رہے کہ اس سارے اطمینان میں اس کے ایثار مہر اور قربانی کا بہت بڑا حصہ ہے۔

”تم چائے پی لو تو پھر لے جانا زینب کو، کہہ دیا تھا اسے میں نے، تیار ہو گئی ہو گی وہ۔“ ماما نے اٹھتے ہوئے کہا تو جہان بھی ساتھ ہی کھڑا ہو گیا۔

”اگر وہ تیار ہو گئی ہے تو پھر میں چلتا ہوں، انتظار ملکہ عالیہ کی طبع نازک پہ گراں گزر سکتا ہے، بہتر ہے ایسی شکایت کا موقع نہ دیا جائے۔“ کارلس سے گاڑی کی چابی اور اپنا فون اٹھاتے ہوئے وہ کوٹ پہن چکا تھا، شریر انداز میں کہتا نہیں اپنا ہمنوا بنا رہا تھا، ماما آہستگی سے پھر ہنس دیں۔

”جیتے رہو، یونہی ہمیشہ خوش شاد آباد، آمین، بیٹے ایک بات کبھی نہ بھولنا، زینب اور ڈالے، دونوں کے حقوق یکساں ہیں، یہ بہت دشوار راستہ ہے اور آپ کو بہت سنبھل کر چلنا ہے، زینب کے ساتھ اگر کبھی اونچ نیچ ہو جائے تو میں برداشت کر لوں گی، لیکن اگر کبھی ڈالے کے ساتھ ایسا ہوا تو کبھی نہیں سہہ سکوں گی، وہ بہت پیاری بچی ہے، اس کا دل آگینے سے بھی زیادہ نازک اور قیمتی ہے، ہمیشہ اس کے معاملے میں بہت حساس رہنا۔“ انہوں نے جیسے نصیحت ضروری خیال کی تھی، جہان نے مسکراتے ہوئے ان کے ہاتھ ڈھانس کے انداز میں تمام لئے تھے۔

”خدا کی مدد آپ کی دعاؤں سے میں ہمیشہ اس اہم معاملے کا بہت خیال رکھوں گا چچی جان! انشاء اللہ زینب کو اس لئے دکھ نہیں دینا چاہوں گا کبھی میں کہ اس کی شدید تنگی نہیں سہہ سکتا، جبکہ ڈالے کو کبھی نہیں اس لئے نہیں لگنے دے سکتا کہ وہ اپنی تکلیف کا احساس مجھ تک نہیں پہنچے دے گی، یہ خیال مجھے اس کی جانب سے زیادہ حساس اور محتاط رکھے گا۔“

جواب ایسا تھا جس نے ماما کو صرف مطمئن نہیں کیا، سرشار بھی کر دیا تھا، انہوں نے نہال ہوتے اس کی پیشانی چوم کر دعاؤں سے نوازا تھا، جہان مزید ہلکا پھلکا ہو گیا تھا گویا۔

☆☆☆

کیا جانیں کس دھیان میں رہے ہیں تمام عمر
ہم سے وہ بدگمان رہے ہیں تمام عمر
ظلم و ستم جو رو جفا ان کی عنایتیں
ہم پہ یوں مہربان رہے ہیں وہ تمام عمر
ہم ان کو اپنے خواب کی تعبیر جان کر
کس درجہ خوش گمان رہے ہیں تمام عمر
ان کو کسی طرح کبھی قائل نہ کر سکے
ویسے وہ میری جان رہے ہیں تمام عمر

جس پل خفا خفا سی بے زار زینب ماما کے ہمراہ پورٹیکو میں پہنچی، جہان پہلے سے گاڑی کا دروازہ کھولے منتظر تھا، چادر میں لپیٹی زینب کو اس نے بہت محتاط نگاہوں سے اچھی طرح دیکھا تھا، آف وائیٹ بہت خوبصورت لباس پر میرون فینسی چادر نمادو پیٹہ اس کی جاذبیت بھری دلکشی کو پوری

طرح ابا گر کر رہا تھا، اسے ساری کوفت جو پچھلے دنوں اس کے ساتھ لگی تھی تمام خفگی ڈھلتی ہوئی مسوس ہوئی، اس لڑکی نے اپنی شدیتیں اس پہ عیاں کر کے اسے بھی پاگل کر دیا تھا گویا، مہما کی موبودگی کے باعث زینب کو تیار فرنت سیٹ پہ اس کے برابر بیٹھنا پڑا تھا، ورنہ تاثرات صاف کہہ رہے تھے وہ ہرگز ایسا ارادہ نہیں رکھتی، جہان کے اندر اس کے اس لحاظ و مروت پہ ڈھیروں اطمینان اتر آیا، دروازہ بند کر کے وہ ڈرائیونگ سیٹ پہ آگیا تو مہما کو ہاتھ ہلا کر مسکرایا تھا۔

”طبیعت کچھ بہتر ہوئی ہے تمہاری؟“ وہ ایسے صلح جو دوستانہ انداز میں سوال کر رہا تھا گویا بیچ میں ستم ظریفی کی حد ہی نہ کی ہو، گاڑی گیٹ سے نکالتے وہ کتنا مطمئن سا پوچھ رہا تھا، زینب کو وہ زہر سے زیادہ برادر و غلا اور منافق لگا۔

”فاطمہ کو بھی لے لیا ہوتا، باہر نکل کر بہت چہکتی ہے ہمیشہ۔“ اس کی سلگتی نظروں اور خاموشی کو خاطر میں لائے بغیر وہ اسی اطمینان سے اس سہولت سے دوسری بات شروع کر چکا تھا، زینب کا خون دماغ کی جانب ٹھوکریں مارتا اس کا ضبط ختم کرنے لگا۔

”زینب تم.....“

”سٹ اپ، چپ ہو جائیں، مت کریں مجھ سے باتیں یہ فارمیٹرز نبھانے کی آخر مجبوری بھی کیا ہے؟“ وہ بالآخر چیخ پڑی، حد تھی یعنی بے حسی خود غرضی کی بھی اس کے خیال میں، اس کے نزدیک وہ کھلوتا تھی، جسے جب جاہا وہ اٹھاتا کھیلتا، جب دل بھر جاتا پھینکتا یا توڑ پھوڑ دیتا، یہ رویہ گوارا نہیں تھا اسے، وہ اسے بتا سکتی تھی، وہ اس کے اشاروں پہ نہیں تاج سکتی، جہان خاموش رہا، یعنی اس کا مقصد پورا ہو گیا تھا، اس نے اسے چھیڑ دیا تھا، تا کہ وہ اپنا غبار نکال سکے، پیمانہ لبریز تھا، چھٹک جانے میں ہی عاقبت تھی، وہ مطمئن تھا۔

”ضرورت ہی کیا تھی مہما کی بات ماننے کی؟ بہتر ہونا اتنا پھینکتے فرمانبرداری و سعادت مندی کے اس چولے کو، اپنے ساتھ میری جان بھی عذاب میں ڈال رکھی ہے۔“ اس کا چہرہ بے تحاشا سرخ ہو کر دہک رہا تھا، اتنے دنوں کا غبار تھا، آسانی سے نکلنے والا کہاں تھا، جہان سنجیدہ چہرے کے ساتھ ڈرائیو کرتا رہا، زینب کو اس خاموشی نے مزید آگ لگا دی۔

”آپ جیسے بزدل مردوں سے شدید نفرت ہے مجھے، جو اپنی بزدلی کے باعث دوسروں کی زندگیاں برباد کر کے رکھ دیتے ہیں۔“ اس نے پھنکارنے کے انداز میں از حد تھی و نفرت کا اظہار کیا، جہان پھر خاموش تھا، زینب کو اس نظر اندازی اس ذلت کا احساس ہوا تو آنکھیں مزید جلن سمیٹ لائیں، یعنی وہ اسے اس قابل بھی نہیں سمجھتا تھا کہ اس کی کسی بات کا ہی جواب دے دے سرعت سے اٹھ آنے والے آنسوؤں کو چھپانے کی خواہش میں اس نے بے اختیار رخ پھیر لیا، پھر صرف جاتے ہوئے نہیں واپسی کے سفر میں بھی وہ روتی رہی تھی، اس کی پر یلینسی کی خبر نے جہان پہ کیا اثر چھوڑا، یہ اس کی نظر اندازی و خاموشی سے عیاں تھا، یہ ذلت کی ناقدری کی بے مائیگی کی انتہا تھی، اس کے خیال میں، کاش وہ مہما کی خاطر بھی اپنی مزید سبکی کروانے نہ آئی ہوتی، اس نے تنفر سے آنسو پونچھتے ہوئے سوچا تھا، اتنا سب کچھ ہو جانے کے بعد بھی اگر اس کا دل جہان کے حوانے سے کوئی اچھی امید پالتا تھا تو پھر نفرن ہی تھی اس سے۔

گاڑی ایک تھکے سے رکی گئی، وہ بونہی رخ پھیرے خود ترسی خود اذیت کا کار آنسو بہانی رہتی، چونکہ اس وقت جب بہت سلیقے سے کئی گول کپوں کی ٹرے اس کے سامنے کر دی گئی تھی، اس نے چونک کر ٹھک کر فیر یقینی میں مبتلا ہو کر ٹرے کو دیکھا تھا، تھیر نکاد ٹرے سے ہٹ کر اس ہاتھ کی جانب اٹھی جو اس ٹرے کو تھا، دے دئے تھا، سرخ و سفید منسبوت آہنی مردانہ ہاتھ جس پہ پھیلا سیاہ رواں بے حد بھلا محسوس ہوتا تھا، اس کی ساکن ہمد غیر یقینی کی مظہر نکاد کا سفر ہاتھ سے کلائی کلائی سے کاندھے کاندھے سے سینے تک جا رکا، اس کے بعد اس نے ایک تھکے سے سراونچا کر کے اس شخص کا چہرہ دیکھا تھا، پتا نہیں کیا تھا اس کے چہرے پہ کہ زینب کا ذہن ایک دم سے ہپک گیا تھا، ایک پرانی یاد کا احساس اسے جکڑ چکا تھا، بہت مضبوطی سے، یہ گرفت بہت سخت تھی، بہت تکلیف دہ بھی، جب اس نے محض سال ڈیڑھ سال قبل عین اس مقام پہ چلتی گاڑی رکوا دی تھی۔

”جے.....! مجھے گول کے لئے کر دیں۔“ اپنی ہی آواز کی بازگشت اس کی سماعتوں میں سرسرا رہی تھی، اس کا وجود اس کا دل آنسوؤں کے سمندروں میں تنکا بن کر ڈولتا چلا گیا۔

اگر وہ اس کی معمولی خواہش کو نہیں بھول سکا تھا، تو اپنی محبت کیوں فراموش کر گیا؟ سوال اٹھا تھا اور ہر سو تباہیاں پھیلا گیا، رنج سارنج تھا، دکھ کا عالم ہی الوکھا تھا، اذیت کو کوئی کنارہ نہیں ملتا تھا، نقصان کا تخمینہ کیسے لگایا جاسکتا تھا۔

وہ غم کی شدتوں سے پاگل ہو اٹھی، جہاں اگر اس کے معاملے میں اتنا حساس تھا تو اس کی طلب کو کیوں فراموش کر گیا؟ جس نے زینب جیسی ضدی دیوانی خبی لڑکی کو بے آب و گیاہ صحراؤں میں وحشت زدہ بھٹکائے رکھا تھا، اس کے اندر غضب کا احتجاج اٹھتے پھرتے دریا کی مانند سر پٹھنے باہر آنے تباہی مچانے کو چلنے لگا۔

”مجھے پتا ہے، تمہیں پسند ہیں۔“

اس کی ہزار سوال اٹھاتے وحشتیں چھلکاتی آنکھوں کے سوالوں کو بس ایک معمولی سا جواب وہ بھی کتنے سکون سے، اتنے آرام سے، نہ کوئی ملامت نہ وضاحت اس کے اندر سرسرائی وحشت اور ہجان بے انت ہوا تھا، اگلے لمحے اس نے غیض سے پھرتے ہوئے ہاتھ مار کر ٹرے الٹا دی تھی، جہاں ہڑ بڑا سا گیا، صد شکر وہ بچ گیا تھا۔

”کس نے کہا، اس احسان کی ضرورت ہے؟ میں تو اپنی بہت بڑی بڑی پسندوں سے خواہشوں سے دستبردار ہو چکی جہاں تکیر حسن صاحب، یہ معمولی خواہش میرے لئے ہرگز اہمیت نہیں رکھتیں، بہتر ہوگا آئندہ ایسی زحمت نہ کریں۔“

غیض و غضب سے کانپتی وہ لال بھوکا چہرے کے ساتھ سلگتی نظروں سے پھنکاری، ذلت و سبکی اور کم مائیگی کے احساس نے اسے نیم دیوانہ سا کر دیا تھا، مگر جہاں خائف ہونے کی بجائے کاندھے اچکا کر مسکرایا پھر اس کی آنکھوں میں جھانکتے گویا اسے مزید طیش دلانا چاہا۔

”کس پسند اور خواہش سے دستبردار ہوئی ہو، بتانا پسند کرو گی؟“ سوال ایسا تھا جو زینب کو دہکا کر رکھ گیا، جہاں کی مسکان اور اطمینان بھرے انداز نے گویا صاف جتلیا تھا کہ وہ اس کی دلی کیفیت اس کی شکست سے ہرگز بے خبر نہیں ہے، ہاں وہ بے خبر نہیں تھا، یہ آگاہی بھی خود زینب نے

اپنی حرکتوں کے باعث اسے بخش تھی، کتنی اہم تھی وہ، کس قدر پاگل اسے پالیا تھا تو سمجھی تھی اب اس کی محبت بھی حاصل کر لے گی، خام خیالی تھی، سراسر خیام خیالی، بے وقوفی تھی محض حماقت، کوئی تھا اس سے بھی بڑھ کر نادان؟ اس کا دل رورواٹھا اور اندر سرسرائی وحشت کا احساس دو چند ہوتا چلا گیا، کچھ دیر وہ یونہی ساکن کینہ تو نظروں سے اسے دیکھتی رہی تھی، پھر جیسے طیش سے بھرتے ہوئے مشعل انداز میں ایک دم جھپٹ کر دونوں ہاتھوں میں اس کا گریبان دبوج لیا۔

”کیا سن کر اپنی مردانگی کو تسکین دینا چاہتے ہو، کہ..... کہ میں تم سے محبت کرتی ہوں؟ اب سے نہیں، ہمیشہ..... ہمیشہ سے اور..... اور میں تمہاری منتظر رہی ہوں، بلکہ اس تھا وہ سب، جھوٹ جھوٹ بولا تھا میں نے بھی، سنا تم نے، میں بلکہ اس کرتی رہی تھی، میں جھوٹ بولتی رہی تھی، مجھے..... مجھے تم سے محبت نہیں، شدید نفرت ہے تم سے، تم سے بھی کہیں زیادہ، تمہاری بزدلی سے۔“ اس نے بلک کر کہا۔

”تمہاری سعادت مندی سے۔“ اس نے سسکی بھری اور اس کا گریبان جھنجھوڑا۔

”تمہاری فرمانبرداری سے بھی۔“ اس نے تڑپتے ہوئے اسے پے در پے مکے مارے۔

”ان سب نے مل کر مجھے لوٹ لیا، برباد کر دیا، تمہاری منافقت نے بھی۔“ وہ ایک بار پھر حواسوں میں نہیں رہی تھی، پھوٹ پھوٹ کر بلند آواز سے روتی ہوئی زینب جیسے فریاد کر رہی تھی، تڑپ رہی تھی، بلک اور سسک رہی تھی، جہان کے لئے یہ صورتحال بے حد پریشانی اور بوکھلاہٹ کا باعث تو تھی ہی، اس کے ساتھ ساتھ اضطراب بے کلی اور وحشت میں بھی مبتلا کر رہی تھی، اس نے گھبرا کر شپٹا کر بھپری ہوئی موج کی مانند بے قابو زینب کو سنہالنا چاہا، گاڑی ہنوز سڑک کے کنارے رکی ہوئی تھی، کچھ فاصلے پہ اسٹال پہ لوگ موجود تھے اور اس جانب بھی متوجہ تھے جہان کو شرمندگی محسوس ہو رہی تھی۔

”زینبی..... زینبی ریلیکس، پلیز میری بات تو سنو۔“ جہان نے اسے بازوؤں میں لینا چاہا مگر وہ بے آب پچھلی کی مانند چل کر اس کی گرفت سے نکل گئی۔

”نہیں سننی، مجھے کوئی بات نہیں سننی تمہاری، تم نے سنا، مجھے تم سے شدید نفرت ہے، تم نے مجھے خود میری نظروں سے نہیں گرایا، سب کی نظروں سے گرا دیا۔“ وہ یونہی سسکتی ہوئی بلکتی ہوئی بولی تھی، جہان کے کشیدہ اعصاب مزید بے تحاشا کشیدگی سمیٹ لائے۔

(جاری ہے)

☆☆☆

فرخ آخری سرد مہری

۱۴۲

قسط کا خلاصہ

جہان ڈالے کو کھونے کے تصور سے ہراساں ہے، ایسے میں ڈالے اسے زہب سے نکاح کو فورس
کرتی ہے، صرف وہی نہیں جب معاذ بھی وہی بات کہتا ہے اور اس کے علم میں یہ بات آتی ہے کہ یہ پیا
جان کی خواہش تو جہان کے پاس انکار کی گنجائش ختم ہو جاتی ہے۔
معاذ اور پر نیاں کے تعلقات کی سرد مہری جہان کی بہتری کی کوشش اور معاذ کو سمجھانے بچھانے کے
باوجود بڑھتی جاتی ہے۔

جہان ڈالے کی پیاری کے متعلق جان کر خود کو فضا میں مطلق محسوس کرتا ہے۔

چالیسویں اور آخری قسط

اب آپ آگے پڑھیے





<http://www.paksociety.net/>



اس کے رنج و الم کا، بے قراری کا، وحشت و اضطراب کا یہاں تک کہ بیجان کا بھی وہی عالم تھا، وہ اسی طرح زار و قطار روئی اسے مورد انحراف و شہرہ ریزی تھی، اسے مجرم گردان رہی تھی۔

”اگر تم ایسا نہ کرتے، اگر تم میری خواہش پوری کر دیتے..... مجھے..... مجھے اپنی چاہت کا مان دے دیتے، تو کبھی یوں برباد نہ ہوتی میں..... تم نے ہی مجھے بربادی کی انتہا تک پہنچایا، تم تھے جس نے مجھے ریزہ ریزہ کر کے بکھیر دیا۔“

سلسل رو نے سے اس کی آواز بھاری ہو چکی تھی، مگر غبار ختم نہیں ہو رہا تھا، وہ یونہی رو رہی تھی یونہی تڑپ رہی تھی، یونہی سلسل بول بھی رہی تھی، جہاں خود اذیتوں کے پل صراط پہ کھڑا سے ٹوٹا بکھرا دیکھنے پہ مجبور تھا جیسے۔

”میں..... میں تو کبھی ہی بری ناں.....؟ میں تو کبھی ہی ضدی..... آپ تو ایسے نہ تھے، آپ نے محض اپنی انا کو بچایا اور مجھے برباد ہونے دیا، اگر..... اگر آپ ایک بار مجھ سے کہہ دیتے، مجھ سے محبت کرتے ہیں، میں کبھی یوں خود کو داؤ پہ نہ لگاتی، مہندی کی رات تک منتظر رہی تھی میں آپ کی..... مگر آپ کیوں کہتے؟ کیوں کرتے ایسا؟ آپ نے محبت کی ہوتی تو ناں..... وہ تو میں نے کی تھی اور آپ سے کیا چاہا تھا؟ صرف اپنی نسوانیت کا بھرم اور دکار..... آپ نے وہ بھی نہ سونا مجھے، پھر کیسے نہ کہوں، کہ میری ساری بربادیوں کے ذمہ دار آپ تھے۔“ وہ کہتی رہی تھی، روئی رہی تھی، اسے مارتی رہی تھی، یہاں تک کہ تھک گئی، بول بول کر بھی..... رو رو کر بھی، جہاں ہنوز خاموش تھا، چہرے پہ لمبیر سنجیدگی تھی، گاڑی ہنوز رکی ہوئی تھی، زینب نے خود ہی خود کو سنبھالا اور آنسو پونچھ دیئے، وہ بے حد غم حال ہو چکی تھی، مگر دکھ اور شکوہ ہنوز تھا، جہاں کی خاموشی بے پناہ اذیت میں مبتلا کر دینے والی تھی، جہاں نے لٹو کیس سے لٹو کھینچنے اور اس کا چہرہ جو ہنوز پسینوں اور آنسوؤں سے تر تھا صاف کرنا چاہا، زینب نے چہرے سے لٹو لٹو کو چھپائے بغیر اس کا ہاتھ جھٹک دیا، جہاں ہرگز برا نہیں مانا اور گہرا متاسفانہ سانس بھر کے بولا اس کے لہجے کی جھکن میں واضح اضطراب ڈونٹا تھا۔

”مجھے اس اعتراف میں کوئی عار نہیں ہے زینب! کہ میں تمہارا مجرم ہوں، اس بات کا ملال مجھے آج مزید بوجھل کر رہا ہے کہ تم صرف مجھ سے محبت کرتی تھیں اور میری منتظر تھیں، تم نے یہ بھی ٹھیک کہا، مجھے میری انا نے روکا اور میں تم سے تمہاری محبت سے محروم رہ گیا، میں اس بزدلی سے شرمندہ ہوں، جس نے ہم دونوں کو اتنا عرصہ تشنہ رکھا، مجھے تمہیں بتانا تو چاہیے تھا، زینب تم ٹھیک کہتی ہو..... محبت پہ انا کو اہمیت دینے والے ہی نامراد ہوتے ہیں، میں نے بھی اپنے حصے کی سزا اپنے حصے کی اذیت کاٹ لی، مجھے معاف کر دو، کہ میں تمہیں ہر سٹ کر چکا ہوں۔“

زینب جیسے ساکن بیٹھی تھی بیٹھی رہی، اس نے جہاں سے نہ آنکھ ملائی تھی، نہ بات کا جواب دیا جہاں کو بھی شاید جواب کی ضرورت نہیں تھی، جیسی گاڑی اسٹارٹ کر دی تھی۔

☆☆☆

وہ سلسلے وہ شوق وہ نیت نہیں رہی

اب زندگی میں ہجر کی وحشت نہیں رہی
 ٹوٹا ہے جب سے اس کی مسیحا کی کا طلسم
 دل کو کسی مسیحا کی حاجت نہیں رہی
 پھر یوں ہوا کہ کوئی شناسا نہیں رہا
 پھر یوں ہوا کہ درد میں شدت نہیں رہی
 پھر یوں ہوا کہ ہو گیا مصروف وہ بہت
 اود ہم کو یاد کرنے کی فرصت نہیں رہی
 اب کیا کسی کو چاہیں کہ ہم کو تو ان دنوں
 خود اپنے آپ سے بھی محبت نہیں رہی

اس کے اندر ایسی خاموشی اتر آئی تھی، ایسی بربادی جو طوفان گزر جانے کے بعد ہی محسوس کی
 جاسکتی ہے، وہ خود اپنے آپ سے بھی بے زار تھی، بے حد خفا، کیوں..... آخر کیوں خود یہ ضبط کھویا
 تھا اس طرح.....؟ تک نہیں بنتی تھی کوئی، سارے مجرم کھول دیئے، اپنے ہی ہاتھوں، اسے کب عقل
 آتی تھی.....؟ وہ اب ہرگز پچی نہیں تھی، پھر کیوں مناسب رویہ نہیں رکھ پائی تھی، ساری دنیا کو تو
 محبت نہیں مل جایا کرتی۔

ساری دنیا کو عزت بھی نہیں پوری ملتی، ان اہم لوازمات کے بغیر بھی زندگی کو ستانت وقار اور
 سادگی و بربادی سے گزارا جاسکتا ہے، اس بار بار طاری ہو جانے والی وحشت نے تو اسے کہیں کا
 بھی نہ رہنے دیا تھا، وہ ہرگز تماشا بننا نہیں چاہتی تھی، مگر پھر بھی بن جایا کرتی، ایسا کیا تھا آخر جہان
 میں کہ وہ اسے کھونے کے احساس سے بالکل ہوتی جاتی تھی، کوئی تک نہیں بنتی تھی کہ وہ یوں محبت کی
 سوا بن گئی تھی، کاسہ پھیلائے خیرات کی منتظر بھکارن..... کتنا حقیر کر ڈالا تھا، اس نے خود کو خود
 ہی، اب کیا حل تھا.....؟ اسے سمجھ نہیں آتی تھی، بہت دیر تک روٹی رہی، دل کا بوجھ ہلکا ہی نہیں
 ہونے میں آتا تھا، تب وضو کر کے دو رکعت نماز حاجت کی نیت باندھ لی، حاجت سوائے دل کے
 سکون کے اور کوئی نہیں تھی اور اللہ کی یاد میں دلوں کا سکون پوشیدہ ہے بلاشبہ، بہت دیر تک ہاتھ
 پھیلائے سابقہ لغزشوں کی معافی اور آئندہ کے لئے صبر و استقلال کی گزارش رب کے حضور پیش
 کرتی رہی تھی۔

اس رات جہان اس کے کمرے تک آ گیا تھا، اس کی دستک کے جواب میں وہ اندھی گونگی
 میری بن گئی تھی..... ہمدردی..... جہان کو ہمدردی کھینچ لائی تھی، اسے یہی نہیں چاہیے تھی، وہ جہان
 سے ملنا نہیں چاہتی تھی، جہان جبکہ اسی کوشش میں تھا، اس سے اگلے دن اس نے زہب کو کھن میں
 گھیر لیا تھا۔

”مجھ سے خفا ہوا بھی تک.....؟“ وہ سوال کر رہا تھا، زہب نے جواب نہ دینے کی قسم کھالی۔
 ”کمرے میں چلو باتیں کرنی ہیں کچھ ضروری، بھاگ کیوں رہی ہو مجھ سے؟“ اس پہ جھک
 کر وہ شوخ استفسار کر رہا تھا، زہب نے بغیر لحاظ کے اسے پیچھے دھکا دے ڈالا۔
 ”کمرے میں چلو زہب! ورنہ میں کسی کی پرواہ کیے بغیر سب کے سامنے لے جاؤں گا۔“ یہ

کہیں سے بھی وہ جہان نہیں تھا، جسے وہ جانتی تھی، وہ تو اس کی بات یہ ہی بھک سے اڑ گئی۔
 ”خبردار..... فضول باتیں نہ کریں میرے ساتھ۔“ اس نے فرا کر کہتے آنکھیں نکالیں۔
 ”یہ فضول باتیں نہیں..... محبت کا ادنیٰ سا اظہار ہے زوبہ محترمہ!“ وہ بغیر متاثر ہوئے گویا اس
 کی معلومات میں اضافہ کر رہا تھا، زینب کو اس پل وہ دنیا بھر کا جھوٹا اور فلکٹ بھی لگنے لگا، جیسی تن
 بدن میں آگ لگ گئی تھی۔

”باہر نکلیں یہاں سے..... جائیں۔“ اسے دروازے کی جانب دھکیلتی وہ غصے سے باہر
 ہونے لگی، جہان پہ مجال ہے اثر ہوا ہو، الثا مزید پیش رفت کرتے اسے بازوؤں کے شکنجے میں گس
 لیا، زینب پھڑ پھڑ اسی گئی، اس دیدہ دلیری پہ ششدر ہوتی رہ گئی۔

”اس رات دروازہ کیوں نہیں کھولا تھا؟ میں جانتا تھا تم سو نہیں رہی تھیں۔“ اس کے چہرے
 پہ خفگی اور جھٹلاہٹ اتر رہی تھی۔

”وہ دروازہ اب کبھی نہیں کھلے گا، ہمیشہ کے لئے سن لیں۔“ زینب نے پوری قوت صرف
 کر کے اس کے بازوؤں سے نکلنے جتلا کر ضروری خیال کیا۔

”اف..... صدیوں سے محبت کے لئے ترستے شخص کی شرافت پہ اتنا ظلم..... بیگم صاحبہ رحم۔“
 اس کے شوخ لہجے میں شرارت ہی شرارت تھی، زینب کی آنکھیں ایک دم سے آنسوؤں سے لبریز ہو
 گئیں، کسی بھی مرد کے لئے سب کچھ بھلا کر ہلکے پھلکے ہو جانا کتنا اہل ہوتا ہے، پھر وہ خوش ہونا بھی
 کیوں نہیں، جتلا تا بھی تو کیوں نہ..... اپنے اتاؤ لے بن کی وجہ سے وہ سوئپ چکی تھی نا اپنی کمزوری
 اسے، اس وقت تو جنید بھائی کی آمد سے جو وہ بھابھی کی تلاش میں آئے تھے اور انہیں یوں ایک
 دوسرے کے پاس دیکھ کر حیرت پہ قابو پاتے شرارت سے کھکارتے مصنوعی بوکھلاہٹ کا مظاہرہ
 کرتے پلٹ گئے تھے، مگر زینب کو جہان کے تسلط سے نجات مل گئی تھی مگر کب تک..... دروازے پہ
 آہٹ محسوس کر کے وہ جائے نماز تہہ کرتے چوکی، جہان دروازے سے اندر داخل ہو رہا تھا، زینب
 جہاں کی تہاں رہ گئی، آج وہ جانے کیسے دروازہ لاک کرنا بھول گئی تھی اور اب ہر اسماں ہو رہی تھی۔
 ”کیوں آئے ہیں؟“ وہ تڑخی۔

”مجھے تو آنا ہی تھا۔“ وہ نرمی سے مسکرایا، زینب اسی قدر چڑھی۔
 ”چلے جائیں، میں لاک لگانا ہی کیوں بھولی۔“ اس نے غصے میں پیر پچھا، جہان کی مسکراہٹ
 بے ساختہ وہ بے اختیار چل گئی۔

”آج لگا کر چھی دیکھ لیتیں، میں ڈپٹی کیٹ چالی بنا چکا تھا، بس اک ہی حل تھا میرے
 پاس۔“ جہان نے کوٹ کی جیب سے واقعی چالی نکال کر دکھادی، زینب چند ثانیوں کو حرکت نہیں کر
 سکی بس اسے گھورتی رہی۔

”مجھے آپ کی ضرورت نہیں ہے۔“ اس نے درشتی سے جتلا یا، جہان ہرگز برا نہیں مان سکا۔
 ”مگر مجھے ضرورت ہے تمہاری۔“ وہ بے حد آہستگی سے بھاری آواز میں بولا، ایسے کہ اس کی
 آواز کا لہجے گا زیدو ہم زینب کے دل کی دنیا اٹھل پھل کرنے لگا، زینب نے نظریں چرائیں۔
 ”کیوں آئے ہیں؟“ وہ جیسے سسک پڑی۔

”کوئی شوہرا اپنی بیوی کے پاس کیوں آتا ہے، اتنا تو تمہیں بھی پتا ہوگا۔“ جہان نے شرارت سے بھرپور نظروں سے اسے دیکھا تھا، زینب کا چہرہ یکدم دھواں دھواں ہو گیا۔

”ہاں..... پتا ہے مجھے اچھی طرح، آخر دو دو شادیاں کر چکی ہوں، دوسروں کو.....“ وہ ہنسیک ہو کر کہنا شروع ہوئی تھی انتہائی خود اذیتی میں جتلا ہونے جارہی تھی کہ جہان نے بہت سرعت سے بہت عاجزی سے بہت لاچار انداز میں اس کے ہونٹوں پہ اتنا ہاتھ رکھ دیا، جو کچھ لپکا رہے تھے، آنکھوں میں آنسو لڑتے تھے، چہرہ متغیر تھا، وہ صرف کاہنتی تھی۔

”زینب پلیز..... پلیز زینب!“ جہان اس سے بڑھ کر اذیت و کرب کا شکار ہو چکا تھا، اس کی کمر کے گرد بازو پھیلا کر اس نے بہت آہستگی بہت نرمی سے اسے اپنے ساتھ لگایا تھا اور اس کے ہونٹوں پہ ہونٹ رکھ دیئے۔

”ایسے مت کرو زینبی! سب کچھ بھول جاؤ۔“ وہ سرگوشی سے مشابہہ آواز میں التجا کر رہا تھا۔
”کیا بھولوں.....؟ وہ اذیتیں؟ یا آپ کی بے حسی بھری نظر اندازی؟“ وہ اس کے بازوؤں میں ٹوٹے بکھرے لگی، زار و قطار روتے ہوئے جیسے پھر حال سے بے حال تھی۔

”مجھے معاف کرو زینبی! میری کوتاہی سے درگزر کر دو۔“ جہان نے اسے بازوؤں میں بھر کے اٹھایا اور بستر پہ لے آیا تھا، زینب نے مزاحمت نہیں کی، تھکے ماندھے انداز میں یوں اس کے ساتھ لگ گئی جیسے طویل سفر سے بے تھک تھک گئی ہو اور مزید ہمتیں ناپید ہوں، دونوں کتنی دیر خاموش رہے، جہان اسے اپنی کبتیں سونپ رہا تھا، اسے اعتبار بخش رہا تھا، اسے مان دے رہا تھا، وہ لمحوں میں مالا مال ہوتی جا رہی تھی، خوشحال ہوتی جا رہی تھی۔

”آپ کو یاد ہے! میں کس کس انداز میں آپ سے اگلو نے کی کوشش کیا کرتی تھی، آپ نے کبھی کیوں نہیں سوچا، اگر میں کسی بات کے اتنا پیچھے پڑی ہوں تو اس کی وجہ کیا ہو سکتی ہے؟“ زینب کی آواز میں ہوک تھی، نا تمام حسرتوں کی لنگی کا جان لیوا احساس نوحہ کناں تھا۔

”اگین سوری زینبی! کہاں بھول جاؤ، میری جان آج کو یاد رکھو۔“ جہان نے اس پہ جھک کر مدہم سرگوشی کی اور اس کے آنسوؤں سے ترگال پہ ہونٹ رکھ دیئے۔

”میں سب کچھ ہی بھول جانا چاہتی تھی، جیسی آپ کے ساتھ نئی زندگی کا آغاز کیا تھا، مگر..... مگر آپ نے کہا..... وہ سب پرانی باتیں تھیں، سب گواہ تھا، آپ کے نزدیک وہ سب گواہ تھا؟“ زینب کچھ یاد آنے سے تڑپ کر اس کے بازوؤں کا حلقہ توڑ کر پیچھے ہوئی، اس کی آپس پھر کراہوں میں بدلتے لگیں، کتنی اذیت تھی اس کے چہرے پہ، زیاں کے احساس کا کوئی انت نہیں تھا، جہان جیسے سخت آزمائش سے دوچار ہوا۔

”مجھے تم پہ غصہ تھا زینبی! میں برداشت نہیں کر سکا کہ تم تیور سے ملنے جا رہی تھیں، اس غصے میں میرے منہ سے اول فول نکل گیا، میں بہت تکلیف سے دوچار تھا زینبی! بہت کرب میں جتلا تھا۔“ جہان نے نفقت کا مظاہرہ کیا، ساتھ ہی احترامی جرم بھی۔

”میں نے آپ کو سب بتایا تھا، صفائی بھی دی تھی، آپ کو منایا بھی تھا، آپ نہیں مانے۔“ وہ پھر شاکی ہونے لگی، جہان نے گہرا سانس بھرا۔

”لیکن تم نے مجھ سے غلط بیانی بھی کی تھی اور مسلسل کی تھی، میں نے تم سے تمہاری پرابہم پوچھیں تم نے اس قابل نہیں سمجھا مجھے، یہ خیال کہ تم مجھ پہ اس گھٹیا انسان کو اب بھی فوقیت دے رہی ہو، مجھے غصے میں پاگل بنا چکا تھا، اسی غصے میں، میں نے تم پہ ہاتھ بھی اٹھایا، تم پہ زہن، جس سے میں اتنی محبت کرتا تھا کہ کبھی ایسی بدسلوکی کا تصور بھی نہیں رکھ سکتا تھا، یہ خاصہ ختم نہیں ہوتا تھا۔“ وہ بے حد شرمسار سا اپنی کیفیت بتلا رہا تھا، محنت زدہ طول، زہن اسے دیکھتی رہ گئی، اس کی طویل وضاحت میں ایک لفظ ایک نکتے پہ اٹکی ہوئی، اس کا انداز ایسا غیر معمولی تھا کہ جہاں محسوس کیے بغیر چمکے بغیر نہیں رہ سکا۔

”کیا ہوا..... ایسے کیا دیکھ رہی ہو زینبی؟“

”آپ نے ابھی کیا کہا، کہ..... کہ آپ محبت کرتے تھے مجھ سے؟“ وہ اس ٹرانس میں یولی تھی، اس کے ہونٹ شدت جذب سے کاٹنے لگے تھے، جہاں پہ سکتے طاری ہونے لگا، اسے ایک بار پھر احساس ہوا وہ اس لڑکی کا کتنا بڑا نقصان کر چکا ہے، وہ اس کا کتنا برا مجرم ہے، اس کے ساتھ ساتھ وہ خود احساس زیاں کے احساس سے دکھ سے لبریز ہوتا گیا۔

”صرف کرتا نہیں تھا زہن، اب بھی کرتا ہوں، پہلے سے زیادہ شدید کرتا ہوں، کرتا رہوں گا، ہمیشہ۔“ جہاں نے اس کا چہرہ ہاتھوں میں لے کر دل کی تمام تر گہرائیوں سے پوری صداقت کے ساتھ کھل کر اعتراف کیا اور محبت کی مہر اس کی پیشانی پہ ثبت کی، زہن کا پورا وجود کاٹنے لگا، آنسوؤں میں روانی آتی گئی۔

”آپ مجھ سے محبت کرتے ہیں بے! پھر کہیں۔“ وہ جیسے مچلی تھی، اس کے لہجے میں عجیب پیاس تھی بے پناہ تشنگی اور اک بھونٹا نہ کیفیت کا احساس تھا، جہاں کا اپنا دل اس کے دکھ پہ طال پہ زیاں پہ روا تھا۔

”میں تم سے محبت کرتا ہوں زینبی! بے حد بے پناہ بے حساب۔“ اس کی آواز بوجھل ہوتی سرگوشی میں ڈھکتی گئی، وہ اس کی بہتی آنکھوں کو بار بار چوم رہا تھا، انداز میں عقیدت بھری ہوئی تھی، زہن نے آنکھیں بند کر لیں، مگر سرسراتی پلکیں ہنوز آنسو لٹا رہی تھیں۔

”پھر کہیں بے..... پھر کہیں۔“ وہ تڑپتی تھی، وہ سسکی تھی، اس پہ اک وجد اک بے خودی طاری تھی، جہاں کے اندر جیسے کوئی غم ہو گئے لگا، اس نے کچھ اور شدتوں سے زہن کو پہنچ لیا، خود میں سمو لیا، اس رات وہ اپنی زیادتی کا ازالہ کرنے، زہن کی صدیوں کی تشنگی مٹانے کی خاطر بار بار اس کی محبت کا اظہار اور محبت کی شدتیں ظاہر کرتا رہا تھا، پھر بھی پتا نہیں کس حد تک وہ اس تشنگی کو ختم کرنے میں کامیاب ہو سکا تھا۔

☆☆☆

عشق لیلیٰ نہ شریں نہ فریاد ہے
عشق جلااد ہے جلااد ہے جلااد ہے

معاذ نے شعر سنا کر واہ طلب نظروں سے حاضرین کو دیکھا، مگر کسی ایک چہرے پہ بھی ستائش و توصیف کا رنگ نہ پا کر اس کا موڈ آف ہونے لگا تھا، جی نہیں باقاعدہ کھورنے لگا۔

”کچھ منہ سے تو پھونو یا۔“

”آپ یہ یہ شعر سوٹ نہیں کرتا، اپنے حسب حال پڑھیں۔“ زیاد نے منہ سے پھوٹ کر وضاحت کر دی تھی، انداز شرارت سے لبریز تھا، جبکہ حور یہ نے ایک دم ہونٹ سمجھنے لگے تھے، یہ شعر اور کسی کے حسب حال بے شک نہ ہو، اس پر ضرور صادق آتا تھا، اس کے باوجود کہ اس نے کتنا دل مار لیا تھا، کتنا سمجھا لیا تھا خود کو، مگر معاذ کا سامنا تمام محنتیں اکارت کر جاتا، ساری ریاخت پہ پانی پھیر جاتا، پتا نہیں یہ عشق اتنا سفاک تھا یا معاذ حسن میں ہی کوئی انوکھی بات تھی، اس کا دل سلگنے ترخنے لگا، وحشت سے بھرنے لگا۔

حوصلے بھی جواب دینے لگے

اس قدر اس نے آزمایا ہے

زیاد نے اس پہ جھک کر شعر پڑھا تھا، وہ چونک کر بلکہ ہڑبڑا کر اسے خالی نظروں سے دیکھنے لگی۔

بھڑکانیں میری پیاس کو اکثر تیری آنکھیں

صغرا میرا چہرہ ہے سمندر تیری آنکھیں

وہ پھر منگنایا، نور یہ نے نہ صرف سر جھکایا، بلکہ کرب بھرے انداز میں آنکھیں بھی بند کر لیں، درد حد سے سوا تھا۔

ایسا کرتے ہیں تم پہ مرتے ہیں

ہم نے یوں بھی تو مر ہی جانا ہے

اس نے معاذ کی شوخ بھکتی، آواز سنی تھی، وہ یقیناً پر نیاں کو پھیر رہا تھا، پر نیاں کی جھینپی ہنسی اس بات کی گواہ تھی، نور یہ کے اندر سرسراہی وحشت کو بڑھاوا ملنے لگا۔

”زیاد.....!“ وہ گھبرا کر زور سے پکاری، زیاد جو مسکرا کر معاذ کو دیکھ رہا تھا، چونک کر متوجہ ہوا۔

”جی..... حکم جناب!“ اس کی آنکھوں میں شرارت تھی۔

”ابھی ہماری شادی میں کتنے دن ہیں؟“ وہ یونہی بند آنکھوں سے سوال کر رہی تھی۔

”ایک ہفتہ..... تمہیں بھی یہ دن بہت زیادہ لمبے لگ رہے ہیں ناں؟“ وہ مزید شرارت پہ مائل تھا، نور یہ نے جیسے سنا ہی نہیں

”اتنے بہت سارے دن..... آپ آج مجھ سے نکاح نہیں کر سکتے ہیں؟“ عجیب سوال تھا، زیاد تو جیسے حیرت سے بے ہوش ہونے کے قریب جا پہنچا۔

”نذاق کر رہی ہو نوری؟“ اس نے ہنسیوں ترچھی کر کے پوچھا تھا۔

”نہیں، میں اس قدر زندگی میں کبھی سنجیدہ نہیں ہوئی ہوں جتنا اس وقت ہوں۔“ وہ یونہی سرگوشی میں جواب دے رہی تھی۔

(میں نے ماما سے سنا ہے، نکاح کے بولوں میں اتنی طاقت قائم جاتی ہے کہ دو اجنبیوں کے درمیان بھی محبت کا احساس جنم لے لیتا ہے، میں یہی چاہتی ہوں، میں شادی سے پہلے پہلے معاذ

حسن کی محبت کے عفریت سے نجات چاہتی ہوں، تاکہ تمہاری طلق تعلق نہ ہو سکے، تم سے بددیانتی نہ ہو سکے، میں اپنے ضمیر اور رب کے سامنے سرخوردہ سکوں۔

زیادہ کو یقین نہیں مان گیا تھا، اس نے ٹکھوں کی دلنشین جنبش سے اس کی خواہش کے احترام کی یقین دہانی کرا دی تھی اور نوریہ کے اندر عجیب سی ممکن اترتی چلی گئی تھی، اس نے پلکیں اٹھا کہ ہتے مسکراتے خوش باش معاذ حسن کو دیکھا اور ہونٹ بچھینچے سر کوٹھی میں جنبش دینے لگی۔

پاگل پن کی ساری لکیریں میرے ہاتھ میں کیوں

اس کو چاہوں میں ہی چاہوں میں ہی چاہوں کیوں

(اب اور نہیں معاذ حسن! مزید نہیں! مجھے تمہارے سحر تمہارے اثر سے نکلنا ہے، اس سحر سے، جس نے مجھ سے میرے ہر رشتے کو دور کر دیا، خدا سے دور کر دیا، یہ دوری گمراہی ہے اور میں گمراہی سے پناہ چاہتی ہوں)۔

☆☆☆

”شاہ! اک بات کہوں آپ سے؟“

آج زیادہ کا نوریہ سے نکاح تھا، جہان اسی تقریب کے لحاظ سے تیار ہو رہا تھا، سفید کھدیر کا کرتا شلوار اس کے دراز شاندار و جیہر سراپے پہ بہت فچ رہا تھا، چہرے پہ جو طمانیت و آسودگی تھی وہ سب سے اہم اور خاص چیز تھی، آنکھوں کی چمک اور دلکشی بہت بڑھی ہوئی محسوس ہونے لگی تھی، ڈالے کو وہ پہلی بار مکمل لگا، اس کا دل خوشی کے انوکھے احساس سے لبریز ہوتا چلا گیا تھا، اس کی ذرا سی گنجائش تھوڑا سا ایثار کتنے دلوں کی طمانیت سکون اور آبادی کا باعث بن گئی تھی، نقصان کیا ہوا تھا، وہ تو یقیناً امیر ہو گئی تھی، اتنے دعاؤں کے حصار میں تھی کہ اب مر بھی جاتی تو بخشش کی فکر نہیں تھی، نیسی کا فائدہ بھی تو یہی ہے، صدقہ جاریہ بن جایا کرتی ہے، ابھی اسے لگتا تھا اس سے بڑھ کر مشکل کام دوسرا نہیں ہو سکتا، مگر اب..... فچ ہے بجا ہے اب کے راستوں پہ چلنے کا ارادہ تو کرو، رب خود مددگار بن جایا کرتا ہے، وہ بھی خود پہ رب کی عنایتوں کی برسات ہونی دیکھ رہی تھی۔

زیادہ نے جب اپنا مطالبہ پاپا کے سامنے رکھا تھا تو کیسی ہا ہو کا رنج گئی تھی ہر سو، معاذ کے ساتھ باقی سب نے مل کر جو اس کا ناک میں دم کیا الامان، مگر وہ اپنی جگہ سے ایک انچ بھی نہیں سرکا تھا، ماما کی خوشی پاپا کی دلی ہوئی مسکان بھی اسے حوصلہ دے گئی تھی، اس کے باوجود مجال ہے جو اس نے نوریہ کا نام بھی لیا ہو، یہی چیز نوریہ کے لئے صرف ڈھارس نہیں اعتماد اور سکون کا باعث بہت ہوئی تھی۔

”ہاں بھی بولو، تمہیں اجازت کی کیا ضرورت ہے بھلا؟“ جہان نے کف لنگس بند کرتے ہوئے اسے محبت آمیز نظروں سے نوازتے پرفیوم کی بوتل اٹھائی جسے ڈالے نے اس کے ہاتھ سے لے کر خود اس پہ خوشبو کی پھوار برسادی تھی، انداز کسی حد تک شرارت بھرا تھا، جہان کے ہونٹوں پہ بہت دل آویز مسکان بکھرتی چلی گئی تھی۔

”سو کیوٹ، بھی بھی تم بالکل بچی لگتی ہو مجھے، معصوم اور شریر بھی۔“ جہان نے اس کا گال دنگوٹھے اور انگشت شہادت کے درمیان چنگلی کے انداز میں پکڑ کر دیا، وہ ایک دم کھلکھلا دی تھی۔

”اور آپ مجھے ہمیشہ ہی دیومالائی کہانیوں کے سب سے حسین کردار اپنا جیسے ہی لگتے ہیں، باوقار، شاعر، ذی شان، جب تک نہیں ملے تھے مجھے میں اکثر بہت عاجز ہو کر سوچتی تھی، کیوں ہیں شاہ آخرا تے پیارے کہ میں ہوتا مرضی دل کو سمجھاؤں، یہ سمجھتا نہیں۔“

رائل بیلو بہت اسٹاکش کا مدار لاگ شرٹ چوڑی پا جاے میں وہ بلورس لڑکی میوگ کے زیورات اور شعاعیں بکھیرتی کلائیوں میں گجرے سجائے لگتی سادگی کس درجہ سجاکی سے پہلی بار اپنی کیفیت بیان کر رہی تھی، جہان کو اتنی اچھی لگی کہ دل چاہا ہا نہوں میں بھر کے دل میں چھپالے، مگر وہ اس کی توجہ نہیں بنانا چاہتا تھا، جیسی خاموش کھڑا محبت آمیز نظروں سے اسے دیکھتا رہا، وہ آج ہمیشہ سے کہیں بڑھ کر حسین اور سحر انگیز لگ رہی تھی، معصوم لوزیز اور دلربا، سب سے حسین اس کی سعادت مند تھی، جہان کی ہر خواہش پہ بلا جھجک سر جھکانے کی ادا تھی، جس نے جہان کو اپنا اسیر کرنے اس سے محبت و عقیدت پیدا کرنے میں اہم کردار ادا کیا تھا۔

”اور میں اس دل کا مشکور ہوں، جو سمجھا نہیں، اگر یہ سمجھ جاتا تو آج اتنی حسین پیاری اور فرمانبردار بیوی سے محروم ہوتا میں.....“ جہان نے مسکراتے ہوئے کہہ کر اس کے ماتھے پہ اپنی محبت کی مہر ثبت کی، اس کا لہجہ خوشبو بھرا تھا، اس کا انداز بے حد دلنشین تھا، ڈالے شرماسی لگی، جہان کا انداز ہی اتنا وارفتہ تھا، اس کا دل بھر سردوں میں دھڑک اٹھا، گلابی چہرہ تہماہٹ کے ہمراہ سرخ پڑتا چلا گیا۔

”ارنے میں وہ اصل بات تو بھول ہی گئی۔“ وہ بولی تو حیا کا طلسم لس کی کیف آگہیں دہکتی مدہوشی کا تاثر ابھی بھی اس کے لہجے سے ہو رہا تھا، جہان دونوں ہاتھ سینے پہ باندھے بہت پرسکون انداز میں اس کا یہ روپ نگاہ کے رستے دل میں اتار تا رہا، وہ ہمیشہ اس کی فریبوں میں آ کر یونہی بے اوسان ہونے لگتی تھی، حسن و دلکشی کا شرم و حیا کا ایسا حسین سنگم جہان کو یونہی ہمیشہ مہبت کر دیا کرتا تھا۔

”جب تک آپ کچھ ارشاد نہیں فرمائیں گی مائی لیڈی ہم کیسے سمجھ سکتے ہیں، آپ چاہتی کیا ہیں۔“ جہان کا انداز بے حد شریعہ تھا، وہ گویا اسے اس کی بوکھلاہٹ کو نشانہ بنا رہا تھا، ڈالے کچھ اور جھینپ کی، ایسی پلکیں صبح گالوں پہ حشر سا اٹھانے لگیں۔

”جب سے زمینی آبی بریکٹ ہوئی ہیں خیال میرے دل میں پختہ ہو گیا ہے، لیکن اگر آپ میری خواہش کو خوشی سے قبول کریں تو ہی.....“

”ایسی کون سی خواہش ہے تمہاری؟“ جہان چونک کر رہ گیا۔

”مئی میری شادی اس لئے بھی جلدی کرنا چاہتی تھیں شاہ! کہ انہیں میرا بچہ چاہیے تھا، وہ بہت اکیلی ہیں، میں چاہتی ہوں وہ مزید اکیلی نہ رہیں، ہمارے پاس تو اولاد کی صورت میں فاطمہ بھی ہے، چند مہینے ہیں بیچ میں پھر زمینی آبی کی۔“ جہان کی بھرپور سنجیدگی کی مظہر خاموش نظروں کے تسلسل نے ڈالے کو نہ صرف کنفیوڈ کیا تھا، بلکہ اس کی زبان بھی لڑکھڑادی، جیسی اس نے ایک دم ہونٹ بھینچ لئے تھے اور کسی قدر خائف ہو کر جہان کو دیکھا۔

”آپ کو میری بات اچھی نہیں لگی شاہ تو..... اس اوبکے، میں مئی کو بھی سمجھا دوں گی، لیکن پلیز

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ہیں :-

- ✦ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✦ ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ✦ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ✦ ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور ریڈیو مائیل لنک ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پر یو ہر پوسٹ کے ساتھ
- ✦ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ✦ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریج
- ✦ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ✦ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ✦ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں
- ✦ پیریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- ✦ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریج
- ✦ ایڈ فری لنکس، لنکس کو ایسے کمانے کے لئے شرک نہیں کیا جاتا

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

← ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

← ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب

ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library for Pakistan



Like us on
Facebook

fb.com/paksociety



twitter.com/paksociety1

آپ خفا.....“ اسے مضرب ہوتے گزرتے پھر جہان نے اسے نرمی سے تھامتے ہوئے صونے پہ بٹھا دیا، خود اس کے سامنے زمین پہ ہی پنچوں کے بل ٹپک گیا تھا، اس کا گال سہلایا پھر بے حد رسان اور گل سے گویا ہوا تھا۔

”مجھے تمہاری بات ہرگز بری نہیں لگی، لیکن اولاد بانٹنے کی چیز بھی نہیں ہوتی ہے ڈالے! یہ اگر نیت میں اخلاص اور نیکی کا جذبہ شامل ہو جو کہ تمہارے دل میں الحمد للہ موجود ہے، تو اس میں مضائقہ بھی نہیں، مجھے بھی تمہارے جذبات کی پذیرائی کر کے اچھا لگے گا، لیکن اپنے بڑوں کی رضا مندی کے ساتھ..... مگر بے فکر رہو، یہاں کے کسی بھی فرد کا دل اور طرف چھوٹا نہیں ہے، وہ لوگ ہمارے فیصلے کا خیر مقدم کریں گے، البتہ اولاد کا والدین اور بزرگوں کو اپنے معاملات سے آگاہ رکھنا اور ان کے مشوروں کی روشنی میں قدم اٹھانا انہیں مستہر کر دیا کرتا ہے، سمجھ رہی ہاں؟“

جہان نے جس رسان سے جس محبت سے سمجھایا تھا، ڈالے احسان مندی ممنونیت کے احساس سمیت نم آنکھوں سے اسے دیکھتی رہ گئی، جہان نے اسے اس کی نظروں میں مستہر کر دیا تھا صحیح معنوں میں گویا، وہ جانتی تھی، وہ اپنے رشتوں کے معاملے میں کتنا پوزیٹو ہے، اولاد کا معاملہ تو اور بھی زیادہ جذباتیت والا ہوتا ہے، مگر وہ لحوں میں اگر یہ فیصلہ کر گیا تھا، تو اس کے پیچھے صرف ڈالے کی خواہش ڈالے کے جذبات و احساسات کو اہمیت و فوقیت دینا، مقدم رکھنا تھا، ڈالے کے دل میں اس کے لئے موزن محبت و احترام کا احساس مزید بڑھتا چلا گیا، اس نے بہت عقیدت مندانہ انداز میں جہان کے ہاتھوں کو جھک کر چوما تھا۔

”بڑا اک اللہ شاہ! بلاشک و شبہ آپ میرے لئے رب کی نعمتوں میں سب سے بڑی نعمت سب سے عظیم انعام ہیں۔“ جذبات کی شدت نے اس کی آواز کو رفت آمیز کر دیا تھا، جہان نے بہت ملامت سے اسے ساتھ لگا کر تھپکا اور اس کی آنکھوں کے آنسو بہت محبت سے صاف کیے۔

”مجھے تمہاری خوشی بہت عزیز ہے ڈالے، لیکن میں چاہتا ہوں تم بہت اچھی طرح سوچ لو، اس میں شک نہیں کہ اپنے وجود کا حصہ الگ کر کے کسی کے حوالے کرنا آسان نہیں، یہ ایک مسلسل ضبط مسلسل آزمائش اور صبر آمیز کام ہے، کر سکو گی؟“

”انشاء اللہ! میں بہت پہلے ہی سوچ چکی تھی شاہ! پھر ہمارے پاس اولاد ہو گی نا، فاطمہ ہے زینبی آپنی اور پھر مجھے بھی اللہ کے گھر سے پوری امید ہے۔“ وہ بہت سکون سے کہنے لگی مسکرائی تھی، جہان کو اس نازک لڑکی کے بلند حوصلوں کا مضبوط نیک ارادوں کا ایک بار پھر صحیح معنوں میں ادراک ہوا تھا، کچھ کہے بغیر اب کے اس نے محض اس کا گال سہلایا، گویا ہر طرح کے حالات میں اپنا ساتھ اپنا یقین سونپا تھا۔

☆☆☆

سونا چاندی کیا کریں گے پیار میں
سونے جیسے گن ہیں میرے یار میں
جنم جنم کے بندھن تجھ سے باندھ لئے ہیں
فیصلے قسمت کے میں نے مان لئے ہیں

حصہ 26 سوری 2015

کہاں کس کی ہو گی جو تقدیر ہے مہری
 رانجھے کی اس ہیر سے سندھ ہیر ہے مہری
 رانجھا بول رہا ہے میرے یار میں
 سونے جیسے گن ہیں میرے یار میں
 ہو ہو سونا چاندی

ڈیک فل دالیوم میں چل رہا تھا، حماد اور حسان جوش و خروش سے بھنگڑا ڈال رہے تھے، باقی پارٹی تالیاں بجا کر مزید حوصلہ افزائی میں مصروف تھی، آج زیادتی مایوں کی رسم تھی، تمام تقریبات کا انتظام کہاٹن تھا، سامنے اسٹیج یہ شاندار آرائش تھی، سرخ تھمیلیں صوفیے پہ نور یہ زرد لباس زرد ہی کھٹکناتی چوڑیوں سے بھی غضب کی دکھائی کے ہمراہ زیادتی کے ساتھ بیٹھی تھی، اس کے چہرے پہ جو مسکراہٹ تھی، اس میں بڑے عرصے کے بعد تازگی نکھار اور دکھائی کا خالص رنگ اتر تھا۔

”یار میرا بھی دل کر رہا ہے، بھنگڑا ڈالنے کو، یاد ہے لالے نے بھی اپنی زندگی میں پہلی دفعہ آخری بار اپنی شادی کی خوشی میں ہی ڈانس کیا تھا۔“ زیادتی بات پہ نور یہ کی مسکراہٹ گہری ہوئی چلی گئی۔

”مگر آپ کا ڈانس پہلا تو نہیں ہو گا۔“ اس کے گرفت کرتے انداز میں شرارت کا رنگ اتر آیا، زیادتی خفیف سا ہوتا زور سے ہنس پڑا۔

”چلو پہلا نہ سہی آخری ثابت ہو جائے گا۔“

”کیوں.....؟ خدا نخواستہ اتنی خوفناک ہو گی تمہارے لئے نور یہ؟“ معاذ اسی بل دہاں آیا تھا، زیادتی آخری بات اچک کر لقمہ دیا، نور یہ کا دل محض ایک لمحے کو ڈگمگایا اگلے بل دہاں نارمل تھی۔

”خوفناک کیوں؟ خوش بخت کیوں نہیں؟ جیسے آپ کے لئے پر نیاں، جیسے جہان بھائی کے لئے ڈالنے اور زینب اور.....“

”باس باس جناب! دیسے آج سے قبل میں نے اتنی پر اعتماد نہیں دیکھی۔“ نور یہ کی آنکھوں میں جھانک کر وہ شرارت آمیز مسکان سے بولا، نور یہ ایک لمحے کو دیک ہی گئی تھی۔

”یہ بھی انڈر اسٹینڈنگ کا کمال ہے سارا، زیادتی سے شادی لیٹ کرنے کی اصل وجہ ہی یہ تھی، ویسے بھی ممبر کا پھل ہمیشہ ہٹھا ہوتا ہے۔“ اس کا پر اعتماد انداز خود زیادتی کو بھی حیران کر کے رک گیا تھا، معاذ باقاعدہ سرد مہن رہا تھا، زیادتی سے مزید صبر نہ ہو سکا تو جا کر حسان اور حماد کے ساتھ بھنگڑے میں شامل ہو گیا، نور یہ معاذ کو نظر انداز کیے زیادتی کو مسکراتی نظروں سے دیکھتی رہی۔

سونا چاندی کیا کریں گے پیار میں
 سونے جیسے گن ہیں میرے یار میں
 بڑی چمک ہے تیرے اس دیدار میں
 سونے جیسے گن ہیں میرے یار میں

وہ خود بھی ساتھ ساتھ گنگنار ہی تھی، جہان اور ڈالنے بھی اسٹیج پہ معاذ اور نور یہ کے پاس آگئے، معاذ جہان کے ساتھ باتوں میں مشغول ہو گیا تھا، جب نور یہ نے جہان کو مخاطب کیا تھا۔

”نہیب نظر کیوں نہیں آرہی ہے بھائی؟“ اس نے جھک کر ڈالے کی گود میں بیٹھی اس کی چوڑیوں سے کھیلتی قاطمہ کو پیار کیا تھا۔

”وہ تو مجھے بھی نظر نہیں آرہی، پتا نہیں کہاں ہے، ذرا پتا کر دو۔“ جہان نے مسکراہٹ دبا کر شرارت سے کہا، نور یہ کھیا کر ہنس پڑی تھی، وہ صاف محسوس کرتی تھی، نہیب سے شوگ کے بعد جہان کا مزاج اور انداز بدل گئے تھے، وہ سو برا اور باوقار تو اب بھی تھا، مگر پہلے کی طرح روکھا پھیکا اور ریز رو نہیں رہا تھا۔

”تو چاہیے نا۔۔۔۔ ڈھونڈ کے لائیں اسے اور اپنے دونوں پہلو آباد کر لیں۔“ نور یہ سنے بھی اس شرارت کے سلسلے کو بڑھا دیا جس کا آغاز جہان کی جانب سے ہی ہوا تھا، ڈالے مسکرائے گئی تھی، جہان واقعی وہاں سے اٹھ گیا تھا، اس کی تلاش میں وہ اندر نی صے کی جانب آیا تو پہلا سامنا ہی بھابھی سے ہو گیا۔

”نہیب کہاں ہے بھابھی؟“

”اسنے کمرے میں ہے، ابھی تیاری مکمل نہیں ہوئی اس کی۔“

آج کے دن بھابھی کی مصروفیات خاص تھیں، جمعی عجلت میں جواب دے کر ایک جانب چلی گئیں، جہان نے تازے قدم اٹھاتا نہیب کے کمرے کی جانب آ گیا، بند دروازے کی تاب ٹھما کر اس نے اندر قدم رکھا تو پریم شیبو اور پھولوں کی دلچسپ مہک نے اسے اپنے حصار میں لے لیا تھا، نہیب زرد لکڑ کے بہت اسٹائلش فریک میں ملبوس ڈریننگ ٹیبل کے آئینے کے آگے اسٹول پہ بیٹھی تھی، اس کا ملبوس اس کے چہروں کو بھی چھپا رہا تھا، کھلے ہال کمر پہ سیدھے گرتے تھے اور سٹیج گالوں پہ رسی پلکوں کا سایہ مرتعش تھا، سنہری بے حد نازک لیننیم دائرے کی شکل میں گلے پہ لگی ہوئی تھی، یوں لگتا تھا کسی نے اس کی راج ہنس جیسی مرمریں گردن میں سنہرائیس ہار ڈال دیا ہو، ہلکا ہلکا میک اپ اس کے ملکوئی نقوش کو مزید اجاگر اور دلکش بنا کر واضح کر رہا تھا، ایک ہاتھ سے بالوں کی ٹٹوں کو پیچھے کرتی دوسرے سے دراز کھولے وہ جیولری کے انتخاب میں مگن تھی، جہان اسے دیکھتا رہ گیا تھا، وہ حسین تھی، حسین تر۔۔۔ بلاشبہ مگر اس کی نزاکت اس کی اداؤں میں بہت سحر تھا، بہت کشش تھی، اس بات کا وہ بھی گواہ رہا تھا، کہ اس کی شخصیت کے یہ سارے رنگ جہان کے لئے ہی تھے، جہان پہ ہی عیاں ہوئے تھے، تیمور سے شادی کے بعد وہ اپنی ذات کی پرتوں میں ملخوف ہوئی محدود ہوتی چلی گئی تھی۔

جہان اس کی توجہ کی چاہ میں دانستہ کھنکارا تھا، نہیب نے چونکے بنا گردن اٹھا کر آئینے میں ہی اسے دیکھا اور دلکشی سے مسکرا دی۔

”تم ابھی تک بھی تیار نہیں ہوئیں؟“ جہان قدم بڑھا کر اس کے پیچھے آن کھڑا ہوا۔

”بس ہو گئی ہوں، یہ جھمکے ہمکن لوں۔“ اس نے اپنے فریک کے میچنگ بڑے بڑے جھمکے

سامنے کیے اور پوری توجہ اپنے کام پہ مبذول کر دی۔

”یہ روایتی سا جملہ ہو جائے گا ذہنی! اگر میں یہ کہوں کہ تم پہ ہر شے چھتی ہے، مگر اس میں کوئی

شک ہرگز بھی نہیں ہے۔“

وہ اس پر جھک کر مخمور لہجے میں کہہ رہا تھا، زینب کے چہرے پر خوشی کا فخر کا محبت کا تاثر سنہرا دلشیں تاثرین کر جھمکایا، پلکیں جھکا کر ہونٹ کا کونہ دانتوں تلے دبا کر وہ آہستگی سے ہنس دی تھی، جہان قدم بڑھا کر اس طرح اس کے سامنے ڈریسنگ ٹیبل پہ آکر ٹکا تھا کہ دونوں ایک دوسرے کے مد مقابل آگئے تھے، سچی سنوری بے حد نازک و حسین زینب اور شاندار وجیہہ نے پناہ خورد جہان... آئینے نے گواہی دی تھی کہ دونوں کی جوڑی باکمال ہے۔

”اک بات پوچھوں آپ سے ہے!“ زینب نے اس وقت اس کا ہاتھ پکڑ کر لیا تھا، جب جہان نے ڈریسنگ ٹیبل پر رکھا دوسرا جھمکا اٹھا کر خود اس کے کان میں ڈال دیا تھا، اک بار پھر آئینے میں اس حسین منظر کو مسکرا کر دیکھا تھا اور خراج پیش کیا تھا اس کی خوب صورتی کو۔

جہان کی نگاہ اس کے کان میں ہلکورے لیتے جھمکے پہ تھی، اس سوال پہ اس نے نگاہ کا زاویہ بدل کر انہی وارفتہ نگاہوں سے اسے دیکھا تھا۔

”کیا بات؟“ اس کی تبسم نگاہ میں محبت کی گہری جھلک تھی، اس کے چہرے پہ اطمینان کا اور کامیابی کا ایسا تاثر ملتا تھا جو اسے مزید خورد ہونا کر دکھلانے لگا تھا، زینب کو پا کر وہ واقعی ہلکے ہو چکا تھا، اب کوئی کمی... کوئی خلش اس کے ساتھ نہیں تھی۔

”وعدہ کریں سچ بولیں گے مجھ سے۔“ زینب کی ایسی بات پہ جہان نے مصنوعی خنکی سے گھورا تھا۔

”تمہیں کس نے کہا، میں جھوٹ بھی بولتا ہوں؟“ زینب کے اعصاب پہ جو پانا دیدہ سا بوجھ آ پڑا۔

”میرے ساتھ تو زندگی موت کے جیسے اہم معاملے پہ آپ ہمیشہ غلط بیانی ہی کرتے آئے۔“ زینب نے جس طرح آہ بھری، جتنا تاسف و ملال اس کے انداز میں اتر آیا جہان کو مہربان کر کے رکھ گیا تھا۔

”تم خود کو یہ سوچ کر ڈھاؤں دے لو زینب، کہ یہ تقدیر کا لکھا تھا، یہ سب کچھ یونہی ہونا طے تھا۔“ کچھ تاخیر سے خود کو سنبھال کر وہ نری ورساں سے بولا، زینب نے سر ہلا کر تائید کر دی اور جیسے کس سوچ کی اتھاہ میں اترنے لگی۔

”تم کچھ کہنا چاہ رہی تھیں زینب!“ جہان نے اسے چونکا دیا تھا، اس نے بے اختیار سر و آہ بھری۔

”پراس تو کریں نا پہلے۔“ زینب کے انداز میں سراسر شرارت تھی۔

”پراس ہاتھ میں ہاتھ دے کر کیا جاتا ہے، لاؤ اپنا ہاتھ۔“ اس کی آنکھوں میں جھانک کر وہ بارگاہی سے بولا، چہرے پہ شرارت فلک رہی تھی، جہان نے اپنا ہاتھ اس کے سامنے پھیلا دیا تھا، زینب نے بلا تردد اپنا نازک گلابی ٹمبل جیسا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دے دیا، جسے جہان نے نری سے دبایا تھا، پھر ہونٹوں سے چھوا آنکھوں سے لگایا، عہد دینے کا یہ ایسا لوٹ لینے والا، اسیر کر لینے والا انداز تھا، زینب کے معاملے میں وہ محبت کی ایسی ادائیگنا تھا کہ زینب کو ہر بار نئے سرے سے تیراں اور پھر قسمت پہ نازاں کر دیا تھا، مگر اس وقت زینب کی آنکھیں بھکتی چلی گئی تھیں۔

”آپ مجھ سے شادی نہیں کرنا چاہتے تھے سب! میں نے خود اپنے کانوں سے سنا تھا، ڈالے نے فورس کیا تھا آپ کو۔“

وہ جانتی تھی جہان اب ہرگز ہرگز اس سے جھوٹ نہیں بول سکتا، اپنے دل میں پھنسا وہ یہ آخری کاٹنا بھی نکال لینا چاہتی تھی، چاہے اس کی کسک کیوں عمر بھر ساتھ نہ رہتی، چاہے اس کا دل کتنا ہی زخمی کیوں نہ ہو جاتا۔

”بولیں نا بے اہمتا میں مجھے۔“ اسے خاموش مہربان لب پا کر نرنب نے بھیگی آواز میں کہتے اس کا بازو چھوڑ ڈالا تھا، جہان نے سمجھے ہوئے ہونٹوں کو کھولا اور متاثرانہ سانس بھر کے خود کو ڈھیلا چھوڑ دیا، اس کی جانب متوجہ ہوا تو اپنی آنکھیں اس کی نازک نظروں میں گاڑ دی گئیں۔

”ہاں نرنب، یہ سچ ہے کہ میں تم سے شادی نہیں کرنا چاہتا تھا، لیکن اس کی وجہ ہرگز وہ نہیں جو تم سمجھتی رہی ہو یا اب بھی سوچ رہی ہو، بلکہ میں ایک عام انسان عام ٹیلنگور کینے والا آدمی تھا اور اپنی اس دیوانگی سے خائف تھا جو تمہاری محبت تمہاری طلب میں، میں نے جھیلی تھی، جس میں اتنے سال گزر جانے کے باوجود کی نہیں آسکی تھی، مجھے لگا تھا، اگر میں تم سے شادی کر لوں گا، تو لازماً ڈالے کے ساتھ زیادتی اور نا انصافی کا مرتکب ہو جاؤں گا، جو کہ میں ہونا نہیں چاہتا تھا، تمہاری محبت میں تمہاری طلب کی مجنونانہ خواہش مجھے بہت دور لے گئی تھی نرنب، مجھے لگا تھا تمہارے سامنے تمہاری قربوں میں ڈالے مجھے کبھی نظر نہیں آسکے گی، میں ڈالے سے زیادہ اللہ کے ہاں مجرم قرار پانے سے خائف تھا اور بس۔“

وہ خاموش ہوا تو نرنب نے مضطرب انداز میں سر جھکا کر ہونٹ باہم بھینچ لئے تھے، جہان اسے سوالیہ نظروں سے دیکھ رہا تھا، اسے ہرگز بھی نرنب کی یا سیت کی وجہ سمجھ نہیں آسکی، اس سے قبل کہ وہ کچھ پوچھتا نرنب خود بول پڑی۔

”اور جبکہ اب ایسا نہیں ہوا، آپ نے مجھے حاصل کر کے بھی ڈالے کی حق تلفی نہیں کی، اسے فراموش نہیں کیا، تو اس کا مطلب آپ کو مجھ سے محبت نہیں رہی؟“

یہ آخری سوال کرتے اس نے خود کو گویا سولی پہ محسوس کیا تھا، خدشات کی یلغار کے ساتھ اس کی آواز میں لرزش اتر آئی تھی، کتنا ہراس تھا کہ اس قدر خوف اس کی نظروں میں، جہان نے دیکھا تھا، محسوس کیا تھا اور مضطرب ہوا اٹھا تھا، پھر اپنی جگہ چھوڑ کر اس کے نزدیک آیا، اس کے کپکپاتے وجود کو اپنی مہربان ہٹا ہوں میں سمیٹا اور محبت سے تھپتھپایا۔

”بالکل پاگل ہو تم زینبی! یہی بات بھلا کیوں سوچتی تم نے؟ میں نے اپنا یہ خدشہ یہ خوف پوری دیانتداری کے ساتھ معاذ کے سامنے رکھ دیا تھا اور رب سے اس آزمائش میں سرخروئی کی دعا مانگی تھی، وہ بہت مہربان ہے زینبی! جو اس کے راستوں پہ چلنا چاہے، بہت پیارے انداز میں راہ نمائی فرماتا ہے، میں تو بس اتنا جانتا ہوں، میں ادھر رہا تھا، اس نے مجھے مکمل کر دیا، میں بکھرا ہوا تھا، تمہاری صورت اس نے مجھے سمیٹ دیا، مجھے میری خواہش کے مطابق انصاف کی توفیق بخشی، ہاں اگر مجھے محبت تم سے زیادہ ہے بھی تو اس پہ خدا کی جانب سے بھی کوئی باز پرس نہیں ہے یہ اختیار ہی جذبہ ہے اور رب ہی دلوں میں نازل فرمانے والا ہے۔“

زینب نے بہت دھیان سے اس کا ایک ایک لفظ سنا تھا، دل میں اتارا تھا، کچھ کہے بنا اس نے آنسو بھری آنکھوں سے جہان کو دیکھا، پھر اس کے کشادہ سینے میں منہ چھپا لیا۔
 (آج صرف آپ ہی نہیں ہے، میں بھی مکمل ہو گئی ہوں، آج سے پہلے تک مجھے یہ ملال یہ رنج گھلانا تھا کہ اگر اللہ نے آپ کو ہی میرا نصیب بنانا تھا، تو پہلے ہی کیوں نہ مجھے آپ کو سوچ دیا، لیکن آپ میں اس مصلحت کو بھی اس کے فضل سے جان سکی ہوں، کہ اس سے بڑھ کر کوئی انصاف کرنے والا نہیں مردوں کے درجے اور مقام کے لحاظ سے ہی ان کے لئے عورتوں کا انتخاب ہوتا ہے، پاک مردوں کے لئے پاک عورتیں اور پاک عورتوں کے لئے پاک مرد..... میں صبر محبت اور ضبط و تحمل میں آپ کے درجے پہ نہیں تھی، جیسا خدا نے آپ تک پہنچانے سے قبل حالات کی بھٹی میں ڈال کر میرا میل کچیل اتارنے کا اہتمام کیا، اگر آپ مجھے پہلی ہی بار اتنی آسانی سے مل جاتے تو میں اس انداز میں کبھی آپ کی قدر بھی نہ کر سکتی، میری اگر میرا نخوت میرا تکبر مجھ سے لازماً آپ کی ناقدری کرانا، جو یقیناً خدا کو منظور نہیں تھی، مجھے آج کوئی شکوہ کوئی ملال نہیں ہے، کہ آپ اتنی تاخیر سے کیوں ملے ہیں مجھے، حالات کے سمندر میں زندگی کے ہر خوبصورت احساس اور سکون سے لبریز جو اک جزیرہ تھا، وہ آپ تھے اور مجھے لاتنا ہی سفر کی طوالت کے بعد ہی آپ تک رسائی حاصل ہو چکی تھی، آپ آخری جزیرہ جو تھے۔)

اس کے ہونٹوں کی تراش میں مسکان اترنے لگی تھی، جسے جہان نے دیکھا تو بے اختیار ریلکس ہونے لگا، پھر اس کے آنسوؤں کو صاف کر کے اس کا سائٹل پہ پڑا اٹھا کر اسے اوڑھایا اور ہاں پکڑ کر باہر لے آیا، نوٹو سیشن کے دوران جب وہ دونوں رسم کو اکٹھی آئیں تو جہان بھی ساتھ تھا، اس کے دونوں شانوں کے ساتھ ہنستی مسکراتی، لڑکیوں کے چہرے تھے اور جہان کے چہرے پہ اطمینان کے خوشی کے سارے رنگ، کیرے کی آنکھ نے یہ دلکش منظر بہت خوبی سے محفوظ کر لیا تھا۔

☆☆☆

اس کڑی دھوپ میں جلتے ہوئے پاؤں کی طرح
 تو کسی اور کے آنکھوں میں ہے چھاؤں کی طرح
 تو تو واقف ہے میرے جذبوں کی سچائی سے
 پھر کیوں خاموش ہے پتھر کے خداؤں کی طرح
 میں تو خوشبو کی طرح ساتھ رہا ہوں تیرے
 تو بھٹکتا رہا ہے بے چین ہواؤں کی طرح
 وہ جو برباد ہوئے تھے وہی بدنام ہوتے ہیں
 تم تو معصوم رہے اپنی اداؤں کی طرح
 غم تو یہ ہے کہ ہمیں کوئی خوشی رہا نہیں
 زندگی گاٹ رہے ہیں ہم سزاؤں کی طرح

وہ بے گل سی تھی، مضطرب اور وحشت زدہ..... کتنے دن بیت گئے تھے اس ایک واقعہ کو، جب زندگی میں پہلی بار ڈرانے اس کے پاس آئی تھی۔

ڈالے..... اس کی اولاد، اس کی کل کائنات، جسے جنم دینے کے بعد وہ محض چند مرتبہ چھو سکی تھی، پیار کر سکی تھی، کہ اس سے اسے چھین لیا گیا، مانتا پہ ایستادہ آکر پڑا تھا کہ وہ جینا بھولنے لگی، ایسی وحشت ایسی تڑپ جاگی تھی اندر کہ آنکھوں سے بہتے آنسوؤں پہ ہارش کا گمان ہوا کرتا، پھر حالات بد سے بدتر ہوتے گئے، واقعات کی ستم طریشی نے اسے کہاں سے کہاں پہنچا دیا، کیا سے کیا کر دیا اسے، وہ سر تاپا بدل گئی۔

نہیں بدلی، نہیں مٹی، تو ڈالے کے قرب کی خواہش، نہیں بجھا تو اس کی محبت میں فروزاں دل میں دیا، اس ناگن جیسی فسادی عورت نے کیسا بغض اور قہر بھریا تھا، اس کے خلاف ڈالے کے دل میں کہ اپنی صفائی میں کی گئی ہر کوشش میں ناکامی اس کا نصیب بنتی گئی، مگر اس دن وہ کتنی حیران رہ گئی تھی، پھر اس حیرانی پہ خوشی غالب آنے لگی، وہ خوش تھی۔

ڈالے کو رو رو دپا کے، اپنے لئے مہربان محسوس کر کے، وہ پرانی ساری جاں کا ہی اور کلفتیں بھول گئی تھی، مگر ڈالے کا مطالبہ حیران کن تھا، دیکھا جاتا تو ڈالے نے اس سے زندگی، زندگی کی امید سب کچھ ہی تو مانگ لیا تھا، معاذ کو مانگ کر، مگر وہ انکار کا حوصلہ کہاں سے لاتی، وہ ایسا کر کے مانتا کو مشکوک کیسے کر سکتی تھی، معلوب کیسے کر دیتی، اس نے معاذ حسن کو چھوڑا، گویا خود کو دان کر دیا، اس کے بعد زندگی اور زندگی کی ہر خوشی کا جواز از خود ختم ہو جاتا تھا، گناہ کی زندگی سے تائب ہو کر وہ پھر سے عزت کی زندگی کی منتہی تھی، مگر شاید یہ اس کے نصیب میں لکھا ہی نہ گیا تھا، کتنے دن تو وہ مایوسی و الم کی کیفیت میں یہی سوچتی رہی تھی، اسے اب کیا کرنا چاہیے، وہ تو خالی ہاتھ بالکل خالی رہ گئی تھی جیسے۔

بہت دنوں بعد اس نے خود کو جوڑا تھا، سمیٹا تھا اور خود کو پھر سے زندگی میں مصروف کر لینا چاہا، تب اس پہ انکشاف ہوا گناہ کے آلودہ راستوں پہ مزید چلنے کی اس میں تاب نہیں، نگار پاؤں زمی دل کے ساتھ، وہ بھلا کب تک خود کو گھسیٹے جالی، پھر اسے کیا کرنا چاہیے تھا؟ شاید اسے خدا سے معافی مانگنی چاہیے، خدا مہربان ہے اور اپنے بندوں کی توبہ کا منتظر تھی۔

”کیا وہ میرا بھی منتظر ہوگا؟“ اس نے سوچا، اس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا، خوف جھجک اور گریز کے عالم میں اس نے جب رب کی جانب رجوع کیا، تو دل آنسوؤں کے بوجھ سے چھکا جاتا تھا، تاسف بھی تھا ملال بھی، مگر مایوسی نہیں تھی، مسلمان ہونے کی حیثیت سے وہ اتنا تو جانتی تھی کہ اس کا رب توبہ کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔

تب اس نے جانا تھا، بلاشبہ اللہ کی یاد میں ہی دلوں کا سکون پوشیدہ ہے، کیسا اطمینان اتر آیا تھا اللہ سے معافی مانگ لینے کے بعد اس کے اندر بھی، اس کے بعد ہر دن اور رات کا انداز تبدل ہو گیا تھا، وہ ضرور تائب ہی گھر سے نکلتی وہ بھی بڑی چادر میں خود کو مغلوب کر کے، وہ بدل گئی تھی، مگر لوگ بہر حال نہیں بدلے تھے، اللہ جتنی جلدی معاف کر دیا کرتا ہے، بندے اس معاملے میں اتنے ہی کینہ پرور ثابت ہوتے ہیں، وہ قدم قدم پہ ہرٹ ہوتی تھی، اس کا ایک حل حجاب بھی تھا، اس نے حجاب لینا شروع کر دیا تھا، اب اسے پہچان لینا ہرگز آسان نہیں تھا، زندگی آسان ہو گئی تھی، مگر ابھی کچھ جھکے اس کے نصیب میں باقی تھے، ابھی وہ آخری انکشاف بھی اس پہ ہو گیا تھا، جو شاید نہ ہوتا تو

سودہ سلف کا تھیلا ہاتھ میں سنبھالے وہ سڑک کر اس کرنے کی بھٹکتی تھی جب اس کی اٹھی ہوئی نگاہ ساکن ہو کر رہ گئی تھی، گاڑی کے کھلے شیشے کے پار شاید نہیں یقیناً وہ صبح نو خیز جیسی لڑکی ڈالے تھی، جو اپنے مقابل بیٹھے خوب نو جوان کو دیکھ کر ہنس رہی تھی، اس کے گال میں پڑنے والا ڈھیل نبھلا اتنے فاصلے کے باوجود بھی ٹٹار ہوئی نظروں سے دیکھتی تھی، کتنے دنوں سے ڈالے کو پھر سے دیکھنے کی خواہش دل میں ہلک رہی تھی، جو یوں پوری ہوئی تو دل خوشی سے معمور ہونے لگا تھا، گاڑی سٹپل ریڈ ہونے کی وجہ سے رکی ہوئی تھی، وہ دونوں پھول بیچنے والے چھوٹے لڑکے سے پھول خرید رہے تھے، ڈالے کی کلائی میں جھک کر گجرہ پہناتا ہوا نو جوان اس کا داماد ہی ہو سکتا تھا، ڈالے جیسی ریزروڈ لڑکی کسی اور کو ایسی جراتیں نہیں بخش سکتی تھی، اس کے اندر اچانک بیٹی کے ساتھ ساتھ داماد کو بھی دیکھنے کی خواہش نے جنم لیا، اسی خواہش کے پیش نظر اس نے خود کو ذرا سا آگے جھکا دیا، ایسے کہ نو جوان کا چہرہ اس کی نظروں کی گرفت میں آسکے، یہی لمحہ قیامت خیز تھا، آنکھ نے ذہن کو پہچان کا مرحلہ طے کروایا تھا اور ذہن اس حقیقت کی کہنا کی سفاکی اور مٹی کو نہ بولتے ہوئے شاک میں مبتلا ہونا چلا گیا۔

وہ نو جوان کوئی اور نہیں، جہانگیر شاہ تھا، وہی جہانگیر شاہ جسے..... اس کے آگے اس کی سوچ نے اس پر ملامت کرنی تھی، جہانگیر شاہ کی تھی، اسے یاد آیا، ڈالے نے معاذ سے اپنا رشتہ ظاہر نہیں کیا تھا، اسے سمجھ آئی اگر ڈالے نے ایسا نہیں کیا تھا تو اس کی وجہ کیا تھی، وہ اپنی ماں کو اسی شرمندگی سے پہچاننے کی متمنی تھی، مگر وہ اسی شرمندگی سے بالآخر دوچار کر دی گئی تھی، کسی نے اسے آسمان سے زمین پہ دے مارا تھا، اب وہ زمین میں وحشتی جا رہی تھی، اس کی آنکھوں میں ہر لمحے اندھیرے چھاتے تھے، شرمندگی، سبکی، خجالت، ندامت کا انت نہیں تھا، وہ اس پل خود سے بھی ٹٹا نہیں ملانے کی تاب نہیں رکھتی تھی، جہانگیر کو وہ کس نگاہ سے دیکھتی رہی تھی، اس کی عمر کے فرق کو بھلا کر، اس مرد کو جو صرف عمر میں ہی اس سے کم نہیں تھا، جس سے اس کی بیٹی بیابانی جا چکی تھی، یعنی ذمت کا ایک نہ ختم ہونے والا باب، شرمندگی کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ، وہ نہ روتی، نہ تڑپتی، بس اپنے اندر اتر آنے والی بے انت وحشت اور شرمندگی سمیٹ پتھر اسی گئی۔

☆☆☆

جن کھنا جن کھنا تینوں سانہ سانہ کے رکھنا
اساں ونا اساں ونا اساں دل دے نیڑے ونا
تینوں دل چے دساواں تیرے نادیں دل لاواں
کے دوجے دل نہیں تکتا جن کھنا جن کھنا
تینوں سانہ سانہ کے رکھنا
اساں ونا اساں ونا اساں دل دے نیڑے ونا

ڈھولک پہ پڑتی تھا پ پہ یہ سب سے بلند آواز پر نیاں کی تھی، اندر آتے معاذ نے تھم کر گانے کے بولوں پہ غور کیا تھا پھر پر نیاں کی شکل پہ، آنکھوں میں حیرانی تھی، چہرے پہ خوش گووار تاثر، دیکھنے

کا انداز پزل کر دینے کو کافی ثابت ہو سکتا تھا، مگر وہ پزل نہیں ہوئی اور بڑے اعتماد سے گردن اگڑا لی۔

”جناب! یہ تو ہمیشہ سے ہمارا کام ہے، یعنی حال دل کہنے کا، آپ جناب پہ یہ نازک وقت کیسے آگیا؟“ معاذ سب کے درمیان گھس کر پر دیاں کے کاندھے سے کاندھا ملا کر بیٹھ گیا، ہونٹوں پہ شریر مسکان تھی، لہجے میں خبار آلود بھاری پن۔

”بھابھی لوگوں کو غلط فہمیوں کا شکار ہونے سے بچانا چاہیے، ہم صرف گانا گارہے ہیں۔“ پر دیاں کو بھی جواباً شرارت سوجھ گئی تھی، جیسی اس کے بجائے بھابھی کو سنایا تھا، معاذ سرد آہ بھر کے رہ گیا یعنی کہ۔

میر نہ تھی ہماری قسمت کہہ دصال یار ہوتا
بھی جان صدتے ہوتی کبھی دل تار ہوتا

وہ جہان کو دیکھ کر گویا احتجاج بلند کرنے لگا، جہان نے اس کا ہاتھ پکڑ کر خواتین کے سچ سے اٹھانا چاہا تھا مگر وہ معاذ ہی کیا جو اپنی نہ منوائے اور کسی اور کے ہو لینے دے، بجائے اس کے خود اٹھتا جہان کے اسی ہاتھ پہ دباؤ بڑھا کر جھٹک دیتے ہوئے اسے بھی اپنے پہلو میں گھسیٹ لیا، جہان کہاں ایسی حرکت کے لئے تیار تھا، بامشکل گرتے بچا، وہ بھی زینب نے اسے سہارا دیا تھا۔

”بہت بدتمیز ہو معاذ۔“ وہ دانت کچکھانے لگا۔

”اچھا زیادہ شوخیاں نہ مارا، اپنی دونوں بیویوں کے بغیر تو تو بھی کھلایا ہوا پھر رہا تھا، میں نے تو کورم پورا کیا ہے۔“ معاذ نے انہیں پہلے چھائی کر دی، زینب کھٹکھٹانے لگی تھی، گویا معاذ کی تصدیق مہر ثبت کی، ڈالنے البتہ محض مسکرا دی تھی۔

بادی برسی کھٹن گیاتے کھٹ کے لئے آندی لاچی
آگیا اثر کے پینڈوں ہائے ہائے آگیا اثر کے پینڈوں

میں تان رہندی شہر کراچی
جہان کچھ کہنے والا تھا مگر بھابھی نے گانے کی تان اڑانی شروع کر دی تھی، وہ اٹھنے لگا مگر ڈالنے نے اس کے بازو پہ نرمی سے ہاتھ رکھ دیا تھا، جہان نے چونک کر دیکھا، وہ مسکراتی نظروں سے اسے ہی دیکھ رہی تھی۔

”بیٹھ جا میں شاہ! اچھا لگ رہا ہے۔“ اس کی آواز سرگوشی سے مشابہہ تھی، جہان بے اختیار مسکرا دیا تھا، بھابھی کے گانے پہ جنید بھائی تو پھڑک اٹھے تھے، اس پہ لڑکیوں کی تالیوں کی صورت ہونے والی ہونٹ جیسی انہوں نے اپنی پاٹ دار آواز میں سہی مگر جواب دینا ضروری سمجھا۔

باری برسی کھٹن گیاتے کھٹ کے لئے آندے تارے
ساڈھے پینڈے آکڑیے تینوں پل جان شہر نظارے

اپنی کارکردگی پہ وہ خود ہی اتنے خوش ہوتے تھے کہ خود کو داد دینے کے خیال سے جوش میں اٹھ کر ناپتے لگے، معاذ نے ہنسی سے لوٹ پوٹ ہوتے بڑی مشکلوں سے انہیں سمجھانچ تان کر واپس بٹھایا۔

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ہیں :-

- ✦ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✦ ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ✦ ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور ریڈیو ایبل لنک
- ✦ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پر یو ہر پوسٹ کے ساتھ
- ✦ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ✦ ہر پوسٹ کے ساتھ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ✦ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریج
- ✦ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ✦ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ✦ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں
- ✦ پیریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- ✦ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریج
- ✦ ایڈ فری لنکس، لنکس کو ایسے کمانے کے لئے شرک نہیں کیا جاتا

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

← ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

← ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب

ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library for Pakistan



Like us on
Facebook

fb.com/paksociety



twitter.com/paksociety1

”آپ نے تو عدھی کر دی، ہمیں ہرگز اندازہ نہیں تھا، آپ کے اندر ایسا بھڑکیلا فنکار چھپا بیٹھا ہوگا۔“ وہ سراسر ان کا مذاق اڑا رہا تھا، جنید بھائی قدرے کھسیا کر رہ گئے۔

دل میرا تیرا اے دیوانہ سوہنیا
 جی نہ نہیںوں بیگانہ سوہنیا
 پیار تینوں کرنی آں تیرے اوتے مرنی آں
 تینوں دل ہے وسانا تیرے ناویں دل لانا
 کے دوہے دل نہیں تکتا
 جن کھنا جن کھنا تینوں سانہ سانہ کے رکھنا

آج حیران کن دن تھا، وہ لوگ بھی وہ کام کر رہے تھے، جنہوں نے زندگی میں کبھی نہیں کیا تھا، ڈالے کو بھی انہوں نے پہلی بار گاتے سنا تھا، اس کی آواز سر پٹی تھی اور لے تال بھر پور، سب حیران رہ گئے تھے، جبکہ وہ گمن تھی، ست تھی، اس کی آنکھوں میں پریشاں کی طرح شرارت نہیں تھی، جذبوں کی صداقت اور نیک تھی، البتہ اس نے اس پل محض حیا پار انداز میں گریزاں جہان کو نہیں دیکھا تھا، اس کے چہرے پہ موجود شرکیں مسکان اس کے چہرے کو مزید حسین بنا رہی تھی، معاذ نے خوشگوار حیرت کے ساتھ پہلے ڈالے کو پھر جہان کو دیکھا تھا۔

”تم باکمال ساحر ہو میری جان! ایسا بھر پور اور خوب صورت اعتراف ہماری کنجوس بیوی سے تو ہمارے حصے میں نہیں آیا، اگر دل نے مجبور بھی کیا اسے تو کر کے مگر گئی، اللہ ہی پوچھے گا ایسے لوگوں سے۔“ اس نے صاف صاف پریشاں کو ہی سنایا تھا، جو سن کر بھی ان سنی کر گئی تھی، معاذ ٹھنڈی آہیں بھرتے پھر جہان کی سمت متوجہ ہو گیا اور اسے دونوں ہاتھوں سے دھکیلا۔

”جامیرا پتر! اب تجھ پہ بھی گانا ضروری ہو گیا ہے۔“
 جہان خود بھی کم حیران نہیں تھا، لبوں کی تراش میں شرارت آمیز مسکان تھی، اس نے روشن آنکھوں سمیت ڈالے کے حجاب آلود چہرے کو دیکھتے اس کا نازک سا ہاتھ نرمی سے تھام کر آہستگی سے ہونٹوں سے چھوا۔

”ہینکس فار دس آنر، میلی پیالی پیالی شی بیوی۔“ وہ ایک دم کھل اٹھا تھا، ڈالے بری طرح شرما گئی، جہان سے بھلا سب کے سچ اسے ایسی کہاں کوئی توقع تھی، جہان کی نظریں اسے سر ہٹا پا رنگوں کی برسات میں بہلا رہی تھیں، وہ محبوب سی بالکیں جھکائے بیٹھی رہی۔

باری برسی کھٹن گیا تے کھٹ کے لے آندا پڑا
 میرے جیسی ڈھونڈ کے لا میں تو گلدی سونا لیزا

بھابھی نور بیہ اور مار بیہ وغیرہ کے اکسانے پہ زنب کو بھی گانا پڑا تھا، وہ گاتے ہوئے ترجمی نظروں سے جہان کو ہی دیکھ رہی تھی، سب کی پر جوش زور دار تالیوں نے گویا اسے مزید جوش دلانا چاہا، جبکہ زنب کی نظریں ہنوز جہان پہ تھیں، وہ یقیناً اس کی جانب سے ہی جواب کی منتظر تھی، وہ جانتی تھی یہ گانا جہان کو بھی آتا ہے، پچھلے دنوں یہ گانا اتنے تسلسل سے فل والیوم میں سنا گیا تھا کہ ہر کسی کی زبان پہ آ گیا تھا، اب جبکہ خوشی کا موقع تھا اور سب مستی میں تھے تو باقاعدہ ایک ماحول خود

بخود ترتیب پاتا جا رہا تھا، جہاں بھی خاموش نہیں رہ سکا۔

ہاڑی برسی کھٹن گپاتے کھٹ کے لے آندی تھی

میں مالک کھماں دا میں مالک کھماں دا

تینو پا دون گا نیوی حوٹی

جہاں گاتے گاتے خود ہی زور سے ہنس دیا، اس نے اپنا ہاتھ آگے کیا تھا، جس پہ زنب نے

بھی ہستے ہوئے اپنا ہاتھ مار دیا تھا، البتہ اس کی آنکھوں میں ایک تقاضا نہ احساس تھا، وہ خوش تھی،

اس نے ہاتھ خیر محبت کو جیت لیا تھا، معاذ جو خاموشی سے یہ سب ملاحظہ کر رہا تھا، شاکی نظروں سے

پر نیاں کو دیکھنے لگا۔

”یہ زیادتی ہے یار بیوی! صرف ہم ہی رو گئے ہیں، وہ بھی تمہاری اکثر یا پھر نااہلی کی وجہ

سے۔“ وہ منہ لٹکا کر بسوڑا، پر نیاں کی ہنسی چھوٹ گئی تھی، وہ کچھ دیر اسے یونہی دیکھتی رہی پھر؟ ہنسی

سے منگھٹانے لگی تھی۔

اکھیاں چے دسائی اے تیری تصویر

میں تیری بن گئی آں تیرے لوتے مر گئی آں

تینوں دل چے دسانا تیرے نادیں دل لانا

کسے دو بچے دل نہیں تکتا جن کھنا جن کھنا

تینوں سانہہ سانہہ کے رکھنا اسان دنا

اسان دنا اسان دل دے فیڑے دنا

”اور اب یہ محض گانا نہیں تھا، یہ واقعی حقیقت ہے۔“ اس نے منگھٹا ہٹ کا سلسلہ روک کر معاذ

کی جانب جھکتے سرگوشی کی، معاذ تو اپنی جگہ پہ اچھل پڑا تھا۔

”یعنی تم اعتراف کر رہی ہو میری محبت کا.....؟“ وہ ہنوز غیر یقین تھا، پر نیاں جھینپ کر سرخ

پڑنے لگی، البتہ جھکی ہلکوں کے ساتھ سرگوشیاں میں ضرور ہلا دیا۔

”اتنی خوبصورت بات..... اور اتنے غلط موقع پہ؟“ معاذ نے منہ لٹکایا پر نیاں ٹھٹھک کر رہ

گئی۔

”کیا مطلب؟“ اس کی حیرانی بجا تھی۔

”مطلب یہ ہے میری جان عرف دھان پان! کہ یہ بات تم مجھے تنہائی میں بتا تیں، یعنی بیڈ

روم میں، اب اتنے لوگوں کی موجودگی میں، میں جو اب محبت کا ثبوت پیش کروں گا تو تمہیں آکروڑ

لگے گا۔“ اس کے لہجے میں آنکھوں میں شرارت کا گھس تھا، چہرے پہ سرشاری کی کیفیت، پر نیاں

نے جھینپتے ہوئے اس کے کاندھے پہ زور دار گھونسا دے مارا۔

”بہت بدتمیز ہیں آپ، اسی لئے کبھی کبھی نہیں کہتی میں۔“ اس کا چہرہ کچھ غصے کچھ شرم سے

سرخ ہوا تھا، معاذ کی آنکھوں سے ہنوز بلا کی شرارت ٹپک رہی تھی، ہستے ہوئے اس کا برا حال ہو رہا

تھا، مگر اس کی جان پھر بھی نہیں چھوڑی۔

”یعنی یہ خوب صورت حادثہ ماضی بعید کا قصہ ہے۔“ اس نے مصنوعی حیرت سے آنکھیں

پھیلائیں۔

”محبت کے جواب میں محبت ہو جانا کوئی اتنی عجیب بات تو نہیں ہے محترم! پر نیاں نے بھی اسے چھیڑنا تنگ کرنا خود پہ لازم کر لیا تھا، معاذ کی آنکھیں حلقوں سے ابل پڑیں۔

”عد ہے، یعنی محترمہ ترس کھا رہی ہیں مجھ پہ۔“ پر نیاں نے ہنستے ہوئے اب کے جواب دیئے بنا اسے پیچھے دھکیل دیا تھا، تب ہی زیاد اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور دونوں ہاتھ اٹھا کر بڑے اسٹائلش میں بولا تھا۔

”ناظرین و حاضرین! میری شادی بہت با کمال ثابت ہوئی ہے، وہ لوگ بھی یہاں اظہار و اقرار کر گئے، جو کبھی اس کا تصور بھی نہیں رکھتے تھے، اب میں اپنا آسٹم پیش کرنا چاہتا ہوں، اپنی بیوی نور یہ زیاد کے ساتھ، پلیز ویلکم کیجئے۔“ اس کے مسخرے پن کے جواب میں ہر طرف سے تالیاں ہنپتی جانے لگیں، حسان تو سیٹیاں بھی بجا رہا تھا، زیاد نے سر تسلیم خم کیا اور بہت اسٹائل سے جھک کر نور یہ کو دیکھا۔

باری برسی کھٹن گیا تے کھٹ کے لے آندے لوئے

میں ڈولی تیری لے جانی پلوں چل جان ڈانگل سوئے

ایک اجتماعی تہنہ بلند ہوا تھا، جس سے چھت اڑنے کا احتمال ہونے لگا، زیاد نے یونہی بھنگڑا ڈالتے ہوئے آگے بڑھ کر نور یہ کا ہاتھ تمام لیا اور اسے پنڈال میں لے آیا، اس نے دیکھا، سب کے ساتھ معاذ بھی اس کی جانب متوجہ تھا، پر نیاں کے ساتھ صوفے پہ ترچھے زاویے سے تقریباً نیم دراز، اس کا سر گویا پر نیاں کے شانوں پہ دھرا ہوا تھا اور نیچے پہ گل کوتا ساعدن پھدکتا پھرتا تھا، اس کی نیلی، اس کی زندگی مکمل تھی بھر پور تھی، نور یہ کی آنکھیں دھندلانے لگیں، اس نے نگاہ کا زاویہ بدل لیا اور اپنا ہاتھ زیاد کے کاندھے پہ رکھ دیا، یوں کہ رخ بدل کر اس کے ساتھ ساتھ جھومنے لگی، گانے لگی۔

باری برسی کھٹن گیا تے کھٹ کے لے آندے پولا

تیرے نال میں جاواں، تیرے نال میں جاواں

تو آ جا بن کے دولہا

تالیوں کی گونج بڑھ گئی، اب وہ سب مل کر گارہے تھے، مگر نور یہ صرف معاذ کو دیکھ رہی تھی، وہ جان سکتی تھی، وہ آج کے بعد اس نظر سے کبھی دوبارہ معاذ کو نہیں دیکھے گی، اسے یقین تھا، خود پہ نہیں اپنے رب پہ اور جو رب پہ یقین قائم کریں، ان کے بھروسے قائم رہا کرتے ہیں۔

☆☆☆

تیرے چہرے پہ نظر ہنتی نہیں کیا ہم کریں

ہم تو دیوانے ہو گئے ہیں صنم کیا ہم کریں

تیرے چہرے سے نظر ہنتی نہیں کیا ہم کریں

یہ زیاد کی شادی کی رات تھی، نور یہ رخصت ہو کر گھر آ چکی تھی، رسومات کی ادائیگی کے بعد جب زیاد نے خود معاذ سے گانے کی فرمائش کی تو اس بیمار سے پہ گرفت کرتے ہوئے سب نے اس

پہ شوح فقروں کی بوجھاڑ کر دی تھی۔

”بڑے صاحبزادے رہے ہو چھوٹے! کہاں تو شادی کو اپنے اتا ڈٹے ہوئے جاتے تھے اور اب شب کے قیمتی لمحے یوں ضائع بھی کرنے پہ تل گئے ہو۔“ جنید بھائی کے کہنے پہ زیادہ نصرت سے سرخ پڑتا سخت جزیب ہونے لگا۔

”میں چھپورا کبھی بھی نہیں رہا، سمجھے آپ؟“ وہ چمک کر بولا تھا، ناک چڑھا کر جتلیا اور جنید بھائی کو آنکھیں دکھائیں، مگر انہوں نے اس پہ اثر نہ ہوتا دیکھ کر توپوں کا رخ معاذ کی جانب موڑ دیا تھا۔

”ڈاکٹر صاحب یہ چھوٹا دوسرے لفظوں میں تمہیں چھپورا ثابت کر چکا ہے۔“ جہاں معاذ کا پارہ ہائی ہونا شروع ہوا وہاں محفل میں دبی دبی ہنسی بھی پھیلی تھی۔

”رومیٹک اور چھپورا ہونے میں بہت واضح فرق ہے، میں سمجھتا ہوں، بالکل ویسے جیسے مجھ میں اور آپ میں فرق ہے، یعنی میں رومینس کرتا ہوں اور آپ چھپورے پن کا مظاہرہ، شادی کے شروع دنوں میں ہمیں یاد ہے، ہماری ٹین اٹیج کا بھی خیال کیے بغیر آپ ہر وقت بھابھی کے گھسنے سے لگے بیٹھے رہتے تھے، اب بھی جہاں رومینس کا موقع ملا اور خوب صورت لڑکی بھی، آپ کا ٹھکر فوراً ہاہر آ جاتا ہے، ابھی بتاؤں بھابھی کو کہ آج ہارات کے وقت ہوٹل میں سبز کپڑوں والی پہ آپ کیسے لائیں مار رہے تھے؟“

معاذ کی رپورٹنگ پوری ہوئی تھی، جنید بھائی کو تو لینے کے دینے پڑ گئے، وہ بتنا بھی گڑ بڑائے تھے مگر معاذ کا منہ بند کرنے کو لپک کر اس کی جانب آئے اور ہا قاعدہ چالوسی پہ اترنے لگے، غرض ایسی ہی باتوں اور جھگڑوں کا اختتام معاذ کے گانے پہ ہوا تھا، اس کی آواز آج بھی اتنی ہی حسین تھی، سحر انگیز اور دلنشین، ماحول اور دونوں پہ جادو طاری کر دینے والی، مگر لوریہ آج اس جادو کے اثر سے محفوظ اور ماسون رہی تھی۔

تیری آنکھوں کو دیکھ کر لیر کتنے نغمے لکھے ہیں چاہت کے
لینے نازک لہلہ سے کہہ دوں تم ہی الفاظِ رحمت کے
دل کی یہ پیاس بھی بجھتی نہیں کیا ہم کریں
ہم تو دیوانے ہو گئے ہیں صنم کیا ہم کریں
تیرے چہرے سے نظر ہتی نہیں کیا ہم کریں

پر نیاں ہاتھ میں فیڈر پکڑے اپنی لائٹ فرائک سے ابجی عدن کو ماس سے لینے وہاں آئی تھی، معاذ نے اسے آگے نہیں دیا اور ہاتھ پکڑ کر بروٹی اپنے برابر بٹھالیا، وہ ذرا سا جھجھکی تھی۔
”چھوڑیں نا، عدن کب سے ماما کے پاس ہے، تنگ کر رہا ہوگا انہیں۔“ وہ صاف کھرا رہی تھی، اس کی آنکھوں کے امنڈتے جذبے ان سے خائف کرنے کو کافی تھے۔

”میں بھی کب سے تمہاری راہ دیکھ رہا ہوں، احساس ہے تمہیں؟ کتنا اکیلا کتنا بے چین ہو سکتا ہوں؟“ اس کے سرگوشیاں لہجے کے بھاری پن اور مستونیت پر پر نیاں کی پلکیں لرز اٹھیں، رنگت میں گلابیاں کھل گئیں۔

”شرم کریں کچھ تو، مما بھی نہیں پہ ہیں۔“ جواب آمیز کوفت میں جتلا وہ سخت جریز ہوتی اسے پرے دھکیلتی حنظلی ظاہر کیے بغیر نہ رہ سکی۔

”ڈاکٹر صاحب! آپ کا گانا ادھورا ہے ابھی۔“ جنید بھائی جو انہی کی طرف متوجہ تھے، خابے جتلانے والے انداز میں تان لگا کر بولے، محفل میں دبی دبی ہنسی پھیل گئی۔

”انہیں کیا خبر، ہمارا تو رد مانس بھی ادھورا ہے ابھی۔“ وہ پر نیاں پہ جھک کر آج دیتے لہجے میں بولا، محبت بھرے شاکی انداز کے بھاری ہن میں کچھ ایسا تھا کہ پر نیاں کی دھڑکنیں بے ترتیب ہونے لگیں، چہرہ، یکدم بھاپ چھوڑنے لگا۔

وہ بن پینے بہک رہا تھا، اس کے دھیمے لہجے کی گیسرنا پر نیاں کے اوسان خطا کرنے لگی، اس کی ذہنی نظروں کے جواب میں جریز ہوتی وہ بے حد خفا خفا سی اٹھ کر وہاں سے ماما کے پاس چلی گئی، سواذ کا زور دار قبضہ اس کے پیچھے آیا تھا۔

☆☆☆

”زینب.....!“ جہان نے ٹھک آ کر دروازہ دھڑ دھڑا دیا تھا۔

”آخر تم اتنی دیر کیوں لگاتی ہو تیار ہونے میں؟ ہر روز تمہیں نکالنے کو مجھے خود آنا پڑتا ہے۔“ وہ جھلا کر بول رہا تھا، جب ایک دم سے دروازہ کھلا اور زینب سیاہ ساڑھی کا پلو سنبھالتی باہر آ گئی۔

”آبھی جائیں گے تو کیا خرچ ہے اس میں صاحب، مجھے تو اچھا ہی لگتا ہے۔“ وہ اس کی ہانکی پکڑ کر ناز سے کھینچتے ہوئے اٹھلائی تھی، جہان تو بس اسے دیکھتا رہ گیا، سیاہ سادہ ساڑھی جس کا بلاؤز فل آستین کا تھا، وہ اتنی نازک اتنی پیاری لگ رہی تھی، گویا پگھلتی ہوئی ڈال، لمبے بالوں کو اس نے چوٹی کی شکل دے کر چھوڑ دیا تھا، پرل کے پاپس اور گلے میں ایک چھوٹا سا موتی، بس یہ تھی اس کی آرائش مگر اس کی جگمگاہٹ نگاہوں کو خیرہ کرتی جا رہی تھی جیسے۔

”ایسے کیا دیکھ رہی ہیں؟“ جہان کی بے خود نظرس اس کے چہرے سے لپٹ گئی تھیں، وہ محسوس کرتے ہی جھینپ کر بولی تھی۔

”ابھی میں سوچ رہا تھا کہ تم سے کہوں گا ساڑھی پہنو، میرا دل کر رہا تھا، تمہیں اس لباس میں دیکھنے کو۔“ جہان کی پر شوق نگاہوں کا مرکز ہنوز وہی تھا، وہ دھیمے سروں میں ہنس دی۔

”میرا ابھی دل کیا تھا، آپ کو ساڑھی پہن کر دکھاؤں، تو بس دکھا دی۔“

”اپنی مرضی سے کیوں نہیں؟ جب میں کہتا تب پہنتی تم۔“ وہ نخوت سے کہہ گیا تھا، زینب کا چہرہ یکدم اتر گیا۔

”کیوں؟ آپ کو اچھا نہیں لگتا ہے۔“ وہ یکدم بھگ کر رہ گئی تھی جیسے۔

”یار یہ لباس تو صرف میرے لئے ہونا چاہیے تھا نا، اب میرا دل کر رہا ہے تمہارے ساتھ ہوں کہیں بھی نہ جاؤں، جبکہ یہ ممکن تو نہیں ہے نا، ولیمہ میں شرکت تو لازمی ہے۔“ اس کا جذباتی دھیمہ لہجہ زینب کی دھڑکنوں میں پھل پھا کر رکھ گیا، اس نے نچلا ہونٹ دانٹوں تلے دہالیا تھا، پھر اسے دیکھ کر مسکرائی۔

”آپ گاڑی میں جا کر بیٹھیں، آرہی ہوں میں۔“

”خیریت؟“ وہ حیران ہوا۔

”آپ جائیں تو، ڈالے کو بلائیں تب تک بس آرہی ہوں۔“ اس نے کچھ مزید سے بغیر جہان کو باہر دھکیل دیا تھا، محض دس منٹ بعد وہ گاڑی کی جانب آئی تو جہان اسے لباس تبدیل کیے دیکھ کر بے ساختہ مسکرا دیا تھا۔

”کیوں بدل دیئے پارا“

”وہ بس آپ کے لئے ہو، رات کو پہن لوں گی۔“ زینب کی ہلکی جھک گئی تھیں وضاحت کرتے جہان آہستگی سے ہنس دیا۔

”یہ فرمانبرداری اور آپ جناب ا“

”محبت کا اثر ہے، اگر ڈالے ایسا کر سکتی ہے تو مجھ پہ بھی لازم ہے۔“ اس نے مسکراتے ہوئے ہیر پور دفاع کیا، بھی ڈالے آگئی تھی، زینب کو گاڑی کی چھٹی سیٹ پہ دیکھ کر حسب سابق عاجز ہونے لگی۔

”زینبی آپ آگے بیٹھے پلیز۔“

وہ زینب کی اس عادت سے مضطرب ہو جاتی تھی، کہ جہاں کہیں بھی انہیں جہان کے ساتھ اٹھنے جانا پڑتا، زینب بھی خود جہان کے برابر نہیں بیٹھا کرتی تھی، اس کے برابر وہ ڈالے کو جگہ دیتی تھی، اس وقت بھی اس کے اصرار کے جواب میں اس نے محض اتنا کہا تھا۔

”تم بہت پیاری ہو ڈالے اور بہت عقیم حوصلے کی مالک بھی، میں تمہارا یہ احسان کبھی نہیں بھلا سکتی کہ تمہاری اینٹار کی عادت نے مجھے دنیا کی سب سے بڑی خوشی سے ہمکنار کیا ہے، بچے کی اصل مالک بھی تم ہو، تمہارا مقام بھی پہلا ہے، یہ جگہ بھی تمہاری ہے، میں تمہاری ہر بات ماننا چاہوں گی، ہر خواہش کا احترام مجھ پہ لازم ہو جاتا ہے، مگر یہ اصرار نہ کیا کرو، ویسے بھی پیاری لڑکی، ساری اچھائیاں سارے احسان خود اپنے لئے تو مخصوص نہ کرو، کچھ تو زینبی آپنی کے لئے بھی چھوڑ دو، چاہے یہ ادنیٰ سا معمولی سا احسان ہی سمی۔“

سنجیدگی سے بات کرتی وہ آخر میں شرارت پہ اتر آئی تھی، ڈالے جو واقعی مزید اصرار کا ارادہ رکھتی تھی اور جہان کی سفارش کا بھی عزم باہم سے تھی، بے بس سی ہوتی جہان کے مقابل بیٹھ گئی، جہان کی آنکھوں میں طمانیت تھی اور چہرے پہ آسودگی، واقعی جو کام رب کی خاطر کیے جائیں ان میں رب ہی برکت بھی ڈال دیا کرتا ہے، ان دونوں کی ایسی یگانگت اور محبت کا تو وہ تصور بھی نہیں رکھتا تھا، جو سامنے آرہی تھی۔

دلیر کی تقریب کے دوران جب زینب اور ڈالے اک ساتھ کھڑی کچھ بات کر رہی تھیں، جہان کچھ فاصلے پہ کھڑا انہما کو دیکھ رہا تھا، معاذ نے زچ کرنے کے خیال سے اس پہ گرفت کر گیا تھا۔

”وہ دونوں لڑ رہی ہیں اور تم ہنس رہے ہو، شاباش۔“ جہان زور سے چونکا پھر اس کے چہرے پہ شرارت کا عکس دیکھ کر اسے گھورا۔

”مجھے پتیاں پڑھانے کی ضرورت نہیں سمجھے؟“

”ہاں بھئی، پڑھے پڑھاؤں کو کیا پڑھا۔“ معاذ نے مسکراہٹ ضبط کرتے اس پر چوٹ کی۔
 ”اور تم تو بہت سیدھے اور معصوم ہو جیسے۔“ جہان نے چڑ کر جتلا یا، معاذ کی ہلسی چھوٹنے لگیں۔

”کوئی شک؟“ اس نے آنکھیں پٹپٹا کر معصومیت کی انتہا کی۔
 ”میرا منہ نہ کھلواؤ شہزادے، ابھی پر نیاں کو بلا کر تمہاری شرافت کے شوقیٹ نہ اٹھنے دوں۔“ اس نے جو ہا ہا سے چڑایا اور سلگایا، معاذ بے ساختہ تہقہہ لگانے لگا۔
 ”یاد تمہاری بیویاں تمہیں لٹ نہیں کہار ہیں تو مجھے کیوں ڈانٹ رہے ہو؟“ جہان اسے کچھ دیر گھورتا رہا پھر خود بھی ہنس دیا تھا۔

”بہت بد تمیز ہو تم۔“ وہ یونہی ہلسی کے دوران بولا، معاذ نے اس پہ اس کی روشن جگر جگر چمکتی ہنستی آنکھوں کو بہت دھیان سے اطمینان سے دیکھا تھا۔

”تم واقعی خوش ہوناں ہے۔“ وہ کتنی بے چینی سے سوال کر رہا تھا، جہان کے مجسم چہرے پہ ایک ٹھہراؤ ایک اطمینان و آسودگی کا گہرا احساس اتر آیا۔

”ہاں، میں بہت خوش ہوں، الحمد للہ، میرے اندر کوئی خلش کوئی کمی نہیں ہے، اللہ نے مجھے ڈالے کے ساتھ ساتھ نعت سے بھی مکمل اطمینان سونپا ہے، میں رب کا بہت شکر گزار ہوں کہ میں نے جو کچھ بھی مانگا اس سے اس نے اس سے زیادہ اور بہتر عطا فرمایا ہے مجھے۔“ جہان کے لہجے میں آسودگی ہی آسودگی تھی، جسے محسوس کرتے معاذ نے ایک دم اسے گلے لگا لیا تھا۔

”الحمد للہ رب العالمین! میری دعا ہے اللہ تمہیں یونہی شاد و آہادر کے آئین۔“
 ”شکران جیسی، جزاک اللہ۔“ وہ نہال ہوا تھا، پھر کسی خیال کے زیرِ تخت اسے دیکھنے لگا۔

”اور تم..... تم..... تم خوش ہوناں۔“ اور معاذ اس سوال پہ کھلکھلا اٹھا تھا۔
 ”ہم تو کھلی کتاب ہیں جناب! جسے ہر کوئی پڑھ سکتا ہے، دہی یا پریشان ہوں تو دنیا میں عذر چا دیتے ہیں، خوش ہوں تو ہر سو مسکرائیں پھیلا بنے والے، ہماری زوجہ گواہ ہیں اس بات کی، بیشک پوچھ لو۔“ معاذ کی بات سے متفق ہوتے جہان نے سر ہلایا تھا اور اس کی ہلسی میں شامل ہو گیا۔

☆☆☆

یہ شاہ ہاؤس کا ایک معمول کا مگر پرسکون منظر ہے، ہال کرا اس وقت تمام نقوش کی موجودگی کے باعث خوش گوار شور سے بوجھل ہے، ابھی کچھ دیر قبل ہی زیاد نے ہنی مون ٹرپ کے دوران خریدے گئے تحائف سے سب کو نوازا ہے، یہ لوگ پورے ایک ہفتے کے بعد لوٹے ہیں، شمالی علاقہ جات جانے سے قبل زیاد نے مروانا لوگوں کو دعوت دی تھی، جس سے کسی نے چھوٹے منہ بھی انکار مناسب نہیں سمجھا، بقول معاذ کے۔

”جے نے شادیاں تو کر لیں، مگر ہنی مون کی ضرورت محسوس نہیں کی، بیچارہ حالات میں ہی ایسے میں جکڑا ہوا تھا، اب البتہ دونوں طرف کی فضا سازگار ہے تو حرج نہیں کوئی، جہان تک میری بیچارے کی بات ہے تو شادی جتنی خوشی کی تھی، ہنی مون تک اسی قدر مطلع ایر آلود ہو چکا تھا، پری نے جو سلوک مجھ سے کیا، وہ میں اسی صورت بھول سکتا ہوں اگر ہم اب ہنی مون پہ تمہارے ساتھ چلے

جائیں تو، ہاں جنید بھائی کی بات الگ ہے، وہ اگر نہ بھی جائیں تو فرق نہیں پڑتا، مقرب ان کے بچوں پہ یہ باتم آنے والا ہے، انہیں کچھ لحاظ ضرور کرنا چاہیے۔“

”اور میں بتا رہا ہوں، اگر کوئی میرے بغیر گیا، تو ناہئیں سلامت نہیں پائے گی، جو مجھے لحاظ سکھلا رہے ہیں، ان کے اور میرے بچوں میں چند سالوں کا ہی فرق ہے۔“ معاذ کے لہجے کی شرارت اور شوخی کو محسوس کر لینے کے باوجود بھی جنید بھائی دھمکیوں پہ طعنوں پہ اتر آئے تھے، معاذ کو انہیں چھیڑ کر برا حرا آیا کرتا تھا ہمیشہ۔

”ہاں جی..... یہی کوئی دس بارہ سالوں کا، آپ کا ٹیپو بھلا کتنے سال کا ہے؟“ وہ پھر انہیں چڑانے سے باز نہیں آیا۔

”افوہ..... جنید بھائی پلیز جھگڑا نہیں کریں، چلے جائیے گا آپ بھی ساتھ۔“ جہان نے ہی صلح کی جھنڈی لہرا کر امن کیا تھا، کہ زیاد بول پڑا۔

”دیکھئے، سب اپنے خرچے پہ جائیں گے اور اسے اپنا اپنا معنی مون سمجھ کر ہی انجوائے کریں گے، ہمیں ڈسٹریب کرنے کی ضرورت نہیں ہے، ہم تو صحیح معنوں میں صلح مار کے ہی پھنس گئے ہیں۔“ وہ مصنوعی حلقی سے بو بوا رہا تھا، برنیاں کی ہنسی چھوٹ گئی تھی۔

”حد ہے بھئی، لوگ اک بھڑکی کے کیسے کیسے نہیں طوطا چاشم ہو گئے، چھوٹے مت بولو، تم سے پہلے سے بیوی واسلے ہیں ہم، مگر بھی اس طرح اوقات نہیں بھولی۔“ معاذ نے جتلا یا تھا، زیاد سٹکرا ہٹ دہائے رہا، ایسی ہی ٹوک جھونک ان کی سفر کے دوران اور وہاں کے خوبصورت نظاروں میں بھی چلتی رہی تھی۔

”تم گھوڑے پہ بیٹھو گی زینی!“ وہاں ایک خوبصورت مقام پہ جہاں گاڑی پہ سفر ممکن نہیں تھا، جہان نے زینب سے سوال کیا تھا اور اس کے انکار پہ وہ کتنا حیران ہو کر اسے دیکھنے لگا تھا۔

”تم بھول گئی ہو، تمہیں رائیڈنگ کا کتنا شوق تھا۔“ اور زینب کے چہرے پہ الوہی مسکان بکھر گئی تھی۔

”مجھے کچھ بھی نہیں بھولا ہے جے! مجھے یہ بھی یاد ہے کہ وہ ساری اوٹ پٹانگ حرکتیں میں تب صرف آپ کو اپنی طرف متوجہ رکھنے کو کیا کرتی تھی، اس کے علاوہ اور کوئی خواہش یا جذبہ کارفرما نہیں تھا۔“ اور جہان زیاں کے احساس میں گھرتا چلا گیا تھا۔

”میں نے بالکل اچھا نہیں کیا ناں زینی! تمہیں یوں اگنور کر کے، اپنی محبت پہ انا کو فوقیت دے کر۔“ وہ یکا یک اداس نظر آنے لگا، زینب نے اس اداسی کو محسوس کر لیا تھا، جیسی اس کا چہرہ ہاتھوں میں تمام لیا۔

”یہ سب یونہی ہونا طے تھا ہے! یاد ہے آپ نے خود ہی کہا تھا۔“ وہ کھلکھلائی تھی، مقصد اس کی یاسیت کو ختم کرنا تھا اور جہان اسے دیکھتا زہ گیا تھا۔

”آؤ..... میں تمہیں گھوڑے پہ بٹھاتا ہوں۔“ جہان نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

”آپ ہم دونوں کو ایک ساتھ نہیں بٹھاسکتے ہیں جے، رہنے دیں۔“ زینب کے انداز میں اب شرارت رقم تھی، جہان نے کاندھے جھٹک دیئے۔

”میں تم دونوں کو باری باری بٹھاؤں گا، ڈونٹ پوری۔“

وہاں کتنی خوبصورت یادیں وابستہ ہو گئی تھیں ان کی، جو لاتعداد تصویروں کی صورت ان کے ہمراہ آئی تھیں، زینب نے کوٹ کی جیب میں ہاتھ ڈالا اور وہ تصویر نکالی جو جہان کے خیال میں سب سے بہترین تھی، اس نے مسکراتے ہوئے تصویر پہ نگاہ جمائی، یہ برف زاروں کا منظر تھا، اونچے پہاڑ برف کی ادا اوڑھے کم مہم کھڑے تھے، درخت سبز، ہر شے نے برف کا لباس پہن لیا تھا، اسی برف کے درمیان وہ تھی، گلابی لباس میں بلیک اور کوٹ میں لمبوس، لمبے بال کھلے چھوڑے سر پہ اونی ٹوپی گلے میں منظر، اس کی پشت پہ جہان کا دراز بے حد شاندار سراپا تھا، زینب نے اپنا سارا بوجھ اسی پہ ڈال رکھا تھا، جیسے کسی مضبوط ساہ دار درخت سے ٹیک لگائے کھڑی ہو، لمبوں کی تراش میں دل فریب اور کسی حد تک شرارتی مسکان تھی، یہ تصویر معاذ نے اس وقت بنائی تھی، جب وہ دونوں دنیا بانیہ سے بے خبر بس ایک دوسرے میں مگن تھے، کمرے کی گلس لائٹ اور مخصوص آواز پہ ہی دونوں تہہ صرف چوکے بلکہ خفیہ بھی ہو گئے تھے۔

”جاسوس، تم کہاں سے ہمارے پیچھے لگے ہوئے ہو؟“ جہان جھینپ گیا تھا، زینب بھی سنبھل کر تیزی سے اس سے فاصلے پہ ہوئی تھی، اس کے دلکش چہرے پہ تخت آمیز احساس مزید اسے خوب صورت بنا کر دکھلانے لگا تھا۔

”قسم لے لو جو میں تمہاری جاسوسی کو نکلا ہوں، میں تو قدرت کے حسن سے فیض یاب ہونا چاہ رہا تھا۔“ وہ مسکھار رہا تھا، پھر جیسے اپنا کارنامہ اسے دکھلا کر داد پانے کو گویا ہوا۔
”یہ دیکھو، کیا غضب کی پکڑ ہے تمہارا بیڈ روم اس شاہکار سے بچ جائے گا، رینلی۔“ وہ مسکرا کر تائیدی نظروں سے اسے دیکھنے لگا، واہس آنے کے بعد معاذ نے ایسے تھنے تھے صرف جہان زینب اور ڈاپلے کو ہی نہیں دیئے تھے، جنید بھائی پور زیاد کو بھی پیش کیے تھے، تب وہ صرف حیران نہیں ہوئے بلکہ ہوتے چیتنے بھی لگے تھے۔

”یہ تو سراسر دیواندگی ہے، اس کا مطلب آپ ہماری ٹوہ میں ہی لگے رہے تھے۔“ زیاد کو غصے سے زیادہ ہنسی آرہی تھی۔

”یہ تو مکافات عمل ہے جناب! کبھی وہ وقت بھی تھا جب تم سب میری ٹوہ میں لگے رہتے تھے، میں نے تو بس یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ ایسا نازک اور رینین مزاجی کا وقت ہر کسی پہ آتا ہے، جب اپنی جورو کے علاوہ کچھ اور نظر نہیں آتا اور پھر کوئی اور دیکھے نہ دیکھے معاذ تو دیکھے گا۔“ کالر کھڑا کرتے ہوئے اس نے دانتوں کی نمائش کی تھی اور مخلوط نظروں سے ان کی شفقت زدہ چہرے دیکھتا کھلکھلاتا رہا تھا، جبکہ ان سب کی شکلیں دیکھنے والی ہوئی ہوئی تھیں، زینب ایک ایک لمبے کو انجوائے کرتی رہی تھی، پھر کسی خیال کے تحت اٹھ کر جہان کے کمرے کی جانب آگئی، دروازے پہ رک کر اس نے دستک دی تھی، جہان کی اجازت پا کر اس نے اندر قدم رکھا، جہان ڈالے کے ساتھ بستر پہ نیم دراز تھا، دونوں ایک دوسرے کے قریب تھے اور ایک ساتھ جہان کے ہاتھ میں موجود ٹیبلٹ پہ جھکے ہوئے شادی اور ہنی مون کی تصویریں دیکھ رہے تھے۔

”میں نے تو تصویر سلیکٹ بھی کر لی، کون سی انٹارچ کروانی چاہیے، ڈالے تم سے ابھی تک

ڈی سائیڈ نہیں ہوا؟“ وہ مسکرائی تھی، جہان نے اسکرین سے نگاہ ہٹا کر اسے دیکھا۔

”آ جاؤ زحی! تمہیں دستک کی ضرورت تو نہیں ہونی چاہیے۔“

”کون سی سلیکٹ کی آپ نے زینی آپنی! معاذ بھائی والی؟“ ڈالے سیدی ہو کر بیٹھ گئی تھی، زنب نے وہیں کھڑے کھڑے وہی تصویر نکال کر لہرائی، اس کے انداز میں اک نخر کا سا احساس تھا۔

”یہ تو معاذ بھائی کا اعلیٰ ترین شاہکار ہے۔“ ڈالے نے بے اختیار داد دی، پھر اسے منہ لٹکا کر دیکھا۔

”مجھے ہرگز سمجھ نہیں آرہی، آپ ذرا ہیلب تو کریں۔“

”ادھر آ جاؤ، میرے پاس۔“ زنب کو ڈالے کی سائیڈ پہ بیٹھتے دیکھ کر جہان نے اپنا بازو پھیلا یا، زنب نے تعجب سے اسے دیکھا تھا، جہان سنجیدہ تھا مگر آنکھوں میں بہت خوب صورت تبسم تھا، وہ قدرے جینپ سی گئی۔

”کچھ شرم کریں ہے!“ وہ گلابی پڑنے لگی تھی جہان کو ہنوز اپنے تقاضے پہ اٹکے پا کر، ڈالے چلتی مسکان سیت دونوں کو دیکھ رہی تھی، خود وہ ابھی تلک یونہی جہان کے پہلو میں اس کے ساتھ لگی بیٹھی تھی۔

”کم آن یا آ جاؤ۔“ جہان نے اب کے شریر انداز میں کہتے اسے آنکھ ماری تھی، وہ اور بٹش ہوئی تھی، جہان نے ذرا سا جھک کر اسے بازو کے حلقے میں لے کر خود سے نزدیک کر لیا۔

”تم دونوں کو آپس میں یگانگت کا مظاہرہ تو میں اکثر دیکھا رہتا ہوں، آج اپنے لئے بھی یہ تجربہ کرنا چاہ رہا تھا۔“ وہ ہنستا ہوا وضاحت پیش کر رہا تھا، ڈالے کی چپنی ہوئی ابھی اس کی ہنسی میں شامل ہو گئی تھی، زنب کی نگاہ نے ڈرینک بیبل کے آئینے میں واضح نظر آتے اسے منظر کو دیکھا اور اسے گھورنے لگی۔

”بہت اچھے لگ رہے ہیں، انڈین موویز کے تھریڈ کلاس سے ہیروز کی طرح دونوں سائیڈوں پہ لڑکیا چپکائے۔“ اس نے نخوت سے ناک چڑھائی تھی، جہان کا قہقہہ مزید بلند ہو گیا تھا اس تشبیہ پہ۔

”ہاں بہت اچھا لگ رہا ہوں، اب تو میں مکمل ہی ایسے ہوتا ہوں، اس میں کیا شک ہے بھلا؟“ وہ ہشاش بشاش خوش و مطمئن نظر آ رہا تھا، زنب کچھ دیر محبت باش نظروں سے اسے دیکھتی رہی تھی، پھر مسکرا کر اس کے کاندھے سے سر ٹیک دیا تھا اور ٹیبلٹ کی اسکرین پہ چلتی تصاویر کو دیکھنے لگی، پھر اس نے ایک تصویر اٹھاراج کروانے کے لئے سلیکٹ کی تھی، جس میں جہان ڈالے کو ہاتھ پکڑ کر بوٹ میں سوار ہونے میں مدد رہا تھا، ڈونٹا سورج اپنا سارا سونا جھیل کے پانیوں اور ڈالے کے چہرے کو سونپ چکا تھا، جیسی وہ اتنا سنہرا ہو رہا تھا، یہ بھی بہت خوب صورت تصویر تھی، جو چند دنوں میں جہان کے کمرے کی زینت بنی ماحول کو مزید خوب صورت بنا چکی تھی۔

☆☆☆

ٹھیک ایک ہفتے بعد کی بات تھی، جب جہان آفس آورز میں چہرے پہ منظر بان تاثرات کے

ساتھ گھر آیا تھا، پہلا سامنا ہی زینب سے ہوا، اس کے چہرے کا تاثر ہی زینب کو سب کچھ چھوڑ
 چھاڑ کر اس تک آنے پہ مجبور کر گیا تھا۔

”جے.....! سب خیریت ہے ناں؟“ جہان کے قدم اس کی آواز پہ تھمے تھے، وہ رکا اور پلٹ
 کر اسے دیکھنے لگا اور گویا تمہیے کا شکار ہو گیا، جبکہ زینب کی سوالیہ نگاہیں ہنوز اسی پہ جمی ہوئی تھیں۔
 ”آپ بتا کیوں نہیں دیتے ہیں شاہ! ہم جا کہاں رہے ہیں آخر؟ سب ٹھیک تو ہے ناں، پلیز
 زینبی آپنی آپ بتا دیں مجھے، بہت دل گھبرا رہا ہے میرا۔“ گاڑی معاذ ڈرائیو کر رہا تھا، ڈالے کچھلی
 سیٹ پہ زینب اور جہان کے درمیان بیٹھی تھی، ان تینوں کی سنجیدگی اور خاموشی کے آگے خاص
 ہراساں نظر آ رہی تھی گویا، جہان نے اک نظر اسے دیکھا ضرور، البتہ کچھ کہنے کا حوصلہ خود میں نہیں
 کر پایا تھا، زینب اسی خاموشی و فکر مندی سے اس کے مرد ہوتے ہاتھ سہلانے میں مصروف رہی
 تھی۔

جہان نے ہونٹ بھیجے رکھے، کچھ دیر قبل وہ خود بھی انکشافات کی زد پہ تھا تو ڈالے سے مختلف
 حالت نہیں تھی اس کی بھی، آفس پہنچے ابھی زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی اسے جب اس کے سیل فون پہ
 معاذ کی کال آنے لگی تھی، جہان جانتا تھا، ورکنگ آؤرز میں معاذ بتا اہم اور ضروری بات کے بھی
 کال نہیں کرتا تھا، جیسی اس نے فائل کا فیصلا کھولتے اس کی کال رسیو کر لی تھی۔
 ”ہاں بولو معاذ۔“ سلام کے بعد اس نے استفسار کیا تھا۔

”جے..... نیلما کی ڈیوٹی تھو ہو گئی ہے۔“ معاذ کے لہجے میں واضح تا سف تھا، جس نے جہان کو
 متحیر کر ڈالا تھا۔

”نیلما..... وہ قلم اشار..... اسٹیج فنکارہ؟“ جہان کے استفسار پہ معاذ نے سرد آہ بھری۔
 ”ہاں وہی، بہت المناک موت ہوئی ہے بیماری کی اور وہ صرف یہی اک حوالہ نہیں رکھتی
 تھیں جے، ڈالے بجا بھی سے ان کا اک اور بھی بہت قریبی تعلق ہے۔“ متا سنانہ انداز میں کہتا وہ
 اسے اپنے اغواء سے لے کر بعد تک کی بھی ساری روداد سنانا چلا گیا تھا، جہان کے تو سر پہ جیسے
 پہاڑ ٹوٹ پڑے تھے۔

”کیا ہوا؟ تم خاموش کیوں ہو گئے جے!“ اس کی طویل خاموشی نے معاذ کو لگتا مند کیا تھا
 جیسی پکار کر بولا تھا۔

”تم نے یہ سب کچھ مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا، جبکہ میں نے پوچھا بھی تھا۔“ جہان بولا تو اس
 کے لہجے میں واضح جھجھلاہٹ تھی۔

”ڈالے بجا بھی ایسا نہیں چاہتی تھیں جے، میں یقیناً اب بھی تمہیں یہ سب نہ بتاتا مگر اب
 ایسا کرنا ناگزیر ہو گیا تھا، تم بجا بھی کو لے کر جاؤ وہاں، اپنی ماں کا آخری دیدار ان کا حق ہے
 ہے۔“ اور جہان کچھ کہنے کی بجائے جانے کس سوچ میں ڈوب گیا تھا، جس سے تشویش و فکر میں
 گھر معاذ مزد پریشان ہو گیا تھا۔

”کیا ہوا؟ تم چپ کیوں ہو گئے، ہو اس طرح سے جے، کہیں تم بھی ٹیپیکل پاکستانی مرد کی
 طرح.....“

”قار کا ڈسک معاذ! میں تو یہ سوچ کر پریشان ہو رہا ہوں اس خبر کے بعد ڈالے کاری ایکشن کتنا شدید ہو سکتا ہے۔“ جہان مضطرب سا بولا تو معاذ نے ہنکارا بھرا۔

”آف کورس وہ ڈپریشن کا شکار ہوں گی، مگر تم سنبھال سکتے ہو انہیں۔“

وہ گھر آیا تو نوب کو بھی اس راز میں شریک کرنا پڑا تھا، اسے نوب پر ہر لحاظ سے اعتماد اور بھروسہ تھا، جانتا تھا وہ اس بھروسے کو ٹوٹنے نہیں دے گی، نوب کے مشورے یہ ہی جہان ڈالے کو بتائے اپنے ہمراہ لے کر آیا تھا، معاذ بھی گاڑی لئے منتظر تھا کہ نیلما کی رہائش گاہ سے وہی واقف تھا۔

”اس دنیا میں ہر جاندار کو موت آنی ہے، مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہمارا ایمان پختہ ہے نا اس بات پہ ڈالے، ہم سب کو ایک مقررہ وقت پہ اپنے پیدا کرنے والے پروردگار کی جانب لوٹ کر جانا ہے۔“ جہان بہت رساں سے کہہ رہا تھا، وہ دھیرے دھیرے اسے سمجھاتا ہوا صورت حال سے قریب کر رہا تھا، کچھ اس انداز میں کہ اسے اچانک ڈہلی دھچکانہ سہنا پڑے، ڈالے کی آنکھوں میں ہراسی اور وحشت سی اٹھ آئی، اس نے خوف زدہ نم آنکھوں سے جہان کو دیکھا، اس کے چہرے پہ سہم اتر رہا تھا۔

”ک..... کیا مطلب؟..... ک..... کون..... کس کی بات..... کر رہے ہیں آپ شاہ!“ اپنے نقصان کو نوعیت کو نوری سمجھتا اس کے لئے ہرگز آسان نہیں تھا کہ دہشت زدگی کا عالم ہی انوکھا تھا، جہان نے اس کے شانے پہ بازو پھیلا کر اسے خود سے نزدیک کیا تب بھی وہ خزاں رسیدہ ہونے کی مانند کانپتی تھی۔

”تمہاری مٹی.....!“

”مٹی!“ ڈالے نے صدے سے گنگ ہوتے منہ پہ ہاتھ رکھ لیا۔

”نہیں..... ابھی صبح ہی تو میری بات ہوئی ہے ان سے شاہ، وہ بالکل ٹھیک تھیں۔“ وہ بے ساختہ رو دی۔

”میں سزا فریدی کی بات نہیں کر رہا ہوں ڈالے۔“ جہان نے آہستگی سے تردید کرتے نظریں چرائیں۔

”پھر.....“ اس کی آنکھوں میں خوف کا غلبہ چھانے لگا، تب ہی گاڑی ایک جھکے سے رکی تھی، جہان نے سنبھل کر اپنی جانب کا دروازہ کھولا اور ڈالے کو سہارا دے کر نیچے اتارا، دوسری جانب سے نوب نے اتر کر ڈالے کو پکڑ کر بازو کے حصار میں لے لیا، ڈالے خوف سے پھپھتی نظروں سے نگر نگر ہر سو دیکھنے لگی، آنسو اس کی شفاف آنکھوں میں امنڈے چلے آ رہے تھے، سامنے ایک بلند اور خوبصورت عمارت تھی، وہ کیسے نہ پہچانتی، وہ یہاں آ چکی تھی، شب خون مارنے، سب کچھ لوٹنے، برباد کرنے۔

وہاں ایک افراتفری دیکھنے میں آتی تھی، چند قریبی لوگ تھے، جو نیلما کے آخری سفر کی تیاریوں میں خاموشی سے مشغول تھے، میڈیا سے بالخصوص یہ خبر چھپائی گئی تھی، نیلما پھلے کچھ عرصے سے گمنامی کی زندگی گزار رہی تھی، جس وقت جہان اور زیب ڈالے کو سہارا دیئے کمرے میں لائے

ڈالے بکے جسم یہ غم سکتہ طاری کرتا جا رہا تھا، اس کی رنگت اس انکشاف نے لمحوں میں چھوڑ ڈالی تھی، اسے سب کچھ بھول گیا، یہ تک بھی کہ اگر جہان اس راز سے ناواقف تھا تو پھر اسے یہاں تک کیوں لے آیا تھا، وہ نیلما کے سرہانے کی سمت آ کر یوں گھٹنوں کے بل زمین پہ گری گویا مزید کھڑے رہنے کی تاب باقی نہ رہی ہو، آنسو بے آواز اس کے چہرے کو بھگور رہے تھے، نیلما کے حواس لے سے وہ سارے لمحے لگا ہوں میں روشن ہو گئے تھے، جب جب اس سے اس کا سامنا ہوا تھا، وہ دالہا نہ پن، وہ بے تالی، وہ محبت، وہ بے بسی، نیلما کی آواز تمام تر حسرت زدگی کے ساتھ اس کی سماعتوں میں بین کرنے لگی۔

یہ بھگم کیا ہے وصال کیا ہے
یہ گردشیں ماہ و سال کیا ہے
یہ جملہ رمی سہی مگر تم
یہ سبھی تو پوچھو کہ حال کیا ہے

کیسا کرب بھرا تھا یہ شکوہ، مگر جب وہ پتھر تھی، ایسا پتھر جس پہ نیلما کا ہر خالص جذبہ بھی بے اثر ثابت ہوتا رہا تھا، مگر اب وہی پتھر پھسل رہا تھا، طلال اور زیاں کا دائمی احساس اس کے وجود میں طوفان برپا کر چکا تھا، وہ روتے ہوئے پاگل ہوئے گی، وہ جو ہمیشہ اس کی طرف دیکھتی تھی، اسے نیلما کی وہ آخری نظریں یاد آتیں، جب اس نے معاذ کی واپسی کا تقاضا کیا تھا، دکھ کی شدت نے اسے تھمڈ کر کے رکھ دیا تھا، شاید وہ آخری امید بھی چھین لائی تو اس کے پاس جیتے کی کوئی خواہش باقی نہیں بچی، ڈالے بے بسی لا چاری کی آخری حد پہ جا کر بلک اٹھی، صبر تمام ہوتا جا رہا تھا، ضبط بری طرح سے بکھر چکا تھا، اسے نیلما کا پہلا اور آخری شکوہ یاد آیا، جو جانے دکھ کی کس انتہا کو چھو کر کیا تھا اس نے۔

”کبھی تو غور کرو ہنی، میری چاہت و محبت کے جواب میں تمہارا رویہ کس درجہ دل شکن ہوتا ہے، کبھی سوچو ہنی تو فیصلہ کرنا، کہ تم اس میں حق بجانب ہو؟“ وہ کتنے لاچار اور بے بس انداز میں کہہ رہی تھی، جبکہ ڈالے اس قدر ٹھنسنے بھر گئی تھی۔

”یہ بات مجھے نہیں تمہیں سوچنی چاہیے، تم غور کرو تم جیسی عورت کیا اسی سلوک کی مستحق نہیں ہے؟“ جواب میں وہ پھنکارنے لگی اور دوسری جانب یلخت گمبیر سناٹا پھیل گیا تھا، نیلما کس کرب سے گزری ہوگی وہ کیا جانے، وہ کتنی تاخیر سے کچھ بولنے کے قابل ہو سکی، وہ تو یہ بھی نہیں جان سکی تھی۔

”میں ماں ہوں تمہاری ڈالے، اور جب قرآن مجید میں اللہ نے اولاد کو والدین کے سامنے اف تک نہ کرنے کا حکم دیا تو ساتھ یہ شرط نہیں لگائی تھی کہ اگر ماں نیکو کار پرہیزگار ہوگی تو تم اس کی فرمانبردار ہو گے، ماں کے اعمال کا جواب وہ خود سے ہوتا ہے، اولاد کے ذمہ تو حکم کی تعمیل لازم و ملزوم ٹھہری ہے، میں جیسی ہوں..... اور کیوں ہوں، اس پہ تو ہماری بہت تفصیلی بات بھی ہو چکی میں میں یہاں بھی یہ سب واضح کر کے تمہیں جتلا نہیں رہی، نہ طعنہ دے رہی ہوں، میرے پیش نذر تو اپنی نیک سیرت مذہبی بیٹی کی اصلاح مقصود ہے، میں بس یہ نہیں چاہتی کہ تمہارے اعمال میں کوئی

کئی رہ جائے، روز قیامت اس ایک عمل کے لئے تمہیں رب کے سامنے شرمسار ہونا پڑے۔“
 وہ ماں تھی، ماں بن کر دکھائی رہی، مانتا جیسا وسیع ظرف ظاہر کرتی رہی اور وہ بیٹی تھی، عام کم
 ظرف بیٹی، خدا کے حصے کا کام خود اپنے ہاتھ میں لے کر اس کی زندگی اس کی سزا کا فیصلہ کرنے والی
 بیٹی، وہ پھوٹ پھوٹ کر روتی نیلما کے چہرے پہ جھک گئی، جس سے کس نے اسی کی خاطر کپڑا ہٹا
 دیا تھا۔

”مجھے اعتراف ہے امی، میں بہت بری ہوں، آپ کو سمجھنے سے قاصر رہی، میں کیسے معافی
 مانگوں آپ سے؟ آپ اس طرح چپ چاپ کیوں چلی گئیں؟“ وہ بلکنے لگی تھی، تڑپ رہی تھی،
 جب زینب معاذ کے پاس سے ہٹ کر اس کے قریب آئی۔
 ”ڈالے کو چپ کروائیں جے پلیز۔“ اس کا اپنا چہرہ بھی غم و یاس کی تصویر بنا ہوا تھا، ڈالے کا
 دکھ وہ اپنے سینے میں شکاف ڈالتا محسوس کر رہی تھی۔

”اب ہمیں یہاں سے چلنا ہوگا جے، میڈیا کو خبر ہو چکی ہے تمام تر احتیاط کے باوجود، اب
 یہاں مزید ٹھہرنا مناسب نہیں۔“ جس بل جہان روتی بلکتی ڈالے کو زبردستی قہام کر لایا، سنجیدہ سا
 معاذ بھی نزدیک آ گیا تھا، جہان نے محض سر ہلا دیا، زینب نے سرحت سے بڑھ کر جہان کے
 دوسری جانب آتے ڈالے کو سہارا دیا، وہ چل نہیں رہی تھی، گویا گھسیٹ رہی تھی اور بار بار مڑ کر
 حسرت بھری نگاہوں سے نیلما کا چہرہ دیکھتی تھی، آنسو بارش وار برستے تھے۔

لاؤں گا اب کہاں سے جدائی کا حوصلہ
 کیوں اس قدر قریب میرے آگئے تھے تم

معاذ روٹے ہوئے یکدم دوہری ہوتی بری طرح چیخی، زینب اور جہان کے سنبھالنے کے
 باوجود بانہوں میں بکھرتی چلی گئی، اس کی چیخیں تبدیل کرناک ہو رہی تھیں اور رنگت ہر لمحہ زرد
 پڑنے لگی، جہان اور زینب اسے سنبھالنے شدید ترین گھبراہٹ کا شکار ہونے لگے۔
 ”ڈالے..... کیا ہو رہا ہے تمہیں؟“ جہان کی حالت دیکھنے والی تھی، ڈالے کی بدلتی کیفیت پہ
 اس کا رنگ اڑ چکا تھا، زینب بھی حواس باختہ ہو چکی تھی۔

”ہاسپٹل..... جے تمہیں بھابھی کوئی انفور ہاسپٹل لے کر جانا ہوگا، کوئی پلینز۔“
 معاذ صورت حال کو سمجھ کر ہی انفرانفری میں گاڑی کی جانب بھاگا اور پچھلا دروازہ کھول دیا،
 جہان جو بھر بھری ریت کی مانند ہاتھوں سے پھسلتی ڈالے کو بانہوں میں اٹھا چکا تھا، سزا سب سے اسے
 گاڑی کی پچھلی سیٹ پہ لٹا رہا تھا، زینب اور جہان کے بیٹھے ہی معاذ نے گاڑی ایک جھٹکے سے آگے
 بڑھا دی تھی۔

”ای چلی گئیں شاہ!“ ڈالے پھر تڑپی، جہان نے اس کی سرد پرتی پیشانی چومی۔
 ”صبر میری جان! اللہ مغفرت فرمائے ان کی۔“

”میں..... میں بھی مر رہی ہوں شاہ!“ اس کی آواز جھٹکنے لگی، اس پہ فشی طاری ہو رہی تھی جیسے،
 زینب فشی چہرے کے ساتھ اس کے رخ بستہ ہاتھ سہلا رہی تھی، آیات پڑھ پڑھ کر اس پہ دم کر رہی
 تھی۔

”اسے کیا ہو رہا ہے ہے!“ وہ جیسے روڈی تھی۔

”ٹھیک ہو جائے گی انشاء اللہ۔“ جہان خود بولایا ہوا تھا، بھینکتی آواز میں بولا، گاڑی ہوا سے باتیں کرتی ڈاکٹر ناہید کے کلینک کے سامنے پارکنگ میں رک گئی، معاذ مجلت میں ہاہر آیا تھا۔

”تم بھابھی کو لے کر آؤ جے، میں ڈاکٹرز کو مطلع کرتا ہوں ہری اپ۔“ معاذ پلٹ کر اس کی جانب دیکھے بغیر تاکید کرتا دوڑتے قدموں سے ہاسپٹل میں داخل ہو گیا تھا، جس میں جہان نے ڈالے کو پھر سے بازوؤں میں سنبالا، تکلیف کی شدت میں اس کے حواس چھین کر لے گئی تھیں۔

”یہ..... یہ ایسے کیوں ہو گئی ہے جے، کچھ بھی بول کیوں نہیں رہی؟“ نرنس جہان کے تیز قدموں کا ساتھ دیتے تقریباً بھاگ رہی تھی، ڈالے کی حالت برداشت نہ کر سکی تو بے اختیار سسکی، کلینک کے مرکزی دروازے سے اندر قدم رکھتے ہی معاذ کی اطلاع کے باعث اسٹینچر تیار تھا، جہان نے جیسے ہی ڈالے کو اسٹینچر پہ لٹایا، میل نرسوں نے اسے اپنی تحویل میں لیا، نرنس معاذ اور نرنس آپریشن ٹیم کے باہر منظر بے کل کھڑے رہ گئے تھے۔

”وہ ٹھیک تو ہو جائے گی ناں؟“ نرنس باقاعدہ آنسو بہا رہی تھی۔

”انشاء اللہ! اسے ہماری دعائیں کچھ نہیں ہونے دیں گی۔“ جہان کے لہجے میں یقین کامل تھا، معاذ کچھ قاصد پہ کھڑا ڈالے کی دو ماہ قبل ہونے والی کرنیکل ڈیوری کے متعلق گھرنوں پہ اطلاع دینا دعا کی درخواست کے ساتھ صدمہ کرنے کی تاکید کر رہا تھا، پھر جیسے جیسے وقت گزرتا گیا ہاسپٹل میں شاہ ہاؤس کے کمین جمع ہوتے گئے اور اندر زندگی کی کشش میں جتا ڈالے ہر آن موت کی شکست دیتی بالآخر اس اذیت سے نجات حاصل کر گئی تھی۔

☆☆☆

”چھوٹے شاہ آگئے ہیں شاہ!“ جہان کمرے میں قدم رکھا تو ڈالے کی نقامت اور تکلیف کے احساس سے بوجھل سرخ آنکھیں لمحہ بھر کو مسکرائی تھیں، جہان نے اس کے بستر کے کنارے بٹک کر اس کے ہاتھ کو بہت ملامت سے پکڑا اور بوسہ ثبت کیا تھا۔

”ہاں الحمد للہ، اور دیکھو لو، تمہیں کچھ بھی نہیں ہوا خدا کے فضل سے بالکل ٹھیک ہو۔“ وہ کتنا مطمئن لگ رہا تھا، ڈالے نے بیسی آنکھوں سے اسے دیکھتی رہی۔

”مجھے ایسا ہی لگا تھا، جیسے اب نہیں دیکھ سکوں گی آپ کو۔“ اس کی آواز پہ نقامت کا غلبہ تھا، جہان کی مسکراہٹ گہری ہونے لگی۔

”بہادر خولڑکی، ابھی تمہیں ایسے بہت سے چھوٹے شاہوں کی ماں بننا ہے۔“ شریرا انداز میں کہتا وہ اس کا ناک دبا کر ہنسا، ڈالے ایک دم سرخ پڑنے لگی۔

”اووف..... اتنے خوفناک ارادے ہیں آپ کے؟“ وہ مصنوعی خوف سے کہہ رہی تھی۔

”خوف ناک نہیں، نیک کہو، دو شادیوں کا فائدہ بھی تو ہونا چاہیے کوئی، شاہ ہاؤس جہان کے بچوں سے بھر جانا چاہیے اور نرنس تو خود کہتی ہے شاہ میں آپ کے بہت سارے بچوں کی ماں بننا چاہتی ہوں۔“ جہان نرنس کے لہجے کی نقل اتار کر ہنسنے لگا، ڈالے جھینپ گئی تھی، تب ہی نرنس گلابی کبل میں لپٹے بچے کے ہمراہ چلی آئی، اس کے چہرے پہ تمناہٹ سی تھی، جہان کی آخری

جان سے بالخصوص اپنے ناروا سلوک کی معافی مانگی تھی۔

”کچھ کھاؤ گی ڈالے!“ جہان اسے لٹاتے ہوئے نرمی سے استفسار کر رہا تھا، اس نے مسکے ہوئے انداز میں سرکوفی میں ہلا دیا۔

”نہیں شاہ! بس آرام کرنا چاہتی ہوں، بہت تنگ کیا ہے آپ کے بیٹے نے دنیا میں آتے ہوئے، حد سے سوا ہے ممکن۔“ اس کے چہرے پر ہان بھری، مانتا سے لبریز مسکان اتر آئی تھی، جہان کھل کر مسکرایا، پھر جھک کر اس کی پیشانی چوم کر کھیل اس پر بچھ کر دیا۔

”ہاں، سو جاؤ، آرام ضروری ہے، اٹھو گی تو انشاء اللہ فریش ہو گی تم بالکل۔“ ڈالے نے مسکرا کر آنکھیں نمونڈ لی تھیں۔

☆☆☆

پھر بہت سارے دن بہت خاموشی سے بیٹھے چلے گئے، ڈالے بتدریج صحت مند ہو رہی تھی، نضب اس کا دل بل خیال رکھتی کسی ماں کی طرح، گویا وہ چھوٹی بچی ہو اور جس دن نضب نے قرآن پاک مکمل پڑھ کر نیلما کو ایصالِ ثواب کیا، ڈالے ممنونیت و تشکر کے اظہار کے طور پر اس کے ہاتھوں پر چہرہ جھکا کر روتی رہی تھی، جب بچے کے نام رکھنے کا مرحلہ آیا تو سب نے یہ حق ڈالے کو سونپا تھا، مگر ڈالے نے یہ مان نضب کو بخش دیا تھا۔

”یہ زینبی آپلی کا بیٹا ہے، اس کا نام بھی آپ ہی رکھیں گی زینبی آپلی!“ نضب اس مان اس محبت پر فخر کے احساس سے لبریز نم آنکھوں سے اسے دیکھتی رہی تھی، اگر وہ ڈالے کی اس کے بچے کی خدمت کر رہی تھی تو کیسے ممکن تھا ڈالے اس کا بدل اسے نہ لوٹاتی، وہ ڈالے تھی، دیا بولد کی مالک، نیا ضی میں نضب کو ہر بار پیچھے چھوڑ جانے والی۔

”ہاں..... یہ میرا بیٹا ہے، میں اس کا نام ایزد رکھوں گی، ایزد جہان۔“ وہ مسکراتے ہوئے کہہ کر تائیدی نظروں سے سب کو دیکھنے لگی تھی اور ڈالے نے اس نام پر تصدیق کی مہر ثبت کر دی تھی۔

گزرے وقت نے ڈالے کو نیلما کے غم سے نکلنے میں مدد دی تھی، خدا کا وعدہ ہے وہ جو زخم لگانا ہے انہیں خود ہی مندمل بھی کیا کرتا ہے، ڈالے جہان کے علاوہ مجاؤ اور نضب کے بھی بڑے پن اور اعلیٰ طہرنی کی قائل ہو گئی تھی، یہ لوگ واقعی اس مفاد پرست دنیا میں فرشتوں کی طرح بے غرض بے ریا تھے۔

”ڈالے دودھ کا گلاس انہی تک ویسے ہی کیوں پڑا ہوا ہے؟“ نضب کی خفا خفا آواز پر وہ اداسی کے گھیرے سے نکل کر ایسے دیکھنے لگی، جس کی نگاہ میں خود سے برتی جانے والی لا پرواہی پر شکوہ تھا، آدھا گھنٹہ قبل وہ اسے دودھ دے کر گئی تھی، جو یونہی رکھا تھا۔

”زینبی آپلی پلیز خود کو اتنا نہ تھکایا کریں، آپ کو ان دنوں آرام کی بھی ضرورت ہے۔“ اسے اپنے سوا سب کی فکر رہتی تھی، نضب کی خاص کر، جو اس پہ دل و جان لٹانے کے درپے رہا کرتی تھی۔

”آپریشن کے بعد سب سے اہم احتیاط اور خوراک ہی ہوا کرتی ہے پھر میرا خیال تو ہمارے صاحب بہادر بھی رکھ لیتے ہیں، البتہ تمہاری حد سے زیادہ نرمی کی وجہ سے میں ان سے ذرا مشکوک

ہی رہتی ہوں۔“ زینب نے اسی بل باتھ لے کر باہر آتے جہان کو دیکھ کر آخری فقرہ دانستہ چھینر نے
 کو کہا تھا، جہان مصنوعی شکل سے اسے دیکھتا قریب آ گیا۔
 ”کیوں میری معصوم بھولی بیوی کو میرے خلاف درغلز رہی ہو چالاک لڑکی۔“ زینب نے برا
 سامنہ بنائیا۔

”وہ کہاں بدگمان ہوتی ہے میری کوشش کے باوجود بھی، آپ نے بوٹی ہی ایسی سنگھائی ہوئی
 ہے۔“ پھر صرف زینب نہیں ہنسی تھی، جہان اور ڈالے بھی اس ہنسی میں شامل تھے، اس سے ٹھیک
 ایک چھتے بعد جب شام کو زینب جہان کے ہمراہ منتقلی چیک اپ کو جا رہی تھی، تو ڈالے نے خود اس
 کی مثال پر لیس کر کے دی تھی کہ نیچے جہان نے ٹبلت پجار کی تھی، وہ آنس چھوڑ کر آیا تھا، بھابھی
 اسے بلائے آئی تو اس یگانگت پہ مسکرا دی تھیں اور بے ساختہ دعا سے نوازا تھا۔
 ”خدا تم دونوں کا یہ رشتہ دو اتفاق یونہی قائم دائم رکھے آمین۔“
 ”خدا آپ کی زبان مبارک کرے۔“ زینب کھلکھلائی تھی، جبکہ ڈالے نے ہلکی مسکراہٹ کے
 ساتھ ”آمین“ کہا تھا۔

زینب بھاگم بھاگ آ کر گاڑی میں بیٹھی تو ممانے آیت الکرسی پڑھ کر دونوں پہ دم کیا تھا، موسم
 سرد تو تھا ہی بادلوں کے باعث یہ سردی تکلیف دہ حد تک بڑھ گئی تھی، زینب نے ہینر کی رفتار تیز کی
 تھی، گول گیوں کے اسٹال پہ آ کر جہان نے بے اختیار بے یک لگادی اور شہرہ نظروں سے زینب کا
 گلابی ہوتا چہرہ جھانپا۔

”اگر میں وہی جسارت کروں تو تم سابقہ گستاخی تو نہیں دہراؤ گی؟“ اور زینب اتنا چھینپی تھی
 کہ اس کے کانہ سے پہ مکادے مارا تھا۔

”یار آپس کی بات ہے، اب تمہارا کچھ کھانے کو دل کیوں نہیں کرتا؟“ اس کے کسی قدر جھنجھلا
 کر کیے سوال پہ زینب کی کھٹک دار ہنسی گاڑی کی فضا میں بکھر گئی تھی۔

”وہ ساری بے نیکی حرکتیں کسی روڈ بے نیاز اور لاطلق بندے کو کس طرح سہی مگر اپنی خاموشی
 توڑنے کو اکتانے کے حے تھے اینڈ دیش آل، اب کوئی خواہش کیسے اٹھائے ہے، وجود میں روح
 میں نعمتوں کی فراوانی ہے، شکر کا شانتی کا احساں گہرا ہے۔“ وہ مسکرا رہی تھی اور جہان خاموش اسے
 دیکھتا رہ گیا تھا، مگر کلینک سے واپسی پہ جب اچانک غیر متوقع طور پہ اپنی گاڑی کی جانب آتے
 زینب کی نگاہ کچھ فاصلے پہ موجود تیمور پہ جا پڑی تھی، جو اسی پہ نظریں گاڑھے کھڑا تھا تو اس کا سارا
 اطمینان گھبراہٹ میں بدل گیا تھا، اس کی شدید پریشانی اس کے قدموں کی لڑکھراہٹ سے آشکار
 ہو گئی تھی، یہی نگاہ میں تو وہ اسے پہچان بھی نہ سکی تھی، یہ وہ سابقہ اکشر مغرور شاہانہ مزاج تیمور خان تو
 نہیں تھا، یہ تو کوئی جوگی تھا، یا پھر کوئی سواالی، جو کاسہ پھیلانے آس بھری درد بھری نظروں سے اسے
 دیکھتا تھا، اس کی حالت صحیح معنوں میں کسی جواری کے جیسی تھی، جو اپنی کل متاع گنوا بیٹھا ہو، اس
 کے باوجود زینب اس سے خائف ہو گئی تھی تو وجہ اس کا سابقہ وحشیانہ سلوک ہی تھا، اس کی نگاہ کی
 لپک سے بچنے کی غرض سے ہی وہ بے اختیار جہان کے وجود میں پناہ لینا چاہتی تھی، جہان جو اس
 ساری صورتحال سے یکسر بے خبر اپنے دھیان میں تھا، بے ساختہ چونک کر متوجہ ہوا، زینب کی

نظروں کے متوحش تھا تب میں تیمور کو دیکھتے اس کے چہرے پہ آن کی آن میں برہمی خشونت اور کڑخی کے ساتھ قہر کے تاثرات سمٹ آئے، اس نے اپنا بازو زینب کے وجود کے گرد پھیلا یا تھا اور اسے یونہی استحقاق آمیز انداز میں تھامے مضبوط قدموں سے چلتا ہوا گاڑی کی جانب بڑھ گیا، تیمور کے چہرے پہ پھیلنے والا بے مائگی اور نارسائی کا کرب کون دیکھ سکتا تھا، اس نے جانا تھا، اسی بل تو جانا تھا آگہی کے لمحے میں کہ پہلے بھی اللہ کی رضا کے بعد، اگر جہان کی مرضی ہوئی تو ہی زینب اسے مل سکتی تھی، کہ پہلے بھی اللہ کی رضا کے بعد جہان کے چاہنے پہ ہی وہ زینب کو پاس کا تھا، پھر..... اب..... اب اسے لگا تھا، جیسے اللہ کی مرضی تھی نہ جہان کی، حالانکہ اس نے تو اپنے تئیں بہت جہال سمجھتے تھے، مگر جب رب اپنے بندوں سے راضی ہو جاتا ہے، تو ان کی مرضی کی پسند کے مطابق فیصلے کر کے انہیں نوازتا ہے، ہی زینب و جہان کا ملاپ بھی رب کی رضا کا مرضی کا واضح اشارہ تھا، بارش بے آواز آسمان سے اترتی تھی اور وہ بھیگتا جا رہا تھا، زیاں کے احساس کے ساتھ گھلتا جا رہا تھا، ختم ہوتا جا رہا تھا۔

مگر بھیگنے بھیگنے میں بھی غرق تھا، بھیگے تو زینب اور جہان بھی تھے، مگر وہ رب کی خاطر من کو مارنے والے تھے، اس کے راستوں پہ چلنے کا عہد رکھنے والے تھے، یہ بھیگنا رحمت کا بھیگنا تھا، بارش نے رحمت بن کر نہیں سیراب کیا تھا، جیسی دونوں سرشار تھے، جہان کا لہسن اس کا استحقاق، زینب کو خدا کی طرف سے ملنے والا تحفظ لگتا تھا، وہ پھر سے نارمل تھی، پھر سے مضبوط۔

گاڑی میں بیٹھنے کے بعد جہان نے دروازہ بند کیا تھا، پھر اپنی جیکٹ اتار کر اسے پہنا دی اور یہیں پہ اکٹفا نہیں کیا تھا، جیکٹ کا زپ بھی اپنے ہاتھوں سے بند کیا تھا تو ماضی کی برسات کی ایسی یاد میں سلگ اٹھنے والا زینب کا دل ہر نفسی ہر خوش منا گیا، ملے ہوا تھا اس پدب کا احسان بھر پور تھا،

ابن انشاء کی کتابیں

طنز و مزاح سفر نامے

- اردو کی آخری کتاب،
- آوارہ گرد کی ڈائری،
- دنیا گول ہے،
- این اٹھوٹہ کے تعاقب میں،
- جلتے ہو تو چین کو چلئے،
- گھری گھری پھر مسافر،

شعری مجموعے

- چاند نگر
- اس بستی کے اک کوچے میں
- دل و جش

لاہور اکیڈمی

۲۰۵ سرگڑ روڈ لاہور۔

اگر وہ نہیں بھولی تھی کچھ بھی تو جہان بھی لمحہ لمحہ سنبھالے ہوئے تھا، قیمتی متاع کی مانند، خوشگوار دھڑکنوں سے لبریز احساسات کے ہمراہ اس نے کچھ کہے بغیر اپنے دونوں پنج بستہ ہاتھوں میں جہان کا چہرہ تمام لیا، پھر اس کی آنکھوں میں جھانک کر شرارتی تبسم سمیت بولی تھی۔

”ہانگاہ، میں کتنی سرد ہو رہی ہوں۔“ وہ کھلکھلائی تھی۔

”بالکل اس دن جتنی۔“ جہان جو ابابے ساختہ بولا تھا، پھر دونوں ہنسنے لگے۔

تم اپنے سرد ہاتھوں سے میرے گال چھوٹی تھیں
دبہر میں مجھے تیری شرارت یاد آتی تھی

وہ گنٹلنایا تو زنب نے سرشار ہوتے ہوئے اس کے گلے میں بازو حائل کر دیا تھا اور سر اس کے کاندھے سے ٹیک دیا، سکون کا طمانیت کا محبت کا یہ انداز بہت دل پذیر تھا، مگر وہ زیادہ دیر اس سے لطف نہیں اٹھا سکے تھے، بائیک پہ سوار دونو جوان بہت دور سے یہ منظر دیکھ رہے تھے، برقی رقماری سے پاس سے گزرتے انہوں نے شوخ سیٹی بجائی تھی، زنب ا یکدم کھسیا کر جھکے سے سیدھی ہوئی، جہان اس کی خفت و مخالفت سے سرخ پڑتی رنگت کو دیکھ کر ہنسنے لگا۔

”کم آن یار! وہ جا چکے ہیں۔“ جہان نے گویا اسے شرمندگی سے نکالنا چاہا، مگر وہ الٹا اسے گھورنے لگی تھی۔

”آپ مجھے بتا سکتے تھے، آج ہماری گاڑی کے گلاسز ڈارک نہیں ہیں۔“ وہ خفت مٹانے کو اس پہ چڑھائی کر چکی تھی، جہان کی ہنسی میں مزید اضافہ ہونے لگا۔

”یار مجھے ہرگز اندازہ نہیں تھا واپسی تک تمہارا موڈ ایسا رو میٹک بھی ہو سکتا ہے ورنہ لازماً ایسا اہتمام رکھتا۔“ اس کے لہجے میں شرارت ہی شرارت تھی، زنب اتنا چھینپی کہ حد نہیں، ایک بار پھر اسے گھونے مار کر خفت مٹانے کی سعی کرتی رہی۔

”او..... ہیلو مسٹر..... روٹینس کا آغاز کس نے کیا تھا؟“ وہ روہانسی ہو رہی تھی، جہان نے مسکراہٹ ضبط کی اور اس کے کاندھے پہ اپنا بازو پھیلا لیا۔

”آف کورس میں نے اور میں وہیں سے کلٹی نیو کر رہا ہوں۔“ اس کا بھاری لہجہ جذبات سے بوجھل ہونے لگا، آواز میں مدھ بھری ہوئی تھی، زنب گڑبڑا گئی، سرعت سے اس کا بازو ہٹایا۔

”شرافت سے ڈرائیو کریں، ہارش تیز ہو رہی ہے۔“ زنب نے اس کی توجہ خراب تر ہوتے موسم پہ دلائی تھی، جہان سرد آہ بھرتا سیدھا ہو گیا اور گاڑی اسٹارٹ کی۔

”گھر چل کر بات کرتے ہیں۔“ اس نے اپنے تئیں زنب کو دھمکی دی تھی، مگر وہ ہرگز خانقاہ نہیں لگ رہی تھی، محبت پاش نظروں سے کچھ دیر اسے دیکھتی رہی، پھر سر سیٹ سے نکا کر آنکھیں موند لی تھیں، زندگی خوب صورت تھی اور مکمل بھی اور وہ اپنے رب کی شکر گزار تھی، بے حد بے پناہ، بلاشبہ یہ اسی کی کرم نوازی تھی، کہ وہ لحاظ سے مکمل تھی، آسودہ تھی۔

رب کی ایک رحمت باہر برس رہی تھی، ایک اس کے پاس تھی، اس کے جہان کی صورت اس کے مکمل سکون اور آسودگی کا باعث، اب واقعی اس کی زندگی اس کا جہان مکمل تھا۔

☆☆☆

میرے کچھ کہنا

۴۴۱

ڈیئر قارئین، نوزیہ آبی، اللہ سے دعا ہے، اللہ پاک ہمیشہ آپ پہ مہربان ہو۔ تم آخری جزیرہ ہو، بالآخر اپنے اختتام کو پہنچا، میں سب سے زیادہ اپنے رب رحمن کی شکر گزار ہوں، میرے مالک کا الحمد للہ مجھ پہ خاص کرم رہا اور پھر نوزیہ آبی کی بھی کہ ان کا تعاون میرے ساتھ رہا، جزاک اللہ آبی جی۔

قارئین کرام! آپ کو یاد ہوگا، اس ناول کے آغاز پہ بھی میں آپ سے مخاطب ہوئی تھی اور کچھ باتیں بھی کہی تھیں، جنہیں کچھ مہربانوں نے غلط پیرائے میں لے لیا تھا، حالانکہ مجھے جیسی خاکسار گنہگار پر اللہ کا خصوصی کرم رہا کہ بھی دعویٰ کیا نہ تکبر، اللہ کا احسان ہے کہ مجھے ان دونوں کاموں سے بچائے رکھا آگے بھی اللہ ہمیشہ محفوظ رکھے آمین۔

اک بات کہی تھی تب میں نے کہ یہ ناول ”میرے ساحر سے کہو“ سے کہیں زیادہ اچھا ہے، یہ ایک رائے تھی، ایک خیال تھا، اور بس جس کا میں سمجھتی ہوں مجھے اس کی خالق ہونے کے ناطے پورا حق حاصل تھا، دعویٰ تھا نہ تکبر انہ کلمہ، اللہ شاہد ہے اس بات کا، لیکن برابان لیا گیا، غلط سمجھ لیا گیا، اب میں اس بات کے حوالے سے صرف اتنا کہوں گی، کہ تب اللہ نے اگر میرے منہ سے یہ بات نکالی تھی، تو اللہ نے ہی اس بات کو ثابت بھی کر کے دکھا دیا، یہ ناول ”میرے ساحر سے کہو“ سے ہر لحاظ سے اچھا، بہترین اور شاندار ثابت ہو چکا، الحمد للہ۔

اس بات کی گواہی آپ سب کی اس میں انوالومنٹ آپ کی حد سے زیادہ جذباتی وابستگی خود واضح کر چکی، میں ان اپنے پیارے قارئین کی مشکور ہوں جنہوں نے اسے پڑھا پسند کیا اور سراہا اور اپنی سوچ مسلط نہیں کی، اس خیال سے پڑھا کہ میں نے اگر خائف موڑ دیئے کہانی کو تو اس کی وجہ بھی ضروری اہم اور خاص ٹھہری ہوگی۔

یہاں مجھے بات ان قارئین سے کرنی ہے، جو اس ناول میں اس حد تک انوالو ہو گئے تھے اور ڈالے سے اتنی محبت کرنے لگ گئے تھے کہ انہیں اسی باعث زینب سے نفرت ہو گئی تھی، اتنی نفرت..... الاماں الاماں۔

ایک وقت ایسا آیا تھا، ان کی آہ و بکا اور اشتعال کو دیکھتے کہ میں بھی گھبرا گئی تھی، پریشان ہو گئی تھی، کہ میرے قلم نے اتنے دل دکھا دیئے، اتنا تکلیف میں مبتلا کر دیا لوگوں کو۔ پیارے قارئین! مجھے بھی آپ کی شدت پسندی یہ انتہا پسندی پہ غصہ نہیں آیا، اس کے باوجود کہ آپ ڈالے کی محبت میں زینب کو رگیدتے رگیدتے مجھے بھی لپیٹ میں لے جاتے تھے، میں سمجھ سکتی تھی، یہ بھی آپ کی محبت ہے، محبت تو ویسے بھی اندھی ہوتی ہے، کچھ دکھائی نہیں دینے دیتی، جب اختیار نہیں تو ملامت کیسی، ملامت تو اختیاری فعل پہ لازم ہے نا، ہاں مجھے افسوس ہونا رہا، ملال ہونا رہا، رنج ہونا رہا۔

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ہیں :-

- ✦ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✦ ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ✦ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ✦ ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور ریڈیو ایبل لنک
- ✦ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پر یو ہر پوسٹ کے ساتھ
- ✦ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ✦ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریج
- ✦ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ✦ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ✦ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں
- ✦ پیریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- ✦ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریج
- ✦ ایڈ فری لنکس، لنکس کو ایسے کمانے کے لئے شرک نہیں کیا جاتا

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

← ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

← ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library for Pakistan



Like us on
Facebook

fb.com/paksociety



twitter.com/paksociety1

مجھے اکثر یہ لگا، میں ناکام ٹھہری ہوں، میرا فلم ناکام ہو گیا ہے، میرا مقصد اصلاح تھا، جیسی اتنا حساس موضوع اٹھایا تھا، اب یہاں مجھے کچھ سوال آپ کے سامنے رکھتے ہیں، خدا راسخی سے جواب سوچئے گا، مختلاش رکھتے ہوئے فیصلے کیجئے گا اب، میں آپ سے صرف یہ کہوں گی، ہمارے ارد گرد نظر دوڑا لیجئے، آپ کو سیکھ کم اور دکھ زیادہ نظر آئیں گے، انجی میں ایک ایسے طلاق کی بڑھتی ہوئی شرح کا ایسہ ہے، عمومی باتوں پہ بھگڑا اور پھر طلاق کا ہو جانا ایک عام واقعہ بن گیا ہے، کس لئے، کیسے؟ ان سوالوں سے اچھے بغیر ہم ایک اور نقطہ سوچیں، پرانے دنوں میں ایک سے زائد شادیاں عار نہ تھیں، نہ مشکل نہ محال جیسے اب بن چکی یا بنا دی گئیں، اس کی وجہ خود غرضی اور بے رحمی کا بہت زیادہ بڑھ جانا ہی ہے، جس سے چالیس سال کے درمیان طلاق یافتہ خواتین کا سر کا سراہ اور گھر چھن جانا بہت بڑا ذہنی جسمانی نقصان سے بلاشبہ اس نازک دور میں جبکہ بے راہ روی کا گراف اونچا اور صبر و استقامت نیکی و بھلائی کا فقدان ہے، خود کو عزت کو نفس کو بچا کے رکھنا اتنا تیز ہو چکا ہے، انجی ایسوں میں ایک ایسہ جو کہ بہت تلخ سفاک یا ایک حقیقت، طلاق یافتہ بیوہ خواتین کا بے راہ روی کا شکار ہونا شامل ہے، ہم بہت آسانی سے بہت سہولت سے صرف ایسی خواتین کو مورد الزام ٹھہرا کر خود پہ پارسائی کا ٹیگ لگاتے ہوئے بری ذمہ ہو جاتے ہیں، حالانکہ ہم بری ذمہ نہیں ہو سکتے، ہمارا مذہب ہمارا خدا بیوہ طلاق یافتہ پہ پھر نئے دوسری شادی کی پابندی عائد نہیں کرتا، مگر ہمارا معاشرہ ضرور کر رہا ہے، کوئی بھی عورت اپنا شوہر تقسیم کرنے پہ راضی نہیں، یا شاید اس کی ایک اور بد صورت وجہ یہ ہے کہ اسی صورت حال میں بعد میں آنے والی شوہر سمیت ہر چیز پر قبضہ جما کر پہلی یعنی قربانی دینے والی کو فائزے کی مانند کرنے میں پھینک دیتی ہے، بات بھر محوم پھر کے ردیے کی شدت پہ آگئی۔

سفاکی و خود غرضی پہ آگئی، اس سے اجتناب اور کنارہ کرنے کی ضرورت ہے، اعتدال اور انصاف کے ساتھ خود احتسابی کی شدید ضرورت ہے، تم آخری جزیرہ ہو، ہرگز خاص کہانی نہیں تھی، مگر ان پوائنٹس نے اسے خاص بنا دیا، میں نے یہاں قربانی اعتدال اور خود احتسابی کا درس دینے کی اپنی سی کوشش کی، طلالہ کے متعلق غلط سوچ جو پھیل چکی اسے درست کرنے کی کوشش کی، ہائی ہدایت دینا تو بلاشبہ رب کا کام ہے، مگر یہاں مقام افسوس اور باعث رنج یہ بات تھی کہ میری اس ترغیب میرے اس خیال کو سختی سے رد کر دیا گیا، دکھ اس بات کا بھی بہت ہے کہ ہم کس سمت جا رہے ہیں؟ کتنے گمراہ ہو چکے ہیں، کہ اس ایک اہم بات کو اپنی زندگی سے اپنے دل و دماغ سے اتنا خارج کر ڈالا کہ اسے کہانی میں بھی قبول نہیں کر سکتے، جبکہ ضرورت تو اس امر کی ہے کہ ہم اپنی زندگیوں میں اپلائی کریں، چار روزہ زندگی میں عین ممکن ہے ہمارا کوئی ایسا عمل ہی راہ نجات کا باعث ٹھہر جائے۔

میں آپ سے معافی کی خواستگار ہوں کہ میری تحریر کی وجہ سے آپ کے دل دکھے، آخر میں اتنا کہوں گی کہ میں تو ایسا ہی سمجھتی ہوں، لکھنا چاہتی ہوں، اس کے باوجود کہ کوئی قبول کرے نہ کرے۔

اب آخری بات ان مہربان سے جنہوں نے میری اس بات کا برا مانا تھا، کہ میں کل از وقت کیسے یہ کہہ سکتی ہوں کہ یہ ناول ”میرے ساتر سے کہو“ سے زیادہ اچھا ہے۔

معذرت آپ سے تھی، اگر آپ کو یہ میری بات بری لگی، لیکن میں اپنی بات پہ ابھی بھی قائم ہوں اور اپنی خامیوں خوبیوں سے الحمد للہ آگاہ ہوں اور اللہ پہ پورے بھروسے مان اور یقین کے ساتھ یہ کہتی ہوں۔

اجازت اس دعا کے ساتھ کہ رب میرے والدین پہ بہنوں بھائی ان کے بچوں پہ تمام مسلمانوں پہ مہربان ہو، انہیں ہمیشہ سلامت رکھے آمین۔